بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمد مختار ہیں

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۳۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد: ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء ۲ جنوری ۱۹۸۰ء عیسوی | شمارہ: (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اللہ تعالیٰ کے بے پایاں افضال اور احسان سے ہمارا پینسٹھواں سالانہ جلسہ بڑی کامیابی اور خیر و خوبی سے انجام پذیر ہوا۔ فالحمد للّٰہ علےٰ ذالک۔ اس مرتبہ حاضری گذشتہ سالوں سے کم تھی جس کی بڑی وجہ ذرائع سفر کی سہولتیں کم ہونے اور کرایہ میں اضافہ اور دیگر مشکلات ہیں لیکن احباب و خواتین کا جوش و خلوص اور جذبۂ ایثار پہلے سے کہیں بڑھ کر تھا۔

ہر سال جلسہ سالانہ پر مالی قربانی کے لئے قوم سے اپیل کی جاتی ہے اور احباب و خواتین بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے ہیں اور ان کا قدم اللہ تعالیٰ کے فضل سے آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے۔ اور یہی جماعت کی زندگی کی علامت ہے۔

۱۹۷۶ء کے جلسہ سالانہ میں ایک لاکھ روپے کی اپیل کی گئی تھی۔ جس کے جواب میں جمع شدہ رقم کی میزان اکانوے ہزار/۹۱۰۰۰ روپے ہوئی تھی۔ ۱۹۷۷ء میں کل میزان نقد اور وعدہ جات ایک لاکھ تیئس ہزار/۱۲۳۰۰۰ روپے تھی جس میں سے ایک لاکھ سترہ ہزار/۱۱۷۰۰۰ روپے کی رقم وصول ہوئی۔ سال گذشتہ یعنی ۱۹۷۸ء میں کل میزان نقد اور وعدہ جات ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اور سال رواں کے جلسہ میں کل میزان/۱۹۸۰۲۵۳ روپے ہوئی ہے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک

چندہ کی اپیل دو روز ہوئی اور کئی دوستوں نے دوسرے روز اپنی رقم کو دوگنا کر دیا اور بعض نے اپنے مرحوم والدین کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے الگ عطیہ جات پیش کئے جو ایک نہایت قابلِ قدر جذبہ ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

جلسہ سالانہ کی کامیابی میں ہماری محترم بہنوں کا حصہ نمایاں اور گراں قدر ہے۔ ان کے کامیاب جلسۂ خواتین کے علاوہ ان کی مختلف النوع خدمات، نمائش دستکاری اور فراہمی چندہ میں نمونۂ ایثار بہت قابلِ قدر ہے۔ سال گذشتہ خواتین کے چندہ کی کل میزان/۵۲۴۱۹ روپے تھی اور امسال یہ رقم ساٹھ ہزار روپے کے قریب یعنی/۵۹۹۱۱ روپے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔ آمین!

امسال بھی جلسہ میں شمولیت کے لئے بیرونی ممالک سے چند مخلص احباب و خواتین تشریف لائے جن میں امریکہ سے تین احباب، انگلستان سے دو ممبران مجلس منتظمہ جماعت لندن، ہالینڈ سے ایک نمائندہ اور ہندوستان سے چار مخلصین کی تشریف آوری قابلِ ذکر ہے۔

31-8-79

تمام احبابِ جماعت، خواتین و حضرات اور بچوں کو نیا سال مبارک ہو!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس نئے سال میں ہمارے جذبۂ خدمت اور قوتِ عمل میں مزید ترقی ہو اور ہمارا قدم ابد آگے بڑھے۔ والسلام خاکسار (مرزا) مسعود بیگ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ۔ لاہور

جناب مرزا عبدالرحمن بیگ صاحب کی زیر صدارت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمبی کی تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوا۔ چوہدری حیات محمد صاحب نے نظم میں عقیدت مسیح موعود کا اظہار کیا۔

جناب پروفیسر سعید احمد صاحب نے ملفوظات پڑھ کر سنائے۔

حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے تمام آنے والوں کو مبارک باد کہی اور ان کے اس للہی سفر میں تکالیف برداشت کرنے پر خدا کے فضل اور رحمت کے نزول کی دعا فرمائی۔ مولانا مرزا عبداللطیف صاحب شاہد نے بعثت مجددین پر قرآن پاک اور احادیث رسول صلعم کی تائید سے سیر حاصل بحث فرمائی۔ آپ نے کہا کہ خدا نے قرآن پاک کی حفاظت کے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے ظاہری اور معنوی حفاظت کے لئے مجددین مبعوث کئے۔ آپ نے گذشتہ ۱۳ صدیوں کے مجددین کے ناموں کا ذکر کرتے ہوئے واضح کیا کہ وہ اپنے وقت میں مجدد دین تھے اور ان سب نے واضح الفاظ میں اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا۔ آپ نے اس خیال کو غلط ثابت کیا کہ کوئی صاحب علم خود بخود مجدد کی حیثیت سے متعارف ہوتا ہے اور لوگ اس کو مرنے کے بعد مجدد کا خطاب دیتے ہیں۔ باطل خیال ثابت کیا۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد زماں علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا اور دین کی حفاظت ہر رنگ میں فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ مجدد مزاج نبوت کے قریب ہوتا ہے اس لئے وہ محی سنت اور قامع بدعت ہوتا ہے۔ امام وقت نے مخالفین اسلام کے جملہ معترضین کے اعتراضات کا جواب دیا اور اسلام کو تمام مذاہب پر غالب کر دکھایا۔

جناب مرزا مسعود بیگ صاحب نے امام مہدی کے ظہور کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ آپ نے بتایا کہ ۱۳۰۰ھ ہجری میں علماء اور دانشور ظہور مہدی کے منتظر اور طالب تھے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے ۱۳۰۸ھ ہجری میں مجدد ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۳۰۹ھ ہجری میں مہدیت کا دعویٰ کیا۔ اور آپ نے یہ دعویٰ خدا کے حکم سے کیا۔ اس سے پہلے مولانا عبدالحیٔ لکھنوی اور نواب صدیق حسن خاں صاحب کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ شاید وہ مہدی ہیں لیکن وہ ۱۲۹۴ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ آپ نے مختلف احادیث کو تطبیق دے کر اقوال رسول صلعم کی تصدیق کی ہے۔ ورنہ شیعہ حضرات کے نزدیک آنے والا مہدی امام غائب ہے اور وہ کسی وقت ظاہر ہوگا۔ اور اہل سنت کے نزدیک مہدی اور عیسےٰ مل کر اہل کفر کو ہلاک و تباہ کر دیں گے اور نزول مسیح کے وقت حضرت مہدی کا ظہور ہوگا۔ یہ سب دعاوی مختلف احادیث کی بناء پر نظریہ قائم کیا گیا تھا۔ جو آپس میں مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ حضرت امام وقت نے بتایا کہ مہدی و عیسےٰ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔ آپ نے ظہور مہدی کا چاند گرہن اور سورج گرہن ہونا آسمانی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ یہ صرف حضرت مرزا صاحب کے ظہور کے وقت ہی ہوا۔ مختلف اہل اللہ مثلاً سائیں گلاب شاہ مرحوم۔ صاحب العلم سندھ۔ کوٹھے والے پیر صاحب، بزرگ جو صاحب حال تھے بتایا کہ انہوں نے بھی حضور کے ظہور کی ... میں تصدیق کیا۔

جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے "احیائے اسلام اور تحقیق جدیدہ" کے عنوان سے سائنسی تحقیقات کے حوالے سے بتایا کہ موجودہ سائنسی تحقیقات نے اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض کو ثابت کر دیا ہے کہ ہر ذرہ کے اندر نور روشنی اور قوت موجود ہے۔ یحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیۃ ہ کی وضاحت سائنس نے یوں کی ہے۔ کہ پروٹان۔ نیوٹران۔ الیکٹرون اور نیوٹیورونیم اور ان کے تحت چار قوتیں یعنی کشش ثقل۔ برقی مقناطیسی قوت۔ ذرہ کی کمزور قوت اور ذرہ کی قوی قوت، یہ آٹھ قوتیں ہی جملہ کائنات کو سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ سائنس نے منفی اور مثبت کا تصور پیش کیا ہے۔ اور خدا نے خلقنا زوجین سے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ موجودہ علمی اور سائنسی تحقیقات خواہ کتنی ہی اہم ہوں وہ قرآن حکیم کے سامنے سرخم کریں گی۔ اس لئے انسانی فلاح کا راستہ صرف اسلام میں ہے۔

دوسرا اجلاس: زیر صدارت جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب پشاور، مولوی شفقت رسول خاں کی تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوا۔ جناب ڈاکٹر اصغر حمید صاحب نے ملفوظات حضرت مسیح موعود پڑھ کر سنائے۔ جناب عبدالرزاق صاحب (انڈیا) نے ہندوستان میں احمدیت کی تبلیغ کی مساعی کا ذکر کیا۔ آپ نے ہندوستان میں عیسائیوں کی یلغار کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہاں برناگا قوم کے ۹۰٪ افراد کو عیسائیت میں مدغم کر لیا گیا ہے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی تمام قوموں کے لئے مصلح اور مجدد ہیں اس لئے ہمیں پورے طور پر ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا کام کرنے کی ضرورت ہے۔ وہاں ہندو، سکھ اور مسلمان آپس میں مذہبی تبادلہ خیال کرتے رہتے ہیں اس لئے وہاں لٹریچر کی سخت ضرورت ہے۔ میثاق النبیین وغیرہ کتب وہاں شائع کی گئی ہیں تاکہ لوگوں تک صحیح علم پہنچ سکے۔ وہاں چار آدمیوں نے بیعت بھی کی ہے۔ کشمیر میں بھی ایک فعال جماعت کام کر رہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں جماعت یقیناً کامیابی حاصل کرے گی۔

جناب چوہدری شکر اللہ خاں صاحب منصور نے اس عنوان کو کہ "حضرت مرزا صاحبؑ نے بتدریج دعویٰ نبوت کیا" غلط قرار دیا اور کہا کہ عنوان یوں ہونا چاہیئے تھا کہ "حضرت مرزا صاحبؑ کے دعوے ماموریت اللہ کا انکار محال عقلی ہے"۔ بہرحال آپ نے بتایا کہ آپؑ نے کبھی بھی دعویٰ نبوت نہیں کیا بلکہ دعوےٰ نبوت سے ہمیشہ انکار کیا۔ براہین احمدیہ میں خدا کے حکم سے مامور من اللہ ہونے کا دعوےٰ کیا اور مجدد۔ مہدی اور مسیح موعود کے دعاوی کی حیثیت مامور من اللہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کی مفصل تقریر موصول ہونے پر ہدیہ قارئین کرام ہوگی۔

آخر میں جناب شیخ نثار احمد صاحب نے فلسفہ دعا پر ایک حکیمانہ اور تسکین بخش لیکچر دیا۔ آپ نے بتایا کہ انسان کا مقصد پیدائش عبادت ہے۔ عبادت میں دعا ہی تعلق باللہ کے لئے ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ انسان جب حالت اضطراب و بے قراری میں خدا کے حضور گرتا اور اظہار عجز کرتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ مگر قبولیت دعا کے لئے خدا تعالیٰ کی ہستی پر پختہ ایمان ہونا ضروری ہے۔ یہ مکمل تقریر آئندہ شمارہ میں شائع کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

* * * * * * * * *

ہفت روزہ — پیغام صلح — لاہور
مؤرخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء — تا — ۲ جنوری ۱۹۸۰ء

ہمارا جلسہ سالانہ ۷۹ء

"نعم المولیٰ ونعم النصیر"

"اگر تم اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کا احاطہ نہیں کر سکو گے۔"

ہمارے خیال میں اللہ تعالےٰ کی ان گوناگوں اور لاتعداد نعمتوں میں سے ایک نعمت ہمارا جلسہ سالانہ بھی ہے۔ جس کی بنیاد امام زماں اور مجدد وقتؑ نے ۱۸۹۱ء میں رکھی اور پہلا جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر تا ۲۹ دسمبر تک ۱۸۹۱ء کو قادیان میں منعقد ہوا جس میں کل ۷۵ بزرگ شامل ہوئے۔

ہمیں اس بار یہ محسوس ہوا کہ معاشی اور دیگر مجبوریوں کی وجہ سے اس دفعہ جلسہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد گذشتہ سالوں کی نسبت کچھ کم تھی۔ لیکن اس کے باوجود جب ہم نے سینکڑوں بزرگوں، بھائیوں، بہنوں اور بچوں کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دیکھا تو ہمارا دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گیا اور اس یقین اور اعتماد سے بھر گیا کہ حضرت مسیح وقتؑ کی اپنی جماعت کے لئے ترقی اور برکت کی دعائیں بارگاہِ ایزدی میں قبولیت کا شرف پا گئی ہیں اور ابھی خدا کے ہاتھوں سے لگائے ہوئے اس "شجر طیبہ" کی آفاق میں پھیلی ہوئی شاخیں آسمانی بارش کے فیض سے ثمر ور ہو کر عالم اسلام اور غیر اسلامی دنیا کو حیاتِ نو بخشنے والی ہیں۔

گذشتہ پانچ سالوں کے واقعات پر جن میں سے اس قلیل جماعت کو گذرنا پڑا جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا رُواں رُواں اس نور یقین سے بھر جاتا ہے کہ:۔ ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اور حضرت مجدد وقتؑ کا یہ شعر رہ رہ کر یاد آتا ہے کہ:۔ ؎

تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم
اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احسان کردی

یہ جنوں نہیں تو اور کیا ہے کہ بچے۔ بوڑھے۔ جوان۔ مرد اور عورتیں سردی کے اس ناخوشگوار موسم میں سینکڑوں میل دور دراز مقامات سے بستر۔ بکس۔ چھوٹی موٹی ٹوکریاں اور بیگ اٹھائے اور چہروں پر مسافت کی تھکن لئے ہوئے دارالسلام کے گیٹ سے داخل ہو رہے ہیں۔ گھر کی سی آسائش اور آرام میسر نہیں۔ پرالی پر چھوٹا موٹا بستر لگا کر بیٹھنا اور سونا ہے۔ خدا کی راہ میں اس صبر، سکون اور طمانیت قلب کے کیا کہنے۔ کوئی شکوہ اور شکایت نہیں اور اگر ایک لمحہ کے لئے کوئی ہوا بھی تو ایک ہلکی سی مسکراہٹ میں تحلیل ہو گیا۔ "ہم بھائی ہیں" اور بس۔

آج کے معاشرہ میں اخوت اور بھائی چارے کی ایسی مثال کم ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

یہ دو تین دن پلک جھپکنے میں گذر جاتے ہیں۔ لیکن دلوں میں ایسی روح پرور یادیں چھوڑ جاتے ہیں جن کے بار بار تذکرے سے دل لذت آشنا ہوتے ہیں۔ اور احساس کو نئی حرارت ملتی ہے۔ احساس کی اسی حرارت کا نام زندگی ہے۔ روح اور دل کی زندگی۔ جس کے نظارے ہمیں ہر جلسہ سالانہ میں نظر آتے ہیں اور اس جلسہ میں بھی دیکھنے میں آئے۔ لیکن ان کا ضبط تحریر میں لانا ہمارے علم کی کوتاہ دامنی کی وجہ سے ہمارے لئے ممکن نہیں کیونکہ احساسات اور جذبات کو الفاظ کا موزوں لباس پہنانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

تہجد کے وقت مسجد کی صفوں پر سجدہ ریز پیشانیوں کے مقصد اور دل کی دھڑکنوں کو آخر کیا نام دیا جا سکتا ۔۔۔ صبح کی نماز میں دل کی گہرائیوں سے نکلی اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی قرآن کی مسنون دعاؤں کی وجہ سے سینوں میں مچی ہوئی ہلچل اور گھٹی گھٹی سی آوازوں میں اللہ تعالےٰ کے دربار میں آہ و زاری کو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ اشک بار آنکھوں اور دبی دبی سی سسکیوں کو ہم کیسے بیان کر سکتے ہیں۔ ان سب کے پیچھے متلاطم جذبات کی عکاسی کیسے کی جا سکتی ہے؟ ہاں ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک ہی لگن۔ ایک ہی مقصد اور ایک ہی تڑپ کے اظہار کی مختلف صورتیں تھیں۔ اور وہ تڑپ کیا ہے؟ یہی کہ عالم اسلام جن مشکلات اور مصائب سے دوچار ہے وہ صرف اسی طرح دُور ہو سکتی ہیں کہ یہ مسلمان قرآن کی طرف لوٹ آئیں۔ غیر اسلامی دنیا قرآن کے نور سے منور ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ اور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رُخ روشن کی جھلکیاں کائنات کے ذرہ ذرہ کو حقیقت آشنا کر دیں۔ اسلام کا پیغام مشرق و مغرب کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔ یہی وہ درد ہے۔ یہی وہ تڑپ اور لگن۔ یہی وہ حسرت ہے اور آرزو۔

یہی وہ چنگاری ہے جو مہدیٔ وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام یہ فرما کر اپنی جماعت کے دلوں میں روشن کر گئے کہ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ اور وہ ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ کیونکہ یہی وہ موت ہے۔ جس سے ابدی زندگی ملتی ہے۔ یہ راز اسی پر کھلتا ہے جسے خدا کی معرفت حاصل ہو۔ اور جس نے اسلام کو ہر زاویئے سے جانچا اور پرکھا ہو۔ اور اس پر یہ اسرار کھلے ہوں کہ یہ نور ہی نور ہے۔ جس پر ہزار جانیں نثار کی جا سکتی ہیں آپ کا یہ اعلان آپ کے آقا اور محبوب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس اعلان کا عکس ہے۔ جو ہمیں آج سے چودہ سو سال قبل کے ان قرآنی الفاظ میں دکھائی دیتا ہے۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ
کی بات مانو جب وہ تمہیں اس بات کی طرف بلائیں جس
میں تمہارے لئے زندگی کا سامان ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ
اللہ تعالےٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور تم اسی
کے حضور اکٹھے کئے جاؤ گے۔"

زندہ انسانوں کو زندگی کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اس دوسری زندگی کا تصور جس کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ اس زندگی سے مختلف ہے۔ جسے ہم زندگی سمجھتے ہیں اور یہ وہی زندگی ہے جو اسلام کی خاطر موت کو گلے لگانے سے ملتی ہے۔ یہ موت اپنے ادنیٰ جذبات و احساسات اور حرص و ہوا کی موت ہے۔ اپنے اندر چھپے ہوئے شیطان کی موت ہے۔ نفسِ امارہ کی موت ہے۔ یہ موت جان دینے کی راہ بھی آسان کر دیتی ہے۔ انقطاع الی اللہ سے انقطاع جسم اور روح کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں رہ سکتی۔ زندگی کا یہی شعور ہے۔ جو مامورین الٰہی اپنے ماننے والوں کے دلوں میں پیدا کر جاتے ہیں۔ اور وہ سود و زیاں سے بے نیاز بے خوف و خطر مشکلات کے بھنور میں کود پڑتے ہیں۔ ان کا تن، من، دھن سب کچھ خدا کا ہو جاتا ہے۔

اس مختصر سی جماعت کے اندر مالی قربانی کا جو جذبہ پایا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں وہ بھی بے نظیر ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ اس سلسلے میں ہمارا قدم خدا کے فضل سے ہر سال آگے ہی ہوتا ہے۔ اشاعت اسلام کی خاطر جب بھی اپیل کی جاتی

لوگ اپنا مال نچھاور کرنے کے لئے پہلے سے تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ سب سے رقت آمیز وہ نظارہ ہوتا ہے جب بہت ہی چھوٹے چھوٹے بچے جو اپنی توتلی زبان میں بات کرتے ہیں اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں نوٹ اٹھائے ہوئے گرتے پڑتے سٹیج کی طرف جلدی جلدی بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی مضبوط بھینچی ہوئی مٹھیاں جو کسی کو کچھ دینے پر کبھی راضی نہیں ہوتیں خدا کی راہ میں پیسے دینے کے لئے پوری کھل جاتی ہیں۔

ہمارے قارئین نے جو جلسہ پر تشریف لائے یہ نظارہ بچشم خود دیکھا ہوگا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں۔ جس قوم کے بچوں میں یہ قربانی کا جذبہ اور امنگ بیدار ہو چکی ہو وہ کیسے مر سکتی ہے۔ احباب کرام کے لئے یہ بات موجب مسرت ہوگی کہ اس دفعہ دو لاکھ کے قریب رقم جمع ہوئی جس میں وعدے اور نقد شامل ہیں۔ اور امید ہے کہ یہ رقم دو لاکھ سے بڑھ جائے گی۔ یہ ایثار و قربانی اسی جماعت کا حصہ ہے۔ دو دن اپیل ہوتی رہی اور دونوں ہی دن یہ منظر ہمارے سامنے رہا۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء"

سرینام کی گولڈن جوبلی میں شرکت کے بعد واپس آنے والے وفد کے اراکین جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب قائد وفد اور جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب نے ہماری بیرونی جماعتوں کی اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سرگرمیوں، ولولہ اور جوش و جذبہ کے متعلق اپنی تقاریر میں جو تاثرات بیان فرمائے ان سے سب کے دلوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سب سے بڑھ کر اس بات پر خوشی ہوئی کہ ہماری بیرونی شاخیں مرکز کے ساتھ اپنے تعلق اور وفاداری پر فخر محسوس کرتی ہیں۔ اور اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ: ؎

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

وہ یہ جانتی ہیں کہ ان کا روحانی مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہے۔ اور اس سے وابستگی کی بدولت ہی وہ پھل پھول سکتی ہیں۔

سرینام میں گولڈن جوبلی کے انعقاد کی وجہ سے بیرونی جماعتوں کے وفود جلسہ سالانہ میں گذشتہ سالوں کی نسبت زیادہ تعداد میں شامل نہ ہو سکے لیکن بھارت سے عبدالرزاق صاحب امریکہ سے جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب اور یوسف بے صاحب اور ہالینڈ سے احمد بخش اللہ صاحب تشریف لائے۔ اپنی اپنی تقاریر میں انہوں نے یہ موقع نصیب ہونے پر خوشی کا اظہار کیا۔

تقاریر بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت مؤثر، اعلیٰ پایہ کی اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق تھیں۔ یہ تقاریر ان دوستوں کے لئے جو کسی وجہ سے جلسہ میں شامل نہیں ہو سکے پیغام صلح میں وقتاً فوقتاً شائع کر دی جائیں گی۔

ہم سے یہ کہا جاتا تھا کہ یہ جماعت عمر رسیدہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ نوجوان کم ہی نظر آتے ہیں۔ لیکن اس بار جلسہ میں ہمارے نوجوان زیادہ تعداد میں تشریف لائے اور مہمانوں کی خاطر مدارات اور تواضع میں انتظامیہ کا ہاتھ بٹایا۔ ان کا جوش اور جذبہ قابل دید اور قابل تعریف تھا۔ شبان الاحمدیہ کا جو اجلاس رات کو منعقد ہوا اور اس میں صدر، نائب صدر اور دیگر نوجوان عزیزوں نے جو تقاریر کیں اور اپنے خیالات و جذبات کا مؤثر انداز میں اظہار کیا وہ قابل رشک تھا۔ ان کے بیانات سے یہ احساس ذمہ داری جھلکتا تھا کہ بزرگوں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے وہ اپنے کندھوں کو یہ بوجھ اٹھانے کے قابل بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ اب یہ ذمہ داری ان کو اٹھانی پڑے گی۔ اور اس کے لئے انہیں اپنے آپ کو منظم کرنا اور علمی ورثہ کو پورا پورا حصہ لینا ہوگا تاکہ وہ اپنے بزرگوں کے بعد شمع احمدیت کو روشن رکھ سکیں۔ اس سلسلہ میں صدر شبان الاحمدیہ نے کئی تجاویز بھی پیش کیں جن پر فوری عمل نہایت ضروری ہے۔ شبان کے اس جذبہ کو سب نے سراہا۔ نوجوان ہی کسی قوم کا قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ توفیق دے کہ وہ تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے حضرت صاحب کے مشن کو پورا کر سکیں۔ آمین

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارا یہ جلسہ بہت سی خصوصیات کا حامل ہونے کی وجہ سے منفرد تھا۔ اور ہر لحاظ سے نہایت کامیاب رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

جلسہ کے اختتام پر رخصت ہونے کا منظر بھی بڑا رقت آمیز تھا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے جھلکتے تھے۔ اور معانقہ کے وقت سینوں میں فرط جذبات سے دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ یہ سب ملنے اور جدا ہونے والے صرف ایک روحانی رشتہ میں منسلک تھے۔ جو حضرت مسیح وقت نے ان میں قائم کیا۔ خدایا! یہ محبت قائم رکھ۔ آمین ثم آمین!

اخبار احمدیہ

حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت بفضلہٖ تعالیٰ اچھی ہے۔ شدید سردی کے باوجود آپ جلسہ سالانہ میں شریک رہے۔ اور افتتاحی خطاب کے علاوہ آخری دن ایک پُراثر اختتامی دعا فرمائی۔

---

*

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب جلسہ سالانہ سے چند دن قبل اپنے طویل تبلیغی اور تربیتی سفر سے بخیریت واپس تشریف لے آئے تھے۔ آپ کا یہ سفر بڑا کامیاب اور مبارک رہا۔ اس کے کچھ حالات مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کے قلم سے "سفر سرینام" کے عنوان سے کسی گذشتہ اشاعت میں چھپ چکے ہیں۔ باقی مفصل رپورٹ موصول ہونے پر ہدیۂ قارئین کرام ہوگی۔ جو یقیناً احباب کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ہوگی۔

انتقال پُر ملال

مکرم مرزا محمد اکبر صاحب نواب شاہ سے اطلاع دیتے ہیں

انتہائی رنج و غم سے اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ برادرم بزرگوار مولوی مرزا غلام ربانی مؤرخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۹ء انتقال کر گئے۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

مرحوم کو اسی دن بعد نماز ظہر سپرد خاک کر دیا گیا۔

مرحوم کی عمر ۹۳ برس تھی۔ آپ ۱۹۱۰ء میں جماعت میں شامل ہوئے تھے۔ اور انتہائی مخالفت برادری و علاقہ کے باوجود آپ اپنے عہد پر ثابت قدمی سے قائم رہے۔

آپ کو ½۱۰ بجے دل میں درد محسوس ہوا اور تقریباً ساڑھے گیارہ بجے آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ آخری وقت آپ کی زبان پر کلمہ طیبہ کا ورد جاری تھا۔ ہم کو خیال ہوا کہ شاید دل کا درد ختم ہو گیا اور آپ حسب معمول کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے ہیں۔ کلمہ پڑھنے کے بعد پھر کہا کہ درد ہے۔ اور اس کے بعد آپ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ ایسی پُرسکون موت ہم نے ساری عمر میں نہیں دیکھی۔

احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء و ۲ جنوری ۱۹۸۰ء — ۵

خواتینِ احمدیہ کا جذبہ اشاعتِ اسلام اور نمائشِ دستکاری

رپورٹ :- مولوی شفقت رسول خان صاحب

تصحیح و تلخیص : مولوی عبدالرؤف کھوکھر

تنظیم خواتینِ احمدیہ کا سالانہ جلسہ ۷۹ء

اور اسکی مختصر روئیداد

پہلا اجلاس :

شائع شدہ پروگرام کے مطابق زیر صدارت محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ (لندن) منعقد ہوا۔ جس کا آغاز محترمہ آمنہ صاحبہ، عزیزہ طاہرہ جنجوعہ اور کمسن فوادنذیر کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ عزیزہ طاہرہ نے تلاوت کردہ آیات کا ترجمہ بھی سنایا۔ اس کے بعد سالِ رواں کے مرحومین جماعت کے لئے دُعائے مغفرت کی گئی اور اذکرو موتکم بالخیر کے تحت اس سال اللہ کو پیارے ہوجانے والے بزرگوں کے اوصاف بیان کئے گئے اور حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن مصری اور دیگر اموات کو ایک قومی نقصان قرار دیا گیا۔ مس حنیف نے حضرت صاحب کی مشہور نظم جمال و حسنِ قرآں نورِ جاں ہر مسلماں ہے۔ ترنم کے ساتھ پڑھ کر سنائی ۔

استقبالیہ تقریر :

محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ نے اپنی استقبالیہ تقریر میں فرمایا کہ آج ہمارے دل سے جذبۂ شکر سے لبریز خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ حضرت مسیح موعودؑ سے کیا تھا کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" آج اسے ہم اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ اس کے متعلق محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ (لندن) محترمہ بیگم عبدالرزاق صاحبہ بمبئی (بھارت) محترمہ بیگم زمرد فاضل رمضان صاحبہ تفصیل سے آپ کو بتائیں گی جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ کا اشاعت و تبلیغ اسلام کا لگایا ہوا پودا دُنیا کے کونے کونے میں کس طرح پھل پھول رہا ہے ۔

محترمہ نے وضاحت کی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ خوش نصیبی اور سعادت احمدیہ جماعت لاہور کے حصہ میں آئی ہے۔ اب ہمیں اور زیادہ ہمت سے یہ کام کرنا چاہیئے۔ آپ نے خواتین پر زور دیا کہ وہ دُنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو دین سے بھی آگاہ کریں اور ان کی تربیت ایسے رنگ میں کریں کہ وہ سلسلہ احمدیہ اور پاک معاشرہ کا ایک مثالی نمونہ ثابت ہوں۔ مزید برآں انہیں باشعور ہونے پر سلسلہ بیعت میں داخل کریں تاکہ انہیں احساس ہو کہ وہ سلسلہ احمدیت کے رُکن ہیں اور انہوں نے دین کی خدمات سرانجام دینا ہیں یہ ایک جہاد ہے جو آپ کو بہرحال کرنا چاہیئے۔

بیگم نزہت آصف صاحبہ سیالکوٹ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں جو کچھ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہی بات مرزا غلام احمد قادیانیؑ نے ہم سے چاہی ہے ہم وہی اذان، وہی نماز وہی قرآن کریم پڑھتے ہیں جو خدا نے نبی اکرمؐ پر نازل کیا اور تمام مجددین کرام کو مانتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے ہمیں بتایا کہ اللہ پر کامل بھروسہ رکھو کیونکہ خدا ہی بندے کے لئے کافی ہے جھوٹ فریب اور برے اعمال کو ترک کرو۔ دین کو دُنیا پر مقدم رکھو اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ وہ خاتم النبیین ہیں نبیوں کے سردار اور آخری نبی ہیں اور قرآن پاک آخری کتاب ہے۔ اس کا نور ہمیشہ چمکتا رہے گا اور اب بھی ایک چشمہ ہدایت و رہنمائی ہے۔

بیگم زمرد فاضل صاحبہ نے ہالینڈ کی خواتین احمدیہ کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس یقین پر ہوں کہ خدا کی راہ میں کام کرنے والے کو خدا ہمت عطا کرتا ہے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ ایک زمانہ میں سرینام میں سے انجمن حمایت اسلام لاہور کے نام خط آیا تھا کہ ہمیں مبلغ دیا جائے لیکن اُس نے وہ خط ہمیں دیا جس کے جواب میں ہمارے مبلغ وہاں گئے اور اسلام کی اشاعت کی اور آج وہاں ہزاروں لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہیں۔ وہیں کے لوگ ہالینڈ میں مقیم ہیں۔ اور انہوں نے ہیگ میں "احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہیگ ہالینڈ" کا بورڈ لگایا ہوا ہے یہ ایک بڑی بلڈنگ ہے۔ جناب نور سردار صاحب جماعت کے صدر ہیں ان کی بیگم صاحبہ بھی فعال رکن ہیں۔ ایک ہال اور خرید کیا گیا ہے جس میں سکول قائم کرنے کا پروگرام ہے۔ تمام خواتین دینی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں مہمانوں کا کھانا خود تیار کرتی ہیں۔ ہر سال جلسہ میلاد النبی منعقد کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک بڑی تزک و احتشام سے پورا کیا جاتا ہے۔ روزہ بھی مسجد میں مل کر افطار کیا جاتا ہے۔ مغرب سے طلوعِ اسلام یقیناً ایسے لوگوں سے ہوگا جیسا کہ ہالینڈ کے احمدی ہیں۔ وہاں تنظیم خواتینِ احمدیہ کی صدر میں ہوں جبکہ نائب صدر بیگم دوست محمد صاحبہ اور بیگم لال محمد صاحبہ ہیں اور مس سارہ فعال کارکن ہیں۔ ہر پندرہ دن کے بعد میٹنگ ہوتی ہے۔ یوم مسیح موعود منایا جاتا ہے جس میں حضرت مسیح موعود کا مقام بیان کیا جاتا ہے۔

ان کے بعد مس طاہرہ جنجوعہ نے حضرت مسیح موعودؑ کا منظوم کلام ترنم سے سنایا :- ؎

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے

کوئی دین دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

جسے بے حد سراہا گیا ۔

محترمہ پروفیسر مسز زبیدہ محمد احمد صاحبہ، نے تقریر کرتے ہوئے رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی۔" کے حوالے سے خداوند تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے پر زور دیا کیونکہ خدا تعالیٰ کی نعمت کے شکر سے نعمتیں بڑھتی ہیں اور ناشکری سے چھن جاتی ہیں۔ آپ نے زور دیا کہ ہمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور بڑی نعمت یہ ہے کہ خدا نے ہمیں مسلمان بنایا اور ایک ایسی جماعت میں شامل ہونے کی توفیق دی جس پر ہم فخر کرسکتے ہیں جس میں آکر ہم ممنوعات سے بچ گئے۔ اور صحیح معنوں میں اسلام کو علی وجہ البصیرت سمجھا۔ اور زندہ خدا پر زندہ ایمان پیدا ہوا۔ وہ خُدا اپنے بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ جو اس سے پیار کرتے ہیں۔ خدا کا زندہ رسول حضرت نبی اکرمؐ ہیں۔ اور زندہ کتاب قرآنِ مجید ہے۔ اور ہمیں دعا میں لگے رہنا چاہیئے کیونکہ ہمارا اس پر کامل ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ دُعا کو سنتا ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنے بندوں۔ حضرت ایوبؑ۔ حضرت یونسؑ اور حضرت زکریاؑ کی دعائیں سنیں اور ان کو مقبولیت بخشی۔ ان انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں اس لئے اثر تھا کہ وہ ہرگز نہ ٹلنے والی نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے

تو جو صفات اللہ کے نیک بندوں میں ہوتی ہیں ان کو پیدا کرو شکر نعماء خداوندی اور دُعا ہی ہمارے لئے کامیابی کی ضامن ہیں۔

محترمہ عطیہ عثمان صاحبہ پشاور نے "سچے دین کی پہچان" کے عنوان سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا کا پسندیدہ دین اسلام ہے کیونکہ اس کے کامل پیرو خدا سے ہمکلامی کا شرف پاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے جو کچھ خدا کے الہام کے مطابق پیش گوئی کی وہ حرف بہ حرف پوری ہوئی ہے۔ سچا دین وہی ہے جو خدا خوفی اور خدادانی کا ذریعہ ہے۔ پس جو اسلام کے قوانین کی پابندی کرے گا وہ اس جہان میں ہی خدا کو پالے گا۔ جو لوگ نفسانی خواہشات سے بچ کر خدا کے احکام پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ فرشتوں سے بڑھ کر [illegible] کا مقام حاصل کرتے ہیں۔

جناب طاہر فضل احمد صاحب نے محترمہ ثریا فاروق صاحبہ کا مبارک باد کا پیغام دیا اور انکی صحت کے لئے دُعا کی درخواست کے متعلق فرمایا۔ چنانچہ ان کے لئے صحت کاملہ کیلئے دعا کی گئی۔

شیخ سیکرٹری محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ نے اپنی تقریر میں بتایا۔ نبی اکرم صلعم سے پہلے تمام انبیاء کرام ایک [illegible] علاقہ اور صرف اپنی قوم کی طرف آئے تھے جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع انسان [illegible] تمام جہان اور ہر زمانہ کے لئے نبی ہیں اور پہلے کی تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں اب صرف شریعتِ محمدیہؐ ہی تمام زمانوں کے لئے ہے۔ بنی اسرائیل سے طویل سلسلہ انبیاء کا ہوا لیکن بنی اسماعیل میں ایک ہی نبی ہے جن نے ۲۳ سالہ زندگی میں بدترین قوم کو بہترین قوم میں تبدیل کر دیا۔ اور وہی خاتم النبیین ہے۔ مقررہ نے بتایا کہ انسان نسیان کا پتلا ہے۔ حضورؐ کے کچھ عرصہ بعد ہی مسلمانوں کی حالت روبہ زوال ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ میں جب لوگ علماء کے پاس جائیں گے تو ان سے مایوس ہوں گے۔ اور میری امت پر لوگ چڑھ دوڑیں گے۔ حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی کثرت ہوگی۔ صرف رُعب ختم ہو جائے گا۔ حقیقتاً یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے اور اُمّی نبیؐ کے اسی غلام نے اسلام کی صداقت کا رعب دجلال مخالفین و دشمنانِ اسلام پر ایسا ڈالا کہ عیسائی احمدی کا نام سن کر ہی میدان چھوڑ دیتے تھے۔ حضرت امام نے مخالفینِ اسلام کے تین ہزار اعتراضات اکٹھے کئے اور ان کا ایسا رد کیا کہ دشمنوں نے منہ کی کھائی۔ سرینام کے سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں ہزاروں کی تعداد میں ہمارے بھائی موجود ہیں۔ جو ہماری اکسٹینڈڈ فیملی ہیں۔

ان کی تنظیم خواتین کی اپنی بلڈنگ ہے۔ یتیم خانہ اور سکول قائم کیا ہوا ہے۔ صاحب علم و فضل خواتین ہیں۔ برٹش گیانا میں مسجد کو اندر سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ایک حصہ خواتین کے لئے اور دُوسرا مردوں کے لئے ہے۔ اور اس پر واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ عورتوں اور مردوں کو اللہ نے برابر کیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کی بدولت اسلام کی تبلیغ دُنیا کے کناروں تک پہنچ رہی ہے۔ آپ ہر جگہ قرآن پاک اور دینی لٹریچر بہم پہنچائیں۔

محترمہ رضیہ فاروق صاحبہ (لندن) نے حضرت بابا بلھے شاہ کے اشعار کے حوالے سے بتایا کہ حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت میاں میر جیسے بزرگانِ دین نے اسلام کو پھیلایا تھا۔ لاہور کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ مدینۃ المسیح ہے۔ اللہ کے عاشقانِ خدا کے قدم پڑے ہیں۔ جنہوں نے دینِ اسلام کی تبلیغ کی۔ مثلاً حضرت مولانا محمد علی مرحوم۔ حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم۔ حضرت مرزا یعقوب بیگ مرحوم۔ محترم جناب شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم۔ مولانا عبد الحق ودیارتھی صاحب مرحوم۔ ممتاز احمد فاروقی صاحب مرحوم جیسے بزرگوں نے اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کیا۔ ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چل کر اسلام کو عزم بالجزم سے دُنیا میں پہنچانا ہے۔

بمبئی سے آمدہ مہمان مسز عبد الرزاق صاحبہ نے اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ بمبئی میں دس بارہ خاندان احمدی ہیں۔ جو نہایت مخلص احمدی ہیں۔

محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ نے چندہ کے لئے اپیل کی جس میں خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

دُوسرا اجلاس

زیر صدارت محترمہ بیگم ڈاکٹر کرم الٰہی صاحبہ منعقد ہوا۔ تلاوتِ قرآن پاک اور منظوم کلام حضرت مسیح موعودؑ "کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو" سنایا گیا۔

پھر مدیحہ رسول اور شاہدہ جنجوعہ نے مل کر "اے خاکِ قادیاں جسمِ اطہر ہے تیرا" ترنم سے پڑھا اور حضرت مسیح موعودؑ کو ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔

مس وجیہہ سید صاحبہ پشاور نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

ذہنی اور قلبی سکون دین کو دنیا پر مقدم کرنے میں ہے۔ "قد افلح المؤمنون" کے حوالے سے اول: نماز اور رجوع الی اللہ (دوم) لغویات سے اجتناب (سوم) زکوٰۃ کی ادائیگی (چہارم) اپنے اعمال کا احتساب قول و فعل میں مطابقت (پنجم) عہد کی پختگی اور پابندی (ششم) نماز کی حفاظت کو کامیابی کے لئے لازم قرار دیا۔

بیگم اختر نذیر صاحبہ نے تنظیم خواتین کراچی کی رپورٹ سنائی۔ جبکہ بیگم خورشید راجہ صاحبہ نے رپورٹ خواتین سیالکوٹ پیش کی۔

پروین واجد صاحبہ پشاور نے خواتین پشاور کی رپورٹ سنائی۔

اس کے بعد بچیوں نے مذاکرہ میں حصہ لیا جس کا عنوان تھا:۔

"حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ نبوت کا نہ تھا"

بچیوں نے حضرت صاحب کی کتب سے "حقیقۃ الوحی۔ انجام آتھم۔ ازالہ اوہام آسمانی فیصلہ اور دُوسری کتب سے ثابت کیا کہ حضورؑ کا دعویٰ نبوت کا نہ تھا بلکہ ان کا دعوٰے مجدد ہونے کا تھا۔

دعوٰے نبوت کا الزام سراسر افتراء۔ دروغ گوئی اور ظلم عظیم ہے۔ اور یہ کہ آپ کی قبر پر نصب کتبہ پر بھی مجدد صد چہاردہم کا لکھا جانا ان کے دعوٰے مجددیت کا ثبوت ہے۔ ثمینہ ملک کو اول انعام ملا۔ چھوٹی لڑکیوں میں پہلا انعام مدیحہ رسول نے حاصل کیا۔

خطبہ صدارت جناب بیگم ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب نے دیا۔ اور اس میں اپنے تجربات زندگی سے بتایا کہ خدا کی راہ میں طیب و حلال مال خرچ کرو اور اشاعت اسلام کے لئے باقاعدہ چندہ دو۔ اپنے ارد گرد کے لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دو اور ان کو قرآن پاک کے مطالب اور معانی سے آگاہ کرو۔

محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ کی دُعا کے ساتھ ہی جلسہ کا اختتام ہوا۔

فرمانِ نبویؐ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ نے فرمایا ہے جو میرے ولی سے دشمنی کرے گا میں اسکے ساتھ جنگ کا اعلان کر دوں گا۔ اور مجھے اپنے بندے کا مجھ سے قرب حاصل کرنا کسی اور ذریعہ سے اتنا محبوب نہیں جتنا اس سے کہ میں نے اس پر فرض کیا ہے اور میرا بندہ برابر نوافل سے میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی وہ آنکھ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا وہ ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا وہ پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں ضرور اُسے دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ اور مجھے کسی بات میں جسے میں کرنے والا ہوں اتنا تردد نہیں ہوتا جیسا تردد مومن کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے۔ اور میں اس کی ناخوشی کو پسند نہیں کرتا۔"

(بخاری کتاب الرقاق)

مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

تاریخی جلسہ

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

ترجمہ :۔ اور جب تمہارے رب نے بتا دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔ (سورۃ ابراہیم ۱۴ آیت : ۷)

دسمبر ۱۹۷۹ء کا ہماری جماعت کا سالانہ جلسہ ایک تاریخی جلسہ تھا۔ اول تو یہ صدی ہجری کا آخری جلسہ تھا۔ یہ وہ صدی ہے جس کے سر پر پہلی صدیوں کی طرح جو مجدد آیا وہ ہماری جماعت کا بانی مبانی تھا۔ اس لئے اس صدی کا آخری جلسہ ہمارے لئے ایک تاریخی جلسہ تھا۔ ایک سنگ میل تھا۔

اس جماعت کو بنے ہوئے خدا کے فضل سے اکانوے سال ہو گئے فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ استداد زمانہ سے اکثر جماعتیں اگر مرتی نہیں تو سست ضرور ہو جاتی ہیں۔ ہم پر تو ۱۹۱۴ء میں پہلی دفعہ اور پھر تقریباً ساٹھ سال کے بعد ۱۹۷۴ء میں ایسے زلزلے آئے کہ اگر ہم مر جاتے تو تعجب کی بات نہ ہوتی۔ مگر چونکہ حضرت اقدس سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میں تیرے متبعین کو قیامت تک زندہ رکھوں گا اور انہیں غلبہ دوں گا۔ اس لئے خدا کے فضل سے یہ جماعت ان سخت طوفانوں میں سے زندہ سلامت نکل آئی فالحمد للہ علیٰ ذالک بلکہ ۱۹۷۴ء کے زلزلہ کے بعد ہم میں بہت سی جو کمزوریاں تھیں وہ اللہ کے فضل سے دور ہوتی نظر آتی ہیں۔ ہماری احمدیت سے وابستگی خدا کے فضل سے تازہ اور مضبوط تر ہو گئی۔ ہمارا اصلی کام جو کہ غیر مسلموں میں اسلام کو پھیلانا تھا اور جس کے لئے ہمارے پاس بہترین لٹریچر اللہ کے فضل سے موجود تھا اس کی اشاعت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ ہماری بیرونی جماعتیں جو خواب غفلت میں پڑ چکی تھیں وہ اللہ کے فضل سے جاگ اٹھی ہیں مشہور عالم انگریزی ترجمۃ القرآن و تفسیر ایک دفعہ امریکہ میں چھپ کر قریب الاختتام ہے۔ اور نئے ایڈیشن کے لئے اس پر نظر ثانی کا کام ختم ہو کر آخری مرحلہ پر ہے۔ جرمن ترجمۃ القرآن و تفسیر پر بھی نظر ثانی ہو رہی ہے۔ ڈچ ترجمۃ القرآن و تفسیر دوبارہ چھپ رہی ہے۔ اور سب سے بڑی خوشخبری انڈونیشین زبان میں ترجمۃ القرآن و تفسیر کا کام مکمل ہونا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ حضرت امیر مرحوم کی وصیت کے مطابق "ہمارا کام قرآن کریم کو دنیا میں پہنچا دینا ہے۔ آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا"

اس جہاد بالقرآن کے لئے مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے ہماری جماعت نے خدا کے فضل سے اور مجدد زماں کے روحانی فیض سے اللہ تعالیٰ کے رستہ میں مالی قربانیاں ہمیشہ کی ہیں۔ مگر اس سال جلسہ سالانہ پر جو چندہ ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام ریکارڈ توڑ گیا یعنی قریباً دو لاکھ روپے نقد اور وعدہ کی شکل میں ہوئے۔ اور اس لحاظ سے بھی یہ جلسہ تاریخی جلسہ تھا۔ یہ ایک اور نشان ہے کہ یہ جماعت خدا کے فضل سے مردہ یا مرنے والی نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے دوسرے ممالک میں چرچا کیا ہوا تھا۔ نہ ہی یہ جماعت چند بوڑھوں کی ہے۔ (جیسا کہ باہر چند لوگوں نے بات پھیلائی تھی) کیونکہ اس جلسہ کی تقاریر اور خصوصاً چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے وہ سعید نوجوان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے آگے آ رہے ہیں۔ خدا کے رستہ میں خرچ کرنے کو قرآن کریم نے اللہ پر ایمان کا معیار یا نشان بنایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا :۔

آمنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ ؕ فالذین آمنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر ۝ ومالکم لا تؤمنون باللہ ۚ والرسول یدعوکم لتؤمنوا بربکم وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین ۝ (سورۃ الحدید : ۵۷) آیات : ۷ : ۸)

"اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس میں سے خرچ کرو جس میں اس (یعنی اللہ) نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ وہ لوگ جو تم میں سے ایمان لاتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان کے لئے بڑا اجر ہے۔ اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور رسول تمہیں بلاتا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور وہ تمہارا عہد لے چکا ہے اگر تم مومن ہو"

اب دیکھیے کہ ان آیات مبارکہ میں ایمان کو اور خدا کے راستہ میں مال خرچ کرنے کو لازم و ملزوم ٹھہرایا ہے۔ اسی لئے ایک موقعہ پر جب حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال خدا کے راستہ میں دینے کے لئے لے آئے مگر حضرت ابوبکرؓ اپنا سارا مال و متاع لے آئے تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ عمرؓ کا ایمان ابوبکرؓ سے آدھا ہے۔

اس لئے یہ جماعت جس کے نوجوان اور بچے بے نظیر مالی قربانیاں کر رہے ہیں صرف بوڑھوں کی جماعت نہیں جو مرنے والی ہے بلکہ نوجوان مومنوں کی جماعت ہے جس کے نوجوان بوڑھوں سے سبقت لیجا رہے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ یہ قوم انشاء اللہ مرے گی نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود کا مشن ہمیشہ زندہ رکھے گی اور اسے پروان چڑھائے گی۔ میں اپنی قوم سے اپنی روحانی زندگی کا ثبوت دینے کے لئے اپیل کرتا ہوں کہ (۱) جنہوں نے جلسہ سالانہ پر خدا کے راستہ میں مال دینے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ اس وعدہ کو فی الفور پورا کر دکھائیں۔

۲۔ جو اس جلسہ سالانہ میں موجود نہ تھے یا کسی اور وجہ سے اس تاریخی جہاد فی سبیل اللہ میں شامل نہ ہو سکے وہ اب دل کھول کر چندہ دیں اور اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام :۔

اے بے خبر بخدمت فرقاں کمر بہ بند ۔۔۔ زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

قرآن کریم میں اتحادِ نسلِ انسانی کی دو زبردست بنیادیں

۱۔ وحدتِ نسلِ انسانی ۲۔ اخوتِ اسلامی

تقریر جناب محمد عباس صبور علی صاحب برموقعہ گولڈن جوبلی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام (لاہور) سرینام

قرآن کریم نے اتحادِ نسلِ انسانی کے لئے دو محکم بنیادیں رکھی ہیں۔ ایک نسلِ انسانی کی وحدت ہے جو اللہ تعالےٰ کی توحید پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن کریم سے پہلے اس کا ذکر کسی دوسری الہامی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ اس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

" کان الناس امۃ واحدۃ " یعنی لوگ ایک ہی امت یا قوم ہیں۔

بظاہر یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے لیکن اس میں ایک بہت عظیم الشان اصول بیان کیا گیا ہے۔ جو انسان کے لئے بڑی ترقیات کا ضامن ہے۔ یہ خیال اس سے قبل کسی انسان کے دل میں نہیں آیا تھا کہ روئے زمین پر جتنے بھی انسان ہیں وہ سب ایک ہی قوم ہیں۔

وحدت کی یہ بنیاد جسمانی لحاظ سے ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم نے فرمایا ہے: " انما المؤمنون اخوۃ " کہ سب مومن بھائی بھائی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو جسمانی تعلق کی نسبت مومنوں نے آپس میں بھائی بھائی ہونے کا تعلق بہت بڑا اور اعلیٰ ہے۔ اس تعلق کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے اسلام سے قبل عرب کی حالت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے:۔

" واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا "

تم اپنی اس حالت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم سب اس کی نعمت کے سبب بھائی بھائی بن گئے۔ ماں جائے بھائیوں کی طرح ان کے دلوں میں الفت اور محبت کا ایک مضبوط رشتہ اور تعلق استوار ہو گیا۔ کتنا بڑا فرق ہے کہ ایک طرف وہ ایک دوسرے کے جان لیوا دشمن ہیں۔ خون کے پیاسے ہیں۔ بات بات پر آپس میں تلواریں چلتی ہیں لیکن آنحضرت صلعم کے تشریف لانے پر یہ معجزہ رونما ہوتا ہے کہ دلوں سے نفرت اور عداوت کا نشان تک مٹ جاتا ہے۔ اور اعداء کے بجائے وہ ایسے بھائی بن جاتے ہیں کہ ایک دوسرے پر اپنی جان قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ جسمانی طور پر اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے تو وہ پہلے بھی ایک ہی قوم تھے۔ لیکن ایک دوسرے کے دشمن مگر مومن ہونے کے ناطے وہ ایک ایسے روحانی رشتہ میں منسلک ہو گئے کہ یک قالب اور دو جان ہو گئے۔ یہ ایک ایسا انقلاب ہے۔ جو دنیا کی تاریخ میں ایک ہی وجود بابرکت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت برپا ہوا۔ یہ بے نظیر بھی ہے اور لاثانی بھی۔

جسمانی اتحاد کا مطلب تو صرف مساواتِ حقوق تک محدود ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ مساواتِ حقوق انسانوں میں باہمی الفت اور محبت بھی پیدا کر سکے۔ حقوق صرف جسمانی ضروریات پورا کرنے تک محدود ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے نتیجہ میں وہ روحانی تعلق اور اخوت قائم ہوتی ہے جو انسان کو انسان کے لئے اپنے حقوق قربان کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ دل کی ان تمام بیماریوں سے شفا بخشتی ہے جو باہمی حسد اور رقابت کا موجب ہو کر فتنہ و فساد کو ہوا دیتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مدینہ میں جو اخوت قائم کی اس کی مثال بھی کہیں اور نہیں ملتی۔ وہ ایک دوسرے پر اپنی جان۔ مال اور عزت قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ جذبہ ان میں روحانی اخوت کی بدولت ہی پیدا ہوا۔

بڑے بڑے مؤرخین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک بہت بڑی کامیابی بلکہ معجزہ یہ ہے کہ انہوں نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو ایسا ملا دیا اور ان میں ایسی الفت پیدا کر دی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ سخت ترین دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دینا کوئی آسان کام نہیں۔

یہ رشتۂ محبت اور اخوت اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کوئی بلند مقصد سامنے نہ ہو۔ اسلام سے قبل عربوں میں باہمی عداوت اور تفرقہ کی وجہ یہی تھا کہ چند ذاتی اور قبائلی اغراض اور تعصبات کے سوا کوئی اور اعلےٰ مقصد ان کے پیش نظر نہ تھا جس کے حصول کے لئے وہ ساری چھوٹی چھوٹی باتوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ وہ خدا پرستی کی بجائے نفس پرستی کا شکار ہے۔ وہ قبائلی غرور و تکبر اور تفوق کے امراض میں مبتلا تھے۔ اپنی جہالت اور عیاشی پر انہیں فخر تھا۔ اسی لئے قرآن کریم نے انہیں ان الفاظ میں مخاطب فرمایا:۔

" کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار "

" تم آگ کے کنارے کھڑے تھے اور قریب تھا کہ تم اس میں گر کر بھسم ہو جاتے لیکن " فانقذکم منھا " اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔"

... اس لئے اس الفت اور اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے اس کے ساتھ ہی ان الفاظ سے پہلے یہ بھی ... الخ

"واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔"

اللہ تعالیٰ کی رسی یعنی قرآن کریم کو سب کے سب مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو یعنی اپنی اسلام سے پہلے کی حالت کی طرف لوٹنے سے تم اسی وقت تک بچے رہو گے جب تک تم قرآن کو اپنا رہنما اور رہبر بنائے رکھو گے۔ اگر اس سے تم دستکش ہو گئے تو تم میں وہی عداوت، دشمنی اور تفرقہ پیدا ہو جائے گا جو تمہاری ہستی کو مٹا دے گا اور ایک بار پھر تم آگ کے گڑھے میں گر کر جل کر راکھ ہو جاؤ گے۔

مسلمانوں کی آج کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ خطاب آج کے مسلمانوں سے ہے۔ مسلمانوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔ اُسے چھوڑ دیا اور پھر آگ کے کنارے آ کھڑے ہوئے۔ وہ عظیم الشان مقصد جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے سامنے رکھا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ان کا تعلق ہے۔ یہ تعلق قرآن کے واسطہ کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہی نسلِ انسانی کے لئے ایک نقطۂ اتحاد و یگانگت ہے۔ اور اس سے دُوری تباہی و بربادی۔ جس وقت یہ مقصد سامنے سے ہٹ گیا۔ اور قرآن کریم کو چھوڑ دیا تو اتحاد باقی نہ رہا۔

دو باتیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں میں زبردست اتحاد پیدا کیا۔ ایک یہ کہ قرآن کے ذریعہ سے دنیا کی اصلاح کی جائے اور دوسری یہ کہ ان کے اخلاق کو بلند کیا جائے۔ مسلمانوں کو یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رسّی یعنی قرآن کریم کو چھوڑنے کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہے۔

عالم اسلام کو اس وقت اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔ خاص طور پر جماعتِ احمدیہ کو کیونکہ بقول حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم اس جماعت کو اسلام کے لئے ایک فوج کا کردار ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ کا نام دنیا میں بلند کرنا ہے۔ احمدیوں کو اسوۂ رسولؐ اپنا کر حسنِ اخلاق کا ایک نمونہ ہو جانا چاہیئے۔ دوسرے مسلمان بھائیوں سے اخلاص و محبت سے پیش آنا چاہیئے۔ تاکہ ہم سے اُن کی نفرت الفت میں بدل جائے۔ وہ بھی تو اسی پیغمبر کی امت میں شامل ہیں جس کی محبت کا دم احمدی بھرتے ہیں۔ وہ اُن کے روحانی باپ ہیں۔ احمدیت کی یہی تعلیم ہے۔ اور جماعتِ احمدیہ ہی وہ جماعت ہے جو قرآن کریم کی سچی تعلیم کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اُسی قرآن کی تعلیم ان کے پیشِ نظر ہونی چاہیئے۔ یعنی ساری نسلِ انسانی سے محبت۔

مسلمانوں کو بھی جو آنحضرت صلعم کی امت ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آپ سراپا رحم اور محبت تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی سے نفرت نہیں کی۔ اس لئے مسلمانوں کو بھی آپ کا نمونہ اپنانا چاہیئے اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دل محبت سے فتح کئے جاتے ہیں نفرت سے نہیں۔ اسلام کے نام میں ہی یہ بات مضمر ہے کہ وہ صلح و آشتی کا مذہب ہے نہ کہ جنگ و جدل کا۔ وہ امن و سلامتی کا مذہب ہے نہ کہ فتنہ و فساد اور شر کا۔ یہ دلوں کو جوڑنے کے لئے آیا ہے نہ کہ توڑنے کے لئے۔ یہ اتحاد و اتفاق کا علمبردار ہے نہ کہ تفرقہ و اختلاف کا۔ غیر قومیں سیاسی اور معاشی نظریات پر بھی متحد ہو جاتی ہیں تو کیا ہم "لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر متحد نہیں ہو سکتے؟ جب ہمارا خدا ایک۔ رسولؐ ایک۔ قرآن ایک اور قبلہ ایک ہے تو پھر ہمارا اکٹھا ہونا کیوں ممکن نہیں۔ اگر ہمارے خیالات اور نظریات میں کوئی اختلاف ہے تو قرآن اور سنت ہمارے پاس موجود ہیں کیوں نہ انہیں اپنے درمیان فیصلہ کے لئے حکم بنائیں اور بھائیوں کی طرح ایک جگہ بیٹھ کر ایک دُوسرے کو اپنا نقطۂ نظر سمجھائیں۔ اربابا من دون اللہ کی پرستش چھوڑ کر ایک ہی رب العٰلمین کی پرستش کریں اور آپس کے تنازعات کے فیصلہ کے لئے جو قانون اور دستور یعنی قرآن کریم اس نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اُسے اپنے لئے حکم بنائیں اور اگر ہم ایک دوسرے کو قائل نہ بھی کر سکیں تو اس ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر متحد ہو کر تکفیر بازی کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کریں اور پھر دیکھیں کہ اس کلمہ کی برکت سے ہم کیونکر ایک عظیم قوت بن کر دنیا میں اُبھرتے ہیں۔ ویسی ہی قوت جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے قیصر و کسریٰ کے تاج سرنگوں کر دیئے تھے۔

غیر قومیں اسی لئے اسلام میں کوئی کشش نہیں پاتیں کہ ہم بکھرے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے لا تثریب علیکم الیوم کا سبق بھلا دیا ہے۔ ورنہ اسلام کے زریں اصول ان کے دلوں میں گھر کر چکے ہیں۔ وہ اس بات کی منتظر ہیں کہ ہم کب ایک ہو کر محبت اور الفت کا ہاتھ ان کی طرف بڑھاتے ہیں کیونکہ یہی ایک ایسی تلوار ہے جس کے سامنے ساری گردنیں جھک جاتی ہیں۔

—: ⁂ :—

تقریر بیگم جمیلہ صبور علی برموقعہ گولڈن جوبلی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام (لاہور) سرینام

صاحب صدر! بھائیو اور بہنو! میری یہ خوش نصیبی ہے کہ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) سرینام کی گولڈن جوبلی یعنی اس کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر آپ سے مخاطب ہوں۔ یہ موقعہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا کیونکہ ہماری یہ جوبلی چودھویں صدی کے اختتامی سال اور پندرھویں صدی کے استقبال کی تیاریوں کے موقعہ پر منائی جا رہی ہے۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ چودھویں صدی میں آنحضرتؐ کی مکی زندگی کی بڑی نمایاں جھلک نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ صدی مسلمانوں کے لئے سیاسی، معاشی اور مذہبی لحاظ سے مصائب اور مشکلات کا دور تھا اور پندرھویں صدی کا آغاز آپؐ کی مدنی زندگی کے دور کا آغاز ہونا چاہیئے اور ہوگا۔ جب اسلام کو وہی عروج حاصل ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زندگی میں اور آپ کے بعد حاصل ہوا۔

جماعتِ احمدیہ مکی دور سے گذر چکی ہے۔ اب اس کا مدنی دور آنے والا ہے جبکہ یہ انشاء اللہ روحانی طور پر ایک بلند مقام حاصل کرے گی۔ اور اس کی موجودہ مشکلات دُور ہو جائیں گی۔ لیکن اس کے لئے جماعت کے ہر ایک فرد کو قربانیاں دینی ہوں گی تاکہ اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو جو اُس نے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کیا ہے۔ جماعتِ احمدیہ کا سوائے قرآن کو دنیا میں پہنچانے اور اسلام کی تبلیغ کے اور کوئی مقصد نہیں۔ یہی مشن حضرت مجدد وقت نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ ہم بھی اس مبارک درخت کی ایک شاخ ہیں اس لئے ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم اسے بلند مقام پر پہنچانے کے لئے اپنا تن، من اور دھن قربان کر دیں۔ آخر میں مَیں اس مبارک موقعہ پر اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس جماعت کو ایک بلند مقام پر پہنچا دے۔ (آمین)

پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء و ۲ جنوری ۱۹۸۰ء — ۱۰

مکرم میاں رحیم بخش صاحب کراچی

قسط: ۲ :- بسلسلۂ "قرآن ایک پرحکمت کتاب" مندرجہ پیغام صلح مورخہ ۱۴/۲۱ نومبر ۱۹۷۹ء

مسلمانوں کے تمام تنازعات کا

فیصلہ کن تصفیہ بروئے قرآن حکیم

باب ششم

* * *

یاایھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر۔ ذالک خیر واحسن تاویلاً ؁

(سورۃ النساء ۴: آیت ۵۹)

ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور ان میں سے صاحب امر کی۔ پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو یہ (طریق) بہتر اور انجام کار اچھا ہے۔"

مندرجہ بالا آیت سے ہم نے اس مضمون کا آغاز کیا تھا اور پچھلے ابواب میں اس آیت کریمہ کی تعلیم کے مطابق ہم نے سب سے زیادہ متنازعہ فیہ مسئلہ یعنی وفات وحیات مسیح ابن مریم کو اللہ کی طرف یعنی قرآن حکیم کی آیات محکمات کی روشنی میں اور پھر اس بارہ میں آیات متشابہات پر غور اور تدبر کرنے سے یہ صریحاً ثابت کیا کہ قرآن کی رو سے نہ تو حضرت عیسیٰؑ اپنے جسد عنصری سے آسمان پر اٹھائے گئے اور نہ ہی وہ تا حال عرصہ دو ہزار برس سے بلکہ ابھی تک آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ ان واضح حقائق کے پیش نظر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے گئے مگر ان کی موت صلیب پر واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ کسی اور طریق سے قتل کئے گئے۔ بلکہ وہ صلیب کی موت سے بچ کر کہیں اور ہجرت کر گئے اور اپنی رسالت جو صرف بنی اسرائیل کے لئے مختص تھی۔ کے فرائض کو سرانجام دے کر زمین پر ہی ان کی وفات واقع ہوئی اور تاریخی شواہد کی بنا پر وہ اور ان کی والدہ وادیٔ کشمیر جسکو قرآن مجید کے الفاظ میں "واوینٰھما الیٰ ربوۃٍ ذات قرارٍ ومعین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اب ہم اس مسئلہ کو آیت بالا کے مطابق رسولؐ کیطرف رجوع کرتے ہیں یعنی احادیث صحیحہ جن پر سنت اور تاریخ اور اسوۂ حسنہ کی بنیاد ہے۔ لیکن اس کے باوجود احادیث کی حیثیت بمقابلہ قرآنی محکمات کے متشابہات کی صورت ہے۔ چونکہ احادیث میں بھی نزول مسیح ابن مریم کے بارے میں کئی روایات ملتی ہیں۔ کچھ ایسی احادیث بھی پائی جاتی ہیں جن کی اصلیت اور حقیقت اپنے وقت موعودہ پر ظہور پذیر ہوئی۔ اور ایسی روایات کی صداقت بھی اس وقت ظاہر ہوئی جب وہ وقوع پذیر ہوگئیں۔

سب سے اول غور طلب امر یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کی وفات کا کافی ثبوت مل گیا ہے اور نزول مسیح کے بارہ میں قرآن کریم میں صراحت سے کوئی آیت موجود نہیں تو احادیث میں جو صحت کے لحاظ سے قابل قبول ہیں نزول مسیح ابن مریم کے ذکر سے کیا مراد ہے اور ان کی تصدیق کس طریق سے ظہور پذیر ہوئی۔ اس مسئلہ کو احادیث کی روشنی میں جائزہ لینے کے لئے پہلے یہ بھی دیکھنا ہے کہ آیا احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کا بھی ذکر ہے۔ تاکہ اسے نزول مسیح سے مطابقت دی جا سکے۔ سو اس بارے میں سب سے مقدم اور ثبات کے لحاظ سے وہ روایت غور طلب ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بیان کی گئی ہے۔ اس کی صحت کے لئے کسی حوالہ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہ متفقہ طور پر تسلیم کی گئی ہے۔ جس وقت آنحضرت صلعم کی وفات واقع ہوئی اور آپؐ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو صحابہ کرام کی کثیر تعداد مسجد نبوی میں موجود تھی اور آنحضرت صلعم کی وفات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تلوار لے کر مسجد میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو کوئی آنحضرت صلعم کو وفات یافتہ کہے گا وہ اپنی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیں گے۔

اس اثناء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے گئے جہاں آنحضرت صلعم کے جسد مبارک سے روح پرواز کر چکی تھی۔ آپؓ نے آنحضرت صلعم کی پیشانی کو جذبۂ محبت سے بوسہ دیا اور پھر مسجد مبارک جہاں تمام صحابہؓ جمع تھے تشریف لے گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

"من کان یعبد محمداً فقد مات ومن یعبد اللہ فھو الحی القیوم۔"

اور اس کے بعد سورہ مائدہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی:-

"وما محمد الا رسول۔ قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین۔" (سورہ مائدہ ۱۴۳/۱۴۴)

ترجمہ: "اور محمدؐ ایک رسول ہی ہے۔ اس سے پہلے (سب) رسول مر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ مر جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد بدلہ دے گا۔"

اس آیت کریمہ کے سننے کے بعد سب صحابہؓ مع حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے وصال ہو گیا۔

یہ روایت اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت عیسیٰ جو آنحضرت صلعم سے قبل تھے سب نبیوں کی طرح وفات پا چکے۔ ورنہ اگر صحابہؓ میں سے کوئی بھی حضرت عیسیٰ کو آسمان پر زندہ مانتا ہوتا تو وہ یہ اعتراض پیش کرتا کہ آنحضرتؐ سے پیشتر ایک رسول حضرت عیسیٰ تو زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ مزید برآں الفاظ "قد خلت" کے معانی مرنے کا ثبوت ہیں۔ یہی الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں

وارد ہوئے ہیں۔

چنانچہ سورۂ مائدہ میں عیسائیوں کے باطل عقیدۂ تثلیث کے رد میں آیت ۷۵۔ ان معانی اور حضرت عیسٰیؑ کی وفات کا مزید ثبوت پیش کرتی ہے۔ جہاں ارشاد ہے:۔

"ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ۔ کانا یاکلان الطعام۔"

ترجمہ: مسیح ابن مریم صرف رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی (سب) رسول گذر چکے (یعنی مر چکے) اور اس کی ماں صدیقہ تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

گویا حضرت مسیح بھی سب رسولوں کی طرح ایک رسول تھے اور بشریت کے حوائج سے مبرا نہ تھے۔ ان دونوں آیات سے ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم کی وفات سے استثنا نہیں بلکہ سب رسولوں کی طرح وہ وفات پا چکے ہیں۔ اس واقعہ سے جو آنحضرت صلعم کی وفات پر وقوع پذیر ہوا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ خلفاء راشدہ کے زمانہ میں کسی کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ بجسد عنصری آسمان پر موجود ہیں۔ دراصل یہ عقیدہ بعد میں عیسائیت کے اثرات سے پیدا ہوا۔

ایک اور حدیث اس بات کی صراحتاً مؤید ہے کہ آنحضرت رسول کریم صلعم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات شدہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں امام بخاری علیہ الرحمۃ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان "وکنت علیھم شھیداً مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شیٔ شھید" کی تفسیر میں ایک حدیث نبوی لائے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کچھ لوگ گرفتار ہوں گے۔ تو میں کہوں گا۔ یہ تو میرے دوست ہیں۔ مجھے جواب دیا جائے گا:۔

"انک لا تدری ما احدثوا بعدک انھم لم یزالوا مرتدین علیٰ اعقابھم منذ فارقتھم"

یعنی بے شک اے نبی! تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انہوں نے کیا بدعات کیں۔ یقیناً یہ لوگ جب تو ان سے جدا ہوا اپنی ایڑیوں پر واپس پھر گئے تھے یعنی مرتد ہو گئے تھے"۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرماتے ہیں:۔

"اقول کما قال العبد الصالح عیسیٰ ابن مریم کنت علیھم شھیداً مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شیٔ شھید۔ ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم"

یعنی میں اس وقت وہی کہوں گا جس طرح خدا کے نیک بندے عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ میں ان کا اس وقت تک ہی نگران تھا جب تک ان میں موجود تھا۔ پس جب تو نے مجھے وفات دے دی تو ان کا تو ہی نگہبان تھا۔ اس حدیث نبوی میں آنحضرت صلعم نے اپنی صفائی میں خدا تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن بعینہٖ وہی الفاظ استعمال فرمائے۔ جو قرآن مجید میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی صفائی میں الفاظ پیش کئے تھے جس سے دو امور متنازعہ کی صریحاً وضاحت ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک تو لفظ توفیتنی کے معانی وفات ہی ہو سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات شدہ تسلیم فرماتے تھے۔ اور اگر توفیتنی کے کوئی اور معنی سوائے وفات کے لئے جائیں تو نہ تو آنحضرت صلعم کا جواب اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنی صفائی میں کنت انت الرقیب علیھم سچائی اور حقیقت پر (نعوذ باللہ) مبنی ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ قیامت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اپنی صفائی میں بالکل درست ہوگا کیونکہ آپ نے اپنی وفات کے بعد اپنی امت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کو نگہبان صحیح طور پر فرمایا۔ مگر یہی جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے درست ہوگا۔ اگر انہوں نے آسمان سے زندہ آخری زمانہ میں واپس زمین پر آنا ہے اور عیسائیت کو ختم کرنے (جسکو قتل خنزیر اور کسر صلیب سے تعبیر کیا گیا ہے) تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفائی نہیں ہوتی۔ بلکہ جبکہ آسمان سے واپسی پر وہ اپنے پیروؤں کو ان کو خدا کا درجہ دیا ہوا خود دیکھ سکیں گے۔ تو وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ جواب دے سکتے ہیں۔ کہ کنت انت الرقیب علیھم" یہ الفاظ اپنی صفائی میں صرف اس وقت کہہ سکتے ہیں جب وہ آنحضرت صلعم سے قبل اپنی طبعی موت سے وفات پا چکے ہوں۔

مذکورہ بالا آیات محکمات اور بیّن ثبوت سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات واضح ہے۔ اب ان احادیث پر غور کرنے کی ضرورت ہے جن میں نزول مسیح ابن مریم کا ذکر آیا۔ نزول مسیح کے بارے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان کو سمجھنے کے لئے یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ احادیث کی حیثیت خاص کر وہ احادیث جو پیشگوئیوں کے رنگ میں مستقبل بعید پر چسپاں ہوں۔ وہ متشابہات کے زمرہ میں شمار ہوں گی اور ان کی تاویل آیات محکمات کے منافی یا متضاد نہیں ہونی چاہیئے۔ نزول مسیح ابن مریم کے متعلق قابل ذکر احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث یہ ہے:۔

"اذ بعث اللہ المسیح بن مریم فینزل عند المنارۃ"

یعنی اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو جب مبعوث کرے گا پس وہ منارہ کے قریب نزول کرے گا۔

۲۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث یہ ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری کیا حالت ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوا اور تمہارا امام تم میں سے"۔

۳۔ صحیح مسلم میں اس حدیث کی روایت یوں بیان کی گئی ہے:۔

"کیف انتم اذا نزل بن مریم فیکم فامکم منکم"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو فرماتے ہیں تم کیسے ہو گے جب "ابن مریم" تم میں نازل ہوگا اور وہ تم سے تمہارا امام ہوگا۔"

ان احادیث کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لفظ نزول (جو ان سب احادیث میں مذکور ہے) کی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے۔ اور یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ صحیح احادیث میں لفظ نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ نہیں آیا اور لفظ نزول کے معنی آسمان سے اترنا ہرگز نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی ہر حال میں اوپر سے نیچے آنا۔ اس کے معنی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "انزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس" یعنی ہم نے تم پر لوہا اتارا جس میں بہت طاقت ہے۔ اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں"۔ اسی طرح سورۂ الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۲۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سوآتکم وریشا،" یعنی اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے عیبوں کو ڈھانکتا ہے اور موجب زینت ہے۔"

ان دونوں آیات میں نہ تو لوہا آسمان سے اترتا ہے۔ اور نہ ہی لباس جو سب لوگ پہنتے ہیں۔ آسمان سے اترتا ہے۔ بلکہ زمین سے نکالا جاتا ہے۔ اور زمین سے میسر ہوتا ہے۔ رسولوں اور کتابوں کے متعلق بالخصوص یہ لفظ بولا گیا ہے۔ حالانکہ رسول سبھی زمین پر ہی پیدا ہوتے ہیں اور کتابیں بھی اوپر سے لکھی لکھائی نہیں آتیں۔ مثلاً نبی کریم صلعم کے لئے بھی نزول کا لفظ قرآن کریم میں فرمایا: قد انزلنا الیکم ذکراً رسولاً یتلوا علیکم آیات اللہ (سورۂ الطلاق آیت ۱۱/۱)

ترجمہ: ہم نے تمہاری طرف یاد دلانے کو رسول نازل کیا جو تم پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے:

اور سورۂ الحدید آیت ۲۵ میں فرمایا:۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط"

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں:

کتاب اتارنے کے لفظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رسولوں کو بھی نازل کیا اور کتاب بھی اُن کے ساتھ نازل کی پس لفظ نزول سے مراد صرف مبعوث ہونا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی ایک حدیث جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ میں یہ دونوں لفظ ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

"اذ بعث اللہ المسیح بن مریم فینزل عند المنارۃ

جب اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو مبعوث کرے گا پس وہ منارہ کے قریب نزول کرے گا۔" یہاں صاف مسیح ابن مریم

کی بعثت کا ذکر ہے۔ اور بعثت اسی سرزمین پر بذریعہ امر ربی ہوتی ہے۔ اس لئے لفظ نزول اور بعثت کا درحقیقت ایک ہی مفہوم ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جو متنازعہ فیہ مسئلہ ہو اولاً قرآن کریم کی آیات محکمات سے اس کو سمجھنا چاہیئے۔ اور متشابہات کا مفہوم ہمیشہ آیات محکمات کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس نظریہ کے تحت یہ تو ثابت ہو چکا کہ نزول ابن مریم کا آسمان سے آنا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

مزید برآں ہمارے عقائد کی بنیاد لازماً محکمات پر ہی ہو سکتی ہے۔ اور کبھی متشابہات پر مبنی نہیں ہو سکتی۔ یہ متفقہ اور مسلمہ امر ہے۔ کہ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا ایک زبردست بنیادی اصول ہے اور یہ عقیدہ ختم نبوت کی بنیاد بھی آیات محکمات پر رکھی گئی ہو۔ لہٰذا قرآن کریم نے ختم نبوت کی وجوہات کو بھی نہایت واضح اور بین الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

یعنی یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کل دنیا کے لوگوں کی طرف رسول ہیں اور کہ آپ آئندہ کے لئے بھی تمام نسل انسانی کے لئے ہادی ہیں۔ اور یہ اس بنا پر ہے کہ دین کو قرآن حکیم میں کامل کر دیا گیا اور ہر قسم کی صداقتیں اس کے اندر جمع ہیں اور کہ اس کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ غرض ان تمام امور کو جو ختم نبوت کے لئے ضروری تھے کھلے الفاظ میں بیان کر کے پھر یہ بھی فرما دیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں یعنی چونکہ نبوت کو آپ نے کمال تک پہنچا دیا اس لئے کہ آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اس طرح پر ختم نبوت کے عقیدہ کی بنیاد اعلیٰ درجہ کے محکمات پر رکھ دی۔

پھر احادیث صحیحہ متواترہ میں اس کی اس قدر کھلی کھلی وضاحت کر دی۔ پس بہرحال عقیدہ ختم نبوت میں جس کی بنیاد محکمات پر ہے کسی تاویل کی گنجائش نہیں لیکن پیشگوئیاں جو آئندہ خاص کر زمانہ بعید کے متعلق ہوں ان میں استعارہ اور مجاز کا استعمال جائز ہے۔ اور وہ اس لئے متشابہات میں سے بھی ہوتی ہیں۔ کیونکہ غیب کی ساری تفصیلات پر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو مطلع نہیں فرماتا۔ لیکن ان کا اظہار اور ان کی حقیقت اپنے وقت پر معلوم ہوتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ختم نبوت تو عقیدہ ہے۔ جس کی بنیاد محکمات پر ہے۔ مگر نزول ابن مریم ایک پیشگوئی ہے۔ اور اس میں تاویل کی گنجائش بلکہ ضروری ہے۔ اس لئے جب ایک صریح ثابت شدہ عقیدہ کے خلاف کوئی پیشگوئی نظر آئے تو ایسی پیشگوئی میں ہی تاویل لازم آتی ہے۔

چونکہ اسلام عقائد کی بنیاد محکمات پر رکھتا ہے۔ اس لئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو صرف نبی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نازل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء کا اس پیشگوئی کے متعلق یہ خیال رہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کریں گے تو وہ امتی کی حیثیت میں آئیں گے نہ نبی کی حیثیت میں۔ کیونکہ اگر ان کا نبی کی حیثیت میں آنا مان لیا جائے تو ختم نبوت باقی نہیں رہ سکتی۔

علاوہ ازیں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ایک اُمتی کی حیثیت میں آنا بھی قرآن کریم میں نص صریح کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم نے کئی مقامات پر حضرت عیسےٰ کو صرف بنی اسرائیل کے لئے رسول مبعوث کیا تھا۔

مثلاً جب حضرت مریم کو بشارت دی گئی کہ ان کو بیٹا ہوگا جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا تو اس کی بعثت کے بارے میں فرمایا کہ وہ:-

"رسولاً الیٰ بنی اسرائیل"

ہوگا۔ وہ توراۃ کا مصدق ہوگا اور اس کو انجیل کتاب ملے گی

(سورۃ آل عمران: آیات ۴۵ تا ۵۰)

اس تمام ذکر میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق کہیں ذکر نہیں کہ وہ قرآن کا بھی مصدق ہوگا۔ کیونکہ اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو امت محمدیہ کا فرد بننا ہے تو وہ قرآن کا بھی مصدق ہونا چاہیئے۔ اس سے زیادہ وضاحت سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا خود اپنا قول ہے۔ جیساکہ آیت ۶ سورۃ صف میں ہے:-

"واذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل
انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین
یدیّ من التوراۃ ومبشراً برسول
یاتی من بعدی اسمہٗ احمد"

اس آیت کریمہ سے کس قدر صراحت سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام خود کو صرف بنی اسرائیل کا رسول کہہ کر یہ پیشگوئی بھی کرتے ہیں کہ ان کے بعد (یعنی ان کی وفات کے بعد) ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ یعنی ان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائیں گے۔ اگر انہوں نے دوبارہ امت محمدیہ میں وارد ہونا ہوتا تو یہ آپ کا قول غلط ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں آیات محکمات کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں بیّنہ طور پر واضح ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہو کر آئے اور ان کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور ہوگا۔

پس نزول مسیح عیسیٰ ابن مریم جس کا ذکر احادیث میں ہوا کیا معنی ہیں اور اس کا کیا مفہوم لیا جا سکتا ہے۔ ان سوالات کی وضاحت کے لئے قرآن کریم کی آیات محکمات کی طرف رجوع کرنا لازماً ضروری ہے۔ سو جب قرآن حکیم سے یہ صریحاً ثابت ہو چکا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے بلکہ بشری لوازمات کے بموجب طبعی موت سے وفات پا چکے ہیں اور قرآن میں نزول عیسےٰ بجسد عنصری امت محمدیہ کے فرد کی حالت میں کہیں ذکر نہیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ان احادیث کی جو متشابہات کے زمرہ میں ہیں ایسی تاویل کی جائے جو قرآنی محکمات سے مطابقت رکھتی ہو۔ اور ان کی جو تاویل قرآنی محکمات کے خلاف یا متضاد ہو قابل قبول نہ ہوگی۔

اس عقیدہ کو تو کوئی مسلمان کسی طرح قبول ہی نہیں کر سکتا کہ وہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام بحالت نبوت آئیں گے اور دوسری صورت میں علاوہ اس کے کہ نبی کا نبوت سے معزول ہونا لازم آتا ہے۔ خواہ اس کو کوئی منہ سے یہ لفظ کہے یا نہ کہے مگر ظاہر ہے کہ جب اسی دنیا میں زندہ ہونے کے باوجود اپنی نبوت کے فرائض ادا کرنے کی بجائے ایک امتی کا کام کرتے ہیں۔ تو گویا ان کی نبوت چھن گئی اور وہ عملاً اس سے معزول ہو گئے اور یہ بات ایک مرتبہ ایک کو نبوت کے مقام پر کھڑا کر کے اور اسے مطاع ہونے کا مرتبہ دے کر بعد میں اسی کو اس مرتبہ نبوت سے الگ کر کے ایک امتی اور مطیع کا مقام دینا صریحاً خلاف قرآن ہے۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا کوئی کام اور قرآن کریم کی محکمات آیات حکمت سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ لیکن یہ ایک عجوبہ ہے کہ ایک نبی کو دو ہزار سال تک یا اس سے زیادہ آسمان پر لے جا کر زندہ رکھا جائے حالانکہ وہ دنیا میں واپس آ کر اپنی نبوت کا کوئی کام قطعاً نہیں کرے گا۔ تو یہ کتنا غیر حکمت اور غیر مصلحت امر ہے کہ جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا کوئی کام ہی فی الواقع نہیں تو اس کام کے لئے جو اس امت کا ایک غیر نبی شخص بھی کر سکتا ہے۔ ایک نبی کو زندہ رکھنے اور خلاف سنت اللہ اُسے آسمان پر اٹھائے جانے اور خلاف سنت اللہ اُسے دوبارہ دنیا میں اپنی نبوت کے عہدہ سے الگ کر کے دوبارہ دنیا میں واپس لانے کے کیا معنے؟

باقی آئندہ

فرمانِ خداوندی

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیساکہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تم پر موت نہ آوے مگر ایسی حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو۔"

(الروم)

یادِ رفتگاں

حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری مرحوم کے حالاتِ زندگی

پیدائش

۲ر جولائی ۱۸۹۰ء کو لاہور، وچھووالی۔ کوچہ سدھو مصر جو آج آریہ سماج کے مندر کے نزدیک ہے میں ہوئی۔ نام شنکر داس ولد لالہ رام ناتھ ولد امر ناتھ رکھا گیا۔ بڑے تایا کا نام کاہن چند اور چھوٹے تایا کا نام جگن ناتھ تھا۔ دو چھوٹی بہنیں لال دیوی اور دلہو کی دیوی تھیں۔ ایک چھوٹا بھائی سالگ رام تھا جو مصری صاحب مرحوم کے مسلمان ہونے کے کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا۔ ماں کا نام مولو دیوی تھا۔

تعلیم

سب سے پہلے ایک استاد دونی نامی جو باندھا تھا کے پاس سپارے سیکھے۔ اس کے بعد گھر کے قریب مشن سکول میں داخل ہوئے جو مشن ہائی سکول کی شاخ تھی۔ اس میں تین جماعتوں تک پڑھا۔ اس کے بعد مشن ہائی سکول میں چوتھی جماعت پاس کی۔ پانچویں جماعت میں داخلہ کے دو ماہ بعد ان کے والد فوت ہو گئے۔ چھٹی جماعت میں چند ماہ پڑھ کر سناتن دھرم سکول میں داخل ہوئے۔ جہاں آٹھویں میں پڑھتے تھے کہ ان کے چچا لالہ جگن ناتھ نے جالندھر بلا لیا جہاں آپ دوآبہ ہائی سکول میں داخل ہوئے۔ آٹھویں کا امتحان نہ دے سکے جو یونیورسٹی امتحان ہوتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ لاہور سے جالندھر جاتے ہوئے سرٹیفکیٹ نہ لائے تھے جو بعد میں منگوایا لیکن اس میں تاخیر ہو گئی۔ پھر بھی نویں جماعت میں داخلہ مل گیا۔ دسویں جماعت میں پڑھتے تھے کہ لاہور واپس آ کر ایک پرائیویٹ سکول میں داخل ہو گئے۔

اسلام:

ان کے دادا لالہ امر ناتھ صاحب کو اُن سے بہت پیار تھا۔ لالہ امر ناتھ صاحب کا دھندا [illegible] سے سود وصول کرنے جاتے۔ گھر آ کر کھانا [illegible] کے لئے جاتے اور ہر روز اپنے [illegible]

ایک بہت غریب۔ غریب مسلمان ہمسایوں کے گھر کی عورتیں بھی نظر آتی تھیں۔ امیر گھرانے کی عورتیں پڑھ کرتی تھیں۔ امیر گھرانے کے لوگ کو نماز پڑھتے دیکھا کرتے تھے۔ اکثر سوچا کرتے تھے کہ یہ مسلمان ہمسائے کیوں قابلِ نفرت ہیں۔ عام خیال تھا کہ مسلمان پچھلے جنم کے گناہوں کی وجہ سے ملیچھ پیدا ہوئے۔

مسلمان ہمسائیوں کو دیکھ کر مصری صاحب مرحوم کے دل میں وہ نفرت زائل ہو گئی اور تناسخ کے مسئلہ پر ایمان ٹوٹ گیا۔ اس امیر ہمسائے کے مکان کی جگہ پر بعد میں گنگا رام ہسپتال کھلا۔

اس عرصہ میں ان کے دادا فوت ہو گئے۔ مصری صاحب مرحوم کے خاندان نے ایک بنگالی سادھو کو گورو مان رکھا تھا۔ یہ گورو بی۔ اے پاس تھا لیکن دنیا تیاگ کر سادھو ہو گیا تھا۔ اس سادھو سے مصری صاحب مرحوم نے کوئی ایسا منتر پوچھا جس کے جپنے سے خدا سے تعلق پیدا ہو جائے۔ جو اس نے بتایا تقریباً دو سال بعد جب وہ گورو آئے تو مصری صاحب مرحوم نے بتایا کہ اس منتر کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ گورو نے نیا منتر بتایا لیکن سال دو سال جپنے کے باوجود اس کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔

جس HIGH SCHOOL میں پڑھتے تھے، وہاں ایک شخص غلام محی الدین سے واقفیت پیدا ہو گئی۔ اس شخص کو فقیروں پر بہت اعتقاد تھا۔ اسکی معرفت ایک بہار شاہ نامی فقیر سے ملنے کے لئے گئے۔ اس فقیر کی بہت شہرت تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ زمین پر کمبل اوڑھے بیٹھا تھا اور بے باکانہ باتیں کر رہا تھا اور گالیاں دے رہا تھا۔ اس پیر کو سیالکوٹ کے لوگ اغوا کر کے لے گئے۔ اس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس پر پانی اور سانپ وغیرہ اثر نہیں کرتے۔ وہاں ایک سیلاب آیا۔ لوگ تو پناہ کے لئے بھاگ گئے لیکن وہ ڈوب گیا اور اس کی لاش پر کچھ سانپ بھی چڑھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد ایک اور فقیر کے پاس گئے جس نے ایک وظیفہ بتایا لیکن اس سے بھی اطمینانِ قلب حاصل نہ ہوا۔ غلام محی الدین کا ایک خالہ زاد بھائی حکیم عطا محمد صاحب احمدی تھے۔ غلام محی الدین کا مشورہ تھا کہ بغداد جاؤ۔ وہاں مراد پاؤ گے۔ اس کے لئے وہ مجھے کراچی لے آیا۔ وہاں حکیم عطا محمد بھی ساتھ آ گیا۔ اپنے کسی کاروبار کے سلسلہ میں بغداد جانے کے لئے غلام محی الدین ہی سب خرچ برداشت کر رہا تھا۔ اس وقت مصری صاحب مرحوم کی عمر ۱۹-۱۸ کی تھی۔ کراچی میں حکیم صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی ایک کتاب دی جس کا اثر یہ ہوا کہ بغداد کا ارادہ ملتوی کر دیا اور خود عبادت کر کے خدا سے تعلق پیدا کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی۔ اس عبادت میں رات دن مشغول ہو گئے اور رو رو کر دعائیں کیں کہ خدایا اگر تو ہے تو اپنے آپ کو دکھلا دے۔ اس دوران میں یہ پہلا الہام ہوا:

"دیکھنے کے لئے قناعت چاہیئے۔ خدا کی ہستی پر نظر چاہیئے"

حضرت مرزا صاحب سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ خوابوں میں پرواز روانہ ہونے لگی حضرت مسیح کے پرندوں کی طرح۔ اسی طرح کئی بار حضرت مرزا صاحب کو دیکھا۔ یہ بھی دیکھا کہ میں ٹم ٹم میں بیٹھ کر قادیان جا رہا ہوں۔ مصری صاحب مرحوم نے یہ تفاصیل حضرت صاحب کو لکھتے رہے اور پھر حکیم صاحب کے ساتھ قادیان آئے۔ حکیم صاحب تو لاہور میں اتر گئے۔ مصری صاحب کے قادیان پہنچنے کے دوسرے دن عید تھی۔ چونکہ بذریعہ خط اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے لاہور کے احمدیوں سے واقفیت ہو گئی۔ بذریعہ خط ہی حضرت صاحب نے آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا۔

بٹالہ پہنچ کر ایک ٹمٹم جو پولیس والے بیگار پکڑ لائے تھے پر بیٹھ کر چار آدمی قادیان روانہ ہوئے۔ راستہ میں نہر آئی جسے دیکھ کر اپنی خواب یاد آئی۔ کراچی سے روانہ ہونے سے قبل خواب میں دیکھا تھا کہ ٹمٹم میں قادیان جا رہا ہوں۔ حالانکہ اس زمانہ میں ٹمٹمیں بٹالہ سے قادیان کی طرف نہیں چلتی تھیں اور یہ بھی دیکھا تھا کہ راستہ میں نہر آئی ہے۔ قادیان پہنچ کر پتہ چلا کہ حضرت صاحب کی طبیعت خراب ہے۔ اس لئے وہ نماز میں شریک نہ ہوں گے۔ مصری صاحب نے دعا کی، اور دوسرے دن حضرت صاحب کی طبیعت ٹھیک ہو گئی اور حضور نماز کے لئے تشریف لے آئے اور اس طرح زیارت ہو گئی۔

محبوب عالم نے مصری صاحب کو پیش کیا اور ان کی بیعت قبول ہو گئی۔ اسی دن ایک اور نوجوان کو خواجہ کمال الدین صاحب نے اور شیخ رحمت اللہ صاحب نے ایک عیسائی نوجوان کو بیعت کے لئے پیش کیا لیکن حضرت صاحب اسے مزید پڑھنے کے لئے کہتے رہے۔ اور آخر وہ ناراض ہو کر بغیر مسلمان ہوئے واپس چلا گیا۔

اس دوران میں مصری صاحب نے بہت خوابیں دیکھیں اور سید عبدالقادر جیلانیؒ کے قول کے مطابق سب پوری ہوتی رہیں۔ چند دن قادیان میں رہ کر خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے خاندان کو بھی تبلیغ اسلام کریں۔ حضرت صاحب سے اجازت لے کر لاہور چلے گئے۔ باوجود اس بات کے کہ حکیم نورالدین صاحب اور دیگر بزرگوں نے خوف ظاہر کیا کہ ابھی واپس نہیں بھیجنا چاہیئے تھا۔

لاہور میں تمام خاندان میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ان کی ہدایت کے لئے جب بہت دعا کی تو الہام ہوا۔

"انہے بٹاؤ دے کر" اور مصری صاحب کی زبان سے نکلا۔

"نوری نشہ نہار ہے": اس الہام کے وقت بھی بالکل پہلے جیسی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

بہت سے ہندوؤں سے مناظرے ہوئے۔ اس دوران میں حکیم عطا محمد کے گھر پر ہی قیام کیا۔ مصری صاحب کو متاثر کرنے کے لئے ہندوؤں میں DAV سکول کے ہیڈ ماسٹر اور اسی کالج کے ایک پروفیسر بھی تھے۔

"بٹاؤں" کے لفظ کے معنے دو ماہ کے بعد کھلے جب آپ ایک دوپہر کو احمدیہ دل قادیان میں بیٹھے پڑھ رہے تھے کہ زور سے آواز آئی۔

"بٹاؤں کے ملتے ہیں بٹے پوچھنے والے"

قادیان سے میٹرک پاس کیا۔ قادیان والے کالج بھیجنے کے لئے زور دیتے تھے لیکن آپ قادیان میں ہی رہے اور وہیں سے مولوی عالم اور پھر مولوی فاضل پاس کیا۔ پشاور یونیورسٹی سے ... روپے کی نوکری کی پیشکش ہوئی۔ لیکن قادیان میں ۲۰ روپے ماہوار پر قناعت کی۔

شادی کا جب وقت آیا تو ایک شخص غلام احمد نومسلم نے جو ڈاکٹر شمس الدین کے بعد میں سسر ہوئے انہوں نے اور بعض دیگر دوستوں نے شادی کی کوششیں شروع کر دیں۔ لیکن مصری صاحب نے کئی مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضرت مرزا صاحب ان کی شادی کا انتظام کر رہے ہیں چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے شادی کی تحریک کی۔ اور زینب بیگم بنت حافظ احمد اللہ خاں صاحب سے شادی ہو گئی۔

مولوی فاضل کرنے کے بعد قادیان میں احمدیہ سکول میں پڑھانا شروع کر دیا۔ تنخواہ ۲۵/۲۰ روپے تھی۔ مصری صاحب مرحوم کے استادوں میں حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحبؓ اور حافظ روشن علی صاحب بھی تھے۔ اس زمانہ میں مرزا محمود احمد صاحب مرحوم مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ تھے۔ ان کے کہنے پر مصری صاحب کو مصر بھیجنے کی تحریک ہوئی اور وہ ۱۹۱۲ء میں مصر گئے۔ ساتھ ولی اللہ شاہ صاحب بھی تھے۔

مصر میں فواد یونیورسٹی جو EGYPTION UNIVERSITY کہلاتی تھی میں داخل ہو گئے۔ وہاں وہ لیکچر سنتے تھے۔ ایک تاریخ اسلام کے لیکچرار کا جس کا نام خضری تھا۔ وہ مشہور مؤرخ تھا۔ محاضرات جامعہ مصریہ انہی کی کتاب ہے۔ ازہر یونیورسٹی میں بھی لیکچر سننے جاتے تھے۔ اس دوران میں پہلی عالمگیر جنگ شروع ہو گئی اور دوبارہ ۲ سال کے بعد واپس آنا پڑا۔ ۱۹۱۵ء میں مصر سے واپس آئے چند سالوں بعد ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ ہو گئے۔

۱۹۳۷ء میں قادیانی جماعت سے علیحدہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد قادیان چھوڑا اور لاہوری جماعت میں شامل ہو گئے۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ کی کتب کے گہرے مطالعہ سے یہ انکشاف ہوا کہ لاہوری جماعت حضور کے عقائد کے مطابق ہے۔ اور قادیانی جماعت غلط سے کام لے رہی ہے۔ جہاں ۱۲ اکتوبر تک (یعنی تاحیات) بغیر تنخواہ یا معاوضہ کے احمدیت کی خدمت کرتے رہے۔

جب میاں محمود احمد صاحب یورپ کے دورہ پر گئے تو انگلینڈ، فرانس اور اٹلی کا دورہ بھی ان کے ساتھ کیا۔ راستہ میں مصر اور شام وغیرہ میں بھی ٹھہرے۔

پیارے اباجان کے نام ــــــ

از قلم نبیلہ اکرام

⁂

میں کیسے مانوں، میں کیسے سوچوں۔ بچھڑ گئے ہیں وہ آج ہم سے
وہ جن کی چاہت، وہ جن کی شفقت ملی تھی ہم کو قدم قدم پر
کسے کہیں اب کسے سنائیں، دعا کی خواہش کسے بتائیں
نہیں ہم میں وہ آج شامل تڑپتے تھے جو ہمارے غم پر
تھی کتنی صابر۔ تھی کتنی شاکر وہ نور نکہت بدست ہستی
نہ چھوڑا دامن خدا کا اپنے، قدم نہ بھٹکے کسی ستم پر
نہ دیکھ سکتے تھے جو کہ آنسو ہماری آنکھوں میں زندگی بھر
وہ کیسے موندے ہوئے ہیں آنکھیں ہماری خونبار چشم نم پر
نہیں ٹھہرتی نظر کسی کی، ہے کتنا پُر نور ان کا چہرہ
سجا ہوا ہے۔ وہ ہی محبت بھرا تبسم لبوں کے خم پر
میرے خدایا سمیٹ لیجیو تو اپنی رحمت میں ان کو بڑھ کر
مگر دعاؤں کا ان کی سایہ رہے سلامت ہمیشہ ہم پر

⁂

طاہر عرفانی

مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَم

ایک محترم بھائی نے بیان کیا:

"حضرت امیر قوم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے میں نے خواب دیکھا کہ حضرت امیرؒ مرکزی جامعہ احمدیہ لاہور کے صحن میں کھڑے ہیں۔ ان کے پاس میز پر ایک سفید پگڑی پڑی ہے۔ پاس ہی شیخ عبدالرحمٰن مصری مرحوم بھی موجود ہیں۔ حضرت امیر قومؒ نے وہ پگڑی اٹھائی اور مصری صاحب مرحوم کے سر پر رکھ دی۔ یہ منظر اب بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ میں نے یہ سمجھا کہ حضرت امیر مرحوم کے جانشین حضرت مصری صاحب ہی ہوں گے مگر امیر قوم کی وفات کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ خواب یا اس کی تعبیر درست نہ تھی۔ میں نے اس کا ذکر سلسلہ کے ایک صاحب دل دوست سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں آپ کا خواب بالکل درست ثابت ہوا ہے۔ حضرت امیر قوم مرحوم کا ورثہ علم قرآن اور حضرت بانی سلسلہ کے مشن کی تکمیل [illegible] جماعت میں حضرت مصری صاحب [illegible] کما حقہ کوئی وارث نہیں اور [illegible] صاحب مصری مرحوم کے بعد اس [illegible]"

قحط الرجال کے اس دور میں حضرت شیخ عبدالرحمان مصری رحمۃ اللہ علیہ کی المناک وفات ایک ایسے مجاہد کی موت ہے، جس کی تمام زندگی خیر کثیر یعنی تعلیم القرآن و علمہ کا درخشاں نمونہ تھی۔ اور اس مجاہد نے اپنی موت کے ساتھ یذکرون اللہ قیاما وقعودا و علی جنوبھم کی بے نظیر بلند پایہ روایت کو بھی اپنے ساتھ ہی دفن کر دیا۔

ہم [illegible] جو پیدائشی مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے اور اسی ماحول میں [illegible] پر قائم رہے ان کے لئے ایک ایسے پندرہ سولہ سالہ غیر مسلم طالب علم کی ہمت، استقامت اور اولوالعزمی کا اندازہ کرنا آسان نہیں جو گھر کے عیش و آرام اور والدین و اعزہ کی محبت و شفقت کو لات مار کر دشت غربت میں کود پڑے۔ پھر راستے کی مشکلات سے بے نیاز ہو کر مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ اپنوں اور بیگانوں کی مخالفت کے تھپیڑوں کے درمیان تادم مرگ ثابت قدم رہے اور اس طرح کرسنا آئینی کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ۔ کی تڑپ کے ساتھ عباد الرحمٰن کی محفل میں پہنچ جائے۔

قبولِ اسلام:

حضرت شیخ مصری صاحب مرحوم نے ایک دفعہ خاکسار سے بیان کیا کہ "میں بازار وچھو والی لاہور کے ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرے دادا ساہوکارہ کرتے تھے اور جو قرضہ دیتے تھے وہ یک مشت وصول کرنے کی بجائے روزانہ اقساط میں وصول کرتے تھے تاکہ مقروض کو ادا کرنے میں آسانی ہو۔ مجھ سے انہیں بہت پیار تھا۔ ہر شام وہ باقاعدہ مندر جاتے تو مجھے ساتھ لے جاتے۔ وہاں وہ رات دس گیارہ بجے تک شیو کی پوجا کرتے۔ گو میں اکثر وہاں سو جاتا تاہم میرے دل میں اللہ تعالیٰ کے لئے ایک لگن پیدا ہو گئی۔ میں سناتن دھرم ہائی سکول میں پڑھتا تھا۔ ہمارے ایک ڈرائنگ ماسٹر مذہب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ مجھے خدا کے نیک بندوں سے لگاؤ تھا۔ ایک دن میں نے پوچھا کہ جس طرح پہلے زمانہ میں نیک بندے ہوتے تھے کیا اب بھی کوئی نیک بندہ ہو گا۔ انہوں نے کہا ہاں ایک مہا پرش ہو گا اور اس کا یہی زمانہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس کی پہچان کیا ہو گی۔ فرمایا کہ اس کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہو گی جو جلد ہی فوت ہو جائے گی۔ دوسرے وہ اپنے زمانہ میں کھشنوں کا ناس کرے گا۔ یہ دونوں باتیں حضرت مرزا صاحب میں پوری ہوئیں۔ آپ کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو جلد ہی مر گئی۔ اور آپ کے فرائض میں یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر شامل ہے۔ اسلامی دنیا میں اس قسم کی پیشگوئی ابن عربی نے کی تھی۔ ماسٹر صاحب سے حوالہ پوچھنا بھول گیا اور نہ ہی مجھے کسی ہندو لٹریچر کا پتہ چلا جس میں یہ بات لکھی ہو۔ لیکن ماسٹر صاحب نے ضرور کہیں پڑھا ہو گا۔ غالباً کسی پرانی کتاب میں"

شیخ عبدالرحمٰن مصری کی پیدائش ۱۸۹۰ء میں ہوئی اور پندرہ سولہ سال کی عمر میں حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ تبدیلی مذہب سے والدین اور دیگر بزرگوں کو یقیناً بڑا رنج ہوا۔ ان کی انتہائی کوشش تھی کہ آپ دوبارہ ہندو دھرم میں لوٹ جائیں۔ اور انہوں نے سمجھانے بجھانے کی پوری سعی کی چنانچہ آپ نے فرمایا:

"ہمارے خاندان کے ایک بنگالی گرو تھے۔ وہ مجھے خدا شناسی سکھایا کرتے تھے لیکن ان سے کچھ پلے نہ پڑتا تھا۔ آخر میں مسلمان ہو گیا اور حضرت صاحب نے مجھے خدا دکھا دیا۔ گھر والوں کو اس سے لازماً دکھ ہوا۔ گرو جی مجھے سمجھایا کرتے تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر تو آپ مجھے پرمیشر سے ملا سکتے ہیں تو میں آپ کے دھرم میں آ سکتا ہوں۔ کیونکہ مرزا صاحب نے مجھے خدا دکھا دیا ہے۔ اس لئے کم پر میں مرزا صاحب کو چھوڑ نہیں سکتا۔ میرے بھائی نے بھی (جو ہندو تھے) میری اس بات کی تائید کی۔ گرو جی نے کہا کہ میں خدا سے ملا سکتا ہوں۔ میں نے کہا کہ پہلے آپ اس بات کا ثبوت دیجئے کہ آپ نے خدا کو پا لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو میں ثابت نہیں کر سکتا۔ اس پر میں نے کہا کہ اس صورت میں میں اسلام کو ترک نہیں کر سکتا۔"

قادیان میں قیام

گھر کی گھٹن سے تنگ آ کر آپ مستقل طور پر حضرت صاحب کی خدمت میں قادیان چلے گئے۔ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخل ہو گئے۔ آپ تو قادیان میں حضرت صاحب سے فیض یاب ہونے گئے تھے اور جب کبھی موقعہ ملتا حضرت صاحب کی صحبت میں پہنچ جاتے۔ چنانچہ آپ نے بتایا:

"حضرت صاحب ہر روز سیر کو جایا کرتے تھے۔ میں سکول میں زیر تعلیم تھا اور باقاعدہ آپ کے ساتھ سیر کو جایا کرتا تھا۔ ایک دن مولوی شیر علی صاحب ہیڈ ماسٹر نے کہا کہ تم ہر روز سکول کو چھوڑ کر چلے جاتے ہو۔ میں نے کہا کہ میں یہاں میٹرک کرنے نہیں آیا۔ آپ بے شک میرا نام سکول سے خارج کر دیجئے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

ایک دن میں حضرت صاحب کے ساتھ سیر سے واپس آ رہا تھا کہ آپ ایک درخت کے سائے میں ٹھہر گئے۔ دن گرم تھا ایک سمت سے نہایت خنک ہوا چل رہی تھی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ ٹھنڈی ہوا کس کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے؟ سب نے کہا۔ نہیں حضرت یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اسی طرح جب مامور آتا ہے تو اس کے ساتھ الہام کی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ جس سے اس کے ساتھیوں میں سے ہر شخص مستفید ہوتا ہے۔ اور یہ اس کی ذاتی

خوبی نہیں ہوتی۔ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے الہامات اہمیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ کسی دوسرے کے کام کے نہیں بس تمہارے اعمال ہی کام آئیں گے۔"

شیخ مصری صاحب کو حضرت مرزا صاحب سے معرفت الٰہی دولت اسلام اور للّٰہیت کی نعمت ملی جس نے بعد کے گوناگوں حالات میں آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ آنے دی پھر مولانا نورالدینؓ نے آپ کو ذوق قرآن، حق شناسی اور دینی علوم سے مالا مال کیا۔ چنانچہ مولانا نورالدین کے ارشاد کے مطابق آپ نے دینی تکمیل پر کمر باندھی۔

حکیم الامتؓ نے آپ کو حافظ روشن علی صاحب کے سپرد کر دیا۔ اس زمانے کے آپ نے دو ایک واقعات بتائے جو ہدیۂ قارئین ہیں۔ فرمایا:

"مجھے مولوی عالم کا امتحان دینا تھا۔ میرے پاس وقت تھوڑا تھا۔ ایک کتاب ایسی تھی جو میں نے ابھی تک دیکھی بھی نہ تھی۔ میں ایک عرصہ سے مولانا نورالدینؓ کا درس قرآن سنا کرتا تھا۔ سوچا کہ اگر چند دن درس نہ سنا تو کیا حرج ہے۔ امتحان کے بعد سن لوں گا۔ چنانچہ میں کتابیں لے کر حضرت صاحب کے باغ میں چلا جاتا۔ مگر میری طبیعت خراب ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب سے دوائی مگر افاقہ نہ ہوا۔ بلکہ بخار تیز ہو گیا۔ چار پانچ روز یہی کیفیت رہی۔ آخر ایک دن گڑگڑا کر دعا کی تو اشارہ ہوا۔ تم میری کتاب چھوڑ کر یہ کتابیں کیسے یاد کر سکتے ہو۔ میں نے اسی دن سے درس میں جانا شروع کر دیا۔ پھر امتحان میں بیٹھا تو پنجاب بھر میں اول رہا۔"

میں مولوی فاضل کی تیاری کر رہا تھا۔ مولانا نورالدینؓ کے پاس ایک طالب علم آتا تھا جو آپ سے متنبی وغیرہ پڑھتا تھا آپ نے اس طالب علم سے کہا کہ تم عبدالرحمٰن کو پڑھا دیا کرو۔ اس نے حامی تو بھر لی۔ مگر بد دلی سے پڑھاتا تھا۔ میں نے مولانا سے ذکر کیا۔ تو آپ نے جوش کے ساتھ اسے کہا کہ ہم عبدالرحمٰن کو تم سے بھی آگے لے جائیں گے۔ ایک روز اس نے مجھے کہا کہ تم پاس نہیں ہو گے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث یاد آئی۔ کہ مومن جب کوئی بات قسم کھا کر کہتا ہے تو وہ پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے پورے جوش سے کہا کہ خدا کی قسم میں ضرور کامیاب ہوں گا۔ اور تم ناکام ہو گے۔ چنانچہ نتیجہ نکلا تو میں کامیاب ہوا۔ اور وہ ناکام رہا۔ اور تین سال تک فیل ہوتا رہا۔ ایک دن مجھے انارکلی لاہور میں ملا تو کہنے لگا کہ میں چاہتا تھا کہ تم ناکام رہو مگر تمہاری قسم مجھے کھا گئی۔

نصرت الٰہی

مولوی فاضل کا امتحان آسان نہ تھا۔ کتب نصاب کا حصول بھی ناممکن تھا۔ آخر ایک روز میں نے نہایت الحاح و عاجزی سے دعا کی تو آواز آئی "نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب" میں نے نصرٌ من اللہ کی یہ کیفیت دیکھی کہ کتاب کا جو حصہ یاد کرتا تھا۔ وہی امتحان میں آ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک کتاب کی دو جلدیں تھیں۔ اگلے دن پرچہ تھا۔ میں دہلی دروازہ سے ایک شخص سے ایک ہی جلد لے کر شاہی مسجد میں پڑھنے چلا گیا۔ اتفاق سے یہ دوسری جلد تھی جس کا بہت تھوڑا حصہ کورس میں تھا۔ اب پہلی جلد لانے کے لئے واپس جانا مشکل تھا۔ چنانچہ میں نے وہی دوسرا حصہ یاد کر لیا۔ امتحان میں تمام سوال اسی حصہ میں سے آ گئے۔ نصرٌ من اللہ کا یہ حصہ امتحان میں دیکھا اور نتیجہ نکلا تو فتح قریب بھی حاصل کر لی۔

مصر کو روانگی

مولانا نورالدینؓ تو شمع علم اور قرآن کے پروانے تھے۔ مولوی فاضل کے بعد شیخ مصری صاحب کو اعلیٰ تعلیم کے لئے جامع ازہر، مصر میں بھیج دیا۔ جہاں آپ نے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ ان دنوں مصر میں مشہور پادری ڈاکٹر زویمر قاہرہ کے مختلف حصوں میں اسلام کے خلاف زہر چکانی اور تثلیث کی تبلیغ میں سرگرم عمل تھا۔ عام مسلمان کے پاس اس کے اعتراضات کا کوئی جواب نہ تھا۔ ایک دن قاہرہ کے ایک عیسائی محلے میں اس کا لیکچر تھا۔ میرا ایک عرب ہم جماعت اس محلے کا رہنے والا تھا۔ وہ کچھ پریشان تھا۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ ہمارے محلے میں آج پادری زویمر کا لیکچر ہے۔ وہ اسلام کے خلاف اعتراضات کرتا ہے۔ اور ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ میں نے اسے حوصلہ دیا اور اسے دو تین اعتراضات بتائے جن کا جواب وہ پادری سے پوچھے۔ چنانچہ اس طالب علم نے ایسا ہی کیا۔ جب پادری زویمر نے وہ اعتراضات سنے تو اس نے چیخ کر کہا کہ:

"ھٰذا احمدیٌ۔ ھٰذا احمدیٌ"

اور اس کے ساتھ ہی لیکچر ختم کر کے چلا گیا۔ کہ ہمیں احمدیوں سے مذہب کے بارے میں بات کرنے کی اجازت نہیں۔

مولانا نورالدینؓ فوت ہو چکے تھے۔ جماعت دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔ کہ شیخ صاحب مصر سے فارغ التحصیل ہو کر قادیان لوٹ آئے۔ ایک نومسلم نوجوان کے لئے ختم نبوت و اجرائے نبوت تکفیر المسلمین اور اتحاد المسلمین چنداں اہمیت کے حامل نہ تھے۔ شیخ صاحب کے نزدیک طبعاً حضرت مرزا صاحب ہی سب کچھ تھے۔ یا دوسرے درجے پر مولانا نورالدینؓ ہی ان کے مرشد، مربی استاد اور کفیل تھے۔ واپسی پر انہیں حضرت مرزا صاحب اور مولانا نورالدینؓ کے اہل و عیال قادیان میں ملے۔ پھر بھی قادیان کو عقیدت و ایمانیات کا محور و مرکز تھا۔ اکابر لاہور کے چلے جانے کے بعد جماعت قادیان کو حضرت شیخ مصری ایسے فاضل کی اشد ضرورت تھی وہاں ان کی خوب پذیرائی ہوئی۔ مرحوم تعلیم و تدریس میں مصروف ہو گئے اور قادیانی مسلک کے پرجوش مبلغ بن گئے۔ ایک عالم، معلم، منتظم اور مخلص مرید ہونے کی وجہ سے جماعت قادیان اور سربراہ جماعت نے ان کی قدر کی، جناب شیخ صاحب نے قادیان میں جو سال گذارے ان کے پیچھے ان کا خلوص، حضرت صاحب سے عقیدت اور اسلام سے عشق کار فرما تھا۔

آپ صدق نیت سے قادیانی قیادت کے جان نثار اور مؤید تھے لیکن آپ پر قصر خلافت کی ناہموار زندگی روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ تو آپ نے اس کی اصلاح کے لئے کوشش کی اور جب ناکام ہوئے تو جس طرح طالب علمی کے ابتدائی دور میں حق کی خاطر گھر بار چھوڑ دیا اسی طرح حریت فکر و نظر برقرار رکھنے کے لئے ایک بار پھر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی زندگیوں عزت۔ شہرت اور گھر بار کو خطرے میں ڈالا اور قادیان کی آمرانہ اور جابرانہ فضا میں اعلائے کلمۂ حق کیا اور چھ ماہ تک مجلسی بائیکاٹ اور خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے بعد لاہور چلے آئے اور آپ کے مؤقف کی صداقت کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اہل و عیال اور بعض مخلص اور حقیقت دان دوستوں نے بھی آپ کا ساتھ دیا بلکہ ان میں سے فخرالدین ملتانی نے تو اپنی جان تک قربان کر دی۔

راقم الحروف کو ان دنوں مرحوم بھائی سید محمد امین گیلانی مولوی فاضل مرحوم کے ساتھ قادیان جانے کا اتفاق ہوا۔ چچا سید سرور شاہ صاحب کے ہاں ٹھہرے۔ شیخ صاحب ان دنوں سٹیشن کے قریب ایک کوٹھی میں رہائش پذیر تھے۔ ہم دونوں رات نو بجے شیخ صاحب کو ملنے گئے۔ چاندنی رات تھی شیخ صاحب بیرونی دروازے تک تشریف لائے۔ اور ان مظالم کی داستان سنائی جو ان کے بال بچوں پر روا رکھے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ دیگر ضروریات زندگی کے علاوہ بچوں کے لئے دودھ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ اور ستم ظریفی دیکھئے کہ جن ہندوؤں کا دھرم چھوڑ کر آپ دائرۂ اسلام میں آئے تھے وہی کسی قدر ضروریات زندگی مہیا کر رہے تھے۔ کیا یہ آپ کی کوئی معمولی آزمائش تھی؟ ہم جتنا عرصہ وہاں ٹھہرے خلیفہ کے مقرر کردہ نگران چاروں طرف سے ٹارچ کی روشنی ڈالتے رہے۔

لاہور میں آمد

غالباً ۱۹۳۷ء میں آپ قادیان سے نقل مکانی کر کے لاہور تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ کے عقائد وہی تھے جو قادیانی جماعت کے تھے۔ یعنی حضرت مرزا صاحب نبی اللہ ہیں۔ اور جو مسلمان آپ کے دعاوی کے منکر ہیں وہ پکے کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ البتہ مصلح موعود کے متعلق آپ کا عقیدہ ذاتی مشاہدے اور تحقیق کی بنا پر متزلزل ہو چکا تھا۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اراکین نے ازرہ ہمدردی آپ کو خوش آمدید کہا۔ یہاں ٹھہر کر پہلی بار آپ کو حضرت مرزا صاحب

...ب کا از سر نو مطالعہ کا موقعہ ملا اور آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جماعت ... لاہور کے عقائد حضرت مرزا صاحب کے مسلک کے مطابق ہیں اور اس تبدیلی کے بعد آپ نے مضامین کا سلسلہ شروع کیا اور اس قدر لکھا کہ حضرت امیر مرحوم اور ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم کے سوا کسی کو اس قدر اسلام اور سلسلہ کی خدمت کا موقع نہیں ملا۔

حضرت شیخ عبدالرحمٰن کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی۔ کہ وہ اسلام اور سلسلہ کی خدمت کرتے جائیں اور اسی جذبے کے ساتھ جماعتی مساعی میں شریک عمل رہے۔ ان کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ گو خدمت سلسلہ میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھے اور وہ قارون کے خزانہ کے مالک بھی نہ تھے، مگر انہوں نے کبھی اپنی دینی خدمات کا معاوضہ وصول نہیں کیا اور آج "ان اجری الا علی اللہ" کا یہ مسلک دنیا میں شاذو نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کسی نہ کسی رنگ میں حضرت صاحب کے مشن کی تکمیل کا موقع ملتا رہے، اسے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ اور اس ضمن میں مخالفت اور تنقید کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اور حضرت امیر مرحوم کی وفات کے بعد آپ کی خدمات اور مقصد سے وابستگی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

توکل علی اللہ

آپ کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر جو بھروسہ تھا اُس کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھے کبھی مالی پریشانی میں نہیں چھوڑا۔ قادیان سے جدا ہونے سے پہلے میری بیوی کو الہاماً بتایا گیا: "ان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ" یہ خواب حیران کن تھا۔ ہماری زندگی پر سکون تھی بظاہر حالات اس کے خلاف تھے لیکن چار ... بعد خلیفہ قادیان سے اختلاف ہوا۔ تو تنخواہ کے علاوہ دیگر آسائشوں سے بھی محروم ہو گئے۔ تاہم لمحہ بھر بھی تشویش نہ ہوئی۔ میں لاہور آ گیا۔ بچے زیر تعلیم تھے۔ انجمن نے پہلے ایک سو اور پھر دو سو روپے کی پیشکش کی۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔ اور الحمد للہ میں نے آج تک (۱۹۷۲ء) تک انجمن سے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ اپنے بچوں سے بھی کچھ نہیں مانگتا۔ اپنی خوشی سے بھیج دیں تو لے لیتا ہوں۔ حافظ بشیر احمد مجھے پانچ سو روپے ماہوار ووکنگ سے بھیجتا رہا ہے۔ اسی طرح دُوسرے بچے بھی خدمت کرتے ہیں۔"

گو حضرت امیر مرحوم کے وصال کے بعد آپ زیادہ انہماک سے تحریر و تقریر میں لگ گئے۔ تاہم گزشتہ چند سالوں میں اس لگن نے جنون کی صورت اختیار کر لی و لیسے تو آپ نے ہر میدان میں علم و استدلال کے پھول کھلائے مگر دو امور کے متعلق گرانمایہ کام کیا ان میں سے ایک تو قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح تھی اور دُوسرے اُن اعتراضات کا جواب دینا تھا جو غیر احمدی مسلمانوں کی طرف سے حضرت مرزا صاحب کے معتقدات پر ہوتے تھے۔ یا جو غلط بیانیاں جماعت ربوہ کی طرف سے حضرت مرزا صاحب کی متعلق کی جاتیں تھیں۔

چند سال سے آپ انجمن کے شعبہ تصنیف و اشاعت کے انچارج تھے۔ جس سے آپ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور سلسلہ سے متعلق غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں دور کرنے کے لئے بیسیوں رسالے لکھے حتیٰ کہ معذوری کے عالم میں بھی چارپائی پر بیٹھے بیٹھے یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور غالباً اس قدر مواد چھوڑ گئے ہیں کہ وہ ایک عرصے تک چھپتا رہے گا۔

خاکسار کو کئی مسائل پر مرحوم کی رائے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اور آپ زیر نظر مسئلہ پر دل کش پیرائے میں اس کی تشریح و توضیح فرماتے۔ چنانچہ یہ جان کر کہ آپ کا علم آپ کے ساتھ ہی دفن نہ ہو جائے آپ سے تفسیر قرآن لکھنے کی استدعا کی، جو آپ نے کمال شفقت سے قبول فرمائی۔ چنانچہ آپ نے پارہ اوّل اور پارہ دوم کے چند رکوعوں کی فاضلانہ تفسیر کی جو ۱۹۷۰ء سے لے کر ۱۹۷۲ء تک متواتر ماہنامہ "روح اسلام" کے شماروں میں چھپتی رہی اور آپ کا جذبہ خدمت اس قدر حرص کی صورت اختیار کر چکا تھا کہ آپ کی عدیم الفرصتی کے باوجود جب بھی کسی اہم مسئلہ پر لکھنے کی درخواست کی گئی آپ نے بکمال شفقت اعانت فرمائی۔

ع

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخ زیبا لے کر؟

حضرت شیخ عبدالرحمٰن مصری رحمۃ اللہ علیہ جن روحانی ذہنی اور اخلاقی خوبیوں کے مالک تھے احباب مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ دلیسے مذہبی اور بالخصوص مسلمان معاشرے کا کمزور پہلو یہ ہے۔ کہ اس کے اکثر افراد اپنی ذاتی کمزوریوں کی سوزش سے بچنے کے لئے دیگر بھائیوں کو نبیوں کے اسوہ حسنہ پر پرکھتے ہیں۔ اور ان کی ستائو سے خوبیوں کو ایک مفروضہ کمزوری کے مقابلہ رد کر دیتے ہیں تاہم شیخ صاحب مرحوم لومۃ لائم سے بلند تھے۔ انہیں اللہ کی ذات پر توکل اور کامل بھروسہ تھا۔

شعر

رحمت حق بر رواں پاک اُو

باد آغشتہ بعنبر خاک اُو؟

اس دُعا کے بعد درج ذیل واقعہ کے ساتھ عقیدت کے ان پھولوں کو ہدیۂ احباب کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:۔

"میں افریقہ گیا ہوا تھا۔ تین ماہ تک ٹھہرنے کی اجازت تھی۔ مارچ کی تین تاریخ تک واپسی تھی۔ واپسی کے لئے جہاز کا سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیا گیا۔ جہاز چلنے میں تین چار دن تھے۔ کہ انجمن کی طرف سے چٹھی ملی کہ واپس نہ آئیں اور تبلیغ کے لئے ووکنگ چلے جائیں میں نے بحری جہاز میں سیٹ کینسل کروا دی اور ہوائی جہاز میں سیٹ بک کروالی۔ سامان تیار کر لیا۔ ۱۴ یا ۱۵ مارچ کو سامان کے سلسلہ میں ایئرپورٹ کی طرف گیا۔ راستے میں ڈاک خانہ تھا۔ سوچا کہ ڈاک کا پتہ کر لیا جائے۔ وہاں انجمن کی چٹھی ملی کہ ووکنگ جانے کا ارادہ ترک کر دو۔ اب عجیب صورت تھی۔ ویزا ختم ہو چکے تھے۔ ہوائی جہاز کی سیٹ ترک کرنا اور بحری جہاز میں جگہ کا ملنا ہر دو ناممکن تھے۔ اور کوشش کے راستے مسدود تھے۔ تاہم ہوائی جہاز کی سیٹ تو کینسل ہو گئی مگر ویزا کی مدت ختم ہونے کے اندر اندر بحری جہاز میں سیٹ کا ملنا ناممکن تھا۔ کوشش کے باوجود سیٹ نہ ملی۔ بے بس ہو کر ویزا کی تاریخ بڑھانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ متعلقہ افسر نے کہا کہ اگر بعد کے جہاز پر سیٹ حاصل کر لی جائے اور مجھے ٹکٹ دکھا دیا جائے۔ تو میں ٹھہرنے کی تاریخ بڑھا دوں گا۔ مگر یہ صورت بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ میں نے دُعا کی کہ جہاز میں دو سیٹیں مل جائیں۔ ہر بار میری زبان سے درجہ اول ہی نکلتا رہا۔ سب مایوس تھے لیکن میری بہو نے کہا آپ دعا کر رہے ہیں ضرور جائیں گے۔

چنانچہ انہی دنوں اطلاع ملی کہ درجہ اول میں دو برتھ خالی ہیں میرے لڑکے نے کرایہ ادا کر دیا۔ اور پھر آ کر اطلاع دی۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اسی ایمان نے مجھے آج تک مضبوط رکھا ہے۔ اور میں نے آج تک کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ اپنے بچوں کے سامنے بھی نہیں۔

ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

کل من علیہا فان و یبقٰی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔"

ارشاد مسیح موعودؑ

"میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے"

(الوصیت)

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

جنّت اور جہنم

ترجمہ: محترم جناب فخر الدین احمد صاحب

عالمِ معاد میں زندگی کی دو حالتیں ہیں۔ جن لوگوں کی نیکیاں بدیوں سے بڑھ جائیں گی ان کی جنّتی زندگی اور جن کی بدیاں زیادہ ہوں گی اُن کے لئے جہنمی زندگی۔

قرآن کریم میں بہشت یا جنت کے لئے لفظ فردوس صرف دو جگہ آیا ہے۔ سورۂ کہف (۱۰۷) میں اور سورۂ مومنون (۱۱) میں ورنہ بالعموم راست بازوں کے دائمی مسکن کے لئے لفظ جنۃ (جس کے لغوی معنی باغ کے ہیں اور جمع جنّت) استعمال ہوا ہے یہ راست باز وہی لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ ان کا ٹھکانا ایسے مقامات بیان کئے گئے ہیں جہاں باغات ہیں۔ جن میں نہریں بہتی ہیں۔ ان نہروں سے مراد حیات اور باغات کے اشجار سے مراد وہ حسنات ہیں جو ان لوگوں نے دنیا میں اکٹھی کی ہیں۔ لفظ جنّت جن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی شئے کا اس طرح پوشیدہ ہونا کہ حواسِ بشری اسے محسوس نہ کر سکیں۔ اور باغ کو جنت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ زمین کو درختوں سے پوشیدہ کر لیتا ہے۔ جنّت کو نہروں والا باغ بیان کرنا ایک استعارہ اور تمثیل ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:۔

”اس جنت کی ایک مثال ہے جس کا وعدہ متقیوں کو دیا جاتا ہے۔ اس میں پانی کی نہریں ہیں“ (۴۷ : ۱۵)

نعمائے جنّت کا اندازہ، قیاس اور احساس اس سفلی زندگی میں نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ دنیا میں ان نرالی چیزوں کا نمونہ نہیں:۔

”پس کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ اس کا بدلہ جو وہ کرتے تھے“

اس آیت کی شرح میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہشت اور اس کی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں۔ پس جب خدا تعالےٰ اور اس کا رسول ان چیزوں کو نرالی چیزیں بتلاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو یہ گمان کرنا کہ بہشت میں بھی دنیا ہی کی چیزیں ہوں گی قرآن سے لاعلمی اور اس سے دُور نکل جانا ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ:۔

”بہشت کی چیزوں کو اس دنیا کی چیزوں سے کوئی مماثلت نہیں صرف ان کا اس دنیا کی چیزوں سے نام کا اشتراک ہے“

مثلاً نعمائے جنت کے ذکر میں کئی جگہ لفظ ظلّ آتا ہے مگر اس سے مراد درحقیقت سایہ نہیں کیونکہ جنّت میں نہ سورج ہے نہ دھوپ۔

”نہ اس میں دھوپ کی (حدّت) دیکھیں گے نہ سخت سردی“ (۷۶ : ۱۳)

اس لئے گو وہاں نام تو ظلّ ہی ہے مگر اس کا مفہوم کچھ اور ہے۔ امام راغبؒ کے نزدیک ظلّ سے مراد درختوں کی بہتات عزت، حفاظت اور آسائش ہے۔ یہی کیفیت جنّت کے بیان میں رزق کی ہے۔ جہاں اس سے مُراد قوتِ لایموت نہیں بلکہ جیسے سورۂ طٰہٰ (۱۳۱) میں آتا ہے:۔

”نماز رزق روحانی کا موجب ہے۔ اسی طرح بہشت میں دیئے جانے والے پھل بھی اسی دنیا میں پیدا ہونے والے پھل نہیں بلکہ یہ ان نیک اعمال کے ثمرات ہیں جو راست باز اس دنیا سے ساتھ لے کر گئے تھے (سورۃ البقرہ (۲۵) میں اس کی وضاحت موجود ہے:۔

”جب کبھی اُن کو ان میں سے کوئی پھل رزق دیا جائے گا۔ کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں پھلوں سے مُراد نیک اعمال کے ثمرات شیریں ہیں نہ کہ زمین سے اُگنے والے پھل جو ہر راستباز کو اس دنیا میں میسّر نہیں آتے۔ البتہ نیک اعمال کے پھل انہیں ضرور ملیں گے۔ یہی کیفیت بہشت میں پانی، دُودھ، شہد، تکیوں، تخت، لباس اور دُوسری آسائشوں اور زینتوں کی ہے۔ جو اس دُنیا کی چیزیں تو نہیں مگر ان کو ہمارے سمجھانے کے لئے یہ تمثالی نام دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے خود ان بیانات کو مثال یا تمثیل کا نام دیا ہے۔

ایک ادنیٰ تدبّر سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ اُخروی زندگی مکان و زمان کی قیود اور حدود سے آزاد ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ جنّت کی وسعت اور فراخی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔

”اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے“ (۳ : ۱۳۲)، (۵۷ : ۲۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ جس صورت میں بہشت تمام آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ تو دوزخ کہاں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: دن کے وقت رات کہاں ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنّت اور جہنم دو مختلف مقامات نہیں بلکہ عالمِ معاد میں زندگی کی دو مختلف حالتیں ہیں۔ پھر باوجودیکہ جنّت اور جہنم ایک دُوسرے سے بڑی مسافت پر ہیں۔ چنانچہ اگر ایک بلندترین مقام ہے تو دوسرا اسفل السافلین، تاہم ان کو ایک دیوار جُدا کرتی ہے۔ جو ان میں حائل ہے:۔

”پس اُن کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ اس کا ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے اندر کی طرف رحمت ہے اور اس کے باہر کی جہت سے عذاب ہے“ (۵۷ : ۱۳)

ایک دُوسرے مقام پر اہلِ جنت اور اہلِ جہنّم کے ذکر میں آتا ہے:

”اور اُن کے درمیان ایک پردہ ہوگا“ (۷ : ۴۶)

پھر جہنم میں آگ کے شعلوں کے بھڑکنے اور جوش مارنے کی آوازوں کا ذکر قرآن میں سورۃ الفرقان (۱۲) اور الملک (۷) میں آتا ہے:۔

”مگر اہلِ جنّت اس کی آہٹ بھی نہ سُن سکیں گے“ (۲۱ : ۲)

باوجودیکہ ایک دُوسرے موقعہ پر خود قرآن شریف نے اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کی آپس میں گفتگو کا ذکر کیا ہے (۷ : ۴۴ : ۵۰) اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک دوسرے کی بات چیت ضرور سُنیں گے یہاں اس مضمون کا آخری حصّہ نقل کیا جاتا ہے:۔

”اور آگ والے جنّت والوں کو پکاریں گے کہ ہم پر کچھ پانی بہا دو۔ یا اس سے (دو) جو اللہ نے تم کو رزق دیا ہے۔ کہیں گے اللہ نے اس کو کافروں پر حرام کیا ہے“

پس جنّتی لوگوں کا دوزخیوں کی کلام سُن لینا مگر جہنّم کے بھڑکتے شعلوں کی آہٹ نہ سننا اس بات کا ثبوت ہے کہ جہنّم فی الحقیقت ایک حالت کا نام ہے جس کو وہی لوگ محسوس کریں گے جو اس میں موجود

ہوں گے۔ بعینہٖ یہی کیفیت جنت کی ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ جنت اور جہنم کی ابتدا اس دُنیا کی زندگی سے ہوتی ہے مندرجہ ذیل آیات کو پہلی آیات کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہ مضمون زیادہ واضح ہو جاتا ہے:۔

"اور انہیں خوشخبری دے دو جو ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں کہ اُن کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب کبھی ان کو ان میں سے کوئی پھل رزق دیا جائے گا کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا اور انہیں ملتا جلتا رزق دیا جائے گا۔"

(۲: ۲۵)

"اُن کے لئے رزق ہے جس کی خبر دی گئی ہے"

(۳۷: ۴۱)

"اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی پہچان انہیں کرا دی ہے۔" (۴۷: ۶)

اب سورۃ البقرہ کی آیت بتلاتی ہے کہ راستباز لوگ بہشت میں جو پھل پائیں گے وہ وہی ہوں گے جو انہیں پہلی زندگی میں دیئے گئے تھے۔ دوسری اور تیسری سے معلوم ہوتا ہے کہ جو رزق انہیں بہشت میں دیا جائے گا اس کی ان کو اس دنیا میں ہی خوشخبری دی گئی تھی۔ اب یہ ظاہر ہے کہ یہاں اِس دُنیا کے پھل اور رزق مُراد نہیں کیونکہ دُنیا کا جو رزق اور پھل ہوتا ہے وہ تو راستباز اور گنہ گار دونوں کے لئے یکساں ہوتے ہیں یعنی جو زمین اُگاتی ہے اور زندہ رہنے کے لئے ان کا استعمال ضروری ہے۔ پس جنت کے بیان میں جن پھلوں اور رزق کا ذکر ہے۔ وہ صرف راستبازوں کو ہی ملیں گے اور بدکاروں کا اِس میں کوئی حصہ نہیں اور حقیقت میں یہی وہ نعماء ہیں جن کے نظاروں سے بدکار اِس دنیا میں محروم رہتے ہیں اور آخرت میں بھی محروم رہیں گے۔

"اور جو کوئی اِس (دُنیا) میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔" (۱۷: ۷۲)

اس لئے یہ نیک اعمال کے پھل اور وہ رزق ہے جو راستبازوں کو یادِ خدا اور ذکرِ الٰہی سے ملتا ہے۔ اور یہ وہی رزق ہے جس کا ذکر مندرجہ ذیل آیات اور دُوسرے مقامات پر کیا گیا ہے:۔

"سو اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں اور سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور رات کے وقتوں میں بھی تسبیح کر اور دن کی طرفوں میں بھی تاکہ تو راضی ہو جائے اور اپنی نگاہیں اس کے پیچھے لمبی نہ کر جو ہم نے ان میں سے قِسم قِسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی آرائش کے لئے سامان دیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعہ سے آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور زیادہ دیرپا ہے۔" (۲۰: ۱۳۰-۱۳۱)

اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کی غذا کھانے والوں کو اس دُنیا میں ہی جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی جاتی ہے:۔

"اے اطمینان پانے والی جان۔ اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو اس سے راضی۔ وہ تجھ سے راضی۔ سو میرے بندوں میں داخل ہو جا۔" (۸۹: ۲۷-۳۰)

اس نظریئے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی قرار دی گئی ہے جس کے لئے راست باز اس دنیا میں کوشاں رہتے ہیں اور جس کو حاصل کر کے وہ اِس دنیا میں بہشتی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی دکھایا گیا ہے:

"اللہ نے مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہیں میں رہیں گے اور ہمیشگی کے باغوں میں پاکیزہ رہنے کی جگہوں کا اور اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر (نعمت) ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔" (۹: ۷۲)

اہل جنت کی تحمید۔ تقدیس اور تمجید میں مصروف رہیں گے اور اسی میں راحت پائیں گے۔ اور یہی ان راست بازوں کی اِس دنیا میں روحانی غذا ہے۔ (۲۰: ۱۳۱)

"ان میں ان کی دُعا ہے۔ اے اللہ تو پاک ہے اور ان میں ان کی آپس کی دُعا سلام ہے۔ اور ان کی آخری دُعا ہے کہ سب تعریف اللہ کیلئے ہے۔ جو جہانوں کا رب ہے۔" (۱۰: ۱۰)

جنت میں نہ غم و آزار ہوگا نہ ہی تھکان اور مشقت بلکہ دل ہر قسم کے غل و غش۔ حسد و کینہ سے پاک ہوں گے۔ اور ہر طرف سلامتی اور امن ہوگا۔

"متقی باغوں اور چشموں میں رہیں گے۔ ان میں سلامتی سے امن کی حالت میں داخل ہو جاؤ اور جو ان کے دلوں میں کچھ کدورت ہوگی۔ ہم اسے نکال دیں گے۔ وہ بھائی بھائی تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔ انہیں ان میں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔"

(۱۵: ۴۵-۴۸)

"وہ اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے۔ نہ کوئی گناہ کی بات۔ مگر ایک ہی بات۔ سلامتی سلامتی۔"

(۵۶: ۲۵-۲۶)

"اور کہیں گے سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ یقیناً ہمارا رب مغفرت کرنے والا قدردان ہے اور وہ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ٹھہرنے کے گھر میں اتارا نہ ہمیں اس میں مشقت ہوئی اور نہ ہمیں اس میں تھکان ہوگی۔" (۳۵: ۳۴-۳۵)

مزید برآں قرآن کریم بہشت کو آرام کرنے یا نعماء سے لطف اندوز ہونے کی جگہ قرار نہیں دیتا بلکہ اُسے لامتناہی ترقیات حاصل کرنے کا موقعہ بیان کرتا ہے۔

"لیکن وہ لوگ جو اپنے رب کا تقوے اختیار کرتے ہیں اُن کے لئے بلند مقامات ہیں اور اُن کے اوپر (اور) بلند مقامات بنے ہوئے ہیں۔" (۳۹: ۲۰)

اِس سے معلوم ہوا کہ بہشت میں راست بازوں کو نہ صرف اعلےٰ مقامات دیئے جائیں گے بلکہ وہاں غیر متناہی ترقیات کے سلسلہ کا آغاز ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں ایک بلند مقام ہے۔ دوسرا مقام بلند ہے۔ اس لئے اہل جنت کے بارے میں آتا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ یہی خواہش کریں گے کہ کمال مقام حاصل کریں اور سراسر نور میں غرق ہو جائیں۔ ... ان کی دُعا یہی ہوگی۔

"اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لئے کامل کر۔" (۶۶: ۸)

جنت میں رہتے ہوئے ایک کمال سے دوسرے کمال کی طرف بڑھنے کی یہ مسلسل دُعا صرف قرآن کریم نے ہی بتائی ہے جس کا دھندلا سا تصور بھی کسی دُوسری آسمانی کتاب میں نہیں ملتا۔

جس طرح جنت غیر متناہی ترقی کرتے چلے جانے کا مقام ہے۔ اسی طرح جہنم میں سزا دینے کا مقصد انسان سے رجس نجاست اور علائق دُور کرنا ہے۔ ... تاکہ روحانی طور پر صحت مند ہو کر ترقی کر سکے۔ جہنم درحقیقت ان لوگوں کے لئے ایک شفا خانہ ہے۔ جنہوں نے دنیا میں بیش قیمت مواقع کھو دیئے اور خود پیدا کردہ مصائب کا شکار ہو گئے۔ قدرت کے اٹل قانون مکافاتِ عمل کے ماتحت جب اُن سے ان کی بُرائیاں بذریعہ تعذیب دُور کی جائیں گی وہ اِس شفا خانہ سے ڈسچارج کر دیئے جائیں گے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے خلودِ جنت اور خلودِ جہنم میں فرق رکھا ہے۔ چنانچہ اگر جہنم میں قیام ایک مخصوص مدت کے لئے ہے تو جنت میں سکونت دائمی ہے۔ کیونکہ اس کو نہ ختم ہونے والا اجر کہا گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ بُرے کاموں کی سزا بعض دفعہ اِس دنیا میں ہی شروع ہو جاتی ہے اور قرآن کریم نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ یہ سزا بطور علاج کے ہے۔

"اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کے رہنے والوں کو سختی اور دُکھ میں پکڑا تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں۔" (۷: ۹۴)

"اور بلاشبہ ہم نے تجھ سے پہلے قوموں کی طرف رسول بھیجے۔ تب ہم نے ان کو تکلیف اور دُکھ میں مبتلا کیا

تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں۔" (۶ : ۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی خطاکار اور گنہ گار قوم پر عذاب اس لئے نازل کرتا ہے کہ وہ اسکی طرف رجوع کریں۔

از لالِ جنبشے دہ قطرات اغیار را
تا مگر آئید ترساں سوئے آں ایوان تو

دوسرے لفظوں میں انہیں ایک برتر اور بہتر زندگی سے آغاز کرنے کے لئے یہ عذاب آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ اس لئے جہنم میں عذاب دیئے جانے کا مقصد بھی یہی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت اس کی دیگر صفات کے مقابلہ میں غالب ہے۔ اور پھر ہمیں بتایا گیا ہے کہ انسان اس لئے پیدا کیا گیا ہے تا اس پر رحم کیا جائے۔

"مگر جس پر تیرا رب رحم کرے اور اسی کے لئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔" (۱۱ : ۱۱۹)

خدا کی مرضی ضرور پوری ہوتی ہے۔ اور خواہ انسان اپنے اعمال و افعال کو مستوجب سزا بنائے تو چونکہ وہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رحم بڑھ کر آئے تو آخر کار اسی کی رحمت اس کو بچا لے گی۔

؎
تیرے قہر سے تیری رحمت زیادہ

ایک اور جگہ آتا ہے۔

"اور میں جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔" (۵۱ : ۵۶)

اس لئے خطاکار اور نافرمانوں کی اصلاح ضروری ہے تاکہ وہ خدا کی عبادت کرنے کے لائق ہو جائیں جو اعلیٰ اور برتر زندگی کا مقصد ہے۔ باوجود جہنم کی ہیبت اور دہشت کے اسے گنہ گاروں کا دوست (مولیٰ) کہا گیا ہے۔ (۵۷ : ۱۵) اور ایک مقام پر "ماں" (۱۰۱ : ۹) اب جہنم کی یہ دونوں خصوصیات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ وہ ایک ایسا شفاخانہ ہے جہاں انسان کو اس کے غل و غش سے اسی طرح پاک کیا جائے گا جس طرح آگ سونے کو کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک کر دیتی ہے۔ اس موقع پر لفظ فتنہ کے استعمال میں یہ حکمت ہے کہ فتنہ جس کے معنے سونے کو کھوٹ سے پاک کرنے یا آمیزش الگ کرنے کے لئے اسکا آگ میں ڈالنا ہے۔ مومنوں کے لئے اسی دنیا میں ہوتا ہے۔ جہاں وہ طرح طرح کے مصائب برداشت کرتے ہیں اور آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ (۲ : ۱۹۱، ۲۹ : ۲، ۲۹ : ۱) اور بدکاروں کے لئے آخروی زندگی میں جب وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے (۳۷ : ۶۳) جیسا کہ اہل جہنم کی مہمانی کے ذکر میں آتا ہے۔ الغرض ان دونوں جگہ فتنہ کا مقصد ایک ہے یعنی نیکوکاروں کا مصائب کی کٹھالی میں سے گذرنا اور بدکاروں کا جہنم کی آگ میں سے گذرنا۔ اسی لئے جہنم گنہ گاروں کے لئے بمنزلہ دوست ہے کیونکہ اس میں ملنے والا عذاب ان سے وہ آلائشیں اور علائق دور کر دے گا جن میں وہ نشأۃ اولیٰ میں مبتلا ہو گئے تھے اور انہیں اس قابل بنا دے گا کہ وہ روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہو سکیں اور ان میں روحانی لحاظ سے ترقی کے بعد ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ جہنم گنہ گاروں کے لئے بمنزلہ ماں کے ہے۔ گویا جس طرح بچہ آغوش مادر میں تربیت پاکر جوانی کو پہنچتا ہے اور ماں بچے کی صحیح طور پر نشو و نما میں کوشش کرتی ہے۔ اسی طرح جہنم ان بدکاروں کی صحیح تربیت کرے گی تاکہ وہ اصل مقصد کو پانے والے ہو جائیں۔ آگ بے شک عذاب ہے مگر کھوٹ اور آلائش کو بھی دور کرتی ہے۔ جتنا ہمارا روحانی احساس لطیف ہوگا اتنا ہی ہمیں اخروی زندگی میں عذاب کا احساس ہوگا۔ روح کی حس ادراک بھی اتنی لطیف ہو سکتی ہے جب اس سے وہ آلائش اور آلودگی دور ہو جائے جو وہ اس سفلی زندگی سے ایک انسان ساتھ لے گیا ہو۔ اس لئے عالم معاد میں سکھ اور دکھ، رنج اور راحت کا احساس زیادہ لطیف ہوگا۔

دوزخ کے شفاخانہ ہونے پر ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ ایک دن اہل نار جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ اور جہنم پر فنا آ جائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم نے خلود جہنم کے لئے تین موقعوں پر لفظ اَبَدًا استعمال کیا ہے۔ (۴ : ۱۶۹، ۳۳ - ۶۵، اور ۷۲ - ۲۳) مگر اَبَدًا کے معنی ہمیشگی بھی ہیں۔ اور ایک لمبا عرصہ بھی۔ اس بات کی تائید کہ یہاں اَبَدًا لمبے عرصے کے معنوں میں آتا ہے۔ اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسی مضمون کو ادا کرنے کے لئے دوسری جگہ لفظ احقاب (۷۸ : ۲۳) استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی ہیں ایک سال یا کئی سال۔ مزید برآں خلود جہنم کی میعاد کے معین اور محدود ہونے پر الفاظ "مگر جو اللہ چاہے" جو مندرجہ ذیل آیات میں بطور شرط کے آتے ہیں ایک دلیل ہیں کیونکہ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر اہل جہنم دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ "(اللہ) کہے گا آگ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ اسی میں رہو گے۔ مگر اللہ جو چاہے۔ بیشک تیرا رب حکمت والا علم والا ہے۔" (۶ : ۱۲۹)

"سو جو بد قسمت ہیں وہ آگ میں ہوں گے ان کے لئے اس میں چیخنا اور چلانا ہوگا اس میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں۔ مگر جو تیرا رب چاہے کیونکہ تیرا رب جو چاہے کر گذرے۔" (۱۱ : ۱۰۶، ۱۰۷)

یہ دونوں آیات واضح کر دیتی ہیں کہ جہنم کی سزا دائمی نہیں۔ اس کی مزید وضاحت سورہ ہود کی آیت ۱۰۷ - اور ۱۰۸ کے موازنہ سے ہوتی ہے۔ جہاں اہل جنت کے قیام اور مسکن کا بیان ہے۔

"اور وہ جو خوش قسمت ہیں وہ جنت میں ہونگے اسی میں رہیں گے۔ جب تک آسمان اور زمین ہیں مگر جو تیرا رب چاہے۔ یہ بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔" (۱۱ : ۱۰۸)

دونوں آیتوں کا مضمون ملتا جلتا ہے۔ جنت اور دوزخ کے مکین اس وقت تک ان میں ٹھہریں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں۔ البتہ دونوں صورتوں میں یہ انتشار موجود ہے۔ کہ وہ اس سے نکالے بھی جا سکتے ہیں۔ مگر دونوں جگہ آخری الفاظ ذرا مختلف ہیں۔ اہل جنت کے بیان میں ان الفاظ کے بعد کہ "مگر جو تیرا رب چاہے" یہ کہا گیا ہے۔ کہ یہ بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ گویا کہ اہل جنت کبھی جنت سے نکالے نہیں جائیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ اور اہل جہنم کے ذکر میں ان لوگوں کے ایک نہ ایک دن جہنم سے نکالے جانے پر آیت ۱۰۷ کے یہ آخری الفاظ شہادت دے رہے ہیں "کیونکہ تیرا رب جو چاہے کر گذرے۔"

اس خیال کی تائید آنحضرت صلعم کے فرمودات سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے۔ جس کے الفاظ ہیں:

"تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ فرشتوں، نبیوں اور متقیوں نے باری باری گنہ گاروں کی شفاعت کی ہے۔ اور اب ان کے لئے کوئی اور شفاعت کرنے والا نہیں سوائے ارحم الراحمین کے پس وہ آگ میں سے مٹھی بھر ایسے لوگوں کو نکالے گا جن سے عمر بھر کوئی نیکی سرزد نہیں ہوئی تھی۔"

امام بخاری بھی ایک روایت لائے ہیں کہ:۔

"جب گنہ گاروں کو دوزخ سے نکالا جائے گا۔ تو انہیں زندگی کی نہر میں پھینکا جائے گا۔ جس کا صریح مطلب یہی ہے۔ کہ ان کی اصلاح ہو جانے کے بعد وہ ایک اعلیٰ اور برتر زندگی کے قابل ہو جائیں گے۔"

کنز العمال میں بھی اسی مضمون کی ایک حدیث آتی ہے:۔

"یقیناً جہنم پر ایک ایسا وقت آئے گا جب وہ اس کھیت کی مانند ہوگی جو کچھ عرصہ لہلہانے کے بعد خشک ہو گیا ہو۔"

"تحقیق دوزخ پر ایک دن ایسا بھی آئے گا جب اس میں ایک فرد واحد بھی باقی نہ رہے گا۔"

اسی ضمن میں حضرت عمرؓ کا ایک قول ہے:۔

"خواہ دوزخی اتنے لاتعداد کیوں نہ ہوں جتنے ریگزار کے ذرے پھر بھی ایک دن ایسا آئے گا جب دوزخ ان سے خالی ہو جائے گی۔"

قرآن کریم میں دوزخ کے سات مختلف نام آتے ہیں۔ جن سے لوگوں نے دوزخ کے طبقے مراد لئے ہیں۔ سب سے زیادہ آنے والا نام جہنم ہے۔ جو گویا دوزخ کے لئے اسم معرفہ ہے عربی زبان کے اس لفظ کے مصدر کے معنی ہیں انتہائی گہرائی۔ جہنم سے دوسرے نمبر پر لفظ جحیم استعمال ہوا ہے۔ جس کے مصدر کے معنی ہیں آگ کی شدت، صفیر جو دوزخ کا تیسرا نام ہے ایسے

لفظ سے نکلا ہے جس کے معنی آگ کے سلگانے کے ہیں۔ چوتھا نام سقر ہے جس کے معنی ہیں دہکتی ہوئی آگ اور یہ صرف دو ابتدائی مکی سورتوں میں استعمال ہوا ہے۔ (۵۴ : ۴۸، ۷۴ : ۲۶ : ۲۷ - ۴۲) حطمہ جس کے مصدر کے معنی ہیں توڑنا۔ یہ بھی ایک ابتدائی سورت میں دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔ (۱۰۴ : ۴ - ۵) لظیٰ جس کے معنی شعلے مارتی ہوئی آگ ہیں۔ (۷۰ : ۱۵) اور یہ ہاویہ جس کے معنی ایسے گڑھے کے ہیں جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہ ہو ایک ایک مرتبہ مذکور ہیں۔

اکثر مقامات پر نار یعنی آگ بدکاروں کی سزا بیان کی گئی ہے اس لئے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جہنم یا جہنم کی آگ بالفاظ قرآن ان اسرار میں سے ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوں گے (۸۶ : ۹) دوسرے الفاظ میں وہ روحانی اذیت اور ذہنی کوفت جو ایک بدکار اس عالم سفلی میں محسوس کرتا ہے۔ عالم معاد میں ایک حقیقت بن کر اس کے سامنے آجائے گی۔

"اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں پر چڑھتی ہے"

(۱۰۴ : ۶)

اُخروی زندگی میں بھڑکتی ہوئی شعلے مارتی ہوئی اور دہکتی ہوئی نظر دوں کے سامنے آجائے گی۔ اہواء یعنی خواہشات نفسانی اور نفس امارہ کی وہ سرکشی جو اس دار العمل میں نیک اعمال بجا لانے اور زندگی کے حقیقی مقصد کو پانے کی راہ میں روک بن کر کھڑی ہو جاتی۔ ہاویہ اور جہنم کی وہ انتہاہ گہرائیاں بن جاتی ہیں جن میں ایک گنہ گار اپنے اعمال نے جا گرتا ہے۔ اسی لئے انسان کے اعمال بد ایسی ندامت کا موجب ہوتے ہیں کہ وہی حسرت اس کے لئے موجب عذاب اور ایک آگ ہو جاتی ہے۔

"اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو ان کے عمل ان پر حسرتیں کر کے دکھائے گا۔ اور وہ آگ سے باہر نکلنے والے نہ ہوں گے" (۲ : ۱۶۷)

اور یوم حشر اجساد کو "حسرتوں کا دن" (۱۹ : ۳۹) بھی اسی لئے کہا گیا ہے۔ بعض مقامات پر خدا کی دید اور محرومی کو بھی دوزخ کہا گیا ہے

"ہرگز نہیں وہ اپنے رب سے اس دن اوٹ میں ہوں گے۔ پھر وہ ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے"

(۲ : ۱۶۷)

دوسرے مقامات پر ذلت اور رسوائی کو بھی عالم معاد کی سزاؤں میں شمار کیا گیا ہے۔

"پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا" (۱۶ : ۲۷)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ بہشت میں نہ تو تمازت آفتاب ہے اور نہ ہی شدت برودت (۷۶ : ۱۳) مگر مکافات عمل کے قانون کے مطابق دوزخ میں سزا کی حقیقت واضح کرنے کے لئے کھولتا ہوا شدت کا ٹھنڈا پانی ان کے اعمال کے موافق بدلہ ہوگا۔

تصوف کی حقیقت

حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

خُدا کے ساتھ متحد ہونا یا اسی زندگی میں واصل بحق ہونا عموماً ہر ایک انسان کی خواہش ہوا کرتی ہے اصل یہ وہ شریف خواہش ہے جو ہر جگہ ہر زمانہ میں قدیم الایام سے مختلف شکلوں اور لباسوں میں ظاہر ہوئی ہے۔ یہ ایک ربانی جذبہ انسان میں ہے۔ جس کو مذہب پیدا کرتا اور اس کی آب یاری کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ انسان خدا کی شکل پر پیدا کیا گیا۔ انسان میں ربانی صفات کے جوہر ہیں اور اس کا بڑا مقصد زندگی انہی جوہروں کو ابھارنا اور نشوونما دینا ہے۔ لیکن بہت سی باتیں اس مقصد کے حاصل کرنے میں روک ہو جاتی ہیں۔ ہم میں طرح طرح کے جذبات ہیں جسم کے تقاضے ہمیں لاحق ہیں۔ جسمانی۔ ذہنی۔ حسی جذباتی مختلف قوتیں ہم میں ہیں۔ جو ہم میں مختلف قسم کی خصائل پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ جذبات اور تقاضے ایک دوسرے کے متضاد بھی ہیں لیکن انہی متضاد قوتوں کی ہم آہنگی بڑے بڑے نتائج پیدا کر دیتی ہے یہ ایک صداقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس بات پر شاہد ہے۔ کیا مختلف الخواص اشیاء ترکیب پا کر بہترین نتائج مرتب نہیں کرتیں جس کا تجربہ علم کیمیائی میں ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ اگر کائنات میں یہ ہو رہا ہے تو پھر ارتقاء انسانیت میں یہ کیوں ناممکن ہے۔

بسا اوقات ہم کسی خاص قوت کی آبیاری کرتے ہیں اور دوسری قوتوں کا خیال تک نہیں کرتے جو آخر زائل ہو جاتی ہیں۔ اگر دنیا عیش و عشرت کے متوالوں سے خالی نہیں تو دنیا راہبوں اور تارکوں سے بھی معمور ہے۔ اگر اچھا کھانا اور پینا اور تعیشات کی زندگی روحانی قواء کو مار ڈالتے ہیں تو پھر راہبانہ زندگی اور ترک دنیا بھی اگرچہ روحانی قواء کے لئے ایک حد تک مفید ہے۔ قوائے عقلیہ کو معطل اور ذہنی طاقتوں کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ راہبانہ ریاضتیں بعض مخفی طاقتوں کو جلا دیتی ہیں۔ ایسی ریاضت والے بعض اعجازی باتیں بھی کر گذرتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ اصلی مقصد زندگی اور اصل مقصد روح کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ہمسروں پر ایک قسم کا بوجھ ہو جاتے ہیں۔ ہم مدنی بالطبع واقع ہوئے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے مختلف قوتیں بخشی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے عضو و مددگار ہیں اور ایک دوسرے کی خدمت میں ہمیں ان قوتوں کا استعمال کرنا ہے لیکن ایک راہب اور ایک تارک الدنیا گویا سوسائٹی کی طرف سے مر چکا ہے۔ اور اس کے دل و دماغ میں یہ اشرف فرائض جگہ نہیں پاتے۔ اس سے بھی زیادہ یہ قبیح امر ہے کہ بعض وقت ایسے تارک الدنیا نہایت ہی ناقابل عفو حرکات کر گذرتے ہیں۔ چونکہ ریاضیات شاقہ کے لئے یہ دنیا سے الگ ہو جاتے ہیں اور تنہائی میں اپنا وقت گذارتے ہیں۔ اس لئے ان کے بعض اخلاق جو سوسائٹی میں ہی رہنے کر ترتیب پاتے ہیں ناتراشیدہ حالت میں رہتے ہیں۔ بعض وقت ان سے اخلاقی نقائص سرزد ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی ریاضتوں والے جب ہمارے سامنے آکر بعض اعجازی افعال کر گزرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ کچھ پرہیزگارانہ رنگ بھی ظاہر کرتے ہیں۔ تو ہم انہیں ایک خدا رسیدہ انسان سمجھ لیتے ہیں۔ ہندوستان میں بعض ایسے انسان دیکھے اور سنے گئے ہیں جو حیرت ناک طریق پر دلوں کی باتیں دریافت کر لیتے ہیں۔ مرضوں کا علاج بھی توجہ سے کر لیتے ہیں۔ لیکن انہی میں سے بہت سے لوگ بہت گندے چال چلن کے واقع ہوئے ہیں۔

یہاں کئی بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو سپرچولسٹ کہلاتے ہیں۔ اور ایام وسطیٰ میں تو یورپ کو کلیساؤں اور خانقاہوں میں ان لوگوں کا دردناک تجربہ ہوا۔

اب بظاہر یہ ایک ناقابلِ حل امر نظر آتا ہے کہ ایک طرف عجیب و غریب کام کرنے اور دوسری طرف گندے اخلاق کا ظہور ہونا۔ لیکن ان کی تہ کو پہنچنا کوئی مشکل امر نہیں۔ ہم میں نہایت ہی عجیب و غریب طاقتیں ہیں۔ بعض وقت ہم بعض طاقتوں کی تربیت کرتے ہیں اور دوسری طاقتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس لئے بعض باتیں ہم میں اعجازی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر فنِ موسیقی سے ایک صاحب کمال انسان بداخلاق ہو سکتا ہے تو ایک تارک الدنیا بھی جس کے اخلاق سوسائٹی سے باہر رہنے کی وجہ سے اصلاح یافتہ نہیں ہیں۔ اس کے لئے یہ ناممکن ہے کہ غیب کی باتیں پڑھنے پر بھی وہ بدچلن واقع نہ ہو۔ ترکِ دنیا اپنے خاص حدود میں تو اور روحانی کے ترقی دینے کے لئے از حد مفید ہے۔ کوئی روحانی طاقت جسمانی فطرت کو لگام دینے کے سوا ترقی نہیں پا سکتی۔ لیکن جو لوگ اپنی جسمانی خواہشوں کو اعتدال سے زیادہ دبانا چاہتے ہیں۔ وہ ایک وقت تو کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن تحریکات کے ماتحت جب یہ جسمانی جذبات یک لخت مشتعل ہو جاتے ہیں تو پھر یہ تارک الدنیا نہایت بے چارگی سے ان کا شکار ہو کر بیہودہ افعال کر گزرتے ہیں۔ جو ننگ شرافت و ایمان ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ترکِ دنیا سے بعض قوائے کو مارنا گویا خالق قوائے کے فعل پر ایک بیہودہ نکتہ چینی کرنی ہے۔

نفسانی جذبات دراصل خادمِ روحانیات ہیں

دراصل یہ جس قدر جذبات بہیمیہ انسان میں رکھے ہیں یہ سب کے سب خادمِ روحانیات ہیں۔ لیکن یہ لابدی بھی ہیں۔ جو مذہب یا سوسائٹی یا تعلیم ہماری فطرت کے ایک حصہ کی تربیت کرتی ہے۔ اور ہمارے دیگر قوے کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ وہ مکمل نہیں کہلا سکتی۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔

خدا ہی ہمارا آخری منتہٰی ہے لیکن دوسری طرف اسی خدا نے ہماری فطرت میں یہ متضاد اور مختلف قوتیں رکھ دیئے ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ کس طرح انسان ان متضاد قوتوں میں سے نشوونما پا کر کمالِ حقیقی کو پہنچتا ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے نجات کے معنے کمالِ انسانی ہیں۔ اخلاقِ انسانی کا تا حد کمال پہنچانا ہی ہماری غرض و غایت ہے۔ کیا کوئی مبشر انجیل سمجھ سکتا ہے کہ کس طریق پر خونِ مسیح پر ایمان لانے سے انسانی قوتیں مثمر ہو سکتی ہیں۔ ہمارے لئے تو ایک سربستہ معمہ ہی ہے۔ کہ کس طرح تاریخ کے ایک واقعہ پر ایمان لانے سے یا کسی خاص عقیدہ کے رکھ لینے سے جیسا کہ عیسائی مذہب ہمیں سکھلاتا ہے۔ مسیح کی مصلوبیت ہماری نجات کے لئے تھی۔ کس طرح یہ عقیدہ ہم کو مختلف جذبات کا قابو دے کر ہمارے اخلاق کی اصلاح کر سکتا ہے۔ ہم تو ہر اپنے معاملے میں کسی نہ کسی ضابطہ یا قانون کے پابند ہوتے ہیں۔ ہماری کل ترقیات کسی راستہ پر چلنے سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ تو پھر یہ مذہبی معاملات میں کیونکر یہ کیوں سکھلایا جاتا ہے کہ بعض عقائد اختیار کر لینے سے خواہ ہم عمل کریں یا نہ کریں ہم نجات پا لیں گے۔ یا منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ یہ ایک ناقابلِ عفو بیہودگی ہے۔ یہ وہ مایوس ناکامی ہے جس کا تجربہ یورپ نے گزشتہ دو ہزار سال میں کیا۔

اس زندگی میں خدا سے متحد ہونا

کیا ہے؟ صرف ان ربانی جوہروں کو نشوونما دینا۔ جو انسان کے اندر مختلف جذبات اخلاق چھپے ہوئے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ کس طرح انسان ان متضاد جذبات پر قابو پا کر ان کی تعدیل کرے۔ کس طرح ان کو تربیت دے کر ایک ہم آہنگی کے ذریعہ ان کا تصفیہ کرے۔ اور اس طرح ان کو وہ جوہر چمک اٹھیں جو خداتعالیٰ نے انسان میں رکھے ہیں۔ یعنی انسان کی تمام روحانی قوتیں نشوونما پا کر اخلاق بن جائیں اور وہ متصف باخلاق اللہ ہو جائے۔ یہ ہے حقیقت صوفیت اسلام میں اور یہی غرض و غایت اس تعلیم کی ہے۔ جس کا نام بعض نے باطنی تعلیم اسلام رکھا ہے۔

یورپ میں مذاہبِ باطنیہ

اسلام میں اگر کوئی باطنی حصہ تعلیم ہے تو اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں، جس کا نام یورپ میں پسرچولزم ہے جس کے پیچھے یہاں کے لوگ (مرد و زن) جہالت و استعجاب سے پھر رہے ہیں۔ اور نہ اسلام کے علوم باطنیہ کو اس علم باطنی سے تعلق ہے جس کا ایک خاص اور غلط مفہوم عیسائیوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جب کبھی فاضل الہٰیات عیسویت کو بائبل کی کسی آیت کے معنے سمجھ نہیں آتے یا وہ کسی واقعہ مندرجہ بائبل کی معقولیت کے ساتھ تشریح نہیں کر سکتا تو جھٹ وہ اس مصیبت کو یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ یہ اپنے اندر ایک باطنی معنے رکھتی ہیں۔ اور پھر وہ بذاتِ خود اس کی تشریح کرنے لگتا ہے۔ مثلاً جس قدر معجزات مسیح کا ذکر بائبل میں ہے آج ان سے مراد حقیقت نہیں۔ بلکہ استعارے لئے جا رہے ہیں۔ دور از راہ تشریحات سے ان معجزات کے معنے کئے جاتے ہیں۔ اور ان کا نام علوم باطنیہ رکھا ہوا ہے۔ جناب مسیح اپنے معجزات کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ تمہارے لئے بھی مشکل نہیں۔ البتہ یہ باتیں نماز اور روزے سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ ہم منتظر ہیں مسیح کے اس قول میں جو روزہ اور نماز کا اشارہ ہے۔ نہ معلوم یہ شارحان علم باطنی اس کی کیا تشریح کریں گے۔

میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ وہ نورِ الٰہی جس کے کامل طور پر چمک اٹھنے پر انسان خدا کی ایک کامل تصویر بن جاتا ہے۔ وہ مختلف خواہشات و جذبات کے حجاب میں چھپا ہوا ہے اور جب تک ان خواہشات و جذبات پر ایک قسم کی موت وارد نہ ہو جائے۔ تب تک وہ اعلیٰ روحانی حالت حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ دن روحانیات کی فتح مندی اور الٰہی جلال کی باریابی کا ہوگا جس دن ہمارے ان بہیمیہ خواہشات پر موت وارد ہو جائے گی۔ ہم اسی دن تک اندھے ہیں جس دن تک دنیوی نظاروں کی طرف سے ہم اندھے نہیں ہو جاتے۔ ہم اسی دن تک بے جان ہیں جب تک کہ ہم خدا کے ہاتھ میں ایک بے جان کی طرح نہیں ہو جاتے یہ حالت ہم میں پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہماری تمام جسمانی قوتیں اور ہماری تمام طاقتیں اللہ تعالیٰ کی رضا میں نہیں لگ جاتیں اور ہماری زندگی اور موت کا مقصد خداتعالیٰ کی رضا نہیں ہو جاتی۔ جب ایک سالک اس طرح اپنی رضا کو خداتعالیٰ کی رضا تلے کر دیتا ہے تو پھر خدا کی رضا اس کی رضا ہو جاتی ہے۔ اس کی اگر کوئی خوشی ہے۔ تو وہ خدا کی اطاعت ہے۔ "میری مرضی نہیں تیری مرضی" اس کا طریق عمل ہوتا ہے۔ یہی لفظی معنوں میں اسلام ہے۔ اسلام وہ جلتی ہوئی آگ ہے جو تمام سفلی خواہشوں کو بھسم کر کے اور تمام جھوٹے معبودوں کو آگ لگا کر ہماری زندگی ہماری جائیداد اور ہماری عزت کو خدا کے آگے بطور قربانی رکھ دیتی ہے۔ اس چشمۂ حقیقی پر پہنچ کر پھر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں۔ ایک آگ بجلی کی طرح ہم میں سے نکلتی ہے۔ اور ایک آگ اوپر سے آتی ہے۔ یہ دونوں شعلے آپس میں بلکہ ہماری تمام ادنیٰ خواہشوں اور بہیمیہ جذبات کو اور تمام غیر اللہ کی محبتوں کو فنا کر کے ایک موت ہماری پہلی زندگی پر وارد کر دیتی ہے۔ ہم ایک نئی زندگی پا لیتے ہیں اسی منزل کا نام مسلم صوفیوں نے خدا کا ملنا کہا ہے۔ اس مقام پر انسان خدا کا چہرہ دیکھتا ہے۔ اس کا اور خدا کا اس قدر شدید تعلق ہو جاتا ہے کہ گویا وہ خدا کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ ایک طاقت اسے اوپر کی طرف سے آتی ہے۔ اور اس کے اندرونی قوے منور ہو جاتے ہیں اور ایک خالص بہشتی زندگی مقناطیس کے اثر کی طرح کام کرنے لگ جاتی ہے اس مقام پر پہنچ کر خدا کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ کام کرتا ہے۔ اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کے پاؤں ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔ گویا انسان کی کامل تصویر ہو جاتا ہے۔ اس حالت پر پہنچے ہوئے انسانوں پر لوگوں نے خدا کے اوتار ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ یہی وہ انسانی کمال کی حالت ہے۔ جب ایک انسان لعزارس کو مُردوں میں سے زندہ کرتا ہے۔ نعمان کوڑھی کے کوڑھ کو اچھا کرتا ہے یہی وہ مقام ہے جب ایک انسان (حزقیل نبی) ہڈیوں کی وادی میں

جاکر ایک لشکر پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ عالی مقام ہے۔ جب عرب کے بیابان میں سینکڑوں انسان (صحابہ نبی کریم) ایک مشکیزہ سے پانی پی لیتے ہیں۔

اس ربّانی حالت کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے رسولِ اکرمؐ نے کیا ذیل کے [illegible] الفاظ فرمائے ہیں:۔

"خدا فرماتا ہے: اے انسان تو میرے قانون کی اطاعت کر تو پھر تو مجھ جیسا ہو جائے گا۔ پھر جب تو کہے گا [illegible] ہو جائے گا" "میرے قانون کی پیروی کر اور تو مجھ جیسا ہو جائے گا"

دراصل یہ الفاظ نہ صرف صوفیت کی علّتِ غائی اور صوفیت کے مسلک کو ظاہر کرتے ہیں۔ جذبات خواہشات یا ایسے قویٰ کو مار ڈالنا جو ہماری روحانی ترقی کے مانع ہے۔ اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ مقصد تو ان سب چیزوں کو خدا کی حکومت تلے لانے سے حاصل ہو جاتا ہے ہم کو تہذیب و تربیت کی منازل کو طے کرنا ہے۔ ہمیں ایسے قوانین اور شرائع کی ضرورت ہے جس سے ہم اپنے قویٰ کی تعدیل و تہذیب کر سکیں۔ ہم ایسے قوانین کے محتاج ہیں جو ہماری جسمانی و اخلاقی اور روحانی حالات کی اصلاح کر سکے۔ انسان کی جسمانی حالتیں اس کی روحانی اور اخلاقی حالتوں سے بالکل جکڑی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارا کھانا پینا چلنا پھرنا، ہماری روحانی اور جسمانی حالتوں پر ایک گہرا اثر ڈالتا ہے۔ لہٰذا جس وقت ہم اپنے طبعی تقاضوں کو قوانین کے نیچے لے آتے ہیں تو انہی سے ہماری اخلاقی حالتیں پیدا ہو کر ہماری روحانیت پر ایک بہتر اثر کرتی ہیں۔ ایک مسلم صوفی اسی لئے حسب تعلیم قرآن طہارت جسمانی پر زور دیتا ہے۔ اور اپنی عبادات میں اس کو لازمی ٹھہراتا ہے۔ طہارت جسم سے وہ طہارت رُوح کی طرف آتا ہے۔ الغرض جیسے کہ روح کی ترقی تمام قویٰ کو اسی غرض کے ماتحت رکھنے سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح سے ہمارے تمام جذبات اور خواہشات پر بھی ایک قانون جاری ہونا چاہیئے جس میں کھانے پینے اور طہارتِ جسمانی کے تمام فوائد مرتب ہوں۔ اسی طرح سے ہمارے تعلقات جو دوسروں سے ہوتے ہیں وہ بھی ایک شریعت کے نیچے آکر ہماری اصلاح اخلاق کر دیتے ہیں۔

اگر خدا کی مرضی کے آگے اپنی مرضی کے چھوڑ دینے کا سبق جناب مسیح نے صلیب پر سے دے دیا ہے۔ یہی خدا تک پہنچانے کیلئے ضروری ہے تو پھر کوئی نہ کوئی راستہ ہمارے سامنے ہونا چاہیئے جو ہمیں ہماری مختلف قوتوں کو خدا کی مرضی کے ماتحت لانا سکھلائے۔ "میری مرضی نہیں تیری مرضی" کا مبارک جملہ اس کے مغز کو سمجھاتا ہے۔ جب کو تیری مرضی معلوم ہو۔ لہٰذا ہم اس بات کے محتاج ہیں کہ اپنی سالکانہ منازل کے طے کرنے میں ایک ضابطۂ شریعت اپنے ہاتھ میں رکھیں۔

مولانا محمد یحییٰ بٹ، — انچارج۔ برلن مشن

حضرت علامہ مصری صاحب کی وفات پر

مرحوم کے ایک شاگرد کا اظہارِ عقیدت

نمازِ جنازہ غائبانہ

اُستاذی المکرم حضرت مولانا شیخ عبدالرحمان مصری مرحوم و مغفور کی وفات کی خبر پیغام صلح میں پڑھی۔ اس افسوس ناک خبر کو پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

دُعا کی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی مغفرت فرمائے۔ اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

بعد میں نماز جنازہ پڑھی اور نماز جنازہ میں ان سب احباب کو بھی شامل کر لیا گیا جن کی وفات کی خبر پیغام صلح میں چھپ چکی ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن مصری اسلام کے ایک جیّد عالم تھے۔ قرآن کریم کے مطالب اور اُن کے معارف کو خوب جانتے تھے۔ حدیث کے عالم تھے۔ عربی زبان کے عالم ہونے کے باعث دینِ اسلام کی خوبیوں کو مدلل طور پر بیان کیا کرتے تھے۔

احمدیہ لٹریچر پر انہیں عبور تھا۔ آپ حضرت امام زماں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے محب تھے۔ اور آپ ان کے دعوے کی سچائی کو مدلل طور پر بیان کرتے تھے۔ آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک قارئین پیغام صلح کو دینِ اسلام کی تعلیمات کی خوبیوں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کا پیغام سناتے رہے۔ ان کی وفات سے جماعت احمدیہ لاہور ایک جیّد اور متقی عالم سے محروم ہو گئی۔

خاکسار راقم الحروف کو ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ ڈھائی تین سال تک متواتر میں نے ان سے قرآن کریم پڑھا۔ حدیث پڑھی۔ احمدیہ لٹریچر پڑھا نیز عربی زبان پڑھی۔ عربی زبان کے قابل پروفیسر ہونے کے باعث اُنہوں نے عربی زبان کے صرفی اور نحوی قواعد اس طرح سے پڑھائے کہ ان کو سمجھنے اور یاد کرنے میں بڑی آسانی ہو گئی۔ ان قواعد کی ایسی باریکیاں بھی ان سے پڑھیں کہ یورپ میں علمی ماحول میں بیٹھ کر جب میں نے ان باتوں کو بیان کیا تو جرمن پروفیسرز نے بھی ان باریکیوں پر اپنی حیرت کا اظہار کیا اور انہیں [illegible]۔

غالباً ۱۹۴۵ء کا زمانہ تھا۔ امیر مرحوم حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور نے اعلان کیا کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو نوجوان مبلغین کی ضرورت ہے۔ حضرت امیر مرحوم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے سات آٹھ نوجوان مرکز میں جمع ہو گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو مبلغ اسلام بننے کے لئے تعلیم و تربیت کے لئے پیش کر دیا۔ ان میں سے اکثر کسی نہ کسی شعبہ میں ملازم تھے۔ ان میں سے ایک خاکسار بھی تھا۔ میں ان دنوں انگریز حکومت کے ایک محکمہ میں ملازم تھا لاہور ہی میں متعین تھا۔ انجمن نے ان تمام نوجوانوں کی علمی تربیت کا کام حضرت مولانا عبدالرحمٰن مصری مرحوم کے سپرد کر دیا۔ مولانا مصری صاحب نے اس ذمہ داری کو اپنے اوپر لیا اور اُسے خوب نبھایا۔ اس غلام کو ڈھائی سال تک پڑھایا۔ اور اکیلے پڑھایا۔ قرآن کریم۔ حدیث اور احمدیہ لٹریچر پڑھایا۔ عربی زبان کے قواعد صرف نحو منطق پڑھائی۔ فصاحت و بلاغت کے اصول پڑھائے۔ عربی ادب پڑھایا۔ اور پوری ذمہ داری سے پڑھایا۔ آپ کے اس اعلیٰ نمونہ کا اثر اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ جب ہم سنتے ہیں کہ مولانا مصری صاحب مرحوم نے یہ خدمت بغیر کسی معاوضہ کے سرانجام دی تھی۔ اُستاذی المکرم حضرت مولانا عبدالرحمٰن مصری کی رُوح پر اپنے افضال نازل فرمائے۔ آمین!

ایک پُرسوز دُعا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اِنی قریب"

میرے بندو! میں تم سے بہت قریب ہوں۔ "اجیبُ دعوۃ الداع اذا دعان" کوئی مجھے پکارے تو میں دُعا قبول کرتا ہوں۔

یہ ایک حقیقت تھی

جس پر ہمارے ہادی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سچے پیروؤں کی زندگیاں گواہ ہیں اور آج یہ ایک قصہ ہے۔

کیوں؟

اس لئے کہ ہمارے دلوں میں خدا کے لئے وہ تڑپ پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے جسم خدا کے آگے گرتے ہیں مگر دل نہیں گرتے۔ اور دُعا دل میں تڑپ پیدا ہونے کا نام ہے۔

آئیے! راتوں کو اٹھ کر لوگوں کے ظلموں پر نہیں اپنے ظلم پر آنسو بہائیں کہ اے خدا، ہم نے تیری قدر نہیں کی۔ تیرے کلام کی قدر نہیں کی۔ ہم نے تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کا حق ادا نہیں کیا۔

اور آس لگائے بیٹھے ہیں کہ۔

تیری رحمت کے دروازے ہم پر کھل جائیں۔ منہ سے کہتے ہیں کہ تو ہم سے قریب ہے، مگر دل تجھ سے اتنی دور ہیں کہ اس سے دور تر کوئی چیز نہیں۔

ہمارے ماتھے تیری دہلیز پر ہوتے ہیں

جہاں جنت ملنی چاہیئے اور دل جمع مالاً و عددہ یحسب ان مالہ اخلدہ" کا ورد کر رہے ہوتے ہیں۔

زبان پر یہ ہوتا ہے:

ہم تیرے غلام ہیں (انا عبدک) اور دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے چند کوڑیاں بھی خرچ کرنی پڑیں تو ہمیں پہاڑ نظر آتا ہے۔

اے خدا تو اس جھوٹی زندگی سے ہمیں باہر نکال

اے خدا! تو ہمیں اپنی جناب میں سچا سجدہ کرنے کی توفیق دے۔ ہمیں اپنا غلام بنا لے کہ ہمیں تیرا نام بلند کرنے کے سوائے کوئی فکر نہ ہو۔

اور تو ہمارا رب بن جا

کہ تیری توجہ امت محمدیہ کو دنیا میں سربلند کرنے کی طرف ہو جائے۔

(ماخوذ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ و ۲ جنوری ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — جلد: (۶۷) شمارہ: (۱)

قارئین کرام کو

نیا سال مبارک ہو

ہماری دُعا ہے کہ اس نئے سال میں اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ نیک کاموں کی توفیق بخشے، آمین
(ادارہ)

جلد: ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۲۰ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۸۰ء | شمارہ: ۲

اسلام کی فتح اور اقبال کے دن قریب ہیں

حضرت مجددِ وقت کا ارشادِ گرامی

اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اُس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کیطرح صلح جوئی کی حاجت نہیں بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائے گا۔

اسلام فتح پائے گا

حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔ میں شکرِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلیٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے جس علم کے رُو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے۔ جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہے ہیں۔ اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کے فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے۔ اور فتح بھی روحانی۔ تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے۔"

آئینہ کمالاتِ اسلام

صفحہ: ۲۵۴

اجلاس شبان الاحمدیہ برموقع

جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء کی مختصر روئیداد

زاہد جنجوعہ ـــــ جنرل سیکرٹری شبان الاحمدیہ

مؤرخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء شبان الاحمدیہ کا اجلاس بعد نماز مغرب و عشاء صدر شبان الاحمدیہ جناب کیپٹن ڈاکٹر جمیل الرحمان خان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جناب رضی الدین صاحب نے تلاوت کلام پاک سے اجلاس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز کیا۔ جناب گوہر علی خاں خلیل نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات پڑھ کر سنائے۔ جناب اسحاق اختر ملہی نے باآواز ترنم منظوم کلام پیش کیا۔ خورشیدہ ضیاء نے ایک مختصر سی تقریر کی جسے بے حد پسند کیا گیا۔ بعد میں شیخ طارق مسعود مائیک کے سامنے تشریف لائے۔ اور اپنے خطاب میں واضح کیا کہ پرانی نسل کے افکار، اعمال کس طرح سے نئی نسل کے کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

آپ نے بیان کیا کہ بچہ اپنے ماحول سے مشاہدے کے ذریعے سیکھتا ہے۔ اس لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ ایک ایسا احمدیہ ماحول پیدا کیا جائے جس میں اطفال کی صحیح تربیت ہو سکے۔ عزیزم طارق مسعود کے اس خطاب کے بعد نوجوان مقررہ میر اشرف جعفری نے اپنی تقریر میں واضح کیا کہ حضرت مسیح موعود کا دعوے نبوت کا نہ تھا۔ ازاں بعد برادرم عبدالغفور طاہر نے صداقت مسیح موعود پر ایک مدلل تقریر کی۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں استدلال کیا کہ حضرت مسیح موعود اپنے دعوے ماموریت میں صادق تھے۔ نوجوان مقرر نے قرآنی آیت فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون اور ولو تقول علینا بعض الاقاویل کو حضرت مسیح موعود کی صداقت پر بطور سند پیش کیا۔ اس کے بعد نائب صدر شبان الاحمدیہ جناب عبدالعزیز خاں صاحب مائیک کے سامنے تشریف لائے اور خوش الحانی سے آیات کریمہ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ ۔۔۔۔ وقال اننی من المسلمین کی تلاوت کے بعد واضح کیا کہ سب سے بہترین اور عظیم الشان کام اعلائے کلمہ حق ہے یہی وجہ ہے کہ پہلے یہ کام انبیاء کے سپرد تھا۔ مگر حضور نبی پاک چونکہ خاتم النبیین ہیں اس لئے آپ کے بعد یہ کام علماء ربانی اور مجددین کے سپرد کیا گیا۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود کی قائم کردہ جماعت اس کام کو احمدیہ انجمن ادا کر رہی ہے۔ ہر چند کہ اس وقت [illegible] کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا ہے۔ لیکن اگر ہم ایمان پر ثابت قدم رہیں تو کامیاب ہوں گے [illegible]

عہدیداران شبان الاحمدیہ		
برائے سال ۱۹۸۰ء		
نگران	چوہدری نذر رب صاحب	
صدر	کیپٹن ڈاکٹر جمیل الرحمٰن خانصاحب	(پشاور)
سینئر نائب صدر	اسحاق اختر ملہی	(لاہور)
	اختر علی خاں خلیل	(پشاور)
	عبدالعزیز خاں	(فاروقیہ)
جنرل سیکرٹری	زاہد جاوید جنجوعہ	(لاہور)
جوائنٹ سیکرٹری	چوہدری تنویر احمد	(")
سیکرٹری نشر و اشاعت	ارشد علوی	(")
خازن	ارشد حسین	(")

[illegible] کے بعد حمیدہ ضیاء نے درثمین میں سے ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ آخر میں جناب ڈاکٹر جمیل الرحمان خانصاحب صدر شبان الاحمدیہ نے اپنے خطاب کا آغاز [illegible] کی آیات کریمہ سے کیا اور فرمایا کہ شبان الاحمدیہ کے کام میں گذشتہ سالوں کی نسبت ترقی ہوئی ہے۔ مگر [illegible] مستقبل کا خدشہ ہے۔ جہاں تک ایمان کا [illegible] کچھ نہیں رکھتے۔ ان کا مسئلہ ایمان کی کمی ہے (LACK OF FAITH) پھر انہیں اپنے [illegible] اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے صداقت مسیح موعود پر کتنے نشانات ظاہر فرمائے ہیں اور اگر ہم اپنا کام محنت اور لگن سے کریں [illegible] طارق مسعود کی تقریر کا خاص طور سے حوالہ دیا اور فرمایا کہ جماعت کی روحانی تربیت کے لئے مرکزی سطح پر جامع منصوبہ بندی [illegible] کے لئے نصاب مرتب کرے اور تربیتی کورس کے ذریعے ذہنی تربیت کا بندوبست کیا جائے۔ محترم صدر صاحب نے یہ بھی [illegible] آپ نے نوجوانوں کو نصیحت کی کہ وہ ہر صورت میں شادی احمدی لڑکیوں سے کریں۔ اپنی تقریر کے بعد صاحب صدر نے حضرت [illegible] درخواست کی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے سٹیج پر آکر صدر شبان الاحمدیہ کو گلے سے لگایا اور فرمایا کہ میں نے تمام تقاریر بڑے غور سے سنی ہیں [illegible] دیکھ کر بڑی تسلی ہوئی ہے کہ یہ جماعت انشاء اللہ زندہ رہے گی اور ہمارے نوجوان اپنی ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برآ ہوں گے۔ یہ اجلاس دعا [illegible] کے وقت تک جاری رہا۔ اختتام [illegible] احباب باآواز بلند آمین کہیں۔ آپ نے ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا [illegible]

ہفت روزہ —— پیغام صلح —— لاہور
مورخہ ۹ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

کیا حضرت مسیح موعودؑ نے نبوت کا دعویٰ کیا؟

یہ سوال آج بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے جتنی اسے آج سے تقریباً لوے سال قبل حاصل تھی کیونکہ ابھی صرف پانچ ہی سال گزرے ہیں کہ اسی الزام کی بنا پر جماعت احمدیہ کو آئین میں ترمیم کے ذریعے "غیر مسلم اقلیت" قرار دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ چونکہ جماعت احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نئے نبی کی پیروکار ہے اور اس طرح وہ آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کی منکر ہے۔ اس لئے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ہمارے خیال میں اس الزام کی تردید میں جتنا اور جتنی بار بھی لکھا جائے کم ہے کیونکہ یہ ایک ایسا جھوٹا اور بے بنیاد الزام ہے جس کا ثبوت [illegible] حضرت مرزا صاحب کی کسی ایک کتاب میں بھی نہیں ملتا۔ اور یہ ان بے شمار مفتریات میں سے ایک ہے جو آپ کے مخالفین آپ کے خلاف آپ کے عین حیات اور آپ کے بعد عوام کو گمراہ کرنے اور ان کے دلوں میں نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکانے کے لئے گھڑتے اور شائع کرتے رہے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ ایسا سوال نہیں جس کے جواب میں خود حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے بعد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے علماء نے ہزاروں ورق تحریر کئے ہیں۔ جو ایک عام سوجھ بوجھ رکھنے والے انسان کی تسلی اور اطمینان کے لئے کافی ہیں اور ان کے بعد اپنی طرف سے اس پر کچھ پیش کرنا ایک تحصیل حاصل ہے۔ لیکن راقم کو خود یہ مسئلہ سمجھنے میں جو مشکلات پیش آئیں اور جس طریق سے اُس نے اسے حل کر کے اطمینان قلب حاصل کیا اُسی کا بیان کرنا اس مقالہ میں مقصود ہے۔

انداز بیاں گرچہ بہت خوب نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

ہم نے اس سوال کا جواب حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی کتابوں سے تلاش کر [illegible] عبارات کو اپنے خیال کے مطابق ترتیب دینے اور کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ یہ اعتراض وارد نہ ہو سکے کہ "نبی" اور "نبوت" کی تشریح کسی اور انسان کے قلم سے کی گئی ہے اور حضرت صاحب نے یہ نہیں فرمایا۔

حضرت مجدد وقت کی مختلف کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کبھی اپنے آپ کو مجدد دیکھتے ہیں اور کبھی محدث کبھی مسیح موعود اور کبھی مہدی موعود۔ کبھی ظلی۔ بروزی۔ مجازی اور نبوت ناقصہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور کبھی اپنے حق میں صرف نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو آپ کے الہامات میں واقع ہوئے ہیں۔

اتنے سارے الفاظ کا استعمال دیکھنے کے بعد قاری کا ذہن قدرتی طور پر اُلجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ خود راقم الحروف بھی ایک عرصہ تک اسی ادھیڑ بن اور شکوک و شبہات کا شکار رہا کہ آپ نے اتنے مختلف قسم کے القابات اپنے لئے کیوں استعمال کئے اور کیوں نہ صرف مجدد کے دعوے پر ہی اکتفا کیا۔ نہ دنیا کو آپ کی مخالفت اور سازشوں کا موقعہ ملتا اور نہ جماعت کی توسیع اور ترقی بُرے طور پر متاثر ہوتی۔ اور نہ ہی آپ کی اپنی جماعت میں یہ پھوٹ پڑتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر راقم کو احمدیت کی دولت ورثے میں نہ ملی ہوتی اور اس کی تعلیم و تربیت ایک مثالی احمدی گھرانے میں نہ ہوئی ہوتی تو آج وہ بھی بھٹک کر گمراہیوں اور ضلالتوں میں کھو گیا ہوتا۔ جس انسان کو اپنے دعویٰ کی نوعیت اور حقیقت ہی معلوم نہیں آخر اس کا ماننا کیوں ضروری ہے۔ لیکن یہ محض خدا کا فضل تھا اور ہے کہ حقیقت کی تلاش اور جستجو ہمیشہ دل میں چٹکیاں لیتی اور اس طرف رہ رہ کر متوجہ کرتی ہے۔ ایک بار پھر ہم نے اسی سوال کو سامنے رکھتے ہوئے براہین احمدیہ سے لے کر حقیقۃ الوحی تک جو کتابیں میسر تھیں ان کا مطالعہ شروع کر دیا۔ جس کا حاصل قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔

یہ تین سوال ہم نے اپنے سامنے رکھے۔

۱۔ حضرت مسیح موعودؑ کا اولین اور بنیادی دعوے کیا تھا؟

۲۔ کیا آپ نے نبوت کا دعوے کیا اور کیا یہ ایسا دعوے تھا جس سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹتی اور ایک نئے مذہب کی ابتدا ہوتی ہے؟

۳۔ مختلف انداز میں یہ جو رسول اور نبی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یہ کس مفہوم میں استعمال کئے گئے ہیں بعد اسلامی اصطلاح کی رُو سے جو نبی کا مفہوم ہے۔ یا اُس سے مختلف معنوں میں؟"

پہلے سوال کے لئے جب ہم ۱۸۸۵ء میں شائع ہونیوالے ایک اشتہار پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں ہمیں یہ الفاظ نظر آتے ہیں:۔

"کتاب براہین احمدیہ جس کو خدا تعالےٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر لغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ہے۔" اس سے آگے چل کر فرماتے ہیں "مصنف کو اس بات کا علم بھی دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بشدت مناسبت و مشابہت ہے۔"

چونکہ اس عبارت میں "تجدید" کا لفظ آیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"تجدید کے یہ معنی نہیں کہ کم یا زیادہ کیا جاوے اس کا نام تو نسخ ہے۔ بلکہ تجدید کے یہ معنی ہیں کہ جو عقائد حقہ میں فتور آ گیا ہے۔ اور طرح طرح کے زوائد اُن کے ساتھ لگ گئے ہیں یا جو اعمال صالحہ کے ادا کرنے میں سستی وقوع میں آ گئی ہے۔ یا جو وصول اور سلوک الی اللہ کے قواعد محفوظ نہیں رہے ان کو مجدداً تاکیداً بالاصل بیان کیا جائے۔"

اس اعلان میں یہ چار باتیں بیان ہوئی ہیں جنہیں ہم آپ کے دعاوی کہہ سکتے ہیں۔ ملہم۔ مامور۔ مجدد وقت اور مسیح ابن مریم سے بشدت مناسبت و مشابہت۔ اس کے علاوہ تجدید کے معنی بیان فرمائے ہیں جو لفظ "نسخ" کے ذیل میں نہیں آتے۔

براہین احمدیہ آپ کی وہ پہلی معرکتہ الآرا تصنیف ہے جسے چاروں طرف سے خراج تحسین و آفرین پیش کیا گیا۔ اور آپ کے ہم مکتب اور بعد میں سب سے شدید مخالف مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس پر شاندار ریویو لکھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو یہ دعاوی آپ نے پیش کئے تھے وہ مولوی صاحب موصوف کے نزدیک عین اسلام کے مطابق تھے۔ ورنہ وہ اس پر اتنا شاندار ریویو نہ لکھتے۔ یعنی وہ آپ کو مجدد۔ ملہم۔ مامور من اللہ اور مثیل مسیح تسلیم کرتے تھے۔

اسی براہین احمدیہ میں حاشیہ در حاشیہ میں ہمیں ایک اور مختلف لفظ "محدث" نظر آتا ہے۔ اس کی تشریح آپ اس طرح کرتے ہیں۔

"کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم اس امت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس امت میں بھی پہلی امتوں کی طرح محدث پیدا ہوں گے۔ اور "محدث" بفتح

وال وہ لوگ ہیں جن سے مکالمات و مخاطبات الٰہیہ ہوتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ ۴ صفحہ نیا ایڈیشن: ۲۴۸
" پرانا ایڈیشن: ۵۴۰)

اس سے قبل براہین احمدیہ حصۂ سوم میں آپ فرما چکے ہیں کہ:

"خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ میں کہ جو سچے دین پر ثابت اور قائم رہیں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کرتا ہے کہ جو خدا کی طرف سے ملہم ہو کر ایسے امور غیبیہ بتلاتے ہیں جن کا بتلانا بجز خدائے وحدہٗ لاشریک کے کسی کے اختیار میں نہیں اور خداوند تعالیٰ اس پاک الہام کو انہی ایمانداروں کو عطا کرتا ہے کہ جو سچے دل سے قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتے ہیں اور صدق اور اخلاص سے اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خدا کا سچا اور کامل پیغمبر اور سب پیغمبروں سے افضل اور اعلیٰ اور بہتر اور خاتم الرسل اور اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہیں۔"

(حصہ سوم صفحہ ۱۶۰ ۲۱۵)

آپ کی ان تحریرات سے ہم یہ خلاصہ اخذ کرتے ہیں:۔

۱۔ کہ آپ نے براہین احمدیہ میں مجدد۔ محدث اور ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

۲۔ محدث وہ لوگ ہوتے ہیں جو مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے مشرف کئے جاتے ہیں۔

۳۔ انہی مکالمات و مخاطبات کا دوسرا نام الہام ہے۔ جو ایک طرز کلام اور انداز تخاطب ہے جس میں امور غیبیہ پر بھی اطلاع دی جاتی ہے۔

۴۔ اس امت میں محدثین کی موجودگی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ حدیث قطعی الدلالت ہے۔

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر۔"

یعنی پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ہے تو عمر ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت کی گئی ایک دوسری حدیث محدث کی تعریف ان الفاظ میں کرتی ہے۔

"لقد کان فی من کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن من امتی منھم احد فعمر۔"

بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہو گذرے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا تھا لیکن وہ نبی نہ ہوتے تھے

اس لئے حضرت صاحب نے اپنے آپ کو محدث کہہ کر دعویٰ نبوت سے انکار کیا ہے۔ اور یہ مقام انہی کو ملتا ہے جو بقول آپ کے آنحضرت صلعم کے کامل متبعین ہوتے ہیں اور آپ کو "خدا کا سچا اور کامل پیغمبر اور سب پیغمبروں سے افضل اور اعلیٰ اور بہتر اور خاتم الرسل اور اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہیں"۔ آنحضرت صلعم کو "خاتم الرسل" ماننے والا آپ کے بعد نبی اور رسول ہونے کا دعوےٰ کیسے کر سکتا ہے۔

سنہ ۱۸۹۱ء تک آپ کے ان دعاوی کا انکار کسی کو نہیں تھا۔ اور نہ ہی ان پر کوئی معترض ہوا سینکڑوں آدمی بیعت کر کے آپ کی جماعت میں شامل ہو گئے جن میں بڑے بڑے عالم فاضل بھی تھے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نبوت کا جھگڑا درمیان میں کیسے آن پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۸۹۰ء میں آپ کو یہ الہام ہوا:۔

"مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ وجعلناک المسیح ابن مریم۔ ہم نے تجھے مسیح ابن مریم بنایا ہے۔"

اس وقت تک حضرت صاحب دوسرے مسلمانوں کی طرح حیات مسیح کے روایتی عقیدہ پر قائم تھے۔ اس لئے یہ الہام اور یہ انکشاف آپ کے لئے بھی حیران کن تھا۔ آپ نے اسے قرآن شریف پر پیش کیا۔ ایک سال تک اس چھان بین میں صرف کیا اور جب قرآن کریم کی تیس آیات نے یہ تصدیق کر دی کہ واقعی مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی وفات پا چکے ہیں تو آپ نے ۲۶ مارچ سنہ ۱۸۹۱ء کو اپنے اس دعوے کا اعلان کر دیا۔

یہ اعلان ہونا تھا کہ علم و فضل کے ایوانوں میں ایک زلزلہ بپا ہو گیا۔ جیسے مسیح کے فوت ہو جانے سے آسمان ٹوٹ پڑیگا اور بجلی گر پڑے گی۔ اسلام کا کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ شور و غوغا اور ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا کہ مسیح ابن مریم کو مار کر یہ شخص نبوت کا مدعی بن بیٹھا ہے۔ کیونکہ آنے والے مسیح کے لئے احادیث میں "نبی اللہ" کا لفظ آیا ہے۔ مسیح ابن مریم بھی نبی تھا اور اس کے ساتھ حضرت صاحب کے بہت سے الہامات میں جو براہین احمدیہ میں ہی شائع ہو چکے تھے "نبی" اور "رسول" کے لفظ موجود تھے۔ اس وجہ سے مخالفین کو آپ پر دعوئے نبوت کا الزام لگانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اور عوام بھی جن کے ذہن میں نبی کا مفہوم صرف یہی تھا کہ وہ کتاب اور نئی شریعت لاتا ہے ان کے ساتھ ہو گئے کیونکہ نبی کے اس مفہوم میں نبوت اور رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ختم ہو چکی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی بھی مدعی نبوت کو برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس الزام کا جواب دینے کے لئے آپ نے "لفظ نبی" کی تشریح کی۔

آپ کا استدلال یہ تھا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے احادیث میں آنے والے مسیح کے لئے جو لفظ نبی اللہ آیا ہے وہ اپنے حقیقی معنوں میں یعنی جن معنوں میں اصطلاح اسلام میں استعمال ہوتا ہے۔ استعمال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسیح ابن مریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ایک نبی کی حیثیت سے نہیں آ سکتا۔ ورنہ ختم نبوت کی مہر ٹوٹتی ہے۔ اس لئے اس لفظ "نبی" کی تاویل اور تشریح لازمی ہے۔

اس غرض کے لئے آپ نے سنہ ۱۸۹۱ء میں ایک کتاب "ازالہ اوہام" لکھی جس میں بے شمار حوالوں کے ذریعے اس نبوت کو آپ نے محدثیت کا مترادف قرار دیا ہے۔ اور اسے ظلی۔ بروزی۔ مجازی اور نبوت ناقصہ بھی کہا ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں:۔

۱۔ نبوت کا دعوےٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعوےٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔۔۔ اس کو (محدثیت) اگر مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے تو کیا اس سے دعویٰ نبوت لازم آ گیا۔" (۱۵۸/۴۲۲)

۲۔ آنے والا مسیح محدث ہونے کی وجہ سے مجازاً نبی بھی ہے۔ (۱۳۱/۴۴۹)

۳۔ ہاں نبوت ناقصہ اس میں پائی جائے گی جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے۔

(۵۳۲-۵۳۲ پرانا ایڈیشن)

۴۔ جو شخص کثرت سے شرف ہمکلامی پاتا ہے اس کو محدث بولتے ہیں۔" (۹۱۴)

۵۔ ہاں ایسا نبی جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا (یعنی نبوت کا جو مفہوم عوام کے ذہنوں میں ہے۔ ناقل) جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں۔"

۶۔ محدث من وجہ نبی ہوتا ہے۔ (وہ شرف ہمکلامی پاتا ہے۔ ناقل) مگر وہ ایسا نبی ہے جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ یعنی امتی ہے کیونکہ ایک امتی ہی اپنے نبی کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے۔

مخالفین کے لئے جب یہ تشریحات بھی قابل قبول نہ ہوئیں تو آپ نے ۳ فروری سنہ ۱۸۹۲ء کو ایک اشتہار میں یہ اعلان کیا:۔

"تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام و ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے۔ یا یہ کہ محدثیت جزئی نبوت ہے،

پایہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رُو سے بیان کئے گئے ہیں۔ ابتداء سے میری نیت میں جس کو اللہ جلشانہ' خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ صرف محدثیت مراد ہے جس کے معنی آنحضرت صلعم نے مکلم مراد لئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دُوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ سو دُوسرا پیرایہ یہ ہے۔ کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں۔ اسں کو دلیعنی لفظ نبی کو کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلعم تک ہمیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی انسان نے پہلے نبوت کا دعوےٰ کیا ہو اور بعد میں لوگوں کے دباؤ اور خوف سے یہ کہہ دیا ہو کہ نہیں میں نبی نہیں ہوں محدث ہوں۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے آنے والے مسیح کے لئے استعمال ہونے والے لفظ "نبی" کو "محدث" کے معنوں میں لیا ہے۔ اور اس کی یہی تشریح کی ہے۔ اور یہ محدثیت کا دعویٰ براہینِ احمدیہ میں موجُود ہے۔ جس پر کوئی اعتراض نہ کیا گیا اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ آپ ۱۱ اگست ۱۸۹۹ء کو اخبار الحکم میں شائع ہونے والے ایک خط میں عام بول چال میں لفظ "نبی" کے استعمال سے منع فرماتے ہیں۔

"نبی کے لفظ سے صرف اسی قدر مُراد ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اسے علم پاکر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا اور چونکہ ایسے لفظوں سے (رسول اور نبی کے لفظوں سے) جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔" اسی خط میں آگے چل کر نبی اور رسُول کے اصطلاحی معنی بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالےٰ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اس جگہ بھی یہی معنی نہ سمجھ لیں کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے۔ اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔"

اس تمام عبارت پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اگر قرآن کریم ان کی کتاب ہے۔ اسلام ان کا دین ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ خاتم الانبیاء سمجھتے ہیں تو نہ حضرت مرزا صاحب کوئی کامل شریعت لائے۔ نہ کسی سابقہ شریعت کو منسوخ کیا اور اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی کہتے ہیں۔ اور چراغِ مصطفویؐ سے روشنی حاصل کرنے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ تو انہوں نے اسلام کی اصطلاح میں اسں نبوت کا دعوےٰ ہرگز نہیں کیا۔ جس سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹتی ہے۔ اس لئے مخالفین کا یہ اعتراض باطل ہو جاتا ہے کہ وہ مدعی نبوت اور آنحضرت صلعم کی ختم نبوت سے انکاری ہیں۔ اور یہ کہ انہوں نے اسلام کے مقابل ایک نئے مذہب اور ایک نئی نبوت کا اجرا کیا ہے۔

جب لفظ نبی اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں کیا تو آپ کا یہ فرمانا بالکل بجا اور درست ہے کہ یہ لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن ان لغوی معنوں میں استعمال ہونے والے لفظ نبی کو بھی وہ کاٹا ہوا سمجھنے اور عام بول چال میں استعمال نہ کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ تو اس کے بعد آپ کے دعاوی مجدد۔ محدث۔ ملہم من اللہ اور مثیلِ مسیح تک ہی محدود رہ جاتے ہیں۔ جو آپ کی اولین کتاب براہینِ احمدیہ میں موجود ہیں اور جن پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"مثیلِ مسیح" اور "مسیح موعود" کے دعوےٰ کے متعلق بھی آپ فرماتے ہیں۔

"چودھویں صدی کا مجدد ہونے کے لئے بجز اِس احقر کے کس نے دعویٰ کیا ہے۔ ۔ ۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ۱۹۰۱ء کے بعد اپنے دعوےٰ میں تبدیلی کر لی تھی مگر آپ کی آخری تصنیف حقیقۃ الوحی ان کے اس دعوےٰ کو جھٹلاتی ہے۔ آپ اسکے صفحہ ۱۹۳-۹۴ پر "پہلا نشان" کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔" (رواہ ابوداؤد) یعنی خدا ہر ایک صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایک شخص مبعوث فرمائے گا جو اس کے لئے دین کو تازہ کرے گا۔" اس کے ذیل میں بہت سی دیگر باتوں کا ذکر کرتے ہوئے آگے چل کر فرماتے ہیں:

"پس جب تک میرے اس دعویٰ کے مقابل پر انہی صفات کے ساتھ کوئی دُوسرا مدعی پیش نہ کیا جائے۔ تب تک میرا یہ دعوےٰ ثابت ہے کہ وہ مسیح موعود جو آخری زمانہ کا مجدد ہے۔ وہ میں ہی ہوں۔" مسیح موعود کے ساتھ "مجدد" کا لفظ لانے سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعود کے دعوےٰ کے ساتھ آپ نے "نبی" کا دعویٰ نہیں بلکہ مجدد ہی کا دعوےٰ کیا ہے۔

"نبی" کے لفظ کی جو آنے والے مسیح کے لئے احادیث میں استعمال ہوا ہے۔ تاویل اور تشریح سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ مدعی نبوت ہیں اور جو لوگ آپ کی طرف یہ دعوےٰ منسوب کرتے ہیں وہ سراسر ظلم۔ ناانصافی اور افتراء سے کام لیتے ہیں۔ نہ آپ نے کبھی دعوےٰ نبوت کیا۔ اور نہ اسے بدلنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ کا دعوےٰ شروع سے آخر تک ایک ہی ہے۔

ہماری ان تمام گذارشات کا لب لباب یہ ہے کہ:۔

۱۔ حضرت مرزا صاحب مجدد۔ محدث۔ ملہم من اللہ اور مثیل مسیح ہونے کے مدعی ہیں۔

۲۔ محدث وہ لوگ ہوتے ہیں جو شرف مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوتے ہیں۔

۳۔ یہ شرف انہیں بذریعہ الہام حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعہ انہیں امور غیبیہ پر اطلاع دی جاتی ہے۔ اور وہ پیشگوئی کرتے ہیں

۴۔ لغوی معنوں کے لحاظ سے ایسے لوگوں کو "نبی" یعنی غیب کی خبر پاکر پیشگوئی کرنے والا بھی کہتے ہیں۔

۵۔ امتِ محمدیہؐ میں ایسے لوگوں کا وجود ثابت ہے اور اس پر آنحضرت صلعم کی احادیث شاہد ہیں۔

۶۔ یہ مقام انہیں آنحضرتؐ کی کامل پیروی سے ملتا ہے۔ اور وہ مشکوٰۃ انوار نبوت محمدیہؐ سے روشنی لیتے ہیں۔

۷۔ حضرت مرزا صاحب انہی محدثین میں سے ایک ہیں۔

۸۔ آپ کا دعویٰ مسیح موعود کا بھی ہے لیکن احادیث میں آنیوالے مسیح کے لئے لفظ "نبی اللہ" استعمال ہوا ہے۔

۹۔ چونکہ قرآن کی رُو سے مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں اس لئے واپس نہیں آسکتے۔ آنیوالا مسیح اسی اُمت کا کوئی فرد ہے۔ اور اسکے لئے جو لفظ "نبی اللہ" آیا ہے وہ اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں بلکہ لغوی معنوں پر محمول ہے جس کے معنی عرض کئے جا چکے ہیں۔

۱۰۔ حضرت صاحب نے اس لفظ "نبی اللہ" کی تشریح کی ہے نہ کہ اسکے استعمال سے اپنا دعویٰ نبوت ثابت کیا ہے کیونکہ اپنی ایک تحریر میں اسے کاٹا ہوا سمجھنے اور دوسری میں عام بول چال میں اسے نہ استعمال کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اگر واقعی ان کا دعویٰ نبوت کا ہوتا تو آپ ایسا ہرگز نہ کرتے کیونکہ اس سے پہلے کوئی ایسی مثال نہیں کہ کسی نبی نے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد اس سے دستبرداری کا اعلان کیا ہو اور کہا ہو کہ اسکی بجائے محدث کا لفظ رکھ لیں۔

۱۱۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مسیح موعود کا دعویٰ مجدد اور ملہم من اللہ کے دعویٰ سے بڑا نہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ مجدد اور ملہم ہونے کا دعویٰ مسیح موعود کے دعوےٰ سے بڑا ہے یا کم از کم اس کے برابر ہے۔ اور مجدد نبی نہیں ہوتا کیونکہ تجدید کے معنی نسخ کے نہیں یعنی وہ شریعت میں کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا جبکہ نبی ایسا کر سکتا ہے اس صورت میں بھی ان کا دعویٰ نبوت کا نہیں۔

۱۲۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام ان کا دین ہے۔ قرآن انکی کتاب ہے، اور آنحضرت صلعم ان کے نبی اور خاتم الانبیاء ہیں اسلئے وہ آنحضرت صلعم کی شریعت کے تابع اور ان کے امتی ہیں۔ ان کا نہ کوئی اپنا دین ہے۔ اور نہ شریعت اور نہ ہی انہوں نے شریعت محمدیہؐ میں کسی قسم کی کوئی کمی بیشی کی ہے۔ آپ شریعت محمدیہؐ کے تمام احکام کی تکمیل کرتے

مرتبہ مولوی شفقت رسول خان

دینِ اسلام کا مغز اور نچوڑ خیر، نیکی اور تقویٰ کی راہوں کو عملاً اختیار کرنے میں ہے

تشدد، جبر اور اکراہ کی راہیں اختیار کرنا دینِ اسلام کی تعلیم کے منافی ہیں

خطبہ جمعۃ المبارک ، مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۹ء ، فرمودہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ، جامع احمدیہ ، احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ ، لاہور

وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیرا ط للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ ط ولدار الاخرۃ خیر ط ولنعم دار المتقین ۝ ......
الذین تتوفھم الملٰئکۃ طیبین یقولون سلٰم علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون ۝ (النحل ۳۰ تا ۳۲)

ترجمہ :- جو لوگ متقی ہیں جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا وہ کہیں گے خیر اور بھلائی نازل کی۔ تو جو لوگ اس دنیا میں بھلائی کرتے ہیں اُن کے لئے بھلائی ہے۔ اور آخرت کا گھر تو بہت بہتر ہے۔ اور متقیوں کا گھر کیسا عمدہ ہے۔ ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ اُن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور اُن کے لئے جو وہ چاہیں گے موجود ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو جزا دیتا ہے۔ جن کی ارواح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ آلائشوں سے پاک ہوتے ہیں فرشتے اُن سے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو بس تم ان اعمال کے صلہ میں جو تم کرتے تھے جنت میں داخل ہو جاؤ ۔

قرآن کریم کی ساری تعلیم کا خلاصہ ان آیات بینات میں مذکور ہے۔ وہ کیا ہے ؛ خیر اور بھلائی ۔ اس دنیا میں متقی بننا اور دوسروں پر احسان کرنا ۔ خدا پر ایمان اور عملِ صالح اور یہی قرآن پاک کی تعلیم مقصود ہے۔ یہ ایسی سلامتی کی تعلیم ہے کہ اس پر عمل کرنے والے کو نہ کوئی غم ہوتا ہے نہ حزن و ملال ۔ وہ دنیا داروں کی طرح نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا دار کو اپنی دنیا کی چیزوں سے اُنس ہوتا ہے۔ اور ان چیزوں کو چھوڑنے پر اسے دُکھ ہوتا ہے۔ سلامتی اور ایمان میسر نہیں آتا سوائے اس صورت کے کہ وہ خدا کا کامل فرمانبردار اور مخلوقِ خدا سے احسان کرنے والا ہو۔

طیب و مطمئن زندگی کا راز جو قرآن پاک نے بیان فرمایا ہے۔ وہ اپنے دل کو ہر غل و غش سے پاک کرنا ۔ مخلوقِ خدا سے عمدہ سلوک کرنا ۔ آج ہماری حالت خراب ہے۔ کیونکہ ہم میں ان جذبات کی کمی ہے۔ اور جب اس زمانہ کے مصلح نے ہماری حالت کی اصلاح کے لئے بلایا اور حالت درست کرنے کو کہا اور بتایا کہ [illegible] طور پر اسلام پر عمل نہیں رہا بلکہ ہم صرف اسمی اور رسمی مسلمان ہیں اور ایسے اسلام کا کچھ فائدہ نہیں تو ان کی بات پر کسی نا کان نہ دھرا گیا۔ کیونکہ تو ایسے مصلح کا انتظار تھا جو اقتدار و حکومت دے۔

چنانچہ علماء نے کہا کہ ہمیں اقتدار چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح ممکن نہیں اور اقتدار کے بغیر اسلام کو غلبہ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن امام وقتؑ نے فرمایا حکومت و اقتدار غلبۂ اسلام کے لئے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اصل طاقت تو تمہارے اندر اخلاقِ حسنہ اور احسان ہیں ۔ اور بھلائی سے غلبہ حاصل ہوگا۔ پس امام زمانؑ کی بات کی تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کے لئے مسلمانوں کو اس ملک میں اقتدار و حکومت بھی دے دی لیکن قوم میں اصلاح و فلاح کی بجائے برائی اور اعمالِ بد اور بڑھ گئے مگر دوسروں پر اپنا عقیدہ بزور ٹھونسنا اور ڈنڈے سے اصلاح کرنا ممکن نہیں ۔ خدا اپنے مصلح کی تائید میں نشانات دکھلا رہا ہے۔ خواہ اور کسی رنگ [illegible] ہوں ۔

غیب کی وہ خبریں جو امام وقتؑ نے دیں جو اس سے پہلے اور اب رونما ہو رہی ہیں اس کی صداقت کے نشان ہیں۔ سنہ ۱۹۱۴ء کے انقلاب روس کے لئے حضرت امام وقتؑ نے خبر دی تھی کہ :-

" زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار "

یہ نظارہ ہم نے اُس وقت دیکھا اور ہمارے ازدیاد ایمان کے باعث اور امام وقتؑ کی صداقت کا نشان ثابت ہوا۔ امام وقت نے ایوان کسریٰ کے متعلق پیشگوئی میں فرمایا تھا :

" تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد "

یہ کس قدر صحیح اور سچا نقشہ ہے۔ کہ سلطنت ایران کا متمول و عظیم ترین بادشاہ جو صاحب اقتدار و جاہ و حشمت تھا۔ مالدار تاجدار تھا جو سارے وسیع و عریض ایران میں تھا۔ اب اُسے سر چھپانے کو بھی جگہ نہیں ملتی ۔ یہ بھی حضرت امام وقتؑ کی صداقت کا بیّن نشان ہے ۔

الحمدللہ اب پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا غلغلہ ہے ۔ اس سے قبل کے حکمران بے دینی کے علمبردار تھے۔ اور لوگ بھی دین سے گریزاں تھے ۔ خدا نے ان کے ہاتھ سے اقتدار چھین لیا۔ مگر اب ویسے حکمران نہیں رہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا تھا کہ اسلام کو ہی سربلندی حاصل ہو گی۔ اور سرداری حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے ہی ہوگی ۔ فرمایا :-

" پاک محمد مصطفےٰ نبیوں کا سردار ، بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد ۔ رب الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔"

وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے باوجود اس قدر تنگ دل ہیں۔ ان کی اصلاح کے لئے رب الافواج کی توجہ کی ضرورت ہے۔ یہ مسلمانوں کے لئے خوشخبری کی بات تھی.

ے

چو دورِ خسروی آغاز کردند ۔ مسلماں را مسلماں باز کردند

اس وقت مسلمانوں نے انتہائی بے رُخی سے کام لیا ۔ اور امام وقت نے نظم و نثر میں مسلمانوں کو دین کی طرف توجہ دلائی ۔ ع

چھوڑ دو وہ راگ جس کو آسماں گاتا نہیں
اب تو ہیں اے دل کے اندھو دیں کے گن گانے کے دن

قوم کی حالت یہاں تک بگڑ چکی تھی کہ اس وقت کے مفسرین یورپ کی اقوام کی ترقی و عروج سے متاثر ہو کر اور تسخیر کائنات کو دیکھ کر ان کو ہی اسلام کے علمبردار قرار دے چکے تھے۔ لیکن حضرت امام وقتؑ کو دین کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اور انہوں نے اپنے اشعار میں دین کے مرثیے یوں لکھے ہیں :-

میسزد گرخوں ببارد دیدہ ہر اہل دیں | بر پریشاں حالیٔ اسلام و قحط المسلمیں
اے مسلماناں چہ آثار مسلمانی ہمیں است | دیں چنیں ابتر شما در جیفہ دنیا رہیں

آج وہی تصویر دنیا میں مقبول ہوگی جو حضرت امام وقتؑ اور جماعت احمدیہ لاہور پیش کر رہی ہے :

درشین کا مطالعہ کریں تو دین کی حالت کے متعلق آپ کے صحیح جذبات کا علم واضح ہوگا۔ دین اسلام کا تعلق کسی خاص قوم سے یا نسل سے نہیں۔ دین تو اصولِ حقہ اور نظریۂ زندگی ہیں جن کا خلاصہ آیت قرآنی بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن میں بیان ہوا ہے۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو خدا کا کامل فرمانبردار اور اس کی مخلوق سے احسان و بھلائی کرنے والا ہو وہی مسلم ہے۔ اس زمانہ میں جو احیائے اسلام ہو رہا ہے وہ انہی اسلام کے اصولوں کے اجاگر کرنے سے ہوا۔ محض فقہی مسائل کی تفہیم و نفاذ سے ممکن نہیں۔

حضرت اقدسؑ سے کسی نے ان کے کسی مرید کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے فلاں مرید داڑھی نہیں رکھتے۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آپ کو داڑھیوں کی فکر ہے مگر ہمیں ان کے ایمانوں کی فکر ہے۔

حضرت امام وقت علیہ السلام ایک روحانی و اخلاقی انقلاب کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور ان کی نظر باطنی کیفیات پر تھی اور مصلح کے اندر اس قوت قدسی کا ہونا ضروری ہے کہ اصلاح باطن کرے۔ مسلمانوں میں اپنے دین کی جانب موجودہ رُخ کو دیکھ کر اخباروں (ریڈرز ڈائجسٹ" اور ٹائمز) نے لکھا ہے کہ اب مسلمانوں میں اسلام کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔ مگر مغربی نقاد اس امر سے پریشان ہیں کہ مسلمانوں میں تشدد و جبر کا اسلام جو زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانے کا مدعی ہے۔ اگر ایسے اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو یقیناً تشدد و جبر کا دور دورہ ہوگا۔

اگر اس وقت مسلمانوں کا رجحان اسلام کی طرف ہو گیا ہے تو آئندہ انشاء اللہ غلبہ انہی نظریات کو ہوگا جو اصول امام وقتؑ اور ان کے شاگردوں نے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں۔ یہی مقبول عام ہو کر رہیں گے۔ غلبہ اسلام کے لئے وفاتِ مسیح کو ماننا مسلمانوں کا اپنے اعمال قرآن و سنت کے مطابق درست کرنا نیز اسلام جبر و اکراہ کا دین نہیں (لا اکراہ فی الدین) تسلیم کرنا ضروری ہے کیونکہ تشدد و جبر سے اسلام کو آج کون قبول کرنے کو تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مذہبی آزادی دی ہے۔

" انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا "

ہم نے سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کر دی ہے (انسان) چاہے قدر دانی کرے اور چاہے انکار کرے۔ یعنی انسان رد و قبول میں آزاد ہے۔ خدا نے دین کو ٹھونسا نہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا:-

" ولو شاء ربک لاٰمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین"

اگر تیرے رب کا منشا ہوتا تو سب کفار ایمان لے آتے۔ پس کیا آپ کفار کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے۔ اسلام کی جبری تشریح کبھی مقبول نہیں ہو گی یعنی یہ کہ لوگوں کو بالجبر اسلام میں داخل کیا جائے اور جبر سے اسلام پر قائم رکھا جائے۔ وفاتِ مسیح کا جہاں تک تعلق ہے آج خود عیسائی پادری اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگے ہیں اور ان کو کشمیر میں مدفون تسلیم کرنے لگے ہیں۔ گویا انہوں نے حضرت مسیح کی الوہیت کا انکار کر دیا ہے۔ اس لئے آج ہمارے مولوی صاحبان کا مذہب نہیں چل سکتا۔ اسلام کی طرف پہلا قدم اٹھ چکا ہے۔ حضرت صاحب نے ہمیں پکارا ہے کہ دین کی ترویج کریں۔ دین کے اصولوں پر یقین محکم پیدا کریں۔ کیونکہ انہی اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے اسلام کو ماضی میں غلبہ حاصل ہوا تھا اور اب بھی انہی اصولوں پر عمل پیرائی سے غلبہ ہوگا۔

از رہ دیں پروری آمد عمر و چ اندر نخست | باز چوں آئید بیاید ہم ازیں رہ بالیقین

دین کے محکم اصولوں اور محکمات کو چھوڑ کر مفادات پر نظر رکھنے سے ہرگز غلبۂ اسلام نہیں ہوگا۔

جماعت احمدیہ کے افراد کو اپنے نفوس کی پاکیزگی و طہارت کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے :

چنانچہ حضرت امام وقتؑ نے ہر فرد جماعت سے یہ عہد لیا کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" یعنی جہاں دنیاوی مفادات دین سے متصادم ہوں گے وہاں ان مفادات کو ترک کر دوں گا۔ اخلاقیات جو قرآن پاک نے بیان فرمائے ہیں۔ وہی عالمگیر ہیں۔ دین کی ترقی اسی نہج سے ہوئی تھی اور اب بھی اسی طرز عمل سے اسلام کی ترقی و غلبہ مقدر ہو چکا ہے۔ جو اصولوں پر صدق دل سے عمل بالارکان سے ظاہر ہوگی۔ اصل نماز کی حقیقت بھی یہی ہے کہ رکوع کرنے والا اپنے آپ کو خدا کے احکام کے سامنے خم کر دے اور سجدہ کرنے والا انکسار و عجز کا مجسمہ بن جائے۔ تو ہی یہ ظاہری ارکان مفید ہیں۔ ورنہ جملہ ارکانِ اسلام کو روح سے خالی کر کے بجا لانا کچھ سود مند نہیں۔ جس میں روزہ، حج وغیرہ جملہ ارکان اسلام شامل ہیں۔ اگر ان ارکان کی ادائیگی نفسانی خواہشات کی تکمیل ہوگی تو وہ اعمال بے کار ہوں گے۔ جیسے ہمارے مذہبی لیڈران کرام تقریر و تحریر میں مذہبی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن غرض اپنی نفسانیات ہوتی ہیں۔ دل میں زر طلبی اور نفس پرستی ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ ناپسندیدہ ہوتی ہیں۔ یاد رکھو اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ اور وہ کیا ہے خدا کی راہ میں مرنا۔

پس آپ کا منشا خدا کی راہ میں مرنے سے اپنے نفسانی ارادوں اور خواہشات کو خدا کے احکام کے مطابق بنانا ہے۔ پس آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ایک (نعوذ باللہ) مصلح کی بات ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے اعمال اس کے مطابق بنانے چاہئیں۔ الوصیت میں بھی آپ نے فرمایا ہے۔ وہ شکست جس میں خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو۔ حضرت مولانا نورالدینؒ نے جب ایک وفد قادیان سے لاہور بحث کے لئے بھیجا تو اسے یہ نصیحت فرمائی کہ تم لوگ عیسائیوں کے مقابلہ پر جا رہے ہو۔ ان کی جو بات سچی ہو اس کی ضرور تصدیق کرنا مگر ان کی غلط بات کی تردید کرنا۔ بہرحال ہمیں حضورؑ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے ان کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال میں برکت ڈال دے :

تقریر مکرم ڈاکٹر نثار احمد صاحب سیالکوٹ
برموقع جلسہ سالانہ

بعنوان

فلسفۂ دعا

اشہدان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشہدان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ اما بعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
امن خلق السمٰوٰت والارض وانزل لکم من السمآء مآءً فانبتنا بہ حدآئق ذات بہجۃ ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا ءالٰہ مع اللہ بل ھم قوم یعدلون ۔۔۔۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالٰہ مع اللہ قلیلا ما تذکرون"
(النمل: ۶۰ تا ۶۲)

تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی واحدنیت اور خالقیت اور قوانین جن پر ساری کائنات و مافیہا کا دارومدار ہے کو بیان کر کے فرمایا ہے کون ہے جو بے قرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے۔ اور مصیبت کو دور کرتا ہے۔ اضطراری حالت ضرورت کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ اور انسان کی مجبوری کو بھی اور اس کا عجز اس حد تک ہے کہ وہ فیوض ہستی باری تعالیٰ کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتا جب یہ تعلق ہو عبد اور معبود کا تو دعا ایک فطرتی امر ہے۔ اور دعا کا قبول ہونا بلکہ بندے کے ساتھ کلام کرنا اور جواب دینا یہ زبردست ثبوت ہے خدا کی ہستی کا۔ کام تو اتفاقاً بھی ہو سکتے ہیں لیکن یہ تعلق ایک خاص تعلق ہے سو دعا اور خدا کی ہستی لازم و ملزوم ہیں۔ اگر دعا سنی نہ جائے تو پھر شکوک کی بھی گنجائش ہے اور اس زمانہ کے امام نے اس پر بڑا زور دیا ہے۔ وہ زندہ خدا کو پیش کرتے ہیں اور بندہ کا خدا سے مدد چاہنا کوئی ایسا امر نہیں جو بے حقیقت ہو۔ قدیم سے جو لوگ اس کے نام سے کام شروع کرتے ہیں۔ تو اس کی تائیدیں بھی ان کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ اور اس سے مدد چاہنا مبنی۔ فقر اور عبودیت کا طریقہ ہے۔ اور انسان بچوں کی سی عاجزی اختیار کر کے ان نخوتوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ جو دنیا کے مغرور دانشمندوں کے دلوں میں بھری ہوتی ہیں اور وہ اپنی عقل پر بھروسہ کر کے اسی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں لیکن خدا پرست بندہ اپنی کمزوری اور امداد الٰہی پر کامل یقین کر کے اس معرفت سے حصہ پا لیتا ہے جو خواص کو دی جاتی ہے۔ اور جس قدر وہ اس راہ پر چلتا ہے اسی قدر اس کی توحید صاف ہوتی ہے۔ عجب اور خود بینی دور ہوتی ہے۔ اور نور اس کے چہرے پر چمکنے لگتا ہے۔

پس یہ وہ صداقت ہے جو رفتہ رفتہ انسان کو فنا فی اللہ کے مرتبہ تک پہنچا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دیکھتا ہے کہ اس کا کچھ بھی نہیں بلکہ وہ سب کچھ خدا سے پاتا ہے۔ اور حضرت امام نے فرمایا: جہاں کہیں یہ طریق کسی نے اختیار کیا وہیں توحید کی خوشبو پہلی دفعہ اس کو پہنچنے لگتی اور دل و دماغ معطر ہونا شروع ہو جاتا ہے بشرطیکہ قوت شامہ میں فساد نہ ہو۔ طالب صادق کو اپنے ہیچ اور بے حقیقت ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اور اللہ جل شانہٗ کو قادرِ مطلق اور مبدء فیوض ہونے پر شہادت دینی پڑتی ہے اور مرتبہ فنا کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری شرط ہے حضرت صاحب نے خوب مثال دی ہے کہ بارش اگرچہ عالمگیر ہو لیکن اس پر پڑتی ہے جو بارش کے موقع پر کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ طلب کرتے ہیں وہی پاتے ہیں۔ جو ڈھونڈتے ہیں انہیں کو ملتا ہے۔ جو لوگ اپنے ہنر یا عقل یا طاقت پر بھروسہ رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو کارساز نہیں سمجھتے ان کا ایمان خشک ٹہنی کی طرح ہے جس کو شاداب اور سرسبز درخت سے کچھ علاقہ نہیں رہا اور ایسی خشک ہو گئی ہے کہ اپنے درخت کی تازگی اور پھول پھل سے حصہ حاصل نہیں کر سکی۔ صرف ظاہری جوڑ ہے اور ذرا سی جنبش سے ٹوٹ سکتی ہے۔ ایسا ہی خشک فلسفیوں کا ایمان ہے ایسے لوگ حقیقی توحید سے ایسے دور پڑے ہوئے ہیں جیسے نور سے ظلمت،

معترض کہتے ہیں کہ کسی کام میں خدا کا نام لینے یا اس سے طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا نے ہماری فطرت میں پہلے سے طاقتیں ڈال رکھی ہیں اس کے واسطہ کے بغیر بھی ہم کام کر لیتے ہیں۔ خدا سے مانگنے کا کیا فائدہ ہے۔ بظاہر یہ بات تذبذب میں ڈال دیتی ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ اس نے طاقتیں دے رکھی ہیں وہ محدود ہیں۔ اور جو کچھ اس سے مانگا جاتا ہے یا اس کے علم میں ہے اس کی نہایت اور حد نہیں۔ ہماری بدنی طاقتیں، ہماری تندرستی بہت سے اسباب پر موقوف ہے۔ جو ہماری طاقت سے باہر ہیں لیکن وہ قادر خدا جس کے سہارے یہ سارا نظام چل رہا ہے ہمارے گرد و پیش ہمارا دل۔ ہماری جان: ظاہر و باطن ہماری روح کی تمام طاقتوں پر احاطہ کئے ہوئے ہے اور اگر اس کی صفت رحمانیت اور رحمت ہماری کارسازی نہ کرے تو ہماری ساری کوششیں بے کار ہیں اور خدا سے مدد چاہنا ایک ایسی بدیہی صداقت ہے کہ بلا امتیاز ہم اس کی جانب کھنچے چلے جاتے ہیں کہ فی الحقیقت ہر ایک برکت اسی راہ سے آتی ہے۔ ایک تو انسان کا جسمانی دل ہے اور ایک روح میں بھی دل ہے جو کہ باطن کی آواز ہے۔ اور یہ اتنا مضبوط احساس ہے کہ جب بظاہر سب سہارے ٹوٹ جاتے ہیں تو باطن میں وہی ایک سہارا رہ جاتا ہے اور قرآن نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

"الست بربکم قالوا بلٰی"

یہ تو فطرت میں مذکور ہے۔ اگر ہم اس کے بتائے ہوئے رستہ پر چلیں تو وہ اس پر نیک ثمرات مرتب کرتا ہے۔ اور اگر ہم عاجزی اختیار نہ کریں اور نہ ہی روحانی حالت درست رکھیں ہونٹوں پر دعا ہو اور دل میں ریا تو نتیجہ ظاہر ہے۔ اور یہ جو فرمایا اضطراری حالت میں جب کوئی پکارتا ہے تو یہ نہ ہو کہ جب کوئی تکلیف پہنچی اور مصیبت وارد ہوئی تو رو رو کر دعائیں شروع کر دیں اور اس سے پہلے یا تکلیف دور ہو جانے کے بعد خدا سے تعلق کا کوئی اظہار ہی نہ ہو۔ خضوع و خشوع اور زاری ایک مستقل کیفیت ہو۔ عسر و یسر میں خدا کا ہی ہو کر رہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ تدبیر کی موجودگی میں دعا کی کیا ضرورت ہے قانونِ قدرت اور صحیفہ فطرت پر غور کرنے سے ان تمام اوہام کا جواب مل جاتا ہے۔ جب ہم فکر یا کسی اور طریق جستجو سے تدبیر یا علاج کو طلب کرتے ہیں اور اگر ہم خود طلب کرنے میں صحیح طریق کا ملکہ نہیں رکھتے تو اس کے لئے کسی اور سے مدد لیتے ہیں مثلاً علاج کی تشخیص کے لئے کسی ڈاکٹر یا حکیم سے تو وہ اپنے فکر اور غور سے کوئی ذریعہ شفا سوچتا ہے۔ تب قانونِ قدرت کے اندر اسے وہ مل جاتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی دعا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اہل عرفان کی دعا آداب معرفت کے ساتھ وابستہ ہے اور ان کی روح مبدء فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور مجہولوں کی دعا صرف سرگردانی ہے جو فکر اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے اور جنکو یقین اور معرفت نہیں وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات ان کے دل میں پڑ جائے تو تدبیر سے پہلے مرتبہ دعا کا ہے۔

اِنسانی طبائع کسی مصیبت کے وقت جسطرح تدبیر اور علاج کی طرف جاتی ہیں ایسا ہی طبعی جوش سے دعا اور صدقہ خیرات کی طرف جھک جاتی ہیں۔ اور اب تک کسی قوم کا عمل اِس متفق علیہ مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا۔ تو یہ ایک روحانی دلیل اِس بات پر ہے کہ اِنسان کے احساس نے بھی یہی فتوے دیا ہے کہ دُعا کو اسباب اور تدبیر سے الگ نہ کریں بلکہ دُعا کے ذریعہ تدابیر کو تلاش کریں۔ اور ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جو کچھ دُعائیں مانگا جاتا ہے وہ اگر نہ ملے تو استجابت دعا کیا ہوئی۔ ہزاروں دعائیں نہایت عاجزی اور اضطراری حالت میں کی جاتی ہیں۔ لیکن قبول نہیں ہوتیں۔ اور جو مقدّر ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ اور جو نہیں ہونے والا وہ بھی مقدّر ہے۔ سو خدا کا وعدہ:

"ادعونی استجب لکم :"

مجھ سے مانگو ، قبول کروں گا۔ صادق نہیں آسکتا۔

حضرت مجدد زماں نے برکات الدعا میں ان امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کہ اگر مقدر کا لحاظ کیا جائے تو پھر ہر چیز اس کے ماتحت آئے گی۔ پس دوا اور علاج کا کرنا نہ کرنا بھی برابر ہوا۔ اور طلب بھی سراسر باطل ہوئی۔ حکیم حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ کیا یہ سمجھا جائے کہ کسی کا جلنا مقدر ہے تو وہ بغیر آگ کے بھی جل کر رہے گا۔ حیرت ہے کہ باوجود مسلمان ہونے کے دعا کی تاثیروں سے جو آگ کی طرح کبھی اندھیرے کو روشن کر دیتی ہے اور کبھی گ... دست انداز کا ہاتھ جلا دیتی ہے اس سے کیونکر انکار ہو سکتا اگر ... الے تربیت اور اصلاح چاہتا ہے۔ تو رد کرنا ہی قبولیت ہے۔

اِنسان کسی دعا میں ناکام رہتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے حالانکہ خدا اس کی دُعا کو سن لیتا ہے کیونکہ اس کے لئے در پردہ اور حقیقت میں بہتری اور بھلائی اس کے رد میں ہی ہوتی ہے

"عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم
وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو
شر لکم"

اِنسان چونکہ کوتاہ بین اور دور اندیش نہیں بلکہ ظاہر پرست ہے اس لئے اسکو مناسب ہے کہ خدا پر بدظنی نہ ہو وہ تو ہر ایک دُعا کو سنتا ہے۔ اور دُعا کا اصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول دعا میں خواہشات کے تابع نہیں ہوتا۔ جب اِنسان سخت مشکلات ... کامل امید اور وفاداری کے ساتھ جھکتا ہے۔ اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں پر آگے سے آگے نکل ... ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اسکی شدت اسکے آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے۔ اور وہ دعا کا

اثر تمام مادی اسباب پر ڈالتا ہے۔ جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس کے مطلب کے حل کرنے کے لئے ضروری ہیں مثلاً بارش کے لئے دُعا سے بارش کے اسباب طبعیہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ قحط کے لئے دُعا ہے تو مخالفانہ اسباب قادر مطلق کر دیتا ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے یا اولیائے کرام اِن دِنوں تک عجائب و کرامات دکھلاتے رہے ان کا اصل منبع یہی دُعا ہی ہے۔ اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشہ دکھلا رہے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ دُعائیں خطا بھی جاتی ہیں تو کیا یہی حال دوائیوں کا بھی ہے۔ کیا علاج معالجے نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے حضرت صاحب نے فرمایا:۔

"میں انہی غلطیوں کے نکالنے کے لئے مامور ہوں میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی بعض دعاؤں کی قبولیت سے پیش از وقت اطلاع دوں گا۔ کہ وہ لوگ اپنے اِس غلط خیال سے رجوع کرلیں۔"

غور فرمائیں کہ یہ نہیں کہا میری بیعت کرلیں۔ صرف رجوع کی شرط رکھی ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ دُعا کرنے میں صرف تضرع اور عاجزی کافی نہیں بلکہ تقویٰ و طہارت۔ راست گوئی۔ کامل یقین اور کامل محبت شرط ہے۔ اور یہ کہ دُعا ایسی ہو کہ خلاف مصلحت الٰہی نہ ہو۔ مثلاً کوئی یہ دُعا کرے کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو۔ ایسی دُعا تو قبول نہیں ہو گی۔ اور دُعا میں خیر کا پہلو ہو۔ جو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اور دُعا کرنے والے میں پوری روحانیت اور نیکی ہو۔ باوجود عاجزانہ اصرار کے جب تک ارادہ الٰہی قبولیت دُعا کے متعلق نہیں ہوتا تب تک یہ شرائط بھی جمع نہیں ہوتیں تو مطلب یہ ہوا کہ خدا کو راضی کرو اور حضرت صاحب نے لکھا ہے۔ جو اپنے ہی خیال سے ایک قانون قدرت بنا بیٹھے ہیں جس پر خدا کی کتاب کی مہر نہیں وہ مُردے ہیں نہ کہ زندہ ہوان سے ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا اور آپ نے فرمایا جب تو دُعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ تب تیری دُعا منظور ہو گی۔ اور تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا۔

فرمایا:

اے سعید اِنسان تیرا وہ خُدا ہے جس نے بےشمار ستاروں کو بغیر ستونوں کے لٹکا دیا ہے جس نے زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تو اس پر بدظنی کرتا ہے۔ کہ وہ تیرے کام میں عاجز آ جائے گا۔ بلکہ تیری بدظنی تجھے محروم رکھے گی۔ کیا ہی بدبخت وہ اِنسان ہے جسے اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے۔ جو ہر ایک چیز پر قادر ہے ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اُس کو دیکھا ہے اور اس میں ہر ایک خوبصورتی پائی ہے۔

یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ ... خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ فیض کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے۔ جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اِس خوشخبری کو دلوں میں بٹھاؤں۔ کس دف سے بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے۔ تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہو گے اور وہ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہوگے اور خُدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔"

اور دعا میں ضروری نہیں کہ صرف زبان سے ہی کی جائے۔ دعا دل کی عاجزانہ اِلتجا کا نام ہے۔ جب دل نہایت بےقرار اور مضطرب ہو کر رد بخدا ہو جاتا ہے۔ اور جب بلا کو اِنسان خود دُور نہیں کر سکتا اس کا دور ہونا طاقت الوہیت سے چاہتا ہے۔

دعا پر ایک یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ کیوں کامل لوگوں کی بعض دعائیں منظور نہیں ہوتیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ اُس نے اپنے برگزیدوں میں بھی بےنیازی کی صفت رکھ دی ہے۔ وہ منکروں اور سست اعتقاد لوگوں کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے۔ وہ انہیں ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح سمجھتے ہیں۔ اور شرط استجابت دعا کی یہ ہے کہ دعا کرانے والا نہایت صدق کامل ارادت اور غلامی کے ساتھ دعا کا خواہاں ہو۔ اپنے اندر بھی پاکیزگی پیدا کرے اور دل میں فیصلہ کرے کہ اگر دعا قبول نہ بھی ہو تب بھی اُس کے اعتقاد اور ارادت میں فرق نہیں آئے گا۔ اگر پچاس دفعہ بھی اپنے کام میں نامراد رہے پھر بھی اعتقاد اور یقین میں سست نہ ہو ورنہ بزرگوں کی شان تو یہ ہے کہ خدا اُن کے کلام میں بھی برکت ڈال دیتا ہے۔ ان کے در و دیوار پر لطف کی بارش کرتا ہے۔ ان کی پوشاک ... ان کی خوراک ... اور اس مٹی میں جس پر ان کا قدم پڑتا ہے۔ ایک برکت رکھ دیتا ہے۔ اور بعض جو یہ کہتے ہیں کہ محبوبانِ الٰہی کی یہ علامت ہے کہ ہر ایک دُعا ان کی سُنی جاتی ہے۔ اور جس میں یہ علامت نہیں وہ محبوبانِ الٰہی میں سے نہیں۔ یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ

ایسا اعتراض تو پیغمبروں اور رسولوں پر بھی وارد ہوتا ہے۔ مثلاً ہر ایک نبی کی یہ مُراد تھی کہ تمام کفّار ان کے زمانہ کے جو ان کی مخالفت پر کھڑے تھے خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہوجائیں۔ مگر یہ مراد ان کی پوری نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے افضل مُرسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مخاطب کر کے فرمایا:

"لعلك باخع نفسك ألا يكونوا مؤمنين۔"

کیا تو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ گویا سمجھایا ہے کہ تیری دُعا میں تاثیر کی کمی نہیں بلکہ ان کے اغراض و مقاصد ہی اور ہیں۔

حضرت امام زماں نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ دُعا کرنے والا خود بھی اپنے اندر صدق و صفا اور درد رکھے ایک شخص نے آپ کو دُعا کے لئے عرض کی تو آپ نے لکھا کہ میں تو دُعا کروں گا لیکن ایسا نہ ہو کہ میں آپ کے لئے دُعا کر رہا ہوں اور آپ سوئے ہوئے ہوں۔ اُس شخص پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ وہ تہجد کا پابند ہو گیا۔ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی ایک ایک بات میں تاثیر ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا معاملہ اُن کے ساتھ یہ ہے کہ ہر ایک چیز ان کی مدد کے لئے جوش مارتی ہے۔ اور وہ امور ظاہر ہوتے ہیں جو اہلِ دنیا کی نظر میں غیر ممکن معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے ساتھ کچھ ایسا صدق و صفا کا ہوتا ہے کہ گویا خدا ان میں اُتر آیا ہے۔ آسمان کے تارے، سورج، چاند سے لے کر زمین کے سمندر، ہوا اور آگ تک ان کی آواز کو سنتے ہیں اور ان کو شناخت کرتے ہیں۔ اور ان کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ کیا حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھیوں سمیت سمندر سے بحفاظت نہیں نکل آئے تھے اور کیا حضرت ابراہیمؑ کیلئے آگ سرد نہیں ہو گئی تھی۔ ؎

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عقل کا علاقہ اور ہے عشق کا اور۔ مومن اُس حسن سے شناخت کیا جاتا ہے جس کا دُوسرا نام نور ہے۔ بندہ تو اپنا حسنِ معاملہ دکھا کر اپنا صدق ظاہر کرتا ہے مگر خدا تعالےٰ برق کی مانند اُس کی طرف دوڑتا ہے اور زمین و آسمان سے اُس کے لئے نشان ظاہر کرتا ہے۔ کیا ہم نے اس امام کی صداقت کے نشان نہیں دیکھے۔ ہر میدان میں آپ کو فتح و نصرت ملی سو پہلا خریدار اُن کے روحانی حسن کا خدا ہوتا ہے۔ اور اس کے دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن بن جاتا ہے اور ان کو بے دست و پا کر دیتا ہے۔ تو اس میں کیا شک ہے۔ کہ وہ سچا اور مقدس انسان تھا جس کی قائم کردہ جماعت سے ہم نے وابستگی کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ ہماری اپنی خوش بختی ہے کہ استقامت دکھائیں ؎

بے شمار واقعات قبولیت دعا کے ہیں جو ہمیں آپ کی زندگی میں ملتے ہیں۔ آپ نے وہ سُنے ہوئے بھی ہیں اور پڑھے ہوئے بھی ہیں۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔

آپ نے اپنے بھائی مرزا غلام قادر کے متعلق خواب میں دیکھا کہ ان کی زندگی کے تھوڑے دن رہ گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ ۱۵ دن ہیں۔ بعد میں وہ بہت بیمار ہو گئے۔ اور اتنے دُبلے ہو گئے کہ صرف استخوان باقی رہ گئیں۔ چارپائی پر بیٹھے ہوئے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ بے ہوشی کا عالم رہتا تھا۔ ان کے والد حاذق حکیم تھے انہوں نے بھی کہہ دیا کہ بس اب چند دنوں کی بات ہے۔ یہ حالت تو مایوسی کی تھی۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میری فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ میں ہر ایک بات میں خدا کو قادر جانتا ہوں اور درحقیقت اس کی قدرتوں کی انتہا کون جان سکتا ہے۔ اس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں سو میں نے اس حالت میں دُعا کرنی شروع کی۔ فرماتے ہیں میں اپنی معرفت کو تین باتوں میں زیادہ کرنا چاہتا تھا ایک یہ کہ کیا میں اس لائق ہوں کہ میری دُعا قبول ہو۔ دوسرے کیا خواب جو وعید کے رنگ میں آتے ہیں ان میں تاخیر ہو سکتی ہے اور تیسرے یہ کہ کیا اس درجہ کا بیمار بھی دُعا کے ذریعہ اچھا ہو سکتا ہے تو اس بنا پر دُعا کرنی شروع کی۔ اور آپ لکھتے ہیں قسم ہے مجھے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے دیکھا کہ سامنے دالان میں اپنے قدموں پر چل رہے ہیں حالانکہ حالت یہ تھی کہ کروٹ بھی دُوسرا آدمی بدلتا تھا۔ جب دُعا کرتے کرتے ۱۵ دن گزر گئے تو صحت کے آثار شروع ہو گئے اور انہوں نے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ چند قدم چلوں۔ چنانچہ کسی قدر سہارے کے ساتھ اٹھے اور سونٹے سے چلنا شروع کر دیا۔ پھر وہ بھی چھوڑ دیا اور چند روز تک پورے تندرست ہو گئے اور بعد اس کے ۱۵ برس زندہ رہے۔ گویا خدا نے ان کی زندگی کے ۱۵ دن ۱۵ برس میں بدل دیئے۔ فرماتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا خدا۔ مگر مخالف کہتے ہیں وہ قادر نہیں۔ آپ نے لکھا۔ میری زندگی خدا اور رسُول اور کلام اللہ کا جلال ظاہر کرنے میں ہے۔ پیارو یقیناً سمجھو کہ خدا ہے۔ اور وہ اپنے دین کو فراموش نہیں کرتا۔ بلکہ تاریکی کے زمانہ میں اسکی مدد کرتا ہے۔ اور مصلحتِ عام کے لئے ایک کو خاص کر لیتا ہے اور اس پر علوم لدنیہ کے انوار نازل کرتا ہے سو اُس نے مجھے جگایا اور سچائی کے لئے میرا دل کھول دیا میری روزانہ زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں اسی کام میں لگا ہوں بلکہ میں اس کے بغیر جی نہیں سکتا۔ مجھے کسی کی تکفیر کا اندیشہ نہیں اور نہ کچھ پرواہ ہے۔ میرے لئے یہ کافی ہے کہ وہ راضی ہو جائے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اس میں لذت دیکھتا ہوں کہ جو کچھ اُس نے مجھ پر ظاہر کیا ہے وہ میں سب لوگوں پر ظاہر کر دوں اور یہ میرا فرض بھی ہے کہ جو کچھ مجھے دیا گیا ہے وہ دُوسروں کو بھی دوں اور دعوتِ مولیٰ میں ان سب کو شریک کر لوں۔ اس مطلب کو پورا کرنے کے لئے سب کچھ کرنے کو مستعد ہوں۔ اور جانفشانی کے لئے راہ پر کھڑا ہوں۔ لیکن جو میرے اختیار میں نہیں میں خداوند قدیر سے چاہتا ہوں۔ کہ وہ آپ اس کام کو انجام دیوے۔ میں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ایک دستِ غیبی مجھے مدد دے رہا ہے۔ خدا تعالےٰ کے فضل پر میرا دل مطمئن ہے۔ اور امید رکھتا ہوں کہ وہ میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔ میرے تمام ارادے اور اُمیدیں پُوری کر دے گا۔

آپ فرماتے ہیں اگر نفسِ امارہ میں اضطراب اور قلق پیدا ہوتا ہے۔ اس کی باتوں سے نفرت معلوم ہوتی ہے۔ وہاں بیٹھنے اور سننے کو جی نہیں چاہتا بلکہ گھبراہٹ معلوم ہوتی ہے۔ جب انسان اس قسم کی بے چینی اور بے لذتی ایک حقانی واعظ کی باتوں سے اپنے دل میں پائے تو اس کو واجب ہے کہ وہ اپنی روح کی فکر کرے۔ وہ ہلاکت کے گڑھے پر پہنچی ہوئی ہے۔ خدا کی باتوں سے بے لطفی اور بے ذوقی اس سے بڑھ کر دنیا میں ہلاک کرنے والی چیز کیا ہو گی۔ اس کا علاج استغفار اور خدا کے حضور رجُوع۔ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے دعائیں اور ان پر دوام ہے اگر اس نسخہ کو استعمال کیا جائے تو میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اس بے لطفی سے ایک لطف اور بے ذوقی سے ایک ذوق پیدا ہو جائے گا۔

حضرت مجدد زماں نے کیا عمدہ نصیحتیں فرمائی ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ پہلی حرکت جو فضل کے ذریعہ رُوح میں پیدا ہوتی ہے وہ دُعا ہے۔ اور دُعا جو معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے۔ وہ موت ہے پر آخر کر زندہ کر دیتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے پر آخر کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات اُس سے بن جاتی ہے۔ اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے۔ مبارک وہ قیدی جو دُعا کرنے تھکتے نہیں کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔ گناہ کی غلامی بھی قید ہے۔ مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سست نہیں ہوتے کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔ مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں دعا کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائیں گے نُور کی روشنی ان کا استقبال کرے گی۔ مبارک تم جب کہ دُعا کرنے میں کبھی درماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری رُوح دُعا سے پگھلتی ہے اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی ہے۔ اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔ اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے۔ اور تمہیں بیتاب اور دیوانہ وار از خود رفتہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جائیگا دعا تو گداز کرنیوالی آگ ہے۔ ہم یہ سوز اپنے اندر پیدا کریں۔ ؎

"دلا بسوز کہ سوزِ تو کارہا بکند"

•••

رپورٹ :- مولوی شفقت رسول خان

جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۷۹ کی مختصر روئیداد

مؤرخہ ——— ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء ——— جمعرات ——— نشست اوّل

آج کا اجلاس زیر صدارت جناب ڈاکٹر عبدالعزیز خانصاحب آف پشاور منعقد ہوا۔ تلاوتِ قرآن کریم محمد بیدار صاحب کراچی نے کی، منظوم کلام جناب عبدالسلام مبارک نے پیش کیا۔ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ زاہد جنجوعہ صاحب نے پڑھ کر سنائے۔ جناب میاں محمد احمد صاحب نے "میں وہی ہوں جو اصلاحِ خلق کے لئے وقت پر بھیجا گیا" کے عنوان سے بصیرت افروز تقریر کی۔ آپ نے بتایا کہ موجودہ تمام اسلامی ممالک میں اسلام اور نفاذِ اسلام کی طرف رجحان اور تبلیغِ اسلام کے لئے یورپین اقوام کی طرف دھیان پیدا ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اب تک نفاذِ اسلام کے لئے کوئی ٹھوس تجاویز سامنے نہیں آئیں۔ کوئی ... کی یکسانیت پر زور دیتا ہے تو کوئی تیل کی پیداوار کی من مانی قیمتیں مقرر کر کے ہی اشاعتِ اسلام کی راہ تلاش کرتا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ خیال درست ہے؟ جب کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ "میں وہی ہوں جو اصلاحِ خلق کے لئے وقت پر بھیجا گیا۔" تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی کے اوائل میں تمام دنیا کے مسلمانوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ سیاسی، معاشی، علوم جدیدہ اور مذہب کے اعتبار سے تنزل کی حالت تھی۔ افغانستان، ایران اور صرف عثمانیہ ترکی کی بادشاہتیں بھی کٹھ پتلی حکومت کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ تمام مسلمان ملک عیسائی اقوام کی غارت گری کا نشانہ بن چکے تھے۔ مسلمانوں پر جہاں ان کو تکنیکی علوم جدیدہ کی وجہ سے برتری حاصل تھی وہاں ان کا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمانوں پر مذہبی رنگ میں حملہ کیا جائے اور ان کو اسلام سے برگشتہ کر کے عیسائیت کا غلام بنا لیا جائے۔ اور مسلمانوں کا یہ دیا ہوا ہتھیار کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو بعض خدائی صفات کے حامل ہیں اور وہی نازل ہو کر مسلمانوں کی نجات کا باعث ہوں گے اور وہ مہدی کے ساتھ مل کر اسلام کو بزورِ شمشیر دنیا میں غالب کریں گے۔ کے ذریعہ انہوں نے مذہب عیسائیت کی برتری کی طرف مسلمانوں کو دعوت دینا شروع کی۔

تمام مسلمان ممالک کی حالت ناگفتہ بہ تھی لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ یہاں مسلمانوں کی سلطنت ختم ہو چکی تھی۔ اور مسلمان حکومتِ وقت کی نظر میں ... جناب مقرر نے وضاحت کی کہ مولانا شبلی نعمانی نے مسلمانوں کی ابتر حالت کا تذکرہ کیا ہے۔ کہ مسلمان محکوم ہونے کے علاوہ علوم جدیدہ میں پیچھے تھے بلکہ ناآشنا تھے۔ مذہبی علماء فروعی اختلافات میں الجھے ہوئے تھے۔ اور عیسائی پادری اسلام کو ہر رنگ میں زک پہنچا رہے تھے ان حالات میں حضرت مرزا صاحب نے جماعتِ احمدیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور خالص اسلامی لٹریچر سے مسلمانوں کی اصلاح کی طرف توجہ کی۔ مسلمانوں میں باہمی تکفیر بازی کو روکا اور عیسائیت اور دیگر مذاہب پر بھرپور حملے کر کے ان کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ قرآن پاک کی اشاعت کے لئے اس کے انگریزی اور دیگر زبانوں میں تراجم کروا کے مختلف اقوام کے لوگوں کو دینِ اسلام سے روشناس کرایا۔ اور ان کے اندر سے جو اسلام کے بارہ میں غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں دور کیں۔ مستشرقین نے اسلام کی تحاریک پر تبصرہ کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ صرف جماعتِ احمدیہ ہی مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت ہے جس نے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے مشنری روح سے کام کیا اور وہ کامیاب بھی رہی۔ آج اللہ کے فضل سے مسلمان آزاد قوموں کی صف میں موجود ہیں۔ یہ امام وقت کی برکات ہیں کہ اسلام کو غلبہ و فوقیت حاصل ہو رہی ہے۔ اور ان کا یہ فرمانا کہ "میں وہی ہوں جو اصلاحِ خلق کے لئے وقت پر بھیجا گیا۔" ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

ان کے بعد جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے سالانہ رپورٹ حاضرین کو پڑھ کر سنائی۔ رپورٹ کے بعد جماعت کے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

پھر جناب محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تقریر فرمائی۔ آپ نے دورہ مغربی ممالک کے تاثرات مختصر طور پر بیان فرمائے۔ اور بتایا کہ میں نے بہت سے ممالک کا دورہ کیا ہے جس کے بعد مجھے احساس ہوا ہے کہ جلسہ میں دعا کے موضوع پر تقریر کروں۔ آپ نے فرمایا کہ انسان کے جب سب سہارے ٹوٹ جاتے ہیں اور خدا کا سہارا ہی رہ جاتا ہے تو اس پر اضطراری حالت طاری ہوتی ہے۔ اور اس اضطراری حالت میں خدا ہی انسان کی پکار کو سنتا اور مدد کو پہنچتا ہے۔ دعا اللہ کے ساتھ تعلق کا واحد ذریعہ ہے۔ اور خدا کی ہستی پر ایمان اور یقین کا ذریعہ بھی دعا ہی ہے۔ کیونکہ دعا سے ناممکن بات بھی ممکن ہو جاتی ہے۔ دعا کے لوازمات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ خدا کی فرمانبرداری میں خلوص پیدا کرو۔ دوسرے خدا کو خوف اور امید کے ساتھ پکارو۔ خدا کو عاجزی سے اور چھپ چھپ کر یاد کرو۔ عفت اور پاکیزگی بھی قبولِ دعا کا ذریعہ ہے۔ آپ نے اپنے وجود کو حضرت مسیح موعودؑ کی دعا کا مظہر قرار دیا کہ آپ نے دورہ ہالینڈ کے سلسلہ میں بتایا کہ میں نے ہالینڈ میں چندہ کی اپیل کی۔ وہاں تیس چالیس ہزار گلڈرز کی ضرورت تھی جبکہ اپیل پر ۴۵ ہزار گلڈرز وصول ہو گئے۔

اسی طرح سرینام میں مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کی اپیل کی گئی تو وہاں ۷۰ ہزار گلڈرز جمع ہو گئے (اسی طرح آپ نے اس جلسہ پر چندہ کی اپیل کی جس پر دو دن میں تقریباً دو لاکھ نقد اور وعدہ کی صورت میں چندہ جمع ہو گیا۔ آپ نے نوجوان مردوں اور عورتوں میں تحریکِ اسلام پر زور دیا اور شبان الاحمدیہ کے جلسہ کو سراہا۔

دوسرا اجلاس:

زیر صدارت جناب نعمان الٰہی ملک صاحب بعد از نماز ظہر و عصر شروع ہوا۔ تلاوت قرآنِ مجید مولانا عبدالرحمٰن صاحب کھٹی نے کی اور جناب چوہدری غفور احمد صاحب ملہی نے حضرت مسیح موعود کے ملفوظات مؤثر انداز میں پڑھ کر سنائے۔ جو بہت پسند کئے گئے جناب محترم مولانا بشیر احمد مینٹو صاحب نے "وامرھم شوریٰ بینھم" کے عنوان سے تقریر فرمائی۔ آپ نے قرآن پاک کے حوالے سے اور نبی اکرم صلعم کی سیرت اور صحابہ کرام کی زندگیوں سے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اور بتایا کہ جملہ معاملاتِ زندگی میں مشورہ ایک

لازمی اور لابدی امر ہے۔

ازاں بعد جناب کیپٹن عبدالواحد صاحب نے "عبادت کا فلسفہ" کے عنوان سے تقریر کی اور بتایا کہ ہر قوم کے اندر معبود کا تصور موجود ہے۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی۔ بدھ ہوں یا ہندو۔ اور عبادت کے لئے معبود اور عابد کا وجود ضروری ہے۔ اور عبادت خدا سے تعلق کا ایک یقینی وسیلہ ہے۔ اور اسلام نے انسان کو خدائے واحد کی طرف توجہ دلا کر معبودانِ باطلہ سے نجات دلائی ہے۔

جناب شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب نے "اسلام کا فلاحی معاشرہ" کے عنوان سے معاشرتی مسائل پر سیر حاصل بحث کی اور آپ نے واضح کیا کہ اسلام کا بیان کردہ معاشرتی نظام ہی انسان کی فلاح اور امن و آشتی کیلئے ضروری ہے جسکی وضاحت مجدد وقت نے کی۔

اجلاس منعقدہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۹ء بروز جمعۃ المبارک

آخری نشست زیر صدارت جناب میاں ظہور احمد صاحب

مولوی شفقت رسول خاں کی تلاوت قرآن پاک سے اس نشست کا آغاز ہوا۔ جناب منصور جاوید صاحب نے ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام پڑھ کر سنائے

جناب راجہ محمد بیدار [illegible] صاحب نے "شجرہ طیبہ" کے عنوان سے تقریر کی۔ آیت قرآن پاک:-

"مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ"

کے حوالے سے لغوی معانی سے شجر طیبہ کی وضاحت کی۔ کہ شجر طیبہ۔ اعمال خیر۔ اخلاق حمیدہ و اوصاف جمیلہ کا نام ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کو کلمات طیبات ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ یقیناً رفعت اور صعود حاصل کریں گے اور تمام عالم اس سے استفادہ کرے گا

آپ نے حضرت صاحب کے [illegible] کلام کا ذکر کیا کہ حضرت صاحب سے ان لوگوں نے کس قدر استفادہ کیا۔ ان کی باتیں سبھی دنیا کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ محترم جناب محمد اعظم علوی صاحب نے نظم پیش کی۔

وقف ہم نے جو زندگی کی ہے۔
وہ سمجھتے ہیں دل لگی کی ہے۔

مکرم ماسٹر محمد عبداللہ صاحب (امریکہ) نے اپنی تقریر میں دعا پر توجہ دلائی اور کہا کہ جو احمدیوں کی دعا پر ایمان ہے وہ کسی اور مسلمان جماعت میں نہیں دیکھا۔ آپ نے اپنے حالات زندگی کا ذکر کیا کہ میں [illegible] فلاک الحال تھا۔ دعا سے اللہ تعالیٰ نے مجھے فراخی عطا فرمائی۔

آپ نے مغربی ممالک میں اسلامی لٹریچر کی مانگ کا ذکر کیا کہ وہاں دین کی طرف زبردست میلان ہے اور لوگ احمدیہ لٹریچر کی بڑی مانگ کرتے ہیں۔ ہمیں اس طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

آپ کے بعد جناب عزیز یوسف لے صاحب (آف امریکہ) نے انگلش میں اپنا تعارف کرایا۔ کہ میں پہلے عیسائی تھا اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمان ہوں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پختہ ایمان ہے جو مجھے جماعت احمدیہ کے لٹریچر [illegible] ملا ہے۔

بعدہٗ جناب احمد بخش اللہ صاحب (ہالینڈ) نے اپنا تعارف کرایا جو اردو زبان میں تھا۔

جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب نے:-

"نعم المولیٰ ونعم النصیر"

کے عنوان سے سورۂ حج کی آخری آیات پڑھ کر فرمایا کہ خدا نے توحید پر ایمان رکھنے اور شرک سے بیزار ہونے والوں کو پسند کیا ہے۔ لوگوں نے جو خدا کو پہچاننے میں غلطی کی ہے اور خدا کی قدر نہیں کی۔ کوئی دو خدا مانتا ہے۔ تو کوئی تین اور کوئی ہزاروں خداؤں کا پرستار بنا ہوا ہے۔ عیسائیت کی کوششوں نے خدا کو وحدہٗ لاشریک ماننے والوں کو بھی تین خداؤں کا پرستار بنا دیا ہے۔

• ہمیں خدا کی توحید دنیا میں پہنچانا ہے۔ اس کے لئے ہمیں پوری کوشش کرنا ہے۔

"جاھدوا فی اللہ حق جہادہٖ"

خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرو۔ لوگوں کو خدا کی طرف بلاؤ۔ انہوں نے خدا کو نہیں پہچانا۔ جب انسان کو خدا مانا ہے تو وہ انسان ضرور مرے گا۔ گائے خدا بنائی جائے گی وہ بھی ضرور مرے گی۔ اس طرح انسان خدا کے ساتھ شرک میں غرق ہے۔ اس شرک سے نکالنا تمہارا کام ہے کیونکہ خدا کی طرف سے یہ عظیم الشان کام تمہارے امامؑ نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ یہ انبیاء کرام کا کام ہے۔ یہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کام ہے۔

خدا کی توحید کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے جو لوگ اس راستہ پر چلتے ہیں اس دنیا میں روحانی نعمتیں اُن پر نازل ہوتی ہیں۔ خدا کا پانا ہی ہمارا مقصد زندگی ہونا چاہیئے۔

اسلام کی تبلیغ واشاعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کام ہے۔ اگر ہم یہ کر سکتے ہیں تو یہ ایک نہایت ہی خوشی اور مسرت کی بات ہے۔ دوسرے مذاہب میں خدا کو پانے کے لئے دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اسلام میں تم خدا کو ہر حالت میں پا سکتے ہو۔

ہمارا تعلق ملتِ ابراہیمؑ سے ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم خدا کے فرمانبردار ہوں۔ اور ہمارے لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عمدہ نمونہ ہیں۔ نماز قائم کرو۔ کیونکہ خدا کے حضور حاضری کے احساس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرو کیونکہ اس سے مالی۔ جانی اور روحانی پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے خدا کی راہ میں مال بے دریغ خرچ کرو کیونکہ یہ ایک نفع بخش تجارت ہے

خدا کا وعدہ ہے وہ تمہیں اس دنیا میں دس گنا اور آخرت میں ۷۰ گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ دے گا۔ ہم خدا کے وفادار ہیں اور اسی وفاداری کی وجہ سے ہم تکالیف میں ہیں لیکن وہ ہماری ضرور مدد کرے گا۔ اللہ تعالےٰ نے ایک گاؤں کے رہنے والے انسان کو فرمایا تھا کہ "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا" چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی تبلیغ تمام دنیا میں پہنچ رہی ہے۔ جس کے لئے قرآن پاک کے تراجم اور حضرت صاحب کی کتب کی اشاعت کی ضرورت ہے۔ جو مالی معاونت کو چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمیں دل کھول کر اس جہاد میں حصہ لینا چاہیئے تاکہ ہمارا مشن کامیابی سے جاری رہے آخر میں حضرت امیر قوم ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جلسہ کی اختتامی دعا فرمائی کہ خدا جملہ حاضرین پر اپنے افضال اور برکات نازل فرمائے۔ اس طرح یہ جلسہ بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک"

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور —— مؤرخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ —— جلد ۶۷ ، شمارہ ۲

[illegible] محمد اعظم علوی [illegible] نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگز لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ارشادات حضرت مسیح موعودؑ

قرآن کریم کی پیروی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم سے سچی محبت

دُنیا ہزاروں بلاؤں کی جگہ ہے .... سو تم خدا سے صدق کے ساتھ پنجہ مارو تا وہ یہ بلائیں تم سے دُور رکھے۔ کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جب تک آسمان سے حکم نہ ہو اور کوئی آفت دور نہیں ہوتی جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو۔ سو تمہاری عقلمندی اسی میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔ تمہیں دوا اور تدبیر سے ممانعت نہیں ہے مگر ان پر بھروسہ کرنے سے ممانعت ہے اور آخر وہی ہوگا جو خدا کا ارادہ ہوگا اگر کوئی طاقت رکھے تو توکّل کا مقام ہر ایک مقام سے بڑھ کر ہے۔ اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزّت دینگے وہ آسمان پر عزت پائینگے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدّم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائیگا۔ نوع انسان کیلئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلعم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کیساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی۔ بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دُنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔

(کشتیٔ نوحؑ)

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا

کلام الامامؑ

اے سونے والو جاگو کہ وقتِ بہار ہے
اب دیکھو آکے در پہ ہمارے وہ یار ہے

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اس سے ہیں جدا

اے حُبِّ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں
اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں

اے لوگو عیشِ دُنیا کو ہرگز وفا نہیں
کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں

سوچو کہ باپ دادا تمہارے کدھر گئے
کس نے بُلا لیا وہ سبھی کیوں گذر گئے

وہ دِن بھی ایک دِن تمہیں یارو نصیب ہے
خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دِل و سینہ پاک ہو
نفسِ دنی خُدا کی اطاعت میں خاک ہو

وہ رہ جو ذاتِ عزّوجل کو دکھاتی ہے
وہ رہ جو دِل کو پاک و مطہر بناتی ہے

وہ رہ جو یارِ گُم گشتہ کو ڈھونڈلاتی ہے
وہ رہ جو جام پاکِ یقیں کا پلاتی ہے

وہ تازہ قدرتیں جو خُدا پر دلیل ہیں
وہ زندہ طاقتیں جو یقیں کی سبیل ہیں

اس بے نشاں کی چہرہ نمائی نشاں سے ہے
سچ ہے کہ سب ثبوتِ خُدائی نشاں سے ہے

ناپاک زندگی ہے جو دوری میں کٹ گئی
دیوارِ زہدِ خشک کی آخر کو پھٹ گئی

زندہ وہی ہیں جو کہ خُدا کے قریب ہیں
مقبول بن کے اس کے عزیز و حبیب ہیں

وہ دُور ہیں خُدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں
ہردم اسیرِ نخوت و کبر و غرور ہیں

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو
اس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

اس بے ثبات گھر کی محبّت کو چھوڑ دو
اس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

جو مر گئے انہیں کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

ہفت روزہ — پیغام صلح — لاہور — مؤرخہ ۱۶ جنوری ۱۹۸۰ء
جلد : ۶۷ — شمارہ : ۳

قومی یک جہتی

جب سے ہمارے پڑوسی اور برادر اسلامی ملک افغانستان میں بیرونی فوجی مداخلت ہوئی ہے صدر مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق ملک کی سرحدوں پر منڈلانے والے سنگین خطرات کے پیش نظر اپنی قوم کو بار بار اتحاد، اتفاق اور قومی یک جہتی کی ضرورت کو دہراتے رہے ہیں۔ کراچی میں پی۔ آئی۔ اے چیمپئنز ٹرافی کے سلسلہ میں ہونے والی تقریب تقسیم انعامات کے موقع پر بھی تماشائیوں کے ایک کثیر مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا کہ جس ٹیم سپرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہماری قومی ہاکی ٹیم نے ٹرافی جیتنے کا اعزاز حاصل کیا ہے اگر اسی قسم کی یک جہتی اور اتحاد کا ہماری ساری قوم مظاہرہ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم درپیش آمدہ مشکلات اور مصائب سے عزت اور وقار کے ساتھ کامیاب ہو کر نہ نکل سکیں قوم کو ایک ہو کر ان خطرات کا جوانمردی اور جواں ہمتی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں یک جہتی کی آج جتنی ضرورت ہے اتنی اس سے پہلے شاید کبھی نہ تھی کیونکہ جن خطرے کا ہمارے ملک کو آج سامنا ہے وہ پہلے ہم سے کوسوں دور تھا لیکن اب قریب آ گیا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہماری حکومت اور قوم اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ ہے اور ان سے سیاسی اور عسکری اعتبار سے کما حقہ عہدہ برآ ہونا بخوبی جانتی ہے لیکن جب تک ساری قوم بنیان مرصوص کی طرح اپنے ملک کی عزت و ناموس پر قربان ہونے کے لئے دوسری مضبوط دفاعی لائن کے طور پر ان کا عزم و حوصلہ بلند نہیں کرے گی اور ان میں احساس تحفظ، یقین اور اعتماد پیدا کرنے میں مدد و معاون نہیں ہوگی اس وقت تک کسی باعزت کامیابی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

قومی یک جہتی کے دلولہ خیز اور روح پرور منظر یہ قوم کئی موقعوں پر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے۔ اسی لاہور میں تعمیر شدہ مینار پاکستان آج بھی اس قوم کی جرأت ایمانی کی یاد دلاتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں سنہ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی اور اس قوم کے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان "لے کے رہیں گے پاکستان"، "بن کے رہے گا پاکستان" کے نعرے لگاتے ہوئے تین زبردست مخالف طاقتوں کے مقابلہ کے لئے ہندوستان کے دیہات اور شہر کے گلی کوچوں میں دیوانہ وار نکل آئے اور دنیا نے "لے کے رہیں گے پاکستان" کا مظاہرہ اپنی حیرت زدہ آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ایک مرد دانا کی سیاسی بصیرت اور اخلاص و ایثار نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ دنیا کی تاریخ میں ایسا معجزہ جسے ہم پاکستان کہتے ہیں شاید ہی پھر کبھی رونما ہو۔ لیکن قوم میں یک جہتی اور یک سوئی قائد کی اس بصیرت اور ایمان نے پیدا کی کہ ہر وہ شخص جو لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے اور مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے۔ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی میں جب یہ قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی گئی کہ احمدیوں کو مسلم لیگ سے نکال دیا جائے تو آپ نے ہر قسم کی مخالفت سے بے نیاز ہو کر نہ صرف سختی سے مخالفت کی بلکہ پیش ہی نہ ہونے دی۔

اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں بھی ہم نے ایسا ہی نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا جب پاکستانی قوم اپنے وطن عزیز کی عزت و ناموس پر کٹ مرنے کو تیار ہو گئی۔ بھلا یہ بھی کوئی فرزانوں کا کام ہے کہ ہوائی جہاز، ٹینکوں اور توپوں کا مقابلہ کلہاڑیوں، چاقوؤں، چھریوں اور لاٹھیوں سے کیا جائے۔ مگر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جو کبھی کے باہر آیا تھا کہ داتا کی طرف دوڑ پڑا اور ہم نے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ کیا۔ اس کی رات میں قوم کی کایا ہی پلٹ گئی۔ بقول سابق صدر محمد ایوب خاں مرحوم دشمن نے اس قوم کو للکارا تھا جو موت کو گلے لگانا جانتی ہے۔ اس سے فرار نہیں جانتی۔ جانبازی کی ان سترہ دنوں کی داستانیں ہر گھر میں آج بھی ۶ ستمبر کو دہرائی جاتی ہیں خدا گواہ ہیں اپنے وطن سے بے حد پیار ہے۔ حب الوطنی ایمان کا ایک جزو ہے۔ اور کیونکہ "ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں" ہم دل سے چاہتے ہیں کہ اس چمن میں ہمیشہ بہار رہے۔ اس کی خوشبو سے ساری دنیا معطر ہو خواہ ہمیں کوئی یاد کرے یا نہ کرے۔ خدا نہ کرے اس کے دامن تقدیس پر کوئی آنچ آئے مگر جب ہمیں بے وفائی کا طعنہ دیا جاتا ہے تو ہمارے جگر شق ہو جاتے ہیں۔ ہماری وفاؤں کے تذکرے اگر دیکھنے ہوں تو ۱۹۶۵ء کی تاریخ میں دیکھ لو۔

یہی قوم جب اتحاد اور یک جہتی کا سبق بھول گئی تو مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش بننے کا روح فرسا سانحہ رونما ہوا۔ بھائی نے بھائی کا گلا کاٹا۔ وہ جنہوں نے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر شانہ بشانہ آزادی کی جنگ لڑی تھی نسلی، لسانی اور صوبائی تعصب کا شکار ہو کر جذبات کی رو میں بہہ گئے اور خونخوار درندوں کی طرح ایک دوسرے پر پل پڑے لیکن دشمن کی نظروں میں وہ سب کے سب مسلمان ہی تھے۔ خواہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے اس لئے اس نے دو قومی نظریہ کی اساس کا جی بھر کر مذاق اڑایا اور پھبتیاں کسیں کہ اگر یہ نظریہ کسی ٹھوس بنیاد پر قائم ہوتا تو مسلمان مسلمان کے خون سے کبھی ہولی نہ کھیلتا۔ اسلام بھی بدنام ہوا اور مسلمان بھی۔ یہ نفرت کی دیوار ابھی تک نہیں گرائی جا سکی۔

ہماری کرکٹ ٹیم کے خلاف وہاں جو مظاہرے ہوئے وہ اس کے گواہ ہیں کہ مسلمانوں کو ایک ہوتا کوئی دیکھ نہیں سکتا اور سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ نتائج سے بے خبر ہو کر دوسروں کے اشاروں پر بڑی بے ہیم بے ساز بھی ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس وقت جو مہیب خطرہ ہماری سرحدوں پر چاروں طرف سے دستک دے رہا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ قوم اپنے تمام صوبائی، لسانی اور مذہبی تعصبات کو بھول کر ایک نقطہ پر جمع ہو کر متحد ہو اور متفق ہو جائے کیونکہ جہاں تک مسلمان قوم کا تعلق ہے دشمن اپنا وار کرنے میں کسی صوبے یا فرقے میں تفریق روا نہیں رکھتا۔ اس کی نظر میں سب مسلمان ہوتے ہیں اور ان کا کچلنا ہی اس کا واحد مقصد ہوتا ہے۔ پاکستان ایک جغرافیائی اور سیاسی اہمیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے بڑے عرصہ سے ہمارے گرم خواہوں کی نظر اس پر تھی۔ بنگلہ دیش کا وجود میں آنا بھی اسی منصوبے کی ایک کڑی تھی۔ اور اب اسکی تکمیل کی خواہش ان کے دلوں میں بڑے زور سے چٹکیاں لے رہی ہے جس سے قوم کو خبردار ہونے اور اس کے مقابلہ کے لئے تمام اختلافات کو بھول کر اپنی صفوں کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم یقین سے کہتے ہیں کہ پاکستان کا کوئی دوست نہیں کیونکہ قرآن کریم خود فرماتا ہے: "اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی انہیں دوست بناتا ہے تو وہ انہی میں سے ہے۔ اللہ تعالےٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔" (سورۃ المائدۃ: ۵۱) ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

ان کی دوستی کے ثبوت ہم ماضی میں بہت دیکھ چکے ہیں ہم پر ان کی اتنی عنایات ہیں کہ شمار میں نہیں آتیں۔ مسلمانوں کا صرف اور صرف ایک ہی دوست ہے اور وہ ہے اللہ تعالےٰ جو علی کل شئی قدیر ہے۔ وہ وفاداروں کا وفادار، دوستوں کا دوست، پیاروں کا پیارا اور مخلصوں کا مخلص ساتھی ہے۔ جنہیں وہ تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے جو اس کا ہو جائے وہ اس کے لئے ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے بشرطیکہ ہم ... وہ جنہیں

اس لئے آج ہر مسلمان کو پُرخلوص دل عاجزی اور انکساری کے ساتھ اس کے در رحمت پر لوٹ آنے کی ضرورت ہے۔

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج
آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے
ہے سرِ راہ پر کھڑا نیکوں کی وہ مولا کریم
نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے

(حضرت مسیح موعودؑ)

اس ساری طاقتوں کے سرچشمہ کی طاقت کے سامنے سارے خطرات اور حوادث خس و خاشاک کی طرح ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت یونسؑ کی قوم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جب اُس کو عذاب کا وعید سنایا گیا تو ساری قوم سجدہ ریز ہو کر چیخ و پکار میں لگ گئی تو اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت پر بہ توجہ رحمت ہو گیا اور وہ قوم تباہ و برباد ہونے سے بچ گئی۔ آج بھی بچنے کی یہی ایک صورت ہے اور آئندہ بھی یہی ہو گی۔ دُنیا کے یہ سارے سہارے اور دوستیاں اپنے اپنے مفاد کے مدنظر ہوتی ہیں ان میں خود غرضی شامل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی دوستی بے لوث اور بے غرض ہے۔ وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔

قومی یکجہتی کے حصول کے لئے اصول قرآن کریم نے خود وضع فرمائے ہیں۔ ان پر عمل کئے بغیر یہ مقصد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنے قارئین کی توجہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات کی طرف مبذول کرانے کی اجازت چاہتے ہیں جن میں یہ اصول بڑے واضح طور پر بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے اور نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم اس کے کامل فرمانبردار ہو۔ اور اللہ کی رسی (قرآن) کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اُس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی اس نعمت کی وجہ سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے تو تمہیں اُس نے اس میں گرنے سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔" (آل عمران: ۱۰۲: ۱۰۳)

۲۔ اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کو آئے۔ مومن صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔" (آل عمران: ۱۶۰)

۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم ہمت ہار دو گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا اور صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا یقیناً ساتھ دیتا ہے۔ (الانفال ۴۵: ۴۶)

۴۔ جن لوگوں نے تفرقہ کیا اور گروہ در گروہ ہو گئے تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے تقویٰ اس کی کامل فرمانبرداری۔ اللہ کی رسی یعنی قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑنے یعنی اس کی تعلیم پر عمل کرنے اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے دشمنیاں اور عداوتیں محبت اور الفت میں بدل جاتی ہیں اور ایمان والے آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ اور شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کی نافرمانی تفرقہ اور انتشار کو جنم دیتی ہے۔ اور یہ آگ کا گڑھا ہے جس میں گر کر بھسم ہونے کا امکان موجود ہے۔ عرب کی قبائلی عصبیتیں اسی لئے ختم ہو گئی تھیں کہ انہوں نے قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی کامل اطاعت کی۔ قوم جب تفرقہ اور انتشار کا شکار ہو جاتی ہے تو وہ ہمت ہار دیتی ہے اور اس کا رعب اٹھ جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ایسے تفرقہ باز اور انتشار پسند لوگوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ جب اللہ اور رسولؐ ہی چھوڑ دیں تو انجام معلوم۔

قوم میں جو آج انتشار پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ان احکام کی صریح نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔ اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کہ جو اللہ کی توحید اور میری رسالت کی شہادت دے نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ پر ایمان رکھنے والا ہو وہ مسلمان ہے اور یہ کہ جو ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارے یعنی مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ اور رسولؐ کا عہد ہے سو تم اس عہد کی خلاف ورزی نہ کرو۔ لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ ہر فرقہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور بات بات پر دوسرے کو کافر کہتا ہے ایسے حالات میں قومی یکجہتی کس طرح قائم ہونے کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ بہت بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ آج بھی جب ہم سنگین خطرے سے دوچار ہیں بعض حلقوں کی طرف سے یہ کہہ کر نفرت، تفرقہ اور انتشار کو ہوا دی جا رہی ہے کہ فلاں فرقہ یا جماعت پاکستان اور اسلام دشمن ہے۔ اس کے ساتھ ایسا ایسا سلوک ہونا چاہئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سنگین موقع پر ایسی باتیں کرنا اور شر پھیلانا ہی دراصل پاکستان دشمنی ہے۔ حُب الوطنی ماپنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ یہ صرف عمل سے ہی ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کا مظاہرہ خاص کر مصائب اور مشکلات کے زمانے میں اس طرز عمل سے ہوتا ہے جو ایسے وقتوں میں اختیار کیا جاتا ہے۔ ملک کی مشکلات سے فائدہ اٹھانے والے لوگ یقیناً ملک دشمن ہوتے ہیں اور صبر و استقامت سے کام لے کر اپنے ملک کی خدمت کرنے والے محب الوطن۔ خطرات میں گھرے ہوئے ملک میں جو فتنہ بھی سر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے حکومت وقت کا فرض ہے کہ اسے ملک کی سلامتی اور استحکام کی خاطر سختی سے کچل دے خواہ یہ کسی طرف سے بھی ہو۔ اس کے ساتھ قوم کو اس نقطہ پر لانے کی مخلصانہ کوشش کی جائے کہ جو بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ وہ مسلمان ہے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے غیر مسلم کہے۔ قوم میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنے کے لئے یہ ایک ایسی ناقابل فراموش خدمت ہو گی جو مستقبل کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھی جائے گی۔ جو لوگ حق بات کہنے کی جرأت کرتے ہیں انہیں لومۃ لائم کا کوئی خوف نہیں ہوتا کیونکہ وہ لوگوں سے نہیں صرف خدا سے ڈرتے ہیں۔ اس کے بغیر اگر یہ تصور کیا جائے کہ کبھی قوم میں یکجہتی پیدا ہو سکے گی تو ہمارے خیال میں یہ امر محال ہے کیونکہ کسی کلمہ گو کو کافر کہنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی معصیت میں داخل ہے۔ ۔۔۔۔۔

تقریب عید میلاد النبیؐ

امسال عید میلاد النبیؐ کے مبارک موقع پر مقامی جماعت احمدیہ لاہور و بہ تعاون تنظیم شبان الاحمدیہ ۱۲ ربیع الاوّل بتاریخ ۳۱ جنوری ۱۹۸۰ء بروز جمعرات بوقت ۱۰ بجے صبح جامعہ احمدیہ دارالسلام میں ایک خصوصی نشست کا اہتمام کر رہی ہے جس کی صدارت محترم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نائب صدر اول صدر انجمن احمدیہ لاہور فرمائیں گے اور محترم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی، محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب اور محترم ماسٹر محمد انور صاحب کے علاوہ ارکان شبان الاحمدیہ آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔ نیز محترم جناب محمد اعظم علوی منظوم نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں گے۔ آپ سے التماس ہے کہ اس ایمان افروز اجلاس میں تشریف لا کر حضرت خاتم النبیینؐ صلعم کی خدمت میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے والوں میں ضرور شامل ہوں۔

نوٹ:- ۱۔ اجلاس کے آخر میں کھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

۲۔ کھانے سے پیشتر مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی انتظامیہ برائے سال ۱۹۸۰ء کا انتخاب بھی عمل میں لایا جائے گا۔

الداعی الی الخیر: چوہدری نذیر احمد
سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ۔ لاہور

مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

ہندوؤں میں اشاعتِ اسلام

حضرت مرزا صاحب کے الہامات تو سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں ان کی زندگی میں اور بعد میں پورے ہو چکے ہیں مگر ان میں سے بعض غیر معروف ہیں۔ ان میں سے کچھ پر تبصرہ میں نے اپنے مضمون "حضرت اقدسؑ کے بعض الہامات" کے عنوان سے کیا تھا جو اخبار پیغام صلح کے پرچہ مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں چھپا۔ مگر بدقسمتی سے اس کی کتابت اور طباعت ایسی خراب ہوئی کہ میں بطور مصنف اس کو اچھی طرح پڑھ نہ سکا تو میں کیا توقع رکھوں کہ دوسروں نے اُسے دلچسپی سے شروع سے لے کر آخر تک پڑھا ہوگا یا اسکو کماحقہٗ سمجھا ہوگا۔ مگر چونکہ اب نئے ایڈیٹر اور پبلشر صاحب کی توجہ اور کوشش سے اخبار "پیغام صلح" کی طباعت اور کتابت ماشاء اللہ چشم بد دور بہت بہتر ہو گئی ہے۔ اس لئے مجھے حوصلہ ہوا کہ میں پھر اس مضمون پہ قلم اٹھاؤں۔

حضرت اقدسؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم غیب دیا گیا اسکی ایک مثال وہ بات ہے جو حضرت نے سرسید احمد خاں مرحوم کے نام اپنے اشتہار مورخہ ۱۲ مارچ ۱۸۹۶ء میں لکھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے یہ بھی صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہوگا۔"

حضرت امیر مرحوم کا رؤیا

اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت امیر مرحوم جو میرے غریب خانہ پر کراچی میں قیام فرما تھے انہوں نے ایک رؤیا دیکھا جس کا ذکر انہوں نے مجھ سے کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک چارپائی پر پنڈت جواہر لال نہرو (جو اُن دنوں بھارت کا وزیر اعظم تھا) لیٹا ہوا ہے۔ اُس کا چہرہ بیمار اور پژمردہ ہے وہیں لیٹے ہوئے اس کے کان میں کسی نے ایک برما لگایا (جس سے ترکھان لکڑی میں سوراخ کرتے ہیں) اور اسوقت بُرادہ نکلتا ہے) اور اُسے گھمانا شروع کیا۔ تو نہرو کے کان میں سے کثیر مقدار میں میل نکلنی شروع ہوئی اور جب یہ عمل ختم ہوا تو نہرو ہشاش بشاش اور تازہ شکل لے کر اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔ "میں مسلمان ہو گیا"۔ "میں مسلمان ہو گیا"۔

اس کی تعبیر

اس رؤیا کی تعبیر بھی حضرت امیر مرحوم نے خود ہی فوراً فرمائی کہ نہرو سے مراد ہندو قوم ہے اور اس قوم کی اسلام سے دُوری یا منافرت اُس مَیل (یعنی غلط باتوں) کی وجہ سے ہے جو اس کے کان میں ڈالی گئی ہیں۔ یا جمع ہو گئی ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس مَیل کو نکالا جائے تو پھر یہ قوم اسلام کی طرف آئے گی۔ انشاء اللہ القدیر۔

میں نے دیکھا کہ حضرت امیر مرحوم کا ارادہ تھا کہ اس عظیم الشان اور تاریخی کام کے لئے کوئی راہ نکالیں مگر افسوس ہے کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ اور میرے ذہن سے بھی یہ بات اُتر گئی۔ یہاں تک کہ میں نے حضرت مرزا صاحب کی وہ پیشگوئی پڑھی جو میں اوپر نقل کر آیا ہوں۔ میں یہ کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے اکثر کے دل میں یہ خیال ہے کہ موجودہ ہندو قوم اسلام سے اتنی دُور ہے اور ایسی منافرت اور تعصب رکھتی ہے کہ اس نے اسلام کہاں قبول کرنا ہے۔ اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ آخر پہلے بھی تو ہندو قوم کروڑوں کی تعداد میں اسلام قبول کر چکی ہے۔ مسلمان جو اس برصغیر میں باہر سے آئے تھے وہ تو چند لاکھ سے زیادہ نہ ہوں گے۔ باقی کے کروڑوں مسلمان جو برصغیر (پاک بھارت) میں آج موجود ہیں وہ ہندوؤں میں سے ہی مسلمان ہوئے تھے۔

ایک غلط خیال

بدقسمتی سے غیر مسلموں کی لکھی ہوئی تاریخ ہند کی کتابوں یا زبانی پروپیگنڈہ سے یہ غلط خیال عام ہو چکا ہے کہ برصغیر میں مسلمان حاکموں خصوصاً شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ نے حکومت کے زور سے ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا۔ اس غلط فہمی کو مسلمان مؤرخین نے بہت عمدگی سے رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ مجھے یہاں یاد آیا کہ جن دنوں میں بمبئی شہر اور نواح کا کلکٹر ڈپٹی کمشنر تھا تو ایک ہندو مہارشی مجھ سے ملنے آئے۔ ان کا مسکن راجپوتانہ تھا۔ مگر وہ کسی کام سے بمبئی آئے تھے۔ چونکہ میں مسلمان افسر ضلع تھا تو مجھے اپنی طرف مائل کرنے کے لئے انہوں نے مجھے ایک پرانی قلمی دستاویز دکھائی جو فارسی زبان میں تھی۔ اور جس میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اپنے دستخط اور مہر سے ایک وسیع اور قیمتی جاگیر اُس مندر اور متعلقہ استھان کے لئے مرحمت فرمائی تھی۔ جس مسلمان شہنشاہ نے مندروں اور ہندو مذہبی اداروں کے لئے قیمتی جاگیریں وقف کر دیں اُس پر یہ الزام لگانا کہ وہ نعوذ باللہ جب تک صبح سوا لاکھ ہندوؤں کی لودیاں نہیں اترواتا تھا ناشتہ نہیں کرتا تھا کس قدر ظلم اور فی نفسہ لغو الزام ہے۔ اگر وہ ہر صبح سوا لاکھ ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کرواتا ہوتا تو برصغیر میں ہندوؤں کی وہ بھاری اکثریت نہ ہوتی جو ہمیشہ رہی ہے۔ بلکہ ایک ہندو بھی باقی نہیں رہتا اور مسلمانوں کے دارالخلافہ (آگرہ اور بعد میں دہلی) کے اردگرد ہندوؤں کی بھاری اکثریت نہ ہوتی جو ہمیشہ رہی ہے۔

برصغیر میں اس زمانہ میں اسلام پھیلانے والے وہ بزرگ تھے جن کا حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا اور جن کے مقبرے آج زائرین کا مرجع ہیں۔ ان میں سے بعض جیسے حضرت داتا گنج بخشؒ یا حضرت معین الدین چشتیؒ اگرچہ مسلمان فاتحین جیسے محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے زمانہ میں آئے مگر یہ فاتحین خود واپس چلے گئے تو یہ بزرگ پیچھے اکیلے تن تنہا اس کفرستان میں جس کے لوگ ان فاتحین سے شکست پانے کی وجہ سے غم و غصہ سے پُر تھے۔ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر نہایت جرأت اور صبر سے اشاعتِ اسلام کے کام میں لگے رہے۔

کسی کے دل میں شاید خیال گذرے کہ اس زمانہ کے ہندوؤں اور آج کل کے ہندوؤں میں فرق ہے۔ سو عرض ہے کہ اس زمانہ کے ہندو اکثر اَن پڑھ اور نہایت راسخ العقیدہ ہندو تھے۔ انہیں مسلمان کرنا بہت مشکل تھا۔ آج کل کے ہندو پڑھے لکھے، نسبتاً روشن خیال اور ان میں سے بہت سے تو ہندو مذہب سے متنفر ہیں۔ انہیں مسلمان کرنا نسبتاً آسان ہے۔ اس سلسلہ میں میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

ایک دلچسپ واقعہ

میں جن دنوں میں پاکستان گورنمنٹ کا کیبنٹ سیکرٹری تھا تو شام کے اوقات میں اپنی جماعت کے مرکز میں درس قرآن دیا کرتا تھا۔ اس میں ہمیشہ اپنی ہی جماعت کے چند مرد و زن ہوتے تھے۔ مگر ایک دن ایک اجنبی سیاہ فام مگر نہایت خوبصورت سفید داڑھی رکھے دوران درس آ گیا اور السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ درس کے بعد میں نے اس کی تعریف پوچھی تو ... اور بعد میں جو اس نے باتیں بتائیں وہ نہایت دلچسپ تھیں۔ میں مصلحتاً ان صاحب کا نام نہیں لکھتا۔ انہیں "نومسلم" کے لقب سے پکاروں گا۔ اس اجنبی نے مجھے اپنا مسلم نام بتاتے ہوئے کہا کہ میں دراصل مغربی بنگال کے ایک بڑے زمیندار کا (جو ان دنوں راجہ کہلاتا تھا) بیٹا ہوں۔ مجھے میرے باپ نے تعلیم کی خاطر کلکتہ بھیجا جہاں پریذیڈنسی کالج سے میں نے انگریزی میں ایم اے کیا۔ اس دوران میں اپنے ایک ماموں یا چچا (مصنف کو اب یاد نہیں رہا کہ ان میں سے کون سا رشتہ تھا) کے ہاں رہا کرتا تھا مجھے اس کی بیٹی سے محبت ہو گئی۔ لڑکی کے والدین شادی پر رضامند تھے مگر میرے باپ نے جو پرانی وضع کا زمیندار تھا انکار کر دیا اس بناء پر کہ شہر کی فیشن ایبل لڑکی میرے اکلوتے بیٹے کی بیوی بن کر دیہات میں رہنے پر راضی نہ ہو گی اور بہرصورت ہم زمینداروں میں ایسی آزاد لڑکی جیسی کہ کلکتہ کی ہوتی ہے اس کا گذارہ نہیں ہو گا۔

نومسلم نے کہا کہ میں نے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف اس لڑکی سے شادی کر لی۔ جس پر میرے باپ نے مجھے عاق کر دیا تو مجبوراً میں اپنے سسرال میں رہنے لگا۔ اور نوکری کی تلاش میں لگ گیا۔ میرا سسر کلکتہ ہائی کورٹ کا جج تھا اور اس کا تبادلہ ریاست کشمیر کی ہائی کورٹ میں بطور جج ہو گیا۔ تو وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں ان دنوں مہاراجہ ہری سنگھ کو اپنی دوسری رانی جو ریاست لپکھ کی تھی اسے انگریزی پڑھانے والے کی ضرورت تھی۔ چونکہ میں ایم۔ اے انگریزی زبان کا تھا اور میرے سسر کی پہنچ مہاراج تک تھی تو مجھے مہارانی کا اتالیق بنا لیا گیا۔ اور چند دن بعد مجھے اور میری بیوی کو مہاراج کے محل میں دو کمرے دے کر بلا لیا گیا تاکہ جب بھی مہارانی کو فرصت ہو وہ مجھے انگریزی سیکھنے کے لئے بلا لے۔

نومسلم نے اپنی زندگی کے حالات سناتے ہوئے کہا کہ چونکہ مجھے انگریزی زبان میں دلچسپی تھی تو میری واقفیت جموں کالج کے انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر سے ہو گئی جو کہ مسلمان تھا۔ ایک دن ہندوستانیوں کی انگریزی دانی کا ذکر چل پڑا تو اس مسلمان اسسٹنٹ پروفیسر نے کہا کہ میں تمہیں ایک کتاب دیتا ہوں تم اسے دیکھو کہ اس کی انگریزی کیا اعلیٰ ہے۔ وہ کتاب عبداللہ یوسف علی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن تھا۔ اسے پڑھ کر جہاں میں اس کی اعلیٰ انگریزی سے متاثر ہوا وہاں میں قرآن مجید کا گرویدہ ہو گیا۔

قصہ مختصر یہ کہ میں نے اس مسلمان اسسٹنٹ پروفیسر سے کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ اگر ریاست میں ایسا ہوتا تو میری اور اس پروفیسر کی شامت آ جاتی۔ اس لئے وہ مجھے ریاست کے باہر پیر جماعت علی شاہ صاحب کے پاس لے گیا (چھٹیوں کے دوران) اور ان کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کر لیا۔ مگر میں نے اس کا ذکر اپنی بیوی تک سے نہ کیا۔ ہمارے کمروں کے ساتھ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو کسی مصرف میں نہ تھا میں نے اس کمرہ کو قفل لگا دیا۔ اس کے اندر صرف جانماز تھی یا قرآن مجید، اور اس میں جا کر میں پانچ وقت کی نماز پڑھتا یا فرصت کے اوقات میں قرآن پاک۔ میری بیوی نے ایک دفعہ پوچھا تو میں نے تنہائی میں مطالعہ کا بہانہ کر دیا۔ مگر راجوں کے محلات میں جاسوسی عام تھی کسی نے جا کر مہاراج سے مخبری کر دی کہ میں اس کمرہ میں کچھ مخفی کام کرتا ہوں۔ اور وہ کمرہ یا تو باہر سے یا اندر سے مقفل رہتا ہے۔

چنانچہ مہاراجہ کے حکم سے اچانک تلاشی لی گئی تو جانماز اور قرآن پاک کی موجودگی نے میرا بھانڈا پھوڑ دیا۔ مہاراج نے نہ صرف اسوقت مہارانی کی اتالیقی سے برطرف کر دیا بلکہ محل سے بھی نکلوا دیا۔

میں جموں شہر میں ایک مکان کی اوپر کی منزل کرائے پر لیکر رہنے لگا۔ مگر میرا مسلمان ہونا شہر میں معروف ہو گیا تو وہاں کے مہا سبھائی جوش میں آ کر ایک جتھے کی شکل میں آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے سونٹے تھے۔ اور وہ ہمارے قتل کے درپے نظر آتے تھے۔ جب ہم نیچے نہ اترے تو انہوں نے مکان کو آگ لگا دی۔ جب شعلے بھڑکنے لگے تو میری بیوی نے جو حاملہ تھی گھبرا کر چھجے سے چھلانگ لگا دی اور وہ بے چاری اس طرح مر گئی۔ میں خود پچھلی طرف سے رسّی کے ذریعہ اتر کر بھاگا اور پیر جماعت علی شاہ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے سر سکندر حیات کے نام جو ان دنوں پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے ایک سفارشی خط لکھ کر دیا۔ سر سکندر حیات نے مجھے کہا کہ تم تو صرف محکمہ تعلیم ہی میں ملازمت پا سکتے ہو۔ مگر میرا وزیر تعلیم منوہر لعل ہے۔ جو کٹر ہندو ہے اور تمہیں کبھی نہیں لے گا۔ اس لئے میں تمہیں ایک مسلمان والئ ریاست کے نام سفارشی خط دیتا ہوں۔ (اس والئ ریاست کا نام بھی مصلحتاً حذف کیا جاتا ہے) چنانچہ مجھے وہاں نوکری مل گئی۔ اور میں اب وہیں رہتا ہوں۔ میں راولپنڈی آیا ہوں تاکہ یہاں جو مشرقی پاکستان کے وزراء ہیں اور جو میرے باپ کو اور مجھے جانتے ہیں ان سے مل کر کچھ کام کروانے لے ہیں۔ میں نماز کے لئے جامع مسجد راولپنڈی میں آیا تو وہاں ذکر سنا کہ آپ (یعنی مصنف) کیبنٹ سیکرٹری ہو کر درس قرآن دیتے ہیں۔ تو یہ بات میری سمجھ نہ آئی کہ ایک اتنا اعلیٰ افسر قرآن کا درس کیسے دیتا ہے۔ چنانچہ میں یہی دیکھنے آیا تھا۔ اور مجھے آپ کا درس قرآن بہت پسند آیا ہے۔

چنانچہ اس کے بعد بھی جب کبھی وہ نومسلم راولپنڈی آتا تو بالالتزام میرے درس قرآن میں حاضر ہوتا۔ بعد میں میں نے مشرقی پاکستان کے وزراء سے پوچھا تو انہوں نے اس نومسلم کے پچھلے حالات کی خصوصاً اس کے ایک بڑے ہندو زمیندار کا بیٹا ہونے کی تصدیق کی۔

قرآن مجید کا کمال

میں نے یہ لمبی داستان صرف اس لئے لکھی ہے کہ قرآن کریم کا کمال ظاہر ہو کہ کس طرح یہ ایک ہندو کے دل کو کھا گیا۔ وہ بنگالی تھا اور بنگالی سخت متعصب ہندو ہوتے ہیں۔ مگر قرآن کریم کے لئے کوئی تعصب، کوئی دشمنی، کوئی نفرت روک نہیں۔ قصور ہے تو ہمارا ہے۔ کہ ہم نے اس مقدس کتاب کو گھروں میں غلافوں میں بند کر کے رکھا ہوا ہے۔ ہم نے اسے دنیا میں نہیں پہنچایا۔ چنانچہ قرآن پاک میں خود لکھا ہے کہ اگر کوئی کتاب مشکلات کے پہاڑوں کو اڑا سکتی ہے۔ اور زمین کی وسعت سے جو اسلام پھیلانے کی دقت پیدا ہوتی ہے اسے دور کر سکتی ہے۔ اور روحانی مردوں کو زندہ کر سکتی ہے تو وہ یہ قرآن مجید ہے۔ کیا اس قرآن نے حضرت عمرؓ جیسے سخت دشمن اسلام کا دل صرف ایک دفعہ سننے پر پگھلا نہیں دیا تھا کیا اسی اثر کی وجہ سے مشرکین عرب کا قول قرآن پاک میں مذکور نہیں کہ:

"لا تسمعوا لھٰذا القرآن"

(اس قرآن کو نہ سنو) تو اگر مشرکین عرب اس قرآن کے آگے ٹھہر نہ سکے تو مشرکین بھارت کب ٹھہر سکیں گے۔ ضرورت یہ ہے کہ قرآن مجید کو ان تک پہنچایا جائے۔

پاکستان میں ہمارے لئے ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر لکھوانا اور چھپوانا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ یہاں ہندی جاننے والے ماہر (اور جب تک ہندی پر قادر الکلامی نہ ہو قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر عمدہ زبان میں نہیں ہو سکتی) کوئی نہیں۔ اور نہ یہاں ہندی زبان کی طباعت کا انتظام ہے۔

جماعت کشمیر سے اپیل

مگر خود بھارت میں ہماری سب سے بڑی جماعت ریاست

(باقی صفحہ پر)

محترم شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب ایم۔اے، تقریر بر موقع جلسہ سالانہ

اِسلام کا فلاحی معاشرہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

* * *

فرمایا:-

گذشتہ سال جلسہ سالانہ کے موقع پر میں نے اِنسانی معاشرے کی فلاح کے اِسلامی تصوّر اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس بارے میں تعلیم پر مبنی اپنے ناقص خیالات کا اظہار آپ سب کے سامنے کیا تھا۔ میں ممنون ہوں کہ میری حوصلہ افزائی کی گئی اور اس سال پھر جناب سعد اختر صاحب مہتمم جلسہ سالانہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے خیالات کو ایک بار پھر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں میں سمجھتا ہوں کہ اِنسانی معاشرے کی صورتِ حال آج اِس قدر بگڑ چکی ہے۔ کہ اس کی اِصلاح موجودہ زمانے کا اِنتہائی اہم اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے منشائے الٰہی بھی یہی تھا کہ اِنتہائی نازک اور ابتلاؤں کے ہلاکت آفریں دور میں اِنسانوں کی سلامتی اور نجات کے لئے ایک فلاحی معاشرے کا قیام عمل میں لایا جائے۔ لہٰذا حضرتِ اقدس علیہ السلام کی امن اور سلامتی کا پیغام دینے والی اِسلامی تعلیم کا جس قدر ذکر کیا جائے کم ہے۔ چنانچہ جناب مہتمم جلسہ سالانہ کے حکم کی تعمیل کے لئے آپ کے سامنے حاضر ہو گیا ہوں۔

معزز سامعین!

آج کے زمانے میں بین الاقوامی سطح پر یہ مطالبہ عام ہے کہ دُنیا میں پائیدار امن کے قیام کے لئے مؤثر اقدامات کئے جائیں۔ دُنیا کو "امن کا خطہ" بنانے کی عملی کوششیں کی جائیں ہمارے یہاں بھی اِصلاحِ معاشرہ کی آئے دن بڑے زور شور سے تحریکیں چلائی جاتی ہیں۔ بداطوار اور جرائم پیشہ افراد سے معاشرہ کو پاک کرنے کے لئے اِنتہائی سخت تعزیرات کا نفاذ کیا گیا ہے پُوری دُنیا میں اَن تھک کوششیں کی جا رہی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح خوف و ہراس اور حزن و ملال میں ڈوبی ہوئی مظلوم اِنسانیت کو اس افراتفری اور انتشار کے عالمگیر عذاب سے بچایا جائے۔ مگر یہ تمام کوششیں نقش بر آب ثابت ہو رہی ہیں اور سا ری دُنیا دیکھ رہی ہے کہ اِن حالات سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ دُنیا میں جب کبھی کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آتی ہے۔ جہاں کہیں جنگ کے مہیب شعلے بھڑک اٹھتے ہیں اور امنِ عالم ان کی تباہ کن لپیٹوں میں اسیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ تو اقوامِ عالم کے نمائندے ایک فلک بوس عمارت میں جمع ہو کر اِنسانوں کی نجات اور پائیدار امن کے قیام کی راہیں تلاش کرنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے ذہن سوچتے سوچتے تھک جاتے ہیں۔ وہ خود منصوبے بناتے بناتے بےبس و لاچار ہو جاتے ہیں۔ ان کی کوئی نہیں سنتا۔ ان کے تمام مشورے بے گناہ اِنسانوں کے خون میں غرق ہو جاتے ہیں۔ تمام کوشش بے اثر اور رائیگاں ثابت ہو جاتی ہیں۔ اور وحشت و بربریت، قتل و غارت، لوٹ مار کا مکروہ ناچ بڑی بےخوفی سے دُنیا میں جاری رہتا ہے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے اِس قدر کھلی ناکامیوں کا دُنیا بھر کے اصلاح کاروں کو سامنا کیوں ہو رہا ہے۔ بربریت اور ہوس کا ناچ ناچنے والوں کے سامنے ان کی کیوں نہیں چلتی۔ وہ اِس قدر بے دست و پا کیوں ہیں۔ آج باطل اِس قدر طاقت ور کیوں ہو چکا ہے؟ کہ حقیقت اس کے سامنے سرنگوں و شرمسار نظر آتی ہے۔ بُرائی کیوں اتنی بڑھ گئی ہے۔ کہ اس کو روکنے کے لئے کوئی مدافعت کارگر نہیں ہوتی۔ اِنسانیت کا دامن عافیت اور امن سے کیوں خالی ہو گیا ہے۔ معاشرے کی اِصلاح آخر اِس قدر کٹھن اور ناممکن کام کیوں بن گیا ہے؟ یہی وہ سوالات ہیں جن کے جوابات کی تمام دُنیا متلاشی ہے۔ اور یہی اِس زمانے کا سب سے پیچیدہ سماجی و معاشرتی مسئلہ ہے۔ اور اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ دُنیا بھر میں جو ایک باغیانہ روش چل نکلی ہے۔ ایک بےراہ روی سارے عالم میں پھیل چکی ہے۔ جب تک اس کا سدِّباب نہیں کیا جاتا ایک عالمگیر بھائی چارے اور فلاحی معاشرے کا قیام قطعی ناممکن ہے۔

موجودہ زمانے کا اِنسان امن و سکون کا متلاشی ہے۔ اسے عافیت کی جستجو ہے۔ وہ اپنی ذات کا تحفظ چاہتا ہے۔ اِس کے اسباب کیا ہیں؟ یہ اس لئے ہے کہ امن و سکون کی تلاش زندگی میں عافیت کی جستجو اور تحفظ ذات اِنسانی فطرت کے بنیادی تقاضے ہیں۔ ان تقاضوں کی تکمیل کے بغیر وہ ایک مطمئن زندگی بسر ہی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش ہی سے اِنسان کائنات کی بے درد اور مخالفانہ طاقتوں کے پُرخطر اثرات سے بچنے کے لئے کسی نہ کسی گوشۂ عافیت کا متمنی و متلاشی رہا ہے۔ اِنسانی بچے کی مثال لیجئے۔ پیدا ہوتے ہی اُسے ایک تکلیف دہ ماحول کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس ماحول کے سخت موسمی اثرات اس کے نرم و نازک وجود میں بے چینی کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور وہ اِس تکلیف دہ اضطراب سے نجات حاصل کرنے کے لئے رونے دھونے اور ہاتھ پیر مارنے لگتا ہے اور جونہی اسے ان مخالفانہ اثرات سے نجات ملتی ہے اور وہ عافیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ تو خاموش ہو جاتا ہے۔ اور آرام سے سو جاتا ہے۔ اِس مثال سے یہ بتانا مقصود ہے کہ فلاح یافتہ معاشرے کی طلب اور پُرامن ماحول کی خواہش اِنسانی فطرت کی بنیادی خصوصیت ہے۔ جسے وہ اپنے ساتھ لے کر اس دنیا میں وارد ہوا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِنسانی فطرت کے اِس اہم ترین تقاضے کو پورا کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ ہمیں کون سے اصول اپنا لینے چاہئیں کہ جن کے طفیل فلاحی معاشرے کا قیام صحیح معنوں میں عمل میں آ جائے۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں کہ محض اصلاحی تحریکیں چلا دینے سے اور فلک بوس عمارتوں میں بیٹھ کر چند کھوکھلے منصوبے بنا کر پیش کر دینے سے آج کا بگڑا ہوا بے لگام اور فکری تضادات کا شکار زبوں حال معاشرہ یکسر تبدیل ہو کر عافیت سے ہمکنار ہو جائے گا۔ بلکہ یہ کام بڑا کٹھن ثابت ہو رہا ہے۔ اور اس نہج میں ہونے والی تمام کوششیں موجودہ دور کی قیامت خیز گمراہی اور بے راہ روی کے بے ہنگم طوفان کے سامنے ریت کی دیوار کی مانند بے اثر ثابت ہو رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تمام کوششوں کی پشت پناہی کے لئے کوئی ٹھوس آئیڈیالوجی نہیں

ہوتی۔ معاشرے کی پاکیزگی اور انسانی خوش حالی اور نجات کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ زندگی میں انسان کہاں تک ہمہ گیر صداقتوں اور معاشرت کی مثبت قدروں کو جگہ دیتے ہیں لیکن موجودہ زمانے کا انسان ان عظیم سچائیوں اور مثبت معاشرتی اقدار سے بہت دور ہو چکا ہے۔

"قرآن حکیم انہی صداقتوں کا مظہر ہے۔ اور دنیا کے سامنے وہ حکمت اور فلسفہ حیات پیش کرتا ہے کہ جس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جانے سے ہی ہم اپنی زندگی کے معاشرتی پہلوؤں کو پسندیدہ اور اعلےٰ وارفع بنا سکتے ہیں۔ لیکن افسوس تو اس بات پر ہے کہ امت مسلمہ نے غلط تاویلات کے چکروں میں پھنس کر اور خود ساختہ عقائد کو سختی سے اپنا کر قرآنی حکمت اور فلسفے کی اشاعت کے دروازے بند کر دیئے۔ در نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں نے اور خصوصاً ہماری نئی نسل نے اپنے آپ کو سراسر مادی تصورات اور کائنات کے خارجی [illegible] سے ماخوذ باطل نظریات کے ساتھ منسلک کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ محض ایک فریب نظر ہے۔ اور اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ان نظریات کو اختیار کرنے سے انسان کی زندگی ایک طرح کے مکینیکل وجود میں ڈھل کر رہ گئی ہے۔ یا پھر انہوں نے انسان کو ایسا حیوان بنا دیا ہے۔ جس کی حیثیت صرف معاشی ہے حالانکہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زندگی محض ایک میکانکی عمل کا نام نہیں ہے اور نہ ہی اس کا منتہائے نظر محض معاشی ہے بلکہ حیات انسانی کی اصل ایک ایسی ہمہ گیر وحدت ہے۔ جس کی روشناسی کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر وحی۔ الہام۔ مکالمہ و مخاطبہ کے ذریعے ان علمی حقائق و معارف کے دروازے کھول دیئے۔ جو زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کو انسانوں پر روز روشن کی طرح آشکار کر دیتے ہیں۔ یہی حقائق اعلےٰ معاشرتی اقدار ہیں۔ ان میں افادیت ہے۔ یہ علم و حکمت کے آئینہ دار ہیں جو نہیں ثبات و دوام حاصل ہے۔ یہ باطل عقائد و نظریات کی طرح مٹ جانے والے یا تبدیل ہو جانے والے نہیں ہیں۔ ان کی ایک خاص مقصدیت ہے۔ اور انہی پر عمل پیرائی سے انسانی فلاح اور دکھوں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

اسی مقصدیت کے پیش نظر قرآن پاک نازل فرمایا گیا اور اسلام کو انسانوں کا دین بنایا گیا۔ اور حکم دیا گیا اب اللہ کی اس رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ کیونکہ اب قیامت تک دنیا بھر کے انسانوں کی فلاح اسی میں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب ست بچن میں فرماتے ہیں:-

"وہ حقیقی خوشحالی جس کی طلب نے انسان کو مذہب کا طالب بنایا ہے۔ بجز اسلام کے اور کسی جگہ نہیں مل سکتی۔ جس وقت اس ضروری سوال پر ہم غور کرتے ہیں کہ ہم کیوں کر نہایت خوشحالی سے اس پُر فتنہ دنیا سے سفر کر سکتے ہیں۔ تو ہماری روح۔ جو سچے اور کامل آرام کو چاہتی ہے معاً یہ جواب دیتی ہے کہ ہماری کامل اور لازوال خوشحالی کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے:-

اول یہ کہ اس فانی زندگی کے فانی تعلقات میں ہم ایسے اسیر اور مقید نہ ہوں کہ ان کا چھوڑنا ہمارے لئے عذاب الیم ہو۔

دوم یہ کہ ہم درحقیقت خدا تعالیٰ کو ان تمام چیزوں پر مقدم رکھ لیں اور جس طرح ایک شخص بالارادہ سفر کر کے ایک شہر کو چھوڑتا اور دوسرے شہر میں آ جاتا ہے۔ اسی طرح ہم اپنے رابطہ دنیا کی زندگی کو چھوڑ دیں۔ اور خدا کے لئے ہر ایک دکھ کو قبول کریں۔۔۔

۔۔۔ سفلی زندگی کو کھو دیں اور نابود کر دیں اور ایک نئی اور پاک زندگی میں داخل ہوں اور یہ ناممکن ہے جب تک کہ ہمارے تمام قویٰ خدا کی راہ میں قربان نہ ہو جائیں۔ اسلام پر قدم مارنے سے نئی زندگی ملتی ہے۔ اور انوار اور برکات حاصل ہوتے ہیں۔"

اللہ کا فرستادہ اسلام کا یہ عظیم سپاہی لوگوں کو کس درد سے اسلام سے کامل وابستگی کی تلقین کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے آشنا ہے۔ کہ دنیا میں انسانی معاشرہ ہمیشہ دو کیفیات کا حامل رہا ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں نے احکامات ربانی کو ترک کر کے باطل عقائد اور مشرکانہ نظریات کو اختیار کیا اور اپنے آپ کو جہالت کی تاریکیوں میں گرا دیا۔ دوسری یہ کہ انسانوں نے ہدایات ربانی اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء کرام کی راہبری و راہنمائی کی روشنی میں اپنے ماحول اور معاشرے کو صحت مند علمی بنیادوں پر استوار کیا۔

یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ پہلی قسم کے جس قدر معاشرے وقتاً فوقتاً دنیا میں قائم ہوئے۔ انسانی زندگی کے لئے بدترین اور تباہ کن ثابت ہوئے۔ اس قسم کے معاشروں میں انسان افراتفری کا شکار ہے۔ ان کی زندگی جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبی رہی اور وہ باطل نظریات و عقائد پر انحصار کر کے ٹھوکریں کھاتے رہے۔ اور نفرت، حسد، ہوس، لالچ اور خود غرضی۔ بدچلنی۔ ظلم و تشدد اور قتل و غارت لوٹ مار جیسی منفی قدروں کے جہنم میں گر کر تباہ و برباد ہوئے تمام اخلاقی قدریں پامال ہو کر رہ گئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا سے امن و سکون اٹھ گیا۔ انسانی فلاح و عافیت نیست و نابود ہو کر رہ گئی اور نتیجہ زوال کی صورت میں ظاہر ہو کر تاریخ کے صفحوں پر عبرتناک داستان بن گیا۔

انسانی وجود اور ذہن کی فطری اور جذباتی ساخت اس قسم کی واقع ہوئی ہے۔ کہ وہ غلطی کرنے اور ٹھوکر کھانے سے نہیں بچ سکتا۔ لہٰذا جب کبھی بھی اس نے اپنے آپ کو دامنِ خداوندی سے جدا کیا۔ جہالت اور گمراہی میں گر گیا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"انسان اسوقت غلط خیالات اور بدعقائد میں پھنس جاتا ہے جبکہ خدا تعالےٰ کی سچی وحی کی پیروی نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خود تراشیدہ خیالات یا اپنے جیسے کسی دوسرے انسان کے خیالات کا پیرو بن جاتا ہے۔" (ست بچن)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:-

"یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت پر سہو اور نسیان غالب ہے۔ وہ غلطی سے بچ نہیں سکتا۔ پھر ایسی راہ میں جو نہایت باریک اور ساتھ اس کے نفسانی جذبات بھی لگے ہوئے ہیں کیونکر بچ سکتا ہے۔ لہٰذا تمام سچے طالبوں اور حقیقی راست بازوں نے اس بات کی تصدیق پر اپنے سر جھکا دیئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کو دریافت کرنے کے لئے اس کی وحی اور الہام کی ضرورت ہے۔" (ست بچن)

لہٰذا آج جو دنیا بھر کے انسان معاشرتی زبوں حالی اور طرح طرح کی سماجی و اخلاقی برائیوں کا شکار ہو چکے ہیں کہ ان سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یقین کیجیئے۔ اس کے اسباب بلاشبہ یہی ہیں کہ ہمارا اللہ تعالےٰ کی ہستی پر سے ایمان اٹھ گیا ہے اور ہم اپنے آپ کو اس کی روشن کی ہوئی اس شمع ہدایت کی حقیقت آشکار روشنیوں سے فیض یاب نہیں کر رہے۔ جسے موجودہ زمانے کے تاریکی اور جہالت کے پیش نظر لوگوں کی راہبری و راہنمائی کے لئے روشن کیا گیا ہے۔ حضرت مجدد زماںؑ کے الفاظ میں اسی حقیقت کو سنیئے:-

"خدا کی ہستی اور وجود پر کامل یقین سے ہی انسانوں پر نجات کی حقیقی راہیں کھلتی ہیں اور خدا تعالیٰ پر سچا یقین بغیر ذریعہ وحی اور الہام کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔" (ست بچن)

تحفۂ گولڑویہ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ ان زہریلی ہواؤں کی اصلاح جو بڑے زور شور سے چل رہی ہیں اور عام وبا کی طرح ہر شہر اور ہر گاؤں سے کچھ کچھ اپنے قبضہ میں لا رہی ہیں۔ ہر ایک معمولی طاقت کا کام نہیں۔ کیونکہ یہ مخالفانہ تاثیرات اور اسلام کے خلاف ذخیرۂ اعتراضات خود ایک معمولی طاقت نہیں بلکہ زمین نے اپنے وقت پر جوش مارا ہے اور اپنے تمام زہروں کو پوری قوت کیساتھ اگلا ہے۔ اس لئے اس زہر کی مدافعت کیلئے آسمانی طاقت کی ضرورت ہے۔

زمانہ حال کے انتہائی بگڑے ہوئے معاشرے کو صرف ایک ہادی برحق کی سچی اطاعت و تابعداری اختیار کر کے ہی درست کیا جا سکتا ہے۔ جس کے ساتھ تائید الٰہی ہو۔ اور جس کی نگاہیں برق باطل سوز کی مانند تمام معاشرتی برائیوں پر پڑتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے زمانے کی اصلاح کے لئے جس مقدس ہستی کو اس صدی میں مامور فرمایا اُس نے اس دور کی معاشرتی بدحالی کو جن حقیقت بین نگاہوں سے دیکھا اس کی ایک جھلک اسی عظیم ہستی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

آپ نے رسالہ فتح اسلام میں ارشاد فرمایا ہے:۔

"یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ایسا زمانہ ہے کہ ظاہر پرستی کی روح درحقیقت سے دُوری دیانت و امانت سے محرومی سچائی اور اخلاقی پاکیزگی سے مہجوری اور لالچ، بخل اور حبِ دُنیا سے معموری اس زمانے میں ایسی پھیل گئی ہے جیسے حضرت مسیح ابن مریم کے وقت یہودیوں میں پھیلی ہوئی تھی ۔ ۔ ۔ جیسے یہودی لوگ اس زمانے میں حقیقی نیکی سے بے خبر ہو گئے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ علاوہ اس کے دیانت اور امانت اور اندرونی صفائی اور عدالت ان میں بالکل ہی اُٹھ گئی تھی سچی ہمدردی اور سچے رحم کا نام و نشان نہیں رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ایسا ہی اس زمانے میں تمام بلائیں ظہور میں آگئی ہیں۔ حلال چیزوں کو شکر اور شکرانہ فروتنی کے ساتھ استعمال نہیں کیا جاتا حرام کے ارتکاب سے کوئی کراہت اور نفرت باقی نہیں رہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تقویٰ اور خدا ترسی میں بڑا فرق آگیا ہے۔ ایمان کی کمزوری نے محبت الٰہی کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ دُنیا کی محبت میں لوگ دبے جا رہے ہیں۔"

"رسالہ فتح اسلام"

یہ ہے ہمارے معاشرے کی تصویر جو انتہائی اخلاقی پستی اور تباہی کی روش پر چل نکلا ہے۔ اور آج اس کی مثال اُس تنگ و تاریک اور سرد گھروندے کی سی ہے جو روشنی اور حرارت کو مدتوں سے ترس رہا ہو۔ اور اس کے مکین اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں۔ اور ان کو سامنے نجات کی کوئی راہ نظر نہ آتی ہو۔ صحت مند اور پاکیزہ معاشرہ صحت مند اخلاق کے حامل افراد کے دم قدم سے وجود میں آتا اور پھلتا پھولتا ہے۔ لیکن جب افراد کی تربیت اخلاقی قدروں کے مطابق نہ ہو رہی ہو۔ اجتماعی نظم میں کسی قسم کے اخلاقی ضابطے کی پابندی نہ کی جاتی ہو لوگوں کے پیش نظر کوئی ٹھوس نظریۂ حیات نہ ہو۔ ان میں بے راہ روی اور اخلاق باختگی عام ہو۔ چوری، ڈاکہ زنی رشوت ستانی زندگی کا معمول بن چکا ہو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا فساد، لڑائی اور خونریزی تک معاملہ پہنچ جاتا ہو تو ایسے میں معاشرتی فلاح کا قائم رہنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ آج ہمیں کوئی فرد واحد ایسا نہیں ملتا جس کی زندگی رنجیدہ، اور ملول نہ ہو جس کا دل حزن اور یاس سے خالی ہو۔ جو ظلم و تعدی کی دست برد سے بچا ہوا ہو۔ جو آئے روز کی اغوا کی وارداتوں کی خبریں سن کر اپنے آپ کو ان سے محفوظ محسوس کرتا ہو۔ جو اپنے قرب و جوار کے ماحول کو مختلف خطرات و خدشات سے خالی سمجھتا ہو۔ اور اپنی زندگی کے دن بڑے آرام اور سکون کے ساتھ بسر کر رہا ہو۔ میرا خیال ہے ایسا شخص ہمیں آج کل کہیں نہیں ملے گا۔ ہماری معاشرتی زندگی کے اجتماعی نظام کی حالت اس قدر ابتر ہو چکی ہے کہ اس کے تمام شعبے ہم آہنگی، نظم و ضبط، دیانت داری، باہمی الفت اور اجتماعی سوچ سے بالکل خالی ہیں۔ انتظامی شعبوں میں نااہل اور غفلت شعار افراد کی کثرت ہے۔

تجارت پیشہ لوگوں نے تجارت کے معقول اور امن اصولوں کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری، ملاوٹ، سمگلنگ اور کم تولنے کو انہوں نے اپنا تجارتی شعار بنا رکھا ہے۔ ثقافتی اداروں نے ثقافت کے نام پر ذہنی و نظری عیاشی کی دکانیں سجا رکھی ہیں تعلیمی درسگاہوں میں صحیح علم کے سوتے خشک ہو چکے ہیں اور یہاں دانش و حکمت کی شمعیں اپنی روشنی کھو چکی ہیں۔ مذہبی ادارے اپنی افادیت کھو چکے ہیں۔ اور ان پر نام نہاد علماء کا تسلط ہو چکا ہے اور انہوں نے لوگوں میں قرآنی علم و حکمت کو فروغ دینا ترک کر رکھا ہے۔

ایسے بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک مامور مسیح دوراں بنا کر دنیا میں بھیجا جس نے برملا یہ اعلان فرمایا:۔

"میں مسیح موعود ہوں جو بشارات الٰہیہ کی بنا پر دُنیا میں اصلاح خلق کے لئے آیا ہوں۔"

اور تمام دنیا کے لوگوں پر آپ نے اپنی بعثت کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تفہیم الٰہی میرے شامل حال ہے۔ اور عین اسی وقت جب ضرورت ہے۔ بعض معارف قرآنی میرے پر کھول دیتا ہے اور اصل منشا بعض آیات کا معہ ان ثبوت کے میرے پر ظاہر فرماتا ہے۔ اور میخ آہنی کی طرح میرے دل کے اندر داخل کر دیتا ہے۔ اب میں اس خداداد نعمت کو کیونکر چھوڑ دوں اور جو فیض بارش کی طرح میرے پر ہو رہا ہے کیونکر اس سے انکار کر دوں ۔ ۔ ۔ ۔ مجھ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشا قرآن کریم کا ہے۔ لوگوں پر ظاہر کر دوں۔"

حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے مجدد کی حیثیت میں مبعوث فرمایا۔ آپ کو مکالمہ و مخاطبہ، کشف و الہام کے ذریعے ذات باری تعالیٰ نے قرآنی علم کی معرفت کاملہ سے فیضیاب فرمایا اور آپ نے قرآن و حدیث اور دین اسلام کی تعلیمات کو صحیح صحیح طور پر دُنیا کے سامنے بیان کیا۔ نیز نام نہاد علماء کی پیش کردہ غلط تاویلوں اور خود ساختہ عقائد کو اختیار کر کے مسلمان جو غلطی کا شکار ہو چکے تھے۔ اور دین سے بے بہرہ ہوتے جا رہے تھے ان کی تقویت ایمانی کے لئے ان غلطیوں کی نشاندہی کر کے انہیں ان سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن حکیم کے حقائق کا نام نہاد مفسرین اور علمائے دین کی تحریروں میں فقدان پایا جاتا ہے۔ تو آپ نے ان حقائق کی تفسیر اور تبلیغ کا بیڑہ اٹھایا۔ مسلمانوں نے تو قرآن حکیم کو بلاشبہ اپنی عملی زندگی میں متروک قرار دے دیا تھا لیکن اس کتاب الٰہی کی علم و حکمت سے لبریز تعلیمات سے صحیح اور مکمل طور پر عرفان و آگہی حاصل کئے بغیر زندگی کے مقصد کا حصول اور کامرانی کی آخری منزل تک پہنچنا مشکل ہی نہیں قطعی ناممکن تھا۔ اسی لئے امام وقت نے لوگوں کو موجودہ زمانے کے مشرکانہ، نظریات اور معاشرہ کو زوال کی طرف لے جانے والے باطل عقائد سے نکال کر ان کے سامنے ہدایات ربانی کے عین مطابق قرآنی عقائد و نظریات کو حقیقی رنگ میں پیش کیا اور کہا کہ:۔

"حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آئیں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے میں شکر نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلیٰ طاقتوں کا مجھے علم دیا گیا ہے جس علم کی رو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملوں سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کی جہالتیں ثابت کر دے گا۔"

("آئینہ کمالات اسلام")

حضرت اقدس کا علم الکلام قرآنی عقائد کی سچی تفسیر اور اسلامی تعلیمات کی صحیح اور ایمان افروز تشریح سے معمور ہے۔ اور دُنیا پر یہ لازم ہے کہ ہدایت حاصل کرنے کے لئے اس عظیم ہستی کے علم الکلام سے استفادہ حاصل کرے۔ جس کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے ذات باری تعالیٰ نے اپنی تائید کے ہزاروں روشن اور تازہ

حدیث اختلاف امتی رحمۃ
سورۂ شوریٰ کی روشنی میں

جناب برکت اللہ راٹھور ——— سیالکوٹ

یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے جو نہایت ہی حسین اور لطیف معنوں کی حامل ہے۔ جیسے ان پیارے الفاظ کو حضور صلعم کی پیاری زبان سے نکلنے کے باعث تقدس حاصل ہے ویسے ہی یہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے بھی عظیم ہے۔

احادیث کا مفہوم سمجھنے کے لئے یہ اصول کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ حضور اکرم کا کوئی قول اور فعل قرآن مجید کی نصوص صریحہ کے متضاد نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی کسی آیت کا نقیض نہیں ہو سکتا لہٰذا اس حدیث کا مفہوم بھی قرآن کریم کی نصوص صریحہ سے متصادم نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ قیاس آرائی (جیسا کہ بعض حلقوں میں پائی جاتی ہے) کہ اختلاف کے مفہوم میں اُمت کا باہم دست و گریباں ہونا بھی مضمر ہے۔ اس حدیث کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگی۔ ایسا اختلاف پھر رحمت نہیں ہوگا بلکہ انتشار اور ظلم و تعدی کا پیش خیمہ ہوگا۔ رحمت کا لفظ ہی ایسے خیال کی تردید کرتا ہے۔

میں اپنے مافی الضمیر کی وضاحت کے لئے سورۂ شوریٰ سے استدلال کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

"جو لوگ اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اُن کا ہر کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔"

(سورۂ شوریٰ آیت: ۳۸)

قرآن کریم میں یہ حکم ایک نہایت ہی مبارک حکم ہے۔ جس کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مشورہ نہایت ہی دوستانہ اور برادرانہ ماحول کے اندر ممکن ہو سکتا ہے۔ بغض اور عداوت کے ماحول میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ دوسری جو پُر حکمت بات اس میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ ایک فرد واحد کی رائے اہم ملکی و معاشرتی معاملات میں قابل پذیرائی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایک آدمی کی رائے غلط یا مخدوش ہو سکتی ہے۔ اور اُس کی صحت کے غیر یقینی ہونے کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مشورہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مشورہ ایک سے زائد افراد کے درمیان ہی ہو سکتا ہے۔ اور چار پانچ افراد کے درمیان اتفاق رائے کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ ایسی حالت میں مشورہ کے دوران اختلاف رائے کا ہونا قرین قیاس ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں تو ناگزیر ہو جاتا ہے کیونکہ ہر ایک آدمی کی ایک جیسی سوچ بچار نہیں ہوتی۔ ایک ... میں ابتدائی مراحل میں ہی اتفاق رائے کا پیدا ہو جانا بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ لیکن تجربہ بتلاتا ہے کہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ فریقین اپنے اپنے مؤقف کی تائید میں اپنے اپنے دلائل پیش کریں اور دوسروں پر اپنی اپنی رائے صائب ہونا ثابت کریں تاآنکہ دوسرے بھی اس سے متفق ہو جائیں۔ یا کم از کم کثرت رائے ایک جانب ہو جائے۔ یہی مشورہ کا مقصد و مدعا ہے۔

اور جب کثرت رائے ایک طرف ہو جائے تو پھر اختلاف رائے رکھنے والوں کو بھی اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیئے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس ارشاد کا منشا بھی یہی ہے کہ:-

"جس امر میں انجمن کا فیصلہ کثرت رائے سے ہو جائے وہی قطعی سمجھنا چاہیئے۔"

پھر ساری قوم مل کر اس کام کا بیڑہ اٹھائے۔ اس طرح قوم میں اتفاق اور یک جہتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جہاد زندگی کے لئے بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ اتفاق بے پناہ قوت عمل پر منتج ہوتا ہے۔ یہ رحمت نہیں تو اور کیا ہے؟

آج کل کا پارلیمانی نظام جو کہ مغرب خصوصاً انگلستان میں مروّج ہے۔ اسی اصول پر مبنی ہے اور انگلستان نے جمہوری نظام کے تحت حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ خواہ وہ سیاسی ہو یا علمی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں کیونکہ وہ ہر اہم معاملہ میں بحث و تمحیص کئے اور بالآخر بدوں کثرت رائے حاصل ہوئے کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ ان کی کسی مذہبی کتاب میں انہیں ایسا کرنے کی تلقین نہیں ہے۔

ہماری کتاب میں یہ حکم صراحت کے ساتھ موجود ہے لیکن افسوس ہم اس کی افادیت سے غافل ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ بڑی جسارت سے بانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ یہ نظام جس کو یہ لوگ حقارت سے مغربی نظام کا نام دیتے ہیں اسلام کے صریحاً منافی ہے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

قرآن کریم تو ایک اصول وضع کرتا ہے لیکن تفصیلات اُمت پر چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے اپنے ماحول، معاشرہ اور رفتار زمانہ کے مطابق مختلف ذرائع سے کام لے کر اس اصول کو عملی جامہ پہنائیں۔ قرآن کریم نے کبھی بھی کوئی بندش کسی اچھی چیز کو اپنانے کے راستہ میں نہیں ڈالی یہ سب رکاوٹیں انتہا پسندوں کی پیدا کردہ ہیں جس نے امت مرحومہ کو گورکھ دھندوں میں الجھا رکھا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں قوم کو بے حد نقصان پہنچا ہے۔ اور پہنچ رہا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہے کہ مسلمان کے لئے علم کا حاصل کرنا ازبس ضروری ہے۔ خواہ اُسے ایسا کرنے میں چین جیسے دور افتادہ ملک کا سفر ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت میں وہاں کفار ہی بستے تھے نیز چونکہ وہ علم کی دولت سے اس زمانہ میں مالا مال تھے لہٰذا فرمایا کہ علم حاصل کرنے کے لئے ایسے ملک کا سفر بھی ضروری ہے۔

گفت حکمت را خدا خیرے کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

ایک ضروری اعلان

ادارہ پیغام صلح عید میلاد النبیؐ کے موقع پر پیغام صلح کا "خاتم النبیین نمبر" شائع کرنے کا اہتمام کر رہا ہے اہل قلم حضرات سے درخواست ہے کہ ہم سے تعاون کرتے ہوئے آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ کے متعلق اپنے مقالہ جات اشاعت کیلئے ارسال فرمائیں تاکہ یہ نمبر قارئین کی خدمت میں جلد از جلد ارسال کیا جا سکے اس سلسلہ میں انکی خدمت میں خطوط بھی ارسال کر دیئے گئے ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ مضمون نگار حضرات ہماری اس درخواست پر ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔ مقالہ جات اگر جلدی وصول ہونگے تو یہ نمبر بروقت شائع ہو سکے گا۔ شکریہ

(ادارہ پیغام صلح)

تقویٰ تمام اعمال کی جڑ ہے

اسی لئے لفظ متقی کا استعمال قرآن کریم میں سو مرتبہ سے بھی زیادہ ہوا ہے

صادقین کا ساتھ دیئے بغیر نیکی کی توفیق میسر نہیں آتی

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے — اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے ؎ (مسیح موعودؑ)

خطبۂ جمعۃ المبارک، بر موقعہ جلسہ سالانہ مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۹ء فرمودہ حضرت ڈاکٹر سید احمد خان صاحب مدظلہٗ، جامع احمدیہ دارالسلام، نیو گارڈن ٹاؤن ۔ لاہور

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ولا ینفقون نفقۃ صغیرۃ ولا کبیرۃ ولا یقطعون وادیا الا کتب لھم لیجزیھم اللہ احسن ما کانوا یعملون ۔" (سورۂ توبہ: ۱۱۹ تا ۱۲۱)

ترجمہ :- اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اہل مدینہ اور ان کے ارد گرد کے دیہاتیوں کو نہیں چاہیئے کہ اللہ اور رسول کے پیچھے رہ جائیں اور نہ (یہ کہ) اپنی جانوں کو اس کی جان سے زیادہ چاہیں۔ یہ اس لئے کہ انہیں اللہ کی راہ میں نہ پیاس پہنچتی ہے اور نہ تکان اور نہ بھوک اور نہ وہ کسی ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غصہ آتا ہے۔ اور نہ دشمن سے کچھ چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لئے ان کا نیک عمل لکھا جاتا ہے نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور نہ وہ کچھ خرچ کرتے ہیں تھوڑا یا بہت اور نہ کسی میدان سے گذرتے ہیں۔ مگر وہ ان کے لئے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ کرتے تھے۔

یہ حکم "اللہ کا تقویٰ کرو۔" قرآن پاک میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ لفظ متقی کا استعمال سو مرتبہ سے زیادہ ہوا ہے۔ اور قرآن پاک کے نزول کی غرض ھدًی للمتقین بتائی گئی ہے۔ یہ کتاب متقیوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے بھیجی گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں کو پڑھیں تو شاید ہی کوئی ایسی تحریر ہو جس میں تقوے کا ذکر نہ ہو۔ گویا تقویٰ تمام اعمال کی جڑ ہے۔ ان آیات میں دوسرا حکم "صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ" ہے۔ درحقیقت یہ ہے کہ صادق کے ساتھ ملے بغیر نیکی کی توفیق میسر نہیں آتی۔ صادق وہ ہے جو دین میں کامل درجہ کا صدق دکھائے۔

سب سے بڑے صادق جن کا ذکر قرآن مجید میں پھیلا ہوا ہے وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ یہ صادق شخصیت اب تک کئی امتحانات میں سے کامیابی کے ساتھ گذر چکی ہے۔ جنگِ تبوک جو آپؐ کی آخری مہم تھی اور شدید گرمی کا موسم تھا کا واقعہ ہے کہ آپؐ نے تمام قوم کو خدا کے حکم سے اس مہم میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ سب لوگوں نے سوائے منافقین کے یا ان تین مومنوں کے جنہوں نے سستی کی آپؐ کے حکم پر لبیک کہا۔ یہ تین مومن حضرت کعب بن مالکؓ۔ مرارہؓ اور ہلال بن امیہؓ تھے۔ کبھی مومن سے بھی سستی ہو جاتی ہے جب نبی اکرمؐ نے ان سے اظہار ناراضگی کیا تو ان لوگوں نے کوئی بہانہ نہیں بنایا بلکہ صاف صاف اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

ان کا مقاطعہ ہوا۔ قرآن پاک نے بھی ان کے لئے عتاب کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ مقاطعہ پچاس دن تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اضطراب کو دیکھتے ہوئے ان کی توبہ قبول کر لی۔

اللہ تعالےٰ کے کاموں میں جو لوگ سستی کرتے ہیں وہ قابلِ عتاب ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام حق کے مخالفوں کے خلاف خدا کے بندوں کا ساتھ دینا چاہیئے اس لئے کہ اسطرح جو کامیابی حاصل ہوتی ہے اور وہ جو خدا کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے اللہ کے ہاں اس کا اجر لکھا جاتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو یہ مقام مل گیا کیونکہ انہیں اپنی قربانیوں کی وجہ سے اس بڑے صادق کی معیت نصیب ہوئی۔

یہی حکم اب آپؐ کے بعد آنے والے مامورین یا مجددین کا ساتھ دینے کا بھی ہے۔ کیونکہ یہ مامورین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہی مشن پورا کرنے کے لئے آپ کے نقشِ قدم پر تشریف لاتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے اپنے دعوے کی یہ دلیل دی ہے :-

"انما المومنون الذین ۔ ۔ ۔ جاھدوا باموالھم ۔ ۔ ۔ اولٰئک ھم الصادقون"

سچے مومن وہ ہیں جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں اور اس میں کسی شک وشبہ سے کام نہیں لیتے۔ وہ ماموران الٰہی کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ ان کے اندر یقین پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی بناء پر وہ اپنے مالوں اور جانوں سے حاضر ہو جاتے ہیں۔ وہ اس میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ اور ہر کوشش میں شامل ہوتے ہیں۔ یہی سچے صادق ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنی جانیں پیش کر کے اپنے صدق پر مہر ثبت کر دی۔ مالوں کو بے دریغ خرچ کیا۔ اور تبلیغ کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ہم ان پیچھے آنے والے لوگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے اس صدی کے مامور کے ساتھ عہدِ وفاداری باندھا ہے اور حتی المقدور انکا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہم بھی اللہ تعالےٰ سے یہی امید رکھتے ہیں کہ وہ اس راہ میں ہماری حقیر کوششوں کو قبولیت بخشے گا۔ جنہوں نے اس سردی میں تکلیفِ سفر اٹھا کر اس دینی فریضہ میں حصہ لیا ہے۔ یقیناً انہوں نے اپنے صدق پر مہر لگائی ہے۔ جو لوگ یہاں آئے ہیں انہوں نے کسی پر کوئی احسان جتلانے کے لئے ایسا نہیں کیا ہے۔ بلکہ صدق اور وفاداری کا اظہار کیا ہے۔ یہاں ہم نے اپنے علماء سے ایسی تقاریر سنی ہیں جو قابلِ قدر تھیں۔ میں نے ہر تقریر سنی ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ ان کی تقاریر سے ہمارا حوصلہ بلند ہوا ہے۔ کہ ان مقررین کے سینوں میں صحیح خیالات اور نظریات پیدا ہوئے اور ان کے اندر ان کے اظہار کی جرأت بھی پیدا ہوئی۔ یہ جلسہ اس لحاظ سے بڑا مبارک تھا کہ ہمیں دین کی خدمت کرنے کے لئے صحیح سمت متعین کرنے کا موقع ملا۔ وہ اس کے لئے ہماری ایک نشانی بھی ایک مثال ہے جس کی اللہ تعالےٰ ہمیں آئندہ بھی اپنی مہربانی سے توفیق دے گا۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ مامورین نے آکر تاریک زندگیاں سنوار دی ہیں۔ ہمارے وہ بزرگ جو ہم سے پہلے گذر گئے ہیں ہم

بقیہ خطبہ جمعہ

اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ سابقون الاولون تھے لیکن اس زمانے میں جو لوگ جماعت میں شامل ہیں انہیں بھی ایک قابل رشک امتیاز حاصل ہے۔ یہی بات اپنے سامنے رکھتے ہوئے میں آپ کو آپ کے فرائض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ہم ایک نازک دور سے گذر رہے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کے لئے دینی کاموں میں روک نہیں بننا چاہیئے کیونکہ یہ روکنا خدا کی ناراضگی کا موجب ہوتا ہے۔ آپ جو کچھ بھی کریں جماعت کی بھلائی کو سامنے رکھیں۔ اور جو کچھ سوچیں قوم کی بہتری کے لئے سوچیں۔

ہماری تھوڑی سی کوشش کو جو پھل لگ رہا ہے۔ یہ تمام دنیا کو معلوم ہے۔ ہماری کوششیں خدا کے ہاں مقبول ہیں۔ ہمیں اپنی ان کوششوں کو تیز تر کر دینا چاہیئے۔ ہمیں اپنی اس کمزوری کا احساس ہے۔ کہ جس علم کلام کی دنیا کو پیاس ہے۔ ہم اس کو پہنچانے کا حق ادا نہیں کر سکے ہیں اس کے لئے دعائیں کریں کہ ہمیں اس کی کماحقہ توفیق ملے۔

بیرونی ممالک سے میں جو تاثر لے کر آیا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کو ہمارے لٹریچر کی سخت ضرورت ہے۔ ہم اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گذار ہیں کہ ہماری طرف لوگوں کی نظریں اٹھ رہی ہیں اور خدا سے توفیق کے طلب گار ہیں۔ کیونکہ وہی توفیق دینے والا ہے۔ کہ ہم اپنے اس فرض سے اس طرح عہدہ برآ ہو جائیں کہ جب اس کے سامنے حاضر ہوں تو ہمیں کوتاہیوں پر شرمسار نہ ہونا پڑے۔

بقیہ ہندوؤں میں اشاعتِ اسلام

جموں و کشمیر میں ہے۔ میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس کام کو جو وہ کر رہے ہیں۔ جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ اور اس کی طباعت اور اشاعت کے لئے مالی قربانیاں کریں۔ جس طرح کہ سرینام (جنوبی امریکہ) کی ہماری جماعت نے اپنی مسجد کے لئے بڑھ چڑھ کر کیں جن کی تفصیل میرے مضمون "سفر سرینام" میں آچکی ہے۔ جو دسمبر ۱۹۷۹ء کے اخبار پیغام صلح میں چھپا تھا۔

قرآنِ پاک کا ترجمہ اور اس کی اشاعت اس کام سے بڑھ چڑھ کر ہے جو جماعت سرینام کے احباب کے سامنے تھا۔ اور اس [illegible] ہی کام میں بھارت کے دوسرے علاقوں کے احباب جماعت اور صاحب دل مسلمانوں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ رقم مطلوبہ مہیا کریں۔ کوشش کرنے پر اللہ تعالیٰ بھی مدد فرماتا ہے۔ اور غیب سے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ آخر یہ اس کے مقدس قرآن اور اسلام کے نور کو پھیلانے کی کوشش ہو گی وہ تو نعم المولیٰ و نعم النصیر ہے۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ تقسیم بھارت و پاکستان سے قبل ہم نے گورمکھی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر مکمل کروائی تھی۔ جو طباعت اور اشاعت کی محتاج ہے۔ اس کا بندوبست بھی بھارت میں ہی ہو سکتا ہے یہاں نہیں ہو سکتا۔ اس کی طرف توجہ میں اپنے بھارت کے احباب کو کراتا ہوں دل میں جذبہ ہو تو ہر کام ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ میں شروع مضمون میں لکھ آیا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے امام وقت پر ظاہر فرمایا ہے کہ "پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہو گا" "ومن اصدق من اللہ قیلا" خدا کا وعدہ ٹل نہیں سکتا۔

بمنت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ قضائے آسمان است ایں بہرحالت شود پیدا

اخبارِ احمدیہ

ایک گرانقدر عطیہ برائے ایصالِ ثواب

محترمہ بیگم صاحبہ محمد عبد اللہ مرحوم نے اپنے مرحوم بھائی ملک غلام قادر ابن حکیم شاہنواز مرحوم کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے مبلغ ایک ہزار روپیہ برائے مفت اشاعت قرآن فنڈ عطا فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بہن کے ایثار کو قبول فرمائے اور ان کے مرحوم بھائی کے جنت میں درجات بلند فرمائے۔ آمین

جماعتِ ہالینڈ کا اظہار تعزیت

مکرم مولانا عبدالرحیم جگو صاحب ہالینڈ سے جائنٹ سیکرٹری مخدوم سدا خیر صاحب کو لکھتے ہیں کہ:۔

جماعت احمدیہ ہالینڈ میں یہ خبر بڑے رنج و غم کے ساتھ سنی گئی کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مفتی علامہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری انتقال کر گئے ہیں

انا للہ وانا الیہ راجعون"

مولانا احمد یار صاحب اور خواجہ محمد عبداللہ صاحب اور ان کی ہمشیرہ محترمہ کی مرگ کا غم ابھی تازہ تھا کہ مصری صاحب کے فوت ہونے کی خبر آگئی۔ ثم انا للہ وانا الیہ راجعون"

بعد نماز جمعہ ہالینڈ کی جماعت نے مرحومین کا جنازہ غائبانہ پڑھا۔ ہمیں مرحومین کے پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ فوت شدگان کو اپنے قرب سے نوازے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ یہ صرف ان کا صدمہ نہیں بلکہ ساری جماعت کا صدمہ ہے۔

سانحۂ ارتحال

یہ خبر نہایت افسوس سے پڑھی جائے گی کہ محترم ماسٹر عبدالغنی صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول بدوملہی ایک لمبی علالت کے بعد مورخہ ۱۵ [illegible] صبح چار بجے بدوملہی میں رحلت فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نہایت مخلص احمدی تھے مجلس معتمدین کے ممبر بھی تھے۔ آپ نے اپنی یادگار دو بیٹے چھوڑے ہیں جو کہ دونوں مخلص احمدی ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ضرورت ہے

انجمن کے صدر دفتر میں معاون کارکنوں کی اسامیوں کے لئے احمدی نوجوانوں کی خدمات کی ضرورت ہے۔ تنخواہ مناسب دی جائے گی۔ اور اس کے علاوہ مروجہ الاؤنس بھی دیئے جائیں گے۔ ضرورت مند احباب جو کم از کم مڈل پاس ہوں اور سائیکل چلانا جانتے ہوں مقامی صدر یا سیکرٹری کی سفارش کے ساتھ درخواستیں جائینٹ سیکرٹری کے نام ارسال کریں۔

(مخدوم سدا خیر)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۱۶ جنوری ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۰ — جلد ۶۷ ، شمارہ نمبر ۳

باہتمام تاج دین ایرنٹرز آف کاری زڈ میں چھپا اور پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح۔ براندرتھ روڈ احمدیہ بلڈنگز [illegible] سے شائع کیا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا
الہام حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرزف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — تیس روپے
بیرونی ممالک سے — ۴ پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد: ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۴ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ: ۴

(ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

اسلام بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرو

یہ خیال مت کرو کہ ہم مسلمان ہیں اور بس، اسلام بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرو۔ اس کے اندر فلاسفی ہے جو زبان سے کہہ دینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اسلام اللہ تعالےٰ کے تمام تصرفات کے نیچے آجانے کا نام ہے۔ اور اس کا خلاصہ خدا کی سچی اور کامل اطاعت ہے مسلمان وہ ہے جو اپنا سارا وجود خدا تعالےٰ کے حضور رکھ دیتا ہے۔ بدوں کسی اُمید پاداش کے اسلم وجھہ للہ وھو محسن یعنے مسلمان وہ ہے جو اپنے تمام وجود کو اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے اور اعتقادی اور عملی طور پر اس کا مقصود اور غرض اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو اور تمام نیکیاں اور اعمال حسنہ جو اس سے صادر ہوں وہ مشقت اور مشکل کی راہ سے نہ ہوں بلکہ ان میں ایک لذت اور حلاوت کی کشش ہو جو ہر قسم کی تکلیف کو راحت سے تبدیل کرے۔ حقیقی مسلمان اللہ تعالےٰ سے پیار کرتا ہے۔ یہ سمجھ کر اور مان کر کہ وہ میرا محبوب اور مولا پیدا کرنے والا محسن ہے اس لئے اس کے آستانہ پر سر رکھ دیتا ہے۔

"خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا تاکہ میں حلم اور خلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اُس کی پاک ہدایتوں کی طرف کھینچوں اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے اس کی روشنی سے لوگوں کو راہ راست پر چلاؤں۔"

(حضرت مسیح موعودؑ)

سوزِ دروں

بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی ہمدم
جہانِ رنگ و بو میں انقلاب و انقلاب آئے

پرِ پروانہ ہوں اس شمعِ نورِ محمدؐ کا
گواہی جس کی دینے آفتاب و ماہتاب آئے

مرے سوزِ دروں سے گرمیٔ افکارِ عالم ہے
مری آہِ مسلسل کے ستاروں سے جواب آئے

مری تائید پر مامور ہیں فوجیں ملائک کی
مرے حق میں نشانِ فتح و نصرت بے حساب آئے

گذرگاہِ جہاں ہے اور میرِ کارواں میں ہوں
جسے خواہش ہو منزل کی وہ میرے ہم رکاب آئے

مسیحِ وقت نے مجھ کو حصارِ عافیت بخشا
اماں لینی ہو جس نے میرے دامن میں شتاب آئے

یہ میری زندگی پرتو ہے اس خلقِ مجسم کا
کہ جس کے حسنِ سیرت پر فرشتوں کو حجاب آئے

نہیں ہے روشنی باقی کلیسا کے چراغوں میں
تمنا نور کی ہے جس کو، سوئے آفتاب آئے

مجھے اقوامِ عالم کو سبق دینا ہے وحدت کا
یہ دولت ہے جسے لینا ہو بہرِ اکتساب آئے

میرے دامن میں پنہاں وسعتِ کونین ہے علوی
یہ کہنا رحمتِ ربِّ علا سے بے حساب آئے

(ابو الرشد)

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۸۰ء
جلد: ۶۷ —— رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ —— شمارہ نمبر: ۴

"کیا ظہورِ مہدی قریب ہے؟"

ہفت روزہ "اتحادِ ملت" کے نمبر اور اکتوبر ۱۹۷۹ء کے پانچ شماروں میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت پانچ اقساط میں جناب طغرل ترکمان کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں یاجوج ماجوج دجال، مہدی اور نزولِ عیسیٰ کے متعلق مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یاجوج ماجوج۔ دجال اور مہدی تو اس صدی میں ظاہر ہو چکے ہیں لیکن ابھی حضرت عیسیٰ کا نزول اور ظہور باقی ہے۔ اپنے مخصوص نظریات کے ثبوت میں صاحبِ مقالہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مشہور خطبہ پیش کیا ہے جس میں اس دور کی اہم علامات بیان کی گئی ہیں جن سے دجال اور مہدی کی شناخت ہو سکے گی اور وہ لکھتے ہیں کہ چونکہ چودھویں صدی ہجری کے ختم ہونے میں صرف ڈھائی ماہ باقی رہ گئے ہیں" (حالانکہ ابھی ۱۰ ماہ باقی ہیں) اس لئے یہی وہ زمانہ ہے جس میں مہدی کا ظہور ہونا چاہیئے۔ اور وہ ہو چکا ہے۔ ہمارے سامنے ۵/۹ کے شمارہ کے بعد کی اقساط نہیں ہیں لیکن جن پانچ اقساط کا مطالعہ کرنے کا ہمیں موقعہ ملا ہے ان سے ہم نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ روس کو یاجوج اور مشرقی یورپ کی اقوام کو ماجوج سمجھتے ہیں۔ اور ایک مشہور مذہبی اور سیاسی شخصیت کو مہدی اور چونکہ دجال کے قتل ہونے کا مقام حدیث میں "لد" بتایا گیا ہے۔ اور اس نام کا ہوائی اڈہ اسرائیل میں موجود ہے۔ اس لئے ان کے خیال میں دجال یہودی ہوگا۔ دجال کی ایک آنکھ پھوٹی ہوئی ہوگی اس کی پیشانی پر "ک۔ ف۔ ر" لکھا ہوگا۔ دجال یہودیوں کی مملکت کا سربراہ بن کر عالمِ اسلام کے لئے ایک بلا بن جائیگا وغیرہ (قسط: ۳)

اسی قسط میں ذرا آگے چل کر وہ اس دجال کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اچھا تو موشے دایان ہی (دجال) بھی کیونکہ ایک آنکھ سے کانا بھی ہے۔ اسرائیلی مملکت کا رکن رکین بھی ہے۔ اسرائیلی جارحیت کی روح رواں بھی ہے۔ عالمِ اسلام کا دشمن بھی ہے۔ عالمِ اسلام میں نفاق و انتشار کا بانی مبانی بھی ہے۔" وغیرہ۔

دجال اور مہدی تو اس چودھویں صدی میں ظاہر ہو چکے ہیں اور وہ اب عیسیٰ کے منتظر ہیں تاکہ وہ مہدی کے ساتھ مل کر دجال کو قتل کر کے اسرائیلی حکومت کا خاتمہ کریں اور عالمِ اسلام کو اس فتنۂ عظیم سے نجات دلائیں۔

ظہورِ مہدی اور نزولِ عیسیٰ پر اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے سے پہلے ہم وہ علامات بیان کرنا چاہتے ہیں جن کا حوالہ مقالہ نگار نے دیا ہے تاکہ قارئین خود یہ فیصلہ کر سکیں کہ آیا یہ تمام نشانیاں اب پوری ہوئی ہیں جب کہ چودھویں صدی ختم ہونے والی ہے۔ یا اس صدی کے ابتدائی سالوں میں ہی رونما ہو چکی تھیں اور عالمِ اسلام اس وقت بھی کسی مہدی اور مسیح کے انتظار میں تھا کہ آکر انہیں مشکلات سے نجات دلائے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت صعصعہؓ نے آپ سے سوال کیا کہ دجال کب نکلے گا؟ آپ نے فرمایا کہ:-

"دجال کے بارے میں کہ وہ کب ظاہر ہوگا کچھ علامتیں اور نشان اور اسباب ہیں۔ بعض بعض کو ظاہر کر دیں گے اور ایک ہی مدت میں یکے بعد دیگرے واقع ہوں گے ...... دجال اس وقت نکلے گا جب دیکھو کہ لوگوں نے نمازوں کو ترک کر دیا اور امانتوں کو ضائع کر دیا اور اللہ کے حکم میں ضعف آگیا ہو۔ اور ظلم فخر سے کیا جاتا ہو اور امیر لوگ فاسق فاجر ہوں۔ اور وزیر خیانت پیشہ ہوں۔ اراکین ظالم ہوں۔ اور قاری فاسق ہوں۔ ظلم اور تعدی برملا ہو۔ اور زنا کھلا ہوتا ہو۔ سود کا عام رواج ہو۔ اور قطع رحمی بہت ہو اور گانے والیاں بلائی جائیں۔ شراب دن دہاڑے پی جاتی ہو۔ اور پیمان توڑے جاتے ہوں۔ اور قسمیں ضائع کی جاتی ہوں اور لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی کرتے ہوں۔ مسجدیں سجائی جاتی ہوں اور لمبے چوڑے منبر کھڑے کئے جاتے ہوں اور قرآن کریم آراستہ کئے جاتے ہوں اور رشوت لی جاتی اور سود کھایا جاتا ہو۔ کمینے اور کم عقل عامل بنائے جاتے ہوں اور خون کرنے کو ہلکی بات سمجھا جاتا ہو اور دین کو دنیا سے بیچتے ہوں اور دنیا کی حرص میں آکر عورت اپنے خاوند کی تجارت میں شریک ہوتی ہو اور عورتیں منبروں پر چڑھ کر لیکچر دیتی ہوں اور مرد عورتوں کی شکل اختیار کریں اور عورتیں مردوں کی۔ اور سلام صرف جان پہچان پر ہوتا ہو اور گواہ بغیر طلب گواہی کے گواہی دے اور بغیر طلب قسم کے قسم کھائے اور انسان بظاہر بکری جیسا نرم لیکن باطن میں بھیڑیا ہو۔ ان کے دل کڑوے ہوں گے اور زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کی چھپی باتیں مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گی اور دین کے سوا اور باتوں میں تفقہ اور غور ہوگی۔ نیک باتیں بری اور بری باتیں نیک سمجھی جائیں گی۔"

حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ:-

"اے امیر المومنین دجال کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ:-

"صافی بن صائد"۔ جو شخص اس کی (دجال کی) تائید کرے گا وہ شقی ہے اور جو اس کی تکذیب کرے گا وہ سعید ہے۔ خبردار دجال کھانا کھائے گا اور شراب پیئے گا اور بازاروں میں چلا کریگا اور دجال کا طول بہ گز ہے جو ازل اوّل تھا۔ اس کے نیچے سفید گدھا ہوگا اور اس کے دونوں کانوں کے درمیان بہ گز کا فاصلہ ہوگا اور اس کے ایک کھر سے دوسرے کھر تک ایک رات دن کے سفر کے برابر ہوگا زمین اس کے ذریعے سے باسانی طے ہوگی۔ بادل اس کی دائیں طرف رہ جائے گا اور سورج کو اس کے غروب کے مقام سے پیچھے چھوڑ جائے گا۔ سمندر میں اپنے ٹخنوں تک غوطہ زن ہوگا۔ اس کے آگے دھوئیں کا پہاڑ اور اس کے پیچھے سبز پہاڑ ہوگا وہ آواز نکالے گا جو زمین کے دونوں کناروں تک کے لوگوں کو سنائی دے گی اور وہ آواز یہ ہوگی کہ اے یارو۔ اے دوستو میرے پاس آؤ۔ میں وہ ہوں جس نے پیدا کیا اور ٹھیک ٹھاک کیا اور جس نے اندازہ کر کے ہدایت کی راہ بتائی اور میں ہی تمہارا بڑا رب ہوں۔

یہ یاد رکھو کہ دجال کے بہت سے گروہ ہوں گے اور اس کے تابعدار یہودی اور ولد الزنا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو شام میں ایک ٹیلے پر جس کو افیق کہتے ہیں دن کے تین ساعت میں عیسیٰ ابن مریم کے ہاتھ سے قتل کرائے گا۔" (کنز العمال۔ جلد ۷، صفحہ ۲۶۶، ۲۶۷، بحوالہ عسل مصفیٰ حصہ دوم صفحہ ۲۷۳-۲۷۶)

اس خطبہ میں دو قسم کی علامات بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو مسلمان قوم کی مذہبی۔ اخلاقی اور سیاسی

زبوں حالی کا نقشہ کھینچتی ہیں اور دوسری وہ ہیں جو دجّال کی نشاندہی کرتی ہیں۔ حضرت علیؓ کے یہ الفاظ کہ "بعض کو بعض ظاہر کر دیں گے اور ایک ہی مدت میں یکے بعد دیگرے واقع ہوں گے۔" صاف بتاتے ہیں کہ پہلے مسلمان گراوٹ کا شکار ہوں گے اور ان کی اس حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دجّال اُن پر اپنے ہر طرح کے مادی وسائل سے تسلّط حاصل کر لے گا۔ کیونکہ قرآن کریم نے مسلمانوں کے غلبہ کے لئے ایک شرطیہ بیان فرمائی ہے کہ :۔

"وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔"

کہ تم اسی صورت میں اپنے اغیار پر غالب ہو سکتے ہو جب کہ تم مومن ہو۔"

یہاں جو حالات بیان کئے گئے ہیں، وہ مومنوں کے نہیں فاسقوں ظالموں اور فاجروں کے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایسا کوئی وعدہ نہیں کہ وہ بہرحال ہی ہوں حکومت اور اقتدار اُنہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمان حکمران ان کے امراء وزراء اور ان کی وجہ سے ساری قوم عیش و طرب میں مبتلا ہو گئی تو انیسویں صدی کے آخری ربع تک اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر مغربی اقوام کے ہاتھ میں چلا گیا اور افریقہ اور ایشیا کی مسلمان حکومتیں غیر ملکی نو آبادیوں میں تبدیل ہو گئیں

دراصل یہی وہ وقت تھا اس مہدی اور مسیح کے آنے کا جس کے انتظار میں مسلمان بیٹھے تھے کہ آ کر انہیں اس ذلت اور رسوائی سے نجات دے اور مخالفین اسلام کے جور و ستم اور جبر و استبداد سے انہیں بچائے۔ کیونکہ مسلمان کے ہاتھ سے نہ صرف دنیا بلکہ دین بھی جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور لاکھوں مسلمانوں نے اپنی غیر مسلم حکومتوں کے زیر اثر اپنا مذہب تبدیل بھی کر لیا تھا۔ خود ہندوستان میں مسلمانوں پر ۱۸۵۹ء تک جو گزری ہے اس کی یادیں ابھی تازہ ہیں ایسے مسیح اور مہدی کو آج سے ۔۔ سال پہلے آنا چاہیئے تھا جبکہ مسلمان غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اب تو ایشیا، افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں آزاد مسلمان حکومتیں قائم ہیں۔ مغربی استعمار شکست کھا کر واپس جا چکا ہے۔ اگر اب بھی یہ تمام حکومتیں متحد ہو کر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو ان میں سے کسی ایک مسلمان ملک پر اٹھا ہوا ہاتھ کاٹ کر پھینک دیا جا سکتا ہے۔ چودھویں صدی کے آخر میں کسی مہدی اور مسیح کے آنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ جس مسیح اور مہدی کی برکت سے مسلمانوں میں یہ قوت ایمانی پیدا ہونی ہے وہ آ کر چلا گیا ہے اور وہ دجّال جس نے مسلمانوں کو اپنے مادی وسائل سے اپنے انگوٹھے کے نیچے دبا کر رکھا ہوا تھا وہ بری طرح پسپا ہو چکا ہے۔

مقالہ نگار کا یہ نظریہ بھی کہ موشے دایان ہی دجال ہے حضرت علیؓ کے ان الفاظ کے مطابق کہ :۔

"دجال کے بہت سے گروہ ہوں گے۔"

غلط ثابت ہوتا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ کہ دجال ایک فرد واحد نہیں بلکہ جماعت یا گروہ ہو گا۔ اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں

"آخری زمانہ میں دجال نکلے گا۔ وہ لوگ دنیا کو ساتھ ملائیں گے اور لوگوں کو دین کے بارے میں بکریوں کی کھال میں دکھلائی دیں گے ان کی زبانیں شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہوں گی اور اُن کے دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کیا میرے ساتھ دھوکا کرتے ہیں یا میری ذات پر جرأت کرتے ہیں (یعنی میرے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں) مجھے ان پر اس قدر غصہ ہے کہ میں قسم کھاؤں گا کہ انہی میں سے میں ایک فتنہ برپا کروں گا جس سے ان کے دانا سے دانا بھی حیران رہ جائیں گے۔"

اس حدیث میں دجال کے لئے جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں جو ایک جماعت یا گروہ کے لئے ہی استعمال ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ مختلف مغربی اقوام مثلاً انگریز۔ فرانسیسی۔ جرمن۔ اطالوی۔ ولندیزی۔ روسی اور امریکی وغیرہ ہیں۔ جنہوں نے مختلف اسلامی ممالک کو اپنی نو آبادیاں بنایا اور جن کا مذہب عیسائیت تھا اسرائیلی ریاست کا قیام بھی امریکہ اور انگریز کی ملی بھگت سے عمل میں آیا ہے کہ دجال کے پیرو یہودی ہوں گے۔

حضرت علیؓ کے خطبے میں دجال کی جو نشانیاں بیان ہوئی ہیں وہ بھی موشے دایان پر صادق نہیں آتیں سوائے اس کے کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہے۔ نہ اس کی پیشانی پر ک۔ ف۔ ر لکھا ہوا ہے اور نہ ہی اس کا طول ۷۰ گز ہے۔ نہ اس کے نیچے کوئی سفید گدھا ہے اور نہ ہی اُس کے کانوں کے درمیان ۳۰ گز کا فاصلہ ہے۔ سمندر میں اپنے ٹخنوں تک غوطہ زن بھی نہیں ہے اور نہ اس کے آگے دھوئیں کا پہاڑ ہے نہ اُس کے پیچھے سبز پہاڑ

پیشانی پر ک۔ ف۔ ر۔ کی یہ مضحکہ خیز توجیہ کی گئی ہے کہ اسرائیل کے ہوائی جہازوں پر "کیفر" لکھا ہوتا ہے لیکن ہوائی جہاز موشے دایان کی پیشانی تو نہیں ہیں اور نہ ہی اس کو ان پڑھ پڑھ سکتے ہیں کیونکہ ک۔ ف۔ ر کے متعلق یہ لکھا ہوا ہے کہ اسے خواندہ اور ناخواندہ دونوں پڑھ سکیں گے۔

اگر موشے دایان ہی کو دجال مان لیا جائے تو اس ایک آدمی کو قتل کرنے کے لئے مہدی عیسیٰ اور ان کے لاؤ لشکر کی کیا ضرورت ہے۔ خاص کر جب دجّال حضرت عیسےٰ کے دَم سے ہی نمک کی طرح پگھل جائے گا۔ صدر کینیڈی کو دن دہاڑے گولی مار دی گئی۔ موشے دایان ان سے بڑے مقام رتبہ اور اثر و رسوخ کا مالک نہیں کہ اس کے لئے اتنی تیاریوں اور انتظار کی ضرورت ہو۔

اگر پیشانی پر ک ف ر اور ایک آنکھ سے کانا ہونے کی ظاہری نشانیوں کو ہی سامنے رکھ کر کسی کو دجال بنایا جائے تو پھر بھی بات نہیں بنتی کیونکہ بہت سے صحابہ اور خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن صیاد کے متعلق یہ گمان بلکہ یقین ہو گیا تھا کہ یہی دجال ہے لیکن نہ وہ کانا تھا اور نہ اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوا تھا۔ اگر یہ نشانیاں اس میں موجود ہوتیں تو حضرت عمرؓ اس کو ضرور قتل کر دیتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نہ روکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ چودھویں صدی گذر رہی ہے۔ اسی صدی میں واقع ہونے والے سارے فتنوں کا ذکر ہے اور اسی میں کسی مسیح اور مہدی کے آنے کا۔ جنہوں نے ان فتنوں کا استیصال کرنا تھا۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا تو انکار کر دیا گیا۔ اب ذہنوں میں ایک اضطراب اور خلجان ہے کہ وہ مہدی کہاں گیا اور مسیح کیوں نہیں آیا اس لئے کسی کو مہدی اور مجدد بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور دجال کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کسی کو اس کی ظاہری نشانیوں سے دجال بھی بنا کر پیش کرنا ہے۔ اس لئے مہدی کے لئے نگاہ انتخاب ایک مذہبی اور سیاسی راہنما پر پڑی ہے اور دجّال کے لئے موشے دایان پر لیکن بات بنے گی نہیں کیونکہ ابھی آسمان سے مسیح کے نزول کا بھی انتظار ہے اگر وہ نہ اترے تو دیکھیں مسیح کا مقام کون لیتا ہے۔

مہدی کا ذکر کرتے ہوئے طغرل ترکمان صاحب فرماتے ہیں :۔

"اس ضمن میں بعض اور مدعیان مہدویت مثلاً محمد علی باب ، بہاؤالدین اور مرزا غلام احمد قادیانی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے لیکن ان کے پیروکار دائرۂ اسلام میں شمار نہیں ہوتے کیونکہ ان تینوں نے اپنے آپ کو وحی الٰہی کا مستوجب قرار دے کر تقریباً نبوت کا دعویٰ کیا اور انہیں اسلام کی تعلیمات کی کھلی تکفیر کا مرتکب قرار دے کر دائرہ اسلام سے ہی خارج کر دیا گیا لہٰذا یہ ہمارے موضوع کے دائرے سے بھی باہر ہیں۔"

جہاں تک حضرت مرزا صاحب پر دعویٰ نبوت کا الزام ہے۔ ہم سوائے لعنت اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

مہدی کے متعلق احادیث میں اسقدر اختلاف ہے

دوسری علامات کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب سے قبل اور بعد میں مختلف ممالک میں کوئی ۵۵ آدمی مہدویت کا دعویٰ کر چکے ہیں، اور ابھی دو ماہ قبل جو لوگ حرم شریف پر قابض ہوئے ان کے ایک ساتھی نے بھی مہدی کا دعویٰ کیا اور قتل ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہدویت کے ان دعویداروں نے بعض ظاہری علامات کو اپنے اوپر چسپاں کر لیا اور حقیقت کو نہ پہچانا۔ مہدی کی شناخت کے لئے احادیث میں چند ایک ایسی نشانیاں بیان ہوئی ہیں جن کے ظاہر ہونے پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہم اس کے متعلق دو تین علامات بیان کریں گے جو آسمان پر ظاہر ہوئیں اور جن کے ظاہر کرنے میں کسی انسانی ہاتھ کا دخل نہ تھا۔

۱۔ امام محمد بن علی الباقر نے فرمایا کہ: "ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں اور جب سے آسمان و زمین پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا وقوع نہیں ہوا۔ ایک یہ کہ ماہ رمضان میں چاند اپنی مقررہ راتوں میں سے پہلی رات کو گہنا جائے گا اور سورج کو بھی اپنے مقررہ دنوں میں سے درمیان کے دن گہن لگے گا اور ایسا جب سے زمین و آسمان کی پیدائش ہوئی ہے نہیں ہوا۔ اب یہ خسوف و کسوف رمضان ۱۳۱۱ھ میں واقع ہوا۔ جبکہ مدعی مہدویت حضرت مرزا غلام احمد صاحب موجود تھے لیکن مقالہ نویس کے مزعومہ مہدی کا کوئی نام و نشان نہ تھا اور اس وقت وہ پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ حضرت مرزا صاحب کے مہدی ہونے پر آسمان نے گواہی دی اسے مشرق و مغرب نے دیکھا اور اخبارات میں شہ سرخیوں سے خبر شائع ہوئی۔ کیا جب سے وہ انسان پیدا ہوا ہے جسے آج مہدی بنایا جا رہا ہے۔ اس کی تائید میں آسمان نے کوئی ایسی گواہی دی ہے (سنن دارقطنی)

۲۔ ظہور مہدی کے وقت کا ایک نشان سورج میں ظاہر ہونے والا بھی حدیث میں مذکور ہے۔ وہ حدیث یہ ہے: بیہقی اور نعیم بن حماد نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب تک سورج سے ایک نشان ظاہر نہ ہو تب تک مہدی نہیں نکلے گا" (بحوالہ عسل مصفیٰ ص ۳۶)

یہ نشان بھی سنہ ۱۳۰۰ھ بمطابق سنہ ۱۸۸۳ء پورا ہو چکا ہے جبکہ حضرت مرزا صاحب موجود تھے۔ اور ان کے مقابل جس مہدی کو پیش کیا جا رہا ہے وہ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اخبارات میں اس کا ذکر یوں آیا ہے کہ طلوع و غروب کے وقت آفتاب سبز نظر آیا۔

۳۔ آسمان پر ہی ظاہر ہونے والا ایک اور نشان ستارہ ذوالسنین کا طلوع ہونا ہے۔ یہ حدیث بھی حضرت محمد بن علی الباقرؒ سے بیان کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"جب بنی عباس خراسان پہنچ جائیں گے تو ایک دمدار ستارہ مشرق کی طرف سے طلوع ہو گا اور یہی ستارہ پہلے بھی حضرت نوحؑ کی قوم کی ہلاکت کے وقت نکلا تھا اور نیز اس وقت جبکہ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور جبکہ قوم فرعون مع ہمراہیوں کے غرق ہوئی تھی، جبکہ حضرت یحییٰ بن ذکریاؑ قتل کئے گئے تھے۔ پس جب تم اس کو دیکھو تو فتنوں کے شر سے خدا تعالیٰ کے حضور پناہ مانگو۔"

(اقتراب الساعۃ ص ۱۰۶ بحوالہ عسل مصفیٰ ص ۲۱۰۶۲)

یہ ستارہ بھی سنہ ۱۲۹۹ھ مطابق سنہ ۱۸۸۲ء نکل چکا ہے۔ اور اس زمانہ کی اخبارات میں اس کا ذکر موجود ہے۔

۴۔ سنہ ۱۲۷۵ھ میں ایک دمدار ستارہ بھی نظر آیا جسے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مہدی کے ظہور کی نشانی بتایا ہے۔

یہ ایسے شواہد ہیں جن پر کوئی انسانی اختیار نہ تھا اور یہ اس وقت ظاہر ہوئے جبکہ صادق مہدی معہود موجود تھے۔ ان کے زمانے میں کسی نے انہیں اپنے لئے نشان قرار نہ دیا۔

یہ مفروضہ بھی بے بنیاد ہے کہ مسیح اور مہدی دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں اور دونوں کا کام ایک دوسرے سے مختلف یا ایک ہی ہے۔ کہ وہ دجال کو قتل کریں گے اور مہدی امامت کریں گے۔ حدیث سے اس بات کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ مسیح اور مہدی دونوں ایک ہی شخص ہے اس سلسلہ میں ایک ہی حدیث کا حوالہ پیش کرنا کافی ہو گا۔

"مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ عیسیٰ ابن مریم سے ملاقات کرے گا۔ جو امام مہدی بھی ہو گا اور حکم عدل بھی ہو گا۔ صلیب کو توڑے گا۔ اور خنزیر کو قتل کرے گا۔ اور جزیہ اٹھا دے گا۔ اور جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے گی۔"

اور یہی حدیث حضرت مسیح کے لئے بھی بیان ہوئی ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ وہ دجال کو قتل کریگا۔

ہماری نظر سے ایسی بھی کوئی حدیث نہیں گذری کہ مہدی اپنی ہی قوم کے خلاف تلوار اٹھا کر اپنے ہاتھ اس کے خون سے رنگے گا۔ احادیث کی خلاف واقعات تشریح کر کے کسی کو مہدی کسی کو مسیح اور کسی کو دجال پر چسپاں کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ذہن اس بارے میں پریشان ہیں۔ کہ چودھویں صدی خالی جا رہی ہے اس لئے وہ تمام احادیث جھوٹی ثابت ہو رہی ہیں جن میں ان شخصیتوں کے آنے کا ذکر ہے۔ اگر کسی اور کو پیش نہ کیا گیا تو پھر انصاف پسند لوگ حضرت مرزا صاحب کو ماننے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن مقالہ نویس اور ان کے ہمنواؤں کو یہ گوارا نہیں کہ باوجود ٹھوس ثبوتوں اور واقعات کے ان کو مسیح اور مہدی تسلیم کیا جائے اور مغربی اقوام کو یاجوج ماجوج اور دجال۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی یہ کوششیں بھی ناکام ثابت ہوں گی۔ حضرت مرزا صاحب ہی وہ انسان ہیں جنہیں زمانہ زود یا بدیر مسیح اور مہدی ماننے پر خود بخود مجبور ہو جائے گا۔ اور زمین و آسمان کی شہادتوں پر مہر تصدیق ثبت کر دے گا۔

آسماں بارد نشان الوقت میگوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

اگر نجات چاہتے ہو تو

دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جوا اپنی گردنوں پر اٹھاؤ کہ شریر ہلاک ہو گا اور سرکش جہنم میں گرایا جائے گا۔ پر جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے۔ وہ موت سے بچ جائیگا دنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالیٰ کی عبادت مت کرو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھا درپیش ہے۔ بلکہ تم اس لئے پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق تعالیٰ کا تم پر ہے۔ چاہیئے کہ پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جائے۔ اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوب حقیقی اور محسن حقیقی راضی ہو جائے۔ کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہے۔ وہ ٹھوکر کی جگہ ہے۔"

(مسیح موعود علیہ السلام)

محترم شیخ حفیظ الرحمن صاحب ایم اے - تقریر برموقع جلسہ سالانہ

قسط نمبر :- (۲)

اسلام کا فلاحی معاشرہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اس نورِ ہدایت سے جس قدر انحراف کیا جائے گا ماسوائے ناکامی کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ انسانی تاریخ کے بے شمار صفحات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ جن جن قوموں نے ہدایاتِ ربّانی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا وہ زوال پذیر ہو کر صفحۂ ہستی سے حرفِ باطل کی مانند مٹ گئیں۔ عاد و ثمود کی تباہی۔ قومِ لُوط کی بربادی۔ قومِ نوحؑ اور اہلِ مصر کی تباہی کے اسباب یہی تو تھے کہ ان سب نے احکاماتِ الٰہی کو ماننے سے انکار کر دیا تھا جو اُن کی فلاح و بہبود کے لئے حق نے نازل فرمائے تھے۔

اللہ تعالےٰ کے اصول غیر متبدل ہیں۔ اگر آج دُنیا والوں نے اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی، کہ جس کے ساتھ وہ بُری طرح منسلک ہو چکے ہیں ترک نہ کیا اور مجددِ زمانؑ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق قرآن، حدیث، سُنت رسول اللہ اور دینِ اسلام کی حقیقتوں کو سمجھ کر ان کی پیروی نہ کی تو یقین جانیے گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہٹ دھرم انسانوں کو عذابِ الٰہی سے دنیا کی کوئی طاقت محفوظ نہ رہ سکے گی۔ آج تک جس قدر معقول اور فلاحی ادارے دنیا میں معرضِ وجود میں آئے رہے تھے جنہیں اللہ تعالےٰ کی فرستادہ ہدایات اور مُرسلین کی راہبری و راہنمائی کے زیرِ اثر قائم کیا گیا، اور انہیں تقویت دی گئی۔ یہی معاشرے مثالی کہلائے اور انسانوں کی نجات اور دُنیا میں امن و آشتی کا باعث بنے اور جب تک لوگوں نے اللہ کے احکامات کی تعمیل کو اپنا شعار بنائے رکھا اور اپنے آپ کو الہامی علوم کی حقیقتوں کے ساتھ وابستہ و پیوستہ رکھا ان کی زندگی شادابی و شادمانی کا گہوارہ بنی رہی اور جونہی انہوں نے اپنے آپ کو اس شجر کے سائے سے الگ کیا ذلت و رسوائی، بے چینی اور بربادی اُن کا مقدر بن گئی۔

خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی بعثت سے قبل جس قدر انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے انہوں نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں چھوٹے چھوٹے فلاحی معاشرے قائم کئے جن کی حدود خاص خاص قبائل تک ہی محدود و مخصوص تھیں یہ اُس زمانے کے تقاضوں اور انسانی ضروریات کے عین مطابق تھا۔ اب تمام دُنیا ایک مکمل اور عالمگیر برادری کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اور بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام

"ارادۂ الٰہیہ بھی یہی ہے کہ دُنیا کو ایک خاندان بنا دیا جائے۔"

اور اس مقصد کے لئے لازمی تھا کہ دنیا کے سامنے ایک عالمگیر اور مکمل ضابطۂ حیات پیش کیا جائے۔ یہ ضابطۂ حیات حضور رسالت مآب خاتم النبیین صلعم کے ذریعے قرآن کریم کی صورت میں نازل ہوا۔

اب دُنیا والے ایک خاندان اور عالمگیر بھائی چارے میں اپنے آپ کو صرف اسی صورت میں استوار رکھ سکتے ہیں جبکہ وہ اپنی زندگی قرآنی اصولوں کے مطابق ڈھال لیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی اصولوں اور قرآنی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کو حضرت اقدسؑ کے احکامات کے مطابق دنیا کے کناروں تک پہنچایا جائے۔ تاکہ دنیا بھر کے انسان اسلام میں جذب ہو کر تمام قسم کی نسلی، قبائلی اور علاقائی عصبیتوں کو ترک کر دیں۔ مجھے بڑے دُکھ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان تبلیغ دین کے صحیح اصولوں کو نظر انداز کر چکے ہیں۔

قرآن حکیم اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور موعظتِ حسنہ سے بلانے کا حکم دیتا ہے۔ اور ہدایت کرتا ہے کہ مخالفین سے بحث بھی کرو تو ایسے طریقے سے کہ جو حسن و خوبی کا طریقہ ہو۔ کیونکہ یہ تو پروردگار ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا اور کون راہِ راست پر ہے۔

دنیا میں اسلام کی زندہ تعلیم اور اس کے امن و سلامتی کے مظہر اصولوں کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ہمیں اب حضرت مجددِ زماں کے بتائے ہوئے طریقے پر سختی سے کاربند رہنا ہوگا۔ یعنی دُنیا کو قرآنی علوم اور اسلامی حقائق سے آشنا کرنے کے لئے تحریر و تقریر، بحث مباحثے کے ذریعے جہاد کرنے کو لازمی قرار دیتی ہے۔ پکار پکار کر صدا دے رہی ہے کہ اب دُنیا میں صرف یہی ایک دین رہ گیا ہے جو انسانوں کو گناہ کی آلودگیوں سے پاک کر سکتا ہے۔ اور صرف ایک ہی عظیم الشان پیغمبر حضرت محمد صلعم ہیں۔ جن کی پیروی سے نجات مل سکتی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:-

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
آؤ لوگو یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

اسلام کی عظمت کے بارے میں ایک اور جگہ بیان فرماتے ہیں:-

"ایک سمجھ دار انسان پر واجب ہے کہ پرکھ کر دیکھ لے کہ کس مذہب میں روحانیت موجود ہے۔ اور کس کے ساتھ تائیدی نشانات ہیں اور کون ان میں سے گناہ کے کیڑے کو ہلاک کرنے کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی سچی معرفت کہ جس کی گرمی کی وجہ سے گناہ کے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسلام اور صرف اسلام ہی میں ملتی ہے۔"

(ملفوظاتِ احمدیہ حصہ سوم)

ہمارا اس عقیدے پر پختہ یقین ہے کہ خداوند کریم کی ذات بڑی رحیم و کریم ہے وہ اپنے بندوں کو کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی مایوس نہیں کرتا۔ جب دُنیا میں بُرائی بڑھ جاتی ہے۔ ظلم و جور کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ دنیا فسادوں اور فتنوں سے بھر جاتی ہے۔ دین میں بگاڑ پیدا ہونے لگتا ہے۔ اخلاقی قدریں پامال ہونے لگتی ہیں۔ لوگوں کے لئے زندگی گزارنا اجیرن ہو جاتا ہے۔

انسانی معاشرہ فلاح کے راستہ سے ہٹ جاتا ہے اور لوگ خدا کی بھیجی ہوئی تعلیم سے انحراف کرنے لگ جاتے ہیں تو خدا انسانوں کی اصلاح اور دین کی حفاظت کے لئے دنیا میں اپنا ایک مامور بھیج دیتا ہے۔

حضرت رسالت مآب خاتم الانبیاءؐ کے بعد ہر زمانے میں ایسے مامور آتے رہے جنہوں نے ان منفی اثرات سے انسانی معاشرے کو پاک صاف کیا جو ہر آن بدلتے زمانے کے اثرات کے تحت لوگوں میں رواج پا جاتے ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام کی تعلیمات آج تک مردہ نہیں ہونے پائیں اور قرآن کا کوئی عقیدہ مسخ نہیں ہوا یہ دور تقریباً ایک سو سال پر محیط ہوتا ہے۔ ایک صدی کے بعد دوسری صدی ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہر صدی کے آغاز پر ایک مامور دنیا میں آکر دین کے اصولوں کو استحکام بخشتا ہے۔ لوگوں میں صحیح عقائد اور نظریات کی اشاعت کرتا ہے اور انہیں روحانی و اخلاقی ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور بھی موجودہ زمانے میں دین اسلام کی تجدید کی خاطر ہوا۔ آپؑ نے تمام عمر غلبۂ اسلام اور قرآنی علوم کی توضیح و تشریح میں صرف کر دی۔ آپ کی شدید مخالفت کی گئی آپ پر تکفیر کے فتوے لگائے گئے لیکن آپ شدید مشکلات و خطرات کے باوجود لوگوں کو زندہ اسلام کی طرف مسلسل بلاتے رہے۔ انہیں نیکیوں کی تلقین فرماتے رہے۔ انہیں بری باتوں سے روکتے رہے۔ انہیں ان غلط عقائد و نظریات سے آگاہ کرتے رہے جنہیں انہوں نے اپنے ایمان کا جزو لاینفک بنا رکھا تھا حالانکہ یہ عقائد و نظریات سراسر غیر قرآنی اور غیر اسلامی تھے۔ اور دنیائے اسلام کو وہ لازوال علم الکلام عطا فرمایا کہ جو اسلام کی سچی تصویر کا مظہر ہے اور جس کے ذریعے اسلام کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے میں ہم ہمیشہ کامیاب و کامران رہیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے اس حقیقت کو ابھی تک محسوس نہیں کیا اور وہ بدزبانی کی مخالفت اور توہین میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ان کی مخالفت سے خود دین اسلام کے بنیادی اصولوں پر ضرب کاری لگتی ہے اپنے مخالفین سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ:-

"اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعائیں کریں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعائیں نہ سنے گا اور نہیں رکے گا جب تک وہ اپنے کام کو پورا نہ کر لے۔"

(تحفہ گولڑویہ)

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔"

آپ اپنے بارے میں ایک جگہ ذکر فرماتے ہیں۔

"دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ جو شخص مجھے کاٹنا چاہتا ہے۔ اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اسکریوطی اور ابوجہل کے نصیب سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے۔"

دنیا کی فلاح اس عظیم ہستی کی راہنمائی کو قبول کر لینے میں ہے یہ ہمارا عقیدہ ہے اور اس کے انکار میں اس فلاح و عافیت سے محرومی ہے کیونکہ قرآن حکیم کے الفاظ میں جب کوئی اللہ کا فرستادہ دنیا میں لوگوں کی ہدایت کے لئے آتا ہے اور وہ لوگوں تک ہدایات ربانی پہنچاتا اور انہیں دعوت حق دیتا ہے تو جو لوگ اس کو اور اس کے پیغام کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی آواز پر کان دھرتے ہیں۔ اس کی بتائی ہوئی حقیقتوں پر غور کرتے ہیں اور ان سے حاصل ہونے والے نور کو دل میں اتارتے ہیں اور جو وہ کہتا ہے اس کی صداقت پر تہ دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور اس نور کی صدق دل سے پیروی کرتے ہیں جسے وہ ان پر ظاہر کرتا ہے اور اپنے عملوں کو اس کی ہدایات کے مطابق سنوارتے ہیں۔ نیز دین کی اشاعت میں اس کی مدد کرتے ہیں تو قرآن کریم کی رو سے بلاشبہ وہی لوگ کامیاب اور فلاح یافتہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اپنی اس پاک کتاب میں اللہ تعالےٰ نے لوگوں کی فلاح کا یہی معیار بیان فرمایا ہے۔ مگر آج دنیا والے اس معیار سے ہٹ کر فلاح اور نجات کو تلاش کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس طرح سوائے ناکامی کے انہیں اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کامیابی حاصل کرنے کے لئے دنیا کو چاہیئے کہ وہ اس ہستی کی جانب متوجہ ہوں جو ببانگ دہل یہ اعلان کر رہی ہے۔

"میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کے وقت اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کر کے اعلائے کلمۂ اسلام اور اشاعت نور حضرت خیر الانام صلعم اور تائید مسلمانوں کے لئے نیز اندرونی حالات کو صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔ تعجب تو اس بات پر ہوتا کہ وہ خدا جو حامیٔ دینِ اسلام ہے۔ اور جس نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ تعلیم قرآنی کا نگہبان رہوں گا اسے سرد۔ بے رونق و بے نور نہیں ہونے دوں گا وہ اس تاریکی کو دیکھ کر ان اندرونی اور بیرونی فسادوں پر نظر ڈال کر چپ رہتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر تم ایماندار ہو تو شکر کے سجدات بجا لاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آبا گذر گئے اور بے شمار روحیں اس شوق میں سفر کر گئیں وہ وقت تم نے پا لیا اب اس کی قدر کرنا۔ اس سے فائدہ اٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

اور ایک اور جگہ فرمایا کہ:-

"نجات اور پاکیزگی حاصل کرنے کی حقیقی راہ وہی ہے جو میں نے آپ کے سامنے بیان کی اس لئے ساری دنیا پر لازم ہے کہ اسی کو تلاش کرے۔"

کس قدر واضح ارشاد ہے حضرت مسیح موعود کا۔ اب اگر دنیا کو فلاح حاصل کرنی ہے تو اس ارشاد کے مطابق عمل کرنا ہوگا لیکن دنیا نے اس ہستی کو اگر تسلیم نہ کیا تو ہمارا اس پر یقین کامل ہے کہ خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔ کیونکہ یہی وہ واحد ہستی ہے جس نے آج زندہ اسلام کی زندہ حقیقتوں کو لوگوں پر آشکارا کیا ہے اور جس طرح یہ بات درست تسلیم کی جاتی ہے کہ:-

"DEMOCRACY AND FREEDOM CANNOT EXIST IN A CORRUPT SOCITY

یعنی جمہوریت اور آزادی بدچلن اور بدکردار معاشرے میں برقرار نہیں رہ سکتے بالکل اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ اسلامی فلاحی معاشرہ بدچلن۔ اوباش اور ناپسندیدہ اخلاق و کردار کے حامل اور فکری تضادات رکھنے والے جاہل لوگوں میں اللہ کے مامور کی مدد کے بغیر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ قوموں کی معاشرتی زندگی میں وہ مقام انتہائی خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوتا ہے جب لوگ نیکی بدی برائی بھلائی میں تمیز کرنے کی صلاحیتیں کھو بیٹھتے ہیں۔ اور معاشرے میں ایسے لوگوں کو عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جانے لگتا ہے۔ جو پسندیدہ اخلاق کے حامل نہیں ہوتے بلکہ اوباش بدکردار اور تخریب کار ہوتے ہیں بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ آج ایسی خطرناک اور تباہ کن

(باقی صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

چوہدری بشیر احمد ظہر صاحب بیداذ پور

اُمّتِ محمّدیہ اور حالاتِ حاضرہ

اخبار نوائے وقت مورخہ ۱۹ر جولائی ۱۹۷۹ء کے صفحہ اوّل پر پانچ سُرخیاں قائم کی گئی ہیں اور وہ قابلِ غور ہیں۔ جو کچھ ان کے ماتحت لکھا گیا ہے اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں

(۱) "اسلام عقیدہ کی رُو سے موجود ہے، لیکن اپنے تمدن سے محروم کر دیا گیا ہے"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امّت پر ایک ایسا پُرخطر زمانہ بھی آنے والا ہے جس کے اندر یہ فرقہ فرقہ ہو جائے گی۔ اس کا ایمان قلوب سے نکل کر ثریا پر پہنچ جائے گا۔ نیز فرمایا کہ اس خطرناک زمانہ میں اسلام محض اسم اور رسم کے طور پر باقی رہ جائے گا اور اسوقت اس کا تمدن ختم ہو چکا ہوگا۔ نامہ نگار صاحب کی اس سُرخی نے تصدیق کر دی ہے کہ حضور نبی کریم صلعم کے یہ ارشادات آج حضورؐ کی امت میں پورے ہو چکے ہیں اور یہ ارشادات اسی زمانہ کے متعلق تھے۔

(۲) "خلافت کا بوجھ کیا معاشرہ اُٹھا سکتا ہے؟"

معلوم نہیں نامہ نگار صاحب کے نزدیک لفظ خلافت سے کونسی خلافت مراد ہے۔ آیا وہ خلافت مراد ہے کہ اسلام کو کیا حقہٗ منظم کرنے کے لئے جس کا دائمی اور حتمی وعدہ سورۃ نور میں دیا گیا ہے۔ اور جسے شریعت کی دُوسری کتاب حدیث میں مجددیّت کے پُرحکمت نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یا وہ کسی اور قسم کی خلافت ہے۔

یاد رہے کہ ہدایت کے اس عظیم الشان مقام پر جسے شریعت میں خلافت یا مجددیّت کے دو نام دیئے گئے ہیں فائز ہونے والے وجودوں کے متعلق علما دامتی کا انبیاء بنی اسرائیل کا فرمان بھی جاری کیا گیا ہے تا ان لوگوں کے متعلق کسی وقت بھی غلو پیدا نہ کیا جا سکے اور انہیں اسلام کے اندر محض عالم ہونے کی حیثیت دی جائے۔ اس پُرحکمت فرمان سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام صرف اور صرف اُن بزرگ وجودوں کو عالم ہونے کا معزز خطاب عطا کرتا ہے جنہیں قدرت ضرورت حقہ کے ماتحت ہر زمانہ میں یعنی ہر صدی کے سر پر صحیح علم دین دے کر اور انبیاء بنی اسرائیل کا مثیل بنا کر کھڑا کرتی ہے۔ اسلام ایسے لوگوں کو ہرگز ہرگز عالم ہونے کا خطاب نہیں دیتا جو محض صرف و نحو رٹ کر عالم بننا چاہتے ہیں۔

دوسرا قابل غور امر یہ ہے کہ جب اسلام کی دائمی حفاظت کے انتظامات شروع ہی سے مکمل کر دیئے گئے تھے یعنی ہر صدی کے سر پر ایک عظیم الشان عالم یا مجدد کے کھڑا کئے جانے کا وعدہ کیا گیا تھا اور درحقیقت یہی وہ مبارک وجود تھے جن کو حضور سرورِ عالمؐ نے اپنی عترت قرار دیا اور پھر ان کے ساتھ قرآن کریم کو شامل کر کے ثقلین کا نام دیتے ہوئے ان کے قیامت تک باقی رہنے کا اعلان فرمایا تھا اور ساتھ ہی قوم کو نصیحت فرمائی تھی کہ اگر تم ان دونوں پُرحکمت ثقلین امور کو مضبوطی سے ہمیشہ تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے وغیرہ وغیرہ

اب بتلایئے کہ اس کامل انتظام کی موجودگی میں قوم کو خودساختہ پیروں، فقیروں، سیّدوں، علماء ظاہر، سیاستدانوں اور پھر سب سے پیچھے اشتراکیت پسند لوگوں کے پیچھے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ لوگ اسلام کے اندر کیوں پیدا ہو گئے ان لوگوں کی پیدائش کی صرف یہ وجہ ہوئی ہے کہ قوم نے اسلام کے پیش کردہ نظام سے لاپرواہی کی اور پھر ان لوگوں کے بھینٹ چڑھ کر فرقہ فرقہ ہو گئی۔ حضور نبی کریم صلعم اور حضورؐ کے صحابہ کے بعد اسلام کے قائم کردہ علماء یا مجددین کا نمونہ قوم کی راہنمائی کے لئے کافی تھا لیکن قوم کے اندر ان بزرگ وجودوں کے برخلاف کھڑے ہونے والے لوگوں نے قانونِ شریعت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور قوم قعرِ مذلت میں گر گئی اور پھر طرح طرح کے شرکوں اور بدعات میں پھنس گئی۔ سب سے بڑی اور خطرناک بدعت فتوائے کفر ہے جس کا ثبوت حضور نبی صلعم اور حضور صلعم کے صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں میں قطعاً موجود نہیں ہے۔ قوم کو تباہ کرنے والی اس خطرناک بدعت کے موجد صرف اور صرف علماء ظاہر ہوئے ہیں۔ غور فرمایئے قوم کو کن لوگوں کے پیچھے چلنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس نے کن لوگوں کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ اب بتلایئے کہ قوم کا تمدن کیوں نہ ختم ہو جاتا۔

صحابہ کرام کے بعد بے شک بعض علماء ظاہر ایسے بھی گذرے ہیں جو اپنی ذات میں واقعی قابل صد تحسین و آفرین تھے لیکن ان پر بھی بڑے بڑے ظلم کئے گئے جن کو سن کر یا تاریخ کی کتابوں میں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ علماء ظاہر کا بس یہی کام ہوتا تھا کہ یہ لوگ فتوے دے دیتے تھے اور صلحاءِ امت کی زندگیاں اُن پر تلخ ہو جاتی تھیں۔

القصہ نامہ نگار صاحب نے اپنے ان ارشادات میں اسلام کی موعود خلافت یا مجددیت کا قطعاً ذکر نہیں فرمایا اور وہ ایسا ذکر کرتے بھی کیسے جبکہ خود اس قوم کو بھی کہ جس کے اندر نامہ نگار صاحب نے پرورش پائی ہے۔ اسلام کی موعود خلافت یا مجددیت کا علم نہیں ہے۔ تو یہ صاحب خلافت یا مجددیت کا صحیح علم کہاں سے حاصل کر لیتے۔ بس یہی بات ہے کہ نامہ نگار صاحب نے اپنی طرف سے کسی ایسی نرالی خلافت کا ذکر فرمایا ہے۔ جس کے متعلق شریعت اسلامیہ بالکل خاموش ہے۔ اور وہ نامہ نگار صاحب کی کوئی خودساختہ خلافت ہے۔

شاید اس نرالی خلافت کا ذکر کر کے نامہ نگار صاحب قوم کے اندر اپنے لئے کوئی خاص مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ قوم کے اندر آج اس قسم کے لیڈروں کی کچھ بھی کمی نہیں ہے۔ یہ لوگ سیاست کے زور سے قوم کے لیڈر بننا چاہتے ہیں اور اسلام کے اندر کسی نئی خودساختہ خلافت کی طرح ڈالنا چاہتے ہیں اور اسلام کی صحیح موعود خلافت کو اپنی سیاست کی تہوں میں چھپا دینا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں سے چند قدم آگے دیکھیئے۔ آپ کو تیار اشتراکیت پسند لوگ موقعہ کے منتظر بیٹھے نظر آ جائیں گے۔ ان کو صرف موقعہ ملنا چاہیئے بس پھر اسلام گیا۔

سُرخی مذکور سے یہ بھی ظاہر ہے کہ نامہ نگار صاحب کے نزدیک خلافت کا کچھ بوجھ بھی ہوتا ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح انبیاءؑ کے دعوے کرنے کے بعد ان پر قوم کی مخالفت کا بوجھ ہوتا ہے اسی طرح اسلام کے اندر خلافت یا مجددیت کا دعوے کرنے والوں پر بھی قوم کی مخالفت کا بوجھ ہوتا ہے۔ اس بوجھ کو انبیاءؑ یا مجددین بخوشی برداشت کرتے ہیں اور قوم کے لئے کامل نمونہ بن جاتے ہیں۔ صراط مستقیم کا پیش کرنا جس سے دنیا ہدایت پاتی ہے صرف اور صرف کامل نمونہ پر منحصر ہوتا ہے۔ اور یہ کامل نمونہ

صرف انبیاء پیش کرتے ہیں۔ یا ان کے صحابہ پیش کرتے ہیں جو انکے تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور قوموں کے لئے مثل ستاروں کے ہوتے ہیں یا پھر سب سے اخیر پر اسلام کے اندر یہ کام مجددین کا ہوتا ہے۔ دوسرے تمام لوگ جن کو قدرت کی پشت پناہی یا تائید حاصل نہیں ہوتی یہ کام نہیں کر سکتے۔ وہ خود بھی غلطی کرتے ہیں اور قوموں کو بھی غلط راستہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم کی دُعا کے بار بار دہرانے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اگرچہ صراط مستقیم پیش تو کر دیا گیا ہے لیکن بغیر صحیح نمونہ دیکھے کسی انسان کے لئے اس پر از خود چلنا ممکن نہیں ہے اور یہ نمونہ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے صرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ کرام یا پھر اسلام کے مجددین پیش کر سکتے ہیں عوام الناس میں ہادی بننے کی طاقت موجود ہی نہیں ہوتی۔ بالآخر خلافت یا مجددیت کا بوجھ قوم پر ہونا ایک عجیب امر ہے جسے صرف نامہ نگار صاحب ہی خوب جانتے ہیں۔

نامہ نگار صاحب کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام کے اندر ہمیشہ تین چیزوں کا فقدان رہا ہے۔

اوّل: شریعت کی طرف سے قوم کے ساتھ جس خلافت کا وعدہ کیا گیا تھا وہ وعدہ آجتک پورا نہیں ہو سکا۔ یہی وجہ ہوئی ہے جو قوم کے سامنے نامہ نگار صاحب کو اپنی طرف سے ایک نئی [illegible] نئی خلافت کا ذکر کرنا پڑا۔

دوئم: [illegible] قوم کے اندر اس خلافت کا کبھی ظہور نہیں ہوا [illegible] سو سال گذرنے کے بعد آج نامہ نگار صاحب کے ذہن میں آئی ہے۔

سوئم: بقول نامہ نگار صاحب چونکہ گذشتہ چودہ سو سال میں کبھی بھی خلافت قائم نہیں ہوئی۔ لہٰذا قوم معلوم ہی نہیں کر سکی کہ خلافت کا بوجھ قوم پر کس قدر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں نامہ نگار صاحب کے ذہن میں جو آج نئی خلافت کا ڈھانچہ تیار ہوا ہے۔ قوم اس کے بوجھ سے بھی آگاہ نہیں ہو سکی۔

(۳)

"ہمارا معاشرہ انسانیت کی ابتدائی شرائط کو پورا کر رہا ہے یا نہیں"

انسانیت کی ابتدائی شرائط کو سب سے پہلے حضرت آدم صفی اللہ نے پیش فرمایا۔ پھر آہستہ آہستہ جملہ انبیاء عالم حسب ضرورت زمانہ انسانیت کی دیگر ضروری شرائط پیش [illegible] رہے حتیٰ کہ اسلام نے تمام ضروری شرائط کو یکجا کر کے تمام دنیا کے لئے آخری کامل شریعت پیش کر دی ہے اس کامل شریعت کے نزول پر آج چودہ سو سال گذر چکے ہیں لیکن ہمارے نامہ نگار صاحب ابھی تک اس بحث میں غلطاں ہیں کہ آیا ان کا معاشرہ انسانیت کی ابتدائی شرائط کو پورا کر رہا ہے یا نہیں؟

(۴)

"اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو حرّیت کی فضاء کی"

دُنیا کے اندر اسوقت مسلمانوں کی بے شمار حکومتیں موجود ہیں اور وہ سب کی سب آزاد اور خود مختار ہیں۔ نامہ نگار صاحب سے پوچھئے کہ وہ اسلام کے لئے کس قسم کے اقتدار کے خواہاں ہیں اور وہ کون سی حریت ہے جس کی فضا ابھی تک مسلمانوں کو حاصل نہیں ہوئی۔

(۵)

"معاشرہ کی اصلاح کے لئے اشتراکِ عمل کی ضرورت ہے"

نامہ نگار صاحب کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ مذہب کے اعتبار سے اشتراکِ عمل کی طاقت قوموں کے اندر موجود ہی نہیں ہوتی۔ اگر یہ طاقت قوموں کے اندر موجود ہوتی تو پھر لازماً ہر مذہب دنیا کے اندر زندہ رہتا اور اس کی ظاہری شکل و صورت کبھی مسخ نہ ہوتی۔ قدرت کی طرف سے یہ انقلاب آفریں طاقت صرف اور صرف مصلحینِ ربّانی کو عطا ہوتی ہے۔ سابقہ زمانوں میں یہ طاقت انبیاء کو حاصل ہوتی تھی یا پھر اب اسلام کے اندر یہ مبارک طاقت موعود خلفاء یا مجددین کو حاصل ہوتی ہے جو ہمیشہ انبیاء کے نمونہ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیادار دوں کے اندر یہ طاقت موجود ہی نہیں ہوتی۔ حقانی تائید حاصل نہ ہونے کی وجہ سے غیر مامور دنیادار لوگ اپنے خیالات کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور قوموں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔ بالآخر یہ ہیں وہ سرخیاں جو اخبار مذکور میں قائم کی گئیں۔ جو کچھ ان سرخیوں کے ماتحت لکھا گیا ہے اُس پر بحث کی ضرورت نہیں۔

جملہ مذاہب عالم اور علماء ظاہر

سابقہ زمانوں میں بھی غالباً جملہ مذاہب بیرونی دُنیا سے اسی طرح متاثر ہوتے رہے ہوں گے جسطرح اسلام جیسا کامل مذہب بیرونی دُنیا سے متاثر ہوا ہے۔ ہر مذہب ہمیشہ اپنے علماء ظاہر کے ہاتھوں ہی بیرونی دنیا سے متاثر ہوتا رہا ہے اور یہ علماء ظاہر کا گروہ ہی ایک ایسا گروہ ہے جو سب سے پہلے بیرونی دُنیا کا اثر قبول کرتا ہے۔ عوام الناس جب ان لوگوں کی پیروی کرتے ہیں تو ان کے اخذ کردہ اثر سے متاثر ہو جاتے ہیں اور وہ بیرونی دُنیا سے براہ راست خود اثر قبول نہیں کرتے۔

صحیح بات یوں ہے کہ عوام الناس اپنی کم علمی کی وجہ سے جس مقام پر ایک دفعہ کھڑے ہو جاتے ہیں پختگی کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور پھر انہیں اس مقام سے کوئی طاقت ہلا نہیں سکتی۔ گویا ان کی لاعلمی ان کی حفاظت کر رہی ہوتی ہے لیکن علماء ظاہر اپنے علم سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور فوراً دوسری دُنیا کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔

اسلام کے اندر جب بیرونی دُنیا سے لوگ منافقانہ رنگ میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے خیالاتِ فاسدہ کی معتقداتِ اسلامیہ میں اپنی ہوشیاری کے ساتھ کچھ اس طرح آمیزش کر دی کہ اسلام کے علماء ظاہر اس ملمع سازی سے بالکل بے خبر رہے اور انہوں نے اس ملمع سازی کو حقائقِ دینیہ سمجھتے ہوئے عوام الناس میں منتقل کر دیا۔ مثلاً حسب ذیل سراسر غلط اعتقاد پر غور فرمایئے:-

"جب حضرت عیسٰے علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے او تلوار اٹھائیں گے اور اُسے شرقاً غرباً چلاتے جائیں گے۔ کچھ لوگ ڈر کر ایمان لے آئیں گے اور دوسرے تمام لوگ تہ تیغ کر دیئے جائیں گے۔ تب دنیا کے اندر صرف اسلام ہی اسلام باقی رہ جائے گا۔"

یہ غلط عقیدہ عوام کا وضع کردہ نہیں ہے بلکہ علماء ظاہر کا اخذ کردہ ہے۔ علماء ظاہر نے اس غلط خیال کو عقیدہ بناتے وقت حسب ذیل قرآنی حکم کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کی:-

"واغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ"

کہ ہم نے یہود اور نصاریٰ دونوں قوموں میں قیامت کے دن تک باہم پھوٹ ڈال دی ہے۔ گویا یہ دونوں قومیں قیامت تک اس دنیا میں موجود رہیں گی۔ اب بتلایئے کہ جب دونوں قومیں قیامت کے دن تک دنیا میں موجود رہیں تو کیا حضرت عیسٰی علیہ السلام صرف دوسری قوموں کو تہ تیغ کرنے کیلئے آسمان سے اتریں گے کیسا غلط خیال ہے۔ جسے علماء ظاہر نے بیرونی دُنیا سے اخذ کر کے اسلام کے عوام الناس میں پھیلا دیا ہے۔ القصہ علماء ظاہر کا بیرونی دُنیا سے اخذ کردہ خیال کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے نزول پر بیرونی دُنیا میں تیغ زنی ہو گی سراسر غلط۔ سراسر غلط۔ سراسر غلط ہو گیا۔

تاریخ مذاہب عالم پر ایک نظر

یاد رہے کہ فرقوں کی کثرت کا ظہور صرف ایک اسلام کے اندر ہی نہیں ہوا۔ بلکہ جملہ مذاہب عالم کا بھی یہی حشر ہوتا رہا ہے۔ اُن کے اندر بھی اسی کثرت کیساتھ فرقے موجود ہوتے رہے ہیں۔ ہر مذہب میں فرقوں کی کثرت کا موجب ہمیشہ ایک رہا ہے۔ یعنے جونہی کہ کسی مذہب کا ابتدائی زمانہ جبکہ اس مذہب کا نبی اور اُس نبی کے صحابہ موجود ہوتے تھے۔ گذر جاتا تھا اور اس مذہب کے اندر علماء ظاہر پیدا ہوجاتے تھے تو بس یہی وہ وقت ہوتا تھا کہ جس کے اندر ہر مذہب میں فرقہ بندی کا آغاز ہوجاتا تھا۔ اور پھر یہ فرقہ بندی کا مرض بڑھتا ہی چلا جاتا تھا۔ جہاں پر کوئی سے دو علماء کا باہم اختلاف ہوجاتا تھا وہیں پر ایک نیا فرقہ معرض وجود میں آجاتا تھا۔ الغرض کسی مذہب کے بھی علماء ظاہر اس قابل ہوتے ہی نہیں کہ وہ کسی ربانی مذہب کو کما حقہ چلا سکیں۔ ہاں وہ ہر مذہب کے اندر فرقہ بندی کا موجب ضرور بن سکتے ہیں۔ اور ان کا بس یہی کام ہوتا ہے۔

الغرض جب کسی الہٰی مذہب میں فرقہ بندی کی انتہا ہوجاتی تھی اور اُدھر عوام الناس پر علماء ظاہر کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ جاتی تھی۔ تو پھر انجام کار اس مذہب میں سیاستدان پیدا ہوجاتے تھے جو اپنی عقل کے زور سے اُس مذہب کو چلانا چاہتے تھے۔ تب اُس مذہب کی رہی سہی دھندلی شکل بھی کالعدم ہوجاتی تھی۔ بس یہی حال اب اسلام کا ہوچکا ہے۔ کہ آج اس کے اندر بھی سیاست دان پیدا ہوگئے ہیں یہ لوگ اسلام کی موعود خلافت سے لاپرواہ ہوکر اب قوم کے اندر اپنی تجویز کردہ خلافت چلانا چاہتے ہیں۔

بالآخر ان سیاست دانوں نے پیدا ہوکر ثابت کردیا ہے کہ اب اسلام کے اندر اقوام سابقہ کے ساتھ مشابہت کے تمام مقدر پہلو مکمل ہو چکے ہیں۔ گویا اسلام کے اندر اب جملہ موعود فرقوں کا ظہور ہوچکا ہے۔ الغرض جب ثابت ہوگیا کہ اسلام کے اندر اب تمام موعود فرقوں کا ظہور ہوچکا ہے تو لازم ٹھہرا کہ اسلام کے آخری موعود ناجی فرقہ کا بھی سراغ لگایا جائے۔ جس کا سورۃ الجمعہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ دانشمندوں کے لئے تحقیق کا بس اب یہی امر باقی رہ گیا ہے۔

سورۃ الجمعہ

آخری موعود۔ ناجی فرقہ

وآخرین منھم کا فرمان اسلام کے آخری دنوں میں قدرت کی طرف سے ایک ایسی کامیاب قوم کے ظاہر ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ جو مثیل صحابہ ہوگی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ما انا علیہ واصحابی بھی یہی اعلان کر رہا ہے کہ وہ قوم صحابہ کرام کے ہم رنگ ہوگی۔ الغرض یہ ذات باری تعالےٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم دونوں کی متفقہ شہادت ہوگئی کہ جس سے بڑھ کر کوئی اور شہادت پیش نہیں کی جاسکتی کہ اسلام کے آخری دنوں میں ایک مثیل صحابہ قوم پیدا کی جائے گی۔

الغرض یہ اس موعود مبارک قوم کی شناخت کا پہلا نشان ہوا۔ کہ وہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے والی ہوگی۔

دوسرا نشانِ شناخت

چونکہ صحابہ کرام کا زمانہ تکمیل دین کا زمانہ تھا۔ لہٰذا دین کی تکمیل کے لئے ان کو وہی کچھ کرنا پڑا۔ جو اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھا۔ چنانچہ انہوں نے تمام اصول و ضوابط کے ماتحت اپنی زندگی گزار کر قیامت تک کے لئے صحیح نمونہ قائم فرما دیا۔ لیکن آخرین منھم کی موعود مبارک جماعت کے زمانہ میں چونکہ تکمیل اشاعتِ دین ہونے والی تھی۔ لہٰذا اِس مبارک جماعت کو اسلام کے ایسے علوم و رموز عطا ہوئے جو دینِ اسلام کو حسب فرمان لیظھرہ علی الدین کلہ دُنیا بھر کے جملہ ادیان پر غالب کرنے کے لئے کافی تھا۔

یہ مبارک جماعت ۱۸۹۰ء یا ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئی۔ اور غالباً ۱۹۰۱ء میں اس کا نام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے مبارک نام احمد کے مطابق مسلمان فرقہ احمدیہ رکھا گیا آج اس جماعت کی طرف سے تمام کرۂ ارض پر اشاعتِ اسلام کا اہم فرض ادا کیا جارہا ہے۔ پس دُوسرا نشانِ شناخت یہ ہوا کہ یہ جماعت اشاعتِ اسلام میں مشغول ہوگئی۔

تیسرا نشانِ شناخت

سابقہ زمانوں میں چونکہ ہر مذہبی قوم کی اُسی حد تک مخالفت ہوا کرتی تھی جس حد تک اُس کا دائرۂ تبلیغ ہوتا تھا۔ لہٰذا چونکہ آخرین منھم کی موعود مبارک جماعت کا دائرۂ تبلیغ تمام کرۂ ارض پر محیط ہونے والا تھا لہٰذا اِس کی مخالفت بھی تمام کرۂ ارض پر ہونے والی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور آج ہر قوم اور ہر حکومت اِس جماعت کی مخالفت میں مشغول ہے۔ اور یہ تیسرا نشانِ شناخت ہے۔ کہ دنیا بھر کی تمام قومیں اور حکومتیں اِس جماعت کی مخالفت کریں گی۔

چوتھا نشانِ شناخت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بہتر فرقے فی النار ہونگے اور تہترواں فرقہ ناجی ہوگا۔ اس کے مختلف معانی میں سے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ آخری فرقہ خود بھی ناجی ہوگا اور دُوسرے تمام فرقوں کو بھی نجات دلانے والا ہوگا۔ کیونکہ ایک دُوسرے فرمان میں یوں بیان ہوا ہے کہ ہمارا مہدی دُوسرے تمام فرقوں کو ایک جگہ جمع کرنے والا ہوگا۔ مسلمان فرقہ احمدیہ کا بھی یہی نصب العین ہے۔ حسب ذیل الہام الٰہی اسی نصب العین کی تصدیق میں نازل ہوا ہے۔

انی معک یا ابن رسول اللہ۔ سب مسلمانوں کو جو رُوئے زمین پر ہیں۔ جمع کرو علیٰ دینٍ واحدٍ

(تذکرہ صفحہ ۵۲۷)

یہ وہ الہام ہے جو شریعت کے عین مطابق قوم کے صحیح نصب العین کو اس کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ ہر وہ الہام جو صحیح حدیث اور قرآن کریم کا مخالف ہو شیطانی الہام ہوتا ہے۔ لیکن جس الہام کی تصدیق۔ قرآن کریم۔ اور حدیث دونوں کے اندر موجود ہو وہ الہام بالکل صحیح ہوتا ہے۔ الہام مندرجہ کی تصدیق چونکہ قرآن کریم اور حدیث مقدسہ دونوں سے ہو رہی ہے لہٰذا یہ الہام بالکل صحیح اور من جانب اللہ ہے۔ اور جس قوم کے نصب العین کو قرآن کریم اور احادیث اور الہام بالاتفاق پیش کررہے ہوں وہ قوم بھی حق بجانب اور صادق ہوتی ہے۔ الغرض جماعتِ احمدیہ وہی موعود ناجی فرقہ ہے جس کی انتظار قوم کو دلائی گئی ہے۔

پس چوتھا نشانِ شناخت یہ ہوا کہ اس موعود فرقہ کا یہ دعوےٰ ہوگا۔ کہ وہ تمام اسلامی فرقوں کو علیٰ دینٍ واحد جمع کرنے کے لئے ظاہر ہوا ہے۔

پانچواں نشانِ شناخت

جب جملہ فرقہائے اسلامیہ نے بالاتفاق جماعت احمدیہ پر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ جاری کردیا اور یہ نہ جان سکے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے صحابہ میں سے کسی صحابی پر بھی کفر کا فتوےٰ جاری کرکے اُسے دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کی سنت قائم نہیں فرمائی۔ اور صحابہ کرام نے بھی اپنے وقت میں اِس قسم کا کوئی فتوےٰ جاری نہیں فرمایا۔ تو ہم کس کی سُنّت کی پیروی کرتے ہوئے یہ فتوےٰ جاری کر رہے ہیں۔ تو کچھ عرصہ کے بعد وہ شخص متنافس کہ جو سب سے پہلے اِس غلط فتوےٰ کا موجب بنا قدرت کی طرف سے اس حد تک مجبور کردیا گیا کہ پاکستان کی ایک اعلےٰ عدالت میں اُسے اپنے ہی غلط فتوےٰ کے برخلاف یہ صحیح اور بالکل صحیح بیان دینا پڑا کہ میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں۔ لہٰذا میں مسلمان ہوں اور اپنے مسلمان ثابت کرنے کے لئے کسی دُوسرے شخص کی سند پیش کرنے کی حاجت

نہیں رکھتا۔ اِس صحیح اور بالکل صحیح بیان نے جملہ علماء ظاہر کے فتوے پر پانی پھیر دیا اور وہ کالعدم ہوگیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ اِس فتوے کا جاری کرنا درحقیقت اِسلام کے ساتھ بغاوت تھی۔ بالآخر اِسلام کے اندر فتوائے کفر کا اجرا ایک خطرناک بدعت ہے اور یہ علماء ظاہر کی ایجاد ہے۔

پس پانچواں نشانِ شناخت یہ ہوا کہ جملہ فرقہائے اسلام آخری موعود ناجی فرقہ کے برخلاف کفر کا فتوے جاری کریں گے جو ثابت کر دے گا کہ اِسلام کے ان تمام فرقوں میں غیر ناجی بہتّر فرقے کون سے ہیں۔

چھٹا نشانِ شناخت

انبیاء عالم کا یہی کام ہوتا رہا ہے کہ وہ خود بھی گونہ گوں مشکلات میں سے گذرتے تھے اور اپنی قوموں کو بھی گذارتے تھے۔ اور پھر ایک با اخلاق قوم کو دنیا کے سامنے کھڑا کر دیتے تھے اور وہ اُن کے بعد دُوسری دنیا کے لئے نمونہ بن جاتی تھیں دُنیا کے اندر تمام با اخلاق قومیں اسی طرح پیدا ہوتی رہی ہیں دُنیا کے اندر کوئی مذہبی قوم ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جسے کسی نبی نے تلوار کے ذریعہ با اخلاق بنایا ہو حتیٰ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے صحابہ کرام کو بھی تلوار کے ذریعہ با اخلاق نہیں بنایا گیا تھا۔ ان کو بھی اقوام سابقہ کی طرح بے شمار مشکلات میں سے گذارنے کے بعد کامل بنایا گیا تھا۔ اسی طرح اور بالکل اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثتِ ثانیہ یا اِسلام کی نشاۃ ثانیہ کے موقع پر سُورۃ جمعہ کی موعود مبارک جماعت جو اِسلام کو جملہ مذاہب عالم پر غالب کرنے کے لئے پیدا کی جانے والی تھی تلوار کے ذریعہ قائم کی جانے والی نہ تھی اُسے بھی صحابہ کرام یا سابقہ اقوام کے نقشِ قدم پر چل کر با اخلاق بننا تھا۔

الغرض سورۃ الجمعہ کی رُو سے یہ خیال قطعیت کے ساتھ غلط ثابت ہوگیا کہ کوئی مبارک وجود آسمان سے اُتر کر یا زمین کے اندر سے پیدا ہو کر تلوار کے ذریعہ اِسلام کو دُنیا پر غالب کر دے گا۔ بالآخر چھٹا نشان شناخت یہ ہوا کہ اِسلام کی نشاۃ ثانیہ کے موقع پر پیدا ہونے والی با اخلاق موعود مبارک جماعت جملہ انبیاء عالم کے صحابہ کی طرح اپنی عمر مصائب و آلام میں گذارے گی اور پھر اِسلام کو دُنیا بھر میں کامیاب کرے گی۔

ساتواں نشانِ شناخت

اگرچہ جماعت احمدیہ کی مخالفت دنیا بھر کی ہر مذہبی قوم و حکومت کر رہی ہے لیکن یہ برابر استدراجی ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ اور اس کی استدراجی ترقی کا راز حسب ذیل دو امور میں ہے:۔

اوّل: اِس جماعت کو ادیانِ عالم کا کافی علم دے دیا گیا ہے۔ اور وہ خود بھی صداقت پر قائم ہے۔ لہٰذا دُنیا بھر کی کوئی مذہبی قوم اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی

دوئم: اِس جماعت کو جملہ انبیاء عالم کے صحابہ کی طرح کلیۃً نرم مزاج اور بے ضرر بنایا گیا ہے۔ لہٰذا دنیا بھر میں کسی فرد، کسی قوم اور کسی حکومت کو اس کے تباہ و برباد کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ اور یہ دونوں امور اس کے نشانِ شناخت ہیں۔

بالآخر اِس جماعت کی استدراجی ترقی اپنے آخری مراحل طے کر رہی ہے اور وہ دن اب بالکل قریب ہے کہ اِسلام کا ڈنکا تمام دُنیا میں بجے گا۔ اِنسانی مخلوق تمام کی تمام اِسلام کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ رحمان کی حکومت جس طرح آسمان پر ہے۔ زمین پر بھی قائم ہو جائے گی۔ اور اِسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ظہور ہو جائے گا۔

اسلام کی تین پیشگوئیاں

پہلی پیشگوئی

اِسلام میں بدرِ کامل کا ظہور

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو قرآن کریم کے اندر شمس بھی کہا گیا ہے اور قمر بھی۔ اگر صانع عالم کی ذات کو جو مبداء تمام انوار کا ہے شمس قرار دے دیا جائے تو پھر اس شمس کے لئے کچھ اقمار کی بھی ضرورت ہو گی تا ان کے ذریعہ ہر زمانہ میں مخلوقاتِ عالم کو نور حاصل ہوتا رہے۔ اِس اہم غرض کو پورا کرنے کے لئے دُنیا کے اندر انبیاء کا سلسلہ قائم ہوا اور ان بزرگ وجودوں نے دنیا کے اندر اقمار کا نام پایا۔

اب چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جملہ انبیاء عالم کے انوار کو قرآن کریم کی شکل میں ایک جگہ اکٹھا کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ لہٰذا اِس اعتبار سے حضور قمرِ منیر ٹھہرے اور بدرِ کامل کہلانے کے مستحق ہو گئے۔ اب اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو گذشتہ کاملین کی صف میں یعنی انبیاء کی صف میں کھڑا کر دیا جائے تو بے شک اُس مقام پر آپ بدر کامل کہلائیں گے لیکن اگر آپ کو آئندہ پیدا ہونے والے کاملین کی صف میں کھڑا کر دیا جائے تو آپ بدر کامل نہیں کہلائیں گے بلکہ اب آپ کا مقام الشمس کا ہوگا۔ تا آئندہ پیدا ہونے والے کاملین جو سُورۃ النور کی رُو سے خلفاء اور حدیث کی رُو سے مجددین کہلاتے ہیں اقمار کی صورت میں حسب ضرورت زمانہ آپ سے نور حاصل کرتے رہیں اور اِسلام کی ہر زمانہ میں باقاعدگی کے ساتھ تجدید ہوتی رہے۔

اِسلام کی تجدید سے صرف اور صرف یہ مُراد ہے کہ جو جو خرابیاں یکصد سال کے عرصہ میں علماء ظاہر سے پیدا ہوتی رہیں ساتھ ہی ساتھ دُور ہوتی چلی جائیں اِسلام جیسے کامل مذہب کو صرف تجدید کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اس کا انتظام بھی کر دیا گیا یعنی ہر صدی کے سر پر کسی خلیفہ یا مجدد کے کھڑے ہونے کا فیصلہ ہوگیا۔

اب چونکہ سلسلہ محمدیہ کو سلسلہ موسویہ کے متوازی چلنا تھا لہٰذا جس طرح حضرت موسےٰ علیہ السلام کے چودہ سو سال بعد حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا تھا اسی طرح لازم ٹھہرا کہ سلسلہ محمدیہ کے اندر بھی چودہ سو سال گذرنے پر ایک عیسےٰ کا ظہور ہو۔ چنانچہ امت محمدیہ میں بھی چودہویں صدی کے اندر مسیح اسلام کے ظہور کی پیشگوئی کر دی گئی۔ اب چونکہ اِسلام کے اِس مسیح کو بدر کامل بن کر طلوع ہونا تھا جس سے زمان —
مثیل موسےٰ موسےٰ سے بڑھ کر اور مثیل عیسےٰ عیسےٰ سے بڑھ کر کا ظہور ہونے والا تھا۔ لہٰذا اِسلام کے اندر پیدا ہونے والے مسیح کو امام مہدی کا نام دے دیا گیا اور پھر لا مہدی الا عیسےٰ کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا کہ اِسلام کا موعود عیسےٰ ہی امام مہدی ہوگا۔

بالآخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو شمس اور قمر کے دو نام دیئے گئے تھے ان میں انہی حقائق کی طرف اشارہ کرنا مطلوب تھا۔

دُوسری پیشگوئی

وآخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم

فرمان ہذا کے یہ معنے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اِسلام کی آخری موعود مبارک جماعت کو بھی خود ہی کتاب اور حکمت سکھلائیں گے اور اسے بھی کامیابی سے ہمکنار کر دیں گے اور بس اسی بنا پر اِس آخری موعود جماعت کو صحابہ کرام میں شامل کر دیا گیا۔

اب چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بنفسِ نفیس دُوسری دفعہ دنیا میں تشریف فرما نہیں ہو سکتے تھے لہٰذا حضور کا یہ کام ضرور کسی حکمت جاریہ کے ذریعہ ہی ظہور میں آنا ممکن تھا چنانچہ فرمان ہذا میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ کا یہ کام عزیز اور حکیم کی حکمت جاریہ سے ہی انجام پائے گا۔ اور وہ حکمت جاریہ حکمتِ بروزیہ ہے۔ جو اسلام کے شروع ہوتے ہی جاری کر دی گئی تھی۔ پس فرمان ہذا اِسلام کے اندر ایک آخری عظیم الشان بروز کے ظہور کی خبر دے رہا ہے۔ اور یہ بروز کامل وہی مبارک وجود ہے جس کی اِسلام کے اندر عیسےٰ اور امام مہدی کے دو مبارک ناموں سے پیشگوئی کی گئی ہے

بقیہ اسلام کا فلاحی معاشرہ

صورت حال سے دوچار ہے۔ ایک بے راہ روی اور بدچلنی کے اِس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ ابھی چند دِنوں کی بات ہے۔ ہمار۔۔۔ ملک کی ایک معروف شخصیت نے کہا ہے کہ اگر اس بدچلن معاشرے کی اِصلاح کے لئے کوئی شخص نکلے گا تو لوگ اس کو قتل کر دیں گے۔

اِس طوفان سے صرف وہی ہستی نجات دلا سکتی ہے۔ جو تائید خداوندی کے ساتھ لوگوں کی راہبری و راہنمائی کے لئے دنیا میں آئی ہو۔ اِس لئے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی اور معاشرے کی اِصلاح کے لئے اپنے وقت کے مامور کی شناخت کریں اور اپنے آپ کو اس کے روشن علم الکلام کے دامن سے وابستہ کر دیں۔ جو سچے اور زندہ اِسلام کا نقیب ہے۔ کیونکہ بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام :-

خیرگی سے بدگمانی اس قدر اچھی نہیں	اِن دِنوں میں جبکہ ہے شورِ قیامت آشکار
ایک طوفان ہے خدا کے قہر کا اب جوش پر ،	نوح کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے ،	ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

بقیہ امت محمدیہ اور حالات حاضرہ

تیسری پیشگوئی :- "ن والقلم وما یسطرون ۔۔۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم"

اِس فرمان میں ایک لطیف پیشگوئی کی گئی ہے۔ کہ دنیا کے آخری ایام میں ایک عجیب وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ اس کے اندر دُنیا پر قلم اور دوات کا راج قائم کیا جائے گا۔ مادی علوم و فنون کے چشمے رواں ہوں گے۔ اُس عجیب وقت میں اے رسُول تمام دنیا تیرے خلقِ عظیم کا مشاہدہ کرے گی۔

فرمان ہٰذا اپنے اندر ایک اور مفہوم بھی رکھتا ہے کہ جب تمام دنیا علوم و فنون ظاہری سے خوب روشن ہو جائے گی تو اس کے ساتھ ہی انوارِ باطنیہ روحانیہ کے تمام دروازے بھی کھول دیئے جائیں گے۔ تب یہ عالم علوم ظاہری و باطنی سے پُر ہو جائے گا اور اس عالم کا علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جانا ہی حضور نبی کریمؐ کی بعثت ثانیہ یا اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ ہے۔ القصہ دُنیا کے اس آخری موعود روشن زمانہ کے لئے حضورؐ کے ایک ایسے بروز کی ضرورت تھی جو حضورؐ کے تمام انوار کو حاصل کرتا اور بدر کامل بن کر تمام عالم کو بقعۂ نور بنا دیتا اور ظاہری مادی علوم رکھنے والے لوگوں کیساتھ جو قلمی لڑائی لڑتا اور ہر مذہب و ملت پر ایک ایسا کامیاب حملہ کرتا کہ ہر معاند جواب دینے کی بجائے چھپنے کی کوشش کرتا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ نظارہ تمام دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ یعنے حضور نبی کریمؐ کے اس بروز کی دہاڑ ۱۸۹۶ء کے جلسہ مذاہب عالم کے اندر اکنافِ عالم میں سنی گئی اور ہر مذہب و ملت کے ماننے والے لوگوں نے بالاتفاق تسلیم کر لیا اور اعلان کر دیا کہ اس بزرگ وجود کا مضمون سب سے بالا رہا ہے۔

بس یہ تھا فرمان حدیث لا مہدی الا عیسیٰ کے مطابق اِسلام کا مسیح موعود یا امام مہدی جس نے ۱۸۹۱ء میں دعویٰ کیا اور ہزاراں تائیدات الٰہیہ حاصل کر کے اپنا صادق ہونا دنیا پر ثابت کر دیا :-

حرفِ آخر

جماعت احمدیہ اپنی پیدائش کے فوراً بعد دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی اور یہ دونوں حصے اس وقت تک قائم رہے جب تک کہ ان کا قائم رہنا ضروری تھا اور مقدر تھا۔ اب دونوں حصوں کے دوبارہ ایک جگہ جمع ہونے کا وقت آ رہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے :-

" یصلح اللہ جماعتی ان شاء اللہ "

عنقریب ایسے مضامین شائع ہوں گے جن میں مذکور دلائل قاطعہ سے متاثر ہو کر منکرین ختم نبوت سرنگوں ہو جائیں گے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے مؤقف کو درست مان کر اس میں شامل ہونے پر مجبور ہو جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔
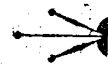
اخبار احمدیہ

جامع احمدیہ دارالسلام میں تدریس قرآن مجید

موجودہ زمانے میں ہماری نئی نسل کی دینی تربیت کا مسئلہ نہایت نازک صورت اختیار کر چکا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کے مناسب انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے اکثر والدین کی پریشانی عام ہے۔ کہ ان کے بچے دین سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں جنریشن گیپ پیدا ہو گیا ہے۔ بچوں کی دینی تربیت کے لئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے جامع احمدیہ دارالسلام میں قرآن کریم کی تدریس کا انتظام ۱۹۷۵ء سے کیا گیا اور راجہ محمد افضل صاحب اِس اہم دینی کام کے لئے مقرر ہوئے۔ راجہ صاحب بڑی محنت۔ لگن اور دینی جذبے سے دارالسلام میں مقیم احمدی بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ان کی زیر نگرانی جن بچوں نے اب تک قرآن پاک ختم کیا ہے اُن کے نام یہ ہیں :-

۱۔ افتخار احمد ۲۔ اعجاز احمد ۳۔ اقبال احمد ۴۔ ابرار احمد
۵۔ شاہدہ جنجوعہ ۶۔ سلمان حفیظ ۷۔ خورشید ضیاء ۸۔ قیصر بشیر
۹۔ عطاء الرحمٰن ۱۰۔ مدیحہ رسُول ۱۱۔ مظہر رسُول ۱۲۔ سمیرا جعفری
۱۳۔ یحییٰ عبداللہ سعید ۱۴۔ فواد نذیر ۱۵۔ نعمان حفیظ ۱۶۔ عمران حفیظ

یہ بچے قرآن کریم کی صحیح تلاوت کرنے پر مکمل عبور حاصل کر چکے ہیں۔ اور جامع احمدیہ دارالسلام میں باقاعدہ نمازوں میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور دُوسرے شہروں میں بھی احمدی بچوں کی دینی تربیت کا ایسا ہی انتظام کر دے تو یقین واثق ہے کہ ہمارے احمدی بھائیوں اور بہنوں کے دلوں سے بچوں کے دین سے دور ہونے کا خدشہ ختم ہو جائے گا :-

شیخ حفیظ الرحمان، دارالسلام ۵۔ عثمان بلاک لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء
جلد نمبر: ۶۷ — رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸ — شمارہ نمبر: ۴

چوہدری محمد حیات صاحب

باہتمام تاجدین پرنٹر آب کاری روڈ سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں
جان و دلم فدائے جمالِ محمد است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمد است
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکاں ندائے جلالِ محمد است
"اس محسن کو ایک دفعہ ملنا ہمیشہ کی زندگی سے بہتر ہے، مجھے اسکے حسن کا علم ہے، اس لئے
اوروں نے تو صرف دل دیا ہے میں اپنی جان کو بھی قربان کرتا ہوں۔ اسکی صورت کی یاد ہر وقت
بے خود کرتی ہے اور اس کی محبت کی شراب ہر آن مجھے مست رکھتی ہے۔ اگر میرے پر ہوتے تو
میں اُڑ کر اس کی گلی میں پہنچتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"
(از حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ہفت روزہ ——— پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۳۰ جنوری ۶ فروری ۱۹۸۰ء
جلد: ٦٧ ——— شمارہ نمبر ۵/۶

کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربانِ جہاں

نے بجسم خویش میلش نے بنفسِ خویش کار

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

عید میلاد النبیؐ کے مبارک موقع پر ہم اپنے قارئین کرام کی خدمت میں "پیغام صلح" کا خاتم النبیین نمبر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس موقع پر مسلمان ہر سال جلسوں، جلوسوں، درود و سلام اور میلاد کی محفلوں۔ نعتوں اور قوالیوں کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں میں اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے اور آپؐ سے اپنے جذبۂ عشق و محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں آپؐ سے سچی اور پرخلوص محبت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ: "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کے مطابق آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو اپناتے ہوئے آپ کی کامل پیروی سے اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کی محبت اور اس کے فضل و کرم کا مستحق بنایا جائے کیونکہ آپؐ کی بے داغ اتباع میں ہی اللہ تعالےٰ کی محبوبیت اور روحانیت روحانی کا راز مضمر ہے۔ اور یہی فلاح دارین کی کنجی ہے۔

ہمارے ملک کے ایک معروف اور کثیر الاشاعت روزنامہ کے کالم نگار کے ان الفاظ سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کہ:-

"ہمارے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پاکستانی فوج اور عوام میں عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدرجہ اتم ہے اور اسی عشق کے سبب وہ حیرت انگیز کارنامے سرانجام دے لیتے ہیں۔ ہمیں اس جذبۂ عشق کی برکات سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔"

لیکن ہم یہ پوچھنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ کیا ہمارے معاشرہ اور گرد و پیش کے حالات ان الفاظ کی تصدیق کرتے ہیں؟ اور کیا "عشقِ رسولِ مقبولؐ" کے یہی تقاضے ہیں جو ہم پورے کر رہے ہیں۔ ہمیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ملک کے اخبارات و رسائل میں روزمرہ قوم کی اخلاقی پستی اور گراوٹ کا جو نقشہ پیش کیا جاتا ہے وہ خود ہی اس پر گواہ ہے کہ ہماری زبان اور دل میں کس قدر بُعد اور قول و فعل میں کتنا افسوسناک تضاد ہے۔

عشق تو یہ چاہتا ہے کہ ہر اس بات سے اجتناب کیا جائے جس سے محبوب ناراض ہو جاتا ہو۔ اور وہ عمل سرانجام دیا جائے جس میں اس کی رضا اور خوشنودی ہو۔ یہ جذبہ ہو تو حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔ اپنی جان اور مال لٹا دینے سے بڑھ کر اور حیرت انگیز کارنامہ کیا ہو سکتا ہے۔ جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی عشق تھا انہوں نے تو اپنی جانیں بھی کٹوا لیں اور مال بھی لٹائے۔ اس لئے کہ ان کا آقا خود پیکرِ ایثار و قربانی تھا۔ ایک طرف اللہ تعالےٰ کی صفات کاملہ کا مظہر اتم کہ:-

"انک لعلیٰ خلق عظیم"

کا مصداق اور دوسری طرف انسانیت کا اتنا غم گسار اور غم خوار کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا پڑا کہ:-

"لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین" کیا تو اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر دے گا کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔"

جب اللہ تعالےٰ کو یہ کہنا پڑا تو نسلِ انسانی کی اصلاح کے لئے اس درد و غم کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جو آپؐ کے دل میں تھا۔ اور شب و روز آپ کو اس کے لئے بے چین و مضطرب رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ "جذبۂ عشق کی برکات سے بھرپور فائدہ اٹھایا نہیں جاتا پہنچایا جاتا ہے۔ فائدہ غلط بھی اٹھایا جا سکتا ہے جیسا کہ ماضی میں عوام کو گمراہ کر کے ملک کے امن و سلامتی کو داؤ پر لگایا جاتا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آپؐ نے کسی کو دکھ پہنچایا ہو یا ایذا دی ہو۔ یا آپؐ نے کبھی اپنے صحابہؓ کے جذبۂ عشق و محبت کو اپنی ذات کے فائدے کے لئے استعمال کیا ہو۔ یا انہیں آگے کر کے خود پیچھے رہ کر اپنے اقتدار کے لئے ابھارا ہو۔ اس کے برعکس آپؐ کی ذات رحمۃ للعالمین تھی۔"

عالمین میں آپؐ کے دشمن بھی شامل ہیں اور دوست بھی۔ آپؐ کے ہمعصر بھی اور آپؐ کے بعد قیامت تک آنے والی نسلیں بھی جن کے لئے قرآن کریم آپؐ کے خلق عظیم کا ایک مستند ریکارڈ ہے۔ آپؐ کی زندگی قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔ جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ شہادت دیتے ہیں:-

"کان خلقہ القرآن"

کہ آپؐ کا خلق قرآن تھا۔ اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ آپؐ ہر پہلو سے ایک قابلِ تقلید اور قابلِ رشک نمونہ ہیں۔ اس لئے کہ آپؐ اللہ تعالےٰ کی تمام صفاتِ جمیلہ کے مظہر اتم اور کمالات نبوت کے مستجمع ہیں۔ یعنی "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کے مصداق۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ خاتم النبیین بھی ہیں۔

قرآن کریم اگر فرماتا ہے کہ:-

"واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب"

یعنی اللہ تعالےٰ کی محبت کی خاطر قریبیوں یتیموں۔ مساکین۔ مسافروں اور سوال کرنے والوں۔ بے کسوں اور محتاجوں بے یار و مددگار اور بے سہارا لوگوں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بی بی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ پر پہلی وحی کے ذریعے نبوت کی ذمہ داری پڑنے کے بعد آپؐ سے اس خوف۔ ذمہ داری کو دور کرنے کے لئے فرماتی ہیں کہ خدا آپؐ کو کبھی ناکام نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحم ہیں۔ محتاجوں اور بے کسوں کا سہارا ہیں۔ یتیموں اور مسکینوں کا ملجا و ماویٰ ہیں۔ قرآن کریم غلاموں کو آزاد کرنے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ تو آپ حضرت زیدؓ کو آزاد کر دیتے ہیں۔ اور حضرت زیدؓ آپؐ کے حسنِ سلوک سے آپؐ کے اس قدر گرویدہ ہیں کہ اپنے باپ کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں ہوتے اور آپؐ کی خدمت میں ہی اپنی زندگی گذار دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے:-

"ولا یجرمنکم شناٰن قوم علیٰ ان لا تعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔"

"دیکھو تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کر سکو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔"

اس کی تعمیل میں آپؐ ایک مسلمان کے خلاف ایک یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرماتے ہیں اور یہودی وہ قوم ہے جس کا ایک ایک فرد مسلمانوں اور آپؐ کی دشمنی حسد اور بغض میں غرق ہے اور انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔

"واعدلوا ولو کان ذا قربیٰ"

"انصاف کرو خواہ اس سے تمہارے اپنے قریبی ہی متاثر کیوں نہ ہوں۔"

اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کی مرتکب ہوتی تو میں اُس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا کیونکہ پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ وہ انصاف کے نازک تقاضے پورے نہ کر سکیں۔ وہ بڑے لوگوں کا لحاظ کرتیں اور کمزوروں کو سزائیں دیتیں۔

"اوفوا بالعہد" کے متعلق ایک لرزہ خیز داستان ہمارے سامنے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آتی ہے جس کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مدینہ میں سے کوئی مسلمان مکہ چلا جائے تو قریش اُسے واپس نہیں کریں گے اور اگر مکہ کا کوئی مدینہ چلا جائے تو مسلمان اُسے واپس کر دیں گے۔ ابھی اس صلح نامہ کی سیاہی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت ابوجندلؓ اپنے جسم پر قریش مکہ کے ہاتھوں زخم کھائے ہوئے آ پہنچے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا وہ یہ ذلت آمیز شرط قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی یہی خواہش تھی کہ ابوجندلؓ اس سے مستثنیٰ قرار دے دیئے جائیں لیکن آپؐ نے فرمایا ہم عہد کی پابندی کو چھوڑ نہیں سکتے اور ابوجندلؓ مکہ والوں کے مزید ظلم و ستم برداشت کرنے کے لئے واپس چلے گئے۔ یہ ہے کافروں کے ساتھ عہد کی عزت۔

حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد حضرت یمانؓ مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے قریش کے ایک دیکھ بھال کرنے والے دستہ کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ وہ باز پرس کے بعد انہیں اس شرط پر مدینہ جانے کی اجازت دیتا ہے کہ وہ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ وہ مان لیتے ہیں لیکن مدینہ پہنچ کر یہ سارا واقعہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں بیان کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہونا چاہتے ہیں مگر حضور اکرمؐ فرماتے ہیں:۔

"اپنے عہد پر قائم رہو اور مدینے واپس چلے جاؤ"

جنگ کے لئے ایک ایک آدمی ناگزیر ہے لیکن عہد کی پابندی کا یہ عالم۔

غالب دشمن کو معاف کرنا بڑا مشکل اور کٹھن کام ہے لیکن "خذ العفو" کی تعمیل میں کفار مکہ جنہوں نے آپؐ کو اذیت دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ قتل کے منصوبے بنائے۔ آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کے دین کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا گیا۔ فتح مکہ کے دن "لا تثریب علیکم الیوم" کا اعلان سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ دشمن بھی اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے۔ دنیا کی تاریخ تو ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی ہے نہ کر سکے گی لیکن آپؐ سے عشق و محبت کے جذبہ کا دعویٰ کرنے والے اپنے ہی بھائیوں کے گلے کاٹنے میں دن رات مصروف ہیں۔

"متاع الدنیا قلیل" اور "ما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور"

کی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ میں تو ایک راہ چلتا مسافر ہوں جو تھکا ماندہ دھوپ کی شدت سے بچنے کے لئے ایک سایہ دار درخت کے نیچے چند لمحوں کے لئے آرام کی خاطر رک جائے۔ اور پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔

شہنشاہ عرب ہو کر دیکھی کی کوٹھڑیاں ہیں۔ گھر میں کبھی چولہا جلتا ہے کبھی نہیں۔ کبھی ایک دو کھجوریں کھا لیں اور کبھی پانی میں ستو گھول کر پی لیئے۔

بیبیاں اگر آرام و آسائش کے سامانوں کا مطالبہ کرتیں تو جواب ملتا ہے کہ اگر تم دنیا کی زندگی چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دنیا کے مال و متاع سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد تم نبی کے گھر میں نہیں رہ سکتیں ہاں اگر تمہیں اللہ اور اللہ کا رسول چاہیے تو اسی حال میں رہنا ہوگا اور یہ بیبیاں بھی کیا بیبیاں تھیں اور آنحضرت صلعم کی تربیت کا ان پر کیا رنگ ہے کہ فرماتی ہیں ہمیں اللہ اور اللہ کا رسول ہی چاہیئے۔

"لا اکراہ فی الدین" کے ثبوت میں عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر مذاہب کے پیروؤں کو ان کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کی ضمانت دیتے ہیں۔ "جذبہ عشق" سے سرشار ہونے والوں کی طرح ان کے گھروں، عبادت گاہوں اور ان کی کتابوں کو جلانے کے لئے ... نہیں ... اور اس معاہدے کی پابندی کر کے دکھاتے ہیں۔

"وجاهدوا في الله حق جهاده" کا حق ادا کرنے کیلئے آپؐ سب سے پہلے نکلتے اور صف اوّل میں لڑتے ہیں۔ لوگ رات کو آرام سے سوتے اور آپ پہرہ دے رہے ہوتے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر پیٹ پر پتھر باندھ کر مزدوروں کی طرح کام کرتے ہیں۔ اور میدان جنگ میں تنہا کھڑے اپنے دور نکل جانے ہوئے ساتھیوں کو "الی عباد اللہ انا رسول اللہ" کہہ کر واپس بلاتے ہیں نہ صرف اس مقام پر تنہا کھڑے ہیں۔ "انا رسول اللہ" فرما کر دشمنوں کی توجہ کو اپنی طرف پھیر رہے ہیں۔ کیا عزم و حوصلہ ہے اور کتنی بے نظیر جرأت و شجاعت۔ دشمن آپ کی طرف بڑھتا ہے آپ زخم کھا کر گر پڑتے ہیں۔ شمع رسالت کے پروانے اپنے قائدؐ کے ارد گرد ایک حصار بنا کر زخم کھاتے اور قربان ہوتے جاتے ہیں۔ یہ ہے جذبۂ عشق۔ مدینہ میں جب آپؐ کی شہادت کی غلط افواہ پھیلتی ہے تو مدینہ کی عورتیں دیوانہ وار باہر نکل کر میدان جنگ سے آنے والے ہر ایک سے پوچھتی پھرتی ہیں کہ حضورؐ کیسے ہیں۔ انہیں اپنے باپوں، بھائیوں، خاوندوں اور بیٹوں کے شہید ہونے کی کوئی پرواہ نہیں صرف "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھ دیتی ہیں غم ہے تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کا۔ جب ایک انصار خاتون آپؐ کو اپنے سامنے دیکھتی ہیں تو کہتی ہیں آپ زندہ ہیں تو میرے لئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔ یہ جرنل ہیں۔ یہ آپ کے سپاہی اور یہ آپؐ کی قوم

"وامرت ان اکون اول المسلمین"

کی تعمیل راتوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر اس حد تک کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے فرماتا ہے:۔

"یایها المزمل قم اللیل الا قلیلا"

اے مزمل رات کو تھوڑے کھڑے ہوا کریں اور یہ حالت اس وقت ہے جب آپؐ شہنشاہ عرب ہیں۔ آپؐ کی امانت اور دیانت کا یہ حال ہے کہ کفار مکہ بھی آپؐ کو "الامین" کہتے ہیں۔ اور ہجرت کی رات تک آپؐ کے پاس ان کی امانتیں موجود رہیں۔

غرض جو خوبی اور حسن بھی انسان کے تصور میں آ سکتا ہے۔ وہ آپ میں موجود تھا۔ اسی لئے حضرت عائشہ نے فرمایا تھا کہ:۔

کان خلقہ القرآن۔

اور یہی وہ خلق تھا جس نے بڑے بڑے سرکشوں کو آپؐ کے قدموں میں جھکا دیا اور قیصر و کسریٰ کے تاج آپؐ کے قدموں میں آگرے۔ اسی خلق نے آپ کے ساتھیوں میں وہ جذبہ عشق پیدا کیا کہ وہ آپؐ کے ایک اشارے پر اپنی جانیں اور مال قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتے۔ لیکن یہ جذبہ محض قیل و قال۔ باتوں اور نعروں سے نہیں عمل سے ہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ عرب کے ضلالت اور گمراہی میں غرق معاشرے کی اصلاح ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں عمل کے ذریعے ہی ممکن ہو سکی۔ آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے جو کہا اس پر پہلے آپ عمل کر کے دکھایا۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وہ جذبۂ عشق بدرجہ اتم نہیں تھوڑا سا بھی ہوتا تو آج وہ

"انتم الاعلون ان کنتم مومنین۔"

کے مطابق مخالفین اسلام کے محتاج اور دست نگر نہ ہوتے۔ نہ ان کے مقروض ہوتے اور نہ انہیں ان کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑتا۔ بلکہ کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ "ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ" ہم نے یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تو ناکام رہے یعنی قرآن ہی میں کامیابی کا راز ہے اس لئے امام وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اس صدی میں تجدید کا سب سے بڑا کارنامہ یہی سرانجام دیا کہ قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دی تاکہ ان کے اعمال میں اس کے ذریعہ وہی حسن و جمال پیدا ہو۔ جو ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر چکا ہے اور ہمیشہ ہر زمانہ میں کرتا رہا ہے۔ قرآن سے روشنی حاصل کرنے کے بعد سارے فتنے اور انتشار کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور مسلمان اس کی برکت سے پھر ایک ناقابل تسخیر قوت بن سکتا ہے۔ مگر زبان سے نہیں عمل اور صرف عمل سے۔

از قلم :- جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب ،

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال

لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

مندرجہ بالا شعر حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہار دہم و مسیح موعودؑ کا ہے۔ ختم نبوتؐ ہر مسلمان کا جزوِ ایمان ہے۔ اس کے لئے قرآن شریف کی آیت خاتم النبیین اور متعدد احادیث کے علاوہ حدیث نبویؐ " لا نبی بعدی " کافی ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا بھی یہی ایمان تھا جس کو آپ نے بے شمار جگہ اللہ تعالےٰ کو حاضر و ناظر کر کے لکھا ہے۔ مگر ختم نبوت پر وہ دلیل جو مندرجہ بالا شعر میں ہے وہ بے نظیر ہے۔ فرمایا کہ جب رسول اللہ صلعم کی ذات پاک پر انسانیت کا ہر کمال بلکہ نبوت کا ہر کمال ختم ہو گیا تو اب کسی پیغمبر کی کیا ضرورت رہی ؟

حضرت مرزا صاحب نے ختم نبوت پر صرف دلائل ہی نہیں دیئے جن میں سے کچھ کا ذکر آگے مزید آئے گا۔ بلکہ ختم نبوت میں ایک رخنہ آن کر پڑتا تھا مسلمانوں کے اس عقیدہ سے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے اور آخیر زمانہ میں جب امتِ محمدیہ کا حال برا ہو گا تو وہ آن کر اسے بچائیں گے۔ اگر فی الواقعہ ایسا ہے تو خاتم النبیین نعوذ باللہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہونگے نہ کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لئے وفاتِ مسیح ناصری کو قرآن مجید کی تیس سے زیادہ آیات اور احادیثِ نبویؐ سے ثابت کر کے حضرت مرزا صاحب نے ختم نبوت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مسلّم کیا۔ اور یہ حضرت مرزا صاحب کی ختم نبوت کے عقیدہ کی اتنی بڑی خدمت ہے کہ اس کے آگے دنیا کا سر جھک جانا چاہیئے تھا۔ اگر حضرت عیسےٰؑ کو زندہ ماننے والوں نے اس کا جواب دیا کہ حضرت عیسےٰؑ جب دوبارہ آئیں گے تو وہ نبی نہ ہونگے۔ اس طرح کسی نبی کا نبوت سے معزول ہونا نہ قرآنِ مجید سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث نبوی سے اور نہ یہ سمجھ آتا ہے کہ افضل الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نعوذ باللہ کون سی کمی تھی جس کو حضرت عیسےٰؑ آن کر پورا کریں گے۔ حضرت مرزا صاحب نے کیا خوب لکھا ہے :-

ہ

مسیحِ ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند

مگر مدفونِ یثرب را نہ دادند ایں فضیلت را

نبی کیوں آتا ہے ؟

ختم نبوت کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی آتا کیوں ہے ؟ قرآن کریم نے ابتدائے آفرینش انسان کے ذکر میں بنی آدم کو مخاطب کر کے فرمایا :-

" فاما یأتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای

فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون "

(سورۃ البقرہ ۲ : ۳۸)

یعنے " سو جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے گی سو جو میری ہدایت کی پیروی کریگا ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔"

اسی کی دوسری جگہ یوں وضاحت فرمائی ۔

" یا بنی آدم اما یأتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایٰتی فمن اتقی واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔" (الاعراف ۷ : ۳۵)

یعنے " اے بنی آدم اگر کبھی تمہارے پاس میرے رسول آئیں۔ میری آیات تم پر پڑھتے ہوں تو جو کوئی تقویٰ کرے اور اصلاح کرے ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے ۔"

اس سے واضح ہو گیا کہ نبیوں کی بعثت کی اصل غرض اللہ تعالےٰ کی ہدایت کو مخلوق تک پہنچانا تھا۔ ہر انسان کی طرح نسلِ انسانی بھی اپنی طفولیت کی حالت سے لڑکپن اور پھر نوجوانی کی حالتوں میں سے گذری اور ان حالتوں میں مختلف نبی اپنی اپنی قوم کی استعداد کے مطابق ہدایت لوگوں کو پہنچاتے رہے۔ آخر وہ وقت آیا جب نفوسِ انسانی مختلف انبیاء کی تعلیم سے اس قابل ہو چکے تھے کہ اب وہ آخری اور جامع تعلیم پائیں۔ اس تدریجی ترقی کا پتہ اس بات سے بھی ملتا ہے جو حضرت عیسےٰؑ نے اپنے حواریوں سے کی کہ میں نے ابھی بہت سی باتیں تم سے کہنی تھیں مگر تم ان کی برداشت نہیں رکھتے مگر وہ جو روحِ حق میرے بعد آئے گا وہ تمام باتیں سچائی کی راہ کے متعلق تم کو بتا دے گا۔

چنانچہ رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ واحد پیغمبر ہیں جن کے ذریعہ سے نسلِ انسانی کو بتلایا گیا کہ " الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۔" یعنے آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا۔"

تو نبوت کا جو اصل مقصد ہے یعنے اللہ تعالےٰ کی ہدایت کو مخلوق تک پہنچانا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر تکمیل پا گئی اور اس لئے لازماً نبوت آپؐ پر آن کر ختم ہو گئی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے خوب فرمایا ہے کہ :-

" جس چیز کی ابتداء ہے اس کی آخر انتہا بھی ہوتی ہے ۔"

ختم نبوت میں وحدتِ نسلِ انسانی

" کان النّاس امۃً واحدۃً "

قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ تمام نسلِ انسانی ایک ہے۔ اور اس لئے قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ تمام نبی جو بنی آدم کی طرف مبعوث ہوئے ان کو ایک ہی بنیادی تعلیم دی گئی جسکی (ملا...)

توحیدِ الٰہی تھی مگر لوگوں نے الہامی کتابوں کو کھو دیا کیونکہ جن لوگوں کو اُن کا محافظ بنایا گیا تھا یعنے ہر مذہب کے علماء اُنہوں نے اپنی من مانی منوانے کے لئے خدا کی کتاب کو لوگوں سے دُور رکھا اور اس کو اور اس کے علم کو اپنی ٹھیکہ داری بنانے کے لئے کتاب کو لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے دیا۔ پھر ہر ایسے مذہبی راہنما نے من مانی منوانے کے لئے اپنی طرف سے جو چاہا اپنی الہامی کتاب کی طرف منسوب کیا اور یا تو اس کتاب میں تحریف کی یا آہستہ آہستہ اُسے بالکل گنوا دیا۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ خدا کی کتاب جو سب میں قیمتی دولت ہے وہ ہر مذہب نے کھو دی۔ یا اس کے مختلف اور متضاد نسخے یا تراجم صرف رہ گئے؟ اور اسی وجہ سے مذاہب عالم میں بنیادی اختلافات پیدا ہو گئے مثلاً کوئی دو خدا منواتا ہے تو کوئی تین اور کوئی تینتیس کروڑ۔ اس اختلافِ مذاہب سے نسلِ انسانی میں سنگین اختلافات پیدا ہو گئے۔

چونکہ تمام نبیوں کی اصل تعلیم ضائع ہو گئی تھی اس لئے ہر قوم نے اپنے نبی اور اپنی الہامی کتاب ہی کو واحد سچا مذہب بتایا کیونکہ تکبرِ نفس اور آپس میں تفاخر فطرتِ انسانی کی بنیادی کمزوری ہے۔ اس مذہبی پھوٹ اور مذہبی دشمنیوں کا واحد علاج یہی تھا کہ نسلِ انسانی کو ایک نبی کے جھنڈے کے نیچے جمع کیا جائے اور اسے آخری بنایا جائے تاکہ اور کوئی نبی آن کر نسلِ انسانی کی وحدت میں پھوٹ نہ ڈالے۔

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واحد رسول نبی ہیں جو کسی ایک قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ تمام نسلِ انسانی کی طرف جیسا کہ قرآن نے فرمایا:۔

"قُل یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔"

یعنے کہہ دے کہ اے نسلِ انسانی میں تم سب کے سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" اور آپؐ واحد نبی ہیں جو واضح طور پر خاتم النبیّین بنائے گئے۔ اس طرح نسلِ انسانی کی وحدت کو مستقل کر دیا۔

تکمیلِ ہدایت اور ختمِ نبوّت

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت دے کر بھیجا گیا تھا وہ ہر لحاظ سے کامل نہ ہوتی تو پھر بھی گنجائش رہ جاتی کہ کوئی نبی آئے اور اس کمی کو پورا کرے اسلئے قرآنِ پاک نے واضح کر دیا کہ:۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔"

"یعنے آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا۔"

یہ دعویٰ کسی اور الہامی کتاب نے نہیں کیا۔ یہ دعوےٰ اور کسی نبی نے نہیں کیا بلکہ جیسا کہ میں اُوپر بتا آیا ہوں حضرت عیسیٰؑ نے خود فرمایا کہ ابھی میں نے تم سے بہت سی باتیں کہنی تھیں مگر تم ابھی ان کی برداشت نہیں رکھتے مگر وہ جو روحِ حق میرے بعد آئے گا وہ تمام سچائی کی راہیں تم پر کھولے گا۔"

اسی طرح جب مندرجہ بالا آیتِ قرآنی نازل ہوئی تو مدینہ کے یہود نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اسے ایامِ عید مقرر کرتے۔ دُوسرے مذاہب کی اس کمی کو دُور کرنے کا یہی طریق ہے کہ اُن تک قرآن پاک کی تعلیم پہنچائی جائے۔ قرآنِ مجید اور دُوسری الہامی کتابوں کے اس فرق کی وجہ ہے کہ دُوسری قومیں اگر کوئی انسانی ترقی یا تکمیل کی طرف قدم اُٹھاتی ہیں تو اکثر اپنی الہامی کتابوں کو چھوڑ کر اور مسلمان قوم ترقی اور تکمیل کی طرف جو بھی قدم اُٹھاتی ہے۔ وہ قرآن مجید کی طرف ہوتا ہے۔ مثلاً عورتوں کو وراثت میں حق یا طلاق کے مسئلہ کو لے

لیجئے۔ آج دنیا بھر کی اقوام اپنی مزعومہ الہامی کتابوں کی تعلیم کو چھوڑ کر قرآنِ مجید کی تعلیم کو اپنا رہی ہیں اگرچہ ان کو اس کا احساس نہیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں احساس دلایا جائے کہ راہِ ہدایت کہاں ملتی ہے؟

حفاظتِ قرآن اور ختمِ نبوّت

ختمِ نبوت کے لئے اگر کوئی اور بات منافی ہو سکتی تھی تو وہ یوں کہ قرآن کریم کی تعلیم نعوذ باللہ ضائع ہو جاتی جس طرح اور الہامی کتابوں کی ہو گئی تو اس کا علاج اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ قرآن پاک کی حفاظت کو اپنے ذمہ لیا۔ چنانچہ قرآنِ پاک واحد کتاب ہے جس نے یہ دعوےٰ کیا کہ:۔

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ"

یعنے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔"

یہاں کتاب کے لئے لفظ ذکر استعمال فرمایا کہ یہ کتاب پہلی تمام الہامی کتابوں کی جو ضائع ہو گئیں یاد دہانی کراتی ہے۔ اسی بات کو دُوسری جگہوں میں بھی فرمایا مثلاً

"فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ" یعنے اس قرآن میں تمام الہامی کتابوں میں جو قائم رکھنے کے قابل باتیں تھیں وہ جمع کر دی گئی ہیں۔

دُوسری جگہ فرمایا:۔

"وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ۔"

(المائدہ: ۵: آیت: ۴۸)

یعنے ہم نے اس کتاب کو حق کے ساتھ (جو کھو یا گیا تھا) تیری طرف نازل کیا اور یہ تصدیق کرتی ہے اس سے پہلی کتاب (یعنے وحی الٰہی کی کتابوں کی) اور اس پر محافظ ہے۔ واقعی اگر قرآن پاک آن کر تصدیق کرتا پہلی کتابوں کی تو اُن کے متعلق اس قدر شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کو منجانب اللہ ماننا مشکل ہوتا تو اس محسنِ مذاہب کتاب نے نہ صرف ان کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کی بلکہ اُن کی محافظ یوں بنی کہ ان میں جو قائم رکھنے کے قابل تعلیم تھی اُسے اپنے اندر محفوظ کر لیا۔ اور خود اس کتاب یعنے قرآنِ پاک کے محفوظ ہونے کا نہ صرف اس نے دعویٰ کیا بلکہ آج دُنیا مانتی ہے کہ جو قرآنِ پاک آج دنیا میں موجود ہے یہی وہ من و عن کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئی۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم

ختمِ نبوّت پر پہلی و آخری دلیل

چونکہ قرآنِ مجید کامل و اکمل ہدایت ہے نسلِ انسانی کے لئے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ پاک کی ایسی کامل و اکمل اتباع کی کہ قرآن نے خود فرمایا ہے کہ "وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ"

یعنے جو اس رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے تو اس نے اللہ کی اطاعت ضرور کر لی"

اس لئے آپؐ نسلِ انسانی کے لئے کامل و اکمل نمونہ بنے اور یوں تمام کمالاتِ انسانی و کمالاتِ نبوّت آپؐ پر ختم ہو گئے۔ اور یوں حضرت مسیح موعودؑ کی بات جس سے میں نے اس مضمون کو شروع کیا تھا پوری ہوئی کہ ؎

ختم شد بر ذاتِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

پیغام صلح لاہور مورخہ ۳۰ جنوری ۶ فروری ۱۹۸۰ء

از مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

حضور صلعم کی عظیم قوتِ قدسیہ اور صلح حدیبیہ

کفر و اسلام کی ابتدائی آویزش کیا خالصتاً دینی نوعیت کی تھی

یا دُنیوی اغراض کی خاطر؟

مخالفینِ اسلام کے دو عظیم اعتراضات کے جواب

چودہ سو برس قبل ملک عرب میں جو ایک عجیب و غریب معجزہ رونما ہوا تھا اس کی اصل حقیقت کیا جسمانی نوعیت کی تھی؟ ایک نقطۂ نگاہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ دو جسمانی و عسکری طاقتوں کی باہم نبرد آزمائی تھی۔ ایک طرف کفارِ مکہ صف آرا تھے تو دوسری طرف آنحضرت صلعم کی قیادت میں مسلمان افواج لڑ رہی تھیں بلکہ معترضین تو یہاں تک نکتہ چینی کرتے ہیں کہ باہم یہ تنازعہ اقتصادیات کا مسئلہ تھا نہ کہ اعتقادات کا؟ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے معتقدین کو مالِ غنیمت اور بادشاہت کے سبز باغ دکھلا کر جہاد کے لئے تیار کر لیا تھا۔ چنانچہ بعد میں آنحضور صلعم کے یہ وعدے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کے مالک بن جانے کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ الامان

مخالفینِ اسلام کے نزدیک کفار اور مسلمانوں کی ابتدائی زمانہ کی جنگیں گویا ایک دنیاوی تنازعہ تھیں جس میں اتفاقاً آنحضرت صلعم کو فتح ہو گئی تو پھر دینِ اسلام کو صحابہ کرامؓ نے بجبر و تشدد منوایا چنانچہ یہ مفروضہ قائم کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا موقف قیصر و کسریٰ کے لشکروں سے تلوار یا قرآن ہوا کرتا تھا یعنی انہوں نے ایک ہاتھ میں تلوار تھامی ہوئی تھی اور دوسرے میں قرآن کریم اور ان کا مطالبہ [illegible] یہ ہوا کرتا تھا کہ ان دونوں میں سے جسے چاہو قبول کر لو۔ اگر قرآن کریم یعنی مسلمانوں کی حکومت یا ہماری غلامی تسلیم کرتے ہو تو بہتر ورنہ ہمارے تمہارے مابین تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

اقتصادی مفاد یا مالِ غنیمت کے حصول کے اعتراض سے بھی یہ الزام بہت زیادہ سنگین قسم کا ہے جس کا مطلب مخالفین یہ بیان کرتے ہیں کہ اسلام گویا اپنی صداقت و حقانیت کی رو سے منوانا نہیں چاہتا بلکہ ایک طرف مسلمانوں کو جہاد کے لئے دنیاوی لالچ کی ترغیب پیش کرتا ہے تو دوسری طرف کفار پر تشدد و جبر سے اسلام ٹھونستا ہے۔

صلح حدیبیہ فتح مبین کیسے بنی؟

آنحضرت صلعم نے کفارِ مکہ سے ۶ھ میں صلح حدیبیہ کی تھی۔ اگر اس کے واقعات اور شرائط پر سرسری نظر ڈالی جائے تو ان تمام اعتراضات کا مکمل رد ہو جاتا ہے۔ یہی اس امر کا باعث ہے کہ قرآن کریم میں اس واقعہ صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے موسوم کیا گیا ہے جیسے کہ پہلی ہی آیت میں اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ:۔

"انا فتحنا لک فتحا مبینا۔"

ہم نے آپ کو روشن فتح عنایت کی ہے جس کا مطلب یہ بتلایا کہ:۔

"لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر"

یعنی اس فتح مبین کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تیرے بارے میں جو اعتراضات عائد کئے جاتے ہیں ان تمام کا دفعیہ کامل طور پر کر دیا جائے۔

آیت شریفہ میں یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ آنحضور صلعم کے مسلک و موقف پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان تمام کا کافی و کامل رد کیا جانا صلح حدیبیہ کا مقصد ہے۔ متذکرہ بالا سطور میں کسی قدر تفصیل سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ مخالفین کا سب سے بڑا الزام کیا ہے؟ اسے ایک فقرہ میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ اسلام حقیقتاً کسی دینی صداقت کا نام نہیں بلکہ نعوذ باللہ یہ ایک خالصتاً دنیاوی تحریک تھی۔ آنحضور صلعم نے مال و دولت اور سلطنت و حکومت کا لالچ دے کر چند اصحاب کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا پھر انہیں تلوار سے مسلح کر کے کفار کے برخلاف لا کھڑا کیا۔ یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو گئی کیونکہ جب دو گروہ باہم برسرِ پیکار ہو جائیں تو لازماً ایک گروہ کی فتح اور دوسرے کی شکست ہو گی تو اس نقطۂ نگاہ سے اسلام کی تحریک دین کے قیام کی خاطر ثابت نہیں ہوتی بلکہ انہیں کے لئے دنیاوی تحریص اور مخالفین کے لئے خوف و تخویز کا مقام دکھلاتی ہے۔ تو حل طلب سوال یہ ہے کہ صلح حدیبیہ نے اسلام پر اس سب سے بڑے اعتراض اور الزام کا جواب کیسے دیا؟ اس بات کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ نہایت مختصر طور پر صلح حدیبیہ کے واقعات اور شرائط کو بیان کیا جائے۔ چنانچہ وہ یہ ہیں:۔

تین معرکۃ الآرا جنگوں یعنی بدر۔ اُحد اور احزاب کے بعد ۶ھ ہجری میں آنحضرت صلعم نے رؤیا دیکھا کہ آپ بمعہ صحابہ کرام کعبۃ اللہ کا عمرہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کے نظارہ کو آپ نے اشارۂ ربی یقین کر کے صحابہ کرامؓ کو مکہ روانگی کی ہدایت فرمائی۔ چونکہ رؤیا حقہ میں طواف یا عمرہ کا نظارہ دکھلایا گیا تھا آپ نے یہ ہدایت دی کہ بجز نیام میں تلوار کے کوئی اسلحہ یا ہتھیار نہ لے جایا جائے۔

دینی فریضہ یعنی حج یا عُمرہ سے روک دیا جانا۔

ادھر کفار مکہ کو جب علم ہوا کہ مسلمان مکّہ آ رہے ہیں تو انہوں نے امکانی طور پر اسے اپنے برخلاف جارحانہ کارروائی خیال کیا ہو۔ انہیں مسلمانوں کے برخلاف کئے گئے مظالم حتیٰ کہ مکّہ میں ہر قسم کی اذیت دینا یہاں تک کہ مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کے لئے مجبور کرنا، پھر آخر کار آنحضرت صلعم کے قتل کا منصوبہ بنانا اور آنحضور صلعم کو مدینہ ہجرت کرنے کیلئے مجبور کرنا، نیز جائے پناہ مدینہ میں بھی مسلمانوں کو چین و امن سے نہ بیٹھنے دینا اور اُن پر کثیر لشکروں سے تین حملے کر کے ان کے قلع قمع کے ارادے کر کے چڑھائیاں کر کے آنا یہ تمام واقعات یاد تھے۔ تو اگر ان انتہائی مظالم کے پیش نظر کفار نے آنحضرت صلعم کی آمد مکہ کو جارحانہ چڑھائی خیال کر لیا ہو تو کچھ جائے تعجب نہیں۔

لیکن اگر ایسا خیال ان کا نہ بھی ہو تو بھی کفار یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ان کا ایک مغلوب و حقیر دشمن ان کی اجازت کے بغیر کعبۃ اللہ میں داخل ہو۔ اسے وہ اپنی ہتک اور کسرِ شان یقین کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی صلح حدیبیہ کے بیان میں یہی بات بیان فرمائی۔

"اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ"

جب کفار نے اپنے دلوں میں مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے کو جاہلیت کے تصور کے مطابق بے عزتی خیال کیا۔

آنحضورؐ کا مکہ آنا تو ایک دینی فریضہ کی ادائیگی تھا جو ایک الٰہی رؤیا صادقہ کی بنا پر اختیار کیا گیا تھا۔ مگر کفار نے اسے اپنے لئے ایک عزت کا سوال بنا لیا۔ چنانچہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ پہنچے جو مکّہ سے نو میل کے فاصلہ پر تھا تو آپ کو اطلاع ملی کہ کفار مزاحمت کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ اس پر آنحضورؐ نے اپنا خاص ایلچی اپنے مقصد کی وضاحت کے لئے بھیجا۔ مگر کفار نے اس کے اونٹ کو مار ڈالا اور اسے بھی آمادہ قتل تھے مگر بعض لوگوں کے بیچ میں پڑنے سے رک گئے۔ آنحضور صلعم نے جب یہ خبر سنی تو حضرت عثمانؓ کو جن کی وجاہت مکّہ میں مسلّم تھی کفار کے پاس اصل غرض اپنے آنے کی بیان کرنے کے لئے بھیجا مگر حضرت عثمانؓ کو بھی کفار نے قید کر لیا۔

اب یہ امر پوری طرح واضح ہو گیا کہ کفار آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے چاہے جنگ ہی کیوں نہ پیش آ جائے۔

بیعتِ رضوان کا واقعہ

کعبہ معظمہ ایام حج میں حرمت کا مقام مانا جاتا تھا اور ان ایام میں امن کی جگہ تسلیم کی جاتی تھی۔ کسی شخص کو طواف سے روکا نہ جاتا تھا۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا داخلہ اور طواف کفار کو قطعاً منظور نہ تھا۔ جس کی وجہ جیسے کہ آیت شریفہ میں بیان جاہلانہ ضد و ہٹ دھرمی تھی یعنی جن کو انہوں نے اپنے وطن سے باہر نکال کر ان کے نیست و نابود کر دینے کے لئے تین جارحانہ حملے کئے تھے ان کے برخلاف ان کی جھوٹی غیرت و شیخی یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ وہ مکّہ میں داخل ہوں!

جب حالات ایسے نازک مرحلہ پر پہنچ گئے تو تب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حالات کی نزاکت سے صحابہ کرامؓ کو مطلع کیا اور اُن سے بیعت لی جسے تاریخ اسلام میں بیعتِ رضوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جس کا مطلب و مقصد یہ تھا کہ اگر باوجود کوشش جنگ کی نوبت آ پڑے تو صحابہ کرامؓ مرنے مارنے کا عزم و عہد کریں یہ اس لئے ضروری ہو گیا کہ مدینہ سے چلتے وقت تو صحابہ کرامؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مکّہ روانگی کا مقصد زیارت کعبۃ اللہ بتلایا اور ہتھیار نہ لے چلنے کی ہدایت کی تھی مگر اب غیر متوقع طور پر حالات یک لخت بدل جانے پر جنگ کے لئے کہا گیا تو اس صورت میں ضروری ٹھہرا کہ اُن سے جان کی بازی کا عہد لیا جائے۔ چنانچہ پندرہ سو صحابہ کرامؓ نے دستِ مبارک نبویؐ پر ایسا عہد کیا جس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ"

جب مومنوں نے درخت کے نیچے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ بیعت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر کیا کی گویا خدا کے ہاتھ پر کی۔

"ید اللہ فوق ایدیھم"

اُن کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ

بیعت رضوان کے بعد مسلمانوں کے قلوب یقین۔ اطمینان اور سکینت سے معمور ہو گئے مزید کفار کے ایک قاصد نے مسلمانوں کے کیمپ میں آ کر یہ عجیب نظارہ دیکھا کہ کس طرح صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت میں سرگرمی دکھلاتے ہیں حتیٰ کہ آنجنابؐ کے وضو کا پانی زمین پر گرنے نہیں پاتا۔ اب تو کفار نے صلح کی جانب ہاتھ بڑھایا مگر شرائط صلح صاف ایسی تجویز کیں کہ جن سے ان کا غالب و معزز ہونا ثابت ہو اور مسلمانوں کی مغلوبیت و ذلّت نظر آئے چنانچہ شرائط صلح انہوں نے یہ پیش کیں:-

۱۔ اس سال مسلمان حج یا عمرہ نہیں کر سکتے البتہ اگلے سال آ کر کر سکتے ہیں مگر تین روز سے زیادہ مکّہ میں نہیں ٹھہر سکتے۔

۲۔ اگر کوئی شخص مکہ والوں میں سے مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو اسے کفار کو واپس کرنا ہو گا مگر عین اس کے برعکس اگر مدینہ سے کوئی مسلمان کفار سے آ ملے اور مکّہ چلا آئے تو کفار اسے نہ دیں گے اسی طرح جو لوگ مکہ میں اس وقت موجود ہیں مسلمان ان میں سے کسی کو ساتھ نہ لے جا سکیں گے۔

۳۔ یہ صلح دس سال کے لئے ہو گی۔

۴۔ عرب قبائل جس طرف تعاون کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ شرائط نہ صرف انصاف و مساوات کے برخلاف تھیں بلکہ صاف طور پر ان سے یہ اثر ڈالنا منظور تھا کہ کفار کا پلہ غالب اور مسلمانوں کا پلہ مغلوب ہے۔ چنانچہ یہی کچھ اثر مسلمانوں پر بھی ہوا۔ چنانچہ اپنے مجروح جذبات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیش کر کے آنحضورؐ سے دریافت کیا کہ کیا آپ حق پر نہیں؟ اور کیا آپ نے ہی خدا تعالےٰ کی منشاء کے تحت عمرہ کی تیاری کا حکم نہ دیا تھا؟ تو اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جواب دیا کہ بے شک ہم حق پر ہیں اور یہ اقدام خدا کی منشاء کے تحت کیا گیا ہے مگر اسی سال عمرہ کا تو آپ نے وعدہ نہ دیا تھا۔ نیز یہ کہ صلح کا یہ اقدام کسی خوف یا ڈر کے تحت نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو بیعتِ رضوان کیوں لی جاتی؟ بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت عمرؓ پر واضح کیا کہ یہ صلح محض خدا تعالےٰ کی رضا و منشاء کے تحت کی جا رہی ہے۔ تو حضرت عمرؓ خدا کی رضا کے جواب سے خاموش ہو گئے۔

کفّار اور آنحضرت صلعم کا تنازعہ خالصتاً دینی نوعیت کا تھا۔

حضرت عمرؓ کے سوال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جواب سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ کفار اور مسلمانوں کا جھگڑا کوئی دنیوی قسم کا نہ تھا بلکہ دین کے اعتقاد کا معاملہ تھا۔ کفار ہرگز اپنے آبائی مؤقف بت پرستی کو ترک نہ کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ ان میں سے کوئی برضا و رغبت بھی توحید کو اختیار کرے۔ یہی وجہ تھی کہ مکّہ میں مسلمانوں پر انتہائی مظالم و مصائب ڈھائے گئے۔ یہی تو وجہ تھی کہ مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنا پڑی!! اور یہی تو اس امر کا باعث تھا کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ترک وطن کر کے مدینہ ہجرت کرنا پڑی بالآخر یہی تو اس بات کا باعث تھا کہ مدینہ میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا تھا۔ بلکہ کفار نے پوری تیاریاں کر کے مدینہ پر تابڑ توڑ کامیاب حملے بدر۔ اُحد اور احزاب کے کئے تھے۔

قرآن کریم نے اس صداقت کو دوسرے مقامات پر بھی بیان فرمایا ہے۔ جب یہ ارشاد ہوا۔

" اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔۔۔"

"الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔"

دیکھو تمہیں مدافعانہ جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ تم پر سراسر ظلم روا رکھا گیا یہاں تک کہ تمہیں اپنے گھروں کو خیرباد کہنے پر بھی مجبور کیا گیا۔ اور یہ سب کچھ کیوں روا رکھا گیا؟ محض اس لئے کہ مسلمان یہ مانتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:۔

"فانھم لا یکذبونک ولکن الظالمین بایٰت اللہ یجحدون۔"

یاد رکھو یہ کفار درحقیقت تیری تکذیب کے درپے نہیں کیونکہ آپ کو تو صادق مانتے تھے بلکہ ظالم لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ خدا کی آیات کی تکذیب کریں۔

یہ حقیقت ہے کہ کفار آپ کی ذات کی صداقت و امانت کے تو ہمیشہ قائل تھے مگر رنجش اور ضد تو انہیں توحید کے اصول سے ہوگئی تھی کیونکہ یہ بات ان کی قدامت پسندانہ روایات اور آبائی معتقدات کے برخلاف واقع ہوئی تھی۔

شرائط پر جب دستخط ہو چکے تو ابو جندل رضؓ جو مسلمان ہو کر مکہ والوں کے سخت زیرِ عتاب و عذاب تھے آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا ماجرا اور زخمی جسم پیش کیا۔ درخواست یہ تھی کہ انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پناہ میں لے لیں مگر سہیل جو کفار کا نمائندہ تھا اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ چنانچہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کی شرائط پر عمل کرتے ہوئے ابو جندل رضؓ کو پناہ دینے سے معذوری ظاہر کی۔

پس یہی جہالت کی ضد اور بیخ صلح حدیبیہ کے وقت ان کے مدِّنظر تھی۔ کفار کی شیخی کب یہ گوارا کر سکتی تھی کہ اس گروہ کی برابری یا اس سے انصاف پسندی کا سلوک کبھی روا رکھیں جسے وہ برسہا برس تک تختہ مظالم بنا کر وطن کے ترک کرنے پر مجبور کر چکے تھے اور جس گروہ ان کی نئی پناہ میں بھی نیست و نابود کرنے کی غرض سے حملہ آور ہو چکے تھے؟

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ اگرچہ آپؐ باوجود اسکے کہ آپؐ ایک دینی فریضہ کی ادائیگی کی خاطر آئے ہیں مگر کفار سدِّ راہ بن چکے ہیں۔ حالانکہ آنحضور صلعم جنگ کی نیت سے نہیں آئے تھے۔ مگر اب جنگ ناگزیر بن گئی ہے۔ البتہ کفار بھی جنگ سے بچنا چاہتے ہیں مگر صلح کی راہ میں فریقین میں اب بات یہ رہ گئی ہے کہ کون سا فریق غالب نظر آئے تو اس صورت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ امر بطیب خاطر گوارا کر لیا کہ ہمیں تو اپنی ذاتی وقار و غلبہ دکھلانا مقصود نہیں۔ اس لئے نفس کی اس آخری خواہش کو بھی صلح کی خاطر قربان کر دینا واجب ہے تاکہ دنیا پر یہ امر کلّی ثابت ہو جائے کہ یہ تنازع خالصتاً دینی نوعیت کا ہے۔ اس میں ذاتی تعصب اور ترفع کا کوئی شائبہ تک بھی کم از کم آنحضورؐ کے قلبِ مطہر و مقدس میں موجود نہیں بلکہ نفسانیت کے ہر جذبہ سے بالاتر ہو کر تحریکِ اسلام خالصتاً توحید کے قیام و غلبہ کے لئے ہی ہے۔ اسی طرح جب صحابہ کرامؓ نے بھی یہ دیکھا کہ صلح حدیبیہ میں اگرچہ ان کی ذاتی مغلوبیت نظر آتی ہے لیکن جب کہ یہ اقدام خدائی حکم کے تحت ہے تو انہیں بھی برضا و رغبت یہ منظور ہے کیونکہ ان کی تمام تحریکات بھی نفس کے کسی جذبہ سے نہیں ہیں بلکہ خالصتاً رضائے الٰہی کے ماتحت ہیں۔ اگر رضائے ربّی ان کی ذلّت پر ہے تو انہیں یہ بھی منظور ہے۔ اس طرح حکم خداوندی "قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین" کہہ دو میری ہر حرکت یہاں تک کہ میری عبادت۔ خدا، خدمتِ خلق اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اطاعتِ ربّی و منشاء الٰہی کے لئے ہے۔ نہ کسی جذبہ نفس کی خوشی کے لئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اسی حقیقت کو اس شعر میں اپنے پیروؤں کی ہدایت کے لئے بیان فرمایا۔ ع گر وہ ذلت پہ ہو راضی اس پہ سو عزت نثار اور دوسرے مقام پہ ہدایت فرمائی۔ "تم سچے ہو کر جھوٹوں کی مانند تذلّل اختیار کرو۔"

ملک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام   کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نے دیار
مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا   مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

(حضرت مسیح موعودؑ)

صلح حدیبیہ کے فاتحانہ نتائج

بظاہر یہ صلح مسلمانوں کے لئے موجب مغلوبیت و خفت دکھلائی دیتی تھی لیکن یہ ایک عظیم معجزۂ خداوندی ثابت ہوئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ صلح کے باعث ایک طرف تو امن و سکینت کی فضاء پیدا ہوئی۔ دوسری طرف کفار کو موقعہ ملا کہ باہمی اختلاط و ارتباط کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا قریب سے مطالعہ کریں۔ دشمنی اور عداوت کی فضاء میں ہر شے دشمنی کی عینک سے اور بدظنی کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ عمدہ سے عمدہ اقدام۔ اعلیٰ سے اعلیٰ نیکی کو بھی جب تعصب و تنگ نظری کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس میں دشمن کی برائی ہی برائی نظر آتی ہے لیکن جب نقطۂ نگاہ صلح اور انصاف و عدل کا ہو تو ہر شے اپنے صحیح رنگ میں دکھلائی دیتی ہے۔

چنانچہ اس بظاہر ذلت آمیز صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف ڈیڑھ برس کے عرصہ میں صحابہ کرامؓ کی تعداد چودہ سو نفوس سے جو تعداد اس صلح کے وقت تھی بڑھ کر دس ہزار افراد بن گئی۔ اور فتح مکہ کے وقت جو ۸ ہجری میں ہوئی اس قدر صحابہ کرامؓ آنحضورؐ کے ہمرکاب تھے۔

دوسرا عظیم نتیجہ یہ نکلا کہ اس بھیانک و غلط الزام کا دفعیہ کلیتہً ہو گیا جس کا خلاصہ اس مضمون کے ابتداء میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اس اعتراض کا کہ دینِ اسلام دین نہیں بلکہ ایک دنیاوی تحریک ہے۔ جس کی ترقی اور پھیلنے پھولنے کا راز اس کی عسکری طاقت اور قوتِ بازو میں مضمر ہے۔ نیز جس کے لئے جارحانہ، جنگجویانہ کارروائیاں کیا لانا لازم پڑتی ہیں۔ جس میں زندگی کے اعلیٰ ترین نیکی و تقویٰ کے عمو

اب یہ جائے غور ہے کہ یہ اعتراض صلح حدیبیہ کے واقعات کی روشنی میں کہاں تک برقرار رکھا جا سکتا ہے؟

نفس کی ہر خواہش سے پاک محض رضائے ربّی

قابلِ غور امر ہے کہ اگر اسلام کی اشاعت تلوار یا سلطنت و اقتدار کی مرہونِ منت ہوتی تو ایسے نادر موقعہ پر جیسے صلح حدیبیہ کا پیش آیا کیوں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ سے باز رہتے حالانکہ ایک فریضہ دینی کے راستہ میں کفّار سدِّ راہ بن گئے تھے اور جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہٗ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کرنے کی بیعت بھی لے لی تھی۔ نیز جبکہ ایسی ذلت آمیز صلح صحابہ کرام کو قطعاً منظور نہ تھی؟

پھر یہ اعتراض بھی کہاں باقی رہ جاتا ہے کہ اسلام بزور و جبر پھیلایا گیا؟ کیونکہ شرائط صلح تو ایسی تھیں جن سے اسلام کے برخلاف جبر روا رکھا گیا تھا اور کفر کی حمایت و تائید ملحوظ خاطر رکھی گئی تھی۔ مگر باوجود اس کے اسلام کے برخلاف شرائط کے اسلام کی ترقی و اشاعت معجزہ نما طور پر ہوئی۔ یہ اس لئے کہ صلح و امن کی فضا ہی اسلام کی اشاعت و قبولیت کے لئے سازگار تھی۔ اور ایسا ہی ثابت ہوئی۔ بلکہ یہ کہنا واقعاتی حقیقت ہے کہ تلوار اور جبر کی فضاء کفار نے اس لئے پیدا کی تھی کہ تا اسلام کی قبولیت نہ ہو سکے مگر جب یہ فضا آزادی و رضا و رغبت یعنی امن و صلح کاری میں بدل گئی تو اس دینِ فطرت کی ترقی و قبولیت میں خارقِ عادت اضافہ ہو۔

پس اصل منشاء جو صلح حدیبیہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں، تھا وہ اسی اعتراض تلوار اور جنگ کا دفعیہ کرنا مقصود تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے متعلق جھوٹے طور پر مشہور پا گیا ہے۔ حالانکہ اسلام کی اصل ترقی و فتح کا راز مسلمانوں کا ہر قسم کے نفسانی یا شیطانی وساوس و جذبات سے کلیتہً پاک ہو کر محض رضائے الٰہی کی خوشنودی مدِّنظر تھی۔ اور یہی حقیقتاً دینِ خالص و حنفہ کی نشانی ہے۔ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنی عملی زندگی اور نفاذ سے ثابت کر دکھلائی۔

"اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد"

مکرم جناب فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی

نبوّت کے دریا کا دُرِّ یتیم

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
وہ طیّب و امیں ہے اسکی ثنا یہی ہے

نبوت ایک نعمت ہے۔ یہ ایک انعام ہے جو خداوند تعالےٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ یہ اکتسابی نہیں کہ کوئی انسان ریاضت شاقہ اور مجاہدہ کاملہ سے حاصل کر لے۔ یہ انعام وہبی ہے اللہ تعالےٰ اپنے برگزیدہ بندوں میں سے جسے چاہے اس نعمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ وہ علیم و خبیر خدا اچھی طرح جانتا ہے کہ اس اعزاز کے لئے کون موزوں ہے۔

انسان کی جسمانی نشو ونما اور تربیت کے لئے صانع حقیقی نے طرح طرح کے پھل اور قسم قسم کے اناج پیدا کیے ہیں یہ پھل اور اناج جدا جدا موسموں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان کی روحانی اور اخلاقی تربیت کے سامان اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔ زمانہ کی ضرورت قومی نبی یا رسول کی ہو تو کسی خاص قوم کے لئے وقتی یا قومی پیغمبر مبعوث کیا جاتا ہے۔ مجدد، مصلح اور غیر نبی مامور کی ضرورت ہو تو اسے بھیجا جاتا ہے اور اگر ساری کائنات کی تربیت روحانی اور کل عالمی مفاسد اور برائیوں کا تدارک ضروری ہو تو ایک کامل نبی کی بعثت ہوتی ہے۔ خداوند قدیر کا کوئی فعل عبث اور بے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ وہ ضرورت کے مطابق قدرت نمائی کرتا ہے۔

چنانچہ جب مختص الوقت اور مختص القوم رسل و انبیاء کی لائی ہوئی شریعت اور ہدایت دنیا سے قریباً قریباً مفقود و معدوم ہو گئی یہاں تک فساد بحر و بر پر پھیل گئے۔ راستی توحید۔ نیکی اور پاکبازی زیب داستان بن کر رہ گئی اور شرق و غرب میں۔ شمال اور جنوب میں فسق و فجور۔ شرک و بت پرستی۔ بدکاری اور شراب خوری زور پکڑ گئی تو خدائے رحیم نے اپنی مخلوق کو جو ہلاکت کے گڑھے تک جا پہنچی تھی بچانے کے لئے سرزمین عرب میں اس نبی کو مبعوث کیا جس کی بشارت پہلے صحیفوں اور آسمانی کتابوں میں دی گئی تھی خدائے برتر و توانا نے اس ہادی کو جملہ اقوام عالم کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا۔ نبوت کے اس ظہور اتم پر اپنی نعمتوں کو اتمام تک پہنچایا اور رشد و ہدایت کو کمال پر پہنچایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے تکمیل دین اور اتمام نعمت کا وعدہ پورا ہوا۔ اب ابدالآباد تک بنی نوع انسان کو کسی جدید شریعت کی حاجت نہ رہی۔ آپ مکارم اخلاق بنائے گئے اور اب کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی۔

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

انسانیت کے اس محسن اعظم کے مقام کو بیان کرنا کسی انسان کے لئے ممکن نہیں۔ لا یمکن الثناء کما کان حقہ۔ یہ کمال اوج سعادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی حاصل ہوا۔

شانِ احمد را کہ داند جز خداوند کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم
زاں نمط شد محو دلبر کز کمال اتحاد
پیکر او شد سراسر صورت ربِّ رحیم

حضورؐ کے خدام نے آپ کی شان میں نعت سرائی کی ہے۔ دینی مجالس میں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آنحضرت کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر زیادہ تر حضورؐ کی ظاہری اور جسمانی محاسن کا ذکر کیا جاتا ہے کوئی آنحضرت کی سیاہ زلفوں کی تعریف کرتا ہے کوئی آنحضرت کی سرمگیں آنکھوں کی توصیف کرتا ہے۔ کہیں آنحضرت کے قد و قامت کا وصف بیان کیا جاتا ہے مگر اس دُرِ یتیم کے محاسن۔ آپؐ کے لائے ہوئے بے مثال روحانی انقلاب۔ آپ کے جود و کرم اور بنی نوع انسان پر آپؐ کے عظیم احسانات کے بیان کرنے کی بہت کم لوگوں کو توفیق ملی ہے۔ سچ ہے۔ جواہرات کی قدر و قیمت جوہری ہی کر پاتے ہیں۔ دوسروں سے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھ جاتے ہیں۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

اس برگزیدہ نبیؐ جس کا نام محمدؐ اور احمدؐ ہے کی تعریف و توصیف اپنوں نے ہی نہیں کی بلکہ بیگانوں نے بھی مدح سرائی کا حق ادا کیا ہے۔ عالمی شہرت یافتہ غیر مسلم فلاسفروں نے شہادت دی ہے کہ عصر حاضر کے پر آشوب زمانے میں حقیقی امن اور سلامتی آنحضرتؐ کی تعلیم ہی دے سکتی ہے۔ رسول عربیؐ عربوں کیلئے ہی نہیں اقوامِ عالم کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے حال ہی میں امریکہ سے مشاہیر عالم کا ایک تذکرہ اشاعت پذیر ہوا ہے بیسویں صدی میں سینکڑوں ایسے تذکرے منظر عام پر آئے ہیں اور ان میں ہزارہا نابغہائے روزگار کے حالات لکھے گئے ہیں مگر امریکہ سے چھپنے والا تذکرہ صرف ایک سو نامور شخصیتوں کے حالات پر مشتمل ہے ان میں دینی راہنما۔ ادباء۔ علماء۔ فضلاء و صنعت و حرفت۔ ثقافت اور فنون لطیفہ کے مشاہیر شامل ہیں۔ دینی راہنماؤں میں کنفیوشس۔ زرتشت۔ موسےٰؑ۔ عیسےٰؑ اور رسول کریمؐ کے حالات زندگی شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس تذکرہ کا مؤلف ایک امریکن عیسائی ہے۔ اپنی تکمیل کے مقدمہ میں وہ لکھتا ہے کہ اس تذکرہ میں جن مشاہیر کے حالات اور کمالات بیان کئے گئے ہیں ان کو ترتیب دینا آسان کام نہیں تھا۔ میں نے اس تذکرہ کے مندرجات کو ترتیب دیتے وقت یہ امر ملحوظ رکھا ہے کہ اس شخصیت کے کمالات اور اس کے کارناموں میں اس کی ذاتی استعداد، اسوہ حسنہ اور مرکزی ہونا کہاں تک اثر انداز ہوتا ہے چنانچہ جب میں نے اس معیار پر ان مشاہیر پر پرکھا تو رسول عربیؐ مجھے سرفہرست دکھائی دیئے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چنانچہ میں حضورؐ کے حالات سے اس کتاب کی ابتدا کرتا ہوں۔

میری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

مؤلف تسلیم کرتا ہے کہ میرے عیسائی بھائی ضرور برا منائیں گے اور متعجب ہوں گے کہ حضرت مسیحؑ کا پیرو ہوتے ہوئے میں نے پیغمبر اسلام کو کیوں فوقیت دی۔ مگر میں تو سچی بات کو، اور پاکیزہ دل کی باتوں کو، میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ رسول عربیؐ کی قوت قدسی نے فسق و فجور۔ شرک و کفر۔ جنگ و جدل۔ راگ و رنگ۔ شراب و شباب میں غرق عربوں کو پیکر شرافت بنا دیا۔ انہیں اصنام پرستی سے نجات دلوا کر توحید پرست بنا دیا۔ غیر ملکی حکمران کے دست نگر عرب کے منتشر قبائل کو متحد اور منظم کر کے اس مقام پر پہنچا دیا کہ انہوں نے قیصر و کسریٰ کے اقتدار پر ضرب کاری لگا کر ایک وسیع و عریض سلطنت کی بنیاد ڈالی انہوں نے علم و حکمت کے چشمے بہا دیئے۔ دنیا کو عدل و انصاف۔ اخوت۔ مساوات اور حریت کا سبق دیا۔ پاکبازی۔ خدا ترسی اور غریب پروری کی ان گنت داستانوں کو جنم دیا۔ سرزمین اندلس میں ان کے جاہ و جلال و عظمت کی داستانیں اب بھی جگہ جگہ عمارتوں اور باغوں میں مرتسم نظر آئیں گی۔

احد ذو الجلال، اسی خدائے علیم و خبیر نے جو خود رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے اپنے بندوں کو ضلالت گمراہی، ظلم و تعدی کا شکار نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی رحمانیت جوش میں آتی ہے۔ اور وہ اپنے رسولوں کو گناہگاروں اور گمراہوں کی اصلاح بخشش اور راہنمائی کیلئے بھیجتا رہا۔ تا انہیں ضلالت کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور میں اپنی منزل اور مقصد زندگی پانے میں مدد دیں۔ اس طرح خدا کے نبی، رسول اور مامور رحمت بن کر آتے رہے۔ مختص القوم اور مختص الزمان انبیاء اور رسل کی رحمت محدود ہوتی تھی۔ مگر جب نبی آخر الزمان کا فتنۂ الناس کی اصلاح اور راہنمائی کیلئے بھیجے گئے تو انہیں رحمت للعالمین بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ و تبارک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور شفقت علیٰ خلق اللہ کو بار بار بیان کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا کہ ہم نے جو رسول تمہاری طرف بھیجا ہے وہ تمہاری بے راہ روی اور اعراض سے آزردہ ہوتا ہے۔ اس کے قلب پر تمہاری گمراہی اور نافرمانی شاق گذرتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی چاہتا ہے تمہاری اصلاح کا متمنی ہے وہ تم سے رجس و ناپاکی دور کر کے تمہیں پاک و صاف کرنا چاہتا ہے وہ تمہیں پستی سے اٹھا کر بام رفعت پہنچانا چاہتا ہے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول بیشک ہم نے تمہیں عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مطہر بے گناہ و بے کدورت... بداخلاقی و بدکرداری میں ڈوبی ہوئی قوم کی اصلاح کے لئے مضطربانہ دعاؤں کو سن کر باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے رسول اگر یہ لوگ تیری دعوت پر لبیک نہیں کہتے اور تباہی اور ہلاکت کی طرف دوڑے جا رہے ہیں تو اے سراپا رحمت کیا تو اپنی جان کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کر دے گا۔ حضرت امام الزمانؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جذبہ کو یوں بیان کیا ہے

جان خود دادن پئے خلق خدا در فطرتش
جان نثار خستہ جانان بیدلاں را غمگسار
اندراں وقتیکہ دنیا پُر ز شرک و کفر بود
ہیچکس را خوں نشد دل جز دل آں شہریار
کس چہ میداند کزاں نالہا باشد خبر
کاں شفیعے کرد از بہر جہاں در کنج غار
من نمی دانم چہ درد و کرب بود و اندوہ و غمے
کاندرآں غار در آورد و دلش حزین و دلفگار
نعرہ ہا پر درد میزد از پئے خلق خدا
شد تفرع کار او پیش خدا لیل و نہار
آخر از عجز و مناجات و تفرع کردنش
شد نگاہ لطف حق بر عالم تاریک و تار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مضطرب دل سے اصلاح خلق کے لئے نکلی ہوئی دعاؤں نے کیا اثر دکھلایا۔ اہل عرب جن کی راتیں شراب خوری، راگ و رنگ، عیش و عشرت میں گذرتی تھیں جس طرح مغرب کی ترقی یافتہ قوموں کا شعار ہے ربع صدی سے بھی کم مدت میں راتوں کی عیاشی نائو نوش سے تائب ہو کر عبادت میں راتیں گذارتے ہیں۔ وہ عرب جو بات بات پر تلواریں سونت لیتے تھے اب زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور جب ان سے کوئی الجھتا ہے تو اس سے درگذر کرتے ہیں۔ راتوں کو خدا کے حضور سر بسجدہ ہو کر روتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں کہ ہمارے خدا ہم سے دوزخ کا عذاب دور فرما۔ اس کا عذاب بھاری مصیبت ہے وہ ٹھہرنے کیلئے اور رہنے کے لئے بری جگہ ہے، یہ لوگ نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخل بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں وہ اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ٹھہراتے وہ کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے قتل نہیں کرتے۔ سوائے اس کے کہ انصاف چاہئے وہ فحش اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں یہ عالمگیر انقلاب تاریخ عالم میں بے مثال ہے دنیا میں کون سا ایسا نبی گذرا ہے جو اپنی زندگی میں اتنی عظیم الشان کامیابی دیکھنے والا ہو یہ حقائق اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سچے پیغمبر تھے۔ اور انہیں خدائی تائید اور نصرت حاصل ہوئی۔ روح القدس ہمیشہ اور ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا۔

آپؐ کی رحمت کا نمونہ فتح مکہ کے موقع پر نظر آتا ہے۔ ایک دشمن قوم پر جس نے تیرہ طویل سال آپؐ کو اور اصحاب رسولؐ کو ایذائیں پہنچائیں۔ ان پر عرصہ حیات تنگ کئے رکھا ان کا مقاطعہ کیا۔ آپ کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اخلاقی اور جہانبانی کے قواعد کے مطابق آپ نے ان مفتوحین سے بدلہ لے سکتے ہیں اور انہیں خاطر واقعی سزا دے سکتے ہیں۔ آپ کے فدائی ابرو چشم کے اشارے کے منتظر ہیں آپ کے بشرہ پر غیض و غضب کے آثار نظر نہیں آتے۔ پیشانی مبارک پر غصہ اور نفرت دکھائی نہیں دیتی اپنے عم کے قاتلوں کو دیکھ کر اور ان سفاکوں کے انسانیت سوز مظالم یاد کر کے آپ میں آتش انتقام شعلہ زن نہیں ہوتی اس الرؤف الرحیم کے لب مبارک جنبش میں آتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں

لا تثریب علیکم الیوم

اقوام عالم کی تاریخ کو الٹ پلٹ کر دیکھئے۔ فاتح فتح کے نشہ سے سرشار مفتوح سے کیا کیا سلوک نہیں کرتا اس موقعہ پر زیادتی زیادتی نہیں رہتی۔ ظلم ظلم نہیں کہلاتا جور و جفا قتل و غارت۔ لوٹ کھسوٹ سب روا ہوتے ہیں اور نہیں تو بھاری تاوان جنگ کے علاوہ ان مفتوحین کو بیدست و پا کر دیا جاتا ہے، زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں بیسویں صدی کے مہذب اور متمدن، دور میں جنگ عظیم اول اور ثانی کے خاتمہ پر اتحادیوں نے مغلوب ہونے والی قوموں سے جو سلوک کیا وہ دیکھ لیجئے

یہ تقابل اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الحقیقت رحمت العالمین تھے۔ فتح یاب ہونے پر ہی نہیں جب آپ فتنہ و فساد کی سرکوبی کیلئے لشکر کشی کرتے ہیں تو سپاہ کو حکم دیتے ہیں کہ خبردار کسی بوڑھے عورت اور بچے پر ہاتھ نہیں اٹھانا۔ دشمنوں کے کھیتوں، باغوں کو نہیں اجاڑنا، اسیران جنگ سے زیادتی نہیں کرنا حملہ کرنا ہو تو صبح کی نماز کے بعد کرنا ممکن ہے وہ لوگ خدائے برتر کی حاکمیت کو قبول کر لیں اور فتنہ و فساد سے توبہ کر لیں۔ ایک موقعہ پر سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید نے مخالف لشکر کے ایک سپاہی کو جس نے توحید اور رسالت کا بلند آواز میں اقرار اور اعلان کیا تھا قتل کر ڈالا فتحمند لشکر جب مدینۃ النبی واپس پہنچا اور رحمت للعالمینؐ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آنحضرتؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا آپؐ نے حضرت خالدؓ سے بازپرس کی تو انہوں نے عذر کیا کہ حضورؐ اس شخص نے جان بچانے کی خاطر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا۔ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا حضرت خالد خاموش ہو گئے اور حضورؐ کے ناراض ہونے پر ندامت سے سر جھکا لیا اس رحمت للعالمین نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ ایزدی میں التجا کی۔ اے خدا میں خالد کے اس قتل سے بیزار ہوں۔ یہ جملہ آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم نے تین بار دہرایا۔ اللھم صلی علی محمد و بارک وسلم۔ یہ تو ایک کلمہ گو کے قتل کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب شفیق کا اضطراب ہے اندازہ کیجئے اپنی امت کے ان لوگوں کے قتل و غارت پر جو اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بار بار کرتے ہیں اور اس نور ایمان کو خدمت دین، تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے جہاد میں مستعد اور مصروف رہنے سے ثابت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنے ناراض ہونگے مگر یہ تو ان لوگوں کے لئے مقام غور ہے جو حضرت احدیت اور سرور کائنات کی خوشنودی پسندیدگی اور رضا جوئی کے طالب ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا ایک اور واقعہ سن لیجئے کتب احادیث میں لکھا ہے کہ ایک دن حضورؐ پر نور محزون و مغموم بیٹھے تھے حضرت جبرائیل تشریف لائے اور اس حزن و ملال کی وجہ پوچھی حضرت رحمت للعالمین نے فرمایا میں سوچ رہا تھا کہ مجھ سے پہلے بھی کفر و ضلالت شدید ہو جاتی تھی تو حضرت باری تعالیٰ اپنی مخلوق کی اصلاح اور بخشش کیلئے رسول اور نبی مبعوث فرمایا کرتے تھے اب نبوت تو مجھ پر ختم ہو گئی ہے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میرا عہد رسالت قیامت تک ممتد ہے میرے بعد جب دنیا میں مرور ایام حق سے دوری کتاب اللہ سے روگشی اور کفر و گمراہی پھیل جائے گی تو اصلاح خلق کیوں کر ہو گی۔ حضرت جبرائیل نے حضورؐ کو تسلی دی اور کہا گیا کہ لا تحزن اللہ تعالیٰ و تبارک نے آپ کی امت کے لئے مجددین کا سلسلہ قائم کر دیا ہے یہ مجدد ہر سو سال کے بعد تجدید

(باقی صفحہ ۲ پر)

جناب برکت اللہ راٹھور صاحب سیالکوٹ

آسمانِ نبوت کا مہرِ نیم روز اور انسانیت کا محسنِ اعظم

ابتدائے آفرینش سے ہی انسان کو کائنات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ کائنات کو بنایا ہی اُسی کی خاطر گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں کئی جگہ فرماتا ہے کہ:۔

"زمین و آسمان کی تمام اشیاء کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔"

اجرام فلکی کے بڑے بڑے سیاروں سے لے کر صحرا کے نہایت ہی چھوٹے ذرّے تک سب نسلِ انسانی کی بقا اور نشوونما کے لئے پورے انہماک سے معروفِ کار ہیں۔ اسی کی خاطر ہواؤں کا نظام بنایا گیا ہے۔ یہ ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو ادھر سے اُدھر اٹھائے پھرتی ہیں اور پیاسی زمین کو سیراب کرتی چلی جاتی ہیں اور اس طرح انسان سورج کے تعاون سے بھی پھول اور اناج کی صورت میں قوتِ لایموت حاصل کرتا ہے۔ یہ سارا نظام انسان کی مادی ضروریات کو پورا کرنا ہے میں ممد و معاون ہوتا ہے لیکن انسان کی حیثیت تو کبھی محض مادی نہیں بلکہ اس کی تکمیل کے سلسلہ میں ایک غیر فانی عنصر یعنی روح کو بھی بیحد دخل حاصل ہے۔ جس سے اُسے زندگی اور شعور حاصل ہوتا ہے۔ اسی رُوح کی بدولت ہی وہ کائنات میں غور و فکر کرنے کے قابل ہوا۔

پھر اس کی روحانی غذا کے لئے اللہ تعالیٰ نے سامان پیدا کر رکھے ہیں۔ ابتداء سے ہی ایک قوت انسان کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے۔ جس سے وہ بُری اور بھلی راہوں میں تمیز کر سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

"پھر الہام سے اُسے اس بدی اور تقویٰ کے رستے بتا دیئے۔" (الشمس ۸)

یعنی انسان کا نورِ قلب اس کو بتا دیتا ہے کہ یہ بات فجور کی یا تقویٰ کی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ قدرت نے ایک خارجی نظام سلسلہ انبیاء کا بھی بنایا ہے۔ جو اس اندرونی قوت کو وقتاً فوقتاً پیغام حق پہنچا کر اُسے متنبہ کرتا ہے کہ کہیں سست نہ پڑ جائے۔ اور اس کے سست پڑ جانے سے کہیں انسان جادۂ حق سے بھٹک نہ جائے۔ اس سلسلہ انبیاء کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے شاہکار خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دُنیا میں بھیجا۔ حضورؐ کی آمد کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے ہر مذہب کی مقدس کتب میں دے رکھی تھی تاکہ وہ "امن کی روح" بآسانی پہچانی جاسکے۔ اس سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلاشبہ تمام جہانوں کے لئے ہادی اور رہبر بن کر تشریف لائے۔ آپ سے قبل نبوت محض علاقائی یا قبائلی حدود کے اندر محدود ہوا کرتی تھی۔ لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا پیغام عالمگیر ہے۔ اور چونکہ آپکو تمام دنیا کی رشد و ہدایت کا کام سونپا گیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو رحمۃ اللعالمین فرمایا۔ اور چونکہ ان کا پیغام ایسا تھا جو مخلوقِ خدا کو اندھیرے سے روشنی میں لانے کا باعث ہونے والا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو سراجاً منیراً بھی فرمایا ہے۔ حضورؐ کی بعثت سے نہ صرف عرب ہی کی صدیوں کی جہالت اور ظلمت دور ہوئی بلکہ حضور کے وجود باجود کی ضیاء پاشی سے تمام عالم منور ہو گیا۔ حضورؐ کا پیغام قرآنِ مجید کی شکل میں محفوظ ہے۔ وہ ایک بے نظیر کتاب ہے جو سرچشمۂ نور و ہدایت ہے اُس کی تعلیم زندگی بخش ہے۔ جو انسان کو ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر عرفان کے بلند مقامات تک پہنچا دیتی ہے حضورؐ نے یہی قرآن اپنی امت کو دے کر انہیں دنیا میں پیغامِ حق پھیلانے کی تلقین فرمائی۔ تاکہ دنیا کے روحانی پیاسوں بلکہ مُردوں کو آبِ حیات پلا کر دوبارہ زندگی سے ہم آغوش کیا جاسکے۔ یہ معمولی کام نہ تھا۔ یہ وہی کر سکتا تھا جس کے دل میں نوعِ انسانی کی اصلاح کی حقیقی تڑپ موجود ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔

"کیا تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے گا کہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔"

اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو نسلِ انسانی کی اصلاح کس قدر محبوب تھی اور یہی فکر ہر وقت اُن کے دامن گیر رہتا تھا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عملاً رحمۃ اللعالمین بن کر دکھا دیا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم چونکہ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے جو کتاب آپ پر نازل ہوئی وہ بھی اسی نسبت سے خاتم الکتب ہے۔ قرآنِ مجید نے تمام دنیا کو چیلنج کیا ہے کہ اگر تمہیں اس کتاب میں کسی قسم کا شک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے تو پھر اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ اور ساتھ ہی تحدی سے بتا دیا کہ یہ تم سے کبھی بھی نہ ہو سکے گا کیونکہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ خدائے عالم الغیب کا کلام ہے۔ آج چودہ سو سال ہونے کو آئے ہیں لیکن بڑے بڑے معاندینِ اسلام کو یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ قرآنِ مجید کی عظمت خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت پر دلیل ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خاتم النبیین ہونے پر بھی ایک زبردست دلیل ہے۔

خاتم الانبیاء ہونے کا تقاضا تھا کہ آپ کو پیغام بھی وہ عطا ہو جو ہر طرح سے کامل و مکمل ہو۔ تاکہ پھر کسی اور پیغام کی ذرہ بھر بھی گنجائش نہ رہے۔ کیونکہ اگر کسی اور پیغام کی ضرورت محسوس ہو تو پھر لامحالہ کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت بھی لاحق ہو جائے لیکن یہ پیغام ہر طرح سے کامل و مکمل ہے۔ اور اس لئے اب کسی اور نبی کی ضرورت قطعاً کوئی باقی نہیں رہتی۔ نہ کسی نئے اور نہ کسی پرانے کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآنِ مجید سے بے حد پیار کیا ہے۔ اور اس کی شان میں قصائد بھی فرمائے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک نشان ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور دینِ اسلام کی صداقت اور عظمت کا۔ حضرت صاحب نے ایک جگہ فرمایا ہے:۔

ع

آں کتابِ حق کہ قرآں نام اوست

بادۂ عرفانِ ما از جام اوست

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مقام بیان کرنا ہمارے احاطۂ امکان سے باہر ہے۔ یہ اعزاز صرف انہیں لوگوں کے حصہ میں آتا ہے جو فنا فی الرسول ہو جائیں۔ جن کی نظر سطحی ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شخصیت کا احاطہ کیسے کر سکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

ع

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش

محمد ہست برہانِ محمد

ہر ایک انسان اپنے شاہکار سے محبت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر درود بھیجتے ہیں اور مومنین کو بھی تلقین فرمائی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر درود بھیجیں۔

اللّٰھم صلی علیٰ محمد و آلِ محمد

کس قدر عزت افزائی حضور پاک کی سورۂ نجم میں بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بلند مقام کی طرف اشارہ ہے۔ فرمایا:۔

"اور نہ خواہش نفس سے بولتا ہے۔ یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔ اسے مضبوط قوتوں والوں نے سکھایا ہے۔ حکمت والے نے، سو وہ اعتدال پر قائم ہوا۔ اور وہ بلند انتہائی مقامات پر ہے۔ پھر قریب ہوا۔ اور بہت قریب ہوا۔ سو وہ دو کمانوں کا وتر ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قریب"

اس سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ قویٰ کس قدر کمال کو پہنچ گئے تھے۔ اور حضور کو اللہ تعالیٰ سے کس قدر شدید قرب حاصل ہوا۔ اس سے حضورؐ کی شان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں قرب الٰہی کے ساتھ ساتھ حضورؐ کا اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونا بھی شامل ہے۔ کس قدر کمال ہے حضورؐ کی شخصیت کا۔

حضورؐ کی شخصیت ہر کمزور انسان کے لئے باعث رحمت تھی۔ یتیموں، مسکینوں، بیواؤں کے لئے ان کے دل میں ہمیشہ شفقت تھی۔ مسافروں اور ناداروں کے لئے اُن کا دل ہمیشہ بے تاب رہتا۔ بیت المال اور زکوٰۃ کے ادارے قائم کر کے غرباء کی بروقت استعانت کا بندوبست کیا۔ آج کل ہر مغربی ممالک میں تنگدست لوگوں کو مالی امداد دی جاتی ہے۔ یہ اُسی رحمت اللعالمین کے قائم کردہ نظام کی نقل ہے۔

غلامی اسوقت کے معاشرہ میں بڑا اہم اقتصادی مسئلہ تھا۔ اور تمام دنیا میں رائج تھی۔ اسوقت تنخواہ دار ملازم کا تصور ہی نہ تھا۔ غالب اقوام مغلوب اقوام کو غلام بنانا اپنے ملک کی ضرورتوں کے پیش نظر نہایت ضروری سمجھتی تھیں غلامی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ بنی اسرائیل کا مصر سے اخراج ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ اسرائیلیوں کی حالت فراعنہ مصر نے ناگفتہ بہ بنا رکھی تھی۔ ان کے مردوں کو قتل کر دیتے تھے اور عورتوں کو اپنی ضرورتوں کے لئے زندہ رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونِ وقت سے مطالبہ کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو ان کے ہمراہ مصر سے نکل جانے دے لیکن وہ اس پر رضامند نہ ہوا تو بالآخر حضرت موسےٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے گئے اور اس طرح غلامی سے بنی اسرائیل کو نجات دلائی غلامی ایک لعنت تھی اور انسانیت پر ایک بدنما داغ تھا۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم غلاموں کے لئے بھی سراپا رحمت بن کر آئے۔ حضورؐ نے غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ انہیں اپنی غلامی کا احساس نہ ہوتا تھا۔ آپؐ نے غلاموں سے مساویانہ سلوک کا حکم دیا۔ یعنی جو مالک کھائے وہی غلام کو دیئے جانے کا حکم دیا۔ اسطرح لباس میں بھی آقا اور غلام کا کوئی فرق نہ ہوتا تھا۔ آج کل دنیا میں غلامی کا انسداد ہو چکا ہے۔ لیکن اس کی داغ بیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے عہد میں ہی ڈالدی گئی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ہمیشہ غلامی کو ناپسند فرمایا اور اپنی اُمت کو ہر مرحلہ پر غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی معمولی لغزشوں کی پاداش میں لوگوں کو غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ جہاں تک ہو سکا حضورؐ نے غلامی کی سختی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان معاشرہ میں غلاموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور مسلمان معاشرہ میں اُن سے سلوک بھائیوں جیسا ہونے لگا۔ اس طرح غلامی برائے نام رہ گئی۔ غلاموں کو زندگی کے ہر شعبہ میں مساویانہ حقوق بھی دلائے گئے۔ چنانچہ غلام کمانڈر اور بادشاہ تک بن گئے۔

ہندوستان میں خاندانِ غلاماں حکومت کرتا رہا۔ وہ سبھی کسی نہ کسی وقت غلام رہ چکے تھے لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور قوتِ قدسی کے فیض سے مسلمانوں نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہ سمجھی یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا دین اور پیدا کردہ معاشرہ جس میں آقا اور غلام سب برابر تھے۔

۵

بندہ و صاحب و غنی ایک ہوئے
تری بارگاہ میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

انسانی زندگی میں ہر زمانہ میں جنگیں بعض حالات میں ناگزیر ہو جایا کرتی تھیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بعثت سے پہلے جنگوں میں انسانیت کا کوئی پہلو ملحوظ خاطر نہ رکھا جاتا تھا۔ اور لوگ انہیں بھی زیادہ شجاع اور بہادر تصور کیا کرتے تھے جو سب سے زیادہ ظالم اور شقی القلب ہوا کرتے تھے۔

دشمن پر غلبہ پا کر اس کو تہ تیغ کر دینا اسوقت کا معمول تھا۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ بزدل آدمی غلبہ کے وقت بہت ظالم ثابت ہوا کرتا ہے۔ لیکن حقیقی بہادر آدمی کا دل غلبہ میں ہمیشہ نرم ہو جایا کرتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی جنگیں ہمیشہ دفاعی ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے کبھی پہلے اقدامِ جنگ نہیں کیا۔ غزوہ تبوک کے وقت جب سرحدوں سے متواتر خبریں آنے لگیں کہ رومی ایک بڑا لشکر جمع کر رہے ہیں تا کہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے انکو مغلوب کر لیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم رومیوں کے استیصال کے لئے تیس ہزار کا جرار لشکر لے کر تبوک روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو وہاں کوئی دشمن نہ تھا۔ عام فاتحوں کے لئے تو یہ سنہری موقع تھا۔ دشمن بے خبر تھا اور کوئی تیاری نہ تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس تیس ہزار کا جرار لشکر موجود تھا۔ چاہتے تو آگے بڑھ کر رومیوں کے بہت سے علاقہ پر قابض ہو جاتے۔ لیکن حضور صلعم رحمت اللعالمین تھے وہ خونِ ناحق نہیں گرانا چاہتے تھے۔ دشمن کو سامنے نہ پایا تو واپسی کا حکم دے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم حقیقی معنوں میں شجاعت کے اعلیٰ اوصاف سے متصف تھے۔ فتح مکہ کے وقت وہ لوگ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بڑی بڑی ایذائیں پہنچائی تھیں اور گھر سے نکالا تھا اور بڑے بھیانک مظالم کے مرتکب ہوئے تھے۔ اب مغلوب ہو چکے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اُن سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ بلکہ فرمایا:

"لاتثریب علیکم الیوم"

اور معاف کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم حقیقی معنوں میں فاتح اعظم ہیں حقیقی فاتح وہ ہوتا ہے۔ جو دلوں پر فتح حاصل کر لے آپؐ کے حُسنِ سلوک نے اہل مکہ کو آپؐ کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ جاں نثارانِ اسلام بن گئے۔ اور وہ بھی فاتح عالم ہو گئے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تبلیغ میں حقیقی معنوں میں قائم ہوئے۔ وہ جہاں بھی گئے انہوں نے لوگوں کے دلوں کو فتح کر لیا۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا کرشمہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی قوتِ قدسیہ سے عرب کے وحشی بد دیکھتے بلند اخلاق بہادر اور شریف بن گئے۔

جنگ میں رحم اور عفو کے عنصر سے حضورؐ نے ہی اس زمانہ کے لوگوں کو متعارف کرایا اور مسلمان بھی صدیوں تک اس اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا رہے۔ اور اب مغربی اقوام بھی انہیں خطوط پر کام کرتی نظر آتی ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذاتِ کریمہ کا نسلِ انسانی پر کس قدر احسان ہے کہ انہیں مہذب بنا دیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

ارشادِ نبویؐ

مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

رپورٹ: مولوی شفقت رسول خان — تلخیص: نائب مدیر

جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

منعقدہ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۸۰ء مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

بمقام جامع احمدیہ دار السلام
نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

جلسہ بتقریب عید میلاد النبی ۳۱ کو زیر صدارت جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب منعقد ہوا۔ کارروائی کا آغاز مولوی شفقت رسول خاں نے تلاوت قرآن پاک سے کیا۔ تلاوت کے بعد جناب زاہد مجید نے آنحضرت صلعم کی شان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات پڑھ کر سنائے۔ جناب اسحاق اختر ملہی نے حضرت مسیح موعود کا منظوم کلام، "ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے ۔ کوئی دین دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے" وجد آفریں ترنم سے پڑھا۔ ایک چھوٹے بچے ساعد افتخار احمد نے اپنے ننھے منھے الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختصر حالاتِ زندگی بیان کئے۔ ایک بچی سمیعہ احمد نے جو حال ہی میں لندن سے پاکستان آئی ہیں اُردو زبان نہ جاننے کے باعث انگریزی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں سے سلوک و محبت کا ذکر کیا، اور بچوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا پہلو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ اسکے بعد جماعت کے جوشیلے نوجوان ارشد حسین صاحب نے سیرت النبیؐ کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک بُت پرست قوم کے اندر توحید کے واحد معلم کا پیدا ہونا بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود اور وجود کی بعثت سے اپنی قدرتِ کاملہ کا معجزہ دکھایا ہے۔ ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف آیا لیکن نبی اکرمؐ اقوام عالم کے لئے نبی تھے۔ آپ کی شخصیت تمام انسانوں کے لئے کامل نمونہ تھی۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنی کتب میں نبی اکرمؐ کی جو تعریف و توصیف کی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں:۔

"توحید حقیقی ہم نے اس پاک نبی سے پائی ہے اور خدا سے مکالمات و مخاطبات کا شرف بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کے طفیل حاصل کیا ہے۔"

جناب محمود اعظم علوی صاحب نے "بے کس و بے بس نظر آتا تھا وہ دُرِّ یتیم" کے مطلع سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔

جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

آج ہم اس انسان کا ذکر کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں جس کی مثال نہ کوئی پہلے پیدا ہوئی اور نہ اب پیدا ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عام مسلمانوں کے عشق کا ذکر کرتے ہوئے اظہار افسوس کیا کہ اس اظہار عشق کے لئے طرح طرح کی بدعات اور غیر اسلامی حرکات میں مبتلا ہیں جسے عشق نہیں کہا جاسکتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی اظہارِ عشق تو آپؐ کی کامل اطاعت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنانا ہی ان سے حقیقی عشق کا مظہر ہے۔ آج مسلمانوں میں جرائم کے ارتکاب کا رجحان ہے۔ قتل و غارت، چوری ڈاکہ زنی جیسے کبائر کا ارتکاب عام ہے۔ شرک و قبر پرستی اور اسی طرح کی سینکڑوں بیماریاں ان میں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ نبی اکرمؐ کی سیرت کا خلاصہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان فیض ترجمان میں "کان خلقہ القرآن" ہے۔ قرآن پاک پر عمل پیرا ہونے سے ہی ہم ان کے سچے عاشق کہلا سکتے ہیں۔ انسانی اخلاق کو ان کے کمال تک پہنچانا ہی آپ کی بعثت کی اصل غرض تھی۔ آپؐ نے انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کیا اور اس کی مثال خود اس طرح قائم کی کہ آپؐ نے غلام زیدؓ کو آزاد کر کے بیٹے کی حیثیت میں پرورش فرمائی۔ آپؐ کے حُسنِ سلوک کی وجہ سے زید نے اپنے والدین کے ساتھ جانے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی۔ حضرت انسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی مگر اس طویل عرصہ میں حضورؐ اس سے کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ دشمنوں سے بھی انصاف کرنا بڑا مشکل ہے۔ یہودی اور مسلمان کے مقدمہ میں اس کے باوجود کہ یہودی دشمن جان و ایمان ہے انصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے آپؐ نے مسلمان کے مقابلے میں یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ مسلمان کی دوستی اور یہودی کی دشمنی انصاف کی راہ میں حائل نہ ہوسکی۔

آپؐ کے اس نمونہ کی اتباع میں احمدیوں نے انصاف کی خاطر عدالتوں میں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے خلاف شہادتیں دی ہیں۔ حضرت امام وقتؒ نے اپنے والد کے خلاف عدالت میں گواہی دی۔ قرآن پاک نے فرمایا ہے کہ عہد کی پابندی کرو حضور نے پابندیٔ عہد کا نمونہ پیش کیا اور حضرت ابوجندلؓ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر عہد نامہ کی تکمیل ہوجانے کی بنا پر دشمنوں میں واپس بھیجدیا۔ مغلوب دشمنوں کو معاف کر دینے کی مثال بھی سوائے اس عظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی پیش نہیں کرسکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پر جن کے حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ پر مظالم سے اہل عالم آگاہ ہیں فتح پانے کے بعد لا تثریب علیکم الیوم فرماتے ہوئے عفو کا بے نظیر نمونہ پیش کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی فقر و فاقہ کی حالت اور شہنشاہِ عرب ہونے کی حالت میں ایک ہی رنگ رکھتی ہے۔ شجاعت میں بے نظیر ہیں۔ تمام غزوات میں صفِ اوّل میں رہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ بوجہ رحمۃ للعالمین ہونے کے ایک متنفس کو بھی اپنی تلوار سے قتل نہیں کیا۔ جنگِ احد میں جب مسلمان دشمنوں کی زد میں ہونے کی وجہ سے عالم افراتفری میں منتشر ہوگئے تو آپؐ نے دشمنوں کی پرواہ کئے بغیر مسلمانوں کو پکارا۔ الی عباد اللہ

اسنا رسول اللہ، ایسی بے شمار مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی میں ملتی ہیں۔ قرآن پاک کا کوئی حکم ایسا نہیں جس پر عمل کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دکھایا نہ ہو۔

مرزا محمد لطیف شاہد نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک وجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا مظہر ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مومنوں پر احسانِ عظیم قرار دیا ہے بلکہ آپ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کامل۔ مکمل اور تمام دُنیا کے لئے راہنمائی کا موجب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کے لئے مبعوث کئے گئے۔ آپ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور جملہ انسانوں کے لئے رہنمائی کا مینار ہیں۔ ہمیں ان کی سیرت کو اپنانا چاہیئے۔

جناب مرزا مسعود بیگ صاحب نے قرآن پاک "لقد کان لکم رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" تلاوت کر کے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو شان عطا فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ہر انسان کے لئے ہر پہلو زندگی میں نمونہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی یتیم بچے کی حیثیت سے شروع ہوئی۔ اور شہنشاہیت پر ختم ہوئی۔

اِس مقام تک پہنچنے کے لئے حضور کی زندگی بکریوں کے چرواہے۔ مزدور دودھ دوہنے والے۔ خاوند۔ باپ۔ تاجر۔ گھر کے اندر اور بازار میں غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں نمونہ ہے۔ میدانِ جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ امن و سلامتی کا مظہر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی جنگیں کیں آپ نے عورتوں مردوں۔ بچوں اور حیوانات تک کو قتل کروایا اور فصلوں کو جلانے کا حکم دیا۔ لیکن آپ کی جنگ بھی انسانی فلاح و اصلاح کے لئے تھی۔ آپ نے بچوں۔ عورتوں اور جو لوگ جنگ میں مقابل نہ ہوں ان کو ایذا دینے سے منع کیا۔ جانوروں اور فصلوں کو نقصان پہنچانے سے روکا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا ثبوت ہے۔ جنگوں سے آپ کا مقصد صرف مذہبی آزادی تھی۔ تاکہ دین اللہ کے لئے ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسلام کو بزور شمشیر پھیلانے کا الزام غلط ہے۔ آپ نے جنگی قیدیوں سے جس حسنِ سلوک کا نمونہ دکھایا وہ ایک مثال ہے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود زندگی کے ہر پہلو کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے سورۃ فتح کی آیات محمد رسول اللہ والذین آمنو معہٗ ۔ ۔ ۔ ۔ فی الانجیل تک تلاوت کر کے فرمایا۔ ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے کر ان صفات کا ذکر کیا ہے۔ جو آپ کے رحیم و عظیم ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔ مقرر موصوف نے بتایا کہ یہ سلسلہ سیرت النبیؐ ہماری جماعت نے شروع کیا۔ لیکن اب دُوسرے مسلمانوں نے اس کو بدعات سے ملوث کر دیا ہے۔ آج کل لوگ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہار عشق اِس موقع پر کرتے ہیں وہ بے اصل اور غلط انداز ہے اور اسلام کی توہین کے مترادف ہے۔ امام وقتؑ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو اظہار عشق اپنے کلام میں کیا ہے۔ وہ کسی اور کے کلام میں نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ کا بار بار ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ اِس نمونہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں تاکہ غلبہ اسلام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کی شان میں فرمایا ہے۔ کہ باطل کے مقابل مضبوط ہیں اور آپس میں ان میں محبت و رحم کا تعلق ہے۔ غلبہ اسلام کے لئے آپس میں محبت اور رحم کا ہونا ضروری ہے۔ صحابہؓ کے پاک چہروں سے ان کے اوصاف ظاہر ہوتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنے اندر انقلاب اور تبدیلی پیدا کرنی چاہیئے۔ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ کو اپنائیں۔ اگر اس مجلس سے ہم یہ تاثر حاصل نہ کر سکے تو ہمارا یہ عمل رائیگاں گیا۔ اِس لئے عملی طور پر تبدیلی ہونی چاہیئے۔ آپ نے دعا پر اِس مبارک مجلس کا اختتام فرمایا:۔

اخبار احمدیہ

نئی راہ

ایثار پیشہ افراد جماعت

ایثار قربانی کے لئے ہمیشہ نئی نئی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اِس کی تازہ مثال ہماری محترم خاتون اصغری بانو بیگم جناب عبدالرزاق صاحب (دُبئی) نے پیش فرمائی ہے۔ پیغام صلح کے ۲ جنوری کے شمارہ میں سرورق پر جنرل سیکرٹری صاحب نے جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء پر کی گئی اپیل کے جواب میں احمدی خواتین کی طرف سے نمایاں حصہ لینے اور فراہمی چندہ میں قابل قدر نمونہ ایثار پیش کرتے ہوئے ۹۷/۵۹ روپے کی خطیر رقم جمع کرنے کا اعلان فرمایا۔ جسے پڑھ کر انہوں نے فوری طور پر ۳۰/- روپے خزانہ انجمن میں داخل کر دئے تاکہ خواتین کی طرف سے وصول شدہ رقم پوری ۶۰ ہزار ہو جائے۔ حالانکہ اس سے قبل وہ اپیل میں ۱۰۰/- روپے دے کر حصہ لے چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ ایثار کے ایسے نادر نمونے اور اچھوتی راہیں جماعت احمدیہ کا ہی خاصہ ہیں۔

مولوی احمد سعید صاحب کی وفات

بزرگانِ سلسلہ کو یہ جان کر بے حد افسوس ہوگا کہ مولوی احمد سعید صاحب جو دوکنگ مشن لاہور میں سال ہا سال تک بطور دفتری خدمات سرانجام دے کر ریٹائر ہو کر اپنے گاؤں بیدادی، تحصیل مانسہرہ (ہزارہ) میں مقیم تھے ۲۹/۸ کو مولائے حقیقی سے جا ملے۔ ان کی عمر ۸۵ سال تھی۔ مرحوم نہایت مخلص اور دیندار تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اُن کا لڑکا جو گوجرانوالہ میں ٹیلرماسٹر ہے۔ اس کا پتہ یہ ہے۔ دفتر پولیس سرجن ۶ رکیسری روڈ لاہور۔ عبدالرشید ٹیلرماسٹر۔

احباب جماعت نماز جنازہ غائبانہ پڑھ کر دعائے مغفرت فرمائیں۔

درسِ قرآن کریم

جامع احمدیہ دارالسلام میں بعد نماز عصر درسِ قرآن کریم بدستور جاری ہے۔ قرب و جوار کے احباب جماعت استفادہ فرمائیں۔

مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

دُنیا میں آج جو ذرائع رسل و رسائل پیدا ہو چکے ہیں ایسے پہلے کبھی مہیا نہیں ہوئے تھے تعلیم میں جو وسعت آج کل ہم کو نظر آ رہی ہے ایسی پہلے ممکن نہیں تھی۔ مادی طور پر جو ترقی ہوئی ہے ایسی ہمہ گیر کبھی نہیں ہوئی۔ تعداد کے لحاظ سے جو عدد آج ہے پہلے کبھی نہیں تھا لیکن ان تمام آسائشوں کے باوجود اختلافات۔ افراتفری۔ بے چینی۔ انتشار آج ہے ایسا پہلے کبھی بھی نہیں تھا۔ ہر ذی شعور انسان جب غور کرتا ہے تو سخت پریشان ہو جاتا ہے، بیزاری غالب آجاتی ہے اور سوال کرتا ہے کہ اب کیا ہوگا؟ جواب مایوسی سے ملتا ہے۔ ہمارا ایک عالمگیر دین اسلام کے ساتھ تعلق ہے ہم بجائے اس کے کہ افراد سے اس سوال کا جواب دریافت کریں قرآن مجید۔ جو خدا تعالیٰ کی پاک کتاب دنیا کی راہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے جس میں ہر حکم تعلیم۔ رہنمائی۔ کمال رنگ میں نازل کر دی گئی ہے۔ جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اٹل قانون ہے۔ جس کی پیروی انسان کو اس دنیا میں ہی ایسا مقام و ماحول عطا فرماتی ہے کہ ہر قسم کی پریشانیو فکری انتشار کرب و الم سے نجات پا سکتا ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل فرمایا جس میں آپؐ کے بارے میں بنی نوعِ انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی کہ ہم نے آپؐ کو دنیا کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اور اس دنیا میں سکون بخش ماحول و حالت و کیفیت پیدا ہوگی جو آپؐ کی اتباع اور فرمانبرداری سے ہی ہو سکتی ہے۔ آپؐ نے خود یہ دعویٰ فرمایا ہے:-

" انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق "

یعنی میری بعثت کی غرض یہ ہے کہ وہ اخلاق عالیہ جن کی وجہ سے انسانیت کے پیدا کرنے کی غرض پوری ہوتی ہے ان کو اعلیٰ رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کروں جن سے فطرت انسانی کے جوہر اور اس کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بڑھانے اور کمال تک پہنچانے کے راستے دنیا کے سامنے کھل جائیں۔

اب ضرورت ہے اس بات کی کہ اہل دنیا اور خاص طور پر مسلمان، جن کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں فخر ہے، وہ بحیثیت قوم ان احکامات پر عمل کریں۔ جو قرآن مجید اور حضرت نبی صلعم نے فرمائے ہیں تاکہ دنیا حقیقت میں دار الفساد سے بدل کر دار الامن میں بدل جائے۔

موجودہ دور کی بے چینی۔ افراتفری۔ ذہنی و قلبی انتشار کے کچھ اسباب ہیں جب تک ان اسباب کا حقیقی حل پیش نہیں کیا جائے گا۔ جو قابل اصلاح امور ہیں ان کی درستگی نہیں کی جاوے گی اور جس راستہ پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے اس کو اختیار نہیں کیا جائے گا اس وقت تک یہ بے چینی کا دور ختم نہیں ہوگا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ میں سے ایک ارشاد یہ ہے:-

"یاایھاالناس" اے بنی نوع انسان اس کو اچھی طرح سن کر الا ان ربکم واحد کہ تمہارا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے۔ "وان اباکم واحد" اور تمہارا سب کا بانی بھی ایک ہی ہے۔ یعنی تم سب آدم کی نسل میں سے ہو۔ الا لا فضل لعربی علی عجمی: خبردار کسی عرب کے رہنے والے کو کسی غیر عرب پر کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ "ولا لعجمی علی عربی" اور نہ کسی غیر عرب کو عرب پر "ولا لاحمر علی اسود" اور نہ کسی سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت ہے "ولا لاسود علی احمر" اور نہ کسی سیاہ کو کسی سرخ پر۔ "الا بالتقویٰ" ہاں ایک وجہ سے اس دنیا میں کسی کو کسی پر فضیلت ہو سکتی ہے۔ اور وہ ہے تقویٰ۔ خدا کے حکموں پر چلنے والا انصاف کرنے والا یہ حق رکھتا ہے کہ انسان اس کی بات سنے اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کی کوشش کرے۔

اوپر اختصار سے یہ لکھا گیا ہے کہ آج دنیا میں جو انتشار ہے اس سے بچاؤ کی کیا تدابیر ہیں؟ جن کو اختیار کرنے سے انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان اس بات کا اقرار کرے کہ یہ جغرافیائی تقسیم جس کو دوسرے لفظوں میں وطنیت کا نام دیا گیا ہے نسبی برتری (یعنی نسل پرستی) ان کی جڑ کاٹ دی جائے۔ ساری دنیا کے انسانوں کو مساوات کا مقام دیا جائے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دنیا میں انقلاب پیدا فرمایا تھا تو ان دو لعنتوں کی جڑ کاٹ کر ہی پیدا فرمایا تھا۔ عرب لوگ اپنے وطن اور نسل پر حد سے زیادہ اتراتے تھے اور انسانوں کو کئی درجوں میں تقسیم کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ آپؐ نے ان سب کو اپنے نمونہ۔ قوت قدسیہ اور اخلاق فاضلہ سے ختم کر کے دنیا میں حقیقی امن و صلح و آشتی کا دور پیدا فرما دیا۔

عرب میں آقا و غلام دو طبقے بستے تھے۔ اسی طرح دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی ایسے ہی حالات تھے۔ آپؐ نے اس کو ختم کر دیا۔ سب کو ایک ہی سطح پر کھڑا کر دیا۔ اور سب کو ایک ہی درجہ دیا۔ ہاں جو بھی قابلیت رکھتا ہے۔ اہل ہے۔ خواہ کوئی ہو اسے بلند مقام ملتا تھا تمام غلاموں کو جن کی زندگی حیوانوں کی طرح تھی۔ ان کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ بلکہ جب حضرت زید مسلمان ہو گئے آپؐ نے اُن کے جوہر دیکھے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے کر دی۔ آپ نے عملی نمونہ دکھایا اور دنیا کو بتا دیا کہ ایک شاہی خاندان کی لڑکی کی شادی ایک ایسے انسان سے کر دی گئی ہے جس کا اس جگہ نہ کوئی نسب نہ والدین۔ بحیثیت انسان تم سب برابر ہو۔ اور حضرت زید کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"انت اخونا و مولانا" آپ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے سردار ہیں

اور اُن کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو فوج کا کمانڈر مقرر کر دیا۔ جن کی قیادت میں بڑے بڑے عرب کے سرداران کے حکم پر چلتے اور ان کی اطاعت کرتے تھے۔

اور تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم ارشاد فرمائی:-

"ان کل مسلم اخو مسلم وان المسلمین اخوۃ۔"

یعنی اچھی طرح یاد رکھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور اسی طرح ساری دنیا کے مسلمان رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں۔ اور یہ تفسیر قرآنی آیت انما المومنون اخوۃ کی آپؐ نے بیان فرمائی اور یہ وقتی حکم نہیں دیا بلکہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:-

ان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا الی یوم تلقون ربکم۔"

یعنی تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو قیامت تک ایک دوسرے کے نزدیک اس طرح قابل احترام ہونی چاہیئے جس طرح یہ دن اس مہینے (ذوالحجہ) میں اور اس شہر (مکہ) میں وجہ احترام ہے۔

غور فرمائیں سخاوت پہلے گھر سے شروع ہوتی ہے۔ پاکستان میں خدا کے فضل سے کروڑوں کی تعداد میں مسلمان بستے ہیں۔ اسلام کا دل میں درد رکھتے ہیں مسلمان ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ اور مہینہ ربیع الاول ہے جس کی ۱۲ تاریخ کو عالمگیر پیمانے پر میلاد النبی صلعم کی تقاریب ہو رہی ہیں۔ اگر ہم سب مسلمان یہ عہد کریں کہ ہر مسلمان خواہ بڑا ہے یا چھوٹا ہے شہر کا رہنے والا ہے یا دیہات کا، زندگی کے کسی شعبہ حیات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اسے یہ عہد کرنا ہے کہ:

ا: دماءکم ہر مسلمان کی جان   ب: اموالکم ہر مسلمان کا مال خواہ کسی شکل میں ہو

ج: اعراضکم ہر مسلمان کی عزت و آبرو

آج پاکستان کے رہنے والے یہ عملاً ضمانت مہیا کریں۔ ہر مسلمان کی جان، مال، عزت و آبرو ہر طرح سے محفوظ رہے۔ قابلِ احترام رہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہماری کایا ہی پلٹ جائے گی اور آج جو ہم بوجہ مجبوری دوسروں کے سامنے دست گدا دراز کرتے ہیں کیا اس کی ضرورت باقی رہے گی؟ عمل کریں تو دودھ کی نہریں بہیں گی۔ ہمارا وجود مشعل راہ ہو جائے گا۔ اور یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا نظارہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ کاش ہم کو سبق ملے اور عمل کی توفیق دے۔

بے چینی اور انتشار کی ایک وجہ یہ ہے کہ افراد و اقوام میں عدل و انصاف کے پیمانے جدا جدا رکھے جاتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں میں عدم اطمینان اور ناانصافی کی طرف میلان بڑھ جاتا ہے۔ لوگوں کے حقوق بھی غصب کئے جاتے ہیں۔ ظلم و جور اور تعدی کا بازار بھی گرم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

"انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما" (النساء ۱۰۵)

یقیناً ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ آپ اس کتاب کے احکامات کی روشنی میں لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ صادر کیا کریں اور خوب یاد رکھیں کہ خیانت کرنے والوں کی حمایت قطعاً نہ ہو۔"

بین الناس میں تمام قسم کے لوگ شامل ہیں۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں کسی مذہب و مسلک کے پیروکار ہوں کسی علاقہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہوں۔

بے انصافی کئی طرح سے ہوتی ہے کبھی تو اس وجہ سے کہ انسان اپنے عزیز و اقارب تعلق دار یا ہم مذہب ہونے کی وجہ سے فیصلے کرتے ہیں یا کبھی لالچ و خود غرضی کی وجہ سے۔ اسی واسطے فرمایا اعدلوا ھو اقرب للتقوی" انصاف کرو۔ اگر بے انصافی کرو گے تو تقوے سے دور ہو جاؤ گے۔ خدا کے عذاب کو دعوت دو گے آج تباہی اس وجہ سے آئی ہے کہ فیصلے ذاتی پسند، پارٹی پالیٹکس اور جتھے بازی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ دو امیدوار آتے ہیں جب ان کو محسوس ہوتا ہے کہ جو اہل ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یا عقیدۃً فلاں گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ عملاً اہل کو محروم کر دیتے ہیں۔ انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف کا خون کر دیتے ہیں نتیجۃً نااہل افراد آگے آ کر ناانصافی کی وجہ سے ظلم کا دروازہ وا کر دیتے ہیں۔ پھر افراتفری اور بے چینی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ سیدھا کام بھی ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اور حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تمیز مٹ جاتی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو فرمایا ہے اور یہ حدیث قدسی ہے:۔

"یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلت محرما بینکم فلا تظلموا"

یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ میرے بندو میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے اور تمہارے لئے بھی ظلم کرنا حرام قرار دیا ہے۔ پس تم کو چاہیئے کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔"

ظلم کے معنی ہیں وضع الشیئ فی غیر محلہ" حق دار کو حق نہ دینا ظلم و زیادتی ہے بلکہ تعلیم دی واحسنوا" حسن سلوک کرو یعنی حق دار کو حق ادا کرو۔

غور کر کے دیکھ لیں آج انتشار کی ایک وجہ یہ زیادتی ہی ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

"لا یقدس اللہ امۃ لا یاخذ الضعیف حقہ من القوی"

"اللہ تعالےٰ اس قوم میں کبھی برکت نہیں رہنے دیتا جس کی حالت یہ ہو کہ کمزور آدمی طاقت ور سے اپنا حق نہ لے سکے۔"

نگاہ اٹھا کر دیکھیں اور غور کریں کہ اب کیا حالات ہیں۔ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک مقدمہ میں لوگوں نے مجرم کی حمایت میں سفارش کا سہارا لیا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"ھلک من کان قبلکم اذا سرق منھم الشریف ترکوہ۔ واذا سرق منھم الضعیف اقاموا علیہ الحد واللہ لو کان فاطمۃ بنت محمدؐ سرقت لقطعت یدھا۔"

"تم سے پہلے بہت سی قومیں ایسی (ناجائز) سفارشیں کرنے کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں ہیں۔ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔ غور سے سن لو! میں اللہ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ اگر میری (چہیتی) بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں ضرور اس کو سزا دوں گا۔"

آج بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہمارے قول فعل میں مشرق و مغرب جیسا بعد تو نہیں واقع ہو چکا ہے۔ منہ سے ہم کچھ کہتے ہیں عمل کچھ کرتے ہیں زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں بغل میں بت ہی بت رکھے ہیں۔ توحید کا اقرار کرتے ہیں شرک میں غرق ہیں۔ تقویٰ کا وعظ کرتے ہیں ظلم کا دروازہ کھولتے ہیں۔ اسلام کا نام لیتے ہیں کفر پر عمل پیرا ہیں۔ جب تک ہم اپنا محاسبہ کر کے اپنے اوپر موت وارد نہیں کریں گے اسوقت تک انتشار و بے چینی ختم نہیں ہو سکتی۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں، کسی لمحہ بھی کسی کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیئے کہ انصاف نہیں مل سکتا یا اس کا حصول اتنا مشکل ہے کہ میری طاقت سے باہر ہے۔ ترقی کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہے اس کے راستہ میں کوئی روک نہیں۔ شرط صرف ایک ہے کہ وہ اس کا اہل ہو۔ ایسا ماحول جب تک عملاً پیدا نہیں کیا جاتا تب تک وہ مقام حاصل نہیں ہوگا۔ جس کی ہم کو خواہش ہے۔ اور جس کے ہم مدعی ہیں۔

اسوقت دنیا میں جو انتشار پھیلا ہوا ہے۔ اس سے ایک عالم پریشان ہے۔ قانون پر قانون بنتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ پوری طاقت سے اس کے ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں مجالس۔ محافل میں بحث و مباحثے بھی ہوتے ہیں۔ مذہبی راہنما آئمہ مساجد و خطیب حضرات بھی وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اثر نہیں ہوتا؛

ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اثر نہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا میں نمونہ مفقود ہے۔ قول و فعل میں تضاد واقع ہو گیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کسی کے دل کو فتح کرنے اور محبت پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

" جبلت القلوب علیٰ حبّ من احسن الیھا۔"

کسی کے دل کو اگر اپنی طرف مائل کرنا چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ اس پر آپ کی بات کا اثر ہو تو دو چیزیں اپنے اندر پیدا کرو۔ ایک حُسن یعنی پہلے خود اپنے اندر ایسی اعلیٰ خوبیاں پیدا کرو کہ بات سننے والا۔ آپ کو دیکھنے والا اس سے خاص طور پر اثر لے۔ اور دوسری خوبی یہ پیدا کرو کہ تمہارے اندر احسان کا مادہ سب سے بڑھ کر ہو۔ احسان کے دو مفہوم ہیں۔ دوسروں سے حسن سلوک اور ایسی اعلیٰ عبادت جس کو دوسرا دیکھ کر خاص طور پر اثر لے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مکہ والے شدید دشمن تھے۔ لیکن آپ کی عبادت کو دیکھ کر باوجود دشمنی کے یہ کہتے تھے۔

" قد عشق محمد علیٰ ربّہ " یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے ربّ کے عاشق ہیں۔

دنیا میں یہ نظارہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ جب انسان کو مالی وسعت ہوتی ہے یا کسی اونچے منصب پر فائز ہوتا ہے یا اس کا جتھہ مضبوط یا طاقتور ہے تو وہ عموماً خالقِ حقیقی جو کہ ان چیزوں کا دینے والا ہے۔ اس کو بھول جاتا ہے۔ زمین پر اکڑ کر چلتا ہے۔ اور لوگوں کے حقوق غصب کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ان کو حقیر سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک ہی مقام پر رہتے ہوئے ایک ہی قسم کی مخلوق ذہنی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور عموماً غرباء کی اکثریت ہوتی ہے جو ان سے قلبی طور پر دُور ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت کو ختم کرنے کے لئے حضرت نبی کریم صلعم کا نمونہ اور تعلیم یہ ہے فرمایا کہ:

" رب احینی مسکیناً و توفنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین"

اے میرے رب مجھے مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھنا اور مجھے وفات دے اس حالت میں کہ میں مسکین ہوں۔ اور مجھے جب دوبارہ (بعث بعد الموت) اٹھائیں تو مسکینوں کے ساتھ میں اُٹھوں۔" اب غور کریں کہ جب غرباء کا طبقہ یہ اعلان سنتا ہوگا تو اس کا ان پر کتنا اچھا اثر ہوتا ہوگا۔ انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ حضورؐ تو فرمایا کرتے تھے۔

" ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء۔"

اے لوگو! ہر وہ چیز جو زمین پر ہے اس پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔

فرمایا " انما یرحم اللہ عباد الرحماء "

" اللہ تعالےٰ اُن پر رحم کرتا ہے جو دُوسروں پر رحم کرتے ہیں۔"

اور فرمایا کرتے تھے

" ابغونی فی الضعفاءِ"

اے لوگو اگر تم کو میری تلاش ہے تو مجھ کو بے نواؤں میں دیکھو۔ وہیں ملوں گا۔"

حضرت نبی کریم صلعم نے اپنی قوت قدسی سے تھوڑے ہی عرصہ میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا فرما دیا تھا۔ اس کا سبب آپؐ کا کامل نمونہ ہی تھا۔ صدیوں کے بگڑے ہوئے۔ ہر ایک قسم کے عیوب رکھنے والے باخدا انسان بن گئے۔ ایک دور تھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر نیام سے تلوار نکال لیتے تھے اور ایک وقت آیا کہ وہ فاصبحتم بنعمتہ اخواناً کے وارث بن گئے اور کچھ ایسے شیر و شکر ہو گئے کہ دو قالب یک جان کی مثال ان سب پر صادق آنے لگی۔ یہ انقلاب قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلعم کی قوت قدسیہ اور نمونہ کی وجہ سے تھا۔

پس ہماری اپنے نفسوں کو اور پھر ساری دنیا کے مسلمانوں کی خدمت میں نہایت دردمندانہ گزارش ہے کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ دنیا سے انتشار۔ افراتفری۔ افراط و تفریط اور دُوسری قبیح حرکات و افعال کا سدباب ہو تو ہم کو اس مقدس مہینہ میں عہد کرنا چاہیئے کہ ہم نے خود صحیح نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالےٰ سے دعا کرنی ہے کہ اے مولا کریم ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرے احکام پر صحیح طور پر چلیں

اسی طرح ہمیں اپنے اندر ایثار۔ قربانی۔ اخلاص اور سادگی کو بھی پیدا کرنا ہوگا تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے وفات کے وقت یہ حکم دیا کہ مجھے ان دو چادروں میں دفن کر دینا جن کو میں استعمال کرتا ہوں۔ اور نئی چادروں کے بارے میں فرمایا۔ " فان الحیّ احق بھا من المیّت " زندہ انسان نئی چادروں کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کچھ فراوانی کا دور آیا اور بیت المال سے جب لوگوں کو وظائف دیئے جاتے تھے تو وہ اپنی اولاد کو مہاجرین کے برابر کی رقم نہیں دیتے تھے۔ جب کسی نے ٹوکا تو فرمایا۔

" انما ابواہ ھاجر بہ لیس ھو کمن ھاجر بنفسہٖ"

یعنی وہ تو چھوٹی عمر کا تھا۔ ماں باپ کے ساتھ چلا آیا۔ اس لئے یہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہے جنہوں نے اپنے ارادے سے ہجرت کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ان زریں ارشادات پر حقیقی طور پر ہم عمل پیرا ہو جائیں تو یقیناً وہ انقلاب پیدا ہو جائے گا جس کی آج اشد ضرورت ہے۔ اور ہمارا انجام بھی بخیر رہے گا اور اسلام نہایت سُرعت سے اکنافِ عالم میں پھیل جائے گا۔

ختمِ نبوّت :- وما کان محمد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ؕ وکان اللہ بکل شیءٍ علیما " (احزاب ۳۳ : ۴۰)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

خاتم کا لفظ ختم سے نکلا ہے۔ لغت میں اس کے معنے ہیں ایک چیز کو ڈھانک دینا اور ایسا مضبوط باندھ دینا کہ دُوسری چیز اس میں داخل نہ ہو سکے۔ (تاج العروس) اور خاتم کے معنے ہیں کسی چیز کے آخر کو پہنچ گیا۔

ختام القوم وخاتمھم وخاتمھم اٰخرھم۔ (لسان العرب) خاتم سے مراد ان میں سے آخری ہوتا ہے۔ اور صاحب مفردات امام راغب نے خاتم النبیین کے یہ معنے فرمائے ہیں آپ کو خاتم النبیین کیا اس لئے کہ نبوت کو آپ کے ساتھ ختم کر دیا۔

اسی آیت کی تفسیر حجۃ الوداع کے موقعہ پر آخری قرآنی آیت میں نازل ہوئی کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (المائدہ : ۳) آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔

اکملت : کسی چیز کا کمال یہ ہے کہ جو اس سے غرض تھی وہ حاصل ہو جائے۔ مطلب یہ ہوا جو غرض دین سے حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ بدرجہ کمال تمہارے اس دین سے حاصل ہو گی۔ اب اس کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں کہ وہ دین کو کامل کرنے کے لئے آئے جیسے پہلے آتے تھے

اتممت ، کسی چیز کا تمام اس کا اس حد تک پہنچ جانا ہے کہ وہ اپنے سے خارج کسی چیز کی محتاج نہ رہے۔

شریعت کو قرآن مجید کی شکل میں ہر رنگ میں کامل و مکمل طور پر نازل فرما دیا۔

احادیث میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ۸۲ دن تک اس دنیا میں رہے۔ اور بعد مولیٰ حقیقی کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو سورۂ احزاب کی اوپر درج کردہ آیت میں آخری نبی فرمایا۔ جس کی تشریح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبان مبارک سے اس طرح بیان فرمائی گئی۔

" میری مثال اور دُوسرے نبیوں کی مثال ایک شخص کی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے اچھا اور خوبصورت بنایا سوائے کونے کی اینٹ کے لوگ اس گھر کے گرد گھومتے اور تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی۔ سو میں وہ اینٹ ہوں وانا خاتم النبیین ہوں متفق علیہ

اسی طرح آپؐ نے خاتم النبیین کے معنے یہ فرمائے ہیں لا نبی بعدی " کہ میرے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آئے گا۔ ایک حدیث میں آپؐ نے اپنی چھ چیزوں میں فضیلت دوسرے

(باقی ص ۲۰ پر)

مظہرالدین احمد صاحب صدر شبان الاحمدیہ ، راولپنڈی زون

"سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبیؐ"

اِن اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبیؐ یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ؁

اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو اس پر درود بھیجو اور سلام بھیجو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

زندگی گذارنے کے لئے اسلوبِ عمل اور نظام اجتماعی کا ہونا ناگزیر ہے۔ دنیا کے مختلف معاشرے انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے اپنی راہیں متعین کرتے ہیں۔ خالقِ کائنات نے پوری انسانی برادری میں ایک مستقل وحدت تشکیل کی ہے اور اسے امتِ مسلمہ کا نام دیا ہے۔ یہ خیر امت معتدل اور متوازن جماعت اپنے فکر و عمل میں اپنا مستقل مقام رکھتی ہے۔ اور اس کا کل دار و مدار وہ شخصیت ہے جسے امت کا راہنما بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بلند شخصیت کو عام رہنماؤں سے ممتاز رکھ کر پوری امت کو بالخصوص اور انسانیت کو بالعموم اس کے اتباع کی دعوت دی ہے۔ قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ انسانیت کی حقیقی نجات کا دار و مدار اسی ذات کے ساتھ وابستگی میں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

"یقیناً تمہارے لئے رسولؐ اللہ کی ذات میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔"

سرورِ کائنات سید الکونین خیر البشر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات جامع صفات ہے اور زندگی کے کسی شعبے میں بھی ان کی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ آپؐ کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کی مختلف حیثیات انسان کے لئے کافی ہیں۔ آپ مدبّر ہیں منتظم ہیں۔ سپہ سالار عابد زاہد محنت کش غرض کیا نہیں ہیں۔ سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ رسالت اور مقام بیان کئے ہیں تاکہ مسلمانوں پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ نبی اکرمؐ پر ایمان لا کر صالح زندگی بسر کرنا کس قدر ذمہ داری کا کام ہے نیز ہر مسلمان میں یہ شعور بیدار رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کا رشتہ تمام رشتوں سے بالا ہے۔ چنانچہ ہر وقت اللہ اور اس کے رسول کا ڈر دل میں موجزن ہونا چاہیئے۔ صبح و شام اسی کا تذکرہ کرنا چاہیئے اور اسی سے مغفرت مانگتے رہنا چاہیئے۔

ہر سال دنیا کے لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان ۱۲ ربیع الاول کو اس عظیم انسان پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں جو آج سے ٹھیک ۱۴۰۰ سال پہلے فاران کی وادیوں میں ظہور پذیر ہوا۔ چاند کے طلوع ہونے سے پہلے عرب کی وادیوں میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا مگر چاند نے اپنی ضیا پاشیوں سے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے کا صفایا نہایت قلیل عرصے میں کر دیا۔ عام مسلمانوں کے دلوں میں اپنے پیارے نبی نورِ مجسم کے ساتھ عقیدت و محبت کے بے پناہ جذبات موجزن اور جاگزین ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں یہ وہ بزرگ ترین ہستی ہیں جس کی بلندیٔ شان کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کے کارنامے۔ اس کے نظریات و تعلیمات مخلوقِ خدا کے ساتھ ہمدردی و شفقت اور ایک گناہوں سے لتھڑی ہوئی قوم کو ہر قسم کی بدیوں اور برائیوں سے پاک کر کے اور شرک و بت پرستی سے چھڑا کر خدائے واحد کے آستانہ پر جھکا دینا اور مخلوق پرستی سے نکال کر خدا پرست بنا دینا اور خدا کے ساتھ ایسا تعلق قائم کر دینا کہ انسانوں کے اعمال و کردار سے خدائی صفات جلوہ گر ہو گئیں۔ نسلی اختلافات کو مٹا کر ایک قوم اور ایک برادری بنا دینا غلاموں اور عورتوں کو وہ حقوق دینا جو دنیا کے کسی قوم و مذہب میں نہیں پائے جاتے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو اس پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کسی دوسرے مذہبی پیشوا۔ کسی بڑے سے بڑے لیڈر اور راہنما سے ظہور پذیر نہیں ہوئیں۔ خدا کی مخلوق افتراق و انتشار بدکاریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ذلت و ادبار کے عمیق گڑھے میں گری ہوئی تھی۔ اس پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھا کر اوجِ کمال تک پہنچا دیا اور ۲۳ سالوں کی قلیل مدت میں عرب کے صحرا نشینوں کو قیصر و کسریٰ کا وارث بنا دیا۔ یہی وہ صفات تھیں جن کی بدولت سعدی شیرازیؒ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

لیکن یہ بات حضرت سعدی تک ہی نہیں بلکہ دنیا کے عظیم مفکّر بھی کہنے پر مجبور ہیں کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے انسانوں میں سے حضرت محمدؐ ہی کامیاب ترین شخصیت ہیں ایک طرف انسانوں کے ساتھ یہ تعلق اور دوسری طرف قربِ الٰہی کا وہ مقام کہ فکان قاب قوسین او ادنیٰ کا بلند ترین مرتبہ آپؐ کو حاصل ہوا۔ اس شان و مرتبہ کا انسان جس قوم میں پیدا ہوا وہ قوم جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

لیکن ہر چیز کا جہاں ظاہر ہے وہاں باطن بھی ہے اور جو قوم صرف ظاہر پر انحصار رکھے اور باطن کی طرف توجہ نہ دے اُسکے ظاہری اعمال کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ حضرت رسول کریمؐ کی بعثت کی غرض دنیا کے باطن کو درست کرنا تھا۔ آپؐ نے تزکیۂ نفس کا جو کام کیا اسکی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار نیک چلنی اور بلند کرداری کا درس دیا۔ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو یہ نصیحت کی کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں رسولؐ کی بیٹی ہونے کے سبب چھوٹ جاؤں گی۔ عمل کرو کہ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں آپؐ کی ازواج مطہرات کو حکم ہوتا ہے کہ اگر تم سے کوئی غلطی سرزد ہوئی تو تمہارے لئے دوگنی سزا ہے۔ جب آپؐ کے نزدیک ترین رشتہ داروں کا یہ حال ہے تو کسی دوسرے کی کیا مجال کہ نیک اعمال کے بغیر نجات کی توقع کر سکے۔

آپؐ نے تمام مسلمانوں کے لئے مساوات قائم کر دی اور کسی گورے کی کالے پر اور عرب کی عجم پر بڑائی ختم کر دی اور بندگی کا معیار تقویٰ رکھا۔

"ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"

کہ اللہ کے نزدیک افضل ترین وہی ہے جو تقوے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آج دنیا کے ۷۹ کروڑ مسلمان اپنا وہ مقام کھو بیٹھے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل آج سے ۱۴۰۰ برس قبل انہیں ملا تھا نبی کریمؐ کا یومِ ولادت آج بھی بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ دلوں میں وہ خلوص و محبت

(باقی ص۲۴ پر ملاحظہ فرمایئے)

نہیں۔ قرونِ اولیٰ میں عید میلاد النبیؐ نہیں منائی جاتی تھی۔ ان لوگوں کے نزدیک اتباعِ رسولؐ ہی سب سے بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ جسکو انہوں نے اپنے پاکیزہ خیالات و اعمال سے پورا کر دیا قرآن کریم کا ارشاد۔

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" اُن کا وظیفہ تھا اور "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" کی آیت کریمہ ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہتی تھی اور وہ اتباعِ رسولؐ کے ذریعے خدا اور رسولؐ کے محبوب بن گئے۔ افسوس ہے کہ آج ان بزرگوں کے طریقِ عمل کو چھوڑ کر صرف ظاہری نمائش۔ رنگا رنگ پروگراموں اور جلسے جلوسوں ہی کو ہم نے سب کچھ بنا لیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم کی اتباع سے اسقدر کنارہ کش ہو چکے ہیں کہ گویا اس کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اس تمام نمائش اور عظیم المرتبت نبیؐ کی اُمت ہونے کے باوجود آج مسلمان دنیا کی نظروں سے گر چکے ہیں اور وہ عزت و وقار جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو اقوامِ عالم میں حاصل تھا ہمارے نصیبوں میں نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یومِ میلاد کی تقریبات کے ساتھ ساتھ مسلمان اپنے اعمال کو بھی سنواریں اور اپنے کردار سے یہ بات ثابت کر دیں کہ صحیح عزت و وقار اس پاک باطنی کے ذریعے مل سکتی ہے جو حضرت نبی کریمؐ کی سچی اتباع کا نتیجہ ہے۔ ہمارے اعمالِ صالحہ غیروں کو متاثر کرنے اور رسولِ کریمؐ کی عزت و عظمت کو پھیلانے کا موجب ہوں گے اور یہی سچی عقیدتمندی ہے جو یومِ میلاد کی سعید تقریبات کو زیادہ پرکشش بنانے اور نبی کریمؐ کی رُوح کو خوش کرنے کا موجب ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے نبیؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

بلغ العلیٰ بکمالہ — کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ — صلوا علیہ وآلہٖ

بقیہ: وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

انبیاء پر بیان فرمائی ہے ... میں آپ کی فضیلت یہ بیان فرمائی ہے:

"ختم بی النبیون۔ یعنی میرے ساتھ نبی ختم کئے گئے ہیں۔ پھر فرمایا انا العاقب۔ والعاقب الذی ... بعدہ نبی۔ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا"

اس صدی کے مجدد اعظم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا حلفیہ بیان "میں علانیۃ الناس پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں ہوں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے اور ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حروف ہیں۔ اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسول کے برخلاف نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرتا ہے خود اس کی غلط فہمی ہے اور جو شخص مجھے اب بھی کافر سمجھتا ہے اور تکفیر سے باز نہیں آتا وہ یقیناً یاد رکھے کہ مرنے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا

(کرامات الصادقین)

پھر فرماتے ہیں:

"تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔ مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"

(مجموعہ اشتہارات حصہ چہارم)

ہم جملہ ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ علیٰ وجہ البصیرت حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر کو شہادت طور پر پیش فرما کر اعلان کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید آخری شریعت کی کتاب اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے آخری رسول۔ جن کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ پرانا۔ اور آیت خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی پر بغیر استثنا کے ایمان لاتے ہیں اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔

بقیہ نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم

دین کیلئے آیا کریں گے۔ اس حدیث مجدد کی صحت پر اتفاق ہے اور یہ تین چار مجموعہ احادیث میں موجود ہے اس نعمت الٰہیہ کی صداقت کے لئے یہ کافی ہے کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام میں سے اللہ تعالیٰ و تبارک مجدد مبعوث فرماتا رہا ہے وہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔ اسی برصغیر پاک و ہند میں ایک بزرگ کو لوگ آج تک مجدد الف ثانی کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلکہ ہر سال ان کی یاد میں برسی منائی جاتی ہے مگر صدی چہاردہم کا مجدد کون ہے۔ اگر اس صدی میں مجدد نہ آتا تو گویا جو بشارت (بشکل وعدہ) حضرت احدیت نے اپنے محبوب نبی آخر الزمان کو دی تھی اس کی صداقت پر حرف آتا۔ یہ سلسلہ تو حضرت رحمت اللعالمین کو ان کے حزن و ملال کو دور کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ تاکہ حضورؐ کی امت صراطِ مستقیم سے ہٹنے نہ پائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین جو ابد الآباد تک رحمت للمؤمنین ہے کی اشاعت اور تبلیغ ہوتی رہے۔ مگر افسوس اس معاملے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت اور موعود و مبشر کی پرواہ کم ہی کی گئی ہے۔ صدی چہاردہم ختم ہونے کو آئی۔ دین مبین پر ہادی اسلام پر طرح طرح کے ناروا حملے ہوتے رہے مگر اس مجدد کو شناخت نہیں کیا گیا جس کے جہاد سے آج ہادی اسلام کا خوبصورت چہرہ پوری آب و تاب سے ضوفگن ہے جس نے اسلام کو ادیان باطلہ پر غالب کر کے دکھلایا اور آج شرق و غرب سے شمال اور جنوب سے اسلام کی صداقت اور نبی آخر الزماں کے منجانب اللہ ہونے اور اس زمانہ کا ہونے کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد وبارک وسلم

ہم ہوئے خیر امم تجھ سے اے خیر رسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

شانِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

برگزیدہ و زندہ نبی

حضرت مجددِ صد چہاردہم کی نظر میں

نجات یافتہ کون ہے۔ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ
خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے
اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم رتبہ کوئی اور رسول ہے۔

ختمِ نبوّت اور تکمیلِ اخلاق

ذیل کا مضمون حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ نے ۱۹۲۸ء میں پیغام صلح کے آخری نبی نمبر کے لئے لکھا تھا جو اپنے موضوع اور خیالات کے لحاظ سے آج بھی ویسے ہی تازہ اور ضروری ہے جیسا آج سے باون سال پہلے تھا: —————— (ادارہ)

ختم نبوّت کے دو ضروری پہلو

انسان کی روحانی تربیت یا نفسِ انسانی کا تزکیہ جو نبوت کی غرض و غایت ہے دو طرح پر ہوتی ہے۔ اوّل اس ہدایت کے ذریعہ سے جو نبی لاتا ہے اور دوسرے اس تعلیم کا عملی نمونہ دکھا کر جو نبی اپنی ذات میں پیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسانوں کے لئے انسان ہی روحانی معلم ہو سکتا ہے فرشتہ نہیں ہو سکتا کیونکہ فرشتہ انسانوں کو نمونہ کا کام نہیں دے سکتا۔ پس جس طرح نبوّت کے یہ دو پہلو ہیں۔ ایک تعلیم اور ایک نمونہ۔ اسی طرح ختم نبوّت کے بھی یہ لازمی ہے کہ ایسا شخص نہ صرف تعلیم کامل لائے جو ہر قوم اور ہر زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے والی ہو اور یوں اس کے ذریعہ سے تکمیل ہدایت ہو بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی ذات میں اس کامل تعلیم کا کامل نمونہ بھی پیش کرے۔ اور اس کے ذریعہ سے تکمیل اخلاق ہو۔

اسی بنا پر ہم ان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ختم نبوت کے قائل ہیں یعنی ایک طرف قرآن کریم میں ایک کامل تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ سے دنیا کو دے دی گئی اور دوسرے آپؐ کی ذات بابرکات میں اخلاق کا ایک کامل نمونہ نسل انسانی کو دے دیا گیا اور جب یہ دونوں ضرورتیں ہمیشہ کے لئے پوری کر دی گئیں تو آپؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔

پس ختم نبوت کی بنیاد کسی خوش عقیدگی پر نہیں بلکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اس مضمون کا تعلق صرف دوسرے حصہ سے ہے۔

کمالِ اخلاق کے لئے دو باتوں کی ضرورت

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات اخلاق کا ذکر نہایت ابتدائی وحی میں پایا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ القلم میں فرمایا۔ انک لعلیٰ خلق عظیم۔ آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں اور سورہ نجم میں فرمایا۔ فاستوٰی وھو بالافق الاعلیٰ۔ آپ اعتدال پر قائم ہیں اس حالت میں کہ اخلاق کے انتہائی مقامات کو بھی پہنچ گئے ہیں اور حدیث میں ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

میں مبعوث ہوا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق کو کمال تک پہنچاؤں۔ کمال اخلاق کیلئے دو باتیں کی ضرورت تھی انہیں دو کے آپ کی ذات میں پائے جانے کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے یعنی ایک یہ کہ آپ کی ذات میں ہر قسم کے اخلاق ظاہر ہوں اور کوئی پہلو اخلاق کا ایسا نہ ہو جو آپ میں ظاہر نہ ہوا اور دوسرے یہ کہ ہر ایک خلق اپنے کمال میں آپ کی ذات میں ظاہر ہو۔ اور کوئی نقص اس میں باقی نہ رہ جائے۔ اس کو میں مثال سے واضح کرتا ہوں۔ مثلاً ایک انسان انکساری اور فروتنی کے خلق کو ظاہر کرتا ہے مگر حالت کمال میں وہ خلق تب ہی اس کے اندر پایا جائیگا۔

جب وہ عاجزی اور بیکسی کی حالت سے نکل کر طاقت اور مرتبہ کو پہنچ جائیگا۔ اگر اس کی ساری کی ساری زندگی غربت میں ہی گذری ہے۔ تو انکساری کے خلق کا گو اظہار اس کے اندر ہوا ہو مگر اس کے کمال کا اظہار نہیں ہوا کیونکہ اس کی ساری زندگی میں وہ حالت نہیں آئی جب انکساری اور عاجزی کو انسان بھول جاتا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے

تواضع زگردن فرازاں نکوست

گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

اسی طرح سخاوت کا خلق ہے ایک شخص ہمیشہ غربت کی حالت میں رہتا ہے کہ اس کے پاس روپیہ پیسہ ہوتا ہی نہیں وہ بھی سخاوت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب تک اس پر وہ وقت نہ آئے کہ دولت اس کے قدموں پر نثار ہو رہی ہو۔ اور وہ سارے سامان جمع ہو گئے ہیں جو انسان کو بے اختیار دولت کی محبت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں اس وقت تک یہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے سخاوت کے خلق کو کامل رنگ میں دکھایا ہے۔ یا مثلاً ایک انسان عفو کا نمونہ اس حالت میں دکھاتا ہے۔ جب اس کے پاس طاقت نہیں کہ وہ اپنے دکھ پہنچانے والے سے بدلہ بھی لے سکے تو گو یہ ضرور ہے کہ خلق عفو اس میں ظاہر ہو مگر کمال اس خلق کا تب ہی اس میں مانا جائے گا جب بے کسی کی حالت میں دکھ اٹھا کر وہ ایسا وقت بھی پاتا ہے کہ اس کو دکھ دینے والے خود ایک عاجزانہ حالت میں اس کے سامنے آتے ہیں مگر ہر قسم کی طاقت پا کر بھی وہ عفو سے کام لیتا ہے پس کمال اخلاق کے لئے دو باتیں ضروری ہیں اول یہ کہ انسان کو ہر قسم کے اخلاق کے ظاہر کرنے کا موقع اپنی زندگی میں ملا ہو دوسرے یہ کہ اس نے ان اخلاق کا اظہار ایسے موقعہ پر کیا ہو جب حالات اس کے ظاہر ہونے کے کلیۃً مخالف تھے۔ اور یوں بھی بسا اوقات ہوتا ہے کہ ایک انسان ایک خلق کو کمال کو پہنچاتا ہوا یہاں تک لے جاتا ہے کہ دوسری قسم کے اخلاق سے وہ عاری ہو جاتا ہے۔ مثلاً فروتنی اور انکساری کے اخلاق میں یہاں تک حد کو پہنچ جائے کہ شجاعت کا خلق ہی اس کے اندر سے مفقود ہو جائے یا رحم کے خلق میں اس قدر حد سے بڑھے کہ انصاف ہی کرنے کے قابل نہ رہے تو ان تمام حالتوں کو جمع کرنے کے لئے فرمایا

فاستوٰی وھو بالافق الاعلیٰ۔

آپ حالت اعتدال پر بھی ہیں اور کنارا فق اعلیٰ پر بھی ہیں۔ تمام اخلاق کا ظہور بھی آپ سے ہوا اور ہر ایک خلق اپنے کمال میں بھی ظاہر ہوا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب اخلاق کے اس مرتبہ کو ایک انسان پہنچ جائے تو پھر اس کے بعد کسی اور نمونہ اخلاق کا تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسا آفتاب کی روشنی سے انسان آنکھیں بند کر لے اور کسی اور روشنی کو تلاش کرے۔

آنحضرتؐ کی ذات میں تمام اخلاق کا ظہور: حضور صلعم کی ذات میں تمام قسم کے اخلاق کا ظہور ایک ایسا امر ہے جس سے ایک دشمن کو بھی انکار نہیں کیونکہ تمام قسم کے اخلاق کا ظاہر ہونا اس بات پر منحصر ہے۔ کہ ایسے انسان کو ہر قسم کے حالات میں سے گزرنے کا موقع بھی ملا ہو۔ حضورؐ کا ایک دشمن تاریخ نویس بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جس قسم کے متفرق حالات میں سے آپ گزرے اس کی نظیر کسی دوسرے انسان کی زندگی میں نہیں پائی جاتی۔ (باقی۔ باقی)

ہدیۂ نعت

از: حضرت مجدد صدی چہاردہم

آیت رحماں برائے ہر بصیر

در دلم جوشد ثنائے سرورے　　آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

میرے دل میں اس سردار کی تعریف جوش مار رہی ہے جو خوبی میں اپنا کوئی ہمسر نہیں رکھتا

آنکہ جانش عاشق یار ازل　　آنکہ روحش واصلِ آں دلبرے

وہ جس کی جان خدائے ازلی کی عاشق ہے۔ وہ جس کی روح اس دلبر میں واصل ہے

آنکہ در بر و کرم بحرِ عظیم　　آنکہ در لطفِ اتم یکتا درے

وہ جو نیکی اور بزرگی میں ایک بحرِ عظیم ہے۔ اور کمال لطف میں ایک نایاب موتی ہے

آنکہ در جود و سخا ابرِ بہار　　آنکہ در فیض و عطا یک خاورے

وہ جو بخشش اور سخاوت میں ابرِ بہار ہے۔ اور فیض و عطا میں ایک سورج ہے

آں رحیم و رحمِ حق را آیتے　　آں کریم و جودِ حق را مظہرے

وہ رحیم ہے اور رحمتِ حق کا نشان ہے۔ وہ کریم ہے اور بخشش خداوندی کا مظہر ہے

آں رخِ فرخ کہ روشن کردہ است　　صد درونِ تیرہ را چوں اخترے

وہ ایسا روشن ضمیر ہے جس نے سینکڑوں سیاہ دلوں کو ستاروں کی طرح روشن کر دیا۔

آں مبارک پے کہ آمد ذاتِ او　　رحمتے زاں ذاتِ عالم پرورے

وہ ایسا مبارک قدم ہے کہ اس کی ذات خدا کی طرف سے رحمت بن کر آئی ہے

احمدِ آخر زماں کز نورِ او　　شد دلِ مردم ز خور تاباں ترے

اس احمد آخر زماں کے نور سے لوگوں کے دل آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئے

کرد ثابت بر جہاں عجزِ بتاں　　وانمودہ زورِ آں یک قادرے

اس نے دنیا پر بتوں کا عجز ثابت کر دیا اور خدائے واحد کی طاقت کھول کر دکھا دی

آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید　　کس ندیدہ در جہاں از مادرے

وہ مہربانیاں جو خلق نے اس سے دیکھیں وہ کسی نے اپنی ماں سے بھی نہیں پائیں

امّی و در علم و حکمت بے نظیر　　زیں چہ باشد حجتے روشن ترے

وہ امّی ہے مگر حکمت و علم میں بے نظیر ہے۔ اس سے زیادہ اسکی صداقت پر اور کیا دلیل ہوگی

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال

اس کے پاک نفس پر ہر کمال ختم ہو گیا

لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

اس لئے اس پر پیغمبروں کا خاتمہ ہو گیا

مدینۃ المسیح (لاہور)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جائے وفات پر احمدیہ بلڈنگس لاہور میں احمدیہ مارکیٹ میں جو کمرہ مخصوص ہے اس کو مزین کرنے اور یادگار کے طور پر قائم رکھنے کے لئے ایک صاحب نے مخملی پردے آویزاں کروائے ہیں۔ اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے۔ حضرت اقدسؑ اور حضور کے اصحاب کبار کی تصاویر وہاں آویزاں ہیں۔ اس کمرہ کو حضرت اقدسؑ کے عالمگیر مشن کا مظہر و مرقع بنانے کے لئے جملہ احباب سے استدعا ہے کہ وہ حضرت کے رشحات قلم جو ان کی زندگی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے اور اس وقت کی دیگر تصانیف اور خاص طور پر آپ کی وفات سے متعلق لٹریچر مرکز میں بھجوا کر اس جگہ کی افادیت کو دوبالا فرمائیں۔ نیز حضرت اقدسؑ کے وہ خطوط جو بزرگان سلسلہ کے پاس محفوظ ہوں خاص طور پر اس کمرہ میں رکھنے کے لئے بھجوائیں۔

خطوط کے علاوہ بھی اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی چیز کسی کے پاس بطور تبرک موجود ہو اسے بھی بھجوا دیں وہ ان کے نام کی چٹ کے ساتھ اس کمرہ میں محفوظ کر لی جائے گی۔

(مخدوم) سعد اختر

جوائنٹ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

انجمن کے مرکزی دفاتر میں حسب ذیل اسامیوں کے لئے احمدی افراد کی ضرورت ہے:۔

۱۔ مینیجر دارالکتب اسلامیہ:۔ امیدوار کا اچھی تعلیم کے علاوہ تجارتی امور سے واقف ہونا اور انگریزی اردو میں بخوبی خط و کتابت کی مہارت رکھنا ضروری ہے۔ تنخواہ حسب قابلیت معقول دی جائے گی۔ تاہم کم از کم قابل قبول تنخواہ کا ذکر درخواست میں ضرور کیا جائے جو کل کوائف از قول اسناد کے ساتھ بھیجی جائے۔

۲۔ ٹائپسٹ کلرک:۔ امیدوار کا ٹائپ میں مہارت رکھنا ضروری ہے۔ شارٹ ہینڈ جاننے والے کو ترجیح دی جائیگی۔ درخواست مع سرٹیفکیٹ سپیڈ اور تجربہ کی تفصیلات کے ساتھ بھجوائیں۔ تنخواہ کا فیصلہ حسب لیاقت کیا جائے گا۔

۳۔ معاون کارکن (چپڑاسی) درخواست دہندہ کو سائیکل چلانا آتا ہو اور لاہور کے مقامات سے واقفیت ضروری ہے۔ تنخواہ کا فیصلہ انٹرویو کے بعد کیا جائے گا۔ شخصی ضمانت ضروری ہے۔

جملہ درخواستیں مقامی جماعت کے صدر یا سیکرٹری یا ممبر مجلس معتمدین کی سفارش کے ہمراہ آنی لازمی ہیں۔

مرزا مسعود بیگ
جنرل سیکرٹری

عالی مرتبہ کا نبی جس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا

حضرت مسیح موعودؑ کا بیان حضور نبی کریمؐ کی شان میں

اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کی متاع رسولؐ کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے۔ بغیر اس کے ہرگز نہیں مل سکتی اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبیؐ نے دکھلایا کہ ایک ایسی قوم کو جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی ان کو نجاست سے اٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا اور وہ جو روحانی بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے ان کے آگے روحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دیئے۔ ان کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا۔ اور اس قدر ان کے لئے نشان ظاہر کئے کہ ان کو خدا دکھلا دیا۔ اور ان میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ انہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ یہ تاثیر کسی اور نبی سے اپنی اُمت کی نسبت ظہور میں نہیں آئی۔ کیونکہ ان کے صحبت یاب ناقص رہے۔ پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبیؐ ہے اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں۔ اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ توحید حقیقی ہم نے اسی نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ اور اس کے نور سے ملی ہے۔ اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا اور اسی آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے۔ اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں — (حقیقۃ الوحی)

مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم

من مجدد زماں حضرت میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام

یَا قَلْبِیَ اذْکُرْ اَحْمَدَا ‏ ‏ عَیْنَ الْھُدٰی مُفْنِی الْعِدَا

اے میرے دل احمد کا ذکر کر ‏ ‏ وہ چشمۂ ہدایت اور دشمنوں کو فنا کرنے والا ہے

بَرٌّ کَرِیْمًا مُحْسِنًا ‏ ‏ بَحْرُ الْعَطَایَا وَالْجَدَا

وہ بڑا احسان کرم فرما اور محسن ہے ‏ ‏ وہ بخشش اور سخاوت کا سمندر ہے

بَدْرٌ مُنِیْرٌ زَاھِرٌ ‏ ‏ فِیْ کُلِّ وَصْفٍ حُمِّدَا

بدر یعنی رات کا چاند نہایت نورانی اور روشن ‏ ‏ ہر وصف میں وہ قابل تعریف ہے

اِحْسَانُہٗ یُصْبِی الْقُلُوْ ‏ ‏ بَ وَحُسْنُہٗ یُرْوِی الصَّدَا

اس کا احسان عظیم قلوب انسانی کو مائل کرتا ہے ‏ ‏ اور اُس کا حُسن پیاس کو بجھاتا ہے

اَلظَّالِمُوْنَ بِظُلْمِھِمْ ‏ ‏ قَدْ کَذَّبُوْہُ تَمَرُّدَا

ظالموں نے اپنے ظلم و ستم سے ‏ ‏ اس کو جھٹلایا اور سرکشی اختیار کی

وَالْحَقُّ لَا یَسَعُ الْوَرٰی ‏ ‏ اِنْکَارُہٗ لَمَّا بَدَا

اور حق ایسی زبردست طاقت ہے کہ کوئی اس کے ‏ ‏ انکار کی طاقت نہیں رکھتا جب وہ ظاہر ہوتا ہے

اُطْلُبْ نَظِیْرَ کَمَالِہٖ ‏ ‏ فَسَتَنْدَمَنَّ مُلَدَّدَا

اُس کے کمالات کی نظیر طلب کرکے دیکھ لے ‏ ‏ تو حیران سرگرداں ہو کر نادم ہوگا

مَا اِنْ رَاَیْنَا مِثْلَہٗ ‏ ‏ لِلنَّائِمِیْنَ مُسَھِّدَا

ہم نے ایسا انسان جو سوتوں کو ‏ ‏ جگا دے اُس جیسا کوئی نہیں دیکھا

نُوْرٌ مِّنَ اللّٰہِ الَّذِیْ ‏ ‏ اَحْیَی الْعُلُوْمَ تَجَدُّدَا

وہ اللہ کی طرف سے ایک نور ہے ‏ ‏ اُس نے علوم کو نئے پیرایہ میں زندہ کیا

اَلْمُصْطَفٰی وَالْمُجْتَبٰی ‏ ‏ وَالْمُقْتَدٰی وَالْمُجْتَدٰی

وہ مصطفٰی اور مجتبٰی ہے ‏ ‏ وہ مقتدا ہے اور اس سے عطا طلب کی جاتی ہے

جُمِعَتْ مَرَابِیْعُ الْھُدٰی ‏ ‏ فِیْ وَبْلِہٖ حِیْنَ النَّدٰی

ہدایت کی بارشیں اس کی بارش میں اسکی ‏ ‏ سخاوت کے وقت اکٹھی کی گئی ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد: ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۲۵ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ ہجری مطابق ۱۳ فروری سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ: ۷

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم

دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ کہ تمہاری زندگی کے دن دراز کیے جائیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات طیبہ

دنیا کے معاملات میں انسان کس قدر جانی و مالی دکھ اٹھاتا ہے اور قسم قسم کی ذلتوں میں اپنے تئیں ڈالتا ہے تاکہ دنیا کا کام ہو جائے۔ پھر کس قدر افسوس ہے کہ ایک ابدی حاکم کے سامنے دکھ اٹھانے سے گریز کرے اور اس کا مقرب ہو جانے اور ابدالاباد کی راحت پا لینے کے لئے مصیبتوں اور ذلتوں سے پرہیز کرے، افسوس نادان انسان پر یہ دنیا اور اس کی چند روزہ راحتوں اور خوشیوں کے حاصل کرنے کے لئے ہر دکھ اور مصیبت اٹھانے کے لئے تیار، مگر خدا کے واسطے کبھی دکھ کا اٹھانا اس کے لئے وبالِ جان! یہ وقت ہے کہ انسان عاقبت کی فکر کرے۔ موت کا کوئی وقت اس کو معلوم نہیں کہ کب وقت آجائیگی۔

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار
مباش ایمن از بازیٔ روزگار

یہ عجیب غفلت کا پتلا ہے کہ موت جیسی یقینی اور ضروری چیز سے ایسا غافل ہے کہ گویا اس کو کبھی مرنا ہی نہیں

پس تقوی اختیار کرو

خدا پر ایسا ایمان پیدا کرو۔ وہ ایمان جو آخر اطمینان اور سکینت کا موجب بنتا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مومن کی زندگی بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ نفع رساں وجود ہوتا ہے۔

پس دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ کہ تمہاری زندگی کے دن دراز کئے جائیں۔

"واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض"

جناب شاہد عزیز ـ سیکرٹری ـ لیک جماعت

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام سرینام

دشاخ لاہور کی گولڈن جوبلی کا آنکھوں دیکھا حال

ایک نورانی سراپا کا انجذاب۔ حالی۔ اظہارِ محبت و عقیدت کے ایمان افروز اور روح پرور
ـــــ نظارے ـــــ

پیغام صلح میں سرینام کی گولڈن جوبلی کی تقریبات کے متعلق محترم فاروقی صاحب کا جو مضمون شائع ہوا ہے۔ جناب زاہد عزیز نے مجھے بھیجا ہے۔ اس مضمون میں جو چند باتیں رہ گئی ہیں۔ وہ میں پیغام صلح کی وساطت سے معزز قارئین کرام تک پہنچانے کی اجازت چاہتا ہوں۔

پہلی بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ ہمارے بزرگوں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور محترم فاروقی صاحب کی ہمت کے متعلق ہے۔ جیسا کہ فاروقی صاحب نے تحریر فرمایا ہے جلسہ آٹھ بجے شروع ہوتا اور رات گیارہ بارہ بجے ختم ہوتا۔ جو جلسے پارامیرِبو سے باہر ہوئے ان کے لئے سفر بھی کرنا پڑتا تھا۔ ان میں شمولیت کے لئے ہمارے ان دونوں بزرگوں، خصوصاً حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے جس بلند ہمتی کا مظاہرہ کیا وہ ہم نوجوانوں کے لئے قابلِ رشک اور قابلِ تقلید ہے۔ طویل سفر کے بعد جلسہ گاہ میں پہنچتے۔ تقریریں کرتے۔ اور نماز کی امامت بھی کرتے۔ لیکن تھکن کی کبھی شکایت نہ کی۔ ہم نوجوان جب حاضرین میں بیٹھے تھک جاتے تو چل پھر کر ٹانگیں سیدھی کر لیتے۔ لیکن سب حاضرین کی نظریں حضرت ڈاکٹر صاحب پر ہوتیں اسلئے وہ یہ بھی نہ کر سکتے تھے۔ کمر میں سخت درد کے باوجود چار چار پانچ پانچ گھنٹے لکڑی کی سخت کرسیوں پر بیٹھے رہتے لیکن کبھی قسم کی کوفت آپ کے چہرے پر نظر نہ آتی جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ سرینام جماعت اور دیگر غیر ملکی مندوبین کی مرکز سے وفاداری ہے۔ اس جذبہ کا اظہار مقررین نے نہ صرف اپنی تقریروں میں کیا بلکہ بہت سے بھائیوں نے ذاتی طور پر بھی کیا۔ ایک صاحب میرے پاس آئے۔ کہنے لگے سنا ہے۔ آپ حضرت مولانا دوست محمد صاحب کے ناتی (نواسے) ہیں۔ میں نے جواب اثبات میں دیا تو گلے لگ کر رونے لگے۔ اور بہت دیر تک روتے رہے۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ باہر کے احمدی خاص طور پر مرکز سے آنے والے۔ ان کے گھر آئیں یا انہیں موقع دیں کہ وہ انہیں باہر سیر کے لئے جائیں۔ مصروفیت اتنی تھی کہ میں بڑی مشکل سے صرف ایک صاحب کے ساتھ جا سکا۔ اس گروپ میں میرے ساتھ محترم حافظ شیر محمد مبلغ فیجی۔ محترمہ رضیہ مددعلی۔ پاکستان سے تشریف لانے والے ایک دوست اور فیجی جماعت کے نائب صدر جناب واحد خان صاحب شریک تھے۔ ہمارے میزبان خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ ایک مقام پر ایک بزرگ نے فرمایا:۔

"ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ ہم اپنے مرکز سے آنے والے مہمانوں کی خدمت کریں!" اور اس کے ساتھ ہی رو پڑے کہ میں بوڑھا ہوں۔ شاید دوبارہ یہ خدمت نہ کر سکوں"۔ ہمیں ایسے بیسیوں واقعات یاد ہیں: سرینام کے بھائیوں نے اپنے گھروں کے ہی نہیں اپنے دلوں کے دروازے بھی اپنے تمام احمدی بھائیوں خاص طور پر اپنے مرکز سے آنے والوں کے لئے کھول دیئے۔ جو مولوی صاحبان "فاتح سرینام" بن کر پاکستان واپس پہنچے تھے انہیں اپنی فتوحات (جن سے ہماری جماعت دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے) مبارک ہوں۔ احمدیت ختم کرنے والے وطن سے باہر نکل کر دیکھیں کہ احمدیت دم توڑ رہی ہے یا زندہ ہو رہی ہے کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

میں یہ بھی کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ ہماری اس نشاۃ ثانیہ کا سہرا ایک اور صرف ایک

(بقیہ صفحہ کالم ملا)

در مدح حضرت امام زمان

حضرت مسیح موعود مہدی موعود

(شوکت حسین کنگ کے ایک شعر سے متاثر ہو کر)

از قلم: پروفیسر نور الدین زاہد صاحب

شعرِ شوکت کنگ بر سازِ دلم مضراب شُد
نغمہ خواں دِل در ثنائے سرورِ پنجاب شُد

مَن چہ گویم وصفِ آں شاہے کہ در تعریفِ اُو
سرورِ عالم جنابِ مصطفےٰ وصّاف شد

بالیقیں نوح است و آمد از جنابِ کبریا
کشتیٔ اسلام چوں در ورطۂ سیلاب شُد

باز از اوجِ ثریا آورد ایمان را
ایں متاعِ بے بہا چوں بر زمیں نایاب شد

یک نگاہش آتھم محتال را مخذول کرد
از دعائش خوار و ابتر دوئی کذّاب شُد

لیکھرامے آمد مقابل، لیک خود درمال کرد
شہرِ باطل بود ولیکن پیشِ حق سنجاب شُد

حسبِ ارشادِ رسول اللہ در ماہِ صیام
بہر تصدیقش کسوفِ خاور و مہتاب شُد

بے گماں آمد مسیحا از فرازِ آسماں
وائے بر شخصے کہ ایں جا غرقِ استعجاب شد

انبیاء و اولیا ہستند قوسینِ ھدٰی
مہدیٔ موعود ایں قوسین را چوں قاب شُد

زاہدا! دل پاک دار از رجسِ کبر و بغض و کیں
در طریقِ احمدی ایں اوّل الآداب شُد

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۱۳ فروری ۱۹۸۰ء
جلد ۶۷ رجسٹرڈ ایل : ۸۳۸ شمارہ : ۷

کفر و الحاد کی یلغار کو کیسے روکا جا سکتا ہے؟

ایں آتشے کہ دامنِ آخر زماں بسوخت از بہر چارہ اش بخدا شہر کوثرم
(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

"یہ آگ جو اس آخری زمانہ کے دامن کو اپنے شعلوں کی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ اس کے علاج کے لئے بخدا میں ہی شہر کوثر ہوں۔"

یہ آگ جو آج سارے عالم کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اپنے گھیرے میں لے رہی ہے اور دن بدن اپنا یہ گھیرا اس کے گرد تنگ کرتی جا رہی ہے۔ کفر و الحاد۔ دہریت۔ مادہ پرستی۔ نفس پرستی اور حرص و ہوا کی آگ ہے جسے بھڑکنے سے روکنے اور انسانیت کو جلا کر راکھ کر دینے سے منع کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ ابتدائے آفرینش سے انبیاء اور رُسل کی صورت میں ایسی عظیم الشان ہستیوں کو مبعوث فرماتا رہا ہے جو اس کی نصرت اور تائید کے زیر سایہ انسانوں کو سلامتی اور امن کی راہوں کی طرف دعوت دیتے اور انہیں عذابِ الیم کے راستے سے باز رکھنے کے لئے ہر قسم کے خطرات اور اس راہ میں پیش آنے والے حوادث سے بے نیاز ہو کر اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے رہے ہیں۔ جن تھوڑے بہتوں نے ان کا ساتھ دیا وہ اس آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ گئے لیکن جنہوں نے غرور و تکبر۔ اپنی جتھہ بندی اور مال و دولت۔ اقتدار اور اور مادی ساز و سامان پر گھمنڈ کی وجہ سے انکار کا راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دی وہ ایسے نیست و نابود ہوئے کہ ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ تاریخ نسلِ انسانی میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں۔ قرآن کریم نے بار بار ان عبرت انگیز داستانوں کا ذکر کر کے ہماری توجہ اس بدانجام کی طرف مبذول کی ہے تاکہ ہم بھی ایسا ہی ایک حصۂ ماضی نہ بن جائیں۔ لیکن ساتھ ہی قرآن حکیم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان بھی ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ کیونکہ نہ یہ آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور نہ ہی کان بہرے ہوتے ہیں مگر ان کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔" یعنی وہ اپنے گرد و پیش واقع ہونے والے حادثات اور واقعات کا اپنے عقل و شعور سے کام لے کر تجزیہ نہیں کرتے اور نہ ان کے عواقب پر غور کرتے ہیں۔ جس کا قانونِ فطرت کے مطابق یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ وہ خود مصائب کو اپنے آنگن میں اترنے کا اشارہ کرتے ہیں۔ جس کے بعد ان کے لئے اس سے کوئی راہِ فرار نہیں ہوتی "ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر بات صریحاً بیان کر دی ہے لیکن اکثر لوگوں نے انکار ہی کو پسند کیا ہے۔" اور قرآن کریم کو پسِ پشت پھینک دینے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آج کفر و الحاد اور دہریت کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہریں عین ہماری سرحدوں تک آ پہنچی ہیں۔ آج کوئی اخبار یا رسالہ ایسا نہیں جس میں یہی رونا نہ ہو کہ ہمیں اس کے مقابلے کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔ اسی عطار کے لونڈے سے دوا لینی چاہیئے جس کے سبب ہم بیمار ہوئے ہیں۔ دنیا کی دوسری طاقتوں کو بھی اپنی مدد کے لئے بلانا چاہیئے تاکہ ہماری جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت ہو سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ آنکھ پھوڑ دینی چاہیئے جس کی نظر بد ہماری جغرافیائی سرحدوں کی طرف اٹھے لیکن جنگ اگر نظریاتی ہے تو اس کا دندان شکن جواب ٹھوس اور محکم نظریات اور دلائل کی تیز تلوار کے ذریعے ہی دیا جا سکتا ہے۔

روس گرم پانیوں اور خلیج فارس کے تیل کے چشموں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو یا نہ ہو کیونکہ وہاں امریکہ اور مغربی ممالک کے اپنے مفادات متاثر ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے گا لیکن جہاں تک اس کے مادی فلسفہ زندگی اور بے خدا معاشرہ کی اقدار کے تسلط کا تعلق ہے وہ اُسے بدقسمتی سے بعض اسلامی ممالک میں عملاً حاصل ہو چکا ہے۔ اور دوسرے اسلامی ممالک میں اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے پیش قدمی کر رہا ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ترکش میں اس کی اس دسوسہ اندازی کے دفاع کے لئے کوئی تیر نہیں کیونکہ وہ جو زبان سے خدا کا نام لیتے ہیں۔ ان کے اپنے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے قطعاً آشنا نہیں۔ جن دلوں میں اللہ تعالیٰ کی حکومت ہوتی ہے۔ اور وہ اس لذت آشنائی سے آگاہ ہوتے ہیں ان کے افعال و کردار میں کوئی ایسی بات دکھائی نہیں دیتی جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور ناپسندیدگی کا موجب ہو۔ جہاں ہر بات سے خدا کی نافرمانی ٹپکتی ہو۔ وہاں کس طرح باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی کی حکمرانی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ وعدہ موجود ہے۔ کہ "اگر تم مومن ہوئے تو تم ہی غالب رہو گے۔" اور یہ بھی ہے کہ "تم غالب رہو گے اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور وہ تمہارے اعمال کو بے نتیجہ نہیں رہنے دے گا۔ دنیا کی زندگی ایک کھیل اور کود ہے۔ اگر تم ایمان لائے اور تقوےٰ اختیار کیا تو وہ تمہیں بدلہ دے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا۔" اسوقت دنیا میں تقریباً ستر۔ اسی کروڑ مسلمان ہیں۔ ان کی آزاد حکومتیں بھی ہیں۔ کیا وہ قرآن کریم کے ان ارشادات کے مطابق اپنے غیروں پر غالب ہیں اور کیا انہوں نے دنیا کو آخرت کے مقابلے میں کھیل کود کہہ رکھا ہے؟ اور کیا وہ مومن اور متقی ہیں؟ ان کا غیروں سے مغلوب ہونا ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ نہ وہ مومن ہیں اور نہ متقی اور نہ ہی انہوں نے آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کی زندگی کو بے حقیقت اور بے نتیجہ کھیل سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اللہ پر ایمان نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرتا۔ جب دل اللہ تعالےٰ پر ایمان کے نور سے خالی ہوں تو وہاں یہ یقینی امر ہے۔ کہ دہریت کے لئے گھر کرنا بہت سہل ہو جاتا ہے۔ زبانی تو قرآن و سنت کی باتیں سب کرتے ہیں لیکن ان پر عمل کسی کا نہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کی روح سے بالکل آشنا نہیں۔ ورنہ اللہ تعالےٰ تو قرآن کی تاثیرات کا بیان اس طرح فرماتا ہے۔ "اگر کوئی کتاب ایسی ہو سکتی ہے جس کی تاثیر سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اور اس کے ذریعے مردے کلام کرنے لگ جائیں تو وہ یہی قرآن ہے۔" قرآن کریم مُردوں کو زندہ کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ جیسے عرب کی مُردہ قوم ۲۳ سال کے قلیل ترین عرصہ میں زندہ ہو گئی لیکن آج تو اپنے آپ کو زندہ کہنے والے بھی اس مفہوم میں زندہ نہیں۔

قرآن کریم کے ذریعے زندہ خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ معرفت یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر اپنے آپ کو الہام کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ وہ اس پر ایسی غیب کی باتیں ظاہر کرتا ہے۔ کہ بظاہر ناقابلِ یقین نظر آتی ہیں۔ لیکن اپنے وقت پر پوری ہو کر وہ خدا کی زندہ ہستی پر مہر تصدیق ثبت کر دیتی ہیں۔ ہر صدی میں ایسے باخدا انسان جنہیں مجددین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ گذرے ہیں۔ اس صدی میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ تھے جن کے ہاتھ پر ہزاروں ایسے نشانات پورے ہوئے جن کی مثال پہلے کسی صدی میں نہیں ملتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس صدی میں کفر و ضلالت۔ الحاد و دہریت اور خدا سے انکار پر جتنا زور رہا ہے۔ اتنا اس سے پہلے کسی صدی میں نہیں ہوا۔ اس لئے خدائی نشانات کے ذریعے ہی مخالفین اتمام حجت کی جا سکتی تھی۔ ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء کو آپ نے ایک اشتہار بعنوان "الاشتہار مستیقنا بوحی اللہ القہار" شائع کیا جس میں فرمایا:۔

دنیا میں تمام ... کو خوش خبری دیتا ہوں کہ یہ زندہ خدا اسلام کا خدا ہے ۔۔۔۔ اس اشتہار دینے کی اصل غرض یہی ہے کہ جس مذہب میں سچائی ہے وہ کبھی اپنا رنگ نہیں بدل سکتی جیسے اول ہے ویسے ہی آخر ہے۔ سچا مذہب کبھی خشک قصہ نہیں بن سکتا۔ سو اسلام سچا ہے۔ میں ہر ایک کو کیا عیسائی کیا آریہ اور کیا یہودی اور کیا برہمو اس سچائی کے دکھلانے کے لئے بلاتا ہوں۔ کیا کوئی ہے جو زندہ خدا کا طالب ہے ۔۔۔۔ ہمارا خدا زندہ خدا ہے۔ وہ ہماری مدد کرتا ہے وہ اپنے الہام اور کلام اور آسمانی نشانوں سے ہمیں مدد دیتا ہے۔ اگر دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک کوئی عیسائی طالب حق ہے۔ تو ہمارے زندہ خدا اور اپنے مردہ خدا کا مقابلہ کرکے دیکھ لے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس باہم امتحان کے لئے چالیس دن کافی ہیں۔" لیکن ...

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

جو اس کوچہ کے راہ نورد نہیں تھے۔ انہوں نے سرے سے الہام کے وجود کا ہی انکار کر دیا۔ اور اس طرح گویا زندہ خدا کی ہستی کے بھی منکر ہو گئے۔ لیکن وہی لوگ جنہوں نے حضرت مرزا صاحبؑ کی ذات سے عداوت کی بناء پر الہام کا انکار کیا۔ آج اپنی صداقت کے ثبوت میں الہام کے حق ہونے پر وہی دلائل پیش کرتے ہیں جو بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے پیش کئے۔ ہمارے سامنے اس وقت "فتح نامہ" نامی ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے۔ یہ کسی قرآنی تحقیقی ادارہ نے "حزب اللہ والالیہ" (افغانستان کی مدد کی داعی جماعت) کے اشتراک سے شائع کیا ہے۔ اس کے صفحہ دس پر یہ بھی لکھا ہے کہ "کتابچہ ہذا کے متعلق بارگاہ الٰہی و دربار رسالتؐ سے اشاعت کا حکم ہوا ہے۔" یعنی جو باتیں اس میں درج ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ اور آنحضرتؐ کی مہر ثبت ہے۔ اس کے صفحہ ۴ اور ۵ پر یہ عبارت درج ہے۔

"الہامات و مبشرات اہلیاء از قرآن کریم۔"

حضرت شیخ اکبر امام محی الدین عربی "فتوحات مکیہ" میں لکھتے ہیں کہ ہمارا علم الہامات تب عین الیقین کی حد تک پہنچتا ہے۔ جب تک خود بلا واسطہ ہم الہام نہ پاویں۔ خدا تعالیٰ کی آواز کو اپنے کانوں سے سنیں اور خدا کے صاف کشفوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ پس ہم بے شک کامل معرفت حاصل کرنے کیلئے بلا واسطہ الہام ربانی کے محتاج ہیں اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں ۔۔۔۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں خود فرماتا ہے "ان الذین قالوا ربنا اللہ ... کنتم توعدون۔" جو لوگ خدا تعالیٰ پر ایمان لاکر پوری پوری استقامت اختیار کرتے ہیں ان پر خدا تعالیٰ کے فرشتے اترتے ہیں اور یہ الہام ان کو کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم نہ کرو۔ تمہارے لئے وہ بہشت ہے جس کے بارے میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ۔۔۔۔ ایک اور آیت میں آیا ہے کہ: "لهم البشرٰى فى الحيٰوة الدنيا و فى الآخرة۔" خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعے سے اس دنیا میں خوش خبری ملتی ہے۔ اور آئندہ زندگی میں بھی ملے گی ۔۔۔۔ یہ نعمت (الہام۔ ناقل) بغیر اتباع آنحضرت صلعم کسی کو ملنا محال ہے اور ممتنع ہے ... جب ایک شخص پورے طور پر آپؐ کی پیروی کرے تو وہ خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات سے مشرف ہو جائے۔"

غیر انبیاء پر الہام کے بارے میں لکھا ہے :-

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی وحی غیر نبی پر نازل ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسے الہام کے لئے لفظ وحی استعمال کرتے ہیں لیکن اس کا ہمیشہ مطلب الہام ہی ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے :-

"واوحينا الى ام موسىٰ ان ارضعيه ۔ واذا وحيت الى الحواريين ان آمنوابى وبرسولى ۔ واوحى ربك الى النحل ۔" وغیرہ

اگر حضرت مرزا صاحب یہ لکھیں تو وہ اور اُن کے ماننے والے کافر لیکن اگر یہی کچھ اپنے حق میں وہ لوگ لکھیں جو مامور نہیں ہیں تو وہ پکے مسلمان!

"این چہ بوالعجبی است"

بہر حال خدا خدا کرکے یہ کفر ٹوٹا کہ غیر نبی کو الہام یا وحی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کے انکار سے خدا تعالیٰ کے وجود کا انکار لازم ٹھہرتا ہے۔ اور یہی دہریت ہے۔

مارکسیت ایک نظریہ ہے جس کا بنیادی نقطہ اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ اور یہ وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کا نظریہ مسیحیت نے پیش کیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام ایک ایسا نظریہ یا دین ہے جس کی بنیاد ہی اللہ تعالیٰ کے زندہ وجود پر ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر اس غرض کے لئے بھیجا ہے۔ کہ وہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غالب کرکے دکھائے۔ اس لئے مارکسیت پر اسلام اُس وقت غالب آ سکتا ہے۔ جب وہ زندہ خدا کا ثبوت دے۔ یہ ثبوت بذریعہ الہام اور وحی ہی سے دیا جا سکتا ہے۔ ورنہ جہاں تک مادی وسائل سے اس پر غلبہ حاصل کرنے کا خیال ہے وہ موجودہ حالات میں محض ایک مفروضہ ہے۔

آج کچھ اور مخالفین وحی والہام بھی خدا سے ہمکلام ہونے کا ذکر کرنے لگے ہیں۔ چند دن ہوئے ایک صاحب نے "الشوریٰ" کی آیت ۵۱ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے تین طریقوں سے کلام کرتا ہے۔ وحی کے ذریعے۔ پردے کے پیچھے سے اور رسول یا فرشتے کی وساطت۔ لیکن وہ لکھتے ہیں کہ پہلے درجے کا کلام یعنی وحی یا القاء ادنیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ جس میں شیطان بھی اپنی طرف سے کچھ ملا دیتا ہے۔ دوسرے درجے کا کلام اس سے اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ اور تیسرے درجہ کا سب سے اونچے درجے کا۔ لیکن ہمارے خیال میں یہاں جس کلام کا ذکر ہے۔ وہ وحی اور الہام ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کو نوازتا ہے۔ اور یہ کلام ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس میں شیطان کا کوئی دخل ہو سکے۔ اسی پہلے درجے کے کلام سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی ماں اور حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو نوازا اور انہوں نے اس میں ذرہ بھر شک نہ کرتے ہوئے اس کلام کے مطابق عمل کیا۔ اور جو بتایا گیا تھا درست پایا۔ جہاں تک اولیاء اللہ اور مجددین کے ساتھ کلام کا ذکر ہے۔ وہ مس شیطان سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ اگر حضرت یوسفؑ کے زمانہ کے شاہِ مصر کا رؤیا جو کلام الٰہی ہی کی ایک قسم ہے درست ثابت ہو سکتا ہے اور اس میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا تو کیا وجہ ہے کہ اولیاء اللہ اور مجددین کے الہامات شیطان کے دخل سے پاک نہیں ہو سکتے۔ یہ عرض کرنے کا ہمارا مقصد یہ ہے کہ وحی نبوت بند ہو جانے کے بعد مجددین اور اولیاء اللہ کے ساتھ مکالمہ و مخاطبہ ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک قطعی ثبوت ہے۔ اور اس سے انکار دہریت کے لئے اپنے ہاتھوں سے دروازہ کھولنا ہے۔ آج اگر اسلام کو باقی تمام نظریات اور ادیان پر غالب کرکے دکھانا مقصود ہے تو اسی ذریعہ سے دکھایا جا سکتا ہے کیونکہ اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان پیدا ہو سکتا ہے۔ جو تمام روحانی۔ اخلاقی اور مادی قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ خشک فلسفے یہ ایمان اور قوت پیدا نہیں کر سکتے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اگر مارکسیت اور لینن ازم کو نظریاتی محاذ پر شکست فاش دی جا سکتی ہے تو اسی اسلحہ سے کیونکہ اس کا توڑ نہ ایٹم بم میں ہے اور نہ ہائیڈروجن بم میں اور نہ ہی دور مار ایٹمی میزائلوں میں جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ پر زندہ ایمان سے مسلح ہو کر کسی میدان جنگ میں آگے نہیں بڑھیں گے۔ یہ مادی اسباب و وسائل کبھی کام نہیں آئیں گے۔ معرکہ ہائے بدر و حنین مادی وسائل کے بل بوتے پر سر نہیں ہوئے تھے وہ محبوبِ خدا اور آپ کے ساتھیوں کے نالہ ہائے سحرگاہی تھے جو فرشتوں کو ان کی مدد کے لئے کھینچ لائے۔ اور انہیں فتح و نصرت کی بشارتیں دیں۔ مگر یہ نالے اسی وقت بلند ہوتے جب انہیں خدا کی زندہ ہستی پر یقین ہو گیا۔ اور انہوں نے اس کی طرف سے غیبی امداد کے مناظر حق الیقین کی حد تک اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مادی وسائل رعایت اسباب میں داخل ہیں لیکن ان کے استعمال کے پیچھے ایک دوسری قوت کارفرما ہوتی ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ پر یقین جو اس سے تعلق پیدا کرنے اور مشکلات اور مصائب میں اُسے مدد کے لئے پکارنے کا راستہ صاف کر دیتا ہے۔ یہ یقین وہی پیدا کر سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ خود اس مقصد کیلئے کھڑا کرتا ہے۔ اور ان پر اپنے آپ کو مکالمات و مخاطبات کے ذریعے ظاہر کرتا اور اسرار غیب منکشف کرتا ہے ان کی دعاؤں سے انسانوں کی تقدیریں بدل ڈالتا ہے۔ ان کی مخالفت کو اپنی مخالفت اور ان کی دوستی کو اپنی دوستی کہتا ہے۔ اس لئے کفر و الحاد کے راستے کو محض اسلحہ اور مادی وسائل سے نہیں روکا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ذرائع تو مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلموں کے پاس بے شمار اور بے انتہا ہیں۔ ان کے پاس اگر کمی ہے تو صرف خدا پر زندہ ایمان کی۔ اگر مسلمان بھی اس سے تہی دست ہوں تو پھر ٹکراؤ دو مادی قوتوں کا رہ جاتا ہے۔ یہ قوت جس کے پاس زیادہ ہو گی بظاہر کامیابی اُسی کی ہو گی۔ ان حالات میں مسلمانوں کو خدا کے متعلق اپنا رویہ بدلنا ہو گا ۲۴

۲۴- اپنے اندر یہ یقین اور ایمان پیدا کرنا ہوگا کہ ہمارا خدا زندہ ہے وہ ناممکن کو ممکن بنانے پر قادر ہے۔ لیکن اس کے لئے اس انسان کو تلاش کرنا ہوگا جس نے اس صدی میں یہ دکھایا کہ خدا زندہ ہے۔ وہ ہماری

خطبۂ صدارت بر موقعہ جلسہ سالانہ خواتین

از: محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ

مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۹ء

میری عزیز بہنو اور پیاری بیٹیو!

السّلام علیکم!

اللہ تعالےٰ کے فضل و احسان سے ایک بار پھر مجھے یہ موقعہ نصیب ہوا ہے کہ میں آپ سب سے کچھ پرانی اور کچھ نئی باتیں کر سکوں۔ سب سے پہلے میں اپنے اس چھوڑے ہوئے وطن لاہور سے یہ بات شروع کرتی ہوں۔

ایک بار انگلینڈ میں ٹی۔ وی کے ایشیائی پروگرام میں حضرت بلھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کافیاں بیان ہوئی تھیں۔ ان کے صوفیانہ اور پُر معرفت و حکمت کلام سے تو آپ سب واقف ہیں۔ جو کافیاں ٹی۔ وی پر بہت حُسن و خوبی سے بیان ہوئیں اُن میں آپ سوال فرماتے ہیں کہ:۔ ؎

گل کر دے شہر دی آکھے کنے لوٹے تے کنیاں باریاں نے
تے گل لاہور دی اٹاں دی کنیاں ٹٹیاں تے کنیاں ساریاں نے
تے گل کر لاہور دی کھوہیاں دی کنیاں مٹھیاں تے کنیاں کھاریاں نے
تے گل لاہور دی کڑیاں دی کنیاں ویاہیاں تے کنیاں کنواریاں نے

پھر خود ہی جواب میں فرماتے ہیں کہ ؎

گل کرنی آں لاہور دے شہر دی آکھنے لکھاں لوٹے تے لکھاں باریاں نے
جنہاں اٹاں تے رکھ گئے پیر عاشق اوہی ٹٹیاں تے باقی ساریاں نے
تے جنہاں کھوہیاں تو پی گئے معشوق پانی اوہی مٹھیاں تے ہور کھاریاں نے
تے جیہڑیاں بیندیاں نے نال سجناں دے اوہی ویاہیاں تے رہندیاں کنواریاں نے

اس میں کیا شک ہے کہ یہ شہر لاہور ابتداء سے بزرگانِ خدا کا مقام اور تبلیغ و اشاعت حق و اسلام کا مرکز رہا ہے یہاں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم الشان بزرگ اور حضرت میاں میر جیسے ولی اور ایسے ایسے بہت اولیاء اللہ اور عاشقانِ خدا کی بارگاہیں اور بام و در ہیں جہاں سے ہزاروں متلاشیانِ حق نے فیض پایا۔ گذشتہ پنجاب میں اسلام انہی بزرگوں کی تبلیغ اور دعا، رشد و ہدایت سے پھیلا۔ اس بات کی گواہی یہاں کے در و دیوار اب تک دے رہے ہیں۔

تاریخ کے ان زرّیں اوراق سے نکل کر اس صدی میں آیئے تو یہ لاہور ہی مدینۃ المسیح بنا۔ مجدد وقت اور مسیح موعودؑ کے جان نثار اصحاب اور چند پاک نفوس اس کی چھوڑی ہوئی صحیح ہدایت اور تبلیغ کی روشنی کو لے کر یہیں آئے۔ اس لاہور کی سڑکیں اور احمدیہ بلڈنگس کی گلیاں اس بات کی گواہ ہیں۔ وہ اینٹیں جو ان عاشقانِ خدا اور قرآن و اسلام کے مبلغوں کے قدموں سے گھس گھس کر لوٹ گئیں وہ نہ صرف یہ مادی اینٹیں تھیں بلکہ جاہلیت۔ مخالفت، اور منافقت کی سخت اینٹیں اور پتھر بھی ان کے عشق اور سچی لگن سے پگھل گئے۔ وہ کون کون عاشقِ اسلام تھے؟ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جنہوں نے لاہور کی ایک تنگ گلی میں بیٹھ کر وہ ترجمے اور تفاسیر قرآن کیں اور تصنیفاتِ اسلام لکھیں کہ آج دُنیا کے کناروں تک ان کی روشنی باعث ازدیاد علم و ہدایت ہے اور حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند حوصلہ مبلغ کہ سب کچھ چھوڑ کر مغرب کے کفرستان میں جا بیٹھے۔ ووکنگ کے شکستہ پتھر بھی ان کی تبلیغ حق کی گواہی دیتے رہیں گے۔ اور حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب، حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب۔ حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب، حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اور حضرت ڈاکٹر غلام محمد صاحب۔ حضرت مولانا محمد یعقوب خاں صاحب اور پروفیسر عبداللہ صاحب اور ایسے ایسے اَن گنت چاہنے والے سب اسی لاہور کی اینٹوں پر اپنے نقشِ پا چھوڑ گئے۔

ابھی حال ہی میں گزرنے والے حضرت مولانا محمد عبدالحق ودیارتھی صاحب جیسا محقق اور عالم اور ممتاز احمد فاروقی جن کا نام تو مغرب میں تحقیقاتِ مذہبی تاریخ کی ایسوسی ایشن کے ممبروں میں پہنچا لیکن وہ خود اسی لاہور میں چل کر آئے اور یہیں رہ گئے۔ میں کہاں تک گنواؤں بہت سے پاک نیک بزرگ اور بہت سی پیاری اور عزیز ہستیاں اسی لاہور میں اسلام اور قرآن کی روشن شمع کے گرد پروانہ وار گردش کرتی رہیں۔

خدا کو چاہنے والے اس کے محبوب بن جاتے ہیں اور پھر جس چشمۂ علم و ہدایت سے وہ سیراب ہوتے ہیں صرف وہی منبع شیریں ہوتا ہے۔ جو دوسرے پیاسوں اور متلاشیوں کے لئے آبِ حیات بن سکتا ہے۔ تبھی تو حضرت بلھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرما گئے کہ:۔ ؎

جنہاں کھوہیاں توں پی گئے معشوق پانی اوہی مٹھیاں تے ہور کھاریاں نے

تقدیر مجھے بہت سے ملکوں اور مقامات پر لے کر گئی لیکن جو چشمۂ فیض و معرفت مجدد وقتؒ اور اس کے اصحاب کی برکت سے اس لاہور میں جاری و ساری ہے میں نے اس کی مثال کہیں نہیں پائی۔ یہ میٹھا پانی ایک بار منہ کو لگ جائے تو اس کی مٹھاس اور حلاوت دل و جاں میں رچ جاتی ہے۔

اب حضرت بلھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آخری مگر اہم صنعت رہ جاتی ہے کہ، گل کر لاہور دی کڑیاں دی۔ تو فرماتے ہیں کہ: جیہڑیاں بیندیاں نے نال سجناں دے، اپنے بھولے پن اور سادگی میں کیسی پتے کی بات فرما گئے کہ جیہڑیاں بیندیاں نے نال سجناں دے۔ کیا عورت کی فطرت کو پہچانا اور عظمت کو جانا ہے۔ چونکہ عورت نے نسلِ انسانی کو پالنا پوسنا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی فطرت میں اپنے بچوں۔ اپنے گھر اور عزیزوں کے لئے جذبہ محبت اور حفاظت بدرجۂ اتم ہوتا ہے اسے قدرتی طور پر اپنے بچے۔ اپنا گھر۔ اپنا مال۔ اپنی جائیداد اپنا زیور کپڑا اور اپنے عزیز رشتہ دار زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہی میرا اور اپنا پن حد سے گزر جاتا ہے تو پھر اسی سے دل کی تنگی۔ دوسرے سے حسد۔ رشک اور نفاق پیدا ہوتے ہیں۔ میں خود انہی میں شامل ہوں۔ لیکن میں اور آپ سب بھی یہ گواہی دے سکتے ہیں کہ عورت کے یہ جذبات اگر بے مہار ہو جائیں تو بہت سے تفرقے ڈلواتے ہیں۔ کئی خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ اکثر حقوق اللہ اور حقوقِ والدین واقربا اور حقوقِ انسانی ادا نہیں ہو سکتے اور بہت سے محبت کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ انگریزی کی مثال ہے کہ "جو ہاتھ بچے کے پنگھوڑے کو ہلاتا ہے وہی ہاتھ دنیا کی تعمیر کرتا ہے۔"

عورت کو اپنی زندگی میں کئی کردار ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اول۔ ماں۔ بیٹی۔ بہن۔ پھر ساس۔ بہو۔ بھابھی اور یہ سب رشتے قوموں کی بنیاد ہیں۔ خاندان۔ کنبے۔ برادریاں اسی سے تشکیل پاتی ہیں۔ اور پھر یہی مجموعے جماعتیں اور قومیں بنتے ہیں۔ سو اگر عورت سمجھ لے اتفاق اور مل جل کر رہنے کی قدر و قیمت کو پا لے۔ اس سنہری اصول کو اپنا لے تو پھر ایسے گھرانوں۔ ایسے کنبوں

اور خاندانوں اور وہاں سے بڑھ کر ایسی جماعتوں اور قوموں کی خوش قسمتی اور کامیابی یقینی ہے۔ لاہور کی خواتین اور بہنوں میں ماشاء اللہ زیادہ تر یہ خوبیاں موجود ہیں اور انہی کی برکت سے ہم یہاں مل بیٹھے ہیں۔ لیکن جو جتنے بلند مقام پر ہوتا ہے اتنی ہی اس پر دنیا کی نگاہیں زیادہ پڑتی ہیں۔ چونکہ آپ سب اور اس جماعت کے پاس جو لاہور کے رہنے والے ہیں بزرگوں کے چھوڑے ہوئے علم و ہدایت اور تبلیغ اسلام اور قرآن کے ورثے ہیں۔ لہٰذا آپ کا فرض۔ آپ کا نصب العین بھی اتنا ہی اہم اور دشوار ہے۔

آپ لوگوں نے اپنے نفس کو مٹا کر بڑے یا چھوٹے قومی یا ذاتی جھگڑوں اور باہمی نکتہ چینیوں کو بھلا کر اتفاق اور عزم بالجزم سے اسلام اور قرآن کو دنیا میں پہنچانا ہے۔ وقت کے پیمانے ہر آن گھٹ رہے ہیں۔ زندگی کے دن صبح و شام میں ختم ہو رہے ہیں۔ اگر ہماری جماعت نے اشاعت اسلام اور قرآن کے عظیم الشان کام کو بحسن و خوبی انجام نہ دیا اور آنے والی ایسی نسل تیار نہ کی جو ہمارے بعد اس ورثے کو سنبھال سکے اور پھیلا سکے تو ہم یقیناً [illegible] کے ہاں قابل گرفت ہوں گے ہم میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ اس کام کے لئے تنخواہ دار مبلغ ہوں یا خاص خاص لوگ یہ کام کریں۔ ہم تماشہ دیکھیں یا مالی طور پر مدد دے دیں۔ مگر ہمیں اپنی ان سوچوں کو بدلنا ہوگا ہم میں سے ہر ایک اپنی جگہ مبلغ بن سکتا ہے۔ ایک مسلمان کے دین و دنیا الگ الگ نہیں ہوتے۔ آپ اسلام کو اپنے گھر سے شروع کریں۔ قرآن کو اوپر اٹھا کر ہی نہ رکھیں کھول کر کھیں خود پڑھیں۔ اس کے مطالب پر غور کریں۔ اور بچوں کو نہ صرف پڑھائیں بلکہ اس کی تعلیم کو سمجھائیں۔ اور ان کے دل نشین کر دیں۔ آگے جا کر یہی گھر گھر کے بنائے ہوئے مبلغ اپنے نمونے اپنے علم اور خیالات سے ایک عظیم جماعت بن سکتے ہیں۔ پھر نہ کیجئے وقف اپنی ساری زندگی یا دولت صرف قرآن اور اسلامی لٹریچر کو خود جا کر یا خرید کر بھجوانے اور دنیا میں پھیلانے کا بیڑہ اٹھائیے۔ تھوڑی سی توجہ اور وقت دے کر یہ کام دنیا میں پھیل سکتا ہے۔

ہمارے بزرگوں نے اسی لٹریچر کی اشاعت اور تبلیغ سے دنیا کے کونے کونے میں اسلام کے چراغ جلائے۔ انگلینڈ۔ ہالینڈ۔ امریکہ۔ ٹرینیڈاڈ۔ سرینام۔ گیانا فیجی میں ان کے اپنے قدم تو نہ گئے لیکن وہاں ان کے کام سے ایک دنیا فیض پا رہی ہے۔ احمدیت وہاں پھول پھل رہی ہے۔ ان کے وقت میں تو اس قدر ذرائع اور پہنچنے پہنچانے کے وسیلے بھی نہ تھے۔ موجودہ دور میں سائنس کی ترقی اور ایجادوں سے دنیا سکڑ کر ایک محلہ بن گئی ہے۔ اور ایسے کام بہت سہل ہو گئے ہیں۔ اب تو تقریباً بارہ برس سے انگلینڈ میرا اور میرے بچے کا وطن ہے۔ ہمیں یہ تمنا سنا رہی ہے کہ ووکنگ تو ہماری شامت اعمال سے چھن گیا لیکن ایک اور انجمن کا اپنا مشن اور مرکز لندن جیسے بین الاقوامی شہر میں قائم ہو جائے۔ بہت وقت ہے بارہ سال۔ لیکن ابھی تک یہ کام شروع نہیں ہوا۔ گو اللہ کے فضل سے وہاں اس عرصہ میں ہماری ایک خاص جماعت بن گئی ہے۔ اس جماعت کے اخلاص اور ممبروں کی نیک نیتی میں کلام نہیں مشن اور مسجد کی تحریک ضرور ہے۔ لیکن ہم میں سے وہ روح کہاں گئی۔ وہ جذبہ عمل اور قربانی کیوں چھن گئے جن کی وجہ سے ہمارے بزرگوں میں سے ایک ایک کا وجود ایک ایک جماعت کے برابر تھا۔ تھوڑے تو وہ بھی تھے لیکن کفر و الحاد کے مقابلے پر کیوں ہزاروں پر بھاری تھے ان کے مخلصانہ کام بڑے بڑے مشن قائم کر گئے۔ مسجدیں بنا گئے دور دراز دنیا کے کونوں میں سرگرم عمل جماعتیں کھڑی کر گئے جو کام بادشاہتیں اور فوجیں نہیں کر سکتیں وہ کارنامے وہ چند درویش اور فقیر انجام دے گئے۔ مغربی اقوام کے پاس عقل سمجھ دل و دماغ۔ طاقت۔ دولت سب کچھ ہے۔ لیکن خدا کو بھول جانے سے وہ روحانی اور دلی سکون اور اطمینان سے محروم اور نوازیان کھو کر ظلمت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ میں نے ان لوگوں میں اور ہزاروں خوبیاں پائی ہیں جو خود ہم مسلمانوں میں ہونی چاہیئیں تھیں۔ ہم لوگ تو زبانی اسلام پیش کرتے ہیں لیکن وہ کم و بیش اسلامی اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔ ایثار۔ قربانی محبت۔ ہمدردی کسی بات کی ان میں کمی نہیں۔ ایک بار ان تک خدا کے نام اور اسلام کو پہنچا دیجئے تو نہ صرف وہ ہدایت پا جائیں گے بلکہ اسلام کو بھی پاسباں مل جائیں گے بت خانے سے،

مگر اس کام کے لئے ہمیں اپنے دل اور حوصلے وسیع کرنے پڑیں گے۔ قربانی نہیں بلکہ قربانیاں دینی پڑیں گی۔ اپنے بزرگوں کی طرح اس راہ میں تن۔ من۔ دھن لٹا دیجئے کمزور۔ توانا۔ امیر۔ غریب ہم سب مل کر اور ایک ہو کر اشاعت اسلام اور قرآن کا عزم کر لیں تو ایک کیا کئی مشن قائم ہو سکتے ہیں مسجدیں بن سکتی ہیں۔

آخر میں میں پھر آپ کو حضرت ؔ تلمیذ شاہ صاحب کا فرمانا یاد دلاتی ہوں کہ عشق صادق پیدا کر دو تو سب رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ مشکلات کی اینٹیں ٹوٹ جائیں گی۔ کھارا پانی میٹھا ہو جائے گا۔ اور اس قوم کی بیٹیاں کامیاب ہو جائیں گی۔ دنیا کے عشق اور محبتیں تو کرنی پا جائے تو کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن عشق خدا اور رسول۔ محبت اسلام و قرآن وہ ہے کہ ان کے لئے یہ سچ ہے کہ :۔ ؎

شناوران محبت تو سینکڑوں ہیں مگر
جو ڈوب جائے وہ پکا ہے آشنائی کا

جو اس دنیا میں ڈوب گیا وہ تر گیا۔ جو غرق ہو گیا وہ امر ہو گیا۔ جو اس راہ میں فنا ہو گیا وہ حیات جاوید پا گیا ؛

شیخ محمدی میں شبان الاحمدیہ کی تنظیم نو

از :۔ عبداللہ جان صاحب سیکرٹری نشر و اشاعت پشاور زون

مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۸۰ء بروز جمعہ صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ جناب جمیل الرحمان صاحب نے جماعت شیخ محمدی کا تنظیمی دورہ کیا۔ جماعت پشاور کے شبان اور مرکزی نائب صدر جناب اختر علی خاں آپ کے ہمراہ تھے۔ جماعت سفید ڈھیری کے بیشتر شبان بھی اس سلسلے میں تشریف لائے تھے۔

مرکزی صدر شبان الاحمدیہ نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ سچا مومن بننے کے لئے سلسلہ احمدیہ میں شامل ہونا ضروری ہے آپ نے وضاحت فرمائی کہ مسیح موعودؑ پر ایمان لانا اور آپ کی پیروی کرنا رسول مقبول صلعم کے حکم کی پیروی کرنا ہے۔ جس طرح حضرت خاتم النبیین کے دوسرے تمام احکامات کی تعمیل کرنا لازمی ہے اسی طرح یہ حکم ماننا بھی لازمی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کیلئے اس دروازے میں سے داخل ہونا ضروری ہے بنماز جمعہ کے بعد شبان کا ایک اجلاس بھی منعقد ہوا جس کا آغاز مقامی نوجوان محمد مبارک نے تلاوت قرآن کریم سے کیا۔ اس کے بعد عنایت الرحمان صاحب نے درثمین سے ایک نظم سنائی۔ نظم کے بعد ناصر احمد نے سورۃ الفیل کی تلاوت کی اور تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح خداوند تعالیٰ اپنے دین اور مذہب کی حفاظت فرماتا ہے۔ ازاں بعد مرکزی نائب صدر جناب اختر علیخاں نے اپنی تقریر میں شبان کی تنظیم پر زور دیا اور کہا کہ وہ خدا کی راہ میں زیادہ سے زیادہ قربانی پیش کریں۔ اللہ جل شانہٗ انکی قربانیوں کو کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا۔ اور اجر عظیم عطا کریگا۔

اجلاس کے آخر میں مرکزی صدر شبان الاحمدیہ نے تنظیمی امور پر شبان سے خطاب کیا آپ نے کہا کہ خداتعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو اپنے فضل و کرم سے مشکلات اور ابتلاؤں کے باوجود ترقی سے نوازا۔ جو تھوڑی بہت کمزوریاں اور عدم دلچسپی نوجوانوں میں پیدا ہوئی ہے اسکی وجہ سلسلے کی تعلیمات سے لاعلمی ہے آپ نے کہا کہ ہم نے اکابرین جماعت سے درخواست کی ہے۔ کہ وہ ہر عمر کے نوجوانوں کے لئے سلسلے کی کتب پر مشتمل ایک سلیبس تشکیل دیں جس کا مطالعہ باقاعدگی سے کیا جائیگا۔ اور اسکے امتحانات مرکزی سطح پر ہونگے آپ نے شبان کو تاکید کی کہ وہ باجماعت نمازوں اور درس قرآن میں باقاعدگی سے شامل ہوں اور آپس میں تعلق کو فروغ دیں۔ بعد میں مقامی شبان کے انتخابات ہوتے اور مندرجہ ذیل ارکان منتخب ہوئے۔ صدر: مختار احمد

از: مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد

معاشرہ!

اصلاحِ نفس کا کامیاب نسخہ

محاسبۂ نفس

قرآن مجید کے ابتدا میں مومنوں کی چھ صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی صفت یہ ہے۔ یؤمنون بالغیب اور آخری صفت یہ فرمائی ہے۔ وبالآخرۃ ھم یوقنون اگر انسان سچے دل سے غور کرے اور ان پر اس کو کامل یقین اور ایمان ہو۔ خدا تعالیٰ کے انعامات پر اس کی نظر ہو۔ آنکھیں اس کی کھلی ہوں۔ جہالت یا سفاہت کا اس پر غلبہ نہ ہو۔ دولت ایمان و اسلام کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھے۔ اس دنیا کو دار الفنا یقین کرے۔ پیدائش انسان کا ایک مقصد سمجھے اور جس طرح مادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ظاہری تگ و دو سے کام لیتا ہے۔ دنیاوی زندگی کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے اگر اسے یہ توفیق مل جاوے کہ وہ ایسا کامل ایمان و اعتقاد اللہ تعالیٰ کی ہستی پر رکھے اور یہ توفیق ملے۔ ظاہری اسباب جو اسے نظر آ رہے ہیں ان کو کمتر اور فروتر سمجھے لیکن اللہ کی ہستی پر ایسا پختہ ایمان ہو کہ ایک لمحہ بھی اس پر ایسا نہ گذرے کہ وہ یہ خیال کرے کہ میرا کوئی عمل حرکت۔ فعل۔ خدا تعالیٰ کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ بلکہ یہ ایمان ہو کہ:-

"مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید"

کہ میرا کوئی لفظ۔ حرکت ایسی نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی نظر نہیں۔ بلکہ جو چیز میں دل میں سوچتا ہوں اس پر بھی اس کا علم محیط ہے۔ اور جو جوارح میرے عمل کرتے ہیں اس کا بھی اسے علم ہے۔ اور وہ علیم بذات الصدور ہے۔ اور دوسری طرف اس کا اس پر بھی پختہ یقین ہو کہ بعث بعد الموت حق ہے۔ اس دنیا کے میرے تمام اعمال خواہ نیکی کی صورت میں ہوں یا الٰہی حکموں کے خلاف میں نے کئے ہوں ان میں سے کوئی چیز نہ پوشیدہ رہے گی۔ نہ مٹے گی بلکہ "فسانلہ الاعین" اگر میں نے آنکھ سے بھی کوئی حرکت کی ہوگی جو بسا اوقات میرے قریب والے بھی نہیں جان سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ایسا کامل ہے کہ یہ میرے نامۂ اعمال میں درج ہوگی۔ اسے اس کا علم ہوگا۔ اور ان کا حساب ہوگا

ایسی توفیق اگر میسر آجائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسے لوگ اس دنیا میں بھی کامیاب و کامران ہیں اور اگلے جہان میں بھی فائز المرام ہوں گے:

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص سب سے پہلے اپنے اوپر نظر دوڑائے۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہے:-

"ولتنظر نفس ما قدمت لغد"

یہاں "نفس" سے مراد ہر ذی روح ہے۔ اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر انسان خواہ بڑا ہے یا چھوٹا۔ حاکم ہے۔ یا محکوم۔ آجر ہے یا اجیر۔ استاد ہے یا شاگرد۔ عالم ہے یا متعلم جو کوئی بھی ہے وہ خود اس بات کا محاسبہ کرے۔ اندازہ کرے فکر و سوچ سے کام لے۔ کہ اس دنیا سے آخر ایک دن میں نے رخصت ہونا ہے میں اگلی زندگی کے لئے کیا کر رہا ہوں۔ آج اگر ہماری سوچ کا زاویہ بدل جائے اور بالکل صراطِ مستقیم کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لے کر آخروی زندگی جس پر ہمارا اعتقاد ہے کہ اصل میں وہی ہمارا گھر۔ دار البقاء ہے۔ اس سوچ ہی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ہماری کایا پلٹ جائے گی۔ اور تمام فتنہ۔ فساد۔ حسد۔ غیبت۔ تجسس۔ بدظنی۔ کسی کا حق مارنا۔ کسی پر زیادتی کرنا۔ قانون کو ہاتھ میں لینا یا توڑنا بالکل ختم ہو جائے گا۔ اور آئے دن جو انتشار بڑھ رہا ہے۔ قانون پر قانون بنتے ہیں لیکن کام سدھرتا نظر نہیں آ رہا۔ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جرائم کے دروازے بند ہو جائیں گے اور یہ عدالتیں۔ تعزیری اور انتظامی و احتسابی ادارے سُونے ہو جائیں گے۔ اور دنیا جنت کا گہوارہ بن جائے گی۔ اور پھر وہی دور عود کر آئے گا جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بشارت دی تھی۔

"ایک عورت صنعاء سے مکہ تک کا تنہا سفر کرے گی اور خدا کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا" (بخاری باب علامات النبوۃ)

واقعی یہ دور آیا۔ اور اپنوں اور غیروں نے اسے تسلیم و قبول کیا۔ آج بھی اگر ہم چاہتے ہیں تو پھر اسی سبق کو پڑھنا اور عمل کرنا ہوگا جو چودہ سو سال پہلے دیا گیا تھا۔ لیکن اب۔

ایک سیل چل رہا ہے گناہوں کے زور سے — سنتے نہیں ہیں کچھ بھی معاصی کے شور سے

اسی طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

"قوا انفسکم واھلیکم نارا"

ہر فرد بشر سب سے پہلے اپنا محاسبہ کرے۔ فرمایا۔ بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے۔ اب ہم سب کو غور کرنا چاہیئے۔ کہ ہم سب اس پاک تعلیم قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات پر کہاں تک عمل کرتے ہیں۔ لیکن اب تو یہ حالت ہے کہ رات دن ہم دنیاوی امور میں اتنے محو ہیں کہ آخرت ہم کو بھول ہوئی ہے۔ ہر روز کسی نہ کسی کو رخصت ہوتا دیکھ رہے ہیں لیکن کچھ دنیا کی نے ہمارے اوپر اتنا اثر کر رکھا ہے کہ دوسروں کا رخصت ہونا ذرا بھی ہمارے لئے سبق اور عبرت کا ذریعہ نہیں بنتا۔ اس کے کئی اسباب ہیں ان میں سرفہرست یہ سبب ہے کہ ایمان باللہ حقیقی طور پر ہمارے اندر راسخ نہیں۔ زبانی جمع خرچ پر زیادہ زور ہے عمل کا پہلو بہت ہی کمزور ہے۔ اور نفسانیت کی چربی کی تہیں اتنی جم گئی ہیں جس کی وجہ سے یہ کلمہ طیبہ ہمارے اوپر اثر نہیں کرتا۔

پس ضرورت اس بات کی ہے کہ احساس کو بیدار کیا جائے۔ ہر شخص خواہ مرد ہے یا عورت۔ بچہ ہے یا جوان۔ اپنے اپنے فرائض کو سمجھے اور حقیقی مسلمان بننے کی کوشش کرے۔ یہی تو مشکل کام ہے جس پر عمل ہم نہیں کرتے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی کمزوری پر اپنی آنکھ کھلی رکھو اور دوسرے کی کمزوری پر اپنی آنکھ بند رکھو ہمارا عمل اس ارشاد کے اُلٹ ہے۔ رات۔ دن دوسروں کی کمزوریوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ اپنے اعمال کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی ہم نہیں دیکھتے۔ دوسرا حکم یہ تھا۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے۔ اگر آپ کو کسی بھائی میں واقعی کوئی کمزوری نظر آتی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ محبت سے اس بھائی کو خبردار کر دو کہ آپ اس کمزوری کو چھوڑ دیں۔ اس کو تو بتاتے نہیں۔ جس سے منع کیا ہے۔ دوسروں میں اس کی تشہیر کرتے ہیں۔ یہ سب بڑا گناہ ہے۔ جس سے رسولِ خدا نے منع فرمایا ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنا محاسبہ کرے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

"حاسبوا قبل ان تحاسبوا" (احمد)

یہ حکم دیا کہ اے مسلمانو اپنا محاسبہ کرتے رہا کرو۔ اس سے پہلے کہ تم اس دن کو پہنچو جب کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے گا۔ کوئی شخص بھی اس حساب سے بالا نہیں ہوگا۔ اس دنیا کے حساب کے اگلے جہان کے حساب سے کیا نسبت ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہا کرو۔ جہاں تمہیں کمزوری نظر آئے اس کو چھوڑ دیا کرو اور تم محاسبہ نہیں کرو گے تو تمہیں اپنی غلطیوں کا علم نہیں ہوگا۔ نیکیوں میں تم آگے نہیں بڑھ سکو گے۔ [illegible] ہوشیار، کوئی لمحہ تم پر غفلت کا نہ آوے۔ اپنا محاسبہ کرتے رہا کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بہت ساری روایات مروی ہیں کہ ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں اپنا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کا مقام روحانیت۔ توکل۔ قبولیت دعا۔ سب پر واضح ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر روز رات کو سونے سے پہلے اپنا محاسبہ کرتا ہوں۔ ان الفاظ میں:۔

"اے نورالدین آج تم نے دن کس طرح بسر کیا۔ کسی کا حق تو نہیں مارا کسی کی حق تلفی تو نہیں کی۔ اور کسی جگہ نیکی کرنے کا موقع تھا تو نے اس کو ضائع تو نہیں کیا۔ اور جب مجھے احساس ہوتا ہے کہ اس جگہ مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے تو میں بہت استغفار کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالےٰ سے معافی مانگتا ہوں۔"

کیا اعلےٰ نمونہ اور ارشاد ہے۔ جو ہمیں مشعلِ راہ کا کام دے سکتا ہے۔ کاش آپ اپنے محاسبہ کی ہم میں سے ہر فرد بشر کو ایمان باللہ کی روشنی میں توفیق مل جاوے۔ ایمان کی تعریف بھی یہی ہے۔

اقرار باللسان و تصدیق بالقلب" زبان سے اقرار کریں اور سچے دل سے اس کی تصدیق کریں۔ اور اس پر عمل کریں۔ یقیناً وہ دور آجائے اور ہمارے اندر ایسی تبدیلی پیدا ہو جائے کہ ہم دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں۔ اور ہماری پیدائش کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ مولا کریم اپنے فضل سے ہم میں سے ہر ایک کو اس کی توفیق دے۔

"نعم المولیٰ و نعم النصیر۔"

(بقیہ صہ ۲)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سرینام کی گولڈن جوبلی کا آنکھوں دیکھا حال

شخصیت کے سربند تھا ہے اور وہ ہیں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب'

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جناب حافظ بشیر محمد صاحب نے صدر جمہوریہ سرینام کو تاریخ فیجی پر ایک کتاب اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے مرکز اور جماعت انگلستان کی طرف سے ایک سنہری قلم جس پر قرآن حکیم کی یہ آیت "اور ہم نے انسان کو قلم کے ذریعے علم دیا" کھدوائی گئی تھی۔ بطور تحفہ پیش کیا۔ اس کے علاوہ جامع مسجد کے لئے مکرم ڈاکٹر نظیرالاسلام صاحب نے ۲۰۰ پونڈ دیئے اور جماعت انگلستان نے ۱۰۰ پونڈ کا وعدہ کیا۔

پاکستان کے بھائیوں سے میری درخواست ہے کہ وہ مایوس نہ ہوں کیونکہ

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

لیکن عشق کی یہ کٹھن منزلیں تبھی طے ہوسکیں گی جب ہم تقوے کی راہیں اختیار کریں گے اور اشاعت اسلام کے لئے شب و روز انتھک محنت سے کام لیں گے۔ ایسے میں انشاء اللہ ہمیں کوئی بھی شکست نہیں دے سکے گا۔

چوہدری فضل داد صاحب گجرات'

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے نقشِ قدم پر چلنا انسان کو

خدا تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے'

انسان توحید کو بھول چکا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کو زمین پر قائم کیا۔ آپؐ نے تمام مذاہب باطلہ کو حجت اور دلیل سے مغلوب کیا۔ وہ جو گمراہ ہو چکے تھے۔ ان کے شبہات مٹائے۔ عقلی طور پر بھی اور مشاہدہ کے رنگ میں بھی۔ اور ہر ملحد کے وساوس دور کئے اور نجات کا سچا سامان اس طرح پر انسان کے ہاتھ میں دیا کہ اصولِ حقہ (جو حقیقی اصولِ روحانی اور جسمانی ان) کی اُسے تعلیم دے دی اور اس طرح انسان کے لئے نجات کے سامان ممکن اور مہیا کر دیئے۔

ہم جو حقیقتِ محمدیہ کو جانتے اور پہچانتے ہیں اور اس بات پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان رکھتے ہیں کہ آپ ہی ختم المرسلین اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم اپنے نفوس پر بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں اور ہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ دنیا بھی اس بات کو سمجھنے لگے کہ بقول حضرت مسیح موعودؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا انسان کو خدا تعالےٰ کا محبوب بنا دیتا ہے۔ نقشِ قدم پر چلنے میں تین باتیں آتی ہیں۔ اول یہ کہ آپؐ کے حسن کو جاننا جس کے نتیجہ میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ پس نقشِ قدم پر چلنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ کے حسن کا علم حاصل کر کے انسان بے اختیار ہو کر آپ کی محبت میں کھو جائے۔

دوم آپؐ کی عظمت کو پہچاننا۔ قل جاء الحق و زهق الباطل (بنی اسرائیل آیت ۹۶) ایک عظیم نعرہ تھا جو حضرت نبی کریمؐ کے حق میں آپ کے مظہر الوہیت ہونے کا لگایا گیا جو عظمت اور جلال ہمیں اللہ تعالےٰ میں (جو تمام صفات حسنہ سے متصف اور ہر عیب سے پاک ہے) نظر آتا ہے۔ وہی عظمت اور جلال ظلی طور پر ہمیں حضرت محمد صلعم میں نظر آتا ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر اتم ہیں۔ آپؐ کی ہمدردی اور مشفقانہ غم خواری کا کسی ایک فرد یا ایک قبیلہ یا ایک خاندان سے تعلق نہیں۔ بلکہ ساری دنیا سے اس کا تعلق ہے۔ پھر کسی ایک زمانہ سے اس کا تعلق نہیں۔ قیامت تک کے زمانوں سے اس کا تعلق ہے۔ ہم لوگ جو حقیقت محمدیہ کو پہچانتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ حضرت خاتم الانبیاء صلعم ان تمام اخلاق فاضلہ کو اپنے وجود اور اسوہ میں جمع کرنے والے تھے جن کی جھلک ہمیں گذشتہ تمام انبیاء میں مختلف طور پر نظر آتی ہے۔ پس انبیاء سابق اور خدا تعالےٰ کے وہ پیارے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے ان سب کے اندر ہمیں اخلاقِ فاضلہ کی جھلک جو نظر آتی ہے وہ متفرق طور پر آدم سے لے کر قیامت تک بنی نوع انسان میں پھیلی ہوئی ہے وہ تمام اخلاق ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود میں جمع نظر آتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا۔ "انك لعلىٰ خلقٍ عظيم" (القلم آیت ۵)

دُنیا کے کناروں تک

تقریر محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ برموقعہ جلسہ سالانہ خواتین احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، لاہور

مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۹ء

صاحبہ صدر! میری معزز اور پیاری بہنو!

السّلامُ علیکم!

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ایک لمبے عرصے کے بعد آج مجھے آپ سب سے دوبارہ ملنے کا موقع میسّر آیا ہے ہمیں اب انگلستان میں رہتے ہوئے تقریباً نو سال ہو گئے ہیں۔ اور اب وہ دیارِ غیر اپنا ہی گھر بن چلا ہے۔ بس یہ آپ سب عزیزوں کی محبت ہے جو کھینچ کھینچ کر پھر اس سرزمین میں لاتی ہے۔ انگلستان دارالخلافہ لندن تو آپ میں سے بہت سی بہنوں نے دیکھا ہوگا۔ یہ عظیم الشان شہر دنیا میں بین الاقوامی شہرت کا مالک و مرکز ہے۔ اس کے علاوہ بلحاظ ملک ہی انگلستان ایک بہت خوبصورت جگہ ہے۔ اس کے نشیب و فراز اس کے سبزہ زار۔ اس کے ندی نالے سب بہت دلفریب اور دلکش ہیں۔ گو وہاں کا موسم سرما بہت ٹھنڈا اور لمبا ہوتا ہے اور زیادہ تر بادل و بارش کا سلسلہ چلتا ہے مگر جدید سائنس کی ایجادوں نے اور بجلی اور گیس کی سہولتوں نے وہاں کا رہنا سہنا بہت آرام دہ بنا دیا ہے۔ ویسے بھی سیر و تفریح اور دل بہلانے اور غم و آلامِ زمانہ بھول جانے کے لئے وہاں کھیل اور تماشے بے شمار ہیں۔ لیکن باوجود ان سب خوبیوں کے ایک کمی اس سرزمین رنگ و بو میں ایسی ہے کہ اس کے بغیر مقصدِ حیات اُدھورا رہ جاتا ہے۔ بلکہ [illegible] ہی [illegible] اور وہ ہے :-

"مذہب [illegible] اور روحانیت کی کمی"

وہاں [illegible] پیسہ کمانے اور دولت حاصل کرنے کی دوڑ میں مشینوں اور فیکٹریوں کی گھن گرج میں انسان محض ایک پُرزہ اور ایک آلہ بن کر رہ گیا ہے۔ اور جب وہ اس دوڑ بھاگ سے تھک کر بیٹھتا ہے تو اسے سمجھ نہیں آتا کہ باوجود اس تگ و دو کے اس کو دلی سکون۔ اطمینانِ قلب اور سچی خوشی کیوں حاصل نہیں ہوتی۔ اور پھر وہ طرح طرح کے نشوں اور نیم بے ہوشی پیدا کرنے والی دوائیوں میں اپنے آپ کو بھلانے اور روحانیت کو پانے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ مگر وہ نعمت اس کو ان سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی بھٹکی ہوئی رُوح اپنے خالق و مالک کو پانے کے لئے سرگرداں رہتی ہے۔ لیکن وہ راستہ وہاں کی مادہ پرستی اور دولت اور سیم و زر کی چمک دمک میں گم ہو چکا ہے۔ یہ نہیں کہ وہاں عبادت گاہوں کی کمی ہے۔ آپ کو وہاں قدم قدم پر اور سب سے اونچے اور دلکش مقامات پر بے شمار مضبوط قلعے نما خوبصورت حسین کھلونوں جیسے گرجے نظر آئیں گے۔ لیکن وہ خالی پڑے ہیں۔

میں نے کئی گرجوں کے سامنے اس طرح کے پیغام لکھے دیکھے ہیں کہ :-

"GOD IS NOT DEAD, BUT FEELING LONELY"

خدا مرا نہیں۔ مگر تنہائی محسوس کرتا ہے۔ یا

"DONOT COME IN YOU MAY FIND GOD HEAR"

اندر نہ آنا۔ کہیں تمہیں یہاں خدا نہ مل جائے۔

اب نہ خود وہاں کوئی آتا ہے اور نہ بُلانے کا اثر ہوتا ہے۔ تھک کر اب بُلانے والے طنز و تشنیع سے کام نکالنا چاہتے ہیں۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر مشرق کی یاد آتی ہے۔ یہ ملک اور یہ جگہ جہاں آج ہم جمع ہیں۔ جہاں اس صدی کے مجدّد نے روحانیت اور سچائی کے سرچشمے اسلام کو خس و خاشاکِ زمانہ اور دُشمنوں کی کھڑی کی ہوئی بندشوں سے آزاد و پاک کر کے دوبارہ جاری و ساری کیا ہے۔ حق اور روحانیت کی یہ تسکین بخش دولت مذہب کا یہ دلکش رنگ اب صرف اس چھوٹی سی جماعت کے پاس ہے۔ اُس ملک (U K) میں بھی اب لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہیں۔ ان میں جماعتیں ہیں۔ انجمنیں بھی ہیں۔ وہ بھی کچھ نہ کچھ تنظیم و تبلیغِ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن ان کے لیڈروں اور رہنماؤں کی تنگ دِلی۔ تعصّب۔ اور حسد اور خود پسندی نے اُن کے کام میں اثر نہیں چھوڑا۔ میں خود ان سے مل کر ان کے ساتھ کام کرنے کی کوشش کر کے اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اور کوئی خوبی نہ بھی ہو مگر ایک احمدی فرد کے دِل میں جو دوسروں کے لئے فراخدلی جو حوصلہ اور صبر ہے وہ صرف حضرت مرزا صاحب کو امام ماننے اور آن کے گروہ میں شامل ہونے کا فیض ہے۔ ایک عطیہ ہے جو وہ اپنی جماعت کو دے گئے ہیں۔ اس سرزمین میں جہاں کان اللہ اکبر کی آواز سُننے کو ترس جاتے ہیں۔ جہاں ہم اذان نہیں بلکہ گھڑیاں دیکھ کر نمازیں پڑھتے اور روزے افطار کرتے ہیں۔ وہاں آپ کی اس سعادت اور اس دولت پر مجھے رشک آتا ہے۔ حسرت ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی آپ سے گلہ بھی دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب یہ دولت یعنی اشاعت و تبلیغِ اسلام اور قرآن کا کام اللہ تعالیٰ نے کسی خوش نصیب جماعت کو سونپا ہے۔ تو پھر اس جماعت کا سب سے مقدم فرض اُس کا مقصودِ زندگی یہ ہو جانا ہے کہ وہ اِسلام اور قرآن کو دُوسروں تک پہنچائے۔

ہمارے بزرگوں نے اپنے اس فرض کو جانا اور پہچانا اور پورا کیا۔ اور انگلستان میں ووکنگ جیسا مشہور و معروف مشن بنایا۔ جو ساٹھ سال تک مرجع خلائق رہا۔ نہ صرف یہ کہ جو شمعِ اسلام و قرآن وہاں روشن ہوئی۔ اس سے حق کے متلاشیوں کو نور ملا۔ بلکہ تمام عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لئے اس کفرستان میں وہ مقام باعثِ کشش تھا۔ اور جمع ہونے کی جگہ تھی۔

پھر ہماری بدقسمتی اور دُوسرے مسلمانوں کی ناقدری و احسان فراموشی سے وہ خوبصورت پُرفیض جگہ ہم سے چھن گئی! اور چونکہ یہ ہماری مرکزی جماعت بھی اپنے واحد مقصد اشاعتِ اسلام سے دُور ہونے لگی اور دلی لگن سے خدا کا کام کرنا حاصلِ زندگی نہ رہا۔ تو ہماری بے توجہی سے ہمارا کوئی قابلِ ذکر مشن اور کوئی مقام وہاں نہ رہا۔ یہ نہیں کہ ہم بھول گئے۔ بس بیدلی اور سستی سے کچھ نہ کچھ کوشش ہوتی رہی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس کوشش میں بھی کچھ کامیابی عطا کی اور اب ووکنگ چھن جانے سے تقریباً آٹھ سال بعد ایک مکان نواحِ لندن میں احمدیہ ہاؤس کے نام سے خرید لیا گیا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک، پاکستان۔ ٹرینیڈاڈ

گیانا۔ سرینام وغیرہ کے احمدی فرداً فرداً تو وہاں کافی تعداد میں تھے لیکن الگ الگ پڑے ہوئے اور ہمارا آپس میں کوئی سابقہ نہ تھا۔ جب جمع ہونے کا مقام ملا تو ہم لوگ آپس میں ملے۔ اور اب خدا کے فضل سے ہم نے مل کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو۔کے۔ کے نام سے اپنی اس مرکزی انجمن کی ایک شاخ وہاں قائم کی ہے۔ اور ہماری دلی تمنا اور کوشش ہے کہ وہاں اب قرآن کریم اور دوسری مذہبی کتابوں کی اشاعت و فروخت کا باقاعدہ انتظام ہو۔ اور اسلام اور احمدیت کے متعلق پمفلٹ شائع کر کے مفت بانٹے جائیں چھوٹے پیمانے پر تو یہ کام ہم نے شروع بھی کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ احمدیہ ہاؤس میں باقاعدہ مشن کا دفتر قائم ہو۔ جہاں علاوہ میٹنگز اور نمازوں کے درسِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہو اور ایک ہماری لائبریری بھی بن جائے۔ یہ سب بہت توجہ محنت اور زر طلب کام ہیں۔ اور انسانی کوششوں سے بڑھ کر ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی حاجت ہے۔ آپ سب دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رجوع برحمت فرمائے بے شک جو مرحلے ہمیں بہت مشکل نظر آتے ہیں۔ وہ اس کے لئے آسان ہیں۔ اس کے بعد اب ہمیں آپ سب کی جو یہاں اس روحانی اور دینی مرکز میں جمع ہیں توجہ اور مدد کی از حد ضرورت ہے۔ آپ میں وہ جوش اور ولولہ جو ہمارے بزرگوں میں تھا دوبارہ پیدا کرنے کو بہتر ہے کہ میں اپنے الفاظ کی جگہ اپنی تاریخ اسلام کا سنہرا واقعہ بیان کردوں

جب سپہ سالارِ اسلام حضرت عقبہ بن نافع مراکش فتح کرتے ہوئے بحرِ اوقیانوس کے ساحل پر پہنچے تو انہوں نے بے جھجک اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ اور پوری فوج اُن کے پیچھے سمندر میں اتر گئی۔ گھوڑے کی گردن تک جب پانی آگیا تو حضرت عقبہ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور عرض کی کہ اے اللہ اگر یہ سمندر میرے راستہ میں حائل نہ ہوتا تو میں دُنیا کے آخری کناروں تک تیرا نام اور پیغام پہنچا دیتا۔"

مشہور شاعرِ قوم حضرت علامہ اقبالؒ نے اس واقعہ کو اس طرح شعر میں باندھا ہے کہ :-

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج وہ وسیع اور ناقابلِ تسخیر دنیا سکڑ کر ایک محلہ بن گئی ہے۔ دُنیا تو دنیا عالمِ کائنات پر انسان کے قدم پہنچ رہے ہیں اور چاند پر اس کی کمندیں پڑ چکی ہیں۔ کوئی سمندر۔ پہاڑ یا صحرا اب راستہ میں حائل نہیں رہا۔ جب ۷۴۷ کے تیز رفتار جیٹ طیارے نے لندن ایئرپورٹ سے بغیر کہیں رکے صرف آٹھ گھنٹوں میں مجھے اسلام آباد ایئرپورٹ پر اتار دیا تو میں اس تیز رفتاری پر ششدر رہ گئی کہ فاصلے کے لحاظ سے تو اب مشرق و مغرب مل کر ایک ہو گئے ہیں۔ لیکن مذہبی اور روحانی طور پر ان کو ایک کرنا اب ہمارا فرض ہے۔ اس دور میں کہ پاکستان سے دھڑا دھڑ ہم لوگ انگلستان امریکا اور دُوسرے دور دراز ملکوں میں جا رہے ہیں۔ کتنے ہیں جو یہاں سے چلتے ہوئے علاوہ دنیا اور روزگار کے فکر کے یہ بھی سوچتے ہیں کہ مسلمان جہاں جاتا ہے۔ اس کا اللہ اس کا ایمان اور دین بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کو وہاں جا کر کچھ اس کی بھی فکر کرنی چاہیئے۔ ہماری احمدی جماعت کے بہت سے نوجوان بچے جو وہاں پہنچتے ہیں۔ میں اکثر ان کو فون کرتی ہوں۔ کہ عید آرہی ہے۔ یا ہماری کوئی اہم میٹنگ ہے۔ آپ لوگ ضرور احمدیہ ہاؤس فلاں دن آئیں تو جواب اکثر یہی ملتا ہے کہ افسوس ہے کہ ہمارے پاس وقت نہیں۔ ہماری اور بہت سی ضروری معروفیات ہیں۔ ہم نہیں آسکتے۔ یہاں پر میں حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وہ خط آپ کو سنانا چاہتی ہوں جو انہوں نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو لکھا۔ جبکہ وہ انگلستان اپنی تعلیم اور ٹریننگ کے لئے جا رہا تھا۔ وقتِ رخصت آپ نے وہ بند خط اس کو اس ہدایت کے ساتھ دیا کہ اس کو انگلستان پہنچ کر کھولنا :

خط

حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

"میرے بہت پیارے بیٹے حامد۔

اللہ تمہیں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ السلام علیکم

میں اب اس عمر کو پہنچ گیا ہوں جبکہ مجھے یقین نہیں کہ اب میں اس دُنیا کی زندگی میں تمہیں دوبارہ ملوں گا میں تمہیں یہاں چند نصیحتیں کرتا ہوں جو انگلستان کے قیام میں تمہاری رہنمائی کریں گی :-

۱۔ یہ کبھی نہ بھولنا کہ ہمارا ایک قادرِ مطلق خدا ہے۔ جو ہماری تکلیفوں اور مصیبتوں میں ہماری مدد کرتا ہے۔ اور ایسے ایسے راستے ہمارے لئے کھول دیتا ہے جن کا ہم خیال بھی نہیں کر سکتے۔

۲۔ کبھی یہ گمان بھی نہ کرنا کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں اس کو اللہ نہیں دیکھ رہا یا ہمارے عمل لکھے نہیں جا رہے۔ اگر ہم اچھے عمل کرتے ہیں تو ہمیں فائدہ پہنچتا ہے۔ اور اگر ہمارے عمل بُرے ہوں تو ہم اُن کا خمیازہ بھگتتے ہیں۔ ہم انسانوں سے اپنی بُرائیاں چھپا سکتے ہیں۔ مگر خدا سے ہرگز کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

۳۔ نشہ پیدا کرنے والے مشروب سب خرابیوں کی جڑ ہیں اس سے بچنا۔ ان سے بچنا۔ بلکہ کبھی ان لوگوں کی صحبت میں بھی نہ بیٹھنا جو شراب پیتے ہیں۔

۴۔ اپنی نمازوں کی پابندی کرنا۔ ہر صبح جب اٹھو تو سب سے پہلے نماز پڑھنا۔ اور پھر چند آیتیں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا۔ ان چیزوں کو اپنی عادت بنالو۔

۵۔ اپنا ہر کام محنت سے کرنا۔ اور سادگی کی زندگی گزارنا یہ عادتیں تمہیں اپنی زندگی میں خوش رکھیں گی۔

۶۔ اپنی تعلیم اور پڑھائی پر بہت محنت اور توجہ کرنا لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ وقت ہمیشہ خدمتِ اسلام اور خدمتِ انسان کے لئے ضرور نکالنا۔

۷۔ اس بات کو کبھی نہ چھپانا کہ خدا کے فضل سے تم مسلمان اور احمدی ہو۔ جنہوں نے اس صدی کے مجدد کو اپنا امام مانا ہے۔ اور یہ کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کے آخری نبی تھے۔ اور یہ کہ ہر کلمہ گو جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے وہ مسلمان ہے۔

اگر تم میری ان نصیحتوں پر اپنی زندگی بسر کرو گے تو نہ صرف اللہ تم سے راضی اور خوش ہوگا بلکہ ہم تمہارے والدین بھی تم سے خوش ہوں گے۔ اور خود تم بھی اپنے آپ سے خوش رہو گے۔

جب میں اس دُنیا سے رخصت ہو جاؤں تو میرے بعد اپنی ماں کا خیال رکھنا اور ان سے اچھا سلوک کرنا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے۔ آمین۔

محمد علی

میری پیاری بہنو!

اس عظیم الشان ہستی کے قلم سے نکلے ہوئے یہ جواہر ریزے کتابوں میں بند کر کے رکھنے والے نہیں۔ ان کو اپنے دل میں رکھیئے۔ اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیے۔ اور جب آپ کے پیارے بچے۔ آپ کے بھائی۔ آپ کے شوہر۔ دنیا کے سفر پر روانہ ہوں تو ان موتیوں سے ان کا دامن بھر کر ان کو رخصت کریں تاکہ وہ جہاں بھی جائیں دنیا کے مخدوم نہ ہوں دین کے خادم ہوں ان کے نمونے اور ان کے نیک کاموں سے دنیا کو ہدایت ملے اور اس طرح اللہ کے اس وعدہ کو پورا کرنے میں جو اس نے اس صدی کے مجدد سے کیا آپ کا حصہ بھی ہو کہ :-

"میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے آخری کناروں تک پہنچاؤں گا -:"

درخواست دُعا

جناب پروفیسر نورالدین زاہد صاحب سری نگر نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان مدظلہ العالی سے دعا کی درخواست کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرا لڑکا مڈل کے امتحان میں شامل ہو رہا ہے۔ اس کی محنت و کامیابی اور میری دینی و دنیوی ترقی اور صحت و عافیت کیلئے دعا فرمائیں۔ وہ دیگر احباب سلسلہ کو بھی اسلام علیکم کہتے ہیں۔

مکرم شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ چھاؤنی

سیرت [illegible]

تو ساتھ میں یہ فرمایا:-

"لمن کان یرجواللہ والیوم الآخرۃ ذکراللہ کثیرا"

اس نمونے سے اللہ اور یوم آخرت کے لئے تڑپ پیدا ہو اور اس کا پیرو اللہ کو بہت یاد رکھنے والا ہو۔ اسی صورت سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ انسان بالطبع نمونے کا محتاج ہے اور ہر حرکت وسکون میں اچھے نمونے کی ضرورت ہے۔ افراد کے لئے بھی اور قوموں کے لئے بھی۔ جب قومیں الگ تھلگ رہتی تھیں تو ہر قوم کے لئے اس کی الگ ضرورت تھی۔ اب جدید رسل و رسائل کی وجہ سے دنیا ایک ملک کا حکم رکھتی ہے چنانچہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کل دنیا کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا۔ للعالمین نذیرا۔ اور قابل تقلید نمونہ وہی ہو سکتا ہے جو تمام امور میں افضل ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کی زندگی میں تمام پہلوؤں کی تکمیل پائی جاتی ہے۔ حسن یوسفؑ ۔ دم عیسےٰؑ ید بیضا داری۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ سو بلا خوف تردید بانگ دہل یہ اعلان کیا جا سکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ ہی وہ شخص ہیں جو اس اعزاز کے اہل ہیں۔ اور قرآن پاک میں یہ چیلنج مذکور ہے

"فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون۔"

ساری عمر تم میں گذاری ہے کیا عقل مندی کا تقاضا نہیں کہ غور کرو۔ مگر کوئی حرف نہ رکھ سکا کیا یہ صداقت۔ دیانت اور امانت کی دلیل نہیں۔ جس نے تمام عمر راست بازی اور بے داغ زندگی کا نمونہ پیش کیا ہو، دشمن بھی اسے صادق اور منکر بھی اسے امین جانتا ہو۔ جس نے اتنی مدت میں انسان پر بھی جھوٹ نہ بولا ہو کیا اب وہ خدا پر افترا کر سکتا ہے۔ ہرقل کے سامنے ابوسفیان جیسے دشمن کا اعتراف کہ ہم اس پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگاتے۔ کوئی اس دین میں داخل ہو کر نہیں نکلا۔ اور تعداد ان کی بڑھ رہی ہے۔ یہ دلیل کھا جانے والی تھی۔ لوگ آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ یہ کذاب کا منہ نہیں

"ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصائب میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہر طرف دشمن ہے۔ بات کوئی نہیں مانتا لیکن چند ماننے والے بھی ہیں ان کو بھی اذیتیں دی جاتی ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کے کلام پر محکم یقین اور اپنی سچائی پر بھی اتنا یقین کہ فرمایا اگر میں نے جھوٹ بنایا تو مجھ سے بڑھ کوئی ظالم نہیں۔ اور اگر تم خدا کی باتوں کو جھوٹ کہتے ہو تو تم سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ اور اس کے کسی کے کہے ہوئے لفظ جب مخالفت زوروں پر تھی ایسے سچے ثابت ہوئے کہ کوئی دنیوی طاقت حق و صداقت کے رستہ میں حائل نہ ہو سکی اور اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا نقشہ بھی دکھا دیا کہ جب ان کے حامیوں کو دیکھ کر مسیلمہ اور اسود نے نبوت کے دعوے کئے تو ان افترا کرنے والوں کا انجام بھی دکھا دیا۔

یہ ہوتی ہے تائید ایزدی اور وعدوں کا سچا ہونا کیا یہ واضح گواہی نہیں۔ قرآن میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ میں بڑی خوشخبریاں ہیں کہ مصیبت میں گھبراؤ نہیں خدا پر یقین رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ گھبرا کر کفر اور ظلم کی طرف جھک جاؤ۔ اور مٹادو۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمان تو عقیدتاً یہ سب کچھ مانتے ہیں لیکن غیر مذاہب والوں کو کس طرح قائل کیا جائے۔ کیونکہ وہ تو اپنے اپنے پیشوا کو دنیا کے لئے کامل نمونہ سمجھتے ہیں۔ اس کے لئے منطقی معیار قائم کرنا ہوگا کہ فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زندگی کے ہر شعبے میں ہر شخص۔ ہر قوم۔ ہر ملک اور ہر زمانے میں قابل تقلید نمونہ ہیں اور وہی سب سے افضل ہیں۔ جس پر تمام وہ حالات آویں جو دنیا میں آتے ہیں اور وہ ان میں مثالی کردار دکھائے وہی اس اعزاز کا مستحق ہوگا۔ یہی بہترین نمونہ ہے۔ دنیا میں اس قسم کے حالات لوگوں پر آتے ہیں۔ بچپن۔ جوانی۔ عمر رسیدہ ہونا والدین کا گزر جانا۔ دادا چچا کا ہونا۔ اور ان کی خدمت کا موقع ملنا۔ غریبی۔ امیری۔ حکومت۔ محکومیت۔ جنگ میں فتح و شکست اکیلے ہونا۔ جتھے والا ہونا۔ شادی شدہ۔ غیر شادی شدہ۔ بیماری تندرستی۔ اولاد کا غم۔ دشمنیاں۔ تجارت اور ملازمت وغیرہ وطن چھوڑنا، بے وطن ہونا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کس پیشوا پر یہ سارے حالات گذرے۔ اور وہ ان میں کس طرح سرخرو ہوا۔ بعض نے ان کے ماننے والوں کے مطابق ان حالات میں سے بہت کم کا موقعہ پایا۔ چنانچہ اکثر حالات کا تو خانہ خالی رہا۔ وہ تو نمونہ نہیں ہو سکے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے پیشوا ایک ارب ۲۳ کروڑ برس پہلے گذرے۔ کوئی امر بھی ان میں سے نہیں کہہ سکتے اور انہیں ان کے حالات معلوم ہی نہیں۔ جب تاریخ ہی محفوظ نہیں کیسے جانیں وہ کون تھے۔ کیسے تھے۔ کن اخلاق کے مالک تھے۔ سو یہ بھی اس اعزاز سے محروم ہوئے۔ پیغمبر اسلام نبی آخر الزماں کے حالات اور کارناموں کی فہرست دیکھی جائے تو ایک ضخیم جلد اس کی موجود ہے۔ اور اس میں چھوٹی سے چھوٹی تفصیل بھی درج ہے۔ ایک شخص وہ بھی اُمّی۔ غریب۔ ساری قوم چھوڑ چکی ہے۔ غاروں میں چھپنا پڑتا ہے۔ لیکن وہ کارنامے دکھاتا ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں۔ دوست بھی جانتا ہے اور دشمن بھی آپ کے اخلاق حسنہ اور خوبیوں کا اعتراف کرتا ہے۔ آخر سب کو ماننا پڑتا ہے۔ نمونہ میں تو آپ سورج ہیں کور چشم بھی اپنا وجود منوا لیتا ہے۔ محمد بہت برہان محمد۔ آپؐ نے یتیمی میں آنکھ کھولی۔ یہ دنیا کے تمام یتیموں کے لئے مژدہ ہے جو اس کا سارے غم دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان اور افضل الانبیاءؐ بھی یتیم تھا۔ دوسرے بچوں نے کم از کم اپنے والد کی شکل وصورت تو دیکھی ہوگی اور پھر محروم ہوئے لیکن اس یتیم نے تو ایک دن کے لئے بھی اپنے والد کی محبت اور شفقت نہ پائی۔ بگڑ گیا باپ کے سائے سے محروم ہو کر جادۂ اخلاق سے بہت ہٹ گیا۔ اور یہ محرومی عادات پر اثر انداز ہوئی ہرگز نہیں بلکہ ایسا شریف النفس اور تربیت یافتہ نکلا کہ خاندان کے بزرگ اپنے نورچشموں سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں۔ اس کی خوبیوں، سدھری ہوئی عادات۔ شرافت۔ کم گوئی لغویات سے کنارہ کشی۔ ادب تمیز کو دیکھ کر سر آنکھوں پر بٹھانے

(باقی ص۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

"بقیہ ذرہ ہوں آفتاب کی توصیف کیا لکھوں"

ہیں ۔ قرآن میں ارشاد ہوا :۔

"الم یجدک یتیما فاوی ۔"

بے پناہ عزت پائی ۔ ایسی عزت کا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی ۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ خدمت میں بھی آپ نے بے مثل نمونہ دکھایا ۔ اپنے دادا اور چچا کی ایسی خدمت کی کہ کوئی شخص اپنے والد کی بھی ایسی خدمت نہیں کر سکتا ۔ آپ تو اپنی رضائی ماں کی بھی ایسی تعظیم کرتے کہ ان کے لئے چادر بچھاتے ۔ کہ یہاں بیٹھیں ۔ اور اس خاتون نے بھی معجزہ دیکھا تھا اور لوگ بھی حیرت زدہ ہو گئے تھے کہ اس بچے کی وجہ سے اس کے گھر میں اور جانوروں میں بھی برکت ہی برکت ہو گئی ۔

اور آپ کی غریبی اور بے کسی کا دور تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھا ہوا ہے ۔ درود اور سلام اس پیغمبر پر کہ کبھی کام کو عار نہ سمجھا اور فرمایا کہ سب سے افضل کھانا وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی کا ہو اور جب بادشاہ ہوتے تو آپ نے فرمایا ۔

"سید القوم خادمھم"

سردار تو قوم کا خادم ہوتا ہے ۔ آپ ناپسند فرماتے کہ آپ کے سامنے کوئی قیصر و کسریٰ کے درباریوں کی طرح حاضر ہو ۔ آنے والے اجنبی کو پوچھنا پڑتا کہ تم میں سے محمدؐ کون ہے ۔ ساتھی اصرار کرتے کہ آپ بھی شان و شوکت سے رہیں ۔ اعلیٰ لباس زیب تن کریں ۔ لیکن آپ فرماتے :

الفقر فخری ۔ اور آپ کے خلفاء پر بھی وہی رنگ تھا ۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند   در شہنشاہی فقیری کردہ اند

صحابہ کرامؓ نے بیعت کے صحیح معنے سمجھ لئے تھے کہ جب انسان کسی دوسرے کے ہاتھ پر اپنے آپ کو بیچ دیتا ہے تو اس کا اپنا کچھ نہیں رہتا ۔ انہوں نے اپنے نفسوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیچ کر آپؐ کی اطاعت کا حق ادا کر دیا ۔ وہ سادگی پسند تھے ۔ مال و دولت کو بے جا مصرف میں نہیں لاتے ۔ عزت تقویٰ میں ہی سمجھی اس معز ہادی معلم اور مزکی کا ہی نمونہ سامنے رکھا اور وہ نمونہ کیا تھا ایک بے نظیر انسان : صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ اور تخلقوا باخلاق اللہ کا سبق دینے والا ۔ اور انا اول المسلمین کہنے والا ۔ یہ کوئی خیالی باتیں نہیں ہیں ۔ بلکہ اغیار نے بھی زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے ۔ آپ کو ، اور تاریخ کی اس پر سند ہے ۔ مغرب کے مشہور مؤرخ "BOS WORTH SMITH" نے لکھا ہے :۔

"حیرت اس امر پر نہیں کہ محمدؐ کس قدر تبدیل ہوئے ۔ بلکہ اس بات میں ہے کہ آپ میں کس قدر کم تبدیلی آئی ۔ جوانی گڈریے کی شکل میں ہو یا شام کے تاجر کی صورت میں ۔ غار حرا کی خلوت میں ہوں یا ایک تن تنہا مصلح قوم کی صورت میں مسلمہ فاتح کے روپ میں ہوں یا قیصر و کسریٰ کے شہنشاہوں کی مانند ان تمام حیثیتوں میں آپ کے اندر ایک یکسانیت نظر آتی ہے ۔ جب انسان کے ظاہری حالات اس قدر تغیر پذیر ہوئے ہوں مگر وہ خود ان میں لاتبدیل رہا ہو ایسا انسان کہیں اور نہیں ملے گا ۔ بیرونی حالات یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں مگر ان تمام تغیرات میں اس کی روح وہی کی وہی لاتبدیل رہتی ہے ۔"

کیا سچ ہے ۔ اس کے اندر سچائی کی روح تھی ۔ وہ بناوٹ سے پاک تھا ۔ اور اسی فیض کی تاثیر سے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا ۔ خداخوفی کی ایسی فضا پیدا کر دی کہ لوگوں میں بدی کو مٹا دینے والی قوت پیدا ہو گئی ۔ خود فرضیوں سے بے نیاز اس کے ماننے والے بھی خدا کی حاکمیت اعلیٰ میں سرشار تھے ۔

امام وقت حضرت مرزا صاحبؑ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان خوبصورت الفاظ میں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے ۔

"وہ جو عرب کے بیابان میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے ۔ اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے ۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے ۔ اور دنیا میں ایک دفعہ ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ بعد میں کسی کان نے سنا ۔"

یہ ہیں پیغمبر اسلام ۔ ہزاروں درود و سلام اس محسن انسانیت پر ۔

"اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہ"

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس اسوۂ حسنہ پر کاربند رہنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے ۔ آمین !

عالم اوّل جہان امتحاں   عالم ثانی جزائے این و آں
مگسل از ختم الرسل ایام خویش   تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش

اخبار احمدیہ

جامع احمدیہ دارالسلام میں خواتین کا جلسہ عید میلاد النبیؐ

خواتین احمدیہ جماعت لاہور کے زیر اہتمام مورخہ ۷ فروری ۱۹۸۰ء بروز جمعرات بعد نماز عصر محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ کی زیر صدارت بتقریب عید میلاد النبیؐ ایک جلسہ منعقد ہوا ۔ عزیزہ زاہدہ جنجوعہ کی تلاوت قرآن پاک سے کارروائی جلسہ کا آغاز ہوا ۔ تلاوت کے بعد متعدد خواتین اور بچوں نے سرور کائنات ، فخر موجودات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حضرت امام وقت کے نعتیہ کلام کی صورت میں ہدیہ عقیدت پیش کیا ۔ احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محترمہ نگین ملک نے سنائیں ۔ ان کے بعد سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بزرگ خواتین محترمہ رضیہ فاروقی اور رضیہ مدد علی صاحبہ نے اس تقریب کی اہمیت اور ہمارے فرائض پر روشنی ڈالی ۔ علاوہ ازیں عزیزہ طاہرہ جنجوعہ ایم اے اور عزیزہ ساجدہ رحمان صاحبہ نے اس سلسلہ میں اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا ۔ دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا ۔ بعد میں حاضرات کی تواضع چائے سے کی گئی ۔

انتقال پر ملال :۔ احباب جماعت کو یہ سن کر صدمہ ہوگا کہ محترم ڈاکٹر فیض اللہ صاحب ساکن کیرانوالہ (لالہ موسیٰ) ۶ فروری ۱۹۸۰ء کو وفات پا گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مخلص احمدی تھے ۔ بڑے صبر آزما حالات میں بھی ثابت قدم رہے ۔ مکرم شیخ محمد یونس صاحب کے گہرے دوست تھے اور انہیں ملنے کے لئے اکثر لاہور تشریف لایا کرتے تھے ۔ ان ہی کے پاس دارالسلام میں ٹھہرا کرتے تھے ۔ اب بھی جلسہ عید میلاد النبیؐ میں شمولیت کے لئے لاہور آئے ہوئے تھے کہ مسافری ہی میں خالق حقیقی کا بلاوا آ گیا اور مختصر سی علالت کے بعد ۶ فروری ۱۹۸۰ء بروز بدھ صبح کے وقت چل بسے ۔ ثم انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ بڑے ملنسار اور متواضع بزرگ تھے ۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ۔ ان کی تدفین دارالسلام کے قبرستان میں ہوئی ۔ احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے ۔

:- ٭٭٭٭٭٭ -:

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور   مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ ایل نمبر : ۸۳۸   جلد : ۶۷   شمارہ : ۷

چوہدری فضل حق صاحب دارالسلام

باہتمام ناصر بن پرنٹر آب کاری روڈ سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا ۔   چیف ایڈیٹر : ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

مسلماں کا دیں
ختم المرسلیں
سے ہم بیزار ہیں
احمد مختار ہیں

کسی اور کا وقت
کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
مولوی عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید   وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد ۶۷ | یوم چہار شنبہ ۳ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۸۰ء | شمارہ ۸

دلوں کو پاک کریں اور اپنے انسانی رحم کو ترقی دیں

حضرت مسیح موعود کا جماعت کو حکم

ـــ مجھے حکم دیا ہوا ہے ـــ

کہ جو میری فوج میں داخل ہیں وہ ان (مفسدانہ) خیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں۔ دلوں کو پاک کریں۔ اور اپنے انسانی رحم کو ترقی دیں۔ اور دردمندوں کے ہمدرد بنیں۔ زمین پر صلح پھیلادیں کہ اس سے ان کا دین پھیلے گا۔ اور اس سے تعجب مت کریں۔ کہ ایسا کیونکر ہوگا۔ کیوں کہ جیسا کہ خدا نے بغیر توسط معمولی اسباب کے جسمانی ضرورتوں کے لئے حال کی نئی ایجادوں میں زمین کے عناصر اور زمین کی تمام چیزوں سے کام لیا ہے۔

ـــ ایسا ہی اب ـــ

وہ روحانی ضرورتوں کے لئے بغیر توسط انسانی ہاتھوں کے آسمان کے فرشتوں سے کام لے گا۔ تم صبر سے دیکھتے رہو کیونکہ خدا اپنی توحید کے لئے تم سے زیادہ غیرت مند ہے اور دعا میں لگے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ نافرمانوں میں لکھے جاؤ۔

جلسہ سالانہ کی ایک شام

جلوہ زا ہیں ہر طرف رعنائیاں ایمان کی
چھا رہی ہے گہری گہری چھاؤں اطمینان کی
ایک نورانی تقدس ہے در و دیوار پر
ایک روحانی تقدس ہے در و دیوار پر
ہے فضا میں دھندلا دھندلا ایک نورانی غبار
اور ہوا ہے احمدیت کے اثر سے مشکبار
چھا گئیں ماحول پر کیا دلربا خاموشیاں
جھانکتی ہیں جن میں سے ایمان کی پرچھائیاں
یہ سہانی شام یہ شاداب چہروں کی چمک
غازۂ اسلام سے سیراب چہروں کی چمک
شام کے دامن میں ہے طاعت گذاروں کا ہجوم
احمدیت کے درخشندہ ستاروں کا ہجوم
ان بزرگوں سے ہے وابستہ بقا اسلام کی
آ رہی ہے یاد مجھ کو ابتدا اسلام کی

شوکتِ اسلام

پھر اتباعِ سیرتِ نبویؐ نکھار دے
اُجڑے ہوئے چمن کو نویدِ بہار دے
پھر شوکتِ اسلام کا پرچم بلند کر
پھر دینِ حق کا ولولہ دل میں ابھار دے
پھر شعلہ زن ہے آتشِ نمرود ہر طرف
پھر صدقِ ابراہیمؑ کو اس میں اتار دے
ہاں پھر بکھیر شرک و ضلالت کی دھجیاں
وحدانیت کو پھر سے چمن کا نکھار دے
باطل کا ساتھ دے نہ کسی مرحلے میں بھی
حق بات کائنات میں کھل کر پکار دے
مجھ کو خلوصِ لوح و قلم بھی نصیب کر
مجھ کو جگر کا سوز بھی پروردگار دے
دل میں سمو لے اسمِ محمدؐ کو اے عزیز
یعنی ریاضِ قلب کو اک شاہکار دے

مظفر عزیز

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ لندن

جس راہ چلے تیرے در و بام ہی آئے

یہ ہماری ایک معزز بہن کے سفرِ حج کے تاثرات ہیں جو انہوں نے پیغام صلح کے لئے قلمبند فرمائے ہیں۔ آپ ایک صاحب علم و عمل احمدی خاندان کی بزرگ خاتون ہیں۔ ان کی تحریر میں کتنا خلوص اور والہانہ پن ہے۔ طرزِ ان میں کتنی سادگی اور بے ساختگی ہے۔ سرورِ کائنات ؐ سے کتنا عشق اور پیار ہے۔ مذہب اسلام کو دنیا میں پھیلانے کی کتنی تڑپ ہے۔ قارئین کرام اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں ـــــ (ادارہ)

تاریخ ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۷۹ء تھی یہ مکہ معظمہ کی ایک نورانی صبح تھی جب پھٹنے ... سورج کی سنہری کرنیں غلاف کعبہ کے سیاہ رنگ اور سنہری کام کو ... کا رہی تھیں نماز صبح اور اس کے بعد طواف کرنے والوں کی جو بھیڑ بھاڑ ... ہے وہ چھٹ چکی تھی لوگ دنیا کے کاروبار اور غم روزگار میں الجھنے جا رہے تھے۔

قسمت کی یاوری دیکھیے کہ میں ملتزم (در کعبہ کی دہلیز) سے چمٹی کھڑی تھی۔ اپنا یہ گنہگار وجود ـ صبح و شام۔ وقت اور مقام سب فراموش ہو گئے تھے۔ دل و دماغ کا کیا ذکر روح تک پگھل کے رہ گئی تھی۔ اور اس عالم خود فراموشی میں میری زبان سے بار بار یہی نکل رہا تھا کہ "اے میرے رب! اب مغرب سے طلوعِ اسلام فرما۔ یا اللہ جو روشنی یہاں سے چمکی اور پھیلتے پھیلتے سارے مشرق کو پرنور کر گئی۔ اب اس کو مغرب میں چمکا۔ اے میرے رب ہماری جماعت بہت کم ہے۔ کمزور ہے مگر تیرا حکم ہو تو چھوٹے بھی بڑے بڑے کام کر گذرتے ہیں ہم سے یہ کام لے"۔ ذرا ہوش آئی تو اپنی اس مانگ پر حیران ہوئی تعجب ہوا۔ کہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ یہ مقام یہ دربار۔ اللہ۔ اللہ۔ اپنا بے مایہ حقیر وجود اور اتنی عظیم الشان تمنا۔ اپنی بساط سے بڑھ کر مانگا اور وہ بھی اصرار سے۔ شرم تو آئی مگر پھر اس خیال سے دل کو ڈھارس ہوئی کہ جس گھرانے میں، جس ماحول جس گروہ میں پیدا ہوئی۔ ہوش سنبھالی جو ماں باپ سے تعلیم و تربیت ملی۔ جو نمونے اپنے بزرگوں کے دیکھے جو نصب العین اور جو مقصود زندگی ان کا تھا اور انہوں نے ہمیں بتایا دراصل یہ اس کا اثر تھا۔ وہ تمنا جو ابتدا سے دل و دماغ میں بس رہی تھی وہی دعا بن کر ہونٹوں سے نکلی تو یہ دعا صرف مجھ عاجز کمزور کی نہ تھی۔ دراصل یہ دعا ہماری ساری جماعت کی تھی۔ بچپن میں پہلے ماں باپ سے سنا پھر خود پڑھا۔ بزرگوں کی تقریروں اور خطبوں میں آیا۔ اس ... صدی کے مجدد اعظم کا یہ فرمان کہ وقت آگیا ہے کہ سورج (اسلام) مغرب سے طلوع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور قدرت کے کام۔ تقریباً بارہ برس ہوئے مجھے اپنے بیٹے کے ساتھ انگلینڈ ... آنا پڑا اور پھر یہیں سکونت اختیار کرنی پڑی۔ شروع شروع میں تو وطن اور عزیزوں سے دوری۔ پردیس کی مشکلات اور اجنبیت کی پریشانی نے گھیرے رکھا جب حالات بفضلِ خدا استوار ہوئے اور رہنے کا ٹھکانا۔ سر و سامان درست ہوئے تو پھر اس نئے ملک اور اس میں بسنے والوں کو دیکھنے ان کے طور طریقہ جاننے اور حالات کو سمجھنے کا موقع ملا۔ تو اب آ کر اس پیشگوئی کی اہمیت اور صداقت مجھ پر کھلی۔ جس طرح سحر نمودار ہونے سے پہلے رات کی سیاہی زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ مغربی اقوام روحانی اور مذہبی جہالت اور خدا سے دوری کے گہرے اندھیروں میں ڈوب گئی ہیں۔ گو انسان کے دماغ کی معجز نما سوچوں نے سائنس کو جادو کے درجے پر پہنچا دیا ہے۔ کہ ایک بٹن دبا کر آپ دنیا کے کٹھن سے کٹھن کام کر سکتے ہیں۔ زمین۔ پانی۔ ہوا۔ بجلی اور روشنی کے علاوہ اب تو خلا اور چاند تاروں تک پہنچ ہے لیکن اس سب کے باوجود صرف خدا کو بھول جانے کی وجہ سے یہ روحانی طور پر بھٹک رہے ہیں۔ روح کا سکون۔ دل کا اطمینان تو بے شک مفقود ہے لیکن بحیثیت انسان اور قوم کے آپ دیکھیں تو ان میں بہت خوبیاں نظر آتی ہیں۔

ہم مشرقی لوگ شکایت کرتے ہیں کہ یہ لوگ سیدھے منہ بات نہیں کرتے بہت مغرور ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر قریب سے دیکھنے اور رہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فطرتاً ہی زیادہ بے تکلف اور باتونی نہیں ہیں ورنہ اگر کسی پر برا وقت پڑے۔ بیماری یا تکلیف آجائے کوئی پریشانی یا مصیبت ہو تو یہ لوگ دل و جان سے ساتھ دیتے ہیں ایک آدمی کو خطرے سے نکالنے یا اس کی جان بچانے کو درجنوں موت کا سامنا کرنے کو نکل پڑتے ہیں۔ اگر خود سر اور لاپرواہ اولاد۔ بوڑھوں اور بچوں کی نگہداشت میں کوتاہی کرتی ہے تو اس کی کسر گورنمنٹ اور سوشل سروس پوری کرتے ہیں۔ بوڑھوں اور بچوں کو وظیفے ملتے ہیں بچوں کیلئے دودھ اور بوڑھوں کے لئے تیار خوراک فراہم کی جاتی ہے ڈاکٹری علاج امداد سب مفت مہیا کی جاتی ہے۔ بے روزگاروں کو مدد ملتی ہے۔ تعلیم مفت غرض جب اسلامی طرز تمدن اور طریق کو ہم زبانی سناتے ہیں۔ وہ یہاں کم و بیش عملی طور پر انہوں نے اپنایا ہوا ہے۔ ان حقائق پر نظر کر کے بے اختیار یہ تمنا ہوتی ہے۔ کہ کاش اگر اس قوم کو اسلام سے روشناسی ہو اور یہ خدا کو پانے کا راستہ پالیں تو پھر نہ صرف یہ اپنا کھویا ہوا مقصود زندگی اور سکون قلب حاصل کر لیں۔ بلکہ اسلام کو بھی مل جائیں نگہبان بت خانے سے۔ یہی وہ تمنا تھی کہ جو ... اتنی عمر کی تمنا کے بعد خانہ خدا میں حاضری نصیب ہوئی تو جہاں تک زبان نے یاوری کی سب کچھ ہی مانگا مگر یہ مغرب سے طلوع اسلام کی دعا سب پر مقدم تھی

ویسے مکہ معظمہ کی جو خیالی تصویر میرے دل و دماغ میں تھی کہ زرد زرد ریت کا بے آب و گیاہ صحرا چٹیل میدان۔ صرف دو پہاڑیاں صفا اور مروہ وہ بھی ریت کی بنیں۔ حضرت ہاجرہ کے ایمان اور صبر کی نشانیاں۔ یا دور پر غار حرا اور کوہ فاران کی چوٹیاں۔ یہ سب بالکل مختلف نکلیں مکہ معظمہ ایک پیالے کی طرح چاروں طرف اونچے اونچے پتھریلے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے بس پیالے کے پیندے میں خانہ کعبہ واقع ہے یہاں کے راستے اور مکانات بھی نشیب و فراز پر بنے ہیں یہاں تک کہ منا اور مزدلفہ کی طرف گئے تو وہ بھی راستہ اور مکانات سب پہاڑی اور تنگ۔ سمجھ نہ آئے کہ حج کے موقع پر کیسے لاکھوں بندگان خدا یہاں سے گذر سکتے یا رہ سکتے ہیں۔ ہاں عرفات پر جا کر دلوی کھل گئی ہے اور بہت عظیم الشان میدان ہے جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا آخری خطبہ وداع ارشاد فرمایا تھا۔ وہ چبوترا جبل رحمت سے نکلے ہوئے بلند پہ ذرا اونچا ہے پیچھے سارا پہاڑ ہے تصور میں تاریخ اسلام کے پڑھے ہوئے حالات اور واقعات گھوم رہے تھے۔ کہ اللہ انہیں دشوار گذار پہاڑیوں اور سنگلاخ چٹانوں اور بے آب و گیاہ وادیوں میں دنیا کے کامل ترین انسان پیغمبر آخر الزماںؐ کا ظہور ہوا اور اسلام کا وہ چشمہ ہدایت و رحمت پھوٹا جو تمام دنیا کے لئے تاقیامت کافی و شافی رہے گا۔ زہے نصیب اس مقام اور ان چٹانوں۔ ان کے غاروں اور وادیوں کے کہ ان میں سے حضورؐ کے مبارک قدم گزرے۔ اس خطۂ زمین کے دشوار گزار راستہ۔ کٹھن منزلیں۔ ہولناک درّے کچھ بھی روک نہ سکے اور ایسا پیغام حق پہنچایا لانے والے نے کہ آج دنیا میں کہیں بھی جاؤ مسلمان اور اس کی مسجد موجود ہے۔ اور یہ حقیقت سچ نظر آتی ہے کہ؎

"جس راہ چلے تیرے در و بام ہی آئے"

حضورؐ کے سایۂ رحمت میں

خدا خدا کرکے ۱۲ مئی ۱۹۷۹ء وہ مبارک گھڑی بھی آگئی کہ جس کا انتظار جب سے ہوش و حواس سنبھالے چلا آ رہا ہے اور صبح چار بجے جدہ سے ہم لوگ مدینہ منورہ کے لئے بذریعہ موٹر کار روانہ ہوئے۔ جدہ [illegible] مدینہ منورہ کم و بیش پونے تین سو میل ہے گو سڑک پکی اور اچھی حالت میں ہے۔ پھر بھی چھ گھنٹہ کی ڈرائیو ہے۔ ہم لوگ مقام [illegible] پر آکر ٹھہر گئے پہلے بدر کے میدان جنگ کو جا کر دیکھا اب وہ بہت لمبا چوڑا قبرستان ہے۔ اس کے تقریباً درمیان میں کمر کمر اونچی چار دیواری ہے۔ متولی نے بتایا کہ اس کے اندر تو شہیدوں کے مزار ہیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی یہیں تشریف فرما تھے۔ باقی سب کفار کی قبریں ہیں۔ فاتحہ دعائیں اور درود شریف پڑھ کر وہاں سے چلے۔ اور ذرا آگے جا کر ایک جگہ کھجوروں کے قریب رکے اور وہاں بیٹھ کر ناشتہ کیا جدہ سے مدینہ تک راستہ زیادہ تر سنسان ہے۔ کوئی بڑا شہر یا پر رونق قصبہ نظر نہیں آیا۔ بس کہیں کہیں دیہاتی مکان یا آبادی تھی صحرا میں البتہ ٹوٹی پھوٹی جگہ موٹریں اچھی اور بری حالت میں بے شمار بکھری نظر آئیں۔ تعجب ہوا کہ اتنی بیش بہا [illegible] تعداد میں ضائع ہو رہی ہیں جمع کی جائیں تو پہاڑ کے پہاڑ لگ جائیں اور دھات کے کھڑے ہو جائیں لیکن جوں جوں مدینہ کی طرف گئے کھجوروں کے جھنڈ اور کہیں کہیں سبزہ نظر آنے لگا مکہ شریف میں تو کہیں کھجور نظر نہیں آئی تھی۔ مگر مدینہ کی طرف سبزہ ہے اور موسم بھی بہتر ہے کوئی گیارہ بجے کے قریب مدینہ منورہ پہنچے۔ جب دور سے اس سبز گنبد پر نگاہ پڑی جو اب تک خوابوں اور خیالوں میں بسا رہتا تھا۔ تو دل کی عجیب کیفیت ہوئی اللہ اللہ دنیا کے سب سے مکمل اور عظیم الشان انسان نے مہاجر ہو کر اس خوش قسمت وادی کو نوازا۔ کیا درجہ ہے نصیب ہوا کہ پھر حضورؐ ہمیشہ کیلئے یہیں جلوہ افروز ہو گئے۔ لوٹ کر وطن تشریف نہ لے گئے۔ کیسے نصیب انصار کے کہ ان کے حصے میں اللہ کے ساتھ اس کا رسولؐ بھی آگیا۔

مدینہ منورہ کی فضا اور ہوا کچھ ایسی نکھری نکھری اور لطیف ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ اور جہاں مکہ معظمہ میں حرم شریف میں حاضر ہونے پر رعب اور دبدبے سے انسان پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے وہاں مسجد نبوی میں داخل ہو کر ایک ایسی تسکین ٹھنڈک اور ٹھہراؤ محسوس ہوتی ہے جس کا اندازہ اس رحمۃ للعالمینؐ کے سایے تلے آنے پر ہی ہو سکتا ہے خیر ہم نے بھی مسجد نبوی کے سامنے موٹر کھڑی کرکے ایک ہوٹل میں شب گزاری کا بندوبست کیا ہوٹل تو نہایت ردی حالت میں تھا مگر یہی خوبی تھی کہ مسجد نبوی کے عین سامنے تھا جمعرات کا دن تھا ظہر کی آذان ابھی نماز ہونے والی تھی اس لئے سامان رکھ کر سیدھے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے کیا دلکش اور پیاری جگہ ہے مسلمانوں نے بھی اپنے نبیؐ اور حبیب خدا سے محبت اور عقیدت کا مقدور بھر اظہار کیا ہے اور مسلمان بادشاہوں کے گراں بہا [illegible] نذرانوں سے مسجد کو دلہن کی طرح سجا رہا ہے۔ اور مدینہ منورہ کی آذان تو سبحان اللہ ایسی پیاری اور خوش الحان ہے کہ کیا بتایا جائے چار مؤذن ہیں پہلا مؤذن تو مسجد مبارک کے اندر سے آذان شروع کرتا ہے باقی تین دوسرے مؤذن اس میں سر ملاتے جاتے ہیں اور در و دیوار اور فضا پر یہ خوش آئند اور مقدس بلا دے چھا جاتے ہیں حضورؐ کی دعا اور حضرت بلالؓ کی روح کا فیض معلوم ہوتا ہے۔

نماز کے بعد حضورؐ کے مزار مبارک کی جالیوں تک رسائی کی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن عورتوں کو یہ موقعہ مردوں کے بعد ملتا ہے چنانچہ عورتوں کو بہت انتظار کرنا پڑتا ہے۔ مگر ہم بھی شوق کے مارے کھڑے رہے جب اجازت کا وقت آیا تو عورتوں کو اجازت دینے والے ایک ایسے مولوی سے واسطہ پڑا جس نے عورتوں کے پردے اور کپڑوں میں ناحق کے نقص نکال نکال کر ایسی بدمزگی کر دی کہ میری بہو گھبرا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ دل کو لگی تھی میں مجبوراً کھڑی رہی اور آخر آگے گئی۔ مگر اس قدر اژدحام اور عورتوں میں گھستے ہوئے دعائیں پڑھوانے والے مولویوں کا وہ شور تھا کہ نزدیک جانے اور خود کچھ پڑھنے یا مانگنے کا مزہ نہ آیا۔ ادھر گھبرا کر نکل آئی میرے ساتھ میرے بہو بچے ہوٹل آکر بیٹھے تو میرے بیٹے نے جو نماز عصر سے ذرا پہلے آئے بتایا کہ وہ تو وہیں مسجد نبوی میں رہے اور اب اس وقت وہاں نہ کوئی روک ٹوک ہے نہ ہجوم چنانچہ دوبارہ اسی وقت ہم سب پھر جا حاضر ہوئے۔ اب وہاں ذرا سکون تھا جالیوں تک جانا بھی کھلا درود شریف اور دعائیں بھی توجہ سے پڑھیں اسی اثنا میں عصر کی اذان ہو گئی نماز پڑھ کر نکلے تو مسجد کے باہر بہت سے ٹیکسی والے زیارت۔ زیارت کہہ کر بلا رہے تھے کہ آؤ مدینہ کے دوسرے مقامات پر لے چلیں ہم بھی ایک ٹیکسی میں چل پڑے پہلے مسجد ذوالقبلتین۔ جہاں حالت نماز میں جماعت نے بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیے تھے۔ اور مسجد قبا پھر میدان اُحد اور پھر غزوۂ خندق کے مقام پر چار مسجدیں جو حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ کے ناموں پر ہیں وہاں حاضری دی۔ واپسی پر آکر نماز مغرب کیلئے جب میں مسجد نبوی کی زنانہ ڈیوڑھی پر پہنچی تو وہاں ایک لمبا تڑنگا حبشی بڑا سا ڈنڈا لیے کھڑا تھا کہ بچے اندر نہیں جائیں گے۔ کہے بچہ نہیں" بچہ نہیں" میں نے اپنے تیرہ سالہ پوتے کی انگلی پکڑی ہوئی تھی۔ سو گھبرا کر مردانے راستے کی طرف دیکھا تو وہاں اس کا باپ نظر نہ آیا اب تک بچے ساتھ وہ برابر مسجد میں جا رہا تھا ابھی حیص بیص میں جماعت کھڑی ہو گئی تو میں نے گھبرا کر وہیں ڈیوڑھی میں نمازیوں کی جوتیوں میں نیت باندھ لی۔ سلام پھیرا تو خیال آیا کہ ترا او یہ سرکارؐ کی جوتیوں میں بیٹھنے کی سعادت! یہ تو شاہی سے بڑھ کر رتبہ ہے۔

کہاں ہم کہاں یہ مقام اللہ اللہ

ہوٹل آکر سنا کہ تہجد کے وقت سے ذرا پہلے مسجد نبوی کے دروازے کھلتے ہیں اور اس وقت تہجد کی اذان تک کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی دو بجے تہجد کی آذان ہوتی ہے۔ مگر شوق میں نیند کہاں۔ میں اور میرا بیٹا تو ایک بجے رات کو ہی اٹھ کر مسجد نبوی کے دروازوں تک پہنچ گئے۔ ابھی بند تھے اور سبز مخمل کے پردے باہر کی طرف بھی پڑے ہوئے تھے ہم جالیوں کے سب سے قریب والے دروازے پر جا کر بیٹھ گئے اور دروازے کھلتے ہی میں نے تو سیدھی اندر جا کر ریاض الجنۃ کے قریب اور جالیوں سے لگ کر نیت باندھ لی۔ مانگنے اور لینے کا وقت تھا مگر دل اور روح سے آواز آئی کہ مل گیا جو چاہتے تھے اور کیا چاہیئے۔

جو دل میں بس رہی ہے تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں جی رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

حضورؐ کا سایہ بس راحت ہی راحت تھی ایک تو درود شریف پڑھنے سے بڑھ کر دعا نہ سوجھی۔ دوسرے التحیات میں السلام علیک ایھا النبی پر آکر آگے بڑھنا مشکل تھا۔ بار بار دھرائی تھی اور دل کہتا تھا کہ شاید غریب نوازی ہو جائے اور سرکار سے جواب آ جائے کہ السّلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین"۔ تو ہم سب جی اٹھیں گے۔ میری بساط دیکھئے اور یہ جرأت۔ لیکن وہ مقام ہی ایسا ہے کہ خاک کو بھی پر لگ جاتے ہیں اس رحمۃ للعالمین کی محبت و شفقت خود انسان کو ہمت دلا دیتی ہے خیر اتنے میں تہجد کی اذان ہو گئی اور وہ محویت کا عالم جاتا رہا حبشیوں نے آکر عورتوں کو ان کے دالان میں ہنکا دیا نماز پڑھ کر نکلے تو ساتھیوں نے کہا چلو سید فرخت کر لیں لیکن ناشتہ کے بعد میں تو پھر اپنے ننھے پوتے کا ہاتھ پکڑ کر مسجد نبوی کے چاروں طرف چکر لگانے چل پڑی۔ بہت وسیع اور بہت سے دروازوں والی مسجد ہے اور مدینہ کی ہر سڑک اور بازار آکر مسجد نبوی کے پہلوؤں میں ختم ہوتا ہے یا شروع ہوتا ہے انگوٹھی میں نگینہ کی طرح یہ مقام ہے اس پھرنے پھرانے میں اتنی دیر ہو گئی کہ میں تو جلدی اور جگہ لینے کے خیال سے بے کھائے پیئے ہی مسجد میں آکر بیٹھ گئی۔ پیاس تو لگ رہی تھی۔ مگر مسجد کے اندر کچھ ایسی ٹھنڈک تھی کہ پانی کا خیال جاتا رہا آج جمعہ تھا نماز پڑھ کر وہیں بیٹھے بیٹھے درود و سلام پڑھ کر حضورؐ کے آستانہ پر نور سے اجازت مانگی آگے جا کر پھر کسی مولوی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی اور ویسے بھی بہت کچھ تھی دل نے کہا کہ اس مقام کی پہنچ پر تو فرشتے بھی ناز کرتے ہیں لیکن اس سعادت کے بعد حضورؐ کے مبارک نقش قدم کی اصل پیروی تو یہ ہے کہ وہ پیغام توحید ہدایت جو اللہ نے آپؐ کی معرفت دیا اور تمام نسل انسانی تک پہنچانے کا حکم ہوا اس کو لے کر دور دور دنیا کے کناروں تک نکل جانا اور پہنچانا چاہیئے۔ اور اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین یہ عرض کرکے رخصت ہوئے کہ لیجئے چلتے ہیں جس مقام پہ ہے پر جبرائیل کے اس سدرہ منتہیٰ کے شناسا تمہیں تو ہو۔

گاہے گاہے باز خواں

از حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

نوجوانانِ جماعت سے ایک اہم خطاب

آپ کے سامنے بلند ترین مقصد ہے۔ آپ اس کے لئے پوری جدوجہد اور قربانیاں کریں۔ قرآنِ کریم اور دیگر دینی لٹریچر کو پڑھیں۔ نماز و تہجد کی پابندی کریں۔ خواتین اپنے اچھے نمونہ سے اپنی اولادوں پر نیک اثر ڈالیں ؛

وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شہدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا (البقرہ ۲ : ۱۴۳)

ترجمہ :۔ اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلےٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو ہو۔

آج کا دن ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے۔ جبکہ توں بھی مسلمانوں کے لئے عید کا روز ہے۔ لیکن گذشتہ تین دنوں میں ہم نے جو باہمی الفت و محبت کے اور قربانیوں سے نہ تھکنے کے نظارے دیکھے ہیں ان سے ہمارے ایمان میں ترقی ہوئی ہے۔ جو اور کسی طرح اس زمانے میں میسّر نہیں آسکتی۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ ان قربانیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

نوجوانوں کے لئے سب سے پہلی ضرورت بلند مقصد ہے

آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے اخبار پیغام صلح میں لکھا تھا کہ جلسہ سالانہ پر میں نوجوانانِ جماعت کو خاص طور پر چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ اس وقت اس خطبہ میں اپنے وعدہ کو بھی پورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو کہ میں نے اپنے نوجوان دوستوں کو خطاب کرنے کے متعلق کیا تھا چنانچہ خطبہ کا بیشتر حصہ اسی غرض کے لئے وقف ہو گا۔ نوجوانوں کے لئے جو ابھی زندگی کی منزل میں داخل ہو رہے ہیں۔ سب سے پہلے ضرورت یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی مقصد ہو۔ اور مقصد بلند ہونا چاہیئے۔

مقصد کی بلندی و پستی کا اثر خداداد استعدادوں پر

اصل میں اللہ تعالےٰ نے انسان کے اندر جو استعدادیں رکھی ہیں۔ وہ مقصد کی بلندی یا پستی کے مطابق ہی اچھا یا برا نشوونما پاتی ہیں۔ اگر مقصد بلند اور اچھا ہو تو استعدادیں اچھی نشوونما پاتی ہیں۔ اور اگر مقصد پست ہو تو استعدادیں بھی دبی کی دبی رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ غور کر کے دیکھ لیجیئے کہ جن لوگوں نے اپنے سامنے کوئی بلند مقصد رکھا ان کی استعدادیں بھی ترقی پا گئیں اور جنہوں نے اپنے سامنے کوئی پست مقصد رکھا وہ کوئی ترقی نہ کر سکے۔ اور پستی میں پڑے رہے۔ نوجوان جو زندگی کی منزل میں داخل ہوتا ہے ضرورت ہے کہ اس کے سامنے کوئی بلند مقصد ہو ؛

قرآن کریم کا پیش کردہ بلند مقصد

قرآنِ کریم نے وہ بلند مقصد ان الفاظ میں پیش کیا ہے :۔

" وکذٰلک ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ علیکم شہیدا "

" اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلےٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو ہو۔" یعنی جس طرح رسول تمہارا پیش رو ہے۔ اسی طرح تم تمام لوگوں۔ تمام اقوامِ عالم کے پیش رو بن جاؤ۔

امامِ وقتؑ نے اسی بلند مقصد کی طرف بلایا ہے۔

یہ ایک بہت ہی بلند مقصد ہے اور یہی وہ مقصد ہے۔ جس کی طرف امام وقت نے بھی ہمیں بلایا کہ تم صحیح راستہ دکھانے والے بن جاؤ۔ مسلموں اور غیر مسلموں سب میں اعلائے کلمۃ اللہ کرو۔ یہ اعلیٰ سے اعلےٰ مقصد ہے۔ جو انسان اپنے سامنے رکھ سکتا ہے۔ جن لوگوں کو دنیا اپنا مسلّم پیش رو یعنی پیغمبر مانتی ہے۔ اور جن کی سب سے زیادہ عزت کی جاتی ہے۔ وہ ایسی ہستیاں ہیں۔ جنہوں نے اس کام کو اپنا مقصد بنایا۔ عیسائی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اپنا پیشرو مانتے ہیں۔ ہندو رام چندر جی کو سکھ بابا نانک کو اور مسلمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دنیا کا سب سے بڑا انسان مانتے ہیں۔ ان تمام پاک ہستیوں کا کام لوگوں کو صحیح راستہ دکھلانا اور اعلائے کلمۃ اللہ ہی تھا۔

احمدی نوجوانوں کے سامنے دنیا کا بلند ترین مقصد ہے

سو معلوم ہوا کہ یہی وہ بلند سے بلند مقصد ہے جو انسان اپنے لئے تجویز کر سکتا ہے۔ سو میں اپنے نوجوانوں کو خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ یہی بلند مقصد ان کے سامنے رکھا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ اس کے لئے پوری کوشش اور جدوجہد کریں۔ آج کل اکثر لوگوں کے سامنے اپنے ملک اور قوم کی بہتری کا مقصد ہے۔ لیکن یہ تمام مقاصد پست اور ادنےٰ ہیں اس بلند ترین مقصد کے مقابل جو قرآن۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور پھر اس زمانہ میں امامِ وقتؑ نے ہمارے سامنے رکھا۔ یہ کسی خاص ملک یا قوم کی بہتری اور فلاح تک محدود نہیں بلکہ اس میں دنیا کی تمام قومیں آجاتی ہیں۔

آپ اس راستہ پر پڑ چکے ہیں اور اس کی کچھ منزلیں طے بھی کر لی ہیں

دوسری بات میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صرف یہی نہیں کہ آپ لوگوں کے سامنے ایک بلند مقصد رکھ دیا گیا ہے۔ بلکہ اس کے لئے راستہ بھی صاف کر دیا ہے۔ اور صرف راستہ ہی صاف نہیں کیا بلکہ اس کی کچھ منزلیں بھی طے کر لی گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہماری ہمتیں بلند ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب تک جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ سمندر میں سے ایک قطرہ کے برابر ہے۔ ہمارے سامنے بہت بڑا مقصد ہے۔ اور نہایت عظیم الشان اور مشکل کام ہے۔ ساری دنیا میں خدا کے نام اور اس کے آخری پیغام یعنی قرآن کریم کو پہنچانا۔ ساری دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ کرنا۔ خدا کے بندوں کو خدا کے آگے جھکانا۔ لیکن بہرحال آپ اس راستہ پر پڑ چکے ہیں۔ اور اس کی کچھ منزلیں بھی طے کر لی

ہیں۔ اس سے آپ لوگوں کی ہمت بندھنی چاہیئے۔ کہ آئندہ ہم لوگ اس کام کو کر لیں گے

اس مقصد کے لئے پورا وقف ہونے کی ضرورت

تیسری بات اس سلسلہ میں میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ کوئی مقصد دنیا میں حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آپ کو پوری طرح اس کے ساتھ وابستہ اور وقف نہ کیا جائے اور اس مقصد کے ساتھ زبردست محبت نہ ہو۔

حصولِ مقصد کے لئے انتھک محنت کی ضرورت ہے۔

چوتھی ضرورت حصولِ مقصد کے لئے یہ ہے کہ انسان اس کے لئے محنت کرے اور وہ محنت بھی اس قدر زبردست ہو کہ محنت کرنے سے تھکے نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ضروریات ہیں۔ وہ بھی میں ابھی بیان کروں گا۔

ہر ایک بیعت کرنیوالا خدا کی فوج کا سپاہی ہے۔

آپ نوجوان ہوں یا قوم کے دُوسرے لوگ یہ سب دراصل فوج کے سپاہیوں کے طور پر ہیں۔ جو شخص بیعت میں داخل ہو جائے وہ اسی طرح پر ہے جس طرح فوج میں بھرتی ہو جائے بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ کئی چیزیں درمیان میں ایسی آ جاتی ہیں۔ جو اس جماعت کے خدمت دین کے کام میں شرکت میں رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح موعود کا ماننا یہ ان کی کم فہمی ہے۔ یہ رکاوٹ نہیں بلکہ نہایت ضروری چیز ہے۔ خدا کے نام کو بلند کرنا جس ایمان اور ہمت کو چاہتا ہے۔ یہ ایمان اور ہمت وہی شخص پیدا کر سکتا ہے۔ جس کو خدا نے کھڑا کیا ہو۔ جس کے اپنے دل میں ایک زبردست آگ مشتعل ہو۔ جس کی چنگاریاں دُوسروں کے سینوں میں بھی آگ بھڑکا دیں۔ سو دراصل آپ سب خدا کی فوج کے سپاہی ہیں۔

سپاہی کے لئے جرنیل کی فرمانبرداری اور ڈسپلن ضروری ہیں

مگر کوئی فوج قدم آگے نہیں بڑھا سکتی جب تک کہ وہ ایک حکم کے ماتحت کام کرنے والی نہ ہو۔ آپ کی فوج کی کمانڈ میں اللہ تعالےٰ نے مجھ پر بھی ایک بڑی بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے۔ اگر میں اس ذمہ داری کو ادا کر دوں تو یہ ایک بڑا بلند مقام ہے۔ یہ اس کی بہت بڑی مہربانی ہے۔ لیکن یاد رکھو کوئی شخص جرنیل نہیں بن سکتا۔ جو پہلے سپاہی نہ بنے اور سپاہی بننے کے لئے سب سے اوّل اور سب سے زیادہ ڈسپلن اور فرمانبرداری کی ضرورت ہے۔ اپنے جرنیل کے اوپر پورے اعتماد کی ضرورت ہے۔ اور جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ راستہ جس پر چلایا جا رہا ہے۔ بالکل صحیح ہے اور پھر چلنا بھی اس طرح ہو کہ پوری اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ہو گی۔ اس کے بغیر کوئی سپاہی نہیں بن سکتا۔

آئندہ کے لئے یہ بار نوجوانوں کے کندھوں پر آنے والا ہے۔

جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ ہم لوگ اپنی عمر کی آخری منزلوں میں ہیں۔ آئندہ کے لئے یہ سارا بار آپ کے کندھوں پر آنے والا ہے۔ اور میں تو اپنی عمر کی اتنی منزلیں طے کر چکا ہوں کہ مجھے جب ایک برس مزید ملتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض فضل ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے اپنی امت کے لئے ساٹھ اور ستر سال کے درمیان اوسط عمر بیان فرمائی ہے۔ اور میرے پیارے ساتھی خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم۔ یہ سب باسٹھ باسٹھ ترسیٹھ ترسیٹھ سال کی عمر میں اپنے مولا سے جا ملے ہیں۔ میں ۶۲ سال کی عمر میں ۱۹۳۸ء میں جب سخت بیمار ہوا تو بظاہر یہ پیغام آگے جانے کے لئے ہی تھا۔ خدا نے اپنی کسی مصلحت سے خدمت دین کا کچھ اور کام کرنے کا موقع دے دیا۔ یہ بھی اس کی عنایت اور کرم ہے۔

پہلے اعتماد قائم کرو پھر پوری طاقت و ہمت سے شرکت کرو۔ تو میں آپ نوجوانوں کو خصوصیت سے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس راستہ میں چلنے کی کچھ شرطیں ہیں۔ راستہ آپ کے سامنے ہے۔ منزل آپ کے سامنے ہے۔ صرف کچھ ہمت اور قربانی کی ضرورت ہے۔ خوب یاد رکھو اگر فوج کا ہر ایک فرد جرنیل بننے کی کوشش کرے تو کام نہیں ہو گا۔ آپ پہلے اعتماد قائم کریں۔ مجھ پر۔ اپنی انجمن پر اگر آپ کو معلوم ہو کہ یہاں کوئی اچھا کام ہو رہا ہے۔ اور اچھے اور بہترین مقصد کے لئے ہو رہا ہے اور ہم لوگ دیانتداری سے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ تو پھر آپ کا فرض ہے۔ کہ پوری طاقت اور ہمت سے اس کام میں شرکت کریں۔ اور اس کے معاون بنیں۔ باقی رہا کمزوریوں کا معاملہ سو کمزوریاں میرے اندر بھی موجود ہیں۔ اور میرے دوستوں کے اندر بھی موجود ہیں۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی کام اچھا ہو رہا ہے۔ اگر نظر آئے کہ کام اچھا ہو رہا ہے۔ تو کمزوریوں کو نظر انداز کر دو۔ سب انسانوں میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔ کمزوریوں کا مجھے بھی اعتراف ہے۔ لیکن دیکھو کام نہایت ضروری اور بے نظیر ہو رہا ہے۔ شاید میری جگہ کوئی اچھا اور لائق و زبردست رہنما ہوتا تو ترقی کی منزلیں بہت تیزی کے ساتھ طے ہوتیں۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ میرے بعد آپ کو اچھا رہنما دے جس کی رہنمائی میں آپ کی قوم ترقی کی منازل جلد جلد طے کرے۔ ساری دنیا میں اسلام کی روشنی پھیل جائے ؛

نوجوانوں سے تین چار ضروری باتیں

اسوقت میں تین چار باتیں نوجوان دوستوں سے خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں۔ آپ انہیں غور سے سنیں ؛

پہلی بات : قرآن کریم اور دیگر دینی لٹریچر کو پڑھو!

پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے اور معانی و مفہوم کے ساتھ پڑھنے کو اپنی زندگی کا ایک ضروری مقصد اور روزانہ پروگرام بنا لیں۔ خواہ آپ ایک رکوع یا آیت ہی پڑھیں مگر اس میں ناغہ نہ ہونے دیں۔ ایک بچہ ایک سطر بھی روزانہ قرآن مجید پڑھے تو چار پانچ سال میں وہ قرآن کریم ختم کر سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ اسی طرح حدیث اور سیرت نبویؐ۔ تاریخ اسلام اور حضرت صاحب کی کتابیں پڑھیں۔ ضرورت ہے کہ ہمارا ایک ایک نوجوان قرآن کریم سے واقف ہو۔ حدیث سے واقف ہو۔ سیرت نبویؐ سے واقف ہو اور تاریخ اسلام سے واقف ہو اور حضرت مسیح موعود کی کتابوں اور سلسلہ کے دُوسرے لٹریچر سے واقف ہو۔ اس لئے آپ سب باقاعدہ کوشش کریں۔ اور ایک پروگرام بنا لیں۔ میں کوشش کروں گا ان چیزوں کے خاص خاص ضروری حصے ترتیب وار باقاعدگی کے ساتھ اخبار میں نکلتے رہیں۔

دوسری بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ سب نماز کے پابند ہو جائیں۔ نماز خدا کے آگے گرنا اور جھکنا اسلام کا ایک نہایت ضروری رکن ہے۔ اور ہم عاجز بندوں کا ایک بہت بڑا ہتھیار ہے مجھے یہ دیکھ کر رنج ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں وہ پابندی نظر نہیں آتی۔ جو ہونی چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے سارے نوجوان نماز کے پوری طرح پابند نہیں ہیں۔ ان میں اللہ کے فضل سے بڑے بڑے پابند نماز اور تہجد خوان ہیں۔ لیکن نوجوانوں کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو دنیا کے زہریلے اثرات کی وجہ سے نماز کا پوری طرح پابند نہیں۔ اور اس کی طرف سے غافل ہے۔ میں نوجوانوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ابھی سے نماز تہجد کی پابندی کی عادت ڈالیں اور اس عادت کو اسی عمر میں راسخ کریں۔ سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا عادی بنانا چاہیئے۔ والدین اس کے لئے ذمہ دار ہیں۔ جو والدین شروع ہی سے اس طرف توجہ نہیں کرتے اور بچوں کو غلط لاڈ پیار میں رکھتے ہیں۔ وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ بہت بعد جا کر جب بچہ جوان ہو جاتا ہے۔ اور اس کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے۔ اس وقت والدین کو سمجھ آتی ہے کہ لاڈ پیار نہ تھا بلکہ بچے کے ساتھ دشمنی تھی۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ بچے کو سات سال کی عمر میں ہی نماز کی عادت ڈالو ؛ (باقی۔ باقی)

☆ ☆ ☆

از قلم — مرزا محمد لطیف شاہد

سیرتِ نبوی کا ایک درخشندہ باب

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ دنیا میں امن و سلامتی کا شہزادہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ کی آمد سے قبل ساری دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ قرآن مجید اس حالت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے کہ:۔

"ظهر الفساد فی البرّ والبحر بما کسبت ایدی الناس" (۳۰: ۴۱)

اسوقت انسانوں نے اپنے اعمال کی وجہ سے یہ حالت بنا دی تھی کہ خشکی اور تری میں ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔ کوئی شئے بھی اپنے صحیح مقام پر نہیں رہی تھی۔ ہر طرف جدھر نگاہ دوڑا ... "خانقاہ" میں امن تھا۔ نہ مذہب میں شانتی تھی۔ اور نہ اہلِ دنیا اصلاح یافتہ تھے ان حالات میں جیسا خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ "اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتها" کہ جب اہلِ دنیا روحانی طور سے مردہ ہو جاتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالےٰ زندہ کرنے کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ آپ کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر قتل اور غارت گری کا لامتناہی سلسلہ تھا عربوں کی سفاکی اور خون آشامی کی داستانیں تو آج بھی انسان پڑھ کر تڑپ اٹھتا ہے۔ اور دوسری طرف جب یہ دیکھتا ہے کہ کس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوت قدسی سے ان کو باہم شیر و شکر بنا دیا۔ تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلتا ہے: "اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد وبارك وسلم انك حمید مجید"

تاریخ یہ بات بھی بتاتی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہدِ شباب میں نبوت کے دعویٰ سے قبل صرف ایک جنگ میں شرکت کی۔ جو قریش اور قبیلہ قیس میں ہوئی تھی اور جس میں قریش برسرِ حق تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی پر بھی ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ بلکہ آپ کی شرکت ایک بہت بڑی برکت و صلح اور امن کا ذریعہ بن گئی۔ طبقات ابن سعد میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ نے نہایت محنت اور کوشش سے کچھ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کر لیا اور ان کو اس بات کا قائل کر دیا کہ لڑنا جھگڑنا کسی کا حق دبا لینا اور پھر اس پر فخر کرنا اور دوسرے عیوب یہ سب ناپسندیدہ باتیں ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو لڑنے بھڑنے سے باز رکھیں۔ اگر کوئی طاقت ور کسی کا حق نہیں دیتا تو اس کو حق لے کر دیں چنانچہ چند نوجوان تیار ہو گئے۔ اور انہوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ کہ ہم ہمیشہ مظلوم کی امداد کیا کریں گے۔ اور قتل و مقاتلہ کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔ اور اس حلف اور عہد میں یہاں تک آپ کی آواز پر لبیک کہنے والوں نے عہد کیا کہ ہم اپنے عہد پر اس وقت تک قائم رہیں گے۔ جب تک کہ سمندر میں پانی کا ایک قطرہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم خوب کوشش و محنت کریں گے اور اپنے اس عہد سے مقدم کسی چیز کو نہیں رکھیں گے۔ اس مجلس کا نام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلف الفضول رکھا۔ فضول فضل کی جمع ہے۔ لکھا ہے کہ اس معاہدہ میں شامل ہونے والے تین سے زائد نوجوانوں کا نام فضل تھا۔ اس واسطے اس کا نام حلف الفضول رکھا۔ یعنی فضلوں کا معاہدہ۔

چنانچہ احادیث میں آتا ہے۔ کہ جب آپ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے بہت بڑی کامیابی عطا فرمائی۔ ایک جاں نثار جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تیار ہو گئی۔ ایک مرتبہ مدینہ میں بیتی باتوں کے تذکرہ پر حلف الفضول کا ذکر فرمایا۔ اور کہا کہ اگر آج بھی کوئی مجھے اس جیسی مجلس اور کام کی طرف دعوت دے تو میں بہت شوق اور خوشی سے اس میں حصہ لوں۔

چنانچہ آپ صحابہ کرام کو یہی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

"انصر اخاك ظالماً و مظلوماً" کہ اپنے ظالم بھائی کی بھی مدد کرو اور مظلوم بھائی کی بھی مدد کرو۔ صحابہ نے عرض کی کہ حضور صلعم اس بات کو تو ہم سمجھ گئے ہیں کہ مظلوم کی مدد کرنی چاہیئے لیکن اس کو نہیں سمجھے کہ ظالم کی مدد کس طرح کریں۔ آپ نے فرمایا: ظالم کو ظلم سے روک کر خواہ اس کے لئے تمہیں قربانی بھی دینی پڑے۔ آپ کی مکی زندگی کا ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ جب آپ نے اللہ کے حکم سے دعویٰ نبوت کیا تو آپ کے سارے دوست الا ماشاءاللہ بچھڑ گئے۔ دوستیاں دشمنیوں میں تبدیل ہو گئیں اور مکہ والے ہر رنگ میں یہ کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح آپ کو تکلیف دیں۔ اور ان کا لیڈر عمرو بن ہشام ابوجہل تھا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک شخص باہر سے آیا۔ دارالندوہ میں مکہ کے رئیس اور بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہل اتفاقاً وہاں نہیں تھا۔ اس نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کے شہر کا لیڈر عمرو بن ہشام میرا قرضہ نہیں دیتا اور ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے۔ اس پر سب نے ازراہِ شرارت اس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر بھجوا دیا کہ وہ آپ کو اس سے قرضہ لے دیں گے۔ اور اس شخص کے جانے کے بعد منخکوا ورجیاوہ بہت خوش ہوئے اور خوب ہنسے کہ اب دو صورتیں ہیں یا وہ ساتھ جائیں گے اس پر عمرو ابن ہشام ان کی خوب خبر لے گا۔ یا انکار کریں گے تو ہم کہیں گے کہ یہ کیسا نبی ہے اس نے حلف الفضول معاہدہ کی بے حرمتی کی ہے۔ اب وہ سب اس انتظار میں ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ شخص فریادی بن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کی بات سن کر لکھا ہے کہ آپ فوراً اس اجنبی مسافر کے ساتھ چل پڑے۔ ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور کہا کہ اس کا قرضہ کیوں نہیں دیتے۔ ابوجہل ماتسلم لفظاً وہ فوراً اندر گیا اور قرضہ لا کر اس شخص کو دے دیا۔ اس پر وہ شخص آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوا روانہ ہوا اور پھر دوبارہ دارالندوہ میں ان مشورہ دینے والوں کے پاس گیا اور کہا کہ میں آپ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ایسی عظیم ہستی کا پتہ دیا جس کی وجہ سے مجھے قرضہ واپس مل گیا

تھوڑی دیر بعد ابوجہل دارالندوہ میں آیا تو یہ سب بیٹھے تھے اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ کہ ہم کو کیا کہتے ہو کہ اس کو ذلیل کرو۔ اب ایک موقع آیا تھا تو تم نے کیا کیا۔ ابوجہل نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ بھائیو اگر تم میری جگہ ہوتے تو تم بھی یہی کرتے جو میں نے کیا ہے۔ اور کہا کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دروازے پر آئے تو مجھے ایسا نظر آ رہا تھا کہ دو مست ہاتھی آپ کے دائیں اور بائیں کھڑے ہیں (ایک روایت میں شیر کے لفظ ہیں) اگر میں ذرا بھی آپ کی بات نہیں مانتا تو مجھے چیر پھاڑ دیں گے

(باقی صہ ۹ کالم ۲ پر)

ملک ظفر اللہ خان صاحب راولپنڈی

کلمہ طیبہ کا صحیح مفہوم

تمام جھوٹے معبودوں کو باہر نکال کر اپنے دل کو ایک خدا کے لئے پاک کیجئے

"لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ"

اِس کلمہ شریف کے دو جزو ہیں۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ پہلے لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ سب سے پہلا کلام جو اِنسان کے کان میں بوقت پیدائش و بلوغ ڈالا جاتا ہے۔ وہ شرک کی تردید میں لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ غرض پہلا حکم کانوں کے لئے نازل ہوا۔ اور انبیاء بھی اسی لا الٰہ الا اللہ کی اشاعت کے لئے آئے۔ اور خدا کی آخری کتاب نے بھی اسی کلمہ کی اشاعت کی۔ شرک وہ بُری چیز ہے کہ اس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے اِن اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء" (سورہ النساء - ۴۸) یقیناً اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے۔ اور جو اس کے علاوہ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے۔

سو تمام شرکوں کا رد اسی کلمہ طیبہ میں ہے جو بہت چھوٹا ہے مگر بہت عظیم ہے۔ اب یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیں اِس بات پر خوش نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور لا الٰہ کے قائل ہیں۔ اِس نزاکت کو ڈاکٹر اقبال نے خوب ادا کیا ہے

بنور تو برافروزم نگہ را ۔۔۔ کہ بینم اندرون مہر و ماہ را

چو می گویم مسلمانم بلرزم ۔۔۔ کہ دانم مشکلات لا اِلٰہ را

قرآن شریف کے پڑھنے والے اِس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ صرف زبان پر راضی نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں یہودیوں کے قصے درج ہیں۔ ان پر ایسا زمانہ آیا کہ ان کی باتیں صرف زبان تک محدود رہ گئیں۔ اور ان کے دل دغا اور خیانت اور خیالات بد سے پُر ہو گئے۔ تو اللہ تعالےٰ نے طرح طرح کے عذاب ان پر وارد کیئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو بندر اور سؤر بنایا گیا ہے۔ حالانکہ توریت اور زبور ان کے پاس تھی۔ اور وہ اس پر ایمان ظاہر کرتے تھے اور سارے نبیوں کو مانتے تھے۔ لیکن خدا نے ان کو پسند نہ کیا۔ کیونکہ ان کی باتیں صرف زبان پر تھیں۔ اور ان کے دلوں میں کچھ نہ تھا۔ جب تک انسان کا دل سب باتوں کو چھوڑ کر صرف خدا کی طرف متوجہ نہ ہو جائے اور درحقیقت دین دنیا پر مقدم نہ ہو جائے تب تک خدا راضی نہیں ہوتا۔ مخلوق کو ہم دھوکہ دے سکتے ہیں ظاہری نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ ظاہری روزے رکھ سکتے ہیں دکھانے کے واسطے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ مگر یہ دھوکا مخلوق کو دیا جا سکتا ہے۔ خدا ہمارے دھوکا میں نہیں آسکتا۔ اتنے پر خدا ہم سے راضی نہیں ہوگا کہ ہم زبان سے کلمہ پڑھتے رہیں اور کلمہ گو کہلاتے رہیں۔ کلمہ کے معنی اور مفہوم کی طرف غور کرنا چاہیئے لا الٰہ الا اللہ کا انسان زبان سے اقرار کرتا ہے۔ اور دل سے تصدیق کرتا ہے کہ میرا معبود بجز خدا کے اور کوئی نہیں۔ لا الٰہ ایک عربی لفظ ہے۔ اور اس کے معنی معبود اور محبوب مقصود ہیں۔ یہ کلمہ شریف قرآن کا خلاصہ ہے۔ جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے۔ اکثر لمبی کتابوں کو یاد کرنا ہر ایک کے واسطے مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ اس نے ایک مختصر سا کلمہ سنا دیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک خدا کو مقدم نہ کیا جاوے انسان کو نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ من قال لا الٰہ الا اللہ فدخل الجنۃ۔ جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ بہشت میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اس حدیث کا مفہوم سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف زبان سے یہ کلمہ پڑھ لینا کافی ہے۔ اور صرف اتنے سے انسان بہشت میں داخل ہو سکے گا۔ خدا تعالےٰ الفاظ سے تعلق نہیں رکھتا وہ دلوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو لوگ درحقیقت اس کلمہ کے مفہوم کو دل میں داخل کر لیتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کی عظمت پورے رنگ کے ساتھ ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص سچے طور سے کلمہ کا قائل ہو جاتا ہے۔ تو بجز خدا کے اور کوئی اس کا معبود نہیں رہتا۔ وہ مقام جو ابدال کا مقام ہے۔ اور وہ جو قطب کا مقام ہے۔ اور وہ جو غوث کا مقام ہے۔ وہ یہی ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر دل سے ایمان ہو۔ یہ فخر کرنا چاہیئے کہ ہم کسی بُت کی پرستش نہیں کرتے اور نہ کبھی انسان کی پوجا کرتے ہیں۔ بُت پرستی اور انسان پرستی سے پرہیز تو ایک معمولی بات ہے۔ ہندو جو حقائق اور معارف نہیں جانتا وہ بھی تو اب بتوں سے پرہیز کرتا ہے۔

کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم اس پر ختم نہیں ہو جاتا کہ بتوں کی پوجا سے تم پرہیز کرو۔ بلکہ اس کے سوائے اور بہت جھوٹے معبود ہیں۔ ان سب کا ترک کرنا لازمی امر ہے۔ جیسا کہ انسان کا ہوا و ہوس کے پیچھے چلنا اور اتباع شہوات کرنا۔ اور طرح طرح کی بدیوں کی پیروی کرنا۔ یہ سب انسان کے واسطے بُت ہیں۔ جن کی وہ پوجا کرتا ہے۔ اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں ان سب کی نفی کی گئی ہے۔ یہ کلمہ ایک اللہ کے سوا تمام الٰہوں کی نفی کرتا ہے۔ تمام انفسی و آفاقی الٰہ باہر نکال کر اپنے دل کو ایک اللہ کے واسطے پاک کرنا چاہیئے۔ بعض بت ظاہر ہیں اور بعض بہت باریک ہیں مثلاً خدا تعالےٰ کے سوائے اسباب پر بھی توکل کرنا ایک بُت ہے۔ مگر یہ ایک باریک

بُت ہے۔

اس قسم کے باریک بُت جو لوگ اپنی بغلوں میں دبائے پھرتے ہیں ان کا نکالنا ایک مشکل امر ہے۔ بڑے بڑے فلسفی اور حکیم ان کو اپنے اندر سے نہیں نکال سکتے وہ نہایت باریک کیڑے ہیں جو خدا تعالیٰ کے بڑے فضل کی خوردبین کے سوائے نظر نہیں آتے وہ بڑا ضرر انسان کو پہنچاتے ہیں۔ وہ بُت جذباتِ نفسانی کے ہیں۔ جو کہ انسان کو خدا تعالیٰ اور اپنے ہم جنسوں کی حق تلفی میں حد سے باہر لے جاتے ہیں۔ بہت سے پڑھے لکھے جو کہ عالم کہلاتے ہیں اور مولوی کہلاتے ہیں اور حدیثیں پڑھتے ہیں۔ اپنے آپ میں ان بُتوں کی شناخت نہیں کر سکتے۔ اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔ ان بُتوں سے بچنا بڑے بہادر آدمی کا کام ہے جب تک انسان ان باتوں کا قلع قمع نہ کرے۔ توحید قائم نہیں ہو سکتی۔

خدا کے واحد ماننے کے ساتھ یہ لازم ہے کہ اس کی مخلوق کی حق تلفی نہ کی جائے جو شخص اپنے بھائی کا حق تلف کرتا ہے۔ اور اس کی خیانت کرتا ہے۔ وہ لا اِلٰہ الا اللہ کا قائل نہیں۔ توحید کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے اندر سے وہ تمام بت نکل جاویں جن کی وجہ سے وہ حسد۔ بغض۔ ریاکاری۔ غیبت۔ خیانت وغیرہ جیسی بدلیوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ جب تک یہ چیزیں اپنے اندر سے نکال نہ لے تب تک وہ لا اِلٰہ الا اللہ کے کہنے میں کیونکر سچا قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب تک کل کی نفی نہ کی جاوے تو صرف منہ سے کہہ دینا کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ خدا کو وحدہٗ لاشریک وہی سمجھتا ہے جو نفسانی جذبات کے وقت حسد اور غصہ کو ایک دم میں اپنا خدا بنا نہیں لیتا۔ جب تک یہ چھوٹے معبود جو کہ چوہوں کی طرح انسان کے دل کی زمین کو بازدہ کرتے ہیں بھسم نہ کر دیئے جائیں۔ تب تک انسان صاف نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ زمین کے چوہے طاعون لانے والے ہوتے ہیں۔ ایسا ہی یہ چوہے انسان کے دل کو خراب کر کے آسے ہلاکت تک پہنچا دیتے ہیں۔ سو ان مشرکوں کا ردّ اسی کلمہ طیبہ میں ہے۔

دُوسرا جُزو

اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ افضل الذکر لا اِلٰہ الا اللہ ہے۔ مگر لا اِلٰہ الا اللہ کے ساتھ توحید کامل نہ ہوتی اگر اس کے ساتھ محمد رسول اللہ نہ ہوتا۔ اگر خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تمام نبی یہی سکھلاتے آئے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانو اور ساتھ اس کے ہماری رسالت پر بھی ایمان لاؤ۔ اسی وجہ سے اسلامی تعلیم کا خلاصہ ان دو فقروں میں تمام امت کو سکھلایا گیا ہے۔ لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس کے ثبوت میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کے وجود کا پتہ دینے والے اور اس کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا علم لوگوں کو سکھلانے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں اور اگر یہ مقدس لوگ دنیا میں نہ آتے تو صراط مستقیم کا یقینی طور پر پانا ایک ممتنع اور محال امر تھا۔ پس چونکہ قدیم سے اور جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے خدا کی شناخت نبی کے شناخت کرنے سے وابستہ ہے۔ اس لئے یہ خود غیر ممکن اور محال ہے۔ کہ بجز ذریعہ نبی کے توحید مل سکتی ہے۔ نبی خدا کی صورت دیکھنے کا آئینہ ہوتا ہے۔ اسی آئینہ کے ذریعہ سے خدا کا چہرہ نظر آتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے تئیں دنیا پر ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تو نبی کو جو اس کی قدرتوں کا مظہر ہے۔ دنیا میں بھیجتا ہے۔ اور اپنی وحی اس پر نازل کرتا ہے۔ اور اپنی ربوبیت کی طاقتیں اس کے ذریعہ سے دکھلاتا ہے۔ تب دنیا کو پتہ چلتا ہے کہ خدا موجود ہے۔

پس جن لوگوں کا وجود ضروری طور پر خدا کے قدیم قانون ازلی کے رو سے خداشناسی کے لئے ذریعہ مقرر ہو چکا ہے۔ ان پر ایمان لانا توحید کی ایک جزو ہے۔ بجز اس ایمان کے توحید کامل نہیں ہو سکتی۔ سو خدا کے رسول کا ماننا توحید کے ماننے کے لئے علت موجبہ کی طرح ہے۔ اور ان کے باہمی ایسے تعلقات ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتے اور جو شخص بغیر پیروی رسول کے توحید کا دعویٰ کرتا ہے اس کے پاس صرف خشک ہڈی ہے جس میں مغز نہیں۔ اور اس کے ہاتھ میں محض ایک مُردہ چراغ ہے جس میں روشنی نہیں۔ ایسی توحید میں شیطان اس سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگرچہ شیطان عاصی اور نافرمان ہے۔ لیکن وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ مگر اس شخص کو تو خدا پر یقین بھی نہیں

پس اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کی متاع رسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے۔ بغیر اس کے ہرگز نہیں مل سکتی۔ اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دکھایا۔

محمد عربی بادشاہ ہے ہر دو جہاں　　کرتے ہے روح القدس جسکے در کی دربانی
میں اسکو خدا تو نہیں کہوں یہ کہتا ہوں　　کہ اس کی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

اس کی تائید میں قرآن مجید کی مندرجہ آیت مدّ نظر رکھنی چاہیئے "الٓرٰ قف کتٰبٌ انزلنٰہ الیك لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور ۵ باذن ربھم الٰی صراط العزیز الحمید ۵" "میں اللہ دیکھنے والا ہوں (یہ کتاب) ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری۔ تاکہ تو لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔ اس کے رستہ کی طرف جو غالب حکمت والا ہے۔" (سورہ ابراہیم ۱۴/۱)

بقیہ: سیرتِ نبویؐ کا ایک درخشندہ باب

تو آج اس وقت حکم ماننے کے سوا چارہ ہی نہیں تھا۔ سب کچھ خدائی تصرف کے تحت ہوا۔ آج ہمارے ملک میں جو اندرونی حالات ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ قانون کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ ذرائع ابلاغ پوری طرح کام کر رہے ہیں۔ وعظ و نصیحت کا دروازہ بھی کھلا ہے لیکن پھر بھی تبدیلی پیدا نہیں ہو رہی۔ بلکہ ذی شعور افراد یہ سوچ رہے ہیں بلکہ فکر مند ہیں کہ اگر گرفت کو ذرا ڈھیل دی گئی تو یہ بند سیلاب بہہ پڑے گا۔ پھر کیا ہوگا۔ ان حالات میں ضرورت ہے کہ ہر فرد جس جگہ بھی کام کرتا ہے۔ وہ اپنے فرائض کو دیانت داری سے ادا کرے۔ ہر شخص حدیث مبارکہ انصر اخاك ظالمًا و مظلومًا کے تحت بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جائے اور دوسرا فرمان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ہے۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ"۔ اے مسلمانو! تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے کہ ہر وہ بات جو غلط ہو۔ قانون کی خلاف ورزی ہو رہی ہو جس سے قومی۔ ملکی یا فردی املاک کو نقصان پہنچ رہا ہو۔ اور جو شخص بھی غلط بات کر رہا ہو ناپ تول میں گڑبڑ کر رہا ہو۔ چیز ناقص دے رہا ہو کسی کی سادگی یا ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہو۔ یا جو اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا نہیں کر رہا۔ تو تم میں سے ہر ایک کا یہ فرض ہے کہ پہلے ہاتھ سے۔ اگر اس کی توفیق و طاقت نہیں پھر زبان سے اگر بولنے سے بھی ڈرتے ہو تو دل میں ہی اس کیفیت و حالت پر بُرا مناؤ۔ لیکن یہ کمزور ایمان کی علامت ہے

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے دانشور۔ صحافی۔ اخبارات علماء۔ خطباء وغیرہ اپنے خصوصی عقائد و مسلک سے بالاتر ہو کر واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کے تحت قرآن مجید اور سنت نبویؐ کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو جائیں۔ گروہ بندیوں سے بالا ہو جائیں اور خود اپنے اندر کردار پہلے پیدا کریں۔ تب اصلاح ہوگی ورنہ کیا تھا شوربا شوری کیا ہیں بے [illegible] والا معاملہ رہے گا۔ اے مولا کریم ہم عاجز بندوں کو اس کی اپنے فضل سے توفیق دے۔ آمین۔

خواجہ کمال الدین رح

سیرت خیر البشر

فخر کائنات، مجموعۂ حسنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

> داماںِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار — گلچیں از تنگیٔ داماں گلہ دارد

یہ امر واقعی ہے کہ تاریخ عالم میں آپؐ کے علاوہ اور کوئی شخصیت ایسی نہیں دکھائی دیتی۔ جو مجموعۂ حسنات ہو اس پر یہ شعر صادق آسکے۔ ؎

حسنِ یوسفؑ دم عیسٰیؑ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور اس خصوصیت کی وجہ سے آپؐ کی شخصیت فوق العادت ہوگئی تھی۔ آپؐ کی سادگی، تحمل فیاضی، کفایت شعاری، انسانیت، عالی حوصلگی، استقلال، نفی الاخلاص، علم فی الاقتدار عجز فی العظمت، شفقت علے الحیوانات، رافت علے الاطفال، جرأت و دلیری، علو ہمت، انصاف پسندی وغیرہ کو مفصل طور پر بیان کرنے کے لئے ضخیم مجلدات درکار ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائل وعادات واطوار کا مفصلہ ذیل نقشہ میں نے مشہور یورپ اسلامی عالم وفاضل امام حجۃ الاسلام غزالیؒ کی تصنیف سے ماخوذ کیا ہے کہیں کہیں میں نے اپنی طرف سے بھی کوئی بات بڑھا دی ہے۔ بے شک اس اقتباس میں بعض مقامات پر اعادۂ ماسبق بھی کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یورپ کے علاوہ لوگ جو اسلام کے متعلق مستند سمجھے جاتے ہیں۔ انصاف سے کام لیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر انہیں قلم اٹھانے کے لئے صحیح اطلاعات اور معتبر مواد کافی مل سکتا تھا۔ لیکن ان کی نیت تو کچھ اور ہی تھی۔ اور اس لئے وہ امام غزالیؒ سے کیوں استفادہ کرتے۔ ان کا مطلب تو واقدی جیسوں کی تصانیف ہی سے حل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی کی تصانیف کو پیش نظر رکھا۔ امام موصوف لکھتے ہیں:

"آپ سب لوگوں سے زیادہ حلیم، زیادہ بہادر، زیادہ منصف اور زیادہ پرہیزگار تھے زر نقد کبھی آپؐ نے دوسرے دن کے لئے اٹھا کر نہ رکھا۔ اور اگر رات ہوگئی اور کوئی رقم آپؐ کے پاس بچ رہی تو آپؐ جب تک اسے فقراء میں تقسیم نہ فرما لیتے مکان پر واپس نہ آتے نعماء الٰہیہ میں سے آپ اپنی ذات کے لئے وہی خرچ کرتے تھے جو ناگزیر تھا اور وہ بھی سادہ قسم کا مثلاً جَو اور کھجوریں۔ جو شخص آپؐ سے کچھ طلب کرتا بے تامل عطا فرماتے سالانہ محاصل بھی محتاجوں کے لئے وقف تھے۔ کیونکہ آپؐ اپنی ضروریات پر فقراء کی ضروریات کو ترجیح دیتے تھے۔ اور اگر سال گزرنے سے قبل آپؐ کی آمدنی کل خرچ ہو جاتی۔ تو آپ اپنے ہاتھ سے اپنی کفش کی مرمت فرماتے۔ گھر کا کام کاج کرتے۔ اور انتظام خانہ داری میں ازواج کی امداد فرماتے۔ آپؐ سب لوگوں سے زیادہ شرمگیں تھے۔ کسی کی طرف گھور کر نہ دیکھتے ہمیشہ نیچی نگاہ رکھتے تھے۔ بزرگوں کے ساتھ تہذیب اور غریبوں کے ساتھ شفقت اور مزدوروں کے ساتھ تمکنت سے پیش آتے۔ اسی وجہ سے ہر شخص آپؐ کا مداح تھا۔ ایک مرتبہ جبکہ آپؐ مکہ کے ایک معزز آدمی کے ساتھ مذہبی گفتگو فرما رہے تھے۔ آپؐ نے ایک غریب نابینا کی طرف اپنی توجہ مبذول نہ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نصیحت فرمائی۔ کیونکہ وہ اندھا بھی صداقت مذہبی حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔ بعد ازاں جب کبھی آپؐ اس اندھے کو دیکھتے تھے تو فوراً اس سے معانقہ فرماتے۔ اور یوں گویا ہوتے کہ یہ آدمی لائق صد تکریم ہے۔ اس کی وجہ سے میرے خدا نے مجھے نصیحت فرمائی۔ آپؐ نے اس شخص کو دو مرتبہ مدینہ کا حاکم بھی مقرر فرمایا۔" (ولیم میور)

آپؐ احرار اور غلاموں دونوں کی دعوت بخوشی قبول فرما لیتے اور ادنےٰ سے ادنےٰ تحفہ بھی پسند فرماتے۔ خواہ وہ دودھ کا ایک پیالہ ہوتا یا خرگوش کی ایک ران اور ان کے عوض میں دوسروں کو تحفے عنایت فرماتے۔ جو چیز سامنے آتی تناول فرما لیتے۔ لیکن صدقات کی چیزوں سے احتراز فرماتے۔ آپؐ ہمیشہ غلاموں کی دعوت پر ان کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ خدا کے معاملات میں آپؐ کو ضرور غصہ آجاتا تھا لیکن اپنے نفس کے لئے کبھی کسی پر ناراض نہ ہوتے خواہ آپؐ کو اپنے اور اپنے احباب کے مفاد کو قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑتا۔ لیکن اعلان حق سے آپؐ باز نہ رہتے۔ ایک مرتبہ بعض کفار نے دوسرے کفار سے بدلا لینے کے لئے آپؐ کی امداد کرنی چاہی۔ لیکن آپؐ نے اسے منظور نہ کیا۔ اور فرمایا کہ میں امداد کفار کو روا نہیں رکھ سکتا۔ حالانکہ اس وقت آپؐ کے ساتھی اس قدر تھوڑے تھے کہ ان میں ایک متنفس کا اضافہ بھی اہمیت رکھنے کا موجب ہوسکتا تھا۔ رفع گرسنگی کے لئے آپؐ اپنے شکم پر پتھر باندھ لیتے تھے جو چیز سامنے آتی بشوق تناول فرما لیتے تھے۔ اور اگر کھجوریں بغیر دودھ کے ملتیں یا گوشت یا روٹی یا شیرینی کی چیزیں مثلاً شہد یا دودھ ملتا تو بھی شوق سے کھا لیتے۔ آپؐ نے اپنی تمام عمر مسلسل تین دن تک روٹی نہیں کھائی۔ اس وجہ سے نہیں کہ آپؐ خسیس تھے یا محتاج بلکہ ضبطِ نفس مدنظر تھا۔ اکثر آپؐ گرسنہ ہی رہتے تھے۔ مہینوں آپؐ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ اور یہ حالت اس زمانہ میں تھی جب آپؐ مدینہ میں بر سر حکومت تھے۔ اپنے ہاتھ سے پیوند لگا لیتے اور بکریوں کا دودھ آپؐ خود دوہتے۔

شادیوں میں بخوشی شرکت فرماتے۔ مریضوں کی عیادت فرماتے۔ جنازوں کے ہمراہ جاتے۔ ادنیٰ آدمیوں کے یہاں جا کر ان کی ہمدردی فرماتے۔ دشمنوں میں تن تنہا چلے جاتے۔ اور بغیر اظہار مباہات مہمان داری میں دوسروں سے بڑھ جاتے۔ ہر شب دو چار دوستوں کو کھانے کے لئے مدعو فرما لیتے۔ بحالت افلاس بھی مہمان نوازی سے باز نہ رہتے۔ آپؐ فصیح تھے۔ مگر کلام میں طوالت نہ تھی۔ ہمیشہ خندہ پیشانی رہتے۔ زیادہ تر آپ خاموش رہتے تھے۔ لیکن جب کلام فرماتے۔ تو بہت زور اور سنجیدگی کے ساتھ چنانچہ آپؐ کے ارشادات سامعین کے قلوب میں کالنقش فی الحجر ہو جاتے تھے۔ حیا اور رافت صبر اور تحمل، ایثار اور فیاضی یہ صفات تمام عمر آپؐ کے اقوال اور افعال سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دنیاوی معاملات سے کبھی آپؐ متفکر نہیں ہوئے۔ جو لباس ملتا زیب تن

فرما لیتے۔ کبھی سوتی عمامہ کبھی نئی چادر، کبھی سوتی ٹوپی۔ آپؐ کے دائیں یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں چاندی کی انگشتری پڑی رہتی تھی۔ جس میں محمد رسول اللہ تین سطروں میں لکھا ہوا تھا۔ خچر، گھوڑا، گدھا یا اونٹ جو جانور ملتا۔ اس پر بخوشی سوار ہو جاتے۔ بعض اوقات آپ ننگے پاؤں بغیر ٹوپی، عمامہ اور چادر اپنے دولت کدہ سے دور مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے۔ خوشبو سے الفت اور بدبو سے نفرت تھی۔ آپؐ زہاد سے بے حد مانوس تھے۔ اور عموماً غریبوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ شائستہ لوگوں کی قدر فرماتے۔ اور ان سے رسم و راہ کر کے قلوب اغیار کو مسخر فرما لیتے۔ قابلِ رحم لوگوں کے ساتھ بلا امتیاز اقربا، سلوکِ حسنہ فرماتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا۔ اور جس نے معافی چاہی فوراً عطا فرمائی۔ بلکہ جانی دشمنوں کے ساتھ بھی آپؐ کا طرزِ عمل رحمدلانہ ہوتا تھا۔ اگرچہ دشمنان ملک کے معاملہ میں آپؐ بے حد سخت تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد دشمنوں کی سابقہ تکالیف۔ استہزاء دشنام سب وشتم غرضیکہ ساری باتیں آپؐ نے اپنے دل سے بھلا دیں۔ اور بدترین مجرم کو بھی معاف فرما دیا۔ تکلیف میں بھی سوائے سچ کے اور کوئی بات آپؐ کے منہ سے نہیں نکلی۔ آپؐ تبسم فرماتے۔ قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ جائز مشاغل میں شرکت فرماتے۔ کبھی ان کی تحقیر نہ کی۔ کبھی کبھی آپؐ اپنے دوستوں کیساتھ دوڑتے تاکہ معلوم ہو کہ کون زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے۔ بعض اوقات لوگ آپؐ کی موجودگی میں اونچی آواز سے بولنے لگتے۔ تاہم آپؐ چشم پوشی فرماتے۔ آپؐ کے پاس بہت سی بکریاں اور اونٹ تھے۔ جن کا دودھ آپؐ اور آپؐ کے عیال استعمال کرتے تھے۔ آپؐ کے یہاں غلام اور کنیزیں بھی تھیں جن کو آپؐ نے آزاد کر دیا تھا۔ اور ہمیشہ ان کو اپنے ساتھ کھلایا۔ اور جیسا خود پہنا ویسا ہی ان کو پہنایا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ گذرتا تھا جس میں آپؐ خدا کے لئے یا اپنے نفس کی بہتری کے لئے کوئی کام یا بات نہ کرتے ہوں۔ آپؐ اپنے متبعین کے باغات میں بھی تشریف لے جاتے تھے۔ اور کسی شخص کو اس کی مفلسی کی وجہ سے حقیر خیال نہ فرماتے تھے۔ نہ کسی مالدار آدمی کی ثروت سے مرعوب ہوتے تھے۔ بلکہ ان دونوں حالتوں کو خدا تعالیٰ کی مشیت سے منسوب فرماتے تھے۔ غرضیکہ خدا نے آپؐ کو بہترین اخلاق اور بلند ترین اصول عطا فرمائے تھے۔ آپؐ اُمی محض تھے۔ اور ایک تاریک ملک میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن خدا نے آپؐ کو اعلیٰ ترین صفات عنایت کی تھیں۔ جس کی محافظت آپؐ پر ہوئی۔ اُس کے مفاد کے بہترین محافظ اور نگہبان ہوتے۔ آپؐ کی گفتار نہایت دلچسپ اور شیریں ہوتی تھی ؛

آپؐ جس کسی مسلمان کو نصیحت یا تنبیہ فرماتے تو اس کے لئے دُعا کرتے کہ الٰہی اس پر رحم فرما۔ آپؐ نے کبھی کسی عورت یا خادم کو بُرا بھلا نہیں کہا۔ ایک دفعہ دورانِ جنگ میں آپؐ سے لوگوں نے کہا کہ دشمنوں کے حق میں بددعا کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا "میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ نہ کہ بددعا کرنے کے لئے۔" چنانچہ آپؐ نے ہمیشہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے دعا ہی کی ؛

آپؐ نے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے اور کسی موقعہ پر کسی کے خلاف تلوار بلند نہ کی۔ اور ذاتی طور پر کسی سے انتقام نہیں لیا۔ مگر اس وقت جبکہ کسی نے خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی۔ دو صورتوں میں آپؐ ہمیشہ آسان صورت کو پسند فرماتے تھے۔ بشرطیکہ وہ منجر بضلالت نہ ہو۔ اور کسی تعلق روحانی کو منقطع نہ کرتی ہو۔ کیونکہ آپؐ کو یہ دونوں پسند تھیں۔ جب کبھی کوئی غلام یا کنیز آپؐ کی خدمت میں امداد کی طالب ہوتی آپؐ دریغ نہ فرماتے۔ ادنےٰ غلام بھی آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے آقا کے پاس لے جاتا تاکہ اس کی شکایات کا ازالہ فرمایا جائے۔ انسؓ کا قول ہے۔ خدا کی قسم جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صداقت عطا کر کے بھیجا۔ خواہ میرے کسی فعل سے آپؐ ناراض ہو جاتے لیکن زبان سے کچھ نہ فرماتے۔" آپؐ کو بستر کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ اگر بستر موجود ہوا تو اس پر آرام کر لیا۔ ورنہ زمین ہی پر سو گئے۔ آپؐ جس شخص سے ملتے پہلے سلام کرتے۔ اور جب کوئی شخص آپؐ کو اپنا نمائندہ بناتا تو جب تک فریق ثانی معاملہ کو ختم نہ کرتا آپؐ برابر شریک کار رہتے۔ جب کسی شناسا سے ملتے تو پہلے مصافحہ فرماتے۔ اور گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ پکڑتے خواہ آپؐ بیٹھے ہوتے یا کھڑے۔ اور جب تک دوسرا آدمی اپنا ہاتھ نہ کھینچتا آپؐ نہ چھوڑتے۔ اور جب تک وہ رخصت نہ ہوتا آپؐ توقف فرماتے ؛

خدا کا نام ہمیشہ وردِ زبان تھا۔ بحالتِ نماز اگر کوئی شخص آپؐ سے ملنے آتا آپؐ فوراً نماز مختصر فرماتے اور اس سے ملاقات کرتے اور جب اس سے فراغت پاتے تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ عموماً آپؐ پاؤں سمیٹ کر بیٹھتے تھے۔ خصوصاً جبکہ اور لوگ بھی ہوتے۔ آپؐ کی نشست کا طریقہ دوسروں سے جداگانہ نہ تھا۔ جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے احباب کے ساتھ آپؐ پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے تھے۔ مبادا زیادہ جگہ گھیر لیں۔ ہاں جگہ ہوتی تو پاؤں پھیلا لیتے۔ آپؐ مریضوں کی عیادت کے لئے جاتے اور جنازوں کی مشایعت فرماتے جو شخص آتا اس سے بہ تواضع پیش آتے۔ خواہ وہ رشتہ دار ہوتا یا غیر۔ اور اس کے آرام کا حتی الوسع خیال فرماتے۔ راہ میں مساکین کی تکالیف سننے کے لئے رُک جاتے۔ جب کوئی ملنے آتا تو اپنا تکیہ اُسے عنایت فرماتے۔ اگر وہ انکار کرتا تو آپ اصرار فرماتے۔ بعض اوقات اپنا کمبل بھی اس کے نیچے بچھا دیتے۔ اگرچہ آپؐ ہر ملنے والے کے مرتبہ کو ملحوظ رکھتے تھے لیکن ہر شخص یہی یقین کرتا تھا کہ آپؐ اس کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ آپؐ کی معیت۔ گفتگو، صحبت، ملاقات اور دوستی میں حیا۔ تہذیب، سلیقہ اور اعتماد کا رنگ نظر آتا تھا چنانچہ خدا نے آپؐ سے خطاب کیا ہے: "اے محمدؐ یہ خدا کا فضل ہے کہ تم لوگوں سے بلطف اور کرم سے پیش آتے ہو۔ اگر تم درشت مزاج اور غیر مہذب ہوتے تو کوئی تم سے رفاقت نہ کرتا۔" دوستوں کو خوش کرنے کے لئے آپؐ ان کو ان کے قبیلوں کے نام سے بھی پکارتے تھے اور جن لوگوں کا کوئی اسم صفاتی نہ ہوتا۔ انھیں اپنی رائے سے نام عطا فرماتے تھے اور پھر لوگ انھیں اسی نام سے پکارتے۔ جو عورتیں صاحب اولاد ہوتیں ان کو ان کی اولاد کے نام سے یاد فرماتے۔ اور بے اولاد عورتوں کو ان کے قبیلہ کے نام سے پکارتے۔ آپؐ اپنے اہل و عیال پر بے حد مہربان تھے۔ چنانچہ آپؐ کے ایک بیٹے نے آپؐ کے سینہ پر وفات پائی۔ آپؐ بچوں سے بڑی الفت رکھتے تھے۔ راہ میں جو بچے ملتے انھیں پیار کرتے۔ اور چمکارتے۔ اور ان کو پیارے پیارے نام عطا فرماتے۔ اس لئے بچے بھی آپؐ کو بہت محبوب رکھتے۔ آپؐ دیر میں ناراض ہوتے۔ اور فوراً راضی ہو جاتے۔ گفتگو میں اس سے بدتر کلمہ آپؐ سے کبھی سرزد نہ ہوا "اُسے کیا ہو گیا؟" "خدا کرے اس کی پیشانی سیاہ ہو جائے۔" آپؐ ہر فرد کے ساتھ مہربانی، رافت اور فیاضی کا برتاؤ کرتے۔ آپؐ کی مجلس میں کبھی شور و غل نہ ہوتا۔ اور جب آپؐ مجلس برخاست فرماتے تو یوں ارشاد فرماتے :-

"سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ"

نفع رساں وجود بنو

"تقویٰ اختیار کرو۔ خدا پر ایمان پیدا کرو۔ وہ ایمان جو آخر اطمینان اور سکینت کا موجب بنتا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مومن کی زندگی بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ نفع رساں وجود ہوتا ہے ؛

(حضرت مسیح موعودؑ)

پشاور میں شبان الاحمدیہ سرحد زون کا جلسہ عید میلاد النبیؐ

رپورٹر :-
عبداللہ جان سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ ۔ سرحد زون

مورخہ ۳۱ جنوری بروز جمعرات شبان الاحمدیہ سرحد زون کے زیر اہتمام جلسہ عید میلاد النبیؐ منعقد ہوا جس میں مختلف جماعتوں سے کثیر تعداد میں شبان اور بزرگوں نے شرکت کی جلسہ بعد از نماز ظہر صدر شبان الاحمدیہ جناب صاحبزادہ ہارون احمد کے زیر صدارت شروع ہوا۔ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جو بھائی محمد صابر نے کی۔ اس کے بعد فاروق احمد صاحب نے حمد باری تعالےٰ پیش کی، جس کے بعد جناب ناصر احمد نے "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے اپنے موضوع کی تائید میں بڑے مدلل ثبوت پیش کئے۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء کی تعلیم کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم عالمگیر تھی، اور اسی طرح آپؐ کی رحمت بھی عالمگیر تھی۔ آپؐ سے پہلے ہر ایک نبی ایک محدود علاقے اور مخصوص لوگوں کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ لیکن حضور صلعم نے تمام دنیا کے لئے ایک ایسا مکمل نظام حیات پیش کیا جو ساری نوع انسانی کے لئے نظام رحمت تھا۔ آپؐ نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانات اور نباتات کے لئے بھی باعث رحمت تھے۔ اور گورے کالے۔ آقا و غلام۔ شاہ و گدا سب کے لئے یکساں قبلۂ محبت تھے۔ ناصر احمد صاحب کے بعد بھائی عنایت الرحمان نے نعت رسول مقبول صلعم پیش کی، بھائی گوہر علی نے ملفوظات مسیح موعود علیہ السلام پڑھ کر سنائے۔

ازاں بعد عبدالمالک صاحب نے دُرِ ثمین سے نعت پیش کی۔ اس کے بعد مرکزی نائب صدر شبان الاحمدیہ جناب اختر علی خان نے اخلاق نبویؐ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حُسنِ اخلاق اپنے کمال تک پہنچ گیا تھا اور آپؐ کی کامیابی اور ہر دلعزیزی کا ایک سبب آپؐ کا بے مثال اخلاق بھی تھا۔ آج دشمن بھی آپؐ کے صادق و امین ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ آپ نے بعثت نبویؐ کے بعد پہلی دعوت حق کا حوالہ دیا، جس میں تمام قریش نے یک زبان ہو کر آپؐ کے سچا ہونے کی تصدیق کی اور کہا کہ اگر آپ کہیں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے۔ تو ہم مان لیں گے۔ کیونکہ آپؐ نے آج تک جھوٹ نہیں بولا۔ حضرت ابوسفیانؓ کو بھی قیصر کے دربار میں اقرار کرنا پڑا کہ حضور صلعم کی زبان سے کبھی کسی نے جھوٹ نہیں سنا۔

آپ کے بعد مرکزی صدر شبان الاحمدیہ جناب محمد جمیل الرحمان نے شبان سے خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسوقت عالم اسلام میں نظام اسلام نافذ کرنے کا بڑا چرچا ہے اور ہر ملک اور حکومت اپنی دائرہ اختیار میں اسلامی نظام اور نظام مصطفیٰؐ نافذ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن نظام مصطفیٰؐ کا نفاذ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو سنت مصطفیٰؐ پر عمل پیرا ہوں۔ آپ نے کہا کہ شریعت اسلامی یا اسلامی آئین خود کتاب اللہ ہے اور کتاب اللہ کی عملی تفسیر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ پس جو لوگ اس آئین کو نافذ کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ رسول کریمؐ کی سنت پر چلیں۔ اور وہی طور طریقے اختیار کریں۔ جو آپؐ کے خلفائے راشدین نے اختیار کئے تھے۔ آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس زمانہ میں صرف جماعت احمدیہ ہی ایسی جماعت ہے جو حقیقی معنوں میں تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کاربند ہے۔ اور اپنے آپ پر نظام مصطفیٰؐ عملاً نافذ کئے ہوئے ہے۔ بعد میں آپ نے سرحد زون کے نوجوانوں کو ان کی پرجوش سرگرمیوں پر مبارکباد دی، اور بالخصوص جماعت شیخ محمدی اور جماعت سفید ڈھیری کے نوجوانوں کی پرخلوص کوششوں کی داد دی۔ آپ نے سرحد زون اور شبان جماعت پشاور کے لئے انتخابات کرانے کی ہدایت کی اور شبان پر اپنی کوششیں مزید تیز کرنے کے لئے زور دیا۔

اختتامی دعا کے لئے جناب کیپٹن عبدالواحد صاحب تشریف لائے۔ آپ نے دعا سے قبل شبان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کی ترقی کی وجہ حصول علم کی تڑپ تھی جب مسلمانوں میں یہ جوش مفقود ہوا تو ترقی بھی رک گئی۔ اور ہوتے ہوتے وہ تنزل کی طرف آ گئے۔ اس لئے نوجوانوں پر لازم ہے۔ کہ زیادہ وقت حصول علم میں صرف کریں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک عام احمدی غیر احمدی عالم سے علمی لحاظ سے کم نہیں ہوتا۔ آپ نے شدھی تحریک کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس تحریک کے دوران ایک مرتبہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مناظرہ ہوا مسلمانوں کی طرف سے جمعیت العلمائے ہند کے مولانا کفایت اللہ صاحب تھے۔ مولانا موصوف اپنے ساتھ اپنی مدد کے لئے ایک احمدی (جو تب ایک آڈٹ کلرک تھے) جناب شیخ عبدالحق کو ساتھ لائے اور مباحثے میں شیخ صاحب نے حصہ لیا۔ اور آپ ہی مسلمانوں کی لاج رکھی۔ اور آپ ہی نے مولانا موصوف کی عزت بچائی۔ آخر میں آپ نے دعا فرمائی۔ جس کے بعد صدر جلسہ نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اور جلسہ برخاست کیا۔ شرکاء جلسہ کی تواضع چائے وغیرہ سے کی گئی۔

(عبداللہ جان سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ سرحد زون)

اخبار احمدیہ

شادی خانہ آبادی :- مکرم چوہدری سردار علی صاحب چک ۱۰ جنوبی سے اطلاع دیتے ہیں کہ میری عزیزہ عفت نوا کا نکاح مورخہ ۱۲ ہمراہ چوہدری نور شریف ساکن دیو تحصیل کھاریاں ضلع گجرات ہوا۔ خطبہ نکاح مولوی نور محمد صاحب مبلغ نے دیا۔ اس خوشی میں دولہا نے مفت اشاعت قرآن فنڈ میں دو صد روپے اور خاکسار نے ۵۰ روپے دیئے۔ (جو داخل خزانہ انجمن ہو چکے ہیں) دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس تعلق کو دونوں خاندانوں کے لئے متبارک اور مثمر بثمرات حسنہ بنائے۔ آمین!

نماز کسوف :- جامع احمدیہ دارالسلام میں ۱۶ فروری کو سہ پہر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی اقتداء میں نماز کسوف ادا کی گئی۔ آپ نے دونوں رکعت میں لمبی قرأت فرمائی۔ بعد ازاں خطبہ ارشاد فرمایا۔ جسمیں کسوف و خسوف کیوقت خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالی۔ خطبہ کے بعد آپ نے قوم و ملک کے لئے طویل دعا فرمائی۔

آہ شیخ محمد فاضل مرحوم :- احباب جماعت کو اس خبر سے صدمہ ہوگا کہ مکرم شیخ محمد فاضل ایم ایس سی ریٹائرڈ پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور فیصل آباد میں ۲۰ کو وفات پا گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ عبادت گذار اور مستجاب الدعوات تھے۔ اپنی نیکی، انسان دوستی، حسن خلق۔ دینداری۔ تقوے۔ سلسلہ سے محبت اور خدمت اسلام کی تڑپ میں اپنے والد نامدار شیخ قمر الدین جہلمی مرحوم کی طرح ایک بلند مقام رکھتے تھے اور جملہ صفات حسنہ میں ان کے صحیح وارث تھے۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے جامع احمدیہ دارالسلام میں بعد نماز جمعہ ۲۲ نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۸۰ء
جلد ۶۷ — رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸ — شمارہ: ۸

باہتمام تاجدین پرنٹر آب کاری روڈ سے چھپوا کر پبلشر محمد اسلم علوی نے دفتر پیغام صلح۔ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔
چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا
الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبد الرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد: ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۸۰ء | شمارہ: ۹

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

میری ماموریت کی غرض و غایت

وہ کام جس کے لیے

خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہو گئی ہے اس کو دور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں اور سچائی کے اظہار سے مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے صلح کی بنیاد ڈالوں اور دینی سچائیاں جو دنیا کی آنکھ سے مخفی ہو گئی ہیں ان کو ظاہر کروں اور وہ روحانیت جو نفسانی تاریکیوں کے نیچے دب گئی ہے۔ اس کا نمونہ دکھاؤں اور خدا کی طاقتیں جو انسان کے اندر داخل ہو کر توجہ یا دعا کے ذریعہ سے نمودار ہوتی ہیں۔ حال کے ذریعے نہ صرف مقال کے ذریعہ سے ان کی کیفیت بیان کروں اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ خالص اور چمکتی ہوئی توحید جو ہر ایک قسم کی شرک کی آمیزش سے خالی ہے۔ جو اب نابود ہو چکی ہے۔ اس کا دوبارہ قوم میں پودہ لگا دوں اور یہ سب کچھ میری قوت سے نہیں ہوگا بلکہ خدا کی طاقت سے ہوگا۔ جو آسمان اور زمین کا خدا ہے۔

(حضرت مسیح موعود ؑ)

کلام الامام امام الکلام

مصفا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

بدہ از چشم خود آبے درختانِ محبت را
محبت کے شجر کی آبیاری آنسوؤں سے کر

مرا اسلام در باطن حقیقتہا ہمی دارد
ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں قرآں میں سُن لو

کجا از آستانِ مُصطفٰے اے ابلہ بگریزم
در احمدؐ سے اے ناداں کہاں جائے گا یہ خادم

بحمدللہ کہ خود قطعِ تعلق کرد ایں قومے
بحمدللہ کہ روگرداں ہوئی خود قوم ہی مجھ سے

بہ نخوتہا نمی آید بدست آں دامن پاکش
غرور و کبر سے سینوں کو کرلو صاف اے یارو

اگر خواہی رہ مولا زلافِ علم خالی شو
رضائے حق ہے گر مطلوب، لافِ علم کو چھوڑ دو

منہ دل در تنعمہائے دُنیا گر خدا خواہی
خدا [illegible] کار ہے، تو عیشِ فانی چھوڑ اے غافل

مصفا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا
مصفا قطرہ ہو تو گوہر تابندہ ہو پیدا

نمی باید مرا یک ذرہ عزتہائے ایں دُنیا
نہیں درکار مجھ کو عزتِ دُنیا کا ایک ذرہ

فروغِ نورِ عشق او زبام و قصر ما روشن
ہمارے بام و در سے اس کا نورِ عشق ہے پیدا

شبِ تاریک و بیم دزد و قومے ماچنیں غافل
شب تاریک، خوف راہ زن، ملت ہے خوابیدہ

مگر روزے دہندت میوہ ہائے پُر حلاوت را
عطا کردے گا اِک دن ثمرِ شیریں داورِ رحمت

کجا باشد خبر زاں مہ گرفتارانِ صورت را
مگر باطل پرستوں کی نہیں قسمت میں یہ دولت

نمی یابیم در جائے دگر ایں جاہ و دولت را
بھلا ہے کون حضرتؐ سا جہاں میں صاحبِ شوکت

خدا از رحمت و احساں میسر کرد خلوت را
مرے مولا نے اپنے فضل سے بخشی مجھے خلوت

کسے عزت ازو یابد کہ سوزد رختِ عزت را
کرے جو خاکساری حق سے پاتا ہے وہی عزت

کہ رہ ندہند در کویش اسیرِ کبر و نخوت را
نہیں جا سکتا اس کے آستاں تک صاحبِ نخوت

کہ میخواہد نگارِ من تہیدستانِ عشرت را
میرے محبوب کا محبوب تو ہے تارکِ عشرت

کجا بیند دلِ ناپاک روئے پاک حضرت را
دلِ ناپاک کو کیسے ہو حاصل رویتِ حضرت

منہ از بہر ما کرسی کہ ماموریم خدمت را
نہیں مسند سے کچھ مطلب کہ اپنا دین ہے خدمت

مگر بیند کسے آنرا کہ میدارد بصیرت را
بہ جز نورِ بصیرت ہاتھ کب آتی ہے یہ دولت

کجا زیں غم روم یا رب نما خود دستِ قُدرت را
سناؤں کس کو حالِ دل، مرے مولا دکھا قُدرت

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۲۷ فروری سنہ ۱۹ء

آہ

پروفیسر شیخ محمد فاضل مرحوم!

(میرزا مسعود بیگ)

پروفیسر شیخ محمد فاضل صاحب مرحوم و مغفور ایک نہایت ہی مخلص دوست، شفیق استاد، ماہرِ تعلیم، دین سے محبت رکھنے والے، خوش اخلاق، ستودہ صفات، اور بڑے قابلِ قدر انسان تھے جو گذشتہ ۳۰ جنوری سنہ ۱۹ء کو غالباً بیاسی ۸۲ سال کی عمر میں رحلت فرما گئے ہیں۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

آپ اسلامیہ کالج پشاور، پشاور یونیورسٹی، ایڈورڈز کالج پشاور، اور فرنٹیر کالج برائے خواتین پشاور میں گذشتہ قریباً پچاس سال تک علم الحیوانات میں طلبہ اور طالبات کو تعلیم دیتے رہے اور ملک کے ہر حصہ میں ان کے ہزاروں شاگرد پھیلے ہوئے ہیں جن میں سے بعض بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ پروفیسر صاحب مرحوم ایک مثالی استاد تھے جو اپنے مضمون پر پورا عبور اور فنِ تدریس میں مہارت رکھنے کے علاوہ طلبہ سے حسنِ سلوک اور ان کے مسائل حل کرنے میں شفقت اور ہمدردی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ زوالوجی کے پیریڈ میں قرآن مجید پڑھاتے ہیں۔ کیونکہ وہ علم الحیوانات کی باریکیوں اور عجائبات اور اللہ تعالیٰ کے احسن الخالقین ہونے پر قرآن مجید سے روشنی ڈال کر اپنے لیکچر کو ایسا دلچسپ بنا دیتے کہ طلباء وجد کیا کرتے تھے۔ یہ دراصل امام زمانؑ سے وابستگی کا نتیجہ تھا جسے پروفیسر صاحب کے شاگرد، ان کے رفقاءِ کار، پرنسپل اور کالج کمیٹی کے سب ممبران جانتے تھے۔ اسلامیہ کالج پشاور کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والے چند قابل اور مخلص اساتذہ صاحبزادہ سر عبدالقیوم خاں صاحب مرحوم نے پنجاب سے بھرتی کئے تھے۔ اور صاحبزادہ صاحب مرحوم ان کی بے حد قدر کرتے تھے۔ یعنی شیخ محمد تیمور صاحب، شیخ محمد شفیع صاحب، پروفیسر محمد عثمان صاحب، شیخ منہاج الدین صاحب، شیخ محمد فاضل صاحب۔ مرزا انور بیگ صاحب اور بعض دیگر احباب جو تھوڑے عرصہ کے لئے کالج میں رہے لیکن مقدم الذکر وہ احباب تھے جنہوں نے تمام زندگی کالج کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ اور جب کالج سے یونیورسٹی بن گئی تو پروفیسر منہاج الدین صاحب اس کے پہلے رجسٹرار مقرر ہوئے۔ چنانچہ پروفیسر محمد فاضل صاحب بھی انہی اولین میں شامل تھے۔

پروفیسر صاحب مرحوم کالج میں ہاکی ٹیم کے انچارج تھے اور روزانہ شام کو کالج گراؤنڈ میں ہاکی کے کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے موجود ہوتے اور طلبہ کی کردار سازی میں کھیلوں کا جو حصہ ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے سعی کرتے ہاکی ٹیم کی سیر و سیاحت اور دوسرے شہروں میں جا کر اپنے کالج کی شہرت کو بڑھانے اور دورانِ سفر کالج کے اموال کو ایمانداری اور دریغ سے خرچ کرنے اور کھیل کے میدان میں عمدہ اخلاق اور سپورٹسمین سپرٹ کے اظہار کے لئے طلبہ کو جس قسم کی تربیت دینے کی ضرورت ہوتی ہے وہ بدرجہ اتم پروفیسر صاحب مرحوم طلبہ کو مہیا کرتے۔ پروفیسر صاحب کی اپنی زندگی اور عملی نمونہ طلبہ کے سامنے تھا کہ وہ حق گو انسان ہیں۔ مال میں خیانت نہیں کرتے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ سفر و حضر میں نماز اور دیگر ارکانِ دین کی پابندی کرتے ہیں۔ اور کالج میں اور کھیل کے میدان میں پُروقار طرزِ زندگی کے قائل ہیں تو طلبہ اس سے بہت متاثر ہوتے۔ چنانچہ ہاکی کے کھلاڑیوں سے بہت سے طلبائے قدیم آئی جی پولیس، فوجی جرنیل، وزیرِ مملکت اور دیگر بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے اور وہ سب پروفیسر محمد فاضل صاحب کو یاد کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی اور اعلیٰ تربیت کے معترف ہیں۔

جہلم میں ہماری جماعت کے بزرگ جناب شیخ قمر الدین صاحب مرحوم سوداگر چرم بڑے معروف انسان تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے احباب اور سلسلہ کے ابتدائی بیعت کنندگان میں سے تھے۔ پروفیسر محمد فاضل صاحب انہی بزرگ کے سب سے بڑے صاحبزادہ تھے سنہ ۱۹۱۴ء میں جب جماعت احمدیہ دو حصوں میں منقسم ہو گئی تو شیخ قمر الدین صاحب مرحوم جماعت لاہور سے وابستہ ہوئے اور جہلم کی جماعت کے ایک سرکردہ با اثر اور فعال رکن کی حیثیت سے سالہا سال تک سلسلہ کی دینی خدمات سرانجام دیتے رہے اور مجلسِ معتمدین میں جماعت جہلم کی نمائندگی کے علاوہ تبلیغی خدمات بھی کرتے رہے۔ اور ان کی دکان مذہبی مباحث کا مرکز بن گئی۔ جہاں تمام دن عیسائی اور آریہ معترضین کے اسلام پر اعتراضات کا جواب دیا جاتا اور اسی طرح صداقتِ مسیح موعود اور جماعت قادیان کے غالیانہ عقائد کی تردید میں دلائل پیش کئے جاتے۔ شیخ صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ نے علم دین سے وافر حصہ بخشا تھا اور آپ نے "قمر الھدیٰ" نامی کتاب تالیف فرمائی جس میں سلسلہ کی تبلیغ کے لئے نہایت مفید حوالہ جات جمع کر دیئے جو مبلغین کے لئے ایک گائیڈ کا کام دینے لگی۔ اسی طرح شیخ صاحب موصوف کی ایک اور نرالی خصوصیت تھی اور وہ یہ کہ آپ جلسہ سالانہ سے ایک دو ماہ قبل اپنے ہاتھ میں ایک کشکول لے کر روزانہ ایک دو گھنٹے جہلم کے بازاروں میں چکر لگایا کرتے تھے۔ اور دکانداروں اور عام شہریوں سے اشاعتِ اسلام کے لئے چندہ جمع کیا کرتے تھے۔ اور سینکڑوں کی تعداد میں جمع شدہ رقم جلسہ سالانہ پر خزانہ انجمن میں داخل فرمایا کرتے تھے۔ ایسے بزرگ باپ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے پروفیسر صاحب مرحوم نے بھی تمام عمر اپنی استطاعت کے مطابق جماعتی کاموں اور خدمتِ دین میں حصہ لیا اور اسلامیہ کالج و سفید ڈھیری اور مضافاتِ پشاور کے علاقہ سے مجلسِ معتمدین میں جماعت کی نمائندگی بھی فرمائی۔

پروفیسر محمد فاضل صاحب مرحوم سے میرا نصف صدی سے زیادہ پرانا دلی محبت کا تعلق تھا۔ اگرچہ مجھے کالج میں ان کی شاگردگی کا فخر تو حاصل نہیں ہوا لیکن اپنے سکول کے زمانہ میں دو برس تک ان سے تحصیل علم کا موقعہ ملا ہے۔ پروفیسر صاحب موصوف بھی بی ایس سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد ایم ایس سی کی تعلیم کے لئے لاہور تشریف لائے اور گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئے اور کالج کے ہوسٹل میں رہنے کی بجائے جماعتی اور دینی ماحول کی خاطر احمدیہ بلڈنگس میں رہنا پسند کیا۔ چنانچہ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور نے اپنے مکان میں ان کی رہائش اور خورد و نوش کا انتظام فرما دیا۔ یہ سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء کا زمانہ تھا پروفیسر صاحب مرحوم مغرب کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹے حضرت مرزا صاحب مرحوم کے صاحبزادہ مرزا عبدالرحمٰن بیگ صاحب اور راقم سطور کو پڑھایا کرتے تھے۔ اور نہایت محبت و شفقت سے ہمیں تعلیم دیتے تھے۔ ایم ایس سی کرنے کے بعد اسلامیہ کالج پشاور میں ہی پروفیسر صاحب کو جگہ مل گئی۔ اور پھر تمام عمر آپ اسی کالج سے وابستہ رہے۔ اور یونیورسٹی بن جانے پر زوآلوجی کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ مقرر ہوئے۔ اور گراں قدر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ یونیورسٹی سے آپ کی ریٹائرمنٹ کے بعد ایڈورڈز کالج نے آپ کی خدمات حاصل کر لیں اور پھر لڑکیوں کے کالج میں اس مضمون کی تدریس کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے قوم کی بچیوں کے مفاد کی خاطر پروفیسر صاحب نے پیرانہ سالی کے باوجود اس خدمت کو قبول کیا اور کئی سال تک بچیوں کو تعلیم دیتے رہے۔

یہ استادی شاگردی کے تعلقات بالآخر دوستی میں تبدیل ہو گئے اور پروفیسر

صاحب مرحوم ایک نہایت ہی مشفق اور مخلص دوست ثابت ہوئے اور تادم مرگ آپ نے دوستی کو خوب نبھایا۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ۔ جلسہ سالانہ کے علاوہ سال میں دو تین مرتبہ آپ امتحانات کے سلسلہ میں پشاور سے لاہور تشریف لایا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ میرے ساتھ قیام فرماتے تھے اور میں بھی جب پشاور جاتا تو پروفیسر صاحب کے پاس جانے کے بغیر میرا دورہ مکمل نہ ہوتا تھا۔ بالکل خانہ واحد کی طرح ہم ایک دوسرے کے گھر میں رہتے جس میں کوئی تکلف یا بناوٹ نہ ہوتی تھی۔ اور باہمی مودّت میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا۔ اسی طرح حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب کی اولاد اور جملہ اعزہ کے ساتھ پروفیسر صاحب بڑی محبت اور احترام سے پیش آیا کرتے تھے۔ مرحوم بڑے خوش اخلاق اور وضعدار انسان تھے اور ہر وقت اُن کے چہرہ پر مسکراہٹ رہتی اور ہر ملنے والے سے بڑے تپاک سے ملا کرتے تھے۔ اور صوبہ سرحد میں طویل قیام کی وجہ سے پٹھانوں کے تمدن میں جو خوبیاں ہیں وہ آپ نے اختیار کر لی تھیں۔

آپ اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب انسان تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی صالح اور لائق اولاد عطا کی تھی آپ کے سب سے بڑے فرزند نیاز احمد صاحب ریلوے کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ دوسرے فرزند امتیاز احمد ملٹری اکاؤنٹس کے محکمہ میں تیسرے ڈاکٹر الطاف احمد۔ چوتھے ممتاز احمد خان آرڈیننس فیکٹری واہ کینٹ میں اور سب سے چھوٹے افضال احمد بھی ڈاکٹر ہیں۔ گذشتہ کئی سال سے پروفیسر صاحب مرحوم اپنے بیٹے ممتاز احمد خان کے ساتھ واہ کینٹ میں قیام فرما تھے۔ اور دو تین ماہ کے بعد ان کا عنایت نامہ مجھے ضرور ملا کرتا تھا۔ اور وہ ہر بات میں مجھے اور میرے بچوں کو دعاؤں سے سرفراز فرمایا کرتے تھے اور ایک خط میں انہوں نے لکھا کہ وہ روزانہ بلاناغہ صبح کے وقت ہمارے لئے دعا فرماتے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

پروفیسر صاحب موصوف بڑے کنبہ پرور انسان تھے اور اپنے بھائیوں اور خاندان کے دیگر افراد کی پرورش اور تعلیم میں پوری دلچسپی لیتے تھے۔ ان کے بھائیوں میں سے سب سے چھوٹے عبدالرشید صاحب اس وقت حیات ہیں اور شیخ عبدالعزیز صاحب مرحوم جو سال ہا سال تک جماعت جہلم کے سیکرٹری کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے اور بڑے خوش طبع انسان تھے کچھ عرصہ قبل وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور پروفیسر صاحب مرحوم کے فرزندان اور دیگر اعزہ کا حامی و ناصر ہو اور انہیں توفیق دے کہ وہ پروفیسر صاحب کا نام نیک زندہ رکھیں۔ آمین!

بقیہ حضورؐ کے نقشِ پا

میاں بیوی۔ بہن بھائی۔ عزیز و اقربا۔ غریبوں۔ مسافروں اور سب سے بڑھ کر انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک۔ حسنِ معاشرت۔ حسنِ معیشت۔ سب کے نمونے موجود ہیں۔ مناسب اور ایک حد تک سیر و تفریح کھیل تماشہ پر روک ٹوک نہیں۔ دین کے ساتھ دنیا میں رہنے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ حسن و خوبی سے سلوک کرنے کا سبق تو ہمیں ملتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں آپ کے ان چھوڑے ہوئے نقشِ پا میں کن جذبات اور کن عادات کا نشان نہیں ملتا۔

ہمیں آپ کی تمام زندگی میں جھوٹ۔ دھوکا۔ کینہ۔ انتقام۔ غیظ و غضب۔ غصہ اور ان سے بھی بڑھ کر سخت کلامی اور دل آزاری کرنے کا شائبہ و سراغ تک نہیں ملتا۔ تنگدلی منافقت۔ حسد۔ رشک کا نشان و گمان ان نقشوں میں مفقود ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے مگر بحیثیت ہم تمام عورتوں میں یہ کمزوری ہے۔ کہ کسی سے اختلافِ رائے یا مخالفت میں اور ملامت کرنے میں ہم سخت کلامی اور دل آزاری سے بھرپور کلمے استعمال کرتی ہیں۔ حالانکہ وہی بات نرم اور ملائم الفاظ میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ نفرت یا حقارت سے کوئی قائل نہیں ہوتا۔ ہاں محبت اور نرمی ضرور دل جیت لیتی ہے۔ ایسی عادتوں کو بدلنے اور طبیعت پر قابو پانے کے لئے جب ہم حضور کے نقشِ پا کی طرف آتے ہیں تو بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ ؎

جو دل میں بس رہی ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں جی رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

اور دنیا کے علاوہ دین کی تلاش ہو تو سبحان اللہ آپ کا وہ مقام ہے کہ ؎

جلتے ہیں جس مقام پہ پَر جبرئیل کے
اس سدرۃ المنتہیٰ کے شناسا تمہیں تو ہو

حضورؐ کے نقشِ پا کی پیروی کر کے آپ فرشتوں سے آگے بڑھ کر سدرۃ المنتہیٰ کے کنارے چھو سکتے ہیں۔ آپ خدا کو پا سکتے ہیں۔

"اللّٰھم صلِّ علیٰ محمّدٍ و بارک وسلّم"

وقتِ دعا ہے:

اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں — جز دعائے بامداد و گریۂ اسحار نیست

انفرادی اور قومی رنگ میں انسان پر بعض ایسی گھڑیاں آجاتی ہیں۔ جہاں نہ صرف اس کی سعی و جہد کے لئے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس کی عقل و علم بھی عاجز و بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ وقت ایسا ہوتا ہے۔ جسے اضطرار کے لمحات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور قرآن حمید کے مطابق امّن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء کون ہے، جو مضطرب دل کی پکار کو سن کر اس کے دکھوں کو دور کرتا ہے، کا مصداق ہوتا ہے۔ ایسے لمحات میں قلبِ مضطر سے نکلی ہوئی دعائیں اور التجائیں اگر بارگاہ ایزدی میں شرفِ قبولیت حاصل کر لیں۔ تو نہ صرف اندھیروں کے بادل پھٹ جاتے ہیں۔ بلکہ مصائب و آلام کے پہاڑ بھی ھباءً منثوراً ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات قادر و توانا ایسے ایسے اسباب و ذرائع کو حرکت میں لے آتی ہے، جس کا انسان کو وہم و گمان نہیں ہوتا۔ ایسے ہی وقتوں میں بندۂ تسلیم و رضا کی التجاؤں کے جواب میں خداوند عالم الغیب اس مصیبت سے نجات کی خوشخبری بھی بطور پیشگوئی فاستجبنا لہ فکشفنا ما بہ من ضر کے الفاظ میں دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نہاں در نہاں اور ماوراء الغیب زندہ ہستی کا یہی ایک قطعی ثبوت اور یہی اس کی ذات پر ایمان کا فائدہ ہے۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)

ضرورت ہے:

انجمن کے مرکزی دفاتر میں حسب ذیل آسامیوں کے لئے احمدی افراد کی ضرورت ہے:۔

۱۔ **مینیجر دارالکتب اسلامیہ**:۔ امیدوار کا اچھی تعلیم کے علاوہ تجارتی امور سے واقف ہونا اور انگریزی اردو میں بخوبی خط و کتابت کی مہارت رکھنا ضروری ہے۔ تنخواہ حسب قابلیت معقول دی جائے گی۔ تاہم کم از کم قابلِ قبول تنخواہ کا ذکر درخواست میں ضرور کیا جائے جو مکمل کوائف اور نقول اسناد کے ساتھ بھیجی جائے۔

۲۔ **ٹائپسٹ کلرک**:۔ امیدوار کا ٹائپ میں مہارت رکھنا ضروری ہے۔ شارٹ ہینڈ جاننے والے کو ترجیح دی جائیگی۔ درخواست مع سرٹیفکیٹ سپیڈ اور تجربہ کی تفصیلات کے ساتھ بھجوائیں۔ تنخواہ کا فیصلہ حسب لیاقت کیا جائے گا۔

۳۔ **معاون کارکن (چپڑاسی)** درخواست دہندہ کو سائیکل چلانا آتا ہو اور لاہور کے مقامات سے واقفیت ضروری ہے۔ تنخواہ کا فیصلہ انٹرویو کے بعد کیا جائے گا۔ شخصی ضمانت ضروری ہے۔

جملہ درخواستیں مقامی جماعت کے صدر یا سیکرٹری یا ممبر مجلس معتمدین کی سفارش کے ہمراہ آنی لازمی ہیں۔ (مرزا مسعود بیگ۔ جنرل سیکرٹری)

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ لندن

"حضورؐ کے نقشِ پا"

میرے عزیز بہن بھائیو اور پیاری بیٹیو! میرے اس مضمون کا موضوع ہے "حضورؐ کے نقشِ پا"۔

جس طرح ایک بے بہا اور بے خطا تراشے ہوئے ہیرے کا ہر پہلو بے داغ اور چمک دمک میں یکساں ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت ہر لحاظ سے دلکش و لاثانی ہے اور اس کے کسی ایک پہلو کا انتخاب کرنا بہت مشکل ہے آپ خیر البشر تھے۔ دنیا کے کامل انسان تھے لیکن تھے ہماری آپ کی طرح انسان۔ کوئی مافوق البشر نہ تھے۔ اور ایک انسان کی زندگی میں کئی جز ہوتے ہیں۔ دینی، دنیاوی، معاشرتی، سیاسی۔ میں نے اس وقت آپ کی زندگی کے ایک سادہ سے پیارے پہلو کا انتخاب کیا ہے وہ ہے آپ کی گھریلو زندگی۔ دنیا کی تاریخ میں بے شمار مشہور و معروف ہستیوں کے نام و نشان ملتے ہیں عظیم الشان بادشاہ۔ شہنشاہ۔ بہادر سپہ سالار۔ فاتح عالم مشہور و معروف مصنف۔ لیکن اکثر کی ہستیوں کی گھریلو زندگی کے حصے زیادہ تر تاریک اور ناقابل تقلید ہیں اس لئے کہ دنیا کی نصف مخلوق یعنی عورتوں اور بچوں سے ان کے رویے اور سلوک قابل تعریف نہ تھے۔ تفصیل میں جانے کا وقت نہیں اس لئے میں مختصراً ہی عرض کروں گی کہ آپ کیسے شوہر تھے؟ جب آپؐ کو غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت و ہدایت پر مامور کیا گیا تو اپنی کمزور انسانی ہستی اور اتنی عظیم الشان ذمہ داری کا خیال ہی لرزا دینے والا تھا چنانچہ حضور غار حرا سے کانپتے ہوئے نکلے اور سیدھے اپنی رفیق حیات اور دکھ سکھ کی ساتھی حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا کہ خدیجہ مجھے اوڑھا دو۔ اوڑھا دو۔ یعنی چادر اوڑھا دو۔ اور پھر آپ نے تمام ماجرا دنیا میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ سے بیان فرمایا۔ ذرا خیال کیجئے کہ ملک عرب کے اس وقت کے معاشرے میں عورت کو اپنی شخصیت تک نصیب نہ تھی وہ تو صرف مرد کی ملکیت سمجھی جاتی تھی اس زمانہ میں کسی شوہر کے وہم گمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔ کہ کسی گھبراہٹ اور تشویش کے وقت اپنی بیوی کو صلاح کار سمجھے اور اس سے تسلی اور تسکین کا طالب ہو۔ مگر اپنی بیوی کو اپنی ہی طرح صاحب عقل و فہم سمجھتے اور اپنا ہمدرد محبت شعار ساتھی مانتے ہوئے آپ سیدھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ یعنی کسی دنیا دار دوست۔ عقل مند مشیر یا صاحب تجربہ بزرگ کی طرف جانے کا خیال آپ کو نہ آیا۔ باقی حضرت خدیجہؓ نے جن الفاظ میں آپ کو تسلی دی۔ اور آپ کی ڈھارس بندھائی کہ آپ کو کیوں فکر ہے اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہ کرے گا۔ یہ الفاظ دنیا کے ایک شوہر کی بے داغ ہستی پر ایک لاجواب والہانہ گواہی ہے۔ بیوی سے بڑھ کر شوہر کی فطرت اور برائی یا بھلائی سے کون واقف ہو سکتا ہے جب وہی کہے کہ آپ صادق ہیں امین ہیں انسانوں۔ رشتہ داروں۔ غریبوں۔ بے بسوں۔ کمزوروں کے مددگار و غم خوار ہیں۔ جو اصل مقصد انسانیت ہے۔ تو اس شوہر کی پاک صاف اور بلند و اعلیٰ فطرت کا کیا کہنا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی بھی آپ کی رفیق حیات حضرت خدیجہؓ تھیں۔ حضورؐ کے اس ایک عمل نے عورت کے رتبے کو انتہائی پستی سے اٹھا کر مردوں کے بلند ترین مقام کے برابر کر دیا۔ اور یہ فخر بھی دنیا کو نہیں نصیب ہوا کہ حضور کی سب سے پہلی غم خوار مشیر۔ صلاح کار اور ایمان لانے والی ایک خاتون تھیں۔ آپؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سب سے بڑی اور پہلی زوجہ محترمہ تھیں جب آپ کی سب سے کم عمر اور دوسری زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی پر نظر ڈالیے حضرت عائشہؓ اپنے لڑکپن سے لیکر حضور کی وفات تک آپ کی رفیق حیات اور مونس و دم ساز تھیں۔ کیا نتیجہ ہم اس رفاقت کا دیکھتے ہیں۔ کہ اسلام کو ایک ایسی بلند مرتبہ صاحب فہم و قرآن اور حدیث ہستی میسر آئی کہ صحابہ اور دوسرے مسلمان آپ سے درس قرآن لیتے تھے اور بے شمار حدیثیں حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں۔ جن سے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاک زندگی۔ اُن کی عبادات۔ اُن کے خیالات۔ اُن کی ہدایات اور ان کے ارشادات سب کا علم نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ آپ کی طبیعت کی۔ سادگی اور شگفتگی کی ایسی ایسی جھلکیں بھی نظر آتی ہیں۔ جیسے ایک بار مدینہ میں کچھ حبشی تلوار کے کرتب دکھا رہے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ تو حضورؐ ان کے سامنے آڑ بن کر کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت عائشہؓ ان کے کندھے پر سے تماشا دیکھتی رہیں۔ آپؐ کھڑے رہے یہاں تک کہ حضرت عائشہ خود تھک کر ہٹ گئیں۔ اسی طرح ایک عید کے موقعہ پر آپ آرام فرما رہے تھے کہ چند لڑکیاں دف بجا بجا کر گانے لگیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے آرام کے خیال سے اُن کو روکا تو آپؐ نے فرمایا کہ عائشہ ان کو مت روکو کہ آج عید کا دن ہے۔ ایک بار سفر میں آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں ہلکی پھلکی تھی آگے نکل گئی۔ دوسری مرتبہ کچھ زمانے کے بعد اسی طرح دوڑ ہوئی تو میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھاری ہو جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گئیں اور آپ نے دوڑ جیت لی تو ہنس کر فرمایا کہ اب ہم برابر ہو گئے۔

آپ نہ صرف گھر کے کام کاج میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹاتے تھے بلکہ غم ہو یا خوشی۔ سفر ہو یا جنگ۔ زندگی کے ہر رستے اور موڑ پر وہ آپ کی ساتھی تھیں حضور کے حسن سلوک اور بے مثال طرز معاشرت کا روشن ثبوت تو یہ ہے کہ جب دنیا کے مال و دولت عیش و آرام ایک طرف اور اللہ اور اس کا رسولؐ دوسری طرف مقابلے میں رکھے گئے تو بلا پس و پیش تمام ازواج مطہرات نے اللہ اور اس کے رسول کو ترجیح دی۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی اور مثال نہیں ہے۔ اور نہ کبھی آئندہ ملے گی۔

اب رہے ننھے منے بچے۔ قوموں کی مستقبل کی امیدیں تو ہمیں حضورؐ کی زندگی میں بچوں کے ساتھ برتاؤ میں سوائے محبت و شفقت۔ صبر و تحمل اور پیار اور دلداری کے کچھ نہیں ملتا۔ آپ کے اپنے نواسوں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو نانا حضور کی محبت اور پیار نے اتنا بے تکلف کر دیا تھا کہ آپؐ سجدے میں ہوتے اور وہ جیسے بچوں کا قاعدہ ہے کھیل کھیل کر آپ کے اوپر سواری کرنے لگتے تو آپ دیر تک سجدے میں پڑے رہتے تاکہ اُن کی دل شکنی نہ ہو۔ نہ صرف اُن کو بلکہ تمام مسلمانوں کے بچوں کو گود میں لینا۔ پیار کرنا آپؐ کا دستور تھا کسی صحابی کا ایک پیارا سا بچہ عمیر جو ماں کی گود سے محروم تھا اپنی ایک ننھی سی پالتو چڑیا سے دل بہلاتا مسجد نبوی میں کھیلتا رہتا تھا۔ ایک دن چڑیا مر گئی۔ چڑیا کے لئے بچہ حیران اور اداس آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑا تھا۔ حضورؐ کا گذر ہوا تو آپؐ نے بے اختیار بچے کو پیار کیا اور فرمایا کہ عمیر تمہاری چڑیا نے کیا کیا۔ کہ مر کر رہ گئی۔ رحمۃ للعالمین کی توجہ نے بچے کا دل رکھ لیا اس کا حیران اور افسردہ دل کھل اٹھا۔ وہ اپنا غم بھول گیا۔ ایسے ایسے بے شمار چھوٹے چھوٹے مگر اہم واقعات سے آپؐ کی سیرت کے ورق جگمگا رہے ہیں۔ اور ہمیں اپنے آقا کے قدموں کی پیروی کرنے کے لئے کیا کیا نہیں ملتا آپ کی سیرت مقدسہ ماں باپ

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

مکرم میاں رحیم بخش صاحب کراچی

بسلسلہ فیصلہ کن تصفیہ بروئے قرآن حکیم
مندرجہ پیغام صلح مؤرخہ ۲ جنوری ۱۹۸۰ء

ملتِ اسلامیہ میں تمام تنازعات کا تصفیہ بروئے قرآنِ حکیم

"باب ہفتم"

اس مضمون کے شروع کے ابواب میں ہم نے قرآن حکیم کے فرمودہ ان اصولوں کی وضاحت کی تھی جن کی بنا پر مسلمانوں میں ہر قسم کے تنازعات کے تصفیہ کا طریق کا بیان کیا گیا ہے اور ان اصولوں کی روشنی میں ایک اہم اور اختلافی مسئلہ یعنی حیات و وفات مسیح ابن مریم کا حل پیش کیا تھا۔ اور قرآنی آیات سے میں نے بین ثبوت سے واضح کیا تھا کہ بروئے قرآن کریم حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کی وفات ثابت شدہ ہے۔

اب ہم ایک دوسرے اہم مسئلہ نبوت کو اسی طرح قرآن حکیم کی آیات سے واضح کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ یہ تنازعہ ایک نازک اور پیچیدہ صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان قرآنی اصولوں کو "تفصیراً" زیر بحث لایا جائے۔ مختصراً پیش کیا جائے۔ چنانچہ سورہ آلِ عمران کی ابتدائی آیات ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ یعنی آیت ۷ :۔

" ھوالذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابہات۔

ترجمہ :۔ وہی (اللہ) ہے جس نے تجھ پر کتاب (قرآن حکیم) اتاری۔ اس میں سے کچھ (محکم) آیتیں ہیں جو کتاب کی اصل ہیں۔ (یعنی واضح اور قاعدہ کلیہ کے طور پر) اور کچھ متشابہ (بھی) ہیں۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ ان کو (اصول کے طور پر) پکڑ لیتے ہیں جو اس میں سے متشابہات ہیں (اور اسطرح) فتنہ برپا کرنے کے لئے اور (اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے) چاہتے ہوئے کہ اس کی (من مانی) تاویل کریں لیکن اس کی صحیح تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور ان کے جو علم میں پختہ ہیں (کیونکہ) وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر (یعنی متشابہات) پر (بھی) ایمان لاتے ہیں۔ کہ (یہ) سب ہمارے رب کی طرف سے (نازل شدہ) ہے۔ (اس لئے ان متشابہات کی تاویل محکمات آیات سے متضاد یا مختلف نہیں۔ اور متشابہات کی تاویل محکمات سے مطابقت رکھتی ہے) اور (اسطرح) عقل والوں (یعنی تدبر کرنے والوں) کے سوائے کوئی نصیحت (یعنی صحیح تاویل) قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کے پیش نظر ہم اس دقیق مسئلہ نبوت کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نبی (جس کی جمع انبیاء ہے) اور رسول (جس کی جمع رُسل یا مرسلین ہے) قرآن کریم میں اکثر مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن نبی اور نبوت اصطلاحی الفاظ ہیں۔ رسول اور مرسل کبھی عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور کبھی نبی اور نبوت کے اصطلاحی معانی میں۔ اس لئے پہلے لفظ نبی اور نبوت کو قرآن کی رُو سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس کے بعد الفاظ رسول اور مرسلین کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوگی :۔

نبوت کا لفظ عربی میں لفظ نبأ سے مشتق ہے جس کے معنی خبر کے ہیں۔ یعنی خبر دینے والا یا خبر لانے والا۔ لیکن اصطلاح قرآن میں "نبوت" ایک خاص مقام ہے۔ جس کو سمجھنے کے لئے قرآن کی رُو سے چند ایک سوالات کا حل معلوم کرنا ضروری ہے مثلاً نبوت کا مقصد کیا ہے؟ اور اس کی غرض و غایت کیا ہے اور جس شخص کو اس مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے کیا خصوصیات ہیں۔ جو اسے دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ قرآنِ حکیم سے ان سوالات کا جواب نہایت واضح طور پر ملتا ہے اس لیے سب سے پہلے ہم قرآنی آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں

رکوع ۴ سورہ البقرہ میں جہاں انسان کو اللہ تعالےٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ یا جانشین بنانے کا ذکر فرماتا ہے۔ وہاں جب انسان (یعنی آدم) سے باوجود حصول علم طبیعیات و کائنات کے بدی کا ارتکاب ہوتا ہے۔ تو سب سے پہلے نبی حضرت آدم کا ذکر یوں ہوتا ہے۔

فتلقی آدم من ربہ کلمت فتاب علیہ ۔۔۔۔ فاما یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون "

یہاں نبوت کا مقصد صاف طور پر یہ بتایا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہدایت ہے۔ جو اس کی تعمیل کرے گا وہ فلاح پائے گا۔ پھر سورۃ البقرہ کے شروع میں ہی بتا دیا ہے کہ یہ کتاب (یعنی قرآن) ہدایت نامہ ہے۔ ان کے لئے جو اس کی ہدایت پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح وہ فلاح پانے والے ہیں۔ اب یہ ہدایت نامہ جن افراد کے ذریعے اللہ تعالےٰ کی طرف سے انسانوں کو ملتا ہے۔ وہی مقام نبوت پر فائز ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام کے تمام انبیاء کہلاتے ہیں۔ جن کا ذکر جا بجا قرآن میں موجود ہے۔ مثلاً سورۃ الانعام رکوع ۱۰۔ آیات کریمہ ۸۲ تا ۹۰ میں حضرت ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ۔ نوحؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ ایوبؑ۔ یوسفؑ۔ موسیٰؑ۔ ہارونؑ۔ زکریاؑ۔ یحییٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ الیاسؑ۔ اسماعیلؑ۔ الیسع۔ یونسؑ کا ذکر فرما کر آیت ۸۷ سے ۹۰ تک کی آیات میں ارشاد ہوتا ہے :۔

ومن اباءھم وذریتھم واخوانھم واجتبینھم وھدینھم الی صراط مستقیم۔ ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء من عبادہ ۔۔۔۔ آیت ۹۰ میں یوں وضاحت کی ہے :۔

اولئک الذین آتینھم الکتاب والحکم والنبوت۔ فان یکفر بھا ھؤلاء فقد وکلنا بھا قوماً لیسوا بھا بکفرین۔ اولئک الذین ھدی اللہ فبھدھم اقتدہ ۔۔۔۔

ترجمہ : آیات ۸۷ تا ۹۰: اور ان کے باپ دادوں میں سے اور ان کی نسل سے اور ان کے بھائیوں سے ہم نے ان کو برگزیدہ کیا۔ اور ہم نے ان کو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دی یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اس کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

ان آیات کریمہ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی کیا خاص علامات ہیں۔ ایک تو ان کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ہدایت نامہ تفویض ہوتا ہے ہر نبی پر لازم ہے کہ اس پر کتاب نازل ہو۔ اور پھر وہ خود اس پر عامل ہو کر اپنی امت کے لئے نمونہ ہو۔ ہر نبی یا

رسول (قرآنی اصطلاح میں) کے لئے کتاب یعنی شریعت کا نزول بذریعہ وحی الہٰی لازم ہے۔ اس اصول کی تصدیق قرآن حکیم کی متعدد دوسری آیات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ آیت ۲۱۳ سورۃ البقرہ اس امر پر واضح شہادت دیتی ہے کہ نبوت کے ساتھ کتاب یعنی شریعت کا نزول لازم و ملزوم ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

"کان الناس اُمۃ واحدۃً۔ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ۔۔۔"

ترجمہ:۔ سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں پس اللہ تعالےٰ نے نبیوں کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔۔۔" اس آیت کی تشریح میں جو نوٹ بیان القرآن میں دیا گیا ہے اس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"اس طرح آیت کے معنی بالکل صاف ہو جاتے ہیں سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں (یعنی انسانیت اور بشریت میں ایک جیسے ہیں) اس آیت میں نبوت کے خواص نہایت وضاحت سے بیان کئے گئے یعنی اللہ تعالےٰ ہر نبی کو انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کرتا ہے۔ وہ (مومنوں کے لئے) بشارت دینے والے ہوتے ہیں اور (منکروں کو) ڈرانے والے (یعنی عذاب سے) اور ہر نبی کے ساتھ کتاب یعنی شریعت نازل ہوتی ہے"۔ اسی طرح سورۃ الحدید آیت ۲۵ میں ارشاد ہے:۔

"لقد ارسلنا رُسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔۔۔۔"

ترجمہ:۔ ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف (کی راہ) پر قائم ہوں"۔۔۔ اس آیت کریمہ سے بھی واضح ہے کہ نبوت اور رسالت کے ساتھ کتاب یعنی شریعت کا ہونا ضروری ہے اور حکمت یا میزان یا سنت سے مراد صاحب کتاب رسول کا اس کتاب یا شریعت پر عمل پیرا ہونا ہے جو اس پر نازل ہوئی۔ مندرجہ بالا آیات نے ہر نبی کے لئے کتاب لانا لازمی قرار دیا ہے یہ آیات محکمات کی حیثیت رکھتی ہیں

نبوت اور رسالت کے خواص کے علاوہ جو اوپر آیات محکمات سے بیان کئے گئے ہیں خصوصیت ہے۔ قرآن کریم نے ہر نبی کے لئے ایک اور خصوصیت بھی لازم قرار دی ہے۔ سورۃ النساء آیت ۶۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

"وما ارسلنا من رسولٍ الا لیطاع باذن اللہ۔"

"اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔۔۔" اس آیت محکمہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہر نبی یا رسول کسی کا مطیع نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جو شریعت یا کتاب لاتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جسے قرآن کریم کی دوسری آیات میں کئی مقامات پہ بیان کیا ہے۔ ہر نبی اپنی قوم کو توحید کے بعد اپنی اطاعت کی تعلیم دیتا رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جا بجا قرآن مجید میں ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" لیکن آنحضرت صلعم سے قبل جتنے نبی گزرے ہیں۔ ہر ایک نے اپنی قوم کو یہی تعلیم دی حتیٰ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بھی جو حضرت موسےٰ کی شریعت کے مصدق تھے یہی فرمایا۔ سورہ آل عمران آیت ۴۹ میں حضرت عیسےٰ اپنی قوم سے خطاب کر کے فرماتے ہیں:۔

"ومصدقاً لما بین یدی من التورٰۃ ولاحل لکم بعض الذی حُرِمَ علیکم وجئتکم بآیۃٍ من ربکم فاتقوا اللہ واطیعون"۔

ترجمہ: اور اس کی تصدیق کرنے والا ہوں جو توریت میں سے مجھ سے پہلے ہے۔ اور تاکہ اس کا کچھ حصہ تمہارے لئے حلال ٹھہراؤں جو تم پر حرام کیا گیا۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے رب سے ایک پیغام (یعنی کتاب انجیل) لایا ہوں پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو"

اسی طرح پر ہر نبی نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ وہ اللہ کی طرف سے رسول بن کر آیا ہے اس لئے میری اطاعت کرو۔ شعرا کی آیات ۱۰۷ تا ۱۰۸ میں ہے:۔

"اذ قال لھم اخوھم نوحٌ الا تتقون۔ انی لکم رسولٌ امین۔ فاتقوا اللہ واطیعون"۔

ترجمہ:۔ جب ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ سو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو"۔ اس کے بعد جب قوم عاد کا ذکر آیا تو حضرت ہودؑ نے انہی الفاظ میں قوم کو خطاب کیا۔ ملاحظہ ہو آیات ۱۲۴ تا ۱۲۶:۔

"اذ قال لھم اخوھم ھودٌ الا تتقون انی لکم رسول امین۔ فاتقوا اللہ واطیعون۔۔۔"

یعنی جب ان کے بھائی ہودؑ نے ان سے کہا کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں سو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو"۔ پھر اسی طرح قوم ثمود کا ذکر ہے۔ کہ ان سے حضرت صالح مخاطب ہوکے تو کہا۔ دیکھو آیات ۱۴۲ تا ۱۴۴:۔

"اذ قال لھم صالحٌ الا تتقون۔ انی لکم رسولٌ امین۔ فاتقوا اللہ واطیعون"

ترجمہ: جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں سو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو"۔ اس کے بعد پھر قوم لوط کا ذکر انہی الفاظ میں ہے۔ ملاحظہ ہو آیات ۱۶۱ تا ۱۶۳

"اذ قال لھم اخوھم لوطٌ الا تتقون۔ انی لکم رسول امین۔ فاتقوا اللہ واطیعون"

ترجمہ: جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے میں تمہارے لئے رسول امین ہوں، سو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو"۔ اس کے بعد اصحاب الئیکۃ کا ذکر ہے۔ اس قوم کے نبی حضرت شعیب تھے جنہوں نے اپنی قوم کو کہا۔ آیات ۱۷۷ تا ۱۷۹۔

"جب شعیب نے ان سے کہا۔ کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ سو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور میری اطاعت کرو"۔ اور بالآخر آنحضرت رسول کریم خاتم الانبیاء کا ذکر کر کے قرآن کے متعلق فرمایا کہ آیات ۱۹۲ تا ۱۹۴:۔

"وانہ لتنزیل رب العٰلمین۔ نزل بہ الروح الامین۔" اور یہ (یعنی قرآن) سب جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ جسے روح امین یعنی حضرت جبریل امین اسے لے کر آترا ہے"۔ اور یہ قرآن ایک مکمل کتاب ہے کیونکہ آیت ۱۹۶ میں فرمایا:۔

"انہٗ لفی زبر الاوّلین" یعنی یہ قرآن پہلے صحیفوں میں موجود ہے۔ یعنی ان سب کی تکمیل کر کے آخری کتاب اللہ قرار فرمائی۔

ہم نے اس کے ثبوت میں کہ ہر نبی کے لئے کتاب لانا اور اپنی اطاعت کرانا ضروری ہے متعدد آیات اس لئے پیش کی ہیں کہ ان لوگوں کے لئے جو اس بات کے قائل ہیں کہ نبی کے لئے کتاب لانا ضروری نہیں حجت قائم ہو جائے۔ کیونکہ قرآن کریم سے بات صاف واضح ہو جاتی ہے۔ کہ جو نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت خلق کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ اس کو کتاب کی صورت میں شریعت سے نوازا جاتا ہے۔ اور وہ اپنی اطاعت کا اقرار لیتا ہے۔ خواہ اس سے پہلے بھی کئی نبی مع اپنی کتاب کے مبعوث ہو چکے ہوں۔ اور چونکہ قرآن کریم نے آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین قرار دیا ہے۔ اس لئے آپ کے بعد کوئی کتاب بغرض شریعت و ہدایت نازل نہیں ہو سکتی۔ اور آپ کی اطاعت بھی تمام انسانوں کے لئے تا قیامت لازم ہے۔ پس جو رسول کریم صلعم کا مطیع ہو اور کوئی دوسری کتاب یا شریعت نہ لایا ہو بلکہ خود کو آنحضرت صلعم کی امت میں داخل سمجھتا ہو وہ قرآنی اصطلاح میں ہرگز نبی نہیں ہو سکتا۔

اب ہم قرآن حکیم کی اصطلاح میں نبوت کے متعلق قائم کردہ اصول کی وضاحت کے پیش نظر حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کے دعاوی اور عمل کو پرکھ کر دیکھتے ہیں

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آپ کا دعوےٰ یا غرض بعثت کیا تھی؟ آپ نے شروع سے تا دمِ آخر یہی بیان کیا کہ آپکو اللہ تعالےٰ نے تجدید دین کی خاطر مبعوث کیا۔ آپ کا دعویٰ مجددیّت کا تھا جو ایک حدیث نبویؐ کے مطابق کیا گیا جس کی طرف آپ نے بار بار توجہ دلائی یعنی ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔" تجدید دین کی غرض دینِ اسلام میں کوئی تغیّر یا تبدیلی نہیں بلکہ یہ ایک خدمتِ دین کا فریضہ ہے جو آپ کو اللہ تعالےٰ نے تفویض کیا۔ اس فریضہ کی کما حقہ ادائیگی آپ کے عمل سے ظاہر ہے۔ آپ نے دینِ اسلام کی صحیح تعلیم کو پیش کیا اور مخالفین اسلام کی طرف سے اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں اور بے بنیاد الزامات اس سے نفرت پھیلانے کے لئے عائد کئے گئے تھے یا مسلمانوں کے اندر جو بدعات اور توہم پرستی کے جو عقائد راہ پا گئے تھے ان کی تردید اور اصلاح کی اور دینِ اسلام کے فروغ کے لئے خاص کر مغربی ممالک میں تمام عمر رات دن کوشاں رہے۔ حضرت اقدس نہ صرف تمام عمر دینِ اسلام پر قائم رہے بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم عمل رہے۔ اور ایک جماعت بھی اس غرض کے لئے تیار کی۔ جنہوں نے پیغام اسلام کو دنیا کے چہار طرف پہنچایا۔

دوسری خصوصیت جو ہر نبی اور رسُول کے ساتھ لازمی طور پر مختص ہے۔ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب بغرض ہدایت و شریعت اپنی قوم کے لئے لایا۔ بالآخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر قرآن کریم اترا جو تمام دنیا کے لئے تا قیامت آخری شریعت ٹھہری اس لئے آنحضور سرورِ کائنات کے بعد کوئی نئی شریعت اور کوئی نئی کتاب نازل نہیں ہو سکتی۔ اور اس لحاظ سے رسولِ کریمؐ قرآنی اصطلاح میں خاتم النبیین قرار پائے۔ اس واضح اور محکم اصول کے پیشِ نظر حضرت اقدس بانی سلسلہ کے دعاوی اور عمل کو بنظر غائر دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا۔ کہ آپ کوئی نئی کتاب یا شریعت نہیں لائے۔ اور نہ ہی اس قسم کا کوئی اعلان یا دعوےٰ پیش کیا۔ بلکہ آپ نے براہین اور دلائل کے ذریعے اسلام کی صداقت تمام دنیا پر ثابت کی۔ دورِ حاضرہ میں قرآن کریم کی صداقت پر جتنا یقین آپ کو تھا موجودہ امت میں کسی کو نہ تھا۔ قرآن سے آپ کو اس قدر لگاؤ تھا کہ علامہ اقبال جیسے ترجمانِ حقیقت کو ایک وقت کہنا پڑا کہ دنیائے اسلام میں آنحضرت صلعم کی ذات سے تو بہت لوگوں نے عشق کیا اور آپ کی ثنا اور محبت میں نعتیہ کلام بکثرت پایا جاتا ہے لیکن عشقِ قرآن میں حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کا کوئی ثانی نہیں۔ حضرت اقدس کی تحریرات اور آپکے اشعار میں قرآن کریم سے جو عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے وہ اس کا واضح ثبوت ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی حاکمیت کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اپنے مریدین سے شرائط بیعت میں یہ عہد لیا کہ وہ قرآن مجید کی حاکمیت کو ہر حال میں تسلیم کریں گے۔ قرآن مجید کی مدح میں ان کے اشعار اس قابل ہیں کہ ان کو دلکش آواز اور ترنم میں سنایا جائے۔ تو ایک وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اگر کوئی اہلِ دل ایسے اشعار ریڈیو۔ یا ٹیلی وژن یا کیسٹ کی صورت میں منتقل کر کے سنائے تو قرآن کی عظمت اور اس کی خوبیوں سے ایک دنیا روشناس ہو سکتی ہے اور جب قرآن پیدا کرنے کا یہ بھی ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ان میں سے چند ایک اشعار درج ذیل ہیں۔ مدحتِ قرآن میں ایسے قصیدے اور کہاں ملیں گے :- ؎

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبادت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ ایسا کوئی بستاں ہے
کلامِ پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

؎

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اَجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

قرآن سے محبت اور عشق کے متعلق ایک اور شعر ہے۔

دل میں یہی ہے ہردم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کی یہ والہانہ محبت جو قرآن شریف سے ان کو عمر بھر رہی محض شاعری یا جذباتیت نہ تھی بلکہ قرآن کریم پر آپ کی غائر نظر اور مطالعہ کا نتیجہ تھی اور معرفتِ الٰہی پر مبنی تھی۔ ایک معروف شخصیت یعنی علامہ اقبال کے استاد نے اپنے مشاہدہ کی بنا پر کہا کہ حضرت اقدس اپنے دعوےٰ سے پہلے جب آپ ملازمت کے سلسلہ میں سیالکوٹ میں مقیم تھے تو آپ اپنے سرکاری کام کے بعد گھر میں ہر وقت قرآن کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ اور قرآن شریف پڑھنے کے ساتھ ساتھ روتے رہتے تھے۔ یہ ان کی جوانی کے دن تھے گویا اپنی جوانی کے ایام میں قرآن کی اس آیت کے مصداق ہو گئے تھے۔

" واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربّنا آمنا فاکتبنا مع الشاھدین "۔

ترجمہ:- اور جب اسے (یعنی کلام اللہ) سنتے ہیں جو رسُولؐ کی طرف اتارا گیا تو تُو دیکھے گا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں (رقتِ قلب کی وجہ سے) اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں ہمارے رب ہم ایمان لائے سو تُو ہم کو گواہی دینے والوں کے ساتھ رکھ (المائدہ: ۸۳)

جس شخص کا قرآن پر اس قدر والہانہ ایمان ہو اس کے بارے میں کیا بہتانِ عظیم نہیں کہ وہ اسلام کے بالمقابل کوئی نیا مذہب لایا ہے۔ اس لئے وہ خارج از اسلام ہے ؟؟؟ بہرصورت اس قرآنی محکم اصول کا کہ ہر نبی کتاب لاتا ہے۔ انطباق حضرت اقدس کی ذات والاصفات پر نہیں ہوتا۔ اس لئے اس معیار کے مطابق بھی وہ نبی نہیں ہو سکتے۔ تیسرا قرآنی اصول جو آیات محکمات مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ ہر رسول اور نبی مطاع ہوتا ہے کسی دوسرے نبی کا مطیع نہیں ہوتا۔ وہ اپنی قوم کو جس کے لئے وہ مبعوث ہوا ہے اپنی اطاعت کی تلقین کرتا ہے۔ ہاں وہ پہلے صحف اور کتب الٰہیہ کی تصدیق ضرور کرتا ہے۔ مگر اپنی اطاعت کو واجب اور فرض قرار دیتا ہے۔

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ اس اصول کے تحت بھی نبی قرار نہیں دئے جا سکتے وہ تو اپنے آپ کو حضرت رسولِ کریم صلعم خاتم النبیین کا ایک غلام قرار دیتے ہیں اور اس کا آپ نے اپنی تحریروں۔ تقریروں اور بیانات میں برملا اظہار کیا ہے۔ ان کے کلام میں سے چند اشعار ہی اسبات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں جماعت احمدیہ لاہور کا اخبار پیغام صلح جو اس جماعت کی نمائندگی کرتا ہے اس کے سرورق پر یہ فارسی اشعار ہر شمارہ میں شائع ہوتے ہیں :- ؎

ما مسلمانیم از فضلِ خُدا
مصطفیٰؐ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

پھر اُن کے اردو کلام کے چند اشعار سنئیے۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اسکی ثنا یہی ہے
حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے

جو راز سکتے بتائے نعم العطا یہی ہے

جو راز دیں سکتے بھارے اس نے بتائے سارے

دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے

اُس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ

باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

سب ہم نے اُس سے پایا شاہد ہے تو خدایا

وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور یہ نذرانہ عقیدت پیش کرنے والا نبوت کے اس معیار پر بھی پُورا نہیں اترتا۔ کہ نبی مطاع ہوتا ہے مطیع نہیں ہوتا۔ مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں سرشار ہو کر اس پر نثار ہوئے جاتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کی لاانتہا خوبیوں کو گن گن کر ان کی جناب میں نغمہ سرا رہتے ہیں پس حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کیسی طرح مقام نبوت پر فائز نہیں رہ سکتے۔ آپ کو نبوت کے مقام پر کھڑا کرنا اور مدعی نبوت قرار دینا بہت بڑا افترا اور بہتان تراشی ہے۔

تصریحات بالا سے یہ امر اظہر من الشمس ہے

وحی اور الہام

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنا مقام اور زبہ فارسی شعر میں صحیح طور پر واضح کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب

ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم

جانم فدا شود براہ دینِ مصطفےٰ[۲]

این است کام دل اگر آید میسرم

ان اشعار میں حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے نبوت اور رسالت سے قطعی انکار کیا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی بتا دی کہ آپ اللہ کی طرف سے کوئی کتاب نہیں لائے یعنی کوئی نئی شریعت جاری نہیں کی۔ بلکہ شریعت محمدی اور دینِ مصطفےٰ[۳] کی خدمت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ ان اشعار میں یہ الفاظ کہ "ہاں ملہم استم" یعنی یہ بات صحیح ہے کہ وہ ملہم ہیں یعنی اللہ تعالےٰ نے آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں نعمتِ الہام سے مشرف کیا۔ اور یہ شرف آنحضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت کی برکات میں سے ہے جس کو قرآن مجید نے مبشرات سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورۂ یونس آیات ۶۲ تا ۶۴ میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔

"اولیاء اللہ ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں نہیں کوئی خوف اور غم باقی نہیں رہتا۔ اور یہ اولیاء اللہ وہ ہیں جو کامل ایمان لا کر متقی ہوتے ہیں۔ ایسے اولیاء اللہ کو دنیا میں بھی بشریٰ سے نوازا جاتا ہے۔ لفظ البشریٰ کی تشریح اور وضاحت ایک حدیث نبویؐ سے ہوتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے:۔

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات"

یعنی اللہ تعالےٰ اور اس کے بندوں کے درمیان جو سفارت کا کام انبیاء کرتے تھے اس میں سے اب صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔ جو کامل اتباع سے مومنوں کو ملتے رہیں گے۔

الفاظ الہام اور وحی کے متعلق مسلمانوں میں کثرت سے ابہام اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ دونوں الفاظ قرآن کریم میں بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور ہر جگہ ان کا مفہوم قرائن سے متعین کیا جاتا ہے۔ یہ عام خیال ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں حیات و نزول مسیح کی مانند راسخ ہو گیا ہے۔ اور الہام اور وحی کو صرف نبوت سے مختص سمجھا جاتا ہے اور چونکہ آنحضرت صلعم خاتم الانبیاء ہیں اس لئے نبوت ختم ہو چکی اور مسلمانوں میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے۔ کہ اب الہام اور وحی غیر نبی کو نہیں حاصل ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مدعی الہام کو مدعی نبوت قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں صراحت سے ذکر ہے کہ الہام اور وحی غیر نبیوں پر بھی نازل ہوتی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل قرآن کریم کی آیات سے اس بارے میں ثبوت ملتا ہے۔

(۱) سورۃ القصص آیت ۸:۔

"واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی۔ انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین۔"

ترجمہ:۔ اور اُم موسےٰ یعنی حضرت موسےٰ کی ماں کو ہم نے وحی کی کہ اُسے دودھ پلا۔ پھر جب اس کے متعلق تجھے خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے۔ اور نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا۔ ہم اسے تیری طرف واپس لائیں گے۔ اور اسے رسولوں میں سے بنائیں گے۔" ظاہر ہے یہ وحی اللہ تعالےٰ کی طرف سے تھی کیونکہ اس میں آئندہ کے لئے پیشگوئیاں ہیں جو بعد میں پوری ہوئیں چنانچہ حضرت موسیٰ کی والدہ ماجدہ نبیہ نہ تھیں مگر انہوں نے اس وحی پر عمل کیا۔ کون ماں ہے جو اپنے جگر گوشہ کو دریا میں اپنے ہاتھ سے ڈال دے۔ پھر وحی کے مطابق کس طرح حضرت موسےٰ کی ماں کو خود فرعون کی بیوی نے حضرت موسےٰ کو دودھ پلانے کے لئے بلایا۔ ایسے حالات میں جب فرعون کا حکم تھا کہ ہر بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد کو قتل کر دیا جائے۔ پھر وحی میں پیشگوئی کے مطابق چالیس برس یا اس سے زائد عرصہ بعد اللہ تعالےٰ نے ان کو نبوت عطا کی۔ ایک غیر نبی اور وہ بھی عورت کو اللہ تعالےٰ نے وحی سے مشرف کیا حالانکہ عورت نبوت کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتی۔

(۲) سورۃ المائدہ آیت ۱۱۱:۔

واذ اوحیت الی الحواریین۔ ان آمنوا بی وبرسولی۔"

ترجمہ:۔ اور جب میں نے (یعنی اللہ تعالےٰ) حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔"

اس آیت میں خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو ہے۔ کہ اللہ نے ان پر وحی کی۔ بداہتاً حضرت عیسےٰ کے حواری نبی نہ تھے۔ لیکن ان کو اللہ تعالےٰ نے وحی کی۔۔۔ یہاں وحی کے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی دل میں ایک بات ڈال دینا۔ یا اشارہ کرنا۔

(۳) سورہ مریم آیت ۱۱۔

"فخرج علیٰ قومہ من المحراب فاوحیٰ الیھم ان سبحوا بکرۃ و عشیا۔۔۔"

یہاں ذکر حضرت ذکریا کا ہے۔ کہ ترجمہ: "سو وہ عبادت گاہ سے اپنی قوم پر نکلا اور انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح و شام تسبیح کرو۔" یہاں بھی لفظ اوحیٰ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی اشارہ کیا۔

(۴) سورۃ النحل آیت ۶۸:۔

واوحیٰ ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور اس میں جو وہ بناتے ہیں۔"

یہاں شہد کی مکھی کو وحی کرنے سے صرف یہ مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کی فطرت میں یہ رکھ دیا ہے کہ وہ ایسا کرے۔ تو معلوم ہوا کہ انسانوں کے علاوہ جانوروں کو بھی وحی ہوتی ہے۔

(۵) سورۃ حٰم سجدہ آیت (۱۲)

"واوحیٰ فی کل سماء امرھا۔۔۔۔"

ترجمہ:۔ اور ہر آسمان میں اس کا امر وحی کیا۔۔۔۔"

یہاں وحی کرنے سے مراد ہے کہ ہر ایک سماء میں اُسی امر یعنی نظام کا نفاذ کیا جو اس سے متعلق تھا۔

اسی طرح لفظ الہام میں بھی کبھی عام لغوی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ الشمس آیت ۷، ۸ میں ارشاد ہے:۔

"ونفس وما سوّاھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔"

یعنی اللہ تعالےٰ نے نفسِ انسان کو بنایا اور اس کی تکمیل کی۔ پھر اس کو الہام کے ذریعے فجور اور تقویٰ کے راستے بتائے۔ یہاں الہام سے مُراد انسان کا نور قلب یعنی (CONSCIENCE) جو ہر شخص میں موجود ہے یعنی ہر انسان کا دل میں اچھے اور بُرے کام میں تمیز کرنے کا مادہ رکھ دیا ہے۔

اس تمام بحث سے مقصد یہ ہے کہ وحی اور الہام

کے الفاظ متشابہات سے ہیں۔ اور ان کا مفہوم بموجب قرینہ اور محکم آیات کے تحت ہونا چاہیئے۔ وحی نبوت اصطلاحی محکمات سے ہے۔ جس سے مراد وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک رسول پر کتاب کی صورت میں نازل کی ہے جیسا کہ حضرت موسےٰ کی کتاب توراۃ تھی۔ اور حضرت عیسےٰ پر انجیل کی صورت میں نازل ہوئی۔ حالانکہ اس مخصوص وحی کے علاوہ بھی انبیاء کو دوسری قسم کی وحی اور الہام بھی ہوتا ہے۔

صحیح احادیث نبوی سے ثابت ہے کہ الہام اور وحی کی وحی نبوت کے علاوہ اور اقسام بھی ہیں۔ مثلاً سچی خوابیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت پر فائز ہونے سے پہلے سچی خوابیں آتی تھیں۔ سچی خوابوں کا تو عام انسانوں کو بھی تجربہ ہے۔ خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ قرآن کریم میں بھی صراحتاً موجود ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ انسان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور یہ کلام کئی طرح پر ہے جس کو سورہ الشوریٰ آیت ۵۱ میں یوں بیان کیا گیا ہے

" وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورائ حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء انہ علیٌّ حکیم۔"

ترجمہ: اور کسی بشر کے لئے میسر نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے۔ مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا رسول بھیجے۔ پس اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔ وہ بڑا بلند حکمت والا ہے۔" اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر بشر سے بلاتخصیص زمان ومکان اس کی استطاعت اور اس کے تعلق باللہ کی نسبت سے کلام کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ یہ وحی یا کلام کسی طرح سے جاری ہے، البتہ جو وحی نبوت انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کا تعین اگلی آیت میں فرما دیا ہے:۔

وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان ولٰکن جعلنٰہ نوراً نھدی بہ من نشاء من عبادنا۔ وانک لتھدی الیٰ صراط مستقیم۔"

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح (یعنی حضرت جبرئیلؑ) کو نازل کیا۔ تو یہ نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے۔ اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اسے نور بنایا جس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور تو یقیناً سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔"

ان آیات میں وحی نبوت کا مقصد یعنی ہدایت بھی بتا دیا تمام اختتام کو پہنچ گئی۔ لیکن دیگر اقسام وحی اور کلام اللہ ہمیشہ کے لئے جاری ہے۔ جیسا کہ آیت ۵۱ میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ وحی نبوت کے اختتام کی وجوہات بھی واضح ہیں۔ جن کی تصدیق قرآن کریم کے ارشادات سے ہوتی ہے چونکہ پہلے صحائف کے مقابلہ میں جو مخصوص اقوام اور زمانوں تک محدود تھے قرآن حکیم کی ہدایت سے تمام انسانیت کے لئے اور تاقیامت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس لئے نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ سورۂ المائدہ کی آیت ۳ بھی ختم وحی نبوت کی توثیق کرتی ہے۔

" ۔۔۔۔۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔۔۔"

ترجمہ:۔ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ ۔۔۔" پھر دین کی تکمیل کے لئے یہ دلیل دی۔ سورۂ آل عمران آیت ۸۵:

" ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ۔ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین۔"

ترجمہ:۔ اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہتا ہے تو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔" پس تکمیل دین کیساتھ لازماً وحی نبوت ختم ہو چکی کیونکہ انبیاء کو وحی نبوت صرف اس لئے ہوتی ہے۔ کہ اللہ ان پر کتاب۔ ہدایت نامہ یا شریعت نازل فرمائے۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ انقطاع وحی نبوت کیساتھ اللہ تعالےٰ سے ہمکلامی کا انقطاع لازم نہیں آتا۔ اور سورۃ الشوریٰ کی آیت مذکورہ بالا کے مطابق وحی نبوت کے علاوہ وحی یا الہام کی دوسری اقسام جاری رہتی ہیں۔ جن کے ذریعے اللہ تعالےٰ سے شرف ہمکلامی یعنی الہام امت محمدیہ میں جاری وساری ہے۔ اور یہ شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو صاحب ختم نبوت ہیں کے فیوض اور برکات کی نشاندہی کرتا ہے اس لئے اس امت کے اولیاء اللہ اس نعمت اور برکت سے مشرف ہوتے ہیں۔ ایک حدیث نبویؐ سے اس امر کی تائید ہوتی ہے حدیث:۔

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات"

یعنی وحی نبوت تو ختم ہو چکی مگر امت محمدیہ کے اولیاء اللہ کے لئے برکات نبوت محمدیہ جن میں مبشرات بھی شامل ہیں۔ ختم نہیں ہوئیں اور مبشرات میں آئمہ امت نے کشوف و الہام کو خود اللہ تعالےٰ کی ہمکلامی کا شرف ہے شامل کیا ہے۔ وحی ولایت کی یہ صورتیں جن میں بشارتیں اور کشوف بھی شامل ہوتے ہیں۔ اکثر پیشگوئیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اسی شرف قبولیت وقربت الٰہی کو ایک حدیث نبوی میں یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔

" اولیاء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"

اور پھر ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے بخاری میں مروی ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"ولقد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی احد فعمر"

یہ سب احادیث اس امر کی موید ہیں کہ وحی نبوت تکمیل دین کی وجہ سے منقطع ہو چکی ہے۔ لیکن امت کے اولیاء جن میں محدثین اور مجددین بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہمکلامی سے مشرف ہوں گے۔

اس مخبر صادق سرور کونین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے بارے میں آئندہ کے جن حالات اور واقعات کی نشاندہی کی ہے۔ ان کی صداقت کی گواہی اسلام کی تاریخ دیتی ہے۔ ایک مستند حدیث نبوی جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ ہے "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"۔ یعنی میری امت کے علماء (یہ ان علماء کی طرف اشارہ ہے۔ جن کا ذکر سورۃ فاطر آیت ۲۸ میں ہے یعنی

(انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ)

یعنی علماء وہ ہیں جن کے دل میں خشیۃ اللہ ہو) بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔ اس حدیث کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ امت محمدیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبردست قوت قدسیہ اور آپ کے فیوض کی بدولت ایسے ذی شان علماء ہوں گے جو اپنی صفات اور کردار میں انبیاء بنی اسرائیل کا مرتبہ حاصل کر سکیں گے مگر چونکہ نبوت تشریعی ختم ہو چکی اس لئے یہ علماء نبی تو نہیں ہو سکتے مگر امت کی اصلاح اور ہدایت کے لئے مبعوث ہونے کی وجہ سے ان کا مرتبہ اور کردار انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہوگا۔ چنانچہ تاریخ اسلام کے چودہ برس میں کیسے کیسے جیّد علماء۔ آئمۂ دین۔ اولیاء اللہ وصوفیاء کرام وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوئے۔ جنہوں نے دین اور ایمان باللہ کو زندہ کیا۔ دین اسلام کی زندگی اور تابندگی ان کے وجود سے قائم رہی۔ نہ کہ اسلامی سلطنتوں اور اقتدار سے اسلامی سلطنتیں تو ملوکیت کا رنگ اختیار کر گئیں۔ اور دنیاوی عیش پرستی اور مظالم میں ملوث ہو کر اسلام کی صورت بگاڑ کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ سوائے چند ایک کے جن میں خلفائے راشدین کے بعد حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کا مرتبہ صف اول میں ہے۔ جو پہلی صدی ہجری کے مجدد بھی قرار پائے۔ پہلی صدی ہجری کے بعد مقتدر آئمۂ دین اور اولیاء کرام کا سلسلہ جاری ہوا۔ جن کی بدولت دین وایمان کی شمع روشن ہوتی رہی۔ اور اسلام کی صحیح تعلیم کی ترویج ہوئی اور لوگ انکے نمونہ سے متاثر ہو کر جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان مقتدر ہستیوں کو کون مسلمان نہیں جانتا بلکہ حسن عقیدت سے کئی ایک کو خدائی رتبہ دینے میں ان کی عزت افزائی سمجھی جاتی ہے۔ اسلام کی درخشاں ہستیاں جو جگہ جگہ مولوں میں

مدفون ہیں۔ ان کی قبروں کو مزارات میں تبدیل کر کے مشرکانہ رسوم کی آماجگاہ بنایا جا رہا ہے۔ کہیں قیمتی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ کہیں سونے چاندی کے دروازے نصب کئے جاتے ہیں۔ ان میں اکثر ایسی برگزیدہ ہستیاں بھی ہیں جنہیں ان کی زندگی میں سخت اذیتیں پہنچائی گئیں اور طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا گیا!! مگر انہوں نے اپنے اصولِ حقہ کو نہ چھوڑا۔ اور خالصتاً دین کی خدمت میں مصروفِ کار رہے۔ اور ایسی مشرکانہ رسوم سے بیزاری کا اظہار کرتے رہے۔ ایسی عظیم ہستیوں کی جو دراصل روحانی اور باطنی علوم پر حاوی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدائی اور دینِ اسلام کے فدائی تھے فہرست کافی طویل ہے۔ مگر یہاں چند معروف ائمہ دین کا ذکر دین کی جلوہ نمائی کے لئے کافی ہو گا۔ حدیث نبوی علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کے بارے میں ایک اور بات قابل ذکر اور غور ہے۔ کہ جن علماء یعنی ائمہ دین کے بارے میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے وہ اس کے مصداق نہ صرف اس لحاظ سے ہوتے ہیں کہ اصلاح معاشرہ کا جو کام انبیاء بنی اسرائیل سرانجام دیتے تھے وہ ان اولیاء امت کے سپرد ہوا۔ بلکہ اس لئے بھی کہ امتِ محمدیہ کے اولیاء اللہ جو اصلاحِ امت کے مقام پر کھڑے کئے جاتے ہیں وہ اپنے وقت کے تقاضا اور مناسبتِ عمل میں کسی نہ کسی نبی بنی اسرائیل سے مماثلت رکھتے ہیں۔ آنحضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنی ذات میں تمام انبیاء سابقہ کے مستجمع کمالات ہیں جس کی قرآن نے یوں شہادت دی ہے۔ کہ:-

"انک لعلیٰ خلق عظیم"

اور کسی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

حسنِ یوسف۔ دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لیکن اولیاء امت میں سے جو فنافی اللہ یا فنافی الرسول کے مقام پر پہنچتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی ایسی صفت اور خوبی کے حامل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو کسی نبی بنی اسرائیل سے مماثلت ہوتی ہے۔ اور وہ خود اپنے آپ کو اس صفت میں رنگین پاتے ہیں۔ ان حضرات باکمال و عالی مقام میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح۔ حضرت امام ابوحنیفہ رح حضرت امام مالک رح۔ حضرت امام غزالی رح۔ حضرت مجدد الف ثانی رح۔ حضرت بایزید بسطامی رح۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی حضرت فریدالدین عطار رح۔ حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شامل ہیں۔

یہی اولیاء اللہ تھے جنہوں نے اقطاب و ابدال کے مراتب پائے۔ انہی میں سے مجددین اور محدثین بھی ہوئے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رح تو مجددیت کے مقام اور اس نام سے ہی معروف ہیں۔ پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی محدثیت کے مقام پر فائز ہو کر اسی نام سے مشہور ہوئے یہ سب اولیاء کرام اللہ تعالیٰ سے قربت اور فنافی اللہ اور فنافی الرسول کے مقام پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوئے۔ ان کی تحریروں میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ ایسا ہی جمیع مشاہیرِ اسلام اپنے ذاتی تجارب سے اس بات کی گواہی دیتے آئے ہیں کہ اولیاء اللہ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور کلام لذیذ رب عزیز بوقت دعا اور دیگر اکثر اوقات میں بھی سنتے ہیں۔ دیکھنا چاہیئے کہ فتوح الغیب میں سید عبدالقادر جیلانی رح کس قدر جا بجا اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ کلام الٰہی اس کے مقرب اولیاء پر ضرور نازل ہوتا ہے اور وہ کلام ہوتا ہے نہ فقط الہام۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رح اپنے مکتوبات کی جلد ثانی ص ۹۹ پر ایک مکتوب بنام محمد صدیق لکھتے ہیں: جس کی عبارت یہ ہے:-

"اعلم ایہا الصدیق ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاھا و ذالک الافراد من الانبیاء وقد یکون ذالک لبعض الکمل من متابعیھم واذا کثر ھٰذا القسم من الکلام مع واحد منھم سمی محدثا و ھٰذا غیر الالہام وغیر الالقاء فی الروح وغیر الکلام الذی مع الملک انما یخاطب بھٰذا الکلام الانسان الکامل واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔"

یعنی اے دوست تمہیں معلوم ہو کہ اللہ جل شانہ کا بشر کے ساتھ کلام کرنا کبھی روبرو اور ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے اور ایسے افراد جو خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں وہ خواص انبیاء میں سے ہیں۔ کبھی یہ ہمکلامی کا مرتبہ بعض ایسے مکمل لوگوں کو ملتا ہے کہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کے متبع ہوتے ہیں۔ اور جو شخص کثرت سے شرف ہمکلامی پاتا ہے اس کو محدث بولتے ہیں اور یہ مکالمہ الٰہیہ از قسم الہام نہیں بلکہ غیر الہام ہے۔ اور یہ القاء فی الروح بھی نہیں ہے۔ اور نہ اس قسم کا کلام ہے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کلام سے وہ شخص مخاطب کیا جاتا ہے جو انسان کامل ہو۔ اور خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

انہی اولیاء و مجددین کے سلسلہ میں جو بروئے حدیث نبوی صدی بصدی آتے رہے۔ چودھویں صدی ہجری کے سر پر حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی اس صدی کے لئے مجدد مبعوث کئے گئے۔ انہوں نے اپنے دعویٰ مجددیت اور محدثیت کا اعلان اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اپنی بعثت کا مقصد اصلاح امت اور تجدید دین بتایا۔ تجدید دین کی غرض و غایت ایمان باللہ کو تازہ کرنا اور غلط عقائد اور بدعات مشرکانہ سے پاک کر کے اسلام کا صحیح نقشہ پیش کرنا بتائی چنانچہ اصلاح امت کی خاطر انہوں نے جماعت احمدیہ کا قیام کیا۔ اور فاسد عقائد میں سب سے بڑے عقیدہ حیات و نزول مسیح کو صاف کیا اور قرآن کریم اور احادیث سے قطعی طور پر ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم وفات پا چکے ہیں اور ان کے نزول سے ان کا مثیل امتِ محمدیہ میں ظاہر ہو گا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ مجددیت و محدثیت اور ان کے ملہم من اللہ مقام کو دعویٰ نبوت سے تعبیر کرنا سراسر افتراء پردازی اور بہتان عظیم ہے حضرت اقدس کا اپنا غیر مبہم قول موجود ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کے بعد مدعی نبوت کافر کاذب اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصطلاح قرآن کے بموجب نبوت کا مقام وحی نبوت اور نزولِ کتاب شریعت سے وابستہ اور لازم و ملزوم ہے اور اس طرح قرآن کریم آخری کتاب اللہ و شریعت ہے۔ جو تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لئے تاقیامت ایک مکمل ہدایت نامہ اور ضابطہ حیات ہے اس لئے بروئے اصطلاح قرآن حکیم اجرائے نبوت بعد از آنحضرت سرورِ کونین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعی منافی قرآن اور ممنوع ہے۔ جس کا اقرار خود حضرت اقدس نے پرزور الفاظ میں کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت کاذب اور مفتری ہے۔ اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور حضرت اقدس نے ایسے مدعی نبوت پر لعنت بھیجی۔ البتہ امتِ مسلمہ کی اصلاح اور گلشن اسلام کو تر و تازہ رکھنے اور مزید برآں تقویت ایمان باللہ کی خاطر مصلحت و حکمت الٰہیہ سے اس امت میں سلسلہ مصلحین و ملہمین کا وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہونا ضروری قرار دیا۔ اور اسی سلسلہ میں حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کا ملہم ہونا اور مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہونا باتباع و فیوض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضروری تھا البتہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا اپنے لئے الفاظ جزوی نبوت۔ ظلی و بروزی نبوت کا استعمال ایک دوسرے باب کا متقاضی ہے۔ اس لئے اس موضوع پر کہ آپ نے کثرت مکالمہ و مخاطبہ کے پرزور ادعا کا کیا مقصد بتایا اور اس کا ماحصل کیا تھا مفصل بحث اگلے باب میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

وما توفیقی الا باللہ العزیز الحکیم۔

ارشاد نبویؐ

مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں:

آہ! میرے بزرگ ماموں

شیخ مشتاق احمد زئی صاحب لندن سے چیف ایڈیٹر پیغام صلح کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔ یہ خبر تو آپ سن چکے ہوں گے کہ میرے بزرگ ماموں شیخ محمد فاضل صاحب ریٹائرڈ پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور بعمر ۹۰ سال وفات پا گئے ہیں۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" آخری ایام میں وہ اپنے بیٹے کے پاس فیصل آباد میں تھے۔ ان کو جہلم قبرستان میں اپنی اہلیہ مرحومہ کے قریب دفن کیا گیا۔ محترم بزرگ کا قضائے الٰہی سے وفات پانا اس طرح ہے جیسے ہمارے خاندان سے احمدیت کا بہت بڑا خزانہ چھین لیا گیا ہو۔ مرحوم کا شمار پر استقلال اور حلیم طبیعت بزرگوں میں سے تھا۔ احمدیت کے حق میں مرد آہن تھے۔ جب بھی کبھی کسی سے ملتے نہایت نرمی، خوش اخلاقی سے گفتگو کرتے اور اپنی دل سوز دعاؤں سے نوازتے۔ اور ہر ایک سے محبت سے پیش آنا ان کی اولین عادت تھی۔ مجھ سے جب بھی ملتے نہایت ہی پیار سے پیش آتے اور میرے حق میں درد دل سے دعاؤں سے بھرپور خط لکھتے اور اپنی نمازوں میں دعاؤں کے ساتھ یاد رکھتے۔ جب میں ۱۹۷۳ء میں شدید بیمار ہوا اور ہسپتال میں داخل ہوا تو بیماری کے دوران بہت بڑا آپریشن ہوا۔ اس عرصہ میں مجھے تسلی سے بھرپور خطوط آتے رہے۔ اور ہر خط دعاؤں اور آیات کریمہ کا نچوڑ ہوتا۔ اور مجھے تاکید کی کہ اپنے دل میں یاد رکھا کروں۔ میرے لئے یہ آیات بہت اہم اور بڑا اثر رکھتی ہیں۔ یہ آیات درج ذیل ہیں۔

(۱) کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ (الانعام آیت ۱۲) اس نے اپنے اُوپر رحم کرنا لازم کر لیا ہے۔
(۲) واذکروا اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون (انفال آیت ۴۵) اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔
(۳) فاذکروا اللہ قیامًا وقعودًا وعلیٰ جنوبکم (النساء آیت ۱۰۳) کھڑے بیٹھے لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہو۔
(۴) وان تصوموا خیرٌ لکم (البقرہ آیت ۱۸۴) اور روزہ رکھ لینا تمہارے لئے بہتر ہے۔
(۵) ورضوانٌ من اللہ اکبر (توبہ ۷۲) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے۔
(۶) واذا مرضت فھو یشفین (الشعراء ۸۰) اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔
(۷) واللہ مع الصابرین (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان کی درد بھری دعاؤں میں رحمت للعالمین سے والہانہ محبت کی وجہ سے بڑا اثر ہوتا تھا۔ ایک واقعہ یہاں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میرے ماموں شیخ عبدالعزیز مرحوم یہاں انگلینڈ کے ایک ہسپتال میں زیر علاج تھے ان کا عنقریب آپریشن ہونا تھا۔ پروفیسر صاحب متواتر پاکستان میں ان کی صحت یابی کیلئے دعائیں فرماتے رہتے۔ پہلے بھی ان کا خط موصول ہوا۔ مولا کریم نے ان کی دعا قبول کر لی۔ میرے بھائی عزیز کا آپریشن نہیں ہوگا اور بغیر آپریشن کے آرام مل جائے گا۔ ایسا ہی ہوا جب ماموں مرحوم شیخ عبدالعزیز صاحب کو تیاری کر کے آپریشن تھیٹر لے گئے تو وہاں پر اسپیشلسٹ نے آخری ایکسرے ملاحظہ کرنے کے بعد کہا کہ بیماری تو دور ہو گئی لہٰذا اب آپریشن کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں واپس وارڈ میں بھیج دیا۔ اور چند دن زیر علاج رکھنے کے بعد ہسپتال سے خارج کر دیا۔ الحمدللہ دعاؤں میں کتنا اثر تھا جب پروفیسر صاحب کو یہ خبر پہنچی تو بہت خوش ہوئے۔ اور ۔۔۔ برادر عزیز کو پیار بھرا خط لکھا۔

ماموں پروفیسر صاحب کا شمع احمدیت کے پروانوں میں شمار تھا۔ سالانہ جلسہ پر باقاعدہ تشریف لے جاتے تھے۔ ان کے اس موقع پر لیکچر بھی ہوتے تھے۔ جنکو مجھے ذاتی طور پر سننے کا موقع ملا۔ عمر کا تقاضا تھا۔ بہت ضعیف اور کمزوری کی بنا پر پچھلے چند سالوں سے سالانہ جلسوں میں شمولیت نہ کر پائے۔ اور ۔۔۔ سے حصہ نہ لے سکے۔ مگر گھر پر نمازوں میں ہر دم شمع احمدیت کو ہمیشہ چمکتا دیکھنے کی دعائیں فرماتے۔

یہاں پر میں نے جب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب کو فون پر اطلاع دی تو اس اندوہناک خبر کا ان کو بہت صدمہ ہوا۔ اور مجھے فون پر صبر کی تلقین فرمائی۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ میں تو اسلامیہ کالج پشاور میں ان کا شاگرد تھا۔ پروفیسر صاحب بہت ہی بلند پایہ و اعلیٰ مرتبہ و کردار کے مالک تھے ہم یہاں ہزاروں میل دور ہیں۔ جب ان کی وفات کی خبر ملی تو سبھی افسردہ اور آزردہ ہو گئے۔

ان کی شخصیت اور سادگی ہر دم ہمارے دلوں میں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین۔ ثم آمین) اور ہمارے خاندان کو اس عظیم نقصان کے برداشت کرنے کی ہمت دے۔ آپ بزرگوں سے درخواست ہے۔ کہ ان کے حق میں دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہشت میں جگہ دے۔

پروفیسر مرحوم صاحب کا یہاں پر غائبانہ نماز جنازہ کا انتظام کیا گیا اور ختم قرآن کر کے ان کی روح کو ثواب پہنچایا گیا۔

اخبار احمدیہ

تحریک ایصال ثواب:- مکرم چوہدری فضل داد صاحب گجرات سے تحریر فرماتے ہیں کہ میری گھڑی کی فروختگی سے جو دو صد روپیہ وصول ہوا ہے۔ اسے میرے ماں باپ کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے اشاعت اسلام میں خرچ کریں۔ ان کی خواہش ہے کہ دیگر دوست بھی اسی طرح اپنے مرحوم بزرگوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کے لئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق انجمن کے خزانہ میں کچھ رقم بھیجیں تاکہ اشاعت اسلام کا ثواب ان مرحوم بزرگان کو پہنچتا رہے۔

~~~ ⁂ ~~~

درخواست دعا:- سیالکوٹ میں شیخ عبدالحمید بٹ صاحب ایڈووکیٹ والے عرصہ سے بیمار ہیں۔ احباب سلسلہ اور بزرگان جماعت اپنی نیم شبی دعاؤں میں ان کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔

دارالسلام میں صبح کی نماز کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی تحریک پر دعا کی گئی۔

~~~ ⁂ ~~~

دعائے صحت:- وزیر آباد سے اطلاع ملی ہے کہ محترم شیخ عبدالحمید صاحب سیالکوٹ چھاؤنی والے بیمار ہیں۔ نیز اہلیہ محترمہ شیخ عزیز الرحمٰن صاحب بھی بیمار ہیں۔ ان کے لئے بزرگان جماعت اور احباب سلسلہ درد دل سے دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان مریضوں کو صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔ (منجانب شیخ غلام محمد صاحب وزیر آباد)

~~~ ⁂ ~~~

دعائے صحت کی درخواست:- مکرم و محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب چیف ایڈیٹر پیغام صلح کی اہلیہ محترمہ کئی دنوں سے بیمار ہیں۔ تکلیف زیادہ ہے۔ احباب سلسلہ سے عموماً اور بیرونی جماعتوں کے بزرگوں سے خصوصاً دعا کی درخواست ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ کو شفائے عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔

جامع احمدیہ دارالسلام میں بعد نماز فجر روزانہ ان کے لئے دعا کی جا رہی ہے۔ (ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۲۷ فروری ۱۹۸۰ء
جلد: ۶۷ — رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸ — شمارہ نمبر: ۹

دفتر مقامی جماعت

۔۔۔ سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش
~~~

جلد: ٦٧ | یوم چہار شنبہ ۱۷ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۵ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ: ۱۰

فرمودات امام زمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ضرورت الہام

الہام ربانی ہی سے روحانی زندگی وابستہ ہے

یہی یہ بات کہ الہام بے اصل اور بے سود اور بے حقیقت چیز ہے جسکا ضرر اسکے نفع سے بڑھ کر ہے۔ سوجاننا چاہیئے کہ ایسی باتیں وہی شخص کرے گا جس نے کبھی اس شراب طہور کا مزہ نہیں دیکھا۔ اور نہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ سچا ایمان اس کو حاصل ہو۔ بلکہ رسم اور عادت پر خوش ہے اور کبھی نظر اس طرف اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ مجھے خداوند کریم پر یقین کہاں تک حاصل ہے۔ اور میری معرفت کا درجہ کس حد تک ہے۔ اور مجھے کیا کرنا چاہیے کہ تا میری اندرونی کمزوریاں دور ہوں۔ اور میرے اخلاق اور اعمال اور ارادوں میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔ اور مجھے وہ عشق و محبت حاصل ہو جائے جسکی وجہ سے میں باسانی سفر آخرت کر سکوں۔ اور مجھ میں نہایت عمدہ قابل ترقی مادہ پیدا ہو جائے۔

بے شک یہ بات سب کے فہم میں آسکتی ہے کہ انسان اپنی اس غافلانہ زندگی میں جو ہر دم تحت الثریٰ کی طرف کھینچ رہی ہے اور علاوہ اس کے تعلقات زن و فرزند اور ننگ و ناموس کے بوجھل اور بھاری پتھر کی طرح ہر لحظہ نیچے کی طرف لے جا رہے ہیں ایک بالائی طاقت کا ضرور محتاج ہے۔ جو اس کو بینائی اور سچا کشف بخش کر خداتعالیٰ کے جمال باکمال کا مشتاق بنا دیوے سو جاننا چاہیئے کہ وہ بالائی طاقت الہام ربانی ہے۔ جو عین دکھ کے وقت پر سرور پہنچاتا ہے۔ اور مصائب کے ٹیلوں اور پہاڑوں کے نیچے بڑے آرام اور لذت کے ساتھ کھڑا کر دیتا ہے۔ وہ دقیق در دقیق وجود جس نے عقلی طاقتوں کو خیرہ کر رکھا ہے۔ اور تمام حکیموں کی عقل اور دانش کو سکتہ میں ڈال دیا ہے وہ الہام ہی کے ذریعہ سے کچھ اپنا پتہ دیتا ہے۔ اور انا الموجود کہہ کر سالکوں کے دلوں کو تسلی بخشتا ہے۔ اور سکینت نازل کرتا ہے۔ اور انتہائی وصول کی ٹھنڈی ہوا سے جان پژمردہ کو تازگی بخشتا ہے۔ یہ بات تو سچ ہے کہ قرآن کریم ہدایت دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر قرآن کریم جس کو ہدایت کے چشمہ تک پہنچاتا ہے۔ اس میں پہلی علامت یہی پیدا ہو جاتی ہے کہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اس سے شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے نہایت درجہ کی انکشافی معرفت اور چشم دید برکت و نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ عرفان حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جو مجرد تقلیدی اٹکلوں یا عقلی ڈھکوسلوں سے ہرگز نہیں مل سکتا۔ کیونکہ تقلیدی علوم محدود و مشتبہ ہیں۔ اور عقلی خیالات ناقص و ناتمام ہیں۔ اور ہمیں ضرور حاجت ہے۔ کہ براہ راست عرفان کی توسیع کریں۔ کیونکہ جس قدر ہمارا عرفان ہوگا اسی قدر ہم میں ولولہ و شوق جوش مارے گا۔ کیا ہمیں باوجود ناقص عرفان کے کامل شوق و ولولہ کی کچھ توقع ہے۔ نہیں کچھ بھی نہیں۔ سو حیرت اور تعجب ہے۔ کہ وہ لوگ کیسے بدفہم ہیں جو ایسے ذریعہ کاملہ وصول حق سے اپنے تئیں مستغنی سمجھے جاتے ہیں۔ جس سے روحانی زندگی وابستہ ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ روحانی علوم اور روحانی معارف صرف بذریعہ الہامات و مکاشفات ہی ملتے ہیں۔ اور جب تک ہم وہ درجہ روشنی کا نہ پالیں تب تک ہماری انسانیت کبھی حقیقی معرفت یا حقیقی کمال سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتی۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۹، ۴۳۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا اولین خطبہ خلافت

خدا کی حمد کے بعد اے لوگو! واللہ مجھ کو ہرگز امیر بننے کی حرص نہ کبھی دن میں تھی نہ رات میں اور نہ میلان اس کی جانب تھا اور نہ میں نے اللہ سے ظاہر یا پوشیدہ اس کے لئے دعا کی۔ البتہ مجھ کو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ مجھ کو حکومت میں کچھ راحت نہیں ہے بلکہ مجھ کو ایک ایسے امرِ عظیم کی تکلیف دی گئی ہے۔ جس کے برداشت کی مجھ میں طاقت نہیں۔ اور نہ وہ بدوں اللہ عزّ و جل کی مدد کے قابو میں آسکتا ہے۔ میری تو یہ آرزو تھی کہ آج میری جگہ سب سے قوی آدمی ہوتا۔ یہ تحقیق ہے کہ میں تمہارا امیر بنایا گیا اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں راہِ راست پر جاؤں مجھ کو مدد دو اگر غلط راہ چلوں مجھ کو سیدھا کر دو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ جو تم میں کمزور ہے۔ وہ میرے لئے قوی ہے۔ انشاء اللہ اس کا حق دلوا دوں گا۔ اور تم میں جو قوی ہے۔ وہ میری نظر میں کمزور ہے۔ اس سے انشاء اللہ حق لے کر چھوڑوں گا۔ جو قوم راہِ حق میں جہاد چھوڑ دیتی ہے۔ وہ ذلیل کر دی جاتی ہے۔ اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے اس پر عام طور پر عذابِ الٰہی نازل ہو جاتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ اور جب میں خدا کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تم کو میری اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔

دوسروں کے عیب سے چشم پوشی کرنا

ایک دفعہ ایک شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے مجھے سزا دیجیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس سے پوچھا کہ تم نے کسی دوسرے سے تو ذکر نہیں کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے سوائے آپ کے کسی سے ذکر نہیں کیا اس پر حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا جاؤ توبہ کرو۔ خدا سے اپنے گناہ کی معافی مانگو۔ خداوند تعالیٰ

(باقی صہ۴ کالم ۲)

خاکم نثار کوچۂ آلِ محمدؐ است

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام سے اظہار عقیدت

از حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

میں اس اشتہار کے ذریعہ اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے مومن بننا کوئی امرِ سہل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے: قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا " مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جنکے اعمال انکے ایمان پر گواہی دیتے ہیں جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اسکی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کیلئے اختیار کرتے اور اسکی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمالِ فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دور لے جاتے ہیں لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اسکو اندھا کر دیا تھا مگر حسینؓ طاہر و مطہر تھا۔ بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جنکو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے۔ اور اس امام کا تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر و استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتدا کرنیوالے ہیں۔ جو اسکو ملی تھی تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اسکی محبت کو ظاہر کرتا ہے اور اسکے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کیساتھ اپنے اندر لیتا ہے۔ یہ لوگ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہیں کون جانتا ہے ان کا قدر۔ مگر وہی جو ان میں سے ہے۔ دنیا کی آنکھ انکو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حسینؓ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اسکے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے محبت کی جاتی۔ پس یہ شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف اسکی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے

(اشتہار ۸ راکتوبر ۱۹۰۵ء)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۵ مارچ ۱۹۸۰ء

شمارہ نمبر: ۱۰ — رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۴ — جلد: ۶۷

الہامِ ربانی ہی عرفان کا ذریعہ ہے

روزنامہ امروز مؤرخہ ۲۷ فروری ۱۹۸۰ء میں شائع ہونے والی ایک نظم کا یہ شعر ہماری نظر سے گزرا ہے۔

بند خود اس نے کیا جب الہاموں کا باب !
کس کے سر آئے نبوت کس کے گھر اترے کتاب

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے اس لئے آپؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور قرآن کریم آخری وحی اور شریعت ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ جب باب نبوت مسدود ہے تو کسی الیسی وحی کا نازل ہونا بھی بند ہو چکا ہے جس کے ذریعے قرآن کریم کے بعد کسی انسان پر کوئی نئی کتاب اترے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم اور مسیح موعود بھی جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مدعی نبوت ہونے کا بے بنیاد اور بے جا الزام لگایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"ہم خادم دین ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن کریم خاتم الکتب ہے۔" (ایک خط۔ ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء)

لیکن یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ الہام ہی بند کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات قرآن کریم کی تعلیم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیوض و برکات اور کمالات روحانی اور دین اسلام کے ایک زندہ حقیقت ہونے سے نہایت ہی قابل افسوس لاعلمی اور ناواقفیت کا اظہار ہے۔ جس سے اسلام کو تو کیا فائدہ پہنچے گا البتہ فی زمانہ دہریت کی چلتی ہوئی آندھی میں شدت ضرور پیدا ہو جائے گی۔ اور مسلمانوں کا نوجوان طبقہ جو پہلے ہی حاضر دور میں پیش کئے جانے والے غیر اسلامی نظریات کی وجہ سے اسلام سے دور ہوتا جا رہا ہے اور زیادہ متنفر ہو جائے گا۔ اور کوئی بعید نہیں کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں دہریت کی گود میں چلا جائے۔ ایسے خیالات کی اشاعت کی وجہ کے پیش نظر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مسلمانوں کو زندہ خدا، زندہ رسولؐ اور زندہ کتاب سے دور لے جانے کے لئے ان کے اندر سے ہی ایک نئی تحریک نئے انداز کے ساتھ اٹھ رہی ہے۔ تاکہ بیرونی نظریاتی جارحیت کا کام آسان ہو جائے۔ اس کا اگر بروقت انسداد نہ کیا گیا تو نتیجہ خدا سے انکار اور بے خدا معاشرہ کا قیام ہو گا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفت کلام سے جو ازل سے اس میں موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی انکار کیا گیا تو ایک پتھر کے بت اور اللہ تعالیٰ میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ پھر ایسے تغیر پذیر خدا کو پوجنے کی جسے اپنے بندوں کی زندگی میں کوئی عمل دخل ہی نہیں کیا افادیت باقی رہ جاتی ہے؟ اگر خدا چودہ سو سال سے خاموش انسانوں کی قسمت کا نظارہ کرنے میں محو ہے تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ پہلے بھی بولتا رہا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے تو بولتا تھا اب خاموش ہے تو آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کیونکہ نہ تو قرآن میں اور نہ ہی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ چونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے اس لئے الہام پر بھی مہر لگ گئی ہے۔ اور اب اس کا کوئی بندہ کتنے ہی اخلاص، پیار اور محبت سے اس کی عبادت میں اپنے شب و روز گذارے۔ اس کے دروازے پر اپنی پیشانی رگڑتا رہے۔ اپنا دکھ، درد اور مصیبت اس کے سامنے تضرع، خشوع اور الحاح سے پیش کر کے اس سے مدد چاہے وہ پتھر کے بت کی طرح چپ۔ اسے کوئی جواب نہیں دے گا اس کے عشق میں تڑپتا اور ستم سہتا رہے وہ اس کی مدد سے عاجز ہے۔ ایسے خدا سے تو وہ انسان بہتر ہے جس کا دل کسی انسان کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر بھر آتا ہے۔ اور وہ اس کی مدد کر لے کو تیار ہو جاتا ہے۔

قرآن اور حدیث خدا کے متعلق ایسے فاسد خیالات کی سختی سے تردید کرتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہی ہو تو نہ اسلام مکمل دین رہتا ہے اور نہ آنحضرت صلعم خاتم النبیینؐ۔ اور نہ یہ سارا سلسلہ مذہب جو حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوا اور آنحضرت صلعم پر ختم ہو گیا۔ اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مردہ اور خشک مذہب بن جاتا جس میں انسانوں کے مردہ دلوں کو زندہ کرنے کی کوئی اہلیت اور خصوصیت باقی نہیں رہی۔

یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ محض کسی بندۂ خدا کی دشمنی میں اس حد تک آگے بڑھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا انکار بھی لازم آ جائے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان پیدا کرنے کے لئے چونکہ حضرت مرزا صاحب نے الہام پر بہت زور دیا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں آپ نے اپنی بہت سی پیشگوئیاں قبل از وقت بیان کی ہیں جن میں سے کچھ تو آپ کے اپنے زمانہ میں ہی پوری ہو گئیں اور کچھ اس زمانہ میں پوری ہو رہی ہیں۔ اس لئے آپ کی مخالفت میں الہام ہی سے انکار کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم اور احادیث اور اس امت میں پیدا ہونے والے مجددین۔ اولیاء اور صلحا اس کے گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو مکالمہ مخاطبہ سے ہمیشہ سرفراز فرماتا رہا ہے۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر اپنا قدم رکھا اور آپؐ کی پوری پوری اتباع کی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"جب میرے بندے میرے متعلق تجھ سے پوچھیں تو ان سے کہو کہ میں قریب ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کا جواب دیتا ہوں" (البقرہ: ۱۸۶)

"وہ کون ہے جو ایک مصیبت زدہ کو جب وہ اسے پکارتا ہے جواب دیتا اور دکھ کو اس سے دور کرتا ہے"۔

"میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں" (طٰہٰ ۴۶)

اس کے برعکس بتوں کے متعلق حضرت ابراہیمؑ اپنے بزرگ اور قوم سے سوال کرتے ہیں کہ "تم کن کی عبادت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور اسی طرح کرتے رہیں گے۔ آپؑ نے کہا کہ جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں؟ یا وہ تمہیں کوئی نفع یا نقصان دے سکتے ہیں؟" لیکن وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے"۔ (الشعرا ۷۰ تا ۷۴)

"اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اور اگر سنیں بھی تو جواب نہیں دیتے" (فاطر ۱۴)

جب حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑا تو لوگوں نے اس کے متعلق پوچھنے پر جواب دیا: "جس نے بھی یہ کیا، کیا ان کا بڑا یہ ہے۔ اس سے پوچھ لو اگر یہ باتیں کرتے ہیں" وہ

کہتے ہیں کہ تم جانتے ہو یہ تو باتیں نہیں کرتے ۔" (انبیاء ۶۳ و ۶۵)

اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان قرآن کریم نے یہ فرق واضح کر دیا ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہے ۔ اور اس کا جواب دیتا ہے لیکن بت نہ سنتے ہیں اور نہ جواب دیتے ہیں اور نہ باتیں کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں ۔ اس واضح فرق کی روشنی میں اگر مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی نہ سنتا ہے اور نہ جواب دیتا ہے ۔ اور نہ باتیں کرتا ہے تو پھر اس میں اور بت میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے ۔ اور یہ مان لینا کیا اسی طرح شرک میں داخل نہیں جس طرح بتوں کی بیان کردہ صفات کے باوجود ان کی پوجا کرنا ۔ اللہ تعالیٰ کے بولنے ۔ جواب دینے اور سننے کی دلیل صرف انبیاء کے سامنے بیان نہیں کی گئی بلکہ عام انسانوں کے سامنے بیان کی گئی ہے ۔ اور اس کی تہ میں حکمت یہی ہے کہ عام انسان بھی اس کا تجربہ کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا اس پر ایمان اور یقین کامل ہو ۔

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے ساتھ طرزِ کلام کے بارے میں بھی قرآن کریم نے وضاحت فرما دی ہے ۔

"اور کسی انسان کے لئے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بات کرے ۔ مگر تین طریقوں سے وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا اپنا رسول بھیجے (فرشتہ) اور اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے ۔ وہ بہت بلند اور حکمت والا ہے ۔"

یہاں کلام کرنے کے تین طریقے یا ذرائع بیان ہوئے ہیں ۔

۱ ۔ وحی کے ذریعے ، یعنی کوئی بات دل میں ڈال کر یا ایک تیز اشارے کے ذریعے ۔

۲ ۔ پردے کے پیچھے سے ۔ یعنی کشف یا آواز کے ذریعے ۔ سامنے تو کوئی چیز نظر نہ آتی ہو مگر آواز سنی جائے ۔

۳ ۔ اللہ تعالیٰ اپنا فرشتہ بھیج کر اپنا پیغام سنائے ۔ جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے انبیاء کو پیغام اور کتاب ملتی رہی ہے ۔

یہ آخری قسم کی وحی ہے جس پر مہر لگ چکی ہے ۔ اور اب وہ قیامت تک نازل نہیں ہو سکتی ۔ پہلی دو قسم کی وحی یا الہام جاری ہے ۔ اس پر کوئی پابندی نہیں لگی ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے آپ کو ان دونوں ذرائع سے ہمیشہ سے ظاہر کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا ۔ یہی وہ وحی یا الہام ہے ۔ جو حضرت موسیٰ کی والدہ کو آپ کے متعلق ہوا اور حضرت عیسیٰ کے حواریوں کو ہوا ۔ اور اس امت کے اولیاء اور صالحین کو بھی ہوتا رہا ہے جس کی تصدیق آنحضرت صلعم کی ایک احادیث سے بھی ہوتی ہے ۔ آپ فرماتے ہیں :-

"لقد کان فی من قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی منهم احد فعمر" یعنی تم میں سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے عظیم الشان لوگ ہوئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا تھا اگرچہ وہ نبی نہ تھے ۔ اور عمرؓ میری امت میں ان لوگوں میں سے ایک ہے ۔"

یہ عجیب بات ہے کہ بنی اسرائیل میں تو کثرت سے ایسے لوگ ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں شرفِ مکالمہ و مخاطبہ سے نوازے اور جسے "خیر امۃ" کہا گیا ہے ۔ وہ اس اعزاز سے محروم رہے ۔ حالانکہ اس امت کا نبیؐ اپنے رتبہ میں سب سے بلند ۔ اس کی کتاب قرآن کریم سب سے اونچی کتاب اور اس کا دین کامل دین ہے ۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے مومنوں کو یہ بشارت دی ہے :-

"یقیناً وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے ۔ پھر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے ہیں ۔ ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں ۔ اور انہیں کہتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں یہ خوشخبری دی جاتی ہے ۔ کہ تمہارے لئے جنت ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا ۔" اب مومنوں پر ملائکہ کے نزول کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے ان سے کلام کرتا ہے ۔ انہیں مشکلات میں تسلی اور تسکین دیتا ہے ۔ کہ برائی کی قوتوں پر وہ آخر کار غالب آ جائیں گے ۔ یہ انہی مومنین کو خوشخبری دی گئی ہے ۔ جو آنحضرت صلعم کے بعد بھی آنے والے تھے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو امروز کے اس صفحہ پر جس پر یہ نظم شائع ہوئی ہے یہ نہ لکھا ہوتا کہ :-

"سیدنا غوث الاعظم" ۴۹۶ ھ میں تکمیل علم کے بعد مجاہدات و ریاضت میں مشغول ہو گئے ۔ اور ۲۵ سال تک ایسے ایسے مجاہدات اور ریاضتیں کیں کہ کثرتِ عبادت اور ریاضت سے روئیں روئیں میں عشق الٰہی اور عشقِ رسولؐ موجزن ہو گیا ۔ ان مجاہدات نے آپ کو عزیمت و استقامت اور اتباع کا کامل نمونہ بنا دیا ۔ آپ کے یہ مجاہدات غارِ حرا کی سنت اور اصحاب صفہ کے اتباع میں تھے ۔"

اس کا اثر کیا ہوا یہ بھی سن لیجئے ۔

"وعظ قدرے سرعت سے فرماتے کیونکہ الہاماتِ ربانی کی بے پناہ آمد ہوتی تھی ۔"

حضرت سید عبد القادر جیلانی" چھٹی صدی ہجری کے مجدد گذرے ہیں ۔ اگر وحی و الہام کا سلسلہ بند ہو گیا تھا تو آپ پر "الہاماتِ ربانی کی بے پناہ آمد کیسے ہوتی تھی" اور اگر عشق الٰہی اور عشقِ رسولؐ کی برکت سے آپ کو یہ انعام ملا تو حضرت مرزا صاحب کو اس وجہ سے کیوں نہیں مل سکتا ۔ جبکہ وہ فرماتے ہیں :-

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

وحی و الہام کے سلسلہ کو بند کرنے پر اپنا سارا زور صرف کر کے دہریت کے لئے دروازہ مت کھولئے ورنہ خدا کا نام لینے والا اس دنیا میں کوئی نہ رہے گا ۔

الہام کے منکر صرف وہی لوگ ہیں جن کا خدا سے حقیقی تعلق نہیں ۔ نہ خدا کی ذات پر ان کا کامل ایمان ہے ۔ اور نہ وہ اس لذتِ عشق و محبت سے آشنا ہیں ۔ جو ان کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کی عزت بخشتی ہے ۔ جنہیں یہ شرف نصیب ہوتا ہے ۔ وہ تختۂ دار پر بھی اپنے آپ کو کھنچوانے میں سرور و کیف محسوس کرتے ہیں ۔ جن کا نفس ان کی گردن پر سوار ہو اور صرف دنیا کا حصول ہی مقصود بالذات ہو وہ کیا جانیں الہام کیا ہے ۔ اور خدا کا پیار کیا ۔ جب دنیا کی دولت اور اقتدار کے حصول میں ناکامی ہوتی ہے تو خدا سے بھی دور چلے جاتے ہیں ۔ اور دنیا و آخرت میں ناکامی ان کا نصیب بن جاتی ہے ۔

❖

بقیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ۔ توبہ قبول کرتا ہے ۔ وہ شخص اس جواب سے بھی مطمئن نہ ہوا ۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور ان سے اپنا قصہ بیان کیا لیکن انہوں نے بھی یہی جواب دیا ۔ اصل میں ہمارے نبی صلعم کے صحابہ کرام لوگوں کے عیوب سے چشم پوشی کرتے تھے ۔ ہمارے نبی کریمؐ نے فرمایا ہے من ستر الناس ستره الله یعنی جو لوگوں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے گا خدا اسکے گناہوں سے چشم پوشی کریگا ۔ نیک لوگوں کا یہی شعار ہے کہ وہ لوگوں کے گناہوں اور ان کی کمزوریوں کو مشتہر نہیں کرتے ۔ وہ جانتے ہیں کہ انسان کمزور واقع ہوا ہے اس سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں ۔ خدا کی ذات غفور رحیم ہے وہ توبہ استغفار سے گناہ معاف کر دیتا ہے ۔ وہ ستار ہے کہ اپنے بندوں کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے ۔ انسان کو بھی خدا کی اس صفت سے کام لینا چاہیئے ۔ آجکل کے معاشرہ میں یہ ایک بڑا نقص ہے کہ ہم لوگ دوسروں کے عیب ظاہر کرتے ہیں دوسروں کی نکتہ چینی پر خوشی محسوس کرتے ہیں ۔ یہ بہت بری بات ہے ۔ اس سے آپس میں نفرت بڑھتی ہے ۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ آپس میں محبت اور اتفاق بڑھے دوسروں کی عیب چینی کرنے کی بجائے اگر ہم ان کی خوبیاں بیان کریں تو کیسا اچھا ہو ۔ ہر انسان میں کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی ۔ ہم لوگ کمزوریوں کا تو ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ نیک لوگ تو دوسروں کی برائی بھی سننا پسند نہیں کرتے ۔

مکرم مولانا احمد گل صاحب فاضل دیوبند — قسط اوّل

حرم کعبہ کے ناظم اعلیٰ کا بیان

اور اس پر ایک نظر

کچھ عرصہ پہلے حرم کعبہ پر جس مسلح گروہ نے قبضہ کر لیا تھا جس کی وجہ سے تمام اسلامی دنیا میں ایک ہیجان کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ اس گروہ کے ایک فرد محمد عبداللہ نامی نے جو اس گروہ کا سربراہ تھا۔ امام مہدی آخر الزمان ہونے کا دعوےٰ کیا اور اعلان کیا کہ مسلمان میری بعیت میں آجائیں اور میری اطاعت اختیار کریں۔" اس مذموم واقعہ کے زیر اثر سعودی عرب کے مقرر کردہ امور حرمین شریفین کے مہتمم اعلےٰ شیخ ناصر بن رشید نے ایک بیان دیا ہے۔ جو سعودی عرب کے جرائد کے علاوہ دوسرے ممالک کے اخبارات میں بھی شائع ہوا ہے۔

شیخ ناصر نے اپنے بیان میں ایک طرف مدعی مہدویت کے دعویٰ کی تردید کی ہے اور دوسری طرف آنے والے حقیقی مہدی کی علامات کو احادیث اور روایات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ علامات کے ضمن میں ان تمام امور کا ذکر کیا ہے جن پر علماء کے کثیر طبقہ کا اتفاق ہے۔ حضرت مہدی اور ان سے متعلق علامات کی وضاحت کرنے کے بعد اپنے بیان کے آخر میں وہ فرماتے ہیں کہ "ان علامات کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ابھی وہ وقت نہیں آیا جس میں مہدی موعود کا ظہور ممکن ہو"۔

شیخ صاحب نے مہدی کے بارے میں جس خیال کا اظہار کیا ہے خواہ وہ کسی امر کو زائل کرنے کی بنا پر ہو یا فی الواقع اپنے عقیدہ کے اظہار کے لئے ہو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہر شخص اپنے خیال اور عقیدے کا پابند ہے۔ اور اس کے اظہار کا اُسے پورا اختیار ہے۔ تاہم امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے مسیح اور مہدی کی جو پیشگوئی فرمائی ہے اور اس پیشگوئی کے ضمن میں دجال اور یاجوج ماجوج کا ذکر کیا ہے۔ ان تمام کا آخری زمانہ میں وقوع پذیر ہونا یقینی امر ہے اگر اختلاف ہے تو اس امر پر کہ اس پیشگوئی کا تعلق ہمارے اس موجودہ دور سے ہے۔ یا کہ بعد میں کسی آنے والے زمانے میں اس نے پورا ہونا ہے۔ اسی موضوع پر ہم نے کچھ لکھنا ہے۔ اور ان حقائق پر سے پردہ اٹھانا ہے جو عوام اور ان کے علماء پر ایک عرصہ سے غیر منکشف رہے ہیں۔

جہاں تک مہدی کے عقیدے کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس وقت تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جن کے خیالات اور نظریات ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ اور ان نظریات پر منطبق ہونے والے دلائل اور شواہد بھی الگ ہیں۔

۱۔ پہلی قسم کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مہدی بنی فاطمہ سے پیدا ہوگا۔ ظاہری اور روحانی خلیفہ ہوگا اور تلوار سے تمام دنیا کو فتح کرے گا۔ اور جو کافر اسلام قبول نہ کرے گا اُسے مار ڈالے گا۔

۲۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو مہدی کے آنے کے قطعاً منکر ہیں۔ احادیث میں بیان کردہ ایسی تمام پیشگوئیوں کو غلط قرار دیتے ہیں جن میں مہدی کے آنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔

۳۔ تیسری قسم کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح اور مہدی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ وہ تلوار کے زور سے نہیں بلکہ آسمانی نشانوں اور یقینی دلائل کے ساتھ اسلام کی فوقیت اور اس کے غلبہ کو تمام مذاہب پر ثابت کرے گا۔

پہلی قسم میں تمام اہل اسلام شامل ہیں۔ خواہ سُنّی ہوں یا شیعہ مقلد ہوں یا غیر مقلد دوسری قسم میں سر سیّد احمد خاں اور ان کے پیرو ہیں۔ جو نیچری کہلاتے ہیں۔ مذہب اور مذہبی عقائد سے آزادی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مہدی کی احادیث کو وضعی قرار دے کر ان کی آمد کے منکر ہیں۔ تیسری قسم میں صرف ایک ہی جماعت کا نام لیا جا سکتا ہے وہ ہے سلسلہ احمدیہ۔ جس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے الہام پاکر یہ اعلان کیا کہ مہدی کے متعلق وہ تمام روایتیں جو جنگ جدل اور لوٹ مار کے سلسلہ میں پائی جاتی ہیں وضعی اور ناقابل اعتبار ہیں مگر مسیح اور مہدی کے آنے کی پیشگوئی ایسی ہے جو احادیث کے علاوہ قرآن شریف میں بھی پائی جاتی ہے۔

کیا مہدی تلوار کے زور سے اسلام پھیلائے گا؟

عقیدے کی اس تقسیم سے یہ بات سامنے آجاتی ہے۔ کہ مہدی کے بارے میں یہ خیال کہ وہ اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلائے گا۔ کافروں سے جہاد کرے گا یہاں تک کہ ان سے جزیہ بھی قبول نہیں کرے گا۔ دراصل یہ خیال دشمنان اسلام کی طرف سے پھیلایا گیا ہے۔ تاکہ لوگ اسلام کے نام سے خائف ہو کر اس کی صحیح تصویر نہ دیکھ سکیں اور اس کی پاک تعلیم کی طرف توجہ نہ دے سکیں ورنہ قرآن کریم ایسے ظالمانہ اور جابرانہ طریقوں سے اشاعت دین کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ اس گندے عقیدے کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

"لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" یعنی دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ہدایت، ضلالت سے ممتاز ہو چکی ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین کے بارے میں جبر و اکراہ جائز نہیں۔ پھر ساتھ ہی اس پر دلیل دے کر فرما دیا ہے کہ یہ اس لئے جائز نہیں کہ ہدایت اور گمراہی اس قدر واضح ہیں کہ جو شخص بھی ٹھنڈے دل سے غور کرے وہ ہدایت کو دیکھ سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جبر کے ذریعے کسی کو مذہب میں داخل کر لینا قرآن کی منشا کے خلاف ہے۔ اسی وجہ سے دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:-

"انما علیٰ رسولنا البلاغ المبین" یعنی ہمارے رسول کا تو یہ کام ہے کہ لوگوں تک ہمارا پیغام پہنچا دیوے۔ اسے کوئی مانے یا نہ مانے یہ لوگوں کا کام ہے۔ رسول کو اس سے غرض نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ قرآن کریم کے اس واضح حکم

کے باوجود مہدی کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ کافروں سے جہاد کرکے تمام دُنیا کو جبرًا مسلمان کرے گا۔ کیا ایسے مہدی کا آنا اِسلام کے لئے باعث فخر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ فخر تو اس میں ہے کہ اسلام کو جادلھم بالتی ھی احسن کی روشنی میں دُوسرے تمام ادیان پر غالب ثابت کیا جائے۔

اِس غلط عقیدہ کے پھیلنے کی اصل وجہ

ہمارے بیان کردہ اس مفہوم پر طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلام جبر کی تعلیم نہیں دیتا اور حضرت نبی کریمؐ نے کسی جابر جنگ جو مہدی کی خبر نہیں دی تو مسلمانوں اور اُن کے علماء میں یہ عقیدہ کیسے پیدا ہو گیا؟ اس کا جواب تاریخی واقعات سے یوں دیا جاسکتا ہے۔ کہ بنی اِسرائیل سے یہ وعدہ تھا کہ جب اُن میں مسیح ظاہر ہوگا تو وہ ایک عظیم سلطنت کی بنیاد ڈالے گا۔ لیکن جب مسیح ناصری نے مسیحیت کا دعوےٰ کیا تو یہود نے دیکھا کہ وہ ایک کمزور بے یار و مددگار انسان ہے جس نے کسی سلطنت کی بُنیاد نہیں ڈالی۔ بلکہ امن کے ساتھ رومی سلطنت کے ماتحت مذہبی تبلیغ کرنے لگ گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ قوم عیسیٰؑ کو کس قدر مایوسی ہوئی ہوگی۔ وہ تو ایک ایسے شخص کی انتظار کر رہے تھے جس نے انہیں بادشاہت کے تخت پر بٹھانا تھا اور ایک بڑی سلطنت کا بانی ہونا تھا۔ لیکن جب مسیح آیا تو اس نے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ جو وہ اپنے دِلوں میں لئے بیٹھے تھے۔ بعینہٖ اسی طرح مسلمان، ایک ایسے مہدی کی انتظار میں ہیں جو کافروں کو قتل کرے گا اور ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھے گا!

لیکن اس عقیدے کی تردید نہ صرف قرآن کریم کرتا ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے اور احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو بھی مفہوم یہی پایا جاتا ہے۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم اس مفہوم کو بیان کریں قارئین پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مسیح اور مہدی جو بظاہر الگ شخصیتیں نظر آتی ہیں۔ دراصل حدیث لا مھدی الا عیسیٰ کی رو سے ایک ہی شخص کے دو الگ الگ نام ہیں۔ جنکی وضاحت آئندہ سطور میں کر دی جائے گی۔ مندرجہ ذیل حدیث میں ابن مریم کے الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ مگر ان کا اطلاق مہدی پر بھی ہوتا ہے۔ فرمایا:-

"والذی نفسی بیدہٖ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکمًا عدلًا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب۔" "مجھے اس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ وہ وقت قریب ہے۔ جب تمہارے درمیان ابن مریم ظاہر ہوگا۔ صلیب کو توڑے گا۔ اور خنزیروں کو قتل کرے گا۔ اور لڑائی کو بند کر دے گا۔ بخاری کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مہدی علیہ السلام، دین اسلام کو جنگ و جدال سے نہیں پھیلائیں گے۔ بلکہ اپنا تمام کام امن و آشتی سے کریں گے۔ یہی معنی ہیں یضع الحرب کے کہ وہ مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں مہدی موعود پر وحی نازل ہونے کا ذکر ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے:-

"اخرجت من عبادی لا یدان لک بقتالھم فحرز عبادی الی الطور۔" میں نے کچھ ایسے بندے پیدا کئے ہیں جن کا تُو اور نہ ہی مسلمانوں میں سے کوئی دوسرا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس لئے تو میرے بندوں کو طور پر لے جا تاکہ وہ اس کی پناہ میں آجائیں۔"

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کے ظہور کے زمانے میں کچھ ایسی، قومیں ہوں گی جن سے نہ مسلمان اور نہ ہی مہدی مقابلہ کی طاقت رکھیں گے۔ مہدی کو صرف یہ حکم ہوگا کہ اپنے لوگوں کو سینا پہاڑ پر لے جا۔ یہ وہ پہاڑ ہے۔ جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنی خاص تجلیات سے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو نوازا تھا اور اس زمانہ میں یہ پہاڑ تجلّیات کے لئے ایک خاص تخت گاہ تھا۔ اسی مقام پر اسکی طرف سے بنی اسرائیل کے لئے بڑے بڑے نشانات اور خوارق ظاہر ہوئے اسی طرح آنے والے مہدی کو بھی حکم ہوگا کہ تم اپنے لوگوں کو کوہِ طُور پر لے جاؤ۔ یعنے جس طرح موسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں تجلّیات الٰہیہ، بنی اسرائیل کے لئے ترقی ایمان کی موجب بنیں اسی طرح وہ نشانات آسمانی اور خوارق عادات امور جو اللہ تعالیٰ مہدی کے لئے ظاہر فرمائیں گے اس کی جماعت کے لئے تقویت ایمان کا موجب بنیں گے اور جس طرح اللہ تعالےٰ نے اس زمانے میں مقدّس پہاڑ پر اپنی تجلّی ظاہر فرمائی اسی طرح وہ اپنی قدرت کے بڑے بڑے نشان دکھلاکر اپنا جلال مہدی کے زمانہ میں بھی ظاہر کرے گا۔

امن کا شہزادہ:-

اِن حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ مہدی کوئی جنگ جُو آدمی نہیں ہوگا کہ وہ تمام دنیا کو جبرًا مسلمان کرتا پھرے گا۔ بلکہ امن کا شہزادہ ہوگا تاکہ وہ آسمانی نشان دکھلاکر لوگوں کو نورِ حق کی طرف بلائے۔ اور زمانے کے فتنوں سے بچاکر انہیں ایسے مقام پر پہنچائے جو امن کا مقام ہو۔

بقیہ تقریر جلسہ سالانہ ۷۹ء

میں ایک سیاسی آدمی ہوں اور سیاسی مضامین کے لئے یہ اخبار پڑھتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ہی مذہبی مضامین بھی پڑھتا ہوں اور اس کی باقاعدہ فائل رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اِسلامی ممالک سے بھی اِسلام کے متعلق خطوط آتے ہیں۔ باہر کے لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ میں مسلمانوں کا لیڈر ہوں اِس لئے اِسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مجھے لکھتے ہیں۔ میں ایسے خطوط مناسب جواب کے لئے آپ کی انجمن کو بھیج دیتا ہوں۔

کام کیا عزت سے ہے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض
گر وہ ذلت سے ہو راضی اُس پہ سو عزت نثار

تعلیمی وظائف کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں

مرکزی انجمن جماعت کے زیر تعلیم طلبہ اور طالبات کو سکول اور کالج کی تعلیم کے لئے مقامی جماعتوں کی سفارش اور استحقاق کے مطابق تعلیمی وظائف دیتی ہے۔ ان عمومی وظائف کے علاوہ حسب ذیل دو وظائف معطی صاحبان کے عطیہ کے مطابق انجمن کے توسط سے مستحق طلبہ یا طالبات کو اپریل ۱۹۸۰ء سے دیئے جاسکتے ہیں۔

۱. ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور تعلیمی فنڈ: اِس فنڈ سے یکصد روپیہ ماہوار کا وظیفہ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو (زیر جیا کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے سٹوڈنٹ کو) دیا جاسکتا ہے۔

۲. انگلستان میں مقیم جماعت کی ایک معزز خاتون (مسز فوقیہ زاہد عزیز) کے عطیہ سے یکصد روپیہ ماہوار کا تعلیمی وظیفہ اپریل ۸۰ء سے ایک سال کے لئے دیا جاسکتا ہے۔ ہر قسم کا طالب علم درخواست دے سکتا ہے۔ لیکن سائنس اور پروفیشنل تعلیم حاصل کرنے والے کو ترجیح دی جائے گی۔

ہر دو وظائف سر دست ایک سال کے لئے ہوں گے۔ حسب ذیل پتہ پر درخواست معہ ضروری مصدقہ کوائف ارسال کریں۔

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور
دار السلام — ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

از حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ

تفسیر سورۃ فاتحہ

* * * *

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝

ربّ العالمین کے جملہ میں کائنات اور اسکے خالق کا تصوّر

میں سورۃ فاتحہ کے بعض پہلوؤں کی مختصر سی تشریح کرنا چاہتا ہوں۔ اس سورت کا پہلا جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ نہایت ہی مختصر ہے لیکن اس قدر جامع ہے کہ اپنے اندر ایک دنیا لئے ہوئے ہے۔ ایسا جامع اور ایسا حکیمانہ جملہ ساری دنیا کے سائنسدان اور فلاسفر مل کر تجویز کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اس جملہ میں ساری کائنات کا ذکر ہے اور ساتھ ہی اس دنیا کے خالق اور موجد کا بھی ذکر ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس آیت کریمہ کے دائرہ سے باہر رہ گئی ہو۔ اس کائنات میں بے شمار عالم ہیں ان کی تخلیق کے لئے غیر محدود علم اور غیر محدود قدرت درکار ہے۔ ان کی پیدائش کے بعد ان کی ربوبیت کے سامان بہم پہنچانے کے لئے اتنے بڑے وسیع خزانوں کی ضرورت ہے۔ جن میں کبھی کمی واقع نہ ہونے پائے۔ ربوبیت مقتضی ہے کہ کائنات کی ہر چیز کی ضروریات کا صحیح علم ہو۔ اور اس پیمانے اور اس مقدار کا بھی علم ہو جس پیمانے پر اور جس مقدار میں ضروریات کو مہیا کرنا چاہیئے۔ کل موجودات کا علم اور ان کی حاجات کا علم دونوں میں ایک تناسب ہے۔ اس تناسب کے لحاظ سے تخلیق و تکوین عالم وجود میں لائی گئی ہے۔ کائنات کی وسعت اس قدر ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اسی طرح اس کائنات کے قیام کے لئے اتنے وسیع سامان بہم پہنچائے گئے ہیں کہ ان کا اندازہ لگانا کارے دارد۔ اسی سے خدا تعالےٰ کی لا انتہا قدرت اور اس کے غیر محدود علم اور اس کی عظمت اور اس کی جبروت کا پتہ لگتا ہے اسی سے اس کی برکات اور اس کے افضال اور اس کے احسانات بے پایاں کا تصوّر سامنے آتا ہے۔ ان کمالات اور احسانات کا جب انسان مطالعہ کرتا ہے تو اس کے منہ سے بے اختیار :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ نکلتا ہے۔

عالمین کے معنے :-

اس آیت کریمہ میں اللہ کا ذکر ہے جو خالق و موجد عالمین ہے پھر رب کا ذکر ہے جو عالمین کی ربوبیت کرتا ہے۔ اور تیسرا لفظ خود عالمین ہے۔ عالمین کے کیا معنے ہیں۔ یہ لفظ عَلَم سے نکلا ہے۔ جس کے معنے نشان کے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی ہر صنعت پر علم یعنی نشان لگا ہوا ہے۔ جو اپنے لاجواب ہونے کی وجہ سے اپنے بے نظیر صانع کا پتہ دیتا ہے۔ یورپ کے کارخانہ دار اپنی مصنوعات پر اپنے اپنے نام و نشان ثبت کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے بھی اپنی ایجادات کے چپہ چپہ پر، درختوں کے پتہ پتہ پر پھولوں کی پنکھڑی پنکھڑی پر۔ اور پرندوں کے پَروں پر اپنا نام و پتہ نہایت روشن طریق پر ثبت کر دیا ہوا ہے۔

لاتعداد عالمین

عالمین کتنے ہیں؟ عالمین لاتعداد ہیں۔ ایک چھوٹی سی چیونٹی سے لے کر آفتاب جیسے نیّر اعظم کے درمیان بے شمار عالم ہیں۔ کیڑوں کا ایک عالم ہے اور بہت بڑا عالم ہے۔ کیڑوں کے اقسام لاکھوں تک پہنچتے ہیں۔ اور ہر قسم میں اتنی تعداد ہے کہ ساری کی ساری انسانیت کی تعداد اس سے کئی گنا کم ہے۔ جنگلوں کے جنگل اور میدانوں کے میدان کیڑوں کے مسکن ہیں۔ مشرقی بنگال۔ برازیل اور افریقہ کے وہ علاقہ جات جہاں گرمی کی شدّت اور برسات کی کثرت ہے۔ یورپ کے سائنسدانوں کو اپنے ہاں کھینچ لاتے ہیں۔ تاکہ وہ کیڑوں کے اس عالم کا مشاہدہ کریں جس میں خدا تعالےٰ نے علم کا دریا بہا رکھا ہے۔ پھر ان علاقوں میں رینگنے والی مخلوق کثرت سے ملتی ہے۔ جو ایک دوسرا عالم ہے۔ کیڑوں مکوڑوں سے اوپر ایک اور عالم چرندوں اور پرندوں کا ہے۔ جس سے جنگلات معمور ہیں۔ ان جنگلات میں چرندوں اور درندوں کے اقسام کی بھی کثرت پائی جاتی ہے۔ میدانوں میں آ کر اونٹ، گھوڑے، خچر، گائے۔ بھینس۔ بھیڑ۔ بکری بہت بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔ ان تمام عالموں کا موجد اپنی صنعت کاری میں اپنے کمالات کا اظہار کرتا ہے۔ اور ان تمام کے تمام کی معیشت کے سامان پیدا کرتا رہتا ہے۔ پھر اس زمین پر پہاڑ ہیں وہ بھی ایک عالم ہے۔ ان میں مختلف قسم کی معدنیات ہیں۔ وہ بھی ایک عالم ہے۔ ان پہاڑوں سے چشمے پھوٹتے۔ ندی نالے اور دریا بہتے ہیں جو سمندر میں جا گرتے ہیں۔ یہ بھی ایک عالم ہے۔ جو حیوانات اور تمام نباتات کی زندگی کا باعث ہے۔ وجعلنا من المآء کل شیءٍ حیًّا"

(الانبیاء ۲۱ : ۳۰)

پھر ہواؤں کا ایک عالم ہے۔ جن کے بغیر آب حیات کو دور دراز پڑے ہوئے سمندروں سے جاندار اور پیاسی کھیتیوں تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ ومن یرسل الریاح۔ خود سمندر ایک عالم ہے۔ جو اپنے اندر خشکی سے کئی گنا زیادہ مخلوقات کو لئے ہوئے ہے۔ اس مخلوق کی تخلیق اور اس کی ربوبیت کرنے والا بھی ربّ العالمین ہے۔ زمین سے اوپر آسمان ہے۔ جس میں رنگا رنگ کے عالم ہیں۔ آسمان کی بلندیوں اور آسمان کی وسعت کو کون پا سکتا ہے۔

" والسمآء بنینھا باید وانا لموسعون " الذاریٰت (۵۱ : ۴۷)

پھر آسمان کے ان اجرام میں عجائباتِ قدرت نظر آتے ہیں۔ سورج کو دیکھئے۔ گرمی جس پر حیوانات اور نباتات کی زندگی کا مدار ہے۔ سورج مہیا کرتا ہے۔ پانی جس پر زندگی کا مدار ہے اسی سورج کی بدولت سمندر سے اٹھ کر ہم تک آ پہنچتا ہے۔ ہواؤں کا چلنا اسی سورج کی تاثیر کا ایک کرشمہ ہے۔ ہواؤں کے بغیر زندگی محال ہے۔ تصریف الریاح سورج کی وجہ سے ہے۔

احترام فلک ا. ،مم. مم. ا تہ ا ا (الرحمٰن : ۵۵)

سورج ا. چاند کے درمیان اور زمین کی نباتات کے درمیان تعاون ہے۔ اسی طرح فرمایا:-

والسمآء ذات الرجع والارض ذات الصدع

(طارق ۸۶ ۱۱ : ۱۲)

یعنی آسمان بارش بھیجتا ہے جس کی وجہ سے زمین کی روئیدگی پھوٹتی ہے۔ اس تعاون پر عالمِ نباتات کا انحصار ہے۔ عالم نباتات نہایت وسیع ہے۔ یہ عالمِ نباتات انسانوں اور حیوانوں کی احتیاج کا کفیل ہے۔ یہ عالمِ نباتات دولت کے خزانے مہیا کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ آسمان و زمین کے تعاون کا نتیجہ ہے۔ یہ تعاون خدا تعالیٰ اس کی قدرتِ کاملہ اس کے علم محیط اس کی بے نظیر تدبیر سلطنت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کی عظمت و جبروت دل پر مسلط کرتا ہے۔

عالمِ انسانیت

ان طبقات اور عالموں کے علاوہ ایک عالمِ انسانیت بھی ہے۔ قرآن کریم نے جہاں بعض آفاقی عالموں کا ذکر کیا ہے وہاں انسانیت کو بھی ایک عالم قرار دیا ہے چنانچہ ذیل کی آیات میں چند آفاقی عالموں کا ذکر ہے:

الم تر ان اللّٰہ یسجد لہ من فی السمٰوٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدوآب وکثیر من الناس

(حج ۲۲ - ۱۸)

اور ذیل کی آیات میں انسانیت کو عالم قرار دیا ہے۔

ان ھو الا ذکر للعٰلمین (التکویر ۸۱ - ۲۷)

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین (الانبیاء ۲۱ - ۱۰۷)

یعنی قرآن کریم دنیا جہان کی قوموں کے لئے یاد دہانی ہے۔ اور رسول کریم اقوام عالم کے لئے رحمت ہیں۔ اسی طرح سے فرمایا:-

انی فضلتکم علی العالمین (البقرہ ۲ - ۱۲۲)

کعبہ کے متعلق فرمایا ہے:-

مبارکا وھدی للعٰلمین (آل عمران - ۹۵)

اللّٰہ تعالیٰ کی ذات

ذو فضل علی العالمین (البقرہ - ۲۵۱)

حضرت مریمؑ کے ذکر میں فرمایا:-

واصطفاکِ علیٰ نساء العالمین (آل عمران - ۴۱)

غرض العالمین کے معنے جہاں تمام آفاق ہیں وہاں اس کے معنے تمام اقوام عالم بھی ہیں۔

کو خدا تعالیٰ نے زمین و آسمان کی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔

رب العالمین کے لفظ میں قوموں کے اتحاد اور فراخیٔ قلب کا سبق

یہ یقینِ تام کہ خدا تعالیٰ رب العالمین ہے۔ انسان کے دل میں فراخی پیدا کرتا ہے۔ اور یہ اعتقاد دوسری قوموں کو تعصب بھری نگاہوں سے دیکھنے کے بجائے ان کو محبت بھرے دل میں جگہ دیتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا۔

الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد (حدیث)

اور فرمایا:-

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی۔ ولا فضل لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقویٰ" (حدیث)

اور یہ بھی فرمایا:- الخلق کلہ عیال اللّٰہ فاحبھم الی اللّٰہ انفعھم لعیال اللّٰہ"

یعنی تمام کے تمام انسان خدا تعالیٰ کے عیال ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ کو وہ شخص سب سے زیادہ پیارا ہے۔ جو اس کے عیال کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع رساں ہو۔ یہ نہایت ہی اہم ترین مقصد ہے۔ جو

الحمد للّٰہ رب العالمین

کا جملہ سرانجام دینا چاہتا ہے۔ اور جس مقصد کے حصول کے لئے رحمۃ للعالمین نے نہایت ہی مؤثر الفاظ میں مذکورہ بالا تلقین فرمائی ہے۔ مومن جو اللّٰہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنے دل میں فراخی پیدا کرے اور اپنے دل میں عام انسانیت کے لئے جذبۂ ہمدردی پیدا کرے۔ اگر نسلی امتیازات اس اعلیٰ مقصد کے حصول میں حارج نہ ہونے دے۔ اس طرح مذہبی تنگ ظرفی و تنگ نظری کو بے دینی یقین کرے مشرق و مغرب کا سوال اس کے سامنے کوئی دیوار کھڑی نہ کر سکے یا سرحدی۔ پنجابی سندھی بنگالی اور ہندوستانی کے پہاڑ سامنے آئیں تو ان کو پھاند جائے۔ اختلافِ رنگ ہو یا اختلافِ زبان ہو ان سب کو نظر انداز کر دے۔ اور تمام انسانیت میں برادری قائم کرنے کا عزم کر لے جیسا کہ حضورؐ نے کر کے دکھایا تھا۔ حضورؐ نے انما المومنون اخوۃ (حجرات : ۱۰) کا نظریہ تلقین فرمایا۔ اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ لیکن آج کیا حالت ہے وہ مسلمان جو ان تعلیمات کا حامل تھا۔ وہ مسلمان جو آخرجت للناس کا مصداق تھا۔ وہ مسلمان جس کو تمام قوموں میں اتحاد پیدا کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ آج خود مسلمانوں کو کافر کہتا اور اسی کو اپنی مذہبی زندگی کا کمال سمجھتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا خدا اور خدا کے رسول کی تعلیماتِ حقہ کی صریح طور پر خلاف ورزی ہے۔ ایسا کرنے سے باز آنا چاہیئے۔ اور اپنی حرکات و سکنات اور

ہے۔ اسلامی لشکر شوقِ شہادت میں برابر مقابلہ کئے جا رہا ہے۔ اللّٰہ اکبر کی فلک شگاف صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اور اللھم انصرنا اللھم ایدنا دعائیں دل سے نکلتی ہوئی عرشِ معلیٰ سے ٹکرا رہی ہیں۔ اب دوسری طرف کی سنیئے:

کی زرہ جو فتح یمامہ میں ملی تھی زیب تن کی۔ سر پر خود رکھا اور مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اپنا سیاہ علم جس کا نام رایۃ العقاب تھا ہاتھ میں لیا اور اپنے لشکر کو جو عسکر زحف کے نام سے موسوم تھا تیار ہونے کا حکم دیا۔ وہ فوراً تیار ہو گیا۔ اور ضرار بن ازور، رافع بن عمیرہ اور دوسرے جنگجو

حملے کرتے ہیں کہ ان کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ انہیں اپنی موت نظر آ گئی۔ یہ حالت دیکھ کر خود حاکم طرابلس میدانِ جنگ میں آ دھمکتا ہے۔ اور اپنے ساتھ ایک زبردست جمعیت لے کر اسلامی لشکر پر حملہ آور ہوتا ہے لڑائی پھر زور شور سے شروع ہو جاتی ہے۔ حاکم طرابلس ایک

(باقی صفحہ ۱۲ کالم ۱)

مکرم عبدالعزیز خاں صاحب ، نائب صدر شبان الاحمدیہ

تقریر بر موقع جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء

"ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون" (سورہ حم ۴۱ آیت ۳۰)

ترجمہ:- بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر وہ اسی پر جمے رہے۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ کچھ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اور اس بہشت کی خوشی مناؤ جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے۔

جناب صدر اور معزز سامعین!

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی جو آیات تلاوت کی ہیں اُن میں سے آخری آیت میں خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں سب سے بہترین اور عظیم الشان کام اعلائے کلمۃ الحق یعنی خدا کا نام دنیا میں بلند کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی امتوں میں یہ کام انبیاء کے سپرد تھا۔ مگر حضور نبی کریمؐ چونکہ آخری نبی ہیں لہٰذا امتِ مسلمہ میں یہ کام مجددین اور علماء ربانی کے سپرد کیا گیا۔ جیسا حضورؐ کی حدیث ہے:۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ، میری امت کے علماء ربانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ اور گذشتہ چودہ صدیوں میں مجددینِ امت یہ الگ داستان ہے کہ ان کو اس راہ میں بڑی مشکلات پیش آئیں مگر یہ حقیقت ہے کہ تاریخ کے صفحات پر کوئی الٰہی سلسلہ ایسا نہیں ہے جو مشکلات اور مصائب کی کٹھالی سے نہ گذرا ہو۔

اس زمانہ میں یہ کام حضرت مسیح موعودؑ۔ امام الزماں و مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے سپرد کیا گیا۔ مگر جس طرح کسان بیج ڈالنے سے قبل زمین کو ضرر رساں جڑی بوٹیوں سے پاک کرتا ہے تاکہ وہ پودوں کی نشوونما میں حائل نہ ہوں۔ بالکل اسی طرح اشاعتِ اسلام سے قبل عیسائیت کے عظیم فتنہ کو دور کرنے کا کام بھی حضرت مسیح موعودؑ کے سپرد کیا گیا۔ اور انہوں نے یہ کام کس خوبی سے سرانجام دیا اور کشتیٔ اسلام کو حوادث سے نکال کر کنارے پر لگایا۔ اس کی گواہی حالات و واقعات خود دے رہے ہیں۔ آج سے ایک صدی قبل مسلمانانِ عالم کی کیا حالت تھی؟ اور آج ان کی حالت کیا ہے؟ کجا وہ وقت کہ عیسائی پادری اسلام کو مٹانے کا وقت مقرر کر چکے تھے کہ ہم ۲۵ سال میں برصغیر سے اسلام کا نام مٹا دیں گے اور کوئی مسلمان عالم ان کے مقابل پر نہ آسکتا تھا۔ اور وہ میدان مقابلہ میں دندناتے پھرتے تھے۔ اور کجا یہ وقت کہ انگلینڈ کی گلیوں میں چھوٹے چھوٹے بچے یہ نعرے لگاتے پھرتے ہیں۔

NO EAST NO WEST ISLAM IS THE BEST

کجا وہ وقت کہ ہندوستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر کے ہر محلے اور ہر موڑ پر ایک گرجا بنایا گیا تھا تاکہ "خداوند یسوع مسیح" کا جلال ظاہر ہو۔ مگر آج وہ گرجے ویران پڑے ہیں۔ اُن میں جھاڑو دینے والا کوئی نہیں۔ یورپ میں کلیساؤں سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز آتی ہے۔ میں سلام کرتا ہوں مردِ مجاہد (دیگر صاحب) کو جس نے ایک گرجا کو مسجد کے طور پر استعمال کیا اور وہاں سے اللہ اکبر اور اشہد ان محمداً رسول اللہ کی صدا بلند کی۔

جناب صدر! کیا یہ سب کچھ از خود ہو گیا ہے۔ نہیں۔ یہ ایک الہام یافتہ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول مردِ خدا کی نگاہِ مستانہ کا اعجاز ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

"جس طرح آسمانی پانی کا خاصہ ہے کہ خواہ کسی کنوئیں میں اس کا پانی پڑے یا نہ پڑے وہ اپنی طبعی خاصیت سے تمام کنوؤں کے پانی کو اوپر چڑھا دیتا ہے۔ ایسا ہی جب ایک الہام یافتہ دنیا میں ظہور فرماتا ہے۔ تو خواہ کوئی عقل مند اسکی پیروی کرے یا نہ کرے مگر اس الہام یافتہ کے زمانہ میں خود عقلوں میں ایسی صفائی اور روشنی آجاتی ہے۔ کہ پہلے اس سے موجود نہ تھی لوگ خواہ مخواہ حق کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ اور غیب سے ایک حرکت ان کی قوتِ متفکرہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ سو یہ تمام عقلی ترقی اور دلی جوش اس الہام یافتہ کے قدم مبارک سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بالخاصیت زمین کے پانیوں کو اوپر اٹھاتا ہے۔ جب تم دیکھو کہ مذاہب کی جستجو میں ہر ایک شخص کھڑا ہو گیا ہے۔ اور زمینی پانی کو کچھ اُبال آیا ہے تو اٹھو اور خبردار ہو جاؤ اور یقیناً سمجھو کہ آسمان سے زور کا مینہ برسا ہے۔ اور کسی دل پر الہام کی بارش ہو گئی ہے۔"

لیکن میرے نوجوان ساتھیو! اعلائے کلمۃ الحق کا کام جس قدر عظیم ہے اسی قدر کٹھن بھی ہے آپ تاریخِ اسلام پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو اسلام کا درد رکھنے والا کوئی خلیفہ کوئی کمانڈر کوئی عالم ایسا نہ ملے گا کہ جس کی راہ میں غیروں سے زیادہ خود اپنوں نے روڑے نہ اٹکائے ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں بھی غیر مسلموں سے زیادہ مسلمانوں نے روڑے اٹکائے مگر خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے وہ رکاوٹیں اس الٰہی سلسلہ کو مٹانے کی بجائے کامیاب و کامران بنانے کا موجب ہوئیں۔ اور رکاوٹیں کھڑی کرنے والے ناکام ہو گئے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق بلکہ ہم حق کو باطل پر ڈالتے ہیں۔ سو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے۔ پس ناگہاں باطل نابود ہو جاتا ہے۔ جناب صدر! ہم نے اس ملک پاکستان کے لئے اور اسلام کے لئے قربانیاں دی ہیں ہم نے اپنے خونِ جگر سے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی ابتداء کی ہے۔ ہم نے اپنے خون سے اس ملک پاکستان کے حصول کی جنگ لڑی ہے۔ جب قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلمانانِ ہند تن من دھن کی بازی لگا رہے تھے تو ہم ان کے دست و بازو تھے۔ ہمارے دو قومی آرگن پیغام صلح اور لائٹ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کے اٹھا کر دیکھو اور ان لوگوں کے رسائل اٹھا کر دیکھو جو اس وقت پاکستان کی خیر خواہی کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔ تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کون مردِ میدان تھا اور کون اس ملک کے حاصل کرنے کا ہی مخالف تھا۔ مگر منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے ہماری اسلامی خدمات اور پاکستان دوستی کا ثبوت ہمارے پیارے قائد محمد علی جناحؒ کی زبان سے نکلے ہوئے وہ کلمات ہیں جو انہوں نے ہمارے پیارے بزرگ حضرت امیر مولانا محمد علیؒ سے اسی لاہور کی مجلس میں فرمائے تھے کہ:۔

"آپ کی انجمن بہت اعلیٰ کام کر رہی ہے۔ آپ کا لائٹ میرے پاس آتا ہے۔

بہت بہادر جنگی جرنیل ہے۔ وہ میدانِ جنگ میں آکر شیر کی طرح گرجتا ہے اور اہلِ اسلام کو للکارتا ہے۔ بہادر ضرار بن ازور ویسے ہی گرجتے ہوئے اس کے مقابل میں نکلتے ہیں۔ حاکم طرابلس ضرار پر وار کرتا ہے۔ ضرار گھوڑا پھیر کر وار خالی دیتا ہے۔ مگر چونکہ زمین ناہموار تھی گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔ ضرار فوراً زین سے علیحدہ ہوتے ہیں اور ڈھال سامنے رکھ کر استادہ کھڑے ہوتے ہیں۔ حاکم طرابلس ضرار کو قتل کرنے کے لئے گرز اٹھاتا ہے۔ ضرار نہایت چابکدستی سے کام لے کر نیزے کی انی اس کے گھوڑے کی گردن میں اس سختی سے مارتے ہیں کہ گھوڑا بے تاب ہو کر سیخ پا ہو جاتا ہے۔ اور گرز کا وار خود حاکم طرابلس کے گھوڑے کے سر پر پڑتا ہے۔ گھوڑے کا سر پاش پاش ہو جاتا ہے اور گھوڑا اور اس کا سوار دونوں زمین پر آرہتے ہیں۔ اور ابھی وہ گھوڑے کے نیچے سے نکلنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ضرار بڑھ کر تلوار کا وار کرتے ہیں مگر اس کی زرہ پر تلوار کچھ اثر نہیں کرتی۔ ضرار اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھتے ہیں اور بعجلت تمام ایک چھوٹے سے خنجر سے اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیتے ہیں۔ حاکم طرابلس کے مارے جانے سے شامیوں کے لشکر میں ماتم برپا ہو گیا۔ اور چھوٹے بڑے سب کی چیخیں نکل گئیں اور مایوسی کے عالم میں سب دیوانہ وار ضرار پر ٹوٹ پڑے اور قریب تھا کہ اس کا خاتمہ کر دیتے مگر جب اسی وقت عبداللہ بن جعفران کے قریب آپہنچے اور اس کے ساتھ ہی خالد بن ولید اور رافع بن عمیرہ بھی آگئے اور شامیوں کو تلوار پہ رکھ لیا۔ اور بڑھ بڑھ کے ایسے حملے کئے کہ شامیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ حوصلے پست ہو گئے۔ اور انہوں نے میدانِ جنگ چھوڑ کر فرار کا راستہ اختیار کیا۔ اسلامی لشکر نے ان کا تعاقب کیا بہتوں کو راستے میں مار گرایا اور بہت سے گرفتار ہو گئے۔ اور بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

عزمِ صمیم

بہارِ ہستی میں ہم تو جیسے کھِلا کئے ہیں کھِلا کریں گے
ہم مٹنے والے ہیں اس چمن میں مٹا کئے ہیں مٹا کرینگے

وہ اور ہوں گے جو سیلِ دریا میں ڈوب مرنے کی ٹھان بیٹھے
ہم ایسی موجوں کی کش مکش میں بڑھا کئے ہیں بڑھا کرینگے

ہزار شعلے کرے فراہم یہ دہر برق و شرار بن کر
ہمارے اشکوں سے جو کبھی اُلجھے بُجھا کئے ہیں بُجھا کرینگے

ہمیں زمانے میں کیا ڈرائیں گی خارزاروں کی تیز نوکیں
ہم ایسی راہوں پہ مسکرا کر چلا کئے ہیں چلا کریں گے

عدو جو چاہے تو آزمالے یہ دل پڑا ہے یہ جاں پڑی ہے
کہ ہم فنا کا شکار ہو کر جیا کئے ہیں جیا کریں گے

ازل سے اہلِ جنوں کی باتیں اگرچہ ہوتی ہیں بارِ محفل
مگر جو دل میں کھٹک رہی ہے کہا کئے ہیں کہا کرینگے

(ماخوذ)

حضرت مولانا نورالدین رحؒ

اپنے امامؑ کی نظر میں

میرے سب دوست متقی ہیں لیکن ان سب سے قوی بصیرت اور کثیر العلم اور زیادہ تر نرم اور حلیم اور اکمل الایمان والاسلام اور سخت محبت اور معرفت اور خشیت اور یقین اور ثبات والا ایک مبارک شخص بزرگ متقی عالم۔ صالح۔ فقیہ اور جلیل القدر محدث اور عظیم الشان حاذق حکیم حاجی الحرمین حافظ قرآن قوم کا قریشی، نسب کا فاروقی ہے۔ جس کا نام نامی مع لقب گرامی مولوی حکیم نورالدین بھیروی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کو دین و دنیا میں بڑا اجر دے اور صدق و صفا اور اخلاص اور محبت اور وفاداری میں میرے سب مریدوں سے وہ اوّل نمبر پر ہے۔ اور غیر اللہ سے انقطاع میں اور ایثار اور خدماتِ دین میں وہ عجب شخص ہے۔ اس نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مختلف وجوہات سے بہت مال خرچ کیا ہے۔ اور میں نے اس کو ان مخلصین میں سے پایا جو ہر ایک رضا پر اولاد و ازواج پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں۔ اور ہر حال میں شکر گذاری سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور وہ شخص رقیق القلب، صاف طبع۔ حلیم۔ کریم اور جامع الخیرات بدن کے تعہد اور اس کی لذات سے بہت دُور ہے۔ بھلائی اور نیکی کا موقع ہاتھ سے کبھی فوت نہیں ہوتا۔ اور وہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کے اعلاء اور تائید میں پانی کی طرح اپنا خون بہا دے۔ اور اپنی جان کو بھی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی راہ میں صرف کرے۔ وہ ہر ایک بھلائی کے پیچھے چلتا ہے۔ اور مفسدوں کی بیخ کنی کے واسطے ہر ایک سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسا اعلیٰ درجہ کا صدیق دیا جو راست باز اور جلیل القدر فاضل ہے۔ اور باریک بین اور نکتہ رس، اللہ تعالیٰ کے لئے مجاہدہ کرنے والا اور کمال اخلاص سے اس کے لئے ایسی اعلیٰ درجہ کی محبت رکھنے والا ہے۔ کہ کوئی محب اس سے سبقت نہیں لے گیا۔

(حمامۃ البشریٰ)

باہتمام تاجدین پرنٹرز آب کاری روڈ سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور۔ ۷ سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۵ مارچ ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ نمبر ایل: ۸۳۸ — جلد ۶۷، شمارہ ۱۰

چوہدری محمد حیات صاحب ناظم دار السعد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۸۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

الہام حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — تیس روپے
بیرونی ممالک سے — دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد: ۶۷	یوم چہار شنبہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۸۰ء	شمارہ: ۱۱

حضرت مجددِ زمان مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاداتِ گرامی

یاد رکھو اتقا تین قسم کا ہوتا ہے۔

پہلی قسم اتقا کی علمی رنگ رکھتی ہے۔ یہ حالت ایمان کی صورت میں ہوتی ہے۔ دوسری قسم عملی رنگ رکھتی ہے۔ جیساکہ یقیمون الصلوٰۃ میں فرمایا ہے۔ انسان کی وہ نمازیں جو شبہات اور وساوس میں مبتلا ہیں۔ کھڑی نہیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یقرؤن نہیں فرمایا بلکہ یقیمون فرمایا یعنی جو حق ہے اس کے ادا کرنے کا۔ سنو! ہر ایک چیز کی ایک علت نمائی ہوتی ہے۔ اگر اس سے رہ جائے تو وہ بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک بیل جو قلبہ رانی کے واسطے خریدا گیا ہے۔ اپنے منصب پر اسوقت قائم سمجھا جاوے گا کہ وہ کر کے دکھا دے۔ نہ صرف یہ کہ اسکی غرض وغایت کھانے پینے ہی تک محدود ہے۔ وہ اپنی علت نمائی سے دور ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اس کو ذبح کیا جاوے۔

اسی طرح یقیمون الصلوٰۃ سے لوازم الصلوٰۃ معراج ہے۔ اور یہ وہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق شروع ہوتا ہے۔ مکاشفات اور رؤیا صالحہ آتے ہیں۔ لوگوں کے انقطاع ہو جاتا ہے۔ اور خدا کی طرف ایک تعلق پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک تبتّل تام ہو کر خدا میں جا ملتا ہے۔

صلّ جلنے کو کہتے ہیں جیسے کباب بھونا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز میں سوزش لازمی ہے۔ جب تک دل بریاں نہ ہو نماز میں لذت و سرور پیدا نہیں ہوتا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ نماز ہی اپنے سچے معنوں میں اس وقت ہوتی ہے۔ نماز میں شرط یہ ہے کہ وہ مجمع شرائط ادا ہو جب تک وہ ادا نہ ہو وہ نماز نہیں۔"

(ملفوظات احمدیہ جلد اوّل)

***

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

حضرت مجدد زمانؑ کی نظر میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ عارف کامل حلیم اور فطرتاً رحیم تھے۔ خاکساری اور انکساری آپ کا شیوہ تھا اور عفو اور شفقت اور رحمت آپ کا معمول تھا۔ آپ کی پیشانی سے نور ٹپکتا تھا آپ کا آنحضرت صلعم سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ آپ کی روح آنحضرت صلعم کی پاک روح سے متحد ہو چکی تھی اور آپ پر ان ہی کا انوار نزول ہو گیا تھا جو آنحضرت صلعم کے شامل حال تھے اور نبوت کے عظیم انوار و فیوض آپ پر محیط تھے۔ فہم قرآن اور محبت نبوی میں آپ کو سب لوگوں سے ممتاز طور پر حصہ وافر ملا تھا.......

جسمانی کدورتوں کا چولا اتار کر خدائی صفات کا جامہ پہن لیا۔ اور رضائے الٰہی میں محو ہو گئے اور جب عشقِ حقیقی آپ کے رگ و ریشہ میں رچ گیا اور اس کے انوار آپ کے افعال، اقوال اور کردار میں نمایاں طور پر نظر آنے لگے تو آپ کو صدیق کا نام دیا گیا۔ تازہ اور باریک علوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے۔ صدق آپکی فطرت میں داخل ہو گیا۔ اور اسکے آثار آپ کے قول و فعل، حرکات و سکنات، حواس و انفاس طیبہ میں ظاہر ہوئے۔ آپ کو خداوند کریم نے خاص بندوں میں داخل فرمایا۔ اور حق یہ ہے کہ آپ کا وجود کتاب نبوت کا ایک اجمالی نسخہ اور آپ ارباب فضل و کمال کے پیشوا اور انبیاء کی پاک سرشت سے بہرہ یاب تھے...... یہ وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر ظاہر ہوئی ہے۔"

(سر الخلافہ)

صدر مقامی جماعت لاہور کا ایک خط

معزز بہنوں اور بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میں پہلی دفعہ آپ کا خادم ہونے کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر اعتماد کر کے ہماری عزت افزائی کی جس کے لئے ہم سب مشکور ہیں۔ ہمیں پورا احساس ہے کہ اس اعتماد کے ساتھ چند ذمہ داریاں بھی ہیں جن سے ہم نے بطریق احسن عہدہ برآ ہونا ہے۔ لیکن ہم احسن طریقہ سے تب ہی عہدہ برآ ہو سکیں گے جب ہم آپ کا اعتماد اور تعاون دونوں حاصل کر سکیں گے۔ اعتماد اپنی جگہ بجا مگر تعاون کے بغیر جماعت کے حالات بہتر نہ ہو سکیں گے اس لئے آپ ہمیں ہر طرح کا تعاون دیں تاکہ ہم آپ کی بہتر خدمت کر سکیں۔

ہمارے سامنے چند ایک اہم منصوبے ہیں جنکو بروئے کار لانے سے ہم اپنے احباب کی خدمت کر سکتے ہیں۔ وہ یوں ہیں:-

۱۔ احباب جماعت کی ضروریات از قسم تعلیم، بیاہ شادی، ملازمت، کاروبار، بیماری وغیرہ کو مدنظر رکھ کر خدمت کر جائز حد تک پورا کرنا۔

۲۔ احباب جماعت میں باہم ملنے جلنے، ایک دوسرے کے قریب آنے کے مواقع پیدا کرنا کیونکہ ان مواقع سے ہم ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ اور محبت اور اخوت کے رشتہ میں منسلک ہو سکیں گے۔

۳۔ روحانی مجالس کا انعقاد کرنا اور سلسلہ درس و تدریس کا جاری کرنا۔ سلسلہ احمدیہ کے ممبران کے لئے ان کے بچوں کے لئے تعلیم و تدریس قرآن و حدیث کا بندوبست کرنا۔

اس مختصر لیکن جامع پروگرام کیلئے سرمایہ کی ضرورت اور آپ میں سے ہر ایک کا عملی تعاون از بس ضروری ہے۔ ہماری ممبرشپ لسٹ پر ۲۶۱ احباب کا نام درج ہے لیکن ان میں سے صرف ۵۱ چندہ ادا کرتے ہیں، ہماری درخواست ہے کہ جو احباب ۵۱ کی چندہ دہندگی لسٹ میں ہیں وہ اپنا چندہ معقول اور اپنی شایان شان اضافہ کریں۔ ہمارے خیال میں یہ اضافہ ضروری اور مناسب ہے۔ جو احباب چندہ ادا نہیں کرتے وہ ازراہ کرم اپنے لئے چندہ ماہوار کا تعین کریں اور ہمیں اطلاع دیں۔ تاکہ اس کی وصولی کا بندوبست کیا جائے۔

ہماری بہنوں سے چند ایک تو ممبر شپ کی لسٹ میں ہیں لیکن اکثر بہن کا نام موجود نہیں۔ ہمیں پورا احساس ہے کہ وہ بحیثیت انجمن خواتین بہت سی قابل قدر خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ اور ہمیں اس پر فخر ہے۔ لیکن ہماری خواہش ہے کہ ہماری تمام بہنیں صدر انجمن کی مقامی جماعت کی ممبر ہوں۔ اور کم از کم ایک روپیہ ماہوار بطور رکن چندہ ضرور ادا کر کے ہمیں اپنے برکات سے نوازیں۔ اس سے ہماری مشترکہ حکمت عملی کا نقشہ ابھرے گا اور ایک دوسرے کیلئے ممد و معاون ثابت ہونگے۔ مجھے امید ہے آپ سب ہماری اس درخواست پر غور فرما کر شرف قبولیت بخشیں گے۔

ہم نے ایک سماجی بہبود کے نام سے ایک فنڈ کا اجرا کیا ہے۔ جس سے احباب جماعت کی سماجی ضروریات کو پورا کیا جائے گا۔ آپ سے درخواست ہے۔ کہ آپ اس مد میں ضرور شمولیت کریں۔ اور دل کھول کر امداد کر کے ہمارے ہاتھ مضبوط بنائیں۔ تاکہ ہم آپکی بہتر خدمت کر سکیں۔ آخر میں خواہش مند ہوں کہ جو احباب یا بہنیں اپنے کسی مسئلہ کے حل میں میری مدد چاہیں تو میں حاضر ہوں۔ وہ مجھے بذریعہ خط اطلاع فرمائیں یا بذریعہ فون خبر کریں تو مجھے اپنا خادم پائیں گے۔ اور میں انشاءاللہ پوری توجہ اور خلوص نیت سے ان مسائل کو حل کرنے کی سعی کروں گا۔ میری یہ بھی خواہش ہے۔ کہ اگر احباب ایسے ضرورت مند احباب کی نشاندہی ؎؎

؎؎ کر سکیں۔ تو میں بہت مشکور ہوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ چند لوگ براہ راست اپنی ضروریات کو ظاہر نہ کرنا چاہیں۔ علاوہ ازیں اگر آپ اپنی تجاویز سے مجھے سرفراز فرمائیں تو میں ممنون ہوں گا۔ آپ کی تجاویز ہم سب کے لئے بہت مفید اور توجہ طلب ہوں گی۔

میری توقع ہے یہ مراسلہ آپ کی توجہ کا مستحق ہو گا اور آپ اس پر غور و فکر کے بعد اپنے جواب سے تجاویز اور مالی امداد سے ہمیں سرفراز فرمائیں گے۔ جزاک اللہ

(میاں) فضل احمد صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

E-2/121 گلبرگ III لاہور، رہائش گاہ فون نمبر ۸۰۰۱۲۱، دفتر ۵۵۲۵۰

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۰ء

اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں احمدیت کا حصہ

ڈاکٹر اللہ بخش

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو۔ دیوانہ کرتا ہوں میں اس کا انتظار

قارئین کرام!

یہ دور جیسا کہ آپ کو علم ہے دینِ اسلام کے لئے نشأۃ ثانیہ کا دور ہے جس میں صدیوں کے زوال اور انحطاط کے بعد پھر اس کا ابھرنا اور غلبہ پانا مشیت ایزدی سے مقدر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس دور کے بارے میں الٰہی نوشتوں میں پیشگوئیاں موجود ہیں جو اب ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو رہی ہیں۔ ہمارے قلوب اس نورِ یقین سے بکلی لبریز ہیں کہ یقیناً وہی موعود ایام ہیں جن میں دینِ اسلام کا ایک مرتبہ پھر پہلا سا عروج و غلبہ ہونے والا ہے۔ بلکہ بقول مفکرین یورپ اس کے آثار بالخصوص مغربی دنیا میں نظر آ رہے ہیں۔ یہ فتح اور غلبہ کا یقین کم و بیش ہر مسلمان کے قلب میں موجود ہے۔ مگر جس روشنی اور وضاحت سے احمدیوں کے قلوب اس نورِ ایمان سے منور ہیں۔ وہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ اور انصاف پسند لوگ اس امر کے لئے رطب اللسان ہیں کہ اس زمانہ میں مغرب و مشرق یورپ۔ امریکہ، چہار اطراف عالم میں احمدی ہی سب سے بڑے کامیاب مبلغِ اسلام ہیں اس کی وجوہ بھی ظاہر ہیں۔

عروجِ اسلام کا یہ یقین احمدی قلوب میں آسمان سے پیدا شدہ ہے۔ نیز جس طریقِ کار سے یہ فتح آج مقدر ہے۔ اس کے کاری حربے بھی صرف احمدیوں کے پاس ہیں۔ اس یقین کا نفوذ اور ان حربوں کا استعمال اب دیگر مسلمان جماعتوں میں تدریجاً ہو رہا ہے۔ چنانچہ چند ایک شواہد پیش ہیں۔

آج علم و سائنس اور مادیت کے دور میں مذاہب کی بنیادیں ہی ہل گئی ہیں خدا تعالیٰ کی ذات و صفات سے دنیا اگر قولاً نہیں تو فعلاً منکر ہو چکی ہے۔ اور ملتِ اسلامیہ بھی اس سے شدید متاثر ہوئی ہے۔ دینِ اسلام کی بنیادوں پر سے اس کھوئے ہوئے ایمان کو دوبارہ اس شخص سے روحانی تعلق کے ذریعے پیدا کرنا ممکن ہے جس نے خدا سے کامل مکالمہ و مخاطبہ کے ذریعے اس کے وجود اور صفات پر اپنی ذاتی شہادت پیش کی ہو۔ اور وہ منکرین پر اپنے خدائی نشانات کے ذریعے اتمام حجت کر چکا ہو۔ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات پر از روئے شواہد و بینات یقین پر قائم ہونے والا اس آن میں بجز احمدیوں کے اور کون ہو سکتا ہے۔ کہ جن کے نزدیک اس زمانہ میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک کامل متبع سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہوا پس جو اصحاب زندہ خدا کی زندہ شہادت پر یقین لے آئے ہیں۔ انہی کے قلوب میں خدا کے انکار کی بجائے ایمان زندہ ہے۔ وہی لوگ عملی زندگی میں ان ہتھیاروں کو کامیابی سے استعمال کرتے ہیں جن کے کارگر ہونے کا آسمانی یقین ان کے قلوب میں موجود ہے اس لئے ایک دنیا شاہد ہے کہ جس طرح احمدیوں نے تبلیغِ اسلام کے میدان میں عظیم کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئیں۔

اسلامی عروج کا حتمی یقین:

اس دور میں نشأۃ ثانیہ پر یقین پیدا کرنے کے لئے دو بنیادی امور پر قائم ہونا ضروری ہے۔ اولاً یہ کہ حقیقی مفہوم میں اسلام ہی کہ دین کامل ہو چکا ہے قرآنِ کریم کے بعد نہ کسی نئی ہدایت کی ضرورت ہے اور نہ ہی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کی ضرورت ہے۔ دینِ اسلام اپنے اصلی روپ میں وہی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہو چکا۔

ثانیاً: یہ کہ مسلمانوں کے اعتقادی و عملی اصلاح اور زمانے کے بدلے ہوئے تقاضوں کے باعث جہاد زمانہ میں تبدیلی متقاضی ہے کہ اس امت میں حضرت خاتم النبیینؐ کے کامل متبعین خدا تعالیٰ کے مامور و مجدد ہو کر مبعوث ہوا کریں۔ تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں نیا ایمان و یقین نئے جوش و ولولہ پیدا کر سکیں۔ چنانچہ ان ہی دو بنیادی امور پر احمدی قائم ہیں۔ یعنی یہ کہ دینِ اسلام۔ کتاب اللہ۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب وہی ہیں۔ جو پہلے تھے۔ مگر موجودہ دور میں مسلمانوں میں نئے تقاضوں کے تحت نئے ایمان و یقین اور نئے جوشِ عمل، نئے اندازِ فکر اور نئے ہتھیاروں کی حاجت درپیش ہے۔ جس کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کو اس زمانہ کا مامور و مجدد بنا کر اپنی جانب سے مبعوث کیا ہے۔ شومئ قسمت کہ اگر مسلمانوں میں سے ایک بڑا طبقہ مجددِ وقت کو قبول نہیں کر سکا۔ تو خود مجدد کے اپنے پیروں کے ایک گروہ نے بھی ایسے معتقدات اور روش کو اختیار کر لیا ہے جس سے یہ شبہ پیدا ہو جانا قدرتی امر ہے کہ احمدیوں نے کوئی نیا دین اور نیا نبی یا نئی امت بنا لئے ہیں۔

جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد اور اصول تنظیم ہی صحیح ثابت ہوئے۔

خدا تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت مجدد وقت کی جماعت کا ایک حصہ نہ صرف تعلیم اور تنظیم کے باطل اصولوں کو قبول کرنے سے محفوظ رہا بلکہ ان کے برخلاف اس نے علمِ جہاد بلند کیا۔ نصف صدی کے حوادث نے آج تک ان امورِ حقہ کی صداقت ثابت کر دی ہے۔

حضرت مسیح موعود کی صداقت کے آثار

حضرت مجدد زمان مسیحِ دوراںؑ کی صداقت اور آپ کے منجانب اللہ صادق انسان ہونے کے ثبوت بھی ہماری موجودہ ملکی سیاست میں موجود ہیں۔ اس بارے میں نہایت مختصر بیان یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا کہ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد" تجھے خوشخبری ہو کہ عنقریب محمدیوں کا قدم ایک بلند مینار پر قائم ہونے والا ہے چنانچہ اس فرمودہ الٰہی کے مطابق پاکستان کی سلطنت معرضِ وجود میں آئی۔ پھر دوسرا الہام یہ ہے۔

چو دور خسروی آغاز کردند ۔ مسلماں را مسلماں باز کردند

جب نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی جائے تو یاد رکھو کہ برائے نام مسلمان کہلانے والوں کو سچا مسلمان بنانے کا ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ اب صحیح طریق پر پہلا قدم یہی ہونا لازم ہے کہ ہر کلمہ گو کو دائرہ اخوت کا فرد سمجھا جائے:: ٭

طاہر عرفانی کے قلم سے

خُدا کے وجُود پر کامل ایمان کا سرچشمہ الہام

وحی اور انسان کا ابدی رشتہ

اللہ تعالیٰ نے انسانی استعدادوں کی کامل نشو ونما کے لئے اپنی ہدایت نازل کی۔ اور اس مقصد کے لئے انبیاءؑ سے ہم کلام ہوا۔ ان کی وساطت سے نوع انسان کی انفرادی اور اجتماعی فلاح واصلاح کے لئے تعلیمات کی بارش کی۔ جس کا مقصود ایک طرف نسلِ انسانی کو فساد وانتشار سے بچانے کے لئے ضبط زندگی کا پابند کرنا تھا تو دوسری طرف ہم کلامی سے انبیاء کے دلوں کو تسکین واطمینان بخشنا تھا خدا سے ہم کلامی ہی خدا کے وجود پر کامل ایمان کا سرچشمہ ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں کامل تعلیم دی جس کی کامل اتباع سے انسان خدا کے اس قدر قریب ہوجاتا ہے۔ کہ خدا اپنے کلام سے اسے تشفی اور اطمینان بخشتا ہے۔ امتِ محمدیہ میں ایسے کامل انسان ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ جو اپنے وجود میں خدا کی ہستی پر زندہ ثبوت مہیا کرتے رہے ہیں۔ قرآن پاک کی رو سے ایسے انسان اسلام سے پہلے بھی ہوتے ہیں۔ اور بعد میں بھی اور زیر نظر مضمون میں ہم اسی حقیقت پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ اس تحریر میں ہم نے محض قرآن پاک کی شہادت پیش کی ہے۔ اور متوقع ہیں کہ قارئین کرام ٹھنڈے دل سے ان سطور پر غور فرمائیں گے۔ اور دنیا پر واضح کریں گے کہ امت محمدیہ میں شرف ہمکلامی کا ہونا انبیاء علیہم السلام اور کتب سماوی کی صداقت اور خدا کے وجود پر ابدی اور بیّن دلیل ہے۔ جس میں اسلام منفرد ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین

اشیاء کی تخلیق ان کی نشو ونما اور فطری تقاضوں کی تکمیل میں قدرت جس امر سے دخیل اور کارفرما ہے۔ اُسے وحی۔ الہام اور کلام کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وحی آنکھ کے نور کی مانند ہے۔ جو آفتاب الوہیت اور انسان کے درمیان تعلق کا ذریعہ ہے۔ جو فرد اور خالق کے درمیان اہم واسطہ ہے۔ یہ مشین میں برقی رو کے مانند ہے۔ یہ روحِ انسانی میں نور بصیرت کے مترادف ہے۔ اشیاء سماوی کی حرکت اسی کی بدولت ہے۔ واوحیٰ فی کل سمآءٍ امرھا (حٰم ۱۲) زمین بھی بان ربک اوحیٰ لھا کے لحاظ سے مورد وحی ہے اور یہ شہد کی مکھی جو ہر پھول سے رس چوس کر شہد جمع کرتی ہے۔ اذ اوحیٰ ربک الی النحل کا مظہر ہے۔ اور وحی کے رشتہ سے خدا سے وابستہ ہے۔ اور کوا الٰہی کے اشارے سے ہی قابیل کا رہنما ہوا۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: فبعث اللّٰہ غرابا یبحث فی الارض لیریہٗ کیف یواری سوأۃ اخیہ " اللہ تعالیٰ نے کوّے کو مبعوث کیا جو زمین کریدتا تھا کہ اسے دکھائے کہ بھائی کی لاش کس طرح دفن کرے" ادھر ملائکہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ یا تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں تو اسی وحی کے فیضان سے اور اگر اس بجلی کی رو اپنے مرکز سے نکل کر کائنات کے ذرّے ذرّے میں اثر انداز نہ ہو تو پھر:۔

" یہ رنگ نہ گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں "

خالق اور مخلوق کے درمیان وحی کا رشتہ سب سے زیادہ خدا اور انسان کے تعلق میں نمایاں ہے۔ انسان کا وجود صفاتِ الٰہی کا پرتو ہے۔ اس میں رُوحِ خداوندی کی جھلک موجود ہے۔ جس پر نفخت فیہ من روحی کی آسمانی شہادت حاوی ہے۔ یہ رُوح اپنے مرکز کی طرف لوٹنے کے لئے بے چین رہتی ہے۔ اور انا للہ وانا الیہ راجعون" کا اقرار کرتی ہے۔ اور اس کو اگر چین اور قرار نصیب ہوتا ہے تو کلام الٰہی سے الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب" جس کی بہترین صورت قرآن ہے۔ انسان کی رُوح کو ذاتِ خداوندی سے ملانے کے لئے اس کی آتشِ شوق کو تیز کرنے کے لئے اور اس ارتقائی جدو جہد میں سہارا دینے کے لئے خدائی ہدایت اور کلام لابد ہے۔ انسان میں معرفت، شناخت اور وصال الٰہی کی استعداد رکھ کر فرمایا۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا۔ جو کوئی وحی الٰہی کے پانی سے اس استعداد کی آبیاری کرے گا وہ مراد پائے گا۔ انسان کو روزِ الست سے ہی شرفِ ہم کلامی سے نوازا گیا۔ جب کہ ذاتِ کریمی نے انسان سے پوچھا الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو انسان نے عرض کیا' بلیٰ مولا کریم تو ہی میرا رب ہے۔ پھر انسان سے ہم کلامی کی راہ کھل گئی۔ تو رحمتِ الٰہی جوش میں آئی۔ اور نسل انسانی کو اعلانیہ بتا دیا یا بنی اٰدم اما یاتینکم من ھدیً فمن تبع ھدی فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" اے انسانو! تمہارے پاس میری ہدایت آتی رہے گی۔ پس جو کوئی میری ہدایت پر کاربند ہوگا۔ وہ خوف اور غم سے آزاد رہے گا" اس کی ابتداء آدم سے ہوئی۔ فتلقیٰ اٰدم من ربہ کلمٰتٍ فتاب علیہ پھر آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں جس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا پر رحمت نازل کی۔ اب ظاہر ہے کہ خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت آدمؑ سے اللہ کا رابطہ وحی اور ہم کلامی سے ہوا اور ساتھ ہی فرمایا کہ یہ ہمکلامی کا سلسلہ آئندہ نسلوں میں جاری رہے گا۔ اس کے بعد نسلِ انسانی میں لاکھوں ایسے انسان پیدا ہوئے جن سے خدا ہمکلام ہوا اور ان کے ذریعے گمراہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنا کلام نازل فرمایا جس سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس کلام سے انسان کو فوق العادت اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ جو خدا سے ہم کلامی کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی لوگ دوسروں کی خدا تک رہنمائی کر سکتے ہیں۔ یہی ان کی آمد کی غرض وغایت ہوتی ہے۔ اور یہی اس امر کی دلیل ہے۔ کہ دوسرے انسان

حرم کعبہ کے ناظم اعلیٰ کا بیان

اور اُس پر ایک نظر

مولانا احمد گل صاحب فاضل دیوبند

قسط نمبر : (۲)

مہدی کی احادیث میں مجاز اور استعارہ

ان حقائق کی موجودگی میں مہدی کے متعلق یہ عقیدہ، علماء اور عوام میں کیوں اور کس طرح پیدا ہوا؟ یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر پرست علماء نے الفاظ کے ظاہری معانی کو سامنے رکھ کر مہدی سے متعلق جملہ علامات کو ظاہر پر محمول کر لیا ہے۔ مثلاً مہدی کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے :-

"یقاتل علی سنتی" کہ وہ میری سنت پر مقاتلہ کرے گا۔ بدقسمتی سے لفظ یقاتل سے سمجھ لیا گیا ہے۔ کہ حضرت مہدی کافروں سے جنگ کریں گے۔ اِس میں شک نہیں کہ لفظ یقاتل مقاتلہ سے نکلا ہے۔ جس کے لفظی اور ظاہری معنی ہیں :- "وہ لڑے گا۔" مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ تلوار ہی سے لڑے۔ اگر مہدی نے سنتِ نبویؐ کے لئے مقاتلہ کرنا تھا تو اس کے صرف یہی معنی نہیں کہ وہ تلوار چلائے گا۔ بلکہ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ میری سنت کو تازہ کرے گا اور کوشش اور جدوجہد کرے گا۔ یہی لفظ دوسری حدیثوں میں بھی آیا ہے۔ مگر وہاں اس کے معنی تلوار سے مجادلہ کرنے کے نہیں لئے جاتے۔ مثلاً صحیح مسلم میں ہے :- "لاتزال طائفۃ من امتی علی الحق ظاہرین الیٰ یوم القیامۃ فینزل عیسیٰ ابن مریم" یعنے میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کے لئے لڑتا رہے گا۔ اور قیامت تک وہ غالب ہی رہے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہو جائیں گے۔

اِس حدیث میں حقیقی لڑائی کا ذکر نہیں بلکہ یہ لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں مہدی کے ذکر میں بیان ہوا ہے :-

"لواستقبل الجبال یھدھا و اتخذ فیھا طرقا۔" یعنے اس کے راستے میں اگر پہاڑ بھی (روک بن کر) آ جائیں تو انہیں گرا دے گا اور ان میں سے راستہ بنا لے گا یہاں پہاڑ کے گرانے اور ان میں سے راستہ نکالنے سے مراد وہ عظیم روکیں اور مشکلات ہیں جو انہیں پیش آئیں گی۔ دوسری جگہ ان مشکلات کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ "ابشرکم بالمہدی یبعث فی امتی علیٰ اختلاف من الناس و زلازل" میں تمہیں مہدی کی خوشخبری دیتا ہوں [illegible] وہ میری امت میں لوگوں کے اختلاف اور مصائب کے وقت مبعوث ہوگا۔ یہاں زلازل کا لفظ لا کر [illegible] دیا ہے۔ کہ اس سے مراد وہ مصائب اور مشکلات ہیں جو لوگوں کی طرف سے انہیں پیش آئیں گے۔

اِس وضاحت کا مفہوم صرف اِس قدر ہے کہ مہدی کی پیشگوئی میں دو قسم کی علامات بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے کچھ تو اپنے ظاہری الفاظ میں اور کچھ استعارہ اور مجاز کی صورت میں۔ اگر ان تمام علامات کو حقیقت سمجھ کر ان کا ظاہری مفہوم لیا جائے جیسا کہ شیخ ناصر اور ان کے ہمنوا علماء کا خیال ہے۔ اور مجاز کو سرے سے نظرانداز کر دیا جائے تو ایک طرف حدیث کے مفہوم کو طبع سلیم قبول کرنے کو تیار نہ ہو گی اور دوسری طرف معاندینِ اسلام کی طرف سے طرح طرح کے اعتراضات کا امکان پیدا ہو جائے گا۔ مثلاً مسیح موعود کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ وہ جب آئیں گے تو صلیب کو توڑیں گے۔ اور خنزیروں کو قتل کریں گے۔ یہ تو عقلی اعتبار سے ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ ایک شخص دنیا بھر کی صلیبوں کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دے اور زمین بھر میں پائے جانے والے تمام خنزیروں کو قتل کر دے۔ اِس لئے ان جیسے الفاظ کو مجاز قرار دے کر ان کے معنی ایسے کرنے ہوں گے جنھیں انسانی عقل بھی قبول کرنے پر تیار ہو۔ اور کسی مخالفِ اِسلام کو اعتراض اور استہزاء کرنے کا موقع بھی نہ ملے۔ اسی انداز سے ہم نے ان تمام احادیث کے معانی اور مفہوم کو بیان کرنا ہو گا جو دجال۔ یاجوج ماجوج یا مسیح اور مہدی کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہیں۔

کیا مسیح اور مہدی دو الگ الگ شخصیتیں ہیں ؟

شیخ ناصر صاحب اپنے بیان میں مسیحِ موعود کے بارے میں کہتے ہیں کہ مہدی کے ظہور کے بعد مسیح کا نزول ہو گا اور یہ کہ وہ دونوں شخصیت کے اعتبار سے اپنی الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا یہ خیال حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اِس لئے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک حدیث میں صاف لکھا ہے کہ مسیحِ موعود ہی امام مہدی ہوں گے آپ فرماتے ہیں :-

"یوشک من عاش فیکم ان یلقیٰ عیسیٰ ابن مریم اماما مھدیا و حکما عدلا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر۔" قریب ہے کہ جو تم میں سے زندہ رہے۔ وہ عیسیٰ ابن مریم کو پائے گا۔ جو امام ہیں۔ مہدی ہیں اور حکم عدل ہیں۔ اور صلیب کو توڑیں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے۔" اِس حدیث میں آپؐ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ہی امام مہدی ہوں گے۔ اِس کے علاوہ حدیث میں جو کام مسیحِ موعود کا بتایا گیا ہے۔ قریباً وہی کام مہدی کا بتایا گیا ہے۔ پھر مسیحِ موعود اور مہدی کے حلیئے بھی ایک بتائے گئے ہیں۔ اِس کے علاوہ حدیث لا مھدی الا عیسیٰ سے تو معاملہ پوری طرح صاف ہو جاتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اِن دلائل کی موجودگی میں کہ مسیح، مہدی سے کوئی الگ وجود نہیں رکھتے تو پھر شیخ ناصر اور علماء کے کثیر طبقہ نے ان دونوں کو کس بنا پر الگ تسلیم کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک عرصہ سے یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے تھے اور مہدی امتِ محمدیہ میں سے ہی پیدا ہوں گے۔ مسلمان جب تک اِس غلط عقیدہ پر قائم ہیں اس وقت تک اُن کے لئے یہ ناممکن ہے۔ کہ مسیح اور مہدی کو ایک وجود قرار دیں۔ البتہ اگر وہ مسیح کے متعلق صحیح عقیدہ اختیار کر لیں اور انہیں وفات یافتہ مان لیں تو اس صورت میں ان کے لئے مسیح اور مہدی کو ایک مان لینا کوئی مشکل نہیں رہتا۔ بلکہ بڑی خوبصورتی سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

ابنِ مریم کی پیشگوئی میں مثیل ابنِ مریم مُراد ہے ۔

وہ اِس طرح کہ پیشگوئی میں ابنِ مریم سے مُراد مسیح ناصری کی آمد نہیں بلکہ ان کی صفات ، ان کی روحانیت اور ان کی خُو بُو پر کسی دُوسرے شخص کا آنا مراد ہے۔ جیسے حضرت الیاس کی خُو بُو پر حضرت یحییٰ علیہ السلام آئے تھے یعنے جس طرح حضرت یحییٰ کے آنے سے حضرت الیاس کی آ[illegible] کا وعدہ پُورا ہوا اسی طرح مثیل مسیح کی آمد سے حضرت مسیح کی آمد کا وعدہ پُورا ہوتا ہے ۔ اِسی مشابہت کی بنا پر مسیح موعود کا نام ابنِ مریم رکھا گیا ہے اسی مشابہت کی وجہ [illegible] اسماء کا انتقال صرف ہمارا ہی ادعیٰ نہیں بلکہ یہ ایک مسلم اصُول ہے جسے اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :۔

اطلاق اسم الشیئ علی مایشابھہ فی اکثر خواصہ وصفاتہ جائز حسن"

یعنے ہر وہ چیز جس کے خواص و صفات بیشتر دوسری چیزوں سے مِلتے ہوں ۔ اس کا نام دینا جائز بلکہ حسن ہے ۔ یہ ایک مسلم اصول ہے جس کا کسی کو انکار نہیں یہی وجہ ہے کہ شیخ محی الدین ابنِ عربی ، نزول ابن مریم کے سلسلے میں فرماتے ہیں ۔

وجب نزولہٗ فی آخر الزمان بتعلقہ ببدن آخر "

ان کا نزول آخری زمانے میں دُوسرے بدن کے ساتھ ہوگا ۔ ابن عربی کے اِس بیان کردہ مفہوم کو صوفیاء کی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں ۔ جیسا کہ اقتباس الانوار میں لکھا ہے ولبعضے برانند کہ روحِ عیسیٰ در مہدی بروز کند ۔ ونزول عبارت ازیں بروز است ، یعنے بعض اہل اللہ اِس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ کی رُوح مہدی میں بروز کرے گی اور نزول سے مراد بھی بروز ہے ۔

اس وضاحت کے بعد اس حدیث کی وضاحت پوری طرح ہو جاتی ہے جس میں حضرت عیسےٰ کے نزول کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :۔

کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم"

یعنے اس [illegible] تمہارا کیا حال ہوگا جب ابنِ مریم تم میں نازل ہوگا ۔ اور تمہیں میں سے تمہارا امام ہوگا ۔ اِس [illegible] میں تین الفاظ قابلِ غور ہیں ۔

نزول ، ابن مریم منکم ۔ پہلے ہر دو تاویل طلب ہیں ۔ استعارہ کے طور پر نزول سے مراد بعثت اور ابنِ مریم سے مراد مثیل ابنِ مریم لی گئی ہے ۔ اور منکم کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ یہ ابنِ مریم وہ نہیں جو پہلے ہو گُزرا ۔ بلکہ مسلمانوں میں سے ہی ایک شخص مُراد ہے ۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ حضرت رسولِ کریمؐ صاف لفظوں میں بیان فرما رہے ہیں ۔ کہ مسیح موعود اسی امت میں سے ہوگا ۔ مگر مسلمان مسیح ناصری کی محبت میں اس مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ خواہ مخواہ اپنی اصلاح کے لئے کسی بیرونی آدمی کے آرزو مند ہیں ۔ کیا نبی کریم صلی اللہ [illegible] علیہ وآلہٖ وسلم کو اِس بات پر خوشی ہوگی کہ جب امت میں فساد برپا ہوگا تو میری امت کے اندر کوئی شخص اِس قابل نہ ہوگا کہ اس کی اصلاح کر سکے بلکہ خدا کو ضرورت پیش آئے گی کہ اسرائیلی مسیح نازل کرے ۔

ناظرین [illegible] فرمائیں کہ یہ خیال کس قدر حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے باعث ہتک ہے ۔ بلکہ اِس میں خود مسیحؑ کی بھی ہتک پائی جاتی ہے ۔ مسیح ناصری خدا کے ایک برگزیدہ رسول تھے جنہوں نے نبوۃ کا مقام براہِ راست خدا تعالےٰ سے پایا ۔ اب انہیں دوبارہ اتارنے کے معنی کیا نہیں ۔ کہ نعوذ باللہ انہیں نبوۃ کے مقام سے معزول کر دیا جائے اور صرف ایک امتی کی حیثیت دی جائے ۔ کیونکہ اگر دوبارہ نازل ہو کر بھی نبی ہی رہیں گے تو یہ امر ختم نبوت کے منافی ہے ۔ نبی کریمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا ۔ خواہ نیا ہو یا پرانا ۔ اندریں صورت جبکہ ایک طرف رسولِ کریمؐ کی ہتک ہے ۔ اور دُوسری طرف خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ہے تو کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ مسیح ناصری بذاتِ خود آخری زمانہ میں نازل ہوں گے :۔

فتدبروا یا اولی الالباب

مسیح ناصری اور مسیح موعود کے حلیئے الگ الگ ہیں ۔

نزول ابنِ مریم کی مزید وضاحت صحیح بخاری کی ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں مسیح ناصری اور مسیح موعود کا حلیہ الگ الگ بیان کیا گیا ہے ۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں :۔

" رأیت عیسٰی و موسٰی وابراھیم فاما عیسٰی فاحمر جعد عریض الصدر واما موسٰی فادم جسیم سبط کانہ من رجال الزط واما ابراھیم فانظروا الیٰ صاحبکم"

میں نے عیسےٰؑ ۔ اور موسیٰؑ اور ابراھیمؑ کو دیکھا ۔ عیسیٰؑ سُرخ رنگ کے تھے ۔ اور ان کے بال گھنگھرالے تھے اور ان کا سینہ چوڑا تھا ۔ اور موسیٰؑ گندم گوں اور بھاری جسم کے تھے ۔ قبیلہ زط میں سے کسی آدمی کی طرح دکھائی دیتے تھے ۔ اِس حدیث میں عیسیٰ ابنِ مریم کا جو حلیہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ :۔

عیسیٰ ابنِ مریم سُرخ رنگ کے تھے اور بال گھنگھرالے تھے ۔

اِس بات کا ثبوت کہ یہاں عیسیٰ سے مُراد مسیح ناصری ہیں ۔ خود اِس حدیث میں موجود ہے ۔ وہ یہ کہ ان کو گذشتہ انبیاء موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے پھر بخاری میں ایک دُوسری حدیث درج ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں ۔

بینما انا نائم اطوف بالکعبۃ واذا رجل آدم سبط الشعر فقلت من ھذا فقالوا ھٰذا المسیح ابن مریم ۔" خواب میں میں نے کعبہ کا طواف کیا اچانک میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا اور اس کے بال سیدھے اور لمبے تھے ۔ میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے ۔ لوگوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہے ۔"

اِس حدیث میں آپؐ نے آنے والے مسیح کا حلیہ بیان کیا ہے کہ :۔

" وہ گندم گوں ہے اور اس کے بال سیدھے اور لمبے ہیں ۔"

اِس بات کا ثبوت کہ یہاں مسیح سے مُراد آنے والا مسیح ہے ۔ خود اسی حدیث میں موجُود ہے ۔ وہ یہ کہ اِس حدیث میں آگے چل کر نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت دجال کو بھی دیکھا ۔ ذرا غور فرمایئے کہ ان دو حدیثوں میں دو الگ الگ مسیحوں کا حلیہ بیان ہوا ہے ۔ پہلی حدیث میں آپؐ نے مسیح اسرائیلی کو دیکھا تو اسے سرخ رنگ گھنگھرالے بالوں والا دیکھا اور دُوسری حدیث میں مسیح ابنِ مریم کو دیکھا تو اسے گندم رنگ اور سیدھے بالوں والا دیکھا ۔ یہ ایک قطعی دلیل ہے اِس بات پر کہ آنے والا ابنِ مریم اور ہے اور مسیح اسرائیلی اور ہے ۔

ع

" ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا "

علامات المقربین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار — جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب — کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اسے دے چکے مال و جان بار بار — ابھی خوف دِل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے — وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(نشانِ آسمانی صفحہ ۴۶)

مرسلہ محمد اسحاق صاحب

اصلاح معاشرہ کیلئے خارجی ذرائع کے ساتھ ساتھ باطن کی تطہیر بھی ضروری ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔ اب نیت کوئی خارجی چیز نہیں ہے۔ یہ سراسر انسان کا داخلی معاملہ ہے۔ اس لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانی اعمال کا خیر و شر ان کی باطنی کیفیات کے تابع ہوتا ہے۔ یہ ایک اصولی بات ہوئی۔ جو اسلامی نقطۂ نظر سے بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن انسانوں کی باطنی کیفیات جب ظاہری اعمال کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ تو ان کی ایک آزاد حیثیت قائم ہو جاتی ہے۔ اور وہ معاشرتی اوضاع و روایات میں ٹھوس اور منجمد شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اس طرح معاشرتی اوضاع و اقدار کا جو ڈھانچہ وجود میں آتا ہے۔ وہ باطنی کیفیات سے الگ ہو کر بھی قائم و برقرار رہتا ہے۔ مثلاً ۴۷ء سے پہلے ہمارا جو معاشرہ صدیوں سے قائم تھا اس کی حیثیت اسی ڈھانچے کی تھی۔ اس میں وہ تمام خارجی ڈھانچے موجود تھے۔ جن میں اعلیٰ مذہبی اور انسانی کیفیات ٹھوس شکل اختیار کر سکیں۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت جو حالات پیدا ہوئے ان میں یہ ڈھانچہ ٹوٹ کر بکھرنے لگا۔ اور اس کی گرفت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی۔ ایسا کیوں ہوا۔ اس کے اسباب پر ہم پہلے بھی مختصراً گفتگو کر چکے ہیں۔ اب ہم ایک ایسی صورت حال میں ہیں جہاں اعمال کو درست رکھنے کے لئے معاشرہ کا ڈھیلا ڈھالا نظام ہماری کوئی مدد نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کرپشن کی جو روک تھام معاشرتی خوف اور دباؤ سے ہو جاتی تھی وہ اب بالکل غیر مؤثر ہو کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ معاشرتی بگاڑ کو روکنے کے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ کہ سب سے پہلے باطنی کیفیات کو درست کیا جائے۔ یعنی حضور کی حدیث کے مطابق ہم سب اپنی نیتوں کو درست کریں۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کلیدی اور بنیادی ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ یہ انفرادی اصلاح کا طریق کار ہے۔ اجتماعی اصلاح جو حکومت یا ریاست کے پیش نظر ہوتی ہے۔ اس کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً قانون سازی اور ان پر عمل درآمد کرنے والی ایجنسیوں کا قیام، حکومت یا ریاست اپنی مخصوص نوعیت کے سبب ہمیشہ خارجی چیزوں کو اہمیت دیتی ہے۔ اور انسانوں کے باطن کی تنظیم و تربیت کو اخلاقی مصلحوں اور مذہبی پیشواؤں پر چھوڑ دیتی ہے۔ تاہم ہمارے تجربہ میں یہ بات موجود ہے۔ کہ داخلی اصلاح کے بغیر حکومت کے خارجی اقدامات سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نت نئے قوانین کا اجراء پیچیدگیاں پیدا کرتا ہے مگر مسائل کو حل نہیں کرتا۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انفرادی اصلاح اور اجتماعی اقدامات دونوں کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ اور دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

پاکستان میں اسلامی تعزیرات کا نفاذ اجتماعی اصلاح کے اقدامات ہیں۔ جن میں کرپشن کی دیگر صورتوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ تو اس سے بداعمالیوں کی خارجی روک تھام کا کام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی داخلی اصلاح کے کام کو بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیئے۔ ہمارے پاس ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو ہمارے باطن کی طرف توجہ کر سکیں اور ہمیں وہ طریقے بتا سکیں جن سے ہم اپنے ذہنوں اور نیتوں کو درست کر سکیں۔ اس ضمن میں لوگوں کو جو بات بار بار بتانے کی ہے وہ یہ ہے کہ نیکی کوئی دوسرا نہیں شروع کرے گا۔ نیکی سب سے پہلے ہمیں خود شروع کرنی چاہیئے۔ اور نیکی شروع کرنے کا مطلب اولیں طور پر اپنی نیت کو درست کرنا ہے۔ ہمارے مذہب کی رو سے برائی کا احساس روح کا سنگ بنیاد ہے۔ ہمیں اپنے باطن میں دیکھنا چاہیئے کہ ہم کرپشن کو واقعی برا سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہمارے اندر یہ احساس موجود ہے۔ کہ رشوت اور دیگر بدعنوانیاں بری ہیں تو یہ احساس ہماری اصلاح کا نقطۂ آغاز بن سکتا ہے۔

تاہم چونکہ صرف احساس میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ اعمال کے پورے نظام کو بدل دے اس لئے اسے خارجی حالات کی کمک کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی معاشرہ میں ترغیب اور خوف کی وہ صورتیں موجود ہونی چاہئیں جن کے ذریعہ اس احساس کو بروئے کار آنے میں آسانی ہو۔ یہ ترغیب اور خوف ہم خارجی اقدامات کے ذریعہ پیدا کر سکتے ہیں۔ قانون سازی اور اداروں کی تشکیل اسی مرحلہ پر ہماری مدد کرے گی۔ ہمارے معاشرہ میں ہماری مذہبی تعلیمات کی وجہ سے برائی کا احساس کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے۔ لیکن داخلی طور پر جس چیز نے اس احساس کو کام کرنے سے روک رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہم برائی کا احساس رکھنے کے باوجود برائی کا کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ یہ بھی نفس اور نیت کی خرابیوں میں سے ایک خرابی ہے۔ اور باطنی فساد کی ایک صورت۔ برائی کا احساس صرف اس وقت سچا اور مؤثر ہوتا ہے۔ جب ہم برائی کا جواز فراہم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ برائی کا جواز فراہم کرنا دراصل صرف اپنے نفس کو فریب دینے کی ایک صورت ہے۔ ہم نے اپنے نفسوں میں برائی کی جو حفاظتی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں ذرا ان میں سے کسی کو توڑ کر تو دیکھئے۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ خود آپ کے نفس میں اس کے لئے کتنی بڑی ملامت اور نفرت موجود ہے۔ ہم اپنے باطن میں ان کیفیات سے گذریں تو پھر معاشرتی خارجی تنظیم ہماری بہت کچھ مدد کر سکتی ہے۔ اور ہم اپنے باطن کی تطہیر اور معاشرہ کی خارجی روک تھام کے ذریعے معاشرتی بگاڑ کو دور کر سکتے ہیں۔

(بشکریہ تعمیر حیات)

نبی نہیں اولیاء — اور اس اُمت میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء سے کلام اور خطاب کرتا ہے۔ اور ان کو انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے مگر وہ حقیقت وہ نبی نہیں ہوتے کیونکہ قرآن کریم نے شریعت کی تمام حاجتوں کو مکمل کر دیا ہے۔ ان کو سوائے فہم قرآن اور کچھ نہیں دیا جاتا وہ نہ زیادہ کرتے ہیں اور نہ کم قرآن مجید سے کچھ بھی اور جو شخص قرآن مجید میں کچھ کمی بیشی کرے وہ شیاطین اور بدکاروں میں سے ہے۔ (مواہب الرحمٰن)

بیانات نورالدین اعظم

گاہے گاہے باز خواں

نصرتِ الٰہی کے نظارے

توکّل علی اللہ کا ایک عجیب نمونہ

فرماتے ہیں کہ :-

بھیرہ میں جب میں علاج کرتا تھا تو ایک ایسے مکان میں بیٹھتا تھا جو ایک طبیب کے لئے نہایت ہی مناسب تھا اس میں بیٹھ کر عورت اور مرد دونوں کے حالات بے تکلف سن سکتا تھا۔ میں اپنے والد صاحب کے ارشاد سے وہاں بیٹھتا اور علاج کرتا تھا۔ مکان وہ بہت وسیع تھا۔ والد صاحب کی وفات کے تھوڑے دنوں کے بعد میرے ایک بھائی صاحب نے جن کے مجھ پر بڑے بڑے احسانات ہیں، مجھ سے آکر فرمایا کہ یہ مکان میرے ہی رابطہ سے لیا گیا اور میرے ہی رابطہ سے کیا گیا تم اس قدر لکھ دو۔ میں تو ان پر اپنے جان و مال سب کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں میں نے نہایت انشراح قلب سے اُن کے حسب منشاء لکھ دیا اور اپنے طالب علموں سے کہا کہ یہاں سے دوائیں اٹھا کر فلاں مسجد کے حجرہ میں رکھ دو۔ اور اسی وقت وہ مکان خالی کر دیا روپیہ اس وقت میرے پاس بالکل نہ تھا میں نے سمجھا کہ یہ میرے استاد بھی ہیں مربی بھی ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے دل میں ذرا بھی کدورت پیدا ہو۔ ایک دو روز کے بعد میری والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ اس تحریر کا منشا یہ نہ تھا کہ تم وہاں سے چلے جاؤ۔ اس تحریر کا منشا کچھ اور ہی تھا جس کا اثر تم پر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ کچھ انہوں نے کسی اصل بات کی طرف اشارہ بھی کرنا چاہا مگر میں تو مکان چھوڑ ہی چکا تھا۔ وہاں ایک سرکاری زمین تھی جس کو کمیٹی کی زمین کہتے تھے۔ میں نے اپنے دوست مستری سے کہا کہ تم اس زمین پر مکان بناؤ اور ایک ہندو سے کہا کہ تم روپیہ دیتے دو۔ مکان بننا شروع ہو گیا وہاں ٹھیکیدار جس کا نام منصب دار خان تھا اور راولپنڈی کے علاقہ کے رہنے والے تھے نے میرے پاس کہلا بھجوایا کہ اول تو کوئی مکان بلا اجازت اور بغیر نقشہ منظور کرائے بنانا جائز نہیں پھر یہ کہ سرکاری زمین میں مکان بنانا قانون کے خلاف ہے۔ میں بہ سبب ادب کے کچھ نہیں کہہ سکتا مگر ہاں یہ بتائے دیتا ہوں کہ کمیٹی بھی اگرچہ بہ سبب ادب کے کچھ نہیں کر سکی لیکن انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو رپورٹ کر دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بنا بنایا مکان گرا دیا جائے گا۔ میرے دوست مستری نے بھی یہی کہا۔ مگر چونکہ میرا دل انشراح صدر سے یہی کہتا تھا کہ مکان ضرور بنے گا۔ اس لئے میں نے کہا کہ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے کمیٹی والوں کی رپورٹ پر کہا کہ ہم بہت جلد وہاں آنے والے ہیں۔ خود ہی آکر موقع کا ملاحظہ کریں گے چنانچہ وہ آئے اور بعد ملاحظہ فرمایا کہ جس قدر مکان بن چکا ہے۔ وہ تو ابھی رہنے دو باقی تعمیر کا کام روک دو میں بھی اس وقت وہاں قریب کے مکان میں موجود تھا ڈپٹی کمشنر صاحب کے تشریف لانے کی خبر سن کر وہاں گیا۔ تو ڈپٹی کمشنر صاحب وہاں سے جا چکے تھے۔ بہت سے قدم آگے نکل گئے تھے۔ مجھ کو آتا دیکھ کر شاید ان کے ہمراہی لوگوں میں سے کسی نے کہا ہو گا کہ مکان بنوانے والا آ گیا ہے۔ وہ پھر واپس آئے۔ اور ان کو واپس ہوتے دیکھ کر میرے دل نے کہا کہ حکم لوٹ گیا۔ جب وہ آ گئے تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ سرکاری زمین ہے۔ میں نے کہا ہاں مگر سارا شہر ہی سرکاری زمین ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کس طرح میں نے کہا کہ اگر سرکار کو اس شہر کے مقام پر فوجی میدان بنانا پڑے تو کیا شہر کے لوگ انکار کر سکتے ہیں۔ کہا ہاں نہیں کر سکتے میں نے کہا بس اسی طرح ہر جگہ سرکاری ہی کہلاتی ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ اچھا آپ کا مکان سرکاری زمین کے کتنے حصے میں بن سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ ایک طرف تو سڑک ہے۔ دوسری طرف پھر شارع عام ہے۔ اس کے درمیان جتنی زمین ہے۔ اس میں مکان بن سکتا ہے۔ فرمایا کہ اچھا ابھی میخیں گاڑ دو چنانچہ میخیں گاڑ دی گئیں پھر ٹھیکیدار اور میونسپلٹی کے لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کوئی اعتراض ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کا مقام تو نافع عام ہوتا ہے۔ ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ اچھا آپ اپنا مکان بنائیں۔ جب وہ چلے گئے تو ٹھیکیدار نے میرے پاس آکر کہا کہ یہ تو شاہی فیصلہ ہوا ہے۔ کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب کو خود بھی اختیار اس طرح سرکاری زمین دینے کا نہیں ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ خاموش رہیں۔ بہت دور جا کر ڈپٹی کمشنر پھر واپس آئے اور مجھ سے فرمایا کہ سڑک کے ساتھ ساتھ بدرو ہے آپ کو اس کے سے بہت تکلیف پہنچے گی۔ میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے انگریز بہت عقل مند ہوتے ہیں۔ آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں۔ کہا میں نے تدبیر یہ سوچی ہے کہ سرکار کی طرف سے آپ کے مکان کا پشتہ کمیٹی بنا کر دے۔ پھر کمیٹی والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ آپ کو کوئی اعتراض ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ وہ ٹھیکیدار مجھ سے کہنے لگا کہ ایک ہزار روپیہ اور ہم پر جرمانہ ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم ان باتوں کو کیا سمجھ سکتے ہو۔ اس مکان کے بننے میں جب بارہ سو روپیہ خرچ ہو گیا تو مجھ کو خیال آیا کہ کہیں وہ ہندو اپنا روپیہ نہ مانگ بیٹھے۔ میں اسی خیال میں تھا کہ میرے ایک دوست ملک فتح خان صاحب گھوڑے پر سوار میرے پاس آئے اور فرمایا کہ میں راولپنڈی جاتا ہوں۔ کیونکہ لارڈ لٹن نے دلّی میں دربار کیا ہے۔ بڑے بڑے رئیس تو دلی بلائے گئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے رئیس راولپنڈی جمع ہونگے۔ اور انہیں تاریخوں میں راولپنڈی میں دربار ہو گا۔ ہم راولپنڈی بلائے گئے ہیں۔ میں نے ان کے کان میں چپکے سے کہا کہ مجھ کو بھی دربار میں جانا ہے۔ انہوں نے کہا یہ گھوڑا ہے آپ اس پر سوار ہو جائیں۔ اس وقت جس قدر میرے بیمار تھے وہ وہیں بیٹھے رہے۔ اور میں نے گھر میں بھی اطلاع نہیں کی۔ اسی وقت سوار ہو کر چل دیا۔ فتح خان اور ہم دونوں جب جہلم پہنچے تو وہاں ریل تھی۔ ملک فتح خان مرحوم تو راولپنڈی چلے گئے میں نے کہا کہ میں تو دلی جاتا ہوں۔ میرے کپڑے بہت ہی میلے ہو گئے تھے اس لئے میں

میں نے اپنے کپڑے اتار کر ملک حاکم خاں ٹھیکیدار جہلم کا ایک پاجامہ پگڑی اور کوٹ پہن لیا جس کے نیچے کرتا نہ تھا میں سیر کے لئے نکلا اور ٹہلتا ہوا اسٹیشن جہلم پہنچا میں نے سٹیشن پر کسی سے دریافت کیا کہ لاہور کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ کرایہ ہے معلوم ہوا کہ پندرہ آنہ۔ اس کوٹ کی جیب میں دیکھا تو صرف پندرہ آنہ کے پیسے پڑے تھے میں نے ٹکٹ لیا اور لاہور پہنچا۔ یہاں بڑی گھمسان تھی کیونکہ لوگ دربار کے سبب دلّی جا رہے تھے۔ ٹکٹ کا ملنا محال تھا اور میری جیب میں تو کوئی پیسا بھی نہ تھا۔ ایک پادری جن سے کسی مرض کے متعلق طبی مشورہ دینے کے سبب میری پہلے سے جان پہچان تھی سٹیشن پر مل گئے ان کا نام گولک ناتھ تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کہاں جاتے ہیں؟ ٹکٹ تو بڑی مشکل سے ملے گا۔ میں نے کہا مجھے دلی جانا ہے گولک ناتھ نے کہا میں جاتا ہوں اور ٹکٹ کا انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ گئے اور بہت ہی جلد ایک ٹکٹ دہلی کا لائے میں نے ٹکٹ ان سے لیا اور جیب میں ہاتھ ڈالا تو پادری صاحب کہنے لگے آپ میری ہتک نہ کریں معاف کریں میں اس کے دام نہ لوں گا۔ اور میں بھی تو دہلی جاتا ہوں رستہ میں دیکھا جائے گا۔ میں رستہ میں انکو تلاش کرتا رہا وہ نظر نہ آئے اور دہلی کے سٹیشن پر باوجود تلاش مجھ کو نہ ملے سٹیشن پر اترا تو عصر کا وقت تھا میں آہستہ آہستہ اس سڑک پر چلا جس پر رسالہ کے خیمے نصب تھے۔ میں غالباً پانچ میل نکل گیا۔ اب چونکہ آفتاب غروب ہونے کو تھا۔ میں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ اتنے میں ایک سپاہی جو حضرت منشی جمال الدینؒ کا ملازم تھا دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو منشی صاحب بلاتے ہیں۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر مجھے بلانے بھیجا ہے۔ میں نے کہا اب تو وقت تنگ ہے۔ میں کل ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی خدمت میں آؤں گا۔ اس نے کہا کہ وہ بہت اصرار سے آپ کو بلاتے ہیں میں نے پھر بھی کہا کہ کل آؤں گا۔ اس نے کہا پاس ہی تو خیمہ ہے آپ ذرا تکلیف کر کے خود ہی ان سے عذر کر لیں۔

اب میں گیا تو وہ حسب عادت بڑی مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ میرا ایک نواسہ محمد عمر نام بیمار ہے۔ آپ اس کو دیکھیں۔ میں نے کہا میں کل آ کر اس کو دیکھوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ آج رات کو یہیں رہیں۔ کل ہم آپ کے مکان پر چلیں گے۔ چنانچہ میرے لئے علیحدہ خیمہ کھڑا کر دیا۔ اور اگلے روز چونکہ جمعہ تھا انہوں نے یہ کہہ کر مکان پر جانے سے تو اس کو ہم نے روک لیا ہے۔ راتوں رات ہی میرے کپڑے تیار کرا دیئے جو میں نے اگلے روز پہن لئے۔ جمعہ کا وقت آیا تو ہم دونوں جامع مسجد گئے۔ اور نماز پڑھی جس طرف حضرت مظہر جانجاناںؒ ہمارے شیخ المشائخ کی قبر ہے۔ اس طرف کی سیڑھیوں سے وہ اترے ہیں۔ ان کی بگھیاں کھڑی تھیں۔ مجھ سے کہا کہ آپ کا مکان کہاں ہے۔ اُدھر چلیں میں حیران۔ مجھ کو سامنے ایک تنگ گلی نظر آئی میں نے کہا ادھر ہے۔ فرمایا اس طرف تو ہماری بگھی نہیں جا سکتی۔ اپنے دو آدمی میرے ساتھ کر دیئے۔ اور کہا کہ اسباب لے آؤ۔ میں ان آدمیوں کو ساتھ لئے ہوئے اس گلی میں پہنچا۔ بلا کسی ارادہ کے چلا جاتا تھا کہ ایک مکان نظر پڑا کہ اس مکان میں بڑی کثرت سے لوگ جاتے ہیں اور آتے بھی ہیں۔ اس مکان میں مخلوق کی اس قدر آمد و رفت دیکھ کر میں بلا تکلف اس مکان میں گھس گیا۔ جب ہم لوگ اندر داخل ہوئے تو دیکھا نیچے ایک بہت بڑا دالان ہے۔ اور اوپر زینہ کے راستہ بالا خانہ پر لوگ جاتے ہیں۔ میں نے ان سپاہیوں کو تو اس دالان میں بٹھایا اور بلا تکلف سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ اس وقت میرے دل میں ذرا بھی وسوسہ نہ آیا کہ یہ کس کا اور کیسا مکان ہے۔ گویا قدرت کا ایک ہاتھ تھا جو مجھ کو پکڑ کر اوپر لے گیا۔ وہاں کثرت سے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی ان کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے ان میں سے صرف عبداللہ صاحب ساکن بزنت مصنف تحفۃ الہند کو پہچانا۔ مجھ کو دیکھتے ہی وہ بڑے خوش ہو کر بولے آپ کا آنا تو میرے لئے بڑا ہی مبارک ہوا ہے۔ میرے ساتھ کچھ نوجوان نومسلم ہیں۔ میں اسی فکر میں تھا کہ ان کو کہاں رکھوں۔ اب آپ جیسا انسان اور کون مل سکتا ہے۔ آپ ان کو اپنے یہاں لے جائیں یقین ہے کہ آپ بڑی مہربانی سے رکھیں گے۔ انہیں نومسلموں میں ہمارے دوست ہدایت اللہ صاحب بھی تھے۔ جو بہت کم سن تھے۔ میں نے کہا میں بخوشی ان کی خدمت گذاری کو موجود ہوں۔ مجھ کو ابھی اپنے مکان پر واپس جانا ہے۔ آپ میرے ساتھ کر دیں مولوی صاحب نے کہا ان کے ساتھ بسترے اور ضروری سامان موجود ہے۔ میں نے کہا کہ میرے آدمی نیچے بیٹھے ہیں۔ وہ سب اٹھا کر لے چلیں گے۔ ان کو دے دو ان سپاہیوں سے سامان اٹھوا کر ہم بخیر و عافیت منشی صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ وہ بہت ہی خوش اور احسان مند ہوئے۔ اور ہم سب کو اپنی بگھیوں پر سوار کرا کر کیمپ میں لے آئے۔ میں نے کہا کہ میں تھوڑے ہی دن آپ کے پاس رہ سکتا ہوں اور میاں محمد عمر کے رسولی ہے یہ بہت دنوں کے بعد جائے گی اور میں گھر میں اطلاع دے کر بھی نہیں آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ ضرور ٹھہریں۔ اور گھر کے لئے پانچسو روپے کا نوٹ بھیج دیں۔ میں بہت گھبرایا کہ ہم تو بارہ سو روپے کے مقروض ہو کر نکلے تھے۔ اور یہ تو پانچسو ہی دیتے ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد منشی صاحب نے سات سو روپیہ اور دیا۔ اور مجھ سے کہا کہ جس طرح ممکن ہو۔ آپ بھوپال تک چلیں میں نے سمجھا کہ میرا قرضہ تو پورا ہو ہی گیا اب جہاں چاہیں جا سکتے ہیں

(" مرقاۃ الیقین ")

وفات سے دو سال قبل

اپنی بیعت کرنے والوں کو

حضرت امام وقت کی نصیحت

{بیعت کرنے والے کے لئے}

ان عقائد کا پابند ہونا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق اور قرآن شریف من جانب اللہ کتاب اور جامع الکتاب ہے۔ کوئی نئی شریعت اب نہیں آ سکتی اور نہ کوئی نیا رسول آ سکتا ہے۔ مگر ولایت اور امامت اور خلافت کی ہمیشہ قیامت تک راہیں کھلی ہیں۔ اور جس قدر مہدی دنیا میں آئے یا آئیں گے۔ ان کا شمار خاص اللہ جل شانہٗ کو معلوم ہے۔ وحی رسالت ختم ہو گئی۔ مگر ولایت و امامت و خلافت کبھی ختم نہیں ہو گی یہ سلسلہ آئمہ راشدین اور خلفاء ربانیین کا کبھی بند نہیں ہو گا۔ کسی گذشتہ لوگوں سے بجز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع فضائل و کمالات میں بے مثل نہیں کر سکتے اور ممکن نہیں کہ کسی کمال نوع کی خدمت گذاری میں آئندہ اس سے بہتر پیدا ہوں جزوی فضیلت کے لحاظ سے بعض لوگ بے مثل ٹھہر سکتے ہیں، جیسے صحابہ اور اہل بیت کی یہ فضیلت ہے کہ انہوں نے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پایا۔

(البدر ۱۴ر جون ۱۹۰۶ء)

قدمِ صدق، نفسانی اغراض پر موت:۔

دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے۔ اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے۔ جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھر بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کیڑے ہلاک ہوتے ہیں۔ اور تم میں خدا نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہوگا۔

نرمی و گرمی محض خدا کے لئے

لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہوگے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی و گرمی محض خدا کے لئے ہو جاوے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں تو خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں۔ اور وہی میرا خدا ہے جو تمہارا خدا ہے۔ پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو۔ اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کے منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے۔ خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو۔ تاکہ خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔ کینہ وری سے پرہیز کرو اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو۔ نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔ تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے۔ اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازے میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پاویں یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔

سلسلہ احمدیہ کے غلبہ کی پیشگوئی

تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا۔ اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور [illegible] کراہت کے ساتھ پیش آئے گی۔ وہ آخر فتحیاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے۔ ایسا ایمان لائے جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے

(الوصیت)

حضرت مجدد زمان علیہ السلام

قرآن خدا نما ہے خدا کا کلام ہے

ہے شکر ربِّ عزّ و جل خارج از بیاں — جس کے کلام سے ہمیں اس کا ملا نشان
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں — ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہو گیا — وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہو گیا
اس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا — ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دل بدل دیا
اس سے خدا کا چہرہ نمودار ہو گیا — شیطان کا مکر و وسوسہ بے کار ہو گیا
وہ رہ جو ذاتِ عزّ و جل کو دکھاتی ہے — وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے
وہ رہ جو یارِ گمشدہ کو کھینچ لاتی ہے — وہ رہ جو جامِ پاک یقیں کا پلاتی ہے
وہ رہ جو اس کے ہونے پہ محکم دلیل ہے — وہ رہ جو اس کے پانے کی کامل سبیل ہے
اس نے ہر ایک کو وہی رستہ دکھا دیا — جتنے شکوک و شبہ تھے سب کو مٹا دیا
افسردگی جو سینوں میں تھی دور ہو گئی — ظلمت جو تھی دلوں میں وہ سب نور ہو گئی
جو دور تھا خزاں کا وہ بدلا بہار سے — چلنے لگی نسیم عنایاتِ یار سے
جاڑے کی رت ظہور سے اس کے پلٹ گئی — عشقِ خدا کی آگ ہر اک دل میں اٹھ گئی
جتنے درخت زندہ تھے وہ سب ہوئے ہرے — پھل اس قدر پڑا کہ وہ میووں سے لد گئے

فرقاں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

(دُرّ ثمین)

اسلامی روایات

خان مرتضیٰ خان حسن

حضرت عمرؓ اور خولہ بنت حکیم

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نماز ادا کر کے مسجد سے باہر نکلے۔ جارود بن عبداللہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ راستہ میں ایک خاتون نے آپ کو روک لیا اور کہا میری بات سنیئے۔ آپؓ نے فرمایا میں بخوشی سنوں گا۔ کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ وہ کہنے لگی اے عمرؓ! تیرا ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگ تجھے عمیر عمیر کہتے تھے۔ تو عکاظ کے میدان میں کھیلا کرتا تھا۔ اور کشتیاں کیا کرتا تھا۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ تو عمیر سے عمر کہلانے لگا اور اب خدا نے تجھے یہ مرتبہ دیا ہے کہ لوگ تجھے امیرالمومنین کہتے ہیں اور سوائے خدا کے تیرے سر پر کوئی حاکم نہیں ہے۔ تجھ کو نصیحت کرتی ہوں کہ اب ایسی حالت میں خدا کو نہ بھول جانا۔ رعیت کی خبرگیری۔ اس کی دادرسی اور اس کی خدمت اپنا فرض سمجھنا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ زار وقطار رونے لگ گئے۔ جارود نے کہا اے نیک خاتون! تو نے کیا کیا کہ امیرالمومنین کو رلا دیا۔ آپؓ نے فرمایا اے جارود! کچھ نہ کہو۔ تم جانتے ہو یہ خاتون کون ہے؟ یہ بڑے پایہ کی خاتون ہے۔ یہ خولہ بنت حکیم ہے جس کی خدا نے سن لی اور جس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ "قد سمع اللہ قول التي الخ" پھر عمر کی کیا مجال ہے کہ وہ اس کی بات نہ سنے اور اس پر عمل نہ کرے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ خدا سے بے انتہا ڈرنے والے بزرگ تھے۔ آپ نے ایک عورت کی بات کو غور سے سنا اور اس کی نصیحت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ رونے لگ گئے۔ آپ اپنے وقت کے بادشاہ تھے لیکن عام دنیادار بادشاہوں کی طرح آپ کی حالت نہ تھی کہ کسی غریب کی بات ہی نہ سنتے۔ آپ کے دل میں فرض شناسی کا کس قدر احساس تھا کہ جب انہیں کہا گیا کہ خدا کو نہ بھول جانا۔ رعیت کی خبرگیری اپنا فرض سمجھنا آپ بے اختیار رونے لگ گئے۔ [illegible] کے سامنے سر جھکا دینا یہ خاص لوگوں کا ہی شیوہ ہوتا ہے۔ متکبر اور مغرور لوگ اول تو کسی کی نصیحت سنتے ہی نہیں اگر سنتے ہیں تو سن کر ان سنی کر دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ تو چھپ چھپ کر اپنے عیب سنا کرتے تھے۔ اور جب کسی بات کی اصلاح ضروری سمجھتے فوراً اصلاح کرتے۔ یہ بلند پایہ لوگوں کا خاصہ ہے۔ عوام کو یہ دولت حاصل نہیں ہوتی۔"

سچائی کے سامنے بادشاہ نے سر جھکا دیا

ماہِ رمضان کی انتیسویں تاریخ تھی ملک شاہ بادشاہ اور اس کے امراء و وزراء ہلالِ عید کی تلاش میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ چاند تو نہیں نکلا تھا مگر خوشامدی درباری محض بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے پکار اٹھے، "آہا! چاند نظر آگیا۔ حضور کو چاند مبارک ہو"۔ بادشاہ نے ان کی بات کو مان کر اعلان کروا دیا کہ کل صبح عید ہے۔ امام الحرمین جو چیف جسٹس اور مفتی تھا اس کو بھی بادشاہ کے اعلان کا علم ہوا انہوں نے چاند کے متعلق پوری پوری تحقیقات کرائی اور جب یقین ہو گیا کہ درحقیقت کوئی چاند نظر نہیں آیا تو آپ نے اعلان کروا دیا کہ کل عید نہیں ہے۔ بلکہ روزہ ہے سب مسلمانوں کو روزہ رکھنا ہے۔ اس اعلان کے ہو چکنے کے بعد بادشاہ کے خوشامدی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسکو مفتی کے خلاف خوب بھڑکایا اور کہا کہ مفتی کا اعلان درحقیقت بادشاہ کے خلاف بغاوت اور اعلانِ شاہی کی توہین ہے۔ بادشاہ بھی بہت غضب ناک ہوا اور مفتی کو اپنے حضور بلوا بھیجا جب مفتی صاحب کے پاس فرمانِ شاہی پہنچا وہ فوراً بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو گئے مگر وہ اپنے روزمرہ کے لباس میں ہی آئے۔ درباری لباس دانستہ نہ پہنا اسکو بھی ایک بے ادبی اور گستاخی سمجھا گیا۔ چنانچہ جب قاضی صاحب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے کہا: "قاضی صاحب! آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے ایک خاص لباس مخصوص کیا گیا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے آدابِ شاہی کو کیوں پسِ پشت پھینکا اور کس طرح آپ نے اپنے روزمرہ کے لباس میں ہمارے سامنے آنے کی جرأت کی۔"

مفتی صاحب بادشاہ کی اس دھمکی سے ذرا نہ گھبرائے اور انہوں نے بڑے سکون سے عرض کیا کہ "بادشاہ سلامت! جب ہم احکم الحاکمین۔ بادشاہوں کے بادشاہ زمین و آسمان کے مالک کے حضور اسی لباس میں حاضر ہو سکتے ہیں تو پھر آپ کے حضور میں اسی لباس کے ساتھ کیوں حاضر نہیں ہو سکتے؟"

بادشاہ یہ برجستہ جواب سن کر دم بخود رہ گیا اور پھر دوسرے سوال کی طرف متوجہ ہوا۔ کہنے لگا "آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں اولوالامر (بادشاہ وقت) کا حکم ماننے کی کس قدر تاکید ہے۔ میں نے یہ اعلان کرایا تھا کہ کل عید ہے اور آپ نے اس کے خلاف اعلان کرا دیا کہ عید نہیں ہے۔ روزہ ہے۔ کیا یہ ہمارے حکم کی نافرمانی اور ہماری توہین نہیں ہے۔" قاضی صاحب نے نہایت معقول اور برجستہ جواب دیا کہ:

"بادشاہ سلامت! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ امور جو بالکل واضح اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہیں ان میں بادشاہِ وقت کی اطاعت واقعی ہر ایک کیلئے لازمی ہے مگر جن امور میں اختلاف واقع ہو جائے تو مفتی کو حق حاصل ہے کہ وہ قوانین اور احکامِ شریعت کے مطابق فیصلہ دے اور ایسے امور میں قاضی کا فیصلہ ایسا ہی واجب العمل ہے جیسے بادشاہِ وقت کا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اپنا فرضِ منصبی ادا کیا ہے۔ اور یہی میرے لئے لازمی تھا اور اسی پر آپ کو بھی عمل کرنا چاہیئے"۔ یہ جواب سن کر بادشاہ خاموش ہو گیا۔ قاضی کی اخلاقی جرأت کی تعریف کی اور اعلان کروا دیا کہ شاہی اعلان جو عید کے متعلق کیا گیا تھا وہ غلط فہمی پر مبنی تھا اسکو منسوخ سمجھا جائے اور قاضی صاحب کا اعلان ہی صحیح اور واجب العمل سمجھا جائے"۔

بقیہ خدا کے وجود پر کامل ایمان کا سرچشمہ ـــ الہام

بھی خدا سے شرف ہم کلامی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اگر خدا کے فرستادوں کی ہدایت سے انسان کسی نہ کسی صورت میں خدا سے تعلق قائم نہیں کر سکتا جس کی اعلیٰ ترین صورت ہم کلامی ہے۔ تو پھر ان کے آنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اور انسان یقین کامل سے محروم ہو جاتا ہے۔ خدا کے فرستادہ یعنی نبی بھی بشر ہی ہوتے ہیں۔ اگر وہ خدا سے ہمکلام ہو سکتے ہیں تو بشر ہونے کی وجہ سے غیر انبیاء بھی ہم کلام ہو سکتے ہیں۔ اور قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

"ماكان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا او من وراء حجاب او يرسل رسولا فيوحي باذنه ما يشاء"

کسی بشر کے لئے یہ میسر نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے۔ مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے۔ یا رسول بھیجے۔ پس اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔" (الشوریٰ)

اخبار احمدیہ

احباب سرینام خیر و عافیت سے ہیں

چند دن قبل اخبارات میں اس قسم کی اطلاع شائع ہوئی تھی کہ سرینام میں سیاسی انقلاب کے نتیجہ میں حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا ہے۔ یہ خبر ہمارے لئے موجب تشویش تھی۔ کیونکہ اس ملک میں ہمارے بھائی ہزاروں کی تعداد میں مقیم ہیں چنانچہ سرینام میں جماعت کے دو متقدر دوستوں کو دریافت احوال کے لئے الگ الگ تار دیئے گئے مگر کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ اس کے بعد گیانا میں (جو ملحقہ ملک ہے) ہماری جماعت گیانا کے صدر جناب ایم بی لیسین صاحب کو تار دیا گیا اور آج ان کی طرف سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے نام تار آیا ہے۔ کہ انہوں نے سرینام کے دوستوں سے ٹیلیفون پر حالات معلوم کئے ہیں۔ اور جماعت کے تمام احباب و خواتین بفضلہٖ تعالیٰ خیر و عافیت سے ہیں اور ملکی حالات بھی معمول پر آ رہے ہیں فالحمد للہ علیٰ ذالک ۳/۱۵ والسلام

مرزا مسعود بیگ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

شادی خانہ آبادی:

یہ خبر احباب جماعت کی دلی مسرت کا موجب ہوگی کہ ہمارے مرحوم و مغفور دوست میاں غلام حیدر صاحب تمیم (ریٹائرڈ ڈی آئی جی پولیس جھنگ) کے صاحبزادہ میجر طارق حیدر کی شادی خانہ آبادی اپنی پھوپھی زادی کے ہمراہ مؤرخہ یکم مارچ ۱۹۸۰ء بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ اللہ تعالےٰ اس رشتہ کو جانبین کے لئے موجب خیر و برکت اور دین و دنیا کی راحتوں کا سبب بنائے۔ ہم اس تقریب سعید پر میجر طارق حیدر صاحب اور ان کی والدہ صاحبہ محترمہ اور بہن بھائیوں اور ان کی پھوپھی محترمہ آمنہ تمیم صاحبہ کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

انتقال پُر ملال

حلقہ احباب سلسلہ میں یہ خبر انتہائی رنج و غم سے سنی جائے گی کہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب چیف ایڈیٹر پیغام صلح کی اہلیہ محترمہ ۱۶/۱۷ مارچ ۱۹۸۰ء کی درمیانی شب انتقال فرما گئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ (مفصل آئندہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منظوم کلام کے کیسٹ

سلسلہ کے خوش گلو حضرات سے التماس ہے کہ وہ اپنی خوش الحانی سے حضرت مجدد وقت کے منظوم کلام کو عوام تک پہنچانے میں ہماری مدد کریں۔ اور حضرت صاحب کے اردو، فارسی اور عربی کلام سے جو وہ بطریق احسن پڑھ سکتے ہوں مرکز کو اطلاع دیں تاکہ اس سلسلہ میں باقاعدہ بندوبست کیا جائے

(مخدوم) سعد اختر جائنٹ سیکرٹری

تعلیمی وظائف کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں

مرکزی انجمن جماعت کے زیر تعلیم طلبہ اور طالبات کو سکول اور کالج کی تعلیم کیلئے مقامی جماعتوں کی سفارش اور استحقاق کے مطابق تعلیمی وظائف دیتی ہے۔ ان عمومی وظائف کے علاوہ حسب ذیل دو وظائف معطی صاحبان کے عطیہ کے مطابق انجمن کے توسط سے مستحق طلبہ یا طالبات کو اپریل ۱۹۸۰ء سے دیئے جا سکتے ہیں۔

۱: ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور تعلیمی فنڈ

اس فنڈ سے یک صد روپیہ ماہوار کا وظیفہ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو (ترجیحاً کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے سٹوڈنٹ کو) دیا جا سکتا ہے۔

۲: انگلستان میں مقیم جماعت کی ایک معزز خاتون (مسز نوقیہ زاہد عزیز) کے عطیہ سے یکصد روپیہ ماہوار کا تعلیمی وظیفہ اپریل ۱۹۸۰ء سے ایک سال کے لئے دیا جا سکتا ہے۔ ہر قسم کا طالب علم درخواست دے سکتا ہے۔ لیکن سائنس اور پروفیشنل تعلیم حاصل کرنے والے کو ترجیح دی جائے گی۔

ہر دو وظائف سر دست ایک سال کے لئے ہونگے۔ حسب ذیل پتہ پر درخواست مع ضروری مصدقہ کوائف ارسال کریں۔

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

"دارالسلام" ۵ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم ✽ اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج ✽ جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

دہر کی منزل ہے اوّل قدم نفیِ وجود ✽ پس کرو اس نفس کو زیر و زبر از بہر یار

(مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۳۰ ——— جلد ۶۷ شمارہ: ۱۱

باہتمام ادب پرنٹرز آبکاری روڈ سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد: (۶۷) یوم چہارشنبہ ۹/۲ جمادی الاول ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹/۲۶ مارچ ۱۹۸۰ء شمارہ (۱۲-۱۳)

ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ

ہماری جماعت کو کیسی خصوصیات اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں

قانون قدرت یہی ہے کہ

خُدا کے قائم کردہ سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوا کرتی ہے اس لئے ہماری جماعت کی ترقی بھی تدریجی اور کزرع یعنی کھیتی کی طرح ہوگی۔ اور وہ مقاصد اور مطالب اس بیج کی طرح ہیں جو زمین میں بو یا جاتا ہے۔ لیکن وہ مراتب اور مقاصد عالیہ جن پر اللہ تعالےٰ ہماری جماعت کو پہنچانا چاہتا ہے ابھی بہت دور ہیں۔ اور وہ حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہماری جماعت میں وہ خصوصیت پیدا نہ ہو جو سلسلہ کے قیام سے اللہ تعالےٰ کا منشا ہے یعنی توحید کے اقرار میں خاص رنگ ہو۔ تبتل الی اللہ ایک خاص رنگ کا ہو۔ ذکر الٰہی میں خاص رنگ ہو اور حقوقِ اخوان بھی ایک خاص رنگ رکھتا ہو۔ تمام مامورین کی بعثت کی غرض مشترک ہی ہوتی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی حقیقی اور سچی محبت لوگوں کے دلوں میں قائم کی جائے۔ اور بنی نوعِ انسان اور اخوان کے حقوق اور محبت میں ایک خاص امتیازی رنگ پیدا کیا جائے۔ اور جب تک یہ امور کامل طور پر ایک انسان میں نہ ہوں وہ سب رسمی باتیں ہوں گی۔

اللہ تعالےٰ کی محبت کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن بعض اشیاء کا علم ہمیں بعض دیگر اشیاء سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک درخت کے نیچے اگر پھل گرے پڑے نظر آئیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس درخت پر بھی پھل لگے ہوئے ہوں گے۔ لیکن اگر اس کے نیچے کوئی پھل نظر نہ آئے تو اوپر کے پھلوں کے بارے میں کوئی یقین نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پر بنی نوعِ انسان اور اپنے بھائیوں کے ساتھ جو یگانگت اور محبت کا رنگ ہو اور وہ اس اعتدال پر ہو جو خدا تعالےٰ نے قائم کیا ہے۔ تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے ساتھ بھی ضرور محبت ہونی چاہیئے۔ پس بنی نوعِ انسان کے حقوق کی نگہداشت اور بھائیوں کے ساتھ اچھے تعلقات اس بات کی بشارت دیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی محبت کا رنگ بھی اس میں ضرور ہے۔

(۴ دسمبر ۱۹۰۱ء)

جماعتِ سُرینام کے مزید حالات

گزشتہ اشاعت میں گیانا سے موصولہ اطلاع احباب جماعت کی خدمت میں پہنچائی گئی تھی کہ ہماری جماعت سرینام کے احباب بفضلہٖ تعالیٰ بالکل خیر و عافیت سے ہیں۔ اب سرینام کے ایک معتمد دوست جناب یعقوب محمد ایوب صاحب کا مفصّل خط مورخہ ۲۹ فروری سنہ ۱۹۸۰ء بھی حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی خدمت میں موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ سرینام میں سیاسی انقلاب کے نتیجہ میں بہت سے لوگ گرفتار ہوئے۔ اموال لوٹے گئے اور مار دھاڑ بھی ہوئی۔ لیکن ہماری جماعت کا صرف ایک نوجوان مارا گیا۔ اور باقی تمام احباب اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے بالکل صحیح سلامت اور خیر و عافیت سے ہیں۔ اور انہیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا اور نہ کسی کا مالی نقصان ہوا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ہمارے یہ بھائی یعقوب محمد ایوب صاحب پاکستان بھی تشریف لائے تھے اور "دارالسلام" و جماعت لاہور کے احباب سے بخوبی واقف ہیں۔ اور ہمارے احباب کے سالِ گذشتہ کے دورۂ سرینام سے یہ تعلقات مروت و اخوت اور زیادہ مستحکم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے خط محولہ بالا میں لکھتے ہیں کہ:

ہزاروں میل کے فاصلہ کے باوجود اب سرینامی دوستوں کے دل احباب لاہور کے ساتھ ہی دھڑکتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی عافیت کے خواہاں اور ایک دوسرے کی تکلیف سے متاثر ہوتے ہیں۔ سرینام میں پیش آمدہ اس حادثہ کے بعد مرکز لاہور سے دریافتِ احوال کے لئے جو تار دیئے گئے تھے وہ انہیں مل گئے تھے اور نماز جمعہ کے بعد احباب کو اس کی اطلاع دی گئی جس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ اور بہ چشم نم انہوں نے احباب لاہور اور پاکستان کے جملہ احمدی بھائیوں کا شکریہ ادا کیا ہے اور ان کی خدمت میں السلام علیکم اور نیک خواہشات ارسال کی ہیں اور آپ سے مزید دعاؤں بالخصوص اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعتِ اسلام کے مشن کی کامیابی کے لئے دعاؤں کی درخواست کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کا اور بیرونی ممالک کی تمام جماعتوں کا حافظ و ناصر ہو۔ اور ان کی مساعی کو بارآور فرمائے۔ اور انہیں اور پاکستان کے جملہ احباب جماعت کو بیش از بیش خدمات دینی اور حسنات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (مرزا مسعود بیگ)

مضمون نگار احباب کی خدمت میں درخواست ہے کہ

موجودہ مسائل پر قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں مضامین لکھیں

سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ اور احادیث اور حضرت بانیٔ سلسلہ کی صداقت پر بالکل جدید اور سائنٹیفک اسلوب میں مضامین تحریر فرمائیں اور بھیجیں ان کے مضامین نہایت شکریہ کے ساتھ شائع کئے جائیں گے۔

خدا رسیدہ لوگ

رحمتِ حق ہیں وہ اخوان الصفّا کے واسطے

در حقیقت ہیں وہی لائق ثنا کے واسطے
زندگی جو وقف کرتے ہیں خدا کے واسطے

دولتِ دنیا کو خاطر میں کبھی لاتے نہیں
خاک میں ملتے ہیں شانِ کبریا کے واسطے

علم رکھتے ہیں مگر کرتے نہیں اس پہ غرور
رکھتے ہیں سجدے میں سر دائم دعا کے واسطے

ان کے اوقاتِ گرامی کے ہیں مالک اور لوگ
جیتے ہیں وہ اصل میں خلقِ خدا کے واسطے

اپنے بیماروں کی کرتے ہیں مسیحائی کبھی وہ
فکر رکھتے ہیں دوا کے اور شفا کے واسطے

ان کے دل میں ہے محبت ان کی باتوں میں خلوص
رحمتِ حق ہیں وہ اخوان الصفا کے واسطے

کارزارِ زندگی میں ہے محبت ان کی تیغ
سختیاں سہتے ہیں آئینِ وفا کے واسطے

نوجوانی میں بھی تھے وہ پاک دل اور پاکباز
زندگی ان کی ہے زہد و اتقا کے واسطے

سر جھکاتے ہیں قضا و قدر کے احکام پر
رہتے ہیں تیار تسلیم و رضا کے واسطے

چشم پوشی کرتے ہیں احباب کے اعمال سے
آنکھ ہے ان کی بنی گویا حیا کے واسطے

عزم سے ٹلتے نہیں محنت سے کتراتے نہیں
ہے روش ان کی نمونہ اصفیاء کے واسطے

نام سے ان کو غرض ہے اور نہ کچھ شہرت سے کام
کام جو کرتے ہیں۔ کرتے ہیں خدا کے واسطے

ولولہ ہے ان کے دل میں خدمتِ اسلام کا
درد رکھتے ہیں وہ دینِ مصطفٰےؐ کے واسطے

(ا مصطفٰے خاں)

ڈاکٹر اللہ بخش

كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام

فالصّٰلحٰت قٰنتٰت حٰفظٰت للغيب

ترجمہ: نیک بیبیاں، فرمانبردار اور (اپنے خاوندوں کی عزت و اموال) کی محافظ ہوا کرتی ہیں

میری رفیقہ حیات کی وفات اور

جماعت احمدیہ لاہور کے چند ابتدائی واقعات

میری اہلیہ عزیزہ بیگم حضرت امیر قوم مرحوم کی بھانجی تھیں۔ اس لحاظ سے سلسلہ عالیہ احمدیہ لاہور کی بعض یادیں بھی ان سے وابستہ ہیں۔ بعض دوستوں کے فرمانے پر ان کی زندگی کے چند ایک واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

جیسے کہ کتاب "مجاہد کبیر" میں مرقوم ہے حضرت امیر مرحوم کے پانچ بھائی اور ایک بہن تھی۔ جن کی شادی منشی محمد بخش صاحب سے ہوئی اور جن سے دو بیٹے چوہدری شاہ دین صاحب اور راجہ عبدالمجید اور چار بہنیں پیدا ہوئیں۔ جب حضرت امیر مرحوم ابتداء میں قادیان سے ہجرت کر کے احمدیہ بلڈنگس لاہور مقیم ہوئے تو کچھ عرصہ بعد آپ کی ایک صاحبزادی علیہ بیگم بیمار ہو گئیں۔ بیماری طویل قسم کی اور دن رات کی تیمارداری کی طالب تھی تو حضرت امیر مرحوم نے اپنی بہن سے ان کی اس بیٹی عزیزہ بیگم کو لاہور بلوا لیا۔ اس دوران عزیزہ بیگم نے تیمارداری سے متعلق اعلیٰ حق خدمت ادا کیا کہ حضرت امیر مرحوم فرمایا کرتے کہ یہ ہماری اپنی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی ہے۔ پرانے رسم و رواج کے مطابق بچپن میں ہی میری نسبت عزیزہ بیگم سے ہمارے والدین نے کر دی ہوئی تھی۔ جب میں نے بی۔ایس۔سی پاس کیا اور میری والدہ وفات پا گئیں تو ۱۹۲۱ء میں ہماری شادی کر دی گئی۔ اس تقریب میں بھی حضرت امیر مرحوم نے شرکت فرمائی تھی۔ گوجرہ سے چند میل دور ایک چک تھا۔ حضرت امیر مرحوم لاہور سے بذریعہ ٹرین لائل پور گئے اور وہاں سے جناب شیخ میاں محمد صاحب کی معیت میں کار میں چک تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ تک ہم قبلہ ام والد صاحب حضرت مولانا عز[illegible] بخش صاحب کے ساتھ احمدیہ بلڈنگس رہے۔ (جب آپ انجمن میں خدمات دینیہ بجا لا رہے تھے) پھر جب میں میڈیکل کالج میں داخل ہوا تو پہلے کالج کے ہوسٹل اور [illegible] مسلم ہوسٹل ٹمپل روڈ میں رہتا رہا۔ ۱۹۳۰ء میں میں پروفیشنل میڈیکل سروس میں لے لیا گیا۔ تو پھر سے میں نے احمدیہ بلڈنگس میں سکونت اختیار کر لی۔ بابو منظور الٰہی صاحب نے نیا نیا مکان بنوایا تھا جس کے دروازے مسلم ہائی سکول میں کھلتے تھے پہلے اس میں رہے مگر ۱۹۳۲ء میں حضرت امیر مرحوم نے محترم چوہدری ظہور احمد کا مکان خرید کرنے کا ارشاد فرمایا۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ لاہور کی تاریخ میں چوہدری صاحب کا یہ مکان بھی ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے سامنے اسوقت خالی جگہ پر ایک بوہڑ کا بہت بڑا درخت تھا۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۰ء تک اس درخت کے سایہ میں اکثر چار اصحاب جنہوں نے ابتداء تاریخ جماعت لاہور میں اپنی زندگی سلسلہ کے لئے وقف کی تھی بیٹھا کرتے تھے۔ مولانا محمد یعقوب خاں۔ ایف کے خاں درانی۔ حافظ محمد حسن جیمہ اور خود چوہدری صاحب۔ "اصحاب الصفہ" کی مناسبت سے ان اصحاب کو "اصحاب بوہڑ" کہا جانے لگا۔

نیک اور دینی ماحول کا عظیم اثر

میری اہلیہ، میرے بچوں اور میں نے احمدیہ بلڈنگس میں طویل سکونت کے باعث حضرت امیر کے خطبات جمعہ، مسلم ہائی سکول کی فضا اور جلسہ سالانہ سے سیر حاصل دینی مفاد پائے۔ دراصل جو کچھ تھوڑا شوق اور علم دین سے واقفیت راقم الحروف کو پیدا ہوئے وہ اسی عظیم الاثر نیک ماحول کے باعث تھا۔ جو لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں کے دم قدم کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ آہ! کیا ہی عجیب وہ دور تھا جس کی یادیں دل میں سرور اور روح میں زندگی کی لہر پیدا کرتی ہیں۔ جب روزانہ درس قرآن کے علاوہ ہر شام مغرب کی نماز کے بعد مرکزی مسجد احمدیہ میں کم و بیش یہ پانچ اصحاب یعنی حضرت مولانا محمد علی، حضرت خواجہ کمال الدین، حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ، اور بابو منظور الٰہی صاحبان جمع ہوتے۔ نماز مغرب کے بعد ہر صاحب کے گھر سے مسجد میں کھانا آتا اور سب دلی دوست مل کر تناول فرماتے۔ ایسی محبت و یگانگت، ایسے پیار و لگاؤ، ایسے اتحاد و اتفاق کی فضا نظر آتی کہ دل میں اس کی یاد روح کو ہمیشہ تڑپاتی ہے۔

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو ۔ دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

۱۹۳۲ء میں میری تعیناتی کیمیکل اگزامینر پنجاب کے محکمہ میں ہو گئی اور اس طرح مستقل طور پر مجھے لاہور مقیم ہونے کا نادر موقع نصیب ہوا۔ جس غرض کے لئے میں دلی آرزو سے دست بدعا رہتا تھا۔ اسوقت پندرہ روزہ اردو انگریزی اخبار "ینگ اسلام" نکلنا شروع ہوا اور ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن کی بنیادیں پڑیں۔ ان تحریکوں کی زیادہ تر غرض اس امر کی جانب توجہ دلانا تھی کہ حضرت اقدس مجدد زمان کی عالمگیر تحریک احیائے اسلام کا دار و مدار جماعت احمدیہ لاہور کی ترقی و توسیع میں ہی مضمر ہے۔

میری اہلیہ احمدیہ بلڈنگس میں سکونت پذیر ہونے کے باعث ہر نسوانی جماعتی تحریک میں حصہ لیتیں۔ حضرت امیر مرحوم کی تو وہ بھانجی اور بمنزلہ بیٹی کے تھیں ہی ان کے اعلیٰ مراسم حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، حضرت سید محمد حسین شاہ۔ حضرت خواجہ کمال الدین، حضرت مولانا صدر الدین صاحب۔ بابو منظور الٰہی صاحب کی بیگمات اور بیٹیوں سے بھی خوب تر تھے۔ چنانچہ رضیہ مدد علی، شہزادہ بیگم اور محمودہ بیگم سے بھی سہیلیوں یا بہنوں جیسے تعلقات استوار تھے۔ [illegible] بیماری اور وفات کی خبر بذریعہ ریڈیو۔

۱۹۴۰ء کے قریب میری لڑکی شمیم اختر شدید و طویل بیماری میں مبتلا ہو گئی جو تین برس متواتر رہا۔ چونکہ بخار کے علاوہ اور کوئی علامت ظاہر نہ تھی۔ ڈاکٹر اور اطباء صاحبان بیماری کی اصل تشخیص سے قاصر رہے۔ میری اہلیہ اکثر خواب میں دیکھتیں کہ اس کی بیٹی گم ہو گئی ہے اور وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہے مگر ملتی نہیں۔ مگر دو سال کی علالت کے بعد میری اہلیہ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا

شبہ کہ یہ انتڑیوں کی بیماری ہے ۔ انہوں نے مجھے اپنا یہ خواب سنایا اور اس کے تھوڑے عرصہ بعد انکو پیٹ میں درد اور اسہال کا عارضہ شروع ہوا۔ تو تب ڈاکٹروں نے بھی وہی تشخیص کی جو خواب میں میری اہلیہ کو بتلائی گئی تھی ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میری اہلیہ نے خواب دیکھا کہ ایک باغ میں اس کی بیٹی بیٹھی ہے ۔ جیسے وہ بلا رہی ہے کہ وہ آ جائے مگر بیٹی نے جواب دیا ۔ اب میں واپس نہیں آ سکتی ۔ چنانچہ ۱۹۴۳ء میں ہماری جواں سال بیٹی کی وفات ہو گئی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میری اہلیہ کو اپنی اکلوتی بچی کی جوانی کی وفات کا بہت صدمہ لاحق ہوا مگر انہوں نے اسے [illegible] میں ہم مقیم رہے ۔ اور یہیں میری اہلیہ کی وفات ۱۷ مارچ ۱۹۸۰ء کو قضائے الٰہی سے ہو گئی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

عمر کے آخری بیس پچیس برس میری اہلیہ کو مرض ذیابیطس کا عارضہ لاحق ہو گیا مگر نہایت پابندی سے احتیاط اور دوا کرتی رہیں ۔ یہی باعث تھا کہ انہیں خدا تعالیٰ نے طبعی عمر عطا فرمائی ۔ مگر گذشتہ پانچ سال سے پتہ کی سوزش میں مبتلا ہو گئی تھیں جس کا اپریشن کرانا انہوں نے مناسب نہ سمجھا ۔ پھر اسی دوران قلب کی کمزوری آہستہ آہستہ ترقی پا گئی ۔ اس کی وجہ سے اور ذیابیطس کے باعث پاؤں سوج گئے اور متورم ہو گئے تھے جس سے چلنا پھرنا دشوار ترین ہوتا گیا ۔ آپ اکثر دعا مانگا کرتیں کہ الٰہی میں چارپائی پر دراز ہو کر محتاج و معذور نہ ہو جاؤں ۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور صرف ایک ماہ کے قریب چل پھر نہ سکیں کہ خدا نے انہیں اپنی جانب بلا لیا ۔ میری تسلی کے لئے اکثر یہ بات کہتیں کہ دو انسان جو رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاتے ہیں اکٹھا دنیا میں آتے ہیں اور نہ ہی اکٹھا ئے جائیں گے جس کا مفہوم اب سمجھ میں آیا ۔ کہ وہ کہنا چاہتی تھیں کہ میری وفات آپ کی زندگی میں ہو گی ۔ سادھ مرتے کیا دیتے جو اپنے گھر جائے مرحومہ کی طویل ۱ ٹھ سالہ رفاقت سے جو اوصاف جمیلہ میں نے مشاہدہ کئے وہ صدق و وفا ۔ حفاظت اموال اور نفاست و صفائی ہیں ۔ ان صفاتِ حسنہ کے باعث ہی میری زندگی قائم رہی ۔ بیماری کے آخری ایام میں آپ کو احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ جانبر نہ ہو سکیں گی ۔ اپنے بیٹوں کو انگلینڈ سے بلوا لیا ۔ ان کے آنے سے قلب کو چند روز تقویت و تسکین ملی ۔ اور طبیعت سنبھل گئی ۔ مگر وہ تو قلب کی بڑھتی ہوئی کمزوری کی مرض کا شکار ہو چکی تھیں ۔ کمزوری اور سنبھلنے کے دورے پڑنے لگے جب آخری روز یقین ہو گیا کہ اب کوچ کا وقت آ گیا ہے ۔ تو اپنی بہو کو اضطراب کی حالت میں پکارا کہ یہاں سے چلو اپنے گھر ۔ جب اس نے یقین دلانے کی کوشش کی کہ آپ اپنے گھر ہی تو ہیں ۔ تو کہا کہ " یہ ہمارا گھر نہیں ، ہمارا گھر اور ہے چلو وہاں چلیں ۔" چند منٹ کے بعد قلب نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا ۔ پھر ان آخری ایام میں آپ کے سامنے اپنے والد صاحب ۔ والدہ صاحبہ ۔ دختر مرحومہ اور حضرت مولانا محمد علی کی روحیں لینے آئیں ۔ اب ان کا اس دنیا سے انقطاع ہو کر دوسرے عالم سے رشتہ جڑ چکا تھا ۔ اس طرح نہ صرف انسانیت کی اعلیٰ صفات کی مثال ان کی زندگی نے پیش کی بلکہ وفات سے قبل کے ایام میں دوسری زندگی کی حقیقت بتلا گئیں ۔ ع

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جان فدا کر

میری زندگی اس کے روزمرہ کے مشاغل اور گھر کی ہر شے میں ان کی یادیں ۔ ان کے نقوش مرتسم ہیں ۔ جدھر نظر اٹھتی ہے ۔ وہ موجود محسوس ہوتی ہیں ۔ آنکھیں بند کرتا ہوں تو اس کی صورت اس کی سیرت ، اس کے کردار اس کی حرکات و سکنات ، متحرک تصاویر کی طرح جلوہ گر ہو جاتی ہیں ۔ اندر سے دل مسلنے اور مسوسنے لگتا ہے ۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو چکی ہیں

میری ربیعہ حیات حقیقی معنوں میں میرے مقاصد میں دل و جان سے معاون بنی رہیں ۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میری خدمات دینیہ میں ان کا تعاون بھرپور شامل رہا ۔ صرف ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جو میرے بھائی رحیم بخش صاحب نے ان کی وفات کے بعد بتلایا ۔

جب میں پانچ برس کے لئے کراچی میں تعینات ہو گیا تو میرے بھائی نے بتلایا کہ وہاں میری رفیقۂ حیات نے ایک مکان خرید کرنے کا انتظام کر لیا تھا ۔ مگر بعد میں اسے منسوخ کر دیا ۔ اور وجہ یہ بتلائی کہ راقم الحروف کا ارادہ بجائے کراچی کے لاہور میں مقیم ہونے کا ہے ۔ لہٰذا وہ مجبور ہیں ۔

ان کی وفات پر میرے بھائی کی بیوی آخری رات بے چین رہیں اور صبح سویرے یہ کہتی تھیں چلو قبر پر چلیں ۔ حالانکہ وفات کی خبر ابھی انکو نہ ملی تھی ۔

نوٹ ایک خط صفحہ ۲۲ پر شائع کیا جا رہا ہے

مکتوب بھدرواہ (کشمیر)

جناب عبدالکریم صاحب سیکرٹری جماعت بھدرواہ نے جنرل سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی خدمت میں ایک چٹھی لکھی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے ۔

« جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند منعقدہ یکم تا ۲ ستمبر ۱۹۷۹ء بمقام قلمدان پورہ مہری نگر میں شرکت کے بعد براستہ جموں مکرم بشارت احمد صاحب بقا بہمراہی چوہدری غلام مصطفےٰ صاحب صدر جماعت ہند مورخہ ۲۰ ستمبر شام کے ۹ نو بجے تشریف لائے ۔ ان کی آمد کی دوستوں کو پہلے ہی سے اطلاع تھی ۔ سب دوستوں نے بس سٹینڈ پر جناب بقا صاحب کا استقبال کیا اور مرکز لاہور سے آمدہ ایک دوست سے مل کر جملہ احباب بڑے خوش ہوئے ۔ پھر ان کے قیام کے لئے مخصوص کردہ قیام گاہ واقع محلہ احمدیہ میں پہنچایا گیا جہاں دس بجے رات تک جماعتی امور پر گفتگو ہوتی رہی ۔ اس کے بعد جناب عبداللطیف صاحب گنائی نے بمع بعض دیگر احباب جماعت مکرم بقا صاحب کو پُرتکلف کھانا کھلایا بقا صاحب نے رات یہیں بسر کی ۔ دوسرے دن (۲۱ ستمبر) جمعہ تھا ۔ نماز جمعہ سے قبل ہی احباب و خواتین کافی تعداد میں جامع احمدیہ میں جمع ہو گئے ۔ خطبہ جناب محترم بقا صاحب نے ارشاد فرمایا اور اپنے

(بقیہ ملاحظہ کالم ۳)

پھرتے ہیں۔ سچ فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہاری اولاد قیامت کے دن تمہیں گردن سے پکڑے گی۔ کہ تم نے ہمیں صحیح راستہ پر وقت پر کیوں نہ ڈالا۔

بچے اور دینی محفلیں

اولاد کو اس وقت روحانی اور اخلاقی قدروں کی طرف لاؤ جب وہ بچہ ہوتی ہے معصوم ہوتی ہے تمہارے کہنے میں ہوتی ہے اس کے لئے اول تو گھر میں تقویٰ اور پاکیزگی کی فضا پیدا کرو اور بچوں کے لئے نمونہ بنو۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے اس آیت مبارکہ میں فرمایا ہے۔ جس سے میں نے اس خطبہ کو شروع کیا تھا۔ اگر آج ہم بڑے یہاں جمع ہیں اور احمدیت پر قائم ہیں تو اس کی وجہ ہمارے بزرگوں کا نیک نمونہ تھا۔ اس نیک نمونہ کی وجہ سے وہ اپنی بھی عاقبت بنا گئے۔ اور ہمیں بھی سیدھے راستے پر ڈال گئے۔ کیا انہوں نے اس وقت کی صدر انجمن کو کہا تھا کہ ہماری اولاد کے لئے کچھ بندوبست کر دو؟ نہیں بلکہ والدین نے خود اپنے تقویٰ کے اعلیٰ نمونہ کے علاوہ بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا یہ بندوبست کیا کہ بچوں کو جمعہ کی نمازیں۔ عیدیں بلکہ جلسہ سالانہ تک میں ساتھ لے جاتے تھے۔ میں نے پہلے کہا تھا کہ بچہ کی دینی تعلیم کو اس وقت ہاتھ میں لو جب وہ چھوٹا ہو۔ ابھی اس دنیا کی ہوا نہ لگی ہو۔ اور وہ آپ کے کہنے میں ہو۔

یہاں ہماری دارالسلام کی مسجد میں بعض فرض شناس والدین یہی کرتے ہیں۔ اور اگرچہ ان کے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں مگر وہ کیا سیکھتے ہیں میں اس کی دو مثالیں آپ کی دلچسپی کے لئے سناتا ہوں۔ ان میں سے ایک بچہ جو شاید ۸ - ۹ سال کا ہوگا۔ وہ انگریزی میڈیم سکول میں جو عیسائی مشنریوں کا ہے تعلیم کے لئے جاتا ہے۔ وہاں عیسائی استانی نے بائبل کلاس میں کہا کہ دیکھو یسوع مسیح جو خدا تھا اسے خدا باپ نے صلیب سے سیدھا آسمان پر اٹھا کر بٹھا لیا جہاں سے وہ آخیر زمانہ میں اتر کر تمام لوگوں کو بچائے گا۔ جیسا کہ قرآن میں بھی لکھا ہے اور تمام مسلمان مانتے ہیں۔ اس پر یہ احمدی بچہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا قرآن میں ایسا نہیں لکھا۔ بلکہ لکھا ہے کہ وہ صلیب سے زندہ اتار لیا گیا اور کشمیر کی طرف چلا گیا اور وہاں وہ سرینگر میں مدفون ہے اور میں نے خود اس کی قبر کی تصویر دیکھی ہے اس پر استانی نے جھڑک کر اس بچہ کو بٹھانا چاہا اور اپنی بات کو دہرایا مگر جب وہ اس غلط بات کو قرآن کی طرف منسوب کرتی یہ بچہ کھڑا ہو کر اسکو ٹوکتا تھا۔ جب دو تین دفعہ ایسا ہوا تو استانی نے پرنسپل سے شکایت کی اور کہا اگر یہ بچہ میری کلاس میں رہا تو میں بائبل کلاس نہیں لے سکتی۔ پرنسپل نے اس بچہ کی ماں کو بلا کر کہا کہ یا تو اپنے بچہ کو سمجھاؤ اور سیدھا کرو ورنہ ہمارے سکول سے اٹھا لو۔ بالآخر سمجھوتا اس بات پر ہوا کہ بچہ کے ساتھ اس کی ماں بھی کلاس میں بیٹھی تا کہ بچہ کو استانی کو ٹوکنے سے روکے۔

اسی طرح یہاں ایک بچہ تین چار سال کا آتا ہے اس نے میرے کسی خطبہ میں سنا کہ جس طرح انسان کے جسم کو کھانے کی ضرورت ہے اس طرح روح کو بھی غذا کی ضرورت ہے اور وہ غذا نماز ہے۔ اب آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ دقیق مسئلہ اس تین یا چار سال کے بچہ کے پلے کہاں پڑے گا۔ مگر سنیے۔ اگلے جمعہ کے دن وہ اپنی ماں کو کہنے لگا۔ امی چلو ہم اپنی روح کو ڈنر کھلا لائیں"!

اس واقعہ سے مجھے یاد آیا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ "وامر اھلک بالصّلوٰۃ واصطبر علیھا لا نسئلک رزقاً نحن نرزقک والعاقبۃ للتقویٰ۔ (طٰہٰ ۲۲) اس سے پہلی آیت میں فرمایا۔ ورزق ربک خیر و ابقیٰ ۔ یعنی تیرے رب کا روحانی رزق اس سے بہت بہتر اور زیادہ دیرپا ہے جو جسمانی رزق ہے جس کی طرف ساری دنیا لالچ کی نگاہوں سے دیکھتی ہے ملاحظہ آیت (۱۳۱) تو آیت (۱۳۲) میں فرمایا کہ اپنے بیوی بچوں کو نماز کا حکم دو یعنی ان کو روحانی رزق کی فکر کرو جو تم ان کے جسمانی رزق کی کرتے ہو۔ اور خود بھی نماز پر مداومت اختیار کر کے ان کے لئے نمونہ قائم کرو جس طرح ہم تجھ سے جسمانی رزق نہیں مانگتے۔ بلکہ ہم تجھے رزق دیتے ہیں۔ اسی طرح نماز کی طرف بلا کر ہمیں تم سے کچھ نہیں ملتا بلکہ تمہاری روح کا رزق مہیا کرنے کیلئے ہم تمہیں نماز کا حکم دیتے ہیں۔ اور روحانی رزق ملیگا تو یہی تمہاری روح طاقت پا کر حیوانی جذبات اور خواہشات پر قابو پا سکیگی اور اس طرح تم تقویٰ کو حاصل کر سکو گے۔ جو اس دنیا میں بھی بالآخر تمہارے لئے بہتر ہے اور مرنے کے بعد تو سوائے متقی انسان کے کوئی جہنم سے بچ نہ سکے گا۔ کیونکہ غیر متقی انسان اپنے جذبات اور خواہشات کی آگ میں پھنسا ہوتا ہے اور اس کا انجام اس دنیا میں بھی سکھ نہیں اور آخرت میں تو یقیناً وہ آگ بھڑک کر اس کو مزہ چکھائیگی۔

اس بات کو دوسری جگہ یوں فرمایا کہ۔ قُوا انفسکم واھلیکم نارا۔ یعنی اپنی جانوں کو بھی اور اپنے اہل کو بھی آگ سے بچالو۔ یا فرمایا کہ۔ انذر عشیرتک الاقربین۔ یعنی جو رشتہ دار زیادہ قریب ہے اس کا زیادہ حق ہے کہ تم اسے ڈراؤ۔ اور والدین کے لئے اولاد سے بڑھ کر کون قریب ہو سکتا ہے۔ اس بات کو کہ اولاد کی روحانی اصلاح والدین کی ذمہ داری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بار بار فرمایا ہے۔ ایک حدیث یوں شروع ہوتی ہے کلکم راع ومسئول عن رعیتہ یعنی تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے نگہبان ہے اور اس سے قیامت کے دن اس کے گلّہ یا ماتحت لوگوں کی نسبت پوچھا جائیگا۔ اور پھر آپؐ نے گنا ہے کہ باپ کن کن پر نگہبان ہے اور ماں کن کن پر وغیرہ۔

الغرض اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد اس حق سے محروم نہ ہو جسے آپ نے پایا اور اس دنیا اور آخرت میں وہ آپ کے ساتھ ہوں تو ان کی دینی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کو جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے آپ کے کندھوں پر رکھی ہے پورا کیجئے اسی میں آپ کا اپنا سکھ اور راحت ہے اور ان کا بھی اولاد کو بچپن سے ہاتھ میں لیں۔ مسجدوں میں لائیں، دینی محفلوں میں لائیں۔ علی الخصوص جلسہ سالانہ میں اپنے گھر میں پیغام صلح اور لائٹ اخبار منگوائیں۔ گھروں میں مذہبی چرچا کریں۔ اور جیسا کہ قرآن نے حکم دیا ہے۔ میاں بیوی خود متقی بن کر اولاد کے لئے نمونہ بنیں تا کہ آپ بھی اور آپ کی اولاد بھی اس دنیا میں بھی سکھی ہو اور آخرت میں بھی بالآخر اولاد کی روحانی بھلائی کے لئے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ زاری کریں۔ جیسا کہ اس کی دنیاوی بھلائی کے لئے کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کیونکہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ان کی اسی میں ہے ان الفاظ میں جو قرآن نے سکھائے ہیں کہ ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ اور جس طرح اولاد کی دنیاوی بھلائی کے لئے صرف دعا پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کوشش بھی پوری کرتے ہیں۔ دینی بھلائی کے لئے بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ (آمین)

(بقیہ صفحہ ۴ مکتوب بھدر واہ)

خطبہ میں دوستوں کو حضرت مسیح موعود کے حکم کے مطابق ایک مثالی متقی مسلمان بننے کا مشورہ دیا۔ اور اس سلسلہ میں مرکز لاہور کی سرگرمیوں کا بھی ذکر کیا۔ بعد نماز جمعہ معزز مہمان کے اعزاز میں استقبالیہ دیا گیا۔ تلاوت و نعت کے بعد جناب بقا صاحب کا تعارف کرایا گیا پھر تنظیم شبان الاحمدیہ کے صدر جناب عبدالحفیظ صاحب بی اے ایل ایل بی نے جماعت بھدر واہ کی احتیاجات ماضی کے واقعات اور گذشتہ ادوار میں پیش آمدہ مشکلات اور مقامی جماعت کی کارگذاری کا مختصر ذکر کیا۔ تقریب کے اختتام پر حاضرین کی تواضع مٹھائی سے کی گئی۔ محترم بقا صاحب کی بھدر واہ میں تشریف آوری کے ہم بڑے شکر گزار ہیں کہ وہ اپنی ذاتی مصروفیتوں سے وقت نکال کر بھدر واہ تشریف لے آئے اور ہمیں اپنی باغ و بہار طبیعت سے تازہ دم کیا۔ جماعت بھدر واہ کا ہر دوست اس بات کا خواہشمند ہے کہ پاکستان سے بھارت آنے والے احباب جماعت اسی طرح وقت نکال کر ہمیں ملتے رہیں تو اس سے رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوگا۔ اور جماعت ترقی کرے گی۔

تقریب نکاح:۔ جناب عبدالکریم صاحب سیکرٹری جماعت بھدر واہ کے فرزند رشید جناب عبدالحفیظ صاحب تحصیلدار کا نکاح ہمراہ عزیزہ پروین اختر دختر چوہدری عبداللطیف بعوض حق مہر دس ہزار روپیہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جناب بقا صاحب نے پڑھایا خطبہ نکاح میں حقوق زوجین کو قرآن کریم کی روشنی میں واضح کیا گیا۔ اس خوشی میں دولہا کے والد نے مبلغ پچاس روپے مقامی جماعت کو بمد اشاعت اسلام عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو جانبین کیلئے مبارک کرے۔ اور اسے مثمر بثمرات حسنہ بنائے۔

⁂

حرم کعبہ کے ناظم اعلیٰ کا بیان اور اس پر ایک نظر — قسط ۳

مسیح الدجال کا خروج

مولانا احمد گل صاحب فاضل — دیوبند

مسیح اور مہدی کی آمد پر جہاں اور بہت سی علامات بیان کی گئی ہیں وہاں دجال اور یاجوج وماجوج کا ظہور بھی بتایا گیا ہے۔ ان کے مادی حیرت انگیز کارنامے اور اخلاقی فتنہ انگیزی کو بھی بڑی تفصیل سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ کون ہستیاں ہیں؟ ان میں پائی جانے والی صفات کئی باتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان امور کی ہم نے وضاحت کرنی ہے اور بتانا ہے کہ یہ عجوبات کی اقسام میں سے نہیں ہیں بلکہ دوسرے انسانوں کی طرح نسلِ انسانی سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ کہ وہی قومیں ہیں جنہوں نے دنیاوی اور مادی ترقی کی وجہ سے تمام روئے زمین پر عالم گیر غلبہ کی صورت اختیار کرلی ہے اور مذہبی یعنی باطل خیالات کی بنا پر انتشار فی الارض کا موجب بنی ہوئی ہیں۔ مگر اس سے پہلے ان خیالات کی وضاحت ضروری ہے جو ہمارے عوام اور ان کے علماء میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دجال ایک فرد واحد، یک چشم کوئی ایسی ہستی ہے جو اپنے لمبے چوڑے عجیب الخلقت گدھے پر سوار ہوکر روئے زمین کے ہر حصے میں اپنے عجائبات دکھاتا پھرے گا۔ اس کے ہمراہ جنت و دوزخ کے علاوہ روٹیوں کے پہاڑ بھی ہوں گے اور کہ وہ مُردوں کو زندہ کرنے کا اختیار رکھتا ہوگا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم احادیث اور کتب لغت نے دجال کے متعلق جو وضاحت کی ہے وہ متذکرہ بالا خیالات کی نفی کرتی ہیں۔ ان اسناد کی بنا پر دجال کوئی عجیب الخلقت مخلوق نہیں بلکہ وہ نسلِ انسانی میں سے ایک [illegible] کثیر ہے۔ اور نہ ہی اسے جنت اور دوزخ پر تسلّط حاصل ہے اور نہ ہی اُسے یہ اختیار ہے کہ وہ کسی مُردے کو زندہ کرسکے۔ بصورتِ دیگر یہ ایسی صفات ہیں جو صرف اور صرف خداوند تعالیٰ کی ذات سے ہی مختص ہیں۔ اسلام ان جیسی صفات کو کسی دوسرے میں پائے جانے کی قطعًا اجازت نہیں دیتا۔

دجّال کی علامات

تاج العروس اور دیگر اس قسم معتبر کتابوں میں دجال کی وجہ تسمیہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

دجال دجل سے ماخوذ ہے جس کے معنے ڈھانکنے کے ہیں "التی تغطی الارض بکثرۃ اھلھا" یعنے دجال اپنے افراد کی کثرت کی وجہ سے زمین کو ڈھانپ لے گا۔ پھر ایک جگہ دجالی گروہ میں پائی جانے والی ایک صفت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:۔ "التی تحمل المتاع للتجارۃ" کہ یہ گروہ اشیائے تجارت اٹھائے پھرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دجال کوئی غیر انسانی شخصیت نہیں اور نہ ہی فرد واحد ہے۔ بلکہ کثیر افراد پر مشتمل ایک گروہ ہے جو روئے زمین کو اپنی تجارت سے ڈھانپ لے گا۔ ایک حدیث میں دجّال کو ایسی قوم قرار دیا گیا ہے جو بظاہر صلح کی ہمدرد۔ اور خوش اخلاق ہوگی مگر باطن میں اس کا عمل اس کے خلاف ہوگا۔ فرمایا:۔

یخرج فی آخر الزمان دجال یختلون الدنیا بالدین یلبسون للناس جلود الضان السنتھم احلی من العسل وقلوبھم قلوب الذئاب" یعنے آخری زمانہ میں دجّال خروج کرے گا۔ یہ لوگ دنیا کو دین کے ساتھ ملائیں گے۔ بظاہر بھیڑوں کی کھالوں میں ظاہر ہوں گے اور ان کی زبانیں میٹھی ہوں گی مگر ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔ یہاں یختلون، یلبسون، السنتھم اور قلوب جمع کے صیغے صاف بتلا رہے ہیں کہ دجال کوئی ایک شخص نہیں بلکہ وہ ایسی قوم ہے جو اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے اسم بامسمّٰی ہے۔

یہ کون قومیں ہیں۔ کہاں رہتی ہیں اور اُن کی مخصوص علامات کیا ہیں؟ یہ سب کچھ احادیث میں موجود ہے۔ حضرت رسول کریم نے ان کے متعلق پوری نشاندھی کردی ہے۔ اور من ولدِ آدم کہہ کر اس حقیقت کو پوری طرح صاف کر دیا ہے کہ وہ کوئی غیر انسانی ہستی نہیں۔ ایک حدیث میں اس کے انسان ہونے کو اس طرح بتایا گیا ہے ان الدجال یطعم ویشرب ویمشی فی الاسواق" یعنے انسانوں کی طرح کھائے پیئے گا اور بازاروں میں چلے پھرے گا۔ اس کے زمین پر سفر کرنے کی رفتار پر فرمایا: تطوی لہ الارض" زمین اس کے لئے لپیٹ دی جائے گی۔ پھر زمین سے باہر ہوا میں چلنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یتناول السحاب بیمینہ۔ وہ بادلوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جائے گا۔ ویسبق الشمس الی مغیبھا اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے کہیں کا کہیں پہنچ جائے گا۔ پھر فرمایا: امامہٗ جبل دخان و خلفہ جبل دخان۔ اس کے آگے یعنی اس کی سواریوں کے آگے پیچھے دھوئیں کا پہاڑ ہوگا۔ پھر دجال کی ایک اور علامت یہ بتائی ینزو فی ما بین السمآء والارض۔ وہ زمین اور آسمان کے درمیان اچھلتا پھرے گا۔ دجال کی یہ علامات جو آج سے چودہ سو سال پہلے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی کشفی آنکھ سے دیکھ کر بتائی تھیں واقعات کے رنگ میں وہ کس صفائی سے پوری ہورہی ہیں۔ ہم آج اپنی آنکھوں سے دجال کو ما بین السماء والارض اچھلتا ہوا اور خلا بازیاں لگاتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ کیا آپؐ کے یہ الفاظ موجودہ یورپی اقوام بالخصوص امریکہ اور روس پر صادق نہیں آتے؟

پھر فرمایا:۔ یمر با لخربۃ فیقول اخرجی کنوزک فتتبعہ کنوزھا کیعاسیب النحل" دجال ویرانے پر گزرے گا اور اُسے کہے گا کہ اپنے خزانے نکال دے اور اس کے خزانے اس کے پیچھے اس طرح چلیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنی بڑی مکھی کے پیچھے چلتی ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مغربی قومیں جہاں جاتی ہیں ویرانوں میں سے اپنے آلات کے ذریعے سونا۔ چاندی۔ تیل۔ لوہا وغیرھم کے خزانے نکال لیتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ دنیا کے ہر خطّہ اور ہر مملکت پر جس طرح یہ قومیں چھائی ہوئی ہیں اس کا ذکر بھی حضور صلعم نے بڑی صفائی سے کردیا ہے۔ فرمایا: وانہٗ لا یبقٰی من الارض الا وطئہٗ وظھر علیہ الا مکۃ والمدینۃ۔ دنیا کا کون سا خطّہ اور کون سی مملکت ہے جہاں دجّال کا قدم نہیں پہنچا۔ اور اس نے غلبہ حاصل نہیں کیا۔ لیکن مکہ اور مدینہ پر اسے تسلط حاصل کرنا نصیب نہیں ہوسکا۔ دجال کی علامات میں سے ایک علامت

یہ بھی بتائی گئی ہے کہ جو قوم اس کا حکم ماننے سے انکار کرے گی تو دجال اُن پر قحط مسلط کردے گا۔ لیس بایدیھم شیٔ من اموالھم ان کے مال و متاع کو تباہ کردے گا۔ البتہ وہ لوگ جو دجال کے ہم خیال ہو کر اس کی باتوں کی تصدیق کریں گے فیأمر السماء ان تمطر و یأمر الارض ان تنبت فتنبت "تو وہ آسمان کو حکم دے گا کہ ان کے لئے پانی برسائے اور زمین کو حکم دے گا کہ اگائے تو وہ اگائے گی۔ حدیث کے اس مفہوم کو سامنے رکھ کر پھر امریکہ اور دوسری یورپین قوموں کی سیاسی پالیسیوں کا جائزہ لیجئے۔ کتنی قومیں ہیں جو ان کے ہم خیال ہونے کی وجہ سے مالی اور اقتصادی فوائد سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی ہیں اور کتنی قومیں ہیں جو ان سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق آپؐ فرماتے ہیں حرمہ و منعہ دجال ان کو رزق سے محروم کردے گا اور ہر قسم کے فوائد سے ان پر پابندی لگا دے گا۔ یہودیوں اور فلسطینیوں کی موجودہ آویزش کو ہی دیکھ لیجئے۔ جس میں دجال کی یہود نوازی اور فلسطینیوں پر اس کا غیظ و غضب صاف دکھائی دے رہا ہے۔ اسی مفہوم کو آپ نے ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ وان من فتنتہ ان معہ جنۃ و نارا" دجال کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ جنت اور آگ ہوگی۔ یہ جنت کیا ہے؟ معیشت اور عیش و عشرت کے سامانوں کا حصول، اور نار کیا ہے؟ ان چیزوں سے محرومی جو شخص اس کی معیت اختیار کرے گا وہ اس کی جنت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا اور جو مخالفت کرے گا اُسے دجال کے معاشی ساز و سامان سے محروم کردیا جائے گا۔ دجال کے ظہور کے زمانے میں حضرت نبی کریمؐ نے ایک علامت یہ بھی بتائی ہے۔ وتتشبھن بالرجال وتتشبہ الرجال بالنساء" یعنے عورتیں مردوں سے مشابہت اختیار کرلیں گی اور مرد عورتوں سے مشابہت اختیار کرلیں گے۔ اس حدیث کی صداقت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ آج عورتوں نے مردانہ فیشن بالوں کا کٹوانا اور مردانہ لباس پہننا اور مردانہ شغل اور کھیلیں وغیرہ اختیار کرلی ہیں اور مردوں نے داڑھی مونچھ وغیرہ کا صفایا کرکے عورتوں کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اور یہ سب دجال یا مغربی اقوام کے اثر کا نتیجہ ہے۔ یہ ہے دجال اور اس کی حقیقت جو واقعات کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

قتل دجال اور باب لُدّ

رہا یہ خیال کہ دجال مقام لُدّ پر مسیح موعود کے ہاتھ سے قتل ہوگا جس کا شیخ ناصر صاحب نے اپنے بیان میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

" ظہورِ مسیح کے وقت دمشق کے چاروں طرف دیوار ہوگی جو فی الوقت موجود نہیں اور آئندہ چند برسوں میں ابھی اس کے تعمیر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔ اس دیوار میں داخلے کے متعدد دروازے ہونگے جن میں سے ایک لُدّ بھی ہوگا۔ جس سے حضرت عیسےٰ ابنِ مریم دمشق شہر میں داخل ہوکر مسیح کاذب کو ہلاک کریں گے۔"

شیخ صاحب نے دجال کے قتل کے بارے میں جس خیال کو دہرایا ہے یہ وہی خیال ہے جو ہمارے علماء کے کثیر طبقہ میں پایا جاتا ہے۔ مگر بعض علماء ان کے اس خیال سے متفق نہیں کہ "دمشق کے چاروں طرف دیوار ہوگی جس کے متعدد دروازے ہونگے جن میں سے ایک لُدّ بھی ہوگا"۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض شارحینِ حدیث نے باب لُدّ کی تاویل اسم جبل بالشام سے کی ہے۔ کہ یہ شام میں پائے جانے والے ایک پہاڑ کا نام ہے اور کسی نے اسے قریۃ من قریٰ بیت المقدس قرار دیا ہے۔ کہ وہ بیت المقدس کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے مگر شیخ صاحب باب لد کو دیوار لد کا دروازہ قرار دے کر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مسیح موعود دجال کو دیوار کے دروازے پر ہلاک کریں گے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ باب لُدّ کوئی پہاڑ ہے یا کوئی بستی ہے یا کہ دیوار کا ایک دروازہ ہے۔ البتہ ان حضرات کی طرح ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ ہم بھی اس کی کوئی معقول تاویل کریں۔

اہلِ علم حضرات پر یہ امر واضح ہے کہ لُدّ ایک عربی لفظ ہے۔ جو اَلَدّ کی جمع ہے۔ اس کے معنی جھگڑا اور مجادلہ کرنے کے ہیں۔ وھو الد الخصام" اور قوما لدا قرآنی الفاظ اس پر شاہد ہیں۔ باب لُدّ کے معنی ہوں گے جھگڑا اور مجادلہ کرنے والوں کا دروازہ۔

اس مفہوم کو سامنے رکھ کر حدیث کے الفاظ کے معنی اس طرح کرنے ہوں گے کہ حضرت مسیح موعود کو دیکھ کر دجال بھاگے گا حتیٰ ید رکہ بباب لد بالآخر مسیح اسے مجادلہ کرنے والوں کے دروازہ کے پاس آ دبائے گا فیقتلہ اور اسے قتل کردے گا۔ آپ اس تشریح سے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا کیونکہ اس کے صاف یہ معنی ہیں کہ دجال مسیحِ موعود کے سامنے آنے سے گھبرائے گا اور بھاگے گا لیکن مسیح اس کا تعاقب کرے گا اور آخر کار مجادلہ اور مناظرہ کے میدان میں اسے آدبائے گا اور اُسے مار ڈالے گا یعنے اس کا قتل تلوار سے نہ ہوگا بلکہ دلائل اور براہین کا قتل ہوگا۔

دجال اور یاجوج وماجوج کی احادیث میں مجاز اور استعارہ کا استعمال

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مسیح اور مہدی کے بارے میں پائی جانے والی احادیث میں زیادہ تر مجاز اور استعارات سے کام لیا گیا ہے۔ اسی طرح دجال اور یاجوج ماجوج کے متعلق جو پیشگوئی کی گئی ہے اس میں بھی ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو مجاز کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پیشگوئیوں میں بالعموم ابہام پایا جاتا ہے۔ ان کے ظاہری معنی کچھ اور ہوتے ہیں لیکن مراد ان سے کچھ اور ہوتی ہے۔ ان کی صحیح کیفیت اس وقت ظاہر ہوتی ہے۔ جب اپنے وقت پر پوری ہو کر سامنے آجائیں۔ بالفاظِ دیگر یہ سمجھیں کہ پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ کا عنصر زیادہ پائے جانے کی وجہ سے عام طور پر ظاہر الفاظ کے خلاف ان کی توجیہہ یا تعبیر کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ازواج مطہرات نے آپ سے پوچھا کہ ہم میں سے کون سی بیوی آپ کے بعد وفات پائے گی۔ آپ نے فرمایا: اسرعکن لحوقا بی اطولکن یداً۔ سب سے پہلے وہ بیوی جلدی مجھ سے لاحق ہوگی جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں گے۔ اس پر آپ کی ازواج نے اپنے ہاتھ ماپنے شروع کر دیئے۔ اور آپ نے انہیں منع نہیں کیا حالانکہ آپ کے بعد سب سے پہلے جو بیوی فوت ہوئیں ان کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے۔ لیکن وہ سب سے زیادہ سخی تھیں۔ اس لئے اطولکن یدا" کے معنی سب سے زیادہ سخی ہونے کے لئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس حدیث پر بھی غور فرمالیں۔ جو ابن صیاد کے ذکر میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت نبی کریمؐ نے ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہ کیا تھا۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے آپ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ یہی الدجال ہے۔ اور آپ نے اس کی تردید نہیں فرمائی۔ حالانکہ ابنِ صیاد میں دجال کی وہ علامات جو احادیث میں مذکور ہیں مفقود تھیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ اس پیشگوئی کو مجازی رنگ میں سمجھتے تھے اور دجال کی تمام علامات کو ظاہر طور پر پائے جانے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

ان ہر دو مثالوں سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ کہ پیشگوئیوں کے معاملے میں ظاہری مفہوم کو اختیار کرنے سے بسا اوقات ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو

جاتی ہیں۔ کہ جن کی وجہ سے اصلیت تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً دجّال کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ اس کی دائیں آنکھ بیٹھی ہوئی ہو گی اور بائیں آنکھ کا ذب کوکب دری۔ روشن ستارے کی طرح چمک رہی ہو گی۔ اور اس کے ماتھے پر "کافر" نمایاں طور پر لکھا ہوا ہو گا۔ جسے ناخواندہ آدمی بھی پڑھ لے گا۔ اور اس کی سواریوں میں سے ایک عجیب الخلقت گدھا ہو گا جس کے کانوں کے درمیان ستّر گز کا فاصلہ ہو گا۔ اور بہشت و دوزخ بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں بھی ساتھ لئے پھرتا ہو گا۔ اور زمین و آسمان کے اندر اچھلتا پھرے گا۔ بادلوں کو حکم دے گا تو وہ مینہ برسائیں گے۔ وغیرھم۔ دجال کے یہ نشانات ظاہری اعتبار سے ایسے صاف ہیں کہ اس کے پہچاننے میں کسی کو بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر ان کھلی علامات کے باوجود حدیث میں لکھا ہے۔ کہ فیقول رجل من المؤمنین لا نطلقن الی ھذا الرجل فلا نظر ان ھوالذی انذر نا رسول اللہ ام لا۔" یعنے مومنوں میں سے ایک شخص کہے گا۔

میں اس (دجال) کی طرف جاتا ہوں اور میں دیکھوں گا کہ کیا یہ وہی ہے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ڈرایا تھا۔ پھر آگے لکھا ہے ثم نادی فی الناس پھر وہ اسے پہچان کر لوگوں میں دجال ہونے کی منادی کرے گا۔

اب یہ حضرات جو استعارات کو نظر انداز کرنا چاہتے ہیں۔ غور فرمائیں جبکہ دجال اپنے نشانات کی وجہ سے خود منادی ہے تو پھر اسے کسی کے متعارف کرانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ دجال کے یہ نشان ظاہری معنوں میں نہیں ہیں۔ بلکہ مجازی اور استعارہ کے رنگ میں ہیں۔

یاجوج ماجوج کا ظہور :-

دجال کی حقیقت اور اس کی علامات بیان کرنے کے بعد ہم یاجوج ماجوج کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ کہ ان دونوں سے کیا مراد ہے۔ اور کہ یہ کون ہستیاں ہیں جن کا ذکر دجّال کے ذکر کے ساتھ ساتھ احادیث میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ عجوبہ قسم کی کوئی مخلوق ہے۔ جس کا تعلق انسانوں سے نہیں۔ قرآن اور حدیث کی رو سے یہ خیال صحیح نہیں۔ حدیث میں من ولد آدم کہہ کر توجہ دلائی گئی ہے۔ کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح آدم کی اولاد ہیں۔ اور قرآن کریم میں ان کا ذکر دو جگہوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک جگہ انہیں مفسدون فی الارض کہہ کر مفسد اور فتنہ انگیز ہونے کی وجہ سے دیوار کے پیچھے محصور دکھایا گیا ہے اور دوسری جگہ ان کے غلبہ اور تسلط کا ذکر کرتے ہوئے دیوار کے اندر رہنے والی زندگی سے آزاد ہو کر روئے زمین پر پھیل جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا حتیٰ اذا فتحت یاجوج و ماجوج و ھم من کل حدب ینسلون: یعنے یہاں تک وقت آئے گا کہ یہ قومیں اندرونی دیوار والی حالت سے نکل کر ہر بلندی کو عبور کر جائیں گی۔ یہ کون قومیں ہیں اور کہاں رہتی ہیں؟ اگر بائبل میں کتاب حزقیل (مکاشفہ) کو پڑھ لیا جائے تو پتہ چل جاتا ہے۔ کہ یہ دونوں روس اور مغربی اقوام ہیں۔ اور قرآن نے انہیں یاجوج و ماجوج کہہ کر ان کے ظاہری اور مادی طاقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ ان کے کھلنے اور آزاد ہونے کا وقت کب ہو گا۔ اس کا جواب ہم سے نہیں بلکہ شاعر مشرق علامہ اقبال کی زبان سے سنیئے۔ جنہوں نے مندرجہ بالا آیت کی حرف ینسلون کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے :-

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

علامہ موصوف نے تو موجودہ زمانہ میں صرف یاجوج ماجوج کے ظاہر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مگر ایک بہت بڑے صحافی مولانا ظفر علی خاں نے تو یاجوج ماجوج کے علاوہ دجال کے ظاہر ہو جانے کی بھی نشاندھی کر دی ہے۔ اور ان کے فتنوں سے بچنے پر جناب الٰہی کی جناب میں دست بدعا ہو کر اپنے ان الفاظ میں التجا کی ہے :-

الٰہی کشتیٔ مسلم کا اب تو ہی نگہبان ہے۔
فرنگی لشکر دجال ہے یاجوج ماجوج ہیں روسی

مولانا نے دجال کو فرد واحد کی بجائے اسے قوم فرنگ کا لشکر قرار دیا ہے اور روس کو یاجوج ماجوج کا مصداق ٹھہرا کر ان کے پُر فتن عزائم سے بچنے کی التجا کی ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ ان ہر دو حضرات نے آج سے نصف صدی پہلے ان مغربی اقوام کو دجال اور یاجوج ماجوج قرار دیا ہے۔ مگر سب سے پہلے اس صدی کے شروع میں جس مرد مومن نے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا روس اور دوسری مغربی اقوام کو دجال اور یاجوج و ماجوج قرار دیا۔ وہ قادیان کی بستی میں رہنے والا ایک زاہد، گوشہ نشین اور با خدا انسان مرزا غلام احمد تھا جس نے خدا تعالےٰ سے الہام پا کر آنے والے مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا کہ :-

"مدت ہوئی کہ وہ دجّال ظاہر ہو گیا ہے۔ اور بڑے زور سے اس کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور اس کا گدھا بھی جو در حقیقت اسی کا بنا یا ہوا ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ کی منشاء ہے مشرق و مغرب کا سیر کر رہا ہے۔"

(ازالہ اوہام)

پھر آگے یاجوج و ماجوج کی اصلیت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا :-

"یاجوج و ماجوج کا حال بھی سن لیجئے۔ یہ دونوں پرانی قومیں جو پہلے زمانوں میں دوسروں پر کھلے طور پر غالب نہیں ہو سکیں اور ان کی حالت میں ضعف رہا لیکن خدا

تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کریں گی یعنے اپنی جلالی قوت کے ساتھ ظاہر ہوں گی جیسا کہ سورہ کہف میں فرماتا ہے :- وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض" یعنے یہ دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کر کے پھر ایک دوسرے پر حملہ کریں گی :- (ازالہ ص۵۰۸)

یہ پہلی آواز تھی جو دنیا میں اٹھی۔ اس آواز کے بعد ہم [illegible]

پر کی جانے والی تقریروں میں۔ اخباروں اور جرائد کی تحریروں میں اور عوام الناس کی بول چال میں انہی اقوام کو دجال اور یاجوج ماجوج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حضرت مرزا صاحب نے ایک طرف ان قوموں کی نشاندھی کرتے ہوئے آنے والے واقعات کی خبر دنیا کو دی۔ اور دوسری طرف خدا تعالےٰ سے الہام پا کر مسیح اور مہدی ہونے کا دعوے کیا۔

شوکتِ اسلام

پھر اتباعِ سیرتِ نبوی نکھار دے

اُجڑے ہوئے چمن کو نویدِ بہار دے

پھر شوکتِ اسلام کا پرچم بلند کر

پھر دینِ حق کا ولولہ دل میں ابھار دے

- - - - - - - ملا علی قاری نے تو مسیح موعود کے ظہور کے زمانے کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ جہاں حدیث الآیات بعد المائتین کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ویحتمل ان یکون اللام فی المائتین للعھد ای بعد المائتین بعد الالف وھو وقت ظھور المھدی وخروج الدجال ونزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وتتابع الآیات من طلوع الشمس من مغربھا وخروج دابۃ الارض وظھور یاجوج وماجوج وامثالھا۔"

یعنے المائتین کا الف لام عہد کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں حدیث (الآیات بعد المائتین) کے یہ معنی ہوں گے کہ بارہ سو سال کے بعد یہ نشانات ظاہر پذیر ہوں گے اور مہدی کے ظہور، مسیح موعود کے آنے، دابۃ الارض کے کھلنے اور یاجوج ماجوج وغیرہ کے خروج کا یہی وقت ہو گا۔

یہ کھلے کھلے نشانات، غیر مبہم شہادتیں اور موجودہ دور کے تقاضے اس امر کی اجازت نہیں دیتے کہ انہیں وعدہ فردا پر ڈال دیا جائے۔ بلکہ یہ سب اس امر کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ زمانے کا یہ دور ایک انقلابی اور مادی دور ہے، اور ضروری تھا کہ مسیح اور مہدی کی بعثت کے لئے کوئی ایسا ہی زمانہ منتخب کیا جاتا تاکہ مادی تقاضوں کے ساتھ ساتھ روحانی تقاضے بھی پورے ہوتے یعنے کسرِ صلیب اور اشاعتِ دین کا کام بھی اپنی شان سے سرانجام پاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس مسیحائی نفس وجود کی ضرورت تھی اس موعود مسیح نے ٹھیک وقت پر ظاہر ہو کر اس حقیقت کو اپنے ان الفاظ میں ظاہر کر دیا۔

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

نفع رساں وجود بنو

تقویٰ اختیار کرو۔ خدا پر ایمان پیدا کرو۔ وہ ایمان جو آخر اطمینان اور سکینت کا موجب بنتا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہو گا کہ تمہاری عمر دراز ہو گی۔ اللہ تعالیٰ مومن کی زندگی بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ نفع رساں وجود ہوتا ہے۔

(حضرت مسیح موعودؑ)

بقیہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کے عہد حکومت میں

اختلاف ہوا اور اس لئے آپ کی کوشش تھی کہ جن مسائل میں اختلاف ہے وہ اجتماعی رائے سے طے ہو جائیں۔ جنازہ کی تکبیروں کے متعلق اختلاف ہوا۔ آپ نے صحابہؓ سے رائے لے کر چار تکبیر پر فیصلہ کر دیا۔

مسائل و احکام کی خود تلقین فرماتے تھے :- آپ مسائل ضروریہ اور احکام دین کی خود تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ جمعہ کے دن جب خطبہ ارشاد فرماتے تو ضروری احکام و مسائلِ دینی بیان فرما دیتے۔ بڑے بڑے پُر معارف خطبے ارشاد فرمائے۔ اور ان میں تمام اہم ارکان و اصولِ اسلام بیان فرما دیئے لہٰذا ان مسائل کی اس قدر اشاعت ہو جاتی تھی کہ کسی اور ترتیب سے ممکن نہ تھی۔

اشاعت و تعلیم دین کا جو کچھ اہتمام اس زمانہ میں ممکن ہو سکتا تھا وہ آپ نے کر کے دکھا دیا۔ آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان کا نمونہ قابلِ رشک طور پر اعلیٰ اور پسندیدہ ہونا چاہیئے اور ان میں سے ہر ایک فردِ اسلام کی تعلیم کا نمونہ ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانہ کا ہر مسلمان زہد و اتقاء پاکیزگی و پرہیزگاری، سادگی اور اخلاص پیکرِ مجسم بن گیا۔

تعلیمی وظائف کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں

مرکزی انجمن جماعت کے زیرِ تعلیم طلبا اور طالبات کو سکول اور کالج کی تعلیم کیلئے مقامی جماعتوں کی سفارش اور استحقاق کے مطابق تعلیمی وظائف دیتی ہے۔ ان عمومی وظائف کے علاوہ حسبِ ذیل دو وظائف معطی صاحبان کے عطیہ کے مطابق انجمن کے توسط سے مستحق طلبہ یا طالبات کو اپریل ۱۹۸۰ء سے دیئے جا سکتے ہیں۔

۱: ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور تعلیمی فنڈ

اس فنڈ سے یکصد روپیہ ماہوار کا وظیفہ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو (ترجیحاً کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے سٹوڈنٹ کو) دیا جا سکتا ہے۔

۲: انگلستان میں مقیم جماعت کی ایک معزز خاتون (مسز توفیقہ زاہد عزیز) کے عطیہ سے یکصد روپیہ ماہوار کا تعلیمی وظیفہ اپریل ۱۹۸۰ء سے ایک سال کے لئے دیا جا سکتا ہے۔ ہر قسم کا طالبعلم درخواست دے سکتا ہے۔ لیکن سائنس اور پروفیشنل تعلیم حاصل کرنے والے کو ترجیح دی جائے گی۔

ہر دو وظائف سر دست ایک سال کے لئے ہوں گے۔ حسب ذیل پتہ پر درخواست مع ضروری مصدقہ کوائف ارسال کریں۔

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور
"دارالسلام" ۵ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

درسِ قرآن کریم

جامع احمدیہ دارالسلام میں بعد نماز عصر درسِ قرآن کریم بدستور جاری ہے۔ قرب و جوار کے احباب جماعت استفادہ فرمادیں۔

کیا حضرت مرزا صاحب نے بتدریج دعویٰ نبوت کیا

تقریر جناب چوہدری شکر اللہ خاں منصور صاحب برموقع جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء

مؤرخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء

تشہد و تعوذ کے بعد فرمایا:۔

صاحب صدر و معزز سامعین!

حضرت مرزا صاحب پر دعویٰ نبوت کے ارتکاب کے الزام کا آغاز ۱۸۹۰ء سے ہوتا ہے جبکہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے ملک کے دو سو مولویوں و عالموں کے دستخطوں اور مہروں سے ایک فتوائے کفر آپ پر عائد کیا جس میں آپ کے خلاف یہ الزام لگایا گیا اور دلیل اس کی یہ لکھی کہ:۔

"مرزا صاحب اگرچہ اپنے دعویٰ کو محدثیت کا دعوےٰ کہتے ہیں مگر ساتھ اس کے محدثیت کے معنے اور تعریف ایسی بیان کرتے ہیں جو در حقیقت نبوت کے معنے اور تعریف ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقتاً و معناً آپ نبوت کے مدعی ہیں"

مکفرین کے اس استدلال سے جناب میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی جماعت قادیان (حال ربوہ) نے اپنا خیال اخذ کیا۔ اور ایک کتاب بعنوان "حقیقۃ النبوۃ" لکھ کر ۱۹۱۴ء میں شائع کی جس میں مکفرین کے استدلال سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ فی الواقع حضرت مرزا صاحب:۔

"محدثیت کی ایسی تعریف کرتے تھے جو فی الحقیقت نبوت کی تعریف ہوتی ہے اس لئے باوجود نبی ہونے کے مامور من اللہ ہو کر برس ہا برس تک دعوےٰ نبوت سے انکار کی غلطی کرتے رہے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ محدثیت و نبوت کی تعریفوں سے لاعلم تھے۔"

اور یہ کہ بعد میں کسی وقت جب یہ لاعلمی رفع اور غلطی منکشف ہوئی تو آپ نے دعویٰ نبوت کرنا شروع کر دیا۔ تب سے افرادِ جماعت قادیان کا یہی عقیدہ ہو گیا۔

جناب میاں صاحب موصوف کا یہی استدلال دراصل تدریجاً نبوت کا دعویٰ کرنے کے خیال یا اعتراض کا ماخذ اور بنیاد بنا۔ تدریج کا لفظ مبہم اور غیر واضح ہے اس کا ایک مطلب تو یہ ہے۔ کہ آپ نے پہلے ایک چوتھائی نبوت پھر نصف پھر تین چوتھائی اور پھر پوری نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ تدریج کا اصل مفہوم یہی ہے مگر یہ اعتراض کسی نے نہیں کیا۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے پہلے چھوٹا دعوےٰ ولایت کیا پھر آگے بڑھے اور اس سے بڑا دعویٰ محدثیت کر دیا۔ پھر اور آگے بڑھے اور سب سے بڑے دعویٰ نبوت پر جا پہنچے۔ جیسا کہ غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی ایک کتاب بنام "ختم نبوت اور احمدیہ تحریک" میں لکھا ہے۔ یہ کتاب بقول ان کے احمدیوں کے متعلق آئینی ترمیم سے پہلے لکھی گئی۔ مگر شائع بعد میں ہو سکی۔ اس میں انہوں نے اس اعتراض کو مدلل کرنے اور باثبوت رنگ دینے کی کوشش کی ہے مگر بہت بری طرح ناکام رہے ہیں کہا یہ ہے کہ مرزا صاحب دعویٰ ولایت سے شروع ہوئے اور بالآخر بام نبوت پر جا پہنچے۔ یعنی نیچے سے اوپر چڑھتے گئے مگر ثبوت جو مہیا کیا وہ یہ کیا کہ آپ پہلے ہی قدم میں بام نبوت پر چڑھ گئے۔ یعنی دعویٰ نبوت کر دیا اور پھر نیچے اترتے اترتے سب سے چھوٹے دعویٰ ولایت پر آ اترے گویا تدریج نیچے سے اوپر کو نہ تھی بلکہ اوپر سے نیچے کو تھی۔ اس طرح حقیقتاً پرویز صاحب نے اپنی متفخر علمیت کو ایک مضحکہ بنا کے رکھ دیا۔

تدریج کے اس اعتراض کا ماخذ و بنیاد جماعتِ قادیان کے علماء کا استدلال اور عقیدہ ہے مگر وہ بھی اپنے اس عقیدہ کے اثبات میں ناکام رہتے ہیں میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔

ایک دفعہ میں ربوہ گیا ہوا تھا۔ وہاں میرے بعض عزیز مستقل طور پر رہتے ہیں اُن سے مجھے کام تھا۔ میرے ایک دوست جنہیں اکثر میرے پاس بیٹھنے اور میری بعض تحریروں کو پڑھنے کا اتفاق بھی ہوتا تھا مجھے کہنے لگے کہ آپ جو کچھ کہتے لکھتے ہیں چل کر حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کے ساتھ تبادلہ خیالات کریں وہ اس سلسلہ میں بڑا علم رکھتے ہیں۔ پہلے میں نے انکار کیا پھر ان صاحب کے اصرار پر چلا گیا مگر ایک شرط طے کر لی کہ وہ میرا تعارف نہیں کرائیں گے۔ میں خود جب اور جیسے چاہوں گا کرا لوں گا۔ حافظ صاحب موصوف ایک پلنگ پر گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز تھے اور سات آٹھ آدمی اردگرد بیٹھے مسئلہ مسائل کی باتوں میں مصروف تھے۔ ہم بھی السلام علیکم کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا

آیئے۔ کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا۔ حافظ صاحب یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا عقیدہ نبوت اور دعوےٰ تبدیل کر لیا تھا یہ تبدیلی آپ نے کب کی؟ کیوں کی؟ اور اس کا ثبوت کیا ہے؟ اور دوسرا سوال یہ کہ یہ تبدیلی آپ نے خود کر لی یا آپ سے کرائی گئی؟ حافظ صاحب نے جیسا کہ علمائے جماعت مذکور کا طریقہ ہے کتاب حقیقۃ الوحی اٹھائی اور اس کے مخصوص صفحات ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰ پڑھتے گئے اور ساتھ ساتھ اپنی طرف سے وضاحت اور تشریح بھی کرتے گئے۔ جب پڑھ چکے تو میں نے کہا۔ حافظ صاحب! میں نے آپ کی یہ وعظ سنی ہے۔ کہنے لگے۔ نہیں بھائی یہ وعظ نہیں بیانِ حقیقت ہے۔ میں نے کہا چلیئے۔ آپ کا یہ بیانِ حقیقت میں نے بغور سنا ہے مگر آپ نے شاید توجہ نہیں فرمائی۔ میرے سوال آپ کے اس بیانِ حقیقت کے بعد اور اس کے اوپر وارد ہوتے ہیں۔ اس سے حافظ صاحب کے ذہن پر ایک چوٹ سی

پڑی۔ ہوشیار ہو گئے۔ نیم دراز تھے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور میرے ان دوست سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ مجھے ان کا تعارف کرائیے۔ اور مجھے بتلائیے کہ یہ کون صاحب ہیں؟ میں نے کہا۔ حافظ صاحب! آپ کمزور ہیں۔ آرام سے لیٹے رہیں۔ مجھے شکر اللہ خاں منصور کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس پر حافظ صاحب نے میری طرف دیکھا اور کہا۔ ہاں ہاں۔ میں محسوس کر رہا تھا۔ جان رہا تھا اور خوب سمجھ رہا تھا کہ یہ سوال کرنے والا ماسوا مصنف "قول سدید" کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے بہت لکھا ہے۔ ایک غلطی کے ازالہ۔ پر بھی بہت لکھا ہے۔ بھائی ہم کہتے ہیں کہ آپؑ کو جب جو حکم ہوا آپ نے وہ دعویٰ کیا۔ میں نے کہا۔ حافظ صاحب آپ ایسا نہیں کہتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب مامور من اللہ ہو کر سالہا سال لاعلمی اور غلطی میں مبتلا رہے۔ حافظ صاحب کہنے لگے کہ وہ ایسا نہیں کہتے۔ میں نے کہا آپ مجھے "حقیقۃ النبوۃ" دیں میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ حاضرین میں سے ایک آدمی اٹھ کر کتاب لانے چلا۔ حافظ صاحب بیقرار ہو گئے۔ اور پکارا۔ مت لائیے کتاب بوڑھے آدمی کو مار دو گے۔ اگر لاتے ہو تو قاضی نذیر کو بھی بلا لاؤ۔ اس پر وہ آدمی واپس بیٹھ گیا۔ اور میں نے کہا حافظ صاحب آپ شاید بیمار ہیں۔ آرام کریں۔ پھر کبھی جواب دے دینا۔ اس پر انہوں نے خوش ہو کر کہا۔ ہاں ہاں آپ لاہور میں میرے پاس آئیں وہاں میرے پاس کتابیں ہیں یہاں نہیں۔ وہاں جواب دوں گا۔ دیکھئے مرکز ہے مگر کتابیں نہیں۔ یہ ہے اس سلسلہ میں کتاب "قول سدید" کا اثر کہ ایک عالم محض سوالوں سے مصنف کو جان جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ کتاب جماعت کے کتب خانہ میں نایاب ہے۔ حالانکہ اس کی مانگ موجود ہے۔ اسی طرح ایک اور بات کا ذکر کئے بغیر بھی میں آگے نہیں گذر سکتا۔ کہ میرا ایک مضمون پیغام صلح کی متعدد اقساط میں چھپ رہا تھا۔ یہ مضمون نہایت اہم اور حالات کے عین متقاضی تھا۔ جس کے متعلق کئی خطوط مجھے ملے۔ چاہیئے تھا کہ پمفلٹ کی صورت میں اس کی اشاعت کی جاتی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اکابرین جماعت کیا سوچتے ہیں انسانی خیالات میں انقلاب برپا ہو گیا۔ انداز گفت و شنید۔ تحریر و تقریر بدل گئے لمبی باتیں کوئی نہیں سنتا۔ اور نہ دنیا کے پاس اب اتنا وقت ہی ہوتا ہے۔ صاف سیدھی اور دو ٹوک بات سنی جاتی اور اثر رکھتی ہے۔ مضمون جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ اس کا عنوان تھا۔

جب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنے دعویٰ
مامور من اللہ میں سچا ماننے پر کیوں مجبور ہوں۔

میں محض تحریر کی خاطر تحریر۔ یا تقریر کی خاطر تقریر کبھی نہیں کرتا بلکہ وہ تقریر یا تحریر کرتا ہوں جس کے حالات متقاضی ہوں۔ بہرحال جو اکابرین کی مرضی وہ ہماری مرضی حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کے ارتکاب سے تمام عمر مسلسل انکار کیا ہے مگر جس طرح آپ نے نہایت زور دار اور شدید ترین الفاظ میں اس الزام سے انکار کیا ہے۔ اسی طرح نہایت زبردستی اور سختی کے ساتھ آپ کے اوپر یہ الزام لگایا گیا ہے۔ ایک غیر متعصب شخص اسے حیرت سے دیکھتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا اصل دعوےٰ آپ کی سب سے پہلی کتاب "براہین احمدیہ" مصنفہ و مطبوعہ ۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۴ء میں درج ہے۔ جو یہ ہے کہ آپ تائید و حمایت اسلام کے لئے:۔

"خدا کی طرف سے مامور کئے گئے ہیں۔" "وہ آپ سے بکثرت ہمکلام ہوتا ہے۔ اور بعض امور غیبیہ پر آپ کو اطلاع دیتا ہے۔"

اسی دوران ایک اشتہار کے ذریعے آپ نے اعلان فرمایا کہ آپ کو یہ بھی علم دیا گیا ہے کہ آپ بحیثیت مثیل مسیح اس زمانہ کے مجدد ہیں۔ ازاں بعد آپ کو الہاماً بتلایا گیا کہ عیسےٰ ابن مریم وفات یافتہ ہیں اور وہ مسیح جس کے آنے کی خبر احادیث میں دی گئی ہے۔ اس کے مصداق آپ ہی ہیں تو آپ نے اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان فرمایا: مسیح موعود ہونا کوئی الگ شئے نہیں۔ اس سے مراد مثیل مسیح ہونا ہی ہے۔

اس پر متعدد اعتراضات کئے گئے جن میں سے دو ہمارے اس موضوع سے متعلق ہیں یعنی:۔

۱۔ مسیح نبی تھے اس کا مثیل بھی نبی ہونا چاہیئے۔

۲۔ حدیث میں نبی اللہ لکھا ہے۔ کوئی غیر نبی یا امتی اس کا مصداق نہیں ہو سکتا۔

اِن اعتراضات کے جواب آپ نے اپنی دو کتابوں "توضیح مرام" اور "ازالہ اوہام" میں بالتفصیل لکھے ہیں۔ اِنہی تحریروں میں آپ کی طرف سے لفظ نبی یا نبوت کے استعمال کے متعلق بھی پوری تفصیل ملتی ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا:۔

۱۔ "یہ عاجز خداتعالےٰ کی طرف سے اس امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے۔ اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے۔ گو اس کے لئے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے۔ کیونکہ وہ خداتعالےٰ سے ہمکلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ اور امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور نبوت کے معنے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں۔" (توضیح مرام)

۲۔ "محدث نبی ہے۔ اس اعتبار سے کہ انواعِ نبوت میں سے ایک نوع اسے حاصل ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لم یبق من النبوۃ الا المبشرات" یعنی نبوت کی انواع میں سے ایک نوع باقی رہ گئی ہے اور وہ مبشرات ہیں ۔۔۔۔ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ نبوت تامہ جو وحی شریعت کی حامل ہوتی ہے۔ وہ منقطع ہو چکی ہے لیکن وہ نبوت جس میں سوائے مبشرات کے کچھ نہیں وہ قیامت کے دن تک باقی ہے۔ ہماری کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت جزوی کے دروازے ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں۔ اور اس نوع میں کچھ نہیں سوائے مبشرات کے اور منذرات کے جو غیبی امور میں سے ہوں۔" (توضیح مرام)

۳:۔ "یہ بھی سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے مگر اس کو امتی کر کے بھی تو بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ خبر دی گئی ہے۔ کہ اے امتی لوگو وہ تم میں سے ہی ہو گا۔ اور تمہارا امام ہو گا۔ اور نہ صرف قولی طور پر اس کا امتی ہونا ظاہر کیا بلکہ فعلی طور پر بھی دکھلا دیا کہ وہ امتی لوگوں کے موافق صرف قال اللہ وقال الرسول کا پیرو ہو گا اور حل معضلات و معضلات دین نبوت سے نہیں بلکہ اجتہاد سے کریگا اور نماز دوسروں کے پیچھے پڑھے گا۔ اب ان اشارات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ ذاتی اور حقیقی طور پر نبوت تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہو گا ہاں نبوت ناقصہ اس میں پائی جائے گی جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے۔ اور نبوت تامہ کی شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے۔"

(ازالہ اوہام) (باقی باقی)

از مولانا مرتضیٰ خان حسن

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد حکومت میں

ترقی تعلیم

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض ایک بے نظیر فاتح ہی نہ تھے بلکہ خلّاق اکبر نے حضور کو بے شمار کمالات کا جامع بنایا تھا آپ ایک نہایت شجاع سپاہی، ایک نہایت زیرک سیاسی مدبّر، ایک بہت بڑے عالم قرآن اور بہت بڑے فقیہ اور محدّث تھے۔ بہت بڑے منتظم اور بلند پایہ حکمران تھے۔ غرضیکہ وہ تمام خوبیاں اور کمالات جو ایک خلیفہ اور امیر المومنین میں ہونا لازمی ہیں وہ بیک وقت ذات والاصفات میں جمع تھیں ؂

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا یہ فاتح جہاں ایک طرف اپنی عظیم الشان فتوحات کے دائرہ کو وسیع کرتا نظر آتا ہے تو دوسری طرف انتظام مملکت، امور رفاہِ عامہ ترقی تعلیم و اشاعتِ اسلام اور ترویج علوم دینیہ میں بھی پیش پیش دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے اپنی تمام قلمرو میں مدارس جاری کئے۔ جن میں قرآن مجید، حدیث و فقہ، اخلاقیات ادب، فن کتابت اور علوم مروّجہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ نے جیّد علمائے صحابہ قرآن مجید و حدیث کی تعلیم کے لئے متعیّن فرمائے۔ ان کو بڑی بڑی تنخواہیں دیں اور طالب علموں کے لئے وظائف مقرّر کیے۔ اس طرح ساری مملکت کو علم و ادب کی دولت سے مالامال کر دیا۔

تعلیم قرآن:- قرآن مجید کی تعلیم کے لئے آپ نے اس قدر اہتمام فرمایا کہ آپ کی زندگی میں ہی بے شمار ناظرہ خواں پیدا ہو گئے۔ اور حفاظِ قرآن ہزاروں کی تعداد میں پہنچ چکے تھے۔ سیّد القراء ابی بن کعب جن کی قرأت کی آنحضرت صلعم نے بھی تعریف فرمائی تھی ان کو قرآن کی تعلیم کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ بعض صحابہ کو جنہوں نے آنحضرت صلعم کی زندگی میں ہی قرآن مجید حفظ کیا تھا تعلیم قرآن مجید کے لئے خاص طور پر منتخب کیا۔ ان بزرگوں نے بھی اشاعت تعلیم قرآن میں اس قدر عرق ریزی کی کہ کلام مجید کا ایک ایک لفظ زبان زد خاص و عام ہو گیا۔ حفظ قرآن فوجیوں کے لئے بھی ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ دوسرے لازمین سلطنت یا عامۃ الناس کے لئے۔ ایک سعد بن وقاص کی فوج میں ہی تین صد حفاظِ قرآن موجود تھے۔ تعلیم قرآن کے ضمن میں آپ وقتاً فوقتاً ضروری ہدایات بھی نافذ فرماتے۔ آپ نے نہایت تاکیدی حکم دیا کہ تعلموا اعراب القران کما تعلمون حفظہ یعنی قرآن کے الفاظ کے ساتھ اس کے اعراب کی حفاظت کا بھی خیال رکھو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قسم کے احکام ان کی کمال نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پر دال ہیں۔ یہ ان کی احتیاط ہی کا نتیجہ ہے کہ جو قرآن مجید آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں ایک زیر و زبر کا فرق بھی نہیں۔ آپ نے یہ حکم بھی جاری فرمایا کہ قرآن مجید کی تعلیم دینے والے اصحاب لغت اور زبان کے عالم ہوں۔ اس میں یہ احتیاط مدّنظر تھی کہ ایسا نہ ہو کہ اعراب میں کہیں غلطی واقع ہو جائے۔ ابتدائے اسلام میں ہی اس قدر اہتمام اعراب کے متعلق کر دیا گیا تھا کہ بعد میں کسی کو ان کے متعلق مجال دم زدن نہ ہوئی۔ تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ علم ادب کی تعلیم بھی لازمی تھی، اور لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ دیگر فنون ضروریہ کی تعلیم کا بھی اہتمام تھا۔

تعلیم حدیث قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ حدیث کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ حدیث کے بارے میں حضرت فاروق اعظمؓ بڑی احتیاط فرماتے تھے۔ بڑے بڑے پایہ کے خاص خاص صحابہ ان کے عہد میں حدیث کو منہ سے نکال سکتے تھے۔ عام لوگوں کو مجال نہ تھی کہ از روئے حدیث کسی روایت کو بیان کریں ابو داؤد۔ عبادہ بن صامت کو شام، معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ میں اور عبداللہ بن مسعود کو کوفہ بھیجا اور وہاں آپ نے احکام لکھ بھیجے کہ ان لوگوں کی حدیث سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس قسم کی احتیاطیں حدیث کے بارہ میں حضرت فاروق اعظم کی اعلےٰ درجہ کی دانشمندی اور کمال زیرکی پر دلالت کرتی ہیں۔ آپ کا حکم تھا کہ کثرت سے احادیث بیان کی جائیں اور خود بھی اس کی پابندی فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ سے جو احادیث مروی ہیں وہ تعداد میں بہت کم ہیں آپ کو یہ احتیاط مدّنظر تھی کہ ایسا نہ ہو لوگ قرآن کریم کو چھوڑ کر احادیث میں ہی لگ جائیں۔ چونکہ سب لوگ محتاط نہیں ہوتے اس لئے حدیث کے بیان کرنے میں غلطی کا امکان بہت تھا اور اس طرح سے امت کے اندر اختلاف در اختلاف کا اندیشہ تھا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کو مقدم رکھا جائے۔ اور محض ثقہ لوگ ہی حدیث بیان کریں۔

تعلیم فقہ:- قرآن و حدیث کی تعلیم کے بعد فقہ کی طرف توجہ کی۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں فقہ کی اس قدر ضرورت نہ تھی البتہ حضورؐ کی وفات کے بعد جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور نئے نئے حالات و واقعات پیش آئے تو فقہ کی ضرورت بھی بڑھ گئی۔ اور مجمل احکام کی تشریح لازمی قرار پائی۔ اس ضرورت کے ماتحت صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کرنا پڑا۔ مجتہدین میں چار اصحاب بڑے مستند مانے گئے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ۔

حضرت عمرؓ کا علم عمر بن میمون کا قول ہے کہ علم میں دو ثلث عمرؓ کا حصہ ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر عمرؓ کا علم ترازو کے ایک پلّہ میں رکھا جائے اور زمین کے زندہ لوگوں کے علم کو دوسرے میں تو حضرت عمرؓ کے علم کا پلّہ بھاری ہو گا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب صالحین کا ذکر ہو تو عمرؓ کو مقدم کرنا کیونکہ وہ کتاب اللہ کو ہم سے کہیں بہتر جانتے ہیں۔ اور دین خدا کو خوب سمجھتے ہیں۔

اختلاف مسائل کی صورت میں مشورہ:- آپ نے عام حکم دے رکھا تھا کہ ہر شخص اجتہاد کا اہل نہیں، جن مسائل میں اختلاف ہوتا تھا وہ مجلس صحابہؓ میں طے ہوتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد ان کو شائع کیا جاتا تھا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں

(بقیہ صفحہ ...)

مکرم حافظ شبیر محمد صاحب خوشابی

مقامِ سُنّت

حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں

"میں نے سُنا ہے کہ بعض تم میں سے حدیث کو بکلی نہیں مانتے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی کرتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ایسا کرو۔ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔ سب سے اول قرآن ہے۔ جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے۔ اور جس میں ان اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے جو یہود اور نصاریٰ میں تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسرا ذریعہ ہدایت کا جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے سنت ہے یعنی آنحضرت صلعم کی عملی کارروائیاں جو آپؐ نے قرآن شریف کے احکام کی تشریح کے لئے کر کے دکھلائیں۔ مثلاً قرآن شریف میں بظاہر نظر پنجگانہ نمازوں کی رکعات معلوم نہیں ہوتیں۔ کہ صبح کس قدر اور دوسرے وقتوں میں کس کس تعداد پر۔ لیکن سنت نے سب کچھ کھول دیا ہے مسلمانوں ۔ قرآن شریف کے بعد بڑا احسان سنت کا ہے۔ خدا اور رسولؐ کی ذمہ داری کا فرض صرف دو امر تھے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کو نازل کر کے مخلوقات کو بذریعہ اپنے قول کے اپنے منشاء سے اطلاع دے۔ یہ تو خدا کے قانون کا فرض تھا اور رسولؐ نے وہ گفتنی باتیں کردنی کے پیرایہ میں دکھلادیں۔ اور اپنی سنت یعنی عملی کارروائی سے معضلات اور مشکلات مسائل کو حل کر دیا۔ یہ کہنا بے جا ہے کہ یہ حل کرنا حدیث پر موقوف تھا کیونکہ حدیث کے وجود سے پہلے اسلام زمین پر قائم ہو چکا تھا۔ کیا جب تک حدیثیں جمع نہ ہوئیں تھیں لوگ نماز نہ پڑھتے تھے یا زکوٰۃ نہ دیتے تھے یا حج نہ کرتے تھے یا حلال و حرام سے واقف نہ تھے۔ ہاں تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے۔ کیونکہ بہت سے اسلام کے تاریخی اور اخلاقی اور فقہ کے امور کو حدیثیں کھول کر بیان کرتی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ مگر ہم حدیث کو خادم قرآن اور خادم سنت قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آقا کی شوکت خادموں کے ہونے سے بڑھتی ہے۔ قرآن خدا کا قول ہے اور سنت رسول اللہ کا فعل۔ اور حدیث سنت کے لئے ایک تائیدی گواہ ہے نعوذ باللہ یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے۔ اگر قرآن پر کوئی قاضی ہے تو وہ خود قرآن ہے۔ حدیث جو ایک ظنّی مرتبہ پر ہے۔ قرآن کی ہرگز قاضی نہیں ہو سکتی صرف ثبوت مؤید کے رنگ میں ہے۔ البتہ سنت ایک ایسی چیز ہے۔ جو قرآن کا منشا ظاہر کرتی ہے۔ اور سنت سے مراد وہ راہ ہے جس پر آنحضرت صلعم نے عملی طور پر صحابہؓ کو ڈال دیا تھا۔ سنت ان باتوں کا نام نہیں ہے جو ڈیڑھ سو برس بعد کتابوں میں لکھی گئیں۔ بلکہ ان باتوں کا نام حدیث ہے۔ اور سنت اس عملی نمونہ کا نام ہے جو نیک مسلمانوں میں عملی حالت میں چلا آیا ہے جس پر ہزارہا مسلمانوں کو لگایا گیا ہاں حدیث بھی اگرچہ اکثر حصہ اس کا ظن کے مرتبہ پر ہے مگر بشرطیکہ عدم تعارض قرآن و سنت تمسک کے لائق ہے اور مؤید قرآن و سنت ہے۔ اور بہت سے اسلامی مسائل کا ذخیرہ اس کے اندر موجود ہے۔ پس حدیث کی قدر نہ کرنا گویا ایک عضوِ اسلام کا کاٹ دینا ہے۔ ہاں اگر ایسی حدیث ہو جو قرآن اور سنت کے نقیض ہو اور نیز ایسی حدیث کی نقیض ہو جو قرآن کے مطابق ہے۔ یا مثلاً ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کے مخالف ہے۔ تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہوگی کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور ان تمام احادیث کو جو قرآن کریم کے موافق ہیں رد کرنا پڑتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کوئی پرہیزگار اس پر جرأت نہیں کرے گا کہ ایسی حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن اور سنت کے برخلاف اور ایسی حدیثوں کے مخالف ہے جو قرآن کے مطابق ہیں بہرحال احادیث کی قدر کرو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلعم کی طرف منسوب ہیں۔ اور جب تک قرآن اور سنت ان کی تکذیب نہ کرے تم بھی ان کی تکذیب نہ کرو۔ بلکہ چاہیئے کہ حدیث نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل کرو۔ اور نہ ترک فعل مگر اس کی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو لیکن اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن شریف کے بیان کردہ قصص سے صریح مخالف ہے تو اس کی تطبیق کے لئے فکر کرو شاید وہ تعارض تمہاری ہی غلطی ہو۔ اور اگر کسی طرح وہ تعارض دور نہ ہو تو ایسی حدیث کو پھینک دو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے نہیں ہے۔ اور اگر کوئی حدیث ضعیف ہے مگر قرآن کریم سے مطابقت رکھتی ہے۔ تو اس حدیث کو قبول کر لو کیونکہ قرآن کریم اس کا مصداق ہے مسلمانوں کے لئے صحیح بخاری نہایت متبرک اور مفید کتاب ہے ایسا ہی مسلم اور دوسری احادیث کی کتابیں بہت سے معارف اور مسائل کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اور اس احتیاط سے ان پر عمل واجب ہے۔ کہ کوئی مضمون ایسا نہ ہو جو قرآن اور سنت اور ان احادیث سے مخالف ہو جو قرآن کے مطابق ہیں۔

(کشتی نوح)

اور صراطِ مستقیم جس کو ظاہر کرنے کے لئے میں نے اس مضمون کو لکھا ہے۔ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کے لئے تین چیزیں ہیں ۔

۱۔ قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہمارے ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں۔ وہ خدا کا کلام ہے۔ وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے۔

۲۔ دوسری سنت اور اس جگہ ہم اہل حدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں۔ یعنی ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جیسا کہ رسمی محدثین کا طریق ہے۔ بلکہ حدیث الگ چیز ہے اور سنت الگ چیز ہے۔ سنت سے مراد ہماری صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فعلی روش ہے۔ جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے۔ اور ابتداء سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی۔ اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی۔ یا بہ تبدیلی الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے۔ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فعل اور قدیم سے

عادتِ الٰہی یہی ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام خدا کا قول لوگوں کی ہدایت کے لئے لاتے ہیں تو اپنے فعل سے یعنی عملی طور پر اس قول کی تفسیر کر دیتے ہیں تا اس قول کا سمجھنا لوگوں پر مشتبہ نہ رہے اور اس قول پر آپ بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی عمل کراتے ہیں۔

۳۔ تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے۔ اور حدیث سے ہماری مراد وہ آثار ہیں جو قصوں کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعہ سے جمع کئے گئے ہیں۔

پس سنت اور احادیث میں ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ سنت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے جاری کیا اور وہ یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے۔ اور جس طرح آنحضرت قرآن شریف کی اشاعت کے لئے مامور تھے۔ ایسا ہی سنت کی اقامت کے لئے مامور تھے۔ پس جیسا کہ قرآن شریف یقینی ہے ایسا ہی سنت معمولہ متواترہ بھی یقینی ہے۔ یہ دونوں خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ سے بجا لائے اور دونوں کو اپنا فرض سمجھا۔ مثلاً جب نماز کے لئے حکم ہوا تو آنحضرت صلعم نے خدا تعالیٰ کے اس قول کو اپنے فعل سے کھول کر دکھلا دیا اور عملی رنگ میں ظاہر کر دیا کہ فجر کی نماز کی یہ رکعات ہیں اور مغرب کی یہ اور باقی نمازوں کے لئے یہ یہ رکعات ہیں۔ ایسا ہی حج کر کے دکھلا دیا اور پھر اپنے ہاتھ سے ہزارہا صحابہؓ کو اس فعل کا پابند کر کے سلسلہ تعامل بڑے زور سے قائم کر دیا۔

پس عملی نمونہ جو اب تک امت میں تعامل کے رنگ میں مشہود و محسوس ہے اسی کا نام سنت ہے۔ لیکن حدیث کو آنحضرت صلعم نے اپنے روبرو نہیں لکھوایا اور نہ اس کے جمع کرنے کے لئے کوئی اہتمام کیا۔ کچھ حدیثیں حضرت ابوبکرؓ نے جمع کی تھیں لیکن پھر تقویٰ کے خیال سے انہوں نے وہ سب حدیثیں جلا دیں کہ یہ میرا سماع بلا واسطہ نہیں ہے۔ خدا جانے اصل حقیقت کیا ہے۔ پھر جب وہ دور صحابہؓ کا گذر گیا تو بعض تبع تابعین کی طبیعت کو خدا نے اس طرف پھیر دیا۔ کہ حدیثوں کو بھی جمع کر لینا چاہئے۔ تب حدیثیں جمع ہوئیں اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اکثر حدیثوں کے جمع کرنے والے بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ انہوں نے جہاں تک ان کی طاقت میں تھا حدیثوں کی تنقید کی اور ایسی حدیثوں سے بچنا چاہا جو ان کی رائے میں موضوعات میں سے تھیں اور ہر ایک مشتبہ الحال راوی کی حدیث نہیں لی۔ بہت محنت کی مگر تاہم چونکہ وہ ساری کارروائی بعد از وقت تھی اس لئے وہ سب ظن کے مرتبہ پر رہیں بایں ہمہ یہ سخت ناانصافی ہوگی کہ یہ کہا جائے کہ وہ سب حدیثیں لغو اور نکمی اور بے فائدہ اور جھوٹی ہیں بلکہ ان حدیثوں کے لکھنے میں اس قدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اور اس قدر تحقیق اور تنقید کی گئی ہے جو اس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔ یہودیوں میں بھی حدیثیں ہیں۔ اور حضرت مسیح کے مقابل پر بھی وہی فرقہ یہودیوں کا تھا جو عامل بالحدیث کہلاتا تھا۔ لیکن ثابت نہیں کیا گیا کہ یہودیوں کے محدثین نے ایسی احتیاط سے وہ حدیثیں جمع کی تھیں۔ جیسا کہ اسلام کے محدثین نے تاہم یہ غلطی ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ جب تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں اس وقت تک لوگ نمازوں کی رکعات سے بے خبر تھے۔ یا حج کرنے کے طریق سے ناآشنا تھے۔ کیونکہ سلسلہ تعامل نے جو سنت کے ذریعہ سے ان میں پیدا ہو گیا تھا تمام حدود اور فرائض اسلام ان کو سکھلا دیئے تھے۔ اس لئے یہ بات بالکل صحیح ہے۔ کہ ان حدیثوں کا دنیا میں اگر وجود بھی نہ ہوتا جو مدت دراز کے بعد جمع کی گئیں تو اسلام کی اصلی تعلیم کا کچھ بھی حرج نہ تھا کیونکہ قرآن اور سلسلہ تعامل نے ان ضرورتوں کو پورا کر دیا تھا تاہم حدیثوں نے اس نور کو زیادہ کیا گویا اسلام نورٌ علیٰ نور ہو گیا اور حدیثیں قرآن اور سنت کے لئے گواہ کی طرح کھڑی ہو گئیں۔ اور اسلام کے بہت سے فرقے جو بعد میں پیدا ہو گئے ان میں سے سچے فرقے کو احادیثِ صحیحہ سے بہت فائدہ پہنچا۔ پس مذہبِ اسلم یہی ہے کہ نہ تو اس زمانہ کے اہلِ حدیث کی طرح حدیثوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن پر وہ مقدم ہیں اور نہ حدیثوں کے قصوں کو قرآن پر ترجیح دی جاوے اور قرآن کو چھوڑ دیا جائے اور نہ حدیثوں کو مولوی محمد عبداللہ چکڑالوی کے عقیدہ کی طرح محض لغو اور باطل ٹھہرایا جائے بلکہ چاہئے کہ قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو تو اس کو بسر و چشم قبول کیا جاوے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ مبارک وہ جو اس کے پابند ہوتے ہیں۔ نہایت بدقسمت اور نادان وہ شخص ہے جو بغیر لحاظ اس قاعدہ کے حدیثوں کا انکار کرتا ہے۔

ہماری کتب مسلمہ مقبولہ جن پر ہم عقیدہ رکھتے ہیں اور جن کو ہم معتبر سمجھتے ہیں بہ تفصیل ذیل ہیں۔

اول قرآن شریف مگر یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے معنے ہمارے نزدیک وہی معتبر اور صحیح ہیں جس پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہوں۔ کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں۔ اور نیز قرآن کے کامل اور یقینی معنوں کے لئے اگر وہ یقینی مرتبہ قرآن کے دوسرے مقامات سے میسر آ سکے یہ بھی شرط ہے۔ کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل بھی اس کی مفسر ہو۔ غرض ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے ہرگز جائز نہیں پس ہر ایک معترض پر لازم ہوگا کہ کسی اعتراض کے وقت اس طریق سے باہر نہ جائے۔

دوم: دوسری کتابیں جو ہماری مسلم کتابیں ہیں ان میں اول درجہ پر صحیح بخاری ہے۔ اور اس کی وہ تمام احادیث ہمارے نزدیک حجت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف نہیں۔ اور ان میں سے دوسری کتاب صحیح مسلم ہے۔ اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو۔ اور تیسرے درجہ پر صحیح ترمذی ابن ماجہ۔ موطا۔ نسائی۔ ابو داؤد۔ دارقطنی۔ کتب حدیث ہیں۔ جن کی حدیثوں کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں۔ یہ کتابیں ہمارے دین کی کتابیں ہیں۔ اور یہ شرائط ہیں جن کی رو سے ہمارا عمل ہے۔

(اشتہار ۲۲ دسمبر ۱۸۹۵ء)

حدیث و قرآن

کتاب و سنت کے حجج شرعیہ ہونے میں میرا مذہب یہ ہے کہ کتاب اللہ مقدم اور امام ہے۔ جس امر میں احادیث نبویہ کے معانی جو کئے جاتے ہیں۔ کتاب اللہ کے مخالف واقع نہ ہوں۔ تو وہ معانی بطور حجت شرعیہ کے قبول کئے جائیں گے لیکن جو نصوص بینہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہوں گے ان معنوں کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ جہاں تک ہمارے لئے ممکن ہوگا ہم اس حدیث کے ایسے معانی کریں گے جو کتاب اللہ کی نص بیّن سے موافق و مطابق ہوں۔ اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نص قرآن کریم ہوگی اور کسی صورت سے اس کی تاویل کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے تو ایسی حدیث ہم موضوع قرار دیں گے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے:۔

"فبأیّ حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون"

یعنی بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے یہاں تک کہ اس فیصلہ میں کسی طور سے شک باقی نہ رہ جائے

اور منشا اچھی طرح سے کھل جائے۔ تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہو مومن کا کام نہیں ہے۔ پھر فرمایا:۔

"فبای حدیث بعدہ یؤمنون"

ان دونوں آیتوں کے ایک ہی معنے ہیں۔ اس لئے اس جگہ تصریح کی ضرورت نہیں سو آیات متذکرہ بالا کے رُو سے ہر ایک مومن کا یہی مذہب ہونا چاہیئے کہ وہ کتاب اللہ کو بلاشرط اور حدیث کو شرطی طور پر حجت شرعی قرار دیوے اور یہی میرا مذہب ہے۔

پس میرا مذہب فرقہ ضالہ نیچریہ کی طرح یہ نہیں ہے کہ میں عقل کو مقدم رکھ کر قال اللہ وقال الرسول پر کچھ نکتہ چینی کروں۔ ایسے نکتہ چینی کرنے والوں کو ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ بلکہ میں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم کو پہنچایا ہے۔ اس سب پر ایمان لاتا ہوں۔ صرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ قرآن کریم ہر ایک وجہ سے حدیث پر مقدم ہے۔ اور احادیث کی صحت اور عدم صحت پرکھنے کے لئے وہ محک ہے۔ اور مجھ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے۔ تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے۔ لوگوں پر ظاہر کروں اور اگر اس خدمت گزاری میں علمائے وقت کا میرے پر اعتراض ہو۔ اور مجھ کو "فرقہ ضالہ نیچریہ" کی طرف منسوب کریں تو میں ان پر کچھ افسوس نہیں کرتا بلکہ خدائے تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ وہ بصیرت انہیں عطا فرما دے جو مجھے عطا فرمائی ہے نیچریوں کا اول دشمن میں ہی ہوں۔

(مباحثہ لدھیانہ)

متقی کے واسطے مناسب ہے کہ اس قسم کا خیال دل میں نہ لاوے کہ حدیث کوئی چیز نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو عمل تھا وہ گویا قرآن کے مطابق نہ تھا آج کل کے زمانہ میں مرتد ہونے کے قریب جو خیالات پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے ایک خیال حدیث شریف کی تحقیر کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام کاروبار قرآن شریف کے ماتحت تھے۔ اگر قرآن شریف کے واسطے معلم کی ضرورت نہ ہوتی۔ تو قرآن رسول پر کیوں اترتا۔ یہ لوگ بہت بے ادب ہیں کہ ہر ایک اپنے کو رسول کا درجہ دیتا ہے، اور ہر ایک اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہے۔ کہ قرآن شریف اسی پر نازل ہوا ہے۔ یہ بڑی گستاخی ہے۔ کہ ایک چکڑالوی مولوی جو معنے قرآن کے کرے اس کو مانا جاتا ہے۔ اور قبول کیا جاتا ہے۔ اور خدا کے رسول پر جو معنی نازل ہوئے۔ ان کو نہیں دیکھا جاتا خدا تعالیٰ نے تو انسان کو اس امر کا محتاج پیدا کیا ہے۔ کہ ان کے درمیان کوئی رسول یا مامور مجدد ہو مگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کا ہر ایک رسول ہے۔ اور اپنے آپ کو غنی اور غیر محتاج قرار دیتے ہیں۔ یہ سخت گناہ ہے۔ ایک بچہ محتاج ہے۔ کہ وہ اپنے والدین وغیرہ سے تکلم سیکھے اور بولنے لگے۔ پھر استاد کے پاس بیٹھ کر سبق پڑھے جائے استاد خالی است چکڑالوی لوگ دھوکا دیتے ہیں کہ کیا قرآن تمہارا محتاج نہیں، پر تم محتاج ہو کر قرآن کو پڑھو سمجھو اور سیکھو جبکہ دنیا کے معمولی کاموں کے واسطے تم استاد پکڑتے ہو تو قرآن شریف کے واسطے استاد کی ضرورت کیوں نہیں۔ کیا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی قرآن پڑھنے لگے گا۔ بہرحال معلم کی ضرورت ہے۔ جب مسجد کا ملّا ہمارا معلم ہو سکتا ہے تو کیا رسول نہیں ہو سکتا۔ جس پر خود قرآن شریف نازل ہوا ہے۔

دیکھو قانون سرکاری ہے۔ اس کے سمجھنے اور سمجھانے کے واسطے بھی آدمی مقرر ہیں حالانکہ اس میں کوئی ایسے معارف اور حقائق نہیں جیسے کہ خدا کی پاک کتاب میں ہیں یاد رکھو کہ سارے انوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں ہیں جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع نہیں کرتے ان کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بجز نور اتباع خدا کو بھی پہچاننا مشکل ہے۔ شیطان اسی واسطے ہے کہ اس کو نورِ اتباع حاصل نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیئیس سال دنیا میں رہے۔ متقی کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اس بات کو محبت کی نگاہ سے دیکھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا طریق عمل تھا۔ (بدر یکم اگست ۱۹۰۷ء)

ہرچند محدثین نے اپنے طریق پر رواۃ کی حالت کو صحت یا غیر صحت حدیث کے لئے معیار مقرر کیا ہے۔ لیکن کبھی انہوں نے دعوے نہیں کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستغنی کرنے والا ہے۔

بقیہ مجدد دین کا ظہور۔

نہیں کیا اور آپ کی قبولیت مسلمانوں میں اس قدر تھی کہ دوسرے کسی شخص کو اس زمانہ میں وہ قبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہی بھی یہی تھا کیونکہ ایک طرف حدیث موجود تھی کہ صدی کے سر پر مجدد کا آنا ضروری ہے۔ دوسری طرف جس شخص نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا وہ کیا بلحاظ زہد و تقوےٰ اور کیا بلحاظ علم فضل اور کیا مخالفین اسلام کو جواب دینے کے لحاظ سے اپنی نظیر نہ رکھتا تھا پھر اس کے ساتھ ہی ضرورت زمانہ بھی پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ اس وقت ایک مجدد کی ضرورت اس قدر ہے کہ پہلے کسی زمانہ میں اس قدر ضرورت واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ ایک طرف مسلمان اندرونی اختلافات اور فسادات کا شکار ہو کر تباہ ہو رہے تھے۔ دوسری طرف غیر مذاہب انہیں کھانے کے لئے دوڑ رہے تھے۔ اگر پہلے کوئی مجدد نہ بھی آیا ہوتا تو بھی ضرورت تھی کہ اسلام کا محافظ خدا اس وقت خدمت دین کے لئے اور غیر مذاہب کے حملوں سے اسے بچانے کے لئے اور تعلیم اسلام کو اطراف و اکناف عالم میں پہنچانے کے لئے اپنی طرف سے کسی شخص کو کھڑا کرتا۔ اگر چودھویں صدی کے سر پر مجدد نہ آتا تو نہ صرف حدیثِ مجدد کی تکذیب لازم آتی تھی بلکہ سخت ترین مصیبت کے وقت اللہ تعالےٰ کا اسلام کو اس طرح چھوڑ دینا اور اس کی نصرت کا کوئی سامان پیدا نہ کرنا، قرآن کریم کی نص انا لہ لحافظون کو بھی غلط ٹھہراتا۔ آپ نے دعویٰ کیا اور اہل اسلام نے لبیک کہا۔

بقیہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر ایک اور شہادت

کتبہ اتارتے ہوئے پہاڑ پر ہی پھینک دیا۔ دوسرا کتبہ جو میں ساتھ لایا تھا میں نے اپنے بیان کے ربانی عالموں اور اسی طرح بعد ازاں اہل یمن کے زلور نویسوں کی خدمت میں پیش کیا اور اس وجہ سے کہ ان میں سے اس کو کوئی نہ پڑھ سکا وہ کتبہ ہمارے گھر میں کئی سال پڑا رہا اور مدت کے بعد ہمارے یہاں ملک فارس کے چند اہل ماہ آئے باتوں ہی باتوں میں اس کتبہ کا ذکر آ گیا تو میں نے ان کو یہ کتبہ نکال کر دیا انہوں نے بتایا کہ یہ ہمارے عیسیٰؑ ابن مریم رسول اللہ علیہ السلام کی قبر کا کتبہ ہے جو ہمارے بلاد میں رسول کر کے بھیجے گئے تھے ان کے مرنے کے بعد ان کو پہاڑ پر دفن کیا گیا ہے۔ کتبہ پر یہ عبارت لکھی تھی۔

یہ حضرت عیسیٰ کی قبر ہے جو ان بلاد میں رسول بھیجے گئے تھے۔ (اخبار بدر ۲۱ نومبر ۱۹۰۷ء نمبر ۴۷ جلد ۶)

از حضرت امیر قوم مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مجددوں کا ظہور

"ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا"

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے کسی ایسے شخص کو کھڑا کرتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا"

دین اسلام ایک کامل اور مکمل دین ہے اس سے پہلے جس قدر مذہب ہوئے وہ بلحاظ زمانہ اور بلحاظ قوم دونوں طرح محدود تھے اس لئے دین کی تکمیل کے لئے بعثت انبیاء کی ضرورت رہی لیکن جب الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوگیا تو اس کے ساتھ ہی نبوت کی ضرورت بھی ختم ہوگئی اس لئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے کامل رہبر ہونے کی وجہ سے آخری نبی قرار پائے کسی نئی مذہبی صداقت کی ضرورت نہ رہی اور نہ ہی مذہبی صداقتوں کو لانے والوں یعنی انبیاء کی ضرورت رہی۔ ہاں تائید و تبلیغ دین کی ضرورت تا قیامت باقی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوا کہ کاملین امت کو اس سرچشمہ فیضانِ الٰہی سے محروم نہ کیا جائے جس سے انبیاء کو سیراب کیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف اس امت میں جاری رہے۔ جس طرح پہلے بھی غیر انبیاء کی طرف وحی الٰہی آتی رہی جیسا کہ حضرت مریمؑ کی طرف وحی کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے اور حضرت عیسٰیؑ کے حواریوں کی طرف وحی کا ذکر بھی قرآن شریف میں موجود ہے۔ اذ اوحیت الی الحواریین اور حضرت موسیٰؑ کی ماں کی طرف وحی کا ذکر بھی موجود ہے واوحینا الی ام موسیٰ پس جب پہلی امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحی کا نزول غیر انبیاء پر ہوتا رہا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ افضل الرسلؐ اور خاتم النبیینؐ کی امت اس برکت سے محروم رہتی۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی کا دروازہ بھی بند ہو جاتا تو نہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا تعطل لازم آتا جو محال ہے بلکہ نبوت کا امر بھی مشتبہ ہو جاتا کیونکہ اس بات کا کوئی ثبوت امر واقع کے رنگ میں باقی نہ رہتا کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے کلام کیا کرتا تھا اس لئے قرآن کریم نے مومنوں کو صاف صاف وعدہ دیا لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا یعنی دنیا کی زندگی میں ان کو مبشرات ملتی رہیں گی اور انہی مبشرات کو حدیث صحیح میں جزو نبوت قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ حدیث متفق علیہ میں آتا ہے کہ ایسے لوگ اس امت میں ضرور ہوں گے جن سے خدا ہم کلام ہوگا گو وہ نبی نہ ہوں گے رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء اور انہی کو دوسری حدیث میں محدث بھی کہا گیا ہے۔ پس ایک طرف اگر یہ ضرورت تھی کہ تائید دین کے لئے اس امت میں لوگ کھڑے ہوتے رہیں تو دوسری طرف مکالمہ الٰہیہ کا اس امت میں باقی رہنا بھی ضروری ہوا اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص ارادہ اور منشا سے اس کام کے لئے کھڑا کرے۔ اور ان سے ہم کلام ہو انہیں مجددین کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے خاص کلام سے مشرف فرما کر بعض لوگوں کو اپنی مصلحتِ خاص سے تائید دین کے لئے کھڑا کرتا ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایسے لوگ ہر صدی کے سر پر ہوتے رہیں گے چنانچہ ابو داؤد کی حدیث ہے۔ ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے کسی ایسے شخص کو کھڑا کرتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے۔ اور قرآن کریم میں فرمایا:-

یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہٖ وہ کلام کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے۔ جس کی تفسیر میں مفسرین نے حدیثِ مجدد کو نقل کیا ہے۔ اور مجددوں کے آنے کی یہ غرض نہیں کہ وہ کوئی نئی دینی صداقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جس کی خاص ضرورت اس زمانے میں ہوتی ہے اس حدیث کی رُو سے یہ ضروری ہے کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ اس امت میں سے کسی شخص کو تائید دین کے لئے کھڑا کرکے اسے اپنے کلام سے مشرف فرمائے۔ اور اس حدیث کی صحت پر نہ صرف حفاظ حدیث کا اتفاق ہے بلکہ عملی طور پر اس کی تصدیق اس امت کے بعض برگزیدہ مجددین کے دعاوی سے ہوتی ہے جیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ جن کے نام سے اس ملک کا بچہ بچہ واقف ہے جنہوں نے گیارھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا اور اسی حدیث کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کیا پس جو لوگ حدیثِ مجدد کی صحت کا انکار کرتے ہیں وہ ایک مسلم راست باز انسان کو جس کی راست بازی آج ساری دنیائے اسلام کو مسلم ہے۔ نعوذ باللہ جھوٹا اور مفتری ٹھہراتے ہیں۔ ایسا ہی وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ جو مجدد ہو اسے دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے۔ حالانکہ مجدد الف ثانی کا دعویٰ صاف الفاظ میں موجود ہے۔ اور دوسرے مجددین کے اسماء بھی کتابوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں غرض ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا ظاہر ہونا قرآن و حدیث سے اور اس امت کے راست بازمجددین کی شہادت سے ثابت ہے اور مجدد ہونے کا دعویٰ کرنا بھی راست بازوں کے طریقِ عمل سے ثابت ہے۔

چودھویں صدی کا مجدد

اسی حدیث کے ماتحت ٹھیک چودھویں صدی کے سر پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چودھویں صدی کے لئے مجدد بنا کر بھیجا ہے۔ دعوئے مجددیت کے ساتھ ہی آپ کی مشہور شہرۂ آفاق کتاب براہین احمدیہ شائع ہوئی۔ اس کتاب میں آپ نے اسلام کی حقانیت پر ایک زبردست سلسلہ دلائل کی ابتداء کی اور ضمناً تمام مذاہب پر بحث کرتے ہوئے اتمام حجت کیا علمائے زمانہ پر اس کتاب کا اس قدر اثر تھا کہ "اشاعت السنہ" میں اس پر ریویو کے ضمن میں یہ اعتراف کیا گیا کہ اسلام کی جو خدمت مصنف کتاب نے کی ہے اس کی نظیر ۱۳۰۰ سال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ایک طرف آپ کے علم و فضل کے سامنے لوگوں کی گردنیں جھک گئیں دوسری طرف آپ کا زہد و تقوےٰ بھی مشہور عام و خاص تھا۔ اور قبولیت دعا کی وجہ سے آپ مرجع خلائق تھے اس لئے آپ کے دعویٰ مجددیت کا بھی عام طور پر لوگوں نے انکار

(بقیہ صفحہ ۱۶)

ابو طاہر عرفانی

رخصتی کے وقت اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عُمر

کتب روایت میں عام طور پر اسی بات پر زور دیا جاتا ہے کہ کاشانہ نبویؐ میں داخلے کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۹ سالہ تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کا نکاح چھ سال کی عمر میں سنہ ۱۰ نبوت میں ہوا تھا۔ اگر یہ روایت بعینہٖ درست ہوتی تو ایک مسلمان کو اس کی صحت و حکمت پر کیسے اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم روایت و درایت کی روشنی میں دیکھیں تو صورت حال مختلف نظر آتی ہے۔ اور یہ حقیقت کھلتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاں تشریف لے جانے کے وقت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سنِ مبارک انیس بیس سال سے کم نہ تھا۔

چھ سال کی عمر میں نکاح کی تغلیط سے قبل اس دور کے دو فاضل سیرت نگاروں کی آرا ہدیۂ قارئین ہیں تاکہ تصویر کے دونوں رُخ پیشِ نظر ہیں۔ یہ دونوں سیرت نگار [illegible] سلیمان ندوی مرحوم اور سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔ جن کے تبحر علمی سے متعلق دو آرا نہیں پائی جاتیں۔

۱:۔ سید سلیمان ندوی :۔

مرحوم اپنی بلند پایہ تصنیف "سیرت عائشہؓ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت عائشہؓ کی ولادت کی تاریخ سے تاریخ و سیر کی عام کتابیں خاموش ہیں۔ مؤرخ ابن سعد نے لکھا ہے اور بعض ارباب سیر نے اسی کی تقلید کی ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں پیدا ہوئیں اور نبوت کے دسویں سال چھ برس کے سن میں بیاہی گئیں۔ لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں ان کی ولادت مان لی جائے تو نبوت کے دسویں سال ان کی عمر ۶ سال کی نہیں بلکہ [illegible] سال ہو گی۔ اصل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق چند باتیں متفقہ طور پر ثابت ہیں۔ ہجرت سے تین برس پہلے ۶ برس کی عمر میں بیاہی گئیں۔ شوال سنہ ۱ھ میں ۹ برس کی تھیں کہ رخصتی ہوئی ۱۸ سال کی عمر تھی۔ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ میں بیوہ ہوئیں۔ اس لحاظ سے ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہو گا۔ یعنی شوال سنہ ۹ قبل ہجرت مطابق سنہ ۶۱۴ء۔ آئندہ کے تاریخی واقعات کے سمجھنے کے لئے یہ جان لینا چاہئے کہ نبوت کے ۲۳ سال میں سے تقریباً ۱۳ سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں گزرے ہیں۔ حضرت عائشہؓ جب پیدا ہوئیں تھیں تو نبوت کے چار سال گذر چکے تھے۔ اور پانچواں سال گذر رہا تھا۔"

(سیرۃ عائشہؓ صفحہ ۲۱)

۲۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی :۔ "حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ" کے عنوان سے آپ لکھتے ہیں :۔

"امام احمد، طبرانی، ابن جریر طبری، اور بیہقی کی ایک شخص روایت سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سودہؓ سے پہلے ہوا تھا۔ بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت سے تین سال پہلے سنہ ۱۰ بعد بعثت کے ماہ شوال میں جب حضورؐ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا اس وقت وہ چھ برس کی تھیں یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ شوال سنہ ۱۰ بعد بعثت ۶ سال کی تھیں تو ہجرت کے وقت ان کی عمر ۹ سال ہونی چاہیئے اور معتبر روایات کی رو سے جب شوال سنہ ۲ھ میں ان کی رخصتی ہوئی تو وہ گیارہ سال کی ہونی چاہیئں حالانکہ تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ ان کا نکاح ۶ برس کی عمر میں ہوا۔ اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہوئی۔ اس سوال کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہجرت کے سات مہینے بعد ہوئی۔ اور حافظ ابن حجر نے اسی کو ترجیح دی ہے لیکن امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ رخصتی سنہ ۲ھ میں ہوئی۔ حافظ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غزوہ بدر سے واپس تشریف لانے کے بعد شوال سنہ ۲ھ میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔ امام نووی اور علامہ عینی دونوں نے اس قول کو واہی قرار دیا ہے کہ یہ رخصتی ہجرت کے سات مہینے بعد ہوئی۔ اس کے بعد لازماً دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر رخصتی سنہ ۲ھ میں ہوئی تو پھر نکاح کی تاریخ کون سی تھی جو حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح ۶ سال اور بوقت زفاف ۹ سال سے مطابقت رکھتی ہو۔ اس کا جواب ہم کو بخاری کی اس حدیث سے ملتا ہے جو انہوں نے عروہ بن زبیرؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں حضرت عروہ کہتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی دو سال یا اس کے قریب مدت تک توقف فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عائشہ سے نکاح کیا، پھر ۹ سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی اس سے حساب بالکل ٹھیک بیٹھتا ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ۶ سال کی عمر میں ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے ہوا اور زفاف سنہ ۲ھ میں ہوا۔"

(ماہنامہ ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۰)

یہ دونوں بزرگ ایک بات میں متفق ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ۶ سال کی عمر میں ہوا گو سید سلیمان کی رو سے سیّدہ عائشہؓ کی پیدائش سنہ ۵ بعثت میں اور نکاح سنہ ۱۰ بعثت میں ہوا اور رخصتی شوال سنہ ۱ھ میں ہوئی جب کہ سیّد

ندوی صاحب کے حساب سے پیدائش سنہ ۴ بعثت میں ہوئی، نکاح سنہ ۱۰ بعثت میں اور رخصتی شوال سنہ ۲ھ میں ہوئی۔

مخالفانہ آواز:-

جہاں تک راقم الحروف کی معلومات کا تعلق ہے حضرت عائشہؓ کی ۶ سال کی عمر میں شادی کی روایت کے خلاف سب سے پہلی آواز جناب مولانا محمد علی صاحب لاہوری ایم اے امیر جماعت احمدیہ لاہور نے بلند کی جب کہ انہوں نے اپنی انگریزی تصنیف "محمد دی پرافٹ" مطبوعہ ۱۹۲۴ء میں حضرت عائشہؓ صدیقہ کی شادی کے سلسلہ میں لکھا۔

ترجمہ:- "میں اس موقع پر حضرت عائشہؓ کی عمر سے متعلق ایک عام غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تو واضح ہے کہ آپ شادی کے وقت بالغ نہ تھیں لیکن یہ درست نہیں کہ آپ اس وقت ۶ سال کی کمسن لڑکی تھیں۔ اول تو یہ بات ظاہر ہے کہ آپ عمر کی اس منزل تک پہنچ رہی تھیں جہاں عام طور پر منگنی کر دی جاتی ہے۔ اور اس طرح آپ شادی کے قابل ہو رہی تھیں پھر "اصابہ" کا مصنف لکھتا ہے:- کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے پانچ سال بڑی تھیں۔ اور یہ بھی مسلّم حقیقت ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ولادت اس وقت ہوئی جب کہ کعبہ کی تعمیر نو ہوئی۔ اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر زیادہ سے زیادہ ۳۵ سال تھی۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہؓ کی ولادت بعثت نبویؐ کے سال یا اس سے قدرے پہلے ہوئی۔ جب بعثت کے دسویں سال ان کی شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی تو ان کی عمر دس سال سے کم نہ تھی اس نتیجہ کی تائید و تصدیق سیدہ عائشہؓ کے اپنے اس قول سے ہوتی ہے۔ کہ جب سورۃ القمر نازل ہوئی تو ان دنوں وہ لڑکیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔ اور انہیں ان دنوں اس سورۃ کی چند آیات زبانی یاد تھیں۔ یہ سورۃ نبوت کے پانچویں سال کے بعد کی نہیں۔ اس واقعہ کی رُو سے یہ بات درست نہیں کہ بعثت کے دسویں سال شادی کے وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔ کیونکہ اس صورت میں اس سورۃ کے نزول کے وقت تو یہ آپ کی پیدائش کا سال بنتا ہے۔ جو بلا شبہ درست نہیں۔ ان حقائق کی رُو سے شادی کے وقت آپ کی عمر دس سال تھی۔ اور چونکہ آپ کی رخصتی پانچ سال بعد مدینے میں ہوئی اس لئے اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال سے کم نہ تھی۔" (ص ۳۹-۲۳۸)

مولانا محمد علی کی رائے پر تنقید کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی نے سیرۃ عائشہؓ کے دوسرے ایڈیشن میں لکھا:-

"بعض بے احتیاط لوگوں نے اس خیال سے کہ کم سنی کی شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے موزوں نہیں۔ اس بات کی کوشش کی ہے۔ کہ وہ ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چھ برس کی بجائے ۱۶ برس کی تھیں۔ لیکن یہ کوشش تمام بے سود اور ان کا دعویٰ بے دلیل ہے۔ حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی ان کی تائید میں نہیں۔" (نوٹ ۲) (سیرۃ عائشہؓ ص ۲۱)

تحقیقی حقائق:-

ان تین علماء کی تحریرات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تاریخ ولادت تو کسی کو بھی معلوم نہیں۔ سنِ ولادت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ نکاح کے سال سے متعلق بھی ہم آہنگی نہیں اور رخصتی کا سن بھی مندوش ہے۔ ان حالات میں یہ گنجائش موجود ہے کہ ان بزرگوں کی تصریحات کا جائزہ لیا جائے اور حقیقت کی نقاب کشائی کی جائے۔

تاریخی شواہد:-

سب سے پہلے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

"خدیجہؓ ایسی رفیق و غم گسار بیوی کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ملول رہا کرتے تھے۔ بلکہ اسی تنہائی کے غم سے زندگی بھی دشوار ہو گئی تھی۔ جاں نثاروں کو اس کی بہت فکر تھی۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون، المتوفی سنہ ۲ھ ایک مشہور صحابی ہیں ان کی بیوی خولہ بنت حکیمؓ آپ کے پاس آئیں اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپ نے فرمایا کس سے؟ خولہؓ نے کہا بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں جس کو آپ پسند فرمائیں۔ اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔ فرمایا وہ کون ہیں؟ خولہؓ نے کہا بیوہ تو سودہؓ بنت زمعہ ہیں اور کنواری ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہؓ۔ ارشاد ہوا۔ بہتر ہے تم اس کی نسبت گفتگو کرو۔" (سیرۃ عائشہؓ ص ۲۴)

سید سلیمان ندوی کی رائے میں سیدہ عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی کا بڑا سبب غم تنہائی اور غم گسار رفیقہ کی جدائی تھا۔ اس کی دو دیگر وجوہ بھی تھیں۔ ایک تو گھریلو مصروفیت بڑھ جانے کی وجہ سے آپ کے مقصد رسالت کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی، علاوہ ازیں گھر میں دو کم عمر صاحبزادیاں سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ اُم کلثومؓ تھیں۔ جن کی دیکھ بھال کے لئے خاتونِ خانہ کی ضرورت تھی۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ آپ کسی ذہین۔ بالغ سلیقہ مند اور امورِ خانہ داری سے واقف عورت کو رفیقۂ حیات بناتے۔ کسی چھ سالہ کمسن۔ ناپختہ کار لڑکی سے نکاح آپ کے گھریلو تقاضوں کی تکمیل نہیں کر سکتا تھا۔ ایک چھ سالہ لڑکی نہ تو غم گساری کر سکتی تھی نہ گھر کے کاروبار اور بچیوں کو سنبھال سکتی تھی۔ بلکہ کم عمری کی وجہ سے آپ کی مشکلات میں اضافہ کا موجب ہی ہو سکتی تھی۔ ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا تصور کر سکتے تھے اور نہ ہی خولہؓ ایسی تجربہ کار۔ سنجیدہ اور عقل مند خاتون آپ کو ایسی شادی کا مشورہ دے سکتی تھی۔

یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ جب حضرت خولہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سیدہ عائشہؓ کے رشتے کی تجویز پیش کی۔ تو کسی روایت میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہؓ کی کم عمری کا ذکر کر کے اس رشتہ سے انکار کیا ہو۔ کہ وہ میری گھریلو ذمہ داریوں کو کیسے سنبھالے گی۔ بلکہ بلا تامّل رضامندی کا اظہار کر دیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سیدہ عائشہ اپنی عمر کے لحاظ سے بالغ ہو چکی تھیں اور آنحضرتؐ کی نظر میں آپ کا گھر سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ اسی طرح جب حضرت خولہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا تو انہوں نے ہرگز یہ عذر نہ کیا کہ عائشہ ابھی کمسن اور نابالغ ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عائلی ذمہ داریاں پوری نہ کر سکے گی۔ اس کے برعکس سیدہ عائشہؓ کی عمر اتنی زیادہ تھی کہ اس سے قبل حضرت ابوبکرؓ نے سیدہ عائشہؓ کی سگائی جبیر بن مطعم کے لڑکے سے کر رکھی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچنے پر یہ نسبت منقطع کر کے سیدہ عائشہؓ کا نکاح حضور اکرمؐ سے کر دیا۔ کیا یہ سب کچھ ایک چھ سالہ، گڑیاں کھیلنے والی لڑکی کے بارے میں ممکن ہو سکتا تھا۔ یا سیدہ عائشہؓ اس وقت بالغ اور باشعور تھیں۔

ذیل میں ہم روایت و درایت ہر دو لحاظ سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے سنِ ولادت، نکاح اور رخصتی پر روشنی ڈالتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ قارئین متقدمین کے اسمائے گرامی اور ان کے دعاوی سے مرعوب ہونے کی بجائے حقائق کی روشنی میں کوئی رائے قائم کریں گے اور تاریخ کو عقیدے کی عینک سے

نہیں دیکھیں گے۔

تاریخی روایات :-

دورِ اوّل کے مشہور مؤرخ ابن جریر طبری اپنی "تاریخ" میں لکھتے ہیں :-

"زمانہ جاہلیت میں ابوبکرؓ دو خواتین کو عقد میں لائے۔ پہلی خاتون قتیلہ بن عبدالعزیٰ تھیں جس سے عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے۔ پھر اُم رومان سے شادی کی جس سے عبدالرحمٰن اور عائشہ پیدا ہوئے۔ اور یہ چاروں اسلام سے پہلے پیدا ہوئے۔ فکل ھؤلاء الاربعۃ من اولادہ ولدوا من زوجیہ اللتین سمینا ھما فی الجاھلیۃ۔" ابوبکرؓ کی اولاد میں چاروں زمانہ جاہلیت میں ان دونوں بیبیوں سے پیدا ہوئے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔" (جلد ۴ صفحہ ۵۰)

سیدنا ابوبکرؓ کی اُم رومان سے شادی ۲۸ سال کی عمر میں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکرؓ سے دو سال بڑے تھے۔ اگر اُمّ رومان کے بطن سے سیدنا ابوبکرؓ کے دونوں بچے (عبدالرحمٰن اور عائشہ) شادی کے ابتدائی چار پانچ سال میں یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے۔ تو عبدالرحمٰن سے چھوٹی سیدہ عائشہؓ یقیناً بعثت سے پانچ چھ سال قبل پیدا ہوئیں۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۳۴، ۳۵ سال کے لگ بھگ تھی۔

تاریخ سے یہ بھی عیاں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ جنگِ بدر میں مسلمانوں کے خلاف لڑے اگر اس وقت ان کی عمر ۲۱۔ ۲۲ سال ہو تو ان کی پیدائش بعثت سے نو یا دس سال پہلے ہوئی اور اگر سیدہ عائشہؓ ان سے تین چار سال چھوٹی ہوں تو وہ بھی بعثت پانچ چھ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اور اگر عام روایت کے مطابق وہ ۵ بعثت میں متولد ہوئیں تو ہمارے پاس یہ تسلیم کرنے کی کوئی شہادت نہیں کہ وہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن سے چودہ پندرہ سال چھوٹی تھیں۔

۲۔ علامہ ابن کثیر :-

مشہور مؤرخ و محقق علامہ عماد الدین ابن کثیر اپنی تصنیف البدایہ والنہایہ میں سیدہ اسماءؓ بنت ابوبکرؓ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اسماء ۷۳ھ میں ایک سو سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔ وہ اپنی بہن عائشہ سے دس سال بڑی تھیں۔ وھی اکبر من اختھا عائشۃ بعشر سنین (جلد ۸ صفحہ ۳۴۶)

اب اگر ۷۳ھ میں حضرت اسماء کی عمر ایک سو سال تھی تو ہجرت کے آغاز میں وہ ۲۷۔ ۲۸ سالہ تھیں اس صورت میں ان سے دس سال چھوٹی عائشہؓ ہجرت کے وقت ۱۷۔ ۱۸ سال کی ہوئیں۔ اس سے ۱۳ سالہ کی دورِ نبوت نکالئے تو بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر چار پانچ سال کی ہوئی جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۳۵، ۳۶ سال کی تھی اور اسی طرح سیدہ عائشہؓ ۲ھ میں رخصتی کے وقت اٹھارہ انیس سال کی تھیں۔

۳:- صاحب مشکوٰۃ کی روایت :-

حدیث کی مشہور کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" کے مؤلف شیخ ولی الدین اپنی تالیف "اکمال فی اسماء الرجال" میں لکھتے ہیں کہ رخصت کے وقت سیدہ عائشہ کی عمر اٹھارہ انیس سال سے کم نہ تھی۔ اور اس ضمن میں وہ علامہ ابن کثیر سے ہم آہنگ ہیں :-

۴۔ سیّد سلیمان کی اپنی رائے :-

مقامِ مسرت ہے کہ ان کی زیرِ نظر اپنی تصنیف "سیرۃ عائشہؓ" ہی میں انہوں نے غیر شعوری طور پر ہماری رائے کی تائید کی ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :-

الف :- امیر معاویہؓ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہؓ کی زندگی کا آخری زمانہ ہے اس وقت ان کی عمر سٹرسٹھ برس کی تھی (صفحہ ۱۵۳)

ب :- حضرت عائشہؓ بیوہ تھیں اور اس عالم میں انہوں نے زندگی کے چالیس مرحلے طے کئے۔ (صفحہ ۱۱۱)

سیّد سلیمان ندوی کٹر روایت پرست ہیں۔ مگر حقائق نے ان کی زبان پر حق جاری کر دیا ہے۔ اگر وہ ان دونوں روایتوں پر مجموعی نظر ڈالتے تو ہماری ہم نوائی کرتے انہوں نے وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سٹرسٹھ سال لکھی ہے غالباً ان کے سامنے ابن کثیر اور صاحب مشکوٰۃ کی روایات تھیں۔ اب ۶۷ سال میں سے بیوگی کے چالیس سال نکال دیجئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ام المؤمنین عائشہؓ کی عمر ۲۷ سال بنتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دورِ نبوت ۲۳ سال تھا۔ ۲۷ سال میں سے ۲۳ سال نکالئے تو بعثت کے وقت سیدہؓ کی عمر چار سال ہوئی۔ اس طرح بھی آپ اس سال پیدا ہوئیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۳۶ سال تھی۔ نیز حضرت فاطمہؓ سے قبل شادی ہو جانے سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ حضرت فاطمہؓ سے عمر میں بڑی تھیں۔ اور سیدہ فاطمہؓ سے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ ان کی ولادت اس سال ہوئی جب خانہ کعبہ کی تعمیر نو ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر زیادہ سے زیادہ ۳۵ سال تھی۔

غور کیجئے ان شواہد کی روشنی میں سید سلیمان ندویؒ اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے دعاوی کس حد تک قابل اعتماد ہیں اور اگر عالم اسلام تسلیم کر لے کہ رخصتی کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر ۹ سال کی بجائے ۱۸ یا ۱۹ سال تھی تو اس میں اسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدہ عائشہ کی سیرت پر کیا اعتراض وارد ہوتا ہے؟

روایت کی شہادت :-

تاریخ کی شہادت تو قارئین کے سامنے ہے۔ آیئے اب سیدہ عائشہؓ کے اقوال، علمی مرتبہ اور واقعاتِ حیات پر غور کریں تاہم غور و فکر سے پہلے سید سلیمان ندوی مرحوم کی ذیل کی تحریر پڑھ جایئے :

"عموماً ہر زمانہ کے بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل کے بچوں کا ہے کہ سات آٹھ برس تک تو انہیں کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ کسی بات کی تہ کو پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ لڑکپن کی ایک ایک بات یاد رکھتی تھیں۔ ان کی روایت کرتی تھیں۔ ان سے احکام مستنبط کرتی تھیں۔ لڑکپن کے جزئی جزئی واقعات کی مصلحتوں کو بتاتی تھیں۔ لڑکپن کے کھیل کود میں اگر کوئی آیت ان کے کانوں میں پڑ جاتی تھی تو اس کو بھی یاد رکھتی تھیں۔۔۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

۔۔۔ کہ مکہ میں یہ آیت بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھیٰ و امرّ نازل ہوئی تو میں کھیل رہی تھی۔ ہجرت کے وقت ان کا سن آٹھ برس کا تھا۔ لیکن کم عمری اور کم سنی میں ہوشمندی اور قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا۔ کہ ہجرتِ نبوی کے تمام واقعات بلکہ تمام جزئی باتیں ان کو یاد تھیں۔ ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعہ کا تمام مسلسل بیان محفوظ نہیں رکھا ہے۔" (سیرت عائشہ صفحہ ۲۳)

بلاشبہ سیدہ عائشہؓ طاہرہ بلا کی ذہین، نکتہ رس، اور دقیق النظر تھیں مگر طبعی عمر کے تقاضوں کے مطابق آپ بھی سات آٹھ برس تک دوسرے بچوں کی طرح تھیں۔ دراصل سید سلیمان صاحب نے حضرت عائشہ کی کم سنی کو اصول اور مرکزی نقطہ قرار دے کر نتائج اخذ کئے ہیں حالانکہ سیدہؓ کی زندگی کے واقعات ہی سے عیاں ہے۔ کہ وہ کم عمر نہ تھیں بلکہ آپ بڑی عمر کے بچوں کی طرح تھیں۔ جیسا کہ ہر دور میں ہم عمر بچوں میں ذہانت کا فرق ہوتا ہے۔ آپ بھی ہم عمروں میں ممتاز تھیں مگر یہ درست نہیں کہ جو بات ایک بچہ نو یا دس سال کی عمر میں سمجھ سکتا ہے،

(باقی آئندہ)

جناب چوہدری بشیر احمد اظہر بہاولپور

قرآن کریم کی شہادت متعلقہ والدِ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام

قرآن کریم ایک ایسی پُرازحکمت آسمانی کتاب ہے جو خود کو پُرازحکمت ثابت کرنے کے لئے بیرونی دلائل کی محتاج نہیں ہے۔ ہر قسم کے دلائل اس کے اندر موجود ہیں۔ اس کے اندر ایک حکم یہ بھی دیا گیا ہے کہ وجادلھم بالتی ھی احسن کہ تمہارا ہر کلام رفق اور حکمت سے پُر ہونا چاہیئے۔ اور اس کے اپنے جملہ احکامات کا نزول بھی اسی مناسب طریق پر ہوا ہے۔ قرآنِ کریم نے اگرچہ صریح الفاظ میں یہ اظہار نہیں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا والد موجود تھا اور اس کے بیانات سے ایک ظاہر بین کو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی بلا باپ پیدائش کا ہی ذکر فرما رہا ہے۔ لیکن اس کے لطیف حکیمانہ بیانات سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا والد موجود تھا۔

سورۂ آلِ عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اس مبارک ذکر سے پہلے بھی حضرت آدم کے متعلق کچھ بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حسبِ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:۔

"ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض۔"

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ختم ہونے کے بعد بھی حسبِ ذیل الفاظ میں دوبارہ حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے:۔

"ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم۔ خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔"

ان فرامین میں دو مختلف آدموں کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ایک ہی آدم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جس آدم کا ذکر کیا گیا ہے وہ موجودہ نسلِ انسانی کا جدِ امجد ہے۔ یعنی ان فرامین میں سب سے آخری آدم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس امر کا ثبوت کہ فی الواقع دونوں فرامین میں آخری آدم کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمانِ اول میں موجود ہے۔ اس فرمان میں چار خاندانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اوّل حضرت آدمؑ کا۔ دوئم حضرت ابراہیمؑ کا۔ سوئم حضرت نوحؑ کا اور چہارم آلِ عمران کا اور پھر فرمایا:۔ کہ یہ چاروں خاندان ایک دوسرے کی اولاد میں سے ہیں۔ القصہ اب یہ امر ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آگیا ہے کہ ان ہر دو فرامین میں موجودہ نسلِ انسانی کے جدِ امجد کا ذکر کیا گیا ہے۔

اب یہ امر عند العقل قابلِ قبول ہے۔ کہ موجودہ نسلِ انسانی کا جو آدم تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے پہلا نبی تھا۔ جو سابقہ منتصل انسانی سلسلے کے خاتمہ پہ باقی رہ گئے تھے لہٰذا ثابت ہوگیا کہ ہمارے موجودہ انسانی سلسلے کا آدم۔ ذات باری تعالےٰ کے قانونِ ابداع کے ماتحت نہیں بلکہ قانونِ اعادہ کے ماتحت پیدا ہوا تھا اور اس کے ماں باپ موجود تھے۔ بالآخر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا قرآن کریم کے اندر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے عین مطابق واقع ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے ماں باپ جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے موجود تھے لہٰذا روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماں باپ بھی موجود تھے اور ان کی ولادت بلا باپ ظہور میں نہیں آئی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپکی مبارک قوم

"یایھا الذین امنوا کونوا انصار اللہ - - - - - - - نحن انصار اللہ"

فرمانِ ہذا۔ دو ایسے عجیب در عجیب مفاہیم پر مشتمل ہے۔ جو چودہ صد سال سے باوجود بالکل واضح اور بدیہی ہونے کے آج تک اسلامی قوم پر منکشف نہیں ہو سکے۔ قارئین کرام ان مفاہیم سے اطلاع پاکر سمجھ لیں گے کہ واقعی یہ دونوں مفاہیم ایسے بدیہی ہیں کہ جن کا پس پردہ رہنا کسی صورت بھی ممکن نہ تھا۔ لیکن ان کا پورے چودہ صد سال تک پس پردہ رہنا ممکن ہوگیا۔ بس یہی زبردست ثبوت ہے۔ ذات باری تعالےٰ کی موجودگی کا کہ اتنے لمبے عرصہ تک ان حقائق کا پوشیدہ رکھنا کسی اور وجود سے ممکن ہی نہ تھا۔

پہلا مفہوم اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ قدرت کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک نہایت درجہ پاک فطرت، نیک خصلت اور بردبار قوم ملی تھی۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کے متعلق اسلامی قوم کا بے خبر رہنا تو ایک طرف رہا۔ دنیا بھر کا کوئی دوسرا انسان بھی اس امر سے اطلاع نہیں پا سکا۔ اور یہ امر ہر آنکھ کو عجیب نظر آئے گا کیونکہ باوجود بدیہی ہونے کے آج تک پوشیدہ رہا ہے۔ اور پوشیدہ رکھا گیا ہے:۔ دوسرا مفہوم اس امر پر مکمل روشنی ڈال رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واقعہ صلیب کے بعد ہجرت کی تھی اور اکیلے ہجرت نہیں کی تھی بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے چند صحابی بھی تھے اور ان پاک لوگوں نے ایک جماعت کی شکل میں ہجرت کی تھی۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یعنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں ان صحیح حقائق کو اس لئے ظاہر نہ کیا گیا کہ وہ زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا اور ہر طرف لاعلمی چھائی ہوئی تھی لہٰذا اگر اس زمانہ میں ان حقائق کو چھپایا نہ جاتا بلکہ ظاہر کر دیا جاتا تو چونکہ اس وقت ان حقائق کا ثبوت بہم پہنچانا ناممکن نہ تھا۔ لہٰذا ان حقائق کو سراسر غلط اور بہتان سمجھ لیا جاتا اور یہ اظہار عیسائی اور مسلمان دونوں قوموں کے درمیان سدِّ سکندری بن کر حائل ہو جاتا اور پھر اس بوجھ کا اٹھانا اسلامی قوم کے لئے بالکل ناممکن ہو جاتا۔ اب ان ہر دو مفاہیم پر علیحدہ علیحدہ غور فرمائیے۔

مفہوم اوّل .... کونوا انصار اللہ

دنیا بھر کے انبیاء میں سے صرف مسیح علیہ السلام ہی ایک ایسے نبی ہیں اور ان کی قوم بھی ایک ایسی قوم ہے جن کے حالاتِ زندگی کو سراپا بدل کر رکھ دیا گیا ہے۔ اور ان کی قوم کے متعلق یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ وہ ایک نہایت درجہ نکمی، بزدل اور منافق قوم تھی، حالانکہ معاملہ اس کے سراسر برعکس تھا۔ اس مبارک قوم کے صحیح حالاتِ زندگی معلوم کرنے کے لئے مندرجہ فرمانِ قرآنیہ پر توجہ فرمائیے:۔

قارئین کرام فرمانِ مندرجہ پر غور فرمائیں اور پھر اندازہ لگائیں کہ وہ قوم اخلاق کے کس قدر بلند مقام پر کھڑی ہوگی کہ قدرت کی طرف سے جس کے ہم رنگ بننے کے لئے صحابہ جیسی باکمال قوم کو حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ فرمان ظاہر کر رہا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک اطاعت شعار، پاک سیرت اور بردبار قوم ملی تھی۔ اور وہ بموجب فرمانِ مندرجہ صحابہ کرام کیلئے

بھی نمونہ تھی۔ یہاں پر ایک ضمنی امر خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ صحابہ کرام کے لئے صرف ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم ہی نمونہ نہیں بنائی گئی تھی بلکہ جملہ انبیاء عالم کی تیار کردہ تمام قومیں ان کے لئے نمونہ تھیں اور اسی بناء پر صحابہ کرام کو اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا۔

صحابہ کرام کی قوم کو دنیا بھر کی تمام مذہبی اقوام پر اس لئے فضیلت دی گئی ہے کہ وہ ہر قوم کے کمالات کی جامع ہے۔ اور ایسی کوئی قوم پہلی قوموں میں موجود نہ تھی۔

قرآن کریم نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قوم کے متعلق جو لاعلمی کا پردہ پڑا ہوا تھا اسے ہٹا کر اصل حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ایک نہایت درجہ با اخلاق اور کامل قوم تھی۔ قرآن کریم کے اس صحیح ارشاد کی تصدیق عنقریب ہونے والی ہے۔ اور اس بارہ میں ایسے روشن شواہد دنیا کے سامنے آنے والے ہیں کہ ایک دنیا حیران ہو جائے گی کہ واقعی قرآن کریم نے جو آج ظاہر فرمایا ہے وہی صحیح ہے۔ الغرض پہلا مفہوم فرمان مندرجہ کا تکمیل پذیر ہوا۔

دوسرا مفہوم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ من انصاری الی اللہ

کیا اسلام کے علماء ظاہر کے اندر کوئی ایک عالم بھی ایسا موجود ہے خواہ وہ عرب کا ہو یا عجم کا۔ جو یہ بتلا سکے کہ آیا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے قول من انصاری الی اللہ کا یہ مطلب تھا کہ آپ اپنے حواریوں سے یہ پوچھ رہے ہیں کہ تم میں سے کون لوگ میرے ساتھ صلیب پر چڑھیں گے۔ اگر یہ معنے درست نہیں ہیں اور سراسر غلط ہیں تو پھر کیا اس فرمان کا یہ مطلب تھا کہ اے میرے حواریو! تم میں سے کون لوگ ہیں جو میرے ساتھ آسمان پر جانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ معنے بھی درست نہیں ہیں اور غلط ہیں تو پھر جملہ علماء ظاہر بالاتفاق کوئی ایسے معنے پیش کریں جو عند العقل قابلِ قبول ہوں۔ تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن ہم ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ علماء ظاہر سے اس فرمان کے صحیح معنے کرنا کسی وقت بھی اور کسی صورت بھی ممکن نہیں بس سمجھ لیجیئے کہ آج کے دن سے قدرت کی طرف سے ان کی زبانوں اور قلموں پر مہریں لگا دی گئی ہیں۔ اور وہ قیامت تک اس پُرحکمت فرمان کے صحیح معنے پیش کرنے سے قاصر رہیں گے۔

اب ہم اس پرحکمت فرمان کے صحیح معنے پیش کرتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب علماء ظاہر میں سے ہمارے اس بیان کی تردید کر سکتا ہو۔ تو وہ ضرور تردید کر کے دکھلائے۔ اب سنیئے۔

من انصاری الی اللہ کا صحیح مفہوم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب صلیب کے واقعہ کے بعد چلنے پھرنے اور گفتگو کرنے کی طاقت پائی تو آپ پر اسی وقت ہجرت کا حکم نازل ہو گیا جسکے متعلق آپ نے اپنے تمام حواریوں کو اطلاع دے دی۔ اور پھر ان سے من انصاری الی اللہ کے الفاظ میں پوچھا کہ تم میں سے کون لوگ ہیں جو خدا کی راہ میں میرے مددگار ہیں اور ہجرت کرنا چاہتے ہیں۔ تب تمام حواری بول اٹھے کہ نحن انصار اللہ یعنے ہم آپ کے ساتھ خدا کی راہ میں ہجرت کریں گے پس فرمان ہذا سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی کرنے کے لئے اکیلے ہجرت نہیں فرمائی تھی بلکہ آپ کے ماننے والوں کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ بالآخر علماء ظاہر کو اختیار ہے اگر وہ چاہیں تو اس تشریح کو قبول کر لیں اور چاہیں تو قبول نہ کریں۔ لیکن وہ اس تشریح کی تردید نہیں کر سکیں گے۔

بیان القرآن کی اشاعت نو

جیسا کہ احباب کرام کو معلوم ہے "بیان القرآن" کا موجودہ ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا اور یہ تفسیر تین جلدوں کی بجائے دو جلدوں میں شائع کی گئی تھی۔ موجودہ ایڈیشن میں بعض خوبیاں بھی تھیں اور یہ نقص بہت سے پڑھنے والوں نے محسوس کیا کہ عبارت بہت باریک لکھی گئی ہے۔ جس سے قاری کی بینائی پر بہت زور پڑتا ہے۔ اس لئے انجمن نے فیصلہ کیا ہے کہ اس تفسیر کا نیا عکسی ایڈیشن موجودہ صورت میں ہی یعنی دو جلدوں میں لیکن بڑے سائز (۲۹×۲۲/۸) پر شائع کیا جائے جس سے پڑھنے میں آسانی ہو۔ اور نہایت عمدہ کاغذ استعمال کیا جائے اور خوبصورت جلد بنوائی جائے۔ ہمارے ایک مخیر دوست نے اس غرض کے لئے پچاس ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا

اس تفسیر بے نظیر کے معنوی اور ظاہری حسن میں مزید اضافہ کا تقاضا ہے۔ کہ یہ ہر قسم کی لفظی اغلاط سے بھی پاک ہو۔ چنانچہ انجمن نے ایسا انتظام کیا ہے کہ اسکی صحت عبارت کے متعلق اچھی طرح تسلی کر لی جائے۔ قارئین "پیغام صلح" سے بھی درخواست ہے کہ اگر کسی دوست نے ترجمہ یا تفسیر میں کوئی غلطی دیکھی ہو تو اس سے جلد از جلد بپتہ ذیل ہمیں اطلاع دیں۔ اور ثواب دارین حاصل کریں

والسلام

سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

ضرورت ہے

انجمن کے مرکزی دفاتر میں حسب ذیل آسامیوں کے لئے احمدی افراد کی ضرورت ہے:۔

۱۔ **منیجر دار الکتب اسلامیہ**:۔ امیدوار کا اچھی تعلیم کے علاوہ تجارتی امور سے واقف ہونا اور انگریزی اردو میں بخوبی خط و کتابت کی مہارت رکھنا ضروری ہے۔ تنخواہ حسب قابلیت معقول دی جائے گی: تاہم کم از کم قابل قبول تنخواہ کا ذکر درخواست میں ضرور کیا جائے جو مکمل کوائف اور نقول اسناد کے ساتھ بھیجی جائے۔

۲۔ **ٹائپسٹ کلرک**:۔ امیدوار کا ٹائپ میں مہارت رکھنا ضروری ہے۔ شارٹ ہینڈ جاننے والے کو ترجیح دی جائیگی۔ درخواست مع سرٹیفکیٹ سپیڈ اور تجربہ کی تفصیلات کے ساتھ بھجوائیں۔ تنخواہ کا فیصلہ حسب لیاقت کیا جائے گا۔

۳۔ **معاون کارکن (چپڑاسی)** درخواست دہندہ کو سائیکل چلانا آتا ہو اور لاہور کے مقامات سے واقفیت ضروری ہے۔ تنخواہ کا فیصلہ انٹرویو کے بعد کیا جائے گا۔ شخصی ضمانت ضروری ہے۔

جملہ درخواستیں مقامی جماعت کے صدر یا سیکرٹری یا ممبر مجلس معتمدین کی سفارش کے ہمراہ آنی لازمی ہیں۔ (مرزا مسعود بیگ۔ جنرل سیکرٹری)

ارشاد نبویؐ

مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

— ٭٭٭ —

مرسلہ:۔ عبدالرزاق صاحب

الہام کی فلاسفی

خدا تعالیٰ کی آواز سننے کے لئے اسکے قریب ہونا ضروری ہے

اپنی جماعت کے ایک دوست نے اپنے بعض الہامات اور پھر اُن میں ایک وقت شیطانی دخل کا اور اپنی خوابوں اور مکاشفات کا ذکر کرتے ہوئے ایک تحریر حضرت اقدس مسیح موعود کی خدمت میں بھیجی جس کے جواب میں حضرت اقدس نے ان کو ایک خط لکھا جس میں وضاحت کے ساتھ حضور نے بیان فرمایا کہ سچا الہام کن لوگوں کو ہو سکتا ہے۔ عام فائدہ کے لئے وہ خط شائع کیا جاتا ہے:۔

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ۔ میں نے یہ تمام خط پڑھ لیا ہے۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ انسان مکالمات الٰہیہ سے مشرف ہو سکتا ہے۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بڑا مشکل امر ہے جب تک انسان فنا کی حالت تک نہ پہنچے اور وہ خدا کی سخت آزمائشوں کے وقت صادق نہ ٹھہرے۔ اور کئی موتیں اس پر وارد نہ ہوں اور کئی قسم کی تلخیاں خدا کی راہ میں نہ اٹھاوے اور جب تک کہ ہر ایک قسم کی نفس پرستی اور عجب یا شہرت کی خواہش اس سے دور نہ ہو اور جب تک کہ سچی تبدیلی اس میں پیدا نہ ہو اور جب تک کہ خدا کی رضا جوئی کے نیچے ایسا محو نہ ہو کہ کچھ بھی نہ رہے اور جب تک کہ وہ خدا کو وہ استقامت نہ دکھائے۔ کہ بارش کی طرح اس پر بلائیں برسیں۔ اور وہ صابر رہے اور جب تک کہ اس کا حقیقی تعلق خدا سے نہ ہو جاوے۔ کہ تمام نفسانی پر و بال جھڑ جاویں اور تمام سفلی خواہشیں جل جاویں اور جب تک کہ نفس کا جنگ ختم نہ ہو جائے اور جب تک آگ اس میں پیدا نہ ہو۔ کہ وہ خدا کی رضا کو اپنی تمام اور کامل مراد بنا دے۔ اور دوسری تمام مرادیں درحقیقت معدوم ہو جاویں۔ اور جب تک کہ ایک تپش اور خلش لازمی طور پر خدا کی محبت کی اس کے سینے میں پیدا نہ ہو جائے۔ اور جب تک کہ وہ درحقیقت خدا کے لئے ذبح نہ ہو جائے۔ اور جب تک کہ اس کی ہستی پر ایک انقلاب نہ آوے اور جب تک کہ وہ خدا کے مقابل پر سخت امتحانوں کے وقت اور اس کے جلال ظاہر کرنے کے لیے ہر ایک لحظہ میں اور ہر ایک حالت میں فدا ہونے کے لئے تیار نہ ہو اور جب تک کہ ریا کی تمام جڑیں اور عجب کی تمام جڑیں اور نفسانی غضب کی تمام جڑیں اور نفسانی حسد کی تمام جڑیں اور نفسانی خودنمائی کی تمام جڑیں اس کے سینے سے نکل دور نہ ہو جاویں اور جب تک کہ خدا کی ہیمنت ایسے زور سے اس پر اثر نہ کرے کہ دوسرے وجود ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح محسوس ہوں نہ ان کی ستائش سے خوش ہو اور نہ ان کی مذمت سے رنج پہنچے اور جب تک کہ ایک سچی اور پاک قربانی اپنے تمام وجود اور تمام قوتوں کی خدا کے سامنے پیش نہ کرے اور جب تک کہ نہ معمولی روح سے بلکہ اس کے ساتھ زندہ ہو۔ اور جب تک کہ اس کے لئے ہر ایک تباہی اپنے ہاتھ سے کرنے کے لئے تیار نہ ہو اور جب تک کہ سچی اور کامل محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں پیدا نہ ہو اور جب تک کہ وہ سچے اور کامل طور پر اعلاء کلمتہ الاسلام پر عاشق نہ ہو تب تک ہرگز ہرگز مکالمات الٰہیہ سے مشرف نہیں ہو سکتا اسی کی طرف خدا تعالیٰ نے ان دو مختصر لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے۔

ناکامی کا دیکھنا پڑتا ہے۔ اور کسی شخص کا دل اور دماغ ایسا نہیں ہوتا اور اگر ان کے مسلسل غموں میں سے کچھ تھوڑا غم بھی دوسرے پر پڑے تو یا تو وہ خود مر جاتا ہے اور یا دیوانہ ہو جاتا ہے۔ پس مکالمات الٰہیہ کی اپنے نفس سے خواہش ظاہر نہیں کرنی چاہیئے۔ خواہش کرنے کے وقت شیطان کو موقعہ ملتا ہے اور ہلاک کرنا چاہتا ہے بلکہ اپنا مدعا اور مقصود ہمیشہ یہ ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق تزکیہ نفس حاصل ہو اور اس کی مرضی کے موافق تقویٰ حاصل ہو اور کچھ ایسے اعمال حسنہ میسر آجاویں کہ وہ راضی ہو جائے پس جس وقت وہ راضی ہوگا تب اس وقت ایسے شخص کو اپنے مکالمات سے مشرف کرنا اگر اس کی حکمت اور مصلحت تقاضا کریگی تو وہ خود عطا کر دے گا اصل مقصود اس کو ہرگز نہیں ٹھہرانا چاہیئے کہ یہی ہلاکت کی جڑ ہے۔ بلکہ اصل مقصود یہی ہونا چاہیئے۔ کہ قرآن شریف کی تعلیم کے موافق احکام الٰہی پر پابندی نصیب ہو اور تزکیہ نفس حاصل ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت اور عظمت دل میں بیٹھ جائے اور گناہ سے نفرت ہو۔ خدا نے بھی یہی دعا سکھائی ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ پس اس جگہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ تم یہ دعا کرو کہ ہمیں الہام ہو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم یہ دعا کرو کہ راہ راست ہمیں نصیب ہو۔ ان لوگوں کی راہ جو آخر کار خدا تعالیٰ کے انعام سے مشرف ہو گئے۔ بندہ کو اس سے کیا مطلب ہے کہ وہ الہام کا خواہش مند ہو اور بندہ کی اس میں کچھ فضیلت ہے بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ نہ بندہ کا کوئی عمل صالح تا اس پر اجر کی توقع ہو اور پھر جبکہ انسان کے ساتھ یہ آفتیں بھی لگی ہوئی ہیں کہ کبھی حدیث النفس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اسی کو الہام سمجھنے لگتا ہے۔ اور کبھی شیطان کے پنجہ میں پھنس جاتا ہے اور اسی کو الہام سمجھنے لگتا ہے پس کس قدر یہ خطرناک راہ ہے بغیر خدا کی زبردست شہادتوں کے ایسے الہام کب قبول کے لائق ہیں۔ سخت بدقسمت وہ لوگ ہوتے ہیں کہ کبھی اپنی حالت کا مطالعہ نہیں کرتے کہ کن کن باتوں میں وہ خدا کے نزدیک پاس یا فتہ ٹھہر سکتے ہیں۔ اور کن کن آزمائشوں کے بعد ان کا صدق خدا کے نزدیک ثابت ہو سکتا ہے ان سخت گھاٹیوں کے طے کرنے سے پہلے ہی الہام کے خواہشمند ہو جاتے ہیں اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور توبہ اور استغفار میں مشغول ہونا چاہیئے۔ الہام بغیر پورے تقویٰ اور پوری جانفشانی اور پوری محویت کے طلب تہی ہے اور سخت خطرناک اور زہر قاتل ہے انسان جس سے قریب ہوتا ہے اسی کی آواز سنتا ہے پس پہلے خدا کے قریب ہو جاؤ اور شیطان سے دور۔ تا خدا کی آواز سنو۔

(حضرت مسیح موعودؑ۔ بدر ۴۷ جلد ۶ ۲۱ نومبر ۱۹۰۷ء)

ان لوگوں کی دماغی بناوٹ بھی ایک خاص ہوتی ہے جس قدر ان پر غم پڑتے ہیں، اور جس قدر وہ متواتر نہایت سنگین امتحانوں کے ساتھ آزمائے جاتے ہیں۔ اور ایک لمبا سلسلہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر ایک اور شہادت
ابن جریر کی ایک روایت کہ حضرت عیسیٰؑ مر گئے

اسلامی دنیا کیا بلکہ یورپ امریکہ کی کتاب خواں دنیا بھی حضرت ابن جریر علیہ الرحمتہ کے نام سے واقف ہے۔ کیونکہ آپ کی کتابیں نہایت عزت کے ساتھ ان ممالک میں چھاپی جاتی اور شائع کی جاتی ہیں۔ ابن جریر تیسری صدی

۔۔ ایک بڑے مفسر اور مشہور مورخ مجتہد مطلق گزرے ہیں۔ اور علوم مذہب اسلامیہ میں آپ کا ۔۔۔ مارتبہ تھا اور لوگ یہاں تک آپ کے قائل ہوتے کہ ایک خاص فرقہ آپکے نام پر جریریہ کہلاتا تھا۔ اہل حدیث کے نزدیک آپ سب سے بڑھ کر قابل اعتبار مفسر قرار دیے گئے ہیں ایک ضخیم تفسیر قرآن شریف کی اور ایک ضخیم کتاب تاریخ کی آپ کی تصانیف میں سے بہت کثرت سے چھاپی اور پڑھی جاتی ہے۔ آپنے اپنی کتاب تاریخ طبری کے صفحہ ۳۹ ، جلد دوم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک روایت لکھی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے اس جگہ ہم یہ بحث نہیں کرنا چاہتے کہ یہ روایت صحیح ہے یا اس پر کوئی جرح ہو سکتی ہے یہ غلط ہو یا صحیح ہو بہرحال اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی میں ایسی روایات کا ایک ایسے بزرگ عالم کے قلم سے نکلنا اور اس کثرت سے شائع ہونا۔ اور اس پر کسی مسلمان عالم کا اظہار مخالفت نہ کرنا اس امر کو پایہ ثبوت پر پہنچاتا ہے کہ اس وقت تک جب یہ کتاب شائع ہوئی مسلمانوں کے علماء سب کے سب نہیں تو اس کثرت کے ساتھ وفات مسیح کے قائل تھے۔ کہ اس کے برخلاف قلم اٹھانا کسی نے ضروری نہ سمجھا اور ان کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کے مرجانے کا قائل ہونا کوئی ایسا امر نہ تھا جس کی وجہ سے وہ باہمی اختلاف ڈالنے کی کوشش کرتے اور وہ اس زمانہ کے علماء کی طرح حضرت عیسیٰؑ کے ایسے شیدائی نہ تھے کہ اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تو خود ہی کہتے پھریں کہ وہ فوت ہو گئے اور اگر حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کوئی کہے کہ وہ بھی گئے تو سارے کا سارا غصہ اس پر الٹ دیں اور ایسے ناراض ہو جاویں کہ گویا حضرت عیسیٰؑ کے مرنے سے وہ نابود ہو جاویں گے۔ اس امر کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ بزرگ مصنف تیسری صدی میں گذرے ہیں۔ اور تین ہی صدیاں قرون اولیٰ میں داخل ہیں۔ اور ان کے بعد فیج اعوج ہے پس جو تفسیریں فیج اعوج میں لکھی گئی ہیں انکی روائتیں اس کے مقابل میں کوئی قدر نہیں رکھ سکتیں اب ہم اصل روایت مع ترجمہ اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

عن ابن سلیم الانصاری ثم الزرقی قال کان علی امرأۃ منا نذر" تظہرن علیٰ راس الجماء جبل بالعقیق من ناحیۃ المدینہ قال نظہرت معہا اذا استوینا علیٰ راس الجبل اذا قبر عظیم۔ علیہ حجران عظیمان حجر عند راسہ وحجر عند رجلیہ فیہما کتاب بالمسند لا ادری ما ھو فاحتملت الحجرین معی حتی اذا کنت ببعض الجبل منہبطا ثقلا علی فالقیت احدھما وہبطت بالآخر۔ فعرضتہ علی اھل السریانیۃ ھل یعرفون کتابہ فلم یعرفوہ وعرضتہ علی من یکتب بالذبور من اھل الیمن ومن یکتب بالمسند فلم یعرفوہ قال فلما لم اجد احداً من یعرفہ القیتہ تحت التابوت لنا فمکث سنین ثم دخل علینا ناس من اھل ماہ من الفرس یتبغون الخرز فقلت لھم ھل لکم من کتاب فقالوا نعم فاخرجت الیھم الحجر فاذاھم یقرؤنہ فاذا ھو بکتابھم ھذا قبر رسول اللہ عیسیٰ ابن مریم ھم ارسل الی ھذہ البلاد فاناھم ۔۔۔ نوا اھلہا فی ذلک الزمان مات عندھم فدفنوہ علیٰ راس الجبل۔"

ترجمہ۔ ابن سلیم انصاری کہتے ہیں۔ کہ ہماری مستورات میں سے ایک عورت نے جبل جماء پر جانے کی نذر مانی ۔۔۔ اس وجہ سے مجھے بھی اس کے ساتھ اس پر جانے کا اتفاق ہوا جب ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو ۔۔ ہاں ایک بڑی عظیم الشان قبر دیکھی جس کے دونوں طرف یعنی سر اور پاؤں کی جانب دو بڑے بڑے پتھر پڑے تھے۔ جن پر کچھ لکھا تھا کیونکہ میں ان کتبہ کو پڑھ نہ سکا۔ ان دونوں پتھروں کو میں نے ساتھ اٹھا لیا اور اس وجہ سے کہ وہ پتھر بھاری تھے۔ میں نے ایک

(بقیہ صـ۱۶ کالم ۲ پر)

اخبار احمدیہ

انگلینڈ سے محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے نام مکتوب تعزیت:۔

ڈاکٹر زاہد عزیز ناٹنگھم کا تعزیتی خط اپنی دادی اماں کی وفات پر:۔

پیارے داداجان۔ السلام علیکم

کل شام کو شاہد نے فون پر اماں جان کی وفات کی خبر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون: اُمید ہے کہ خط پہنچنے تک ہماری تار بھی مل گئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر عطا کرے۔ آمین۔ خدا تعالیٰ کا کتنا فضل ہے کہ ابا جان اور امتیاز چچا بروقت پاکستان پہنچ گئے اور اماں جان نے ہوش و حواس میں انہیں دیکھ لیا۔ خدا تعالیٰ آپ کو یہ دکھ برداشت کرنے کی ہمت دے آمین۔ اس سے قبل آپ کا خط مجھے مل چکا تھا اور میں جواب دینے ہی والا تھا کہ یہ خبر ملی۔ سنتے ہی نماز میں اماں جی کے لئے اور آپ کے لئے بھی دعا مانگی۔ آپ کا وجود ہماری جماعت کے لئے ایک عظیم برکت ہے۔ پیغام صلح میں آپ کے خطبے اور مضامین نہایت مؤثر ہوتے ہیں اور جماعت کو اس کا صحیح مقصد بتاتے ہیں۔ لائٹ میں ہم آپ کے مضامین پڑھ کر آپ کے علم قرآن اور علم سائنس پر حیران ہوتے ہیں۔ بلکہ یہاں کی جماعت میں کئی دفعہ آپ کے لائٹ کے مختلف اڈیٹوریلوں کے متعلق تجاویز پیش کی گئی ہیں کہ انہیں پمفلٹ کی صورت میں چھپوا کر تقسیم کیا جائے

پھر اشاعت اسلام کے بارے میں ہم بالکل آپ کے مؤقف کو قبول کرتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب یا احمدیت کا نام چھپانا ایک بہت بڑی غلطی ہے اور واقعات بھی اسی مؤقف کے حامی ہیں۔ کیونکہ اب تو یہاں سب جانتے ہیں کہ اسلام میں فلاں فلاں فرقے ہیں۔ بلکہ مختلف فرقوں نے یہاں اپنے سنٹر کھولے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں تو نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی اشاعت اسلام میں لوگوں کو نہ صرف یہ بتائیں کہ حقیقی اسلام کیا ہے۔ بلکہ یہ بھی بتائیں کہ کیسے مجدد وقت نے آکر غلط عقائد کو دور کیا اور صحیح اسلام کو ظاہر کیا۔ اب تو ہم ماشاء اللہ یہاں کھلم کھلا احمدیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور اب انجمن کو یہاں کی ایسی لائبریریوں کی لسٹ بھی بھیجی جا رہی ہے جو اردو کی کتب رکھتی ہیں۔ تاکہ یہاں کے پاکستانیوں کو احمدیت کی حقیقت پہنچائی جا سکے۔

آپنے شائد ہمارا سہ ماہی رسالہ "اسلامک گارڈین" دیکھا ہوگا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم یہاں اشاعت اسلام میں کیا مؤقف اختیار کرتے ہیں۔ جب میں لائٹ میں یہاں کے کسی اخبار یا کسی فرد کے مضمون کا جواب لکھتا ہوں تو پھر جب وہ نمبر مجھے پہنچتا ہے تو میں اپنے اس مضمون کو مع ایک خط کے اسی اخبار یا فرد کو بھیجتا ہوں تاکہ کم از کم وہ تو ہمارا جواب دیکھ لے بلکہ پچھلے سال کے مارچ کے لائٹ کو میں نے یہاں کے کئی مشہور ممبر پارلیمنٹ جو اسلام کے خلاف متعصب ہیں انہیں بھیجا ہے۔ اس میں مضمون THE WESTERN LIBERAL CRICISM OF ISLAM شائع ہوا تھا۔)

ہماری دعا ہے کہ خدا آپ کو صحت اور بخیریت رکھے۔ صبر کی ہمت و قوت عطا فرمائے۔ اور سلسلہ و دین کی مزید نہایت قیمتی خدمت کرنے کی توفیق دے آمین

(ڈاکٹر زاہد عزیز)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور
(رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸)
مورخہ ۱۹ / ۲۶ مارچ ۱۹۸۰ء

چوہدری فضل حق صاحب دارالسلام

مالک ۔۔۔ محمد ۔۔۔ پرنٹر پبلشر ۔۔۔ ۔۔۔ دفتر پیغام صلح۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے بیس روپے
بیرونی ممالک سے ۲ پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید ۔ و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد: ۶۷ | یوم چہارشنبہ مورخہ ۲ اپریل ۱۹۸۰ء مطابق ۱۵ جمادی الاول ۱۴۰۰ھ | شمارہ: ۱۴

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ہم و غم میں قدرت الٰہی کے اسرار

اللہ تعالےٰ چاہتا تو انسان کو ایک حالت میں رکھ سکتا تھا لیکن بعض مصالح اور امور ایسے ہوتے ہیں کہ انسان پر بعض عجیب و غریب اوقات اور حالتیں وارد ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان میں سے ایک ہم و غم کی حالت بھی ہے۔ ان اختلاف حالات اور تغیر و تبدل اوقات سے اللہ تعالےٰ کی عجیب و غریب قدرتیں اور اسرار ظاہر ہونے رہتے ہیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے:- ؎

اگر دنیا بیک دستور ماندے ٭ بسا اسرار ہا مستور ماندے

جن لوگوں کو دنیا میں ہم و غم نہیں پہنچتا اور جو اس وجہ سے اپنے آپ کو بڑا ہی خوش قسمت اور خوش نصیب سمجھتے ہیں (وہ غلطی پر ہیں) اور اس میں سلسلہ تعلیم کے ساتھ یہ بھی لازمی رکھا گیا ہے کہ ایک خاص وقت تک تمام لڑکے ورزش بھی کیا کریں۔ اور اس ورزش اور قواعد سے جو بچوں کو سکھائی جاتی ہے ۔۔۔ اس کا اصل مدعا و منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ اعضاء جو حرکت کرنا چاہتے ہیں اگر انہیں بالکل بیکار چھوڑ دیا جائے تو ان کی تمام طاقتیں اور نشوونما زائل اور ضائع ہو جاتا ہے۔ جسے ورزش کے ذریعہ سے پورا کیا جاتا ہے۔

ورزش کرنے سے گو بظاہر اعضاء کو تکلیف اور نقصان ہوتی ہے لیکن آخر کار وہی ان کی پرورش اور رحمت کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح پر فطرت انسانی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ تکلیف کو بھی چاہتی ہے: تا کہ اس کے جملہ قویٰ کی تکمیل ہو جائے اسی وجہ سے یہ اللہ تعالےٰ کا فضل اور احسان ہوتا ہے جبکہ وہ انسان کو کبھی بعض وقت ابتلا میں ڈال دیتا ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کی رضا بالقضا اور صبر کی قوتیں بڑھتی رہتی ہیں:

٭

روئے زمین کی نیک رُوحوں کو جمع کرو

خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں، توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔ (الوصیت ص۱۵)

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو ٭ کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں ٭ نہیں رہ اس کی عالی بارگاہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اس سے قربت کو ٭ اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

مکرم شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ

بے ثباتیٔ دنیا

"والعصر ہ ان الانسان لفی خسر ہ الا الذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت وتواصوا بالحق ہ وتواصوا بالصّبر ہ"

اِس سُورت میں مرورِ زمانہ کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے عصر کے معنی دہر یعنی زمانہ کے ہیں اور رات کو اور دن کو بھی عصر کہا جاتا ہے۔ عصر گذرنے کے لحاظ سے۔ عصر غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے کا وقت ہے گویا سمجھایا ہے کہ زندگی کا آفتاب بھی غروب ہونے والا ہے۔ صرف یہ کہنے سے کہ زمانہ گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے یہ جملہ نامکمل رہتا اور مقصدیت نہ رکھتا اگر اسس استثنا کا بیان نہ ہوتا کہ ایمان لانے والے اور اچھے عمل کرنے والے نقصان میں نہیں ہیں۔ قرآن ایک مکمل اور لاریب کتاب ہے۔

دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے کہ اسے طوعاً و کرھاً تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس سے ہم غافل تو ہو سکتے ہیں لیکن اس کے وار کو روک نہیں سکتے۔ جب یہ عالم ہے تو خدا کا بنایا ہوا راستہ ہی ہمارے بچاؤ کا سامان کر سکتا ہے۔ جس کی خوشخبری الا الذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت میں ہے۔ دنیا کی آلائشوں اور آزمائشوں سے باوقار گذرنے والوں۔ مختلف نوع کے رنج و غم۔ خوف۔ تنگدستی۔ مالی اور جانی نقصان وغیرہ مصیبتوں پر صبر کرنے والوں اور حق کی آواز بلند کرنے والوں کے لئے مژدہ ہے۔

موت کے معاملہ میں تو انسان اتنا بے بس ہے کہ وہ ہر لمحہ اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ اور ارشادِ خداوندی ہے کہ مضبوط قلعوں میں بھی اپنے آپ کو بند کر لو اس نے آ پہنچنا ہے اور بغتۃً بھی فرمایا ہے کہ اچانک بھی آتی ہے۔ اسس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ عمر کا کوئی سوال نہیں۔ صحت کا نہیں اور اختیار کی تو یہ بات ہی نہیں۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ یہ اللہ کے اذن سے ہی ہے اور کتاباً مؤجلاً اس کا وقت معین ہے۔ انسان نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ انہونی ایجادیں کی ہیں۔ جراحی کا حیران کن عمل ہے بیماریوں کے جراثیم معلوم کرنے میں ان کے AUTODOTES بھی ہیں لیکن بیماریاں موجود ہیں۔ بڑی کوشش کے باوجود موت پر فتح نہیں پائی گئی۔ کلّ نفسٍ ذائقۃ الموت کا اٹل فیصلہ کار فرما ہے۔ جو پہلے بھی حرفِ آخر تھا۔ آج بھی اور آئندہ بھی حرفِ آخر ہی رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملاً جہاں زندگی کو نعمت سے نوازا ہے تو موت بھی اسی نے مقرر کی ہے اور اعمال کے مطابق ہے یہ دنیا تو ایک امتحان گاہ ہے اور موت کو پہلے بیان کیا ہے۔ نیست سے ہست کیا ہے۔ وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئاً ایک مفکر نے لکھا ہے:۔

DEATH IS TOO VITAL A FUNCTION TO BE EVODED

موت کا نظام اتنا اہم ہے کہ اس سے کنارہ کشی نہیں کی جا سکتی۔ اگر موت کی عملداری نہ ہو تو اس کے نتائج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ع

مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا۔

تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موت بھی ایک رنگ میں اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ غم تو اس کا بہت ہوتا ہے اور یہ زخم بہت گہرا ہے چنانچہ اس کا مداوا صبر بتایا ہے۔ اور صبر وہ ہے جو ابتداء میں ہی ہو۔ اور اس کی کیفیت بزرگوں نے یہ بتائی ہے کہ صبر کرنے والا سمجھے کہ اس جیسا کوئی صابر ہی نہیں۔ تھک ہار کر صبر تو آ جاتا ہے لیکن اس کے اجر کو کیوں ضائع کیا جائے جو کہ بے حد و حساب ہے۔ ؎

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید کیمیائے ہم چو صبر آدم ندید

غم ایک فطرتی بات ہے لیکن اس کے اظہار میں ضبط و تحمل ہو۔ یہ کوئی ایک دن کا رونا تو نہیں اور دکھاوے کے لئے تو نہیں رونا حقیقی غم کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ ع

خشک آنکھوں سے عمر بھر روئے۔

تو جہاں ضبط ہر حالہ میں مستحسن ہے۔ غم میں بھی ضبط ہو۔ میں اسس کتاب کے نام اور نفسِ مضمون سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔ مصنف نے اس کا نام DEATH GRIEF AND MOURNING رکھا ہے۔ اس میں مختلف ملکوں اور قوموں میں ماتم کے طریقے اور رسم و رواج کے بعد بڑی عمدہ نصیحتیں ہیں۔ اسس کے غم کا اثر اور اسس کا عرصہ اِس بات پر منحصر ہے کہ کوئی کتنی کامیابی سے اسس غم سے سمجھوتہ کرتا ہے۔ اور اسس پر حاوی ہوتا ہے۔ جس رنگ میں جانے والوں کو محسوس کیا جا رہا ہے اس ماحول سے اپنے آپ کو READJUST کرتا ہے۔ ان بدلے ہوئے حالات کے تحت پسماندگان سے تعلقات کو نئے سرے سے استوار کرنا ہے۔ اور جو ذمہ داریاں اب دوسرے کندھوں پر آن پڑی ہیں ان کو نہایت خوش اسلوبی سے نبھانا ہے۔ یہ صدمات PLANNED نہیں ہوتے۔ اب اسس ناگزیر کو قبول کرنا ہے۔ ان اثرات کا مداوا کرنا ہے۔ اور اپنے آپ کو سنبھالنا ہے ورنہ یہ مزید تکالیف کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے لب لباب اسس کا صبر اور نیک اعمال ہے۔ جس کی نصیحت اسس چھوٹی سی سُورت میں کی گئی ہے اِسس سے سابقہ سُورت میں طلب کثرت مال دنیا کا ذکر ہے کہ انسان اسے اپنے نفع کی چیز سمجھتا ہے۔ لیکن وہ ایسے گھاٹے میں ہے کہ اپنے قوائے خداداد ضائع کر رہا ہے۔ اور اسس پر گذرتے ہوئے وقت کی شہادت کو پیش کیا ہے اور فرمایا کہ اسس زندگی سے حقیقی فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ مال دنیا جمع کر لینا بالآخر انسان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا۔ برائیاں تو قائم نہیں رہ سکتیں ہاں نیکیاں اپنا اجر ضرور رکھتی ہیں اسس پر ایمان ہونا چاہیئے۔ اور حیات بعد الموت کے لئے ان کا ذخیرہ کر لینا چاہیئے۔ اور آنے والی زندگی پر شبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دو گواہوں کے بیان پر معاملہ کی صحت کو مان لیا جاتا ہے اور اسس کے مطابق فیصلے صادر ہوتے ہیں اور حیات بعد الموت پر تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی گواہی ہے۔ اور یہ برگزیدہ لوگ ایسے راست باز تھے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اپنی ذات کے لئے بھی نہیں بولا۔ تو کیا وہ خدا پر جھوٹ بول سکتے تھے ان ہستیوں نے جو جو باتیں پیشگوئی کے رنگ میں بیان کیں ان کا ایک ایک لفظ پورا ہوا۔ تو کیا آخرت کے متعلق ان کی بتائی ہوئی باتیں پوری نہ ہوں گی۔

آنچہ تو در آئینہ بینی عیاں پیر اندر خشت بیند بیش ازاں

ایک عام آدمی جو آئینے میں صاف دیکھتا ہے روحانی لوگ اس سے کہیں زیادہ خشت اور اینٹ میں دیکھ لیتے ہیں۔ تو ان ہستیوں کی روحانی رہنمائی سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اسس چھوٹی سی

(بقیہ ص۵)

عالمگیر دہریت اور مذہب کا مستقبل

خدا کی ہستی اور اس کی توحید پر گواہی انسان کی فطرت میں ہے
اسی لئے بد سے بدتر مشرک بھی ایک وقت میں ایک خدا ہی کو پکارتا ہے :۔

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۱۴ مارچ ۱۹۸۰ء فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بمقام جامع احمدیہ ۔ دارالسلام ۔ نیوگارڈن ٹاؤن ۔ لاہور

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :۔

تمام مذاہب کی بنیاد خدا کی ہستی پر ہے ، نہ صرف اس لئے کہ تمام مذاہب خدا کی ہستی کا پتہ دیتے ہیں ۔ بلکہ اس لئے بھی کہ تمام مذاہب دعوے یہ کرتے ہیں کہ انہیں خدا نے بھیجا ہے ۔ اگر بالفرض خدا ہے ہی نہیں (نعوذ باللہ) تو پھر یہ تمام مذاہب جھوٹے ٹھہرتے ہیں ۔ اس زمانہ میں اشتراکیت یعنے کیمونزم دنیا کے بڑے حصہ پر حاوی ہے اور اس کی بنیاد دہریت پر ہے ۔ اور اشتراکیت کے علاوہ بھی خود سرمایہ دار ممالک CAPITALIST COUNTRIES میں اور ان کے علاوہ باقی دنیا میں جواب "تھرڈ ورلڈ" یعنے تیسری دنیا کہلاتی ہے ان میں دہریت پھیل رہی ہے تو ان حالات میں مذہب جس کی بنیاد خدا کی ہستی پر ہے اُس کا مستقبل کیا ہے ؟ ہم جو خدا کے مذہب کو پھیلانے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں ہمیں اس سوال پر غور کرنا چاہیئے ؛

تاریخی شہادت :۔

تمام مذاہب کی شہادت کہ خدا ہے دراصل ایک زبردست تاریخی شہادت ہے جب سے نسلِ انسانی کی ابتداء ہوئی خدا کے پیغمبر اور رسول آنے شروع ہوئے ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے ۔ اور ضرور ہو گی ۔ ان نبیوں کے علاوہ کروڑوں کی تعداد میں اولیاء اللہ اور خدا رسیدہ لوگ ہوئے جنہوں نے بھی شہادت دی کہ خدا ہے اور اسے انہوں نے پا لیا ۔ اب جبکہ نبوت حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گئی اور نبیوں کے آنے کا سلسلہ ختم ہو گیا تو بھی پچھلے چودہ سو سال میں مجددین ۔ محدثین ۔ اولیاء اللہ اور صلحاء ہوئے ہیں ۔ جنکی تعداد لاکھوں بلکہ شاید کروڑوں تک پہنچتی ہو ۔ ان سب کی گواہی ہے کہ خدا ہے اور اس نے ان سے کلام کیا بلکہ انہوں نے اُسے قلب کی آنکھ سے دیکھا بھی اور خدا کی ہستی کا ثبوت وہ وحی و الہام ہے جو ان اولیاء اللہ پر نازل ہوا ۔ اس کے اندر وہ علمِ غیب تھا جو عالم الغیب خدا کی ہستی کا بڑا زبردست ثبوت ہے ۔ اس کے علاوہ اور بھی آسمانی نشانات ہیں جو ان اولیاء اللہ نے دکھائے اور جو خدائے ذوالجلال والاکرام کی قدرت اور جبروت کے سوا وقوع پذیر ہو سکتے ہی نہ تھے ۔

صادقین کی شہادت :۔

یاد رہے کہ یہ تمام لاکھوں کروڑوں لوگ وہ ہیں جنکی راست گوئی اور صداقت مسلّم تھی ۔ آج کی عدالتیں ایک صادق گواہ پر بڑے سے بڑے مقدمہ کا فیصلہ دے دیتی ہیں ۔ لاکھوں کروڑوں روپے کی جائیداد حوالے کر دیتی ہیں ۔ بڑے سے بڑے آدمی کو پھانسی تک دے دیتی ہیں تو پھر یہ کیوں ہوا کہ ان لاکھوں کروڑوں مسلّمہ صادقین اور راست باز انسانوں کی جو مختلف زمانوں اور مختلف مکانوں میں ایک ہی شہادت دے گئے کہ خدا ہے ۔ ردّ کرنے کے قابل ہو گئی ؟ اس کی وجہ تو کوئی خاص ہو گی کیونکہ آج جو لوگ دہریہ بھی ہو گئے چاہے وہ اعتقاداً نہ بھی ہوتے ہوں اور عملاً دہریہ ہوں اگر ان سے پوچھا جائے تو وہ ان صادقین کو بھی جھوٹا نہیں کہتے تو پھر یہ کیا تضاد ہے ؟ کیا معمّہ ہے ؟

عقل اور فطرت کی شہادت :۔

طرفہ یہ ہے کہ عقلِ انسانی بھی کہتی ہے کہ اس عظیم الشان اور عجیب و غریب کائنات کا جس کے ایک ایک ذرّہ یعنے ایٹم میں بھی عجائبات کی کائنات بسی ہوئی ہے کوئی خالق ضرور ہونا چاہیئے ۔ صرف خالق ہی نہیں بلکہ مالک بھی کیونکہ انسان تو آنی جانی چیز ہے جو خالی ہاتھ دنیا میں آتی ہے اور خالی ہاتھ چلی جاتی ہے ۔ اس زبردست کائنات کو جس کے چھوٹے سے چھوٹے ذرّات یعنے ایٹموں کو پھوڑا جائے تو قیامت آ جاتی ہے ۔ اور ایٹمی بجلی گھروں میں وہ مخفی طاقتیں اور تابناک شعاعیں پیدا ہوتی ہیں کہ ذرہ سی LEAKAGE ہو جاتے تو دنیا گھبرا کر بھاگ اٹھتی ہے ۔ ان زبردست اور پُر ہیبت طاقتوں کو کس نے ان ذرّات میں باندھا اور بند کیا ہوا ہے ؟ اور باہر سورج اور اُس جیسے کھرب ہا کھرب طاقتور اور پُر ہیبت سورجوں اور اُن کے سیّاروں کی زبردست دنیاؤں کو کس نے قابو میں رکھا ہوا ہے ۔ اور اس عظیم الشان کائنات کو کون چلا رہا ہے ۔ ؟ یہ سوچ کر ہر انسان کی عقل خدا کی ہستی کو ماننے پر مجبور ہے ۔

پھر انسانی فطرت کو دیکھ لیجئے کہ اس میں خدا کی ہستی پر شہادت موجود ہے ۔ دہریہ لوگ کہتے ہیں کہ اور لوگوں کو خدا کو مانتا دیکھ کر ہر انسان خدا کو مانتا رہا ورنہ دراصل خدا کوئی نہیں ، اس خیال سے کہ چونکہ خدا کو منوایا جاتا ہے اس لئے انسان خدا کو ماننے لگا ۔ اشتراکیوں اور کمیونسٹ ممالک میں بچّوں کے کان میں پہلے دن سے یہ بات ڈالی جانے لگی کہ خدا نہیں ہے پھر کیا ہوا ؟ انسان کی فطرت میں جو خدا پر گواہی ہے وہ مٹ نہ سکی ۔ کمیونزم یعنے اشتراکیت کا گڑھ یا قلعہ روس ہے ۔ اور اس کا ایک مشہور لیڈر کروشچاف تھا جو سربراہ مملکت تھا جب اس کے منہ سے کئی دفعہ بے اختیار خدا کا نام نکلا (انکار کے رنگ میں نہیں بلکہ اقرار کے رنگ میں) تو اخبار کے رپورٹروں نے جن کا منہ کوئی بند نہیں کر سکتا پوچھا کہ آپ تو اس ملک اور اس قوم کے سربراہ ہیں جو نہ تو خدا کو مانتے ہیں نہ اس کا نام سن سکتے ہیں بلکہ آپ کی تحریک تو خدا پر ایمان مٹانے کی عالمگیر تحریک چلا رہی ہے ۔ آپ کیوں خدا کا ذکر اقرار کے رنگ میں کر جاتے ہیں تو کروشچاف نے کہا یہ تو SLIP OF THE TONGUE ہو جاتی ہے یعنے میری زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے ۔ ورنہ میں خدا وداکا قائل نہیں ۔ کبھی بے اختیار اور وہ بھی بار بار اُس ذات کا جو ہے ہی نہیں نام اور وہ بھی اپنے سے برتری کے رنگ میں نکل سکتا ہے ؟

دلچسپ واقعات :۔

روس کے موجودہ سربراہ برزنیف ہیں ۔ کچھ عرصہ ہوا کہ روس اور امریکہ میں مہلک ہتھیاروں کے معاہدہ پر دستخط ہوئے ویانا شہر میں جو آسٹریا کا دارالخلافہ ہے یہ معاہدہ SALT II کے نام سے مشہور ہے ۔ معاہدہ کے آخری مرحلہ پر ایک تبادلۂ خیالات کے موقعہ پر صدر برزنیف نے امریکہ کے صدر جمی کارٹر سے کہا "اگر ہم مہلک ہتھیاروں پر بندش کا سمجھوتہ نہ کریں گے تو خدا ہمیں کبھی نہیں بخشے گا" دہریت کے اس علمبردار کے مونہہ سے خدا کا نام سن کر صدر امریکہ جمی کارٹر کو اس قدر حیرت ہوئی کہ انہوں نے اپنی پاکٹ بک نکال کر پنسل ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "کیا آپ مہربانی کر کے اس ریمارک کو دہرا

دیں گے تاکہ میں اسے محفوظ کرلوں۔" برزنیف مسکرا کر خاموش رہا مگر اس نے کرشچیف کی طرح یہ عذر پیش نہیں کیا کہ یہ میری زبان سے یونہی نکل گیا۔

روس کے بعد سب سے بڑی کمیونسٹ سلطنت چین کی ہے۔ اس کے بانی مبانی اور مسلمہ رہنما عظیم ماؤزے تنگ تھے۔ ان کے خیالات کی کتاب کو چینی لوگ بطور مقدس کتاب کے پڑھتے تھے۔ اور اپنی تمام ترقیات کو چیئرمین ماؤزے تنگ کے خیالات کا نتیجہ بتاتے تھے۔ چین کی آبادی اسی کروڑ سے زیادہ ہے۔ جو دنیا کی کل آبادی کا چوتھا حصہ ہے۔ اس عظیم الشان قوم کے سربراہ کو جس کے ذرہ سے اشارے پر ساری قوم چلتی تھی یہ احساس تھا کہ دراصل انسانوں کی تقدیر کسی اور برتر اور بالا ذات کے ہاتھوں میں ہے۔ چنانچہ اپنی ایک نظم میں انہوں نے یہ شعر کہا:۔

"میں پوچھتا ہوں کہ اس وسیع و عریض زمین پر کون ذات لوگوں کی تقدیر پر مسلط ہے؟"

اتنا ہی نہیں ان کے آخری ایام کی کئی ایک ملاقاتوں میں انہوں نے امریکہ کے مشہور وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کیسنجر سے بار بار کہا کہ:۔

"مجھے خدا بلا رہا ہے"

ڈاکٹر ہنری کیسنجر نے اس بات کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی اور کہا کہ خدا کے بلاوے کی آپ جیسے زمین کے مطلق العنان اور عظیم حاکم کو کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر خدا کا جب بلاوا آیا تو اسے کون ٹال سکتا تھا! یہ تمام واقعات ۲۰ ستمبر ۱۹۷۶ء کے امریکی رسالہ ٹائم میں جو مشہور آفاق ہے۔ چھپے ہیں۔

اب میں خواتین کی دلچسپی کا ایک واقعہ سنا کر اس سلسلہ کلام کو ختم کرتا ہوں۔ سوویت روس میں سب سے زیادہ طاقتور سربراہ سٹالن ہوا ہے۔ اس کی ایک ہی بیٹی سونتیلانا نامی ہے جو دہریت کے گڑھ یا قلعہ کریملن میں پیدا ہوئی اور وہیں پرورش پاکر بڑی ہوئی۔ باپ کی وفات کے بعد وہ روس سے بھاگ کر بھارت سے ہوتی ہوئی بالآخر امریکہ پہنچی جہاں وہ اب تک موجود ہے۔ اس زمانہ میں امریکہ کا ایک مشہور ہفتہ وار رسالہ "لائف" ہوتا تھا۔ اس میں میں نے اس عورت کی سرگذشت اس کی اپنی زبانی چھپی ہوئی پڑھی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ آپ روس سے کیوں بھاگ آئیں تو اس کا جواب تھا۔

"خدا کو دل میں بسائے بغیر زندگی گزارنا ناممکن ہے۔"

دہریہ کہتے ہیں کہ انسان کے دل میں خدا کا خیال ماحول کے اثر سے دنیا میں پیدا ہوا یعنے دوسروں کو مانتا دیکھ کر۔ یہ وہ لڑکی تھی جو دہریت کے گڑھ میں پیدا ہوئی۔ اور ساری عمر اس میں اور ایک دہریہ فضا اور ماحول میں رہی۔ اس کا فقرہ کسی ماحول کے اثر کا نتیجہ نہ تھا۔ نہ کوئی اسے زبان کی لغزش کہہ سکتا ہے۔ جب کہ خدا کو دل میں بسا کر رہنے کے لئے اس نے اس دہریت کے گڑھ سے فرار تک اختیار کیا۔

عہدِ فطرت:۔ دراصل یہ ہر مرد و زن کے دل میں خدا سے تعلق اور اس کی ذات پر گواہی ہے جسے قرآن حکیم نے کیا بے نظیر الفاظ میں فرمایا ہے:۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (الاعراف آیات ۱۷۲، ۱۷۳) یعنے جب تیرے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم گواہ ہیں۔ یہ اس لئے کہا تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس سے (یعنی خدا کی ہستی سے) بے خبر تھے۔ یا یہ نہ کہو کہ ہمارے باپ دادا نے شرک کیا اور ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے۔ تو کیا تو ہم کو اس کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو حق کو بگاڑنے والوں نے کیا۔

خدا کی ہستی اور اس کی توحید پر گواہی انسان کی فطرت میں ہے۔ اور اسی لئے بد سے بدترین مشرک کبھی ایک وقت میں ایک خدا کو ہی پکارتا ہے۔

سائنس کی گواہی:۔ خدا کی شان ہے کہ سائنس جس نے انیسویں صدی میں مادہ پرستی اور دہریت کو جنم دیا آج بیسویں صدی میں یہ کہنے پر مجبور ہے کہ نہیں اس کائنات کا اور انسان کا خدا ہے اور وہ ایک ہے کیونکہ تمام کائنات ایک ہے اور ایک ہی قوانین کے ماتحت چل رہی ہے۔

دہریت کیوں؟ تو پھر دہریت آج کیوں عالمگیر ہو رہی ہے؟ جبکہ تمام مذاہب، تمام نبیوں رسولوں اور صادقوں کی، انسان کی عقل کی، انسان کی فطرت کی اور سائنس کی اب گواہی ہے کہ خدا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو علم اور عقل کا ہے پڑھے لکھے لوگ خوش اعتقادی سے وہ باتیں نہیں مان سکتے جو ان کے باپ دادے مانتے رہے جن ملکوں میں اور قوموں میں دہریت پھیل رہی ہے۔ ان میں خدا کا تصور شرک سے ملوث ہے۔ جبکہ عقل فطرت اور اب سائنس کے علوم خدائے واحد کی گواہی دے رہے ہیں۔ شرک میں خواہ وہ کسی قسم کا ہو خدا کا تصور ایسا ناقص اور عیب دار ہو جاتا ہے کہ کوئی عقل سلیم۔ کوئی فطرت صحیحہ اور کوئی سائنس کے علوم سے متاثر انسان اسے قبول نہیں کر سکتا۔ آخر خدا کا تصور ان لوگوں کے آگے ایک بت کا ہے آپ کہیں گے کہ عیسائیوں۔ بدھ مت کے کروڑوں انسانوں۔ ہندوؤں اور دوسرے مشرکوں میں خدا کا تصور انسان کا بھی تو ہے۔ میں کہوں گا کہ پھر بھی بت کا ہے کہ ان کے بت (جی ہاں حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر اور مہاتما بدھ کے وغیرہ وغیرہ) ان کے آگے ہوتے ہیں۔ چلیئے انسان کا ہی تصور سہی تو بھی اپنے جیسے کمزور انسان کا ہوتا ہے۔ عیسائیوں کا تو نمبر ۲ خدا روح القدس صرف ایک پرندہ کی شکل میں نظر آیا۔ کیا یہ وہ زبردست اور پر ہیبت ذوالجلال والاکرام خدا کا تصور ہو سکتا ہے۔ جبکہ یہ عظیم الشان کائنات اور اس کی بے پناہ طاقتوں کا مالک ہے۔ کیا مشرک کے عیب دار تصورات میں کوئی خدا کی ہستی کو قبول کر سکتا ہے۔؟ ہرگز نہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم میں جب شرک کا ذکر آتا ہے تو سُبْحٰنَهٗ کا لفظ آتا ہے کہ خدا ان عیبوں سے پاک ہے جو تم اس میں نکالتے ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

وہ اللہ جس کے معنی یہی ہیں حسن و احسان میں کامل یعنے تمام خوبیوں کا مالک اور ان خوبیوں سے اپنی مخلوق کو ہر آن فائدہ پہنچانے والا خدا ہی وہ واحد خدا ہے جسے آج دنیا قبول کر سکتی ہے۔ الحمد للہ کی تفسیر میں حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ خدا کی صفات کو گنا یا نہیں کہ وہ گنی جا سکتی ہی نہیں انسان جوں جوں ترقی کرتا رہے گا۔ روحانی اور اخلاقی۔ مرنے کے بعد بھی۔ تو اللہ تعالے کی صفات اس کا حسن اور اس کے احسانات اس پر کھلتے چلے جائیں گے۔ اسی بات کو قرآن شریف نے یوں ایک جگہ فرمایا ہے کہ وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَىٕذٍ ثَمٰنِیَةٌ (الحاقة ۱۶-۱۷) یعنے اس دن تیرے رب کا عرش آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔ مفسرین نے اس کے معنی کئے ہیں کہ آٹھ فرشتے قیامت کے دن خدا کا تخت اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ حضرت مرزا صاحب نے معنی کئے ہیں کہ یہاں صرف آٹھ کا ذکر ہے۔ وہ کون ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس مادی دنیا میں خدا کا عرش یعنے اس کی حکومت چار صفات پر چل رہی ہے۔ رب العلمین۔ الرحمن۔ الرحیم مٰلک یوم الدین۔ تو اگلے عالم میں اللہ تعالے کی سلطنت صرف ان چار صفات کا مظہر ہو گی بلکہ ان کے علاوہ چار اور ایسی ہی عظیم الشان صفات ہیں جن کا مظہر صرف وہاں ہو گا۔ کیا بے نظیر تفسیر کی جا عام تفسیر جواب تک کی جاتی رہی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

تمام صفات یعنے خوبیوں کا مالک جس کی صفات کا علم پاکر ہی نسلِ انسانی نے اپنے دماغوں میں اعلے صفات کا تصور یعنے روحانی اور اخلاقی خوبیوں کا تصور قائم کیا۔ ورنہ انسان کا دماغ تو دوسرے جانوروں کی طرح ایک مادی چیز ہے۔ اس میں یہ روحانی تصورات کہاں آسکتے تھے۔ پہلے دن سے وحیٔ الٰہی نسلِ انسانی پر آتی رہی اور اسے خدا کی صفات سے آگاہ کرتی رہی۔ اور اس کے نتیجہ میں ہی نسلِ انسانی نے اعلیٰ صفات یعنے اخلاقی اور روحانی خوبیوں کا

(بقیہ صفحہ ۵ کالم ۲ پر)

سورت میں بڑی جامع تعلیم ہے۔ خدا کی رضا کے تحت زندگی گزارنے کیلئے۔ حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ اگر کوئی اور سورت نازل نہ ہوتی تو یہ سورت ہی لوگوں کے لئے کافی ہوتی صحابہؓ اس کو بار بار پڑھتے تھے اور جب باہم ملتے تو یہ سورت پڑھتے۔ حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کے خطبہ میں یہ سورت پڑھی تو کہا آج ہم اور تم ملے ہیں تو میں نے یہ سورت پڑھی ہے اور فرمایا میرا مقصد اس کے پڑھنے سے یہ ہے کہ زمانہ جس طرح تیزی سے گزر رہا ہے ہماری عمریں بھی گزر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا علاج بتایا کہ تمہیں زمانہ کی پرواہ نہ ہو۔ ہمارا حکم مان لو اور وہ حکم یہ ہے کہ مومن بنو اور عمل صالح کرو۔ دوسروں کو مومن بناؤ۔ خود حق پر قائم رہو۔ اور حق کی نصیحت کرو۔ خود صبر کرو اور دوسروں کو صبر کی نصیحت کرو اور آپ نے فرمایا کہ میں نے سنت نبی کریمؐ کے مطابق اس کو پڑھا ہے۔ تم میرے دل کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے نہ اس کا لکھا پڑھ سکتے ہو البتہ میری زبان کے اقرار سے پوچھے جاؤ گے کیونکہ تم نے سُن لیا ہے۔ اگر اس سے نفع اٹھاؤ گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیا خدا پرستی ہے اور کیا خوب طرز بیان۔ بناوٹ سے پاک۔ صرف خدا کی حاکمیت ہی سامنے ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں یہ باتیں اس لئے سناتا ہوں کہ تم کو دین، دنیا دونوں کا دستور کر دوں۔ نہیں کہ مجھے کوئی دنیا کی غرض ہے میری عمر کا بہت بڑا حصہ اللہ کے فضل سے گزرا ہے۔ یہ تھوڑے دن تو باقی ہیں مخلوق سے سوال کرنے میں اپنی ہمت کو ضائع نہیں کرتا۔ اور آپ نے ایک شدید بیماری کے بعد ایک خطبہ میں فرمایا:۔

میری اس بیماری نے جو اثر میرے دماغ پر میرے قویٰ پر میرے وجود اور عادات پر کیا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک نیا انسان ہوں۔ آج میں اپنی زندگی کا ایک نیا دن سمجھتا ہوں۔ اگر تم یہ بات سمجھ نہیں سکتے مگر میں ایک نیا انسان ہوں ایک نئی مخلوق ہوں۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں میں کسی کی خوشامد نہیں کر سکتا۔ میں صرف اللہ کو اپنا معبود سمجھتا ہوں۔ وہی میرا رب ہے اس کے بھروسہ نہیں کہ آئندہ ہفتہ تک میری زندگی ہے یا نہیں لہٰذا میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور اپنے باطن کو ایسا صاف کر لو جیسا کہ چاہیئے۔ خدا تعالیٰ بڑا پاک قدوس اور سب سے بڑھ کر مطہر ہے۔ اس کی جناب میں مقرب وہی ہو سکتا ہے۔ جو خود پاک ہے۔ اس نے نیکوں کے واسطے بہشت اور شقیوں کے واسطے دوزخ بنایا ہے۔ ایک ناپاک انسان تو بہشت کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لائق کب ہو سکتا ہے۔ ہر انسان کے اندر تبدیلی کی گنجائش ہے۔ مفکرین لکھتے ہیں:۔

THERE ARE WORLDS THINGS IN YOU

THAT ARE BEGGING TO BE BORN

ہر اچھی بات اور عمل جس کی تحریک ہمارے دل میں ہو اُسے اختیار کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اور اس پر استقامت اختیار کرنی چاہیئے یہی REBIRTH ہے اور حضرت امام زماں نے فرمایا کہ اپنے اندر اتنی تبدیلی پیدا کرو کہ تم کہہ سکو کہ میں اب وہ نہیں ہوں۔ علم کا بڑا ذریعہ شدائد مصائب اور تکالیف ہیں کہ وہ حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچاتے ہیں۔ آسمانی قضا و قدر بھی بڑا ذریعہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جی فلاں ڈاکٹر اور طبیب کے ہاتھ میں بڑی شفا ہے۔ فلاں دوائی بڑی کارگر ہے۔ جب بلاوا آجاتا ہے تو نہ طبیب کے ہاتھ میں شفا رہتی ہے نہ دوائیوں کی تاثیر کام کرتی ہے۔ نہ کوئی اور تدبیر کام آتی ہے۔ یہ سب ایک حد تک ہی ہیں۔ ؎

کام آئیں نہ اپنی دعائیں تو کیا کریں جائیں نہ عرش پر جو دعائیں تو کیا کریں

یہ وہ وقت ہے جب تمام امکانی سہارے ختم ہیں۔ دعائیں موت کو نہیں روک سکیں اب تو یہ وقت ہے

ع ملنے لگیں قضا سے دعائیں تو کیا کریں۔

اب وہ روح جسم میں نہیں اور جسم میں بہار روح سے ہی تھی۔ اب اس کی پرواز خالق حقیقی کے ابدی رشتہ کی جانب ہے۔ حضرت امام زماں نے فرمایا ہے۔ "انسان کا اعلیٰ کمال خدا تعالیٰ کا وصال ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ "خدا ہی ہے جو آسمان اور زمین کا نور ہے تمام جانداروں کی وہی جان ہے۔ سچا زندہ خدا وہی ہے۔ مبارک وہ جو اسے قبول کرے۔ علم وہ نہیں جو صرف دماغ اور دل میں بھرا ہوا ہو۔ بلکہ حقیقت میں علم وہ ہے کہ دماغ سے اتر کر تمام اعضا اس سے متادب اور رنگین ہو جائیں۔ مبارک وہ جو اٹھ بیٹھیں اور سچے خدا کو ڈھونڈیں وہی خدا جس پر کوئی گردش اور مصیبت نہیں آتی جس کے جلال کی چمک پر کوئی حادثہ نہیں پڑتا"۔ یہ ہے حکمت جو سیکھنے کے قابل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا "جس نے یہ حکمت سیکھ لی ہے اس نے خیر کثیر حاصل کر لی۔" ؎

گفت حکمت را خدا خیر کثیر ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

اے کہ خواندی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم اپنی زندگیاں خدا کی رضا کے تابع رہ کر گزاریں اور بقول حضرت امام ہمارے سر ایک وقت اور ہر ایک حالت مرادیابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑے رہیں تا جو چاہے کرے۔ اور موت جو پیاروں میں جدائی لاتی ہے اس سے بڑھ کر کیا صدمہ ہو گا۔ اس پر آپ نے کیا ایمان افروز اور سکون آفریں نصیحت فرمائی ہے۔

ع

بُلانے والا ہے سب سے پیارا اس پر اے دل تو جاں فدا کر

بقیہ عالمگیر دہریت اور مذہب کا مستقبل

تصور قائم کیا۔ الغرض وہ خدا کا اعلیٰ تصور جو قرآن حکیم نے پیش کیا ہے وہی تصور آج علم اور سائنس کے زمانہ میں قبول کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدسؑ نے لکھا ہے کہ "ایک عالم مر رہا ہے تیرے پانی کے بغیر" وہ آب حیات قرآن مجید ہی ہے اس کو دنیا میں پہنچا کر ہی آپ دنیا کو دہریت اور لا مذہبیت سے نجات دے سکتے ہیں۔

آخری بات

یہ نہ سمجھیں کہ دنیا تو خدا کو چھوڑ رہی ہے۔ اگر چھوڑ نہیں چکی تو اس دہریت کی زہریلی فضا میں خدا کو چاہے وہ اسلام کا خدا ہی ہو کون قبول کرے گا؟ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا دنیا نے خدا کو چھوڑا ہی اس لئے کہ جو خدا کا تصور ان کے آگے ہے اُسے وہ قبول نہیں کر سکتے قرآن کا بتایا ہوا اعلیٰ تصور وہ ضرور قبول کریں گے۔ کیونکہ خدا پر ایمان انسان کی فطرت میں ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود سے حضرت مولانا نورالدین صاحب نے بھی سوال کیا تھا۔ کہ دنیا تو خدا کو چھوڑ رہی ہے۔ تو وہ خدا کو کہاں قبول کریں گے۔ تو حضرت اقدسؑ نے کیا خوب جواب دیا "مولوی صاحب سلیٹ پر جو غلط نقش ہوتے ہیں وہ پہلے مٹائے جائیں تو ہی صحیح نقش آ سکتا ہے"۔ میں اسی حکمت کی بات پر اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔

بے ثباتی دُنیا

اے حبّ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں

دیکھو تو جا کے ان کے مقابر کو اک نظر سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر

اک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے اک دن یہ صبح زندگی کی تم پہ شام ہے

اک دن تمہارا لوگ جنازہ اٹھائیں گے پھر دفن کر کے گھر میں تاسف سے آئیں گے

اے لوگو عیش دنیا کو ہرگز وفا نہیں کیا تم کو خوف مرگ و خیال فنا نہیں

سوچو کہ باپ دادے تمہارے کدھر گئے کس نے بلا لیا وہ سبھی کیوں گزر گئے

وہ دن بھی ایک دن تمہیں یارو نصیب ہے خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے

(حضرت مسیح موعودؑ)

ابوطاہر عرفانی (قسط ۲)

خصتی کے وقت ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضؓ کی عمر

سورۃ القمر اور سیدہ عائشہ رضؓ کی عمر

سید سلیمان ندوی کی تحریر کے مطابق :- صحیح بخاری کتاب التفسیر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے :- لقد انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ وانی لجاریۃ العب بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھیٰ وامرّ"

(میں لڑکی تھی کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورہ القمر کی آیت بل الساعۃ الخ نازل ہوئی)

اوّل تو اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے آپ کو نزول آیت کے متعلق جاریہ (لڑکی) بتایا ہے اور لڑکی کہلانے کے لئے چھوٹی بچی ہونا ضروری نہیں۔ پھر تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ سورۃ القمر بعثت نبوی سے چار پانچ سال بعد نازل ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان دنوں لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور جیسا کہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ " سات آٹھ سال کی عمر تک بچوں کو کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا اس لئے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو، دس سال تھی اور آپ کی پیدائش بعثت نبویؐ سے چار پانچ سال پہلے ہوئی تھی"۔ اگر سید صاحب کی یہ بات مان لی جائے کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ولادت کی تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہوگا ص۲۱ یا یہ باور کرلیا جائے کہ حضرت عائشہؓ پیدا ہوئی تھیں تو نبوت کے چار سال گذر چکے تھے اور پانچواں سال گزر رہا تھا" (ص۲۱) تو اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قبول کرنا ہوگی کہ نبوت کے پانچویں سال سورۃ القمر کے نزول کے وقت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زیادہ سے زیادہ چند ماہ کی تھیں اس لئے یا تو بخاری کی سورۃ القمر والی روایت درست نہیں یا جناب صدیقہ مطہرہؓ کی تاریخ پیدائش بعثت سے چار پانچ سال پہلے تھی۔ (فھوالمراد)

آخر سید سلیمان ندوی، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے ہم مسلک بخاری کی ان دو روایتوں میں کس طرح تطبیق دیں گے۔

۱۔ جب ۵ بعثت میں سورہ القمر نازل ہوئی تو عائشہ صدیقہ محلے کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھیں اور آیت والساعۃ ادھیٰ و امرّ پڑھتی تھیں۔

(بخاری، کتاب التفسیر سورۃ القمر)

۲۔ حضرت خدیجہؓ نے نبوت کے دسویں سال ہجرت مدینہ سے تین سال قبل ماہ رمضان میں انتقال کیا اور اس سے ایک ماہ بعد ماہ شوال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ (بخاری بروایت عروہؓ)

تو اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی

اور جناب ابوالاعلیٰ مودودی کی تحقیق کی رو سے تو پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ نزول سورہ کے ایک سال بعد پیدا ہوئی تھیں۔

ان ہر دو روایتوں کی رو سے صحیح بخاری جہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنحضرت سے شادی چھ سال کی عمر میں ۱۰ بعثت میں بتاتی ہے۔ اور ہمیں یقین دلاتی ہے کہ جناب سیدہ عائشہؓ کی ولادت بعثت کے پانچویں سال ہوئی۔ وہاں یہ بھی ذکر کرتی ہے کہ اپنی ولادت کے اسی سال عائشہ صدیقہؓ مکہ کی لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی اور سورۃ القمر کی آیات پڑھتی تھیں۔

واقعات کے مضمرات کی شہادت :-

اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ مکی زندگی میں معراج اور ہجرت نبوی کے جو تفصیلی حالات سیدہ عائشہؓ نے بیان کئے ہیں وہ کسی دوسرے صحابی کی روایت میں نہیں ملتے اور اس تفصیل کی توقع کسی ایسی لڑکی سے رکھنا عبث ہے جس کی اپنی عمر ہجرت کے وقت آٹھ یا نو سال بیان کی جاتی ہے۔ اس امر سے بھی واضح ہے کہ ہجرت کے وقت آپ سترہ اٹھارہ سال کی ایسی بالغ النظر جوان لڑکی تھیں جس کا شعور، قوت مشاہدہ، حافظہ اور حالات کا ادراک کافی پختہ ہو چکا تھا۔

سیدنا ابوبکرؓ کی تیمارداری :-

مدینہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدید بیمار ہو گئے۔ تو سیدہ عائشہؓ کی والدہ محترمہ اور بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے ہوتے ہوئے بھی والد کی تیمارداری آپ کے سپرد ہوئی۔ سیدہ عائشہؓ ہی روایت کرتی ہیں کہ جب آپ والد محترم سے خیریت دریافت کرتیں تو وہ یہ شعر پڑھتے۔

کل امرءٍ مصبحٌ فی اھلہ - والموت ادنیٰ من شراک نعلہ

اگر ہجرت کے پہلے سال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر آٹھ سال تھی اور اگلے سال رخصتی کے وقت آپ نو سال کی تھیں تو پھر بڑوں کے ہوتے ہوئے آپ کو تیمارداری کی خدمت کیوں سونپی گئی۔ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک کم عمر بچی کو شعر کیوں سناتے تھے۔ سچ یہی ہے کہ سیدہ عائشہؓ اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھیں اور سخن فہمی کا کامل ملکہ رکھتی تھیں۔

اصابہ کی روایت اُوپر درج کر چکے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے وقت ہوئی جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ عمر ۳۵ سال تھی۔ اور سیدہ عائشہؓ سیدہ فاطمہؓ سے چار پانچ سال چھوٹی تھیں۔ لیکن تاریخ ہی ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور اکرم صلعم سے ۱۰ بعثت میں ہوا۔ اور اس سے قبل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی منگنی جبیر بن مطعم کے لڑکے سے ہو چکی تھی۔ جب کہ سیدہ فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح سیدہ عائشہؓ کے نکاح سے پانچ سال بعد ۲ھ میں مدینہ میں ہوا۔ اور حضرت فاطمہؓ کے نئے گھر کو خود سیدہ عائشہؓ نے آراستہ کیا۔ اور سید سلیمان ندوی ہی کے الفاظ میں" مکان لیپا۔ بستر لگایا۔ اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے۔ چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کئے۔ لکڑی کی الگنی تیار کی کہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں۔ (سیرۃ عائشہؓ)

کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ سیدہ عائشہؓ عمر میں سیدہ فاطمہؓ سے قدرے بڑی تھیں یا کم از کم ہم عمر تھیں۔ اور ہر دو کی پیدائش کعبہ کی تعمیر نو کے قریبی زمانہ میں ہوئی۔

جنگ اُحد میں غازیانِ دین کی سقائی :-

جنگ احد کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر دس سال بتائی جاتی ہے لیکن تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اس لڑائی میں دیگر خواتین اسلام کے ساتھ آپ نے بھی

کند تھے پانی پلانے کا انتظام ہوتا تھا۔ مدینہ سے پانی بھر بھر کر اور تین میل دور احد پہاڑ کے دامن میں دن بھر مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں۔ کیا یہ کارنامہ کوئی دس سالہ لڑکی انجام دے سکتی تھی؟ چھ سال کی عمر میں آپ کے نکاح کے مویدین کا سارا استدلال اس بات پر صرف ہوتا ہے کہ وہ نو سال کی عمر میں رخصتی کے وقت کسی کھیلتی تھیں اور ان فرائض و وظائف کو نظرانداز کر دیا ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت ہونے کے ناطے سے آپ پر عائد ہوتے تھے۔ کیا احد میں شریک ایک گڑیاں کھیلنے والی کمسن لڑکی کی ہمت کا مظاہرہ ہے۔ کیا اسی واقعہ سے عیاں نہیں کہ آپ اس قدر بڑی ہو چکی تھیں کہ آپ بلا خوف و خطر میدان جنگ میں سقائی کے فرائض انجام دیتی رہیں۔ اور اس وقت آپ کی عمر بلاشبہ بیس اکیس سال تھی۔

علم الانساب اور سخن فہمی :-

اس بات پر سب متفق ہیں کہ سیدہ عائشہ طاہرہؓ علم انساب، شعر و ادب، تنقید و فہم سخن، تفسیر قرآن، فقہ، حدیث اور طب میں یکتائے روزگار تھیں اور آج تک نسوانی دنیا میں منفرد مقام رکھتی ہیں جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کو بھی اعتراف ہے کہ:-

"حضورؐ اللہ کے رسول تھے۔ جن کے سپرد انسانی زندگی میں ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کرنا اور معاشرہ کو اس انقلاب کے لئے تیار کرنا تھا اور حضرت عائشہ ایک غیر معمولی قسم کی لڑکی تھیں جنہیں اپنی ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر اس معاشرے کی تعمیر میں حضور صلعم کے ساتھ مل کر اتنا بڑا کام کرنا تھا۔ جتنا دوسری تمام ازواج مطہرات سمیت اس وقت کی کسی عورت نے نہیں کیا بلکہ یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ دنیا کے کسی رہنما کی بیوی بھی اپنے شوہر کے کام کی تکمیل میں ایسی زبردست مددگار نہیں بنی جیسی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مددگار ثابت ہوئیں۔"

(ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۱)

بلاشبہ آپ نے تفسیر قرآن، فقہ، حدیث، دینی علوم کی تعلیم سرور عالم کے فیض صحبت سے حاصل کی اور طب کا علم بھی کاشانۂ نبوت میں سیکھا۔ مگر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ سیدۂ کائنات نے علم انساب اور ذوق شعر و ادب سرور کائنات صلعم سے پایا کیونکہ آنحضرت صلعم نسّاب تھے نہ شاعر۔ نہ ہی آپ کو فریضۂ رسالت سے فرصت تھی۔ کہ سیدہؓ کو یہ علوم پڑھاتے۔ نہ ہی تاریخ بتاتی ہے کہ سیدہ نے یہ فن مدینہ منورہ میں کسی دوسرے شخص سے حاصل کیا۔ دوسری طرف ہم جانتے ہیں کہ آپ کے والد محترم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، علم انساب کے ماہر اور شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ بقول سید سلیمان ندوی:-

"حضرت ابوبکر صدیقؓ سارے قریش میں علم انساب اور شعر کے ماہر تھے۔ قریش کے شاعر اسلام کے جواب میں اسلام کے زبان دان شاعر حسان بن ثابت کے جو شعر کہتے تھے کفار کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اصلاح و مشورے کے بغیر لکھے گئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اسی باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اس لئے علم انساب کی واقفیت اور شاعری کا ذوق ان کا خاندانی ورثہ تھا۔" (سیرۃ عائشہؓ صفحہ ۳۴)

پس انساب، شعر و ادب اور سخن فہمی میں کمال حضرت عائشہؓ نے مکہ ہی میں اپنے والد مکرم حضرت ابوبکرؓ سے حاصل کیا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ سات آٹھ سال کی عمر میں ہجرت کر گئی تھیں تو پھر یہ ناممکن ہے کہ آپ نے مکہ میں چھ سات سال کی عمر ہی میں یہ علوم کما حقہ حاصل کر لئے تھے۔ کیونکہ شعر فہمی اور تاریخ دانی کے لئے ذہنی نشو و نما اور شعور کی پختگی درکار ہوتی ہے اور اس کے لئے بالغ العمر اور بلیغ النظر ہونا ضروری ہے۔ اس لئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ نہ تو آپ کا نکاح چھ برس کی عمر میں ہوا اور نہ رخصتی ۹ سال کی عمر میں قابل فہم ہے۔ مکی زندگی میں ان علوم کا حصول ظاہر کرتا ہے کہ آپ ان علوم میں کمال حاصل کر کے اٹھارہ سال کی عمر میں کاشانۂ نبویؐ میں داخل ہوئیں۔

افک کا واقعہ :-

افک کا واقعہ ۵ھ سے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ جب عام روایت کی رو سے آپ کی عمر ۱۲ سال بنتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ افک کے المیہ میں سیدہ عائشہؓ کا کردار ایک بارہ سالہ لڑکی کا سا تھا۔ یا ایک عالمۂ قرآن، بالغ النظر، متحمل مزاج، پاک سیرت، سنجیدہ جوان سال خاتون کا تھا۔ ایک غیرت مند، باحیا، باشعور اور خوددار خاتون کی طرح آپ اس بہتان کو محسوس کرتی ہیں۔ اور جب آپ کی برأت اور پاک دامنی کے بارے میں آسمانی شہادت نازل ہوئی۔ اور والدہ محترمہ نے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کرنے کو کہا تو آپ نے بے ساختہ زبان مبارک سے جچا تلا جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر کیوں نہ کروں جس نے میری پاکدامنی کی شہادت دی۔ ایسے پریشان کن حالات میں عام توحید کا یہ ادراک اور حق گوئی و صاف بیانی کا یہ اسلوب کسی بارہ سالہ لڑکی کے بس کی بات نہ تھی۔

واقعہ تخییر :-

عام روایت کی رو سے جب تخییر کی آیت نازل ہوئی تو آپ سولہ سال کی ہو چکی تھیں۔ ازواج مطہرات نے بدلے ہوئے بہتر مالی حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زندگی کی آسائش کا مطالبہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تقاضا پسند نہ آیا۔ اور ایک ماہ کے لئے ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ازواج مطہرات کی بے قراری اللہ کے ہاں مقبول ہوئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی نازل ہوئی:-

"اے نبی! تو نے (ازواج سے علیحدگی اختیار کر کے) ایک حلال بات کو اپنے لئے حرام کیوں کر لیا۔ تو تو اپنی ازواج کی خوشنودی کا جویا رہتا ہے۔ اور اللہ تو خطا پوش رحیم ہے۔" (تحریم)

اس آیت کے نزول سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت جوش میں آئی۔ رنج و ملال کافور ہو گیا۔ ایلاء کی مدت ختم ہو گئی تو آپ سیدھے حجرۂ عائشہؓ میں تشریف لے آئے۔ سیدہؓ نے ازراہ تفنن کہا کہ آپ تو ایک دن پہلے ہی آ گئے ہیں۔ آپؐ نے مسکرا کر فرمایا کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی تو ہوتا ہے۔ ایلاء کے مابعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیۂ تخییر نازل ہوئی۔ کہ "اے نبی! اپنی ازواج سے کہئے کہ اگر وہ دنیا کی زینت اور اموال کی خواہشمند ہیں تو آئیں سامان لے آئیں۔ اور رخصت ہو جائیں۔ اور اگر تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اخروی نعمتوں کی آرزو ہے تو پھر وہ دنیوی آسائشوں سے دستبردار ہو جائیں۔" حضرت عائشہؓ کی عظمت اسلام سے وابستگی، ذہنی پختگی، شعور بیداری اور نور بصیرت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ایمان آزما سوال سب سے پہلے جوان سال عائشہ صدیقہؓ ہی سے کیا۔ اور فرمایا کہ جواب دینے میں جلد بازی نہ کرو بلکہ والدین سے مشورہ کرنے کے بعد بتاؤ کہ تمہیں دنیا کی آسائشیں درکار ہیں یا اس کے مقابل اللہ اور رسولؐ اور نعمائے آخرت کو چاہتی ہو۔ یہ سنتے ہی سیدۂ کائناتؓ کا چہرہ فرط جوش ایمان سے چمک اٹھا اور بلا تامل عرض کی یا رسول اللہ! اس میں والدین سے مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے تو تمام کی تمام نعمتوں کے مقابل اللہ اور اس کا رسول ہی پسند و مطلوب ہیں۔ قارئین فیصلہ کریں کہ کیا یہ ایمان افروز جواب کسی پندرہ سولہ سالہ لڑکی کی زبان سے ہے۔ یا کسی الٰہی دیانت دار باشعور، بالغ النظر اور پختہ عمر خاتون کا فیصلہ ہے۔ جو معرفت، حکمت، زہد، تقویٰ اور عشق خدا و رسولؐ کی منزلیں طے کر کے انتہائی بلندیوں پر پہنچ چکی تھیں۔

عشق رسولؐ کا ایک ایمان افروز واقعہ :-

قاضی محمد سلیمان مرحوم اپنی تصنیف رحمۃ للعالمین جلد دوم میں لکھتے ہیں:-

"سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نعل کو پیوند لگا رہے تھے۔ میں چرخہ کات رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آ رہا ہے۔ اس پسینہ کے اندر ایک نور ابھر رہا ہے اور بڑھ رہا ہے۔ یہ ایسا نظارہ تھا کہ میں سراپا حیرت بن گئی آپ کی مبارک نظر مجھ پر پڑی۔ فرمایا۔ عائشہ! تم حیران کیوں ہو رہی ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے دیکھا کہ حضور کی پیشانی پر پسینہ ہے۔ اور پسینے کے اندر چمکتا دمکتا نور ہے۔ اس پاک نظارہ نے مجھے سراپا چشم بنا دیا ہے۔

اے خنک چشمے کہ او حیران اوست — وے ہمایوں دل کہ آں قربان اوست

بخدا اگر ابو بکرؓ ہذلی حضورؐ کو دیکھ پاتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے اشعار کے صحیح مصداق حضورؐ ہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس کے اشعار کیا ہیں۔ میں نے یہ اشعار سنائے:-

ومبرّیٔ من کلّ غبّر حیضۃ ۔ وفساد مرضعۃ وداءٍ معضل

(وہ ولادت اور رضاعت کی آلودگیوں سے مبرّا ہیں)

واذا نظرت الی اسرّۃ وجھہٖ   برقت کبرق العارض المتھلل

(ان کے درخشاں چہرے پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ نورانی اور درخشاں برق جلوہ دے رہی ہے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں جو کچھ تھا۔ اسے رکھ دیا۔ پھر سیدہ عائشہؓ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا۔ ماسررت منی کسروری۔ جو سرور مجھے تمہارے کلام سے ہوا ہے۔ اس قدر سرور تمہیں میرے نظارے سے نہیں ہوا ہوگا۔

سُرخ الورپر لگا، ذوق و محبت ابوکبیر ہذلی کے اشعار کا انتخاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ درخشاں سے تشبیہ اہل نظر کے لئے دعوتِ فکر ہے۔ اس واقعہ کے ضمن میں سیّدہ عائشہؓ کی قوتِ مشاہدہ، نکتہ رسی، فصاحت و بلاغت، وسیع علم اور عمیق نظر پر غور کیجئے کیا یہ عظمت ایک ستر، اٹھارہ سالہ لڑکی کا حصہ ہے۔ جو ۹ سال کی عمر میں اہل بیت نبی میں ہیں۔ یا ایسی خاتون کی ذہانت و فصاحت کا عکس ہے جو بھرپور وسیع علمی صلاحیتوں کے ساتھ کاشانۂ رسالت میں آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیضانِ صحبت و نظر سے کماحقہ مستفیض ہوئیں۔

آسانی سے مقصد کی تکمیل:- حضرت عائشہؓ مطہرہ نے آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد تفسیر، فقہ اور حدیث کی ترویج میں بے مثال خدمات انجام دیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب آپ حجرۂ نبوی میں آئیں تو اس وقت آپ فصاحت و بلاغت، ادب و شعر اور علم انساب میں دسترس رکھتی تھیں۔ جس کی موجودگی میں آپ نے آنحضرت صلعم کی صحبت میں علوم و حکمتِ قرآن سے بہرہ کامل حاصل کیا۔ پھر اولاد نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو علومِ دینیہ کی تکمیل میں انتہائی سہولت میسّر آئی۔ علاوہ ازیں مدینہ کی مستورات نسوانی مسائل آپ ہی کی وساطت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کرتی تھیں۔ پھر مسجدِ نبوی سے قرب کی وجہ سے آپ کو آنحضرت صلعم کے مواعظِ حسنہ، شعراء کے قصائد اور تقاریر سننے کا بکثرت موقع ملتا تھا۔ پھر ازواج النبی کا آسمانی مشن یہ تھا۔ واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من اٰیات اللہ والحکمۃ اور علمائے تاریخ بخوبی جانتے ہیں کہ تبلیغِ قرآن و حکمت کا جو فریضہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ادا کیا۔ وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اور اگر آپ کی بدولت یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتا تو ازواجِ مطہرات ارشادِ الٰہی کی کماحقہ تعمیل سے محروم رہ جاتیں۔

اس ضمن میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے دیکھئے:-

"علمِ حدیث کا جس شخص نے بھی مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے جتنا علمِ دین مسلمانوں کو پہنچا اور فقہِ اسلامی کی معلومات حاصل ہوئیں اس کے مقابلے میں عہدِ نبوت کی عورتیں تو درکنار مرد بھی کم ہی ایسے ہیں جن کی علمی خدمات کو پیش کیا جا سکے۔ اگر حضرت عائشہؓ حضور صلعم کے نکاح میں نہ آتیں اور آپؐ سے تعلیم و تربیت پانے کا ان کو موقع نہ ملتا تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے علم کا کتنا بڑا حصہ امتِ مسلمہ تک پہنچنے سے رہ جاتا۔ ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں اور وہ صرف حدیث روایت کرنے والی نہ تھیں بلکہ فقیہہ اور مفسّر اور مجتہد اور مفتی بھی تھیں۔ انہیں بالاتفاق مسلمان عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہہ مانا جاتا ہے۔ اکابر صحابہؓ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی بعض مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کا شمار مدینہ طیبہ کے ان چند علماء میں ہوتا تھا جن کے فتوے پر لوگوں کو اعتماد تھا"   (ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۳)

سیّدہ عائشہ کو ازواج مطہرات اور خواتینِ اسلام میں یہ منفرد مقام تبھی میسّر آیا کہ آپ ذہنی صلاحیتوں سے مزین و آراستہ ہو کر پختہ عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاں آئیں۔ اور اپنا دامن علم و حکمتِ قرآن سے بھرا اور اس حد تک بھرا کہ کوئی دوسرا صحابی آپ کا ہمسر و سہیم نہ تھا۔ اور یہ مقام کسی ایسی لڑکی کی قسمت و حصہ نہیں جو بقول بعض ۹ سال کی عمر میں گڑیوں کے ساتھ نبی اکرمؐ کے گھر آئی۔ عظمت و رفعت کا یہ ارفع و اعلیٰ مقام خیر النساء عالم ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تبھی حاصل ہوا۔ جب آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی توجہ و کاوش سے ذہنی نشوونما پا کر اٹھارہ انیس سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔

"فھل من مدکر۔"

محاسبہ نفس کی دعوت

از حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

اپنے سینوں کو ٹٹولو، کیا تمہارے لوہے سینے امام زمان کی ڈالی ہوئی چنگاری کے گرمی کو موجود ہے؟

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسلِ انسانی بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے اور قریب ہے کہ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جاوے۔ وہ نسخہ جس نے نسلِ انسانی کو کسی زمانے میں تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچایا تھا۔ یہ خدا کا آخری کلام قرآن کریم ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے مگر ہم اس نسخہ شفا کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اسکے پہنچانے کیلئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کام کی بنیاد ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی اور اسکو چودھویں صدی کا مجدد بنا کر بھیجا کیونکہ نفوس کو وہی پاک کر سکتا ہے جسکو خدا نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اسکے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے دل میں قرآن اور حضرت محمد صلعم کا کس قدر عشق تھا۔ اس عشق کی آگ اسکے سینے میں بھی ایسی مشتعل تھی کہ جو اس کے پاس آکر بیٹھا اس کے سینے میں بھی ایک چنگاری آگ کی پڑ گئی اور ہزاروں بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے۔

آج وہ چنگاری کچھ مدہم نظر آ رہی ہے۔ اپنے سینوں کو ٹٹولو کیا تمہارے دلوں میں وہ امام زماں کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے۔ اگر ہے تو وہ حرکت میں کیوں نہیں۔ جو امام وقت کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی۔ تمہارا قدم دیوانہ وار کیوں نہیں بڑھتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی جگہ دنیا کی محبت تمہارے دلوں میں اثر کرتی جاتی ہے اور تم دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو فراموش کرتے جا رہے ہو۔ اور جہاد کی روح کی جگہ تمہارے اندر آرام طلبی کی روح سرایت کرتی جا رہی ہے۔ خدا سے ڈرو اور اس کے مسکین بندے بن جاؤ۔

(۵ دسمبر ۱۹۴۱ء)

سالانہ اجلاس جماعت احمدیہ پشاور

بتاریخ ۲ مئی ۱۹۸۰ء

احباب جماعت پشاور نے اپنا سالانہ جلسہ کرنے کی ۲ مئی ۱۹۸۰ء تاریخ مقرر کی ہے۔ تمام احباب سے درخواست ہے۔ کہ وہ جلسہ میں شمولیت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اسی تاریخ کو پچھلے وقت مستورات کا جلسہ بھی ہوگا۔ مرکز سلسلہ لاہور سے شامل ہونے والی مستورات اپنی تشریف آوری کی اطلاع بیگم **چوہدری سعید احمد صاحب** کو دیں۔

محمد الرحمٰن۔ سیکرٹری جماعت پشاور

(نوٹ) دیگر جماعتیں بھی یوم مسیح موعود منانے کا اہتمام کر کے مرکز میں اطلاع دیں (ادارہ)

مرزا محمد لطیف شاہد

المسلم مرآۃ المسلم

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسلامی تعلیم کی رُو سے انسان اس دنیا میں دو غذاؤں کا محتاج ہے۔ ایک مادی غذا جس سے ظاہری زندگی کی نشو ونما ہوتی ہے۔ اور دوسری غذا جس کا نام آسمانی غذا ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے اپنے انبیاء کرام اور مقدس کتب کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کو ملتی رہی ہے۔ اور ہم مسلمانوں کو نبی بھی خاتم النبیین ملا اور کتاب بھی فیھا کتبٌ قیمۃ قرآن مجید ہدایت کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ملی ہے۔ اگر انسان صرف پہلی غذا پر ہی انحصار کرتا ہے اور دوسری غذا یعنی آسمانی ہدایت کو نظر انداز کرتا ہے۔ یا اس پر عمل نہیں کرتا۔ اور توجہ نہیں دیتا تو ایسے انسان اور دُوسرے حیوانوں میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ایسے انسان سے تو حیوان بھی اونچا ہے کیونکہ اس کی پیدائش کی جو غرض ہے وہ اس کو پورا کرتا ہے۔ اور ایسا انسان جو ذوی العقل ہے وہ جب اپنی پیدائش کے مقصد سے صرف نظر کرتا ہے تو عملاً وہ حیوان سے بھی نیچے آ جاتا ہے۔

غور کرنے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ انسان کو جن اخلاق عالیہ کے پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے وہ صرف آسمانی پانی کے ذریعہ سے ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔ ظاہری قیل وقال۔ خود ساختہ آداب اور دنیاوی تدابیر قطعاً اس مقدس باب کو کھولنے کی قدرت نہیں رکھتیں۔ اسلام ہی اعلیٰ اخلاقی تعلیم دیتا ہے۔ روح کی پاکیزگی طہارت اور صفائی قلب کے جو اسباب مہیا کرتا ہے وہ کوئی اور ذریعہ پیدا نہیں کر سکتا۔

آج دنیا کی آبادی تین ارب سے تجاوز کر چکی ہے اور اعداد و شمار کے ماہرین اگلے پچیس سال میں جو حالت مخلوق کی ہو جائے گی ان کو شمار کر کے لوگوں کو خبردار کر رہے ہیں کہ ایسے حالات آ رہے ہیں کہ اس کرّہ ارض پر تم کو قدم رکھنے کے لئے جگہ مشکل سے ملے گی۔ اور دوسری طرف مادی اعتبار سے اتنی ترقی ہو چکی ہے کہ آج سے ایک صدی پیشتر کا انسان اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے۔ ایجادات اتنی ہو رہی ہیں۔ ذرائع ابلاغ اور رسل و رسائل اتنے ہو [illegible] ہیں کہ قرآنی پیشگوئی واذا النفوس زوجت۔ کامل طور پر پوری ہو رہی ہے۔ یعنی ساری دنیا ایک گھر یا کنبہ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ دنیا کے کسی خطّہ میں ہزارہا میل کی جگہ کوئی واقع ہو چند منٹوں میں ایسے اسباب پیدا ہو چکے ہیں خبر ہو جاتی ہے۔ یہ تو ایک تصویر کا مختصر نقشہ ہے۔ دوسری طرف اخلاق کا جو دائرہ ہے اور جو صفات انسانوں کے اندر پیدا ہونی چاہئیں۔ امن۔ صلح۔ رواداری۔ محبت۔ سکون و چین۔ راحت جو زندگی کا اصل سرمایہ ہیں۔ ان کو دیکھیں تو جگر پھٹ جاتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے کہ:

کجو آں شورہ شوری کجا ایں بے نمکی۔ خدایا رحم فرما!

اتنی مادی ترقیات اور علمی ترقی کے باوجود ایک دوسرے کے اندر نفرت۔ حسد خود غرضی۔ چاپلوسی۔ ابن الوقتی۔ لوٹ مار۔ قتل وغارت کا بازار اتنا گرم ہے اور ایک دوسرے کے بارے میں نفرت کا لاوا اتنا جوش مار رہا ہے کہ اس کو دیکھ کر ایک "انسان" سر پیٹ لیتا ہے۔ بصیرت کی نظر سے جب غور کرتا ہے۔ حالات کو دیکھتا ہے تو سوائے ناکامی اور بربادی کے اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ کارواں لٹ گیا۔ احساسِ زیاں جاتا رہا۔ الاسف الاسف

آج کی صحبت میں مضمون کو محدود کر دوں گا اور سب سے پہلے اپنے مسلمان بھائیوں کو مخاطب کروں گا۔ خدا کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد بھی کروڑوں میں ہے۔ چالیس کے لگ بھگ اسلامی حکومتیں ہیں۔ مالی اعتبار سے مسلمان بھی اربوں میں کھیل رہے ہیں۔ ان کے پاس بھی "ظاہری" کسی چیز کی کمی نہیں۔ لیکن غور کرنے سے یہی نظر آتا ہے۔ کہ ان میں بھی تقریباً انہی لوگوں جیسے اوصاف نظر آتے ہیں الاماشاء اللہ۔ یہاں بھی افراتفری بے چینی و بے قراری کا دور دورہ ہے۔ آج کی سوچ و فکر کا بھی زاویہ تبدیل ہو گیا ہے۔ اور ظاہری رنگ میں بلکہ "اُن" سے بھی یہ پیچھے نظر آتے ہیں۔ "انھوں" نے ظاہر کا تو کچھ پاس و لحاظ کیا ہے۔ "انہوں" نے اس کا بھی جنازہ نکال دیا ہے۔ دیوالیہ پن کا دور دورہ ہے۔ صرف ان کے پاس ایک چیز ہے اور وہ ہے آسمانی پانی۔ لیکن پاس ہونے کا تو تب ہی فائدہ ہے۔ کہ انسان اس کو پیئے۔ جب تک اس کو پیئے گا نہیں اس کی پیاس نہیں بجھے گی۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو دوسرے لوگ تو ایک حد تک معذور ہیں۔ کیونکہ ابھی تک وہ اس تعلیم سے دُور ہیں۔ ان تک یہ حقیقی تعلیم پہنچائی نہیں گئی۔ لیکن ہم کو جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارا قدم کیوں پیچھے کی طرف جا رہا ہے۔ ہمارے اندر کیوں انتشار ہے۔ یہاں کیوں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ بے چینی و بے قراری کا عالم ہے۔ اسلامی حکومتوں میں دیکھیں۔ علماء میں دیکھیں افراد کی حالت۔ جس کا جس سے واسطہ پڑتا ہے۔ وہی اصلی حالت کو محسوس کرتا ہے۔ جب فکر کریں دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ کیا بنے گا۔ کشتی کنارے لگے گی یا منجدھار میں ہی رہے گی۔ کیا کریں کیا نہ کریں۔ کدھر جائیں۔ سائل اور مجیب عالم اور ناواقف۔ حاکم و ماتحت سارے ایک ہی کشتی میں سوار نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ صاف نظر آتی ہے۔ کہ ہم مسلمان اس حقیقی غذا سے اپنے آپ کو سیراب نہیں کرتے۔ ظاہری قیل و قال پر زور دیتے ہیں۔ اس سے نہ اصلاح ہوتی ہے نہ اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔

بعض دردمند دل اٹھتے ہیں۔ راتوں کو اٹھ کر خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں سچی خواہش بھی رکھتے ہیں اور عملی قدم بھی اٹھانا چاہتے ہیں۔ قدم اٹھاتے بھی ہیں۔ محنت و کوشش بھی کرتے ہیں۔ لیکن ساری تدابیر وقتی نظر آتی ہیں۔ دل میں "آگ" نہیں لگتی۔ جس طرح انسان کا ظاہر صاف ہے قلب بھی پاک و صاف ہو جاوے اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ ایک تو خود ہمارے دل اتنے صیقل نہیں جتنے ہونے چاہئیں دوسرے اس حقیقی غذا سے ہم بھی کما حقہ استفادہ نہیں کرتے جتنا کرنا چاہیئے۔

آج کی صحبت میں مَیں آپ کی خدمت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک زریں ارشاد پیش کرتا ہوں۔ جس پر اگر غور کیا جاوے اور اجتماعی رنگ میں عمل کیا جائے تو واقعی انسان کے اندر انقلاب پیدا ہو جاوے اور یہ ایسا نسخہ ہے جس نے عظیم تبدیلی پیدا کی تھی۔ اور وہ ایک تاریخ کا سنہری باب ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی تو ہے جھٹلاتی نہیں اور ضرورت بھی اس بات کی ہے کہ من حیث المجموع تمام مسلمان ملت اس پر غور کریں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"المسلم مرآۃ المسلم"

المسلم میں الف لام استغراق کا ہے۔ جس کے معنے ہیں پورا۔ کامل۔ جس میں سے کوئی چیز باہر نہ رہے۔ مسلم کے معنے ہیں کہ ایسا اطاعت شعار۔ فرمانبردار۔ کہ اس سے بڑھ کر نہ کوئی فرمانبردار ہو اور نہ کوئی مطیع ہو۔ مراۃ کے معنے ایسے آئینہ کے ہوتے ہیں کہ جس میں نہ کوئی داغ ہو۔ گرد غبار نہ ہو کٹا پھٹا نہ ہو۔ بالکل صاف ستھرا ہو۔ کہ جب کوئی انسان اس کو دیکھے تو اس کو اس کے چہرہ کی ہر چیز خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو واضح طور پر نظر آئے۔ اور اس دیکھنے میں اس کی آنکھوں پر کسی قسم کا بوجھ بھی نہ پڑے۔ اور وہ اپنے چہرہ اور اس آئینہ میں کسی قسم کا فرق محسوس نہ کرے یعنی دونوں بالکل ایک دوسرے کے عین ہوں۔ یہ ہیں المسلم مراۃ کے معنے کہ ایک کامل سچا مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کا آئینہ ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اسی تعلیم کو قرآن مجید میں انما المؤمنون اخوۃ سے تعبیر فرمایا ہے دنیا میں مسلمان ایسے ہو جائیں جیسے بھائی آپس میں ہوتے ہیں۔ اسی چیز کو اس صدی کے مجدد حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"کہ تم ایسے ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ سے نکلے ہوئے دو بھائی ہوتے ہیں۔ اور اگر تم ایسے نہیں ہوتے تو عبث تم اپنے آپ کو میری جماعت میں شمار کرتے ہو۔"

مزید غور کرنے پر اس حدیث میں مندرجہ ذیل ہدایات ملتی ہیں۔

۱۔ دنیا میں سارے انسان ایک طرح کی شکل و صورت و بناوٹ لے کر نہیں پیدا ہوتے اگر کسی کے چہرے پر کوئی داغ وغیرہ ہو۔ تو ایسا انسان جب آئینہ دیکھے گا اُسے وہ نظر آجائے گا۔ لیکن اس کے بعد جب دوسرا انسان آئینہ دیکھے گا تو آئینہ اس کو کبھی یہ نہیں بتائے گا کہ پہلے دیکھنے والے کے چہرہ پر داغ ہے۔ اس میں سبق دیا ان اللہ ستار" یحب الستر" اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ہے کہ وہ اپنے بندوں کے عیوب پر پردہ ڈالتا ہے۔ اسی طرح اے انسانو! اگر آپ ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ اتحاد و اتفاق کو تقویت دینا چاہتے ہیں تو اپنے بھائیوں کی کمزوریوں سے چشم پوشی سے کام لو۔ ان کی غیر حاضری میں ان کی اشاعت نہ کرو۔ اور ایسے ذرائع اختیار کرو جن سے وہ کمزوریاں رفع ہو جائیں بدی کی اشاعت سے بدی بڑھتی ہے۔ نیک عملی نمونہ سے اصلاح ہوتی ہے۔ افراد میں آج کل یہ بیماری مزمن صورت اختیار کر گئی ہے۔ جس کی اصلاح کرنے اور تدابیر سوچنے کی اشد ضرورت ہے۔

۲۔ دوسرا سبق یہ دیا کہ آئینہ دیکھنے والے کو اس کی نمایاں خوبیاں نظر آجاتی ہیں جن کو دیکھ کر اسے بڑی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح قومی و انفرادی زندگی میں کھلے دل سے دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ جتنا بھی ہو سکے دوسرے کی کمزوری بیان کرنے سے احتراز کیا جاوے اور زیادہ سے زیادہ دوسروں کی خوبیوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اس سے بشاشت قلب۔ تعاون اور ایصال خیر کا جذبہ ابھرتا ہے۔

۳۔ انسان ہمیشہ اپنے آئینہ کو صاف رکھتا ہے۔ گرد و غبار سے بچاتا ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ دوسرے بھائی کے لئے اپنے دل کو پاک و صاف رکھو۔ دوسروں کے بارے میں ہمیشہ نیک جذبات و خیالات رکھو۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اختلاف کی وجہ سے متعلقہ شخص کی ساری خوبیاں بھی انسان کو دشمنی کی وجہ سے سیاہ ہی نظر آتی ہیں۔ حالانکہ اختلاف رکھ سکتے ہو۔ لیکن بہ نیت اصلاح اور درستگی احوال و مسائل کے صحیح حل تک۔ لیکن قطع تعلق۔ دشمنی اور کسی کو دوسروں کی نظر سے گرانا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کے بچپن میں کچھ عرصہ تک مولوی محمد حسین بٹالوی آپ کے ہم مکتب رہے تھے۔ لیکن جب حضرت مسیح موعودؑ نے ماموریت کا دعوٰے فرمایا تو مولوی صاحب موصوف آپ کے شدید دشمن ہو گئے محبت اور تعلق۔ نفرت اور عدم تعلق کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بڑی کوشش کی کہ مولوی صاحب اپنی اصلاح کر لیں۔ آپ مختلف تدابیر کرتے تھے ان کو سمجھانے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

قطعت ودا دًا قد غرسناه فی الصبا۔ "مولوی صاحب! آپ بے شک میرے ساتھ اختلاف رکھیں لیکن اس دوستی کے تعلق کو تو نہ توڑیں جس کو ہم نے اوائل عمر میں استوار کیا تھا۔" حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کتنی فراخ حوصلگی کا سبق اور نمونہ ہم لوگوں کو دیا ہے۔

۴۔ ایک سبق اس حدیث میں یہ دیا گیا ہے کہ جس طرح آئینہ کو انسان ٹوٹنے نہیں دیتا اسی طرح مومن کے دل میں دوسرے بھائی کے لئے کبھی میل نہیں آتی۔ دوسروں کے بارے میں کینہ بغض کپٹ جیسی ناپسندیدہ عادات و خیالات کو قطعاً اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا۔

۵۔ اسی طرح ایک مسلمان کو کبھی بھی اپنے اندر حرص کا مادہ نہیں پیدا ہونے دینا چاہیئے مسلمان اور حرص ان میں بعد المشرقین ہونا چاہیئے۔ ایک حکایت بچپن میں پڑھا کرتے تھے کہ ایک کتا نہر کے کنارے سے گزر رہا تھا اس کے منہ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ سورج کی روشنی میں جب اس کی نظر پانی پر پڑی۔ اس میں اس کو اپنا عکس نظر آیا۔ حرص کی وجہ سے فوراً حملہ کے لئے کودا۔ منہ کا ٹکڑا بھی اس سے چھن گیا۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا عمدہ نقشہ کھینچا ہے۔ کہ کس طرح حریص آدمی ہر قسم کے خیر و برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اصل میں مومن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سبق دیا ہے "المؤمن یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ" کامل مومن۔ سچے مسلمان کی یہ نشانی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے دل و جذبات میں جو چیزیں اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ وہی کچھ دوسرے مسلمان کے لئے پسند کرتا ہے۔ اسلام صبر و قناعت کا سبق دیتا ہے۔ کیا عمدہ سبق ہم کو دیا گیا ہے:۔

خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ

تمام بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ سارے انسانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے فرائض و اعمال کا دائرہ کار جدا جدا ہے۔ ورنہ منبع و معدن سب کا ایک ہے آج جو انتشار دنیا میں برپا ہے کسی طرف ٹھنڈک اور چین نظر نہیں آتا۔ باہر کو چھوڑیں اپنے اندر جھانک کر دیکھیں آپ کو ایک بہت بڑا خلا نظر آئے گا۔ قدم قدم پر ایسے مناظر نظر آئیں گے جن کو دیکھ کر انسان سوچتا ہے کہ یہ کشتی کنارے بھی لگے گی یا نہیں کس منہ سے اسلام کو پیش کریں۔ ہاں ایسے دل بھی نظر آئیں گے جو ان واقعات کو دیکھ کر کڑھتے ہیں انہیں کوئی ایسا مداوا نظر نہیں آتا جو سلامتی سے ان کو ہمکنار کرے۔ اور جو نظر آتا ہے وہ یا نہ نظر آنے والا آئے جو قلب و روح و بدن کو سلامتی کی طرف لے جاوے۔ ورنہ یہ ترقیات تو ساتھ ہی ساتھ ایسی چیزیں لے کر آرہی ہیں جن کا انجام بڑا بھیانک اور عبرت ناک ہے۔ اخوت۔ صلہ رحمی۔ حقیقی بھائی چارہ۔ اس کی پہلی اینٹ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ ہے اور ہمارے اندر یہ چیز اچھی طرح راسخ ہو جاوے کہ

المسلم مراۃ المسلم

تین لفظ ہیں۔ لیکن معانی کے اعتبار سے ان کے اندر ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اور عملی طور پر ان کا میدان اتنا وسیع ہے۔ کہ انسان جتنا بھی اس کی کوشش کرے یہ کسی جگہ بھی جا کر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ آگے ہی آگے بڑھتا جاتا ہے۔

خدا کرے کہ ہمارا قدم اس کی طرف اٹھے۔ قدم اٹھنے کی دیر ہے۔ پھر آپ محسوس کریں گے کہ کیسے شیریں ثمرات اس کے پیدا ہوں گے۔ اور ہر فرد کو کیسی راحت اور خوشی نصیب ہو گی اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ قسط ۲ میں ان شاء اللہ مزید وضاحت پیش کی جائے گی۔

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب چیف ایڈیٹر پیغام صلح کی اہلیہ محترمہ کی وفات پر

ملک اور بیرونِ ملک سے موصوف کے نام تعزیتی خطوط و پیغامات

تعزیتی مکتوب ——— انگلینڈ

میرے پیارے دادا جان ۔ السلام علیکم

ابھی ابھی آپا نے اطلاع دی ہے کہ اماں جی وفات پا گئی ہیں ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ جب آپ کی تار ملی میں اس وقت مانچسٹر کورس پر تھا ۔ واپسی پر محمد احمد صاحب کو فون کیا ۔ انہوں نے اماں جی کی علالت سے لاعلمی کا اظہار کیا ۔ اور کہا کہ وہ پتہ کریں گے ۔ اگلے روز فون کروں ۔ اگلے روز پہلے سے کال بک کرانے کے باوجود وقت پر لائن نہ ملی ۔ لائن ملی تو گھر کوئی نہ تھا ۔ پھر قبلہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو فون کیا ۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے ۔ اس کے بعد لائن نہ مل سکی ۔ ڈاکٹر صاحب کو فون کا علم ہوا تو انہوں نے پتہ کر کے مجھے کال کی ۔ اس وقت اماں جی کی طبیعت بہتر تھی ۔ اس کے بعد کبھی نسبتاً بہتر ہونے اور کبھی پھر طبیعت زیادہ خراب ہونے کی اطلاعات ملتی رہیں ۔ میں دوبارہ کال کرنے کا سوچ رہا تھا کہ وفات کی اطلاع ملی ۔ سن کر بہت افسوس ہوا ۔ آپ کے الفاظ کہ شاید یہ تمہاری آخری ملاقات ہے پیشین گوئی ثابت ہوئے خدا سے دعا ہے کہ انہیں جنت میں جگہ دے ۔

ربنا وادخلھم جنت عدن التی وعدتھم ومن صلح من اٰبائھم وازواجھم و ذریّتھم انک انت العزیز الحکیم ۔

یہ دنیا بھی عجیب ہے ۔ ساری زندگی کی محنت اور جدوجہد جانے والے سے ایک سیکنڈ میں چھن جاتی ہے ۔ پیچھے دوست ۔ رشتہ دار سارے روتے رہ جاتے ہیں ۔ شاید یہ ہمارے صبر کا امتحان ہوتا ہے ۔ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ جو نہ صرف اگلی دنیا میں اپنے نیک اعمال کا گھر بنا جاتے ہیں بلکہ دوسروں کے لئے اس دنیا میں بھی ایک نمونہ چھوڑ جاتے ہیں ۔ اماں جی نے بڑے صبر سے اتنا عرصہ بیماری کی تکلیفیں اور دکھ سہے ۔ آج وہ ہمارے پاس نہیں لیکن اپنی یادیں چھوڑ گئیں ۔ میرا بہت جی چاہتا تھا کہ وہ اپنے پڑپوتے اور پڑپوتی کو دیکھ لیں لیکن خدا کو منظور نہ تھا ۔ دعا ہے کہ خدا ہمیں ان کی روح کو خوش کرنے کی توفیق بھی دے ۔ یا حیّ یا قیوم برحمتک استغیث

آپ کا بیٹا ـــ شاہد

خلیل الرحمٰن ۔ ایڈیٹر پیغام صلح :-

مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے خط سے اور بھائی احمد صادق کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کی بیگم صاحبہ کافی عرصہ علیل رہنے کے بعد بقضاء الٰہی رحلت فرما گئی ہیں ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اس سے قبل آپ اپنے بیٹے کی علالت کی وجہ سے پریشان رہے اور اب آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنا پڑا ہے ۔ زندگی بھر کی قربت اور رفاقت کا اس طرح اور اس عمر میں جب کہ انسان کو ایک ہمدرد و غمگسار کی اشد ضرورت ہوتی ہے ختم ہو جانا ایک ناقابلِ تلافی نقصان اور ناقابلِ برداشت صدمہ ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ جیسے لوگوں کو اپنی آزمائشوں اور ابتلاؤں میں صبر و استقامت کے ساتھ گزرنے کی طاقت اور قوت محض اپنے فضل و کرم سے بخشی ہوئی ہے اور اس کی وجہ صرف یہی ہے ۔ کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے مسیح وقت کو اور ان کو پیش آنے والے مصائب کو دیکھا اور یہ منظر بھی آپ کے سامنے رہا کہ آپ کس شان سے ان مصائب کے سامنے ایک ناقابلِ شکست چٹان کی طرح کھڑے رہے اور یہ ہموم و غموم آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے کیونکہ ایک اعلیٰ ترین طاقت آپ کی پشت پناہ تھی ۔ آپ لوگ بہت ہی خوش قسمت ہیں کہ آپ کی نظریں مامور الٰہی کے رُخِ روشن پر پڑتی رہیں ۔ اور ان کی راہ ایک جذبۂ خاص آپ کے اندر سرایت کرتا رہا ۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صدمات ، مشکلات اور مصائب میں سے جرأت و استقامت کے ساتھ گزرنے کی توفیق بخشی ۔ اور اب بھی یہی وہ جذبہ ہے جو آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت بخشے گا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ صحیح معنوں میں انہی لوگوں کی زبان سے نکلتے ہیں جو اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت کر دیتے ہیں ۔ پھر انہیں کوئی غم نہیں رہتا ۔ وہ اپنے بچھڑے ہوؤں سے آئندہ زندگی میں ملنے کی تمنا میں اپنے باقی ماندہ دن بسر کرتے ہیں کیونکہ وہ سوسائٹی قائم رہنے والی ہے ۔ اور یہ جدائی ایک عارضی فراق ۔

آپ بزرگ ہیں اور فلسفۂ حیات و ممات سے بخوبی واقف ۔ میں آپ کو کیا بتا سکتا ہوں ۔ سوائے اس کے کہ تسلیم و رضا کا راستہ اختیار کرنے میں انسان کے تمام دکھوں کا مداوا اور روحانی امراض کا علاج ہے ۔ اور اس راہ سے آپ کچھ کچھ آشنا ہیں ۔

جو صدمہ اور غم آپ کو اور آپ کے بچوں کو ہو سکتا ہے وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا ۔ آگ کی تپش صرف وہی جگہ محسوس کر سکتی ہے جہاں آگ جل رہی ہو ۔ لیکن تھوڑی بہت اس کے قریب بیٹھنے والوں کو بھی ضرور محسوس ہوتی ہے ۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں بھی آپ کے اس غم میں اگر برابر کا نہیں تو بقدر قربت ضرور شریک ہوں ۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے زخموں پر تسکین و اطمینان کا مرہم لگائے ۔ اور بیگم صاحبہ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کو اپنے ان بندوں میں داخل کرے "لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔" آمین ۔ (خلیل الرحمٰن)

بخدمت مکرم و محترم جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی اہلیہ محترمہ کے انتقال پرملال کا بہت صدمہ ہوا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس روز ہمارے چچا زاد بھائی شیخ عبدالمجید فوت ہوئے ۔ زندگی کا کیا بھروسہ ہے ۔ دعائیں تو بہت ہوئیں لیکن اس وقت کا علاج نہیں ۔ زود یا بدیر منزل تو سب کی یہی ہے ۔ ہاں مقام اپنا اپنا ہے ۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جوارِ رحمت میں جگہ دے ۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔ آمین ۔ ثم آمین

شریکِ غم

نثار احمد سیالکوٹ

محترمی و معظمی ڈاکٹر صاحب ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ جمعرات ۲۷ کو

اخبار پیغام صلح سے یہ معلوم کرکے دل کو انتہائی دکھ اور صدمہ ہوا کہ آپ کی رفیقۂ حیات داغِ مفارقت دے گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بیوی اور پھر ایک نیکوکار اور پاکباز رفیقۂ حیات ایک نعمت ہوتی ہے۔ میاں بیوی تکمیل بشریت کے لئے ضروری ہیں۔ اور جب دونوں خدا کے احکام پر چلنے والے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے مل کر اس کو یاد کرنے والے ہوں مرحومہ کی پاکبازی اور تعلق باللہ کا ثبوت ان کی اولاد ہے۔ اس کبرسنی میں آپ کو خدمت دین کے لئے انتھک کوشش کا جو موقع ملا وہ اس پاکباز رفیقۂ حیات کی ہمرنگی کے باعث تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کو اور آپ کی اولاد کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۳/۲۸ بعد نماز جمعہ مرحومہ کا جنازہ غائبانہ احباب جماعت نے پڑھا۔

والسلام

فخرالدین احمد۔ راولپنڈی

مکرم و محترم ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج اخبار پیغام صلح دو بجے ملا۔ جس میں آپ کی رفیقِ حیات کی وفات کی لرزہ خیز۔ اندوہناک۔ حسرت ناک خبر تھی کہ وہ درمیانی رات ۱۶/۱۷ مارچ اس جہانِ فانی سے ملکِ جاودانی کو ہمیشہ کے لئے چلی گئیں۔ پروردگارِ عالم آپ کو صبر دے اور مرحومہ کے درجات بلند کرے۔ میرے مربی ڈاکٹر صاحب آپ کی رفیقِ حیات ایسے وقت میں آپ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوئیں جبکہ ان کی رفاقت کی آپ کو بڑی ضرورت تھی۔ اگر موت نہ ہوتی انسان کی قدر نہ ہوتی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دلِ حزیں کو تسکین دے۔ اور مرحومہ کے درجات بلند کرے۔ آمین۔ ثم آمین۔

والسلام

فضل داد پنشنر گجرات

بیان القرآن کی اشاعت نو

جیسا کہ احباب کرام کو معلوم ہے "بیان القرآن" کا موجودہ ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اور یہ تفسیر تین جلدوں کی بجائے دو جلدوں میں شائع کی گئی تھی۔ موجودہ ایڈیشن میں بعض خوبیاں بھی تھیں اور یہ نقص بہت سے پڑھنے والوں نے محسوس کیا کہ عبارت بہت باریک لکھی گئی ہے۔ جس سے قاری کی بینائی پر بہت زور پڑتا ہے۔ اس لئے انجمن نے فیصلہ کیا ہے کہ اس تفسیر کا نیا عکسی ایڈیشن موجودہ صورت میں ہی یعنی دو جلدوں میں لیکن بڑے سائز (۲۹×۲۲/۸) پر شائع کیا جائے جس سے پڑھنے میں آسانی ہو۔ اور نہایت عمدہ کاغذ استعمال کیا جائے۔ اور خوبصورت جلد بنوائی جائے۔ ہمارے ایک مخیّر دوست نے اس غرض کے لئے پچاس ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا

اس تفسیر بے نظیر کے معنوی اور ظاہری حسن میں مزید اضافہ کا تقاضا ہے کہ یہ ہر قسم کی لفظی اغلاط سے بھی پاک ہو چنانچہ انجمن نے ایسا انتظام کیا ہے کہ اس کی صحت عبارت کے متعلق اچھی طرح تسلی کی جائے۔ قارئین "پیغام صلح" سے بھی درخواست ہے کہ اگر کسی دوست نے ترجمہ یا تفسیر میں کوئی لفظی غلطی دیکھی ہو تو اس سے جلد از جلد پتہ ذیل پر اطلاع دیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔

والسلام

سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

اخبار احمدیہ

تقریب نکاح

آج بعد نماز جمعہ جامع مسجد احمدیہ میں خاکسار نے عزیزہ سلمی پروین دختر محمد داؤد مرحوم آف ویبگراں کا نکاح ہمراہ رؤف احمد صاحب بی۔ اے خلف الرشید ماسٹر محمد ابراہیم آف دانہ ضلع مانسہرہ بعوض دس ہزار روپیہ حق مہر خاکسار نے پڑھا خطبہ نکاح میں حقوقِ زوجین پر روشنی ڈالی۔ اس خوشی میں جناب ماسٹر محمد ابراہیم صاحب نے مبلغ ایک صد روپیہ بمد اشاعت اسلام عطیہ دیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو جانبین کے لئے اور ان کے خاندان کے لئے موجب خیر و برکت بنائے۔ آمین۔

خاکسار عبدالرحمان امام مسجد احمدیہ پشاور

سانحہ ارتحال

یہ خبر جماعت کے تمام حلقوں میں نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ ہمارے نہایت قیمتی اور قابلِ قدر بھائی شیخ عبدالحمید صاحب آف سیالکوٹ چھاؤنی مؤرخہ ۱۷ مارچ ۱۹۸۰ء راولپنڈی میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ صاحب مرحوم کے انتقال کی افسوسناک اطلاع حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو اسی شام بعد از نماز مغرب ٹیلیفون پر ملی۔ اس سے کچھ دیر ہی قبل ہم اپنے بزرگ اور واجب الاحترام ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی بیگم صاحبہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر واپس گھروں میں پہنچے تھے۔ یہ اطلاع ملتے ہی دارالسلام سے تین چار افراد نے صبح سویرے سیالکوٹ جانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ محترم مخدوم سعد اختر صاحب جائنٹ سیکرٹری انجمن۔ محترم احمد صادق صاحب۔ محترم میاں فضل کریم صاحب اور مکرم بشارت احمد بقا صاحب دوسرے دن علی الصبح بذریعہ ویگن سیالکوٹ روانہ ہو گئے۔ اور ساڑھے دس بجے سیالکوٹ جا پہنچے اور شیخ صاحب مرحوم کے اعزاء و اقربا کے ساتھ شریک غم ہوئے۔ نماز ظہر کے بعد ان کا جنازہ کوٹھی سے اٹھایا گیا۔ جس کو اپنے عزیزوں کے علاوہ شہر اور چھاؤنی کے سینکڑوں شرفا نے جنازہ گاہ تک کندھا دیا۔ مرحوم کا جنازہ لواحقین کی خواہش کے مطابق محترم بقا صاحب نے پڑھایا اور نماز عصر سے قبل تک انہیں ان کے خاندانی قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

شیخ صاحب ایک عرصہ سے بعارضہ اختلاج قلب علیل تھے۔ اور اس موذی مرض کا بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے رہے۔ علاج معالجہ میں بھی رعایت اسباب سے حسب حکم الٰہی بھرپور استفادہ کیا گیا۔ مگر وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ اور آخر ۱۷ مارچ ۱۹۸۰ء کو اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ ثم انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ صاحب مرحوم بڑے با اخلاق مہذب۔ نرم گفتار۔ محب۔ مخلص خوش کلام اور متواضع انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو صبر عطا فرمائے۔ اور سب کو ان کا صحیح وارث بنائے۔ احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ایک اور وفات:۔ اخبار مکمل ہو چکا تھا کہ سیالکوٹ میں شیخ عبدالحمید مرحوم کے دوسرے بھائی شیخ عبدالقیوم بھی اچانک رحلت فرما گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ (مفصل آئندہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ مؤرخہ ۲۳ اپریل ۱۹۸۰ء۔ رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۴۔ شمارہ ۱۴ جلد ۶۷

دفتر مقامی جماعت دارالسلام

باہتمام ارباب حسین الحمد پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس۔ برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے بیس روپے
بیرونی ممالک سے ... روپے علاوہ محصول ڈاک

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا"

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد: ۶۷ | یوم چہار شنبہ ۲۳ جمادی الاول سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۹ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ ۱۵

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ایمانی قوت سے انسان راہ حق میں پیش آنے والی تکالیف پر غالب آسکتا ہے

ہر ایک قدم جو صدق اور تلاش حق کے لئے اٹھایا جاوے اس کے لئے بہت بڑا ثواب اور اجر ملتا ہے۔ مگر عالم ثواب مخفی عالم ہے جس کو دنیا دار کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ بات یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ باوجود آشکارا ہونے کے نہاں در نہاں ہے اور اس لئے الغیب بھی اس کا نام ہے۔ اسی طرح ایمان بالغیب بھی ایک چیز ہے جو گو مخفی ہوتا ہے مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے۔ اگر خدا پر ایمان ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں میں وہ صدق و حق کی تلاش اور پیاس نہیں پائی جاتی جو ایمان کا خاصہ ہے۔

خدا کی راہ میں سختی کا برداشت کرنا اور مشکلات اور مصائب کے جھیلنے کیلئے ہمہ تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک سے ہوتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اس کا نمونہ صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہوئے تو کون سی بات تھی۔ جو اُن کو امید دلاتی تھی کہ اس طرح ایک بیکس ناتواں انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو ثواب ملے گا۔ ظاہری آنکھ تو اس کے خلاف یہ دکھاتی تھی کہ اس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ جس کا نتیجہ صریح یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اور وہ چکنا چور کر ڈالے گا۔ اس طرح پر ہم ضائع ہو جائیں گے۔ مگر کوئی اور آنکھ بھی تھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا اور اس راہ میں مر جانا ان کی نگاہ میں ایک راحت اور سرور کا موجب تھا۔ انہوں نے وہ کچھ دیکھا تھا جو ان ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہی دور تھا۔ وہ ایمانی آنکھ تھی۔ اور ایمانی قوت تھی جو ان ساری تکلیفوں اور دکھوں کو بالکل ہیچ دکھلاتی تھی۔ آخر وہ ایمان ہی غالب آیا اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا کہ جس پر ہنستے تھے اور جس کو ناتواں اور بیکس کہتے تھے اس نے اس ایمان کے ذریعہ ان کو کہاں پہنچا دیا۔ وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا پھر ایسا آشکارا ہوا کہ اس کو دنیا نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ہاں یہ اس کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہؓ کی نہ تھکی نہ ماندہ ہوئی۔ بلکہ قوت ایمان کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم الشان کام کر دکھائے ؛

اعتذار:- پریس کی مشینوں میں کسی تکنیکی خرابی کے باعث پیغام صلح دیر سے شائع ہو رہا ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے ہم معذرت خواہ ہیں۔
(ادارہ)

۹ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء شمارہ ۱۵

دوست محمد

بیادِ نورالدین اعظمؒ

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نورِ دیں بودے ٭ ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

سلسلہ احمدیہ کا وہ بطلِ جلیل جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اولین معاونین میں سے تھا جس کے وجود میں علم و فضل اور تعلق باللہ کا نور نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔ جس کی شخصیت نہ صرف جماعت احمدیہ بلکہ بیرونِ جماعت بھی بڑے بڑے رؤسا اور علماء کے نزدیک مسلّم تھی۔ ان کی وفات کا دن (۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء) ہر سال ان کی عظمتِ شان کی یاد دلاتا ہے ان کی یاد میں آج ہم قارئین کے افادہ کے لئے آپ کے اخلاقِ فاضلہ کے چند پاکیزہ نمونے پیش کرنا چاہتے ہیں اس جگہ ہم یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت مولانا نورالدینؒ کا وجود حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک بیّن نشان تھا۔ خود اعلیٰ درجہ کی عالمانہ حیثیت اور تعلق باللہ رکھتے ہوئے بھی آپ کا حضرت مرزا غلام احمد کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونا اور تمام دنیاوی تعلقات پر لات مار کر دلی خلوص کے ساتھ آپ کے در پر دھونی رما کر بیٹھ جانا بتاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب واقعی مجدد زماں اور مسیح موعود تھے۔ جن کی مسیحائی کی کشش اتنی بڑی شخصیت کو بھی کھینچ لائی اور وہ جو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک مجدد کے زمانہ میں تمام غوث، قطب اور ابدال اسی کے توسط سے فیض روحانی حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنے عملی نمونہ سے اسے سچا ثابت کر دکھایا اور خود ولی اللہ ہوتے ہوئے بھی حضرت مجدد زماں سے فیض روحانی حاصل کرنا ضروری سمجھا اس سے بیشتر آپ مکہ معظمہ کے ایک بزرگ شاہ عبدالغنیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور عملاً انقطاع الی اللہ کا شاندار نمونہ ان کے وجود میں نظر آتا تھا۔ تاہم حضرت مجدد وقت کے روحانی فیوض سے متمتع ہونا ضروری سمجھا۔

علم طب میں آپ کی اعلیٰ قابلیت اور علم دین میں بلند ترین مہارت کی وجہ سے حضرت مولانا کی شہرت ہو چکی تھی۔ چنانچہ بحیثیت طبیب مہاراجہ جموں و کشمیر کے درباریوں میں شامل ہو کر حسن کردار اور توکل علی اللہ کا جو شاندار نمونہ آپ نے پیش کیا۔ اس نے مہاراجہ اور رانیوں کے علاوہ عام ہندوؤں اور مسلمانوں میں ان کی عظمت کو دوبالا کر دیا۔ مہاراجہ کے دربار میں انہیں ایک ممتاز درجہ حاصل تھا اور اپنی آمد کا کثیر حصہ راہِ خدا میں صرف کرنا ان کا شعار بن چکا تھا اور کئی مرتبہ تہی دست ہونے کے باوجود آپ کی حاجات کو اللہ تعالیٰ اس طرح پوری کرتا تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ نورالدین کو اللہ تعالیٰ ہی کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اسی مقولہ کی صداقت کئی مرتبہ دیکھنے میں آئی، کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ مہاراجہ جموں نے ان کے اس مقولہ کی صداقت کو آزمانے کے لئے کسی ایسے جنگل کا دورہ کرنے کا پروگرام بنایا جہاں دور دور تک کھانے پینے کی کوئی چیز میسر نہ آئے۔ چنانچہ جب وہ اپنے درباریوں کے ساتھ جن میں حضرت مولانا بھی شامل تھے، کسی ایسے جنگل میں پہنچے تو وہاں قیام کرنے کے بعد مہاراجہ نے حکم صادر کیا کہ کوئی شخص آگ نہ جلائے اور نہ کچھ پکائے ہم دیکھیں گے کہ مولانا کا خدا کس طرح انہیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔ ایسی حالت میں جب سب لوگ بھوکے بیٹھے تھے تو کسی گاؤں سے ایک ہندو جو آپ کے عقیدت مندوں میں سے تھا آپ کی آمد کی خبر سن کر اپنی بیوی سے ملوا کر پوریاں آپ کے لئے بنوائیں اور ایک طشت میں لا کر آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے بمع شاگردوں کے جو آپ کے ساتھ تھے پیٹ بھر کر کھایا اور فرمایا کہ مہاراجہ سے جا کر کہہ دو کہ "تم اس ملک کے والی ہونے کے باوجود بھوکے بیٹھے ہو لیکن نورالدین کو اس کے خدا نے اس ویرانہ میں بھی بھوکا نہیں رہنے دیا۔

اس قسم کی کئی مثالیں آپ کی زندگی میں ملتی ہیں۔ صرف ایک اور واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ جب ریاست کی ملازمت سے آپ ریٹائر ہوئے تو وطن واپس آنے کے لئے آپ کے پاس کوئی نقدی یا زادِ راہ نہ تھا۔ بہت بڑی لائبریری اور سامان لیت آپ کے پاس تھا جس کو لانا بظاہر حالات ناممکن تھا۔ ایسی حالت میں ایک شخص نے آپ سے عرض کی کہ "آپ کو کئی مرتبہ سمجھایا تھا کہ اپنی جیب میں کچھ پس انداز بھی رکھا کریں۔ اب دیکھو اس نصیحت پر عمل نہ کرنا کس قدر مصیبت کا موجب ہے" لیکن آپ کے چہرہ پر کوئی ملال نظر نہ آتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ہندو سرمایہ دار کا ایک گماشتہ آیا اور آپ سے عرض کی "میرے آقا نے مجھے کہلا بھیجا ہے کہ حضرت مولانا کی خدمت میں عرض کرو کہ جس قدر رقم کی ضرورت ہو مجھے ارشاد فرمایا جائے تاکہ میں لا کر حاضر کر دوں" آپ نے فرمایا کہ انہیں کہہ دو کہ ہمیں کسی رقم کی ضرورت نہیں۔ وہ ناصح شخص بھی پاس ہی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ "یہ آپ نے کیا غلطی کی کہ ضرورت کے وقت پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ فرمایا کہ کسی سے مانگنا نورالدین کی عادت نہیں۔ اسی اثنا میں ایک رانی صاحبہ کی طرف سے ان کا نوکر اشرفیوں کی تھیلی لے کر آیا کہ رانی صاحبہ کا ارشاد ہے کہ ہم نے سنا ہے آپ جا رہے ہیں۔ یہ ہدیہ ہماری طرف سے قبول فرمائیے۔ آپ نے وہ تھیلی رکھ لی اور ناصح شخص سے کہا کہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا عطیہ جو کسی سے مانگے بغیر ہمیں ملتا ہے"۔

ایسا توکل اور تعلق باللہ رکھنے والا شخص جب قادیان جیسے گاؤں میں حضرت صاحب کے قدموں میں آ بیٹھا باوجودیکہ چاروں طرف سے آپ پر کفر کے فتوے لگ رہے ہوں۔ گالیاں اور ایذائیں دی جا رہی ہوں۔ تو اس کا یہ عمل حضرت مرزا غلام احمد کی صداقت کا کھلا نشان نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت مولاناؒ کے وجود سے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ جس مخلصانہ ارادت و محبت کا اظہار ہوتا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ آپ کو جس عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں پاک وجود ایک دوسرے کے رازداں تھے اور ایک دوسرے کی پاک باطنی اور للّٰہیت کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کھلے لفظوں میں حضرت مولانا کی بعض صفات کا اظہار کیا اور اپنی تحریرات میں آپ کی جلالتِ شان کا ذکر فرمایا اور لکھا کہ:۔

"وہ میرے رب کی آیات میں سے ایک آیت ہے۔"

"میری فراست نے مجھ کو بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے۔"

"بلاشبہ وہ مشکوٰۃ نبوت کے انوار سے منور ہے۔ اور اپنی پاک طینتی اور شان مردی کے سبب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے نور لیتا ہے:

"میرے ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں کہ اس کے لبوں پر حکمت بہتی ہے اور آسمانوں کے نور اس کے پاس نازل ہوتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ اس پر نزول انوار متواتر ہو رہا ہے۔"

"پس وہ جوان کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑا جیسے

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

سورۂ جمعہ کا مضمون عام ہے مگر اس کا ہماری جماعت سے ایک خاص تعلق ہے

حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کی اصل غرض ایک متقی جماعت بنانا تھا۔

اگر ہم ایک کامیاب اور منظم تبلیغ اسلام کرنے والی تاریخی قوم بننا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اپنا تزکیہ کرنا چاہیئے۔

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۱۱/اپریل ۱۹۸۰ء فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی۔ جامع احمدیہ۔ دارالسلام لاہور

فاسعوا الیٰ ذکر اللہ

یاایھا الذین اٰمنوآ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ واللہ خیر الرّٰزقین“

(سورت الجمعۃ : ۶۲ : آیات ۹ تا ۱۱)

ترجمہ:۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آجاؤ اور کاروبار کو چھوڑ دو۔ اگر تم علم رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو۔ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ اور جب تجارت یا کھیل دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔ اور تجھے کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ کہو جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔“

سورۃ جمعہ کا مضمون عام ہے اور دراصل اس میں تمام مسلمان مخاطب ہیں۔ مگر اس کا ہماری جماعت سے خاص تعلق ہے۔ اول تو اس کے پہلے رکوع میں اس بے نظیر تزکیہ کا ذکر ہے۔ جو قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے اس قوم کا کیا گیا جو مسلمہ طور پر بدیوں اور بداخلاقیوں کے گڑھے میں اوندھے منہ پڑی تھی۔ عام طور پر جب انسان سے کوئی غلطی ہو جائے یا بُری بات یا بدی ہو جائے تو شروع شروع میں اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا ہے۔ اگر انسان اس ملامت کی باطنی آواز پر کان دھرے اور توبہ اور اصلاح کرلے تو وہ مزید بدیوں سے بچ جاتا ہے اور اگر انسان بدیوں پر مصر رہے تو آہستہ آہستہ اس کے ضمیر کی آواز اس کی باطنی قساوت قلبی میں دب جاتی ہے۔ اور پھر بدی پر پشیمان تو کیا ہونا انسان اس پر فخر کرنے لگتا ہے۔ یہ انتہائی بدی کا مقام ہے جس پر کوئی انسان یا قوم گر سکتی ہے۔ اسی مقام پر عرب کی قوم تھی جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا گیا:۔

مشکل ترین کام:۔ دنیا کے سب کاموں میں مشکل ترین کام ہے۔ لوگوں کا تزکیہ کرنا۔ ان کی باطنی اصلاح کرنا۔ آپ کبھی خود کر کے دیکھ لیجئے جو آپ کے ماتحت ہیں یا دست نگر ہیں۔ مثلاً آپ کے بیوی بچے۔ انہی کی اصلاح کی کوشش کر کے دیکھ لیجئے! کتنا مشکل کام ہے۔ آج والدین کیوں روتے پھرتے ہیں الا ماشاء اللہ کہ ان کی اولاد ان کی سنتی نہیں۔ گمراہ اور بدراہ ہو گئی ہے۔ ان سے گستاخی اور بدکلامی پر اتر آئی ہے۔ ان کے دل کو توڑ کر انہیں چھوڑ جاتی ہے۔ تو جب بیوی بچے انسان کی سنتے نہیں تو باہر کی قوم اور وہ بھی جاہل۔ اکھڑ قوم جو دشمن ہو کر خون کی پیاسی بن گئی اس کی اصلاح اور تزکیہ کا کام کتنا مشکل تھا۔ اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کس کامیابی سے کیا کہ ۲۰/۲۲ سال کی قلیل مدت میں جو قوم جانوروں سے بدتر تھی انہیں نہ صرف انسانیت کے مقام پر لا کر کھڑا کر دیا بلکہ انسانیت سے بھی بلند تر اولیاء اللہ کے مقام تک پہنچا دیا۔ اگر ہم کہیں تو ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں۔ دشمنوں نے اس کا اقرار کیا ہے۔ دنیا کی ثقہ ترین کتاب انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں قرآن کے ٹائیٹل کے نیچے پہلا فقرہ لکھا ہے۔ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کا کامیاب ترین مصلح (محمد صلعم) تھا اور قرآن کے نیچے لکھ کر یہ کتاب خود کہہ گئی کہ اس مشکل ترین بلکہ بظاہر ناممکن کام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے ذریعہ سے کیا:۔

بہترین شہادت:۔ ہمارے لئے انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا سے بھی بڑھ کر سند قرآن مجید کی ہے۔ جس نے سورۃ جمعہ کی ابتدائی آیات میں ہی فرمایا کہ یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ ویزکیھم یعنے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی آیات پڑھتا ہے۔ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان کو اس کتاب کا علم پہنچاتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف فرما کر قرآن فرماتا ہے۔ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم یعنے ایک اور بھی جماعت ہے جو انہی میں سے ہے۔ اگرچہ وہ انہیں ملے نہیں۔ حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپؐ پر سورۃ جمعہ نازل ہوئی تو میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ اٰخرین منھم میں کن کا ذکر ہے تو آپؐ نے میرے تین دفعہ سوال دہرانے پر اپنا ہاتھ سلمان فارسی کے کندھے پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا پر ہو جائے تو ان (یعنے فارسی النسل) قوم میں سے ایک انسان اس کو جا کر لے آئیگا۔

مسیح موعودؑ:۔ یہ وہی مسیح موعود ہے جس کا ذکر اس سے پہلی سورت الصّف کے آخیر میں ہے کہ جس طرح پہلے عیسیٰ ابن مریم نے پکارا تھا کہ کون میرا مددگار ہوتا ہے اللہ کے کام کے لئے تو اس کا مثیل جب آئے گا۔ تو وہ بھی من انصاری الی اللہ پکارے گا تو اے مومنو تم اس کی مدد کو جانا۔ اور انہی آیات میں جو دینِ حق کے دوسرے تمام دینوں پر غالب آنے کی پیشگوئی ہے اس کے بارہ میں مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ یہ کام مسیح موعود کے ہاتھوں ہوگا۔ انہی آیات میں جو عیسائیت کا اسلام پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر کے اس کو ختم کرنے کی کوشش کی پیشگوئی ہے وہ بھی انیسویں صدی میں پوری ہوئی۔ اور عیسائیت اور ان کے دیکھا دیکھی آریہ سماج اور دوسرے مذاہب کا اسلام پر اعتراضات کے ذریعہ حملہ آور ہونا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ان کا منہ توڑ جواب دینا اور اسلام کو غالب کر کے دکھانا یہ سب کچھ ہم نے پورا ہوتا دیکھا:۔

مگر اس کام کو جاری رکھنے کے لئے اور اسلام کے جھنڈے کو مغرب میں گاڑنے کے لئے حضرت اقدس نے جو جماعت بنائی اس میں سے آپ وہ خوش نصیب ہیں جن کے پاس آج اسلام پر بہترین لٹریچر ہے۔ مگر اشاعت اسلام کے راستہ میں جو عملی روک ہے وہ خود ہمارا عمل ہے۔ آپ بارہا سن چکے ہیں کہ اسلام کی برائی کرنے کی بجائے اب اہلِ مغرب اسلام کی تعریفیں کرنے لگے ہیں۔ مگر اسلام قبول کرنے کی راہ میں روک وہ نمونہ ہے۔ ب

مالوں کا ہے اور جو خود ہمارا ہے۔ اسلیئے اگر ہم وہ خوش نصیب اور کامیاب بلکہ تاریخی
ہم بننا چاہتے ہیں جو مغرب میں اسلام کو پہنچانے والی ہوئی تو ہمیں سب سے پہلے خود
پاتزکیہ کرنا چاہیئے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود نے بار بار زور تقوے پر دیا ہے۔ ایک دفعہ
پ کے ایک مرید نے کسی موقعہ پر کہہ دیا کہ حضرت اقدس کے آنے کا مقصد وفات مسیح کو ثابت
کرنا ہے تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمارے آنے کی اصل غرض ایک متقی جماعت بنانا ہے
جس کا تزکیہ باطنی ہمارا فرض ہے۔ اشاعت اسلام ایسی ہی جماعت کامیابی سے کرسکتی ہے
اور اسی لئے ہمارے بزرگ وہ کام کر گئے جو ہم سے نہیں ہو رہا۔

... قوم کا تزکیہ لئے تنگ قرآن پاک سے کیا۔
مشکل ہے۔ کیونکہ ان کی روزی کا اس پر انحصار ہے کہ وہ کاروبار میں لگے رہیں۔ اور خصوصاً
بیع کا ذکر فرمایا یعنے جب حاضر سودا ہو رہا ہو تو اسے بھی چھوڑ دو اور فوراً آ جاؤ۔ یہ تمہارے لئے
زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہوتے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ تجارت اور کھیل کود سے
بہت بہتر ہے۔ واللہ خیر الرّازقین" اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔
یعنے اگر دنیاوی رزق چاہتے ہو تو وہ بھی وہی یرزق من یشاء بغیر حساب لینے جسے
چاہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔

فاسعوا کیوں فرمایا؟

سعی جس کے معنے دوڑنے یا تیزی سے آنے کے ہیں دو وجہ سے فرمایا: اول تو احساس
دلانے کے لئے جس طرح تم اپنے دنیاوی فائدہ کے لئے اٹھ دوڑتے ہو جمعہ کی نماز میں جو فائدہ
ہے اگر تم جانتے ہوتے تو تم اس کے لئے سب سے زیادہ دوڑتے۔ میں تو حسرت سے حضرت
امیر مرحوم کے زمانہ کو یاد کرتا ہوں۔ ان کا خطبہ نہ صرف روحانی رزق بلکہ روحانی زندگی کا باعث
ہوتا تھا میں نوکری کے سلسلہ میں بمبئی یا سندھ کے صوبوں میں دور دراز فاصلہ پر پڑا تھا مجھے
سارا ہفتہ اخبار پیغام صلح کا انتظار رہتا تھا جیسے ہی آتا میں فوراً کھول کر حضرت امیر مرحوم کا خطبہ
جمعہ پڑھ کر اپنے اندر ایک نئی روحانی زندگی کی لہر محسوس کرتا۔ جب وہ پہاڑ پر چلے جاتے
اور خطبۂ جمعہ نہ چھپتا تو مجھے تو اخبار پیغام صلح مردہ اخبار نظر آتا۔ اور خود مجھ پر بھی روحانی
مردنی آ جاتی۔ جسمانی زندگی کی طرح روحانی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے وقتاً فوقتاً غذا کی ضرورت
ہوتی ہے۔ دوسری وجہ دوڑ کر یا جلدی آنے کے الفاظ استعمال کرنے کی یہ ہے کہ جمعہ کی نماز
کی اصل روح اس کا خطبہ ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو خطبہ کے لئے نہ پہنچا
اس کی نماز نہ ہوئی۔ اگرچہ وہ نماز با جماعت میں شامل ہو بھی گیا ہو۔ اسی خطبہ کی خاطر ظہر کی نماز کو
مختصر کرکے دو سنت خطبہ سے پہلے اور ظہر کے چار فرض کم کرکے دو رکعت کر دیئے گئے تاکہ
نماز کو ہلکا کرکے خطبہ کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت نکالا جائے۔ بدقسمتی سے لوگوں میں
یہ غلط فہمی عام ہے کہ اصل چیز وہ دو رکعت فرض نماز ہے وہ مل گئی تو جمعہ کا فرض ادا ہو گیا
اسی لئے بجائے دوڑ کر آنے یا جلدی سے آنے کے لوگ آہستہ آہستہ مزے مزے سے آتے
ہیں۔ شاید وہ خطبہ کو ایک چٹی یا "بور" چیز سمجھتے ہیں۔
ایک اور بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اذا نودی للصّلوٰۃ

جمعہ کی اذان:۔ یعنے جب نماز جمعہ کے لئے ندا دی جائے تو لوگ دوسری اذان
شاید سمجھتے ہیں اسی لئے قریب کے لوگ تو دوسری اذان پر گھر سے چلنے کی سوچتے ہیں۔ دوسری

اذان تو بعد میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مقرر ہوئی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے
زمانہ میں صرف وہ اذان تھی جسے ہم پہلی اذان کہتے ہیں۔ تو اذان پر لبیک کرآنے کا حکم پہلی اذان پر
ہے۔ بہرحال خطبہ شروع ہونے سے پہلے مسجد میں پہنچ کر اور دو رکعت سنت نماز پڑھ کر خطبہ
سے یعنے موجودہ دوسری اذان سے قبل فارغ ہو جانے کا حکم ہے۔ اللہ تعالےٰ اور اس کے
رسول مقبول صلعم کے نزدیک اسکی اہمیت اتنی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب جمعہ کی اذان
ہوتی ہے (یاد رہے کہ یہ پہلی اذان ہے) تو دو فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں
اور آنے والوں کے نام ایک کتاب میں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اور جونہی امام خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا
ہے تو وہ فرشتے کتاب بند کر دیتے ہیں اور مسجد کے اندر آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور خطبہ کو توجہ سے سنتے

کیا ثواب ہے تو تم تلوار سے لڑکر یہ ثواب لینے۔ کیا ڈسپلن ہے جو اسلام نے سکھانا چاہا
مگر افسوس ہے کہ ہم ان چیزوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ جب میں خطبہ
کے لئے لوگوں کو جا ہے وہ تھوڑے ہی ہوں دور دور بیٹھا دیکھتا ہوں تو میرا اپنا ذوق ٹھنڈا
پڑ جاتا ہے۔ اگر خطبہ میں کشش ہوتی تو لوگ اس کی طرف بڑھتے۔ کرکٹ میچ ہو تو لوگ اگلی
سیٹ کے لئے گھنٹہ گھنٹہ پہلے جاکر قطار لگاتے اور انتظار کرتے ہیں۔ کہ دروازہ کھلے تو
اندر دوڑ کر اگلی سیٹ لیں۔ اور پھر سارا دن کس توجہ اور ذوق شوق سے دیکھتے ہیں۔ سو سو روپیہ
بلکہ ہزار روپیہ فی ٹکٹ خرچ بھی کرتے ہیں۔ مگر خطبۂ جمعہ جو مفت ہوتا ہے۔ اس کے لئے گھنٹہ
بھر پہلے تو کیا آنا عین وقت پر بھی نہیں آتے۔ اسی لئے کہ پرواہ نہیں۔ ہم خطبہ کو ایک رسم
بلکہ ہم سے بعض شاید چٹی سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض تو خطبہ میں گھڑی دیکھتے ہیں کہ ہم نے جو اسے
وقت دیا تھا وہ کب پورا ہو تو ہماری خلاصی ہو۔ میں جب یہ دیکھتا ہوں تو میرا دل سرد پڑ
جاتا ہے کہ میں یونہی لوگوں کے لئے "بور" ہو رہا ہوں۔ اگر خدا کا خوف نہ آ جاتا تو میں تو
خطبہ کو فوراً ختم کرکے بیٹھ جاتا۔

میں تو شاباش ان بچوں کو دیتا ہوں جو یہاں ماشاء اللہ بکثرت آتے ہیں۔ ان
میں سے اکثر کو خطبہ کا شائد کوئی حصہ ہی سمجھ آتا ہو۔ مگر کس قدر شوق سے آتے۔ خاموشی سے
بیٹھتے اور توجہ سے سنتے ہیں۔ میں ایک بچہ کا بلکہ دو چار بچوں کا نام لے کر ذکر کرنا چاہتا تھا
کہ ان کے والدین کو دیر ہو تو وہ دارالسلام کے ہیں تو خود اکیلے وقت سر آ جاتے ہیں اور اگر
ذرا فاصلہ سے آتے ہوں تو کسی اور کے ساتھ آ جاتے ہیں۔ مگر ان کا نام لینے میں شائد ان کے
والدین کی پردہ دری ہو۔ اور بہرحال میں چاہتا ہوں کہ یہ تمام بچے میری قدردانی میں فرق نہ دیکھیں
اسی لئے میں صرف چند کا نام نہیں لیتا۔ مگر اللہ تعالےٰ ان نونہالوں کو دیکھتا ہے۔ وہ ان
کے ذوق وشوق سے باقاعدہ آنے اور خاموشی اور توجہ سے خطبہ سننے کو ضرور دیکھ رہا ہے
اور ان قابل فخر نئی نسل کو انشاءاللہ دین اور دنیا کی نعمتوں سے مالامال کرے گا۔ میں جب
اپنی جماعت کے بچوں اور بعض نوجوانوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے احمدیت کے مستقبل کی بالکل
فکر نہیں رہتی۔

والدین کی ذمہ داری

مگر جن والدین کے بچے نہیں آتے انہیں ضرور فکر کرنی چاہیئے۔ میں نے کچھ عرصہ ہوا خطبہ
دیا تھا کہ قرآن اور حدیث بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا بوجھ والدین پر ڈالتے ہیں نہ حکومت

(۱۲ کالم ۳ پر)

ایک عزیز کے سوالوں کا جواب

از:- چوہدری شکر اللہ خان صاحب منصور

ہمارے ایک عزیز کا سوال ہے کہ جب لاہوری اور قادیانی دونوں احمدی جماعتیں حضرت مرزا صاحب کو ایک معنی میں یا ایک قسم کا نبی مانتی ہیں تو پھر اس صورت میں ان دونوں جماعتوں میں :- (۱) اختلافِ عقیدہ کیوں اور کیا ہے ؟

میں نے عزیز موصوف کو بتلایا کہ اس موضوع پر جماعت لاہور کی طرف سے مفصل اور مدلّل طور پر کافی لکھا جا کر چھپا ہوا موجود ہے جس کی طرف انہیں توجہ دلائی گئی مگر ان صاحب کو اصرار ہے کہ ان سوالوں کا انہیں مختصراً مگر مکمل "ڈائریکٹ" جواب دیا جائے۔ مضمون ہذا کے ذریعے ان کی اس خواہش کو پورا کیا جاتا ہے مگر ذاتی خط سے نہیں بلکہ پیغام صلح میں چھپوا کر تا شاید اسی قسم کی سوچ و فکر رکھنے والے کسی اور صاحب کے لئے بھی باعثِ استفادہ ہو جائے ۔

پہلا سوال :- لاہوری اور قادیانی جماعتوں میں اختلافِ عقیدہ کیا ہے ؟

الجواب :- ہمارے عزیز موصوف پر واضح ہو کہ جس طرح دونوں جماعتیں مانتی ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے ایک معنی میں یا ایک قسم کا نبی ہونے کا اقرار کیا ہے اسی طرح آپ نے اپنی تحریروں میں مندرجہ ذیل امور کا بھی بالوضاحت اقرار کیا ہے :۔

اوّل :- نبوت دو قسم کی ہے ۔

جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب خلیفۂ ثانی جماعتِ قادیان لکھتے ہیں کہ :۔

" جناب مولوی صاحب ! (مولوی محمد علی صاحب) مجھ پر الزام لگاتے ہیں کہ میں نبوت کی تین قسمیں بتاتا ہوں ۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود صرف دو نبوتیں قرار دیتے ہیں ۔ ایک نبیوں کی اور ایک محدثوں کی ۔" (حقیقۃ النبوۃ ص ۲۳۶)

دوم : محدث ایک قسم کا نبی ہے

اسی بنا پر مسلّمہ فریقین ہے کہ محدث بھی ایک قسم کا نبی ہوتا ہے جیسا حضرت مرزا صاحب نے تحریر فرمایا :۔

۱ :- محدث بھی ایک معنی میں نبی ہی ہوتا ہے ۔" (توضیح مرام ص ۹)

۲ :- وہ اگرچہ کامل طور پر اُمتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے ۔ (ازالہ اوہام ص ۵۶۹)

اور میاں صاحب بھی لکھتے ہیں :۔

۱ :- محدثیت بھی ایک قسم کی نبوت ہے یا یہ کہ محدث بھی ایک قسم کا نبی ہے ۔" (حقیقۃ النبوۃ ص ۲۳۵)

۲ :- ہم کب کہتے ہیں کہ محدثوں میں بھی ایک قسم کی نبوت نہیں پائی جاتی ۔" (حقیقۃ النبوۃ ص ۲۷۹)

لہٰذا نبوت کا دو قسم کی ہونا دونوں فریق کے نزدیک مسلّم ہے یعنے خود حضرت مرزا صاحب کے ارشادات کے مطابق ۔ اب یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ آپ کے نزدیک نبیوں کی نبوت اور محدثوں کی نبوت کے الگ الگ معنے اور تعریف کیا ہے ؟ اور ان میں فرق و امتیاز کیا ہے ؟

سوم :- نبوتِ انبیاء کے معنے اور تعریف

حضرت مرزا صاحب اپنی تحریروں میں نبوت کے دو قسم کے معنوں یا نبوت کی دو قسموں متذکرہ بالا کرتے ہیں اور نبیوں کی نبوت کے معنے اور تعریف حسب ذیل بیان فرماتے ہیں :۔

۱ :- صاحب نبوت تامہ ہرگز اُمتی نہیں ہو سکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور اُمتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے بکلی ممتنع ہے ۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے : وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے ۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو ۔" (ازالہ اوہام ص ۵۶۹)

۲ :- خدا تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی رسول دنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے ۔ جو اس پر بذریعہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے ۔" (ازالہ اوہام ص ۵۷۶)

۳ :- اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے ۔" (خط اخبار الحکم ۱۰ راگست ۱۸۹۹ء)

قرآن کریم اور اصطلاحِ اسلام کے ان معنوں کو حضرت مرزا صاحب اپنی تحریروں میں نبوتِ تامہ یعنی کامل نبوت اور حقیقی نبوت قرار دیتے ہیں یعنے نبیوں کی نبوت اور ایسا نبی ہونے سے آپ نے مسلسل اور پُر زور الفاظ میں انکار کیا ہے ۔ یہ امر بھی مسلّمہ فریقین ہے اور اسی وجہ سے آپ نے لکھا ہے کہ :۔ (۱) "ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں ۔" (اشتہار ۲۵ رجنوری ۱۸۹۷ء)

۲ :- میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں ۔" (آسمانی فیصلہ ص ۳)

۳ :- سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں ۔" (اشتہار ۲ راکتوبر ۱۸۹۱ء)

۴ :- میں مفصلہ ذیل امور کا صاف صاف اقرار اس خانۂ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں ۔ اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں ۔" (اشتہار ۲۳ راکتوبر ۱۸۹۱ء)

۵ :- مکفرین کے اعتراضوں میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول صریح کذب ہے ۔" (حمامۃ البشریٰ ص ۲)

۶ :- افترا کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے ۔" (کتاب … ص ۱۸۲ حاشیہ)

۷ :- مجھے کہاں حق پہنچتا ہے کہ میں دعوئے نبوت کر دوں اور اسلام سے خارج ہو جاؤں

اور قوم کا فرین سے جا کر مل جاؤں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ مسلمان ہو کر نبوت کا دعوے کروں۔"
(حمامۃ البشریٰ ص۷۹)

۸۔ جاہل مخالف میری نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی اور رسول ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ مجھے ایسا کوئی دعوے نہیں۔" (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ)

۹۔ "جو شخص شرارت سے میرے پر یہ الزام لگاتا ہے جو دعوے نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے۔" (اشتہار مذکور)

۱۰۔ "ایک اور نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ یہ ان کا سراسر افترا ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۳۹)

۱۱۔ یہ کہنا کہ نبوت کا دعوے کیا ہے کس قدر جہالت، کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔" (حقیقۃ الوحی تتمہ ص۶۸)

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے نبوت کا دعوے نہیں کیا۔" (سر الخلافہ ص۲)

۱۳۔ اس عاجز نے ان موجودہ علماء کے مقابل پر - - - - کئی مرتبہ خدا تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہا کہ میں کسی نبوت کا مدعی نہیں مگر پھر بھی یہ لوگ تکفیر سے باز نہیں آتے۔"
(مکتوب اخبار الحکم، ۲ر جنوری ۱۹۰۴ء)

ان تحریرات کے مصنف کو نبی ماننا اور نبوت کا مدعی قرار دینا از حد حیرت خیز ہے ہمارے عزیز موصوف اپنے ذہن و ضمیر سے ذرا دریافت کریں۔

چہارم:- محدث اور محدثیت کے معنے اور تعریف

حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

۱۔ صحیحین سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس امت میں بھی پہلی امتوں کی طرح محدث پیدا ہوں گے اور محدث بفتح دال وہ لوگ ہیں جن سے مکالمات و مخاطبات الہٰیہ ہوتے ہیں۔"
(براہین احمدیہ چہار حصہ حاشیہ در حاشیہ)

۲۔ محدث اسی طرح اللہ سے ہمکلام ہوتے ہیں جس طرح نبی ہوتے ہیں اور محدث اسی طرح بھیجے جاتے ہیں جس طرح رسول بھیجے جاتے ہیں اور محدث اسی چشمہ سے پیتے ہیں جس سے نبی پیتے ہیں۔" (حمامۃ البشریٰ ص۸۲)

۳۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا ہو۔ - - - ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جل شانہٗ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔" (نشان آسمانی ص۲۸)

۴۔ اگرچہ یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں حمایت دین کے لئے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرسل ہونے میں نبی اور محدث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا ویسا ہی محدثین کا نام بھی مرسل ہی رکھا ہے۔ اسی اشارہ کی غرض سے قرآن شریف میں وقفینا من بعدہٖ بالرسل آیا ہے اور یہ نہیں آیا کہ وقفینا من بعدہٖ بالانبیاء۔ پس یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسل سے مراد مرسل ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی ہوں یا محدث ہوں۔" (شہادت القرآن ص۲۷)

۵۔ قرآن شریف میں ہے فلا یظھر علی غیبہٖ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول کامل طور پر غیب کا بیان کرنا صرف رسولوں کا کام ہے۔ دوسرے کو یہ مرتبہ عطا نہیں ہوتا رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا رسول ہوں۔ یا محدث اور مجدد۔

اور خلیفہ ثانی جماعت قادیان میاں محمود احمد صاحب بھی لکھتے ہیں کہ:-

محدث پر خدا کے کلام کی بارش نازل ہوتی ہے۔" (حقیقۃ النبوۃ ص۲۳)

ان حوالہ جات میں محدث کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ وہ:-

۱۔ خدا کا مرسل یعنی فرستادہ ہوتا ہے۔ ۲۔ خدا کے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہوتا ہے۔
۳۔ غیب کی خبروں پر اطلاع دیا جاتا ہے۔" اور یہ تینوں امور نبوت کے کمالات میں سے ہیں:-

پنجم:- جزئی یا ناقص اور مجازی نبی

انہی کمالات کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب نے تحریر فرمایا:-

۱۔ محدث میں تمام اجزاء نبوت پائے جاتے ہیں لیکن بالقوۃ نہ بالفعل پس محدث بالقوۃ نبی ہے اور اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ بھی بالفعل نبی ہوتا۔"
(حمامۃ البشریٰ ص۸۱)

۲۔ محدث استعداد باطنی کی وجہ سے نبی ہوتا ہے کیونکہ محدث بالقوۃ نبی ہوتا ہے۔ اور کمالات نبوت سب کے سب تحدیث میں مخفی اور مضمر ہوتے ہیں اور باب نبوت کے بند ہونے کی وجہ سے اس کا ظہور اور خروج فعل تک ہی محبوس ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کی طرف اپنے قول میں "لو کان بعدی نبی لکان عمر" [illegible] اس بنا پر کہی ہے کہ عمر محدث تھا پس یہ اشارہ پایا گیا کہ مادہ نبوت اور تخم نبوت محدث میں موجود ہوتا ہے" - - - - - - - -
(حمامۃ البشریٰ ص۸۱)

اور بنا بریں جناب میاں صاحب خلیفہ ثانی جماعت قادیان لکھتے ہیں:-

"محدث کی نبوت جو میرے کلام میں آتی ہے یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں آتی ہے اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس میں بھی بعض کمالات نبوت پائے جاتے ہیں ان کمالات کی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ محدث میں بھی ایک قسم کی نبوت ہے یا یہ کہ محدث بھی ایک قسم کا نبی ہے۔" (حقیقۃ النبوۃ ص۲۳۸)

لیکن ان کمالات نبوت کے پائے جانے یعنی مکالمہ مخاطبہ الہٰیہ اور اظہار امور غیبیہ کی وجہ سے نبی ہونا - جزئی یا ناقص اور مجازی طور پر نبی ہونا ہے۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے فرمایا ہے:-

۱۔ محدث بھی ایک معنی میں نبی ہی ہوتا ہے۔ گو اس کے لئے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے اور امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔" (توضیح مرام ص۹)

۲۔ محدث جو مرسلین میں سے ہے امتی بھی ہوتا ہے۔ اور ناقص طور پر نبی بھی۔ امتی وہ اس وجہ سے کہ وہ بکلی تابع شریعت رسول اللہ اور مشکوٰۃ رسالت سے فیض پانے والا ہوتا ہے اور نبی اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نبیوں کا سا معاملہ اس سے کرتا ہے۔ اور محدث کا وجود انبیاء اور امم میں بطور برزخ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ وہ اگرچہ کامل طور پر امتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے۔" (ازالہ اوہام ص۵۶۹)

۳۔ تمام ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوت تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہوگا۔ ہاں نبوت ناقصہ اس میں پائی جائے گی۔ جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے۔" (ازالہ اوہام ص۵۳۳)

۴۔ مسیح موعود جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پانے والا لیکن اس جگہ نبوت تامہ کاملہ مراد نہیں کیونکہ نبوت تامہ کاملہ پر مہر لگ چکی ہے بلکہ وہ نبوت مراد ہے۔ جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے۔ جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتی ہے۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی۔" (ازالہ اوہام ص۷۰۱)

۵۔ مسیح گذشتہ کی نسبت قطعی طور پر فرمایا کہ وہ نبی تھا لیکن آنے والے مسیح کو امتی کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق آنے والا مسیح محدث ہونے کی وجہ سے مجازاً نبی بھی ہے۔" (ازالہ اوہام ص۳۴۹)

اور میاں صاحب موصوف بھی لکھتے ہیں:-

۱۔ محدث درحقیقت نبی نہیں ہوتا بلکہ بعض جزئی مشابہتوں کی وجہ سے اُسے جزئی نبی کہہ سکتے ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۲۳)

۲۔ محدثیت کی نبوت ایک جزئی نبوت ہے اصلی نہیں۔" (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۵)

۳۔ [illegible] ہم اس کی طرف نبوت منسوب کرتے ہیں تو صرف اس مطلب کو سمجھانے کے لئے ساتھ ہی [illegible] بعض کمالات نبوت پائے جاتے ہیں [illegible]

۱۔ محدث مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور اظہار امور غیبیہ سے مشرف ہوتا ہے۔ ۲۔ اس مکالمہ مخاطبہ اور اظہار امور غیبیہ کی وجہ سے محدث جزئی یا ناقص اور مجازی نبی کہلاتا ہے۔

۳۔ محدث باوجود مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور اظہار امور غیبیہ سے مشرف ہونے کے کامل حقیقی اصلی اور واقعی نبی نہیں ہوتا۔ بلکہ غیر نبی ہوتا ہے۔ اور بالفاظ دیگر یہ کہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور امور غیبیہ کا اظہار کامل۔ حقیقی۔ اصلی یعنی اصطلاح شریعت اسلام کے رو سے نبوت نہیں بلکہ جزئی یا ناقص اور مجازی نبوت ہے۔ جسے دوسرے لفظوں میں محدثیت کہتے ہیں جو درحقیقت غیر نبوت ہوتی ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی طرف سے اعلان عام

اسی بنا پر حضرت مرزا صاحب نے تمام مسلمانوں کے سامنے اس مفہوم و مطلب پر مبنی ایک اعلان شائع کیا کہ:۔

"تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصوّر فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابتداء سے میری نیت میں جس کو اللہ جلّ شانہٗ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکلّم مراد لئے ہیں۔" (اشتہار ۳ فروری ۱۸۹۲ء)

اس اعلان عام سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں ایک معنی میں یا ایک قسم کا نبی ہونے کا جو اقرار ہے اس سے مُراد نبی بمعنی محدث ہے جس کے خلیفہ ثانی جماعت قادیان بھی معترف ہیں:

میاں صاحب کا اعتراف خاص

جناب میاں صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب:۔

"۱۔ اپنی بعض تحریرات میں نبی ہونے سے انکار کرتے رہے ہیں اور صاف لکھتے رہے ہیں کہ آپ نبی نہیں بلکہ محدث ہیں اور یہ کہ آپ کی نبوت صرف محدثوں والی نبوت ہے۔"
(حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۲۹)

۲۔ آپ اپنے الہامات کی یہ تاویل فرماتے کہ نبی سے مراد محدث ہے۔ اور آپ کا درجہ محدثیت کا ہے۔ نہ نبوت کا۔" (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۲۳)

منقولہ بالا حضرت مرزا صاحب کا "اعلانِ عام" اور جناب میاں صاحب کا "اعترافِ خاص" شاہد ناطق ہیں کہ آپ نے اپنی تحریروں میں ایک معنی میں یا ایک قسم کا نبی ہونے کا جو اقرار کیا ہے اس میں نبی کے لفظ کا یہ استعمال جزئی، ناقص اور مجازی طور پر ہے۔ جس سے مراد محدث ہے۔ جو غیر نبی ہوتا ہے۔ اور یہی دعوےٰ آپ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ جیسا کہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔ ۱:۔ یہ عاجز خدا تعالےٰ کی طرف سے اس امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے۔" (توضیح مرام صفحہ ۹)

۲۔ اے بھائیو! میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے محدث بنا کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔"
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۶)

۳۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے دین کی تجدید کے لئے مجھے چن لیا اور مجھے محدثوں میں سے بنایا

۷۔ وہ نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہ و باتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔ اس کے ہم قائل ہیں اس سے زیادہ ہم پر جو شخص الزام لگاوے وہ تقوےٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے۔" (اشتہار مذکور)

۸۔ خلاصہ کلام یہ کہ میں محدث اللہ ہوں اور مامور من اللہ ہوں۔ ۔ ۔ ۔ اور مجھے محدثیت کا دعوےٰ ہے۔ نہ نبوت تامہ کا۔" (اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

اس جگہ ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ یا پیدا ہو سکتا ہے کہ جب حضرت مرزا صاحب محدث ہیں جو اصطلاح اسلام کے رُو سے غیر نبی ہوتا ہے تو پھر اس کو جزئی یا ناقص اور مجازی طور پر نبی کس بناء پر یا کس لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث میں ایسی اصطلاحات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس امر کی وضاحت حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنی تحریر مندرجہ ذیل میں کی ہے

"تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام و ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے۔ یا یہ کہ محدثیت جزئی نبوت ہے۔ یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کے رُو سے بیان کئے گئے ہیں ورنہ حاشا وکلّا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعوےٰ نہیں ہے۔" (اشتہار ۳ فروری ۱۸۹۲ء)

یعنے اصطلاح اسلام کے رُو سے جسے محدث کہتے ہیں۔ لغت کے معنوں میں وہ نبی کے لفظ کا مصداق ہے۔ اور لغت جسے نبی کہتی ہے۔ اصطلاح اسلام میں وہ محدث ہے۔ اسی وجہ سے جناب میاں بشیر احمد صاحب برادر خورد خلیفہ ثانی لکھتے ہیں:۔

"عربی زبان میں رسول اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک کی طرف سے دوسرے کی طرف پیغامبر بنا کر بھیجا جاوے۔ اور نبی اس شخص کو کہتے ہیں جو کوئی خبر دے کیونکہ نبی کا لفظ نباء سے نکلا ہے جس کے معنے خبر کے ہیں۔ پس لغت کے لحاظ سے جائز ہوگا کہ ہر پیغامبر کو رسول اور ہر خبر دینے والے کو نبی کے نام سے پکارا جاوے لیکن میں ابھی بتا آیا ہوں کہ لغوی معنوں کے علاوہ بعض الفاظ کے اصطلاحی معنے بھی ہوتے ہیں۔ پس اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ بعض الفاظ کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔"
(ریویو آف ریلیجنز ماہ مارچ و اپریل ۱۹۱۴ء)

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا تربیتی دورہ

مؤرخہ ۱۰-۴-۹۷ سے ۱۳-۴-۹۷ تک حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے بدوملہی سیالکوٹ۔ نظام آباد اور وزیر آباد کا تربیتی دورہ فرمایا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ دورہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ مفصل رپورٹ آئندہ شمارہ میں درج کی جائے گی۔ مورخہ ۱۱-۴-۹۷ جمعہ کا بصیرت افروز خطبہ بدوملہی میں ارشاد فرمایا جس میں ملحقہ مواضعات کے احباب بھی شامل ہوئے

فخر کائنات حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ

بدیوں سے بچنے اور اخلاقِ فاضلہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے

فرمودات حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو نمونہ بنا کر آپ کے اخلاق کو اندر لے کر ہی انسان بدیوں سے بچ سکتا ہے اور نیکی کی قوت اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ اگر قرآن اپنے اندر صداقتیں اور حقائق رکھتا ہے۔ تو اس کا عملی نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ کیا اچھا بیان کیا آپ کی مطہر رفیقۂ حیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب کسی نے آپ کی سیرت و اخلاق کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کان خلقہ القرآن آپ کی سیرت دیکھنی ہو تو قرآن کو پڑھو اور میں کہوں گا کہ فی الحقیقت اگر کوئی یہ دیکھنا چاہے کہ قرآن میں کیا لکھا ہے۔ تو آپ کی سیرت کو پڑھ لے ؛

رسول اللہ صلعم کے سانچہ میں اپنی زندگیوں کو ڈھالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اس طرح نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے کہ گویا آپ ایک سانچہ ہیں جس میں انسانی زندگی کو ڈھالا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم آپ کے کارناموں کو دن رات بیان کرتے رہیں اور اس پر خوش ہوتے رہیں۔ اور ان سے فائدہ کوئی نہ اٹھائیں۔ تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے پہلے لوگ آپ کے معجزات کو بیان کر کے خوش ہو لیتے تھے۔ آپ کی سیرت کو بیان کرنے کا فائدہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو اس سانچہ میں ڈھالیں اور اپنے اندر آپ کا نمونہ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور اپنے اخلاق سے دنیا کو دکھائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کیسے تھے جس جگہ دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ خوبی کی بات ہے۔ یہ نیکی ہے تو فوراً اسے اندر لینے کی کوشش کریں۔ اگر ہم یہ ارادہ کر لیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو اپنے اندر لینا ہے۔ اس رنگ کو اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ تو اپنی اپنی استعداد کے مطابق کچھ نہ کچھ اس میں سے ضرور لے لیں گے؟ اس لئے کہ پہلے بھی ایسا ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی خصوصیت تھی۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک ایک بات کو اپنے اندر لیتے تھے۔ آپ کے ایک ایک خلق کو اپنے اندر پیدا کرتے تھے۔ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم سن لیتے ہیں۔ سن ہی نہیں لیتے بیان بھی کرتے ہیں۔ کہ آپ نے یہ کیا وہ کیا۔ لیکن اس چیز کو اپنے اندر لینے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس چیز کو لینے کی کوشش کرو۔

رسول اللہ صلعم کے کمالات اپنے اندر لیکر انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے اگر ہر مسلمان ان خوبیوں کو ان کمالات کو اپنے اندر لینے کی کوشش کرے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی میں نظر آتے ہیں تو دنیا میں پھر انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے۔ فرداً فرداً ہر شخص آپ کے نمونہ کو اپنے اندر لے۔ لیکن ایک جماعت کی جماعت یہ تہیہ کر لے تو بہت بڑا کام کر سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتے۔ لیکن اگر اس چھوٹی سی جماعت کا ہر فرد تہیہ کرے خدا سے یہ وعدہ کر لے کہ جو کچھ بھی نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نظر آئے گا۔ اس کو اپنے اندر لینے کی کوشش کروں گا تو ہم ناکارہ ہے بھی آپ کے نمونہ کو لے کر دنیا کو محمد رسول اللہ کی تصویر دکھا سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لئے نہیں بھیجا گیا تھا کہ آپ کے کمالات صرف آپ کی ذات تک محدود رہیں بلکہ آپ کو دوسروں کے اندر کمالات پیدا کرنے، دنیا میں ان کو پھیلانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کمالات کو اپنے اندر لیا۔ پھر تابعین نے لیا۔ تبع تابعین نے لیا۔ اور ان کے بعد جگہ جگہ مسلمانوں میں ایسے لوگ ہوئے جنہوں نے آپ کے کمالات کو اپنے اندر لے کر آپ کے نام کو دنیا کے اندر روشن کیا۔ ہم بھی تہیہ کر لیں تو آج محمد رسول اللہ صلعم کے نام کو دنیا میں روشن کر سکتے ہیں۔

ہمارے دو کام: ہماری جماعت کے سامنے دو کام ہیں۔ ایک کام ہے۔ مسلمانوں کو اخلاقی رنگ میں درست کرنا ان کو قرآن کا عامل بنانا جیسے حضرت مسیح موعود کا الہام ہے :۔

چوں دور خسروی آغاز کردند مسلماں را مسلماں باز کردند

یہ تو خدا نے آپ کے سامنے ایک کام رکھا ہے۔ وہ مسلمان ہیں لیکن ان کو صحیح معنوں میں مسلمان کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرا کام ہے غیر مسلموں میں قرآن پہنچانا ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا گرویدہ بنانا۔

دونوں کام صرف اخلاق نبوی پیدا کرنے سے ہو سکتے ہیں یہ دو کام آپ کے سامنے ہیں۔ لیکن میں آپ کو صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ صرف لفظوں سے آپ ان کاموں کو نہیں کر سکتے صرف لیکچروں سے سرانجام نہیں دے سکتے۔ صرف تصنیف و تالیف سے نہیں کر سکتے۔ صرف تعلیم و تدریس سے نہیں کر سکتے بلکہ ہمارے اندر رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا نمونہ نظر آنا چاہیئے۔ وہ جماعت جو مسلمانوں کو مسلمان بنانے یا غیر مسلموں کو اسلام پہنچانے کے لئے کھڑی ہوتی ہے۔ اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ان دونوں کاموں کو نہیں کر سکتی۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نمونہ ان کے اندر پیدا نہیں ہوتا۔ فرداً فرداً ایسے نمونے اب بھی ہوں گے احمدیوں میں بھی ہوں گے۔ غیر احمدیوں میں بھی ہوں گے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک جماعت اس رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔

عقائد میں ہمارا مقام بلند ہے:۔ خدا کے فضل سے ایک صحیح عقائد کا رنگ آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے لیا ہے اور اس رنگ میں ایسے بلند مقام پر آپ کھڑے ہیں جس کی طرف اس وقت دنیا آرہی ہے۔ اور ان شاء اللہ آئے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت نہیں یہ بالکل صحیح بات ہے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ لیکن آپ کے بعد ائمہ آئیں گے۔ مجددین آئیں گے۔ محدثین آئیں گے۔ رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء اس امت کے اندر ایسے لوگ آتے رہے جو الہام الٰہی سے مشرف ہوئے گو وہ نبی نہ تھے۔ تو عقائد کے لحاظ سے آپ بڑے بلند مقام پر ہیں۔

مجددیت اور نبوت:۔ دیکھئے ہمارے سامنے جس قدر مسلمانوں کی جماعتیں ہیں، ان سب میں عقائد کے لحاظ سے کمزوری پائی جاتی ہے۔ یا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد نبوت کو لاتے ہیں یا پھر مجدد کو بھی نہیں مانتے، یہ جانتے ہوئے کہ مجدد اس امت

کے اندر آتے رہتے۔ اس ہندوستان میں بھی ایسے لوگ ہوئے جو مجددیت کے منصب پہ سرفراز تھے۔ ایک مجدد صاحب سرہندی کو ہی لے لیں، جن کا نام ہی مجدد صاحب ہو گیا

مسلمانوں کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا اور بھائیوں بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا آپ کی جماعت نے تکفیر کو بنیاد سے اکھیڑ دیا۔ خوب یاد رکھیئے آپ کا نمونہ اچھا ہو۔ لیکن مسلمانوں کی کسی جماعت کو آپ کافر سمجھتے ہوں تو آپ کا وہ نمونہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ مسلمانوں کو کافر بنا کر کبھی آپ دوسروں کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتے۔ یہ تکفیر ایک فولادی دیوار بن جاتی ہے۔ ایک روک ہو جاتی ہے۔ اس جماعت کے لئے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی طرف دعوت دینی ہو۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم۔ ہماری نماز پڑھنے والا۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرنے والا ہمارا ذبیحہ کھانے والا مسلمان ہے۔ کہیں خالد رضی اللہ عنہ زیادتی کر بیٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باز پرس کرنے پر کہا کہ وہ جان کو بچانے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا ھل شققت قلبہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مسلک تھا۔ اسی کو آپ کی جماعت نے لیا۔

عملی رنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ پیش کرو

تو اب میں کہتا ہوں آؤ عملی رنگ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ پیش کرو تاکہ تمہاری تبلیغ کی کوششیں زیادہ بارآور ہوں۔ تمہاری ذہنیت یہ ہونی چاہیئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بات نظر آئے تو اس کو فوراً لینے کی کوشش کرو۔

خدا اور انسان کے درمیان آقا اور غلام کا تعلق ہے

پہلے میں ایک اصولی بات بتانا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو اپنے اندر لینے کے لئے سب سے پہلے خدا سے وہ رشتہ قائم کرو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔ کیا تعلق ہے۔ ایک انسان اور خدا کے درمیان، پہلے اس تعلق کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ جو خدا اور انسان کے درمیان ہے۔ یہ ایک لمبا مضمون ہے۔ لیکن میں مختصر طور پر بتاتا ہوں۔ نماز کے اندر ہمیں ایک دعا سکھائی گئی ہے۔ عام طور پر لوگ شروع نماز میں یہی پڑھتے ہیں سبحانک اللھم الخ لیکن ایک اور دعا بھی حدیثوں میں آتی ہے۔ اللھم انت الملک لا الٰہ الا انت۔ انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت اس آیت میں جو درمیانی فقرہ ہے انت ربی وانا عبدک اے خدا تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ یہ فقرہ اس تعلق کو بتاتا ہے۔ جو خدا اور انسان کے درمیان ہے۔ انت ربی — تو میرا پرورش کرنے والا ہے۔ جسمانی بھی اور روحانی بھی تو وہ ہستی ہے جس نے نہ صرف مجھے پیدا کیا بلکہ میری پرورش کے تمام سامانوں کو بھی پیدا کیا اور پھر آہستہ آہستہ مجھے بڑھاتا اور ترقی دیتا ہوا انتہائے کمال پہ لے جائے گا۔ یہ تو ہمارا خدا ہے۔

لیکن دوسرا فقرہ بہت ہی قابل غور ہے۔ وانا عبدک میں تیرا بندہ ہوں یہ عام ترجمہ ہے لیکن فی الحقیقت عبد کے معنی غلام کے ہیں۔ میں نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ لیکن جو مارمڈیوک پکتھال

عبدک آپ کہیں گے یہ ایک معمولی بات ہے لیکن اسی ایک بات کو پختہ طور سے لے لیں تو اسی میں کامیابی اور نجات ہے۔ چاہیئے کہ جب آپ خدا کے سامنے کھڑے ہوں تو اس وقت دل میں جوش اٹھے اور بار بار اٹھے انت ربی وانا عبدک عام نمازوں میں تو مشکل ہے گھر میں اکیلے نماز پڑھو تو بار بار تمہارے منہ سے یہی کلمہ نکلے۔ انت ربی وانا عبدک ٭

خدا کی غلامی کے معنی اس کا نام بلند کرنا ہے

لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کو بھی سوچو کہ خدا کا غلام ہونے کے کیا معنے ہیں۔ غلام کا کام یہی ہوتا ہے کہ آقا کی خدمت کرے اور یہی تمہارا کام ہے۔ خدا کا نام بلند کرنا۔ اس کی عظمت دنیا میں قائم کرنا۔ خوب یاد رکھیئے کہ کوئی انسان محض اپنے آپ کو بندہ کہہ دینے سے غلام نہیں بن جاتا۔ جب تک کہ آقا اس کو اپنی غلامی میں قبول نہ کرلے۔ اس لئے جب یہ فقرہ منہ سے کہو انت ربی وانا عبدک تو یہ تڑپ دل میں ہو کہ اے خدا تو مجھے اپنی غلامی میں قبول کر لے۔ لوگ نوکریوں کو تلاش کرنے جاتے ہیں کئی کئی دن دفتروں میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں اور جب ان کی عرضی حاکم کے سامنے پیش ہوتی ہے اور اس پر منظوری کے دستخط ہو جاتے ہیں تو کتنی خوشی ہوتی ہے۔ تو وہ خدا جو احکم الحاکمین ہے۔ اگر وہ اپنی غلامی میں قبول کر لے تو سب کچھ مل جاتا ہے

خدا کی طرف سے غلامی کی قبولیت کیسے مل سکتی ہے

تو خدا کا غلام کون ہے۔ خدا کا کام کرنے والا۔ اپنا کچھ نہ سمجھنے والا۔ اس کا نام بلند کرنے والا اگر خدا کے غلام بنو گے تو یہ سمجھ لینا ہوگا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تمہارا نہیں بلکہ خدا کا ہے۔ غلامی کی قبولیت خدا سے ہی ملے گی لیکن وہ ملے گی اس وقت جب یہ سمجھ لے کہ جو کچھ میرا مال ہے وہ سب خدا کا ہے۔ خدا کی طرف سے قبولیت کا ملنا بڑا مشکل کام ہے لیکن فی الحقیقت یہ قبولیت انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ جس دن اس نے اپنے مال کو خدا کا مال سمجھ لیا اسی دن اسے خدا کی غلامی کا مرتبہ مل گیا۔ جب اسے خدا کا مال یقین کر لیا تو اس کا خدا کی راہ میں خرچ کرنا بھی آسان ہو گیا۔ اور اس کے دل میں مال کی محبت کی جگہ خدا کی محبت نے لے لی۔ اس مال کی محبت نے انسان کو بڑے ذلت کے مقام پہ پہنچا دیا ہے۔ بڑے بڑے دولت مند بن جاتے ہیں۔ بڑے بڑے کارخانے چلتے ہیں۔ کثرت سے روپیہ آتا ہے۔ لیکن ہوس یہی رہتی ہے کہ اور آ جائے اور خدا کے رستہ میں دینے کو دل نہیں چاہتا۔ جب انسان یہ سمجھ لے کہ یہ مال میرا نہیں اس دن مال کی محبت اور ہوس دل سے نکل جائے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کماؤ نہیں۔ کماؤ اور خوب کماؤ لیکن اس کو اپنا بلکہ خدا کا سمجھو جس دن یہ خیال دل میں پیدا ہو گیا۔ اس دن کامیابی کی پہلی منزل طے کر لی ٭

جلسہ جماعت پشاور: جامع احمدیہ پشاور میں ۲ مئی کو جلسہ صبح آٹھ بجے منعقد ہوگا احباب صوبہ سرحد اس جلسہ میں شرکت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(محمد الرحمٰن)

مکرم چوہدری فضل الٰہی صاحب گجرات

مومن کو مناسب ہے کہ وہ کبھی غافل نہ ہو

اب غفلت کا وقت نہیں رہا

انسان کو سب سے زیادہ نقصان جس چیز سے پہنچتا ہے وہ غفلت ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرائض سے جب غفلت برتتا ہے۔ تو وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔ اور بالعموم غفلت کا شکار وہ اس لئے ہوتا ہے کہ نادانی سے سمجھتا ہے کہ بہت زندگی باقی ہے۔ ابھی کچھ آرام کر لیں۔ اور دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا لیں اور بعد میں اللہ تعالیٰ کے فرائض بھی ادا کر لیں گے۔ یہ سوچ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غفلت انسان کو فرائض ادا کرنے کی مہلت ہی نہیں دیتی یہاں تک کہ موت اچانک آ لیتی ہے۔ اور مجرم بن کر خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتا ہے۔ اور پھر جزاء و فاق کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے۔

غفلت موت کو فراموش کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں ہی انسان خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں موت کو کبھی فراموش نہ کرنے کی بار بار تلقین کی۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا: ترجمہ: ہر ایک جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ اور تم کو صرف قیامت کے دن تمہارے پورے اجر دیئے جائیں گے۔ پس جو آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ ضرور مراد کو پہنچ گیا۔ اور دنیا کی زندگی نرا دھوکے کا سامان ہے۔ موت کا آنا اٹل ہے اور وہ کسی وقت بھی آ سکتی ہے تو سلامتی کی راہ یہی ہے کہ انسان اُسے کبھی فراموش نہ کرتے ہوئے فرائض کی ادائیگی سے غافل نہ ہو۔ بلکہ انہیں پوری مستعدی اور چوکسی سے ادا کرتا رہے تا وقتیکہ موت آ جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان کو یہ خوف لاحق نہ ہو وہ غفلت کا شکار ہونے سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔ یہ بے خوفی ہی انسان کو فرائض سے غافل کر کے اُسے بے عملی کی ترغیب دلاتی اور اسے خسرۃ الدنیا والآخرۃ کا مصداق بناتی ہے۔ ان دو افسوسناک حالتوں کا احساس ہونا مومن کی خوش بختی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ احساس اُسے غفلت سے بچانے میں مدد دیتا ہے اسی لئے حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں بے خوفی کی زندگی سے بچنے کے لئے بار بار تلقین فرمائی:

۱۔ موت کا کوئی وقت معلوم نہیں کہ کب آ جائے۔ مومن کو مناسب ہے کہ وہ کبھی غافل نہ ہو اور خدا سے ڈرتا رہے۔ (بدر ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء)

۲۔ بے خوف ہو کر مت رہو۔ استغفار اور دعاؤں میں لگ جاؤ۔ اور ایک پاک تبدیلی پیدا کرو۔ اب غفلت کا وقت نہیں رہا۔ انسان کو نفس جھوٹی تسلی دیتا ہے۔ کہ تیری عمر لمبی ہو گی۔ موت کو قریب سمجھو۔ خدا کا وجود برحق ہے۔ جو ظلم کی راہ سے خدا کے حقوق دوسروں کو دیتا ہے۔ وہ ذلت کی موت دیکھے گا۔" (اخبار الحکم، ۳۰ اپریل ۱۹۰۱ء)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پاک تعلیم اپنی مقدس اور مطہر زندگی اور بے عیب چال چلن، اور اپنے طرز عمل سے دکھا دیا کہ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔" ترجمہ: کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تم کو دوست رکھے۔ (آل عمران آیت ۳۰)

آپ نے نماز میں ایک دعا تعلیم فرمائی۔ مامور زمانہ نے اس کو تقریباً فرض قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ: اللھم انی اعوذبک من العجز والکسل: عجز کیا ہے کہ اسباب کو ہی مہیا نہ کر سکے۔ اور کسل یہ ہے کہ اسباب تو مہیا ہوں لیکن ان سے کام نہ لے سکے۔ کیا ہی بدبخت ہے وہ انسان جو اسباب کو مہیا نہیں کرتا اور وہ انسان تو بہت ہی بدقسمت ہے جس کو اسباب مہیا ہوں لیکن وہ ان سے کام نہ لے۔

جن بزرگوں نے ہندوستان کے اندر اسلام کی شمع روشن کی۔ ان میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا نام نامی سرفہرست ہے۔ آپ کی اپنی کتاب کشف المحجوب سے چند اقوال درج ہیں۔

۱۔ نفس کی مخالفت سب عبادتوں کا اصل اور تمام مجاہدوں کا کمال ہے۔ ۲۔ بندے کے لئے سب سے زیادہ دشوار چیز خدا کی پہچان ہے۔ ۳۔ اللہ کے ڈر سے آنکھوں سے آنسو بہا کر یہ شے روح کی کدورت کو دھو دیتی ہے۔ ۴۔ تیری خوشی اور غم دونوں رضائے حق کے لئے ہونے چاہییں۔ ۵۔ جو شخص قربانی کرتا ہے وہ مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔ ۶۔ علم بغیر عمل کے مکمل نہیں ہو سکتا۔ ۷۔ جس عبادت سے نیکی نہ پیدا ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ۸۔ جب اللہ کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ کا ہر حکم ماننے سے خوشی ملتی ہے۔

دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں

۱۔ نیکی بدی کو ۲۔ تکبر علم کو ۳۔ توبہ گناہ کو ۴۔ جھوٹ رزق کو ۵۔ عدل ظلم کو ۶۔ غم عمر کو ۷۔ صدقہ بلا کو ۸۔ غصہ عقل کو ۹۔ پشیمانی سخاوت کو ۱۰۔ غیبت نیک اعمال کو۔

مکتوب تعزیت

احباب جماعت پشاور کو جناب پروفیسر محمد فاضل صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کا علم بذریعہ اخبار پیغام صلح ہو چکا ہے۔ جناب پروفیسر صاحب مرحوم کا جنازہ غائبانہ مؤرخہ ۲۸؍۳ بعد از نماز جمعہ ادا کیا گیا۔

احباب جماعت پشاور جناب پروفیسر کی وفات حسرت آیات پر نہایت گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ جناب کی زندگی کا بیشتر حصہ بطور پروفیسر اسلامیہ کالج اور خواتین کے کالج میں گذرا۔ آپ نہایت خلیق۔ غریب پرور علم دوست اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کے مفصل حالات آئندہ ارسال کروں گا۔ ہم احباب جماعت پشاور آپ کے لواحقین سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

محمد الرحمٰن

سیکرٹری جماعت پشاور

مکرم چوہدری فضل داد صاحب گجرات

اب غفلت کا وقت نہیں رہا

انسان کو سب سے زیادہ نقصان جس چیز سے پہنچتا ہے وہ غفلت ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرائض سے جب غفلت برتتا ہے۔ تو وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔ اور بالعموم غفلت کا شکار وہ اس لئے ہوتا ہے کہ نادانی سے سمجھتا ہے کہ بہت زندگی باقی ہے۔ ابھی کچھ آرام کرلیں۔ اور دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھالیں اور بعد میں اللہ تعالےٰ کے فرائض بھی ادا کرلیں گے۔ یہ سوچ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غفلت انسان کو فرائض ادا کرنے کی مہلت ہی نہیں دیتی یہاں تک کہ موت اچانک اُسے آ لیتی ہے۔ اور مجرم بن کر خدا تعالےٰ کے حضور حاضر ہوتا ہے۔ اور پھر جزاء وفاقا کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے:۔

غفلت موت کو فراموش کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں ہی انسان خسرالدنیا والآخرۃ کا مصداق بنتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں موت کو کبھی فراموش نہ کرنے کی بار بار تلقین کی۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا: ترجمہ: ہر ایک جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ اور تم کو صرف قیامت کے دن تمہارے پورے اجر دیئے جائیں گے پس جو آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ ضرور مراد کو پہنچ گیا۔ اور دنیا کی زندگی نرا دھوکے کا سامان ہے۔ موت کا آنا اٹل ہے اور وہ کسی وقت بھی آسکتی ہے تو سلامتی کی راہ یہی ہے کہ انسان اُسے کبھی فراموش نہ کرتے ہوئے فرائض کی ادائیگی سے غافل نہ ہو۔ بلکہ انہیں پوری مستعدی اور چوکسی سے ادا کرتا رہے تاوقتیکہ موت آ جائے حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان کو یہ خوف لاحق نہ ہو وہ غفلت کا شکار ہونے سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔ یہ بےخوفی ہی انسان کو فرائض سے غافل کر کے اُسے بےعملی کی ترغیب دلاتی اور اسے خسرۃ الدنیا والآخرۃ کا مصداق بناتی ہے۔ ان دو افسوسناک حالتوں کا احساس ہونا مومن کی خوش بختی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ احساس اُسے غفلت سے بچانے میں مدد دیتا ہے اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں بےخوفی کی زندگی سے بچنے کے لئے بار بار تلقین فرمائی:۔

۱۔ موت کا کوئی وقت معلوم نہیں کہ کب آجائے۔ مومن کو مناسب ہے کہ وہ کبھی غافل نہ ہو اور خدا سے ڈرتا رہے۔ (بدر ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء)

۲۔ بےخوف ہو کر مت رہو۔ استغفار اور دعاؤں میں لگ جاؤ۔ اور ایک پاک تبدیلی پیدا کرو۔ اب غفلت کا وقت نہیں رہا۔ انسان کو نفس جھوٹی تسلی دیتا ہے۔ کہ تیری عمر لمبی ہو گی۔ موت کو قریب سمجھو۔ خدا کا وجود برحق ہے۔ جو ظلم کی راہ سے خدا کے حقوق دوسروں کو دیتا ہے۔ وہ ذلت کی موت دیکھے گا۔" (اخبار الحکم، ۳۰ اپریل ۱۹۰۱ء)

اور وہ یہ ہے کہ: اللھم انی اعوذبک من العجز والکسل: عجز کیا ہے کہ اسباب کو نہ کر سکے۔ اور کسل یہ ہے کہ اسباب تو مہیا ہوں لیکن ان سے کام نہ لے سکے۔ کیا ہی بدبخت وہ انسان جو اسباب کو مہیا نہیں کرتا اور وہ انسان تو بہت ہی بدقسمت ہے جسکو اسباب ہوں لیکن وہ ان سے کام نہ لے۔

جن بزرگوں نے ہندوستان کے اندر اسلام کی شمع روشن کی۔ ان میں حضرت دا[تا] کا نام نامی سرفہرست ہے۔ آپ کی اپنی کتاب کشف المحجوب سے چند اقوال درج ہیں۔

۱۔ نفس کی مخالفت سب عبادتوں کا اصل اور تمام مجاہدوں کا کمال ہے۔ ۲۔ بندے [کے لئے] سب سے زیادہ دشوار چیز خدا کی پہچان ہے۔ ۳۔ اللہ کے ڈر سے آنکھوں سے آنسو [بہنا] یہ شے روح کی کدورت کو دھو دیتی ہے۔ ۴۔ تیری خوشی اور غم دونوں رضائے حق [کے] لئے ہونے چاہییں۔ ۵۔ جو شخص قربانی کرتا ہے وہ مرکر بھی زندہ رہتا ہے۔ ۶۔ [علم] بغیر عمل کے مکمل نہیں ہو سکتا۔ ۷۔ جس عبادت سے نیکی نہ پیدا ہو اس کا کوئی فائدہ نہ[یں]۔ ۸۔ جب اللہ کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ کا ہر حکم ماننے سے خوشی ملتی [ہے]۔

دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں

۱۔ نیکی بدی کو ۲۔ تکبر علم کو ۳۔ توبہ گناہ کو ۴۔ جھوٹ رزق کو ۵۔ عدل ظلم کو ۶۔ غم عمر کو ۷۔ صدقہ بلا کو ۸۔ غ[صہ] عقل کو ۹۔ پشیمانی سخاوت کو ۱۰۔ غیبت نیک اعمال کو :۔

مکتوب تعزیت

احباب جماعت پشاور کو جناب پروفیسر محمد فاضل صاحب مرحوم و مغفور کی [وفات] کا علم بذریعہ اخبار پیغام صلح ہوا جناب پروفیسر صاحب مرحوم کا جنازہ غائبانہ مؤرخہ ۲۸/۳ بعد از نماز جمعہ ادا کیا گیا۔

احباب جماعت پشاور جناب پروفیسر کی وفات حسرت آیات پر نہایت گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ جناب کی زندگی کا بیشتر حصہ بطور پروفیسر اسلامیہ کالج اور خواتین کے کالج میں گذرا۔ آپ نہایت خلیق۔ غریب پرور علم دوست اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کے مفصل حالات آئندہ ارسال کروں گا۔ ہم احباب جماعت پشاور

انہیں جتایا کرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے" نکتہ" انفاق فی سبیل اللہ کر کے احسان جتلانا اور دکھ دینا انفاق کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ خدا کی طرف سے ڈر اور حزن و ملال کا باعث ہوتا۔

۱۱۔ انفاق فی سبیل اللہ کے اجر کی ایک تمثیل :۔ مثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاتت اکلھا ضعفین فان لم یصبھا وابل فطل ط ان لوگوں کی مثال جو اپنے اموال کو خدا کی رضا مندی اور اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اس باغ کی طرح ہے جو اعلیٰ درجہ کی زمین میں ہو۔ اس پر زور دار بارش ہو تو وہ اپنا پھل دگنا دے۔ اور اگر زور دار بارش نہ ہو تو ہلکی بارش ہی کافی ہے " نکتہ" انفاق فی سبیل اللہ سے اطمینان قلب قومی ثبات اور خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ قومی باغ کے پھلنے پھولنے اور باد آور ہونے کا باعث ہوتا ہے۔

۱۲:۔ عمدہ مال راہ خدا میں خرچ کرنا چاہیئے :۔ یا ایھا الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض : اے ایمان والو۔ ان پاکیزہ چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو۔ اور اس سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے "نکتہ" مزدوری۔ تجارت۔ زراعت سے حلال و طیب حاصل کردہ مال ہی انفاق پر اجر کا باعث ہے۔

۱۳۔ پوشیدہ اور ظاہر دونوں صورتوں میں خرچ اجر کا باعث ہے۔

الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (---)

جو لوگ رات اور دن۔ پوشیدہ اور ظاہر اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔ ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" نکتہ" یعنی قومی کاموں میں مال کو اعلانیہ سے ظاہر کر کے خرچ کرنا کہ دوسروں کو ترغیب و تحریص ہو اور اہل حاجت کو پوشیدہ کر کے دینا تاکہ ان کو خفت نہ ہو تو یہ دونوں صورتیں خدا کی رضامندی اور اجر کا موجب ہیں۔

۱۴۔ اپنی پسندیدہ چیز ہی سے خرچ کریں۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ تم بڑی نیکی کو ہرگز حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اس سے خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔" حکمۃ" نیکی کے حصول کے لئے محبوب ترین اموال کا خرچ کرنا ضروری ہے۔ بخل اور کنجوسی نفع مند نہیں۔ اس لئے دین کی ضروریات کے لئے مرغوب اموال سے خرچ کریں تاکہ نیک بن سکیں۔

(بقیہ خطبہ جمعہ :۔)

پر یا انجمن پر۔ اس بوجھ کو حکومت یا انجمن کے کندھوں پر ڈالنے کی کوشش کر کے اپنی گلو خلاصی چاہیں۔ اللہ اور اس کا رسولؐ اس ذمہ داری کو والدین پر ہی ڈالتے ہیں۔ بچوں کو بچپن سے جمعہ یا درس قرآن میں لانے کی کوشش کریں۔ تو کام آسان ہو جائے گا۔ اگر وہ بڑے بھی ہو گئے تو بھی انہیں کہنا اور بار بار کہنا آپ کا فرض ہے۔ فذکر ان نفعت الذکریٰ قرآن نے فرمایا ہے کہ تم نصیحت کرتے رہو (پیار سے محبت سے) تو نصیحت فائدہ ہی دیتی ہے۔ اور جس طرح اپنی اولاد کی دنیاوی بہبود کے لئے دن رات دعائیں کرتے ہو دینی فلاح کے لئے بھی کرو۔ اسی لئے آیا ہے کہ :۔ والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ کہ وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہماری بیویوں (یا خاوندوں) اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک پیدا کر اور ہمیں متقیوں کے لئے نمونہ بنا۔ (الدین) کو کہا کہ تم اولاد کے لئے نمونہ بنو۔ ایک آخری بات عرض کر کے خطبہ ختم کرتا ہوں۔ حضرت امیر مرحوم بہت وسیع القلب، نرم دل۔ اور تحمل والے بزرگ تھے۔ میں نے انہیں بہت کم لوگوں کو روکتے ٹوکتے دیکھا۔ ایک دفعہ کراچی میں ایک شخص خطبہ کے دوران آیا تو آپ نے اسی وقت فرمایا کہ خطبہ سے پہلے سنت نماز پڑھ کر فارغ ہو جانا چاہیئے تاکہ خطبہ سن سکو۔ اس شخص نے کہا حضرت میں خطبہ کے بعد پڑھ لوں گا۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ دو رکعت خطبہ کے بعد ممکن نہیں اس لئے ابھی پڑھ لو۔ مگر آئندہ خیال رکھنا۔ حضرت مسیح موعودؑ بھی خطبہ جمعہ کو نہ صرف خود غور سے سنتے تھے بلکہ حضور کو جو روحانی علم اور معرفت کے سمندر رکھتے تھے کسی دوسرے نے کیا سکھانا تھا۔ بلکہ ایک دفعہ ایک مرید نے سخت گرمیوں میں خطبہ کے دوران ہاتھ کا پنکھا ہلا کر آپ کی خدمت کرنی چاہی تو آپ نے اس کے ہاتھ سے پنکھا لے لیا اور فرمایا کہ خطبہ کو توجہ سے سنو ؎

بقیہ بیاد نور الدین اعظم

شیاطین پر شہاب گرتے ہیں"

یہ حضرت مسیح موعودؑ کی ایک عربی تحریر مندرجہ آئینہ کمالات اسلام کے فقرات کا ترجمہ ہے۔ جس سے حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں حضرت مولانا نور الدینؓ کی بلندیٔ مرتبت کا پتہ لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم المرتبت انسان کی روح پاک پر اپنی رحمت و برکات کی بارش نازل فرمائے اور جماعت کے تمام افراد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہالینڈ مشن کی تازہ رپورٹ

جناب مولانا عبدالرحیم جگو صاحب مبلغ انچارج ہالینڈ مشن اپنے تازہ گرامی نامہ میں لکھتے ہیں کہ :۔

ہالینڈ کے شہر DEN BORCH میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت قائم ہو گئی ہے۔ اور یہ ہالینڈ مشن کی چھٹی شاخ ہو گی۔ اس سے قبل پانچ مقامات پر ہماری جو شاخیں قائم ہیں ان میں تبلیغ و اشاعت اسلام اور جماعت احمدیہ کی تنظیم کا کام کامل پوری مستعدی سے جاری ہے۔ جماعت یوٹرخت کے مرکز میں تعمیر و مرمت کا جو کام ہو رہا تھا وہ تقریباً مکمل ہو گیا ہے۔ اور گذشتہ عید میلاد النبیؐ کی تقریب اسی مرکز میں منائی گئی تھی جس میں کثیر حاضری کے سبب یہ محسوس ہوا کہ یہ مرکز نماز جمعہ، درس قرآن اور عام مجالس کے لئے تو مکتفی ہو سکتا ہے لیکن عیدین کے لئے جگہ کافی نہیں۔ اس لئے اب ہم کسی بڑے مکان کی تلاش میں ہیں۔ ہماری رائٹرڈم کی جماعت نے بھی اپنے تبلیغی مرکز کے لئے ایک موزوں عمارت خرید لی ہے۔ اور اب انشاء اللہ نماز ول اور اجتماعات کا بہتر انتظام ہو گا۔ آئندہ دسمبر میں جلسہ سالانہ پر جماعت یوٹرخت کے صدر جناب ایوب حسن محمد صاحب اور بعض دیگر احباب تشریف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ہالینڈ کے احباب کا سرینام سے زیادہ رابطہ رہتا ہے۔ اور ہالینڈ میں موصولہ اطلاعات کے مطابق سرینام میں اب حالات بالکل نارمل ہیں اور ہماری جماعت کے احباب ہر جگہ خوش و خرم ہیں۔ ملکی انقلاب کے بعد جو نئی حکومت قائم ہوئی ہے اس میں ہماری جماعت کے ایک دوست بھی وزیر مملکت منتخب ہوئے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(مرزا) مسعود بیگ

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
مورخہ ۹ را پریل ۱۹۸۰ء
جلد ۶۷ شمارہ : ۱۵

باہتمام ریاض حسین المبدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا

الہامِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — تیس روپے
بیرونی ممالک — دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد : ۶۷ | یومِ چہارشنبہ ۳۰ جمادی الاوّل ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۸۰ء | شمارہ : ۱۶

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت اختیار کرو

اگر نجات چاہتے ہو تو دِین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جوا اپنی گردن پر اٹھاؤ کہ شریر ہلاک ہوگا۔ اور سرکش جہنم میں گرایا جائے گا۔ پر جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے۔ وہ موت سے بچ جائے گا۔ دنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالیٰ کی عبادت مت کرو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھا درپیش ہے۔ بلکہ تم اس لئے اس کی پرستش کرو کہ ایک حق خالق کا تم پر ہے۔ چاہیئے کہ پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جائے۔ اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوبِ حقیقی اور محسنِ حقیقی راضی ہو جائے۔ کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے۔ خدا بڑی دولت ہے۔ اس کو پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہ بڑی مراد ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جانوں کو فدا کرو عزیزو! خدا تعالیٰ کے حکموں کو بے قدری سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے۔ ایک بچہ کی طرح بن کر اسی کے حکموں کے نیچے چلو۔ نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔ اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے۔ بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہری وضو کرتے ہو۔ ایسا ہی ایک باطنی وضو کرو۔ اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو۔ اور رونا اور گڑگڑانا اپنی عادت کر لو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ سچائی اختیار کرو سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے۔ کہ تمہارے دل کیسے ہیں۔ کیا انسان اس کو بھی دھوکا دے سکتا ہے۔ کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش جاتی ہیں۔ نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے۔ کہ گویا خدا نہیں۔ تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔

"نماز مومن کا معراج ہے

اور وہ اسی سے اطمینانِ قلب پاتا ہے۔ کیونکہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور عبودیت کا اقرار اور استغفار اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہوتا ہے۔ اور یہ سب امور روحانی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔"

(ملفوظات احمدیہ حصہ چہارم)

پیغام صلح کا خاص نمبر

حضرت مجدد صد چہار دہم کے یوم وصال کے سلسلہ میں ۱۸ مئی کے آخر میں ادارہ پیغام صلح حسب سابق ایک خاص نمبر شائع کر رہا ہے۔ احباب کرام اپنے مضامین ۱۰ مئی تک ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔ (ادارہ)

رپورٹ :- مرزا محمد لطیف شاہد صاحب

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ کا بعض جماعتوں کا تبلیغی دورہ

جماعت احمدیہ بدوملہی :

اس جماعت کی حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ تعالیٰ کی خدمت میں درخواست تھی کہ کسی موقع پر بدوملہی تشریف لائیں۔ اسی طرح یہاں کے شبان الاحمدیہ کے اراکین بھی یہ خواہش رکھتے تھے کہ آپ ان کے ہاں تشریف لائیں۔ چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب ۲۴ اگو بذریعہ ٹرین بدوملہی تشریف لے گئے۔ اسٹیشن پر محترم شیخ الہ بخش صاحب سیکرٹری جماعت۔ عزیزم عبدالقیوم صاحب صدر شبان الاحمدیہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ استقبال کے لئے تشریف لائے ہوتے تھے۔ سب سے پہلے عزیزم عبدالقیوم صاحب کے گھر محترم ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے۔ وہاں پر بعض دوسرے احباب بھی تشریف لے آئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی آمد کی وجہ سے سب دوست خوش تھے۔ رات کا کھانا محترم عبدالقیوم صاحب نے ترتیب دیا ہوا تھا کھانے سے پہلے۔ دوران اور بعد دوستوں سے حضرت ڈاکٹر صاحب تبادلہ خیالات فرماتے رہے رات کے قیام کا انتظام محترم ماسٹر الہ بخش صاحب ایم اے کے گھر تھا۔ ۲۵ کو فجر کی نماز مسجد میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ تھوڑی دیر تک دینی مسائل پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب سب سے پہلے محترم ماسٹر عبدالغنی صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر جو گذشتہ دنوں رحلت فرما گئے تھے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کے اہل خانہ اور ان کے بیٹے محترم ماسٹر ممتاز احمد صاحب ایم اے سے تعزیت کا اظہار کیا۔ اور ان کی دلجوئی کی۔ اور آپ کچھ وقفہ کے بعد اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ آپ نماز جمعہ کے لئے مسجد احمدیہ میں تشریف لے گئے۔ مقامی جماعت خصوصاً شبان الاحمدیہ والوں نے ارد گرد کے احمدی احباب اور بدوملہی میں خاص طور پر اطلاع دی ہوئی تھی۔ کثرت سے باہر سے بھی دوست تشریف لے آئے۔ جن میں ہماری جماعت چندر کے منگولے کے بزرگ دجوان جن میں محترم چوہدری اللہ دتہ صاحب مع احباب کے شامل تھے اسی طرح وضع لبے والا۔ ابن شاہ۔ کوٹلی سیچیاں کے احباب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجموعی طور پر جمعہ میں پونے دو صد کے قریب مرد و خواتین شامل تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے اپنے خطبہ کا آغاز ان آیات مبارکہ سے فرمایا:

لقد تاب اللہ علی النبی والمھجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم انہ بھم رؤف رحیم ○ وعلی الثلثۃ الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ ○ ثم تاب علیھم لیتوبوا ط ان اللہ ھو التواب الرحیم ○ یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصدقین ○ (توبہ ۱۱۷ تا ۱۱۹)

ما کان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ---- ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (توبہ - ۱۲۰)

آپ نے ان آیات کی نہایت ہی شاندار۔ برموقع و مکمل۔ عمدہ رنگ میں جامع تفسیر بیان فرمائی۔ قرآن پاک کی تلاوت اور مضمون کی مناسبت اور کہنے والا صاحب حال سامعین پر اس خطبہ کا خاص اثر ہوا۔ آپ نے فرمایا ان آیات میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم صادقین کا ساتھ دو۔ قرآن مجید میں تقویٰ کا لفظ بار بار کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ تقویٰ کیا ہے؟ کہ اے مومنو! تم نقصان دینے والی چیزوں سے بچو۔ نقصان دینے والی چیزیں کون سی ہیں۔ قرآن مجید کو اللہ تعالے نے ھدی للمتقین فرمایا ہے۔ جن چیزوں کے کرنے کا اللہ پاک حکم دیتا ہے۔ ان کو بجا لاؤ۔ جن سے روکتا ہے ان سے رک جاؤ۔ اس کا نام تقویٰ ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر انسان کی زندگی نہیں سنورتی۔ خدا تعالے کی طرف سے ہی توفیق ملتی ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے کے لئے حکم دیا کونوا مع الصدقین۔ یہ صادق کون ہیں۔ جن کی شہادت اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صحابہ کرام۔ ایسا اعلیٰ صدق دکھلایا۔ ان پر بڑے بڑے مصائب آئے۔ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے وہ اپنے وعدہ پر قائم رہے۔ اس کا نام صدق ہے۔ ہر حالت میں استقامت دکھائی اور پھر وقتاً فوقتاً مجدد دین اور اولیاء اللہ مبعوث ہوتے رہے۔

ان آیات میں اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ اے لوگو تم حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھ منسلک ہو جاؤ۔ اس موقع پر محترم حضرت ڈاکٹر صاحب نے اسلام کس طرح پھیلا مسلمانوں کو کن حالات سے گزرنا پڑا۔ اسلام پھیل چکا ہے کثرت سے لوگ داخل بھی ہو چکے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا کہ وہ ساعۃ العسرۃ کیا تھی کس طرح گرمی کے موسم میں جب پھل پک چکے ہیں۔ ایک لمبا سفر پیش آجاتا ہے۔ قحط اور تنگی کا دور تھا۔ ادھر کفار کی طرف سے خبریں آ رہی ہیں کہ وہ ایک زور دار حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کی تعداد میں صحابہؓ کو لے کر تبوک کی طرف چلتے ہیں اس وقت کیا حالات تھے؟ اس وقت بعض لوگوں نے مختلف عذرات کر کے رخصت لے لی۔ لیکن صدق دکھلانے والے وہ لوگ تھے جن کا ذکر فرمایا انہوں نے ساعۃ العسرۃ سخت مشکل میں بھی ان کا قدم پیچھے نہ رہا۔ بلکہ بسروچشم ساتھ گئے۔ اور تین آدمی اور بھی تھے۔ وعلی الثلثۃ الذین خلفوا۔ یہ تینوں بزرگ کعب بن مالک۔ مرارہ بن الربیع اور ہلال بن امیہ تھے۔ ان کی خدمات۔ معمولی سی کمزوریوں کی وجہ سے پیچھے رہ جانا حضورؐ کی واپسی پر اپنی غلطی کا اقرار کرنا پھر ان کا پچاس دن تک اس حالت کا رہنا کہ کوئی شخص ان سے کلام نہ کرتا تھا۔ پھر ان میں سے ایسے حالات بھی آئے کہ دشمنوں نے ان کی اس حالت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ آپ ہمارے پاس آجائیں (غسان کے بادشاہ نے حضرت کعبؓ کو رقعہ لکھا۔ آگ میں جلا دیا) ان کی سابق قربانیوں کا حضرت ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے ذکر فرمایا۔ آخر خدا تعالے نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا۔ جو لوگ صدق کی وجہ سے قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی خاطر ان کو پیاس۔ تھکان۔ بھوک آتی ہے۔ وہ ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں انہی تکالیف کے بدلہ وعدہ الہٰی ہے کتب لھم بہ عمل صالح۔ اللہ تعالے نیکی کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ ... خواہ جھوٹی ہو یا بڑی اس کے دینے میں بس و پیش

بقیہ صفحہ

رپورٹ:۔ مرزا محمد لطیف شاہد صاحب

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ

ی موقع پر بدوملہی تشریف لائیں۔ اسی طرح یہاں کے شبان الاحمدیہ کے اراکین بھی
ہش رکھتے تھے کہ آپ ان کے ہاں تشریف لائیں۔ چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب
۔اکو بذریعہ ٹرین بدوملہی تشریف لے گئے۔ اسٹیشن پر محترم شیخ الہٰی بخش صاحب
رٹری جماعت۔ عزیزم عبدالقیوم صاحب صدر شبان الاحمدیہ اپنے دوسرے
ھیوں کے ہمراہ استقبال کے لئے تشریف لائے ہوتے تھے۔ سب سے پہلے عزیزم
القیوم صاحب کے گھر محترم ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے۔ وہاں پر بعض دوسرے
باب بھی تشریف لے آئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی آمد کی وجہ سے سب دوست
ش تھے۔ رات کا کھانا محترم عبدالقیوم صاحب نے ترتیب دیا ہوا تھا کھانے
ے پہلے۔ دوران اور بعد دوستوں سے حضرت ڈاکٹر صاحب تبادلہ خیالات فرماتے رہے
رات کے قیام کا انتظام محترم ماسٹر الٰہی بخش صاحب ایم اے کے گھر تھا۔ ۱۱ بجے فجر
ماز مسجد میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ تھوڑی دیر تک دینی مسائل
تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب سب سے پہلے محترم ماسٹر عبدالغنی
حب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر جو گذشتہ دنوں رحلت فرما گئے تھے ان کے گھر تشریف
لے گئے۔ ان کے اہل خانہ اور ان کے بیٹے محترم ماسٹر ممتاز احمد صاحب ایم اے
ے تعزیت کا اظہار کیا۔ اور ان کی دلجوئی کی۔ اور آپ کچھ وقفہ کے بعد اپنی قیام گاہ
واپس تشریف لے آئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ آپ نماز جمعہ کے لئے مسجد احمدیہ
تشریف لے گئے۔ مقامی جماعت خصوصاً شبان الاحمدیہ والوں نے ارد گرد
ہ احمدی احباب اور بدوملہی میں خاص طور پر اطلاع دی ہوئی تھی۔ کثرت سے
ر سے بھی دوست تشریف لے آئے۔ جن میں ہماری جماعت چندر کے منگولے
ہ بزرگ دہجران جن میں محترم چوہدری اللہ دتہ صاحب مع احباب کے شامل تھے
ی طرح موضع لبے والا۔ امین شاہ۔ کوٹلی سیچیاں کے احباب بھی تشریف لائے
ئے تھے۔ مجموعی طور پر جمعہ میں پونے دو صد کے قریب مرد و خواتین شامل تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے اپنے خطبہ کا آغاز ان آیات مبارکہ سے فرمایا:
لقد تاب اللہ علی النبی والمھٰجرین والانصار الذین اتبعوہ فی
ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم
انہ بھم رءوف رحیم ○ وعلی الثلٰثۃ الذین خلفوا حتی اذا ضاقت

کر تم صادقین کا ساتھ دو۔ قرآن مجید میں تقوٰے کا لفظ بار بار کثرت سے استعمال کیا گیا
ہے۔ تقوٰی کیا ہے؟ کہ اے مومنو! تم نقصان دینے والی چیزوں سے بچو۔ نقصان
دینے والی چیزیں کون سی ہیں۔ قرآن مجید کو اللہ تعالےٰ نے ھدًی للمتقین فرمایا ہے۔ جن
چیزوں کے کرنے کا اللہ پاک حکم دیتا ہے۔ ان کو بجا لاؤ۔ جن سے روکتا ہے ان سے
رک جاؤ۔ اس کا نام تقوٰی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقوٰی ہے۔ تقوٰی کے بغیر انسان کی
زندگی نہیں سنورتی۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہی توفیق ملتی ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے
کے لئے حکم دیا کونوا مع الصّٰدقین۔ یہ صادق کون ہیں۔ جن کی شہادت اللہ تعالیٰ
دیتا ہے۔ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ صحابہ کرام۔ ایسا اعلیٰ صدق
دکھلایا۔ ان پر بڑے بڑے مصائب آئے۔ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے وہ
اپنے وعدہ پر قائم رہے۔ اس کا نام صدق ہے۔ ہر حالت میں استقامت دکھائی
اور پھر وقتاً فوقتاً مجدّدین اور اولیاء اللہ مبعوث ہوتے رہے۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو تم حضرت
محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھ منسلک ہو جاؤ۔ اس موقع پر محترم حضرت ڈاکٹر صاحب نے
اسلام کس طرح پھیلا مسلمانوں کو کن حالات سے گزرنا پڑا۔ اسلام پھیل چکا ہے
کثرت سے لوگ داخل بھی ہو چکے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا کہ وہ ساعۃ العسرۃ کیا تھی کس
طرح گرمی کے موسم میں جب پھل پک چکے ہیں۔ ایک لمبا سفر پیش آ جاتا ہے۔ قحط اور تنگی
کا دور تھا۔ ادھر کفار کی طرف سے خبریں آ رہی ہیں کہ وہ ایک زوردار حملہ کرنا چاہتے ہیں۔
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کی تعداد میں صحابہؓ کو لے کر تبوک کی طرف چلتے ہیں
اس وقت کیا حالات تھے؟ اس وقت بعض لوگوں نے مختلف عذرات کر کے رخصت لے
لی۔ لیکن صدق دکھلانے والے وہ لوگ تھے جن کا ذکر فرمایا اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ
سخت مشکل میں بھی ان کا قدم پیچھے نہ رہا۔ بلکہ بسر و چشم ساتھ گئے۔ اور تین آدمی اور بھی
تھے۔ وعلی الثلٰثۃ الذین خلفوا۔ یہ تینوں بزرگ کعب بن مالک۔ مرارہ بن الربیع
اور ہلال بن امیہ تھے۔ ان کی ندامت۔ معمولی سی کمزوریوں کی وجہ سے پیچھے رہ جانا
حضور کی واپسی پر اپنی غلطی کا اقرار کرنا پھر ان کا پچاس دن تک اس حالت کا رہنا
کہ کوئی شخص ان سے کلام نہ کرتا تھا۔ پھر ان میں سے ایسے حالات بھی آئے کہ دشمنوں
نے ان کی اس حالت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ آپ ہمارے پاس آ جائیں

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ ، لندن

وہ اب بھی مل سکتے ہیں

کیلنڈر میں تاریخ ۱۶ اپریل پھر نظر آ رہی ہے۔ اور میرے تصور میں کچھ پائیدار مگر دھندلے نقوش دوبارہ ابھر رہے ہیں۔

پرانے پنجاب کے وسیع اور گرمیوں میں جلتے ہوئے میدانوں سے دور ہمالیہ کی ہری بھری اور ٹھنڈی چوٹیوں میں ایک بہت ہی سرسبز اور پرسکون سلسلۂ کوہ میں ڈلہوزی کی مختصر سی آبادی ہے۔ جو چند چھوٹے بڑے ٹیلوں پر آباد ہے۔ اس کے سب سے بڑے ٹیلے یا پہاڑی "بکروٹہ" کی سخت چڑھائی کے بعد اسی کے دوش پر ایک گول تین میل سڑک کا ہموار چکر ہے۔ تقریباً اس کے نصف میں، دیودار کے لمبے اونچے سیاہی مائل سبز درختوں کے جھنڈ میں ایک چھوٹا سا راستہ پیچ و خم کھاتا اوپر جاتا نظر آتا ہے۔ ایک دیوار کے تختے پر بورڈ لگا ہے "بہودین"۔ یہ راستہ اوپر جا کر ایک پہاڑی نالے کے اوپر لکڑی کے ایک چھوٹے پل پر سے گزر کر ایک کھلی جگہ ختم ہوتا ہے۔ یہاں ایک بہت ہی خوبصورت مگر ننھی سی کوٹھی ہے۔ جو ننھی منی سی ہموار کی ہوئی جگہ میں چاروں طرف درختوں سے گھری اپنے رنگ برنگ پھولوں میں نگینے کی طرح چمک رہی ہے۔ خاموشی اور دراز قامت دیوداروں میں ہوا کی سائیں سائیں ابدیت کی طرح سکون اور راحت کا نغمہ سنا رہی ہے۔ جاڑے کی برفوں کے بعد کی دھلی ہوئی صاف اور نکھری فضا میں چیڑ کے پتوں کی مہک بسی ہوئی ہے۔ صبح کا سورج چمک رہا ہے۔ اس بنگلہ کے سامنے کی کھلی جگہ میں اور ڈھال پر لگے جنگلے کے قریب ایک دیودار کے سائے میں ایک میز اور آرام کرسی رکھے ہوئے ہیں۔ میز پر قلم دوات بہت سی کتابیں اور کاغذ پھیلے ہوئے ہیں اور کرسی پر ایک بزرگ پرکشش سی ہستی بیٹھے ہیں ذرا ان کا حلیہ بھی بیان کر دوں۔ درمیانہ قد و قامت۔ خد و خال درست۔ گندمی رنگ چہرے پر گول سرخی مائل داڑھی، اونچی صاف پیشانی پر سجدوں کا نشان۔ اور بڑی بڑی شربتی آنکھوں سے ذہین اور چمک دار جھلکتی ہے۔ بزرگانہ شفقت اور دردمندئ خلق کے جذبات سے پرسنجیدہ پاکیزہ و صاف مگر سادہ لباس جس پر کشمیری پشمینے کا دوشالہ اوڑھے۔ آنکھوں پر عینک لگائے۔ دنیا و مافیہا کو بھلائے یہ اپنے لکھنے میں محو ہیں۔ آئیے اب ان کا تعارف بھی کرا دوں۔ یہ ہیں ہمارے ابا جان حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب جو اپنی لافانی تصنیف "مجدد اعظم" لکھنے میں مشغول ہیں۔ اور یہ عنوان کی تصویر میرے تصور نے دکھائی ہے۔ یہ کوئی ایک دو سال کی جھلک نہیں۔ پورے نو سال تک یہی نقشہ رہا۔ جب تک کہ مجدد اعظم کا تیسرا حصہ بھی مکمل نہ ہو گیا۔ یہ مرد مجاہد اپنی اس دھن میں لگا رہا۔ کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ چودھویں صدی کے مجدد، مسیح موعود و مہدئ زماں کی نہ صرف سوانح عمری لکھ دوں بلکہ ان کے کام، ان کی دعوت حق، ان کی مخالفت۔ ان پر جو اعتراض ہوئے ان کا جواب سب کو قلم بند کر لوں۔ بعض واقعات میں خدا کا ہاتھ اس قدر صاف کام کرتا نظر آتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

ابا جان مرحوم کو جب پچپن سال کی عمر میں پنشن ملی تو باوجود اس کے کہ وہ اس زمانہ میں ایک اچھے سرکاری عہدہ پر فائز تھے اور اس سستے اور سادے وقت میں ان کی آمدنی معقول گنی جاتی تھی۔ مگر علاوہ اپنی اولاد کے جو چھ لڑکیوں اور دو لڑکوں پر مشتمل تھی ان پر اپنے وسیع کنبہ کے اور افراد کی پرورش کی ذمہ داری ہمیشہ رہی۔ جو انہوں نے خندہ پیشانی سے اٹھائی۔ اور سب سے بڑھ کر دیانتداری اور خیر خیرات کی کثرت سے ان کے پاس توکل علی اللہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اپنے داماد حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ پر انہوں نے اپنی آدھی پنشن کمیوٹ کروالی یعنی اکٹھی لے لی اور اس سے یہ چھوٹی سی کوٹھی سر چھپانے کو بنوائی۔ کوٹھی ابھی زیر تعمیر تھی کہ ابا جان مرحوم مع اہل و عیال مئی ۱۹۳۲ء میں ڈلہوزی تشریف لے گئے۔ وہاں چند دن کے بعد ۴ جون کو میری اماں جان کا بعارضہ نمونیہ انتقال ہو گیا۔ اور ابا جان کو علاوہ پنشن کے بعد کی بے سر و سامانی اور نیا ٹھکانہ بنا لینے کی تگ و دو کے یہ صدمہ بھی اٹھانا پڑا کہ ان کی برسوں کی دکھ سکھ کی ساتھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ ان گوناگوں پریشانیوں میں ان کی اپنی مخدوش صحت کی فکر بھی شامل تھی۔ دوسرے ڈاکٹروں کی رائے ان کے دل کے متعلق یہ تھی کہ وہ کچھ زیادہ عرصہ کام نہ کرے گا۔ ادھر تو یہ تفکرات و مشکلات اور ادھر ابا جان کو مجدد اعظم لکھنے کی لو لگی ہوئی تھی۔ میرے ابا جان جیسے بندگانِ خدا جو ہوتے ہیں یہ مشکلوں میں دنیا اور اس کے ذرائع کی طرف نہیں دوڑتے ان کے لئے تو ایک ہی دروازہ مخصوص ہے۔ اور وہ ہے اللہ کی بارگاہ کا۔ چنانچہ انہوں نے دن رات دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔ کہ کسی طرح یہ کتاب لکھی جائے۔ اور ایک روز صبح ناشتے کی میز پر ہم لوگوں کو سنایا کہ پچھلی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے میرے ہاتھ میں ایک بجلی کا بلب ہے اور میں اس کو اس کی جگہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر وہ آسانی سے ساکٹ میں فٹ نہیں آ رہا۔ بہت کوشش اور محنت کے بعد آخر وہ بلب جب لگ کر روشن ہو گیا تو پاس سے قدسیہ (ان کی نواسی۔ مگر عالم خواب میں عموماً نام کے معنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے) بولیں کہ خدا کا شکر ہے آخر یہ بلب لگ ہی گیا۔ یہ خواب سنا کر فرمایا کہ مجھے اس خواب کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ انشاء اللہ تعالے مجھے مجدد اعظم لکھنے کی مہلت عنایت ہو جائے گی۔

اس اثنا میں ان کی کوٹھی پروین مکمل ہو گئی اور وہ دلجمعی سے اس کتاب کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔

وقت گزرتا رہا اور ہوتے ہوتے دو جلدیں مجدد اعظم کی مکمل ہو کر شائع ہو گئیں۔ تیسری جلد ابھی زیر تصنیف تھی کہ ابا جان بمبئی اپنے دوسرے بیٹے نصیر احمد فاروقی کے پاس تشریف لے گئے۔ میں بھی اتفاق سے ان کے ہمراہ تھی۔ اور ان کی کتاب مجدد اعظم کے تیسرے حصہ کا مکمل مسودہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ اور وہ وقت بھی آ لگا تھا کہ ان کا مرض الموت نہ صرف شروع ہو گیا بلکہ شدت اختیار کر گیا۔ اس جانکاہ تکلیف اور بے چینی کے دوران ان کو دو ہی کاموں کی دھن تھی۔ ایک کتاب کو ختم کرنے کی۔ اور دوسری میرے بھائی نصیر احمد فاروقی کو درس قرآن دینے کی۔ جگر کا کینسر آخری سٹیج پر مگر نہ درس قرآن میں ناغہ ہوتا بلکہ دن میں دو دو بار دینا شروع کر دیا اور نہ مسودہ مکمل کرنے میں کمی ہوئی۔ آخر دس اپریل ۱۹۴۳ء کو مسودہ مکمل کر کے اس مرد مجاہد نے آخری بار اپنی قلم رکھ دی۔ مسودہ سربمہر بند کر کے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو روانہ کر دیا۔ اور مرض کی شدت کے آگے ہتھیار تسلیم خم کر دیا۔ آخری وقت تک نہ ٹوٹنے والی امید اور اپنی سعی جاری رکھتے ہوئے نصیر بھائی ان کو ٹاٹا ہاسپٹل لے گئے۔ جو بمبئی میں صرف کینسر کے علاج کے لئے مخصوص تھا۔ وہاں اکیس اپریل کو صبح ہی صبح درد اسانی دوا ہوئے اور اس

بیش اعلیٰ کے بلاوے پر لبیک کہتے ہوئے یہ مصنفِ مجدد اعظم اپنے رفیقوں سے جا ملے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہسپتال سے واپس آکر میں ان کے خالی کمرے میں ان کا چھوڑا ہوا مختصر سامان سمیٹنے لگی تو دیکھا کہ میز پر دوات اور ان کے اپنے ہاتھ سے رکھا ہوا قلم ملا۔ جس سے مجدد اعظم اور لائف آف پرافٹ لکھا۔ میں آپ کو حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب۔ حضرت مولانا محمد عبد الحق صاحب ودیارتھی۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب خان صاحب۔ ممتاز احمد فاروقی صاحب اور دوسرے بہت سے مبارک سلسلہ بول سکتے ہیں۔ میں نے تو طوالت کے خوف سے یہاں صرف چند نام اور ان کی صرف ایک یا دو تصانیف بیان کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ اور بہت سے دیگر مصنفین کی بے شمار کتابیں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے دار الکتب میں ان کے کام اور محنت کے زندہ ثبوت اور انمول موتیوں کی طرح محفوظ ہیں۔ مگر ان کتابوں کو حاصل کرنا کھولنا اور پڑھنا شرط ہے۔ اگر آپ ان کتابوں کو پڑھنے میں کوتاہی کر گئے تو ان بزرگوں کے کام تو زندہ رہیں گے مگر آپ ان کے فیض سے محروم رہ جائیں گے۔ ان کو اور ان کی یاد دل کرائیے۔ پھر قبروں اور کھنڈروں میں نہ ڈھونڈیئے۔ بقولِ شاعر ؎

در سینہ ہائے مردم عارف مقام ما

یہ دلوں میں بسنے والے لوگ ہیں۔ ان کی یادوں کو دلوں میں رکھئے۔ ان کے کارناموں کا ذکر ہمیشہ زبان سے کرتے رہئے تو یہ انشاء اللہ نسل در نسل آپ کے ساتھ رہیں گے

٭٭٭ ٭٭٭

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بیمار پرسی

عیادت کو جانا یا بیمار پرسی کرنا سنتِ نبوی میں داخل ہے۔ اور احادیث شریف میں بیمار پرسی کرنے والوں کا بڑا درجہ لکھا ہے۔

یہ بیمار پرسی نہ صرف اخلاق و ہمدردی کی بین دلیل ہے بلکہ بیمار پر بھی اس پسندیدہ عادت سے اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔ بیمار اپنے متعلق ہر طرف سے اظہار ہمدردی اور تشفی آمیز گفتگو دلبستگی بیمار کے ساتھ تشفی آمیز باتیں کی جائیں تو اس کو خوشی ہوتی ہے اور اس کی آدھی بیماری اور تکلیف گھٹ جاتی ہے۔ بیمار کو اگر یہ یقین ہو جائے تو بہت کچھ بیماری دور کر سکتی ہے۔

بیمار اور بیماریاں مختلف درجے کی ہوتی ہیں۔ مثلاً سر کا درد۔ پیٹ کا درد۔ آنکھ کا دکھنا۔ دانت کا درد۔ زکام۔ معمولی کھانسی۔ خفیف بخار۔ اسہال اور ایسی ہی دیگر معمولی بیماریاں اس قدر اہمیت نہیں رکھتیں کہ عیادت کے لئے ایک بستی سے دوسری بستی یا ایک محلہ سے دوسرے محلہ جایا جائے۔

ہاں البتہ ان مہلک مرضوں اور طویل بیماریوں میں جن کی وجہ سے مریض خود پریشان ہو اور اس کے تیماردار بیماری کو خطرناک سمجھ رہے ہوں اور فکرمند اور غم میں گرفتار ہوں ہمدردی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کی گفتگو بیمار کے لئے زہر قاتل ہوتی ہے۔ اور تیماردار بھی فکرمند ہو جاتے ہیں۔ بیمار کے سامنے بیماری کی باتیں بڑھا چڑھا کر نہ کرنی چاہیئں بلکہ تسلی دینی چاہیئے کہ آپ جیسے سینکڑوں مریض اچھے ہو گئے ہیں۔ فلاں معالج سے علاج کرائیے گا۔ فلاں شہر کی آب و ہوا کا اثر بہت بہتر رہے گا۔ آپ کو اس بیماری کا فکر نہ کرنا چاہیئے۔ خوش و خرم رہا کیجئے۔ مناسب غذا اور دوا باقاعدہ استعمال کیجئے ہم آپ کی صحت کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی صحت ہو جائے گی۔

بیمار پرسی کرنے والوں کو بیمار کے ہاں سے خاطر و مدارات کے لئے ہرگز متوقع نہ رہنا چاہیئے۔ اور تیماردار کے لئے ضروری ہے کہ بیمار پرسی کرنے والوں کے واسطے خاطر تواضع میں پریشان ہونا پڑے۔ کیونکہ پھر تیمارداروں کو بیمار کی طرف سے غافل ہو کر بیمار پرسی کرنے والوں کی جانب متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ جو مریض کے لئے سخت ناگوار اور تکلیف دہ امر ہے۔

اگر تیماردار دوسری جانب متوجہ ہوں تو اکثر مریض کی دوا اور غذا کا وقت نکل جاتا ہے۔ جو نہایت ہی مریض کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔

صاحبان غور فرمائیں کہ اس رواج کو ختم کیا جا سکتا ہے جو مریض اور تیماردار کے لئے تکلیف دہ اور پریشان کن ہے۔ بلکہ خود عیادت کرنے والوں کے لئے بھی۔ کیونکہ بیمار کے ہاں، خاص کر اہل مشرق میں ایسے لوگ کم ہوں گے جو بیمار کی غذا اور برتنوں میں احتیاط کا التزام رکھتے ہوں۔ ورنہ اکثر لوگ بیمار کے جوٹھے برتنوں سے پرہیز نہیں رکھتے اور نہ کسی دوسرے شخص کے لئے احتیاط ضروری سمجھتے ہیں۔ اکثر بعض مہلک بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو جوٹھے برتنوں اور بیمار کے تنفس سے دوسروں کو لاحق ہو جاتی ہیں اس لئے محتاط رہنے کی سخت ضرورت ہے۔

بیمار کے پاس سوائے مناسب اور ضروری چند باتوں کے زیادہ گفتگو کرنی یا زیادہ دیر بیٹھنا نامناسب ہے۔ مریض کے پاس زیادہ افراد کا جمع ہو کر جانا بھی مریض کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔

مریض کے ہاں بچوں کو ساتھ لے جانا بھی خالی از خطرہ نہیں کیونکہ یہ نازک طبائع بیماری کے اثرات سے بہت جلد اثر پذیر ہو سکتے ہیں۔ ٹائیفائیڈ۔ چیچک۔ خسرہ۔ زکام۔ کھانسی متعدی بیماریاں ہیں۔ جو کہ تنفس سے ہو جاتی ہیں۔

بیمار پرسی سے واپسی پر نہا لینا اور کپڑے تبدیل کر لینے چاہیئں تاکہ بچے صاف گود میں بیٹھ کر خطرے سے بچے رہیں۔

٭٭٭ ٭٭٭

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد رحمۃ اللہ علیہ

معیارِ حق و باطل

اختلافِ مذاہب :۔

انسان کے خیالات اور افعال میں جو اختلاف ہے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :۔

ایک تو وہ ہے جو تقاضائے طبعی ہے یعنی انسان کے طبائع میں اختلاف جس قدر ہوتا ہے اتنا ہی خیالات اور افعال پر اثر پڑتا ہے۔ اس تقاضائے طبعی کے پیدا کرنے میں تمام وہ اسباب ممد ہوتے ہیں جو خاندانی، قومی، آب و ہوا، سوسائٹی کے اثر سے فطرت انسانی میں تغیر پیدا کرتی ہیں۔ یاد رہے کہ اس میں تربیت شامل نہیں ہے بلکہ صرف پیدائش پر اثر ڈالنے والی چیزیں مراد ہیں۔

دوسرا وہ اختلاف ہے جو انسان اپنی رائے اور ارادہ سے پیدا کرتا ہے۔

اختلافِ طبعی :۔

اختلافِ طبعی دنیا کے لئے باعث رحمت ہے اور یہی تمام ترقیات انسانی کی جڑ ہے۔ اس کا اثر ظاہر پر ہو یا باطن پر ہر جگہ رحمت اور موجب برکت ہے۔ ظاہری علوم کو لو تو تمام مختلف صنعتیں اور حرفتیں اور سائنس اور علوم کے شعبے انہی اختلاف طبائع کے صدقے میں اس قدر کمالات پر پہنچے ہیں۔ کسی کو علم ہیئت کا شوق ہے تو کسی کو علم نباتات کا۔ کسی کو علم حیوانات کا شوق ہے تو کسی کو علم طب کا۔ پھر ان تمام علوم کے مختلف شعبوں میں جدا جدا مختلف مذاق کے لوگ اپنے اپنے میلان اور رجحان طبعی کے مطابق اپنے شوق سے ترقی کرتے ہیں اور تجربہ اور سعی سے کمالات حاصل کرتے ہیں۔ اگر سب کو ایک ہی شوق ہوتا تو تمام ترقیات مسدود ہو جاتیں بلکہ آپس میں لڑ کر مر جاتے۔ پس ہر ایک کا دائرہ عمل الگ الگ کر کے مشغل کے مطابق اس کی استعداد اور میلان فرمایا ہے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

میلِ آں اندر طبعش انداختند

اسی استعداد اور اسی میلانِ طبع کو معلوم کر کے جب تک بچہ کی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ ہو۔ اس وقت تک وہ اپنے فطرتی کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح علم باطن میں کوئی منقول اچھا ہے تو کوئی معقول۔ کوئی فقیہہ اچھا ہے تو کوئی محدث عمدہ ہے۔ کوئی مفسر اچھا ہے تو کوئی صوفی اعلیٰ درجہ کا ہے۔ کسی میں جلال کی صفت جلوہ گر ہے تو کوئی رحم مجسم ہے۔ کسی میں زہد و عبادت کا رنگ چوکھا ہے تو کسی میں سخاوت و فیاضی کی شان نظر آتی ہے۔ کوئی شجاعت کے میدان کا شہسوار ہے تو کوئی عفو اور حلم کی تصویر ہے۔ کسی میں اخلاقی جرأت کی صفت نمایاں ہے تو کوئی حیا کی مورت ہے۔ یہ اختلافِ طبائع نہ ہوتا تو دنیا میں اخلاقِ انسانی کے یہ مختلف کمال نظر نہ آتے۔ یہاں تک کہ مختلف زمانوں اور مختلف قوموں کے انبیاء نے بھی اپنے زمانہ اور قومی حالات کے مطابق کسی ایک خلق میں دوسرے اخلاق سے نمایاں شان دکھائی ہے۔ کہیں جلالی رنگ نظر آتا ہے تو کہیں جمالی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ سوائے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے جو جامع کمالات انسانی تھے آپ نے ہر ایک خلق کو اس کے انتہائے کمال پر پہنچا کر تمام زمانوں اور تمام قوموں کے واسطے ایک بہترین نمونہ قائم کر دیا۔ اور اس طرح اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ اور اسوۂ حسنہ کا خطاب حضرت رب العزت سے حاصل کیا۔ یہ میں خوش عقیدگی کی بنا پر نہیں کہتا بلکہ یہ واقعات ہیں۔ پڑھ اور تمام دنیا کے صاحب اخلاق بزرگوں کا مقابلہ کر لو۔ صاف نظر آ جائے گا کہ [illegible] میں سب سے اونچی کرسی کس کی ہے اور جامعیت کبریٰ کا مصداقِ حقیقی کون ہے۔

الغرض اختلافِ طبعی ایک رحمت ہے۔ اسی کے ماتحت ساری ترقیات ظاہری اور باطنی ہیں مگر مذہب کا اختلاف اس اختلاف کی بنا پر نہیں بلکہ مذہب کی بنیاد فطرت کی اس مضبوط [illegible] پر ہے جو تمام انسانی طبائع میں مشترک ہے۔ جس طرح ایک انسان کی ظاہری شکل میں اختلاف ہے مگر باایں ہمہ پیکر انسانی ایک ہی ہے۔ ناک، آنکھ، چہرہ، ہاتھ پاؤں سب انسانوں کے ایک ہی طرح ہیں۔ گو الگ الگ آپس میں اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ اسی طرح باطنی صورت بھی سب انسانوں کی ایک ہی ہے۔ اگرچہ آپس میں ظاہری شکل کی طرح اختلاف بھی ہے۔ اسی لئے علم طب نے ظاہری شکل و صورت کے لئے جو اصول صحت و تندرستی کے تجویز کئے ہیں وہ کل انسانی کے لئے ایک ہی کئے۔ ہر ایک آدمی کے اصول الگ الگ نہیں بنائے۔ [illegible] روحانی یعنی مذہب کے اصول بھی ایک ہی ہونے چاہئیں۔ خواہ وہ کسی قوم کے لئے ہوں اپنی قومی خصوصیات کے ماتحت خواہ کچھ فروعی اختلافات ہوں مگر اصول ایک ہی ہونے۔ اور جو عالمگیر مذہب ہو گا وہ ان سب خصوصیاتِ قومی کو بھی [illegible] ماتحت مشترک کرنے گا۔ پس ظاہر ہے کہ خدائی مذہب تو ایک ہی ہونا چاہئے۔ پھر یہ اختلاف جو مذاہب پر نظر آتا ہے وہ اختلافِ طبعی کی بنا پر تو نہیں ہو سکتا۔ تو ضرور ہے کہ اس کی اختلافِ ارادی ہو۔

اختلافِ ارادی :۔

دوم :۔ اختلافِ ارادی یعنی وہ اختلاف جو انسان کی مرضی کا دخل ہے۔ اس کو [illegible] حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

۱۔ وہ اختلافات جو بوجہ جہل یعنی لاعلمی کے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی جب کسی [illegible] نہیں ہوتا تو غلط علم کی بنا پر یا لاعلمی کی وجہ سے اختلاف [illegible] واقع ہو [illegible] باطن ہر جگہ حاوی ہے۔ مثلاً زمین کی حرکت اور سکون کے متعلق اختلاف [illegible] ہو سکتا ہے۔ یا علم ہیئت کے بعض مسائل میں اختلاف [illegible] لاعلمی سے ریاضی کے اشکال میں بھی غلطیاں لگ جاتی ہیں [illegible] طب میں یونانی اور انگریزی ایلوپیتھک اور ہومیوپیتھک ڈاکٹروں میں [illegible] سے اختلاف نظر آتا ہے۔ مختلف فلاسفر اور ڈاکٹر بعض دفعہ آپس میں [illegible] جاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ وہی کسی امر کی نسبت لاعلمی یا غلط علم ہوتا ہے [illegible] میں قرآن کریم کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ اور وہ آدم کی خلافت [illegible] پر ملائکہ کا اختلاف تھا۔ آدم کے متضاد قوی [illegible] جذبات دیکھ کر [illegible] فساد اور خونریزی کا موجب ہوگا۔ یہ اختلاف بوجہ لاعلمی کے تھا [illegible] ہوتا ہے کہ انی اعلم ما لا تعلمون۔ یعنی [illegible] تک میں علم [illegible] مگر یاد رہے کہ یہ اختلاف اسی وقت تک رہتا ہے۔ جب تک [illegible] علم [illegible] کرنے والوں میں یا تو سب غلط علم پر ہوتے ہیں اور یا ان میں سے [illegible]

بقیہ صفحہ ۲ سے آگے

پیش نہیں کرتا۔ فرمایا انما المؤمنون اٰمنوا باللہ ورسولہ - - - - - -
اسی طرح حکم ربانی ہے۔ جاھدوا فی سبیل اللہ اور فرمایا کونوا مع الصّٰدقین
... ... کا اعادہ ...
... کی ... اپنے اندر خاص ... پیدا کریں۔ اندرونی اور بیرونی مشکلات
بھی ہیں۔ دنیا ... سے دیکھتی ہے۔ ... میں کام کرنے والوں کے لئے بھی
کچھ مشکلات ہیں۔ کار ... کی بھی قلت ہے۔ ... کہ ہم پیغام ... نہیں پہنچا سکتے
آپ نے ان حالات اور ... ری ذمہ داریوں پر نہایت ہی مؤثر رنگ میں تذکرہ فرمایا۔
محسوس ہوتا تھا کہ ... فرداً ... اپنے ظرف کے مطابق اس سے حصہ لے رہا ہے۔
آپ نے تقویٰ پر ... زور دیا۔ علیکم انفسکم ہم اپنی اصلاح کریں۔ اچھا نمونہ
دکھائیں۔ کردار میں ایسی تبدیلی ... کریں جو کہ دوسروں کو نظر آوے۔ اپنی زندگیوں کو
سنواریں۔ ایک ... ہے ... کی ... زبانی کہ اب ہمارے اندر نکتہ چینی کی عادت
پیدا ہو گئی ہے ... اپنے ... ڈال کر نہیں دیکھتے۔ بلا وجہ مرکز پر نکتہ چینی کرتے
ہیں۔ ... وقت تھوڑا ہے۔ اس کو ضائع مت کرو
... کامل ... دینی کاموں میں کسی سے پیچھے نہ رہو
تقویٰ ... آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے اصحاب ... ایک دوسرے سے محبت
کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی اچھی باتیں بیان کرتے تھے۔ نہ کہ ایک دوسرے
کی کمزوریاں بیان کرتے تھے۔

خدا کے فضل سے اس جماعت کو ... نمایاں کامیابیاں نصیب
ہو رہی ہیں ... اسلام سرعت کے ساتھ دنیا میں نفوذ کر رہا ہے یہی مشن حضرت مجدد زماں
لے کر تشریف لائے تھے۔ وہ پیشگوئیاں اب ہم اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی دیکھ رہے
ہیں کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچا دوں گا۔" آپ نے فرمایا تھا
اسلام کا غلبہ میرے ذریعہ اور میری جماعت کے ذریعہ سے ہوگا آپ نے فرمایا کہ
کس کس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے توفیق دی کہ آپ کئی مرتبہ اس بات کا مشاہدہ
فرما کر تشریف لائے ہیں۔ کہ کس کس طرح اسلام پھیل رہا ہے۔ آج دنیا میں اسلام کا چرچا
ہے۔ اس کی جو روشنی پھیل رہی ہے یہ اسی انسان کے ذریعہ سے ہو رہا ہے۔ (اور
اس نے اس صدی کے ابتداء میں بنیاد رکھی ہے جس کے ... کے ساتھ آپ
وابستہ ہیں۔ اور جو تعلیم آپ نے پیش کی ہے۔ اور ... خوبصورت چہرہ اسلام کا آپ
نے پیش کیا ہے اس کو عرب و عجم کے لوگ تسلیم کر رہے ہیں۔ اور خدا کے فضل سے
ان نظریات کو قبول کر رہے ہیں جو مجھے خدا تعالیٰ نے توفیق دی ۔ کہ میں نے زمین کے
دور دور کے کناروں تک خود اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ اب غلطیاں دور ہو رہی ہیں
ہماری کتابوں کے عرب لوگ ترجمے کر رہے ہیں۔ ہم خدا کے فضل سے اس صادق کے
ساتھ وابستہ ہیں۔ جو خدا کی طرف سے آیا۔ میرا پیغام یہی ہے کہ جو باتیں میں نے کہی ہیں
ان کو اپنے دل میں جگہ دیں۔ اور ان باتوں پر غور کریں۔ گھر میں جا کر دہرائیں۔ تا آپ
سب اس رنگ میں رنگین ہو جائیں۔ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ وآخر دعوانا ان

الحمد للہ رب العالمین

محترم حضرت ... کا ... بصیرت افروز ... جاری ...
... ...

کہتے ہیں کہ علم دو ہی ہیں ایک علم الادیان دوسرا علم الابدان ... دونوں ... رکھے اور اس سے بنی نوع کو فیض پہنچائے۔ وہ واقعی حقیقت میں من ینفع الناس (حدیث) کا حقیقی مصداق ہوتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ... کے مصداق ہیں۔ بدوملہی میں لوگوں کو خاطر خواہ علاج معالجہ کی سہولتیں نہیں ہیں۔ بعض ... شروع ہو گئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نہایت شفقت ... کر دیکھتے رہے ... تجویز فرماتے رہے۔ ادھر ... گاڑی کا وقت بھی ... آخری لمحہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اس طرح درس ... میں بعض لوگ آپ سے ... دریافت فرماتے تو آپ ان کو بھی تسلی بخش جوابات دیتے رہے۔

اس تقریب کو کامیاب بنانے میں سارے دوستوں نے ... حق ادا کیا لیکن مندرجہ ذیل دوستوں نے خاص طور پر اس تقریب کو کامیاب بنانے میں ... وقف کر دیا تھا میں مرکزی انجمن کی طرف سے ان کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مولیٰ کریم ان کی خدمت کو قبول فرمائے:۔

۱۔ محترم ... صاحب ۲۔ محترم ... صاحب ۳۔ محترم ... صاحب
۴۔ محترم ... صاحب ۵۔ محترم ... صاحب اور ان کے والد صاحب
۶۔ محترم منظور الاسلام صاحب۔ ۵½ بجے بدوملہی سے سیالکوٹ کے لئے بذریعہ
ٹرین روانہ ہوئے۔ رات ۹ بجے سیالکوٹ پہنچ گئے۔ محترم شیخ نثار احمد صاحب اور ... شیخ عبدالرشید صاحب، شیخ ممتاز احمد صاحب اور شیخ محمد عبداللہ صاحب کے ... سے ملاقات کی گئی اور محترم نثار احمد صاحب کے ساتھ کل ½۱۲ کا پروگرام تجویز کیا گیا۔ ... ڈاکٹر صاحب کا سیالکوٹ جانے کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ گذشتہ دنوں ہمارے نہایت ہی عزیز اور معزز بھائی شیخ عبدالحمید صاحب مالک ایٹ مور ریسٹورنٹ - - - - - - - - - - - - سیالکوٹ جو ایک عرصہ سے دل کے مریض تھے۔ مورخہ ... کو رحلت فرما گئے تھے۔ اور ان کے دوسرے بھائی محترم شیخ عبدالقیوم صاحب جو ان کے چھوٹے حقیقی بھائی تھے ... تک ... بھلے چنگے تھے۔ لیکن اندر سے بھائی کی جدائی کی وجہ سے گھل رہے تھے اسی تاریخ ... کو اپنی حقیقی بھتیجی جو کہ محترم شیخ حفیظ صاحب کی بیٹی تھی ان کو اپنے ہاتھ سے شام کو رخصت کرتے ہیں۔ بارات کو سفر کی ہدایات دیتے ہیں۔ دوستوں کے ساتھ مغرب کے بعد ... ہوٹل میں چائے نوش فرماتے ہیں۔ گھر میں آکر رات دس بجے تک ٹھیک ٹھاک ہیں۔ سوا دس بجے کوئی سانس کی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ فوراً ان کے بھائی محترم شیخ عبدالرشید صاحب ہسپتال لے کر جاتے ہیں بستر پر لٹایا جاتا ہے۔ علاج شروع کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبان کہتے ہیں کہ سب باہر چلے جائیں۔ پھر فوراً ان کے بھائی عبدالرشید صاحب کو اندر بلاتے ہیں اور روح ½۱۰ بجے قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے "انا للہ وانا الیہ راجعون" جس بارات کو سیالکوٹ سے ہنسی خوشی رخصت کرتے ہیں وہ ابھی راولپنڈی نہیں

پہنچتی کہ سیالکوٹ سے فون پہلے پہنچ جاتا ہے کہ دلہن کے ماموں عبدالقیوم صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ وہاں پر پھر کیا سماں ہوگا۔ ایک دن میں دو بھائی اس دنیا سے رحلت فرما جاتے ہیں۔

۱۲ کو دارالسلام لاہور میں خبر پہنچی۔ صبح ۸ بجے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم اور محترم بشارت احمد بقاء صاحب تعزیت اور جنازہ کے لئے سیالکوٹ جاؤ۔ ہم دونوں بھائی ۱۱ بجے پہنچ گئے۔ وہاں کا سماں ہی عجیب تھا آنکھوں سے ایک سیلاب بہہ رہا تھا۔ جس کو دیکھو اس کی آنکھیں غم کی وجہ سے سوجی ہوئی تھیں۔ شہر کے احباب، بیرون سیالکوٹ سے عزیز و اقارب پہنچ رہے تھے۔ بڑا دردناک منظر تھا۔ ہر طبقے کے لوگ آ رہے تھے۔ جب جنازہ جنازہ گاہ میں پہنچا اس سے پہلے ہی تمام بازار بند ہو گئے۔ بڑی بڑی لمبی ۹ صفیں تھیں سینکڑوں احباب جنازہ میں شامل ہوئے۔ خاکسار مرزا محمد لطیف نے جنازہ پڑھایا۔ جب تدفین کے لئے قبرستان میں لے گئے پھر مزید لوگ جمع ہو گئے جو جنازہ میں شامل نہیں ہو سکے تھے۔ دوبارہ خاکسار نے جنازہ پڑھایا اور تین صفیں مزید ہو گئیں۔ دعا ہے کہ مولا کریم مرحومین کے درجات بلند فرمائے۔ خدا انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ ان کے بچوں، پسماندگان کا حافظ و ناصر ہو اور ان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت ڈاکٹر صاحب تعزیت کے لئے تشریف لے گئے تھے ۱۲ صبح ۸ بجے ہم محترم شیخ نثار احمد صاحب کی معیت میں ان کی کار پر اُن کے گھروں میں جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ محترم شیخ عبدالرشید صاحب کے گھر گئے۔ آپ سے ان کے دونوں بھائیوں کی جدائی پر نہایت عمدہ رنگ میں محترم حضرت ڈاکٹر صاحب نے تعزیت کا اظہار فرمایا۔ محترمہ بیگم صاحبہ شیخ عبدالقیوم صاحب اور اُن کے بچوں سے حضرت ڈاکٹر صاحب نہایت شفقت سے ملے اور ان کی دلجوئی فرمائی۔ اور کافی وقت تک اُن سے ہمدردی کی باتیں کرتے رہے۔ پھر محترم شیخ عبدالحمید صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں پر اُن کے بڑے بھائی محترم شیخ عبداللہ صاحب مرحوم کے بچے۔ محترم ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے لڑکے خالد صاحب جو انگلستان ہوتے ہیں اور ان کی بیگم صاحبہ جو انگلستان میں بچوں کی تربیت کا نہایت عمدہ کام کر رہی ہیں۔ وہ سب اکٹھے ہو گئے اُن سے بھی حضرت ڈاکٹر صاحب نے تعزیت و صبر کی تلقین نہایت عمدہ رنگ میں فرمائی۔ شیخ شریف احمد صاحب آف کراچی جو سیالکوٹ سے ملنے جا رہے تھے کہ ایک بڑے ریٹائرڈ ڈائریکٹر جواب ایک ادارے کے پرنسپل ہیں اُن سے حضرت ڈاکٹر صاحب کی تھوڑی دیر تک نہایت عمدہ گفتگو ہوئی۔ بعض حالات آپ نے اس رنگ میں بیان فرمائے کہ وہ صاحب ایسے متاثر ہوئے کہ اُن کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے کہ انہوں نے خاص اثر لیا ہے۔ پھر عقیدت سے انہوں نے رخصت کیا۔ محترم شیخ شریف احمد صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ اور اُن کے بچوں سے ملے ان کی بیگم صاحبہ محترمہ فہمیدہ شریف صاحبہ ہر روز سودا سلف خریدنے کے بعد جو پیسے بچیں ایک تھیلی میں ڈالتی رہتی ہیں۔ سال کے آخر میں جلسہ سالانہ پر اشاعت اسلام کے لئے پیش کر دیتی ہیں (یہ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی تحریک تھی کہ اشاعت اسلام میں خواتین اس طرح بھی حصہ لے کر رضاء الٰہی کی وارث بن سکتی ہیں) چنانچہ انہوں نے جنوری ۱۹۸۰ء سے بارہ اپریل تک کی تھیلی حضرت ڈاکٹر صاحب کو پیش کر دی۔ اور ان کے میاں شیخ شریف احمد صاحب نے یکصد روپیہ اشاعت اسلام کے لئے پیش کیا۔ چنانچہ تھیلی میں سے ۱۲۳ روپے نکلے اور یکصد روپے جو شیخ شریف احمد صاحب نے دیئے تھے۔ اشاعت اسلام کی مد میں خزانہ انجمن میں جمع کرا دیئے گئے۔

ظہر و عصر کی نماز مسجد احمدیہ میں ادا کی گئی۔ محترم بیگم راجہ خورشید انور صاحب جو نہایت ہی فعال اور نیک۔ دیندار خاتون تھیں۔ انہوں نے محترم ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں اصرار کر کے عصر کی چائے کی دعوت دی۔ ان سے نہایت عمدہ۔ موزوں دینی باتوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد محترم شیخ محمد سلیم صاحب سے ملاقات کی گئی۔ دوست اور بھی تھے۔ ان کی بھی خواہش تھی۔ ہماری بھی خواہش تھی لیکن وزیرآباد کا پروگرام طے ہو چکا تھا۔ محترم شیخ نثار احمد صاحب سارا دن اپنی کار میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی معیت میں رہے۔ ورنہ اتنے دوستوں سے اتنے کم وقت میں ملنا مشکل تھا۔ آپ نے ازخود ہمارے اصرار کے باوجود کہ ہم چلے جائیں گے اپنی کار میں ہمیں چھوڑنے وزیرآباد تشریف لائے اور ہمارے ساتھ ہی مسجد احمدیہ وزیرآباد میں تشریف لے گئے۔ جہاں پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھائیں۔ رات محترم شیخ صاحب موصوف واپس تشریف لے گئے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

۱۲ کی رات و ۱۳ پانچ بجے شام تک وزیرآباد میں محترم ڈاکٹر صاحب نے بڑا مصروف وقت گزارا۔ محترم شیخ غلام احمد صاحب صدر جماعت وزیرآباد اور محترم شیخ ممتاز احمد صاحب ان دونوں بھائیوں کی بیگمات۔ محترمہ اصغری غلام احمد صاحب اور محترمہ ثریا ممتاز احمد صاحب مرحومین شیخ عبدالحمید صاحب و شیخ عبدالقیوم صاحب کی حقیقی بہنیں ہیں۔ ان سے حضرت ڈاکٹر صاحب نے ان کے بھائیوں کی وفات پر ان سے تعزیت و ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ اس طرح اُن کے بچوں سے بھی۔ شیخ غلام احمد صاحب کے داماد شیخ فاروق احمد صاحب مع بیگم شہناز فاروق مسقط سے آئے تھے ان سے بھی تعزیت کا اظہار کیا گیا۔ رات کو ان کے برادر بزرگ شیخ عزیز احمد صاحب مع بیگم صاحبہ اور صاحبزادے شیخ آفتاب احمد صاحب تشریف لے آئے۔ ان سے استحکام جماعت کی باتیں دیر تک جاری رہیں۔

۱۳ علی الصبح محترم شیخ محمد عبداللہ صاحب ملنے تشریف لے آئے۔ وہ ایک ضروری کام کے لئے لاہور آ رہے تھے۔ پہلے سے پروگرام ان کا تجویز شدہ تھا۔ وہ معذرت کر کے لاہور روانہ ہو گئے اور سیالکوٹ سے محترم شیخ شریف احمد صاحب تشریف لے آئے ان کی کار کی وجہ سے بڑی سہولت رہی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب پہلے نظام آباد تشریف لے گئے۔ ملک نورالدین صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ بعد ازاں بابو محمد قاسم صاحب مرحوم سالوں کے گھر تشریف لے گئے ان کے گھروں میں جاکر خوشی حاصل ہوئی کہ باوجود تکالیف کے کس طرح یہ لوگ ثابت قدمی سے حضرت مجدد زمان کے دامن کے ساتھ پختگی سے وابستہ ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے گھروں میں حضرت ڈاکٹر صاحب کو پاکر بہت خوش ہوئے۔ محترم رحمن صاحب مرحوم کے بھائی شریف صاحب کے عزیزوں کے گھر بھی گئے۔ وہ گھر سے باہر تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے ان کی بچی سے خیریت دریافت کی۔ اور ہم سب وزیرآباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ وزیرآباد میں مندرجہ ذیل گھروں میں حضرت ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے۔

۱۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ ہاکورا والے مرحوم۔ ان کی بیگم صاحبہ اور ایک گھر میں موجود بچے سے ملاقات کی گئی۔

۲۔ حضرت شیخ محمد جان صاحب مرحوم کی بچیوں سے ملاقات کی گئی۔ محترم شیخ محمد عبداللہ کا اوپر ذکر آچکا ہے کہ وہ صبح مل کر ضروری کام کے لئے لاہور تشریف لے گئے ہوئے تھے۔

۳۔ محترم شیخ عبیداللہ صاحب شہزادہ بوٹ ہاؤس مرحوم کے گھر تشریف لے گئے۔

۴۔ محترمہ فہمیدہ عنایت الرحمٰن صاحبہ جو کہ حضرت ڈاکٹر عبداللہ صاحب مشہور مبلغ اسلام کی بہن اور محترم ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب آف گوجرانوالہ کی بھاوجہ ہیں۔

یہ واحد ہر گھر ہی جس میں حضرت ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے انہوں نے اپنی خوشی اور خوش بختی پر اتنی خوشی کا اظہار کیا جن کا لفظوں میں اظہار مشکل ہے لیکن محترمہ فہمیدہ صاحبہ نے تو ایسے رنگ۔ محبت و اخلاص کا اظہار کیا کہ خوشی و احترام و عقیدت کی وجہ سے وہ ایسے کلمات ادا کر رہی تھیں کہ ہم ساتھ والے بھی اس کو محسوس کر رہے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۱۲)

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

احمدیہ تحریک لاہور کے بارے میں دو اہم اعتراضات اور اُن کے جواب

بانیٔ تحریک احمدیہ کے بارے میں اکثر دو اعتراضات کئے جاتے ہیں:-

۱۔ یہ کہ بانیٔ تحریک نے اپنے دعاوی کے منوانے پر اسقدر تکرار و اصرار کیوں کیا؟

۲۔ یہ کہ آپ نے ایک جماعت کی تشکیل کیوں کی؟

اعتراض اوّل کے متعلق تو مختصراً یہ یاد رہے کہ بانیٔ سلسلہ کی تحریک حقیقتاً احیائے اسلام کی ہی تحریک ہے۔ جسے نشأۃ اسلامیہ ثانیہ نام دیا جانا صحیح ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بانیٔ سلسلہ کی بعثت کی علت غائی بجز احیائے دین اسلام اور کچھ نہیں وگرنہ وہ کسی دیگر اور نئے دین کی ترویج کا اعلان کرتے نہ کہ دینِ اسلام یعنی قرآن و سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوبارہ تجدید و احیاء کا - - - - - - -

اپنے دعاوی اور منجانب اللہ صادق ہونے پر اصرار اور ان سے انکار کو قابلِ مؤاخذہ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں تجدید و احیاء دینِ اسلام کا مقصد منجانب اللہ مجدد و مصلح وقت کے وجود سے وابستہ ہے۔ نہ یہ کہ وہ کوئی نیا دین لائے ہیں یا اپنی ذات میں آپ کا وجود کوئی مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا روم کا مشہور شعر ہے:-

آں نبیٔ وقت باشد اے مرید
تا از و نور نبی آید پدید

یعنی اے مرید، امامِ وقت اپنے زمانہ کا نبی ہوتا ہے۔ اس کی بعثت کی علت غائی اپنے نبی علیہ السلام کی نبوت کے نور کو اجاگر کرنا ہی ہوا کرتی ہے۔ مولانا روم کے اس شعر کا کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ جملہ اہلِ اسلام یہ جانتے ہیں کہ اس امت میں مجدد و اولیاء کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو دکھلانا ہی ہوا کرتا ہے[۴۴] اسی لئے انہیں نبی کی بجائے ظلی بروزی مجازی نبی کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے ورنہ جو شخص حقیقی نبی ہونے کا مدعی ہے اسے کیا ضرورت نہیں کہ وہ ایسے الفاظ استعمال کرے۔

دوسرا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ بانیٔ سلسلہ نے جماعت کیوں بنائی، اس جماعت کا وجود اسلام میں تفرقہ یا تفرقہ کا اضافہ کرتا ہے۔ لیکن قابلِ غور تو بات یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کی تشکیل کن خطوط پر کی گئی؟ کیا اس جماعت کی غرض یہ تھی کہ بعض فقہی مسائل میں دوسرے مسلمانوں سے اختلاف کر کے ایک نیا فرقہ بنایا جائے؟ اگر غرض یہ تھی تو اعتراض بجا اور صحیح ہے لیکن اگر جماعت اس لئے بنائی گئی کہ غلبہ دینِ اسلام کا مقصد انجام دیا جائے جو عام طور پر اس زمانہ میں مسلمان ترک کر چکے تھے۔ تو پھر تو یہ عین تقاضائے وقت تھا جسے اگر بجا نہ لایا جاتا تو غلبہ اسلام کے کام کو پس پشت پھینکا جاتا کیونکہ ہر مقصد کی تکمیل کا یہ حتمی تقاضا ہے کہ اس کی حمایت و پشت پناہی کے لئے کوئی مضبوط اور مؤثر جماعت قائم ہو۔

یہ امر محتاجِ تفصیل نہیں کہ جملہ ادیان پر دینِ اسلام کا غلبہ ثابت کر دکھلانا کوئی معمولی اور ادنیٰ کام نہیں جو قلیل عرصہ میں تکمیل پا جائے۔ بلکہ اس کے لئے ایک مستحکم و دیرپا اثر جماعت کی تنظیم کی ضرورت ہے۔ یہ عالی مقصد کئی صدیوں اور کئی نسلوں کی مخلصانہ جدوجہد کا محتاج ہے۔ اس زمانہ میں مسلّمہ طور پر احیاء و غلبہ اسلام کی حاجت اشد ترین ضرورت ہے۔ تو پھر یقیناً اس عظیم مقصد کی تائید و حمایت میں ایک عظیم و عالی جماعت کی ضرورت سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے۔ چودھویں صدی میں مسلمانوں کی ایمانی و اخلاقی زبوں حالی ایک مسلّمہ امر ہے۔ دوسرے ادیان پر غلبہ اسلام کے مقصد کا تو ذکر ہی کیا یہاں تو حالت اس حد تک بگڑ چکی تھی کہ مسلمان حلقہ بگوش عیسائیت ہوتے جا رہے تھے۔ اس وقت کہاں یہ ایمان و یقین تھا کہ اسلام کے عالمگیر اصولوں کے غلبہ کا اب وقت قریب آگیا ہے؟ اوّل تو مسلمانوں کو یہ احساس ہی نہ تھا کہ دینِ اسلام کن عالمگیر و ہمہ گیر انسانی حقوق کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ کس طرح آج دنیا حصولِ مادیت کے مقصد سے تباہ و برباد ہو رہی ہے اور کس روحانی و اخلاقی انقلاب یا ضابطہ کی محتاج ہے۔ پھر ان میں کون سی جماعت قائم تھی جس کا مقصدِ وحید اصولِ اسلام کی ترویج و نشر و اشاعت تھی؟ نہ غلبہ دین کا کہیں یقین موجود تھا اور نہ ہی اس کا صحیح طریق کار معلوم تھا۔ پھر نہ ہی ایسے یقین و علم کی بناء پر کوئی جماعت اسلام کی برتری و فوقیت کو ثابت کرنے کے لئے کھڑی تھی۔ جہاں تک دینِ اسلام کے ایک عالمگیر نظریہ حیات اور عملی زندگی میں اس کے قائم کردہ اخلاقیات کا تعلق ہے بیسویں صدی عیسوی میں کہیں بھی کسی ایسی جماعت کا وجود نظر نہیں آتا۔ تو ان حالات میں پھر یہ اعتراض کس قدر لغو و مہمل ہے کہ بانیٔ سلسلہ نے جماعتِ احمدیہ کی تشکیل کیوں فرمائی؟ کیونکہ یہ مقصد تو عین تقاضائے وقت اور ضرورت زمانہ تھا جو اگر بجا نہ لایا جاتا تو اس وقت اب جو بیداری مسلمانوں میں اپنے دین کے احیاء کے متعلق پیدا ہوئی ہے نہ صرف یہ پیدا نہ ہوئی ہوتی بلکہ اس کے برعکس اسلامی اصولوں کی برتری و غلبہ کا نام لینے والا ہی کوئی نہ ہوتا۔ اسلام کے باغ میں جو ایمانی و اخلاقی خزاں آچکی تھی اس کے بارے میں یہ بات وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ اب یہ دین کا باغ پھر سے سرسبزی اور شادابی کی بہار دیکھے گا۔ یہ دلربا بہار، یعنی مسلمانوں میں اپنے دین کی جانب مڑتی ہوئی رفتار اور غیر مسلموں میں دینِ اسلام کی ضرورت کا احساس اسی جماعتِ احمدیہ کے کارناموں کے طفیل اور رہینِ منت ہے۔ اگر کوئی اسے مبالغہ قرار دے یا خوش فہمی پر مبنی سمجھے تو اس کی ازدیادِ علم کے لئے ایک غیر مسلم مغربی مفکر یعنی مسٹر فری لینڈ ایبٹ کی رائے قابلِ غور ہے جو اس نے اپنی کتاب "اسلام اور پاکستان" میں اس طرح تحریر کی ہے۔

"جماعت احمدیہ نے دیگر ادیان کے بارے میں جس قدر دلائل پیش کئے ہیں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کے شدید ترین مخالفوں نے انہیں بہ تمام و کمال قبول کر لیا ہے۔ اپنے تبلیغی جوش اور عیسائیت کے خلاف پے در پے اور کثیر الاشاعت حملوں سے اس جماعت نے مسلمانوں کی اکثریت کے دلوں میں مضبوط ایمان پیدا کر دیا ہے۔ گو یہ امر درست ہے کہ جمہور مسلمانوں میں مرزا غلام احمد کے ذاتی دعاوی نے مقبولیت حاصل نہیں کی اور آپ کی تحریک کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ تاہم اس تحریک نے مسلمانوں کے قلوب میں یہ ایمان و یقین پیدا کر دیا ہے کہ یورپ کی موجودہ ترقی اور قوت کا سرچشمہ عیسائیت ہرگز نہیں۔ اور دنیا کا سچا دین صرف اسلام ہے۔ اس تحریک کی بنیادی خصوصیت یہی ہے مگر یہ امر اس قدر تعجب انگیز ہے۔ کہ جس تحریک کی سرفروشانہ مساعی نے دوسرے مذاہب کے مقابل دینِ اسلام کی حفاظت اور توسیع کے میدان میں سب سے زیادہ کام کیا ہے پاک و ہند کے مسلمان سب سے زیادہ اسی جماعت کے خلاف صف آرا ہیں۔"

[۴۴] چنانچہ جب مولانا شبلی نے مولانا رومؒ کا یہ شعر سنا تو فرمایا کہ اس رنگ میں تو حضرت مرزا صاحب کا اپنے متعلق ایسا کہنا صحیح ہے۔

اسی [illegible] کی محافظت اور اشاعت کا جو
کام جماعت [illegible] وہ اس [illegible] اور کسی [illegible] کے نصیب میں نہیں
[illegible] سے مسلمانوں کے قلوب میں صداقت دین اسلام
کا [illegible] ہو [illegible]

[illegible]

[illegible] کی [illegible] ہے جو [illegible] کرنے والے
[illegible] اختیار کریں۔ مگر واقعات عالم جو غیر مسلم علانیہ بیان کرتے ہو
[illegible] کیا انصاف و صداقت اسلامیہ کا تقاضا ہے؟

دوسرا یقیناً یاد رکھو اس زمانہ میں دین اسلام کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کے لئے
کارنامہ اگر کسی جماعت نے تبلایا ہے تو وہ صرف جماعت احمدیہ ہی ہے۔ اسی جماعت
نے تکمیل دین اسلام کو حقیقت ثابت کیا اور خاتم الانبیاء کے بعد کسی مدعی نبوت
چاہے وہ نیا ہو یا پرانا کفر و گناہ قرار دیا۔ ایسی جماعت احمدیہ [illegible]
برخلاف محاذ قائم کر کے وحدت و اتحاد مسلمانوں [illegible] جماعت نے
پیر پرستانہ تعلیم اور شرک فی التوحید کے بر خلاف جہاد کیا ہے۔ [illegible]
کو بانی سلسلہ کے کلام سے اقتباس [illegible] جو کسی ایسی جماعت میں ہونا ضروری
ہیں جو آپ کی طرف نسبت رکھتی اور آپ کی پیروی کی طرف دعوت دیتی ہو۔

جماعت احمدیہ کے قیام کی غرض و غایت

یہ سلسلہ بیعت بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت جمع کرنے
کے لئے ہے۔ تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق
اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو۔ اور وہ برکت کلمہ واحدہ پر
متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آ سکیں۔ اور ایک کاہل
اور بخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں اور نہ نالائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ
اور نااتفاقی کی وجہ سے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے خوبصورت
چہرہ کو اپنی فاسقانہ حالتوں سے داغ لگا دیا ہے۔ اور نہ ایسے غافل درویشوں اور
گوشہ گزینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ بھی خبر نہیں اور اپنے بھائیوں کی
ہمدردی سے کچھ غرض نہیں اور بنی نوع انسانی کی بھلائی کے لئے کچھ جوش نہیں۔ جبکہ وہ
ایسی قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے
بن جائیں اور اسلامی کاموں کے سر انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح فدا ہونے
کو تیار ہوں اور تمام کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان سے عام برکات دنیا میں
پھیلیں اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان کا پاک چشمہ ہر ایک دل سے نکل کر ایک جگہ
اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے۔

(ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

احیائے علوم و اعتقادات اسلام اور احیائے اخلاق و تہذیب اسلام؛
غلبہ دلائل و براہین اور غلبہ اصلاح یا اجتماعی نمونہ کا مقابلہ:

میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن
ہو اور خدا پر حقیقی ایمان [illegible] اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقویٰ کے رستے
پر چلے اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے۔ تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت
پا دے۔ اور خدا کا منشاء پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے
ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پا لیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں
کیونکہ ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہیں ہوتی تو گویا ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔ مگر میں دیکھ
رہا ہوں کہ دلائل و براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن
بھی اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے۔ لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اس کے
متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ پس یہ خیال ہے
جو مجھے آج کل کھائے جا رہا ہے اور یہ اس قدر غالب ہو رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا۔

آسمانی نور کے اترنے کی ضرورت:

انتہائی غرض اس زندگی کی خدا تعالیٰ سے وہ سچا اور یقینی پیوند حاصل کرنا
ہے جو تعلقات نفسانیہ سے چھڑا کر نجات کے سرچشمہ تک پہنچاتا ہے۔ سو اس یقین کامل کی
راہیں انسانی بناوٹوں اور تدبیروں سے ہرگز کھل نہیں سکتیں۔ اور انسانوں کا گھڑا ہوا فلسفہ اس
جگہ کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا۔ بلکہ روشنی خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ذریعے ظلمت کے
وقت میں آسمان سے نازل کرتا ہے۔ اور جو آسمان سے اترا وہی آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔
سوائے لوگو! جو ظلمت کے گڑھے میں دبے ہوئے اور شکوک و شبہات کے پنجہ میں اسیر
اور نفسانی جذبات کے غلام ہو صرف اسمی اور رسمی اسلام پر نازمت کرو اور اپنی سچی رفاہیت
اور حقیقی بہبودی اور اپنی آخری کامیابی انہیں تدبیروں میں نہ سمجھو جو حال کی انجمنوں اور مدارس
کے ذریعہ سے کی جاتی ہیں۔ یہ اشغال بنیادی طور پر فائدہ بخش تو ہیں اور ترقیات کا پہلا زینہ
متصور ہو سکتے ہیں مگر اصل بات سے بہت دور ہیں۔ شاید ان تدبیروں سے دماغی چالاکی
پیدا ہوں [illegible] ذہن میں تیزی اور خشک منطق کی شوق حاصل ہو جائے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] ہو سکیں [illegible] شود
[illegible] ہو جاؤ اور ہوشیار ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ مبادا سفر آخرت ایسی صورت
میں پیش آوے جو در حقیقت الحاد اور بے ایمانی کی صورت ہو۔ یقیناً سمجھو کہ فلاح و عاقبت
کی امیدوں کا تمام مدار و انحصار ان رسمی علوم کی تحصیل پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اس آسمانی نور
کے اترنے کی ضرورت ہے جو شکوک و شبہات کی آلائشوں کو دور کرتا اور ہوا و ہوس کی
آگ کو بجھاتا اور خدا تعالیٰ کی سچی محبت اور سچے عشق اور سچی اطاعت کی طرف کھینچتا ہے۔ اگر
تم اپنی کانشنس سے سوال کرو تو یہی جواب پاؤ گے کہ وہ سچی تسلی اور سچا اطمینان کہ جو ایک دم
میں روحانی تبدیلی کا موجب ہوتا ہے۔ وہ ابھی تک تم کو حاصل نہیں۔ پس کمال افسوس کی جگہ
ہے کہ جس قدر تم رسمی باتوں اور رسمی علوم کی اشاعت کے لئے جوش رکھتے ہو اس کا عشر عشیر
بھی آسمانی سلسلہ کی طرف تمہارا خیال نہیں۔

دنیا پرستی:

توحید صرف زبان پر رہ گئی ہے۔ سچا موحد کوئی نظر نہیں آتا۔ ہر ایک دل دنیا
کی محبت میں غرق ہو رہا ہے۔ کسی کو دین کے واسطے ذرہ برابر کام کہا جاتا ہے تو وہ سوچ
بچار میں پڑ جاتا ہے۔ اس وقت دین غریب بیکس اور یتیم ہو رہا ہے۔ یہ کلمہ نہایت
موزوں سچا اور بابرکت ہے کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔ دنیا کی محبت ہر بدی
کی ابتدا ہے۔ اکثر لوگ دنیا ہی سے محبت کے سبب ہلاک ہو رہے ہیں۔ ورنہ وہ جانتے
ہیں کہ جس مذہب اور طریقہ کو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ اچھا نہیں۔ کئی ہندو اور
آریہ دل سے جانتے ہیں کہ ان کے اصول اور فروع اچھے نہیں ہیں۔ ہزاروں عیسائی بخوبی
آگاہ ہیں کہ عیسیٰ ایک انسان تھا۔ اور وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن دنیا کی محبت ہے جو انہیں

کچھ کرنے نہیں دیتی۔ اور زیادہ تر عیسویت کی امداد میں عورتیں ہیں۔ جو جاہل ہیں اور شرک عورت سے ہی شروع ہوا ہے۔ اور عورتوں کے ساتھ ہی اس کا قیام ہے یورپ کے عالم اور فاضل لوگ اس کے قائل نہیں ہو رہے اور درحقیقت عیسوی مذہب ہی ایسا ہے کہ فطرت انسانی اس کو دھکے دیتی ہے۔ فطرت اس کو مان ہی نہیں سکتی۔ اگر درمیان میں دنیا کا تعلق اور محبت نہ ہوتی تو ان کا ایک گروہ کثیر آج ہی مسلمان ہو جاتا۔ بعض لوگ مدت تک بظاہر عیسائی رہ کر بالآخر مرتے وقت یہ وصیت کر جاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ہماری تجہیز و تکفین اسلام کے مطابق ہو۔

اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے اور یورپ اور ایشیا کے لوگ اندر ہی اندر اس بات کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ دیگر تمام ادیان باطل ہیں مگر دنیا سب کو محبوب ہو رہی ہے۔ یہ ایک زہر ہے جو ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ میں ہلاک کر دیتی ہے بڑا گناہ جو اس زمانہ میں پیدا ہوا ہے وہ حُبِّ دُنیا ہی ہے۔ یہ ایک باریک زہریلا کیڑا ہے جو کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا۔

ایک نئی اصلاح یافتہ قوم کی ضرورت :

بہت سی باتیں ہیں جو ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہے اور جو اسلامی رنگ سے بالکل مخالف ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ اب ان لوگوں کو مسلمان نہیں جانتا جب تک کہ وہ غلط عقائد کو چھوڑ کر راہ راست پر نہ آجاویں۔ اور اس مطلب کے واسطے خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں ان سب غلطیوں کو دور کر کے اصلی اسلام پھر دنیا میں قائم کروں۔ یہ فرق ہے ہمارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان ان کی حالت وہ نہیں رہی جو اسلامی حالت تھی۔ یہ مثل ایک خراب اور نکمے باغ کے ہو گئے ان کے دل ناپاک ہیں اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایک نئی قوم پیدا کرے جو صدق اور راستی کو اختیار کر کے سچے اسلام کا نمونہ ہو۔

احمدی اور غیر احمدی میں فرق :

خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا تا اس خطرناک حالت کی اصلاح کروں اور لوگوں کو خالص توحید کی راہ بتاؤں۔ چنانچہ میں نے سب کچھ بتا دیا اور نیز میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تا ایمانوں کو قوی کروں اور خدا تعالیٰ کا وجود لوگوں پر ثابت کر کے دکھلاؤں کیونکہ ہر ایک قوم کی ایمانی حالتیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں اور عالم آخرت ایک فسانہ سمجھا جاتا ہے۔ اور ہر ایک انسان اپنی عملی حالت سے بتا رہا ہے کہ وہ جیسا کہ یقین دنیا اور دنیا کی جاہ و مراتب پر رکھتا ہے اور جیسا کہ اس کو بھروسہ دنیوی اسباب پر ہے یہ یقین اور یہ بھروسہ ہرگز اس کو خدا تعالیٰ اور عالم آخرت پر نہیں زبانوں پر بہت کچھ ہے۔ مگر دلوں پر دُنیا کی محبت کا غلبہ ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی حالت میں یہود کو پایا تھا اور جیسا کہ ضعف ایمان کا خاصہ ہے یہود کی اخلاقی حالت بہت خراب ہو گئی تھی اور خدا کی محبت ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اب میرے زمانہ میں بھی یہی حالت ہے۔ سو میں بھیجا گیا ہوں کہ تا سچائی اور ایمان کا زمانہ پھر آوے اور دلوں میں تقویٰ پیدا ہو سو یہی افعال میرے وجود کی علّت غائی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ پھر آسمان زمین سے نزدیک ہو گا۔ بعد اس کے کہ بہت دُور ہو گیا تھا۔ سو میں ان ہی باتوں کا مجدّد ہوں اور یہی کام ہیں جن کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔

———

(بقیہ صفحہ ۹ سے آگے)

اب وقت کافی گزر چکا تھا۔ رات کو ہم نے واپس لاہور بھی آنا تھا۔ ہر گھر کو محبت کی وجہ سے شاکی چھوڑ کر اُن سے رخصت لے رہے تھے۔ وزیر آباد میں بھی محترم برادرم شیخ غلام احمد صاحب، محترم شیخ ممتاز احمد صاحب، محترم مولوی رضی الدین صاحب اور برادرم محترم شیخ شریف احمد صاحب مع محترمہ فہمیدہ بیگم شریف احمد صاحب جو سیالکوٹ سے کار لے کر تشریف لائے۔ اور سارا دن وزیر آباد ہمارے ساتھ رہے خدا تعالیٰ ان کو جزا دے۔

محترم شیخ ممتاز احمد صاحب۔ محترم شیخ غلام احمد صاحب اور ان کے گھر والے اور بچے خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔

نوٹ :- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب جب دُعا کے لئے شیخ نیاز احمد صاحب کی قبر پر تشریف لے گئے (وہاں پر ہمارے اور بھی بھائی مدفون ہیں ان سب کے لئے دعا کی گئی) ایک روایت سنائی۔ جس کا سامعین پر گہرا اثر ہوا اس کو انشاء اللہ تفصیل سے اگلے شمارے میں تحریر کروں گا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ تربیتی دورہ استحکام جماعت کے سلسلہ میں نہایت ہی مفید ثابت ہوا۔ احباب دعا فرمادیں یہ آپ سب کا قومی فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے حضرت ڈاکٹر صاحب کو صحت و عمر دراز عطا فرمائے۔ آمین! تاکہ آپ اپنے وجود با جود سے جماعت کی ایسے رنگ میں تربیت فرمادیں کہ ہم وہ مقام جس کا آپ نے خطبہ بدوملہی میں ارشاد فرمایا ہے اس کو حاصل کر لیں۔ اے میرے مولیٰ! اب ہماری قلبی [illegible] اور ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم اپنے کردار و اعمال میں وہ تبدیلی پیدا کر لیں جس میں تیری رضا ہو۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت [illegible]

دینی تربیتی کورس

"دارالسلام" لاہور میں وسط مئی کے قریب ایک پندرہ روزہ دینی تربیتی کورس کے انعقاد کا انتظام کیا جا رہا ہے جو ۱۷ مئی سے ۳۱ مئی ۱۹۸۰ء تک جاری رہے گا۔ اس میں بالخصوص اُن نوجوانوں سے شرکت کی توقع کی جاتی ہے جو حالیہ میٹرک کے امتحان سے فارغ ہوئے ہیں اور آئندہ تین ماہ کے قریب بالکل فارغ ہوں گے۔ ان کے علاوہ جماعت کے دیگر نوجوان طالب علم یا ملازمت پیشہ اصحاب جو پندرہ دن کی رخصت حاصل کر سکیں وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جماعتوں کے صدر اور سیکرٹری صاحبان سے التماس ہے کہ وہ اپنے ہاں اس کورس میں شرکت کے لئے تحریک فرمادیں اور کورس میں شرکت کرنیوالے اصحاب کے نام ۵ مئی ۱۹۸۰ء تک مرکز میں ارسال فرمادیں "دارالسلام" ہوسٹل میں شرکاء کورس کیلئے رہائش اور خوراک کا خاطر خواہ انتظام ہوگا۔ شرکاء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ جمعۃ المبارک مورخہ ۱۶ مئی صبح تک پہنچ جائیں گے تاکہ نماز جمعہ میں شریک ہو سکیں باقاعدہ کلاسیں ہفتہ کی صبح سے شروع ہونگی۔

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور (رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۴۳) مورخہ ۱۶/ اپریل ۱۹۸۰ء
جلد: ۶۷ شمارہ: ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہفت روزہ
پیغامِ صلح
لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۰۳۰

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید — و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — روپے
بیرونی ممالک سے — پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد : ۶۷	یوم چہارشنبہ ۷ جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ بمطابق ۲۳ اپریل سنہ ۱۹۸۰ عیسوی	شمارہ نمبر : ۱۷/۱۸

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

دعا مانگنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے

نماز اللہ تعالیٰ کی حضوری ہے اور اس کی تعریف کرنے اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی مرکب صورت کا نام نماز ہے۔ اس شخص کی ہرگز نماز قبول نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو مدنظر رکھ کر نماز نہیں پڑھتا:

پس نمازوں کو بہت سنوار سنوار کر پڑھو۔ کھڑے ہو تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف طور پر بتا دے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں دست بستہ کھڑے ہو اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دل جھکتا ہے اور سجدہ کرو تو اس آدمی کی طرح جس کا دل ڈرتا ہے۔ اپنی نمازوں میں اور اپنے دین اور دنیا ہر دو کیلئے دعائیں کرو - - - - - - - - - اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے شروع میں یہ دعا سکھائی ہے اور اس کے ساتھ ہی دعا کے آداب بھی بتا دیئے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کا نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے۔ اور یہ سورۃ ساری کی ساری دعا ہی ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اصل دعا نماز ہی ہوتی ہے

.... یاد رکھو دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ دل میں درد اور رقت پیدا ہو اس سے مصائب اور غضب الٰہی دور ہو جاتا ہے۔ لیکن جب بلا سر پر آ پڑے تو گو اس میں شک نہیں کہ اسوقت بھی دل میں ایک درد پیدا ہوتا ہے لیکن وہ درد قبولیت دعا کا جذب اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یقیناً سمجھو کہ اگر مصیبت کے درد سے پہلے اپنے دلوں کو گداز کر لو گے اور خدا تعالیٰ کے حضور اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لئے گریہ و بکا کرو گے تو تمہارا خاندان اور تمہارے بال بچے عذاب سے بچا لئے جائیں گے۔

(ملفوظات حصہ چہارم ۱۲۱/۱۲۲ مرتبہ بابو منظور الٰہی مرحوم)

پیغام صلح کا خاص نمبر

مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمۃ کا وصال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوا تھا ادارہ پیغام صلح اس موقعہ پر ہر سال ایک خاص نمبر شائع کرتا ہے جس میں حضرت مرزا صاحب کی احیائے اسلام کی کوششوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ سلسلہ کے صاحب قلم احباب حضور کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ حسب سابق ماہ مئی کے آخر میں یہ خاص نمبر شائع کیا جا رہا ہے مضمون نگار احباب سے التماس ہے کہ وہ اپنے مضامین دس مئی ۱۹۸۰ء تک ایڈیٹر پیغام صلح کے نام ارسال فرما دیں۔

(ادارہ)

ایک بزرگ خاتون کی وفات

"انا للہ و انا الیہ راجعون"

بعض ہستیاں اس فانی دنیا میں واقعی مجسم نیکی و خدمت خلق کا پیکر لے کر آتی ہیں انہی میں سے ہماری یہ بہن تھیں۔ نہایت نیک۔ پرہیزگار۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والی خدمت خلق کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ قرب و جوار کے رہنے والے اور ان کے فیض سے فیضیاب ہونے والے ان کو ماں جی کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ آپ نے ان بچیوں کے لئے جن کے ذرائع محدود ہوا کرتے تھے خود اپنے ذاتی وسائل سے کڑھائی۔ سلائی اور تعلیم کا ادارہ قائم کیا ہوا تھا۔ اور جو بچیاں شادی کے قابل ہوتی تھیں ان کے لئے جہیز اور دوسرا سامان اپنی جیب سے ہوا کر دیا کرتی تھیں۔ اور خدمت خلق کے اداروں میں ہمیشہ آپ پیش پیش رہا کرتی تھیں۔

ہم نے اپنے کانوں سے سنا کہ کبھی کوئی سائل جن کی کئی قسمیں ہوا کرتی تھیں آپ کے در سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔ آپ ہمیشہ ان کی حاجت براری فرمایا کرتی تھیں۔ سلسلہ احمدیہ کے کاموں میں آپ ہمیشہ اپنے میاں بزرگ چوہدری ظہور احمد صاحب مرحوم و مغفور کے دوش بدوش حصہ لیا کرتی تھیں۔

خداتعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل سے یہ توفیق عطا فرمائی کہ آپ نے اپنی اولاد کی نہایت اعلیٰ رنگ میں دینی تربیت فرمائی۔ آپ کے بچے محترم میاں منصور احمد صاحب چوہدری۔ محترم میاں چوہدری سعید احمد صاحب و محترم میاں احمد جاوید صاحب آپ کی تربیت کے کامل نمونے ہیں مورخہ ۲۳/۴ بوقت ۵ بجے سہ پہر دارالسلام کے وسیع لان میں سینکڑوں افراد نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب پر جنازہ پڑھاتے ہوئے رقت کا ایک خاص عالم تھا جس کا اثر دوسرے ملوب پر بھی ہو رہا تھا۔ مرحومہ کی تدفین احمدیہ قبرستان دارالسلام میں ہوئی۔ ادارہ پیغام صلح اپنی طرف سے اور جملہ افراد منسلکہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی طرف سے آپ کے جملہ عزیز و اقارب سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے دکھ میں اپنے آپ کو برابر کا شریک محسوس کرتا ہے۔ خداتعالیٰ مرحومہ کے درجات کو بلند فرماوے اور انہیں اعلیٰ علیین میں داخل فرمادے انہیں اور آپ کے عزیزوں کو صبر جمیل عطا فرماوے۔ محترم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب جو کہ محترمہ مرحومہ کے بھائی ہیں اور ان کی ہمشیرگان اور جملہ عزیزوں سے بھی ہم قلبی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور آپ کے بچوں محترم چوہدری منصور احمد صاحب محترم چوہدری سعید احمد صاحب محترم چوہدری احمد جاوید صاحب جو کہ اپنی شفیق ماں کی جدائی کی وجہ سے دل گرفتہ ہیں ان سے بھی دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔ مولیٰ کریم اپنے فضل سے مرحومہ کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماوے۔

دینی تربیتی کورس

"دارالسلام" لاہور میں وسط مئی کے قریب ایک پندرہ روزہ تربیتی کورس کے انعقاد کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ جو ۱۷ مئی ۱۹۸۰ء سے

نوجوان طالب علم یا ملازمت پیشہ اصحاب جو پندرہ دن کی رخصت حاصل کر سکیں۔ وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جماعتوں کے صدر اور سیکرٹری صاحبان سے التماس ہے کہ وہ اپنے ہاں اس کورس میں شرکت کیلئے تحریک فرماویں اور کورس میں شرکت کرنے والے اصحاب کے نام ۵ مئی ۱۹۸۰ء تک مرکز میں ارسال فرماویں۔

"دارالسلام" ہوسٹل میں شرکاء کورس کے لئے رہائش اور خوراک کا خاطر خواہ انتظام ہوگا۔ شرکاء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ جمعۃ المبارک مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۸۰ء صبح تک پہنچ جائیں گے تاکہ نماز جمعہ میں شریک ہو سکیں۔ باقاعدہ کلاسیں ہفتہ کی صبح سے شروع ہوں گی۔

والسلام

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

نفع رساں وجود بنو:

تقویٰ اختیار کرو۔ خدا پر ایمان پیدا کرو۔ وہ ایمان جو آخر اطمینان اور سکینت کا موجب بنتا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مومن کی زندگی بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ نفع رساں وجود ہوتا ہے۔ (حضرت مسیح موعود)

ہفت روزہ پیغام صلح — لاہور — مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۸۰ء

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش نسیم صاحب

اشاعت اسلام کا مقصد اصلاح قوم کے بغیر ناممکن العمل ہے

اسلام نے اپنے پیروؤں میں ایک اعلیٰ جذبہ پیدا کیا ہے۔

اسلام نے اپنے پیروؤں میں ایک اعلیٰ جذبہ پیدا کیا ہے۔ یعنی کفر و بدی پر غلبہ حاصل کرنا لیکن افسوس ہے کہ اس زمانہ کا مسلمان اس طریق کار سے بکلی بے خبر ہے جس کے ذریعہ ایسا غلبہ مقدر ہے نہ صرف صحیح طریق کار سے بے خبری ہے بلکہ یہ کہ اس کے عین برعکس مسلک اختیار کر لیا گیا ہے۔ اور یہ توقع ہے کہ اس طرح دین کی عظمت و بلندی قائم ہوگی مثلاً غور کرو کہ عالمگیر حکومت و سلطنت کی جو تڑپ مسلمان قوم کے اندر موجود ہے اس کا باعث کیا ہے۔ یہی معلوم ہوگا کہ اس کی تہ کے نیچے بھی وہی عمدہ جذبہ اسلام کی عظمت و بلندی کا کام کرتا ہے یعنی اصلی خواہش یہی ہے۔ کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ مسلمان برسر اقتدار آجائیں۔ اور اس طرح حاکم و غالب ہو کر دنیا سے کفر و بدی کو ملیا میٹ کر دیں۔ یہ خواہش اس قدر غالب اور یہ جذبہ اس قدر تیز ہے کہ یہ امر دیکھنے کی مطلق پرواہ نہیں کی جاتی کہ آیا موجودہ واقعات اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ مسلمان عالمگیر حکومت حاصل کر سکیں۔ پھر نہ ہی اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ اگر بالفرض کوئی واقعات خارق عادت طور پر ایسے پیدا ہو بھی جائیں جن کے نتیجہ میں مسلمان قوم کی حکومت اور اس کا غلبہ دنیا میں قائم ہو جائے تو بھی کیا ہماری قوم کی موجودہ حالت ایسی ہے کہ وہ برسر اقتدار آکر حقیقتاً کفر اور بدی کو دنیا سے نیست و نابود کر دے گی۔ اس بارے میں پاکستان میں اسلامی حکومت بننے سے مسلم قوم کے نظام میں جس قدر ایمانی و اخلاقی ترقی ہوئی ہے وہ سب کے سامنے موجود ہے حکومت پاکستان اسلام کے نام پر بنی۔ اسے بنے ہوئے تیس سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اب اس تیس سالہ اسلامی حکومت و اقتدار نے قوم کی اخلاقی و ایمانی حالت میں کیا تبدیلی پیدا کی ہے؟ واقعات گواہ ہیں اور ہر شخص اس امر کا شاہد ہے کہ پاکستان سے قبل جو ایمانی و اخلاقی حالت مسلمان قوم کی تھی اب اس کا عشر عشیر بھی آج باقی نہیں رہا۔ یہ ایک ایسی اظہر من الشمس حقیقت ہے جس کا انکار گویا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔

جمال و حسن قرآن نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے۔
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیوں کر نہ ہو یکتا کلام پاک رحمٰں ہے۔

پس حکومت کے بغیر بھی ایمانی و اخلاقی اصلاح بجا لائی جا سکتی ہے۔ اور اس کے برعکس حکومت مل جانے تو قوم کی حالت بجائے اصلاح کے فساد و بگڑنے میں مزید گر جایا کرتی ہے۔ آج پاکستانی عوام اور قوم کے بگڑے ہوئے ایمانی و اخلاقی کردار نے حضرت مسیح موعودؑ کے اصول و لائحہ عمل پر مہر صداقت ثبت کر دی ہے۔ اور یہ ایک آخری اتمام حجت ہے۔ جو خدا تعالےٰ نے اس زمانہ کے مسلمانوں پر کیا ہے۔ کہ اگر اپنے ایمانی اور اخلاقی حالتوں کو موافق تعلیم قرآن و سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب بھی درست کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوگے تو پھر تم پہ زیادہ باز پرس ہوگی۔ آخر منتہائے نظر تو یہی ہے کہ کفر و بدی کا ستیاناس ہو اگر یہ مقصد حاصل نہ ہوا تو اس سے تو کچھ غرض نہیں کہ دنیا میں غلبہ کون سے لوگوں کا ہے۔ اور وہ اپنا نام کیا رکھتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ آج کا مسلمان اس قدر سطحی واقع ہوا ہے کہ اُسے یہ نظر نہیں آتا کہ مذہب اسلام کا اصل نصب العین کیا ہے اور آیا اس کے پیش نظر جو طریق کار ہے۔ اس سے وہ نصب العین حاصل ہونے کا کوئی ادنیٰ امکان بھی موجود ہے۔ یا نہیں؟ وہ صرف یہی سمجھتا ہے کہ اگر مسلمان قوم کا غلبہ ہو گیا۔ تو بس پھر اسلام کا ہی غلبہ ہو گیا۔ حالانکہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہے کہ اسلام کی حقیقت اور اس زمانہ کی مسلمان قوم کے افعال و کردار میں کس قدر بُعد موجود ہے۔ نہ صرف اعمال و کردار میں بُعد المشرقین ہے بلکہ معتقدات و نیات میں تضاد موجود ہے۔ پھر یہ کیونکر نتیجہ نکال لیا جاتا ہے کہ اسلام اور مسلمان قوم ہم معنے و مترادف الفاظ ہیں۔ اور مسلمان قوم کے غلبہ کا مطلب لازماً اسلام کا غلبہ ہی ہے۔ اسلام کا غلبہ تو تب ظہور میں آئے گا جب دنیا میں ان صفات حسنہ و اعتقادات صحیحہ کا بول بالا ہو جو قرآنی تعلیم کا خلاصہ ہیں

ہست فرقاں آفتاب علم و دیں
تا برد ت از گماں سوئے یقیں
ہست فرقاں از خدا حبل المتیں
تا کشند ت سوئے رب العالمیں

دلائل و براہین سے غلبہ

چونکہ پرانے زمانہ میں غلبہ کا تصوّر محض مادی اور ظاہری غلبہ قرار دیا جاتا تھا۔ اس لئے اس زمانہ کا مسلمان غلبہ کو مادیت یعنی حکومت سے وابستہ کرتا تھا اور اس بنا پر حصول حکومت کو غلبۂ اسلام کے لئے جزو لاینفک سمجھتا تھا۔ جیسے کہ اب بھی عام حالت قوم کی ایسی ہی ہے موجودہ زمانہ کی سائنٹیفک روش اور تعلیم عام نے کسی قدر یہ تبدیلی پیدا کی ہے۔ کہ مادی اقتدار کی جگہ علوم کا غلبہ سمجھ لیا گیا ہے۔ گویا قوت بازو کی بجائے قوت ذہنی قرار دے دی گئی ہے اسی مغربی تاثر کے ماتحت مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو اگرچہ پرانے مادی تصوّر کا قائل تو نہیں رہا مگر اسے بھی اسلامی غلبہ کی اصل روح سے بے خبری ہے۔ یہی باعث ہے کہ جب کوئی شخص غیر مسلموں میں اشاعت کا نام لے تو بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان اس سے دلچسپی کا اظہار کریں گے۔ گو یہ اظہار وابستگی بھی محض لفظی ہی ہو لیکن اگر آپ کسی اصلاحی تحریک کا نام لیں تو اس سے فوراً انقباض پیدا ہو جائے گا اور فرقہ بازی کا خطاب دے کر فوراً اس سے بیزاری کا اعلان ہوگا۔ گویا ان نام نہاد روشن خیال اصحاب کے نزدیک بھی کفر و بدی پر غلبہ سے مراد صرف دلائل و براہین کا غلبہ ہی ہے۔ نہ کہ زندگیوں میں اصل انقلاب کا نام۔ ورنہ اگر اعمال میں اصلاح ہی درحقیقت کفر و بطلان کا قلع قمع ہے۔ تو یہ کیا وجہ ہے کہ جہاں تم اس امر کے لئے بے تاب ہوئے جاتے ہو کہ کافر اسلام کو قبول کر لیں وہاں تمہاری رگ حمیّت و غیرت اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کیوں حرکت میں نہیں آتی۔ کیا

تمہاری اپنی مسلمان قوم محتاج اصلاح اور اشد محتاج اصلاح نہیں۔ کیا اس قوم کے بیشتر اعتقادات ورسوم غیر شرعی نہیں؟ کیا مسلمان قوم کا کردار و مسلک قرآنی اصولوں کے برعکس واقع نہیں ہوا؟ کیا تمہیں اس قوم کی زبوں حالی سے انکار ہے؟ بے شک جہاں فرقہ بازی موجب انتشار ہے وہاں کسی سچی اصلاحی تحریک کی ضرورت سے تو کبھی انکار نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ کیا رویہ ہے کہ غیر مسلموں میں اشاعت دین کے لئے تو بظاہر بے قرار ہوئے جاتے ہو مگر اپنی قوم میں اصلاحی حرکت کا نام بھی آجائے تو اس سے تمہارے ماتھے پر بل پڑجاتے ہیں۔

احمدیہ تحریک

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جو تحریک اس زمانہ میں احیاء وتجدید دین کی جاری کی۔ ہے وہ کوئی جزدی تحریک نہیں بلکہ وہ اصلاح واشاعت دین کے جملہ پہلوؤں پر جاری ہے۔ لیکن یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔ کہ بعض اصحاب نے ایک تفریق پیدا کرلی ہے جس کے ماتحت وہ یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ اصلاح اور اشاعت دو الگ الگ تحریکیں ہیں اور ایک کو دوسری سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ چنانچہ یہ اسی ذہنیت کا تقاضا ہے۔ کہ ایسے اصحاب جماعت احمدیہ لاہور کے مسلک پر نکتہ چین ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس جماعت کی خدمات اشاعت تو بے نظیر و قابل تقلید ہیں لیکن اسے قوم کے اندرونی تنازعات میں دخل انداز نہیں ہونا چاہیئے گویا وہ ان اصلاحی امور اعتقاد و عمل کو غیر ضروری وغیر اہم سمجھتے ہیں۔ جن کے بغیر کوئی تحریک زندہ نہیں رہ سکتی اور جن پر خود اشاعت کا مقصد قائم ہے۔ ایسے اصحاب کے نزدیک مسلمان قوم کی اعتقادی وعملی اصلاح نہ صرف ضروری نہیں بلکہ مضر مقصد ہے۔ کیونکہ اس سے اندرونی "تنازعے جاگ اٹھتے اور مباحثے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک غیر مسلموں میں اشاعت دین کا مقصد بغیر مسلمانوں کی اعتقادی وعملی حالت کی درستگی کے انجام پا جانا نہایت آسان راہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے اپنے غلط اعتقادات وغیر شرعی اور غیر اسلامی اقدامات میں تبدیلی کی کچھ حاجت نہیں نہ ہی کسی ایسی جماعت کے قیام و توسیع کی ضرورت ہے جو ان مقاصد عظیمہ کی حامل ہو۔ بلکہ ضرورت ہے تو صرف یہی کہ غیر مسلم اقوام اپنے کفر وشیوہ باطل پرستی کو ترک کردیں۔ مگر ہمیں خود کوئی تبدیلی نہ کرنی پڑے۔

اسلام کے غلبہ کے لئے جو کچھ حرکت ہونی ہے وہ آخر اسی مسلمان قوم کی حرکت اصلاح سے ہی ہونی ممکن ہے۔ نہ کسی اور طرح؟ آخر اشاعت دین کے لئے جو کچھ قوت درکار ہے اس کا منبع ومخرج بھی تو اسی قوم کی اصلاحی تبدیلی سے وابستہ ہے۔ نہ کسی اور صورت میں ممکن ہے۔ پھر اس امر سے تم کیوں منکر ہو کہ اشاعت کی بڑھتی ہوئی ضروریات اصلاحی اقدامات جن سے مسلمان قوم کی تبدیلی مقصود ہے کیوں قابل اعتراض امور ہیں؟ یاد رکھیئے کہ جماعت احمدیہ کا اولین واصل مقصد اصلاح قوم ہے کیونکہ نہ صرف زندگیوں میں سچی تبدیلی ہی احیاء دین بلکہ خود مقصد اشاعت ناکام ہے۔ جب تک اس کے لئے قوم میں تبدیلی پیدا ہوکر اس میں غیروں سے مقابلہ کی قابلیت وہمت پیدا نہیں ہولیتی۔ احیاء دین ایک ناقابل تقسیم تحریک کا نام ہے جس کا نمونہ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں ہمیں جماعت احمدیہ کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ کہ کس طرح یہ جماعت اپنے نمونہ وعمل سے ایک طرف مقدم طور پر مسلمان قوم کی اصلاح کا کام سرانجام دے رہی ہے۔ تو دوسری طرف اسی نمونہ وا علائے علم کلام کے باعث غیروں کے دلوں میں گھر کرتی چلی جارہی ہے۔ اس تحریک کو دو حصوں میں منقسم نہیں کیا جاسکتا جس کا مطلب یہ ہو۔ کہ ایک جگہ صرف غیروں میں اشاعت دین کی تحریک جاری رہے جسے خود اپنی قوم کی اصلاح سے غرض و واسطہ نہ ہو بلکہ یہ دونوں مقاصد ایک ہی تحریک کے دو متوازی پہلو ہیں۔ اور دونوں کو بیک وقت سرانجام دینا ہی تحریک اشاعت اسلام کے غلبہ وفتح کا اصل راستہ ہے۔

جماعت احمدیہ کی طاقت وقوت کو مسلمان قوم کی اصلاح پر صرف نہ کرنا بلکہ اسے براہ راست غیر مسلموں میں اشاعت کے مقصد پر لگا دینا غلبہ دین کے وقت کو جلد لانے کا موجب نہیں بلکہ کفر وبطلان پر غلبہ پانے کی سچی اور نزدیکی راہ صرف یہی ہے کہ احمدیہ جماعت کے اندر قوم کی اصلاح کا جذبہ بڑھ چڑھ کر کام کرتا ہوا نظر آئے تا قوم کی تبدیلی سے پھر دین کے غلبہ کے آثار پیدا ہوں۔ مذہب اسلام ایک سچا و حقیقی دین ہے۔ اور اس کی فتح وغلبہ کی راہ غیروں کی تبدیلی سے شروع نہیں ہوتی نہ ہی بیرونی افعال وحرکات پر اس کی بنا قائم ہے بلکہ کفر وبطلان کی شکست کی حقیقی راہ اپنی قوم کی اصلاح پر منحصر ہے۔ اور اصلاح بھی وہ جو اندرونی نیّات وخطرات قلب وایمان باللہ سے متعلق ہے۔ پس جب تک یہ اندرونی قوی انقلاب رونما نہیں ہولیتا بیرونی اسباب فتح بیکار ہیں۔ اگر جماعت احمدیہ میں سے اصلاحی جذبہ مفقود ہوگیا اور کسی وسوسہ کے ماتحت مسلمان قوم کی اصلاح کو ادنیٰ وغیر ضروری مقصد قرار دے کر اس سے غفلت برتی گئی تو یہ امر یقینی ہے کہ اس صورت میں خود اشاعت کے مقاصد کے دن بھی محدود رہ جائیں گے۔ ہر احمدی قلب اس دعا میں لگ جائے کہ جماعت احمدیہ کے اندر اپنی قوم کی سچی اصلاح کے لئے وہی درد وتڑپ موجزن ہوجائے جس سے تمام مقاصد وابستہ ہیں۔ اور جو اس جماعت کو بانیٔ سلسلہ کی زندگی میں بے چین کئے ہوئے تھا۔

مسلمانوں کا نمونہ اشاعت اسلام کے لئے روک ہے

سب مسلمان بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیونکر راضی ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" اے نبیؐ تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے پیار کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگا اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا ہماری وہ عملی حالت ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کی ہوا کرتی تھی۔ ہمیں چاہیئے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ اسی طرح زندگی بسر کریں۔ تب سچے مسلمان ہوجائیں گے۔ صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں ایک نئی زندگی حاصل کرلی تھی۔ اسی نئی زندگی کے حصول پر اشاعت اسلام کا دار و مدار ہے۔

آیتِ رحمان برائے ہر بصیر

در دلم جوشد ثنائے سرورے — آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

میرے دل میں اس سردار کی تعریف جوش مار رہی ہے جو خوبی میں اپنا کوئی ہمسر نہیں رکھتا

آنکہ جانش عاشق یار ازل — آنکہ روحش واصل آں دلبرے

وہ جس کی جان خدائے ازلی کی عاشق ہے۔ وہ جس کی روح اس دلبر میں واصل ہے

آنکہ در برّ و کرم بحر عظیم — آنکہ در لطف اتم یکتا درے

وہ جو نیکی اور بزرگی میں ایک بحر عظیم ہے۔ اور کمال لطف میں ایک نایاب موتی ہے

آنکہ در جود و سخا ابر بہار — آنکہ در فیض وعطا یک خاورے

وہ جو بخشش اور سخاوت میں ابر بہار ہے۔ اور فیض وعطا میں ایک سورج ہے

آں رحیم و رحم حق را آیتے — آں کریم وجود حق را مظہرے

وہ رحیم ہے اور رحمت حق کا نشان ہے۔ وہ کریم ہے اور بخشش خداوندی کا مظہر ہے

آں دلے روشن کہ روشن کردہ است — صد درون تیرہ را چوں اخترے

وہ ایسا روشن ضمیر ہے جس نے سینکڑوں سیاہ دلوں کو ستاروں کی طرح روشن کردیا۔

حضور خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ؐ کی زندگی قیامت تک کے لئے اسوۂ حسنہ ہے

خطبۂ جمعہ مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۸۰ء فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بمقام مسجد جامع دارالسلام کالونی لاہور

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا .... وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ؑ

(سورۃ الاحزاب ۳۳۔ آیات ۲۸ تا ۳۴)

ترجمہ: "اے نبی اپنی ازواج سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دنیا کا سامان دوں۔ اور تمہیں عمدگی سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کو اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بڑا اجر تیار کیا ہے ...... اور اُسے محفوظ کرلو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور حکمت سے پڑھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ باریک باتوں کو جاننے والا خبردار ہے۔"

چودھویں صدی ہجری نے ایسے زبردست دینی انقلاب دیکھے ہیں کہ مذاہب کی تاریخ میں یہ صدی نمایاں رہے گی بلکہ تاریخی موڑ کہلائے گی۔ مثلاً کہاں تو اس صدی کے طلوع پر عیسائیت بطور مذہب ساری دنیا پر چھاتی نظر آ رہی تھی اور اسلام اور مسلمانوں کو اس نے اپنا خاص نشانہ بنا رکھا تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے مٹانے کے لئے سر توڑ کوشش میں تھی۔ تو صحیح ہوگا۔ اور کہاں کسی نے کسرِ صلیب ایسا کیا کہ آج عیسائیت بطور مذہب پانی میں نمک کی طرح گھل رہی ہے۔ خود عیسائی مذہب کے مفکرین اور اکابرین نے اب کہا ہے کہ حضرت مسیح نہ تو خدا تھے نہ خدا کے بیٹے نہ انہوں نے ایسا کوئی دعویٰ کیا تھا وہ صلیب پر نہیں مرے بلکہ زندہ اتار لئے گئے تھے۔ تثلیث بعد کا ایک غلط عقیدہ ہے ورنہ حضرت مسیح تو توحید کے سکھانے والے تھے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح آریہ سماج جو کہ عیسائیت کی تقلید میں اسلام اور بانیٔ اسلام صلعم پر ہر قسم کے گندے اعتراض کر رہی تھی اس کوشش میں کہ اسلام کو ختم کر کے کم سے کم برصغیر کے مسلمانوں کو جو اکثر ہندوؤں سے مسلمان ہوئے تھے دوبارہ ہندو مت میں شدھی کر کے شامل کر لے، وہ آریہ سماج خود مر کر ختم ہو گئی۔

پھر کہاں تو چودھویں صدی کے آغاز پر اسلام، قرآن پاک اور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہر طرف سے اعتراض، عیب شماری اور مہلک حملے ہو رہے تھے۔ اور کہاں آج ہر طرف سے تعریفیں ہو رہی ہیں۔ اسلام، قرآن پاک اور سرور کونین صلعم کے خوبصورت چہرے کس نے دنیا کو دکھلا کر اس کے دل کو گھائل کر لیا؟ لٹریچر کی تحریری شہادت اور تاریخ کی شہادت ہے کہ یہ انقلابی خدمت اسلام ہماری چھوٹی سی خادم اسلام جماعت اور اس کے مرشد نے کی جنہوں نے ایک کشف میں ایک چھوٹی سی جماعت ملنے کی خبر پر قرآن مجید کی آیت پڑھ کر پیشگوئی کی تھی کہ:

کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً ۢ بِاِذْنِ اللّٰہِ یعنے بسا اوقات ایک چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر اللہ کے حکم سے غالب آگیا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ فسبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم ؛

بڑے بڑے اعتراضات

اسلام پر سب سے بڑا اعتراض تھا کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ اس کا تسلی بخش جواب ہماری طرف سے دیا گیا اور بتایا گیا کہ جب دشمنوں نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے تلوار اٹھائی تو ہی اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی گئی تو کہا گیا کہ اس کے مقابلہ پر عیسائیت کی تعلیم کتنی خوبصورت ہے کہ اگر کوئی تیری ایک گال پر طمانچہ مارے تو تو اپنی دوسری گال بھی اس کے آگے کر دے۔ سو اللہ تعالےٰ نے وہ حالات پیدا کر دیئے جن میں یہ تعلیم جو کبھی بھی قابلِ عمل نہ تھی خود اہلِ مغرب نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی اور جب یورپ اور امریکہ کو اپنے دفاع کے لالے پڑ گئے تو فوجی دفاع پر وہ اربوں کھربوں ڈالر اور پاؤنڈ ہر سال خرچ کر رہے ہیں اور دفاعی جنگوں میں مرنے والوں کو شہدا اور قومی ہیرو کے القاب سے پکارتے ہیں۔ گویا عملاً اہلِ یورپ اور اہلِ امریکہ نے اسلامی تعلیم کو اپنا لیا ہے۔ اور اسی لئے اس بارہ میں اب اسلام پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔

اسی طرح اسلام میں مخصوص حالات میں طلاق کی اجازت پر بڑا اعتراض تھا اور کہا جاتا تھا کہ دیکھو حضرت عیسیٰؑ کی کیا اعلیٰ تعلیم ہے کہ نکاح آسمان پر باندھا جاتا ہے اس لئے زمین پر اُسے کون توڑ سکتا ہے؟ آسمانی عقد کو زمین پر توڑنے کی پہل تو خود حضرت عیسیٰؑ نے کر دی۔ کہ زنا کی صورت میں انسانوں کو خدا کے باندھے ہوئے عقد کو توڑنے کی اجازت دیدی۔ اور اب اللہ تعالےٰ نے وہ حالات پیدا کر دیئے کہ تمام عیسائی ممالک میں یہاں تک کہ رومن کیتھولک ممالک میں بھی جہاں اس معاملہ میں سختی تھی اب طلاق کو عام کر دیا گیا ہے۔ اور طلاقیں اس قدر زیادہ ہونے لگ گئی ہیں کہ مسلمانوں میں تو اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہوتیں۔

اسی طرح اسلام میں خاص حالات میں تعدد ازدواج کی اجازت پر بڑا اعتراض تھا مگر اب جبکہ یورپ اور امریکہ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور زناکاری عام ہو گئی ہے۔ اور اسی وجہ سے خانگی زندگیاں برباد ہو رہی ہیں۔ اور وہ عورتیں جن کے سر پر مرد نہ ہو ان کی عزت وآبرو اور زندگیاں تک ہر آن خطرہ میں ہیں۔ تو اہلِ مغرب میں بھی آہستہ آہستہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ عورت کی عزت اور عصمت اور سلامتی اسی میں ہے کہ وہ چاہے دوسری بیوی بن کر رہے مگر اسی میں اس کی اور نسلِ انسانی کی پاکیزگی اور سلامتی ہے۔ اور پہلی بیوی کے لئے بھی یہی بہتر ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کا خاوند راتوں کو غیر عورتوں کے ساتھ رہے۔ اور وہ گھر میں اکیلی جلتی کڑھتی رہے اور بالآخر اس کا خاوند اسے چھوڑ کر یا طلاق دے کر دوسری عورت کے ساتھ جا رہے جیسا کہ اب کثرت سے ہو رہا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بغیر باپ کے اولاد تباہ وخوار ہو جاتی ہے۔ اور جرائم میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ میں تعدد ازدواج کے معاملہ میں اس سے زیادہ تفصیل سے نہیں جاتا کیونکہ میرا اصل موضوع کچھ اور ہے۔

آخری اعتراض کا جواب

صرف ایک اعتراض باقی رہ گیا ہے :- اور میں چاہتا ہوں کہ چودھویں صدی

ہجری کا مذہبی انقلاب جو اسلام کے حق میں اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے جا رہا ہے اس میں جو صرف ایک دو سو سال باقی رہ گیا وہ بھی نہ رہے۔ اور یوں یہ تاریخی صدی پوری ہونے سے پہلے اسلام اپنی پوری آب و تاب سے دنیا میں چمک اُٹھے۔

وہ اعتراض یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ خاص حالات میں تعدد ازدواج ہی بہترین حل ہے خصوصاً اُن شرائط کے ساتھ جو قرآن حکیم نے لگائی ہیں کہ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی یعنے اگر تمہیں خوف ہو کہ تم بیواؤں اور یتیم بچّوں کے بارہ میں انصاف نہیں کرسکو گے سوائے اس کے کہ بیوہ یا اکیلی عورت یا یتیم بچّوں کی ماں کو نکاح میں لیکر ان کی حفاظت کرو تو دو یا تین یا چار عورتوں تک سے نکاح کر لو بشرطیکہ تم ان کے درمیان عدل کرسکو اور اگر عدل نہ کرسکنے کا ڈر ہو تو پھر ایک ہی عورت تمہارے نکاح میں ہو مگر اب یورپ اور امریکہ میں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے گھر میں کیوں آخیر زمانہ میں دس ازواج مطہرات تھیں جبکہ باقی مسلمانوں کے لئے چار کی حد مقرر ہو گئی تھی اور جن چند مسلمانوں کی چار سے زیادہ بیبیاں تھیں انہیں زائد عورتوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ جن وجوہ سے صحابہؓ کو ایک سے زیادہ بیبیاں کرنی پڑیں اور جن وجوہ سے رسول اللہ صلعم کو کرنی پڑیں وہ بالکل ایک نہ تھیں۔ صحابہؓ کو تو یوں کرنی پڑیں کہ اوّل تو مسلمانوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ تھی اور جب مدینہ منوّرہ آکر اُوپر تلے دفاعی جنگیں لڑنی پڑیں تو بہت سے مرد مارے گئے اور اس طرح مردوں کی تعداد سے عورتوں کی تعداد اور زیادہ بڑھ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تعدّد ازدواج کی وجہ یہ بھی تھی مگر اس کے علاوہ دو تین اور اہم وجوہات بھی تھیں۔

اوّل تو یہ کہ آپ کو تین نکاح تو ایسے کرنے پڑے کہ جن کی غرض تالیف قلوب یعنے دشمنوں سے صلح صفائی پیدا کرنی یا دوسرے سربراہ مملکت کی دلجوئی مدّنظر تھی۔ ان قومی اغراض کی وجہ سے جو نکاح آپ نے کئے وہ حضرت صفیہؓ (خیبر کے یہود کے رئیس کی صاحبزادی) اور حضرت جویریہ (جو قبیلہ بنی المصطلق کے سردار حارث کی صاحبزادی تھیں اور اس قبیلہ سے جنگ کے بعد قیدی ہو کر آئی تھیں) اور حضرت ماریہ قبطیہ تھیں جنہیں مقوقس بادشاہ مصر نے آپ کی دعوت اسلام کے جواب میں بطور مصالحت اور حسن عقیدت آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اسی طرح آپؐ کی پھوپھی زاد بہن زینب کا معاملہ تھا۔ آپؐ کے اصرار پر اُن کی شادی پہلے آپ کے آزاد کردہ غلام زید سے ہوئی مگر جب وہ نہ نبھی اور طلاق ہو گئی تو حضرت زینب کی پوزیشن سخت خراب ہو گئی اس لئے کہ اوّل تو طلاق شدہ عورت سے لوگ نکاح نہیں کرتے اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ عورت میں کوئی عیب ہوگا جو اسے طلاق ہوئی۔ اور دُوسرے عرب کے لوگ اپنی عورتوں کو غلاموں کے نکاح میں نہیں دیتے تھے خواہ وہ غلام آزاد کردہ ہی ہو جس طرح آج ہمارے ہاں بھی اگر کوئی عورت کسی نوکر سے شادی کر لے اور پھر اسے طلاق ہو جائے تو اس کو کون منہ لگائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم چونکہ غلامی کو مٹانے اور انسانوں میں مساوات بڑھانے آئے تھے اس لئے آپ کے اصرار پر حضرت زینب کی شادی زید سے ہوئی۔ اب جبکہ ان کو طلاق بھی ہو گئی تو ان کی شادی اب دوبارہ نہ ہو سکتی تھی اس لئے آپؐ پر اخلاقی فرض ہو گیا کہ (چونکہ آزاد کردہ غلام سے نکاح حضور صلعم کے زور دینے پر ہوا تھا) اور وہ اب ٹوٹ گیا تھا) آپؐ حضرت زینب کو اپنے نکاح میں لے لیں اور اس طرح مطلّقہ عورت اور وہ بھی غلام کی مطلّقہ عورت پر جو دوہرے عیب لگائے جاتے ہیں انہیں اپنے نمونہ سے دور کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ساری عمر ایک بیوی کے ساتھ گذری اور ۲ھ سے لے کر ۵ھ تک جو متعدد نکاح آپ نے کئے ان میں سے چار کی وجہ میں اُوپر بتا آیا ہوں۔ یہی زمانہ تھا کہ جنگیں ہوئیں اور بہت سی مسلمان عورتیں بیوہ ہو گئیں پھر یہی زمانہ تھا کہ شریعت کے احکام نازل ہوئے۔ اب ان احکام کا عورتوں سے بہت زیادہ تعلق ہے۔ جو تعداد میں مردوں کے برابر اگر ان سے زیادہ ہیں اور بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ ان کے بارہ میں عورتیں اپنی جنس یعنے عورت سے ہی کھول کر بات کرسکتی یا پوچھ سکتی ہیں اور مردوں سے حیا کرتی ہیں اس لئے وہ ازواج مطہّرات سے ہی آن کر پوچھ سکتی تھیں۔

مگر سب سے بڑی وجہ جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو متعدد بیبیاں کرنی پڑیں وہ یہ تھی کہ آپؐ کو خاتم النبیّین بنایا گیا اور قیامت تک کے لئے آپؐ کو اسوۂ حسنہ چھوڑنے کا فرض سونپا گیا۔ اسی وجہ سے آپؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ آج محفوظ ہے جس میں ہر قوم اور ہر شخص ہر حالات میں اپنے لئے نمونہ پا سکتا ہے۔ اس لئے اسوۂ حسنہ کو محفوظ کرنے والے اوّل تو صحابہؓ تھے ان کی تعداد سینکڑوں میں تھی بلکہ ہزاروں میں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دُوسرے مردوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا بھی وقت اگر باہر گذرتا تھا تو گھر میں بھی گزرتا تھا۔ آپ کی گھریلو زندگی، حسن معاشرت، راتوں کی عبادت اور گریہ وزاری اور دعائیں یہ اور بہت سے اور اہم مسائل ہمیں صرف ازواج مطہّرات سے ملے ہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں جو عورتوں کے متعلق احکام آئے ہیں اور ان کے علاوہ بھی قرآن کریم کی تفسیر اور تفہیم میں بہت مدد ازواج مطہرات کی بدولت ہمیں نصیب ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگا لیجیئے کہ علماء دین اور فقہا کی رائے ہے کہ ہمیں ایک تہائی دین صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ ملا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد سب سے زیادہ حدیثیں حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں بلکہ محدّثین کی رائے ہے کہ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثیں کچھ زیادہ ہیں مگر اہمیّت کے لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پہنچائی ہوئی حدیثیں زیادہ مفید اور کارآمد ہیں پھر حضرت عائشہؓ سے خود صحابہ رضی اللہ عنہم آن کر قرآن کی مشکل آیات کی تفسیر پوچھا کرتے تھے۔ اور جہاں تک رسول اللہ صلعم کے اپنے اقوال یا نمونہ کا تعلق ہے۔ تو حضور صلعم کی وفات کے بعد ایک عالم ازواج مطہّرات سے سوال پوچھتا اور استفادہ حاصل کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی وفات کے بعد ازواج مطہّرات نے اپنی زندگیاں اسی ضروری اور اہم کام کے لئے وقف کر دی تھیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ جب بنو اُمیہّ کا دور آیا اور مدینہ کی بجائے دمشق دار الخلافہ بن گیا تو خلقت کا رجوع لازماً دمشق کی طرف ہوا جہاں چین سے لے کر بحر اوقیانوس تک کے لوگ آتے تھے جن میں دین سیکھنے والے بھی تھے تو ازواج مطہّرات میں سے دو مقدّس بیبیوں نے مدینہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور حضور صلعم کے روضہ کے قُرب سے جو انہیں تسکین ملتی تھی اُسے بھی قربان کیا اور دمشق میں جا کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور وہیں وفات پا کر مدفون ہوئیں۔ اور مجھ نابکار گنہگار کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اپنے دمشق کے مختصر قیام میں ان مقدّس خواتین کی قبروں پر جا کر میں نے اور میری بیوی نے فاتحہ پڑھی۔

تو اگر رسول اللہ صلعم کے گھر سے باہر کے اقوال اور افعال کو محفوظ کرنے کے لئے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں صحابہؓ کی ضرورت پڑی تو آپؐ کے گھر کے اندر کے نمونہ اور سنّت اور اقوال کو محفوظ کرنے کے لئے ایک بی بی کہاں کافی ہو سکتی تھی؟ چونکہ حضور صلعم کو قیامت تک کے لئے رسُول اور نمونہ ہر قسم کے آدمیوں اور قوموں کے لئے بنایا گیا اس لئے آپؐ پر ہر قسم کے حالات اور حادثات آئے اور ان میں آپؐ کا نمونہ اور قول اور فعل ایسا محفوظ ہے۔ کہ آپؐ واحد تاریخی نبی کہلانے کے مستحق ہیں۔ آپؐ کی زندگی کا ایک ایک قابل ذکر موقعہ اور اس میں آپ کا نمونہ یا آپؐ کے اقوال حدیثوں کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اور انہیں محفوظ کرنے میں اور قیامت تک کے لئے نسل انسانی کے فائدہ اور ہدایت کے لئے چھوڑ جانے میں جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کا بڑا حصہ ہے۔ وہاں ازواج مطہّرات کا بھی اہم حصہّ ہے۔

قرآن کی شہادت

۱۔ ازواج مطہرات کے کاشانۂ نبوی میں جمع

کئے جانے کے اسی اہم مقصد کا ذکر اُن آیات قرآنی میں ہے جن سے میں نے اس خطبہ کو شروع کیا تھا۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ ان مقدّس خواتین نے سالہا سال فقر و فاقہ میں گزارے اور کبھی اُف نہ کی۔ مگر جب مدینہ منوّرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے آخری ایّام میں تجارت کے فروغ اور فتوحات کے مال غنیمت کی آمد نے نسبتاً آسائش پیدا کر دی تو ان مقدس خواتین کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب آسائش کی چیزیں اور زیور کپڑا حرام نہیں اور دوسروں کو میسّر ہیں تو ازواج النبیؐ کیوں محروم رہیں خصوصاً جب کہ رسول اللہ صلعم بادشاہِ مدینہ تھے۔ اور ایک دن بدن بڑھتی ہوئی فاتح قوم کے سردار تھے۔ یاد رہے کہ زیور کپڑے کی خواہش عورت کی فطرت میں ہے چنانچہ خود قرآنِ حکیم میں آیا ہے کہ اومن یُّنشّؤا فی الحلیۃ (الزخرف ۴۳ - ۱۸) یعنے عورت زیور میں پرورش پاتی ہے۔ پھر آیا ہے: قل من حرم زینۃ اللّٰہ التیٓ اخرج لعبادہٖ والطیّبٰت من الرّزق ط قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ ط (الاعراف: ۳۲) یعنے کہہ دو کہ کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کیا ہے؟ کہو وہ مؤمنوں کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی ہے۔ اور قیامت کے روز تو خالصتاً اُنہی کے لئے ہوگی۔ اس لئے ازواج مطہرات کا مطالبہ اوّلاً جائز تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دوررس نگاہ نے دنیا کی زینت کے سامانوں کو اپنے گھر میں لانے میں وہ قباحتیں دیکھیں جو ازواج مطہرات نہ دیکھ سکتی تھیں اختصار کی خاطر میں اُن میں سے ایک ہی کا ذکر کرتا ہوں۔ آج مغرب کے معترضین میں سے بعض نے یہاں تک لکھا ہے کہ محمد (صلعم) نے لوٹ مار کے لئے (نعوذ باللہ) تمام جنگیں لڑیں۔ آج ہم ایسے معترضین کے منہ میں خاک جھونک سکتے ہیں یہ کہہ کر کہ اگر تمہارا اعتراض صحیح ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے گھر میں کیوں ساری عمر فقر و فاقہ رہا دو - دو ماہ تک گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ اکثر گھر میں فقط پانی ہوتا تھا۔ اور کوئی زیب و زینت کا سامان نہ تھا۔ تو یہ مونہہ توڑ جواب ہے ان مغرب کے گندے معترضین کا جنہوں نے یہ کہا ہے کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دنیاوی فوائد کے لئے یہ سب ڈھونگ رچایا تھا۔ (معاذ اللہ)

ازواج مطہّرات کا عظیم الشّان نمونہ :-

تو رسول اللہ صلعم نے ازواجِ مطہّرات کے مطالبہ کو نہ مانا اور قرآن پاک کی آیات نے بعد میں آپ کی تائید ان الفاظ میں کی کہ "اے نبی اپنی ازواج کو کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں سامان دوں اور عمدگی سے تمہیں رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کو اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے اللہ نے بڑا اجر تیار کیا ہے"۔ رسول اللہ صلعم نے یہ الہٰی فیصلہ ایک، ایک کر کے تمام ازواج مطہرات کو پہنچا دیا اور سب کی سب نے بلا استثنا کہا کہ ہم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی زندگی چاہتی ہیں اللہ تعالیٰ کی لاانتہا رحمتیں اور انعام ان مقدس خواتین پر لگے جہان میں ہوں کہ ان سب نے اپنے نفس پر چھُری پھیر دی اور اللہ اور اس کے رسُول اور آخرت کے گھر کے لئے اپنا جائز مطالبہ چھوڑ دیا۔ یاد رہے کہ آیات قرآنی نے یہ نہیں کہا کہ زیب و زینت کے سامان تمہارے لئے حرام ہیں۔ اسی لئے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو میں تمہیں دے دوں گا مگر پھر تمہارا رسُول کے گھر میں کام نہیں۔ یہاں جس کام کے لئے تمہیں اکٹھا کیا گیا ہے وہ اگلی آیت میں یُوں فرمائیں کہ "اور اسے محفوظ کر لو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں سے پڑھا جاتا ہے"۔ یعنے جو قرآن حکیم کی آیات کے معانی اور مفہوم تمہارے سامنے بیان کئے جاتے ہیں۔ اور جو حکمت کی باتیں کہی جاتی ہیں یا کی جاتی ہیں۔ (یعنے رسول اللہ صلعم کے اقوال اور سنت کو) محفوظ کر کے دنیا تک پہنچاؤ اور جس طرح یہ نبی مردوں کے لئے اسوۂ حسنہ پیش کرتا ہے تم عورتوں کے لئے پیش کرو ورنہ کوئی عورت کہہ سکتی تھی کہ مرد جس کی فطرت میں زیور کپڑے کا وہ شوق نہیں جو عورت میں ہے۔ وہ سادگی اور کفایت شعاری کی اس حد تک جا سکتا ہے جو ہم عورتیں نہیں جا سکتیں مگر ازواج مطہرات اور وہ بھی ایک — دو نہیں بلکہ دس کا نمونہ سادگی اور کفایت شعاری کا عورتوں کے لئے سبق ہے۔ کہ وہ بھی ان خوبیوں کو حاصل کریں اور زیور کپڑے اور زینت کے سامان جو ھل من مزید کی آگ بھڑکاتے ہیں اکثر مردوں کے لئے مہیّا کرنے ممکن نہیں ہوتے اور وہ مجبور ہو کر رشوت ستانی یا غبن تک کر بیٹھتے ہیں۔

اَزواج مطہّرات کا اعلیٰ نمونہ :

الہٰی آیات مُبارکہ میں ازواج مُطہّرات کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی قرآن نے فرمایا کہ تمہارے پاس قرآن اور سنت نبویؐ کو سیکھنے کے لئے مرد بھی آئیں گے اس لئے تم نے غیر مردوں سے کس طرح بات کرنی اور کیا احتیاطیں کرنی۔ اسی وجہ سے اسی سورت میں ازواجِ مطہرات کو امہات المؤمنین کا خطاب دیا کہ جس طرح یہ رسول مُؤمنوں کا روحانی باپ ہے تم مائیں ہو تم نے مومنوں کی روحانی تربیت کرنی ہے۔ اور اسی وجہ سے امہات المومنین کا کسی اور مَرد سے نکاح منع کر دیا۔

الغرض یہ مقدّس خواتین تمام قوم اور خصوصاً عورتوں کے لئے جو تعداد میں مَردوں سے کم نہ تھیں دینی معلّم اور نمونہ بن گئیں۔ کہاں یہ مقدّس اور مطّہر کام جو ان عظیم الشان خواتین نے سرانجام دیا اور کہاں وہ گندے اعتراضات جو دشمنانِ اِسلام نے کئے اور جن کی وجہ سے بدقسمتی سے ہمارے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے دل میں بھی وساوس پیدا ہوتے ہیں اس لئے کہ ان بیچاروں کو کسی نے صحیح صورتِ حالات نہیں بتائی۔ اسی لئے میں نے خاتم النبیّین صلعم کے گھر میں اتنی بیبیاں جمع کرنے کی حکمتِ الہٰی کو بیان کرنا ضروری سمجھا۔ میں پھر دُہراتا ہوں کہ اگر خاتم النبیّین صلعم کے نمونہ اور سنّت اور اقوال اور پیشگوئیوں کو جو گھر سے باہر آپ نے کہیں محفوظ کرنے کے لئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں صحابہؓ کی ضرورت پڑی تو وہ وقت کا بڑا حصّہ جو آپؐ گھر میں گزارتے تھے اور جس میں حضور صلعم کی راتوں کی عبادت اور دعائیں اور گریہ وزاریاں بھی تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کے گھر میں حسنِ معاشرت کے نمونہ اور اخلاق عالیہ اور قرآن کی حکمتوں کو ازواج مطہّرات کے یا دُوسری عورتوں کے پوچھنے پر بیان کرنا یا تفصیلات دینا تھا۔ ان بیش بہا موتیوں اور جواہر کو محفوظ کرنے کے لئے اگر دس خواتین حکمت الہٰی نے جمع کیں تو یہ تو کوئی زیادہ تعداد نہ تھی۔ آپؐ کی زندگی کے ہر قابل ذکر موقعہ پر آپ کی سنّت یا فرمان کو محفوظ کرنے کی اتنی اہمیّت تھی کہ جنگوں تک کے دشوار سفروں اور خطرناک موقعوں پر بھی ایک یا دو ازواج مطہّرات ساتھ جاتی تھیں تاکہ کوئی بات یا نمونہ جو محفوظ کرنے کے قابل ہو وہ ضائع نہ ہو جائے اور نسلِ انسانی کے لئے قیامت تک کے لئے ہر قسم کے موقعوں اور مرحلوں پر سنّتِ رسولؐ کا نمونہ اور ہدائیت موجود ہو۔

بدظنیوں کا جواب

جن بدبخت معترضین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جیسے بے نفس اور پاک باطن انسان کے تعدّد ازدواج کو بُرے رنگ میں لیا ہے۔ اور انہیں حظّ نفس کی طرف محمول کیا ہے۔ انہوں نے واقعات سے آنکھیں بند کی ہیں۔ یا اپنے نفس کی گندگیوں پر دوسروں کا بھی اندازہ کیا ہے۔ ورنہ مندرجہ ذیل ٹھوس اور قطعی باتوں کے بعد کسی قسم کی بدظنی کی گنجائش رہتی ہی نہیں :-

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایک نہایت حسین وجمیل اور تندرست اور طاقتور انسان تھے۔

۲۔ کنوارپن کی زندگی میں جو ۲۵ سال کی عمر تک رہی (جب کہ آپ کی پہلی شادی ہوئی) آپؐ کا کیریکٹر ہر قسم کے داغ بلکہ شک وشبہہ سے بالکل پاک وصاف رہا حالانکہ اس وقت کے عرب کی سوسائٹی میں نوجوانوں میں جنسی معاملات میں بالکل آزادی تھی اور نوجوان اگر جنسی برائیاں کرتے تھے تو اُسے دستوری بات سمجھا جاتا تھا آپؐ کا زمانۂ شباب کا بھی چال چلن اس قدر اعلیٰ اور پاک وصاف تھا کہ سر ولیم میور جیسے نکتہ چین مؤرخ نے اس کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ بے مثال تھا خود قرآن پاک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبان سے کفّار کو یہ چیلنج دیا کہ فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہٖ افلا تعقلون (سورۃ یونس ۱۔ ۱۶) یعنے میں نے تو تمہارے درمیان اس سے قبل ایک عمر گذاری ہے۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ یہ چیلنج نبوت کے دعوٰی کے بعد یعنے ۴۰: ۵۰ سال کی عمر میں دیا کفّار اور معترضین نے ادر قسم کی باتیں بنائیں مگر آپؐ کی صداقت، ایمانداری اور چال چلن کے خلاف ان کو کبھی ایک حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

۳۔ ۲۵ سال کی عمر میں جب آپؐ شادی کرتے ہیں تو ایک بیوہ سے جن کی عمر چالیس سال تھی اور اُن کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں اور پھر اس مقدس خاتون کے ساتھ آپؐ نے ۲۵ سال ایسے گزارے کہ جب آپؐ نے ۴۰ سال کی عمر میں دعوٰی نبوت کیا تو سب میں پہلی ایمان لانے والی وہ تھیں۔ مرد میں کسی کو کوئی عیب نہ بھی نظر آئے تو اس کی بیوی ضرور اس میں عیب نکالتی ہے۔ یہاں بیوی اور وہ بھی عمر میں بڑی خاتون آپؐ کی ایسی معتقد تھی کہ نبوت کی خبر سن کر اس نے بلا تأمل آپؐ کو خدا کا رسول اور اپنا روحانی پیشوا مان لیا۔ عرب میں تعدّد ازدواج عام تھا اور اگر حضرت خدیجہؓ کے ہوتے ہوئے رسول اللہ صلعم اور بھی کوئی شادی یا شادیاں کر لیتے تو حضرت خدیجہؓ خود اسے قابلِ اعتراض بات نہ سمجھتیں خصوصًا اس لئے کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ بوڑھی ہو گئی تھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایسی وفاداری اور ضبطِ نفس کا اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ کبھی کسی اور عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

۴۔ جب حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ۵۰ سال کی عمر کے تھے۔ اگر حضرت خدیجہؓ کے پاسِ خاطر کی وجہ سے حضور صلعم نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی تھی تو ان کی وفات پر کر لیتے مگر آپؐ تین سال تک پھر بلا شادی رہے۔ حالانکہ گھر میں دو لڑکیاں تھیں (بڑی دو کی شادی ہو چکی تھی) اور ان بچیوں کی نگہداشت نبوت کی مصروفیات میں ایک مزید بوجھ تھی۔ پھر ۵۳ سال کی عمر تک پہنچنے پر اور توجہ دلائے جانے پر آپؐ نے دوسری شادی کی بھی تو حضرت سودہ سے جو بیوہ تھیں اور قریبًا ستّر سال کی عمر کی تھیں۔ میں ان باتوں کا اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ جس کے دل میں ذرّہ بھی خوفِ خدا ہوگا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے بالکل بے نفس بلکہ نفس کو مار کر ختم کر دینے والے انسان پر کبھی شک بھی کر سکتا ہے۔ کہ اس نے حظِ نفس کے لئے شادیاں کیں؛ حضرت سودہ بڑھیا ہونے کے علاوہ دراز قد اور موٹی تھیں محض ان کی بیوگی اور بے چارگی پر رحم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان سے شادی کی تھی۔ ایسے شخص پر کسی قسم کی بدظنی کرنا کتنا ظلم عظیم ہے!

۵۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو کبھی لالچ نہ دیا گیا تھا کہ خوبصورت اور کنواری لڑکی سے شادی کر لیں؟ کیسا زبردست لالچ دیا گیا کہ دعوٰی نبوت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دلائل سے لاجواب ہو کر کفّارِ مکہ نے آپؐ کو ورغلانا چاہا۔ کہلوایا کہ اگر بادشاہت چاہئے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں دولت چاہئے تو جتنی کہو سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیں۔ عورت چاہئے تو جس خوبصورت سے خوبصورت عورت کو کہو آپؐ کے نکاح میں دینے کو تیار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جو جواب دیا وہ سب جانتے ہیں۔ کہ اگر تم سورج اور چاند کو بھی میرے دائیں اور بائیں ہاتھوں میں لا کر رکھ دو تو بھی اس کام سے نہیں ٹلوں گا۔ جس کے لئے مجھے مامور کیا گیا ہے

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۵۵ سال کی عمر تک جب کہ جوانی ڈھل چکی تھی صرف ایک بڑھیا بیوی (پہلے حضرت خدیجہؓ اور ان کے بعد حضرت سودہ) کے ساتھ کمال عفت و عصمت اور پاکدامنی کی زندگی گزار کر بتا دیا کہ نارمل حالات میں ایک مرد، ایک عورت کا ساتھ ہی ٹھیک طریق ہے۔

۷۔ جب ۲ھ سے ۷ھ کے سالوں میں آپؐ نے متعدد نکاح کئے تو سوائے حضرت عائشہؓ کے وہ تمام بیبیاں بیوہ یا مطلّقہ عورتیں تھیں اور جیسا کہ مشہور مؤرخ باسورتھ سمتھ نے لکھا ہے وہ شکل وصورت میں بھی دلکش نہ تھیں۔ ان کو عقد میں لانے کا کیا مقصد تھا وہ میں پہلے بتا آیا ہوں۔ پھر دہراتا ہوں کہ یہی سال تھے کہ جنگیں پیش آئیں اور عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ بیواؤں اور مطلّقہ عورتوں کو کوئی پوچھتا نہیں تھا (اور اس زمانہ میں بھی یہی حال ہے) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ازراہِ ترحم انہی کو چنا۔ پھر یہی وہ زمانہ تھا کہ شریعت کے احکام نازل ہوئے اور وہ قرآن کریم میں اکثر مجملًا یعنے اختصار سے مذکور تھے ان کی تفاصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائیں۔ یاد رہے کہ آبادی میں نصف بلکہ زیادہ عورتیں تھیں۔ شریعت کے تمام احکام میں عورتوں کے متعلق بے شمار باتیں تھیں ان کی تفصیلات معلوم کرنے یا محفوظ کرنے میں ازواج مطہرات کا بہت بڑا حصہ تھا سب میں بڑھ کر یہ کہ شریعت کے قوانین نازل ہونے کے بعد اُن کی تفصیلات اور اُن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عمل یا نمونہ کو قیامت تک کے لئے محفوظ کیا جانا تھا کیونکہ آپؐ خاتم النبیّین تھے اور نبوت کا دروازہ بند ہونا تھا اس محفوظ کرنے کے عظیم الشان کام میں ازواج مطہرات کا بہت بڑا حصّہ تھا۔

۸۔ جب جنگیں ختم ہوئیں اور شریعت بھی تکمیل کو پہنچی تو آپؐ کے نکاح جو حکم خداوندی سے کئے جاتے تھے (نہ کہ کسی نفس کی خواہش سے) وہ بند ہو گئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آیا کہ لا یحل لک النسآء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج (الاحزاب ۳۳ ۵۲) یعنے اس کے بعد تیرے لئے عورتیں نکاح میں لانے کی اجازت نہیں اور نہ یہ کہ تو ان کی جگہ دوسری بیبیاں کر لے۔

۹۔ میں آخری بات کہہ کر اپنے خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔ ہم آج عرصہ دراز کے بعد کیا اندازہ لگا سکتے ہیں؟ وہ مرد و زن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دن رات قریب سے دیکھتے تھے، آپؐ کو خدا کا نبی اور رسول دل وجان سے مانتے تھے، آپؐ کے اور آپؐ کے مشن کی خاطر بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے جانے میں اپنا فخر سمجھتے تھے، آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنا اپنی زندگی کا واحد مقصد سمجھتے تھے، اور وہ ازواج مطہّرات جو اپنے حُسنِ عقیدت میں کسی سے کم نہ تھیں، کیا وہ سب کے سب عینی گواہ ہمارے لئے کافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کیا اعلیٰ اور مثالی کیریکٹر کے انسان تھے؟ ایسے انسان پر اور پھر ان دلائل کے بعد جو میں نے مختصرًا اوپر بیان کئے ہیں کسی قسم کی بدظنی کرنا کتنا ظلم عظیم ہے!

۱۰۔ اسی سلسلہ میں ایک واقعہ عرض کر دوں۔ حضرت عمرؓ عورتوں کے معاملہ میں ذرہ سخت تھے مثلًا اسلام نے آن کر عورتوں کو جس حد تک آزادی جائز کر دی اس کو حضرت عمرؓ نے قبول تو کر لیا مگر اپنے نفس پر جبر کر کے۔ مثلًا حضرت عمرؓ کی بیوی ان کے ساتھ صبح وشام مسجد نبوی میں نماز کے لئے دو میل دور سے پیدل آیا کرتی تھی کیونکہ اقف جال

نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں عمرؓ کے ساتھ دن رات چل کراتی ہو۔ جب کہ آپ جانتی ہو کہ وہ ان کی طبیعت پر کس قدر گراں گذرتا ہے؟ حضرت عمرؓ اس وقت ساتھ تھے۔ آپ کی بیبی نے ہنس کر سائل کو جواب دیا" تم ان (عمرؓ) سے کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ کیوں خاموشی سے سہہ لیتے ہیں؟ اس لئے نا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اللہ کی بندیوں (یعنی عورتوں) کو مسجد میں آنے سے مت روکو۔

تو حضرت عمرؓ کی عورتوں کے معاملہ میں غیرت سب کو معلوم تھی۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد حسب عادت رسول اللہ صلعم مسجد میں بیٹھ گئے تو آپؐ نے فرمایا میں نے آج رات رؤیا دیکھا جنت میں وہ محل دیکھا جو عمر کے لئے تیار ہو رہا ہے۔ جب میں نے اندر جانا چاہا تو دیکھا کہ اس محل کے باغ میں نہر پر ایک عورت بیٹھی وضو کر رہی ہے۔ تو میں نے عمر کی عورتوں کے بارہ میں غیرت کی وجہ سے آگے جانا مناسب نہیں سمجھا اور واپس آگیا۔

تو اس پر حضرت عمرؓ بے اختیار رو پڑے اور کہنے لگے" یا رسول اللہ کیا میں آپؐ پر عورت کے بارہ میں غیرت کر سکتا ہوں؟" تو اس ایک واقعہ سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ حضرت عمرؓ —

—— آپؐ کے کیریکٹر کی بلندی اور ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہونے کا کیسا معترف تھا۔ کہ بے اختیار بول اٹھا کہ کیا میں آپؐ پر عورت کے بارہ میں غیرت کر سکتا ہوں؟"

اس کے بعد اور ان قطعی دلیلوں کے بعد جو میں نے مختصراً عرض کی ہیں اگر کسی کے دل میں حضور صلعم کے تعدد ازدواج کے بارہ میں کوئی وسوسہ باقی رہ جاتا ہے۔ تو اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ اُسے اپنے دل کی فکر کرنی چاہیئے۔ کہ اس کے اپنے اندر کوئی کمزوری یا گندگی تو نہیں جو اس کے دل کی آنکھ پر میلی عینک بن کر دوسروں میں عیب دکھاتی ہے۔ اسی لئے قرآن پاک نے متنبہ کیا ہے کہ فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ (النجم ۵۳:۳۲) یعنے اپنے نفسوں کو پاک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ جو تقوےٰ اختیار کرتا ہے۔

ہنگامی اجلاس مجلس شبّان الاحمدیہ راولپنڈی

مؤرخہ ۳۱ ۳/۸، زیر صدارت:- عبدالعزیز خانصاحب کے

تعزیتی قرارداد

۱۔ شبان الاحمدیہ راولپنڈی کا یہ ہنگامی اجلاس اخویم شیخ شاہد حمید صاحب کے والد بزرگوار محترم شیخ عبدالحمید (سیالکوٹ) کی ناگہانی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم سلسلہ کے ایک قابل قدر اور لائق عزت رکن تھے۔ اور ایک قدیم خادم دین خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور سوگوار خاندان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ انہیں اس عظیم و جانکاہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے اور صبر جمیل عطا فرمائے۔

۲۔ شبان الاحمدیہ راولپنڈی کی طرف سے میاں منظفرالدین بطور نمائندہ سیالکوٹ تعزیت کے لئے تشریف لے گئے۔

بقیہ:- ختم نبوّت اور اتحاد نسل انسانی

للہ ملک السمٰوات والارض۔ واللہ علیٰ کلّ شیٔ قدیر۔ اور آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ و للہ ملک السمٰوات والارض وما بینھما یخلق مایشاء و اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔ للہ ملک السمٰوات والارض وما فیھن وھو علےٰ کل شیٔ قدیر۔ پس عبادت کے لائق وہی خدا ہو سکتا ہے۔ جو خالق ہو اور ربوبیت کرتا ہو۔ مالک ہو اور ہر ایک ذرہ پر اس کی حکومت اور تصرف تام ہو۔ الٰھنا والٰھکم الٰہ واحد۔ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد۔ کہہ دیجئے گا کہ میں تو تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ مجھ پر تعلیم الٰہی اتری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ان الٰھکم لواحد۔ رب السمٰوات والارض وما بینھما و رب المشارق۔ یقیناً تمہارا خدا ایک ہی ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کا ربوبیت کرنے والا ہے۔ اور ہر ایک اس چیز کا جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ اور ہر اس حصہ زمین کا رب ہے۔ جہاں سورج طلوع کرتا ہے۔ وما من الٰہ الا اللہ الواحد القھار اور خدا تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ ایک ہے اور وہ تمام امور پر غالب ہے۔

وحدت نسل انسانی:

اس دلربا توحید کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ تمام انسانوں کو یقین ہو جانے کہ تمام کائنات کی حکومت ایک ہی ذات بابرکات کے ہاتھ میں ہے۔ اور تمام اقوام عالم کی ربوبیت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس اعتقاد سے یقیناً ساری قومیں ایک ہو سکتی ہیں۔ لیکن قرآن کریم خود اس کے متعلق جو کچھ لکھتا ہے۔ وہ درج کرنے کے قابل ہے۔ فرمایا۔ یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ۔ اے لوگو! اس خدائے قدوس کو سامنے رکھ کر زندگی گزارو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور وہ ربکم و رب آبائکم الاولین ہے۔ تمہارا رب ہے اور تمہارے آبا و اجداد کا رب ہے۔ پھر فرمایا یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔ اے عامۃ الناس ہم نے تم سب کو ایک جوڑے سے پیدا کیا ہے پھر تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ لیکن یاد رکھو کہ قومیت خدا کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ خدا کے نزدیک تو سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اس سے ڈر کر زندگی بسر کرتا ہو۔ اور بہترین طریق پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرتا ہو۔ پھر رنگوں سے جو امتیاز اور تعصب پیدا ہونے والا تھا اس کو مٹانے کے لئے فرمایا من آیاتہ خلق السمٰوات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذالک لآیات للعالمین اور خدا تعالےٰ کی قدرت و حکمت کی آیات میں سے آسمانوں اور زمین کی خلقت ہے۔ اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں اہل علم کے لئے بڑے نشانات ہیں پھر مشرق و مغرب کے سوال نے جو تعصب پیدا کرنا تھا اس کے متعلق فرمایا: و رب المشرق و المغرب' اہل مشرق اور اہل مغرب دونوں کی ربوبیت کرنے والا ایک ہی ہے۔ غرض یہ ہے کہ وحدت نسل انسانی کے لئے حضرت سرور کائناتؐ نے بڑا زور لگایا ہے۔ جس طرح سے توحید کے سارے پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ اسی طرح وحدت نسل انسانی کے سارے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ کیونکہ حضورؐ کی یہ تڑپ تھی کہ تمام بنی نوع انسان کے اندر سچی ہمدردی محبت، آشتی اور صلح پیدا ہو اور اس طرح سے خدا کی بادشاہت جیسے آسمانوں پر ہے۔ زمین پر بھی اُتر آئے۔

روحانیت میں وحدت کی تعلیم:-

اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا خدا نے تو ایک ہی مذہب انسان کے لئے تجویز کیا تھا۔ سب پیغمبروں نے توحید کا سبق دیا تھا۔ لیکن قوموں نے اپنے اپنے پیغمبروں ۴۴

۴۴:- کو مانا اور دوسری قوموں کے پیغمبروں کو نہ مانا۔ اس سے اختلافات اور جنگ و جدال پیدا ہوئے

۶. جناب ابوالمنان طاہر صاحب، لاہور

فلاحی معاشرہ کی بنیادی اینٹ

سے پہلے اسلام کی منزل آخر تک دوری پر ہی کہنے ۔ اسی طرح روحانی زندگی میں کو بدرجہ اولیٰ اسس کو راہبر کی ضرورت ہے ۔ اور مسلمانوں کو تو اللہ تعالےٰ لے کامل رہبر عطا فرمایا ہے جس کے بارے میں حکم ہے کہ اُن کے نقش قدم پر چلو !

آج جن حالات سے ہم لوگ دوچار ہیں ۔ اور جن چیزوں سے کارگاہِ حیات میں واسطہ پڑتا ہے جن سے دامن بچانا بڑا ہی مشکل ہے لیکن ہم بحیثیت قوم مجموعی طور پر سوچ رہے ہیں کہ ان سے پہلو بچا کر کس طرح نکل سکتے ہیں ۔ صرف نکلنا ہی نہیں ان کو صحیح خطوط اور ایسے راستے پر ڈالنا ہے کہ فکر مند اور سیدھے راستے پر چلنے کی خواہش رکھنے والا بھی مطمئن ہو اور چلنے والے بھی ایسی روش اختیار کریں کہ ان کا قدم راستی پر مضبوطی سے چلنا شروع ہو جائے جس سے ہر فرد کو سکون قلب عطا ہو ۔ اور اسس وقت جو مادی ترقیات کا عروج عدم راہنمائی اور غلط طور و طریقہ کی وجہ سے جو ایک آگ کا لاوا جل رہا ہے ۔ اسس میں گرنے سے کس طرح خداتعالےٰ کی مخلوق محفوظ و مصئون ہو جائے ۔ اور ہماری پیدائش کا مقصد بھی پورا ہو جائے

جن چیزوں سے معاشرہ بگڑتا ہے اصلاح و روحانی ترقی کے دروازے سکڑتے نظر آتے ہیں ۔ بے قراری کا دور دورہ ہوتا ہے ۔ اعتماد اور اخوت اور بھائی چارہ کے بجائے انتشار پھیلتا نظر آتا ہے ۔ افراتفری اور نفرت بڑھتی ہے ۔ محبت مفقود نظر آتی ہے ۔ ان میں سے ایک مزمن بیماری افراد میں ایک عالم گیر عیب " بدظنی " ہے ۔ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ

یاایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ۔ ان بعض الظن اثم (حجرات ۱۲) اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو بہت گمان (بد) کرنے سے بچو ۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے ۔ اللہ کے اسس ارشاد پر اگر انسان اپنے دل و دماغ کا محاسبہ کرے ۔ تو اسس سے معلوم ہوگا ۔ کہ ہم اپنے دوسرے بھائیوں کا جو اکثر گمان کرتے ہیں وہ کس ذیل میں آتا ہے آیا اسس کا شمار گمانِ بد میں آتا ہے یا گمان خیر میں آتا ہے ۔ بظاہر ہماری کوئی مجلس ایسی نہیں ہوتی جس میں ایک دوسرے کے بارے میں ایسے کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں جس کی اگر اسس بھائی کو خبر ہو تو اسے تکلیف نہ ہو ۔ اگر کلمہ نکالنے والے کی نیت و ارادہ نیک ہے تو پھر ایسی مجلس تو اسس کے نکالنے کا مقام نہیں ۔ اگر وہ واقعی محسوس کرتا ہے ۔ کہ اسے اسس بھائی سے مل کر حکمت کے ساتھ اسس کی اصلاح کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ نہ کہ افشاء و اشاعت بے موقع و بے محل ! اور آج کے دَور میں تو کسی کی کوئی بات یا حرکت کسی سے چھپی رہ ہی نہیں سکتی ۔ پنجابی میں ایک محاورہ ہے : " منہ وچوں نکلی کھوٹے چڑھی " یعنی انسان نے بات منہ سے نکالی وہ دنیا میں پھیل گئی ۔ لیکن غور کرنے سے یہی بات معلوم ہوتی ہے ۔ کہ سب سے بڑھ کر بھائیوں کے اندر محبت کو کمزور کرنے ۔ اتحاد و اتفاق میں رخنہ ڈالنے والی ایک عظیم بیماری بدظنی ہے ۔ اسی واسطے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ

" نیک ظن کرنا طریق صالحان قوم ہے ۔

نیک سو پردے میں ہوں اُن سے نہیں ہوں آشکار "

اسس بیماری سے بچنے کا ایک نسخہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے ۔

" وزنوا قبل التکلم " ہر انسان کو چاہیئے کہ بات کرنے سے پہلے اسس کا وزن کرلے ۔ کیا سنہری گُر ہے کہ پہلے دل میں سوچ کہ مجھے اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہنی چاہیئے یا نہیں ۔ تھوڑی سی محنت سے بہت ساری کمزوریوں سے انسان بچ جاتا ہے ۔

آپ اپنے ملک کے رسائل و اخبارات اٹھا کر دیکھیں ! جو مواد ان کی وجہ سے مارکیٹ میں آرہا ہے ۔ اسس کو دیکھنے و پڑھنے سے بہت ہی بُرا اثر نئی نسل پر پڑ رہا ہے ۔ الاماشاءاللہ بدقسمتی سے گذشتہ کئی سالوں سے ہمارا ملک ایسے حالات سے دوچار ہے کہ منفی تربیت و تعلیم اور طرزِ عمل کا دور دورہ ہے ۔ حقیقی تعمیر و ترقی کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے ۔ اعتماد کی فضا ختم ہو گئی ہے ۔ لوٹ کھسوٹ کا نام ترقی رکھ دیا گیا ہے ۔ جس سے بھی ملو وہ پریشان ہے ۔ حق ہر ایک مانگتا ہے ۔ لیکن اسس کے لئے جو ذمہ داری اسس پر عائد ہوتی ہے ۔ اسس سے ہر کوئی بھاگنے کی کوشش کرتا ہے ۔ بنے بنائے کام کو خراب کرتا ہے ۔ قومی و ضروری املاک کو تباہ کرتا جس ذمہ داری کو قبول کیا ہے یا جو کسی کا فرض منصبی ہے اور یہ " رنگ " بظاہر ایک لاعلاج بیماری کی صورت اختیار کر گیا ہے ۔ اگر کوئی بات بنانے کی کوشش کرتا ہے ۔ تو وہ بنتی نظر نہیں آتی " کلمہ حق " جو محسوس کرتے ہیں اسس واسطے بلند نہیں کرتے ۔ کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ سچی بات کہی تو کہیں ہماری مخالفت نہ شروع ہو جائے ۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسی گو مگو کی پالیسی کا نتیجہ کیا ہوگا ۔ بجائے ترقی کے قوم اور ملک تنزل کی طرف چلا جائے گا ۔ اگر وقتی و فردی فوائد حقیقی اور دائمی اصولوں کو پامال کر دیں اور ان پر غالب آجائیں اسس صورت میں بنیادی مقصد کس طرح پورا ہوگا ۔

پس آج ضرورت ہے اس بات کی ! کہ ہر فرد یہ عہد کرے اور اسس کے اقرار و عمل سے بے شک کچھ مشکلات بھی پیش آئیں گی لیکن قربانی رائیگاں نہیں جائے گی ۔ غلط کو غلط کہیں اور صحیح کو علی الاعلان صحیح کہیں !

جس طرح بیج کتنا ہی اعلیٰ و عمدہ ہو جب تک زمین کو اچھی طرح تیار نہ کیا جاوے اور کھاد وغیرہ نہ ڈالی جاوے اور موقع موقع پہ پانی سے اسے سیراب نہ کیا جاوے اور پھر اسس کی صحیح حفاظت نہ کی جاوے وہ عمدہ بیج پھل نہیں دیتا ! اگر زمین تیار نہ ہو ۔ کھاد نہ ڈالی جائے ۔ پانی نہ دیا جاوے اور اسس کی رکھوالی نہ کی جاوے انجام بیج جو کہ عمدہ تھا وہ ضائع ہو جائے گا اور ادھوری محنت بھی ضائع جائے گی ؛

اسی طرح آج ہمارا یہ دعوےٰ کر دینا کہ ہم مسلمان ہیں : قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلعم

کو مانتے ہیں یہ کہہ دینا زبانی جمع خرچ کر دینا ہم کو کامیابی سے ہمکنار نہیں کرے گا جب تک ہم اپنے دل کی زمین نہ تیار کریں اور اس تعلیم پر نہ چلیں اور اس کی پوری طرح حفاظت بھی نہ کریں۔ زبانی جمع خرچ کا نتیجہ تو زیاں ہی ہوتا ہے

کئی سالوں سے آپ "نظام اسلام" یا "نظام مصطفیٰ" کا نام سنتے آ رہے ہیں لیکن ہماری گاڑی کدھر جا رہی ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں اس کی کیفیت اور اس سے محبت سب پر عیاں ہے۔

آج ضرورت ہے اس بات کی! آج جو منافرت یا تصادم کی صورت ہمارے ذہنوں میں یا مختلف طبقوں میں پیدا ہو گئی ہے اس کو ختم کیا جائے بلکہ سب لوگوں کے اندر تکریم کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ ہمارے سامنے وہ دور بھی ہے کہ جب عرب کے لوگ اسلام سے قبل سخت انتشار اور کرب کی حالت میں تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لا کر انتشار و کرب کی حالت کو محبت و الفت کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ آج ہم اسلام کا نام لے کر بہت ساری غیر اسلامی باتیں کرتے ہیں۔ اور اپنے کاروبار کی بنیاد نفرت پر رکھتے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لا کر حقیقی مساوات کا دروازہ کھولا۔ آپؐ نے ایسا کامل نمونہ دکھایا۔ ایسا ماحول پیدا فرمایا کہ آپ کے حقیقی دشمنوں نے بھی محسوس کیا اور تسلیم کیا کہ واقعی ایسا ماجرا ہم نے کبھی نہ دیکھا اور نہ سنا! عرب کے لوگ اپنے غلاموں کو بھیڑ بکری سے بھی کم تر حیثیت دیتے تھے، اپنے خاندانوں پر ان کو بڑا غرور تھا لیکن اسلام کی تعلیم اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کی برکت سے وہ سب بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کو آزاد کر دیا اور فرمایا کہ :-

انت اخونا و مولانا۔ اے زید تو ہمارا بھائی ہے۔ ہمارا اور تمہارا ایک خون ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر فرمایا: تو ہمارا سردار ہے۔ اور یہ صرف زبانی نہیں کہا بلکہ عملاً بھی اس کا ثبوت دے دیا۔ یہ تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ تھا اس کی پیروی میں دوسرے صحابہؓ نے بھی اسی روح کا مظاہرہ کیا۔ ایک مجلس میں حضرت عمرؓ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور فرمایا:-

اعتق سیدنا ابو بکر سیدنا بلال رضؓ "یعنی ہمارے سردار حضرت ابوبکرؓ نے ہمارے سردار بلالؓ کو آزاد کروایا تھا۔ کہاں وہ لوگ کہ نسلی فخر و مباہات پر سر کٹا دیتے تھے اس پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ اور کہاں یہ انقلاب آیا کہ وہ سب ایک لڑی میں پروئے گئے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ تو سردار تھے ہی۔ ان کو سردار کے لقب سے پکارا اور اس کے ساتھ ہی حضرت بلال کو بھی اپنا سردار تسلیم کیا۔ اللہ! اللہ! یہ انقلاب قلبی تھا جس سے اسلام چار دانگ عالم میں پھیلا اور آج اگر ضرورت ہے تو ایسے اسلام کے عملی نفاذ کی ہے! اسی طرح اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ احترام انسانیت پیدا کیا جائے آج اسلام کا نام لے کر بے حرمتی و بے وقری کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ جس کا جی آیا جس کا چاہا اور جیسا چاہا اس کے ساتھ سلوک کیا۔ کوئی کسی کو روکنے والا نہیں

اسلام! انارکسٹ والا ماحول نہ پیدا کرتا ہے نہ اس کی اجازت دیتا ہے۔ اسلام اخلاقی قدروں کو پامال نہیں کرتا بلکہ ان کی حفاظت کرتا اور ان کو آگے بڑھا کر کمال تک پہنچا دیتا ہے۔ آج بدقسمتی سے "معزز" آدمی کو نقصان پہنچا کر یا اس کی عزت بزعم خویش دوسروں کی نظر سے گرا کر بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ سراسر اسلامی تعلیم کی خلاف ورزی اور ایک رنگ میں تباہی کی سمت اشارہ کرتی نظر آتی ہے۔

حضرت نبی کریم صلعم کا ارشاد ہے:-

اذا جاء کریم قوم فاکرموہ۔ "جو شخص اپنے اعمال اور اخلاق و فرائض کی وجہ سے معزز ہے۔ اے مسلمانو تمہارے اوپر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس کی عزت بجا لاؤ۔ نہ کہ معزز لوگوں کی پگڑی اچھالو۔ اسلام اخلاق فاضلہ کی تعلیم دیتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل یمن سے تشریف لائے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دور سے دیکھ کر اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا:

قوموا الی سیدکم۔ اٹھو اور آگے بڑھ کر اپنے سردار کا استقبال کرو۔

یہ باتیں آج بظاہر چھوٹی معلوم ہوتی ہیں لیکن تعمیر و ترقی قوم میں ان کا بڑا حصہ ہے ضرورت ہے کہ ہمارے گھروں کا۔ ان کے مکینوں کا زاویۂ نگاہ تبدیل ہو جائے۔ اور اگر اس کو تبدیل نہ کیا گیا پھر کتنی بھی کوشش کی جائے گی وہ آرزو پوری نہیں ہو گی جس کی ہم کو تمنا ہے۔

اللہ تعالےٰ سے دعا بھی کرنی چاہیئے۔ اے ہمارے مولیٰ ہمیں توفیق دے اور ہم لوگ تو خاص طور پر یہ آرزو اور تڑپ رکھتے ہیں کہ ایسا معاشرہ پیدا ہو جائے کہ جس میں من و تو کا فرق مٹ جائے۔ بدقسمتی سے لوگ ظاہری فرق کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو ایک بے فائدہ اور سعی لاحاصل کوشش ہے۔ جس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔ اور اگر وقتی طور پر ٹھونس بھی دیا گیا تو کچھ عرصہ بعد لاوا کی طرح جوش مار کر سب کچھ تباہ و برباد کر دے گا۔

ایسا فرق تو ضرور رہے گا۔ ایک گھر میں دو بچے ایک جیسا دماغ۔ فکر۔ مزاج۔ قویٰ۔ طاقت لے کر پیدا نہیں ہوئے۔ یہ کیسا مہمل اور ناقابل عمل تصوّر ہے کہ سب ایک ہی جیسے ہو جائینگے مساوات کے معنے اور ہیں جن کو ہم نے الٹے معنے پہنا دیئے ہیں۔ اس پر بھی انشاء اللہ بات چیت کریں گے۔ دعا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس مقام کا وارث بنا دے۔

انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا و اطعنا و اولئک ھم المفلحون (النور ۲۴: ۵۱)

مومنوں کا جواب جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یہی ہوتا ہے کہ کہیں ہم نے سن لیا اور ہم فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اللّٰھم آمین

جب تک عملاً یہ تدابیر اپنے اندر راسخ نہیں کریں گے اس وقت تک اسلامی فلاحی معاشرہ معرض وجود میں نہیں آئے گا۔

درخواستِ دعائے صحت :

جماعت احمدیہ صوفی پورہ ضلع پلوامہ کشمیر کے سابق صدر محترم غلام محمد بٹ صاحب کافی عرصہ سے بعارضہ فالج بیمار ہیں۔ ہمارے یہ بھائی بڑے مخلص اور ایثار پیشہ احمدی ہیں۔ ان کی بیماری کے باعث ان کے مالی حالات بھی بُری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ احباب جماعت اور اکابرین سلسلہ کی خدمت میں اس بھائی کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

(۲)

چوہدری عبدالشکور صاحب نائب تحصیلدار بھدر واہ کے والد بزرگوار چوہدری غلام رسول صاحب پر بھی فالج کا حملہ ہوا تھا۔ مگر خدائے تعالےٰ کے فضل سے وہ اب کافی حد تک رو بصحت ہیں۔ ان کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے۔

(۳)

بھدر واہ کے ہی چوہدری غلام محمد خادم ولد چوہدری عبدالرزاق صاحب گنائی مرحوم مستقل طور پر مالی ادبار کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ ان کا بڑا بیٹا بھی عرصہ دراز سے فاترالعقل ہے۔ اور خانگی زندگی بڑی بے سکون اور تلخ ہے۔ احباب سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس بھائی کے لئے درد دل سے دعائیں فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ ان کے لئے حالات میں خوشگواری اور آسودگی پیدا فرمائے۔ اور ان کے بیمار بچے کو صحت و تندرستی عطا فرما کر ان کا دست و بازو بنائے۔

ہدایات حضرت امیرؒ

یٰایّھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود ط

یہ چند ہدایات اُن احباب کے لئے ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت میں داخل ہو کر دین کو دُنیا پر مقدّم کرنے کا عہد کر چکے ہیں میں چاہتا ہوں کہ یہ امور ہر حال میں ہمارے پیشِ نظر رہیں۔ کسی مقصد میں کامیابی کا اصل راز ہی اس قدر ہے کہ انسان اُس مقصد کو اپنی کسی حالت میں فراموش نہ کرے بلکہ جملہ حالات میں جو اُس پر وارد ہوں اُسے پیش رکھتا ہو۔ اُس کے لئے جدوجہد میں مصروف رہے۔

اس سے پہلے کہ میں ان امور کی طرف احباب کو توجّہ دلاؤں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ جو کام اب تک ہماری قوم نے کیا ہے وہ کیا ہے؟ اور جو آئندہ کرنا ہے وہ کیا ہے؟ تفصیلات سے غرض نہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سب سے زیادہ ضروری کام جس کی ضرورت نہ صرف دوسری اقوام میں اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے ہے بلکہ مسلمانوں کی اندرونی اصلاح اور ترقی بھی اسی سے وابستہ ہے وہ قرآن کریم کا مختلف زبانوں میں پھیلانا اور اس تعلیم کو عام کرنا ہے۔ جو اس پاک کتاب میں دی گئی ہے۔ سیّدنا حضرت محمد مصطفٰےؐ کی پاک سیرت کو غیر مسلموں اور مسلمانوں تک پہنچانا ہے تاکہ اول الذکر کے لئے وہ موجب کشش اور مؤخر الذکر کے لئے ہدایت اور راہنمائی کا موجب ہو۔ اور اسلام کے پاک چہرہ کو دنیا میں روشن کر کے جس قدر دھبّے اس پر ہیں انہیں دُور کرنا ہے ظاہر ہے کہ یہی وہ ہتھیار ہے جو اللہ تعالےٰ نے خود حضرت مسیح موعودؑ کو دے کر بھیجا اور یہی وہ کامیاب حربہ ہے جو بالآخر باطل کا سر کچل دے گا۔ اسلام کی صحیح تعلیم کا مختلف زبانوں میں مرقع تیار کرنا یہی پہلا کام ہے۔ اور اس تعلیم کو پھیلانا یہ دوسرا کام ہے۔ انہی دو باتوں سے لیظہرہ علے الدین کلہ کا نظارہ دیکھا جا سکے گا۔ اور انہی دو لوں سے مسلماں را مسلماں باز کردند کا ظہور ہوگا۔ خدا تعالےٰ کے فضل سے اس مہتم بالشان کام میں ہماری قوم پہلا قدم اُٹھا چکی ہے اور جو قبولیت اللہ تعالےٰ نے اس میں پیدا کی ہے اُسے بھی دیکھ چکی ہے۔ جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ اس کے مقابل جو ہم نے کرنا ہے کچھ بھی نہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ کا وعدہ سچا ہے کہ دین اسلام کل ادیان پر غالب آئے گا۔ اور یقیناً سچا ہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ اللہ تعالےٰ کی طرف سے تھے اور یقیناً تھے تو اس صحیح تعلیم اسلامی کو جس کی طرف امام وقت نے ہمیں توجہ دلائی ہے۔ دُنیا بھر کی زبانوں میں پیش کرنا اور پھیلانا ہے۔ ہاں ایک مفید کام شروع ہو چکا ہے۔ اور اس کا جاری رہنا اور اتمام کو پہنچنا اس بات پر منحصر ہے کہ یہ جماعت جس نے اس کام کو شروع کیا ہے ایک محکم نظام کے ماتحت قائم رہے جو اسے بگڑنے سے بچائے اور اس میں ترقی اور نشو و نما ہو کیونکہ اگر ہم ترقی نہیں کریں گے تو تنزّل لازمی ہے۔ اور ہمارا نظام محکم نہیں ہوگا تو موجودہ جماعت بھی قائم نہیں رہ سکتی اور یہ نقصان اسلام کو ہوگا کہ ایک اعلیٰ درجہ کا مفید کام شروع ہو کر رُک جائے گا۔ پس استحکام اور ترقی جماعت کی جس قدر تجویزیں ہیں وہ ہم میں سے ہر ایک کے ہر حال میں پیش نظر ہونی چاہیئں۔ جس قدر جماعت مضبوط ہوگی اور ترقی کرے گی اُسی قدر خدمت اسلام کا یہ مفید کام بھی ترقی کرے گا اور جس قدر جماعت کے نظام میں نقص ہوگا اور ترقی کی رفتار سست ہوگی اسی قدر خدمتِ اسلام کے اس عظیم الشان کام کو بھی نقصان پہنچے گا اور ہم سب عند اللہ اس بات کے ذمہ دار ہوں گے کہ جس کام کی تکمیل کیلئے ہم نے اللہ تعالےٰ کے ایک مامور کے ہاتھ پر عہد کیا تھا اس کام کی کوئی پرواہ نہ کی اور اس عہد کو پورا نہ کیا۔

ذیل کی تین باتوں کی طرف میں اپنے بھائیوں کو بالخصوص توجّہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں:۔

ہماری جماعتی خصوصیات

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم اپنی جماعتی خصوصیات کو کبھی فراموش نہ کریں۔ ہماری جماعتی خصوصیات میں وہ باتیں داخل ہیں جن کو اختیار کر کے ہم دوسروں سے ممتاز ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے میں صرف چند موٹی موٹی باتوں کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ ہماری اصلی اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہماری زندگی کا ایک خاص مقصد ہے یعنی اشاعتِ اسلام مجھے اس سے انکار نہیں کہ اور بھی بہت سے لوگ دنیا میں ہونگے جن کی زندگی کا مقصد اشاعتِ اسلام ہو مگر ہماری یہ خصوصیت اس لحاظ سے ہے کہ ہماری جماعت وجود میں ہی اس غرض کے لئے آئی ہے کہ خدا اور اس کے رسُول صلعم کا نام دنیا میں پھیلائے۔ ہماری قوم فی الحقیقت اس کام کو زندہ رکھنے کے لئے تیار ہوئی ہے جو اللہ تعالےٰ نے اس صدی کے مجدّد اور اس زمانہ کے امام کے سپرد کیا تھا۔ یعنی کسرِ صلیب کرنا اور اسلام کو یہاں تک دنیا میں پہنچانا کہ اس کا غلبہ سب ادیان پر ہو جائے۔ کسرِ صلیب کو خاص اس لحاظ سے کیا کہ اسلام کے پھیلنے میں جس قدر رکاوٹ ہے وہ سب سے بڑھکر صلیبی مذہب کیطرف سے ہے۔ یعنی عیسائیت کی طرف سے۔

کوئی انسان یا کوئی قوم جب ایک خاص غرض کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لے تو خواہ وہ کوئی سا کام کرے وہی کام اُس کے مقصد کے حصول میں معاون ہو جاتا ہے۔ لیکن کوئی کام زندگی کا مقصد صرف مُنہ سے کہہ دینے سے نہیں بنتا بلکہ جب انسان کو یہ بات سمجھ آ جائے کہ اس کی زندگی کا مقصد فلاں ہے تو اس کے دل میں اس کام کے لئے ایک تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس کے حصُول کے لئے ایک ایسا جذبۂ عشق و محبت پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اُسے دل بایار و دست درکار کا مصداق بنا دیتا ہے۔ اس کے حصول میں اگر ہزارہا مشکلات بھی نظر آئیں تو اس کے عزم و ہمت کے سامنے سب ہیچ ہو جاتی ہیں۔ کوئی کشش اور کوئی محبت اس کی توجہ کو اس کام سے ہٹا نہیں سکتی۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دِل میں کس قدر تڑپ اور جوش اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھا۔ اس جوش نے سینکڑوں نہیں ہزاروں دلوں میں آگ لگا دی۔ بلکہ آخرکار دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اور وہی مسلمان جو اشاعتِ اسلام کے کام کو بہت کچھ غیر ضروری سمجھ کر اس سے غافل ہو رہے تھے آج چاروں طرف سے اشاعتِ اسلام کی ضرورت کو پکار پکار کر بیان کر رہے ہیں۔ آٹھوں پہر آپ کو یہی ایک فکر تھی کہ کس طرح خدا کے نام کو دُنیا کے دور دراز ملکوں میں پہنچایا جائے۔ یہی آپ کی نیم شبی دُعاؤں کا مُدعا تھا۔ اسی کے لئے آپ کی گریہ و زاری حضور باری میں تھی۔ اس کام پر باقی سب باتیں قربان تھیں۔ وہی کیفیت

آج ہمارے قلوب میں پیدا ہونی چاہئے وہی تڑپ ہو وہی گریہ وزاری حضور باری میں ہو۔ وہی قربانیاں ہوں۔ اسی کو میں اپنی قوم کی سب سے پہلی خصوصیت سمجھتا ہوں۔

۲۔ کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے حصول کی طرف کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے جب تک کہ اس کے لئے عظیم الشان قربانیاں نہ کی جائیں۔ پس اگر فی الحقیقت ہم نے اپنی زندگیوں کا مقصد اشاعت و تبلیغ اسلام کو قرار دیا ہے تو ضرور ہے کہ ہم میں ایک دوسری خصوصیت بھی پیدا ہو۔ یعنی اس مقصد کے حصول کے لئے ہم بے نظیر قربانیاں کر کے دکھائیں خواہ وہ قربانیاں جان کی ہوں۔ یا مال کی و جاھد وا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ۔ جب تک انسان اپنی جان اور اس مال کو جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے خدا کی امانت نہیں سمجھتا جسے اس کے راستہ میں اور اس کے مطالبہ پر خوشدلی سے واپس کر دے۔ اس وقت تک وہ کچھ قربانی نہیں کر سکتا۔ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

دُوسری خصوصیّت!

پس دوسری خصوصیت جو ہمارے اندر ہو وہ یہ ہونی چاہیئے کہ ہم اس بات کیلئے تیار رہیں کہ اگر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے گھروں اور وطنوں سے باہر نکلنا پڑے تو بلا کسی تردّد کے باہر نکلیں اور اگر جسمانی تکالیف اٹھانی پڑیں تو اٹھائیں۔ اگر مال خرچ کرنا پڑے تو سب مقدم اس خرچ کو کریں۔ اس کے راستہ میں دے کر خوش ہوں اور جب خرچ کرنے کے لئے کچھ پاس نہ ہو تو ہمیں اس بات کا غم ہو۔ اور دل میں یہ تڑپ ہو کہ اللہ تعالےٰ ہمیں کچھ دے تو ہم اس کے راستہ میں خرچ کریں:

تیسری خصوصیّت:

چونکہ اشاعتِ اسلام کا کام یہ چاہتا ہے کہ ایک طرف ہمیں مذہب اسلام سے کافی واقفیت ہو اور دوسری طرف اُن اقوام کے مذاہب سے جن کے اندر ہم نے اسلام پھیلانا ہے۔ اس لئے تیسری خصوصیّت ہماری جماعت کی یہ ہو کہ ہم میں سے ہر ایک کیا بڑا اور کیا چھوٹا حصولِ علمِ دین اور ادیان مختلفہ کے لئے پُورا زور لگانے والا ہو۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہر ایک شخص اپنی فکرِ معاش کی مصروفیتوں کے باوجود کچھ نہ کچھ وقت نکال سکتا ہے۔ جس میں وہ اپنے علم میں کچھ اضافہ کر سکتا ہے۔ جو لوگ خواندہ ہیں وہ تفریح کے طور پر ہی ایسی کُتب کا مطالعہ کرتے رہیں حصولِ علم دین میں قرآن کریم سب پر مقدم ہے پھر حدیث و سیرت اور تاریخ اسلامی ہے دیگر مذاہب میں سے ہندو مذہب ہمارا قریب تر ہمسایہ ہے۔ اس سے اور بالخصوص اس کے جدید فرقہ آریہ سماج کے اصولوں سے واقفیت پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ ان لوگوں کے خیالات سے واقف ہو کر ہم انہیں موزوں طریق پر دین حق پہنچا سکیں۔ عیسائیت جیسا کہ میں نے اوپر لکھا اسلام کی ترقی کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ غلبۂ دینِ اسلام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس مذہب کے مقابلہ کے لئے تیار ہو پھر اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے بڑے مذاہب سے بھی کچھ واقفیت پیدا کرنا ضروری ہے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کتابیں اس زمانہ میں نہ صرف ان تمام امور پر زبردست روشنی ڈالتی ہیں۔ بلکہ ہمارے ہاتھ میں ایک ایسا علم کلام بھی دیتی ہیں جس کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔ اس لئے ان کتب سے واقف ہونا۔ انہیں بار بار پڑھنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔ صرف خود نہیں بلکہ اپنی اولاد کے مطالعہ میں سب سے پہلے ان کتب کو لانا چاہیئے۔ ان سے واقفیّت انسان کے اندر غیرتِ حق اور باطل کے مقابلہ پر زبردست قوت پیدا کر دیتی ہے جس کی آج سب سے بڑھ کر ضرورت ہے:

چوتھی خصوصیّت!

ہماری چوتھی خصوصیّت پابندیٔ شریعت اور شعار اسلامی کی عزّت ہونی چاہیئے۔ کوئی جماعت یا کوئی شخص حق کو دُوسروں تک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود اس کا اپنا عمل اُس حق پر نہ ہو دوسرے دلوں پر اثر وہی بات کرتی ہے جو دل سے نکلتی ہے۔ جو بات دل میں ہو وہ جوارح پر خود اثر کرتی اور انسان کے عمل میں ظاہر ہو جاتی ہے بہت لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گو اُن کے عمل کیسے ہوں مگر وہ دل سے فلاں بات کو سچ مانتے ہیں۔ ممکن ہے کسی حد تک درست بھی ہو۔ لیکن جس شخص کی بات میں اس قدر قوت نہیں کہ اس کے اپنے جوارح پر اس کا اثر ہو۔ دوسروں پر اس کی بات کیا اثر کرے گی۔ جو شخص یہ چاہتا ہے اور ہم میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہونی چاہیئے کہ اس کی بات کا دوسروں پر اثر ہو۔ وہ پہلے اپنے اعمال پر اس کا اثر پیدا کرے۔ دوسروں پر اثر ڈالنے کا مرتبہ بعد میں آتا ہے۔ ہم قرآن کریم کے سامنے دُنیا کو جھکا سکتے ہیں۔ مگر اس وقت جب پہلے ہماری اپنی گردنیں اس کے سامنے عاجزی سے جُھک جائیں:

پانچویں خصُوصیّت!

ہماری پانچویں خصوصیت تبلیغ مذہب میں وسعت قلبی ہے۔ ہمیں قرآنِ کریم نے یہ تعلیم دی ہے۔ کہ ہر قوم کے اندر رسُول گزرے ہیں۔ اس لئے کسی قوم کی مقدس کتاب یا اس کے کسی مسلّم بزرگ کی تحقیر کا خیال تک بھی ہمارے دل میں نہ آنا چاہیئے۔ ہاں کسی بزرگ کی تعلیم میں کوئی غلطی نظر آتی ہو یا کسی کتاب میں کوئی ایسی تعلیم موجود ہو جسے عقل قبول نہیں کرتی یا جو قابلِ عمل نہیں تو اس کا بیان کر دینا امر دیگر ہے۔ لیکن ہر قوم کے بزرگ اور اس کی کتاب کا احترام ہمارے دلوں میں ہونا چاہیئے۔ ہر ایک مذہب ایک نہ ایک حد تک انسان کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے پیدا کرتا ہے۔ ہاں کامل تعلق صرف اسلام کی پیروی سے ہی پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ چونکہ اوّل تو سب دیگر مذاہب کی تعلیم وقتی اور قومی تھی یعنی بلحاظ زمانہ اور بلحاظ مکان دونوں طرح محدود تھی پھر اُن بزرگوں کے حالات محفوظ نہیں رہے۔ اور بہت سی غلط باتیں بھی صحیح باتوں کے ساتھ مل کر مشہور ہو گئیں اور اس طرح سے سب کتب مقدسہ میں تحریف راہ پا گئی۔ اس لئے ایک ایسے مذہب کی انسانوں کو ضرورت ہوئی جو تحدید قومی اور تحدید زمانی سے آزاد ہو اور جس کے رہنما کے حالات تاریخ کی روشنی میں پڑھے جا سکتے ہوں اور جس کی کتاب تحریف سے پاک ہو۔ ذاتِ باری تعالیٰ سے کامل تعلق وہی مذہب پیدا کر سکتا ہے اور وہ مذہب اسلام ہے۔ اسلام میں داخل ہو کر کوئی انسان کچھ کھوتا نہیں۔ نہ کسی بزرگ کی جس کی وہ پہلے عزت کرتا ہو عزت میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے ماننے کے ساتھ دنیا کے دوسرے تمام بزرگوں کی عزت کے لئے دل کھُل جاتا ہے۔ اور ہر ایک سچائی کی قبولیّت کے لئے قلب میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس جو شخص دوسروں کو اسلام کی طرف بلاتا ہے۔ اس کے قلب میں یہ وسعت پہلے سے موجود ہونی چاہیئے۔ اور وہ کسی کو بُرا کہنے کے بغیر حق کو پیش کر سکتا ہے۔ پہلے مذاہب میں روشنی موجود تھی مگر وہ روشنی کمزور تھی اور دھندلی پڑ گئی۔ جملہ انبیاء ایک شبِ تاریک میں چراغوں کا کام دیتے رہے۔ لیکن جب آفتاب نبوت کا طلوع ہو گیا تو اب ان چراغوں سے روشنی لینے کی بجائے اپنے قلب کے دروازے کھول کر آفتاب عالم تاب کی روشنی کو اندر آنے دینا چاہیئے۔ دوسروں کو بُرا کہنے کی بجائے حق کی فوقیت کو پیش کرنا چاہیئے۔ اور جس مذہب نے اس قدر وسعت قلبی دوسرے مذاہب اور اُن کے بزرگوں کے متعلق سکھلائی ہے ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں اور گروہوں سے نفرت نہیں سکھا سکتا اس لئے ہم احمدیوں کے دلوں میں اسلام کے ہر ایک بزرگ کی بھی عزّت ہونی چاہیئے نقص سے تو کون بشر خالی ہے لیکن ہمیں چاہیئے کہ ان بزرگوں کی خوبیوں پر ہماری نگاہ ہو۔ اور ان کی خدمات کا اعتراف ہمارے دلوں میں موجود ہو۔

چھٹی خصُوصیّت!

آخری بات جس کا میں اس ذیل میں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں خدمتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کی سچّی عزت ہو۔ اگر غور کیا جائے تو خدا کا نام

دنیا میں پھیلانا اور اس کی دعوت دینا سب سے معزز کام ہے۔ اس لئے کہ یہ کام انبیاءؑ کا ہے۔ جو انسانوں میں سب سے برگزیدہ گروہ ہے۔ دوسرا کوئی کام اس کی بلندی اور شان کو نہیں پہنچ سکتا لیکن عملاً اکثر لوگ اسے بہت چھوٹا کام سمجھتے ہیں۔ جب اپنے عزیزوں اور دوستوں کو کسی بلند مقام پر پہنچا ہوا دیکھنے کا خیال ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا ہے تو ہماری نظریں یا تو کسی دنیوی عہدہ کی طرف اور یا کسی تجارت و جائیداد کی طرف جاتی ہیں اور خدا کا نام پھیلانے کے لئے ان کو تیار کرنا ایک چھوٹا کام نظر آتا ہے۔ گو ہم کئی قسم کے بہانے بھی اس کے لئے تجویز کر لیتے ہیں مثلاً یہ کہ ہماری اولاد کسی کی دستِ نگر نہ ہو۔ گویا دست نگری کا اندیشہ صرف اسی صورت میں ہے جبکہ خدا کے کام کے لئے اپنی اولاد کو تیار کیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ دلوں میں اس کام کی وہ عزت نہیں۔ گو ایسا کام کرنے والے آدمیوں کی بلحاظ ان کے بلند مرتبہ کے بعض وقت عزت بھی کر لیتے ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ بھی ایک ضرورت ہے کہ جو لوگ ہم سے خدا کے راستہ میں کام کے لئے نکلیں اور اعلائے کلمۃ اللہ کریں۔ ہم ان کی عزت سب سے بڑھ کر کریں۔ اس سے کام کرنے والوں کو بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقی عزت کا معیار یہی ہے کہ جب ہم اپنے عزیزوں اور اولاد کے لئے حصولِ عزت کے ذرائع کی تلاش میں ہوں تو کبھی اعلائے کلمۃ اللہ کا کام بھی ہمارے سامنے آ جائے گا۔ اور اس کو ہم سب سے زیادہ عزت کا کام سمجھ کر انہیں خدمتِ دین کے لئے تیار کریں۔ اس تیاری کے بعد اگر وہ خدمتِ دین نہ کریں تو ہم عنداللہ معذور ہوں گے ؛

❊❊❊

سانحۂ ارتحال!

شیخ محمدی پشاور سے سیکرٹری جماعت احمدیہ غم ناک اطلاع دیتے ہیں کہ ـــــ

"نہایت افسوس سے آپ کو یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ میرے ساتھی میرے دوست میرے بھائی اور حضرت مسیح موعودؑ کے ایک سچے عاشق جناب عطاء الرحمن صاحب (مرحوم) مؤرخہ ۴/۹ ۱۱ بوقت ۶½ بجے شام اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

مرحوم بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ ضروری علاج کرواتے رہے۔ حسبِ معمول صبح بس پر سوار پشاور شہر جا رہے تھے کہ رستہ میں دورہ پڑ گیا۔ خیبر ہسپتال پشاور میں اسی وقت داخل کروایا گیا۔ لیکن اس دفعہ کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ "ثم انا للہ وانا الیہ راجعون"

تمام جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ مرحوم کے مفصل حالاتِ زندگی آئندہ انشاء اللہ ارسال کر دوں گا ؛

ملک غلام علی
سیکرٹری جماعت
شیخ محمدی ـــــ

کلامِ امام

عجب نوریست در جانِ محمدؐ + عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف + کہ گردد از محبانِ محمدؐ
عجب دارم دل آں ناکساں را + کہ رو تابند از خوانِ محمدؐ

احبابِ جماعت!

شرائطِ بیعت

کو غور سے پڑھیں اور اپنا جائزہ لیں

❊❊❊

اوّل: بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا ؛

دوم: یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق اور فجور اور ظلم و خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہو گا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے ؛

سوم: یہ کہ بلاناغہ پنج وقت نماز موافق حکمِ خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا وِرد بنائے گا ؛

چہارم: یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے اور نہ کسی اور طرح سے ؛

پنجم: یہ کہ ہر حال رنج و راحت اور عسر و یسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حال راضی بقضا ہو گا اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا ؛

ششم: یہ کہ اتباعِ رسم اور متابعتِ ہوا و ہوس سے باز آئے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا ؛

ہفتم: یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا ؛

ہشتم: یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردیٔ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا ؛

نہم: یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے گا ؛

دہم: یہ کہ اس عاجز سے عقدِ اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقتِ مرگ قائم رہے گا۔ اور اس عقدِ اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو گا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو ؛

یہ شرائط ہیں جو بیعت کرنے والوں کے لئے ضروری ہیں۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۵۶۳)

❊❊❊

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شاندار کامیابی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھی

بسلسلہ

بچوں کی تربیت

بچوں کی تربیت بظاہر ایک فرسودہ موضوع ہے جس پر اس کثرت سے مضامین لکھے جاچکے ہیں کہ اگر انہیں مرتب کیا جائے تو ان سے کئی جلدیں تیار کی جاسکتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ موضوع اس قدر اہم ہے کہ مسلمان والدین کو اس کی طرف خاص توجہ دلانے کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کیونکہ اسے والدین کی غفلت سمجھئے یا بے پرواہی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بہت کم والدین اس معاملے میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہیں۔ عام مسلمان تو کہیں رہے متمول گھرانوں میں بھی بچوں کی تعلیم کا تو خیال رکھا جاتا ہے۔ مگر ان کی تربیت پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی جس پر ان کی سیرت وکردار کے اعلےٰ معیار کا انحصار ہے۔ قومی تعمیر اور اسلامی سیرت وکردار کے زاویہ نگاہ سے یہ واقعی ایک قابلِ غور سوال ہے کہ والدین عام طور پر کیوں اپنے بچوں کی تربیت سے غافل رہتے ہیں۔

اس غفلت کی سوائے اس کے اور کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ خود والدین تربیت کے مفہوم اور اس کی غیر معمولی نوعیت سے آگاہ نہیں ہیں۔ جب والدین اپنے بچے کو پانچ یا چھ سال کی عمر میں تعلیم کی غرض سے مدرسے میں داخل کراتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ استاد کی محنت سے ان کا بچہ تعلیم کی منزلیں بتدریج طے کرتا جائے گا۔ جب بچہ پہلی سے دوسری جماعت میں چڑھتا ہے اور ہر سال اسی طرح ترقی کرتا جاتا ہے تو والدین کو قدرتی طور پر اپنے ہونہار بچے کی اس کامیابی سے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تعلیم کے اس طریقہ کا اس تربیت سے کوئی تعلق نہیں جو اس کی سیرت وکردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مثلاً جب بچہ اپنے سبق میں یہ پڑھتا ہے کہ اُسے کسی صورت میں جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے۔ اور اگر اس سے کوئی قصور ہوجائے تو وہ استاد یا ماں باپ سے صاف صاف کہہ دے کہ مجھ سے یہ قصور ہوگیا لیکن ایسا سبق پڑھنے کے باوجود بچے محض اس لئے جھوٹ بولنا شروع کردیتے ہیں کہ وہ استاد یا ماں باپ کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچے رہیں۔ انہیں جب یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جھوٹ بولنے سے ڈانٹ ڈپٹ کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔ تو وہ اپنے اس فعل کو بُرا نہیں بلکہ اچھا سمجھتے ہیں۔

سیرت وکردار کے اعلےٰ معیار کے زاویہ نگاہ سے بچے نے جو کچھ پڑھا وہ سب کچھ رائیگاں گیا۔ تعلیم کا اصلی مقصد یہی ہے کہ سیرت وکردار کے اعتبار سے بچہ سربلند نظر آئے لیکن اس نے علم پڑھ کر کبھی عمل سے کوئی سروکار نہ رکھا اور وہی کام کیا جو علم کے مقصد کے خلاف ہے[۴۴]۔ جھوٹ کی طرح اور بہت سی بری عادتیں ہیں جن سے بچے کی سیرت وکردار پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ غصہ، تکبر، لالچ، خودغرضی، بے رحمی، فضول خرچی، اور اسی نوعیت کے عیوب سے اگر بچے کی سیرت محفوظ نہ رکھی جائے تو علم کی دستار فضیلت باندھنے کے باوجود ایسے نوجوانوں کا وجود ملک وملت کے لئے باعثِ فخر ثابت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس امر کا قوی امکان ہے کہ مذکورہ بالا عیوب کے حامل ہونے کے باعث اس کی زندگی سے لازمی اور یقینی طور پر ملکی اور ملی مفاد کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن اگر تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص طور پر خیال رکھا جائے یعنی روزمرہ کی زندگی میں علم کو عمل میں منتقل کرنے کا اصول اسلام کے ضابطۂ حیات (قرآنی احکام) کے مطابق ملحوظ رکھا جائے تو اس کے نتائج ملک وملت کے لئے مبارک ثابت ہوں گے۔

ان حقائق کے پیشِ نظر سیرت وکردار کی تعمیر کی ذمہ داری والدین اور استاد دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ اگر والدین کی یہ دلی آرزو ہے کہ ان کا بچہ علم وعمل کے اعتبار سے ممتاز نظر آئے تو سیرت وکردار اور عادات واطوار کے اعتبار سے ان کی اپنی زندگی بھی بچے کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہونی چاہیئے۔ اگر وہ اپنے دنیاوی فائدہ کی خاطر خود جھوٹ بولنے یا فریقِ ثانی کو فریب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تو وہ بچے سے حق گوئی اور انصاف پسندی کی کیسے توقع رکھ سکتے ہیں۔ جب گھر میں یہ حالت ہو اور مدرسے میں بھی استاد کی فرض شناسی صرف سبق پڑھانے تک محدود ہو تو بچے کی سیرت وکردار کا معیار کیسے بلند ہوسکتا ہے۔

دنیا کے کامل انسان اور مصلحِ اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے رفقائے کار یعنی صحابہ کرامؓ سراپا عمل تھے اور وہ رحمۃ للعالمینؐ کے نقشِ قدم پر چلنا اور اس راہ میں شدید سے شدید مصیبت برداشت کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود اپنے کثیر التعداد دشمنوں پر غالب رہتے تھے۔ خدا کے فرشتے ان کے مددگار تھے۔ یہ خدا کی ذات پر کامل بھروسے اور ان کی بے پناہ قوتِ عمل کا نتیجہ تھا کہ خداوندِ کریم نے عرب کے گلہ بانوں کو خلافتِ ارضی عطا فرمائی اور وہ ایک حیرت انگیز قلیل عرصے کے اندر تمام دنیا پر چھا گئے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یہ انقلاب آفرین کامیابی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھی۔ اسی تعلیم وتربیت کی بدولت اُن کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں تھا۔

پاکستان کی اسلامی مملکت کے مدارس میں تعلیم تو بے شک دی جاتی ہے اور اس تعلیم پر ہر سال کروڑوں روپے صرف ہوتے ہیں لیکن ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس تعلیم کے ساتھ اس تربیت کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا جو انہیں رفعت وعظمت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا سکتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے۔ کہ سرکاری اور غیر سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم اس قدر لازمی قرار دی جائے کہ اگر طالب علم مذہبی مضمون میں فیل ہوجائے تو وہ سارے مضامین میں فیل سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ والدین اور استاد دونوں سیرت کی تعمیر کے پیشِ نظر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنا دستور العمل قرار دیتے ہوئے اپنی زندگی کو طلبہ کے لئے نمونہ بنائیں صرف یہی ایک ایسا طریقِ کار ہے جس کی بدولت ہمارے بچے اخلاقی اور روحانی پہلو سے ایک کامیاب زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ یہ ایک گھٹیا ذہنیت ہے کہ بچوں کو صرف اس غرض سے تعلیم دلائی جائے کہ انہیں شکم پُری کے خیال سے نوکری مل جائے۔ بلکہ تعلیم صرف اس مقصد سے دی جانی چاہیئے کہ بچے کو پاکستان کا ایک معزز شہری اور ایک نیک اور مجاہد مسلمان بنایا جائے۔

(مرتضیٰ خانؒ)

(۴۴: تو پڑھائی کا فائدہ کیا ہوا؟)

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شاندار کامیابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھی

بسلسلہ

بچوں کی تربیت

بچوں کی تربیت بظاہر ایک فرسودہ موضوع ہے جس پر اس کثرت سے مضامین لکھے جا چکے ہیں کہ اگر انہیں مرتب کیا جائے تو ان سے کئی جلدیں تیار کی جا سکتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ موضوع اس قدر اہم ہے کہ مسلمان والدین کو اس کی طرف خاص توجہ دلانے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کیونکہ اسے والدین کی غفلت سمجھئے یا بے پرواہی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت کم والدین اس معاملے میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہیں۔ عام مسلمان تو کہیں رہے متمول گھرانوں میں بھی بچوں کی تعلیم کا تو خیال رکھا جاتا ہے۔ مگر ان کی تربیت پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی جس پر ان کی سیرت و کردار کے اعلےٰ معیار کا انحصار ہے۔ قومی تعمیر اور اسلامی سیرت و کردار کے زاویہ نگاہ سے یہ واقعی ایک قابلِ غور سوال ہے کہ والدین عام طور پر کیوں اپنے بچوں کی تربیت سے غافل رہتے ہیں۔

اس غفلت کی سوائے اس کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ خود والدین تربیت کے مفہوم اور اس کی غیر معمولی نوعیت سے آگاہ نہیں ہیں۔ جب والدین اپنے بچے کو پانچ یا چھ سال کی عمر میں تعلیم کی غرض سے مدرسے میں داخل کراتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ استاد کی محنت سے ان کا بچہ تعلیم کی منزلیں بتدریج طے کرتا جائے گا۔ جب بچہ پہلی سے دوسری جماعت میں چڑھتا ہے اور ہر سال اسی طرح ترقی کرتا جاتا ہے تو والدین کو قدرتی طور پر اپنے ہونہار بچے کی اس کامیابی سے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تعلیم کے اس طریقہ کا اس تربیت سے کوئی تعلق نہیں جو اس کی سیرت و کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مثلاً جب بچہ اپنے سبق میں یہ پڑھتا ہے کہ اُسے کسی صورت میں جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے۔ اور اگر اس سے کوئی قصور ہو جائے تو وہ استاد یا ماں باپ سے صاف صاف کہہ دے کہ مجھ سے یہ قصور ہو گیا لیکن ایسا سبق پڑھنے کے باوجود بچے محض اس لئے جھوٹ بولنا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ استاد یا ماں باپ کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچے رہیں۔ انہیں جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جھوٹ بولنے سے ڈانٹ ڈپٹ کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔ تو وہ اپنے اس فعل کو بُرا نہیں بلکہ اچھا سمجھتے ہیں۔

سیرت و کردار کے اعلےٰ معیار کے زاویہ نگاہ سے بچے نے جو کچھ پڑھا وہ سب کچھ رائیگاں گیا۔ تعلیم کا اصلی مقصد یہی ہے کہ سیرت و کردار کے اعتبار سے بچہ سر بلند نظر آئے لیکن اس نے علم پڑھ کر بھی عمل سے کوئی سروکار نہ رکھا اور وہی کام کیا جو علم کے مقصد کے خلاف ہے۔ مم جھوٹ کی طرح اور بہت سی بری عادتیں ہیں جن سے بچے کی سیرت و کردار پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ غصہ۔ تکبّر۔ لالچ خود غرضی بے رحمی فضول خرچی اور اسی نوعیت کے عیوب سے اگر بچے کی سیرت محفوظ نہ رکھی جائے تو علم کی دستار فضیلت باندھنے کے باوجود ایسے نوجوانوں کا وجود ملک و ملّت کے لئے باعث فخر ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس امر کا قوی امکان ہے کہ مذکورہ بالا عیوب کے حامل ہونے کے باعث اس کی زندگی سے لازمی اور یقینی طور پر ملکی اور ملی مفاد کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن اگر تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص طور پر خیال رکھا جائے یعنی روزمرہ کی زندگی میں علم کو عمل میں منتقل کرنے کا اصول اسلام کے ضابطہ حیات (قرآنی احکام) کے مطابق ملحوظ رکھا جائے تو اس کے نتائج ملک و ملّت کے لئے مبارک ثابت ہوں گے۔

ان حقائق کے پیشِ نظر سیرت و کردار کی تعمیر کی ذمہ داری والدین اور استاد دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ اگر والدین کی یہ دلی آرزو ہے کہ ان کا بچہ علم و عمل کے اعتبار سے ممتاز نظر آئے تو سیرت و کردار اور عادات و اطوار کے اعتبار سے ان کی اپنی زندگی بھی بچے کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہونی چاہیئے۔ اگر وہ اپنے دنیاوی فائدہ کی خاطر خود جھوٹ بولنے یا فریق ثانی کو فریب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تو وہ بچے سے حق گوئی اور انصاف پسندی کی کیسے توقع رکھ سکتے ہیں۔ جب گھر میں یہ حالت ہو اور مدرسے میں بھی استاد کی فرض شناسی صرف سبق پڑھانے تک محدود ہو تو بچے کی سیرت و کردار کا معیار کیسے بلند ہو سکتا ہے۔

دنیا کے کامل انسان اور مصلح اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رفقائے کار یعنی صحابہ کرامؓ سراپا عمل تھے اور وہ رحمت للعالمینؐ کے نقشِ قدم پر چلنا اور اس راہ میں شدید سے شدید مصیبت برداشت کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود اپنے کثیر التعداد دشمنوں پر غالب رہتے تھے۔ خدا کے فرشتے ان کے مددگار تھے۔ یہ خدا کی ذات پر کامل بھروسے اور ان کی بے پناہ قوت عمل کا نتیجہ تھا کہ خداوند کریم نے عرب کے گلہ بانوں کو خلافت ارضی عطا فرمائی اور وہ ایک حیرت انگیز قلیل عرصے کے اندر تمام دنیا پر چھا گئے۔ قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یہ انقلاب آفرین کامیابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھی۔ اسی تعلیم و تربیت کی بدولت اُن کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں تھا۔

پاکستان کی اسلامی مملکت کے مدارس میں تعلیم تو بے شک دی جاتی ہے اور اس تعلیم پر ہر سال کروڑوں روپے صرف ہوتے ہیں لیکن ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس تعلیم کے ساتھ اس تربیت کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا جو انہیں رفعت و عظمت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا سکتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ سرکاری اور غیر سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم اس قدر لازمی قرار دی جائے کہ اگر طالب علم مذہبی مضمون میں فیل ہو جائے تو وہ سارے مضامین میں فیل سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ والدین اور استاد دونوں سیرت کی تعمیر کے پیشِ نظر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اسوۂ حسنہ کو اپنا دستور العمل قرار دیتے ہوئے اپنی زندگی کو طلبہ کے لئے نمونہ بنائیں صرف یہی ایک ایسا طریق کار ہے جس کی بدولت ہمارے بچے اخلاقی اور روحانی پہلو سے ایک کامیاب زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یہ ایک گھٹیا ذہنیت ہے کہ بچوں کو صرف اس غرض سے تعلیم دلائی جائے کہ انہیں شکم پُری کے خیال سے نوکری مل جائے۔ بلکہ تعلیم صرف اس مقصد سے دی جانی چاہیئے کہ بچے کو پاکستان کا ایک معزز شہری اور ایک نیک اور مجاہد مسلمان بنایا جائے۔

(مرتضیٰ خان)

مم: تو پڑھائی کا فائدہ کیا ہوا ؟

اسلام کی زرّیں تعلیمات

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ - - -

"تم بہترین امت ہو جو انسانوں کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" (۳ : ۱۱۰)

خدا کے احکام کی کامل اطاعت اور بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے عمل اسلام کے وہ عظیم مقاصد ہیں۔ جو انسان کے سامنے رکھے گئے جن کی مثال انسانی افکار کی تاریخ میں ناپید ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلم کی تعریف ذیل کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

"مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔"

آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے:

"تم میں سے کوئی بھی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

پس اللہ تعالےٰ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اسلام کو اس لئے نازل کیا کہ آپ نسلِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور وحدتِ نسلِ انسانی کے عقیدے پر قائم کریں۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم اسلام کی وہ چند ایک تعلیمات ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جو اسلام کو دیگر مذاہب عالم اور نظریاتِ زندگی سے ممتاز کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت:

دنیا کے قریب قریب تمام موجودہ مذاہب خدا کی ہستی پر ایمان کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن خدا کی ذات کے متعلق ان کا تصور عام طور پر مبہم۔ ناقص۔ ناقابلِ قبول اور خلافِ عقل و دانش ہے۔ اور ان میں سے بعض توحید کے منافی دو، تین یا کثیر التعداد خداؤں کو پوجنے لگے۔ اور دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو اپنے سے کمتر سمجھنے لگے۔ اس بے جا تصور سے لوگوں میں نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکتی چلی آئی ہے۔ اور اس کے زیر اثر نسلِ انسانی ختم ہونے والی کشمکش کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ جس سے جذبۂ منافرت کی خلیج وسیع تر ہو چلی ہے۔ اور احساس برتری نے بنی نوعِ انسان کا سکونِ قلبی چھین لیا ہے۔ اسلام کی رُو سے اللہ تعالےٰ تمام اشیاء کا خالق اور تربیت کرنے والا ہے۔ خدا کے نزدیک تمام انسان اور اقوام خدا کی بے پایاں رحمانیت اور بے بہا رحیمیّت کے تحت خدا کے فیوض و برکات اور فضل و نوازشات کی یکساں مستحق ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

"اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو بلاشبہ اللہ کی نظر میں تم میں سے مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ تعالےٰ علم والا خبردار ہے۔" (۴۹ : ۱۳)

چونکہ ہر نبی توحید باری تعالےٰ کو ہی پھیلاتا رہا لیکن لوگ بے جا تقلید۔ مذہبی تعصبات نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر خالقِ حقیقی کے بجائے مخلوقِ خدا کو اپنا معبود قیاس کر بیٹھے حتیٰ کہ وحدانیت کو کثرت میں بدل کر خلافِ حقیقت نظریات اپنا کر راہِ مستقیم سے ہٹ گئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیے آخری نبی ہیں کہ جنہوں نے سابقہ انبیاء علیہم السّلام کی صحیح تعلیمات کو اجاگر کر دیا۔ اور غلط نظریات کی تردید فرما کر نسلِ انسانی کو خدائے واحد کے عقیدہ پر مجتمع ہونے کی دعوت دی جو تمام قدرتوں کا مالک، کل کائنات کا خالق، پرورش کنندہ، تمام اوصافِ حسنہ کا جامع ہے۔ قرآن کریم میں وحدانیت کی تعلیم یہ ہے۔

"کہہ دے اللہ واحد، بے مثل ہے۔ اللہ ہر شے سے بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ خود کسی سے جنا گیا۔ اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں۔" (۱۱۲ : ۱-۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر نسل۔ رنگ اور دولت پر مبنی خود ساختہ امتیازات کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔ خود آپؐ کے قبیلہ اور اہلِ وطن نے آپ کی شدید مخالفت کی لیکن آپؐ اپنے مقصد پر چٹان کی طرح قائم رہے۔ اور جب کبھی آپ کے مقابلے میں دشمنوں اور مخالفوں نے تلوار اٹھائی تو آپؐ نے مدافعانہ طور سے حکیمانہ انداز میں عربوں کا مقابلہ کر کے صدیوں پرانے انسانیت سوز اور ظالمانہ امتیازات اور نسلی غرور کو کچل ڈالا اور آپؐ کے انسانیت پرور پیغام کو آپ کے سچے پیروکاروں نے ایشیا۔ افریقہ اور یورپ میں پہنچایا۔ جہاں لاکھوں غلام اور کمزور لوگ نسلی تشدد کی وجہ سے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ اسلام نے انہیں ظلم و جور سے نجات دلائی اور آج ان کی اکثریت نے اسلامی اخوت اور برادرانہ محبت کے اصولوں پر گامزن ہو کر امن و وقار کی لازوال دولت پائی۔

انسانیت کے اس محسن اعظمؐ نے انسانی اخوت کی جو روح پھونکی اس کی جھلک آج بھی اہلِ اسلام کو پنج وقتہ اجتماعی عبادت میں پائی جاتی ہے۔ جس میں اہلِ اسلام رنگ و نسل اور منصب کے امتیازات سے بلند ہو کر پہلو بہ پہلو ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر خدا کی یاد کرتے ہیں برادری اور برابری کا یہ جذبہ سالانہ اجتماع کے موقع حج پر انتہاء کو پہنچ جاتا ہے۔ جب کہ عرب حبشی یورپی۔ ترک۔ ایرانی۔ پاکستانی۔ ہندوستانی۔ ملائی۔ انڈونیشی۔ چینی۔ افغانی۔ مراکشی۔ الجزائری افریقی اور دیگر ممالک عالم سے مرد اور خواتین۔ نوجوان اور بوڑھے۔ غریب و امیر۔ عوام و خواص سیاہ و سفید و زرد نسلوں کے وحدانیت کے پرستار۔ ننگے سر اور پاؤں۔ دو سفید سوتی چادروں میں ملبوس یکساں رسوم و عبادات ادا کرتے ہیں۔ اور ان کے سینے باہمی نفرت۔ غرور۔ خودسری کینہ۔ عناد اور بدخواہی کے غبار سے صاف ہوتے ہیں۔ اور مل کر ایک دوسرے کی بھلائی کی دعائیں مانگتے ہیں۔ آخری حج کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ذیل کے الفاظ میں تلقین فرمائی:

"اے لوگو! تمہارا رب واحد ہے جس نے تم سب کو آدم کی نسل سے پیدا کیا۔ جان لو! کہ عرب کو عجمی پر اور عجمی کو عرب پر اسی طرح گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر نسل کے لحاظ سے کوئی فضیلت نہیں۔ تم سے خدا کی نظروں میں وہی قابلِ قدر ہے جو دوسروں سے زیادہ متقی اور نیک ہے۔"

اس پہلو سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عالمگیر انسانی برادری کے بانی اور موجودہ اقوام متحدہ کے پیش رو تھے۔ لیکن جہاں آپؐ ایک حقیقی امت واحد برادری قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ وہاں اقوام متحدہ کی ناکامی اظہر من الشمس ہے۔ کیونکہ اس کے اراکین کے قلوب میں کوئی ایسا ایمان کارفرما نہیں۔ جو اقوام متحدہ کے اغراض و مقاصد پر عمل پیرا ہونے کے لئے قائم رکھے۔

۲۔ مساوات یا اخوتِ نسلِ انسانی :

اِسلام کی رُو سے تخلیق عالم میں انسان کو بے نظیر مقام حاصل ہے چنانچہ قرآن کریم
سے اِنسان کی تخلیق کو بہترین قرار دیا ہے۔

"ہم نے انسان کو بہترین اندازے پر پیدا کیا ہے"۔ (۹۵ : ۴)

اِسی احسنِ تقویم" کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب (خلیفہ) مقرر کیا حتیٰ کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ انسان کی فرمانبرداری کریں۔ انسانی فرائض کی کامیاب تکمیل کے لئے اللہ تعالےٰ نے تمام کائنات کو اس کی فلاح و بہبود کے لئے مسخر کر دیا۔ اور انسان کی فطرت میں تحقیق (تفتیش اور تجدید و تجسس کی صلاحیت رکھ دی کہ وہ اپنی جسمانی، ذہنی اور روحانی استعدادوں کی نشوونما کے لئے تمام اشیا سے استفادہ کرے ان نعمتوں کی وجہ سے انسان کا مرتبہ بلند کر دیا گیا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

"ہم نے بنی آدم کو عزت و وقار بخشا ہے"۔ (۱۷ : ۷۰)

مگر انسان کے لئے یہ بات انتہائی افسوسناک بلکہ شرمناک ہے کہ وہ اس بلند مقام سے گر گیا اور اندھی بہری۔ گونگی اور بے جان مخلوق کے علاوہ اپنی سفلی لپست خواہشات کا غلام بن گیا اور انہیں اپنا معبود، مسجود اور مطلوب بنا لیا ؛

اللہ تعالےٰ کی نظر میں تمام انسان یکساں ہیں۔ اور وہ ایک مرد اور عورت

اخوّت :- آدم و حوّا سے پیدا کئے گئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے حفظِ مراتب اور شرافت نیز اہلیّت اور فضیلت کو بھی قائم اور برقرار رکھا ہے۔ جیسا کہ جاہل اور عالم، مظلوم اور ظالم۔ پاک اور ناپاک۔ اندھا اور غیر اندھا ہوتے ہیں۔

"کہہ دے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے لوگ برابر ہوتے ہیں۔؟ ما سوا صاحب عقل کوئی نصیحت نہیں پکڑتے۔" (۳۹ : ۹)

"کہہ دے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوتا ہے؟ کیا تم غور نہیں کرتے۔" (۶ : ۵۰)

"(کہہ دے کہ) ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا۔ اگرچہ تجھ کو ناپاک کی بہتات اچھی لگے پس اے صاحبانِ عقل اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (۵ : ۱۰۰)

اِس کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت و برتری دی اسی طرح اپنے رسولوں میں بھی ایک دُوسرے پر فضیلت کو برقرار کیا۔ بایں ہمہ تمام لوگوں سے نبی رسول و ہادی بزرگ و برتر اور افضل و اعلیٰ ہوتے ہیں تاہم اللہ تعالےٰ نے رنگ۔ نسل زبان کے اختلافات کو معیارِ فضیلت نہیں گردانا۔

"نسلِ انسانی ایک ہی امت تھی (لیکن بعد میں انہوں نے اختلاف کیا) پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بشارت دینے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ صداقت بھری کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔" (۲ : ۲۱۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے بنی آدم باہم جنگوں میں اُلجھے ہوئے تھے اور ان میں باہمی نفرت کی اساس، نسل، رنگ اور عقیدے کے اختلافات پر تھی اور ہر جگہ خود غرض لوگ ذاتی مطلب برآری کے لئے اس نفرت اور نا چاقی کو ہوا دے رہے تھے۔ اور دہشت، تنازعات اور جنگوں کی آگ بھڑکا کر عوام الناس کو امن مذہب اور وطن کی حفاظت کے نام پر لوٹ رہے تھے۔ انسانی تاریخ کی یہ داستان انتہائی افسوسناک ہے یونانیوں اور رومیوں نے گرد و نواح کی کمزور قوموں کو دبا لیا اور ان سے حیوانوں کا سا سلوک کیا۔ مگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مفاسد کے خلاف جدوجہد کی آپؐ نے اپنے گرد مخلص جان نثاروں کا ایک مختصر سا گروہ اکٹھا کیا جو مختلف نسلوں۔ قبیلوں اور ملکوں کے افراد پر مشتمل تھا۔ مکہ مکرمہ کے معزز ترین قریش۔ یمن کے سرکش۔ اوس و خزرج۔ صحرا کے خونخوار بدو۔ حبشی۔ ایرانی۔ رومی اور دُوسرے علاقوں کے کلمہ گو اخوت، محبت اور رواداری کی زنجیروں میں جکڑے گئے۔ آپؐ نے آدم کشی۔ افتراق۔ نفرت اور تاریکی کی قوتوں کو پامال کر دیا۔ اور دس سال کی قلیل مدت میں حقیقی معنوں میں انسانی احترام، برادری اور وقار کو عرب کے طول و عرض میں قائم کر دیا۔ اور نسلی امتیازات کے تشدّد کی چکی میں پسنے والی مظلوم انسانیت کے لئے لائحہ عمل پیش کر کے عدم مساوات۔ ناانصافی اور نسلی نفرت کی بھاری زنجیروں کو کاٹ پھینکا کیونکہ سب کے سب خدا کے قانون کی نظروں میں یکساں ہیں اور اسلامی تعلیمات نے ہر قسم کی مذہبی۔ سائنسی۔ اخلاقی اور معاشرتی میدان میں ترقی کی راہیں کھول دیں تاکہ خود جیو اور دُوسروں کے جینے میں مدد کرنے کے اصول کو عام کرو

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ نسل۔ رنگ اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود متحدہ قومیت کا تصوّر موجودہ تہذیب کی رسائی سے باہر ہے۔ آخر دنیا کی موجودہ بڑی بڑی اقوام نے انسانی تعلقات کے میدان میں کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں؟ امریکہ کی دولت اور تکنیکی میدان میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم آج نسلی کشمکش کے ہاتھوں پریشان ہے۔ جس کی اساس جلد کے رنگ پر ہے۔ اور وہ اس معمولی ناانصافی کو دور کرنے سے قاصر ہے۔ مگر سب مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ اسلام میں رنگ کی بنا پر کوئی تعصّب نہیں ہے۔ اور ہم رنگ، نسل اور زبان کے اختلافات کے باوجود ہر کلمہ گو کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ اور دنیا کا کوئی مذہب یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ اسلام کی طرح اخوت کی زنجیروں میں جکڑ کر مختلف گروہوں کو ایک عالمگیر برادری میں تبدیل کر دے۔

لیکن یہ امر یقیناً قابلِ لحاظ ہے کہ اسلام میں رنگ، نسل و زبان کو کوئی امتیازی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس بنیاد پر اختلافات کی کوئی حیثیت ہے تاہم علمی شرافت، عقلی بصیرت۔ اور فطری طہارت کے پیشِ نظر خدا تعالےٰ نے حفظِ مراتب کی خاطر اہلیّت و فضیلت کو جائز و تسلیم قرار دے کر اہلِ اسلام میں مسلم و مومن و متقی جیسے موصوف کی اقدار میں حدِّ فاصل کھینچ کر فطری صلاحیتوں کو پھولنے پھلنے کے مواقع فراہم کر دیئے۔ تاکہ اسلامی برادری جامد و ساکت ہو کر نہ رہ جائے۔ پس اسلام میں رنگ و نسل و زبان کی تفریق نہیں ہے بلکہ علمیّت و بصیرت و طہارت کے مقتضیات کو ترجیح دی گئی ہے۔ اسی لئے اسلامی برادری میں شرف و فضیلت کا معیار خدا تعالےٰ کے نزدیک یہ ہے۔

"تحقیق اللہ کے نزدیک بزرگ ترین وہ ہے۔ جو زیادہ پرہیزگار ہے۔" (۴۹ : ۱۴)

۳۔ عدل و انصاف :

انسانی اخوت و احترام کا حقیقی اظہار بے لوث عدل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسلام کی رو سے انبیاء کی بعثت کی غرض و غایت وحدانیت باری تعالےٰ پر ایمان و اقرار کے لئے تھی تاکہ اس حقیقت کے قبول کر لینے سے دنیا میں ظلم و ستم اور بے انصافی کو مٹانے کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا جا سکے۔ اور انسانوں میں عدل و انصاف پر مبنی حکمرانی اسلام کے منشاء کو پورا کرنے والی ہو۔ جس کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کے لئے یکساں قوانین ہوں چنانچہ اسلام کا قانون ہی ایسا ہے۔ جو کہ رنگ و نسل و زبان کے اختلافات سے بالاتر ہو کر انسانی اخوت و احترام کو برقرار رکھتا ہے۔ اسی لئے اہلِ اسلام کو تاکید ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں بھی عدل و انصاف کا دامن ہرگز نہ چھوڑا جائے۔

"اے ایمان والو! قائم رہو خدا (کی خوشنودی) کے لئے شہادت دینے کے انصاف کے ساتھ اور نہ ابھارے تمہیں دشمنی کسی قوم کی کہ تم انصاف نہ کرو۔" (۵ : ۸)

اِسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ ہمیشہ عدل و انصاف سے ہی کام لیں اور ہر حالت میں حق کا ساتھ دیں۔ اور حق کو ہی بلند رکھیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے خود عدل و انصاف کی بلند ترین مثالیں قائم کیں۔ چنانچہ ایک بار ایک قریش خاتون نے چوری کی اس کے اہل خاندان نے اسلام کی خاطر بہت قربانیاں دی تھیں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا بھی احساس تھا۔ ان لوگوں نے آپؐ کی خدمت میں سفارش کرائی کہ جرم معاف فرما جائے کیونکہ سزا سے خاندان کی ناک کٹ جائے گی مگر آپؐ بھلا اللہ تعالیٰ کے قانون کو کیونکر توڑ سکتے تھے اس لئے فرما دیا "خدا کی قسم اگر میری بیٹی حضرت فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اسے بھی ضرور سزا دیتا۔" یہ الگ بات ہے کہ اپنی بیٹی سے نسبت دینے سے آپ کا منشاء صرف یہ تھا کہ اللہ کے قانون کے احترام میں تقاضائے عدل و انصاف سے شدت جرم اور اس کی اہمیت لوگوں پر واضح کر دی جائے اس سے اسلام میں عدل و انصاف کی بنیادی حیثیت کا پتہ چل جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون عدل و انصاف پر قرار دے کر انسانیت کی بہبودی کی راہ متعین کر دی۔

ایک دُوسرے موقع پر مدینہ کے ایک انصاری مسلمان طعمہ نے اپنے یہودی ہمسایہ پر چوری کا الزام لگایا۔ یہودی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل و انصاف پر یقین کامل تھا لیس وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر انصاف کا طالب ہوا۔ تحقیقات کے بعد معلوم ہو گیا کہ قصور طعمہ کا ہی ہے۔ اور وہی سزا کا مستحق ہے۔ اس کے قبیلہ کے لوگ معافی کے خواستگار ہوئے لیکن آپؐ بے انصافی کی بُری مثال ہرگز ہرگز قائم نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ان کی درخواست کو آپؐ نے ردّ فرما دیا اور مُجرم کو قرار واقعی سزا دلوائی گئی۔ اور اسی طرح آپؐ کے صحیح پیروکاروں نے ہر حال میں آپؐ کے بعد جب اقتدار حکومت حاصل کیا یا عام زندگی لبسر کی ہو۔ انہوں نے آپؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عدل و انصاف کی روایات کو ہی قائم رکھا۔ اور دنیا میں عدل و انصاف کے درخشندہ نمونے چھوڑ گئے۔

آج بھی مسلمانوں کے قلوب میں اسی باہمی الفت و محبت، اخوت و احترام کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اسلام کے خلاف ذلیل پروپیگنڈے سے وقتی طور پر ظالم لوگوں نے نوعِ انسانی کو اخوّت و انصاف سے محروم کر دیا ہے۔ تاہم انجام کار اسلام کا پیغام عدل و انصاف ہی غالب آکر رہے گا۔

۴:۔ باہمی اخوّت و احترام اور حرّیت و محبّت کا پیام

اسلام رنگ و نسل و زبان ایسے اختلافات سے بالاتر ہو کر امن عالم۔ اتحاد اقوام بین الانسانی محبت کا داعی اور علمبردار ہے۔ اور ان سب کی تہ میں رحم و کرم کی روح کارفرما ہے قرآن حکیم کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام (مخلوق) کی ربوبیت کرنے والا۔ بے اندازہ بار بار رحم والا۔ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے۔"

قرآن حکیم نے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو "تمام مخلوق کے لئے رحمت" قرار دیا ہے۔

"ہم نے تجھے تمام مخلوق کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (۲۱ : ۱۰۷)

قرآن حکیم کو بھی اللہ تعالیٰ نے رحمت قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام کائنات کی تخلیق میں رحمت کی صفت کار فرما ہے۔ ہر مسلم پر فرض ہے کہ جب وہ معمولی سے معمولی بھی اچھا کام کرنے لگے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے اندازہ بار بار رحم کرنے والا ہے) پڑھے۔ پس ایک مسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رحمت کا طلبگار ہوتا ہے۔ اس کی بے پایاں رحمت پر بھروسہ کرتا ہے۔ اور انسانوں اور حیوانوں سے برتاؤ کرتے وقت اس کی رحمت کو پیش نظر رکھتا ہے۔

تمام تاریخی شخصیتوں اور برگزیدہ ہستیوں میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مانند رحیم و کریم کوئی شخص نہیں گزرا۔ لیکن یاد رہے کہ محض رحم کی تلقین کرتے جانا ایک خالی لفظ ہے ہو سکتا ہے کہ آزمائش کے وقت ایسا شخص ثابت قدم نہ رہ سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ تورات میں قانون دیا گیا اور حضرت داؤد علیہ السّلام کو زبور عطا فرما کر دعا و مناجات تعلیم فرمائی۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وساطت سے اخلاقیات کے درس دیئے گئے۔ یہ سب کچھ الگ الگ حیثیت میں مفید اور کافی تھیں اور جزئی طور پر قانون کے مظاہرات کے پیش نظر دعا و مناجات کا تقابل عمل نظر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دعا و مناجات کے مقابلہ میں اخلاقی اقدار کی تشنگی پائی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون اور دعا و مناجات اور اخلاقیات پر عامل افراد کا کردار خواہ کتنا ہی نمایاں طور پر مثالی کیوں نہ ہو مگر ایک دُوسرے کے مقابلہ میں کمی کا احساس ضرور ابھر آتا ہے۔ چونکہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واحد ذات والا صفات خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا مجموعہ تعلیمات لے کر آئے جس میں مکمل قانون بھی ہے اور مفید دعا و مناجات بھی ہیں اور اخلاقیات کے ضابطے بھی ہیں۔ نیز مکمل لائحہ زندگی ہے جس میں کہ ہر شعبۂ زندگی کے لئے راہنمائی موجود ہے۔ آپؐ نے اپنی تعلیم کی صداقت اپنے ذاتی عمل سے پیش کی۔ آپؐ کو اور آپ کے مٹھی بھر جاں نثاروں کو بائیس (۲۲) سال تک مختلف ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ آپ پر پتھر برسائے کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ آپؐ کے راستے میں رات کی تاریکی میں کانٹے تک بچھائے گئے سر پر خاک ڈالی گئی۔ اور سالہا سال تک مجلسی بائیکاٹ رکھا گیا۔ آپ کے قتل کی ناپاک سازش کی گئی۔ آپ کو اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ دشمنوں نے آپ کو مدینہ میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آپ کے خلاف بار بار لشکر کشی میں سبقت کی گئی۔ آپ کے متعدد جاں نثار ساتھی بے رحمی سے شہید کر دیئے گئے۔ اگرچہ آپ کو آزادی اور چین حاصل نہ تھا اور ملک میں گھومنا پھرنا آپ کے لئے خطرے سے خالی نہ تھا۔ تاہم آخرکار آپؐ نے اپنے صبر و تحمل اور حکیمانہ تدبر سے اپنے سنگدل دشمنوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ آپ دس ہزار مسلمانوں اور جاں نثاروں کے ساتھ مکہ میں فتح یاب داخل ہوئے۔ دشمن آپ کے رحم و کرم پر تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ مہربان بھائی ہیں اور ہم مہربانی کے آرزومند ہیں۔ دشمنوں اور دنیا جہان کے دستور کے خلاف آپؐ نے یہ تاریخی اور بے مثال اعلان فرمایا:۔

"آج کے دن تم سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔ تم آزاد ہو۔"

اس طرح آپؐ نے رحم و کرم کی جو مثال قائم فرمائی دنیا کا کون سا فاتح جرنیل اس کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اسلام نے اپنے نام لیواؤں میں رواداری۔ ہمدردی۔ محبت و احترام کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے حکم دیا ہے کہ دنیا بھر کے مدعیان مذہب کے بزرگوں کا بھی احترام کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم اور بے پایاں رحمت سے مختلف اقوام عالم کی طرف وقتاً فوقتاً ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے کیونکہ یہ سب انبیاء اسلام ہی لے کر آئے اور اسی کی تعلیمات کو عام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ہر مسلم بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سابقہ انبیاء اور پہلی کتب شریعت کی تصدیق کرتے ہیں:۔

"رسول اس وحی پر ایمان لایا جو اس پر نازل ہوئی۔ اور مومن بھی۔ یہ تمام اللہ پر اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ (اور اقرار کرتے ہیں کہ) ہم رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں رکھتے۔" (۲ : ۲۸۵)

(ماخوذ)

ہفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد
دُوسروں تک پہنچایئے

(ادارہ)

ختمِ نبوت اور اتحادِ نسلِ انسانی

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سارے جہان کیلئے رحمت ہیں

حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ

وحدتِ نسلِ انسانی کا انحصار توحید پر

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے توحید باری تعالےٰ پر بڑا زور دیا ہے اور اسی قدر زور وحدت نسل انسانی پر دیا ہے۔ اور یہ سب سے بڑا کرم ہے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بنی نوع انسان پر کیا ہے۔ وحدت نسل انسانی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک انسانوں کو اس امر کا یقین نہ ہو جائے کہ اس تمام کائنات کا خالق اور مالک ایک ہے۔ اور اسی کے قبضہ تصرف میں اس کائنات کا انتظام ہے۔ اور اسی کی ربوبیت سارے جہان پر اور ساری اقوام پر سایہ فگن ہے اور اس کی رحمت کے ابر بلا تفریق سب اقوام کے مایحتاج کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بات لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے کے لئے آپؐ نے ساری جدوجہد کی اور ساری عمر اس ایمان و ایقان پیدا کرنے میں صرف کر دی۔

صفاتِ الٰہی کا جلوہ آنحضرتؐ کی ذات میں

جہاں قرآن کریم کے ہر ایک صفحہ بلکہ ہر ایک آیت میں خدا کے اسماءِ حسنیٰ اس لئے آتے ہیں کہ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں اس کو خدا یاد ہو۔ وہاں عملی رنگ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زبانِ مبارک پر ہر لمحہ خدا کی یاد نظر آتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر حرکت و سکون اور ہر فعل میں خدا تعالےٰ کی صفات کا جلوہ اسی طرح سے نظر آتا ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر قول میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ حضورؐ نے کبھی کوئی کام بغیر خدا تعالےٰ کا نام لینے اور بغیر اس سے دعا مانگنے کے نہیں کیا جیسا کہ ان کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعاؤں کے مجموعے شائع ہوئے اور اسی طرح کسی انسان سے کوئی سلوک نہیں کیا جس میں خدا تعالےٰ کی صفات کا جلوہ نمایاں طور پر نظر نہ آتا ہو۔ اپنے رشتہ دار اپنے دوست اپنے خدمت گار اپنی قوم بحیثیت مجموعی سب کے سب بادۂ عرفان سے خوب سیر ہوئے۔ ان میں سے ایک ایک عاشق ذات باری تعالیٰ ہو گیا۔ اور سب طرح سے محب و محبوب الٰہی اور خادم مخلوقات بن گیا۔

ربّ العالمین کے مظہرِ اتم کی شان رحمۃ للعالمین

یہ حال تو اپنی قوم کا ہے۔ غیروں کا یہ عالم ہے کہ جب کسی قوم نے یا فرد نے خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا لطف عمیم دیکھا وہ حضورؐ کے اخلاق کا اسیر ہو گیا۔ عیسائیوں یہودیوں اور بت پرستوں نے جو ربّ العالمین کے مظہر اتم کے احسانات مشاہدہ کئے ہیں وہ تاریخ کے صفحات کو مزین کر چکے ہیں۔ اور اس امر کی گواہی پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہاں للہ ملک السمٰوٰت والارض کی تلقین کی وہاں عملی رنگ میں اپنے کرم و لطف سے یہ ثابت کر دکھایا کہ جس طرح خدا تعالےٰ کا کرم اور احسان سب قوموں کے لئے برابر ہے۔ اسی طرح سے اس کا مظہر اتم بھی رحمۃ للعالمین ہے۔

عرفانِ الٰہی کا انتہائی مقام آنحضرتؐ کی انتہائی منزل پر

یہ بڑا مشکل مقام ہے۔ اور انسان کے عرفان کا انتہائی نقطہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا یہ عرفان کسی بزرگ بلکہ کسی نبی کو بھی میسّر نہیں آیا۔ یہ عرفان تو قیامت کے دن اس وقت میسر آنے والا ہے جب انسان کی آنکھوں پر سے تمام قسم کے تعصبات اور جہالتہائے گوناگوں کے پردے اٹھا دیئے جائیں گے۔ اور تمام لوگ پکار اٹھیں گے۔ کہ خدا تعالےٰ ایک ہے۔ و آخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین لیکن ہماری سرکار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابتدائی منزل پر ہی یہ عرفان حاصل تھا۔ اور اسی عرفان سے حضورؐ کی نماز کی ابتداء ہوئی تھی۔ الحمد للہ رب العالمین۔

توحیدِ الٰہی کا راز:

کاش کہ ہماری آخری منزل پر ہی ہمیں خدا کی توحید کے ماننے کا راز میسر آجائے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمیں ہندوؤں سکھوں۔ عیسائیوں۔ یہودیوں اور دیگر تمام اقوام سے تعصب کا برتاؤ نہیں کرنا جس حد تک ہم اس میں کامیاب ہوں اسی حد تک ہم توحید سے فائدہ اٹھانے والے ہوں گے۔ اور جس حد تک ناکامی ہمارے شامل حال رہی اسی حد تک ہم نے خدا تعالیٰ کی توحید کے سبق سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس سے بڑھ کر تڑپ ہمیں اس بات کی ہو کہ تمام مسلمانوں کو یا تمام ان لوگوں کو جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے ہیں۔ انہیں بھائی یقین کریں۔ عملاً ان کے ہر کام اور ہر عبادت میں حصہ لیں تاکہ پہلے ہم خود وحدت نسل انسانی کی بنیاد رکھنے والے ہوں۔ مبارک ہیں وہ جو یہ مشکل کام کر دکھائیں۔ ہر قوم کا تعصب اور تنگ نظری علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے۔ وہ اپنے اندر کس قدر بھی معقولیت کا رنگ رکھتی ہو پھر بھی وہ تنگ نظری ہے۔ جس کا ترک کرنا اپنی روحانی ترقیات کے لئے اور قومی مفاد کے لئے مفید ہے اور ضروری ہے۔

انسانیت کے لئے غیر محدود ترقیات کا دروازہ:

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ تعلیم انسانیت کے لئے غیر متناہی ترقیات کا دروازہ کھولتی ہے۔ اسی سے استبداد اور ظلم کی جڑ کٹتی ہے۔ اسی سے حکومت کی اصل اصلاح ہوتی ہے۔ اور وہ مخلوق کے لئے برکات اور فیوض کا منبع بن جاتی ہے۔ اس سے تمدن و معاشرت میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ الغرض اسی سے انسانی کمالات کے تمام شعبوں کو انتہا درجہ کی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ یہ روحانیات کے لئے ایسا ہی اصول ہے جیسے کہ نظام شمسی کے قائم رکھنے کے لئے کشش ثقل ہے۔ جو اجرام کو اپنے مقام پر قائم کر کے کائنات کے لئے لا محدود برکات کا موجب بنا دیتی؟

غیر متبدل اصولوں سے لامتناہی ترقیات

اس مادی دنیا میں غیر متبدل قوانین کام کرتے ہیں۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ اور اصولوں کا غیر متبدل ہونا ہی ترقیات کی اصل بنیاد ہے۔ پانی اور ہوا کے اندر خواص غیر متبدل ہیں۔ اور ان دونوں کے عمل کے لئے قوانین بھی غیر متبدل ہیں انہی اصولوں سے فائدہ اٹھا کر انسان طرح طرح کی ترقیات کرتا ہے۔ پانی کے جہاز

ہوں یا ہوا کے سب ان کائنات ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے پانی اور ہوا میں رکھے ہیں۔ اسی طرح سے اس کا قانون اجرام فلکی میں کام کرتا ہے جس کا نتیجہ علم نجوم ہے۔ اسی طرح سے اس کا قانون حیوانات میں کام کرتا ہے جس کا نتیجہ فزیالوجی اور بائلوجی ہے۔ نباتات کا ارتقا ناممکن نہ تھا اگر کوئی غیر متبدل اصول اس حصۂ کائنات میں کام نہ کرتے۔ سورج اور چاند کی روشنی اور گرمی غیر متبدل ہے۔ خود سورج اور چاند کی ساخت اور ان کے اجزا غیر متبدل ہیں لیکن یہی نباتات اور حیوانات کی غیر متناہی ترقی کا موجب ہیں۔ اسی طرح سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ تعلیم ہے جس پر چل کر سیاسیات میں تمدن و معاشرت میں اور تعلقات بین الاقوامی میں غیر متناہی ترقی ہو سکتی ہے۔

عالم روحانی کے آفتاب اور ماہتاب اور ختم نبوت

جس طرح سے آفتاب اور ماہتاب اس مادی عالم کی تمام ظلمات کو دور کرنے اور اس کی ترقی کے لئے حرارت و روشنی مہیا کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نبی کریم عالم روحانی کے لئے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ چنانچہ خود خدا تعالےٰ نے حضور کو سراجاً منیراً کر کے یاد فرمایا۔ اس عالم کی ترقیات کے لئے جس طرح آفتاب و ماہتاب کے بعد کسی دوسری روشنی اور حرارت کا تجویز کرنا ناممکن ہے اسی طرح سے اس آفتاب اور ماہتاب کے بعد جو عالم روحانی کو منور کرتا ہے۔ کسی دوسرے نبی کا تجویز کرنا غیر ضروری ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خاتم النبیین کہا جاتا ہے۔

غیر متبدل اشیاء و خواص سے غیر محدود ترقیات

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس دنیا کے لئے اللہ تعالےٰ نے غیر محدود ترقیات کے سامان فرمائے ہیں۔ لیکن اس دنیا کی اشیاء کے خواص اور اس دنیا کے قوانین غیر متبدل ہیں۔ پانی کے خواص ہوا کے خواص۔ سونے چاندی کے خواص۔ گندم و سیب کے خواص شیر و بلی کے خواص، کبوتر و باز کے خواص تبدیل نہیں ہوتے ان کو ابتداء عالم میں ایک فطرۃ عطا کی گئی تھی اس فطرۃ میں کوئی ارتقاء نہیں ہوا۔ فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذالک الدین القیم۔ خواص کے علاوہ کچھ قانون ہیں جن میں ارتقار نہیں ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا۔ ان قوانین مستمرہ اور ان کے خواص مستقرہ نے دنیا میں غیر محدود ترقیات کے سامان کئے ہیں۔ ہر دن اور ہر ساعت بلکہ ہر لمحہ میں ہزار ہا کرشمہ ہائے ترقی اور ارتقاء نظر آتے ہیں۔ ہر صبح نئے مشاہدات پیدا کرتی ہے۔ اور ہر زمانہ اپنی نیرنگیاں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ ان لامتناہی ترقیوں کی طرف خدا تعالےٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کل یوم ھو فی شان ہر لمحہ اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات کے جلوہ ہائے لاتعداد اس کائنات میں نظر آتے ہیں۔ اس کی مخلوقات کی ترقیات کی کچھ حد نہایت نظر نہیں آتی۔ فرمایا یخلق ما یشاء لیکن اس کے قوانین اور اس کے عطا کئے ہوئے خواص میں تبدیلی بھی کوئی نظر نہیں آتی۔ گندم ازل سے لے کر ابد تک اپنے خواص کو قائم رکھے گی۔ انسانیت بھی اپنے خواص کو قائم رکھے گی اسی طرح سے دودھ بھی اور دیگر تمام اشیاء کے خواص کے مقرر و غیر متبدل ہونے کے باوجود انسان نے کس قدر ارتقاء کیا ہے۔ انسان کے وہم میں بھی نہیں آتا کہ ارتقاء کا تقاضا ہے کہ گندم ترقی کرے۔ انگور ترقی کرے۔ لوہے میں ارتقاء ہو۔ سورج اور چاند میں ارتقاء ہو۔ ان اصولوں کے اندر ارتقاء کا نہ ہونا ہی اس کائنات کے ارتقاء کو پیدا کرتا ہے۔

غیر متبدل آفتاب روحانی سے غیر محدود سامان ارتقاء

پس اس آفتاب و ماہتاب کے ہوتے ہوئے جس نے عالم روحانیات کی تمام ترقیات کے دروازے کھول دیئے۔ کسی مزید روشنی کی حاجت کا نہ ہونا مسئلہ ارتقاء کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ ارتقاء کا سامان ہے۔ حضورؐ خود فرماتے ہیں رب زدنی علما جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی ترقی کی کچھ انتہا نہیں ہے۔ باوجود اس کے اصول دین مستمرہ اور مستقرہ ہیں۔ اور ہونے چاہئیں۔ فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم یعنی دین کو کامل کر دیا ہے۔ پس یا تو لوگ کھنچے ہوئے اس آفتاب کی روشنی اور حرارت سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس کی طرف آئیں گے اور یا اس آفتاب عالم تاب کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے اپنی صحت روحانی کو برباد کر لیں گے۔ اور اگر ان کی آنکھیں اس آفتاب کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھائیں گی تو اپنے نور بصیرت کو ضائع کر دیں گی۔

ختم نبوت پر مشرق و مغرب کی گواہی

لیکن اب تو اس آفتاب کی شعاعوں کی قدر یورپ اور امریکہ کے ٹھٹھرے ہوئے لوگ بھی کرنے لگ گئے ہیں۔ انہی اصولوں کو مان رہے ہیں جنہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرۃ انسانی کے مطابق جاری وساری کیا۔ اور کوئی انسان ان اصولوں سے زیادہ خوبصورت اصول پیش نہیں کر سکا۔ گویا مشرق و مغرب نے گواہی دے دی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصولوں سے بہتر اور کوئی اصول انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

توحید الٰہی کی تفصیلات!

قرآن شریف نے اس بات کی بڑی تفصیلات دی ہیں کہ خدا برتر و قدوس تمام کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اور تمام کائنات اور تمام اقوام کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ اور تمام کائنات پر اسی ایک خدا کی حکومت ہے۔ چونکہ اس سے وحدت نسل انسانی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اس توحید کے ذکر کی تفصیلات پر قرآن کریم نے بڑا زور دیا ہے۔ لیکن اس مضمون میں صرف چند آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللّٰہ خالق کل شیء و ھو علیٰ کل شیء قدیر۔ اللہ تعالےٰ خالق ہے ہر ایک چیز کا اور وہ ہر ایک چیز کا کارساز بھی ہے۔ اللّٰہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وما بینھما اللہ تعالےٰ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور جو کچھ بھی ان دونوں کے درمیان ہے۔ بدیع السمٰوٰت والارض۔ وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے۔ ان ربکم اللّٰہ الذی خلق السمٰوٰت والارض تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ رب السمٰوٰت والارض وما بینھما فاعبدہ۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ اور ہر ایک چیز کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ پس اس کی عبادت کرو۔ رب المشرقین و رب المغربین مشرقین اور مغربین کا رب ہے رب المشارق والمغارب۔ مشارق اور مغارب کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا وہ مشرق اور مغرب کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ اسی کو کارساز بناؤ۔ قل اتحاجوننا فی اللّٰہ و ھو ربنا و ربکم پوچھئے کیا تم خدا کے معاملہ میں بحث کرتے ہو وہ ہمارا اور تمہارا سب کا ربوبیت کرنے والا ہے۔

ان اللّٰہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم یعنی اللہ تعالےٰ میرا رب ہے۔ اور وہی تمہارا رب ہے۔ اس کی عبادت کرو اور یہی سیدھا رستہ ہے۔

کائنات پر حکومت الٰہی!

اس کے بعد فرمایا کہ جس خدا تعالےٰ نے تمام کائنات کو پیدا کیا اور جس نے ان کی ربوبیت اور ترقی کے سامان بہم پہنچائے۔ اسی خدا کی حکومت اس ساری کائنات پر ہے

(باقی صـ۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۲۳/۳۰ اپریل ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

محمد اعظم علوی صاحب دار السلام

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس براندرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

محمد صالح نور

امر بالمعروف

اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے " ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر " امت محمدیہ میں ہر وقت ایسے گروہ کا وجود ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جو نیکی کی تلقین و تبلیغ کرتا رہے اور بدلیوں سے روکنے کے لئے کوشاں رہے۔ مگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بہت جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہ کام خدا تعالےٰ کی چیدہ جماعتوں کے علاوہ کوئی دوسرا سرانجام نہیں دے سکتا کیونکہ اس کام کے لئے خدا تعالےٰ کا فضل شاملِ حال ہونا ضروری ہے۔ اور خدا تعالےٰ کا فضل اور اس کی توفیق انہی کے شامل حال ہوتی ہے۔ جو خدا تعالےٰ کے حضور دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا اقرار کرتے ہیں۔ اور کسی حالت میں بھی دنیا کی محبت کو دین کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیتے۔ اور وہ اپنا سب کچھ رضائے الہٰی کے حصول کے لئے قربان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ کیونکہ اس راہ میں بڑی دشوار گزار گھاٹیوں اور کتنی ہی خار دار وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور کتنے بپھرے ہوئے سمندروں کی پہنائیوں کو پاٹنا پڑتا ہے۔ بالفاظ دیگر اپنے خالق کی رضا کی راہوں کو پانے کے لئے وقت کی، خواہشات کی، اور مال و اولاد کی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ اور ایک خوشگوار صبح کے تابناک چہرہ کے نظارہ کے لئے ظلمتوں۔ تکلیفوں اور اندھیروں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ کہ :-

خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

خشتِ اوّل ذاتی کردار :-

سب سے اوّلین اور مقدم امر جو بالمعروف کرنے والے کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی اولیت ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ وہ انسان کا ذاتی کردار ہے۔ انسان کے ذاتی کردار سے جو عمل کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں، وہ محض اس کے ہی گلشن کو خوشنما اور خوشگوار نہیں بناتے بلکہ اس سے سارا ماحول بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اور اس ذاتی کردار کے نور سے ایک دنیا منور ہوتی ہے۔ اور اسکے سایہ تلے ہزاروں دکھوں کے مارے ہوئے آرام اور آسرا تلاش کرتے ہیں۔ اور انسان کا ذاتی کردار صرف اُسے ہی ایک عظیم الشان انسان نہیں بناتا بلکہ وہ پارس کیطرح ہو جاتا ہے جو اس سے تعلق اور رابطہ پیدا کرتا ہے وہ بھی عظیم بن جاتا ہے۔ اور اسطرح ایک جماعت وجود میں آجاتی ہے۔ جو خدا کی حمد کے ترانے گا گا کر دنیا میں نیکی کے پودے لگاتی اور بھولے بھٹکوں کیلئے راہِ ہدائیت کی نشاندہی کرتی چلی جاتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے تمام امتیازوں کو مٹا کر صرف ایک نسبت نوعِ انسان کو عطا کی ہے۔ اور وہ ہے۔ ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً " خدا تعالےٰ کے نزدیک وہی پیارا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کے رستہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہو۔ مگر اس کی خاصیت یہ ہو کہ بات کہے تو سچی پکی اور کھری۔ عمل کرے تو نیک سیدھا اور سادا۔ یہی زندگی حسین ہے۔ اور یہی راہِ مستقیم ہے۔ اور اسی کو راہِ ہدایت کہا جاتا ہے جو اس پر چلتے ہیں انہیں قرآن کریم نے اولئک ھم المفلحون کی سند عطا فرمائی ہے۔ انسان کے لئے معیار شرف و بزرگی صرف جوہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم و عمل سے ہے۔ نسب یا نسل کا غرور باطل ہے۔ حقیقتاً ہم کو ایسا بننا چاہیئے۔ کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں نہ یہ کہ ہم اپنی عزت و بزرگی کے لئے خاندان کے شرفِ رفتہ کے محتاج ہوں۔ نسلی تفاخر کو اسلام نے مٹا کر رکھ دیا ہے۔ اور بزرگی اور اکرام کی بنیاد تقوٰی پر رکھی ہے۔ اسلام ہر اس شخص کو جو اس کے جھنڈے تلے جمع ہوتا ہے۔ مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔ خواہ وہ کسی قبیلے۔ خاندان۔ کسی رنگ کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ علامہ اقبالؒ مرحوم نے سچ ہی تو سوال کیا ہے :- ؎

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو + تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ارباب عقل و دانش اور اصحاب ہمت و مردانگی نے ہمیشہ اپنی راہ خود نکالی ہے۔ اور عظمت و رفعت کی تعمیر اس کردار سے کی ہے۔ جو ان کی ذات میں جوہر آبدار بنکر چمک رہا تھا۔ انہوں نے اپنی منزل کے حصول کے لئے پہاڑوں کی چٹانوں سے راستوں کو تراشا ہے کوہکن کا نام اسی لئے زندہ ہے۔ کہ اس نے اپنی طاقت اور عمل پر بھروسہ کیا اور اپنے کردار کو اپنا رہنما بنایا اور کسی غیر کا محتاج نہ ہوا۔ ہمارے اسلاف کے نام جو آج تک کتاب زندگی میں سنہری حروف سے منور اور روشن نظر آتے ہیں وہ سب ان کے ذاتی کردار کے مرہون منت ہیں۔۔ حسن عمل کے طفیل بظاہر کمتر اور چھوٹا نظر آنے والا خدا کے حضور مقبول ہو جاتا ہے۔ اور بظاہر منظر میں بڑا شمار ہونے والا عدم عمل کیوجہ سے پیچھے رہ جاتا ہے۔

تاریخ اسلام میں جن ہستیوں نے اپنی زندگیوں کو عمل کی زندگی بنایا آج ہم ان پر فخر کرتے ہیں۔ اور ان کی طرف منسوب ہونا باعث فخر و مباہات جانتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے جنازہ میں ہزاروں خاندان شرف اور بزرگی و برتری کے مالک قریشیوں اور ہاشمیوں نے صہیب رومیؓ کی قیادت میں نماز ادا کی۔ اسامہ بن زیدؓ کی زیر کمان مہمات کے لئے نکلنے کو بڑے بڑوں نے اپنے لئے باعث فخر جانا۔ اسکی صرف اور صرف یہی وجہ تھی کہ خدا کے رسول مقبولؐ نے فرمایا کہ کسی کو کسی دوسرے پر سوائے دین اور تقوٰی کے کوئی فضیلت نہیں ہے۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اور آدم من تراب اور آدم مٹی سے بنا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطری ترقی اور قدرتی حقوق کے قیام کے لئے خاندان اور نسب سے بڑھ کر اور کوئی روک نہیں ہو سکتی۔ یہی ایک چیز ہے جو انسان کو اس کی ذاتی قوتوں کے استعمال اور ان کے ثمرات سے محروم رکھنا چاہتی ہے اور اس خلاف فطرت راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ کہ ایک شخص کو باوجود عدم استحقاق ذاتی، مستحق شرف و عزت سمجھ لیا جائے۔ اور دوسرے کو باوجود استحقاق ذاتی اس مرتبہ سے محروم کر دیا جائے۔ اسلام نے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور لیس للانسان الا ما سعیٰ کے قانون کا اعلان فرما کر اس مہلک انسانیت روگ کو مٹانا چاہا ہے ؛

امر بالمعروف کرنے والے کے لئے سب سے مقدم مہم جو اس کے لئے منزلِ اوّل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ وہ اس کا ذاتی کردار اور حسن عمل ہے کہ دعوت الی الحق اور دعوت الی اللہ کرنے والے انسان کا حسن قول اور حسنِ عمل ہی پرکھا جاتا ہے۔ جب ایک شخص نیکی اور راستی کی تلقین و تبلیغ کرتا ہے۔ تو اسے پہلے خود اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر عمل کچھ اور ہے اور قول کچھ اور تو نہ دل کی گہرائی سے وہ تلقین کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی دوسرے کے دل پر اسی کا اثر ہو سکتا ہے جس کا قول اس کے عمل کے مطابق نہ ہو تو ، خدا کے رسولؐ تو یقیناً برحق ہے۔ مگر اس شخص نے اس لئے جھوٹ بولا کہ اس کے قول کے تصدیق اس کا عمل نہیں کرتا۔ عمل کی برکت سے انسان کو خدا کی ذات پر ایمان کی نعمت عطا ہوتی ہے۔ اور دوامی عمل سے وہ صراطِ مستقیم کی رہنمائی کرنیوالے چھوٹے چھوٹے راستوں سے بآسانی گزر جاتا ہے۔ یہ عمل اور پیہم عمل ہی ہے۔ جو انسان کو اپنی منزل مقصود کے پانے کی ہمت اور استقلال عطا کرتا ہے۔ مگر جو لوگ عمل کی نعمت سے بہرہ ور

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

خطبہ جمعہ، بتاریخ ۸ رمئی سنہ ۱۹۸۰ء فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب بمقام جامع مسجد، دارالسلام، نیو گارڈن ٹاؤن ——— لاہور

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝
(سورۃ البقرۃ، آیات ۱، ۲)

ترجمہ: میں ہوں اللہ جو کامل اور سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ یہ کتاب، اس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔

قرآن کریم کی جن آیات کو دل چاہتا ہے کہ ان کے اندر جو علم و حکمت اور معرفت کے خزانے ہیں وہ انسان بیان کرتا چلا جائے۔ ان میں سے یہ آیات ہیں جن کے بارے میں جو ابھی میں نے پڑھی ہیں۔ مگر میں اپنے نفس کو اس کام کا نا اہل سمجھتے ہوئے اور اس خیال سے کہ خطبہ جمعہ کے اندر سب کچھ بیان کرنا ممکن نہیں، صرف ان آیات کے آخری دو الفاظ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ان آیات مبارکہ سے قبل سورۃ فاتحہ کی بے نظیر دعا ہے جس کی جان اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا ہے۔ اس دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ہدایت جس کے لئے دعا کی تھی اس کتاب کے اندر رکھ دی جاتی ہے۔ آگے متقیوں کا ذکر ہے۔ متقیوں اور تقویٰ کا ذکر قرآن حکیم میں اس قدر آتا ہے کہ تقویٰ کا مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ جو عالم ہیں وہ تو پہلے ہی جانتے ہیں مگر میں دوسروں، خصوصاً نوجوانوں کی خاطر اس کو بیان کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

بغیر لغت کی باریکیوں میں جائے، میں عام فہم الفاظ میں عرض کروں کہ تقویٰ کے بنیادی معنی ہیں اپنے نفس کو ان چیزوں سے بچانا جو ایذاء دینے والی یا نقصان پہنچانے والی ہوں۔ اور چونکہ نفسِ انسانی کو نقصان پہنچانے والی یا دکھ دینے والی چیزیں بدیاں یا برائیاں ہوتی ہیں اس لئے اصطلاح شریعت میں تقویٰ کے معنی عام طور پر پرہیزگاری کے کئے جاتے ہیں۔ اور کبھی اس کے معنی خوف کرنے کے بھی کئے جاتے ہیں کیونکہ سب میں زیادہ جس سے خوف کرنا چاہیئے وہ گناہ ہے۔

تو نقصان یا دکھ یا برائیاں تو ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کی عقل اور فطرت دونوں انہیں ناپسند کرتی ہیں۔ تو پھر انسان کیوں ان میں پڑ جاتا ہے؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ کسی انسان کو علم نہیں ہوتا کہ کس راہ میں برائی ہے یا نقصان ہے یا آزار دہ بات ہے۔ اس لئے بھی انسان کو علم دینا ضروری ہے کہ کن چیزوں سے اسے بچنا چاہیئے۔ یہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کے ایک معنی ہیں۔

قرآن کا کوئی عالم ان باتوں کو جانتے ہوئے بھی گناہوں اور بدیوں میں پڑ سکتا ہے مگر تبھی جب وہ متقی نہیں۔ علم تو رکھتا ہے مگر اس پر عمل نہیں۔ اسی لئے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں صرف ہدایت دینے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ انسان کا متقی ہونا ضروری قرار دیا کہ وہ قرآن کو نازل بدکے میں گناہوں سے، بری باتوں سے بچوں۔ بدقسمتی سے ہم میں سے اکثر اپنے آپ کو بے عیب سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ہر قسم کے عیبوں بلکہ گناہ کبیرہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک نے متنبہ کیا ہے کہ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم ۵۳ : ۳۲) یعنے اپنے نفسوں کو پاک نہ سمجھو یا بتاؤ۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ کون تقویٰ اختیار کرتا ہے۔

خالی علم جس کے ساتھ عمل نہ ہو اس کی بابت حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

"قرآن شریف نے شروع میں ہی فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پس قرآن شریف کے سمجھنے اور اس کے موافق ہدایت پانے کے لئے تقویٰ ضروری اصل ہے۔ دوسری جگہ فرمایا لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (یعنے سوائے پاک لوگوں کے دوسرے اس کے مضامین عالیہ تک نہیں پہنچ سکتے) دوسرے علوم میں یہ شرط نہیں۔ . . . . مگر علم دین میں خشک منطقی اور فلسفی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اس پر وہ حقائق اور معارف نہیں کھل سکتے۔ جس کا دل خراب ہے اور تقوے سے حصہ نہیں رکھتا۔ اور پھر کہتا ہے کہ علوم دین اور حقائق اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولتا ہے۔"
(الحکم مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۸ء)

علوم دنیاوی کا تکبر

علوم دینی جن کے ساتھ تقویٰ اور طہارت باطنی نہ ہو، کی طرح دنیاوی علوم بھی انسان کی عقل اور قوت پر تکبر کی پٹی باندھ کر اسے باطنی طور پر اندھا کر دیتے ہیں۔ اہل مغرب جن کی دنیاوی علوم میں ترقی اس زمانہ میں ایسی ہوئی ہے کہ وہ زمین اور آسمان کی طاقتوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ مگر چونکہ اپنی باطنی قوتوں کی طرف سے انہوں نے غفلت برتی ہے اس لئے مغرب کی اخلاقی حالت کس قدر گر گئی ہے کہ بعض معاملات میں وہ جانوروں سے بدتر ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی جانور خلاف فطرت فعل نہیں کرتا۔ مگر یورپ اور امریکہ میں بعض اب ایسی بگڑی ہے کہ خلاف فطرت افعال قانونی طور پر جائز قرار دے دیئے گئے ہیں اور کھلم کھلا کئے جانے لگے ہیں۔ شراب خوری یا DRUGS یعنے منشیات اور عریانی فحش بلا روک ٹوک کئے جانے لگے ہیں۔ اہل مغرب سے بڑھ کر تو کوئی عقلمند قوم نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ عقل یا دنیاوی علوم کی ترقی انسان کو گناہ اور گندگی سے بچا نہیں سکتے۔

انسان کو اخلاقی یا روحانی بیماریوں اور موت سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ انسان کی روح اور انسانی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے صرف وہی جان سکتا ہے کہ کس راستہ پر چل کر انسان اپنے مقصد حیات کو پا سکتا ہے یا دین اور دنیا میں فلاح پا سکتا ہے۔ اور کن راستوں سے اسے بچنا چاہیئے یہی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْن

جلد: ٦٧ | یوم چہارشنبہ مورخہ ٧/ مئی سنہ ١٩٨٠ء بمطابق ٢١/ جمادی الثانی سنہ ١٤٠٠ھ | شمارہ: ١٩

ارشادات مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

دُعا کی برکات

ابجہ گوئی گرد عا ہارا اثر بود ے کجا است + سوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب
ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرتہائے حق + قصہ کوتاہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب

دُعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے۔ یعنے پہلے خداتعالےٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خداتعالےٰ اُس سے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خداتعالےٰ کی طرف کامل یقین اور کامل اُمید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے۔ اور قوت جذب جو اسکے اندر رکھی گئی ہے وہ خداتعالےٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جل شانہٗ اس کام کو پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں مثلاً اگر بارش کے لئے دُعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دُعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دُعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالےٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے۔ جو طرف مؤید مطلوب ہے۔ خداتعالےٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دُعا ہی ہے کہ جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دُعا ہے۔ اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الہٰی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الہٰی معارف جاری ہوئے۔ اور دنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔" اللّٰھم صلّ وسلم و بارك علیه وآله بعدد همّه و غمّه و حزنه لهٰذه الامّة وانزل علیه انوار رحمتك الی الابد۔"

(برکات الدعا)

طرف لے جاتا ہے۔ بلکہ کون سے خطرات اور گمراہیاں راستہ میں آسکتی ہیں جن سے اُسے بچنا چاہیئے (غیر المغضوب علیھم ولا الضّآلین)

تقویٰ کیوں شرط ہے۔

انسان کے ہر فعل بلکہ قول میں اچھے اور بُرے پہلو ملے جلے ہوتے ہیں۔ میں نے فعل کے ساتھ قول کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ انسانی فعل پر پکڑ اور محاسبہ کا ذکر تو دوسرے مذاہب میں بھی ہے۔ اگرچہ اس تفصیل اور تکمیل کے ساتھ نہیں جو قرآن شریف میں ہے۔ مگر قرآن حکیم نے انسان کے قول پر بھی پکڑ اور محاسبہ کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا: مایلفظ من قول الاّ لدیه رقیب عتید (ق ۵۰۔ آیت ۱۸) یعنی انسان کوئی بات نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار ہوتا ہے۔ جو اسے لکھ لیتا ہے اور اعمال کا تو بار ہا ذکر ہے صرف ایک جگہ سے بتانا ہی کافی ہے۔ یومئذ یصدر الناس اشتاتاً ۵ لیروا اعمالھم ۵ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ۵ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ ۵ (الزلزال ۹۹۔ آیات ۶ تا ۸) یعنے قیامت کے روز لوگ الگ الگ ہو کر نکل پڑیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں تو جو کوئی ایک ذرّہ کے وزن کے برابر بھلائی کرتا ہے۔ اُسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ایک ذرّہ کے وزن کے برابر بدی کرتا ہے اُسے دیکھ لے گا۔

تو جب انسان کے اعمال اور اقوال کی ایسی زبردست ذمہ داری اور جزاء وسزاء ہے تو کس قدر احسان ہے۔ قرآن کریم کا کہ اس نے انسان کو کھول کر بتا دیا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے اور ان باتوں کو کھول کر بتا دینے والا خود اللہ تعالےٰ ہے۔

(i) جس نے انسان اور انسانی فطرت اور نیکی اور بدی کو بنایا ہے۔

(ii) جو قیامت کے دن انسان کا حساب لینے والا ہوگا:

"تو اگر ممتحن خود بتا دے (پہلے سے) کہ میں یہ سوال پوچھوں گا اور ان کا یہ جواب ہے اور ہم پھر بھی اس کا فائدہ نہ اٹھائیں تو ہم سے بڑھ کر کون اپنی جان کا دشمن ہے؟ جو اپنی جان کو ہلاکت سے بچانے کی کوشش میں ہو وہ متقی ہے۔ اور قرآن اس کی مدد کرتا ہے۔ یہی ھدًی للمتقین کے معنی ہیں:

نیکی اور بدی

میں نے عرض کیا تھا کہ انسان کے فعل اور قول دونوں میں نیکی اور بدی کا امکان ہے میں نے قول کا خاص طور پر ذکر کیا تھا اس لئے کہ اس کی ذمہ داری کا احساس صرف قرآن پاک نے دلایا ہے۔ ورنہ انسان سمجھتا ہے کہ جو بات میرے منہ سے ہوا میں نکل کر چلی گئی اس کو کون پکڑ سکتا ہے تو اگر آپ انسان کے قول کو لے لیں تو اس کے اچھے پہلو بھی ہو سکتے ہیں اور بُرے بھی۔ مثلاً انسان سچ بھی بول سکتا ہے اور جھوٹ بھی۔ مبالغہ بھی کرتا ہے۔ غیبت اور بُرائی بھی۔ چغل خوری کر سکتا ہے۔ گالی گلوچ بھی۔ فتنہ فساد بھی ڈلوا سکتا ہے۔ تہمت لگا کر نیک مرد اور نیک عورت کی زندگی برباد کر سکتا ہے۔ گپیں مار کر وقت کو ضائع اور اپنے باطن کو خراب بھی کرتا ہے۔ الغرض کتنی بُرائیاں ہیں جو قول کے ذریعہ سے ہو سکتی ہیں۔ قرآن جو انسان کی اصلاح کے لئے آیا ہے اس کی ہدایت فرماتا ہے کہ کون سا قول اچھا ہے اور کون سا بُرا ہے جھوٹ سے شروع کر کے قول کی ہر بدی کو قرآن پاک نے اجاگر کیا ہے۔ یہاں تک کہ گپوں میں وقت کو ضائع کرنے سے یوں روکا ہے۔ کہ والذین لا یشھدون الزور واذا مرّوا باللغو مرّوا کراما (الفرقان ۲۵ : ۷۲) یعنے رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹ گواہی نہیں دیتے اور جب لغو (باتوں) پر سے گزرتے ہیں۔ تو بزرگانہ طور پر گزرتے ہیں۔ جھوٹ گواہی کا مطلب صرف عدالت میں یا کسی اور موقع پر جھوٹی گواہی دینا نہیں۔ اگرچہ وہ بھی شامل ہے کیونکہ کسی عدالت [illegible] جو خطرناک اور عظیم نقصان اور حق تلفیاں ہو سکتی ہیں وہ معمولی جھوٹ سے نہیں ہوتیں بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ کسی بات کو جھوٹ یا جھوٹا جانتے ہوئے اس کو دہرانا یا اس کی تصدیق کرنا بھی منع ہے۔ اس سنگین قول کی بُرائی سے لے کر مندرجہ بالا آیت میں دوسری طرف لے گئے کہ کسی محفل یا موقع پر لغو باتیں یا گپیں ہانکی جا رہی ہوں جیسا کہ آج کل کی کلبوں اور محفلوں اور پارٹیوں میں عام ہیں تو وہاں سے ایک بزرگ کی طرح (یعنے جو ایسی لغویات سے بالاتر ہو) گزر جاتے ہیں۔ اور وہاں ٹھہرتے نہیں یا ان میں شامل نہیں ہوتے:

قرآن پاک کے کامل ہدایت ہونے کے ایک متقی کے لئے یعنے ایسے انسان کے لئے جو بُری باتوں سے بچنا چاہتا ہو یہ ثبوت ہے کہ مثلاً انسانی قول کے معاملہ میں ہی یہاں تک بھی ہدایت ہے کہ واغضض من صوتک ط ان انکر الاصوات لصوت الحمیر (لقمان ۳۱ : ۱۹) "اور اپنی آواز کو نیچا رکھو۔ یقیناً سب آوازوں سے بُری آواز گدھوں کی ہوتی ہے)

عملِ صالحہ

تو انسان کے ہر عمل کے بُرے پہلو ہو سکتے ہیں۔ اگر انسان ان بُرے پہلوؤں سے بچے تو وہ تقویٰ ہے۔ اور باقی جو بھی رہ جاتا ہے۔ وہ عملِ صالحہ ہے۔ میں نے صرف انسانی قول یعنے بولنے کی مثالیں دی ہیں۔ ورنہ انسان کے ہر عمل کی تشریح کی جا سکتی ہے۔ مگر اس کے لئے گھنٹوں بلکہ دنوں چاہیئیں جو ایک خطبہ میں ممکن نہیں۔ اس کے لئے قرآن پاک کو خود پڑھیئے سوچ کر اور سمجھ کر اور عمل کرنے کی نیّت سے۔ قرآن حکیم صرف یہی نہیں بتاتا کہ کن چیزوں سے بچو بلکہ یہ بھی کہ کن باتوں کو کرو جو کہ تقوٰی سے بڑھ کر احسان کا مقام ہے۔ مثلاً بول چال کی بُرائیوں سے ہی نہیں روکا بلکہ اچھی باتوں کے کرنے کا حکم ہے جن میں نصیحت، دوسروں کی خیر خواہی، دوسروں کے علم میں اضافہ کرنا۔ دوسروں کی ہدایت کرنا وغیرہ وغیرہ سب باتوں کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ صرف ایک مثال دے کر بس کرتا ہوں۔ قولوا للناس حسنا (لوگوں سے اچھی بات کہو) یہی مقام احسان ہے کہ بری باتوں کو چھوڑ کر انسان اچھی باتیں کہنے لگا۔

ھدًی للمتقین کے دُوسرے معنی

تو ھدًی للمتقین کے معنی صرف اتنا نہیں کہ قرآن حکیم انسانوں کے ہر عمل کے اچھے اور بُرے پہلوؤں کو واضح کر دیتا ہے تاکہ ہر عمل کے بُرے پہلوؤں سے واقف ہو کر انسان ان سے بچ سکے بلکہ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ قرآن پاک تو انسان کی مکمل ہدایت فرماتا ہے۔ مگر اس ہدایت سے وہ لوگ ہی صحیح فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو بُرائیوں سے بچیں۔ اگر ایک انسان شراب پیتا ہے یا جھوٹ اور منافقت کی زندگی گزارتا ہے یا بدچلن ہے۔ تو وہ قرآن کی ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ عربی میں لفظ ہدایت کے معنی صرف صحیح راستہ بتانا نہیں بلکہ لُطف اور مہربانی سے رہنمائی کرنا جو مطلوب یا منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ یہ سب مفہوم لفظ ہدایت کے اندر ہے (الرشاد والدلالۃ بلطف الی ما یوصل الی المطلوب۔ تاج العروس) تو قرآن پاک کا ہادی ہونا صرف یہ نہیں کہ وہ نیک اور بد کی تمیز دے یا غلط راستوں سے متنبہ کرے بلکہ لطف اور مہربانی سے انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بدیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اس ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ورنہ خالی نیکی اور بدی کی تمیز تو قرآن ہر شخص کو بتا دیتا ہے۔ اور اسی لئے اسے دوسری جگہ ھدًی للناس بھی فرمایا۔ یعنے یہ تمام انسانوں کی ہدایت کرتا ہے۔ مگر اس ہدایت سے فائدہ اٹھانے کے لئے انسان کو ان غلط راستوں سے بچنا ضروری ہے۔ جن کی نشاندہی یہ قرآن پاک کرتا ہے۔ اس بارہ میں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کچھ ارشادات نقل کرتا ہوں:

"یہ بات بدیہی ہے کہ جب تک انسان اپنے اخلاق ردّیہ کو نہیں چھوڑتا اس وقت تک

اُن اخلاق کے مقابل پر جو اخلاق فاضلہ ہیں جو خدا تعالےٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں ان کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ دو ضدیں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اسی کی طرف اللہ تعالےٰ نے تثبیث سے کام نہیا پڑتا ہے۔ جب یہ درجہ ختم ہو جاتا ہے تو سالک عن قضائخ ہو جاتا ہے گویا تکلیف کا رنگ دور ہوا اور صالح نے طبعاً و فطرتاً نیکی شروع کی۔ وہ ایک قسم کے دار الامان میں ہے جس کو کوئی خطرہ نہیں۔ اب کل جنگ اپنے نفسانی جذبات کے برخلاف ختم ہو چکی اور وہ امن میں آ گیا۔ اور ہر ایک قسم کے خطرات سے پاک ہو گیا۔ اس امر کی طرف ہمارے ہادئ کامل نے اشارہ فرمایا کہ ہر ایک کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ لیکن میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے۔"

حضرت امیر مرحوم نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں فرمایا ہے۔ کہ ھدًی میں خدا کی طرف سے عطا کردہ نور یا روشنی کا ذکر ہے جس کے بغیر انسان باطنی راہوں کو خود نہیں پا سکتا۔ مگر اس روشنی کا فائدہ اٹھا کر صحیح راستہ پر قدم مارنا اور غلط راستوں اور خطرات سے بچنا یہ انسان کا اپنا فرض ہے۔ ھدًی للمتقین میں ان دونوں پہلوؤں کو ظاہر کر دیا ہے۔

بالآخر میں حضرت مسیح موعود کا ایک بصیرت افروز اور حوصلہ افزا حوالہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ اس بات کا ذکر فرماتے ہوئے کہ متقی کا ایمان بالغیب اور اپنے نفس سے جہاد اللہ تعالےٰ کے نزدیک بہت بڑی وقعت رکھتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا:-

"حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ جانتے ہو سب سے بڑھ کر ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی حضورؐ آپ ہی کا ہے آپؐ نے فرمایا کہ میرا کیسے ہو سکتا ہے میں تو ہر روز جبرئیلؑ کو دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ کے نشانات کو ہر وقت دیکھتا ہوں۔ پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا ہمارا ایمان؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا ایمان کس طرح تم بھی تو نشانات دیکھتے ہو۔ آخر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ صد ہا سال کے میرے بعد آئیں گے اُن کا ایمان عجیب ہے۔ کہ وہ کوئی بھی ایسا نشان نہیں دیکھتے جیسے تم دیکھتے ہو مگر پھر بھی اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔"

حضرت مسیح موعود نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا:-

"غرض خدا تعالےٰ متقی کو اگر وہ اسی ابتدائی درجہ میں مر جاوے تو اسی زمرہ (انبیاءؑ اور صحابہؓ - ناقل) میں داخل کر لیتا ہے۔ اور اسی دفتر میں اس کا نام لکھ لیتا ہے۔ باوجودیکہ وہ مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کو نہیں جانتا۔ اور اس لذت اور نعمت سے ابھی اس نے کچھ بھی نہیں پایا۔ لیکن پھر بھی وہ ایسی قوت دکھاتا ہے۔ کہ نہ صرف اللہ تعالےٰ پر ایمان ہی رکھتا ہے بلکہ اس ایمان کو اپنے عمل سے بھی ثابت کرتا ہے۔"

(الحکم ۱۷/ فروری ۱۹۰۱ء)

اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ سب کو انہی خوش نصیبوں میں سے بنا دے۔ آمین!

قارئین کرام نوٹ فرما لیں

پیغام صلح کے خاص نمبر کی تیاری کے سلسلہ میں ۱۴/ مئی کے الیشوع کا ناغہ ہوگا۔ اور ۲۱/ مئی کو مسیح موعود نمبر ۲۴ صفحات پر مشتمل شائع ہوگا - انشاء اللہ تعالیٰ ـــــــ "ادارہ"

اہلیہ صاحبہ چوہدری ظہور احمد صاحب کی وفات

ہیں جو عمر بھر خدمتِ خلق کے کاموں میں حصہ لیتی رہیں اور بہت سی نیکیوں اور خیر کثیر کا سرمایہ لے کر پروردگار کے حضور پہنچی ہیں۔ ابتداء عمر سے ہی آپ نے ایک دیندار گھرانے میں ہوش سنبھالا اور جب زندگی میں قدم رکھا تو اپنی سب سے بڑی ہمشیرہ بیگم صاحبہ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کے دستِ راست کے طور پر جماعت کی جملہ تحریکات تنظیم خواتین احمدیہ کے استحکام، تحریک دستکاری کے فروغ اور اشاعت اسلام کی معاون تحریکات میں بھرپور حصہ لیتی رہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے دیگر سماجی اور ملکی تحریکات میں بھی پُر جوش حصہ لیا اور قیام پاکستان کے بعد بے گھر افراد کی امداد، غریب اور لاوارث بچیوں کی پرورش اور تعلیم کے سلسلہ میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ انجمن اُمّ نسواں لاہور کی بانی اور روحِ رواں تھیں۔ اس انجمن کے مقاصد میں مسلمانوں کی گھریلو زندگی میں اسلامی اقدار کو فروغ دینا۔ سادگی اور کفایت شعاری کی ترویج، بچیوں اور خواتین کو موجودہ تہذیب کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنا اور گھروں میں اسلامی تعلیم اور قرآن مجید کے مطالعہ کا شوق پیدا کرنا اور بُری رسومات سے معاشرہ کو پاک کرنا تھے۔ اس کے علاوہ انسانی ہمدردی کے ہر موقع پر یہ انجمن مصیبت زدگان، سیلاب اور بھارت سے جنگ کے دوران متاثر ہونے والے لوگوں کے لئے امداد فراہم کرتی رہی اور نقد روپیہ کے علاوہ پارچات برتن اور ضروریات کی دیگر اشیاء جمع کر کے مصیبت زدگان کو مہیا کی جاتیں۔

انجمن کی ان تمام مساعی کی مرحومہ صالحہ بیگم صاحبہ خود نگرانی فرماتیں اور گھر گھر پہنچ کر یہ امدادی سامان جمع کرتیں۔ مرحومہ کی کوشش سے اس انجمن کی لاہور کے مختلف علاقوں میں شاخیں قائم ہو گئیں جو باقاعدگی سے اپنے جلسے کرتیں اور مرحومہ ان کی حوصلہ افزائی کے لئے ان جلسوں میں شریک ہوتیں اور مرکزی انجمن ام نسواں کے سالانہ جلسہ میں تمام شاخوں کی کارگزاری پر تبصرہ کرتیں اور ان کے کام کو سراہتیں۔ رفاہ عام اور سماجی بھلائی کے کاموں کے علاوہ مرحومہ لٹریچر کی تقسیم میں گہری دلچسپی لیتیں۔ اور قرآن مجید و سیرت نبی کریمؐ کے علاوہ انجمن کے مطبوعہ رسائل و ٹریکٹ غیر از جماعت احباب و خواتین تک باقاعدگی سے پہنچاتیں اور ندیرانِ جرائد سے خط و کتابت رکھتیں ـــ ؂

مرحومہ کے شوہر جناب چوہدری ظہور احمد صاحب مرحوم بھی ہماری انجمن کے ایک مخلص مستعد اور بڑے منتظم بزرگ تھے جو کئی سال انجمن کے سیکرٹری اور جوائنٹ سیکرٹری بھی رہے۔ اور مختلف رنگوں میں تمام عمر انجمن کی خدمت کرتے رہے۔ اور یہ قطعہ زمین جہاں اب "دار السلام" کالونی آباد ہوئی ہے اس کے حصول میں بھی ان کی خصوصی مساعی شامل رہیں۔ مرحوم چوہدری صاحب قبل ازیں دسمبر ۱۹۷۸ء میں دار الخلد کو سدھار چکے ہیں اور اپنی وفات سے قبل انہوں نے ایک لاکھ روپے سے زائد رقم کا عطیہ "دار السلام" میں لائبریری کی تعمیر کے لئے مرحمت فرمایا۔ اس پر مزید پچاس ہزار روپے کے قریب اضافہ ان کی بیگم صاحبہ مرحومہ اور صاحبزادگان نے کیا ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ "اللہ تعالےٰ نے اس صالحہ کو بڑی صالح اور دین کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی اولاد عطا کی ہے۔ اور ہر سہ برادران چوہدری منصور احمد صاحب، سعید احمد صاحب اور احمد جاوید صاحب ہماری جماعت کے نہایت فعال اور قیمتی رکن ہیں۔ اور والدین کے نیک نام کو برقرار رکھنے والے فرزند ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب کا حامی و ناصر ہو۔ یہ زیر تعمیر لائبریری جو تکمیل کے قریب ہے حسب فیصلہ "انجمن صالحہ ظہور احمد لائبریری" کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ (مرزا مسعود بیگ)

آفتاب الدین احمد

تہذیبِ حاضرہ پر مذہب کے احسانات

اب یہ موضوع زبان زد خلائق بنا ہوا ہے کہ موجودہ تہذیب حالتِ نزع میں ہے. اور چند دنوں کے بعد اس کا نام و نشان صفحۂ دہر سے نقشِ غلط کی طرح مٹ جائے گا اس کی ہستی لوحِ جہاں پر باقی نہیں رہے گی اور اس کا تخیل بھی عوام کے دماغوں سے نکل جائے گا۔

لیکن مذکورہ بالا خیالات کے ہوتے ہوئے یہ جاننا از بس ضروری ہے. کہ جب ہم تہذیب اور تمدن کے الفاظ کو استعمال کرتے ہیں تو ان کا صحیح مفہوم اور مطلب کیا ہوتا ہے؟

ان الفاظ کو وسیع معنوں میں استعمال کرنے سے ہمارا مطلب لٹریچر. فلسفہ اور سائنس سے نشو و نما پذیر اور ترقی یافتہ تمدن سے ہوتا ہے. ان امور کو یہاں بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ انسانی استعدادیں اپنی نمائش اور مظاہرے کے لئے موزوں موقع اور محل کی متلاشی اور منتظر رہتی ہیں لیکن انہیں معاشرتی حالات کی ناسازگاری ایسا کرنے سے مانع ہوتی ہے۔

ہمیں اپنی تہذیب کی بقاء کے لئے باہمی تعاون کو قائم کرنے کے اور انفرادیت اور اشتراکیت کے تنازعوں کے تصفیہ کے لئے ایک سلسلہ لامتناہی شروع کرنا پڑے گا. اور ان تمام تنازعوں کے مٹ جانے کے بعد ہماری تہذیب کو بقا حاصل ہو سکتی ہے. اس کے علاوہ اس تہذیب کی نشو و نما کے لئے کامل پُرسکون فضا، زندگی اور املاک کی کفالت اور سب سے اہم عوام کی طرز بود و باش میں اخلاص و محبت اور روزمرہ لین دین میں خوش خلقی کا پیدا ہونا نہایت ضروری ہے۔

درحقیقت یہی باتیں ہیں جو تہذیب کی نشو و نما اور ترقی کے لئے ممد و معاون ہو سکتی ہیں اور اسی موضوع پر آج ہم اس مضمون میں اظہارِ خیالات کریں گے۔

مضمون ہذا کو شروع کرنے سے قبل یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ انسان کی فطرت میں سوچ و بچار کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے. اور اس کی ہستی ہمیشہ تفکر و تفحص میں محو رہنے کی عادی ہے. اور وہ اس حد تک تو مہذب اپنے کو سمجھتا ہے کہ غور و فکر کی طاقت اسے ربِ عزّ و جل کی طرف سے نہایت ہی بہترین صورت میں عطا ہوئی ہے. لیکن شومئی قسمت سے اگر وہ ہستی باری تعالےٰ کی طرف سے عطا کردہ فکر و تفحص کی طاقت کو بروئے کار لا کر اپنے کو زیادہ مہذب اور شائستہ بنانے کے لئے قدم اٹھاتا ہے. تو اس کے فعل کو ہم تہذیب کی طرف قدم بڑھانے پر محمول کرتے ہیں. اور اسے یہ اقدام روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات کو بہتر بنانے کے لئے چار و ناچار کرنا ہی پڑتا ہے. لیکن یہ بیان کرنا نہایت ہی افسوس ناک ہے کہ موجودہ تہذیب جو انسان کے لئے ترقی کے وسائل اور ذرائع پیش کرتی ہے اس کے دور رس نتائج نہایت ہی مہلک اور انسان کو بے بس کر دینے والے ہیں. ان پر گامزن ہو کر انسان کو سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور انسان کے دل و دماغ میں کفر و الحاد. ظلم و تشدد. یاس و حرماں اور مایوسی و نامرادی کے مہیب خیالات پیدا ہو کر اسے مرض الموت ایسی موذی مرض میں مبتلا کر کے کہیں کا نہیں رہنے دیتے. وہ یاس و حرماں کی تاریکی میں بھٹکتا پھرتا ہے. اور ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے. اسے اس تاریکی سے نجات حاصل کرنے کا صحیح راستہ نظر نہیں آتا. ان حالات میں اُسے ضرورت پیش آتی ہے. کہ روحانیت کی شمع ہدایت اس کی رہبری کے لئے بڑھے اور اس کے تیرہ و تار ماحول کو روشن کر کے اس کی شام غم کو صبح اُمید سے بدل دے. ان حالات میں یہ بالکل واضح ہے کہ موجودہ تہذیب کے پنپنے کے لئے مذہب اور روحانیت کا دخل ضروری اور لازمی ہے. ورنہ اس کی ترقی اور نشو و نما کے لئے یقیناً کوئی گنجائش نہیں۔

یہ معلوم کرنا یقیناً خالی از دلچسپی نہیں کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کا ہر اقدام مذہبی جوش و خروش کا مرہونِ منت ہے۔

اٹلی کے مفکر اعظم مسٹر لویسف میزانی نے کرۂ ارض کے تمام مؤرخین کو چیلنج دیا کہ وہ "تاریخ عالم میں سے کوئی ایسی سماجی یا تمدنی جد و جہد کی مثال پیش کریں جس کا ماخذ مذہبی جذبہ نہ ہو" لیکن ان کے چیلنج کو منظور کرنے کی مؤرخین عالم میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

تمام ایسی تمدنی اور سماجی جد و جہد جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کیلئے ابتدائے آفرینش سے اس فانی اور چند روزہ دنیا میں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے مقدر کر دی گئی تھیں. ان کا وجود بھی مذہبیت کا ممنون اور احسان مند ہے. اور یہ امر بھی مذہب ہی کی ہستی نے انسان پر واضح کیا۔

اندریں حالات یہ خیال کرنا تعجب انگیز نہیں کہ برطانیہ عظمےٰ کے مفکر اعلیٰ مسٹر ڈین انج نے نہایت ہی رنج و غم کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ موجودہ انگریزی لٹریچر میں انسان کے لئے یاس و حرمان اور مایوسی و نامرادی کے سوائے اور کچھ نہیں، اگر لٹریچر انسان کے دلی خیالات کا انکشاف اور اظہار کرتا ہے تو آج تمام یورپ یقیناً یاس و حرمان کے بحرِ بیکراں میں بہا چلا جا رہا ہے. وہ تمدنی ارتقاء سے محروم ہو چکا ہے. مذہب اور روحانیت کا احساس اس کے فہم و ادراک سے کوسوں دور ہے۔

"تاریخ عالم کے اوراق شاہد ہیں کہ جن حالات سے آج دنیا دوچار ہو رہی ہے ایسے متعدد واقعات گذشتہ زمانوں میں بھی پیش آتے رہے ہیں۔

بدقسمتی سے تاریخ عالم کے متعلق ہمارا علم بہت محدود ہے اور ہمارے بیانات کی صداقت کا استدلال انہی واقعات پر کیا جا سکتا ہے. جن پر گذشتہ زمانہ کی تاریخ کے اوراق روشنی ڈالتے ہیں. نسلِ انسانی کے نجات دہندہ اور اسلام کے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کرۂ ارض پر انسانی تاریخ کے صحیح زمانہ کو بنی نوعِ انسان پر واضح کیا اور آپ ہی کی ہستی والا تبار تھی جس نے نئی تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی اور وہی موجودہ زمانہ میں جلوہ فرما ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد بنی نوعِ انسان کے قلوب میں مذہبی احساسات کا پیدا کرنا تھا. انسان ایسی تحریکوں سے مایوس اور نا اُمید ہو چکا تھا. ان پر کوئی مذہبی تحریک اثر انداز نہیں ہوتی تھی. خدا تعالےٰ کی ہستی کا تصور بھی ان کے دل و دماغ سے اُٹھ چکا تھا. کفر و الحاد کے قعرِ مذلت میں گری ہوئی اقوام میں سے صرف عربوں کی ایک ایسی قوم تھی جو وحشت و بربریت اور سنگدلی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی. ان کے مظالم کو دیکھ کر روح کانپ اٹھتی اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے ان لوگوں میں مذہبی خیالات کا پھیلانا اور ہستی باری تعالےٰ کا تخیل قائم کرنا نہایت ہی دشوار تھا. لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آنِ واحد میں ان کی کایا پلٹ دی. وہ عرب قوم جو مذہب اور تہذیب و تمدن سے کوسوں دور تھی دلدادۂ تہذیب اور علمبردار مشعل ہدایت بن گئی اور آپؐ نے تھوڑے ہی عرصہ میں عرب کی تیرہ و تار سرزمین کو ماہِ منور کی طرح روشن

حد سے بڑھی ہوئی طاقت کے خلاف عوام کے احتجاج کی رو کو بھی اسلام کے معقول اور جمہوری اصولوں نے ہوا دی اور عوام اہلِ کلیسا کے خلاف بھڑک اٹھے اور انہوں نے بائبل کو خود سمجھنے اور پڑھنے کا مطالبہ کیا۔ ان تمام لوگوں کی اضطراری و بیقراری کا باعث صرف مذہبی جوش و خروش ہی تھا۔

اہلِ یورپ کے لئے آج بھی تھوڑا سا روحانی جذبہ اور مذہبی جوش ان کی کایا پلٹ کر ان کو قعرِ مذلت سے نکال کر بامِ عروج پر پہنچا سکتا ہے۔

کفر والحاد کی سرزمین میں پرورش پائے ہوئے اور اصنام پرستی میں غیر محدود عرصہ تک زندگی بسر کرنے والے سادہ لوح انسانوں کو تثلیث نے گھیر رکھا تھا۔ رومن کیتھولک کے سحر آفریں عقائد نے انہیں محوِ خواب کر رکھا تھا۔ ان لوگوں کو کبھی کسی روحانی آدمی سے ملنے کا موقع نصیب نہ ہوتا تھا۔

یورپ کی سرزمین میں سب سے پہلے تحریک پروٹسٹنٹ خیالات کی تھی جس نے پادریوں اور عوام میں تعلق پیدا کرنے کی سب سے پہلے کوشش کی۔ باوجود کلیسا کے اربابِ حل و عقد نے مذہب کو ایک راز بنائے رکھا تھا اور وہ اسے عوام تک پہنچنے نہیں دیتے تھے لیکن پھر بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کو ان کی روایات اور ان کے اسوۂ حسنہ کے ذریعے سمجھنے کے ارادوں نے عیسائیت کی تاریخ میں بہت سے اہم تاریخی واقعات پیش کر دیئے اور انہی واقعات نے عوام میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انسان سے تعلق پیدا کر دیا۔ کلیسا کے پیچیدہ نظریات اور دقیق مسائل کو چھوڑ کر صرف ربِ عزوجل کے فرستادہ نبی سے تعلق پیدا کرنے کا یہ ان لوگوں کا پہلا اقدام تھا۔ لیکن انہیں اس اقدام میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور ان کی فضیلت اظہر من الشمس ہو گئی۔

ایک زندہ قوم جس کے دل و دماغ میں تخلیق کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ایسے خیالات کی تلقین ہی بہت کافی ہے۔ اور وہی ان کی تقدیر کا پانسہ پلٹ سکتی ہے۔

گو مارٹن لوتھر پر کردگارِ عالم کی طرف سے کوئی وحی اور الہام نازل نہیں ہوا تھا لیکن وہ حالات کا جائزہ کر کے خود ہستی باری تعالیٰ کی طرف رجوع ہوا۔ اور تھوڑے سے غور و خوض کے بعد ہی اس نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو پہچان لیا اور جرمن قوم کو پروردگارِ دوجہان کے برگزیدہ اور مقدس مصلح حضرت مسیح علیہ السلام سے تعلق پیدا کرنے کی تلقین شروع کی۔

ان لوگوں کے لئے مارٹن لوتھر خدا تعالیٰ کا فرستادہ انسان تھا جو اس پیغام راہِ ہدایت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے لے کر آیا تھا۔ جب ان لوگوں نے مارٹن لوتھر کے بتائے ہوئے اصولوں کو ذہن نشین کر لیا تو وہ اس وقت کی تمام تمدنی اور سماجی جد و جہد کو مذہبی نقطۂ نگاہ سے پرکھنے لگے۔ اس سے قبل یہ قوم کبھی مذہب کی طرف اس قدر جوش و خروش اور مستعدی سے راغب نہیں ہوئی تھی جس قدر کہ مارٹن لوتھر کے پیدا کئے ہوئے انقلاب کی وجہ سے راغب ہو گئی۔

اس دور اور اس زمانہ میں گو فرزندانِ توحید سیاسی لحاظ سے روبہ انحطاط تھے لیکن وہ پھر بھی عیسائیت کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے روحانیت کی طرف متوجہ کر رہے تھے اور واضح کر رہے تھے کہ مذہبی نقطۂ نگاہ سے تہذیب کا مذہب ... دنیا میں قائم ہونا

ایک متمدن انسان کو اپنے عزیز و اقارب اہلِ شہر اور اہلِ ملک کے لئے زندہ رہنا پڑتا ہے۔ وہ ملک کے لئے اپنی جان عزیز تک کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا اور اپنی جان سے زیادہ اسے اپنے ملک اور شہر کی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔

یورپ کے پروٹسٹنٹ خیالات کے لوگوں نے یہ تمام نظریات حضرت مسیح کے متعلق خدا کے بیٹا ہونے کا نظریہ پیش نہ کیا ہوتا۔ آخر الذکر تعلق نے مسیحیت میں جن باتوں کی کمی محسوس کی جا رہی تھی انہیں پورا کر دیا۔

گو فرزندانِ توحید کو یورپین اقوام کے مقابلے میں اقتصادیات اور سیاسیات میں ناکامی ہوئی لیکن اگر معاشرتی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو اہلِ یورپ اسلام کے مرہونِ منت ہیں۔ یورپ پر مسلمانوں کے تمدنی اور معاشرتی تاثرات اور احسانات کے ذکر سے تاریخ کے اوراق اٹے پڑے ہیں۔ بدیں وجہ انہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

یونانی فاتحین کی رومن پر تباہی، ظلم و ستم اور وحشت و بربریت کی مثالیں عام دیکھنے میں آتی ہیں لیکن مسلمانوں کے متعلق کوئی مثال ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس سے یہ واضح ہو کہ انہوں نے فاتح ہونے کی صورت میں مفتوح قوم کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا ہو۔ صرف اہلِ عرب کا ترک قوم کو فتح کرنے کا ایک واقعہ ہے۔ لیکن اس میں بھی جبر و تشدد کا کہیں نام نہیں۔

مسلمان جب سے بحیثیت ایک مذہبی قوم معرضِ وجود میں آئے ہیں ان کی تاریخ سے کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ انہوں نے دنیا میں کسی قسم کا ہنگامہ بپا کیا ہو وہ اپنی ابتدائے آفرینش سے نہایت ہی خوش اسلوبی سے زندگی بسر کرتے رہے ہیں اور باوجود اپنی سیاسی بے ضابطگیوں اور بدنظمی کے وہ بدستور تہذیب و تمدن میں ترقی حاصل کرتے جا رہے ہیں لیکن اس تہذیب و تمدن کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ انیسویں صدی کی زندہ اور تہذیب و تمدن کی علمبردار مسیحی قوم اختتام پذیر ہے۔ اگر ان حالات کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ مغربی تہذیب میں اس وقت بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ جن پر عمل کرنا سوائے اپنے آپ کو تباہی اور بربادی میں ڈالنے کے کچھ نہیں۔

اس کے علاوہ مسلمانوں نے بحیثیت قوم کسی ایسی چیز کو پیش کرنا اور حاصل کرنا بالکل ختم کر دیا ہے۔ جس سے وہ خود یا دوسری اقوام یعنی مسیحی اقوام حاصل کر کے فائدہ اٹھا سکیں مسلمان بھی آج اہلِ یورپ کی طرح مذہب، روحانیت اور شریعت کے احکامات کو چھوڑ کر لامذہبیت کی طرف راغب ہو چکے ہیں۔ یہ امر کوئی تعجب انگیز نہیں کہ کوئی قوم روحانی نظریات کو قائم کر کے روحانیت کو دنیا میں پھیلاتی چلی جائے۔ اور دوسری قوم اس سے روحانی خیالات کو حاصل کر کے ان پر اپنے تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھ لے۔ اور نہ یہ خیال کرنا حیرت انگیز ہے کہ اول الذکر کی بجائے آخر الذکر کو زیادہ کامیابی حاصل ہو۔

حقیقت میں اسلام کو زندگی کے تین مراحل سے گزرنا پڑا۔

اوّل: اسلام کی ابتدا اپنے دامن میں روحانیت کے ایک بحرِ بیکراں کو لئے ہوئے ہے۔ اور اس کا سیلاب مشرق و مغرب کی زمینوں کو سیراب کرتا چلا گیا۔ لیکن اوّل اوّل اسے دور کے تہذیب و تمدن میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ

مدرکہ انسانی کی ابتدائی کیفیت مدرکہ حیوانی سے ملتی جلتی ہے۔ اسے قرآنی اصطلاح میں نفسِ امارہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ میں نے ابھی ذکر کیا ہے کہ ہر عالم میں ایک چیز بلوغت کے سات منازل طے کرتی ہے۔ اور ساتویں منزل پر جا کر اس عالم کی متعلقہ ترقی کو حاصل کر لیتی ہے۔ اسی طرح انسان کے مدرکہ نے بھی نفسِ امارہ سے چل کر ساتویں منزل پر تکمیل پائی ہے۔ ان سات منزلوں کے نام قرآن کریم نے حسب ذیل تجویز کئے ہیں۔

نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس ملہمہ، نفس مطمئنہ، نفس راضیہ، نفس مرضیہ، نفس کاملہ

قرآن کریم نے ہر نفس کے خط و خال بھی بیان کئے ہیں۔ اور پھر ہر ایک منزل پر اس منزل کی تربیت کے سامان بھی تجویز کئے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم ان امور پر زیادہ لکھیں اس جگہ ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس چیز پر روشنی ڈال دیں جس کو عامۃ الناس کی اصطلاح میں رُوح کہتے ہیں۔ از روئے تعلیم قرآن روح جسم سے الگ نہیں۔ نہ کوئی فالتو چیز ہے۔ نہ کسی اور عالم سے آکر جسم میں لی ہے۔ روح جسم ہی سے نکلتی ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصل جوہر کائنات جو روح خدائی کا پہلا عکس و ظل ہے اور تدان بہاں مختلف حجابوں میں مستور ہوتا ہوا زمین سے آ جاتا ہے۔ یہاں یہ حجابات سے جو اثر ہونا شروع ہوتا ہے۔ وہ آخر کار جسم انسانی میں آکر اس حالت کے قریب ہو جاتا ہے جیسے اس کی ابتدائی صُورت تھی۔ یعنی جسم انسانی میں وہ چیز پیدا ہوتی ہے جو روح خداوندی کے بہت اقرب ہے۔ یا یہ کہو کہ روح خداوندی یہاں آکر بہت سے حجابوں سے باہر ہو جاتی ہے۔ اور اپنی اصلی شکل کے قریب آ جاتی ہے۔ روح ان کا [illegible] کے دن رونا اسی حقیقت کا اظہار ہے جسم انسان میں اس روح [illegible] وہ ادراکِ انسانی ہے۔ جسے قرآن نے "خلق آخر" کہا جو جسم [illegible] ملتا ہے یہی مدرکہ اپنی کسی بالغ حالت میں وہ کیفیت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے جس سے اس کا نام عام اصطلاح میں رُوح ہو جاتا ہے۔ قرآن نے مدرکہ کا نام نفس بھی رکھا ہے نفس کے معنی کسی چیز کی اصلیت یا جوہر کے ہیں۔ کسی چیز کی ان صفات خاصہ کو نفس کہا جا سکتا ہے کہ جن کے ہونے سے ہی وہ چیز اپنا خاص نام پاتی ہے۔ دراصل اسی کے ظہور نام کے لئے وہ چیز مخلوق ہوتی ہے۔ اب اگر انسان کی کسی چیز کا نام روح ہے۔ تو وہ انسان کی ہر حالت میں اس میں موجود ہونی چاہیئے۔ وہ ہی مختلف منازل طے کرتی ہوئی آخر کار اس منزل کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اس میں وہ خواص بھی پیدا ہو جاتے ہیں جس کے رُو سے اُسے اس عام اصطلاح میں روح کہتے ہیں۔ روح دراصل نفس انسانی کی ایک بالغ کیفیت کا نام ہے۔ لیکن وہ اس شکل میں بھی موجود ہوتی ہے جسے نفس امارہ کہتے ہیں۔ ہاں جس چیز کا نام عام اصطلاح میں روح ہوتا ہے یعنی نفس انسانی کی وہ حالت جب اس کے کل جذبات نفس ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ اور نفسانی خواہشات تہذیب و تعدیل پا لیتی ہیں۔ انسان اس حالت میں اضطرارًا نیکیوں کی طرف جھکتا ہے اور بدیوں سے رک جاتا ہے۔ وہ دنیا کی لذّات سے اسی قدر حصّہ لیتا ہے۔ جو جسم کی بقا رُوح کے لئے ضروری ہو۔ اور باقی چیزوں سے کوئی تعلق اُسے نہیں ہوتا۔ اگر ایسی حالت کا نام روح ہے جیسے عام لوگ سمجھتے ہیں تو یہ نفسِ انسانی کی بلوغت کی چوتھی حالت ہے جسے قرآن نے نفسِ مطمئنہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور ابھی تو اس کے آگے تین منزلیں اور ہیں جن کے خاتمے پر نفسِ انسانی کامل ہو کر انسان کو مسجودِ ملائکہ بنا دیتا ہے یہی وہ مقام ہے۔ جہاں نفخت فیہ من روحی کے منطوق کا صحیح نقشہ ظاہر ہونے لگتا ہے۔ جیسے قرآن کریم نے فرمایا: فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین قصہ آدم دراصل انسانی ترقیات کا اور اس کے تنزل کا [illegible] نقشہ ہے۔ جو ہر ایک انسان کے سامنے موجود ہے۔ سویتہ سے مراد تکمیل جسمانی ہے یعنی رُوح خداوندی اس وقت انسان کے جسم میں اپنی ابتدائی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ جب جسم ہر صورت میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اور جب رُوح اپنا کامل جلوہ دکھانے لگتی ہے تو ملک السموات والارض اس رُوح کے آگے جھکتے ہیں۔ اگر قرآن نے تہذیب و تکمیل نفس کی ابتدائی تعلیمات میں جسمانیت پر زور دیا اور کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق ہدایات فرمائیں۔ تو وہ بھی اسی بات کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ [illegible] ہمارے جسم میں ہی ادراکی اور روحانی ترقیات [illegible] یہی وہ مقام ہے جہاں کمالات نفس [illegible] کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر انسانی دائرے کی [illegible] دائرہ الوہیت کی بجلی توس سے جا مماس کرتی ہے۔ صوفیا نے نام لے اس حقیقت کو حقیقت محمدیہ سے تعبیر کیا ہے۔ "قاب قوسین" میں جن قوسوں کا ذکر ہے۔ وہ یہی انسانی اور ربّانی دائروں کی قوسیں ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر قلب انسانی کل جذبات سے پاک ہو کر [illegible] الوہیت بن جاتا ہے انسان خدا کے اخلاق سے متخلق ہو کر صبغۃ اللہ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ کرامات معجزے اس کے ہاتھ پر ہونے لگتے ہیں۔

یہاں برعایت اختصار مندرجہ بالا منازل نفس کی کچھ کیفیت ہی بیان کر دیتے ہیں۔ ان سب منازل میں سے سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ مشکل منزل مقام "امارہ" ہے جو نسل انسانی کے بہت سے حصے کو آگے جانے سے روک لیتا ہے اور مجھے تو اس منزل میں اسوقت کل کی کل دنیا پھنسی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا پر تمدنی اور اقتصادی اثر اس قوم کا ہے جس کا مذہب ہی یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان اپنی سعی سے نفس امارہ کی حد سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یعنی مذہب کلیسا جیسے کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا یہ منزل بڑی منزل ہے۔ جب حیوانی جذبات جوش و خروش میں ہوتے ہیں۔ اس وقت نفس ہر ایک ردّی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے انسان پر جابرانہ حکومت کرتا ہے۔ اسی لئے ان کا نام قرآن نے نفس امارہ رکھا ہے یعنی بہت حکومت کرنے والا [illegible] بدی میں تمیز نہیں ہوتی کسی طرح سے ہو اپنی خواہشات پوری کراتا رہتا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے فرمایا ان النفس لامارۃ بالسوء۔ خواہشات نفس یا طبعی تقاضے بالاصل تو بُری چیز نہیں ہوتے۔ یہی تقاضے تو ہر قسم کے علم و عمل کا موجب اور محرک ہوتے ہیں۔ تمدن و تہذیب نے آج جو کچھ پیدا کر رکھا ہے۔ اس کی تہ میں یہی تقاضے نفس مضمر ہیں۔ انسان کی دستکاری و صنعت اور سائنس کے آئے دن کے کرشمے ان سب کو بھی ہماری جبلی خواہشیں وجود میں لے آتی ہیں۔ کہتے ہیں ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ لیکن ضرورت انسانی کا سرچشمہ بھی ہمارے طبعی تقاضے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہی طبعی تقاضے ہر قسم کے جرائم کے بھی ذمہ دار ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہمارے تقاضے جب ہمیں اسباب دفع تقاضا کے حصول پر مجبور کرتے ہیں تو اگر اس غرض کے لئے ہم نے اپنے دل و دماغ کو اور خدا داد قوتوں کو صحیح اور مناسب طریق پر استعمال کیا تو دنیا اعلےٰ درجہ کی متمدن زندگی دیکھ لیتی ہے۔ لیکن اگر حصول اسباب مذکورہ بالا کے لئے انسان نے محنت سے دل چرایا اور اپنی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے اس نے دوسروں کے مکسوبات پر نگاہ رکھی اور ناجائز طریق سے اُن پر قبضہ کرنا چاہا تو دنیا کا تمدن تباہ ہو جاتا ہے۔ اور بدی اور جرائم پھیلنے لگتے ہیں۔

(باقی [illegible])

تبلیغی دورہ | حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب [illegible]

[illegible] ۱۹۵[illegible] تک پشاور اور ملحقہ جماعتوں کا دورہ [illegible] صاحب [illegible] ورزش راہ کیے۔ آپ نے پشاور میں [illegible] مئی کو خطبہ جمعہ ارشاد [illegible] تقریریں کیں۔ اس دورہ میں مکرم مرزا مسعود بیگ صاحب۔ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب [illegible] مرزا محمد لطیف شاہد صاحب بھی آپ کے ساتھ تھے۔ (مفصل آئندہ)

بسلسلہ اشاعت مؤرخہ ۲۳/۳۰ اپریل

قسط نمبر (۲)

اسلام کی زرّیں تعلیمات

وحی الٰہی پر مبنی یہ عقیدہ نسلِ انسانی کے اتحاد اور باہمی افہام و تفہیم کی مضبوط ترین بنیاد کا کام دے سکتا ہے۔ دُوسرے مذاہب کے لوگ دُوسری اقوام کے انبیاء کا عقیدۃً احترام نہیں کرتے کیونکہ ان انبیاء کا تعلق اجنبی اقوام سے ہے۔ جو خدا کی اس چہیتی قوم کی صف سے خارج ہیں۔ ان اقوام کے بعض افراد دوسرے بزرگوں کا نام پالیسی یا رواداری کی وجہ سے عزت سے لیتے ہیں لیکن ایک مسلمان کے لئے ان کا احترام جزوِ ایمان ہے اور اگر وہ ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی دل میں شک یا ہتک کا خیال تک بھی لائے تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

ان تمام مدعیان مذاہب میں سے سب سے زیادہ ناشکر گزار عیسائی فرقہ ہے دنیا میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہی وہ ذاتِ مقدّس ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر حضرت مریمؑ کی پاک دامنی اور نیکی اور جناب مسیح علیہ السّلام کی نبوت کی تصدیق فرمائی۔ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی نظروں میں بالخصوص یہود ان دونوں کا مقام ذلیل ترین گردانتے ہیں لیکن یہ انتہائی شرم، افسوس اور دُکھ کا مقام ہے کہ جس بلند مرتبہ ہستیؐ نے ان ہردو کا نہ صرف احترام کیا بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو احترام پر قائم کیا عیسائی پادری شب و روز اِس مقدّس ذات کے خلاف بہتان تراشیوں میں لگے رہتے ہیں :-

ان آسمانی رہنماؤں کے متعلق اختلافات کی بنا پر دُنیا کی مختلف مذہبی جماعتوں کے درمیان مسلسل شکر رنجی اور عداوت پائی جاتی ہے۔ کیا ان حالات میں اسلام نے دُنیا کے امن پسند اور خیر طلب انسانوں کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیّا نہیں کر دیا۔ جس پر کہ انبیاء اور بزرگانِ دین کے احترام کے عَلَم کے نیچے یکجا ہو سکتے! اسلام کے دینِ فطرت اور خدا کی طرف سے ہونے کی بھی ایک زبردست دلیل ہے۔

آسمانی کتابوں پر ایمان:

مختلف اقوام کے انبیاء پر ایمان کے علاوہ اسلام نے ان کتابوں پر ایمان بھی ضروری قرار دیا۔ جو ان پر ہدایت کے لئے نازل کی گئیں۔ ہر نبیؑ کو اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کے لئے آسمانی پیغام کے ساتھ بھیجا گیا۔ اور یہ پیغام ان اقوام کے لئے کافی تھا مگر ان لوگوں نے اس کو محفوظ نہ کیا بلکہ اس میں اپنے خیالات و قیاسات کو بھی شامل کر کے اس کی شکل و صورت بگاڑ ڈالی نیز خود غرض اور نفس پرست مذہبی پیشواؤں نے مطلب برآری کے لئے اس کے الفاظ و معانی کو بھی یکسر بدل ڈالا اور لوگ دینِ خداوندی سے دُور جا پڑے:-

تاہم تمام مسلمان ان خرابیوں کے باوجود تمام الہامی کُتب کا احترام کرتے ہیں۔ اُن کے خلاف زبان طعن دراز نہیں کرتے۔ اگرچہ تحریف و تصریف کے باوجود یہ کتب آج بھی سچائی سے خالی نہیں۔ اور مسیحی علمائے محققین بھی یہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ مروّجہ بائبل مقدس میں کل کی کل الٰہی تعلیم نہیں ہے۔ اسی لئے اسلام انہیں کلی طور پر ردّ نہیں کرتا۔ قرآنِ کریم ان تمام تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے۔ جو ان میں محفوظ ہے۔ اور ایسی تمام باتوں کی تردید پُر زور الفاظ میں کر دیتا ہے۔ جن میں کہ انسان کے خیالات اور تصوّرات کی آمیزش ہے اور خدا کی طرف سے وہ تعلیم نہیں ہے۔

کیونکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی خدائی تعلیمات کو بجنسہٖ و لعینہٖ لوگ محفوظ نہ رکھ سکے تھے اور امتدادِ زمانہ سے ضائع بھی ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ نفسانی خواہشات میں مبتلا مذہبی پیشواؤں نے بھی اس میں ردّ و بدل کر دیا ان وجوہات اور نقصانات کو قرآنِ کریم میں دور کر کے صحیح اور حقیقی خدائی تعلیمات کو پیش کر کے دعوتِ حق دے دی۔ اس وجہ سے سب صداقتیں قرآنِ مجید میں یکجا کر دی گئی ہیں۔ اس لئے ان سابقہ کتب پر جداگانہ عمل کی ضرورت نہیں رہی۔ اس طرح اسلام نے دشمنی اور ناچاقی کی شکار انسانیت کے لئے محبت کی تخلیق اور ترقی کی ایک مضبوط بنیاد مہیّا کر دی:-

آزادی عقیدہ کا فطری حق

آج دنیا میں رواداری (TOLERATION) پر زور دیا جاتا ہے لیکن "ٹالریشن" کا لفظ آزادی رائے (FREEDOM OF THOUGHT) کا پورا مفہوم ادا نہیں کر پاتا۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایک طاقت ور اور غالب شخص کسی کمزور شخص پر رحم کھا رہا ہے۔ لیکن اسلام کی رُو سے ہر کمزور اور طاقت ور انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق دیا گیا ہے کہ دین میں کوئی جبر روا نہ رکھے بلکہ وہ جس بات کو سچ سمجھتا ہے اس پر بلا خوف و خطر ایمان رکھے:-

"دین میں کوئی جبر نہیں۔ یقیناً ہدایت اور کجی کا فرق نمایاں کر دیا گیا ہے۔" (۲:۲۵۶)

"جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔" (۱۸:۲۹)

اسلام کے سوا کسی مذہب نے آزادی و اظہارِ عقیدہ کی اس قدر واضح الفاظ میں تعلیم نہیں دی۔ جہاں اسلام اپنی صداقت کو اہلِ عقل و خرد کے سامنے پیش کر کے کامل ایمان کی تلقین کرتا ہے۔ وہاں اس نے افہام و تفہیم۔ آزادانہ تبادلۂ خیالات اور سائنسی علوم سے استفادہ اور اس کی بے قید تدریج و ترقی کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ البتہ اسلام نے بے جا تقلیدات اور مذہبی تعصّبات اور نفسانی خواہشات سے الگ تھلگ ہو کر عقل و معقولات پر اصولِ اسلام کی بنیاد رکھی ہے۔ تاکہ موافق فطرت عقلی صلاحیتوں کی امکانی حدود میں پھولنے پھلنے کا موقع ملتا رہے۔ اور انسانی فکری وسعتوں میں آزادی کی رُوح رواں رہے۔ اس لئے کہ انسان صرف ایک مشین بن کر نہ رہ جائے۔

آزادی نسواں:

اسلام نے ابتداء تا ایندم صنفِ نازک کو ایک قابلِ فخر مقام عطا کر رکھا ہے لیکن ہر دور میں مذہبی معاشرے نے قابلِ احترام مقام دینا ایک عار سمجھا۔ ہندو دھرم کی رُو سے اُسے ویدوں کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ بیواؤں کو دُوسری شادی کی اجازت نہ تھی۔ بلکہ انہیں مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے خاوندوں کی چتا پر زندہ جل مریں۔ اور ہندو معاشرے میں آج بھی لڑکی کے والدین اپنے داماد کے شکر گزار ہوتے ہیں کہ اس نے لڑکی کو قبول کر لیا۔ لہٰذا اس منصب کے لئے وہ زیادہ سے زیادہ جہیز بھی دیتے ہیں۔ پھر کوئی عورت اپنے والدین یا خاوند کی وفات

کے بعد ان کی جائیداد کی وارث نہیں ہو سکتی۔ اسے نہ تو اپنی مرضی سے شادی کی اجازت ہے اور نہ کسی صورت میں طلاق حاصل کرنے کا اختیار۔ اس کے علاوہ عیسائیت، یہودیت اور پارسی مذہب میں بھی اس کی حالت چنداں بہتر نہیں ہے۔

مروجہ بائبل میں خدائی تعلیمات کے خلاف اس زمانہ کی رسومات اور بیجا معتقدات کو زیادہ جگہ دے دی گئی ہے۔ اسی لئے خلافِ فطرت اور منشائے قدرت عورت کے متعلق بھی لکھا گیا ہے:۔

"پھر اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا اور تو درد کے ساتھ بچے جنے گی۔" (کتاب پیدائش ۳ : ۱۶)

[illegible] زیادہ حیثیت نہیں دی جاتی رہی ہے بلکہ اسلام نے تو اسے معاشرے میں بلند اور قابلِ احترام مقام بخشا ہے۔ اور اسلام ہی ہے جو عالم نسواں کے لئے نجات دہندہ اور فیض رساں ثابت ہوا۔ یہ اسلام ہی ہے کہ جس نے حضرت مریمؑ ایسی عورت کو عصمت و طہارت کا مقام اعلیٰ بخشا ہے۔ اور بنی اسرائیل کی عورتوں کی سردار قرار دیا ہے۔ یہ فخر اسلام نے کچھ کم نہیں بخشا اور جناب سیدہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو جنت کی عورتوں کی سرداری کا منصب اعلیٰ عطا کر کے عورت کے عز و شرف کا اظہار فرمایا ہے۔ غرض اسلام نے حقوق و فرائض کی حدود میں رہتے ہوئے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا لباس عزت اور مرکز سکون ٹھہرایا ہے۔ تقسیم کار اور رشتے داری کے لحاظ سے حقوق و فرائض میں کمی و بیشی کے تقابل سے عورت کی عظمت کو اسلام نے نظر انداز نہیں کیا۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی عظیم احسان عورت پر ہے۔ کہ کسی طرح بھی شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"تم میں سے بہتر وہ ہے جس کا اپنی بیویوں سے اچھا سلوک ہے۔ اور میں اپنے اہل کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں۔"

آپؐ نے اپنے آخری حج کے موقع پر بھی عورتوں کو نظر انداز نہ فرمایا ان کے حسن سلوک سے پیش آنے کے لئے فرمایا:۔

"تمہیں اپنی مستورات اور غلاموں سے بہترین محبت و شفقت کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے"

اسلام کی رو سے عورت کو بحیثیت ماں، بہن، بیوی، بیٹی انتہائی احترام بخشا گیا ہے۔ باپ کے مقابل ماں کو بلند ترین حیثیت حاصل ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے"

اس ارشاد میں ماں کی خدمت کو جنت حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ بیٹی کی حیثیت سے وہ اپنے والدین کی جائیداد کی وارث ٹھہرتی ہے۔ اور اپنے باپ کے ترکہ کی بیٹی حقدار ہے۔ اور بلا تفریق ہر بیٹی کو باپ کی جائیداد پر اسلام نے جائز حقدار اور وارث قرار دیا ہے۔ جس سے چشم پوشی مستحسن نہیں ہے۔ بلکہ خلاف اسلام ہے۔

(باقی آئندہ)

مرکزی دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس لاہور

میں نئے انچارج کی تعیناتی

مرکزی دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس کے نئے انچارج چوہدری محمد حیات صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری نے ۳ مئی ۱۹۸۰ء کو صبح دس بجے جملہ کارکنان دفتر کی میٹنگ بلائی [illegible]

جامہ پہنائیں کہ باہر کے دوستوں کی ساری شکائتیں دور ہو جائیں۔ دفتر کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے ہمیں سب سے پہلے دفتری اوقات کی پابندی کرنا ہوگی۔ ہر کارکن کو ۸ بجے سے $\frac{10}{15}$ منٹ پہلے اپنی سیٹ پر موجود ہونا چاہیئے۔ اپنا کام دلچسپی اور محنت سے پورا کرنا چاہیئے۔ صفائی اور دفتری وقار کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ دفتری اوقات کا ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ سارا کام وقت پر نمٹائیں۔ کسی کو فضول پاس نہ بیٹھنے دیں۔ بے مقصد گفتگو سے پرہیز کریں۔ جب محنت خلوص، محبت اور دیانت سے آپ اپنا فرض منصبی ادا کریں گے تو خدا تعالیٰ بھی آپ کی مدد کرے گا۔ اس سلسلہ میں آپ کو میں ایک ذاتی مثال دیتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ مخلصانہ محنت کے کتنے اچھے نتائج پیدا فرماتا ہے۔ میں جب پہلی دفعہ حسن ابدال ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر بن کر گیا۔ تو ایک برس سے وہاں ہیڈ ماسٹر کی پوسٹ خالی پڑی ہوئی تھی۔ استاد آزاد تھے اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ سالانہ امتحانات میں صرف چھ ماہ باقی تھے۔ میں نے اساتذہ کی میٹنگ بلائی۔ انہوں نے بتایا کہ سکول کا [illegible] فیصد نتیجہ کا ریکارڈ ہے۔ میں نے ان سے اپیل کی کہ اگرچہ سالانہ امتحانات میں صرف چھ ماہ باقی ہیں لیکن آپ ہمت، محنت اور توجہ سے کام کریں تو ۹۰ فیصد نتیجہ نکل سکتا ہے۔ آپ یہ سن کر حیران ہو گئے جب نتیجہ نکلا تو ٹھیک ۹۰ فیصد تھا۔ لوگ اسے معجزہ سمجھتے تھے اور میں اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے محنت، خلوص اور اپنے فرض منصبی کو ایمانداری سے ادا کرنے کا انعام سمجھتا تھا۔ حسن ابدال کے لوگوں پر اس نتیجہ کا اتنا اثر ہوا کہ میری اپیل پر سکول کی عمارت کی مرمت کے لئے علاقہ کے لوگوں نے بیس ہزار روپیہ چندہ دے دیا اور جب میں وہاں سے تبدیل ہوا تو بعض لوگوں نے بھیگی پلکوں مجھے رخصت کیا۔ یہ ہے خلوص سے کام کا انعام اس سے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس دنیا میں یہی سب سے بڑا انعام ہے۔

بس آپ بھی ہمت، محنت اور خلوص سے اپنا فرض منصبی ادا کریں۔ آپ سب میرے دست بازو ہیں میں آپکی عزت کرتا ہوں۔ اور آپ سے بھرپور تعاون کی امید رکھتا ہوں۔ آپ اپنی کارکردگی سے دفتر کی نیک نامی میں اضافہ کریں۔ بعد ازاں آپ نے ٹیلی فون کے بے جا استعمال کے نقصان پر توجہ دلائی۔ اور فرمایا کہ ہر ضرورت مند شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مگر اسے تالہ لگا رہنا چاہیئے۔ اور استعمال سے پہلے اسکی فیس ادا کرنی چاہیئے۔ ایک رجسٹر بنایا جائے جس پر تمام کالیں درج ہوں۔ تاکہ بل آنے پر پرائیویٹ اور دفتری کالوں کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ تمام کارکنوں نے چوہدری صاحب کو اپنے تعاون کا یقین دلایا اور دعا پر یہ جلسہ برخاست ہوا۔

(عبد الرؤف)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ۔۔۔۔۔ مورخہ ۷ مئی ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ۔۔۔۔۔ شمارہ (۱۹) ۔۔۔ جلد (۶۷)

باہتمام ریاض حسین احمدیہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسیح موعود نمبر

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۰۳۰

نائب مدیر
عبدالرزاق کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — تیس روپے
بیرونی ممالک سے — دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد: ۶۷ | یوم چہار شنبہ ۲۸ جمادی الثانی ۶ رجب ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۴/۲۱ مئی ۱۹۸۰ء عیسوی | شمارہ: ۲۰/۲۱

چودھویں صدی کے سب سے بڑے مبلغ اسلام، مجدد صد چہار دہم حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت ٭ میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا ٭

امروز قوم من نشناسد مقام من
روزے بگریہ یاد کند وقت خوشم

خوشخبری

اسلام کی فتح اور اقبال کے دن قریب ہیں

——— حضرت مجدد صد چہاردہم کا ارشاد گرامی ———

اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے۔ اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلّت کے ساتھ پسپا ہوگا اور

اسلام فتح پائے گا۔

حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔ میں شکر نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلےٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے۔ جس علم کی رُو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے۔ جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہے ہیں۔ اس کے اقبال کے دن قریب ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اسکی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے اور فتح بھی روحانی۔ تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے۔

"میں متعجب ہوں کہ آپ نے کیوں کر سمجھ لیا کہ جو باتیں اس زمانہ کے فلسفہ اور سائنس نے پیدا کی ہیں وہ اسلام پر غالب ہیں۔ حضرت خوب یاد رکھو کہ اس فلسفہ کے پاس تو صرف عقلی استدلال کا ایک ادھورا سا ہتھیار ہے اور اسلام کے پاس یہ بھی کامل طور پر اور دوسرے کئی آسمانی ہتھیار ہیں۔ پھر اسلام کو اس کے حملے سے کیا خوف۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۵۴)

از قلم جناب میاں نصیر احمد فاروقی

چودھویں کا چاند

تبٰرک الذی جعل فی السمآء بروجًا وّجعل فیھا سراجًا و قمرًا منیرًا ٥ (سورۃ الفرقان ۲۵ - آیت ۶۱)

انسان جس کی آنکھیں ظاہری دنیا کو دیکھتی ہیں اور باطنی یا روحانی عالم کو نہیں دیکھتیں اس کو سمجھانے کے لئے قرآن حکیم نے انوکھا طریق اختیار کیا ہے جو اور کسی الہامی کتاب کا نہیں یعنے ظاہر کے عالم سے باطن کے عالم کو سمجھانے کا۔ مندرجہ بالا آیت میں بھی ایک ظاہری نظارہ کی طرف توجہ دلا کر مضمون کو باطن کی طرف لے گئے ہیں۔ فرمایا کہ دیکھو کہ دنیا کے آسمان میں اللہ تعالےٰ نے کس طرح ستارے پھیلائے ہیں اور پھر آسمان میں سورج اور چمکتے ہوئے چاند کو بنایا ہے۔ دوسری جگہ رسول اللہ صلعم کو سراجًا منیرا (الاحزاب ۳۳ : ۴۶) یعنے روشن سورج بتایا۔ یعنے جس طرح ظاہری آسمان میں اللہ تعالےٰ نے آسمانی روشنی کے تمام سامان کئے ہیں باطن یعنی روحانی آسمان میں بھی کئے ہیں۔ آج سائنس نے بتایا ہے کہ ہمارا سورج ستاروں میں سے ایک ہے۔ باقی کے ستارے بھی دراصل سورج ہیں مگر زمین سے دور ہو جانے کے باعث (کیونکہ یہ کائنات پھیل رہی ہے) وہ چھوٹے چھوٹے اور ہمارے سورج سے بہت کم روشن نظر آتے ہیں۔ باطنی علوم میں بھی یہی حال ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جو انبیاء روز اول سے بھیجے اور جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے وہ اپنے وقت کے سورج تھے۔ مگر آج وہ دور پڑ گئے اس لئے ان کی الہامی کتابیں ضائع ہو گئیں یا تحریف سے بگڑ گئیں اس لئے ان کی تعلیم بہت حد تک ضائع ہو گئی اور وہ ظاہری ستاروں کی طرح صرف تھوڑی اور مدھم روشنی دیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نے جس طرح ظاہر میں ہمارے سورج کو اس زمین کو روشنی اور زندگی بخشنے کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ عالم روحانی اور باطنی میں آسمانی روشنی اور زندگی بخشنے کے لئے حضرت محمّد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو منتخب اور مقرر فرمایا ہے۔ اور جس طرح عالم ظاہر میں جب سورج نکلتا ہے تو ستارے غائب ہو جاتے ہیں اور اگرچہ وہ آسمان میں موجود ہوتے ہیں مگر وہ اہلِ زمین سے منقطع کر دئیے جاتے ہیں۔ اسی طرح عالم باطن میں آنحضرت صلعم کے ظہور کے بعد اب باقی تمام انبیاء کا روحانی فیض منقطع ہو گیا ہے اور صرف یہی سورج (آنحضرت صلعم) اب دنیا کو روحانی روشنی اور زندگی کے سامان دے گا۔

قمرًا منیرا

اور جس طرح عالمِ ظاہر میں جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ نے چاند کو بنایا ہے کہ وہ اپنی بلندی کی وجہ سے سورج کی روشنی کو حاصل کر کے زمین کی طرف منعکس کرتا ہے۔ عالمِ روحانی میں اللہ تعالےٰ رسول اللہ صلعم کے خلفاء کو لائے گا جو اپنی روحانی بلندی کی وجہ سے حضور صلعم کے نور کو زمین کی طرف منعکس کرتے رہیں گے۔ اسی لئے ان روحانی خلفاء کے آنے کا ذکر سورۃ نور میں فرمایا ہے۔ وہاں اللہ نور السمٰوٰت والارض (یعنے اللہ ہی ہے جس سے آسمانوں اور زمین کو ظاہری اور باطنی روشنی ملی) کا ذکر فرما کر پھر رسول اللہ صلعم کو نورٌ علیٰ نور بنایا کہ آپ کے باطنی نور کو اللہ کے نور نے آن کر نورٌ علیٰ نور بنا دیا (النور ۲۴ : ۳۵) اور رکوع کے آخیر میں فرمایا کہ ومن لم یجعل اللہ لہٗ نورًا فما لہٗ من نّور (النور ۲۴ : ۴۰) یعنی جسے اللہ روشنی نہ دے اُسے کہیں بھی روشنی نہیں ملتی۔ اس کے چند آیات کے بعد فرمایا:

وعد اللہ الّذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ص ولیمکننّ لھم دینھم الّذی ارتضٰی لھم ولیبدلنّھم مّن بعد خوفھم امنًا ط (النور ۲۴ : ۵۵) یعنے اللہ وعدہ فرماتا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے اور وہ ان کے لئے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مضبوطی سے قائم کر دے گا اور وہ ان کے لئے ان کے خوف کے بعد بدل کر امن کی حالت کر دے گا۔

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اللہ تعالےٰ نے تین وعدے فرمائے ہیں (۱) زمین کی خلافت (۲) دین کو مضبوطی سے قائم کرنا (۳) اور دین اور دنیا کے معاملات میں جو خوف کے حالات آئیں انہیں بدل کر امن قائم کر دینا۔

زمین کی خلافت حضور صلعم کے غلاموں کو ملی اور صدیوں رہی۔ اگر بیچ میں حوادث آتے رہے اور عارضی طور پر بادشاہت گھٹتی یا گھٹتی بڑھتی رہی تو اس کی وجہ یہی تھی کہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ مشروط ہے ایمان اور اعمالِ صالحہ سے۔ جب کبھی مسلمانوں کا ایمان صرف زبان پر رہ گیا اور اعمالِ صالحہ انہوں نے کرنے چھوڑ دیئے تو اللہ تعالےٰ نے بطور سزا و اصلاح دنیاوی حکومت لے لی یا کمزور کر دی۔ اس زمانہ میں خصوصًا جب عیسائی حکومتیں دنیا پر چھا جانے کے لئے زور سے اٹھیں تو مسلمانوں پر وہی کمزوری کا عالم تھا اور اس لئے کچھ عرصہ کے لئے مسلمانوں کی سلطنتوں پر بھی زوال اور مغلوبیت آ گئی۔ اس مغلوبیت کو دور کرنے کے لئے مسلمانوں کو امام مہدی کا انتظار تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پچھلے سو سال میں وہ مغلوبیت دور ہو گئی۔ مگر وہ امام مہدی کہاں ہے؟ میں عرض کروں گا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ وہ امام مہدی ضرور عین وقت پر آیا اور اس نے مسلمانوں کی کھوئی ہوئی سلطنتیں بھی انہیں دلوا دیں۔ مگر تھوڑوں نے اسے پہچانا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

سلسلہ مجدّدین

آیت مندرجہ بالا میں دوسرا وعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اسلام کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے مضبوطی سے قائم فرماتا رہے گا۔ اس کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے روحانی خلفاء آیا کریں گے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی صحیح بخاری میں حدیث مروی ہے کہ کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبیٌّ خلفہ نبیٌّ وانّہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء یعنے بنی اسرائیل کی رہنمائی نبی کرتے تھے جب ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء

آئیں گے۔ اور اسی امر کو حضور صلعم نے ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا کہ ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا یعنے اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد مبعوث کرتا رہے گا۔ اور امام سیوطی اس حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اتفق الحفاظ علی تصحیحہ یعنی احادیث نبویؐ کے حافظ اس حدیث کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں اور متقدمین جیسے حاکم اور بیہقی اور متاخرین جیسے ابوالفضل عراقی اور ابن حجر اور ابن عساکر نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کر کے لکھا ہے کہ اس سے ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ثابت ہے۔ ہمارے زمانہ سے قریب حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تیرہ سو سال تک ہر صدی کے سر پر مجدد واقعی آتے رہے ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چودھویں صدی تو ختم ہونے لگی مگر اس کا مجدد کہاں ہے؟

مجدد صدی چہاردہم

اس صدی کے سر پر صرف ایک بزرگ نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ تھے حضرت مرزا غلام احمد صاحب۔ آپ نے اپنی پہلی اور معرکۃ الآراء تصنیف براہین احمدیہ میں اسلام کی صداقت اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندہ اور کامل نبی ہونے کے ثبوت میں بڑے زور اور تحدی سے لکھا کہ اب صرف قرآن حکیم وہ کتاب ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ زندہ نبی ہیں جن کی اتباع سے انسان خدا کو پا سکتا ہے۔ اور اس کا زندہ ثبوت اپنے آپ کو پیش کیا کہ میں نے قرآن حکیم اور سنت نبوی پر عمل کر کے خدا کو پا لیا ہے کا ثبوت یہ ہے کہ خدا تعالےٰ مجھ سے کلام کرتا ہے۔ اور اس کا ثبوت وہ الہامات ہیں جو کتاب میں مندرج ہیں اور آپ نے یہ بھی لکھا:۔

”اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے۔ اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت ومشابہت ہے۔“

اس دعویٰ سے قبل بھی آپ کے زہد وتقویٰ مستجاب الدعوات ہونے کی شہرت آپ کی خدمت اسلام کے کام، آپ کے اعدائے اسلام کے ساتھ مقابلہ پر مردانہ وار کھڑے ہونے کو دیکھ کر لوگ آپ کی بہت عزت وقدر کرتے تھے۔ اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ آپ کی اس وقت کی قبولیت عامہ کی ایک جھلک اس ریویو میں نظر آتی ہے جو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے آپ کی کتاب براہین احمدیہ پر کیا۔ مولوی صاحب موصوف اہل حدیث کے لیڈر تھے اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب ابتداء سے آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی المذہب رہے مگر پھر بھی مولوی محمد حسین صاحب نے براہین احمدیہ کے بارے میں لکھا:۔

”ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔ اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ وبرہمو سماج کا اس زور وشور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کر دے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی وجانی وقلمی ولسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑہ بھی اٹھایا ہو اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعوےٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ ومشاہدہ کر لے اور اس تجربہ ومشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔“ (اشاعۃ السنہ جلد ۷ ۱۸۸۴ء)

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ عامۃ المسلمین اور علمائے اسلام نے حضرت مرزا صاحب کے دعوے وحی والہام اور دعویٰ مجددیت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور کرتے بھی کیوں کہ یہ دعوے عین قرآن اور احادیث نبوی کے مطابق تھے۔ اور حضرت مرزا صاحب علاوہ اپنے روحانی کمالات کے اسلام کی خدمت کے وہ عظیم الشان اور غیر معمولی کام کر رہے تھے جن کا ذکر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے اوپر کے مندرجہ ریویو میں کیا ہے۔ اس بارے میں حضرت مرزا صاحب کے اور ہمعصر علماء اور صاحب قلم مسلمانوں کی آراء کتاب تحریک احمدیت (مصنف حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم) اور مجدد اعظم جلد دوم وسوم (مصنف ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم) میں منقول ہیں۔ میں طوالت کے خوف سے انہیں یہاں نقل نہیں کرتا۔

چودھویں صدی کے فتنے

تیرھویں صدی ہجری (جس کا بڑا حصہ انیسویں صدی میں آیا) میں سائنس اور علوم کی انتہائی ترقی سے مادہ پرستی مغرب میں پھیلی اور چونکہ مغربی سلطنتیں اکثر دنیا پر حاوی تھیں تو مادہ پرستی دنیا بھر میں پھیلی اور بعد میں یعنے چودھویں صدی ہجری میں دہریت اور دنیا پرستی کے خطرناک فتنے دنیا میں عام ہو گئے۔ حضرت مرزا صاحب نے ان فتنوں کا سد باب اپنی معرکۃ الآراء کتاب براہین احمدیہ (حصہ اوّل تا پنجم) میں اور دوسری تحریرات اور تقریروں میں کیا اور بتایا کہ ان فتنوں کا علاج صرف اسلام میں ہے۔ مادہ پرستی جس ناقص انسانی علم کا نتیجہ تھی اس کا تدارک سوائے اللہ تعالےٰ کے کامل علم کے جو قرآن حکیم میں پایا جاتا اور کون کر سکتا تھا۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب کے علم کلام اور دلائل کا تمام دار ومدار قرآن حکیم پر تھا۔

مادہ پرستی کا لازمی نتیجہ دہریت تھی۔ اب جبکہ سائنس کی مزید ترقیات نے مادہ پرستی کا خاتمہ کر دیا ہے تو دہریت بدستور دنیا میں پھیل رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سائنس اور علم وعقل کے زمانہ میں لوگ اندھا دھند اپنے بزرگوں کی بات کو نہیں مانتے۔ یورپ اور امریکہ جہاں سے یہ تمام فتنے پیدا ہو کر دنیا میں پھیل رہے ہیں وہاں خدا کا تصور ایک ناقص تصور ہے۔ خدا باپ کو تو کسی نے نہیں دیکھا۔ مگر خدا کا بیٹا ایک کمزور انسان تھا اور تیسرا خدا یعنے روح القدس تو ایک پرندہ کی شکل کا ہے۔ اس کے برعکس سائنس کی موجودہ ترقیات یہ بتا رہی ہیں کہ تمام کائنات کا ایک خدا ہے کیونکہ تمام کائنات ایک ہے۔ اور ایک ہی قوانین کے ماتحت چل رہی ہے۔ پھر کائنات کے کمالات ایک نہایت کامل اور زبردست طاقتوں کے مالک اور بے عیب خدا کو ثابت کر رہے ہیں۔ تو ایسا خدا تو صرف قرآن کریم میں ہی نظر آتا ہے الحمد للہ رب العالمین۔ تمام عالموں۔ تمام قوموں کا ایک ہی خدا ہے جس کا نام اللہ ہے۔ جس کے معنی حسن واحسان میں کامل ذات کے ہیں۔ یعنے تمام خوبیاں، تمام صفات صرف اللہ میں ہی ہیں۔ اور وہ خوبیاں اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ وہ رب العالمین ہے۔ یعنے ان خوبیوں کا فیض اس کی تمام مخلوق کو پہنچ رہا ہے۔ رحمانیت اور رحیمیت کے ذریعہ یعنے بہت کچھ تو اللہ تعالےٰ کے رحم کی انتہا کی وجہ سے کہ وہ تمام مخلوق کو اس کی تمام ترقیات کے لئے تمام سامان محض اپنے رحم کی وجہ سے بغیر اس کی مخلوق کی کسی کوشش کے دیتا ہے۔ اور جب ان سامانوں سے وہ مخلوق فائدہ اٹھا کر کوشش اور جدو جہد کرتی ہے۔ تو اس کا رحم پھر جوش میں آ کر اس پر اعلےٰ سے اعلےٰ نتائج مرتب کرتا ہے۔ مگر جو مخلوق ان سامانوں کا فائدہ نہیں اٹھاتی یا اللہ تعالےٰ کے قوانین کو توڑتی ہے تو اس کی سزا بھی دینے پر وہ مٰلک یوم الدین قادر اور حاوی ہے۔ ایسے ہی خدا کے تصور کو جان کر انسان کے مونہہ سے بے اختیار نکلتا ہے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنے نہیں بیٹھا تھا۔ (اس عظیم الشان سورت کی تفسیر حضرت مرزا صاحبؒ نے ایسی لکھی ہے کہ قلم توڑ دیا ہے)۔ میں تو اس مضمون میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس زمانہ کے تمام فتنوں کا علاج قرآن حکیم میں ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب نے کر کے دکھا دیا۔

اسی لئے قرآن حکیم کو دنیا میں پہنچانا حضرت مرزا صاحب کی جماعت کا اوّلین فرض ہے۔ اس بات کو آپ نے بے شمار جگہ لکھا ہے۔ صرف ایک شعر آپ کا لکھتا ہوں:

اے بے خبر بخدمت قرآں کمر ببند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اس زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ دنیا پرستی ہے۔ جو دراصل دہریت کا لازمی نتیجہ ہے۔ کہ اگر دنیا کی مادی قدروں میں پڑ کر اخلاقی اور روحانی قدروں کو بھول جائے میں انسان کی ہلاکت ہے۔ اسی لئے صحیح راستہ وہی ہے جس کی بیعت حضرت مرزا صاحب اپنے مریدوں سے لیا کرتے تھے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ اس دنیا کی عارضی زندگی سے بہت بڑھ کر اور بہتر آخرت کی زندگی ہے جس کے لئے یہ دنیا بقول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کھیتی ہے۔ جو یہاں بیجو گے وہ آخرت میں کاٹو گے۔

بس: آج یورپ اور امریکہ میں آواز اٹھی ہے کہ خدا نعوذ باللہ مر گیا ہے۔ اس کا جواب بھی حضرت مجدد زماں کے ہاں ہے۔ آپ نے جو اللہ تعالےٰ کی ہستی اور حیّ و قیوم ہونے پر دلائل دیئے ہیں ان کے علاوہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ وحی و الہام مسکت جواب ہے کیا مردہ کبھی بولتا ہے؟ مگر اسلام کا خدا جو حیّ و قیوم ہے ہمیشہ انسانوں سے کلام کرتا رہا اور آج بھی کرتا ہے۔ اس کا ثبوت وہ ہزارہا الہامات ہیں جو حضرت امام زماں پر نازل ہوئے بضبط تحریر میں آئے، اور ان کے اندر جو زبردست علم غیب اور پیشگوئیاں ہیں وہ پوری ہوئیں اور ابھی بھی پوری ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ آپ اس مضمون میں آگے دیکھیں گے وہ پیشگوئیاں اور ان کا پورا ہونا ایک حیّ و قیوم اور قادر مطلق خدا کی قدرت نمائی کے سوا ہو نہیں سکتا تھا۔ اس زمانہ کے امام پر اگر وحی و الہام بکثرت ہوئے تو اس کی وجہ ایک یہ تھی کہ یہ زمانہ دہریت کا آنا تھا اور اس کا مسکت جواب وحی و الہام میں ہے۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے کبھی اپنی کسی بڑائی ثابت کرنے کے لئے اپنے وحی و الہام کو خدا کی ہستی۔ اسلام کی سچائی۔ قرآن پاک کی علمی و عملی ہدایت اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندہ نبی ہونے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا اور بار بار دوسرے ادیان کو چیلنج دیا کہ اگر تم میں بھی اب کوئی حقانیت ہے اور تم پر بھی خدا مل سکتا ہے تو اس کو ثبوت دو لاؤ جو ہمیشہ خدا کو پانے کا تھا۔ کہ خدا کلام کرتا تھا۔ مگر اس چیلنج کو کسی نے قبول نہ کیا۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے ایک نظم میں لکھا ہے

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

پھر دین محمدی کی برتری اور خدا نمائی بلکہ خدا تک پہنچانے کا واحد راستہ ہونے کا ذکر کرتے حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے
ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

دعویٰ مسیح موعود

یہ اتنا وسیع مضمون ہے کہ وہ ایک علیحدہ مقالہ بلکہ کتاب چاہتا ہے۔ مختصراً یہ عرض کر دوں کہ انیسویں صدی عیسوی میں عیسائی طاقتیں دنیا بھر پر چھا گئیں۔ اپنے اس عالمگیر قبضہ کو مستقل بنانے کے لئے انہوں نے اپنی رعایا کو عیسائی بنانے کا فیصلہ کیا۔ عیسائیت ... گئے تھے اور علاج کے بعد صحت یاب ہو کر وہ وادیٔ کشمیر میں چلے گئے تھے۔ جہاں پر بھی بنی اسرائیل آباد تھے۔ اور ان میں تبلیغ کرتے ہوئے انہوں نے وفات پائی۔ اور محلہ خان یار سرینگر میں وہ مدفون ہیں۔ جہاں ان کی قبر یوز آسف نبی کی قبر کہلاتی ہے (اب یہ انکشافات ہیں جنہیں آج بعض عیسائی محققین بھی ماننے لگے ہیں) وحی الٰہی سے خبر پا کر حضرت مرزا صاحب نے قرآن حکیم پر از سر نو غور کیا تو ایک دو نہیں تیس سے زیادہ آیات نے اس کی تصدیق کی۔ کہ حضرت عیسےٰ اور نبیوں اور رسولوں کی طرح وفات پا گئے اور باقی کے مندرجہ بالا وحی الٰہی کی دی ہوئی خبریں بھی درست ہیں۔ اسی طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کی تائید کی۔ میں مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو حدیثیں لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضور صلعم نے فرمایا:۔ (۱) لو کان موسیٰ و عیسیٰ حییّن لما وسعھما

آیتِ رحماں بر آہر بصیر

در دلم جوشد ثنائے سرورے — آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

میرے دل میں اس سردار کی تعریف جوش مار رہی ہے جو خوبی میں اپنا کوئی ہمسر نہیں رکھتا

آنکہ جانش عاشق یارِ ازل — آنکہ روحش واصلِ آں دلبرے

وہ جس کی جان خدائے ازلی کی عاشق ہے۔ وہ جس کی روح اس دلبر میں واصل ہے

آنکہ در بِرّ و کرم بحرِ عظیم — آنکہ در لطفِ اتم یکتا دُرے

وہ جو نیکی اور بزرگی میں ایک بحر عظیم ہے۔ اور کمال لطف میں ایک نایاب موتی ہے

آنکہ در جود و سخا ابر بہار — آنکہ در فیض و عطا یک خاورے

[illegible]

آں رحیم و رحم حق را آیتے — آں کریم و جودِ حق را مظہرے

وہ رحیم ہے اور رحمت حق کا نشان ہے۔ وہ کریم ہے اور بخشش خداوندی کا مظہر ہے

آں رخ فرخ کہ یک دیدار او — صد درونِ تیرہ را چوں اخترے

وہ ایسا روشن ضمیر ہے جس نے سینکڑوں سیاہ دلوں کو تاروں کی طرح روشن کر دیا۔

الا اتباعی: یعنے اگر موسیٰ اور عیسےٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔

(۲) ان عیسیٰ ابن مریم عاش عشرین ومائۃ سنۃ (بخاری) یعنے عیسیٰ ابن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہا اور معراج میں حضور صلعم نے حضرت عیسےٰ کو مرے ہوئے نبیوں میں حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ اسی طرح حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے مزید غور کیا تو حضرت عیسےٰ کا مُردوں کو زندہ کرنا یا پرندوں کو اُڑانا استعارہ کے معنوں میں ہے۔ یعنے روحانی مُردے زندہ کرنا یا انسانوں کو (پرندوں کی طرح) روحانی آسمان پر پرواز کرنے کے قابل بنانا تھا نہ کہ اصلی معنوں میں تھا۔

دجّال اور یاجُوج ماجُوج

اگرچہ قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ وفات مسیح کو ثابت کر رہے تھے۔ مگر کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ جب وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا تو دیکھ لیں گے کہ وہ اصل حضرت عیسےٰ ابن مریم ہیں یا ان کا کوئی مثیل۔ اس معاملہ میں صحیحین یعنے بخاری اور مسلم کی حدیثیں واضح ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ:۔ کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم و امامکم منکم (یا امّکم منکم) یعنے تمہارا کیا حال ہو گا جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور وہ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ ولفظ نزول سے دھوکا نہ لیجئے کیونکہ وہ عربی زبان میں اور قرآن حکیم میں خدا تعالےٰ کی طرف سے آنے کے معنوں میں آتا ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم یاجوج اور ماجوج کا ذکر فرماتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دجّال کے خروج کا ذکر فرمایا اور اس کو مسلمانوں کے لئے سب سے خطرناک فتنہ بتایا اور ان دونوں (۱) یاجوج اور ماجوج (۲) دجّال کے متعلق جو سینکڑوں بلکہ ہزاروں نشانات اور پیشگوئیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھیں اور وہ سب کی سب پوری ہوگئیں۔ جب عیسائی طاقتوں نے دنیا پر غلبہ حاصل کیا اور عیسائی پادریوں اور مشنریوں نے اسلام پر خطرناک یورش کر دی۔ علامہ سر محمد اقبال جیسے صاحب بصیرت انسان نے اعتراف کیا کہ:۔

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

تو یاجوج اور ماجوج دنیا پر چھا گئے اور دجال نے اسلام پر سخت زہریلے حملے شروع کر دیئے۔ مگر وہ مسیح موعود کہاں تھا جس کے اسی زمانہ میں آنے اور یکسر الصّلیب ویقتل الخنزیر کی صریح پیشگوئی تھی؟ وہ بھی آیا۔ حضرت مرزا صاحب کو جہاں اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی علم دیا کہ عیسیٰ ابن مریم فوت ہو گیا وہاں یہ بھی علم دیا کہ آنے والا مسیح موعود تو ہے۔ اور آپ نے اس کے بعد عیسائیت کے عقائد مثلاً تثلیث یا کفّارہ یا پیدائشی گناہ وغیرہ وغیرہ کے ایسے پرخچے اڑائے کہ بقول ایک غیر احمدی عالم مولانا عبداللہ العمادی صاحب ایڈیٹر اخبار وکیل:۔

"اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے سے حقیقت میں اس کی جان تھی۔ اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔"

اسی طرح ایک اور غیر احمدی مرزا حیرت دہلوی صاحب ایڈیٹر اخبار کرزن گزٹ نے لکھا:

"ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم (مرزا صاحب) کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کی رد میں لکھی گئی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب تو ہم نے نہیں دیکھا۔"

ایک اور غیر احمدی بزرگ ایڈیٹر صاحب "صادق الاخبار" نے لکھا:۔

"چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کے ان لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ حق حق ہی ہے۔ اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کما حقہٗ ادا کر کے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔"

مولانا عمادی صاحب نے ایک دوسرے موقع پر لکھا:۔

"مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔۔۔۔ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔"

الغرض حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود کے ذمہ جو یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر کا کام حضور سرورِ کائنات صلعم نے کیا تھا ایسی شاندار کامیابی سے پورا کیا کہ غیر از جماعت محققین نے اس کا اعتراف کیا۔ جن میں سے چند آراء اوپر درج کی گئی ہیں۔ اس کسر صلیب کے کام کو حضرت مرزا صاحب کے مریدوں خصوصاً حضرت مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب نے تن دہی سے جاری رکھا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ اور امریکہ کے عیسائی محققین لکھنے لگے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ خدا نہ تھے۔ اور نہ ان کا خدا کا بیٹا (اصلی معنوں میں) ہونے کا دعویٰ تھا اور نہ انہوں نے تثلیث کا پرچار کیا تھا۔ اس حیرت انگیز انقلاب کی تفصیل کے لئے پیغام صلح کے ۲۴ رمئی ۱۹۷۸ء کے پرچہ میں میرا مضمون دیکھیں۔ میں صرف اتنا کہہ کر اس موضوع کو ختم کرتا ہوں کہ کسر صلیب کے کام کو حضرت مسیح موعود نے اپنی زندگی میں کس شان سے پورا کیا۔ اس کی شہادت مندرجہ بالا چند اقتباسات سے ظاہر ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی شان ہے کہ مسیح موعود کی چودھویں صدی ہجری ابھی بالکل پوری نہیں ہوئی۔ کہ خود عیسائی محققین نے ان تمام باتوں کی غلطی کو قبول کر لیا۔ جو صلیب سے متعلق غلط عقائد کے رنگ میں اب تک منوائے جاتے تھے۔

اِمام مہدی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث ہے کہ لا مھدی الا عیسیٰ یعنے مسیح موعود ہی امام مہدی بھی ہوگا۔ میں اس مضمون کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ ابھی بھی یہ مضمون لمبا ہو گیا ہے۔ مسیح موعود نے بطور مہدی مسلمانوں کی ہدایت کا کام کیا یا اسلام کو دوسرے دینوں پر غالب کرنے کا کیا عظیم الشان اور تاریخی کام کیا یہ بذات خود ایک کتاب بن جائے گی۔ میں تو صرف مسلمانوں کا جو مسئلہ اور باتوں کے خیال تھا کہ امام مہدی ان کو کھوئی ہوئی سلطنت دلوائے گا۔ اسی کو لے کر دکھانا چاہتا ہوں کہ یہ کام بھی حضرت مرزا صاحب نے کر دکھایا۔ یاد رہے کہ قرآن مجید نے یاجوج ماجوج کے ذکر میں عیسائی اقوام کے تمام دنیا پر چھا جانے کا ذکر فرمایا ہے جو تیرھویں صدی ہجری میں پورا ہو گیا۔ اس زمانہ میں عیسائی اقوام میں ایسی زبردست فوجی طاقت مقدر تھی کہ مخبر صادق صلعم نے فرمایا کہ لا یدان لاحد لقتالھم یعنے ان عیسائی اقوام سے کسی کو جنگ کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہم نے دیکھ لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ان عیسائی قوموں کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ انہیں کوئی تباہ نہ کر سکے گا سوائے میرے (یعنے اللہ تعالےٰ کے) کنز العمال ص ۲۱۰۲۔ پھر مشکوٰۃ میں بھی لکھا ہے۔ کہ عیسائی اقوام کا اس اپنے غلبہ کے زمانہ میں کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ مگر ہاں مسیح موعود اپنی دعاؤں سے ان پر ہلاکت لائے گا۔ اس سلسلہ میں حضرت مرزا صاحب نے فرمایا (۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ من کل حدب ینسلون اس امر کے اظہار کے واسطے کافی ہے کہ یہ (عیسائی اقوام) کل دنیا کی زمینی طاقتوں کو زیر پا کریں گی ورنہ اس کے سوا اور کیا معنی ہیں؟ کیا یہ قومیں دلوار

اور ٹیلوں کو کودتی اور پھاندتی پھریں گی ؟ نہیں بلکہ اس کے یہی معنی ہیں۔ کہ وہ دنیا کی کل ریاستوں اور سلطنتوں کو زیر پا کرلیں گی اور کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کرسکے گی۔

"واقعات جس امر کی تفسیر کریں وہی تفسیر ٹھیک ہوا کرتی ہے۔ اس آیت کے معنے خدا تعالےٰ نے واقعات سے بتا دیئے ہیں۔ ان (عیسائی طاقتوں) کے مقابلہ میں اگر کسی قسم کی سیفی قوت کی ضرورت ہوتی تو اب جیسے کہ بظاہر اسلامی دنیا کے آخری دن ہیں چاہیئے تھا کہ اہل اسلام کی سیفی طاقت بڑھی ہوئی ہوتیں۔ اور اسلامی سلطنتیں تمام دنیا پر غلبہ پاتیں۔ اور کوئی ان کے مقابل پر ٹھہر نہ سکتا۔ مگر اب تو معاملہ اس کے برخلاف نظر آتا ہے۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے بطور تمہید یا عنوان کے یہ زمانہ ہے کہ ان کی فتح اور ان کا غلبہ دنیاوی ہتھیاروں سے نہیں ہوسکے گا۔ بلکہ ان کے واسطے آسمانی طاقت کام کرے گی جس کا ذریعہ دعا ہے۔ ۔ ۔ ۔ لہٰذا ہم نے آسمان کی طرف (توجہ کرنے کے لئے) اور اسی سے قوت پانے کے لئے ایک الگ حجرہ بنایا اور دعا کی۔"

اس زمانہ (سنہ ۱۹۰۳ء) کے مسلمانوں کے تنزل اور اعتقادی اور عملی ضعف پر اپنے درد اور فکر کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:۔ "اس لئے (ہم نے) خدا کے آگے دست دعا پھیلانے کا قصد کرلیا ہے۔ کہ وہ اس قوم کی اصلاح کرے اور شیطان کو ہلاک کرے تاکہ خدا کا سچا نور چمک جاوے اور راستی کی عظمت پھیلے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دنیا کو علم نہیں کہ عیسائی آجکل کیا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی کس قدر ذریت کو انہوں نے برباد کیا ہے۔"

(البدر مؤرخہ ۳ راپریل سنہ ۱۹۰۳ء)

ایک دوسرے موقعہ پر رسول اللہ صلعم کی پیشگوئی کا یوں ذکر فرمایا:۔ "مشکوٰۃ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں عیسائیوں (کی دنیاوی طاقت) کا کوئی شخص مقابلہ نہ کرسکے گا۔ مگر ہاں مسیح موعود دعاؤں سے مقابلہ کرے گا اور اسی سے ان کا فوجی غلبہ ٹوٹے گا۔"

ایک دُعا:۔

حضرت مرزا صاحب نے جو ایک خاص بیت الدعا بنوا کر اس میں عرصہ دراز تک گریہ وزاری اور دعائیں کیں وہ سب کی سب قدرتی طور پر ضبط تحریر میں نہیں آئیں۔ اور نہ آپ کی معلوم دعائیں طوالت کے خوف سے سب یہاں درج کی جاسکتی ہیں۔ ان میں سے ایک دعا عربی زبان میں آپ کی کتاب نور الحق حصّہ اول میں مذکور ہے۔ پوری دعا لمبی ہے۔ اس کے ایک حصّہ کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے جس میں آپ نے اللہ تعالےٰ کو مخاطب کرکے اس وقت کی عیسائی حکومتوں نے جو دنیا میں لوٹ مار مچائی ہوئی تھی اور فتنہ وفساد پھیلائے ہوئے تھے ان کا ذکر کرکے آخیر میں عرض کی:۔

"ان کی بلائیں عام ہوگئیں اور ان کا فساد بڑھ گیا اور فتنوں کا سیلاب ان کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے بہت سخت ہوگیا۔ اے رب تو انہیں اسی طرح پکڑ جس طرح تو ایک مفسد کو پکڑتا ہے۔ ان کو ڈھیل دیا جانے نے دنیا کو بگاڑ دیا۔ ان کی فوجیں مسلمانوں کی زمین پر اتر آئیں۔ اور ان کی بلائیں مسلمان خواتین تک میں سرایت کرگئیں۔ اے احمد کے ربّ! اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خدا! اپنے بندوں کو ان کے دھوؤں کے زہر سے بچا اے ہمارے مددگار خدا تیرے سوا ہمیں کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ہم پر ان کے مددگاروں کی وجہ سے زمین تنگ ہوگئی ہے۔

اے خدا پتھروں سے ان کے شیشے توڑ دے۔ اے میرے رب انہیں ایسا ہی پیس ڈال جیسا کہ تو ایک سرکش کو پیستا ہے۔ ان کی عمارتیں مسمار کردے اور ان کے صحن خانہ میں اتر آ۔ اے میرے ربّ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کردے۔ ان کی جمعیت کو پاش پاش کردے۔ اے میرے رب تو انہیں ان کے پگھل جانے کی طرف کھینچ لا۔"

خوشخبری:۔ حضرت مرزا صاحب جو دن رات اسلام اور مسلمانوں کی مغلوبیت کے دور کئے جانے کے لئے دست بدعا تھے اور اس غم میں درگاہ ایزدی میں گریہ زاری کرتے تھے انہیں بذریعہ الہام خوشخبری دی گئی کہ:۔

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد۔"

یعنے خوش ہوجا کہ جس وقت کو تو چاہتا ہے وہ نزدیک آگیا۔ اور "محمدیوں" کا پیر بلند مقام پر محکم ہوجائے گا۔"

لفظ "محمدی" عیسائی اقوام مسلمانوں کے لئے استعمال کرتے تھے تو اسی لفظ کو استعمال فرمایا کہ عیسائی اقوام تو یہ نہیں چاہتیں مگر ہم نام محمدؐ کے طفیل مسلمانوں کو ظاہری قوت اور غلبہ بھی عنایت فرمائیں گے۔ جیسا کہ قارئین جانتے ہیں لفظ "محمد" رسول اللہ صلعم کا جلالی نام ہے اور آپ کی شان وشوکت کا مظہر ہے۔ مندرجہ بالا خوشخبری والے الہام کے باقی ماندہ الفاظ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ باری تعالےٰ نے فرمایا:۔

"پاک محمّد مصطفےٰ نبیوں کا سردار۔ ۔ ورروشن شد نشانہا ئے من"

یعنے چونکہ محمد مصطفےٰ نبیوں کے سردار ہیں اس لئے آپؐ کے متبعین کو بھی ہم غلامی میں نہیں رہنے دیں گے۔ بلکہ سرداری یعنی حکومت بخشیں گے۔ اور اس بارہ میں میری قدرت نمائی روشن نشانوں سے ہوگی۔

جس وقت یہ پیشگوئیاں کی گئیں تو مسلمان قومیں عیسائی قوموں کی غلامی میں جکڑی ہوئی تھیں ان زنجیروں کو توڑنے کے لئے پہلے غلام بنانے والوں کی طاقت کو توڑنا ضروری تھا۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب نے وہ دعائیں کیں جن کی ایک جھلک میں نے مندرجہ بالا "ایک دعا" میں دکھلائی ہے۔ چنانچہ وہ دعائیں قبول ہوئیں اور قرآن کریم میں جو مغربی اقوام کے لئے وعید تھا اس کے پورے ہونے کے دن آگئے۔ قرآن پاک نے فرمایا ہے:۔

"اور اس دن ہم انہیں یعنے (عیسائی سامراجی طاقتوں کو) چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے پر موجوں کی طرح ٹکرائیں اور صور (جو جنگ کے وقت پھونکا جاتا ہے) پھونکا جائے گا اور ہم انہیں (میدانِ جنگ) میں پوری طرح جمع کردیں گے۔ اور اس دن ہم جہنم کو ان کافروں کے سامنے لے آئیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردہ میں تھیں (حالانکہ سائنس کی ترقیات جو یہ کریں گے ان کی وجہ سے خدا کی ہستی اور قدرت انہیں ذرہ ذرہ میں نظر آنی چاہیئے تھی) اور وہ میرا ذکر تک بھی سن نہیں سکتے تھے (جیسا کہ مغربی اقوام کی محفلوں میں خدا کا نام لینا بھی منع تھا۔" (سُورۃ الکہف آیات ۹۹ تا ۱۰۱)

عالمگیر جنگیں:

حضرت مجدد زماں کو وحی الٰہی سے علم دیا گیا کہ مندرجہ بالا وعید کس طرح پورا ہوگا یعنی عالمگیر جنگیں آئیں گی۔ چنانچہ حضرت اقدس نے سنہ ۱۹۰۵ء میں اپنی کتاب براہین احمدیہ حصّہ پنجم میں پہلی عالمگیر جنگ کی ہولناک تباہیوں کا جو نقشہ اشعار میں کھینچا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ کہ کس طرح ایک گاؤں میں رہنے والے انسان کو ان تباہیوں اور بربادیوں کا تفصیل سے نظارہ قریباً دس برس پہلے دکھا دیا گیا۔ اس نظم کا ایک مصرعہ ہے:۔

"زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار۔"

جب یہ پیشگوئی کی گئی (سنہ ۱۹۰۵ء) تو زار روس دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا مطلق العنان شہنشاہ تھا کس کو وہم وگمان بھی ہوسکتا تھا کہ کسی دن وہ ایسے حال زار میں ہوگا کہ ایک معمولی رہڑے (گھوڑے والی دو پہیوں کی گاڑی) میں مع اپنی ملکہ اور ولی عہد اور دیگر شاہی خاندان کے لوگوں کے لے جا کر گولیوں سے اڑا دیا جائے گا اور ان سب کی لاشیں دریا میں بہا دی جائیں گی جو سنہ ۱۹۱۷ء میں ایک مبہوت دنیا نے دیکھا۔ اسی پہلی عالمگیر جنگ کی ایک نمایاں بات پہلی دفعہ جنگ میں ہوائی جہازوں کا استعمال اور حملے تھے۔ جب ۱۰، ۱۲ سال پہلے حضرت مرزا صاحب نے اس کی پیشگوئی کی تھی (کہ آسمان حملہ کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار) تو آسمانی حملے کیم

جنگوں میں نہ ہوئے تھے نہ کسی کو اس کا خیال تک تھا کیونکہ انسان نے ابھی اڑنا سیکھا بھی نہیں تھا۔

اسی طرح دوسری عالمگیر جنگ کے متعلق بھی حضرت مرزا صاحب نے دل ہلا دینے والے الفاظ میں پیشگوئی فرمائی۔ چنانچہ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحات ۲۵۶ و ۲۵۷ پر آپ ۱۹۰۷ء میں وہ ہولناک نظارے لکھ گئے جو ساری دنیا نے ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء میں دیکھے۔ ایک حصہ سن لیجئے۔

"وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازہ پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی۔ ۔ ۔ ۔ اے یورپ تو بھی امن میں نہیں۔ اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں۔ اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ ۔ ۔ ۔"

دوسری جنگِ عظیم کی یہ خصوصیت تھی کہ یورپ اور ایشیا دونوں اس کی ہولناک لپیٹ میں آ گئے۔ اور مشرقی ایشیا کے ہزارہا جزائر (جن سے مل کر بعد میں انڈونیشیا اور فلپائن کی سلطنتیں بنیں) میں جاپانی فوجیں ٹڈی دل کی طرح ہلاکت پھیلا گئیں۔ ان جزائر میں پتھر اور لکڑی کے مصنوعی خدا قدم قدم پر پوجے جاتے تھے۔ مگر جیسا کہ حضرت اقدس کے الہام میں تھا وہ مصنوعی خدا ان کے کام نہیں آئے۔

اسی طرح ایک تیسری عالمگیر جنگ جس میں "ایک حشر برپا ہوگا اور وہ اوّل الحشر ہوگا اور ایک عالمگیر تباہی آوے گی" کی پیشگوئی تذکرہ صفحہ ۷۹۹ پر ہے۔ بلکہ حضرت اقدس نے جو یہ فرمایا ہے کہ "سہ وہ نشان دکھلائے گا قدرت کے اپنی پنجبار" تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ عالمگیر جنگیں ہوں گی اور اس طرح عیسائی طاقتوں کا دنیاوی غلبہ بالکل ختم ہو جائے گا۔

مسلمان ممالک کی آزادی

بہر حال پہلی عالمگیر جنگ کا ہی نتیجہ یہ ہوا کہ روس میں کمیونزم نے غلبہ پایا۔ چونکہ عیسائی سامراجی طاقتوں نے اپنے مقبوضہ علاقوں میں اپنی رعایا کا خون چوس کر انہیں کمیونزم کے لئے مائل کر دیا تھا اس لئے یورپ کی سرمایہ دار قوموں کو سخت خطرہ پیدا ہو گیا کہ کمیونزم ساری دنیا میں پھیل جائے گا اور دوسری عالمگیر جنگ کے بعد جب اشتراکیوں نے اور زور پکڑا اور اُدھر یورپ کی سامراجی طاقتوں کی کمر ٹوٹ گئی تو انہوں نے جلد یا بدیر اپنے مقبوضہ علاقوں کو آزادی دے دی۔ اور یوں مسلمان ممالک بھی آزاد ہو گئے۔ مغربی سامراجی یا امپریلیسٹ قوموں کا دنیاوی غلبہ اور طاقت جن عالمگیر جنگوں اور ان کے پیدا کردہ انقلابات نے توڑا وہ حضرت مرزا صاحب کے سالہا سال کی دعاؤں کے مجاہدہ کا نتیجہ تھے۔ جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں اس دعا کی قبولیت اور عیسائی حکومتوں کا غلبہ عالمگیر جنگوں اور ان کے نتائج کے ذریعہ ٹوٹ جانے کی خوشخبری حضرت مرزا صاحب کو پہلے سے دے دی گئی تھی۔ اور یوں مسلمانوں کی توقع کہ امام مہدی انہیں دنیاوی غلبہ دوبارہ دلائے گا پوری ہو گئی اور جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا عیسائی اقوام کا غلبہ مسیح موعود کی دعاؤں کی قبولیت کے نتیجہ میں ختم ہوگا۔ اور حضور صلعم نے کیا خوب پیشگوئی واضح طور پر کر دی تھی کہ لا مھدی الا عیسیٰ۔ یعنی مسیح موعود ہی امام مہدی ہوگا۔ اور امام مہدی کے سب کام حضرت مرزا صاحب نے کر بھی دکھائے یہاں تک کہ مسلمانوں کا دوبارہ دنیاوی غلبہ بھی انہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہوا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مجدد۔ مسیح موعود۔ مہدی معہود

چودھویں صدی کا مجدد واقعی چودھویں صدی کے چاند کی طرح بدر کامل تھا۔ اُس نے جو کام کئے ان کی تفصیل پڑھنی ہو تو کتاب تحریک احمدیت (مصنفہ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم) اور کتاب مجدد اعظم ہر سہ جلد (مصنفہ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم) پڑھیں۔ میں نے اس مضمون کی مختصر حدود کے اندر صرف ایک جھلک دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب پر جو عظیم الشان بوجھ ڈالے گئے تھے اور جو کام حفاظتِ اسلام، خدمتِ اسلام، اشاعتِ اسلام اور مسیحیت اور مہدویت کے اُن کے سپرد تھے وہ آپ نے کس خوبی سے انجام دیئے۔ یہ چودھویں صدی کا آخری سال ہے۔ اور اس صدی میں جو مذہبی تحریکیں یا فتنے پیدا ہوئے اور جو مذہبی انقلاب آئے وہ اس صدی کو مذہبی تاریخ میں ایک اہم مقام دیں گے۔ اور ان میں حضرت مرزا صاحب کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چل کر حفاظتِ اسلام، اشاعتِ اسلام اور دنیا کی اصلاح کے عظیم الشان کام کو جاری رکھیں جو بقول حضرت مسیح موعود اور بقول حضرت امیر مرحوم قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے سے ہی ہو سکتا ہے۔ آمین!

دینی تربیتی کلاس کا افتتاح

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۷ مئی کو احمدیہ کالونی دارالسلام میں موسم گرما کی پہلی تربیتی کلاس کا اجراء ہوا۔ افتتاحی اجلاس کی ابتداء تلاوت قرآن کریم سے ہوئی۔ اس کی صدارت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب مدظلہ نے فرمائی۔ اس کلاس میں حسب ذیل جماعتوں سے طلبہ تشریف لا کر شامل ہوئے ہیں۔ شیخ محمدی۔ سفید ڈھیری۔ نوشہرہ، پشاور ایبٹ آباد۔ دیبگراں، اسلام آباد۔ ٹبہ ٹوٹے شاہ ضلع گجرات، دارالسلام۔ لاہور شہر اور لاہور چھاؤنی وغیرہ، تلاوت قرآن مجید چوہدری محمد حیات صاحب نے فرمائی۔ ازاں بعد مرزا محمد لطیف منتظم کلاس نے طلبہ کو کورس کے بارے میں ہدایات اور پروگرام سے آگاہ کیا۔ اور باری باری ہر طالب علم نے مائیک پر تشریف لا کر خود اپنا تعارف کرایا۔ اور اپنا نام۔ والد کا نام اور تعلیم و جگہ کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی خدمت میں افتتاح کیلئے درخواست کی گئی۔ آپ نے نہایت ہی سوز اور درد سے ڈوبی ہوئی آواز میں اس آیۃ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (توبہ۔ ۱۲۲)

آپنے فرمایا کہ آج اس تقریب کے انعقاد سے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ یہ تقریب ہماری روح کو راحت بخشنے والی تقریب ہے، ہمارے اعلان پر اس شدت کی گرمی میں بچے خود خرچ کر کے دور دراز کے علاقوں سے تشریف لائے ہیں۔ اس سفر و صعوبت کی غرض کوئی دنیاوی مقصد نہیں۔ خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پیروی ہے۔ ازاں بعد آپنے غزوہ تبوک کے واقعات تفصیل سے بیان فرمائے کہ کسطرح ایک سخت مشکل گھڑی کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھولے اور لوگ جوق در جوق مدینہ کی طرف تحصیل علم کے لئے روانہ ہوئے۔ آپنے فرمایا عہد حاضرہ کا جہاد یہ ہے کہ لوگ دین کی حقیقی تعلیم حاصل کریں۔ پھر آپنے اس آیت کی وما کان المومنون لینفروا کی نہایت عمدہ محل و موقع کے مطابق تفسیر بیان فرمائی۔ (اس افتتاح پر جو آپنے تقریر فرمائی وہ مفصل بعد میں درج کی جائے گی) آپ نے طلبہ کو نہایت قیمتی نصائح سے نوازا۔ فرمایا آپ کی آمد سے ہمیں بڑی خوشی ہوئی ہے۔ دین کے ساتھ عمل کی اشد ضرورت ہے۔ آپ جو باتیں یہاں سے سیکھیں اُن پر پھر صحیح رنگ میں عمل کرنے کی بھی کوشش فرمائیں۔ ایسا نمونہ دکھائیں اور ایسا ماحول پیدا کریں جو ہر دیکھنے والے کو متاثر کرے۔ آپنے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو اپنے فضل سے قبولیت بخشے۔ مولیٰ کریم ہماری امیدوں سے بڑھ کر اس کورس کو کامیابی بخشے۔ پھر ہمارے جنرل سیکرٹری محترم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم اے نے نظم و ضبط پر نہایت ہی معلومات افزا، دلچسپ اور مفید تقریر ...

[illegible] آپنے فرمایا آج اس نظم و ضبط پر صحیح طور پر عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے، انشاء اللہ اس تقریر کو بھی علیحدہ شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے اس کلاس

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

امت اسلامیہ کا کوئی دور ربانی علماء سے خالی نہیں رہا۔ ہر زمانہ میں بڑے بڑے اہل علم و معرفت موجود رہے ہیں جنہوں نے آسمانی رشد و ہدایت کے آفتاب بن کر گہری تاریکیوں میں امت اسلامیہ کو راہ حق دکھائی اور شریعت اسلام کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات کو اصلی حالت میں محفوظ کرنے میں انہی ربانی حضرات کا ہاتھ کام کرتا رہا ہے۔ اور مرور زمانہ سے دین میں فاسد خیالات کے داخل ہو جانے سے جو بگاڑ پیدا ہو جاتا تھا۔ تو ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ مصلحین کو کھڑا کرتا رہا ہے۔

چودھویں صدی کے اوائل کا دور عہد نبوت سے بعید تر ہونے کے سبب اور امت مسلمہ کے دینی فرائض سے پہلو تہی کرنے کے باعث نہایت پرفتن دور تھا۔ اس مذہب بیزار دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق تجدید دین اور اصلاح امت کے لئے جس عظیم انسان کو منتخب فرمایا وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کی ذات ہے جو اپنے مخصوص فضائل و کمالات کے لحاظ سے بلاشبہ ایک فرد منفرد ہستی ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے ایک طرف تو امت مسلمہ کو آنے والے خطرات سے آگاہ فرمایا اور دوسری طرف آپ نے اصلاح امت کے نئے امکانات، فروغ دین اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بشارت دی۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ملت اسلامیہ اور دین اسلام کی جو عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے چودھویں صدی کے مسلمان کی سماجی معاشرتی بالخصوص دینی اور روحانی حالت زار پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ ان کا دینی آفتاب گویا غروب ہو رہا تھا۔ اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں زوال کے اثرات نہایت سرعت سے کام کر رہے تھے۔

اس فکر انگیز اور مایوس کن دور میں حضرت مرزا صاحب اٹھے اور اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تجدید دین۔ غلبہ اسلام اور اصلاح امت اسلامیہ کے لئے کھڑا کیا ہے میں اس دور کا مجدد اور مہدی ہوں۔ اور مسیح موعود ہوں۔ ہم نے دیکھا کہ ان کی عارفانہ بصیرت کے سامنے وہ تمام فتنے بے حجاب تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کی معاشرتی و مذہبی زندگی کو زیر و زبر کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے الہیٰ رشد و ہدایت، آسمانی بصیرت اور مکمل حقائق شناسی کے ساتھ جو امت و اسلام کی خدمات انجام دیں وہ اسلام کی مذہبی تاریخ کا ایک نہایت ہی ایمان افروز اور جرأت مندانہ باب ہے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب کی تحریک ایک ہمہ گیر تحریک تھی۔ آپ کی دعوت کے اصول عام اسلامی و قرآنی اصول تھے، آپ کی اساس فکر کا زور مذہب کی رسوم پر نہیں بلکہ دین کی حقیقی روح پر تھا۔ اس لئے آپ کے گرد قوم و اسلام کا درد رکھنے والے علماء و فضلاء جمع ہو گئے آپ سے اکتساب فیض کیا اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ڈنکا اکناف عالم میں بجا دیا اسلام کے اس رجل عظیم اور فرزند رشید کی خدمات دینیہ کے لئے ہم سراپا مشکور ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ بارگاہ الہیٰ میں دعا ہے کہ وہ حضرت کا عرفان عام کر دے۔

قارئین کرام! ہم اس محسن اسلام کا یوم وصال مناتے ہیں اور آپ کی یاد میں پیغام صلح کا خصوصی شمارہ شائع ہو رہا ہے۔ میں بھی حضرت صاحبؒ کے حضور اظہار تشکر کے چند کلمات رقم کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ زیر نظر مضمون میں حضرت صاحبؒ کی شخصیت اور آپ کے فضل و کمال پر گفتگو مقصود نہیں اور نہ مجھ سے اس باب پر احاطہ ممکن ہے۔ تاہم میں ان مکاتیب گرامی کو تبرک کے طور پر ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتا ہوں جو حضرت صاحب نے میرے بزرگوں کو ارسال فرمائے۔

حضرت صاحبؒ کے عقیدت مندوں نے وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت میں خطوط لکھے ان کے جوابات میں کچھ علمی، عرفانی اور روحانی جواہر پارے جمع ہو گئے جن سے پیاسوں کی سیرابی کا کچھ سامان فراہم ہو گیا۔ لیکن ان کی افادیت عام نہ تھی جن کے نام مراسلات تھے صرف وہی لوگ یا زیادہ سے زیادہ ان کا قریبی حلقہ ہی فیض یاب ہو سکا تھا۔

حضرت صاحبؒ کی تحریرات قوم کی حیات ذہنی اور جماعتی علم و عرفان کا قابل قدر سرمایہ ہیں۔ اور غیر معمولی افادیت کی حامل۔ مکتوبات گرامی سے تو بالخصوص آپ کی سیرت و شخصیت کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو چن چن کر جمع کیا جائے۔ اور انہیں کتابی صورت دی جائے۔ اس طرح ایک طرف تو یہ مخصوص فیض، فیض عام بن جائے گا۔ دوسری طرف ہر طالب صادق کے لئے اسے حاصل کرنا آسان ہو جائے گا۔ اگر میری یہ گذارش قابل عمل ہو تو احباب کو چاہیئے کہ وہ ان مراسلات کو وقف عام کر دیں۔ جو ابھی تک وہ اپنے پاس بطور تبرک رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت صاحب کے مکتوبات گرامی کو دیکھنے اور واقف حال اصحاب کے بیان کے پیش نظر پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنے مکتوبات قلم برداشتہ لکھے اور لکھوائے [illegible] اس خیال سے نہیں کہ ایک روز ان کی اشاعت بھی ہو گی۔ گویا آپ اس امر سے بے نیاز تھے کہ لوگ آپ کے مکتوبات کو کیا کرتے۔ لہٰذا آپ جو کچھ لکھتے برجستہ لکھتے۔ اس میں عبارت آرائی کا دخل نہ ہوتا نہ تکلف و تصنع کا۔ آپ شاید ایک دفعہ لکھ کر پڑھتے بھی نہ تھے۔ آپ کا ہمیشہ سے یہ معمول تھا کہ خطوط کا خود مطالعہ کر کے ان کے جوابات لکھتے لکھواتے اور دیکھتے کہ تھوڑی سے جزوی بات کا ذکر تو نہیں رہ گیا۔ جواب بھی ہمیشہ اولین فرصت میں رقم فرماتے۔

حضرت صاحب نے میرے بزرگوں بالخصوص میرے والد مرحوم حضرت مولوی محمد یحییٰؒ اور میرے چچا حضرت مولوی محمد یعقوبؒ آف ہزارہ کو مکتوبات سے نوازا۔ ان حضرات کا ذکر کسی ذاتی تعریف و تحسین کے لئے نہیں بلکہ واقعات و حالات کی اصل حقیقت کے بیان کے لئے کرتا ہوں۔

حضرت والد صاحب مرحوم حضرت مسیح موعودؑ کے حلقہ میں غالباً ۱۸۹۰ء سے شامل تھے۔ آپ سے نیازمندانہ تعلقات کے ساتھ ساتھ آپ کی دعوت و مسلک کے زبردست مبلغ بھی تھے۔ آپ اکثر حضرت صاحب کی خدمت میں خطوط بھیجتے رہتے۔ اور یوں حضرت کی توجہ احباب و جماعت پر عموماً مرتکز رہتی تھی۔

اس عاجز کو بھی حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ یہ میری ابتدائی عمر [illegible]

طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حضرت صاحبؑ اپنے عقیدت مندوں سے قلم و لسان کے ذریعہ بڑی شفقت کا اظہار فرماتے۔ ان کے لئے دعائیں کرتے۔ آپ کی مجلس اور تحریر بڑی پُرلطف، ایمان افروز اور معارف دینیہ سے پُر ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ ان کے نیازمندوں کو علم ہے آپ بیشتر وقت دینی مصالح اور معاملاتِ احباب و جماعت پر گفتگو فرمایا کرتے۔

میرے پاس جو بعض خطوط ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں بڑے بڑے امتحان آئے۔ عقائد و نظریات کے اختلاف نے سر اٹھایا۔ مخالفوں کا رط، سے حضرت صاحب کی عمر بھر مکمل اطاعت کی اور آپ کے ارشادات و ہدایات کو ہمیشہ دلیل راہ سمجھا اور تا دم وفاداریاں و فانشاریاں صرف اور صرف للہ فی اللہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر غفران کی رحمت برسائے۔ آمین!

اُنیسویں صدی عیسوی کے آخری نصف میں عوام الناس ظہور امام مہدی و نزولِ مسیح کے شدت سے منتظر تھے۔ اس زمانہ میں ضلع ہزارہ کے قصبہ مانسہرہ کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں دیبگراں میں محمد سعید نامی ایک بزرگ رہتے تھے۔ وہ اپنے علم و تقوای کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے تھے۔ اور صاحبِ خوارق و کمالات ہونے کی وجہ سے مرجع خلائق تھے وہ خود حضرت سید امیر علیہ الرحمۃ المعروف ملاں صاحب کوٹھہ کے مُریدِ خاص و ماذون خلیفہ تھے سید امیرؒ ان بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے ۱۲۹۲ھ میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ امام مہدی پیدا ہو چکا ہے۔ وہ اس وقت جوان ہے اور عنقریب ظاہر ہوگا۔ حضرت مسیح موعود کی کتاب تحفہ گولڑویہ میں اس کا ذکر ہے :۔

مولانا محمد سعیدؒ کی زندگی کے دو واقعات جن کا اس مضمون سے تعلق ہے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے بیٹے محمد یحییٰ کو فرمایا کہ تم اپنی مہر بنوا ؤ۔ تو اس کے نگینہ میں یہ قرآنی الفاظ کندہ کروانا۔

"یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ"

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اپنی وفات پر اپنے دونوں نوجوان بیٹوں حضرت محمد یحییٰ اور حضرت محمد یعقوب کو اس رنگ میں تلقین فرمائی :۔

"میں نے تمہارے حق میں بہت دُعائیں کی ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا۔ قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور دکانداروں کے پیچھے ہرگز نہ پھرنا (ان کی مراد پیروں اور سجادہ نشینوں سے تھی) امام برحق کا ظہور ہونے والا ہے تم اس کے پاس دوڑ کر جانا اور دنیا کے لعن طعن کی پرواہ ہرگز نہ کرنا"

حضرت صاحب نے جب دعویٰ کیا تو چاروں طرف سلسلہ دعوت و تبلیغ شروع کر دیا۔ جہاں کسی شخص کا علم ہوتا کہ وہ دعوت کا خاص طور پر اہل ہے تو اسے براہِ راست بھی تحریک فرماتے۔ چنانچہ میرے والد صاحب مرحوم محمد یحییٰ کو حضرت اقدسؑ نے اپنی دو کتابیں آئینہ کمالاتِ اسلام اور حمامۃ البشریٰ بذریعہ رجسٹری ڈاک بھجوائیں۔ پیکٹ کے باہر یہ الفاظ رقم فرمائے :۔

یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ" ــــــ ایک اور موقع پر حضرت اقدسؑ نے میرے والد صاحب مرحوم کو کارڈ ارسال فرمایا۔ اس کی پتہ لکھنے کی جگہ پر بھی حضرت صاحبؑ نے یہی الفاظ لکھوائے۔ قارئین حضرات کی ضیافتِ طبع کے لئے ان ہر دو تحریروں کے عکس شامل اشاعت ہیں :۔

یٰیحییٰ خذ الکتب بقوۃ
بخدمت مولوی محمد یحییٰ صاحب
دیب گراں ضلع ہزارہ ۔ ڈاک خانہ مانسہرہ

بجو رجسٹری شدہ پیکٹ کتب۔ قبلہ والد صاحب کو پہنچا یہ کاغذ سیال کوٹی کہلاتا تھا۔ اس ملفوف پر درج تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ قادیان سے ۵ رمئی ۱۸۹۴ء کو روانہ کیا گیا۔ $\frac{۵}{۹۴}$ ۷ کو سپردِ ڈاک ہوا اور $\frac{۵}{۹۴}$ ۱۲ کو موصول ہوا

اس لفافہ پر بھی حضرت مسیح موعودؑ نے الفاظ یٰیحییٰ خذ الکتب بقوۃ رقم کروائے۔ جو قابلِ غور ہیں۔ مرسل الیہ کے والد مرحوم نے ان الفاظ میں اپنی وفات سے پہلے ایک بشارت دی تھی۔ چنانچہ ملفوف تحریر یہ تھا :۔

"بمقام موضع دیب گراں ضلع ہزارہ تحصیل مانسہرہ

بخدمت مولوی محمد یحیٰی صاحب دام عنایتہٗ

یٰیحیٰی خذالکتٰب بقوۃ

المرسل مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

قبلہ والد صاحب مرحوم پر ان الفاظ کا گہرا اثر ہوا۔ ان کو اپنے والد مرحوم کی بات یاد آئی۔ جب انہوں نے مُہر کے سلسلے میں یہی الفاظ فرمائے تھے۔ ان کو محسوس ہوا کہ ان دونوں واقعات کا آپس میں باطنی تعلق ہے۔ انہیں حضرت صاحب کے دعویٰ کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ فوراً بیعت کی درخواست بھیجی اور اپنی والدہ کی علالت کا ذکر کر کے لکھا کہ آفاقہ ہونے پر حاضری و زیارت کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ حضرت صاحب نے بیعت قبول فرمالی اور اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرمایا جو حضرت اقدسؑ کے کاتب سراج الحق نعمانی نے حضورؑ کی طرف سے لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی

حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ والدہ کی خدمت اور بیمار داری ضروری و لابدی ہے۔ کرامات الصادقین و تفسیر سورۃ فاتحہ اور اتمام الحجۃ تیار ہے عنقریب روانہ ہو گی۔ السلام علیکم

از قادیان دارالامان

از سراج الحق نعمانی کاتب حضور اقدس ۱۰ ۸/۹۴

میرے والد صاحب نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ایک عریضہ برائے دُعا ارسال کیا تو حضرت صاحبؑ کی طرف سے جو جواب آیا وہ یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

نحمدہ و نصلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور اقدس مسیح موعود امام زماں علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا اخلاص نامہ صادر ہوا کل حالات سے آگاہی ہوئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کی والدہ کے لئے دُعا کی جاوے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔ اور آپ ہمیشہ اپنے حالات سے مطلع فرماتے رہیں۔ دس روز میں آپ یاد دلادیں تاکہ کتاب تفسیر سورۃ فاتحہ اور نور الحق اور اتمام الحجۃ اور سر الخلافہ آپ کی خدمت میں روانہ ہوں۔ یہ عجیب و غریب کتابیں ہیں۔ فقط السلام علیکم

از قادیان شریف ۱۹ رجون ۱۸۹۴ء کاتب سراج الحق

بحکم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

قبلہ والد صاحب ۱۸۹۶ء میں حضرت صاحبؑ کی خدمت اقدس میں پہلی بار حاضر ہوئے بعد ازاں یہ سلسلہ حسب توفیق جاری رہا۔ ایک دفعہ حضور کی خدمت میں قادیان گئے۔ چند دن قیام فرمایا اور بوقت رخصت حضرت اقدس سے اجازت طلب کرتے ہوئے تحریری گزارش یوں کی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی۔۔ اما بعد

بخدمت شریف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱۔ مجھے کل بعد نماز جمعہ کے جانے کا ارادہ ہے۔ حضرت جی سے رخصت مانگتا ہوں۔

۲۔ دو تین امر ہیں جن کے لئے خاص توجہ سے دعا ہو جاوے تو یہی آرزو ہے۔ پس اگر ان کا بیان کرنا خاص جگہ میں ممکن نہ ہو تو حضرت جی ارشاد فرمائیں تو لکھ کر خدمت مبارک میں بھیجدوں۔

سائل محمد یحیٰی، ساکن دیب گراں۔ ہزارہ

اس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے اپنی قلم مبارک سے رقم فرمایا کہ:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

"آج میں، بیمار تھا۔ اس لئے نہیں آسکا۔ دردِ سر اور کھانسی کا بہت غلبہ تھا آپ لکھ کر بھیجدیں تو میں انشاء اللہ دعا کروں گا۔"

والسلام، مرزا غلام احمد عفی اللہ عنہٗ

(عکس شامل اشاعت ہے)

تعیلاً والد صاحب نے ایک عریضہ لکھا اور حضرت صاحب کی خدمت میں بھجوا دیا جس کا متن درج ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی ۔ اما بعد

از محمد یحییٰ، ساکن دیب گراں، ہزارہ

بخدمت شریف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱۔ برادرم محمد یعقوب کی زوجہ ۹ سال ہوئے فوت ہوئی ہے۔ آج تک کوئی صورت نکاح کی نہ ہوئی کہ جماعت ہزارہ میں کوئی آدمی نہیں ملا اور غیر جماعت کو ہم سے سخت نفرت ہے۔ ایک جگہ ارادہ ہے حضرت دعا فرمادیں کہ اللہ تعالےٰ آسان و بابرکت کرے اور اس سے رہائی بخشے

۲۔ میرے والدین کے واسطے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالےٰ اُن پر اپنی رحمت نازل کرے۔

۳۔ ہمارے گاؤں میں چند آدمی سخت عداوت سے تکالیف دیتے رہتے ہیں اور کئی قسم کی شرارت و جھوٹی گواہی و مقدمات و شرارت سے نہیں ٹلتے بلکہ موجب ثواب سمجھتے ہیں۔ ان سب کا سرکردہ ہدایت اللہ۔ فیض احمد، رحمت اللہ اور اکبر علی نام ہیں۔

ایک ہزار روپیہ کی ضمانت لی ہوئی ہے۔ ہر وقت اسکی ضبط کرانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالےٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اپنی رضا میں رکھے۔ آمین!

(عکس شامل اشاعت ہے)

اس کے جواب میں حضرت صاحب نے جو تحریر رقم فرمائی وہ بھی شامل ہے:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں ان سب امور کے لئے انشاء اللہ دعا کروں گا۔ خدا تعالےٰ سب میں آپ کو کامیاب کرے۔ آمین! لیکن اس بات سے سن کر تعجب ہوا کہ آپ کی ہزار روپیہ کی ضمانت کیوں لی گئی اور کس مدت تک لی گئی ہے۔ یہ امر درحقیقت خطرناک ہے کہ آپ کو چاہیئے کہ ہر ایک مقدمہ اور بحث سے کنارہ کش رہیں تا ایسا نہ ہو کہ خواہ مخواہ کوئی الزام نہ لگا دیں۔ بلکہ بہتر ہے کہ اس مدت تک جو میعاد ضمانت ہے اس جگہ سے علیحدہ رہیں کیونکہ یہ لوگ سخت مفسد ہیں ایسا نہ ہو کہ پولیس والوں سے سازش کر کے آپ کو پھنسانا چاہیں۔ نہ معلوم دوسری طرف کی ضمانت لی گئی ہے یا نہیں۔ بہرحال بات خطرناک ہے۔ خدا حافظ والسلام

مرزا غلام احمد

جواباً قبلہ والد صاحب نے حضرت صاحبؑ کی خدمت میں لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت شریف حضرت جی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ'

بسلسلہ ضمانت۔ بخوف طوالت کہ مزاج مبارک مکدر نہ ہو نہیں لکھا تھا۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ مخالفوں نے ارادہ کیا کہ کسی طرح احمدی مسجد سے روکے جاویں۔ پس فرضی رپورٹیں و درخواستیں دیں کہ یہاں ایک فسادی پیدا ہوا ہے جو دین میں خلل انداز ہے اور قتل مقاتلہ کا خوف ہے۔ سرکار اس کی خبر لیوے۔ پھر ڈپٹی کمشنر نے ہم سب کو طلب کیا اور وہ خود ایک متعصب عیسائی افسر ہے۔ اس نے کوشش کی کہ احمدیوں سے کسی صورت مسجد چلی جائے۔ اس نے بہت ڈرایا دھمکایا مگر ہم اپنے حقوق سے دست بردار نہ ہوئے۔ وہ ایک سخت مصیبت کا دن تھا مخالف خوش تھے کہ آج احمدی ذلیل ہوں گے عین اضطراب کی حالت میں مجھے ایک غنودگی ہوئی تو مجھے ایک کاغذ دکھایا گیا جس پر لکھا ہوا ہے (بخدمت مولوی صاحب ... جب بیدار ہوا تو ایک اطمینان طاری ہوا جو بالکل تسلی ہو گی۔ جب حاکم مذکور کا کوئی جبر واکراہ ... ہوا تو حکم دیا کہ دونوں فریق ہزار ہزار کی ضمانت ۳ سال کیلئے دیدویں ۵۴ آدمی احمدی کا گزرا اور ۲۰ آدمی غیر احمدی کا سرکردہ (مہر احمد نمبردار) کی ضمانت لی گئی۔ یہ ضمانت ایک طرح نیم فتح سمجھی گئی۔ اب مخالف بظاہر ڈر کے مارے کچھ نہیں کر سکتے مگر مخفی طور پر لگے رہتے ہیں۔

میں بہت حوصلہ کرتا ہوں۔ میری طرف سے کبھی کوئی مقدمہ یا فساد نہیں ہوا۔ وہ خود ہی کرتے ہیں اور آخر شرمندہ ہوتے ہیں۔

محمد یحییٰ ساکن دیب گراں

اسی خط کے نیچے حضرت صاحبؑ نے اپنے قلم مبارک سے یہ تحریر رقم فرمائی:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"میں نے سب قصہ سمجھ لیا ہے پھر بھی مناسب ہے کہ بہت احتیاط کیا کریں ... جس کے ذریعے سے مخالف لوگ کوئی فریب کر سکیں اور دعا کریں اور میں بھی انشاء اللہ دعا کروں گا۔"

والسلام مرزا غلام احمد

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ قبلہ والد صاحب مرحوم ۱۸۹۶ء میں پہلی بار قادیان تشریف لے گئے۔ قادیان سے واپسی پر ایسا رنگ ساتھ لائے جس کی تاثیر سے علاقہ کے لوگ جماعت میں داخل ہونے لگے۔ حضرت والد صاحب نے ایک خاص جوش و ولولہ کے ساتھ اس تحریک کو دوسروں تک پہنچانے کی مہم شروع کر دی۔ وہ ایک ایک آدمی کے پاس جس کا تعلق ان کے خاندان کے ساتھ رہا تھا یا ان کے والد مرحوم کا عقیدت مند یا شاگرد تھا پہنچے۔ حق کا قبول کرنا ہر زمانہ میں مشکل ترین امر رہا ہے۔ اس دور کی مشکلات بھی کچھ کم نہ تھیں تاہم اللہ تعالےٰ نے آپ کی کوششوں کو مشکور فرمایا اور علاقہ ہزارہ کے بہت سے پاکباز لوگ سلسلہ میں داخل ہو گئے۔ آپ کو اپنی ساری کارگزاری سے مرکز کو مطلع کرنا ہوتا تھا مرکز قادیان نے بھی حضرت قبلہ والد صاحب کو تبلیغ و فراہمی چندہ کے لئے کچھ فرائض سونپ رکھے تھے۔ آپ نئے بیعت کنندگان کی فہرست ارسال کرتے۔ فراہمی چندہ کا بندوبست کرتے چنانچہ ایک موقع پر آپ نے قادیان خط بھیجا جس میں نئے بیعت کنندگان کا ذکر تھا تو وہاں سے جواب آیا جو حضرت مولانا عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کا رقم کردہ ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

قادیان

۱۲ / جنوری ۱۹۰۲ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قبول فرماتے ہیں، ان سب اشخاص کا جن کے اسماء گرامی آپ نے لکھے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو اور سب کو ثابت قدم اور ابتلاؤں سے محفوظ رکھے اور حضرت نے دعا کی اس مریض لڑکے کے لئے بار بار یاد دلائیں۔

والسلام

عاجز عبدالکریم

(عکس شاملِ اشاعت ہے)

ایک اور خط میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں۔

قادیان ۲۶ مارچ ۱۹۰۲ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام بڑی خوشی سے قبول فرماتے ہیں آپ کے ماہوار رقم چندہ کو۔ یہ لوگ جنہوں نے اب آپ کے ذریعہ بیعت کی ہے آپ ہر ایک سے اس کی توفیق کے موافق ماہوار چندہ لکھائیں اور فہرست ارسال کریں اور خود ماہوار چندہ وصول کر کے چندہ ہا ساتھ ملا کر تفصیل اسامی وار ارسال کیا کریں۔ اس مجاہدہ کا بڑا ثواب آپ کو ہوگا۔ آج ایسے ہی مجاہدوں کی از حد زیادہ ضرورت ہے اس سلسلہ کو بڑی کوشش کریں کہ وقت کم اور نازک ہے۔ سب بھائیوں پر جنہوں نے اب بیعت کی ہے سلام عرض کریں اور ان کو قبول بیعت کی اطلاع دیں۔

والسلام عاجز عبدالکریم

راقم الحروف نے ۱۹۰۶ء میں جبکہ میری عمر چھ سال کی تھی اور گھر پر ہی ابتدائی تعلیم جاری تھی۔ ان ایام میں جماعت ہزارہ کی طرف سے نئے مبائعین کی درخواست ہائے بیعت قادیان حضرت صاحب کی خدمت میں بھیجی جا رہی تھیں تو میں نے بھی اصرار کیا کہ میری بیعت کے لئے خط حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجا جائے۔ چنانچہ ایک جوابی کارڈ بھیجا گیا اور اس کے جواب میں جوابی خط ملا جس کی پتہ لکھنے کی طرف خاکسار کے اپنے ہاتھ سے دستخط "سعید احمد" مرقوم ہیں۔ خط موصولہ کی تحریر یہ تھی:-

INDIA POST CARD

THE ADDRESS ONLY TO BE WRITTEN ON THIS SIDE

REPLY

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہٗ ونصلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

"خط آیا۔ حضرت اقدسؑ نے آپ کی درخواست بیعت قبول فرمائی اور آپ کے حق میں دعا فرمائی۔"

والسلام افتخار احمد

۲۵ جنوری ۱۹۰۶ء از قادیان

قادیان سے مصالح دینی اور اشاعت اسلام کے لئے موقعہ بموقعہ مختلف تحریکات برائے فراہمی چندہ و عطیات ہوتی رہتی تھیں۔ جماعت ہزارہ ان تحریکوں میں شمولیت باعث اجر و ثواب سمجھتی اور حسب توفیق افراد جماعت اس میں حصہ لیتے۔ اس ضمن میں جماعت و مرکز کے درمیان خط و کتابت کے دو نمونے خطوط ہدیہ قارئین کرام ہیں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی اخویم سلمہ اللہ تعالےٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مبلغ مع چندہ لنگرخانہ فصل ربیع بخدمت حضرت اقدسؑ وصول ہوگیا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ فہرست بھی پہنچ گئی۔ درج رجسٹر کر دی۔

فقط والسلام۔

عبدالکریم

نوٹ:۔ حضرت اقدس کا یہ تاکیدی ارشاد ہے کہ ہر ایک بیعت کنندہ حسب استطاعت لنگرخانہ اور مدرسہ کے لئے ماہوار چندہ باقاعدہ بھیجا کرے۔ اور نیز رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی اشاعت میں جس کا اشتہار اس کارڈ کی پشت پر ہے پوری سعی اور کوشش کرے خود رسالہ خریدے۔ اپنے دوستوں کو اس کی خریداری کی ترغیب دے اور حسب استطاعت اعانت بھی کرے۔ تاکہ انگریزی میں اس کی اشاعت بلاد یورپ میں بکثرت کی جائے۔

خاکسار

"عبدالکریم"

اس خط کی دوسری طرف مرقوم ہے:۔

ریویو آف ریلیجنز یعنی مذاہب عالم پر نظر

قادیان سے انگریزی اور اردو میں ماہوار شائع ہوتا ہے۔ جس میں اہم مذہبی سوالات کے متعلق حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مضامین ودیگر مضامین شائع ہوتے ہیں۔ مذہب اسلام کے اصول کا فلسفہ، اصولِ اسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم اندرونی اور بیرونی حملوں اور تمام اعتراضات کا مدلل اور مبسوط جواب دینا دیگر مذاہب کے اصولِ باطلہ کی تردید کرنا وغیرہ اس کے کام ہیں۔ انگریزی میں یہ رسالہ یورپ اور امریکہ میں شائع ہوتا ہے۔ جہاں اس کے مضامین کو بڑے بڑے مسلمان اور طالبانِ حق جو مذہب اسلام کے متعلق ہر قسم کے شکوک وشبہات دُور کرنا چاہتے ہوں۔ وہ اسے ضرور خریدیں۔ اور پڑھیں قیمت انگریزی رسالہ چار روپے (للعہ) اُردو رسالہ دو روپے (عہ) نمونہ کا پرچہ مفت۔

حضرت والد صاحب قبلہ قادیان چندہ مرسل کرتے تو منی آرڈر کی رسید جو انہیں موصول ہوتی پر حضرت مسیح موعود کے دستخط ہوتے منجملہ ان رسیدات دو رسیدوں پر حضرت امام زمانؑ کے دستخط مبارک ہیں اور انہی کی قلم سے ان پر تاریخ وصولی مؤرخہ ۱۰ راگست سنہ ۱۹۰۶ء اور ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۰۷ء درج ہے۔

ابتدائی زمانہ میں احمدیت قبول کرنا ہاتھ میں انگارہ پکڑنا تھا۔ چاروں طرف فتنہ کی آگ بھڑکی ہوئی تھی، لیکن حق میں کچھ ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ ہر تلخی شیرینی بن جاتی ہے۔ اور کوئی مشکل مشکل نظر نہیں آتی۔ ماموراِلٰہی کی موجودگی تقویت قلبی کی موجب تھی۔ کوئی مصیبت پیش آتی تو حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھا جاتا۔ ان کی طرف سے تسلی آمیز جواب آنے پر دلوں کو طمانیت نصیب ہو جاتی ۔ اور کوئی خوف یا غم باقی نہ رہتا تھا۔ اس دور کے چند واقعات خطوط کی روشنی میں پیش ہیں۔ قارئین کے لئے از دیاد ایمان کا موجب ہوگا۔ ایک دفعہ قبلہ والد صاحب نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں تحریری گزارش کی جس کا متن مندرجہ ذیل ہے۔

نحمدہٗ و نصلی ۔ اما بعد بخدمت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ایک شخص رحمت اللہ نامی جس نے مجھے سخت تنگ کیا ہوا ہے فقط مذہبی ضد پر مقدمہ پر مقدمہ اٹھاتا ہے اوسکی امداد میں گرد و نواح کے لوگ تیار رہتے ہیں اور بعضے لوگ ہمارے گاؤں کے بھی اوسکے معاون ہیں میری طرف سے کوئی زیادتی ان پر نہیں ہے۔ فقط میرا یہی گناہ ہے کہ امام وقت کو میں نے کیوں شناخت کیا ہے، میں کئی بار حضرت کو اس بارہ میں عرض کر چکا ہوں مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ حضرت کو توجہ تام ہوئی ہو ورنہ میرا ایمان ہے کہ حضرت کے اٹھائے ہوئے ہاتھ خالی نہیں رہتے۔ جب عرض لکھتا ہوں تو اسکے بعد امیدوار رہتا ہوں کہ حضرت توجہ سے دعا فرماویں گے۔ والسلام،

۴ ر کاٹکٹ ارسال ہے۔ ۱۹۰۷ء - ۷ - ۲۳

حضرت مسیح موعودؑ نے جواباً رقم فرمایا کہ :۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ :۔ جواب بھیجدیں کہ دعا کی گئی ہے۔ قبولیت وقت پر موقوف ہے۔ ۴ ر کے ٹکٹ پہنچ گئے ہیں۔ (مرزا غلام احمد)

برادرم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا محبت نامہ حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے چند حروف لکھے ہیں۔ اس واسطے اصل خط ارسال خدمت ہے

خادم محمد صادق عفی اللہ عنہ

۱۹۰۷/۷/۲۳ قادیان

اسی قسم کے ایک درخط کے جواب میں قادیان سے ایک مکتوب حضرت والد صاحب مرحوم کو موصول ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

برادرم مکرم مولوی محمد یحییٰ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ کا خط حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت نے آپ کے واسطے دعا کی۔ آپ دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے دعا میں مصروف رہیں اور احتیاط اور صبر سے کام لیں۔ خدا تعالےٰ خود بخود سب کو ہلاک کر دے گا۔ جو شخص خود انتقام نہیں لیتا۔ اس کا انتقام خدا لیتا ہے۔ آپ کے علاقہ کے لوگ بہت سخت ہیں اور ایسا ہی آپ کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالےٰ کا فضل آپ کے شامل حال ہو

والسلام۔ خادم محمد صادق عفی اللہ عنہ

۱۹۰۷ء - ۵ - ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔ خط آپ کا اور ٹکٹ ۴ر وصول ہو گئے۔ جزاکم اللہ، حضرت اقدس نے آپ کے لئے دعا کی۔ آپ بھی نمازوں کے اندر اور تہجد میں بہت دعا کریں اور استغفار کثرت سے پڑھیں۔

والسلام ۲۷ر اگست ۱۹۰۳ء قادیان

خاکسار عبدالکریم

ہزارہ کے گاؤں صوابی میرا کے ایک احمدی سیّد فضل شاہ جو نئے نئے سلسلہ میں شامل ہوئے تھے۔ میرے والد صاحب قبلہ سے ایک تعارفی خط لے کر قادیان حضرت صاحب کی زیارت کے لئے گئے۔ ان کی سادگی و ضع قطع اور لباس سے کچھ لوگوں کو مشتبہ شخص معلوم ہوئے۔ اور انہوں نے حضرت صاحب سے ملاقات کے بعد ان کو زیادہ قیام کا جس کے وہ خواہش مند تھے موقع نہ دیا۔ اور قادیان سے انہیں تکریم کے ساتھ کتب وغیرہ دیکر روانہ کر دیا اور ذیل کا خط بذریعہ ڈاک میرے چچا حضرت مولوی محمد یعقوب اور میرے والد صاحب مرحوم کے نام ارسال فرمایا جس کا متن درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ' ونصلی

مخدومی و مکرمی مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد یحییٰ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

سیّد فضل شاہ کی جلد واپسی کی وجہ سے آپ کو کوئی ناراضگی کا باعث نہ ہو۔ آجکل ... کی طرف سے یہ خبریں متواتر ہمارے بعض احباب کے ذریعہ سے سننے میں آ رہی ہیں اور حضرت اقدس کی خدمت میں خطوط بھی اس مضمون کے پہنچے ہیں کہ حضرت اقدس کی جان پر کسی کے ذریعہ حملہ کرا کے کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ اس لئے حضرت اقدس نے یہ الفاظ فرمائے "اس بات کا بھی توامکان ہے کہ خود مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد یحییٰ صاحب کے پاس کوئی شخص دھوکا دہی کے جاوے اور ان کو دھوکا دے کر کوئی سفارشی کاغذان سے حاصل کرے اور یہاں آکر ہم پر وار کرے"۔ غرض مصلحتاً حضرت نے فضل شاہ کو کسی قدر خرچ اور کتابیں دے کر تکریم اور دلجوئی کے ساتھ رخصت فرمایا ہے مخالفوں سے بہت ہی نرم اور دلجوئی کا معاملہ آپ اختیار کریں۔ اور اس میری درخواست کو آپ بہت ہی ملحوظ خاطر رکھیں کہ ان سے نرمی کی جاوے۔ وہ بسبب عدم توفیق لقا کے معذور بھی ہیں اور حق رکھتے ہیں اس بات کا کہ ان سے نرمی کی جاوے۔

راقم احمد اللہ از قادیان۔

⁂

۱۹۰۸ء میں حضرت والد صاحب قادیان میں تھے۔ ایک شخص آپ کا ہم سفر احمد جی نامی تپ نزیر سے بیمار تھا۔ اس کے لئے حضرت صاحب کو دعاؤں کے لئے بار بار درخواست بھیجتے تھے اور اس کی موت سے تھوڑی دیر پہلے بھی حضور کی خدمت میں ایک رقعہ حضرت والد صاحب نے بھیجا۔ جس کی پشت پر حضرت صاحب نے اپنی قلم مبارک سے یہ مختصر تحریر رقم فرمائی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"قضاء و قدر سبھی کے لئے جاری ہے۔
خدا تعالیٰ فضل اور رحم کرے اور اگر
قضاء و قدر پہنچ چکی ہو تو اس کا خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین!
والسلام مرزا غلام احمد

اخبار احمدیہ

درخواست ہائے دعائے صحت'

مکرم خان یوسف خان صاحب خلف الرشید مولانا یعقوب خان صاحب مرحوم کے بھائی کیپٹن عبدالسلام خان کار کے حادثہ میں زخمی ہو کر سی۔ ایم۔ ایچ ہسپتال راولپنڈی میں داخل ہیں۔ بزرگان سلسلہ اور احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ کیپٹن صاحب کی جلد شفایابی کے لئے درد دل سے دعا فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۲) جناب پروفیسر حبیب الرحمان ماڈل ٹاؤن لاہور بھی بیمار ہیں۔ اور دوستوں سے دعائے صحت کی درخواست کرتے ہیں۔

(۳) قارئین پیغام صلح کو معلوم ہے کہ ہمارے محترم بھائی ماسٹر محمد اصغر علی سیال کی اہلیہ محترمہ چند ماہ پیشتر موٹر سائیکل کے حادثہ میں سخت زخمی ہو گئی تھیں۔ یہ حادثہ ۱۰ر نومبر ۷۹ء کو پیش آیا تھا۔ عزیزم افتخار احمد جو موٹر سائیکل چلا رہے تھے بال بال بچ گئے۔ مگر ان کی والدہ ماجدہ کی بائیں پنڈلی کی دونوں ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ سپیشلسٹ ڈاکٹروں کے زیر علاج رہی ہیں۔ دو بار پلستر لگایا گیا۔ اب پلستر تو اتر چکا ہے۔ مگر ٹانگ اکڑ گئی ہے۔ مالش اور ورزش سے فائدہ تو ہے۔ مگر افاقہ کی رفتار بڑی سست ہے۔ جماعتوں کے تہجد خواں احباب و خواتین سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ اپنی نیم شبی دعاؤں میں اپنی اس نیک سیرت اور دیندار بہن کی مکمل صحت یابی کے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا رحم کرے اور ہمارے بھائی محمد اصغر علی سیال صاحب کی پریشانی دور فرمائے۔

اعتذار

مسیح موعود نمبر کے لئے دیر سے موصول ہونے والے مضامین اس خاص نمبر میں شائع نہیں ہو سکے انہیں آئندہ شمارہ میں شائع کیا جائے گا۔

رپورٹ:۔ مرزا محمد لطیف صاحب شاہد

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی کا دورہ پشاور

جماعت احمدیہ پشاور کے سالانہ جلسہ میں شمولیت

خدا کے فضل سے جماعت پشاور، سفید ڈھیری، شیخ محمدی بڑی فعال جماعتیں ہیں ان میں تبلیغ و تعلیم و تربیت کا کام بڑی عمدگی سے ہوتا ہے۔ رابطہ احباب میں ان کے اندر خاصا جذبہ پایا جاتا ہے۔ شبان الاحمدیہ کی تنظیم بڑی مستعد و فعال ہے۔ اس تنظیم کے صدر عزیزم کیپٹن جمیل الرحمٰن خوب کام کرتے ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزا۔

امسال جماعت پشاور معہ ملحقہ جماعتوں نے اپنے جلسے کے لئے ۲/۵ کی تاریخ مقرر کر کے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کی خدمت میں شمولیت کی درخواست کی حضرت ڈاکٹر صاحب خدا کے فضل سے "دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" کا عملاً مجسمہ ہیں۔ باوجود گرمی کے آپ نے ان کی دعوت کو قبول فرمایا۔ آپ نے اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ یہ سفر فرمایا آپ ۱/۵ ۳۰ رات تیز میل پر لاہور سے پشاور کے لئے روانہ ہوئے۔ صبح ۲/۵ اسٹیشن پر محترم چوہدری سعید احمد صاحب پسر محترم چودھری ظہور احمد صاحب مرحوم و مغفور۔ محترم ملک عبدالباری صاحب ایڈووکیٹ اور دوسرے اصحاب تشریف لائے تھے۔ محترم چوہدری سعید احمد صاحب نے اپنی کار پر آپ کو محترم بزرگ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر جماعت پشاور کے دولت کدہ پر "یونیورسٹی ٹاؤن" پہنچایا۔ محترم ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، محترم مرزا مسعود بیگ صاحب نے ان کے ہاں قیام فرمایا۔ آپ نے ان ہرسہ بزرگوں کی آسائش کا ہر طرح سے خیال فرمایا۔ جزاھم اللہ احسن الجزا

ایک ادیب، صاحب قلم، ممتاز سکالرز گھرانے میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ (باوجود اس کے کہ ساری رات حضرت ڈاکٹر صاحب نے سفر میں کاٹی۔ گرمی کا موسم بھی تھا۔ لیکن آپ کوئی لمحہ فارغ نہ رہے۔ اور دینی کام میں مصروف ہو گئے) ہماری جماعت کے اکثر احباب محترم الفت عزیز الصمد صاحب سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ نے نہایت عمدہ تصانیف انگریزی زبان میں مختلف اسلامی مسائل پر تحریر فرماتی ہیں۔ اخبار "لائٹ" میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے میاں محترم عبدالصمد خاں صاحب پروفیسر بھی ایسا ہی ذوق رکھتے ہیں۔ ان کو بھی دینی مسائل پر گہرا عبور ہے۔ ان کی ملاقات کے لئے حضرت ڈاکٹر صاحب محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب و محترم مرزا مسعود بیگ صاحب تشریف لے گئے۔ ان سے کافی دیر تک علمی رنگ میں حضرت ڈاکٹر صاحب اور آپ کے ساتھیوں کا تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ اس ملاقات میں محترم چوہدری سعید احمد صاحب اپنی کار لے کر ان بزرگوں کے ساتھ رہے:

ملک عبدالباری صاحب کی طرف سے عشائیہ کی دعوت:

ہمارے سفید ڈھیری کے بھائی، ان کے نوجوان بچے خدا کے فضل سے دین کا بڑا ہی جذبہ رکھتے ہیں۔ اور جتنا بھی دین کی خدمت کا موقع ملے اس کو ادا کرتے ہوئے تھکتے نہیں۔ بلکہ ان کے چہروں پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی ہے۔ اور دینی کام کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب معہ اپنے ساتھیوں کے مغرب کی نماز سے تھوڑی دیر قبل سفید ڈھیری تشریف لے گئے۔ یہاں کے احباب، نوجوان، اور بچے مل کر بہت خوش ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی باتیں یہ لوگ نہایت غور اور توجہ سے سنتے رہے۔ محترم عبدالباری صاحب کے ہاں مغرب و عشاء کی نمازیں حضرت ڈاکٹر صاحب کی اقتداء میں با جماعت ادا کی گئیں۔ وہیں پر آپ کی خدمت میں یہ عرض کی گئی کہ ہمارے نہایت ہی مخلص اور فدائی دوست محترم سردار علی خاں صاحب کی طبیعت علیل ہے۔ (آپ کی فدائیت کی ایک مثال میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک دن قبل صبح ۸ بجے سے لے کر رات آٹھ بجے تک اپنی سواری پر مختلف دوستوں سے ملاتے رہے۔ سخت گرمی کا موسم تھا جس کی وجہ سے دوسرے دن آپ کی طبیعت خراب ہو گئی) محترم سردار علی صاحب کی عیادت کے لئے عشائیہ سے قبل نواحی ملحقہ بستی ڈوڈہ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ خاں صاحب موصوف بہت کمزور تھے لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب کو اپنے ہاں موجود پا کر گلاب کی طرح کھل گئے اور ان کی خوشی ان کی کمزوری پر غالب آ گئی۔ ان کے بچے عزیزم اختر علی۔ عزیزم گوہر علی تو پہلے ہی ہمارے ہمرکاب تھے۔ ان کے دونوں بھائی احمد علی صاحب اسٹیٹ بنک پشاور اور رحمت علی صاحب ایگریکلچر ڈیپارٹمنٹ تشریف لے آئے۔ ان کا اصرار تو کچھ اور تھا۔ بہر حال ان کی محبت کے جذبہ کو دیکھ کر حضرت ڈاکٹر صاحب نے تھوڑی دیر ان کے ہاں قیام فرمایا۔ ان کو بعض طبی ہدایات دیں۔ ان کے بھائیوں و بچوں سے دینی باتیں بیان فرمائیں۔ انھوں نے ٹھنڈے مشروب سے تواضع کی۔ ان کو تشنہ چھوڑ کر آپ دوبارہ محترم عبدالباری و محترم عبدالولی صاحبان کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔ محترم عبدالباری صاحب ایڈووکیٹ نے نہایت پُر تکلف عشائیہ ترتیب دیا ہوا تھا۔ جس میں سب دوست شریک ہوئے۔ اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے شیریں کلمات سے محظوظ ہوتے رہے۔ اور یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا:

جلسہ سالانہ:۔ بمقام مسجد احمدیہ کوچہ گل بادشاہ پشاور

مورخہ ۲/۵ صبح نو بجے محترم جناب ڈاکٹر عبدالعزیز خاں صاحب کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا۔ تلاوت قرآن کریم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبلغ نے فرمائی۔ عزیزم عبداللہ جان ابن محترم عبدالصمد خاں نے حضرت مسیح موعود کے ملفوظات سنا کر ہمارے قلب و روح کو روحانی غذا بہم پہنچائی اور یہ ملفوظات اتنے برمحل تھے کہ سب سامعین نے ان سے خاص اثر لیا۔

پہلی تقریر:۔ محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے قرآنی آیات یریدون لیطفوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا۔ آپ نے ان آیات سے ثابت فرمایا کہ ان میں موجودہ زمانے کے

امام حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کا کام بیان فرمایا ہے۔ ہم میں سے اکثر کو احمدیت اپنے آبا و اجداد کے ذریعہ سے ملی ہے۔ ہم نے ان کو دیکھا کہ وہ کتنے پارسا تھے اور آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح حضرت مجدد زماں کے لائے ہوئے علم الکلام کی وجہ سے اسلام غالب آ رہا ہے۔ تیر و تفنگ سے کوئی دین غالب ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد، عیسائیت کے فروغ کے لئے کلیسا کی مختصر تاریخ جو وہ اپنے دین کے پھیلانے کیلئے ملک ہند میں کر رہے تھے اس کو بیان فرمایا کہ عیسائیوں نے کس طرح مختلف ادارے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لئے قائم کئے تھے۔ اور پھر ان کی کوششوں سے مسلمان کس طرح اسلام سے ارتداد اختیار کر کے اس میں شمولیت اختیار کر رہے تھے۔ آخر رحمت خداوندی جوش میں آئی۔ حضرت مسیح موعود نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوٰی فرمایا۔ آپ نے تشریف لا کر ان باطل نظریات کو پاش پاش کیا۔

اسوقت مسلمانوں میں سے کوئی عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے نہیں نکلتا تھا۔ آپ کی تشریف آوری اور قوت قدسی کا یہ نتیجہ نکلا کہ عیسائیوں کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ احمدیوں کے ساتھ گفتگو نہ کی جائے۔

اب پھر ایک اور رنگ میں اسلام پر حملہ کیا جا رہا ہے جس کو سرخ بادل کا نام دیا جاتا ہے۔ جس کی مرکزی بنیاد اس بات پر ہے کہ خدا کوئی نہیں ہے۔ ان کا مقابلہ بھی اب دلائل کے ساتھ آپ ہی نے کرنا ہے۔ آخر میں آپ نے افراد جماعت کو نہایت قیمتی ہدایات سے نوازا کہ ہم کو کس طرح اپنے اندر وحدت، اخوت اور بھائی چارہ کو پیدا کرنا چاہیئے اور بعض افراد میں جو بے جا نکتہ چینی کی عادت پیدا ہو گئی ہے اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ اور نوجوان بچوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کو احمدیت کی حقیقی تعلیم اور جو قربانیاں احمدیت کی خاطر اس علاقہ کے لوگوں نے دی ہیں اُن سے روشناس کرانا ضروری ہے۔

عزیزم عنایت الرحمٰن صاحب آف شیخ محمدی نے حضرت مسیح موعود کے منظوم کلام میں مشہور نظم :- ؎

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا + نام اسکا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

نہایت دلنشیں انداز میں سنا کر حاضرین کے دلوں کو موہ لیا۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب مدظلہ کی دلپذیر تقریر

آپ نے تشہد و تعوذ کے بعد سورۃ حج کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی :-

فکاین من قریۃ اھلکنٰھا وھی ظالمۃ فھی خاویۃ علٰی عروشھا وبئر معطلۃ وقصر مشید افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او اٰذان یسمعون بھا فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ○ ویستعجلونک بالعذاب ولن یخلف اللہ وعدہٗ وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون (۲۲ : ۴۷) آپ نے اس سوز سے ان آیات کی تلاوت فرمائی کہ لوگوں کے دل پگھل گئے۔ فرمایا کل رات ایک دوست نے اپنے کسی ملنے والے کا سوال بیان کیا۔ کہ چاروں طرف سے ہم پر پریشانیاں مسلط ہیں کیا یہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں یا عذاب الٰہی ہے۔ فرمایا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ سوال موجودہ حالات میں لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔ کہ یہ پریشانیاں اعمال کا نتیجہ ہیں یا عذاب ہے۔ فرمایا۔ عذاب اور اعمال کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر نہایت وضاحت سے ان پر روشنی ڈالی ہے کہ عذاب کب آتا ہے۔ ان کے کیا کیا اسباب ہوتے ہیں؟ ایک قسم کا عذاب اس لئے آتا ہے

تا لوگوں کے دلوں میں نرمی پیدا ہو۔ مقصد اصلاح ہوتا ہے۔ فرمایا:- اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یضرعون (۷ : ۹۴) یہ ایسا عذاب ہے کہ جس سے انسان کو جھنجھوڑا جاتا ہے۔ سختی اس واسطے کی جاتی ہے کہ ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہو۔ باس کا لفظ جنگ پر بھی بولا جاتا ہے۔ ضراء دکھ دینے والی چیزوں پر بولا جاتا ہے "تاکہ اُن کے اندر عاجزی پیدا ہو"۔ ولنذیقنھم من العذاب الادنٰی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون"۔ اس طرح قریب کا عذاب بڑے عذاب سے پہلے آتا ہے تاکہ جو راہ ان سے گم ہو گئی ہے اس کی طرف لوٹ آئیں۔ اگر وہ ان عذابوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو پھر عذاب اکبر ان کی بربادی کے لئے نازل ہوتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا "فکاین من قریۃ اھلکنٰھا" ان کو ختم کر دیا۔ کیوں ختم کیا۔ اس لئے کہ وہ ظالم تھیں بڑے بڑے محلات جن کو مضبوط بنایا جاتا ہے۔ کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے کیلئے کنوئیں بنائے جاتے ہیں۔ ان کے ظالم ہونے کی وجہ سے جب ان پر عذاب آتا ہے محلات مٹی کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔ کنوئیں جن سے لوگ پیاس بجھاتے ہیں اجاڑ ہو گئے یہ نقشہ مکمل تباہی کا قرآن مجید نے مختلف مقامات پر تفصیل سے کھینچا ہے اور کثرت سے دُہرایا ہے۔ تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔ عاجزی پیدا ہو۔ لیکن یہ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے خدا تعالےٰ نے ہمارا عضاء دیکھنے، سُننے، سوچنے فکر کرنے کے لئے دیئے ہیں ان سے کام نہیں لیتے۔ اور عبرت کے لئے جو نشانات اللہ تعالےٰ نے بار بار بیان فرمائے ہیں ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اسی طرح جب قوم عیاشیوں میں غرق ہو جاتی ہے ان پر خدا کا عذاب آ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وما کان ربک لیھلک القرٰی بظلم واھلھا مصلحون (۱۱ : ۱۱۷) زمین پر تباہی فساد پھیلانے کی وجہ سے آتی ہے۔ ظالم لوگ آسائش دنیوی کے پیچھے پڑ کر ظلم میں یہاں تک ترقی کرتے ہیں کہ آخر جرم کی سزا کی نوبت آ جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے مختلف قرآنی آیات پڑھ کر بتایا کہ عذاب آنے کے کیا کیا اسباب ہوا کرتے ہیں۔ خدا اور رسولؐ کے احکام سے انحراف کرنے پر بھی عذاب آتا ہے۔ اور قرآن مجید نے عذاب کے مضمون کو مختلف انداز میں کثرت سے بیان فرمایا ہے۔ تاکہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔

آخر میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے نہایت الحاح سے فرمایا:-

"موجودہ حالات جو ہمارے ہیں، ہمارے گرد و پیش میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، کہ ہر قسم کے مفاسد دنیا میں موجود ہیں۔ اسی طرح ایک لادینی طاقت سے جو خطرات ہمارے لئے پیدا ہو رہے ہیں وہ بھی ہمارے لئے باعث تشویش ہیں اس واسطے ہم پر لازم ہے کہ اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنی اصلاح پر پوری توجہ دیں جیسا حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا:- ؎

سونے والو جلد جاگو یہ نہ وقت خواب ہے۔

حضرت صاحب تو ایک دنیا کو یہ انذار فرما کر ۱۹۰۸ء میں اللہ کے حضور حاضر ہو گئے آپ کی وفات کے بعد دو عالمگیر جنگیں ہوئیں۔ آج بھی ان جنگوں کی تباہی و بربادی کا پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

گذشتہ سالوں میں جو مختلف ممالک میں انقلاب آئے۔ ان کا ذکر فرمایا اور فرمایا موجودہ حالات سے بھی ہر فرد باخبر ہے۔ ہر قلب پریشان ہے۔ اور ایسا نظر آ رہا ہے کہ یہ بادل مہیب صورت اختیار کر گئے ہیں۔ ہم میں سے کسی کو بھی ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ سے خاص دعائیں کرنی چاہیئں۔ اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنی چاہیئے۔ آپ نے نہایت ہی رقت آمیز کیفیت، جو بنی نوع انسان کے محبت و بہتری کے جذبہ سے پُر تھی، فرمایا۔ انسانی فطرت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیزوں کو رخصت کرتا ہے۔ اور طرح

طرح کی مصیبتوں کے حالات سنتا اور پڑھتا ہے اور یہ روزمرہ اس کے سامنے ہوتا ہے لیکن اپنے آپ کو بھولے رکھتا ہے۔ اور یہ نہیں سوچتا کہ یہ سب کچھ اس پر بھی وارد ہو سکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت صاحب کا ایک الہام ہے "دنیا میں ایک نذیر آیا۔۔۔ ۔۔۔۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی آواز پر کما حقہ لبیک کہیں۔ انشاء اللہ وہ اسلام جو تمام دنیا کی ہدایت کے لئے آیا اس کی قبولیت بڑی تیزی سے دنیا میں پھیل رہی ہے۔ ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیئے۔ ہم کو مامور کے ساتھ وابستہ ہونے کی جو سعادت نصیب ہوئی ہے اس امتیاز کو قائم رکھنا چاہیئے۔ ہر دم اپنی اصلاح کی نگرانی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہم سب پر اپنا فضل و رحم نازل فرمائے۔ اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب نہایت انہماک اور توجہ سے حاضرین نے سنا اور خاص اثر لیا۔ اللھم بارک فی عمرہٖ وصحتہٖ وانزل الیہ برکاتک من السماء آمین

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے اپنی تقریر میں اس امر کو ذہن نشین کرنے کی تلقین فرمائی کہ ہم لوگ ایک مجدد اعظم کو مانتے ہیں۔ مجددوں کا ماننا تیرہ سو سال سے ایک مسلمہ امر آ رہا ہے۔ حتیٰ کہ بعض مجددین کے نام کے ساتھ مجدد کا لفظ ان کے نام کا حصہ ہو گیا ہے جیسے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ حضرت مسیح موعودؑ اس صدی میں مجدد ہو کر تشریف لائے آپ نے ایک عظیم الشان کتاب صداقتِ اسلام، حقانیت قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر تحریر فرمائی۔ اور وہ ایسی لاجواب اور عظیم الشان کتاب ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس پر ریویو کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا۔

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے، جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا۔ اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے۔۔۔۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑہ بھی اٹھایا ہو۔ (اشاعۃ السنۃ)

اس زمانہ میں ایسے لوگ کثرت سے پیدا ہو گئے تھے جو الہام کے وجود سے علی الاعلان انکار کرتے تھے آپ نے اپنے الہامات کو ان کے سامنے پیش کیا غیر مسلموں کو گواہ ٹھہرایا۔ اور جب ایسے الہامات غیر معمولی حالات میں پورے ہوئے تو ان کو الہام کی صداقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ مسلمان ایک سخت غلطی میں علی العموم مبتلا تھے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ آپ نے زبردست دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ان کا فوت ہونا ثابت فرمایا۔ اور دوسری طرف عیسائیت کے حملہ کی وجہ سے مسلمانوں پر جو مایوسی طاری ہو گئی تھی اس کو دور فرمایا آپ نے ابتدا میں فتح اسلام تصنیف فرمائی اور مسلمانوں کو بشارت دی:۔

"سچائی کی فتح ہو گی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا۔ جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے۔ اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔"

جیسا کہ حضرت مسیح کی آمد سے قبل لوگ ظاہر پرستی۔ توہم پرستی اور گمراہی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ ظاہرا الفاظ پر جمے ہونے کی وجہ سے وہ الیاس الیاس پکارتے رہے۔ اور حقیقت ان سے مفقود ہو گئی۔ جب حقیقت سے انسان دور ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت یہ سوچنے لگ جاتا ہے۔ کہ بادشاہت مل جائے۔ کھوئی ہوئی سلطنت مل جاوے۔ لیکن حضرت مسیح نے فرمایا کہ اپنے کپڑے بیچ کر میرے پیچھے لگ جاؤ۔ اپنے نفسوں کو پاک کرو۔ اگر باطن پاک نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ یہ ساری باتیں ان کی امیدوں کے برعکس تھیں۔ جس کی وجہ سے انھوں نے آپ کی شدید مخالفت کی لوگ یہ چاہتے ہیں کہ سیاست ملے۔ آغاز ہی سے تاریخ میں افراط و تفریط کا دور رہا ہے۔ کمزور وں کے حقوق دبائے جاتے ہیں۔ غلو بھی آ جاتا ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود اسلام کو قائم کرنے کیلئے تشریف لائے۔ ایک گروہ ماننے والا ایسا پیدا ہو گیا۔ جس نے افراط کیا کہ آپ تو حضرت محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام پیدا کرنے آئے تھے۔ آپ کے حق میں غلو کیا۔ فرمایا: ابتلا آتے ہیں اصطفار کے لئے۔ یعنی ہمیں بہتر کرنے کے لئے۔

اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے! اپنے آپ کو بدلنا چاہیئے۔ جماعت بندی کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔ آپ نے تربیتی کلاس میں شمولیت کی طرف توجہ دلائی۔ آپ نے نصیحت فرمائی کہ اپنے افعال میں توازن پیدا کرو۔ افراد کو مضبوط کریں۔ یہ سلسلہ لازم و ملزوم ہے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر اخلاق فاضلہ پیدا کریں۔ یہ دور مادیت کا ہے۔ لوگ حقیقت کو چھوڑ کر سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اطمینان قلب، اسلام کے علاوہ ہر جگہ مفقود ہے۔ یہ نعمت آپ کے پاس ہے۔ اس کو اپنے اندر جذب کرو۔ اس کو پھیلاؤ۔ یہ آسمانی دولت ہے۔ اس کو محفوظ رکھو۔ اس کو ضائع نہ ہونے دو۔ آپ نے اپنے اندر اتفاق و امن و مکمل یکجہتی پیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔

محترم مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔ اے۔

اس نشست کے آخری مقرر محترم مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔ اے تھے۔ آپ نے قرآن مجید کی آیت یا ایھا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقانا۔ آپ نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ کہ اس جلسہ میں دوسرے مقامات کے برعکس نوجوانوں کی کثرت ہے فرمایا، انسانی ذہن بھی عجائبات کا مجموعہ ہے۔ انسان کبھی تنہا نہیں رہ سکتا۔ انسان رفاقت کا محتاج ہے۔ وہ بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک رفاقت پرانی یادوں کو دہرانا ہے۔ اس ذریعہ سے بھی انسان ان کی رفاقت حاصل کر لیتا ہے۔ آج میں آپ نوجوانوں کو پشاور کا ماضی بتانا چاہتا ہوں۔ میں آج تیسری نسل سے مخاطب ہو رہا ہوں میرا تعلق اس شہر سے ۱۹۲۰ء سے ہے۔ جس زمانہ میں لوگ ہجرت کر کے کابل جا رہے تھے۔ حضرت مولانا غلام حسن صاحب۔ محترم بھائی دلاور خاں صاحب۔ محترم شیخ مفضل کریم صاحب۔ محترم مرزا سلطان محمد صاحب، محترم پیر مدثر شاہ صاحب۔ محترم لال شاہ صاحب برق۔ محترم ڈاکٹر نظام الدین صاحب۔ محترم ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب۔ محترم مرزا صفدر علی صاحب۔ محترم غلام ہمدانی صاحب محترم صاحبزادہ سیف الرحمٰن صاحب۔ محترم مرزا اسماعیل صاحب۔ جو کہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب کے استاد تھے۔ محترم حضرت مولوی احمد صاحب، محترم شیخ عزیز احمد صاحب۔ محترم مولوی محمد یامین صاحب آف دانہ ضلع ہزارہ، محترم نور احمد صاحب آف ایبٹ آباد والے۔ محترم ملک کندن خاں صاحب۔ آپ نے ان بزرگوں کی خوبیاں اس رنگ میں تیسری نسل کے سامنے بیان کیں۔ ایک تو موضوع ایسا۔ اور ایک اس کو بیان کرنے والا محترم مرزا مسعود بیگ! کوئی آنکھ نہ تھی۔ جو ان بزرگوں کے کارناموں، سیرت، اخلاق فاضلہ، رواداری، محبت، حسنِ سلوک کے تذکرہ کو سن کر پرنم نہ ہو۔ موضوع بڑا ہی دلچسپ تھا۔ ان کی صداقت۔ وفاشعاری تقوٰی۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنا۔ ان کے نمونہ۔ خلوص کو بیان فرما کر نوجوانوں کو تلقین کی کہ آج آپ کو کوشش کرنی چاہیئے کہ ان جیسا بنیں۔ جب کوئی شخص اس وقت ان حضرات کے قریب جاتا تھا تو اس کو ان کی کرنٹ محسوس ہوتی تھی۔ ان کی گواہی پر جج فیصلہ دے دیا کرتے تھے۔ کہ احمدی ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ وہ لوگ چلتے پھرتے پہچانے جاتے تھے۔ وہ بڑے ہی راست باز تھے۔ آپ نے نوجوانوں کو بڑی قیمتی نصیحتیں فرمائیں۔ خطبہ جمعہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے پڑھایا۔ دوسرے اجلاس اور بقیہ دن کی کارگزاری دوسرے الیوشن میں ملاحظہ فرمائیں۔

از محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ لندن

"وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت"

موعود مسیحا تو آکر جا چکا، اور اب اس کی چودھویں صدی بھی اپنے آخر پر ہے بس یوں سمجھئے کہ:

تن مریض میں دم کا شمار باقی ہے۔

حساب کا پھیر ہے کہ کوئی دن کوئی راتیں باقی ہیں۔ پھر انشاء اللہ ہجری ۱۴۰۱ء آجائے گی۔ اللہ تعالےٰ اس نئی صدی کو دین و دنیا کے لئے مبارک و بابرکت بنائے اور یہ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے سلامتی اور امن و امان کا پیغام لے کر آئے۔ آمین! فی الحال تو سب کچھ مستقبل کے پردے میں نہاں ہے۔

۲۶ مئی کو مجدد و مسیح موعود اور مہدی زماں حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برسی پھر آرہی ہے۔ آپ کا زمانہ چودھویں صدی کے شروع کا تھا۔ اور آپ کی وفات کے دن ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء اور آج ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء کے درمیان بہتّر سال کا طویل زمانہ گزر گیا ہے۔ پھر بھی آج کے دن بہت سے دلوں میں ان کی یاد دوبارہ تازہ ہو جائے گی۔ گزشتہ ایام تو پیچھے کی طرف نہیں دوڑ سکتی۔ لیکن انسان کا تصور ضرور وہی نقشہ پیش کر سکتا ہے۔

آپ کے آنے سے پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی سلطنت دم توڑ چکی تھی۔ تنزل کے ساتھ قوم کے گلے میں طوقِ غلامی پڑ چکا تھا۔ دنیا تو خیر ہاتھ سے جا چکی تھی دین بھی اندرونی اور بیرونی دونوں طرف سے سخت خطرے میں تھا۔ علمائے دین اپنے علم و عمل کو بالکل غلط استعمال کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب سے واقف رکھنا اور اسلام کی حفاظت و اشاعت تو دور رہی الٹا ایک دوسرے کو کافر بنا کر اپنے ہی گلے کاٹنے میں مصروف تھے۔ اور اپنے عظیم الشان پیغمبر، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سراسر بھول گئے تھے کہ ایک مسلمان کے لئے تو لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ پر ایمان کافی ہے۔ ادھر تو یہ افراتفری تھی۔ اور ادھر باہر سے عیسائیت اپنے پورے جاہ و جلال۔ بادشاہت، امارت، دولت کو جلو میں لئے اس مریض مسلمان قوم پر حملہ آور ہوئی۔ رقابت تو پرانی تھی۔ کیونکہ عیسائیت کے مقابلے میں صرف اسلام کی توحید ہی ان کے تثلیث کے عقیدے کو توڑتی تھی۔ ستم پر ستم یہ کہ خود علمائے اسلام نے ایک بہت تیز اور کامیاب ہتھیار ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ کہ چودھویں صدی میں جب عیسائیت اپنے پورے عروج پر آئے گی تو اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت اللہ کا کوئی مامور نہیں کرے گا۔ جیسا کہ گزشتہ تیرہ صدیوں سے ہوتا آیا تھا۔ بلکہ باہر سے عیسائیوں کا نہ صرف ایک پیغمبر بلکہ ان کا بنایا ہوا خدا جو آسمان پر زندہ بیٹھا تھا دنیا میں آکر اسلام کی ڈوبتی کشتی کو بچائے گا۔ اس غلط عقیدے نے تو بالکل ہی قوم کو نکما بنا دیا۔ قوم کی ذلت۔ مسلمانوں کی ذہنیت اور اسلام کی حالتِ زار پر زمین و آسمان، ملائک و کارکنانِ قدرت دم بخود تھے۔ رحمت و نصرت ایزدی منتظر تھی۔ کہ کب حکم ہوتا ہے۔ وقت بھی آگیا تھا اور یہ:

"وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت"

اگر اس وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب دعوٰے مجددیت، دعوائے مسیح موعود و مہدی موعود لے کر نہ اٹھتے تو نہ صرف اسلام خطرے میں تھا بلکہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بہت سی پیشگوئیاں اور چودھویں صدی کے متعلق بے شمار حدیثیں تشنۂ تکمیل ہوتیں۔

بیمار قوم اور مظلوم اسلام کو اسی مسیحا کی ضرورت تھی جو اوّل اس کو زندہ کرے اور پھر باہر کے حملوں سے بچائے۔ ــــ ــــ ــــ ــــ

جب خدا کی طرف سے اس کا کوئی مامور آتا ہے۔ تو جہاں اس کی مخالفت زور و شور سے ہوتی ہے۔ وہاں اللہ کی طرف سے ایک عجیب رحمت و نصرت بھری ہوا اس کی موافقت میں چلتی ہے۔ حضرت مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمدؒ صاحب کی مماثلت تو حضرت مسیح علیہ السلام سے تھی۔ حضرت مسیح علیہ السّلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اس کے ایک گروہ نے تو مخالفت کی وہ حد کی کہ ان کو صلیب پر چڑھا کر دم لیا خدا نے ان کو بچا لیا وہ اور بات ہے۔ دوسری طرف ان کے حواری اور مرید محبت میں ایسے بہہ گئے کہ ان کو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا بنا دیا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کی مخالفت بھی شدّت سے ہوئی۔ اور اب تک ہو رہی ہے۔ لیکن یہاں حضرت مسیح سے علیحدہ ایک نمایاں خصوصیت اور حفاظتِ ایزدی جو اس صدی کے مسیحا کو نصیب ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ حضرت مرزا صاحب ایک نہ مٹنے والے مذہب اسلام کی گود سے اٹھے اور دنیا کے کامل انسان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ خاتم النبیین و رحمۃ للعالمین کا دامن پکڑ کر آئے۔ یہ دونوں خوبیاں پشت پناہ بن کر نہ صرف ان کو بچا گئیں بلکہ کامیاب اور بامراد بنا گئیں۔ ــــ ــــ ــــ چنانچہ حضرت مرزا صاحبؒ نے خود فرمایا ہے کہ:

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے۔
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ حضور کی غلامی۔ نبوّت۔ بادشاہت۔ حکومت، امارت سب سے بڑھ کر رتبہ رکھتی ہے۔ اور پھر اللہ نے بھی کیا ساتھ دیا اس احمد کے غلام کا کہ اس وقت کے چوٹی کے عالم و ناصح۔ عاقل و دانا انسان جذبۂ قربانی و ایثار لے کر آپ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ عالم بے بدل۔ اپنے سب علم و فضل کی دولت لے کر آپ کے حضور میں آ بیٹھے۔ مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھول گئے اپنی ڈگریاں اور ساز و سامان زندگی آپ کے سائے میں پہنچے اور دین کے ہو گئے۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وکالت اور امارت سب آپ کی رفاقت کی نذر کر دی۔ حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ مانے ہوئے عالم دین مسیحا کے دامن کو پکڑ بیٹھے۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کی قرآن خوانی و خوش الحانی مسیحِ زماںؑ

کلام الامام

عجب نوریست در جانِ محمدؐ + عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف + کہ گردد از محبانِ محمدؐ
عجب دارم دل آں ناکساں را + کہ رو تابند از خوانِ محمدؐ

کی مسجد میں گونجنے لگی۔ حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب، حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب، حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب، حضرت سید اسد اللہ شاہ صاحب، حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، حضرت حکیم محمد یحییٰ صاحب، حضرت ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور بے شمار اس دور کے نوجوان جو عقلِ سلیم اور زیورِ تعلیم سے آراستہ تھے مگر اسلام کی بگڑی ہوئی حالت پر سوگوار تھے۔ اس کے اصل حسن اور نور کو ڈھونڈتے قادیان پہنچے اور آپ کے جانثاروں میں شامل ہو گئے۔ "یادِ رفتگاں" کے اوراق پلٹیئے تو آپ کو چودھویں صدی کا مجدد بدرِ کامل اور چوطرفہ یہ بزرگ ستاروں کی طرح جگ مگ جگ مگ کرتے نظر آئیں گے۔ میں اسی لئے بار بار ان بزرگوں کے نام اپنی نئی نسل کو یاد دلاتی ہوں کہ یہی وہ نام اور ہستیاں ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے مسیحا کا ساتھ دیا بلکہ اس کے بعد اس کے مقصد و مشن کو زندہ رکھا ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ

ــ ــ ــ نہ وہ حضرت مولانا دیارکٹی صاحب جیسا مفکر و محقق پیدا کر سکے۔ یہی دو چار نہیں بلکہ بے شمار دوسرے روشن ضمیر، صاحبِ صلاحیت، توازن پسند بزرگ رواں دواں اس افراط کے طوفان سے نکلے اور خیر الامور اوسطہا کی حکمت کو سمجھتے ہوئے درمیان کے صراطِ مستقیم پر آ گئے۔ افراط اور تفریط دونوں ایک محور پہ آ کر مل جاتے ہیں۔ اور یکساں نقصان رساں بن جاتے ہیں۔

دنیا میں نکلو۔ چلو۔ پھرو۔ تو اس کا عملی ثبوت ملتا ہے۔ ہر جگہ احمدیہ جماعت لاہور کا صحیح عقیدہ ان کے انگریزی اور اردو ترجمہ و تفسیر قرآن۔ مذہبی کتابیں۔ ان کا اسلامی لٹریچر مقبول و مطلوب ہیں۔ کرتے دوسرے بھی ہیں۔ مگر نہ کسی کو ان کی طرف کشش ہوتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی فیض پاتا نظر آتا ہے۔ مادیت سے تھکی ہوئی دنیا۔ ایک خدا۔ سیدھے سادے مذہب اور راست عقیدے کو چاہتی ہے۔ مخالفوں کی تنگ نظری اور زبردست لاٹھی غلو کرنے والوں کا ٹیڑھا اور الجھا ہوا مسلک نہ تو کسی کو سمجھ آتا ہے۔ اور نہ ہی قائل کرتا ہے۔

تو یہ ایک صدی اور اس کا سال ہا سال کا تجربہ اور شمار ہے۔ جو بتا رہا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کا چھوڑا ہوا ورثہ اور اعجازِ مسیحائی صرف جماعت لاہور کے پاس ہے۔ کیونکہ اس خوش قسمت گروہ نے مسیح موعود علیہ السلام کی صحیح حقیقت اور مقام کو پہچانا اور نہ اس کو گھٹایا نہ بڑھایا۔ ان کے مشن اور مقصد کو اپنا کر ان کے کام اور نام کو زندہ رکھا۔ قلیل یا کثیر۔ امیر یا غریب ہونا اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا افراط و تفریط سے پاک عقیدہ۔ خدمت قرآن و اسلام کی تڑپ۔ قربانی کی توفیق ہی وہ اصل جوہر ہیں۔ جن کی تلاش میں اللہ کی نصرت و رحمت رہتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اپنے نیک کام اور اس دھن میں لگے رہیئے۔ مشرق مخالف ہے تو مغرب میں آ جیئے۔ مغربی دنیا کو اسلام کی راہِ نجات دکھایئے۔ اپنے صحیح عقیدے سے ان کو آگاہ کیجیئے۔ ان کے وسوسوں کو دور کیجیئے تو صدی اور وقت کی قید و بند سے آزاد آپ کا مشن قائم رہے گا اور دوری پر چمکتے ہوئے ستارے کی طرح اس گزری صدی میں اس کے مسیحا کی لائی ہوئی روشنی، رہروانِ منزل کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ وباللہ التوفیق۔

مرتبہ: مولوی شفقت رسول خان صاحب

خداتعالیٰ تمام مخلوقات کا محسن ہے کیونکہ وہی خالق ہے۔

تقویٰ ہی خدا کی خوشنودی کا باعث ہے۔

قرآن پاک پڑھو کیونکہ یہی ایک راہنما کتاب ہے

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۵ فرمودہ حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

بمقام جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

الم ○ ذالک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین ○ یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ○ تلاوت کے بعد فرمایا کہ خدا نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ ہمیں پیدا کیا ہے اور ہم سے پہلے لوگوں کا خالق بھی وہی ہے۔ اور ہماری رہنمائی اور ہدایت کے لئے قرآن پاک جیسی عظیم الشان کتاب نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ کتاب ہر قسم کی کجی سے اور ریب و شک سے پاک ہے اور اس سے تقویٰ شعار لوگ ہی ہدایت و رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے لئے ایک سیدھا راستہ حاصل کر سکتے ہیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی تقویٰ کی تفصیل چاہنے پر فرمایا کہ تقویٰ یہ ہے کہ تمہیں یہ یقین ہو کہ ہم خدا کو دیکھ رہے ہیں اور کم از کم یہ مقام ہو کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یہ تصور یقیناً انسان کو اعمالِ حسنہ کی طرف کھینچتا ہے اس لئے میں اصحاب سے کہوں گا کہ وہ خدا سے ڈر کر زندگی بسر کریں۔ وہ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، دکان میں ہوں یا بازار میں۔ کارخانہ دار ہوں یا معمولی کارکن خدا سے ڈر کر اور اس یقین سے زندگی بسر کریں۔ کہ خدا ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ "تقویٰ دل سے تعلق رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ التقوی ھھنا کہ تقویٰ کا مقام دل ہے۔ اس لئے دل میں خدا خوف رکھ کر زندگی بسر کرو۔ اس سے تمہارے دل و دماغ میں ایک روشنی اور تمہارے اعضاء و جوارح میں نور پیدا ہوگا۔ جس سے تم خدا کے مقبول بن جاؤ گے۔ تقویٰ حاصل کرنے کے لئے رہنمائی کی ضرورت ہے اور اس کے لئے خداتعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم موجود ہے۔ اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بناؤ۔ یہ کتاب تمہاری ہر رنگ میں پیشوائی اور رہنمائی کرے گی۔ اور تمہارے اعمال و کردار کے لئے صحیح لائحہ عمل قرآن اور صرف قرآن پاک سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اس لئے میں بار بار اس بات کی تاکید کرتا ہوں کہ ہر مرد و عورت قرآن پاک پڑھے اور اس کے معانی اور مطالب کو سمجھے۔ بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دو اور انہیں قرآن پاک سکھاؤ۔ کیونکہ یہی وہ نور ہے جو ہماری عملی تاریکیوں کو دور کر سکتا ہے۔ اگر ہم قرآن پاک کو لائحہ عمل بنائیں گے تو خدا جس کے احسانات کا شمار انسان کے بس کی بات نہیں خوش ہوگا اور یہی اس کی رضامندی ہے۔ ہماری عبادت کا حقدار صرف خدائے واحد و یکتا ہی ہے کیونکہ وہی خالق و مالک ہے۔ اور یہ تمام کائنات اس نے ہمارے لئے قائم کی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہزاروں درود و سلام کہ انہوں نے ہمیں توحید حقیقی کا سرچشمہ دیا۔ اور مخلوقات کی پوجا سے بچایا خبردار خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کہ یہ بہت بڑا اور بنیادی گناہ ہے جو انسان سے خدا کے تعلق کو توڑ دیتا ہے۔ اس لئے خدائے واحد ہی کی عبادت کرو اور اس سے ڈر کر زندگی بسر کرو۔ اور قرآن پڑھو۔ قرآن پڑھو۔ خدا ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دین دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلا دے
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہرچند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

شیخ نثار احمد صاحب، سیالکوٹ

صراطِ مستقیم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مشن

سُورۃ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم کی دُعا کے بعد نمونہ کی طرف بھی متوجہ کیا ہے۔ کہ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام واکرام کئے۔ حضرت امام زماں کی بعثت کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگ راہ راست پر قائم ہو جائیں جو کہ خدا پرستی کی راہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک اُس برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لئے انسان کے دِل میں ایک کشش ہے اور اس کی تلاش کا اثر اسی وقت سے محسوس ہونے لگتا ہے۔ جب بچّہ دنیا میں آتا ہے۔ اور روحانی خاصیت جو وہ دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جُھکا جاتا ہے پھر جیسے جیسے حواس اس کے کھلتے ہیں یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے۔ اور وہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا۔ اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اسکے آگے نعمتوں کا ڈھیر ڈال دیا جائے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے۔ وہ کشش محبّت جو اس کو اپنی ماں کی طرف ہوتی ہے وہ درحقیقت وُہی کشش ہے جو معبود حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسانی تعلق، محبت پیدا کرتا ہے۔ درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے۔ درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے۔ گویا دوسری چیزوں کو اٹھا اٹھا کر ایک گم شدہ چیز کو تلاش کر رہا ہے۔ جس کا اب نام بھول گیا ہے۔ چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جو آگ کی طرح ہے۔ ہر ایک میں مخفی ہے اور پوشیدہ ہے۔ اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا۔ اور نہ ہی اپنی ناتمام عقل سے اس کو پا سکتا ہے۔ اس لئے اس کی معرفت کے بارے میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں۔ اور اس کا حق دوسرے کو دے دیا گیا ہے۔ قرآن شریف میں اسکو ایک مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ کہ دنیا ایک شیش محل کی طرح ہے۔ جس کی زمین کا فرش نہایت مصفّا شیشوں سے تیار کیا گیا ہو۔ اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑ دیا گیا ہو۔ جو تیزی سے چل رہا ہے۔ پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے۔ جیسا کہ پانی سے۔ یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ یہ وہی صرف شیشے ہیں جن کی غلطی سے پرستش کی جاتی ہے۔ اور اس کے نیچے ایک اعلیٰ طاقت کام کر رہی ہے۔ جو ان شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح چل رہی ہے۔ مخلوق پرستوں کی نظر غلطی سے انہی شیشوں کی طرف اُس نام کو منسوب کر رہی ہے جو اُن کے نیچے وہ طاقت دکھلا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے اور ہیئت اور فلسفہ میں مہارتیں رکھنے والے شکوک وشبہات سے نجات نہ پا سکے۔ اگر ان کو اس صانع کے وجود کی طرف کچھ خیال بھی آیا تو بس اس قدر کہ اس اعلیٰ اور عمدہ نظام اور عظیم الشان سلسلہ کا کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہونا چاہیئے مگر یہ معرفت ناقص ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ اس سلسلہ کے لئے ایک خدا کی ضرورت ہے۔ اس سے ہرگز مساوی نہیں کہ وہ خدا درحقیقت موجود ہے۔ صرف قیاسی معرفت دل کو اطمینان نہیں بخش سکتی۔ جب تک خدا تعالیٰ خود اپنے کلام سے موجود ہونے کو ظاہر نہ کرے۔ جیسا کہ اس نے اپنے کلام سے کیا ہے۔ تب تک صرف ملاحظہ تسلی بخش نہیں

آپ نے فرمایا کہ یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ خدا کو ایک مُردہ کی طرح سمجھا جائے۔ کہ انسان نے اپنی کوشش سے اس کا پتہ لگایا ہے۔ ایسے خدا کی نسبت ہماری اُمیدیں عبث ہیں۔ گویا اگر فلاسفر نہ ہوتے تو وہ گم کا گم ہی رہتا۔ بلکہ خدا تو وہی ہے۔ جو ہمیشہ سے ہے اور قدیم سے آپ انا الموجود کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ بے شک وہ اب بھی ڈھونڈنے والوں کو الہامی چشمہ سے مالا مال کرنے کو تیار ہے۔ اس زمانہ کے مجدّد کا بڑا بھاری احسان ہے کہ انہوں نے اس کھوئے ہوئے ورثہ کا پتہ دیا۔ اور اپنی ذات کو پیش کر کے ثبوت دیا کہ خُدا اب بھی کلام کرتا ہے۔ اس کے کلام اور مخاطبات پر کبھی بھی مہر نہیں لگی۔ اب بھی اس کے فیضان کے ایسے دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ ضرورتوں کے ختم ہونے پر شریعتیں اور حدود ختم ہو گئیں اور تمام رسالتیں اور نبوتیں اپنے آخری نقطہ پر پہنچ کر جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود تھا۔ کمال کو پہنچ گئیں۔ لیکن خُدا سے تعلق کی ضرورتیں تو ختم نہیں ہوئیں۔ اس کی تو ہمیشہ ضرورت ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے محبّوں کو بھیجتا ہے۔ کہ اس کے ذریعہ یہ ضرورت پوری ہو۔ اور اس زمانہ کے امام نے بہ احسن طریق دنیا پر واضح کیا کہ اسلام کا یہ احسان ہے۔ کہ طبعی حالتوں اور اخلاق فاضلہ میں فرق کر کے دکھایا اور روحانی حالتوں کے اس مقام تک پہنچنے کے لئے پاک معرفت کے دروازے کھول دیئے۔ بلکہ لاکھوں انسانوں کو اس تک پہنچا بھی دیا۔ اور اس پاک تعلیم کا دعویٰ کہ وہ کامل ہے رہتی دنیا تک قائم و دائم ہے۔ اور قرآن مجید وہ کتاب ہے جو حفاظت الٰہی کے تحت غیر محرّف وغیر مبدّل ہے۔ اور دین کا انتہائی مرتبہ وہ امر ہے جو اسلام کے مفہوم میں پایا جاتا ہے۔ کہ محض خدا کے ہو جاؤ۔ اپنی نجات اپنے وجود کی قربانی سے چاہنا اور طریق سے اور اس سنت اور اس ارادہ کو عملی طور پر دکھانا یہ وہ نکتہ ہے جس پر تمام کمالات ختم ہو جاتے ہیں تو خدا کو فلاسفروں نے شناخت نہیں کیا۔ بلکہ قرآن نے اس سچے خُدا کا پتہ دیا۔ اور اس کے حکموں کیطرف متوجہ کرنا اور دلوں میں جلا پیدا کرنا۔ کا فریضہ جو مامورین نے ادا کیا یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اس زمانہ کے امام نے اپنے عملی نمونہ کے ساتھ اس تعلیم کو پیش کیا اور خدا کا چہرہ دکھایا۔ یہ آپ کا ہی حصّہ تھا۔ آپ نے فرمایا میں بنی نوع پر ظلم کروں گا اگر اس وقت ظاہر نہ کروں کہ وہ مقام جس کی میں نے تعریفیں کی ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ مخاطبہ خدا کی عنایت نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈنے والوں کو اس گم گشتہ کا پتہ دوں اور سچائی کے قبول کرنے والوں کو اس پاک چشمہ کی خوشخبری سناؤں۔ جس کا تذکرہ بہتوں میں ہے اور پانے والے تھوڑے ہیں۔ میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے۔ وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا۔ کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں اور جو میں نے سُنا ہے۔ وہ سنیں اور قصّوں کو چھوڑ دیں اور حقیقت کی طرف دوڑیں۔ وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے خدا نظر آتا ہے۔ میل اتارنے والا پانی جس سے تمام شکوک دور ہو جاتے ہیں۔ وہ آئینہ جس سے اس برتر ہستی کا درشن ہو جاتا ہے۔ خدا کا وہ مکالمہ مخاطبہ ہے۔ جس کی رُوح میں سچائی کی طلب ہے وہ اٹھے اور تلاش کرے۔ مگر یہ راہ کس طریق سے کھلے گی۔ اور حجاب کس دوا سے اٹھے

گا۔ میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ اور دوسری قومیں تو الہام سے مدت سے مہر لگا چکی ہیں۔ سو یقیناً سمجھو کہ خدا کی طرف سے مہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان حیلہ پیدا کرتا ہے۔ اور یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں۔ بغیر کانوں کے سُن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں۔ میں جوان تھا اب بوڑھا ہوا۔ مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ سے اس کھلی کھلی معرفت کا پیالہ پیا ہو۔ انسان آخرت کے بارے میں متردد ہوتا ہے۔ حالانکہ آخرت کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اس دنیوی زندگی کے اظلال و آثار ہیں۔ اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اس کی گردن سے باندھ رکھا ہے۔ اور یہی پوشیدہ اثرات قیامت کے دن ظاہر ہوں گے۔ اور کھلے کھلے اعمال نامے کی شکل میں دکھلائے جائیں گے عمل کے لئے طائر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ ہر ایک عمل نیک یا بد وقوع کے بعد پرندے کی طرح پرواز کر جاتا ہے۔ اور مشقت یا لذت اس کی کالعدم ہو جاتی ہے لیکن دل پر اس کی کثافت یا لطافت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ قرآنی اصول ہے۔ اور آج سائنس دان بھی یہ کہتے ہیں کہ ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش جماتا رہتا ہے دنیا میں بھی آنکھیں۔ چہرے۔ ہاتھ پیر گواہی دیتے ہیں اور ان کو سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں۔ یہ پوشیدہ اعمالنامہ دوسری دنیا میں کھلے طور پر ظاہر ہوگا۔ جہاں بدی کے بداثرات پر وعید ہے تو نیکیوں کے اجر کی خوشخبری بھی ہے۔ سو ایمانی نور جو پوشیدہ طور پر مومنوں کو حاصل ہے اس کا اجر بھی کھلے طور پر ملے گا۔ بدی تو بہرحال مٹ جانے والی چیز ہے۔ لیکن نیکی کا اجر اس دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

دنیا کی خواہشوں اور سوزشوں کی آگ جو ہوا و ہوس کا جہنم ہی ہے آخر حسرت کا موجب ہوتا ہے۔ ساری زندگی اگر دنیا کی گرفتاری میں ہی گزر گئی تو اس کا نتیجہ سوائے حسرت کے اور کیا ہو کہ ضمیر اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ دنیا میں بہشتی زندگی بھی ہے ناقص حالتوں یعنی دُنیا کے پست مقاصد اور آرزوؤں تک ہی نہ ٹھہرے رہیں بلکہ ان کو نفرت سے ترک کر کے اعلےٰ حالتوں میں ترقی کر لی۔ کیونکہ انسان کا اعلےٰ کمال خدا تعالےٰ کے وصال میں ہے۔ استقامت سے صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے احسانات کو یاد کریں کہ اس نے ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لئے رحمت کے سامان مہیا کر دیئے۔ حتیٰ کہ ہماری زندگی اسی کے فیض رحمانیت سے ہے۔ جزا کے دن کا بھی وہی مالک ہے اور کسی کو یہ دن نہیں سونپا گیا۔ "صراطِ مستقیم" یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی مع اپنی تمام قوتوں کے خدا تعالےٰ کی راہ میں وقف کر دیں پھر خدا تعالےٰ کے وصال کے لئے دعاؤں میں لگے رہیں تا خدا کو خدا کے ذریعہ سے پا دیں۔ یہ راہ بتاتی ہے کہ اس زمانہ کے امام نے جس طرح ہر چیز کے لئے ایک طریق ہے صراطِ مستقیم کے لئے بھی طریقہ ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے سچے اور کامل فیض کی ضرورت ہے۔ جو روحانی عالم تک پہنچائے۔ اور یہ استقامت سے وابستہ ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں :۔

"کامل استقامت سے مُراد ایک ایسی حالت ... صدق و صفا کی ہے جسکو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے۔ یعنی ایسا پیوند جس کو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی دُوسری آفت نقصان پہنچا سکے۔ عزیزوں کی خوشی اس سے علیحدہ نہ کر سکے۔ پیاروں کی جُدائی اس میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے۔ ہولناک دُکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دل کو نہ ڈرا سکے سو یہ دروازہ نہایت تنگ ہے اور یہ راہ نہایت دشوار گذار اور کس قدر مشکل ہے۔"

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے ۔
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

انڈونیشی زبان میں ترجمۃ القرآن کی اشاعت

جماعت انڈونیشیا کا شاندار کارنامہ

احباب جماعت اس امر سے آگاہ ہیں کہ ہماری جماعت انڈونیشیا کے سابق صدر (بریگیڈیئر ریٹائرڈ) الحاج محمد بجردن مرحوم گذشتہ چند سالوں سے امیر مغفور حضرت مولانا محمد علی صاحب رح کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا انڈونیشی زبان میں ترجمہ کر رہے تھے! اور یہ ترجمہ ختم ہونے کے جلد ہی بعد (۴ مئی ۷۹ء) کو وہ انتقال فرما گئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" مرحوم ایک اعلیٰ فوجی افسر ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایک عالم فاضل انسان تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جہاد کبیر کی بھی توفیق بخشی اور وہ ایک ایسا کارنامہ کر گئے جو ہمیشہ ان کے نام کو زندہ و تابندہ رکھے گا۔ اس سے قریباً نصف صدی قبل ۳۴ء میں جماعت انڈونیشیاء کے ایک اور فاضل بزرگ جناب سودیو و مرحوم نے حضرت امیر مرحوم و مغفور کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو ڈچ زبان کا لباس پہنایا تھا۔ اور اس ترجمہ کی تین ایڈیشنیں شائع ہو چکی ہیں۔ اسی طرح جاوی زبان میں بھی قرآن مجید کا ترجمہ انڈونیشیا کی جماعت شائع کر چکی ہے۔

الحاج محمد بجردن مرحوم ایک صاحب حیثیت اور بارسوخ بزرگ تھے جنہوں نے اس ترجمہ کی اشاعت کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھائی تھی لیکن ان کی اچانک وفات سے یہ سلسلہ درہم برہم ہو گیا اور طباعت کے اخراجات میں اعانت کے لئے جماعت انڈونیشیا نے مرکزی انجمن لاہور سے درخواست کی۔ مرکزی انجمن کی مجلس معتمدین نے اپنے اجلاس مؤرخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں پچاس ہزار روپے کی امداد تراجم قرآن فنڈ سے جماعت انڈونیشیا کے لئے منظور فرمائی لیکن افسوس کہ ہمیں اس کے لئے زرمبادلہ مہیا نہ ہو سکا اور ہم یہ رقم انڈونیشیا نہ بھیج سکے۔ تاہم بعض مخیر حضرات کو جو بیرونی ممالک میں مقیم ہیں اور انڈونیشیا رقم بھیج سکتے تھے۔ توجہ دلائی اور مندرجہ ذیل اصحاب نے اس کارِ خیر میں حصہ لینے کا وعدہ فرمایا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

(۱) کپتان عبدالواحد خان صاحب نوشہرہ	پانصد امریکن ڈالر
(۲) مفتی عبدالحیٔ صاحب کویت (برائے ایصال ثواب والدین مرحوم)	تین ہزار دینار
(۳) چوہدری سعید احمد خان صاحب پشاور (" " " والدہ مرحومہ)	پانچ ہزار روپے
(۴) سید سلطان علی شاہ صاحب گورنمنٹ پنشنر گلبرگ لاہور	" "

احباب کرام یہ سُن کر خوش ہوں گے کہ انڈونیشی ترجمۃ القرآن بفضلہ تعالیٰ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے گذشتہ دسمبر ۱۹۷۹ء میں جب انڈونیشیا کی جماعت نے اپنی گولڈن جوبلی منائی اور ایک مؤتمر کا انعقاد بھی کیا جس میں اسکی سولہ ... شاخوں سے ایک سو پچاس ممبران نے شمولیت فرمائی اس ترجمہ کی اشاعت کی خوشخبری جماعت کو سنائی گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ مطبوعہ ترجمۃ القرآن کی ایک کاپی مرکزی انجمن کے دفتر میں موصول ہو چکی ہے۔ جو گذشتہ مجلس معتمدین کے اجلاس میں تمام ممبران کو دکھائی گئی اور سب نے اللہ تعالیٰ کے حضور شکر ادا کیا۔ یہ ترجمہ معنوی اور ظاہری دونوں لحاظ سے حضرت امیر مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن کی تازہ ترین ایڈیشن کی نقل ہے۔ جس میں حضرت مرحوم کا آخری دیباچہ بھی شامل ہے۔ جو آپ نے جنوری ۱۹۵۱ء میں تحریر فرمایا تھا۔ یہ ترجمہ عمدہ سفید کاغذ پر عربی متن سمیت اور ترجمہ اور تفسیری نوٹوں کے ساتھ ۱۴۰۲ صفحات پر ایک ضخیم جلد میں شائع ہوا ہے۔ اور ہر لحاظ سے دیدہ زیب ہے یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ جس کے لئے جماعت انڈونیشیا قابل تحسین اور لائق صد مبارکباد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو مقبول فرمائے اور یہ ہزاروں بندگان خدا کی ہدایت کا موجب ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے مرحوم مترجم محمد بجردن صاحب کی روح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ اور انڈونیشیا کی جماعت اور ان تمام احباب کو اجر عظیم عطا کرے۔ اور ان کے اموال میں بہت بہت برکت دے۔ جنہوں نے اس کی طباعت کے اخراجات میں حصہ لے کر ایک اہم دینی خدمت سرانجام دی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء"

مرزا مسعود بیگ،
جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
لاہور

مذہبی سائنس کے میدان میں خدا کا پہلوان

حضرت مسیح موعودؑ

آسمانی گواہ کی قدر کرو

از:۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد رحمۃ اللہ علیہ

جب سے اسلام دنیا میں آیا خدا تعالیٰ کا وعدہ تمدن جدید اور مذاہب عالم لیظہرہ علی الدین کلہ بھی ساتھ ہی آیا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو کل ادیان پر غالب کریگا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر اس غلبہ کا اظہار ہوا اور آپ کے خلفاء اور مجددین کے ہاتھوں پر بھی مختلف شکلوں میں اس کے غلبہ کا ظہور ہوا۔ مگر آخرکار وہ زمانہ آیا کہ تمام دنیا ایک شہر کا حکم رکھنے لگی۔ ذرائع آمد و رفت ریلوں اور جہازوں کی وجہ سے ایسے آسان ہو گئے کہ اقصائے عالم اور دنیا کے کناروں کے لوگ کھنچ کر آپس میں مل گئے اور ڈاک اور تار، اخبار و رسائل، کتب و چھاپہ خانے باہم تبادلہ خیالات کو اس قدر سہل کر دیا کہ مغرب و مشرق ایک ہوگیا۔ ایسی صورت میں مختلف مذاہب کا ایک دنگل اور ایک اکھاڑے میں جمع ہو جانا بھی قدرتی امر تھا۔ اور اس کے لئے میدان بھی ہندوستان کا مقدر تھا جہاں ہر مذہب کا نمائندہ موجود تھا۔ ہر ایک مذہب نے بازی لے جانی چاہی، بالخصوص عیسائی مذہب نے اپنی مادی سلطنت شان و شوکت اور آریہ مذہب نے اپنی بھائیوں کی کثرت تعداد اور کثرت مال اور دولت کے گھمنڈ پر بہت ناز اور شیخی سے میدان میں اترا رہے تھے۔ کہ یکایک خدا کے وعدہ نے اپنا جلوہ دکھایا اور اسلام کے ایک پہلوان کو اللہ تعالیٰ نے کھڑا کر دیا۔

فلسفہ و سائنس اور مذاہب عالم

زمانہ نئی روشنی کا تھا یورپ کا فلسفہ جوانی پر اور سائنس کی ترقیات اپنی پوری آب و تاب پر جلوہ نما تھیں یونانی فلسفہ محض ایک زبان طوطا مینا کی کہانی قرار دیا جا کر طاقِ نسیان میں دھر دیا گیا تھا۔ اور لفظی گورکھ دھندوں اور باتوں کے ایچ پیچ سے منطق کا میدان صاف ہوچکا تھا اس لئے پرانے علماء کی تلواریں تو زنگ خوردہ ہو چکی تھیں، مگر انہیں توپ و تفنگ کے مقابلہ میں یہی ضد تھی کہ انہی تلواروں سے کام لیں گے جو بجائے مفید ہونے کے اسلام کے لئے مضر پڑتی تھیں۔ مزید برآں سائنس ہر قدم پر نیا مشاہدہ کا مطالبہ کرتی تھی اس لئے مذہبی دنیا کے لئے نہایت نازک گھڑی تھی جس وقت خدا کا پہلوان یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدّدِ دین کے منصب پر کھڑا ہوکر مذہبی دنیا کے لئے دنگل میں داخل ہوا ہے۔ اس وقت ایک تو یورپ کا فلسفہ اور سائنس کی توپوں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ جن کا نشانہ تمام مذاہب عالم بنے ہوئے تھے۔ اور دوسری طرف تمام مذاہب عالم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کے لئے ان کو اگر کوئی تدبیر سوجھتی تھی تو وہ یہ کہ اسلام کے سوئے ہوئے شیر کو پامال کر دیں جس کے جاگنے پر ان کی اپنی خیر نہ تھی۔ خدا جانے کیوں؟ شاید حق سے باطل کو طبعی دشمنی ہوتی ہے۔ اسلام کے سب دشمن تھے فلسفہ اور سائنس کی زد میں تو خود بھی جا رہے تھے مگر سارا زور اس کوشش میں بھی تھے کہ اسلام دنیا میں نہ رہے:

اسلام اور فلسفۂ جدید

بعض لوگوں نے اس سے قبل بھی جن میں سرسید احمد خاں مرحوم بہت مشہور ہیں اس بات کی کوشش کی کہ یورپ کے فلسفہ کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے مدافعت کی جائے مگر اس کوشش میں اسلام کی اپنی شکل ایسی مسخ ہوگئی کہ وہ اصل پیاری شکل اسلام کی باقی نہ رہی۔ اور روحانیت نوچ کر پھینک دی گئی۔ پھر جو کچھ کیا گیا محض مدافعت کے رنگ میں کیا گیا۔ محض جان بچائی گئی۔

حضرت مرزا صاحب کا علم کلام

مگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے جو کمال کر دکھایا وہ یہ تھا کہ آپ نے اسلام کی فضیلت اور غلبہ کے لئے جو طریق اختیار کیا وہ نہ صرف معقول تھا بلکہ اس زمانہ کے اصول پر مبنی تھا یعنی اسلام کا غلبہ دو طریق پر دکھایا ایک تو یورپین فلسفہ سے اسلام کو ایسا غالب کر کے دکھایا کہ وہ فلسفہ جو کبھی اسلام کا دشمن نظر آتا تھا اسلام کا خادم نظر آنے لگا۔ اسلام اپنی اسی روحانی پیاری شکل پر قائم رہا اور ایسا معلوم ہوا کہ فلسفہ کی ساری ترقی اسی خاطر تھی کہ اسلام کی صداقت کو بیش از بیش ظاہر کرے اس کامیابی کے حصول کے لئے جو علم کلام حضرت مرزا صاحب نے ایجاد کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ براہینِ احمدیہ، آئینہ کمالاتِ اسلام، اسلام کی فلاسفی، سرمہ چشم آریہ وغیرہ اس پر گواہ ہیں۔ دوسرا طریق سائنس کے مقابلہ میں اس کے مطالبہ کا جواب تھا۔ موجودہ علم سائنس کسی بات کو یقین کے مقام پر نہیں سمجھتا خواہ وہ اعلیٰ فلسفہ ہی کیوں نہ ہو جب تک وہ مشاہدہ اور تجربہ میں نہ آوے۔ خدا کی ہستی پر فلسفہ دلائل سے سمجھا دے گا کہ خدا ہونا چاہیئے مگر یہ امر کہ وہ ضرور ہے یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ خود کہے کہ میں ہوں یا کوئی اسے محسوس کرے اس لئے جب تک کہ کوئی خدا سے الہام پاکر انا الموجود کی آواز نہ سنے اور اپنے تجربہ سے خدا کی ہستی کو محسوس نہ کرے اسے حق الیقین کا مرتبہ نہیں مل سکتا۔ اور اس لئے محض فلسفہ کی حیثیت میں کوئی اس زمانہ کے لئے مجدد نہیں ہو سکتا جب تک وہ مذہبی سائنس کا تجربہ رکھنے والا یعنی دوسرے لفظوں میں ملہم اور صاحب حال نہ ہو اور وہ یہ حق نہ رکھتا ہو کہ سائنس والوں کے سامنے کھڑا ہوکر کسی حقیقت کو ثابت کرنے کا مدعی ہو سکے۔ اس کے ملہم ہونے پر دلیل اس کی دعاؤں کی قبولیت اور علم غیب پر خبر پانا ہے۔ جس کا علم محققین کا اپنا تجربہ ہو سکتا ہے۔ الغرض حضرت مرزا صاحب نے ایک طرف تو وہ علم کلام ایجاد کیا جس سے اس نئے زمانہ کے ہتھیاروں کو اسلام کا ایسا خادم بنا دیا کہ یا تو محض مدافعت کی جایا کرتی تھی یا اب اسلام کے سپاہی انہی

سنے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اس شان سے نکلے کہ ہر ایک باطل کو فرار کی راہ اختیار کرنی پڑی اور اسلام کا ہر جگہ بول بالا ہونے لگا وہی عیسائی اور آریہ جو اسلام پر استہزا کرتے تھے اب اسلام کے نام سے ان کی روح لرزنے لگی عیسائی اس پہلوان کے شاگردوں سے مباحثہ کے نام سے فنا ہونے لگے۔ پھر یہی نہیں ہر مذہب اور دین کے لوگ اس علم کلام سے سرد ہو کر رہ گئے۔ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ وہ ہر میدان میں نصرت اور کامیابی عطا کرنے لگا۔

مذہب ایک سائنس کے رنگ میں

دوسری طرف مذہب کو سائنس کے رنگ میں پیش کر کے مرزا صاحب نے اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر اسلام کی صداقت کو اس طرح ظاہر کیا اور اس کے غلبہ کا ایسا اعلان کیا کہ مذہب ایک سائنس کی شکل میں دنیا کو نظر آیا اور لوگوں کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مذہب اسلام کسی تخیلات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ سائنس کی طرح ایک حقیقت ہے جس پر عمل کر کے انسان ابدی راحت کے سامان مہیا کرتا ہے۔ اور اس کے ثمرات اس دنیا میں بھی دیکھ سکتا ہے۔ یہ وہ کسوٹی تھی جس پر مرزا صاحب نے تمام مذاہب کے سونے کو رگڑا اور نہ صرف اسلام کا کھرا اور کھوٹ سے پاک ہونا ثابت کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیا بلکہ اور کوئی دوسرا مذہب اس کسوٹی پر صحیح نہ اتر سکا کیونکہ کسی مذہب کا پیرو مرزا صاحب کی طرح میدان میں آکر بالمقابل یہ دعوےٰ نہ کر سکا کہ میں نے اپنے مذہب پر عمل کر کے اس کو دیکھا اور اس کے ذریعہ سے خدا کا قرب حاصل کر کے جو مذہب کی اصل غرض ہے اس کے ثمرات سے متمتع ہوں بلکہ اس کے مقابلہ سے ہر ایک جان بچا تا رہا اور وہ خدا کا شیر للکارتا رہا:۔

ؔ

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے — کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے — یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا — نُور ہے نُور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا — کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے — ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

اسلام تجربہ اور مشاہدہ کے رنگ میں

یہ تھا وہ تجربہ جس نے مذہب کو سائنس کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے بڑا زور اس بات پر دیا کہ مذہب اسلام نجات کا محض مدعی نہیں بلکہ اپنے ساتھ صریح دلیل رکھتا ہے اور اس پر عمل کر کے نجات کے اظلال و آثار اسی دنیا میں انسان دیکھ لیتا ہے۔ یعنی قرب بارگاہ الٰہی اور مقبول الٰہی ہونے کے آثار۔ اخلاق فاضلہ۔ قوت تزکیہ۔ استجابت دُعا۔ اظہار علی الغیب، نصرت الٰہی اور دیگر خوارق عادات اسی عالم میں اسلام کے اصولوں پر چل کر انسان حاصل کر لیتا ہے اور اس کا تجربہ کار میں خود ہوں۔ دوسرے مذاہب میں یہ بات نہیں کیونکہ وہ مردہ ہو چکے ہیں۔ اور اگر کسی کو اس سے انکار ہو تو وہ میرے مقابل پر آوے اور اپنے تجربہ کو پیش کرے۔ یہ وہ معیار تھا جس پر دوسرے کسی مذہب کا انسان آنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مذہب پر نہ عمل کر کے دیکھا تھا اور نہ کچھ پایا تھا۔ اس طرح اسلام کے زندہ اور سچا اور کامل مذہب ہونے پر مہر لگ گئی ہے

یہ واقعہ مسلمانانِ عالم کے لئے کس قدر موجب فخر و عزت تھا۔ خشک فلسفی لوگ شاید اسے مجنونانہ خبط کہہ دیں مگر حق یہی ہے کہ مذہب کی صداقت پر یقین تب ہی ہو سکتا ہے جب تجربہ کر کے اس کے اصولوں پر عمل کر کے کوئی منزلِ مقصود کو پا لے اور اپنی پیدائش کے مقصد کو حاصل کر لے ورنہ کل حزب بما لدیہم فرحون ہر ایک مذہب اپنے اوپر ناز کر رہا ہے۔ پس تجربہ اور مشاہدہ کو ساتھ لے کر ایک انسان دنیا میں آیا اور اس نے دنیا کو سنایا کہ تجربہ اور مشاہدہ سے میں نے اسلام کو سچا پایا۔

اسلام ایک زندہ مذہب تھا اس کی صداقت پر گواہ ہے اور خلق اللہ پر اتمام حجت کے لئے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ایسے پاک وجود پیدا ہوتے رہے جو تجربہ سے اسلام کے اصولوں کی صداقت پر گواہی دیتے رہے اور ہمیشہ ظاہر پرست ان کے مخالف رہے۔ اور ان کے فیوض و علوم سے محروم رہ گئے۔ آج ہمارے زمانہ میں جب ایک بڑی زبردست گواہی کی ضرورت تھی تو اللہ تعالےٰ نے مرزا غلام احمد کو اسلام کی صداقت پر عملی اور حالی رنگ میں گواہ بنا کر دنیا پر اتمام حجت کے لئے کھڑا کر دیا

آسمانی گواہ کی قدر کرو

مبارک ہے وہ جو اس خدائی گواہ کی قدر کرتا ہے۔ اور اس کی گواہی سے فائدہ اٹھا کر اپنے ایمان کو تازہ کرتا ہے۔ اور اپنے اندر قربانی کی روح پیدا کرتا ہے۔ اور اس خدائی پہلوان کے علم کلام کے حربوں سے مسلح ہو کر اس کے فیضان روحانی سے تر و تازہ ہو کر اور عملی مسلمان بن کر اہلِ حال کے رنگ میں خدا کے دین کی خدمت کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ کہ آجکل جہاد کبیر یہی ہے۔ کہ اسلام کی حفاظت و اشاعت کی جائے اور خدا کا نام دنیا میں بلند کیا جائے۔ جبکہ دنیا مادہ پرستی میں مبتلا ہے۔ تمہارا نیک نمونہ اور زندہ ایمان اور صحیح فلسفۂ اسلام دنیا کے لئے مشعلِ ہدایت ہو۔ آؤ اور اس کشتی پر سوار ہو جاؤ جو اس طوفان دجالیت سے بچنے کے لئے خدا کے مجدد مرزا غلام احمدؒ نے بنائی ہے تا خود بھی اس سیلاب سے بچو اور دوسروں کو بھی اللہ کے فضل کے ساتھ بچاؤ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔ ؔ

والله کہ ہمچو کشتیٔ نوحم ز کردگار
بیدولت آنکہ دُور بماند ز لنگرم

ٹرینیڈاڈ میں تین اموات

ٹرینیڈاڈ سے یہ افسوسناک اطلاع موصول ہوئی ہے۔ کہ مسز زرینہ محمد صاحبہ کے والد محترم اور ربینا رحمٰن صاحبہ کی والدہ وفات پا گئی ہیں۔ مسز زرینہ محمد اور ربینا رحمٰن صاحبہ دونوں ۱۹۷۳ء میں ٹرینیڈاڈ سے مرکز میں آمدہ وفد کے ہمراہ پاکستان میں تشریف لائی تھیں جناب عنایت محمد صاحب کے والد صاحب بھی وفات پا گئے ہیں۔ جامع دارالسلام میں ۱۶ مئی کو بروز جمعہ تینوں کا جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔ بیرونی جماعتوں سے بھی نماز جنازہ غائب کی درخواست ہے۔

یوم مسیح موعودؑ

احباب کرام نوٹ فرما لیں کہ ۳۰ مئی ۱۹۸۰ء کو صبح ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک دارالسلام میں زیر صدارت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب بسلسلہ یوم وصال ایک جلسہ منعقد ہوگا۔ احباب و خواتین وقت مقررہ پر تشریف لا کر ممنون فرمائیں۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تارکا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲،۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ... روپے
بیرونی ممالک سے ... پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد: ۶۰ | یوم چہارشنبہ مورخہ ۱۳/۲۰ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ بمطابق ۲۸ مئی / ۴ جون ۱۹۸۰ء عیسوی | شمارہ ۲۲/۲۳

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔

اصل غرض خدا تعالےٰ کی یہ ہے کہ دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا پورا کیا جائے۔ پس جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی میں میری منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد دے گا میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔ اور ہر جو شخص ایسی ضروری مہمات میں مال خرچ کرے گا۔ میں امید نہیں رکھتا کہ اس مال کے خرچ سے اس کے مال میں کچھ کمی آجائے گی بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی۔

پس چاہیئے کہ خدا تعالےٰ پر توکل کر کے پورے اخلاص اور جوش اور ہمت سے کام لیں کہ یہی وقت خدمت گزاری کا ہے۔ پھر بعد اس کے وہ وقت آتا ہے کہ ایک سونے کا پہاڑ بھی اس راہ میں خرچ کریں تو اس وقت کے ایک پیسہ کے برابر نہیں ہوگا۔

یہ ظاہر ہے کہ تم دو چیزوں سے محبت نہیں کر سکتے اور تمہارے لئے ممکن نہیں کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا سے بھی۔ صرف ایک سے محبت کر سکتے ہو پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ جو خدا سے محبت کرے اور یہ مت خیال کرو کہ تم کوئی حصہ مال کا دے کر یا کسی اور رنگ سے کوئی خدمت بجا لا کر خدا تعالےٰ اور اس کے فرستادہ پر کچھ احسان کرتے ہو بلکہ یہ اس کا احسان ہے کہ تمہیں اس خدمت کے لئے بلاتا ہے۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تم سب کے سب مجھے چھوڑ دو اور خدمت اور امداد سے پہلو تہی کرو تو وہ ایک اور قوم پیدا کر دے گا جو اس کی خدمت بجا لائے گی۔ تم یقیناً سمجھو کہ یہ کام آسمان سے ہے اور تمہاری خدمت صرف تمہاری بھلائی کیلئے ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم دل میں تکبر کرو اور یا یہ خیال کرو کہ خدمت مالی یا کسی قسم کی خدمت کرتے ہیں۔ میں بار بار تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تمہاری خدمتوں کا ذرا محتاج نہیں ہاں تم پر یہ اس کا فضل ہے کہ تم کو خدمت کا موقعہ دیتا ہے۔

"نماز مومن کا معراج ہے

اور وہ اسی سے اطمینانِ قلب پاتا ہے۔ کیونکہ نماز میں اللہ تعالےٰ کی حمد اور عبودیت کا اقرار اور استغفار اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہوتا ہے۔ اور یہ سب امور روحانی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔"

(ملفوظات احمدیہ حصہ چہارم)

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ لندن

حیاتِ صالحہؒ

بعض نام اسم بامسمیٰ ہوتے ہیں۔ آپا کا نام جب ہماری اماں جان اور ابا جان نے صالحہ رکھا تو ان کو کیا پتہ تھا کہ اس ننھی سی بچی کی تمام زندگی پر اس نام کا عکس پڑتا رہے گا۔ یہ میں اپنی آپا، صالحہ بیگم چوہدری ظہور احمد صاحب کا ذکر کر رہی ہوں۔

بلا مبالغہ ان کی تمام عمر، ساری زندگی۔ پورا وقت اس نام کی ترجمانی کرتے گزری۔ یوں تو ان کی زندگی زیادہ تر دکھ اور سکھ کے اتار چڑھاؤ میں گزری۔ لیکن صدق و صفا کا آخری کڑا امتحان جو ان پر ان کی تقریباً سال بھر کی طویل جان لیوا بیماری کی شکل میں آیا بہت جان توڑ تھا۔ خدایا! کیسی کٹھن منزل تھی جو ان کو طے کرنی پڑی۔ ؎

صادق آں باشد کہ ایام بلا
مے گزارد با محبت باوفا

کو سچ ثابت کرتے ہوئے وہ آخر اس میں سے بھی گزر گئیں اور ۲۲، ۲۳ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء کی درمیانی شب کو نورِ سحر کے وقت حورانِ جنت آ کر ان کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" آنکھوں سے دور ہو جانے والے دل سے دور نہیں ہوتے پانچ ہزار میل کے فاصلہ پر بھی ان کی یاد میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ دنیا میں آئیں تو قدرت کے فیاض ہاتھوں نے ان کو ظاہری و باطنی دونوں خوبیوں سے بنا سنوار کر بھیجا بہت پرکشش اور پاکیزہ سی ہستی تھی ان کی۔ جس کا عکس ان کے حلیئے۔ شکل و صورت، ان کے مذاقِ سلیم۔ اور ذوقِ لطیف ان کے خوش رنگ، خوشنما مگر باپردہ لباس اور ان کے طرز و طریقے اور بود و باش میں نمایاں نظر آتا تھا۔

اخراجاتِ دنیا۔ خانہ داری۔ گھر کی سجاوٹ و بناوٹ میں سلیقہ شعاری اور کفایت کا چلن چلتی تھیں۔ مگر جہاں راہِ خدا میں دینے کا سوال ہوتا وہاں دل کھول کر دیتی تھیں اور جلدی کرتی تھیں۔ اکثر کہتی تھیں کہ "ما یفعلون الاولون" میں رہنا چاہیئے اور اس پر عمل کرتی تھیں۔ ان کی شادی جس خاندان میں ہوئی۔ وہ اوائل زمانہ میں لاہور کے رئیسوں میں شمار ہوتا تھا۔ (احمدیہ بلڈنگس اور اس کے گرد و نواح کی سب اراضی اور زیادہ تر مکانات ان کے سسر، شوہر اور برادری کی ملکیت تھے۔ یہاں شاہانِ مغلیہ کے وقت کا ایک بہت ہی بڑا اور گہرا کنواں ان کے سسر کے نام پر "چاہ مہر اللہ یار" کہلاتا تھا۔ اس کنوئیں کے تقریباً اوپر میرے بہنوئی چوہدری ظہور احمد صاحب مرحوم نے ایک عالیشان چار منزلہ مکان تعمیر کیا تھا جس میں وہ شادی ہو کر گئیں۔ مگر ابھی زیادہ وقت وہاں نہ گزرا تھا کہ بھائی صاحب نے لاہور کے نواح میں واقع بہت سی زمینیں لینے کے لئے ایک ہندو مہاجن سے قرض لیا جو سود در سود کے چکر میں اتنا بڑھا کہ آخر ان کی ساری شہری جائیداد اس مہاجن کے شکنجے میں آ گئی۔ اور وہ اس سے الگ کر دیئے گئے۔ ایک وفادار بیوی اور محبت شعار ماں کے لئے یہ وقت بہت آزمائش کا تھا۔ مگر صبر سے اور اللہ کی رضا پر راضی ہو کر ہماری آپا اپنے دو بچوں کے ساتھ اس عالیشان حویلی سے نکل کر اپنے شوہر کے آبائی گاؤں "جیون ہانہ" میں ایک کچے پکے چار کمروں کے مکان میں آ گئیں۔ جہاں نہ شہری آسائشیں تھیں نہ سہولتیں۔ یہ جگہ فیروز پور روڈ سے میل سوا میل کے فاصلے پر نہر کے کنارے تھی۔ پکی سڑکیں۔ بجلی۔ پانی کے نلکے، ہاسپٹل سکول۔ دکانیں ابھی وہاں سے میلوں دور تھے۔

خود آپا کا بیش بہا تمام زیور بھی اس قرض کی نذر ہو چکا تھا۔ مگر انہوں نے اپنی اولاد کو اپنی دولت اور زیور سمجھا۔ اور سب بھول کر ہمہ تن اُن کی تعلیم و تربیت کے مشکل کام میں مشغول ہو گئیں۔ موسم سرما کی ٹھٹھری ہوئی فضا ہو یا گرمی کی چلچلاتی دھوپ وہ اب اپنے تینوں بچوں کو باقاعدہ پابندی سے پانچ میل دور سکولوں اور پھر کالجوں میں بھیجتی رہیں۔ سائیکل ہو تانگہ یا بس جو میسر آئے وہ بھی میل سوا میل پیدل کچے راستہ سے گزر کر۔ مگر انہوں نے کبھی دل نہ ہارا۔ دینی تعلیم ساتھ ساتھ خود دیتی تھیں۔

خود آن کا اپنا یہ طریقہ تھا کہ ماں۔ باپ۔ سگے بہن بھائی تو خیر اول تھے ہی گے اور سب عزیزوں رشتہ داروں۔ برادری تک کے دکھ سکھ میں شامل ہونے وہ دو ڈھائی میل کچے راستے طے کر کے اندھیرے۔ اجالے۔ سناٹے اور اکثر ادھر اُدھر چھپے چور، اچکے جھاڑیوں میں موجود سانپ، بچھو سب سے بے پرواہ آ موجود ہوتی تھیں۔ اماں جان مرحومہ کی وفات کے بعد ہمارے ابا جان اپنی دو بچیوں سمیت مسلم ٹاؤن میں جو ان کے گاؤں کے بالمقابل نہر پار تھا موسم سرما بسر کرتے تھے۔ کوئی تکلیف۔ بیماری یا مشکل ان کو آ گھیرتی تو آپا اپنا گھر بار چھوڑ کر دنوں دن ان کا ساتھ دیتی تھیں۔ یوں ہی وقت گزرتا رہا۔ سالوں سال بیت گئے۔

ان کے بچے خیر سے جوان ہو کر زیورِ علم و عمل سے آراستہ۔ نیک، راست باز اور ماشاء اللہ دین و دنیا دونوں میں کامیاب نکلے۔

اُدھر اللہ کی جناب سے جزا کا وقت بھی آ گیا تھا۔ اور وہ سال ہا سال پہلے کی خریدی ہوئی اراضی لاہور کی ترقی اور پھیلتی آبادی کے ساتھ دھڑا دھڑ اچھے داموں بکنے لگیں مگر اس دولت کی آمد کے ساتھ آپا اور ہمارے بھائی صاحب دونوں کو خدا ترسی نے گھیر لی۔ عزیزوں میں بیوہ۔ یتیم۔ غریب سب تھے۔ ان کو برائے نام قیمت پر یہ گراں بہا زمینیں دے دیتے تھے۔ خیال فرمائیں کہ اب انچ انچ جگہ پر دنیا جان دیتی ہے۔ مگر شاید یہ حقیقت ان دونوں کو یاد رہی کہ بالآخر اس دنیا میں انسان کی ملکیت وہ دو گز زمین ہوتی ہے جو اس کے جسدِ خاکی کی پردہ پوشی کرتی ہے۔

اب دور زمانہ مجھے بھی اپنے دس مہینے کے بچے کے ساتھ لاہور لے آیا۔ ہندوستان کے بٹوارے اور پاکستان کی تخلیق کے وقت کی خونریزی۔ تباہی۔ مار دھاڑ۔ لوٹ مار میں گزرتے اور دہلی میں اپنا ساز و سامان کھو کر ہم دیارِ غیر سے نئے بنے پاکستان پہنچے۔ اور لاہور کی ڈیوس روڈ پر ایک آدھی کوٹھی میں پناہ ملی۔ اس پرانے اور وسیع گھر میں اکثر ایسے وقت بھی آئے کہ صرف میں اور میرا بچہ ہوتے تھے۔ بانی اللہ کا ساتھ اور اس کا آسرا۔ مگر خفیف یا شدید کوئی بھی تکلیف۔ بیماری۔ مصیبت ہم پر آ پڑتی۔ تو میں دیکھتی کہ آپا معہ اپنے بیٹے عزیز منصور احمد کے ساتھ سامان اور بستر لئے تانگہ پر اور پھر بعد میں موٹر پر چلی آ رہی ہیں ان کا اپنا زمینداری گھر تھا۔ کھیتی باڑی۔ باغ پھلواری۔ گائے بھینس۔ چرند پرند۔ بڑا بھاری پھیلاؤ تھا۔ ان کے مزارعے مزدور۔ کام کاج کرنے والوں کا آنا جانا تھا۔ مگر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدمت کرنے ہمارے پاس آ رہتی تھیں۔ اور ایک ہم کیا اب وہ ساری خلقِ خدا کی ساتھی اور دردمند تھیں۔ اپنے بچوں کے فرض ادا کر کے اب غریبوں محتاجوں اور ان کے بچوں کی فکر شروع کر دی۔ ایک خواتین کی انجمن "امّ نسواں" کے نام سے بنائی۔ جس کی روحِ رواں وہ خود تھیں۔ ایک سکول غریب بچوں کے لئے قائم کیا تو اپنی کوٹھی

(بقیہ صفحہ ۵ کالم ۲)

روز افزوں مہنگائی کے عقدۂ لاینحل

کا حل قرآن کریم سے

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۱۶ مئی ۱۹۸۰ء، فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی، بمقام مسجد جامع۔ دارالسلام۔ لاہور

فاذا جاءت الطامۃ الکبریٰ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فان الجنۃ ھی الماویٰ

(النزعٰت ۷۹، آیات ۳۴ تا ۴۱)

ترجمہ: "سو جب غالب آنے والی مصیبت آجائے گی اس دن انسان جو اس نے کوشش کی اسے (حسرت سے) یاد کرے گا۔ اور بھڑکتی ہوئی آگ اس کے لئے ظاہر ہو جائے گی۔ جو دیکھتا ہے۔ سو جو کوئی خدا کی مقرر کردہ حدوں سے نکل گیا اور اس نے دنیا کی زندگی کو مقدم کیا۔ تو اس کا ٹھکانہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ اور جو کوئی اپنے ربّ کے مقام سے ڈرتا ہے۔ اور اپنے نفس کو گری ہوئی خواہشات سے روکتا ہے تو اس کا انجام بہشت ہے۔"

آج کل کی دن دوگنی رات چوگنی بڑھتی ہوئی ہوشربا گرانی سے کون نالاں اور حیران و پریشان نہیں؟ اور یہ کسی ایک ملک سے خاص نہیں۔ تمام دنیا اس کی لپیٹ میں ہے۔ دنیا کا کوئی ایک ملک بھی اس سے بچا ہوا نہیں۔ اور یہ مرض چند روزہ نہیں جو لوگ دنیا کے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ عالمگیر مہنگائی کی ابتدا ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی عالمگیر جنگ سے شروع ہوئی۔ اور اس سے جو مالی مشکلات پیدا ہونی شروع ہوئیں انہوں نے ۱۹۳۹ء کی عالمگیر Financial stringency یعنے مالی ابتلاء عظیم کی شکل اختیار کی جس میں اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقت یعنے سلطنت برطانیہ میں پہلی دفعہ کسی ایک پارٹی کی حکومت کی بجائے نیشنل گورنمنٹ یعنے تمام پارٹیوں کی مخلوط حکومت اس لئے بنانا پڑی کہ وہ اس قومی بلکہ عالمگیر ابتلاء پر قابو پا سکے۔ امریکہ میں Wall Street جو تمام مالی لین دین کی مارکیٹ ہے۔ اس میں زلزلہ آکر crash ایسا خطرناک ہوا کہ ملک کی بنیادیں ہل گئیں۔ اور پھر اس آگ کو جس چیز نے مزید بھڑکایا وہ دوسری عالمگیر جنگ تھی تب سے تو دن دونی رات چوگنی مہنگائی شروع ہو گئی۔ اور اب تو یہ حالت ہے کہ ہر کس و ناکس نالاں و پریشان ہے۔

لمحۂ فکر

سوچنے کا مقام ہے کہ اس دن رات کے سخت دکھ کی کیا وجہ ہے؟ کیا کوئی ایسی انسانی کوشش تھی جو کی جا سکتی تھی اور نہیں کی گئی؟ یہ کیا روگ ہے جو اگر پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔ تو ترقی یافتہ ممالک جیسے امریکہ اور یورپ کو ان سے زیادہ پریشان کر رہا ہے؟ یورپ اور امریکہ کے لوگوں سے بڑھ کر تو کوئی زیادہ پڑھا لکھا اور ہر رنگ یعنے زراعتی، صنعتی اور تکنیکی اور تجارت میں ترقی یافتہ قومیں نہیں ہیں۔ ان میں بڑے بڑے ماہر اقتصادیات ہیں۔ ان کی مالی منڈیاں دنیا کے مال و دولت پر ہاتھ پھیرتی ہیں۔ پھر یہ قومیں اپنے علوم، اپنی ترقیات اور اپنی عالمگیر طاقتوں اور اختیارات کے استعمال کے باوجود اور اپنی انتہائی کوششوں کے بعد کیوں بے حس اور لاچار ہیں۔ اور خود اپنے گھروں میں دن دوگنی رات چوگنی مہنگائی کو روکنا تو کیا کم بھی نہیں کر سکتیں؟ بقول شخصے ؎

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

اس زمانہ کے مجدد اور امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے فرمایا ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت آئے تو اس کا فرض ہے کہ ہاتھ پاؤں مارے کہ وہ دور ہو جائے مگر اس بات کو نہ بھولے کہ قادر مطلق ذات یعنے اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جو مصیبت کو وارد کرتا ہے اور صرف وہی اُسے دُور کر سکتا ہے۔ اس سے دعا کرنا جو انسانی کوشش کا ایک حصّہ ہے تبھی سود مند ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے اس کے کلام یعنے قرآن کریم کو کھول کے دیکھے کہ اس میں اس مشکل کا کوئی حل ہے۔ جو اس نے ابھی تک اختیار نہیں کیا؟ حضرت اقدس نے کیا خوب لکھا ہے۔ ؎

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے   جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

مثلاً امنِ عالم کو جو ہر آن خطرہ ہے اور کسی وقت بھی تیسری ہولناک اور تباہ کن عالمگیر جنگ چھڑ سکتی ہے۔ ان جنگوں کا بھی ذکر قرآن مجید میں ایک سے زیادہ موقعوں پر ہے کہ جس طرح مغربی اقوام اس زمانہ میں خدا کو ترک کر دیں گی خدا بھی اُن کو چھوڑ دے گا کہ یہ ایک دوسرے سے سمندر کی موجوں کی طرح ٹکرائیں گی اور جنگ کا صور پھونکا جائے گا جس میں ان سب کو جمع کر دیا جائے گا اور جہنم اسی دنیا میں ان قوموں پر پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ وہ قومیں ہیں جن کی آنکھوں پہ (تکبّر کا) پردہ پڑ گیا کہ خدا کو چھوڑ بیٹھیں حالانکہ جو سائنس کی ترقیات انہوں نے کی ہیں ان کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور حُسن ایک ایک ذرّہ (ایٹم) میں نظر آتا ہے۔ اور یہ لوگ تو خدا کا نام تک سننے کو تیار نہیں (سورۃ الکہف ۱۸۔ آیات ۹۹ تا ۱۰۱) اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ یہ جنگیں ان پر آتی رہیں گی۔ یہاں تک کہ یہ قومیں اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کریں گی اور وہ قرآن کریم کو ان تک پہنچانے کے بعد ہوگا (سورۃ الرعد ۱۳۔ آیت ۳۱)

طامۃ الکبریٰ

طامۃ وہ چیز ہے جو بہت ہوتی چلی جائے۔ یہاں تک کہ وہ سب چیزوں پر چھا جائے۔ یہ وہی چیز ہے۔ جسے انگریزی میں Inflation یا افراطِ زر کہا جاتا ہے۔ اس میں پیسہ بڑھتا جاتا ہے۔ مگر اس کی قیمت گھٹتی چلی جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ خود پیسہ کی زیادتی یا افراط ہوتی ہے۔ کیا یہ مرض آج تمام دنیا کی تمام چیزوں پر نہیں چھا گئی۔ کہ ہر چیز کی قیمت دن دوگنی رات چوگنی ہو کر بڑھ رہی ہے؟ موجودہ مہنگائی کو طامۃ الکبریٰ اس لئے فرمایا کہ دنیا میں مہنگائی یا ارزانی تھوڑی بہت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ مگر موجودہ مہنگائی جو ۱۹۱۴ء سے شروع ہوئی یہ تو ایک عظیم الشان عذاب ہے۔ جو کسی طرح کم ہونے میں آتا نہیں۔

فرمایا یوم یتذکر الانسان ما سعیٰ یعنے اس دن انسان حسرت سے یاد کریگا ان کوششوں کو جو اس نے کیں مگر رائیگاں گئیں۔ اس کا ذکر میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ پہلے دن

سے ہی یورپ اور امریکہ کے ارباب حل و عقد اور ان کی رہنمائی میں مغربی تمام قومیں سر توڑ کوشش کرتی رہی ہیں کہ مہنگائی پر قابو پالیں مگر کامیاب نہیں ہو سکیں اور ؎

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

اور پھر فرمایا کہ "وبرزت الجحیم لمن یّریٰ۔" یعنے اس دن دوزخ اس کے لئے ظاہر ہو جائے گی۔ جو دیکھتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہوا کہ ان آیات میں اگلے جہان کے کسی عذاب کا ذکر نہیں کہ وہاں آنکھیں بند کر کے کوئی عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔ یہ تو اسی دنیا کے دوزخ کا ذکر ہے۔ کہ اسے بطور دوزخ وہی دیکھ سکے گا جو دل کی آنکھ کھلی رکھتا ہو۔ تو اس دوزخ میں انسان کیوں پھنسا اور اس سے کس طرح نکل سکتا ہے اس عظیم الشان حل کو بھی چند الفاظ میں کیا خوب بتا دیا ہے۔ کہ سمندر کو کوزہ میں بند کر دینے کا فقرہ اسی موقعہ پر صادق آتا ہے۔

خدائی حدود

پہلے تو یہ فرمایا کہ عالمگیر عذاب کیوں آئے گا۔ فامّا من طغیٰ ۝ واٰثر الحیوٰۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ ۝ یعنے جو خدا کی مقرر کردہ حدود سے آگے نکل گیا اور اس نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو پھر اس کا ٹھکانہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ پہلی بات تو یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں سے فائدہ اٹھانے یا جذبات اور خواہشات نفسانی کی اتباع کرنے کے لئے حدود مقرر فرمائی ہیں۔ ان حدود کو اس نے تمام نبیوں اور ان کی کتابوں میں واضح فرما دیا تھا۔ اس لئے تمام قوموں کو اس کا علم دیا گیا ہے۔ تو خدائے رحیم و کریم نے کیوں یہ حدود مقرر فرمائی ہیں؟ اس لئے کہ ان حدود سے آگے آگ ہے۔ وہ جذبات اور خواہشات نفسانی جو آگ کا رنگ رکھتے ہیں مگر قابو میں رکھے جائیں تو انسان کی تمام کوششوں کے لئے مفید بلکہ ضروری ہیں۔ وہ بے قابو ہو جائیں تو آگ کی طرح بھڑک اٹھتے ہیں۔ اس کی مثال ظاہری آگ میں دیکھ لیجئے کہ قابو میں رہے تو کتنی مفید ہے مثلاً ریلوے انجن میں یا موٹر کار میں یا ہوائی جہاز میں یا اس راکٹ میں جو خلاء میں انسانوں کو آسمانوں کی بلندیوں میں لے جاتا ہے۔ اگر اس کی آگ قابو میں رہے یعنے مقرر کردہ حدود کے اندر تو کس قدر مفید ہے۔ مگر اگر بے قابو ہو جائے تو اس راکٹ کو اور اس کے اندر کے انسانوں کو بھسم کر کے راکھ کر دیتی ہے۔

اسی طرح انسان کے اندر مثلاً جو دولت کی طلب یا شہوت کے جذبات ہیں یہ اپنے اندر آگ رکھتے ہیں۔ اور ان کو تحریک دینے والا شیطان ہے۔ جس کا قول خود قرآن حکیم کے اندر مذکور ہے۔ کہ خلقتنی من نار یعنے تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ تو آگ میں بھڑک اٹھنے یا بے قابو ہو جانے کا مادہ ہے۔ اس لئے اسے قابو میں یعنے حدود میں رکھنا از بس ضروری ہے۔ خالق رحیم و کریم نے اپنی کتابوں اور نبیوں کے ذریعہ ان حدود کو ہمیشہ واضح فرمایا۔ مثلاً میں نے دولت کمانے یا شہوت کے جذبات کا ذکر کیا تھا تو تمام دینوں میں ان حدود کا پتہ چلتا ہے۔ کہ دولت حلال طریقوں سے کمائی جائے اور حرام کھانے کی جو ترغیب شیطان دیتا ہے اس سے بچا جائے۔ اسی طرح شادی بیاہ کی تمام دین اجازت دیتے ہیں مگر زناکاری اور بدکاری سے روکتے ہیں

دنیا کی زندگی

دوسری بات فرمائی کہ دنیا کی زندگی کو ترجیح دینا نتیجہ ہے خدا کی حدود سے آگے نکل جانے کا۔ مثلاً جو شخص حرام مال پر گرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ برا ہے۔ مگر حرام مال کھانے سے دنیا کی زندگی میں اُسے جو وہ چاہتا ہے مل سکتا ہے۔ کیونکہ دولت ہر چیز کو خرید سکتی ہے۔ پر ساتھ ہی اس کے دل میں آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ جو یہاں اگر دلوں کے اندر ہی سلگتی ہے پر آخرت میں ظاہری آگ کے ستونوں میں اس پر چھا جائے گی۔ دوسری جگہ اس کو یوں واضح فرمایا ہے۔ نار اللہ الموقدۃ ۝ التی تطلع علی الافئدۃ ۝ انہا علیہم مؤصدۃ ۝ فی عمد ممدّدۃ ۝ (الھمزۃ ۱۰۴۔ آیات ۶ تا ۹) یعنے اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں پر ظاہر ہوتی ہے وہ بعد میں ان پر لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دی جائے گی۔

اسی طرح شہوت کی آگ ہے۔ جو شادی بیاہ کی حد کے اندر بند رہے تو نسل انسانی کی بقا اور دنیا کا قیام اس کے ساتھ ہے۔ اور بیوی بچوں کی پرورش اور نگہداشت جیسے اعلیٰ اخلاق جو اللہ تعالیٰ کی صفات، ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیت کا مظہر ہیں انسان میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ان حدود سے آگے نکل جائے تو یہ آگ بھڑک کر انسانوں کو اور قوموں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

مجدد زمان کا احسان

چونکہ اس زمانہ میں انسانوں نے خدا کی مقرر کردہ حدود سے آگے نکل کر دنیا کی زندگی میں کھو یا جانا تھا اس لئے اس زمانہ کے مجدد نے جو خدا کا مامور تھا اور مسیح موعود بھی تھا اس لئے اس نے اس زمانہ کے تمام روحانی امراض کا علاج کیا جن میں دنیا پرستی سرفہرست ہے۔ اور ہم سے عہد لیا کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔" یعنے دین نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کے اندر ہی رہ کر دنیا میں پڑوں گا ورنہ نہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ کیا احسان عظیم ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے اپنے مامور اور مجدد کے ذریعہ سے نہ صرف ہمیں بلکہ تمام دنیا کو اس زمانہ کے دکھوں اور تباہی سے بچنے کا گر سکھایا۔ اس سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں یہ ہمارا کام ہے۔

نجات کا راستہ

تمام دینوں میں جہاں خدا کی حدود بتائیں وہاں انسان کی اپنے اعمال کی ذمہ داری بھی بتائی کہ ایک دن انہیں اپنے رب کے آگے کھڑے ہو کر حساب دینا ہے۔ اسی لئے ان آیات میں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھیں فرمایا کہ فامّا من خاف مقام ربّہ یعنے جو اپنے رب کے آگے کھڑے ہونے کے وقت سے ڈرتا ہے ونھی النفس عن الھویٰ اور اپنے نفس کو گری ہوئی خواہشات سے روکتا ہے کیا حکمت اور علم ہے جو بخشا ہے کہ اگر انسان خدا کی مقرر کردہ حدود کو توڑے تو وہ انسانیت کے اعلیٰ مقام سے گر جاتا ہے۔ اور پھر جس طرح کتے ہڈی پر لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کو لہولہان کر دیتے ہیں دنیا کی مال و دولت پر آپس میں انسان لڑتے جھگڑتے قتل و خون کرتے۔ بلکہ جنگیں تک کرتے ہیں۔ اسی کو حضور صلعم نے یوں فرمایا ہے کہ الدنیا جیفۃٌ وطالبھا کلابٌ۔ یہ مردار دنیا ہے۔ اس لئے کہ آج نہیں تو کل تم نے مرنا ہے اور اسی سیکنڈ یہ دنیا تمہارے لئے مردار ہو جائے گی۔ اس کی اندھا دھند طلب انسان کو کتا بنا دیتی ہے۔

شہوت رانی کو دیکھ لیجئے۔ خدا کی مقرر کردہ حدود کو مغربی اقوام نے توڑا ہے تو کہاں کی کہاں گری۔ زناکاری اور بدکاری تو عام اور برملا ہوتی تھی اب ھل من مزید کی آگ انہیں خلاف فطرت افعال کی قانونی اجازت اور رسم کھلا کرنے کی طرف لے گئی ہے۔ بلکہ اب تو بعض مغربی رسالوں میں جو تمام دنیا میں بکتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں Incest یعنے ماں اور بیٹے میں زنا۔ یا باپ اور بیٹی میں زنا یا بھائی اور بہن میں زناکاری کی اجازت کی بھی تحریک ہے بلکہ اب تو فلم بھی بنائے گئے ہیں جن میں ان ناپاک باتوں کے لئے دروازہ کھولا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔" دیکھئے انسان کس طرح نہ صرف انسانیت کے مقام سے گرا بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو گیا کہ وہ خلاف فطرت افعال کبھی نہیں کرتے۔

قرآن پاک بھی کیا عجیب کتاب ہے۔ فرمایا تھا کہ جو اپنے ربّ کے آگے کھڑا ہونے کے وقت سے ڈرتا ہے۔ رب وہ ذات رحیم و کریم ہے۔ جو انسان کو ادنیٰ

سے اعلیٰ کی حالت کی طرف لے جانا چاہتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تو انسان کو انسانیت کے مقام سے ولایت اور اس سے بھی آگے کے مقامات عالیہ کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اور اسی کے لئے اس نے انسان کی عقل اور فطرت میں رہنمائی کے علاوہ وحی و الہام کے ذریعہ دین دے کر بھی راستہ بنا دیا تو ترقی کرنے کی بجائے جو انسان انسانیت سے بھی گر کر بلکہ حیوانیت سے بھی بدتر حالت میں جا پڑے۔ وہ اپنے رب کے آگے جب کھڑا ہوگا تو کیا جواب دہی کرے گا۔ اسی لئے اس غفور و رحیم ذات نے اگلی آیت میں فرمایا ونہی النفس عن الھویٰ ۝ فان الجنۃ ھی الماویٰ ۝ کہ جو ان خواہشات سے جو خدا کی حدود سے آگے نکل کر گرا دیتی ہیں اپنے نفس کو روکتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ تو بہشت ہے۔ جو اسی دنیا میں انسان کے اندر تو ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ باہر کی دنیا کو بھی بہشت بنا دیتی ہے۔ اور آخرت کی اندر اور باہر کی اعلیٰ بہشت تو ضرور میسر آ جاتی ہے۔

اشاعت قرآن

مغربی اقوام نے اگر اپنی الہامی کتابوں کو چھوڑا تو اس کی وجہ نہ صرف علم و سائنس کی ترقیات کا تکبر اور قدرت کی طاقتوں کو پا کر اپنی خدائی کا زعم تھا بلکہ ان الہامی کتابوں کی اپنی موجودہ حالت میں نقص بھی تھا اگرچہ تب بھی ان عقلمند قوموں کی عقل اور فطرت نے ان کا کیوں ساتھ چھوڑ دیا۔؟ بہرحال قرآن حکیم کی اعلیٰ اور مکمل ہدایت ہی اب انہیں بچا سکتی ہے۔ کیونکہ صرف یہ وہ الہامی کتاب ہے جو آج اپنی اصل شکل میں اور خوبیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس کتاب کو دنیا میں پہنچانا آج دنیا کی مشکلات کا حل ہے اے میری قوم اپنے امیر مرحوم کی وصیت کو یاد کر۔

"ہمارا کام قرآن کریم کو دنیا میں پہنچا دینا ہے۔ آگے قرآن کریم اپنا کام خود کرے گا۔"

اور میں حضرت امام الزماں کے الفاظ میں اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔ ے

ایک عالم مر رہا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اے میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

آمین یا ارحم الراحمین

بقیہ حیات صالحہ آمدہ صہ ۲

کے احاطہ میں اچھا بڑا مکان دو کمرے۔ برآمدہ۔ بجلی۔ پانی سمیت مفت دے دیا۔

ان کی اپنی صحت ہمیشہ نرم گرم رہتی تھی۔ مگر ساتھ غریبوں کی صحت و تندرستی کا غم بھی کھاتی تھیں۔ اپنی زمین پر خود بنوا کر ایک کلینک مع دواخانہ۔ ساتھ لیڈی ڈاکٹر دائی کے ساتھ کھلوا دیا۔

اپنی شامت اعمال سے پاکستان اکثر مہاجرین۔ سیلاب۔ وباؤں اور دو بار جنگ کا نشانہ بنتا رہا۔ ان آسمانی ابتلا میں آیا محتاجوں۔ دکھیوں۔ شامت کے ماروں کا تن من دھن سے ساتھ دیتی تھیں اور پھر اپنے ساتھ ان کے دین و مذہب کا بھی دھیان رہتا تھا۔

ماشاء اللہ اب "احمد پارک" نہر کے کنارے ایک خوبصورت امیروں کی رہائش گاہ بن گئی تھی۔ خود اپنی ان کی ایک چھوڑ کئی کوٹھیاں۔ بنگلے تعمیر ہو گئے تھے۔ مگر اس سب اللہ کی دین سے دین کا حصہ پہلے جاتا تھا۔ ہنسی خوشی سینکڑوں چھوڑ ہزاروں روپیہ اشاعت اسلام و قرآن کی نذر کر دیا۔ چپ چپاتے نقد کا حساب تو خدا۔ اب دارالسلام میں بھائی صاحب اور آپا کی لاگت سے ایک خوبصورت مذہبی کتب کی لائبریری بن رہی ہے جو ہمیشہ کے لئے صدقہ جاریہ کا کام دے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ کہاں تک حیات صالحہ کو بیان کروں۔ یہ سالوں کی محبت و جفا۔ صبر و رضا۔ رنج و راحت، دھوپ چھاؤں کی داستان ہے۔ بس یہ کہہ کر ختم کرتی ہوں کہ ے

تم زندوں کی زندہ ہو — تمہیں کہتا ہے مردہ کون
تمہاری نیکیاں باقی — تمہاری خوبیاں زندہ

دینی تربیتی کلاس کا اختتامی اجلاس

جیسا کہ احباب کرام جانتے ہیں کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے زیر اہتمام دارالسلام میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کی سرپرستی اور مرزا محمد لطیف صاحب کی نگرانی میں ایک دینی تربیتی کلاس ۲ مئی تا ۳۱ مئی جاری کی گئی تھی خدا کے فضل سے ان دنوں میں دارالسلام میں چھوٹے جلسہ سالانہ کا سا گمان ہوتا تھا۔ جس کا باہر سے آنے والوں نے اعتراف کیا۔ طلبہ قرآن مجید، حدیث، مسائل احمدیہ تحریک عام دینی معلومات کے سلسلہ میں خوب مصروف رہے۔ بجز ۲۹ کو ان کا تحریری امتحان لیا گیا خدا کے فضل سے سب طالب علم کامیاب ہوئے۔ ان کو مرکز اور بیگم صاحبہ محترم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی اور محترمہ بیگم صاحبہ چوہدری فضل حق صاحب کی معاونت کی کتب انعام کے طور پر دی گئیں۔ محترم کیپٹن حبیب الرحمٰن صاحب نے تین کمسن طالب علموں کو نقد انعام دیا لیکن انہوں نے خوشی سے "مد اشاعت اسلام" میں اپنی طرف سے پیش کر دیا۔

۳۱ - ۵ بجے ۱/۲ ۸ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کی صدارت میں اختتامی اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی طلبہ نے اپنے اپنے تاثرات بیان فرمائے۔ ہر ایک کا تقریباً ایک ہی مفہوم تھا کہ میں نے اس کلاس سے بڑا روحانی، علمی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور ہر ایک یہی زور دے رہا تھا کہ ایسے پروگرام باقاعدگی سے بار بار کئے جائیں۔ محترم حضرت ڈاکٹر صاحب نے نہایت قیمتی نصائح سے طلبہ کو رخصت کیا دوپہر کا کھانا بھی حضرت ڈاکٹر صاحب نے تمام شرکاء کورس اور معلمین کو پیش کیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اس تقریب میں حضرت ڈاکٹر صاحب کے علاوہ محترم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی، محترم مرزا مسعود بیگ ایم۔ اے جنرل سیکرٹری اور مرزا محمد لطیف صاحب منتظم دینی تربیتی کلاس نے خطاب کیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے تمام طلبہ کو ان کے انعامات ازراہ کرم اپنے دست مبارک سے دیئے۔ آخر میں مرکزی انجمن کی طرف سے تمام حاضرین کی خدمت میں چائے معہ ضروری لوازمات کے پیش کی گئی۔ اور نہایت رقت آمیز دعا کے ساتھ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے طلبہ کو رخصت فرمایا۔ (تفصیلی رپورٹ انشاء اللہ جلد پیش کی جائے گی) ادارہ

بقیہ کیا یوسفؑ مصر میں انصاف خریدا اور بیچا جاتا تھا؟ (آمدہ صہ ۷)

انصاف پسند شخص یہ نہیں کہے گا کہ اس مقدمہ میں ججوں نے رشوت یا دباؤ کی وجہ سے غلط فیصلہ کیا۔ اور یہاں تو مدعا علیہ نے صرف اپنی طرف سے کوئی گواہ پیش نہ کیا۔ بلکہ زنان مصر کے الزام کو خوشی سے قبول کیا اور خود جیل جانا قبول کیا۔ ایسے حالات میں عدالت آپ کو قید کی سزا نہ دیتی تو اور کیا کرتی۔ آخر آپ کو کس وجہ سے بری کرتی؟

۳۔ جب یوسفؑ کو شاہ مصر نے دربار میں طلب کیا تو آپ نے غیر مشروط طور پر باہر آنے سے انکار کر دیا۔ آپ کو شاہی انصاف پر اعتماد تھا اس لئے قاصد کو صاف صاف کہہ دیا کہ ۔

"اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے۔ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے میرا رب تو ان کی چال سے خوب واقف ہے۔"

حضرت یوسف نے اس موقع پر صرف کٹے ہوئے ہاتھوں کا ذکر کیا ہے کیونکہ کٹے ہوئے ہاتھوں کی بنا پر ہی آپ کو جیل میں ڈالا گیا تھا۔ اور گو بدلے ہوئے حالات میں آپ جیل سے باہر آنا پسند کرتے تھے لیکن ایک پاکدامن انسان کی طرح کیونکہ اللہ کے بندے یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کا کردار لوگوں کی نظروں میں داغدار ہو۔ چند سال کے وقفے کے بعد زنان مصر کا جذبہ انتقام ٹھنڈا پڑ چکا تھا یوسفؑ کے کردار کی بلندی نے انہیں نادم اور منفعل بنا دیا تھا۔ پھر یوسفؑ کو اب بادشاہ کا تقرب حاصل ہو چکا تھا۔ اس لئے جب شاہ مصر نے ان عورتوں کو دربار میں بلا کر پوچھا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسفؑ کو اس کے ارادے سے پھیرنا چاہا۔ ۴۴

۴۵ تو انہوں نے جرأت سے کام لے کر اعتراف جرم کرتے ہوئے کہا۔ "اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم نے اس میں کوئی بدی نہیں پائی۔ عزیز کی عورت نے بھی کہا۔ اب حق کھل گیا ہے۔ میں نے ہی اسے اس کے ارادے

کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے ہم نے بازار سے منگوا کر پہلے ہی رکھ لیا تھا۔ یہ دودھ آپ بچوں کو پلائیں۔ اِس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی نگاہ مہمان نوازی کیلئے بہت باریک تھی اور اپنے مہمانوں کی زندگی کا کوئی گوشہ اُن سے اوجھل نہیں رہتا تھا۔ حضرت صاحب کی اِس مروّت اور آپ کے اس حُسنِ اخلاق کو دیکھ کر حضرت ڈاکٹر صاحب کو لطف ہی آ گیا۔ پھر انہیں یہ بات سمجھ میں آئی کہ کس نے دوکاندار سے دودھ زیادہ مقدار میں منگوا لیا تھا۔

ایک دفعہ مولانا ابوالکلام آزاد کے بھائی ابوالنصیر مولانا غلام یٰسین صاحب کو قادیان جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں وہ حضرت مجدد الوقت کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت ممدوح کی مہمان نوازی اور حسنِ سلوک سے جو اثر وہ لے کر واپس گئے وہ ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں

"میں نے اور کیا دیکھا۔ قادیان دیکھا . . . . مرزا صاحب سے ملاقات کی۔ مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیئے میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے۔ جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی۔ اور وہ بے حد عقیدت مند تھے۔ مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقع دیا۔ "ہم آپ کو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں۔ کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتے قیام کریں۔" اس وقت کا متبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے۔ میں جس شوق کو لے کر گیا تھا۔ ساتھ لایا اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے۔ واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے۔

حسن خلقك ولو مع الكفّار۔"

(بدر ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء)

کوئی شخص محض قیل و قال سے نہ اصلاح معاشرہ کر سکتا ہے اور نہ ہی قوم کی شیرازہ بندی بلکہ اس کے ساتھ اس کا ذاتی عمل اور حسن اخلاق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ایک شاعر، مصور اور ادیب اپنے وطن کے ذہنی سفر کو واقعی بڑا حسین و جمیل بنا دیتا ہے لیکن چونکہ وہ ان خیالات و تخیلات کو عملی جامہ پہنانے کی بجائے محض اپنے خیالات کی دنیا میں گم سم رہتا ہے۔ اور جو کہتا ہے کرتا نہیں۔ اس لئے انسانی معاشرہ کی خرابیاں دور کرنے میں اس کا فلسفہ بیکار رہتا ہے۔ لیکن جو افراد ارشاد و ہدایت کے مقام جلیلہ پر فائز کئے جاتے ہیں۔ ان کے قول و فعل میں مطابقت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہ اسلامی اخلاق و اقدار کے مجسمہ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ایک نئی دنیا بسانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جس میں صرف فرشتہ خصلت لوگ ہی بسیرا کرتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار سے ایسی جماعت پیدا کی جسے دیکھ کر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ آپ نے اپنی تقریر "ملّت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں فرمایا تھا:۔

"میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر اور نگ زیب کی ذات نے ڈالا ہے۔ ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے۔ اور ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے۔ اور مسلمان ہر وقت اسے پیشِ نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جسے فرقۂ قادیانی کہتے ہیں۔"

***

کیا یوسفی مصر میں انصاف خریدا اور بیچا جاتا تھا؟

تحریر: ابوطاہر عرفانی

۲۲ مئی کی صبح ۱۰ - ۶ بجے تقریر کرتے ہوئے جناب شاہ بلیغ الدین صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند کردار، پاکدامنی اور صالحیت کا ذکر کیا وہاں جوشِ خطابت میں فرمایا کہ وہاں انصاف بیچا اور خریدا جا سکتا تھا۔ یہ درست ہے کہ عہد یوسفؑ کے بالخصوص طبقہ اُمراء کے رجال و انات جنسی آزادی میں بہت آگے تھے۔ اور خود عزیزِ مصر کی اہلیہ اور اس کی ہوا خواہ زنانِ مصر کا کردار اس کا شاہد ہے۔ لیکن سورۂ یوسف کے سرسری مطالعہ سے یہ عیاں ہے کہ وہاں کا اعلیٰ طبقہ حق و انصاف کے سختی سے علمبردار تھا اور یہ کہنا درست نہیں کہ انہوں نے حضرت یوسفؑ کے بارے میں بے انصافی برتی

سورۃ یوسف کے بیان کردہ واقعات کا جائزہ لیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ شاہ صاحب کا خیال محلِ نظر تو نہیں؟

۱۔ عزیزِ مصر کی اہلیہ نے حضرت یوسفؑ کو بہکانے کی کوشش کی اسی کشمکش میں عزیزِ مصر آ گیا یہ ایک انتہائی جذباتی لمحہ تھا۔ وہ صاحبِ اقتدار تھا۔ اس کی اپنی اہلیہ کی عصمت کا معاملہ تھا اور مقابلے پر ایک غیر ملکی زرخرید غلام تھا ایسے حالات میں اگر وہ فوری طور پر حضرت یوسفؑ کو سزا دیتا تو اسے روکنے والا کوئی نہ تھا لیکن اس نے انصاف کی راہ اختیار کی۔ یوسفؑ اور اپنی اہلیہ دونوں کے بیانات سُنے۔ اس کی اہلیہ نے اپنے بیان میں اس کے جذبات کو بھڑکاتے ہوئے کہا کہ اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیری اہلیہ کی عصمت پر حملہ کرے۔ پھر عزیزِ مصر نے ایک اور شخص کی گواہی لی۔ وہ شخص عزیزِ مصر کی اہلیہ کا رشتہ دار (شاھدٌ من اھلھا) تھا۔ لیکن اُس نے بھی صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اس کی اہلیہ ہی کو خطا کار ٹھہرایا۔ ان شہادات کے بعد عزیزِ مصر کو انصاف کرنے میں ذرا ہچکچاہٹ نہ ہوئی اور بلا خوف فیصلہ دیا کہ:۔

"یہ تم عورتوں کی چال ہے۔ اے یوسفؑ اس سے درگزر کر۔ اور اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ کیونکہ تو خطا کاروں سے ہے"

کوئی بتلائے کہ آیا یہ عدل و انصاف کی خرید و فروخت ہے یا مخصوص، جذباتی حالات میں بھی انصاف کا بیش بہا نمونہ ہے۔

۲۔ یوسفؑ کے خلاف بے انصافی کی واحد مثال ان کی سزائے قید ہے۔ کہ انہیں بلا گناہ قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ بلاشبہ حضرت یوسفؑ اس بار بھی پاکدامن اور بے قصور تھے۔ لیکن اس دفعہ بھی ان کے خلاف ایک شہادت موجود تھی۔ اور وہ تھی زنانِ مصر کی کٹی ہوئی انگلیاں۔ یوسفؑ کی طرف سے مایوس ہو کر انہوں نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ یوسفؑ نے ہم پر چھری سے مجرمانہ حملہ کیا ہے۔ اور اس سے بچاؤ کرتے ہوئے ہماری انگلیاں زخمی ہو گئی ہیں۔ اس لئے اسے سزائے قید دی جائے۔ مخالف شہادت کوئی نہ تھی۔ اپنی عزت کو دوسری بار خطرے میں پا کر یوسفؑ نے باہر کی بجائے قید خانے کی ترجیح دی۔ "اے میرے رب قید میرے لئے اس سے بہتر ہے جس کی طرف یہ مجھے دعوت دیتی ہیں۔ اور اگر تو ان کی چال کو مجھ سے نہ پھیرے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔" اس لئے آپ نے اپنی صفائی میں زبان نہ کھولی۔ پس زخموں کے نشانات دیکھ کر عدالت آپ کو سزا دینے پر مجبور ہو گئی۔

"پھر اس کے بعد کہ نشانیاں دیکھ چکے تھے۔ انہیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسے کچھ مدت کے لئے جیل بھیج دیں۔" اس موقع پر بھی ججوں نے انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا اور کوئی

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

مراسلات: شیخ اللہ بخش صاحب

مجدّد و ملہم

موت کے دروازے پر

جناب شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی سے مدیر پیغام صلح کے نام لکھتے ہیں:۔

بہت سے واقعات دیکھنے اور سننے میں آئے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ کا کوئی نیک متقی اور پرہیزگار بندہ یا خاتون اس دنیا سے سفرِ آخرت کرتی ہے تو اس کے عزیز و اقربا جو اس سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوتے ہیں اس کے استقبال کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ تاکہ وہ خوشی خوشی یہ سفر اختیار کر سکے اور اسے یہ غم نہ ہو کہ وہ کسی ایسی دنیا میں جا رہی ہے یا جا رہا ہے جہاں اس کا کوئی اپنا نہیں اور یہ عارضی زندگی ترک کرنے پر اسے کوئی رنج اور ملال نہ ہو۔ واقعات بے شمار ہیں لیکن میں چند ایک ہی بیان کروں گا۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ آنے والی ابدی زندگی ایک حقیقت ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے انسان کو تسلی دینے کے لئے بار بار بڑی وضاحت سے بتایا ہے دنیوی زندگی ہموم و غموم، مصائب اور مشکلات، ابتلاؤں اور آزمائشوں سے پر ہے۔ اس دنیا میں کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں جو یہ کہہ سکے کہ میں خوش ہوں۔ اور مجھے کوئی غم نہیں اگر کوئی کہتا ہے تو وہ سچائی سے کام نہیں لے رہا۔ لیکن باوجود اس کے ہر کوئی اس دنیا کے عارضی عیش و عشرت اور آرام و راحت پر مٹا جاتا ہے۔ اور جب آنکھیں بند ہوتی ہیں تو اس کے سامنے اس کی ساری حقیقت کھل جاتی ہے۔ دراصل اس زندگی اور اس زندگی کے درمیان ایک نہایت ہی باریک پردہ ہے جسے ظاہری آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہیں لیکن جب انسان موت کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اور یہ آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں تو اندر کی آنکھیں اس باریک پردے کے اس طرف کی دنیا کو دیکھ لیتی ہیں۔ اس کی ساری دلفریبی، رنگینی اور بہاران کے سامنے ہوتی ہے۔ موت کی بے ہوشی سچ مچ آ کر رہتی ہے۔ اور یہ وہ ہے جس سے انسان کنارہ کرتا رہتا ہے۔ انسان اس سے غفلت میں ہوتا ہے۔ لیکن اللہ اس کا پردہ اس لئے ہٹا دیتا ہے اور اس کی نگاہ کو تیز کر دیتا ہے۔ تاکہ وہ اس کی باریک سے باریک تفصیل کو بھی دیکھ سکے۔ یہ پردہ جب ہٹ جاتا ہے اور انسان کی نگاہ تیز ہو جاتی ہے۔ تو اسے اس دنیا کے وہ باسی چلتے پھرتے نظر آتے ہیں جو یہاں آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔

۱۔ ابھی چند روز ہوئے ہیں کہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی بیگم صاحبہ وفات پا گئی ہیں۔ ان کے آخری لمحات میں جبکہ ابھی اس دنیا سے رشتہ منقطع نہ ہوا تھا ان کی والدہ والد اور حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے کے لئے آئے یعنی بیگم صاحبہ مرحومہ کو اس دنیا سے اس دنیا میں لے جانے کے لئے ان کا استقبال کرنے آئے۔ اپنے ان پیاروں کو دیکھ کر مرحومہ کو کتنی خوشی اور مسرت ہوئی ہو گی۔ کہ جہاں میں جا رہی ہوں وہاں میرے چاہنے والے بھی موجود ہیں۔ جن کی قربت اور محبت انہیں یہاں عارضی طور پر حاصل تھی۔ وہاں دائمی طور پر حاصل ہو گی۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔ "اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنی کمائی میں گرو ہے۔ حضرت مولاناؒ کا ان کی والدہ اور والد کے ساتھ آنا یہی بتاتا ہے کہ وہ بھی مرحومہ کو اپنی بیٹی سمجھتے تھے۔

۲۔ چوہدری محمد سرفراز خاں مرحوم رئیس بدوملہی کے نام نامی سے کون واقف نہیں۔ یہ وہی چوہدری صاحب ہیں جنہوں نے اللہ تعالےٰ کے لئے شہادت کو قائم رکھتے ہوئے اپنے بھائی کے خلاف گواہی دی جب کہ فریق مخالف ہندو تھے یہ سبق انہوں نے مسیح وقت کے قدموں میں بیٹھ کر سیکھا تھا۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں سے ہے کوئی آج جو اپنے باپ، بیٹے اور بھائی کے خلاف گواہی دے سکے۔ یہ طاقت، قوت اور جرأت صادقوں کی معیت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

چوہدری صاحب کا پوتا منظور الحق گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا۔ وہ لاہور میں نیڈوز ہوٹل میں مقیم تھا۔ جب بیمار ہوا تو بے ہوشی کے عالم میں اس نے کہا: "السلام علیکم میرے تو دادا جان آ گئے ہیں۔" چوہدری صاحب کے ہمراہ ایک خاتون بھی تھیں۔ جنہیں منظور الحق نے نہیں دیکھا ہوا تھا۔ ان کے متعلق منظور الحق نے اپنے دادا جان سے پوچھا "یہ کون ہیں۔" اسے بتایا گیا کہ یہ تمہاری دادی صاحبہ ہیں تو اس نے ان کو بھی سلام کیا اس نے ان کا حلیہ بھی بالکل ٹھیک ٹھیک بتایا۔

چوہدری صاحب کی ایک ہی بیٹی تھیں۔ جب وہ فوت ہونے لگیں تو ان کو بھی ان کے ماموں اور والد یعنی چوہدری صاحب لینے کے لئے آئے۔ کچھ ایسے ہی واقعات میرے اپنے گھر کے بھی ہیں۔

۳۔ جب میری لڑکی فوت ہونے لگی تو اس نے (میری چھوٹی لڑکی) خواب میں دیکھا کہ اس کی والدہ اور دادی وغیرہ رشتہ دار اس کو لینے آئے ہیں۔

۴۔ میری ہمشیرہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میری لڑکی نے جو پتوکی میں شادی شدہ ہے خواب میں دیکھا کہ اس کی والدہ اور دادی اور پانچ چھ دوسری رشتہ دار آئی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم بدوملہی برکت بی بی (میری بہن) کو لینے جا رہی ہیں۔ یہ نظارہ بدل گیا تو اس نے دیکھا کہ برکت بی بی ان سے بغلگیر ہو رہی ہے۔ اور اسی دن وہ فوت ہو گئی۔ یعنی ان کے ہمراہ رخصت ہو گئی۔

۵۔ میں نے بار ہا اپنے کچھ ذاتی گھریلو واقعات اپنے عزیزوں اور دوستوں کے سامنے بیان کئے ہیں۔ انہیں بیان کرنے سے مقصد اپنی تعریف نہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو دل سے اور صحیح معنوں میں مجدد وقت اور مسیح موعود تسلیم کیا ہے۔ اور قربانیاں دی ہیں ان پر اللہ تعالےٰ نے مادی اور روحانی دونوں رنگوں میں بہت فضل کیا ہے۔ میرا ان واقعات سے ایمان تازہ اور بہت مضبوط ہوا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں میرے دوسرے بھائیوں کو بھی ان واقعات کے پڑھنے سے فائدہ ہو۔

میں نے حضرت مولانا محمد علیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے احمدیت قبول کی تھی۔ اس سے میری برادری نے میرے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا۔ ایک بار میں اپنی بیوی کے ہمراہ اپنے سسرال گیا تو میرے برادر نسبتی نے مجھے کافر کہہ کر اپنے گھر سے نکال دیا اور اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ اس کے ساتھ اب مت واپس جاؤ، میری عزت رکھو۔ میں اکیلا گھر واپس چلا آیا۔ لیکن میرے چلے آنے کے بعد میری بیوی اپنے بچے بچیا کو ساتھ لے کر میرے پاس پہنچ گئی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی اس چھوٹی سی قربانی کی بہت بڑی قدر کرتے ہوئے

اُسے مستجاب الدعوات بنا دیا اور رؤیا اور کشف سے نوازا۔

حضرت مرزا صاحب کی ریش مبارک سفید ہے۔ اور نور آسمان تک جا رہا ہے۔ دونوں "سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم" پڑھ رہے ہیں۔

۸۔ حضرت مرزا یعقوب بیگ مرحوم و مغفور جس روز فوت ہوئے اس سے پہلی رات میری اہلیہ مرحومہ نے دیکھا کہ احمدیہ بلڈنگس میں ایک بزرگ فوت ہو گئے ہیں۔ اور ایک نور ہے کہ اُن سے اُٹھ کر آسمان کی طرف جا رہا ہے۔ اگلے روز ہمیں اطلاع ملی کہ مرزا یعقوب صاحب اپنے مولا حقیقی سے جا ملے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۹۔ یقین جانیے میری بیوی کی موجودگی میں میرا گھر بہشت کا نمونہ تھا۔ نہ کوئی لڑائی جھگڑا تھا اور نہ گالی گلوچ ہم پر جب بھی کوئی مصیبت آئی خواہ مالی پریشانی یا بیماری کی صورت میں وہ دُعا کرتیں تو اللہ تعالیٰ اسے دُور فرما دیتا۔ ایک دفعہ میں سخت بیمار ہوا۔ بظاہر بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے بہت دردکر دعا کی تو آواز آئی اور غالباً اس کے قول کے مطابق وہ آواز حضرت مرزا صاحب کی تھی کہ خدا نے تمہارا رونا دھونا سن لیا ہے۔ ایک چھترا (بکرا) صدقہ دو۔ اس نے مجھے آواز دی تو میں اٹھ بیٹھا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں کبھی بیمار ہوا ہی نہ تھا۔ اور ایک بکرا لاکر صدقہ دے دیا۔ اس کے فوت ہونے کے بعد میری بیٹی نے دیکھا کہ اس کی ماں بہشت کے اول درجہ میں تخت پر فروکش ہے۔ اس کی اسی تربیت کا اثر اس کی بچیوں پر بھی تھا۔ انہوں نے بھی اپنی ماں کے نمونہ پر چلنے کی کوشش کی۔ میری تیرہ کی والی بیٹی ایک بار جلسہ میں آئی۔ اس پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ ایک ماہ تک لگاتار یہ دعا کرتی رہی کہ یا اللہ مجھے حضرت مرزا صاحب کی زیارت کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ خواہش پوری کر دی حضرت صاحب اسے خواب میں پہلی دفعہ ملے تو فرمایا مجھ میرا نبی ہونے کا دعویٰ نہیں۔ دوسری دفعہ ملے تو اس نے پوچھا حضرت دوسری جماعت کا کیا حال ہے۔ آپ نے جواب دیا غلطی کھا گئے ہیں۔ پکڑے جائیں گے۔ تیسری دفعہ ملے تو فرمایا اپنے باپ کو کہنا کہ قرآن شریف

تبدیلی فون نمبر

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی کے گھر کا ٹیلیفون نمبر تبدیل ہو گیا ہے۔ موجودہ نمبر ۸۵۱۸۹۷ ہے سابقہ ٹیلیفون ۸۵۳۷۳۶ تھا جو مستقل طور پر دفاتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، دارالسلام میں منتقل ہو گیا ہے۔

پڑھا کرے اگر نظر کمزور ہے تو عینک خریدے۔ دنیا میں بھی وہ ہمارے ساتھ ہے۔ تاکہ آخرت میں بھی وہ ہمارے ساتھ رہے۔ یہ تمام واقعات دیکھنے سننے اور جاننے کے بعد میں کیسے یہ باور کر سکتا ہوں کہ سلسلہ احمدیہ برحق نہیں۔

کی اب کوئی گنجائش نہیں۔

۱۰۔ ۱۹۷۴ء میں جو واقعات ہم پر گزرے ان کے دوران میں رمضان شریف کے مہینہ میں جناب محمد افضل صاحب جنجوعہ سابق مبلغ بدوملہی حال دارالسلام بدوملہی کی مسجد میں اعتکاف میں تھے۔ ایک صبح انہوں نے بتایا کہ میں نے پہلے جو "فضل النبیؐ" دیکھا تھا آج رات اس سے بہت بڑا دیکھا ہے۔ پھر ایک دن غنودگی کی حالت میں انہیں آواز آئی کہ صفحہ ۱۹۹ دیکھو۔ تذکرہ میں سے جو حضرت صاحب کے الہامات کا مجموعہ ہے۔ یہ صفحہ نکالا تو اس پر لکھا تھا "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"

اسی طرح کا ایک خواب جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے بھی سنایا کہ میرے پاس تین آدمی آئے اور کہنے لگے "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ زندہ باد۔" اور یہ بات واقعات ثابت کر رہے ہیں ۱۹۷۴ء کے بعد سے بیرون پاکستان احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے جماعتیں قائم ہونا شروع ہوئی ہیں۔ یہ جماعتیں پہلے بھی تھیں لیکن کہیں ان کا نام مسلم لیگ تھا اور کہیں اسلامیہ جماعت۔ ان کے ارکین احمدی تھے۔ لیکن اب انکا نام بدل کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہو گیا۔ سرینام۔ گی آنا۔ ٹرینیڈاڈ۔ امریکہ۔ کینیڈا۔ فجی۔ انڈونیشیا۔ ہالینڈ۔ برطانیہ میں یہ جماعتیں تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ حضرت مولانا محمد علیؒ کی تفسیر کا ترجمہ انڈونیشی زبان میں ہو چکا ہے۔ انڈونیشیا کے دو نوجوان سکندر اور سر یمن یہاں سے تربیت حاصل کر کے اپنے وطن واپس گئے ہیں۔ اور وہاں تبلیغ کر رہے ہیں۔ اگر میں یہاں یہ اعتراف کروں کہ یہ سب کچھ جناب ڈاکٹر سعید احمد کی کوششوں سے ہوا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہر ابتلا اور آزمائش میں احمدیت پر قائم رہ کر حضرت مرزا صاحب کے ان الفاظ پر مہر تصدیق ثبت کرنے کا عزم کر رکھا ہے کہ:-

"اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالیٰ اب چاہتا ہے"

آخر میں میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری جماعت کو ان برکتوں کا وارث کرے جن کا وعدہ اس نے مجدد وقت اور مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی سے کیا ہے۔ اور ہمیں وہ برکات حاصل کرنے کے لئے ان خصوصیات کا حامل بنائے جو ان کے حصول کا لازمہ ہیں۔ کیونکہ بغیر تقوای اور خداخوفی کے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق ہونے کی خواہش کرنا ایسا ہی ہے جیسے قرآن شریف میں آیا ہے:-

"اور کہتے ہیں کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ سوائے ان کے جو یہودی ہوں یا عیسائی۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں۔ کہہ اپنی سند لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ہاں جس نے اپنے آپ کو کلیتاً اللہ کو سونپ دیا اور وہ احسان کرنے والا ہے۔ تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ اور ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

احمدیت اور نفس پرستی میں اتنا ہی بُعد ہے جتنا قطبین میں۔ جس طرح قطب شمالی اور قطب جنوبی کا یکجا ہونا ممکن نہیں اسی طرح احمدیت اور نفس پرستی یا دنیا اور مال کی محبت یکجا نہیں ہو سکتے۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقوای کرو اور ہر نفس اس بات پر نگاہ رکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ کا تقوای کرو۔ اللہ تعالیٰ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔"

محمد حسن

غلام احمدؑ

وہ رفیع المرتبت اور عظیم الشان شخصیت جسے جناب مسیح علیہ السلام کی بشارت نے احمدؐ کہا۔ دن رات حمدِ الٰہی میں مستغرق رہتا تھا۔ سوتے جاگتے۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے سفر میں، حضر میں۔ غرض ہر حالت، ہر کیفیت میں۔ اس کے حلقوم سے احمد کے گیت و نغمے نکلتے رہتے تھے۔ اس کی اکثر گفتگو۔ اس کے پند و نصائح سے پُر کلام اس کے وعظ اور خطبے حمدِ الٰہی کے مضمون پر ہوا کرتے تھے۔ جس قدر پُر درد اور پُر تاثیر دعائیں اس اکیلے اُمّی نبیؐ کے دہانِ مبارک سے نکلیں اس قدر دعائیں تمام دنیا کے انبیاء مل کر مجموعی طور پر بھی نہ کر سکے۔ وہ ماریں کھاتا رہا اور حمد کے گیت گاتا رہا۔

دشمن اس کو لہولہان کرتے رہے مگر اس کے جسم کے ریشہ ریشہ اور رواں رواں سے احد احد کی صدائیں نکلتی رہیں۔ وہ اسی لئے احمدؐ ہے کہ اس کے تمام لمحاتِ حیات حمدِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اس قدر حمد کرنے کے بعد دنیا کو یہ نوید جانفزا سنادی گئی کہ ورفعنا لک ذکرک۔ کہ ہم نے دنیا میں تیرا نام بلند کر دیا ہے۔ ہاں خدا کے نام کو بلند کرنے والوں کا نام دُنیا میں ہی بلند کر دیا جاتا ہے۔

پس عرب کا۔ صحرائی راہنما احمدؐ سے محمدؐ بن گیا۔ اور اب دُنیا میں خدا کی حمد کے ساتھ محمدؐ کی ثناء شروع ہوئی۔ پہلے عرب کا سارا ملک حضورؐ کا ثناء خواں ہو گیا۔ پھر شام۔ عراق۔ مصر اور ایران انقلاب کی لپیٹ میں آئے۔ اپنی اپنی تہذیبوں اور تمدنوں کو خیر باد کہہ کر حلقۂ خدامِ محمدؐ میں شامل ہو گئے۔

رفتہ رفتہ ورفعنا لک ذکرک کی کیفیت برّاعظم افریقہ پر چھا گئی اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ افغانستان اور ہندوستان تک جا پہنچی۔ دُنیا کے دُور دراز جزائر میں محمدؐ کے نغمے گائے جانے لگے۔ بلخ و بخارا مسخّر ہوئے۔ اور تمام وسطِ ایشیا نورِ محمدیؐ سے جگمگا اٹھا:

اسلام کے آفتاب عالم تاب کی شعاعیں جب سپین پر پڑیں تو نصف یورپ میں نئی زندگی پیدا ہوئی۔ اور روحانیت کے نئے شگوفے پھوٹنے لگے۔ اور انسانیت حمدِ الٰہی کے نغمے گا کر وجد میں آنے لگی۔ ابتدائی دور میں احمدؐ اکیلا ایک اقلیت میں تھا اور تمام دنیا مخالفت میں صف آرا۔ حمد ہی کے ترانوں سے اس نے مخالفت کو سرنگوں کیا اور تھوڑے عرصہ میں وہ محمدؐ بن کر دُنیائے معلوم کی صفوں پر چھا گیا۔ اسوقت دُنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں خُدا کے نام کے ساتھ محمدؐ کا نام نہ لیا جاتا ہو۔ اس سے پیشتر شاید چشمِ فلک نے کسی پیشگوئی کو اس صفائی کے ساتھ پورا ہوتے نہ دیکھا ہو۔ مگر باایں ہمہ محبوبیت مخالفین کے حملے بھی شدت سے مخالفت کے تیر برساتے رہے اور حق و باطل کی یہ کش مکش اب تک جاری ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب نبوّت ختم ہوئی اور آپؐ پر تمام اسرار کھول دیئے گئے تو انسانیت کے لئے رفعت کا ایک ہی مقام باقی رکھا گیا اور وہ احمدؐ کی غلامی ہے۔ جس قدر کوئی اس کی غلامی میں بڑھے گا اسی قدر اس کا مرتبہ بلند ہو گا:

اِس صدی کے مجدد جس نے مسیح موعود کے مقام پر کھڑا ہونا تھا احمدؐ کی غلامی کی خلعت پہن کر دُنیا میں ظاہر ہوا اور اسی لئے غلام احمد کے نام سے موسوم ہوا اس نے بھی اپنے آقا کی طرح خدا کی توحید کو قائم کرنے کے لئے بڑے مجاہدے کئے اور بے شمار لٹریچر خدا کی ہستی کو ثابت کرنے کے لئے شائع کیا۔ آج تک قائلین توحید الٰہی کی طرف سے دلائل کی تان اس بات پر آ کر ٹوٹتی تھی کہ اس کارگاہِ عالم کا کوئی خالق ہونا چاہیئے۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے ڈنکے کی چوٹ سے یہ اعلان کیا کہ خدا ہے اور اس اعلان کو زبردست دلائل اور شواہد سے ثابت کر دیا۔ کیا ہی زندگی بخش و حیات افروز یہ الفاظ ہیں جو ہم حضرت صاحب کی تصنیف "کشتی نوح" سے نقل کرتے ہیں۔ "ہونا چاہیئے" کا مقام "ہے" سے بہت پست ہے:۔

"کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے ملے۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے۔ جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دل میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے۔ تا لوگ سن لیں۔ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا۔ اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر ایسا کوئی دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے۔ ایک شخص جو اپنے پاس ایک خزانہ رکھتا ہے۔ کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے۔ اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت میں کام آنے والا ہے۔ تو تم دنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔"

یہ الفاظ بناوٹ سے نہیں کہے گئے یہ دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ اس لئے تاثیر سے پُر ہیں۔

حضرت مرزا صاحب خدا کے متعلق جو باتیں کہتے اس کی تائید میں وہ اپنا تجربہ اور مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود خُدا کو دیکھ لیا ہے۔ پا لیا ہے محسوس کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا مُجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور کثرت سے ہوتا ہے وہ

ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ وہ میری تمام حرکات وسکنات کو کنٹرول کرتا ہے۔ وہ عشق الہٰی میں بیساختہ ہوکر وجد میں آجاتے ہیں اور یوں گویا ہونے لگتے ہیں۔ ؎

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا — نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے — ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہرچند — ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

اور کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشت خاک خدا سے لپٹ کر چیخنے لگ گئی ہے۔ اور عالمِ بے اختیاری میں اس کے حلق سے یہ صدائیں نکل گئی ہیں۔ یہ کتنی پُرکیف اور پُرسوز ہیں:- ؎

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار — اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار
کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس — وہ زباں لاؤں کہاں جس سے ہو یہ کاروبار
بدگمانوں سے بچایا مجھ کو خود بن کر گواہ — کر دیا دشمن کو اک حملہ سے مغلوب اور خوار
کام جو کرتے ہیں تیری راہ میں پاتے ہیں جزا — مجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لطف و کرم ہے بار بار
تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم — کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعت قرب و جوار
یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند — ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار
دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے — پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے مرے حاجت برار
اے مرے یار یگانہ اے مری جاں کی پناہ — بس ہے تو میرے لئے مجھ کو نہیں تجھ بن بکار
میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف — پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار
اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل — میں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار
ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے — گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار
نسل انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے — تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار
لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول — میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار
اس قدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات و کرم — جن کا مشکل ہے کہ تا روزِ قیامت ہو شمار

خداتعالیٰ سے یہ عشق وگداز حضرت مرزا صاحب کو اپنے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل حاصل ہوا۔ اگر کبھی عشق الہٰی ان کے دل میں چٹکیاں لے رہا ہے۔ تو کبھی اُن کے قلب پر عشق محمدؐ مستولی ہے۔ اور اس کے اظہار میں بھی وہی بے ساختہ پن ہے۔ آؤ تمہیں اس عشق کا بھی ایک پُرکیف نغمہ سنا دیں، فرماتے ہیں:- ؎

"اندراں وقتیکہ دنیا پُر ز شرک و کفر بود
ہیچ کس را خوں نہ شد دل جز دل آں شہریار
ہیچ کس از خبثِ شرک و دجلِ بُت آگہ نہ شد
ایں خبر شد جانِ احمد را کہ بود از عشق زار
کس چہ میداند کزاں نالہ ہا باشد خبر
کاں تضرعہا کرد از بہرِ جہاں در کنج یار
من نمیدانم چہ درد ے بود و اندوہ و غمے
کندراں غار درآوردش حزین و دلفگار
نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس
نے ز مُردن غم نہ خوف گژدم و نے بیم مار
کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربانِ جہاں
نے بجسمِ خویش میلش نے بنفسِ خویش کار
نعرہ ہا پُر درد میزد از پئے خلقِ خدا
شد تضرع کار او پیشِ خدا لیل و نہار
سخت شورے بر فلک افتاد زاں عجز و دعا
قدسیاں را نیز شد چشم از غمِ آں اشک بار
آخر از عجز و مناجات و تضرع کردنش
شد نگاہِ لطفِ حق بر عالمِ تاریک و تار"

جس طرح آقا توحید کے نغمے گا گا کر خود دُنیا کا ممدوح بن گیا اسی طرح یہ غلام بھی اکناف عالم کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوگیا:

حضرت مرزا صاحب کی جب انگریزی دانوں کی طرف توجہ ہوئی تو خواجہ کمال الدین ایسا صاحب کمال قادر الکلام جادو بیان مقرر گھائل ہوگیا اور اس نے احمدؐ کے غلام کی غلامی اختیار کرلی۔ خواجہ صاحب نے ایسے مسیحا نفس انسان سے نور حاصل کر کے تمام فرنگستان کو منور کر دیا۔

احمدؐ کے اس مایہ ناز غلام کو ایک ایسا شخص بھی میسر آگیا جس کی ذات خود ایک انجمن تھی جس کے قلم کی گلکاریاں مشام جہاں کو معطر کرگئیں اور بقول علامہ مارماڈیوک پکتھال صاحب "محمد علی" اکیلے شخص نے اتنا وسیع لٹریچر پیدا کر دیا اور اسلام کی اتنی بڑی خدمات سرانجام دیں کہ دنیائے اسلام کی بڑی بڑی انجمنیں اتنا کام نہ کرسکیں۔ خلیفہ شجاع الدین جیسا کا خاندان بھی کشتۂ ناز ہوگیا اور مالیرکوٹلہ کے نوابوں نے قدم میمنت لزوم کے لئے اپنی آنکھیں بچھا دیں۔ غرضیکہ ہندوستان کا کوئی شہر کوئی قصبہ کوئی علاقہ ایسا نہ رہا کہ جہاں اس روحانی بجلی کا کرنٹ نہ پہنچ گیا ہو۔ بقول مولانا ظفر علی خاں بڑھتے بڑھتے احمدیت کا سیلاب ایک طرف افغانستان، ایران، عراق، عرب، مصر اور افریقہ تک پہنچ گیا دوسری طرف اس کی موجیں سیام اور برما سے گزرتی ہوئی سنگاپور، جاوا سماٹرا اور چین تک جا پہنچیں اور آخر احمدیت کے لئے یہ بھی مقدر کر دیا گیا کہ فضلائے یورپ کی تسخیر کرے اور اس کا اسلام کے متعلق نقطۂ نگاہ بدل دے:

چنانچہ جرمنی۔ انگلستان۔ ہالینڈ، اٹلی، ہسپانیہ اور براعظم امریکہ میں احمدیت کے ہاتھوں ہزاروں اسلامی مشن کھل گئے اور مصنفین فرنگ کا فی الواقعہ زاویہ نگاہ بدل گیا اور اسلام اور بانی اسلام کی ستائش میں مضامین لکھے گئے کہ ان کے سب سے بڑے مفکر برنارڈ شا نے پیشگوئی کردی کہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔ مرزا صاحب فوت ہوگئے مگر ان کے کارنامے زندہ جاوید ہیں۔ جس طرح وہ زندہ ہیں ان کے ہمعصروں کے وہ اعلان بھی زندہ رہیں گے جو ان کی وفات پر مختلف حلقوں اور طبقوں کی طرف سے کئے گئے؛

ذیل کے زوردار الفاظ ایسی شہرت دوام حاصل کر گئے ہیں کہ ان کو نہ کوئی مخالف مٹا سکتا ہے اور نہ کوئی انہیں قرطاس زمانہ سے کھرچ کر محو کرسکتا ہے۔ اور نہ کوئی ان کے اثر کو زائل کرسکتا ہے۔ جب تک احمدیت موجود ہے۔ اور وہ انشاءاللہ العزیز دائمی ہے۔ ان الفاظ کی گونج بھی برابر کانوں میں آتی رہے گی۔ وہ جیتے جاگتے گرجتے اور برستے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ ان سے بڑھ کر اس احمدؐ کے غلام کو غیر از جماعت کا کوئی فرد کیا خراجِ عقیدت پیش کرے گا۔ ہم ذیل میں حضرت مرزا صاحب کی وفات پر غیر از جماعت بزرگوں کے اقوال درج کرتے ہیں اور قارئین کے علم و فہم اور حق و انصاف پر چھوڑتے ہیں کہ وہ بتائیں کہ اس عظیم الشان فرزندِ اسلام نے انصاف پسند ہمعصروں کو کیوں کر متاثر کرلیا تھا۔ آج جہاں ان کو کافر کہا جاتا ہے۔ وہاں ان کے ہمعصر اکابر کی آراء بھی ملاحظہ فرمائی جاویں کہ شاید اس گناہ کا کوئی تدارک ہوسکے اور توبہ کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے جو ہر وقت کھلنے کو تیار رہے ہے:

اخبار "وکیل" امرتسر جو ان دنوں مولانا ابوالکلام آزاد کے زیرادارت شائع ہوتا

تھا حسب ذیل الفاظ اپنے اداریہ میں رقم کرتا ہے:-

"وہ شخص! بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو، وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا آج خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا۔ یہ تلخ موت، یہ زہر کا پیالہ موت جس نے مرنے والے کی ہستی تہ خاک پنہاں کر دی، ہزاروں لاکھوں زبانوں پر تلخ کامیاں بن کر رہے گی۔ اور قضا کے حملہ نے ایک جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتل عام کیا ہے صدائے ماتم مدتوں تک اس کی یاد تازہ رکھے گی۔ میرزا غلام احمد قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے۔ اور مٹانے کے لئے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظر عام پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنل کا فرض ادا کرتے رہے۔ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پامال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے گی۔"

ایڈیٹر صاحب اخبار "صادق الاخبار" ریواڑی لکھتے ہیں:-

"چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پُر زور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کے ان لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے۔ اور ثابت کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے۔ اور واقعی مرزا صاحب نے حقِ حمایتِ اسلام کما حقہٗ ادا کر کے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامی اسلام اور معین المسلمین فاضل اجل عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے۔"

اخبار "کرزن گزٹ" دہلی۔ ایڈیٹر مرزا حیرت دہلوی یکم جون ۱۹۰۸ء میں لکھتے ہیں:-

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذہب کے رد میں لکھی گئی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ آریہ نہایت تہذیبی سے اُسے یا پیشوایانِ اسلام یا اصولِ اسلام کو گالیاں دیں۔ کوئی معقول جواب نہ اب تک دیا نہ دے سکتا ہے۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اسقدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہندوستان میں بھی اس قوت کا لکھنے والا نہیں۔ ایک پُرجذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو جچے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔"

اخبار "تہذیب نسواں" کے مالک و منیجر سید ممتاز علی صاحب نے اپنے خیالات حسب ذیل فرمائے ہیں:-

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قدرت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں منصباً مسیح موعود نہیں مانتے تھے لیکن ان کی ہدایت اور رہنمائی مُردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔"

مسیح موعود کے معنی بالکل وہی ہیں جو سید ممتاز علی صاحب نے کئے ہیں۔ اور ان معنوں کے لحاظ سے وہ حضرت مرزا صاحب کو درحقیقت مسیح موعود ہی مان رہے ہیں۔ اور اُن کے منصب کا بھی انہوں نے خود ہی اعتراف بھی کر لیا ہے:-

شمس العلماء مولانا میر حسن صاحب سیالکوٹی کی رائے:-

"افسوس ہم نے ان کی قدر نہ کی ان کے کمالاتِ رُوحانی کو بیان نہیں کر سکتا۔ ان کی زندگی معمولی انسانوں کی زندگی نہ تھی۔ بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالےٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں:- ــــــ"

ضروری تصحیح

ہماری معزز بہن محترمہ رضیہ فاروقی لندن سے تحریر فرماتی ہیں کہ:

۱۔ میرا مضمون "دنیا کے کناروں تک" ۱۹۷۶ء کے جلسہ سالانہ میں پڑھا گیا تھا نہ کہ ۱۹۷۹ء کے۔

۲۔ ۲۰ فروری ۱۹۸۰ء کے پرچہ میں "حضور کے سایہ رحمت میں" سہو کتابت سے میرے پوتے کی عمر "تیرہ سال" لکھی گئی ہے۔ وہ لفظ "تین سال" ہے پانچ سال سے اوپر عمر کے بچے نہ صرف مسجد نبوی میں اندر جاتے بلکہ نماز باجماعت میں شامل ہو سکتے ہیں۔

"قارئین کرام اصلاح فرمالیں۔ "شکریہ"

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔
چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ ــــ پیغام صلح لاہور ــــ مورخہ ۲۸ مئی ۴ جون ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــ جلد ۶۷، شمارہ ۲۲/۲۳

محمد اعظم

جلد: ۶۷ | یوم چہار شنبہ - ۲۷ رجب المرجب سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۱ جون سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ ۲۴

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ایمانی قوت سے انسان راہِ حق میں پیش آنے والی تکالیف پر غالب آسکتا ہے

ہر ایک قدم جو صدق اور راہِ حق کے لئے اٹھایا جاوے اس کے لئے بہت بڑا ثواب ہے۔ مگر عالم ثواب مخفی عالم ہے۔ جس کو دنیا دار کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی بات یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ باوجود آشکارا ہونے کے نہاں در نہاں ہے اور اسی لئے الغیب بھی اسی کا نام ہے۔ اسی طرح پر ایمان بالغیب بھی ایک چیز ہے۔ جو گو مخفی ہوتا ہے مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے۔ اگر خدا پر ایمان ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں میں وہ صدق و حق کی تلاش اور پیاس نہیں پائی جاتی۔ جو ایمان کا خاصہ ہے۔

خدا کی راہ میں سختی برداشت کرنا مصائب اور مشکلات کے جھیلنے کے لئے ہر تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک سے ہوتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اس کا نمونہ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئے تو وہ کون سی بات تھی جو ان کو امید دلاتی تھی کہ اس طرح پر ایک بیکس ناتواں انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو ثواب ملے گا۔ ظاہری آنکھ تو اس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ اس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ جس کا نتیجہ صریح معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اور وہ چکنا چور کر ڈالے گا۔ اس طرح پر ہم ضائع ہو جائیں گے۔ مگر کوئی اور آنکھ بھی تھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا۔ اور اس راہ میں مرجانا ان کی نگاہ میں ایک راحت تھی۔ انہوں نے وہ کچھ دیکھا تھا جو ان ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہی دور وہ ایمانی آنکھ تھی اور ایمانی قوت تھی جو ان ساری تکلیفوں اور دکھوں کو بالکل ہیچ دکھاتی تھی۔ آخر وہ ایمان ہی غالب آیا اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا کہ جس پر ہنستے تھے اور جس کو ناتواں اور بے کس کہتے تھے اس نے اس ایمان کے ذریعہ ان کو کہاں پہنچا دیا۔ وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا پھر اب آشکارا ہوا کہ اس کو دنیا نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہؓ کی نہ تھکی اور نہ ماندہ ہوئی۔ بلکہ قوت ایمانی کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم کام کر دکھلائے - - - - - - - صحابہؓ نے غیب الغیب خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دین کے لئے بے نظیر قربانیاں کر دکھائیں۔ ہم پھر صحابہؓ کی حالت کو نظیر کے طور پر پیش کر کے کہتا ہوں کہ وہ خدا جو غیب الغیب ہستی اور جو باطل پرست مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ اور نہاں ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھ سے ہاں آنکھ سے دیکھ لیا تھا ورنہ بتاؤ تو سہی کہ وہ کیا بات تھی جس نے ان کو ذرا کبھی پرواہ نہ ہونے دی کہ قوم چھوڑی ملک چھوڑا، جائدادیں چھوڑیں۔ احباب و رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا۔ وہ صرف خدا پر بھروسہ تھا۔ ایمان تھا اور صرف ایمان اور کچھ نہ تھا۔

(ملفوظات احمدیہ)

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ، لندن

"جب عکس پڑتا ہے"

عینِ اتفاق سے شروع اپریل کا وہ دن بہت روشن چمکیلا اور موسم کے لحاظ سے معتدل تھا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر پاشا اپنی فیملی سمیت پک نِک کے لئے ساحلِ سمندر پر جانے کو نکلے۔ تو ازراہِ مہربانی اُنہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا جو جگہ پک نِک کے لئے منتخب ہوئی وہ انگلش چینل کے کنارے ایک آبادی براٹیٹن "(BRIGHTON)" نامی ہے۔

اِس جزیرہ پر سمندروں کے ساحلوں کا کیا کہنا کچھ تو قدرتی طور پر اللہ نے حُسن بخشا ہے۔ اُوپر سے انسان نے اُن کو بنا سنوار کر رشک جناں بنا دیا ہے۔ اور پھر جگہ جگہ کھیل تماشے، سیر و تفریح کے سامان موجود ہیں۔ براٹیٹن میں "ڈولفن پلینیٹوریم" (DOLPHIN PLANITURIUM) ایک قابلِ دید جگہ ہے

زمین کے نیچے ایک بہت وسیع عمارت بنی ہوئی ہے جس کے کُھلے ہال میں ایک لمبا چوڑا پانی کا تالاب ہے۔ اِس تالاب میں بڑی بڑی ڈولفن مچھلیاں آکر طرح طرح کے کرتب دکھاتی ہیں تالاب ہے تو ٹائیلوں کا لیکن اس میں اندر کی طرف شیشے کا استر دیا ہوا ہے۔ اس کی تہہ سے لے کر کناروں تک اور وہاں سے چوطرفہ اوپر کوئی پانچ پانچ فٹ اونچا صاف و شفاف شیشے کا جنگلہ بنا ہوا ہے۔ تالاب کے اندر ان شیشے کی دیواروں کے پیچھے بے شمار بجلی کی روشنیاں لگی ہیں۔ جن کا عکس پانی اور شیشے سے گزر کر جب بالمقابل باہر کے سُرخ ٹائیلوں کے فرش پر پڑتا ہے تو بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ باہر کے فرش پر بھی پانی لہریں لے رہا ہے۔ ہم جا کر اپنی سیٹوں پر بیٹھے تو معلوم ہوا کہ تالاب کے اُس پار مقابل کی سیٹیں اور داخلے کا دروازہ ٹخنے ٹخنے پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میں حیرت سے اُس طرف دیکھ رہی تھی کہ چند تماشائی اس دروازے سے آکر ان سیٹوں پر بیٹھے تو میں نے بے اختیار ڈاکٹر پاشا سے کہا کہ "ذرا ان احمقوں کو دیکھنا کہ پانی میں ڈوبی سیٹوں پر آ بیٹھے ہیں۔" ڈاکٹر پاشا ہنس کر کہنے لگے کہ "یہ پانی تو نہیں صرف اس کا عکس ہے۔ اور آپ تو دیکھ کر کہہ رہی ہیں مَیں تو ابھی اسی میں سے خود گذر رہا ہوں جب میں نے اس دروازے کے اندر قدم رکھا تو ایک دم مجھے بھی خیال آیا کہ میں نے کیا بے وقوفی کی کہ پانی میں پاؤں رکھ کر اپنے لوٹ بھگو لئے۔ یہ تو بالکل حضرت سلیمانؑ اور ملکہ بلقیس والا قصہ ہے۔"

مجھے علاوہ اِس واقعہ کے یہ بھی خیال آیا کہ اِس نظارہ سے ظلی اور بروزی والا مسئلہ بھی کم از کم میرے لئے تو حل ہو گیا۔ کہ جب ایک انسان کا روحانی شیشۂ قلب انتہائی صاف و شفاف ہو کر انوارِ الٰہی اور انوارِ نبیؐ کے مقابل آتا ہے تو اس پر اس قدر مکمل عکس پڑتا ہے کہ وہ اصل کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ اور فنا فی اللہ بندگانِ خدا انا الحق تک پکار اُٹھتے ہیں۔ جس پر سننے والے دوڑتے ہیں کہ ذرا ان کو سُولی چڑھانا یہ تو نعوذ باللہ خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جس بندہ خاص کے آئینۂ قلب پر انوارِ نبیؐ کا پرتو پڑتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ مجھے یہ نور اور فیض حضور کی نبوت سے ملا ہے تو کچھ دنیا والے لفظوں کو پکڑ کر اسے دعویٰ نبوت کہتے اور کفر کے فتوے لگا کر مخالفت اور دشمنی پر اُتر آتے ہیں۔ اور چند لوگ اس عکس کو حقیقت کا درجہ دے کر کہنے والے کو نبی بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ صرف ایک پاک اور صاف و شفاف قلب کی انتہائی خوبی ہے کہ وہ اس عکس کو ہُو بہو منعکس کرتا ہے۔ ورنہ حقیقت تو دراصل اس کے بالمقابل نور کے اس منبع میں ہوتی ہے۔ منطق اور لفظی ہیر پھیر تک میری پہنچ نہیں۔ مگر جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا وہ میں نے سادگی سے عرض کر دیا ہے کسی نے کیا ہی سچ کہا ہے

آپ آئینۂ ہستی میں ہے خود اپنا حریف — ورنہ یاں کون تھا جو تیرے مقابل ہوتا

انہیں دنوں ایک اور شیشے اور اس کے عکس کا تماشا دیکھا۔

یہاں ٹی وی کا ایک پروگرام (OPEN UNIVERSITY) کھلی یونیورسٹی کہلاتا ہے۔ اس میں سائنس، میڈیکل اور دُوسرے بے شمار علوم کے متعلق بالکل تازہ معلومات بتائی اور دکھائی جاتی ہیں۔ ایک روز "REFLECTION" یعنی عکس کے متعلق پروگرام تھا۔ سارا پروگرام تو کافی لمبا تھا جس بات نے مجھے متاثر کیا وہ یہ تھی کہ بتانے والے پروفیسر نے گلے میں ایک (BOW) بو اس شکل کی باندھی ہوئی تھی اس بو کا ایک حصہ بالکل صاف سادا اور دُوسرا داغدار تھا۔ سٹیج کے درمیان میں ایک بہت پتلا اور صاف قدِ آدم آئینہ نصب تھا۔ وہ پروفیسر اس آئینے کے ایک کنارے سے لگ کر ایسے کھڑا ہوتا تھا کہ اس کا آدھا جسم آئینے کے پیچھے چھپ جاتا تھا اور صرف آدھا دیکھنے والوں کی طرف رہتا تھا۔ مگر آئینے کا عکس اس کے وجود کو مکمل کر دیتا تھا اور وہ گلے میں بندھی ہوئی بو یا تو سراسر بالکل صاف اور سادہ بن جاتی تھی اور یا جب وہ دُوسری طرف کھڑا ہوتا تو ساری داغدار ہو جاتی تھی۔

موجودہ سائنس کی ایک اور دریافت یہ بھی ہے کہ دنیا کی ہر چیز کا ایک (SHADOW) اُردو میں سایہ۔ پرچھائیں یا پرتو اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو نظر نہیں آتا مگر وہ دراصل اس کا بقایا حصہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کا یہ مادی وجود بھی ادھورا ہے۔ اور وہ "SHADOW" اس کی ہستی کو پورا کرتا ہے۔ گویا انسانی وجود اور قلب کا بقایا آدھا حصہ روحانی ہوتا ہے۔ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ روحانی ہستی اور قلب آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہوتے ہیں۔ وقت اور عمر کے ساتھ خود آپ کے عمل اور آپ کے کردار کا عکس اس پر نقش بناتا ہے۔ اگر آپ کے عمل اور زندگی کے طریقے اچھے اور پاکیزہ ہیں۔ تو آپ کا سارا وجود احسن طریق پر مکمل ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے بدی اور بُرائی اپنالی تو اس کی ساری ہستی ہی داغدار ہو کر رہ جائے گی۔ کیا دنیاوی اور کیا رُوحانی اور ایسے لوگ تکمیل انسانی کے اعزاز سے محروم رہ جائیں گے۔

سائنس تو اب آکر ایسی دریافت اور اس کی حقیقت معلوم کرنے میں سرگرداں ہے مگر آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی نبیؐ کی زبانی خدا کے کلام نے ایک فقرے میں یہ انکشاف کیا تھا کہ:۔

"ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّالحات"

اللہ پر ایمان اور نیک عمل ہی تمہیں مکمل کر سکتے ہیں۔

کوئی حیرت کی حیرت ہے کہ:۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نقطہ دروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

~~~ o o o o o ~~~
~~~

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۱ جون ۱۹۸۰ء

"مسلمان اور فلسفہ"

۶ مئی ۱۹۸۰ء کی شام کو ٹی۔ وی پر "مسلمان اور فلسفہ" کے موضوع پر ایک مذاکرہ سننے کا اتفاق ہوا۔ مذاکرہ کے میزبان ڈاکٹر امان اللہ خاں اور شرکاء ملک کے نامور فلاسفر جناب سی۔ اے قادر صاحب اور جناب ڈاکٹر غلام صادق صاحب تھے۔ بحث کی ابتداء یونانی فلسفہ سے ہوئی۔ بحث کے دوران میں ڈاکٹر امان اللہ خاں نے ایک نہایت اہم اور تیکھا سوال اٹھایا کہ "کیا عقل کے ذریعے خدا تک پہنچا جا سکتا ہے؟" اس کے جواب میں شرکاء مجلس نے کچھ یوں کہا کہ یونانی فلسفہ کی بنیاد عقل پر تھی اور یونانی فلاسفروں نے تخلیق کائنات اور اس کے پیچھے کارفرما کسی ان دیکھی قوت کا راز "تلاش" کرنے کے لئے اپنے اپنے مفروضے قائم کئے۔ اور ان کی بنیاد پر عقل کی رہنمائی میں اپنی اپنی جستجو جاری رکھی۔ لیکن اندھیروں میں ہاتھ ٹوئیاں مارتے رہے۔ عقل انہیں کسی یقینی اور حتمی نتیجے پر پہنچانے میں ناکام رہی۔ ان فلاسفروں کے دلائل اور تحقیق میں بھی اسی وجہ سے بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ کسی نے اس ہستی کو علت و معلول کے نظریہ کے تحت علت العلل کہا۔ کسی نے مسبب الاسباب اور کسی نے حقیقت اولیٰ۔ غالباً جناب سی۔ اے قادر صاحب نے فرمایا کہ یونانیوں کے ہاں PROPHESY اور PROPHET کا کوئی تصور نہ تھا جو یہودیوں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے ہاں پایا جاتا ہے۔ بحث بڑی دلچسپ تھی لیکن بہت افسوس ہے کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے کسی اطمینان بخش نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ البتہ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ تمام شرکاء نے بالاتفاق یہ اقرار کیا کہ عقل کے ذریعہ خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت کا ذریعہ کوئی اور ہے۔ اسی ذریعہ کو قرآن کی اصطلاح میں "وحی" کہتے ہیں۔

وحی کیا ہے کس پر نازل ہوتی ہے۔ اور کیسے نازل ہوتی ہے۔ اسے قرآن کریم نے بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ اور احادیث رسول صلعم میں اس کی تشریح بکثرت ملتی ہے۔ آج کل مسلمانوں میں اسلام کے نام پر جو تحریکیں چل رہی ہیں وہ بھی وحی کے فلسفہ اور مفہوم سے ناواقفی کی بنا پر عقل ہی کو اپنے مسائل کے حل کا مدار سمجھنے لگ پڑی ہیں۔ انہیں اس بات کا اقرار تو ہے کہ سلسلہ وحی آنحضرت صلعم تک جاری رہا لیکن آپ پر آ کر ختم ہو گیا۔ اسی لئے آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ سے قبل عقلِ انسانی چونکہ خام تھی اور اپنے کمال کو نہیں پہنچی تھی اس لئے اس کی رہنمائی کے لئے ایک اور چیز کی ضرورت تھی جسے وحی کہا جاتا تھا لیکن آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے عقل نے کمال حاصل کر لیا۔ اس میں کوئی نقص باقی نہ رہا۔ اس لئے اب انسانیت کو وحی کی انگلی پکڑ کر چلنے کی ضرورت نہیں رہی۔ سارے مسائل عقل کے ذریعے ہی حل کئے جا سکتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلعم کے بعد وحی کے اجرا کو تسلیم کر لیا جائے تو ختم نبوت کے تصور پر زد پڑتی ہے۔ اور مہر ختم نبوت ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ فلسفہ پیش کرنے میں تحریک طلوع اسلام پیش پیش ہے۔ اور یہ وہی عقیدہ ہے جو برہمو سماج کا تھا۔ کہ وحی و الہام کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف مجرد عقل ہی انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ لیکن آج بیسویں صدی میں جبکہ انسانی عقل کے کرشمے ساری دنیا کے سامنے ہیں مسلمان فلاسفر بھی یہ ماننے پر مجبور ہیں۔ کہ مجرد عقل اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ علامہ اقبال مرحوم جن کے پائے کا فلاسفر آج اسلامی دنیا میں کوئی موجود نہیں یہی فرماتے ہیں کہ :-

؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اور فرماتے ہیں :- ؎

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں　　مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت اور پہچان کی گتھیاں عقل و خرد کے ذریعہ سے نہیں کھل سکتیں۔ انہیں سلجھانے کے لئے عاشق اور صاحبِ جنوں ہونا ضروری ہے۔ عقل تو یہی بتاتی ہے کہ آگ میں کودنے سے انسان جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کوئی عقل مند انسان جان بوجھ کر آگ میں چھلانگ نہیں لگائے گا۔ لیکن ابراہیم خلیل اللہ اس میں بلا تردد کود پڑے۔ وہ کیا اشارہ تھا جس نے انہیں اس پر مجبور کر دیا اور یہ یقین انہیں کیسے حاصل ہوا کہ آگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے مجرد عقل پر انحصار خدا سے انکار اور دہریت کے لئے دروازہ کھولنا ہے۔ اگر عقلِ انسانی ترقی کے مدارج طے کرتے کرتے آنحضرت صلی اللہ کے زمانے میں اپنے عروج اور کمال کو پہنچ چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ سائنسی ایجادات کے وہ کرشمے جو آج چودھویں صدی میں ہمارے سامنے آئے ہیں اور وہ عقل کے ہی مرہونِ منت ہیں۔ آج سے چودہ سو سال قبل ظہور میں نہ آ سکے اور اگر یہ کہا جائے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔" اور یہ تمام ایجادات زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہوئی ہیں۔ تو کیا یہ ضروریات خواہ محدود پیمانہ پر ہی سہی، اس زمانہ میں موجود نہ تھیں اور کیا اس دور کے انسانوں کو ان تمام سہولیات کی حاجت نہ تھی۔ جو آج ہمیں میسر ہیں۔ اور عجیب تر بات یہ ہے۔ کہ عقل کے میدان میں سب سے زیادہ ترقی کرنے والے ہی خدا کے منکر ہیں۔ جیسا کہ روس کے وزیر اعظم برزنیف نے از راہ تمسخر یہ کہا تھا کہ ہمارے خلابازوں نے آسمان کا کونہ کونہ چھان مارا ہے۔ لیکن انہیں وہاں کوئی خدا نظر نہیں آیا۔ عقل کی اندھی آنکھ سے خدا کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ اُسے دیکھنے اور شناخت کرنے کے لئے آج بھی عقل کیساتھ ایک اور روشنی کی ضرورت ہے۔ جو اسے حقیقت سے آشنا کر سکتی ہے۔ اگر مجرد عقل کا راستہ شکوک و شبہات کا خارزار نہ ہوتا تو ہزاروں لاکھوں فلاسفر جو اپنے ذہن کی مخترع حقیقت اولیٰ کی تلاش اور تحقیق میں زندگی کے آخری لمحات تک سرگرداں رہے۔ خود بھی اسے اس کی اصلی صورت میں پا لیتے اور دوسروں کے لئے بھی رہنمائی کا کام دیتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

چونکہ یہ مذاکرہ چودھویں صدی کو الوداع اور پندرہویں صدی کو خوش آمدید کہنے کی تقریبات کے ضمن میں منعقد کیا گیا ہے۔ اور شرکاء مذاکرہ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ مجرد عقل کے ذریعہ خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ اس لئے ہم چودھویں صدی کے ہی ایک مامور مسلم فلاسفر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم کے نظریات عقل اور وحی کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے قارئین کو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں عقل اور وحی اور الہام کے فلسفہ کے کردار کا علم ہو سکے اور وہ جان سکیں کہ اگرچہ "وحی نبوت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ لیکن ایک دوسری قسم کی وحی اور الہام کی آج بھی ضرورت ہے۔ جو عقل کو روشنی اور جلا بخش سکے اور دلوں میں یہ یقین اور ایمان راسخ کر سکے کہ ایک ایسی ہستی جو فلاسفروں کے مطابق ہونی چاہیئے۔ درحقیقت

موجود" ہے" اور وہ اپنے آپ کو مختلف طریقوں سے اپنے بندوں پر ظاہر کرکے یہ کہتی ہے کہ "انا الموجود" اور انہیں ایسی معرفت تامہ اور یقین کامل عطا کرتی ہے جس کے ساتھ شک و شبہ کی میل کا ایک ذرہ تک نہیں ہوتا۔

اسوقت سارا عالم جن مصائب، مشکلات، اخلاقی بے راہ روی اور جرائم کا شکار ہے اس کی وجہ یہی اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار ہے۔ اور اس میں عقل پرست قوتوں اور تحریکوں کا ایک نمایاں کردار ہے اور عالم اسلام خاص طور پر اس کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے انکار آخرت سے انکار پر منتج ہوتا ہے۔ اور آخرت سے انکار "جو چاہے کرو" پر جس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ اس سے اگر امن اور تسلی کا کوئی طور ہے تو یہی کہ حضرت مرزا صاحب کے پیش کردہ فلسفہ پر تعصبات اور ذہنی تحفظات سے آزاد ہو کر غور کیا جائے کیونکہ قرآنی تعلیمات پر مبنی یہی وہ محکم اور ناقابلِ تردید نظریہ ہے۔ جس کے ذریعہ اسلام مادی فلسفہ پر غالب آسکتا ہے۔ ہم نے اسے "محکم اور ناقابلِ تردید" اس لئے لکھا ہے۔ کہ آج تک کوئی بھی حضرت مرزا صاحب کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے میدان میں نہیں آیا جو آپ نے دس ہزار روپیہ کے انعام کے ساتھ براہینِ احمدیہ حصۂ اوّل کی اشاعت کے ساتھ ۱۸۸۰ء میں ایک اشتہار کے ذریعہ دیا۔ اسی براہینِ احمدیہ میں عقل اور وحی پر بحث کی گئی ہے۔

عقل اور وحی اور الہام کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

"سو واضح ہو کہ اگرچہ یہ سچ بات ہے کہ عقل بھی خدا نے انسان کو ایک چراغ عطا کیا ہے۔ کہ جس کی روشنی اس کو حق اور راستی کی طرف کھینچتی ہے۔ اور کئی طرح کے شکوک اور شبہات سے بچاتی ہے۔ اور انواع واقسام کے بے بنیاد خیالوں اور بے جا وساوس کو دور کرتی ہے بہت مفید ہے۔ بہت ضروری ہے۔ بڑی نعمت ہے مگر پھر بھی باوجود ان سب باتوں کے اور ان تمام صفتوں کے اس میں یہ نقصان ہے کہ صرف وہی اکیلی معرفت حقائق اشیاء میں مرتبہ یقین کامل تک نہیں پہنچا سکتی ہے کیونکہ مرتبہ یقین کامل کا یہ ہے۔ کہ جیسا کہ حقائق اشیاء کے واقعہ میں موجود ہیں انسان کو بھی ان پر ایسا ہی یقین آجائے۔ کہ ہاں حقیقت میں موجود ہیں۔ مگر مجرد عقل انسان کو اس اعلیٰ درجہ یقین کا مالک نہیں بنا سکتی کیونکہ غایت درجہ حکم عقل کا یہ ہے کہ وہ کسی شے کے موجود ہونے کی ضرورت کو ثابت کرے جیسا کسی چیز کی نسبت یہ حکم دے کہ اس چیز کا ہونا ضروری ہے یا یہ چیز ہونی چاہیئے۔ مگر اب حکم ہرگز نہیں دے سکتی کہ واقعہ میں یہ چیز ہے بھی اور یہ پایۂ یقین کامل کا کہ علم انسان کا کسی امر کی نسبت "ہونا چاہیئے" کے مرتبہ سے ترقی کرکے "ہے" کے مرتبہ تک پہنچ جائے۔ تب حاصل ہوتا ہے کہ جب عقل کے ساتھ کوئی دوسرا ایسا رفیق مل جاتا ہے کہ جو اس کی نسبت قیاسی جو ہات کو تصدیق کرکے واقعات مشہودہ کا لباس پہناتا ہے۔ یعنی جس امر کی نسبت عقل کہتی ہے کہ ہونا چاہیئے وہ رفیق اس امر کی نسبت یہ خبر دے دیتا ہے کہ واقعہ میں وہ امر موجود بھی ہے۔" (براہینِ احمدیہ حصہ اول صفحہ ۸۹ حاشیہ ۴)

عقل کے ان رفیقوں کا ذکر کرتے ہوئے جو انسان کو "ہونا چاہیئے" کے مرتبہ سے "ہے" کے مرتبہ تک پہنچا دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں:۔

"وہ رفیق عقل کے جو اس کے یار اور مددگار ہیں ہر مقام اور ہر موقعہ میں الگ الگ ہیں لیکن اد دوئے حصر عقل کے تین سے زیادہ نہیں۔ اور ان تینوں کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ اگر حکم عقل کا دنیا کے محسوسات اور مشہودات سے متعلق ہو جو ہر روز دیکھے جاتے یا سنے جاتے یا سونگھے جاتے یا ٹٹولے جاتے ہیں (جن کا علم حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ ناقل) تو اس وقت رفیق اس کا (یعنی عقل کا) جو اس حکم کو یقین کامل تک پہنچا دے مشاہدہ صحیحہ ہے۔ کہ جس کا نام تجربہ ہے۔ (سائنسی تحقیقات اور ایجادات میں مشاہدہ اور تجربہ ہی کارفرما ہوتے ہیں جو کسی نظریہ کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیتے ہیں۔ ناقل) اور اگر حکم عقل کا ان حوادث اور واقعات سے متعلق ہو جو مختلف ازمنہ اور امکنہ میں صدور پاتے رہے ہیں۔ یا صدور پاتے ہیں۔ تو اس وقت اس کا ایک اور رفیق بنتا ہے۔ کہ جس کا نام تواریخ اور اخبار اور خطوط اور مراسلات ہے اور وہ بھی تجربہ کی طرح عقل وقادمیز روشنی کو ایسا مصفا کر دیتی ہے کہ پھر اس میں شک کرنا ایک حمق اور جنون اور سودا ہوتا ہے۔ اور اگر حکم عقل کا ان واقعات سے متعلق ہو جو ماوراء المحسوسات ہیں۔ (جن کا علم ہمیں حواس خمسہ کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتا) جن کو نہ ہم آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ کان سے سن سکتے ہیں۔ اور نہ ہاتھ سے ٹٹول سکتے ہیں۔ اور نہ اس دنیا کی تواریخ سے دریافت کر سکتے ہیں۔ تو اس وقت اس کا ایک تیسرا رفیق بنتا ہے کہ جس کا نام الہام اور وحی ہے۔ اور قانونِ قدرت بھی یہی چاہتا ہے کہ جیسے پہلے دو مواضع میں عقل نا تمام کو دو رفیق میسر آگئے ہیں۔ تیسرے موضع میں بھی میسر آیا ہو۔"

(براہینِ احمدیہ حصہ اول صفحہ ۹۰ حاشیہ ۴)

اب علماء اسلام آنحضرت صلعم کی بعثت تک تو اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے عقل اور وحی اور الہام سے متعلق پیش کردہ فلسفہ کے مطابق عقل کو اس تیسرے رفیق کی ضرورت تھی لیکن چونکہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ قرآن خاتم کتب سماوی ہے۔ اور دین کمل ہو چکا ہے۔ اس لئے اب عقل ہی تنہا کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ ان کے اس خود ساختہ اور باطل نظریہ کی تردید کے لئے ہم قرآن شریف سے دلیل پیش کریں گے۔ قرآن کریم سے ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے۔ اور اس کا وہ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت کلام کرنے کی بھی ہے اپنی اسی صفت کلام کے ذریعے وہ اپنے آپ کو اپنے منتخب بندوں پر ظاہر کرتا رہا ہے انہیں امور غیبیہ پر اطلاع دیتا اور احکام صادر فرماتا رہا ہے۔ اپنی ہستی کے ثبوت کے لئے وہ اس صفت کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ وہ بتوں کو معبودان باطل ٹھہرانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے آپ کے بزرگ کے سامنے یہ دلیل پیش کرتا ہے۔ کہ "اے میرے بزرگ تم ان کی پرستش کیوں کرتے ہو جو نہ سنتے ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں اور نہ تمہارے کسی کام آسکتے ہیں۔"

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے:۔

"کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان سے کلام کرتا ہے اور نہ ان کو راستہ دکھاتا ہے۔"

اور پھر فرمایا ہے:۔ "کیا وہ غور نہیں کرتے کہ وہ ان کی بات کا جواب نہیں دیتا۔ اور نہ ان کے لئے کسی نفع نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔"

اور یہ بھی فرمایا ہے:۔ "اور جنہیں وہ اس کے سوا پکارتے ہیں۔ وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیتے۔"

یعنی سننا۔ دیکھنا۔ کلام کرنا۔ جواب دینا اور نفع نقصان کا اختیار رکھنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ازلی ابدی ہستی ہے۔ اس کی تمام صفات بھی ازلی اور ابدی ہونی چاہیئیں۔ ان میں سے اگر ایک صفت کو بھی معطل قرار دیا جائے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ دوسری صفات سے بھی محروم نہیں ہو چکا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ ایک تغیر پذیر ہستی بن جاتا ہے۔ اس پہ بھی زوال آسکتا ہے اور وہ زمان و مکان کے تغیرات سے محفوظ نہیں۔ اس کی حیثیت بھی ان بتوں کے سوا کچھ نہیں رہتی جن کے خلاف وہ یہ دلیل دیتا ہے۔ کہ وہ نہ سنتے ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں۔ نہ کلام کرتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں۔ اور نہ کسی کے کام آسکتے ہیں۔ اس سے مذہب کا تمام سلسلہ ہی باطل ٹھہرتا ہے۔ اور اگر وہ ازل سے ابد تک باقی رہنے والی کوئی ہستی ہے تو اس کی تمام صفات بھی اس کے ساتھ وابستہ رہیں گی۔ جن میں صفتِ کلام بھی شامل ہے۔ اور یہی وہ صفت ہے جو اس کی کامل معرفت پر ایک دلیلِ قاطع ہے۔ اس کی اس صفت کو ہمیشہ کے لئے جاری

رہنا چاہئیے۔ اس سے بڑھ کر یہ وجہ نہیں رکھا کہ جب وہ اپنے کسی محبوب بندے سے بات کرتا ہے تو لازمی ہے کہ اس کلام کے ساتھ نئے شرعی احکام بھی نازل ہونے شروع ہو جائیں اور آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جائے۔ جبکہ خود آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" یعنی میری امت کے علماء یعنی علماء ربانی بنی اسرائیل کے نبیوں جیسے ہوں گے۔ علماء ربانی پر قرآن کریم ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے۔ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" اللہ تعالیٰ سے صرف اس کے علم والے بندے ڈرتے ہیں اور ایسے بندوں کے اللہ سے ڈرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ" کہ اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب سے راضی ہو جاتے ہیں۔ اور یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے اور یہی وہ بندے ہیں جن کے متعلق قرآن کریم نے ایک دوسرے مقام پر یوں ذکر فرمایا ہے "یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشآء من عبادہ لینذر یوم التلاق" وہ روح کو اپنے حکم سے اپنے (ان) بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ ڈالتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ اسی آیت کے نیچے روح المعانی میں حدیث مجدد کا ذکر آتا ہے۔ جس کی عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:-

"یہ القائے وحی آدم سے لے کر ہمارے نبی صلعم کے زمانہ تک رہا اور وہ قیامت تک کے لئے حکم اتصال رکھتا ہے۔ اس شخص کے کھڑا ہونے سے جو دعوت اسلام کا کام لے کر کھڑا ہو جیساکہ ابو داؤد نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سر پر ایک ایسے شخص کو اٹھاتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرتا رہے یعنی عمل بالکتاب والسنۃ سے جو کچھ مٹتا رہا ہے اسے زندہ کرتا رہے۔ یاد رہے کہ روح المعانی حضرت مرزا صاحب یا ان کے پیروؤں میں سے کسی کی تصنیف نہیں۔

اگر اس امت کے علماء ربانی انبیاء بنی اسرائیل سے مشابہ ہیں جیسا کہ حرف "ک" سے ظاہر ہے تو یہ مشابہت جسمانی تو نہیں ہو سکتی صرف روحانی کمالات میں ہی ہو سکتی ہے۔ اور اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ نہ صرف انبیاء بنی اسرائیل بلکہ ان کے غیر انبیاء کو وحی و الہام سے نوازا جاتا رہا ہے اسی لئے اس روحانی کمالات میں مشابہت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس امت کے علماء ربانی یعنی مجددین کو بھی وحی و الہام سے نوازا جائے۔ اور تاریخ سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے۔ کہ اس امت کے اولیا اور مجددین کو وحی اور الہام ہوتا رہا ہے۔

اس ضمن میں مثالیں تو بے شمار پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ہم صرف ان چند ایک اولیاء اللہ اور مجددین کا ذکر کریں گے جو برصغیر پاک و ہند میں گزرے ہیں اور جن کی یہ حیثیت عام مسلمانوں کے ہاں مسلم ہے:-

حضرت مجدد الف ثانی رح

۱۔ میں نے تجھے بخش دیا۔ اور قیامت تک پیدا ہونے والے ان تمام لوگوں کو بھی بخش دیا جو تیرے وسیلے سے مجھ تک پہنچیں۔ خواہ یہ واسطہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ۔

۲۔ الہام ہوا: "انک من المتقین" بے شک تو پرہیزگاروں میں سے ہے۔

۳۔ آپ کے بیٹے حضرت شاہ محمد یحییٰ کی پیدائش سے پہلے الہام ہوا: "انا نبشرک بغلام ن اسمہ یحییٰ" "ہم تجھے ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔ جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اور اسی لئے ان کا نام محمد یحییٰ ہوا

۴۔ "شرک تیری عبادت سے اٹھا لیا گیا اور تیرا دین خالص ہو گیا۔"

۵۔ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص ہمارے سلسلہ میں داخل ہو گیا یا داخل ہوگا۔ بالواسطہ یا بلا واسطہ سب کو میرے سامنے لایا گیا اور ہر ایک کا نام اور اس کا مولد و مسکن بتایا گیا اور ان سب کو مجھے بخش دیا گیا۔ اور میں چاہوں تو سب کو بیان کر سکتا ہوں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

دمبدم روح القدس اندر معینے مے دمد
من نمے گویم مگر من عیسیٔ ثانی شدم

ہر لحظہ اور ہر گھڑی جبرائیل معین کے اندر یہ بات پھونکتا ہے اس لئے میں نہیں کہتا مگر حقیقت یہی ہے کہ میں عیسیٰ ثانی ہو گیا ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

"اللہ تعالےٰ نے مجھ پر وحی نازل کی کہ" میں تجھے وہ طریقہ دوں گا جو ان تمام طریقوں میں جو اس وقت رائج ہیں سب سے زیادہ خدا تعالےٰ تک پہنچانے میں قریب ہوگا۔ اور سب سے زیادہ مضبوط ہوگا۔"

حضرت خواجہ میر درد فرماتے ہیں کہ آپ پر بہت سی قرآنی آیات بذریعہ الہام نازل ہوئیں مثلاً:-

"(۱) فقل حسبی اللہ (۲) وان کثیراً من الناس لغٰفلون (۳) وانذر عشیرتک الاقربین (۴) ومن احسن من اللہ حکماً لقوم یؤمنون وغیرہ وغیرہ

مولوی عبداللہ صاحب غزنوی

(۱) ان ھو الا عبد انعمنا علیہ (۲) صلوا علیہ وسلموا تسلیما (۳) الم نشرح لک صدرک (۴) الیس اللہ بکاف عبدہ (یہی الہام حضرت مرزا صاحب کو بھی ہوا) (۵) انت منی وانا منک فلا تخف ولا تحزن وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ "سہارنپور میں مولانا شہید اور جلال شاہ نے مل کر دعا کی اور یک گرجتی ہوئی آواز آسمان سے سنائی دی" اے جلال شاہ تیرے گناہ ہم نے معاف کئے اور آج سے تو ہمارے دوستوں میں شمار ہوا۔"

حضرت سید امیر رحمۃ اللہ علیہ کو جو مولوی عبداللہ غزنوی رح کے پیر تھے الہام ہوا:-

"یایھا النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین ان اللہ کان علیما حکیما۔"

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا۔"

ان الہامات میں حضرت سید امیر رح کو نبی اور رسول کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے اور آپ کے مخالفین کو کافرین کے لفظ سے لیکن اگر اسی طرح کے الفاظ حضرت مرزا صاحب کے الہامات میں آ جائیں تو قابل اعتراض ٹھہرتے ہیں۔

ان اولیاء اور مجددین امت کے متعلق جنہیں حضرت مرزا صاحب اسلام کی صداقت کا نشان ٹھہراتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"ہم یقینی اور قطعی طور پر ہر ایک طالب حق کو ثبوت دے سکتے ہیں کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ سے آج تک ہر ایک صدی میں ایسے باخدا لوگ ہوتے رہے ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ غیر قوموں کو آسمانی نشان دکھلا کر ان کو ہدایت دیتا رہا ہے۔ جیساکہ سید عبدالقادر جیلانی۔ اور ابوالحسن خرقانی اور ابو یزید بسطامی اور جنید بغدادی اور محی الدین ابن العربی اور ذوالنون مصری اور معین الدین چشتی اجمیری اور قطب الدین بختیار کاکی اور فرید الدین پاک پٹنی اور نظام الدین دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اسلام میں گزرے ہیں۔ اور ان لوگوں کا ہزار ہا تک عدد پہنچتا ہے۔ اور اس قدر لوگوں کے خوارق علماء و فضلاء کی کتابوں میں منقول ہیں کہ ایک متعصب کو باوجود سخت تعصب کے آخر ماننا پڑتا ہے کہ یہ لوگ صاحب خوارق و کرامات تھے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے نہایت صحیح تحقیقات سے دریافت کیا ہے۔ کہ جہاں تک بنی آدم کے سلسلہ کا پتہ چلتا ہے۔ سب پر غور کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس قدر اسلام میں

اسلام کی تائید میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی گواہی میں آسمانی نشان بذریعہ اس امت کے اولیاء کے ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ ان کی نظیر دوسرے مذاہب میں ہرگز نہیں۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی ترقی آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے ہوتی [illegible]

کرامت گرچہ بے نام و نشان است
بیا بنگر ز غلمان محمدؐ

ہمارا مضمون ختم ہوا چاہتا ہے۔ کہ ہمیں اتفاق سے اسی موضوع "مسلمان اور فلسفہ" پر مذاکرہ کی دوسری قسط سننے کا موقع بھی مل گیا۔ شرکاء مذاکرہ وہی اصحاب تھے جن کا ذکر ہم شروع میں کر آئے ہیں۔ ڈاکٹر امان اللہ خاں نے ایک اور سوال کیا کہ "عقل اور وحی میں کیا تعلق ہے۔" ڈاکٹر غلام صادق صاحب نے فرمایا۔ دونوں کا طریقہ کار مختلف ہے لیکن مقصود ایک ہی ہے یعنی حقیقت کی تلاش۔ عقل جس نتیجے پر ٹھوکریں کھانے کے بعد پہنچتی ہے وحی ایک ہی جست میں اس نقطہ پر پہنچ جاتی ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی، غیر مبہم، غیر مشتبہ اور ہر خطا سے پاک ذریعہ علم و معرفت وحی و الہام ہی ہے۔ نہ کہ عقل جو ٹھوکریں کھانے کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچتی ہے۔ اور وہ بھی شبہ سے خالی نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے مطابق "کلمات ربی" لامتناہی ہیں (کہف ۱۰۹۔ روم ۲۷) ان کا انکشاف قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور یہی وہ انکشاف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صحیح اور کامل معرفت عطا کر سکتا ہے۔ لیکن عقل ان علوم اور انکشافات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ جب کلمات ربی لامتناہی ہیں اور وحی والہام ہی ایک یقینی ذریعہ معرفت ہے۔ تو انقطاع وحی نبوت کے ساتھ اس سلسلہ وحی والہام کو بھی کیوں منقطع تصور کر لیا جائے۔ جو امت مسلمہ میں اولیاء اور مجددین کے وجود میں جاری رہا ہے۔ اور جس سے زندہ خدا کا ثبوت ملتا رہا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اگر اس کا اجرا تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت مرزا صاحب کو اس صدی کا مجدد اور مسیح موعود ماننا پڑتا ہے۔ جو اکثر کو گوارا نہیں ہے۔

بقیہ علم فلکیات کی جھلکیاں

تمام قسم کا سامانِ معیشت مہیا فرمایا ہے اور تمام اقوام کے لئے آسمانی بارش کے ساتھ ساتھ روحانی بارش بشکل وحی نبوت عطا فرمائی ہے۔ اور تمام انسانوں کو ایک فطرت صحیحہ سے آراستہ کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا اور تمام اقوام عالم کے لئے ایک سورج اور ایک قمر پیدا کئے وہ دونوں نہ صرف ماہ و سال کا حساب سکھاتے بلکہ طرح طرح کی خدمات انجام دیتے ہیں۔

حضرت امیر قوم مولینا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ

کلام الٰہی میں

کی سمت معلوم کر لیتا ہے۔ اس کے سوا انسان نہ تو صحراؤں کا سفر طے کر سکتا ہے اور نہ سمندروں کا۔ اب قطب نما تو آسمان پر ہے مگر اب لوگوں نے قطب نما جیبوں میں ڈال رکھے ہیں۔ قطب نما بحری جہازوں میں نصب ہیں۔ اور قطب نما ہوائی جہازوں میں بھی نصب کر لئے گئے ہیں۔ جس طرح سمندروں میں قطب نما رہنمائی کرتے ہیں اسی طرح فضاء میں صحیح راستہ بتانے میں ممد ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا خلق السموات بغیر عمد ترونھا خدا نے سیاروں کو ایسے ستونوں پر اٹھا رکھا ہے جن کو تم نہ دیکھ سکو والسماء رفعھا ووضع المیزان۔ یہ سیارے بلندیوں پر اس لئے کھڑے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ان سیاروں کے مختلف حجموں اور ان کے درمیانی مختلف فاصلوں کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ سیاروں میں توازن قائم ہو گیا ہے۔ وکل فی فلک یسبحون۔ یہ سیارے صرف معلق ہی نہیں ہیں بلکہ فضا میں سرعت کے ساتھ تیرتے ہوئے اپنے اپنے مدار پر جا رہے ہیں اور فرمایا وجعل اللیل سکنا والشمس والقمر حسبانا اللہ تعالےٰ نے رات آرام کے لئے بنائی ہے اور شمس و قمر کو اس لئے بنایا کہ وہ ماہ و سال کا حساب بتائیں سیارگان مقررہ رفتار سے چلتے ہیں اس لئے کہ پابندیٔ وقت ان کی سرشت میں مرکوز ہے۔ ان کی رفتار میں کمی بیشی رونما نہیں ہوتی۔ سورج کے ارتفاع کا مختلف ہونا موسموں کے تغیر کا باعث بنتا ہے۔ والقمر قدرناہ منازل۔ قمر کے لئے منازل ٹھہرائی گئی ہیں وہ مغرب سے طلوع کرتا ہے۔ ہر روز اس کا ارتفاع بڑھتا ہے اور ساتھ ہی اس کا زیادہ حصہ روشن ہوتا جاتا ہے۔ ہوتے ہوتے قمر کا نصف حصہ روشن ہو جاتا ہے۔ اس وقت قمر سمت الراس پر ہوتا ہے۔ لوگ اس حالت سے سمجھ لیتے ہیں کہ ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔ قمر زمین کے گرد چار ہفتوں میں ایک گردش ختم کرتا ہے۔ زمین سورج کے گرد ایک سال میں گردش کرتی ہے۔ اس کے باعث سال بھر میں چار موسم نمودار ہوتے ہیں۔ اور قمر کی گردش زمین کے گرد ایک ماہ کا علم بخشتی ہے۔ گویا سورج اور قمر دو گھڑیاں ہیں جو خدا تعالےٰ نے آسمان پر نصب کر رکھے ہیں۔ یہ گھڑیاں ساری اقوام عالم کو نظر آتی ہیں۔ اور ساری اقوام کو دن رات کے اوقات کا اور ماہ و سال کے زمانوں کا علم دیتی ہیں۔ اور اس طرح کاروبار چلانے میں سہولت بہم پہنچاتی ہیں۔ اس برکت بھرے نظام کا ذکر فرمایا ہے: ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرناہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب پھر فرمایا: ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السموات یعنی جس دن سے خدا نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں تب ہی سے خدا کے ہاں مہینوں کی گنتی کتاب اللہ میں بارہ مہینے لکھے چلے آ رہے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے تمام اقوام عالم کو تمام قسم کی برکات سے یکساں مستفیض فرمایا ہے۔ چنانچہ تمام اقوام عالم کے لئے دن رات بارہ گھنٹے کے ہفتہ سات دن کا۔ اور سال بارہ ماہ کا ہے۔ ان سب کو ایک ہی گھر میں بسایا ہے جس کا فرش زمین ہے اور جس کی چھت آسمان ہے اس گھر کے لئے بارش کے ذریعہ

یہ تحریروں کے طومار کیا ہیں؟

خطبہ جمعہ فرمودہ، میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، بمقام مسجد جامعہ، دارالسلام۔ لاہور

یوم نطوی السّمآء کطیّ السّجلّ للکتب ۔۔۔ قل ربّ احکم بالحقّ ط وربّنا الرّحمٰن المستعان علیٰ ما تصفون ۵ (الانبیاء ۲۱ : ۱۰۴ تا ۱۱۲)

ترجمہ :۔ "جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے جس طرح تحریروں کا طومار لپیٹ لیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے پہلی پیدائش شروع کی اُسے پھر بنائیں گے۔ یہ ہم پر وعدہ ہے ضرور ہم کر کے رہیں گے۔ اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔ یقیناً اس میں فرمانبرداری اختیار کرنے والوں کے لئے پیغام ہے۔ اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا سوائے تمام قوموں کے لئے رحمت بنا کر۔ کہو میری طرف یہی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا اللہ ایک ہی اللہ ہے تو کیا تم فرمانبردار بنتے ہو؟ پھر اگر پھر جائیں تو کہدے میں نے تمہیں انصاف کی بات کہہ کر خبردار کر دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ جو تمہیں وعید دیا گیا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے۔ بیشک اللہ جانتا ہے جو پکار کر بات کی جائے اور جو تم چھپاتے ہو۔ اور میں نہیں جانتا کہ شاید وہ تمہارے لئے آزمائش ہے اور ایک وقت تک کے لئے فائدہ اٹھانا ہے۔ رسول نے کہا اے میرے ربّ حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب رحمٰن ہے جس سے ان باتوں پر مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔"

جو آیات میں نے آپ کے آگے پڑھی ہیں ان میں سے پہلی آیت کو سمجھنے میں لوگوں کو مشکل پڑی ہے۔ اور وہ مشکل ان کی خود پیدا کردہ ہے۔ انہوں نے آیت "جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے جس طرح تحریروں کا طومار لپیٹا جاتا ہے" کو قیامت کا دن سمجھ کر اپنے آپ کو اُلجھنوں میں ڈال دیا۔ اول تو اب یہ قطعی طور پر ثابت شدہ ہے کہ آسمان کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے کہ اسے لپیٹ لیا جائے پھر اگر یہ قیامت کے دن کا ذکر ہے تو آگے زمین کا وارث صالح بندوں کا ہونا اور لوگوں پر وعید کے مطابق عذابوں کے آنے کا ذکر کیا ہے؟ پھر یہ تحریروں کے طومار کیا ہیں؟

اول تو چونکہ آسمان کوئی ٹھوس چیز نہیں کہ اُسے لپیٹا جائے اس لئے ظاہر ہے کہ یہ لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ تحریروں کے طومار سمجھنے کے لئے اس رکوع کے پہلے حصہ کو دیکھنا چاہیئے۔ وہاں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں مخالفت کا مرکز جو بستی تھی یعنے مکّہ اُس کے عرب پر غلبہ کو ہم ختم کر دیں گے۔ مگر اسلام کی مخالفت پھر زوروں سے کرنے والے یاجوج ماجوج ہوں گے جو دنیا کے تمام بلند مقامات پر قابض ہو جائیں گے۔ ان کے غلبہ کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ عذاب بھیجے گا جنہوں نے اس زمانہ کی عالمگیر جنگوں، ہر وقت کے فتنہ و فساد اور امن کو شدید خطرات کی شکل اختیار کی ہے۔ پھر وہ دن یعنے زمانہ آئے گا کہ ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے جس طرح تحریروں کے طومار لپیٹے جاتے ہیں۔ چونکہ مضمون اسلام کی مخالفت کا تھا اس لئے یہ تحریریں وہ ہیں جو اسلام کے خلاف، آنحضرت صلعم کے خلاف، قرآن پاک کے خلاف اس زمانہ میں لکھی گئیں۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی عیسوی ہی وہ زمانہ ہے کہ تحریروں کا طومار بشکل کتب، رسالوں، مضامین وغیرہ کے ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر ان کو لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں دنیا میں پھیلا دیا گیا۔ ساری دنیا کی فضا کو اس گندے لٹریچر نے مکدّر کر دیا۔ اور یہ زمین پر اس طرح چھا گیا جس طرح آسمان چھایا ہوا ہے۔

عظیم الشان پیشگوئی

ان آیات میں جو عظیم الشان پیشگوئی فرمائی ہے جس طرح اُس کے پہلے حصہ کو پورا ہوتا ہم نے دیکھا کہ دنیا پر اسلام، قرآن پاک اور حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لٹریچر کی مکدّر فضا پچھلے دو سو سالوں میں چھا گئی جس طرح آسمان چھایا ہوا ہوتا ہے، اُسی طرح ہم میں ایمان اور یقین پیدا ہونا چاہیئے کہ اس عظیم الشان پیشگوئی کا باقی حصہ بھی ضرور پورا ہوگا جس کو زبردست اور تحدّی سے بھرپور الفاظ میں یوں فرمایا کہ اس گندے لٹریچر کو جو تمام زمین پر چھا جائے گا جس طرح آسمان چھایا ہوتا ہے ہم لپیٹ لیں گے اور جس طرح پہلے نئی خلق بنائی تھی، دوبارہ بنائیں گے یہ ہم پر وعدہ ہے

ہم اسے ضرور پورا کر کے رہیں گے۔ اللہ اکبر! کیا زور اور شان تحدّی ہے!

سو بحمد اللہ کہ ہم نے اس عظیم الشان پیشگوئی کو بھی بہت حد تک پورا ہوتے دیکھ لیا اور ابھی ان شاء اللہ القدیر اور بھی دیکھیں گے۔ وہ یورپ اور امریکہ جہاں سے پچھلے دو سو سالوں میں سوائے اسلام میں کیڑے نکالنے والی کتابوں کے اور کچھ نہ آتا تھا اب وہاں سے تعریفی تحریریں آنے لگی ہیں۔ کہاں تو حضور پاک صلعم کے خلاف ہرزہ سرائی ہوتی تھی کہاں حال میں امریکہ میں ایک کتاب چھپی ہے کہ دنیا کے سو عظیم الشان انسان کون ہوئے ہیں۔ ان میں سرفہرست یعنے دنیا کا سب سے عظیم الشان انسان حضور پاک صلعم کو بتایا گیا ہے۔ انگلستان میں مشہور مصنف برنارڈ شا نے لکھا کہ اگر محمد (صلعم) کو دنیا کا ڈکٹیٹر بنا دیا جائے تو ہی دنیا کی مشکلات کا حل ہو سکتا ہے۔

چند دن ہوئے امریکہ کی سرکاری یونائیٹڈ سٹیٹس انفارمیشن سروس نے ایک اطلاع شائع کی جو لاہور کے اخبار پاکستان ٹائمز کے ۱۱ مئی ۱۹۸۰ء کے پرچہ میں شائع ہوئی کہ مسٹر ولیم کرافورڈ جو حکومت امریکہ کے یمن میں سفیر رہ چکے ہیں انہوں نے ایک بین الاقوامی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ امریکن لوگوں میں اب دن بدن شوق بڑھ رہا ہے کہ وہ اسلام کے متعلق مزید معلومات حاصل کریں۔ اسی کانفرنس میں ایک اور مقرر مسٹر تھامس تھابت نے کہا کہ اسلام اب تمام دنیا میں دلچسپی کا باعث بنا ہوا ہے۔

معمولی اونچ نیچ اور عارضی غلط فہمیاں تو پیدا ہوتی ہی رہتی ہیں مگر ان کا باعث وہ عظیم الشان لٹریچر نہیں جو جماعت احمدیہ لاہور نے پچھلے ساٹھ سال میں تمام دنیا میں اسلام کا خوبصورت چہرہ دکھانے کے لئے پھیلایا ہے اور جس کے تراجم دوسری زبانوں میں مقامی لوگوں نے کر کے اُسے سر آنکھوں پر رکھا ہے۔ وہ لٹریچر جو دنیا کی لائبریریوں

اور مذہب میں دلچسپی رکھنے والوں کی الماریوں میں پہنچ گیا ہے۔ وہ ہمارا قرآن کریم کا ترجمہ، تفسیر، کتاب دی ینگ آف اسلام، حضور پاک کی سوانح اور کتاب زندہ نبی کی زندہ خیالات اور ٹیچنگز آف اسلام وغیرہ وغیرہ ہیں۔ مغرب کے نقطۂ نظر کو بدلنے کا باعث یہی لٹریچر ہوا ہے جو تمام دوسرے لٹریچر سے تعداد میں زیادہ نشر ہوا ہے اور مقبول بھی ہوا ہے۔ اسے مزید پھیلانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ دن جلد آئے کہ مغرب سے سورج چڑھنے کی پیشگوئی جو مخبر صادق صلعم نے فرمائی تھی وہ پوری ہو۔ قرآن مجید میں حضور صلعم کو سراجاً منیرا یعنی روشن کرنے والا سورج کہا گیا ہے اور حضور کا ہی نور ہے جو مغرب سے طلوع ہو کر اس روحانی رات کو جو آج زمین پر سیاہ آسمان کی طرح چھائی ہوئی ہے لپیٹ کر دور کر دے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

عیسائی اقوام سے خطاب

اس سارے رکوع میں مغرب کی عیسائی اقوام کے اس زمانہ میں عروج اور پھر ان پر آفات کے آنے کا ذکر ہے اور روئے سخن انہی کی طرف ہے جبکہ فرمایا کہ "ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔" یہ اقوام قرآن کریم کو تو سردست نہیں مانتیں اس لئے ان کی اپنی بائبل کا حوالہ دیا کہ حضرت داؤد جو سلطنت بنی اسرائیل کے بانی مبانی تھے ان کی کتاب میں نصیحت کے بعد کہ ملک یا بادشاہت دراصل اللہ کی ہے وہ جسے چاہے بخشے ہم نے لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے (زبور، ۳۷: ۲۹)۔ اس لئے مغربی اقوام کو فرمایا کہ اگر تم زمین کی سلطنت کے خواہاں ہو تو اس کے کبھی تم وارث یعنی مستقل پانے والے تبھی ہو گے جب تم خدا کے صالح بندے بنو گے۔ پھر فرمایا: "اس میں پیغام ہے اس قوم کے لئے جو خدا کی فرمانبردار بندہ ہے۔" ایسے صالح بننے کے لئے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری ضروری ہے۔ خدا کی فرمانبرداری چھوڑ کر آج دیکھ لیں کہ یورپ اور امریکہ کا اخلاقی حال کیا ہوا ہے۔

جب مغربی اقوام کو دنیاوی غلبہ اور عروج ملا تھا تو وہ اپنی الہامی کتاب یعنی بائبل کی تھوڑی بہت فرمانبردار تھیں۔ مگر سائنس کی ترقیات اور علم کی روشنی کے زمانہ میں بائبل اب قابل عمل نہیں رہی تو فرمایا کہ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین یعنی اس سائنس اور علم کی ترقیات اور عقل کی روشنی کے زمانہ میں صرف وہ روحانی تعلیم (رحمۃ) تمام اقوام عالم کی رہنمائی کر سکتی ہے جو تجھے (محمد صلعم) دے کر بھیجا گیا ہے۔

مسلمان قوم سے خطاب

اگلی آیت میں رسول اللہ صلعم کو خطاب کیا گیا ہے۔ مگر حضور صلعم کے زمانہ میں تو ان مغربی اقوام کا عروج اور ان کا بالآخر لامذہب اور دنیا پرست اور دولت پرست ہو جانا وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔ اس لئے حضور کو مخاطب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ حضور کا کام ہے۔ خوش نصیب ہے وہ مسلمان جو اس زمانہ میں جبکہ وہ حالات پیدا ہوئے ہیں جن کا یہاں ذکر ہے حضور کے ذمہ جو کام ہوا تھا اُسے سرانجام دے۔ جب وہ آخرت میں حضور کے سامنے پیش ہو گا تو آپ اس سے کس قدر خوش ہوں گے۔ وہ کام یہ ہے "ان (مغربی اقوام) کو کہہ دے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا الٰہ صرف ایک ہی اللہ ہے تو کیا تم اسلام لاتے ہو؟" الٰہ نہایت جامع لفظ ہے جس کے معنے ہیں معبود (یعنی جس کی عاجزی سے فرمانبرداری کی جائے) محبوب (یعنی جس کی فرمانبرداری محبت سے کی جائے نہ کہ چٹی سمجھ کر کیونکہ وہ محسن اعظم اگر وہ فرمانبرداری کے لئے کہتا ہے تو اس میں انسان کا سراسر فائدہ ہے نہ کہ اس کا) اور مطلوب یا مقصود (یعنی محبت سے اس کی فرمانبرداری کرنے سے خود وہ ملتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو انسان پا سکتا ہے جس کو پانا انسان کی پیدائش کا مقصد ہے)۔ یعنی انسان کی پیدائش کا مقصد دنیا کو پانا یا دولت کو حاصل کرنا نہیں جو مل جائیں تو فبہا مگر وہ مقصد پیدائش نہیں۔ انسان کی پیدائش کا مقصد یہ عارضی اور اخلاقی طور پر گراد ینے والی چیزیں نہیں بلکہ دنیا کی اور آخرت کی سب سے بڑی نعمت یعنی خود اللہ تعالیٰ کو پانا ہے۔ یہ اعلیٰ مقصد پیدائش پہلے کبھی دنیا کو معلوم نہ رہا تھا اس لئے کہ پہلی الہامی کتابیں اپنی اصل شکل اور تعلیم کھو بیٹھی تھیں۔ یہاں تک کہ وحی الٰہی نے آن کر حضور صلعم کے ذریعہ یہ انتہائی ضروری علم دیا۔ اسی لئے فرمایا قل انما یوحیٰ الیّ یعنی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ انسان کا مقصد پیدائش کیا ہے اور اسے کس طرح پایا جا سکتا ہے۔ وہ راستہ جو اللہ سے ملاتا ہے اب صرف اسلام بتاتا ہے اور اسی لئے آج صرف اسلام ہی ہے جس پر چل کر خدا ملتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا ہے جیسا کہ اسلام میں ہمیشہ ہوتا رہا۔

ضروری تنبیہ

پھر فرمایا "اگر یہ پھر جائیں تو کہہ دے کہ میں نے تمہیں انصاف سے خبردار کر دیا ہے" یعنی اگر انسان سمجھانے سے نہ سمجھے تو پھر وہ حیوان کی سطح پر ہے کہ حیوان سمجھانے سے نہیں سمجھتا اُسے تو سزا دی جائے تبھی سمجھتا ہے اور سیدھا ہو جاتا ہے سوالیا نہ ہو کہ تم پر آسمانی سزا آئے (کیونکہ زمین میں تو کوئی طاقت نہیں جو ان طاقتور مغربی حکومتوں کو سزا دے سکے) اس سزا کی نسبت فرمایا "میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا دور ہے جس کا تم سے وعدہ دیا جاتا ہے"۔ خدا کی شان ہے کہ اس زمانہ میں یہ وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے کہ کبھی تو معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر جنگ (جو ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کی وجہ سے نہایت ہولناک ہو گی) سر پر آن کھڑی ہوئی اور کبھی ٹل جاتی ہے مثلاً نہر سویز پر برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کے مل کر حملہ آور ہونے پر روس نے جنگ کی دھمکی ملی تو امریکہ کی مداخلت پر حملہ آور ہٹ گئے اور نہر سویز مصر کے ہاتھ میں ہی رہی۔ اسی طرح ۱۹۶۷ء کی مشرق وسطیٰ کی جنگ کے دنوں میں عالمگیر جنگ چھڑ جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اب افغانستان پر روس کے حملے سے اور اس کے بعد میں پیدا ہونے والے نتائج کے خوف سے پھر عالمگیر جنگ کے خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی سزا ان اقوام پر منڈلاتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی امان میں رکھے۔

ان مغربی اقوام کی سیاست کا ایک خاص رنگ ہے کہ انہوں نے انتہا کر دی ہے اس بات کی کہ مونہہ سے کہتے کچھ ہیں اور دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب تو یہ تمام عالم پر واضح ہو چکا ہے کہ بین الاقوامی ڈپلومیسی میں مغربی اقوام نے یہ FINE ART بنا دیا ہے یعنی اسے وہ ہنر سمجھتے ہیں جس میں انہوں نے کمال مہارت دکھائی ہے کہ زبان پر کچھ اور دل میں کچھ اور۔ اسی لئے قرآن حکیم تنبیہ فرماتا ہے اگلی آیت میں کہ تم دنیا کو تو دھوکا دے سکتے ہو مگر خدا کو دھوکا نہیں دے سکتے کیونکہ "وہ خوب جانتا ہے جو تم آواز بلند کہتے ہو اور جو تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو"۔ مزید تنبیہ اس سے اگلی آیت میں ہے کہ "میں نہیں جانتا کہ شاید تمہارے لئے آزمائش ہے اور ایک وقت تک کے لئے فائدہ اٹھانا ہے"۔ یعنی اللہ تعالیٰ اگر تمہیں فوراً نہیں پکڑتا اور مہلت دیتا ہے تو یہ شاید تمہارے لئے آزمائش ہے کہ تم اپنی اصلاح کرتے ہو یا نہیں۔ باقی رہا دنیا کی نعمتیں ملنا تو یہ ایک وقت تک کے لئے تمہارا فائدہ اٹھانا ہے اس پر راضی ہو کر غفلت میں اور نہ اونگھ جانا۔

رسول اللہ صلعم کی دعا

آخیر میں رسول اللہ صلعم کی بے نظیر دعا کا ذکر ہے۔ حضور کو جب اس زمانہ کے مندرجہ بالا حالات اور حق اور باطل کی کشمکش کا علم دیا گیا تو حضور صلعم نے جو دعا کی اس پر یہ سورت ختم ہوتی ہے۔

"قٰل رب احکم بالحق وربنا الرحمٰن المستعان علیٰ ما تصفون"

یعنی رسول نے کہا "اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب رحمان ہے جس سے ان باتوں کے بارہ میں مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو"۔

اس زمانہ میں مغربی اقوام اپنے سیاسی غلبہ، مادی طاقت اور علوم اور سائنس کی ترقیات جو دنیا کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہیں ان کا فائدہ اٹھا کر اپنے فلسفۂ زندگی کو دنیا میں پھیلا رہی ہیں۔ دوسرے مذاہب اس کے آگے ختم ہو گئے۔ صرف اسلام میدان میں کھڑا ہے۔ اسی مقابلہ کا علم پا کر حضور نے دعا کی کہ "اے میرے رب اس مقابلہ میں حق

فیصلہ فرما" یعنے جو حق ہو اسے کامیاب فرما۔ ظاہر ہے کہ اس میں اسلام کی فتح اور اس کے دنیا میں قائم کئے جانے کی دعا ہے جو انشاء اللہ ضرور پوری ہو کر رہے گی مگر حضور صلعم جو رحمۃ للعلمین ہیں آپ کے دل میں مغربی اقوام پر بھی رحم آیا اور اس کے لئے دعا کے دوسرے حصہ میں بجائے میرے ربّ کے حضورؐ نے فرمایا ہمارا رب، یعنے اللہ تعالےٰ صرف میرا رب نہیں بلکہ مغربی اقوام کا بھی ہے اس کی مدد مانگی جاتی ہے ان باتوں کے بارہ میں جو یہ اقوام بیان کرتی ہیں اور حضورؐ نے اللہ تعالےٰ کی رحمانیت کو پکارا۔ رحمانیت اللہ تعالےٰ کی وہ صفت ہے کہ اس کے رحم کے جوش سے اللہ تعالےٰ انسان کی بغیر کوشش یا عمل کے محض اپنے رحم کے جوش سے انسان کے لئے سب کچھ مہیا کرتا ہے۔ دنیا کی تمام سامانوں کے علاوہ قرآن اصلاح کر سکتی ہے۔ اور اس کا ذریعہ انشاءاللہ قرآن پاک ہوگا کہ رحمٰن نے ہی اسے اتارا ہے جس طرح چودہ سو سال پہلے عرب کی بگڑی ہوئی قوم کو قرآن پاک نے ہی ہلاکت سے بچا لیا اور ان میں انقلاب عظیم پیدا کیا۔ اب بھی وہی معجزہ نما قرآن ہی انشاءاللہ دنیا کو بچائے گا۔ اسی لئے حضرت امیر مرحوم کی وصیت تھی:۔

"ہمارا کام ہے قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا۔ آگے اپنا کام قرآن خود کرے گا۔"

اور اسی لئے امام الزماں نے بھی قرآن کے تراجم اور تفسیر کو دنیا میں پہنچانے کا کام اپنے دعویٰ مجددیت کے ساتھ ہی اپنی قوم کے آگے رکھا اور نصیحت کی کہ ؎

اے بے خبر بخدمت قرآں کمر ببند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

جناب ایم۔ ارشد علوی
سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ مرکزیہ

تنظیم شبان الاحمدیہ کی سرگرمیاں

عہدیداروں کا اجلاس ہوا۔ جس میں تنظیم کے طریق کار اور چندہ کی وصولی کے طریق کار پر بحث کی گئی۔ بدوملہی اور سیالکوٹ کے نوجوانوں سے رابطہ قائم کرنے کے لئے دورہ کا پروگرام بنایا گیا۔ اسحاق اختر علی صاحب نے بدوملہی اور ارشد حسین صاحب اور ظہور اکبر صاحب نے سیالکوٹ جانے کا پروگرام بنایا۔

جمعرات ۱۰ جنوری کو ارشد حسین صاحب اور ظہور اکبر صاحب سیالکوٹ پہنچے۔ سب سے پہلے نجم وسیم صاحب (سابق جائنٹ سیکرٹری شبان الاحمدیہ) کے گھر گئے تو ان کے والد محترم شیخ سلیم صاحب اور دیگر افراد خانہ سے شبان الاحمدیہ کی تنظیم کے آئندہ پروگرام کے متعلق تفصیلاً گفتگو ہوئی۔ انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم لوگوں میں احمدیت کی تڑپ ہے۔ انہیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ نوجوان صحیح خطوط پر منظم ہوں تو وہ اپنے چاروں بیٹوں کی خدمات دینے کو تیار ہیں۔ ہم نے انہیں تسلی دی کہ انشاءاللہ بزرگوں کے مشوروں کے عین مطابق تنظیم کا کام کیا جائیگا۔

پھر جمعرات کی رات کو ارشد حسین صاحب اور ظہور اکبر صاحب بدوملہی تشریف لے گئے اور محترم ماسٹر اللہ بخش صاحب کے گھر قیام کیا۔ جمعہ کے پروگرام اور اطلاعات کے متعلق بات چیت ہوئی۔ ماسٹر صاحب نے فرمایا کہ بدوملہی کے ارد گرد کے تقریباً تمام دیہاتوں میں اطلاع کر دی گئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں کے شبان ہیں بھی کچھ کام کر رہے ہیں۔ البتہ منظم کرنے کی ضرورت ہے۔

ظہور اکبر صاحب نے بدوملہی کے دیہاتوں میں احمدی گھرانے میں جا کر اطلاع دی تھی اور جمعہ کی نماز میں اکٹھے ہونے پر زور دیا تھا۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور بہت سے بزرگ تشریف لائے۔ جمعہ کا خطبہ صحابی مسیح موعودؑ محترم جناب الہ دتہ صاحب نے دیا۔ آپ صرف شبان کی خاطر آٹھ میل سائیکل چلا کر تشریف لائے تھے۔ آپ کی بہت شخصیت اور خطبے نے ہمارے ایمانوں کو جلا بخشی۔ خدا ایسے بابرکت بزرگوں کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ تاکہ ان ہستیوں کا وجود ہمارے ایمانوں کی مضبوطی کا موجب ہو۔

جمعہ کے بعد جناب ماسٹر فتح زاہد صاحب (صدر مقامی جماعت بدوملہی) کی صدارت میں شبان الاحمدیہ کا اجلاس ہوا۔ جناب ناصر احمد صاحب (سابق صدر شبان الاحمدیہ لاہور یونٹ) نے شبان کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے شبان الاحمدیہ کی پچھلی کارکردگی کو امید افزا ٹھہرایا۔ اور امید ظاہر کی کہ موجودہ عہدیداران اپنے فرائض کو محنت سے نبھائیں گے۔ اس کے بعد اسحاق اختر صاحب نے شبان کی تنظیم کے پروگرام

بقیہ تنظیم شبان الاحمدیہ کی سرگرمیاں

کی وضاحت کی۔ اس سلسلے میں شبان کی مجلس منتظمہ کے پروگرام پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ مرکز کو زون اور یونٹ میں تقسیم کرنے کی ضرورت کی وضاحت کی۔ اس کے بعد انتخاب عمل میں آیا اور متفقہ طور پر عبدالقیوم صاحب کو صدر اور عبدالغفور صاحب کو سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ ماسٹر فتح زاہد صاحب نے ہماری گزارش پر سیکرٹری کی ذمہ داری قبول کی۔ آخر میں ماسٹر اللہ بخش صاحب کے گھر حاضرین جلسہ کی تواضع پرتکلف کھانے اور چائے سے کی گئی۔

جمعہ کی رات کو ارشد حسین صاحب اور ظہور صاحب سیالکوٹ واپس چلے گئے۔ تاکہ نجم وسیم صاحب سے ملاقات کی جائے۔ ہفتہ والے دن ان سے ملاقات ہو گئی۔ ان سے تنظیم کے متعلق باتیں ہوئیں۔ انہوں نے بھی بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

اس دورہ میں بدوملہی کو مکمل طور پر اور سیالکوٹ کو جزوی طور پر منظم کرنے کا پروگرام بخیر و خوبی تکمیل کو پہنچ گیا۔ بدوملہی کے دورے کو کامیاب بنانے میں ظہور اکبر صاحب کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھایا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی اپنا فرض نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ والسلام۔

اولیاء اللہ کی مقناطیسی شخصیت اور جذب روحانی

اولیاء اللہ کی ذات والاصفات اپنی قوت قدسی، جاذبیت اور اثر اندازی کے لحاظ سے نسل انسانی میں بلند ترین مقام رکھتی ہے۔ بقول کسے :-

جلاسکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس اُن کی + الہٰی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ حق کے سینوں میں
ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو + وہ رونق انجمن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں

(ادارہ)

؎ ہرکہ خواہد ہم نشینی باخُدا   او نشیند در حضور اولیاء
جو شخص خُدا کے دربار میں باریابی چاہتا ہے۔ وہ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھتا ہے

؎ خاک شو درپیش شیخ باصفا   تاز خاک تو بروید کیمیا
باصفا شیخ کے سامنے خاک کی مانند عاجز بن جا۔ تاکہ تیری خاک کیمیا کا اثر پیدا کرے

؎ گر تو سنگ خارا مرمر شوی   چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
تو سخت سنگ مرمر ہی کیوں نہ ہو۔ جب کسی صاحب دل کی خدمت میں پہنچے گا تو گوہر بن جائیگا

؎ پیر کامل صورت ظلِ الٰہ   یعنی دید پیر دید کبریا
کامل مُرشد ظلِ الٰہی ہوتا ہے یعنی پیر کے دیدار میں صفاتِ خداوندی کا عکس ہے۔

؎ پیر را گزین کہ بے پیرے سفر   ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
کسی مرشد کا دامن پکڑ۔ کیونکہ کسی آسمانی راہنما کے بغیر سفر خطرات سے بھرپور ہے

؎ ہرکہ او بے مرشدے درراہ شد   او زغولاں گمرہ و در چاہ شد
جو مُرشد کے بغیر راستے پر چل پڑا اسے شیاطین گمراہ و ہلاک کر دیتے ہیں۔

؎ چوں تو کردی صورت مرشد قبول   ہم خدا آمد بذاتش ہم رسُول
جب تو نے مُرشد کا رنگ وروپ اختیار کرلیا۔ تو خدا اور رسول کے رنگ میں رنگا گیا

؎ پیر باشد معدن علم لدن   پیر باشد قادر بر لفظ کُن
مرشد علم لدن کی کان ہوتا ہے۔ مرشد لفظ کُن پر قدرت رکھتا ہے

؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
اس کی بات دراصل اللہ کی بات ہوتی ہے۔ گو بظاہر وہ انسان کی زبان سے ادا ہوتی ہو (ماینطق عن الھوای)

؎ یک زمانہ صحبت با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
اللہ کے ولیوں کی صحبت میں گذرا ہوا مختصر زمانہ سو سال کی مخلصانہ عبادت سے بہتر ہے

؎ چشم روشن کن ز خاک اولیاءٔ   تا بہ بینی ز ابتداء تا انتہا
اولیاء کے پاؤں کی خاک سے آنکھوں کا نور حاصل کرتا کہ تجھ پر ابتدائے انتہا تک کے بھید کھل جائیں

؎ ہر ولی را نوح کشتی بان شناس   صحبت ایں خلق را طوفاں شناس
دنیا کی صحبت کو طوفان سمجھ اور ہر ولی کو اس طوفان میں حضرت نوحؑ کی طرح ناخُدا یقین کر

؎ چوں شوی دُور از حضور اولیاءٔ   درحقیقت گشتۂ دُور از خُدا
جب تو اولیاء اللہ کے حضور سے دور ہوگیا تو دراصل تو خدا کے حضور سے دُور جا پڑا

؎ انبیاء و اولیاء را حق بداں   سِرّ پنہانی بتو بگفتم عیاں
میں تمہیں یہ راہ کھول کر بتا رہا ہوں کہ انبیاء اور اولیاء کو حق ہی سمجھو،

؎ ہرکہ پیر و ذاتِ حق را یک ندید   نے مرید و نے مرید و نے مرید
جس کسی نے مرشد اور ذاتِ حق کو ایک نہیں جانا وہ مرید نہیں۔ مرید نہیں ہرگز مرید نہیں

؎ "تا توانی ز اولیاء رُو بر متاب   جہد کُن واللہ اعلم بالصواب
جہاں تک ہوسکے اولیاء اللہ سے منہ نہ موڑ، کوشش کیئے جا، اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال سے آگاہ ہے

(مولانا رومؒ)

مولانا آفتاب الدین احمد

حضرت مجدد صدچہاردہم کے وجود کی برکات

موجودہ زمانہ کا الحاد :۔

جس زور کے ساتھ اور جس وسیع پیمانے پر ہمارے اس زمانے میں خدا کا انکار ہوا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ پہلے زمانے میں بھی الحاد موجود تھا مگر اس کی حیثیت کم وبیش انفرادی ہوتی تھی۔ کوئی فرد اپنی علمی کاوشوں میں اُلجھ کر ہستی باری تعالیٰ کے متعلق کسی قدر شک میں پڑ گیا۔ اس کے خیالات سے کچھ اور آدمی متاثر ہو گئے۔ یہ تو ہوتا تھا مگر کبھی ہمارے زمانے سے پہلے یہ نہیں ہوا کہ ایک قوم کا نہیں بلکہ نوع انسانی کا ایک بڑا حصہ بحیثیت مجموعی ایک آواز ہو کر وجود باری تعالےٰ کا انکار کر بیٹھے اور صرف یہی نہیں اس انکار پر ایک پورا تمدّن قائم کرنے کی کوشش کرے۔ مگر اس زمانہ میں ایسا ہی ہوا۔ جن لوگوں نے کمیونزم کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس تحریک کے علمبرداروں نے ایسا ہی فیصلہ کیا ہے۔

اہل مذہب کی بے دلی :۔ علاوہ اس منفق اور منظم کوشش کے جو ہستی باری تعالےٰ کے خیال کو انسانی معاشرے سے یک قلم مٹانے کے لئے کی جا رہی ہے دنیا میں ایک ایسی ہوا چلی ہے کہ وہ لوگ جو کم وبیش مذہب کے قائل ہیں۔ اپنی عملی زندگی میں مذہبی اصول کو اس گرم جوشی سے پیش نہیں کرتے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ ایک بددلی اور سردمہری مذہب کے ماننے والوں کی طبیعت پر ایسی چھائی ہوئی ہے۔ کہ خدا اور اس کا ذکر انسانی معاشرے سے قریب قریب معدوم نظر آتا ہے۔ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے آرچ بشپ آف کنٹربری نے ایک دفعہ کرسمس کے موقعہ پر اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے جو الفاظ کہے تھے وہ غور اور توجہ کے قابل ہیں۔

"ہمارے لوگوں میں خدا کا اتنا انکار نظر نہیں آتا جتنا دنیاوی مشاغل میں پڑ کر اس کے ذکر کی عدم گنجائش ہے۔"

آرچ بشپ صاحب نے اپنی قوم کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ کم وبیش مسلمانوں پر بھی آج صادق آتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی مشاغل زندگی میں خدا اور اس کے ذکر کو اتنا پس پشت ڈالا ہوا ہے کہ عملی زندگی میں مذہب کا اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ خاص طور پر ذی علم اور اہل فکر طبقہ میں جو کہ ہر قوم کے لئے قلب کا حکم رکھتا ہے۔

زندہ مذہب کے پیرووں کی حالت :۔ میں نے مسلمانوں کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ ایک زندہ مذہب کے پیرو ہیں۔ جن کا صحیفہ زندہ ہے اور انسانی دستبرد سے محفوظ ہے جن کے مذہب کے بانی کی شخصیت زندہ ہے یعنی زمانے کی گرد اس کی تاریخی حیثیت کو ذرّہ بھر بھی آلودہ نہیں کر سکی۔ جن کی روحانی روائیت کا تواتر زندہ ہے۔ اس لحاظ سے ہر زمانے میں ان کے اندر ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جو فنا فی اللّٰہ کے درجہ کو حاصل کرکے خدا سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ایسی قوم کا مذہبی گرمجوشی سے اس طرح بیگانہ ہو جانا بتاتا ہے۔ کہ ہمارا یہ زمانہ کس قدر تاریکی سے گھرا ہوا ہے۔

مادی علم میں خدائی کا خیال :۔ مگر اس کی وجہ دریافت کی جائے تو یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ اس زمانے میں مادی دنیا کا جس قدر علم انسان نے حاصل کیا ہے بھی بے نظیر ہے اور اس علم نے اس کے اندر ایک ایسا پندار پیدا کر دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہی خدا سمجھنے لگ گیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس کائنات کے نظام کو سمجھ کر اس کو چلانے کی طاقت اس کے اندر موجود ہے۔ اس میں یہ خیال بھی پیدا ہو گیا ہے کہ انسانی عقل اس سے بہتر نظام پیدا کر سکتی ہے۔ اور انسانی معاشرہ جو اس نظام کا محض ایک جزو ہے اس کو انسان اپنی عقل سے ایسے اصول پر استوار کر سکتا ہے۔ جو کہ انسان کے خیالی بہشت کا اس دنیا میں نمونہ ہوگا۔ یہ پندار اور یہ خیال ایک وبائی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ روئے زمین پر آج شاید ہی کوئی ایسا انسان ہوگا جو اس زہر سے کلیتہً محفوظ رہے۔ صاحب ایمان لوگوں میں بھی لاشعوری طور پر کبھی کبھی اس قسم کے شکوک کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

حضرت مرزا صاحبؒ کا دعویٰ اور اس کا انکار :۔ یہ ہے وہ پُرآشوب زمانہ جس کے اندر کھڑے ہو کر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمۃ نے یہ دعویٰ پیش کیا کہ وہ خدا کا فرستادہ ہے۔ خدا ان سے بولتا ہے۔ اور ان کی تائید میں نشانات ظاہر کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانے کے لئے یہ ایک بے حد انوکھی بات ہے۔ کہ جس کو تسلیم کرنے کے لئے انسان کا دل تیار نہیں حتیٰ کہ مسلمان بھی اس کے لئے تیار نہیں۔ میں نے بہت سے مسلمانوں سے اس معاملے میں تبادلہ خیالات کیا ہے۔ حضرت ممدوح کی خدمات اسلامی کا ہر سنجیدہ مسلمان دل سے قائل ہے۔ جو بات اس کے لئے قابل قبول نہیں وہ ہے اُن کا دعویٰ ماموریت یعنی یہ کہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہو کر آئے ہیں۔ اگر آپ بحیثیت ایک عام مصلح کے اپنے آپ کو پیش کرتے۔ تو شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہوتا جو آپ کی رہبری کا قائل نہ ہوتا مگر آپ کے خدا کی طرف سے ہونے کا جو دعویٰ ہے یہ مسلمانوں کے لئے ایک گراں بار بوجھ ثابت ہوا ہے۔ حالانکہ مسلمان وہ قوم ہے جو ہر صدی میں ایسے لوگ اپنے اندر دیکھتی چلی آئی ہے۔ مگر وہ معذور ہیں۔ زمانے کی افتاد ہی کچھ ایسی ہے۔ کہ اپنی مسلسل روائیت بھی ان کو اس ٹھوکر سے بچا نہیں سکتی۔

موجودہ روحانی امراض کا واحد علاج :۔ خیر مسلمان اس کو اچھا سمجھیں یا بُرا۔ اور دیگر قوموں کے نزدیک یہ بات کتنی ہی عجیب وغریب معلوم ہو۔ حضرت ممدوح کا یہ دعویٰ اس زمانے کے روحانی امراض کی ایک ہی دوا ہے۔ اگر آپ کا یہ دعویٰ نہ ہو تو اس وقت دنیا میں اور ایسی کوئی آواز نہیں ہے۔ جو انسان کی توجہ کو خدا اور مذہب کی طرف پھیر سکے۔ اور یہ بات قابل غور ہے کہ جس زور شور کے ساتھ حضرت ممدوح نے اپنے دعوے ماموریت کو پیش کیا ہے۔ آپ اپنی تمام قوت کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتے رہے ہیں کہ آپ کو خدا کی رویت حاصل ہے۔ خدا کی طرف سے لگاتار آپ کو آواز آتی ہے۔ خدا کے نور کا ہر آن آپ کا وجود ہر وقت سیراب ہوتا رہتا ہے۔

خدا پر زندہ ایمان :۔ علاوہ نقلی اور عقلی دلائل اور واقعاتی شہادت کے جو آپ خدا کے وجود کے ثبوت پر پیش کرتے رہے آپ کا بے پناہ وجدان بھی اس امر کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ کہ آپ کو اس معاملے میں واقعی مشاہدہ حاصل تھا۔ آپ خدا کے متعلق گفتگو کرتے کرتے کئی دفعہ بے تاب ہو جاتے تھے۔ مثلاً کہیں فرماتے کہ دیکھو ہمارا ایک خدا ہے۔ کبھی فرماتے کہ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ خدا ایک خزانہ ہے

اس قسم کے الفاظ بتاتے ہیں کہ آپ کا خدا کے متعلق علم حق الیقین تک پہنچا ہوا تھا ایسے آدمی کے متعلق ہر ایک اہلِ فکر کو یہ غور کرنا پڑتا ہے۔ کہ جو بات یہ کہتے ہیں اس کی جس کا ذکر ہم بیان کر رہے ہیں۔ واقعی اگر کسی کے دل میں تڑپ ہو کہ وہ خدا کے وجود کو دریافت کرے تو وہ حضرت ممدوح کی زندگی کے اس پہلو کو اپنی جستجو کے لئے ایک بہت بڑا سہارا سمجھے گا۔ کیونکہ عام انسان ایسے لوگوں کے ایسے وجدان کے سہارے سے ہی خدا کی طرف پرواز کر سکتا ہے۔ اور میں اہل عالم کے مزاج کو سامنے رکھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ وقت دور نہیں جب دنیا اپنے الحاد سے تھک کر خدا کی طرف رُخ کرے گی۔ اسوقت حضرت ممدوح کے اس وجدان کو بہت بڑی غنیمت سمجھا جائے گا۔

متلاشیانِ حق کے لئے لائٹ ہاؤس،

حضرت مسیح موعود نبی نہ تھے نہ کوئی نئی شریعت لائے تھے۔ آپ کے کاروبار کا مقصد صرف یہ تھا کہ دنیا پر قرآن کریم کی صداقت اور رسول عربی صلعم کی نبوت کا لا متناہی فیضان ظاہر ہو۔ آپ کا وجود محض ایک ذریعہ تھا اور قرآن اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کا ناگزیر وسیلہ تھا۔ تلاطم زمانہ اس کا متقاضی تھا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی روحانی توجہ سے اس زمانے میں ایک ایسی ہستی پیدا کریں جو اس پُر آشوب زمانہ میں متلاشیان حق کے لئے بطور ایک لائٹ ہاؤس کے کام دے معقولی طور پر یہ بات سمجھ آئے یا نہ آئے اس کی ضرورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیشمار پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ خاص طور پر اس حدیث میں جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اس امت کو کیا فکر ہے جس کے شروع میں میں ہوں ا۔

بروزِ محمدؐ کا ظہور عقلاً ضروری ہے:۔

عقلی طور پر یہ بات سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی روحانی بروز اس پُر خطر زمانے میں پیدا ہو اور وہ آپ کی شخصیت اور امت کے درمیان میں حائل نہ ہو۔ نائب کا وجود آقا کے وجود کو کبھی بھی چھپاتا نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ نمایاں کرتا ہے شاگرد کی بڑائی استاد کی بزرگی کو ہمیشہ دوبالا کرتی ہے۔ اس امر میں کسی تردد کو دل میں جگہ دینا عقل عامہ کے خلاف ہے۔

مجددین کیسے بعث ہوتے ہیں:۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جیسا نبیوں کا بھیجنا خدا کا ایک فعل ہے۔ اسی طرح مقررہ وقت پر مجددین کا ظاہر ہونا بھی اس کا ایک موعود فعل ہے۔ اور اسی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث میں جو حدیث مجدد کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس حدیث کے ابتدائی الفاظ ہیں:۔ " ان اللہ یبعث " یعنی مجددین کو اللہ ہی کھڑا کرتا ہے۔ وہ خود بخود سوچ بچار کر کے اپنی مرضی سے اس میدان میں وارد نہیں ہوتے۔ اصل بات یہ ہے کہ انبیاءؑ کا وجود خدا کے ہادی ہونے کی صفت کو کلیۃً ختم نہیں کر دیتا۔ اس صفت کے ظہور کے لئے ایک کھڑکی پھر بھی کھلی رہ جاتی ہے۔ اور مجددین اس کھلی ہوئی کھڑکی سے وجود میں آتے ہیں۔ اس لحاظ سے مجددین کا ماننا بھی ایک مومن کے فرض میں شامل ہے۔ اپنی مکمل ہدایت و نجات کے لئے انسان انبیاءؑ کے بھی محتاج ہیں۔ اور مجددین کے بھی خاص کر اس مجدد کا جس کو مسیح کا لقب دیا گیا ہے اور جس کو انسانی تاریخ کے تاریک دور میں خاتمیت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا فخر حاصل ہے۔ واقعی اس پُر فتن زمانہ میں انہی کی واحد شخصیت ہے جو کہ دعوتِ الی اللہ کا پورا حق ادا کرتی ہے۔ کیونکہ آپ

بر وفات محترمہ بیگم ظہور احمد صاحب مرحوم و مغفور

تنظیم خواتین احمدیہ کا یہ اجلاس اپنی نہایت قابلِ احترام و بزرگ ہستی بیگم صالحہ ظہور احمد مرحوم کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحومہ مغفورہ پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کا نزول فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

مرحومہ ایک نہایت فعال اور پُر جوش احمدی خاتون تھیں اور جماعت احمدیہ کا ایک بڑا مضبوط ستون تھیں۔ تمام عمر خواتین کی بہبود و بہتری کے لئے کوشاں رہیں۔ خدمت خلق کا جذبہ اُن میں بدرجہ اتم موجود تھا اور فلاح کے ہر کام میں پیش پیش رہتی تھیں تحریکِ احمدیت کی مشعل بردار تھیں۔ اور ۱۹۷۴ء میں باوجود خرابیٔ صحت بسترِ علالت سے ہی " احمدیت کی خصوصیات " پمفلٹ کی صورت میں چھپوا کر اکابرینِ قوم کو فرداً فرداً بھجوائی تھیں۔ تاکہ احمدیت کے متعلق جو غلط تاثرات ہیں وہ رفع ہو سکیں۔ نیز یہ بھی قرار پایا کہ ریزولیوشن کی نقل ان کے اہلِ خانہ اور اخبار پیغام صلح میں بھجوائی جائے۔

سیکرٹری تنظیم خواتینِ احمدیہ۔ لاہور

پروجیکٹ منیجر کی ضرورت

انجمن نے اپنے پرانے دفتر کو گرا کر نئی عمارت تعمیر کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور مجھے یہ کام سونپا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری امور کی سرانجام دہی اور کام کی نگرانی کے لئے مجھے پروجیکٹ منیجر کی ضرورت ہے۔ جسے ۱۲/... تک تنخواہ حسب قابلیت دی جائے گی۔ جماعت کے دوست جو تعمیر کے کام سے واقفیت رکھتے ہوں مستعد اور صحت مند ہوں۔ اور اس کام کے لئے اپنی خدمات پیش کر سکتے ہوں درخواست بھجوا سکتے ہیں۔

(میاں فضل احمد)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ۔۔۔ مورخہ ۱۱ / جون سنہ ۱۹۸۰ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ۔۔۔ جلد ۶۷ ، شمارہ ۲۴

برائے ... دفتر ... سیکرٹری صاحب [illegible]

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس۔ براندرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تارکا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۰۲۳۰

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبد الرؤف نکودر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — روپے
بیرونی ممالک سے — پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد: ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۴ شعبان المعظم سنہ ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۸ جون سنہ ۱۹۸۰ عیسوی | شمارہ ۲۵

ارشادات حضرت مجدد زماں مسیح موعود علیہ السلام

اتحاد، اخلاق اور ایمان باللہ

* * *

اور چاہیئے کہ جماعت کے بزرگ جو پاک نفس رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا، ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے یہی خدا کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے روح القدس سے حصہ لو کہ بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ وہ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے۔ اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو۔ جو خدا کے غضب کے قریب کرے۔ اگر صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذت چھوڑ کر اپنی عزت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے لیکن اگر تم تلخی اٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے۔ لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جس کو دل میں لگانا چاہیئے۔ وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتا ہے۔ تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی جڑ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے اور اگر وہ باقی ہے تو سب کچھ باقی ہے انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن قدم صدق نہیں رکھتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے۔ اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور وہ گھر بابرکت ہوگا۔ جس میں تم رہتے ہو گے۔ اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔

(الوصیت صفحہ ۹-۱۰)

از حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

نماز کیا ہے ؟

روحانی رنگ میں خداوند کریم سے سرگوشی کرنا

نماز کے فوائد گنتی سے باہر ہیں۔ روحانی اور دنیوی دونوں۔ نماز اعلیٰ درجہ کی صفات انسانی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ انسان نماز کے وقت اپنے دل کے راز اپنی حاجتیں اپنی تمام آرزوئیں خدا کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ پھر جسقدر خضوع وخشوع سے یہ اپنے رب کیطرف رجوع کرتا ہے۔ یہ انعام یہ حضوری کچھ چھوٹی سی بات نہیں۔ خود دنیوی ملاقاتوں پر قیاس کرکے دیکھ لو۔ لوگ کس قدر خوش اور مفتخر ہوتے ہیں۔ جب انہیں کسی افسر سے اچھی ملاقات نصیب ہوجاتی ہے۔ پھر کبھی گورنر سے ملاقات سے جو انہیں حظ حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہفتوں۔ مہینوں ہی کمی اپنی حلاوت ضائع نہیں کرتا۔ پھر غور کرو جب تم کو خالق السمٰوٰت والارض وما بینھما کے سامنے جانے کا شرف حاصل ہو تو اس کی خوشی کس قدر ہونی چاہیئے۔

نماز کوئی کلفت نہیں صرف تھوڑی سی قلبی تبدیلی درکار ہے۔ اور نماز ایک خوشی کا وقت بن جاتا ہے۔ بلاشبہ جب تمہاری نماز ایک خوشی بن جاوے تو یہ ایک مبارک اور بلند مقام ہے۔ جب نماز کا وقت قریب ہوتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے: ارحنا یا بلال بلال ہم کو راحت دو خوش کرو۔ یعنی اذان دو کہ ہم نماز میں ذات باری تعالےٰ کے حضور میں جاکر خوش وخرم ہوں۔ یہ بلند پایہ کی نماز ہے۔ ہمارے نوجوانوں کے لئے جو ابھی نماز کی لذت سے آشنا نہیں یہ مقام بہت مشکل ہے۔ لیکن امکان سے باہر نہیں۔ تجربہ سے یہ لذت آتی ہے۔ اثبات نماز پہلے مشقت طلب ہے۔ ابتداء ہر کام کی مشقت اور محنت کی عادت سے ہوتی ہے بعد میں بلند منازل انسان کو خود اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

بچے کی تعلیم پر ہی خیال کرکے دیکھ لو تمہیں کس قدر جبر وحکم سے اسے تختی قاعدہ وغیرہ ابتدائی امورات سے گزارنا ہوتا ہے۔ اسے یہ تمام مشقت محنت خلاف ارادہ ومنشاء برداشت کرنی پڑتی ہے تب کہیں جاکر وہ مطالعہ کتب کی لذت سے آشنا ہوتا ہے۔ اور علوم وفنون کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ پھر یہ چیزیں خود اسے اپنی طرف کھینچے چلی جاتی ہیں۔ یہی حال نماز کا ہے۔ ابتدائی مشقت ومحنت برداشت کرو۔ اس کے تجربہ کے مراحل سے گذرو۔ تو پھر معلوم ہو جائے گا کہ نماز تمہارے لئے کس قدر راحت کا سامان ہے تمہارے دکھوں تکلیفوں میں کس قدر یقینی سہارا ہے۔

پھر تاریخ تمہارے سامنے ہے۔ کوئی ایک دو واقعات نہیں جو اس کے فیوض پر شاہد ہوں دیکھتے ہیں کہ بادشاہ فوج کشی کرتے ہیں مگر غنیم کے سامنے وہ بالکل بے چارہ نظر آتے ہیں ہلاکت درماندگی اور خوفناک شکست یقینی نظر آتی ہے۔ ان کے اپنے لشکر اور سامان حرب میں کوئی امید افزا بات معلوم نہیں ہوتی۔ اس درماندگی اور بے بسی کی حالت میں وہ ذات باری تعالےٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ پھر کیا ہوتا ہے کہ یکدم لڑائی کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے ہزیمت ایک کھلی ہوئی فتح بن جاتی ہے۔ یہ نصرت صرف نماز کا ثمرہ ہے۔ کیونکر یہ مفید بات نہیں؟ ایک فائدہ بخش عمل نہیں کہ جوں جوں عمر بڑھتی جاوے۔ یا ہماری زکا ایمان میں اضافہ ہوتا جاوے۔ ہم اسی قدر خدا کی طرف متوجہ ہوتے جاویں۔ اسی قدر ہم اس کے قریب ہوتے جاویں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض آدمی سینما وغیرہ کی کشش میں اس قدر بیتاب ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے دکھ اور تکلیف کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ چل نہیں سکتے معذور وضعیف ہوتے ہیں۔ مگر سینما ہے کہ اس کی کشش انہیں کشاں کشاں لے جاتی ہے۔ اس مشقت میں انہیں بالآخر ایک لذت کا پیغام نظر آتا ہے۔ کاش وہ عارضی لذت کا خیال چھوڑ کر دائمی لذت کے لئے مشقت اٹھایا کریں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک پر ہی غور کریں اور سورۃ مزمل کی ابتدائی آیات میں حضور کی نماز اور قلبی کیفیت کا نقشہ موجود ہے۔ رات کو تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد آپ اٹھتے ہیں اور نماز میں مشغول ہو کر قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔ کبھی نصف رات ہی ذکر الٰہی میں صرف ہو جاتی ہے۔ کبھی اس سے کم۔ کبھی اس سے زیادہ بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو قرآن پاک کی تلاوت اور نماز کی ادائیگی میں کس قدر لذت آتی تھی۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر یہ قرآن حضور کا اپنا کلام ہی ہوتا تو پھر اسے بار بار ہر شب اور اکیلے پڑھنے کے کیا معنے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کو یہ لذت حاصل ہو جائے تو پھر یہ دائمی راحت ہے۔ پھر نماز کے فوائد بھی ہیں جو نوجوانوں کے لئے بالخصوص بہت کارآمد ہیں۔

نماز ایک بہترین طریق ہے ضبط ونظم (DISCIPLINE) پابندی اوقات رنجیش طبع وغیرہم کی تحصیل کا۔ قیامت میں شباب کے خیال کو الگ رکھو۔ اس کے ظاہری فوائد بھی اسقدر ہیں جن کی دنیا میں کامرانی کے لئے بہت ضرورت ہے۔ ضبط سی مفید چیز جو نماز کی بدولت آسان ہوتی ہے آج دنیا کو کس قدر مرغوب ومطلوب ہے۔

پھر نماز میں وہ اخوت انسانی پیدا ہوتی ہے۔ جو ہماری موجودہ تہذیب سے پیدا نہیں ہوئی۔ نماز ہی ہے جو امیر وغریب، آقا وغلام، جرنیل وسپاہی۔ چھوٹے بڑے کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔ آج یورپ بھی بلا امتیاز کہہ اٹھا ہے کہ "اس یگانگت اور ایسی اخوت کے لئے ہمیں اسلام کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑیں گے۔" یہ کارنامہ صرف نماز ہی کا ہے۔ تعلیم کے رنگ میں کتنا ہی مساوات پر زور دیا جاتا لیکن اگر عملی رنگ میں نماز کے اندر وہ مساوات قائم نہ کر دی جاتی تو اسلام کا مساوات کا معجزہ کبھی ظہور پذیر نہ ہوتا۔ پھر یاد رکھنا چاہیئے کہ فوائد اجتماع سے وابستہ ہیں: "اجتماع فی المساجد" گھروں میں علیحدہ علیحدہ نمازیں یہ فائدے کم ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ نمازی کے سامنے غفلت وسستی نہیں آتی۔ جس انسان کا وقت کی پابندی کے ساتھ پانچ وقت پاک صاف ہو کر چست ہو کر نمازیں ادا کرنا ایک شعار بن گیا ہے وہ بھلا غافل۔ کاہل وسست رہ سکتا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ لیے نماز وقت کا اس قدر پابند نہیں ہو سکتا۔ بعض کور ذوقوں کا خیال ہے کہ نماز آہستہ آہستہ نابود ہو جائے گی یہ خیال غلط ہے۔ جب تک کوئی انسان ترقی کرتا ہے۔ اور اس کی فطرت میں ترقی کے لئے جدوجہد کا مادہ ودیعت شدہ ہے تو وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ وہ خوبیاں جو نماز پیدا کرتی ہے [illegible] سکتی ہیں اور زندگی اور ذریعہ سے آسانی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

نماز [illegible] نوجوانوں میں نماز کی [illegible] ان کی [illegible] جاتی [illegible] ہے بے پروائی کے ذمہ دار ان کے ماں باپ ہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر خود والدین پابند صوم وصلوٰۃ ہوں تو اس کا اثر ان کی اولاد پر پڑنا لازمی ہے۔ حضور کا بدیہی ارشاد اس بارہ میں

ایک اہم دینی اور قومی فریضہ

خطبہ جمعہ فرمودہ جناب نصیر احمد فاروقی۔ بتاریخ ۶ جون ۱۹۸۰ء بمقام مسجد جامعہ دارالسلام نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرۃ۔ آیات ۱ تا ۳)

ترجمہ:۔ میں ہوں اللہ کامل علم رکھنے والا۔ یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں متقیوں کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

رجب کا مہینہ آدھے سے زیادہ گزر چکا ہے۔ مجھے چاہیئے تھا کہ اس سے قبل آپ کو توجہ دلاتا کہ اس ماہ میں ہر اُس مرد یا عورت کو جس پر زکوٰۃ واجب ہو زکوٰۃ کو ادا کر دینا چاہیئے۔ بہرحال انجمن کی طرف سے چٹھیاں شروع ماہ میں ہی جا چکی ہیں۔ اگر کسی وجہ سے تاخیر بھی ہو جائے تو جب کبھی یاد دہانی کرائی جائے اس اہم فریضہ کو ادا کر دینا چاہیئے۔

میں نے جو آیات پڑھی ہیں ان میں تقوٰی کے جو اصول بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ انسان کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرنا چاہیئے۔ انسان کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ اُسے جو کچھ ملتا ہے وہ خدا کی دین ہے۔ حالانکہ سوچئے تو ہر انسان ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ اس دنیا میں آتا ہے اور بالآخر خالی ہاتھ قبر میں جا لیٹتا ہے۔ اگر ماں باپ کی دولت شروع میں اس کے کام آتی ہے یا ورثہ میں اسے ملتی ہے تو یہ بھی خدا کی دین ہے کہ اسے ایسے گھرانے میں پیدا کیا اور ماں باپ کے دل میں اولاد کے لئے ایسی محبت ڈالی کہ وہ اپنا اکثر مال اور ضرورت پڑنے پر سب کچھ اولاد پر خرچ کرتے ہیں یا ان کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ اور وہ مال جو انسان خود کماتا ہے وہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی دین ہوتی ہے ورنہ اس سے زیادہ قابلیت والے اور اس سے زیادہ محنت کرنے والے اس سے کم دولت کماتے ہیں بلکہ بھوکے مرتے ہیں۔ پھر بھی فرق نہیں ڈالتا۔ میں نے اپنی ملازمت کے دوران ہندوستان اور بعد میں پاکستان کے دولت مندوں کو قریب سے دیکھا ہے۔ میں نے بارہا پایا کہ موٹی عقل والا یا کم عقل یا کم ہنر رکھنے والا تاجر یا صنعت کار یا زمیندار یا صاحب جائیداد انسان تو لکھ پتی اور کروڑ پتی بن جاتا ہے اور دوسرا جو اس سے ہر رنگ میں بڑھ کر تھا خساروں میں پڑ کر دیوالیہ تک ہو جاتا ہے۔ غرض مال خدا کی دین ہے۔ انسان کے بس کی بات ہوتی تو ہر شخص قارون کے خزانوں کا مالک بن جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کے الفاظ کیا خوب ہیں

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ

(بنی اسرائیل۔ آیت ۱۸)

یعنے "جو کوئی جلد آنے والا نفع چاہتا ہے تو اسے اسی دنیا میں ہم جتنا چاہتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔" الغرض کتنا ملتا ہے یا کسے ملتا ہے یہ اللہ کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ انسان کے بس کی بات نہیں۔ مگر دنیا میں پڑ کر آخرت کو بھول جانے والوں کا جو بُرا انجام قرآن پاک نے اسی آیت میں کھینچا ہے اس سے دل کانپ جاتا ہے۔ پھر آخرت کو چاہنے والوں اور ان کی اس کے لئے قربانیوں اور کوششوں کی جزا کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝

"یعنے ہم سب کو مدد دیتے ہیں اُن (دنیا پرست لوگوں) کو بھی اور ان (آخرت کو ترجیح دینے والوں) کو بھی۔ یہ تیرے ربّ کی عطا ہوتی ہے۔ اور تیرے ربّ کی عطا روکی نہیں جا سکتی۔"

سبحان اللہ کیا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے!

جن انسانوں کو اللہ تعالیٰ دولت دیتا ہے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ فائدہ میں رہے مگر قرآن پاک فرماتا ہے کہ اس میں ان لوگوں کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ سورہ طٰہٰ میں فرمایا

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۝ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ (ترجمہ:۔ اور لالچ کی نگاہوں سے نہ دیکھ دنیا کی زندگی کی آرائش کے ان سامانوں کی طرف جو ہم نے مختلف طبقوں کے انسانوں کو دیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعہ سے آزمائیں) اور دو مختلف جگہوں پر فرمایا ہے

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

(یعنے جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں اور یہ کہ اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے) مال کی محبت اور اولاد کی محبت انسان کو روکتے ہیں کہ وہ مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرے۔

دنیا کی آرائش کے سامان اور مال کی محبت میں اور اولاد کی اندھی محبت میں یہی آزمائش ہے کہ انسان اُن میں کھو یا جاتا ہے اور آخرت کو جس میں انسان نے ہمیشہ رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جسکے آگے جا کر حساب دینا ہے بھول جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دولت کو حرام نہیں کیا صرف اتنا کہا ہے کہ جائز مال کھاؤ چاہے جتنا بھی ہو اور مال کو اپنا خدا نہ بناؤ بلکہ مال دینے والے کے بتائے ہوئے راستہ پر خرچ کرو تاکہ مال کی غلامی اور اس سے پیدا ہونے والے بُرے اخلاق سے بچو، آخرت کے محاسبہ میں سرخرو رہو، اور آخرت جو ہمیشہ کا گھر ہے وہاں کے لئے اجر اکٹھا کرو۔

جن مقاصد پر خرچ کرنے کا ذکر قرآن اور حدیث میں ہے ان میں اپنا نفس، اپنے بیوی بچے، اپنے عزیز رشتہ دار خصوصاً جو غریب یا حاجت مند ہوں، اپنے علم میں یا ہمسائے میں جو یتیم یا مسکین ہوں یا مقروض لوگوں کی امداد، مسافر کو اپنے گھر میں ٹھہرانے کے اخراجات جو آجکل جبکہ ہوٹل اشد مہنگے ہیں بہت ہی مفید کام ہے، وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

پھر سب سے بڑھ کر خدا کے دین کی حفاظت یا اشاعت کے تمام کاموں میں خرچ کو جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ دے کر اس کی فضیلت کا قرآن کریم میں بار بار ذکر بلکہ حکم ہے۔ مگر ایک انفاق فی سبیل اللہ ہے جس میں انسان کو اختیار نہیں دیا بلکہ اسی کو واجب کیا ہے جو کہ زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کے معنی ہیں وہ جو بڑھے اور پھلے پھولے۔ اس میں یہ فرمایا کہ زکوٰۃ میں جو مال تم دیتے ہو وہ گھٹتا نہیں۔ وہ تمہارے لئے آخرت میں بڑھ چڑھ کر تم کو اجر دیتا رہے گا۔ زکوٰۃ کے دوسرے معنی ہیں وہ جو پاک کرے۔ یعنے مال کی محبت جو آگ کی طرح ھل من مزید پکارتی ہوئی بھڑکتی رہتی ہے اور جو کہ باطنی طور پر تمہارے دل میں گندگیاں پیدا کرتی ہے جن سے دنیا کے اکثر جرائم پیدا ہوتے ہیں ان سے پاک کرنے کے لئے یہ قربانی ہے۔ جو زکوٰۃ کے رنگ میں ہے۔

DisTRIBUTION of Wealth

یعنے دنیا میں مال کی مناسب تقسیم ایک بہت مشکل مسئلہ بنا ہوا ہے۔ دنیاداروں نے اس کا حل اشتراکیت یا بولشوزم بنایا ہے۔ اگر ہم اپنی سوسائٹی میں وہ طریق نہیں رائج کریں گے جو اسلام نے مال و دولت کی تقسیم کے لئے مقرر کئے ہیں تو ہم کبھی اشتراکیت کی زنجیروں میں قید ہو کر دنیا اور آخرت دونوں سے جائیں گے۔ اسلام نے صدقہ و خیرات کے علاوہ جو واجبی طریق ہم پر فرض کئے ہیں وہ وراثت میں مال و دولت کی تقسیم، سود سے بچنا جو کہ سرمایہ داری یا دولت بٹور کر اپنے پیٹ میں آگ بھرنا ہے، اور بالآخر زکوٰۃ ہے۔

زکوٰۃ یا صدقہ و خیرات کے لئے قرآن حکیم نے جن بنیادی الفاظ میں ذکر فرمایا ہے وہ وہ ہیں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھے تھے کہ ومما رزقنھم ینفقون یعنے جو ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ قرآن حکیم کے سادے الفاظ میں کس قدر حکمت اور معرفت ہوتی ہے۔ پہلی بات تو یہ فرمائی کہ جب ہم سب کچھ دینے والے ہیں (جیسا کہ میں پہلے عرض کر آیا ہوں) تو اگر ہم کہیں کہ اس میں سے کچھ خرچ کرو تو جو نہ کرے اس سے بڑھ کر کون ناشکرا ہے اور قابل سزا ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ جس طرح ہم تمہارے رازق ہیں تم دوسروں کو رزق دینے والے بنو۔ اسی طرح انسان خدائی صفات اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رب ہے، رزاق ہے، رحمان ہے، رحیم ہے۔ اسی طرح تم لوگوں کے رب اور رازق اور ان پر رحم کرنے والے بنو۔ صدقہ اور خیرات اور زکوٰۃ یہی خدائی اخلاق انسان کے اندر پیدا کرتے ہیں کہ اپنے سے کم خوش نصیب انسانوں کو رزق دو اور ان کی مدد کرو محبت سے اور رحم سے اور خوشی سے جس طرح اللہ تعالیٰ تم پر رحم و کرم سے تم کو دنیا اور تمہاری ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

مقام افسوس ہے کہ ہم ہر قسم کے دنیاوی ٹیکس تو دے دیتے ہیں کیونکہ حکومت کا ڈنڈا ہمارے سروں پر ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جو ہلکا سا ٹیکس لگایا ہے۔ اُسے دینے میں ٹال مٹول کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ ایک ٹیکسیشن افسر سے بھی گیا گزرا ہے؟ دنیاوی ٹیکسوں کا تو آخرت میں کوئی اجر نہیں مگر زکوٰۃ کا جو بمقابلہ دنیاوی ٹیکسوں کے ہلکا سا ٹیکس ہے اس کا آخرت میں اجر عظیم ہے۔ زکوٰۃ صرف اتنی ہے کہ سونا اگر ۷½ تولہ سے زیادہ ہو (زیورات کی صورت میں ان کے نگینے یا کھوٹ یا بنوائی نکال کر) یا چاندی اگر ۵۲½ تولہ سے زیادہ ہو تو پھر ایسے تمام سونے یا چاندی کی قیمت کا چالیسواں حصہ دے کر انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکتا ہے۔ اسی طرح نقدی یعنے کیش جو ۷½ تولہ سونے یا ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت سے زیادہ ہو اور اس پر ایک سال گزر گیا ہو اس کا بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ مال تجارت جو اسی نصاب (۷½ تولہ سونے یا ۵۲½ تولے چاندی) سے زیادہ ہو اس کے سالانہ منافع پر ¹⁄₄₀ حصہ زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح اگر ان کا مال حصص یعنے SHARES میں ہو تو ان کی سالانہ آمدنی یعنے Divident پر زکوٰۃ وہی ¹⁄₄₀ حصہ ہے۔ بشرطیکہ وہ آمدنی نصاب (۷½ تولہ سونے یا ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت) سے زیادہ ہو۔ اگر کسی مال لگانے میں یعنے INVESTMENT میں مقررہ شرح سے سود ملتا ہو تو وہ سود ہونے کی وجہ سے سارا کا سارا خدا کی راہ میں دے دینا چاہیئے۔ اس لئے سود والی جگہوں کی بجائے حصص یعنے SHARES میں مال لگانا بہتر ہوتا ہے۔ اس کی آمدنی یقینی نہیں ہوتی اور حصص کی قیمت بھی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ مگر اس کی آمدنی چونکہ تجارت کا نفع ہے اس لئے وہ جائز ہے۔ اور اس پر زکوٰۃ تبھی لگتی ہے جب وہ ۷½ تولہ سونے یا ۵۲½ تولہ چاندی سے زیادہ ہو۔ آج کل سونے چاندی کا بھاؤ اکثر گراموں میں بتایا جاتا ہے۔ تو احباب کی اطلاع کی خاطر عرض کر دیتا ہوں کہ ایک تولہ قریباً گیارہ اعشاریہ سات گرام (۱۱.۷) کے برابر ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کے معاملہ میں رسول اللہ صلعم خواتین کو خصوصاً مخاطب فرمایا کرتے تھے کیونکہ سونا چاندی اکثر زیورات کے رنگ میں ہوتے ہیں اور ان کی مالک عورتیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے ان پر زکوٰۃ دینا خواتین پر واجب ہے۔ خاوند کو کہنا کہ تو دے چاہے وہ اس میں بک جائے صحیح نہیں۔ اگر خاوند خوشی سے دے دے تو یہ اس کی مہربانی ہے۔ ورنہ فرض عورت کے سر ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم عورتوں کو سونا چاندی پہنے دیکھتے تو انہیں تاکید کرتے کہ زکوٰۃ دو ورنہ یہی آگ کا گہنا بن کر تمہارے ہاتھوں اور سروں، پیروں میں آخرت میں ظاہر ہوگا۔

زکوٰۃ کی رقم بجائے انفرادی طور پر خرچ کرنے کے قومی بیت المال میں (جو آپ کی جماعت میں انجمن ہے) جمع کرنا ضروری ہے۔ زیادہ سے زیادہ ½ حصہ زکوٰۃ کی رقم کا مقامی طور پر خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ مگر کم سے کم ½ حصہ قومی بیت المال میں بھیجنا ضروری ہے اگر کوئی ساری رقم بھیج دے تو اور بھی بہتر ہے۔ کیونکہ ذاتی طور پر یا مقامی اخراجات فی سبیل اللہ کے لئے دوسرے صدقات اور خیرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو کھول دے تاکہ ہم اپنی آخرت کے لئے جو ہو سکتا ہے ساتھ لے جائیں ورنہ وہاں کا حساب و کتاب اور ابدی محتاجی ہولناک انجام ہے۔

ایک نئی تعلیمی کلاس کا اجراء

احباب! اس خبر کو سن کر خوشی محسوس کریں گے کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی زیر سرپرستی احمدیہ بستی دارالسلام میں ان نوجوانوں کے لئے جو کہ ملازمت پیشہ ہیں اور ان کے قلوب دین کی خدمت کے لئے خاص جذبہ رکھتے ہیں اور قرآن مجید کی تعلیم اور حدیث تحریک احمدیت کا مخصوص علم الکلام اور فقہی مسائل وغیرہ سیکھنے کے خواہشمند ہیں ان کے لئے ایک نئی تعلیمی کلاس ۱۳ جون سے جاری کی گئی ہے۔ تدریس کے فرائض مرزا محمد لطیف صاحب شاہد ادا کریں گے اور مکرم مرزا صاحب اس کلاس کے منتظم بھی مرکز کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں۔ اس کلاس کا افتتاح ۱۳ جون بروز جمعہ قبل شام ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ نے فرمایا۔ لاہور کے وہ احباب و خواتین جو دین سیکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں ان کے لئے ان کے لئے یہ نادر موقع ہے۔ فی الحال یہ کلاس ہفتہ میں دو بار ہوا کرے گی۔ جمعہ، منگل اور تعلیمی وقت ۶ بجے شام تا ۷½ بجے تک مقرر کیا گیا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے نوجوان بھائی اور بہنیں اس سے خاص طور پر استفادہ کریں گی۔ مزید تفصیلات کے لئے مکرم مرزا صاحب کی طرف رجوع کریں۔

بقیہ نماز کیا ہے

قابل توجہ ہے۔ کہ سات سال کی عمر میں اس کی عادت ڈالنی شروع ہو۔ بارہ سال کے بعد اگر اس پر عامل نہ ہوں تو سختی کا حکم ہے۔ نماز ہرگز تضییع اوقات نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی صفات انسانی کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ پس از بس ضروری ہے۔ کہ والدین اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اپنے بچوں میں نماز کی عادت ڈالیں۔ پھر بالخصوص ہماری جماعت کے نوجوانوں کو اس رکن عظیم سے بے پرواہ نہیں رہنا چاہیئے۔ نماز کے بغیر بانیٔ اسلام [illegible] نے نماز کے روحانی فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ نماز انسان میں اعلیٰ درجہ کا حسنِ روحانی پیدا کرتی ہے۔ نماز کا مسجدوں میں جمع ہو کر ادا کرنا اس کی اقامت کا ایک ضروری پہلو ہے۔ یہاں تک کہ اجتماع میں عورتوں کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا حضور صلعم کے وقت میں عورتیں مسجدوں میں آ کر نمازیں ادا کرتی تھیں۔ (ماخوذ)

از امیر قوم مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کسبِ حلال اور راست بازی

مسلمانوں کی دو امتیازی خصوصیات

یایھا الرسل کلوا من الطیبٰت واعملوا صالحًا انی بما تعملون علیم ۔ (المومنون ۲۳ ۔ ۵۱)

ترجمہ: "اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ میں اسے جو تم کرتے ہو جانتا ہوں۔"

انبیاء سے اللہ تعالیٰ کا ضروری خطاب

یہ خطاب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ساتھ کیا ہے ۔ اور اس میں دو ضروری باتوں کی طرف توجہ دلائی:۔

۱۔ ایک یہ کہ کھانا پینا حلال و طیّب ہو۔

۲۔ اعمال اعلیٰ درجہ کے خوبصورت ، جن کے اندر صلاحیت ہو بجالاؤ اور اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ وہ اس بات کا پورا یقین رکھیں کہ اللہ ان کی تمام کارروائی اور ان کے ایک ایک عمل سے خوب اچھی طرح سے واقف ہے ۔

جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے یہ خطاب اللہ تعالیٰ کا پیغمبروں کے ساتھ ہے اور جو لوگ ان کے متبعین ہیں ان سے تو اس سے بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر خطاب ہے کیونکہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو یہ ہدایت فرماتا ہے کہ ان کا کھانا پینا حلال اور طیّب اور اعمال طیب اور خوبصورت ہونے چاہئیں تو ظاہر ہے دوسرے لوگوں کو اس ہدایت کی کس قدر ضرورت ہے؟ اور انہیں اس کا کس قدر خیال رکھنا چاہیئے۔

زبانِ نبوی سے اس آیت کی تشریح

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے دین کا اثر ہماری زندگی پر ہو۔ ہمارا لین دین ۔ کھانا پینا ۔ بیٹھنا اٹھنا اور جملہ معاملات ارشادِ الٰہی کے مطابق ہوں حضورؐ نے حدیث شریف میں اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے بڑے زور سے تلقین فرمائی

ان اللہ طیّب لا یقبل الا طیبا وان اللہ امر المؤمنین بما امر بہ المرسلین فقال یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحًا وقال یاایھا الذین اٰمنوا کلوا من الطیبٰت ما رزقنٰکمْ ۔

"یعنی خدا تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیزوں ہی کو قبول کرتا ہے اور خدا تعالیٰ نے مومنوں کو بھی اس بات کا حکم دیا ہے جس کا کہ پیغمبروں کو دیا تھا ۔ یعنے اے ہمارے رسولو! حلال و طیب چیزیں کھاؤ اور خوبصورت عمل کرو اور اسی طرح مومنو کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم ہمارے دیئے ہوئے رزقوں میں سے حلال و پاکیزہ چیزیں کھاؤ ۔"

حرام رزق کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی

پھر وعظاً کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا:۔

"یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیہ الی السماء یارب یارب و مطعمہٗ حرامٌ و ملبسہ حرامٌ وغذی بالحرام فانی یستجاب لذالک ۔"

"یعنی ایک شخص ہو جس نے لمبا سفر کیا ہو جس کی وجہ سے وہ درماندہ ہو گیا ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں ۔ اور وہ غبار آلودہ ہو اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا پھیلا کر اور خدا کو پکار پکار کر دعا کرتا ہو۔ کس طرح ایسے انسان کی دعا قبول ہو سکتی ہے جب کہ اس کا کھانا حرام ۔ اس کا پینا حرام ہے ۔ اور اس کا لباس حرام کی کمائی کا ہے ۔ اور اس کی نشو و نما حرام سے ہوئی ہے ۔ ایسے انسان کی دعا ہرگز قبول نہیں ہو سکتی ۔"

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حلال و پاکیزہ رزق کھانے پر زور دیا ہے اور حرام کھانے سے کس قدر سختی کے ساتھ روکا ہے ۔

رسولِ خدا نے اعلیٰ درجہ کی دیانتدار اور ممتاز قوم پیدا کی

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختصر کلام فرمایا کرتے تھے جو دلوں کے اندر اتر جایا کرتا تھا۔ ہماری طرح طویل لیکچر اور لمبے چوڑے خطبے نہیں دیا کرتے تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک زبردست قوم پیدا کی جو دیانت اور راست بازی میں لاجواب تھی ۔ یاد رکھیئے کہ راست بازی اور حلال کی کمائی انسان کو معزز کر دیتی ہے ۔ اس سے اس کی عمر لمبی ہو جاتی ہے ۔ ہمارے سلف صالحین دنیا کے رہبر تھے ۔ اس بات میں کہ وہ سچی بات کہتے تھے اور حلال و طیب کمائی کھاتے تھے ۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ دونوں باتیں ہر ایک مسلمان کی امتیازی خصوصیات تھیں ۔ اور یہی وجہ تھی کہ مسلمان جہاں جاتے اپنی انہی خصوصیات کی وجہ سے معزز ہو جاتے ۔ احادیث میں لکھا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو سفر پر روانہ کرتے تو وقت رخصت فرماتے کہ میں تمہارے دین کی امانت اور اعمال کے نتائج کو خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔

(استودع کم اللہ دینکم و امانتکم و خواتیم اعمالکم)

اولیاء اور صوفیاء نے کسب حلال پر زور دیا ہے۔

خوب یاد رکھو کہ اگر تمہارے معاملات اور لین دین میں راست بازی ثابت نہیں تو تم نے دین کی رُوح کو نہیں پایا ۔ اولیاء اور صوفیاء کرام نے بھی اپنی کتابوں میں کسب حلال پر زور دیا ہے ۔ اور اس کے متعلق بڑے بڑے لطائف لکھے ہیں ۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کسب حلال سے بڑی بڑی برکات نازل ہوتی ہیں ۔ گھروں پہ برکات نازل ہوتی

بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی بعثت کا حقیقی نصب العین غلبۂ اسلام و قرآن کے سوا اور کچھ نہیں

اشاعت دینِ اسلام اور اتحاد بین المسلمین کے عالی عزائم

ان عزائم و ایمان کی جماعت کبھی ناکام نہیں ہو سکتی

خطبۂ جمعۃ المبارک مؤرخہ ۶ جون فرمودہ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بر موقع رابطہ اجلاس در جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

تعوذ و تسمیہ کے بعد درج ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۫ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(سورۃ یوسف ۱۲: ۱۰۸ تا ۱۱۱)

کہہ دے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف علی وجہ البصیرت بلاتا ہوں اور جو میری پیروی کرتے ہیں وہ بھی علی وجہ البصیرت اس پر قائم ہیں اور اللہ سب نقصوں سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ہم نے تجھ سے پہلے بھی بستیوں کے رہنے والوں میں سے مردوں کو ہی بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے تو کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ تاریخ پڑھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے (جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا) اور آخرت کا گھر ان کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ تو تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ رسولوں کی مخالفت یہاں تک کی گئی کہ رسول (لوگوں کے ایمان لانے سے) مایوس ہو گئے اور لوگوں نے کہہ دیا کہ ان کے ساتھ جھوٹے وعدے عذاب کے کئے گئے (کیونکہ عذاب نہ آنے پر انہوں نے رسولوں کے ان وعدوں کو جھوٹ جانا) مگر بالآخر ہماری مدد رسولوں کے پاس آ پہنچی جس کو ہم نے چاہا نجات دی۔ مجرموں سے ہماری سزا ہرگز ٹل نہیں سکتی۔ ان کے ذکر میں عقل والوں کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ یہ گھڑی ہوئی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ تاریخی حقائق ہیں اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے والے ہیں"۔

میرے ان آیات کو اس موقع پر انتخاب کرنے کی دو اغراض ہیں۔ ایک یہ کہ جس موقف کو لے کر جماعت احمدیہ کھڑی ہوئی ہے وہ محض آباؤ اجداد کا مذہب یا رسم و رواج نہیں ہے۔ بلکہ یہ جماعت علی وجہ البصیرت اس موقف پر قائم ہے۔ ہم دوسری اقوام ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے مسلک و مذہب پر علی وجہ البصیرت قائم نہیں ہیں۔ بلکہ وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کے مصداق ہیں۔ لیکن ہمارا موقف یہ نہیں کہ چونکہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے لہٰذا ہم بھی مسلمان ہیں۔ بلکہ ہم اپنے موقف پر علی وجہ البصیرت گامزن ہیں۔ اور یہ ایک بہت بڑی بات ہے اور ایک عظیم مقام ہے۔

دوسری غرض یہ ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کی حالت ایسی ہے کہ مخالفین کا خیال ہے کہ یہ جماعت اب دم توڑ رہی ہے۔ عہدِ نبوی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک حالت ایسی آئی تھی کہ اہلِ کفر خیال کرتے تھے کہ یہ سلسلہ اب مٹ جائے گا۔ اور مخالفین نے اپنے اس خیال کے پیشِ نظر پہلے سے بڑھ چڑھ کر مٹانے کی کوشش کی گویا ایک وقت مسلمانوں پر ایک مایوسی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کو مایوسی کے بعد نوازا کرتے ہیں۔ یہ ایک خدا کا عام قانون ہے کہ جب وہ اپنے بندوں کو مایوسی کے عالم میں گھرا پاتا ہے اور مخالف خیال کرتا ہے کہ یہ تحریک اب ختم ہو جائے گی۔ تو خدا کی نصرت ممد و معاون ہوتی ہے۔ اور ایسا ہونا ہی چاہیئے کیونکہ جو خدائی تحریک ہوتی ہے ان کے پاس دنیاوی ذرائع و اسباب کامیابی معدوم و مفقود ہوتے ہیں۔ یہ تحریک صرف خدا کی نصرت سے کامیابی حاصل کرتی ہے۔ جب خدا اس اپنی جماعت کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو ان کے پاس نہ زر و مال ہوتا ہے۔ نہ تعداد و کثرت افراد ہوتی ہے۔ نہ آلات حرب و ضرب ہوتے ہیں نہ ہی دیگر سب اسباب ہوتے ہیں کیونکہ خدا اہلِ جہان پر ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ جماعت جو مفقود الوسائل ہے۔ اور معدوم الذرائع ہے۔ ہم ہی ان کے پشت پناہ بن کر ان کو کامیابی و کامرانی مہیا کرتے ہیں۔ اگر دنیاوی اسباب ہوں اور کامیابی حاصل ہو جائے تو کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن خدا کے وجود پر ایک یہی ثبوت ہے کہ اسباب نہ ہونے کی حالت میں بھی کامیابی حاصل ہو جائے۔ اور یہ ایک غور طلب امر ہے کہ ذرائع و اسباب سے محروم لوگ کس طرح محض خدا کی نصرت پر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا ایک انسان کو کھڑا کرتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں منجانب اللہ ہوں۔ اور اس کے وفات پا جانے کے بعد اس کی جماعت اسی مقصد کو لے کر کھڑی ہوتی ہے مگر اتنے باوجود عدم اسباب کے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے کھڑا کیا تو اپنوں اور بیگانوں سب نے شدید مخالفت کی۔ عزیز و اقارب کی مخالفت۔ دوسری اقوام کی مخالفت گویا ساری دنیا ان کے مٹانے کے در پے ہو گئی آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے گئے۔ پھر بھی ان کا دل ٹھنڈا نہ ہوا اور ان کو اور ان کی جماعت کو مٹانے کے لئے کئی بار حملہ آور ہوئے۔ ایک جنگ احزاب کو ہی لیجیئے مدینہ میں چند سو کی نفری پر سارا عرب ۲۰ ہزار فوج لے کر ان کو مٹانے کے لئے چڑھ دوڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حفاظت کے لئے خندق کھودی۔ اس بیس ہزار کی فوج نے ایک ماہ تک مسلسل محاصرہ کئے رکھا آخر خدا تعالیٰ کی نصرت آئی اور طوفان باد و باراں نے محاصرین کو بھگا دیا اور وہ راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کو کامیابی حاصل ہوئی۔ یوں خدا کی نصرت سے کامیابی نصیب ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ہی ایسی تاریخ سے پُر ہے۔ ان کے دل میں ایک قوت اور حوصلہ تھا کہ خدا اُن کے ساتھ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ہم بھی علی وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ اس سلسلہ کے بانی بھی خدا کی جانب سے کھڑے ہوئے اور ان کا مقصد اسلام کی صداقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن پاک کی اشاعت ہے۔ اور اس کی عظمت کا ڈنکہ تمام عالم میں بجانا چاہتے ہیں۔ اس لئے

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ، (لندن)

اے ماؤ بہنو بیٹیو!!!

۴ر جون ۱۹۲۲ء یہ تاریخ مجھے کبھی نہیں بھولتی۔ اس لئے کہ اس دن دل کی دنیا میں ایک ایسی جگہ خالی ہوئی جو آج تک دوبارہ پُر نہ ہو سکی۔ انگریزی کے ایک شاعر نے سچ کہا ہے کہ "دنیا میں اکثر پیاری اور خوبصورت چیزیں وافر مقدار میں ملتی ہیں۔ بیابان ہزاروں حسین شفق سینکڑوں سہانی سحر بیسیوں چمکتے تارے۔ درختوں پر کھلے پھول ہوتے ہیں لیکن سب سے پیاری چیز "ماں" ایک اور صرف ایک ہوتی ہے۔"

آج ان ہماری پیاری اماں جان کی دنیا سے تاریخ رخصت ہے مگر یادوں کی دنیا میں وہ کبھی اکیلی نہیں ملتیں۔ ان کے چاروں طرف ایک پوری ننھی سی دنیا بستی اور رستی بستی نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ ہماری اماں یتیموں کی ماں تھیں وہ اپنی ختم زندگی میں کبھی اکیلی نہ تھیں تو اب یاد میں تنہا کیوں آئیں۔

اب کہ کتاب زندگی کے ورق تیزی سے الٹ رہے ہیں۔ کیوں نہ میں آپ کو ماضی کے پردوں میں چھپے ہوئے ایک سیدھے سادھے اسلامی گھر کی اچٹتی سی جھلک دکھاؤں۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرقی ممالک میں مغرب سے ابھرتی تہذیب و تمدن کی چمکتی ہوئی نئی روشنی ابھی پوری طرح جلوہ فگن نہ ہوئی تھی۔ جہاں اس روشنی میں تعلیم، سائنس، نئی ایجادیں، نئے نظریئے، نیا طرز تمدن۔ بہت سی خوبیاں اپنانے کے قابل تھیں۔ وہاں کئی نقص بھی ساتھ آ رہے تھے۔ جیسے دہریت، خود نفسی، خود پرستی، تنگ دلی۔ اور جہاں یہ عیب آ جائیں وہاں سے ایمان، بے نفسی، خدا خوفی اور خدا ترسی اکثر رخصت ہو جاتے ہیں۔ مگر ان خوبیوں سے مزین اب ایک گھرانہ اور اس کے صبح و شام دیکھیئے۔

یوں تو ابا جان مرحوم اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ مگر جب انہوں نے اماں جان کے ساتھ مل کر اپنا گھر بنایا تو اس گھر میں علاوہ ان کی اپنی بیوہ ماں کے ایک بیوہ پھوپھی اور ان کی تین یتیم بیٹیاں بھی شامل تھیں۔ اس دور میں ابھی عورت کا مقام گھر کے اندر تک محدود تھا۔ باہر کی دنیا اور اس کی دوڑ بھاگ مرد کے سر ہوتی تھی۔ شریف خاندان اور اچھے گھرانوں کی بیبیاں بیوہ ہو کر ان کے بچے یتیم ہو کر بے آسرا ہو جاتے تو وہ گھر سے نکل کر خود اپنی روزی پیدا نہیں کر سکتی تھیں۔ بلکہ خاندان کے کمانے والے سربراہ کی ذمہ داری بن جاتی تھیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اماں جان جس گھر میں آئیں وہاں پہلے ہی سے بیواؤں اور یتیموں کی ذمہ داریاں ان کے لئے موجود تھیں اور ابھی کنبے کے دو چار غریب بے آسرا لوگ لگے لپٹے رہتے تھے۔ جلد ہی اللہ کی دین سے ان کی اپنی اولاد اور اس کی پرورش بھی اس دور زندگی میں شامل ہو گئی۔ انہوں نے اپنی ان رشتہ کی نندوں کو جب بیاہ کر رخصت کیا تو مشیت ایزدی کہ چند سالوں کے مختصر عرصہ میں وہ سب اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اور ان میں سے ہماری چھوٹی پھوپھی کے تین بچے مع اپنی نانی جان کے جن کو ہم چھوٹی دادی کہتے تھے پھر ہمارے ساتھی ہو گئے۔

اپنی اولاد کے ساتھ اس طرح متواتر دوسروں کے بچوں کو پالنا پوسنا کوئی چھوٹی سی بات نہیں اس کے لئے بہت حوصلہ کرنا اور دل مار کر رہنا پڑتا ہے۔ [illegible] چھوٹی چھوٹی گھریلو باتوں میں اپنے پرائے کے درمیان برابری رکھنی باہر کے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے سے زیادہ مشکل ہے۔

میری اماں جان کو برابر کا برتاؤ کرنے میں کمال حاصل تھا۔ بڑی تین بیاہی بیٹیاں چھوڑ کر اکثر وقت میں ہم آٹھ یا نو بچے اکٹھے رہتے۔ ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ایک جگہ کھانا کھاتے تھے۔ کھانے میں سب بچوں کو گودے والی بوٹی بہت پسند تھی۔ پوری ہنڈیا میں ایک ایسی بوٹی ہوتی تھی۔ اماں جان کھانا بانٹتے وقت باری باری سے روز وہ بوٹی ہر بچے کو دیتی تھیں۔ کیا مجال جو اپنوں کو باری سے پہلے دے جائیں۔ موسم کے پھل آم، خربوزے، تربوز ڈھیروں گھر میں آتے تھے۔ برف میں ٹھنڈے کر کے اور کاٹ کر ان کے حصے لگتے تھے۔ اماں جان ایسے اندازے اور برابری سے حصے لگاتی تھیں کہ ہم بچوں کو حصہ اٹھانا مشکل ہو جاتا تھا۔ چاہتے تھے کہ بڑے والا حصہ لیں مگر وہاں فرق نکالنا ممکن نہ تھا۔ اس کام میں ان کو ایسی مہارت ہو گئی تھی کہ چھوٹے بڑے سب قائل تھے۔ کئی دفعہ ابا جان اور ان کے داماد حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گرمی گزارنے کے لئے مل کر ایک بڑی سی کوٹھی ڈلہوزی میں کرایہ پر لے لیتے تھے۔

میدانوں سے اکثر عزیز پھلوں زیادہ تر آموں کی پیٹیاں بھیجتے تھے۔ جو دونوں گھروں کے لئے مشترک ہوتی تھیں۔ جب وہ پیٹیاں کھولی جاتیں تو حضرت مولانا ہنس کر اماں جان سے فرماتے کہ "اب یہ باون تولے پاؤ رتی" کی آدھوں آدھ تو صرف آپ کر سکتی ہیں۔ ہم میں سے اور کوئی بھی آپ جیسے انصاف سے حصہ نہیں لگا سکتا۔" چنانچہ یہ مشکل کام وہی انجام دیتی تھیں۔

میرے ابا جان، اماں جان کو دعا اور صدقے پر بہت اعتقاد تھا۔ خیر سے اتنے بچوں میں اکثر کوئی نہ کوئی بیمار پڑ جاتا۔ یا پردیس گئے بچوں کی خیر خیریت جلد نہ ملتی۔ تو دعاؤں کے ساتھ جھٹ ایک بکرا صدقے کے لئے آ جاتا تھا۔ ہمارے گھر کے آس پاس کی چھوٹی آبادی کی عورتیں تقریباً روزانہ اماں جان، دادی جان کے پاس آتی جاتی رہتی تھیں۔ ذرا زیادہ دن گزر جائیں تو ان میں سے کوئی نہ کوئی اماں جان سے کہہ بیٹھتی تھی کہ "بی بی بہت دن ہو گئے آپ نے بکرا نہ دیا۔ گوشت کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔"

ہم لوگ تو سن کر دل میں کہتے کہ واہ۔ اچھی رہی یہ چاہتی ہیں کہ دشمنوں کوئی بیمار پڑے تو بکرا آئے" مگر اماں جان جو غریبوں کی تنگ دستی، بھوک اور مجبوری کو سمجھتی تھیں بجائے بگڑنے کے ایک جانی پہچانی مسکراہٹ کے ساتھ فرماتیں کہ "ہاں سچ تو ہے۔ مجھے خود تو خیال ہی نہ آیا۔ کل صبح ہی آپ سب گوشت لینے آ جانا۔" رات کو ابا جان درس قرآن دے کر گھر آتے تو کھانے پر ان سے بات ہوتی۔ اور اگلی صبح ہی صبح کیا دیکھتے کہ نوکر بکرا لئے ساتھ قصائی ڈیوڑھی پر موجود ہیں۔ غریبوں کی بستی میں چل چلاؤ لگ جاتا۔ اماں جان کے حصے لگانے لگاتے ادھر جاڑ شروع ہو جاتی۔ کھال قصائی لے جاتا۔ مگر اس کے پیسے حساب سے ساتھ رکھ لیتی تھیں۔ ہر کسی کو حصے کے ساتھ اس میں سے کچھ نقد پکڑا دیتیں کہ مرچ مصالحہ کو ہو جائے۔ شام کو گھر گھر چولہے روشن ہو جاتے۔ گوشت بھنتا۔ غریب بچے بے صبری اور خوشی سے کھانے کا انتظار کرتے۔

کچھ ان کی ہستی ہی ایسی ماں کی ممتا اور محبت و شفقت سے معمور مومنی اور پُرکشش تھی کہ مصیبت کی ماری، ناداری سے مجبور، گھریلو حالات سے نالاں اکثر عورتیں اپنے اپنے دکھڑے رونے ان کے پاس آ جاتی تھیں وہ بہت توجہ سے دیر دیر تک ان کے سب حالات سنتی تھیں اور جو بن پڑے بھلائی ضرور کر دیتی تھیں۔

ان دنیا کے بکھیڑوں کے ساتھ مذہب کا رنگ بھی حد بھر گیا تھا۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کی کتاب "برکات الدعا" اماں جان نے ہی منگا کر پڑھی اور پھر بیٹے کی بیماری میں ابا جان کو دعا کروانے کے لئے قادیان حضرت صاحب کے پاس بھیجا اور یہاں سے احمدیت اس گھر میں نہ صرف داخل ہوئی بلکہ پھلی پھولی اور دلوں میں جڑ پکڑ گئی۔

ابا جان کی تمام مذہبی لگن اور دینی ذوق و شغف میں ان کی بیوی کی دلی اعانت اور ہمدردی شامل حال رہی۔ ایک واقعہ ہی سن لیجئے۔

اسوقت ابا جان کی تعیناتی جہلم کے سول ہسپتال میں تھی۔ ایک بیٹی کی شادی کرنے کے لئے وہ اماں جان سے سامان جہیز کی فہرست لے کر خریداری کرنے لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت مولانا محمد علی صاحب نے بعد نماز جمعہ انکشاف فرمایا کہ ایک انچارج مبلغ صاحب کی بد دیانتی سے جرمن کی برلن مسجد گروی رکھ دی گئی ہے۔ اور اس کو چھڑوانے کے لئے اسی وقت حضرت مولانا نے جماعت سے اپیل کی۔

ابا جان بلا پس و پیش سارا روپیہ جو برائے خریداری لائے تھے چندہ میں دے کر خالی ہاتھ گھر واپس ہو گئے۔ ان کی ٹرین رات کے دس بجے جہلم پہنچی تھی۔ جہیز کا سامان دیکھنے کے شوق میں ہم سب لڑکیاں بھی جاگ رہی تھیں۔ مگر آکر کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ابا جان نے سب ماجرا بیان ... تو ہم چپکے ہیوں نیچے رہے۔

اُن دنوں میری ہم عمر پھوپھی زاد بہن اور میں دونوں مل کر اصلاحی مضامین لکھا کرتے تھے۔ جو خواتین کے اخبار "تہذیب نسواں" میں ہمارے قلمی نام سے شائع ہو جاتے تھے۔ لڑکیوں کی ہمت افزائی کے لئے یہ اخبار متعدد سالانہ انعامات نقد دیا کرتا تھا۔ اس سال میں بھی ایک انعام مل گیا۔ زندگی میں پہلا انعام یوں حاصل کر کے ہماری خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ طرح طرح کے منصوبے باندھ رہے تھے کہ کیسے خرچ کریں۔ جو یہ مسجد کی تحریک شروع ہو گئی۔ غالباً یہ تیس یا بتیس روپے تھے جو جھٹ ہم نے بھی خوشی خوشی لا حوالے کئے۔ پھر اماں جان کی زیر ہدایت ہم لڑکیوں نے جہلم کی احمدی خواتین کا جلسہ کر کے اور بھی چندہ اکٹھا کیا۔

بات رہ نہ جائے یہاں اپنی دادی جان کا ذکر بھی کر دوں۔ صبر و شکر کی دیوی۔ خدمت، اطاعت اور قناعت کی تصویر۔ ظاہری و باطنی نور کے سانچے میں پتلی کی طرح ڈھلی یہ ہماری دادی جان بھی ایک بہت ہی پیاری اور فیض رساں ہستی تھیں۔ بد قسمتی سے ان کی شادی شدہ زندگی صفر کے برابر تھی۔ بس ایک بچے کا منہ دیکھ کر بھری جوانی گزار دی۔ میرے ابا جان نے برسر روزگار ہو کر جس محبت و عزت اور قدر سے ان کو اپنے دم کے ساتھ رکھا اس کی وہ دل سے شکر گزار تھیں اور بڑی دعائیں دیتی تھیں۔ اماں جان نے گھرداری کا تمام اختیار اُن کو دے رکھا تھا اور جب مجھ سے چھوٹی دو توام بہنوں کی پیدائش کے بعد اماں جان کی صحت بگڑ گئی۔ تو ہماری دیکھ بھال بھی زیادہ تر دادی جان کے سر رہی۔ نماز۔ روزہ۔ دین اسلام کے ارکان سب ہم نے ان سے سیکھے حضرت آدمؑ سے لے کر حضور نبی کریم صلعم تک تمام پیغمبروں کے حالات زبانی سنائی تھیں۔ صبح ناشتے سے فارغ ہو کر نوکروں کو سودے اور پکنے پکانے کی ہدایات دے کر چبوترے یا کھلے برآمدے میں ان کا ٹھکانہ ہوتا تھا۔ اپنے گھر کے بچوں کے علاوہ جو دو ایک نوکر لڑکے اوپر کا کام کرنے کو مقرر تھے ان کو بھی ساتھ بٹھا کر پڑھائی کرواتی تھیں۔ دیکھا دیکھی ہسپتال کے کمپوڈر اور وارڈ قلی بھی اپنے اپنے بچے قاعدہ تختی پکڑا کر بھیج دیتے تھے۔ یہ بچے بے چارے اکثر کند ذہن اور غبی ہوتے تھے۔ کبھی جو مجھے کہہ دیتیں کہ "بیٹی اتنے میں آؤں ذرا دو حرف ان کو بتا دو" تو ذرا دیر ان کے ساتھ سر کھپائی کر کے میں تو جھنجھلا اٹھتی تھی کہ دادی جان اللہ جانے آپ بھی کیسے کیسے جاہل کے لٹھ بچے بٹھا لیتی ہیں۔ مگر تو بہ وہ کہاں ہارتی تھیں نہ معلوم کتنوں کو انہوں نے قرآن شریف پڑھایا اور اردو پڑھنا لکھنا سکھا کر چھوڑا۔

اسی دور میں حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "مٹھی بھر آٹے" کی تحریک شروع ہوئی۔ اور ہمارے ہاں ایک مٹی کی گھڑیا مقرر تھی۔ جیسے ہی ملازم بڑا سا آٹا بھرا پرات گوندھنے بیٹھتی دادی جان کی ہدایت ہوتی کہ "لو پہلے بسم اللہ کر کے مٹھی بھر آٹا انجمن کی گھڑیا میں ڈال دو"۔ شاید اسی آٹے کی روٹی کھانے کا اب تک اثر ہے کہ آج انگلینڈ میں بھی میں دودھ کی بوتلوں کے سلور ٹاپس (اوپر کے ڈھکنے) اپنی انجمن کے لئے جمع کرتی ہوں۔ یہاں کے خیراتی ادارے یہ ٹاپس گھر گھر سے لے کر بیچ کر اپنے کام میں لاتے ہیں۔ لوگ میری اس حرکت پر کہتے ہیں کہ ان کی حقیر رقم سے کیا پوری پڑے گی۔ میں کیسے بتاؤں کہ یہ تو ماں دادی سے ورثہ میں ملا پرانا مرض ہے۔ بوند بوند تالاب بھرتا ہے۔ ردّی چیزوں سے بھی کچھ راہ خدا کے لئے نکل آئے تو کیا بُرا ہے؟

صبح زندگی کا ذکر تو ہو چکا۔ اب ایک جھلک شام زندگی کی بھی دکھا دوں۔

چونکہ دالانوں پر استعمال کے لئے بھرے رہتے تھے۔ شام پڑتے پڑتے باہر سے نوکر آکر گھر بھر کی چارپائیاں بچھا کر اوپر سفید سفید بستر لگا دیتے تھے۔ دادی جان۔ اماں جان۔ ابا جان کی نماز کی چوکیاں ان کے پلنگوں کے ساتھ بچھتی تھیں۔ درمیان میں اونچے اونچے تخت اُن پر دریاں کھیس کے فرش ہم لوگوں کے لئے ہوتے تھے۔ اندھیرا پڑتے ہی لیمپ لالٹینیں روشن کر کے رکھ دی جاتی تھیں۔ اکثر چاند کی چاندنی بھی ساتھ دیتی تھی۔ وہ سماں اب تک آنکھوں میں پھرتا ہے۔ موتیئے اور چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو۔ برآمدے کی جعفری پر پھیلی سُرخ سفید پھولوں کی بیل میں سر شام پھول کھلتے تھے۔ اور ان کی بھینی بھینی مہک فضا کو معطر کر دیتی تھی۔

نماز مغرب سے فارغ ہو کر کچھ دیر کھانے کا سلسلہ چلتا۔ پھر بے اختیار چاندنی میں سفید ٹھنڈے بستر پر آرام کرنے کو دل چاہتا۔ تو دادی جان جھٹ ٹوکتی تھیں کہ بیٹا پہلے عشاء کی نماز پڑھ لو ورنہ نیند آگئی تو نماز رہ جائے گی۔ عشاء کی نماز ادا کر کے انسان سلطان اللیل (رات کا بادشاہ) بن جاتا ہے۔ اب یہ محاورہ شاذ ہی سننے میں آتا ہے۔

رات بیت جاتی تو فجر دم منہ اندھیرے نسیم سحر کے خوشگوار جھونکوں کے ساتھ لڑکپن کی گہری نیند میں تین جگہ سے تلاوت قرآن کی آوازیں کان میں پڑتی تھیں۔ ابا جان کی خوش الحان و خوش آہنگ تلاوت۔ دادی جان اور اماں جان کی دھیمی دھیمی آوازیں۔ بمشکل اونگھتے اٹھ کر مٹکوں تک پہنچتے تو رات کے باسی ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے ہی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ یہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا ہماری ایک رشتے کی بزرگ فرشتہ سیرت و خصلت نانی جان نے سکھایا تھا۔ فرماتی تھیں کہ بچو! ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے والوں کو قیامت کے دن اللہ میاں بلائیں گے کہ آؤ میرے شیرو میرے پاس۔ بس اس شیر بننے کی دھن میں ہم نے یہ نسخہ ایسا پلّے باندھا کہ کڑکتے جاڑے ہوں یا جلتی گرمی۔ بعض اوقات زکام وغیرہ کی وجہ سے اماں جان کے روکنے روکتے ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے رہتے۔ اس بھرے پُرے گھر کو چھوڑ کر پہلے اماں جان رخصت ہوئیں اور ان کے ایک سال کے بعد دادی جان اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اور ـ ـ

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

وہ بساط الٹ گئی، مہرے بکھر گئے۔ نیا زمانہ۔ نئی کہانی شروع ہو گئی۔

آخر میں میں اپنی ماؤں۔ بہنوں اور بیٹیوں سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں کہ ہمارے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

مولانا آفتاب الدین احمد

اِسلام کی بنیادی اقدار

عمرانی زندگی کی اساس ایمان باللہ پر

اِسلام کو یہ تفوق حاصل ہے کہ وہ خالصتًا ایمان باللہ کا علمبردار ہے۔ اِسلام ایمان باللہ کو انسان کی عمرانی زندگی کی اساس قرار دیتا ہے:۔

" یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالًا کثیرًا ونساءً واتقوا اللہ الذی تساءلون بہٖ والارحامؕ ان اللہ کان علیکم رقیبا۔" (سورۃ النساء آیت ۱)

ترجمہ:۔ " اے لوگو! اپنے رب کا تقوٰی اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللہ کے حقوق جس کے ذریعے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کی نگہداشت کرو۔ اللہ تم پر نگہبان ہے۔"

اس طرح سے قرآن مجید نہایت انسب اور واضح طریق پر بیان کرتا ہے کہ حقوق وفرائض کے تقدس کی بنیاد ایمان باللہ پر قائم ہے۔ بالفاظِ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ اگر ہم انسانی رشتوں ناطوں کے ضابطہ سے خدا کے تخیل کو نکال دیں تو ہمارے تمام سوشل یا معاشرتی تعلقات خطرناک طور پر مخدوش اور غیر محفوظ ہو جائیں گے اور اس حالت میں تمام ذمہ داریاں خواب پریشاں ہو کر رہ جائیں گی بمقام افسوس ہے کہ اس زمانہ میں یہی خدشات رونما ہو رہے ہیں، ہمارے باہمی تعلقات غیر مربوط اور غیر محفوظ ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری عمرانی یا تمدنی زندگی میں یاس ہی یاس کار فرما ہے جس کو کوئی دنیوی فلسفہ، کوئی منطق یا کوئی اور معقول اور منقول علم دور نہیں کر سکتا۔

بین الاقوامی اور عالمگیر خدا کا تخیّل

یہ درست ہے کہ تمام مذاہب ہماری مندرجہ بالا رائے سے متفق ہیں لیکن کسی مذہب نے اس خاص موضوع پر زور نہیں دیا اور نہ اس کو اسقدر وضاحت اور صراحت سے بیان کیا ہے جس قدر اسلام نے۔ اور یہ شرف صرف اسی مذہب کو ہی حاصل ہے۔

اِسلام خدا کے تخیل کو ہی سوشل زندگی کی بنیاد قرار دینے پر کفایت نہیں کرتا بلکہ وہ اس تخیل کی تمام معاشرتی الجھنوں کو بھی کلی طور پر بیان کرتا ہے۔ مثلاً اسلام ایک بین الاقوامی اور عالمگیر خدا کا علمبردار ہے۔ وہ خدا جس نے اپنی روحانی اور جسمانی نعماء دینے میں کسی قوم یا نسل سے بخل روا نہیں رکھا اور اس کی رسائی کا دروازہ یکساں طور پر ہر قوم ونسل کے افراد کے لئے ہے جو اس کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھیں اور اس کے حضور سر نیاز خم کریں کھلا ہے چنانچہ اس تخیل کی رو سے وہ ہر زمانہ میں ہر چھوٹی بڑی قوم کے روحانی رہنما [illegible] اور ان [illegible] [illegible] ہے۔

خدا ایک قابلِ شناخت حقیقت ہے۔

یہ امر ہم کو اسلام میں خدا کے تصور کے ایک دوسرے رُخ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ خدا کوئی مادی چیز نہیں ہے۔ خدا کوئی بے معنی فلسفیانہ تصوّر نہیں ہے۔ کوئی مفروضہ نہیں ہے جس کے ذریعہ وجود کائنات کی تشریح کی کوشش مدنظر ہو۔ خدا کمال درجہ کی ایک زندہ ہستی ہے خود انسان سے کہیں بڑھ چڑھ کر وہ زندہ اور حیّ وقیوم ہے۔ وہ تمام حقیقتوں سے بڑھ کر ایک حقیقت ہے۔ اس کی شناخت کی جا سکتی ہے جس طرح ایک آدمی دوسرے کی شناخت کرتا ہے یعنی اس سے بول کر یا یہ کہ وہ خود انسان سے بولے:۔

اِسلام کا خُدا اپنے آپ کو خود ظاہر کرتا ہے

اِسلام کا خدا وہ خُدا ہے۔ جو اپنے آپ کو خود ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ تاریخ عالم میں لاکھوں مردوں اور عورتوں نے (ایسے مرد اور عورتیں جنہیں قلب سلیم ملا تھا اور جن کے اخلاق بے داغ تھے) خدا کے متعلق اس علم کی تصدیق کی ہے۔ اور ایسی شہادتیں آج کل بھی اسی طرح مشاہدہ میں آ رہی ہیں جس طرح تاریخ عالم کے پہلے کسی زمانہ میں اور یہی وہ شواہد ہیں جو اس عمرانی تاریخ کے ایٹمی زمانہ میں ہماری تمدنی اور اخلاقی زندگی کے قیام کا موجب ہیں۔

وحی والہام عقلِ انسانی کے لئے دُوربین کی طرح ہے۔

میں جانتا ہوں کہ الہام کا مسئلہ بعض ذہنی مشکلات سے لبریز ہے۔ اس باب میں عقلی دلائل دینے والوں کو شریعت کے بعض علمبرداروں نے ہدف ملامت بنایا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں کہا گیا ہے کہ عقلی دلیل شیطانی فعل ہے اور شیطان روز ازل سے شرعی صداقتوں کا دشمن ہے۔ لیکن قرآنِ مجید ان علماء کے نظریہ کا حامی نہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر مخفی نہیں رہ سکتا۔ یہ پاک کتاب مسائل کی بحث وتمحیص کے دوران میں انسان کی قوت استدلالیہ سے امداد چاہتی ہے۔ شرعی صداقتوں کی مخالف اور ضد ہونے کی بجائے عقل ان کی تفتیش اور تفحص میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ مگر اسلام میں الہام یا وحی ان تمام امور کو جن کو عقل انسانی غیر مکمل اور غیر معین طور پر سمجھ سکتی ہے (پایہ) تکمیل تک پہنچاتی ہے۔ ان کی کمی کو پورا کرتی اور ان میں پختگی اور تعین پیدا کرتی ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وحی یا الہام عقل انسانی کے لئے وہی کام کرتی ہے جو دوربین یا خوردبین برہنہ آنکھوں کے لئے۔ عقل کی دھندلی روشنی انسان کی نظروں کو زندگی کی دور افتادہ اور آخری حقیقتوں تک نہیں پہنچا سکتی۔ جن تک پہنچنا ہماری زندگی کے مقاصد کے حصول کے لئے اس قدر ضروری ہے۔

مدنی زندگی کے لئے قوانینِ الٰہیہ کی ضرورت

لاریب انسانی عقل کو مادیت کے قوانین سمجھنے میں بہت درک حاصل ہے۔ لیکن ان قوانین کے بارہ میں اس کی کوتاہی الم نشرح ہے۔ جو انسان کے باہمی روابط وضوابط اور اس کے بلند مقاصد زندگی پر حکمران ہے۔ انسان جذبات وحسیات کا پُتلا ہے۔ اور اس کے دماغ کے کام کرنے کا طریق اس قدر پیچیدہ ہے کہ اس کے قوانین کو معلوم کرنا خود انسانی فہم وادراک سے بالاتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی رہنمائی کے لئے ابتدائے آفرینش سے ہی انسان نے قوانین الٰہیہ کی ضرورت محسوس کی ہے۔ اور وہ ان کو حاصل کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا

بعد از خروج کوہ طور پر احکام شریعت کے لئے جانا ایک ایسا اقدام تھا جو انہیں عقل نے سمجھایا وہ قوم کا سب سے زیرک انسان تھا مگر باوجود زیرک ترین انسان ہونے کے اس نے محسوس کیا کہ سوشل زندگی کے متعلق قوانین وضع کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے۔ آج بھی جب کہ تجربہ در تجربہ کے ہزاروں سال گزر گئے مدنی زندگی کے متعلق معمولی رنگ کے قوانین کا وضع کرنا بڑے بڑے عقلمندوں کے لئے باوجود تمام عقل وعلم کے عقدۂ لاینحل بنا رہتا ہے جس کے لئے انہیں سخت کاوش کرنی پڑتی ہے۔ امتناع شراب ایسے معمولی معاملہ کے متعلق بھی بڑے بڑے واضعان قوانین کی رائے متفق نہیں ہوتی۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ خود غرضی منشیات انسانی دماغ پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات کے معاملہ میں یہ بہت بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ تاہم بڑی بڑی مہذب قوموں کے واضعان قوانین اس معاملہ میں اب تک کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہیں پہنچے۔ لاریب انسانی زندگی اس قدر قیمتی ہے کہ اس کو ایسے اہم امور کے متعلق جس پر اس کی فلاح وبہبود کا انحصار ہے محض قیاسات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ لہٰذا یہ امر بدیہی ہے کہ ہمیں اپنی سوشل زندگی کے لئے ایک واضح مستقل اور باقاعدہ الہامی ضابطۂ حیات کی ایسی ہی ضرورت لاحق ہے۔ جس طرح اس سے پہلے ضرورت تھی۔ یہ ضابطہ انسانی قیاسات اور ریسرچ کا رستہ بند نہیں کرے گا۔ بلکہ ایک یقینی اور صحیح طریق کی طرف رہنمائی کر کے اس رستہ کو زیادہ صاف اور واضح کرے گا۔

کلام الٰہی اور کائنات میں توافق

سائنس اور سائنس کی ریسرچ کو اس سے کوئی ضعف پہنچنے کا احتمال نہیں ہونا چاہیئے اگر خدا نے اس کائنات کو بنایا ہے اور یہی وہ خدا ہے جو اپنی الہامی کتاب نازل کرتا ہے، تو اس کی کلام اور اس کی کائنات میں تخالف نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اتحاد ہونا چاہیئے۔ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ سچے الہام کا ایک حقیقی معیار ہونا چاہیئے۔ کہ یہ ان قوانین کے مطابق ہو جو کائنات میں درحقیقت کارفرما ہیں۔ یہاں میں نے "درحقیقت" کا لفظ ارادتاً اور مصلحتاً استعمال کیا ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں سائنسدانوں کے قیاسات یعنے وہ تھیوریاں بھی پائی جاتی ہیں جو وہ چند معلوم کردہ حقائق کی بناء پر قائم کرتے ہیں۔ شومئی قسمت سے ان قیاسات کو سائنس کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ یا خود سائنس ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور ان کو بسا اوقات زندگی کے حقیقی مذہبی نظریہ اور ان عالمگیر قوانین کے خلاف پیش کیا جاتا ہے جن سے یہ نظریہ قائم ہوتا ہے۔

حضرات! میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ سائنس کے سچے انکشافات خدا کے ان سچے نازل کردہ الفاظ کے خلاف نہیں ہو سکتے جو ہم قرآن مجید میں پاتے ہیں۔ یعنے اس کتاب میں جو ہمیں اپنے نبی مطاع حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورثہ میں ملی ہے

حکومت الٰہیہ اخلاقی قوانین کے ذریعہ

علاوہ ازیں اسلام کا خدا وہ خدا ہے جو اخلاقی قوانین کے ذریعہ حکومت کرتا ہے۔ قرآن مجید اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے تاریخ پیش کرتا ہے۔ اسلامی تصور کا خدا اپنے خاموش مگر ناقابل مزاحم قوانین سے تفتیش اور تشدد کے طریقے اختیار کرنے والوں کو بنظر استحقار دیکھتا ہے۔ مگر وہ ان اقوام کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو فرض شناس اور محتاط اور عدل گستر ہیں۔ اعتقادات سے زیادہ خدا کی آنکھ انسان کے ان کاموں پر ہوتی ہے جو وہ حسن نیت اور خدمت خلق کے جذبہ کے ماتحت بجا لاتا ہے۔ سالہا سال کی فلسفیانہ موشگافیوں کے بعد انسان پر یہ امر روشن ہوا ہے۔ کہ خدا خاص خاص قوانین کے ذریعہ حکومت کرتا ہے۔ لیکن ابھی تک اس پر یہ انکشاف نہیں ہوا کہ یہ قوانین صرف سیاسی۔ ملکی یا اقتصادی ہی نہیں بلکہ زیادہ تر اخلاقی ہیں:

وحدت قومی کے خواب کی تعبیر اسلام میں: - اب ہم خدا کے بین الاقوامی تصور کی طرف آتے ہیں۔ اس باب میں یہ امر ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ باوجودیکہ دنیا کی مادی کیفیات اقوام دنیا کو ایک سوشل یونٹ یعنے وحدت پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کر رہی ہیں تاہم جذباتی طور پر ان کے قلوب اس وحدت کے قبول کرنے کے لئے مستعد پائے جاتے ہیں چنانچہ اقوام متحدہ کے ایک سیکرٹری جنرل نے کیلیفورنیا کے مقام پر بدیں الفاظ شکایت کی تھی:۔

"ایک عالمگیر نظام کی ضرورت بے شک ہے لیکن ایک عالمگیر حکومت قائم کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ حتیٰ کہ طبقاتی وحدت قائم کرنے کی مساعی کے رستہ میں بھی مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے۔"

ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس حقیقت کے نیچے ایک اصول ہے جس کی علمبرداری محض اسلام ہی کر سکتا ہے اسلام کی تعلیم ہے کہ انسان میں سوشل یعنے معاشرتی بیداری یا شعور مدنی کو ترقی دینے کے لئے خدا کی ہدایت بتدریج نازل ہوتی ہے اس ہدایت کا مہبط جسے ہم عرف عام میں نبی یا رسول کہتے ہیں ایک نور لے کر آتا ہے۔ جو صرف ذہنی اور اخلاقی پہلوؤں کو ہی روشن نہیں کرتا بلکہ سوشل تعلقات کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ اس طرح سے اس زمانہ میں جبکہ ہر ایک قوم کا ایک الگ نبی آتا رہا۔ ایک نبی یا رسول کو جن سوشل کیفیات وحالات سے واسطہ پڑا وہ سب ایسے نہ تھے جن سے دنیا کے بین الاقوامی نبی یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ پڑا۔ جیسا کہ ہم مسلمان ایمان رکھتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی خواب اسوقت پوری ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ممبروں کے سوشل جذبات وحسیات اس روحانی نور سے منور ہوں جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں:۔

مسلمانوں کے قومی ونسلی امتیازات

ممکن ہے کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ جب حضرت محمد رسول اللہ کے ماننے والے خود قومی اور نسلی امتیازات میں گرفتار ہیں تو دوسرے لوگ ان سے کیا روشنی حاصل کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ آج کل مسلمان غلط رستہ پر چل رہے ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن شریف اور حضرت نبی کریم صلعم سے براہ راست اپنا تعلق ترک کر بیٹھے ہیں اور عرصہ دراز سے اغیار کی تہذیب و تمدن ان کے اندر رگ وریشہ تک سرایت کر چکی ہے کہ ان کے سوشل خیالات بہت کچھ غیر اسلامی رنگ میں رنگین ہو چکے ہیں۔ تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ ان کی یہ مرض ایسی نہیں ہے جو علاج پذیر نہ ہو:

مجھے ایسا سمجھنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے ان کی وابستگی اور مغربی تہذیب کے متعلق ان کی روز افزوں بیزاری ان کو بغیر زیادہ وقت اور زیادہ عرصہ گزرنے کے اصل قرآنی عقائد کی طرف لے آئے گی:

بقیہ ماؤ بہنو بیٹیو!!!

ہمارے ایک گھر میں اس گزری ہوئی حالت میں بھی نیک بیبیوں کی قابل رشک مثالیں موجود ہیں۔ ان کو اگر آپ سب اپنی اپنی جگہ قلم بند کر دیں تو ایک کتاب اس قوم کی ماؤں کی خاموش گزری داستانوں کی بن سکتی ہے۔ جو ہماری بچیوں کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب اللہ میاں کے ہاں احمدیت کی تاریخ لوح محفوظ میں رقم ہوگی تو قربانیوں اور ایثار کے باب میں ان خواتین کے نام سنہرے حروف سے لکھے جائیں گے ان کو کم سمجھ کر نظر انداز نہ کردیں۔ یہ ہماری وہ مائیں تھیں۔ جن کو مخاطب کر کے مشہور دردمند شاعر قوم حضرت مولانا حالی صاحب فرما گئے کہ ہے اے ماؤ بہنو بیٹیو - قوموں کی عزت تم سے ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۱۸ر جون ۱۹۸۰ء
جلد: - ۶۷ — شمارہ: - ۲۵

باہتمام ریاض حسین المدہ پرنٹرز اردو بازار۔ لاہور سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۱۱ شعبان المعظم سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۵ جون سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ ۲۶

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

حقیقی مکرمت اور عظمت کا باعث فقط تقویٰ ہے

میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں

ہماری جماعت کل دنیوی غموں سے بڑھ کر یہ غم اپنی جان پر لگائیں، کہ اُن میں تقویٰ ہے یا نہیں۔ اہل تقویٰ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کرے، یہ تقویٰ کی ایک شاخ ہے جس کے ذریعہ سے ہمیں ناجائز غضب کا مقابلہ کرنا ہے، بڑے بڑے عارف اور صدیقوں کے لئے آخری اور کڑی منزل غضب سے بچنا ہی ہے۔ عجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی کبھی خود غضب پندار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ غضب اُس وقت ہوگا جب انسان اپنے نفس کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو بڑا یا چھوٹا سمجھیں یا ایک دوسرے پر تکبر کریں یا نظر استخفاف سے دیکھیں۔ خُدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے یا چھوٹا کون ہے۔ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے جس کے اندر حقارت ہے، ڈر ہے کہ یہ حقارت بیج کی طرح بڑھے اور اسکی ہلاکت کا باعث ہو جاوے۔ بعض آدمی بڑوں کو مل کر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں لیکن بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات کو مسکینی سے سُنے۔ اس کی دلجوئی کرے۔ اس کی بات کی عزت کرے۔ کوئی چڑ کی بات منہ پر نہ لاوے کہ جس سے دُکھ پہنچے خدا تعالےٰ فرماتا ہے ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک ھم الظالمون (س ۲۶) تم ایک دوسرے کے چڑ کے نام نہ ڈالو۔ یہ فعل فساق و فجار کا ہے۔ جو شخص کسی کو چڑاتا ہے۔ وہ نہ مرے گا جب تک وہ خود اس میں مبتلا نہ ہوگا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو۔ جب ایک ہی چشمہ سے کل پانی پیتے ہو تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے۔ مکرم و معظم کوئی دنیاوی اصولوں سے نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالےٰ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے۔

"ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر"

(س: ۲۶) یہ جو مختلف ذاتیں ہیں۔ یہ کوئی وجہ شرافت نہیں۔ خدا تعالےٰ نے محض عرف کے لئے یہ ذاتیں بنائیں اور آج کل تو صرف بعد چار پشتوں کے حقیقی پتہ لگانا ہی مشکل ہے۔ متقی کی شان نہیں کہ ذاتوں کے جھگڑے میں پڑے۔ جب اللہ تعالےٰ نے فیصلہ کر دیا کہ میرے نزدیک ذات کوئی سند نہیں۔ حقیقی مکرمت اور عظمت کا باعث فقط تقویٰ ہے۔ خدا کے کلام سے پایا جاتا ہے کہ متقی وہ ہوتے ہیں جو حلیمی اور مسکینی سے چلتے ہیں۔ وہ مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے۔ ان کی گفتگو ایسی ہوتی ہے جیسے چھوٹا بڑے سے گفتگو کرے۔ ہم کو ہر حال میں وہ کرنا چاہیئے جس سے ہماری فلاح ہو۔ اللہ تعالےٰ کسی کا اجارہ دار نہیں۔ وہ خاص تقویٰ کو چاہتا ہے۔ جو تقویٰ کرے گا وہ مقام اعلیٰ کو پہنچے گا۔

(ملفوظات احمدیہ)

سید ناصر احمد صاحب ـــ مانچسٹر

دو شریف النفس بھائیوں کی وفات

سیالکوٹ چھاؤنی کے ہمارے دو نہایت پیارے بھائی شیخ عبدالحمید صاحب اور شیخ عبدالقیوم صاحب کی اچانک وفات کی خبر سے سخت صدمہ ہوا۔ ان کے سب سے بڑے بھائی شیخ محمد عبداللہ صاحب تقریباً سترہ سال ہوئے فوت ہو گئے تھے۔ بعد میں شیخ عبدالحمید صاحب، شیخ عبدالرشید صاحب اور شیخ عبدالقیوم صاحب تینوں بھائیوں نے مل کر برف کے ایک چھوٹے سے کارخانہ کو شب و روز کی محنت سے ترقی دی اور وہ آج ایک جدید ہوٹل کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ سیالکوٹ چھاؤنی کے احباب جماعت سے تعلقات کی ابتداء اسوقت ہوئی جب ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب مرحوم و مغفور احمدیہ بلڈنگس میں رہتے تھے اور ہمارا اُن کے گھر اکثر آنا جانا رہتا۔ اس طرح آہستہ آہستہ ان کے عزیز و اقارب سے تعلقات ہو گئے۔ ان لوگوں کی خوش خلقی، ملنساری، مہمان نوازی اور جماعت کے کاموں میں گہری دلچسپی کی وجہ سے مراسم بڑھتے گئے۔ ۱۹۶۳ء میں عزیزداری کی وجہ سے خاندان کے کئی ایک افراد کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان میں سے ایک میرے خسر شیخ برکت اللہ صاحب مرحوم تھے ان کی عبادت گزاری، شفقت اور خوش خلقی قابل رشک تھی۔ خدا ان کو کروٹ کروٹ اپنی رحمتوں سے نوازے جب کبھی سیالکوٹ جانے کا اتفاق ہوتا تو شیخ عبدالحمید صاحب، شیخ عبدالرشید صاحب اور شیخ عبدالقیوم صاحب سے ضرور ملتا۔

گذشتہ سال اپریل ۱۹۷۹ء میں حسبِ معمول شیخ عبدالحمید صاحب اور شیخ عبدالقیوم صاحب سے ملا۔ لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ پھر ان سے ملاقات نہ ہو سکے گی اور یہ مسکراتے ہوئے چہرے ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے۔ شیخ عبدالحمید صاحب کو چند سالوں سے دل کا عارضہ تھا لیکن بظاہر ان کو دیکھ کر یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ اتنی جلدی وہ آخرت کا رختِ سفر باندھ لیں گے۔ جوانی میں ہاکی کے اچھے کھلاڑی تھے اور ملنے ملانے میں کھلاڑیوں جیسی فراخ دلی تھی۔ چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ بکھری رہتی۔ گزشتہ سال جب ان کے گھر پر ملنے کے لئے گیا تو نہایت شگفتگی اور گرمجوشی سے ملے۔ لیکن اب حمید بھائی ہم سے بہت دور جا چکے ہیں اور ان کی یادیں رہ رہ کر آئیں گی لیکن وہ نہ لوٹ کر آئیں گے۔ خدا مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے اہل و عیال کو اس عظیم محرومی پر صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ اور آئندہ زندگی کے نشیب و فراز میں ان پر اپنا فضل و کرم کرے۔ آمین!

ابھی شیخ عبدالحمید صاحب کی وفات کے صدمہ کا بوجھ دل ہی پر تھا کہ اچانک میرے نہایت ہی پیارے قیوم بھائی داغِ مفارقت دے گئے۔ وہ شخص جو صبح سے رات دیر تک ایک گھڑی کی طرح کام کرتا اچانک ابدی نیند سو گیا۔ کاروبار کی گہما گہمی ہوتی یا کوئی اور مصروفیت شگفتگی۔ چھوٹوں سے پیار، غریب پروری اور مہمان نوازی کو خوب نبھاتے اور اس لحاظ سے ان کی شخصیت قابلِ رشک تھی۔ برادر نسبتی ہونے کے رشتہ سے مجھے انہیں زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جو ذمہ داری لیتے اُسے نہایت محنت اور فرض شناسی سے نبھاتے۔ چھوٹے سے آئس کریم کے کارخانہ کو ترقی دے کر ایک جدید ہوٹل تک پہنچانا سب بھائیوں کی ذہانت، کاروباری سوجھ بوجھ کا آئینہ دار ہے۔ اب اس پھلتے پھولتے باغ کی دیکھ بھال اور آبیاری کرنے والے بھائیوں میں سے دو اچانک راہی ملک عدم ہو چکے ہیں۔ اور سارا بوجھ محترم شیخ عبدالرشید صاحب پر آن پڑا ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ خدا ان کو ہمت اور صحت دے تاکہ وہ خاندان کے اس کاروبار کو اور زیادہ ترقی دے سکیں۔

بڑوں کا احترام، ہم عمروں سے پیار، کارکنوں سے عزت سے پیش آنا اور بچوں سے بے انتہا شفقت قیوم بھائی کی شخصیت کے نہ بھولنے والے پہلو ہیں۔ جو رہ رہ کر دل کو رلاتے رہیں گے۔ اب سیالکوٹ جا کر آنکھیں انہیں کو تلاش کریں گی لیکن وہ نہ ہوں گے۔ خود کو تکلیف میں ڈال کر دوسروں کو آرام پہنچانے میں ان کو راحت محسوس ہوتی تھی

یوں تو ہر روز انسان موت کی خبریں سنتا ہے۔ لیکن اپنے کسی عزیز کی اچانک موت سے یوں لگتا ہے کہ ابھی کوئی پہلو سے اٹھ کر چلا گیا ہے اور جلد واپس لوٹ آئے گا۔ لیکن یوں گئے کب واپس آتے ہیں۔ ایسی اچانک اور صدمہ خیز موت کی خبر سے زندگی کی بے ثباتی ایک حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے۔ عمر کا کتنا ہی حصہ گزر جاتا ہے لیکن یوں لگتا ہے کہ ابھی کل ہی کی بات ہے۔ خدا کرے کہ ہم زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت جانیں اور اسکی رضا کے کاموں میں صرف کریں۔

آخر میں میری دِلی دعا ہے کہ خدا شیخ عبدالحمید صاحب مرحوم اور شیخ عبدالقیوم صاحب مرحوم کے اہل و عیال کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

ـــــ (د) ـــــ

بقیہ تحدیث نعمت ، آمدہ صفحہ (۱۲)

اس کا تازہ ثبوت وہ پندرہ روزہ کورس ہے جو دارالسلام میں منعقد ہوا اور جس میں جماعت کے نوجوانوں نے باوجود شدید گرمی کے ایک اچھی خاصی تعداد میں شرکت کی اور حضرت صاحب کے اس چشمۂ رواں سے سیراب ہو کر گئے۔

میں نے اپنے خط میں خواتین کا ذکر زیادہ تر اس لئے کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ مردوں کی نسبت تین گنا ان کی قدر افزائی کرتا اور ان کی کوششوں کو پھل لگاتا ہے۔ اس لئے میری ان سے گزارش ہے کہ جس طرح سرفروشانہ جذبہ کے ساتھ ۱۹۷۴ء میں انہوں نے استقامت دکھائی تھی اسی طرح اب بھی دکھائیں اور اسلام کے متعلق پھیلائے گئے غلط نظریات اور تصورات کا قلع قمع کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اللہ تعالےٰ ان کے ساتھ ہو گا۔ میری دعا ہے اللہ تعالےٰ میری جماعت کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے اور اسلام کی خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بے ثباتیٔ دُنیا

عیشِ دُنیائے دوں دمے چنداست = آخرش کار با خداوند است
ایں سرائے زوال و موت و فناست = ہر کہ بنشست اندریں برخاست

ـــــ (مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ — پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۲۵ جون ۱۹۸۰ء

"خواب لاشعور میں چھپی ہوئی خواہشات یا ایک حقیقت"

چند روز ہوئے اخبار میں خواب پر ایک مختصر سا مضمون نظر سے گزرا جس میں مغربی ماہرین نفسیات کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ:۔

۱:۔ "فرائیڈ کے نزدیک ایک انسان اپنے جنسی جذبات کے اظہار کے لئے خواب دیکھتا ہے جنہیں جاگتے ہوئے بیان کرنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے۔"

۲:۔ "لاشعور میں چھپی ہوئی وہ خواہشات جو حقیقی زندگی میں مکمل نہ ہو پا رہی ہوں وہ خوابوں میں روپ بدل بدل کر ظاہر ہوتی ہیں۔"

۳:۔ "کچھ لوگ تو خوابوں کو معدے کی خرابی سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یا غلط انداز سے سونے کو بھی خواب آنے کا محرکات بتاتے ہیں۔"

۴:۔ "جب کوئی شخص خواب دیکھے اور چند دن کے بعد ویسا ہی واقعہ حقیقت میں بھی نظر آئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے خواب عموماً اس وقت نظر آتے ہیں جب دیکھنے والا انتشار کا شکار ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پریشانی اور تفکر کے زمانے میں چھٹی حس زیادہ بیدار ہو جاتی ہے اور عموماً اس چھٹی حس کے باعث ہی ایسے خواب نظر آتے ہیں۔"

خوابوں کے متعلق فرائیڈ کے نقطۂ نظر پر کسی قسم کا تبصرہ کرنا ہمارے نزدیک اپنے قیمتی وقت کا ضیاع ہے کیونکہ فرائیڈ ایک جنسی مریض اور ایک ایسے معاشرہ کی پیداوار ہے جس کے اعصاب پر جنس کا خوفناک بھوت بُری طرح سوار ہے۔ اس قسم کے معاشرہ میں جو خواب دیکھے جائیں گے وہ جنسی جذبات کے اظہار کے لئے ہی ہو سکتے ہیں۔ جس شخص کا نظریہ یہ ہو کہ معصوم بچے کا اپنا انگوٹھا چوسنا بھی جنسی جذبہ کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ ماں باپ کا اپنے بچوں کو پیار اور شفقت سے اپنے سینوں سے چمٹا لینا بھی اسی جذبہ کا ایک رُخ ہے۔ بچے کا اپنی ماں کے سینے سے لگ کر دودھ پینے کا محرک بھی یہی جذبہ ہوتا ہے۔ کوٹ اور پتلون کی جیبوں میں کوئی چیز ڈالنے یا نکالنے کے لئے ہاتھ ڈالنا بھی اسی جذبہ کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ جسے بچپن سے لے کر بڑھاپے بلکہ موت تک انسان کے روزمرّہ کے معمولات میں جنس ہی جنس نظر آتی ہو اور وہ اسی عینک سے اس کے عمل اور کردار کا جائزہ لیتا ہو اس پر تنقید کرنا عبث اور بے فائدہ نہیں تو اور کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مغربی معاشرہ میں جنسی جذبات کو خوابوں کا محرک قرار دینا کوئی بڑا جُرم اور گناہ نہیں کیونکہ یہ سب کچھ معاشرہ کے افراد کو ان نفسیاتی الجھنوں سے نجات دلانے کے لئے کیا گیا ہے جو جنسی جذبات کی تسکین نہ ہونے کی وجہ سے ان میں پیدا ہو کر معاشرہ کے لئے خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہیں اور طرح طرح کے گھناؤنے جرائم کو جنم دیتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مغربی معاشرہ اور تہذیب سائنسی اور فنی مہارت میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچنے اور زندگی کی تمام مادی سہولتوں کے حصول کے باوجود انتشار اور نفسیاتی امراض کا شکار ہے اور اس کی بہت بڑی وجہ جنسی بے راہروی ہے۔

خوابوں کا تعلق جہاں تک لاشعور میں چھپی ہوئی خواہشات۔ معدے کی خرابی۔ غلط کروٹ سونے یا پریشانی اور تفکر سے ہے اس کے متعلق ہم قرآن۔ حدیث اور اس صدی کے عظیم مذہبی مفکر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے افکار کی روشنی میں بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ آیا خواب محض پریشان خیالات ہی کا نام ہے یا اس کی تہ میں کوئی بڑی حقیقت بھی ہے جو انسان کو اس کی تخلیق کے مقصد اولیٰ سے قریب تر کرنے میں مدد معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

ماہرینِ نفسیات خواب کے بارے میں آج تحقیق و تفتیش کر رہے ہیں اور کسی نتیجے پر ابھی تک نہیں پہنچ سکے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر مختصر الفاظ میں خواب کی اقسام اور حقیقت بیان فرما دی تھی حالانکہ آپ آج کی اصطلاح کے مطابق نہ علم النفس کے ماہر تھے اور نہ تحلیل نفسی کے۔ بخاری شریف کی کتاب التعبیر میں تین قسم کے خوابوں کا بیان ملتا ہے۔ حدیث النفس۔ تخویف الشیطان اور بشریٰ من اللہ:۔

بشریٰ من اللہ کے متعلق آپؐ فرماتے ہیں:۔

"جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جسے وہ پسند کرتا ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے پس چاہیئے کہ اس پر اللہ کی حمد کرے اور اُسے اوروں سے بیان کرے۔"

اسی کے ساتھ آگے ایسے خوابوں کا ذکر ہے جو حدیث النفس اور تخویف الشیطان کے ذیل میں آتی ہیں اُن کے متعلق فرمایا کہ "اور جب اس کے سوا ایسا خواب دیکھے جسے ناپسند کرتا ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے پس چاہیئے کہ اس کے شر سے پناہ مانگے اور اس کا کسی سے ذکر نہ کرے یہ اُسے نقصان نہیں دے گا۔"

بشریٰ من اللہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "رویا الحسنہ" بھی کہا ہے اور اسے نبوت کا چھیالیسواں جُزو قرار دیا ہے۔ اس بارے میں آپؐ فرماتے ہیں "نیک شخص کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصّہ ہے۔" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "نبوت میں سے صرف مبشرات رہ گئے ہیں لوگوں نے پوچھا مبشرات کیا ہیں تو آپؐ نے فرمایا "رویا صالحہ"۔ "رویا صالحہ" کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "پہلے وحی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع ہوئی وہ حالتِ خواب میں سچا رویا تھا سو آپؐ جو خواب دیکھتے صبح کی روشنی کی طرح اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی۔" یہ حالت غارِ حرا میں خلوت اختیار کرنے اور نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے کی ہے۔

ان تمام روایات کے پیشِ نظر ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ رویا حسنہ یا رویا صالحہ یا مبشرات وحی کی اقسام ہیں اور نبوت کا چھیالیسواں حصّہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ انسان جو خواب دیکھتا ہے خواہ وہ حدیث النفس کے ذیل میں آئیں اور یا معدے کی خرابی اور غلط کروٹ سونے کا نتیجہ ہوں وہ تخویف الشیطان کے ذیل میں آتے ہیں۔

بخاری کی کتاب التعبیر میں ہمیں ان پانچ خوابوں کا ذکر بھی ملتا ہے جو قرآنِ کریم میں مذکور اور قرآن ہی کے الفاظ میں بخاری میں بیان کی گئی ہیں اور ان سب کی تعبیر بالکل سچی نکلی۔ ایک حضرت یوسفؑ کا اپنا خواب ہے جس میں وہ چاند سورج اور گیارہ ستاروں کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور آپ کا یہ خواب بڑے عرصہ کے بعد بالکل سچا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرا خواب حضرت ابراھیمؑ کا ہے جس میں وہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرتے ہیں۔ اس خواب کو آپ نے اپنے عمل سے سچا کر دکھایا گویا اس کی تعبیر بھی بالکل صحیح نکلی۔ حضرت یوسفؑ

اور حضرت ابراہیمؑ تو نبی تھے ان کے خوابوں کے سچا نکلنے میں کسی کے لئے کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک کافر اور مشرک بادشاہ اور دو مجبوس مجرموں اور مفسدوں کے خوابوں کا بھی ذکر ہے جن کے خوابوں کی جو تعبیر حضرت یوسفؑ بتاتے ہیں وہ بعینہٖ اسی طرح سچی ثابت ہوتی ہے ؛

مضمون نگار نے اس قسم کے خوابوں کے متعلق لکھا ہے کہ خواب بین انتشار کا شکار ہوتا ہے اور اس تفکر اور پریشانی کے زمانے میں اس کی چھٹی حس زیادہ بیدار ہو جاتی ہے اور عموماً اس چھٹی حس کے باعث ہی ایسے خواب نظر آتے ہیں ؛

یہ چھٹی حس کیا ہے ؟ اور انسانی جسم میں اس کا محل وقوع کہاں ہے اس کے متعلق ماہرین نفسیات خاموش ہیں اور وہ یہ بتانے سے بھی عاجز ہیں کہ آخر یہ چھٹی حس تفکرات اور پریشانی کے دنوں میں ہی کیوں بیدار ہوتی ہے عام حالات میں کیوں نہیں ہوتی۔ حالانکہ لوگ ایسے حالات میں بھی خواب دیکھتے ہیں جب انہیں کوئی پریشانی اور غم لاحق نہیں ہوتا حضرت یوسفؑ اس زمانے میں خواب دیکھتے ہیں جب ان کی زندگی میں کسی قسم کے پریشان کن حالات کا پتہ نہیں ملتا اور وہ خواب سال ہا سال بعد درست ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو آخر کون سے تفکرات نے گھیرا ہوا تھا کہ انہوں نے خواب میں اپنے آپ کو اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے دیکھا اور صبح اس پر عمل کرنے کو تیار ہو گئے۔ فرعون مصر نے جو اس ملک کا مطلق العنان بادشاہ اور حکمران تھا کس پریشانی کی وجہ سے وہ خواب دیکھا جسے اس کے اہل دربار نے اضغاث احلام یا پریشان خواب کہا لیکن حضرت یوسفؑ نے جو اس کی تعبیر بتائی وہ ہو بہو صحیح اور سچی نکلی۔

اسی طرح ان دو قیدیوں کے خوابوں میں بھی آئندہ کے واقعات جو انہیں پیش آنے والے تھے بتائے گئے اور وہ درست نکلے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ سزا سے بچ جائے اور خواب بھی انہیں ایسی شکل میں آئے کہ ایک عام انسان جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا نہ کیا گیا ہو ان کی تعبیر نہ بتا سکتا تھا۔ توریت میں حضرت یوسفؑ کے واقعات زندگی میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ خواب سننے کے بعد آپ نے فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ " فرعون کا خواب ایک ہی ہے۔ جو کچھ خدا کرنے کو ہے اُسے اس نے فرعون پر ظاہر کیا ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غیب کی خبر بتا دی ہے تا کہ وہ اپنے ملک کو قحط سے بچانے کے لئے کوئی انتظام کرے۔ یہ قحط سات نہایت ہی اچھے اور خوشحالی کے سالوں کے بعد آیا اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات پر سچائی کی مہر لگ گئی۔

وجود باری تعالیٰ سے انکار کرنے والے ماہرین علم النفس یہ جانتے ہیں کہ لوگ خواب دیکھتے ہیں۔ یہ خواب سچے بھی ثابت ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو بعینہٖ اسی طرح واقعہ ہوتا ہے جس طرح خواب میں دیکھا جاتا ہے اور ان خوابوں میں مستقبل میں واقع ہونے والے واقعات بھی کسی نہ کسی شکل میں دکھائے جاتے ہیں لیکن خدا کی ہستی سے انکار کی وجہ سے وہ ایسے خوابوں کو چھٹی حس اور تفکرات اور پریشانی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ چھٹی حس کیا ہے اور وہ کیوں اس وقت ہی بیدار ہوتی ہے جب انسان ہموم و غموم میں گھرا ہوا ہوتا ہے۔ مشاہدہ۔ تجربہ اور سائنسی تحقیق نے ہمیں پانچ حواس یعنی باصرہ۔ سامعہ۔ شامہ۔ ذائقہ اور لامسہ کے متعلق تو بتا دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا تعلق نظام اعصاب میں واقع اپنے اپنے مخصوص مرکز [illegible] ہے جہاں [illegible] کہ وہ معلومات اور ان کے افعال کا تجزیہ ہوتا ہے اور انسان [illegible] اپنی بیرونی دنیا میں رونما ہونے والے تغیرات کا علم حاصل کرتا ہے لیکن یہ "چھٹی حس" ابھی تک ایک [illegible] ہے باقی تمام حواس تو ہر حالت میں کام کرتے رہتے ہیں لیکن یہ اسی وقت بیدار ہوتی ہے جب انسان متفکر اور پریشان ہو۔ بات صرف اتنی ہے کہ خدا سے انکار کے لئے کوئی راستہ تو تلاش کرنا چاہیئے۔

یہاں ایک اور نہایت اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ایک خواب بچپن میں دیکھا اور وہ مدتوں بعد پورا ہوا۔ ایک کافر اور مشرک بادشاہ فرعون مصر اور دو مجرم قیدیوں نے بھی خواب دیکھے جو پورے ہوئے تو ایک نبی اور مومن کے خواب اور کافر۔ مشرک اور مفسد کے خوابوں میں امتیاز کیسے قائم کیا جائے۔ یہی ایک بہت بڑا اعتراض تھا جو مخالفین نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہاردہم پر اسوقت کیا جب آپ نے رویا۔ کشوف اور الہام میں غیب کی خبریں بتائے جانے اور ان کے وقوع میں آنے کا دعوٰی کیا اور اسے اپنی صداقت اور خدا کی طرف سے ہونے کا نشان بتایا۔ مخالفین نے یہی کہا کہ ایسے خواب اور کشف تو فاسقوں۔ فاجروں۔ بدمعاشوں مشرکوں اور کافروں کو بھی ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کی اس میں کون سی خصوصیت ہے اس کے جواب میں آپ نے ایک معرکۃ الآرا کتاب حقیقۃ الوحی تصنیف فرمائی جس میں آپ نے خواب۔ کشف اور الہام کی حقیقت اور فلسفہ پر بڑی تفصیل سے بحث کرتے ہوئے معترضین کو مدلل اور مسکت جواب دیا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ مومنوں اور ان کے غیر کے خوابوں۔ کشوف اور الہامات میں مابہ الامتیاز کیا ہے جس میں سے ہم چند ضروری حوالہ جات مختصراً پیش کریں گے تاکہ ہمارے قارئین کو یہ معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علم اور اکتسابی علم میں کتنا نمایاں فرق ہوتا ہے :۔

۱ :۔ خواب کیوں آتے ہیں ؟

اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں :۔

"عنایت ازلی نے جو انسانی فطرت کو ضائع نہیں کرنا چاہتی تخم ریزی کے طور پر اکثر انسانی افراد میں یہ عادت اپنی جاری کر رکھی ہے کہ کبھی کبھی سچی خوابیں یا سچے الہام ہوجاتے ہیں تا وہ معلوم کر سکیں کہ ان کے لئے آگے قدم رکھنے کے لئے ایک راہ کھلی ہے ۔۔۔ اور خوابیں محض اس لئے آتی ہیں کہ تا ان پر خدا کے پاک نبیوں پر ایمان لانے کے لئے ایک حجت ہو کیونکہ اگر وہ سچی خوابوں اور سچے الہامات کی حقیقت سمجھنے سے قطعاً محروم ہوں ۔۔۔ تو خدا تعالیٰ کے سامنے ان کا عذر ہو سکتا ہے کہ وہ نبوت کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے تھے ۔۔۔ اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ نبوت کی حقیقت سے ہم محض بے خبر تھے اور اس کے سمجھنے کے لئے ہماری فطرت کو کوئی نمونہ نہیں دیا گیا تھا ۔۔۔ اس لئے سنت اللہ قدیم سے اور جب سے دنیا کی بنا ڈالی گئی اس طرح پر جاری ہے کہ نمونہ کے طور پر عام لوگوں کو قطع نظر اس سے کہ وہ نیک ہوں یا بد ہوں اور صالح ہوں یا فاسق ہوں اور مذہب میں سچے ہوں یا جھوٹا مذہب رکھتے ہوں کسی قدر سچی خوابیں دکھلائی جاتی ہیں یا سچے الہام بھی دیئے جاتے ہیں تا اُن کا قیاس اور گمان جو محض نقل اور سماع سے حاصل ہے علم الیقین تک پہنچ جائے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۸)

۲ :۔ خواب کی تہ میں جو باریک نقطہ پوشیدہ ہے اس کی حقیقت واضح کرنے کے بعد آپ خواب بینوں کو تین گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ان میں سے پہلے گروہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

ا :۔ اس گروہ میں ایسے لوگ شامل ہیں "جن کو بعض سچی خوابیں آتی ہیں یا بعض سچے الہام ہوتے ہیں لیکن ان کو خدا تعالیٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا اور اس روشنی سے ان کو ایک ذرہ حصہ نہیں ملتا جو اہل تعلق پاتے ہیں اور نفسانی قالب ان کا تعلق نور سے ہزارہا کوس دور ہوتا ہے۔" کیونکہ " اکثر انسانی فطرتیں حجاب سے خالی نہیں اور دنیا کی محبت اور دنیا کے لالچ اور تکبر اور نخوت اور عیب اور ریا کاری اور نفس پرستی اور دوسرے اخلاقی رذائل اور حقوق اللہ اور حقوق عباد کی بجا آوری میں عمداً قصور اور تساہل

اور شرائط صدق و ثبات اور دقائق محبت اور وفا سے عمداً انحراف اور خدا تعالےٰ سے بعداً

اس لئے بباعث نہ ہونے قربت رحمانی کے شیطان اُن کیبا سخہ رہتا ہے اور حدیث النفس ان پر غالب رہتی ہے اور جس طرح ہجوم بادل کی حالت میں اکثر آفتاب چھپا رہتا ہے اور کبھی کبھی کوئی کنارہ اس کا نظر آجاتا ہے اسی طرح ان کی حالت اکثر تاریکی میں رہتی ہے اور ان کی خوابوں اور الہاموں میں شیطانی دخل بہت ہوتا ہے۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۵-۷-۱۱)

ب:- دوسرے طبقہ میں وہ لوگ شامل ہیں ''جن کو بعض اوقات سچی خوابیں آتی ہیں یا سچے الہام ہوتے ہیں اور ان کو خدا تعالےٰ سے کچھ تعلق بھی ہے لیکن کچھ بڑا تعلق نہیں اور نفسانی قالب ان کا شعلہ نور سے جل کر نیست و نابود نہیں ہوتا اگرچہ کسی قدر اس کے نزدیک آجاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس درجہ کا آدمی اگرچہ بہ نسبت درجہ اوّل کے اپنی خوابوں اور الہامات میں شیطانی دخل اور حدیث النفس سے کسی قدر محفوظ ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کی فطرت میں ابھی شیطان کا حصہ باقی ہے اس لئے شیطانی القا سے بچ نہیں سکتا اور چونکہ نفس کے جذبات بھی دامن گیر ہیں اس لئے حدیث النفس سے بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ وحی اور الہام کی کمال صفائی (جس میں خواب بھی شامل ہیں۔ ناقل) نفس پر موقوف ہے۔ جن کے نفس میں ابھی کچھ گند باقی ہے ان کی وحی اور الہام میں بھی گند باقی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے آدمی جو نفسانی جذبات ان کے اندر ہیں بعض اوقات ان کے نفسانی جذبات ان کی خوابوں میں اپنا جوش اور طوفان دکھاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ جوش ان کا خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ جوش محض نفس امارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نفس کے جوش سے وہ کلام کرتا ہے اسی طرح نفس کے جوش سے خواب میں اور کئی قسم کے کلام کرتا ہے اور جہالت سے سمجھتا ہے کہ گویا وہ کلام خدا کی مرضی کے موافق ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱، ۱۳، ۱۴)

ج:- اس زمرہ میں ایسے لوگ شامل ہیں جو خدا تعالےٰ سے اکمل اور اصفیٰ طور پر

ہر ایک درد کو خدا کی راہ میں بطیب خاطر قبول کر لیتے ہیں اور خدا کے لئے اپنے نفس کے دشمن ہو کر اور اس کے برخلاف قدم رکھ کر ایسی طاقت ایمانی دکھلاتے ہیں کہ فرشتے بھی ان کے اس ایمان سے حیرت اور تعجب میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ روحانی پہلوان ہوتے ہیں اور شیطان کے تمام حملے ان کی روحانی قوت کے آگے ہیچ ٹھہرتے ہیں۔ وہ سچے وفادار اور صادق مرد ہوتے ہیں کہ نہ دنیا کے لذّات انہیں گمراہ کر سکتے ہیں اور نہ اولاد کی محبت اور بیوی کا تعلق ان کو اپنے محبوب حقیقی سے برگشتہ کر سکتا ہے۔ غرض کوئی تلخی ان کو ڈرا نہیں سکتی اور کوئی نفسانی لذّت ان کو خدا سے روک نہیں سکتی اور کوئی تعلق خدا کے تعلق میں رخنہ انداز نہیں ہو سکتا۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴، ۲۲)

یہ ہے خوابوں کی وہ حقیقت جس پر سے اس صدی کے مجدد اور عظیم مذہبی مفکر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خدا داد علم اور روشنی کے ذریعے پردہ اٹھایا ہے۔ خواب اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ لیکن یہ معرفت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسانی نفس تمام آلودگیوں سے پاک ہو کر ایسا مصفیٰ ہو جائے کہ صاف شیشے کی طرح اس میں اللہ تعالےٰ کی تجلیات اور نور کا عکس صاف صاف نظر آئے اور انسان ان کا مظہر ہو جائے۔

نوٹ:- حقیقۃ الوحی سے جو حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں ان کی عبارات میں ربط اور تسلسل قائم رکھنے کے لئے ہم نے جہاں ضروری سمجھا ہے تھوڑا سا ردّ و بدل کیا ہے یعنی انہیں آگے پیچھے کر کے لکھ دیا ہے۔ الفاظ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

''مدیر''

پروجیکٹ منیجر کی ضرورت

انجمن نے اپنے پرانے دفتر کو گرا کر نئی عمارت تعمیر کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور مجھے یہ کام سونپا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری امور کی سرانجام دہی اور کام کی نگرانی کے لئے مجھے پروجیکٹ منیجر کی ضرورت ہے۔ جسے ۱۲ ۔ ۔ ۔ تک تنخواہ حسب قابلیت دی جائے گی۔ جماعت کے دوست جو تعمیرات کے کام سے واقفیت رکھتے ہوں مستعد اور صحت مند ہوں۔ اور اس کام کے لئے اپنی خدمات پیش کر سکتے ہوں درخواست بھجوا سکتے ہیں۔

(میاں فضل احمد)

قرآن مجید کے نور کو دنیا کے کناروں تک پھیلاؤ

کہ یہی جہادِ کبیر ہے

تزکیہ نفس کے لئے نماز کا قیام اور انفاق فی سبیل اللہ لازم ہے

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے پشاور میں مؤرخہ ۲/۸ بروز جمعۃ المبارک، جلسہ یوم مسیح موعود علیہ السلام کے موقع پر ایمان افروز اور روح پرور خطبہ ارشاد فرمایا۔ احباب کے استفادہ اور ازدیاد ایمان کے لئے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:۔.................. (ادارہ)

رپورٹ:۔ —— مرزا محمد لطیف شاہد

تشہد و تعوذ کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

وجاھدوا فی اللہ حق جھادہٖ ط ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ط ملۃ ابیکم ابراھیم ط ھو سمّٰکم المسلمین من قبل و فی ھٰذا لیکون الرسول شھیدًا علیکم وتکونوا شھدآء علی الناس فاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واعتصموا باللہ ط ھو مولٰکم ج فنعم المولٰی ونعم النصیر ہ

"اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو، جو اس کی (راہ میں) کوشش کا حق ہے اس نے تمہیں چن لیا اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب، اس نے تمہارا نام پہلے سے اور اس (قرآن) میں بھی مسلم رکھا تاکہ رسول تمہارا پیش رو ہو اور تم لوگوں کے پیشرو بنو، سو نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑو۔ وہ تمہارا آقا ہے سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔"

ترجمہ کرنے کے بعد فرمایا:۔

قرآن مجید کا یہ پیغام تمام مسلمانوں کے لئے ہے اور مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج کے زمانہ میں خصوصیت سے ہمارے لئے ہے کہ اللہ کی راہ میں کوشش کرو، حق جہادہٖ جیسا کوشش کرنے کا حق ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا واتقوا اللہ حق تقٰتہٖ اور فاتقوا اللہ ما استطعتم۔ پوری طرح تقوٰی اختیار کرو۔ اس لئے جتنی بھی توفیق ملے اس کے مطابق کوشش کرنے کی تاکید ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک انسان کا اپنے وقت، مال، جان اور قرآنِ مجید کو پھیلانا جہادِ کبیر ہے۔

آج یہ دور آگیا ہے کہ قرآنِ مجید پر عمل کرنا بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ الاماشاء اللہ آپ چاروں طرف دیکھیں گھروں میں اونچے طاقچوں میں قرآنِ مجید کو رکھا ہوا ہے۔ صرف لفظ پرستی رہ گئی ہے۔ قرآنِ مجید کے حقیقی مفہوم سے لوگ دور ہو گئے ہیں۔ اب کیا ہوتا ہے خاص خاص خوشی و غمی کی تقاریب پر نمائشی طور پر قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ تدبرِ قرآن۔ فہم قرآن اور اس پر عمل مفقود ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے زمانے میں اپنا ایک مامور بھیجا جس کے زمانہ اور اس مامور کی بشارت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دی تھی:۔ لوکان الایمان معلقًا بالثریا لنالہ رجلٌ من ھٰؤلاء۔ ایک ایسا شخص آئے گا جو فارسی الاصل ہو گا اور زمانہ کی حالت یہ بیان فرمائی کہ ایمان صحنِ دنیا سے اٹھ جاوے گا۔ وہ دوبارہ ایمانِ حقیقی اسلام کو اپنی قوتِ قدسیہ سے قائم کرے گا۔ اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے علماء کی یہ حالت بیان فرمائی کہ قاریوں کی کثرت ہو گی لیکن فقہاء معدوم ہو جائیں گے۔ قرآنِ مجید کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا۔

آج خدا کے فضل سے یہ ایک جماعت کھڑی ہوئی ہے۔ فرمایا ھو اجتبٰکم جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے چن لیا ہے۔ یہ پیغام پہنچانے کا طریق اور تعلیم یہ ارشاد فرمائی ومن احسن قولًا ممن دعا الی اللہ وقال اننی من المسلمین سب سے اچھی بات جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے صحیح راستہ کی طرف دعوت دے۔ صحیح راستہ وہ ہے جس کو قرآنِ مجید بیان فرماتا ہے جن لوگوں کو قرآن مجید پر عمل پیرا ہونے اور اس کی اشاعت کی توفیق ملتی ہے یہ ان کے لئے ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ فرمایا:۔ وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ دینِ اسلام اتنا صاف۔ سیدھا سادا اور پاک و صاف تعلیم دینے والا ہے کہ جو کوئی بھی اس کی تعلیم پر عمل پیرا ہو وہ روشنی میں آجاتا ہے۔ عقلمند اتنے اچھے ہیں کہ ان کو ماننے کے نتیجہ میں انسان کو اطمینانِ قلب ملتا ہے۔ اس کی قدر اسوقت صحیح رنگ میں معلوم ہوتی ہے جب قرآنِ مجید کی تعلیم کا دوسرے مذاہب کی تعلیم سے مقابلہ کیا جائے۔ اسلام نے ایسی خوبصورت تعلیم دی ہے جس کا اور کوئی تعلیم مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کوئی بات بھی ایسی نہیں جن کا ماننا تسلیم کرنا۔ اس کی پیروی کرنا انسان کی فطرت پر گراں گزرے یا عقل و نقل کیخلاف ہو آپ ہر مجلس میں ہر مقام پر خواہ عالم ہوں یا غیر عالم۔ بے خبر ہوں یا باخبر مشرق میں ہوں یا مغرب میں۔ زندگی کے کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کے سامنے اسلامی تعلیم کو بے دھڑک پیش کر سکتے ہیں۔ ان کے سوالوں کے جواب دے سکتے ہیں اور ان کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ ان کی روحانی تشنگی کو تسکین دے سکتے ہیں۔ لیکن کون! وہی لوگ جو خدا کے فضل سے حضرت مامورِ وقت کے دامن سے فیض یاب ہوں اور جو لوگ اس چشمہ سے سیراب نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتے!

مغربی علوم کی وجہ سے ہر مقام پر لوگوں کے دماغ بڑے روشن ہو گئے ہیں۔ خود قلب یورپ لندن میں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان مختلف نسلوں کے آباد ہو گئے ہیں سینکڑوں کی تعداد میں مساجد قائم کی گئی ہیں اور کثرت سے علماء بھی وہاں پہنچ گئے ہیں۔ دینی مدارس بھی قائم کر دیئے گئے ہیں۔ وہاں پر مسلمانوں کی اولاد یعنی نئی نسل جو کہ انگریزی سکولوں میں تعلیم

حاصل کر رہی ہے۔ ان کے ذہنوں میں بھی بڑی جلا پیدا ہو گئی ہے۔ ان کی طبیعت میں جستجو اور تحقیق کا مادہ ہے۔ مذہب کے بارے میں جب اُن کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے تو وہ علماء کی طرف رُخ کرتے ہیں وہ جب اُن سے سوال کرتے ہیں تو علماء صاحبان ان کو مطمئن نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے ان ناپختہ ذہنوں پر بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ خدا کے فضل سے وہ آب زلال آپ کے پاس ہے جس سے ان کو اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ جب آپ، کالٹر پچر وہ پڑھتے ہیں یا آپ کے نمائندوں سے اسلام کے بارے میں کسی مسئلہ کی وضاحت دریافت کرتے ہیں تو اس سے جب ان کو ان کے سوال کا شافی جواب ملتا ہے تو ان کو اطمینان ہوتا ہے۔ کیوں! خداتعالےٰ نے خود فرمایا ہے: ما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ جو اسلام کی تعلیم آپ پیش کرتے ہیں اس میں حرج نہیں اور مامور وقت کے دامن اور لوکان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من ھٰؤلاء سے ہٹ کر جو وہ تعلیم پیش کرتے ہیں اس میں حرج ہے۔

ملۃ ابیکم ابراھیم۔ ھو سمٰکم المسلمین۔ تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اس نے تمہارا نام پہلے سے اور اس قرآن میں بھی مسلم رکھا ہے۔ ہم اس خدا کو مانتے ہیں جس نے قرآن مجید بھیجا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپؐ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ پرانا۔ قیامت تک کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و نبوت رہے گی۔ خدا کے فضل سے ہم مسلمان ہیں ہم کو کون کہہ سکتا ہے کہ ہم مسلمان نہیں۔ موجودہ حالات میں کچھ مشکلات ہیں لیکن صبر و استقلال سے دین پر قائم رہنا بڑے ثواب کا انسان کو مستحق بنا دیتا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیشوا بناؤ۔ اور تم دنیا جہان کے پیشرو بنو۔ اسی جماعت سے کام لیا جائے گا۔ مقام بہت ہی اونچا ہے۔ اس کے حصول کے لئے کچھ لوازمات بھی ہیں۔ اس سے قبل جو آیت تلاوت کی گئی اس میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ جو کہ یہ ہیں۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون

نیکی کرو۔ دنیا میں جہاں تک تم نیکی کر سکتے ہو۔ کامیابی کے یہی طریقے ہیں۔ انہی باتوں سے انسان کا تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ یعنی نماز اور ہر قسم کی نیکی کرنے سے۔ ومما رزقنٰھم ینفقون مال۔ جان۔ ہنر۔ عزت۔ سب کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ باطل خیال ہے کہ حقیقی صلوٰۃ کے بغیر خدا کا قرب انسان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ قرب حاصل ہو گا تو صرف نماز سے۔ فرائض صلوٰۃ کے علاوہ ایک تہجد بھی ہے۔ حکم الٰہی ہے:۔ ومن اللیل فتھجد بہٖ۔ یہ ایک عمدہ ذریعہ ہے اللہ کے قرب کا۔ اس کے نزدیک ہونے کا۔ ازاں بعد عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ تزکیہ نفس کا دوسرا ذریعہ زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کے بغیر کبھی انسان کا تزکیہ نفس نہیں ہوتا۔ جب نفس کو پاک کر لو گے اللہ تمہارا مولیٰ ہو جائے گا۔ وہ بہترین مولیٰ جس کی چوکھٹ پر تم کو جانا ہے۔ اس سے تعلق کو جوڑو۔

" ھو نعم المولیٰ و نعم النصیر "

اسوقت بعض حالات کی وجہ سے بعض افراد کبھی کبھی پریشانی کا اظہار کرتے ہیں کہ کیا بنے گا چاروں طرف سے مشکلات ہیں۔ داخلی بھی اور خارجی بھی اور بعض خطرات تو ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں کیا ہو گا۔ یہ آیت جو میں نے تلاوت کی اور مختصر وقت میں ان کی تھوڑی سی تفسیر بیان کی ہے۔ اس میں کامیابی کی اللہ تعالےٰ نے نشاندہی فرما دی ہے آپ اس کا بار بار غور سے مطالعہ فرمائیں۔ جو صفات اس سبق میں اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں فرمائی ہیں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ جب اس کا سبق اور اس کا مفہوم ذہن نشین ہو جائے گا اور اس کے مطابق عمل بھی شروع کر دیں گے تو ساری پریشانیاں اور فکر دور ہو جائیں گے انشاء اللہ۔ اور ساری طاقتوں کا مالک اللہ تعالےٰ ہے۔ اور جب کسی فرد کا متولی و متکفل وہ ہو جاتا ہے تو دنیا اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔

ہماری جماعت کے لئے اس میں ایک بہت بڑا سبق ہے من حیث الجماعت ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ الٰہی بشارتیں موجود ہیں۔ خداتعالےٰ کے وعدے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح ناسا عد حالات میں اس کے وعدے پورے ہو رہے ہیں۔ کامیابیوں پر کامیابیاں خدا کے فضل سے مل رہی ہیں۔ جب غیر معمولی مشکلات کے ہوتے ہوئے کامیابی اور ترقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل رہی ہے۔ اس سے ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا ہے ۔

خداتعالےٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اپنا قدم آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اِس رُوح پرور خطبہ کے بعد تمام مرد و زن جو کہ جمعہ میں تشریف لائے تھے حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کی گئی۔ سامعین کے چہروں و حرکات و سکنات سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے اس سے خاص اثر لیا ہے۔ پھر اجلاس دوم کی کارروائی محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب آف ایبٹ آباد کی صدارت میں شروع ہوئی اس کی روداد اگلے شمارہ میں انشاء اللہ پیش خدمت کی جائے گی۔

* * *

رپورٹ :۔ مولوی شفقت رسول خان

رپورٹ رابطہ اجلاس مقامی جماعت احمدیہ حلقہ احمدیہ بلڈنگس و ملحقہ علاقہ جات

آج مورخہ ۶ جون ۱۹۸۰ء کو بروز جمعۃ المبارک بمقام مسجد جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس میں رابطہ اجلاس منعقد ہوا۔ مسجد کو حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی اور الہامات و اشعار کے بینرز سے مزین کیا گیا تھا۔ احباب حلقہ نے جوش و خروش سے رابطہ اجلاس میں شرکت کی اور اس شدید گرمی میں مع اہل و عیال تشریف لائے اور رابطہ اجلاس کو کامیاب بنایا۔ خطبہ جمعہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے دیا جو موقع کی مناسبت اور رابطہ پر روشنی ڈالنے والا تھا۔ خطبہ جمعہ مفصل طور پر "پیغام صلح" میں شائع کیا جا چکا ہے۔ نماز کے اختتام پر رابطہ اجلاس شروع ہوا۔ اس رابطہ اجلاس کے مہمان خصوصی حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تھے جنہوں نے کمال مہربانی سے اجلاس کی صدارت قبول فرمائی تھی لیکن بوجہ خرابی صحت تشریف نہ لا سکے۔ چنانچہ کنوینر رابطہ کمیٹی جناب ڈاکٹر مبارک احمد صاحب نے اور جملہ حاضرین نے حضرت امیر کی عدم موجودگی کو محسوس کیا اور سب نے ان کے لئے دعائے صحت کی۔ کنوینر رابطہ کمیٹی مقامی جماعت جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنی اور ممبران رابطہ کمیٹی حلقہ احمدیہ بلڈنگس جناب چوہدری غفور احمد صاحب اور شیخ فضل الرحمٰن صاحب کی جانب سے جملہ حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور انہیں خوش آمدید کہا اور جناب میاں فضل احمد صاحب صدر مقامی جماعت احمدیہ سے اس اجلاس کی صدارت کے لئے درخواست کی چنانچہ میاں صاحب موصوف نے صدارت جلسہ فرمائی اور استقبالیہ تقریر کرتے ہوئے آپ نے رابطہ اجلاس کا مقصد بیان کیا اور بتایا کہ یہ اجلاس مقامی احباب سے ملنے کی خواہش پر کیا گیا ہے اور مقامی جماعت کے انفرادی اور اجتماعی مسائل پر غور و خوض کے لئے تاکہ ان مشکلات و مسائل کا باہمی سوچ بچار سے حل تلاش کیا جائے۔ نیز احباب کی اس ضمن میں تجاویز اور آراء لی جائیں تاکہ ان کی روشنی میں آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ اور حاضرین مجلس کو کھلی اجازت دی تاکہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ چنانچہ حاضرین میں سے بعض دوستوں نے آراء اور تجاویز دیں جن کو صدر مقامی جماعت جناب میاں فضل احمد صاحب نے نوٹ فرما لیا۔

رابطہ اجلاس میں شامل خواتین و حضرات، نوجوانوں اور بچوں کی تعداد (۱۲۰) کے قریب تھی جو کہ خوش آئند اور حوصلہ افزا صورت ہے۔ کنوینر رابطہ کمیٹی ڈاکٹر مبارک احمد صاحب نے اپنے شرکائے کار جناب عبد الغنی بٹ صاحب۔ مولوی شفقت رسول خاں صاحب کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے احباب تک پہنچ کر شرکت کی دعوت دی اور ممبران رابطہ کمیٹی کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے بھرپور تعاون کیا۔ حاضرین کا اس شدید موسم گرما میں رابطہ اجلاس میں شرکت کے لئے آنے پر شکریہ ادا کیا گیا اور یہ جلسہ دعا پر ختم ہوا۔ بعد میں حاضرین کی تواضع ٹھنڈے شروب سے کی گئی اور اس طرح یہ رابطہ اجلاس بخیر و خوبی انجام کو پہنچا۔

خواجہ کمال الدین رح

اسلام کیا ہے؟

اسلام یعنی کامل فرمانبرداری جس سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنے طریق و عمل زندگی میں خالص الٰہی حکومت کے ماتحت آجادیں اور اپنے خیالات۔ میلان طبع اور محاکموں کو چھوڑ کر ان قوانین کی کامل اطاعت کریں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان پر الہام ہوئے ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کا اطلاق ہر ایسے مذہب پر ہو سکتا ہے جو مقدس معلمین نے مختلف زمانوں اور ملکوں میں خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر تعلیم کیا۔ چنانچہ اس امر میں قرآن کریم فرماتا ہے:۔ قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہٗ مسلمون ۝ (پ ۱ ع ۱۶) کہو ہم ایمان لائے خدا پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل ہوئی اور ایسا ہی جو ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحٰق اور اُن کی اولاد پر نازل ہوئی۔ ایسا ہی ہم اُن کو بھی مانتے ہیں جو موسیٰؑ عیسیٰؑ اور دُنیا کے تمام نبیوں کو دیا گیا۔ ہم اُن سب انبیاءؑ کو قبول کرتے ہیں۔ اور اُن میں کوئی فرق اور تمیز نہیں کرتے۔

قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے جہاں ہر ایک قوم اپنے اپنے مذہب کو ربانی چشمہ سے نکلا ہوا مانتی تھی وہاں انہوں نے دُوسرے مذاہب کو یہ عزت دینے سے انکار کیا۔ جس سے لوگوں میں نخوت تکبر اور حقارت کے خیالات پیدا ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے کُنبہ میں سخت اختلاف اور عداوت بڑھی۔ کسی شخص نے کبھی ایک لمحہ بھر کے لئے اُن ربانی اخلاق پر غور نہ کیا۔ جن کا مشاہدہ ہم روزانہ اُس کی قدرت کے کارخانہ میں کرتے ہیں وہ خدائے تعالیٰ جس نے جسمانی پرورش کے اسباب بہم پہنچانے میں کل نسل انسان پر یکساں مہربانی کی ممکن نہ تھا کہ وہ ان انعامات کے عطا فرمانے میں کسی قوم کی طرف داری یا رعائت کرتا جن پر ہماری رُوحانی ترقی حصر رکھتی تھی۔ کیا اس کا سُورج اس کا چاند اس کے ستارے اور اس کا کل کا کل نظام شمسی کل بنی نوع کا یکساں طور پر خادم نہیں؟ اگر نسل انسانی کی کوئی شاخ پانی۔ زمین۔ ہوا اور ایسا ہی دیگر مظاہر قدرت کے فوائد سے محروم نہیں کی گئی۔ تو کیوں خُدائے تعالیٰ کی غیر طرفدارانہ اور عامہ ربوبیت پر معاملات الہام میں ایمان نہیں لایا جاتا۔ حالانکہ الہام ہی انسانی قویٰ کی نشوونما کے لئے ضروری اور ازبس مفید ہے۔

دراصل دُنیا نے ربوبیت الٰہی کا ایک غلط مفہوم قائم کر رکھا تھا اور انسانی اخوت عام کے قیام کے خلاف یہ ایک خطرناک غلطی تھی جس میں قوموں کی قومیں صدیوں تک پڑی رہیں حتیٰ کہ خدا کا آخری کلام نازل ہوا۔ جس نے پہلے ہی فقرہ میں اس غلط اور طرفدارانہ مفہوم ربوبیت کا ابطال کیا۔ قرآن کریم ذیل کے الفاظ سے شروع ہوا:۔

الحمد للہ رب العالمین ۝

تمام حمد و ستائش اُسی اللہ کے لئے ہے جو ہندوستان یا عرب یا ایران یا شام کا ہی رب نہیں بلکہ وہ کل عالموں کا رب ہے۔ جس نے جس طرح تمام انسانوں کو جسمانی نشوونما کے ذرائع عطا فرمائے ویسے ہی اس نے یکساں طور پر سب کی روحانی آبیاری کی۔ اُس وسیع دل کے عقیدہ نے جو قرآن میں تعلیم ہوا ابنائے نوع انسانوں میں اخوت اور یگانگت کی رُوح پھونک دی۔ اور اس تنگ دلی کا قلع قمع کیا۔ جس نے انسانی سوسائٹی کے ڈھانچ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خدائے تعالیٰ کے کُنبہ میں بھائی سے بھائی کو جُدا کر رکھا تھا۔

لہٰذا قرآن کریم کی یہ فیاضانہ تعلیم اگر میرے دل میں جناب موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے لئے محبت اور عزت کے خیالات پیدا کرتی ہے تو وہی تعلیم مجھے اس بات پر بھی مجبور کرتی ہے کہ میں عزت اور محبت کے ساتھ شری رام چندر جی مہاراج اور شری کرشن جی مہاراج اور عارف بدھ کو دیکھوں۔ اگر قرآن کے علاوہ میں بائبل کو اصلی صورت میں کلام ربانی سمجھتا ہوں۔ تو میں ہندو بھائیوں کے ساتھ گیتا اور ہندوستان کے دیگر مقدس نوشتوں کو بھی اپنی جائیداد مشترکہ قرار دیتا ہوں۔

الغرض قرآن کریم کی تعلیم کے ماتحت اسلام ہر ایک مذہب یا عقیدہ کا نام ہے جو مختلف ممالک اور اقوام میں وقتاً فوقتاً ربانی ملہمین نے تعلیم کیا۔ یہ تمام کے تمام مذاہب ایک ربانی چشمہ سے نکل کر ایک ہی قسم کی صداقت دنیا میں لائے۔ لیکن امتداد زمانہ نے اور ایسا ہی پُرانے وقتوں میں ان مناسب اسباب کے نہ ہونے نے جن سے تعلیم اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہ سکتی ہو تحریف و تبدیل اور غلط تعبیر کے موقعہ پیدا کر دیئے۔ اسی طرح وہ زبانیں جن میں قدیمی مقدس صحیفے نازل ہوئے متروک ہو گئیں جس سے آنے والی نسلوں کو ان پاک الفاظ کے حقیقی معانی تک پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہو گیا۔ علاوہ ازیں اگر ایک طرف انسانی قویٰ نے ترقی کی تو دُوسری طرف گناہ اور بدی نے پیچیدہ شکل اختیار کی جو زمینی تہذیب کا لازمی نتیجہ تھا۔ یہ باتیں نئی تعلیم کو چاہتی تھیں۔ چنانچہ اس ضرورت حقہ کے رفع کرنے کے لئے پیغمبر یکے بعد دیگرے تشریف لائے جنہوں نے نہ صرف انہی صداقتوں کی تجدید کی جو پہلے الہام ہو چکی تھیں۔ بلکہ ضرورتِ زمانہ کے مناسب حال اُن پر مناسب ایزادیاں بھی کیں۔ اُن وقتوں میں نسلِ انسانی کی مختلف شاخیں ایک دُوسرے سے دُور دُور آباد تھیں اور قدرتی سدّ راہوں نے ان کو ایک دُوسرے سے جُدا کر رکھا تھا۔ آپس میں میل جول اور آمد و رفت کے ذرائع بھی محدود تھے۔ ایسے وقت میں ہر ایک قوم کو ایک الگ نبی کی ضرورت تھی جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے:۔

وان من امۃٍ الا خلا فیھا نذیرٌ

کوئی قوم ایسی نہیں کہ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اگر ہندوستان میں ویدک رشی آئے اور ان کے بعد کرشن رام چندر گوتم مبعوث ہوئے تو چین نے اپنا معلم کنفیوشس کی صورت میں دیکھا۔ اگر زردشت نے آتش روحانیت ایران میں سلگائی تو وادی دریائے یردن اُس ربانی ندی سے سیراب کی گئی جو زیتونی پہاڑ سے اُتری۔ چنانچہ جب کبھی اور جہاں کہیں بدی پھیلی اور انسان گمراہ ہوئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے ملہمین اس قدیمی مذہب اسلام کی تجدید کے لئے آئے۔ حتیٰ کہ زمانہ نے ایک نئے انقلاب کو دیکھا۔ جب یک لخت دنیا کے تمام گوشوں میں الٰہی قوانین سے انحراف کیا گیا اور ایک ہی وقت تمام روئے زمین پر ربانی حدود توڑے گئے ہر ایک ملک اور قوم نے کامل ضلالت اور اخلاقی گمراہی کو دیکھا نیکی کالعدم ہو گئی اور ایسا نظر آنے لگا کہ گویا یہ خدائے تعالیٰ نے زمین کو چھوڑ دیا ہے اور شیطان اپنی جہنمی سلطنت کو قائم کر رہا ہے۔ کوئی مؤرخ تاریخ زمانہ میں چھٹی صدی مسیح سے بدتر زمانہ نہیں دکھلا سکتا۔ جب انسانی سوسائٹی روحانی اور اخلاقی پستی کے ادنیٰ

سے ادنیٰ نقطہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ اب اگر صحیفۂ قدرت میں ہر ایک تاریکی کے بعد روشنی اور ہر امساکِ باران کے بعد بارش لازمی ہے۔ اگر پیغمبرانِ زمانہ ایسے ہی وقتوں میں آتے ہیں جب ظلمت گمراہی کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر ہندوستان میں وشنو کے اوتار آسمان سے اسی وقت نازل ہوتے ہیں جب دھرتی زیادہ تر پاپوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور اگر کرشن بھگوان اپنے الفاظ مندرجہ گیتا کے پورا کرنے کے لئے ادھرمی زمانہ میں تشریف لایا کرتے ہیں تو چھٹی صدی مسیحی بڑے سے بڑا وقت ان صداقتوں کے پورا ہونے کا تھا۔ حالاتِ زمانہ اس امر کے متقاضی تھے کہ یا مختلف ممالک میں مختلف پیغمبر پیدا ہوں یا ایک زبردست انسان پیدا ہو جو کل روئے زمین پر اسی قدیمی پراچین مذہب اسلام کو کامل صورت میں قائم کر دے۔ لیکن تاریخ زمانہ نے ایک نئی صورت اختیار کر لی تھی ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے دنیا کی مختلف اقوام میں آمد و رفت اور میل جول کے ذرائع آسان کر دیئے۔ انسانی سوسائٹی کے مختلف اعضاء و جوارح جنہیں قدرتی اور مصنوعی رکاوٹوں نے ایک دوسرے سے جدا کر رکھا تھا وہ عنقریب باہم ترکیب پا کر ایک ہونے والے تھے وقت قریب تھا کہ جب یہ بڑی اور وسیع دنیا ایک ملک کے رنگ میں آجاوے جس میں ممالکِ دنیا بمنزلہ شہر اور شہر بمنزلہ محلوں کے ہو جاویں مختلف قوموں اور مذاہب کے افراد باہمی اختلاط وارتباط کے آستانہ پر کھڑے تھے۔ کل افرادِ عالم کے اس میل جول پر مختلف قوموں کو مختلف تعلیمیں دینا ایک کامل بدنظمی اور خطرناک اختلاف کو پیدا کرنا تھا۔ لہٰذا حکمت بالغہ نے یہی پسند کیا کہ ایسے وقت میں وہ آخری نبی کو اس جگہ مبعوث کرے جو معلومہ دنیا کے مرکز میں ہو۔ چنانچہ نبی آخرالزمان نے عرب میں پیدا ہو کر اسی قدیمی اسلام کی تعلیم کی جو دوسروں نے اس سے پہلے تعلیم کیا تھا وہ ایک کتاب لایا جس میں قدیمی صداقتوں کو انسانی آمیزش سے پاک کر کے جمع کیا گیا اور اس پر دیگر امور ضروریہ ایزاد کئے گئے جیسے قرآن شریف نے فرمایا۔

صحفا مطہرۃ فیہا کتب قیمۃ - ما فرطنا فی الکتب من شیء

قرآن تو وہی قدیمی صحیفے ہیں جنہیں انسانی آمیزش سے پاک کر دیا گیا ہے۔ ہاں اس میں جہاں صداقت ہائے مندرجہ کتب مقدسہ کو جمع کیا گیا ہے وہاں وہ تمام نئی باتیں بھی درج کر دی گئی ہیں جو تمام انسانی نشو و نما کے لئے ضروری تھیں۔ دراصل قرآن از سر نو ان صداقتوں کو سکھلاتا ہے جو وید مقدس یا بائبل یا رام چندر یا بدھ اور دیگر انبیاءؑ کے ملفوظات میں تھیں اور ان پر کثرت سے ان باتوں کو ایزاد کرتا ہے جو ان پہلی تعلیموں میں موجود نہیں۔

یہ فیاضانہ تعلیم جس کے ماتحت ہم تمام مذاہب کو ربانی چشمہ سے نکلا ہوا مانتے ہیں قرآن مجید نے اور ایسا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح اور صاف الفاظ میں مسلمانوں کو تعلیم کی اور آپؐ کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مسلمان علمائے ربانی یہ تعلیم دیتے رہے۔ لیکن صدیوں کے گزرنے نے اس وسعتِ قلبی کو پھر فراموش کرا دیا اور تنگ ظرفی اور تنگدلی کی بیماری اور اہل مذاہب کی طرح ہم پر بھی اثر کرنے لگی۔ ہم نے بھی دیگر مذاہب کی خوبیوں سے انکار کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ وہ کشیدگی ہوئی جس سے انسانوں میں تمام ہمدردانہ خیالات کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کشیدگی خیالات کا خصوصاً ہندوستان پر اثر ہوا جو قریباً کل مذاہب کا گھر ہے۔ مذہبی مباحثات برے مذاق اور برے دل کے ساتھ خطرناک طور پر شروع ہو گئے۔ نکتہ چینی شعار دنیا ہو گیا اور مذاہب کے ان مقدس بانیوں کے متعلق جن کی عزت اور اطاعت دنیا کے کروڑ ہا انسان اسوقت بھی کر رہے ہیں نہایت بے رحمی سے گندی سے گندی بدزبانی کی گئی اور ان لوگوں کے ہاتھوں سے ان مقدس معلمان کی عزت پر بے حجابانہ حملہ کیا گیا جنہوں نے نہایت قلیل علمیت کے ساتھ اس ناپسندیدہ مذہبی تنقید کو بطور تجارت اختیار کیا۔ میں بلا خطرہ اختلاف کہہ سکتا ہوں کہ مذہبی مباحثات کا یہ کینہ انگیز طریق پولیٹیکل معاملات کے مقابل کہیں زیادہ تر اس جدائیگی کا ذمہ دار ہے جو اس ملک کے ہندو اور مسلمانوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ مثال کے طور پر میں صوبہ پنجاب کی طرف اشارہ کر سکتا ہوں جو ان ناملائم مذہبی مناقشات کا مرکز بن رہا ہے لیکن خدائے امن نے جو امن کو پسند کرتا ہے اور اپنی مخلوق میں امن دیکھنا چاہتا ہے ایسے وقت میں ہماری دستگیری کی۔ اس نے عین وسط پنجاب میں ایک مصلح اسلام بھیجا۔ جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا دعویٰ کر کے از سر نو اس مذہبی فیاضی اور طریق وسعتِ قلبی کی تجدید کی۔ جو اس کے مخدوم و مطاع نے آج سے تیرہ سو برس پہلے تعلیم کیا تھا اس نے ہم میں پھر اس امر کا احساس پیدا کیا کہ ہم دنیا کے مقدس معلّمین کی عظمت اور قدردانی کریں۔ اس نے ہر مذہب کی خوبیوں کا اعتراف کیا اور اس ملک کے متضاد عناصر میں اتفاق اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے وہ مسلمانوں کے لئے مہدی اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہو کر آیا۔ وہ لوگ جو ہندو و مسلمانوں کے درمیان یگانگت اور ہمدردانہ خیالات پیدا کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ اس سے بہتر کوئی اور صورت تجویز نہیں کر سکیں گے جو اس مصلح زمانہ حال نے اپنے اس پیغام صلح میں لکھ دی جو آپ نے عین اس دن ہندو اصحاب کے لئے لکھا جس دن وہ بہشت بریں میں چلے گئے۔ —

اب میں پھر اپنے مضمون کی طرف آتا ہوں۔ یہ حقیقت ہے اس عالمگیر مذہب کی جس کا نام اسلام ہے۔ جس کی آخری کتاب یعنی قرآن نے اپنے اندر ان تمام صداقتوں کو جمع کیا جو وید میں بائبل اور دیگر کتب مقدسہ میں تھیں اور ان پر ان قوانین کو ایزاد کیا جو ایسے زمانہ کے مناسب حال ہوں جبکہ خدا کے کنبہ کے ان مختلف افراد نے جمع ہو جانا تھا جو قدیمہ کتب الہامی کے وقت ایک دوسرے سے جدا جدا رہتے تھے۔

قرآن میں وہ تمام قواعد و ضوابط ہیں جن کی متقاضی زندگی کی ضروریات مختلف تھیں۔ قرآن صرف چند اخلاقی جملوں کا مجموعہ نہیں نہ یہ چند رسموں کی کتاب ہے۔ اگر یہ ایک طرف ہم کو خدا کی صفاتِ کاملہ کا پتہ دیتا ہے تو دوسری طرف ان عظیم الشان صداقتوں پر روشنی ڈالتی ہے جن میں ملائکہ الہام نبوت قیامت بہشت دوزخ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ ایسا ہی یہ ان اصولوں کی رہنمائی کرتی ہے جو ہمیں پولیٹیکل سوشل اقتصادی اور معاشرت کے امور میں مدد دے سکیں تاکہ تمام نسلِ انسانی ان قوانین پر چل کر کمالِ حقیقی کو حاصل کرے قرآن نماز روزہ اور قربانیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں زندگی کا ایک کامل سے کامل ضابطہ ہے۔ ایک بادشاہ وقت کے لئے اگر اس میں قانون ہے جو اس نے امور ملکداری میں برتنا ہے تو ایسے ہی اس میں اطاعت فرمانروا کی ہدایات بھی ہیں خواہ وہ اپنی قوم سے ہو یا غیر قوم سے۔ اسی طرح ایک مقنّن ایک مدبر سلطنت۔ ایک جج ایک فوجی افسر ایک سوداگر ایک اہل حرفہ ایک بیٹا ایک باپ ایک بھائی ایک خاوند ایک عورت ایک ہمسایہ ایک دوست ایک دولت مند ایک مفلس الغرض ہر ایک انسان ہر حیثیت اور حالت میں ایسے اصولِ ہدایت اس کتاب میں دیکھے گا کہ جس پر چل کر وہ سوسائٹی کے لئے مفید ہو سکے۔ یہ مکمل تعلیم مجھے قرآن میں ہی ملی اور اس لئے ہم مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ اس قدیمی مذہب یعنی اسلام نے جسے پیغمبروں کی جماعت نے وقتاً فوقتاً تعلیم کیا اپنی مکمل صورت خدا کی اس کتاب میں پائی جس کے بعد الہام شریعت بند ہو گیا جیسے قرآن نے فرمایا:۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ آج ہم نے تمہارے لئے شریعت کو کامل کر دیا۔ —

ولادت باسعادت: - مکرم ماسٹر ناصر احمد صاحب چندر کے منگولے (بدوملہی) سے تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دوسرا بیٹا عطا فرمایا ہے اس خوشی میں موصوف نے مبلغ دس روپے بمد اشاعت اسلام بھیجے ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولود مسعود کو اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین۔

تحدیث نعمت

منظور ہے گذارش احوال واقعی + اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

شیخ اللہ بخش صاحب

جناب شیخ اللہ بخش صاحب سیکرٹری جماعت بدوملہی بسلسلہ سابقہ خط جو پیغام صلح میں شائع ہو چکا ہے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

" میں اپنے گزشتہ خط میں یہ ذکر کر چکا ہوں کہ جب سے میری اہلیہ مرحومہ نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے محض خدا کی خاطر قطع تعلق کر کے میرا ساتھ دینے کا پختہ عزم کر لیا تو اللہ تعالےٰ نے بھی اس پر رؤیا اور کشف کے دروازے کھول دیئے جن کا ذکر میرے سابقہ خط میں آچکا ہے۔ چند اور بھی ایسے ایمان افروز واقعات ہیں جنہیں بیان کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ محض تحدیث نعمت کے طور پر ہے نہ کہ کسی ذاتی بڑائی یا تقویٰ کے اظہار کی خاطر۔ اور یہ بتانے کی خاطر کہ جن لوگوں نے حق قبول کیا اور پھر اس کے ساتھ ہر مشکل اور مصیبت میں وفا کی اللہ تعالےٰ نے بھی اُن کی مدد کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی اور محض اپنے رحم اور فضل سے ایسے ایسے نشانات دکھلائے کہ خود دیکھنے والے حیرت زدہ ہو کر رہ گئے ۔

میں نے اپنے بڑے لڑکے عبدالخالق کا ایک غیر از جماعت گھرانے میں رشتہ کرنا چاہا لیکن انہوں نے یہ شرط پیش کر دی کہ اگر لڑکا احمدیت سے انکار کر دے یا اس کے والدین یہ کہہ دیں کہ لڑکا احمدی نہیں ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں نے یہ جواب دیا کہ ہم ایسا نہیں کہہ سکتے۔ اسی سلسلہ میں میرا بڑا بھائی برکت علی میری اہلیہ کے پاس آکر کہنے لگا کہ کیا تم نے اپنے لڑکے کو یوں ہی کنوارا رہنے دینا ہے۔ یہ کہہ دینے میں کیا حرج ہے۔ لیکن میری بیوی نے یہی کہا کہ ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا لڑکا احمدی نہیں ہے ۔ رات کو اسے آواز آئی :" یہ کہتے ہیں کہ رشتہ نہیں ملے گا۔ ہم تمہاری طرف دو رشتے بھیجیں گے جن کی نشانی یہ ہوگی کہ آنے والے تمہارے گھر سے روٹی نہیں کھائیں گے" خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک آدمی نارنگ سے رشتہ کی پیش کش کرنے آیا۔ شام کا وقت تھا ہم نے بہت زور لگایا کہ روٹی کھا کر جائے لیکن اس نے انکار کر دیا۔

اس کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن خاں صاحب لاہور سے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ دو لڑکیاں ہیں میرے ساتھ چلو میں رشتہ کرا دوں گا۔ انہیں بھی ہم نے زور لگایا کہ روٹی کھا کر جائیں مگر انہوں نے بھی انکار کر دیا۔

جہاں ہم منگنی کرنا چاہتے تھے وہاں سے تو جواب مل گیا۔ ایک دن ہمارا ایک رشتہ دار جو لاہور میں تھا بدوملہی آیا اور کہنے لگا چار یا پانچ رشتے ہیں۔ ایک دومیل آزاد کشمیر میں تھا اور باقی ہمارے قریب ہی تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ رشتہ داروں کو لکھ دیں کہ ان میں سے جو بھی پہلے آئے گا ہم اس کے ہاں سے رشتہ کر لیں گے ۔ چنانچہ دومیل والے رشتہ کی پیش کش پہلے ہو گئی اور ہم نے اُسے منظور کر لیا۔ جب ہم منگنی کے بعد واپس آئے تو میری اہلیہ نے اپنا یہ خواب سنایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ تمہاری کوٹھی کے نیچے روپے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ جو تمہارا خرچ ہوا ہے لے لو۔ اس جگہ اس نے جا کر دیکھا تو وہاں ۱۲۰/- روپے پڑے ہوئے تھے وہ لا کر اس نے مجھے دیدئے۔

۱۹۴۷ء میں ہم چمڑوں کا کاروبار کرتے تھے اور ہم نے چمڑے رنگنے کے لئے چرم رنگوں کو دیئے ہوئے تھے۔ اتنے میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ ہم چونکہ بالکل سرحد پر تھے ہم بھی ان کی لپیٹ میں آ گئے۔ چمڑہ رنگنے والوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور سارے چمڑے بیچ کر کھا گئے۔ ایک تو یہ نقصان ہوا اور دوسرا یہ کہ بدوملہی میں کوئی بنک نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اپنی نقد وغیرہ امانتیں میرے پاس رکھتے تھے۔ وہ بھی خرچ ہو گئیں۔ جب ذرا امن ہوا تو میں نے حساب لگایا کہ کل کتنی رقم بنتی ہے۔ معلوم ہوا کہ میرے ذمے ۵۰۰/- روپے واجب الادا ہیں۔ تنگی کا وقت تھا۔ اس زمانے میں یہ بہت بڑی رقم تھی لیکن ہم سوائے دعا کے اور کر ہی کیا سکتے تھے۔ لوگ امانتیں واپس لینے آتے لیکن یہاں ایک پیسہ تک پاس نہ تھا۔ میری اہلیہ نے دعا کی تو اُسے بتایا گیا کہ ایک سال کے اندر اندر تمہارا سارا قرضہ ادا ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ میری سعی اس کی نسبت بہت زیادہ تھی لیکن خدا کا فضل اس کے ساتھ تھا اور میں یہی سمجھتا تھا کہ خدا تعالےٰ کے نزدیک عورت کے مقابلے میں میری روحانی حیثیت دوسرے درجہ کی ہے۔ جب وہ فوت ہوئی تو اسے اوّل درجہ کے بہشت میں دکھایا گیا۔ جب میں نے اپنے چھوٹے لڑکے غفور احمد کی شادی کرنا چاہی تو ایک رات میری ہمشیرہ کو خواب میں آئی اور کہنے لگی کہ سکھیکی میں رشتہ کر دو۔ ہمیں وہ رشتہ بعض وجوہات کی بنا پر ناپسند تھا۔ ہم نے ادھر اُدھر بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن آخر وہی ہوا جو اس نے کہا تھا۔

جب ان واقعات کو دیکھتا ہوں تو مجھے پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن شریف میں فرعون کی بیوی اور حضرت مریمؑ کی جو مثال بیان کی گئی ہے اس کے پیچھے ایک بہت بڑی صداقت ہے۔ عورت کی تھوڑی سی سعی کو بھی اللہ تعالےٰ قبول کر کے اپنے فضل سے بہت بڑا پھل لگاتا ہے۔

حضرت امیر مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کے تمام مردوں کی جنت عورتوں کے قدموں کے نیچے ہے۔ میری جنت میری ماں کے قدموں کے نیچے اور میرے بچوں کی جنت ان کی ماں کے قدموں کے نیچے ۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ نے یہ حدیث سنائی تھی کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ احسان کروں تو آپؐ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ انہوں نے پھر پوچھا تو آپؐ نے پھر بھی فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ تیسری بار پوچھنے پر بھی آپؐ نے یہی جواب دیا کہ اپنی ماں کے ساتھ اور جب یہی سوال چوتھی بار دہرایا گیا تو آپؐ نے فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔ احسان کے چار حصوں میں سے تین حصے خاتون کو ملتے ہیں اور ایک حصہ مرد کو۔ یعنی اللہ تعالیٰ

(بقیہ صـ ۱۲ کالم ۲)

ثناء اللہ صاحب

اسلام کا پیغام دُنیا کے کناروں تک پہنچانے کا عزم بالجزم

ان اللہ یبعث لھٰذہِ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا ——— (مشکوٰۃ کتاب العلم)

اس بات پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ نبوت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسالت مآب فخر الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی اور آنحضرت صلعم کے بعد بنی نوع انسان کو کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں یہ مسلم امر ہے کہ مجدّدین رسول اللہ صلعم کے بعد مبعوث ہوتے رہیں گے جو کہ قوم کی اصلاح کے لئے خالصتہً مامور ہوں گے اور ان مجدّدین کا کام یہی ہو گا کہ وہ آنے والی نسلوں کو اصل اسلام کی طرف متوجہ کریں اور بدرسومات اور بدعات جس سے مسلمان ملوث ہو رہے ہوں گے ان کو دُور کرنا ان کا کام ہو گا۔ حدیث ابوداؤد جس کو مستند مانا گیا ہے اور جس کا درجہ بخاری اور مسلم کے بعد رکھا گیا ہے، رسول اللہ صلعم کی یہ حدیث روائیت کی ہے یعنی یقیناً اللہ تعالےٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے آغاز میں ایک ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔

چنانچہ اس شخص کا نام مجدد ہے۔ لفظ تجدید سے ظاہر ہے کہ اسلام میں جوں جوں زمانہ گزرتا چلا جائے گا اسلام کی تصویر کچھ دھندلی پڑنی شروع ہو گی اور وہ باتیں اسلام کی طرف منسوب ہوں گی جن کا دور کا بھی واسطہ اسلام سے نہ ہو گا اور اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں گی اور خود مسلمان اسلام سے دور ہوتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اسلامی احکام کو پس پشت ڈالدیں گے قرآن پر عمل نہ رہے گا۔ یوں تو قرآن کی تلاوت ہو گی مگر حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔ چنانچہ ہر مجدد کا کام یہی ہے کہ وہ اسلام کی خوبصورت اور چمکتی ہوئی تصویر لے کر خود مسلمانوں میں پہلے تبلیغ کرے اور اس کے بعد غیر مذاہب کے سامنے اس کی خوبصورت تصویر پیش کرے۔

مجدّد مامور من اللہ ہوتا ہے :-

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مجدد اللہ تعالےٰ کا مامور ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ ہی کسی شخص کو مجدد بناتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مجددیت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے چنانچہ لفظ یبعث سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی مجددین کو مبعوث کرتا ہے قرآن کریم میں یہ لفظ رسولوں کی تقرری کے موقعہ پر بھی استعمال کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ جلشانہ' مجددین کو اپنی بارگاہ میں اتنا قرب کا شرف بخشتا ہے کہ وہ آپس میں ہمکلام ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اپنے انتخاب کردہ مجددین کو جن کو اس نے اصلاح کے لئے دنیا میں بھیجا ہوا ہوتا ہے وقتاً فوقتاً ضرورت کے وقت الہام کے ذریعے ہی مبشرات دیتا رہتا ہے۔ بلاشبہ علماء اور لیڈر ہمیشہ مسلمانوں میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور انہوں نے اسلام کی خدمت اپنے اپنے رنگ میں کی ہے لیکن اللہ تعالےٰ کا مقرر کردہ مجدد جس کو کہ خدا سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور اس کا تقرر ایک خاص مقصد کے پیشِ نظر ہوتا ہے مثلاً اس کا کام اسلام کے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دُور کرنا اور مسلمانوں میں جو فسق و فجور بُری رسومات کا دور دورہ ہوتا ہے اس کا تدارک کرنا اور پھر اسلام کے منور چہرہ کو دُوسروں کے سامنے پیش کرنا ہے تاکہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو کر اسلام کی تقویت کا باعث بنیں۔ ایسے مجددین ہر صدی کے خاتمہ پر اللہ تعالےٰ کی سنت کے مطابق مبعوث ہوتے رہے ہیں۔

حدیثِ مجدّد کی تصدیق

امام سیوطی مرقاۃ الصعود میں فرماتے ہیں کہ احادیث کے تمام حفاظ اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں چنانچہ حاکم۔ بیہقی اور ان کے جانشین ابوالفضل عراقی اور ابنِ حجر سب کے سب اس حدیث کی صداقت پر متفق ہیں۔ ابن عسکری نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کے ماتحت مجددین آتے رہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء اور تفہیمات الٰہیہ میں اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ اس حدیث کی صحت پر اور بھی متعدد شہادات موجود ہیں جو کہ اس موضوع سے تعلق رکھتی ہیں جس سے کہ اس حدیث کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی اصل بنیاد قرآن کریم میں بھی پائی جاتی ہے۔ دراصل بنیادی اصول یہ ہے کہ نبوت کے خاتمہ کے باوجود اللہ تعالےٰ نے دین کی تجدید اور اصلاح کے لئے سلسلہ وحی ولایت کو قائم رکھا۔ تاکہ دین میں پھیلی ہوئی بدعات کی اصلاح ہو سکے اور اللہ تعالےٰ نے اسلام کی حفاظت مجددین کے ذریعے اپنے ذمہ لے لی ہے جن کو کہ وہ وقتاً فوقتاً مامور کرتا رہے گا۔ چنانچہ قرآن کریم کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نبیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی وحی بھیجتا رہا ہے۔ مثلاً ام موسےٰ پر باوجود اس کے وہ نبیّہ نہ تھیں جیسا کہ ارشاد باری تعالےٰ ہے :-

واوحینا الیٰ امّ موسیٰ (القصص - ۷) اذا اوحینا الیٰ امک یا موسیٰ (طٰہٰ - ۳۸)

ان دونوں آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا ذکر ہے جن کو وحی ہوتی رہی ہے اور اسی وحی کے تحت حضرت موسیٰ کی والدہ نے حضرت موسیٰ کو بلاخوف و خطر دریا میں ڈال دیا تھا۔ اسی طرح اُم عیسیٰ کو بھی وحی ہوئی تھی حالانکہ وہ بھی نبیّہ نہ تھیں یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کو بھی جو غیر نبی تھے وحی ہوتی رہی ہے۔

واذ اوحیت الی الحواریین (المائدہ ۱۱۱)

نیز اس امت کے نیک لوگوں کے لئے بھی آیا ہے :-

لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا (۱۰ - ۶۴)

یعنی ان کو دنیاوی زندگی میں اچھی خبریں دی جائیں گی۔ چنانچہ مستند احادیث میں ان مبشرات کو نبوت کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسے لم یبق من النبوۃ الا

المبشرات یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں چھوڑا گیا سوائے مبشرات کے۔

چودھویں صدی کا مجدّد

اب جبکہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہمیں معلوم گیا کہ وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی رنگ میں مجدد ہو کر آتا ہے تو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمۃ کا دعویٰ مجددیت کو کیوں نہ قبول کیا جائے جبکہ وہ عین منشائے الٰہی کے تحت اسلام کی تجدید اور خدمت دین کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور اب جبکہ چودھویں صدی میں کسی دوسرے شخص نے دعویٰ مجددیت نہیں کیا ہے یہ اور بھی باعث ازدیاد ایمان و یقین ہے کہ ان کے دعویٰ مجددیت کو بلا چون وچرا تسلیم کر لیا جائے اس سے زیادہ حیرانی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ گذشتہ صدیوں میں ہی ایک سے زیادہ دعویٰ مجددیت کرنے والے ہوئے مگر چودھویں صدی میں حضرت مرزا صاحب کے سوائے کوئی دوسرا مدعی نہیں۔

مجدد وقت سے تعاون کرو ؛

ضروری ہے کہ خدا اور رسول کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو اس صدی کا مجدد تسلیم کر لیں اور ان کے مشن کے ساتھ جس کا نصب العین سوائے اعلائے کلمۃ الحق کے کچھ نہیں، دستِ تعاون دراز کریں۔ اس مرد خدا اور مامور من اللہ سے اختلاف نہ کریں۔

مجدد کا کام

مجدّد کا پہلا کام یہ تھا کہ اس نے ان کمزوریوں کو جو کہ مسلمان قوم میں پائی جاتی تھیں ان کو دور کیا اور ان سب کمزوریوں میں سے سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ لوگ مادی تہذیب اور مغربی تعلیم کی وجہ سے مذہب سے بیگانہ ہو چکے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ وحی الٰہی سے منکر ہو گئے اور انکار وحی ہی نے مذہب کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے مابین تعلق ہی مذہب کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا پتہ چلتا ہے اور اسی کے ذریعہ علم غیب انسان پر منکشف ہوتا ہے لیکن زمانہ حاضرہ کی تعلیم نے مسلمانوں پر یہ اثر ڈالا کہ ان میں سے اکثر وحی الٰہی کے منکر ہو گئے اس لئے سب سے بڑا کام مجدد وقت کے سامنے یہ تھا کہ وہ ثابت کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے اور یہ اسوقت تک ثابت نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ پیشگوئیاں نہ کی جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی باقی صفات یعنی اللہ تعالیٰ کا سمیع و بصیر ثابت ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ نے اپنی پہلی تصنیف براہینِ احمدیہ جو کہ آپ کی سب سے بڑی ضخیم تصنیف ہے اسی موضوع پر زور دیا ہے۔ وحی الٰہی کے تسلسل کو آپ نے ثابت ہی نہیں فرمایا بلکہ اپنے ٹھوس دلائل اور ذاتی تجربات کی بناء پر ثابت کیا کہ آج بھی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے ؛

مجدّد کا دوسرا کام

حضرت مجدد زماں کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کی عظمت کا سکّہ قلوب میں بٹھایا اور قرآن جو کہ مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے اور جس کو لوگوں نے پسِ پشت ڈال دیا تھا اس کی محبت دلوں میں پیدا کر دی اور قرآن کے معنی پر غور و فکر ہونے لگا اور قرآن کے دنیا کی مختلف زبانوں میں تراجم ہونے لگے مسلم لیڈروں کی توجہ زمانہ حاضرہ کے بدلے ہوئے حالات کی طرف ہونے لگی جس وقت اس صدی کے مجدّد نے مبعوث ہونے کا دعویٰ کیا اسوقت مسلمان قوم کی حالت نہایت ہی قابل رحم تھی تمام اسلامی اداروں میں ہر قسم کے مضامین سوائے قرآن کے پڑھائے جاتے تھے علماء اسلام قرآن کریم کی مختصر سی تفسیر پڑھ لیتے تھے مگر محض تبرک کے طور پر۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی رگ و ریشہ میں عشق قرآن رچا ہوا ہے جب بھی ان کو روزمرہ کے کام کاج سے جو کہ انہیں اپنے والد بزرگوار کی مرضی کے مطابق سیالکوٹ اور قادیان میں انجام دینے پڑتے تھے فرصت ملی تو آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے۔ اس طرح قرآن کریم آپکی تنہائیوں میں آپ کا مونس و غمخوار رہا اور آپ نے یہ علم قرآن جسکی تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھا دی تھی نہ اپنے تک محدود رکھا بلکہ دوسروں تک پہنچایا۔ اور اس کا وافر حصہ آپ نے اپنی جماعت کے علماء کو دیا یہی وجہ ہے کہ آپ کے خادم حضرت مولانا محمد علیؒ کے قلم سے بے بہا سرچشمے پھوٹے جس سے کہ ایک عالم کی علمی تشنگی بجھی۔ آج بھی انگریزی ترجمۃ القرآن اور بیان القرآن لاکھوں گھروں میں پڑھا جاتا ہے اور مسجدوں کے امام اپنے درسوں میں بیان القرآن کے نوٹ بیان کرتے رہتے ہیں۔ غرضکہ یہ سب کیا ہے یہ محض امام وقت کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم میں سے حضرت مجدّد زماں کے پروردہ اور پیدا کردہ علماء یکے بعد دیگرے جدا ہوتے جاتے ہیں مگر اس علم کلام کو سیکھنے اور اس کے تحفظ کے لئے کوئی انتظام نہیں حالانکہ دنیا اسوقت اپنی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے حضرت مجدد زماں کے علم کلام اور مشن کی طرف دوڑی چلی آ رہی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی بیعت کی تجدید کریں اور اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے کا عزم بالجزم کریں اور اس طرح اپنے عہد سے عہدہ برآ ہونے کی سعی کریں۔

بقیہ تحدیث نعمت ، آمدہ صفحہ (۱۰)

خاتون کی معمولی کوشش کو بھی اپنے فضل سے تین گنا پھل لگاتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ حضرت سید اسداللہ شاہ صاحب مرحوم ایک دفعہ جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کے گاؤں دیگراں جو مانسہرہ سے تقریباً تین میل مغرب کی جانب ہے گئے وہاں شاہ صاحب مرحوم نے جناب ڈاکٹر صاحب کے خاندانی قبرستان میں کئی روز تک ان کے بزرگوں کی قبروں پر دعا کی۔ ایک بزرگ اور ایک خاتون کی قبروں پر متواتر دعا کے بعد جناب شاہ صاحب مرحوم پر منکشف ہوا کہ ان دونوں کا رتبہ بہت بلند اور برابر ہے جناب شاہ صاحب کو اس پر تعجب ہوا تو آپکو بتایا گیا کہ یہ رتبہ تو اس بزرگ کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہے لیکن اس خاتون کا رتبہ ہمارے فضل کا نتیجہ ہے۔ میں جناب ڈاکٹر صاحب سے معذرت کے ساتھ یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ یہ بزرگ ان کے دادا حضرت مولانا محمد سعید تھے جو اپنے زمانہ کے ولی اللہ اور حضرت پیر صاحب کوٹھہ والے کے مرید باصفا تھے۔ یہ وہی پیر صاحب ہیں جنہوں نے حضرت صاحب کی صداقت پر اسطرح شہادت دی کہ مہدی معہود پیدا ہو گیا ہے ہم کسی غیر کے زمانہ میں ہیں اور اسکی زبان پنجابی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اس پر اسقدر شدائد اور مصائب آئیں گے کہ جن کی نظیر زمانہ گزشتہ میں نہ ہو گی اور وہ خاتون جن کا ذکر اوپر آیا ہے وہ جناب ڈاکٹر صاحب کی والدہ مرحومہ تھیں جن اور لوگوں نے بھی ان کو دیکھا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ نہایت زاہدہ۔ عابدہ۔ صالحہ اور متقیہ تھیں ۱۹۴۷ء میں جو واقعات ایبٹ آباد میں گزرے مجھے یقین ہے کہ ان میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے بعض خواتین کی متضرعانہ دعاؤں کی وجہ سے ستر بہتر انسانوں کو بچا لیا۔ یہی واقعات جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو دارالسلام میں لے آئے۔ ان کی دعاؤں اور کوششوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جماعت میں نئی زندگی کی روح پھونک دی اور اندرون اور بیرون ملک جماعتیں زندہ ہو گئیں (باقی صفحہ ۲ پر)

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ دحیف ایڈیٹر : ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۰۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا"
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — روپے
بیرونی ممالک سے — پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

| جلد ۶۷ | یوم چہار شنبہ ۱۸ شعبان المعظم سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲ جولائی سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ ۲۷ |

ارشاداتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

انسان مجاہدہ دعا اور توبہ کے ذریعہ تبدیلِ اخلاق پر قادر ہے

پس ہماری جماعت ہو یا کوئی اور ہو وہ تبدیلِ اخلاق اسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ مجاہدہ اور دعا سے کام لیں ورنہ ممکن نہیں۔ حکماء کے تبدیلِ اخلاق پر دو مذہب ہیں ایک تو وہ جو یہ مانتے ہیں کہ انسان تبدیلِ اخلاق پر قادر ہے۔ اور دوسرے وہ ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ وہ قادر نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ اگر کسل اور سستی نہ ہو اور انسان ہاتھ پیر ہلائے تو تبدیلِ اخلاق ہو سکتی ہے۔ مجھے اس مقام پر ایک حکایت یاد آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ یونان کے مشہور فلاسفر افلاطون کے پاس ایک آدمی آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اندر اطلاع کرائی۔ افلاطون کا قاعدہ تھا کہ جب تک وہ ملاقات کرنے والے کا حلیہ اور نقوشِ چہرہ کو معلوم نہ کر لیتا تھا اندر نہیں آنے دیتا تھا وہ قیافہ سے استنباط کر لیا کرتا تھا کہ شخص مذکور کس قسم کا ہے۔ چنانچہ نوکر نے آکر حسبِ معمول آکر اس کا حلیہ بتایا اور افلاطون نے جواب دیا کہ اس شخص کو کہہ دو کہ چونکہ تم میں اخلاقِ رذیلہ بہت ہیں اس لئے میں ملنا نہیں چاہتا۔

اس آدمی نے جب افلاطون کا یہ جواب سنا تو نوکر سے کہا تم جا کر کہہ دو کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ ٹھیک ہے مگر میں نے اپنی عادات رذیلہ کا قلع قمع کر کے اصلاح کر لی ہے اس پر افلاطون نے کہا ہاں یہ ہو سکتا ہے چنانچہ اس کو اندر بلوا لیا اور نہایت عزت و اکرام کے ساتھ اس سے ملاقات کی۔ جن حکماء کا یہ خیال ہے کہ تبدیلِ اخلاق ممکن نہیں وہ غلطی پر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ملازمت پیشہ لوگ جو رشوت لیتے ہیں جب وہ سچی توبہ کرتے ہیں تو اس کے بعد اگر کوئی ان کو سونے کا پہاڑ بھی رشوت میں دے تو اس پر نگاہ نہیں کرتے تو یہ دراصل حصولِ اخلاقِ حسنہ کے لئے بڑی محرک اور موید چیز ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ سچے دل اور پکے ارادے کے ساتھ توبہ کرلے ؛

(ملفوظات احمدیہ)

نذرانۂ عقیدت

در دلم جوشد ثنائے سرورے
آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

آنکہ در بر و کرم بحرِ عظیم
آنکہ در لطفِ اتم یکتا دُرے

آنکہ در جُود و سخاء ابرِ بہار
آنکہ در فیض و عطا یک خاورے

آں رحیم و رحمِ حق را آیتے
آں کریم و جودِ حق را مظہرے

احمدِ آخر زماںؐ کز نورِ او
شد دلِ مردم ز خود تاباں ترے

(مسیح موعودؑ)

احمدیہ دار العلوم — اشاعتِ اسلام کی اولین حاجت

اخبار "ینگ اسلام" ۱۹۴۳ء کی فائل سے ایک مضمون نقل کیا جاتا ہے جو آج سے تقریباً ۳۷ سال قبل میں نے تحریر کیا تھا، جس میں نوجوان کو اسلامی علوم [illegible]

تو اس قدر بلند مرتبہ عطا کیا گیا ہے۔ علم کا کونی شعبہ ہو اس کے ارتقاء کی زبردست تڑپ قرآن کریم کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی قلم اور علم کے متعلق ہوئی اور آنحضور صلعم کی صداقت پر علوم کی گواہی پیش کی گئی۔

والقلم وما یسطرون ما انت بنعمۃ ربک بمجنون۔ دنیا آج یورپ کے جس ذہنی ارتقاء سے حیران ہے اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ یورپ کے تاریک زمانہ میں وہ کونسی جانب تھی جہاں سے علمی روشنی کی شعاعیں اس براعظم پر پڑیں؟ کیا اس میں کچھ شک ہے کہ یورپ کا علمی احیاء آفتاب اسلام کی کرنوں کا رہین منت ہے؟ افسوس ہے کہ مغرب نے اسلام کی روشنی کو ادھورے رنگ میں قبول کیا یعنی علوم ارضی کے استخراج وارتقاء میں تو اسے استعمال کیا مگر سماوی علوم کے دروازے بند کئے رکھے ورنہ آج مغربی تہذیب و تمدن کا یہ المناک محشر بپا نہ ہوتا۔ لیکن اگر دینی میدان میں علم کو ترقی دی جاتی تو یہ بھی یقینی ہے کہ مغرب عیسائی نہ رہ سکتا تھا۔ یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی مذہب علم کی کسوٹی پر آزمایا جا کر انسانی روح کے لئے جذب وکشش کا موجب بن سکتا ہے تو وہ صرف دین اسلام ہی ہے۔ اور کوئی مذہب ایسا موجود نہیں جو ارتقاء علوم کے سامنے ٹھہر سکنے کی طاقت رکھتا ہو۔ تمام دیگر مذاہب میں صرف دینی اور ایمانی پہلو کو ہی ملحوظ رکھا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ تو ممکن ہے کہ انسانی قلب میں دینی صداقتوں پر کسی قدر ایمان پیدا ہو جائے لیکن اس یقین کی تقویت وتائید کے لئے علم کی شہادت موجود نہیں یہی اس بات کا سارا باعث ہے کہ جوں جوں علوم نے ترقی کی توں توں بجز دین اسلام باقی تمام ادیان پر سے ایمان جاتا رہا اور مذہب اسلام پر بھی اب وہی ایمان قائم رہے گا جو علم کی محکم چٹان پر قائم ہو۔ رواجی۔ رسمی اور نسلی بنیادوں پر جس ایمان کا قیام ہے اس کا چراغ ٹمٹما چکا ہے۔ آج وہ دلوں کی تسلی کا موجب نہیں ہو سکتا

احمدیہ تحریک کا خلاصہ کیا ہے:-

زمانہ کی اس علمی ضرورت کو آج اسلام نے پورا کرنے کا سامان کیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی تجلی خاص سے اسلامی احیاء وتجدید کی وہ تحریک جاری فرمائی ہے جس کا دارومدار استخراج وارتقاء علوم دینیہ پر ہے۔ جماعت احمدیہ کی بنیادیں ایسے ایمان ویقین پر استوار ہیں جو علم کی مضبوط چٹان پر قائم ہے۔ ہر اس قسم کا ایمان جو صرف رسم ورواج یا نسل وقوم کے جذبات پر قائم ہے آج مٹ جانے والا ہے۔ انسانی روح اب انہی صداقتوں کے آگے جھکنے والی ہے جو ان دو بلند ستونوں پر قائم ہوں یعنی علم وعقل اور جذبہ بہبود جمیع بنی نوع انسان۔ باقی ہر قسم کے توہم پرستانہ معتقدات کو فنا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے تاریخ وتجربہ پر ایمان کا قیام ہو۔ موجودہ مسلمان اگر اپنے مذہب کی صداقت کے قائل رہے ہیں تو اس لئے نہیں کہ ان کی سوسائٹی کا یہ تقاضا ہے نہ اس لئے کہ ان کی قومی ونسلی روایات ایسے ایمان کو لازم قرار دیتی ہیں بلکہ اس لئے کہ علوم حقہ وتجربہ صحیحہ نے اس یقین کی صداقت پر مہر ثبت کر دی ہے۔ اگر غیر قوموں میں اسلام کی فتح کا ڈنکا بجانا آج منظور ہے تو اس کا طریق کار بھی یہی ہے کہ امور دینیہ اور روحانی صداقتیں علم کی روشنی میں مبرہن کی جائیں۔ اسلام کا ہی بیرو مادی طاقتوں کو بھی سرنگوں کر لیتا ہے جیسے کہ اس نے پہلے دور میں کر دکھلایا لیکن آج وہ وقت ہے جب اسلام کی کامل پیروی کا نتیجہ علمی فتوحات کو لانے کا موجب ہوگا۔ یہی وہ نیا رنگ فتوحات اسلامیہ کا ہے۔ جسے تحریک احمدیہ نے دنیا کے سامنے رکھا ہے۔ اور جسے آج تک قبول کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے لیکن غور کرو اگر زمانہ کی نبض شناسی آپ میں موجود ہے تو اس بات کے قائل ہونے میں دقت نہ ہوگی کہ اس نئے سائنٹیفک دور میں دینی فتوحات کا حقیقی راستہ یہی ہے بجز اس کے تمام راستے بند ہیں۔ انسانی قلوب کی تسخیر اور زندگیوں میں وہ انقلاب عظیم روحانی صداقتوں پر محکم ایمان اور زندہ یقین ہو آج کبھی پیدا نہیں ہو سکتے جب تک علوم حقہ کی روشنی میں ان صداقتوں کو آشکارا نہیں کیا جاتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی یہی علت غائی ہے اور تحریک احمدیہ کی یہی روح رواں ہے

احمدیہ یونیورسٹی

حضرت اقدسؑ نے حصول علم دین کی ایسی زبردست لہر پیدا کی کہ جماعت کا ہر فرد اس جذبہ سے سرشار ہو گیا رات دن یہی مشغلہ تھا جو لوگ مروجہ علوم سے بے بہرہ تھے وہ بھی دینی علوم پر حاوی ہو گئے۔ حقانیت اسلام پر ایک نیا ایمان پیدا ہوا۔ ایک نیا وجد تھا جو روحوں پر طاری ہو رہا تھا۔ علوم اسلامیہ کی احمدی یونیورسٹی تھی جو قادیان کی زمین میں تیار ہوئی۔

اشاعتِ اسلام کی پہلی ضرورت

جماعت احمدیہ لاہور نے جو علوم اسلامی کی بے نظیر خدمت کا کام اس زمانہ میں انجام دیا ہے اور اس کی اشاعت میں جو سرگرمی دکھائی ہے اس کے متعلق یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس نے تحریک احمدیہ کی علمی روح کو زندہ رکھا ہے اور حضرت اقدس کے اس ارشاد کی تعمیل وتکمیل کی ہے جس میں آپ نے علوم قرآن کو مغربی ممالک میں پھیلانے کے مقصد کو اپنی شاخ قرار دیا ہے اسی لئے یہ توقع رکھنی بھی عبث نہ ہوگی بلکہ اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ یہ اسی جماعت کے نصیب میں آیا ہے کہ استخراج واشاعت علوم دینیہ کی کوئی مستقل ودائمی صورت پیدا ہو۔ کوئی ایسا علمی مرکز قائم کیا جائے جہاں

(بقیہ صفحہ ۶ کالم ۲)

صراطِ مستقیم اور افراط و تفریط

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۲۷ جون ۱۹۸۰ء بمقام جامع مسجد، دارالسلام - لاہور

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :-

سورۃ فاتحہ کی مرکزی دُعا اھدنا الصّراط المستقیم ہے۔ اس کے اصل معنیٰ تو انسان کی زندگی کے اہم ترین سوال کا جواب ہے کہ وہ کس لئے پیدا ہوا ہے اور اپنے مقصدِ پیدائش کو کس طرح پا سکتا ہے۔ مگر اس دعا کے ایک ضمنی معنیٰ بھی رسول اللہ صلعم سے مروی ہیں اور وہ یہ کہ یہ افراط اور تفریط سے بچ کر درمیانی راستے پر چلنے کی دُعا ہے سی کو حضور صلعم نے دوسرے الفاظ میں یوں فرمایا ہے خیر الامور اوسطھا یعنے تمام معاملات میں درمیان کی راہ ہی بہترین ہوتی ہے۔

دُنیا و آخرت

انسان کی زندگی میں سب سے بڑی تقسیم تو دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان کے آگے دو راستے ہوتے ہیں۔ دنیا کا یا دین کا۔ اس اہم فیصلہ کو کرنے میں دُوسرے مذہب اور ان کے پیرو افراط و تفریط کی غلط راہوں پر پڑ گئے۔ دُنیا کو چھوڑ دو، راہب یا نن بن جاؤ یا سادھو یا بھکشو بن جاؤ تبھی نجات ملتی ہے یا آخرت درست ہوتی ہے اور انسان اپنے مقصدِ حیات کو پا سکتا ہے۔ اس افراط کی راہ دکھلانے سے ان مذاہب کے ماننے والے اکثر تفریط کے گڑھے میں جا گرے اور دنیا کے ہو کر رہ گئے۔

اِسلام نے بیچ کا راستہ اختیار کیا ہے۔ قرآن حکیم نے ہمیں دُعا سکھائی ہے کہ کہو ربّنا اٰتنا فی الدّنیا حسنۃً وفی الاٰخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النّار یعنے اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھی بھلائیاں عطا فرما اور آخرت کی بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا (خواہ وہ دنیا کی ہوس اور حرص کی دلوں میں سلگتی ہوئی آگ ہو یا آخرت کی باہر کی بھڑکتی ہوئی آگ ہو)۔ اسلام نے یہ عظیم الشان راز کھولا ہے کہ دنیا کی زندگی سے آخرت کی زندگی بنتی یا بگڑتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ الدنیا حرث الاٰخرۃ یعنے دنیا آخرت کی کھیتی ہے اِسلام بھی کیا عجیب مذہب اور اللہ تعالےٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے! اس نے دُنیا کے معاملات مثلاً دولت، حکومت، مرد و عورت کے تعلقات، سماجی زندگی، لین دین الغرض دنیاوی زندگی کے تمام اہم معاملات پر خدا اور اس کے رسُولؐ کے احکام دے کر ان دنیاوی معاملات کو دینی رنگ دے دیا۔ گویا ایک مُومن جو دُنیا میں رہ کر خدا اور اُس کے رسولؐ کے احکام کی پیروی کرتا ہے وہ اس طرح اخلاقی اور روحانی خوبیاں پیدا کر کے اپنی آخرت بھی سنوار لیتا ہے۔ نماز، روزہ، حج وغیرہ عبادات سونے پر سہاگے کا کام دیتی ہیں۔

مگر ایسے موقعے بھی آتے ہیں کہ دین اور دنیا میں ٹکّر یا تصادم پیدا ہوتا ہے۔ اسوقت سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کو ترجیح دی جائے۔ تو اِسلام کا مسلک ایسے موقع کے لئے واضح ہے کہ دین کو دنیا پر ترجیح دو۔ جھوٹ بول کر جان چھوٹ سکتی ہو اور سچ بولنے میں خطرہ ہو تو بھی سچ بولو۔ مال اپنے دنیاوی کاموں یا بال بچوں کے لئے چاہیئے مگر دینی ضرورت پیدا ہو تو دینی ضرورت کو ترجیح دو۔ ورنہ گھاٹا انسان ہی کا ہے کیونکہ بل تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا ۝ والاٰخرۃ خیرٌ وابقیٰ ۝ (الاعلیٰ ۸۷ - آیات ۱۶، ۱۷) یعنے تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی جگہ ہے۔ چونکہ یہ زمانہ دنیا پرستی کا آنے والا تھا اس لئے اس زمانہ کے امام نے ہم سے عہد لیا کہ ہم "دین کو دنیا پر مقدم کریں گے"

مرد و زن

دین اور دنیا کی تقسیم کے بعد سب سے بڑی تقسیم مرد و زن کی ہے۔ ساری دُنیا اس میں بٹی ہوئی ہے۔ بلکہ یہ ساتھ آخرت کا بھی ہے۔ ان دونوں جنسوں SEXES کے درمیان تعلقات میں بھی دنیا میں ہمیشہ افراط و تفریط رہا۔ صدیوں تک بلکہ ہزاروں سال تک مرد عورتوں پر چھائے رہے۔ بلکہ دوسرے مذاہب نے تو عورت کو واضح طور پر حقیر اور گھٹیا بنا کر اس عدمِ توازن کو دینی خوبی بنا دیا۔ عیسائی مذہب میں عورت اپنے شوہر کو بلکہ اپنی اولاد یعنے ساری نسل انسانی کو جنت سے نکلوانے والی بنی، پھر نسل انسانی کو پیدائشی گناہ میں بلکہ جہنّم میں ڈلوانے والی عورت ہی تھی، بلکہ عورت کو تو لعنت بھی کہا گیا۔ ہندو مذہب میں عورت مرد کی ملکیت تھی جس طرح گائے بھینس یا گھر کا سامان ہوتا ہے۔ اس کے کوئی مذہبی یا قانونی حقوق نہ تھے۔ کتنا بڑا انقلاب اسلام نے پیدا کیا کہ فرمایا کہ تم دونوں ایک ہی نفس سے پیدا ہوئے ہو، ایک ہی رُوح رکھتے ہو اگرچہ تمہارے سپرد کام علیحدہ، علیحدہ ہیں۔ دولت یا جائیداد جس کو اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھا جاتا ہے اُس میں اسلام نے عورت کو وہ حقوق دیئے جو کہ آج بھی اہل مغرب میں باوجود ان کی مزعومہ روشن خیالی کے عورت کو نصیب نہیں۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے عورت کے لئے تمام اخلاقی و روحانی ترقیات کھلی ہیں۔ اس کا ذکر قرآن حکیم میں مختلف جگہ آتا ہے ایک جگہ سے سناتا ہوں۔ فرمایا " بے شک مسلم مرد اور مسلم عورتیں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور صدق دکھانے والے مرد اور صدق دکھانے والی عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اور فروتنی اختیار کرنے والے مرد اور فروتنی اختیار کرنے والی عورتیں، اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنیوالی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے " (الاحزاب ۳۳ - ۳۵)

انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی کا اعلیٰ ترین مقام جس پر اللہ تعالےٰ کی وحی

اس پر نازل ہوتی ہے وہ کبھی عورت کو نصیب ہو سکتا ہے۔

جہاں تک حقوق انسانی کا تعلق ہے اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ فرمایا کہ ولھنّ مثل الذی علیھنّ بالمعروف (البقرہ ۲ ۔ ۲۲۸) یعنے عورتوں کے لئے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے لئے عورتوں پر حقوق ہیں۔ مگر یہاں [illegible]
باوجود کوئی اختلاف حل نہ ہو تو پھر مرد کی رائے مانی جائے۔ اس حکم پر خواتین بہت جز بز ہوتی ہیں اور بعض تو مرد کی بات ماننے کو بالکل تیار نہیں ہوتیں بلکہ لڑ جھگڑ کر، یا رو دھو کر، یا رو دھو کر اپنی بات منوانے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہی افراط و تفریط ہے جس سے بچنے کا حکم سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم پر چلنے کے فقرہ میں تھا۔ کہاں تو ہزار ہا سال مردوں نے عورتوں پر حکومت کی اور سیاہ و سفید منوایا اور کہاں اب عورتیں آزادی کی ہوا کھا کر بالکل بے قابو ہو رہی ہیں الاّ ماشاء اللہ۔

مرد کی کیوں مانی جائے؟

اگر میاں بیوی میں آپس میں مشورہ اور مصالحت سے کوئی بات طے نہ ہو سکے تو یہ تو ہو نہیں سکتا کہ روز عدالتوں میں جا کر خوار ہوا جائے یا پنچوں کو بلا کر بیچ میں ڈالا جائے، یا امّاں ابّا کے سامنے مقدمے پیش ہوں۔ تو فرمایا کہ اس صورت میں مرد کی بات مان لی جائے۔ اس لئے کہ بہر حال ایک کی تو مانی جانی ہی ہے۔ مرد کو دنیا کے دھکّے کھا کر، لوگوں سے واسطہ پڑنے کی وجہ سے، معاملات کی زیادہ سوجھ بوجھ ہوتی ہے۔ اور اکثر جن باتوں پر اختلاف رائے ہوتا ہے ان میں کسی نہ کسی رنگ میں روپے پیسے کا خرچ آن پڑتا ہے اور چونکہ اخراجات مرد کو پورے کرنے ہوتے ہیں اس لئے اس کی ذمہ داری کی وجہ سے اس کی بات ماننی چاہیئے۔

اس بات کے معقول ہونے کے باوجود اکثر خواتین معترض ہوتی ہیں کہ اگر مرد کی بات غلط ہو تو اس کی بات کس طرح مانی جا سکتی ہے؟ میں ایسی خواتین سے پوچھتا ہوں کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ کس کی بات غلط ہے؟ آخر مرد اپنی عورت کی بات غلط یا ناممکن العمل سمجھتا ہے تبھی تو اس کی نہیں مانتا ورنہ اکثر تو وہ مان ہی جایا کرتا ہے۔ بہر حال اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ کسی موقعہ پر مرد غلط ہے تو خواتین کی جو باتیں مان لی جاتی ہیں وہ بھی تو بعض وقت بعد میں غلط ثابت ہوتی ہیں اور بیوی کو تو ایک خاوند ہی کی غلط بات کبھی کبھار ماننی پڑتی ہے۔ مرد کو تو باہر کی زندگی میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں لوگوں کی غلط باتوں کو جانتے ہوئے بھی ماننا پڑتا ہے۔ اگر ایک سرکاری افسر ہے تو اس کو اپنے افسرانِ بالا کی روز باتیں ماننی پڑتی ہیں جو وہ جانتا ہے کہ غلط ہیں۔ زمیندار ہے تو اسے دوسرے زمینداروں اور سرکاری افسروں کی روز باتیں ماننی پڑتی ہیں چاہے وہ اس کی عقل اور ضمیر کے کس قدر بھی خلاف ہوں۔ تاجر ہے تو اسے تجارت میں جو اس کے اوپر کوئی اختیار رکھتے ہوں یا افسروں کی صحیح یا غلط باتیں کڑوا گھونٹ کر کے نگلنی پڑتی ہیں۔ مرد پر تو باہر ہر قسم کے حکومت چلانے والے ہیں، عورت پر اللہ تعالےٰ نے بڑا احسان کیا ہے جو صرف ایک خاوند کی کبھی کبھار بات ماننی پڑتی ہے۔

قرآن مجید بھی کیا علم و حکمت سے پُر کتاب ہے؟ اس آیت کو جس میں مرد و عورت کے تمدن کی سے مساوی حقوق ہونے، مگر لاینحل اختلاف کی وقت مرد کی بات مانی جانے کا حکم ہے یوں ختم کیا ہے واللہ عزیز حکیم (البقرہ ۲ ۔ ۲۲۸) یعنے اللہ غالب ہے اور [illegible]

دولت کا مسئلہ

تیسرا بڑا مسئلہ دولت کا ہے۔ دنیا کے سب کام دولت کے ذریعہ چلتے ہیں اس لئے لازماً انسان کے دل میں دولت کی بہت طلب اور طمع بلکہ ہوس ہے۔ وہ بے قابو ہو جائیں تو دنیا کے اکثر جرائم انہی کے باعث ہوتے ہیں۔ کم سے کم دولت کی لالچ جو ھل من مزید کی آگ بن کر ہر آن ایسے انسان کے دل کے اندر بھڑکتی ہے وہ ایسے انسان کے اخلاق کا بیڑا غرق کر دیتی ہے۔ انہی تمام باتوں کو دیکھ کر اسلام کے سوا تمام مذاہب نے دولت کمانے اور جمع کرنے کو اخلاق اور روحانیت کا دشمن سمجھ کر اس سے بالکل علیحدہ ہو جانے میں انسان کی نجات سمجھی ہے۔ راہب یا ن یا سادھو یا بھکشو بن جاؤ تو ہی خیر ہے ورنہ تباہی ہے۔ دوسری طرف انہی لوگوں میں انتہائی دولت پرستی ہے۔ ان افراط اور تفریط کے راستوں کو چھوڑتے ہوئے اسلام نے درمیانی راستہ ہمیں بتایا ہے۔ دولت کو اللہ تعالےٰ کا فضل بتاتے ہوئے اسے تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وابتغوا من فضل اللہ (الجمعہ ۶۲ ۔ آیت ۱۰) یا ولا تنس نصیبک من الدنیا (القصص ۲۸ ۔ ۷۷) یعنے دنیا میں جو تیرا حصہ ہے اُسے نہ بھول۔ مگر دولت کو حلال طریقوں سے کمانے پر اسقدر زور ہے کہ کسی مذہب میں نہیں ملتا۔ حرام کو کھانا فرمایا کہ آگ کو اپنے پیٹوں میں ڈالنا ہے۔ پھر زور ہے کہ اپنے مال کو بیوی بچوں کے علاوہ رشتہ داروں، مسکینوں، یتیموں، غریبوں، ناداروں، مقروض لوگوں، مسافروں، اور سوال کرنے والوں پر بطور صدقہ خرچ کرنے کے علاوہ سالانہ زکوٰۃ ایک لازمی فریضہ ہے جو ہر مسلمان پر جو صاحب نصاب ہو یعنے مقررہ حد سے زیادہ دولت رکھتا ہو ادا کرنا واجب ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حق کی حفاظت و اشاعت جس کو جہاد فی سبیل اللہ فرمایا اس کے لئے دولت کو خرچ کرنا لازمی ہے۔

بے شک ان اخراجات سے دولت بظاہر اپنے پاس سے جاتی ہے مگر آخرت میں جمع ہوتی ہے جہاں وہ بڑھ چڑھ کر ملتی ہے۔ دولتمند کو فرمایا کہ وابتغ فیما اٰتٰک اللہ الدار الاٰخرۃ (القصص ۲۸ ۔ ۷۷) یعنے اللہ نے جو اس دنیا میں تجھے دیا ہے اس سے آخرت کی بھلائی کو تلاش کر۔ پھر فرمایا واحسن کما احسن اللہ الیک (القصص ۲۸ ۔ ۷۷) یعنے جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو دوسروں پر کر۔ بالآخر اس بات پر بار بار زور ہے کہ دولت کے معاملہ میں اللہ تعالےٰ کے پاس تمہارا سخت محاسبہ ہوگا ثمّ لتسئلن یومئذ عن النعیم (التکاثر ۱۰۲ ۔ ۸)

دنیاداروں میں افراط و تفریط

دولت کے معاملہ میں دنیادار

میں بھی افراط و تفریط نظر آتی ہے۔ اگر ایک طرف سرمایہ داری یا CAPITALISM ہے تو دوسری طرف اشتراکیت یا کمیونزم ہے جس میں دولت کا کسی کے پاس جمع ہونا منع ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں بعض مولوی صاحبان سے سنتا ہوں کہ اسلام میں بھی دولت جمع کرنا منع ہے۔ اور اگلے روز ٹیلی وژن پر ایک ڈرامہ میں بھی بڑے کھلے الفاظ میں یہ کہا گیا کہ اسلام میں دولت کا جمع کرنا منع ہے۔ چونکہ اس نظریہ کی تائید میں قرآن کریم کی بعض آیات پیش کی گئیں اس لئے میں گمان کرتا ہوں کہ یہ نظریہ مذہبی نقطہ نظر سے ہی پیش کیا گیا اور ان خیالات پر کمیونزم یا اشتراکیت کا اثر نہ تھا۔ پہلے اس سے کہ میں اُن قرآنی آیات کو لوں میں چند سیدھے سادھے سوال اس نظریہ کو ماننے والوں سے پوچھنا چاہتا ہوں۔

اگر اسلام میں دولت جمع کرنے کی اجازت نہیں تو قرآن حکیم اور حدیث شریف اور اسلامی فقہ میں کیوں اس تفصیل سے **وراثت** کے احکام آئے ہیں؟ زکوٰۃ کے احکام کیوں قرآن حکیم اور حدیث شریف اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں؟ جب تک دولت جمع کرنے کی اجازت نہ ہو نہ تو وراثت کے احکام کی ضرورت ہے نہ زکوٰۃ کے احکام کی۔ قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ اور تمام فقہاء کی کتابوں میں وراثت اور زکوٰۃ کے بالتفصیل احکام صاف بتاتے ہیں کہ اصولاً دولت کا جمع کرنا اسلام میں جائز ہے۔

اب میں اُن قرآنی آیات کو لیتا ہوں جو اس غلط نظریہ کی تائید میں پیش کی گئیں۔ پہلے تو ان آیات کا ٹیلی وژن پر اُردو زبان میں ترجمہ پڑھا گیا "اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دو۔ جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو چکھو جو تم جمع کرتے تھے" (سورۃ التوبہ ۹۔ آیات ۳۴۔۳۵)

اگر ان آیات میں یہ الفاظ نہ ہوتے کہ مال کو "اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے" تو میں کہتا کہ ہاں اشتراکیت یا کمیونزم کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ مال جمع کرنا بُرا ہے یہاں صاف فرمایا کہ مال کو جمع کرتے رہنا مگر اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا بُرا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اُن تمام مقاصد کے لئے ہے جن میں سے کچھ کا ذکر میں اوپر کر آیا ہوں۔ اسلام کی تاریخ میں خود رسول اللہ صلعم کی حیات طیبہؐ کے دوران بعض دولت مند صحابہ تھے جن میں حضرت عثمانؓ مشہور و معروف ہیں۔ ان کی زوجیت میں رسول اللہ صلعم کی دو صاحبزادیاں (پہلی صاحبزادی کی وفات کے بعد دوسری کا نکاح ہوا) آئیں۔ اگر قرآن حکیم کی آیات کے وہی معنی ہوتے جو غلط نظریہ والے صاحب پیش کرتے ہیں تو یہ صحابہؓ تو ایسے پابند قرآن و رسول تھے کہ ایک سیکنڈ کے لئے اپنے پاس دولت کو جمع نہ رہنے دیتے۔

اب دوسری آیات لیں "افسوس ہے ہر عیب لگانے والے طعن کرنیوالے پر جو مال کو جمع کرتا ہے اور اسے شمار کرتا رہتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حُطمہ میں ڈالا جائے گا۔ اور تجھے کیا علم ہے کہ حُطمہ کیا ہے۔ اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں پر اطلاع پا لیتی ہے وہ ان پر لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دی جائے گی" (سورۃ الھمزہ ۱۰۴) اس چھوٹی سی سورت کی پہلی آیت صاف بتا رہی ہے کہ یہ ہر مال جمع کرنے والے کا ذکر نہیں بلکہ "عیب لگانے والے طعن کرنے والے" کا جو مال کو جمع کرکے اُسے گن گن کر خوش ہوتا ہے کہ وہ مال اسکو ہمیشہ قائم رکھے گا۔ یہ عیب لگانے والے اور پیٹھ پیچھے طعن کرنے والے (لُمَزَۃ) کون ہیں؟ اسلام کی چودہ سو سالہ زندگی میں صرف ایک قوم ہے جس نے یہ کیا اور وہ ہیں مغرب کی عیسائی اقوام جنہوں نے صلیبی جنگوں کے بعد سے صدیوں تک اسلام کے، قرآن پاک کے اور رسول پاک صلعم کے پیٹھ پیچھے ان کی ذات مبارک پر ناپاک الزام لگائے حالانکہ وفات شدہ پر الزام اور وہ بھی جھوٹے لگانا کسی مذہب یا تہذیب میں جائز نہیں اس لئے کہ متوفی اپنا دفاع نہیں کرسکتا۔ اور یہی اقوام ہیں جنہوں نے دولت کو جمع کرنا، اُسے گن گن کر خوش ہونا اور یہ سمجھنا کہ دولت انہیں ہمیشہ قائم رکھے گی خود بھی اختیار کیا اور دوسروں کو بھی سکھانا چاہا۔ یہ تو قرآن مجید کا زبردست علم غیب ہے کہ چودہ سو سال پہلے پیشگوئیاں کی جو آج پوری ہو رہی ہیں۔ ان کے ناپاک اعتراضات جو ان کے اپنے دلوں کی ناپاکی کی وجہ سے تھے ان کے دلوں پر وہ سزا لائے جس کا ذکر اس سورت میں ہے اور مزید برآں جو ھل من مزید کی دولت کی ہوس کی آگ انہوں نے اپنے دلوں کو لگائی اس نے ان کے دلوں سے چین، بے فکری اور اطمینان قلب ختم کرکے ہر وقت کی بے چینی، فکر اور اضطراب ان کے دلوں میں پیدا کر دیا اور یہی ھل من مزید کی آگ مرنے کے بعد ان کے اوپر جہنم کے بلند ستونوں میں بند کر دی جائے گی بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اسی دنیا میں عالمگیر جنگوں میں بمباری کے بعد جو آگ کے ستون ان پر اُٹھتے ہیں اور جو ایٹمی یا ہائیڈروجن بموں کے گرنے پر واقعی بلند ستونوں کے رنگ میں صاف نظر آئیں گے یہ اُن کا ذکر ہے۔ خدارا یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ اُن قوموں کا ذکر ہے جن کا اس سورت کی پہلی آیت میں تخصیص کر دی گئی ہے۔ اگر آپ وہ معنی نہ کریں جو میں نے کئے ہیں تو سورت کی ابتدائی عبارت "افسوس ہے اُن عیب نکالنے والے، پیٹھ پیچھے طعن کرنیوالوں پر"، کا تعلق دولت پرستی سے کوئی بنتا نہیں۔

اب میں وہ آخری آیات لیتا ہوں جو بطور ثبوت پیش کی گئیں کہ اسلام میں مال جمع کرنا منع ہے "تمہیں ایک دوسرے سے مال میں بڑھنے نے غافل رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں جا اترے۔ نہیں تم عنقریب جان لو گے پھر نہیں تم جان لو گے نہیں تم علم یقین کے ساتھ اگر جانتے تو ضرور دوزخ کو دیکھ لیتے۔ پھر تم ضرور اسے یقین کی آنکھ کے ساتھ دیکھ لو گے۔ پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا" (التکاثر ۱۰۲) یہاں پھر پہلی ہی آیت میں فرما دیا کہ یہ کن لوگوں کا ذکر ہے پہلی آیت نے صاف نشاندہی کر دی ہے کہ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جنہیں ایک دوسرے سے مال میں بڑھ جانے نے غافل کر دیا کہ دولت کا آخرت میں حساب کتاب ہوگا۔ جو اس سے غافل نہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنی دولت کو کماتا اور رکھتا یا خرچ کرتا ہے اس کا یہاں ذکر نہیں۔

کتنا خرچ کیا جائے

تو سوال یہ ہوتا ہے کہ مال و دولت کو حلال طریقوں سے کمانے کے بعد اس میں سے کتنا خرچ کرنا چاہیئے۔ سو قرآن کریم بھی کیا کامل کتاب ہے! شروع کتاب میں ہی فرما دیا و مما رزقنٰھم ینفقون (البقرہ ۲۔ ۳) یعنے جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ الفاظ "اس میں سے" صاف بتاتے ہیں کہ کچھ حصہ خرچ کرنا چاہیئے۔ وہ حصہ کیا ہو یہ حالات پر منحصر ہوگا۔ زکوٰۃ کا تو حصہ مقرر ہے۔ صدقات کا حصہ مقرر نہیں۔ اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ میں مال کتنا دیا جائے یہ حالات پر منحصر ہوگا۔ اگر خصوصی یا اشد ضرورت ہو تو جیسا کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر ہوا حضرت ابوبکرؓ اپنا سارا مال و متاع لے آئے۔ حضرت عمرؓ آدھا اور دوسرے صحابہؓ نے بھی بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ فوج کی سواری کے لئے اس دور دراز سفر کے لئے دیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسی ایک اہم قومی ضرورت کے وقت تو سارا یا آدھا یا بیشتر مال دے دیا جائے تو وہ صحیح ہے۔ مگر عام طور پر کتنا دیا جائے؟ یہ ہر شخص

کے ایمان اور جذبۂ قربانی کے اوپر منحصر ہے۔ مگر میری ایک ذاتی رائے ہے وہ یہ کہ قرآن کریم میں آیا ہے من جآء بالحسنۃ فلہٗ عشر امثالھا (الانعام ۶ آیت ۱۶۱) یعنے قیامت کے دن جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو وہ دس گنی جائیں گی۔ اس

ایک اہم مثال

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ سے متفق علیہ حدیث ہے کہ میں فتح مکہ کے سال بیمار ہوگیا۔ رسول اللہ صلعم میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس بہت سا مال ہے اور میری ایک ہی بیٹی ہے تو میں سب مال اللہ کی راہ میں نہ وصیت کردوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے دو تہائی کے لئے عرض کی پھر نصف کے لئے مگر آپؐ نے انکار ہی کیا۔ پھر میں نے ایک تہائی خدا کی راہ میں دینے کے لئے کہا تو آپؐ نے فرمایا الثلث خیر یعنے جمع شدہ دولت کا ایک تہائی تک خدا کی راہ میں دیا جا سکتا ہے۔ حضور صلعم نے جو اس موقعہ پہ الفاظ فرمائے وہ ہمارے لئے مشعلِ ہدایت ہیں:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ترجمہ:- اگر تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ دو تو اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو غریب چھوڑ دو۔"

بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک خادم نے جس کا ترکہ سات سو درہم تھا اس میں سے ایک حصہ خدا کی راہ میں دینے کی وصیت کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت علیؓ نے روک دیا اور فرمایا کہ یہ مال کثیر نہیں اس لئے اپنے ورثاء کے لئے رہنے دو۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ میرے پاس تین ہزار درہم ہیں اور چار وارث ہیں تو آپ نے فرمایا یہ تھوڑی سی چیز ہے اسے اپنے عیال کے لئے رہنے دو۔

افراط و تفریط

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ افراط و تفریط انسانی کمزوریاں ہیں۔ صراطِ مستقیم جو بیچ کی راہ ہے وہی مسلمان کو اختیار کرنی چاہیئے۔ وہ جو لکھا ہے کہ آخرت میں ہر انسان کو ایک پل پر سے گزرنا ہوگا (جو پل صراط ہی کہلاتا ہے) وہ بال کے برابر باریک ہوگا، جو اس کے دائیں طرف گرے گا وہ بھی جہنم میں جا پڑے گا اور جو بائیں طرف گرے گا وہ بھی جہنم میں ہی گرے گا۔ تو افراط و تفریط جو صراطِ مستقیم سے اِدھر یا اُدھر گراتے ہیں ان سے بچنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ نے مال کو اپنا فضل کہا ہے اور اس کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ مگر مال کس طرح کماؤ، کس طرح خرچ کرو، اور جو بچے اس کو مرنے پر وارثوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے اس کے واضح احکام قرآن حکیم، احادیث نبویؐ اور فقہ کی سینکڑوں کتابوں میں موجود ہیں ان حالات میں یہ کہنا کہ اسلام مال جمع کرنے کی اجازت نہیں دیتا صحیح نہیں۔

بقیہ احمدیہ دار العلوم - آمدہ صفحہ (۲)

بقیہ احمدیہ دار العلوم - آمدہ صفحہ (۲)

غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام ہو یا خود مسلمانوں کی اصلاح کے مدارس ہوں یا درس کا اہتمام یا علمیہ ونیا کی تصانیف ہوں خواہ علماء و فضلاء کا وجود۔ اس میں ذرہ بھر کلام نہیں کہ ان جملہ مقاصد کی مستقل انجام دہی ایک ایسے مرکزی ادارے کی طالب ہے جہاں افراد علوم دینیہ سے پورے طور پر بہرہ ور ہو کر نکلیں بجز اس کے اشاعتِ اسلام کا مقصد نا کام ہے۔ پس یہ وہ بنیادی ضرورت اور اولین حاجت ہے جو خاص طور پر اس جماعت کے پیشِ نظر رہنی ضروری ہے جس کا نصب العین اشاعتِ اسلام ہو۔ یہ ادارہ جملہ مشنوں کے لئے بطور جڑھ کے ہے جس سے اس کی تمام شاخوں نے پرورش حاصل کرنا ہے اس بنیادی ضرورت سے غافل ہوکر اور اس کی ضروریات کو مقدم نہ کرکے اشاعت کا مقصد کسی صورت میں دائمی صورت اختیار نہیں کرسکتا دوسری گزارش یہ ہے کہ جس جماعت میں یہ جوشِ ایمان و حرارت موجود ہے کہ وہ غیر ممالک میں اپنی ایسی بلند پایہ شاخیں قائم کرسکے جیسے کہ برلن مشن کی شاخ ہے اس سے اپنی مرکزی و بنیادی ضروریات کی نسبت یہ اُمید رکھنا کہ وہ ایسے اقدام کی تکمیل میں کام ایثار سے نہ کرے گی اس کی شان اور روایات کے برخلاف ہے۔ یہ وہ مرکزی حاجت ہے جس پر اشاعت کی آئندہ امیدیں استوار ہیں جس سے علوم حقہ کے استخراج و اشاعت کی توقعات وابستہ ہیں جس پر غیر ممالک میں تبلیغِ اسلام کے مقصد کا دار و مدار ہے اور جس پر مسلمانوں کی دینی ترقی کا سارا انحصار ہے۔ جو اگر ایک طرف فتوحاتِ اسلامیہ کے لئے بطور سرچشمہ کے ہے تو دوسری طرف جماعت احمدیہ کی مرکزی حیثیت کو چار چاند لگانے کا موجب اور جماعت کی بڑھتی ہوئی رَو کو غالب کرنے میں بہترین مدد معاون ہے۔ احمدیہ دار العلوم کے قیام کی تجویز کی طرف انہی ایام میں ہمیں حضرت اقدسؑ کے ایک پرانے رفیق نے توجہ دلائی ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اپنی مخلصانہ گزارش کو دہراتے رہیں جب تک خدا تعالےٰ اس کی تکمیل پر جماعتِ احمدیہ لاہور کو مائل نہ کردے اور اس کے قیام کی تجاویز عمل میں نہ آئیں۔ وما توفیقی الاّ باللہ۔

دار السلام میں تعلیم القرآن کلاس خدا کے فضل سے کامیابی

سے جاری ہے۔ جس میں دُور دُور سے خواتین و احباب اکثر شامل ہوتے ہیں اس کا افتتاح حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا تھا۔ آپ ازراہ شفقت خود بھی شروع سے آخر تک کلاس میں طلبہ کی دلجوئی کے لئے تشریف رکھتے ہیں۔ ان طلبہ کو قرآن مجید۔ حدیث۔ عربی زبان اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس کلاس کے اجراء سے نہایت خوشکن نتائج نکلیں گے۔ ہم اہل لاہور کو مزید توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

مرزا محمد لطیف شاہد

جماعت احمدیہ لاہور (مقامی) کی تنظیم نو

افرادِ جماعت میں بیداری پیدا کر لے۔ مقصد کے ساتھ وابستہ رہنے اور ترقی کی منازل کی طرف مسابقت کے ساتھ بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ گاہے گاہے ایسے مواقع پیدا کئے جائیں کہ ان کے اندر وہ حقیقی جذبہ جس کی خاطر وہ ایک عزم لے کر اٹھے ہیں اس کو بیدار رکھنے کے اسباب مہیا کئے جایا کریں۔ اسی کی طرف ایک رنگ میں قرآن مجید میں ارشاد ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خداتعالےٰ کے حضور عرض کی کہ ربِ ارنی کیف تحی الموتیٰ۔ ارشاد ہوا: فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علیٰ کل جبل منھن جزءً ثم ادعھن یاتینک سعیًا۔ کہ میرے مولا کہ لوگ کس طرح زندہ ہوں گے۔ فرمایا فصرھن الیک ان کی تربیت کریں۔ اپنے ساتھ مانوس کریں۔ پھر ان کو پھیلا دیں تاکہ جو علم انہوں نے آپ سے حاصل کیا ہے اس کو دنیا میں پھیلا دیں۔ جب مزید تربیت و تعلیم کے لئے جب ان کو آپ دوبارہ بلائیں تو بہ تیزی سے دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئیں گے۔ چنانچہ سیرت موسیٰ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی تعلیم و تربیت کے لئے کتنی سعی فرمایا کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ کو ترغیب دلانے کے لئے فرمایا کرتے تھے۔

اجلس بنا ساعۃً نؤمن مؤمنا۔ آؤ۔ کچھ وقت نکال کر آیا کرو ہماری مجلس میں بیٹھا کرو۔ اس کے نتیجہ میں تم مومن ہو جاؤ گے۔ غور کیا جائے تو اس حدیث میں ایک بہت بڑا نکتہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جب مومن آپس میں مل کر بیٹھا کریں گے ایک دوسرے سے تعلقات ان کے پیدا ہوں گے۔ ایک دوسرے کے حالات کا ایک دوسرے کو علم ہو گا۔ دلوں کے اندر الفت و محبت پیدا ہو گی بیگانگی کی جگہ یگانگت پیدا ہو گی۔ ابعاد۔ قرب کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور جماعت کا مقصد۔ یعنی سب لوگ ایک مقصد کے لئے مل کر مشترکہ کوشش کریں وہ پورا ہو گا۔ جماعت جمع سے نکلا ہے۔ سب کا اکٹھے جمع ہونا جس میں بڑے۔ چھوٹے۔ امیر غریب اونچے نیچے، ہر طرح کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔

ہمارے موجودہ زمانے کے امام حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اس روح کو اپنے ماننے والوں کے دلوں میں پیدا کیا۔ جلسہ سالانہ کی بنیاد بھی اسی کے لئے رکھی گئی تھی اپنے اصحاب کو قادیان بار بار آنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور سست افراد کو چست کرنے کے لئے فرمایا کرتے تھے کہ وہ لوگ جو بار بار میرے پاس نہیں آتے مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے۔

گذشتہ تین ماہ سے جماعت احمدیہ لاہور (مقامی) کی تنظیم نو اور استحکام کے لئے خاص جدوجہد ہو رہی ہے۔ ہماری اس جماعت کے موجودہ صدر۔ محترم جناب میاں فضل احمد صاحب باوجود اس کے کہ آپ دنیاوی اعتبار سے بہت ہی مصروف الاوقات ہیں۔ لیکن جب قوم نے آپ کے کندھوں پر ایک دینی ذمہ داری ڈالی تو آپ نے اُسے خوب نبھایا اور عملاً اس بات کو ثابت کر دیا کہ ایک احمدی خواہ کتنا بھی مصروف ہو وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتا ہے۔ اللھم زد فزد! آپ نے اپنے رفقا سمیت ایک خاص پروگرام تجویز کر کے لاہور شہر کو کئی سیکٹروں میں تقسیم فرمایا اور اپنے معاونین کو تلقین فرمائی کہ گھر میں جائیں اپنے ہر بھائی سے رابطہ قائم کریں۔ ان کی مشکلات معلوم کریں اور وہ بھائی جو وقت کی خوفناک آندھی کی وجہ سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے ہیں ان سے ملیں ان کی سنیں سنائیں۔ ان کو صرف تحریک کی ضرورت ہے۔ ان کو اپنے ساتھ ملائیں۔ اور ان کے حجاب کو دور کریں اور سب لوگوں کی باتیں غور سے سنیں! اس کے بعد آپ نے چھوٹے دائرہ میں ان کے اجتماع بھی کئے اور ان کو اکٹھا کر کے ان کی سنیں اور اپنی باتیں سنائیں۔ ایسے اجتماع دارالسلام، ماڈل ٹاؤن۔ گلبرگ۔ لاہور چھاؤنی۔ مسلم ٹاؤن۔ احمدیہ بلڈنگس میں منعقد کئے اور بعض مقامات پر ضرورت کے تحت یہ ایک سے زائد بار اجتماع کئے گئے تاکہ سارے دوست کھل کر اپنی کہہ سکیں۔ بعض مقامات پر خواتین کی بھی ضرورت تھی کہ وہ آپ کی مدد فرمائیں۔ اس سلسلے میں مرکزی تنظیم خواتین کی بھی مقامی جماعت کے کارکنوں کو بھرپور امداد و تعاون حاصل رہا۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و رحم سے ان گرمی کے ایام میں سلسلہ کے کاموں کے لئے وقت دینے اور تعاون کرنے کی خدمت کو قبول فرمائیں۔

اس کے بعد ۶/۶ ۱۹ کو سب افراد جماعت لاہور۔ مرد و خواتین اور بچوں کے لئے اکٹھے اجتماع کا انتظام فرمایا۔ اس جلسہ "استحکام جماعت" کو کامیاب کرنے کے لئے ہمارے ان بھائیوں کو خاص تگ و دو کرنی پڑی۔ چنانچہ ۶/۶ ۱۹ کو سوا چھ بجے مسجد احمدیہ دارالسلام میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا۔ تلاوت قرآن مجید و نظم کے بعد محترم میاں فضل احمد صاحب صدر جماعت لاہور نے مختصراً افتتاحی خطاب فرمایا کہ ہمارے یہاں اکٹھے ہونے کا مقصد کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم سب ایک ہو کر کام کریں اور جتنی رنجشیں وغیرہ ہیں ان کو ترک کر دیں۔ اس جلسہ کے خصوصی مقرر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تھے۔ آپ کی تقریر کا عنوان تھا:۔

استحکام جماعت اور کامیابی کا راز

آپ نے اپنے خطاب کے ابتداء میں قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً - - - - -

آپ نے فرمایا کہ ہمارا سلسلہ ایک دینی اور مذہبی و روحانی سلسلہ ہے۔ یہ خدا کے حکم کے موافق ایک خاص مقصد اور غرض لے کر کھڑا ہوا۔ ہماری بنیاد قرآن مجید پر ہے جس میں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ ہمیشہ صاف۔ سیدھی۔ مقصد کو آسان اور قریب کرنے والی۔ دل صاف کر کے بات کیا کرو اور راست بازی تمہارے اندر اس طرح کام کرے جس طرح زندگی کو قائم رکھنے کے لئے خون حرکت کرتا ہے جس سے ہماری زندگی قائم ہے۔ اگر وہ خون رک جائے تو انسانی زندگی کو خطرناک خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر روحانی سلسلہ کے ساتھ وابستہ ہونے والے افراد کے دلوں میں راست بازی قائم نہ رہے تو یہ بھی ان کے لئے خطرہ کا الارم ہوتا ہے۔

قوموں کے اوپر ہر طرح کے حالات آتے رہتے ہیں۔ وقتی تکالیف سے پریشان

نہیں ہونا چاہئیے بلکہ ان کا مقصد تو یہ ہونا ہے کہ اپنی سستیاں ترک کر دیں اور اپنے اندر چستی پیدا کریں۔ قلت وکثرت کوئی معیار نہیں اصل معیار نیکی اور تقویٰ ہے۔ قرآن مجید نے کئی مقامات پر یہ چیز بیان فرمائی ہے کہ بعض اوقات جب کثرت سے لوگوں کے

کے خطاب کیوجہ سے لوگوں کے قلوب پگھل رہے تھے اور خدا کے فضل سے سارے لوگ آپ کے وعظ سے اپنے اپنے رنگ میں اثر لے رہے تھے۔ دلوں کے زنگ دُھل رہے تھے اور عہد کر رہے تھے کہ اب ہم اپنی سستی کو ترک کر دیں گے۔ فرمایا:۔

استحکام جماعت کا ایک طریقہ ہے۔ اتقوا اللہ اپنے فرائض کو دیانتداری کے ساتھ ادا کرو۔ دوسرا طریقہ ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا اللہ کی کتاب کو محکم پکڑو۔ اور ولا تفرقوا۔ تشتت وافتراق کی باتوں کو خیرباد کہہ دو۔ دلوں کو صاف کرو۔ انتشار سے نیکی کی طرف انسان کا قدم نہیں بڑھتا بلکہ رُک جاتا ہے نکتہ چینیوں سے دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اسی واسطے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور استغفار کا مومن کو کثرت سے ورد کرنا چاہئیے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو یاد رکھا کرو۔ واذکروا نعمۃ اللہ اور الف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانًا اور دلوں میں الفت بھی اللہ تعالےٰ کے فضل سے پیدا ہوتی ہے۔ اپنے اسلاف کو دیکھو کہ ان کے اندر کیسی الفت و محبت تھی۔

فرمایا:۔ انما المؤمنون اخوۃ۔ انما حصر کے لئے آیا ہے۔ ایسا بھائی چارہ ہونا چاہئیے کہ اس سے بڑھ کر انسان تصور بھی نہ کر سکے۔ حدیث میں یہی آیا ہے کہ کونوا عباد اللہ اخوانًا۔ اے اللہ کے بندو۔ بھائی بھائی ہو جاؤ۔ اس زمانے کے مامور نے بھی یہی بات ارشاد فرمائی تھی کہ تم اسوقت میری جماعت میں شمار کئے جاؤ گے جب آپس میں ایسے ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ سے نکلے ہوئے دو بھائی:۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنا دل کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ اسوقت آپ کے خطاب کے دوران ایک عجیب کیفیت تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسا آپ کا دل پاک وصاف ہے اسی کا عکس اب دوسرے قلوب پر بھی پڑ رہا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعماء کا بھی ذکر فرمایا جو من حیث الجماعت نازل ہو رہی ہیں اور لوگ نیکی میں خدا کے فضل سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

استحکام جماعت کا ایک گُر اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا ہے جسکی روحانی طور سے ارتقاء اور ترقی نصیب ہوتی ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا ط واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ آپ نے اس آیت کی نہایت عمدہ۔ لطیف تفسیر بیان فرما کر سامعین کے ایمان کو تازہ کیا۔ آیت علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم سے ایک نہایت قیمتی نصیحت فرمائی کہ ہر انسان کو اپنے اعمال پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔ دوسروں پر نکتہ چینی سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور ہر پہلو میں خیر کا متلاشی رہنا چاہئیے۔ اس سے انسان کی رُوح کو جلا ملتی ہے اور کمزوریوں پر وہ غلبہ پاتا ہے۔ اور روحانی لحاظ سے کامیاب و بامراد ہوتا ہے۔ آخر میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے حضرت مسیحِ موعود کی اس پاک نصیحت پر اپنی بصیرت افروز تقریر ختم کی۔

"سچ کہو۔ جھوٹ مت بولو۔ بیہودہ باتوں سے پرہیز کرو۔ اپنے قول یا فعل سے کسی کو نقصان مت پہنچاؤ۔ اپنی زندگی کو پاک رکھو۔ غیبت نہ کرو۔ کسی پر بہتان مت لگاؤ۔ افضانی

نے مختلف اصلاحی امور کیطرف توجہ دلائی۔ اس جلسہ کے سٹیج سیکرٹری کے فرائض راقم الحروف نے سرانجام دیئے۔ رات کو تمام خواتین و احباب کی خدمت میں پرتکلف عشائیہ مقامی جماعت کی طرف سے ترتیب دیا گیا۔ دعا پر یہ مبارک تقریب ختم ہوئی۔

محترم میاں فضل احمد صاحب صدر جماعت اب اگلے چھ ماہ کا نہایت ہی مفید پروگرام تجویز فرما رہے ہیں جسے عنقریب احباب کیخدمت میں پیش کیا جاوے گا۔ تاکہ وہ بھی اس میں حصہ لے سکیں۔

دنیا پرستی نے نسل انسانی کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔

"میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔"

بانی سلسلہ مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ نے جب اپنے معتقدین سے یہ عہد لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا تو گویا آپ نے نہ صرف زمانہ کی اصل مرض کی طرف اشارہ کر دیا بلکہ اس کا صحیح علاج بھی بتا دیا۔ اسلام میں دُنیاوی امور و تعلقات کو ترک کرنا روا نہیں لیکن مذہبی نقطۂ نگاہ اور لامذہبیت میں اصل مابہ الامتیاز تقدیم و تاخیر کا ہے۔ جہاں دینی نظریہ کا سارا خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ امور دینیہ اور دنیاوی مفاد میں ٹکراؤ ہو وہاں دین کو مقدم کر کے دنیوی مفاد کو قربان کر دو۔ وہاں لامذہبی کی روح کی اصل جڑ یہ ہے کہ دنیاوی مفاد ہی انسان کے پیش نظر ہوں۔ اور ان کے حصول کی خاطر نہ کہیں اصول کی پرواہ ہو۔ نہ اخلاق و دین سے روگردانی قابل اعتراض شئے۔ چنانچہ اس زمانہ کی حالت کو تو نظر آئے گا کہ تم میں آپس کے تعلقات میں ہر ایک اعلیٰ اصول اور اخلاقی معیار کو پس پشت پھینک رہی ہیں۔ ان کے مدِ نظر اگر کچھ ہے تو یہ کہ کسی طرح انہیں دنیاوی مفاد حاصل ہو جائے۔ آج ساری قوموں کی باہمی کشمکش کی تہ میں یہی جذبہ کارفرما ہے، ہر قوم دوسری اقوام سے تجارت و منفعت میں، مال و متاع پر قابض ہونے میں سبقت حاصل کرنے کو مقدم کر رہی ہے خواہ اس مقصد کے حصول کے لئے انصاف وعدل کا خون ہو جائے۔ عہد و پیماں کی کوئی وقعت و عظمت برقرار نہیں رہی۔ اسی طرح آج ہر بشر کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت میں اپنے معروف سے مال و دولت اور ساز وسامان میں بڑھ چڑھ کر ہو۔ اور اس نصب العین کے حصول میں نہ تو اس امر کی پرواہ کی جاتی ہے کہ انسانی اخلاق تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ یا دوسروں کے حقوق غصب ہوتے ہیں گویا دنیاوی سود مقدم کر لئے گئے ہیں اور یہی وہ وباء زمانہ ہے جس کے باعث دنیا میں امن و عافیت مفقود ہے۔ یہی وہ اصل مرض ہے جس نے دنیا کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر دنیاوی مفاد کی حرص و آز کارفرما ہے۔ ایسی ذہنیت کا علاج بجز اس کے اور کیا ہے کہ ایک ایسی تحریک دنیا میں قائم ہو، جو دینی اصولوں کو مقدم کر کے دنیاوی مفاد کی پرواہ نہ کرنے والی ہو۔ جو لامذہبیت کے مقابل مذہبی روح کو ترقی دے۔ جو دینی امور کو فوقیت دیکر دنیاوی مفاد کی قربانی دینے والے انسان تیار کرے کاش! کوئی صاحب بصیرت اس امر پر غور کرنیوالا ہو۔ تو صرف یہی ایک جملہ کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" عمل پذیر ہو کر سارے امراضِ زمانہ کا تریاق بن سکتا ہے۔ حضرت مجدد صد چہاردہم نے اسی جملہ پر اپنی جماعت کی [illegible]

رپورٹ :- مولوی شفقت رسول خاں

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ نہایت روشن و اعلیٰ ترین کشف کی مثال ہے

انبیائے کرام اور صلحائے عظام کو عالم معاد کے حقائق بذریعہ کشوف مشاہدہ کرائے جاتے ہیں

معراج نبوی کا واقعہ ختم نبوت پر قطعی دلیل ہے

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۲۰/۶/۸۰، فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، جامع مسجد، احمدیہ بلڈنگس، لاہور

سبحان الذی اسری بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بارکنا حولہٗ لنریہٗ من اٰیٰتنا انہٗ ھو السمیع البصیر ہ (سورہ بنی اسرائیل - ۱)

" وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئی جس کے اردگرد کو بابرکت بنایا، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

یہ سورہ بنی اسرائیل یا سورہ اسرا کی پہلی آیت ہے اور اس سورہ کے نام اسرا میں کمالات محمدیہ کی طرف اشارہ ہے جن پر حضورؐ کا معراج جس کا ذکر پہلی آیت اور درمیان سورہ میں موجود ہے دلالت کرتا ہے۔ معراج کا ذکر ایسے رنگ میں کیا ہے جس میں مسجد اقصیٰ کا ذکر لاکر بتادیا ہے کہ وہ برکات جو مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس سے تعلق رکھتی تھیں اور جن کے ساتھ بنی اسرائیل کو مخصوص کیا گیا تھا ان کا وارث اب نبی اکریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو کیا جاتا ہے۔ اس اسرا کو معراج سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ معراج "عرج" سے نکلا ہے جس کے معنے اوپر چڑھنے کے ہیں۔ چونکہ احادیث میں آپ سے لفظ عرج بی یعنی مجھے اوپر چڑھایا گیا مروی ہے اس لئے اس کا نام معراج پڑ گیا۔

انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب و درجہ حاصل ہوتا ہے اور اسوقت بشرائط روحیت کے تمام حجابات پردے اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹادیئے جاتے ہیں۔ یعنی عالم معاد کے حقائق اور زمین اور آسمان کے پوشیدہ نظارے ان کے سامنے بے پردہ نظر آجاتے ہیں اور اپنے رتبہ کے مطابق فیض ربانی سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور اپنے منصب کا فرمان وہ بارگاہ ایزدی سے حاصل کرتے ہیں چنانچہ حضرت ابراھیم علیہم السلام کو جب نبوت عطا ہوئی ہے تو ارشاد ہوتا ہے وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض۔ اسی طرح ہم نے ابراھیم کو آسمان اور زمین کی بادشاہت کے نظارے دکھلائے۔ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہت کا دیکھنا اسرا اور معراج ہی ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے متعلق تورات میں ذکر "یعقوب بیر سبع سے نکلا اور فاران کی طرف روانہ ہوا، اور وہاں ایک مقام پہ جاکر لیٹا کیونکہ سورج غروب ہو گیا تھا اور اس مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لئے اور وہیں سو رہا۔ وہاں خواب دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں اور خدا اس پر کھڑا ہے اور اس نے کہا میں ہوں خداوند تیرے باپ ابراھیم اور اسحاق کا خدا، جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجھ کو اور تیری نسل کو دوں گا۔۔۔" (تکوین ۲۸) اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر جلوہ حق نظر آیا اور یہی ان کا معراج تھی۔ اس تفصیل سے مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ سیر ملکوت سنت انبیاء اور مقربین الٰہی کی زندگی کا حصہ رہی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے منصب اور مرتبہ کے مطابق اس عالم ملکوت کا مشاہدہ و معائنہ کیا ہے۔ اور اسلام نے اس سیر روحانی کو اس قدر عام کرنا چاہا ہے کہ مومن کے لئے دن رات میں پانچ مرتبہ اس کے کسی نہ کسی درجہ تک پہنچ کر ممکن بنادیا ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا الصلوٰۃ معراج المومن۔ نماز مومن کا معراج ہے لیکن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرور انبیاء ہیں اس لئے آپ کو بارگاہ لامکاں میں ایسے عالی مقام تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک اس سے قبل کے کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوئی اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو اب تک دوسرے مقربان خدا کی حد نظر سے باہر تھا۔ مگر دوسرے عالم غیب کے یہ نظارے کشفی و روحانی آنکھ سے دیکھے جاتے ہیں نہ کہ انسان کے مادی حواس ان کو دیکھنے پر قادر ہیں۔

معراج نبویؐ کا واقعہ

اس بات میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ کو واقع ہوئی اور ایک دفعہ ہوئی یا کئی دفعہ معراج ہوئی۔ صحیح اور مستند روایات کے مطابق اور جمہور علماء کی رائے کے موافق معراج صرف ایک دفعہ واقعہ ہوئی اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ میں پیش آیا اور ۲۷ رجب المرجب کو ہجرت سے تقریباً چھٹے یا پانچویں سال بعثت میں ظہور پذیر ہوا۔ بہرحال آیت اسرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانے کا ذکر ہے مفسرین نے اس سے مراد معراج لیا ہے کیونکہ حدیث معراج میں نبی کریم صلعم کو پہلے بیت المقدس لے جانے کا ذکر ہے۔ اور احادیث معراج کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بیت المقدس تشریف لے گئے اور پھر سب آسمانوں کی سیر آپ کو کرائی گئی۔ یہاں تک کہ آپؐ ان تمام مقامات سے اوپر نکل گئے جہاں تک دوسرے انبیاء پہنچے تھے۔ اس بارہ میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا معراج جسد عنصری کے ساتھ تھا یا نہیں۔ اس بارہ میں امت میں دو گروہ ہوئے ہیں۔ کثیر گروہ اس کو جسم عنصری کے ساتھ مانتا ہے اور قلیل گروہ جن میں حضرت عائشہؓ حضرت معاویہؓ

میں اسے رؤیا لکھا ہے اور رؤیا کا لفظ عالمِ خواب یا کشف سے مخصوص ہے جس میں جسدِ عنصری حرکت نہیں کرتا والرؤیا ما یری فی المنام یعنی رؤیا وہ ہے جو خواب میں دیکھا جاتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کفار نے حضور سے جسدِ عنصری کے ساتھ اوپر جانے کا مطالبہ کیا او ترقی فی السماء (بنی اسرائیل ۹۳) تو اس کا جواب دیا۔ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔ گویا یہ تقاضائے بشریت کے برخلاف ہے کہ انسان جسدِ عنصری کے ساتھ اس زمین کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر چلا جائے اور تیسری دلیل حدیث بخاری میں صاف الفاظ میں ہے۔ فیما یری قلبہ وتنام عینہ ولا ینام قلبہ۔ یعنی اس حالت میں معراج ہوا کہ جب آپ کا قلب دیکھتا تھا اور آنکھیں سوتی تھیں مگر دل نہیں سوتا تھا اور اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں "پھر آپ جاگ اٹھے اور آپ مسجد حرام میں تھے" جس سے صاف ثابت ہوا کہ یہ سب کچھ آپؐ پر بحالتِ خواب وارد ہوا اور بخاری شریف کی دوسری روایت میں معراج کی حالت کو بین النائم والیقظان یعنی سوتے اور جاگتے کے درمیان یا حالتِ مکاشفہ قرار دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو کچھ معراج میں دیکھا اس کا حالتِ کشف یا رؤیا میں اس زمین پر دیکھنا ایک اور حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ جب کفّار نے آپؐ کی بات کو نہ مانا اور بیت المقدس کے حالات دریافت کئے تو اللہ تعالےٰ نے بیت المقدس کے نقشہ کو آپؐ کے سامنے کر دیا یعنی کشفی حالت میں دکھا دیا۔ تو یہ معراج بھی لاریب وشک نورانی جسم سے تھا نہ کہ اس جسدِ عنصری سے، یہ حقیقت خدا کی قدرت کے انکار کو مستلزم نہیں ہے۔ خدا بندے کو لے جا کر بھی چیزیں دکھا سکتا اور چیزوں کو بندے کے پاس لاکر دکھا سکتا ہے دونوں صورتوں میں قدرتِ قادر میں نقص لازم نہیں آتا۔ بہرحال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو معراج کے اعلیٰ ترین مقام سے نوازا گیا۔

معراج کا بیان قرآن مجید میں صرف ابتدائی چار آیات میں ہی محدود نہیں ہے۔ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ یہ پوری سورۃ معراج کے اسرار و رموز اور حکموں اور اعلانات سے بھری ہوئی ہے اس سورۃ میں اعلان ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی القبلتین یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کا نبی قرار دیا گیا ہے۔ یہودیوں کی تولیت اور نگہبانی جو بیت المقدس کی ان کے سپرد تھی وہ وعدہ الٰہی کے مطابق ختم کی جاتی ہے اور آلِ اسماعیلؑ کو ہمیشہ کے لئے اس کی خدمت گزاری سپرد کی جاتی ہے۔ کفار قریش سے کہا گیا ہے کہ اب تمہیں نصیحت کرنے کا زمانہ ختم ہوا فیصلہ حق کے ثبوت کے لئے جس عذاب کو تم چاہتے تھے اب وہ تم پر آئے گا۔ کیونکہ رسول اب تم سے ہجرت کرتے ہیں۔

کشوف میں جو نظارے روحانیہ کے واسطہ سے دکھائے جاتے ہیں وہ نہ صرف عالمِ معاد کے حقائق کو مشہود کر کے پیش کرتے ہیں یعنی جو امورِ غیب کے غیر مادی عالم سے متعلق ہیں ان پر رؤیت وبصیرت کی شہادت دیتے ہیں بلکہ ان نظاروں کی تہ میں تمثیلاً آئندہ پیش آنے والے واقعات حقہ بتلائے جاتے ہیں چنانچہ معراج نبویؐ کے واقعہ میں آئندہ کی یہ خبریں بتلانا مقصود ہے کہ اب آنحضورؐ کے واقعہ میں اصل بات یہ بتلائی گئی ہے کہ آنحضورؐ خاتم النبیین ہیں۔ نہ پہلے کوئی نبی آپ سے بڑھ کر مقام پر فائز ہوا اور نہ ہی بعد میں کوئی شخص روحانی مقام پر فائز ہو سکے گا جب تک کہ آپ کی پیروی و غلامی اختیار نہ کرے۔

اخبار احمدیہ

سانحہ ارتحال

راولپنڈی سے جناب فخرالدین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کو ایک رنجدہ خبر بھی سناتا ہوں ۱۵ جون ۱۹۸۰ء کی صبح کو جناب محمد اسلم صدیقی بی۔ اے بی ٹی ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول بدوملہی ولاہور وفات پا گئے "انا للہ وانا الیہ راجعون" مرحوم راولپنڈی میں ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد مسلم ہائی سکول بدوملہی کے اسٹاف میں شامل ہو گئے جہاں انہوں نے بیس سال خدمت کی پھر لاہور میں تبدیل ہو کر آئے۔ مرحوم بہت ہی نیک۔ فرض شناس۔ تہجد گزار بزرگ تھے۔ مقامی جماعت کے اجتماعات میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے اور قومی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ نماز تراویح میں پیرانہ سالی کے باوجود بالالتزام شریک ہوتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں اولاد بھی صالح عطا کی۔ پچھلے سال ان کے ایک صاحبزادے نے مسجد کے لئے تین پیڈسٹل فین اور مبارک مسجد کے رہائشی منصوبے کے لئے پندرہ ہزار روپیہ بھی دیا تھا۔

مرحوم نے دو بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ کئی سال سے وہ مسجد کے قریب رہائش پذیر تھے۔ دو تین مہینے سے وہ اسلام آباد چلے گئے تھے۔ ان کے بڑے صاحبزادے ملتان میں کرنل ہیں اور چھوٹے صاحبزادے امراض قلب کے ماہر ہیں اور ان دنوں کینیڈا گئے ہوئے ہیں۔ لواحقین کا پتہ:- بیگم صاحبہ محمد اسلم صدیقی ۸۷ - اسٹریٹ متصل کورڈ مارکیٹ ۴/۶ - G اسلام آباد۔

۲۰ جون کو مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ مرکزا در بیرونی جماعتوں سے بھی استدعا ہے کہ وہ نماز جنازہ غائبانہ ادا کریں۔

ایک بہن کی وفات:- سیالکوٹ سے جناب برکت اللہ راٹھور ایڈووکیٹ اطلاع دیتے ہیں کہ ہماری جماعت کے ایک مخلص رکن جناب مستری غلام احمد صاحب کی جواں سال شادی شدہ صاحبزادی دختر قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون" مقامی جماعت کو مستری صاحب کے اس صدمہ جانکاہ میں پوری ہمدردی ہے۔ اور وہ انکے اس غم میں برابر کی شریک ہے۔ دیگر احباب سلسلہ احمدیہ سے درخواست ہے کہ وہ بھی مرحومہ کی مغفرت کے لئے خلوص دل سے دعا فرماویں اور جنازہ غائبانہ ادا فرمائیں۔

سچ بولنا نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

(ترجمہ حدیث)

آہ راجہ عبدالمجید صاحب مرحوم و مغفور

راجہ عبدالمجید صاحب مرحوم و مغفور ہماری جماعت کے ایک نہایت مخلص، مخیر، باعمل، احمدیت کے شیدائی، اور دین کے لئے بڑی غیرت رکھنے والے انسان تھے۔ آپ حضرت امیر مرحوم و مغفور حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کے خواہرزادہ حاجی محمد بخش صاحب آف گوجرہ کے صاحبزادہ اور جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے برادر نسبتی تھے۔ راجہ صاحب مرحوم اوائل جوانی میں احمدیہ بلڈنگس لاہور آگئے اور محکمہ ریلوے میں ملازمت اختیار کی اور ڈی ایس لاہور کے دفتر میں ایک طویل عرصہ تک کام کرتے رہے۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ موضع چھ کسی تحصیل کبیر والا ضلع ملتان میں اپنی اراضیات پر مستقل طور پر رہائش پذیر ہوگئے اور وہاں ایک جماعت بھی پیدا کرلی جو خدا تعالیٰ کے فضل سے نماز جمعہ اور دیگر تحریکات میں دیگر جماعت ہائے احمدیہ کی طرح ایک مستعد اور فعال جماعت کی طرح کام کر رہی ہے۔ چوہدری مراد علی صاحب اور پروفیسر محمد ارشاد صاحب اس کے نمایاں کارکن ہیں۔

راجہ صاحب مرحوم ایک جوشیلے اور صاف گو انسان تھے اور دین کے معاملہ میں کسی کا لحاظ روا رکھنے اور دل کی بات منہ پر نہ لانے کے قائل نہیں تھے بلکہ ہمیشہ کھری بات کرتے تھے اور مجالس معتمدین کی ممبری کا پورا حق ادا کرتے تھے۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی تقسیم اور حضرت امیر مرحوم و مغفور کی کتب کی تقسیم سے خاص دلچسپی تھی اور انجمن کو بار بار توجہ دلاتے تھے کہ ان کتب کی اشاعت اور تقسیم پر پہلے سے زیادہ روپیہ صرف کیا جائے۔ راجہ صاحب ہر تحریک میں اپنی بساط سے بڑھ کر حصہ لیتے تھے اور چندہ ماہوار کی باقاعدہ ادائیگی میں ان کی مثال قابل رشک اور لائق تقلید تھی۔ راجہ صاحب سال کے شروع میں اپنا، اپنی اہلیہ صاحبہ، بیٹے اور بیٹیوں اور اپنے مرحوم والدین کی طرف سے بھی چندہ ماہوار باقاعدگی سے ادا کرتے تھے اور پیشگی چھ ماہ یا سال بھر کی رقم خزانہ انجمن میں جمع کرا دیتے تھے۔ آپ ایک کھاتے پیتے اور مرفہ الحال زمیندار تھے اور گوجرہ ضلع فیصل آباد اور ملتان کے قریب چھ کسی میں بھی زرعی اراضی کے مالک تھے۔ چند سال قبل آپ نے پینتیس ہزار روپے ۳۵۰۰۰/- کے قریب رقم اپنے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام ایک مشترکہ کھاتہ میں جمع کرا دی اور وصیت فرمائی کہ ان کی وفات کے بعد یہ رقم بطور سرمایہ محفوظ رکھی جائے اور اسکے منافع سے قرآن مجید اور کتب سلسلہ کی بلاد غیر میں تقسیم کی جائے۔ اسکے بعد انہوں نے اپنی اہلیہ فاطمہ بیگم صاحبہ کی زرعی اراضی کا دسواں حصہ فروخت کر کے اور اپنی منقولہ جائیداد کے دہم حصہ کی رقم شامل کر کے ایک سرٹیفکیٹ خرید کر انجمن کے حوالہ کیا جس کی رقم فروری ۸۶ء میں ۲۵۰۰۰/- روپیہ انجمن کو وصول ہوگی۔ اسطرح ساٹھ ہزار روپیہ راجہ صاحب کیطرف سے انجمن کو وصول ہوا جو بطور سرمایۂ محفوظ استعمال ہوگا اور اسکے منافع سے ۱۸۶۰/- روپے سالانہ چندہ ماہوار جو اسوقت ان کیطرف سے ان کی اہلیہ صاحبہ اور اولاد کی طرف سے اور ان کے مرحوم والدین کی طرف سے ادا ہو رہا ہے اسی طرح ادا ہوتا رہے گا اور اسکے علاوہ ۶۰/- روپے سالانہ ہومیوپیتھک دارالشفاء کے لئے ۱۲۰/- روپے سالانہ مہمان خانہ کے لئے اور ۴۰/- روپے جلسہ سالانہ کے فنڈ میں ان کی طرف سے باقاعدہ ادا ہوتے رہیں گے جیسا کہ ان کی زندگی میں ہوتے تھے۔ کتب کی تقسیم کے علاوہ قرآن مجید پر ریسرچ کرنے والوں اور طالبعلموں پر بھی منافع کا ایک حصہ صرف ہوگا۔ یہ صدقہ جاریہ اور دار البقاء کے لئے اندوختہ فراہم کرنے کی صحیح صورت ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں ہی سارے کام مکمل کر دیئے اور اپنی وصیت کو اپنے ورثاء کے لئے موجب ابتلا نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر بہت سی برکات نازل کرے اور جنت الفردوس میں نہایت اونچا مقام انہیں عطا کرے اور ان کی اہلیہ صاحبہ، ان کی اولاد اور جملہ اعزہ کو صبر جمیل عطا کرے۔ راجہ اسلم مجید ان کے اکلوتے صاحبزادہ ہیں اور بنک میں ملازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

(مرزا مسعود بیگ سیکرٹری انجمن)

تعزیت کیلئے پتہ:- بیگم صاحبہ راجہ عبدالمجید مرحوم مقام چھ کسی ڈاکخانہ کوہی والا تحصیل کبیر والا

یاد رفتگاں

پروفیسر طاہر عمر۔ گورنمنٹ کالج شکر گڑھ

حکیم عبدالوہاب عمرؔ

حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ مہاراجہ کشمیر کی ملازمت سے فارغ ہو کر قادیان تشریف لائے تو کسی بیمہ کمپنی کے ایجنٹ نے چاہا کہ وہ ان سے اپنی زندگی کا بیمہ کر والیں۔ آپ کو سمجھایا گیا کہ بیمہ کا فائدہ یہ ہے کہ اگر انسان جلدی مرجائے تو پسماندگان کو گزارا وقات کے لئے اچھی خاصی رقم مل جاتی ہے۔

حضرت نے ایجنٹ کو بتایا کہ انہوں نے اپنی زندگی اور اولاد کی پرورش کے لئے بیمہ کروالیا ہے اور اگر انہیں سابقہ کمپنی پر کبھی اعتماد نہ رہا تو وہ ان کے یہاں آجائیں گے۔ ایجنٹ حیران تھا کہ یہ کونسی کمپنی اس سے پہلے آئی اور حکیم صاحب کا بیمہ کر گئی جب اس نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:-

"ہمارے یہاں ایک کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہاری اولاد کا بھی ذمہ لیتے ہیں۔ جب اس کتاب کی رو سے اللہ میاں میرا اور میری اولاد کا بیمہ خود کر چکے ہیں تو مجھے کیا تکلیف ہے کہ میں آپ کے یہاں قسطیں ادا کروں"۔

مولانا علیہ الرحمۃ جب مطب سے اٹھتے تو خالی ہاتھ ہوتے کیونکہ فیس اگر کسی نے اپنی خوشی سے دی بھی تو وہ مستحق حضرات میں تقسیم کر کے کرتا جھاڑتے اور نماز ظہر کے لئے مسجد تشریف لے جاتے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو خدا پر توکل تھا اور رب اسکی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوئے اور اس نے ان کو بھی مایوس نہیں کیا جب یہ دنیا سے گئے تو جائیداد اور نقدی قسم کی کوئی چیز ترکہ میں نہ تھی لیکن ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے خود سنبھالا اور انہیں دین اور دنیا میں سرخروئی عطا فرمائی۔ ۲۰ جون ۱۹۷۹ء کو انکے صاحبزادے حکیم عبدالوہاب عمر نے رحلت فرمائی تو ان کی وراثت میں بھی جائیداد اور نقدی کی بجائے کتابیں۔ تجربات۔ بیاض اور ان کا وہ نیک نمونہ جو وہ اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے چھوڑ گئے۔ حکیم عبدالوہاب گورنمنٹ کالج لاہور میں تھے تو مجلس اقبال میں شامل رہتے۔ سر فیروز خاں نون سے لیکر راجہ نرندر ناتھ تک ان کے دوست تھے۔ حمید نظامی مرحوم اور م۔ ش۔ کی دوستی میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے بانیوں میں سے تھے لیکن اس میں سرگرم حصہ اس باعث نہ لیا کہ سیاست کے میدان کے کھلاڑی نہ تھے۔ انہیں پڑھنے لکھنے کا شوق تھا اور جسے یہ شوق لگ جائے پھر وہ کسی اور کام کے قابل نہیں رہتا۔ گورنمنٹ کالج سے نکل کر اپنے تعلقات سے فائدہ اٹھا کر گورنمنٹ آف انڈیا میں کسی اچھی ملازمت کی بجائے دہلی کے طبیہ کالج میں داخل ہوگئے۔ یہ چاہتے تھے کہ میں اپنے والد مغفور کی مانند صدقہ جاریہ بناؤں اور جوانی کے مزید پانچ سال اس درسگاہ میں ہی صرف نہیں کئے بلکہ ہر شام ڈاکٹر لطیف مرحوم کے مطب میں ٹی بی دق پر تحقیقاتی مطالعہ بھی کرتے رہے۔ واپس آئے تو گھر بار لٹ چکا تھا۔ لاہور آئے جودھامل بلڈنگ میں مطب جاری کیا

(بقیہ دیکھئے ۱۲ کالم ۲)

رپورٹ :- بشارت احمد گنائی سیکرٹری شبان الاحمدیہ بھدرواہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بھدرواہ (بھارت) کے زیر اہتمام

جلسہ یوم وصال مسیح موعود

امسال بھی حسب سابق ۲۶ مئی کو زیر اہتمام انجمن احمدیہ بھدرواہ جلسہ یوم وصال مسیح موعود علیہ السلام مسجد احمدیہ محلہ حویلی میں بعد شام منعقد ہوا ماسٹر عبدالکریم صاحب سیکرٹری انجمن ہذا نے جلسہ کی صدارت فرمائی۔

۲۷ مئی کی صبح ½ ۸ بجے سے مقامی شبان نے گروپ بند ہو کر لٹریچر بزبان اردو۔ انگریزی اور ہندی کی کم از کم پانچسو کاپیاں قصبہ کے۔ دفاتر بھدرواہ ۔ مدارس ۔ کالجز ۔ بازاروں اور ملحقہ دیہاتوں میں تقسیم کیا اور ساتھ ساتھ عوام و خواص کو جلسہ میں شرکت کی دعوت بھی دی۔ اس سال کو خدا کے فضل وکرم سے لوگوں نے بہ نسبت سالقہ زیادہ دلچسپی اور شوق سے حاصل کیا اور اسے ہزاروں لوگوں نے مطالعہ کر کے صداقت مسیح موعود۔ سیرت مسیح موعود۔ حقیقت دعاوی مسیح موعود۔ احمدیہ انجمن لاہور کی کارگزاری اور اکناف عالم میں تبلیغ ۔ مسئلہ تکفیر (یعنی کسی کلمہ گو کو کافر کہنا گناہ ہے)۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہی حضرت مسیح موعود کی اصل جانشین ہے۔ وغیرہ اس لٹریچر سے اخذ کیا ہے۔ لٹریچر کی مانگ برابر جاری ہے۔ جو لوگوں کو فراہم کر کے دیا جاتا ہے۔ خوشی کی بات یہ بھی ہے کہ اخبار "LIGHT" "پیغام صلح" کے پرانے پرچے بھی لوگ بڑے شوق سے لے کر گھروں میں پڑھتے اور محفوظ کر لیتے ہیں۔ امسال ایسا محسوس ہوا کہ چودھویں صدی کے ختم ہونے اور پندرھویں صدی کے آغاز نے لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر جماعت کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر پیغام احمدیت کو درست رنگ میں (یعنی حضرت مرزا صاحب کے نظریات) پہنچانے میں سعی کرے تو ضرور سعید الفطرت لوگ سلسلہ کے ساتھ وابستہ ہو کر تبلیغی کام کے سلسلہ میں ممد و مددگار ہوں گے۔ اس جلسہ میں غلام محمد گنائی۔ طارق احمد۔ بشارت احمد بشارت اقبال۔ مشتاق احمد۔ محمود احمد۔ بشیر احمد۔ صدر جماعت عبدالجبار صاحب اور مستورات و دیگر احباب نے بڑی دلچسپی لی اور اسے کامیاب بنایا۔ جزاھم اللہ۔ احباب نے مندرجہ ذیل موضوعات پر تقاریر کیں۔ ملفوظات مسیح موعودؑ احادیث نبویؐ۔ صداقت مسیح موعود۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا تعارف۔ جماعت احمدیہ کے عقائد۔ مسئلہ تکفیر المسلمین اور جماعت احمدیہ لاہور کا مؤقف۔ صداقت اسلام۔ چودھویں صدی کا اختتام اور پندرھویں صدی کا آغاز۔ ان موضوعات کے علاوہ نظمیں اور مکالمے بچوں نے پیش کئے۔ جلسہ بفضل خدا نہایت کامیاب رہا۔ آخر میں صدر جلسہ جناب عبدالکریم صاحب نے مختصر تقریر فرمائی اور دعا فرمائی کہ اے خدا ہم تھوڑے ہیں۔ کمزور ہیں تیرے مہدی اور مسیح نے ایک جماعت برائے تبلیغ اسلام تیار کی جس میں سے ہم قلیل ہی تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے باقی ہیں۔ کام بڑا کٹھن ہے۔ ہمیں اشاعت اسلام کے وسائل مہیا نہیں ہیں۔ تو ہم میں سے ہر ایک فرد کو اپنی رحمت خاص سے توانائی اور طاقت عطا فرما کہ ہم تیرے دین کو تمام ادیان پر غالب کریں اور دنیا کے تمام ممالک میں تیرے نام کو بلند کرنے کے لئے مساجد تعمیر کریں اور تمام جہان میں تیری توحید اور رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ڈنکا بجا ئیں اے پروردگار تو ہمارے دیگر بھائیوں کو سمجھ عطا فرما کہ ہماری مخالفت کے بجائے وہ ہمارے معاون بن جائیں تاکہ جلد از جلد غلبہ اسلام کا نظارہ ہماری آنکھیں دیکھ لیں۔ اللھم آمین

مرکزی انجمن اشاعت اسلام لاہور کے احباب سے درخواست ہے کہ وہ جمعہ کے اجتماعات میں دارالسلام میں اور احمدیہ بلڈنگس میں جماعت بھدرواہ کے لئے دعا فرمائیں۔

بقیہ حکیم عبدالوہاب عمر۔ آمدہ صفحہ ۱۱

ان کی پوری زندگی درویشانہ تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ بھی جس سے ملاقات کی وہ آئندہ کیلئے ان کا گرویدہ ہو گیا۔ حضرت مولانا نورالدین نے جدید اور قدیم طب کو ملا کر جو تجربات کئے تھے جناب حکیم عبدالوہاب نے ان کو آگے بڑھایا اور وہ خواتین جن کے یہاں ہمیشہ لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں اولاد نرینہ سے فیضیاب ہوئیں۔ جن کے بچے مر جاتے تھے ان کے لئے تریاق اکبر ہی۔ ان دواؤں کی افادیت کا یہ عالم تھا کہ بعض بزرگوں نے اپنے خاندان میں استعمال کیا اور ان کو مبارکباد دی انہوں نے اس سلسلہ کو بڑھایا اور اپنی بیگم صاحبہ کو بھی ۵ سال کا طبی کورس کروا کر خواتین پر مامور کیا تاکہ وہ ان کے تجارب کو آگے بڑھائیں۔ اپنی تمام طبی خدمات کے بعد اب وہ دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں ابدی نیند سو رہے ہیں جبکہ ان کا ثمر فیض جاری ہے اور ہم التماس کرتے ہیں کہ بزرگان سلسلہ اور دوست ان کے لئے دعائے مغفرت میں ہمارا ساتھ دیں۔

الوداعی تقریب :- لالہ عبدالکریم معاون مرکزی دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اعزاز میں کارکنوں کی طرف سے ایک الوداعی تقریب منعقد ہوئی۔ موصوف سروس پوری کرنے کے بعد ریٹائر ہو گئے ہیں۔ کارکنوں کی دعوت پر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی چلچلاتی دھوپ میں ۱۱ بجے دن دارالسلام سے تقریب میں شمولیت کے لئے تشریف لائے تقریب سے محترم بشارت احمد بقا، مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے خطاب فرمایا۔ آخر میں حاضرین کی چائے بسکٹ سے تواضع کی گئی اور حضرت ڈاکٹر صاحب کی دعا پر تقریب کا اختتام ہوا۔ (مفصل آئندہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲ جولائی ۱۹۸۰ء جلد نمبر ۶۷ شمارہ نمبر ۲۷

رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجیدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۲۵ شعبان ۱۴۰۰ھ بمطابق ۹ جولائی ۱۹۸۰ء | نمبر ۲۸

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عفو اور درگذر کی تعلیم

پہلا خلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا اس میں ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہنچایا جائے سزا دلائی جائے قید کرایا جائے۔ جرمانہ کرایا جائے یا آپ اس پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخش دینا اگر بخش دینا مناسب ہو تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے اس بارہ میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے: (۱) والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس (۲) جزاء سیئۃ سیئۃ مثلها فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ یعنی نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو۔ لیکن جو شخص گناہ کو بخش دے اور ایسے موقع پر بخش دے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو یعنی عین عفو کے محل پر ہو نہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائے گا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا۔ پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقعہ بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح گناہ بخشنے کی عادت نہ ڈالو بلکہ غور سے دیکھو

کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے۔ آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔ افراد انسانی کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ کینہ کشی پر بہت حریص ہوتے ہیں یہاں تک کہ داداوں پڑداداوں کے کینوں کو یاد رکھتے ہیں ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگذر کی عادت کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور ایسے عفو اور درگذر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ توبہ توبہ کر اٹھتے ہیں انہیں خرابیوں کے لحاظ سے قرآن کریم میں ہر ایک خلق کے لئے محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے اور ایسے خلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو۔ یاد رہے کہ مجرد عفو کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں پائی جاتی ہے۔ بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے تھوڑی دیر بعد اس قصہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے اور اگر ایسے شخص نے اس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے۔ پس ایسا عفو کسی طرح خلق میں داخل نہ ہوگا۔ خلق میں ایسی صورت میں داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کریں گے ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہوگی۔ دنیا میں بہت تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خلق میں فرق کر سکتے ہیں ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ حقیقی خلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں تو چارپایوں میں گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے مگر ہم ان کو اسی سبب سے ان خلقوں سے منسوب نہیں"

[illegible] خدا کی حکمت اور خدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی)

جناب فخر الدین احمد صاحب راولپنڈی

لمحۂ فکریہ

محترم شیخ اللہ بخش صاحب کا ایک مضمون بعنوان "موت کے دروازے پر" پیغام صلح ۲۰ مئی ۴ جون سنہ ۱۹۸۰ء میں چھپا ہے اس مضمون کے آخری جملے ہمیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ فاضل مضمون نگار نے سورۃ حشر کی ایک آیت کریمہ پر مضمون ختم کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں ایمان لانے والوں کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ اپنے نفسوں کو ٹٹولتے رہو اور اس بات کا محاسبہ کرتے رہو کہ تمہارا آج گزرنے والے کل سے اور آنے والا کل آج سے بہتر ہو۔ اکبر الہ آبادی نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

ہے خوشا وہ قوم مستقبل ہو جس کا شاندار
کل سے بہتر آج ہو اور آج سے بہتر ہو کل

اس لئے احکام قرآنی کی تعمیل میں ہمیں اپنا اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ ہم نے آج کا دن کیسے گزارا۔ اگر آج صبح ہم اور ہمارے اہل و عیال ایمان کی دولت والے تھے تو رات کو ہماری مالی دولت کم تو نہیں ہوئی۔ استقامت دین میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا اور آنے والی صبح ہمیں کس حال میں پائے گی۔ کیا ہم نے خداوند کریم کی رضا جوئی کی راہوں میں چلنے میں مستعدی دکھلائی یا ہمارے پاؤں ڈگمگانے شروع ہو گئے ہیں مؤخر الذکر صورت میں ہمیں فکر کرنی چاہیئے اور اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اپنے نفس کی اصلاح پر توجہ دینی چاہیئے۔ حضرت امام الزمانؑ نے اپنے متبعین کے لئے کچھ نصائح اور وصایا چھوڑے ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہو کر ہی ہم فلاح پا سکتے ہیں اور ان سے روگرداں ہو کر ہم ان افضال و برکات سماویہ سے محروم ہو جائیں گے۔ جن کا اللہ تعالےٰ و تبارک نے حضرت امام الزمانؑ کے متبعین کیلئے وعدہ کیا ہے۔ یقین رکھیئے اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔ ہاں وہ ان لوگوں اور قوموں اور جماعتوں کو ضرور بھلا دیتا ہے جو اس سے عہد باندھنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں۔ نقض عہد کرنے والے دنیا و آخرت میں رسوائی پاتے ہیں۔

۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۹۷ء جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضرت امام ربانی بانیٔ سلسلہ احمدیہ جماعت کو مخاطب کرتے وقت انہیں تقویٰ کی نصیحت فرماتے ہیں۔ اس خطاب کے ابتدائی کلمات آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اپنی جماعت کی خیر خواہی کے لئے زیادہ ضروری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ تقویٰ کی بابت نصیحت کی جائے۔ کیونکہ یہ بات عقلمند کے نزدیک ظاہر ہے کہ بجز تقویٰ کے اور کسی بات سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ ہماری جماعت کے لئے خاص کر تقویٰ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس خیال سے بھی کہ وہ ایک ایسے شخص سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے سلسلہ بیعت میں ہیں جس کا دعویٰ ماموریت کا ہے۔ تا وہ لوگ جو خواہ کسی قسم کے بغضوں۔ کینوں یا شرکوں میں مبتلا تھے یا کیسے ہی رو بدنیا تھے ان تمام آفات سے نجات پاویں۔"

اسی جلسہ سالانہ کے موقعہ پر آپ نے فرمایا:۔

"تم لوگ سچے دل سے توبہ کرو۔ تہجد میں اٹھو۔ دعا کرو۔ دل کو درست کرو۔ کمزوریوں کو چھوڑ دو اور خدا تعالےٰ کی رضا کے مطابق اپنے قول و فعل کو بناؤ۔ یقین رکھو جو اس نصیحت کو ورد بنائے گا اور عملی طور سے دعا کرے گا اور عملی طور پر التجا خدا کے سامنے لائے گا اللہ تعالےٰ اس پر فضل کرے گا۔ اور اس کے دل میں تبدیلی ہو گی۔"

جلسہ سالانہ کے آخری دن حضرت اقدسؑ نے ارشاد فرمایا:۔

"ہماری جماعت میں شہ زور اور پہلوانوں جیسی طاقت رکھنے والوں کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی قوت رکھنے والے مطلوب ہیں جو تبدیل اخلاق کے لئے کوشش کرنے والے ہوں اصلی بہادر اور شہ زور وہ نہیں جو پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا دے بلکہ اصل بہادر وہ ہے جو تبدیل اخلاق پر طاقت پا دے۔ پس تم لوگ اپنی ساری ہمت اور طاقت تبدیل اخلاق پر صرف کرو کیونکہ یہی حقیقی قوت اور دلیری کا کام ہے۔"

لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم حضرت مسیح موعودؑ کے کشتی نوح میں بیان کردہ معیار پر انفرادی طور پر پورا اترنے کی کوشش کرتے رہیں سو فیصدی اسلامی اخلاق کا نمونہ بنیں۔ دل کی حلیمی اور بھائیوں کی ہمدردی میں دوسروں سے ممتاز ہو جائیں ابتلاء و آزمائش کے وقت صدق ظاہر کریں۔ ہماری زندگی کے ہر پہلو میں دینی اقدار اجاگر ہوں اور ہم صرف سلسلہ احمدیہ ہی کو کافی نہ سمجھیں جیسا کہ حضرت امام زمانؑ نے فرمایا ہے۔

"سو اے تمام لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو۔ آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالےٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ۔ ۔ ۔ ان سب باتوں کے بعد پھر میں کہتا ہوں کہ یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں خدا تعالےٰ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ ۔ ۔ ۔ جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص امر معروف میں میری اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔" ۔ ۔ ۔

چند دنوں تک رمضان المبارک شروع ہو رہا ہے۔ یہ مجاہدے کا مہینہ ہے دعاؤں کے لئے بھی۔ اپنی اصلاح نفس کے لئے بھی اور تبدیلیٔ اخلاق کے لئے۔ آیئے ہم اس مبارک ماہ میں اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کے پوری پوری کوشش کریں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ ہمیں تقویٰ اختیار کرنے اور حضرت امام الزماںؑ کی جماعت سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جماعت کراچی کا ایثار:۔ احباب جماعت کراچی نے جماعت کی بے سہارا نادار اور بیوہ خواتین کے لئے ایک معقول رقم مخصوص کر کے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ان کو سلائی کی مشینیں خرید کر دی جاویں تا کہ وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی زندگی خوش اسلوبی سے گزار سکیں۔ درخواست گزار مقامی جماعت کے سیکرٹری صاحب کی وساطت سے اپنی درخواست مع جملہ کوائف و حالات خان محمد حسن خان صاحب سیکرٹری جماعت کراچی کی خدمت میں بھیجیں۔ پتہ درج ذیل ہے۔ محمد حسن خان صاحب (۲۵) اورینٹل چیمبرز [illegible]

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۹ رجولائی سنہ ۱۹۸۰ عیسوی

مغرب سے طلوعِ آفتاب کے آثار

حضرت مرزا صاحب کے سپرد جو کام تھے وہ آپکی صدی پوری ہونے سے پہلے پورے ہو گئے

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی، بتاریخ ۴ جولائی ۱۹۸۰ء بمقام جامع مسجد، دارالسلام، لاہور

یوم نطوی السمآء کطیّ السّجلّ للکتبؕ کما بدانا اوّل خلق نعیدہٗؕ وعدًا علینا انّا کنّا فٰعلین ۝

(سورۃ الانبیآء ۲۱ - آیت ۱۰۴)

ترجمہ: جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے جس طرح تحریروں کا طومار لپیٹا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے پہلی پیدائش شروع کی تھی اُسے پھر بنائیں گے۔ یہ ہم پر وعدہ ہے۔ ہم اسے ضرور بالضرور کر کے رہیں گے۔

میں نے چند روز ہوئے سورۃ الانبیآء کی آخری چند آیات پر خطبہ دیا تھا۔ اُن میں سے پہلی آیت وہ ہے جو میں نے آج پڑھی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ آیت جس کو سمجھنے میں مفسرین کو صدیوں دقّت رہی اس کو اس زمانہ نے ایسی عمدگی سے واضح کیا ہے کہ انسان کے دل سے بے اختیار نکل جاتا ہے سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ قرآن کریم کیا علمِ غیب سے پُر کتاب ہے! اور یہ اس کے منجانب اللہ ہونے کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔

اس آیت کا اب تک مفسرین آسمان کو ٹھوس سمجھ کر قیامت کے دن آسمان کے لپیٹے جانے کا معنیٰ کرتے رہے۔ مگر پھر بھی تحریروں کے طومار کو وہ کبھی نہ سمجھا سکے۔ اور پھر آگے زمین پر صالحین کی وراثت ہونے، رسول اللہ صلعم کے تمام قوموں کے لئے رحمت یعنے روحانی نعمتوں اور باطنی و ظاہری علوم و ترقیات کا باعث بنا کر بھیجے جانے، اور غیر مسلم اقوام خصوصًا عیسائیوں کو تبلیغ اسلام کرنے اور ان کے نہ ماننے پر اُن کو عذابوں کی تنبیہ کرنے، اور حق اور باطل کے مقابلہ میں حق کے غالب ہونے کی استدعا کا ذکر قیامت کے دن پر کیسے صادق آسکتا ہے؟ بہرحال اس زمانہ میں آکر یہ ثابت ہونے نے کہ آسمان کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے اس تفسیر کو ختم کر دیا۔

جب آسمان ٹھوس چیز نہیں ہے تو اس کے لپیٹ لئے جانے کا ذکر ظاہر ہے کہ استعارہ کے رنگ میں ہوا ہے۔ سورۃ الانبیاء کے آخری رکوع میں جس میں یہ آیتِ مبارکہ آئی ہے رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں مکہ جو آپؐ کی اشد مخالفت اور تکذیب کا مرکز تھا اور عرب میں خانہ کعبہ کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور اپنی اس سرداری کو حضور صلعم کی مخالفت اور ہلاکت کی کوشش میں پورا استعمال کرتا تھا۔ اس کی نسبت فرمایا کہ اس شہر کے غلبہ اور مخالفت کو ہم ختم کر دیں گے۔ مگر اسلام کے خلاف پھر دشمنی اور مخالفت کا زمانہ آئے گا جبکہ حتّٰی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کلّ حدبٍ ینسلون (ترجمہ: حتّٰی کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے نکل پڑیں گے) کیا زمانہ نے یاجوج اور ماجوج کو کھولا ہے! ان قوموں کا ذکر بائیبل میں بھی ہے۔ مگر وہاں اور قرآن حکیم میں بھی یہ صیغۂ راز میں رہا کہ یہ طاقتور قومیں کون سی ہیں۔ دراصل اسی زمانہ میں آکر سائنس اور ٹکنیکی ترقیات نے ان قوموں کو عروج دیا اور طاقتور بنایا اور وہ دُنیا کے تمام بلند (بمعنی عمدہ) مقامات پر قابض ہو کر تیزی سے اپنی ہلاکت یعنے دنیاوی غلبہ کے لُٹنے کی طرف جا اُترے۔ واقترب الوعد الحقّ اور خدا کا سچا وعدہ قریب آگیا۔ وہ سچا وعدہ قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے۔ جن میں سے چند آیات سورۃ کہف میں سے پڑھ دوں۔ اس سورت کے پہلے رکوع میں خدا کے بیٹے کو جھوٹا عقیدہ بتاتے ہوئے اس بارہ میں رسول اللہ صلعم کے غم و حزن کو اور ان اقوام کی اسلام کی مخالفت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افسوس اور دُکھ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

فلعلّک باخعٌ نفسک علیٰ اٰثارھم (تو کیا تو ان کے بارہ میں اپنی جان کو ہلاک کر لے گا)۔ میں آگے حدیث سے بتاؤں گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دیا گیا تھا کہ یاجوج اور ماجوج کو اس قدر دنیاوی غلبہ اور طاقت نصیب ہوگی کہ لا یدان لاحدٍ بقتالھم یعنے کسی کو ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہ ہوگی اور وہ اپنی طاقت اور دنیاوی غلبہ کو اس غلط عقیدہ (ابن اللہ) کو دنیا میں پھیلانے کے لئے استعمال کریں گے۔ تو قرآن کریم نے پیشگوئی فرمائی کہ یہ یاجوج اور ماجوج زمین کی زینتوں میں کھوئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ وانّا لجاعلون ما علیھا صعیدًا جرزًا ہم جو اس زمین پر ہے اُسے ہموار میدان بنا ڈالیں گے جو سبزہ سے خالی ہوگی۔ تعجب ہے کہ اس زمانہ میں آن کر جاپان میں جو دو چھوٹے ایٹم بم پھینکے گئے اُنہی سے ان دو شہروں کی تباہی کے علاوہ سبزہ جل بھن کر ختم ہو گیا۔ اور جو خطرناک بم اب دنیا کی ہلاکت کے لئے بن چکے اور مزید بن رہے ہیں وہ نہ صرف بڑے ایٹم بم بلکہ ان سے بہت زیادہ مہلک ہائیڈروجن بم ہیں۔ بلکہ اب تو "نیوٹران بم" بھی بن چکا ہے - - - - - - - - - - - - - زمین کیا ہموار اور بے گیاہ ہو جائے گی! کیونکہ یہ تمام بم شہروں اور باغات پر جو یاجوج اور ماجوج کی زینت کے سامانوں کے عشرت کدے ہیں گریں گے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ چونکہ یاجوج اور ماجوج کی دنیاوی طاقت کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا اس لئے اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ میں خود ان کا استیصال کرونگا

(... ۲۲ ...)

تو کیا اس خوفناک اور ہولناک تباہی سے کوئی بچاؤ ہے ؟ قرآن عجیب کتاب ہے کہ ہر سوال کا جو انسان کے دل میں اٹھ سکتا ہے جواب دیتی ہے۔ فرمایا کہ وہ قرآن ہے جو بچا سکتا ہے یعنی حق کے پھیلنے کے راستہ میں جو مشکلات کے پہاڑ ہیں یا زمین کی وسعت (اور قرآن کو پھیلانے والی جماعت کی قلت اور کم مائیگی) یا دنیا کے لوگوں کا اب روحانی طور پر مردہ ہو جانے کا کون علاج کرے گا ؟ کیا جواب دیا ہے کہ دل پھڑک اٹھتا ہے!

انسان کے دل میں سوال اٹھتا ہے کہ کیا قرآن ان مہیب مشکلات پر قابو پا سکے گا ؟ انسان کے سوال کو عبارت میں لا کر جواب دیا" اور اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے کہ جس سے پہاڑ اڑا دیئے جائیں یا اس سے زمین کی وسعت کو کاٹ دیا جائے یا اس کے ذریعہ سے مُردوں سے باتیں کی جائیں (یعنے وہ سُن سکیں) ؟ ہاں ، بلکہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ تو کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ مایوس تو نہیں ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو سارے کے سارے انسانوں کو ہدایت دے دے۔ اور جنہوں نے کفر کیا انہیں اس کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے گھر کے قریب اترے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے ۔ بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔" (الرعد ۱۳ - ۳۱)

چونکہ مغربی دنیا میں آج حیوانیت کا دور دورہ ہے تو حیوان تو سمجھانے سے نہیں سمجھتا اور اسے سزائیں ہی سیدھا کر سکتی ہیں۔ مگر اس سے پہلے قرآن کو ان تک پہنچانا ضروری ہے ۔ اور یہی کام ہے جو اس زمانہ کے مجدد اور مسیح موعود اور مہدی معہود نے اپنے دعوٰی مجددیت کے ساتھ ہی اپنی جماعت کے آگے رکھا اور آپ کے روحانی فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے اپنے لاجواب انگریزی ترجمۃ القرآن اور تفسیر کے ساتھ ۱۹۱۷ء میں سات سال کی محنت شاقہ کے ساتھ پورا کیا ۔ اور پھر جماعتِ احمدیہ لاہور نے جو مٹھی بھر تھی (اور اب بھی ہے) اس قرآن اور متعلقہ لٹریچر کو دنیا کے کونے ، کونے میں پہنچا دیا۔ آج سے چند سال قبل جناب والس محمد صاحب جو بلالی مسلمانوں کے سربراہ ہیں وہ تشریف لائے تھے اور یہیں دارالسلام میں انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ میرا باپ جو امریکہ کے نیگرو لوگوں میں اس تحریک کا بانی مبانی تھا وہ آپ ہی کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کو پڑھ کر مسلمان ہوا تھا اور آج خدا کے فضل سے امریکہ میں لاکھوں نیگرو مسلمان ہو گئے ہیں اور اسلام اب بہت تیزی سے پھیل رہا ہے ۔

اسی طرح جنوبی امریکہ کے علاقوں ٹرینیڈاڈ ، سرینام اور گیانا میں اسی ترجمہ و تفسیر نے آج وہاں بہت بڑی تعداد ہماری جماعت کی بنا دی ہے ۔ مگر یہ تو رنگدار اقوام ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ کیا سفید فام لوگوں میں بھی اسلام کی طرف کوئی رجحان پیدا ہوا ہے ؟ حال ہی میں ایک امریکن سفید فام سائنس دان ہارٹ نامی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے دنیا کی تاریخ کی ایک سو سب سے عظیم انسان ہستیوں کا ذکر کیا ہے ۔ اور ان میں برسرفہرست یعنے نمبر اول پر حضور محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کو رکھا ہے ۔ اور اس کی وجہ لکھی ہے کہ آپ واحد انسان تھے جو مذہبی اور دنیاوی سطحوں پر کامیاب ترین انسان ہوئے ہیں ۔ اسی طرح

کی حب عقب پیدا ہو رہی ہے ۔ یہاں جناب مولوی عبداللہ صاحب ڈی بی نوریا)

کا از حد مشکور ہوں کہ انہوں نے ایک سلسلۂ مضامین بھیجا ہے جس میں امریکہ کے ایک معروف کالم نگار مسٹر جارج کارنل (البیوشی ایٹڈ پریس) نے جو کچھ لکھا ہے وہ تو بہت لمبا چوڑا سلسلۂ مضامین ہے ۔ مگر میں اس میں سے چند مختصر اقتباسات مختلف جگہوں سے آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں ۔

" اسلام آج دنیا میں ایک پُر زور طاقت بن کر اُبھرا ہے نہ صرف مذہبی رنگ میں بلکہ سیاسی نقطۂ نگاہ سے بھی ۔ اس مذہب میں ایک نئی جان پڑ گئی ہے ۔ یہ ایک مذہب ہے جو ایک نئے جوش اور عزم سے اُبل رہا ہے"

مشہورِ عالم امریکن یونیورسٹی ہارورڈ کے مذہبی شعبہ کے ایک ماہر ولیم ۔ اے گریہم کے اس کالم نگار نے مندرجہ ذیل ریمارک کو نقل کیا ہے :

" صدیوں تک محوِ خواب رہنے کے بعد اب اسلام جاگ کر حرکت میں آیا ہے اپنی صدیوں کی جمع ہوئی ہوئی طاقت اور مذہبی دُور بینی کے ساتھ ، جس کو مزید قوت اسلام کے سماجی انصاف کے اصولوں سے ملی ہے ۔ بہت سے ملکوں میں یہ ایک عوامی تحریک ہے ۔"

" مغرب کی لادینی اس مذہب کے لئے بطور تازیانے اور چیلنج کے ہے ۔ عیسائیت اور یہودی مذہب لادینی کے طوفان کے آگے ٹھہر نہ سکے ۔ مگر اسلام اس کا مقابلہ کامیابی سے کر رہا ہے ۔"

" اسلام اس وقت دنیا میں سب مذاہب سے زیادہ تیزی اور کامیابی سے پھیل رہا ہے ۔ آج یہ مشرق و مغرب کے خصوصاً مشرق کے بڑے حصہ پر تیزی سے اُبھر رہا ہے ۔"

" اسلام کے خلاف جو اہلِ مغرب میں عام تعصبات ، خلط ملط اطلاعات یا غلط خیالات کالنقش فی الحجر ہو گئے ہوئے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ اسلام میں مطلق العنانی ہے ۔ ہمیں اس مذہب کو صحیح طور پر جاننا چاہیئے نہ صرف اس لئے کہ یہ عیسائیت اور یہودیت سے ایک رنگ میں متعلق ہے بلکہ اس لئے بھی کہ یہ مذہب تیزی سے بڑھ رہا ہے ۔ نہ صرف امریکہ میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی۔ مسٹر ولیم بجلے فیلڈ جو ہارٹ فورڈ کے دارالعلوم میں پڑھاتے ہیں اور امریکہ میں بلکہ عیسائی دنیا میں قرآن کے علوم کے بہترین ماہروں میں سے ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر غلط فہمیاں بکثرت ہیں اور اسلام کے بارہ میں عیسائی دنیا میں سخت تنگ دلی ہے اور ہم اس مذہب کی اصل خوبیوں اور نیک نیتی پر سنجیدگی سے غور کرنے کو تیار ہی نہیں ۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مثال دی ہے ۔ کہ یہ جو عام خیال ہے کہ اسلام کی ابتدائی تبلیغ یا توسیع میں تلوار کو استعمال کیا گیا ۔ یہ تاریخ کو بالکل مسخ کرنا ہے اور نہ صرف تاریخی واقعات کو بلکہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی نیتوں کو توڑ مروڑ کر بدترین شکل دینا ہے ۔"

نیو یارک یونیورسٹی کے ایک اور مصنف مسٹر فرانسس پیٹرز نے لکھا ہے کہ ہم اب اسلام کی طرف بے التفاتی نہیں کر سکتے جس طرح پہلے کرتے آئے ہیں ۔ یہ بہت اہم ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کو بہتر طریق سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہمیں یہ بخوبی جان لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کا تمدن ایسا ہے کہ موجودہ زمانہ کے لئے بھی

حسب حال اور موزوں ہے اور اب ان کے پاس طاقت (تیل اور دولت) کی ہے۔"

"امریکہ کے طول و عرض میں (یونیورسٹیوں میں۔ آرٹ کے عجائب گھروں میں ٹیلی وژن پر، متحرک نمائشوں میں، مذہبی غور و فکر کی مجالس میں، مذہبی دارالعلوم میں اور دوسرے موقعوں پر) اسلام پر سب سے زیادہ توجہ (SPOT LIGHT) ہے۔ ان میں کچھ تو موقع پیدا ہو چکے یا عنقریب ہونے والے ہیں ایری زونا یونیورسٹی میں، ٹینیسی یونیورسٹی میں، اوٹاوہ یونیورسٹی میں وغیرہ وغیرہ اور ملک کے دارالخلافہ واشنگٹن میں مشہور عالم سمتھسونین انسٹیٹیوٹ میں اور ایسپن انسٹیٹیوٹ میں اور اگلے موسم خزاں میں امریکن اکیڈمی آف ریلیجنز (ڈلس) میں بھی اسی قسم کے اسلام کے مطالعہ کے مواقع آنے والے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ امریکن لوگوں کا جو اسلام کے متعلق علم ہے۔ اس کو عام طور پر بہتر کیا جائے کہ اسلام دنیا کی تاریخ میں ایک تہذیب و تمدن والی طاقت ہے اور آج کل کی تیزی سے بدلتی ہوئی بین الاقوامی صورت حال میں اسلام کیا پارٹ ادا کرے گا۔ اہل مغرب کا ماضی میں اسلام کو عداوت کی نگاہ سے دیکھنے کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ولیم کرانفرڈ نے کہا کہ سابقہ غلط فہمیوں کا بہت کچھ بچا کھچا باقی ہے جسے دور کرنا ضروری ہے اور اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ امریکہ کے درمیان اور دنیا کے دوسرے سب سے بڑے مذہب۔ یعنی اسلام کے درمیان بہتر مفاہمت ہو۔ اسلام جو سب سے تیز پھیلنے والا مذہب ہے وہ دنیا کے لوگوں میں اہم کردار ادا کرنے والا ہے۔"

"آٹھویں سے گیارھویں صدی عیسوی جبکہ یورپ ازمنۂ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، اسلام کا حیرت انگیز اور شوکت بھرا زمانہ تھا۔ اس وقت علوم اور فنون میں مسلمانوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ مگر مغربی دنیا کے تعلیمی اداروں میں اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اسلامی تمدن و تہذیب جس مقام عروج پر تھا وہ صدیوں بعد یورپ کو نصیب ہوا۔ ارسطو اور دوسرے یونانی فلاسفروں اور عالموں کی تصانیف جو عربی میں ترجمہ ہوئیں انہی ترجموں سے یورپ کو ان علمی خزانوں کا سب سے پہلے علم ہوا (ورنہ وہ ضائع ہو جاتے)۔ عربی ہندسے ابھی بھی یورپ اور امریکہ بلکہ اکثر دنیا میں رائج ہیں۔"

"اسلام اس زمانہ میں کیا کچھ کر سکتا ہے اس بحث میں پڑے بغیر یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس کی ابتدائی حیرت انگیز ترقی اور پھیلاؤ اس کے بانی مبانی محمد (صلعم) کی قوت قدسی کی وجہ سے ہوا۔ اسلام کا مرکزی اصول توحید الہٰی ہے۔"

"اسلام کا امتیازی نشان روحانی اور دنیاوی قدروں کا امتزاج ہے جو تمام معاملات میں خواہ وہ ذاتی ہوں یا کاروباری، پیشہ وارانہ ہوں یا حکومت سے متعلق، سب میں نظر آتا ہے اور ان سب پر اللہ تعالیٰ کا تسلط ہے۔ اہل مغرب اکثر غلط طور پر فرض کر لیتے ہیں کہ اسلام کا کوئی اپنا خدا ہے جس کا نام اللہ ہے۔ اسلام کا خدا سب کا خدا رب العالمین ہے۔ اگرچہ یہودی مذہب اور عیسائیت کے پیرو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا مذہب زندگی کے تمام موقعوں پر حاوی ہے مگر ان دونوں مذاہب میں دنیا اور دین کے درمیان ایک ناقابل گزر کھاڑی ہے۔ حضرت عیسےٰؑ نے خود کہا کہ جو قیصر (دنیاوی حکومت) کے معاملات ہیں وہ اس سے طے کرو اور جو خدا کے معاملات ہیں وہ اس سے نبھاؤ۔"

"اسلام میں کوئی پیشہ ور قائد نہیں ہیں بلکہ وہ تمام اہل علم و عرفان سے متوقع ہے کہ وہ مذہبی لیڈرشپ مہیا کریں۔"

"امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد ۱۹۶۰ء سے اب چوگنی ہے۔ اور وہ ۲۵ لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔ ان میں سے آدھے کے قریب مسلمان باہر سے آئے ہیں۔ مگر مقامی باشندوں میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ خصوصاً سیاہ فام لوگوں میں جن میں مشہور عالم محمد علی باکسر بھی ہیں۔ امریکہ میں قریباً سوا چار سو اسلامک سنٹر ہیں اور ۸۰ کے قریب مساجد ہیں۔"

"امریکہ کی نیشنل کونسل آف چرچز نے ۱۹۷۷ء میں ایک TASK FORCE (یعنی دستہ) لوگوں کا مقرر کیا جو اسلام اور عیسائیت کے تعلقات پر غور کرے اس کے ڈائریکٹر ریورنڈ بائرن لی ہینز نے کہا کہ بہت سے واقعات گرجوں کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اسلام کو سنجیدگی سے لیں بعد اس کے کہ صدیوں تک اس مذہب کے متعلق ناواقفیت، تعصب اور غلط خیالات جمع ہوتے چلے گئے۔ ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کی تلافی کریں۔"

"یہ تو امریکہ میں صورت حال ہے۔ بین الاقوامی سطح پر رومن کیتھولک اور ساری دنیا کے گرجوں کی کونسل WORLD COUNCIL OF CHURCHES نے جس میں اہم پروٹسٹنٹ اور مشرقی قدیم چرچ EASTERN ORTHODOX کے مذہبی ادارے شامل ہیں نمائندہ گروپ قائم کئے ہیں جو کہ اسلام کے نمائندوں سے بات چیت کر کے اسلام اور عیسائیت کے درمیان بہتر مفاہمت پیدا کر سکیں۔"

مندرجہ بالا اقتباسات واضح کرتے ہیں کہ مغرب خصوصاً امریکہ میں اسلام کی نسبت کیا انقلاب عظیم رونما ہو رہا ہے۔ کہاں تو صلیبی جنگوں کے بعد سے خصوصاً انیسویں صدی عیسوی میں مغرب یعنی عیسائی دنیا سے اسلام، قرآن پاک، اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے خلاف اعتراضات، گندگی اور دشمنی سے بھری تحریریں بکثرت شائع ہوئیں تمام دنیا کی فضا میں اس طرح چھا گئی تھیں جس طرح کہ زمین پر آسمان یا بادل (جسے عربی میں سماء کہا جاتا ہے) چھایا ہوا اور کہاں وہ بادل یا وہ آسمان (تحریروں کے طومار کا چھایا ہوا) لپیٹ لیا گیا اور ایک نیا آسمان یا نئی فضا قائم ہو رہی ہے۔ کیا تحدّی اور زور تھا اس آیت میں جس سے میں نے یہ خطبہ شروع کیا تھا کہ "یہ ہم پر وعدہ ہے۔ ہم ضرور بالضرور اسے کر کے رہیں گے"۔ **فسبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم** کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کیا زبردست اور بظاہر ناممکن پیشگوئیاں کی گئیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔

مگر میں پہلے عرض کر آیا ہوں کہ دوسری زبردست پیشگوئی یہ ہے کہ وہ قرآن ہے جو مغربی اقوام کو بلکہ دنیا کو ہلاکت سے بچا سکتا ہے۔ اور اس سورت الانبیاء میں جس کی آیت سے میں نے خطبہ شروع کیا تھا آگے باقی کی آیات میں ان اقوام کو اسلام کی تبلیغ کو رسول اللہ صلعم کا کام بتایا گیا اور جو حضورؐ کے کام کو کرے گا وہ کتنا خوش نصیب ہوگا!

حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور آپ کی صحیح جانشین یہ چھوٹی سی جماعت احمدیہ لاہور کے پاس وہ بیش قیمت اور جامع اسلامی لٹریچر ہے جو کسی اور کے پاس نہیں۔ ابھی بھی یہ لٹریچر دنیا کے کونے کونے میں پہنچ گیا ہے مگر اسے اور پھیلانے کی سخت ضرورت ہے خصوصاً قرآن حکیم کو۔ میں نے پچھلے "مسیح موعود نمبر" میں چودھویں کا چاند کے عنوان سے ایک جامع مضمون لکھا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کے جو تین کام تھے بطور مجدد یا بطور مسیح موعود یا بطور امام مہدی کے وہ آپ نے پورے کر دیئے اور آپ کی صدی ختم ہونے سے قبل ہم نے وہ کام سرانجام ہوتے یعنے پھل لاتے دیکھ لئے۔ ہاں حضور نبی کریم صلعم کی ایک پیشگوئی تھی اس زمانہ کے متعلق جو پوری ہونی رہ گئی تھی۔ اور وہ یہ کہ آخری زمانہ میں آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔ چونکہ قرآن حکیم نے حضورؐ کو ہی روشن سورج (سراجاً منیرا) کا خطاب دیا ہے اس لیے اس پیشگوئی کا مطلب جو حضرت مرزا صاحب نے لکھا وہی آج پورا

ہو رہا ہے کہ اسلام کے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے آثار مغربی افق پر ہویدا ہو گئے ہیں۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی قبل از وقت خوشخبری حضرت مرزا صاحب کو دے دی گئی۔ اختصار کی خاطر صرف دو جگہ سے اقتباس نقل کرتا ہوں۔

"میری بڑی دعا اور آرزو یہی ہے کہ میں اس باطل کا استیصال دیکھ لوں جو خدا کی مسند پر ایک عاجز انسان کو بٹھایا جاتا ہے، اور حق ظاہر ہو جاوے۔ میں اس جوش اور درد کو جو مجھے اس حق کے اظہار کے لئے دیا گیا ہے بیان کرنے کے واسطے الفاظ نہیں پاتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے بشارت دی گئی ہے کہ یہ عظیم الشان بوجھ جو میرے دل پر ہے اللہ تعالےٰ اس کو ہلکا کر دے گا۔ اور ایک حیّ و قیّوم خدا کی پرستش ہونے لگے گی۔ وہ خدا جو ہماری ہزاروں دعائیں قبول کرتا ہے کبھی ہو سکتا ہے کہ وہ دعائیں جو اس [illegible]

"یاد رکھو کہ جھوٹی خدائی یسوع کی بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔"

(ناقل کا مضمون "حضرت مسیح موعود کی صداقت کا زبردست ثبوت" جو مسیح موعود نمبر ۱۹۷۸ء میں چھپا دیکھیں کہ آج یورپ اور امریکہ میں یہ زبردست پیشگوئی پوری ہو گئی۔ حضرت اقدس کی باقی پیشگوئی سنیئے) وہ دن آتے ہیں کہ عیسائیوں لے سعادت مند لڑکے سچے خدا کو پہچان لیں گے اور پرانے بچھڑے ہوئے دوست [illegible] سے روتے ہوئے آملیں گے۔

یہ وہ روح کہتی ہے جو میرے اندر ہے جسقدر کوئی سچائی سے لڑ سکتا ہے لڑلے پر یہ وعدے مبدّل نہیں ہوں گے۔"

(کتاب سراج منیر مطبوعہ ۱۸۹۷ء)

کیا اس خدائی وعدہ کے پورے ہونے کے آثار آپ کو نظر نہیں آتے؟

بقول حضرت اقدس ؎

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ مجھ کو میں کروں گا انتظار

—————— ٭٭٭٭٭ ——————

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی سے خط و کتابت کا پتہ

دار السعید۔ ملک پورہ۔ جیل روڈ۔
ایبٹ آباد

——— ٭ ———

از ۔۔ چوہدری محمد انور ملہی

اے اہلِ علم مسلمان حضرات!

کیا آپ چاہتے ہیں؟

کہ

- ٭ دینِ اسلام سرفراز و سربلند ہو اور دیگر ادیان عالم مغلوب ہوں۔
- ٭ عالم اسلام میں ایک نئی قوت اور شان پیدا ہو۔
- ٭ استحصالی قوتوں اور غیر ملکی جارحیت و تسلط کے خلاف مصروف عمل قوموں کو غائبانہ مدد ملے۔
- ٭ انسانوں اور قوموں کے مابین تعلقات حق و انصاف کے اصولوں کے تحت قائم ہوں اور دنیا میں پائیدار امن کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے
- ٭ اس نئے عالمی نظام کی ابتداء ہو جو خدا تعالےٰ نے انسانیت کے لئے دین اسلام کے ذریعے مقدر کر رکھا ہے۔ اور اس سلسلے میں پاکستان اپنا اہم اور بھرپور کردار ادا کرے۔

تو پھر آیئے

ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کی خاطر ہم آپ کی توجہ ایک کتاب کی طرف مبذول کرائیں جس کے منظر عام پر لانے کا فیصلہ خدا تعالےٰ نے پہلے سے کر رکھا ہے۔ تاکہ وہ دنیا پر آشکار کرے کہ :-

(۱) سچا دین اس کے نزدیک اب صرف دین اسلام ہے۔ جو تمام بنی نوع انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔

(۲) قرآن کریم اس کا نازل کردہ آسمانی صحیفہ ہے جو سرچشمہ رشد و ہدایت ہے۔

(۳) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاک پیغمبر اور آخری نبی ہیں جن کی بعثت تمام عالم انسانیت کی ہدایت و بھلائی کے لئے ہوئی ہے۔

اس کتاب کی موجودہ اہمیت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ یہ اقتصادی و معاشی نظام متعلق قائداعظم محمد علی جناح ؒ کی دو اہم تقاریر مورخہ ۲۶ مارچ و یکم جولائی ۱۹۴۸ء کا ماخذ ہے۔ (یاد رہے اوّل الذکر تقریر میں مستعمل الفاظ "اسلامی سوشلزم" کے مفہوم و معانی پر گزشتہ برسوں بڑی بحث اس ملک میں چلتی رہی ہے)

کتاب مذکور کا نام "THE NEW WORLD ORDER" (نیا نظام عالم) ہے جو مشہور مفسر قرآن مولانا محمد علی مرحوم سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور نے جنوری ۱۹۴۴ء میں تصنیف کی۔ یہ کتاب اندرون ملک و باہر بڑی بڑی لائبریریوں میں دستیاب ہے۔ طلب کرنے پر یہ جماعت احمدیہ لاہور کے بک ڈپو واقع احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے بھی ارسال کی جا سکتی ہے ::

مکرم مرزا محمد لطیف شاھد

نماز باجماعت کی برکات

اور صف بندی کی اہمیت

قرآن مجید میں عبادات میں سے سب سے زیادہ زور اقامت صلوٰۃ پر دیا گیا ہے اور اس کی برکت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر نماز کو حقیقی رنگ میں ادا کرنے والا اندرونی و بیرونی طور پر پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید یہاں تک بیان فرمائی ہے۔ کہ ایک مسلمان اور دوسرے انسان میں فرق یہ ہے کہ مسلمان نماز ادا کرتا ہے اور دوسرا اس کو نہیں ادا کرتا۔ انسان کی پیدائش کا اصل مقصد یہ بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ وہ خدا سے تعلق پیدا کرے۔ اور یہ تعلق اداء صلوٰۃ کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ اور اگر یہ تعلق پیدا نہیں ہوتا تو انسان اور دوسرے حیوانات وچرند و پرند میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ مسلمانوں پر یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ نماز باجماعت کے لئے پانچ اوقات میں مسجد میں حاضر ہوں۔ اور ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں۔ نماز کے آداب و شرائط کے مطابق اس فریضہ کو ادا کریں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے وقت صفوں کی درستگی کے متعلق بہت تاکید فرمائی۔ ارشاد فرمایا:۔

۔۔۔۔ (بخاری و مسلم) ترجمہ:۔ تم ہمیشہ جب نماز کے لئے ایک امام کی اقتداء میں کھڑے ہو تو اپنی صفوں کو سیدھا اور برابر رکھا کرو۔ ان کا سیدھا رکھنا نماز کی تکمیل ہے۔ حضورؐ کے ارشاد پر غور کرنے سے انسان کو سمجھ آجاتی ہے۔ کہ اگر میں نے کسی وجہ سے صف میں ایسی حالت پیدا کی جو کہ برابری اور درستگی کے خلاف ہوئی تو میری نماز مکمل نہیں ہوگی۔ اب کوئی شخص جو یہ کوشش نہیں کرے گا۔ کہ جب وہ نماز کے لئے آوے تو پہلی چیز اس کو یہ مدنظر رکھنی چاہیئے کہ میں نماز کے لئے کھڑا ہوں تو صف سیدھی ہونی چاہیئے۔ اگر اس ارشاد پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر صف میں کجی ہوگی اور کوئی شخص آگے اور پیچھے ہو تو یہ منظر انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اور یہ کجی رسول اللہ صلعم کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ یہ حکم مساوات اخوت، یگانگت اور محبت پیدا کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔

چنانچہ ایک دوسری حدیث میں حضرت نبی کریم صلعم فرماتے ہیں:۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (مسلم) ترجمہ:۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے انداز سے صفوں کو سیدھا کرتے تھے گویا کہ آپ ان کو تیر [illegible] سے برابر کیا کرتے تھے۔ اور ہمیں اس کا کافی علم ہوگیا۔ (یعنی صفوں کو سیدھا کرنے کا) ایک دن آپ باہر تشریف لائے۔ اور نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ قریب تھا کہ تکبیر کہی جاتی آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خدا کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا کرو۔ ورنہ خدا تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔ اس ارشاد سے واضح ہوگیا کہ اقامت صلوٰۃ سے پہلے امام کا بھی فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اس کی اقتداء میں جو لوگ نماز ادا کر رہے ہیں وہ سیدھی صفوں میں ہوں اور مقتدیوں کا بھی فرض ہے کہ وہ نماز کے لئے سیدھی صف میں کھڑے ہوں۔ صحابہ کرامؓ جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہی اپنی

رضامندی کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا ہے۔ نہایت تاکید سے اس حکم پر عمل کیا کرتے تھے۔ پس ضروری ہے کہ ہم خود اس پر کاربند ہوں۔ اور اپنی نسل کی بھی صحیح رنگ میں تربیت کریں۔

اوپر میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کر کے تحریر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ امام کا بھی فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ صفیں درست ہیں یا نہیں اس کی تائید میں حضرت نبی کریم صلعم کا میں ایک ارشاد پیش کرتا ہوں۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (مسلم) آنحضرت صلعم نے دیکھا کہ آپ کے صحابہ رضؓ پیچھے ہٹ کر نماز میں کھڑے ہیں اس پر آپؐ نے فرمایا کہ آگے بڑھو۔"

بلکہ اس سے زیادہ تاکید ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ صف بندی کا معائنہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا:۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (مسلم) حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو ورنہ اختلاف سے تمہارے دلوں میں اختلاف ہو جائے گا۔

پھر حضرت نبی کریم صلعم نے صرف صف بندی کی تاکید ہی نہیں فرمائی بلکہ آپؐ نے صف بندی کا طریق یوں بیان فرمایا:۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ابو داؤد)

" حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ صفوں کو ملا ہوا رکھو اور قریب قریب رکھو۔ اور گردنوں کو برابر رکھو، قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں صفوں کے شگافوں میں شیطان کو داخل ہوتے دیکھتا ہوں۔"

اسی طرح بعض افراد ناواقفیت یا کسی اور وجہ سے اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں کہ ان کو ان آداب الصلوٰۃ سے اطلاع دی جاوے یا ان کو کہا جائے کہ آپ آگے تشریف لے آئیں یا ذرا پیچھے ہٹ جائیں یا پہلی صف کو پورا کرنے کے بعد دوسری صف کو شروع کریں۔ ان کے فائدہ کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج کیا جاتا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ابو داؤد)

" تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے کندھے نماز میں دوسرے بھائیوں کے کندھوں سے ملے ہوئے ہوں۔" اصل میں اسلام ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ دنیا میں پیدا کرتا ہے کہ جن کے قلوب میں حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر الفت ہو۔ ظاہری اعتبار سے انسانوں کی شکلیں۔ قدوقامت، ہمت و طاقت، ذرائع۔ استعدادیں۔ مزاج و طبائع میں اختلاف ہے اور یہی تو اس کی احسن الخالقین کی کمال قدرت کی نشانی ہے۔ کوئی کسی ہنر میں کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ کوئی کسی کسب میں یکتائے روزگار ہے۔ رزق کے اسباب و ذرائع بھی جدا جدا ہیں

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲)

يا ايها الذين اٰمنوا كُتِبَ عليكم الصيّام كما كتب على الذين من قبلكم لعلّكم تتّقون

روزہ تمام انبیاءؑ اور صلحاءؒ کی تجربہ کردہ عبادت ہے

حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ

” یا ایها الذین اٰمنوا (وقفہ) کتب علیکم الصیّام (وقفہ) کما کتب علی الذین من قبلکم (وقفہ) لعلکم تتقون ،،

اس آیت میں چار مضمون ہیں، پہلا مضمون یہ ہے کہ یا ایها الذین اٰمنوا۔ اے ہمارے دوستو! جنہوں نے ہمیں مان لیا ہے اور جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لے آئے ہو، ہم تم سے ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔ یہ پہلا حصہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمیں، قوم کو، جماعت کو، کسی فرد کو، بیٹے کو اور بیٹی کو کس طرح مخاطب کرنا چاہیئے دیکھیئے! خدا زمین و آسمان کا بادشاہ ہے اور اپنی ذات میں غنی ہے، حاجت کوئی نہیں رکھتا، باوجود اس شان و شوکت اور کبریائی کے ہمیں یوں مخاطب فرماتا ہے کہ اے ہماری ہستی کے ماننے والو اور ہمارے پیغمبر کی رسالت پر ایمان لانے والو! یہ فرما کر زمین و آسمان کے بادشاہ نے ہم عاجز بندوں سے تعلق جوڑا ہے۔ پھر ایک بات کہی۔

وہ بات یہ ہے کتب علیکم الصیام۔ ہم نے روزے رکھنا تم پر فرض قرار دیا ہے؟ یہ عبادت شاقہ ہے، اس میں مشقت ہے، اس کو نرم کرنے اور بندوں کو تیار کرنے کے لئے اپنا تعلق بتلایا ہے کہ ہمارا انتہا درجہ تعلق ہے۔ ہم بادشاہ ہیں۔ تم مخلوق ہو اور مربوب ہو۔ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہاری معیشت کے وہ سامان پیدا کئے ہیں جو تمہارے جسموں کے لئے ضروری ہیں ہم تمہاری روحانی تربیت کے لئے ایک بات کہتے ہیں بظاہر اس کے اندر مشقت نظر آتی ہے لیکن یہ نہایت مفید ہے اور اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

کما کتب علی الذین من قبلکم۔ تم سے پہلے جسقدر انبیاء آئے اور جس قدر قوموں کے رہنما پیدا ہوئے ان سب نے روزے رکھے ہیں اور اس عبادت شاقہ کا تجربہ کیا ہے۔ انہوں نے اس کو مفید پایا ہے۔ ہمیشہ تجربہ شدہ چیز پر یقین [illegible] ہے کہ یہ ہمارے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔

میرے دیکھنے کی بات ہے، ڈاکٹر ایک ننھے سے بچے کو ٹیکہ لگا رہا تھا، جو روتا اور چلّاتا تھا مگر ڈاکٹر نے اس کی پرواہ نہ کی اور ٹیکہ لگا دیا۔ ان کو دلاسہ دیا کہ ڈرو نہیں اس سے تکلیف نہیں ہوگی۔ تمہیں آرام آ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ تجربہ شدہ مفید چیز پر عمل کرنے کے لئے انسان تیار ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ کسی قدر ناگوار یا تھوڑی سی تکلیف کا موجب بھی ہو۔ یہی بات روزہ کے متعلق فرمائی کہ روزہ اور اس کی افادیت تجربہ شدہ ہے۔

اقوام سالقہ کے تمام انبیاء اور پیشروؤں نے روزے رکھے ہیں۔ اس کی افادیت یہ ہے کہ اس سے قرب الٰہی میسر آتا ہے۔ فرمایا کہ اسی افادیت کی وجہ سے تم پر روزے رکھنا فرض قرار دیئے ہیں۔

لعلکم تتقون، تم اس سے متقی ہو جاؤ گے یعنی خدا خوف اور خادم خلق بن جاؤ گے؛

قرآن کریم بار بار اور کئی رنگوں میں بیان فرماتا ہے کہ اسلام دینِ واحد ہے، جس کی تلقین تمام انبیاء نے کی ہے۔ ایک جگہ فرمایا مصدق لمابین ایدیهم اور فرمایا ولقد وصینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ، ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو بھی جنہیں کتاب دی گئی یہی وصیت کی تھی اور یہی وصیت تمہیں بھی کی ہے کہ اللہ کا تقوٰی اختیار کرو اور اسی طرح کما کتب علی الذین من قبلکم میں یہی ظاہر فرمایا ہے۔ روزہ رکھنا ہر نبی نے سکھایا ہے اصول دین ایک سا ہے اور دینِ اسلام انہی چیزوں کی تلقین کرتا ہے جن کی تلقین پہلے انبیاء نے کی ہے

روزہ کی غرض کیا ہے؟ بغیر غرض کے کوئی بادشاہ کوئی حکم جاری نہیں کرتا۔ روزہ کی غرض ہے لعلکم تتقون۔ ہم تقوٰی کی راہ سکھانا چاہتے ہیں، تم یہ یقین کر کے کہ خدا ہم کو ہر جگہ اور ہر وقت دیکھتا ہے۔ اس کے حکم سے کھانا پینا چھوڑ دیتے ہو۔ سردی کے موسم میں سارا دن چائے تک نہیں پیتے، گرمی کے موسم میں برف کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ ٹھنڈا پانی بھی استعمال نہیں کرتے کیونکہ یقین ہے کہ خدا دیکھتا ہے۔ چھ سات سال کے بچے جب روزہ رکھتے ہیں، ماں باپ کو عصر کے وقت فکر ہو جاتی ہے کہ بچہ بھوکا نہ رہے کچھ کھا پی لے مگر وہ روزہ توڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اسی یقین سے قرب الٰہی میسر آتا ہے۔

انسان کی کچھ خواہشات، کچھ ضروریات ہیں اور کچھ حیوانی خواہشات ہیں۔ لیکن روزہ میں خدا کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے وہ اپنی تمام خواہشات کو ٹھکرا دیتا ہے اور حلال طیب چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ مہینہ بھر یہ مشق کی جاتی ہے کہ خدا کے حکم سے فلاں وقت سحری کھاؤ اور فلاں وقت افطار کرو۔ مہینے بھر کی مشقت سے ایمان و عمل کے نقوش دل پر ثبت ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنے سے تقوٰی کا سبق اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

تقوٰی کیا ہے؛ انسان کے دل میں یہ نقش پکا ہو جائے کہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے اس کے حکم کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ اور جس بات سے خدا تعالےٰ نے منع فرمایا ہے اس سے رکنا ہے۔ ان لا یراك مولاك حيث نهاك تقوٰی یہ ہے کہ تمہارا خدا تمہیں وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے منع کیا ہے۔ اس مجلس میں نہ جائے جہاں جانے سے خدا کے حکم کی نافرمانی ہوتی ہے۔ **یعنی تقوٰی خدا کی رضا حاصل کرنے کا سبق دیتا ہے اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے اجتناب کرنے کو کہتا ہے۔** ڈاکٹر یا طبیب کہتے ہیں کہ فلاں چیز نہ کھاؤ اس لئے کہ وہ مضر ہے تو ہم اس سے اجتناب کرتے ہیں اور ہمارا مولا کہتا ہے کہ گناہ کی زندگی سے کنارہ کش رہو کیونکہ اس سے صحت برباد ہوتی ہے روپیہ ضائع ہوتا ہے اور عزت برباد ہو جاتی ہے۔

روزہ کا مقصد بڑا بلند ہے اس سے بدلوں اور برائیوں سے انسان بچ جاتا ہے۔ اس کو طہارت و تزکیہ حاصل ہوتا ہے جس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ سالقہ اقوام کے

انبیاء نے بھی روزہ رکھا ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے رکھے ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے راتوں کو خدا کے حضور میں قیام فرمایا، ساری عمر آپ نے قیام فرمایا جب نادار تھے تب بھی روزہ رکھتے تھے، رات کو اٹھتے اور اپنا وقت ذکر الٰہی میں گزارتے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب آپ بادشاہ ہو گئے۔ عام طور پر یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی کو بادشاہت یا کوئی بڑا عہدہ مل جائے یا اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ غافل اور آرام طلب ہو جاتا ہے خدا کو بھول جاتا ہے۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برابر آخری دن تک تہجد پڑھتے رہے اور اس قدر لمبا قیام فرماتے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میرے ہاں قیام کیا پچھلی رات اٹھے مشکیزہ سے پانی لے کر وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور سجدہ میں رونا شروع کر دیا۔ پھر قیام کیا اور پھر سجدہ میں رونے لگ گئے۔ یہاں تک کہ زمین آپ کے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ ظاہر ہوا کہ آپ بادشاہ ہو کر بھی عبادتِ الٰہی سے غافل نہ ہوئے۔ حضورؐ دنیا جہان کے بادشاہوں کے لئے نمونہ ہیں۔ حضورؐ کے نقشِ قدم پر چل کر امت میں اولیاء مجدد، غوث اور قطب پیدا ہوئے۔

اس زمانہ کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی روزے رکھے ہیں۔ راتوں کو جاگے ہیں۔ قیام فرمایا ہے۔ ذکر الٰہی میں مصروف رہے ہیں۔ حضرت صاحب نے ریاضت کی ہے، عبادت کی ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلعم کی متابعت کی ہے۔ تمام صلحائے امت نے ریاضتیں کی ہیں روزے رکھے ہیں۔ اس ریاضت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔ کہ ہم تمہیں مشقت کی زندگی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر تم پارس اور سونا بننا چاہتے ہو تو گناہ کی زندگی ختم کر کے روزہ کی مشقت اٹھاؤ۔

بقیہ نماز کی برکات

اور اس سے دنیا آباد اور کشش و مسابقت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ لیکن مسجد میں خدا تعالےٰ نے ان کے اندر حقیقی اور کمال درجہ کا مساوات کا سبق دیا ہے تاکہ دین و دنیا میں الٰہی ارشادات کی اطاعت کے نتیجہ میں انسان کامیاب و بامراد ہو مسجد میں جب اقامت صلوٰۃ کی نیت سے جب مومن آئے تو اسے یہ تعلیم دی۔

- - - - (مسلم) اے مسلمانو! جب مسجد میں آؤ۔ تو خشیۃ اللہ تمہارے اوپر غالب ہونی چاہیئے۔ ذکر اللہ سے آپ کی زبان تر ہونی چاہیئے جیسے لوگ بازاروں میں اونچی اونچی آواز سے باتیں کرتے ہیں ایسی نہیں کرنی چاہیئں۔ دلوان خانوں۔ یا پارکوں میں جس طرح حلقہ بنا کر دنیا کی باتیں اونچی اونچی آواز میں کرتے ہو مسجد میں بالکل خاموشی سے صف میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرو۔ یا نوافل ادا کرو۔ دنیاوی باتیں مت کرو۔ ایسا کبھی اونچا نہ بولے جس سے دوسروں کی عبادت میں خلل پڑے۔

آخر میں تذکرۃ المہدی سے پیش خدمت ہے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ (ترجمہ) نماز با جماعت میں مونڈھے سے مونڈھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہو اور اپنے درمیان کچھ فاصلہ نہ رکھو۔ کہ خالی جگہ شیطان داخل ہو جائے گا۔ یہ اس بات کو ظاہر کیا - - - جماعت میں جیسے جسمانی رنگ میں کوئی ضعیف اور قوی ہوتا ہے تو جب آپس میں ایک دوسرے سے ملنے سے ایک دیوار کی طرح ہو جائیں گے اور مل کر کھڑے ہونے سے ایک دوسرے کی تاثیرات اور فیوض اور جذب روحانی پھیل کر سب میں پہنچ جائے گی۔ جب پہلی صف اپنی نور اور جذب روحانی سے پُر ہو جائے گی تو پھر اس صف کا اثر دوسری صف پر پڑے گا، اور پھر ان دونوں صفوں کا اثر تیسری پر پڑے گا۔

(تذکرۃ المہدی حصہ دوم)

انگریزی سے ترجمہ :۔ محترم بشارت احمد بقا صاحب

اونٹوریو (کینیڈا) کا اسلام کو خراجِ تحسین

ٹورنٹو۔ ۲۹ جون ۱۹۸۰ء "اسلامی تہذیب و ثقافت نے دنیا پر بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور اسلام نے علوم و فنون کی گرانقدر خدمت سرانجام دی ہے"۔ یہ خراجِ تحسین کینیڈا کے سب سے گنجان آباد صوبہ اونٹوریو کی قانون ساز اسمبلی میں مسٹر روبن بیٹیز صوبائی وزیر ثقافت و تفریح نے اسلام کو پیش کیا ہے۔ اس بات کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے کہ سالِ رواں میں اسلامی تقویم کی چودھویں صدی تکمیل پذیر ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا۔ "میں یہ بہت مناسب خیال کرتا ہوں کہ یہ اسمبلی اسلامی صدی کی اہمیت تسلیم کرے اور اس طرح اونٹوریو میں آباد مسلمانوں کی ان مذہبی خدمات کا اعتراف کرے جو انہوں نے اس صوبہ کے سماج کی سرانجام دی ہیں۔ اونٹوریو میں مذہب اسلام کے پیروکار مرد و زن اور بچوں کو رہتے ہوئے ایک صدی ہو گئی ہے۔ لیکن گذشتہ ۲۰ سال کے دوران مسلم آبادی حیرت انگیز طور پر یہاں بڑھی ہے اور اب صورت حال یہ ہے کہ اس صوبہ میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ ان تمام افراد نے اونٹوریو کی کثیر النسل سوسائٹی کو ایک رنگ برنگی مذہبی سوسائٹی بھی بنا دیا ہے اس کے ساتھ ہی وہ اس عالمگیر ملتِ اسلامیہ کا جزو لاینفک بھی اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ جو افریقہ۔ ایشیا، یورپ اور نئی دنیا تک پھیلی ہوئی ہے۔ اسلامی ثقافت اور اسلامی تمدن نے روئے زمین پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ اور علوم و فنون کو بہت ترقی دی ہے۔ مثال کے طور پر قاہرہ کی جامع ازہر دنیا کی پہلی یونیورسٹی ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت سے نویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئی مسلمانوں نے علم سائنس فلسفہ اور زراعت میں جو اضافے کئے اور انہیں جو فروغ بخشا وہ نہایت ہی گرانقدر ہیں اور انہی اضافوں میں عربی اعداد و ریاضی ہیں" پھر فرمایا:۔

"یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مغربی ثقافت اور تہذیب اسلامی علوم اور تہذیب کے اثرات کے بغیر ہرگز وہ ترقی نہ کر سکتی۔ جو اس نے اس وقت کی ہے کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے عالمگیر تصورات کی اہمیت کو دنیا میں اجاگر کیا ہے۔" انہوں نے آخر میں کہا کہ فی الوقت میں یقین رکھتا ہوں کہ تمام ممبران اسمبلی اس عظیم صدی کے آغاز کی اہمیت کو تسلیم کرنے میں حکومت اور میرا بھرپور ساتھ دیں گے۔"

(ماخوذ از ڈان کراچی مجریہ ۳۰ جون ۱۹۸۰ء)

ابوطاہر عرفانی

اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور محسنوں کے ساتھ ہے

”دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد“ پورا کریں

رمضان شریف کا مہینہ اپنی برکات کے جھرمٹ میں پھر آگیا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر مہلت دی کہ وہ ایک بار پھر اپنے مالک کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے بتائے ہوئے طریق پر ماہِ رمضان کے روزے رکھیں۔ اپنے محبوب کی رضا جوئی کے لئے جسمانی آسائشوں کو قربان کریں۔ اپنی محنت کی کمائی ہوئی دولت اس کی خوشنودی کے لئے، اپنے مسکین و غریب بھائیوں پر صرف کریں۔ دنیا سے منہ موڑ کر عبادتِ الٰہی میں محو ہو جائیں۔ ہر قسم کی اخلاقی کمزوریوں کو پاؤں تلے روند دیں **اور خدا تعالیٰ کی پاک کتاب کا کثرت سے مطالعہ کر کے اپنے سینوں کو اس نور سے منوّر کریں۔**

روزے کی غرض و غایت تقوای ہے لعلکم تتقون (تاکہ تم متقی بن جاؤ) کا بلند مقصد روزے کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ساخت اور فطرت میں جو استعدادیں رکھی ہیں ان کی نشوونما کر کے انسان بلندیوں تک پہنچتے رہے ہیں۔ پہنچ رہے ہیں اور پہنچتے رہیں گے۔ قرآن حکیم نے اسی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے :-

ونفسٍ وما سوّاھا ۔۔۔۔ وقد خاب من دسّٰھا ”ترجمہ :- اور نفس انسانی اور اس کی تکمیل کی پھر اسے تخریبی اور اصلاحی امور دونوں کا علم دیا۔ وہ شخص کامیاب ہوا جس نے نفس کی قوتوں کی نشوونما کی۔ اور نامراد رہا جس نے ان استعدادوں کو دبا رہنے دیا۔“

قرآن پاک کی تمام تعلیم کا یہی نچوڑ ہے۔ کہ انسان کی فطرت میں جو استعدادیں بالقوۃ رکھی گئی ہیں، ان کی اس طریق سے نشوونما کی جائے کہ وہ استعدادیں تکمیل کو پہنچیں اور قدرت نے جس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا ہے وہ پورا ہو۔ جس طرح ایک باغبان زمین کو نرم اور درست کر کے اس میں بیج ڈالتا ہے، پانی دیتا ہے، اسے گرمی اور سردی کے بداثرات سے بچاتا ہے اس کے قرب و جوار میں اُگنے والے خودرو پودوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ سالہا سال تک اس کی دیکھ بھال کرتا ہے حتیٰ کہ وہ ننھا سا پودا ایک تناور درخت بن جاتا ہے، اس میں شاخیں پھوٹتی ہیں پتے نکلتے ہیں وہ پھل اور پھول دیتا ہے۔ لوگ اس کے سائے میں آرام پاتے ہیں اور صدیوں تک اس کے وجود سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح اسلام بھی چاہتا ہے کہ انسان کی صلاحیتیں بارآور ہوں وہ خدا کی ربوبیت سے بہرہ ور ہو کر نہ صرف معبودِ حقیقی کو پہچان سکے بلکہ اپنی زندگی میں بار آور ان کے نشوونما کے لئے ایسی فضا پیدا کرے، جو ان کی تکمیل ذات میں ممد و معاون ہو۔ اسلام اسی لئے دینِ فطرت ہے کہ وہ فطری استعدادوں کو کچلتا نہیں، بلکہ ان کو برباد اور بے راہ ہونے سے بچا کر ان کی کامل نشوونما کی راہیں کھولتا ہے۔

رمضان المبارک کی جملہ برکات اور خصوصیات میں سے تین خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔

۱۔ رحمتِ الٰہی کے حصول کے لئے تمام انبیاء و صلحاء اور حق پرست اقوام روزے رکھتی چلی آئی ہیں۔

۲۔ اسی مبارک مہینہ میں قرآنِ حکیم نازل ہوا جو قلب انسان کی تاریکیوں کو دور کر کے معرفت الٰہی کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے۔

۳۔ ارشادِ الٰہی کے مطابق جب کوئی نیک بندہ روزے رکھتا اور اپنی حاجت برآری کے لئے خدا کو پکارتا ہے تو اسے اجیب دعوۃ الداع کی بشارت ملتی ہے۔

رمضان شریف کا مجاہدہ آسمانی برکات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس مبارک مہینہ میں انسان کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ قرآن پاک مطالعہ کر کے ازسرِنو خدا تعالیٰ کے پیارے چہرے کو دیکھے، اپنے مقام کو جان لے، ان باتوں کو اختیار کرے جو اس کی عظمت کی ضامن ہیں اور ان خرابیوں سے دامن بچا کر زندگی گزارے۔ جو اس کی جسمانی۔ اخلاقی۔ ذہنی اور روحانی ترقی کے لئے مضر ہیں۔ وہ ان رذائل سے بچے جن کی وجہ سے وہ اپنے گھر، خویش و اقربا۔ اہلِ محلہ اور قوم و انسانیت کے لئے وبالِ جان بنا ہوا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں خدا کا بندہ بن جائے۔ اس کا ماحول اس کی پاکیزگی، شرافت اور انسان دوستی کی وجہ سے پُرکشش بن جائے اور وہ عملاً اپنے پیدا کرنے والے سے عہد کرے کہ میری تمام زندگی تیری رضا کے حصول اور انسانی زندگی کو حسین تر بنانے میں گزرے گی۔

تقوای ہی کے ذریعے انسان خدا کے پیارے چہرے کو دیکھ سکتا ہے اور اس کے ابدی قرب کو حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ان کا مددگار ہے۔ ان کو دنیا کی آلائشوں سے بچاتا ہے۔ خطرات میں ان کی پشت پناہی کرتا ہے۔ یہ معیت الٰہی ہی تھی جس نے لا تحزن ان اللہ معنا کے الفاظ میں غارِ ثور میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حزن و غم کو ختم کر دیا تھا۔ معیت الٰہی ہی نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار ہونے کا حوصلہ بخشا۔ وھو معکم اینما کنتم کا وعدہ ہی انسان کو مصائب برداشت کرنے کی طاقت بخشتا ہے اور :

اللہ تعالیٰ کی اس معیت کی راہ رمضان شریف کا مجاہدہ ہے

قرآن کریم نے بھی متقین کی یہ صفات بیان کی ہیں :- (۱) وہ ان دیکھے خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۲) نماز کو قائم کرتے ہیں۔ (۳) خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں (۴) آنحضرتؐ پر اتاری ہوئی ہدایت پر کامل ایمان رکھتے ہیں (۵) پہلے انبیاء کی وحی پر بھی ایمان رکھتے ہیں (۶) مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں۔ (البقرہ)

رمضان شریف کا مہینہ اللہ تعالیٰ کا ایک قیمتی انعام ہے۔ آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہ دیوانہ وار اس مہینے کی برکات کو سمیٹتے تھے۔ انہیں دن کا آرام اور رات کی نیند بھول جاتی تھی آنحضرتؐ کی سخاوت پہلے ہی ضرب المثل تھی لیکن رمضان شریف کے مہینے میں اس کی انتہا نہ رہتی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کا تقوای اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ برکات و سعادت کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے۔ اور اسے وہاں سے رزق عطا کرتا ہے۔ جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا آج جماعت احمدیہ لاہور ہی وہ جماعت ہے جو ہر قسم کے جھگڑوں سے دامن بچا کر کتاب و سنت پر عامل ہے اور خدا کے دین کو کامل خلوص، جوش و محبت سے دنیا میں پھیلا رہی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ تڑپ اور پابندی کے ساتھ اس ماہ مبارک کا حق ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو سمیٹیں اور دنیا کے ہم و غم سے آزاد ہو کر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد پورا کریں ؛

ایمان اور عمل کا تطابق ضروری ہے

عقیدہ خواہ کتنا ہی صحیح ہو عمل کے بغیر بے معنی ہے

ہیں۔ تمام دنیا کی طاقتیں اکٹھی ہو کر اس کے ساتھ ٹکراتی ہیں۔ اور اس طرح ختم ہو جاتی ہیں جیسے ایک بہت بڑی لہر چٹان سے ٹکرا کر جھاگ کی شکل میں ختم ہو جاتی ہے۔ کوئی شخص اس عالی مقام کی طرف جتنا بڑھتا ہے۔ اتنا ہی اس کے مزاج میں عاجزی، انکساری، مخلوق خدا کی خدمت کا جذبہ، محبت، وفا بڑھتی جاتی ہے۔

انبیاء۔ اولیاء، صلحا کی سوانح حیات پر نگاہ ڈالیے بات واضح ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کے عشاق سب سے بڑھ کر خود دار ہوتے ہیں۔ باعزت ہوتے ہیں۔ باوقار ہوتے ہیں۔ وہ بیک وقت خاکسار اور باوقار ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے شیر مرد ان خاکی فرش پر بیٹھنے اور لیٹنے والوں کے سامنے ان کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرتے۔

ایمان اور عمل کا جتنا تطابق بڑھے گا اتنا ہی انسان کا قدم اس بلند مقام کی طرف اٹھتا جائے گا۔ اور جتنے زیادہ مصنوعی یا اپنے تجویز کردہ طریقے اپنا وقار یا رعب یا دبدبہ قائم کرنے کے لئے کوئی شخص اختیار کرے گا۔ اتنی ہی ذلت اور رسوائی اس پر وارد ہو گی۔ اس بات کے لئے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ واقعات روز روشن کی طرح اس امر کو ثابت کرتے ہیں جو وقار اور عزت تقویٰ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اس میں ثبات ہے۔ جہاں ان کی بنیاد کسی اور تدبیر پر ہے وہاں یہ بڑائی وقتی ہوتی ہے کیونکہ ہر ایسی حالت میں ظلم کا ہاتھ اسے سہارا دے رہا ہوتا ہے۔ ذرا سی اس میں کمزوری آئی اور تھوڑے ہی وقت میں سب کچھ خاک میں مل گیا جن لوگوں نے پاکیزہ جد و جہد سے عزت حاصل کی، انہیں دنیا سے گزرے ہوئے صدیاں گزر جائیں ان کی عزت قائم رہے گی۔ عزت کا بھوکا واہ واہ کا پیاسا لاکھ بنے اس نے ذرا منہ موڑا ایک منٹ پہلے جو لوگ اس کو آسمان کا درخشندہ تارہ کہہ رہے تھے۔ اس پر لعنت برساتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اس کے حکم یا اشارہ کے منتظر کھڑے رہنے والے وقت آنے پر اسے حقارت سے ٹھکرا دیں گے۔ پرائمری جماعت کی اردو کتاب میں ایک کہانی پڑھا کرتے تھے کہ ایک امیر آدمی جب کوئی نیا ملازم رکھتا ایک شرائط نامہ پر دستخط کرا کر ایک نقل اپنے پاس رکھتا اور ایک اس ملازم کو دے دیتا کہ وہ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھے اور پھر بات بات پر ملازمین کی توجہ ان شرائط کی طرف منعطف کراتا کہ تم یوں پابند ہو، اور کہاں شرائط میں لکھا ہوا ہے کہ تمہارا مطالبہ پورا کیا جائے گا۔

...نکال اور ... کہا جاتا ہے کہ جہاں لکھا ہے کہ آپ کا پاؤں رکاب سے نکالا جائے۔ اگر اس رئیس کے دل میں صحیح ایمان ہوتا اور عمل اس کے مطابق ہوتا تو اس موقع پر خود ملازمین گھوڑے کی لپیٹ میں آ کر آقا کے ساتھ ہی اپنا قیمہ تک کروا دیتے۔ انسان کس قدر غافل ہے۔ کہ ایمان کے خلاف عمل عزت کی خاطر کرتا ہے اور اس طرح ایک لشکر اپنے خلاف کھڑا کر لیتا ہے۔

مظالم اور بڑے خوفناک مظالم باعمل لوگوں پر بھی ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے مگر ان مظالم نے ہمیشہ ان کی عزت کو چار چاند لگائے۔ لوگ اب تک یاد کر کے روتے ہیں دل میں ابال اٹھتا ہے کہ اس وقت اس مرد خدا کے ساتھ ہوتے تو اس کے پسینہ کی جگہ خون گراتے۔ دشمن کا دل بھی عزت کرتا ہے اور ان کے وقار کو تسلیم کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ کو جو ایمان یا عقیدہ پسند ہے وہ قرآن میں بیان ہوا ہے اس کا نقشہ انسان کے ذہن میں یا اس کی زبان پر کیسا ہی صحیح کیوں نہ ہو جب تک اس کے مطابق عمل نہیں وہ کچھ بھی نہیں۔

ایمان کا بیان اور عمل سراسر اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ایمان کے ساتھ مذاق اور کیا ہو گا۔ اس طریقے سے پارسائی کو کب تک سہارا ملے گا۔ لیکن پارسائی ہے ہی کہاں جو سہارے کا سوال پیدا ہو۔ یہ تو صریحاً ریاکاری ہے۔ عذر گناہ بدتر از گناہ والی کیفیت ہے۔ اس طرح کے وعظ اور اسی قسم کی دوسری تدابیر خرچ اور اخراجات وغیرہ عزت و وقار دھوکے اور فریب میں ضرور مبتلا کر دیتے ہیں مگر اس عزت میں ذلت پنہاں ہوتی ہے۔ جو وقت پڑنے پر نظر آ جائے تو کوئی بھی ان طریقوں سے بڑائی اور بزرگی حاصل کرنے کا خواہشمند نہ ہو۔

کلام الٰہی پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اکثر و بیشتر بد نتائج کو دیکھتے ہوئے بھی وہ کارروائیاں عمل میں آتی ہیں جو ذلتوں اور رسوائیوں کے وارد ہونے کا باعث بنتی ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں حالت اس قدر خطرناک ہو جاتی ہے کہ بڑی بلند آواز بھی ان کو صحیح ایمان کے خلاف روش اختیار کرنے سے نہیں روک سکتی۔

ایمان کو عمل میں نہ لانا یا ایمان کے خلاف عمل کرنا آہستہ آہستہ انسان کو ایسے گند میں پھینک دیتا ہے کہ اس کی انسانیت کا احیاء ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتہم ام لم تنذرہم لا یؤمنون کی حالت پیدا ہو جاتی ہے کس قدر خوفناک کیفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنے خاص دست کرم سے سہارا دے۔ آمین!

(ماخوذ)

ایک ٹن وعظ کہنے کی بجائے ایک اونس عمل کرنیکو ترجیح دیں

علمائے دین اور آئمہ اپنے عمل کو دوسروں کے لئے نمونہ بنائیں

جہاں تک میرے مشاہدہ اور علم کا تعلق ہے میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہماری آئیڈیلازم اور ہمارے عمل میں تفاوت میں پنہاں ہے ایک طرف لمبے چوڑے وعظ ہیں جو ہم نسلوں سے سنتے چلے آ رہے ہیں اور جن میں ہم موت سے لے کر خلافت راشدہ تک اپنے لئے نشان منزل تلاش کرتے ہیں۔ یہ وعظ ہزاروں مسجدوں سے روزانہ صبح و شام مسلسل ہمارے کانوں سے ٹکراتے ہیں۔ اخبارات اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے اس مہم کو مزید تقویت پہنچائی ہے۔ دوسری طرف انفرادی اور اجتماعی طور پر ہمارے اعمال ہیں جو اسلام کے بلند و بالا تصورات سے تو کیا ہم آہنگ ہوں گے۔ معمولی انسانی اقدار سے بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتے ایک طرف واعظ اس غزوہ کا لہک لہک کر بیان کرتا ہے جس میں زخموں سے چور چور ایک غازی زبان سے پانی پکارتا ہے اور جب اسے اس کی جان بچانے کی اہمیت رکھنے والے پانی کا گلاس پیش کیا جاتا ہے تو وہ اپنی ضرورت سے بڑھ کر ایک دوسرے پیاسے غازی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پانی کا یہ گلاس اسے دے دو۔ حتیٰ کہ سارے ہی غازی اس گلاس کے پانی کو اپنے سے زیادہ ضرورت مند بھائی کی طرف بھیجتے ہوئے باری باری جام شہادت نوش کر جاتے ہیں اور دوسری طرف (اخبارات کی رپورٹ کے مطابق) ہمارا عمل یہ ہے کہ حکومت پنجاب کا ایک نوجوان افسر اپنے خاندان کے افراد سمیت سڑک کے ایک حادثے میں شدید زخمی ہوتا ہے۔ لیکن ہسپتال پہنچانے سے پہلے ہی اس کے ہاتھ کی گھڑی چھیننے کی کوشش کی جاتی ہے۔

صبح سے شام تک سال کے ۳۶۵ دنوں میں روزانہ ہم یہ وعظ سنتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انفرادی اور قومی زندگی کے تمام جزئیات پر حاوی ہے۔ اب تو اس نعرہ میں ملکی سطح پر بہت مضبوط آوازیں بھی شامل ہو چکی ہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ پاکستان کی قومی زندگی کے کسی ایک شعبے کا نام لے لیجئے جس میں اسلام کا اگر مکمل نہیں تو ادھورا ہی ضابطہ نافذ ہو تو کیا کوئی مائی کا لال اس چیلنج کا جواب دے سکتا ہے! اپنے گھروں سے لے کر محلوں تک دفتروں سے لے کر بازاروں تک (گورنمنٹ ہاؤس سے لے کر گاؤں کے پٹوار خانے تک) کسی جگہ بھی آپ کو اسلامی اقدار کارفرما نظر نہیں آئیں گی۔ دشمنوں اور مخالفین کو تو الگ چھوڑیئے۔ کیا ہم نے کبھی کسی ایک بھائی کو اپنے دوسرے بھائی کے متعلق کلمۂ خیر کہتے سنا ہے؟ کیا ہم روزانہ اپنی محفلوں میں شوق سے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کا مظاہرہ نہیں کرتے؟ کیا ہم نے اسلام سے وفا شعاری کے بلند بانگ دعوؤں کے باوصف اپنے ملک میں سود سے پاک بنکاری کا نظام قائم کیا گیا ہے؟ کیا ہم کھلم کھلا سود خواری سے خدا اور اس کے رسولؐ کے خلاف جنگ جاری کئے ہوئے نہیں؟ اسلام بہت بڑی رحمت اور نعمت ہے لیکن کیا ہم اسلام کے نظام رحمت کو اپنایا ہوا معاشرہ ہیں؟ سچی بات یہ ہے کہ ہم امت واحدہ اور ملت مسلمہ کے دعوؤں کے باوجود طبقات اور فرقوں میں بٹے ہوئے ایک بیمار معاشرہ سے مشابہ ہیں اور بقول علامہ اقبال ؒ

امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

ہمیں آج اس خطرہ سے آگاہ ہونے کی ضرورت ہے کہ ہم جتنی تیزی اور کثرت سے اسلام پر وعظ کی سپلائی کرتے جا رہے ہیں اسی تیزی سے مانگ اور رسد کے اصول کی بنا پر نوجوان نسل میں اسلام کا مندا ہوتا جا رہا ہے اس المناک صورت حال کا ایک اور صرف ایک حل ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ایک ٹن وعظ کہنے کی بجائے ایک اونس عمل کرنے کو ترجیح دیں۔ اسلام کے ارکان پر عمل پیرا ہونے سے انسان کا جو ٹائپ بنتا ہے اس ٹائپ کا نمونہ ہماری مساجد کے امام صاحبان کو بننے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے آج بھی ہماری مساجد کا نظام ایک مثالی نظام ہے۔ اگر مسجدوں کے امام اپنے اپنے محلوں میں خود اسلامی اخلاق کا نمونہ بن کر لوگوں کے سامنے آ جائیں تو ہمارے معاشرے کی کیفیات بدل سکتی ہیں۔ ہم اپنی مسجدوں کے اماموں میں سے کسی کے متعلق تو یہ کہہ سکیں کہ انہوں نے اپنے محلے کی ایک یتیم بچی کی شادی کے لئے اپنی عمر کا جمع جتھا خاموشی سے پیش کر دیا یا کہ انہوں نے فلاں مریض کی تیمارداری میں ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ اگر وہ اپنی تاریخ سے نہیں تو عیسائی پادریوں سے ہی یہ سبق سیکھ لیں کہ ان کے گرجا گھروں میں شامل ہونے والے "نمازی" ان کے گلے کی بھیڑیں شمار ہوتی ہیں۔ جن کی حفاظت کرنا ان کا فرض اولین تصور ہوتا ہے۔

اب عمل کے بغیر وعظ کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ ہم وعظ سنتے سنتے تنگ آ چکے ہیں۔ اب ہمیں عمل کی ضرورت ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام خدا کا پسندیدہ دین ہے۔ خدا اپنے پسندیدہ نظام سے اس کے ماننے والوں کا نفاق زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرے گا۔

(بشکریہ نوائے وقت)

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب مدظلہ العالی کا عزم ایبٹ آباد،

سلامت روی و باز آئی

دارالسلام، مؤرخہ ۴ جولائی ۸۰ء صبح چھ بجے حضرت ڈاکٹر صاحب ایبٹ آباد کیلئے روانہ ہو گئے آپ رمضان المبارک وہاں گزاریں گے۔ آج بعد نماز فجر آپ کی صحت و سلامتی اور بخیریت واپسی کے لئے بڑے سوز کیساتھ ایک طویل دعا ہوئی۔ جس کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب کمال شفقت ایک ایک سے گلے ملے احباب کرام دعا فرماویں کہ خدا کی زمین پر خدا کا یہ چلتا پھرتا نور دیر تک قائم رہے اور اپنی ضیاء پاشیوں سے قلوب مومنین کو لا تیئسوا من روح اللہ کی نوید جانفزا سناتا رہے۔ تا راہ حق کے مسافروں اور اللہ کے پیغام کو دنیا میں عام کرنے کا جذبہ رکھنے والوں کا حوصلہ بلند رہے۔

(ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور، مؤرخہ ۹ جولائی سنہ ۱۹۸۰ء جلد ۶۷ شمارہ ۲۸

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

باہتمام ریاض حسن الجیدہ پریس اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔

(چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید ۔ و پائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
۔ الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۔ تیس روپے
بیرونی ممالک سے ۔ دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۶۷ | یوم چہار شنبہ ۲ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ ۲۹

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جماعت کی فراست کا ثبوت

مجھے کامل یقین ہے کہ میری جماعت میں نفاق نہیں ہے ۔ اور میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں ان کی فراست نے غلطی نہیں کی اِس لئے کہ میں حقیقت ہی ہوں جس کے آنے کو ایمانی فراست نے ملنے پر متوجہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ گواہ ہے اور آگاہ ہے کہ میں وہی صادق اور امین اور موعود ہوں جس کا وعدہ لوگوں کو ہمارے سیّد و مولیٰ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے دیا گیا تھا مگر جنہوں نے مجھ سے تعلق پیدا نہیں کیا وہ اس نعمت سے محروم ہیں ۔ فراست گویا ایک کرامت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ مومن فراست کے ساتھ اپنے نفس کا چابک سوار ہوتا ہے ۔

خدا کی طرف سے اس کو نور ملتا ہے جس سے وہ راہ پاتا ہے

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔
اتقوا فراست المومن فانہ ینظر بنور اللہ ۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نُورُاللہ سے دیکھتا ہے ۔ غرض ہماری جماعت کی فراستِ حقہ کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے نُور کو شناخت کیا ۔

اسی طرح میں اُمید رکھتا ہوں کہ ہماری جماعت عملی حالت میں بھی ترقی کرے گی کیونکہ وہ منافق نہیں ۔ (ملفوظاتِ احمدیہ جلد دوم صفحہ ۲۶)

ماہِ رمضان کی عظمت اور اُس کے روحانی اثرات

فرمایا :۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن سے ماہِ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے ۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں ۔ صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے ۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے ۔ پس انزل فیہ القرآن میں یہی اشارہ ہے ۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ روزہ کا اجر عظیم ہے لیکن امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم رکھتے ہیں ۔ مجھے یاد ہے کہ جوانی کے ایام میں مَیں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ روزہ رکھنا سنت اہل بیت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو میں نے سمجھا کہ روزہ کی طرف اشارہ ہے ۔ چنانچہ میں نے چھ ماہ تک روزے رکھے ۔ اس اثناء میں میں نے دیکھا کہ انوار کے ستونوں کے ستون آسمان پر جا رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن یہ سب کچھ جوانی میں ہو سکتا تھا ۔ اور اگر اس وقت میں چاہتا تو چار سال تک روزہ رکھ سکتا تھا ۔ ؎

نشاطِ نوجوانی تا بہ سی سال + چہل آمد خرد ریزد پر و بال

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۵۶ / ۲۵۷)

رپورٹ :- جناب اختر علی صاحب سفید ڈھیری

جلسہ شبان الاحمدیہ بمقام سفید ڈھیری شاخ پشاور

ینگ مین ایسوسی ایشن کے بعد سفید ڈھیری میں شبان الاحمدیہ کا یہ پہلا جلسہ تھا جس میں مقامی جماعت کے علاوہ باہر کی جماعتوں سے بھی شبان شامل ہوئے۔ جلسے کی زیادہ تر کارروائی پشتو زبان میں ہوئی۔ سفید ڈھیری کے شبان الاحمدیہ کے ممبران نے نہایت ہی تھوڑے وقت میں علاقے کے تمام بزرگوں اور دوستوں کو مدعو کیا۔

باوجود موسم گرما کے جلسے کے دن موسم نہایت ہی خوشگوار رہا۔ مہمانوں نے پابندیٔ وقت کا بہترین نمونہ پیش کیا اور وقتِ مقررہ پر جناب عبدالباری خاں صاحب کے حجرے میں جمع ہو گئے۔ اور ایک عرصہ کے بعد یہ ایمان افروز منظر دیکھنے میں آیا کہ دور و نزدیک کے احمدی سفید ڈھیری میں ایک ہی دستر خوان پر جمع ہوئے۔

کھانا کھا چکنے کے بعد مہمان نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ خطبہ جمعہ محترم شیخ شریف احمد صاحب نے دیا جو کہ موقع کی مناسبت سے نہایت مؤثر تھا۔

نماز کے بعد جلسے کا باقاعدہ آغاز ہوا، سیکرٹری کے فرائض جناب فرمان علی نے انجام دیئے جبکہ جلسہ کی صدارت شبان الاحمدیہ سرحد زون کے صدر جناب بشیر احمد صاحب کو سونپی گئی تلاوت کلام پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔ تلاوت کلام پاک جماعت شیخ محمدی کے بھائی مظہر احمد نے کی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد مقامی جماعت کے بھائی فاروق احمد نے درثمین سے نظم پیش کی جس کو تمام حاضرین نے شوق سے سنا اور ان کو بڑی داد دی۔ ان کے بعد مقامی جماعت کے بھائی گوہر علی نے حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات سنائے جو نوجوانوں کے لئے تقویٰ کا پیغام لئے ہوئے تھے ان کے بعد سرحد زون کے سیکرٹری نشر و اشاعت جناب عبداللہ خان نے موضوع ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت + میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

پر تقریر کی۔ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے مشن پر روشنی ڈالی اور کہا کہ امام الزماںؑ نے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے وہ نہایت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ دنیا میں جتنے بھی انبیاء ہوئے ہیں۔ اُن کا اور اُن کے پیروکاروں کا یہی مقصد رہا ہے

ان کے بعد جماعت شیخ محمدی کے بھائی ناصر احمد نے تقریر کی، انہوں نے جناب صاحبزادہ عبداللطیف شہید کی قربانیوں پر روشنی ڈالی، انہوں نے کہا کہ صاحبزادہ صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کر کے دنیا کی تمام تکالیف و خطرات برداشت کرنے کیلئے سینہ سپر ہو گئے۔ حتیٰ کہ اس راہ حق میں جان کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کیا، یہی وجہ ہے کہ آج ہم ان کو شہید ملت کے نام سے پکارتے ہیں۔

ان کے بعد شبان الاحمدیہ کے نائب صدر اختر علی صاحب نے تقریر کی انہوں نے کہا کہ قرآن پاک و حدیث مبارک کے علوم سے مستفید ہونے کے لئے ہمیں وقت نکالنا چاہیئے اور گھروں کو چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ان بزرگان سلسلہ کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے جنہوں نے اپنے آپ کو اس نیک کام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ انہوں نے مثال دی کہ صحابہ کرامؓ کا دستور تھا کہ وہ اپنے گھروں اور اہل و عیال کو چھوڑ کر دور دراز کے علاقوں سے خدا کے رسولؐ کی باتیں سننے کے لئے ان کی خدمت میں اقدس میں حاضر ہوتے اور اس طرح قرآن پاک کے معارف و دقائق سے اپنے آپ کو روشناس کراتے۔

جناب اختر علی صاحب نے کہا کہ ہمیں مرکز سے وابستگی کا ٹھوس ثبوت دینا چاہیئے اور اپنے مرکز دارالسلام لاہور میں آباد اُن فخر احمدیت پاک نفوس سے تنویر قلب حاصل کرنے کے لئے وہاں کے دورے کرتے رہنا چاہیئے۔ ہماری موجودگی سے اس کی رونق میں اضافہ ہو گا، انہوں نے اتفاق و اتحاد پر بہت زور دیا اور شبان کی مالی امداد کی اپیل بھی کی۔

ان کے بعد جماعت شیخ محمدی کے بھائی عنایت الرحمن نے درثمین سے نظم سنائی جو باوجود امتحان کی مصروفیت کے جلسے میں شریک ہوئے۔ ہمارے ہاں جب بھی نظم سنانے کے لئے کہا جاتا ہے تو سب کی نظریں ہمارے اس پُر خلوص دوست پر ہوتی ہیں۔ ان کی مترنم آواز میں کلام مسیح موعودؑ دلوں پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔

ان کے بعد مرکزی صدر شبان الاحمدیہ کے شفیق راہنما جناب ڈاکٹر جمیل الرحمان نے تقریر کی۔ آپ شبان الاحمدیہ کے مقبول قائد ہی نہیں بلکہ شبان کے لئے قابلِ تقلید نمونہ بھی رکھتے ہیں۔ آپ نے سلسلے کے مقاصد پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مقصد دنیا کے ہر کونے تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔ اس راہ میں ہمارے بزرگوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور راہ میں حائل کسی مشکل کی پرواہ نہ کی۔ ہمیں بھی احمدیت کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور اپنا زیادہ وقت سلسلہ کی خدمت میں صرف کرنا چاہیئے۔ آپ نے اتفاق و اتحاد اور تنظیم کی ضرورت پر روشنی ڈالی اور اسے ترقی کے لئے بنیادی عنصر قرار دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم میں کسی قسم کے اختلافات نہیں ہیں لیکن اگر کوئی ممبر بے جا اختلاف کی راہ اختیار کرے گا تو ہم ضرور اسے محبت اور پیار سے سمجھائیں گے۔ آپ نے حاضر و غیر حاضر شبان کو پیغام دیتے ہوئے کہا کہ ہم میں اور دوسرے لوگوں میں ایک واضح فرق ہونا چاہیئے اور وہ فرق ہے اخلاق و کردار کا۔ احمدی نوجوانوں کا با اخلاق و با کردار ہونا جماعت کی روز افزوں ترقی کے لئے اشد ضروری ہے۔ انہوں نے شبان کو نماز جمعہ کی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔ اور اس ضمن میں فرمایا کہ اگر کوئی ممبر نماز جمعہ میں غیر حاضر ہو تو اس سے غیر حاضری کی وجہ دریافت کر کے اس کا نوٹس لینا چاہیئے۔ آخر میں انہوں نے اپنے بزرگوں کا شکریہ ادا کیا کہ وہ شبان الاحمدیہ کے جلسے میں تشریف لائے۔

ان کے بعد محترم سردار علی خاں صاحب نے تقریر کی۔ انہوں نے شبان کی حوصلہ افزائی اور آئندہ کے لئے شبان کو مکمل تعاون اور امداد کا وعدہ کیا۔ آپ شبان کی تنظیم سے دلی محبت رکھتے ہیں اور شبان کے ہر پروگرام میں بہت دلچسپی لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی تقریر میں جلسے کے انعقاد پر دلی مسرت کا اظہار کیا اور شبان کی تنظیم کو یکصد روپیہ چندہ دیا۔ انہوں نے آخر میں مہمانوں کا شکریہ بھی ادا کیا۔

ان کے بعد محترم جناب غلام محبوب خانصاحب نے تقریر کی۔ آپ جماعت سفید ڈھیری کے خطیب اور بے حد مخلص بزرگ ہیں۔ آپ نے شبان کی تنظیم پر خوشی کا اظہار کیا اور شبان کے مرکزی صدر ڈاکٹر جمیل الرحمن کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اب ہم امید کرتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ اپنے مقاصد پورے کر سکے گا۔

آخر میں صدر جلسہ جناب بشیر احمد صاحب نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ آپ نے اپنی مختصر تقریر میں تقویٰ اور باعمل ہونے پر زور دیا اور کہا کہ ہمارا قول و فعل تضاد سے پاک ہونا چاہیئے۔ اختتامی دعا جناب شیخ شریف احمد صاحب نے فرمائی اور جلسہ برخواست ہوا۔ بعد میں مہمانوں کی تواضع چائے سے کی گئی ٭

مرتبہ : مولوی شفقت رسول خان صاحب

واقعہ معراج آنحضرت میں ذات باری تعالیٰ کی تجلی و مشاہدہ جمال

اور انسان کی روحانی و اخلاقی ترقی کا نقطۂ کمال

زندہ و آخری نبی جس کا اتباع کامل دین کے زندہ حقائق کا عرفان عطا کرتا ہے

خطبہ جمعۃ المبارک مؤرخہ ۴ جون ۸۰ء فرمودہ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب دام فیوضہم در جامع مسجد احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس - لاہور

(تشہد و تعوذ و تسمیہ کے بعد آیات ذیل تلاوت فرمائیں)۔

ویسئلونک عن الروح ؕ قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ..... قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا ؕ

(بنی اسرائیل ۸۵ تا ۹۳)

اور تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیں کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ اور تمہیں اس بارہ میں تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے۔

یہ آیات میں نے اس غرض سے انتخاب کی ہیں کہ اس بات کی وضاحت ہو سکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسمانی تھا یا روحانی ؟ قرآن پاک نے اس آیت کریمہ کی وضاحت و تشریح ایک اور مقام پر تخلیق آدم کے ضمن میں یوں فرمائی ہے کہ :-

فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین ؕ

جب میں آدم کی تکمیل کر دوں اور اپنی روح اس میں پھونکوں تو تم اس کے لئے فرمانبرداری کرتے ہوئے گر جاؤ۔ یعنی جب آدم کو بنایا اور اپنی روح پھونک کر زندہ کر دیا۔ گویا روح سے زندگی ہے۔ قصہ آدم میں روح کا ذکر ہے اور اس آیت میں بھی روح کے متعلق سوال ہے۔ اور سوال معراج کے ضمن میں اہل کفر نے کیا ہے۔ کہ ہم تمہارے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے کہ تم نے آسمانوں کی سیر کی اور مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گئے یعنی ہم معراج کو تسلیم نہیں کرتے جب تک تو ہمارے لئے اس زمین سے سرچشمہ نہ بہا دے یا تیرے کھجوروں اور انگوروں کے باغ ہوں اور ان میں نہریں جاری ہوں۔ یا تیرا سونے کا گھر ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک تو ہم پر کتاب نہ اتارے جسے ہم پڑھ لیں۔ ان تمام کا جواب دیا ہے :-

قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا ؕ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں اور رسول ہوں۔ (گویا آسمان پر چڑھ جانا میرے بس کی بات نہیں) اگر معراج جسد عنصری کے ساتھ ہوا ہوتا اور آپ آسمان کی سیر کر چکے ہوتے تو قرآن پاک کا یہ جواب کیونکر کفار کے مطالبہ کا درست ہو سکتا ہے ؟ اور جس کا مطلب واضح ہے۔ کہ بشر و رسول کے لئے آسمان پر جانا ممکن نہیں۔ پس معراج ایک روحانی کیفیت و کشف ہے۔ اب اہل کفر یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی سیر ہے تو بتایئے کہ یہ روح کیا چیز ہے ؟ لہٰذا یہ ایک واضح اور روشن دلیل ہے اس بات پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج روحانی تھا نہ کہ جسمانی۔ اور خدا تعالیٰ نے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا ہے کہ روح خدا کا امر ہے اور خدا تعالیٰ کے متعلق یہ تصور اور خیال کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے۔ اور ایک مکان میں محدود ہے انتہائی غلط ہے جو کہ خدا کی عظمت و کبریائی کے خلاف ہے۔ کیونکہ خدا لامکان لازمان ہے اور ادراک و تصور سے بلند ہے۔ اسی لئے فرمایا وما اوتیتم من العلم الا قلیلا - آج انسان نے ہر رنگ میں ترقی کی ہے۔ فضاؤں میں اڑتا ہے۔ سمندروں کی تہہ میں غوطہ زنی کرتا ہے۔ پہاڑوں کو چھیدتا ہے۔ سیکنڈوں کے حساب سے پیغام رسانی کرتا ہے۔ حد یہ ہے کہ انسان زمین کی حدود سے نکل کر چاند پر جا پہنچا ہے۔ اور وہاں اپنی دانش کا جھنڈا لہرا دیا ہے۔ ان حیرت انگیز کارناموں سے وہ بہت مفتخر ہے اور سوال کرتا ہے خدا کہاں ہے ؟ کیونکہ ہم چاند پر پہنچ کر دیکھ آئے ہیں ہمیں خدا کہیں نظر نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ان ظاہری حواس سے خدا کو نہیں پا سکتا اس کا تصور صرف روحانی حواس سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ جب انسان خدا سے روحانی تعلق استوار کرتا ہے۔ تو وہ شخص خدا کو پا لیتا ہے۔ یعنی تجلیات ربانی سے اس کی روح منور ہو جاتی ہے اور انسان کشفی آنکھ سے ذات باری کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس کشف سے انسان حق الیقین سے خدا کا وجود پا لیتا ہے۔ اور معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت کا مظہر ہے۔ کہ انسان خدا سے کامل تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ یعنی از راہ معرفت و بصیرت خدا کے وجود کو دیکھ لیتا ہے۔ اور اب یہ تعلق صرف حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس سے ہی استوار اور مضبوط ہو سکتا ہے اور خدا کی کامل تجلی کو اسی صورت میں انسان حاصل کر سکتا ہے جب کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت و پیروی کرے۔ کیونکہ اس کا تعلق انسان کی روح سے ہے۔ جو جسمانیت سے بلند ہے اور خدا سب سے بڑی روح ہے حضرت جبرائیل کو روح الامین کہا گیا ہے۔ قرآن پاک بھی روح ہے۔ یہ روحانی باتیں ہیں۔ حالانکہ روحانی معراج ماننے میں کوئی تعجب نہیں ہے۔ کشف کو ذہنی تصورات خیال کرنا غلطی ہے۔ یہ مکاشفات خارجی حقائق ہیں نہ کہ انسان کے ذہن کی پیداوار جیسے کہ منکرین خیال کرتے ہیں۔ یہ کیفیت روحانی عالم سے متعلق ہیں۔ جو لوگ عالم معاد کے حقائق پر ایمان نہیں رکھتے وہ خدا اور بندے کے تعلقات بھی تسلیم نہیں کرتے اور اسی قبیل سے نزول وحی ہے۔ اور نزول وحی میں مادی حواس بے تعطل واقع ہوتا ہے۔ اور روحانی حواس و قوی کام کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے ہر انسان آگاہ نہیں ہوتا اسی لئے فرمایا ہے :-

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا

لیکن انبیاء کرام اس انعام سے بہرہ مند کئے جاتے ہیں۔ وہ کامل ہوتے ہیں چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کامل ترین انسان ہیں انہیں اس روحانی انعام سے بہرہ مند کیا گیا اور عالم ملکوت کے نظارے دکھائے گئے۔ جنت و دوزخ کے حقائق ان کو دکھائے گئے اور آپ نے جملہ انبیاء علیہم السلام کو ان کے مقامات عالیہ میں دیکھا اور حالت کشف میں ان کی امامت فرمائی۔ اس معراج کا مقصد یہ ہے۔ کہ جملہ انبیائے سابقہ اپنے وقت کے صادقین اور خدا کے مقربین تھے اور ان کی تعلیمیں خدا کی طرف سے تھیں۔ گو وہ وقتی اور قومی انبیاء تھے۔ اور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مقربین الٰہی سے بلند تر مقام پر فائز ہیں۔ وھو بالافق الاعلیٰ اور آپ کی تعلیم کامل ترین تعلیم ہے جو صحف سابقہ کا نچوڑ اور عطر ہے اور ان سے بڑھ کر محفوظ، مکمل، دائمی اور ابدی ہے اور یہ تعلیم ہی انسان کے اندر خدا سے تعلق کو استوار کر سکتی ہے۔ کیونکہ روحانیت کا سرچشمہ اب دائمی طور پر یہی تعلیم ہے۔

خدا سے تعلق کا رشتہ اب نبی آخر الزماں کی اطاعت سے وابستہ ہے۔

گمراہی۔ اخلاق باختگی میں مبتلا ترین اور روحانی طور پر مردہ قوم کو زندگی بخشی اور وہ قوم اس مقام کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی جو تمام انسانوں کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ جن کے سامنے تمام جہان نے سر جھکا دیا۔ ان لوگوں میں خواہشات اور نفس کو دخل نہیں تھا جو کچھ ان کے پیش نظر تھا وہ خدا اور اس کے رسول کی رضامندی تھی۔ اور ان کی خوشنودی ہی ان کے لئے متاع حیات تھی۔ اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "قوت قدسی کی اثر انگیزی کا اختتام نہیں ہے۔ بلکہ ہر زمانے میں مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے اولیاء عظام کا سلسلہ رہا جو خدا سے ہمکلامی کے شرف سے مشرف ہوتے تھے۔ مسلمانوں کو پیش آمدہ مشکلات میں رہنمائی فرماتے رہے۔ اسی طرح اس زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام بھی حضور صلعم کے فیض روحانی سے متاثر اور فیض یاب ہوئے چنانچہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے مجھ پر یہ فیض ہوئے اور میں نے دینی حقائق کا مشاہدہ کیا۔ میرا زندہ ہونا اتباع نبوی پر ہی منحصر ہے۔ آپ "آئینہ کمالات اسلام" لکھ رہے تھے گویا حالت بیداری میں تھے کہ کشف ہوا۔ ایک بار عب آدمی آیا قوی ہیکل دہیب شکل جس کے چہرے سے خون ٹپکتا تھا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ "لیکھرام کہاں ہے۔" تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص لیکھرام کے قتل کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ تو یہ حقیقت ہے کہ یہ کشفی مشاہدہ کوئی فرضی چیز نہیں نہ ہی اس کا مادہ سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ ماورائے مادہ ہوتا ہے اور نبی روحانی تعلق ہی استوار کرنے آتا ہے۔ تمام مامورین اسی روح کو بالیدگی اور بلندی عطا کرنے کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من فارس

یعنی اگر ایمان خواہ زمین سے اٹھ کر ثریا پر چلا جائے گا تو وہ اس کو واپس لے آئے گا جو اہل فارس سے ہو گا۔ چنانچہ اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب جن کا تعلق ابنائے فارس سے تھا اس گم گشتہ ایمان کو دوبارہ مسلمانوں میں پیدا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے اور انہوں نے روحانیت کو بیدار کرنے کے لئے اطاعت نبوی اور قرآن سے وابستگی۔ اسلامی احکامات پر عمل پیرائی کو بنیاد قرار دیا۔ اور دین کو دنیا پر فوقیت دینے میں ہی زندگی کا راز بیان فرمایا۔

بے ثباتیٔ دنیا

بیستی دنیا کہ دو روز سے چند است • آخر شرکار با خدا و ندامت
ویران شدنی زوال و موت و فنا است • ہر کہ بنشست اندرین برخاست

(آمدہ صفحہ ۔)

بقیہ جو تارکِ نماز ہے وہ تارکِ ایمان ہے۔

قیام پر موقوف نہیں بلکہ رکوع میں اور سجود میں اور التحیات کے بعد بھی یہی دعا کریں اور اپنی زبان میں کریں اور اس دعا کے کرنے میں ماندہ نہ ہوں اور تھک نہ جاویں بلکہ پورے صبر اور پورے استقامت سے اس دعا کو پنج وقت کی نمازوں میں اور تہجد کی نماز میں

سوال: بہترین وظیفہ کیا ہے؟

جواب: نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمد الٰہی ہے استغفار ہے اور درود شریف ہے۔ تمام وظائف اور اوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے۔ اور اس سے ہر ایک قسم کے غم اور ہم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرہ بھی غم پہنچتا تو آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اس لئے فرمایا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اطمینان سکینت قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ لوگوں نے قسم قسم کے ورد اور وظیفے اپنی طرف سے بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ اور ایک نئی شریعت آنحضرت صلعم کے مقابلہ میں بنا رکھی ہے۔ مجھ پر تو الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں اور حیرت سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے خود شریعت بنائی ہے۔ اور نبی بنے ہوئے ہیں اور دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ان وظائف اور اوراد میں دنیا کو ایسا ڈالا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی شریعت اور احکام کو بھی چھوڑ بیٹھے ہیں بعض لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ اپنے معمول اور اوراد میں ایسے منہمک ہوئے ہیں کہ نمازوں کا بھی لحاظ نہیں رکھتے میں نے مولوی صاحب سے سنا ہے کہ بعض گدی نشین شاکت مت والوں کے منتر اپنے وظیفوں میں پڑھتے ہیں۔ میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے۔ نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہئے اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو۔ اس سے تمہیں اطمینان قلب حاصل ہو گا اور سب مشکلات خدا چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یاد الٰہی کا ذریعہ ہے اس لئے فرمایا ہے: اقم الصلوٰۃ لذکری۔

پروجیکٹ منیجر کی ضرورت

انجمن نے اپنے پرانے دفتر کو گرا کر نئی عمارت تعمیر کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور مجھے یہ کام سونپا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری امور کی سرانجام دہی اور کام کی نگرانی کے لئے مجھے پروجیکٹ منیجر کی ضرورت ہے۔ جسے ... تک تنخواہ حسب قابلیت دی جائے گی۔ جماعت کے دوست جو تعمیرات کے کام سے واقفیت رکھتے ہوں مستعد اور صحت مند ہوں۔ اور اس کام کے لئے اپنی خدمات پیش کر سکتے ہوں درخواست بھجوا سکتے ہیں

(میاں مفضل احمد)

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ ــــ (لندن)

حجاز سے ــــ نجد تک

جزیرہ نمائے عرب کا وہ حصہ جس میں جدّہ۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ طائف اور اس کے گرد و نواح واقع ہیں حجاز کہلاتا ہے۔ اندر کی طرف جاکر دوسرا حصہ نجد کہلاتا ہے اور پھر صحرائے عظیم جو ربع خالی یا خطۂ خالی کہلاتا ہے۔

مجھے اپنے بچوں کے ساتھ جدّہ سے "الریاض" دارالخلافہ سعودی عرب تک بذریعہ موٹر کار سفر کرنے کا موقع ملا جو جدّہ سے چھ سو میل دور ہے۔

پہلے روز ایک بجے دن کو ہماری گاڑی کے ساتھ دو اور موٹروں کا قافلہ طائف کیلئے روانہ ہوا جو جدّہ سے تقریباً تین ساڑھے تین گھنٹے کا راستہ ہے اور اپنی بلندی، سرسبزی اور معتدل موسم گرما کی وجہ سے بادشاہ اور امراء کے لئے "سمر سٹیشن" کا کام دیتا ہے۔ یہ سطح سمندر سے کم و بیش آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے۔ اور جیسے ہی "الحدا" کے مقام پر شاہراہ مکہ معظمہ کے ہموار راستہ سے طائف کی سڑک جدا ہوتی ہے۔ پہلے نیچی نیچی چھوٹی پہاڑیاں اور پھر اونچے اونچے پہاڑوں کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ پہاڑی سلسلہ ہمالیہ کے پہاڑوں کی طرح گھنے جنگلوں سے بھرا ہوا تو نہیں۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ سبزہ ان کی وادیوں میں نظر آتا ہے۔ باقی سیاہی مائل سنگلاخ پہاڑ ہیں جو طائف کے قریب بہت بلند ہوتے جاتے ہیں۔ ان میں ایک سو ساٹھ کلومیٹر اندازاً ایک سو پچاس پچپن میل سیمنٹ کی سڑک نہ صرف چوڑی صاف اور ہموار ہے بلکہ انجنیئرنگ کا ایک شاہکار ہے۔ یہ پیچ و خم کھاتی سیڑھیوں کیطرح چڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور ایک جگہ آکر تو پہاڑوں کی دو چوٹیاں آمنے سامنے کھڑی ہیں ان کے درمیان ایک گہرا درّہ یا کھڈ ہے جسے انگریزی میں RIFT کہتے ہیں اس جگہ انجنیئروں نے بجائے سڑک کو نیچے لاکر پھر اوپر چڑھانے کے ایک پہاڑ کی چوٹی سے دوسرے پر سیدھا بھی نہیں بلکہ اس ے شکل کا پل بنایا ہے۔ جسکے بلند عظیم الشان لوہے اور سیمنٹ کے ستون ایک پہاڑ پر اور آخر کے ستون دوسرے پہاڑ پر ہیں۔ اور یہ پل بلندی پر تقریباً ہوا میں خم کھاتا ہے نیچے سے جب اس پر نظر پڑتی ہے تو بے اختیار انسان توبہ کرنے اور استغفار پڑھنے لگتا ہے۔ مگر خوبی کہ اس پل پر جاکر موٹر گھومتی معلوم نہیں ہوتی اور آرام سے یکدم کئی میل کی مسافت ایک موڑ میں کاٹ کر اونچے پہاڑ کی چوٹی پر آجاتی ہے۔ یہاں آکر ہم نے اور ہمارے ساتھیوں نے موٹریں روکیں اور اتر کر نیچے دیکھا تو اللہ اکبر! ہزاروں فیٹ نیچے پہاڑیاں تہہ در تہہ کمان کی صورت میں پھیلی نظر آرہی تھیں اور ان میں سڑک کے پیچ تقریباً ایک دوسرے کے اوپر گھوم رہے تھے۔ یہاں سے ہوا میں خنکی شروع ہوگئی اور فضا میں دھند پھیلی ہوئی تھی جس میں پانی کی بوندیں بھی تھیں مگر طائف کے قریب جاکر مطلع پھر صاف ہوگیا۔

اس تمام موٹر ڈرائیو کے عرصہ میں میرے تصور میں آج سے چودہ سو سال پہلے کے تاریخ اسلام کے واقعات گھوم رہے تھے۔ وہ واقعہ جہاں حضور نبی کریم صلعم طائف کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ پڑھتے وقت میرے تو وہم و گمان میں بھی ان دشوار گزار بلند پہاڑوں کا تصور پیدا نہ ہوا تھا بس یہی خیال تھا کہ مکہ معظمہ سے چند میل دور کچھ صحرائی ٹیلے ہونگے جہاں طائف کی آبادی ہوگی اور آپ بآسانی وہاں تشریف لے گئے۔ اور ان کو دعوتِ حق پہنچائی۔ مگر اللہ یہ دشوار گزار پہاڑ یہ پُر ہیبت درّے اور اسوقت تو شائد پگڈنڈیاں ہونگی۔ یا سنگلاخ اتار چڑھاؤ۔ اونٹ کی سواری۔ کسطرح شاہِ دین و دنیا نے یہ سختیاں سہی ہونگی۔ اور پھر وہاں کیا سلوک ہوا کہ طائف والوں نے آپ کی تبلیغ حق کے جواب میں اینٹ پتھر برسائے اور اگر حضورؐ تھک کر بیٹھے تو اٹھا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کی نعلین مبارک خون سے بھر گئیں۔ اسوقت بارگاہِ ربّی سے ایک فرشتہ نے حاضر ہوکر عرض کی کہ "حکم ہو تو یہ طائف کے پہاڑ اٹھا کر ان لوگوں کے سروں پر پٹخ دیئے جائیں" سزاوار تو آبادی اسی سلوک کی تھی مگر حضور رحمۃ اللعالمینؐ تو بنی نوع انسان کو بچانے تشریف لائے تھے نہ کہ برباد کرنے۔ فرمایا کہ "نہیں! انہی لوگوں کی نسلوں سے مسلمان پیدا ہوں گے"۔ دنیا کی تاریخ میں کسی دوسرے نبی کی ایسی مثال نہیں ملتی۔ بلکہ حد سے بڑھ جانے پر ان کی امتیں ڈبو دی گئیں۔ پتھروں میں دب کر زلزلوں سے فنا ہوکر مٹ گئیں۔ یہ سعادت صرف حضورؐ کی امت کو نصیب ہوئی کہ آپ کے دامنِ رحمت میں اچھے۔ برے۔ نیک۔ بد۔ سب ڈھانک لیئے گئے۔ مگر کیا حال ہے آج اس پہاڑوں سے بلند و ارفع اور پھیلی ہوئی وادیوں سے زیادہ فراخ دل والے نبیؐ کی امت کا، کہ غیر کافر۔ بدعمل تو دور رہے دل کی تنگی کا یہ عالم ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان کے لئے جگہ نہیں۔ اپنی رائے اپنی بات کے سوا کسی کی سننا گوارا نہیں۔

خیر میری اسی سوچ میں طائف آگیا اور اس کے اچھے پھیلے ہوئے قدیم شہر کے علاوہ جگہ جگہ نشیب و فراز پر امراء اور رؤسا کے شاندار ولّا اور وسیع بنگلے اپنے باغوں میں گھرے نظر آنے لگے۔ سبزہ خود رو تو زیادہ نہیں بلکہ انسان کے ہاتھوں کا لگایا ہوا بہت ہے اور زمین زرخیز معلوم ہوتی ہے۔

اب شام ہو چلی تھی۔ ہماری کار سیدھی جاکر ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل کے سامنے رکیں جہاں ہم نے شب بسر کی۔ باہر سے بہت خوشنما یا عظیم الشان نظر نہیں آتا لیکن جب اس کے بڑے بڑے سرائر شیشوں والے دروازوں سے گزر کر اندر ہال میں آؤ تو ایکبار تو انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ وسیع سنگِ مرمر کے پیازی رنگ کے ہال کے درمیان ایک سرسبز ننھا سا باغیچہ پانی کی فیروزی رنگ کی تپلی تپلی نہروں اور تالابوں میں گھرا ہوا نظر آتا ہے جس کے چاروں طرف تو خوبصورت سنگ مرمر کے برآمدے اور راستے چلے گئے ہیں۔ لیکن چار منزل تک اس کے اوپر چھوٹے چھوٹے نازک۔ نازک سنہری اور سیاہ جالیدار جھروکے اس طرح جھنڈ کیئے ہوئے ہیں کہ حقیقت نہیں بلکہ الف لیلیٰ کے کسی محل کا گمان ہوتا ہے۔ مجھے مشرق و مغرب کے بڑے بڑے شہروں میں بہت سے شاندار خوبصورت اور بیش بہا ساز و سامان سے سجے ہوئے ہوٹل دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ مگر اس کے بنانے والے کاریگر کے ڈیزائن کا جواب نہیں

بجلی کے جھاڑ فانوس۔ قیمتی قالینوں سے مزیّن اور جدید ترین عیش وآرام کے ساز و سامان سے آراستہ یہ ہوٹل جنگل میں منگل کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ بس جہاں اللہ کی دین سے دولت کی گنگا بہہ رہی ہو وہاں کچھ بھی ناممکن نہیں۔

کیونکہ دوسرے دن لقریباً ساڑھے پانچ سو میل کا سفر درپیش تھا اس لئے صبح دم ہی ہماری روانگی تھی اور اس سے پہلے کہ ہوٹل کا کاروبار شروع ہو۔ ہم بغیر ناشتہ کئے اپنے لمبے سفر پر روانہ ہو گئے۔ طائف سے چند میل نکل کر ہی پہاڑی سلسلے دور ہونے لگے اور ہماری کاریں رات بھر کے سرد اور ٹھٹھرے ہوئے صحراؤں میں فراٹے بھرتی نکل گیئں۔ رواں دواں طائف سے چل کر دو گھنٹے میں "العفیف" نامی ایک بستی پر آکر ٹھہرے۔ صحرا کی ٹھنڈی ہوا سے ہاتھ پاؤں تخ ہو چکے تھے۔ بغیر ناشتہ بھوک سے بھی بُرا حال تھا۔

اس ملک کے بڑے بڑے عالی شان مغربی طرز کے شہروں کے مقابل یہاں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں بالکل ہی خراب اور خستہ حال ہیں۔ بس سڑک کے ادھر ادھر دو چار ٹین کے شیڈ یا جھونپڑیاں سی بنی ہیں۔ دو چار آدمی نظر آتے ہیں۔ عورتیں یا بچے میری نگاہ میں تو آئے نہیں۔ ہاں پیٹرول پمپ ضرور ہوتا ہے۔ خیر اُتر کر دیکھا تو ایک تندور روشن نظر آیا۔ اس کے عرب مالک نے ہمیں گرم گرم نان جنہیں یہاں "خبز" کہتے اور گرم گرم کافی لاکر دی۔ اس وقت تو یہ چیزیں نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوئیں اور یہ ناشتہ کر کے ذرا ہوش بجا ہوئے۔

اب دن چڑھ گیا تھا اور صحرا کی ٹھنڈک، گرمی اور دھوپ کی تپش میں بدل گئی تھی۔ پہاڑیاں اب چٹانوں کی بجائے زرد مٹی اور چھوٹے پتھروں کی بنی دُور دُور پر نظر آنے لگی تھیں۔ باقی چٹیل میدان تھے یا سیمنٹ کی سڑک، کئی جگہ تو ایسی زرد زرد ریت تھی کہ دھوپ میں اس کی چمک سے نگاہ خیرہ ہوتی تھی۔ خار دار چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں بھی کہیں کہیں اُگی ہوئی تھیں اور موجودہ زمانے کی ایجاد موٹر کاریں بالکل اچھی اور خراب دونوں حالتوں میں بے شمار ہر جگہ بکھری پڑی تھیں۔ موٹروں کا یہ نظارہ میں نے ملک عرب کے سوا کہیں نہیں دیکھا۔ رہے صحرا کے مشہور اونٹ تو ان کا نشان ملنا مشکل تھا۔ سارے راستے میں دو چار مریل اور غالباً پٹرول کے جلے ہوئے کالے کلوٹے پھرتے نظر آئے۔ سنا تھا کہ عرب کے اصل بادیہ نشین بدوؤں کے خیمے نجد کے ان صحراؤں میں ملتے ہیں۔ تو سڑک سے کافی دور اور کہیں کہیں سیاہ یا سفید خیمے نظر آئے مگر ہر خیمے کے سامنے بجائے اونٹوں کے ٹیوٹا اور ڈٹسن کے ٹرک اور پک اپ کھڑے تھے۔ بغیر راستہ یا سڑک کے ریت اور خار دار جھاڑیوں میں جس طرح بے دھڑک یہ اہل بادیہ ٹرک اور پک اپ دوڑاتے ہیں اس کو دیکھ کر ان چیزوں کے موجد امریکن۔ انگریز اور جاپانی سب دنگ رہ جاتے ہیں۔ راہ میں کئی آبادیاں اور بستیاں بھی گزریں۔ بعض میں پکی عمارتیں۔ بجلی گھر۔ واٹر ٹاور ترقی اور ڈویلپمنٹ کا ثبوت دے رہے ہیں۔ باقی وہی صحرائی چند گھر تھے۔ کھانے پینے کا سامان کہیں اور ڈھنگ کا نہ ملا اور ہم لوگ ساتھ رکھے ہوئے پھل۔ بسکٹ اور کوکا کولا وغیرہ پر رہے۔ یہاں کی موٹریں ایئر کنڈیشن ہوتی ہیں۔ اس لئے گرمی تو نہیں مگر دھوپ کی چمک اور راستے کی یکسانیت ضرور تھکا دیتی ہے۔ حدودِ نجد میں داخل ہو کر پھر سبزہ اور اکثر جگہ کھیتی باڑی بھی نظر آنے لگی۔

جب ہم لفضلہٖ خیریت سے وادیٔ نجد کے مشہور شہر الریاض میں داخل ہوئے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ روشن ہوتی بجلی کی بتیوں میں ملک عرب کا یہ دارالخلافہ اپنی سربلند عظیم الشان عمار[illegible] اونچے اونچے فلیٹوں۔ دفتروں دکانوں اور قدم قدم پر چمکتے ریستوران اور قہوہ خانوں کے جلو میں کسی بڑے مغربی شہر سے کم نظر نہیں آ رہا تھا۔

الریاض چھوٹی چھوٹی زرد مٹی اور پتھریلی پہاڑیوں کے سلسلے پر آباد ہے۔ مگر بڑے بڑے ٹریکٹر پہلے ان پہاڑیوں کو توڑ کر میدان بناتے ہیں۔ پھر عمارتیں کھڑی ہوتی ہیں۔ اگر کہیں ایسی پہاڑیاں توڑ کر میدان بنانے کی لاگت سے ان پہاڑیوں کو سرسبز بنا کر اُن پر مکان اور سڑکیں بنیں تو اس کی خوبصورتی دوسرے ملکوں کے خوبصورت پہاڑی شہروں کا مقابلہ کرے مگر فی الحال تو مٹی۔ دھول، اور گرد کے طوفان میں یہ شہر روز بروز ترقی پا رہا ہے۔ اس کی فراخ و دراز سڑکوں پر دنیا کی قیمتی ترین لمبی چوڑی تیز رفتار موٹر کاریں دوڑتی پھرتی ہیں دنیا کے بہترین اور بیش بہا سامان تجارت سے یہاں کے بڑے بڑے سٹور بھرے پڑے ہیں۔ سونے اور گراں بہا جواہرات سے یہاں کی دکانیں جگ مگ جگ مگ کرتی ہیں۔ اس میں کیا کمی دل محسوس کرتا ہے وہ شاعر کی زبان میں کچھ یوں ہے کہ:۔ ؎

وادیٔ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس منت کش نظارہ محمل نہ رہا

حوصلے وہ نہ رہے۔ ہم نہ رہے۔ دل نہ رہا
گھر یہ اُجڑا ہے کہ تُو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوئے محفل ما باز آئی

خدایا! مسلمانوں کو پھر سچے مسلمان بنا دے۔ ان کے تنگ دلوں کو پھر ہمارے حضورؐ کے دل جیسی وسعت و فراخی اور حوصلہ بخش دے اور ہمیں دشمنوں میں سے دوست عطا فرما۔ آمین!

حکمت کے موتی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دُعا فرمایا کرتے تھے۔

"خداوندا! مجھے مسکین رکھ مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:۔

اے عائشہؓ، کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرو۔ گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہؓ۔ غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تمہیں اپنے سے نزدیک کرے گا۔"

"شوکتِ اسلام"

پھر اتباعِ سیرتِ نبویؐ نکھار دے ⁂ اُجڑے ہوئے چمن کو نوید بہار دے
پھر شوکتِ اسلام کا پرچم بلند کر ⁂ پھر دینِ حق کا ولولہ دل میں اُبھار دے

از شناور بحر معرفت حضرت مجدد زماں علیہ السلام

جو تارکِ نماز ہے وہ تارکِ ایمان ہے

جو شخص نماز چھوڑتا ہے۔ وہ ایمان کو چھوڑتا ہے۔ اس خدا کے ساتھ تعلقات میں فرق آجاتا ہے۔ اصل میں مسلمانوں نے جب سے نماز کو ترک کیا یا اسے دل کی تسکین آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا شروع کیا تب ہی سے اسلام کی حالت بھی معرض زوال میں آئی ہے۔ وہ زمانہ جس میں نمازیں سنوار کر پڑھی جاتی تھیں غور سے دیکھ لو کہ اسلام کے واسطے کیسا تھا۔ ایک دفعہ تو اسلام نے تمام دنیا کو زیر پا کر دیا تھا۔ جب اسے ترک کیا وہ خود متروک ہو گئے۔ درد دل سے پڑھی ہوئی نماز ہی ہے کہ تمام مشکلات سے انسان کو نکال لیتی ہے۔ ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ اکثر کسی مشکل کے وقت دعا کی جاتی ہے۔ ابھی نماز میں ہی ہوتے ہیں کہ خدا نے اس امر کو حل اور آسان کر دیا ہوتا ہے۔ ایک عرض کرتا ہے التجا کے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ دوسرا اس کی عرض کو اچھی طرح سنتا ہے پھر ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ جو سنتا ہے وہ بولتا ہے اور گزارش کرنے والے کو جواب دیتا ہے۔ نمازی کا یہی حال ہے۔ خدا کے آگے سربسجود رہتا ہے۔ اور خدا کو اپنے مصائب اور حوائج سناتا ہے۔ پھر آخر سچی اور حقیقی نماز کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک وقت جلد آجاتا ہے کہ خداتعالیٰ اس کے جواب کے واسطے بولتا اور اس کو جواب دے کر تسلی دیتا ہے۔ بھلا یہ بجز حقیقی نماز کے ممکن ہے۔ ہرگز نہیں اور پھر جن کا خدا ہی ایسا نہیں وہ بھی کس گزرے ہیں ان کا کیا دین اور کیا ایمان ہے وہ کس امید پر اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں۔

نماز وہ ہے جس میں دعا کا مزا آجائے۔

آجکل لوگ جلدی جلدی نماز کو ختم کرتے ہیں اور پیچھے لمبی دعائیں مانگنے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ جس نماز میں تضرع نہیں خداتعالیٰ کی طرف رجوع نہیں۔ خداتعالیٰ سے رقت کے ساتھ دعا نہیں وہ نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی ہے۔ نماز وہ ہے جس میں دعا کا مزہ آجائے۔ خدا کے حضور میں ایسی توجہ سے کھڑے ہو جاؤ کہ رقت طاری ہو جائے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے اس کی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے۔ ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔ جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی طرف ہے اور منہ سے کچھ نکلتا ہے وہ ایک لعنت ہے جو آدمی کے منہ پر واپس ماری جاتی ہے۔ اور قبول نہیں ہوتی۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ ویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون۔ یعنی لعنت ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ نماز وہی اصلی ہے جس میں مزا آجاتا ہے۔ ایسی ہی نماز کے ذریعے گناہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی وہ نماز ہے جس کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز مومن کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ ان الحسنات یذھبن السیئات نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں دیکھو بخیل سے بھی انسان مانگتا رہتا ہے تو وہ بھی کسی نہ کسی وقت کچھ دے دیتا ہے اور رحم کھاتا ہے۔ خداتعالیٰ تو خود حکم دیتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور میں نہیں دوں گا؟

نماز میں طریق حصولِ حضور

سوال:۔ کبھی نماز میں لذت آتی ہے اور کبھی وہ لذت جاتی رہتی ہے۔ اس کا کیا علاج ہے؟

جواب:۔ ہمت نہیں ہارنی چاہیئے بلکہ اس لذت کے کھوئے جانے کو محسوس کرنے اور پھر اس کو حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ جیسے چور مال اڑا کر لے جاوے تو اس کا افسوس ہوتا ہے۔ اور پھر انسان کوشش کرتا ہے کہ آئندہ کو اس خطرہ سے محفوظ رہے۔ اس لئے معمول سے زیادہ ہوشیاری اور مستعدی سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح پر جو خبیث نماز کے ذوق اور انس کو لے گیا ہے تو اس سے کس قدر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اور کیوں نہ اس پر افسوس کیا جائے۔ انسان جب یہ حالت دیکھے کہ اس کا انس و ذوق جاتا رہا تو وہ بےفکر اور بےغم نہ ہو۔ نماز میں بےذوقی کا ہونا ایک سارق کی چوری اور روحانی بیماری ہے۔ جیسے ایک مریض کے منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔ تو وہ فی الفور علاج کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح پر جس کا روحانی مذاق بگڑ جاوے اس کو بہت جلد اصلاح کی فکر کرنی لازم ہے۔ یاد رکھو انسان کے اندر ایک بڑا چشمہ لذت کا ہے۔ جب کوئی اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے تو وہ چشمۂ لذت مکدر ہو جاتا ہے۔ اور پھر لذت نہیں رہتی۔ مثلاً جب ناحق گالی دیتا ہے۔ یا ادنیٰ سی بات پر بدمزاج ہو کر بدزبانی کرتا ہے تو پھر ذوقِ نماز جاتا رہتا ہے۔ اخلاقی قوای کو لذت میں بہت بڑا دخل ہے۔ جب انسانی قوای میں فرق آئے گا تو اس کے ساتھ ہی لذت میں فرق آجاوے گا۔ پس جب کبھی ایسی حالت ہو کہ انس اور ذوق جو نماز میں آتا تھا وہ جاتا رہا تو چاہیئے کہ تھک نہ جاوے اور بےحوصلہ ہو کر ہمت نہ ہارے۔ بلکہ بڑی مستعدی کے ساتھ اس گمشدہ متاع کو حاصل کرنے کی فکر کرے اور اس کا علاج ہے توبہ۔ استغفار۔ تضرع۔ بےذوقی سے ترک نماز نہ کرے بلکہ کثرت سے نماز پڑھے۔ جیسے ایک نشہ باز کو جب نشہ نہیں آتا تو وہ نشہ چھوڑ نہیں دیتا بلکہ جام پر جام پیتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر اس کو لذت اور سرور آجاتا ہے پس جس کو نماز میں بےذوقی پیدا ہو اس کو کثرت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور تھکنا مناسب نہیں۔ آخر اسی بےذوقی میں ایک ذوق پیدا ہو جائے گا۔ دیکھو پانی کے لئے کس قدر زمین کو کھودنا پڑتا ہے۔ جو لوگ تھک جاتے ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لئے اس ذوق کو حاصل کرنے کے لئے استغفار کثرت نماز و دعا مستعدی اور صبر کی ضرورت ہے۔

نیز فرمایا کہ نماز میں اپنے لئے دعا کرتے رہیں اور سرسری اور بےخیالی نماز پر خوش نہ ہوں۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو توجہ سے نماز ادا کریں۔ اور اگر توجہ پیدا نہ ہو تو پنج وقت ہر ایک نماز میں خداتعالیٰ کے حضور میں بعد ہر ایک رکعت کے کھڑے ہو کر یہ دعا کریں کہ اے خداتعالیٰ قادر ذوالجلال میں گنہگار ہوں اور اس قدر گناہ کی زہر نے میرے دل اور رگ و ریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقت اور حضور نماز حاصل نہیں ہو سکتا تو اپنے فضل و کرم سے میرے گناہ بخش اور میری تقصیرات معاف کر اور میرے دل کو نرم کر دے اور میرے دل میں اپنی عظمت اور اپنا خوف اور اپنی محبت بٹھا دے تاکہ اس کے ذریعہ سے میری سخت دلی دور ہو کر حضور نماز میں میسر آوے۔ اور یہ دعا صرف

امر بالمعروف

حضرت امام زماں کی دلی خواہش

اِس زمانہ میں امر بالمعروف کے لئے مجدد زماں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السّلام نے ایک جماعت بنائی حضور نے اِس جماعت سے جو توقعات وابستہ کی تھیں، وہ پیشِ خدمت ہیں، دعا کریں کہ خدا تعالےٰ ہمیں حضور کے ان ارشادات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (ادارہ)

حضورؑ فرماتے ہیں،

"اے نادانو! خوب سمجھو۔ اے غافلو! خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمال کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالےٰ کو نہیں بلکہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے۔ اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی کام اپنے سر پر نہیں اٹھا لیتے اور رسول کریم صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے جوئے کے نیچے صدق دِل سے اپنی گردنیں نہیں رکھ دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبّر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں۔ اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے۔ ۔ ۔ ۔ اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔ جو شخص شرارت اور تکبّر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ کی دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں، خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو اِن دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کے زہر دور کر دیں۔

میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ وہ کبھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں۔ جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا۔ اور ایک سچّا عہد اپنے خدا سے کر لیا۔ کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبّر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دور جا پڑیں گے۔ اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔ مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آئیں ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے؟ جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے۔ ۔ ۔ ۔ (صرف) جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ ہے کہ اس کی طرف جھکے اور سجود یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دستبردار ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دمِ زندگی ہے کئے جاؤں گا۔

اور دعا یہی ہے کہ خدا تعالےٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور رحمت کا ہاتھ لمبا کرکے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے ان کے دلوں سے اٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کرے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ میری یہ دعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔

ہاں میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالےٰ کے ارادہ میں بدبخت ازلی ہے۔ جس کے لئے یہ مقدر نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اس کو حاصل ہو تو اس کو اے قادر خدا! میری طرف سے بھی منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے۔ اور اس کی جگہ کوئی اور لا جس کا دِل نرم ہو اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔ ۔ ۔ ۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دنیا کا کیڑا رہ کر میرے ساتھ ہو ند کرے۔"

(شہادت القرآن صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۴)

ادارہ تعلیم القرآن

جیسا کہ احباب کرام اس خبر کو پہلے بھی پڑھ چکے ہیں کہ احمدیہ بستی دار السلام میں ادارہ تعلیم القرآن کے زیرِ اہتمام ایک دینی، علمی کلاس حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ کی نگرانی میں جاری کی گئی ہے۔ آپ نے ہی اس کلاس کا افتتاح فرمایا تھا۔ خدا کے فضل سے لاہور کے رہنے والے دور دور سے خواتین و احباب کرام اور دار السلام والے اس کلاس سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان طلبہ کو قرآن مجید با ترجمہ لغت کے ساتھ۔ عربی زبان جدید طرز پر، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عربی کلام اور دوسرے ضروری مسائل پڑھائے جاتے ہیں۔ گزشتہ روز ۱۸/۷ ان کا پہلا عربی زبان کا تحریری ٹیسٹ ہوا جس میں طلبہ نے شوق سے حصہ لیا۔ احباب کرام دعا فرمادیں کہ یہ کلاس باقاعدگی سے جاری رہے۔ ہم خاص طور پر اہل لاہور کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ضرور اس کلاس میں شامل ہو کر استفادہ کریں۔ اس کلاس کو مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد پڑھاتے ہیں۔

(ادارہ پیغام صلح)

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو + دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

حضرت مجددِ زمانؑ کے انوار کا پرتو ——— تجدیدیت کا عظیم کارنامہ

آپ نے ہستی باری تعالیٰ پر علیٰ وجہ البصیرت زندہ ایمان پیدا کیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی ذات ستودہ صفات کی وجہ سے قادیان کی گمنام بستی مرجع خلائق بن چکی تھی ؎

اے خوشا آں شہرے کہ آنجا دلبر است

آفتاب ہدایت کی کرنیں اقصائے عالم کو منور کر رہی تھیں۔ اس شیر حق کی گرجدار آواز دشمنانِ حق کے قلوب میں لرزہ پیدا کر رہی تھی اور جہاں دماغ کے ذریعے روشنی کے طالب نورِ بصیرت سے محروم تھے۔ وہاں جنہوں نے دل کی منزلوں میں تلاش حقیقت کی وہ گروہ در گروہ اس مسحور کن آواز پر کان رکھے قادیان پہنچ گئے۔

جس بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ قادیان کی دینی فضا تھی۔ حضرت اقدس کی قوت قدسی کے اثرات اس مبارک بستی کے در و دیوار پر اتنے واضح تھے کہ ج[illegible] گوئے انس آید مراز کوئے تو۔ مساجد میں ہزار ہا افراد کا پابندی سے پنجگانہ صلوٰۃ ادا کرنا۔ رکوع سجود اور قیام میں سسکیوں اور آہوں کی دبی دبی صدا، درود وسلام، توبہ استغفار، ذکر و اذکار کی گونج سے راتیں بیدار تھیں۔ حضورؑ کا ہر مرید زہد و اطاعت کا پیکر، ایثار و قربانی کا مجسمہ اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فدائی تھا۔ مساجد میں صبح کا درسِ قرآن و حدیث حضرت مولانا نورالدینؓ کی گوہر ریزیاں۔ حضرت مولانا عبدالکریمؓ کی مسحور کن، روح افزا پُراثر قرأت اور خطباتِ جمعہ پر اہلِ ایمان جھوم جھوم جاتے حضرت مولانا محمد احسن امروہی اور دیگر اکابرین کی معارف گستری اور ہر مجلس، ہر موڑ اور ہر مقام پر اسلام کی عظمت، ترقی اور برتری کے چرچے ہر فرد کے دل و دماغ پر قبضہ کئے ہوئے تھے اٹھتے بیٹھتے، خلوت اور جلوت گویا ہر امام زمان کی بیش قیمت نصائح، انمول نکاتِ معرفت، شفقت و رافت، اپنے مقصد کی سربلندی اور کامرانی پر بے پناہ یقین راہ حق میں زبردست استقامت، مردہ دلوں پر مسیحائی کا کام کر رہی تھی۔ لوگ دشمن بن کر گالیاں دینے آتے اور خادم اور مداح بن کر رہ جاتے تھے۔ جو کوئی ایک بار قلب سلیم لے کر حاضر ہوا فدائی بن گیا۔ مرد و زن، خورد و کلاں سب اسلام کی محبت میں سرشار، عبادتِ الٰہی کے والہ و شیدا۔ خلاصہ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے رنگ میں اس طرح رنگے ہوئے تھے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ ؎

ذوق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست

اسلام کی محبت نے حضرت مرزا صاحب کے وابستگانِ دامن کے دلوں کو باہمی محبت اور رحمت کی خوشبو سے معطر کیا تھا۔ ان کی ملاقات عید کا چاند ہوتی وہ باہم ملاقات کو ملاقاتِ مسیحا و خضر سے بڑھ کر سمجھتے تھے ایک دوسرے کی خوشی اور رنج کو عزیزوں سے بڑھ کر محسوس کرتے تھے اور عشقِ اسلام نے ان یاد کشتوں کی باہمی محبت اہلِ عالم کی ایک مثال بن گئی تھی۔

اس اسلامی فضا کو ہر حساس مسلمان نے محسوس کیا۔ ملک کے دین پسند عناصر کی نگاہیں قادیان کی طرف اٹھنے لگیں اور جو اہلِ دل چاہتے تھے کہ ان کے بچے اسلامی تہذیب و ثقافت کا نمونہ بنیں، انہوں نے اختلافِ عقائد اور شدید مخالفت کے باوجود اپنے بچے تعلیم و تربیت کے لئے قادیان حضرت صاحب کی خدمت میں بھیجے۔ - - - - - فرقہ وارانہ جذبات سے بلند اور عشق اسلام سے معمور یہ مسحور کن فضا مسلمانانِ عالم کے لئے نقطۂ جاذب بن چکی تھی۔ یہ عام تاثر تھا کہ قادیان پہنچ کر طالب علم ہر گونہ ذہنی، جسمانی اور روحانی بیماریوں سے نجات حاصل کر لیتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان ایک بین الاقوامی ادارہ بن چکا تھا جس میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے بچے بھی بخوشی داخلہ لیتے تھے اور اس جاذبیت کا سہرا حضرت مولانا صدرالدین صاحب کے سر پر تھا جن کی پُراثر اور جاذب شخصیت حُسنِ سیرت اور نفاست پسندی نے طلباء کی زندگیوں پر گہرا اثر ڈالا۔

یہ سب کچھ اس دور کے کیمیاگر حضرت مجدد صدی چہار دہم کی نظر کا فیضان تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقِ حق پاک طینت را

یاد آگیا

جب بہار آئی مجھے اپنا [illegible] یاد آ گیا ⁂ حضرت اقدس کا دورِ ضو فگن یاد آگیا

دل میں "نوردین" کی باتیں جب کہ یاد آنے لگیں ⁂ خواجہ "حسن بیاں" "شیریں سخن" یاد آگیا

طوطیٔ اسلام وہ جادو بیاں عبدالکریم ⁂ تھا نقیب مہدی شاہِ زمن یاد آگیا

آتشِ خوں سے بھی کھیلے ہیں شہید عبداللطیف ⁂ حق کی خاطر تھا ہمارا کیا چلن یاد آگیا

اور پھر اقصائے عالم پر اٹھی میری نظر ⁂ ایک "سلطان القلم" "باطل شکن" یاد آگیا

ہے محمد اور علی کے نام سے مشہور وہ ⁂ تھا جو روح و جسم و جانِ انجمن یاد آگیا

نو عمر[illegible] سے بھی وہ مجلسیں یاد آگئیں ⁂ جوشِ فتح بحر و بر کوہ و دمن یاد آگیا۔

اور ان قدوسیوں کے درمیاں بیٹھا ہوا
وہ مسیح وقت گویا من و عن یاد آ گیا۔

—— ⁂ —— (انوار رشد)

زندگی بخش جامِ احمد ہے ٭ کیا پیارا یہ نامِ احمدؐ ہے
لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا ٭ سب سے بڑھکر مقامِ احمدؐ ہے
باغِ احمدؐ سے ہم نے پھل کھایا ٭ میرا بستاں کلامِ احمدؐ ہے

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
پہلے تو راہ میں ہارے پار اس نے ہیں اتارے
میں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے
پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے
دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اسکی ثنا یہی ہے
حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے
جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
آنکھ اس کی دور بیں ہے دل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمعِ دیں ہے عین الضیا یہی ہے
جو رازِ دیں تھے بھارے اس نے بتائے سارے
دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے

٭

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچہ آلِ محمدؐ است
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکاں ندائے جلالِ محمدؐ است
ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است
ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدی است
ویں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است

٭ ٭ ٭

صدرِ بزمِ عاشقاں حجۃ اللہ بر زمیں
ذاتِ خالق را نشانے بس بزرگ و استوار
ہر رگِ تارِ وجودش خانۂ یارِ ازل
ہر دم و ہر ذرّہ اش پُر از جمالِ دوستدار
یا نبی اللہ فدائے ہر سرِ موئے توام
وقفِ راہِ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار

٭ ٭ ٭

ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف ٭ کہ گردد از محبانِ محمدؐ
خدا زاں سینہ بیزار است صدبار ٭ کہ ہست از کینہ دارانِ محمدؐ
خدا خود سوزد آں کرمِ دنی را ٭ کہ باشد از عدوّانِ محمدؐ
اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس ٭ بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت ٭ بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ٭ محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمد ٭ دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بسے سہل است از دنیا بریدن ٭ بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرّۂ من ٭ کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمدؐ
من آں خوش مرغ از مرغانِ قدسم
کہ دارد جا بہ بستانِ محمدؐ

نقشہ اوقات سحر و افطار رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ

روزہ رکھنے کی نیّت: وبصوم غدٍ نویت من شہر رمضان
ترجمہ: میں نے ماہِ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی۔

روزہ کھولنے کی نیّت: اللّٰھم انی لک صمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت وعلیٰ رزقک افطرت۔ ترجمہ: الٰہی میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔

ایام	جولائی ۱۹۸۰ء	رمضان المبارک	انتہائے سحر		وقت افطار	
			گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ
منگل	۱۵	۱	۳	۲۶	۷	۱۴
بدھ	۱۶	۲	۳	۲۷	۷	۱۳
جمعرات	۱۷	۳	۳	۲۸	۷	۱۳
جمعہ	۱۸	۴	۳	۲۹	۷	۱۲
ہفتہ	۱۹	۵	۳	۲۹	۷	۱۲
اتوار	۲۰	۶	۳	۳۰	۷	۱۲
پیر	۲۱	۷	۳	۳۱	۷	۱۱
منگل	۲۲	۸	۳	۳۲	۷	۱۰
بدھ	۲۳	۹	۳	۳۳	۷	۹
جمعرات	۲۴	۱۰	۳	۳۴	۷	۸
جمعہ	۲۵	۱۱	۳	۳۵	۷	۸
ہفتہ	۲۶	۱۲	۳	۳۷	۷	۸
اتوار	۲۷	۱۳	۳	۳۸	۷	۶
پیر	۲۸	۱۴	۳	۳۸	۷	۶
منگل	۲۹	۱۵	۳	۳۹	۷	۵

ایام	جولائی ۱۹۸۰ء	رمضان المبارک	انتہائے سحر		وقت افطار	
			گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ
بدھ	۳۰	۱۶	۳	۴۰	۷	۴
جمعرات	۳۱	۱۷	۳	۴۱	۷	۳
جمعہ	یکم اگست	۱۸	۳	۴۲	۷	۳
ہفتہ	۲	۱۹	۳	۴۲	۷	۲
اتوار	۳	۲۰	۳	۴۳	۷	۱
پیر	۴	۲۱	۳	۴۴	۷	۰
منگل	۵	۲۲	۳	۴۵	۶	۵۹
بدھ	۶	۲۳	۳	۴۶	۶	۵۹
جمعرات	۷	۲۴	۳	۴۷	۶	۵۸
جمعہ	۸	۲۵	۳	۴۸	۶	۵۷
ہفتہ	۹	۲۶	۳	۴۹	۶	۵۶
اتوار	۱۰	۲۷	۳	۵۰	۶	۵۵
پیر	۱۱	۲۸	۳	۵۱	۶	۵۴
منگل	۱۲	۲۹	۳	۵۲	۶	۵۳
بدھ	۱۳	۳۰	۳	۵۳	۶	۵۲

از سید ناصر احمد صاحب، مانچسٹر

اُمّ نسواں کی رُوح رواں
صالحہ آپا

چند ماہ ہوئے لاہور سے آمدہ خطوط سے یہ تکلیف دہ خبر ملی کہ بیگم چوہدری ظہور احمد مرحوم جو عام حلقوں میں صالحہ آپا کے نام سے مشہور تھیں [illegible]

بچپن میں صالحہ آپا مرحومہ کو احمدیہ بلڈنگس میں جلسہ سالانہ پر نہایت باقاعدگی سے خواتین کے اجلاس میں آنے اور نہایت اخلاص اور گرمجوشی سے اس کی کارروائی میں حصہ لیتے دیکھا کرتا تھا۔ جماعت کئی نازک مراحل سے گزری لیکن صالحہ آپا مرحومہ نے اختلافات سے بالاتر ہو کر جماعت کے کام اور دین کی سربلندی کو فوقیت دی۔

جلسہ سالانہ کے سلسلہ میں خاکسار کو مختلف خدمات سرانجام دینے کا موقع ملتا رہا۔ لیکن براہ راست کبھی ان سے گفتگو یا اُن کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق نہ ہوا۔ اس لیے ان سے متعلق میرے تاثرات اس حد تک محدود تھے جو میں ان کی سادہ لیکن درد اور خلوص سے بھری ہوئی تقاریر سے اخذ کر سکا تھا۔

چوہدری ظہور احمد صاحب مرحوم سے کئی مرتبہ ان کی کوٹھی پر ملنے احمد پارک گیا جہاں گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے اُمّ نسواں کا بورڈ نظر آتا ہے۔ لیکن ذہن میں اس بورڈ سے ان فلاحی کاموں کا کچھ اندازہ نہ تھا۔ جو صالحہ آپا اس انجمن کے ذریعہ کر رہی تھیں اور نہ ہی انہوں نے کبھی جماعتی حلقوں میں ان سرگرمیوں کا کسی سے [illegible] ذکر کیا۔

غالباً ۷۲ء یا ۷۳ء کی بات ہے۔ میں ان دنوں مقامی جماعت کا سیکرٹری تھا اور شاہدرہ کے اردگرد کے علاقوں میں سیلاب کی وجہ سے ہزاروں لوگ بے گھر ہو گئے تھے اور سخت بے سروسامانی کے دن گزار رہے تھے۔ مقامی جماعت نے فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کے لئے کپڑے اور اجناس کو اکٹھا کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ہم صالحہ آپا مرحومہ سے بھی ملنے گئے باتوں باتوں میں انہوں نے ذکر کیا کہ وہ بھی اُمّ نسواں کی طرف سے کمبل۔ گرم چادریں۔ اور دیگر اشیاء سیلاب زدہ لوگوں تک پہنچا رہی ہیں۔ اس کے بعد میں نے ام نسواں کے متعلق مزید معلومات حاصل کیں تو حیران ہوا کہ یہ کم گو اور سادہ خاتون کتنی خاموشی سے کتنے ہی فلاح و بہبود کے کام کر رہی ہے۔ ان کی وفات کی خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا۔ گو موت سے کسی کو مفر نہیں لیکن ایسی فعال اور مخلص شخصیتوں کا وجود قوم کا سرمایہ ہوتا ہے۔ صالحہ آپا مرحومہ جماعت کے لئے ایسا ہی ایک سرمایہ تھیں۔ جن کی وفات سے ہم ایک نہایت ہی نیک، مخلص اور سرگرم خاتون سے محروم ہو گئے ہیں۔ خدا اس پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

آہ! محمد اسلم خانصاحب مرحوم

یہ خبر احباب جماعت کے لئے بڑے رنج و افسوس کا موجب ہوگی کہ ہمارے محترم دوست محمد اسلم خانصاحب (سابق ہیڈماسٹر بدوملہی سکول و مسلم ہائی سکول ۱ لاہور) گزشتہ ماہ راولپنڈی میں جو اُن کا وطن تھا قبل از فجر نماز تہجّد کے دوران اپنے خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

خاں صاحب موصوف نہایت شریف النفس، مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک، خوش [illegible]

ہاؤس تھا اور سنسکرت پڑھانے کے لئے ایک پنڈت بھی سٹاف میں شامل تھا۔ محمد اسلم خاں صاحب مرحوم نے نہایت قابلیت سے اس سکول کو چلایا اور اس کے میٹرک کے نتائج اکثر نوّے اور سو فیصد کے درمیان رہا کرتے تھے اور کئی بار نتیجہ سو فیصد بھی رہا اور طلبہ وظائف بھی حاصل کرتے رہے۔ خانصاحب مرحوم نے اپنے آپ کو بھی دیہاتی ماحول میں ڈھال لیا تھا اور وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کے سامنے بھی انہوں نے سادہ زندگی اور اولوالعزمی کا نمونہ پیش کیا۔ ان کے بہت سے شاگرد بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔

نومبر ۱۹۴۹ء میں خاں صاحب موصوف کا تبادلہ بطور ہیڈماسٹر مسلم ہائی سکول ۱ لاہور ہوا اور ۱۹۶۴ء تک آپ لاہور میں تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے اور پینتیس (۳۵) سال کی ملازمت کے بعد ریٹائر ہوئے۔ اس کے بعد دو سال تک آپ ادارہ تعلیم القرآن میں تبلیغی کلاس کو انگریزی پڑھاتے رہے۔ مرحوم ایک مخلص احمدی، سچے مسلمان، اور بڑے قابلِ قدر انسان تھے۔ راولپنڈی میں ان کی سکونت ہماری جماعت کی جامع مسجد کے قریب تھی اور وہ باجماعت نماز اور دیگر جماعتی تقریبات میں باقاعدگی سے حصہ لیتے تھے اور مسجد کی خدمت میں بھی دل کھول کر حصّہ لیتے رہے۔

اللہ تعالےٰ نے انہیں بڑی لائق اور صالح اولاد عطا فرمائی ہے اور یہی ایک استاد کے لئے سب سے بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ ان کے اہل و عیال پر اپنے افضال نازل کرتا رہے اور ان کے صاحبزادگان ان کے صحیح جانشین ہوں۔ خاں صاحب مرحوم نے بیاسی (۸۲) سال کی عمر میں وفات پائی۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ

(مرزا مسعود بیگ سیکرٹری)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۸۰ء
جلد ۶۷ ، شمارہ ۲۹ ، رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۳۴۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ... روپے
بیرونی ممالک سے ... پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۹ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۳ جولائی سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ ۳۰

ارشادات مجدّدِ زماں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام

فدیہ توفیقِ روزہ کا موجب ہے

ایک بار میرے دل میں آیا کہ یہ فدیہ کس لئے مقرر ہے تو معلوم ہوا یہ اس لئے ہے کہ اس سے روزہ کی توفیق ملتی ہے۔ خدا ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شے خدا ہی سے طلب کرنی چاہیئے۔ وہ خادرِ مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی طاقتِ روزہ عطا کر سکتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ ایسا انسان جو دیکھے کہ روزہ سے محروم رہا جاتا ہوں تو دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال رہوں یا نہ رہوں یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں اس لئے اس سے توفیق طلب کرے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے قلب کو خدا طاقت بخش دے گا۔ اگر خدا چاہتا تو دوسری امتوں کیطرح اس امت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے لئے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینے میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہو جاتی ہے کیونکہ ہر کام کا مدار نیت پر ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا کی راہ میں دلاور ثابت کرے۔ جو شخص کہ روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا۔ اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ ہرگز اسے ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ ایک باریک امر ہے۔ اگر کسی شخص پر اپنے نفس کی کسل کی وجہ سے روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا آدمی جو خدائی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آ گیا اور اس کا منتظر ہی تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر بوجہ بیماری کے نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر روزہ سے محروم نہیں۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اہلِ جہان کو دھوکا دیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دیتے ہیں۔ بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش کر اور تکلفات شامل کر کے ان مسائل کو صحیح گردانتے ہیں۔ لیکن وہ خدا کے نزدیک صحیح نہیں۔ تکلف کا باب بہت وسیع ہے۔ اگر انسان چاہے تو اس کی رو سے ساری عمر بیٹھ کر ہی نماز پڑھتا رہے اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے مگر خدا اس کی نیت اور ارادہ کو جانتا ہے جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خدا اسے اصل ثواب سے بھی زیادہ دیتا ہے۔ کیونکہ دردِ دل ایک قابلِ قدر شے ہے۔ حیلہ جو انسان تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں لیکن خدا کے نزدیک یہ تکیہ کوئی شے نہیں ہے۔

(فتاوی احمدیہ صفحہ ۱۷۵)

از مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

مساجد کے آداب

ہر مذہب میں عبادت کی جگہ کو خاص تقدس کا مقام حاصل ہے اور لوگ اس کا احترام کرتے ہیں لیکن اسلام نے مساجد کو ایک خاص مقام عطا فرمایا ہے اور اس کے بارے میں خاص احکامات صادر فرمائے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع (نور)

یہ وہ گھر ہیں کہ جن میں عبادت کرنے والوں کو اللہ تعالےٰ اپنا قرب، عزت اور عظمت کا وارث بنا دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جس مقام کی طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تھے خواہ عارضی طور پر یا مستقل طور پر سب سے پہلے اللہ تعالےٰ کے گھر کی تعمیر کی جاتی تھی اور جب یہ سفر عارضی ہوتا تھا پھر بھی ایک جگہ مخصوص کی جاتی تھی جہاں پر آپ نماز کے لئے مسجد کی جگہ مقرر فرماتے تھے جب آپؐ مدینہ ہجرت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں آپ نے چند دن قبا میں قیام فرمایا۔ آپؐ نے مسجد کی بُنیاد رکھی۔ جو آج عالم اسلام میں مسجد الاوّل بعد الہجرت کے نام سے موسوم ہے۔

ان مساجد کے قیام میں یہ تعلیم ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ ان المسجد للّٰہ مسجد بنانے میں سب سے پہلے انسان کو اپنی نیت نیک رکھنی چاہیئے۔ تقوای اللّٰہ پر بنیاد ہونی چاہیئے اور جب ایک انسان مسجد کی تعمیر کا جذبہ اپنے اندر رکھتا ہے تو اسے کو بشارت دیتے ہیں:۔ من بنی مسجداً للّٰہ بنی اللّٰہ لہٗ بیتا فی الجنۃ (متفق علیہ)

جو شخص دنیا میں خُدا کا گھر بناتا ہے وہ اپنی نیت۔ اخلاص۔ تقوای کی وجہ سے جنت میں اپنا گھر بنا لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ پاک جذبہ نہیں رکھتا۔ یہ گھر تو خدا کا ہوگا لیکن ایسا شخص اپنے عمل کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے:۔

"مسجدوں کے واسطے حکم ہے کہ تقوای کے واسطے بنائی جائیں۔"

(الحکم ۳۱ راکتوبر ۱۹۰۵ء)

فرمایا:۔" قیام مسجد میں نیت بہ خلوص ہو۔ محض للّٰہ ۔ کیا جاوے۔ نفسانی اغراض یا کسی شہرت کو ہرگز دخل نہ ہو۔ تب خدا برکت دے گا۔ (البدر۔ ۲۴ راگست ۱۹۰۴ء)

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ان المساجد للّٰہ ۔ جب ایک انسان خدا کے گھر کو تعمیر کرتا ہے تو پھر ایک رنگ میں سارے دنیا کے مسلمانوں کے لئے اس کے دروازے وا ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص اس پر اپنا تسلط ان معنوں میں جیسے ایک انسان کا اپنے ذاتی مکان میں ملکیت اور تصرف ہے۔ ایسا اس کا حق نہیں رہتا۔ ایک رنگ میں یہ وقف کے ذیل میں آجاتی ہے۔ اور وقف کی تعریف یہ ہے کہ نہ اس کو بیچا جا سکتا ہے۔ نہ ایک شخص اس میں اپنے لئے کوئی خاص مقام مخصوص کر سکتا ہے بلکہ سب مسلمانوں کے لئے اس میں آزادی۔ مساوات عبادت۔ کا مکمل حق ملتا ہے۔ اس گھر میں کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے۔ اسی واسطے فرمایا۔

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰہ ان یذکر فیہا اسمہٗ وسعٰی فی خرابہا۔

اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جس نے اللہ کی مساجد سے لوگوں کو روکا کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور جو روکتا ہے وہ ایک رنگ میں خدا کے گھر کو ویران کرنے کے درپے ہے۔ اور جو شخص کسی کو خدا کے گھر میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔ اس کی سزا یہ بیان فرمائی کہ روکنے والا اس دنیا میں رسوائی اور ذلت کا وارث ہوگا۔ اور آخرت میں اللہ تعالےٰ کا عذاب اسے ملے گا۔

مساجد کے آداب میں ایک حکم یہ ارشاد فرمایا کہ ان طہرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ (سورۃ بقرہ) خدا کے گھر کو عبادت کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھنا چاہیئے۔ کوئی ایسی چیز کسی رنگ کی اس میں نہیں ہونی چاہیئے جس سے نماز کے ادا کرنے والوں کو تکلیف پہنچے۔ اسی واسطے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے ہیں۔ مسجد کو صاف ستھرا رکھا جائے۔ مسجد میں ہر شخص کے لئے جس جگہ وہ قیام کرنا چاہے اس کو اس کی کھلی اجازت ہے۔ کوئی شخص اپنے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں کر سکتا۔ جو سب سے پہلے آئے اس کو پہلی صف میں جگہ لینی چاہیئے مسجد میں کسی انسان کو اونچی آواز سے بات نہیں کرنی چاہیئے۔ آپ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ لوگ حلقہ بنا کر بیٹھیں یا بیٹھنے کا ایسا رنگ اختیار کریں جسے عربی میں احتباء کہتے ہیں۔ جس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف ہو۔ اونچی آواز سے بولنا سخت مکروہ ہے۔ فرمایا: ان المصلّی یناجی ربہٗ جب ایک شخص نماز ادا کرتا ہے۔ تو وہ پوشیدہ طور پر اپنے دل و زبان سے خدا تعالےٰ سے باتیں کرتا ہے۔ اگر تم اونچا بولو گے اس سے اس کی عبادت میں خلل واقع ہوگا۔ اس کی توجہ ہٹ جائے گی۔ اس واسطے سختی سے حکم دیا۔ کہ مسجد میں آؤ۔ عبادت میں اگر مصروف ہو تو ابتغاء لمرضات اللّٰہ نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ اس کی عبادت کرو۔ لیکن تمہاری عبادت دوسرے کے لئے کسی تنفر یا صرف التفات کا موجب نہ ہو اور جو دوسرے لوگ ہیں وہ اگر انتظار صلوٰۃ میں ہیں ایسے رنگ میں اداء صلوٰۃ کا انتظار کریں کہ ان کی وجہ سے کسی کی نماز میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہونا چاہیئے۔ اونچی آواز سے بولنا نہیں چاہیئے۔ صحابہ کرام جب مساجد میں آتے تھے۔ اس خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی نماز اور ذکر اللہ میں مشغول ہوتے تھے کہ ان کے سروں پر آکر بیٹھ جاتے تھے[*]۔ یہ ایک عربی محاورہ ہے۔ یعنی وہ نہایت سکون سے اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔

مسجد میں آنے والوں کو تاکید فرمائی کہ وہ وقار۔ خاموشی اور سکون کے ساتھ مسجد میں داخل ہوں۔ اونچی آواز سے بولتے ہوئے نہ آئیں۔ بعض لوگوں کو خاص رنگ میں کھانسنے کی عادت ہوتی ہے۔ جس سے مسجد کے اندر والوں کو بھی احساس ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے سخت منع فرمایا ہے۔ مسجد میں دوڑ کر یا تیز تیز آنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

لا تاتوھا تسعون ولکن ائتوھا تمشون وعلیکم السکینۃ (ترمذی)

کبھی بھی مسجد میں تیزی سے نہ آؤ۔ بلکہ وقار اور سکینت کا پورا خیال رکھو مسجد میں کبھی

[*] کہ ان کے منقطع الی اللہ ہونے کی وجہ سے پرندے بیٹھ جایا کرتے تھے کہ یہ جامد ہیں وہ کئی دفعہ

(جاری)

روزہ اور تمدّن

... ایاما معدودٰت ؕ فمن کان منکم مریضا

او علیٰ سفر فعدّۃ من ایام اُخر ؕ وعلی الذین یطیقونہ

فدیۃ طعام مسکین ؕ فمن تطوّع خیراً فھو خیرٌ لّہٗ ؕ

وان تصوموا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون ۝

(البقرۃ ۲ - آیات ۱۸۳ و ۱۸۴)

ترجمہ:- اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے روزے ضروری ٹھہرائے گئے ہیں جیسے کہ اُن لوگوں کے لئے ضروری ٹھہرائے گئے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ گنتی کے چند دن ہیں۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں گنتی پوری کر لی جائے۔ اور جو اس میں مشقت پاتے ہوں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں۔ پھر جو کوئی تکلف (یعنی تھوڑی تکلیف اٹھا کر) نیکی کرتا ہے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم روزے رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

یہ سورۃ بقرہ کا تیئیسواں رکوع ہے۔ اس چھ آیات کے چھوٹے سے رکوع میں روزہ کے تمام احکام آ گئے ہیں۔ یہ قرآن کریم کی فصاحت اور بلاغت کا کمال ہے۔ فصاحت اور بلاغت کے متعلق یہ [illegible] تصور عام ہے کہ اس کے معنی ہیں لچھے دار کلام جس میں ایک لفظ کی جگہ جتنے ممکن ہوں ہم معنی الفاظ اکٹھے کئے جائیں اور سادہ اور عام فہم الفاظ کی جگہ مشکل اور ثقیل الفاظ استعمال کئے جائیں اور اس طرح سامعین پر اپنے علم و فضل کا رُعب ڈالا جائے اور اُن سے واہ، واہ کی داد لی جائے۔ بدقسمتی سے لوگ بھی ایسی تقریروں پر جھومتے ہیں اور مقرر کے اس تکلف اور تصنّع سے اپنا ڈھنڈورا پیٹنے کو فصاحت اور بلاغت سمجھتے ہیں۔ فصاحت اور بلاغت کے معنی اس کے برعکس یہ ہیں کہ کلام میں صحیح اور کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم کو ادا کیا جائے۔ قرآن کریم کی فصاحت اور بلاغت کا یہی رنگ ہے اور اس کا ثبوت یہ رکوع ہے جس میں چھ آیات میں روزہ کی تاریخ (ہسٹری)، روزہ کا فلسفہ، روزہ کے تمام احکام اور بہت سی علمی اور باطن کی معرفت دینے والی حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔ فسبحٰن اللہ وبحمدہٖ سبحٰن اللہ العظیم۔

اِنسانی تمدّن و تہذیب

اِس رکوع سے پہلے جو چند رکوع ہیں اُن میں اِسلامی تہذیب و تمدّن کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں۔ اِسلام سے پہلے اور بعد میں بھی بہت سے انسانی تمدّن و تہذیب کے نمونے تاریخ میں نظر آتے ہیں۔ اُن سب میں ایک بات مشترک ہے۔ ان نمونوں میں شروع شروع میں کچھ اچھی باتیں اور خوبیاں تھیں خصوصاً جب تک اُن پر اُن کے مذاہب کی اخلاقی اور روحانی قدروں کا کچھ اثر تھا۔ مگر بالآخر اُن قوموں اور جذبات کا بے لگام ہو جانا ان قوموں کے تنزل کا باعث بن گیا۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے زمانہ میں مغربی اقوام کا دنیاوی عروج اور ترقی تاریخِ انسانی میں بے مثال ہے۔ اُن کے تمدّن اور تہذیب پر اُن کو کتنا ناز تھا اور اب بھی ہے۔ اِس تمدن اور تہذیب کو تقریباً ساری دنیا نے اپنا لیا۔ مگر اس کا انجام اب دیکھنے والوں کو نظر آ سکتا ہے۔ شروع شروع میں جب عیسائی مذہب کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کا کچھ اثر تھا تو مغربی اقوام کے تمدّن اور تہذیب میں کچھ خوبی تھی۔ مگر عیسائی مذہب نے اِنسان کے اندرونی جذبات اور خواہشات کی بُرائیوں کا حل یہ بتایا کہ ان جذبات اور خواہشات کو بالکل ترک کر کے راہب یا تن بن جاؤ۔ اور ایسی تعلیم عامۃ النّاس کے لئے قابلِ قبول نہ تھی۔ اِس لئے وہ مذہب اپنی قوموں کو سیدھے راستہ پر نہ رکھ سکا اور آج مغربی تہذیب میں خواہشات اور جذبات بالکل بے قابو ہیں اور انسان حیوانیت کے مقام سے بھی نیچے جا گرا ہے۔ کیونکہ حیوان خلافِ فطرت افعال کبھی نہیں کرتا مگر مغرب میں اب خلافِ فطرت افعال کو نہ صرف کھلم کھلا کیا جانے لگا ہے بلکہ ان کو قانونی جواز بھی مل گیا ہے۔

اِسلامی تہذیب و تمدّن

اِسلام نے جہاں اپنے تمدن و تہذیب کو اعلیٰ اخلاقی اور روحانی قدروں کی بنیاد پر قائم کیا ہے وہاں ان قدروں سے جو باغی حیوانی خواہشات اور جذبات انسان کے اندر ہیں ان کو قابو میں لا کر انہی کے صحیح استعمال سے اخلاقی اور روحانی قدروں کو پیدا کرنے کا عجب نسخہ ہمیں سکھا دیا ہے۔ جسمانی لحاظ سے انسان دوسرے حیوانوں کی طرح ہے۔ اسی لئے طبّی تجربہ گاہوں میں پہلے دوائیوں کو حیوانات پر استعمال کیا جاتا ہے اور بعد میں انسانوں پر۔ تو اِس حیوانی جسم میں جو جذبات اور خواہشات پیدا ہوں گے وہ ضروری ہیں کہ حیوانی ہوں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان جذبات اور خواہشات کا فائدہ کیا ہے جو اللہ تعالےٰ نے انہیں ہمارے اندر رکھا ہے؟ یہ جذبات اور خواہشات انسان کے تمام عمل کا محرک MOTIVE POWERS ہیں۔ ان کے بغیر انسان حرکت میں نہیں آتا۔ مثال کے طور پر موٹر کار کے انجن میں جو گرمی پیدا کر کے قوت حرکت آتی ہے اس کو قابو میں رکھا جائے اور ڈرائیور اس کا صحیح استعمال کرے تو کتنے فائدے ہیں کہ انسان اور اس کی تمام ضروریات آ جا سکتی ہیں۔ مگر اگر وہ طاقت بے قابو ہو جائے تو کیا ہلاکت اور ناقابلِ تلافی نقصان پیدا ہوتے ہیں۔ یہی حال تمام MOTIVE POWERS یعنے حرکت میں لانے والی قوتوں کا ہے چاہے وہ ریلوے انجن میں ہوں یا ہوائی جہازوں میں یا راکٹوں میں جن کے ذریعہ انسان آسمانوں میں جا پہنچا ہے۔

اسلام نے جہاں اپنے تمدن و تہذیب کی اخلاقی و روحانی منازل کی صاف نشاندہی کی ہے وہاں جو حیوانی خواہشات اور جذبات انسان کو ان منازل کی طرف لے جانے والی ہیں اُن کو قابو میں رکھنے اور لگام لگانے کے لئے روزہ کا نسخہ بتایا ہے۔ حیوان کی زندگی کو دیکھ لیجئے کہ اس کی بنیادی خواہشات تین ہیں۔ کھانا، پینا اور جنسی تعلقات یعنی sex۔ وہ انسان جو حیوانی سطح پر چلے گئے جیسے اہلِ مغرب ان کی زندگی بھی انہی تین خواہشات کو پورا کرنے میں گزرتی ہے۔ یہ خواہشات بنفسہٖ بُری نہیں کہ تمام انسانی زندگی کا دار و مدار انہی پر ہے۔ پیٹ کے خاطر دنیا کے سب دھندے ہیں اور انسانی تگ و دو اور ترقیات بھی بنیادی طور پر اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے پیٹ پالنے کی جد و جہد سے پیدا ہوئی ہیں۔ اسی طرح جنسی خواہش یا سیکس کی وجہ سے انسانی نسل کی بقا اور مدنی زندگی کے تمام پہلو ہیں۔ مگر جس طرح باہر حیوان اپنے اوپر قابو یا لگام کو پسند نہیں کرتا انسان کے اندر جو حیوان ہے وہ بھی بندشیں یا روک ٹوک کو پسند نہیں کرتا اور ان کے خلاف مونہہ زوری کرتا اور دولتّیاں جھاڑتا ہے۔ تو باہر کے حیوان کو سدھانے کے لئے اس کو کھانے پینے سے محروم رکھا جاتا ہے اور ازدواجی زندگی سے بھی جیسا کہ کوئی بھی سرکس کا منیجر آپ کو بتلائے گا۔ اسی طرح روزہ میں تیس دن صبح سے لے کر شام تک انسان کھانے پینے اور جنسی تعلقات سے کنارہ کشی کر کے اپنے اندر کے حیوان کو سیدھا کرتا ہے اور قابو میں لا سکتا ہے۔ تبھی انسان اس پر سوار ہو سکتا اور اپنی اخلاقی اور روحانی منازل طے کر سکتا ہے۔ اسی باطنی حیوان پر سواری کا ذکر سورۃ النحل ۱۶ کی آیات ۸ اور ۹ میں ہے جہاں فرمایا کہ "اللہ نے گھوڑے اور خچریں اور گدھے پیدا کئے تا تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لئے زینت کا باعث ہوں اور اللہ وہ کچھ پیدا کرتا رہتا ہے جو تم نہیں جانتے اور اللہ ہی سیدھی راہ چلاتا ہے اور بعض راہیں ٹیڑھی ہیں۔" کسی زمانہ میں لوگ گھوڑوں، خچروں اور گدھوں پر سواری کرتے ہوں گے مگر آج کل کون کرتا ہے سوائے چند لوگوں کے، مگر یہاں نسلِ انسانی سے خطاب عام ہے۔ تو مقصد ظاہری جانوروں کی سواری سے نہیں بلکہ باطنی حیوان کی سواری کا معنیٰ ہے۔ اس کی تین قسموں کا خاص طور پر ذکر کیا۔ اوّل تو گھوڑے۔ گھوڑے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت جلدی سدھایا جا سکتا ہے اور جب سدھا لیا جائے تو تیز رفتاری سے دنوں کی منزل گھنٹوں میں طے کرتا ہے۔ یہی حال بعض انسانوں کا ہوتا ہے کہ ان کا باطنی حیوان آسانی سے سدھایا جا سکتا ہے اور جب سدھ جائے تو بہت جلد اخلاقی اور روحانی ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے۔ اس کی زرّیں مثال رسول اللہ صلعم کی تشریف آوری پر حضرت ابوبکرؓ کی تھی کہ وہ فوراً ایمان لے آئے اور پھر کیا بلند مقامات کتنی جلدی حاصل کئے اور ہمارے زمانہ میں حضرت مولانا نورالدّین صاحب کی تھی کہ وہ امام وقت پر فوراً ایمان لے آئے اور پھر کیا اعلیٰ مقامات تیزی سے حاصل کئے۔ خچر کی ضد اور اڑنا مشہور ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کی فطرت میں ضد اور اڑنا ہوتا ہے۔ مگر اگر وہ اپنے باطنی حیوان کو سدھا لیں تو خچر کی طرح مضبوط قدمی سے باطنی گھاٹیاں چڑھتے اور سامان بھی لے جا سکتے ہیں اور بعض وہ کام کر سکتے ہیں جو گھوڑا نہیں کر سکتا۔ گدھے بیچارے کو سدھانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ وہ غریب طبع اور حلیم المزاج ہے اور اپنی بساط سے زیادہ بوجھ خاموشی سے اٹھا کر چلتا ہے۔ یہی حال بعض انسانی طبائع کا ہوتا ہے کہ وہ غریب مزاج اور سلیم الفطرت ہوتے ہیں اور خاموشی سے تقدیر کے اور شریعت کے بوجھ اٹھائے چلے چلتے ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم نے دین العجائز یعنی بڑھیا عورتوں کے دین کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام سنتے ہی فوراً ایمان لے آتی ہیں اور خاموشی اور عاجزی سے شریعت کے بوجھ اور جو بوجھ تقدیر اُن پر ڈالے وہ اٹھائے چلی چلتی ہیں۔

آیت مذکورہ بالا میں فرمایا کہ یہ حیوان تمہارے لئے باعثِ زینت ہیں۔ ہاں تبھی کہ انسان اُن پر سوار ہو یا وہ انسان کے تابع ہوں۔ ورنہ منہ زور گھوڑے اور اڑیل خچر اور دولتّیاں جھاڑنے والا گدھا انسان کے لئے اس وقت زینت کا باعث نہیں ہوتا بلکہ انسان کو سخت نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہی حال انسان کے باطنی حیوان کا ہے کہ وہ فرمانبردار اور تابع ہو اور انسان اس پر سوار ہو نہ کہ وہ انسان کو گھسیٹتا پھرتا ہو تبھی وہ انسان کے لئے باعث زینت اور فخر ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ کچھ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔ ظاہر میں تو گھوڑے اور گدھی کو ملا کر خچر پیدا ہوتا ہے جس میں دونوں کی کچھ نہ کچھ خصلتیں آ جاتی ہیں۔ مگر باطنی حیوان ان تین قسموں سے بہت زیادہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے مگر انسان نہیں جانتا۔ آخری بات جو آیت مذکورہ بالا میں فرمائی وہ یہ کہ "اللہ پر ہی سیدھی راہ پر چلانا ہے ورنہ راستے ٹیڑھے بھی ہوتے ہیں۔" اس میں عجیب حکمت کی بات فرمائی ہے وہ یہ کہ اگر تم نے اپنے اندر کے حیوان کو سدھا کر سواری کے قابل بنا بھی لیا تو بھی سیدھا راستہ دکھانا اللہ کا کام ہے ورنہ راستے ٹیڑھوں پر چل نکلے تو منزلِ مقصود کو نہیں پا سکو گے۔ اس میں وحی و الہام کی ضرورت اور فائدہ کو بتایا کہ محض سواری کافی نہیں ہوتی جب تک کہ راستہ اور منزلِ مقصود معلوم نہ ہو۔

پہلی قوموں کا حال

قرآن کریم کے سیدھے سادے الفاظ اپنے اندر کیا علم و حکمت رکھتے ہیں۔ روزہ کے ذکر کو یوں شروع فرمایا کہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے ضروری ٹھہرائے گئے جیسے کہ ان لوگوں پر ٹھہرائے گئے جو تم سے پہلے تھے۔" یہ کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ جہاں اسلام میں تیس روزے ہیں دوسرے مذاہب میں اتنے زیادہ نہیں ہیں۔ عیسائی صاحبان ایسٹر کے موقع پر تین رکھتے ہیں۔ ہندو بھی کبھی کبھار جی چاہا تو رکھ لیتے ہیں مگر انہوں نے اور بھی آسانی پیدا کر لی ہے کہ ایسے موقع پر کوئی خاص قسم کا کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسلام کی طرح نہیں کہ مسلسل ۲۹ یا ۳۰ روزے اور ان میں صبح سے لے کر شام تک نہ کچھ کھاؤ نہ پیو۔ تو کیا اسلام میں دوسرے مذاہب سے زیادہ سختی ہے؟ فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ ہم نے تمام قوموں کو اتنے ہی روزے اور انہی بندشوں کے ساتھ رکھنے کو کہا تھا مگر انہوں نے اپنے دین کو بدل کر برائے نام روزہ رہنے دیا۔ تم نے ایسا نہیں کرنا۔ سو بحمد اللہ کہ چونکہ قرآن محفوظ ہے اس لئے روزے بھی محفوظ ہیں۔

بظاہر یہ ایک بے فائدہ سختی معلوم دیتی ہے کہ مہینہ بھر گرمی سردی میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک نہ کچھ کھاؤ نہ پیو۔ اس کا بظاہر کوئی فائدہ معلوم نہیں دیتا۔ اب تو ڈاکٹروں نے روزے کے طبّی فوائد معلوم کر لئے ہیں مگر پھر بھی کتنے مغرب زدہ لوگ ہیں جو ان طبی فوائد کو جانتے ہوئے بھی اس مہینہ بھر کے چلّے کو قبول کرنے کو تیار نہیں؟ فرمایا ایمان لائے ہو تو اس چلّے کو برداشت کرو۔ اگرچہ بظاہر کوئی فائدہ نظر نہ آئے مگر ایمان جس کو تم لائے ہو تمام ایمان بالغیب ہوتا ہے۔ خدا کی ہستی، وحی و الہام، فرشتے، شیطان، اگلی زندگی، جنّت و دوزخ، رُوحِ انسانی اور تمام روحانی اور باطنی امور بظاہر نظر نہیں آتے۔ انسان ان تمام امور پر ایمان بالغیب لاتا ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی مغرب زدہ صاحب کہیں کہ ہم تو جس کو آنکھوں سے دیکھیں گے اُس پر ایمان لائیں گے۔ اس بات کو حضرت مسیح موعودؑ نے کیا خوب صاف کیا ہے۔ فرمایا کہ جس چیز کو انسان کی ظاہری آنکھ دیکھ لے اس کے قبول کرنے کو ایمان لانا نہیں کہتے مثلاً اگر سورج نکل آیا اور اس وقت کوئی کہے کہ میں ایمان لے آیا کہ سورج نکل آیا ہے تو یہ

ایک لغو اور بے معنی بات ہوگی۔ ایمان تو اپنی عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ سے ایک بات کو جان کر اس پر ایمان لانا ہے۔

مغرب زدہ لوگوں کا اعتراض کم سمجھی پر مبنی ہے ورنہ انسان اپنے تمام دنیاوی کام کاج بھی ایمان بالغیب لاکر ہی کرتا ہے مثلاً آپ حاضرین اگر یہاں جمع ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ اس مسجد کی چھت مضبوط ہے اور آپ کے سروں پر نہیں آپڑے گی۔ اسی طرح اگر آپ اپنی موٹر یا سائیکل پر یا موٹر بس میں تشریف لائے تو اس ایمان بالغیب پر کہ یہاں آنا اور واپس جانا بخیریت طے ہو جائے گا اور کوئی حادثہ پیش نہیں آئے گا۔ اگر آپ تجارت کا کوئی سودا کرتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ اس میں نفع ہوگا۔ اگر آپ اپنی لڑکی کا رشتہ کرتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ وہ کامیاب ہوگا اور وہ خوش رہے گی۔ تو جب دنیا کے سب کام ایمان بالغیب سے کرتے ہیں تو دین اور باطنی امور میں کیوں ایمان بالغیب نہیں لاتے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور رسولوں اور لاکھوں کروڑوں اولیاء اللہ اور نیک لوگوں کا تجربہ ہے کہ روزہ باطنی پاکیزگی اور ضبط نفس کے لئے بے نظیر ہے۔ یہ سب لوگ صادق اور راست بازی میں مشہور تھے۔ ان کی متفقہ شہادت پر تو ایمان نہیں لاتے اور ایک ڈاکٹر جس کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی اس کے کہنے پر نعمتیں چھوڑنے، تیز اور زہریلی دوائیں کھانے اور آپریشن تک پر راضی ہو جاتے ہیں اگرچہ اس کا نتیجہ موت ہی ہو۔

حضرت مسیحِ موعودؑ نے کیا خوب لکھا ہے کہ تمام قرآن پاک میں ایمان اور عمل صالح دونوں کا اجر ملنے کا بار بار ذکر کیا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا کس قدر احسان ہے کہ اگرچہ انسان اپنے تمام دنیاوی امور بھی ایمان بالغیب سے کرتا ہے مگر دینی امور میں ایمان بالغیب کا بھی ثواب اور اجر دیا۔ فرق یہی ہے کہ انسان دنیاوی امور میں ایمان بالغیب اپنی مرضی سے لاتا ہے اور دینی امور میں اللہ تعالےٰ کے فرمانے پر۔

روزہ کا مقصد

یہ اسلام اور قرآن پاک کا احسان ہے کہ وہ کوئی کام نہیں بتاتے جس کا فائدہ ساتھ نہیں بتا دیتے۔ فرمایا کہ اگر مہینہ بھر کی منہ بندی تمہاری کی ہے کہ تو اس لئے نہیں کہ اللہ تعالےٰ جیسے رزاق کے ہاں کچھ کھانے پینے کی چیزوں کی کمی کا ڈر ہوتا ہے کہ راشننگ کر دی جائے۔ یا ہفتہ بھر میں دو دن گوشت کی ناغی ہو جاتی ہے۔ نہیں۔ فرمایا کہ یہ مجاہدہ تمہارے اپنے فائدہ کے لئے ہے کہ تم تقویٰ حاصل کر سکو۔ تقویٰ کے معنی ہیں نقصان دہ چیزوں سے، ضرر رساں باتوں سے اپنے نفس کو بچانا۔ تو کون شخص ہے جو اپنے لئے کوئی تکلیف یا نقصان یا ضرر کو پسند کرتا ہے؟ مگر پھر یہ کیوں ہے کہ ساری دنیا اندھا دھند گناہوں اور بدیوں میں مبتلا ہے حالانکہ ان سے بڑھ کر کوئی ضرر رساں اور نقصان پہنچانے والی باتیں نہیں ہیں؟ یہ اس لئے کہ انسان کے جسم میں جو حیوانوں سے مشترک ہے حیوانی جذبات اور خواہشات منہ زور جانور کی طرح ہوتی ہیں۔ ان کے بالمقابل روحِ انسانی ایک لطیف اور نازک شئے ہے۔ انسان کی عقل اور فطرت اس کی مددگار ہیں۔ مگر منہ زور حیوان اپنی منوا لیتا ہے۔ تو مسلسل روزہ رکھ کر حیوانی قوٰی میں کمزوری آجاتی ہے تو روحانی قواء اور عقل اور فطرت اس قابل ہو جاتے ہیں کہ اس پر قابو پا سکیں۔ بلکہ جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں کہ حیوان خود سیدھا ہو جاتا ہے جب اس کا کھانا پینا بند ہو جائے۔ جب تک کہ اندرونِ خانہ انسان کے حیوان کو قابو میں نہ لایا جائے باہر کی دنیا میں تعلیم اور تہذیب کا کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ تمام تمدنوں اور تہذیبوں میں اور آج اہلِ مغرب میں صاف نظر آتا ہے۔

ایک ماہ تک مسلسل جائز اور حلال کھانے پینے کو اور ازدواجی تعلقات کو خدا کی خاطر چھوڑنے کی مشق اور مجاہدہ کے بعد انسان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ حرام کھائے پئے یا حرام کاری کرے۔ اکیلے گھر میں بھوک کے باوجود اور اعلیٰ سے اعلیٰ غذا موجود ہونے کے باوجود اور سخت پیاس کے باوجود جبکہ ٹھنڈا پانی موجود ہے اور کوئی نہیں دیکھ رہا۔ ایک مؤمن محض اس لئے کھانے پینے سے کنارہ کشی کرتا ہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے تو اس طرح اللہ تعالےٰ پر بھی ایمان بالغیب مضبوط تر ہو جاتا ہے اور جس میں یہ ایمان پیدا ہو گیا وہ تر گیا۔

احکامِ رمضان

جن آیات سے میں نے خطبہ شروع کیا تھا ان میں دوسری آیت کو یوں شروع فرمایا کہ روزے گنتی کے چند روز ہیں۔ یعنی ہمت کرو تو گزر جاتے ہیں اگرچہ تم گن گن کر گزارو۔ پھر فرمایا کہ جو تم میں سے مریض ہو یا سفر پہ ہو تو اسے اجازت ہے کہ دوسرے دنوں میں رکھ لے یعنی جو رہ گئے وہ رکھ لے۔

فقہاء نے بحث کی ہے کہ کون سے مرض سے روزہ کی رخصت حاصل ہوتی ہے اور کونسے سے نہیں۔ یا کتنے میل کا سفر ہو تو وہ سفر ہے ورنہ نہیں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخصیص نہیں کی تو ہم کیوں تخصیص کر کے دین کو تنگ کریں۔ جتنے میل فقہاء نے پیدل یا گھوڑ سواری کے دنوں میں مقرر کئے تھے وہ آج تیز رفتار موٹروں اور ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے سفر کے دنوں میں بہرحال صحیح نہیں۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ صحابہؓ رسول اللہ صلعم کے ساتھ رمضان میں جہاد کے لئے نکلتے تھے تو کچھ روزہ رکھتے تھے اور کچھ نہیں رکھتے تھے مگر نہ انہوں نے ایک دوسرے سے تعارض کیا نہ خود حضور صلعم نے دخل دیا۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی قوتِ برداشت علیحدہ ہوتی ہے۔ اسی لئے اسی آیت میں اجازت دی کہ جو دوسرے دنوں میں روزہ رکھنے میں ناقابلِ برداشت مشقت پاتے ہوں وہ روزہ نہ رکھنے کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا فی روزہ ادا کریں۔ اس میں بہت زیادہ عمر رسیدہ لوگ، حاملہ یا دودھ پلانے والی عورتیں یا ایسے مریض شامل ہیں جو صحت یاب تو ہو چکے ہوں مثلاً تپ دق سے مگر روزہ رکھنے سے دوبارہ بیماری پیدا ہو جانے کا ڈر ہو۔ تاکہ مرض اور سفر کی رعایت کا یا فدیہ کی اجازت کا لوگ ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں تو اس کے لئے فرمایا:

فمن تطوع خیراً فھو خیرٌ لہٗ وان تصوموا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون

یعنے نیکی کرنے میں کچھ نہ کچھ مشقت یا تھوڑی بہت تکلیف تو اٹھانی پڑتی ہے۔ مثلاً نماز کے لئے ہر روز کچھ نہ کچھ تکلیف اٹھا کر اور مشقت سہہ کر ہی نماز پڑھتے ہو۔ تو پھر قابلِ برداشت مشقت اٹھا کر روزہ بھی رکھو جس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اگر تم جانتے۔ دیکھیئے دنیا میں فائدہ کے لئے انسان کتنی کچھ مشقت اور تکلیف نہیں اٹھاتا تو روزہ جیسے ضروری اور فائدہ مند مجاہدہ کے لئے کیوں نہ اٹھائے؟

فطرانہ عید سعید اس سال تین روپیہ فی کس ہوگا

صدقۂ عید الفطر نماز عید سے پہلے گھر کے ہر فرد کی طرف سے فطرانہ ادا کرنا ضروری ہے اگر کوئی بچہ اسی دن پیدا ہو تو اس کا فطرانہ بھی ادا کرنے کا حکم ہے۔ انجمن نے اس دفعہ تین روپیہ فی کس فطرانہ مقرر کیا ہے۔ تمام احباب اپنی اپنی جماعتوں کے سیکرٹری محصّل۔ اور محاسب صاحبان کو نماز عید سے پہلے مقررہ شرح کے مطابق فطرانہ ادا کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات اور یو۔کے جماعت کا لائحہ عمل

محترم شاہد عزیز صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو۔کے

پیغام صلح، مؤرخہ ۱۴ نومبر ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر زاہد عزیز کا ایک مضمون بہ عنوان "مغرب خصوصاً برطانیہ میں اشاعت اسلام کے نئے حالات"، شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ مضمون مکرم ناصر احمد صاحب کے جواب میں لکھا ہے (ملاحظہ ہو پیغام صلح، مؤرخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۷۹ء) ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون میں محترم ناصر صاحب سے چند سوالات بھی کئے ہیں۔ جن کا جواب ابھی تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس بارے میں میں اپنے خیالات معزز قارئین پیغام صلح کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

کسی بھی مشکل کا حل تلاش کرنے سے پہلے اس کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ یہ کام درجہ بدرجہ ہوتا ہے۔ ہمارا پہلا کام یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہمارا مقصد کیا ہے۔ اس کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے اور اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئیے کہ کیا کوئی آزمودہ طریقۂ کار پہلے سے موجود ہے؟ اگر ہے تو کس حد تک اس پر عمل ہوا ہے اور اس میں کیا کمی رہ گئی ہے۔

اس بارے میں ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ ہم جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا قیام خدائی منصوبے کے تحت عمل میں آیا ہے۔ خدا نے اس جماعت کے قیام کے ساتھ ہی ہمارا مقصد اور لائحہ عمل بھی واضح کر دیا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے دوست حضرت مسیح موعود کے احکامات پر غور کئے بغیر "نئی نئی تجاویز" اور "نئے نئے طریقۂ کار" اختیار کرنے کے لئے شور مچا دیتے ہیں۔

ہمارا مقصد

"رسالہ فتح اسلام" میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ نے جماعت احمدیہ کے مقاصد اور ان کے حصول کے طریقہ کار پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ حضرت صاحب اپنے کام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"۔۔۔۔ آج یہ عاجز ایک مدت مدید کے بعد اس الہٰی کارخانے کے بارے میں جو خدا تعالیٰ نے دین اسلام کی حمایت کے لئے میرے سپرد کیا ہے۔ ایک ضروری مضمون کی طرف آپ لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں ۔۔۔۔

پھر فرماتے ہیں۔

۔۔۔۔ اس مضمون میں جہاں تک خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے مجھے تقریر کرنے کا مادہ بخشا ہے۔ اس سلسلہ کی عظمت اور اس کارخانہ کی نصرت کی ضرورت آپ صاحبوں پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں تا وہ حق تبلیغ جو مجھ پر واجب ہے اس سے میں سبکدوش ہو جاؤں"۔۔۔

سو اللہ تعالیٰ نے حضور کو دین اسلام کی حمایت کے لئے کھڑا کیا اور آپ نے اس کے لئے ایک "سلسلے" کی بنیاد رکھوائی۔ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت صاحب دو باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک تو اس "سلسلے"، کی عظمت کا جس کے ذریعے دین اسلام پھر دنیا میں پھیلے گا اور پھر اس مشن کی عظمت کا جس کے لئے حضور کھڑے ہوئے۔ میری رائے میں بطرز تحریر یہ تناقضہ نہیں اس لئے کہ جب تک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام اور اس کی شاخیں بڑے پیمانے اور منظم طریقہ پر دنیا میں نہ پھیل جائیں اسلام کا بول بالا نہیں ہو سکتا سو حضور ہمارے سپرد دو کام کرتے ہیں ایک تو سلسلہ احمدیہ کی تنظیم اور ترقی اور اس کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی حمایت اور اشاعت یہ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ جہاں جہاں احمدیہ جماعتیں ہیں وہاں تبلیغ کا کام اول تو ہو ہی نہیں رہا اور اگر ہو بھی رہا ہے تو یہ اکا دکا انفرادی کوششیں ہیں جن کا کوئی خاص اثر نہیں۔ انگلستان کو ہی دیکھ لیں یہاں پندرہ لاکھ مسلمان ہیں لیکن تبلیغ کا کام مؤثر طور پر سوائے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی برطانوی شاخ کے اور کوئی بھی نہیں کر رہا۔

ہمارے مبلغ محترم ڈاکٹر نذیر الاسلام اکثر غیر احمدی دوست خاص طور پر دعوت دیتے ہیں کہ وہ آکر انہیں صحیح اسلام سکھائیں۔

لائحہ عمل:-

حضرت صاحب اپنا مقصد بیان کرنے کے بعد اپنی بعثت کے حق میں دلائل پیش کرتے ہیں اور عام فہم الفاظ میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اسلام کی فتح کے لئے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔

"۔۔۔۔ اور وہ آفتاب (اسلام) اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا۔۔۔ (ایسا نہ ہوگا) جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کر لیں اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا"

یہ حضور کی طرف سے اپنی جماعت کو ایک نصیحت ہے کہ اگر تم غلبہ اسلام کے لئے کام کرنا چاہتے ہو تو تمہیں جان مار کر کام کرنا ہوگا۔

اپنے دنیاوی کاموں کے لئے تو ہم ہر طرح کی منت اور خوشامد کرنے اور ذلت اٹھانے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن خدا کے کام کے لئے چند منٹ یا چند پونڈ خرچ کرتے ہوئے ہم ہزار دفعہ سوچتے ہیں۔ انجمن کے ایک سابق امام کی طرح دو ایک ایسے بھی ہیں جو "ورلڈ کانگریس آف فیتھس"، (بین الاقوامی کانگرس برائے مذاہب) کو اشاعت اسلام کے کام پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حق ثابت کرنے سے زیادہ ضروری "دوست" بنانا ہے جبکہ حضرت صاحب فرماتے ہیں۔

"یہ کرسچن قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں کہ جب تک ان کے اس سحر کے مقابل پر خدا تعالیٰ وہ پُر زور ہاتھ نہ دکھاوے جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزہ سے اس طلسم سحر کو پاش پاش نہ کرے تب تک اس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی حاصل ہونا بالکل قیاس اور گمان سے باہر ہے"

مشکل یہی ہے کہ جن لوگوں کے جادو کو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحب کی بعثت کی صورت میں ایک معجزہ رکھا یہ نام نہاد "مبلغ اسلام"، ان کی دوستی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اس کے بعد حضرت صاحب تفصیل سے ان کاموں کا ذکر کرتے ہیں جو سایت اشاعت اسلام کے لئے ضروری ہیں۔ پہلی شاخ حضور کے اپنے الفاظ میں "تالیف و تصنیف کا سلسلہ ہے"

یہ سچ ہے کہ حضور کو جو علم دیا گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنی قوت فکر اور عقل و شعور سے انسان تحقیق کا کام نہ کرے۔ حضرت صاحب نے اس کی مثال خود پیش کی ہے۔ حضرت مسیح کے سفر کشمیر کی تفصیلی تحقیقات کے لئے آپ نے ایک وفد تیار کیا اور یہ تحقیق مکمل ہونے تک اپنی تصنیف "مسیح ہندوستان میں"، کی اشاعت روک دی۔ مختلف وجوہات کی بنا پر یہ وفد اپنا کام شروع نہ کر سکا جس کی وجہ سے حضور کی یہ کتاب آپ کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ اس کام کا ایک اہم حصہ وہ رسالے اور اخبارات بھی تھے جو حضور کے زمانے میں قادیان سے شائع ہوتے تھے۔

جماعت احمدیہ انگلستان نے بھی اس شاخ کو فروغ دینے کے لئے ایک رسالہ "دی اسلامک گارڈین" کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے۔ جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام کے علم اور تجربے نے اس پروجیکٹ کو کامیاب بنانے میں ہماری بہت مدد کی ہے اور مواد کے لحاظ سے یہ انگلستان کے اعلیٰ ترین جریدوں میں سے ایک ہے۔ وہی انگلستان جہاں انجمن کا ایک سابق امام بیس سال میں اپنے "علم اور تجربے" کے باوجود احمدیہ جماعت کا مؤقف پیش کرنے والا رسالہ جاری نہ کر سکا آج وہاں "اسلامک گارڈین"، ہر مخالف نکتہ نظر کو چیلنج کرتا ہے۔ اس رسالے کے پہلے شمارے میں محترم حافظ مولانا شیر محمد کا چیلنج نمایاں طور پر شائع ہوا ہے۔ حافظ صاحب نے اس میں انگلستان میں مقیم تمام اہل سنت والجماعت کو تکفیر جماعت احمدیہ (لاہور) اور حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر تحریری بحث کی دعوت دی ہے۔ یہ چیلنج یہاں کے مکفّر مولویوں۔ اردو زبان میں شائع ہونے والے تمام اخبارات اور بہت سے دوسرے غیر احمدی احباب کو بھیجا گیا ہے لیکن ابھی تک کسی نے یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہیں کی۔

"دوسری شاخ اس کارخانے کی اشتہارات جاری کرنے کا سلسلہ ہے:"

جماعت احمدیہ انگلستان نے یہ کام محترم مجید علی صاحب کی سرکردگی میں شروع کیا تھا پانچ چھ ہفتے بعد کسی نہ کسی اہم اسلامی موضوع پر ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ چھپوا کر یہاں اور دوسرے ممالک میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان اشتہارات کی کل تعداد قریباً ایک لاکھ کے قریب ہوگی۔ یہ اشتہار انگلستان کے علاوہ کینیڈا، امریکہ۔ ٹرینیڈاڈ۔ گیانا۔ سرینام ہالینڈ۔ مغربی جرمنی۔ جنوبی افریقہ۔ نائیجیریا۔ گھانا۔ رہوڈیشیا۔ مصر۔ اردن۔ ہندوستان۔ سیلون۔ پاکستان۔ برما۔ تیلا پین۔ ہانگ کانگ۔ انڈونیشیا۔ فیجی اور آسٹریلیا وغیرہ میں بھیجے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ قارئین کے لئے دلچسپی کا موجب ہوگا۔ محترم مجید علی اور ایک دوسرے دوست ہر مہینے کم از کم ایک دفعہ لندن جامع مسجد عرف عام میں ریجنٹ پارک مسجد میں اشتہارات تقسیم کرنے جاتے ہیں۔ وہاں چونکہ جمعہ کے روز ہر قسم کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور مسجد کے اندر بڑے پیمانے پر سیاسی اشتہارات بانٹے جاتے ہیں اسلام کے ان متوالوں کو مسجد کے باہر سڑک پر کھڑے ہو کر بھی اشتہارات تقسیم کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک جمعہ میں سیاسی لٹریچر تقسیم کرنے پر مسجد میں قتل ہو گیا۔ مجید علی اور ہمارے دوسرے بھائی وہاں ہی تھے۔ قاتل گولیاں چلاتا ہوا ان کے پاس سے گزر گیا۔ قتل کے بعد چونکہ مجمع زیادہ ہو گیا تھا۔ مجید علی صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھا کر معمول سے زیادہ اشتہار بانٹے نہ صرف یہ بلکہ ہفتے کے روز ایک بین الاقوامی کانفرنس تھی وہاں ہمارے یہ دوست جناب زمان شاہ (مینیجر دار الکتب الاسلامیہ یو۔ کے) ایک خاتون کو ساتھ لے کر احمدیت پر اشتہار بانٹ رہے تھے۔ ہمارے دوستوں کو یہ جان لینا چاہیئے کہ اب "ڈرائینگ روم" سنزی کا زمانہ نہیں رہا۔ یہ گلی گلی اور گھر گھر جا کر لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کا زمانہ ہے یہی طریقہ اختیار کر کے ہندوؤں کے ایک جوگی نے بیس سال کے مختصر عرصے میں یہاں ایک

عظیم الشان مشن قائم کر لیا ہے۔ پچھلے دنوں اس مشن نے بیس لاکھ پونڈ نقد کے عوض اپنے بین الاقوامی مرکز کے لئے ایک عمارت خریدی ہے۔ اب اس کا کیا علاج ہے۔ کہ حضرت صاحب کے سلسلہ کی اس شاخ کو ان دوستوں کے طرفنہ "سستی شہرت"، کا خطاب دیتے ہیں۔

"تیسری شاخ اس کارخانہ کی واردین اور صادرین اور حق کی تلاش کے لئے سفر کرنے والے اور دیگر اغراض متفرقہ سے آنے والے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اس کام کو ترقی دینے کے لئے اس جماعت نے فی الحال چھوٹے پیمانے پر کام شروع کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر ممالک سے آنے والے احمدی بھائیوں کے قیام کا انتظام اور جماعت سے ان کے تعارف کا معقول بندوبست کیا جاتا ہے۔

فیجی سے حافظ شیر محمد صاحب۔ پاکستان سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب، بیگم رضیہ مدد علی۔ محترم میاں فضل احمد صاحب، میاں محمد احمد صاحب چوہدری عبد اللطیف صاحب۔ ہالینڈ سے مولانا جگو۔ حاجی محمد حسن اور بہت سے دوسرے دوست؛ گیانا سے محترم آسکر صاحب۔ حسن علی صاحب اور دوسرے دوست۔ ٹرینیڈاڈ سے کمال ہانڈل صاحب کے والدین۔ محترم رحمت علی صاحب۔ یوسف محمد صاحب۔ یو۔ ایس۔ اے سے ظفر عبد اللہ زکیہ عبد اللہ۔ چوہدری مسعود اختر صاحب ان دوستوں میں سے ہیں جن کی خدمت کا ہمیں وقتاً فوقتاً موقع ملا ہے۔ دو سال پہلے ہالینڈ سے ۵۰ کے قریب دوست آئے اور انہوں نے ملاقات کی خواہش کی۔ ان کے لئے ایک خاص تقریب کا انتظام کیا گیا جس میں انہیں عصرانہ بھی دیا گیا۔ گزشتہ سال جماعت احمدیہ انگلستان ایک پوری کوچ لے کر ہالینڈ گئی۔ کوچ میں ہم نہ صرف غیر احمدی دوستوں بلکہ چند غیر مسلم حضرات کو بھی احمدیت کی تابندہ روایات سے متعارف کرانے ہالینڈ لے گئے۔ جس پیار اور محبت سے ہمارا استقبال ہوا اور ہماری مہمانداری کی گئی وہ صرف ہمارے دل ہی جانتے ہیں۔ غیر از جماعت دوستوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ غیر مسلم دوست یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ واقعی اسلام ہی بین الاقوامی بھائی چارے کا مذہب ہے۔ یہی جذبہ سرینام میں سلور جوبلی کے موقع پر سرینام کے بھائیوں نے دکھایا۔ گیانا کے سب دوستوں اور ٹرینیڈاڈ کے مخلص بھائیوں میں بھی یہی جذبہ نظر آیا اس سلسلہ میں میں عزیز احمد صاحب مرحوم کے بچوں کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خاص طور پر جناب رحمت علی صاحب کا جو نہ صرف ہمارے میزبان تھے بلکہ انہوں نے اپنے وقت اور پیسے کی قربانی دے کر ڈاکٹر نظیر الاسلام اور مجھے ٹرینیڈاڈ کے احمدی حضرات سے متعارف کرایا۔

"چوتھی شاخ اس کارخانے کی وہ مکتوبات ہیں جو حق کے طالبوں یا مخالفوں کی طرف لکھے جاتے ہیں۔" حضور نے اس سلسلے کی جو پانچ شاخیں بیان فرمائی ہیں۔ وہ اصل میں ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہیں۔ ان میں سے ایک کو کاٹ دیں تو ہاتھ کام تو کرے گا لیکن اس میں وہ مستعدی اور طاقت نہ ہوگی۔ یہ چوتھی شاخ منطقی طور پر تیسری شاخ کی ہی ایک جزو اور توسیع "LOGICAL EXTENTION" ہے۔ اشتہارات اور تصنیف و تالیف سے لوگوں کے دل اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی طرف مائل ہوتے ہیں اور وہ حق کی تلاش میں رابطہ قائم کرتے ہیں۔ اسی طرح مخالفین بھی خط و کتابت کرتے ہیں۔ جماعت انگلستان کا یہ شعبہ بھی بڑی مستعدی سے کام کر رہا ہے۔ اردو اور انگریزی اخبارات کو باقاعدگی سے مختلف موضوعات پر خطوط لکھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ممبران پارلیمنٹ، پروفیسر صاحبان۔ پادریوں اور مخالفین کو اعتراضات کے جواب دیئے جاتے ہیں۔ ان میں انگلستان کے سابق وزیر خارجہ ڈاکٹر اوین اور لیبر پارٹی کے نائب لیڈر مسٹر ٹونی بین شامل ہیں۔ مجید علی صاحب پادری حضرات سے جو خط و کتابت کرتے ہیں اس میں سے کچھ خطوط "لائیٹ" اور "اسلامک گارڈین"، میں شائع ہو چکے ہیں۔ آہستہ آہستہ اس تبلیغ کا خاطر خواہ اثر ہو رہا ہے۔ مسٹر ٹونی بین نے اس بات پر حیرت کا

اظہار کیا کہ اسلام نے چودہ سو سال پہلے دوسرے مذاہب کے الہامی ہونے کو تسلیم کیا اور ان سے رواداری کی تعلیم دی۔ اسی طرح ایک پادری نے لکھا کہ وہ اب تک یہ سمجھتے رہے ہیں کہ اسلام کی بنیاد شہوت پرستی پر ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال ہمارے اشتہارات نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ اشارۃً انہوں نے لونڈیاں اور چار بیویاں رکھنے کی اجازت کا ذکر کیا اس کا مناسب جواب انہیں دیا گیا اور واضح کیا کہ یہ خیال غلط ہے کہ اسلام میں لونڈیاں رکھنے کی اجازت ہے اور عہد نامہ عتیق کے حوالجات سے ثابت کیا کہ بے شمار نبیوں کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں اور حضرت عیسیٰؑ نے عہد نامہ جدید میں اس رواج کو کہیں رد نہیں کیا۔ یہ مثالیں تو ضمناً بیان کی گئی ہیں۔ ورنہ اس مختصر مضمون میں بے شمار خطوط اعتراضات اور ان کے جوابات شامل نہیں کئے جا سکتے۔

"پانچویں شاخ اس کارخانہ کی جو خدا تعالیٰ نے اپنی خاص وحی اور الہام سے قائم کی مریدوں اور بیعت کرنے والوں کا سلسلہ ہے چنانچہ اس نے اس سلسلے کے قائم کرتے وقت مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفان ضلالت برپا ہے۔ تو اس طوفان کے وقت یہ کشتی تیار کر جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے نجات پا جائے گا۔ اور جو انکار میں رہے گا اس کے لئے موت در پیش ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص تیرے ہاتھ میں ہاتھ دے گا اس نے تیرے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔"

دوسرے الفاظ میں یہ مختلف ممالک میں احمدیہ جماعتیں قائم کرنے اور ان کی توسیع و تنظیم کا کام ہے لیکن یہ دنیاوی انجمنوں کی طرح نہیں۔ یہ ایک روحانی سلسلہ ہے۔ اسی لئے حضور نے بیعت پر زور دیا کیونکہ بیعت کرتے وقت انسان عہد کرتا ہے۔ کہ وہ گناہ سے پرہیز کرے گا۔ اور نیکی اور تقویٰ اختیار کرے گا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے دور سے قبل اس شاخ پر کبھی کوئی توجہ نہ دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ جو نام نہاد احمدیہ انجمن یہاں تھی اس کے صدر اور سیکرٹری دونوں غیر احمدی تھے۔ دیکھیں حضور تو فرماتے ہیں کہ "جو شخص تیرے ہاتھ میں ہاتھ دے گا اس نے تیرے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔" لیکن یہاں اتنا بھی ضروری نہ سمجھا گیا کہ کم از کم منتظمہ کے عہدہ دار تو احمدی ہوں۔ جماعت انگلستان کو خالص احمدی بنیادوں پر قائم کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا ترقی کی رفتار دوگنی بلکہ تگنی ہو گئی۔ مشکلات کے باوجود پچھلے دو سالوں میں ممبر شپ میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ دیکھیں درجہ بدرجہ تجزیہ کرنے سے کتنی آسانی سے سوالات کے جواب مل گئے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا حضرت صاحب نے اپنی طرف سے یہ شاخیں جماعت کے سامنے پیش کیں یا اللہ تعالیٰ کے حکم سے؟ اگر انہوں نے ذاتی طور پر یہ احکام ہمیں دیئے ہیں تو ان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلسلہ احمدیہ پر نافذ ہوئے ہیں تو پھر ان میں کوئی بنیادی تبدیلی ممکن نہیں۔ ان پانچوں شاخوں کا ذکر کرنے کے بعد حضرت صاحب فرماتے ہیں۔

"یہ پانچوں طور کا سلسلہ ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا۔ اگرچہ ایک سرسری نظر رکھنے والا صرف تالیف کے سلسلہ کو ضروری سمجھے گا اور دوسری شاخوں کو غیر ضروری اور فضول خیال کرے گا۔ مگر خدا تعالیٰ کی نظر میں یہ سب ضروری ہیں اور جس اصلاح کے لئے اس نے ارادہ فرمایا ہے وہ اصلاح بجز استعمال ان پانچوں طریقوں کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔"

سو یہ پانچ شاخیں تبلیغ اسلام و ترقی سلسلہ کے لئے کم سے کم ضروری کام جماعت کے سامنے رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں جس سے تبلیغ ہو سکے۔ یہ ضرور ہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر ان شاخوں کے تحت کام کرنا ہوگا۔ مثلاً اشتہارات ضروری نہیں کہ کاغذ پر ہی ہوں۔ آج کل ٹی وی پر بھی اشتہار دیا جا سکتا ہے لیکن بنیادی طور پر ان شاخوں کے علاوہ اور کوئی طریقہ تبلیغ مؤثر نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت مرزا صاحب ان شاخوں کے تحت کام کرنے کے لئے جو کچھ وسائل چاہئیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنی رائے دیتے ہیں کہ عملی طور پر کیا انتظام کیا جائے۔

عملی طور پر سب سے پہلے حضرت صاحب جس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں وہ اپنے وسائل کے مطابق کتابوں کی مفت تقسیم ہے۔

"کیونکہ در حقیقت تکمیل اشاعت ہی ہماری غرض ہے۔ تو ہمارا مدعا یہ ہونا چاہیئے کہ ہماری دینی تالیفات جو جواہرات تحقیق اور تدقیق سے پُر اور حق کے طالبوں کو راہ راست پر کھینچنے والی ہیں جلدی سے اور نیز کثرت سے ایسے لوگوں کو پہنچ جائیں جو بُری تعلیموں سے متاثر ہو کر مہلک بیماریوں میں گرفتار یا قریب قریب موت کے قریب پہنچ گئے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت صاحب تفصیل سے یہ بیان کرتے ہیں کہ صرف تجارت کی خاطر کتابیں چھاپنا "نکما اور قابل اعتراض" ہے اس سلسلے میں بھی انگلستان میں پہلا قدم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے ذریعے اٹھا۔ ایک دن یونہی سلاؤ کی مرکزی لائبریری میں کتابیں دیکھتے دیکھتے میں مذہبی کتابوں کے حصے میں چلا گیا۔ وہاں مجھے صرف روڈ ویل اور سیل وغیرہ کے تراجم قرآن، جو زہر سے بھرپور ہیں۔ نظر آئے۔ انچارج سے میں نے حضرت امیر مرحوم کا ترجمہ مانگا۔ کوئی تین یا چار ماہ بعد مجھے خط آیا کہ جو ترجمہ قرآن آپ نے مانگا تھا وہ مل گیا ہے۔ جا کر دیکھا تو ایک بڑا پرانا ایڈیشن لائبریری والوں نے ڈھونڈھ ڈھانڈ کر کسی دوسری جگہ سے منگوایا تھا۔ اس بات کی اطلاع میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو دی۔ انہوں نے واپسی ڈاک جواب دیا کہ ہمیں فوری طور پر ان لائبریریوں کے پتے بھیجو۔ میں نے جناب ڈاکٹر ناہر عزیز سے رابطہ قائم کیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ تعداد اتنی زیادہ ہے۔ کہ سب کو فوری طور پر کتابیں بھیجنا ممکن نہیں۔ کافی غور کے بعد کوئی چار سو چالیس بڑی لائبریریوں کی لسٹ بنائی ان کو انگریزی میں آٹھ کتابوں کا ایک ایک سیٹ بعض کو دو سیٹ مفت بھیجے۔ بازار میں ان کتابوں کی قیمت چالیس پونڈ کے قریب ہے۔ گویا پچھلے تین سالوں میں قریباً سوا تین لاکھ روپے کی کتابیں مفت براہ راست لائبریریوں کو تقسیم کی گئی ہیں۔ یہ تخمینہ دکانوں میں جس حساب سے کتابیں فروخت ہوتی ہیں اس کے مطابق ہے نہ کہ اس قیمت پر جو انجمن لیتی ہے۔ انگلستان کی جماعت نے اپنے محدود وسائل کے باوجود کوئی چھ ہزار روپے کی کتابیں مفت تقسیم کی ہیں۔

آگے چل کر حضرت صاحب مہمانداری اور اشتہارات کے کام کا ذکر کرتے ہیں۔ جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"اور جو لوگ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر حق کی طلب کی غرض سے اصحاب الصفہ کی طرح میرے پاس ٹھہرنا چاہتے ہیں ان کے گزارہ کے لئے بھی مجھے آسمان کی طرف نظر ہے۔"

غور سے دیکھا جائے تو یہ موجودہ زمانے کے "مشنری کالج" اور "ریسرچ سیل" کا متبادل تھا۔ اس کا براہ راست تعلق تو صرف مہمانداری سے ہے لیکن ہر شاخ یعنی تصنیف و تالیف، اشتہارات و جرائد۔ خطوط کے جواب اور سلسلہ بیعت سے بھی ہے شاید سوال ہو کہ "سلسلہ بیعت" سے اس کا کیا تعلق ہے؟ وہ یہ ہے کہ ایسے حضرات جو بیعت کے بعد حضرت مسیح موعود کے قدموں میں بیٹھے رہے انہوں نے ہی صحیح طور پر "دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا جو عہد کیا تھا وہ نبھایا۔ ذرا سوچیں ان میں کس قدر عظیم انسان شامل تھیں، حضرت مولانا نورالدینؓ، حضرت مولانا عبدالکریم سیالکوٹیؒ۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید۔ حضرت مولانا محمد علی ان میں سے چند ایک تھے۔ یہ بزرگ تو علم کے اس چشمہ سے پانی پیتے تھے اور انہوں نے تو دن رات وہیں صرف کئے ان پر جو اثر ہوگا اس کا تو ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب۔ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور جناب فاروقی صاحب وہ بزرگ ہیں جنہوں نے وہ زمانہ دیکھا ہے اور

شاید تھوڑا بہت یاد بھی ہو استقامت اور تقویٰ کا جو نمونہ انہوں نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے کیا دنیا میں اس کی کوئی مثال ہے! دو سال پہلے پاکستان میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کا ذکر ہو رہا تھا تو میں نے کہا کہ اگر دو ایسے اور بزرگ ہمیں مل جائیں تو اس جماعت کی قسمت بدل جائے۔ اس پر میرے ماموں۔ ڈاکٹر عبدالسلام کہنے لگے کہ احمدی بڑے ناشکر گزار ہوتے ہیں دو اور ڈاکٹر سعید احمد ہوں تو سارے پاکستان کی قسمت بدل جائے۔ حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی کا روحانی مرتبہ بہت بلند تھا۔ وہ جس ادب سے حضرت امیر کا ذکر کرتے تھے اس سے حضرت امیر کے رتبے اور حضرت امیر کے بیانات سے حضرت مسیح موعود کے دوسرے ساتھیوں کے رتبے کا کچھ کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جو رتبہ حضرت مسیح موعود کا تھا اور اس کا جو پاکیزہ اثر تھا اس کا تو ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت مرزا صاحب ہمیشہ فرماتے رہے کہ صحابہ کرام کی فضیلت کوئی نہ پا سکے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے حضرت محمد صلعم نبی آخر زماں کا زمانہ دیکھا اور ان کی خاک پا بنے۔ اب کہاں حضرت مسیح موعود پھر پیدا ہوں کہ ہم ان کی خدمت کر لیں اور رحمِ خدا کی رحمت ان کے ساتھیوں پر نازل ہوئی اس کے مستحق نہیں لیکن حضرت صاحب کا جو مشن تھا وہ تو ابھی مکمل نہیں ہوا۔ اگر ہم ان کی خدمت نہیں کر سکتے تو ان کے مشن کو اپنے خون سے تو سینچ سکتے ہیں۔ مجھے یہ یقین نہیں کہ اس جماعت کے نوجوانوں کا ایمان کمزور ہو سکتا ہے۔ انہوں نے تو اپنی آنکھوں سے زندہ خدا کے معجزے دیکھے ہیں۔ ہمارے دوست شکایت کرتے ہیں کہ ۱۹۷۴ء کے ناخوشگوار واقعات کے بعد کچھ لوگ جماعت چھوڑ گئے ہیں۔ لیکن اگر ایک درخت کو کیڑا لگ جائے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ اس کو بچانے کے لئے کیڑا زدہ حصہ کاٹ دیا جائے؟ جب انگلستان میں جماعت بنانے کی کوشش ہو رہی تھی تو ہمارے "امام" نے کہا کہ اگر ہم نے غیر احمدیوں کو منتظمہ میں جگہ نہ دی تو سب جماعت چھوڑ جائیں گے۔ اس پر محترم مجید علی جو ہماری جماعت کے ستون ہیں کہنے لگے جانے دو میں ایک اس شخص کو جو کھل کر احمدیت کا پرچار کرتا ہے۔ ہزار غیر احمدیوں پر ترجیح دوں گا۔"

مجید علی صاحب کی ہی کوشش سے انگلستان میں یہ دیمک زدہ لکڑی کاٹی گئی۔

میرے دوستو! میری چند ایک باتیں غور سے سنو۔ پہلی یہ کہ جو قومیں اپنے کارنامے دہرا کر خوش ہوتی رہتی ہیں وہ آخر مر جاتی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا ماضی بڑا عظیم الشان تھا اور اس سے ہم سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن زیادہ ضروری کام حال کے چیلنج کو قبول کرنا ہے۔ دوسری یہ کہ حرکت میں برکت ہے۔ اگر پاکستان میں ہر احمدی اپنے اوپر ہر روز انجمن کے لئے ایک یا دو گھنٹے کام کرنا فرض کر لے تو یہ جماعت مہینوں میں نہیں دنوں میں دنیا میں اپنا صحیح مقام حاصل کر لے گی۔ اس "کام" کی تعریف بڑی وسیع ہے۔ اس میں اپنے احمدی بھائیوں سے رابطہ قائم کرنا۔ خود مطالعہ کرنا۔ پیغام صلح اور لائیٹ کے لئے مضامین لکھنا۔ لٹریچر بنفس خود یا بذریعہ ڈاک تقسیم کرنا اور کچھ نہیں۔ تو یہ ہی سوچنا کہ کیا کل کے مقابلے میں آج میں ایک بہتر مسلمان اور احمدی ہوں اور اگر نہیں تو کیوں نہیں سب شامل ہیں اور تیسری یہ کہ تمام اندرونی و بیرونی خطرات و مشکلات کا استقامت سے مقابلہ کرنا ہر فیصلہ کرتے وقت غور کریں اور خدا سے دعا مانگیں کہ وہ آپ کی رہنمائی کرے لیکن ایک دفعہ آپ کسی بات کو صحیح سمجھ کر اس پر جم جائیں تو پھر ہٹیں مت۔ معذرت خواہی اور کچھ لو اور کچھ دو یہ سب سیاسی حربے ہیں۔ ان کی ہماری جماعت میں کوئی جگہ نہیں حضرت مجدد اعظم کشتی نوح میں فرماتے ہیں۔ "یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے ظاہر کچھ چیز نہیں ہے۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ دیکھو میں یہ کہہ کر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔ دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے۔ اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص در حقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص بدرفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں انکی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود و مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے اور جو شخص امور معروفہ میں میری اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم۔ دروغ گو۔ جعلساز اور ان کا ہمنشین اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے یہ سب زہریں ہیں تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے اور تاریکی اور روشنی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔"

آخری چیز جس کا ذکر حضرت صاحب فتح اسلام میں کرتے ہیں وہ بہت ہی ضروری ہے اگر ہم کو یہ میسر آجائے کہ ایک مطبع ہمارا ہو اور ایک کاپی نویس ہمیشہ کے لئے ہمارے پاس رہے۔"

اس کام کے لئے حضرت مسیح موعود خاص اپیل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

"اے ملک کیا تجھ میں کوئی ایسا باہمت امیر نہیں کہ اگر اور نہیں تو فقط اسی نساخ کے اخراجات کا متحمل ہو سکے۔"

میری رائے میں ہمیں فراخدلی سے یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ ان آخری دو کاموں پر ہماری جماعت نے زور نہیں دیا۔ یہ اشد ضروری ہے کہ ساری جماعت کی تعلیم اور تربیت کے ساتھ ساتھ ایک مشنری کالج مع تحقیق کے شعبے کے ہو جہاں کل وقتی کام کرنے والے ہوں جو تربیت اور ریسرچ کے بعد مبلغین کا کام کر سکیں۔ لیکن ہمیں ہر بات کا الزام مرکز کے سر نہیں تھوپ دینا چاہیئے۔ بلکہ خود بھی کوشش کرنی چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ کس طرح ہم سلسلے کی خدمت کر سکتے ہیں۔ یہاں پر ضمناً یہ بھی ذکر کر دوں کہ جماعت انگلستان آہستہ آہستہ ایک مطبع قائم کرنے کے پروگرام پر غور کر رہی ہے۔ کچھ مشینیں خرید لی گئی ہیں اور چھوٹے پیمانے پر ان کا

(بقیہ صفحہ ۲ کالم ۲)

کوئی ایسی چیز کھا کر نہ آؤ جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ بعض ایسی اشیاء بھی ہیں کہ ان کے کھانے کے نتیجہ میں دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یا توجہ بٹ جاتی ہے۔ ان کے اس موقع پر استعمال کی ممانعت فرمائی ہے۔ بعض لوگوں کو زکام لگا ہوتا ہے عام طور پر لوگ اس کو معمولی بیماری سمجھتے ہیں۔ ایسا آدمی جب مسجد میں آتا ہے نماز میں بار بار آواز نکالتا ہے جس سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ دوسروں کو بھی لگنے کا خطرہ ہوتا ہے ایسے آدمی کو احتیاط کرنی چاہیئے۔ اس کی اس عبارت سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔

جب ایک انسان مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک (ترمذی)

اے میرے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں تیری ایسی عبادت کروں جس سے میرے گناہ اور کمزوریاں دور ہو جائیں اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے

یہ امر بھی مستحب ہے کہ جب انسان مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز نفل یا اگر وہ گھر سے سنت ادا کر کے نہیں آیا تو سنتیں ادا کرے اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہو۔ بقیہ وقت وہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہے اور نہ قہقہہ لگائے اور نہ ایسی حرکت کرے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو اور اسی واسطے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں جو شخص نماز کی انتظار میں بیٹھتا ہے اس کا یہ وقت بھی نماز میں شمار کیا جاوے گا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ کے زمانہ میں مساجد میں ایسے لوگ مقرر کئے جاتے تھے جو اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ اگر کوئی ان میں سے اونچی آواز سے (بعض اوقات باہر سے کرنے والے جن کو صحیح اسلامی تربیت نہیں ہوئی ہوتی تھی بولتے تھے) بولتا ہوتا تھا تو اسے منع کر دیتے تھے کہ آپ کے اونچا بولنے سے دوسروں کی نماز پر اثر پڑتا ہے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد عام طور پر ایسے حالت ہو جاتی ہے کہ لوگ اتنی اونچی آواز سے باتیں کرتے ہیں کہ نوافل ادا کرنے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت فرمایا کرتے تھے اگر تم اپنی عبادت سے فارغ ہو چکے ہو تو خاموشی سے مسجد سے باہر تشریف لے جائیں تاکہ دوسرے عبادت کرنے والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے:۔

یاتی علی الناس زمان یکون حدیثھم فی مسٰجدھم فی امر دنیاھم فلا تجالسوھم فلیس للہ فیھم حاجۃ" (بیہقی)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب وہ مساجد میں زیادہ اپنے دنیوی امور کے متعلق باتیں کریں گے۔ پس تم ان کے ساتھ مت بیٹھو کہ اللہ تعالےٰ کو ان سے کچھ غرض نہیں۔ مسجد میں صرف دینی باتیں کرنی چاہیئں یا ذکر الٰہی میں مشغول ہونا چاہیئے۔

اسی طرح ناپسندیدہ اشعار بھی مسجد میں پڑھنے منع ہیں۔ یا مسجد سے باہر اگر کوئی چیز گم ہوئی ہے تو اس کا بھی اعلان کرنا منع ہے۔ خرید و فروخت کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے دو نوجوانوں کو جو مسجد میں اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے سختی سے نوٹس لیا اور اس سے منع فرمایا۔ آج کا دور ایسا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی کو روکتا ہے تو دوسرے لوگ روکنے والے کے فعل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو یہاں تک فرماتے ہیں:۔

"مسجد میں ہنسنا نہیں چاہیئے" (البدر ۲۴ر فروری ۱۹۰۴ء)

ہمارے احباب کو غور کرنا چاہیئے کہ موجودہ زمانے کا مامور کیا تعلیم ارشاد فرما رہا ہے اس کے مقابلہ میں ہمارا عمل کیا ہے۔

اور جب مسجد سے باہر نکلنے لگو تو یہ دعا پڑھو۔

رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک۔

اے میرے اللہ مجھے اپنی حفاظت میں رکھنا اور اگر مجھ سے کوئی کمزوری سرزد ہو جائے تو اپنے فضل سے اس کو دور کرنے کی توفیق دینا۔ اور اپنے فضل اور رحمت کے دروازے مجھ پر کھول دے۔

برکت اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ جس طرح وہ ہمیں یہ توفیق دیتا ہے کہ ہم اس کے حکم پر پورے شرائط کیساتھ اداء صلوٰۃ کے لئے مساجد میں جاتے ہیں وہاں وہ احکام جو اس صلوٰۃ کو مکمل کرتے ہیں۔ ان پر بھی عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات اور لوہے کے جماعت کا لائحہ عمل (بقیہ آیہ صفحہ ۹)

استعمال شروع ہو گیا ہے۔ جلد ہی اور سامان خریدنے کا بھی ہمارا پروگرام ہے۔ آپ سب دعا کریں کہ خدا اس کام کو مکمل کرنے کی ہمت دے۔

اب میں دوبارہ ان سوالات کی طرف آتا ہوں جو میں نے مضمون کے شروع میں اٹھائے ہیں ہمارا مقصد کیا ہے؟

تبلیغ اسلام۔ اس کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے؟ تمام دنیا میں منظم جماعتیں کی جو مرکز کی ہدایت کے مطابق اپنے اپنے علاقے میں کام کریں اور اس کے تمام فیصلے بغیر چون و چراں تسلیم کر لیں ان جماعتوں کا لائحہ عمل کیا ہو؟ تصنیف و تالیف اشتہارات۔ مہمانداری۔ خطوط کے جوابات اور بیعت کے ذریعے سلسلہ کی وسعت کیا اعلیٰ طور پہ کام کرنے کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ ہاں مرکز۔ میں ایک مشنری کالج مع شعبہ تحقیق اور مطبع کے یاد رہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت نئے وسائل استعمال ہو سکتے ہیں مثلاً ریڈیو پر اشتہار یا ٹی وی کے ذریعہ تعلیم و تربیت لیکن ہمارے دوست بتائیں کہ حضرت مسیح موعود کے بتاتے ہوئے طریقے کے علاوہ کامیابی کا اور کون سا ذریعہ ہے۔ قصور ہے تو ہمارا اپنا جنہوں نے اللہ کے مامور کا بتایا ہوا راستہ چھوڑ دیا لیکن یہ یاد رکھیں کہ رسمی طور پر اور دکھاوے کے لئے کوئی کام کرنے کا قطعاً فائدہ نہیں۔ یہ کام جو اوپر بیان ہو چکے ہیں صرف ایک متقی اور پرہیزگار جماعت ہی کر سکتی ہے۔ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود کے الفاظ پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ خدا ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی استطاعت عطا فرمائے۔ آمین۔

"افسوس ان لوگوں پر ہے جو اپنی عورتوں اور اپنے بچوں اور اپنے نفس کی عیاشیوں کے لئے ان کے پاس سب کچھ ہے۔ مگر اسلام کے حصہ کا ان کی جیب میں کچھ نہیں۔ ... مسلمانوں کا فرض تھا کہ اس (اسلام) کی محبوبانہ شکل دکھانے کے لئے جان توڑ کر کوشش کرتے اور مال کو بلکہ خون کو بھی پانی کی طرح بہاتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ..... تمہیں کبھی بھولے بسروں میں بھی تو یاد نہیں آتا کہ ہمارا کون خدا ہے ..... اور اس کا نام تک لینا تم پر مشکل ہے ......"

اِسلام چیز کیا ہے خُدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خُدا
جو مر گئے انہیں کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات
(مسیح موعودؑ)

برلین مسلم مشن کی تبلیغی سرگرمیاں

رپورٹ مشنری انچارج

مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب

از ماہ فروری ۱۹۸۰ء تا مئی ۱۹۸۰ء

گذشتہ چار مہینوں میں فروری تا مئی ۱۹۸۰ء۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے برلین مسلم مشن کو جن تبلیغی خدمات کے بجالانے کے مواقع بہم پہنچائے ہیں ان کا ذکر میں آپ احباب کی خاطر میں ذیل میں کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ ذکر آپ احباب کے لئے خوشی کا باعث ہوگا۔

یورپ میں تبلیغ اسلام کے لئے مراکز کھولنے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ یورپین عیسائی دوستوں کو قرآن کریم کا پیغام پہنچایا جائے اور ان پر قرآن کریم کی تعلیمات کو ان کی مادری وقومی زبان میں واضح کیا جائے۔ ان سے دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں اور ان کو اپنے ہاں دعوت دے کر یا ان کی طرف سے دعوت ملنے پر ان کے حلقہ میں جا کر انہیں اسلام سے متعلق مختلف موضوعات پر لیکچرز دیئے جائیں اور ان کی طرف سے کئے گئے سوالات کا ان کو جواب دیا جائے۔ اور یوں اسلام سے متعلق ان کی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے اور اسلام کی صحیح تصویر کو ان کے ذہن نشین کرایا جائے۔ گذشتہ ربع صدی سے میں انہی خطوط پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے یورپ میں قائم کردہ مشنوں میں بیٹھ کر تبلیغ اسلام کی خدمات بجا لا رہا ہوں۔ ہر سال کئی بار عیسائی دوستوں کو برلین مسجد میں دعوت دی جاتی ہے اور انہیں اسلام کی تعلیمات پر لیکچرز دیئے جاتے ہیں۔ نیز ہر سال متعدد بار مختلف عیسائی سوسائٹیز یا یونیورسٹی سٹوڈنٹس کی طرف سے دعوت ملنے پر ان کے حلقوں میں جا کر انہیں اسلام پر لیکچرز دیئے جاتے ہیں۔ یورپ میں ایسے مواقع کا مل جانا اللہ تعالیٰ کے افضال میں سے ہے۔

برلین مسلم مشن کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو تبلیغی مواقع گذشتہ چار مہینوں میں ملے ان کا مختصراً ذکر یوں ہے:-

(۱) جمعہ کے ۱۸ اجتماعات کا منعقد کیا جانا (۲) ہفتہ میں دو بار اور بعض دفعہ تین بار جرمن سٹوڈنٹس اور سکول جانے والے طلباء کے لئے دو دو گھنٹے کے لئے قرآن کریم کی تعلیم کے لئے مجلس منعقد کرنا۔

(۳) دو نوجوان جرمن مردوں کا قبول اسلام۔ (۴) آل چرچز آرگنائزر لیٹن کے سیکرٹری کی قیادت میں ستر (۷۰) افراد پر مشتمل ایک گروپ کا مسجد میں آنا اور لیکچر دینا۔

(۵) برلین اسکولز کی استانیوں کے ایک گروپ کا مسجد میں آنا اور ان سے اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرنا۔

(۶) چرچ کی ایک سوسائٹی کا مجھے اپنے حلقہ میں اسلام پر لیکچر کے لئے دعوت دینا۔

(۷) برلین یونیورسٹی کے پچاس سٹوڈنٹس کا مجھے اپنے حلقہ میں "اسلام اور سیاست" کے موضوع پر لیکچر دینے کے لئے دعوت دینا۔

(۸) برلین ریڈیو RiAS میں میری تقریر کا نشر کیا جانا

(۹) ٹرکش پارلیمنٹ کے ایک نوجوان قابل ممبر کا مسجد میں آنا اور اس سے تبادلہ خیالات

(۱۰) مدینہ یونیورسٹی کے ایک گریجویٹ کا مسجد میں آنا اور اس کا حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام کے دعویٰ کے بارہ میں سوالات کرنا۔

(۱۱) نکاح کی تقریب پر نکاح کا خطبہ دینا اس کے علاوہ

(۱۲) مسجد کے امور سے متعلق ذمہ دار افسران سے ملاقات کرنا اور ان کو چائے کی دعوت دینا

(۱۳) برلین میں چرچ کے ایک سپرنٹنڈنٹ سے ملاقات کرنا۔ اس سے تبادلہ خیالات کرنا

(۱۴) مشن سے متعلق انتظامیہ امور کو نبھانا۔ (۱۵) دفتری امور کو سرانجام دینا۔

(۱۶) خط وکتابت اور (۱۷) ترسیل لٹریچر وغیرہ۔

الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان سترہ (۱۷) امور کو سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی۔

مندرجہ بالا سترہ امور کی وضاحت

جمعہ کی نماز کے سلسلہ میں ۱۸ اجتماعات:- خدا کے فضل سے جمعہ کے اجتماعات باقاعدگی کے ساتھ منعقد ہوتے رہے اور ان اجتماعات میں سات مختلف اسلامی ممالک سے آئے ہوئے مسلمان احباب بخوشی شرکت کرتے رہے۔ الجیریا، تیونیسیا، مصر، شام، اردن، ترکی سے کالج سے آئے ہوئے نوجوانوں کے علاوہ جرمن نومسلمین بھی شریک ہوتے رہے۔ گاہے گاہے جرمن عیسائی دوست بھی خطبہ سننے کے لئے آتے رہے۔ ان میں سے بعض مغربی جرمنی سے آئے تھے۔ وہ یا تو یونیورسٹی سٹوڈنٹ تھے یا گورنمنٹ کے دفاتر میں ملازم۔ ان میں سے بعض جمعہ کی نماز کے بعد ہمارے ہاں سوال وجواب کے سلسلہ میں بیٹھے رہے۔ ان میں سے بعض کو جرمن زبان میں لکھے ہوئے پمفلٹ تحفۃً دیئے گئے۔ خطبات میں قرآن کریم سے مختلف آیات کو پڑھ کر مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی گئی جو حاضرین کے لئے قوت ایمانی کا باعث ہوئی۔

ہفتہ کے دوران دیگر اجتماعات:- ہفتہ کے دوران بعض دفعہ دو بار اور بعض دفعہ تین بار چھوٹے چھوٹے اجتماعات منعقد ہوتے رہے۔ جن میں بعض جرمن نوجوانوں کو اسلام کی تعلیمات کے بارہ میں لیکچرز دیئے گئے۔ بعض کو جو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ انہیں نماز کے الفاظ عربی زبان میں زبانی یاد کروائے گئے۔ قرآن کریم کے مختلف حصص ان کو سبقاً پڑھائے گئے ایسے نوجوانوں کے علاوہ بعض سکول جانے والے طلباء کو جو سات سال کی عمر سے ۱۲ سال کی عمر کے تھے کلمہ شہادت زبانی یاد کروایا گیا۔ سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے بعض واقعات کو ان پر واضح کیا گیا۔ ان سکول جانے والے بچوں کی تربیت کے لئے ان کے والدین کی خواہش پر یہ سلسلہ شروع کیا گیا۔

دو نوجوان جرمن مردوں کا قبول اسلام:- مسجد میں منعقد ہونے والے اجتماعات میں جو جرمن نوجوان حصہ لیتے رہے۔ ان میں سے دو نوجوانوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

ان کا تعارف:- ہیرزا مڈل گریجویٹ ہے اور اکنامکس پڑھا ہوا ہے وہ ۳ راکتوبر ۴۹ء میں ایک کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ قرآن کریم کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس نے ۲۹ فروری ۱۹۸۰ء کو مسجد برلین میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ ہیر پلیچ میڈیکل سٹوڈنٹ ہے وہ ۲ راپریل ۵۰ء میں ایک پروٹسٹنٹ گھرانے میں پیدا ہوا گزشتہ سال سے اس نے ہمارے اجتماعات میں حصہ لینا شروع کیا اور ۲۵ راپریل ۸۰ء

کو مسجد میں آکر جمعہ کی نماز ادا کی اور نماز کے بعد حاضرین کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اس کا اسلامی نام "عمر" تجویز کیا گیا جسے اس نے پسند کیا۔ ان ہر دو نوجوانوں نے میرے ساتھ کلمہ شہادت "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ" دہرایا اور یوں اپنے مسلمان ہونے کا ذکر کرتے ہوئے دائرہ مذہب اسلام میں داخل ہو گئے۔

ستر (۷۰) افراد پر مشتمل ایک بڑا گروپ مسجد میں:- آل چرچز آرگنائزیشن کے سیکرٹری

ہیر داگوزے کی قیادت میں ایک بڑا گروپ جو ستر (۷۰) جرمن مرد و جرمن خواتین پر مشتمل تھا مسجد میں آیا۔ اس گروپ میں برلین شہر کے مختلف حصوں میں بسنے والے افراد شامل تھے۔ ان دوستوں کو مشن ہاؤس میں جگہ دی گئی۔ بعض کرسی نہ ملنے کی وجہ سے کھڑے رہے۔ یہ تمام افراد دو گھنٹے تک میرے ہاں ٹھہرے۔ ان کے سامنے ایک گھنٹہ تک اسلام سے متعلق مختلف تعلیمات کو جرمن زبان میں بیان کیا گیا بعد میں ان کی طرف سے کئے گئے سوالات کا جواب دیا گیا۔ آل چرچز آرگنائزیشن کی طرف سے ایسے گروپوں کا سال میں دوبار انتظام کیا جاتا ہے۔ جو مذاہب عالم میں مفاہمت پیدا کرنے میں بڑا مفید ثابت ہو رہا ہے۔ اس آرگنائزیشن کے پہلے سیکرٹری ہیر امیر ہارٹ تھے۔ ان سے میری پہلی ملاقات ووکنگ مسجد میں ہوئی تھی۔ ۱۹۵۷ء میں وہ ہمارے ہاں ووکنگ مسجد میں مہمان تھے ۱۹۵۹ء میں جب میں برلین آیا تو اس دن سے انہوں نے مجھے اپنی آرگنائزیشن کا ممبر بنا لیا۔ اور مجھے مختلف عیسائی حلقوں سے اسلام پر لیکچر دینے کے لئے دعوت دیتے رہے۔ ۱۹۷۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ اس آرگنائزیشن سے متعلق امور کی نگرانی کرتی رہیں اب ۱۹۷۹ء میں ہیر داگوزے کو آن کی جگہ سیکرٹری مقرر کر دیا گیا ہے سیکرٹری کے عہدہ پر مقرر کئے جانے کے بعد میں نے ان کو ان کی اہلیہ کے ساتھ اپنے ہاں جانے کی دعوت دی اور انہیں مشن کی خدمات کے بارہ میں آگاہ کیا۔ یہ ملاقات بڑی مفید ثابت ہوئی۔

برلین اسکولز کی استانیوں کا ایک گروپ:- آل چرچز آرگنائزیشن کی قیادت میں جو گروپ

مسجد میں آیا ان میں سے ایک خاتون نے مجھے بعد میں ٹیلی فون کیا اور کہا کہ وہ یہاں برلین میں دینیات کی معلمہ ہے۔ اس نے اس گروپ میں اسلام سے متعلق مختلف موضوعات پر تقریر کو سنا ہے اور سوال و جواب کو بھی وہ چاہتی ہے کہ اپنے حلقہ میں سے دیگر استانیوں کو مسجد میں لائے تا وہ بھی اسلام سے متعلق میرے نظریات کو سن لیں۔ چنانچہ مقررہ دن سات استانیوں کا ایک گروپ میرے پاس آیا میں نے انہیں اسلام کے بنیادی اصولوں پر لیکچر دیا۔ ان کے سوالات کا بھی جواب دیا بالآخر انہیں جرمن زبان میں شائع شدہ پمفلٹ کی ایک ایک کاپی تحفہ دی جسے کہ انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔

برلین میں چرچ کی ایک سوسائٹی کا مجھے اپنے حلقہ میں دعوت دینا

برلین میں چرچ کی ایک سوسائٹی نے مجھے اپنے حلقہ میں اسلام پر لیکچر کے لئے دعوت دی اس سے پیشتر انہوں نے میرا ایک مضمون اپنی اخبار میں شائع کیا تھا۔ میرے اس مضمون کا عنوان تھا "اسلام سے تعارف" پادری انچارج چرچ نے میرا تعارف کرایا۔ اور مجھے تقریر کے لئے کہا۔ میں نے اپنی تقریر میں اس مضمون میں بیان کردہ نظریات کو دہرایا۔ اس دن پچاس کے قریب جرمن مرد اور جرمن عورتیں میرے لیکچر میں موجود تھیں۔ چرچ کے آس پاس رہنے والے مسلمان احباب بھی لیکچر سننے کے لئے آ گئے تھے۔ میں تقریباً تین گھنٹے وہاں ٹھہرا۔

لیکچر کے بعد سوال و جواب کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ پادری صاحب نے حاضرین سے مل کر میرا شکریہ ادا کیا اور یہ مجلس نہایت ہی خوشکن ماحول میں ختم ہوئی۔

یونیورسٹی سٹوڈنٹس کے حلقہ میں لیکچر

برلین میں یونیورسٹی سٹوڈنٹس کی ایک سوسائٹی کے سیکرٹری نے مجھ سے استدعا کی کہ میں ان کے حلقہ میں "اسلام اور سیاست" کے موضوع پر لیکچر دوں۔ میں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا اور ۶ مئی کو ان کے حلقہ میں جا کر اس موضوع پر لیکچر دیا۔ اس نوجوان سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اپنے حلقہ میں یہودی عالم کو بھی دعوت دی ہے اور یہ یہودی عالم برلین میں یہودی آبادی کے جج ہیں۔ اور ایک عیسائی پادری کو بھی۔ ہم یونیورسٹی کے سٹوڈنٹس چاہتے ہیں کہ ہم "مذہب اور سیاست" کے موضوع پر تینوں مذاہب یہودی عیسائی اور اسلام کے علماء سے براہ راست ان کے نظریات کو سنیں۔ میں نے اپنے لیکچر کو اپنے ہاتھ سے لکھا یعنی ٹائپ نہ کیا اور اس میں اسلامی مملکت کی گزشتہ تاریخ شریعت کے ماخذ شرعیہ کا حالات کے ساتھ ترقی کرنا۔ اہل سنت والجماعت و شیعہ کے نظریات، ان کے نظریات میں مطابقت اور اختلاف رائے۔ اور اسلامی ممالک میں موجودہ تحریکیں۔ قرآن کریم میں مذہبی آزادی۔ مذہبی رواداری اور انسانی حقوق کی تعلیمات، قرآن کریم کا سیاسی اور معاشی نظام وغیرہ کو مختصر بیان کیا۔ میرا یہ لیکچر چار ہزار سے زائد الفاظ پر مشتمل تھا۔ پچاس کے قریب سٹوڈنٹس ہال میں جمع تھے۔ ان میں سے بعض میڈیکل سٹوڈنٹ تھے اور بعض اکنامکس۔ بعض قانون اور بعض دیگر مضامین پڑھتے تھے۔ حاضرین میں بعض ایسے بھی تھے جو اس سٹوڈنٹ سوسائٹی کے OLD MEMBER تھے ان میں مرد بھی تھے اور خواتین بھی۔ لیکچر شروع ہونے سے پیشتر سیکرٹری نے جو تعارف پڑھا تھا حاضرین سے میرا تعارف کرایا اور مجھے لیکچر کے لئے کہا۔ پچاس منٹ میرا لیکچر جاری رہا بعد میں دو گھنٹے تک حاضرین سوالات کرتے رہے۔ جواب سنتے رہے۔ اجلاس کے اختتام پر سیکرٹری نے میرا شکریہ ادا کیا اور حاضرین نے ... تک تالی بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ الحمد للہ

سیکرٹری نے بعد میں تحریری طور پر میرا شکریہ ادا کیا اور مجھے ایک خط لکھا اور اس خط میں اس نے میرے لیکچر کے بارہ میں اپنے تاثرات اور تمام سٹوڈنٹس کی رائے کا بھی اظہار کیا۔

جرمن زبان میں لکھے ہوئے خط کا مفہوم

یونیورسٹی سٹوڈنٹس سوسائٹی کا سیکرٹری خاکسار کو مخاطب کر کے لکھتا ہے کہ ہم سب سٹوڈنٹس کی یہ متفقہ رائے ہے کہ آپ کا لیکچر بہترین لیکچرز میں سے تھا جو آج تک ہم نے اپنے حلقہ میں سنے ہیں۔ آپ کا لیکچر FAXINATING تھا یعنی نہایت مؤثر اور دلوں کو موہ لینے والا تھا۔ مزید لکھا ہے کہ ہماری متفقہ رائے یہ بھی ہے کہ یہودی عالم اور عیسائی عالم دونوں کے لئے ایسا بلند پایہ لیکچر دینا نہایت ہی مشکل ہو گا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

درخواست دعائے صحت:- اطلاع ملی ہے کہ مکرم کیپٹن عبد الواحد صاحب (آدم جی پیپر اینڈ بورڈ ملز امان گڑھ) یکم رمضان المبارک سے بعارضہ قلب بیمار ہیں۔ اور خیبر ٹیچنگ ہسپتال میں زیر علاج ہیں احباب کرام اس مخلص احمدی اور مجاہد بھائی کی صحت یابی کے لئے دعا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ مؤرخہ ۲۳ جولائی ۱۹۸۰ء جلد ۶۷ شمارہ نمبر ۳۰، رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

شیخ محمد حسین صاحب ککھیلدار معرفت مولوی احمد علی صاحب

باہتمام ریاض حسین المحدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۷ | بروز چہار شنبہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۹۸۰ء | شمارہ ۳۱

ملفوظات مجدد زماں حضرت مسیح موعود علیہ السلام

دائمی مسافر اور مریض فدیہ دے سکتے ہیں

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مؤرخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو فرمایا۔ جن بیماروں اور مسافروں کو امید نہیں کہ کبھی پھر روزہ رکھنے کا موقع مل سکے مثلاً ایک بہت بوڑھا ضعیف انسان یا ایک کمزور حاملہ عورت جو دیکھتی ہے کہ بعد وضع حمل بسبب بچے کو دودھ پلانے کے وہ پھر معذور ہو جائے گی اور سال بھر اسی طرح گزر جائے گا۔ ایسے اشخاص کے واسطے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ کیونکہ وہ روزہ رکھ ہی نہیں سکتے اور فدیہ دیں۔ فدیہ صرف شیخ فانی یا اس جیسوں کے واسطے ہو سکتا ہے جو روزہ کی طاقت کبھی بھی نہیں رکھتے۔ باقی اور کسی کے واسطے جائز نہیں کہ صرف فدیہ دے کر روزے کے رکھنے سے معذور سمجھا سکے۔ عوام کے واسطے جو صحت پاکر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھولنا ہے۔

جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں اس طرح سے خدا تعالیٰ کے بوجھوں کو سر پر سے ٹالنا سخت گناہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ان کو ہی ہدایت دی جائیگی۔

(فتاوٰی احمدیہ صہ ۱۸۳)

روزہ کی اہمیت

فرمایا۔ "میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔ یہ مبارک دن ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے نزول کے دن ہیں۔"

رمضان کا مہینہ مبارک مہینہ ہے۔ دعاؤں کا مہینہ ہے۔

(الحکم جلد ۵ صہ ۵)

فطرانہ عید سعید اس سال تین روپیہ فی کس ہوگا۔

صدقۂ عید الفطر، نماز عید سے پہلے گھر کے ہر فرد کی طرف سے فطرانہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی بچہ اسی دن پیدا ہو تو اس کا فطرانہ بھی ادا کرنے کا حکم ہے انجمن نے اس دفعہ تین روپیہ فی کس فطرانہ مقرر کیا ہے۔ تمام احباب اپنی اپنی جماعتوں کے سیکرٹری محصل اور محاسب صاحبان کو نماز عید سے پہلے مقررہ شرح کے مطابق فطرانہ ادا کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔

(ادارہ)

حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

قربِ الٰہی کے حصول کے دن

رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا ہے۔ احادیث میں اس کی بڑی تعریف آئی ہے۔ اسی عشرہ میں لیلۃ القدر ہوتی ہے۔ ان مبارک ایام کو سب دوست قربِ الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے استعمال کریں اور بڑی کثرت سے وہ دعائیں کریں جو قرآن کریم میں سکھائی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

خوب یاد رکھیں جو شخص قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے گویا وہ خدا کے وجود اور اسلام کی صداقت کا ایک ثبوت بن جاتا ہے۔ بے شک ان ایام میں دنیوی مقاصد کے لئے بھی دعائیں کرو۔ لیکن سب سے زیادہ رضاءِ الٰہی، قربِ الٰہی کے حصول کے اور غلبۂ اسلام کے سامانوں اور خدمتِ دین و اشاعتِ قرآن کی توفیق کے لئے دعائیں مانگو

حضرت امیر مولینا مرحوم کی دلی تڑپ

"میں آپ سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں، وہ ہے دلوں کی تڑپ، اشاعت قرآن کے لئے ایک تڑپ اپنے دلوں میں پیدا کیجئے۔ خُدا کے آگے گریئے اور گڑگڑائیے کہ اے خدا! یہ تیرا کلامِ پاک جس میں ایک بیش قیمت خزانہ ہے یہ کیوں آج بیکسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ تو اپنے فضل سے اس کی اشاعت کے لئے کوئی اسباب پیدا کر دے اور ہمارے قلوب میں اس کی خدمت کے لئے ایک تڑپ پیدا کر دے۔"

غلبۂ دین کے لئے تڑپ

"یہی ایک چیز ہے جس سے تم غلبہ پیدا کر سکتے ہو۔ ۔ ۔ ۔ اٹھو اور رو ؤ اور خُدا سے مدد مانگو کہ وہ جلد دین کے غلبہ اور کامیابی کے دن لائے، جس دن جماعت کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر خدا کے آگے گریں اور یہ دعا کریں کہ اے خُدا! تو نے اس قرآن کو دنیا کی ربوبیت اور اسکی اصلاح کے لئے اور امن قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اے خدا! یہ دنیا گمراہ ہو رہی ہے اور امن سے دُور جا رہی ہے، اے خدا، تیرا وعدہ تھا کہ تو دینِ اسلام کو دنیا میں غالب کرے گا۔ تو وہ وقت لا اور اس قرآن کے ذریعے سے دنیا میں امن قائم کر جس دن جماعت یہ دُعا راتوں کو اٹھ کر گریہ وزاری سے کرے گی۔ اس دن کامیابی ہمارے قدموں میں ہو گی۔

عیدالفطر

رمضان المبارک کے مجاہدہ کے بعد عید الفطر ایک انتہائی روحانی انبساط اور خوشی کا دن ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے حقیقی خوشی وہی ہے جو کہ انسان مشکلات کا مقابلہ کر کے حاصل کرے۔ اس میں سبق ہے کہ دنیا میں وہی قوم بامِ عروج تک پہنچتی ہے۔ جو صعوبت کش ہو اور دشواریوں کو دعوتِ مقابلہ دے اور ناز و نعمت میں رہنا جس کا شیوہ نہ ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ صالح قوم جب انتہائی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے بعد اپنے دینی اور دنیوی معراج کو حاصل کر لیتی ہے تو اس وقت اس کے اپنے قلب کے اندر جو خوشی کے جذبات ہوتے ہیں وہ حقیقی خوشی کے آئینہ دار ہیں۔ اور وہ حقیقی خوشی ہی درحقیقت عید ہے۔ سو عید الفطر درحقیقت مردِ مومن کے قلب کی اس کیفیت کو واضح اور واشگاف کرتی ہے جو اسے مجاہدہ کے بعد محسوس ہوتی ہے۔

- عید مسلمان کے لئے روزہ کے بعد وہ مقام ہے جہاں وہ خدا اور عالمِ روحانی کو خود ایک زندہ حقیقت کی طرح محسوس کرتا ہے۔ پھر رمضان المبارک اور عید الفطر میں ایک زبردست تمثیل بیان کی گئی ہے۔ اور اس میں ایک فلسفۂ حیات پیش کیا گیا ہے جس کے بغیر انسان کبھی منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ کبھی رستگاری حاصل کر سکتا ہے۔
- جماعت احمدیہ ابھی مجاہدہ کے دور میں ہے وہ نہایت جفاکشی کے ساتھ بلاد غیر میں اشاعتِ اسلام کر رہی ہے اور اس راستہ میں ہر قسم کا ایثار کر رہی ہے لیکن اس کی عید اسوقت ہوگی جبکہ دنیا میں غلبۂ اسلام ہوگا اور دنیا کے ایک کنارہ سے لے کر دوسرے کنارہ تک خدا اور خدا کے رسولؐ کا نام گونج رہا ہوگا۔ مادیت اور دہریت کے بُت پاش پاش ہو جائیں گے اور دنیا ایک روحانی معیار اور فلسفۂ حیات کو اختیار کرے گی اور مادی نظامِ حیات کو خیرباد کہہ دے گی جس کی وجہ سے دنیا میں اس قدر تباہی اور بربادی ہو رہی ہے۔ پس رمضان المبارک اور عید میں غلبۂ اسلام اور اس کے لئے مجاہدات کو متشکل کر کے دکھایا گیا ہے۔ یعنی اس وقت تک دنیا میں غلبۂ اسلام نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس راستہ میں ہم پسینہ کی جگہ خون نہ بہائیں اور روپیہ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ خرچ نہ کریں۔
- عید ہمیں اس دن کی یاد دلاتی ہے جبکہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشی کا دن ہوگا سو ہمیں عید کو مناتے ہوئے اس عید کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ جو ایک احمدی کا حقیقی نصب العین ہے۔

ایسی خوشی کے موقع پر

ہمیں جماعت کی ان تحریکات کو نہ بھولنا چاہیئے جو اس دن کے لئے مخصوص ہیں۔

قرآن حکیم کے تین امتیاز

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد صاحب فاروقی بتاریخ ۲۵ جولائی ۱۹۸۰ء بمقام مسجد جامع، دارالسلام لاہور

یٰٓایھا الذین کتب علیکم الصیام .... ولعلکم

پھر سیف اٹھا کر چارہ ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم روزے رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کے لئے ہدایت، اور ہدایت کے لئے کھلی دلیلیں دینے والا اور حق و باطل میں فرق دکھلانے والا ہے۔ پس جو کوئی تم میں اس مہینہ کو پائے تو چاہئے کہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں گنتی پوری کر لے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔ اور یہ کہ تم گنتی کو پورا کرو اور اللہ کی بڑائی کرو اس لئے کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور تاکہ تم شکر کرو۔

میں ان آیات مبارکہ میں سے پہلی دو پر پچھلے جمعہ میں خطبہ دے چکا تھا کہ اس کے بعد میری نظر سے حضرت مسیح موعود کے کچھ ارشادات روزہ میں بیماری یا سفر کی رخصت کے بارہ میں گزرے۔ تو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کچھ آپ کو سناؤں کیونکہ تیسری آیت جس پر آج میں نے خطبہ دینا ہے اس میں بھی بیماری یا سفر کا ذکر آتا ہے۔ اور ہمارے بعض احباب کا خیال ہے کہ ہوائی جہاز کا مختصر سفر کوئی سفر نہیں جس کے لئے روزہ چھوڑا جائے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ جب قرآن حکیم نے بیماری یا سفر کی تخصیص نہیں کی تو کسی انسان کا ان کی تخصیص کرنا مناسب نہیں۔ بیماریوں کی تو فہرست بنانا تحصیل لاحاصل ہوگا۔ اس پر ڈاکٹر صاحبان بھی اتفاق نہیں کر سکتے تو کسی اور نے کیا کرنا ہے۔ سفر کے لئے فاصلہ تعیّن کرنا بھی ممکن نہیں۔ ہر شخص کی قوت برداشت علیحدہ، علیحدہ ہوتی ہے۔ اس لئے فاصلہ کا تعین کافی نہیں۔ اور جو فاصلے فقہاء نے پچھلے زمانوں میں مقرر کئے جبکہ مسافر پیدل یا اونٹ پر یا گھوڑے پر سفر کرتے تھے وہ آج موٹر، ریل اور ہوائی جہاز کے زمانہ میں بے معنی ہو جاتے ہیں اس لئے جتنا قرآن حکیم نے فرمایا ہے اتنا ہی کہہ کر اس معاملہ کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ مریض اور مسافر دوسرے ایام میں روزہ رکھ لیں۔ اس بارہ میں حضرت مسیح موعود کے ارشاد نہایت صاف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ اس میں امر (یعنے حکم۔ ناقل) ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ جس کا اختیار ہو رکھ لے جس کا اختیار ہو نہ رکھے۔ ...... سفر میں تکلیف اٹھا کر جو امر (حکم) سے خوش نہیں کرنا چاہتا۔ یہ غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت امر اور نہی میں سچا ایمان ہے۔" (الحکم مورخہ ۳۱ جنوری ۱۸۹۹ء)

"میرا مذہب یہ ہے کہ انسان بہت سی دقّتیں اپنے اوپر نہ ڈال لے۔ عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں۔ جیسا کہ خدا کے فرائض پر عمل کیا جاتا ہے ویسا ہی اس کی رخصتوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ فرض بھی خدا کی طرف سے ہیں اور رخصت بھی خُدا کی طرف سے ہے۔"

(الحکم مؤرخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء)

"اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے۔ ...... میں نے پڑھا ہے کہ اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی حالت سفر یا بیماری میں روزہ رکھتا ہے تو یہ معصیت ہے کیونکہ غرض تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے نہ اپنی مرضی اور اللہ تعالیٰ کی رضا فرماں برداری میں ہے جو حکم وہ دے اس کی اطاعت کی جاوے اور اپنی طرف سے اس پر حاشیہ نہ چڑھایا جاوے۔" (الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۷ء)

"نجات (خُدا کے) فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو۔ بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔"

(بدر مؤرخہ ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

"(وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین) ایک دفعہ میرے دل میں آیا کہ یہ فدیہ کس لئے مقرر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ توفیق کے واسطے ہے تاکہ روزہ کی توفیق اس سے حاصل ہو۔ خدا ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے۔ اور ہر شے خدا سے ہی طلب کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے۔ وہ چاہے تو ایک مدقوق (یعنے جسکو تپ دق ہو چکا ہوا ہو۔ ناقل) کو بھی روزہ کی طاقت عطا کر سکتا ہے تو فدیہ سے یہی مقصود ہے کہ وہ طاقت حاصل ہو جاوے اور یہ خدا کے فضل سے ہوتا ہے۔ پس میرے نزدیک خوب ہے کہ انسان دُعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ، اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا طاقت بخش دے گا۔"

"جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینہ میں تو مجھے محروم نہ رکھ تو خُدا اسے محروم نہیں رکھتا۔ اور ایسی حالت میں اگر انسان ماہِ رمضان میں بیمار ہو جاوے تو یہ بیماری اس کے حق میں باعث رحمت ہوتی ہے کیونکہ ہر ایک عمل کا مدار نیت پر ہے۔ مؤمن کو چاہیئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ

کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور ثابت کر دے۔ جو شخص کہ روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت درد دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا اور اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہ ہو، تو خدا تعالیٰ ہرگز اسے ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ ایک باریک امر ہے کہ اگر کسی شخص پر (اپنے نفس کی کسل کی وجہ سے) روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق حال ہونگے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا آدمی جو خدا کی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور اس کا منتظر تھا کہ وہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے روزہ نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر روزے سے محروم نہیں۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جیسے اہلِ دنیا کو دھوکا دے لیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دے سکتے ہیں۔"

(البدر مؤرخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء)

مریض اور مسافر کو دوسرے ایام میں روزہ رکھنے کی تاکید فرماتے (سوائے حاملہ عورت کے جو بعد وضع حمل بسبب بچہ کو دودھ پلانے کے وہ پھر معذور ہو جائے گی اور سال پھر اسی طرح گزر جائے گا۔ جس صورت میں اگر وہ صاحب مقدرت ہو تو فدیہ دے دے) حضرت اقدس نے فرمایا: "صرف فدیہ تو شیخ فانی یا اس جیسوں کے واسطے ہو سکتا ہے جو روزہ کی طاقت کبھی نہیں رکھتے۔ ورنہ عوام کے واسطے جو صحت پاکر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھول دینا ہے۔ جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ کے بوجھوں کو سر پر سے ٹالنا سخت گناہ ہے۔"

(بدر مؤرخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

رمضان اور قرآن

اب میں اپنے خطبہ کی طرف آتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن جیسی نعمت انسان کو ملی۔ یہاں قرآن کی تین خصوصیات کو بیان فرمایا اول تو ھدًی للنّاس۔ خدا کی ہدایت تو وقتاً فوقتاً ہر قوم کو اس کے نبی کی معرفت ملتی رہی۔ مگر قوموں نے اس ہدایت کو کھو دیا تھا۔ فرمایا کہ وہ کھوئی ہوئی ہدایت اس قرآن کے ذریعہ (جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمّہ لی ہے) نسلِ انسانی کو دوبارہ نصیب ہوئی۔ مثلاً روزہ کی عبادت کو ہی لے لیجئے۔ روزہ تو تمام قوموں پر ایک جیسا ہی فرض ہوا تھا۔ مگر کسی قوم نے روزہ کی مدت کو گھٹا کر برائے نام کر دیا تو کسی نے سوائے چند کھانے پینے کی چیزوں کے باقی کو روا کر لیا۔ پھر دوسری قوموں کو بعض احکام وقتی ضرورت کے ماتحت دئے گئے مثلاً موسوی شریعت کی سختی بنی اسرائیل جیسی صدیوں کی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کے لئے ضروری تھی مگر اسرائیلی فقیہوں نے اسے سخت سے سخت تر بنا دیا تو ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ تشریف لا کر اس میں ضروری نرمی پیدا کریں مگر بعد میں ان کے مریدوں نے شریعت کو ہی غیر ضروری قرار دیدیا جو دوسری انتہا تھی۔ بہر حال تمام امور دینی اور علوم و معرفت باطنی کی جو تکمیل قرآن شریف نے آن کر کی وہ اس کا خاص امتیاز ہے۔ یہ واحد الہامی کتاب ہے جس نے دعویٰ کیا کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی یعنے آج تمہارے لئے دین مکمل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت تم پر تمام ہو گئی۔ ورنہ رسول اللہ صلعم سے ما قبل جبکہ ہزار ہا سال سے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آچکے تھے کیا دینی حالت تھی! اور وہ بھی بنی اسرائیل جیسے سلسلۂ نبوت میں جس میں ہزار ہا چھوٹے بڑے نبی آچکے تھے اور توریت، زبور اور انجیل جیسی معروف الہامی کتابیں آچکی تھیں اس کا حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی سنیئے جو سلسلہ بنی اسرائیل کی تکمیل کرنے آئے تھے اور رسول اللہ صلعم سے ما قبل نبی تھے۔ انہوں نے فرمایا۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنے روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھلائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔" (یوحنا باب ۱۶ آیات ۱۲ تا ۱۴) غرضیکہ قرآن شریف نے نہ صرف تمام کھوئی ہوئی ہدایتیں اپنے اندر جمع کیں جیسا کہ فرمایا فیہا کتب قیّمۃ یعنے پچھلی الہامی کتابوں میں سے جو بھی تعلیم قائم رکھنے کے قابل تھی وہ اس قرآن میں جمع کر دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں انبیاءؑ کے حالات میں ان کی تعلیم کا بھی ذکر بار ہا آیا ہے۔ تو نہ صرف کھوئی ہوئی ہدایت الٰہی کو اس قرآن کے ذریعہ سے دنیا کو دوبارہ دیا گیا بلکہ اس کی تکمیل و اتمام نعمت بھی کر دی گئی اور اسے ھدًی للنّاس بنا دیا یعنے بجائے کسی ایک قوم کے خاص حالات کے لئے جیسا کہ پہلی ہدایتوں کا پیغام تھا یہ کتاب اب تمام نسلِ انسانی کے لئے قیامت تک کے لئے ہے

اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اور ارشاد قابلِ توجہ ہے۔ آپ نے فرمایا "میں نے قرآن (جس کے لفظی معنی ہیں وہ کتاب جو پڑھی جائے۔ ناقل) کے لفظ میں غور کیا تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے وہ یہ کہ یہی قرآن یعنے پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی جبکہ اور کتابیں بھی اس کے پڑھنے میں شریک ہو جائیں گی۔ اسوقت اسلام کی عزت بچانے کے لئے اور بطلان کا استیصال کرنے کے لئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبّر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں۔" (الحکم مؤرخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۰ء)

اس پر حضرت اقدس کا اپنا عمل یہ تھا کہ ساری عمر کے دن رات کی تلاوتِ قرآن کے باوجود جب کسی مسئلہ پر لکھنے لگتے تو اس کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم کو ایک دفعہ پھر پڑھ جاتے۔

آج دنیا میں دوسری الہامی کتابوں سے ان کے ماننے والے بھی ہدایت نہیں ڈھونڈتے اس کے برعکس مسلمان دن بدن زیادہ قرآن کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ قرآن حکیم کی جن باتوں پر غیر مسلموں خصوصاً عیسائی معترضین کو سب سے زیادہ اعتراض آج سے ۸۰، ۹۰ سال قبل تھے آج ان میں سے اکثر ان معترضین نے خود اختیار کر لی ہیں مثلاً دفاعی جنگ۔ طلاق وغیرہ۔ اس لئے قرآن حکیم اب ھدًی للنّاس بن رہا ہے۔ اگرچہ زبانی ایمان اس پر غیر مسلم ابھی تک نہیں لائے۔

دوسرا امتیاز

قرآن حکیم کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ یہ واحد کتاب ہے جو ہر بات کو جو وہ منوانا چاہتی ہے دلائل دے کر منواتی ہے جیسا کہ الفاظ و بیّنٰت من الھدٰی میں فرمایا دوسری الہامی کتابوں میں ان کے احکام یا ہدایتوں پر صرف ایمان رکھ کر انہیں قبول کرنے کو کہا گیا ہے جیسے کہ عیسائی حضرات تین برابر ایک (خدا) پر کہتے ہیں کہ ایمان (FAITH) ہو تو یہ حساب کا مسئلہ بھی سمجھ آجائے گا۔ یا مثلاً یہ بات بھی کہ گناہ تو کیا آدم اور حوّا نے اور گنہگار ہو گئی تمام نسلِ انسانی اور پھر وہ

گناہ سے نجات کس طرح پائے گی ؟ ایک لیے گناہ کے صلیب پر چڑھنے سے ! اسکے برعکس قرآن حکیم اللہ تعالےٰ کی ہستی اور توحید پر کبھی تمام مخلوق کو گواہ بناتا ہے (جسے آج سائنس نے بھی مانا ہے کیونکہ سائنس نے پتہ کیا تو یہ وسیع و عریض کائنات تمام ایک ہے اور ایک ہی قوانین کی فرمانبرداری کر رہی ہے) کبھی انسان کی فطرت کو گواہ بناتا ہے، کبھی تمام انبیاءؑ اور صادقین کی گواہی پیش کرتا ہے وغیرہ وغیرہ

تیسرا امتیاز

قرآن حکیم کا تیسرا امتیاز والفرقان کے لفظ میں بتایا کہ یہ کتاب حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے دکھاتی ہے۔ چنانچہ یہ واحد الہامی کتاب ہے جو نہ صرف مکمل ہدایت دیتی ہے اور ہدایت پر دلائل دے کر اُسے منوانی ہے بلکہ باطل جہاں کبھی پیدا ہوا یا آئیندہ پیدا ہوگا اس کا جواب بھی مہیّا کرتی ہے۔ لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ط تنزیل من حکیم حمید (حٰم ۴۱ - ۴۲) یعنی باطل عقائد نہ تو اس سے قبل جو تھے وہ اس کے آگے ٹھہر سکتے ہیں اور نہ وہ جو بعد میں آئیں کیونکہ اس کتاب کو نازل کیا ہے اس حکیم ذات نے جو تعریفوں والی ہے اور اپنا کام کبھی ناقص نہیں کرتی۔ اسی لئے تمام مسائل پر خواہ وہ اسلامی ہوں یا غیر مذاہب کے حضرت مسیح موعودؑ قرآن حکیم کو اول سے آخر تک پڑھ کر قلم اٹھاتے یا تقریر فرماتے۔ جیسے کہ عبداللہ آتھم اور پادری ہنری مارٹن کلارک سے مباحثہ ہیں وہ دونوں تو کتابوں کے ڈھیر لیکر آئے اور حضرت اقدس کے ہاتھ میں صرف قرآن حکیم تھا اور مباحثہ کی ابتداء میں آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی کتاب الہامی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ جو بات منوانی ہو خود کہے (ہدایت) اور پھر اس کی تائید میں دلیل بھی خود دے (بیّنٰت من الھدیٰ) اور باطل کی تردید میں بھی خود دلائل دے (والفرقان) نہ کہ یہ کہ کسی مذہب کا دعویدار جو دعوٰی کرے اس کا ذکر تک اس کی الہامی کتاب میں نہ ہو۔ یا ذکر ہو بھی تو اس کی تائید میں دلائل یا مخالف کی باطل بات کی تردید کے لئے اپنے ماننے والوں کا منہ دیکھے کہ میں نے ایک بات کہہ تو دی ہے مگر اس کا ثبوت تم دو یا مخالف جو کہیں اس کا جواب بھی تم ہی دو۔ کیا ایسی کتاب خدائے علیم و حکیم کی طرف سے ہو سکتی ہے ؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ اسلام یا قرآن حکیم یا رسول اللہ صلعم پر بحث کے دوران میں جو دعوٰی کروں گا قرآن حکیم سے کروں گا، اس کی تائید میں جو دلائل دوں گا وہ بھی قرآن حکیم سے ہی ہوں گے اور تم جو باتیں کہو گے ان کی تردید بھی میں قرآن مجید سے ہی کر دوں گا۔ کیا تم بائیبل سے اسی طرح بحث کرو گے ؟ تو ان دونوں مناظرین نے اس شرط کو قبول نہ کر کے قرآن حکیم کی فضیلت اور کمال پہ مہر لگا دی اور سونے پر سہاگہ یوں لگا کہ اگرچہ مخالفین نے یہ شرط قبول نہ کی مگر حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو اپنے اوپر لازم کر کے قرآن مجید کی فتح کو روزِ روشن کی طرح ثابت کر دکھایا۔

رمضان اور قرآن

تو اس عظیم الشان کتاب سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کے لئے قرآن حکیم نے اس مہینہ کو روزوں کا مجاہدہ قرار دے دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں پچھلے خطبہ میں عرض کر آیا ہوں انسان کے اندر جو حیوانی جذبات اور خواہشات ہیں وہ جہاں انسان کی قوت عمل کے لئے ضروری ہیں (یعنے MOTIVE FORCES ہیں) وہاں وہ حیوان کی طرح مونہہ زور ہیں اور حیوان کو سدھانے کے لئے اسے کھانے پینے اور ازدواجی زندگی سے کچھ عرصہ کے لئے روکنا ہر حیوان سدھانے والے کا طریق ہے

قرآن حکیم جو ھدًی للمتقین ہے تو اس کی ہدایت جہاں بتاتی ہے کہ کسی عمل میں کہاں تک اچھائی ہے اور کب اس میں برائی پیدا ہو جاتی ہے جس سے بچنا چاہیئے جو کہ تقوٰی کے معنی ہیں وہاں قرآن حکیم کی ہدایات سے انسان فائدہ نہیں اٹھا سکتا جب تک کہ وہ اپنے حیوانی جذبات و خواہشات کو قابو میں نہیں لاتا جیسا کہ ہر قوت عمل یا قوت حرکت کو قابو میں رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً موٹر کار یا ریلوے انجن یا ہوائی جہاز کی قوت حرکت و عمل پر قابو پانا ضروری ہے یا مثلاً گھوڑے کو سدھانا ضروری ہے ورنہ انسان بجائے سفر کی منازل طے کرنے کے ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ قرآن حکیم حیوانی جذبات اور خواہشات کو قابو میں لا کر ان کے صحیح استعمال سے ہی انسان کی اخلاقی و روحانی ترقیات اور منازل سلوک کو طے کرنے کے طریق بتاتا ہے۔ تو قابو میں لانے کا طریق بھی اس نے خود ہی بتا دیا کہ وہ روزہ ہے۔

مریض یا مسافر

چونکہ یہ تمام امور انسان کے لئے از بس اہم اور ضروری ہیں اور قرآن اور رمضان کا گہرا تعلق ہے تو مبادا ایک انسان ان کے پانے کے لئے اپنے مریض یا مسافر ہونے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس مبارک مہینہ میں روزہ رکھ کر اپنی صحت جسمانی کو نقصان پہنچا لے یا اپنے اوپر تکلیف مالایطاق ڈال لے اس لئے اس پاک کتاب نے اس حکم کو دہرایا کہ مریض یا مسافر کو چاہیئے کہ وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھ لے۔ کیونکہ نتائج مرتب کرنے والا تو اللہ تعالےٰ ہے اور وہ اس فدیہ کو پسند کرتا ہے انسان کی فلاح اللہ تعالےٰ کے احکام کی تعمیل میں ہے نہ کہ اپنی طرف سے کچھ کرنے میں جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ان ارشادات میں فرمایا ہے جو کہ میں نے اس خطبہ کے شروع میں سنائے تھے اس کے بعد فرمایا یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر یعنے اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا یہ زریں اصول شریعت کے احکام کو نافذ کرنے میں سامنے رہنا چاہیئے پھر فرمایا کہ ہاں روزوں کی گنتی تم دوسرے دنوں میں پوری کر لیا کرو اور اللہ کی بڑائی کرو یعنے اس کے احکام کو سب باتوں سے افضل رکھو اس لئے کہ علیٰ ما ھدٰکم اس نے تمہارے فائدہ کے لئے تمہیں ہدایت دی ہے۔ ولعلکم تشکرون اور شکر گزاری یہ ہے کہ تم اس ہدایت پر عمل کرو۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

٭٭٭

احباب جماعت یاد رکھیں۔

عیدالفطر کے دن فطرانہ کے علاوہ عید فنڈ بھی ادا کرنا ضروری ہے۔ اس کی ادائیگی میں تساہل نہ برتیں۔

براہِ مہربانی جماعت کے مبلّغین اور محصّل حضرات اس طرف پوری توجہ مبذول فرمائیں۔ (ادارہ)

اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے کے بعد
سب سے بہتر عمل انسانوں سے محبت کرنا ہے۔
(فرمانِ نبویؐ)

رمضان المبارک کی ایک باعظمت رات

لیلۃ القدر قرآن مجید کی سالگرہ ہے

رمضان شریف کا آخری عشرہ خاص طور پر عبادت کیلئے مختص ہے

ماہِ صیام کے آخری عشرہ کی ایک رات کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔ لفظ لیل ولیلۃ کے معنے رات کے ہیں اور قدر کے اصل معنے ہیں ناپنا۔ لیکن لیلۃ القدر کے معنے باعظمت رات کے بھی آئے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا دو دفعہ ذکر آتا ہے۔ سورۃ القدر میں تین دفعہ لیلۃ القدر کے الفاظ آئے ہیں۔

"انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حتّٰی مطلع الفجر"

ترجمہ:۔ "ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اتارا اور تجھے کیا خبر لیلۃ القدر کیا ہے لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن سے ہر امر (خیر) لئے ہوئے اترتے ہیں۔ سلامتی یہ فجر کے طلوع تک ہے۔"

اس سورت میں اس رات کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل کیا گیا اور یہ بھی ذکر ہے کہ یہ وہ رات ہے جس میں ملائکہ اور تاثیرات روحانی یا الہام الٰہی نازل ہوتے ہیں۔

سورۂ دخان میں بھی اس کا ذکر آیا ہے جہاں اس کو لیلہ مبارکہ فرمایا۔

حٰمٓ ۥ والکتٰب المبین ۥ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ امرمن عندنا۔ اللہ بے انتہا رحم کرنے والا کھول کر بیان کرنے والی کتاب گواہ ہے ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں اتارا ہے۔ ہم ہمیشہ ڈراتے رہے ہیں پھر حکمت کی بات کا اس میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ ہماری طرف سے حکم ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دونوں جگہ یہ ذکر آتا ہے کہ قرآن مجید اس رات نازل ہوا، اور دوسری جگہ ذکر آتا ہے کہ قرآن ماہِ رمضان میں نازل ہوا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رات ماہِ رمضان میں واقع ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے اس رات میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نزول اس رات کو شروع ہوا۔ بالفاظ دیگر اس رات سب سے پہلی وحی حضرت نبی کریمؐ پر نازل ہوئی اس کو اندازہ کی رات قرار دیا ہے کیونکہ اس میں دنیا کے لئے ایک نئی وحی کی بنیاد رکھی گئی ہے جس میں ہر ایک حکم اکرم پایا جاتا ہے جو ۔ ۔ ۔ ۔ حکمت اور علم پر مبنی ہے اور اس لحاظ سے اس کو لیلۃ مبارکہ یا لیلۃ القدر یعنے برکت والی یا عظمت والی رات قرار دیا ہے لہٰذا یوں کہا جاسکتا ہے کہ لیلۃ القدر قرآن مجید کی سالگرہ ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے رمضان شریف کا آخری عشرہ خاص طور پر عبادت کے لئے مختص ہے یہاں تک کہ اگرچہ اسلام رہبانیت کا حامی نہیں مگر ان دس دنوں میں ایک مسلمان کو اجازت ہے کہ تمام دنیاوی علائق سے منقطع ہو کر خانۂ خدا میں ایک راہب کی طرح قیام کرے۔ متعدد احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں یا آخری راتوں میں اس رات کو تلاش کرنا چاہیئے۔ بعض احادیث کی رو سے یہ ماہ رمضان کی پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کو لیلۃ القدر آخری سات راتوں میں دکھائی گئی۔

لیلۃ القدر

ابوالاسرار رمزی۔ ٹی۔ ڈی۔ ایم۔ اے (علیگ) جودھپور (بھارت)

(۱)

کہوں تم سے کیا لیلۃ القدر ہے — ہزاروں مہینوں کی یہ صدر ہے
فضیلت بیاں کیا ہو اس رات کی — امیں نے امیں سے ملاقات کی
پیمبرؐ نے جبریلؑ سے بات کی
ملی "قسط اوّل" ہدایات کی
فرشتوں کے لشکر اترنے لگے — ہر اک سمت پرواز کرنے لگے
عجب کیف سا روح پر چھا گیا — کہ ہر موئے تن وجد میں آگیا
نمودار تازہ اُجالا ہوا
اندھیروں کا منہ آج کالا ہوا

(۲)

یہ اک فیصلہ کن اہم رات تھی — یہ زائیدۂ انقلابات تھی
یوں رحمت خدا کی ہویدا ہوئی — جہاں میں نئی قوم پیدا ہوئی
نزول صحیفہ سے ہوش آگیا
عرب کے جوانوں میں جوش آگیا
سیاست تمدن میں اخلاق میں — ہوئے نامور سارے آفاق میں
طلسم کہن آج زائل ہوا
اندھیرا، اجالے کا قائل ہوا

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لیلۃ القدر کا نظر آنا ایک روحانی تجربہ ہے جیسا کہ حضرت نبی کریمؐ کا یہ ایک روحانی تجربہ تھا نہ کہ جسمانی۔ اور جیسا کہ ایک دوسری حدیث ظاہر کرتی ہے۔ صحابہ کرام کا بھی یہ روحانی تجربہ تھا۔ اس لئے یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ یہ جسمانی تجربہ کے طور پر بھی دیکھی جاسکتی ہے یا یہ کہ کوئی جسمانی تغیّر اس رات مشاہدہ میں آتا ہے۔ یہ اس انسان کے لئے ایک روحانی تجربہ ہے جو رمضان کے مبارک مہینہ میں خدا کا تقرّب حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو ریاضت شاق کے لئے وقف کر دیتا ہے۔

عید الفطر قرآن و سنت کی روشنی میں

رمضان المبارک کے مجاہدہ کی خوشی میں یہ دن منایا جاتا ہے

عید کے روز غسل کرنا، حتی المقدور عمدہ کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا مسنون ہے

جناب ابوالمنان طاہر

العود احمد ! یہ محاورہ اور ضرب المثل ایک خاص قسم کی حالت وکیفیت کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کا عیدین کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔

اسلام ایک فطرتی دین ہے اس کے ہر حکم کی ایک خاص غرض ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد انشراح صدر اور اطمینان ومعرفت پر ہے ہمارے پاکیزہ مذہب اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں جس کی کوئی فلاسفی اور غرض نہ ہو۔ تمام ارکان بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے خدا تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں کیوں نہ ایسا ہو۔ وعوٰی فرمایا شفاءٌ لمانی الصدور کہ اے لوگو اس کے قبول کرنے کے نتیجہ میں ہر طرح کی فکری۔ ذہنی۔ قلبی۔ بیماریوں کا اس کے تسلیم کرنے سے خاتمہ ہو جاوے گا۔

اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان کی تعلیم کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس میں افراط و تفریط پایا جاتا ہے اور اس کے ماننے والے ایک محدود دائرہ و ذہن میں مقید ہو جاتے ہیں احکام ایسے ہیں جن کا ہر فرد کا اس کارگاہ حیات میں ادا کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور ان کی بنیاد بشاشت قلب اور تسلیم ورضا پر نہیں ہے۔ اور یہ کیفیت ان کے نزول کے بعد ان کے رھبان۔ مربی قسیسین۔ پوا دریسھکشو۔ پنڈت۔ پروھت اور ان کے علمبرداروں نے اپنی مخصوص اغراض کے تحت اپنے اپنے مذہب کا حصہ بنا دی ہیں جس کی وجہ ان کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے۔

اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے :۔

انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون !

اس پاک دین کی ظاہری و باطنی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ محافظ ہے۔

بات چلی تھی ! العود احمد ! سے۔ خدا تعالیٰ نے رمضان کے مبارک ایام ہر سال ایک ماہ کے لئے مسلمانوں کے لئے مجاہدات، محاسبہ نفس۔ فکر و نظر کو پاک کرنے اور سال کے بقیہ گیارہ ماہ کے لئے روحانی لحاظ سے توشہ اکٹھے کرنے کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ جب پورا ایک ماہ انسان ضبط نفس۔ تکمیل خواہشات کی حدود میں مقیدرہ کر اپنے اوقات کو بسر کرتا ہے۔ دن بھی معمور الاوقات ہے۔ راتیں شب بیداری کے لئے وقف! پھر اس کے بعد جو روزہ کی غرض لعلکم تتقون ! تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنا۔ قدم سیدھے رستہ پر اٹھانا۔ ممنوع چیزوں سے رکنا امر الٰہی کو حرز جان بنانا۔ اطاعت کا مادہ وغیرہ اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں تو عید کا مبارک دن آجاتا ہے۔

فطرتِ انسانی یہی چاہتی ہے۔ کہ جب انسان جدو جہد سے ایک کام سرانجام دے تو اسے جزا بھی ملے۔ یہ عید جو خوشی کا دن ہے۔ یہ اقرار ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو احکام بجالانے کا حکم دیا تھا۔ گرمی وسردی۔ دن کی طوالت، رات کا بھی اکثر حصہ بیدار رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے۔ اس واسطے عید کے دن خوب خوشی کا اظہار کرو۔ لیکن جو سبق اس ماہ میں ملا ہے اس کو بھولنا نہیں۔ اب اس پر ہمیشہ کاربند رہنا ہے۔ اس واسطے العود احمد۔ یہ دن ہمارے لئے مبارکباد اور خوشی کا ہے۔ اور اس کی فلاسفی بھی یہی ہے کہ تم نے خدا کے حکم کو بجا لایا ہے۔ خوب خوشی کا اظہار کرو۔ اور اس خوشی کی ابتدا میں ڈھول ڈھکے بالہو ولعب سے نہیں۔ اللہ کی توحید کا اقرار اور اس کے احسانات کے شکر کے ساتھ ابتدا کرو۔ کیونکہ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے۔

ھم عن اللغو معرضون ! اس خوشی میں اخلاق کا دامن نہیں چھوڑنا ہر ممنوع۔ ناپسندیدہ چیز سے رکنا ہے۔ اور حضرت رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ناپسندیدہ فعل کروں۔ اور اگر کوئی شخص ایسی غلطی کرتا ہے تو اس کا میرے ساتھ تعلق نہیں شرط ہے کہ ساتھ رہے پاسبان عقل !

قرآن مجید میں روزہ کی فرضیت کے احکام ان آیات سے شروع ہوتے ہیں :۔

ـ یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم ۔۔۔۔ اور پھر فرماتا ہے یہ روزے چند دن ہیں۔ جو لوگ بیمار رہوں اس گنتی کو دوسرے دنوں میں پورا کرلیں۔ رمضان کے مہینہ میں قرآن اتارا گیا۔ جو کوئی تم میں سے اس کو پائے تو چاہیئے کہ اس کے روزے رکھے (خلاصہ) اور آخر میں فرمایا

ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ھدٰلکم و لعلکم تشکرون

(البقرہ ۲۔ ۱۸۵)

ولتکملوا العدۃ ۔ اے مسلمانو! جب تم رمضان کے روزے پورے کرلو پھر اس پر اللہ کا نام بلند کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو رمضان کے روزے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس آیت میں نماز عید الفطر کی طرف اشارہ ہے۔

ـ ماہِ رمضان کے اختتام پر یکم شوال کو ہر سال نماز فجر کی ادائیگی کے کچھ وقفہ بعد نماز عید الفطر میں شامل ہونے والے لوگوں کی سہولت کو مدنظر رکھ کر وقت مقرر کر دیا جاتا ہے۔

ـ نماز عید الفطر با جماعت جمعہ کی نماز کی طرح دوگانہ ادا کی جاتی ہے۔ اس میں قرأت جمعہ کی طرح اونچی آواز سے کی جاتی ہے۔

ـ عید الفطر کی دو رکعتیں ہیں۔ پہلے نماز پڑھی جاتی ہے پھر اس کے بعد خطبہ ہوتا ہے آخر میں اجتماعی دعا ہوتی ہے۔ بعض لوگ نماز ادا کر کے چلے جاتے ہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ خطبہ و اجتماعی دعا صلوٰۃ العید کا اہم حصہ ہیں۔

ـ عید کی نماز کے لئے اذان، اقامت نہیں کہی جاتی۔ ویسے امام کو یہ اطمینان کرلینا

چاہیئے کہ مردوں اور خواتین کی صفیں درست ہو گئی ہیں۔

- پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور ثناء کے بعد سات تکبیریں، پھر سورۃ فاتحہ اور قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جاتی ہیں اور ہر تکبیر کے موقع پر امام اور مقتدی دونوں ہاتھ کانوں کی لَو تک بلند کرتے ہیں اور رکوع کے بعد کی حالت جس کو اصطلاحاً قومہ کہا جاتا ہے اس طرح تکبیرات کے موقع پر ہاتھ کھلے چھوڑے جاتے ہیں اور آخری تکبیر کے بعد سینہ پر نماز کی طرح ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں۔ امام قرآن مجید کی قرأت کرتا ہے اور مقتدی نماز کی طرح سنتے ہیں۔
- نماز عید کے موقع پر بلند آواز سے تکبیریں اور مسنون ادعیہ ماثورہ پڑھنی چاہیئں
  الله اكبر الله اكبر۔ لا الٰه الا الله والله اكبر۔ الله اكبر و لله الحمد۔
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں نماز کے لئے جب تشریف لے جاتے تھے تو ایک راستے سے تشریف لے جاتے تھے اور واپس تشریف لاتے تھے تو دوسرے راستے سے آتے تھے۔
- **فطرانہ**:۔ نماز عید الفطر سے قبل فطرانہ ادا کرنا ضروری ہے اور ہر کنبہ کے سربراہ کا یہ فرض ہے کہ جتنے افراد ان کے زیر کفالت ہیں ان سب کی طرف سے فطرانہ ادا کریں۔ حتیٰ کہ نوزائیدہ بچہ اور وہ جو آپ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں ان کی طرف سے بھی فطرانہ ادا کریں۔ فطرانہ کی پوری شرح جنس کی موجودہ قیمت کے اعتبار سے دو روپے پچاس پیسے بنتی ہے۔ نصف شرح سے بھی اگر حالات سازگار نہ ہوں تو ادا کرنے کی اجازت ہے۔

فطرانہ کے فلاسفے،

یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واسطے مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ لوگ جو تنگ دست ہیں، یا مالی وسعت نہیں رکھتے یا معذور ہیں ـــ فطرانہ کی رقم عید سے پہلے ان میں تقسیم کی جاوے تاکہ وہ بھی عید کی خوشیوں میں دوسرے بھائیوں کے ساتھ شامل ہوں۔

- عید الفطر کی نماز کے لئے غسل، صاف ستھرے کپڑے، خوشبو کا استعمال، حضرت نبی کریمؐ کی سنت سے ثابت ہے۔
- عید الفطر کی نماز میں شمولیت کی بڑی تاکید ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے کہ عورتیں بھی ضرور شامل ہوا کریں۔ اگر کسی کے پاس چادر نہیں ہے تو کسی دوسری بہن سے وہ عاریتاً چادر لے کر نماز عید الفطر میں ضرور شامل ہوا کریں۔
- اور جن خواتین نے شرعی مجبوری کی وجہ سے نماز ادا نہیں کرنی ہوتی۔ وہ بھی عید کے اجتماعات میں جائیں اور تکبیرات اور آخری اجتماعی دعا میں شامل ہوں
- نماز عید الفطر سے قبل ہلکا ناشتہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔

لا يغدو يوم الفطر حتى ياكل ثمرات

حضور صلعم عید الفطر کی نماز سے قبل چند کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح حضور صلعم فرمایا کرتے تھے:۔

ان اوّل ما نبدأ من يومنا هذا ان نصلّی

عید کے دن کی ابتداء حضورؐ نماز عید الفطر کے ادا کرنے سے فرمایا کرتے تھے۔

عید مبارک دینا اور خوشی کا اظہار کرنا:۔

- عید مسلمانوں کی خوشی کا دن ہے اور اس کے پیچھے ایک سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے مہینہ میں روزے اور عبادات اور بعض خوش قسمت افراد کو اعتکاف میں خاص دعائیں ادا کرنے کی سعادت بخشی ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی پر خوشی کا اظہار کرنا ایک طبعی بات ہے اور ایک دوسرے بھائی سے خوشی سے ملنا۔ مبارک دینا اور جائز تفریح کی بھی اجازت ہے جس کا مقصد خوشی کا اظہار ہے۔

حدیثِ دلبراں

اقتباس خط مکرم مولٰنا محمد عبداللہ صاحب امریکہ:۔

خداوند کریم کے فضل سے ہمارے اخبار پیغام صلح کا معیار اعلیٰ ہے اس کے مضامین اعلیٰ پیمانہ کے ہوتے ہیں۔ اخبار کی چھپائی اور کتابت میں کافی اصلاح ہو گئی ہے ہسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد گھر پہنچتے ہی ضروری خطوط پڑھنے کے بعد اخبار پیغام صلح کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ ماہ مئی۔ جون کے پرچوں کے مضامین تقویت روح کا باعث ہوئے۔ اخبار پیغام صلح پچاس برس سے متواتر زیر مطالعہ رہا ہے۔ اس کے پڑھنے سے میں نے مضمون نویسی سیکھی اور علمی ترقی کی۔

مرحوم مولانا دوست محمد میرے مضامین کو دلکش عنوانوں سے ان ایام میں شائع کرتے تھے جب میں طالب علم تھا اور اس طرح میری حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ان کے خاکسار پر بہت احسانات ہیں۔ خداوند کریم ان کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقامات میں داخل فرماوے۔ پیغام صلح جماعت کے ہر ممبر کو منگوانا چاہیئے اور اس کی اشاعت میں ترقی دینی چاہیئے۔

ایک تجویز:۔ بعض نامہ نگار اپنی رپورٹوں کو طول دیتے ہیں اور اخبار کا اکثر حصہ لے لیتے ہیں۔ اگر نامہ نگار اور مضمون نویس اختصار کو ملحوظ رکھیں تو زیادہ موزوں ہو گا۔ دو صفحوں پر مشتمل مضمون یا رپورٹ کو چھوٹے عنوانوں کے تحت زیادہ دلکش بنایا جا سکتا ہے۔

مکرم فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ "محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ (لندن) کے مضامین نے ہمارے اخبار پیغام صلح کو ادبی مجلہ بنا دیا ہے۔ کاش وہ اسی طرح مسلسل لکھتی رہیں اور اپنے دلکش، منفرد اور بے نظیر انداز تحریر سے ہمارے اخبار کو دلچسپ بنائے رکھیں، مزید برآں عورتوں کے مسائل اور ذمہ داریوں پر بھی اپنی قلم کی جولانی دکھلائیں تاکہ پاکستانی خواتین میں مغربی معاشرہ جو بڑی تیزی سے رواج پا رہا ہے جس سے خود مغرب بھی بیزار ہے۔ اس کا کچھ تدارک ہو سکے۔"

مکرم حافظ مولانا شیر محمد خوشابی فیجی سے اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔ مضامین کے لحاظ سے پیغام صلح کا معیار خدا کے فضل سے بہت اونچا ہو گیا ہے۔ کتابت اور طباعت بھی بہتر ہو گئی ہے خدا تعالےٰ آپ لوگوں کو جزائے خیر دے

مکتوب تعزیت:۔ مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب (چیف ایڈیٹر پیغام صلح) کے نام فیجی سے حافظ شیر محمد خوشابی اپنے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

"امید ہے کہ آپ دینی خدمات میں مصروف ہوں گے، پیغام صلح کے پرچہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت ہی تکلیف ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس بڑھاپے میں رفیقہ حیات کا جدا ہو جانا انتہائی تکلیف دہ ہے لیکن خدا تعالےٰ کے قانون سے مفر نہیں خدا تعالےٰ مرحومہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین،

از محترمہ اُمِّ احمد

دین و مذہب کی حقیقی غرض انسانوں کو باہم اُلفت و محبّت کا صحیح راستہ دکھاتا ہے

"وہ شخص جو بدظنی سے بچا۔ اُس نے اپنے دین کی حفاظت بھی کی اور دُنیا کی بھی۔" (حدیث نبویؐ)

ہماری جماعت کی ایک نہایت ہی معزّز اور بزرگ بہن محترمہ رضیہ فارُوقی صاحبہ (لندن) نے پیغامِ صُلح میں مختلف عنوانات کے تحت جو سلسلۂ مضامین شروع کیا ہے اُسے سلسلہ کے احباب وخواتین نے بہت پسند کیا ہے۔ اب اور ایک بہن نے بھی ہمیں اپنا مضمون لغرض اشاعت بھیجا ہے جو ہدیۂ قارئین کرام ہے۔ پیغامِ صُلح میں کبھی مستورات کا ایک الگ صفحہ ہوا کرتا تھا۔ جواب بھی جماعت کی صاحبِ قلم بہنوں کی رشحاتِ قلم کے لئے چشم براہ ہے۔ کاش ہماری اعلیٰ تعلیم یافتہ بہنیں اور قوم کی بچّیاں اس طرف توجّہ فرمائیں۔

(ادارہ)

کائنات کا نظام باہم اتحاد و محبّت کے ساتھ چل رہا ہے۔ اور مذاہبِ عالم نے بھی یگانگت، احترام، دل جوئی۔ ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھنا، ایک دوسرے کے جذبات، احساسات اور خیالات کی عزت کرنا سکھایا ہے۔ ہمارے مذہب کی رو سے وہی شخص زیادہ متقی اور پاکیزہ کہلاتا ہے۔ جو اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے احساسات و جذبات کا خیال رکھتا ہے اور تقویٰ کی باریک ترین راہوں پر قدم مارتا ہے۔ چنانچہ رحمت اس کا خاصا نظر آتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہی کہلائے۔ جن کی محبت اور احترام آدمیت نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی خفگی اور سختی بھی اسی لئے تھی کہ وہ جبیرہ دستوں کے ہاتھوں، کمزوروں کو بچا سکیں بلکہ جبیرہ دستوں کو بھی راہِ راست پر لاکر اُن کو زندہ رہنے کے لئے معتدل اور خوبصورت راہ دکھائیں۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکی ہوں۔ اسلام بطورِ خاص ایسا مذہب ہے جس کا انتہائی زور محبت و رافت کو عام کرنے پر ہے۔ اسلام کے معنے حضور پُر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب گرامی۔ رحمت للعالمین۔ ان کی قوم کا نام ۔۔۔ مسلم ومومن۔ آپ تمام الفاظ پر غور فرمایئے۔ سلامتی، امن رحمت اور محبت ہی اس کا جوہر اور خصوصیت خاص ہے اور اسی چیز کو قرآن کریم نے بطور تحدیثِ نعمت مسلمانوں کو یاد دلایا۔ جب فرمایا کہ "تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ پس ہم نے تمہارے دلوں کے اندر محبت پیدا کی اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔"

اسلامی تاریخ ان محبت کے مظاہروں سے بھری پڑی ہے اور اس کی بے نظیر مثال حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے موقع پر، مدینہ میں عہدِ مواخات کی ہے جبکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وعظ نے انصار و مہاجرین کے تعلقات کو نہایت گہرا بنا دیا کہ انصار نے مہاجرین کے تالیفِ قلوب کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مال، اسباب زمین جائداد کسی چیز کے تقسیم کرنے میں تامّل نہیں فرمایا چنانچہ ایک دوسرے کے منہ بولے بھائی بننے کی اس سے بہتر مثال بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ان کے اندر اتنا اخلاص تھا کہ وہ محبت باہمی کی وجہ سے ایک مضبوط اور محکم جماعت بن گئی۔ جنہوں نے اسلام کی بے نظیر خدمات سرانجام دیں۔

میں اب اس مقصد کی طرف آتی ہوں جس کی وجہ سے مجھے اس مضمون کو لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ہماری اس سوسائٹی میں ایک منہ بولے بھائی بہن

اس قسم کی اصطلاحات سننے میں آتی ہیں۔ میرا مشاہدہ ہے کہ اس قسم کے تعلقات کی فراوانی عموماً مذہب سے ناواقف، نیم تعلیم یافتہ یا بہت اونچی اور امیر سوسائٹی میں پائی جاتی ہے اور سوسائٹی کے یہ طبقے دراصل اس بات سے ناواقف ہوتے ہیں کہ اس قسم کے رشتے جو بدظنی کی زد میں آتے ہیں سوسائٹی کی صحت کے لئے کس قدر مضر ہیں

ہم سب انسان ہیں۔ ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ لہٰذا ایک طبعی محبت ہر انسان کی دوسرے انسان کے دل میں موجود ہے۔ اور یہ کشش کوئی عجیب چیز نہیں۔ ہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی پاک زندگی میں دیکھتے ہیں۔ حضرت زید بن حارث آپؐ کے منہ بولے بیٹے تھے جن کے حالاتِ زندگی تاریخِ اسلام میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے حضرت زید کو اپنی پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں پیش کیا جنہوں نے ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت زید درحقیقت ایک آزاد عیسائی خاندان کے لڑکے تھے جو کسی جنگ میں قید ہو کر اور غلام ہو کر فروخت کر دیئے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت زید کے والد حارث اور ان کے چچا کو ان کے متعلق خبر ملی تو ان کو لینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تاکہ حضرت زید کو واپس لے جا سکیں۔ حضور نے فوراً حضرت زید کو طلب کیا اور ان سے دریافت کیا کہ "کیا تم ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟" حضرت زید نے کہا کہ "حضورؐ یہ میرے والد اور چچا ہیں۔" اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ "یہ تمہیں لینے آئے ہیں۔ اگر تم ان کے ساتھ جانا پسند کرو تو میں تمہیں خوشی سے اس کی اجازت دیتا ہوں۔" حضرت زید نے کہا کہ حضورؐ میں آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔ ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ یہ سن کر زید کے باپ خفا ہو اٹھے۔ اور بولے "کیا تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو؟" زید نے کہا ہاں۔ میں نے محمد صلعم میں وہ چیز دیکھی ہے کہ میں اپنے باپ اور تمام خدائی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔" یہ سن کر حضور اٹھے اور زید کو ہمراہ لے کر فوراً خانہ کعبہ میں گئے اور بلند آواز سے فرمایا:۔

لوگو! گواہ رہو۔ کہ آج سے میں زید کو آزاد کرتا ہوں اور اپنا بیٹا بناتا ہوں یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔"

اس روز سے حضرت زید، زید بن محمدؐ کہلانے لگے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تفسیر میں میں نے پڑھا ہے کہ اس وقت معاشرے میں منہ بولا بیٹا۔ سگے بیٹے کی طرح شمار ہوتا تھا۔ جو وراثت میں بھی حق رکھتا تھا اور ترکے میں بھی حصہ پاتا تھا۔ بہرحال جب

(بقیہ صـ ۱۲ کالم ۱ و ۲)

موجودہ طبی تحقیق نے روزہ کو انسانی صحت کیلئے مفید قرار دیا ہے

یا یہا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لعلھم یرشدون (البقرہ: ع ۲۳)

خطبہ جمعہ مؤرخہ یکم اگست سنہ ۱۹۸۰ء فرمودہ حضرت ڈاکٹر اللہ بخش صاحب در جامع مسجد احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور (مرتبہ شفقت رسول خان صاحب)

رمضان المبارک کا مہینہ تقریباً نصف تک گزر چکا ہے۔ آخری عشرہ رمضان المبارک میں اعتکاف بیٹھنا بھی سنت نبوی صلعم ہے۔ روزے صرف مسلمانوں پر ہی فرض نہیں کئے گئے دوسری اقوام پر بھی فرض کئے گئے تھے۔ مگر روزوں کا مقصد صرف بھوکا پیاسا رہنا نہیں۔ بلکہ ہمارے اندر تقوٰی کے معیار کے مطابق تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ حدیث نبوی صلعم ہے کہ اگر رمضان المبارک کا بھوکا پیاسا رہنا انسان کے اندر تبدیلی پیدا نہ کر سکے تو خدا کے ہاں وہ کسی اجر کا مستحق نہیں۔ مریض اور مسافر پر روزہ فرض نہیں ان کو اجازت ہے کہ دوسرے دنوں میں روزے پورے کریں۔ اور جو لوگ روزے رکھنے میں ضعف جسمانی یا دائم المریض ہونے کے باعث مشقت پائیں تو وہ فدیہ دیں یعنی ایک مستحق کو کھانا کھلائیں اور جو لوگ روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ فدیہ بھی دیں یہ خدا کے ہاں ان کی نیکی پسندیدہ ہے۔ لیکن ذاتی بھلائی اور بہتری روزے رکھنے میں ہی ہے۔ فرمایا ان تصوموا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون۔ اے کاش تم اس علم سے آشنا ہوتے کہ روزے رکھنے میں کیا کیا فوائد پنہاں ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ وہ عظیم الشان ماہ ہے جس میں قرآن پاک کا نزول شروع ہوا اور قرآن پاک وہ کتاب ہے جو تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور دلائل پر مشتمل ہے۔ اور فرقان یعنی حق و باطل کے درمیان امتیاز و فرق واضح کرنے والا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا ہے کہ خدا اپنے بندوں کے لئے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔ اس لئے اے مسلمانو تمہیں چاہیئے کہ گنتی کو پورا کرو اور خدا کے بتائے ہوئے اصولوں پر خدا کی کبریائی و تکبیر و تہلیل کرو جیسے کہ اس نے ہدایت کی ہے۔ موجودہ تہذیب مغرب نے جو نظریہ حیات انسان کو دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ زندگی میں کھاؤ پیو اور عیش کرو کیونکہ بالآخر مر تو جانا ہی ہے اس لئے کہ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ اس کے برعکس اسلام نے نظریہ حیات یہ دیا ہے کہ تمہارے اندر اعلیٰ صلاحیتیں مضمر ہیں ان کو ترقی دو۔ اس غرض کے لئے کسی قدر ریاضت اور تکلیف اور مجاہدہ ضروری ہے۔ کسی مرحلہ پر ہر شخص کو مشکلات و محن پیش آتے ہیں جن پر اُسے طوعاً و کرھاً صبر و ضبط کرنا ہی پڑتا ہے۔ اگر انسان پہلے ہی ان تکالیف کو برداشت کرنے کا عادی ہو تو یہ مراحل اس کے لئے گراں نہیں گزرتے بلکہ وہ آسانی سے ان کو برداشت کر لیتا ہے۔ اور اگر وہ عادی نہ ہو تو برداشت کرنے میں جزع فزع سے اور زیادہ مشکل محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے جذبہ صبر و ضبط کو ترقی دینا اس بات کا متقاضی ہے کہ اپنے نفس کو کسی قدر محنتوں اور مشقتوں میں ڈالا جائے کیونکہ جب نفس ان تکالیف میں پڑے گا تو اس کے اندر قوت برداشت اور صبر و استقامت کی صفات ترقی پذیر ہوں گی مگر مغربی نظریہ حیات میں انسان کو اس طرف راغب کیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح محنت اور تکلیف اور مشکل میں قدم نہ رکھے بلکہ ہمیشہ آسانی ہی آسانی اور سکھ ہی سکھ پیش نظر رکھے لیکن ایسا ہونا خلاف فطرت ہے۔ اور ناممکن ہے۔ کیونکہ آسانی اور تکلیف توام ہیں اور زندگی ان دو پہلوؤں ہی سے عبارت ہے۔ اخبارات و رسائل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب و مشرق میں ان لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو منشیات کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ مسکرات و منشیات انسان میں ایک وقتی بے خودی اور مصائب سے لاتعلقی پیدا کر دیتی ہیں اور انسان خیال کرتا ہے کہ وہ سکون و راحت کے جہان میں ہے۔ بھنگ اور چرس کے رسیا جب نشہ کی ترنگ میں آتے ہیں۔ تو اپنے آپ کو سکون کی صفت کا بادشاہ تصور کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت ان منشیات سے تباہی و ہلاکت کے گڑھوں میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے ان منشیات کو حرام قرار دیا ہے اور انسان کو ان کے استعمال سے روکا ہے۔ قرآن پاک نے یہ نظریہ پیش فرمایا ہے کہ مشکلات سے مت بھاگو بلکہ ان کا مردانہ وار مقابلہ کرو جو حوصلہ۔ صبر و ضبط اور برداشت کے اعلیٰ جذبات سے ہی ممکن ہے اور روزے میں انہی قوٰی کی ترقی کا سامان ہے۔ لاریب گرمی کے روزے قدرے گراں اور صبر آزما ہوتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ بار گراں اور تکلیف مالایطاق نہیں ہے۔ بلکہ انسان کی قوت برداشت کی حد میں ہے اور خدا جو انسان کی فطرت کا خالق ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہ انسان کے لئے تکلیف مالایطاق نہیں کیونکہ وہ انسان کے لئے تنگی نہیں چاہتا بلکہ آسانی چاہتا ہے۔ وہ انسان کو تکلیف اس کی قوت برداشت کے مطابق ہی دیتا ہے۔ لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعھا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے مرض اور سفر کی حد متعین نہیں کی اور انسان کو خود یہ موقع دیا ہے کہ سفر اور مرض کی حدود متعین کرے لیکن حیلہ جوئی خدا سے تعلق کے منافی ہے۔ اس طرح ہر شخص کو اپنے بارے میں خود فیصلہ کا حق تفویض کیا ہے۔ اور جو لوگ روزہ میں مشقت پاتے ہیں۔ ان کو صرف فدیہ دینے پر مکتفی قرار دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ ولا یرید بکم العسر کسی پر اس کی طاقت برداشت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ لیکن تندرست۔ مقیم اور [illegible] قوی شخص کے لئے روزہ رکھنا ہی بہتر اور فائدہ مند ریاضت ہے۔ کچھ مذاہب کے لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا ایسی ہستی ہے۔ جس کو خوش کرنے کے لئے اپنے آپ کو تکالیف مالایطاق میں ڈالنا لذائذ دنیا سے علاقہ توڑ دینا یا تارک دنیا ہونا اور خدا کی حلال نعمتوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لینا ہے۔ اور ایسے مجاہدے کرنا جن سے انسانی اعضاء و جوارح بیکار اور مفلوج ہو کر رہ جائیں ضروری فرض خیال کرتے ہیں۔ جیسے ہندوؤں میں سادھو لوگ اپنے بعض اعضا کو بے کار چھوڑ کر مفلوج کر لیتے ہیں۔ ایسی غیر فطرتی تکالیف انسان پر لازم نہیں کیں بلکہ مہلک اور لغو قسم کے مجاہدات کو لا رھبانیۃ فی الاسلام فرما کر خلاف منشائے خداوند قرار دیا ہے۔ بعض مذہبی لوگوں کے [illegible] مجاہدے اسلام نے ناجائز قرار دیئے ہیں۔ اسی طرح اس کے عین برعکس اہل مغرب کا یہ خیال کہ تکالیف اور شدائد کو برداشت کرنے کے بجائے منشیات مثلاً شراب۔ افیون۔ چرس بھنگ اور خواب آور گولیاں۔ استعمال کر کے تجاہل اور تغافل میں عافیت تلاش کی جائے لیکن اسلام ان دونوں انتہائی نظریات کے خلاف ہے۔ وہ خیر الامور اوسطھا کا درس دیتا ہے۔ روزہ سے انسان کے اندر مشکلات میں صبر و استقامت کے جذبات محمودہ پیدا کر کے مقابلہ کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ قرآن حمید میں روزہ کے بارہ "اگر تم جانتے" کے الفاظ نہایت معنی خیز ہیں۔ روزہ پر اعتراض محض عقل و فہم سے عاری لوگ ہی کرتے ہیں کیونکہ آج بھی سائنس کی تحقیقات نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے

کہ روزہ صحت انسانی کے لئے نہایت ہی اہم اور لابدی چیز ہے۔ ڈاکٹر صاحبان اکثر امراض جسمانی کا سبب بسیار خوری قرار دیتے ہیں اس لئے اکثر مریضوں کو غذا میں کمی کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ہائی بلڈ پریشر، موٹاپا اور ذیابیطس جیسے امراض تو یقیناً پرخوری اور کثرت استعمال لذیذ و شیریں غذا سے پیدا ہوتے ہیں آج انسان کے پاس سامان تعیش کی کمی نہیں وہ پیدل چلنا یا حرکت کرنے کو معیوب تصور کرتا ہے۔ گھر سے کار پہ نکلے دفتر یا بازار کرسیوں پہ بیٹھے کام کیا اور کار میں واپس گھر پہنچے اور پھر کھا پی کر صوفوں پر دراز ہو گئے۔ یعنی انسان کے لئے سفر و حضر میں وہ سامان تعیش مہیا ہیں جس سے انسان تن آسان بن گیا ہے۔ اور امراض کی آماجگاہ تو ڈاکٹر صاحبان کو اس کے بغیر چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ ایسے مریضوں کو دوا کے ساتھ غذا میں سخت پرہیز پر مجبور کریں۔ چنانچہ وہ مشورہ دیتے ہیں کہ قوت لایموت حد سے تجاوز نہ کیا جائے مٹھائیوں، مرغن غذاؤں اور لذیذ کھانوں سے پرہیز کیا جائے۔ سادہ اور کم خوراک تناول کی جائے۔ اور میٹھا کم استعمال کیا جائے۔ کیونکہ اس سے ذیابیطس پیدا ہوتا ہے۔ اور شکر ایسے مریضوں کے لئے زہر ہے۔ جو انسان بے اعتدالی کرتا ہے۔ اسے اس کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑتا ہے۔ انسان بے اعتدالیوں سے امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے کیا ہی زریں الفاظ میں فرمایا کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔ کھانے پینے میں اعتدال کو ہمیشہ مدنظر رکھو۔ ڈاکٹر صاحبان ان کو فاقہ کرنے یا روزہ کی کیفیت طاری کرنے کا مشورہ دیتا ہے گو وہ فاقہ روزہ کا بدل نہیں ہوتا تاہم انسانی صحت کے لئے مفید ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ روزہ انسان کی جسمانی اور روحانی صحت کے لئے ضروری اور لازم ہے۔ انسان جہاں ظاہری امراض سے محفوظ رہتا ہے وہاں روحانی اور اخلاقی قوای مضبوط کر لیتا ہے۔ روزے رکھنے سے خدا تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو جاتا ہے۔ روزہ رکھنا تمام صلحا اور انبیاء کا طریق ہے کیونکہ اس سے خدا سے تعلق بڑھتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اذا سألك عبادی عنی فانی قریب۔

چنانچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل غار حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں روزے رکھتے اور خدا کی یاد میں مشغول رہتے۔ چنانچہ اس حالت میں رمضان المبارک کے مہینہ میں خدا تعالیٰ سے تعلق کا ظہور ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے خلعت سے آراستہ فرمایا گیا۔ گویا یہ ایک مجرب عمل ہے جس سے خدا کے ساتھ انسان کا تعلق استوار ہو جاتا ہے۔ اگر انسان چاہے کہ اس کا تعلق خدا سے استوار ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے اور خدا کی فرمانبرداری کرے اور خدا پر کامل ایمان اور یقین رکھے۔ ہر سال مسلمان روزے رکھتے ہیں لیکن کسی انسان کی روزہ کی وجہ سے صحت متاثر نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ لوگ جو کثرت سے کھاتے پیتے ہیں ہضم وغیرہ امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو روزہ نہ صرف یہ کہ مضر صحت نہیں بلکہ روحانی قوای کو مضبوط کر کے انسان کو غلط خواہشات پر غلبہ بخشتا ہے۔ خدا ہمیں روزہ رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمارے روحانی قوای کو قوت بخشے اور ہمیں اپنی غلط خواہشات پر غلبہ عطا فرمائے۔ آمین!

(بقیہ آمدہ صفحہ ۱۰)

دین و مذہب کی حقیقی غرض

جب خدا تعالیٰ نے ایسے رشتوں کو ناجائز قرار دیا تو اس کے بعد حضرت زید، زید بن حارث کہلانے لگے۔ بہرحال سورت احزاب میں جہاں اس کا ذکر آیا ہے وہاں تفسیر میں یہی لکھا گیا ہے۔ کہ یہ غلط رسوم تھیں قرآن مجید میں ان تعلقات کی ممانعت ان الفاظ میں آئی ہے:۔

"اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لئے اس کے اندر دو دل نہیں بنائے اور نہ تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں بنایا ہے۔ اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا ہے۔ یہ تمہاری اپنی منہ کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ سچ کہتے ہیں اور وہی سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔"

اصولی طور پر یہ ثابت ہوا کہ اسلامی معاشرے میں ایسے جاہلانہ رسم کہا گیا ہے اور مسلمانوں کے لئے اس قسم کی رسوم یا تعلقات کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان تعلقات کے قائم ہونے سے ایک زبردست قباحت جو ہم سب لوگ جانتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اس سے معاشرے کے اندر متعلقہ افراد بدظنی اور تہمت طرازیوں کی زد میں آجاتے ہیں۔ جو عین فطری چیز ہے۔

مجھے یاد ہے کہ میرے والد حکیم اللہ دتہ صاحب نے ایک ہندو منافق کی بات سنائی کہ اس نے آنحضرت صلعم کے متعلق یہ اعتراض کیا کہ حضور پاک صلعم نے آخر ان خواتین سے شادی کیوں کی؟ کیا وہ انہیں بہن بنا کر نہیں رکھ سکتے تھے؟ جس کا ظاہر ہے معقول جواب دیا گیا جو یہی تھا کہ بہن بنانا جہاں شرعی طور پر غلط تھا جو افواہ دری اور تہمت بازی کا رستہ کھول دیتا۔ اور حضور صلعم کی ذات والا صفات پر زبان طعن دراز ہو جاتی اور ایسے رشتے باندھنے کی امید، حضور پاک جیسے نعوذ اور جائز ۔ تمام کمالات انسانی ذات سے توقع رکھنا بالکل غلط اور بعید از قیاس ہے۔

حضور پاک کی تعدد ازدواج کی جہاں دوسری کئی مبارک اور مفید وجوہات تھیں وہاں ایک یہ بھی تھا کہ وہ ہمارے لئے ایک بالکل صاف اور سیدھا رستہ متعین کرنا چاہتے تھے۔ اور انہوں نے ایسی ہی مثال قائم کی۔

میں نے کئی دفعہ ایسے واقعات مشاہدہ کئے جس سے کئی معصوم بچیاں اتہام کی زد میں آگئیں۔ ان کی اخلاقی پوزیشن کمزور ہو گئی۔ بدظنی نے ان کے کردار کی چادر کو دھندلا دیا۔ اور انہیں سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ میرے یہ مضمون لکھنے کی غایت یہ ہے۔ کہ یہ خود ساختہ بھائی بہنوں کا رشتہ سخت بے معنی۔ غلط اور بودا ہے۔ جس سے بچیوں کو محتاط رہنا چاہیئے۔ کیونکہ نیتوں کے اندر اخلاص بھی ہو تو بھی بدظنی کا سو فیصد جواز ہے اور آنحضرت صلعم کی حدیث کے مطابق کہ " جو شخص بدظنی سے بچا۔ اس نے دین کی حفاظت بھی کی اور دنیا کی بھی۔" اپنے دین اور دنیا کو بچانا انتہائی ضروری ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور، مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۸۰ء۔ جلد ۶۷ شمارہ ۳۱ رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح۔ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۷ | بروز چہار شنبہ یکم شوال المکرم ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۳ اگست سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ: ۳۲-۳۳

ارشادات حضرت مجدد زمان علیہ السلام

دُعا کی فلاسفی۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک کی سُنتا ہے

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے دوستوں کا تعلق ہمارے ساتھ اعضاء کیطرح سے ہے اور یہ بات ہمارے روزمرّہ کے تجربہ میں آتی ہے۔ کہ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے عضو مثلاً اُنگلی میں ہی درد ہو تو سارا جسم بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ ٹھیک اسی طرح ادر ہر آن مَیں اسی خیال اور فکر میں رہتا ہوں کہ میرے دوست ہر قسم کے آرام اور آسائش سے رہیں۔ یہ ہمدردی کسی تکلف اور بناوٹ کی رو سے نہیں۔ بلکہ جس طرح والدہ اپنے بچّوں میں سے ہر ایک آرام اور آسائش کے فکر میں رہتی ہے خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح للّٰہی دلسوزی اور غم خواری اپنے دل میں اپنے دوستوں کے لئے پاتا ہوں اور یہ ہمدردی کچھ ایسی اضطراری حالت پر واقع ہوئی ہے کہ جب ہمارے دوستوں میں سے کسی کا خط کسی قسم کی تکلیف یا بیماری کے حالات پر مشتمل پہنچتا ہے تو طبیعت میں ایک بے کلی اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک غم شامل حال ہو جاتا ہے۔ اور جوں جوں احباب کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر یہ غم بڑھتا جاتا ہے اور کوئی وقت ایسا خالی نہیں رہتا جبکہ کسی قسم کا فکر اور غم شامل حال نہ ہو۔ کیونکہ اس قدر کثیر التعداد احباب میں سے کوئی نہ کوئی اور کسی نہ کسی غم اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی اطلاع پر میرے دل میں قلق اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ مَیں نہیں بتلا سکتا کہ کس قدر اوقات غموں میں گزرتی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں جو ایسے ہموم اور افکار سے نجات دلوے۔ اس لئے میں ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہتا ہوں اور سب سے مقدم یہی دعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ میرے دوستوں کو ہموم اور غموم سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ مجھے تو ان کے ہی افکار اور رنج، غم میں ڈالتے ہیں۔ پھر دُعا مجموعی حیثیت سے کی جاتی ہے۔ کہ اگر کسی کو کوئی رنج اور تکلیف پہنچی ہے تو اللہ تعالےٰ اس سے اسے نجات دے۔ ساری سرگرمی اور پورا جوش یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے دعا کروں۔

راتوں کو اُٹھ کر گریہ وزاری کرو

خدا تعالےٰ بڑا کریم ہے۔ اس کی کریمی کا بڑا گہرا سمندر ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور جس کو تلاش کرنے والا اور طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں رہا۔ اس لئے تم کو چاہیئے کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگو اور اس کے فضل کو طلب کرو۔ ۔ ۔ ۔ جب انسان اللہ تعالےٰ کے دروازہ پر گر پڑتا ہے۔ تو الوہیت کا کرم جوش میں آتا ہے۔ اور ایسے شخص پر رحم کیا جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد اوّل)

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

از ابوالاسرار رمزی آثاری ۔ ایم ۔ اے (علیگ) جودھپور بھارت ،

دے رہی ہے دعوتِ دینِ کہن یہ انجمن ، | حق پرستی کا سکھاتی ہے چلن یہ انجمن
بے دھڑک میدان میں ہے گامزن یہ انجمن ، | نکلی ہے باندھے ہوئے سر سے کفن یہ انجمن
دینِ حق کے واسطے دیتی ہے یہ قربانیاں | کرتی ہے تبلیغ کے سو سو جتن یہ انجمن
"جشنِ صد سالہ" کا موقع بھی کبھی آ جائے گا | ساٹھ برسوں سے ہے مصروفِ محن یہ انجمن
سختیاں سہتی ہے جوئے شیر لانے کیلئے | دیں کی شیریں کے لئے ہے کوہ کن یہ انجمن
اہلِ دُنیا کو پیام ان کی زبانوں میں دیا | جانتی ہے ترجمہ کرنے کا فن یہ انجمن
سینٹر لاھور میں ، شاخیں بلادِ غیر میں | کر رہی ہے جابجا قائم مشن یہ انجمن
کتنا پاکیزہ ہے اس کا آرگن "پیغامِ صلح" | اس سے ظاہر ہے کہ ہے شیریں سخن یہ انجمن
اس کے "دی لائٹ" نے مغرب میں اُجالا کر دیا | آفتابِ دیں کی ہے روشن کرن یہ انجمن
مسجدیں اس نے بنائیں ۔ مدرسے قائم کئے | رکھتی ہے اسلام کی سچی لگن یہ انجمن
قشقہ و زُنّار اس کے سامنے حیران ہیں | کاٹ دیتی ہے دلیلِ برہمن یہ انجمن

انبیاءؑ کرتے تھے جس کو قبل ختم المرسلینؐ
کر رہی ہے آج وہ کارِ حسن یہ انجمن

جس کے جینے کے دن تھے ابھی + مر گیا ہے یقیں نہیں آتا ۔

جماعت ایک ہونہار نوجوان سے محروم ہو گئی

احبابِ جماعت کو یہ خبر پڑھ کر انتہائی قلق ہو گا کہ جناب چوہدری غفور احمد صاحب ملہی کا نوجوان فرزند اسحاق اختر ملہی چند روز میو ہسپتال میں زیر علاج رہ کر وفات پا گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مرحوم ایل ایل بی کا طالب علم اور شبان الاحمدیہ مرکزیہ کا ایک گرم ممبر تھا جو نوجوانی ہی میں ہم سے بچھڑ گیا ۔ اس کی موت کا صدمہ جہاں انکے والدین اور اعزہ کے لئے جانکاہ ہے ۔ وہاں جماعت بھی اپنے ایک لائق اور مستعد فرزند سے محروم ہو گئی ہے ۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا ۔ اسی پہ اے دل تو جان فدا کر

اس جان لیوا صدمہ میں مکرم چوہدری غفور احمد صاحب ملہی اور ان کے خاندان سے ہمیں دلی ہمدردی ہے ۔ اور ساری جماعت ان کے اس غم میں برابر کی شریک ہے ۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اس کے والد محترم چوہدری غفور احمد ملہی اور انکے خاندان کو صبر کی توفیق بخشے ۔ احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے ۔

تعزیت کے لئے پتہ :- چوہدری غفور احمد ملہی صاحب فلیٹ نمبر ۱
بالائی منزل احمدیہ مارکیٹ نمبر ۱ برانڈرتھ روڈ لاہور نمبر ۲

(ادارہ)

سفرِ دنیا و آخرت

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی مؤرخہ یکم اگست ۱۹۸۰ء، بمقام جامع مسجد دارالسلام نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

واذا سالك عبادی عنی فانی قریبٌ ط اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی ولیؤمنوابی لعلھم یرشدون ہ (البقرۃ ۔ ۱۸۶)

ترجمہ: ”اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں پس چاہیئے کہ وہ میری فرمانبرداری کریں اور چاہیئے کہ مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ ہدایت پائیں۔“

اِس سے قبل دو خطبوں میں جو روزہ کے موضوع پر اسی رکوع میں سے تھے میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے جو مومنوں پر روزے فرض کئے ہیں تو اس لئے نہیں کئے اس کے ہاں نعوذ باللہ کھانے پینے کی کمی ہے کہ انسانی حکومتوں کی طرح راشننگ کی ضرورت پڑی۔ وہاں تو یرزق من یشآء بغیر حساب والا معاملہ ہے اور ان من شیءٍ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدرٍ معلوم کے مطابق کوئی چیز ایسی نہیں جس کے [illegible] یا مناسب سمجھتا ہے۔ اور ہر جاندار کے رزق کو اللہ تعالےٰ نے اپنی ذمہ داری ٹھیرایا جب فرمایا کہ وما من دآبۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔

تو روزہ کی وجہ راشننگ کی ضرورت نہ تھی بلکہ فرمایا کہ لعلکم تتقون۔ تاکہ تم تقویٰ کو پاسکو۔ روزہ کا خدا کو کوئی فائدہ نہیں تم کو ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم تقویٰ یعنے بُری باتوں سے، تکالیف سے یا دکھوں سے یا نقصان دہ چیزوں سے بچنا سیکھو۔ عجیب بات ہے کہ کوئی انسان اپنے لئے تکلیف یا دکھ یا نقصان پسند نہیں کرتا مگر پھر بھی گناہوں میں رہ رہ کر مبتلا ہو جاتا ہے جن کا نتیجہ دکھ یا تکلیف یا نقصان ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر جہاں روح ہے وہاں حیوان بھی ہے جو باہر کے حیوانوں کی طرح کھانا پینا اور جنسی تعلقات چاہتا ہے اور اپنا نفع یا فائدہ چاہتا ہے۔ اگرچہ اس میں دوسروں کا کتنا ہی نقصان ہو۔ اگر انسان کے اندر حیوانیت نہ ہوتی تو نہ وہ زندہ رہتا نہ کوئی کوشش یا جدوجہد کرتا نہ دنیاوی ترقیات کرتا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اخلاقی اور روحانی ترقیات نہ کر سکتا کیونکہ حیوانیت انسان کے اندر MOTIVE POWER یا قوت عمل پیدا کرتی ہے تو اخلاقی اور روحانی ترقی ہوتی ہے۔ بُرا عمل کرے تو بدیاں اور اخلاقی اور روحانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اب نیکی اور بدی کا فرق اور نیکی کی اچھائی تو ماں باپ، اُستاد واعظ اور خطیب سب بتاتے رہتے ہیں۔ مگر پھر بھی انسان کیوں رہ رہ کر بدیاں کرتا رہتا ہے اور نیکیوں کی طرف کم آتا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر جہاں روح ہے وہاں ایک حیوان بھی ہے جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں۔ اور وہ حیوان دوسرے حیوانوں کی طرح مونہہ زور اور تُند خو ہے جب تک اُسے سدھایا نہ جائے اور اپنا فرمانبردار بلکہ اللہ تعالےٰ کا فرمانبردار نہ بنایا جائے۔ انسان کا جسم دُوسرے حیوانوں کی طرح ہے تبھی ڈاکٹر لوگ دوائیاں پہلے حیوانوں پر استعمال کرکے اور تجربات جانوروں پر کرکے پھر انسانوں کو دوائیاں دیتے ہیں۔ اسی لئے انسانی جسم میں جو خواہشات اور جذبات اٹھتی ہیں وہ بھی حیوانی ہوتی ہیں۔ اور وہ انسان کو حیوانی سطح پر رکھتی ہیں جب تک کہ ان حیوانی جذبات اور خواہشات کی اندھا دُھند تقلید کی بجائے اللہ تعالےٰ کی بتائی ہوئی اخلاقی اور روحانی قدروں کو حاصل کرنے کے لئے اپنی حیوانی قوت عمل کو بروئے کار نہ لائے۔ مگر وہ اندرونی حیوان ان بندشوں روکوں ٹوکوں کو جو دین سکھلاتا ہے پسند نہیں کرتا اور انسان کو اِدھر اُدھر گھسیٹتا پھرتا ہے۔ تو اس اندرونی حیوان کو قابو میں لانے اور اس پر سوار ہو کر زندگی کا سفر کاٹنے کے لئے اس حیوان کو سدھانا پڑتا ہے اب حیوانوں کو سدھانے والے لوگوں مثلاً سرکس والوں سے آپ پوچھیئے تو حیوانوں کو سدھانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کا کھانا پینا اور ازدواجی تعلقات بند کر کے اُن سے اپنی منوائی جائے اور انہیں عادی کیا جائے کہ وہ مالک کے اشارہ پر چلیں اور اس کے حکم پر وہ کام کریں جو حیوانی سطح سے اوپر انسانی سطح کے ہیں۔ اسی لئے انسان کے اندرونی حیوان کو بھی انسان کا مطیع اور فرمانبردار بلکہ اللہ تعالےٰ کا فرمانبردار کرنے کے لئے انسانی جسم کو جو [illegible] کرائی جاتی ہے۔ جب انسان سارا دن جب وہ جاگ رہا ہوتا ہے اور اپنی خواہشات حیوانی کو نیند کے غلبہ میں بھول نہیں جاتا۔ اپنا جائز کھانا پینا اور ازدواجی تعلق مسلسل ایک ماہ تک اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ خدا کا حکم یونہی ہے اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگرچہ اسوقت کوئی اور نہ بھی ہو تو پھر باقی کے گیارہ مہینوں میں ناجائز باتیں کرنا انسان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی تقویٰ ہے۔

روزہ اور اس کے ذریعہ سے تقویٰ حاصل کرنے کے ذکر کے بعد قرآن حکیم فرماتا ہے۔ شھر رمضان الذی اُنزل فیہ القرآن ھدیً للناس و بینات من الھدیٰ والفرقان یعنے رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہونا شروع ہوا جو کہ انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت پر دلیلیں دیتا ہے اور سیدھے اور غلط راستوں میں فرق بتاتا ہے۔ اس آیت شریفہ میں مندرجہ ذیل باتیں ہیں جو میں نہایت اختصار سے بتاتا ہوں۔

۱:۔ وہ خدائی ہدایت جو تمام نسل انسانی کو بھیجی گئی تھی وہ اس قرآن کے ذریعہ سے اُسے واپس ملتی ہے قرآن کریم سے واضح ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بُنیادی طور پر ایک ہی ہدایت مختلف قوموں کو مختلف وقتوں میں ان کے پیغمبروں کے ذریعہ سے دی تھی مگر ان قوموں نے اسے کھو دیا (جس کی وجوہات بھی قرآن کریم نے بتائی ہیں مگر میں آن میں نہیں جاتا، ان میں سے ایک وجہ تقویٰ کا ضائع ہو جانا تھا)۔ اس کھوئی ہوئی ہدایت کو جو بعض پہلوؤں سے وقتی اور مُلکی تھی مکمل کرکے اور تمام انسانی نسل کے لئے قیامت تک کے لئے نافع بنا کر قرآن مجید لایا ہے۔

۲:۔ قرآن مجید اپنے احکام کو زبردستی نہیں منواتا کہ سمجھ آئے یا نہ آئے انہیں مانو بلکہ دلائل دے کر سمجھاتا ہے۔ مثلاً یہیں اگر روزہ کا حکم دیا تو سمجھایا کہ اس کی کیوں ضرورت ہے جو کہ میں اُوپر بتا آیا ہوں۔ تو ایسی معقول اور مدلل ہدایت کو اگر انسان قبول نہیں کرتا تو ایسی صورت میں کہ اس پر حیوانی جذبات اور خواہشات غالب ہیں جو قرآنی بندشوں اور پابندیوں کو پسند نہیں کرتیں، سو اگر روزہ سے انسان نے اپنی حیوانیت کو فرمانبردار

اب انسان کے سفرِ زندگی کے لئے اُسے سواری بھی مل گئی (یعنے وہ حیوان جو اب اس کا روزہ کے ذریعہ سے فرمانبردار ہے) اور مکمل ہدایت صحیح راستہ اختیار کرنے اور اس پر چلنے کی قرآن حکیم کی شکل میں اس کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اس سفر اور راستہ کی منزل کیا ہے؟ اس کے بغیر تو انسان کی وہ حالت ہے جو ایک شاعر نے یوں کھینچی ہے:۔

جانتا ہوں کہ جا رہا ہوں کہیں۔

جا رہا ہوں کہاں نہیں معلوم

اس سوال کا جواب یہیں اگلی آیت میں موجود ہے۔ مگر اس کے ذکر سے قبل میں اس سوال کی اہمیت پر زور دینے کے لئے بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن حکیم کا خلاصہ سورۃ فاتحہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے اس سورت کو اُمّ الکتٰب کے الفاظ میں فرمایا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ کا خلاصہ اھدنا الصراط المستقیم کی دُعا ہے اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ صراط الذین انعمت علیہم یعنے ان لوگوں کا راستہ درکار ہے جو اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ وہ کون لوگ تھے۔ وہ بھی قرآن حکیم نے خود ہی دوسری جگہ فرما دیا۔ سورۃ النساء (رکوع ۹) میں اللہ تعالےٰ کی اور اس کے رسولؐ کی نصیحتوں پر عمل کرنے میں انسان کی بھلائی اور سفرِ زندگی میں اس کے لئے ثابت قدمی کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا واذاً لاٰتینٰھم من لدنا اجرًا عظیماً ۝ ولھدینٰھم صراطًا مستقیماً ۝ ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصٰلحین ط وحسن اولٰئک رفیقًا ۝ (آیات ۶۷ تا ۶۹) یعنے "یقیناً تب ہم ان کو اپنی جناب سے بڑا اجر دیتے اور یقیناً ان کو سیدھے رستہ پر چلاتے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنے نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالح لوگوں کے ساتھ۔ اور وہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔"

نبیوں صدیقوں شہداء اور صلحاء کو کیا اجرِ عظیم اور نعمت بیش بہا ملی تھی؟ وہ دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی نعمت اور خوشی اور راحت یعنے اللہ تعالےٰ کی ذات ستودہ صفات کامل جاننا تھا۔ ورنہ پیسہ یا حکومت یا دنیا کے عیش و آرام کی چیزوں سے وہ لوگ بالاتر اور غنی ہو چکے تھے۔ صراطِ مستقیم پر چلنے سے اللہ کا ملنا قرآن کریم نے خود اسی سورت النساء میں آگے چل کر یوں فرمایا فاما الذین اٰمنوا باللّٰہ واعتصموا بہ فسیدخلھم فی رحمۃ منہ وفضلٍ ۙ ویھدیھم الیہ صراطًا مستقیماً (آیت ۱۷۶) یعنے "سو وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوطی سے پکڑا تو ان کو وہ عنقریب (یعنے اسی زندگی میں) اپنی رحمت (یعنے روحانی نعمتوں) سے نوازے گا اور اپنا فضل (یعنے دنیاوی نعمتیں) بھی دے گا اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) اُن کو اللہ **اپنی طرف** سیدھے رستہ پر چلائے گا۔" کہیں فرمایا۔ ان ربی علٰی صراطٍ مستقیم یعنے میرا رب صراطِ مستقیم پر چلنے سے ملتا ہے۔ کہیں فرمایا فمن شآء اتخذ الٰی ربہٖ سبیلًا "پس جو چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے۔" ایسی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو میں وقت کی کمی کی وجہ سے نہیں پڑھتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے خلاصہ سورۃ فاتحہ میں اور اس کے خلاصہ اھدنا الصراط المستقیم کی دعا میں اللہ تعالےٰ کو پانے کی دُعا ہے جس کو پانا انسان کی پیدائش یا زندگی کا مقصد ہے۔

تو میں تو قریب ہوں۔" قرآن کی باریک حکمتوں کو جان کر انسان کا دل عش عش کر اٹھتا ہے یہ عبارت یوں بھی آسکتی تھی "اور جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں" مگر رسول اللہ صلعم کو کیوں بیچ میں لائے؟ اس لئے کہ:۔

ا:۔ اگر کسی نے منزل یا گوہر مقصود کو پالیا ہو تو اسی سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ہمیں بھی وہ کس طرح مل سکتا ہے؟

۲:۔ رسول اللہ صلعم کی اتباعِ کامل کے بغیر اللہ تعالےٰ نہیں ملتا ؎ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا۔ حضورؐ کی شفاعت کے یہی معنیٰ ہیں۔ لفظ شفاعت کے مفہوم میں حضورؐ سے رشتہ جوڑنا اور آپ کو اس سفر میں اپنا ہادی بنانا ہے۔ معراج نبویؐ کے واقعہ نے عیاں کیا ہے کہ جس قدر قریب ہو کر حضور صلعم نے اللہ تعالےٰ کو پایا اور دیکھا وہ اور کسی کو نصیب نہیں ہوا ؎

شب معراج عروج تو گذشت از افلاک

بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

مگر مسافر کے سوال کے جواب میں یوں نہیں فرمایا "تو کہہ دے کہ میں قریب ہوں" بلکہ براہِ راست مسافر اور متلاشی کو جواب دیا کہ میں تیرے بہت قریب ہوں اس لئے حوصلہ رکھ کہ تو مجھے ضرور پالے گا۔ اس کا طریق بھی خود ہی بتا دیا:۔

ا۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان "دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں۔" یہ دعا اھدنا الصراط المستقیم کی۔۔۔ بلکہ یہ دعا ساری نماز ہے۔ اس لئے کہ صلوٰۃ کے معنی ہی دُعا ہیں۔ یہ دعا رمضان کے مجاہدہ میں دن کو روزہ رکھ کر اور قرآن کی ہدایتوں کو پڑھ کر (اسی لئے رمضان المبارک میں قرآن کا دَور ختم کرنا رسول اللہ صلعم کی سنت ہے اور حضرت جبرئیلؑ کی بھی ہے۔ جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہر رمضان میں قرآن کا دور کرتے تھے) پچھلی راتوں میں جب کہ اللہ تعالےٰ بقول رسول اللہ صلعم ساتویں آسمان سے پہلے آسمان پر آ جاتا ہے۔ یعنے انسان سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اس کے حضور میں گر گر کر گریہ و زاری کرنا اپنے گناہوں اور خطاؤں کے مہلک اثرات سے نجات پانے کے لئے، آئندہ سے اللہ تعالےٰ کی مغفرت یعنے حفاظت پانے کے لئے، اپنے بیوی بچوں کی نجات دارین کے لئے، اپنے احباب خصوصًا جماعت احمدیہ لاہور جو ایک مٹھی بھر لوگ ابتلاؤں کے ایک طوفان میں سے گذر رہے ہیں ان کی دنیاوی بھلائی کے لئے، اسلام۔ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلعم کے دنیا میں مقبول ہونے کے لئے، حضرت امام الزمان کے اوپر اللہ تعالےٰ کی خاص رحمتوں اور برکتوں کے لئے، اور باقی جن امور کے لئے دل میں تڑپ ہو یا کسی کی درخواستِ دعا ہو ان کے لئے دعائیں کرنا، یہ سب ایک ایسی لذّت دل میں پیدا کرتی ہیں کہ دنیا کی کوئی لذت اس کے برابر نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے تو سجدہ اور اس میں سبحان ربی الاعلیٰ سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ دُعا نہیں۔ اس فقرہ میں ربی کو سبحان اور الاعلیٰ کے درمیان لانے کے یہ معنے ہیں کہ اس کا تعلق دونوں اگلے پچھلے الفاظ سے ہے۔ یعنے اس کے معنٰی جو اکثر لوگ بخوبی نہیں جانتے یہ ہیں کہ اے میرے رب یعنے اے وہ ذات بابرکات جو مجھے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ تو سبحان یعنے

تمام کمزوریوں، عیبوں سے پاک ہے تو تو مجھے بھی میری کمزوریوں اور عیبوں بلکہ گناہوں سے پاک و صاف کر۔ اور تو الاعلیٰ ہے۔ یعنی تمام خوبیاں اور قابل تعریف باتیں تجھ میں ہیں تو تو مجھ میں بھی خوبیاں اور وصف پیدا کرکے تو مجھے ادنیٰ سے اعلیٰ حالت کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ قرآن میں جو تہجد کی نماز کے بارہ میں آیا ہے ومن اللیل فاسجد لہٗ وسبحہ لیلاً طویلاً تو اس میں یہی توجہ دلائی ہے کہ کبھی سجدہ میں خالی سبحان ربی الاعلیٰ کو دل کی تڑپ سے بار، بار دوہرا کر دیکھو کہ اس سے بڑھ کر کیا اعلیٰ دعا ہو سکتی ہے۔

۲۔ تو خدا کو پانے کے لئے پچھلی راتوں کی دعا اور گریہ وزاری کے علاوہ بھی کچھ باتیں فرمائیں اول تو فاستجیبوالی۔ یعنی چاہیئے کہ میرے احکام کی فرمانبرداری کریں۔ اگر پچھلی راتوں کو دعا کرنا ہے تو دن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری ہونی چاہیئے کیونکہ وہ احکام انسان کو تقویٰ (باطنی پاکیزگی) اور اعلیٰ صفات الٰہی کو اپنے اندر پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔

۳۔ ولیؤمنوا بی اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو پانا دنیا و آخرت کی سب سے بڑی دولت اور نعمت اور کامیابی ہے وہ فوراً نہیں مل جاتا۔ جتنا اعلیٰ اور بلند مقصد ہو اتنا ہی اس کے لئے محنت اور صبر اور دعائیں کرنی پڑتی ہیں۔

۴۔ لعلھم یرشدون تاکہ وہ ہدایت پائیں یا سیدھا رستہ پائیں۔ جو شخص اس رستہ پر چل رہا ہے جو اوپر مختلف مدارج میں مذکور ہے وہ اپنے مقصد حیات یعنی اللہ تعالیٰ کو ضرور پا لے گا۔ اگر اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور پالیگا کیونکہ جو مسافر سیدھے رستہ پر ہو اور صبر اور استقامت سے ہدایات کے مطابق اس پر چلا چلے وہ آج نہیں تو کل اپنی منزل مقصود کو ضرور پا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

سلسلہ احمدیہ کے غلبہ کی پیشگوئی

تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا۔ اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے۔ تا خدا تمہاری آزمائش کرے۔ کہ کون اپنے دعوے بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے وہ جو کسی ابتلا سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا۔ اور بدبختی اُسے جہنم تک پہنچا دے گی۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا تھا مگر وہی لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی۔ اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دُنیا ان کے ساتھ سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی۔ وہ آخر فتحیاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے۔ ایسا ایمان لائے جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔

(الوصیت)

یہ مضمون ہفت روزہ پیغام صلح مؤرخہ ۲۳ جولائی ۱۹۸۰ء میں چھپا۔ مندرجہ ذیل سطور اُسی مضمون کا حصہ ہیں جو اس سے آ گئے ہیں۔

برلین مشن کی تبلیغی سرگرمیاں

انقلاب افغانستان میں مسلمان عوام کا ایک زبردست فوجی طاقت کیخلاف کھڑا ہو جانا۔ اس کی وجہ پر روشنی ڈالی۔ قرآن کریم کے خدا تعالیٰ کا کلام ہونے اور دینی قوت مسلمان کے لئے پنہاں ہے اسے واضح کیا بعد میں قرآن کریم میں معاشیات اور علاجاً نظام کے خاکہ پر بحث کی۔ یہ تقریر قریباً ایک ہزار آٹھ سو جرمن الفاظ پر مشتمل تھی۔ اسے میں نے خود ہی ٹائپ کر کے ریڈیو کے منتظمین کو بھیجا تھا اور ریڈیو پر نشر ہونے سے ایک ہفتہ پہلے سٹوڈیو میں میری آواز کو ضبط کر لیا گیا تھا۔ ریڈیو پر تقریر کرنے کی مجھے ایک اور دعوت بھی ملی ہوئی ہے۔

ٹرکی کے ایک ممبر آف پارلیمنٹ کا مسجد میں آنا:

ٹرکی کی پارلیمنٹ کا ایک ممبر جو ایک قابل نوجوان تھا مسجد میں آیا۔ انہوں نے نماز ادا کی اور مجھ سے تبادلۂ خیالات کیا۔ یورپ میں میری تبلیغی مساعی کا حال سن کر انہوں نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ ٹرکی کے نوجوان جو یہاں زیر تعلیم ہیں وہ آپ کے پاس آئیں اور آپ کے علم اور تجربہ سے فائدہ حاصل کریں۔ چنانچہ ٹرکی سٹوڈنٹس کے بعض گروپ میرے ہاں چند بار آئے۔ انہوں نے مختلف سوالات کر کے اسلام کی تعلیمات کے بارہ میں علم حاصل کیا اور پمفلٹس کی کاپیاں خرید کر لے گئے۔ یہ مجالس مفید ثابت ہوئیں۔

عرب نوجوان سے تبادلۂ خیالات:

ایک عرب نوجوان جو مدینہ یونیورسٹی کا گریجویٹ ہے مسجد میں آیا اور کئی بار آیا اس نے حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام کے دعویٰ کے بارہ میں گفتگو کی مسیح اور مہدی کی آمد کی پیشگوئیوں کے بارہ میں میرے نظریات کو سنا اُسے حضرت میرزا صاحب کی کتاب "حمامۃ البشریٰ" تحفۃً دی گئی۔

نکاح کی تقریب

مشن ہاؤس میں نکاح کی ایک تقریب منعقد ہوئی۔ دولہا افغانی ہے اور میڈیکل ڈاکٹر ہے۔ اور دلہن جرمن عیسائی خاتون ہے۔ نکاح کی اس تقریب پر خطبہ مسنون عربی زبان میں پڑھا۔ اسکے مطالب جرمن زبان میں بیان کئے گئے۔ مرد و عورت کے حقوق، میاں بیوی کی ذمہ داریاں وغیرہ امور پر روشنی ڈالی گئی۔ بعد میں ایجاب و قبول کے لئے دولہا دلہن سے پوچھا گیا۔ یہ تقریب بخوشی سرانجام پائی۔ دولہا نے ایک سو مارک مسجد کو تحفۃً دیا۔ جزاھم اللہ

ریڈیو RIAS میں تقریر کا نشر کیا جانا۔

برلن کے ریڈیو RIAS میں میری ایک تقریر ۲۴ مارچ کو بروز اتوار صبح سوا سات بجے نشر کی گئی جو پندرہ منٹ تک جاری رہی۔ میری اس تقریر کو لاکھوں جرمن مرد اور عورتوں نے سنا۔ مسلمان احباب نے بھی جو مختلف اسلامی ممالک سے یہاں جرمن میں آئے ہیں اس تقریر کو سنا۔ الحمد للہ ۔ ہمارے حلقہ میں آنے والے جرمن دوستوں نے اور مسلمان احباب نے اس تقریر پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ میں نے اس تقریر میں ایران

مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

’ایمانی اور اخلاقی صلاحیتوں کا ارتقاء اور ترویج‘

اک بڑی مدت سے سنتا کفر اِس دین کو کھاتا رہا ✤ اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دِن‘

سچے دین کا حقیقی تعلق انسان کے قلب اور اس کی مودع باطنی روحانی طاقتوں کے نشو ونما سے ہے، یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جو بنی نوع انسان کو دوسری تمام مخلوق سے شرف بخشتی ہے اور یہی وہ اصل عبادت الٰہی کا مقام متعین کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان ہی کو یہ اعلیٰ درجہ عنایت کیا ہے کہ اپنی صفات کی ایک سی جھلک اس کی روح میں تخلیق کی، فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوالہ سٰجدین یہی وہ مقام ومنصب ہے جس کے حاصل ہو جانے پر ملائکہ کو انسان کے آگے سربسجود ہو جانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علم اشیاء اور تسخیر کائنات کے رازہائے درون و قوانین سربستہ دریافت کرنے کی قابلیتیں بھی اس میں ودیعت کی گئی ہیں جن کی بناء پر وہ کائنات پر حکومت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور جہاں فرشتے بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لا علم لنا الا ما علمتنا۔ ہمیں اس کے علم تک رسائی نہیں، لیکن علمی و ذہنی ارتقاء کے علاوہ تسخیر نفس یعنی خواہشات پر حکومت کرنے کی جو مخفی استعدادیں انسان میں رکھی گئی ہیں اور جو اس کے قلب و روح کی حقیقی خصوصیات اعلےٰ ہیں ان کی نوعیت کچھ اور ہی قسم کی ہے۔ تسخیر نفس اور تسخیر کائنات باہم مخالف و متصادم ہرگز نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ممد ومعاون ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے عروج کے وقتوں میں صلحاء باطن اور حکماء ظاہر دونوں کی خصوصیات واحد شخصیتوں میں جمع موجود پائی جاتی ہیں مگر جب سے مادی علوم و تسخیر نے دنیا کی توجہ کو تمام تر اپنی طرف کھینچ لیا ہے تب سے تسخیر نفس کے عالی مقام سے بے خبری بلکہ انکار کیا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ آزادی و جمہوریت کے معنی بے راہ روی اور عدم اتحاد کو نظم و تعاون کے مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ ہر شخص یا جماعت وجتھہ کی یہی آرزو ہے کہ اسی کی رائے تمام پر ٹھونسی جائے۔ دین اِسلام کا کمال یہ ہے کہ جہاں اس نے ایمانی پہلو میں ترقی کے پہلو بہ پہلو عقلی و علمی ارتقاء کو موقع دیا وہاں اس نے انفرادی آزادی رائے کو اجتماعی ضبط و نظم سے مقید کر دیا ہے۔ ایمان اور اصولِ صداقت خواہ کیسی ہی قیمتی متاع کیوں نہ ہوں تاہم ان کے بارہ میں بھی مؤمنوں کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ غیروں کو معقولیت سے قائل کر کے منوانے کی بجائے انہیں بہ جبر و زبردستی تسلیم کرائیں، کیونکہ ترقی کا میدان علمی ہو یا ایمانی اسوقت تک میسر نہیں آتا جب تک فرد کی اپنی مرضی اس میں شامل نہ ہو۔ اسی لئے قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا لست علیھم بمصیطر وما انت علیھم بجبار۔ آپ کو ان کفار پر نگہبان یا جبر سے منوانے والا مقرر کر کے نہیں بھیجا گیا۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین۔ مجبوراً انہیں مومن بنائیں گے یا یہ کہ انلزمکموھا وانتم لھا کارھون۔ ہمارے لئے یہ کہاں جائز ہے کہ جب تم اس صداقت سے کراہت کرتے اور منہ موڑتے ہو تو ہم پھر بھی اسے تمہارے گلے مڑھ دیں؟ وما علیک الا البلغ المبین تمہارے ذمہ ت[illegible] اس پیغام حق کو کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔ اس کے آگے تمہارے ذمہ اور کوئی فر[illegible] نہیں ہوتا۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین۔ آپ اس غم میں اس قدر پریشان کس لئے ہوتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ایمانی و اخلاقی پہلوؤں میں ترقی کے لئے قبولیت کی آزادی اور انفرادی مرضی و منشاء کا ہونا اسی قدر لازم پڑا ہے جتنا علمی و عقلی ارتقاء کے لئے ضروری ہے اسی لئے ارشاد ہوا کہ ھدیً للمتقین یہ کتاب صرف انہی کو ہدایت دے سکتی ہے جو ہدایت پانے کے خواہشمند ہوں۔

اِس پُرآشوب زمانۂ مادیت و دہریت میں بانیٔ سلسلہ اور جماعت احمدیہ نے سب سے پہلے یہ ندا بلند کی کہ تسخیر کائنات وہ کارنامہ نہیں جس سے انسان کا عالمگیر امن و نجات وابستہ ہے۔ بلکہ یہی تسخیر اور قدرت، اگر بد استعمال کی گئی تو انتہا درجہ کی مہلک و عالمگیر تباہ کن کارروائی بن سکتی ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ کلام الٰہی نے جو تسخیر نفس کا شفا کن نسخہ عطا کیا ہے۔ اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔ اِسلام کی نشأۃ ثانیہ جس کی خوشخبری آج حضرتِ مسیح موعودؑ نے دی ہے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اِسلام کے ایمانی و اخلاقی پہلوؤں کی ترقی کی طرف مسلمان خود توجہ کریں تاکہ دوسری اقوام بھی ان کے نمونہ کو دیکھ کر اس طرف راغب ہوں۔

وکذالک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس۔ ہم نے تمہیں اسی لئے ایک میانہ رو ملّت بنایا ہے تا تم باقیوں کے لئے نمونہ بنو۔ لیکن بجائے ان راہوں میں ترقی کرنے کے عام طور پر مسلمان اقوام کی توجہ دوسری اقوام کی کورانہ تقلید میں محض دنیاوی، اقتصادی اور سائنسی ترقی کی طرف محدود ہو چکی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ایمانی و اخلاقی پہلو کسی ظاہر پرست فرد یا قوم کو دکھائی نہیں دے سکتے یہ صلاحیتیں تو مخفی اور نہاں ہیں، ان کی طرف تو اہلِ بصیرت و معرفت ہی توجہ دے سکتے ہیں۔ جہاں یہ گہرائیاں مفقود ہوں وہاں ان میں ترقی تو در کنار بے حسی و جمود طاری ہوگا۔ جہاں خدا تعالےٰ، ملائکہ، تکلم الٰہی اور یوم آخرت پر ایمان بالغیب کا اطلاق ہوتا ہے۔ وہاں ایسے ایمان کے نتیجہ میں انسان کو اپنی مخفی مگر عظیم صلاحیتوں کی موجودگی کا احساس و ادراک ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے کامل مومنوں کے لئے اولٰئک ھم المفلحون کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی خدا اور اس کے کامل کلام پر بالغیب ایمان لانے والے اصحاب اس امر پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ ان کے قلب و روح میں ایسی مخفی صلاحیتیں پنہاں ہیں جن کے ارتقاء سے ایک عالمگیر انقلاب اِس دنیا میں پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جس کی طاقت و توانائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اِس میں شک نہیں کہ ایک غیر مسلم، تمام طاقتوں کو ان ظاہر اسباب سے ہی وابستہ اور محدود کرتا ہے۔ جو مادی اسباب و ذرائع سے اسے میسّر ہوں لہٰذا جب وہ کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے انہی کو اپنا مرجع ماوٰی

بناتا ہے۔ اور یہ یقین رکھتا ہے کہ ان کے سوا دیگر کوئی طاقت و قوت کا منبع موجود نہیں لیکن ایک مومن کو یہ یقین و ایمان کامل حاصل ہو چکا ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ خود اس کے اندر ایسی مخفی صلاحیتیں مرکوز ہیں جو اگر تعلق باللہ سے ترقی پا جائیں تو مادی قوتیں ان کے سامنے ہیچ و بے حقیقت ہو کر رہ جاتی ہیں۔ بانیٔ سلسلہ اور جماعتِ احمدیہ نے جہاں احیاء و اشاعت کی عالمگیر تحریکوں کو فروغ دیا ہے وہاں ان سے بڑھ کر اس جماعت پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ مسلمان اقوام کی راہنمائی اس معاملہ میں بھی کریں کہ انسانی قلب و روح میں جو مخفی مگر زبردست طاقتیں پنہاں ہیں وہ ایسی قوی و عظیم ہیں کہ ان کا مقابلہ کوئی مادی اسباب نہیں کر سکتے دشمنِ اسلام نے جس وسوسے سے مسلمانوں کے ایمانوں کو کمزور کرنا چاہا ہے وہ بھی دجل ہے کہ دینِ اسلام مادی اسباب و ذرائع سے اور جبر کے بل بوتے پر پروان چڑھا۔ اس میں ایمانی و اخلاقی قوتوں کا فقدان ہے۔ اس لئے اب جبکہ مادی ذرائع غیر مسلموں ہی کے پاس بڑھ چڑھ کر ہیں۔ تو کیا دینِ اسلام کے ترقی و فروغ کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ حضرت مسیحِ موعودؑ کی بعثت دراصل اس امر کا نشان ہے۔ کہ دینِ اسلام نہ پہلے مادی ذرائع کے بل بوتے پر پھیلا اور نہ اب اسے ان اسباب کی حاجت ہے۔ بلکہ یہ دین اپنی تعلیم کے حُسن و خوبصورتی اور مسلمانوں کی ایمانی اور اخلاقی صلاحیتوں کے ترقی پذیر ہونے سے پھیلا تھا اور اس زمانہ میں بھی پھر یہی مقدر ہو چکا ہے۔ البتہ پہلے زمانوں میں کفار کی جسمانی قوت و عسکری طاقت، صداقت کی قبولیت میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ اُسے ہٹا دیا گیا تھا مگر اب سائنس و آزادی کے فروغ کے باعث ایسی جسمانی و عسکری روکیں موجود نہیں ہیں۔ البتہ عقلی وساوس اور علمی اعتراضات کے جواب دینے کی ضرورت ہے مگر اصل فتوحات کا باعث دینِ اسلام کی تعلیم کی اہمیت و افادیت اور مسلمانوں کے ایمانی و اخلاقی نشوونما میں ہی مضمر ہے۔ وہ نظام جسے اسلام دنیا میں رائج کرنے کا متمنی ہے۔ اس کی حکومت سب سے پہلے مسلمانوں کے دلوں پر قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک خود مسلمان اقوام کی زندگیوں میں اصولِ اسلام کی صداقت پر عمل پیرائی کی طرف توجہ نہ ہوگی تب تک کوئی دیگر ذریعہ اور منبعِ طاقت، دینِ اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کا موجب نہیں بن سکتے۔ ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ظاہرا مادی طاقتوں کے ماوراء، نہاں در نہاں اور مخفی در مخفی ایمانی و اخلاقی قوتوں پر اطلاع پانا بہت عظیم بصیرت و معرفت کی بات ہے۔ کوئی بیرونی طاقت یا حکومت ایسی نہیں جس کی حکمرانی دلوں پر قائم کی جا سکے۔ کوئی قانون ایسا نہیں جس کے بل بوتے پر نیکی و تقوٰی کو زندگیوں میں رائج کیا جا سکے۔ مسلمان جس قدر جلد اس نظریہ کو تسلیم کریں اسی قدر ان کی قسمت کے دن جلد بدلیں گے۔ ہمیں خوشی ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ کے احیاء کردہ یہ عظیم اصول، نہ صرف دینی میدان میں بلکہ اب سیاست میں بھی درست تسلیم کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ خود پاکستان کا معرضِ وجود میں آ جانا یا برصغیر اور دیگر ممالک بالخصوص افریقی ممالک میں آزاد ریاستوں کا قیام بھی اسی لئے عمل میں آیا ہے کہ اپنے ملکی حقوق کا جواز، انصاف و آزادی کے تقاضوں کا پرچار اور باہمی امداد و تعاون اور اتحادِ عمل کی باہمی قوتوں سے کام لیا جا رہا ہے چنانچہ حضرت قائداعظمؒ کے دل میں جو مستحکم یقین برصغیر کے مسلمانوں کی الگ قومیت اور حکومت کے بارہ میں از روئے انصاف ودیعت ہو چکا تھا اور اس عالی مقصد کے لئے جس طرح انہوں نے بے مثل جرأت، محنت اور قومی اتحاد و تنظیم سے رات دن انتھک کام کیا یہ سب انہی اوصافِ حمیدہ کے بدلے ایک نئی مسلم سلطنت کے وجود میں ظاہر ہوا۔

حضرت اقدس مسیحِ موعودؑ نے کیا ہی سچ فرمایا ہے۔ تقضائے آسمانست ایں بہرحالت شود پیدا۔ نیز یہ کہ:۔ ؎

از رہِ دیں پروری آمد عروج اندر نخست
باز چوں آید ہمیں باید ہم ازیں رہ بالیقیں

ہم نے کسی گزشتہ اشاعت میں ایک جماعت کے بیانات کے اقتباسات دیئے تھے جن میں انہوں نے علی الاعلان اس اصول کو صحیح تسلیم کیا ہے کہ ان کا مقصد زندگیوں میں اسلامی نظام قائم کرنا ہے نہ کہ اقتدار حاصل کرنا۔ جو جماعت تمام عمر حکومت و سیاست میں غلبہ کی کوشاں رہی اور جس کا بنیادی اصل الاصول یہی رہا کہ بجز طاقت و جبر نظامِ اسلام قائم نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسی جماعت کے ذمہ دار اصحاب بھی اپنے اساسی اصول بدلنے پر مجبور ہوں تو حضرت مسیحِ موعودؑ کی صداقت اور جماعت احمدیہ لاہور کے اصولوں کے آخری غلبہ میں کیا شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ کے تقاضے ہی ایمانی و اخلاقی قوتوں کے اجاگر کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اسی لئے مامورِ خدا نے یہ فرمایا تھا کہ:۔ ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

نویدِ مسرت

قارئینِ گرامی!

اخبار قوم کی آواز ہے سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ جس سے ہم ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں سوچ سکتے ہیں اپنے لئے راستہ تعین کر سکتے ہیں۔ یا پھر اگر اس کا غلط استعمال ہو تو بھٹک بھی سکتے ہیں۔ لیکن پیغام صلح اسم بامسمٰی ہے۔ اپنے قارئین کی راہنمائی میں بحمداللہ پیش پیش ہے۔ خوشخبری پیش خدمت ہے۔

ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی پوتی اور عبدالحق صاحب ودیارتھی کی نواسی، عزیز احمد کی صاحبزادی ثمینہ عزیز کا نکاح عزیزم عبدالسلیم صاحب کے ساتھ لندن میں ہوا۔ یہ نکاح ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر عبدالکریم سعید۔ ایم۔ آر۔ سی۔ پی نے پڑھایا یہ نکاح اس لحاظ سے تاریخی ہے کہ سلیم صاحب انگریز ہیں اور وہ مولانا محمد علی صاحبؒ کا ترجمہ قرآن پڑھ کر انہی کے صاحبزادے محمد احمد صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور جماعت احمدیہ لاہور میں بذریعہ تحریری بیعت داخل ہوئے۔ ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ سلیم صاحب عبرانی زبان کے گریجویٹ ہیں اور عربی زبان بھی جانتے ہیں۔ یہ ان شاء اللہ تبلیغِ اسلام میں نمایاں کردار ادا کریں گے۔ تاریخی اس لحاظ سے بھی کہ ڈاکٹر عبدالکریم سعید جو ماشاء اللہ اکثر خطبۂ جمعہ دیتے ہیں* اپنے آپ کو دہرانی ہے اور ایسے ہی ہوا۔ ثمینہ عزیز کے پردادا مولانا عزیز بخش صاحب نے بھی ایک بیوہ بے سہارا نومسلم انگریز خاتون کے ساتھ عقدِ ثانی کیا تھا جو اُن کی وفات کے بعد تک ارکانِ اسلام کی سختی سے پابند رہیں حتیٰ کہ برقع تک پہنا۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے آمین! اور ان کی پوتی کے لئے یہ رشتہ مبارک ہو۔ آمین! اس خوشی میں ثمینہ کے عالم دین بھائی۔ ڈاکٹر زاہد عزیز سپیشل آفیسر ناٹنگھم یونیورسٹی انگلینڈ نے ایک صد روپیہ پیغام صلح فنڈ کے لئے بھیجا ہے۔ جو ارسال کر رہی ہوں۔ بارگاہِ ایزدی میں قبول ہو تو کسی مستحق بیرونِ ملک کے نام ایک سال کے لئے اخبار جاری کر دیجیئے۔

پروفیسر رضیہ صمد علی۔

دلوں کو اُٹھ کر دعائیں مانگو

تلاش کرنے والا اور طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں رہتا

حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رح کی فرمودہ دعائیں

اللہ تعالیٰ کی مدد کے لئے دعا

ایاک نعبد وایاک نستعین ۔ اے خدا، ہم اپنی طاقت کے مطابق بھی کوشش کرتے ہیں کہ تیری ہی فرمانبرداری کریں اور تیرے نام کو اور تیرے کلام کو دنیا میں پہنچائیں۔ مگر اے آقا! ہم کمزور ہیں اور باوجود اس کے کہ تیری فرمانبرداری کی تڑپ دل میں ہوتی ہے تیری فرمانبرداری کا حق ادا نہیں ہوتا سو تو ہماری مدد فرما اور ہمیں گرنے سے بچا۔ اور اپنی فرمانبرداری کی زبردست قوت ہمارے اندر پیدا کر دے ۔

اے خدا! تیرے نام اور تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانا وہ بلند مقام ہے جس کے لئے تو اپنے خاص بندوں کو کھڑا کرتا رہا ہے جنہیں ہر دم روح القدس کی مدد ملتی تھی اور تیری مدد ہی تھی جس سے وہ اس عظیم الشان مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ۔

اے آقا! ایک ایسے ہی تیرے بندے نے جسے تو نے اپنے دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے کھڑا کیا تھا ہمیں بھی اس کام پہ لگایا ہے مگر ہم تھوڑے ہیں کمزور ہیں سامان پاس نہیں اور بیگانے تو ایک طرف رہے اپنے بھی ہماری مخالفت کرتے اور اس رستے میں روڑے اٹکاتے ہیں تو محض اپنے کرم سے ہماری دستگیری فرما اور اپنی وہ قوت ہمارے اندر بھر دے جو تو اپنے پاک بندوں کے اندر بھرتا رہا ہے ۔ اور وہ نور ہمارے دلوں میں پیدا کر دے جس سے تو اپنے پاک بندوں کے سینوں کو منور کرتا رہا ہے ۔

اے خدا! تیرے نام کو دنیا میں پہنچانا، مخلوقِ خدا کو تیرے در پہ جھکانا سب کاموں سے مشکل کام ہے اور جب بھی دنیا میں یہ انقلاب پیدا ہوا ہے ۔ ۔ ۔ تیری نصرت اور تائید سے ہی پیدا ہوا ہے اس لئے ہم تجھ سے اسی مدد اور نصرت کے طالب ہیں جو تو اپنے پاک بندوں کو عطا کرتا رہا ہے ۔

کفر پر غلبہ کے لئے دعا

واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین ، اے خدا کفر دنیا پر غالب ہے ۔ بے ایمانی کا دور دورہ ہے، جھوٹ زوروں پر ہے دنیا اور مال دنیا کی محبت انسانی دلوں کو اپنے قبضے میں لے چکی ہے۔ جسمانی طاقت اور مادی سامانوں اور ظاہری زیب و زینت سے انسانوں کو گمراہی کی طرف لے جایا جا رہا ہے ۔ مگر اے مالک تیرا وعدہ ہے کہ تو اسلام کو دنیا پر غالب کرے گا۔ تیرا وعدہ ہے کہ ایک عظیم الشان گمراہی اور ضلالت کے بعد لوگ پھر تیری طرف جھکیں گے تو حق ہے۔ تیرا وعدہ حق ہے ۔ سو آج تو اپنے اس وعدہ کو پورا فرما اور حق کو باطل پر۔ رشد کو ضلالت پر۔ اسلام کو کفر پر غالب فرما۔

اے خدا کفر اور ضلالت کی فوجیں اس زور سے حملہ آور ہو رہی ہیں کہ ان کو روکنا کسی انسان کا کام نہیں لیکن تو ہمارا مولا اور مددگار ہے۔ اور تیری طاقت سب طاقتوں پر غالب ہے ۔ پس تو اپنی طاقت کو ظاہر فرما ہاں تیری طاقت پہلے بھی کمزور انسانوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی رہی ہے ۔ آج اس چھوٹی سی جماعت کے ذریعہ سے اُسے ظاہر فرما۔ ہم گنہگار ہیں کمزور ہیں۔ عاجز ہیں مگر دلوں میں یہ تڑپ ہے کہ حق باطل پر اور اسلام کفر پر غالب آئے تو ہمارے گناہوں کو ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ تو ہماری حفاظت فرما۔ اور ہمیں ٹھوکروں سے اور گرنے سے بچا اور اپنے فضلوں اور رحمتوں کی بارش ہم پر برسا۔ تیرا عفو اور تیری مغفرت اور تیرا رحم میرے بھی شامل حال ہو اور میرے ان بھائیوں کے بھی جو تیرے در پہ گر کر تیری مدد کے طالب ہیں اور ان کے لئے بھی جو غفلت میں پڑے سو رہے ہیں ۔ اور ان کے بھی اس نیک کام میں دانستہ یا نادانستہ روکیں پیدا کر رہے ہیں۔ تو ہمارا مددگار بن اور اسلام کی کمزور جماعت کو کفر کی بے پناہ طاقتوں پر غالب فرما۔ کیونکہ انسانوں کی ساری طاقتیں تیری طاقت کے جلوہ کے سامنے ھباءً منثورا ہو کر اڑ جاتی ہیں۔ اے خدا تو قرآن کو دنیا میں غالب فرما۔ محمد رسول اللہ کو غالب فرما۔ اسلام کو غالب فرما اور کفر اور ضلالت کی فوجوں کو مٹا دے اللھم انجز وعدک وانصر عبادک واھزم الاحزاب وحدک اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم ۔

ربوبیت الٰہی کے لئے دعا

الحمد للہ رب العالمین ۔ اے خدا کہ تیری ربوبیت اس کائنات کے ذرے ذرے پر حاوی ہے تو نے انسانوں کو ان کی جسمانی ربوبیت کے بہتر سے بہتر سامان عطا فرمائے ہیں۔ تو اب اپنی اس مخلوق کی جو تجھ سے دور جا پڑی ہے اور طرح طرح کی ظلمتوں میں گرفتار ہو کر اپنی ہلاکت کی طرف دوڑی جا رہی ہے ۔ اپنے قرآن کے ذریعہ سے ربوبیت کر ان کو اپنے در پر جھکنا سکھا اور ان کے دلوں کو اس لذت سے آشنا کر جو تیرے در پر گرنے سے ملتی ہے ۔ اے خدا جس نے محمد رسول صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو بے نظیر کامیابی عطا فرمائی کہ ان کے ذریعہ سے ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ دی اور انہیں پست ترین مقام سے اٹھا کر بلند ترین مقام پہ پہنچایا تو آج ہماری اور ہماری جماعت کی ربوبیت فرما کہ اسے قرآن کو دنیا میں پہنچانے میں اور اسلام کو دنیا میں پھیلانے میں کامیابی کے بلند مینار پہ کھڑا کر دے اور ہمارے ہاتھوں سے اپنے دین کی تبلیغ کی وہ بنیاد رکھوا جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے۔ اور ہر مسلمان کو توفیق عطا فرما کہ اس کے دل میں اس مقام پر پہنچ

حضرت مسیح موعودؑ کا پیغام

ہمارے نام

"اللہ تعالیٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا مگر صالح بندوں کی۔ آپس میں اخوت اور محبت پیدا کرو اور درندگی اور اختلافات چھوڑ دو۔ ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارہ کش ہو جاؤ۔ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ پس ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ سے ایک سچی صلح پیدا کر لو اور اس کی اطاعت میں واپس آ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں۔

تم یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان میں تم اپنے تئیں لگاؤ گے اور اس کے دین کی حمایت میں مشغول ہو جاؤ گے تو خدا تمام رکاوٹوں کو دور کر دے گا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ اور اپنے کھیت کو خوشنما درختوں اور بارآور پودوں سے آراستہ کرتا اور ان کی حفاظت کرتا اور ہر ایک ضرر اور نقصان سے ان کو بچاتا ہے مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لائیں اور گلنے اور خشک ہونے لگ جائیں ان کی، مالک پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی مویشی ان کو آ کر کھا جائے یا کوئی لکڑہارا ان کو کاٹ کر تنور میں پھینک دے۔ سو ایسا ہی تم یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دے گی۔ پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ تعالیٰ کو کسی کی پرواہ نہیں، ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں پر ان پر کوئی رحم نہیں کرتا اور اگر آدمی مارا جائے تو اتنی بازپرس ہوتی ہے۔ سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کے مانند بیکار اور لاپرواہ بناؤ گے تو تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔ چاہیئے کہ تم خدا کے عزیزوں میں داخل ہو جاؤ تاکہ کسی وبا کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ کیونکہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں ہو سکتی۔

ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان سے اٹھا دو کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنیٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔"

(الحکم ۲۰ مئی ۱۸۹۸ء)

تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت

"میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں۔ اوّل خدا کی توحید اختیار کرو"

دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔

یہ حضرت امام زمانؑ کا ارشاد ہے جو قرآن اور حضرت رسول اکرمؐ کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ قرآن کریم نے بار بار توحید الٰہی پر ایمان اور عمل صالح کی تاکید کی ہے اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ انہی دو باتوں میں مسلمانوں کی فلاح مضمر ہے۔

ایمان کی برکتوں نے اسلامی تاریخ کو جو لازوال ابواب عطا کئے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ایمان کے ذریعے آسمان کی بادشاہت زمین پر آ گئی اور لے جانی نے الٰہی افضال و برکات کو زمین سے اٹھا لیا۔ یہی وہ فرق ہے جو پہلے مسلمانوں میں اور آجکل کے مسلمانوں میں نظر آتا ہے پہلے مسلمان کے قلب و نظر پر حب الٰہی مستولی ہوتی تھی اور آجکے مسلمان کے ذہن پر حب ماسوی اللہ غالب ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں "خدا کی راہ میں سختی کا برداشت کرنا اور مصائب کے جھیلنے کے لئے ہر تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک سے ہوتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے اس کا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں نظر آتا ہے اس راہ میں مرنا ان کی نگاہ میں ایک راحت اور سرور کا موجب تھا۔" (۲۲ دسمبر ۱۹۰۸ء)

جب تک مسلمان حیات کی رہگذر میں رضا الٰہی کے چراغ سے رہنمائی حاصل کرتا رہا اور خدا اور رسولؐ کے نام کو بلند کرنا اس کا نصب العین رہا تو اس کا اتحاد و اتفاق اور تنظیم بھی ثمرات حسنہ سے معمور رہی۔ لیکن جب اس نے تاریکیوں میں راہیں ڈھونڈنا شروع کیں۔ ذاتی مفاد دین و مذہب پر مقدم ہونے لگا اور سوز دروں اور ایثار نفس کی جلوہ آرائیاں سرد پڑ گئیں تو ان کا باہمی اتحاد اور محبت و ہمدردی بھی جاتی رہی۔ اتحاد و اتفاق کی جگہ منافرت اور منافقت نے لے لی اس منافرت و منافقت کے ثمرات مسلمان قوم کی ذلت و مسکنت کی صورت میں چودھویں صدی میں ظاہر ہوئے وہ اسلامی تاریخ کی ایک افسوسناک داستان ہے۔

کتاب و سنت سے بے نیازی اور ماسوا اللہ سے محبت نے مسلمان کے قلب و نظر کو فریب نظر کا شکار بنا دیا۔ اس کی نظریں آسمان کے بجائے زمین پر پڑنے لگیں اس کا دل بیت اللہ کے بجائے بیت الصنم بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے پاس اخلاق رہا نہ تمدن نہ علم نہ حکمت نہ معاشرت نہ سیاست نہ دین نہ دنیا۔ وہ دنیا و آخرت کی ہر نعمت سے بے نصیب ہو گئے۔ اس وقت سنت الٰہیہ کے مطابق ایک مسیحا نے نزول فرمایا۔ اس کی مسیحائی کا بڑا اور سب سے بڑا کارنامہ یہی تھا کہ اس نے مسلمان کے ایمان کو تازہ کیا اور اس کے نصب العین کو بلند کیا اور اس سے اتحاد و اتفاق و تنظیم کو بحال کرنے کے لئے ایک جماعت بنائی بقول حضرت مسیح زمانؑ "تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے نئے مقصد یہ ہے کہ ایسے منصفوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت اور نتائج خیر کا موجب ہو اور وہ بہ برکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آ سکیں۔"

ارشادات
حضرت مجددِ زماں علیہ السلام

* چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ اس لئے انجمن کو دنیا داری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔"

* جب تک خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی شخص روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو اور ایک دوسرے کی اصلاح چاہو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔

* انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں گے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں۔ اور پارسا طبع اور دیانت دار ہوں اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے۔ یا یہ کہ وہ دیانت دار نہیں یا یہ کہ وہ ایک چالباز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے۔ تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلاتوقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کر دے۔ اور اس کی جگہ اور مقرر کرے۔

* میری تو یہی رائے ہے کہ جس امر میں انجمن کا فیصلہ ہو جائے۔ کہ ایسا ہونا چاہیئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے۔ تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے۔ اور وہی قطعی ہونا چاہیئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔

* اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے۔ تب خدا میں ہو کر ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا اور وہ گھر بابرکت ہوگا۔ جس میں تم رہتے ہو گے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہوگا۔ جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ قدم بڑھاؤ گے۔ تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے ۔ ۔ ۔ ۔" (الوصیۃ)

* اے حق کے طالبو اور اسلام کے سچے محبو! آپ لوگوں پر واضح ہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمانی اور کیا علمی جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہو گیا ہے۔ اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف سے چل رہی ہے۔ وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں اس کی جگہ چند لفظوں نے لے لی ہے۔ جن کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے۔ اور وہ امور جن کا نام اعمال صالحہ ہے۔ ان کا مصداق چند رسوم یا اسراف اور ریا کاری کے کام سمجھے گئے ہیں اور جو حقیقی نیکی ہے اس سے بکلی بے خبری ہے۔ اس زمانہ کا فلسفہ اور طبعی بھی روحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے۔ اس کے جذبات اس کے جاننے والوں پر نہایت بد اثر کرنے والے اور ظلمت کی طرف کھینچنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ وہ زہریلے مواد کو حرکت دیتے اور سوئے ہوئے شیطان کو جگا دیتے ہیں۔ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بدعقیدگی پیدا کر لیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ اصولوں اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادت کے طریقوں کو تحقیر اور استہزاء کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں ان کے دلوں میں خدا تعالےٰ کے وجود کی بھی کچھ وقعت اور عظمت نہیں۔ بلکہ اکثر ان میں سے الحاد کے رنگ میں رنگین اور دہریت کے رگ و ریشہ سے پُر اور مسلمانوں کی اولاد کہلا کر پھر دشمنِ دین ہیں۔ جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ ہنوز وہ اپنے علوم ضروریہ کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوتے کہ دین اور دین کی ہمدردی سے پہلے ہی فارغ اور مستعفی ہو چکتے ہیں۔ یہ میں نے صرف ایک شاخ کا ذکر کیا ہے۔ جو حال کے زمانہ میں ضلالت کے پھلوں سے لدی ہوئی ہے۔ مگر اس کے سوا صدہا اور شاخیں بھی ہیں جو اس سے کم نہیں! عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ دنیا سے امانت اور دیانت ایسی اٹھ گئی ہے کہ گویا بکلی مفقود ہو گئی ہے۔ دنیا کمانے کے لئے مکر اور فریب حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ جو شخص سب سے زیادہ شریر ہو وہی سب سے زیادہ لائق سمجھا جاتا ہے۔ طرح طرح کی ناراستی۔ بددیانتی۔ حیلہ سازی۔ دغابازی۔ دروغگوئی اور نہایت درجہ کی روبہ بازی اور لالچ سے بھرے ہوئے نسخے اور بدذاتی سے بھری ہوئی خصلتیں پھیلتی جاتی ہیں اور نہایت بے رحمی سے خون ہوتے کینے اور جھگڑے ترقی پر ہیں اور جذباتِ بہیمیہ اور سبعیہ کا ایک طوفان اٹھا ہوا ہے۔ اور جس قدر لوگ ان علوم اور قوانین مروجہ میں چست و چالاک ہوتے جاتے ہیں۔ اسی قدر نیک گوہری اور نیک کرداری کی طبعی خصلتیں اور حیا اور شرم اور خداترسی اور دیانت کی فطرتی خاصیتیں ان میں کم ہوتی جاتی ہیں

* اے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی۔ اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلائے کلمۂ اسلام و اشاعت نورِ حضرت خیرالانام اور تائیدِ مسلمانان کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔ تعجب تو اس بات میں ہوتا کہ وہ خدا جو حامیٔ دینِ اسلام ہے جس نے وعدہ کیا تھا کہ میں ہمیشہ تعلیم قرآنی کا نگہبان رہوں گا اور اسے سرد اور بے رونق اور بے نور ہونے نہیں دوں گا۔ وہ اس تاریکی کو دیکھ کر اور ان اندرونی اور بیرونی فسادوں پر نظر ڈال کر چپ رہتا اور اپنے اس وعدہ کو یاد نہ کرتا جس کو اپنے پاک کلام میں مؤکد طور پر بیان کر چکا تھا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ اس پاک رسول کی یہ صاف اور کھلی کھلی پیشگوئی خطا جاتی جس میں یہ فرمایا گیا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر خدا ایک ایسے بندہ کو پیدا کرتا رہے گا کہ اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ سو یہ تعجب کا مقام نہیں بلکہ ہزار در ہزار شکر کا مقام اور ایمان اور یقین کے بڑھانے کا وقت ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور اپنے رسول کی پیشگوئی میں ایک منٹ کا بھی فرق پڑنے نہیں دیا اور نہ صرف اس پیشگوئی کو پوری کر کے دکھلایا بلکہ آئندہ کے لئے بھی ہزاروں پیشگوئیوں اور خوارق کا دروازہ کھول دیا۔ اور اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجا لاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گزر گئے اور بے شمار روحیں اس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وہ وقت تم نے پا لیا اب اس کی قدر کرنا یا نہ کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

* آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت نے اپنے رسول مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوت کے رو سے سچ مچ عضو واحد کی طرح ہو گئی تھی اور ان کے روزانہ برتاؤ زندگی اور ظاہر و باطن میں انوار نبوت ایسے رچ گئے تھے کہ گویا وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عکسی تصویریں تھے۔

زندگیوں میں عملی تبدیلی کی ضرورت

بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی بعثت کی ضرورت یہی بتلائی کہ "اسمی اور رسمی اسلام پر نا زمت کرو"

ارکان اسلام کی ظاہر پیروی کے علاوہ اسلام کی اصل حقیقت اور روح زندگیوں میں منعکس کرنے کی ضرورت ہے

سورۃ القدر تلاوت کر کے فرمایا: میں نے جمعۃ الوداع کے موقعہ پر اسی سورۃ کے ضمن میں کچھ گزارشات کی تھیں اب مزید اس پر اظہار خیال کر رہا ہوں یہ سلسلہ کلام مربوط ہے۔ میرے پاس انگریزی روزنامہ "PAKISTAN TIMES" کا تراشہ ہے جس میں ایک مشہور مدرس قرآن نے مسلمانوں کو اسلام پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی ہے اور بتایا ہے کہ جب تک وہ روح جو عبادات و ارکان دین اسلام میں مضمر ہے زندگی میں پیدا نہ ہو تب تک ارکان کی صرف ظاہری ادائیگی مفید نہیں یہ محض رسمی اور اسمی اسلام پر کاربند ہونا ہے اور وہ قرآن پاک کے صحیح فہم و تدبر اور زندگی کے عمل میں اپنانے پر موقوف ہے۔

یہ بات آج ہمارے بھائیوں کو محسوس ہو رہی ہے لیکن یہی بات حضرت امام وقت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب "فتح اسلام" میں بڑے زور کے ساتھ کہی تھی۔ بلکہ کتاب کا مشہور ترین جملہ ہے کہ "اسمی اور رسمی اسلام پر نازمت کرو کیونکہ بے اعتنائی نہیں بلکہ اپنے اندر اسلام کی حقیقی روح کے مطابق تبدیلی پیدا کرو جو ایک مثالی حیثیت رکھتی ہو اور رمضان المبارک کا مہینہ اس لئے بابرکت ہے کہ اس میں قرآن پاک کا نزول ہوا جو ایک لائحہ عمل ہے جس پر عمل کرنے سے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ایک مثالی تبدیلی پیدا ہوئی۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ جس قدر اس قرآن پاک سے لاتعلقی اور دوری رہی وہ ایک دکھ دہ حقیقت ہے مگر بحمد اللہ آج مسلمانوں میں اس بات کا شعور جاگ اٹھا ہے کہ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ اور تفسیر ضروری ہے۔ اس سے پہلے علمائے کرام کا فتویٰ یہ تھا کہ انگریزی وغیرہ زبانوں کی تعلیم ہی کفر ہے۔ چہ جائیکہ قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر کی جائے۔ اور یہ ایک قدرتی بات ہے کہ یہ انگریزی زبان تقریباً بین الاقوامی زبان کی حیثیت رکھتی ہے جس سے دیگر زبانوں میں بآسانی ترجمہ و تفسیر ممکن ہے۔

چنانچہ اس کام کی طرف سب سے پہلے جماعت احمدیہ لاہور نے ہی توجہ کی اور امام وقتؑ کے ایک شاگرد مولانا محمد علیؒ لاہوری نے قرآن کا ترجمہ و تفسیر انگریزی زبان میں شائع کیا اور جو دنیا میں بہترین و مقبول ترین تفسیر ہے۔ چنانچہ اس کی مقبولیت کے بارہ میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے جو خود انگریزی زبان میں قرآن پاک کے مفسر ہیں نے لکھا ہے کہ اس تفسیر کی علمی برتری اور اس کی افادیت سے انکار کرنا گویا سورج کی روشنی کا انکار کرنا ہے۔ غرضیکہ قرآن پاک کی تفسیر اور وضاحت کے لئے بھی جماعت احمدیہ کی طرف سے رہنمائی اور لیڈرشپ موجود ہے۔ ایک انگریز محقق نے اسلامی تحاریک پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "کہ مسلمانوں کی تحریک احمدیت" نے اسلام کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ اور ٹھوس اور مضبوط دلائل سے اسلام کی صداقت کو پیش کیا ہے اور یہی نظریات نسل انسانی کے لئے قابل قبول ہو سکتے ہیں۔"

آج بھی ذرائع ابلاغ مثلاً — — — — — — ٹیلی ویژن پر "قصص الانبیا" کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا گیا جو غیر مستند واقعات پر مبنی ہیں محض اسرائیلیات ہیں اور محض الف لیلوی داستانیں ہیں۔ جو اس سائنسی اور علمی دور میں عجیب و مضحکہ خیز نظر آتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کے دیباچہ میں اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں ظاہر کر دیا ہے۔ کہ صرف قرآن پاک قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ حقائق و معارف سے بھرپور کتاب ہے۔ میں نے جو سابق مفسرین کی تفاسیر میں اسرائیلیات داخل ہو چکی تھیں ان کو یکسر حذف کر دیا ہے۔ اور قرآن کی اپنی اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں تفسیر کی ہے جو غل و غش اور اسرائیلی قصے کہانیوں سے پاک ہے۔ جو غور و فکر اور فہم و تدبر کی طرف انسان کو بلاتی ہے اور عملی اقدام کی طرف انسان کو رہنمائی کرتی ہے۔ غرضیکہ مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی اسلامی خدمات اور مساعی اس قدر ہیں کہ ایک موقع پر ایک غیر جماعت دوست نے کہا کہ اگر مولانا محمد علیؒ مجدد ہونے کا دعویٰ کرتے تو ہم مان لیتے میں نے جواباً کہا کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتے ہیں تو پھر آپ ان کی بات کو کیوں نہیں مانتے۔ غرضیکہ مولانا محمد علیؒ نے بے نظیر خدمات اسلام کی ہیں۔ چنانچہ تجدید اسلام کے سلسلہ میں جو خدمات جماعت احمدیہ لاہور نے انجام دی ہیں ان کا اندازہ مسٹر محمد مارمیڈیوک پکتھال کے اس ریویو سے کیا جا سکتا ہے جو کتاب "دی ریلیجن آف اسلام" مصنفہ مولانا مرحوم پر کیا تھا۔ جس کے پہلے دو فقرات درج ذیل ہیں۔

"تجدید اسلام کے سلسلہ میں کسی زندہ شخص نے مولانا محمد علی لاہوری سے زیادہ طویل و قابل قدر خدمات انجام نہیں دیں۔ آپ کی تصنیفات اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تحریرات نے جماعت احمدیہ کو نمایاں اور خصوصی امتیاز عطا کر دیا ہے۔ ہماری رائے میں مولانا صاحب کی یہ تصنیف (یعنی ریلیجن آف اسلام) آپ کا بہترین شاہکار ہے۔"

(اتحاد بین المسلمین کی تحریک)

حضرت مسیح موعود کی بعثت سے پہلے مسلمان سب جگہ دین اور دنیا دونوں سے اپنے اعمال و کردار کے باعث محروم ہو چکے تھے لیکن حضرت مرزا صاحبؑ کی آمد کے بعد مسلمانوں کو خدا نے آزادی کی نعمت سے نوازا۔ آج مسلمان سب جگہ آزاد ہیں۔ تحریک احمدیت نے مسلمانوں میں باہمی الفت و اتحاد کا سبق دیا اور ایک اصول دیا کہ جو بھی کلمہ طیبہ کا اقرار کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔ خواہ وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو یعنی وہ شیعہ ہو یا سنی۔ اس طرح تحریک احمدیت نے اتحاد بین المسلمین میں راہنمائی کی۔ آج خدا کا شکر ہے کہ مسلمان ممالک کے رہنما بین الاقوامی سطح پر اتحاد بین المسلمین کے لئے کانفرنسیں کر رہے ہیں اور ان کے اندر ہر رنگ میں اتحاد کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو نہایت مبارک اقدام ہے آج عرب و عجم کے راہنمایان سلطنت باہمی شوریٰ کرتے ہیں اور اپنے جملہ مسائل

... ایک دوسرے سے مشاورت کرتے ہیں جس کے نتائج یقیناً اسلام کی تقویت کا باعث ہوں گے۔ اور غلبہ اسلام کے روشن ایام ہمیں دیکھنے نصیب ہوں گے۔ تحریک احمدیت نے مسلمانوں کو ان سب اعلیٰ اصولوں کی طرف بلایا ہے اس سے قبل جتنی تحریکیں اٹھیں وہ محض وقتی تھیں اور ان کا دائرہ کار محدود تھا۔ کوئی محض چند فروعی مسائل کی حامل تھیں اور کوئی محض سیاسی تحریکیں تھیں۔ بعض کا مطمع نظر یہ تھا کہ اقتدار حاصل ہو جائے تو پھر ہی اسلام کی اشاعت ہو سکتی ہے۔ لیکن تحریک احمدیت نے اقتدار وغیرہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسلام کی اشاعت و تبلیغ تمام دنیا میں جاری رکھی جس کے نتائج حوصلہ افزا ہیں۔ غیر اسلامی اصولوں کا اور لونی ذو دوسرا نظریہ کامیاب نہیں ہو گا۔ اسی طرح ہمارے دلوں میں یہ یقین راسخ ہونا چاہیئے کہ اسلام کی وہی تفسیر و تصویر جو جماعت احمدیہ لاہور نے بالخصوص حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کے اردو انگریزی علم کلام میں پیش کی ہے اس کے اصولوں کو حرز جان بناؤ۔ تاکہ اس کی برکات سے اپنی حالت کو بہتر بنا سکو اور اسلام کے غلبہ کا روشن سورج مغرب سے طلوع ہوتا دیکھ سکو۔ خدا ہمیں عمل کی توفیق دے اور اسلام کے اصولوں پر مضبوطی سے کاربند رہنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ بارک اللہ

اخبار احمدیہ :-

ہماری ایک بزرگ اور معزز بہن آمنہ تمیم صاحبہ کمالیہ سے مکرم جنرل سیکرٹری صاحب کو تحریر فرماتی ہیں کہ مبلغ ۔/۱۳۰ روپے کا چیک ارسال ہے۔ اس میں سے مبلغ ۔/۳۰ روپے اخبار پیغام صلح کے لئے چندہ ہے اور مبلغ ۔/۱۰۰ روپے اشاعت قرآن کریم فنڈ میں جمع فرمائیں۔

میری صحت کچھ عرصہ سے غیر تسلی بخش سی چلی آرہی ہے۔ علاوہ ازیں کچھ ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہوں دعا کے لئے بزرگان سلسلہ سے خاص طور پر درخواست ہے۔

عطیہ :- مکرم چوہدری فضل داد صاحب پنشنر گجرات سے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔
میں کشتی نوح کتاب پڑھ رہا تھا کہ اس کے صفحہ ۴، سطر ۱۳ پر یہ عبارت نظر سے گزری۔ "ہر ایک شخص کا صدق اس کی خدمت سے پہچانا جاتا ہے۔ عزیزو! یہ دین کے لئے اور دین کی اغراض کے لئے خدمت کا وقت ہے۔ اس وقت کو غنیمت سمجھو کہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔" حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی قلم سے نکلے ہوئے الفاظ نے مجھ پر بہت گہرا اثر کیا۔ چنانچہ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ جو رقم پنشن کی یکم جولائی ۸۰ء سے ایزاد ہوئی ہے اسکو خزانہ سے وصول کر کے بمد قرآن فنڈ محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام منی آرڈر کر دوں گا۔ ایزادی کی رقم ۔/۴۰ روپے ہے۔ کل صبح بفضل زندگی رقم منی آرڈر کر دوں گا۔

منہ دل در تنعمہائے دنیا گر خدا خواہی
کہ میخواہد نگارِ من تہیدستانِ عشرت را

مقامی جماعت لاہور کے رابطہ اجلاسوں کا پروگرام ماہ ستمبر ۱۹۸۰ء

مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے صدر محترم میاں فضل احمد صاحب نے ... کیا گیا۔ جس میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے نہایت دلنشیں پیرایہ میں استحکام جماعت کی برکات اور ہماری ذمہ داریاں کے عنوان پر تقریر ارشاد فرمائی تھی۔ زاں بعد مقامی جماعت کی طرف سے تمام احباب و خواتین کی خدمت میں عشائیہ پیش کیا گیا تھا۔

اسی تسلسل یعنی رابطہ احباب کا ماہ ستمبر ۱۹۸۰ء کا حسب ذیل پروگرام تجویز کیا گیا :-

۱۔ حلقہ لاہور چھاؤنی۔ مؤرخہ ۹/۴ بروز جمعرات برمکان قاضی بشیر احمد صاحب گلی ۳ قاضی محلہ۔ لاہور چھاؤنی۔ بوقت ۵½ بجے بعد عصر اجلاس ہو گا
۲۔ حلقہ ماڈل ٹاؤن۔ مؤرخہ ۹/۱۱ بروز جمعرات برمکان میاں بشیر احمد صاحب ۸۹-C ماڈل ٹاؤن لاہور۔ بوقت ۵½ بجے بعد عصر اجلاس ہو گا۔
۳۔ حلقہ گلبرگ :-
مؤرخہ ۹/۲۵ بروز جمعرات۔ برمکان میاں فضل احمد صاحب ۱-E/۱۲۱ گلبرگ III لاہور۔ بوقت ۵ بجے بعد عصر اجلاس ہو گا

ان ہر سہ اجلاسوں میں مرکزی نمائندگان بھی شرکت کریں گے۔ انشاء اللہ متعلقہ حلقوں کے احباب کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ پابندیٔ وقت کے ساتھ اپنے اپنے حلقہ کے اجلاس میں شامل ہو کر ممنون فرمائیں۔
اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس دینی اجتماع میں شمولیت کی توفیق دے اور آپ کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

سیکرٹری رابطہ احباب مقامی جماعت لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۶/۱۳ اگست ۸۰ء جلد ۶۷ شمارہ ۳۲/۳۳ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

ااسبر سیرس - حارث المسد

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار لاہور سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغامِ صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا
الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — تیس روپے
بیرونی ممالک سے — ۷ پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد ۶۷	بروز چہارشنبہ ۸ / ۱۵ شوال سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۰ / ۲۷ اگست سنہ ۱۹۸۰ء	شمارہ ۳۴-۳۵

ملفوظات حضرت مجدّدِ زمان علیہ السّلام

روحِ اخوت

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ کسی بھائی کا عیب دیکھ کر اس کے لئے دعا کریں لیکن اگر وہ دعا نہیں کرتے اور اس کو بیان کر کے دور سلسلہ چلاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔ کون سا ایسا عیب ہے جو کہ دور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہمیشہ دعا کے ذریعہ سے دوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہیئے - - - - - - - -
بات یہ ہے کہ ابھی جماعت کی ابتدائی حالت ہے۔ بعض کمزور ہیں جیسے سخت بیماری سے کوئی اٹھتا ہے۔ بعض میں کچھ طاقت آگئی ہے۔ پس چاہیئے کہ جسے کمزور پاوے اُسے خفیہ نصیحت کرے اگر نہ مانے تو اس کے لئے دعا کرے اور اگر دونوں باتوں سے فائدہ نہ ہو تو قضا و قدر کا معاملہ سمجھے۔ جب خدا تعالےٰ نے ان کو قبول کیا ہوا ہے تو تم کو چاہیئے کہ کسی کا عیب دیکھ کر سردست جوش نہ دکھلایا جائے۔ ممکن ہے کہ وہ درست ہو جاوے۔ قطب اور ابدال سے بھی بعض وقت کوئی عیب سرزد ہو جاتا ہے - - - - - - - - جلدی اور عجلت سے کسی کو ترک کر دینا ہمارا طریق نہیں ہے۔ کسی کا بچہ خراب ہو تو اس کی اصلاح کے لئے وہ پوری کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی اپنے کسی بھائی کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کی اصلاح کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ عیب دیکھ کر اسے پھیلاؤ اور دوسروں سے تذکرہ کرتے پھرو بلکہ وہ فرماتا ہے:۔

تواصوا بالصبر و تواصوا بالمرحمۃ

کہ وہ صبر اور رحم سے نصیحت کرتے ہیں۔ مرحمہ یہی ہے کہ دوسرے کے عیب دیکھ کر اُسے نصیحت کی جاوے اور اس کے لئے دعا بھی کی جاوے۔ دعا میں بڑی تاثیر ہے اور وہ شخص بہت ہی قابلِ افسوس ہے کہ ایک کے عیب کو بیان تو سو مرتبہ کرتا ہے لیکن دعا ایک مرتبہ بھی نہیں کرتا۔ عیب کسی کا اس وقت بیان کرنا چاہیئے جب پہلے کم از کم چالیس دن اس کے لئے رو رو کر دعا کی ہو۔ سعدیؒ نے کہا ہے:۔ خدا داند بپوشد + ہمسایہ نداند و خروشد۔ خدا تعالیٰ تو جان کر پردہ پوشی کرتا ہے مگر ہمسایہ کو علم نہیں ہوتا اور شور کرتا پھرتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا نام ستّار ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ:۔ تخلقوا باخلاق اللّٰہ ہو۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ عیب کے حامی ہو بلکہ یہ کہ اشاعت اور غیبت نہ کرو کیونکہ کتاب اللہ میں جیسا آگیا ہے تو یہ گناہ ہے کہ اس کی اشاعت اور غیبت کی جاوے۔

فرقاں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے
(دُرِّ ثمین)

مولانا مرتضیٰ خان حسن رح

اخلاق عالیہ کا کامل نمونہ

شد عیاں از وے علےٰ وجہ الاتم ۔ جوہر انساں کہ لود آں مضمر
حضور کے جملہ افعال و اقوال جو من وعن ہم تک پہنچے ہیں ۔ شک و شبہ کے گرد و غبار سے پاک و صاف ہیں ۔ لیکن دوسرے مصلحین عالم کے حالات میں یہ بات نظر نہیں آتی ۔ ان کے سوانح حیات غیر معتبر غیر ثقہ روایات کی الجھنوں میں مخفی ہو چکے ہیں ۔ ان کے صحیح حالات ہمیں معلوم نہیں ۔ لہٰذا انہیں وہ تاریخی وقعت حاصل نہیں جو ہماری سرکار کو ہے ۔ اس میں راز یہی ہے کہ ہادیٔ مطلق نے نسلِ انسانی کی ہدایت کے لئے ایک ہی کامل نمونہ کو بقا بخشا ہے ۔ اور حضرت محمد صلعم کی ذات بابرکات ہے ۔

جن اصحاب نے حضور صلعم کی زندگی کے واقعات کا بغور مطالعہ کیا ہے ۔ ان پر حقیقت منکشف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ حضورؐ کی تعلیم و تربیت اور عمل میں ایک حیرت انگیز مطابقت پائی جاتی ہے ۔ ایک ناصح کے لئے زبان سے نصیحت کر لینا آسان ہے ۔ مگر اس پر عمل کر کے دکھانا اور خود نمونہ بننا مشکل ہے ۔ لیکن ہمارے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ذاتِ گرامی ہے کہ جو تعلیم خود دی اس پر عمل پیرا ہوئے ۔ یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے دنیا کے حکما کی گردنیں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک جاتی ہیں اور یہی وہ بات ہے جس کی بناء پر ہم وثوق اور تیقن سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ انسانی مقتضیات کے ہر شعبہ میں مخلوق خدا کے لئے شمع ہدایت ہیں ۔

ہمارے نبی اکرم صلعم کو زندگی کے مختلف منازل میں سے گزرنا اور مختلف تجارب سے دو چار ہونا پڑا اور اس طرح سے حضور کو وہ تمام مواقع میسر آئے جن میں آپ انسانیت کے مختلف پہلوؤں کو مخلوق کے سامنے لانے اور اپنا اسوۂ حسنہ پیش کرنے میں کامیاب ثابت ہوئے ۔ آپ حالت یتیمی سے لے کر بادشاہی تک پہنچے ۔ اس دوران میں صدہا قسم کے حوادث و نوائب سے حضور کو واسطہ پڑا ۔ صدہا قسم کے حالات و واقعات حضور کو پیش آئے ۔ یہ صورت حالات اس تنوع کے ساتھ دوسرے انبیاء کی زندگیوں میں نظر نہیں آتی ۔ ان کو وہ مواقع نہیں ملے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ میں اپنا نمونہ پیش کر سکیں ۔ یہ شرف حضور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ازل سے مقدر ہو چکا تھا اور اس لئے اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہیں کہ آج آسمان کے نیچے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے سوائے کوئی وجود ایسا نہیں جو بنی نوع انسان کے لئے کامل نمونہ کا کام دے سکے ۔

حضورؐ کو ایک نوعمر بچے ۔ ایک نوجوان ۔ ایک متاہل ۔ ایک شوہر ۔ ایک باپ ایک تاجر ایک سپاہی ۔ ایک سپہ سالار ، ایک بادشاہ ۔ ایک مقنن ۔ ایک جج ۔ ایک مرشد ایک ہادی کی حیثیت میں دیکھو ، ہر حیثیت اور ہر حالت میں حضور صلعم بنی آدم کے لئے اسوۂ حسنہ ثابت ہونگے اور ہر موقعہ پر بلا تامّل آپ کی زبان سے نکلے گا ۔

ع کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا ایں جاست

یورپین مشاہیر میں بھی کارلائل یا باسورتھ سمتھ ، یا عصر حاضرہ کا سب سے بڑا مفکر برنارڈ شا ٹھوس واقعات کی بناء پر یہ لوگ مجبور تھے کہ حضور صلعم کو دنیا کا سب سے بڑا انسان مانیں اور حضور کے اسوۂ حسنہ کو دنیا کے لئے مدار نجات قرار دیں ؎

نہ من بر آں گلِ عارض غزل سرائم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

کتب سابقہ بھی اسی حقیقت کا انکشاف کرتی ہیں ۔ یوحنا باب ۱۶ آیات ۱۲ و ۱۳ میں حضرت بھی کر کے دکھا دیا ۔ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ۔ صلے اللہ علیہ وسلم حضور خود فرماتے ہیں :۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ۔ میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں ۔

بائبل کے سب سے آخر میں مکاشفات یوحنا کی کتاب ہے ۔ اس کے باب ۱۹ میں ایک طویل عبارت کی پیشگوئی ہے جو ہمارے نبیٔ معظم صلعم پر منطبق ہوتی ہے ۔ منجملہ دیگر علامات اور اوصاف کے اس میں لکھا ہے ۔

"اس کے سر پہ بہت سے تاج ہیں ۔"

یہ "بہت سے تاج" یہی اخلاق مقدسہ مطہرہ ہیں جو حضور اقدس صلعم سے مختلف مواقع پر معرضِ وجود میں آئے ۔ خوب غور کرو اور دیکھ لو ۔ حضورؐ جمیع صفاتِ حسنہ کے جامع ہیں اور ہر کمال اور ہر خلق جو کسی نبی میں تھا وہ بدرجہ اتم حضور کی ذات بابرکات میں بصد شان جلوہ گر ہے

ایکہ بر تخت سیادت زازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تجلیات روحانیہ ۔ انوار و برکاتِ الٰہیہ ۔ علم و حکمت ، رشد و ہدایت ، اصلاحِ نفس آداب و اخلاق کے جس قدر کمالات تھے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئے اور اسی وجہ سے نبوت بھی حضورؐ پر ختم ہو گئی ۔

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

عائشہ طیبہؓ فرماتی ہیں کان خلقہ القرآن ۔ حضورؐ کی زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے ۔ قرآن مجید دنیا کی آخری ہدایت اور مکمل ضابطۂ حیات ہے ۔ وہی نفس مزکی جو اس کی عملی تفسیر ہے نسلِ آدم کے لئے نمونہ ہو سکتا ہے و لاغیر ۔

حضورؐ کسی دنیوی تعلیم کے رہینِ منت نہ تھے ۔ کسی دنیوی استاد کے سامنے حضور نے زانوئے شاگردی تہ نہیں کیا ۔ بلکہ حضور کو خود اس علیم و خبیر نے تعلیم دی تھی جو منبع ہے تمام علم و حکمت کا اور جو سرچشمہ ہے تمام اخلاق و کمالات کا ۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں :۔ علمنی ربی فاحسن تادیبی یعنے میں اپنی تعلیم و تربیت ۔ اپنے کلچر اور اپنے اخلاق و آداب کے لئے کسی زمینی تعلیم کا منت پذیر ہوں ۔ بلکہ خدائے علیم و حکیم نے خود میری تعلیم و تربیت فرمائی ہے ۔ باوجود اُمّی ہونے کے اس قدر علوم و حکم کا مالک ہونا ۔ یہی ایک امر حضورؐ کے اس بلند مقام کا پتہ دیتا ہے ۔ جس پر حضورؐ فائز تھے ۔ ؎

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر + زیں چہ باشد حجتے روشن ترے ۔

ایک مہاجر و مجاہد جماعت

خطبہ عید الفطر فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۱۳ راگست ۱۹۸۰ء بمقام جامع مسجد دار السلام، لاہور

الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولٰئک ھم الفائزون ۝ یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنّٰت لھم فیھا نعیم مقیم ۝ خٰلدین فیھا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم ۝ — (سورۃ توبہ ۹۔ آیات ۲۰ تا ۲۲)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اور وہی بامراد ہوں گے۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت کی اور اپنی خوشنودی کی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے۔ ان کے لئے ان میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔ انہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ کے پاس (ان کے لئے) بہت بڑا اجر ہے۔

ان آیات میں جو خوشخبریاں ہیں اور جن انعامات اور ابدی راحت اور سکون کے وعدے ہیں ان کو سن کر یا پڑھ کر کس انسان، خصوصاً کس مسلمان کا دل نہیں چاہتا کہ وہ ان کے پانے والے خوش نصیبوں میں سے بنے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ان خوشخبریوں اور انعامات کا وعدہ صرف ان سے ہے جنہوں نے ہجرت کی یا جہاد کیا۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں دوسری جگہوں میں جنت کو پانے کے لئے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بطور لازم و ملزوم آئے ہیں۔ مگر یہاں اعمال صالحہ کا ذکر نہیں ہے۔ تو کیا نعوذ باللہ خدا ان کا ذکر کرنا بھول گیا؟ یا کیا ان کی ضرورت نہیں اگر انسان نے ہجرت کی ہو یا جہاد کیا ہو؟

پہلی مشکل یعنی جنت اور اجر کا ذکر صرف ہجرت اور جہاد کرنے والوں سے مخصوص کرنے میں یہ ہے کہ عام طور پر ہجرت صرف اس گھر چھوڑنے کو سمجھا جاتا ہے جو آنحضرت صلعم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حبشہ جانے میں کیا یا مکّے سے مدینہ جانے میں کیا۔ یا زیادہ سے زیادہ اسی قسم کی ہجرت پہ لگایا جاتا ہے جبکہ دین کی خاطر گھر بار چھوڑا جائے۔ مگر ایسی ضرورت کتنوں کو پڑتی ہے؟ عامۃ المسلمین بلکہ خود علمائے کرام اس سے محروم رہتے ہیں۔ خود انصار مدینہ کو ایسی ضرورت نہ پڑی۔ اسی طرح عام طور پر جہاد کو صرف جنگ کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ اور جب حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور احمدی جماعت نے جہاد کو حق کے لئے جد و جہد کے خصوصاً قرآنی تعلیمات کو پھیلانے کے وسیع تر معنوں میں لیا (جیسا کہ آیت وجاھدھم بہ جھادا کبیرا یعنی قرآن سے جہاد کرو جو سب سے بڑا جہاد ہے سے ظاہر ہے) تو حضرت مرزا صاحب اور احمدیوں پر تلوار کے جہاد کو منسوخ کرنے کا الزام لگا کر کفر کا فتویٰ دیا گیا۔ اگر جہاد کے معنی صرف جنگ کرنے کے ہیں تو پھر جہاد نہ تو عوام الناس کو نصیب ہوتا ہے نہ علمائے کرام کو۔ تو مہاجر اور مجاہد کے تنگ معنی کی رُو سے آیات مذکورہ بالا کے مطابق کوئی مسلمان جنت میں نہ جائے گا سوائے مہاجروں اور دین کی خاطر جنگ کرنے والوں کے جنکے موقعے کبھی کبھار اور وہ بھی صرف چند لوگوں کو ملتے ہیں۔

مہاجر کون ہے؟

خوش قسمتی سے ہجرت کے معنی خود رسول اللہ صلعم نے فرما دیئے ہیں۔ اور حضور صلعم کا کہنا مستند ہے کیونکہ ما ینطق عن الھوٰی ۝ ان ھو الا وحی یوحٰی ۝ حضور جو تشریح یا تفسیر فرماتے تھے وہ اپنے خواہش نفس سے نہ ہوتی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی خفی سے ہوتی تھی۔ اگر مہاجر کے معنی صرف وہ لوگ تھے جنہوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی تھی تو وہ تو آپ کے سامنے تھے اور ان کی طرف اشارہ کرنا کافی تھا مگر حضورؐ نے جو معنی بیان فرمائے وہ بہت عجیب ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:- المھاجر من ھاجر ما نھی اللہ عنہ یعنی مہاجر وہ ہے جو اُسے چھوڑ دے جس سے اللہ نے روکا ہے۔ لیجئے صاحب پہلی مشکل تو حل ہو گئی کہ اگر دوسری جگہ اعمال صالحہ کا ذکر ہے اور یہاں نہیں ہے تو لفظ مہاجر خود بتاتا ہے کہ جن چیزوں سے اللہ نے روکا ہے انہیں نہ کرنے سے اعمال صالحہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام تقوٰی ہے یعنی اپنے نفس کو ضرر رساں اور دکھ اور تکالیف پہنچانے والی چیزوں سے بچانا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف انہی چیزوں سے روکا ہے جو اُس کے نفس کیلئے مُضر ہیں، دکھ اور تکالیف میں ڈالتی ہیں، بالفاظِ دیگر بدیوں سے روکا ہے۔ اب یہ عجیب حکمت کی بات قرآن حکیم نے ہمیں بتائی ہے کہ انسان کے ہر عمل میں اچھے یا بُرے پہلو ہو سکتے ہیں۔ اگر بُرے پہلوؤں سے بچا جائے تو پھر صرف اچھے پہلو باقی رہ جاتے ہیں اور یوں ہر عمل عمل صالحہ بن جاتا ہے۔ مثلاً دنیا صبح سے شام تک بلکہ راتوں کو بھی دولت کمانے میں لگی ہوئی ہے۔ دولت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کہا ہے اور کہیں قیاماً للناس بھی فرمایا کہ تمہاری بقا کا ذریعہ ہے مگر دولت کی طلب حد سے بڑھ کر طمع اور ہوس اور حرص کی آگ بھی بن سکتی ہے اور پھر انسان حلال اور حرام کو نہیں سوچتا اور دولت کمانے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے جو کہ شرک بن جاتا ہے کیونکہ انسان کی زندگی کا مقصد دولت کمانا نہیں بلکہ خدا کو پانا ہے۔ تو قرآن کریم نے جہاں حلال اور حرام کی تمیز قدم قدم پر کی ہے وہاں دولت کی محبت جو طمع ہوس اور حرص اور بخیلی کو پیدا کرتی ہے اُس سے انسان کو بچانے کے لئے اس محبت پر یوں چھری پھیری ہے کہ دولت کو اپنے سوا دوسرے مستحقین اور حاجتمندوں پر خرچ کرنے اور اعلیٰ اخلاقی اور روحانی مقاصد کو پانے کے لئے فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ تو حلال طریقوں سے دولت کمانا اور پھر اسے اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے جائز حقوق کے علاوہ دوسروں پر اور اعلیٰ مقاصد کے لئے خرچ کرنا اعمال صالحہ بن جاتے ہیں۔

علاوہ بُری باتوں کو چھوڑنے کے ایمان لا کر انسان کو بعض وقت جائز یا حلال چیزوں کو ایک اعلیٰ مقصد کے لئے چھوڑنا پڑتا ہے مثلاً صحابہ رضی اللہ عنہم کو حق کی خاطر گھر بار، کاروبار بلکہ بیوی بچوں کو بھی چھوڑنا پڑا۔ اپنی زمینیں جائیدادیں نوکریاں بھی چھوڑیں۔ یا ابھی رمضان میں خدا کے کہنے پر اور تقوٰی حاصل کرنے کے لئے لوگوں نے حلال رزق چھوڑے رکھا۔ تو اس قسم کی ہجرت اعلیٰ تر مقام ہے اور اس قربانی کا بہت بڑا اجر ہے۔

جہاد کیا ہے؟

دوسری مشکل لفظ جہاد کے معنوں کے بارہ میں

تھی کیونکہ عام طور پر اس کے معنی صرف حق کی خاطر لڑائی یا جنگ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اب قرآن حکیم کو دیکھا جائے تو وہاں جنگ کے لئے لفظ قتال آتا ہے۔ جہاد کے لفظی معنی کوشش کرنے کے ہیں یا مجاہدہ جہاد کرنے کے ہیں۔ اور اسی معنوں میں یہ لفظ قرآن کریم میں آیا ہے مثلاً فرمایا۔ جاھدھم بہٖ جہاداً کبیراً یعنے اس قرآن سے کفر کے خلاف جہاد کرو جو سب سے بڑا جہاد ہے۔ اگر حق کی خاطر جنگ کرنے کو بھی جہاد کہا جاتا ہے تو اسی لئے کہ وہ بھی حق کی حفاظت کی انتہائی کوشش کا نام ہے۔ رسول اللہ صلعم کا ایک فرمان ان باتوں کو بخوبی سمجھاتا ہے۔ ایک جنگ سے واپس ہوتے ہوئے آپ نے فرمایا: رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر یعنے ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ اسلام یا مسلمانوں پر تلوار سے حملہ ہو تو ان کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھانا بھی جہاد ہے مگر جہادِ اصغر ہے۔ قرآن سے حق کو پھیلانا جو ہمیشہ واجب ہے جہادِ اکبر ہے۔

جہاد کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وہ اموال سے ہو اور اپنی جانوں سے بھی۔ اموال کو پہلے کیوں رکھا حالانکہ جان دنیا سب سے بڑھ کر ہے؟ تو وجہ یہ ہے کہ جہاد چاہے وہ اشاعتِ اسلام کے لئے ہو یا جنگ آپڑنے پر جنگ کے لئے ہو ان دونوں حالتوں میں روپیہ کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔ پھر مال کے ساتھ جہاد ساری قوم پر فرض ہو جاتا اور ساری قوم کے لئے ممکن بھی ہے جبکہ جان کے ساتھ جہاد تو قوم کا ایک حصہ یا اشاعتِ اسلام کی صورت میں کوئی فرد یا چند افراد ہی کر سکتے ہیں۔ اشاعتِ اسلام میں مبلغین کی یا کام کرنے والوں کی تعداد تو تھوڑی ہوتی ہے مگر جہاد بالمال کی ضرورت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت امام الزماں نے فرمایا کہ جو تین ماہ چندہ نہ دے اُسے میری جماعت سے خارج سمجھا جائے۔ کیونکہ آپ کوئی نیا دین تو لائے نہ تھے کہ اُس دین میں شامل ہونا باعث نجات سمجھا جا سکتا۔ آپ تو محض حفاظت و اشاعت اسلام کے لئے آئے تھے اور اسی مقصد کے لئے آپ نے احمدیہ جماعت بنائی تھی۔ آنحضرت صلعم جو نیا دین لائے تھے اُس دین میں بھی یعنے قرآن اور حدیث میں جہاد پر کس قدر زور ہے کہ جہاد نہ کرنے والوں کو کہیں منافق کہا گیا ہے اور کبھی ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔

تو حضرت امام الزماں کا کس قدر احسان عظیم ہے کہ آپ نے ہمیں جہاد کے اہم فریضہ کو ادا کرنے کے لئے کھڑا کیا۔ اگر ہم اس میں کوتاہی کریں تو یہ نہ صرف اپنے مرشد سے وعدہ خلافی ہے بلکہ خدا اور رسول کے آگے جرم ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تو جہاد کے لئے اپنا مال پانی کی طرح بہاتے تھے۔ کبھی گھر کا سارا یا آدھا مال لے آتے تھے کبھی سارا دن مزدوری کر کے جو تھوڑی کھجوریں کماتے تو اس میں سے آدھی خدا کے رستہ میں دے دیتے تھے۔ اسی طرح احمدیہ جماعت کے بزرگوں نے کیا۔ ہاں آج بھی کچھ خدا کے نیک بندے یا بندیاں ہیں جو ضرورت پڑنے پر دل کھول کر مال خدا کی راہ میں دیتے ہیں مگر بہتوں کے دل نہیں کھلتے۔ جہاد بالمال کرنے میں بھی جہاد بالنفس آجاتا ہے کیونکہ مال کو خدا کی راہ میں دینے کے لئے انسان کو اپنے نفس پر چھری پھیرنی پڑتی ہے۔

وحی والہام

تو اب میں ان آیات کی طرف واپس آتا ہوں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھیں۔ ان میں ان اعلیٰ اور ابدی نعمتوں کے لئے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص بندوں کیلئے وعدہ فرمائی ہیں پہلی شرط مہاجر یعنے متقی ہونے کی تھی۔ متقی بننا اسی لئے مشکل ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نظر نہیں آتا اور جب تک زندہ خدا پر زندہ ایمان نہ ہو تقویٰ نصیب نہیں ہوتا۔ اس بارہ میں بھی حضرت مرزا صاحب کا ہی ہمارے اوپر کیا احسانِ عظیم ہے کہ آپ نے اپنی وحی والہام کے ذریعہ ہمارا زندہ خدا پر زندہ ایمان قائم کیا۔ آپ پر وحی والہام بارش کی طرح ہوئے۔ اور آپ نے ان کو چھاپ کر اور تمام مذاہب میں تقسیم کر کے بار بار چیلنج دیا کہ دوسرے مذاہب بھی دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ خدا سے انسان کو ملانے آئے ہیں مگر ان پر چل کر کیا کسی کو خدا ملا جس کا ثبوت ہمیشہ اس شخص سے خدا کا کلام کرنا ہوا کرتا تھا۔ مگر اس چیلنج کے جواب میں کوئی نہیں بولا۔ اس کے برعکس حضرت مرزا صاحب نے اپنے خدا کو پانے اور آپ پر وحی والہام نازل ہونے کو ہمیشہ اسلام کے زندہ مذہب ہونے، اسلام کے خدا زندہ اور حیّ و قیوم ہونے، اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نبی کے ثبوت کے طور پر پیش کیا کہ میں نے قرآن پر اور سنت نبوی پر عمل کر کے خدا کو پالیا جو کہ انسان کی پیدائش اور زندگی کا مقصد ہے۔ وحی والہام کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت اس کا حیرت انگیز علم غیب ہوتا ہے جو ایک زبردست قدرتوں اور طاقتوں والے خدا کے سوا کسی کے لئے پورا کرنا اور وہ بھی پہلے سے بتا کر ممکن ہی نہیں۔ حضرت مرزا صاحب کے الہامات ایسی زبردست پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے تھے جن میں سے اکثر آپ کی زندگی میں پوری ہوئیں اور بہت سی آپ کی وفات کے بعد بلکہ زمانہ حال میں پوری ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ جب بھی کوئی زبردست پیشگوئی پوری ہوتی یا اب ہوتی ہے تو اس سے انسان کا زندہ خدا پر زندہ ایمان مضبوط تر ہوتا ہے۔ اسی سے تقویٰ کو حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے کہ خدا واقعی ہے اور وہ ہم کو دیکھ رہا ہے اور ہم کو اسی دنیا میں سزا دینے پر قادر ہے جیسا کہ ان لوگوں کو دی جن کے بارہ میں وہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔

اس کے علاوہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے آنے کی اصل غرض بار بار یہی بتائی کہ ایک متقیوں کی جماعت بنائی جائے جو دوسروں کے لئے نمونہ ہو۔ جس جماعت نے دوسروں کی اصلاح کرنی ہے جب تک اس کی اپنی اصلاح نہ ہو وہ دوسروں کی اصلاح کہاں کر سکتی ہے۔ ؟ ۔ حضرت اقدس کو اس مشن میں ایسی کامیابی ہوئی کہ احمدیہ جماعت کا تقویٰ اپنے اور غیر سب مانتے تھے۔

علامہ سر محمد اقبال نے اپنی علی گڑھ کی ایک تقریر میں کہا کہ اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی سیرت جس نے دیکھنی ہو وہ قادیان میں دیکھ لے۔ عدالتیں تک احمدی گواہوں کی معروف سچ گوئی کی بنا پر مقدمہ کا فیصلہ ان کی گواہی کے مطابق دے دیتی تھیں۔ آج بھی اس گئی گزری حالت میں احمدی جماعت بحیثیت مجموعی خدا پر زندہ ایمان رکھنے کا ثبوت حق پر ثابت قدمی اور اپنی مالی قربانیوں سے دیتی ہے۔ تو ان دلکش انعامات اور اجر کو پانے کی پہلی شرط تقویٰ اس جماعت میں پیدا کر کے حضرت مرزا صاحب نے ہم پر احسان عظیم کیا ہے۔

دوسری شرط جو کہ اللہ کے رستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے کی ہے اس کے لئے بھی ہم حضرت مرزا صاحب کے مرہون منت ہیں کہ آپ نے ہمیں اس جہاد کے اہم فریضہ کو پورا کرنے کا رستہ بتایا کہ قرآن کو اور اسلام کو دنیا میں پہنچایا جائے۔ اس بارہ میں احمدی جماعت کی تاریخ اور کردار ایسا درخشندہ ہے کہ دوست اور دشمن سب کو اس کا اعتراف ہے۔

خوشخبریاں

تو مہاجر یعنے متقی اور مجاہد لوگوں کے لئے ان آیات میں جو میں نے آج پڑھی ہیں سب سے بڑی خوشخبری تو یہ ہے کہ وہ اعظم درجۃً عند اللہ ہیں یعنے اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھیں گے۔ واولٓئک ھم الفائزون۔ یہی لوگ ہیں جو کامیاب اور بامراد ہوں گے۔ دوسری خوشخبری ان الفاظ میں دی ہے یبشرھم ربھم برحمۃٍ منہ ورضوانٍ ان کا رب ان کو خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت اور خوشنودی کی۔ لفظ رحمۃ قرآن کریم میں روحانی نعمتوں کے معنی میں آتا ہے۔ ان کی بے قدری

نہ کرنا۔ یہ دنیا یا اس کی نعمتیں رہنے والی چیزیں نہیں۔ انسان کی زندگی میں ہی اس سے چھن جاتی ہیں اور مرنے پر تو یقیناً ختم ہو جائیں گی۔ مگر جو روحانی نعمتیں انسان کو اس زندگی میں ملی ہے تو آپ جانتے ہیں کہ دنیا کی لذات اس کے آگے ہیچ ہیں۔ جو خوشخبری دی گئی ہے وہ یہ کہ روحانی انعام جو یہاں معمولی درجہ کے لوگوں کو بھی یہاں ملتا ہے۔ وہ ہمیشہ ملے گا اور اس کی لذت اور سرور میں کبھی کمی نہ آئے گی۔ دوسری خوشخبری اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ جس کو وہ نصیب ہو جائے اس کو پھر کسی چیز کی کمی کہاں ہو گی۔

مگر انسان روحانی سکھ اور راحت اور لذات کے علاوہ ظاہری نعمتوں کا بھی بھوکا ہوتا ہے تو تیسری خوشخبری ان الفاظ میں دی۔ وجنّٰت لهم فيها نعيم مقيم اور اُن کے لئے باغات ہوں گے جن کی نعمتیں ہمیشہ قائم رہنے والی ہوں گی۔ جن لوگوں کو باغات کا تجربہ ہے جیسا کہ مجھ کو ہے کہ مجھے ساری عمر باغبانی کا شوق رہا وہ جانتے ہیں کہ باغات کے پھل پھول جہاں از حد دلکش اور دل خوش کن ہوتے ہیں وہاں صرف ایک نقص ہے کہ ان کو قیام نہیں ہوتا۔ چندروزہ ہی بہار نصیب ہوتی ہے پھر پت جھڑ اور خزاں اور پھل پھول کا ختم ہو جانا انسان کے دل کو توڑ دیتا ہے۔ اور اب تو پھلوں پھولوں کی بیماریاں عذاب جاں ہو گئی ہیں۔ ہزار SPRAY سپرے کرادو۔ دوائیاں ڈالو، کھادوں پر پیسہ بہاؤ کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ بہشت کے باغوں کی جو بھی نعمتیں ہوں گی (اور ان کی دوسری جگہ قرآن کریم میں تفاصیل بھی ہیں) وہ ہمیشہ رہنے والی ہوں گی۔ مزہ اور بے فکری تبھی ہو گی۔

مگر وہ نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہوں پر انسان ان باغوں میں عارضی طور پر گیا ہو جیسا کہ آپ جب شالیمار باغ جاتے ہیں تو واپس آکر اپنی گندی گلی میں ہی عمر کٹتی ہے۔ یا کشمیر جا کر واپس آنے کو دل نہیں چاہتا تھا مگر مجبوراً آنا پڑتا تھا تو یہ عارضی قیام کا احساس بھی انسان کی خوشی اور لذت کو بدمزہ کر دیتا ہے۔ اس لئے چوتھی خوشخبری یہ دی۔ خٰلدين فيها ابدًا۔ یہ لوگ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہو گا۔ مگر ابھی اور خوشخبری سنیئے ان الله عندهٗ اجر عظيم بے شک اللہ کے پاس اور بھی اجر عظیم ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ جیسی عظیم ہستی اجر عظیم کے الفاظ استعمال فرمائے تو وہ کتنے عظیم اجر ہوں گے۔

فسبحٰن الله وبحمده سبحٰن الله العظيم

حضرت مرزا صاحب کا ہم پر کیا احسانِ عظیم ہے کہ آپ نے زندہ خدا پر زندہ ایمان پیدا کر کے جس سے تقوای کی زندگی نصیب ہوتی ہے جس کو پانے کے لئے آپ نے اتنا زور دیا کہ فرمایا کہ ہمارے آنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ تقوای لوگوں میں پیدا کریں اور پھر جہاد فی سبیل اللہ کا وہ راستہ بتا کر جسے قرآن کریم نے جہاد کبیر کہا ہے ہم کو اگر ہم متقی بنیں اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۔ ان خوشخبریوں کا اہل بننے کا موقع دیا جن کا ذکر ان آیات میں ہے جن کو میں نے اسی خطبہ کے شروع میں پڑھا تھا۔ اس محسنِ اعظم پر اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں اور برکات ہوں۔

آمین۔

خدا کا آخری امام نسخۂ شفاء قرآن حکیم

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسلِ انسانی تباہی و بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے اور قریب ہے کہ یہ لوگ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائیں .... وہ نسخۂ شفاء جس سے نسل انسانی بچ سکتی ہے وہی ہے جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچایا۔ یہ خدا کا آخری کلام ہے۔ یہ قرآن ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ مگر ہم اس نسخۂ شفاء کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اس کے پہنچانے کے لئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کام کی بنیاد اپنے ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی۔ اور اس کو چودھویں صدی کے سر پر مجدد بنا کر بھیجا کیونکہ نفوس کو پاک وہی کر سکتا ہے جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اس کے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے دل میں قرآن اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر عشق تھا۔ اس عشق کی آگ اس کے سینے میں ایسی مشتعل تھی کہ جو اس کے پاس جا کر بیٹھا اس کے سینے میں بھی ایک چنگاری اسی آگ کی پڑ گئی اور ہزارہا بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے اور آج وہ چنگاری کچھ مدھم نظر آ رہی ہے۔ اپنے اپنے سینوں کو ٹٹولو کیا تمہارے دلوں میں وہ امام زمان کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے۔ اگر ہے تو وہ حرکت کیوں نہیں؟ جو امام زماں کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی ہے۔ تمہارا قدم دیوانہ وار آگے کیوں نہیں بڑھ رہا؟ تم ہی وہ لوگ تھے جو اس عشق سے بے تاب ہو کر لوگوں کے دروازوں پر پھرتے تھے۔ اور ان کو اس نیک کام میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ بھی ثواب حاصل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ثواب میں شامل کرتے تھے آج تم میں وہ لوگ کیوں کم ہو گئے تم ہی وہ لوگ تھے کہ دینی خدمات کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے تھے اور تم دیوانہ وار ملکوں میں نکل گئے کہ خدا اور رسول کا نام اور خدا کا پاک کلام دنیا کو پہنچا دیں تم نے کفرستانوں میں مسجدیں بنا دیں اور اللہ اکبر کی آوازیں بلند کر دیں۔ تمہارے مسلمان بھائی تمہیں گالیاں دیتے رہے مگر خدا کی راہ میں تمہارا جنون بڑھتا ہی چلا گیا۔ ہاں تم میں ہی وہ لوگ تھے جو اپنے دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی دینی کاموں کو اسی طرح سر انجام دیتے تھے کہ زندگی وقف کرنے والوں سے بڑھ کر ان کا کام ہوتا تھا۔ آج وہ بہت کم نظر آتے ہیں۔ تم ہی مالدار اور غرباء تھے کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو مالدار غرباء سے اور غرباء مالداروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر آج کوئی مالی تکلیف پیش آتی ہے تو تم قربانیاں کرنے کی بجائے یا خدا کی راہ میں جہاد کرنے کی بجائے گھر بیٹھے یہ مشورے کرتے ہو کہ فلاں مشن بند کر دو۔ قرآن کریم کی اشاعت کو بند کر دو۔ تو تم اب آگے بڑھنے کی بجائے اپنے قدم پیچھے ہٹانے کو تیار ہو گئے۔ خدا کے پاک بندوں کی یہ حالت نہیں ہونی چاہیئے۔ ان کا قدم آگے بڑھتا ہے۔ وہ سخت سے سخت مشکلات کے وقت قدم آگے ہی بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اور خدا کی نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے ⁂

بیرونِ پاکستان ہماری تبلیغی سرگرمیوں سے متعلق چند خطوط

ہالینڈ سے مولانا عبدالرحیم جگو صاحب رقمطراز ہیں: پچھلے دنوں ادلمپک کے کھلاڑیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں دو سو کے قریب مسلمان تھے جن کا تعلق عرب اور مشرقی افریقہ سے تھا۔ اور ان میں پچاس کھلاڑی مصر سے تعلق رکھتے تھے پڑھے لکھے لوگ تھے۔ ان سے مفید باتیں ہوئیں۔ جماعت کی دنیا بھر میں تبلیغی مساعی سے انہیں آگاہ کیا گیا اور جب ان کے پاس حضرت امیر مرحوم کی معرکۃ آراء تصنیف "دی ریلیجن آف اسلام" کا عربی ترجمہ جو مصر سے شائع ہوا ہے دیکھا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے شائع کردہ کتاب کا ترجمہ ہے اور مرحوم مولینا محمد علی صاحب کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے جو انگریزی میں شائع کی گئی تھی تو وہ بے حد متاثر ہوئے اور سلسلہ احمدیہ میں گہری دلچسپی کا اظہار کرنے لگے اور مجھے مصر آنے کی دعوت دی کہ وہاں آئیں اور اسلام کی اشاعت کے لئے کام کریں، وہ سخت حیران تھے کہ ہم لوگوں نے یورپ میں کس طرح پر اسلام کی تبلیغ کی ہے اور کر رہے ہیں۔ انہوں نے ہمارے لٹریچر کے بارہ میں مطالبہ کیا تو جو کتب میرے پاس تھیں انکو پہنچا دی ہیں۔ آئندہ اور کتب بھجوانے کے بارہ میں مرکز کو اطلاع دوں گا۔ بلجیم کے نومبائع عبدالواحد صاحب نے مجھ سے لٹریچر طلب کیا تھا جوان کو بھجوا دیا ہے۔ یہ نوجوان سلسلہ کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ۔

امسال جلسہ سالانہ بڑی اہمیت کا حامل ہوگا۔ ۱۴ صدی کا خاتمہ اور پندرھویں صدی کا آغاز، اس میں ہر جماعت کو اپنی کارکردگی پیش کرنی ہوگی، میں ابھی سے تیاری شروع کروں گا۔ کوشش کر رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ افراد جماعت اس بابرکت اجتماع میں شامل ہوں۔

بھئی محمد علی صاحب کی تبلیغی مساعی نہایت قابلِ قدر ہیں۔ انہیں ایمسٹرڈم کی جماعت کا صدر بنا دیا گیا ہے۔ نہایت مستعدی اور محنت سے کام کر رہے ہیں، آجکل وہ احمدیت سے متعلق ایک جامع کتاب تصنیف کر رہے ہیں۔

۔ ان کو جلسہ سالانہ پر لانے کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ احباب کو اپنے خیالات سے محظوظ کر سکیں۔ انشاء اللہ،

مولانا جگو صاحب کا تازہ خط بھی ملاحظہ ہو۔

"تمام ہالینڈ کی احمدی جماعتوں میں ۱۲ راگست کو عید الفطر کی نماز پڑھی گئی۔ امید سے زیادہ لوگ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہوئے۔ اس بار ۳۰ شہروں سے لوگ "یوٹریکٹ" میں ہمارے ساتھ عید الفطر کی خوشی میں شامل ہوئے ہیں۔ الحمد للہ یہ میرے دورے کا اثر اور کامیابی ہے۔ میری تبلیغی مساعی اور صحت کے لئے دعا کی درخواست ہے باقی تمام احباب جماعت کی خدمت میں سلام عرض ہو۔

بمبئی بھارت سے محترم عبدالرزاق صاحب: انچارج بمبئی مشن تحریر فرماتے ہیں: پیغام صلح میں اعلان ہوا تھا کہ بیان القرآن کو بڑی تقطیع پر شائع کیا جا رہا ہے، احباب کو تلاوت کے دوران اگر کسی غلطی یا سہوِ کتابت کا علم ہوا ہو تو وہ اس کی اطلاع مرکز کو دیں۔ چنانچہ ایسی اغلاط کی ایک فہرست بھجوا رہا ہوں، دوبارہ اشاعت سے پہلے درستی کر لیں۔ شکریہ)

گذشتہ ایام مجھے "گوا" میں گزارنے کا موقع ملا، اسی طرح سلسلہ کی اشاعت کے بہت سے مواقع میسر آئے۔ "اچلکرنجی" گیا جہاں جماعت کے چند ممبران سے ملاقات کی دورانِ تبلیغ دو ہندوؤں نے اسلام قبول کیا اور سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی

ایک اور متلاشیٔ حق جماعت میں داخل ہوا۔ تینوں کے بیعت فارم پُر کر وا کر بھجوا رہا ہوں۔ داؤد (نومسلم) نہایت خلوص نیت سے اسلام لایا ہے۔ اس کی ریڈیو مکینک کی عمدہ دکان تھی لیکن یہ جان کر کہ یہ کاروبار اسلام کی روح کے منافی ہے اس نے یہ کاروبار بند کر دیا اور دکان فروخت کر دی۔ ہمارے دوست صابر انصاری صاحب نے اُسے اسلام کے قریب لانے میں بڑی کوشش کی ہے۔ جزاھم اللہ

امین احمد صاحب ہمارے ساتھ ہونے کے باوجود بہت عرصہ پہلو تہی کرتے رہے۔ انہیں بیعت کی برکات سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے بھی بیعت فارم پُر کر دیا ہے۔ بزرگان سلسلہ سے درخواست ہے کہ نومبائعین کے لئے دُعا فرماویں اللہ تعالیٰ انہیں استقامت بخشے اور سلسلہ کے لئے مفید ثابت ہوں۔ آمین

کل ہند احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام: کے جنرل سیکرٹری جناب محمد یوسف تابش صاحب نے لکھا ہے کہ جماعتی سرگرمیاں حسب معمول جاری ہیں۔ ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ اگست کو حسب معمول جلسہ سالانہ منعقد کیا جا رہا ہے۔ مرکز سے بزرگان سلسلہ خاص طور پر حضرت امیر ایدہ اللہ، حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اور جنرل سیکرٹری صاحب کے پیغامات اس بابرکت اجتماع کیلئے ضرور بھجوائیں۔ مرکز سے جو پیغامات ارسال کئے گئے تھے وہ بھی ملاحظہ کریں۔

نقل پیغام منجانب حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

احباب کرام و خواتینِ سلسلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

گذشتہ سال میں نے آپ کے جلسہ سالانہ پر آپ کو ایک پیغام بھیجا تھا۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ اس سال بھی جلسہ کا اہتمام کر رہے ہیں۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو اس دفعہ بھی چند پند و نصائح کروں۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ پہلے سے زیادہ بیدار و مستعد ہو گئے اور سلسلہ کے مقاصد کو فروغ دینے کے لئے سرگرم عمل رہے ہیں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دینی مساعی کو مشکور فرمائے۔ حرکت میں برکت ہوتی ہے اور حرکت سے جماعتوں کی زندگی کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر آپ استقلال اور عزم صمیم سے اعلائے کلمۃ الحق کرتے رہیں تو کامیابی ہر منزل پر آپ کے قدم چومے گی آپ جماعت میں اسلام کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں اور اپنے آپ کو سچی اخوت و مروت کے رشتہ میں منسلک کریں۔ باہمی ہمدردی اور غمگساری کو اپنا شعار بنائیں۔ تقوی و طہارت اپنے اندر پیدا کریں۔ اور خدا سے ڈر کر پوری پرہیزگاری سے زندگی گزاریں۔ اسلام کا یہی مقصد ہے اگر آپ اسلام کی اس تعلیم کا نمونہ بن جائیں تو پھر اسلام کی تبلیغ آپ کے لئے آسان ہو جائے گی دنیا آپ کا نمونہ دیکھ کر خود اندازہ لگائے گی کہ اسلامی تعلیمات کی برکات کیا ہیں حضرت مسیح موعودؑ دو مقصد لے کر مبعوث ہوئے تھے ایک اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور دوسرا ایک پاک جماعت کا پیدا کرنا۔ جو اسلام کی صداقت پر ایک روشن نشان ہو۔

آپ اپنے سلسلہ کی تعلیم اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے نہایت مہذب اور حلیم الطبع ہو کر پیش کیا کریں اور ان کے غم و غصہ کو کبھی خاطر میں نہ لایا کریں۔ غیروں کے سامنے بھی آپ کا طریق تبلیغ نہایت خوبصورت ہونا چاہیئے۔ آپ کے حسنِ اخلاق، حلم اور بردباری سے بڑے

... رہنا چاہیے۔

میں خواتین کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت اور عظمت بٹھائیں۔ اور خدا کے دین کو پھیلانے میں اپنے مردوں کا بھرپور ساتھ دیں۔ اپنے بچوں کی صحیح اسلامی رنگ میں تربیت کریں اور ان کے اندر سلسلہ کی محبت پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اگر آپ کے بچے جوان ہو کر اچھے احمدی اور سچے مسلمان دکھائی دیں تو اس سے آپ کو اس دنیا میں بھی بڑی عزت اور نیک نامی ملے گی اور اگلے جہاں میں بھی بڑے بڑے انعامات کی حقدار ٹھہریں گی۔

میں آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اے پروردگار میری جماعت کے ہر مرد و زن کو اسلام کا فخر بنا۔ اسکو اپنے افضال و اکرام سے مالا مال فرما اور ہمیشہ اپنی حفاظت و امان میں رکھ۔ آمین

پیغام برائے جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند، بمقام یاڑی پورہ کشمیر

(منجانب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی)

برادران و خواہران سلسلہ عالیہ احمدیہ و جملہ معزز حاضرین جلسہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

کشمیر جنت نظیر میں آپکے اس سالانہ اجتماع کے موقع پر میں آپ سب کی خدمت میں السلام علیکم اور مبارکباد عرض کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس اجتماع پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش نازل فرمائے اور جس غرض اور مقصد کی خاطر آپ دور دراز کے مقامات سے اس میں شرکت کیلئے سفر کی مشکلات برداشت کر کے اور اپنے آرام کی قربانی دے کر تشریف لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسمیں آپ کو بے مثال اور قابل تقلید کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین!

یہ بڑی خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ آپ کو اپنے نظریات اور اعتقادات کے اظہار اور تبلیغ و تشہیر کی مکمل آزادی اور سہولتیں فراہم ہیں اور یہ بھی شکر کا مقام ہے کہ ہم بھی باوجود گوناگوں مشکلات اور مجبوریوں کے اس شمع کو روشن رکھنے اور طوفان سے محفوظ رکھنے کی اپنی بساط کے مطابق کوشش کر رہے ہیں جو آج سے تقریباً سو سال قبل آپ کے وطن میں قادیان کے مقام پر اس صدی کے مجدد اور مسیح موعودؑ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے پوری آب و تاب سے روشن کی اور جس کی لو بہت سے تاریک دلوں کو منور کر گئی اسی کی ایک جھلک آپ کا یہ سالانہ اجتماع بھی ہے۔ کشمیر جہاں آپ کا یہ سالانہ جلسہ منعقد ہو رہا ہے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک نشان بھی ہے۔ کیونکہ اسی سرزمین میں اسرائیلی مسیحؑ مدفون ہیں جن کی وفات کی خبر آپ نے دی اور قرآن سے اس کا ایسا ناقابل تردید ثبوت پیش کیا جسے آج عیسائی محققین بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

کشمیر سے میری بہت سی پرانی یادیں وابستہ ہیں جن میں سے ایک انمٹ یاد جب یہ حروف لکھے جا رہے ہیں پھر سے دل میں تازہ ہوئی ہے اور اس کا ذکر کئے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ ۱۹۳۵ء میں یعنی آج سے ٹھیک ۴۵ سال پہلے اسی مہینہ اگست میں آپ کے اسی ضلع کے ایک پُر فضا مقام پر جو اچھابل سے چند کلومیٹر دور جانب مشرق واقع ہے مجھے چند روز قیام کا موقعہ ملا دلکش ماحول کا دل پر خاص اثر تھا۔ تلاوت قرآن کریم کے دوران یہ آیت زیر مطالعہ آگئی۔ وجعلنا ابن مریم و امہ اٰیۃ واوینٰھما الی ربوۃ

کی عین آج خود مسیح ابن مریم کے ماننے والے کر رہے ہیں۔ اور واقعات بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔

اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک سے عین قبل مجھے آخری بار کشمیر جانے کا موقع ملا۔ اس کے بعد ہمارے درمیان فاصلے اور مجبوریاں حائل ہو گئیں ایک طویل مدت تک ہم ایک دوسرے سے منقطع رہے۔ ہمارے درمیان کوئی رابطہ قائم نہ رہ سکا لیکن میں آپ کو اپنی اور پاکستان کی جماعت احمدیہ لاہور کیطرف سے یقین دلاتا ہوں کہ یہ جغرافیائی فاصلے آپ کی یاد ہمارے دلوں سے نہ مٹا سکے۔ ہم اس تمام عرصہ میں یہ محسوس کرتے رہے ہیں کہ ہمارے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ یہ جسمانی دوری ہماری روحوں کو جدا نہیں کر سکی۔ شاید ہمارے دلوں کی یہی تڑپ اور جذبہ تھا کہ آج آپ کی اور ہماری دعاؤں کے اثر نے ہمارے درمیان نئے سرے سے تعلقات استوار کرنے کے مواقع پیدا کر دیئے ہیں۔ الحمد للہ، اور یہ امید پیدا ہو گئی ہے کہ ایک دن اب بھی ضرور آئے گا کہ ہماری مشتاق نگاہیں ایک دوسرے کے چہروں پر بھی پڑ سکیں گی اور ہم آپ سے بغلگیر بھی ہو سکیں گے۔

گزشتہ دو سال سے یہ سننے میں آ رہا تھا کہ آپ میں سے بہت سے دوست جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے لاہور تشریف لائیں گے لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا ورنہ چند دن ملاقات کا شرف حاصل ہو جاتا اور دوسرے دوستوں کے حالات سے واقفیت حاصل ہو جاتی۔ اس سال ہم اپنا جلسہ سالانہ چودھویں صدی کو الوداع کہنے کے لئے شایان شان طریقے سے منعقد کرنا چاہتے ہیں کیونکہ درحقیقت یہ صدی ہماری صدی ہے۔ کیونکہ اسوقت مشرقی اور مغربی دنیا کے مذہبی نظریات میں جو انقلاب رونما ہو رہا ہے اور دنیا ایسے مذہب کی تلاش میں ہے جو امن، آشتی، صلح اور پیار و محبت کے نظریات کا حامل ہو۔ وہ انقلاب حضرت مسیح موعود کا پیدا کردہ ہے۔ ہم اپنی تمام بیرونی جماعتوں کو بھی اس جلسہ میں شمولیت اور بھرپور کردار ادا کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اس میں ضرور شامل ہوں گی۔ آپ سے بھی توقع ہے کہ اس میں ایک کثیر تعداد میں شامل ہونگے اور ہمیں ملاقات کا موقع فراہم کریں گے۔

سال گزشتہ ہمارے بھائی بشارت احمد بقا صاحب نے جنہیں اپنے عزیزوں سے ملنے کی بنا پر ویزا مل گیا تھا آپ کے جلسہ میں شمولیت کر کے ہماری نیابت کا حق ادا کیا۔ بہت افسوس ہے کہ امسال باوجود شدید خواہش کے ہم میں سے کوئی بھی بعض مجبوریوں اور معذوریوں کیوجہ سے آپکے اس مبارک جلسہ میں شریک نہیں ہو سکا لیکن یہ یقین رکھیں ہمارے دل، روح اور دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپکے ساتھ ہو۔ آمین!

آخر میں اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں کیخدمت میں عرض کروں گا کہ ہم مجبور ہیں اور ہماری ان مجبوریوں سے آپ بے خبر نہیں! اس لئے حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ہماری نگاہیں اپنی بیرونی جماعتوں کی طرف اٹھتی ہیں کیونکہ وہ آزاد فضاؤں میں سانس لے رہی ہیں" اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی" آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ بیرونی ممالک میں جہاں جہاں بھی ہماری جماعتیں ہیں ۱۹۷۴ء کے بعد سے ایک نئے جوش اور ولولہ اور نئی تنظیم کے ساتھ بیدار ہو چکی ہیں۔ اکثر مقامات پر "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور" نام اختیار کیا گیا ہے۔ اور حضرت صاحب کے مشن کی تکمیل میں معروف ہیں۔

حضرت صاحبؑ کا مشن کیا ہے؟ قرآن اور اسلام کی اشاعت و تبلیغ۔ تاکہ دنیا جو آج

مادیت میں ڈوب کر رہ گئی ہے اور اخلاقی اور روحانی اقدار سے بہت دور بھٹک گئی ہے قرآن اور اسلام کی روشنی سے منور ہو کر اس تباہی اور بربادی سے بچ جائے جس کے خوفناک اور مہیب گڑھے کی طرف وہ سرپٹ بھاگی جا رہی ہے۔ اور اپنے بُرے انجام سے بے خبر ہے۔ نسلِ انسانی کی فلاح اور بہبودی کی خاطر حضرت صاحب ہمیں یہ امانت سونپ گئے ہیں آئیے سب مل کر اس بارِ امانت کو صبر، حوصلہ، استقامت اور وفاداری سے کندھا دیں۔ دنیا پر نظر دوڑا کر دیکھیں اسے اٹھانے والا آپ کو اور کوئی نظر نہیں آئے گا۔ ہمارے آباؤ اجداد نے اور ان کی وساطت سے ہم نے ہی حضرت صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر یہ عہد کیا تھا کہ "ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے"۔ صدق دل سے اس عہد کی تجدید اور اس پر جان توڑ کر عمل کرنے کی ضرورت جتنی اس وقت ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی کیونکہ وہ بیج جو امام وقت نے بویا تھا اب اس کے پھل لانے کے دن بہت قریب ہیں لیکن اس کی آبیاری اور حفاظت کے لئے ہمیں اپنے مال، جان اور آرام کی قربانی دینی ہوگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میں اپنے اس پیغام کو حضرت صاحبؑ کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں:۔

"عزیزو! یہ دین کے لئے اور دین کی اغراض کے لئے خدمت کا وقت ہے۔ اس وقت کو غنیمت سمجھو کہ یہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر ایک شخص اپنے تئیں فضولیوں سے بچاوے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بہرحال صدق دکھاوے تا فضل اور روح القدس کا انعام پاوے کیونکہ یہ انعام ان لوگوں کے لئے تیار ہے جو اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم ایک موت اختیار کرو تا کہ تمہیں زندگی ملے اور تم نفسانی جوشوں سے اپنے اندر کو خالی کرو تا خدا اس میں اترے۔ ایک طرف سے پختہ طور پر قطع کرو اور ایک طرف سے کامل تعلق پیدا کرو تا خدا تمہاری مدد کرے"۔

اللہ تعالےٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

پیغام برائے جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند

منجانب (مرزا) مسعود بیگ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

احباب کرام و معزز خواتین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۹۱ء میں جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی اور پہلا جلسہ جو قادیان میں منعقد ہوا اس میں کل حاضری ۷۵ نفوس پر مشتمل تھی۔ دوسرے سالانہ جلسہ میں پانچصد (۵۰۰) کے قریب احباب جمع ہوئے اور اسی طرح یہ سلسلہ ترقی کرتا چلا گیا۔ اور اب صرف کشمیر کے جلسہ میں جس کی حیثیت ایک لحاظ سے کل ہند جلسہ کی ہے ہزاروں کی تعداد میں دوست موجود ہیں۔ اللھم زد فزد

حضرت مسیحِ موعود ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جو مسلمانوں کے لئے انتہائی مغلوبیت اور تنزل و ادبار کا زمانہ تھا لیکن مامور من اللہ اور مجدد صد چہار دہم نے اپنے انفاس قدسیہ سے ان مردہ دلوں میں پھر زندگی کی لہر دوڑائی اور مایوس قوم کو آپ نے بشارت دی کہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے جو آج بھی اسی طرح موجود ہے۔ اور دیکھتا۔ اور سنتا اور بولتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے موجود تھا بلکہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ اور اسی خدا نے مجھے بھیجا ہے تاکہ اس کے وعدہ لیظہرہ علی الدین کلہ کے مطابق ہی اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے دکھاؤں۔ آپ نے قوم کو جہادِ اکبر کا درس دیا اور قرآن کی روحانی تلوار ان کے ہاتھوں میں دی اور اپنی بے نظیر تصانیف میں اسلام کا ایسا خوبصورت چہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا کہ مسلمانوں کے قلوب میں غلبۂ اسلام کی امید پھر سے جاگ اٹھی اور مایوسی کا دور امید اور یقین سے بدل گیا۔ اور اس جماعت کے قیام سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور امامِ وقت کے متبعین کے دلوں میں غلبۂ اسلام کا یقین اس قدر راسخ ہوا کہ وہ اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کے لئے ہر قسم کی مالی و جانی قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ اور اس سلسلہ کے فروغ اور جہاد بالقرآن کی راہ میں ہر طرح کے دکھ اور تکالیف اٹھانے میں راحت اور روحانی لذت محسوس کرنے لگے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تن من دھن کی بازی لگا کر دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے جانباز سپاہی بن گئے اور یہی جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض تھی۔

جلسہ سالانہ کی جو اغراض حضرت اقدس نے متعین فرمائیں ان میں سے ایک غرض یہ ہے کہ اس جلسہ میں شمولیت سے احباب جماعت میں رشتۂ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوگا اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے میں مدد ملے گی اور ان کے اندر سے اجنبیت دور ہوگی اور وہ صحیح معنوں میں بھائی بھائی بن سکیں گے۔ اس لئے آپ نے بہت تاکید فرمائی کہ احباب حتی الوسع اس جلسہ سے غیر حاضر نہ ہوں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ ہرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ لیکن اس حکم کی تعمیل میں ہمارے لئے اس وقت بعض جغرافیائی فاصلے اور ملکی اور سیاسی رکاوٹیں حائل ہیں اور ہمارے کشمیر کے دوست لاہور کے جلسہ سالانہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اور لاہور کے مشتاقانِ زیارتِ کشمیر کے جلسہ میں شریک ہونے سے قاصر ہیں لیکن ہمارے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں اور ان رکاوٹوں کے باوجود ہمارے قلوب میں ایک جیسے جذبات موجزن ہیں اور یہ بُعدِ مسافت نہ ہمیں اپنے مقصد سے دور لے جا سکتا ہے اور نہ ہمارے بھائی چارہ اور اخوت کو کمزور کر سکتا ہے۔ کشمیر کے احباب ہمارے بے حد قابلِ قدر بھائی ہیں جن کے لئے ہم رات دن دعائیں کرتے ہیں اور دیدہ و دل فرشِ راہ ہے کہ وہ کب آ کر ہم سے ملیں گے۔

کشمیر کو ہمارے تبلیغی رہنمایات میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ حضرت مسیح ناصری کا مدفن ہے جس حقیقت کو حضرت مسیح محمدی نے دنیا پر آشکارا کیا اور یہ اس زمانہ میں غلبہ اسلام کا اتنا بڑا ستون ہے کہ اس کے بغیر نہ عیسائیت کو شکست دی جا سکتی ہے اور نہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کو غیر مشتبہ اور اٹل طریق پر ثابت کیا جا سکتا تھا۔ یہ امتیاز اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود اور آپ کے متبعین کو عطا کیا کہ انہوں نے ایک ایسی ابدی صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کیا کہ دوست اور دشمن دونوں اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ اہلِ کشمیر کو مبارک ہو کہ وہ ایک بہت بڑے روحانی خزانہ کے امین ہیں۔ آمین۔

لاہور کی جماعت کے تمام دوست بالخصوص حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ اور جملہ اراکین انجمن اور ممبران اپنے کشمیر کے بھائیوں کو بہت بہت سلام علیکم بھجواتے ہیں اور دعا کی درخواست کرتے ہیں اور ہم سب اپنے بھائیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ دسمبر میں لاہور میں ہونے والے جلسہ میں ہم ان کی شمولیت کے دل سے آرزومند ہیں اور ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ تمام رکاوٹوں کو درمیان میں سے دور کرے ہمارا آئندہ جلسہ انشاء اللہ تعالےٰ کئی لحاظ سے ایک غیر معمولی اجتماع ہوگا۔

علاماتُ المقربین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار — جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب — کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اسے دے چکے مال و جان بار بار — ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے — وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(نشانِ آسمانی صفحہ ۴۶)

طاہر عرفانی

"وہ ہمیشہ میری ضرورتوں کا آپ ہی کفیل ہوا ہے"

(مولانا نور الدینؒ)

حضرت حاجی الحرمین حافظ مولانا نور الدین رحمۃ اللہ علیہ بلحاظ عقائد سلسلہ احمدیہ کے مستند و منفرد سالار، بلحاظ علم و فضل مسلمانوں کے لئے مایہ ناز عالم اور بلحاظ ہمدردی بنی نوع انسان کے لئے مایۂ افتخار تھے۔ سچے خدا پرست اور پکے موحد۔ ان کی زندگی توکل علی اللہ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ حضرت مولانا نے جماعت کے نام ایک الوداعی پیغام میں فرمایا کہ:۔

"میرے مولا نے بلا امتحان اور بغیر مانگنے کے کئی عجیب انعامات دیئے ہیں جن کو میں گن نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ میری ضرورتوں کا آپ ہی کفیل ہوا ہے۔ وہ مجھے کھانا کھلاتا ہے اور آپ ہی کھلاتا ہے وہ مجھے کپڑا پہناتا ہے اور آپ ہی پہناتا ہے۔ وہ مجھے آرام دیتا ہے اور آپ ہی آرام دیتا ہے۔" (الحکم جلد 14 سنہ ۱۹۱۰ء)

حضرت مولانا ممدوحؒ کا یہ قول آپ کی عملی زندگی کا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے۔ آپ کے قول اور عمل میں لما تقولون ما لا تفعلون کا تضاد نظر نہیں آتا۔ اس متوکل انسان کی سوانح و سیرت کے چند ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ زہد و ورع کے عملی مظاہرہ کا گنجینہ تھے اور آپ کو توکل علی اللہ کا ایک انتہائی مقام حاصل تھا۔

حضرت مولانا ریاست جموں و کشمیر میں ایک معقول تنخواہ پاتے تھے اور سال بھر میں مہاراجہ کی طرف سے انہیں انعام و اکرام بھی ملتے رہتے تھے۔ مگر آپ ساری کی ساری رقم طلباء، بیوگان، یتامیٰ اور دوسرے حاجتمندوں اور مساکین کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیتے تھے۔ اور بالکل متوکلانہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک ہندو پنساری آپ کو اکثر کہا کرتا تھا کہ آپ آڑے وقت کے لئے کچھ نہ کچھ پس انداز کیا کریں۔ مگر آپ اسے یہی فرمایا کرتے تھے کہ ایسے خیالات لانا اللہ تعالیٰ پر بدظنی ہے۔ ہم پر انشاء اللہ کبھی مشکلات نہ آئیں گی۔ ایک روز آپ کو ملازمت سے علیحدگی کا نوٹس ملا تو وہ پنساری کہنے لگا کہ شاید آپ کو میری نصیحت یاد آئی ہوگی۔ آپ نے فرمایا تمہاری نصیحت کو میں جیسے پہلے حقارت سے دیکھتا تھا آج بھی ایسا ہی حقارت سے دیکھتا ہوں۔ ابھی یہ باتیں جاری تھیں کہ خزانہ سے ایک رقم آپ کے خدمت میں پہنچا دی گئی کہ یہ رقم آپ کی ان دنوں کی تنخواہ ہے جو اس ماہ سے گزر چکے ہیں۔ وہ پنساری بہت حیران ہوا۔ اسی اثناء میں ایک رانی صاحبہ نے آپ کے پاس اپنے جیب خرچ کا بہت سا روپیہ بھجوایا اور معذرت بھی کی کہ اس وقت ہمارے پاس اس سے زیادہ روپیہ نہیں تھا ورنہ ہم اور بھی بھجواتے۔ آپ اسوقت ایک لاکھ پچانوے ہزار کے مقروض تھے۔

اس قرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پنساری کہنے لگا کہ جن کا آپ نے قرض دینا ہے وہ اپنا اطمینان کئے بغیر آپ کو کیسے جانے دیں گے۔ ابھی اس نے یہ بات ختم ہی نہ کی تھی کہ قارض کا ایک آدمی آیا اور بڑے ادب سے ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ میرے پاس ابھی تار آیا ہے۔ میرے آقا فرماتے ہیں کہ:۔

"مولوی صاحب کو تو جانا ہے۔ ان کے پاس روپیہ نہ ہوگا۔ تم ان کا سب سامان گھر جانے دو اور جس قدر روپیہ کی ان کو ضرورت ہو، دے دو، اور اسباب کو وہ ساتھ نہ لے جا سکیں تو تم اپنے اطمینان سے بحفاظت پہنچا دو۔"

حضرت مولانا ممدوحؒ نے فرمایا:۔ "مجھ کو روپیہ کی ضرورت نہیں، روپیہ خزانہ سے بھی آ گیا ہے اور ایک رانی نے بھی بھیج دیا ہے۔ میرے پاس روپیہ کافی سے زیادہ ہے اور اسباب میں سب ساتھ ہی لے جاؤں گا۔"

اور فرماتے ہیں۔

"غالباً اسوقت میرے پاس بارہ سو یا اس سے بھی زیادہ روپیہ آ گیا تھا، وہ ہندو پنساری کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ پرمیشر کے یہاں بھی کچھ لحاظ داری ہی ہوتی ہے۔ ہم لوگ صبح سے لے کر شام تک کے لئے کیسے کیسے دکھ اٹھاتے ہیں تب کہیں بڑی دقت سے روپیہ کا منہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ بھلا اور تو ہوا۔ اس احمق کو دیکھو اپنے روپیہ کا مطالبہ تو نہ کیا اور دینے کو تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو جانتا ہے۔ ہم اس کا روپیہ انشاء اللہ جلد واپس کر دیں گے۔ تم ان بھیدوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔"

اس قرض کی ادائگی کس طرح ہوئی وہ بھی سن لیجئے۔ حضرت مولانا جب سیاسی حالات کے ماتحت مہاراجہ جموں و کشمیر کی ملازمت سے الگ کئے گئے تو حالات سدھرنے پر مہاراجہ کو خیال آیا کہ مولوی صاحب سے ہم نے ظلم اور ناانصافی کی ہے۔ انہیں واپس لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ آپ سے جب عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اب میں ایسی جگہ پہنچ چکا ہوں کہ اگر مجھے ساری دنیا کی حکومت مل جائے تو بھی اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ چونکہ مہاراجہ کو اس ناانصافی کا شدت سے احساس تھا اس لئے انہوں نے اس کا ازالہ کرنے کی یہ کوشش کی کہ اب کی مرتبہ جنگلات کا ٹھیکہ صرف اس شخص کو دیا جائے جو منافع کا نصف حصہ حضرت مولانا کو ادا کرے۔

جس شخص کو ٹھیکہ ملا اس نے جب سال کے بعد اپنے منافع کا حساب لگایا تو حکمت الٰہی سے اسے ٹھیک تین لاکھ نوّے ہزار روپیہ منافع ہوا۔ جس کا نصف ایک لاکھ پچانوے ہزار بنتا ہے۔ اور اسی قدر حضرت مولاناؒ کے ذمہ قرض تھا۔ چنانچہ جب یہ روپیہ مولانا کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا "یہ روپیہ ریاست میں واپس لے جا کر فلاں سیٹھ کو دے دیا جائے۔ ہم نے اس کا قرض دینا ہے۔"

دوسرے سال مہاراجہ نے پھر اسی شرط پر ٹھیکہ دیا۔ لیکن اس سال جب منافع کا نصف روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ نہ اس کام میں میرا سرمایہ لگا نہ میں نے محنت کی، میں اس کا منافع لوں تو کیوں لوں۔ ٹھیکہ دار نے کہا۔ جناب! مجھے تو یہ ٹھیکہ ملا ہی اس شرط پر تھا۔ آپ ضرور اپنا حصہ لیں ورنہ آئندہ مجھے ٹھیکہ نہیں ملے گا۔ آپ نے فرمایا اب خواہ کچھ ہی ہو میں یہ روپیہ نہیں لوں گا۔ اس نے کہا۔ پھر پچھلے سال کیوں لیا تھا؟ فرمایا وہ تو میرے رب نے مجھے اپنے وعدہ کے مطابق میرا قرض اتارنا تھا۔ جب وہ اتر گیا تو اب میں کیوں لوں۔ اس پر وہ ٹھیکہ دار واپس چلا گیا۔

حضرت مولانا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نور الدینؓ کے پاس طبابت کا پیشہ نہ ہوتا تو پھر ہم دیکھتے کہ آپ کس طرح محض توکل پر گزارہ کرتے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک دفعہ آپ بیمار ہو گئے۔ مغرب کے بعد احباب تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بیماری کا ابتلاء بھی عجیب ہوتا ہے۔ اخراجات بڑھ جاتے ہیں اور آمدنی کم ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی خوشامد ہوتی ہے۔ میری آمدنی کا ذریعہ بظاہر طب تھا۔ اس رشتہ کو بھی اس بیماری نے کاٹ دیا ہے۔ جو لوگ ہمارے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس کو طب ہی کے ذریعہ ملتا ہے۔ مگر اب اللہ تعالیٰ نے اس تعلق کو بھی درمیان سے نکال دیا۔ میری بیوی نے آج مجھے کہا کہ ضروریات کے لئے روپیہ نہیں اور مجھے یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب آپ نے کبھی بیماری کے وقت کا خیال نہیں کیا۔ کہ بیماری ہو تو گھر میں دوسرے وقت ہی کھانے کو نہ ہوگا۔ میں نے اسے کہا کہ میرا خدا ایسا نہیں کرتا۔ میں روپیہ تب رکھتا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک

میں ایک شخص کا خط آیا جس نے ایک سو پچیس روپے ذاتِ خاص کے لئے ارسال کئے تھے۔ ایک صاحب بیمار ہوئے انہوں نے فوراً ایک سو روپیہ حضرت کی خدمت میں بطورِ نذرِ خاص بھیجا، دوسرے دن انہوں نے پچیس روپے اور بھیجے اس نے لکھا کہ جن ایام میں آپ پنڈ دادن خاں میں مدرس تھے اسوقت کی چار روپیہ کی چونیاں آپ کی میرے ذمہ ہیں۔ اب وہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہ دونوں خط سنائے گئے تو اللہ تعالےٰ کی محبت کا ایسا غلبہ حضرت مولاناؒ پر ہوا کہ بے اختیار رو پڑے۔ یہ رونا خدا تعالےٰ کی خاص مہربانیوں کی یاد اور جوش کا تھا۔ اور بے اختیار اللہ تعالےٰ کی حمد کرنے لگے۔ فرمایا اللہ۔ میرا مولیٰ۔ ایسا قادر ہے۔ اس نے دکھا دیا ہے کہ وہ طب کے تعلق کو چھوڑ کر بھی مجھے رزق دیتا ہے۔ اور ایسے طور پر دیتا ہے کہ وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ میری بیوی اس قدرت کو نہیں سمجھ سکتی۔ ناتواں ہے۔ میرا ایمان بڑا قوی ہے۔ میرا مولیٰ میرے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ پھر دیر تک اللہ کی حمد کرتے رہے۔ اس واقعہ نے بتا دیا کہ کس طرح اللہ تعالےٰ آپ کی دست گیری فرماتا ہے۔

ایک دفعہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر حضرت مولینا نے گھر سے دریافت فرمایا کہ کپڑے دُھلے ہیں؟ معلوم ہوا کہ صرف ایک پاجامہ ہے اور وہ بھی پھٹا ہوا۔ آپ نے اس میں آزار بند ڈالنا شروع کیا۔ احباب کی طرف سے پیغام ملا کہ نمازِ عید میں دیر ہو رہی ہے۔ لوگوں نے قربانیاں بھی دینی ہیں۔ اس لئے جلد تشریف لائیں۔ فرمایا تھوڑی دیر تک آتے ہیں تھوڑی دیر تک پھر آدمی آیا۔ آپ نے پھر پہلے کا سا جواب دیا۔ اتنے میں ایک آدمی نے آکر دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے ملازم کو فرمایا کہ دیکھو باہر کون ہے۔ آنے والے نے کہا میں وزیر آباد سے آیا ہوں۔ حضرت سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اسے اندر بلا لیا۔ عرض حضور میں وزیر آباد کا باشندہ ہوں۔ حضور اماں جان کے اور بچوں کے کپڑے لایا ہوں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک دفعہ عید کی صبح کو حضرت مولانا نے عزیزوں میں کپڑے تقسیم کئے حتیٰ کہ اپنے استعمال کے کپڑے بھی دے دیئے۔ گھر والوں نے عرض کی کہ آپ عید کیسے پڑھیں گے۔ فرمایا۔ خدا تعالےٰ خود میرا انتظام کرے گا۔ یہاں تک کہ عید کے لئے روانہ ہونے میں صرف پانچ سات منٹ رہ گئے تھے۔ عین اسوقت ایک شخص حضرت کے ہاں کپڑوں کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے وہ کپڑے لے کر فرمایا دیکھو ہمارے خدا تعالےٰ نے وقت پر ہمیں کپڑے بھیج دیئے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ آپ کی ضرورتوں کا خود متکفل تھا اور وہ وقت پر آپ کی تمام حاجات پوری کر دیتا تھا۔

حضرت مولانا پنڈ دادن خاں میں مدرس تھے۔ اس ملازمت کے دوران کا ایک واقعہ ہے کہ انسپکٹر مدارس آگیا۔ اسوقت کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے ان کو کہا کہ آپ بھی آجائیں تو کہا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں انسپکٹر مدارس ہوں میرا نام خدا بخش ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ آپ تو بہت ہی نیک آدمی ہیں مدرسوں کے ہاں کھانا نہیں کھاتے تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔ اور پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ انسپکٹر اپنا گھوڑا پکڑے ہوئے اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ شاید مولانا کسی لڑکے کو اپنا گھوڑا پکڑنے کے لئے بھیجیں۔ جب مولانا نے کسی کو نہ بھیجا تو انسپکٹر نے کہا کہ کسی لڑکے کو تو بھیج دیجئے جو میرا گھوڑا تھام لے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ جناب! آپ مدرسوں کے گھر کا کھانا تو کھاتے ہی نہیں کیونکہ آپ اسے رشوت سمجھتے ہیں تو پھر ہم لڑکے کو گھوڑا پکڑنے کے لئے کیسے کہہ دیں۔ کیونکہ وہ تو یہاں صرف پڑھنے کے لئے آتے ہیں گھوڑا پکڑنے کے لئے نہیں آتے۔ پھر اگر کسی لڑکے کو گھوڑا تھامنے کے لئے کہہ دیا جائے تو آپ یہ بھی کہیں گے کہ اس کو کہیں باندھ دو اور گھاس بھی ڈالا جائے۔ جب آپ مدرسوں کے کھانے کو رشوت سمجھتے ہیں تو ہم آپکے گھوڑے کو گھاس کیسے دیں۔ خیر لڑکوں کا امتحان لینے کے بعد انسپکٹر کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے لائق ہیں اور بڑی لیاقت سے آپنے نارمل پاس کر کے بہت عمدہ اسناد حاصل کی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شاید اسی باعث آپ کو اس قدر ناز ہے۔ حضرت مولانا نے یہ بات سن کر فرمایا۔ جناب! ہم اس ایک بالشت کے کاغذ کو خدا نہیں سمجھتے" اور ایک شخص کو کہا بھائی اس بٹ کو ذرا نکال کر تو لاؤ۔ پھر اس کے سامنے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اور دکھا دیا کہ ہم کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں مانتے۔ اس شخص کو اس طرح مولینا کے اسناد پھاڑنے پر بیج ہوا جس کا اس نے نہایت تاسف سے اظہار کیا اور کہنے لگا کہ آپ کے اس نقصان کا باعث میں ہوا ہوں۔ نہ میں یہ کہتا اور نہ آپ کا یہ نقصان ہوتا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں:۔

"لیکن حقیقت میں جب سے میں نے اس ڈپلومہ کو پھاڑ ڈالا تب ہی سے میرے پاس اس قدر روپیہ آتا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں میں نے لاکھوں روپیہ کمایا ہے۔"

حضرت مولانا ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

" ایک دفعہ میں اپنے استاد کی تلاش میں وطن سے دور چلا گیا۔ تین دن کا بھوکا تھا مگر کسی سے سوال نہیں کیا۔ مغرب کے وقت ایک مسجد میں چلا گیا مگر وہاں کسی نے مجھے پوچھا نہیں اور نماز پڑھ کر سب چلے گئے۔ جب میں اکیلا تھا تو مجھے باہر سے یہ آواز آئی نورالدین۔ نورالدین! یہ کھانا آکر جلد پکڑ لو۔ میں گیا تو ایک مجمع میں بڑا ہی پُرتکلف کھانا تھا۔ میں نے پکڑ لیا۔ میں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے۔ کیونکہ مجھے علم تھا کہ خدا تعالےٰ نے بھیجا ہے۔ میں نے خوب کھایا اور پھر برتن مسجد کی ایک دیوار کے ساتھ کھونٹی پر لٹکا دیا۔ جب میں آٹھ دس دن کے بعد واپس آیا تو وہ برتن وہیں آویزاں تھے۔ جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ کھانا گاؤں کے کسی آدمی نے نہیں بھجوایا تھا۔ خدا تعالےٰ نے ہی بھجوایا تھا۔"

ایک دفعہ حضرت مولانا کے ہاں مہمان آگئے۔ انہوں نے اہلیہ صاحبہ سے پوچھا مگر جواب ملا کہ ہمارے ہاں تو کچھ نہیں۔ یہ جموں کا واقعہ ہے۔ روپے تو انہیں بہت آتے تھے مگر بعض وقت حضرت مولانا کے گھر میں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ کہیں سے حضرت نے پانچ روپے ادھار لئے۔ آپ بازار کے راستے گھر کو جانے لگے تو دیکھا کہ ایک دکاندار اپنی دکان کو ماتھا ٹیکنے لگا ہوا ہے۔ اس نے خوش ہو کر پانچ روپے حضرت مولانا کے آگے رکھ دیئے آپ نے فرمایا کیوں دیتے ہو؟ اس نے کہا آپ بڑے آدمی ہیں۔ آپ کے سویرے ہی درشن ہو گئے ہیں آج ہمیں بہت کچھ ملے گا۔ اس لئے خالی ہاتھ درشن نہیں کرنا۔

قیامِ کشمیر کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے۔ ایک دفعہ حضرت مولینا تین ساتھیوں کے ساتھ سفر میں تھے۔ راستہ بھول گئے اور کہیں دور جا نکلے۔ کوئی بستی نظر نہیں آتی تھی۔ حضرت کے ساتھیوں کو جب بھوک اور پیاس نے ستایا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ نورالدین جو کہتا ہے کہ میرا خدا مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح کھلاتا پلاتا ہے۔ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں دعا کرنے لگا۔ چنانچہ جب وہ آگے آگئے تو پیچھے سے زور کی آواز آئی ٹھہرو! ٹھہرو! جب دیکھا تو دو شتر سوار تیزی کیساتھ آرہے ہیں۔ جب پاس آئے تو انہوں نے کہا ہم شکاری ہیں ہرن کا شکار کیا تھا اور خوب پکایا۔ گھر سے پراٹھے لائے تھے۔ ہم سیر ہو چکے ہیں اور کھانا ابھی بہت ہے آپ کھالیں۔ چنانچہ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

" ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ نورالدین سچ کہتا ہے۔"

اور حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ:۔

" اللہ تعالےٰ کا نورالدین کے ساتھ وعدہ ہے کہ میں تیری ہر ضرورت پوری کروں گا۔ کیا کوئی بادشاہ بھی یہ دعوےٰ کر سکتا ہے!"

قادیان کا واقعہ ہے ایک دفعہ حضرت مولانا کو یتیموں اور بیواؤں کو خرچ دینے کے لئے تین سو روپے کی ضرورت تھی۔ گھر میں بھی خرچ دینا تھا حضرت

مولانا بخاری کا درس دے رہے تھے۔ اور یہ فکر دامنگیر تھا۔ اسوقت چٹھی رساں تین سو روپے کا منی آرڈر لے آیا اور وہ منی آرڈر ایسے شخص کی طرف سے تھا جو حضرت مولانا کا واقف نہ تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا نے وہ سب رقم باہر ہی تقسیم کر دی۔ کسی کو دس کسی کو بیس۔ باقی پانچ روپے بچے جو بیوی کو جاکر دیئے کہ "لو بیوی تم بھی مزے اڑالو"

ایک دفعہ حضرت مولینا کشمیر سے واپس آرہے تھے کہ روپیہ ختم ہو گیا۔ آپ نے سوچا کہ گھوڑی چار پانچ صد روپے میں بیچ دیں گے۔ فوراً بک جائے گی اور خرچ کے لئے روپیہ کافی ہو جائے گا۔ آپ نے وہ گھوڑی سات سو روپے میں خریدی تھی۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ گھوڑی کو درد قولنج ہوا اور راولپنڈی پہنچ کر وہ مرگئی۔ ٹانگے والے کو کرایہ دینا تھا آپ ٹہل رہے تھے۔ آپ کے ساتھی نے عرض کی ٹانگے والے کرایہ طلب کرتے ہیں۔ آپ نے نہایت رنج کے لہجہ میں فرمایا نورالدین کا خدا تو وہ مرا پڑا ہے اب اپنے اصل خدا کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ وہی کارساز ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سکھ اپنے بوڑھے باپ کو لے کر حاضر ہوا آپ نے اسے دیکھ کر نسخہ لکھا۔ اس نے حضرت مولانا کو اتنی رقم دے دی کہ جموں تک کے اخراجات کے لئے کافی ہو گئی۔

ایک دفعہ مولینا کے ایک رشتہ دار آپ کے ساتھ لاہور آئے۔ آپ کے روپے اس کے پاس تھے اور آپ کے ارشاد کے مطابق وہ خرچ کر رہے تھے۔ سب روپیہ خرچ ہو گیا۔ اسٹیشن پر ایک بنچ پر بیٹھے تھے کہ حضرت مولینا سے کرایہ کے لئے روپے طلب کئے۔ آپ نے فرمایا تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاؤ۔ کچھ دیر کے بعد ایک آدمی آیا اور آپ سے پوچھنے لگا۔ آپ نے کہاں جانا ہے۔ آپ نے فرمایا جموں۔ اس نے کہا کہ کیا آپ نے ٹکٹ لے لی۔ فرمایا۔ ابھی نہیں۔ اس نے پوچھا۔ آپ کتنے آدمی ہیں۔ فرمایا۔ دو۔ وہ بھاگا ہوا گیا اور دو ٹکٹ لے آیا اور کہنے لگا کہ گاڑی تیار ہے چلیئے۔ گاڑی میں وہ بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ اور اپنی بیماری کا حال بتاتا رہا۔ آپ نے اسے نسخہ لکھ دیا اور وہ راستہ سے واپس آگیا۔

اگست ۱۸۹۴ء میں آپ بہاولپور کے ایک لمبے سفر پر تشریف لے گئے۔ نواب آف بہاولپور بیمار تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں درخواست کر کے آپ کو چند روز کے لئے بلایا تھا۔ اور انہیں حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے نے جوان کے پیر تھے آپ کو بلانے کی تحریک کی تھی۔ جب آپ بہاولپور پہنچے اور نواب صاحب کو دیکھ کر آپ نے واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا تو نواب صاحب نے حضرت مولاناؒ کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ یہاں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا فرماتے ہیں :-

"نواب بہاولپور ہمیں ساٹھ ہزار ایکڑ زمین دینا تھا۔ ہم نے انکار کیا کہ اس قدر زمین سے کیا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اس سے امیر کبیر ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ اب تو آپ ہمارے پاس چل کر آتے ہیں۔ کیا پھر بھی آئیں گے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے کہا کہ پھر فائدہ ہی کیا ہے؟

حضرت مولانا فرماتے ہیں :-

"میں نے اپنی اولاد کے واسطے کبھی فکر نہ کیا۔ نہ زمین کا نہ کسی اور بات کا۔ اگر ہم زمین لینا چاہتے تو بے شمار زمین جمع کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دادا سے بڑھ کر اولاد اور رزق میرے باپ کو دیا۔ پھر مجھ کو مال، کتابیں، علم اور شہرت وغیرہ کچھ باپ سے زیادہ دیا۔"

۱۲ اگست ۱۹۰۵ء کو دوپہر سے قبل حضرت مولانا کے صاحبزادے عبدالقیوم چند دن خسرہ میں مبتلا رہ کر وفات پا گئے۔ حضرت مولاناؒ نے دفن ہونے سے پہلے بچے کو بوسہ دیا تو آپ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور فرمایا :-

"میں نے بچہ کا منہ اس واسطے نہیں کھولا تھا کہ مجھے کچھ گھبراہٹ تھی بلکہ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ابراہیم جب فوت ہوا تو آنحضرتؐ نے اس کا منہ چوما تھا اور آپ کے آنسو بہہ نکلے تھے۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی مدح کی۔ اور فرمایا کہ جدائی تو تھوڑی دیر کے لئے بھی پسند نہیں ہوتی۔ پر ہم خدا کے فضلوں پر راضی ہیں۔ اسی سنت کو پورا کرنے کے واسطے میں نے بھی اس کا منہ کھلوا کر چوما۔ یہ خدا کا فضل ہے اور خوشی کا مقام ہے۔ کہ کسی سنت کے پورا کرنے کا موقع عطا ہوا"

ایک دفعہ حضرت مولینا گھوڑی سے گر پڑے۔ پیشانی پر سخت چوٹ آئی۔ آپ نے کسی قسم کی گھبراہٹ اور اضطراب کا اظہار نہیں کیا۔ الحکم کے ایڈیٹر صاحب نے ایک موقعہ پر کسی ذریعہ سے عرض کیا۔ کہ اگر پسند کریں تو حاذق الملک کو دہلی سے بلوالوں مگر جو اس کا جواب حضرت مولینا نے دیا۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

"خدا کا توکل کرو۔ میرا بھروسہ نہ ڈاکٹروں پر ہے نہ حکیموں پر۔ میں تو اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی پر تم بھروسہ کرو۔"

ابتدائی زمانہ میں نہ کوئی سیونگ بنک تھا نہ ڈاک خانہ، اکثر لوگ حضرت مولینا کے پاس اپنا روپیہ جمع کر دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اپنا روپیہ مانگا لیکن اس وقت آپ کے گھر میں روپیہ موجود نہ تھا۔ حضرت مولینا نے اپنی صدری کی جیب میں سے دو روپے نکال کر ایک بیوہ کے گھر بھجوا دیئے۔ دوپہر کے وقت ایک غیر معروف شخص آیا اس نے ایک سو اسی روپے حضرت مولینا کے سامنے رکھ دیئے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ وہ روپیہ دے کر چلتا ہوا۔ حضرت مولینا نے ضرورت مند شخص کو بلوایا اور فرمایا کہ بھائی یہ اپنا روپیہ لے لو۔ اس مہمان نے معذرت کی۔ حضور کو تکلیف ہوئی۔ آپ نے فرمایا: کہ ہم نے تو اللہ تعالیٰ سے سودا کیا تھا۔ کہ دو روپے کسی مستحق بیوہ کو دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں یہ روپیہ بھیج دیا۔

ایک دفعہ بھیرہ میں غلہ اتنا مہنگا تو نہ تھا۔ مگر حضرت مولینا کو معلوم ہوا کہ یہ گراں ہو جائے گا۔ آپ نے سوچا کہ غلہ کافی خرید لوں۔ پھر خیال آیا کہ جو دوسروں کا حال ہوگا ہم بھی گزار لیں گے۔ چنانچہ غلہ سات سیر فی روپیہ ہو گیا۔ مگر خدا نے وہ فضل کیا کہ آمدنی اس قدر بڑھا دی کہ آپ کو اس سات سیر کے نرخ میں ذرا بھی بوجھ محسوس نہ آیا۔

۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت مولینا نے آخری وصیت میں تحریر فرمایا :-

"خاکسار نورالدین بقائمی حواس لکھتا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میرے بچے چھوٹے ہیں۔ ہمارے گھر میں مال نہیں۔ ان کا اللہ حافظ ہے۔"

وفات سے پہلے آپ نے اپنے فرزند میاں عبدالحیٔ کو بلایا اور فرمایا :-

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر میرا ایمان رہا۔ اور اسی پر مرتا ہوں۔ اور حضرت نبی کریمؐ کے سب اصحاب کو میں اچھا سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد میں حضرت بخاری صاحب کی کتاب کو خدا تعالیٰ کی پسندیدہ سمجھتا ہوں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور خدا کا برگزیدہ انسان سمجھتا ہوں ..... خدا تعالیٰ کی کتاب کو پڑھنا پڑھانا اور عمل کرنا۔ میں نے بہت کچھ دیکھا پر قرآن کریم جیسی چیز نہ دیکھی۔ بے شک یہ خدا تعالیٰ کی اپنی کتاب ہے۔ باقی خدا کے سپرد۔"

بے ثباتیٔ دنیا

عیش دنیائے دوں دمے چند است = آخرش کار با خداوند است

ایں سرائے زوال و موت و فنا ست = ہر کہ بنشست اندریں برخاست

حلال و طیب کمائی سے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے۔

ناجائز کمائی سے کثرت مال حاصل کرنا غضب الہٰی کو دعوت دینا ہے

حرص و ہوا انسان کو بلندی مرتبت سے گرا کر ذلیل و خوار کر دیتی ہے

یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحًا۔ انی بما تعملون علیم (سورۃ مومن ۵۱) } حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ کی ایک تقریر

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پیغمبر علیہ السلام کو منجملہ دوسرے احکام و فرامین کے یہ حکم بھی دیا ہے کہ کلوا من الطیبات کہ حلال طیب کمائی کی روٹی کھاؤ۔ واعملوا صالحًا۔ حلال طیب روٹی کمانے اور کھانے کے بغیر اچھے عمل کرنے کی توفیق نہیں ملتی۔ حلال طیب روٹی کھاؤ اور اچھے عمل کر کے دکھاؤ۔ انی بما تعملون علیم اور دیکھو یہ حقیقت تمہارے سامنے رہے کہ یہ ہم نے حکم دیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اس حکم کی پابندی کی جائے اس لئے تمہیں آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے اعمال کا ہم پورا پورا علم رکھتے ہیں۔ یہ یقین کر کے کہ زمین و آسمان کا بادشاہ ہمارے اعمال و اطوار پر نگاہ رکھتا ہے اس کی عظمت و قدرت اور اس کے علم و طاقت کو سامنے رکھ کر حلال طیب روٹی کمانے کا حکم سامنے رکھنا چاہیئے اسلامی تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ اعمال میں پاکیزگی پیدا کی جائے۔ یہ آیت پیغمبروں کے لئے ہے اور حضور نبی کریم صلعم اس آیت کریمہ کے مخاطب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محبوب ترین مخلوق یعنی اپنے پیغمبروں علیہ السلام کو یہ حکم دیا ہے کہ حلال طیب روٹی کھاؤ۔ اس کا اثر دل و دماغ اور اعمال پر پڑتا ہے۔

اگر حلال طیب کمائی کی عادت نہیں بلکہ حرام کی کمائی پر کمر باندھی ہوئی ہے تو مال تو بے شک بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لیکن دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور اچھے اعمال کی توفیق جاتی رہتی ہے۔

یہ کس قدر نقصان دہ امر ہے کہ انسان کا ملکوتی حصہ زنگ آلود ہو جائے۔ حضور نبی کریم صلعم نے اس کو علیحدہ طور پر تلقین فرمایا ہے۔ یوں تو سارے کا سارا قرآن کریم جو آپ پر اترا آپ نے امت کو اس کی تلقین فرمائی ہے اس کے علاوہ علیحدہ طور پر اس حکم کی بھی حضور نے امت کو تلقین فرمائی ہے۔ فرمایا ہے ان اللہ امر المسلمین ما امر بہ المرسلین۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والے مسلمانوں کو اس امر کے پابند رہنے کا حکم دیا ہے جو اس نے اپنے پیغمبروں کو حکم دیا ہے کہ کلوا من الطیبات واعملوا صالحًا کہ حلال کی کمائی کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ حضور اکرمؐ کی یہ تلقین بتلاتی ہے کہ آپ کے قلب میں کس قدر تڑپ ہے کہ میری ساری کی ساری قوم ایسی ہو جائے کہ اس کا کھانا پینا حلال و طیب ہو اور اس کے اعمال کے اندر پاکیزگی اور طہارت پیدا ہو جائے۔ حضور صلعم اپنی ساری امت کو اسی رنگ میں رنگین دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے فرماتے ہیں ان اللہ طیبٌ و یحب الطیب

حضور نبی کریمؐ چاہتے ہیں کہ آپؐ کی قوم انبیاء کے اعمال کو اپنا نمونہ بنائیں فرمایا اصحابی کا لنجوم میرے دوست ستاروں کا حکم رکھتے ہیں۔ یہ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ستارے ہیں۔ اگر حضورؐ روحانیت کے آفتاب ہیں تو آپ کے ساتھی نجوم ہیں۔ نجوم کا کام رات کی تاریکی میں صحراؤں۔ سمندروں اور فضاؤں کے اندر رہبری و رہنمائی کرنا ہے۔ حضور صلعم فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے دوست ستارے ہیں ان میں سے کسی ایک کی بھی تم اتباع کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ حضورؐ کی تڑپ یہ ہے کہ آپؐ کی جماعت ایسی بن جائے جو لوگوں کی رہبری اور ہدایت کی موجب ہو۔

حلال طیب روٹی ہزار ہا بدلیوں اور فسادات کو مٹا دیتی ہے۔ یہ مرکزی نکتہ ہے جو حضور صلعم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پاکیزہ کردار بنانے کے لئے تلقین فرمایا۔ فرمایا کلوا من الطیبات ما رزقنکم و لا تطغوا فیہ۔ پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس میں سرکشی نہ کرو۔ حرام کھانا فساد و سرکشی کا باعث ہوتا ہے۔ جس کو منصب حاصل ہو گیا یا جس کو دولت میسر آگئی وہ ابتلاء اور آزمائش کا شکار ہو گیا فرمایا ولا تطغوا فیہ منصب اور دولت طغیان کا موجب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوتا ہے۔ اذھب الیٰ فرعون انہ طغیٰ۔ کہ فرعون کی طرف جاؤ اس نے تمام حدود سے تجاوز کر دیا ہے اور ہر طرح کے فساد کا موجب بن گیا ہے۔ ولا تطغوا میں اسی طغیان سے بچے رہنے کا حکم ہے۔ سرکشی اختیار نہ کرو۔ کلوا ما رزقنکم کے معنی صرف رزق ہی نہیں بلکہ منصب، دولت وغیرہ جس قدر چیزیں ہیں وہ اس میں شامل ہیں۔ فرمایا منصب ہو یا دولت یا کوئی اور سامان وہ تمہارے لئے باعث طغیان نہ ہو جائے۔ طاغی انسان اللہ کو بھول کر عیش و عشرت کا بندہ بن جاتا ہے لہٰذا تم طغیان کے شکار نہ ہو جاؤ۔

حضور صلعم اور صحابہ کرامؓ کی زندگی بالخصوص جب آپؐ بادشاہت کے منصب جلیلہ پر متمکن تھے مثالی زندگی تھی۔

اسی آیت کے آگے لکھا ہے فیحل علیکم غضبی اگر تم نے طغیان اختیار کیا تو اللہ کا غضب تم پر اترے گا۔ یہ قانون الہٰی ہے۔ خدا اس کو نافذ فرماتا ہے۔ اگرچہ کوئی پولیس نہیں دیکھے یا نہ دیکھے کوئی میجسٹریٹ تمہیں سزا دے یا نہ دے۔ کوئی بادشاہ تم پر قدغن لگائے یا نہ لگائے۔ مگر اللہ کے عذاب سے تم نہیں بچ سکتے۔ تم آسمانوں میں چلے جاؤ۔ زمین کی غاروں میں چھپ جاؤ۔ یا سمندروں کی گہرائیوں میں اتر جاؤ۔ تاہم تم اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔

اسی آیت میں فرمایا۔ ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھویٰ جس پر میرا غضب نازل ہو جائے وہ اونچے مقام سے گر جاتا ہے اور تباہ ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کو بتایا ہے۔ کہ اس دنیا میں ایسے مواقع میسر آنے پر خدا کو یاد رکھو جس میں مبتلا ہو کر انسان اپنے مقام سے گر جاتا اور ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت و تکریم کا مقام عطا کر رکھا ہے۔ فرمایا ولقد کرمنا بنی آدم۔ ہم نے اولاد آدم کو قابل تکریم بنایا۔ اس مقام سے تعالیٰ غیر مشروط [illegible]

بسر کرنا لازم ہے۔ انسان کا "نروس سسٹم" اس کے اختیار میں ہے وہ عذاب دینا چاہے تو اس کے نروس سسٹم پر عذاب وارد کر دیتا ہے پھر یہ حیوان بن جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ تم اس طاقت و قدرت والے بادشاہ کو ماننے والے ہو اس کے عذاب سے بچو۔ گناہوں کی زندگی سے اجتناب کرو۔ حرص و ہوا کا انجام کہیں نہیں اس کی منزل کہیں نہیں۔ ایک مؤثر آگئی تو دوسری کے لئے حریص انسان ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ ایک کوٹھی بنا کر دوسری کوٹھی بنانا چاہتا ہے۔ ایک لاکھ روپیہ سے بڑھ کر چار لاکھ روپیہ کمانا چاہتا ہے۔ اور چار لاکھ پر بھی قناعت نہیں ہوتی چاہتا ہے کرار بھی ہو۔ ہر روز بینک بیلنس دیکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ دولت یہ مال و متاع اس کو معزز کر دے گا۔ لیکن وہ آخر کار گر جاتا ہے۔ اور اس کی عزت ختم ہو جاتی ہے۔

حضور صلعم نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ تم نے حلال طیب روٹی کھانا ہے۔ وہاں یہ بھی آپ کے متعلق فرمایا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا بالصلوٰۃ والصدق والعفاف والصلۃ گناہ سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ پابندی سے اس کا ذکر کرو۔ ہم روزانہ اقرار کرتے ہیں ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس اقرار کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاؤ اور باقاعدہ نماز ادا کرو۔ اور فرمایا والصدق راستی اختیار کرو ہمارے قلم اور ہماری زبان پر صدق و راستی ہونا چاہیئے راستی سے دل منور ہوتے ہیں راستی قلب کی خوراک ہے آگے فرمایا والعفاف۔ پیٹ میں حرام کی روٹی نہ جائے۔ پیٹ عفیف ہو۔ نہ تمہاری عصمت و عفت پر کوئی داغ آنے پائے۔

ہماری مسلمان قوم مرد اور عورتیں مقابلۃً تمام قوموں سے بڑھ کر عفیف ہے۔ قرآن و حدیث میں پیٹ کی عفت و عصمت کے لئے بار بار تاکید و تلقین آئی ہے۔ قرآن کریم نے بار بار دہرایا ہے کہ تمہاری زندگی پاکیزہ ہونا چاہیئے۔ والصلۃ آپس میں جوڑ رکھو۔ تفرقہ پیدا نہ کرو۔ ایک دوسرے کو توڑو نہیں۔ گھروں میں والدین ہیں، بھائی بہن ہیں۔ چچا پھوپھا ہیں، ان سب کی عزت و تکریم کرو۔ اور جماعت کے ایک ایک فرد کی عزت و خیر خواہی ہو۔ فرمایا امرنا رسول اللہ ان ننزل الناس علیٰ منازلھم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزلنا علی قدر منازلنا حضور صلعم نے حکم دیا ہے کہ جماعت کے مرد اور عورت بوڑھا۔ بچہ۔ لڑکا۔ لڑکی۔ ان سب کی منازل اور مقام کا خیال رکھیں اور تکریم و تعظیم کریں اور انہیں توڑنے کی کوشش نہ کرو۔ جوڑنے کی کوشش کرو۔ فرمایا: ید اللہ علی الجماعت خدا کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ مبارک ہے وہ شخص جو توڑنے کے بجائے جوڑنے پر متحد رہتا ہے۔

علاوہ ازیں فرمایا: من عمل صالحًا من ذکر او انثیٰ کوئی مرد ہو یا عورت لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ جو کوئی نیک عملی زندگی اختیار کرے گا فلنحیینہ حیاۃً طیبۃ تو اس کی زندگی خوشگوار بنا دی جائے گی۔ یہ کتنا قیمتی نسخہ ہے زندگی کو خوشگوار بنانے کا۔ زندگی روپیہ پیسہ سے خوشگوار نہیں بنتی۔ اس کا تعلق اعمالِ صالحہ سے ہے علاوہ ازیں فرمایا کہ اگر تمہارے پیٹ میں حلال طیب روٹی نہیں جاتی تو اللہ تمہاری دستگیری نہیں کرے گا۔ اس کی وضاحت ایک حدیث میں فرمائی ہے:۔

رب اشعث اغبر یقول یا رب یا رب فانی یستجاب لہ مطعمہ حرام و مشربہ حرام و ملبسہ حرام۔ ایک مصیبت زدہ لمبا سفر کرتا ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ پریشان حال ہے جسم گرد آلود ہے۔ اس حالت پر وہ دہائی دیتا ہے یا رب یا رب اے میرے مولیٰ میری سن۔ فانی یستجاب لہ اللہ اس کی کیسے سنے مطعمہ حرام اس کا کھانا حرام کا ہے۔ اس کا پینا حرام کا ہے۔ وملبسہ حرام اس کا لباس حرام ہے۔ اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی گورنمنٹ کے علاوہ آسمان کی گورنمنٹ کا تسلط بھی ہے۔ مصائب آتے ہیں۔ بادشاہوں اور انبیاء کرامؑ پر بھی آتے ہیں۔ ان مصائب کو دور کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحم کرے۔ لیکن کبھی کبھی اللہ کی رحمت کے درمیان بندے کے گناہ حائل ہو جاتے ہیں۔

آپ قرآن کریم کی اس تلقین اور حضور نبی کریمؐ کی اس تشریح کو سامنے رکھیں۔ اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں۔ کیسے عزت اور امن و سکون میسر آتے ہیں۔ اور فساد رونما نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے فساد مٹ جاتا ہے ٭

اخبار احمدیہ:۔

ایک گرانقدر عطیہ صدقہ جاریہ

محترمہ بیگم صاحبہ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب نے مبلغ پندرہ صد -/۱۵۰۰ روپے صدقہ جاریہ کے طور پر برائے ایصالِ ثواب (والد محترم ڈاکٹر محمد دین صاحب اور ڈاکٹر امام الدین مرحوم) لائٹ کی اشاعت کے لئے عطا فرمائے ہیں۔ تاکہ مرحومین کی روح کو اس کا ثواب پہنچتا رہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

عطیہ:۔

مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب آف گجرات نے کچھ عرصہ پہلے جامعہ احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس کی زنانہ گیلری کے لئے ایک عدد پنکھا عنایت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ معطی کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

وفات:۔

رفیق احمد صاحب کلکتہ (بھارت) سے عبدالرزاق صاحب کو لکھتے ہیں کہ:۔ "آج عرصہ کے بعد خط لکھ رہا ہوں اور یہ افسوسناک خبر تحریر کر رہا ہوں کہ میرے والد علی احمد صاحب ۲۳ اپریل کو انتقال کر گئے۔ والد مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کریں میرے والد محترم اخبار پیغام صلح کا بے چینی سے انتظار کرتے تھے۔ ۱۹۱۴ء سے پیغام صلح کے دوامی ممبروں میں ان کا نام تھا۔ میرے والد کی پیدائش ۱۸۹۷ء کی تھی۔ احمدیت کی تبلیغ کرنا جنون کی حد تک تھا۔ کلکتہ کے بہت پرانے احمدی تھے۔ مرکز میں بھی مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔"

احباب سلسلہ سے درخواست ہے کہ جنازہ غائبانہ پڑھیں اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ (ادارہ)

وفات:۔

مکرم چوہدری محمد انور ملہی (انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور) کی لڑکی وفات پاگئی ہیں۔ مرحومہ کی عمر ۸ سال تھی۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے والدین کی شفاعت کا ذریعہ بنائے اور جملہ خاندان کو صبر کی توفیق بخشے۔

احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

بدہ از چشمِ خود آبے درختانِ محبت را
محبت کے شجر کی آبیاری آنسوؤں سے کر
گر روزے دہندت میوہ ہائے پُر حلاوت را
عطا کر دے گا اک دن ثمر شیریں داور رحمت
(کلامِ امام)

دُعائے مسیحاؑ

قل اللّٰھم مٰلک الملک تؤتی الملک من تشآء وتنزع الملک ممّن تشآء وتعزّ من تشآء وتذل من تشآء ط بیدک الخیر ط انک علٰی کل شیءٍ قدیر ہ تولج الیل فی النھار وتولج النھار فی الیل وتخرج الحیّ من المیت وتخرج المیت من الحیّ وترزق من تشآء بغیر حساب ہ (سورۃ آل عمرانؑ۔ آیات ۲۵، ۲۶)

ترجمہ:۔ "کہو اے اللہ، تو مُلک کا مالک ہے۔ تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک کو لے لیتا ہے۔ اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں (سب) بھلائی ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

مکرّم جناب نصیر احمد فاروقی

یہ زمین اور آسمان جس نے پیدا کئے ہیں ظاہر ہے کہ وہی ان کا مالک ہے۔ اور جو مالک ہوتا ہے اصل حاکم وہی ہے۔ انسان تو اس دنیا میں ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ قبر میں جا لیٹتا ہے۔ مگر یہ کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ تو پس پردہ ہے اور انسان بظاہر زمین پر حکومت کرتا نظر آتا ہے؟ قرآن حکیم بھی عجیب کتاب ہے کہ وہ ہر ضروری سوال کا جواب دیتا ہے۔ واذ قال ربّک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (البقرۃ: ۳۰) "اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں"۔ تو انسان کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ اصل بادشاہ کا محض خلیفہ ہے۔ اور خلیفہ اگر اپنے بادشاہ کے احکام کے ماتحت نہ چلے یا نااہل ثابت ہو تو بادشاہ اس خلیفہ سے ملک کو لے لیتا ہے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ بڑے بڑے شہنشاہ اپنی حکومت کھو بیٹھے اگرچہ وہ اپنی مرضی سے نہیں گئے۔ تو اللہ تعالےٰ کے مٰلک الملک ہونے کا یہی ثبوت ہے کہ وہ جب چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے حکومت دیدیتا ہے اور جب چاہتا ہے، جس سے چاہتا ہے حکومت لے لیتا ہے۔

حکومت افراد کی بھی ہوتی ہے اور قوموں کی بھی۔ اور پچھلی چند صدیوں میں عیسائی اقوام کو جیسی عالمگیر حکومت حاصل ہوئی اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مثلاً انگریز قوم جو ایک چھوٹے سے جزیرہ سے اٹھی وہ تمام دنیا پر چھا گئی یہاں تک کہ فخریہ کہا جاتا تھا کہ سلطنت برطانیہ پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ دنیا کے جغرافیہ پر سلطنت برطانیہ کو سُرخ رنگ سے دکھایا جاتا تھا۔ اور اس زمانہ کے نقشوں کو دیکھو تو ہر طرف سُرخ رنگ چھایا ہوتا تھا۔ انگریزوں کے علاوہ دوسری عیسائی سلطنتوں کی بھی نوآبادیات براعظم افریقہ اور ایشیا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ کیا یہ عالمگیر غلبہ ان قوموں نے خود بخود حاصل کر لیا؟ نہیں یہ مشیت ایزدی سے ہوا، اسی شہنشاہ بالا و برتر کی مشیت سے جو اصل مٰلک الملک ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں پیشگوئی ہے کہ حتّٰی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون ہ (الانبیاء ۲۱۔ ۹۶) "یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلند مقام سے تیزی سے نکل پڑیں گے"۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب جو امام وقت تھے انہی کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے اس راز کو کھولا کہ یاجوج اور ماجوج کوئی عجیب الخلقت مخلوق نہیں جیسا کہ پہلے سمجھا جاتا تھا بلکہ وہ مغرب کی عیسائی اقوام ہیں۔ چنانچہ اب یہ سب کو سمجھ آ گیا ہے۔ شاعرِ مشرق نے بھی لکھا ہے

کھل گئے یاجوج و ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ینسلون
(اقبالؒ)

یاجوج اور ماجوج کے ہر بلندی یعنی برتری کے مقام سے نکل پڑنے کی تفسیر حضرت امیر مرحوم نے اپنی کتاب تحریک احمدیت صفحہ ۱۱۴ پر یوں فرمائی ہے کہ "اس کے ایک ہی معنے ہو سکتے ہیں یعنے یہ کہ یورپ کا تسلّط دنیا پر ہو جائے گا بلکہ کل حدب کا لفظ استعمال کر کے یہ بھی بتا دیا کہ یہ تسلط صرف ملکوں اور جسموں پر ہی نہ ہوگا بلکہ خیالات اور علوم پر بھی ہوگا کیونکہ حدب کے معنے کے اندر یہ امور بھی آ جاتے ہیں۔ اور یورپ کا دنیا کے ممالک اور دنیا کے عام خیالات پر تسلط الفاظِ قرآنی کی صداقت کا کھلا گواہ ہے۔ تو جو امر اس وقت اسلام کی کمزوری اور مغلوبیت ظاہری کا سامان ہو گیا خود وہی اسلام کی صداقت کی بھی بیّن دلیل ہے۔"

یورپ جس نے کہ تمام دنیا میں نوآبادیات اور ماتحت حکومتیں قائم کیں اس نے اپنے سیاسی اور فوجی غلبہ اور اپنی علمی ترقیات کی چمک دمک اور لوگوں کے خیالات پر چھا کر ان کو ذہنی طور پر غلام بنا لینے کو کن مقاصد کے لئے استعمال کیا؟ ظاہر ہے کہ اپنی سلطنتوں اور حکومتوں اور نوآبادیات (بالفاظ دیگر دنیا پر اپنے غلبہ اور قبضہ) کو استحکام بلکہ ہمیشگی دینے کے لئے۔ اور اس کے لئے مغربی اقوام نے اپنی ماتحت رعایا کو اپنا ہم مذہب یعنے عیسائی بنانے کے لئے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت پادریوں، پادرانیوں، پادری منش ڈاکٹروں اور ڈاکٹرنیوں، مشنری سکولوں اور کالجوں کے استادوں اور استانیوں کی ٹڈی دل فوج تمام ماتحت علاقوں میں قصبہ، قصبہ، گاؤں گاؤں میں پھیلا دی۔ اس ٹڈی دل کو رسول مقبول صلعم نے دجّال کا نام دیا۔ عیسائیت جس میں تثلیث کا شرک تھا۔ اُسے دوسرے مشرک مذاہب سے کوئی خوف نہ تھا مگر اسلام کی توحیدِ خالص سے وہ سخت خائف ہوئی کیونکہ حق کے آگے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔ اسلام سے دشمنی کے نتیجہ کے طور پر ماتحت رعایا میں سے غیر مسلموں کو تو وہ NON - CHRISTAINS (غیر عیسائی) کہتے تھے مگر مسلمانوں کو ANTI - CHRISTAINS (عیسائیوں کے مخالف) کہتے تھے۔ توحید کی مضبوط چٹان کو تو وہ توڑ نہ سکتے تھے اس لئے اور جہاں کہیں ان کو اسلام، قرآن پاک اور حضور سرورِ کائنات صلعم کی ذات پاک پر اعتراضات یا عیب جوئی یا نکتہ چینی کا موقعہ مل سکتا تھا اس کو انہوں نے بڑھا چڑھا کر ایک طوفان کھڑا کیا۔

جن آیاتِ مبارکہ سے میں نے اس خطبہ کو شروع کیا تھا وہ سورۂ آلِ عمران میں ہیں۔ اس سورت میں آگے عیسائیت کی تاریخ اور عیسائی عقائد پر بحث آئے گی۔ مگر اس سے پہلے ان آیات میں ملکوں اور سلطنتوں کے ملنے اور چھیننے کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ زمانہ کے لحاظ سے اسی ترتیب سے واقعات نے دنیا میں ظہور پذیر ہونا تھا۔ پہلے تو مغرب کی عیسائی اقوام کو دنیا میں سلطنتیں ملنی تھیں۔ ایسی سلطنتیں کہ دنیا کی تاریخ میں ایسا عالمگیر غلبہ

کسی اور قوموں کو نہیں ملا۔ اور ان قوموں نے اپنے دنیاوی غلبہ اور سلطنتوں کو ہمیشگی بخشنے کے لئے ماتحت رعایا کو عیسائی بنانا تھا اور تب عیسائیت اور اسلام میں سخت مذہبی جنگ ہونی تھی۔ اسی لئے قرآن حکیم نے عیسائیت کے عقائد پر بحث کو بعد میں رکھا اور مغربی اقوام کو دنیاوی غلبہ اور سلطنتیں ملنے کا ذکر پہلے فرمایا۔ کیا کتاب ہے قرآن مجید کہ قدم قدم پر اس میں علم غیب ہے جو صدیوں بعد جاکر پورا ہوا اور یوں اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے کا روشن ثبوت ہوا۔

مخبرِ صادق صلعم کی پیشگوئیاں

اسلام اور مسلمانوں پر جو یہ خطرناک وقت آنے والا تھا اس کے متعلق حضور سرورِ کائنات صلعم نے بھی بے شمار پیشگوئیاں فرمائی ہیں جو کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ان میں سے چند جو میرے مضمون سے متعلق ہیں وہ عرض کرتا ہوں۔ فرمایا ما بین خلق آدم الی قیام الساعۃ امر اکبر من الدجال (مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۲) یعنے آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت کی گھڑی تک کوئی امر فتنۂ دجال سے بڑھ کر نہیں۔ اور آپ نے ایک سے زیادہ دفعہ فرمایا یا ایہا الناس انہ لم تکن فتنۃ علی وجہ الارض منذ ذرأ اللہ ذریۃ آدم اعظم من فتنۃ الدجال (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۹۲) یعنے اے لوگو جب سے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو پیدا کیا ہے فتنۂ دجال سے بڑھ کر کوئی فتنہ روئے زمین پر نہیں ہوا۔

یاجوج ماجوج یا دجال کس طرح ویرانوں میں سے خزانے (تیل اور دیگر معدنیات) کے باہر نکالے گا اور زمین کی طاقتوں پر قدرت حاصل کرے گا ان کا ذکر فرماکر مخبر صادق صلعم نے فرمایا "وہ ایک قوم پر آئے گا اور انہیں دعوت دے گا (اپنے مذہب کی طرف) تو وہ اس پر ایمان لائیں گے سو وہ آسمان کو حکم دے گا اور وہ بارش برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا تو وہ اگائے گی ۔ ۔ ۔ ۔ پھر ایک اور قوم پر آئے گا اور انہیں دعوت دے گا تو وہ اس کی بات کو رد کر دیں گے اور وہ ان سے روٹھ جائے گا تو وہ قحط زدہ ہو جائیں گے اور ان کے ہاتھوں میں ان کے مالوں میں سے کچھ نہ رہے گا۔" ایک دوسری حدیث میں اسی قسم کی پیشگوئی کے بعد فرمایا "اور زمین کی نہریں اور اس کے پھل دجال کیلئے مسخر کر دیئے جائیں گے تو جو اس کی پیروی کرے گا وہ اسے کھلائے گا اور اُسے کافر بنا لے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اُسے اس سے محروم کر دے گا۔ اور اس سے رزق روک دے گا۔"

قربان جائیے رسول اللہ صلعم کے کہ علاوہ ان لوگوں کے جو عیسائی ہو کر دنیا کے مزے حاصل کریں گے ان لوگوں کا بھی ذکر فرمایا کہ جو عیسائی تو نہ ہونگے مگر پھر بھی مغربی حکومتوں کی کاسہ لیسی کر کے دنیاوی فوائد حاصل کریں گے جیسا کہ فرمایا "دجال کے ساتھ کچھ لوگ ہوں گے کہیں گے ہم اس کے ساتھ مل جاتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ وہ کافر ہے لیکن ہم اس کے ساتھ مل کر اس کے کھانے سے کھاتے ہیں اور اس کے درختوں سے مویشی چراتے ہیں۔" (کنز العمال جلد ۷، ص ۲۰۹۲)۔ پھر حضور صلعم نے ان لوگوں کی بھی خبر دی جو دجال کے سب سے بڑے ہتھیار یعنے وسوسہ اندازی سے متاثر ہو کر بے دین ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا "جو شخص دجال کی خبر سنے تو وہ اس سے الگ رہنے کی کوشش کرے کیونکہ ایسا ہوگا کہ ایک آدمی اپنے آپ کو مؤمن یقین کرتا ہوا اس کے پاس آئے گا لیکن وہ اس کے دل میں اس قسم کے شبہات پیدا کرے گا کہ وہ اس کا متبع ہو جائے گا۔"

بھلا مخبر صادق صلعم کی باتیں کیسے غلط ہو سکتی ہیں۔ وہی ہوا جو آپ نے فرمایا تھا مغربی اقوام نے ماتحت قوموں کو عیسائی بنانے کی سر توڑ کوشش کی۔ جو عیسائی ہو گئے انکی تو دنیا بن گئی۔ چوڑھے چمار بھی صاحب بہادر بن کر کوٹ پتلون ہیٹ پہننے لگ گئے۔ میز کرسی پر اور کانٹے چھری سے کھانے لگ گئے۔ جہاں تک رزق کا تعلق ہے تو اس کے تو وارے نیارے ہو گئے۔ تعلیم، نوکریاں۔ زمینیں سب کچھ مل گئیں۔ اور جو عیسائی نہ بنے وہ مونہہ دیکھتے رہ گئے۔ پھر کچھ لوگ عیسائی تو نہ بنے مگر عیسائی حاکموں کی جی حضوری اور جھولی چُکی کرنے لگ گئے۔ ان کو بھی نوکریاں، زمینیں، خطابات سے نوازا گیا۔ اسی طرح جیسا کہ حضور صلعم نے خبردار کیا تھا پڑھا لکھا طبقہ الا ماشاء اللہ وساوس اور شبہات کی بنا پر اپنے دین پر نام کے طور پر ہی قائم رہا عملاً بے دین ہو گیا۔ کسی نے ایک ممتاز عیسائی مشنری سے پوچھا کہ اتنا پیسہ اور اتنی کوشش صرف کر کے تم نے کتنے مسلمان عیسائی کئے؟ کہنے لگا یہ بھی پوچھو کہ کتنے لوگوں کو ہم نے اسلام سے اکھیڑ دیا۔

تاریخی و تحریری شہادت

عیسائی بنانے کی کوشش مذہبی تو نام کے واسطے تھی۔ اور بہرحال عیسائی بنانا تو پادریوں کا ہی کام تھا کیونکہ عیسائیت کی مذہبی رسومات صرف پادری ہی ادا کر سکتے ہیں۔ (مسلمانوں کی طرح نہیں کہ کوئی شخص بھی غیر مسلم کو کلمہ طیبہ پڑھا کر مسلمان کر سکتا ہے) مگر چونکہ یہ تمام تحریک ایک سیاسی چال تھی اور اس کو پشت پناہی عیسائی حکومتوں اور حاکموں کی تھی اس لئے وہ بھی کھلم کھلا رعایا کو عیسائی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ افریقہ جیسے اس وقت کے پسماندہ براعظم میں تو یہ بہت آسان تھا۔ تعلیم نہیں مل سکتی تھی جب تک کہ عیسائی مذہب نہ قبول کرو۔ مرتے ہو تو مر جاؤ۔ مگر طبی امداد حاصل کرنی ہو تو عیسائی بنو اور جہاں تک نوکریوں کا خصوصاً فوج میں ملازمت کا سوال ہے تو وہ صرف عیسائیوں کے لئے خاص تھیں برصغیر پاک و ہند میں جہاں تعلیم اور تہذیب و تمدن صدیوں تک پھیل چکی تھیں۔ حکومت نے اتنا یک طرفہ معاملہ تو نہیں کیا جتنا افریقہ میں مگر پھر بھی نہ صرف دیسی عیسائیوں کو ہر رنگ میں ترجیح دی جاتی تھی بلکہ انگریز افسرانِ ضلع کھلم کھلا لوگوں پہ دباؤ ڈالتے یا ترغیب دیتے تھے کہ عیسائیت کو اختیار کر لو۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی کی یہی اصل وجہ تھی۔ سرسید احمد خاں مرحوم جو انگریزوں کے دوست سمجھے جاتے تھے انہوں نے بھی اپنی کتاب اسبابِ بغاوتِ ہند میں یہی وجہ سب میں مقدم بیان کی ہے۔ کہ افسرانِ ضلع جو اس وقت تمام انگریز ہوتے تھے کھلم کھلا رعایا کو عیسائی ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ جب جنگ ختم ہوئی اور سلطنتِ برطانیہ نے برصغیر کی حکومت براہِ راست سنبھال لی تو ملکہ وکٹوریہ کے مشہور اعلان میں یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ حکومت رعایا کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی۔ چنانچہ کھلم کھلا تو مداخلت نہ رہی مگر در پردہ حکومت اپنے مشنریوں کی پوری حمایت میں تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی کہ یہ تو پہلے سے حکومت کی طے شدہ پالیسی تھی کہ رعایا کو عیسائی بنایا جائے۔ اس کی تائید میں مندرجہ ذیل بیانات دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

برطانوی پارلیمنٹ میں ایک ممبر پارلیمنٹ مسٹر انگلس (INGLIS) نے اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا "خداوند نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیرنگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیئے۔ اور اس میں کسی طرح تساہل نہیں کرنا چاہیئے۔" (دیکھو کتاب "علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" ص ۲۵ از سید محمد میاں صاحب ناظم جمیعۃ العلماء ہند)

خود وزیر ہند چارلس ووڈ (CHARLES WOOD) نے جن کے ہاتھ

میں ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور تھی ۱۸۶۲ء میں ایک وفد سے جو اُن سے اس بارہ میں ملا تھا کہا "میرا یہ ایمان ہے کہ ہر وہ نیا عیسائی جو ہندوستان میں عیسائیت قبول کرتا ہے انگلستان کے ساتھ ایک نیا رابطہ اتحاد بنتا ہے اور سلطنت کے استحکام کے لئے ایک نیا ذریعہ ہے۔"

وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن نے پارلیمنٹ میں ایک تقریر میں کہا "میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اپنے مقصد میں متحد ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ خود ہمارا مفاد بھی اس امر سے وابستہ ہے کہ ہم عیسائیت کی تبلیغ کو جہاں تک بھی ہو سکے فروغ دیں اور ہندوستان کے کونے کونے میں اس کو پھیلا دیں۔"

خود برصغیر میں انگریز اعلیٰ حاکم مثلاً گورنر اور دوسرے چوٹی کے حاکم اس معاملہ میں کیا رائے رکھتے تھے وہ بھی سن لیجئے:۔

لارڈ ہنری لارنس: "کوئی چیز بھی ہماری سلطنت کے استحکام کا اس امر سے زیادہ موجب نہیں ہو سکتی کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان میں پھیلا دیں۔"

سر ڈانلڈ میکلوڈ نے جو پنجاب کے سربراہ (لیفٹیننٹ گورنر) تھے کہا "میں اپنے اس یقین کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم سرزمین ہند میں اپنی سلطنت کا تحفظ چاہتے ہیں تو ہمیں انتہائی کوشش کرنا چاہیئے کہ یہ ملک عیسائی ہو جائے۔"

جب برطانوی پرائم منسٹر اور وزیر ہند سے لے کر گورنر تک اس پالیسی کا اظہار کرتے رہے تھے تو ظاہر ہے کہ اس کے مطابق احکامات تمام انگریز افسروں تک پہنچے جو ہر ضلع اور سب ڈویژن میں کلیدی اسامیوں پر متمکن تھے۔ کھلم کھلا دباؤ نہ سہی تو بھی افسران بالا ضلع کے پاس اس وقت تمام وہ مراعات تھیں جن کی ضرورت رعایا کو پڑتی ہے۔ نوکریاں، زمینیں، ٹھیکے، مقدمات، وغیرہ وغیرہ، جو اس پالیسی کی تعمیل میں لگا دیئے گئے۔

کسرِ صلیب

عیسائیت کے بطور مذہب جو اسلام پر حملہ تھا اس کا جواب تو حضرت مسیح موعودؑ نے منہ توڑ ایسا دیا کہ آپ کے زمانہ میں ہی عیسائی معترضین میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور آج خود یورپ اور امریکہ میں کہا جانے لگا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہ تو دعویٰ خدائی کا تھا نہ وہ خدا کے بیٹے تھے نہ انہوں نے تثلیث اور کفارہ کے مسئلے سکھائے تھے۔ مگر یہ نہ سمجھ لیں کہ آج سے ۸۰، ۹۰ سال قبل عیسائی حکومتیں مضبوطی سے قائم تھیں اور وہ اپنے تسلط کو مسلمانوں کو عیسائی یا بے دین کرنے میں پوری طاقت لگا رہی تھیں۔ ان کے سیاسی اور فوجی غلبہ کو بھی ختم کرنا ضروری تھا تاکہ اسلام اور مسلمان بچ سکیں۔ وہ کون کرتا جبکہ وہ اس قدر طاقتور تھیں کہ مخبر صادق نے فرمایا کہ لا یدان لاحد بقتالھم یعنی کسی غیر عیسائی کے لئے ممکن نہ ہوگا کہ ان سے جنگ کر سکے۔ اور جنہوں نے کوشش کی وہ کامیاب نہ ہوئے۔ مگر حضور صلعم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مسیح موعود ان قوموں کو اپنی دعا سے ہلاک کرے گا۔ (مشکوٰۃ) یہ کہ یاجوج ماجوج کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہلاک نہیں کر سکے گا۔ اس کو حضور نبی کریم صلعم نے دوسری جگہ یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود کی طرف وحی کرے گا انی قد اخرجت عبادا لی لا یستطیع قتلھم الا انا (کنز العمال جلد، صفحہ ۳۰۲۱) یعنی میں نے اپنے کچھ بندے پیدا کئے ہیں جن کے قتل کی میرے سوائے کسی کو طاقت نہیں ہوگی۔ چنانچہ جیسا کہ میں اپنے مضمون "چودھویں کے چاند" میں جو پیغام صلح کے پرچہ مؤرخہ ۱۲ مئی ۱۹۸۰ء میں چھپا ہے تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ حضرت مسیح موعود نے اللہ تعالیٰ کی منشاء اور رسول اللہ صلعم کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے ایک الگ حجرہ اس دعا کے مجاہدہ کے لئے بنوایا اور سالہا سال دعا فرمائی جس کے نتیجہ میں عالمگیر جنگوں کے آنے، مغربی عیسائی ممالک کے سیاسی اور ملکی تسلط کے ختم ہونے اور مسلمانوں کے آزاد اور خوشحال ہونے کی خوشخبریاں آپ کو دی گئیں جو کہ بخوبی پوری ہوئیں۔

اب میں ان آیات کی طرف آتا ہوں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھیں: "کہو اے اللہ تو ملک کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے ملک کو دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ"۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس سورت آل عمران میں عیسائیوں اور عیسائیت کا ذکر ہے اور ان کو دنیا بھر کی بادشاہت ملنے کا ذکر ان آیات میں ہے۔ مگر اس کو بطور واقعہ کے کیوں نہیں بیان فرمایا؟ بطور دعا کے کیوں رکھا اور وہ بھی لفظ قُل (کہو) کے ساتھ۔ اسی لئے کہ مسیح موعود نے اس کی فرمانبرداری میں دعا بھی کرنی تھی کہ اے اللہ تو ملک کا مالک اور اسے دینے والا ہے جسے چاہے۔ تو نے مغربی اقوام کو ایسا دیا کہ وہ دنیا پر چھا گئیں۔ مگر اس کے نتیجہ میں انہوں نے تثلیث اور ابن اللہ کی گمراہیوں کو دنیا میں پھیلانے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اس کے ساتھ، ساتھ ہی وہ مادہ پرستی اور دنیا پرستی کو بھی دنیا میں پھیلا کر اُسے گمراہ کر رہی ہیں۔ چونکہ وہ اپنے دنیاوی ملکی غلبہ کو ان گمراہیوں کے پھیلانے کے لئے استعمال کر رہی ہیں اور ان کے اس غلبہ کو سوائے تیرے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ اس لئے تو ہی وہ دنیا بھر کا ملک جو تو نے انہیں دیا ہے ان سے واپس لے لے اور مسلمان قوموں کو ان کے چھنے ہوئے ملک اور کھوئی ہوئی دنیاوی عزت دوبارہ عطا فرما کہ "تیرے ہاتھ میں سب بھلائی ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔" اگر مسلمان قوموں پر آج رات چھائی ہوئی ہے تو "تو رات کو دن میں بدل دیتا ہے اور دن (جو اس وقت مغربی اقوام پر چڑھا ہوا تھا) اُسے رات میں بدل سکتا ہے۔" اور اگر مسلمان قومیں (سیاسی طور پر) مر چکی ہیں (جو آج سے ۸۰، ۹۰ سال پہلے بالکل صحیح تھا) تو "تو مردے میں سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔" اور اگر اس مغلوبیت کے زمانہ میں مسلمان علاقے بنجر صحرا تھے اور رزق وہاں برائے نام تھا تو "تو جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔" پھر کیا اللہ تعالیٰ نے ان بنجر صحراؤں میں سے تیل کے ذخائر نکالے کہ آج مسلمان ممالک ماشاء اللہ امیر ترین ممالک میں سے ہیں۔

کاش لوگوں کو احساس ہوتا کہ یہ سب کچھ کس کی گریہ و زاری بھری دعاؤں سے ہوا۔

حضرت امام وقت کی نصیحت

بیعت کرنے والے کے لئے

ان عقائد کا پابند ہونا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق اور قرآن شریف من جانب اللہ کتاب اور جامع الکتاب ہے۔ کوئی نئی شریعت اب نہیں آ سکتی اور نہ کوئی نیا رسول آسکتا ہے۔ مگر ولایت اور امامت اور خلافت کی ہمیشہ قیامت تک راہیں کھلی ہیں۔ اور جس قدر مہدی دنیا میں آئے یا آئیں گے۔ ان کا شمار خاص اللہ جلشانہٗ کو معلوم ہے۔ وحی رسالت ختم ہو گئی۔ مگر ولایت و امامت و خلافت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ یہ سلسلہ آئمہ راشدین اور خلفاء ربانیین کا کبھی بند نہیں ہوگا۔ کسی گذشتہ لوگوں سے بجز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع فضائل و کمالات میں بے مثل نہیں ہو سکتے اور ممکن نہیں کہ کسی کمال نوع کی خدمت گذاری میں آئندہ اس سے بہتر پیدا ہوں جزوی فضیلت کے لحاظ سے بعض لوگ بے مثل ٹھہر سکتے ہیں، جیسے صحابہ اور اہل بیت کی یہ فضیلت ہے کہ انہوں نے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پایا۔

(البدر ۱۲۔۱۰۔۱۹۰۷ء)

محمد حسن چیمہ

ملّتِ اسلامیہ کے سامنے خدائی نصب العین

یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ

کائنات میں ہر مخلوق کی تخلیق کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ہے۔ اور اس مقصد و مدعا کی نشو و نما اور تکمیل ہی سے حیاتِ ارضی کا حسن و چمک قائم ہے۔ البتہ بعض اشیاء بلا ارادہ تکمیل مقاصد کرتی ہیں۔ اور طوعاً و کرہاً اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں جمادات و نباتات کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہیں۔ تمام چوپائے، پرندے پودے اور اشجار مقصدِ تخلیق کے مراحل طے کر کے ہمارے ماحول اور زندگیوں کو تر و تازگی بخشتے ہیں اور وظیفۂ حیات ادا کر کے دوسروں کے لئے میدان خالی کر جاتے ہیں۔

انسان بھی قدرت کے کسی مقصد کی تکمیل کے لئے عرصۂ حیات میں بھیجا گیا ہے لیکن وہ صاحبِ ارادہ ہے۔ وہ چاہے تو اپنے سامنے زندگی کا حیوانی سطح سے بلند کوئی مقصد متعین کر کے کارگاہِ حیات میں اپنا لازوال نقش چھوڑ جائے۔ اور چاہے تو ایک حیوان کی طرح جسمانی زندگی کی محض بقا تک اپنی مساعی کو محدود کر کے بلا مقصد زندگی کو ہی وظیفۂ زیست قرار دے لے، مگر یہ زندگی نشو و نما کے عالم میں موت کے ہم معنی ہے۔ اور نسلِ انسانی کی کثیر تعداد اسی بھنور میں پھنسی ہوئی زندگی کی سٹیج سے غائب ہو جاتی ہے۔

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق
باشد بقدرِ ہمتِ تو اعتبارِ تو

انفرادی زندگی بھی کسی بلند مقصد کے بغیر وبالِ جان ہوتی ہے۔ اور ایسا فرد حوادثِ زمانہ کے تند و تیز جھونکوں کے سامنے تنکوں اور ذرّوں کی طرح اڑتا رہتا ہے لیکن نسلِ انسانی کی اجتماعی زندگی کی بقا، عظمت اور عروج کسی مقصد کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مقصد کی نوعیت کے پیشِ نظر اس کی توانائی اور ترقی کے مدارج مختلف ہوں۔ لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ ہر قوم اور منظم گروہ کے پیشِ نظر اجتماعی حیات کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور رہتا ہے۔ جو اس کے افراد کو متحد، فعال اور ایثار پیشہ بنائے رکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے اسی صداقت کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

ولکل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات (البقرہ)

"ہر ایک قوم کے لئے ایک طرف ہے۔ جدھر وہ منہ کرتا ہے پس نیکیوں کو ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر لو۔" امام راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے۔

"وجهة ۔ وجہ قصد کو اور جهة اور وجهة مقصد کو کہا جاتا ہے اور اصل میں جهة اور وجهة وہ ہے جس کی طرف ہم کسی چیز کے لئے توجہ کرتے ہیں۔" اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن نوٹ ۱۸۵ میں لکھتے ہیں:۔

"دنیا کی ہر قوم نے اپنا ایک مقصد قرار دے لیا ہے۔ پس اے مسلمانو! تم خیرات اور نیکیوں میں قدم بڑھاؤ۔ اس کو اپنا مقصد، اسی کو قبلۂ ہمت قرار دو اور ظاہری معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ ہر ایک قوم نے اپنے لئے ایک قبلہ ٹھہرایا ہوا ہے پس تم اس قبلہ کی طرف سبقت کرو۔ جو توحید کا مرکز اصلی ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی خیرات اور نیکیوں کا قائم کو حق دار بناتا ہے۔ کیونکہ جس طرح شرک تمام بدیوں کی جڑ ہے۔ توحید سے نیکیاں پیدا ہوتی ہیں۔"

ماضی اور حال کی اقوام کی تاریخ کو نظر کے سامنے رکھتے ہوئے کون سی قوم ہے۔ جو کسی مقصد سے خالی ہو اور جب اس نے زندگی کے مقصد کو نکال کر نفس پرستی اور انفرادیت کو معبود و مقصود بنا لیا ہو تو پھر وہ زندہ رہی ہو۔ قرآن حکیم نے ان چند الفاظ میں اپنے پیروکاروں کے سامنے جو عظیم و بلند مقصد رکھا ہے، اس سے اعلیٰ مقصد ناممکن ہے اور اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر قرنِ اول کے مسلمانوں نے جو بے مثال عروج حاصل کیا وہ کسی اہل فکر و نظر سے پوشیدہ نہیں۔

آج بھی اقوامِ عالم کے سامنے مختلف مقاصد ہیں۔ جن کی تکمیل کے لئے وہ سرگرمِ عمل ہیں ان میں سے زیادہ اہمیت نسل پرستی اور مادہ پرستانہ نسلی غلبہ کو حاصل ہے۔ جس کا نتیجہ اقوامِ عالم کا انتشار، افتراق، مجادلہ، مقاتلہ، استحصال اور لوٹ کھسوٹ ہے ان مقاصد کی موجودگی میں اقوامِ عالم کا حال اور مستقبل تاریک و بھیانک ہو چکا ہے۔

اقوامِ عالم مہلک سے مہلک تر آلاتِ حرب کی تیاری میں مصروف ہی نہیں بلکہ گزشتہ اُنیس سال سے ان کا بے دریغ دلیرانہ بلکہ وحشیانہ استعمال کرتی چلی آ رہی ہیں۔ اس عرصے میں کئی اقوام فنا ہوئیں۔ کئی ایک موت و ذلت کے مراحل سے گزر رہی ہیں اور اکثر ایک اَن دیکھی تباہی اور خوف سے بے چین و ترساں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب مادی وسائلِ حیات کا حصول، گروہی برتری۔ اور ہم جنسوں پر تسلّط مقصد قرار پائے تو باہمی آویزش ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اسی سلسلے میں قدیم و جدید اجتماعی نظریات میں اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے وحدتِ نسلِ انسانی اتحاد۔ اقوام، تکریمِ بشر، اور ایک دوسرے کی خیر خواہی بھلائی۔ نفع رسانی اور فلاح رفاہِ عامۃ الناس کو مقصود قرار دیا۔ جیسا کہ زیرِ نظر آیہ بینہ میں فرمایا کہ "ہر قوم کے سامنے ایک مقصد ہے۔ جس کے حصول کے وہ در پے ہے۔" لیکن امتِ مسلمہ کو ارشاد کیا کہ "تم خیرات میں (انسانی بہتری و بھلائی کے کاموں میں) ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تگ و دو میں لگے رہو۔" ان الفاظ میں امتِ مسلمہ کو دوسری قوموں کے مقاصد سے بچنے کا سبق دیا۔ اور نہ صرف ان کاموں کی ترغیب دی جو نسلِ انسانی کی مجموعی بھلائی اور فلاح کا موجب ہیں۔ الخیر وہ بات ہے یا عمل ہے جو سب کو مرغوب ہو۔ جیسے عقل عدل۔ فضل اور تمام مفید چیزیں۔ یہ لفظ شرّ و ضرّ کی ضد ہے۔ شر اور ضرر سے مراد اقوام میں فساد برپا کرنا اور ایک دوسرے کے نقصان کے در پے رہنا ہے جو ابلیس کی منزلِ مقصود ہے۔ اور خیر فریضۂ مومن ہے۔ جس سے انسانی اجتماعی نشو و نما، عروج و ارتقا پیشِ نظر ہوتا ہے۔

امتِ مسلمہ کو قرآن نے امتِ خیر کہا ہے۔ کنتم خير امة اخرجت للناس تم سراپا مجسمۂ خیر ہو۔ تم سطحِ ارض پر چلتی پھرتی بھلائی ہو۔ جس کا مقصد نوعِ بشر کی بہبود اور خیر خواہی ہے۔ دنیوی زندگی میں اس سے بلند تر مقصد تصور میں نہیں لایا جا سکتا۔ ایک جماعت خیر کا مجموعہ ہے۔ اس کے خیالات و اعمال خیرِ محض ہیں وہ اقوام کے لئے صلح، آشتی اور بہتری کا پیغام ہے۔ استبقوا الخیرات کا حکم خداوندی ہر مسلم کو متحرک کر دیتا ہے۔ اور مسلمان انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے ایسے کاموں میں سرگرمِ عمل ہو جاتے ہیں جو تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کے ضامن ہیں۔

پھر اس سے ایک قدم آگے بڑھا کر فرمایا۔ ولتكن منكم امة يدعون الى الخير۔ یہی نہیں کہ مسلمان قوم سراپا خیر ہے اور اس کے وجود سے فلاح و بہبود کی کرنیں ماحول کو منور کرتی ہیں۔ بلکہ اس کا فرض ہے کہ اپنے اندر خاص صلاحیتوں کے مالک افراد پر مشتمل ایک ادارہ قائم کریں جو کہ اقوامِ عالم کو دعوت الی الخیر دیتے رہیں

انہیں معروف پر قائم کریں اور جو امور شر و فساد، انتشار و افتراق کا موجب ہیں۔ ان کے خاتمے ہی سا عی رہیں تاکہ اللہ تعالےٰ کے منشاء کے مطابق جو بھائی چارہ اور مواخات کا سلسلہ قائم ہوا ہے۔ وہ نہ صرف برقرار رہے بلکہ وہ تمام اقوام عالم کو اپنے دائرہ میں لاکر دنیا کو دارالسلام بنانے میں ممد و معاون ثابت ہو۔

ایسا ہی معاشرہ دنیا کی بقاء اور ارتقاء کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اور اگر کسی گروہ، جماعت یا قوم کی اساس باہمی خیر خواہی اور فلاح پر نہ ہو۔ تو وہ ہرگز ہرگز زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی لئے قرآن حکیم میں ارشاد الٰہی ہے۔ ما ینفع الناس فیمکث فی الارض، دنیا میں وہی حقیقت وہی ادارہ اور وہی قوم دوام حاصل کر سکتی ہے۔ جو نافع الناس ہو۔ جو شب و روز نسل انسانی کے نفع و خیر کے لئے کار فرما ہو۔ آنحضرت کا ارشاد مبارک ہے: خیر الناس من ینفع الناس، بھلا انسان وہی ہے جس کے وجود سے نسل انسانی کو فائدہ پہنچے۔ بالفاظ دیگر آپ کے نزدیک نفع اور خیر ہم معنی الفاظ ہیں اور امت خیر وہی ہے جو نافع الناس ہو۔ آپ ذرا اندازہ کیجئے۔ کہ جو قوم شب و روز بنی نوع انسان کی بہبود، خیر خواہی اور نفع رسانی میں لگی رہے۔ کیا کوئی قوم اس کی دشمن ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس تمام چھوٹی بڑی اقوام اس سے محبت کریں گی۔ اس کی بقاء کے لئے کوشاں ہوں گی اور اس کی تقلید اور پیروی پر فخر کریں گی۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ خیر خواہی اور نفع رسانی کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ کے اعلان نبوت پر حضرت خدیجہؓ کی شہادت اسی حقیقت کی غماز ہے۔

"آپ صلہ رحم کرتے ہیں۔ بات سچ کہتے ہیں۔ امانت ادا کرتے ہیں۔ کریمانہ اخلاق رکھتے ہیں۔"

قرآن کریم نے بھی آپ کے اس جذبہ کی تائید فرمائی:-

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (التوبہ) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا تمہاری تکلیف اس پر شاق گزرتی ہے۔ اس کو تمہاری بہبودی کی حرص ہے اور مومنوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس آیت میں جانی دشمن مخاطب ہیں۔ لیکن دشمنوں سے شفقت کی یہ کیفیت ہے کہ جب انہیں تکلیف ہوتی ہے تو آپ بے چین ہو جاتے ہیں اور ان کی خیر خواہی حرص کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔

قریش مکہ نے آپ کی امت اور دین کو مٹانے کے لئے انتہائی شدت کی لیکن ایک بار مکہ میں قحط پڑا۔ نجد سے غلہ آیا کرتا تھا۔ وہاں کا رئیس ثمامہ بن اثال مسلمان ہو چکا تھا اس نے غلہ روک دیا۔ قریش بے قرار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی کہ آپ کی قوم مر رہی ہے۔ ثمامہ کو غلہ بھیجنے کے لئے کہیئے۔ آپ کی رحمت جوش میں آئی۔ ثمامہ کو غلہ بھیجنے کا حکم دیا اور اس طرح دشمنوں کو موت کے منہ سے بچایا۔ پھر جب فتح مکہ کے وقت یہی دشمن مغلوب ہو گئے تو آپ نے کمال لطف و رحمت سے انہیں بخش دیا۔

آپ نے انسانیت پر جو عظیم احسانات کئے۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ کی شان میں قرآن حکیم فرماتا ہے۔

یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم۔ آپ ان کے بندھنوں کو دور کرتے ہیں اور وہ طوق بھی جو ان پر تھے"۔ اس آیت کی تشریح حضرت مولانا محمد علیؒ نے الفاظ ذیل میں کی ہے۔

"اصر اور اغلال دور کرنے سے یہ مراد ہے کہ ان تمام باتوں کو دور کرتا ہے جن سے

انسان نیکیوں کے کرنے سے رکتا ہے۔ گویا بدیوں کی جڑ کاٹتا ہے۔ اور انسان کی ترقی کی حقیقی راہ کھولتا ہے۔ اہل کتاب کے لئے یہ ایک کھلا نشان ..... آنحضرت صلعم کی صداقت کا تھا۔ کہ کس طرح وہ لوگ جن کی اصلاح سے یہودی اور عیسائی دونوں عاجز آ چکے تھے، آنحضرت صلعم کی قوت قدسی سے ہر قسم کی بدیوں سے پاک ہوتے چلے جاتے تھے کس طرح صدیوں کی بدیوں اور رسم و رواج کی قیدوں سے آزاد ہوتے چلے جاتے تھے۔ اس طرح پر نیکی کا دنیا میں پھیلانا سوائے صادق کے دوسرے کا کام نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب پیشگوئی کا ذکر کیا تو یہ بھی بتایا کہ جن بیڑیوں کو تم نہیں کاٹ سکے۔ ان کو عرب کے ایک اُمی نے کاٹ دیا اور یہی اس کے منجانب اللہ ہونے کا کافی نشان ہے"،

یہ آیت آنحضرت صلعم کی عظمت پر تاریخی نشان ہے۔ آپ نے لوگوں کو شرک و بت پرستی سے نجات دلاکر توحید پر قائم کر دیا۔ نسلی علاقائی۔ ملکی۔ مال و دولت اور رنگ و نسب کے امتیازات کو ختم کر کے انسانوں میں اخوت و مساوات قائم کی۔ جہالت توہم پرستی اور غلط عقائد کی بندھنوں سے آزاد کیا۔ جابر سلاطین کو ختم کر کے پسی ہوئی انسانیت کو آزادی عطا کی، علم و حکمت کے دروازے سب پر کھول دیئے۔ عدل و انصاف کو عام کیا، غربت اور مسکینی کو دور کیا۔ انسان کی اخلاقی و روحانی نشو و نما کے سامان ہر فرد کے لئے عام کر دیئے اور اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ گئے۔ جس نے آپ کے فیضان رحمت کو دور دور تک پھیلا دیا۔

آج بھی آپ کا اسوۂ حسنہ دنیا کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے سکتا ہے۔ آج بھی دنیا کا بہترین قومی مقصد یہی ہے۔ جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ اور آج بھی عالم اسلام اور اقوام عالم کی نجات فاستبقوا الخیرات پر عمل میں ہے۔

(ماخوذ)

دعوت الی اللہ
اس جماعت کا کام ہے

اگر کسی نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح اور انجمنیں ہوتی ہیں ویسے ہی یہ بھی ایک انجمن ہے۔ تو یہ صحیح نہیں۔ آپ کی جماعت کو ایک مامور نے کھڑا کیا اور خدا کے حکم سے کھڑا کیا۔ اس جماعت کا کام ہے:-

"ادعوا الی اللہ"

خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ اپنے لیکچروں کے ذریعہ سے بلاؤ۔ اپنے اخبارات کے ذریعہ سے بلاؤ۔ اپنی تصنیفات کے ذریعہ سے بلاؤ۔ مگر تمہارا بلانا خدا تعالیٰ کی خاطر ہو۔ پہلے تمہارے اپنے دلوں میں یقین ہونا چاہیئے۔ کہ خدا ہے اور اس قدر یقین ہونا چاہیئے کہ دوسروں تک پہنچانے کی تڑپ دل کے اندر پیدا ہو جائے۔ اسلام اس لئے نہیں آیا کہ کسی ایک ملک تک محدود رہے۔ یہ مذہب تمام دنیا میں پھیلنے کے لئے آیا ہے۔ آہستہ آہستہ تمام دنیا کو اٹھاؤ اور اسلام کی طرف لانے کی کوشش کرو۔ فی الحقیقت اس کی طرف دنیا کو لانا امام وقت نے آپ کی جماعت کے سپرد کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اس کے اہل ثابت نہ ہوں۔ یہی ہمارا اصل کام ہے۔ دعوت الی اللہ کا بڑا بلند مقام ہے اس مقام پر کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو خدا کی طرف بلاؤ۔ یہی فرض ہے۔ جو تمہارے اوپر ڈالا گیا ہے۔ تم اس فرض کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد صاحب

غیر ضروری مسائل میں اپنی توانائی ضائع نہ کیجئے

مسلمان۔ مومن۔ متقی۔ یہ الفاظ بار بار قرآن مجید میں اپنے ماننے والوں کے بارے میں استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اتقوا عن فراسۃ المومن مومن بڑا بیدار مغز ہوتا ہے بالعموم پس دیوار دیکھ لیتا ہے۔ وہ ظاہری و باطنی بینائی کا وارث ہوتا ہے۔ اس کے اندر جرأت اور حوصلہ ہوتا ہے۔ ترقی کرنے کا مادہ پایا جاتا ہے۔ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس کا قدم آگے بڑھتا ہے۔ قربانی۔ ایثار کا مادہ پایا جاتا ہے۔ وہ حکیم بھی ہوتا ہے۔ جس طرح ایک ظاہری طبیب مریض کی حالت دیکھ کر دوا تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح مومن موقع و محل اور ضرورت کے ماتحت قدم اٹھاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر اس کا مقصد اصلاح ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ فیصلہ کرنے سے پہلے قرآنی ارشاد و قد موالانفسکم کے تحت یہ دیکھتا ہے کہ اس موقع پر میرا قدم اٹھانا کیا ہے۔ اس کا نتیجہ اور فائدہ کیا ہوگا۔ اس سے کس کی بہتری اور اصلاح ہوگی۔ وہ نہ ضرورت سے زیادہ کسی طرف جھکتا ہے اور نہ ضرورت سے کم پیچھے ہٹتا ہے۔ وہ میانہ رو ہوتا ہے۔ اس کی نظر ہمیشہ خیر الامور اوسطہا پر ہوتی ہے۔ کہ میرے ایسا کرنے کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ اس کے اندر نہ افراط ہوتا ہے نہ تفریط!

اسی طرح ایک مسلمان شخصیت پرست نہیں ہوتا۔ اس کی نظر اصول۔ عواقب پر ہوتی ہے۔ وہ نہ غالی ہوتا ہے نہ غلو کو پسند کرتا ہے۔ وہ اس قول کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتا ہے

انظر الی ما قیل ولا الی من قال ۔۔۔

وہ کبھی نہیں دیکھتا کہ یہ بات کون کہتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ کیا بات کہی گئی ہے اور اس کی غرض و منفعت کیا ہے۔ ہر چیز کا نفع و نقصان وہ جانچتا ہے۔ کلمہ حق کہنے سے وہ کبھی نہیں رکتا۔ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے وہ تیار رہتا ہے تاریخ گواہ ہے کہ مکہ میں ابتدائی دور میں بہت سی مشکلات تھیں لیکن کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ والوں کے اصرار پر اپنے مشن سے رک گئے؟ اس وقت کلمہ حق سب سے بڑی نیکی کا کام تھا۔ حضرت عثمان بن مظعون کلمہ حق کے ادا کرنے کی وجہ سے ظاہری طور پر ایک آنکھ سے محروم ہو گئے لیکن سچی بات انہوں نے کہہ دی۔

آج بڑی ترقی کا دور ہے۔ علم کی طنابیں دور دور تک پھیل چکی ہیں لیکن لوگ اس نعمت سے عموماً محروم ہو رہے ہیں وہ موقع۔ مصالح۔ ذاتی اغراض پر مبنی کلام کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔

مومن و مسلمان کا یہ کام ہے کہ وہ ضرورت پر جس چیز کی ضرورت ہے۔ جیسی اس سے قربانی کا مطالبہ کیا گیا ہے اس سے دریغ نہ کرے۔ اگر وہ پس و پیش ایسے موقع پر کرتا ہے تو یہ اس کے ایمان کے منافی بات ہے۔ اسی طرح اگر وہ کسی وجہ سے کوئی کام خواہ کتنا بھی نیکی کا اگر بے ضرورت اور بے وقت کرتا ہے تو وہ نیکی اور ثواب نہیں رہتا

ایک صحابیؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا حضورؐ سب سے بڑی نیکی کیا ہے؟ فرمایا:۔ اپنی والدہ سے حسن سلوک کرو۔ دوسری دفعہ اس نے پوچھا پھر تیسری دفعہ پوچھا۔ ہر دفعہ حضورؐ نے فرمایا تمہاری ماں! چوتھی مرتبہ دریافت کرنے پر فرمایا۔ تمہارا باپ!

آج کا دور ہوتا ایک ظاہر بین کہتا نہیں کہ نہیں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ نماز ادا کرنا (یہ بھی بڑی نیکی کا کام ہے لیکن اپنے دائرہ میں) اس میں حضورؐ نے ایک بہت بڑا سبق دیا۔ کہ نیکیاں دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جو انفرادی طور پر ہر انسان کو ہر وقت از خود ادا کرنی چاہئیں۔ جیسے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ صدقہ و خیرات وغیرہ۔ دوسرے اجتماعی نیکیاں۔ یہ موقع و محل کے ساتھ وابستہ ہیں۔

ایک جنگ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے تھے۔ فرمایا:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

جہاد سے واپس آ رہے ہیں۔ آپ کی معیت ہے! اسلام کی خاطر لڑنے گئے ہیں اب جب گھروں میں آ رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جہاد جو کہ چھوٹا تھا اس سے لوٹ آئے ہیں۔ اب ہمیں بڑا جہاد یعنی اصلاح نفس ہے اس میں مصروف ہو جانا چاہیئے۔ موقع اور محل کے مطابق آپ نے انفرادی اصلاح نفس کو بڑا جہاد قرار دیا۔

اس میں مسلمانوں کو ایک سبق دیا کہ ہمیشہ اپنی آنکھ کھلی رکھو۔ اسی واسطے فرمایا:۔

اتقوا عن فراسۃ المومن

فراست کے معنے ہوتے ہیں کسی درخت کو چھیلنا اور ان کا گودا نکالنا جس کو انسان غذا کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ یا اس درخت کی نشو و نما میں مددگار ہوتا ہے فرمایا اے مسلمانو ہمیشہ وہ کام کرنا جس سے اجتماعی رنگ میں تم کو تقویت ملے۔ تمہاری ترقی ہو اور دوسرا اس سے اسلام کی عظمت کو چار چاند لگیں۔

غور فرمائیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کتنا عظیم الشان ہے

اتقوا عن فراسۃ المومن

۱۔ جو بھی کام کرو۔ جو بات بھی کہو۔ لکھو جس کی اشاعت کرو۔ پہلے غور کرو۔ کہ اس سے مسلمانوں کو، ہمارے بھائیوں کو، اور کہنے والے کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ جب اسلام کی ترقی۔ اشاعت۔ وسعت میں اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ لیکن ہوتا کیا ہے۔ کہ کسی انسان کے دل میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے۔ خیال کا پیدا ہونا بری بات نہیں، اچھی بات ہے۔ اس سے ترقی ہوتی ہے۔ مگر ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ سوچنے والا صاحب یا دل یہ پسند کرتا ہے۔ کوشش کرتا ہے۔ خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو موقع اس کی اجازت دے یا نہ دے میری بات ضرور اشاعت پذیر ہو۔ لوگوں میں پھیلائی جائے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ کیا اس کی ضرورت ہے بھی یا نہیں۔ کوئی مسئلہ ہے یا کوئی اس کی وضاحت و تشریح طلب کرتا ہے یا نہیں۔ وہ صرف یہ سوچتا ہے۔ کہ میرے خیال یا تحقیق کو خواہ وہ پہلے کئی رنگوں میں ان سے کئی گنا بہتر رنگ میں ہو چکی ہے۔ توضیح ہو چکی ہے۔ پھر بھی وہ صرف اپنی خیال کی چکی کو دوبارہ چلانا چاہتا ہے حالات کیا ہیں، کن باتوں کی ضرورت ہے۔ اس کا سارا زور اپنی بات کو منوانے پر ہوتا ہے اسی کو کہتے ہیں بے وقت کا راگ،

ہماری جماعت! ایک خاص ماٹو لے کر کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے لئے آج کے دور میں سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اصلاح نفس۔ اتحاد۔ اتفاق۔ صحیح تعلیم پر زور دیں۔ بدقسمتی سے بڑی مسموم فضا پھیل گئی ہے۔ مختلف قسم کے ازم بڑھ رہے ہیں۔ ان کو دور کرنے میں اپنی سعی تیز کریں۔ آپ میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ ان امور کی سرانجام دہی کے لئے جتنی بھی کوشش۔ محنت۔ وقت۔ طاقت صرف کریں گے۔ پھر بھی کہنا پڑے گا۔

(بقیہ صفحہ ... کالم ... پر دیکھیں)

قرآن ہی تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچا سکتا ہے

اسے دنیا میں پہنچانے کی ضرورت ہے

حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اس سالانہ اجتماع کا آغاز میں اس دعا سے کرتا ہوں۔ جو ہر مسلمان کی شب و روز کی دعا ہے اور جس نے قرآن کے زمانے والوں سے بھی خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ چونکہ دعا کرنے والا درحقیقت بارگاہِ الٰہی میں سائل کے طور پر حاضر ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم بھی اپنے ظاہر اور باطن میں ایک تغیر پیدا کریں۔ ظاہری رنگ میں یوں کہ ہم سب کے سب ایک سائل کی طرح کھڑے ہو جائیں۔ (سوائے اس کے جو کسی طرح کمزوری کی وجہ سے کھڑا ہونے سے معذور ہوں) اور باطنی رنگ میں یوں کہ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ جس طرح ایک سائل اپنے آپ کو عاجز اور کمزور پاکر ایک غنی کے در پر جاتا ہے۔ ہم بھی اپنی کمزوریوں کو محسوس کرتے ہوئے خدا کے دروازے پر آئے ہیں۔ تم کتنے بھی صاحب علم اور مالدار ہو خدا کے سامنے تمہاری حیثیت ایک فقیر سے زیادہ نہیں (واللّٰہ غنی وانتم الفقراء و اللّٰہ الغنی الحمید) تو آئیے ایک فقیر کی طرح خدا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صدائیں بلند کریں۔ اور اس کام میں جو ہمارے امام نے ہمارے سپرد کیا تھا اپنے عجز اور کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اس طاقتور بادشاہ سے مدد مانگیں جو پہلے بھی ان لوگوں کی جو اس کے ہو جاتے ہیں زبردست نصرت فرماتا رہا ہے اور آئندہ بھی اس کا یہ وعدہ ہے کہ جو اس کا ہو جائے گا وہ اس کی بھی طرح نصرت فرمائے گا۔ جس طرح اس نے اپنے برگزیدوں کی مدد فرمائی۔

بارگاہِ الٰہی میں پہلی صدا

ہم درماندہ درویشوں کی پہلی صدا اس بارگاہ عالی میں جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے یہ ہے الحمد للّٰہ رب العالمین۔ اے تمام مخلوق کی ربوبیت فرمانے والے تو نے اپنے بندوں پر مادی رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اور زمین و آسمان کی مادی طاقتوں کو ان کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ مگر مادی رزق کی فراوانی اور ظاہری کشش انہیں تجھ سے غافل کر کے ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے۔ اس لئے تو ان پر روحانی رزق کے دروازے بھی کھول دے تاکہ یہ نسلِ انسانی تباہی اور بربادی سے بچ کر اپنے حقیقی کمال کو حاصل کرے۔ اے خدا! جو ہمیشہ انسانوں کی روحانی ربوبیت فرماتا رہا ہے اور جس نے بالآخر ساری نسلِ انسانی کی روحانی ربوبیت کے لئے اپنا آخری نبی محمد رسول اللہ صلعم اور اپنا آخری اور کامل پیغام قرآن بھیجا تو اب نسلِ انسانی کی ربوبیت کے لئے اپنے قرآن اور پیغمبر کی قبولیت کی ہوا چلا دے اور ہمیں بھی وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے قرآن اور تیرے پیغمبر کی خوبصورت تصویر ساری دنیا میں پہنچا دیں۔

دوسری صدا

اور ہماری دوسری صدا اس ارحم الراحمین کے دروازے پر یہ ہے الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ اے رحمتوں کے سرچشمے تو اس نسلِ انسانی پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور ان کے گناہوں کی سزا بھی ان پر آنے تو تیرے مالکیت کے تقاضے سے تو تیری رحمت اس کے ساتھ بھی ملی ہوئی ہو۔

تیسری صدا

اور ہماری تیسری صدا اس مقتدر حقیقی کے دروازے پر یہ ہے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین۔ ہم تیرے غلام ہیں اور تیری غلامی کا فخر بھی تیری مدد سے ہی مل سکتا ہے۔ مگر ہماری آرزو یہ ہے کہ یہ ساری نسلِ انسانی تیری غلامی کو اختیار کر کے فلاح اور بہبود پائے۔ یہ کام انسانی طاقت سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تیرے دروازے پر آئے ہیں کہ اس میں تو ہماری مدد فرما۔ یہاں تک کہ ہم ساری نسلِ انسانی کو تیرے در پر جھکانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ مگر اے قدرت اور طاقت کے مالک خدا یہ کام تیری مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ سو ہم یہ سوال لے کر تیرے در پر آئے ہیں کہ تو ہماری اس طرح مدد فرما جس طرح تو اپنے رسولوں کی مدد فرماتا رہا ہے۔

اے زمین اور آسمان کے مالک تو زمین اور آسمان کی تمام طاقتوں کو ہماری مدد کے لئے لگا دے اے خدا تو اپنے دین کی نصرت کے لئے اپنی ملائکہ کی افواج کے ساتھ اس زمین پر نزول فرما اور اپنے دین کی خدمت کا کام کرنے والوں کی مدد فرما۔

چوتھی صدا:۔

ہماری چوتھی صدا اس منعم حقیقی کے دروازے پر یہ ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

ہم تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کی آرزو رکھتے ہیں ہمیں اس رستہ پر چلنے کی توفیق دے۔ جس رستے پر وہ لوگ چلے جنہوں نے تیری بارگاہ سے بڑے بڑے انعام پائے جن کی ساری نیک آرزوؤں کو تو نے پورا فرمایا اور ان ٹھوکروں سے ہمیں بچا جو ٹھوکریں کھا کر ہدایت کے بعد بھی لوگ تیری ناراضگی کا محل بن گئے ہیں یا صحیح رستے کو چھوڑ کر غلط رستہ پر پڑ گئے۔ اے بادشاہ تیرے انعامات کے خزانے بے حد حساب ہیں۔ اور وہ ہر زمانہ میں ہر مانگنے والے کے لئے کھلے ہیں۔ ہم بھی تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کی غرض سے تیرے در پر حاضر ہوئے ہیں۔ اور آج سب مل کر بچشم گریاں تیرے ان انعامات کے لئے تیرے در پر صدا بلند کرتے ہیں۔ جن انعامات سے تو نے ہمارے سرکار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو نوازا۔ اے خداوند عالم تیرے انعامات تو کبھی ختم نہیں ہوتے۔ ہم ناکارہ انسانوں کی وہ آہیں ہی ختم ہو جاتی ہیں جو تیرے انعامات کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ تو ہی اپنے کرم سے ہمارے دلوں میں وہ آہیں پیدا کر۔ اے فضلوں اور رحمتوں کے مالک ان فضلوں اور رحمتوں کے دروازے ہم پر کھول دے کہ ہم تیرے قرآن اور [illegible] کو دنیا میں بلند اور روشن کرنے میں اور تیرے قرآن اور محمد کے نور سے [illegible] کامیاب ہو جائیں۔ آمین

جب ہمارے امام نے تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی تو اس کی پہلی ضرورت یہ بیان فرمائی کہ پہلے اسلام پر اعلیٰ درجہ کا لٹریچر تیار کیا جائے۔ اور پھر اُسے یورپ اور امریکہ میں پھیلایا جائے۔ آپ کی سب سے پہلی کتاب ازالہ اوہام کو ص۷۷۳ سے ص۷۷۵ تک پڑھیئے۔ وہاں آپ ان باتوں کا اعادہ پورے زور سے پائیں گے۔ آپ اس عزم کو لے کر اٹھتے ہیں کہ:۔

"میں جہاں تک میرے امکان میں ہے۔ تالیف کے ذریعہ سے ان علوم اور برکات کو ایشیا۔ اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے۔ ان اعتراضات کا جواب دینے کے لئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو جس کے معلومات کو خدا تعالیٰ کے الہامی فیض نے بہت وسیع اور عمیق کر دیا ہو۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان وعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔"

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جیسے مجھ سے یا جیسے اس سے جو میری شاخ ہے۔ اور مجھ ہی میں داخل ہے۔"

اس کے بعد ان ممالک میں اس لٹریچر کی تقسیم کو ضروری ٹھہرایا اور یہ تجویز فرمائی کہ وہاں اپنے آدمی بھیج کر ان کے ذریعہ سے یہ لٹریچر ان میں تقسیم کیا جائے۔

مسیح موعودؑ کی تڑپ کس طرح پوری ہوئی

اب یہ حضرت امام کی ۱۸۹۱ء کی تڑپ ہے کہ یورپ اور امریکہ اور ایشیا میں تبلیغ اسلام کے لئے عمدہ عمدہ تالیفات تیار کی جائیں اور ایک تفسیر قرآن کریم کی بھی انگریزی میں تیار کی جائے۔ مگر اس سارے کام کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ میرا کام ہے یا اس کا جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔ اور دوسرے سے یہ ہرگز نہیں ہوگا۔

حضور کی جس قدر آرزوئیں تھیں وہ ایک ایک کر کے پوری ہوئیں۔ پھر کیا ساری اسلامی دنیا میں کوئی دوسرا انسان ایسا نظر آتا ہے۔ جس نے تبلیغ اسلام کی خاطر ایسا لٹریچر تیار کیا ہو۔ یا اسے دنیا میں پھیلانے کا انتظام کیا ہو۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اسلام پر جو لٹریچر اس جماعت لاہور یعنی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے تیار کیا ہے۔ اس کی نظیر ساری دنیا میں نہیں ملتی۔ اور پھر کیا یہ سچ نہیں کہ جماعت کے سارے تیار کردہ لٹریچر کو دیکھا جائے تو وہ تبلیغ اسلام کے سارے پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر بھی ہے۔ اس میں حدیث شریف بھی موجود ہے۔ اس میں سیرت نبویؐ کے مختلف پہلو بھی ہیں۔ اس میں زمانۂ نبویؐ تیس سالہ امتداد یعنی خلافت راشدہ کی تاریخ بھی موجود ہے۔ اس میں عیسائی پادریوں کے سارے اعتراضات کا جواب بھی موجود ہے۔ اس میں ریلیجن آف اسلام جیسی کتاب بھی موجود ہے جس پر ریویو کرتے ہوئے مرحوم مارمیڈیوک پکتھال نے لکھا تھا کہ جس قدر علمی اور قیمتی خدمات احیائے اسلام کی اس عاجز نے کی ہے اس زمانہ میں دوسرا کوئی نہیں کر سکا۔ اور جس پر ایک مشہور امریکی مصنف نے لکھا تھا کہ اس عاجز کے قرآن کے انگریزی میں ترجمہ اور تفسیر کے بعد اور اس کتاب ریلیجن آف اسلام کے بعد کوئی شخص اسلام کی تعلیم کے کسی پہلو سے ناواقف ہونے کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔

امام وقت کی دو آرزوئیں جو پوری ہوئیں

ہمارے امامؑ کی پہلی خواہش یہ تھی کہ اسلام پر عمدہ عمدہ تالیفات ہوں تو دوسری خواہش یہ بھی تھی کہ ان تالیفات کو اور قرآن کریم کی اس تفسیر کو یورپ اور امریکہ اور ایشیا کے ملکوں میں پھیلایا جائے۔ آپ نے تبلیغ اسلام کی بنیاد اسی پر رکھی تھی کہ اسلام پر اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھی جائیں۔ جن میں موجودہ تہذیب اور عیسائی دنیا کے ہر قسم کے اعتراضات کا جواب ہو اور اسلام پر ان کی فوقیت ثابت کی جائے۔ یہ صرف بنیاد تھی اصل عمارت یہ تھی کہ اس لٹریچر کو دنیا میں پھیلانے کا انتظام کیا جائے۔ جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت بنانے کی کوشش ایک بے سود کوشش ہے۔ اسی طرح بنیاد بنا کر چھوڑ دینا اور اس پر عمارت نہ بنانا بھی کوئی عقلمندی کا کام نہیں اور مجھے بعض وقت ڈر لگتا ہے۔ کہ ہماری جماعت کا قدم اس دوسری غلطی کی طرف تو نہیں اٹھ رہا۔ ہمارے امام کی یہ دونوں آرزوئیں تھیں کہ اول اسلام پر اعلیٰ درجہ کی تصانیف ہوں اور پھر ان کو دنیا میں پھیلانے کا انتظام کیا جائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان دونوں آرزوؤں کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ہاتھ سے پورا کرا دیا۔

قرآن کے نور سے ساری دنیا کو منوّر کرنے کی بنیاد

اس کے ساتھ ہی میں ایک اور خوشخبری بھی سنانا چاہتا ہوں۔ علاوہ اس کے کہ چالیس ہزار پیشیں قیمت کتب دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں میں پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ایک اور تجویز بھی ہمارے سامنے ہے۔ جس کی بنیاد ایک حد تک ڈال چکا ہوں۔ اس تجویز کی رُو سے ہم ایک مستقل بنیاد قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کی رکھ سکیں گے بر دست تو ایک محدود سا خیال ہے۔ کہ ہر سال کوئی پانچ ہزار کاپی قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی ہم طالب علموں کو وہ کہیں بھی ہوں بہت رعایتی قیمت پر دے سکیں تاکہ ہماری اپنی نسلیں بھی براہ راست سرچشمۂ قرآن سے نور حاصل کر سکیں۔ اور غیر بھی آسانی سے قرآن کریم کے نور سے فائدہ اٹھا سکیں مگر میں اُمید رکھتا ہوں کہ جب یہ کام شروع ہو گیا تو نہ صرف یہ تعداد بڑھ سکے گی بلکہ مسلم اور غیر مسلم غیر مستطیع اصحاب کو بھی ہم اس میں شامل کر سکیں گے یعنی ہم انہیں رعایتی قیمت پر ترجمہ پہنچانے کے قابل ہو جائیں گے۔ اور اس طرح یہ جماعت قرآن کریم کے نور سے ساری دنیا کو منور کرنے کی ایک بنیاد رکھ سکے گی۔ دعا کیجیئے کہ اللہ تعالیٰ ایسی بنیاد رکھنے کی ہمیں توفیق دے جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے گی۔

قرآن سے دُنیا کو نفع پہنچانا پاک نفس لوگوں کا کام ہے

مگر اس کے ساتھ ہی میں اپنے احباب کو ایک اور بات کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم خدائے پاک کا کلام ہے اور اس کو دنیا میں پہنچانا اور دنیا کو اس کے نور سے منور کرنا پاکوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انه لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسّه الا المطهرون

اس کے معنے یہ بھی ہیں کہ قرآن دنیا کو نفع پہنچانے والی کتاب ہے۔ مگر یہ نفع انہی لوگوں کے ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے۔ جو پہلے خود اپنے نفسوں کو پاک کریں۔ وہ پاک نفس گروہ تھا۔ جس نے رسول پاک کے ساتھ ہو کر اس قرآن کو دنیا میں پہنچایا اور ایک تباہ ہوتی ہوئی دنیا کو بچایا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ کہ تہذیب انسانی چھٹی صدی عیسوی میں بالکل تباہی کے کنارے پر پہنچ گئی تھی۔ خدا کا کلام قرآن بھی اس پر شاہد ہے۔ ظهر الفساد فی البر و البحر۔ اور ہر ملک اور ہر قوم کی تاریخ بھی گواہ ہے کہ

انسانی کا ایک موجودہ زمانہ کا مؤرخ لکھتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں تہذیب انسانی ایک کھوکھلے درخت کی طرح گرنے کو تیار تھی۔ کہ عرب میں ایک انسانؐ پیدا ہوا جس نے تہذیب انسانی میں ایک نئی رُوح پھونک دی۔

قرآن ہی نسلِ انسانی کو بچا سکتا ہے۔

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کس طرح نسلِ انسانی بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے۔ اور قریب ہے کہ یہ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائے۔ وہ نسخہ جس سے یہ نسلِ انسانی بچ سکتی ہے وہی ہے جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچایا۔ یہ خدا کا آخری کلام ہے۔ یہ قرآن ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ مگر ہم اس نسخۂ شفا کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اس کے پہنچانے کے لئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کام کی بنیاد اپنے ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی اور اس کو اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد بنا کر بھیجا کیونکہ نفوس کو پاک وہی کر سکتا ہے۔ جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔

قرآن اور رسولؐ کا عشق جو مجددِ وقت نے پیدا کیا

اس کے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے دل میں قرآن اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا کس قدر عشق تھا۔ اس عشق کی آگ اس کے سینے میں ایسی مشتعل تھی کہ جو اس کے پاس جا کر بیٹھا اس کے سینے میں بھی ایک چنگاری آگ کی پڑ گئی۔ اور ہزار ہا بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے۔

عشق کی چنگاری مدھم کیوں ہو رہی ہے؟

[illegible] کچھ مدھم نظر آ رہی ہے۔ اپنے اپنے سینوں کو ٹٹولو۔ کیا تمہارے [illegible] وہ امام زمانؑ کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے؟ اگر وہ ہے تو تم حرکت [illegible] جو امام زمانؑ کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی تمہارا قدم دلوانہ وار آگے کیوں [illegible] تم ہی وہ لوگ تھے جو اس عشق سے بے تاب ہو کر لوگوں کے دروازوں [illegible] نے تھے اور ان کو اس نیک کام میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ بھی [illegible] تے تھے اور دوسروں کو بھی ثواب میں شامل کرتے تھے۔ آج تم میں وہ [illegible] تم ہی وہ لوگ تھے کہ دینی خدمات کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے تھے۔ اور تم [illegible] ملکوں میں نکل گئے۔ کہ خدا اور رسولؐ کا نام اور خدا کا پاک کلام [illegible] پہنچا دیں۔ تم نے کفرستانوں میں مسجدیں بنا دیں اور اللہ اکبر کی آوازیں بلند کر دیں [illegible] مسلمان بھائی تمہیں گالیاں دیتے رہے مگر خدا کی راہ میں تمہارا جنون بڑھتا ہی چلا گیا۔ ہاں تم میں ہی وہ لوگ تھے اور کثرت سے تھے جو اپنے دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی دینی کاموں کو اسی طرح سرانجام دیتے تھے کہ زندگی وقف کر دینے والوں سے بھی بڑھ کر ان کا کام ہوتا تھا۔ آج وہ بہت کم نظر آتے ہیں۔ تم ہی وہ مالدار غربا تھے کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو مالدار غربا سے اور غربا مالداروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ سخت سے سخت مشکلات کے وقت بھی قدم آگے ہی بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اور اسی لئے خدا کی نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ ؎

خدا کے پاک بندوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے۔

*

بقیہ غیر ضروری مسائل میں اپنی توانائی ضائع نہ کیجئے

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

نہ یہ کہ ہم ایسے مسائل پر اپنا وقت۔ مال صرف کریں جن کی ضرورت ہی نہیں۔

خدارا نگاہ کھلی رکھیں! انفرادی رنگ میں نہ سوچیں۔ اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں قومی رنگ میں سوچیں۔ ان مسائل کو چھیڑیں۔ ان پر لکھیں۔ خوب لکھیں۔ میدان کھلا ہے جن کی اب ہم کو ضرورت ہے:۔

"شاید کہ ترے دل میں اُتر جائے میری بات"

ہم سب کو خواہ ہم زندگی کے کسی شعبہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں من حیث المجموع مجموعی طور پر اپنی ساری طاقتیں اپنے احباب کی بہبود۔ ترقی اور بہتری کے لئے صرف کرنی چاہئیں۔ بہت ساری مشکلات ہیں۔ ان کے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی لگاتار کرنا چاہیئے۔ اور کوشش بھی کرنی چاہیئے۔ اور دوسرے فروعی اور تاریخی مسائل پر لکھنے لکھانے سے وقت و پیسہ کا ضیاع نہیں کرنا چاہیئے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

اور یہی تعلیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دی ہے۔ ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ مومن مسلمان سب سے بڑا حکیم ہے۔ اس کا یہی کام ہے کہ آج کے مادی دور میں جس میں ہر طرف انتشار ہے۔ ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

ہستیٔ باری تعالیٰ اثبات ختم نبوت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن مجید کی ابدیت۔ عالمگیر صداقتوں۔ اور حضرت مجدد مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے کارناموں پر لکھنے لکھانے کا بڑا وسیع باب کھلا ہے۔ نہ کہ دوسرے مسائل میں اپنا قیمتی وقت و مال ضائع کیا جائے۔

دوسرے لفظوں میں یہ عرض ہے کہ مارکیٹ میں جس مال کی ضرورت ہے اس کو لائیں۔

یحیی الدین و یقیم الشریعۃ کو حقیقی صفات کے ساتھ قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

*

مضمون نگار احباب کی خدمت میں درخواست ہے کہ

موجودہ مسائل پر قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں مضامین لکھیں

سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ اور افادیت اور حضرت بانیٔ سلسلہ کی صداقت پر بالکل جدید اور سائنٹیفک اسلوب میں مضامین تحریر فرمائیں اور بھیجیں ان کے مضامین نہایت شکریہ کے ساتھ شائع کئے جائیں گے۔

بے ثباتیٔ دُنیا

اے حبِّ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں
اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
دیکھو تو جا کے ان کے مقابر کو اک نظر
سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر
اک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے
اک دن یہ صبحِ زندگی کی تم پہ شام ہے

حضرت مسیح موعودؑ کے
علمی و روحانی کمالات

دامانِ نگہ تنگ گلِ حسنِ تو بسیار + گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

حضرت مسیح موعود کی ذات جامع صفات تھی:- یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے کہ حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے دماغی اور قلبی دونوں قسم کے کمالات عطا فرمائے تھے۔ دُنیا میں ایسے لوگ بہت شاذ ہوتے ہیں جو ان دونوں خوبیوں کے جامع ہوں۔ ایک شخص باوجود علم و فضل کے روحانیت سے بالکل معرا اور ایک شخص جو قلبی یا روحانی خوبیوں کا مالک ہو علم و فضل سے بالکل تہیدست ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے حضرت مسیح موعود بفضلہٖ جامع صفتیں تھے۔ آپ زبردست دل و دماغ لے کر آئے جہاں ایک طرف بہت بڑے عالم متبحر تھے۔ اس کے ساتھ ہی آپ روحانیت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ یہ دونوں کمالات آپ کی زندگی میں بوجہ اتم موجود اور معرضِ ظہور میں آئے۔ جس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں بطریق اختصار محض چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود اسلام کے ایک بہت بڑے فلاسفر، ایک نہایت زبردست مناظر، بہترین مفسر، زبردست مقرر، اور ایک بلند پایہ کے مصنف تھے۔

آپ نے کم و بیش اسی کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں بہت سی کتب عربی میں ہیں جو فصاحت و بلاغت میں نظیر نہیں رکھتیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے علمی کارنامے:- بے شک ان تیرہ چودہ صدیوں کے عرصہ میں اسلام میں بہت بڑے بڑے مصنف، مفسر اور متکلم ہو گزرے ہیں جن پر دنیائے اسلام الیٰ یوم القیامت فخر کرے گی۔ بحمد اللہ ان کے علمی کارنامے ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا پایہ اسلام کی ان مایہ ناز ہستیوں سے کسی طرح کم نہیں بلکہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ یہ ہماری ہی رائے نہیں بلکہ اس زمانہ کے چوٹی کے علماء نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے

حضرت مسیح موعود کی جلسہ مذاہب والی تقریر:- ۱۸۹۶ء میں ایک عظیم الشان جلسہ مذاہب لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں تمام مذاہب کے نمائندوں نے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیوں پر لیکچر دیئے۔ بڑے بڑے علمائے کرام نے اسلام کے محاسن پر علمی جوہر دکھائے۔ پنڈتوں اور پادریوں نے اپنے عقائد مخصوصہ کی خوبیوں کو الم نشرح کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ لیکن یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کا مضمون سب پر غالب رہا اور آپ کے قلم سے اسلام کو تمام ادیان پر ایک روشن اور بین فتح حاصل ہوئی۔ اور ایک منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا کہ گویا:-

لیظھرہ علی الدین کلہ

اسی دن اور اسی موقعہ کے لئے وارد ہوا تھا۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کا وہ علمی کارنامہ ہے کہ تاریخ مذہب میں مثل مہر و ماہ ابدالآباد تک چمکتا رہے گا۔

مکتوبِ جرمنی

اَز لطف المنان طاہر

عزیزم لطف المنان طاہر بسلسلہ ملازمت تقریباً ایک سال سے مغربی جرمنی کے شہر HANNOVER ہینور میں مقیم ہے۔ "یہ شہر اپنے صوبہ کا صدر مقام ہے۔ پچاس کلومیٹر میں پھیلا ہوا ہے۔ اپنی صنعتوں کے اعتبار سے بڑا مشہور ہے۔ یہاں پر ہر سال ایک عالمی صنعتی نمائش لگتی ہے۔ جس میں ساری دُنیا کے ممالک اپنی مصنوعات کے سٹال لگاتے ہیں۔"

عزیزم نے امسال رمضان المبارک اور عید الفطر کے بعد یہ لکھا ہے کہ "یہاں پر رمضان کے تیس روزے رکھے گئے۔ سحری کا وقت صبح چار بجے ختم ہوتا تھا۔ اور افطار ۹½ بجے ہوتی تھی۔ گویا کہ روزہ کا وقت تقریباً ۱۷½ گھنٹے کا ہوتا تھا۔ خدا کے فضل سے سارے روزے رکھے گئے۔ ہماری فیکٹری میں کوئی ۱½ درجن کے قریب مسلمان کام کرتے ہیں۔ ہم نے فیکٹری والوں کو لکھا کہ ہماری عید ۱۲ ۸/۴ کو ہوگی۔ اس دن کی ہم کو رخصت دی جائے تاکہ ہم اپنا یہ اسلامی تہوار منا سکیں۔ کیونکہ یہاں پر عید کی چھٹی نہیں ہوتی فیکٹری والوں نے ایک ہفتہ قبل نوٹس لگا دیا کہ ۱۲ ۸/۴ کو مسلمانوں کو عید کی وجہ سے چھٹی دی جاتی ہے۔ اور ہم اراکین و منتظمین فیکٹری ان کو اس اسلامی تہوار پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اور نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں۔

عزیزم لطف المنان طاہر لکھتے ہیں "ہم سب نے فیصلہ کیا کہ اس دن کو ہم اپنے ملک میں جس طرح مناتے ہیں اسی طرح منائیں گے۔ ۱۲ ۸/۴ کو فجر کی نماز کے بعد حلوہ، پوڑی اور سویاں تیار کی گئیں۔ یہاں یہ بھی تحریر کر دوں کہ یہاں مسلمانوں میں سب سے زیادہ مسلمان ترک ہیں۔ ان کی یہاں مسجد بھی ہے۔ انہوں نے عید الفطر کی نماز یہاں کے وقت کے مطابق صبح ۸ بجے ادا کی لیکن ہم مسلمان جو کہ برصغیر سے تعلق رکھتے ہیں ہم نے ۹½ بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر ایک دوست کے گھر اکٹھے ہو گئے۔ عید الفطر کی نماز ادا کی گئی۔ اور جس طرح یہ آپ ---- کا ہی خاص تجربہ تھا۔ دوگانہ کے بعد خطبہ کے آخر میں خاص طور پر عالم اسلام کے لئے ساری جماعت کے لئے، جملہ افراد کے لئے۔ دعائیں اونچی آواز سے جیسا کہ آپ کروایا کرتے ہیں۔ ہم نے خوب آپ کے لئے دعائیں کیں۔ میں تو دُعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کے مسلمانوں پر خاص طور پر رحم کرے۔ ان کی مشکلات دُور ہوں۔ ہماری جماعت ترقی کرے۔ اور ان میں وحدت اور اخوت پیدا ہو۔ میں نے جماعت کے لئے خاص دعائیں کیں۔

دوپہر کا روائتی طور پر پاکستانی کھانا ایک دوست کے ہاں سب نے مل کر کھایا کھانے میں سب کچھ تھا۔ کمی تھی تو صرف آپ کی۔

میں ہر طرح سے ٹھیک اور خیریت سے ہوں۔ آپ میری طرف سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اور دوسرے سب دوستوں کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور درخواستِ دعا عرض کر دیں۔ اور اگر اس علاقہ میں کوئی ہمارا احمدی بھائی رہتا ہو تو دفتر سے معلوم کر کے اطلاع دے دیں۔

(مرزا محمد لطیف شاہد)

"شوکتِ اسلام"

پھر اتباعِ سیرتِ نبویؐ نکھار دے ÷ اُجڑے ہوئے چمن کو نوید بہار دے

پھر شوکتِ اسلام کا پرچم بلند کر ÷ پھر دینِ حق کا ولولہ دل میں اُبھار دے

حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم

عالمگیر مذہب

کسی مذہب کا شان عالمگیری سے متصف ہونا عقلاً ممکن ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ بوجہ فراوانی اسباب، مخابرت و مراسلت، اہالی ارض باہمدگر قریب تر ہو گئے ہیں۔ لیکن مذاہب میں اختلاف عقائد بکثرت موجود ہیں۔ اور وہی مذہب عالمگیر ہو سکتا ہے جو جملہ اختلافات کو مٹا کر ان میں ایک شانِ اتحاد پیدا کر دے۔ اور ہر امر اختلافی کا تصفیہ کر دے۔ اور جو عقائد پیش کرے ان کی خوبی اور ضرورت دونوں کو بدلائل عقلیہ ذہن نشین کر دے۔ اور جن کو مردود قرار دے ان کی بطالت ہی مبرہن کر دے۔ اس ضمن میں ان چند اختلافی مسائل کا ذکر خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ جن کی وجہ سے مختلف فرقے رونما ہو گئے ہیں

ابتداءً عقیدہ باری تعالےٰ کو لیجیئے۔ بعض مذاہب میں اس کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے اور بعض میں اس کا ذکر بھی ضروری نہیں سمجھا گیا۔ مثلاً بدھ مت اور کنفیوشس دونوں نے فلسفۂ اخلاق ہی کی تعلیم دی اور خدا کا ذکر مطلق نہیں کیا۔ علاوہ بریں، خدا پرستوں میں بعض تو اس کی عبادت اس طرز پر کرتے ہیں۔ جو خود اس نے بذریعہ وحی بتا دی ہے۔ اور بعض یہ یقین رکھتے ہیں۔ کہ بذاتِ خود طریقِ عبادت دریافت کرنا اور پھر اس پر عامل ہونا مناسب ہے۔ یعنی یہ لوگ وحی و الہام کو ضروری نہیں سمجھتے صرف اپنے عملی اور تربیت یافتہ ضمائر کو ہدایت کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ ہندوستان میں برہمو سماج اس کی زندہ مثال ہے علاوہ بریں "اہل کتاب" بھی دو طبقات میں منقسم ہیں۔ ایک تو وہ جو یہ یقین کرتے ہیں کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں آتی۔ دوسرے وہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ جملہ ارواح مقید بالارض ہیں اور ایک جسم سے نکلنے کے بعد دوسرے جسم سے متعلق ہو جاتی ہیں۔ اس عقیدہ کو "تناسخ ارواح" کہتے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ دیگر حقائق کے متعلق بھی بے حد اختلاف آراء موجود ہے۔ پس عالمگیر مذہب وہ ہو سکتا ہے جو سب طرح کے لوگوں کی تشفی کر سکے۔ ان کے سوالات کے جوابات دے سکے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ جوابات سب کے سب کسی معلم مذہب ہی نے مہیا کئے ہوں۔ میں نے تمام بائبل کو بغور پڑھا ہے۔ علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اس کے اندر عقائد مذکورہ بالا میں ایسے عقائد کی تردید کا جو اس کی تعلیمات کے خلاف ہیں، کوئی سامان موجود نہیں مثلاً بائبل مذکورہ میں تناسخ کے قائلین کی تردید و تشفی کا کوئی پہلو نہیں مل سکتا۔ جناب مسیح بھی اس مسئلہ میں خاموش نظر آتے ہیں۔ پس کس طرح وہ "عالمگیر مذہب" کہلا سکتے ہیں۔ اسی طرح دوسری کتب مذہب قبل از قرآن کا حال ہے۔ ہاں قرآن نے جن جن عقائد مروجہ سے اختلاف کیا ہے اس کی تردید عقلیہ طور پر کی۔ علاوہ ازیں ہر شخص اپنے نبی کی عزت کرتا ہے۔ اور اس سے منسوب تعلیم میں اگر کوئی نقص بھی ہو تو بھی وہ اس قدر کشش ضرور رکھتا ہے کہ باوجود امکانِ اغلاط اس کے متبعین اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

مغربی لوگوں کا یہی حال ہے۔ لاکھوں لوگ ایسے ملیں گے جو یسوع کی پاکیزہ خصائل سے وابستگی رکھتے ہیں۔ لیکن مروجہ مسیحیت پر ایمان نہیں لا سکتے۔ عالمگیر مذہب میں اس تناقض کے رفع کرنے کے لئے مواد کا ہونا ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ:

"جملہ انبیاء خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے ہیں۔"

اس گتھی کو سلجھا دیا۔ غرضیکہ آپؐ کا پیش کردہ مذہب ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے۔ وہ تمام خوبیاں اور صداقتیں جو دیگر مذاہب میں پائی جاتی ہیں، ایک وقت اور یکجا اسلام میں مل سکتی ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے انسانی فطرت کے ہر پہلو کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اور ہر بات کے متعلق تعلیم مہیا فرما کر دی ہے۔

باقیماندہ امور میں الہامی کتابیں اس لحاظ سے ناقص ہیں۔

آنحضرتؐ کو ہم لوگ کامل نبی اسی لئے کہتے ہیں کہ آپؐ کی شریعت ہر پہلو اور ہر لحاظ سے کامل ہے۔

متذکرہ بالا امور کے علاوہ عالمگیر مذہب میں جب تک اخوت مساوات انسانی رواداری وغیرہ کی تعلیم نہ ہو۔ وہ مذہب عالمگیر کیسے ہو سکتا ہے اور اسلام کے سوا ان باتوں کی تعلیم تو کیا دیگر مذاہب میں ان عالمگیر اصولوں کے خلاف ہی مواد ملتا ہے۔

اسلام ایک قابلِ عمل مذہب ہے،

اس ضمن میں اس خاص بات کا تذکرہ بھی لابد ہے۔ جس کی خاطر مذہب کو یہ رفیع درجہ حاصل ہے۔ یعنی مذہب کا اعلیٰ ترین اور اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کے دماغوں کی آبیاری کرے اور ان کی عقلوں کو منجلی اور ان کے نفسِ مدرکہ کو ضمیرِ صادق میں مبدل کر دے۔ ہمارے اندر "بہیمیت" موجود ہے۔ اور ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ اس مذہب میں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ اصول موجود ہیں لیکن نبی کریم صلعم نے مختصر اور آسان راستہ بنا دیا ہے۔ جہاں دوسرے مذاہب نے اس مقصد کے حصول کے لئے زبردست ریاضت اور ترک دنیا کی تعلیم دی ہے آپؐ نے ان سب باتوں کو مذموم قرار دے کر ہمیں اسی دنیا میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ ایسا بنایا ہے۔ جس سے گوہر مقصود ہاتھ لگ سکتا ہے۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ ایک دن اپنی زندگی کا خدا کے لئے قرار دیں اور چھ دن اپنے لئے۔ بلکہ مومن کی زندگی کا ہر لمحہ خدا کی یاد میں بسر ہونا چاہیئے۔ اسی لئے آپؐ نے پنجوقتہ نماز کا حکم دیا اور الفاظ دعا وہ بتائے جو ہمارے افعال اور اقوال کو روحانیت کا رنگ دے سکتے ہیں۔ آپؐ نے خانگی اور متاہل زندگی کو محمود قرار دیا ہے۔ بلکہ اسے اخلاقِ حسنہ کی تربیت گاہ یقین فرماتے ہیں۔ چونکہ ہماری زندگی میں صرف نفسانی خواہشات ہی کی بدولت ہیجان اور تلاطم برپا ہو سکتا ہے۔ اس لئے آپؐ نے ان کو قابو میں رکھنے کے طریقے بتائے ہیں نہ یہ کہ سرے سے ان جذبات ہی کا قلع قمع کر دیا جائے۔ پس ہمارا کام یہ ہے کہ ان جذباتِ نفسانی کی اس طرح تربیت کریں کہ ان میں روحانیت کا رنگ پیدا ہو جائے۔

فارسی میں ایک مثل ہے:۔ "دست بکار، دل بیار" ہاتھوں سے کام کرو اور دل میں خدا کی یاد رکھو، یہ مثل اسلامی تعلیمات کی بدولت، ایک صداقت بن گئی ہے۔ لہٰذا پھر میں اسی بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ اس لحاظ سے بھی آپؐ ہی کو جمیع ہادیانِ مذاہب پر تفوق تام حاصل ہے کہ اس نظامِ حیات کو سب سے پہلے آپ ہی نے منضبط فرمایا۔

صاحبزادہ روزہ پیغام صلح لاہور - مؤرخہ ۲۰ - ۲۷ - اگست ۱۹۸۰ء
جلد ۲۷، شمارہ ۳۴-۳۵، رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

شیخ محمد حسین صاحب ٹھیکیدار بروفات مولوی احمد علی صاحب

باہتمام ریاض حسین الجدید پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تارکا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۳۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف بکھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید ۔ و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

الہام حضرت مسیح موعود

جلد: ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۲۲ شوال سنہ ۱۴۰۰ھ بمطابق ۳ ستمبر ۱۹۸۰ء | شمارہ: ۳۶

ارشادات مجدد صد چہاردہم حضرت مسیح موعود

ہماری جماعت کو سر سبزی نہیں آئیگی جب تک آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں

جسے شخص کو پوری طاقت دی گئی ہے وہ اپنے کمزور بھائی سے محبت کرے میں جو یہ سنتا ہوں کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ، کہ اس کے لئے دُعا کرے اس سے محبت کا اظہار کرے اور اسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے۔ لیکن بجائے اس کے کینہ میں زیادتی کی جاتی ہے. اگر ایسے کمزور بھائیوں سے عفو نہ کیا جائے اور اس سے ہمدردی نہ کی جائے تو اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کو منظور نہیں۔ جماعت تب ہی بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی کریں۔ آپس میں پردہ پوشی کی جائے۔ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے تب وہ ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں. اگر ایک شخص کا بیٹا کوئی قصور کر بیٹھے تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ ہو کر سمجھایا جاتا ہے اسی طرح اپنے بھائی کی ہر شخص پردہ پوشی چاہتا ہے اور یہ نہیں چاہتا کہ اس کے عیبوں کے لئے اشتہار دے۔

پھر جب اللہ تعالےٰ جل شانہٗ ایک دوسرے کا بھائی بنائے تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں؟

اللہ تعالےٰ نے صحابہ کرامؓ کو بھی یہی طریق و نعمت اخوت یاد دلائی ہے اور اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کر دیتے تو وہ اخوت ان میں پیدا نہ ہو سکتی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ان کو ملی۔ اسی طرح پر اللہ تعالےٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں بھی قائم کرے گا.

میں یقیناً جانتا ہوں "کہ ایک جماعت قائم کرے گا مگر یہ دن جو ابتلا کے دن ہیں اور کمزوری کے ایام ہیں ہر ایک شخص کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو ایک دوسرے کا شکوہ کرنا۔ دل آزاری کرنا اور سخت زبانی کر کے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔ اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے۔ پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے یہ نئی جماعت بنائی ہے۔ جس میں امیر، غریب بچے، جوان، بوڑھے، ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں اور ان کی عزت کریں اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں۔ ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں۔

خدا تعالےٰ چاہتا ہے

کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جسکے لئے میں دُنیا میں بھیجا گیا ہوں سو تم اِس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے رُوح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔

(الوصیت)

جلسہ سالانہ ۱۹۱۰ء کے موقعہ پر

ہیں رسول اللہ کے زمانے سے اب تک ان سب کی ابتداء کلمہ شہادت سے ہوتی رہی ہے جس کا پہلا جملہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اس کے تین فائدے ہیں:-

(۱) پہلا فائدہ۔ جو شخص بآواز بلند اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہہ لیتا ہے ہم اس کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

(۲) دوسرا فائدہ اس کا یہ ہے جب اس کو حقیقی طور پر ایمان آتا ہے تو دنیا کے تمام ذرائع اسباب میں جو حصول مقاصد کے لئے مفید اور بابرکت ہو سکتے ہیں یقین کر سکتا ہے کہ سب تاثیر میرے مولا کی ہے۔

(۳) تیسرا فائدہ اس کا یہ ہے جس کی شہادت کے لئے تمام انبیاء و اولیاء ایک زبان ہیں کہ جب ان کی کثرت کی جائے اور بار بار اس کو دہرایا جائے تو خدا تعالےٰ تک پہنچنے کے لئے جتنے پردے ہیں بتدریج سب کے سب اٹھ جاتے ہیں۔

اس کلمہ کے دو حصے ہیں

ایک میں لا الٰہ ہے دوسرے میں الا اللہ ہے۔ پہلے حصہ میں انسان کے گناہوں کے دور کرنے کا علاج ہے۔ دوسرا حصہ نیکیوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ۔ اس کلمہ کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ کا جملہ اس لئے لگایا کہ زمانہ گذشتہ میں آپ نے دیکھ لیا تھا کہ پہلے ادیوں کو لوگوں نے معبود بنا لیا دوسرا شریک نہ کیا جائے بلکہ مجھے عبد سمجھیں یہ کلمہ بڑھا دیا تا میری قوم وہ نہ کرے جو پہلی قوموں نے کیا۔

میں اس جزو کو اس توحید کا متمم یقین کرتا ہوں اور یہ سچ ہے کہ اس جزو کے سوائے حقیقت میں مؤمن کامل نہیں بن سکتا جب اللہ تعالیٰ پر انسان ایمان لاتا ہے جو لا الٰہ الا اللہ کا منشا ہے تو اسمائے الٰہی کا مطالعہ کرنے سے ملائکہ کتب، انبیاء، تقدیر، حشر نشر، پل صراط، جنت و نار، پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ خدا کی صفات ہیں کہ تقدیر اس نے بنائی۔ جنت و نار کو بنایا۔ وغیرہ۔ پس جو کوئی لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ اس کے لئے لابد ہے۔ کہ خدا کے اسماء و صفات پر ایمان لائے۔ تب اس کو انبیاء۔ حشر و نشر۔ ملائکہ۔ کتب پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا والذین یؤمنون بالاٰخرۃ و یؤمنون بہ و ھم علےٰ صلوٰتھم یحافظون۔

انسان جب اللہ پر ایمان لے آتا ہے اور جزا اور سزا کے اعتقاد کے بعد ضرور ہے کہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے جس کے ساتھ ملائکہ و کتب کا ایمان بھی آ گیا اور پھر مؤمن نماز کا پابند ہو جاتا ہے۔

پس جو لا الٰہ الا اللہ کا دعوےٰ کرے باایں ہمہ نماز کا تارک ہے اور قرآن شریف کی اتباع میں سستی کرے حقیقت میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے دعویٰ میں سچا نہیں۔ جیسا کہ یہ آیت یؤمنون بہٖ ظاہر کرتی ہے کیونکہ حضرت نبی کریمؐ کا تذکرہ اس کلمہ میں موجود ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کو عظیم فرماتا ہے اور ان پر جو فضل ہوا اسے بھی عظیم فرمایا اب خیال کرو کہ جس کو خدا تعالےٰ نے عظیم کہا وہ کس قدر عظیم انسان ہوگا اب جو رسولؐ اس شان کا ہے اس کے بغیر ہم کو کسی اور کے مقتدا بنانے کی ضرورت بھی کیا ہوئی؛

جو کتاب اللہ جل شانہٗ نے اس کامل انسان پر نازل کی ہے اس کے لئے دو گواہیاں ہیں۔ انا لہ لحافظون اور لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ اس کتاب کا محافظ حضرت حق سبحانہٗ ہے جس کے لئے آئندہ پیشگوئی ہے کہ اس کتاب کی باطل کرنے والی آئندہ بھی کوئی چیز نہیں بھیجیں گے۔

تو پھر ہم کو سائنس یا بیرونی خطرناک دشمن سے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے جب ہم کو ایسی کتاب دی گئی ہے کہ جس کا خدا حافظ ہے اور جس کی باطل کرنے والی کوئی چیز فطرت کے خالق نے پیدا ہی نہیں۔

پس جیسا ہمارا رسول کامل ہے ویسے ہی ہماری کتاب کامل ہے۔ یہ کتاب تو قیامت تک رہے گی۔ مگر ایسی کامل کتاب ہمارے گھروں سے نکل کر دوسرے گھروں میں چلی گئی تو ہمارے بزرگوں کی روح کو کیا خوشی ہوگی۔

پس خوف ہے تو یہ کہ ہمارے گھروں سے یہ کتاب نہ نکلے اور ہم اس کی اتباع سے محروم نہ رہیں اور میں دیکھتا ہوں کچھ امراء ہیں کچھ علماء ہیں۔ کچھ سجادہ نشین ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں جو قوم کے لئے آئندہ کالجوں میں تعلیم پانے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ اگر سست ہوں تو عوام مخلوقات کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ اس واسطے میں نے یہ سورۃ عصر پڑھی تھی۔ میرا مقصد اس کے پڑھنے سے یہ وہ سورۃ ہے کہ صحابہ کرامؓ جب باہم ملتے تو اس سورۃ کو پڑھ لیا کرتے تھے۔ تم اور ہم بھی آج ملے ہیں اس لئے اسی سنت کریمہ کے مطابق میں نے اس کو پڑھا ہے۔

اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں تم میرے دل کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے نہ اس کا لکھا پڑھ سکتے ہو۔ البتہ میری زبان کے اقرار سے پوچھے جاؤ گے اور اس سے اگر نفع اٹھاؤ تو تمہارا بھلا ہوگا میں جس ایمان پر قائم ہوں وہ وہی ہے جس کا ذکر میں نے لا الٰہ الا اللہ میں کیا ہے میں اللہ کو اپنی ذات میں واحد، صفات میں یکتا۔ اور افعال میں لیس کمثلہ اور حقیقی معبود سمجھتا ہوں۔ میں اللہ تعالےٰ کے ملائکہ پر ایمان لاتا ہوں جو اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ اور تمام ان رسولوں اور کتابوں پر جو اللہ تعالےٰ نے بھیجیں ایمان رکھتا ہوں میرا یقین ہے کہ تمام انبیاء۔ تمام اولیاء اور تمام انسانی کمالات کے جامع لوگوں میں ایک ہی ہے جس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ میرے واہمہ کے واہمہ میں کبھی نہیں آتا کہ کوئی اور ہو۔ حضرت صاحب کا ایک شعر یاد آ گیا ؎

نے در انکار دشکے از شاہ دیں
خادمان و چاکرانش را بہ بیں

ہم جب دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضؓ کیسے پاک گروہ تھے اور مجدد کیسے تو قصے کہانی بات ہو جاتی ہے لیکن تمہارا وجود اس گاؤں میں گواہی ہے، کہ احمد کا غلام بننے سے کیا فضل آتا ہے جب تم

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۲۲ اگست ۱۹۸۰ء بمقام جامع مسجد دار السلام لاہور

وسارعوآ الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضها السمٰوٰت والارض اعدت للمتقین ۵ الذین ینفقون فی السرآء والضرآء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ط واللہ یحب المحسنین ۵ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموآ انفسهم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبهم ومن یغفر الذنوب الا اللہ قف ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وهم یعلمون ۵ (آل عمران ۔ آیات ۱۳۲ تا ۱۳۴)

ترجمہ :- "اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسودگی میں اور تنگی میں (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور اپنے غیظ و غضب کو دبا لینے والے اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ جب وہ کوئی برا کام کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کے لئے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کون گناہوں سے پناہ دے سکتا ہے۔ اور جو انہوں نے گناہ کیا ہو اس کو نہیں دہراتے دراں حالیکہ وہ جانتے ہوں۔"

فرمایا :- "دوڑو"۔ انسان کب دوڑتا ہے؟ یا تو جب خطرہ ہو جس سے وہ بھاگتا ہے۔ یا جس کی طرف دوڑے وہ دوڑ کر لینے والی چیز ہو۔ تیسرے جب وقت کم ہو اور وہ کام جس کے لئے وہ دوڑتا ہے ختم کرنا ضروری ہو۔ انسان کی زندگی میں تینوں حالتیں لاحق ہیں۔ ان کے ذکر سے پہلے میں عرض کر دوں کہ جن چیزوں کی طرف دوڑنے کو کہا وہ دو ہیں (۱) اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور (۲) اس جنت کی طرف جو اپنی اصل شکل میں تو مرنے کے بعد جب انسان آسمانوں میں جائے گا تو اس کے لئے تیار کی گئی ہے مگر اس دنیا میں بھی اسے مل جاتی ہے اگر وہ متقی ہو عرضها السمٰوٰت والارض اعدت للمتقین کے یہی معنی ہیں۔

انسان کو خطرات

میں نے عرض کیا تھا کہ انسان تب دوڑتا ہے جب سخت خطرہ ہو۔ پاگل کتا پیچھے لگا ہوا ہے یا ایک شخص چھری لے کر حملہ کرنا چاہتا ہے یا مثلاً دشمن نے شہر پر حملہ کر دیا ہو یا سیلاب آ رہا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو کبھی کبھار کے خطرات ہیں۔ جو خطرہ انسان کو ہر آن لاحق ہے وہ شیطان اور نفس امارہ ہیں جو اس کے دو بدترین دشمن ہیں اور ہر آن اسے گمراہ کرنے کو مستعد ہیں۔ جو شخص جلد از جلد اللہ تعالیٰ کی پناہ میں نہ آجائے وہ ہر آن سخت خطرہ میں ہے۔ مغفرت جس کی طرف دوڑنے کو فرمایا وہ دو طرح ہے۔ جو گناہ ہو چکے ان کے بد نتائج یا سزا سے پناہ۔ اور دوئم گناہ دوبارہ ہو جانے سے پناہ جب انسان کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو پھر اس کے لئے وہ گناہ دوبارہ کرنا آسان ہو جاتا ہے مثلاً ایک انسان نے رشوت لی۔ اب اس کے لئے دوہرا خطرہ ہے۔ اول تو یہ کہ وہ اسی دنیا میں یا آخرت میں پکڑا جائے گا۔ دوئم یہ کہ اس کے لئے دوبارہ رشوت لینے کی جرأت کرنا آسان ہو گیا۔ گناہ کو اور کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ اللہ تعالیٰ ضرور دیکھ رہا ہے۔ اسی کی مغفرت چاہو۔ یعنی گناہ کے برے نتیجہ یا سزا سے۔ دوئم دوبارہ گناہ ہو جانے سے۔ چور چوری کر کے یا قاتل قتل کر کے کس طرح بھاگتا ہے کہ پکڑا نہ جاؤں۔ انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور کتنا بے فکر ہے کہ اسے کون پکڑے گا۔ اللہ تعالیٰ جو مادر مہربان سے زیادہ مہربان ہے اس ماں کی طرح جو بچہ کو خطرات میں دیکھ کر پکارتی ہے کہ بچہ دوڑ کر میری پناہ میں آجاؤ۔ انسان کو پکارتا ہے کہ تم کو پتہ نہیں کہ تم کن خطرات میں ہو۔ تمہارے پیچھے شیطان اور نفس امارہ دو ہلاک کر دینے والے دشمن لگے ہوئے ہیں۔ اور جو تم نے گناہ کئے ہیں ان کی سزا تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے۔ دوڑ کر میری پناہ میں آجاؤ۔

اعلیٰ ترین نعمت

دوسری صورت جب انسان بھاگتا ہے وہ تب ہوتی ہے کہ آگے کوئی ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ وہ دوڑ کر لینے کے قابل ہے۔ بچہ جب ماں کے ہاتھ میں کوئی اچھی چیز دیکھتا ہے تو اس کی طرف دوڑتا ہے۔ ماں بھی بچہ کو پکارتی ہے کیونکہ وہ جلد از جلد وہ اچھی چیز اپنے بچہ کو دینا چاہتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو دنیا کی ماؤں کی محبت اور خیر خواہی کو جمع کیا جائے تو اس کی محبت اور خیر خواہی کی وہ محض ایک جھلک ہیں (کیونکہ اسی نے وہ محبت اور خیر خواہی ماؤں کے دلوں میں رکھی ہے) اپنی مخلوق سے سب ماؤں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے اور بڑھ کر ان کا خیر خواہ ہے ہمیں پکارتا ہے تاکہ وہ جنت جس کی طرف وہ ہمیں بلاتا ہے جلد از جلد ہمیں نصیب ہو۔

فرمایا کہ اس جنت کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کے برابر ہے۔ اصل جنت تو مرنے کے بعد انسان کے لئے مقدر ہے سات آسمانوں میں یعنی سات ترقی کے مراحل میں کیونکہ انسانی ترقی مرنے کے بعد جاری رہے گی مگر وہ جنت اس دنیا کی زندگی میں بھی انسان کو نصیب ہو سکتی ہے ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن یعنے جو اپنے رب کے آگے جوابدہی کے کھڑے ہونے کے وقت سے خائف رہتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ سب مفسرین کا اتفاق رائے ہے کہ یہ اس دنیا اور آخرت کی جنتیں ہیں۔ آخرت کی جنت تو مسلمہ طور پر ظاہر کی ان نعمتوں سے بھرپور ہو گی جن کا ذکر قرآن حکیم میں بالتفصیل مذکور ہے۔ مگر دنیا میں وہ ظاہری نعمتیں متقیوں کو کہاں نصیب ہوتی ہیں کہ باغات جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں یا محلات، پھل اور اعلیٰ غذائیں وغیرہ۔ مگر ایک نعمت جو ہر متقی کو ضرور بالضرور اس دنیا میں نصیب ہو جاتی ہے وہ ہے دل کی جنت۔ جس نے کوئی جرم کیا یا گناہ کیا تو سب سے پہلے جو سزا اسے فوراً مل جاتی ہے وہ ہے دل کی جنت یا اطمینان یا بے فکری کا دور ہو جانا۔ متقی بھوکا سوئے مگر بے فکر سوتا ہے۔ چور یا خائن یا راشی پیٹ بھر کر سوئے مگر وہ اس بے فکری سے محروم ہے۔

ہمارے مغرب زدہ نوجوان دل کی جنت کو حقیر نہ جانیں۔ انہیں زندگی کے تلخ تجربات سکھائیں گے کہ اگر ان کے دل میں جنت ہے تو وہ جنت میں سکھی ہے اگرچہ باہر باغ یا نہریں یا محلات یا عیش و آرام کے سامان نہ ہوں اور اگر انسان کا دل دکھی ہے یا جہنم کی ھل من مزید کی آگ اس میں بھڑک رہی ہے تو وہ جہنم میں ہے۔ اگرچہ ظاہر میں اسباب عیش و آرام سب موجود ہوں۔ جس چیز نے انسان کے ساتھ آگے

جاتا ہے وہ اس دنیا کے عیش وآرام کے سامان نہیں بلکہ وہ نفس ہے جو اس کے باطن میں اس کی روح نے اس کی زندگی کے مختلف تجربات اور اعمال اور اثرات (نیک یا بد) لے کر شکل اختیار کی ہے۔ اگر وہ نفس مطمئنہ ہے یعنے نفس کے دل کو جو "قلب" کہلاتا ہے اگر اطمینان قلب نصیب ...

دنیا کی دل کی جنت ہو یا آخرت کی دل کی اور باہر کی دونوں جنتیں ہوں وہ متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہیں۔ اس پر میں نے مغرب زدہ لوگوں کو مذاق اڑاتے سنا ہے کہ وہاں نماز کے لئے چٹائیاں بچھی ہوں گی اور وضو کے لئے لوٹے پڑے ہوں گے۔ اصل مزے تو جہنم میں ہونگے

آخرت کی جنت میں یہ ہوں گی کیونکہ ان کی وہاں ضرورت ہی نہ ہوگی۔ وہاں تو وہی لوگ داخل ہونگے جو پلیدیوں، جراثیم۔ اور ناپاکیوں سے دور رہنے والے ہونگے۔ یعنے تقویٰ کا مجاہدہ ساری عمر کر کے انہوں نے اپنے باطن کو ایسا پاک اور صاف کر لیا ہوگا کہ ان سے کوئی گناہ

اس طرح پاک صاف نہ کر لیا ہوگا پھر اس کی صفائی وہاں جہنم کی آگ ہی کرے گی جس طرح اس دنیا میں بھی گندگی، جراثیم اور خطرناک بیماریوں کی چھوت تک سے بچنے کے لئے ابلتے پانی یا آگ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے آمین یا ارحم الراحمین۔

لینے کے قابل ہیں۔

وقت کی قلت

ہم نے عرض کیا تھا کہ دوڑنے کی تیسری وجہ وقت کی قلت ہوتی ہے جب کہ کام کو اس تھوڑے وقت میں مکمل کرنا ضروری ہو۔ تو انسان اگر اپنی عمر طبعی کو بھی پالے تو وہ کیا وقت ہے کہ اس میں سے کچھ کھو دیا جائے بلکہ انسانوں میں سے بیشتر نے تو اس سارے وقت کو کھو دیا ہوتا ہے۔ مگر ویسے بھی عمر ناپائیدار کا کیا پتہ ہے ہنستا کھیلتا انسان موٹر یا بس میں جا رہا ہوتا ہے اور اجل اس کے سر پر کھڑی ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں ہوائی جہازوں کے کتنے اچانک حادثات ہوئے ہیں۔ سڑک کا سفر ہو یا ہوائی جہاز کا، بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا، کسی کو پتہ نہیں کہ اس کا کتنا وقت باقی ہے۔ اسی طرح دل کی بڑھتی ہوئی امراض انسان کو کسی وقت اچانک ختم کر ڈالتی ہیں۔ پچھلے دنوں تیز بارشوں میں کتنے لوگ تھے جو گھروں میں اپنے آپ کو پناہ دیئے ہوئے تھے مگر اچانک موت نے آن لیا۔ تو کسی بچے، نوجوان، بوڑھے کا پتہ نہیں کہ کب وقت ختم ہو جائے۔ اور ساری عمر کے گناہ بخشوانے اور اپنی اصلاح کر لینے کا کام پڑا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی طرف انسان نہ دوڑے تو وہ خسارہ میں ہی اپنی جان توڑ دیگا۔

متقیوں کیلئے جنت:- فرمایا کہ اس

بلکہ اللہ کا ذکر اور اس کی یاد اور اس کا دیدار تو جنت کی سب سے بڑی نعمتوں میں سے ہوگا جیسا کہ اس دنیا میں بھی دل کی جنت یا اطمینان قلب خدا کی یاد سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب

دیکھو کہ موت یا بیماری یا کسی اور دکھ یا پریشانی میں کیا انسان کے دل کو چین آتا ہے کسی اور طریق سے؟

مگر اصل وجہ یہ فرمانے کی کہ دنیا کی جنت ہو یا آخرت کی جنت دونوں صرف متقیوں کے لئے ہیں یہ ہے کہ:-

۱:- اس دنیا میں بھی دل کی جنت صرف تقویٰ سے ہی ملتی ہے جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں کہ جرم یا گناہ کی پہلی اور لازمی سزا جو فوراً مل جاتی ہے وہ دل کے اطمینان کا دور ہو جانا ہے۔ اور جس کے دل کو چین نہیں وہ اس دنیا میں ہی جہنم میں داخل ہو گیا۔ اور جس کے دل میں چین ہے وہ اس دنیا میں ہی جنت میں ہے۔

۲۔ آخرت کی وہ اعلیٰ جگہ اور اعلیٰ سوسائٹی جس کا نام جنت ہے وہاں بھی اگر اس دنیا کی طرح مجرم۔ بدکار۔ چور، ڈاکو، قاتل۔ ٹھگ، بے ایمان۔ بدچلن یا بدمعاش لوگ ہوتے تو پھر وہ جنت نہ رہے گی۔ نہ اس دنیا میں پولیس یا چوکیدار یا عدالتیں ان دکھوں سے بچا سکتی ہیں نہ

حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ کا بیان

ہم قرآن کے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اٹھے ہیں اور میں آپ سب کو سب سے پہلے یہ خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ قرآن کا پیغام لے کر کوئی شخص دنیا میں نہیں اٹھا جسے اللہ تعالیٰ نے کامیاب نہ کیا ہو۔ اور یہ شاید اس عظیم الشان بشارت کا ہی ایک رنگ ہے جو خود مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے دی تھی۔

ما انزلنا علیك القرآن لتشقٰی

قرآن کریم جس قلب مطہر پر پہلے نازل ہوا اس کی کامیابی کو سخت ترین دشمنوں نے تسلیم کیا ہے۔ اور اس بات کا صاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں۔ مسلمان بھی جب تک اس کے حامل رہے اور یہ ان کا رہنما رہا ان کا قدم آگے بڑھتا چلا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہ دنیا کی سب سے کامیاب قوم ہے۔

قرآن ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے

قرآن کریم جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے وہ کتاب ہے جس نے دنیا میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا۔ جس کی دوسری نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ مگر اس سے بڑھ کر اس کا یہ بھی دعوٰی ہے کہ وہ آج بھی دنیا میں وہی انقلاب پیدا کر سکتی ہے۔

فی الحقیقت

قرآن ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے اور وہ امن اور صلح جس کے بغیر تہذیب انسانی زندہ نہیں رہ سکتی صرف قرآن ہی دنیا میں پیدا کر سکتا ہے۔

(ترجمہ حدیث نبویؐ)

"والدین کی طرف سے اولاد کے لئے بہترین تحفہ بہتر تعلیم و تربیت ہے۔"

زکوٰۃ اور صدقات میں فرق اور اُن کا فلسفہ

مکرم جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب ۔ لاہور

مندرجہ ذیل آیات آپ کے سامنے اس لئے پیش کرتا ہوں تاکہ آپ حضرات قرآن پاک کی روشنی میں زکوٰۃ اور صدقات کے مفہوم پر غور کریں۔

(۱) "ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ لھم اجرھم عند ربھم ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون" (البقرۃ آیت ۲۷۷)

ترجمہ:۔ "جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اُن کا اجر اُن کے رب کے ذمہ ہے۔ ان لوگوں کے لئے نہ خوف ہے اور نہ حزن ۔"

(۲) "انما الصدقات للفقرآءِ والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃً من اللہ واللہ علیمٌ حکیم۔" (سورۃ توبہ۔ آیت ۶۰)

صدقات کا مصرف مندرجہ ذیل آسامیاں ہیں اور یہ تقسیم فرض ہے:۔ اس آیت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ چونکہ جن آسامیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان ہی کو زکوٰۃ لینے کا حق ہے اس لئے یہاں صدقات سے مراد زکوٰۃ ہے "فریضۃً" سے مراد یہ آسامیاں یعنی صدقات کے حقدار یہ لوگ ہیں۔ قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی زکوٰۃ دینے کا حکم آیا ہے وہاں اقامۃ الصلوٰۃ اور ایتآءِ الزکوٰۃ کے الفاظ اکٹھے مذکور ہوئے ہیں۔ اس میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح صلوٰۃ ارکان دینِ اسلام میں سے ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی ایک رکن ہے۔ ارکانِ دین کی تابعداری اور ادائیگی ہمیشہ فرض ہوتی ہے اور اس میں مرضی یا مصلحت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام پانچ ارکان کا ایک مجموعہ ہے چنانچہ پانچ وقت کی نماز کی پابندی اوقات مقررہ کے ساتھ ہے۔ فرمایا۔ "ان الصلوٰۃ کانت کتابًا موقوتا" قرآن پاک میں مسلمانوں کو نماز قائم کرنے کا حکم ہے نہ کہ نماز پڑھنے کا۔ وقت کی قید کے اندر ایک فلاسفی اور حکمت ہے کہ اس کائنات کے مالک نے آدمؑ اور اس کی اولاد کو اس جہان کو آباد کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اور اسے تمام ضروری علوم اور طاقتیں ودیعت کی ہیں اور اس کو لفظاً خلیفہ کے لقب سے سرفراز کیا ہے اور فرمایا:۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ و لقد کرمنا بنی اٰدم چنانچہ خالقِ کائنات نے جس کے ہاتھ میں تمام قوت اور علم ہے "بیدہ الملک وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر" اور اللہ نے اس جہان کے کاروبار کی تکمیل اور ترقی کے لئے خود ہی تقسیم اوقات بھی کر دی۔ فرمایا وجعلنا النھار معاشًا یہ تقسیم اوقات خداتعالے نے پانچ وقفوں کی صورت میں معیّن کی ہے۔ فجر سے ظہر، ظہر سے عصر، عصر سے مغرب اور مغرب سے عشاء۔ یہ اوقات دُنیا کے کاروبار کو دیانت داری، محنت اور کمال سے سرانجام دینے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ معمولی سے معمولی کارخانہ میں کام کرنے کے اوقات مقررہ ہوتے ہیں۔ اس کارخانۂ قدرت کو آباد کرنے کے لئے بھی کام کا نظام اور ڈسپلن ضروری تھا کیونکہ انسان کی تخلیق کی وجہ تسمیہ قرآن پاک میں صاف طور پر یوں بیان ہوئی:۔

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"

چنانچہ واحد مقصد انسان کی تخلیق کا دنیا کو آباد کرنا ہے۔ اور یہ ایک عظیم ترین کام ہے۔ اسی کام کو اللہ تعالٰے نے عبادت کہا ہے بشرطیکہ حکم خداوندی کے ماتحت اور اس کی ہدایت کیمطابق کام کیا جائے اور اپنے نفس اور خواہش کا ذرہ بھر شائبہ بھی اس میں شامل نہ ہو۔ غالباً علامہ اقبال مرحوم کا بھی اپنے ایک شعر میں یہی مطلب تھا۔ ؎

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں؟
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر۔

بس یہ بات بالکل واضح ہے کہ عبادت دراصل کارِ جہاں ہے جس کو سرانجام دینا ہمارا فرض ہے ہم فجر کی نماز میں عہد کرتے ہیں "ایاکَ نعبدُ وایاکَ نستعین"، پھر یہی عہد ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کی حاضری میں دہراتے ہیں اور اسی کی جناب سے مدد طلب کرنے اور صراطِ مستقیم کے لئے عاجزی کے ساتھ دعاء مانگتے ہیں اور کامیابی اور کامرانی کے لئے عرض کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے دین اور دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے انہیں غلطی لگی ہے یہ دونوں ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں اگر دنیا کو اللہ تعالٰے کی ہدایت اور مرضی کیمطابق آباد کریں تو یہی عین دین اور یہی اسلام ہے لیکن اگر ہمارے اعمال اللہ کی مرضی اور ہدایت سے خالی ہوں تو پھر یہ کچھ بھی نہیں اسی کو خسرۃ الدنیا والاٰخرۃ " کہا گیا ہے۔

آپ نے ملاحظہ کیا یہ تقسیم کار اذان کے ذریعہ کی جاتی ہے اذان کے الفاظ تمام کام کرنیوالوں کو یاد دہانی کراتے ہیں کہ "اللہ اکبر" یعنی دراصل سب سے بڑا درجہ مالک حقیقی اور خالق اکبر کا ہے چنانچہ اذان سنتے ہی کارخانہ جہاں میں کام بند کر دیا جاتا ہے۔ اور کچھ وقفہ کے لئے ہم حاضر ہو کر اللہ تعالٰے کے سامنے اپنے کام کی رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ "ایاکَ نعبد وایاکَ نستعین" اھدنا الصراط المستقیم"، اس حاضری اور اعتراف کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی آدمی یا کوئی قوم بد دیانتی، غفلت سستی اور کوتاہی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ ایک زندہ خدا کے سامنے کھڑے ہو کر رپورٹ پیش کرتی ہے۔ اور نماز کو اسی لئے معراج المؤمن کہا گیا ہے۔ یہ ایک زندہ انٹرویو ہوتا ہے اور کسی کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالٰے کے حضور جھوٹ بولے اور کہے کہ آپ کے بتائے ہوئے کام کو آپ کی مرضی کے مطابق سرانجام دے کر آیا ہوں اور آپ کی مدد اور نصرت کا محتاج ہوں۔ اللہ تعالٰے تمام مسلمانوں کو ایسی غلطی سے بچائے کہ وہ یقولون ما لا یفعلون کے مرتکب ہوں۔ غالباً مسلمانوں کی مصیبت کا باعث یہی بات ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کے حضور کھڑے ہو کر اپنی نادانی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تیری دنیا کو تیری خاطر اور تیرے احکام کے مطابق آباد کر کے آئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں بلکہ یہ سب کچھ بے حضوری میں کہا جا رہا ہوتا جیسے علامہ مرحوم نے فرمایا ؎

تیری نماز بے سرور تیرا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

یہ ایک لمبا مضمون ہے اس کو یہاں ہی ختم کرتا ہوں۔ بعینہٖ جس طرح نماز ہمارے دین کا ایک اہم جزو ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی اسلامی نظام کا بنیادی جُزو ہے۔ اس پر ہماری سیاسی اور معاشی زندگی کا دار و مدار ہے۔ اگر پوری مسلمان قوم خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کے حکم پر عمل کرے اور اپنے اموال اور جائیداد کی زکوٰۃ ادا کرے تو قوم کے خزانے ہمیشہ بھرے رہ سکتے ہیں اور ہمارے ملک کو کسی دوسری قوم کا دست نگر نہیں ہونا پڑتا اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب تک مسلمان ان خدائی احکام کی پیروی اس مالک حقیقی کی خوشنودی کے لئے کرتے رہے ان کو کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہیں آئی۔ یہ تمام دولت جو زکوٰۃ اور بعض دیگر دینی ذرائع سے حاصل ہوتی ہے وہ تمام کی تمام اسلامی حکومت کی ملکیت ہوتی ہے۔ اور حکومت وقت اسے قومی مصالح اور دیگر ضروریات پر خرچ کر سکتی ہے۔

قرآن پاک میں زکوٰۃ کا لفظ مندرجہ ذیل سُور توں میں آیا ہے:۔

سورۃ البقرہ ۔ سورۃ نساء ۔ سورۃ مائدہ
سورۃ مریم ۔ سورۃ مومنون ۔ سورۃ انبیآء
سورۃ مجادلہ ۔ سورۃ روم ۔ سورۃ لقمان ۔

درة ج ۔ سورۂ احزاب اور سورۂ بینۃ۔
جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ زکوٰۃ اسلام کے بنیادی احکامات میں سے ایک بنیادی رکن ہے مگر اس کے خلاف صدقہ بنیادی احکام میں سے نہیں۔ صدقہ ایک اختیاری پوزیشن رکھتا ہے یہ فرض نہیں ہے۔ اسی لئے زکوٰۃ اور صدقات کے احکامات بھی جدا جدا ہیں اگر قرآن پاک کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن پاک میں کہیں بھی لفظ زکوٰۃ کو صدقہ کے معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی صدقہ یا صدقات کو زکوٰۃ کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے:۔

ملاحظہ کیجئے سورۂ مجادلہ آیت ۱۴
۱:۔ ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات۔
۲۔ سورۂ توبہ آیت ۱۰۳
"خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا۔"
ان کے اموال میں سے صدقہ قبول کریں اور انہیں نیک اور پاک بنائیں۔
۳۔ پھر فرمایا:۔ الم یعلموا ان اللہ ھو یقبل التوبۃ من عبادہ ویاخذ الصدقات، وان اللہ ھو التواب الرحیم" (آیت ۱۰۴)
۴۔ یمحق اللہ الربٰو ویربی الصدقات واللہ لا یحب کل کفار اثیم۔
"اور اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۷۶)
"اور اللہ تعالیٰ کفار اور گنہگاروں کو پسند نہیں کرتا۔"
۵:۔ سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۷۲
ان تبدوا الصدقات فنعما ھی۔ وان تخفوھا وتؤتوھا الفقرآء فھو خیر لکم۔"
۶۔ اور یہی مطلب اس مشہور آیت کا ہے۔
انما الصدقات للفقرآء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔

پس معلوم ہوا کہ لفظ زکوٰۃ کبھی بھی صدقہ کے معنے میں استعمال نہیں ہوا اور نہ ہی صدقہ یا صدقات زکوٰۃ کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔

حال ہی میں نوائے وقت اور پاکستان ٹائمز میں بھی میری نظر سے دو عالم دوستوں کے نوٹ گزرے ہیں اور انہوں نے بھی وضاحت کی ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات دونوں مختلف ہیں اور جب تک کسی نصاب پر پورا سال نہ گزر جائے اس مال کی زکوٰۃ جائز نہیں اور یہ خیال کہ چلو جن لوگوں کا روپیہ اس غلط فہمی میں کاٹا گیا ہے وہ صدقہ میں شمار کرلیں۔ اب بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ صدقات اختیاری عمل ہے جب ان لوگوں کو اختیار ہی نہیں دیا گیا تو صدقہ کیسے قبول ہوگا۔

علاوہ ازیں جن رقوم پر ایک سال کا عرصہ نہیں گزرا ان پر بھی زکوٰۃ جائز نہیں۔

سورۂ توبہ آیت ۶۰ (انما الصدقات ۔۔۔ ۔۔۔ الخ) میں بعض مفسرین نے صدقات سے مراد زکوٰۃ لی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ اس میں مستحقین زکوٰۃ کی فہرست درج ہے پہلے تو یہ بات صحیح نہیں کہ یہ فہرست زکوٰۃ کے مستحقین کی ہے۔ یہ صدقات کے مستحقین کی کیوں نہ ہو؟ قرآن شریف میں بعض جگہ صاف طور پر صدقات کے مستحقین میں فقراء اور مساکین اور غارمین کا ذکر ہے۔ جہاں تک فہرست کا تعلق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آسامیاں لازمی طور پر ان صدقات کی مستحق ہیں۔ ان بزرگوں کے اس قول میں زیادہ وزن نہیں معلوم ہوتا۔ کہ چونکہ مستحقین زکوٰۃ کی فہرست اس آیت میں دی گئی ہے اس لئے صدقات سے مراد (زکوٰۃ) ہے۔

بلاشبہ زکوٰۃ کے احکام کو رائج کر کے حکومت نے نہایت عظیم کارنامہ کیا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صدقات اور زکوٰۃ میں فرق نظر آتا ہے۔ زکوٰۃ فرض ہے اور صدقات اختیاری عمل ہے جس کے لئے نہ نصاب اور وقت کی قید ہے مگر زکوٰۃ فرض ہے اور اس کے لئے نصاب اور وقت کی قید ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ شریعت کی خلاف ورزی ہو جائے۔ حکومت کی نیت تو درست ہے لیکن غلطی ہو سکتی ہے۔

یہ معاملہ بھی خاص طور پر سوچنے کے قابل ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کی موجودگی میں حکومت علیحدہ ٹیکس نہیں لے سکتی کیونکہ جب اسلام نے خود حکومت کے کاموں کے لئے ایک زبردست انتظام پیدا کر دیا ہے ٹیکس اور زکوٰۃ دونوں مختلف قانون ہیں۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ ایمرجنسی کی صورت میں حکومت اپیل کر سکتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم کے وقت ہوا۔ رہا یہ معاملہ کہ موجودہ دور میں حکومت لوگوں کو بہت سی ایسی رعایات دیتی ہے جس پر حکومت کو بہت روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات قرضہ بھی لینا پڑتا ہے اس صورت میں حکومت اور لوگوں میں ایک باقاعدہ معاہدہ ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ ایسی مراعات پیدا کرنے کی صورت میں اس قدر معاوضہ لینے کی حقدار ہوگی یہ فعل ایک جائز فعل ہوگا۔

—— ⁂ ——

خداوندا کرم کر حامیٔ دینِ محمد پر

کرو ہمت عزیزو! گلشنِ دیں میں بہار آئے
نگارِ ملتِ بیضا کے چہرے پر نکھار آئے

فدا ہو جاؤ گر تم شوکتِ اسلام کی خاطر
سرِ محشر نبیؐ کے جانثاروں میں شمار آئے

سراپا عزم بن جاؤ جو تم، پھر در گہِ حق سے
خدا کی فتح و نصرت بے حساب بے شمار آئے

تمہارے خون میں جوشاں اگر ہو دین کی غیرت
تمہارے نام پہ عزت ہو، شکوہ آئے، وقار آئے

رہِ اسلام میں گر مال و دولت کو کرو قرباں
تعجب کیا جو نصرت کو تمہاری کردگار آئے

فدا کر اس سے پہلے رہِ حق میں عمرِ دو روزہ
کہ پیغامِ رحیلِ ہستیٔ ناپائیدار آئے

تتبع کر نبیؐ کے عاشقوں کی جانثاری کا
کہ دیں کی نصرتوں کے ساتھ عزّ و افتخار آئے

زہے قسمت، تجھے ملتا ہے نصرت کا اجر ورنہ
مقدر ہے کہ پھر دیں کے چمن میں برگ و بار آئے

مرے آئینہ دل میں مشیتِ حق کی ہے رقصاں
جہاں میں عہدِ مسعودِ شہ ذی الاقتدار آئے

خداوندا کرم کر حامیٔ دینِ محمدؐ پر
سکونِ قلب دے اس کو جو کوئی بے قرار آئے

مرے مولا! عطا کر اس کو دائم راحت و عشرت
تری تائید اور رحمت قطار اندر قطار آئے

(ماخوذ)

سید الانبیاء رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا "اسوۂ حسنہ"

یہ سورۂ قلم کی ابتدائی آیات ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر قلم اور دوات اور ان کی مدد سے دنیا میں جس قدر علوم پھیلیں گے ان سب کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ جو ان غربت میں افلاس حکومت اور بادشاہت میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق کا مالک ہو وہ مجنوں کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک دیوانہ تو غصہ کی حالت میں یا جوش کے وقت کبھی بھی اعلےٰ درجہ کے اخلاق نہیں دکھلا سکتا۔ لیکن آنحضرتؐ ہیں کہ بڑی سے بڑی تکلیف میں اخلاق کے اعلیٰ مقام پر نظر آتے ہیں۔ آپ نے نہ صرف خود دکھوں سے نجات پائی بلکہ تمام دنیا کو دکھوں اور غموں سے نجات دلائی۔ یہ کوئی خوش عقیدگی کی بات نہیں واقعات کی بات ہے جس سے مسلمان کیا غیر مسلم بھی انکار نہیں کر سکتے کہ آپ نے دنیا کو دکھوں سے نجات دلائی۔ آپ اس وقت دنیا میں تشریف لائے جب تمام دنیا پر تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میور جیسا متعصب عیسائی بھی لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے!۔

"کہ ساتویں صدی کی عیسائیت نہایت گری ہوئی اور ذلیل حالت میں تھی۔ اگر ملک عرب میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مشعل نہ جلائی ہوتی تو دنیا میں تاریکی کا ہی دور دورہ ہوتا اور تہذیب اور علم دنیا سے مفقود ہو جاتے۔"

میور کی شہادت واقعات کی شہادت ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر دنیا میں جتنے مسیح۔ ریفارمر، ہادی اور انبیاء آئے ان کے ماننے والوں نے ان کے متعلق ایسے ایسے محفوظ طور رکھا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جزئیات تک بھی کتابوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں آنحضرتؐ نے غربت سے لے کر بادشاہت تک جو کیریکٹر اور اخلاق کا اعلےٰ نمونہ دکھلایا ہے دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی ہر قسم کے اخلاق کا مکمل مجموعہ تھا خصوصاً سورۂ قلم کی ان آیات میں بیان کردہ دو باتیں جو حضور صلعم کی زندگی میں ہمارے سامنے آتی ہیں مخالف سے مخالف بھی آنحضرت صلعم کے سامنے گردن جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ ہیں کہ فقر اور غربت کی حالت میں آپؐ بادشاہ ہیں اور بادشاہت اور سلطنت کے زمانہ میں آپؐ فقیر ہیں۔ ایک انسان کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لئے یہی دو باتیں کافی ہیں انہی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ

خود حضور علیہ السلام کے چچا ابولہب کا یہ حال تھا کہ جہاں آپؐ دعوتِ حق کو پہنچانے کے لئے تشریف لے جاتے یہ پیچھے پیچھے کہتا پھرتا کہ لوگو۔ میرا بھتیجا مجنوں ہو گیا۔ دیوانہ ہو گیا اس کی باتوں کی طرف توجہ نہ کرنا۔ خدا تعالےٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

نٓ والقلم وما یسطرون۔ قلم اور دوات اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں اس بات پر گواہ ہیں کہ آپ دیوانہ نہیں۔ آج آپ کو غریب اور تنہا سمجھ کر دیوانہ کہا جاتا ہے ایک وقت آ رہا ہے کہ آپؐ بادشاہ ہوں گے۔ آپ کے قدموں میں دولت کے انبار لگے ہوئے ہوں گے پورا ملک آپ کے زیر نگیں ہوگا۔ تو جیسے آج آپ اخلاق فاضلہ کے مجسم ہیں اس زمانہ میں بھی آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر ہوں گے۔ دولت اور حکومت کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی تبدیلی آپ میں نہیں آئیگی عموماً دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ غریب آدمی کو جب کوئی اچھا سا عہدہ مل جاتا ہے یا اس کے پاس دولت آ جاتی ہے تو اس کا معیار زندگی بلند ہو جاتا ہے۔ سوسائٹی بدل جاتی ہے۔ حالات تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن آنحضرت صلعم کے متعلق فرمایا کہ آپؐ خواہ غربت کی حالت میں ہوں یا بادشاہت کے مقام پر آپ کے قلب مطہر میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی آپ نہ دیکھیں گے وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم۔ آپ ہر حالت میں دکھ اور سکھ میں عسر اور یسر میں امیری اور غریبی میں افلاس اور بادشاہت میں اخلاق کے بلند ترین مقام پر نظر آتے ہیں۔ انسان پر جب ابتلاء آتے ہیں اس کا امتحان ہو جاتا ہے تو بڑے بڑے
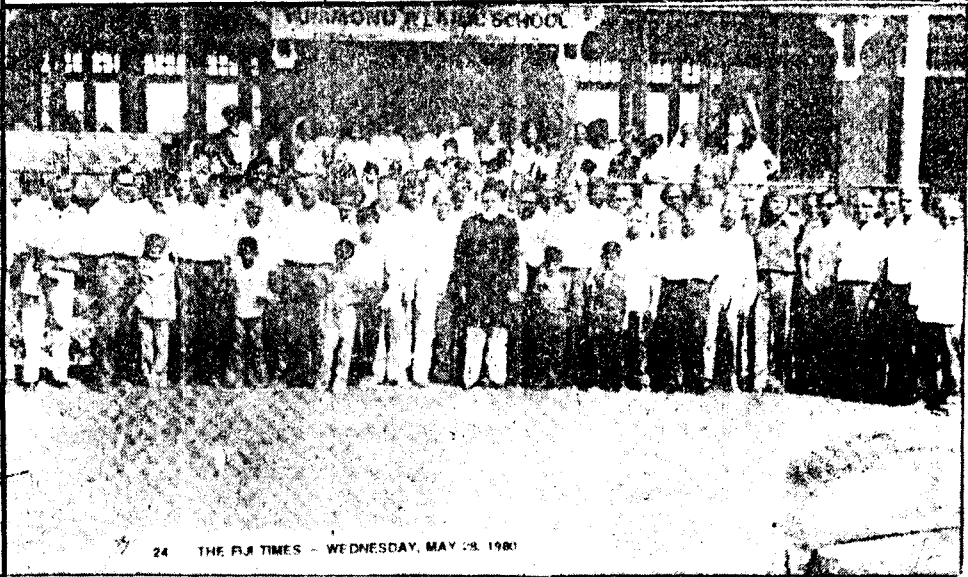
مکرم حافظ شیر محمد صاحب احباب فیجی کے ہمراہ

آدمی فیل ہو جاتے ہیں۔ کوئی طاقت سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ کوئی لالچ میں آکر ختم ہو جاتا ہے کوئی جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے۔ کوئی عزت کو بچانے کے لئے اپنا پہلو بچا لیتا ہے لیکن آنحضرت صلعم کی ذات ہے کہ نہ طاقت سے مرعوب ہوتے نہ اُن کے کوئی محبت آڑے آسکی نہ دولت و حکومت کا لالچ انہیں حق بات کہنے سے باز اور دُور رکھ سکا۔ حسین و جمیل عورت کی پیشکش آپ کے جذبات کو مغلوب کر سکی نہ لڑائی اور جنگ کے وقت آپ نے اخلاقِ حمیدہ کو چھوڑا۔

۱ - قریش کے بڑے بڑے آدمیوں کا ایک وفد ابوطالب کے پاس آیا جس نے آکر ابوطالب کو دھمکی دی کہ اب ہم اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے۔ یا تو تم اپنے بھتیجے سے الگ ہو جاؤ یا خود بھی اس کے ساتھ مل جاؤ تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائے یہ بات ابوطالب کے لئے بڑی مشکل تھی آپ نے نبی کریمؐ کو بلایا اور کہا کہ مجھ پر اور اپنی ذات پر رحم کرو مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اُٹھا نہیں سکتا آنحضرتؐ پر یہ کتنا مشکل وقت تھا کہ دنیا میں صرف ایک چچا معاون رہ گیا تھا وہ بھی اب الگ ہونے لگا ہے جس چچا کو آپؐ نے زندگی بھر جواب نہ دیا تھا اور اس کے منشا کے خلاف کوئی بات نہ کی تھی اسے بڑے سکون اور اطمینان سے کہتے ہیں کہ اے چچا اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھدیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ آپؐ نے اس درد کے رنگ میں یہ الفاظ کہے کہ چچا نے اسی وقت گلے لگا لیا اور کہا کہ اے بیٹے جاؤ اور جو چاہو کرو میں کسی صورت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ کتنا یکہ ہے کہ حق کے مقابلہ میں آپ کو کوئی طاقت مرعوب کر سکتی ہے نہ چچا کی محبت۔

۲ :- اسی بے کسی کی حالت کا ایک اور واقعہ ہے کہ کفار مکہ آپ کو لالچ دے کر اس مشن کو آپ سے چھڑانا چاہتے تھے جس کے لئے آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے اس نے آکر آپ کی خدمت میں تین باتیں پیش کیں۔ دولت۔ حکومت اور خوبصورت سے خوبصورت عورت۔ ان تینوں باتوں میں سے جو چاہیں ہم دینے کو تیار ہیں آپؐ تبلیغ سے باز آ جائیں۔ مگر اس قلب مطہر میں دنیا کے مال و عزت کی خواہش کبھی بھی نہ آئی تھی، آپؐ اسے جواب دیتے ہیں کہ مجھے نہ مال و دولت کی خواہش ہے نہ حکومت کی نہ حسن و جمال کی۔ مجھے خدا تعالیٰ نے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے میں تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں اگر قبول کرو گے خوشحال رہو گے اگر قبول نہ کرو گے تو خدا تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔ عتبہ نے واپس آکر کہا کہ تم محمد صلعم کی مخالفت ترک کر دو وہ اس دنیا کا انسان نہیں۔ یہ ہے آپ کے قلب کا استغناء کہ آپ دنیا کی حکومت اور دولت کو ایک تنکا کے برابر وقعت نہیں دیتے۔ اس بے کسی اور عاجزی کے زمانہ میں کتنی قوت اور طاقت اور خود اعتمادی کا اظہار ہے یہی دراصل وہ چیز ہے جو ایک انسان کو ایک عظیم انسان بناتی ہے۔

۳ :- آپؐ کا اور آپؐ کے خاندان کا تین سے سات سال تک بائیکاٹ کیا جاتا ہے آپؐ پر وہ زمانہ اتنا مشکلات کا زمانہ ہے کہ الامان والحفیظ۔ اس بائیکاٹ کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کے مارے بلبلاتے ہیں۔ ان کے رونے کی آواز سے کئی راہ گزر لوگوں کے دلوں میں درد اور ٹیس پیدا ہوتی ہے قوم کے ڈر سے کوئی ان کی مدد نہیں کر سکتا لیکن آنحضرت صلعم اس اطمینان سے وہ تکلیف برداشت کرتے ہیں آپ کی پیشانی پر شکن تک نہیں آتی

۴ :- آپؐ ایک دفعہ خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے طائف میں تشریف لے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا انہیں پیغام سناتے ہیں۔ جواب میں طائف کے سرداروں نے بچوں اوباشوں اور بازاری لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا وہ مذاق کرتے ہیں: تالیاں بجاتے ہیں استہزاء کرتے ہیں آپ پر پتھر پھینکتے ہیں۔ آپ کو شہر سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ پتھروں کی بوچھاڑ سے آپ لہولہان ہو جاتے ہیں اور تکلیف کی وجہ سے چل نہیں سکتے کہیں سستانے اور آرام کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں تو وہ بدبخت بازو سے پکڑ کر اٹھا دیتے ہیں کہ ہمارے علاقہ سے نکل جاؤ کئی میل تک وہ متواتر آپ کے پیچھے چلتے ہیں۔ جب وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو آپؐ زخموں کی تاب نہ لاکر ایک باغ میں جو ایک کافر کا تھا آرام کرنے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ آپؐ کے غلام زید بن حارث کو پتہ چلتا ہے وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی اس نازک حالت کو جب دیکھتا ہے تو درخواست کرتا ہے کہ حضورؐ ان بدبختوں کے لئے بددعا کیجئے تو حضورؐ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں :-

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

یہ تو غربت کا زمانہ ہے آپؐ کے جنگ کے حالات میں بھی اس قسم کے سینکڑوں واقعات احادیث اور تاریخ میں موجود ہیں۔

۵ :- جنگ کی حالت میں بھی آپ نے اخلاق فاضلہ کو نہیں چھوڑا۔ آپ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ بچوں پر تلوار نہیں اٹھانی۔ عورتوں پر نہیں اٹھانی۔ بوڑھوں پر نہیں اٹھانی۔ جو اپنا دروازہ بند کر لیں انہیں کچھ نہیں کہنا۔ آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات کو ایک طرف رکھیں۔ دوسری طرف جب آپ مکہ فتح کرتے ہیں۔ آپؐ کو حکومت مل جاتی ہے دولت کے ڈھیر آپ کے قدموں میں لگ جاتے ہیں لاکھوں جاں نثار اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اس وقت بھی آپ کے گھر میں وہی افلاس ہے وہی غربت ہے نہ آپ اپنا معیار زندگی بلند کرتے ہیں نہ سوسائٹی بدلتے ہیں نہ کسی قسم کی آپؐ کے اندر تبدیلی آتی ہے۔

۶ :- جب مکہ فتح ہو جاتا ہے تمام لوگ جنہوں نے آپؐ کو بڑے بڑے دُکھ دیئے اور آپ کو تکالیف پہنچائیں وہ مجرم کی حیثیت سے آپ کے دربار میں حاضر کئے جاتے ہیں آپؐ نے ان کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی انہیں کوئی سزا نہیں دی ملامت تک نہیں کی۔ بلکہ فرمایا :- "لا تثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء۔"

۷ :- فتح مکہ سے پہلے ایک دفعہ خانہ کعبہ میں عبادت کرنے کے لئے آپؐ نے عثمان بن طلحہ سے خانہ کعبہ کی چابی مانگی تھی اس نے انکار کر دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے عثمان ایک وقت آنے والا ہے کہ خانہ کعبہ کی چابیاں میرے پاس ہونگی۔ اس نے آپ سے مذاق کیا کہ دیکھا جائے گا۔ فتح مکہ کے دن تمام لوگوں کی نظریں اس بات پر لگی ہوئی تھیں کہ حضورؐ عثمان سے چابیاں لے کر کسی دوسرے کے سپرد کر دیں گے۔ آپؐ عثمان کو بلاتے ہیں اور خانہ کعبہ کو کھلوا کر دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں پھر چابیاں عثمان کو ہی واپس کر دیں اور فرمایا کہ اے عثمان یہ چابی ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس اور تمہاری نسل میں ہی رہے گی آپؐ نے قطعاً وہ پچھلا واقعہ اسے یاد بھی نہ کرایا کہ تم نے میرے ساتھ ایسا کیا تھا۔ آپؐ کے اتنے بڑے اخلاق کو دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

۸ :- ابوسفیان نے متواتر ۲۱ سال تک آپ کو دکھ دیا۔ اسلام کی بیخ کنی میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ نہ صرف اسکو معاف کیا بلکہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا وہ امن میں آ جائے گا۔

۹ :- ہندہ جس نے حضرت حمزہؓ کا مثلہ کیا تھا اور جگر چبا لیا تھا۔ اُسے بھی معاف کر دیا۔

۱۰ :- وحشی جس نے حضرت حمزہؓ کو قتل کیا اس سے بھی درگزر کیا گیا۔

۱۱ :- جس یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا تھا اس کو بھی معاف کر دیا۔

۱۲ :- ہبار جس نے حضورؐ کی صاحبزادی کو پتھر مارے تھے جس کی وجہ سے انتقال ہو گیا تھا اُسے بھی آپ نے معاف فرما دیا۔

۱۳ :- حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ دس سال میں نے حضورؐ کی خدمت کی اتنے بڑے عرصہ میں مجھے آپؐ نے اُف تک نہیں کہا اور نہ یہ کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور نہ یہ کہا کہ تم نے کیوں نہیں کیا۔

۱۴ :- ایک دفعہ آپ کا غلام کسی سفر سے کچھ عرصہ کے بعد واپس آیا جب اس نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا تو حضرت نبی کریم صلعم ننگے پاؤں اس کی طرف چل پڑے آپؐ کی چادر زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی۔ آپ نے اُسے گلے سے لگایا اور اسے بوسہ دیا۔

۱۵ :- ایک دفعہ یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے کسی نے کہا کہ یہ تو کافر کا جنازہ ہے تو آپؐ نے فرمایا کیا یہودی انسان نہیں ہوتے

۱۶ :- ایک دفعہ حضورؐ بازار جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی وہ بیچاری بڑی مشکل سے چل سکتی تھی اس کا سودا لینے کیا

آپ خود چلے گئے اور اس کی چیزیں وغیرہ خرید کر اسے لا دیں بادشاہ ہو کر ایسے کام کرنے سے آپ کو کوئی شرم نہ آتی تھی

۱۷ :- آپ کی نگاہ میں مال و دولت اگر [illegible] جائے تاکہ ہم بھی سہولت اور آرام کی زندگی بسر کر لیں تو حکم ہوتا ہے :" اے نبیؐ اپنی بیویوں کو کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دے دوں اور تم کو اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ایسی محسن عورتوں کے لئے بڑا اجر تیار کیا ہے۔"

۱۹ :- ایک دفعہ آپؐ کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ ابا جان چکی پیستے پیستے [illegible] بہت لوگ دے سکتے ہیں مگر خود اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو اپنی بربادی چاہنے والوں کو اور اپنے عزیز و اقارب کے قتل کرنے والوں پر غلبہ پا کر معاف کرنا کہ ملامت تک بھی اُن کے افعال پر نہ کی جائے نہ حضرت مسیحؑ کی زندگی میں پایا جاتا ہے نہ کسی مصلح اور ریفارمر کی زندگی میں اس کا نمونہ مل سکتا ہے ؟!

اخبار احمدیہ

حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ بخیریت ہیں۔ احباب کرام ان کی صحت و عافیت کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

* حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی ابھی تک ایبٹ آباد ہی میں مقیم ہیں اور خدمات دینیہ میں مصروف ہیں۔ ماہ رواں میں آپکے واپس لاہور تشریف لانے کی توقع ہے۔

وفات :- مکرم چوہدری غفور احمد ملہی کی والدہ محترمہ گزشتہ روز وفات پا گئیں جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس میں نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد میت کو بدوملہی پہنچایا گیا۔ اور ان کی تدفین اپنے آبائی قبرستان میں ہوئی۔ چوہدری صاحب کو چند دنوں میں یہ دوسرا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو غریق رحمت کرے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

دارالسلام

میں گزشتہ تین ماہ سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی نگرانی و سرپرستی میں تعلیم القرآن کلاس جاری ہے۔ خدا کے فضل سے طلبہ و طالبات نہایت شوق سے قرآن مجید با ترجمہ مع لغت، عربی زبان۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب استفتاء اور رسالہ جہاد وغیرہ پڑھ رہے ہیں۔ اس کلاس کا گزشتہ دنوں ٹیسٹ بھی ہوا ہے جس میں محترمہ بیگم صاحبہ جناب محمد سعید صاحب اوّل۔ اور محترمہ صفیہ جاوید صاحبہ دوم آئی ہیں اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ مکرم مرزا محمد لطیف صاحب نہایت محنت و باقاعدگی سے ان کو پڑھاتے ہیں۔ ہم لاہور کے احباب کو پُرزور تحریک کرتے ہیں کہ وہ اس کلاس سے استفادہ کریں ——— (ادارہ)

راولپنڈی سے جناب میاں فخرالدین احمد صاحب کا تازہ خط

بنام ———

[illegible] مرکزی انجمن نے ہماری درخواست پر مولینا عبدالرحمن صاحب مبلغ اسلام پشاور کو ماہ رمضان المبارک کے لئے راولپنڈی تعینات کر دیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ مولانا صاحب بڑے اچھے قاری ہیں اس وقت ان کی عمر ۷۵ سال ہے مگر سبحان اللہ بڑی خوبصورتی سے قرأت ادا کرتے ہیں۔ مقامی احباب بھی نماز تراویح میں برابر شرکت کرتے رہے جمعۃ المبارک ۸ اگست کی رات بمطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ ختم قرآن ہوا اس رات احباب سلسلہ کے علاوہ خواتین نے بھی حاضری دی اور اجتماعی دعا میں شریک ہوئے ختم قرآن کے بعد محترمہ بیگم صاحبہ الحاج میاں فاروق احمد شیخ کی بھجوائی ہوئی مٹھائی تقسیم کی گئی۔ محترمہ بیگم صاحبہ ۹ اگست کو بسلسلہ علاج امریکہ تشریف لے گئی ہیں۔ احباب سلسلہ اس خاتون کی صحت کاملہ کیلئے دعا فرماتے رہیں۔

۲۔ ماہ رمضان المبارک میں جمعہ کے دن حاضری غیر معمولی زیادہ رہی اور نمازوں میں خاصی رونق ہوتی تھی۔ جمعۃ الوداع کو تو حاضری ڈیڑھ سو کے قریب تھی۔ ایک خصوصیت کم سن بچوں کی حاضری تھی

۳ :- اس دفعہ ماہ رمضان المبارک جو مجاہدہ نفس کا مہینہ ہے راولپنڈی میں نماز جمعہ کے بعد محترم ملک الٰہی بخش صاحب ریٹائرڈ آفیسر محکمہ زراعت کا سلسلہ تقاریر تھا موصوف کئی ہفتہ سے بیمار چلے آتے ہیں دو تین جمعہ کی غیر حاضری کے بعد ۲۰ جولائی ۸۰ء کو باوجود نقاہت کے مسجد میں تشریف لائے اور احباب کو بعد نماز جمعہ خطاب کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ احباب نماز جمعہ کے بعد بیٹھ گئے اور ملک صاحب محترم نے سورۃ والعصر کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ آپ لوگوں کو مبارک ہو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے لئے چن لیا ہے بفضل تعالیٰ [illegible] ہمیں چاہیئے کہ اعمال صالحہ بجا لانے کی طرف پوری توجہ دیں۔ اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد بالقرآن کے لئے اب اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو چن لیا ہے اس لئے ہمیں پورے خلوص اور لگن سے اپنے بزرگوں کے نیک کام کو برقرار رکھنے کی کوشش میں تن من دھن سے لگ جانا چاہیئے۔ اس زمانے کے مقدس امام حضرت مسیح ناصری کی وفات میں قرآنی آیات، اقوال حدیث اور مفسرین کی توجیہات سے ثابت کر دکھائی یعنی کسر صلیب کا کارنامہ تھا جو امام مہدی نے کرنا تھا حضرت امام الزماں کی رحلت کو ابھی ساٹھ سال بھی نہیں گزرے تھے کہ یورپ کے عیسائی محقق فضلاء اور علماء نے حضرت مسیح ناصری کی وفات اور ان کے کشمیر میں مدفون ہونے کو تسلیم کر لیا اور اپنی کتابوں میں اس حقیقت کا اعتراف کیا جس سے پون صدی پیشتر خدا کے مامور نے پردہ اٹھایا تھا محترم ملک صاحب کا یہ سلسلہ خطاب جاری ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تحریک احمدیت پر وہ نوجوانوں کو خصوصاً خطاب کریں تاکہ اپنے درخشاں ماضی سے باخبر ہو کر اس امانت کی حفاظت کیلئے کمربستہ ہو جائیں۔ اگر ہماری دوسری جماعتوں میں بھی ایسے لیکچرز کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو تربیت اطفال کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ بہرحال ملک صاحب کی تقاریر کے بارے میں احمدی نوجوانوں کے لئے وقتاً فوقتاً ان کے خیالات پیش کئے جائیں گے تاکہ اخبار کے ذریعہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں ملک صاحب کی صحت یابی کیلئے دعا کیجائے۔ وہ بڑا قیمتی وجود ہیں ۱۹۵۳ء سے لیکر آج تک انہوں نے حضرت مسیح موعود کے دعاوی اور تحریک احمدیت کے بارے میں بیسیوں مضامین لکھے ہیں جن میں اکثر رسالوں کی صورت میں چھپ کر حکام، علماء کرام، اراکین اسمبلی تک پہنچائے گئے ہیں ———

حرمتِ سود کا پُر حکمت اصول قوم کی یکساں مالی ترقی پر مبنی ہے

"بنکوں سے سود بجائے ذاتی فائدہ کے اگر صدقہ اور جہاد میں صرف ہو تو وہ سود کی تعریف میں نہیں آتا" (حضرت مولانا محمد علیؒ)

حضرت بانیٔ سلسلہ، حضرت مولانا محمد علیؒ اور حضرت مولانا غلام حسنؒ پشاوری کے فتاویٰ۔

الذین یاکلون الربٰو لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن من المس ط ذٰلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربٰوا م واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا ط ------ یمحق اللہ الربٰوا ویربی الصدقٰت و اللہ لا یحب کل کفار اثیم ○ ------ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ج وان تبتم فلکم رؤس اموالکم ج لا تظلمون ولا تظلمون ○ (البقرۃ ۲۷۵ تا ۲۷۹)

خطبہ جمعۃ المبارک مؤرخہ ۲۲ ‍‍/۸ فرمودہ مکرم محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، در مسجد جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور۔ مرتبہ: شفقت رسول خاں۔

ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ قتال اور انفاق فی سبیل اللہ کے مضمون کے دوران ------ سود کے مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ سود کی قطعی حرمت کے بارہ میں نہایت صاف اور تہدید آمیز الفاظ فرمائے ہیں۔ یہاں تک ارشاد ہوا کہ سود ترک نہ کرنے والوں کو خدا اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ اس زمانہ میں سود کا مسئلہ بہت اہمیت اختیار کر چکا ہے، تمام تجارتی کاروبار کا دار و مدار سود پر ہے بلکہ حکومتیں بھی سود پر چلتی ہیں، حد تو یہ ہے کہ قوموں کے مابین جنگیں بھی سود کے بل بوتے پر لڑی جاتی ہیں۔ ادھر قرآن کریم نے اس کی قطعی حرمت کا ذکر کیا۔ ہمیں معلوم کرنا ہے کہ اس میں کیا پُر حکمت راز ہے؟

مال و زر کی بہتات کے بجائے حسنِ اخلاق اور انسانی کردار کو فروغ دینا

پس یہ بات اچھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ دو متضاد نظریات ہیں، ایک نظریۂ حیات کی بناء باہمی مروّت و احسان اور انسانی ہمدردی کے اصولوں پر قائم کی گئی ہے اور دوسرے نظریۂ حیات کی بنیاد مال و زر کی بڑھوتی پر قائم ہے۔ پہلا نظریہ آجکل کی دجّالی تہذیب کا خاصہ ہے۔ اور دوسرا اسلامی۔ ایک سے انسانیت کی حقیقی خاصیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ایک انسان کا تعلق دوسرے سے محض یہ رہ جاتا ہے کہ وہ اس کے ذریعہ مال و دولت کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ بلا اس لحاظ کے کہ ان کے تعلقات میں ایمانی و اخلاقی اور انسانی خواص باقی رہ جاتے ہیں یا نہ۔ مگر اسلامی نظریۂ حیات کا محوری نقطہ یہ ہے کہ باہمی انسانی تعلقات میں اعلےٰ کردار اور سیرت کی تجلیاں کس قدر اجاگر ہوتی ہیں۔ چاہے اس کی خاطر مال و زر کی قربانی کیوں نہ کرنا پڑے۔ تجربہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ سود خوار افراد اور اقوام اعلےٰ انسانی اخلاق سے عاری ہو جاتی ہیں، عرب میں بھی اسی طرح کا سود رائج تھا جیسے آجکل مہاجنوں کا دستور ہے۔ دوسرے شخص کی مصیبت و احتیاج کے وقت اس کی ہمدردی و امداد کا سوال تو برطرف قرضخواہ کے سامنے نہ صرف اپنے دیئے ہوئے اصل زر کا سوال ہوتا ہے —— بلکہ وہ اس پر بڑھوتی کی رقم کو مقدم قرار دیتا ہے۔ یہ واقعات عام ہیں کہ مقروض نے کئی برسوں میں اصل رقم سے کئی گنا روپیہ قرضخواہ کو ادا کر دیا مگر اس کے باوجود قرض جوں کا توں قائم رہا۔

شیکسپیئر نے اپنے ایک مشہور ڈرامہ میں اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے کہ شائی لاک SHYLOCK ایک یہودی نے ایک محتاج کو اس شرط پر قرض دیا کہ اگر مقروض مقررہ وقت کے اندر اصل مع سود ادا نہ کر سکے تو اسے اپنے جسم میں سے ایک پونڈ گوشت کٹوانا لازم آئیگا۔ مقروض روپیہ ادا نہ کر سکا۔ جج کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ شائی لاک یہودی نے معاہدہ پیش کیا کہ اس کے مطابق اسے اختیار دیا جائے کہ وہ ایک پونڈ گوشت مقروض کے جسم سے کاٹ لے۔ جج نے فیصلہ دیا کہ از روئے معاہدہ بیشک مقروض کے جسم سے ایک پونڈ گوشت کاٹا جائے مگر یہ شرط ہے کہ خون کا کوئی قطرہ نہ بہنے پائے کیونکہ معاہدہ میں یہ بات موجود نہیں۔ غرضیکہ اس ڈرامہ سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ سود خوار کس قدر سنگ دل ذہنیت کے لوگ ہوتے ہیں۔ ماہرین اقتصادیات کا قول ہے کہ اگر سود حرام ہو جائے تو بہت سی جنگیں کبھی نہ ہونے پائیں کیونکہ جنگوں کی خاطر سودی روپیہ لینا پڑتا ہے جب یہ نہ مل سکے تو جنگ بند کرنا پڑتی ہے۔

کلام الٰہی کی پُر حکمت عظمت

قرآن کریم نے بھی یہی فرمایا کہ سود خوار کی ذہنیت ایسی ذلیل ہو کر رہ جاتی ہے کہ گویا شیطان نے اُسے مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔ پھر فرمایا کہ سود کے جواز میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ یہ مثل تجارت کے ہی ہے مگر خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ غلط بات ہے، خدا نے تجارت کو تو حلال کیا ہے مگر سود کو حرام، کیوں؟ اسلیئے کہ اسلام کا نظریۂ حیات اکتساب یا کمائی کرنے کا ہے۔ سود میں اکتساب کا کوئی پہلو موجود نہیں۔ گھر بیٹھے بلا محنت و کسب روپیہ دے دو اور مقررہ منافع حاصل کرتے چلے جاؤ نہ نقصان کا اندیشہ نہ ضیاع کا خطرہ! اس طرح سودی نظام سے امیر لوگ امیر تر اور غریب لوگ مفلس اور نادار بنتے چلے جاتے ہیں۔ یہ بات اسلام کے صریح منافی ہے۔ لکیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ ایسا نظام زر قائم نہ کرو کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے۔ اس پر سب مکاتیب فکر کے علماء کا اتفاق ہے کہ سود قطعاً حرام ہے۔ عرب میں جو سود حرام قرار دیا گیا تھا اس وقت اس کی رائج صورت مہاجنوں والا سود تھا۔ لیکن بینکنگ سسٹم اور کوآپریٹو سوسائٹیوں کا نظام رائج نہ ہوا تھا اس زمانے میں اور آج بھی مہاجن غریب اور نادار لوگوں کو اُن کی ضرورت کے وقت رقم اس شرط پر دیتے تھے کہ وہ ہر حال میں رقم کیساتھ مقررہ زائد رقم وصول کریں گے۔ مگر دین کی بنیاد ہی اس پر قائم ہے کہ کمزور و مفلس کی مدد کی جائے نہ یہ کہ اس کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے مزید زیر بار کیا جائے۔ حکم تو یہ ہے کہ غرباء کو صدقات دو، نہ کہ ان کو مقروض کر کے سود

اشارہ لطیفہ یہ استنباط ہو سکتا ہے کہ اگر انسان کے پاس کوئی ایسا روپیہ سود کا آجائے جو اس نے سود حاصل کرنے کی نیت سے نہیں دیا یا جس میں کچھ شائبہ سود کا ہو تو اگر ایسے روپے کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں کے مقابلہ پر خرچ کر دیا جائے تو جائز ہے اسی طرح جو لوگ بنکوں میں یا ڈاک خانوں میں روپیہ محض پس انداز کرنے کے لئے یا حفاظت کے لئے رکھوا دیتے ہیں اُن کے لئے جائز ہے کہ سود کے روپے وصول کر کے اشاعتِ اسلام کے کام پر لگا دیں مگر اپنے کسی مصرف میں نہ لائیں۔ اسی طرح جن ملازمین کو بونس کا روپیہ ملتا ہے اگر اس میں کچھ حصہ سود کا ہو تو تقوٰی کا طریق یہ ہے کہ سود کے روپے کو تبلیغِ دین پر لگا دیں۔ یا جہاد میں صرف کر دیں۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص بنک میں روپیہ محض اس غرض سے جمع کراتا ہے کہ اس کے پسماندگان کے لئے کچھ اندوختہ ہو جائے تو یہ بھی اس شرط پر جائز ہو سکتا ہے کہ اصل رقم کے علاوہ جو روپیہ ہے وہ اشاعتِ اسلام کے کام پر لگا دیا جائے۔"

(۲) حضرت مولانا محمد علیؒ کی کتاب "دین اسلام" میں بنک کے سود کے متعلق مولاناؒ مرحوم کے ارشادات

"امن کا راستہ یہ ہے کہ روپیہ جمع کرانے والا اس زائد رقم کو جو بطور نفع اسے حاصل ہوتی ہے کسی خیراتی کام پر اُسے صرف کر دے اگر روپیہ جمع کرانے والا فی الحقیقت اس نیت سے بنک میں روپیہ جمع کراتا ہے کہ وہ اس کے منافع کو ذاتی استعمال میں نہیں لائے گا اور جب وہ رقم اسے بنک سے ملے تو اسے کسی نہ کسی خیراتی ادارے کے سپرد کر دے تو اس نے قرآن کریم کے حکم کے مطابق درحقیقت ربا کو چھوڑ دیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایسا شخص بنک کے حق میں روپیہ نہیں چھوڑتا جو بصورت قرض مقروض کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ کسی خیراتی کام کے لئے چھوڑتا ہے۔ تاہم روپیہ جمع کرنے والا جو قرض دینے والے کی حیثیت رکھتا ہے منافع کو ترک کر دیتا ہے۔ ادنیٰ غور سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ جس کے حق میں منافع چھوڑا گیا ہے بنک یا گورنمنٹ کا خزانہ نہیں ہے جس کو اس قسم کی امداد میں ضرورت ہی نہیں بلکہ صرف ان خیراتی اداروں کے حق میں اسے چھوڑا جاتا ہے جو بحیثیت مجموعی مسلمان قوم کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر رہے ہیں۔ مقامِ افسوس ہے کہ لاکھوں روپے کے منافع کی رقم جو بنکوں میں روپیہ جمع کرانے والے مسلمان بنکوں یا گورنمنٹ کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف مسلمان قوم کے لئے نقصان کا موجب ہی نہیں بلکہ وہ اسلام کے خلاف غیر مسلموں کے پراپیگنڈا کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

حاشیہ دین اسلام صنہ ۱۵۰

(کسی خیراتی کام پر اسے صرف کر دے)

"یہ راستہ سب سے پہلے بانیٔ تحریک احمدیت علیہ الرحمۃ نے تجویز کیا۔ اشاعتِ اسلام کے متعلق جو فکر آپ کو دامن گیر رہتا تھا اس کے پیش نظر آپ نے ہدایت فرمائی کہ جو بنک میں روپیہ جمع کرنے پر منافع حاصل ہوتا ہے۔ وہ اشاعتِ اسلام پر خرچ کیا جائے۔ آپ نے خصوصیت کے ساتھ اس بات پر زور دیا کہ ربا کو خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنا کہا گیا ہے (سورۃ بقرہ آیت ۲۷۹) اس لئے جو روپیہ اس طرح حاصل ہو اسلام کے دفاع اور اس کی اشاعت کے لئے صرف کرنا چاہیئے۔ یہ رائے کہ بنک کے منافع کو خیراتی یا رفاہِ عام کے کاموں پر لگایا جائے اب جمیعۃ العلماء نے بھی اختیار کی ہے۔"

(۳) انگریزی ترجمۃ القرآن

"سودی روپیہ اشاعتِ اسلام پر صرف ہو تو وہ سود کی تعریف میں نہیں۔"

فاذنوا بحرب من اللّٰہ و رسولہ (بقرہ ۲۷۹) حکمِ الٰہی کے براہِ راست برخلاف جانے کو یہاں، خدا اور رسولؐ کیساتھ جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ جو رقوم بنک سے بطور سود حاصل ہوں خدا اور رسولؐ کے راستہ یا اشاعتِ اسلام میں صرف کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ اس طرح بجائے اس کے کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ سے جنگ کا باعث بنیں وہی رقوم خدا اور اس کے رسولؐ کی راہ میں جنگ کرنے پر صرف ہوں گی۔ حقیقتاً سود کی حرمت کا اصل مقصد ہی اس طرح پر پورا ہو جاتا ہے جب سود کو صدقہ کی صورت میں تبدیل کر لیا جائے۔"

بنک کے سود کے بارہ میں مولانا غلام حسن مرحوم کی رائے از تفسیر حسن بیان

ف ۵۳ بر صفحہ ۵ زیر آیت ۲۷۵

"تمدن کی ترقی سے ربا کے مسئلہ کے متعلق مشکلات پیش آگئی ہیں خصوصاً بنکوں کے معاملہ میں، تجارت اب بنکوں کے ذریعہ ہوتی ہے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ تجارت کرنے میں سود دینا پڑتا ہے۔ اور جہاں غیر مسلموں سے انہیں سود لینا ہوتا ہے۔ اگر یہ لینا ترک کر دیں تو دوسری قوموں کے مقابلہ میں بخسارہ میں رہتے ہیں۔ بنکوں میں روپیہ امانت رکھنا پڑتا ہے جس کا سود بنک اپنے قواعد کے مطابق ادا کرتا ہے۔ ملازمین کے بونس یا پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ بنک میں رکھا جاتا ہے جس پر سود ملتا ہے۔ اگر کوئی تقوٰی اختیار کرے ایسا سود نہ لے تو بنک سود کی رقم عیسائی مشن کو دے دیتا ہے۔ اور پھر وہ روپیہ اسلام کی تردید اور مخالفت پر خرچ ہوتا ہے۔ یہ مشکلات ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو حیرانی میں ڈال رکھا ہے اور وقتاً فوقتاً علماء سے فتوے طلب کرتے ہیں۔ اس زمانہ کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ سے بھی استفسار کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بنکوں سے سود لے کر اشاعتِ اسلام یا خیراتی کاموں پر صرف کر دینا چاہیئے۔ یہ ایک اضطراری فتوٰی ہے جس میں حرام چیز بھی جائز ہو جاتی ہے مگر اس کا اثر اس کی حرمت پر نہیں پڑتا۔"

بقیہ مولانا نورالدینؓ کا ایک خطاب (آمدہ صہ ۲)

کہ اب اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ:۔

میرے پھر تقریر کرنے تک تمہیں کوئی بات سنائے یا تقریر کرے تو یاد رکھو ہمارا معیار یہ ہوگا کہ ان مذکورہ بالا عقائد کے موافق کوئی بات ہو یا اس کی تفصیل ہو تو ہماری طرف سے ہے اور اگر اس کے خلاف کسی کے منہ سے نکلے تو وہ ہمارے عقائد کے مطابق نہیں۔

دوسری بات جو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ باہم محبت بڑھاؤ اور بغضوں کو دُور کر دو اور یہ محبت بڑھ نہیں سکتی جب تک کسی قدر تم صبر سے کام نہ لو اور یاد رکھو صبر والے کے ساتھ خُدا خود آپ ہوتا ہے اس واسطے صبر کنندہ کو کوئی ذلت و تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔

تیسری بات جو میں بہت ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت صاحب نے فتح اسلام میں پانچ شاخوں کا ذکر کیا ہے اور ان پانچ شاخوں میں چندے دینے کی تاکید کی۔ مثلاً آپ کی تصانیف کی اشاعت اشتہارات کی اشاعت۔ آپ کے لنگر خانہ کو مضبوط کرنے کی تاکید اور مہمان خانہ کی ترقی کی طرف توجہ اور آمد و رفت پر بعض وقت جو خرچ پڑتے ہیں ان کے لئے مکان بنانے پڑتے ہیں۔

ان میں اتفاق کرنے کی تاکید آپ نے فرمائی ہے۔ میں اس تاکید پر تاکید کرتا ہوں کہ ہمارا مہمان خانہ کسی قدر آپ لوگوں کی سستی کا مظہر ہے۔ میں جس طرح دیکھتا ہوں کہ ایک مدرسہ چلتا ہے لنگرا اور دینی مدرسہ بہت کمزور رنگ میں ہے۔ ہمارے بھائیوں کو توجہ چاہیئے کہ ان دونوں امور کی طرف بہت کوشش کریں اور اتفاق سے کام لیں۔

یہ تین باتیں اس لئے بتاتا ہوں کہ تم کو دین اور دنیا دونوں کا وعظ کروں یہ نہیں کہ مجھے دنیا کی غرض ہے کیونکہ میری عمر کا بہت بڑا حصہ اللہ کے فضل سے گزرا ہے۔ یہ تھوڑے دن جو باقی ہیں میں مخلوق میں سوال کرنے میں اپنی ہمت کو ضائع نہیں کرتا۔

*****

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۸۰ء * جلد ۶۷ شمارہ ۳۶ * رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

[illegible]

باہتمام ریاض حسین الجدید پرنٹرز اُردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح، احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

سے اُن کی زندگی دوبھر کر دو۔ سُود خور غرباء کا خون چُوس لیتے ہیں۔ جس رقم سے تم غرباء کی مدد کرتے ہو وہی رقم واپس لینے کا تمہیں حق ہے نہ کہ مزید بڑھا کر، یہ انسانی ہمدردی کے منافی ہے۔ بلکہ اگر مقررہ وقت پر ادائیگی اصل رقم سے مقروض معذور ہے تو اسے کو مزید مہلت دو کہ وہ اس قابل ہو جائے کہ تمہاری رقم ادا کر سکے اور اگر صدقہ کے طور پر رقم ترک کر دو تو یہ بات عین انسانیت کے مطابق ہے۔ اِس زمانے میں بھی مہاجنوں کی روح کام کر رہی ہے کہ مقروض کی حالت کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ پھر انسانی ہمدردی کے سراسر برخلاف ہے اس کا مطلب تو کمزور کی مدد نہ کرنا بلکہ برعکس اس کو زیر بار کرنا ہوا۔ البتہ بنک کا سُود دوسری نوعیت کا ہے۔ بنک اس رقم سے تجارت کرتے ہیں۔ لیکن بنک کا منافع سُود کی ذیل میں اس لئے آتا ہے کہ وہ ایک معینہ رقم ہوتی ہے جس میں نقصان کا احتمال نہیں۔ اگر بنکنگ سسٹم یہ ہو کہ اکاؤنٹ ہولڈر نفع اور نقصان میں برابر کے شریک ہوں اور نفع کی مقدار معین نہ ہو تو یہ اشتراک جائز ہے۔ حضرت مرزا صاحبؑ کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بنک کا سُود لے کر اپنی ذات پر خرچ نہ کرو بلکہ اسے تبلیغ و اشاعت اسلام یعنی جہاد فی سبیل اللہ پر خرچ کر دو۔ اس کا ذکر مولانا غلام حسن مرحوم کی تفسیر قرآن میں بھی موجود ہے کہ بنکوں کے سُود کو اسلام کی تبلیغ پر خرچ کر دو۔ مولانا محمد علی مرحومؒ نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا۔ احمدیوں ہی نے نہیں بلکہ غیر احمدی لوگوں نے بھی اس مؤقف سے استفادہ کیا ہے۔ اب زکوٰۃ کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے بھی ایسا ہی بیان جاری کیا ہے کہ سود حاصل ہو تو اس کو بطور صدقہ دے دیا جائے۔ مولانا محمد علی مرحوم نے تو یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ جو سود اپنی ذات کے لئے خرچ نہ کیا جائے وہ سُود ہے ہی نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا صاحبؒ اپنی حمائل بیان القرآن میں یوں رقمطراز ہیں:۔

”جو لوگ بنک میں روپیہ صرف حفاظت یا پس انداز کرنے کی خاطر رکھتے ہیں اُن کا معاملہ بھی عام صورت سے علیحدہ ہے۔ اگر ایسے لوگوں کی نیت یوں روپیہ رکھ کر اس سے سُود حاصل کرنا نہ ہو اور جو روپیہ بنک بموجب اپنے قواعد کے ایسی امانتوں پر دیں وہ لے کر کسی نیک کام پر صرف کر دیا جائے تو یہ رقم سُود کی تعریف میں نہیں آتی۔ کیونکہ نہ روپیہ رکھنے والے کی نیت اس سے سود حاصل کرنا تھا نہ ہی جو کچھ راس المال سے زائد ملتا ہے وہ اسے لیتا اور اپنے تصرف میں لاتا ہے تو یہ سُود نہیں۔۔۔ فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ سے یہ اجتہاد بھی کیا گیا ہے کہ سود کا روپیہ اشاعت اسلام پر لگایا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں کے مقابلہ پر خرچ ہوگا۔“

(صفحہ ۸۰ فٹ نوٹ ۱)

سُود تو دراصل رقم پر بڑھوتی کا نام ہے، اگر منافع اپنی ذات پر خرچ نہیں ہوتا بلکہ اشاعت اسلام پر خرچ ہوتا ہے۔ وہ تو اسلام کی حمایت اور اعانت میں خرچ ہوا۔ اور اگر صدقہ میں دے دیا گیا تو جو غرباء کو دیا گیا وہ سُود رہا ہی نہیں۔ بنکوں کے سود کے متعلق جو مؤقف و مسلک حضرت مرزا صاحبؑ نے اختیار کیا اور جس کو مولانا محمد علیؒ نے واضح کیا اس سے کسی احمدی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں رہ جاتی لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض احباب جماعت ابھی تک اس بات پر معترض ہیں کہ بنک کا سُود جہاد فی سبیل اللہ یا اشاعت اسلام کے لئے استعمال کرنا بھی ناجائز ہے۔ اور حضرت صاحب کے مؤقف کی اور تشریح کرتے ہیں یہ قابل افسوس امر ہے کہ جب دوسرے اصحاب اس مؤقف کو درست تسلیم کریں مگر خود اپنے لوگ ہی اس مؤقف سے انحراف کرنے لگ پڑیں۔

(اقتباسات)

فتویٰ درباب سُود بنک

از حضرت مسیح موعودؑ

فتاوی احمدیہ صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ قادیان

”حُرمت سود انسان کے بارہ میں ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کے دین میں دینے سے۔“

بنک کے سُود کے بارے میں فرمایا:۔

”ہمارا یہی مذہب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل میں ڈالا ہے کہ ایسا روپیہ اشاعت دین کے کام میں خرچ کیا جاوے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ سُود حرام ہے لیکن اپنے نفس کے واسطے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز جاتی ہے وہ حرام نہیں رہ سکتی کیونکہ حرمت اشیاء کی انسان کے لئے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے، پس سود اپنے نفس کے لئے۔ بیوی۔ بچوں۔ احباب۔ رشتہ داروں اور ہمسایوں کے لئے بالکل حرام ہے لیکن اگر یہ روپیہ خالصتہً اشاعت دین کے لئے خرچ کیا جائے تو حرج نہیں ہے۔“

”میں یہی فتوےٰ دیتا ہوں کہ ایسے سودوں کی رقمیں جو بنک سے ملتی ہیں یکشت اشاعت دین میں خرچ کرنی چاہئیں۔ میں نے جو فتوےٰ دیا ہے وہ عام نہیں ہے۔ ورنہ سود کا لینا دینا دونوں حرام ہیں۔۔۔۔ ایسا روپیہ اسلام کے کام میں لگنا حرام نہیں ہے۔ قرآن شریف کے مفہوم کے موافق جو حُرمت ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے اگر خرچ ہو تو حرام ہے۔ یہ بھی یاد رکھو جیسے سُود لینے لئے درست نہیں کسی اور کو دینا بھی درست نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ایسے مال کا دینا درست ہے اور اس کا یہی طریق ہے کہ وہ صرف اشاعت اسلام میں خرچ ہو۔۔۔۔

لیکن ایک بات جس پر خدا تعالیٰ نے ہمارے دل کو قائم کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ایّام اسلام کے واسطے بڑے مالی مشکلات کے ہیں۔ اس قدر اسلامی مصیبت کے وقت میں اگر اس قسم کا روپیہ اشاعت اسلام کے واسطے تالیف کتب میں صرف کیا جاوے تو یہ جائز ہے۔ سود کا روپیہ تصرف ذاتی کے واسطے ناجائز ہے۔ لیکن خدا کے واسطے کوئی شے حرام نہیں۔ خُدا کے کام میں جو مال خرچ کیا جائے وہ حرام نہیں۔۔۔۔ پس سود کا مال اگر تم ہم کوئی خدا کے لئے لگائیں تو پھر کیونکر گناہ ہو سکتا ہے۔ اس میں مخلوق کا حصہ نہیں۔ لیکن اعلائے کلمہ اسلام میں اور اسلام کی جان بچانے کے لئے اس کا خرچ کرنا ہم اطمینان اور ثلج قلب سے کہتے ہیں کہ یہ بھی فلا اثم علیہ میں داخل ہے۔ یہ ایک استثنا ہے۔ اشاعت اسلام کے واسطے ہزاروں حاجتیں ایسی پڑتی ہیں جن میں مال کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ اس ضعف اسلام کے زمانے میں جبکہ دین مالی امداد کا سخت محتاج ہے اسلام کی مدد ضرور کرنی چاہیئے۔۔۔۔ ایسے موقع پر سود کا روپیہ لگانا جائز ہے۔ کیونکہ ہر ایک مال خدا کا ہے۔ اور اس طرح پر وہ خدا کے ہاتھ میں جائے گا۔“

حضرت مولانا محمد علیؒ کا مؤقف

بیان القرآن میں بنک کے سُود پر نوٹ

---

(۱) بیان القرآن کا نوٹ ۳۵۱

”بنکوں کا سُود:۔ ایک سوال یہ ہے کہ بنکوں میں جو روپیہ حفاظت کے لئے رکھا جائے اور اس پر حسب قواعد بنک سود ملے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ربا میں یہ لازم بات ہے کہ روپیہ کسی کو قرض دیا گیا ہو جتنی ربائے جاہلیت کی صورتیں بیان کی گئی ہیں ان میں یہ ضروری ہے اور بنک میں ایک شخص روپیہ قرض نہیں دیتا بلکہ بطور امانت رکھتا ہے تو گو یہ صورت کسی قدر مختلف ہے مگر پھر بھی صورت ربا سے مشابہ ہے۔ اِس لئے محتاط طریق یہی ہے کہ وہ روپیہ سود کا مخالفین اسلام کے مقابل پر اشاعت اسلام یا جہاد میں خرچ کیا جائے اور اپنے مصرف میں نہ لایا جائے اور زمیندارہ بنکوں کی صورت بھی کسی قدر عام صورت ربا سے اختلاف رکھتی ہے۔ کیونکہ وہاں وہی لوگ قرض لے سکتے ہیں جو خود حصہ دار ہوں اور یوں ایک رنگ میں نفع و نقصان دونوں کے مالک ہو جاتے ہیں۔ مگر وہاں بھی احتیاط کا طریق یہی ہے۔ جو بنک کے سُود کے متعلق لکھا گیا۔

سُود کا روپیہ اشاعت اسلام پر خرچ کرنا

نوٹ ۳۵۶

یہاں سُود لینے کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنا قرار دیا ہے تو اس سے بطور

جلد: ۶۷ | یوم چہار شنبہ ۲۹ شوال ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۸۰ء | شمارہ ۳۷

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم

تمام قسم کی بھلائیاں قرآن حکیم میں ہیں

میں نے سنا ہے کہ بعض تم میں سے حدیث کو بکلی نہیں مانتے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی کرتے ہیں میں نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ایسا کرو۔ بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔

(۱) سب سے اوّل قرآن ہے جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے اور جس میں ان اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے جو یہود اور نصاریٰ میں تھے۔ اسی طرح قرآن میں منع کیا گیا ہے کہ بجز خدا کے تم کسی چیز کی عبادت نہ کرو۔ نہ انسان کی نہ حیوان کی نہ سورج کی، نہ چاند کی، اور نہ کسی اور ستارہ کی اور نہ اسباب کی اور نہ اپنے نفس کی۔ سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے، وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے اوپر بند کرتا ہے۔

حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ الخیر کلہ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے۔ اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی۔ اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے، یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔

قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے اگر صوری و معنوی اعراض نہ ہو۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم خود اس سے نہ بھاگو۔ بجز قرآن کس کتاب نے اپنی ابتدا میں اپنے پڑھنے والوں کو یہ دعا سکھائی اور یہ امید دی کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم یعنی ہمیں اپنی نعمتوں کی راہ دکھلا جو پہلوں کو دکھلائی گئی جو نبی اور رسول اور صدیق اور شہید اور صالح تھے۔ پس اپنی ہمتیں بلند کر لو اور قرآن کی دعوت کو رد مت کرو کہ وہ تمہیں نہ صرف وہ نعمتیں دینا چاہتا ہے جو پہلوں کو دی گئیں بلکہ خدا کا تمہاری نسبت ان سے زیادہ فیض رسانی کا ارادہ ہے۔ خدا نے ان کے روحانی جسمانی متاع و مال کا تمہیں وارث بنایا۔ مگر تمہارا وارث کوئی دوسرا نہ ہوگا جب تک کہ قیامت آ جاوے۔ خدا تمہیں نعمت وحی اور الہام اور مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ سے ہرگز محروم نہیں رکھے گا وہ تم پر سب نعمتیں پوری کرے گا جو پہلوں کو دی گئیں لیکن جو شخص گستاخی کی راہ سے خدا پر جھوٹ باندھے گا اور کہے گا کہ خدا کی وحی میرے پر نازل ہوئی حالانکہ نازل نہیں ہوئی اور یا کہے گا کہ مجھے شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ نصیب ہوا حالانکہ نہیں نصیب ہوا تو میں اس کے لئے خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ وہ ہلاک کیا جائے گا کیونکہ اس نے اپنے خالق پر جھوٹ باندھا اور [illegible] کیا۔

از: ابن فارسی

گنجینۂ علم و حکمت

گیسوئے اُردو کی شانہ گری میں اگرچہ بہت سے بزرگوں نے اپنے خونِ جگر سے صفحۂ قرطاس پر گُل بوٹے کھلائے ہیں اور ہماری نگاہ میں اُن کی بہت قدر و منزلت ہے مگر سلطان القلم حضرت مرزا صاحب نے اُردو ادب کے دامن کو جس طرح مالا مال کیا ہے اس کی مثال کم ہی ملے گی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ الفاظ کے تتبع اور ترتیب کے بیکھا پن میں مضمون کی بلندی کو خبط کر دیا جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی تحریرات جو لاہوت سے لے کر ناسوت کی وسعتوں تک پھیلی ہوئی ہیں کیا مجال جو کسی جگہ اشہب قلم نے لغزش کھائی ہو بلکہ ایسے مضامین جن پر پوری کتاب میں سیر حاصل بحث سے بھی انسان مطمئن نہیں ہوتا۔ آپ نے ایک فقرہ میں ذہن سے دقیق مضمون کو یوں ادا کیا ہے جیسے سمندر کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ یہ جواہر پارے الہیات، تکوین، معاد، ایمان، اعمال، تزکیہ نفس، اخلاق، تصوف، رُوح، نجات، بہشت و دوزخ غرض ایسے بے شمار موضوعات پر مشتمل ہیں کہ بسا اوقات زبان کی تنگ دامانی آڑے آتی ہے مگر حضرت مرزا صاحب نے ان علوم کو اردو زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت سے سمو کر ایک بیش بہا خدمت سرانجام دی ہے۔ زبان اُردو ہمیشہ اس بات پر نازاں و مفتخر رہے گی کہ اسے ایسا قلمکار ملا جس نے اسے ثریٰ سے اٹھا کر ثریا تک پہنچا دیا۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ وقتاً فوقتاً علم و حکمت کے یہ موتی احباب کی خدمت میں رُوحانی مائدہ کے طور پر پیش کرتے رہیں جس سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مرزا صاحب نے کس قدر بیش بہا علوم سے اُردو ادب کے دامن کو بھر دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

* مبارک وہ جو اپنی کمزوریوں کا اقرار کر کے خُدا سے رحم چاہتا ہے۔
* نہایت شوخ اور شریر اور بدبخت وہ شخص ہے جو اپنے اعمال کو اپنی طاقتوں کا ثمرہ سمجھ کر خدا سے انصاف چاہتا ہے۔
* خواب کا عالم موت کے عالم کی کیفیت سمجھنے کے لئے ایک آئینہ کے حکم میں ہے۔
* کوئی کیمیا ایسی نہیں جیسا کہ خُدا کی محبت۔
* توبہ اور مغفرت سے انکار کرنا در حقیقت انسانی ترقیات کے دروازے کو بند کرنا ہے۔
* انسان کی عملی حالت سے بڑھ کر کوئی امر اس کے خالص ایمان پر گواہ نہیں ہو سکتا۔
* عرش کوئی مخلوق چیز نہیں بلکہ محض وراء الورا مقام کا نام ہے جس سے مخلوق کو کوئی اشتراک نہیں۔
* باوجودیکہ ہزار ہا قرن اس دنیا پر گزر چکے ہیں پھر بھی انسان نے صرف اس قدر خُدا کی حکمتوں پر اطلاع پائی ہے جیسا کہ ایک عالمگیر بارش میں سے صرف اس قدر تری جو ایک بال کی نوک کو بمشکل تر کر سکے۔
* اپنی حکمت اور دانائی کا دم مارنا جھوٹی شیخی اور حماقت ہے۔
* انسانی عقل اور معرفت کا سرچشمہ دل ہے۔
* دنیا کو خدا نے شیش محل سے مثال دی ہے۔ جاہل انسان ان شیشوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور دانا اس پوشیدہ طاقت کے پرستار ہیں۔
* محبت نجات کی جڑ ہے اور یہی وہ بہشت ہے جس میں داخل ہونے کے بعد تمام کوفت اور تلخی اور رنج و عذاب دُور ہو جاتا ہے۔
* گناہ کی رغبت کا جذام نہایت خطرناک جذام ہے۔ اور یہ جذام کسی طرح دُور ہی نہیں ہو سکتا۔ جب تک خدا کی زندہ معرفت کی تجلیات اور اس کی ہیبت اور قدرت کے نشان بارش کی طرح وارد نہ ہوں۔
* انسان یقینی لذات کو ظنّی خیالات سے چھوڑ نہیں سکتا۔ ہاں ایک یقین دُوسرے یقینی امر سے دست بردار کرا سکتا ہے۔
* یقین ہی کے پاک چشمہ سے نیک اعمال نشوونما پاتے ہیں۔
* اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے زندہ نشانوں کی چُھری سے دہریت کے بھُوت کو ذبح کرتا ہے اور ناستک مت کی ہیکل کو توڑتا ہے۔
* حدیث النفس کا کلام آہستہ آہستہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک مخنث یا بیمار بولتا ہے مگر خُدا کا کلام پُر شوکت ہوتا ہے۔
* وہ تقوٰی و طہارت سے ایسے الگ ہیں جیسے اندھیری رات روشنی سے الگ ہوتی ہے۔
* انسانی نفس تزکیہ کے بعد ایک آئینہ کا حکم رکھتا ہے جس میں ربوبیت الٰہیہ کا چہرہ منعکس ہوتا ہے۔
* جس سے خدا زیادہ پیار کرتا ہے اور جس کو زیادہ اپنے جلال اور بزرگی سے حصّہ بخشتا ہے اسی سے یہ اندھی دنیا زیادہ دشمنی کرتی ہے۔
* اگر منافقانہ طور پر محبت ہو تو وہ محبت نہیں ہے بلکہ وہ ایک زہریلا تخم ہے جو بعد میں اپنا مہلک پھل دکھلائے گا۔
* بدزبانی اور صلحکاری دونوں ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔
* پاک زبان لوگ اپنی پاک کلام کی برکت سے انجام کار دلوں کو فتح کر لیتے ہیں۔
* صرف اپنے اعمال سے کوئی نجات نہیں پا سکتا۔ محض فضل سے نجات ملتی ہے۔
* انسان کو حقیقی طور پر اس وقت نجات یافتہ کہہ سکتے ہیں جب اس کے تمام نفسانی جذبات جل جائیں اور اس کی رضا خدا کی رضا ہو جائے۔
* کیا تم اپنے ایک بچے کو جس سے تم بہت ہی محبت رکھتے ہو دانستہ آگ میں ڈال سکتے ہو۔ پھر خدا جو سراسر محبت ہے ان لوگوں کو جو اس سے پیار کرتے ہیں اور ذرّہ ذرّہ ان کا اس کی محبت میں مستغرق ہے کیونکر آگ میں ڈالے گا۔
* گناہ سے بے خوف ہونے کی یہی وجہ ہے کہ غافل انسان کو نہ خدا پر یقینی ایمان ہے نہ اس کی سزا پر۔
* محبت اور ادب پیدا ہونے کے لئے معرفت ضروری ہے۔
* رُوح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں ہے۔
* رُوح ایک ایسا لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے۔
* مجرد اخلاق کا حاصل کرنا انسان کو روحانی زندگی نہیں بخشتا۔
* دنیا میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خلق میں فرق کر سکتے ہیں۔
* حقیقی خلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقعہ کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔
* حقیقی شجاعت کی جڑ صبر اور ثابت قدمی ہے۔
* انکار وجود باری صرف سفلی زندگی تک ہے ورنہ اصل فطرت میں اقرار بھرا ہوا ہے۔
* اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت انسان کی اس دنیوی زندگی میں یہ ہے کہ خُدا تعالےٰ کے ساتھ آرام پا جائے۔ اور تمام اطمینان اور سرور اور لذّت اس کی خدا میں ہی ہو جائے یہی وہ حالت ہے جس کو دوسرے لفظوں میں بہشتی زندگی کہا جاتا ہے۔
* انسان کو سچی طہارت اور پاکیزگی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک آسمانی مدد اس کے شامل حال نہ ہو۔
* (نفس مطمئنہ کی صُورت) میں سچائی کی فوج سب کی سب دل کے شہرستان میں آ جاتی ہے۔ اور فطرت کے تمام برجوں پر راست بازی کا قبضہ ہو جاتا ہے۔
* انسان باعتبار اپنے اندرونی قویٰ کے ایک جماعت اور امت ہے اور اس طرح پر تمام قویٰ کا خدا کا سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جس کو اسلام کہتے ہیں۔
* کامل استقامت سے مُراد ایک ایسی حالت صدق و وفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے یعنی ایسا پیوند ہو جس کو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے۔
* جو لوگ خدا کی مرضی چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار ہیں وہ ضرور ہلاک ہوں گے کیونکہ انہوں نے غیر کو خُدا پر مقدم کر رکھا ہے۔"

اللہ کی حاکمیت

(مدیر)

جب سے پاکستان قائم ہوا ہے ہم "اللہ کی حاکمیت" کے قیام کا مطالبہ سنتے چلے آرہے ہیں حضرت قائداعظمؒ نے بڑے واضح اور دلنشگاف الفاظ میں یہ کہہ دیا تھا کہ اس ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھیاکریسی (THEOCRACY) ہے اور ہم یہاں تھیاکریسی قائم نہیں ہونے دینگے آپ نے پاکستان میں قائم ہونے والے نظام حکومت اور تھیاکریسی کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فروری ۱۹۴۸ء میں اہل امریکہ کے نام اپنی نشری تقریر میں فرمایا تھا :

" پاکستان کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی" نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کو دے دی جاتی ہے۔ کہ وہ خدائی مشن کو پورا کریں۔

اس مطالبے نے زور پکڑنا شروع کیا کہ چونکہ پاکستان لا الٰہ الا اللّٰہ کا نعرہ لگا کر حاصل کیا گیا تھا اس لئے اس میں فوری طور پر اسلامی نظام کا نفاذ کر دیا جائے۔ اور اس ملک میں اس طرح اللہ کی حاکمیت مانی جائے۔ لیکن جب اسلامی نظام کی تعبیر کا سوال پیدا ہوا تو مختلف مکتبہ ہائے فکر کی طرف سے مختلف توضیحات سامنے آئیں۔

قائداعظمؒ ایک صاحب بصیرت سیاستدان تھے وہ اس خطرے کو بھانپ رہے تھے جو پاکستان کے استحکام کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اسی لئے آپ نے تھیاکریسی کی مخالفت کی اور فرمایا کہ اس ملک کا آئین اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار اور جمہوری انداز کا ہوگا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ پاکستان کے ہر شہری کو خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو برابر کے حقوق حاصل ہونگے۔ اور اس کے ساتھ اسلام کے عدل و انصاف کے بنیادی اصولوں کے مطابق سلوک ہوگا۔ قائداعظمؒ کی بے شمار تقریروں میں صاف الفاظ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مسلمانوں میں اسی تفرقہ و انتشار اور اسلام کی گوناگوں تعبیروں کی وجہ سے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ اس کی ایک دوسری اہم وجہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا ایک غلط تصور بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عوام پر اسلام صرف طاقت اور حکومت کے ذریعہ ہی مسلط کیا جا سکتا ہے۔ جس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام ایک ایسا نظام ہے جس میں محض جبر ہی جبر ہے۔ اور اس میں ایسے کوئی محاسن اور خوبیاں نہیں ہیں جو انسانوں کے دلوں میں گھر کر کے انہیں اس پر مجبور کر دیں کہ وہ از خود اس نظام کو قبول کرنے اور اپنے اوپر اسے مسلط کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔ یہی وہ جبر اور تشدد کا نظریہ ہے جس سے اسلام کی مخالف قوتوں کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا ہے کہ اسلام زور اور طاقت کے بل بوتے پر پھیلایا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے ساتھیوں نے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن لے کر اپنے مخالفوں سے کہا کہ یا قرآن کو مانو یا تلوار کے ذریعے اپنی گردنیں کٹوانے پر تیار ہو جاؤ۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اس نظریہ کی تائید کی نفی کرتی ہے۔ اور نہ ہی آپؐ کی بعثت کی غرض حکومت قائم کرنا تھی۔

قرآن کریم میں ہمیں دو ایسے واضح مقامات نظر آتے ہیں جن میں آپؐ کی بعثت کی غرض بیان کی گئی ہے۔ ایک تو حضرت ابراہیمؑ کی وہ دعا ہے جو تعمیر کعبہ کے وقت آپؑ نے فرمائی کہ :۔

"اے ہمارے رب ! اور ان میں انہی میں سے ایک رسول کھڑا کر جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے یقیناً تو غالب حکمت والا ہے۔"

(البقرہ ۔ ۱۲۹)

سورۃ الجمعہ میں بھی تھوڑے رد و بدل کے ساتھ بعینہٖ یہی الفاظ واقع ہوئے ہیں۔

" وہی ہے جس نے امیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے تھے "۔

یہاں الفاظ کی ترتیب میں رد و بدل ہے لیکن الفاظ وہی ہیں جو سورۃ البقرہ میں آئے ہیں۔ ان میں کہیں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ آپؐ کو لوگوں پر بزور شمشیر حکومت کرنے کیلئے مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر کفار مکہ تلوار اٹھانے میں پہل نہ کرتے تو ہمیں قرآن کریم میں اشارۃً بھی یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ آپ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار سے کام لے کر انہیں اسلام میں داخل کرتے اور بالآخر اکثریت اور قوت حاصل کرنے کے بعد وہاں ایک جابرانہ حکومت قائم کرتے اور قوانین کا نفاذ کرتے۔

مذہب کی تاریخ میں بھی ہمیں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو انبیاءؑ تشریف لائے انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی قوم پر حکومت قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ سلسلہ بنی اسرائیل میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے دو انعامات کا جو اس نے اس قوم پر کئے ذکر ملتا ہے۔ ایک نبوت اور دوسرا حکومت لیکن وہاں بھی نبیوں کی اکثریت ایسی ہے جو حکمران نہیں تھے۔ جن کے متبعین کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ اور بعض تو ایسے بھی ہیں جن کے اپنے گھر کے افراد بھی مخالف تھے۔

اگر دنیا میں "اللہ کی حاکمیت" کے قیام کا مقصد محض حکومت ہی قائم کرنا ہوتا تو سپین اور برصغیر ہند و پاک میں مسلمانوں کی آٹھ آٹھ سو سالہ حکومتوں کا یہ عبرتناک اور المناک انجام نہ ہوتا۔ آج بھی جہاں جہاں مسلمانوں کا وجود نظر آتا ہے وہ حکومتوں کی کوششوں کا مرہون منت نہیں بلکہ ان صلحاء۔ اولیاء اور مجددین کی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ جن کے پاس کوئی حکومت اور طاقت نہ تھی بلکہ وہ حکومت وقت کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے ہیں۔ صرف حکومت وقت کا غضب ان پر ٹوٹتا رہا بلکہ اپنی قوم کے ہاتھوں بھی جور و ستم کا شکار رہے۔

اپنے متعلق غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا لوگ۔ قرآن کریم کے ان الفاظ کے برخلاف کہ " اللہ تعالیٰ تمہیں اس وقت سے جانتا ہے جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے ہوتے ہو۔ اس لئے اپنے آپ کو پاک مت ٹھہراؤ وہ اسے خوب جانتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اپنے آپ کو پاک صاف، نیک اور متقی سمجھتے ہوئے قرآن کریم کی دو آیات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ان میں حکومت کا ذکر ہے۔ اور حکومت انہی کا حق ہے جو ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی فساد سے پاک صاف ہوں۔ ان میں سے پہلی الانبیاء کی آیت ۱۰۵ ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ :

" ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔"

اور زبور میں ہے " صادق زمین کے وارث ہونگے"

(زبور ۳۷ ۔ ۲۹)

اور دوسری النور کی آیت ۵۵ آیت استخلاف ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ :۔

" اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے اور وہ ان کے لئے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مضبوطی سے قائم کر دے گا اور وہ ان کے لئے ان کے خوف کے بعد بدل کر امن کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہیں۔

اس وراثت اور خلافت سے مراد اگر دنیوی

حکومت ہی مل جائے تو اس کی شرائط صداقت، راستبازی۔ ایمان۔ اچھے عمل، دین کا مضبوطی سے قیام۔ خوف کو امن میں بدلنا۔ اللہ کی عبادت شرک سے نفرت۔ اور اجتناب ہیں۔ اس معیار پر پرکھا جائے تو حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں باقی تمام شرائط موجود تھیں سوائے ایک کے کہ ان کے زمانے حکومت میں خوف امن میں نہ بدل سکا اور جب یہ نہ ہو سکا تو دین کا بھی مضبوطی سے قیام نہ ہو سکا۔ اس کے بعد تو آنے والے حکمران طبقہ کا ہمیں کردار ایسا نظر نہیں آتا جس پر انگلی نہ اٹھائی جا سکے۔ اس صورت میں تو آج تک تمام اسلامی حکومتیں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کو نہ تمکنت بخش سکی ہیں اور نہ اپنے اپنے ملک میں امن قائم کر سکی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ اسلام کا مقصد دنیا میں حکومت قائم کرنا تھا ہمارے لئے ناقابل فہم ہے۔ اور یہ اور بھی سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ دین کو تمکنت حکومت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

وراثت کے بارے میں یہ ذکر بھی بے جا نہ ہو گا کہ حضرت ذکریاؑ نے مایوسی کے عالم میں خدا سے یہ دعا کی کہ مجھے ایک وارث عطا کر جو میرا اور آل یعقوب کا ورثہ لے۔ اس ورثہ سے مراد اگر حکومت ہی ہوتی تو حضرت یحییٰؑ کو تو کوئی حکومت نہ ملی بلکہ اس وقت کے حکمران کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے۔ طالوت کے بادشاہ بنائے جانے کے اعتراض پر بنی اسرائیل کو ان کے نبی جواب دیتے ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے علم اور طاقت میں فضیلت بخشی ہے۔ یہ علم وہی علم تھا جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا بقیہ یا ترکہ تھا جس کا وارث طالوت ہوا۔ ظاہر ہے کہ نہ حضرت موسیٰؑ حکمران تھے اور نہ حضرت ہارونؑ۔ اس لئے ان کی وراثت سے مطلب دنیا کی حکومت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ علم اور کتاب ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اور جسے ہدایت اور نور کہا گیا ہے۔ اس کی تائید اور اعراف کی آیت ۱۶۹ سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں یہ ذکر ہے۔ کہ:۔

"پھر ان کے پیچھے وہ لوگ آئے جو کتاب کے وارث ہوئے۔ (ورثوا الکتب) لیکن وہ اس ادنیٰ زندگی کا سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو بخش دیا جائے گا۔۔۔۔۔ اور جو کچھ اس میں ہے اسے پڑھتے ہیں اور پچھلا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے۔ جو تقویٰ کرتے ہیں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے"۔ حکومت بھی اس ادنیٰ زندگی کا ہی سامان ہے۔ یہ کتاب کی اصلی تعلیم کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے پڑ گئے۔ اگر انبیاء کے بھیجنے کا مقصد دنیوی حکومت ہی قائم کرنا ہوتا تو بنی اسرائیل کی حکومت ہمیشہ کے لئے قائم رہتی لیکن ایسا نہ ہوا اور کتاب کی اصل تعلیم سے پھر جانے اور گناہوں میں ڈوب جانے کے باعث ان کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور آخر کار وہ قیصر و کسریٰ کی غلامی میں گرفتار ہو گئے ذلت و رسوائی ان کا نصیب بن گئی۔ آنے والے مسیح کے متعلق توریت میں ایک پیشگوئی ہے۔

"اے بنت صیون تو نہایت شادمان ہو۔ اے دختر یروشلم خوب للکار کیونکہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ صادق ہے اور نجات اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ حلیم ہے مگر گدھے پر بلکہ جوان گدھے پر سوار ہے اور میں افرائیم سے رتھ اور یروشلم سے گھوڑے کاٹ ڈالوں گا۔ اور جنگی کمان توڑ ڈالی جائے گی اور وہ قوموں کو صلح کا مژدہ دے گا اور اس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے انتہائے زمین تک ہو گی (ذکریاہ ۹: ۹، ۱۰)

یہودی اسی کے مطابق اس انتظار میں تھے کہ آنے والا مسیح انہیں ان کی کھوئی حکومت اور شان و شوکت واپس دلائے گا لیکن جب "فریسیوں نے اس سے پوچھا کہ خدا کی بادشاہی کب آئے گی؟ تو اس نے جواب میں ان سے کہا کہ خدا کی بادشاہی ظاہری طور پر نہ آئے گی اور لوگ یہ نہ کہیں گے کہ دیکھو یہاں ہے یا وہاں ہے کیونکہ دیکھو خدا کی بادشاہی تمہارے درمیان ہے"۔

(لوقا ۱۷ :)

"جب پیلاطوس نے اس سے پوچھا کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟ اس نے اس کے جواب میں کہا تو خود کہتا ہے"۔ (لوقا: ۲۳ : ۳)

یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کو کانٹوں کا تاج پہنا کر ان کا مذاق اڑایا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے" اور ایک نوشتہ بھی اس کے اوپر لگایا تھا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے"۔

اگر خدا کی حاکمیت اور بادشاہت کا مطلب ظاہری ہوتا تو حضرت مسیحؑ کا ایسا مذاق کیوں اڑایا جاتا اور ان کے ساتھ یہ تمسخر اور ٹھٹھا کیوں کیا جاتا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ "اللہ کی حاکمیت" کا مطلب ظاہری حکومت نہیں بلکہ یہ وہ انقلاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیم کے ذریعے دلوں میں پیدا کیا جاتا ہے۔ دل اللہ تعالیٰ کا عرش بن جاتا ہے۔ جہاں سے انسان کا سارا وجود اسی کی طاقت۔ قوت اور شوکت کے سامنے جھک جاتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو اپنے اوپر مسلط کر لیتا ہے۔ رکوع اور سجود اسے تسلیم کر لینے کا ایک ظاہری نشان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اسی لئے فرمایا تھا کہ "سنو جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سنو اور وہ دل ہے"۔

(بخاری ۴۰)

قرآن کریم میں بھی دل کے اندھے پن کا ذکر اسی لئے آیا ہے کہ وہ خدا کے نور سے خالی ہوتا ہے۔ اور دل میں فساد اور بگاڑ بھی اسی وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نور سے محروم ہو جائے۔ دل کا اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نور سے معمور ہونا ہی اس پر اس کی حاکمیت ہے۔ اور یہ حاکمیت اس وقت تک قائم نہیں ہوتی جب تک اس راز کے محرم انسانوں کی رہنمائی کرنے والے نہ ہوں۔ یہ رہنمائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تو انبیاء اور رسل کرتے رہے اور آپؐ کے بعد یہ فرض سلسلہ مجددین کے سپرد ہوا اور یہ دیکھ لیجئے اس وقت تک کوئی مجدد بھی ظاہری معنوں میں کسی حکومت کا حاکم نہیں بنا۔ ہاں اقلیم روحانیت کے وہ بلا شرکت غیرے حاکم رہے البتہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جنہیں پہلی صدی ہجری کا مجدد کہا جاتا ہے ایک نہایت ہی مختصر عرصہ کے لئے بنو امیہ میں سے خلیفہ بنے۔ لیکن آپ کی تمام تر توجہ لوگوں کی اخلاقی حالت سدھارنے کی طرف ہی مبذول رہی جس کے لئے انہوں نے اپنا نمونہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مسلط کرنے کے بعد پیش کیا۔

ظاہری حکومت بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فضل اور انعام ہے۔ جو اسی قوم کو ملتا ہے جو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی محکومیت اور فرمانبرداری میں آ جاتی ہے۔ اور اسے یہ انعام دینے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ:۔

"وہ لوگ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں سے حکم کریں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہی ہے"۔

یہاں "اگر" کے لفظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ان کو ظاہری اقتدار اور حکومت بھی ہے لیکن مل جائے تو اس ساری کی ساری قوم کا یہ فرض ہے کہ ایک طرف تو وہ نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم رکھیں گے اور دوسری طرف وہ اپنی اور دوسرے لوگوں کی جو ان کی حکومت میں بسنے والی ہوں معاشی اور معاشرتی حالت کو سدھارنے کی کوشش کریں گے۔ اگر وہ یہ شرط پوری نہیں کریں گے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیں گے تو پھر:۔

"اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہارے سوائے کسی اور قوم کو بدل کر لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔

دنیا کا جاہ و جلال شان و شوکت، اقتدار اور حکومت عارضی اور شرائط سے مشروط ہے لیکن دلوں پر قائم کی گئی اللہ کی حکومت دائمی ہے۔ اور اسی کا اجر بھی دائمی۔ "ورزق ربک خیر و ابقیٰ"، جو کوئی جلد ملنے والے نفع کی آرزو رکھتا ہے۔ ہم اسے اسی دنیا میں جو کچھ ہم چاہتے ہیں جس کے لئے ارادہ کریں جلد دے دیتے ہیں پھر ہم نے اس کے لئے دوزخ ٹھہرائی ہے وہ اس میں برے حال میں دھتکارا ہوا داخل ہو گا۔ اور جو آخرت کو چاہتا ہے اور اس کے لئے کوشش کرتا ہے۔ جو اس کی کوشش کا حق ہے اور وہ مومن ہے تو یہی ہیں جن کی کوشش کی قدر کی جاتی ہے"۔ ظاہر ہے آخرت

کے لئے کوشش کا حق وہی ادا کر سکتے ہیں جن کا دل نورِ ایمان سے روشن اور زندہ ہو۔ یہ زندگی دنیوی حکومت اور اقتدار سے حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے قوم کو زندہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ زندگی صرف صادقوں کی معیت سے ملتی ہے اور صادق وہ ہیں جن کا قدم آنحضرتؐ کے قدم پر ہو اور وہ آپکی تعلیم سے سرمو سرتابی اور انحراف نہ کریں۔ آنحضرتؐ نے تلوار اور جبر و تشدد کے ذریعے لوگوں کے جسموں پر نہیں اسوۂ حسنہ کے ذریعہ انکے دلوں پر حکومت کی اسلئے آپکے سچے اور کامل متبعین کو بھی لوگوں کے دلوں پر حکومت کی تمنا ہوتی ہے ان کے جسموں پر نہیں۔ دل میں جب انقلاب پیدا ہو تو جسم میں بھی انقلاب پیدا ہوتا ہے ۔

جناب فخر الدین احمد صاحب راولپنڈی

کہ وہ جہاں کوئی دعویٰ کرتا ہے۔ وہاں اس کی دلیل بھی دیتا ہے۔ اب اس دعویٰ کی دلیل پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم۔ آنحضرتؐ کے اصحاب، آئمہ دین اور مجددین کرام ہیں جو اپنے اپنے زمانے میں قرآن کی تعلیم دیتے رہے اور قرآن پاک کے حقائق و معارف بیان کرتے رہے۔ اس زمرہ میں وہ مفسرین داخل نہیں جنہوں نے اس پاک کتاب کے معانی بیان کرنے میں اسرائیلی اور یونانی قصے کہانیوں سے مدد لی ہے۔ اور زیب داستاں کیلئے ان داستانوں کو تفسیر میں شامل کر دیا ہے۔ اس زمرے میں وہی مامور ربانی آتے ہیں جن پر خدا نے یہ حقائق و معارف کھولے ہیں۔ اسی زمرے کا ایک فرد چودھویں صدی کے سر پر آنے والا مجدد اعظم مرزا غلام احمد قادیانی ہے جس نے قرآن کریم کی شان میں نغمہ سرائی کی۔ جو اس امت مرحوم میں شاذ کا حکم رکھتی ہے۔ یہ ایک مستقل مضمون ہے اس وقت صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ اس ثناخوانِ قرآن نے اسلام کی ترقی کے لئے ملتِ اسلامیہ کو کیا سبق دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ فلاح اور ترقی کے راستے قرآن کریم نے متعین کر دیئے ہیں۔ ان پر اور صرف ان پر چل کر ہی ہم کامیاب ہو سکتے ہیں اور اسلام کا کیا اور میری کسی کیا . . . . میرا خدا میرے ساتھ ہے اور اگر میں خدا کی طرف سے آیا نہ ہوتا تو میری یہ مخالفت بھی ہرگز نہ ہوتی (تقریر ۲۶ دسمبر ۱۹۰۰ء)

براہین احمدیہ حصہ پنجم میں مجدد دورانِ مسیح زماں فرماتے ہیں ۔

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
آج میں دیتا ہوں گر کوئی ملے امیدوار

ایک فاں ہے جو نشانِ رب پاک ہے
بعد اس کے ظنِّ غالب کی ہے کرنے اختیار

چودھویں صدی ہجری میں ایک آواز تو اس مامورِ ربانی کی تھی جو برصغیر میں گونجی ۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلائے
یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

مصطفےٰؐ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت

آواز کو سنیئے :-

"عام طور پر مسلمانوں نے محسوس کر لیا ہے کہ وہ کمزور ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ آئے دن جلسے اور مجلسیں ہوتی رہتی ہیں اور نت نئی انجمنیں بنتی جاتی ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کی حمایت اور امداد کے لئے کام کرتی ہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ان مجلسوں میں قوم قوم کو پکارا ہے۔ قومی ترقی قومی ترقی کے گیت گاتے ہیں لیکن کوئی مجھ کو یہ بتائے کہ کیا پہلے زمانہ میں جب قوم بنی تھی وہ یورپ کے اتباع سے بنی تھی؟ کیا مغربی قوموں کے نقش قدم پر چل کر انہوں نے ساری ترقیاں کی تھیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ہاں اسی طرح ترقی کی تھی تو بیشک گناہ ہوگا۔ اگر ہم اہل یورپ کے نقش قدم پر نہ چلیں۔ لیکن اگر ثابت نہ ہوا اور ہرگز ثابت نہ ہوگا تو پھر کس قدر ظلم ہے کہ اسلام کے اصولوں کو چھوڑ کر قرآن کو چھوڑ کر جس نے ایک وحشی دنیا کو انسان اور انسان سے باخدا انسان بنایا ایک دنیا پرست قوم کی پیروی کی جائے۔ جو لوگ اسلام کی بہتری اور زندگی مغربی کہتے تھے۔ جب تک اسلام اس حالت میں کہ رہا وہ زمانہ اقبال اور عروج کا رہا اس میں سِر یہ تھا

ع خدا داری چہ غم داری

مسلمانوں کی فتوحات اور کامیابیوں کی کلید بھی ایمان تھا۔ صلاح الدین کے مقابلہ پر کس قدر ہجوم ہوا تھا لیکن آخر اس پر کوئی قابو نہ پا سکا۔ اس کی نیت اسلام کی خدمت تھی غرض ایک مدت تک ایسا ہی رہا جب بادشاہوں نے فسق و فجور اختیار کیا پھر اللہ تعالےٰ کا غضب ٹوٹ پڑا اور رفتہ رفتہ ایسا زوال آیا جس کو اب تم دیکھ رہے ہو۔ اب اس مرض کی جو تشخیص کی جاتی ہے۔ ہم اس کے مخالف ہیں۔ ہمارے نزدیک اس تشخیص پر جو علاج کیا جائے گا وہ زیادہ خطرناک اور مضر ثابت ہوگا۔ جب تک مسلمانوں کا رجوع قرآن شریف کی طرف نہ ہوگا۔ ان میں وہ ایمان پیدا نہ ہوگا۔ یہ تندرست نہ ہو سکیں گے۔ عزت و عروج اسی راہ سے آئے گا جس راہ سے پہلے آیا۔

از رہ دیں پروری آمد عروج اندر نخست
باز چوں آید بپا ید از ہمیں رہ بالیقین

(باقی صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

دِل کی جنّت

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۵ ستمبر ۱۹۸۰ء بمقام جامع مسجد، دارالسلام، لاہور

الذین ینفقون فی السّرّآء والضّرّآء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ط واللہ یحب المحسنین ۝ والذین اذا فعلوا فاحشۃً او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم قف ومن یغفر الذنوب الا اللہ قف ولم یصرّوا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون ۝

ترجمہ :- جو لوگ آسودگی اور تنگی میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور سخت غصّے کو دبا لینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور وہ جو جب وہ کوئی برا کام کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کیلئے (اللہ کی) پناہ مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں سے پناہ دے سکتا ہے؟ اور وہ جو کر بیٹھے اس پر اصرار نہیں کرتے درانحالیکہ وہ جانتے ہوں۔ (آل عمران ۳ - آیات ۱۳۳ و ۱۳۴)

پچھلے خطبہ میں اس سے قبل کی آیت پر روشنی ڈالتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دوڑو چند باتوں کی طرف۔ انسان دوڑتا تب ہے کہ یا تو سخت خطرہ ہو جس سے وہ بھاگے یا پناہ چاہے۔ اور یا جس کی طرف دوڑتا ہے وہ بہت دلکش اور ضروری چیز ہو۔ یا پھر وقت کم اور کام کرنے کو بہت ہو۔ تو تینوں باتوں کا ایک ہی آیت میں جواب دینا قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے :

(۱) فرمایا کہ اور خطرات تو کبھی کبھار پیدا ہوتے ہیں مگر دو خطرات انسان کے پیچھے ہر وقت لگے ہوئے ہیں ایک تو شیطان اور دوسرا نفس امّارہ جو انسان کو ہر قدم پر ہلاک کرنے کو لگے ہوئے ہیں۔ ان سے پناہ صرف تمہارے رب کی مغفرت کے سایہ میں ہے جس کی طرف دوڑ کر آؤ۔

(۲) پھر جو چیز دوڑ کر لینے والی ہے وہ جنت ہے جس کا اصل مظہر تو مرنے کے بعد سات آسمانوں میں ہوگا۔ جن میں انسان نے ترقی کرنا ہے مگر اس دنیا میں بھی وہ جنّت تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ پیدا کر دے گا بشرطیکہ تم متقی ہو۔ دل کی جنّت اصل جنّت ہے کہ وہ مل جائے تو ظاہر میں باغ اور نہریں نہ بھی ہوں تو انسان سکھ اور امن میں ہوتا ہے اسی باطن کی جنّت نے انسان کے ساتھ اگلی دنیا میں جانا ہے جہاں وہ دل کے اندر اور انسان کے باہر باغات اور نہروں اور دیگر سامانِ سکھ و آرام کی شکل میں ہوگی۔

(۳) گناہوں سے نجات اور دل کی جنّت حاصل کرنا بہت وقت اور مجاہدہ چاہتا ہے مگر تمہارے پاس وقت اب کتنا باقی ہے؟ اس لئے ان چیزوں کی طرف جلدی آؤ۔

دِل کی جنّت

وقلنا یاٰدم اسکن انت وزوجک الجنّۃ "اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بیوی جنّت میں رہو۔" حضرت آدمؑ کے واقعہ میں تمام نسلِ آدم کے واقعات مضمر ہیں۔ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے جس کو شاید آپ پہلے بھی سن چکے ہوں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو معصومیّت کی حالت میں پیدا کیا ہے۔ جس میں دل کی جنّت ہے۔ وہ کھوئی کس طرح جاتی ہے؟ شیطان کے ورغلانے میں آجانے سے۔ وہ دوبارہ پائی کس طرح جا سکتی ہے؟ جس طرح آدم اور حوّا کو وحی الٰہی نے آن کر بچایا اسی طرح ہمارے لئے قرآن میں نجات ہے جیسا کہ وہیں فرمایا فامّا یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (البقرۃ ۲ - ۳۸) "پھر اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی سو نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" خوف یا ڈر کسی ناخوشگوار بات سے پہلے ہوتا ہے غم یا حزن اس بات کے ہو جانے پر ہوتا ہے فرمایا کہ ہم تمہیں دل کی وہ جنّت بخشیں گے کہ دنیا کے کوئی خوف یا ڈر نہیں ڈرا سکیں گے اور نہ دنیا کے غم و حزن تم کو غمگین کر سکیں گے مومن دنیا کے تمام خطرات اور غموں میں سے اسی دل کی جنّت میں رہتا گزر جاتا ہے

تسبحن اللہ و بحمدہٖ سبحن اللہ العظیم۔

دولت سے دِل کا سُکھ

دنیا صبح سے لے کر شام تک بلکہ راتوں کو بھی دولت کمانے میں لگی ہوئی ہے۔ اس دولت کی کشش اور طلب کے نتیجہ میں ہوس، طمع، لالچ، حرص کی آگیں انسان کے دل کے اندر بھڑک اٹھتی ہیں۔ ھل من مزید کا نقشہ اسی دنیا میں ہر انسان کے دل پر وارد نظر آتا ہے اس کا علاج اور مذاہب نے تو یہ بتایا کہ دولت مت کماؤ۔ دنیا کو چھوڑ کر راہب یا نن یا سادھو یا بھکشو بن جاؤ۔ اس میں نسلِ انسانی پر جمود بلکہ شادی بیاہ نہ کرنے سے موت آجانا یقینی ہے۔ اسلام واحد مذہب ہے جس نے دولت کمانا جائز رکھا۔ مگر ان آگوں کا کیا علاج بتایا جن کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے؟ میں نے جو آیات آج پڑھی ہیں ان میں متقی انسان اور اس کے دل کی جنت کا پہلا نسخہ تو یہ بتایا کہ متقی انسان خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے خواہ وہ حالت آسودگی میں ہو خواہ حالت تنگی میں۔ حضرت امیر مرحوم نے لکھا ہے کہ ان دو کے درمیان کی جتنی حالتیں ہیں وہ بھی ان دو میں آگئیں جیسے کہ ہم کہیں کہ صبح سے کر شام تک کوئی بات کرو تو اس میں تمام اوقات آگئے آسودگی میں لیجئے دولت کی فراوانی میں کیا انسان کا دل کھل جاتا ہے؟ ہونا تو ایسا ہی چاہئے تھا مگر اس کے برعکس اتنی ہوس، حرص، طمع اور ھل من مزید کی آگوں میں دل اور بند ہو جاتا ہے۔ بنئے یا یہودی کو دیکھ لیجئے اس سے بڑھ کر کنجوس مکھی چوس کوئی نہیں ہوتا یہی حال ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کا ہو جاتا ہے۔

اُدھر جو تنگی میں ہو وہ اتنا ہی عذر پیش کرتا ہے اپنے دل کے تنگ ہو جانے کا۔ امیر کے پاس بھی عذر ہوتا ہے۔ غریب کے پاس بھی۔ دل دونوں کے دولت کی محبت کی آگ پر بند ہو کر رہ جاتے ہیں۔

فرمایا اس کا علاج یہ ہے کہ آسودگی ہو یا تنگی خدا نے جن باتوں پر خرچ کرنے کو قرآن میں فرمایا ہے جن میں غرباء اور مساکین کے علاوہ مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرنا افضل ترین ہے۔ ان کاموں پر جتنا اپنے دل کو کھولو گے اتنا ہی تمہارا دل جنت کو پالے گا۔ کر کے دیکھ لیجئے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے فی الفور دل میں سکھ پیدا ہوتا ہے۔ اپنے نفس پر یا بیوی بچوں پر صرف خرچ کرنے سے جو حیوانی جذبات سے ہوتا ہے۔ اور حیوانی سطح ہے وہ بات ہرگز پیدا نہیں ہوتی۔ اپنے باطنی حیوان پر چھری پھیر کر دوسروں پر اور دینی کاموں پر خرچ کر کے ہی انسان

لئے اس کی پناہ مانگتے ہیں اور کون ہے جو گناہوں سے پناہ دے سکتا ہے سوائے اللہ کے؟ اور جو کر بیٹھے اس پر اصرار نہیں کرتے درانحالیکہ وہ جانتے ہوں۔" اس آیت میں جن باتوں کا ذکر فرمایا ہے وہ ایک خطبہ بنفسہٖ بن جائیں مگر مختصراً یہ فرمایا ہے کہ:۔

(۱) اگر انسان کوئی فاحشہ یعنے ایسی بات کرے جو دوسروں کو بُری لگے بالفاظ دیگر بُرا عمل کرے، یا دوسروں کو بُری نہ لگے تو بھی انکی اپنی جانوں پر ظلم ہو (جیسے کہ مثلاً گندے خیالات ہوتے ہیں جو اکثر دلوں میں اُٹھتے رہتے ہیں جو کہ قابل مواخذہ ہیں جیساکہ فرمایا

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ تو تقوٰی یہ ہے کہ انسان کو فوراً اللہ یاد آجائے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے دل کے بھیدوں کو جانتا ہے۔

(۲) اور انسان اپنے گناہوں سے اللہ کی پناہ مانگے یہ دو رنگ میں پناہ ہے۔ اوّل تو اس گناہ کے بُرے نتائج سے یا سزا سے۔ دوسرے اس گناہ کے دوبارہ ارتکاب سے کیونکہ ایک دفعہ کوئی گناہ کر بیٹھنا اس گناہ کے دوبارہ ہو جانے کے لئے انسان کی فطرت میں کمزوری پیدا کردیتا ہے۔ مثلاً انسان ایک دفعہ رشوت لے تو دوبارہ رشوت لینا آسان ہوجاتا ہے۔

(۳) اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں سے پناہ دے سکتا ہے۔ یہ ایک زبردست باطنی راز ہے جو یہاں بیان فرمایا ہے۔ جس نے گناہ کیا اس کے دل میں ایک سیاہ دھبہ پڑ گیا۔ کوئی انسان خود یا کوئی دوسرا اس سیاہ دھبہ کو دھو نہیں سکتا۔ اس گناہ سے جو انسانی روح میں گندگی آئی اسے سوائے اللہ کے کون دھو سکتا ہے؟ جو انسان کے نفس میں وہ گناہ دوبارہ کرنے کی کمزوری پیدا ہوئی اُسے اللہ کے سوا کون دور کرسکتا ہے؟ انسان خود اور دوسرے سب اس معاملہ میں بے لبس ہیں۔

(۴) پھر یہ ضروری ہے کہ نہ گناہ جان بوجھ کر دوبارہ نہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں گناہ پہ گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر سمجھتے ہیں کہ توبہ استغفار یا لمبے سجدے انہیں معاف کراتے چلے جائیں گے۔ اگر آپ کا کوئی مجرم ایسا کرے تو آپ اسکی توبہ کبھی قبول کرینگے۔ اصل توبہ یہ ہے کہ انسان اس گناہ سے لوٹ جائے اور پھر کبھی اُسے نہ کرے۔ ورنہ توبہ ایک مذاق بن جاتی ہے جو بجائے مغفرت کے ناراضگی کو لانیوالی چیز بن جاتی ہے الغرض گناہ سے (خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی) اجتناب اور اللہ تعالےٰ سے تعلق یہی وہ اہم بات ہے جس سے انسان کے دل کی جنت قائم رہ سکتی ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور آپکو ان باتوں پر عمل کرنیکی توفیق عنایت فرمائے آمین

حضرت مولانا محمد علیؒ نمبر

مضمون نگار احباب کی خدمت میں التماس

پیغام صُلح

کا حضرت مولانا محمد علیؒ نمبر حسب معمول وسط اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہو رہا ہے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے صاحب قلم احباب سے التماس ہے کہ عصر حاضر کے اس عظیم خادم اسلام اور احمدیت کے اس فرزند جلیل کی خدمت میں اس کی شان کے شایان نذرانہ عقیدت پیش کرنے میں ہماری مدد فرمائیں۔ جس نے مشرق و مغرب کو نور اسلام کی شعاعوں سے منور کیا۔ براہِ کرم اپنے مضامین اکتوبر سے قبل ایڈیٹر پیغام صُلح کے نام بھیج کر مشکور فرمادیں۔

ـــــ ادارہ ـــــ

مولانا مرتضیٰ خان حسنؒ

صَلّی اللہ علیہ وسلّم

محمدؐ است چراغ و امامِ ہر دو جہاں
محمدؐ است فروزندۂ زمین و زماں
خدا نگویمش از ترسِ حق مگر بخدا
خدا نما ست وجودش برائے عالمیاں
(مجدد زماں)

رحمتِ یزداں ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم
فخرِ رسل سرتاجِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم

مجد و شرف میں اُنکا ثانی کوئی نہیں ہے کوئی نہ ہوگا
ارفع و اعلیٰ، افضل و اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم

ساقیٔ کوثر شافعِ محشر خلق ہوا جنکے لئے عالم
نازاں اُن پر دودۂ آدم صلی اللہ علیہ وسلّم

پوری ہوگئی حق کی حجت، ہوگئی اُن پر ختم نبوت
ہیں وہی خاتم اور وہی خاتم صلی اللہ علیہ وسلّم

موسیٰ عمراںؑ عیسیٰؑ مریمؑ مقتدیوں میں اُنکے شامل
ان کی امامت سب پہ مُسلّم صلی اللہ علیہ وسلّم

عرشِ بریں ہے فرشِ زمیں تک جلوہ انوار ہیں اُن کے
خیرہ ہے جن سے دیدۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم

انکی شریعت شرعِ مبیں ہے کامل ان کا دینِ متیں ہے
سب پہ فائق سب پہ مقدّم صلی اللہ علیہ وسلّم

ذاتِ مقدّس کانِ ورفعت منبعِ احساں آیۂ رحمت
صلّے اللہ علیہ وسلّم۔ صلّے اللہ علیہ وسلّم

پیغام صلح لاہور
مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۰ء

محترم ڈاکٹر اللہ بخش

نسل انسانی کی نجات مادی تسخیر و ایجادات کی بجائے ایمانی و اخلاقی نظریہ حیات تسلیم کرنے میں ہے

ایمان اور عقل کی حدود

وما کنا لنھتدی لولا ان ھدنا اللہ —— (الاعراف ۴۳) "اگر خدا ہمیں ہدایت نہ دے تو ہم کیوں کر ہدایت پا سکتے ہیں۔"

ع

کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

(مجدد صد چہاردہم)

"میں تو اس بچّہ کی مانند ہوں جو سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا ہو اور کبھی کسی خوبصورت کنکر کو پا کر خوش ہو جاتا ہو حالانکہ علم کا سارا سمندر اس کے سامنے تحقیق طلب پڑا ہو۔" —— (نیوٹن) ——

اس زمانہ میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا انسان اپنی ترقی یافتہ عقل کے ذریعہ فلاح اور ہدایت نہیں پا سکتا؟ کہا یہ جاتا ہے کہ جب انسان نے اپنی عقل و علم سے تسخیر کائنات کے میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ہیں تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ مقاصد حیات کو دریافت کرنے اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو نبھا کر فلاح یعنی ترقی و خوشحالی کو حاصل کرنے کے وہ قابل نہیں ہو سکتا؟ دراصل اپنی ہستی اور حیثیت اور اپنے علم و عقل پر بے جا ناز اور فخر ہی ہے جس نے موجودہ دور میں انسان کو خدا کا منکر اور اپنے اعمال کے نتائج سے بے خبر بنا دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں مادی تحقیقات اور تسخیر کائنات میں انسان نے لاجواب اور بے مثل ترقی حاصل کی ہے جس کے باعث اس کے دل میں یہ [illegible] گھر کر گیا ہے کہ اسے اپنی عقل و علم اور مادی ماحول کے ماسوا اور کسی شے کی ضرورت نہیں نہ خدا پر ایمان لانا ضروری ہے نہ الہام الٰہی کو ماننے کی حاجت ہے۔ اور نہ ہی اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ ہواؤں اور خلاؤں کو مسخر کر کے اگر ایک طرف وہ چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ کون [illegible]

اہم و قابل غور امر یہ ہے کہ ان تسخیر شدہ طاقتوں اور مقبوضہ قوتوں کو انسان کس استعمال میں لانے کا خواہاں ہے؟ آخر اس بات کی کیا وجہ ہے کہ جوں جوں علم و سائنس ترقی پذیر ہو رہے ہیں، ایجادات اور آسائش کے سامانوں میں فراوانی اور بھرمار ہوتی جا رہی ہے توں توں انفرادی اطمینان قلب اور اجتماعی امن و عافیت کی فضا عنقا ہوتی چلی جا رہی ہے؟ خود مادی ترقی اور خوشحالی کا انحصار بھی اسی امر پر ہے کہ ماحول میں امن و امان ہو اور دلوں میں تسلی و محفوظیت اور اطمینان ہو مگر ان کی بجائے بدامنی، بے اطمینانی، خوف اور گھبراہٹ، انفرادی اور قومی طور پر بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ آخر سائنسی ترقی، علمی ارتقاء مادی تسخیر کے یہ نتائج کیوں؟ یہ امر تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ نہ تو موجودہ تہذیب معراج کمال ہے اور نہ ہی مادی تسخیر انسان کو فلاح و ہدایت نصیب کر سکے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ایٹم بم کے خطرہ سے بے امنی اور اس کے استعمال سے انسانی بربادی و تباہی کی راہیں نہ کھلی ہوتیں۔

ایٹم بم کی ایجاد نے اگر ایک طرف انسان کی علمی تحقیق اور مادی تسخیر میں کمال کو ثابت کر دیا ہے تو دوسری طرف اس کے دوش بدوش اس امر میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں رہنے دیا کہ انسان کی عقل ناتواں اور اس کا علم نادان ہیں۔ جو مخلوق اپنی ہی ایجاد کو اپنی نسل کی خودکشی کے لئے استعمال کرتی ہو، کیا اسے ذی عقل اور ذی شعور ہستی کہا جا سکتا ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور بے وقوفی و جہالت اور وحشت و بربریت ہو سکتی ہے کہ ایٹم بم کی تخلیق کے باعث [illegible]

باعث افراد و اقوام تباہ و برباد ہو جاتی ہیں لیکن اس سائنس و علم کے "ترقی یافتہ و مہذب" دور نے تو اس مقولہ کو لفظی طور پر بھی سچا ثابت کر دکھلایا ہے۔ انسان ایٹم بم بناتا ہے تاکہ ایک تو اس کے مصارف سے اپنی قوم مفلسی و بیماری کا شکار بنے اور جب باہمی دونوں طرف سے اس ہتھیار کا استعمال ہو تو نسل انسانی کی عام تباہی ہو جائے۔ کسی قوم کا یہ ہتھیار تیار کرنا اپنی ہمسایہ اقوام کے لئے کھلا چیلنج ہے کہ وہ بھی یہی راہ اختیار کریں اور پھر اس ایٹمی طاقت میں ایک دوسرے سے مسابقت کی راہیں اختیار کریں۔

انسانی فکر و تحقیق کے لئے تدبر کا مقام ہے کہ جس تہذیب نے عالمگیر خودکشی کے طریق بتلائے ہوں وہ کہاں تک انسانی فلاح و بہبود کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہے؟ کیا ترقی و خوشحالی کا خلاصہ یہی نکلا کہ چشم زدن میں عالم انسانیت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے؟ اور جب تک یہ مرحلہ نہیں آتا تب تک تمام مادی ذرائع کو ایٹمی مسابقت میں صرف کر کے اپنے ہی عوام کو بھوک و ننگ کا شکار بنایا جائے؟ پھر ان ہتھیاروں کی موجودگی سے دنیا کے امن و امان کو ہر وقت خطرہ و خوف میں مبتلا کیا جائے؟ خدا ایسی ترقی یافتہ تہذیب اور مادی تسخیر سے بچائے۔ آمین

ایٹم بم کی ایجاد نے جہاں اس مادی تہذیب کے بلند بانگ دعاوی کا سارا بھرم کھول دیا ہے وہاں اس کی ایجاد نے انیسویں صدی کی سائنس کا بھرم بھی طشت از بام کر دیا ہے گزشتہ صدی میں مادہ کو ازلی ابدی اور دائمی و ابدی حیثیت دے رکھی تھی۔ لیکن ایٹم کی ایجاد سے [illegible] کہ مادہ یا ایٹم فنا پذیر ہے [illegible]

کے فنا کرنے یا پھاڑنے سے لاانتہا طاقت حاصل کی جا سکتی ہے۔ مذہب نے تو ابتداء سے ہی اس اصل کی تعلیم دی تھی کہ مادہ فانی و حادث ہے۔ ازلی ابدی نہیں۔ مگر انیسویں صدی سائنس نے اس دینی صداقت تخلیق کائنات کو باطل قرار دیا لیکن بیسویں صدی کی تحقیق نے آخر دینی نظریہ تخلیق کائنات پر مہر صداقت ثبت کر دی۔

انسان کا اپنی تباہی کی خاطر عالمگیر مہلک ہتھیاروں کو ایجاد کر کے اس طاقت میں مسابقت اختیار کرنا بھی وہ باطل اصول ہے جو دینی صداقتوں کے بالکل برخلاف و متضاد پڑا ہے دینی نظریہ حیات کے مطابق ایمانی اور اخلاقی میدانوں میں مسابقت اختیار کرنا ہی انسانی فلاح و بہبود کی سچی راہ ہے لیکن مادی نظریۂ حیات اس کے برعکس ان اقدار عالیہ کی نفی اور عملی زندگی میں ان کے ترک کر دینے کا نام ہے انیسویں صدی سائنسی نظریہ تخلیق کی فاش غلطی جہاں بیسویں صدی سائنس نے ثابت کر دی ہے اس صدی کے عالمی مہلک ہتھیاروں نے مقدم الذکر صدی کے مادی نظریہ حیات کے بطلان کو بھی الم نشرح کر دیا ہے اب یہ حقیقت انسان کے سامنے کھل کر آ گئی ہے کہ مادی میدان میں محض علمی و سائنسی ترقی نہ صرف انسانی فلاح و بہبود کی منزل تک نہیں پہنچا سکتی بلکہ یہ تباہی و بربادی کی طرف لے جانے کا یقینی ذریعہ ہے اور اگر نسل انسانی نے اس کرۂ ارض پر محفوظیت و سکھ کا سانس لینا ہے تو وہ ایمانی و اخلاقی اقدار کی برتری و برقراری سے ہی ممکن ہے، جو فلسفۂ حیات انسان کو تباہی و بربادی کی دہلیز پر لا کھڑا کر چکا ہو کیا اسے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں؟

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب انسان اپنے علم و عقل سے تسخیر کائنات کے ایسے حیرت انگیز

دل کا وہ سکھ پا سکتا ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

غصّہ و غضب

لیکن کبھی آپ نے سوچا ہے کہ انسانی زندگی غیظ و غضب سے کس قدر دکھی رہتی ہے؟ دنیا میں سب سے پہلا اور سب سے نزدیکی رشتہ ماں باپ اور اولاد کا ہے۔ آج کل دیکھ لیجئے کہ سارے نوجوان لڑکے لڑکیاں ماں باپ سے ناراض اور نالاں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ "جنریشن گیپ" ہے۔ گویا کہ عمروں میں فرق آج پہلی دفعہ پیدا ہوا ہے! ہمیشہ سے تھا، اور یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے اولاد ماں باپ کی کوئی بات بُری لگے تو غصہ کو پی جاتی تھی۔ اب مغرب کی دنیاوی تہذیب نے نئی نسل کو مادر پدر آزاد کر دیا ہے اور وہ ماں باپ سے "ڈم" بری کرتے ہیں اور انہیں اتنا دکھی کرتے ہیں کہ دونوں کے دلوں میں رنج و غم کی آگ بھڑکی ہے۔

دوسرا نزدیکی ترین اور ساری عمر کا رشتہ میاں بیوی کا ہے۔ ان کے مزاجوں میں فرق ہمیشہ سے تھا۔ پہلے سہہ لیتے تھے۔ اب مغربی تہذیب نے انسان کے باطنی حیوان کو ایسا بے لگام کیا ہے کہ دن رات کے جھگڑے اور جو تم پیزار اور طلاق طلاق عام ہو گئے ہیں۔ لازمی بات ہے کہ دن رات کے اس ساتھ میں ایک دوسرے کی باتیں بُری لگیں اور غصہ آئے۔ حیوان غصہ آئے تو اسے پینا نہیں جانتا۔ جو آیات میں نے آج پڑھی ہیں اس میں قرآن ہمیں غیظ و غضب کو دبانے، معاف کرنے اور احسان کرنے کو کہتا ہے۔ مغرب کی تہذیب اور علم النفس کی تعلیم ہے کہ غصہ آئے تو اسے مت دباؤ بلکہ اچھی طرح باہر نکالو۔ اس کا نتیجہ وہی ہے کہ جو آج ازدواجی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔

تیسرا ایک بڑا تعلق آقا اور نوکر کا ہے۔ پہلے نوکر آقا کی بات بُری لگے تو سہہ جاتے تھے۔ اب فوراً غصہ میں آ کر بد زبانی اور گستاخی کرتے، نوٹس دیتے، نوکری چھوڑتے بلکہ مالکوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ یہ مالک اور نوکر کی تکرار آج کل صرف گھروں میں نہیں۔ فیکٹریوں، دفتروں اور ہر قسم کے کاروبار میں آگ کی طرح پھیل رہی ہے۔

میں اس قسم کی مثالیں اور بھی انسانی تعلقات کی بتا سکتا ہوں مگر خطبہ لمبا ہو جائے گا۔

آج کی دنیا میں اور پہلے کی دنیا میں فرق دین اور دنیا کا ہے۔ پہلے کچھ نہ کچھ دین کا اثر تمام طبقات اور مرد و زن، بڑوں چھوٹوں پر ہوتا تھا۔ اب مغربی تہذیب نے دین کو تو دفن کر دیا اور بجائے خدا کی ہدایت کے جو کسی نہ کسی حد تک تمام دینوں میں تھی اپنے جذبات اور خواہشات کی اتباع شروع کر دی جو کہ تمام حیوان بھی کرتے ہیں۔ اور حیوان غصہ کو دبانا نہیں جانتا۔

الغرض تمام انسانی تعلقات میں جو کہ صبح سے لے کر شام تک پیدا ہوتے ہیں ایک دوسرے کی بات یا عادات یا افعال سے دل میں ناراضگی یا غصہ جو پیدا ہوتا رہتا ہے وہ ہر آن کی آگ ہے جو انسان کی زندگی کو تلخ کرتی اور اس کے دل کی جنّت کو جہنّم میں تبدیل کرتی ہے سوائے اس کے کہ انسان قرآنی نسخہ پر عمل کرے کہ "غصہ دبائے اور جس پر غصہ آیا ہے اسے معاف کرے بلکہ احسان بھی کرے"۔ یہ کہ غصہ جہنم کی آگ کی لپٹ ہے یہ میں نے نہیں کہا خود رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ حضورؐ نے ہی فرمایا کہ اصل پہلوان وہ نہیں جو کہ اکھاڑے میں دوسرے پہلوان کو گرا لے بلکہ وہ ہے جو غصہ آنے پر اسے دبا لے۔ پھر حضورؐ نے ہی فرمایا کہ جسے غضب آئے اور وہ اُسے دبا لے بلکہ اگلے کو معاف کر دے تو اللہ تعالےٰ اس کے پیٹ کو امن اور ایمان سے بھر دیتا ہے۔ یہ کسقدر سچ بات ہے۔ غصہ آئے اور اُسے نہ دباؤ تو انسان ہر وقت آگ میں جلنے لگتا ہے۔ دبا بھی لو مگر دل میں رنج رکھو تو بھی انسان کے اندر وہ آگ سلگتی رہتی ہے اور اگر اگلے کو دل سے معاف کر دو تو وہ آگ تبھی دل میں ٹھنڈی ہوتی ہے ورنہ نہیں اور اگر اگلے پر احسان کرو تو پھر جہنم کی جگہ جنّت پیدا ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات

اللہ تعالےٰ نے جو یہ ہدایات ہمیں دی ہیں کیا یہ ناقابل عمل ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ وہ اعلےٰ الٰہی صفات ہیں جو ہر روز بلکہ ہر آن ہماری رہ گزر ہیں۔ اللہ تعالےٰ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دنیا میں جو شرک عام ہے یا دہریت بڑھ رہی ہے یہاں تک کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو بُرا بھلا کہنا بلکہ یہاں تک کہہ دینا فیشن بن گیا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالےٰ تھا ہی نہیں یا تھا تو مر گیا ہے جیسا کہ اہل مغرب نے دنیا میں کچھ عرصہ ہوا ڈھنڈورا پیٹ کر کہا۔ کیا یہ چیزیں جو شرک یا دہریت یا گستاخی کے رنگ میں ہر آن انسان سے ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ کو ناراضگی بلکہ غیظ و غضب نہیں لاتیں؟ کیا ہر قسم کے گناہ اور جرائم اور بدعملیاں اور بدکاریاں جو دنیا میں عام ہو گئی ہیں اور ہر آن کی جا رہی ہیں اور جنہیں اللہ تعالےٰ دیکھ رہا ہے کیا وہ اللہ تعالےٰ کو غضب میں نہیں لاتیں؟ ضرور لاتی ہیں۔ مگر قربان ہو جایئے اس غفور رحیم ذات کے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور سنتا ہے مگر اپنے جائز غیظ و غضب کو ہر آن دبا لیتا ہے اور انسان کو معاف کرتا رہتا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا کہ و یعفوا عن کثیر کہ وہ تو بہت معاف کرتا رہتا ہے۔ صرف معاف نہیں کرتا بلکہ احسان پر احسان کرتا چلا جاتا ہے کہ اپنی نعمتیں اس سے نہیں روکتا۔ آپ نے وہ حضرت ابراھیمؑ کا واقعہ سنا ہو گا کہ یہ معلوم ہونے پر کہ آپ کا مہمان دہریہ ہے آپ نے اُسے گھر سے بھوکا نکال دیا تو آپ پر وحی آئی کہ "اے ابراھیم اس شخص نے ساری عمر میرا انکار کیا بلکہ مجھے بُرا بھلا کہا مگر میں نے تو اس کا کھانا پینا بند نہیں کیا۔" تو حضرت ابراھیم دوڑے اس دہریئے کو واپس منا کر لائے اور اُسے کھانا کھلایا یہی تخلقوا باخلاق اللہ ہے۔ یہی اللہ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگین کرنا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

رسول اللہ صلعم کا نمونہ

رسول اللہ صلعم کی تمام زندگی انہی اعلیٰ صفات کا نمونہ تھی۔ اتنے واقعات ہیں کہ ذکر کرنے لگوں تو کبھی ختم نہ ہوں۔ دو سُن لیجئے۔ غزوہ احد میں دشمن نے حضور صلعم کو زخمی اور لہولہان کر کے گرا دیا۔ ایک صحابی نے کہا "حضور اس قوم کے لئے بد دعا کیجئے"۔ آپ نے بد دعا تو کیا کرنی تھی دعا بلکہ سفارش کی کہ "اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے کہ یہ جانتے نہیں کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔" اسی طرح فتح مکّہ پر ساری عمر کے دُکھ دینے والے، حملے کرنے والے، حضور کے پیارے صحابہؓ کو قتل کرنے والے، حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کے کلیجہ کو چبا جانے والی عورت ہندہ، حضورؐ کی حاملہ صاحبزادی کو اونٹ پر برچھا مار کر شہید کر دینے والے دشمن، غرضیکہ بھیڑیوں سے بدتر دشمن سامنے کھڑے تھے۔ حضور انتقام لیتے تو بالکل جائز تھا۔ آج کل کی "مہذب قوموں" نے دونوں عالمگیر جنگوں کے بعد اپنے دشمنوں سے کیا کیا؟ مگر حضورؐ نے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم تم پر آج کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔ سزا تو کیا دینی تھی۔ ملامت تک نہیں کی۔ بلکہ ان کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ یہ ہے غصہ کو دبانا، دل سے معاف کر دینا اور پھر احسان کرنا۔

قرآن اور سنت رسولؐ کی اتباع میں نہ صرف صفات الٰہی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں بلکہ انسان کا دل غصہ کی آگ اور بعد میں ہر وقت کے کڑھنے اور جذبۂ انتقام کی آگ سے دور رہتا ہے۔ مزید برآں اُس کے دل میں اگلے پر احسان کرنے سے جو خوشی پیدا ہوتی ہے وہ ایک خاص اور اعلیٰ قسم کی خوشی ہے۔ جسے صرف وہی لوگ جانتے ہیں جن کو یہ تجربہ ہوا ہو۔

جیسا کہ میں اُوپر بتا آیا ہوں کہ تمام انسانی تعلقات میں ہر آن غصہ یا ناراضگی پیدا ہونا ہر آن کی آگ کا بھڑکنا ہے۔ مگر جو ان چیزوں پر عمل کرے جو قرآن نے فرمائی ہیں تو اس کے دل میں بجائے جہنم کی آگ کے جنت کا سکھ پیدا ہو جاتا ہے۔

تیسری بات

تیسری بات جس سے انسان کے دل کی جنّت چلے جانے کا ڈر ہے اس کا ذکر آیات مذکورہ بالا میں یوں فرمایا "اور وہ جو جس وقت کوئی بُرا کام کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کے

کارنامے بجالا سکتا ہے جیسے بیسویں صدی میں اس سے ظاہر ہوئے ہیں تو پھر کیوں وہ اپنے لئے ہدایت وفلاح کے راستے ڈھونڈنے میں ناکام ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ تسخیر کائنات کا تعلق بیرونی مادی ماحول سے ہے جہاں انسان کے مشاہدہ وتجربہ کے لئے اس کے ظاہری حواس کی رسائی کے لئے کافی ہیں لیکن اپنی ہدایت وفلاح کا تعلق اس کے اپنے باطنی جذبات وخواہشات سے ہے باطنی خواہشات اور جذبات مادی امور نہیں، نہ ہی ظاہری حواس ان کی اصل حقیقت سے کماحقہ واقفیت رکھتے اور ان پر احاطہ وغلبہ پا سکتے ہیں۔ باطن کی تسخیر کے لئے انسان ایک ایسے قانون کا محتاج ہے جو اس نے خود تجویز نہ کیا ہو اور جس پر چلنے کے لئے وہ اپنی عقل وعلم کے تابع نہ ہو بلکہ جسے کسی بالا ہستی نے اسے تخلیق کیا ہو اور جو اس کی اندرونی فطرت سے بخوبی علم رکھتی ہو تعلیم کیا ہو۔ نیز اس تعلیم حقہ پر عمل پیرا ہونے کے لئے اس میں جذبہ اطاعت ومحبت موجود ہو۔ اسے یہ یقین تام حاصل ہو جائے کہ خالق فطرت کا ہی یہ کلام ہے جس پر عمل پیرا ہونا اس کے لئے موجب رحمت وبرکت ہے۔ پس بیرونی مادی ماحول کا علم حاصل کرنا اور اس کی تسخیر کر لینا اور چیز ہے اور تحت الشعور جذبات ونیات پر قبضہ حاصل کرنا کلیتہً امر دیگر ہے۔ ایمانی امور جو خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات نیز نزول کلام الٰہی اور عالم معاد سے متعلق ہیں ان پر انسان اپنے ظاہری حواس کے ذریعہ ایسا یقین تام پیدا نہیں کر سکتا جو اسے اپنے نفس کی ادنیٰ ورذیل خواہشات پر حاکم بنا دے۔ زیادہ سے زیادہ انسان کا علم وعقل ہدایت کی ان راہوں کے صحیح ودرست ہونے کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں۔ مگر ماورا المحسوسات میدان میں نہ تو اسے حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی اس پر کامل کاربند کرانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اب جبکہ مادی تہذیب کے تجربہ سے اس کی ناکامی ثابت ہو چکی ہے تو اس کے مقابل ایمانی واخلاقی تہذیب کے سوا انسان کی فلاح ونجات کا موجب اور کونسی تہذیب ہے؟

خدا تعالیٰ کا کس قدر احسان عظیم ہے کہ اس نے اس زمانہ میں اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے خود اپنی طرف سے سامان کیا اس زمانہ میں آنحضرت صلعم اللہ علیہ وسلم کا جو کامل پیرو آنحضور کی کامل تعلیم کی تجدید واشاعت کے لئے مجدد مبعوث ہو کر آیا اس نے زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کیا۔ یہ حضرت مرزا غلام احمد مجدد صد چہار دہم نے عین ضرورت زمانہ کے مطابق اگر ایک طرف امور روحانیہ کو علم وعقل سے سچا ثابت کر دکھایا ہے تو دوسری طرف آپ نے اس حقیقت کو بھی آشکار کر دیا کہ ان امور کو عقل کے ذریعہ مثل علم ہندسہ وہیئت یا علم طبعی وطب ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ علوم عقلیہ امور روحانیہ کے جواز کو ثابت کر سکتے ہیں۔ تاہم ان پر یقین تام بذریعہ الٰہی کلام یا خدائی الہام ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ نیز ان پر عمل پیرائی کے لئے عقل وعلم ناکام ہیں۔ ان کے لئے انسان کا خدا سے تعلق پیدا کرنا، اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا خوگر ہونا۔ اس کی اطاعت ومحبت میں تمام خلاف منشاء ربی خواہشات وجذبات پر موت وارد کرنا ضروری ہے۔ پھر اس مجدد اعظم نے نہ صرف عقل وعلم کی عجز وناتوانی ثابت کی بلکہ اس نے ایسے وقتوں اور برخلاف ماحول میں یہ نشاندہی کی کہ موجودہ سائنس وعلم نے جو تعلیم ونظریات خلاف تعلیم قرآن دیئے ہیں، عنقریب ان کا بطلان ظاہر ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

اسلام کی فتح اور اقبال کے دن قریب ہیں

"اس زمانہ میں مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے۔ اسکو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور

"اسلام فتح پائے گا"

حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔ میں شکر نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلیٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے جس علم کی رو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہی ہیں، اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے اور فتح بھی روحانی تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے"۔

(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۵۴)

یہ ایک عظیم اور انقلابی پیشگوئی ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو چکی ہے۔ ایک طرف بیسویں صدی سائنس نے تخلیق کائنات کے انیسویں صدی سائنس کے نظریہ لافانیت مادہ کو غلط ثابت کر دیا ہے تو دوسری طرف انیسویں صدی کے مادی نظریہ حیات کے فلاحی عقیدہ ہونے کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔ ایٹم بم کی ایجاد نے اگر ایک طرف انسانی عقل وعلم کے کمال کو ثابت کر دیا ہے جو تسخیر مادہ سے متعلق ہے تو اسی ایجاد نے دوسری طرف انسان کے وضع کردہ نظریہ حیات کے بارہ میں اس کے عجز کو ثابت کر دکھایا ہے کہ کس طرح انسان کلام الٰہی کی متابعت کے بغیر اپنے ہی علم وایجاد سے اپنی ہلاکت کے سامان اپنے ہاتھوں سے کر رہا ہے اور اب اسے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ دوبارہ کلام الٰہی کے سننے اور اس کی حفاظت اختیار کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ ورنہ اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ اسی لئے اس صدی کے مجدد کا لقب مسیح یا بشارت اسلام دینے والا رکھا گیا۔ پہلے مسیح کی آمد کا مقصد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت دینا تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ہی دنیا کو ہلاکت سے بچا کر حقیقی فلاح وبہبود کی طرف لے جائے گا اور اب اس مسیح اسلام نے بھی یہی بشارت دی ہے کہ دنیا اپنے عقل وعلم کی بناء پر جس ہلاکت کے کنارے تک آپہنچی ہے اس سے نجات کا راستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے وابستگی اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر یقین و عمل پیدا کرنے سے ہی وابستہ ہو چکا ہے۔ پس دنیا کے لئے اس زمانہ میں خدائی خوشخبری کا یہ پیغام ہے کہ آج مادی نظریہ حیات کی بجائے ایمانی واخلاقی نظریہ حیات کو تسلیم کرنے میں ہی انسانی نجات ہے۔ مبارک وہ جو خدا تعالیٰ کی اس تازہ بشارت پر ایمان لا کر قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت اپنے کردار وسیرت سے دے دے۔

اخبار احمدیہ

• حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ بخیریت ہیں۔ احباب سلسلہ اس متبرک وجود کی صحت وسلامتی والی زندگی کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

• حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی ابھی تک ایبٹ آباد میں مقیم ہیں تا حال آپ کی لاہور واپسی کی تاریخ کا علم نہیں ہو سکا۔ بزرگان سلسلہ اور احباب جماعت اسلام واحمدیت کے اس زندہ نمونہ کی صحت اور درازی عمر کے لئے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب کو ایسی کام والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔

• **خوشخبری اور عطیہ**

محترمہ پروفیسر رضیہ مدد علی صاحبہ کا صاحبزادہ عمران، مرچنٹ نیوی میں منتخب ہو کر یکم ستمبر کو سنگاپور جا چکے ہیں۔ اسی خوشی میں ان کی والدہ محترمہ نے مبلغ یک صد روپے (۱۰۰ روپے) بمد پیغام صلح بطور عطیہ دیا۔ اس کامیابی پر ہم اپنی معزز بہن محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ اور ان کے خاندان کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عزیز عمران کی یہ کامیابی ان کی مزید کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ آمین!

"اللہ پر ایمان لانے کے بعد سب سے بہتر عمل انسانوں سے محبت ہے۔"
(ترجمہ حدیث)

مرزا محمد لطیف شاہد صاحب

وقت کا تقاضا

گذشتہ دنوں خاکسار نے اخبار پیغام صلح میں چند مضامین اہالیان پاکستان کی خدمت میں چند معروضات کی ذیل میں تحریر کئے تھے کہ آج ہم سب کو اپنے حالات کا جائزہ لینا چاہیئے اور دیکھنا یہ ہے کہ من حیث القوم ہم کدھر جا رہے ہیں۔ آیا ہمارا قدم ترقی کی طرف جا رہا ہے یا کہ معکوس! اسی طرح میں نے قرآن مجید اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ پیش خدمت کئے تھے کہ مسلمانوں کو کیا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔

آج کی صحبت میں ایک اور زاویہ سے چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ایک طرف تو حکومت پاکستان کے سربراہ سے لے کر تمام عمّال۔ ذرائع ابلاغ۔ ریڈیو۔ ٹیلیویژن اخبارات علماء۔ دانشور۔ صاحب فکر۔ سب کے سب اسلام کے پاکیزہ نظام کو نافذ کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ مختلف ممالک سے دانشور اور اسلامی ممالک کے ذمہ دار اصحاب تشریف لا رہے ہیں۔ کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ علماء کے اجتماع ہو رہے ہیں۔ مختلف مکاتب فکر کے رہنما اکٹھے ہو رہے ہیں۔ مشائخ بھی عنقریب جمع ہوں گے۔

اب ان کوششوں کے مقابل میں ذرا مارکیٹ میں آ جائیں۔ اخبارات میں آئے دن کس قسم کی خبروں کا غلبہ ہے۔ یونیورسٹیز اور کالجوں میں جو نئی پود پروان چڑھ رہی ہے۔ ذرا ان کے قریب کے حالات کا جائزہ لیں۔ اساتذہ کا رجحان ملاحظہ فرمائیں۔ بازار میں تاجر و خریدار سے ملیں۔ آجر و اجیر کے اندر جھانک کر دیکھیں ان کی طرف صرف اشارہ کر کے دردمند دل رکھنے والے اصحاب کو دعوت فکر دے کر میں ایک اور رنگ میں چند باتیں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

ہمارا داخلی نظام اتنا بگڑ چکا ہے کہ سارے حربے۔ تدبیریں۔ کوششیں عملاً بے سود نظر آ رہی ہیں۔ اس کی ایک وجہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ انفرادی طور پر ہر گھر میں ایک حکومت ہے۔ ہر گھر کا سربراہ یہ غور کرے کہ کیا وہ اپنے گھر اور چار دیواری میں ایسا نمونہ پیش کر رہا ہے۔ جس سے وہ توقع رکھے کہ اس کے بچے صحیح و سیدھے راستے پر چلیں شاید آج سے کچھ عرصہ پہلے یہ کام آسان ہو۔ اب تو بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ ماحول اور تعلیم کی وجہ سے ہر گھر میں بچہ اپنے والدین کو تنقیدی رنگ میں دیکھتا ہے بعض اوقات اپنے والدین کی کمزوریوں کی نشاندہی بھی کر دیتا ہے۔ ان کی آمد و خرچ پر تبصرہ بھی کرتا ہے اور ان کی نجی زندگی پر بھی روشنی ڈال دیتا ہے اور ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ وہ ان کے اعمال پر اظہار خیال گھر کے اندر اور باہر بھی کر دیتا ہے۔ اور ان کی غلطیوں کی طرف اشارہ بھی کر دیتا ہے۔ اور ایسی صورت میں دیکھنے میں آیا ہے کہ انہوں نے اس بات کو اس رنگ میں بیان کر دیا کہ اس معاملے میں ہمارے والدین تو غلطی پر ہیں یا اُن کا قدم صحیح نہیں۔

استحکام کے سلسلے میں جب میں غور کر رہا تھا تو پہلی بات میں نے تجربہ، معلومات، ملاقاتیں اور سوال و جواب سے یہ اخذ کی کہ اگر ہم سنجیدگی سے یہ چاہتے ہیں کہ یہ دور تبدیل ہو جائے۔ ہر طرف خیر ہی خیر ہو۔ اصلاح شرافت۔ نیکی۔ امن۔ ترقی۔ رواداری ترقی۔ برکت کا دور دورہ ہو جائے۔ تو اس کے لئے اب وعظ سے بڑھ کر والدین کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ ان کا اپنا نمونہ اپنی حکومت (گھر) کی چار دیواری میں کیا ہے کیا وہ خود ایسے ہیں کہ ان کو دیکھ کر ان کے بچے ان کے اقارب۔ ان کے اثر سے متاثر ہونے والے ان سے سبق لیں۔ میرے خیال میں آج سب سے پہلے بزرگ، تمام تر احترام کو ملحوظ رکھ کر ان کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اگر ان کا کاروبار حیات ایسا ہے کہ وہ واقعی بے مثل۔ راستی پر مبنی صلاحیت روی والا ہے تو پھر تو خیر ہی خیر ہے۔ لیکن معاف فرمائیں محاسبہ اگر دیانتداری سے کیا جائے تو بہت سارے سوراخ بلکہ گڑھے ایسے نظر آئیں گے جن کو پُر کرنا از حد ضروری ہے اور جب تک ہمارا نمونہ مثالی نہیں ہو گا اور ہمارے قول و فعل میں مطابقت نہیں ہو گی اس وقت تک اثر نہیں ہو گا اور جو رنگ ہم چاہتے ہیں وہ نہیں چڑھے گا۔

میرے سب سے پہلے مخاطب میرے بزرگ، بھائی اور بہنیں ہیں جن کو اللہ نے بالواسطہ یا بلاواسطہ یہ توفیق دی ہے کہ وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم کے دامن کے ساتھ وابستہ ہوئے ہیں۔ جن کو حضرت نے سب سے پہلی بشارت اپنے ماننے والوں کو یہ دی ہے

مجھ میں کون داخل ہوتا ہے۔

وہی جو بدی کو چھوڑتا ہے اور نیکی کو اختیار کرتا ہے۔ اور کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا ہے۔ اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالیٰ کا ایک بندہ مطیع بن جاتا ہے ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اس میں ہوں۔ مگر ایسا کرنے پر وہی قادر ہوتا ہے جو کہ خدا تعالیٰ نفس مزکی کے سایہ میں ڈال دیتا ہے تب وہ اس کے نفس کی دوزخ کے اندر اپنا پیر رکھ دیتا ہے تو وہ ایسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی آگ نہیں تھی تب وہ ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی رُوح اس میں سکونت کرتی ہے۔ اور ایک تجلّی خاص کے ساتھ رب العالمین کا استوای اس کے دل پر ہوتا ہے۔ تب پُرانی انسانیت اس کی جل کر ایک نئی اور پاک انسانیت اس کو عطا ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ بھی ایک نیا خدا ہو کر نئے اور خاص طور پر اس سے تعلق پکڑتا ہے اور بہشتی زندگی کا تمام پاک سامان اس عالم میں ہی اس کو مل جاتا ہے۔

یہ الفاظ اس عظیم ہستی کے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہماری اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا۔ اور آپ ہمیں یہ بشارت دیتے ہیں کہ اگر تم دیانتداری سے اپنی پیدائش کے اغراض کو پانا چاہتے ہو تو کس طرح اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ اور کن باتوں سے ہم کو روکتے ہیں اور کتنا عظیم الشان روحانی مقام ملنے کا اس دنیا میں وعدہ دیتے ہیں۔ ہماری تاریخ گواہ ہے جن کے آپ جانشین ہیں۔ انہوں نے اس پر عمل پیرا ہو کر کیا کچھ اس دنیا میں پایا۔

اصل بات تو یہ ہے کہ نگاہ کی تبدیلی۔ ذہن کا فکر، قلب کا میلان اگر یہ ہر سہ قوتیں اکٹھی ہو جائیں اور عمل کے میدان میں اُتر آئیں تو ایک لمحہ بھی زیادہ ہے اس میں تبدیلی اور اس مقام جس کی بشارت دی گئی ہے۔ کے ملنے میں۔ اس میں دیر نہیں ہوتی۔ الٰہی ارشاد ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا ...... اے مومنو! جو ظاہری طور پر ایمان لائے ہو حقیقی فرمانبرداری اپنے اندر پیدا کرو۔ انعامات خداوندی کے اس دنیا میں وارث بنو۔ آج آپ سوچیں! اس جہان میں صالح اولاد سے بڑھ کر کونسا میٹھا۔ دیرپا اور بابرکت پھل ہو سکتا ہے جس کے ملنے پر انسان شکر الٰہی کرتا ہوا اپنا سر اللہ تعالیٰ کے در سے نہیں اٹھاتا۔ اور آج ہم کیوں پریشان ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ماحول بڑا بُرا اثر ڈال رہا ہے ذرائع ابلاغ بھی اپنا فرض صحیح طور پر نئی نسل کے پروان چڑھنے میں ممد نہیں ہو رہے۔ اساتذہ اپنا فرض ادا نہیں کرتے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور آ گیا ہے۔ لوگوں کو اپنی اولادوں پر پورا وقت صرف کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ بھائیو! نہیں ایسی بات نہیں جب ہم نے اپنے گھر میں اپنی محدود چھوٹی سلطنت میں اٰمنوا اٰمنوا کا عملاً مظاہرہ شروع کر دیا تو الٰہی بشارت تو یہی ہے کہ:-

لا یضرکم من ضلّ اذا اھتدیتم

جب تم پورے طور پر مسلمان بن جاؤ گے تمہارا نمونہ صحیح ہو گا۔ دست در کار دل بایار والا معاملہ ہو گا۔ عشق الٰہی منہ پر دستے دلیاں ا

نشانی۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ ہماری زبانیں قال اللہ وقال الرسول سے تر ہوں گی۔ زندگی کا کوئی لمحہ بھی قرآن مجید کی پاک تعلیم اور اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سر مو بھی انحراف و عدم التفات کا رنگ اپنے اندر نہیں رکھے گا تو ایسے موقع پر ہر طرف اگر آگ بھی آگ برس رہی ہوگی لیکن آپ کو امن۔ سلامتی اور کامیابی کا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے لیکن یہ ایک کڑا امتحان ہے۔ بڑا مشکل کام ہے لیکن مومنوں کے لئے مشکل کام نہیں۔ اب تو سارا جہان ایک طرف اور آپ ایک طرف ایسے موقع پر استقلال سے وابستہ رہنا بہت بڑا کام ہے۔ اسی واسطے اب تو یہ مشکل نہیں۔ لیکن حقیقی وارث بننے کے لئے پہلی شرط حضرت امام الزمان ایمان کے بعد یہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت نے اپنے رسول مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کرلی تھی کہ اسلامی اخوت کی رو سے سچ مچ عضو واحد کی طرح ہو گئی تھی۔ اور ان کے روزانہ برتاؤ اور زندگی اور ظاہر و باطن میں انوار نبوت ایسے رچ گئے تھے گویا وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلی تصویر تھیں۔"

اس ارشاد پر خدارا دعا کر کے آؤ ہم سب غور کریں اور کسی سے نہ پوچھیں۔ اپنے دل سے پوچھیں اور پھر دیکھیں گے کہ کیسے شیریں پھل لگتے ہیں۔ اور وہ وہی لوگ تھے کہ جب ان کو اللہ کی راہ کی طرف بلایا گیا تو خدا کی راہ میں انہوں نے اپنے خونوں کو پانی کی طرح بہایا۔

اسی واسطے حضرت مسیح موعود ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

(خدا تعالیٰ) "نے مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفان ضلالت برپا ہے۔ تو اس طوفان کے وقت میں یہ کشتی تیار کر جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے نجات پا جائے گا اور جو انکار کرے گا اس کے لئے موت درپیش ہے اور فرمایا کہ جو شخص تیرے ہاتھ میں ہاتھ دے گا اس نے تیرے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ اور اس خداوند خدا

مجھے بشارت دی کہ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا مگر تیرے سچے متبعین اور محبین قیامت کے دن تک رہیں گے اور ہمیشہ منکرین پر انہیں غلبہ رہے گا۔"

وقت کا ایک تقاضا: جو من حیث الجماعت ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے کہ ہم وہ افراد جو اپنے خاندانوں کے سرپرست ہیں جن میں خواتین بھی شامل ہیں ان کے ہمارے کرنے کے کیا کام ہیں ان میں ایک حصہ پیش کیا گیا ہے۔ دوسرا اولاد کی تربیت، پرورش، تعلیم، بود و باش میں بھی ہمارے اوپر فرض ہے انشاء اللہ اگلی نشست میں اسے پیش کیا جائے گا۔ اسی طرح بعض وساوس کے بارے میں کچھ تحریر کیا جائے گا۔

بقیہ آمدہ صفحہ ۵ ـــــــ فلاح کی راہ

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان سست ہو جائیں۔ اسلام کسی کو سست نہیں بناتا۔ اپنی تجارتوں اور ملازمتوں میں بھی مصروف رہیں مگر میں یہ پسند نہیں کرتا کہ خدا کے لئے کوئی وقت بھی ان کا خالی ہو۔ ہاں تجارت کے وقت پر تجارت کریں اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کو اس وقت بھی مدنظر رکھیں۔ تاکہ وہ تجارت بھی ان کی عبادت کا رنگ اختیار کر لے۔ نمازوں کے وقت پر نمازوں کو نہ چھوڑیں۔ ہر معاملہ میں خواہ کوئی ہو دین کو مقدم کریں۔ دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ اصل مقصد دین ہو پھر دنیا کے کام بھی دین ہی کے ہونگے۔ ۔ ۔ اب یہ بدقسمتی ہے کہ یوں تو ہر طرح سے زور لگاتے ہیں۔ بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں جلسے کرتے ہیں کہ مسلمان ترقی کریں مگر خدا سے ایسے غافل ہوئے ہیں کہ بھول کر بھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ پھر ایسی حالت میں کیا امید ہو سکتی ہے کہ ان کی کوششیں نتیجہ خیز ہوں۔ جب کہ وہ سب کے سب دنیا ہی کے لئے ہیں۔ یاد رکھو جب تک لا الہ الا اللہ دل و جگر میں سرایت نہ کرے اور وجود کے ذرہ ذرہ پر اسلام کی روشنی اور حکومت نہ ہو کبھی ترقی نہ ہوگی۔ اگر تم مغربی قوموں کا نمونہ پیش کرو کہ وہ ترقیاں کر رہے ہیں۔ ان کے لئے اور معاملہ ہے۔ تم کو کتاب دی گئی ہے تم پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ ان کے لئے الگ معاملہ اور مواخذہ کا دن ہے۔ تم اگر کتاب اللہ کو چھوڑ دو گے تو تمہارے لئے اسی دنیا میں جہنم موجود ہے۔ ایسی حالت میں کہ قریباً ہر شہر میں مسلمانوں کی بہتری کے لئے انجمنیں اور کانفرنسیں ہوتی ہیں لیکن کسی ہمدرد اسلام کے منہ سے یہ نہیں نکلتا کہ قرآن کو اپنا امام بناؤ۔ اس پر عمل کرو۔ اگر کہتے ہیں تو بس یہی ہے کہ انگریزی پڑھو۔ کالج بناؤ۔ بیرسٹر بنو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں رہا۔ ۔ ۔ ۔ اگر خدا نہیں ہے تو اس کو چھوڑ کر بے شک ترقی کر لیں گے لیکن جبکہ خدا ہے اور ضرور ہے پھر اس کو چھوڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ اس کی بے عزتی کر کے اس کی کتاب کی بے ادبی کر کے چاہتے ہیں کہ کامیاب ہوں اور قوم بن جاوے۔ کبھی نہیں۔ ہماری رائے تو یہی ہے (جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں) ترقی کی ایک ہی راہ ہے۔ کہ خدا کو پہچانیں اور اس پر زندہ ایمان پیدا کریں۔ اگر ہم ان باتوں کو ان دنیا پرستوں کی مجلس میں بیان کریں تو وہ ہنسی میں اڑا دیں۔ مگر ہم کو رحم آتا ہے کہ افسوس یہ لوگ اس کو نہیں دیکھ سکتے جو ہم دیکھتے ہیں۔" (تقریر ۲۶ دسمبر ۱۹۰۵ء)

آج سے قریباً ایک صدی پیشتر امام ربانی مجدد صد چہار دہم نے مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لئے انہیں قرآن اور اسلام کی طرف بلایا۔ مگر ان کی دعوت صدا بصحرا بن کر رہ گئی۔ آج احیائے اسلام اور شوکت اسلام کے لئے بین الاقوامی اور قومی سطحوں پر کانفرنسیں اور کنونشن ہو رہے ہیں مگر نتیجہ معلوم۔ کاش آج بھی امت مسلمہ اس داعی الی اللہ کی آواز پر کان دھرے اور اس مامور کی نصیحتوں پر عمل کرے تاکہ نصرت دین مبین اور غلبہ اسلام کا وعدہ پورا ہو۔ یاد رکھنا چاہیئے یہ الٰہی منصوبہ ہے اور یہی کامیاب ہوگا۔ انسانی منصوبے اس کے مقابل ہیچ ہیں اور بے مقصد۔

چھوڑ دو وہ راگ جس کو آسمان گاتا نہیں ‖ اب تو ہیں اے دل کے اندھو دیں کے گن گانے کے دن

وما علینا الا البلاغ

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں درخواست ہے

کہ

موجودہ مسائل پر قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں مضامین لکھیں سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ اور ادبیات اور حضرت بانی سلسلہ کی صداقت پر بالکل جدید اور سائنٹیفک اسلوب میں مضامین تحریر فرمائیں اور بھیجیں۔ آپ کے مضامین نہایت شکریہ کے ساتھ شائع کئے جائیں گے ــــ (ادارہ)

ارشادِ باری تعالیٰ :۔

"اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۰ء، جلد ۶۷ شمارہ ۳۷ جلد ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار لاہور سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

مدیر اعزازی: خلیل الرحمٰن — نائب مدیر: عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ: پاک و ہند سے تیس روپے — بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہام حضرت مسیح موعود

جلد ۶۷ — یوم چہار شنبہ ۶ ذیقعد ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۷ ستمبر ۱۹۸۰ء عیسوی — شمارہ ۳۸

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم

خدا تم سے کیا چاہتا ہے؟

بس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثّل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے۔ اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا مظہر ہے تمام محامد حقہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا۔ اور جامع ہے تمام طاقتوں کا۔ اور مرجع ہے ہر ایک فیض کا۔ اور مالک ہے ہر ایک ملک کا اور متصف ہے ہر ایک کمال سے اور منزہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں اور تمام روح اور ان کی طاقتیں اور تمام ذرات اور ان کی طاقتیں اسی کی پیدائش ہیں۔ اس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی طاقتوں اور قدرتوں اور نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور اس کو اسی کے ذریعہ سے ہم پا سکتے ہیں اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی قدرتیں ان کو دکھلاتا ہے۔ اسی سے وہ شناخت کیا جاتا اور اسی سے اس کی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اس کا کام ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے۔ اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے پس اسی طرح اس کی تمام قدرتیں ہیں۔ نادان ہے وہ جو اس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے جو اس کی عمیق طاقتوں سے بے خبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔

مضمون نگار احباب سے درخواست

اگلے ماہ وسط اکتوبر ۱۹۸۰ء میں ادارہ پیغام صلح مولانا محمد علی نمبر شائع کر رہا ہے جس میں اسلام کے اس مجاہد کبیر اور بطل جلیل کی عظیم الشان دینی خدمات پر مشتمل مضامین شائع ہونگے۔ جن میں مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے اس فتح نصیب جرنیل کو خراج عقیدت پیش کیا جائے گا۔ جماعت کے مضمون نگار احباب سے گزارش ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لئے اپنے خیالات کو قلمبند کر کے جلد از جلد ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

ادارہ

البواد سند

ایک ذہین و فطین نوجوان کی یاد میں

جسے

اسحاق اختر ملہی اور پیار سے ساقی کہتے تھے۔

ساقی تجھے محفل میں بلا لیے سے غرض تھی ... خود پی کے جو سرمست ہوئے کس نے کہا تھا

دیکھے ہیں جواں ہم نے بہت لائق و فائق ... اِس طرح کوئی چاند نہ نکلا نہ چھپا تھا

والبتہ نہیں کیا کیا نہ اُمیدیں تیرے دم سے ... جو رختِ سفر باندھ لیا تو نے، وہ کیا تھا

اللہ کی مرضی سے شکایت نہیں ہم کو ... پر اتنا سمجھنا ہے کہ کیا اس نے کیا تھا

اس عمر میں کیوں اسکو بلایا میرے مولا ... وہ اتنا ہی اچھا تھا، تو دنیا میں بُرا تھا،

ہم کو بھی ضرورت تھی ابھی ایسے جواں کی ... جو قوم کی آغوش میں ابھرا تھا، پلا تھا

کرتا ہو جوانی میں جو مرنے کی تمنّا ... دنیا میں کہاں ایسا جواں کوئی ہوا تھا

کس راہ پہ کھینچا ہے اُسے دستِ اَجل نے ... اِس راہ پہ وہ تو کبھی آیا نہ گیا تھا

ہر ایک سمجھتا تھا وہ ہے اُسکو پیارا ... ہر دل میں اُتر جانے کا انداز نیا تھا

اے میرے خدا حد بھی تو ہو گی کوئی غم کی ... جو حد سے گذر جائے وہ کیوں ہم کو دیا تھا

دربار میں آیا ہے ترے بکّہ و تنہا ... جو گھر میں کبھی بکّہ و تنہا نہ رہا تھا

مولا اُسے دنیا کی نہ عقبیٰ کی خبر تھی ... جینے کا کوئی علم نہ مرنے کا پتہ تھا

آغوش میں رحمت کی جگہ دیجیو اس کو ... بچّہ ہے بڑے لاڈ سے پالا تھا بڑھا تھا

آہ! ہمارا اسحاق

میرا اس سے رابطہ اس وقت ہوا۔ جب مرحوم اپنے خاندان کے ساتھ مہمان خانے سے احمدیہ مارکیٹ کے فلیٹ میں منتقل ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہ تعلق دوستی اور بھائی چارے کی شکل اختیار کر گیا۔ ۷۹ء میں جب چوہدری محمود اختر ملہی کی جگہ انہیں شبان الاحمدیہ کا سینئر نائب صدر منتخب کیا گیا۔ تو ہمارا تعلق جماعتی رنگ میں داخل ہو گیا۔ تقریباً ہر روز ان کے ساتھ شبان کی تنظیم اور دوسرے معاملات پر تعمیری بات چیت ہوتی۔ نتیجۃً انہی کی سربراہی میں ہم نے سیالکوٹ اور بدوملہی کے دورے کئے۔ انہی کی کوششوں سے شبان الاحمدیہ اور مقامی جماعت کا سیرۃ النبیؐ پر مشترکہ اجلاس دارالسلام میں منعقد کیا گیا۔

مرحوم کی ذہانت کا اعتراف نہ کرنا بذاتِ خود اپنی کمزوری ظاہر کرنا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ F EL کے امتحان سے پہلے وہ ذاتی مصروفیات میں محو تھے۔ پرچوں سے کچھ دن پہلے میں نے کہا:

"یار اب امتحان کیسے دو گے؟ کہنے لگے بھئی! ایک بار لیکچر سن لیا تو سبق یاد ہو گیا۔"

میں نے دیکھا کہ وہ یہ امتحان اچھے نمبروں میں پاس کر گئے۔ یہ ایک حیرانی کی بات ہے کیونکہ مجھ جیسا شخص پانچ چھ مرتبہ پڑھے بغیر اسے ذہن نشین نہیں کر سکتا۔

مرحوم کا ایک اور پہلو ہر معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنا مگر اسے مزاح کے رنگ میں بیان کرنا جو میں نے بہت کم لوگوں میں دیکھا ہے۔ دوست احباب بیٹھے ہوں تو وہ محفل کی رُوحِ رواں سمجھے جاتے تھے۔ ان کے جانے سے جماعت نہ صرف اپنے ایک فرزند سے محروم ہو گئی ہے بلکہ شبان الاحمدیہ اپنے ایک بہت اعلیٰ رکن کی کمی محسوس کر رہی ہے۔ جسے وہ مدتوں یاد رکھے گی۔

دل کو باتیں جب اس کی یاد آئیں
کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں
اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائیں گے یہ لوگ

"وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد ٹھہرا دی"۔ اور وما کان لنفسٍ ان تموت الا باذن اللہ کتٰباً مؤجلاً۔ (آل عمران ۳ : ۱۴۴) "اور کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کے حکم یا اجازت کے سوا مر جائے (موت کا) مقررہ وقت لکھا ہوا ہے"۔

ب:۔ مگر مقررہ وقت وہ قادر مطلق بدل سکتا ہے اگر اس کے بنائے ہوئے قوانین یا اصول توڑے جائیں۔ ایسا خیال کرنا کہ اس قادر مطلق کے ہاتھ نعوذ باللہ بندھ جاتے ہیں اس وقت مقررہ کی وجہ سے اگرچہ وہ انسان جو چاہے کرے اللہ تعالیٰ کی شان اور اختیار کامل کے منافی ہے۔ چنانچہ ہم قرآن کریم میں دیکھتے ہیں کہ فرمایا ہے وما یعمّر من معمّرٍ ولا ینقص من عمرہٖ الا فی کتٰبٍ ان ذالک علی اللہ یسیر (فاطر ۳۵۔ ۱۱) "اور کسی بڑی عمر والے کو عمر نہیں دی جاتی اور نہ کسی کی عمر کم ہوتی ہے مگر یہ (سب کچھ) ایک کتاب میں ہے یہ اللہ پر آسان ہے"۔ اور لکل اجلٍ کتاب۔ یمحوا اللہ ما یشآء ویثبت ج وعندہٗ اُمّ الکتٰب۔ (الرعد ۱۳۔ ۳۸۔ ۳۹) "ہر اجل تحریر شدہ ہے اور اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ قائم رہنے دیتا ہے۔ اور اسی کے پاس کتاب کا اصل (یعنے بنیادی اصول) ہے"

اب قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ لفظ "کتٰب" قرآن حکیم میں الہامی کتاب، یا اللہ تعالیٰ کے علم یا کتاب قدرت کے معنوں میں آتا ہے۔ اور مندرجہ بالا دوسری آیت میں الفاظ اُمّ الکتٰب کے معنی ہیں وہ اصول جن کی بنا پر کوئی اجل مقرر کی جاتی ہے۔ اگر وہ الٰہی اصول توڑے جائیں تو یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ الٰہی فیصلہ جو ان کی بنیاد پر ہے وہ بھی بدل جائے۔ ان میں سے بعض الٰہی اصول مثلاً یوں بیان فرمائے ہیں۔ وان لیس للانسان الا ما سعٰی (النجم ۵۳۔ ۳۹) "اور انسان کے لئے کچھ نہیں مگر وہی جو وہ کوشش کرتا ہے"۔ یا ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (البقرہ ۲۔ ۱۹۵) اور اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

سو اگر بالفرض کوئی شخص خودکشی کرتا ہے تو لازماً اس کی عمر مقررہ کم کر دی جاتی ہے اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قوانین صحت و قدرت جن کا علم ڈاکٹروں کو دن بدن ہو رہا ہے توڑتا رہتا ہے تو اس کی عمر گھٹ جائے تو کیا مقام تعجب ہے؟

جہاں تک اخلاقی اور روحانی یا دینی قوانین کا تعلق ہے قرآن حکیم سے پتہ لگتا ہے کہ اگر انہیں توڑا جائے تو فسق و فجور میں بڑھنے والے (جیسا کہ لوطؑ کی قوم تھی) یا اللہ تعالیٰ کے مرسلین کو ہلاک کرنے والے قبل از وقت ہلاک ہو سکتے ہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں جیسا کہ حضرت یونسؑ کی قوم نے کر لیا تھا۔ منجملہ اور مقامات کے سورہ نوحؑ کی ابتدائی آیات میں فرمایا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو دردناک عذاب سے ڈرائیں جو ان پر آنے والا تھا۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو بار بار سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں اور ان کی (حضرت نوحؑ کی) اطاعت کریں تاکہ یغفر لکم من ذنوبکم ویؤخرکم الٰی اجلٍ مسمًّی ط "وہ تمہارے گناہ تمہیں بخش دے گا اور تمہیں وقت مقررہ تک مہلت دے گا"۔ یعنے جو ان کی موت کا وقت مقرر تھا اس وقت تک کی مہلت تبھی مل سکتی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اپنے رسول کی پیروی کر کے اپنی اصلاح کریں۔ مگر چونکہ اس قوم نے اس تنبیہہ کی پرواہ نہ کی اس لئے انہیں اجل مقررہ تک مہلت نہ ملی اور وہ قبل از وقت ہلاک کر دیئے گئے۔

اس کے برعکس وقت مقررہ کو وہ قادر مطلق بڑھا بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض (الرعد ۱۳۔ ۱۷) "اور وہ جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے اُسے زمین میں رہنے دیا جاتا ہے"۔ اس کی تشریح ایک حدیث نبویؐ سے یوں ہوتی ہے۔ لا یرد القضاء الا الدعا ولا یزید فی العمر الا البر (ترمذی) "قضا کو کوئی چیز نہیں روک سکتی سوائے دعا کے (جو قبول ہو جائے) اور عمر کو کوئی چیز نہیں بڑھاتی سوائے اعلیٰ نیکیوں کے"۔

سوال ۵:۔ کیا مشرکوں کے لئے جہنم کبھی ختم نہ ہونے والا ہوگا؟

جواب:۔ اس سوال کے دو پہلو ہیں۔

ا:۔ کیا جہنم ان کے لئے جو اس میں داخل ہوں کبھی ختم نہ ہونے والا ہوگا؟

ب:۔ اگر سب کے لئے نہ بھی ہو تو کبھی کیا مشرکوں کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا ہوگا؟

دونوں حصوں کا جواب نفی میں ہے۔

آخرت میں جزاء و سزا کا اصول قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:۔ من جآء بالحسنۃ فلہٗ عشر امثالھا ج ومن جآء بالسیئۃ فلا یجزٰی الا مثلھا وھم لا یظلمون (الانعام ۶۔ ۱۶۱) "جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے لئے دس اس کی مثل ہونگے اور جو کوئی بدی کرتا ہے تو اس کی مثل ہی اس کو سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ کیا جائیگا"۔

قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ صلعم سے واضح ہے کہ جزاء (ایمان اور اعمال صالحہ کی) کبھی ختم نہ ہونے والی ہوگی۔ مگر وہ بحث دوسری ہے۔ یہاں سوال سزا اور جہنم کا ہے۔ سو آیت مندرجہ بالا کے علاوہ ایک اور آیت قرآن حکیم کی یوں ہے والذین کسبوا السیّئات جزآء سیّئۃٍ م بمثلھا (یونس ۱۰۔ ۲۷) "جو بدیاں کماتے ہیں تو بدی کا بدلہ اسی کی مثل ہے"۔

یہ سچ ہے کہ قرآن کریم میں بعض جگہ جہنم میں خلود اور ابد کا ذکر ہے۔ ان الفاظ کے معنی جہاں کبھی نہ ختم ہونے کے ہیں وہاں بہت لمبی مدت کے بھی ہیں۔ اس پر نہ صرف لغت کے تمام آئمہ کا اتفاق ہے بلکہ خود قرآن حکیم میں ان الفاظ پر دوسری جگہ حد یا بندش آتی ہے۔ یہ بتانے کے لئے کہ جہنم کے لئے اس کے معنی لمبی مدت کے ہیں۔ مثلاً ان جھنم کانت مرصادًا ۝ للطّٰغین مٰاٰبًا ۝ لّٰبثین فیھآ احقابًا (النباء ۷۸۔ آیات ۲۱ تا ۲۳) "بے شک دوزخ انتظار میں ہے۔ وہی سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔ اس میں برسوں رہیں گے"۔ یہاں جہنم کے لئے لفظ احقاب آیا ہے جو حقوب کی جمع ہے جس کے معنی مختلف طور پر ۸۰ سال یا ۷۰ سال یا ایک سال یا لمبی مدت کے ہیں۔ اس لفظ کے معنی میں جو مختلف مدتیں ہیں وہ اشارہ کرتی ہیں کہ مختلف لوگوں کے لئے انکے گناہوں کے بموجب مختلف مدت کی سزا ہوگی مگر بہرحال وہ ہمیشہ رہنے والی نہ ہوگی۔

اسی طرح دوسری جگہ جہنم کے متعلق استثنا کے الفاظ یوں آئے ہیں۔ قال النار مثوٰکم خٰلدین فیھآ الا ما شآء اللہ (الانعام ۶۔ ۱۲۹) "اللہ کہے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے اسی میں رہو گے سوائے اس کے جو اللہ چاہے"۔ یعنے اللہ جب اپنی حکمت اور علم کے مطابق مناسب سمجھے گا انہیں آگ میں سے نکال لے گا۔ اسی لئے اگلے الفاظ ہیں ان ربک حکیم علیم۔ اسی طرح دوسری جگہ یوں فرمایا ہے کہ دوزخی آگ میں رہیں گے الا ما شآء ربک ط ان ربک فعال لما یرید (ھود ۱۱۔ ۱۰۷) "سوائے اس کے جو تیرا رب چاہے۔ بے شک تیرا رب جو چاہے کر گزرتا ہے"۔ یعنے جہاں وہ سزا دینے پر قادر ہے وہاں وہ بخشنے پر بھی قادر ہے۔

بہرحال بنیادی بات یہ ہے کہ جیسا کہ اس جواب کے شروع میں آیات میں نے لکھی ہیں قرآن حکیم نے صاف فرمایا ہے کہ بدی کی سزا اس کے برابر ہوگی۔ اس لئے جہنم کبھی دائمی ہو سکتا ہی نہیں۔

یہ سچ ہے کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ جہنمی دوزخ سے نکلنا چاہیں گے مگر نکل نہ سکیں گے۔ مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کو جہنم سے نجات نہ دے گا۔ جب کہ اس کی سزا کا کما حقہ نتیجہ پیدا ہو جائے گا کہ ان کی اصلاح اور طہارت مکمل ہو جائے گی۔ یہ بات کہ سزا کا اصل مقصد اصلاح ہے یہ خود قرآن کریم سے واضح ہے اور دنیا کے قوانین کا بھی بنیادی اصول ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں جہنم کو کہیں مولیٰ (دوست) کا نام دیا اور کہیں اُمّ (ماں) کا کہ وہ ان کی خیرخواہ ہے یعنے اُن میں اصلاح اور پاکیزگی پیدا کرے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف احادیث بھی اس نظریئے کی تائید کرتی ہیں کہ جہنم دائمی نہ ہوگی۔ ایک نہایت ثقہ حدیث یوں ہے:۔

"تب اللہ فرمائے گا کہ فرشتوں، نبیوں اور مومنوں نے باری، باری گناہ گاروں کے لئے شفاعت کرلی۔ اور اب سوائے ارحم الراحمین کے ان کا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں رہا تب اللہ مٹھی بھر کر ان لوگوں کو جہنم سے نکال لے گا جنہوں نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی۔" (بخاری، ۹: ۲۴) جیسا کہ حضرت امیر مرحوم نے نہایت خوب فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی مٹھی سے باہر کون رہ سکتا ہے؟" اسی طرح کنز العمال میں احادیث یوں ہیں "بے شک جہنم پر ایک دن آئے گا کہ وہ اس کھیتی کی طرح ہوگی جو کبھی لہلہاتی تھی مگر پھر خشک ہوگئی" اور "بے شک جہنم پر ایک دن آئے گا جب اس میں ایک بھی انسان باقی نہ رہے گا۔ (کنز العمال جلد، صفحہ ۲۴۵) اسی طرح حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: کہ اگر جہنمی تعداد میں اتنے زیادہ ہوں جتنا کہ صحرا کے ریت کے دانے ہوتے ہیں۔ تب بھی ایک دن ضرور آئیگا کہ وہ جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ (فتح الباری مصنفہ امام ابن حجر عسقلانی)

اب میں سوال کے دوسرے حصہ کی طرف آتا ہوں۔ کہ کیا شرک کم سے کم ہمیشہ، ہمیشہ جہنم میں رہیں گے؟ مشرکوں میں اور دوسروں میں تمیز سائل نے شاید اس آیت کی وجہ سے چاہی ہے۔ ان اللّٰہ لا یغفران یشرك بہ ویغفر ما دون ذالك لمن یشآء ج (النسآء ۔ ۴۸) "یقیناً اللہ نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے۔ اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں صرف اتنا فرمایا گیا ہے کہ مشرک سزا سے کبھی نہ بچے گا۔ اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ سزا دائمی ہوگی۔ بلکہ اگر مشرک مرنے سے پہلے توبہ کرلے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحم بہت وسعت رکھتے ہیں۔

رپورٹ:۔ ناصر احمد

جلسہ شبان الاحمدیہ

بمقام شیخ محمدی شاخ پشاور

۱۱ر جولائی ۸۰ء کو مسجد احمدیہ شیخ محمدی میں شبان الاحمدیہ کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا۔ جس میں پشاور رزون کے تمام شبان و بزرگوں نے شرکت کی۔ اس نوعیت کا چند ماہ میں یہ دوسرا جلسہ تھا جو منعقد ہوا۔ نماز جمعہ سے پہلے مہمانوں کی خدمت میں دوپہر کا کھانا پیش کیا گیا۔ خطبۂ جمعہ جناب کیپٹن عبدالواحد صاحب نے دیا۔ جو موقع کی مناسبت سے نہایت موزوں تھا۔ نماز کے بعد جلسہ کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی۔ صدارت کے فرائض مہمان بزرگ صاحبزادہ محمد احمد صاحب کو سونپے گئے۔ تلاوت کلام پاک محترم جناب غلام علی صاحب نے فرمائی۔ پھر عنایت الرحمان نے کلام مسیح موعود اور محمد صابر نے ملفوظات مسیح موعود پڑھ کر سنائے۔

ان کے بعد مقامی جماعت کے جناب منظور احمد نے "روزہ انسان کی قلبی طہارت اور بلندی مرتبت کا موجب ہے۔" کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے بتایا کہ روزہ رکھنا ہر نبی نے سکھایا ہے۔ اصول دین ایک سا ہے اور دین اسلام انہی چیزوں کی تلقین کرتا ہے جن کی تلقین پہلے انبیاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کی تھی۔ روزے کا مقصد بیان کرتے ہوئے مقرر نے کہا کہ اس سے بدیوں اور برائیوں سے انسان بچ جاتا ہے۔ نیز روزہ سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

ان کے بعد جناب عبداللہ جان نے روزہ کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے سورۂ بقرہ کے رکوع ۲۳ کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ خداوند کریم نے اسلام سے پہلے مذاہب میں بھی روزہ لازم کیا تھا۔ اس کی دلیل میں حدیث پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب حضرت محمد صلعم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہود عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اہل یہود سے دریافت فرمایا تو اہل یہود نے جواب میں کہا کہ یہ بڑا مبارک دن ہے اس روز اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی تھی اور حضرت موسیٰؑ نے شکرانے کے طور اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتباع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں میں تم سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے عاشورہ کا روزہ خود بھی رکھا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس روز روزہ رکھنے کی ہدایت کی۔

آپ نے مزید کہا کہ خود حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں کا روزہ رکھنا بھی ثابت ہے آپ نے اس رکوع کی دوسری آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ روزہ ماہ رمضان میں فرض ہوا اور یہ واحد مہینہ ہے جس کا نام قرآن کریم میں لیا گیا ہے۔ اور اسی مہینہ میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ آخر میں آپ نے روزے کی غرض وغایت کی طرف توجہ دلائی۔ اور شبان کو مخاطب کرکے کہا کہ ہمیں اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیئے۔ اور پرہیزگار بن کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے دعائیں کرنی چاہیئیں کہ وہ سنتا ہے۔

ان کے بعد (راقم الحروف) ناصر احمد نے موضوع "لا نبی بعدی" پر تقریر کی آپ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ حدیث لا نبی بعدی کی رُو سے کوئی نبی حضور صلعم کے بعد نہیں آ سکتا۔ آپ نے دلائل سے حضور صلعم کی ختم نبوت کو ثابت کیا۔

ان کے بعد مرکزی شبان الاحمدیہ کے نائب صدر جناب اختر علی صاحب نے "اطاعت امیر" کے موضوع پر تقریر کی۔ اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اور کہا کہ قرآن کریم کی رُو سے اللہ تعالیٰ اور رسول صلعم کے بعد امیر کی اطاعت لازم ہے۔ لفظ "امیر" کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ گھر میں باپ کی حیثیت "امیر" کی ہوتی ہے۔ اور اولاد پر ان کی اطاعت لازم ہے۔ اسی طرح جب چند آدمی مل کر ایک آدمی کو اپنا رہنما مقرر کردیں تو اسکی اطاعت باقیماندہ آدمیوں پر لازم آتی ہے۔ تمام شبان کو اپنے صدر کا حکم ماننا ضروری ہے۔ چنانچہ جو جماعتیں اپنے رہنما کی کماحقہ اطاعت کرتی ہیں وہ خدا کے فضل وکرم اور انعام کی مستحق ٹھہرتی ہیں۔ انہوں نے تمام حاضرین پر زور دیا کہ وہ اپنی صفوں میں اتفاق واتحاد پیدا کریں اور اپنے مرکز کے چھوٹے سے چھوٹے حکم کی بروقت اور فوری تعمیل کر کے اطاعت وفرمانبرداری کا ثبوت دیں اور جماعت کو تقویت دیں۔

ان کے بعد مرکزی شبان الاحمدیہ کے صدر محترم ڈاکٹر جمیل الرحمان صاحب نے شبان سے خطاب کیا۔ آپ نے شیخ محمدی کی تنظیم کو مختصر وقفے کے بعد دوسرا جلسہ کرنے پر مبارکباد دی اور مقامی بزرگوں خصوصاً محترم غلام علی صاحب کا بھرپور تعاون کے لئے شکریہ ادا کیا۔ آپ نے میٹرک پاس طلبہ کے لئے سلسلے کی مندرجہ ذیل کتب پر مشتمل کورس کا اعلان کیا۔

۱۔ مسیح ہندوستان میں ، مصنف ، حضرت اقدس
۲۔ مسیح موعود ، حضرت مولانا محمد علیؒ
۳۔ محمد اعظم (اول ودوم) ، ڈاکٹر بشارت احمدؒ
۴۔ کسر صلیب ، الحاج ممتاز احمد فاروقی

آپ نے کہا کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ان کتب میں طلبہ کا امتحان ہوگا۔ آپ نے شبان الاحمدیہ کے ممبران کو ماہوار چندہ باقاعدگی سے ادا کرنے کی ہدایت کی اور ملازم پیشہ حضرات کے لئے ایک روز کی آمدن اور طلبہ کے لئے کم از کم دو دن کے جیب خرچ کو چندے کی کم از کم شرح مقرر کیا۔

آخر میں صدر جلسہ محترم صاحبزادہ محمد احمد نے تقریر فرمائی۔ آپ نے سورۂ والنازعات کی پہلی پانچ آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی ترقی کی پانچ منازل ہیں۔ کسی کمال کے حصول کی پہلی منزل میں مشقت پیش آتی ہے۔ دوسری منزل میں انسان مشقت کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور ایک خوشی اور مسرت اس کی جگہ لے لیتی ہے اور پھر کام مقررہ جو دیر سے ہوتا تھا اب جلدی جلدی ہونے لگتا ہے۔ پھر انسان ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور بالآخر اس کام یا مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ تفسیر بیان کرتے ہوئے آپ نے شبان کو نصیحت فرمائی کہ انہی منازل پر چلتے ہوئے مسیح موعود کے مشن کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے کے لئے خود کو تیار کریں۔ اس کے بعد دعا کی گئی اور جلسہ برخواست ہوا۔

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

نیکی کے حصول کے لئے

فی سبیل اللہ مال کا انفاق

انفاق فی سبیل اللہ سے مال بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا۔

لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا مما تحبّون وما تنفقوا من شیءٍ فان اللہ بہ علیم

قرآن شریف کی اصل غرض

قرآن شریف کی اصل غرض انسان کو اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے دنیا کے کام سرانجام دیتے ہوئے، جیسے دوسرے انسان اس دنیا میں رہتے ہیں ویسے ہی رہتے ہوئے اس کو بہتر انسان بنانا۔ اس کی زندگی کی قدر و قیمت کو بڑھانا ہے۔ اصل غرض یہی ہے جس کے لئے مختلف قسم کے احکام دیئے گئے اور ان کو بڑے مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا۔ ولقد صرفنا للناس فی ھٰذا القرآن من کل مثل ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے پیرایوں میں لوگوں کو سمجھایا۔

مال کو خدا کے رستہ میں خرچ کرنے کا حکم

یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں بھی انسان کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ایک حکم دیا ہے۔ لفظ تو یوں ہیں کہ تم نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے۔ نیکی کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں تک کہ اس چیز کو خدا کے رستہ میں خرچ کرو۔ جو تمہیں محبوب ہو۔ یہاں تو صرف خرچ کرنے کا ہی ذکر ہے لیکن خدا کے رستہ میں خرچ کرنا ہم اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ کوئی انفاق فی سبیل اللہ کسی قسم کا خرچ کرنا اسی وقت مفید ہو سکتا ہے۔ جب اس میں ذاتی غرض شامل نہ ہو محض خدا کے لئے خرچ کرو۔ کیا خرچ کرو؟ مما تحبّون وہ چیز خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ وہ کیا چیز ہے۔ وہ ہے مال دنیا یہ اس قدر انسان کی محبوب چیز ہے۔ کہ اس کا نام بھی نہیں لیا۔ اس قدر محبوب چیز ہے کہ اگر ساری دنیا کے انسانوں کو دیکھا جائے تو خدا سے نیچے اتر کر دوسرا معبود مال دنیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اور معبود بھی لوگوں نے بنائے ہوئے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی نسل انسانی کے جملہ افراد جس ایک بیماری میں مبتلا ہیں وہ مال دنیا کی شدید محبت ہے۔ یہاں تک مال نسل انسانی کا سب سے بڑا معبود ہے۔

نیکی اور مال دنیا

اللہ تعالیٰ اس مال دنیا کے کمانے سے انسان کو بند نہیں کرتا۔ روکتا نہیں۔ بلکہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ دو چیزیں ہیں جن کے حصول کے لئے انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے کہ وہ کوشش کرے ایک نیکی اور ایک مال، ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ نے نیکی کو وہ مرتبہ دیا ہے۔ کہ اس کے لئے مال دنیا کو قربان کر دینا ضروری قرار دیا ہے۔ گویا نیکی کا مرتبہ مال دنیا سے بہت بلند ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا کا قانون ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑی چیز کے لئے قربان کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے سب چیزیں اسے قربان کرنی پڑتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے نیکی کو وہ بلند مرتبہ دیا ہے کہ اس کو قائم رکھنے کے لئے مال کو قربان کرنا ضروری ہے۔ انسان کے دل میں تڑپ دونوں کے لئے ہے۔ نیکی کی تڑپ بھی انسان کی فطرت میں ہے۔ اور حصول مال کے لئے ہر انسان کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح نیکی کے لئے بھی ہر انسان کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دہریہ کے دل میں بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ کوئی اچھا کام کرے۔ تو فرمایا وہ غرض پوری نہیں ہو سکتی حتّٰی تنفقوا مما تحبّون جب تک اپنی محبوب ترین شے کی قربانی نہیں کرتے تب تک نیکی کی جو بلند خواہش ہے وہ پوری نہیں ہو سکتی۔ نیکی وہ بلند خواہش ہے جس کا حصول بہت مشکل ہے۔ مال آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کا تعلق دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے ہے مگر نیکی کا تعلق خدا سے ہے۔ اس لئے خدا کے رستہ میں جب تک محبوب ترین چیز مال کو قربان نہ کیا جائے نیکی حاصل نہیں ہو سکتی۔

نیکی کے حصول کے لئے مال دنیا خرچ کرنے کا حکم

تو لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا مما تحبّون میں گویا یہ بتایا ہے کہ تم نیکی بھی حاصل کرنا چاہتے ہو، مال بھی حاصل کرنا چاہتے ہو مگر تمہاری تڑپ نیکی حاصل کرنے کی پوری نہیں ہو سکتی جب تک خدا کے رستہ میں مال جیسی محبوب چیز خرچ نہ کرو۔ تو یہ گویا نیکی کو حاصل کرنے کا ایک امر ہے۔ اور اس امر کی تعمیل کا ذریعہ بھی بتا دیا کہ مال کی قربانی کے بغیر اس امر کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

حضرت مجدد صد چہاردھم نے اس آیت کا ذکر اوامر میں کیا ہے۔

میں نے جب اس آیت پر غور کیا تو میرا خیال ہوا کہ حضرت مجدد صد چہاردہم کے اس قرآن کو بھی دیکھوں جس پر آپ نے اوامر و نواہی نوٹ کئے ہیں۔ اور اسے آپ نے پڑھا بھی بہت مرتب ہے۔ اس علم قرآن کے علاوہ جو بطور ورثہ حضرت مجدد صد چہاردہم سے مجھے ملا ظاہری رنگ میں بھی یہ قرآن کریم مجھے حضرت صاحب سے ہی بالواسطہ ملا ہے یہ ایک ہی تبرک حضرت صاحب کا میرے پاس ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے اور کسی تبرک کی ضرورت بھی نہیں۔ اس قرآن شریف کے حاشیہ پر کوئی قریباً ۶۵۰، اوامر و نواہی آپ نے نوٹ کئے ہیں۔ میں نے دیکھا تو اس میں نمبر ۱۸ پر لن تنالوا البر کو بھی اوامر میں نوٹ کیا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہ قرآن کریم پر کس قدر باریک تھی۔

انفاق فی سبیل اللہ سے مال بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا

تو یہ ایک اصول زندگی کو بہتر بنانے کا بتایا۔ ایک چیز ہے زندگی کو بہتر بنانے کا مال؛ ایک ہے نیکی۔ یہ اعلیٰ چیز ہے۔ اس اعلیٰ چیز پر ادنیٰ چیز کو جب تک قربان نہ کرو گے۔ یہ اعلیٰ چیز حاصل نہ ہو گی۔ مال کو خرچ کرنا بڑا مشکل ہے کسی نے کہا ہے:۔ ؎

اگر اطمد گرنی صد بخوانند
بد بیائے چو خر در گل بمانند

نفل کہیں تو پڑھتے چلے جائیں گے۔ اللہ اللہ بھی کرتے رہیں گے۔ تسبیحیں بھی پھیرتے رہیں گے۔ لیکن مال کے خرچ کرنے کے لئے کہا جائے تو منہ پھیر لیں گے، مال کا جاتا رہنا کم ہو جانا کسی طرح گوارا نہیں۔ اسی لئے اس آیت میں ایک اور جملہ بڑھایا وما تنفقوا من شیءٍ فان اللہ بہ علیم کوئی چیز بھی جو تم خرچ کرو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس میں شبہ ہی کیا ہے۔ پھر یہ کیوں بڑھایا؟ بات یہ ہے کہ انسان جب مال خدا کے رستہ میں خرچ کرتا ہے تو اسے خیال ہوتا ہے کہ یہ کم ہو گیا تو کس طرح پورا ہو گیا۔ تو فرماتا ہے:۔

وما تنفقوا من شیءٍ فان اللہ بہ علیم

تم خدا کے قانون کو دیکھ لو۔ جو کچھ خدا نے تمہیں دیا ہے اس کے خرچ کرنے سے وہ کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ جو کچھ بھی چیز خرچ کرتے ہو۔ اللہ اس کو جانتا ہے۔ یعنے اس کو بڑھاتا ہے۔ کیونکہ وہ علم رکھتا ہے۔ تم اس کو سمجھو یا نہ سمجھو لیکن جب مال خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ مال کو بڑھا دے گا :

ایک ضروری مفید مشورہ

"ان الدین عند اللہ الاسلام"

اللہ تعالے کے حکم کے مطابق صرف اسلام ہی مکمل دین ہے۔ قرآن پاک کی روشنی میں دیکھا جائے تو اللہ تعالے کا ارشاد ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔" قرآن پاک میں جو دین کا تصور بیان کیا گیا ہے وہ دیگر تمام مذاہب کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ اور اس تصور کو نہایت خوبی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالے کے نزدیک اس ضابطۂ حیات کے علاوہ باقی کوئی ضابطہ حیات مکمل نہیں ہے اور اگر اس ضابطۂ حیات یا اسلام کے مقابل میں کوئی ضابطۂ حیات پیش کیا گیا تو وہ ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہوگا جیسے فرمایا:۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین ۔

ہم سب جانتے ہیں کہ زکوٰۃ ارکان دین میں سے ایک ضروری رکن ہے۔ اور ہمارا پختہ یقین ہے کہ صرف اسلام ہی ایک مکمل ضابطۂ حیات کہلانے کا مستحق ہے۔ مگر زکوٰۃ کے بغیر ضابطۂ حیات مکمل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس دین یا ضابطۂ حیات کے نفاذ کے لئے ادائیگی زکوٰۃ نہایت ضروری ہے۔ جو کہ قومی خزانہ یا بیت المال میں جمع ہوتی ہے۔ اور قوم کے سیاسی۔ فوجی معاشی اور سماجی امور کی انجام دہی کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی کئی مدات ہیں جو بیت المال میں جمع ہوتی تھیں مثلاً مال غنیمت اور ایسے صدقات جو اپنی مرضی سے اللہ تعالے کی رضا کے لئے دئے جاتے ہیں۔ اسلام کی جامع اور مانع تعریف مندرجہ ذیل آیت شریفہ میں ملتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ایک دین ہے اور اس کے چند ارکان اور اصول ہیں مثلاً

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔

لفظ "نسکی" میں ہی مالی اور جانی قربانی کا اشارہ ہے اور صحیح مسلمان وہی ہے جو ان خوبیوں اور صفات کا مالک ہو۔ یہ صفات خدا تعالے نے ہی عطا فرمائی ہیں۔

چنانچہ سب سے عظیم ترین مسلم آنحضور صلعم کی ذات ہے جیسے فرمایا:۔

وانا اول المسلمین

جیسے نماز نہ قائم کرنے والا صحیح مسلمان نہیں ہوتا اسی طرح تارک الزکوٰۃ بھی مسلمان کی صف اوّل میں شمار نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ ایک رکن دین ہے جس کے بغیر دین مکمل نہیں ہو سکتا۔ زکوٰۃ دین کا ایک جزو ہے۔ اور اسی لئے فرض ہے۔ بخلاف اس کے صدقہ دین کا جز یا رکن نہیں اس لئے فرض بھی نہیں۔ بلکہ ایک مسنون اور مستحب مالی قربانی ہے جس پر عمل کرنے سے بہت سی برکات نازل ہوتی ہیں اور مصائب ٹل جاتی ہیں۔ فرمایا۔ الصدقۃ دافعۃ للبلاء ۔ چونکہ صدقہ غریب محتاج اور نادار لوگوں کو دیا جاتا ہے اور جب ان کی ضرورت اور حاجت پوری ہوتی ہے تو ایسے لوگوں کے دلوں سے مخلصانہ دعائیں نکلتی ہیں۔ اور اللہ تعالے حسب وعدہ ایسی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتے ہیں اور ہماری مصیبتیں اور ابتلا دور ہوتے رہتے ہیں دراصل دعا ہی مشکلات اور تکالیف سے نجات دلاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالے نہایت ہی رحیم وکریم ہے۔ اور اس کا وعدہ بھی ہے کہ (وہ یکشف الضر) وہ مصیبت کو دور کرتا ہے۔ اور دعا قبول کرتا ہے۔

پس اگر دین اسلام جو کہ مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالے نے بے بہا مالی وسائل بھی پیدا کر رکھے ہیں تو اب یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ اس مالی امداد کو احسن طور پر کام میں لائے۔ تو کیا ہی اچھا ہو کہ بجائے فرداً فرداً یا فیملی فیملی میں رقمیں دی جائیں جنہیں وہ فوری طور پر ختم کر سکتے ہیں اور ان کے اندر ایک احساس کمتری بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ بلکہ فرمان نبوی کی بھی مخالفت ہوتی ہے جیسے فرمایا:۔ الید العلیا خیر من الید السفلی "سخاوت کرنے والا مانگنے والے سے بہتر ہے۔ گداگری بھیک مانگنا اور ہاتھ پھیلانا سراسر اسلام اور دین کے خلاف ہے۔ یہ ہاتھ پھیلانا خواہ حکومت کے سامنے ہو یا بڑے بڑے امراء کے سامنے ہو انسان کے اندر احساس کمتری ضرور پیدا کرتا ہے۔

بجائے اس کے اس کثیر آمدنی کو انڈسٹری اور صنعت میں لگایا جائے اور ان لوگوں کو حسب لیاقت ان فیکٹریوں میں جگہ دی جائے اور انہیں باقاعدہ کام اور تنخواہ اور حصہ بھی دیا جائے تو قوم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہے۔ یہ آمدنی ایک مستقل آمدنی ہے۔ اس لئے اس سے بہت اچھے کام لئے جا سکتے ہیں انڈسٹری کے علاوہ اپاہج۔ اندھوں اور دیگر غریب اور بے کس لوگوں کے لئے فلاحی ادارے کھولے جائیں۔ سرکاری یتیم خانے بیوہ اور بے کار عورتوں کے ایسے مراکز جاری کریں جہاں عورتیں اور بچے کام بھی کریں اور اپنے لئے کمائی بھی کریں۔ اور محتاج بھی محسوس نہ کریں۔

اس طرح کمیٹیوں کے ذریعہ روپیہ تقسیم کرنے سے قوم کی غربت کبھی دور نہ ہوگی بلکہ ذہنی غربت میں اضافہ ہوگا۔ چنانچہ اب بھی کروڑوں روپیہ تقسیم کرنے کے باوجود مانگنے والوں کی تعداد میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اور جب ان کو منع کیا جاتا ہے کہ اب تو حکومت نے غریب اور مسکین بیواؤں اور یتامیٰ کی باقاعدہ فہرستیں بنالی ہیں اور ان کی امداد کے لئے کمیٹیاں بنادی ہیں۔ لیکن مانگنے والے لوگ اسی طرح رہتے ہیں اور لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ زکوٰۃ اور صدقات ان کو دیئے جائیں۔ اگر حکومت اس کام کو اپنے فرائض میں داخل کر لے تو یہ رقم بھی ضائع نہیں ہوگی کسی کو شکایت بھی نہیں ہوگی اور ایک اعلیٰ قوم بھی پیدا ہوتی رہے گی۔ یہ ایک مشورہ ہے اس کے دیگر پہلوؤں پر بھی مزید غور ہو سکتا ہے ورنہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور روزانہ کے اعلانات کے باوجود اس ملک کے شہر شہر اور گلی کوچوں میں بھکاریوں اور مانگنے والے اپاہجوں کا وہی ہجوم ہے۔ باہر سے آنے والا انسان جب یہ حالت دیکھتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اصل پاکستان یہ ہے۔ ابھی تک لوگ بطور پیشہ در بھکاری گھر گھر پہنچ جاتے ہیں اور زکوٰۃ اور صدقے کے پیسے مانگتے ہیں۔ اگر اس ملک کے ساتھ واقعی صحیح نیکی کرنی ہے۔ اور پھر غربت اور افلاس کا علاج معقول طور پر ہونا چاہیئے۔ اب تو ایسے فنڈز بھی مہیا ہو گئے ہیں۔ یہ کمیٹیوں والا سسٹم کوئی سسٹم نہیں۔ لوگوں کو اپنی حکومت سے بطور حق امداد ملنی چاہیئے :۔

وما علینا الا البلاغ

مقامی جماعت کا رابطہ اجلاس

ماڈل ٹاؤن

مؤرخہ 11/9 بروز جمعرات مکرم میاں بشیر احمد صاحب کے بنگلہ C-89 واقع ماڈل ٹاؤن میں حلقہ ہذا کے احباب کا رابطہ اجلاس محترم میاں فضل احمد صاحب صدر جماعت کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں مکرم ظہور احمد صاحب مکرم عبدالرحمن صاحب جموی۔ مکرم چوہدری فضل حق صاحب اور دوسرے احباب نے بہت سی مفید تجاویز استحکام جماعت۔ ضروریات ملی اور نوجوانوں کی تربیت وغیرہ کے بارہ میں بیان فرمائیں۔ محترم میاں فضل احمد صاحب نے اس اجلاس کو W I N D U P کرتے ہوئے ان تجاویز پر تبصرہ فرمایا اور قابل عمل تجاویز پر طے پایا کہ ہر فرد جماعت کو انہیں کامیاب کرنے کے لئے ان میں عملی حصہ لینا چاہیئے۔ محترم میاں بشیر احمد صاحب نے پرتکلف عصرانہ احباب کی خدمت میں پیش کیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزا۔ نماز مغرب باجماعت ادا کی گئی اور محترم میاں فضل احمد صاحب نے حلقہ کے بعض بیمار احباب کی عیادت کے لئے ان کے گھروں میں تشریف لے گئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مرزا حبیب الرحمن صاحب اور ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب سے ملاقات کی گئی۔ 18/9 کا اجلاس حلقہ چھاؤنی میں ہوگا اور 25/9 کا حلقہ گلبرگ کا اجلاس پانچ بجے بعد عصر محترم میاں فضل احمد صاحب کے مکان E/12/1 گلبرگ III میں ہوگا۔

مم حلقہ گلبرگ کے رہنے والوں سے التماس ہے کہ وہ 25/9 کے اجلاس رابطہ میں ضرور شامل ہوں۔ ان کی معاونت و شرکت اور تعاون استحکام جماعت کے سلسلہ میں انشاء اللہ بڑا سود مند ثابت ہوگا۔ بڑا ک

کمال الدینؒ

سیرت خیر البشر

حضورؐ کی زندگی قرآنِ مجید کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

ہمیں قرآنی احکام کی تفہیم کے لئے مختلف مفسرین کی کتب کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپ کی زندگی میں ان سب کی مثالیں موجود ہیں۔ اوامر و نواہی دونوں قسم کے احکام قرآنی پر آپ نے عمل پیرا ہو کر دکھا دیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جب کسی کو قرآن کی کسی آیت کا مطلب سمجھاتی تھیں تو اس کی تفسیر یا تائید آپ کے اقوال و افعال سے کر دیتی تھیں اور اگر کسی معاملہ میں نبی کریمؐ کے طرزِ عمل کو لوگ آپ سے دریافت کرتے تھے تو وہ قرآن کی مخصوص آیات تلاوت فرما دیتی تھیں۔ اور ایک دفعہ انہوں نے ہی یہ فرمایا تھا:۔

"کان خلقہ قراٰن"

اور ان کی اتباع میں اکثر مفسرین نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اور کہ قرآنی اوامر و نواہی کی تفسیر کو آپ کے اقوال و افعال سے مؤید کیا ہے۔ قرآن میں پانچسو سے اوپر احکام پائے جاتے ہیں لیکن ان سب کی مثالیں آپؐ کی زندگی میں مل سکتی ہیں۔

جو مثالیں عفو کی بیان ہوئی ہیں وہ سب بھی قرآن کی آیات متعلقہ عفو کی تفسیر کہی جا سکتی ہیں اسی طرح قرآن میں غلاموں کو آزاد کرنے کے متعلق یہ حکم آیا ہے:۔

"خدا کی محبت میں اپنی دولت ان غلاموں کو آزاد کرنے میں صرف کرو جنہیں لڑائی میں گرفتار کیا گیا ہو۔"

اس آیت میں اللہ تعالٰے نے دشمنوں سے محبت کرنے کا عملی سبق دیا ہے اور حضورؐ نے سب سے پہلے اس آیت پر بھی عمل کر کے دکھا دیا بخوفِ طوالت آئندہ صرف انہی قرآنی آیات کی عملی تصاویر دکھاؤں گا جن پر عمل کرنے کے لئے غیر معمولی اور فوق العادت لیاقت ذاتی کی ضرورت ہونی چاہیئے۔

ایفائے عہد

مؤمنوں کی شناخت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاہدات کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جب وہ وعدہ کرتے ہیں تو اسے وفا بھی کرتے ہیں۔

(قرآن مجید ۲۳: ۸ و ۱:۵)

اگر اس حکم کی پابندی ہر شخص اپنا شعار بنا لیتا اور آج دنیا کا اور ہی نقشہ ہوتا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے اس اصول پر بطرز احسن عمل کر کے دیکھا دیا۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے جو نمونہ دکھایا وہ عیسائی مشنریوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ اور اس لائق ہیں کہ عیسائی حکومتیں ان کو ہر دم سامنے رکھیں تاکہ وہ ان مواثیق کا احترام کر سکیں۔ جن کی خلاف ورزی ان کا شعار عام ہو چکا ہے۔ آپ نے بھی بحیثیت بادشاہ دشمنوں سے معاہدات کئے۔ جنہوں نے آپ کے سامنے ایسی کڑی شرطیں پیش کیں، جو آپ کے مقاصد کو بے حد نقصان پہنچانے والی تھیں۔ لیکن آپؐ نے ان کو تسلیم کیا۔ اور ایسے نازک حالات میں ان کی پابندی کی جبکہ مدبرین یورپ کو ان سے انحراف کرنے میں مطلق باک نہ تھا۔ جنگِ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ آپؐ کے دو ساتھی پیچھے رہ گئے تھے۔ انہیں دشمنوں نے روک لیا۔ اور اس شرط پر رہائی دی کہ ان کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں۔ جب یہ لوگ حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے انہیں اہلِ مکہ کے مقابل شرکت جنگ سے ہمیشہ باز رکھا حالانکہ اسوقت ایک ایک شخص ایک ایک دستہ کے برابر واقع تھا۔

انصاف پسندی

یہ امر ایفائے عہد سے بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ جب فریقین میں سے ایک فریق اپنا دشمن ہو اور دوسرا دوست۔ لیکن قرآن فرماتا ہے:۔

"یقیناً اللہ، انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی فریق کی معاندانہ روش تم کو جادۂ انصاف سے منحرف کر دے خبردار انصاف کو مدنظر رکھو۔ کیونکہ عدالت تقویٰ سے قریب ہے۔" (قرآن مجید ۱۶: ۹ و ۸:۵)

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت، ارتکاب سرقہ میں گرفتار ہوئی۔ اس کے اعزا نے اُسامہ ابنِ زیدؓ سے آپ کی خدمت میں سفارش کرنے کی درخواست کی۔ حالانکہ آپ ابنِ زیدؓ کا بہت خیال فرماتے تھے۔ لیکن اس موقعہ پر آپؐ نے فرمایا:۔

"اسامہؓ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری خوشنودی کے لئے اللہ تعالٰے کے احکام سے روگردانی کروں"

اس کے بعد آپ نے مجلس عام میں یوں تقریر فرمائی:۔

"تم لوگوں سے پہلے بہت سی قومیں صرف اسی وجہ سے تباہ ہو گئیں کہ انہوں نے غریبوں کے معاملات میں قانونِ ملکی کو سخت طریقہ میں برتا اور امیروں کے لئے اس کو ملائم کر دیا۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ چوری کا ارتکاب کرے تو اس کے ہاتھ بھی اسی طرح کاٹ دیئے جائیں گے۔"

(بخاری)

اپنی وفات سے چند روز پہلے آپ نے اعلان فرمایا کہ اگر آپؐ کے ذمہ کسی کا کچھ آتا ہو تو بے تکلف طلب کرے۔ اگر کسی کو کبھی جانی یا مالی نقصان آپؐ کے ہاتھ سے پہنچا ہو۔ تو آپؐ کی جان اور مال دونوں اس کی مرضی پر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ کل جماعت خاموش تھی۔ ایک شخص چند درہم کا متقاضی ہوا۔ فوراً وہ رقم تعمیل ادا کر دی گئی۔ (ابن اسحاق)

ایک مرتبہ آپؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک جماعت آپؐ کے گرد تھی۔ اس اثنا میں ایک شخص نے اپنے بدن کا سارا بوجھ آپ پر ڈال دیا۔ آپ نے ایک پتلی سی چھڑی سے اُسے ہٹا دیا۔ لیکن چھڑی کی نوک سے اس کے چہرے پر ایک خفیف سی خراش آ گئی۔ آپؐ نے فوراً اس سے فرمایا "مجھ سے انتقام لے سکتے ہو"

اس نے کہا "یا رسول اللہ! میں نے بطیب خاطر آپ کو معاف کیا۔" (ابن داؤد)

آپؐ ہر شخص کے ساتھ خواہ وہ امیر ہوتا یا غریب، اعلےٰ یا ادنےٰ، خادم یا مخدوم۔ یکساں سلوک فرماتے سلمانؓ صہیبؓ اور بلالؓ یہ لوگ آزاد کردہ غلام تھے۔ لیکن ان کے ساتھ وہی برتاؤ ہوتا تھا۔ جو کسی بڑے سے بڑے قریشی سردار سے۔ ایک مرتبہ سلمانؓ۔ بلالؓ اور ابوسفیان زعیم قریش تینوں ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے سلمانؓ اور بلالؓ نے آپس میں کہا کہ ہماری تلوار نے ابھی تک ابوسفیان کو نیچا نہیں دکھایا حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا تم لوگوں کو یہ جرأت کس طرح ہوئی کہ سردارِ قریش کے حق میں ایسی بات کہتے ہو، اس کے بعد انہوں نے آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا:۔

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہارے اس اعتراض سے ان لوگوں کی دل آزاری تو نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی تو یقیناً تم سے خدا ناراض ہے۔"

ابوبکرؓ فوراً ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا:۔ "بھائیو! کیا میرے اعتراض سے آپ کی دل آزاری ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ ہم آپ سے مطلق ناراض نہیں ہیں۔ عفاک اللہ

(مسلم)

حج ادا کرنے سے پہلے، قریش لوگ مزدلفہ نامی ایک جگہ پر قیام کرتے تھے۔ اور اس جگہ کو انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ کیونکہ بوجہ علوِ نسب عامۃ الناس کے ساتھ مل کر بیٹھنے کو معیوب جانتے تھے۔ نبی کریم صلعم نے اس امتیاز کو کبھی روا نہ رکھا۔ نبوت سے پہلے اور بعد میں بھی آپؐ عام لوگوں کے ساتھ ہی اس جگہ قیام فرماتے تھے اور کبھی کوئی آرام دہ جگہ اپنے لئے مخصوص نہ فرمائی۔ آپؐ فرماتے تھے کہ جو شخص مزدلفہ میں پہلے پہنچ جائے اسے اچھی سے اچھی جگہ منتخب کرنے کا حق حاصل ہے۔ (مسند ابن حنبل)

صفتِ ایثار

اور خدا کی خاطر محتاج اور یتیم اور قیدی

(باقی صفحہ ۱۲ کالم ۲)

مرزا محمد لطیف شاہد

ایک خطرناک مرض

بے جا نکتہ چینی

اسلام کی تعلیم کی رُو سے ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے لئے جسم واحد کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرمایا کہ " جس طرح ایک عمارت شاندار ہو۔ اس میں کوئی کمی نہ ہو۔ ہر چیز مکمل ہو اس طرح تم بھی سب عمارت کی طرح ہو جاؤ جس طرح عمارت کی تکمیل میں بہت ساری چیزیں مل کر ایک مکمل صورت میں رہنے والوں کے لئے امن و آرام کا موجب بنتی ہیں۔ اسی طرح اے مسلمانو! تم جو مختلف مزاج۔ عادات [illegible] علاقے کے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ لیکن اسلام کی وجہ سے تم سب ان اضافی تعلقوں کو چھوڑ [illegible] ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاؤ [illegible] بلکہ تمہارے اندر قلبی لگاؤ اور [illegible] ہو جائے تب تم سچے مسلمان کہلا سکو گے۔

اللہ تعالیٰ نے تاکیداً یہ امر بیان فرمایا کہ

لما تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون!

ہر بات کہنے سے پہلے اپنے اندر جھانک کر دیکھو کہ جس بات کی دوسروں کو تلقین کرتے ہو کیا خود بھی اس پر عمل پیرا ہو کہ نہیں۔ اور [illegible] یہی بات ہے کہ دوسروں کی کمزوریوں پر [illegible] رہے ہو۔ بغیر ضرورت [illegible] کر رہے ہو۔ ذرا غور [illegible] سے تمہاری نیت کیا ہے۔ اگر نیت اصلاح ہے تو متعلقہ شخص یا ادارہ سے رجوع کرو۔ اور اگر [illegible] وہ واہ مطلوب یا کسی پر نکتہ چینی کرنا مقصود ہے تو جس کے بارے میں [illegible] باتیں کر رہے ہو اس کو تو کوئی نقصان نہیں [illegible] تمہارے [illegible] ہو جائیں گے [illegible] محروم رہ جاؤ گے۔ [illegible] مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے

قوا انفسکم واھلیکم نارا۔

حکم یہ دیا کہ اے مسلمانو! تم اپنے آپ کو بچاؤ۔ ہر طرف آگ ہی آگ ہے۔ ایک لمحہ کی غفلت انسان کو راستی سے بہت دُور لے جاتی ہے۔ اپنی پیدائش پر غور کرو۔ جو فرائض اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد تمہارے اوپر فرض کئے ہیں۔ ان کو تم نے کہاں تک سرانجام دیا ہے۔ اور اسلام قبول کرنے کے بعد جو تمہارے فرائض ہیں۔ ان کو کہاں تک پورا کیا ہے۔ حیات مستعار! چند روزہ ہر گھڑی جو نکتہ چینی یا بیکار باتیں کرنے میں صرف کر رہے ہیں۔ بس میں تو تم گھاٹے میں جا رہے ہیں۔ اس [illegible] سے بچنے کے لئے یہ تعلیم دی گئی ہے

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

جس طرح ایک عمارت کی چھت، چار دیواروں پر قائم رہتی ہے اور اگر ایک دیوار بھی گر جائے تو یہ عمارت باوجود سارے اسباب کے کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ الٹا نقصان کا خطرہ ہی رہتا ہے اور وہ چار دیواریں جو انسان کو شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھتی ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) حقیقی ایمان باللہ (۲) اعمال صالحہ (۳) دوسرے بنی نوع انسان کو اسلام کا پیغام پہنچانا۔ (۴) خدا کے راستے میں استقلال سے نیکیوں پر قائم رہنا۔ اپنی کمزوریوں کو ترک کرنا۔ اور کسی مالی و جانی قربانی سے دریغ نہ کرنا۔

[illegible] اگر انسان کو معرفت نصیب [illegible] سامنے ہو۔ خلوص ہو۔ کیا ایک [illegible] سکتا ہے کہ وہ دوسروں پر [illegible] اپنی متاع عزیز کو ضائع کرے۔ اور قوا انفسکم کے بعد دوسرا حکم یہ دیا

واھلیکم نارا۔ پہلے تو خود آگ سے بچو پھر اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ تم خود کامل نمونہ بنو۔ سفید چادر کی طرح اپنا باطن صاف کرو۔ ظاہر صاف رکھنا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ اس میں تو دوسرے لوگ بھی تمہارے ساتھ اس فعل میں شراکت رکھتے ہیں۔ بلکہ علاوہ تم سے ظاہری طور پر زیادہ صاف ہیں یہاں باطن کی صفائی و طہارت قلب و روح و دماغ و افکار مراد ہے۔ غور کرنے سے پتہ لگتا ہے یہ بڑا مشکل کام ہے۔

صوفیاء تو فرماتے ہیں کہ ما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک یعنی معرفت ربانی ثبات حق ہمیں کرنا چاہیئے تھا اتنا ہم نہیں کر سکے اور جس طرح کی اطاعت و فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیئے ویسی ہم نہیں کر سکے۔ اور اس واسطے فرماتے ہیں کہ:۔

موتوا قبل ان تموتوا۔ حقیقی ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق اس دنیا میں جب تک انسان اپنے اوپر موت وارد نہ کر لے اس وقت تک نصیب ہی نہیں ہو سکتی! جب یہ مقام انسان حاصل کر لیتا ہے۔ پھر تو اس کی بات اور تلقین کا دوسروں پر بھی اثر ہو گا۔

آج طوفان ضلالت برپا ہے۔ مسموم ہوائیں چاروں طرف چل رہی ہیں۔ ظاہری عروج اتنا ہو چکا ہے۔ کہ آج سے ایک صدی پیشتر کا انسان یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ ساری چیزیں ہماری اولاد۔ اہل خانہ و غیرہ عزیز و اقارب پر اثر انداز ہو رہی ہیں خدارا غور کریں۔ آپ کا اپنا نمونہ اور اپنی اولاد کی اصلاح و تربیت سے آپ فارغ ہو چکے ہیں۔ کیا ایمان و اعمال صالحہ سے آپ کے ظرف بھر چکے ہیں۔ بھرا ہوا ظرف تو آواز نہیں دیتا۔ اصل میں خالی برتن ہی آواز دیتا ہے۔ کیا یہ نکتہ چینی اس امر کی بیّن دلیل تو نہیں کہ ہم خالی ڈھول کی طرح آواز نکال رہے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] سے تعبیر فرمایا ہے کہ ایسے موقع پر یہ حالت ہوتی ہیں کہ تم اپنے بھائی کی کمزوریوں پر نظر بند رکھو اپنی کمزوریوں پر نظر کھلی رکھو۔ ہمیں اپنا تو شہتیر نظر نہیں آتا دوسروں کی آنکھ کا تنکا ہم اندر جھانک کر دیکھ لیتے ہیں۔ جس شخص میں نکتہ چینی کی عادت ہوتی ہے۔ وہ عملاً قوت عملیہ سے عاری ہوتا ہے۔ قربانی اور ایثار کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔ قبولیت دعا کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ دوسروں کے سیاہ دھبے دیکھتے دیکھتے خود اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایک اپنا نقصان کرتا ہے۔ دوسرے خام ذہن و فکر کے مالک اس سے بُرا اثر لیتے ہیں۔ ایک خود گڑھے میں گرتا ہے۔ نیز دوسروں کو بھی اس تاریک غار میں دھکیل دینے کی مذموم کوشش کرتا ہے۔ جس کو قرآن مجید نے

واحاطت بہ خطیئتہ والی کیفیت سے پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسروں پر طعن زنی انجام کار خود اس کو ایک ایسے خطرناک مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ وہ ہر قسم کی نیکیوں و خیر و برکت سے محروم ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

حضرت مسیح موعود کیسی پاکیزہ نصائح اپنے ماننے والوں کو تلقین فرماتے ہیں۔

"سچ کہو۔ جھوٹ نہ بولو۔ بے ہودہ باتوں سے پرہیز کرو۔ اور اپنے فعل یا اپنے قول سے کسی کو نقصان مت پہنچاؤ۔ اپنی زندگی کو پاک رکھو۔ غیبت نہ کرو۔ اور کسی پر بہتان مت لگاؤ۔ نفسانی شہوات اپنے پر غالب نہ ہونے دو۔ کینہ اور حسد سے پرہیز کرو بغض سے اپنا دل صاف رکھو اپنے دشمنوں سے بھی وہ معاملہ نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے! ایسی نصیحتیں دوسروں کو مت کرو۔ جن کے تم پابند نہیں۔ معرفت کی ترقی میں لگے رہو۔ جہل سے دل کو پاک کرو۔ جلدی سے کسی پر اعتراض مت کرو۔ نفرت کرنے سے نفرت رفع نہیں ہوتی۔ بلکہ اور بھی بڑھتی ہے محبت، نفرت کو ٹھنڈا کر کے رفع کر دیتی ہے۔"

(ملفوظات حضرت مسیح موعود)

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ - لندن

چلتے راستوں پر چلنا

اُردو بولی کی ایک عام بندش ہے کہ یہ راستہ بہت چلتا ہے۔" یعنی اِس راستے پر لوگوں کی بہت آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اِس محاورہ پر لطیفے بنے ہوئے ہیں۔ جیسے ایک عمر رسیدہ بڑے میاں سے کسی نے کہا کہ "صاحب یہ راستہ تو بہت چلتا ہے" انہوں نے جواب دیا کہ "میاں پچاس سال سے تو میں اسے یہاں قائم دیکھتا ہوں یہ کیا چلے گا"۔ یا کسی بچے سے ایک مسافر نے سوال کیا کہ "بیٹا یہ سڑک کدھر جاتی ہے۔" تو جواب ملا کہ "یہ تو دن رات یہیں پڑی رہتی ہے کہیں نہیں آتی جاتی۔" لیکن بہت سے لوگوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ مغرب میں ایسے راستے بھی ہیں جو سچ مچ خود چلتے ہیں۔

لندن کی مشہور بین الاقوامی ایئرپورٹ ہیتھرو HEATHROW جو دنیا کی چوٹی کی عظیم الشان اور مصروف ترین ہوائی پورٹس میں سے ایک گنی جاتی ہے۔ اس کی لمبائی چوڑائی اور پھیلاؤ کا کیا کہنا میلوں میں حساب جاتا ہے۔ اس کے تین علیحدہ علیحدہ حصے جو ٹرمنیلز TREMINALS کہلاتے ہیں اپنی جگہ پوری پوری بستیاں ہیں جس میدان میں ہوائی جہاز آکر اترتے ہیں وہاں سے لے کر باہر آنے کے لئے اچھا خاصہ لمبا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ جب سفر سے اکتائے ہوئے مسافر زائد وزن پر ارضہ لگنے کرائے سے بچت کی خاطر دونوں ہاتھوں میں بھاری بھاری سامان اٹھائے پاسپورٹ دکھانے کی روک پر سے گزر کر نکلتے ہیں تو ان کے سامنے لمبی لمبی گزرگاہیں آتی ہیں۔ جن میں بجلی سے چلتے ہوئے راستے سرسر کرتے آتے جاتے رہتے ہیں۔ انہیں ELECTRIC CONVEYORS الیکٹرک کنویئرز کہتے ہیں اس راستے پر آپ اپنا سامان رکھ کر آرام سے کھڑے ہو جائیں۔ یہ خود بخود چلتا چلتا آپ کو دوسرے سرے پر لے جاتا ہے۔

اپنے گزشتہ مشرق کے دورے سے واپسی پر جب میں نے ایک ایسے ہی راستے پر سامان رکھ کر سکھ کا سانس لیا تو دیکھا کہ اس راستے پر میں اور دوسرے مشرقی مسافر تو کھڑے تھے لیکن بہت سے دیار مغرب کے رہنے والے مرد و عورت اُن پر بھی دوڑے چلے جا رہے تھے۔ جس پر میں نے ایک واقف مسافر سے کہا کہ ذرا ان لوگوں کی بے صبری دیکھئے کہ یہ چلتے راستوں پر بھی چلتے ہیں۔" اتنا کہہ کر میں خود اپنے میں ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔ ذہن میں فوراً یہ خیال آیا کہ یہ ان چلتے راستوں پر کیوں چل رہے ہیں؟ تو معاً دل و دماغ پر قرآن حکیم کی ایک مختصر سورت بجلی کی طرح کوندی گئی کہ:۔ والعصر ان الانسان لفی خسر۔ ..... وقت گواہ ہے۔ کہ انسان گھاٹے میں ہے..... تو یہ لوگ وقت کو بچانے کی خاطر بھاگ رہے ہیں۔

میں جب بھی یہ سورت پڑھتی تھی تو دیر تک سوچ میں رہتی تھی کہ اللہ میاں نے خاص طور پر یہاں وقت کی قسم کیوں دی ہے۔ سچ پوچھو تو یہ ... دنیا اور اس کی تمام دوسری کائنات خود انسان کی پیدائش سب اس کی ... گواہ ہیں۔ اب خیال آیا کہ اللہ نے در اصل انسان کے ساتھ وقت ایک ایسا زبردست عنصر رکھا ہے کہ انسانی پیدائش سے لے کر موت تک آپس میں دونوں کا مقابلہ رہتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وقت اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت میں بندھا ہوا ہے۔ اور ایک قانون کے مطابق آتا اور جاتا رہتا ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس بندش سے آزادی دے کر یہ اختیار عطا کیا کہ چاہے تو وقت کو قابو میں رکھ کر کام میں لائے یا ضائع کر دے۔ لیکن حضرت انسان کی یہ عجیب خصلت ہے کہ اسے گنواتے تو خود ہیں مگر الزام وقت کو دیتے ہیں۔ جیسے باتوں یا کھیل کود اور صرف سستی سے ہی نماز تو خود ادا نہیں کرتے مگر کہتے ہیں کہ او ہو نماز تو پڑھنی تھی۔ مگر کیا کریں وقت نکل گیا یا وقت نہ رہا۔" جیسے وقت ان کا ہاتھ باندھا غلام تھا۔ اور کھڑا رہتا جب تک کہ حضور نماز نہ پڑھ لیتے۔ یوں کہئے کہ وقت تو اپنے بندھے ہوئے اوقات پر آکر چلا گیا۔ آپ گھاٹے میں رہ گئے کہ اس سے فائدہ ہی نہ اٹھایا۔ اسی پر پنجابی کی ایک مثال ہے کہ "ویلے دی نماز، تے کویلے دیاں ٹکراں" یعنی وقت کی نماز اور بے وقت کی ٹکریں۔ فی الواقع ایک نماز کیا انسان وقت گنوا دے تو تمام زندگی میں ٹکریں ہی رہ جاتی ہیں۔ مغرب کے ایک مفکر نے یہ گُر بتایا کہ جو تم کل کرنا چاہتے ہو آج کر لو اور آج کرنا ہے وہ ابھی کر لو۔

درس قرآن کی محفلیں بھی اکثر اسی عذر پر سُونی رہ جاتی ہیں کہ "بھئی کیا کریں ہمیں تو وقت ہی نہیں ملتا ورنہ محفل قرآن تو سبحان اللہ بہت بابرکت ہے۔" اپنے اور کاموں کو آگے پیچھے کر کے خود تو اس کے لئے وقت نہ نکالیں گے۔ چاہتے یہ ہیں کہ سعی کئے بغیر خود وقت پکڑ کر درس قرآن میں لے جائے۔ آپ نے وقت کو اگر قابو نہ کیا۔ اور خود وقت نے آپ کو آ پکڑا تو پھر مہلت نہ ملے گی۔ ساتھ یہ بھی ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو خوب پہچانا کہ دنیا میں وقت کی قدر کرنی چاہیئے۔ اور اس کی قدر کرنے سے ان کو اس قدر دنیاوی فوائد و فتوحات حاصل ہوئیں کہ زمین و آسمان مسخر کر لیئے۔ مگر وہاں یہ گھاٹا نظر آتا ہے کہ دنیا تو مل گئی لیکن ان کا اصل مقصد زندگی اب بھی تشنۂ تکمیل ہے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے پھر دوبارہ سورۃ العصر کی طرف ہی آنا پڑتا ہے جہاں دوسری آیت ہے کہ:۔

الا الذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت وتواصوا بالحق ۵ وتواصوا بالصبر۔

سارا ترجمہ یوں ہے۔ کہ "وقت گواہ ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔"

سبحان اللہ! کیا دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔ دو فقروں میں انسان کو وقت سے جیت جانے کا راز بتا دیا۔ خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھا دیا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا کہ "اگر اور کوئی سورت نازل نہ ہوتی تو یہ سورت ہی لوگوں کے لئے کافی تھی۔"

ایمان اور عمل دو گُر ہیں۔ ایمان یہ کہ جب آپ نے اللہ کو مانا تو صراط مستقیم پر آ گئے۔ عمل یہ کہ اب اس پر چلو۔ سعی کرو۔ یہ دنیا تو دار العمل ہے اس بات کو مشہور فلاسفر و شاعر قوم علامہ اقبال نے کیا خوب بیان کیا ہے کہ:۔

جُنبش سے ہے زندگی جہاں کی
یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
بے قرار ہے اِس جہان کی ہر شے
کہتے ہیں جسے سکوں نہیں ہے
ہے دوڑتا اشہب زمانہ
طلب کا کھا کھا کے تازیانہ
نکلنے والے نکل گئے ہیں
رُکے ذرا جو کُچل گئے ہیں
اس راہ میں قیام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اجل ہے۔

اس دنیا میں صراط مستقیم پا کر اگر آپ نے سعی و حرکت نہ کی تو یہ جمود آپ کو منزل پر نہیں پہنچائے گا۔ سعی کے لئے یہ عمل ہے کہ اوّل تو خود عامل و صابر بنیں۔ پھر جس حق کو آپ نے پہچانا اس کو دوسروں تک پہنچائیں۔ جو مشکلیں اور صدمے اس راہ میں آئیں ان کو صبر سے برداشت کرنے کی نصیحت کریں۔ ہمارے بزرگوں کی مشہور نصیحت بھی یہی ہے کہ "بیٹا حرکت میں برکت ہوتی ہے۔"

میرے ایک نوجوان عزیز ہیں۔ اللہ نے ان کو دنیا میں با فراط مال و دولت۔ اعلےٰ مرتبہ۔ اچھے اہل و عیال۔ سب کچھ دیا ہے۔ ایک دن شکایتاً مجھ سے کہنے لگے کہ "دیکھئے میں مسلمان ہوں۔ اللہ کو مانتا ہوں۔ دوسروں سے بھلائی برائی نہیں کرتا۔ تب بھی لوگ مجھ سے شاکی ہیں کہ میں پابند نماز و روزہ نہیں اور مذہب میں دلچسپی نہیں لیتا۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ میں نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ایمان تو ہو گیا لیکن عمل رہ گیا۔ میرے عزیز چلنے والے دنیا میں اب خود بخود چلتے ہوئے راستوں پر بھی چلتے ہیں۔ دوڑتے ہیں۔ تو خدا کو پانے کے لئے ایمان کے ساتھ صراط مستقیم پر چلئے۔ سعی کیجیئے۔ تب ہی وقت پر آپ کامیاب و بامراد اس دار العمل سے گزر سکتے ہیں۔ ورنہ وقت گزر جائیگا آپ کا نامہ

(باقی صد ۱۳ کالم ۲)

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

دین اسلام کا عالمگیر پیغام

ربوبیت عامہ و اخوت انسانیہ کے نام

جب خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا تقاضہ ہوتا ہے اس کی رحمت اپنے بندوں پر جوش میں آجاتی ہے اور وہ ذات بابرکات اپنی جانب سے ایک ایسی تحریک قائم کرتی ہے کہ جس سے انسان کے مناسب تربیت کے سامان پیدا ہو سکیں۔ چنانچہ چودہویں صدی میں اسی منشائے الٰہی کے تحت تحریک احمدیہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔ حضرت بانیٔ سلسلہ نے یہ ندا بلند کی کہ اے لوگو! تمہارا ایک خدا زندہ ہستی موجود ہے۔ تمہاری ساری فلاح صرف اسی امر میں مضمر ہے کہ اسی سے دل لگاؤ۔

سب خیر ہے اسی میں کہ اس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو نہ ان کو یارو کہ ان میں وفا نہیں
وہ دیتا ہے غیروں سے ہر دل لگاتے ہو
جو کچھ تو ہیں پاتے ہو اس میں وہ کیا نہیں؟

جس دور میں سے ہم گزر رہے ہیں درحقیقت اس زمانہ کی دو بڑی اہم خصوصیات ہیں۔ اول اس کی عالمگیریت۔ دوئم اس کی علمی ترقی کے تحت ایجادات و مصنوعات کی بھرمار۔

جماعت احمدیہ کی بنیادی خصوصیات

پس حضرت بانیٔ سلسلہ نے جس ربانی تحریک کی داغ بیل ڈالی اس کی بھی یہی دو بنیادی خصوصیات ہیں۔ اولاً یہ کہ دین اسلام ایک عالمگیر تحریک ہے۔ دوئم یہ کہ اس دین قیم کی بنیادی خصوصیت اس کا علمی و عقلی معیاروں پر کامل طور پر پورا اترنا ہے۔ حقیقت الامر تو یہ ہے کہ قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس امر پر شاہد ہیں کہ دنیا میں ان کے ذریعہ سے ہی پہلے پہل یہ امور انجام پائے تھے۔ اگر ایک طرف صرف دین اسلام نے ہی ساری انسانیت کے بلا تفریق قوم و عقیدہ ایک ہونے کی ندا بلند کی۔ تو دوسری طرف اسی دین نے عقل اور مذہب کے رشتہ کو سچے رنگ میں جوڑا۔ چنانچہ نتیجۃً دین اسلام کے فروغ کا یہ نکلا کہ نسل انسانی قومی علاقائی لونی، لسانی رشتوں سے بلند ہو کر انسانیت کے عالمگیر رشتہ اخوت میں منسلک ہو گئی۔ جہاں افراد کی قدر و قیمت محدود رشتوں کی بجائے عالمگیر اصولوں پر جانچی جاتی ہے۔ جہاں کسی شخص کا رتبہ و درجہ اس کے علمی، اخلاقی اور روحانی اقدار سے متعین کیا جاتا تھا نہ کہ اس کے صاحب مال و صاحب منصب ہونے سے پرکھا جاتا تھا۔

عام طور پر محققین مغرب بھی اس امر پر اتفاق رکھتے ہیں کہ مغربی دنیا کی موجودہ علمی ترقی و تسخیر کائنات کی بنیادیں عرب و سپین کے مسلمانوں کی مرہون منت ہیں۔ چنانچہ یہ بات ان سائنس کے بعض ناموں سے ہی ثابت ہے کہ یہ علوم کہاں سے آئے مثلاً الجبرا و الکیمیا وغیرہ۔ بہرحال مغربی ترقی علوم کا اصل منبع دین اسلام ہی ہے۔ نیز زمانہ وسطیٰ میں عیسائی دنیا میں آزاد خیالی کی جو تحریک لوتھر یا پروٹسٹنزم PROTESTEUTISM کے نام سے پیدا ہوئی اور جس کے تحت ہی سائنسی ترقی کے بند دروازے مغربی دنیا میں کھلے وہ بھی تمام تر دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشہ چینی ہی تھی۔

زمانۂ حاضرہ کی عالمگیریت

مجھے تو آج آپ کی خدمت میں اس دور کی چند ایسی خصوصیات بیان کرنا ہے۔ جو اس کے عالمگیر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ انسانی زندگی کے چند شعبے یہ ہیں۔ اقتصادی و مالی، تجارتی و معاشرتی، باہمی اختلاط و ارتباط، ذرائع رسل و رسائل، ذرائع ابلاغ عامہ۔ وغیرہ تو آپ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ سب شعبے آج بین الاقوامی درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ مختلف اقوام و اوطان اس طرح باہم اس طرح مل گئے ہیں۔ کہ روئے زمین پر گویا ایک ہی نوع یعنی انسانیت کا تسلط قائم ہو چکا ہے۔ زمین کے ایک کونہ میں اگر کوئی اہم واقعہ ہو تو اس کی اطلاع اسی وقت معاً تمام ملکوں میں پھیل جاتی ہے۔ بلکہ مصنوعی و معلق سیاروں کے واسطے سے بیک وقت ایک مقام کا واقعہ تمام ملکوں میں یکساں دیکھا جا سکتا ہے۔ مختلف لوگوں کے باہم ملنے جلنے کی حالت یہ ہے کہ دنیا کے ہر بڑے بڑے شہر میں ہر ملک و ملت کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ اقوام جو اپنے ملک سے باہر قدم رکھنا گناہ سمجھتی تھیں ان کے افراد دنیا کے ہر ملک میں آباد ہیں۔ غرضیکہ فرقانی ارشاد اذا النفوس زوجت، کا نظارہ درپیش ہے۔ ایسی ایسی تیز رفتار سواریاں ہوائی و سمندری ایجاد ہوئیں۔ کہ "واذا العشار عطلت" کی تفسیر میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی۔ اس طرح فرقانی پیشگوئی واذا الصحف نشرت، یعنی صحائف و اخبار عالمگیر سطح پر پھیل جائیں گے آج کیسی صراحت سے سچی ثابت ہو چکی ہے۔ تسخیر افلاک عالمگیر ارضی عجائبات و انقلابات کے سماوی علوم کے راز اس زمانہ میں کیسے طشت ازبام ہوئے ہیں جن کی بابت "واذا السماء کشطت" میں ارشاد کیا گیا تھا۔ ان تمام کا ذکر سورۃ التکویر میں بیان کیا گیا ہے۔ جملہ اقوام و اوطان کا اس طرح عالمگیر پیمانہ پر باہم مربوط و یکجا ہو جانا گویا تمام ممالک ایک ہی ملک یا شہر کا نظارہ پیش کر رہے ہوں۔ کب کسی نے اس زمانہ سے پہلے یہ دیکھا تھا؟

اخلاقی و روحانی یکسانیت کی ضرورت

اب جبکہ اس زمانہ کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا اقوام و اوطان کا عالمگیر اختلاط و ارتباط ہے تو پھر نسل انسانی کی یہ جسمانی وحدت اس امر کی متقاضی ہے کہ نوع انسانی کی اخلاقی و روحانی یکسانیت بھی قائم ہو۔ جسمانی وحدت کے بعد اگر دینی یکسانیت قائم نہ ہو تو اس امر کا بہت بڑا خطرہ ہے کہ جسمانی یکسانیت کے بدلے میں جو جذبات پیدا ہونا لازم آتے ہیں ان کے باعث اقوام کی باہمی آویزش و چپقلش کے باعث آپس میں عالمگیر جنگ کے سامان نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ دو عظیم و عالمگیر جنگوں کی تباہی دنیا دیکھ چکی ہے اب اگر تیسری عالمگیر جنگ پیش آگئی تو نوع انسان کو جو عالمگیر تباہی و بربادی پیش آئیگی اس کا اندازہ کرنا تصور سے باہر ہے کیونکہ اب ایسے ایسے مہلک و عالمگیر و تباہ کن آلات ایجاد ہو چکے ہیں جن کی جہنم سوزی میں قیامت خیزی انسانی تصور میں آ ہی نہیں سکتی جسمانی یکسانیت کے بعد اخلاقی یکسانیت و مساوات کیوں ضروری ہے؟ یہ امر کسی قدر تفصیل طلب ہے جب ایک انسان کا تعلق دوسرے سے منقطع ہو یا محض سرسری ہو اور اسے یہ علم و احساس نہ ہو کہ اس کے پاس اس سے بڑھ چڑھ کر کیا کیا سامان موجود ہیں۔ تو وہ اپنی بے خبری میں ایک عالم بے خودی و بے حسی میں پڑا رہتا ہے۔ لیکن جب اس کی بجائے اس امر کا احساس و شعور پیدا ہو جائے کہ دوسرے کے پاس کس قدر گوناگوں سے

اعلیٰ انواع و اقسام کے سامان معیشت موجود ہیں تو کیا اس بنیادی شخص کے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہوگی کہ وہ ان کو بھی حاصل کرے گا کہ وہ باہم ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے پس یہی حالت آج کل عالم کی ہو چکی ہے۔ ایک طرف وہ ترقی یافتہ اقوام ہیں جن کو اپنے برتر علم سائنس و تسخیر کائنات پر نہ صرف فخر و ناز ہے بلکہ وہ اس کے بل بوتے پر اپنی برتری اقتدار اور غلبۂ تسلط کی خواہاں ہیں اور دوسری طرف وہ اقوام ہیں جو ترقی کے میدان میں قدم رکھنے کی خواہاں ہیں۔ تو لازم آتا ہے کہ ایسے باہمی گہرے اور عالمگیر اختلاط کے نتیجہ میں ان دو قسم کی اقوام کا باہم تصادم ہو وگرنہ اگر اس سے بچنا منظور ہو تو باہمی کوئی یکسانیت کا عالمگیر اسلامی سمجھوتہ قائم کیا جائے۔

اسلام پہلے بھی نجات کا باعث ہوا۔ اور اب بھی اسی دین کے نقطۂ نگاہ کی قبولیت میں انسانی نجات مضمر ہے۔ وحدت نسل انسانی کا تصور بجز دین اسلام کسی اور دین نے پیش نہیں کیا یہ ایک ایسا مسلّم و روشن اصول حقہ ہے کہ جس کا انکار کسی کو نہیں۔ خود مغربی مصنفین کو اس امر کا برملا اعتراف ہے کہ نسلی، لونی، لسانی ملاقائی اختلافات کو جس طرح دین اسلام نے مٹایا کسی اور دین سے یہ امر نہیں ہو سکا۔ اور یہ امر اس سے بھی ظاہر و باہر ہے کہ جب پہلی تعلیمیں [illegible] نہیں تو وہ عالمگیر نظریہ کیونکر پیدا کرتیں؟ بلکہ جب ان تعلیموں نے مسخ شدہ صورت اختیار کی تو اس کے نتیجہ میں دوسری اقوام و اوطان کیلئے بجز اجنبیت و منافرت کے اور کوئی دوسرا نظریہ، جذبہ موجود نہ تھا۔ دین اسلام کے کامل ہونے کا دعویٰ بھی ثابت نہ ہو سکتا اگر اس کی تعلیم قومی نظریہ کی بجائے ایک عالمگیر نظریہ پیش نہ کرتی۔ پھر وحدت بنی نوع انسان کا اصول بھی صرف اسی طرح تکمیل پا سکتا تھا کہ بین الاقوامی نظریہ پیش کیا جاتا۔ اس لئے تعلیم اسلام نے قومی کی بجائے [illegible] نہیں، بلکہ بنی نوع انسان کی تمام اقوام و اوطان خدائی ربوبیت کے اصولوں سے یکساں منفعت پذیر ہیں جو ان کے مطابق [illegible] کریں۔ کسی [illegible] قوم یا جماعت [illegible] کیلئے خدائی ربوبیت کے قوانین مختص نہیں، بلکہ جو کوئی بھی ان پر عمل پیرا ہو گا وہ ان سے نفع اندوز ہو گا۔ کیونکہ اسلام نے خدائی تصور رب العٰلمین کا دیا ہے نہ کہ رب المسلمین کا۔ یہ خیال کہ [illegible] جو لوگ کسی [illegible] وابستہ ہیں، وہ خدائی ربوبیت کے قوانین [illegible] دیں۔ ان کے ماسوا باقی تمام لوگ راندۂ درگاہ الٰہی ہیں اسلام کے [illegible] ہرگز قطعاً نہیں نہ صرف [illegible] دین اسلام [illegible] بلکہ دین میں [illegible] کے نظریہ کو [illegible] اسلامی تعلیم نے ختم کیا ہے۔ اور قوانین الٰہیہ کی پابندی اور احکام خداوندی کی متابعت کو معیار افضلیت و برتری مقرر فرمایا ہے۔ لہٰذا خود مسلمان اقوام کے لئے بھی اس میں درس عبرت [illegible] کہ جب تک وہ اس دین کے عالمگیر اصولوں کو قائم کر کے اس پر عمل پیرا نہ ہوں گے ہمیشہ محض منہ زبان کے دعاوی [illegible] کام نہ آئیں گے۔ اسلام کے کامل دین ہونے کے ادعا کا ثبوت یہی ہے کہ اس نے ربوبیت ربانی کے اصولوں اور نظریہ حیات کو وحدت نسل انسانی کے مطابق ہم آہنگ کر دیا ہے اور جملہ تعصبات و تفرقات کو ختم کر کے انکے مفاہمت کے جذبات کو ایک بین الاقوامی عالمگیر اخوت و روحانیت کرتے قائم کر کے دکھلایا ہے۔

بقیہ حلقہ استدعہ دعا ۱۰ ء آمدہ صفحہ (۱۰)

بقیہ سیرت خیر البشر (آمدہ صفحہ ۸)

کو کھانا کھلا دیتے ہیں (قرآن مجید ۷۶: ۸) اور (یہاں وہ مال جو بے لڑے ہاتھ آیا ہے) اُن کا بھی حق ہے) کہ (مہاجرین نے ابھی ہجرت نہیں کی تھی اور وہ) اُن کے پہلے سے مدینے میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور (مال غنیمت میں سے) مہاجرین کو جو (کچھ بھی دے) دیا جائے۔ اس کی وجہ سے یہ اپنے دل میں (اس کی) کوئی طلب نہیں پاتے۔ اور اپنے اُوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔ اور بخل تو سب ہی کی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر جو شخص اپنی طبیعت سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔ (قرآن مجید ۵۹: ۹)

اخبار احمدیہ: — حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ احباب جماعت ان کی صحت مندانہ عمر کی درازی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

— حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی ابھی تک ایبٹ آباد میں ہیں اور خدمت اسلام و احمدیت میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ آپ کی واپسی کی تاریخ کا علم نہیں ہو سکا۔ احباب الٰہی اخلاق کے اس حسین پیکر کی درازی عمر کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔

آپ نے ایبٹ آباد سے تحریر فرمایا ہے کہ انہیں سرینام کے مسٹر محمد عباس صبور علی صاحب صدر مسجد قمر الاسلام پیرا مریبو کا خط ملا ہے جس میں انہوں نے درج ذیل تین اموات کا ذکر کر کے درخواست کی ہے کہ مرکز میں ان کا غائبانہ جنازہ پڑھا جائے اور اخبارات سلسلہ کے ذریعہ دیگر جماعتوں سے بھی غائبانہ نماز جنازہ کی درخواست کی جائے۔"

جامع دارالسلام میں ۱۲/۹ کو بعد نماز جمعہ نماز جنازہ غائبانہ محترم نصیر احمد فاروقی صاحب نے پڑھائی اور دُعائے مغفرت کی۔

سرینام میں تین اموات:۔ (۱) مسٹر محمد عباس صبور علی [illegible] گئے ہیں (۲) شاخ شبان اسلام کے صدر کی والدہ صاحبہ یکم رمضان المبارک کو اپنے مولا سے جا ملیں۔ (۳) شاخ تقویت اسلام کے صدر شہادت علی صاحب ۵ امئی ۱۹۸۰ء کو رحلت فرما گئے ہیں۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے، اللہ تعالےٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر کی توفیق بخشے۔ آمین۔

اعتذار: — سیلنگ لین کے عطیہ کے عنوان سے ۲۷ اگست کے پیغام صلح میں ایک خبر شائع ہوئی تھی۔ یہ عطیہ درحقیقت خان محمد حسن خاں صاحب کراچی نے خلیل احمد خاں صاحب آف گجرات کی معرفت مرکزی مسجد کو دیا تھا۔ قارئین کرام نوٹ فرمائیں۔ ہم اس غلطی پر سہو سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

سچ بولنا نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے
(ترجمہ حدیث)

ہفت روزہ پیغام صلح مؤرخہ ۷ ستمبر ۱۹۸۰ء، جلد ۶۷ شمارہ ۳۸ رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس۔ برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے ... پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید ۔ پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۱۳ ذیقعد ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۸۰ عیسوی | شمارہ ۳۹

ارشادات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے

تمام نبوتیں اور رسالتیں قرآن کریم اور آنحضرتؐ پر ختم ہیں

دلی ایمان سے سمجھنا چاہئے کہ نبوت آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے جو شخص انکار میں حد سے گزر جاتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ بھی ایک خطرناک حالت میں ہے جو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اعتقاد میں حد سے گزر جاتا ہے۔ جاننا چاہئیے کہ خدا نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے۔ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے۔ اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے اور اللہ کے نام کی قرآن شریف میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین اور رحمان اور رحیم ہے جس نے چھ دن میں زمین اور آسمان بنایا اور آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب سے آخر میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے ؛؛

صرف خدا نے ہی خبر دی جس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں کے آخر میں بھیجا تا تمام قوموں کو آپ کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے تمام وہ لوگو ! جو زمین پر رہتے ہو ! اے تمام وہ انسانی روحو ! جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو پورے زور کے ساتھ آپ کو اس کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی ہے۔ جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی دلانے والا اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے ؛؛ (تتمہ حقیقت الوحی)

ابو ارشد علوی

"میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

حضرت اقدس کے اس مشن کو پورا کرنے کے لئے

انجمن نے اسلام پر صحت مند لٹریچر پیدا کیا اور دنیا کے ہر کونے میں پہنچا رہی ہے:

تشنگانِ حق کے تاثرات ملاحظہ ہوں

۱۔ گھانا سے بابا الحسن لکھتے ہیں:۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اللہ تعالےٰ ہم پر رحمت نازل فرمائے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ آمین۔ خاکسار ایک اسلامی سکول کا طالب ہے اور صحیح راستہ کا متلاشی ہے، آپ کا پتہ میرے ہاتھ میں ہے اور میں آپ کی خیریت کا طالب ہوں۔ اور درخواست گزار ہوں کہ مجھے اسلام پر صحت مند لٹریچر خاص طور پر ترجمہ قرآن بھجوائیں جو کہ صحیح راستہ پر میری رہنمائی کرے میں آپ کو رسولؐ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے ناامید نہ کریں۔ شکریہ۔ آپ کے حوصلہ افزا جواب کا متمنی ۔ بابا الحسن"

۲۔ معلم مصطفےٰ حسن، ابادان نائجیریا سے

برادر اسلام! اللہ تعالےٰ آپ کو خوش رکھے مجھے آپ کو یہ خط لکھتے ہوئے بے حد مسرت ہو رہی ہے اسلام کے لئے آپنے جو کام کیا اور کر رہے ہیں اس کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔ اس کارِ خیر میں اللہ تعالےٰ آپ کا مددگار ہو۔ آمین۔ میں جس خاص مقصد کے لئے یہ خط تحریر کر رہا ہوں وہ صاف طور پر یہ ہے کہ مجھے تبلیغ اسلام کے لئے مولانا محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن اور اسلام پر تازہ لٹریچر بھجوائیں کہ اشاعت اور وسعت دین کے لئے کام میں لاؤں اور دینِ اسلام کے بارے میں میری اور میرے دوستوں کی معلومات میں اضافہ کا موجب ہو۔ والسلام۔ آپ کا مسلم بھائی

معلم مصطفےٰ حسن

۳۔ معلم صدیکوئی علیمی۔ ابادان نائجیریا سے:۔

جناب من۔ یہ خط آپ کے ۱۵ فروری کے خط کی رسیدگی کے طور پر ہے جس میں آپنے اسلام پر پانچ کتب بھجوانے کا لکھا تھا۔ آٹھ ماہ گزر گئے مگر لٹریچر نہیں پہنچا۔ علاوہ ازیں میں نے جماعت میں شمولیت کے لئے بیعت فارم بھی پُر کر کے بھجوایا تھا۔ بیعت کی قبولیت یا عدم قبولیت سے بھی اطلاع نہیں ملی اگر میری ممبر شپ قبول ہو گئی ہو تو مہربانی فرما کر سرٹیفکیٹ رجسٹرڈ بک پوسٹ بھجوائیں۔ اور کتب دوبارہ بھجوائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے وہ راستہ میں گم ہو گئی ہیں۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا۔

والسلام خاکسار علیمی

۴:۔ ابن احمد۔ کوارا سٹیٹ نائجیریا سے

برادرم اسلام! ہادیٔ برحق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو توفیق دی کہ قرآن کریم اور دیگر اسلامی لٹریچر اشاعت و تبلیغ شائع کیا۔ مجھے دلی مسرت نصیب ہوئی جب میں نے آپ کے شائع کردہ ترجمۃ القرآن اپنے ایک دوست کے پاس دیکھا جو آپنے اُسے بھجوایا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً آپ کو لکھا اور آپنے جواب میں مجھے تسلی دی کہ ترجمۃ القرآن بھجوا دیا ہے مگر ابھی تک نہیں ملا۔ ازراہِ کرم تحقیق کریں اور مجھے یہ ترجمۂ قرآن جلد از جلد بھجوائیں۔ اللہ تعالےٰ اسلام کا بول بالا کرے۔ والسلام۔ ابن احمد

۵۔ ایوب عبدالعزیز امریکہ سے:۔

السلام علیکم۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اس دنیا کو عدم سے وجود میں لایا اور درود و سلام اُمّی لقب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو محسنِ انسانیت ہے۔ مجھے اُمید ہے میرا یہ خط رمضان کے روح پرور مہینہ میں آپ کو مل جائے گا۔ میں ایک امریکن مسلمان ہوں اور قیدی ہوں۔ جس کے پاس اسلامی کتب خریدنے کے لئے کوئی فنڈ نہیں ہیں۔ آپسے التماس کرتا ہوں کہ مجھے جسطرح بھی ہو سکے چار کتابیں ضرور بھجوا دیں

۱۔ مولانا محمد علی صاحبؒ کا ترجمۃ القرآن اور مولانا آفتاب الدین احمد صاحب کا صحیح بخاری کے باب اول۔ دوم و سوم کا انگریزی ترجمہ۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا۔

والسلام ایوب عبدالعزیز ۱۲ رمضان المبارک

۶۔ ہارون بن محمد۔ کوارا سٹیٹ نائجیریا سے:۔

مکرمی۔ آپ کا خط مل گیا ہے جس میں آپ نے لٹریچر بھجوانے کا تحریر کیا ہے لیکن ابھی تک لٹریچر نہیں ملا۔ مہربانی فرما کر دوبارہ لٹریچر بھجوائیں۔ میں بے چینی سے منتظر ہوں امید ہے آپ کی تبلیغی سرگرمیاں حسب معمول ہوں گی اور ہر کام پروگرام کے مطابق ہو گا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو خوش رکھے۔ والسلام

ابن ہارون

۷۔ ذاکری ابوبکر صدیق گھانا سے

مخدومی! اللہ تعالےٰ اور نبی اکرمؐ کے نام پر یہ سطور آپ کو لکھ رہا ہوں۔ ہمدردانہ غور فرمائیں میں ایک عربی کا استاد ہوں اور ایسے اسکول میں آگیا ہوں جہاں کی زبان فرانسیسی ہے۔ اگر آپ کسی طرح فرانسیسی ترجمہ قرآن اور اسی زبان میں اسلامی لٹریچر مجھے بھجوا سکیں تو بے حد شکر گزار ہوں گا۔ والسلام۔ ابوبکر

۸:۔ صالح الحسن مغربی افریقہ سے

مکرمی۔ السلام علیکم میں آپ کو جنوری ۱۹۸۰ء یاد کرنے کی تکلیف دے رہا ہوں۔ جب میں نے آپکو ترجمۃ القرآن اور دیگر لٹریچر کے لئے لکھا تھا۔ اور آپ نے ترجمہ قرآن کے بارے میں زیر طبع لکھ کر باقی لٹریچر بھجوا دیا اور بحفاظت مجھے مل گیا تھا۔ میرا یہ فرض ہے کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں۔ دیری کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا پتہ مجھ سے گم ہو گیا تھا اور تلاش بسیار پر بھی نہ ملا۔ اب اتفاق سے وہ پتہ ہاتھ لگا جو آئندہ کبھی گم نہ کروں گا۔ معذرت خواہ ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی یاد رکھیں گے انگریزی ترجمہ قرآن اگر زیورِ طبع سے آراستہ ہو گیا ہو تو حسب وعدہ ایک جلد ضرور بھجوا دیں۔ والسلام صالح الحسن

۹:۔ آدم عبدالسلام۔ کماسی سے

مخدومی آپ کو یہ خط لکھنے میں مجھے بے حد مسرت محسوس ہو رہی ہے میں آپکا بے حد شکر گزار ہونگا اگر آپ مجھے انگریزی ترجمہ قرآن معہ عربی بھجوا دیں۔ بڑی عنایت ہو گی۔ والسلام آدم عبدالسلام

۱۰۔ محمد ادریس، شمالی گھانا سے

مکرمی۔ السلام علیکم۔ مجھے یہ خط لکھتے ہوئے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ دسمبر ۱۹۷۹ء میں آپنے مجھے لٹریچر بھیجنے کی اطلاع دی تھی۔ اور لکھا تھا کہ تین چار ماہ میں لٹریچر پہنچ جائے گا مگر وہ لٹریچر ابھی تک نہیں ملا۔ مہربانی کر کے اس خط کا جواب دیں اور لٹریچر کے بارہ میں اطلاع دیں۔ آپسے خط و کتابت کر کے مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔ والسلام

محمد ادریس۔

انسان کے اصل خدوخال

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۱۹ ستمبر ۱۹۸۰ء بمقام جامع مسجد، دارالسلام، لاہور

هو الله الخالق البارئ المصوّر له الاسماء الحسنیٰ ؕ یسبّح له ما فی السّمٰوٰت والارض ج وهو العزیز الحکیم ۝

(سورۃ الحشر ۵۹ - آیت ۲۴)

ترجمہ:- وہی تو اللہ ہے مادہ کو پیدا کرنے والا، رُوح کو پیدا کرنے والا، مختلف شکلیں بنانے والا۔ اس کے لئے سب اچھے نام ہیں۔ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اُس کی تسبیح کرتا ہے۔ اور وہ غالب، حکمت والا ہے ؛

یہ سورۃ الحشر کی آخری آیت ہے جو میں نے پڑھی ہے۔ اس سے قبل جو آیات ہیں اُن میں جو اہم مضامین اور علم و حکمت کے خزانے ہیں اُن کو میں اگر بیان کرنے لگوں تو میرا موجودہ مضمون وقت مقررہ کے اندر کبھی ختم نہ ہوگا۔ ان آیات میں جو باتیں فرمائی ہیں اُن میں سے صرف ایک کا ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ آج کے مضمون کا پس منظر آپ کو سمجھ آجائے۔ فرمایا لو انزلنا هٰذا القرآن علی جبلٍ لّرأیته خاشعاً متصدّعاً من خشیة الله ؕ وتلك الامثال نضربها للناس لعلّهم یتفکرون (آیت ۲۱) یعنے "اگر ہم اِس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تُو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں"۔ یہاں دو باتیں نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ اول تو یہ کہ فی الواقعہ قرآن پاک کو پہاڑ پر نہیں اتارا گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ "اگر ہم اتارتے"، دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات بطور مثال کے دی ہے جو قرآن پاک کی اور مثالوں کی طرح اس لئے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ تو آیئے ہم بھی اس آیت مبارکہ پر غور و فکر کریں کہ کیوں یہ مثال بیان فرمائی گئی ہے۔

الٰہی تجلّی

قرآن کریم میں دوسری جگہ ایک پہاڑ کے الٰہی تجلّی سے ریزہ ریزہ ہو جانے کا ذکر ہے۔ آپ لوگ اِس واقعہ سے واقف ہونگے۔ مگر یہاں موجود بچوں اور نوجوانوں کی خاطر، کہ ان کا بھی ہم پر حق ہے کہ ہم اُن کے علم میں اضافہ کریں جبکہ ہم نے خود اسی طرح اپنے بزرگوں سے سیکھا تھا، میں اُس واقعہ کا مختصراً ذکر کرتا ہوں۔ سورۃ بقرہ۲ میں ذکر آچکا ہے کہ واذ قلتم یٰموسیٰ لن نؤمن لك حتّٰی نری الله جهرةً (آیت ۵۵) جہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تیری بات کبھی نہ مانیں گے (کہ اللہ ہے) جب تک کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں"۔ یہ اعتراض کہ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں سے نظر کیوں نہیں آتا آج تمام مغرب زدہ لوگ یہاں تک کہ صاحب علم لوگ اور بڑے بڑے سائنس دانوں تک نے کیا ہے۔ اور اسی لئے ان میں سے اکثر لوگ یا تو اعتقاداً یا عملاً دہریہ ہیں۔

تو حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل میں سے ستّر آدمی چُنے اور اُن کو لے کر کوہِ طور کی طرف گئے۔ ان ستّر آدمیوں کو تو پہاڑ کے دامن میں ٹھہرایا اور خود حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر حسبِ دستور عبادت و ریاضت کے لئے گئے۔ وہاں دورانِ مکالمہ میں حضرت موسیٰ نے کہا رب ارنی انظر الیك ؕ قال لن ترٰنی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترٰنی ج فلما تجلّٰی ربه للجبل جعله دکًّا وخرّ موسیٰ صعقًا (الاعراف۔ ۱۴۳) یعنے حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے (اپنا آپ) دکھا کہ میں تیری طرف دیکھوں۔ اللہ نے فرمایا کہ تو مجھے دیکھ نہیں سکتا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنی جگہ کھڑا رہا تو تو مجھے بھی دیکھ لے گا۔ پس جب اُس کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر گیا"۔ اُدھر جو لوگ دامنِ کوہ میں تھے وہ بھی زلزلہ سے جو اس علاقہ میں آگیا تھا اور اس کے ساتھ کی ہولناک چیخ سے بیہوش ہو کر گر گئے۔ (البقرۃ آیات ۵۵، ۵۶)

اِس واقعہ میں بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلّی کو تو پہاڑ جیسی مضبوط چیز بھی برداشت نہیں کر سکتی اور وہ ریزہ، ریزہ ہو گیا تو انسان کی آنکھ جو نازک ترین چیز ہے اور معمولی روشنی کی چمکار کو برداشت نہیں کر سکتی وہ بھلا کہاں اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ ظاہر آنکھ سے دیکھا نہیں جا سکتا بلکہ اس دنیا میں تو اپنی صفات سے پہچانا جا سکتا ہے حیرت کی بات ہے کہ آج سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ مادہ (MATTER) جس کو ہم اپنی آنکھ سے سمجھتے ہیں کہ ہم دیکھ رہے ہیں اس کی بھی اصل حقیقت (REALITY) کو ہم دیکھ نہیں سکتے بلکہ صرف اس کی صفات سے اُسے پہچان سکتے ہیں۔ (دیکھو سر جیمز جینز کی کتاب "دی مسٹیریس یونیورس") تو اگر ہم مادہ تک کو اس کی صفات سے ہی پہچان سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جس نے اس کو پیدا کیا ہے اُسے اسکی صفات سے پہچاننے کو کہا جائے تو اس میں کیا حرج کی بات ہے؟

تو سورۃ الحشر میں جو قرآن کے نزول سے پہاڑ کے ریزہ، ریزہ ہو جانے کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن میں جو اللہ تعالیٰ کی زبردست تجلّی ہوئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور ذات کے علم کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ اس تجلّی کے آگے سنگ دل سے سنگ دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جو اسلام سے پہلے اپنی سخت دلی کی وجہ سے مشہور تھے اور رسول اللہ صلعم کو قتل کرنے کے لئے گھر سے نکلے تھے اس قرآن کو ایک دفعہ سننے سے مسلمان ہو گئے۔ عربی میں جبل جہاں پہاڑ کو کہا جاتا ہے وہاں بڑے بڑے لوگوں کو بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح سارے عرب کے سنگدل لوگ قرآن میں جو اللہ تعالیٰ کی تجلّی ہے اس کے آگے ٹھہر نہ سکے اور مسلمان ہو گئے۔ تو اس تجلّی کے طور پر سورۃ الحشر کی آیات ۲۲-۲۳-۲۴ میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا ذکر فرمایا ہے جن کو اگر ٹھیک طرح سمجھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ہستی کی زبردست تجلّی انسان کے دل پر ہوتی ہے۔ انہی میں سے آخری آیت وہ ہے جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھی۔

هو الله الخالق

پہلی بات اس میں فرمائی کہ اللہ خالق ہے تمام کائنات کو جو تمہاری آنکھوں کے آگے ہے پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ آج سائنس نے اس کائنات کے ایک ایک ذرّہ یعنے ایٹم میں عجیب درعجیب کانونوں کا پتہ چلایا ہے اور ابھی

تو یہ عجائبات اور کھل رہی ہیں۔ اور انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق کن عجائبات اور زبردست طاقتوں کا خالق ہے کہ انسان کا وہم و گمان بھی اُن کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سائنس نے نہ صرف ان عجائبات کا کچھ کچھ پتہ لگایا ہے جو کائنات کے ایک ایک ذرّہ کے اندر ہیں۔ اور ان زبردست طاقتوں اور رازوں کا جو ذرّہ (ایٹم) میں کام کر رہے ہیں بلکہ یہ پتہ بھی لگایا ہے کہ تمام کائنات ایک ہے اور ایک ہی قوانین کی فرمانبرداری کر رہی ہے۔ اس لئے سائنس کے دہریے اب اس بات کو ماننے پر مجبور ہیں کہ اس تمام کائنات کا خالق ضرور ہے اور وہ ایک ہی ہے۔

انسان کی تخلیق

کائنات سے جو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور توحید کا پتہ آج سائنس نے لگایا ہے وہ تو بہت بڑا مضمون ہے میں اُس میں سے صرف انسان کی تخلیق کو لیتا ہوں۔ کہ انسان اس تخلیق کا شاہکار ہے۔ انسان کا جسم ایسی عجائبات کا نمونہ ہے کہ اس کے ایک ایک راز پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ مثلاً انسان کے دماغ پر یا آنکھ پر یا اس سے کمتر یہ کہ انسان کی غذا کس طرح عجیب در عجیب طریقوں سے ہضم ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر میں انسان کی جسمانی تخلیق کے صرف ایک پہلو کو لیتا ہوں۔ کیونکہ اس کا تعلق اس آیت کے اگلے الفاظ سے ہے۔ فرمایا کہ دیکھو غور کرو کہ کس طرح تم ماں کے پیٹ میں اپنی جسمانی شکل اختیار کرتے ہو دوسری جگہ فرمایا۔ ھوالذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء (آل عمران - ۵) "وہی تو اللہ ہے جو رحموں میں تمہاری شکل بناتا ہے جیسا چاہتا ہے"۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کس طرح ایک حقیر نطفہ سے ایک گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے اور پھر کس طرح اس میں ہڈیاں اور تمام شریانیں، رگیں، اعصاب آنکھ، کان، ناک، دماغ الغرض انسان کا تمام جسم بنتا چلا جاتا ہے۔ کیا زبردست تخلیق کا مظاہرہ ہوتا ہے جس کا پتہ آج سائنس نے لگایا مگر جس کا علم قرآن حکیم نے دوسری جگہ (سورۃ المؤمنون ۲۳ آیات ۱۲ تا ۱۴) میں تفصیل سے آج سے چودہ سو سال پہلے دیا۔

ہر انسان انوکھا ہے

ایک ہی گوشت، پوست، اعصاب اور ایک ہی ہڈیوں اور دوسری چیزوں کے سامان سے ہر انسان جو بنتا ہے وہ اپنا نمونہ صرف آپ ہے کوئی دوسرا اس جیسا نہیں۔ نہ صرف یہ کہ کوئی دو انسانوں کی شکل آج تک بالکل ایک نہیں ہوئی یہاں تک کہ جڑواں بچوں میں بھی شکل کا فرق ہوتا ہے اگرچہ پہلی دفعہ پتہ نہ لگے۔ بلکہ ہر انسان کا جسم اس کا اپنا آپ ہی ہے۔ کسی دوسرے کا اس جیسا نہیں۔ آپ کو سن کر حیرت ہوگی مگر یہ امر واقعہ ہے جس کا پتہ آج سائنس نے لگایا ہے سر سے لے کر پیر تک ہر شخص اپنا نمونہ آپ ہے۔ سر کے بالوں کو لے لیجئے کسی دو انسانوں کے ایک جیسے نہیں۔ دوسری انتہا پیر کے تلوے ہیں۔ وہ بھی کسی دو انسانوں کے ایک جیسے نہیں اسی لئے تو کھوجی پیر کا نقش دیکھ کر اور ان پیروں کے نشانوں کے پیچھے لگ کر مجرم کا پتہ نکال لیتے ہیں۔ کسی دو انسانوں کے انگوٹھے کا نشان ایک جیسا نہیں۔ اسی لئے قانونی دستاویزوں پر اگر دستخط نہ ہو سکیں تو انگوٹھے کا نشان لیا جاتا ہے کسی دو انسانوں کے جسم کی خوشبو ایک جیسی نہیں اسی لئے مجرم کا کپڑا BLOOD HOUND کتوں کو سونگھا دیا جائے تو وہ مجرم کو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اور اب تو پتہ لگا ہے کہ انسانی جسم جن ذرات سے بنا ہے جنہیں انگریزی میں CELLS کہا جاتا ہے اور اردو میں شاید خلیے کہا جاتا ہے وہ دو انسانوں کے ایک جیسے نہیں الغرض کمال ہے اُس خلاق العظیم کا کہ بالکل ایک سی چیزوں اور تعداد میں بھی ایک برابر چیزوں سے (سوائے خلیوں کے کہ ان کی تعداد ہر انسان کے قد کے اُوپر منحصر ہوتی ہے) ہر انسان کی جسمانی ہستی منفرد ہے۔ کوئی دو انسان کبھی ایک جیسے ہوئے نہ کبھی ہوں گے، اگرچہ انسانوں کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ گنی نہیں جا سکتی۔

الباری

اگر خالق کے معنی مادی چیزوں کے پیدا کرنے والا ہیں تو باری کے معنی روحوں کو پیدا کرنے والا ہے سبحان اللہ قرآن حکیم بھی کیا کتاب ہے! خالق یا مادی چیزوں کو پیدا کرنے والا خدا کی ہستی اور توحید پر سائنسی ثبوت تھا اور سائنس مادی چیزوں کے مطالعہ اور ان کے اندر جو علوم اور حکمتیں ہیں ان کا پتہ لگا کر وہاں رک جاتی ہے۔ مگر انسان جانتا ہے کہ وہ صرف مادہ نہیں۔ بلکہ اس کے اندر کچھ اور بھی چیز ہے جس سے وہ نہ صرف اپنی ہستی کو پہچانتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس چیز کا خاص تعلق ہے۔ وہ رُوح ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:- نفخت فیہ من روحی "میں نے اپنی رُوح میں سے انسان کے اندر پھونکا" یہ روح انسان کے جسم کے اندر اس دنیا کی زندگی میں اسی طرح رہتی ہے جس طرح کہ ان کا جسم اپنی ماں کے پیٹ میں رہتا ہے انسان جن حالات میں سے گزرتا ہے یعنی بچپن لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمر اور بڑھاپا یا صحت بیماری، خوشی، غم، محنت، آرام، غربت، دولت، یا علم و فنون جو انسان سیکھتا ہے، اور سب سے بڑھ کر نیک یا بد عمل اور اچھے خیالات یا بُرے خیالات جو انسان کے سینہ میں پیدا ہوتے ہیں ان سب سے متاثر ہو کر انسان کی رُوح جو شکل اختیار کر رہی ہوتی ہے اس سے وہ ایک بالکل منفرد ہستی یا شخصیت یا PERSONALITY بن رہی ہوتی ہے جس کے لئے قرآن نے لفظ نفس استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ انسان میں پھونکے جانے کے وقت تو لفظ روح آیا ہے مگر بعد میں کبھی اس کے لئے لفظ رُوح قرآن حکیم نے استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ لفظ نفس ہمیشہ آتا ہے۔ مثلاً قرآن کی ہدایت کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا نتیجہ فرمایا کہ اس نفس کی بھلائی یا تباہی بن جاتی ہے جیسا کہ فرمایا:-

من اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا (بنی اسرائیل - ۱۵) "جو ہدایت کو اختیار کرتا ہے وہ اپنے نفس کا ہی فائدہ کرتا ہے اور جو گمراہ رہتا ہے تو اس کا وبال بھی اس کے نفس پر ہی ہوتا ہے"۔ تو یہ روح پہلے دن سے نفس بننا شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ وہاں بھی فرمایا:-

وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ (آل عمران - ۱۴۵) "کسی نفس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ مر جائے سوائے اللہ کے اذن کے"۔ اور اگلی دنیا میں جو ہمیشہ کی زندگی ہے اس میں بھی ہر انسان کا نفس ہی جاتا ہے جسے وہاں ایک اور اعلیٰ اور ابدی جسم دیا جاتا ہے۔ مگر جاتا نفس ہی ہے جیسا کہ فرمایا:-

وجاءت کل نفس معھا سائق وشھید (ق ۵۰ - ۲۱) "اور ہر نفس آئے گا جس کے ساتھ ایک چلانے والا اور (ایک) گواہ ہوگا"۔

المصور

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے المصور بھی ہے۔ تصویر بنانے والا۔ انسان کی جسمانی تصویر کا تو ذکر آ چکا کہ کس طرح ماں کے رحم کی اندھیری کوٹھڑی میں اللہ تعالیٰ انسان کی ایسی باریکی سے تصویر بناتا ہے کہ کسی دو انسانوں کی شکل نہ کبھی ایک سی تھی نہ کبھی ہوگی۔ حالانکہ جن ہڈیوں، گوشت، پوست وغیرہ سے اُس شکل کو بنایا جاتا ہے وہ ایک ہی ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ جس طرح انسان بطور بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اسی طرح انسان کی رُوح اس کے جسم میں پرورش پا رہی اور شکل اختیار کر رہی ہوتی ہے۔ اور جس طرح کہ بچہ ولادت کے وقت اس محدود اور تاریک کوٹھڑی سے باہر کی وسیع و عریض اور روشن دنیا میں آجاتا ہے اسی طرح انسان کی رُوح موت کے وقت اس محدود اور اصل حقیقتوں سے تاریک دنیا سے نکل کر اس دوسری لامحدود اور تمام حقیقتوں سے روشن عالم میں چلا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں جب حیات بعد الممات پر اعتراض کا جواب دیا گیا ہے تو ہمیشہ فرمایا ہے کہ جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا ہے وہ کیا تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔ جہاں

اس کے معنی یہ لئے جا سکتے ہیں کہ کیا جس نے ایک دفعہ تمہیں نیست سے ہست کیا ہے وہ دوبارہ نہیں کر سکتا۔ مگر چونکہ موت کے وقت انسان کی رُوح نفس بن کر ایک ہستی بن چکی ہوتی ہے اس لئے بجائے نیست سے ہست کے معنی لینے کے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ مرنے کے بعد انسان دوسرے عالم میں اسی طرح چلا جاتا ہے جس طرح کہ ولادت کے وقت ماں کے پیٹ سے اس عالم میں آیا تھا۔ تو زیادہ بہتر معنی ہو جاتے ہیں۔

تو روح جو انسان کے جسم میں اسی طرح رہ رہی ہوتی ہے جس طرح اس کا جسم اپنی ماں کے پیٹ میں رہ رہا تھا۔ اس روح کی شکل بھی اللہ تعالیٰ جو المصوّر ہے اُسی طرح بنا رہا ہوتا ہے جس طرح وہ انسان کی جسمانی شکل اس کی ماں کے پیٹ میں بنا رہا تھا جیسا کہ فرمایا تھا۔

هو الذی یصوّرکم فی الارحام
کیف یشاء (آل عمران آیت ۵)

رُوح کی جو شکل بن رہی ہوتی ہے وہ اس کے نفس کی شکل بنتی ہے جیسا کہ اوپر بتا آیا ہوں۔ اس روحانی شکل کا مضمون اور صاف ہو جائے گا جب آپ اگلے الفاظ پر غور فرمائیں گے۔

لہٗ الاسماء الحسنیٰ

اس کے نام سب خوبصورت ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں جو جتنے قرآن نے تفصیل سے بتائے ہیں کسی اور الہامی کتاب نے نہیں بتائے۔ ان صفات کو حاصل کرنے کا حکم قرآن میں اور حدیث دونوں میں آیا ہے۔

صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ
صبغۃ و نحن لہ عٰبدون
(البقرۃ - ۱۳۸)

"اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔ اور ہم تو اس کے عاجزی سے فرمانبرداری کرنے والے ہیں"۔ یعنے اللہ تعالیٰ تم میں اپنی صفات کا رنگ پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرو۔ ماں باپ اور اُستاد جو اپنے رنگ میں بچوں کو رنگنا چاہتے ہیں تو ان کی جب تک فرمانبرداری نہ کی جائے وہ رنگ نہیں آ سکتا۔ اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ۔ اللہ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔ اور اللہ کے اخلاق اس کے صفاتی نام ظاہر کرتے ہیں کہ وہ سب خوبیوں اور نولبعوں پر حاوی ہیں۔

تو انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو اسی لئے حاصل کر سکتا ہے کہ اس کے اندر وہ رُوح ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پھونکی ہے۔ اس بارہ میں میں حضرت امیر مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن کے صفحہ ۹۴۷ پر تفسیر کے نوٹ نمبر ۱۹۶۰ کو نقل کرتا ہوں جہاں سورۃ السجدہ ۳۲ کی آیت نمبر ۹ کے متعلق حضرت امیر مرحوم نے لکھا ہے۔

"یہ آیت (ثم سوّٰہ و نفخ فیہ من روحہ) بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رُوح میں سے ہر انسان میں رُوح پھونکی جاتی ہے۔ یہ انسانی فطرت اور اللہ تعالیٰ کی فطرت کے مخفی تعلق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لفظ روح سے مراد یہاں وہ حیوانی رُوح نہیں جو انسان اور حیوان میں مشترک ہے۔ اول الذکر روح انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ خدا میں سے آئی ہوئی رُوح ہے جس کی وجہ سے انسان کائنات پر حکومت کرتا ہے۔ اور اسی رُوح کی وجہ سے انسان موت کے بعد ایک نئی زندگی پاتا ہے، وہ زندگی جس میں وہ خدا میں اور خدا کے پاس رہتا ہے اور اسی کو اگلی آیت میں لقاء اللہ فرمایا ہے"۔ تو یہ اُسی رُوح کے لئے ممکن ہے کہ وہ خُدائی صفات کو اپنے اندر پیدا کر سکے۔

مکروہ شکلیں

جو لوگ خدائی صفات یا اخلاق کو حاصل کر کے اپنے نفس کو خدائی حُسن کے عکس سے مزین چہرہ نہیں دیتے اور دنیا یا اس زمینی زندگی پر گرتے ہیں یا حیوانی زندگی پر راضی رہتے ہیں ان کے نفس کے خدوخال پھر انہی حیوانوں یا زمین سے چمٹنے والی مخلوق جیسے ہو جاتے ہیں اعاذنا اللہ۔ مثلاً بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے بندر سے مشابہت اختیار کی جو نقالی کرتا ہے اور اصلیت تک نہیں پہنچتا اُن کی نسبت فرمایا کونوا قردۃ خاسئین "ذلیل بندر ہو جاؤ"۔ جس کی تفسیر میں امام مجاہد نے لکھا ہے مسخت قلوبھم و لم یمسخوا قردۃ۔ یعنے ان کے قلب مسخ ہو گئے تھے اور ظاہری صورتیں مسخ ہو کر بندر نہیں بنے۔ اسی طرح دوسری جگہ قرآن پاک میں (المائدۃ - ۶۰) اور حدیث میں انسانوں کے بندر اور سور بن جانے کا ذکر ہے۔ جو کہ ان کی باطنی حالت کا ذکر ہے قرآن پاک نے ایک اور جگہ فرمایا و ما من دآبّۃ فی الارض و لا طٰئر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم (الانعام - ۳۸) "اور زمین میں کوئی جاندار نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو دو پروں سے اڑتا ہے۔ مگر وہ تمہاری طرح جماعتیں ہیں" جو جتنا زمین سے چمٹنے والے جانور مثلاً سانپ بچھو۔ چھپکلی وغیرہ اُتنا ہی مکروہ ہوتا ہے اسی طرح جو پرندوں کی طرح زمین سے تو اٹھتے ہیں مگر مُردار پر گرتے ہیں مثلاً گدھ۔ چیلیں وغیرہ وہ پرندوں میں مکروہ شکل والے ہوتے ہیں۔ دنیا کے حریص کو حدیث شریف میں کُتّا کہا گیا ہے۔ تو انسان کا باطن یا نفس کیا شکل اختیار کر رہا ہے اُس سے ڈرنا چاہیئے۔ ایک آیت سورۃ یٰسٓ ۳۶ میں آتی ہے جس سے میرا دل کانپتا ہے۔ و لو نشاء لمسخنٰھم علٰی مکانتھم فما استطاعوا مضیًّا و لا یرجعون (آیت ۶۷) جس کے معنے یہ ہیں کہ (جو لوگ شیطان کی پیروی میں گمراہ ہوتے ہیں اور خدا کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے ان کی آخرت کی سزا تو جو ہے سو ہے۔ اسی دنیا میں) "اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہ پر انہیں مسخ کر دیں۔ پھر وہ نہ آگے چل سکیں گے نہ لوٹ سکیں گے"۔

مسخ کی تفسیر میں حضرت امیر مرحوم لکھتے ہیں "مسخ خلق اور خُلق کا بگاڑنا ہے اور اُن کا ایک صورت سے دوسری صورت میں بدل دینا ہے"۔ خلق تو جسمانی ہے اور خُلق باطنی۔ تو اُس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسے بدلوگوں کو مسخ کر کے اُن کی موجودہ شکل کو ان کی اصلی یعنے باطنی شکل میں تبدیل کر دیں مثلاً جس کا باطن بندر یا سوٗر یا کُتّے جیسا ہے یا زمین سے چمٹنے والے سانپ اور بچھو وغیرہ جیسا ہے وہ سچ مچ ویسا ہی بن جائے۔ مگر وہ ارحم الراحمین ذات ایسا نہیں کرتا کیونکہ "پھر وہ نہ آگے چل سکیں گے نہ لوٹ سکیں گے"۔ یعنے ایسے لوگ جو مسخ کر کے اپنی باطنی شکل اسی دنیا میں دیئے جائیں تو نہ تو وہ پھر ترقی کر سکیں گے اور نہ لوٹ کر انسان کی شکل اختیار کر سکیں گے۔ اور وہ ارحم الراحمین انسان کو آخر وقت تک اپنی اصلاح اور ترقی کا موقعہ دینا چاہتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اس لئے پیشتر اس سے کہ ہمارا اس دُنیا کا وقت ختم ہو جائے اور ہمارے نفس نے جو شکل اختیار کی ہے وہ مرنے پر ظاہر ہو ہمیں فوراً اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔ کون ہے جو نہیں چاہتا کہ اُس کی شکل و صورت ہمیشہ خوبصورت ہو جو کہ آخرت کی زندگی میں ہی ممکن ہے۔ اس دنیا میں تو اچھی سے اچھی صورتیں بالآخر بگڑ جاتی ہیں۔ تو دائمی حسن تو من احسن من اللہ صبغۃ یعنے اللہ تعالیٰ کی صفات یا اسکے حُسن کے عکس کو اپنے اندر لینے میں ہے۔ اور اس کا طریقہ و نحن لہ عٰبدون میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن پاک میں حکم دیئے ہیں کہ یہ کرو یہ نہ کرو ان کی عاجزی سے فرمانبرداری کی جائے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مضمون نگار احباب سے درخواست

وسط اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء میں ادارہ پیغام صلح مولینا محمد علیؒ نمبر شائع کر رہا ہے جس میں اسلام کے اس مجاہد کبیر اور بطل جلیل کی عظیم الشان دینی خدمات پر مشتمل مضامین شائع ہونگے جن میں مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے اس فتح نصیب جرنیل کو خراج عقیدت پیش کیا جائے گا۔ جماعت کے مضمون نگار احباب سے گزارش ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لئے اپنے خیالات کو قلمبند کر کے جلد از جلد ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(ادارہ)

محترمہ عطیہ ڈوکیر ۔ لندن

انگریزی سے ترجمہ :۔
مکرم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب (لاہور)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

میرا تعلق خاندانی طور پر ایک سخت کیتھولک عیسائی فرقہ سے تھا لیکن عیسائیت کی متضاد اور متناقض تعلیم ہمیشہ ہی میرے لئے الجھن اور معمہ بنی رہی اور میرے دل کو کبھی بھی ایسا اطمینان اور یقین نہیں ہوا کہ یہ عقیدہ مجھے روحانی اور ذہنی پریشانیوں سے نجات دلا سکتا۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک مسلمان دوست نے مجھے بتایا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جس کے اندر عیسائیت بھی ہے اور اس سے بڑھ کر اور بھی سچی اور عملی سچائیاں موجود ہیں۔ میں نے اس دوست کی بات کی چنداں پرواہ نہ کی۔ مگر میں نے اپنی تسلّی کے لئے اسلام پر مختلف کتابیں پڑھنی شروع کر دیں۔ اسلام کی سچائی کے متعلق تو مجھے کچھ علم نہیں تھا لیکن عیسائیت کے متضاد عقائد اور غیر عقلی اور غیر فطری اصول ہمیشہ میرے دل میں بے چینی اور پریشانی پیدا کرتے رہے لیکن اکثر لوگوں کی طرح اپنے آپ کو چرچ کے ساتھ وابستہ رکھنا ضروری سمجھتی تھی۔ میں نے کئی سال اپنی رُوح کی تسلّی کے لئے اسلام کی سٹڈی کی اور خاموشی سے اس عمل کو جاری رکھا۔ اتفاق سے مجھے مقامی لائبریری سے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ از مولانا محمد علیؒ ہاتھ لگ گیا۔ میں نے بڑے انہماک اور غور سے یہ ترجمہ پڑھا اور دوبارہ اور سہ بارہ پڑھا اس کے علاوہ اسی لائبریری میں مجھے پتہ چلا کہ اسی مصنّف کی ایک مشہور کتاب ریلیجن آف اسلام بھی ہے لیکن مجھے باوجود کوشش کے یہ کتاب میسّر نہ آسکی تو میں نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے مرکز کو ایک خط لکھا کہ میں یہ دونوں کتابیں خریدنا چاہتی ہوں۔ لاہور کے دفتر سے مجھے یہ بتایا گیا کہ میں لندن کے امام جناب ڈاکٹر اسلام سے رجوع کروں اس طرح مجھے آسانی کے ساتھ یہ کُتب مل سکیں گی۔

میں نے اس سلسلے میں اسلامک احمدیہ مشن لندن - ۵۷۔ لانگلے روڈ سے تعلق پیدا کیا اور اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا۔ کہ مجھے اسلام پر چند اعتراضات کے جوابات بھی درکار ہیں اور ان مذکرہ کُتب کی خریدار بھی ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب امام لندن مشن نے فوری طور پر مطلوبہ کُتب اور کچھ مفید لٹریچر مجھے ارسال کر دیا اور اس بات کا انتظار بھی نہ کیا کہ مجھے کُتب کی قیمت سے آگاہ کریں یا کچھ لکھیں میری طبیعت پر اس بات کا بہت اثر ہوا۔ اور میں نے کُتب کی قیمت بذریعہ چیک ادا کر دی اور لکھا کہ میرے بہت سے شکوک تو اس اسلامی لٹریچر کی وجہ سے دور ہو گئے ہیں۔ خصوصاً اخبار لائٹ میں بعض مضامین بہت ہی مفید ثابت ہوئے۔ اب چونکہ میرا دل اسلام کی طرف سے بالکل صاف تھا۔ میں چاہتی تھی کہ اگر مسلمان عورتوں کی کوئی تنظیم ہو تو اس کا مجھے علم دیا جائے تاکہ میں بعض مسائل جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں ان سے بے تکلّفی سے پوچھ سکوں۔ لندن مشن کے انچارج صاحب نے بلا تاخیر مجھے انجمن خواتین لندن کی فہرست اور کچھ تفصیل بھیج دی اور اس طور میرا تعلق میری اسلامی بہن رضیہ فاروقی صاحبہ آف کرائڈن اور محترمہ بہن جمیلہ خاں، صدر جماعت لندن سے ہو گیا۔ اب میں نے از سرِ نو اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔ اور بذریعہ خط و کتابت اپنے اعتراضات امام صاحب اور ہمشیرہ صاحبہ رضیہ فاروقی یا جمیلہ خاں صاحبہ کو روانہ کرتی تھی۔ میں شکریہ کے ساتھ عرض کرتی ہوں کہ اس عرصہ میں مجھے باقاعدہ طور پر ہر قسم کا انگریزی لٹریچر مفت ارسال کیا جاتا رہا۔ چونکہ میں دل سے مسلمان ہو چکی تھی اور مجھ پر ہر اسلامی حکم نافذ ہوتا تھا۔ اس لئے رمضان المبارک کے پورے روزے میں نے رکھے۔ اگرچہ لندن میں صبح ۳ بجے سے لے کر رات کے ۷ بجے تک روزہ ہوتا تھا۔ لیکن مجھے رمضان کے روزے رکھنے سے بہت تسلّی اور خوشی تھی۔ میں نے حسبِ استطاعت انجمن کی صدر صاحبہ کو اپنی زکوٰۃ کی رقم بھی بھجوا دی اور یہ خواہش دل میں پیدا ہوئی کہ مناسب موقع پر اپنے اسلام کا اعتراف کر کے باقاعدہ مسلمان کمیونٹی میں شامل ہو جاؤں۔ چنانچہ ۱۹۷۹ء کے رمضان کی عید کے دن میں بھی احمدیہ مشن کی مسجد میں حاضر ہو گئی۔ ایک دلچسپ لطیفہ یاد آگیا۔ چونکہ مجھے کبھی مسجد جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے میں نے امام صاحب سے وضاحت چاہی کہ میں مسجد جانے کے لئے کس قسم کے کپڑے پہنوں تو جواب ملا کہ اسلام میں اس قسم کی کوئی قید نہیں اور اس کے ساتھ انہوں نے مجھے ایک کتاب بھی روانہ کی۔ "اسلام میرا انتخاب"، جس میں بہت سے یورپین لوگوں کی ذاتی تصاویر تھیں۔ اور انہوں نے وہی اپنا قومی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ میرا یہ مسئلہ تو آسانی سے حل ہو گیا۔ جب میں صبح عید کے دن مسجد پہنچی تو میرے دل میں کافی گھبراہٹ تھی کیونکہ اجنبی مذہب، اجنبی لوگ، اجنبی جگہ۔ مگر جونہی میں وہاں داخل ہوئی تو میری بہنوں اور نوجوان لڑکیوں نے نہایت پُر تپاک طور پر میرا استقبال کیا۔ اور مجھے گھیرے میں لے لیا۔ تھوڑی دیر میں ہم کچھ اس طرح گھل مل گئے۔ گویا ہمیشہ سے اکٹھے رہنے والے تھے۔

بہرحال سب کے سامنے میں نے امام صاحب کے ہاتھ پر کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ الحمدللہ۔
کچھ عرصہ کے بعد میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ چند حقیقی باتیں جن کی وجہ سے مجھے عیسائیت چھوڑنی پڑی۔ اور اسلام کے دائرہ میں داخل ہونا نصیب ہوا اگر ان محرکات اور اسباب کا ذکر ذرا تفصیل سے کر دوں تو ممکن ہے دیگر لوگوں کے لئے بھی میرا اسلام موجبِ ہدایت ہو سکتا ہے۔

سب سے اہم بات جو میرے دل میں کھٹکتی تھی وہ یہ ہے کہ عیسائیت کے اندر اس قدر تضاد اور تفرقہ ہے کہ کوئی شخص صاف طور پر یہ نہیں بتا سکتا۔ کہ عیسائیت چیز کیا ہے؟ اس مذہب کی کُتب اور اس کے بنیادی اصول بالکل بے بنیاد اور خلافِ عقل ہیں۔ اکثر لوگ برائے نام عیسائی کہلاتے ہیں لیکن اُن کا دلی لگاؤ اس مذہب کے ساتھ بالکل نہیں۔ بعض لوگ تو کھلے منکر ہیں اور اکثر لوگ اندرونی طور پر عیسائیت اور مذہب سے کوسوں دور ہیں اور ایک آزاد اور بے باک زندگی گزار رہے ہیں۔

مثال کے طور پر عیسائیت کے اندر اس کی کُتب الہامی بالکل تبدیل اور محرّف ہیں اور اس کے عقائد ہمیشہ ضرورت کے مطابق تبدیل ہو جاتے ہیں غرضیکہ یہ سب کچھ چرچ کی کونسل اور پوپ صاحب پر منحصر ہے کہ کیا تبدیلی کب ضروری ہے۔

مگر اب مجھے علم ہو گیا تھا کہ اسلام میں اس کی الہامی کتاب قرآن مجید میں کوئی تبدیلی اور ردّ و بدل قطعاً نہیں ہو سکتا جیسے قرآن میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"لا تبدیل لکلمات اللہ"

اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور پھر فرمایا:۔

"لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا
ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا"

اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی اس کے قانون میں کوئی ہیر پھیر پیدا ہو سکتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ آیت "ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا" ہم کسی نشان کو نہیں مٹاتے یا اُسے نہیں بھلاتے ہیں جب تک ہم اس سے بہتر نشان پیدا نہ کر دیں۔ یا کم از کم اس جیسا نشان نہ لا دیں۔

اور اس تمام احتیاط کے باوجود ایک نہایت زوردار گارنٹی اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ اس قانونِ الٰہی کی کتاب کی حفاظت اس نے اپنے

اوپر لے لی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

"انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"

"ہم ہی نے اس "الذکر" (القرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

دُنیا کی کسی مذہبی الہامی کتاب کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالےٰ نے نہیں لیا کیونکہ وہ تمام قوانین وقتی اور خاص قوموں کے لئے تھے لیکن قرآن پاک چونکہ تمام جہانوں کی ہدایت کے لئے ہے اور یہ آخری اور مکمل کتاب ہے اسی لئے اس آخری الہامی کتاب کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لی۔

جب میں نے اسلام قبول کر لیا اور مجھے اپنی نمازوں کو صحیح طور ادا کرنے کے لئے کسی مستند نماز کی کتاب کی ضرورت تھی۔ چنانچہ میری استدعا پر انچارج مشنری صاحب نے مجھے ایک کتابچہ تمام نمازوں اور دیگر ضروری احکامات اسلامی پر مشتمل از جناب مولانا محمد علی صاحب مرحوم دیا یہ نہایت ہی آسان اور مفصل کتابچہ ہے۔ اس میں ہر چیز پانچ ارکان اسلام پر ہے اور آسان بھی ہے جس کو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ مگر میں چونکہ عیسائیت سے بعض وجوہات کی بنا پر سخت متنفر تھی اور مجھے علم تھا کہ عیسائیت کے عقائد ضرورت کے مطابق پوپ کے حکم سے اور سپریم مذہبی کونسل کے مشورہ سے بدل دیئے جاتے ہیں۔ میرا دل میں یہ وسوا پیدا ہوا کہ اس مذہب کے عقائد کی چھوٹی چھوٹی کتب کو بھی آزماؤں کیا یہ بھی انسانوں اور حالات کی ضرورت سے عقائد کو تبدیل کرتے ہیں یا نہیں۔ اس سلسلے میں میں نے ایک مسلمان بہن محترمہ رضیہ فاروقی جو ایک عالم گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں (یہ حالات مجھے اب پتہ چلے ہیں) انہیں کچھ سوالات بھیجے اور ان کا جواب مانگا۔ اتفاق کی بات ہے کہ انہوں نے مجھے ایک چھوٹا سا کتابچہ جو نماز اور اسلامی احکام پر مبنی تھا اور اس کا مصنف اور تاریخ طباعت مختلف تھی مجھے بھیجا اور لکھا کہ یہ کتابچہ انہوں نے اپنے پوتے کے لئے منگوایا تھا اور اس کو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے یہ کتابچہ بھی بہت مفید نکلا۔ لیکن میرا مقصد کچھ اور تھا کہ کیا یہ لوگ بھی اپنے عقائد ضرورت کے ساتھ تبدیل کرتے ہیں جیسا کہ عیسائی مذہب میں ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات اس مذہب کی اصل ہیئت ہی تبدیل ہو جاتی ہے بلکہ اصل عیسائیت کے خلاف تبلیغ شروع ہو جاتی ہے اور اس لئے لوگ ایسے عقائد سے متنفر ہو کر الگ ہو جاتے ہیں۔ لیکن میری خوشی اور حیرانی کی حد نہ رہی کہ یہ چھوٹی سی کتاب جو کئی سال بعد میں چھپی تھی۔ اور وہ پہلا کتابچہ جو مولانا مرحوم نے انگریزی خواں طبقہ کیلئے لکھا تھا زمانہ اور مصنف کے مختلف ہونے کے باوجود اپنے تمام اصولوں اور قواعد میں ذرہ بھر فرق نہیں رکھتے تو مجھے یقین ہوا کہ اسلام میں اس بات کا خوف نہیں کہ جیسے چرچ اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اسلام اس بات سے بالاتر ہے کیونکہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ کی نظر میں دین صرف اسلام ہی ہے اور یہ کسی صورت تبدیل نہیں ہو سکتا یہ ایک خاص وجہ میرے مسلمان ہونے کی تھی علاوہ اس کے کہ اسلام کی تعلیم انسان کو ایک روحانی اور ذہنی اطمینان بخشتی ہے اور یہ تعلیم دراصل ایک مکمل نظام ہے۔

جب میری بیٹی کچھ بڑی ہو گئی اور اس نے ان عیسائی عقائد کے متعلق مجھ سے سوال کرنے شروع کئے جن کا میرے پاس کوئی خاطر خواہ جواب نہیں تھا تو اس بچی کے ذہن میں بھی پریشانی پیدا ہو گئی۔ اور پھر میرے بیٹے جب چرچ سے واپس آکر مجھ سے ایسے استفسارات کرتے جن کا جواب نہ میرے پاس ہے اور نہ چرچ کے پاس تو میں دل ہی دل میں شرمندگی کا احساس کرتی چونکہ آج کل کے بچے اس قدر سادہ لوح نہیں ہیں جیسا کہ ہم سادہ ہوتے تھے اور عقائد کے متعلق جب بھی کچھ شبہ ہوا اس کو شیطانی وسوسہ سمجھ کر ٹال دیا جاتا تھا۔ چنانچہ میرے بچے اور ہزاروں عیسائی بچے مذہب سے برگشتہ ہو گئے۔ اور انہوں نے مذہب کو سرے سے پس پشت ڈال دیا اور دوسرے سیاسی، سماجی اور معاشرتی دھندوں میں مشغول ہو گئے۔ ان تمام چیزوں کا اثر اس عمر میں مجھ پر ایک بہت بوجھ بن کر گرا۔ اور میں نے بجائے اس کے نتیجے دب کر مر جاتی میں نے اپنی نجات اسی میں سمجھی کہ میں اسلام جیسا فطری اور ہمیشہ قائم رہنے والا مذہب اختیار کر لوں میرے والد ایک بہت پرانے عیسائی مشنری ہیں۔ میں نے ان کو اطلاع دی۔ کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تمہیں اس میں اطمینان قلب نصیب ہو گیا ہے تو تم نے بہت اچھا کیا۔

بات یہ ہے کہ اس تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں انسان کو ایک ایسے سہارا کی سخت ضرورت ہے تاکہ اس سہارا کے ذریعہ ایک ایسی زندگی بسر کی جا سکے جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہو اور جس کے ذریعہ ہم اپنے ایمان اور یقین کو بھی محفوظ رکھ سکیں۔ میں نہایت خوشی کے ساتھ یہ بتا سکتی ہوں کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کے لیے خوشخبری دیتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے عمل میں مستقل ہوتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے۔ اور انہیں اس دنیا اور آئندہ آنے والی زندگی میں کامیابی کا وعدہ ملتا ہے اللہ تعالےٰ علی الاعلان فرماتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا دوست ہوتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو قرآن میں مذکور ہے۔

"ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون"

آپ نے ملاحظہ کیا کہ یہ دین کس خوبی اور یقین سے واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور رنج و غم سے نجات دلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہی لوگ اس کی مہربانی سے ایسے عظیم انعامات کے وارث ہوتے ہیں جو واقعی بے نظیر اور اعلیٰ اعمال رکھتے ہیں۔ جو لوگ بدقسمتی سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن پاک کی بعض آیات یا احکام منسوخ ہو گئے ہیں وہ بہت بڑی غلطی پر ہیں ایسے لوگوں کو لفظ آیت سے غلطی لگی ہے کہ قرآن پاک کی بعض آیات منسوخ ہیں یہ بہت خطرناک عقیدہ ہے قرآن شریف سے ثابت ہے کہ قرآن شریف کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں ہو سکتا اس آیت میں آیت سے مراد کوئی قانون یا معجزہ ہے نہ کہ قرآنی آیت۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد علی مرحوم کی تفسیر اس آیت کے متعلق قابل ملاحظہ ہے۔

میں صرف عیسائیوں کے متعلق کچھ عرض کرنے کی مجاز ہوں۔ عیسائیت نے مذہب کی شکل کو اس قدر بدل ڈالا ہے کہ وہ اپنی اصل غرض و غایت ہی سے عاری ہو گیا ہے۔

جب میں چھوٹی تھی تو ہمیں بڑی احتیاط سے یہ تعلیم دی جاتی تھی کہ بائیبل شریف غلطی سے بالکل پاک ہے اور چرچ کی آواز خدا کی آواز ہے جو اس نے اپنے بیٹے کے ذریعہ ہم کو دیا ہے۔

بخلاف اس کے بائیبل میں تحریف اور تبدیلی اس قدر نمایاں ہے کہ ان کتب کو پڑھنے والا حیران رہ جاتا۔ گرجے نے ترجمہ کرتے وقت لاطینی زبان کو بالکل فراموش کر دیا۔ اور صرف ترجمہ ہی رہنے دیا لیکن قرآن شریف کے تراجم میں اس امر کا باقاعدہ التزام ہے کہ عربی متن بجنسہٖ ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ تاکہ اصل کی شکل ہمیشہ بحال رہے۔ اور کسی قسم کی تبدیلی یا تحریف کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

میں نے اپنے بچپن میں یہ پڑھا تھا اور میرے بچوں نے بھی یہ پڑھا کہ یہ یہودی ہی تھے جنہوں نے مسیح ناصری کو صلیب پر چڑھایا۔ لیکن آہستہ آہستہ چرچ اور پوپ جو ہر قسم کی غلطی سے پاک ہیں۔ اب پوپ نے زمانہ کی ضرورت کے مطابق یہ تبدیلی کی کہ یہ خیال غلط ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو صلیب پر چڑھایا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسیح کو تو رومن گورنمنٹ کے حکم سے پھانسی دی گئی تھی۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ بائیبل کہاں تک سچی ہے۔ پھر ہم سب تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ مسیح کو سولی پر چند گنہگار لوگوں کے ساتھ چڑھایا گیا۔ اور صرف تین گھنٹے کے اندر مسیح کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ لیکن یہ حقائق عقل سلیم کے بالکل خلاف ہیں کہ ایک تندرست اور جوان انسان صرف تکلیف کی وجہ سے تین گھنٹے میں چل بسے۔ چنانچہ ایسی غلط اور بے بنیاد باتوں کی وجہ سے عیسائیت کا مضبوط قلعہ خود بخود مسمار ہو گیا۔

کفّارہ کا مسئلہ

سب سے عجیب ترین اور انسانی عقل اور تجربے کے بالکل خلاف یہ من گھڑت عقیدہ کہ انسان پیدائشی

(بقیہ ص ۱۲ کالم ۲)

تبرکات

حضرت نبی اکرمؐ نے پاکیزگی طہارت اور خدا ترسی کو قائم کیا

خدا کے نزدیک متقی اور صالح انسان ہی مکرّم ہے

حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک خطاب ⁂

یٰبنی اٰدم قد انزلنا علیکم لباسًا یواری سواٰتکم و ریشًا ۔ ولباس التقوٰی ذالک خیر ذالک من اٰیٰت اللّٰہ لعلھم یذکرون ۔ (الاعراف آیت ۲۶)

اس آیت میں تمام بنی آدم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ کہ،

اے بنی آدم ہم نے تم پر لباس اتارا ہے، جو تمہارے قابل پردہ مقامات کو چھپاتا ہے اور یہ تمہارے لیے زینت کا سامان بھی ہے۔ ولباس التقوٰی ذالک خیر۔ مگر اصل لباس پرہیزگاری کا ہی لباس ہے۔ اور وہ بہت ہی اچھا لباس ہے۔ ذالک من اٰیٰت اللّٰہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نشانات میں سے ہے۔ لعلھم یذکرون۔ تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

قرآن کریم کے شروع میں فرمایا تھا کہ خدا رب العالمین۔ وہ تمام جہانوں اور کل دنیا کی ضروریات پوری کرنے والا ہے۔ یہاں پھر ساری انسانیت کو مخاطب کر کے اس بات کو پھر دوہرایا ہے۔ یبنی آدم قد انزلنا علیکم لباسًا یواری سواٰتکم۔ اے بنی آدم ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے قابل پردہ مقامات کو ڈھانپنے اور زیب و زینت کا باعث ہے۔ اس آیت میں لباس کے نازل کرنے کا ذکر ہے حالانکہ یہیں زمین میں بنتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے گندم زمین میں پیدا ہوتی ہے مگر خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ یہ بھی آسمان کی عطا کردہ شئے ہے۔ سورج کی گرمی سے سمندروں کا پانی بخارات بن کر آتا ہے اور بادل کی صورت اختیار کرتا ہے اور پیاسی زمین پر برس کر جل تھل کر دیتا ہے آسمان کے اس تعاون سے زمین پھٹتی ہے اور غلّہ پھل پھول اور میوہ جات پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح روئی وغیرہ پیدا ہوتی ہے اور لباس بنتا ہے تو فرمایا ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے قابل پردہ مقامات کو ڈھانپتا اور زیب و زینت کا باعث ہے اور سب سے بہتر تقوٰی کا لباس ہے۔ ہر قسم کی بدیوں اور فواحش سے بچنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا انسان کے اخلاق و اعمال کی زینت کا موجب ہے۔

آگے چل کر فرمایا۔ یٰبنی اٰدم خذوا زینتکم عند کل مسجد۔ جب تم مسجد میں آؤ یا عبادت کے لئے کھڑے ہو تو صاف ستھرا لباس پہن کر آؤ۔ خوشبو لگا کر آنا بھی سنت ہے انسان جب عام مجالس یا کسی بادشاہ یا حاکم کے دربار میں جاتا ہے اجلا لباس پہن کر جاتا ہے تو پھر خدا کے گھر میں عبادت کے وقت اجلا لباس کیوں نہ ہو۔ عام طور پر لوگ جس حالت میں ہوتے ہیں مسجد میں چلے آتے ہیں۔ حالانکہ خدا کے دربار میں صاف ستھرا لباس پہن کر آنا چاہیئے۔ فرمایا۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد۔ ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرنا چاہیئے۔

یہ لباس ظاہری جسم کو ڈھانپتا اور زینت دیتا ہے رسول کریم صلعم نے ایک قوم تیار کی جس نے پاکیزگی۔ طہارت اور خدا سے ڈر کر زندگی گذارنے کا بڑا اونچا مقام پیدا کیا۔ ظاہری پاکیزگی کے علاوہ طہارت قلب کا وہ نمونہ دکھایا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ بادشاہی حاصل ہو جانے کے بعد بھی حضور کے صحابہ نے سادگی اختیار کیے رکھی۔ اور ہر قسم کی عیش و عشرت سے اجتناب کیا۔ حالانکہ دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں تھی۔ محمد رسول اللہ صلعم دنیا میں واحد پیغمبر ہیں۔ جنہوں نے فرمایا کہ اخلاق کا لباس سب سے اعلیٰ ہے۔ اور اسی میں انسان کی عزت ہے کہ اس کا کردار بلند ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔ خدا کے نزدیک بھی تم میں سے وہی مکرم اور عزت یافتہ ہے جو متقی اور خدا تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گذارنے والا ہے۔ اچھے اخلاق اپنا کر انسان اللہ تعالیٰ کی چلتی پھرتی تصویر بن جاتا ہے۔ جب تم تقوٰی کا لباس اختیار کرو گے تو تم اٰیۃ اللّٰہ خدا کا نشان بن جاؤ گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اعمال دنیا کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ اللہ فرماتا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ۔ یہ اللہ تعالےٰ کا عطا کردہ سرٹیفکیٹ ہے مشکلات کے زمانہ میں بھی آپؐ سے بہترین اخلاق کا ظہور ہوا۔ اور آسائش اور بادشاہت کے زمانہ میں بھی بہترین اخلاق آپ سے صادر ہوئے۔ معاملات میں اعلیٰ برتاؤ، دوسروں سے حسن سلوک، مروت و عفو، مشکلات میں درگذر کو قائم رکھا۔ اور بادشاہ بن جانے کے بعد عدل و انصاف کو بھی کمال تک پہنچایا۔ رعایا کے حقوق کا خاص خیال رکھا۔ خود لباس فاخرہ سے ہمیشہ گریز فرمایا۔ حضور کا لباس اور حضور کے گھر والوں کا لباس صاف ستھرا ضرور تھا۔ مگر فاخرہ نہ تھا۔ حضورؐ بڑے ہی صفائی اور نفاست پسند تھے۔ احادیث میں لکھا ہے کہ حضور صلعم کے جسم سے خوشبو آتی تھی۔ حضور صلعم ایسے حق پرست انسان تھے کہ اپنے پرائے کو یقین تھا کہ آپ صادق و امین ہیں دشمنوں نے بھی تسلیم کیا کہ ایسا بے نفس بے غرض اور خدا پرست انسان ہم نے نہیں دیکھا ایسا عہد و پیمان کا پختہ کسی کو نہیں پایا۔ دعوٰے نبوت سے پہلے بھی جب آپؐ حرم میں جاتے تھے تو لوگ پکار اٹھتے تھے۔ جاء الامین جاء الامین۔ امانت دار اور صداقت شعار آدمی آگیا۔

لباس کے علاوہ ایک جگہ کھانے پینے کا بھی ذکر فرمایا اور یہ ہدایت کی۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ ان اللّٰہ لا یحب المسرفین۔ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ پس ضروری ہے کہ ہر بات، ہر حرکت میں اعتدال کو ملحوظ رکھو۔ اعتدال کی حدود سے باہر قدم نہ رکھو۔ خیر الامور اوسطھا۔ ہر امر میں اعتدال خیر و برکت کا موجب ہے درمیانہ درجہ کی زندگی گذارو۔ مسرف انسان بالآخر کوڑی کوڑی کا محتاج ہو جاتا ہے۔ بعض دولت مند قوموں کے نے اچھا کھانا۔ پینا اور عمدہ پہننا اپنے اوپر حرام کر لیا۔ جیسے ہندوؤں میں یوگی۔ اور عیسائیوں میں راہب پادری وغیرہ ہیں۔ جو شہروں کو چھوڑ کر جنگلوں، بیابانوں اور پہاڑوں کی غاروں میں جا کر بے کیف اور اذیت پسندانہ اور جائز انسانی ضروریات سے بھی محرومی کی زندگی گذار کر گیان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ پسندیدہ نہیں۔ اسلام جہاں مسرفانہ اور عیش و عشرت کی زندگی کو پسند نہیں کرتا وہیں اس قسم کی راہبانہ زندگی بھی اس کے نزدیک جائز نہیں وہ صرف اعتدال کی تعلیم دیتا اور ہر حلال شئے سے جائز حد تک فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جس پر چلنے سے اس امت میں بڑے بڑے باخدا لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر خدا کے آگے گرتے تھے آج بھی مسلمانوں میں عرب میں، عجم میں، شام میں، مشرق میں اور مغرب میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو اعتدال کی زندگی بسر کرتے اور خدا تعالیٰ سے لو لگائے رکھتے ہیں۔

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

وقت کا تقاضا

(قسط ۲)

گذشتہ شمارہ میں اس کی قسط اوّل آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہے کہ آج کل ہر ذی شعور والدین بڑے پریشان ہیں کہ اولادیں ہماری بات نہیں مانتی۔ محنت نہیں کرتے۔ بڑے چھوٹے کا ادب احترام ختم ہوگیا ہے۔ بے فائدہ وقت برباد کرتے ہیں۔ اچھے برے کی تمیز مفقود ہوگئی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس بارے میں یہ عرض کی گئی تھی کہ اس مرض کو ختم کرنے کی پہلی اینٹ یہ ہے کہ ہم والدین اپنے اعمال۔ افکار۔ کردار کا جائزہ لیں۔ اور خود مثال بنیں اپنے عمل میں جتنے رخنے ہوں۔ کمیاں یا کمزوریاں ہوں ان کو دور کریں اور مثالی نمونہ پیش کریں۔

آج کی صحبت میں چند مزید باتیں پیش کروں گا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی حضرت لقمان علیہ السّلام جو کہ افریقہ کے براعظم میں پیدا ہوئے تھے ان کا ایک مکالمہ جو قرآن مجید نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

وَلقد اٰتینا لقمٰن الحکمۃ ان اشکر للّٰہ و من یشکر فانّما یشکر لنفسہٖ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیا ہے کہ شکر گزاری اختیار کرو۔ عطاءِ الٰہی کی بیقدری نہ کرو۔ اولاد اس دُنیا میں اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام اور قیمتی میوہ ہے۔ ہمارے سامنے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ موجود ہے کہ آپ کس طرح اولاد سے محبت کرتے تھے ان کی باتیں بڑے غور سے سنتے تھے ان کا کتنا خیال رکھا کرتے تھے۔ ان کو کس طرح بچپن سے ہی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کو بھی فرمایا کرتے تھے کہ۔

ربّوا اولادکم فی الصغر

بچوں کی بچپن سے ہی تربیت کرو۔ جیسا کہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بچہ پیدا ہو دائیں کان میں آذان کے الفاظ اور بائیں میں تکبیر کے الفاظ کہو۔ غور کریں کہ اس وقت بچہ کو ان الفاظ کا کیا پتہ لگے گا۔ لیکن آج موجودہ تحقیقات بتاتی ہے کہ ان کا اثر ہوتا ہے۔ اور وہ ایک بیج ہے جو توحید کی تعلیم کا پہلے دن اس کے اندر بویا جاتا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچپن میں جو تعلیم بچوں کو دی جاتی ہے وہ اس طرح ان کے قلب میں راسخ ہو جاتی ہے جس طرح پتھر میں ایک چیز چھید کر لکھ دی جاوے۔ اب ذرا والدین غور کریں کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو بچہ کے ابتدائی دن سے ہی اس کی صحیح اسلامی تعلیم کا سبق اس کی استعداد کے مطابق دینا شروع کر دیتے ہیں۔

معاف فرمائیں! ہمیں جو ذاتی طور پر ایسی مثالیں بھی دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں کہ والدین جب اولاد کی تربیت کا زمانہ شروع ہوتا ہے جب بچہ ہر چیز کی جستجو کرتا ہے۔ پوچھتا ہے۔ اس کی حقیقت جاننا چاہتا ہے بعض والدین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس پر بوجھ نہ ڈالیں اس کو آزاد رہنے دیں۔ خود بخود یہ ہمارے سانچے میں ڈھل جائے گا۔ اس کے دماغ پر اثر نہ ڈالیں ورنہ یہ ترقی نہیں کریگا۔ بڑا ہو کر خود سیکھ جائے گا۔ حالانکہ والدین کو علم ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بچے کی مثال ایک کونپل کی طرح ہے۔ جس کو ابتدا میں جس طرف موڑ دو گے وہ مڑ جائے گی اور اگر اس کونپل کو جب کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ایک مضبوط تنے کی صورت اختیار کر لے گی اس وقت اگر موڑنا چاہو گے تو وہ مڑے گی نہیں بلکہ ٹوٹ جائیگی یہ مثال بڑی واضح اور عمدہ ہے اور بڑی سبق اور نصیحت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

جن لوگوں نے بچپن سے ہی صحیح خطوط پر اولاد کی تربیت کی فکر کی وہ خدا کے فضل سے اس پریشانی و تکلیف سے محفوظ ہیں۔ ان کی اولاد صالح ہے۔

اِلّا ماشاءاللہ

دوسرا سبق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بچپن ہی سے اولاد کے بارے میں والدین کو یہ ارشاد فرماتا ہے۔

واذ قال لقمٰن لابنہ وھو یعظہ یٰبنیّ لا تشرک باللّٰہ ان الشرک لظلمٌ عظیم

لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے اللہ کا شریک نہ بنائیو۔ شرک سے ہمیشہ بچو۔ شرک ایک بڑی تاریکی ہے بھاری ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات و افعال میں کوئی کسی قسم کا شریک نہیں ہے۔ اس واسطے تم اس کی عبادت اور اس کی تعظیم میں کسی کو شریک نہ بناؤ۔

حضرت مجدد زماں کی سیرت میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ آپؑ کے زمانہ میں ایک ایسا شخص قادیان میں حضرت مولوی نورالدین سے علاج کروانے آیا جس کا نام پیراں دتہ تھا۔ قادیان کے ماحول نے اس پر ایسا اثر کیا کہ وہ اپنا آبائی وطن بھول گیا۔ اور قادیان کا ہی ہوگیا اور حضرت صاحب کی خدمت میں رہ پڑا۔ سادہ مزاج بھی تھا۔ لکھا ہے کہ حضرت نے کبھی اس کو پیراں دتہ نہیں فرمایا۔ ہمیشہ جب اس کو بلاتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ بھائی پیری دتہ یعنی یہ میرے اللہ تعالیٰ کے فضل سے پیدا ہوا ہے۔

بظاہر یہ ایک چھوٹا سا اور معمولی واقعہ ہے۔ لیکن غور کرنے والوں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ اسی طرح حضرت نورالدین اور ان کی ایک بڑی بہن کا واقعہ آپ کے سوانح میں آتا ہے کہ جب آپ کی بہن کا ایک بچہ آپ کے بروقت نہ پہنچنے کی وجہ سے فوت ہوگیا تو بہن نے بھائی کو مخاطب کر کے کہا کہ تم ماہر طبیب ہو اگر وقت پر آجاتے تو لڑکی نہ فوت ہوتی آپ توحید کے مبلغ تھے۔ جوش سے فرمایا بہن خدا کے مقام پر تم نے نورالدین کو بٹھا دیا ہے۔ اب ایسا ہوگا کہ آپ کا بچہ میری موجودگی میں بیمار ہوگا۔ میں اس کا علاج کروں گا اور وہ میرے ہاتھوں میں فوت ہوگا۔ فرمایا پھر ایسا ہی ہوا۔

ان دونوں عظیم الشان بزرگوں کے اسوہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے کس طرح توحید کے لئے غیرت رکھتے ہیں اور شرک سے بیزار رہتے ہیں۔

موجودہ دور میں والدین کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ بچپن سے ہی اولاد کی صحیح تربیت اپنا نمونہ پیش کر کے رہنمائی فرمائیں تا کہ جب وہ بلوغت کو پہنچیں تو ان کا وجود ہمارے لئے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہو۔ اور وہ جس طرح ہمارے دنیاوی اموال کے وارث بنتے ہیں اس سے بڑھ کر روحانی دولت جو دو جہانوں میں انہیں اور ہمیں رضاء الٰہی کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہوگی اس کے وارث بنیں۔!

اس کے بعد بچپن سے جس سبق کو اولاد کے ذہنوں میں اچھی طرح راسخ کرنے کی ضرورت ہے وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے فرمایا۔

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امّہ وھنًا علیٰ وھنٍ وفصٰلہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر۔

تاکید فرماتا ہے کہ ہر انسان کو چاہیئے اپنے والدین سے نیک سلوک کرے۔ ماں کس طرح اور کن حالت میں بچے کی پرورش کرتی ہے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ماں باپ کے شکر کو منسلک فرما دیا ہے۔ اس کی بنیاد بھی بچپن سے ہی رکھنی چاہیئے تب عمارت عمدہ استوار ہوگی۔ اور اگر یہ فرض کر لیا گیا کہ بچوں کے دماغ پر بوجھ نہیں ڈالنا۔ اس سے ان کی نشوونما متاثر ہوتی ہے ذہنی طور پر وہ ترقی نہیں کریں گے یا پہلے دنیاوی تعلیم سے فارغ ہو لیں پھر ان کو دینی تعلیم دیں گے اگر تو سوچ کا دھارا اسی طرح رہا۔ تو پھر تو:۔

"خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج" والا معاملہ ہوگا۔

خدا کرے آج والدین جو پریشان ہیں وہ اپنے بعد آنے والی نسل کے ذہن میں یہ چیز راسخ کر جائیں کہ وہ ایسی غلطی نہ کریں جو ہم نے کی ہے کیونکہ اب تو حالات کنٹرول سے باہر ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب ایک انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا دنیا کی تمام چیزوں سے رشتہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن اگر اس نے کسی دینی کام میں محض رضاءِ الٰہی کے تحت حصہ لیا ہوتا ہے اس کا اسے ثواب برابر ملتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کی وہ اولاد جو دینی طور پر اس کی صحیح جانشین ہے ان کی نیکیوں

میں والدین کو بھی اگلے جہان میں حصہ ملتا رہتا ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقوق العباد میں سے سب سے زیادہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ کیفیت تبھی ممکن ہے کہ اس دنیا میں بچپن سے ہی صحیح اسلامی تعلیم کی بنیاد رکھی گئی ہو۔ پھر فرمایا واتبع سبیل من اناب الی۔ پوری طاقت۔ زور۔ کوشش محنت کے ساتھ اس رستہ پر چلو جس پر وہ چلتا جو میری طرف سے (آیا ہے) اس میں یہ سبق دیا کہ ہمیشہ بچپن سے ہی ایسی تعلیم دو۔ ایسا ماحول پیدا کرو کہ ان کا دل اور دماغ ایسی راہ پر چل پڑے جس پر اللہ تعالیٰ کے فرستادہ چلتے تھے اور وہ لوگ ہیں۔ جن کا قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر ہے جیسا کہ فرمایا۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ اے ہمارے اللہ ہم کو اس رستہ پر چلنے کی توفیق دینا جن پر تیرا انعام نازل ہوا ہے والدین کو غور کرنا چاہیئے کہ کیا اپنی اولاد کے لئے ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں ان کو ایسی تعلیم دلوا رہے ہیں ایسے مواقع پیدا کر رہے ہیں کہ وہ کونوا مع الصادقین کی محبت سے مستفید ہونے کی تڑپ رکھتے ہیں کہ ان مجالس میں شامل ہونے ہیں یا کہ نہیں جن میں قال اللہ و قال الرسول کا ذکر ہوتا ہے آج ہمارا فرض ہے اور ہمارے مجدد حضرت غلام احمد قادیانی نے ایمان کی پہلی شرط یہ مقرر فرمائی کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔

دین دنیا پر مقدم ہو نہیں سکتا جب تک ابتدا سے ہی صحیح طور پر اولاد کی تربیت نہ کی جائے۔

آج ضرورت ہے کہ ہم سب لوگ جن پر خدا کا خاص فضل ہے اسلام جیسا پاکیزہ مذہب کے ہم ماننے والے ہیں مامور زمانہ کے دامن کے ساتھ وابستہ ہیں جس نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرو۔ اور اس پر بڑا زور دیا ہے۔ ہم ایک معاہدہ کریں۔ اپنی اولادوں کی ایسی اعلیٰ تربیت کریں جس سے ان کا وجود ہر رنگ میں دنیا کے لئے قابل رشک ہو۔ اور وہ اسی صورت میں ہے جیسا حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا۔ جاھدوا اھوائکم کما تجاھدون اعدائکم جس طرح دشمن کا جگر توڑ کر مقابلہ کرتے ہو اس سے بڑھ کر اپنی دنیاوی خواہشات کا مقابلہ کر کے دین کو دنیا پر مقدم کر کے ایسی صالح اولاد اپنی جانشین بنا دیں جس سے ہمارا مولیٰ ہم سے راضی ہو اور ہمیں کبھی قرۃ عین لی کا نظارہ نظر آئے اور یہ ہے آج کے دور میں سب سے بڑھ کر وقت کا تقاضا!

(بقیہ حصہ اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔)

مقامی جماعت احمدیہ لاہور کا

رابطہ اجلاس

حلقہ چھاؤنی

مؤرخہ ۹/۸ ۱ بوقت پانچ بجے حلقہ چھاؤنی کے احباب کا رابطہ اجلاس مکرم قاضی بشیر احمد صاحب کے مکان "دارالسلام" واقع میاں میر میں محترم میاں فضل احمد صاحب صدر جماعت احمدیہ لاہور کی صدارت میں منعقد ہوا۔

حاضری خدا کے فضل سے نہایت حوصلہ شکن تھی۔ محترم میاں صاحب موصوف نے اس اجلاس کی غرض و غایت بیان فرمائی۔ احکام جماعت اور احباب کو ان کے فرائض کی طرف نہایت دلنشیں پیرایہ میں توجہ فرمائی اور دوستوں کو اپنی اپنی تجاویز پیش کرنے کی دعوت دی۔ دوستوں نے نہایت خوشگوار ماحول میں تحریکات جماعت کے بارے میں مختلف تجاویز پیش کیں اور عہد کیا کہ حلقہ میں رابطہ کو مضبوط کیا جائے گا۔ نماز جمعہ میں باقاعدگی سے شامل ہوا کریں گے اور اجتماعی کاموں میں حصہ لیا کریں گے محترم میاں فضل احمد صاحب نے رابطہ احباب، والدین کے فرائض اور حلقہ میں تربیتی سنٹر قائم کرنے پر زور دیا۔ اور دوستوں کو نصیحت فرمائی کہ تعمیری کام میں مصروف رہا کریں اور بے جا نکتہ چینی سے پرہیز کریں اس سے قوت عملیہ کی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔

خدا کے فضل سے یہ اجتماع بڑا کامیاب رہا۔ حاضرین کی تواضع چاء و لوازمات سے صاحب خانہ محترم قاضی بشیر احمد صاحب نے فرمائی۔ جزاھم اللہ احسن الجزا۔

(رپورٹر)

پروگرام

جلسہ یوم محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

جملہ احباب جماعت احمدیہ لاہور کی اطلاع کیلئے اعلان کیا جاتا ہے کہ مؤرخہ ۱۳/۸ بروز سوموار بوقت چار بجے سہ پہر دارالسلام حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ کی صدارت میں حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں جلسہ منعقد ہوگا جس میں تمام احباب جماعت لاہور معہ خواتین اور بچوں کو شمولیت کی دعوت دی جاتی ہے:۔ مندرجہ ذیل مقررین حضرات مولانا صاحب مرحوم رحمۃ اللہ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے:۔

(۱) مرزا محمد لطیف صاحب شاہد (۲) میاں محمد احمد صاحب

(۳) مرزا مسعود بیگ صاحب (۴) ڈاکٹر اصغر حمید صاحب

(۵) حضرت صاحب صدر

جلسہ میں احباب کی شمولیت کے لئے احمدیہ بلڈنگس سے ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا جائے گا۔ اس علاقہ کے لوگ ڈاکٹر مبارک احمد صاحب، عبدالغنی بٹ صاحب سے رابطہ قائم کریں ماڈل ٹاؤن کے احباب چوہدری فضل حق صاحب سے اور گلبرگ کے احباب میاں فضل احمد سے رابطہ قائم کریں۔

اختتام جلسہ پر احباب کی تواضع بھی کی جائے گی۔ جماعت لاہور سے پرزور درخواست کی جاتی ہے کہ خود بھی شامل ہوں اور غیر از جماعت احباب کو بھی ساتھ لائیں۔ اس جلسہ کا اہتمام مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے کیا جا رہا ہے:۔

—— سیکرٹری جلسہ یوم محمد علی رح

گیا۔ میسرہ نے جو راستہ کے واقعات اور حضورؐ کے اخلاقِ کریمانہ کا ذکر کیا تو خدیجہؓ اور بھی متاثر ہوئیں اور دل ہی دل میں خیال کرنے لگیں کہ اگر محمدؐ ایسے انسان کی زوجیت کا فخر حاصل ہو تو کیا ہی اچھا ہو۔ انہی دنوں میں انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ چودہویں کا چاند اُن کی جھولی میں آگرا ہے معبرول نے بتایا کہ کسی عظیم الشان آدمی سے تمہاری شادی ہو گی۔ وہ عظیم الشان ہستی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہو سکتی تھی۔ آخر خدیجہؓ کو اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا پڑا۔ یعنے پیغام نکاح دیا حضورؐ نے نہایت ادب اور حیا سے جواب دیا کہ چچا صاحب کی اجازت ضروری ہے فی الجملہ بتراضی طرفین نکاح ہو گیا۔

ورقہ بن نوفل کے توصیفی کلمات

نکاح سے پہلے جناب خدیجہؓ اور اُن کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل سے جو گفتگو ہوئی۔ اس کا بیان کر دینا یہاں خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے حضورؐ کے اخلاقِ عالیہ کا پتہ لگتا ہے۔ لکھا ہے کہ جب جناب خدیجہؓ حضورؐ سے نکاح کی تجویز کر رہی تھیں انہوں نے ورقہ بن نوفل کو بلوا بھیجا اور مجملاً ان سے اپنا ارادہ نکاح ظاہر کیا۔ ورقہ نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم سے اس طرح کا تعلق تو بہت سے لوگ کرنے کو تیار ہیں۔ پھر شیبہ بن ربیعہ۔ عقبہ بن معیط۔ عمرو بن ہشام (ابوجہل) کے نام پیش کئے۔ خدیجہ نے جواب دیا کہ یہ لوگ فاسق فاجر اور گمراہ ہیں۔ اُن کے علاوہ کوئی اور نام بتلاؤ۔ ورقہ نے کہا اگر یہ نہیں تو محمدؐ بن عبداللہ بھی ہیں۔ جناب خدیجہؓ نے کہا اچھا اس کے اگر تمہیں کوئی عیب معلوم ہوں تو بیان کرو۔ ورقہ نے جواب دیا:۔

"اصلہٗ اصیل، وزرعہ طویل، وطرفہٗ کحیل، خلقہٗ جمیل، وفضلہٗ عمیم، وجودہٗ عظیم"

وہ اصل کا شریف ہے۔ وہ بڑی برادری والا اس کی آنکھیں سرگیں اس کا خُلق دلربا اس کی بزرگی مسلم اور اس کی بخشش بہت بڑی ہے۔

خدیجہ نے کہا تم اس کی تعریف کرتے ہو اس کے عیب بھی کچھ بیان کرو۔ وہ بولے

"وجھہٗ اقمر۔ وجبینہٗ اظھر وطرفہٗ اجور۔ وریحہٗ اذکیٰ من المسك الاذفر۔ ولفظہٗ احلیٰ من السکر واذا مشی۔ کانہٗ البدر اذا بدر والوبل اذا مطر۔"

اس کا چاند سا چہرہ۔ اس کی پیشانی روشن اس کی آنکھیں سیاہ سفید۔ وہ خالص کستوری سے زیادہ معطر۔ اس کی بات چیت میٹھی۔ وہ چلتا ہوا بدر کامل معلوم ہوتا ہے۔ وہ ابرِ رحمت ہے جو برس جاتا ہے۔

خدیجہ بولیں:۔ میں عیب پوچھتی ہوں آپ تو خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ ورقہ بولے۔

"یا خدیجۃ! ھو مخلوقٌ من احسن النّاس مخرو النسب الباذخ ھو الحسن لعام سیرۃ واصفاح سریرۃ۔ اذا مشیٰ ینحدر من ھیب شعرۃ کالحبھب وخدہٗ اطھر من الورد والاحمر وریحہٗ اذکیٰ من المسك الاذفر۔ لفظہٗ اعذب من الشھد والسکر۔"

اے خدیجہؓ! وہ انتہائی حُسن کا مالک ہے۔ وہ عالی نسب، وہ دنیا میں بہترین خلق کا مالک وہ باطنی خوبیوں کا مجموعہ۔ جب وہ چلتا ہے تو اس کے لٹکتے ہوئے بالوں سے سیاہی ٹپک ٹپک کر پڑتی ہے۔ اس کے رخسار گل گلاب سے زیادہ خوبصورت وہ کستوری خالص سے زیادہ معطر۔ اس کی باتیں شہد وشکر سے زیادہ میٹھی اور دلکش ہیں۔

خدیجہؓ نے پھر وہی اعتراض کیا کہ میں کیا پوچھتی ہوں اور آپ کیا جواب دیتے ہیں۔ آخر ورقہ نے کہا:۔

"خدیجہؓ! میں کون کہ محمدؐ کی انتہائی تعریف کر سکوں۔ اور اس کے مکارم اخلاق کو لفظی جامہ پہنا سکوں۔ وہ میری تعریف وتوصیف سے بالاتر ہے" اور پھر یہ اشعار پڑھے:۔

لقد علمت کل القبائل والملاءِ
بان حبیب اللہ اطھرھم قلبا
واصدق من فی الارض قولا وموعدا
واصدق خلق اللہ کلھم قربا

تمام قبیلے اور ساری خلقت جان چکی ہے کہ محمد خدا کا پیارا سب سے زیادہ پاک دل رکھتا ہے۔ وہ اپنی بات اور وعدے میں ساری دُنیا سے سچا ہے۔ اور خدا کے قرب میں سب سے سبقت لے گیا ہے۔

بقیہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

(بسلسلہ آمدہ صفحہ)

طور پر گنہگار ہے اور اللہ تعالےٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو انسان کی شکل میں دنیا میں بھیجا کہ وہ لوگوں کے گناہوں کی خاطر صلیب پر اپنی جان قربان کرے۔ کیونکہ عیسائیوں کا خُدا اس قدر عاجز ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہ نہیں بخش سکتا جب تک کہ وہ ایک قربانی نہ لے لے۔ یہ سراسر پرانا اور جاہلانہ عقیدہ کے دیوتا کو خوش کرنے کے لئے انسان کی قربانی ضروری ہے۔ بہرحال کوئی عقل ایسی عجیب باتیں نہیں مان سکتی۔ قرآن پاک کی سٹڈی سے مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ گناہِ آدم کا ایک دلچسپ کہانی ہے ہر انسان معصوم پیدا ہوتا ہے لیکن اپنی بلوغت کے سن کو پہنچ کر وہ خود اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے گناہ کوئی جدی یا خاندانی چیز نہیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے: "انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا واما کفورا" انسان اپنے افعال اور اعمال میں آزاد ہے اور اسی لئے ان کے نتائج کا بھی ذمہ دار ہے۔ حضرت مسیح بھی ایک انسان تھے اور اللہ تعالےٰ کے پیارے نبی تھے۔ کوئی انسان کبھی دوسرے کے گناہ کیلئے ذمہ دار نہیں ٹھہر سکتا اور اب تو دنیا نے ثابت کر دیا ہے کہ مسیح ناصری کی وفات قطعاً صلیب پر نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ تین گھنٹے کے بعد زندہ اتار لئے گئے تھے اور پھر خفیہ طور پر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کراتے رہے اور موقع ملنے پر ہجرت کر گئے۔ اور ایک سو بیس سال کی عمر میں ان کی وفات کشمیر سری نگر محلہ خان یار میں ہوئی۔ جہاں اُن کا مقبرہ موجود ہے۔

اخبارِ احمدیہ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ، خُدا تعالیٰ کے فضل سے بخیریت ہیں۔ صرف پیرانہ سالی کا ضعف اور کمزوری ہے۔ گذشتہ روز راولپنڈی جماعت سے مکرم مولانا بشیر احمد منشو صاحب مکرم میاں شریف احمد صاحب اور محترم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب حضرت امیر کی ملاقات کے لئے مرکز میں تشریف لائے تھے۔ اور کچھ دیر حضرت امیر کے پاس رہے۔ احباب کرام حضرت امیر کی صحت وعافیت کے لئے دُعائیں جاری رکھیں:۔

اے کہ آمدنت باعث آبادی ما:۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی ایبٹ آباد سے واپس لاہور تشریف لے آئے ہیں۔ کل (۲۷-۹-۸۰) مغرب کی نماز آپ نے جامعہ دارالسلام میں ادا فرمائی۔ اور نماز سے فراغت کے بعد ایک ایک دوست کو معانقہ ومصافحہ کا شرف بخشا اور الگ الگ سب کی خیریت دریافت فرمائی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی آمد کی خبر سن کر قرب وجوار کے دوست بھی مسجد میں پہنچ گئے تھے۔ سلسلہ احمدیہ کے اس روشن چراغ میں صبغۃ اللہ کا یہ رنگ مشاہدہ کر کے بعض دوستوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیر گئے۔

الحمدللہ کہ ایبٹ آباد میں جماعتی کاموں کی کثرت کے باوجود حضرت ڈاکٹر صاحب کی صحت اچھی ہے۔ احباب جماعت دعا کریں کہ جماعت کے حق میں اس سراپا خیر وبرکت اور وجہ فخر وسعادت وجود کو اللہ تعالےٰ دیر تک ہمارے درمیان رکھے اور زیادہ سے زیادہ انسانوں کو ان کی تعلیم وتربیت سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے:۔

دُعائے صحت:۔ نواب شاہ (سندھ) سے مرزا محمد اکبر صاحب کے بارے میں ان کے صاحبزادہ مسٹر ذوالفقار احمد صاحب نے اطلاع دی ہے کہ ان کی صحت بوجہ پیرانہ سالی خراب ہو گئی ہے۔ یادداشت کافی متاثر ہوئی ہے۔ احباب ان کی صحت کے لئے دعا فرمائیں:۔

بزرگانِ سلسلہ سے درخواست ہے کہ اس قیمتی وجود کے لئے دردِ دل سے دُعا کریں۔ مرزا محمد اکبر صاحب نے انجمن کی بے لوث خدمت کی ہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ انجمن کی اراضیات سندھ کے لئے مرزا صاحب کی آنریری خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو مکمل صحت عطا فرمائے۔ آمین!

ریاض حسین الحمد پرنٹرز اُردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس براندرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا — چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ... روپے
بیرونی ممالک سے ... پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

جلد ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۲۰ ذیقعد سنہ ۱۴۰۰ھ بمطابق یکم اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ ۴۰

کلام الامام امام الکلام

اے خدا اے چارۂ آزارِ ما ، ☐ اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما ،

اے خدا ۔ اے ہمارے دکھوں کی دوا ۔ اور اے ہماری گریہ زاری کا علاج

اے تو مرہم بخش جانِ ریشِ ما ☐ اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما

تُو ہماری زخمی جان پر مرہم رکھنے والا ہے ۔ اور تو ہمارے غمزدہ دل کی دلداری کرنے والا ہے

از کرم برداشتی ہر بارِ ما ☐ وز تو از بار و بر اشجارِ ما

تو نے اپنی مہربانی سے ہمارے سب بوجھ اٹھائے ہیں اور ہمارے درختوں پر میوہ اور پھل تیرے فضل سے ہے

حافظ و ستّاری از جود و کرم ☐ بیکساں را یاری از لطفِ اتم

تو ہی مہربانی اور عنایت سے ہمارا محافظ اور پردہ پوش ہے ۔ اور کمال مہربانی سے بیکسوں کا ہمدرد ہے

بندۂ درماندہ باشد دل طپاں ☐ ناگہاں درماں برآری زمیاں

جب بندہ مغموم اور درماندہ ہو جاتا ہے ۔ تو تو فوراً وہیں سے اس کا علاج پیدا کر دیتا ہے ۔

عاجزے را ظلمتے گیرد براہ ☐ ناگہاں آری بروصد مہر و ماہ

جب کسی عاجز کو رستے میں اندھیرا گھیر لیتا ہے ۔ تو تو یک دم اس کے لئے سینکڑوں سورج اور چاند پیدا کر دیتا ہے

حسن و خلق و دلبری بر تو تمام ☐ صحبتے بعد از لقائے تو حرام

حسن اخلاق اور دلبری تجھ پر ختم ہیں ۔ تیری ملاقات کے بعد پھر کسی سے تعلق رکھنا حرام ہے

آں خردمندیکہ او دیوانہ است ☐ شمع بزم است آنکہ او پروانہ است

وہ عقلمند ہے ۔ جو تیرا دیوانہ ہے ۔ اور وہ شمع بزم ہے جو تیرا پروانہ ہے ۔

(دُرِّثمین)

اسلام چیز کیا ہے خدا کیلئے فنا

یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے ۔ دلبر کی مرنے والوں پر ہر دم نگاہ ہے

ناپاک زندگی ہے جو دوری میں کٹ گئی ۔ دیوار زہد خشک کی آخر کو پھٹ گئی

زندہ وہی ہیں جو کہ خدا کے قریب ہیں ۔ مقبول بن کے اس کے عزیز و حبیب ہیں

وہ دُور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں ۔ ہر دم اسیر نخوت و کبر و غرور ہیں

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو ۔ کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو

اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو ۔ اس یار کیلئے رہ عشرت کو چھوڑ دو

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول ۔ تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا ۔ ترک رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات ۔ اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

اے کرم خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو ۔ زیبا ہے کبر حضرت رب غیور کو

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں ۔ شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے ۔ ہو جاؤ خاک مرضیٔ مولیٰ اسی میں ہے

تقویٰ کی جڑھ خدا کے لئے خاکساری ہے

عفت جو شرط دیں ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے

(حضرت مجدد صدی چہاردہم)

تقویٰ اور تزکیہ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۲۶ ستمبر ۱۹۸۰ء بمقام جامع احمدیہ، دار السلام، لاہور

یاایّھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدّمت لغد ج واتقوا اللہ ط ان اللہ خبیر بما تعملون ہ ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم ط اولٰٓئک ھم الفٰسقون ہ لا یستوی اصحٰب النار واصحٰب الجنۃ ط اصحٰب الجنۃ ھم الفآئزون ہ

ترجمہ :- "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور چاہیئے کہ ہر نفس غور کرے کہ اس نے کل کیلئے کیا آگے بھیجا ہے! اور اللہ کا تقویٰ کرو، اللہ اس سے خبردار ہے جو تم عمل کرتے ہو اور ان کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ سو اس نے انہیں ان کے نفسوں کو بھلوا دیا۔ یہی فاسق ہیں۔ آگ والے اور جنت والے برابر نہیں۔ جنت والے ہی بامراد ہیں۔" [سورۃ الحشر ۵۹۔ آیات ۱۸ تا ۲۰]

میں نے پچھلے جمعہ کو سورۃ الحشر کے آخری رکوع کی آخری آیت پر خطبہ دیا تھا۔ بعد میں مجھے خیال آیا کہ میں نے مضمون کو غلط طرف سے پکڑا۔ اس لئے میں نے آج اس رکوع کی ابتدائی آیات پڑھی ہیں۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو انشاء اللہ اس رکوع کو بتدریج ختم کروں گا۔

یہ سورۃ الحشر کا تیسرا رکوع ہے۔ پہلے رکوع میں مدینہ کے یہودیوں میں سے قبیلہ بنو نضیر کے جو مضبوط قلعوں میں رہتے تھے جلا وطن کئے جانے کا ذکر ہے۔ وہ اپنے معاہدہ کے خلاف کفارِ مکہ سے ساز باز کرنے اور بغاوت کرنے پر محصور کئے گئے اور پھر اپنے باغ اور زمینیں چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔ دوسرے رکوع میں منافقینِ مدینہ کا ذکر ہے۔ وہ بھی یہود سے اور کفارِ مکہ سے ساز باز کرتے تھے۔ بالآخر ان کا بھی کیا حشر ہوا؟ ایک ایک کر کے اور نام لے لے کر مسجد نبوی سے نکال دیئے گئے۔ دونوں کے انجام یا حشر سے مسلمانوں کو عبرت دلائی ہے۔ یہود بھی زبان سے تو توریت اور توحید پر ایمان رکھتے تھے مگر ان کے اعمال خراب تھے۔ منافق بھی زبان سے تو اسلام پر ایمان رکھتے اور مسجد میں نمازوں کے لئے آتے اور ظاہری ارکانِ اسلام ادا کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں کھوٹ اور کمزوری تھی۔ تو یہاں سبق یہ دیا کہ انسان کے اعمال کی اور دل کی دونوں کی اصلاح ضروری ہے۔

مضمون کو شروع یوں کیا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ پر ایمان لانا اور پھر اس کا تقویٰ نہ کرنا ایسا تضاد ہے کہ وہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ ایسے انسان کا ایمان محض زبانی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو تقویٰ اللہ کا کمال کر دکھایا۔ یہ نصیحت یا سبق تو ان کے لئے ہے جو بعد میں آئے یا آج ایمان کا دم تو بھرتے ہیں مگر وہ ان کے اعمال سے ظاہر نہیں ہوتا۔ تقویٰ کے ایک معنی تو ہیں حفظ الشئی مما یؤذیہ ویضرہ یعنے ایک چیز کی حفاظت کرنا اس سے جو اس کو ایذا دے اور نقصان پہنچائے۔ ان معنوں کی رو سے تو تقویٰ ہے کہ انسان اپنے آپ کو گناہوں اور برائیوں سے بچائے کہ ان سے بڑھ کر انسان کو دکھ دینے والی اور نقصان پہنچانے والی شئی کوئی نہیں ہو سکتی۔ اور تقویٰ کے دوسرے معنی ہیں جعل النفس فی وقایۃ مما یخاف یعنے اپنے نفس کو بچانا اس چیز سے جس کا خوف کیا جاتا ہو۔ ان معنوں کی رو سے تقویٰ اللہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے محاسبہ سے اور اس کی سزا سے اپنے آپ کو بچانا۔

تو پہلی بات تو یہ فرمائی کہ انسان کے اعمال پر محاسبہ ہے، پکڑ ہے، ان کی سزا ہے۔ یہ محاسبہ اور سزا آخرت میں لازمی ہے۔ اسی لئے یہ جو فرمایا کہ ہر نفس کو چاہیئے کہ وہ غور کرے کہ وہ کل کے لئے کیا آگے بھیج رہا ہے۔ اس کو آخرت کے لئے سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے یہاں لفظ نفس لائے کہ مرنے کے بعد جس چیز نے آگے جانا ہے وہ انسان کا جسم نہیں بلکہ وہ روح ہے، جو انسان کے جسم میں رہ کر اور ساری عمر کے مختلف تجربات سے متاثر ہو کر اور انسان نے جو اچھا کیا یا برا کیا اس سے بن کر یا بگڑ کر جو شخصیت یا (PERSONALITY) یا نفس بنی ہے اسی نے آگے جانا ہے۔ اور اپنا کیا بھگتنا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اصل محاسبہ اور سزا تو آخرت میں ہی ہیں۔ مگر اس سورت کے پہلے دو رکوعوں میں یہود کو سزا ملنے اور منافقوں کے برے انجام کا ذکر ہے۔ اس لئے بعض وقت اللہ تعالیٰ کا محاسبہ اور سزا اسی دنیا میں انسانوں کو آ لیتا ہے۔ اور دنیا کی پکڑ اور سزا آخرت کے محاسبہ اور سزا پر بطور دلیل کے ہوتا ہے اسی لئے "کل" کے معنی اسی دنیا میں جو کل آنے والی ہے اس کے بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر جو اس دنیا میں بچ بھی رہے وہ بالآخر مرنے کے بعد ضرور پکڑا جائے گا۔ اسی لئے تاکیداً دہرایا کہ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون یعنے اللہ کا تقویٰ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ صرف انسانوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے جس کے لئے دوسری جگہ بما تعملون بصیر آیا بلکہ وہ خبیر بھی ہے یعنے انسانوں کے ارادوں، ان کی نیتوں، ان کی کمزوریوں سے باخبر ہے۔ یا اس کے معنی یوں بھی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ فوراً نہیں پکڑتا تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ انسانوں کے اعمال یا انسانوں کے سینوں کے رازوں سے بے خبر ہے۔ "دیر گیرد، سخت گیرد" دیر سے پکڑتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو سخت پکڑتا ہے۔ اسی بات کو قرآن نے یوں فرمایا ہے:-

ان بطش ربک لشدید (البروج ۸۵ - ۱۲)

"یقیناً تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔"

دوسری آیت میں یہ فرمایا:-

"اور ان کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اس نے انہیں ان کے نفسوں کو بھلوا دیا۔ یہی فاسق ہیں۔" پہلی آیت میں یہود سے مشابہت سے منع فرمایا تھا کہ ان کا زبانی ایمان تو تھا مگر ان میں اپنے اعمال سے غفلت تھی۔ اس لئے آیت میں فرمایا کہ ان لوگوں کی طرح بھی نہ ہو جانا یعنے منافقوں کی طرح جن میں اپنے نفس کی بیماری کی طرف سے غفلت تھی۔ منافق اپنے دل کی بیماری کی طرف سے بے فکر ہوتا ہے۔ کہ اسے کون جان سکتا ہے؟ بے شک دوسرے انسان تو نہیں جان سکتے۔ مگر وہ بھولتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے جو اس کے نفس کی بیماری کو دیکھ رہا ہے۔ تو ایسا شخص اپنے نفس کی بیماری کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس نتیجہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ کہ نفس کی اصلاح سے غافل ہو جانا ایسے انسان کی پہلی سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

دراصل نفس انسانی یعنے اس روح کا جو اللہ نے اس میں پھونکی ہے اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق ہے۔ اس کو فطرت بھی کہتے ہیں اور قرآن کریم نے اس کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ:-

واذ اخذ ربک من بنی اٰدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علٰی انفسھم ج الست بربکم ط قالوا بلٰی ج شھدنا ج ان تقولوا یوم القیٰمۃ انا کنا عن ھٰذا غٰفلین ہ او تقولوا انما اشرک اٰبآؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدھم ج افتھلکنا بما فعل المبطلون ہ

(الاعراف ۱۷۲ - ۱۷۳)

"اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم گواہ ہیں۔ (یہ اس لئے کہا کہ) ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے (کہ خدا ہے) یا تم کہو کہ وہ تو ہمارے باپ دادا تھے جنہوں نے شرک کیا۔ اور ہم ان کے پیچھے (ان کی اولاد) تھے۔ تو کیا تو ہم کو اس کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو کہ حق کو باطل بنا دینے والوں نے کیا۔؟"

گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی توحید پر گواہی انسانی فطرت میں رکھی گئی ہے جو کہ اس کی روح کی پیدائش کے وقت اس

سے لی گئی تھی۔ رُوح کی جگہ لفظ نفس اِس لئے لائے کہ جو چیز اللہ تعالےٰ انسان کے اندر پھونکتا ہے وہ تو رُوح کہلاتی ہے جیسا کہ فرمایا: فاذا سوّیتہٗ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین۔ یعنے اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ جب میں اِنسان کو ٹھیک ٹھاک کرلوں اور اس میں اپنی رُوح میں سے پھونکوں تو تم اسے سجدہ کرو (یعنی فرمانبردار ہو کر اس کے آگے گر جانا) مگر تو انسانی رُوح جواب نفس بن گئی اس کے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان ایک روحانی رشتہ یا تعلق یا عہد جو چاہے کہہ لو ہوتا ہے عقل انسانی تو انسان کو صرف اتنا بتا سکتی ہے کہ خدا ہونا چاہیئے یہ تو اس کی رُوح یا نفس ہے جو گواہی دیتا ہے کہ نہیں خدا ضرور ہے اسی لئے دہریئے جو عقلی طور پر غلطی یا دھوکہ کھا کر خدا کا انکار بھی کر دیتے ہیں وہ بھی وقت پڑنے پر خدا کو پکارتے ہیں۔ اِس بات کو حضرت مرزا صاحب نے خوب لکھا ہے:۔ ؎

فلسفی کز عقل مے جوید ترا دیوانہ ہست
دور تر از خردہا آں رہِ پنہانِ تو

یعنے فلسفی جو عقل سے تجھے ڈھونڈتا ہے دیوانہ ہے۔ وہ مخفی راہ جس پر تو ہے یا تو ملتا ہے وہ عقل و خرد سے بہت دُور ہے اللہ تعالےٰ کو پہچانتا تو انسان کا نفس ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ یعنے جس نے اپنے نفس کو پہچانا یعنے اس کی گواہی کو جانا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور اسی لئے اللہ تعالےٰ کا مخفی اور گہرا تعلق انسان کے نفس سے ہے۔ جب انسان خدا کو تلاش کرکے پا لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ جس گھر میں بس جاتا ہے وہ انسان کا قلب ہے، جو اس کے نفس میں وہی مقام رکھتا ہے جو اس کے جسم میں اس کا دل رکھتا ہے۔ اسی بات کو رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے اور اس کو مولانا رُوم نے کیا خوب اپنی مثنوی میں باندھا ہے:۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است
من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در دلِ مؤمن بگنجم اے عجب
گر مرا خواہی دراں دلہا طلب

یعنے پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں آسمان اور زمین میں نہیں سماتا مگر یہ عجیب بات ہے کہ میں مؤمن کے دل میں سما جاتا ہوں۔ تو مجھے اگر تلاش کرنا ہے تو اس دل میں تلاش کرو۔ اور حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:۔ ؎

از دلِ احمدؐ نمی بینم دگر عرشِ عظیم

یعنے میں احمد صلعم کے دل سے تو کوئی اللہ تعالیٰ کا عرش عظیم نہیں دیکھتا کہ جس طرح حضور صلعم کے قلب میں اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہوا کسی اور قلب میں نہیں ہوا۔ الغرض اللہ تعالےٰ کا اور انسان کی رُوح یا نفس کا ایک گہرا اور مخفی تعلق ہے۔ تو آج جو میں نے دوسری آیت پڑھی ہے اس میں فرمایا کہ اگر تم اللہ کو بھول جاؤ گے تو تم اپنے نفسوں کو بھی بھول جاؤ گے جو کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے بطور ایک سزا کے ہوگا۔ اگر انسان اللہ تعالےٰ کو بھول جاتا ہے تو وہ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ انسان کو نظر نہیں آتا۔ تو پھر انسان کی رُوح یا اس کا نفس بھی تو انسان کو نظر نہیں آتا۔ تو انسان پھر اسے بھی بھول جاتا ہے۔ اور اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا:۔ اولٰٓئک ھم الفٰسقون یہی فاسق ہیں۔ فاسق کے ایک معنی بدعہد کے بھی ہیں۔ یعنے ایسا انسان اُس عہد یا رشتہ کو توڑ دیتا ہے جو اللہ تعالےٰ اور انسان کے اندر باطن میں تھا۔ اسی بات کو شروع قرآن میں سورۃ بقرہ میں فرمایا کہ فاسق کون ہیں؟ الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہٖ ویقطعون ما امر اللہ بہٖ ان یوصل یعنے فاسق وہ لوگ ہیں جو اس اللہ کے عہد یا رشتہ کو توڑ دیتے ہیں جس کو اُس نے نبی اور کتابیں بھیج کر مضبوط کیا تھا اور اس چیز کو کاٹ دیتے ہیں یعنے اللہ سے تعلق کو جسے اللہ نے حکم دیا تھا کہ جوڑا جائے۔

تو جو اللہ کو بھول گیا اس کا خدا سے رشتہ ٹوٹ گیا اور اس کی رُوح یا نفس جو اللہ سے تعلق سے اس طرح نشوونما پاتا ہے جس طرح بچہ ماں سے تعلق سے وہ اس بچہ کی طرح کھو یا جاتا ہے جو اپنی ماں سے بچھڑ گیا ہو۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اگلی آیت سنیئے:۔ لا یستوی اصحٰب النّار واصحٰب الجنّۃ اصحٰب الجنّۃ ھم الفآئزون یعنے آگ میں پڑ جانے والے لوگ اور جنّت میں داخل ہونے والے لوگ برابر نہیں۔ جنّت میں داخل ہونے والے لوگ ہی بامُراد ہیں، کامیاب ہیں۔ اِس دُنیا میں جہنّم اور جنّت دل پر وارد ہوتے ہیں۔ فاسق کے ایک معنی اگر خدا سے تعلق توڑنے والے کے ہیں جیسے کہ میں اُوپر بتا آیا ہوں تو دُوسرے معنی شریعت کی حدود سے آگے نکل جانے والے کے ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ اور دونوں معنی یہاں بیٹھتے ہیں شریعت نے انسان کے اعمال پر کچھ حدود مقرر کی ہیں۔ ساتھ ہی انسان کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے کہ کہیں جھوٹ کھل نہ جائے اور جب وہ کھل جاتا ہے تو پھر حزن پیدا ہوتا ہے۔ یہ دونوں جہنّم کی آگیں ہیں جو اسی دنیا میں شریعت کی حدود سے آگے نکلنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مرنے کے بعد وہ ظاہر میں بھی انسان کو گھیر لیں گی۔ اسی طرح ایماندار آدمی یا سچ بولنے والے آدمی کا دل اس دُنیا میں جنّت میں رہتا ہے۔ اور مرنے کے بعد وہ باہر کی جنّت میں بھی داخل ہوگا۔ دل کی جنّت کی قدر غریب وہ نوجوان نہیں جانتے۔ اِس دُنیا میں بھی انسان دُکھی یا سُکھی دل کی دوزخ یا جنّت سے ہی ہوتا ہے۔ نہ کہ باہر کے حالات سے۔ اور مرنے کے بعد بھی انسان کے دل (جسمانی دل نہیں بلکہ رُوح کا یا نفس انسانی کے قلب) میں ہی سُکھ ہوگا تو باہر کی جنّت کے عیش و آرام میں وہ بکلّی سُکھی ہوگا ورنہ نہیں۔

فاسق کے دُوسرے معنی خدا سے عہد یا رشتہ کو توڑنے والا ہیں۔ تو یہ رُوح جو خدا میں سے آئی ہے۔ اس کی غذا اس کا سُکھ دراصل اللہ تعالےٰ سے تعلق میں ہی ہے۔ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس تعلق کو قائم کرتے ہیں۔ یا جب نماز کے علاوہ بھی ہم خدا کو یاد کرتے ہیں تو اس سے انسان کے قلب کو سُکھ ملتا ہے۔ اسی کو قرآن کریم نے یُوں فرمایا:۔

الا بذکر اللہ تطمئنّ القلوب

"سن لو کہ اللہ تعالےٰ کی یاد سے ہی انسانوں کے قلوب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔"

تو آج جو میں نے دُوسری آیت پڑھی تھی ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ "ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔" ایسے لوگ پھر دل کے جہنّم میں جا پڑتے ہیں کیونکہ ان کے دل میں جذبات اور خواہشات کی آگ بھڑکتی ہے اور اسے کوئی بجھانے والا نہیں ہوتا۔ دیکھو اگر کسی کا کوئی

مرگیا یا اس کا کوئی نقصان ہوگیا تو وہ غم اور اضطراب کی آگ میں جا پڑتا ہے۔ مگر جب وہ خدا کو یاد کرتا ہے جس کا بہترین طریق نماز ہے تو اس کے دل کا غم و حزن اور اضطراب دُور ہو جاتا ہے خدا کی یاد اور خدا سے تعلق انسان کے قلب کو تسکین دینے والا، اس کے دل کی آگوں کو ٹھنڈا کرنے والا ہوتا ہے۔ آج اہل مغرب کو سب کچھ مل گیا مگر اطمینانِ قلب سے وہ محروم ہیں۔ وہ اپنے غموں اور دُکھوں کو شراب یا دوسری منشیات سے بھولنا چاہتے ہیں مگر بھول نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ خودکشی تک کر لیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہیں اور اپنی روح کو اس کے منبع یعنے اللہ تعالےٰ سے ذکر الٰہی کے ذریعہ جوڑنے میں ہی دل کی جنّت ہے۔ فرمایا کہ جنہوں نے اسے پا لیا وہ کامیاب ہو گئے اور بامراد ہو گئے۔ اللہ کو پانا ہی انسان کی پیدائش کا مقصد تھا۔ اسے اعمال صالحہ اور خدا سے تعلق میں بڑھنے سے ہی انسان پا سکتا ہے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

ایڈیٹر کے نام خط

از مکرم فخر الدین احمد صاحب راولپنڈی

مکرمی ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔

السّلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۹ر جولائی ۱۹۸۰ء کے پیغام صلح میں "لمحہ فکریہ" کے زیر عنوان میں نے احباب سلسلہ کی خدمت میں حضرت امام الزمان بانی سلسلہ احمدیہ کے ارشادات پیش کرتے ہوئے التجا کی تھی کہ حضرت امام ہمام نے ہمیں تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ دراصل حضرت اقدس امتِ مرحومہ میں تقویٰ قائم کرنے آئے تھے تاکہ یہ قوم ترقی کی منازل طے کر سکے۔ اللہ تعالےٰ و تبارک کا ارشاد ہے:۔

ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ ھدًی للمتّقین

"یہ کتاب اور ہدایت جو ہم نے نازل کی ہے۔ بلاشبہ اس میں متقیوں کیلئے درجاتِ عالیہ پانے اور حصول کامیابی کے ذرائع موجود ہیں۔" تقویٰ کے بارے میں حضرتِ اقدس نے بڑی تاکید کی اور فرمایا ہے "تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ ہر چیز کی جڑ ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں ہر ایک باریک در باریک رگ گناہ سے بچنا۔ تقویٰ اس کو کہتے ہیں کہ جس امر میں بدی کا شبہ بھی ہو اس سے بھی کنارہ کرے۔" تقویٰ کے مضمون پر حضرت اقدس کچھ شعر لکھ رہے تھے۔ اس میں وہ ایک مصرع الہامی ہے:۔ ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ تقویٰ کے بارے میں حضرت بانی سلسلہ کے ارشادات کو احباب سلسلہ کے سامنے دہراؤں تاکہ ہم اپنے نفسوں کا محاسبہ کر سکیں۔ اور اپنی کمزوریوں کو دُور کر کے اسی صراطِ مستقیم پر چل پڑیں جس کی تعلیم تازہ کرنے کے لئے حضرت مجدّد اعظمؒ مبعوث ہوئے تھے۔ صراطِ مستقیم تو بڑا بیّن اور روشن تھا مگر حوادث زمانہ کی تیز و تند آندھیوں نے انعمت علیھم کے نقوش پا گم کر دیئے تھے۔ جنہیں اس صدی کے مامور ربانی نے آ کر صاف کیا ہے سُنیئے حضرت فرماتے ہیں "تقویٰ والے پر خدا کی ایک تجلّی ہوتی ہے وہ خدا کے سایہ میں ہوتا ہے۔ مگر چاہیئے کہ تقویٰ خالص ہو اور اس میں شیطان کا کچھ حصہ نہ ہو۔ ورنہ شرک خدا کو پسند نہیں۔ اور اگر کچھ حصہ شیطان کا ہو تو خدا کہتا ہے کہ سب شیطان کا ہے۔ خدا کے پیاروں کو جو دُکھ آتا ہے۔ وہ مصلحت الٰہی سے آتا ہے۔ ورنہ ساری دُنیا اکٹھی ہو جائے تو ان کو ایک ذرّہ بھر تکلیف نہیں دے سکتی۔ چونکہ وہ دنیا میں نمونہ قائم کرنے کے واسطے ہیں اس واسطے ضروری ہوتا ہے کہ خدا کی راہ میں تکالیف اٹھانے کا نمونہ بھی وہ لوگوں کو دکھائیں ورنہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں اس سے بڑھ کر تردّد نہیں ہوتا کہ اپنے ولی کی رُوح قبض کروں۔ خدا تعالےٰ نہیں چاہتا کہ اس کے ولی کو کوئی تکلیف آوے۔ مگر ضرورت اور مصالح کے واسطے وہ دُکھ دیئے جاتے ہیں اور اس میں خود اُن کے لئے نیکی ہے کیونکہ اُن کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کے لئے تکلیف اس قسم کی نہیں ہوتی جیسی کہ یہود کو ذلت اور لعنت ہو رہی ہے جس میں اللہ تعالےٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ انبیاء شجاعت کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کو اسلام کے ساتھ کچھ دشمنی نہ تھی۔ مگر دیکھو جنگِ اُحد میں حضرت رسولِ کریمؐ اکیلے رہ گئے اس میں یہی بھید تھا کہ آنحضرت صلعم کی شجاعت ظاہر ہو جبکہ حضرت رسول کریمؐ دس ہزار کے مقابلے میں اکیلے کھڑے ہو گئے کہ میں اللہ تعالےٰ کا رسول ہوں۔ ایسا نمونہ دکھانے کا کسی نبی کو موقعہ نہیں ملا۔ ہم اپنی جماعت کو کہتے ہیں کہ صرف اتنے پر وہ مغرور نہ ہو جائے کہ ہم نماز۔ روزہ کرتے ہیں یا موٹے موٹے جرائم مثلاً زنا۔ چوری وغیرہ نہیں کرتے ان خوبیوں میں تو اکثر غیر فرقے کے لوگ مشرک وغیرہ تمہارے ساتھ شامل ہیں۔

تقویٰ کا مضمون باریک ہے اس کو حاصل کرو۔ خدا کی عظمت دل میں بٹھاؤ۔ جس کے اعمال میں کچھ بھی ریاکاری ہو خدا اس کے عمل کو واپس الٹا کر کے اس کے منہ پر مارتا ہے۔ متقی ہونا مشکل ہے مثلاً اگر کوئی تجھے کہے کہ تو نے قلم چرایا ہے تو تُو کیوں غصہ کرتا ہے تیرا پرہیز تو محض خدا کے لئے ہے۔ یہ طیش اس واسطے ہوا کہ رو بحق نہ تھا۔ جب تک واقعی طور پر انسان پر بہت سی موتیں نہ آ جائیں وہ متقی نہیں بنتا۔ معجزات اور الہامات بھی تقویٰ کی فرع ہیں۔ اصل تقویٰ ہے اس واسطے تم الہامات اور رؤیا کے پیچھے نہ پڑو۔ بلکہ حصول تقویٰ کے پیچھے لگو جو متقی ہے اس کے الہامات بھی صحیح ہیں۔ اور اگر تقویٰ نہیں تو الہامات بھی قابل اعتبار نہیں۔ ان میں شیطان کا حصہ ہوتا ہے کسی کے تقویٰ کو اس کے ملہم ہونے سے نہ پہچانو بلکہ اس کے الہاموں کو اس کی حالت تقویٰ سے جانچو اور اندازہ کرو۔ سب طرف سے آنکھیں بند کر کے پہلے تقویٰ کے منازل کو طے کرو۔ انبیاء کے نمونے کو قائم رکھو۔ جتنے نبی آئے سب کا مدعا یہی تھا کہ تقویٰ کی راہ سکھلائیں۔ ان اولیاءہٗ الا المتقون مگر قرآن شریف نے تقویٰ کی باریک راہوں کو سکھلایا ہے۔ کمال نبی کا کمال امت کو چاہتا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین تھے اس لئے آنحضرتؐ پر کمالات نبوت ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم نبوت ہوا۔ جو خدا تعالےٰ کو راضی کرنا چاہے اور معجزات دیکھنا چاہے۔ اور خوارق عادت دیکھنا منظور ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی بھی خارق عادت بنا لے۔

دیکھو امتحان دینے والے محنتیں کرتے کرتے مدقوق کی طرح بیمار اور کمزور ہو جاتے ہیں۔ پس تقویٰ کے امتحان میں پاس ہونے کے لئے ہر ایک تکلیف اٹھانے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ جب انسان اس راہ پر قدم اٹھاتا ہے تو شیطان اس پر بڑے بڑے حملے کرتا ہے لیکن ایک حد پر پہنچ کر آخر شیطان ٹھہر جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کی سفلی زندگی پر موت آ کر وہ خدا کے زیر سایہ ہو جاتا ہے وہ مظہر الٰہی اور خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ مختصر خلاصہ ہماری تعلیم کا یہی ہے کہ انسان اپنی تمام طاقتوں کو خدا کی طرف لگا دے۔ (الحکم جلد ۵) شمارہ ۲۳۔ تقریر فرمودہ ۱۰ جون ۱۹۰۱ء)

اللہ تعالیٰ و تبارک ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے امام ہمامؒ کی ہدایت اور نصائح پر عمل کر کے ان انعامات و افضال الٰہیہ کے وارث ٹھہریں۔ جن کا وعدہ رب جلیل و قدیر نے اس امام ہمامؒ سے کیا ہے۔ اور وہ حکم الحاکمین اپنے وعدے کا خلاف نہیں کیا کرتا۔

یوم وصال حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مورخہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۰ء، بوقت ۳½ بجے، بمقام مسجد احمدیہ - دارالسلام کالونی

زیر صدارت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

جملہ احمدی احباب کی خدمت میں التماس کی جاتی ہے۔ کہ مؤرخہ ۱۳/۱۰/۸۰ بروز سوموار ٹھیک ۳½ بجے مسجد احمدیہ دار السلام میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی صدارت میں حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اسلامیہ اور آپ کے عظیم الشان دینی کارناموں پر مختلف مقررین اظہار خیال فرمائیں گے۔ اس اجلاس سے محترم حضرت صاحب صدر صاحب کے علاوہ محترم مرزا محمد لطیف صاحب محترم مرزا مسعود بیگ صاحب محترم ڈاکٹر اصغر حمید صاحب۔ محترم اعظم علوی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے۔ تمام احباب معہ اہل خانہ، عزیز و اقارب خصوصاً آپکے بچے اور زیر اثر احباب سمیت شامل ہوں۔ یہ آپ کا ایک ملی و دینی فریضہ ہے۔ اپنی دوسری مصروفیتوں پر اس دینی اجتماع کو ترجیح دیں۔ کان اللہ معکم!

نوٹ:۔ احمدیہ بلڈنگس سے ٹرانسپورٹ کا انتظام ہوگا۔ جلسہ گلبرگ اور ماڈل ٹاؤن والے علی الترتیب محترم میاں فضل احمد صاحب اور چودھری فضل حق صاحب سے رابطہ قائم کریں۔ حاضرین جلسہ کی خدمت میں مقامی جماعت احمدیہ کی طرف سے عشائیہ (رات کا کھانا) بعد اختتام جلسہ پیش کیا جائے گا۔

سیکریٹری جماعت احمدیہ۔ لاہور۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں

آپ کی تعلیمات دنیا جہان کیلئے رحمت کا موجب ہیں

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

مقبولیت آج چودہ سو سال بعد اس علمی روشنی کے زمانہ میں بھی اسی طرح مسلّم ہے جس طرح ابتدائی زمانہ میں تھی۔ اور ہر زمانہ میں یہ تعلیمات دنیا کے لئے مفید ثابت ہوئی ہیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ خاتم النبیّین ہیں اور آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں آ سکتا جس کا ماننا فرائض اور ایمانیات میں سے ہو۔ حضرت امیر ایدہ اللہ کی اس تقریر کا پورا متن درج ذیل ہے:۔

الحمد للہ رب العالمین ۰ الرّحمٰن الرّحیم
مالک یوم الدین ۰ ایّاکَ نعبد وایاک
نستعین ۰ اھدنا الصراط المستقیم ۰
صراط الذین انعمت علیھم ۰ غیر
المغضوب علیھم ولا الضآلّین ۰

معزز خواتین و حضرات! میرا مضمون اس موضوع پر ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کے آخر تک کے لئے پیغمبر ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث ہوئے چودہ سو سال گزر گئے۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کی تعلیمات آج اس روشنی کے زمانہ میں کہاں مفید ہو سکتی ہیں لیکن اگر ان تعلیمات پر غور کیا جائے جو آپ نے چودہ سو سال پہلے خدا تعالیٰ سے وحی پاکر بیان کیں تو صاف نظر آتا ہے کہ اس زمانہ کے حالات و ضروریات کے بھی عین مطابق ہیں:۔

کُل کائنات اور تمام انسان اللہ تعالیٰ
کی مخلوق اور یکساں حیثیت رکھتے ہیں

چنانچہ فرمایا ہے:۔
الحمد للہ ربّ العالمین۔ عالم کے معنے

جو تمام انسانوں کو خدا کی مخلوق سمجھتے ہوئے اُن سے یکساں برتاؤ کرنا جانتا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یورپ کا غیر مساویانہ برتاؤ

آج بھی یورپ سمجھتا ہے کہ ہم آسمان سے اُترے ہوئے ہیں اور مشرق کے لوگ اس قابل نہیں کہ اُن سے انسانیت کا برتاؤ کیا جائے۔

رسول کریمؐ کے عالمگیر نظریات

اس کے بالمقابل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی اس کا پہلا جملہ ہی اس عالمگیر نظریہ کو پیش کرتا ہے کہ تمام مخلوق خدا کی پیدا کردہ ہے۔ اور اس کے فیضان ربوبیت کی مستحق ہے۔ اس کا روحانی فیضان بھی جسمانی فیضان کی طرح سب قوموں کے لئے یکساں ہے۔ فرمایا لکل قوم ھاد۔ تمام قوموں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دینے والے آتے رہے۔ پہلا انسان جس نے تمام دنیا کے انسانوں کو خدائے واحد کی مخلوق اور اس کی تربیت اور پرورش کا مورد قرار دیا اور جس نے تمام انسانوں کے ساتھ محبت اور اخوت کا رابطہ قائم کیا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ صرف مجھ پر ایمان کامل لانے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک دوسری اقوام کے نبیوں اور رشیوں اور منیوں پر ایمان نہ لایا جائے۔ ہر مسلمان بچّہ کو ایمانیات کی تلقین کرتے ہوئے یہ سکھایا جاتا ہے کہ امنت باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ۔ میں خدا تعالیٰ ملائکہ اور سب قوموں کی کتب مقدسہ اور سب اقوام کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں۔ جب تک کوئی تمام نبیوں کی تعظیم نہ کرے بلکہ ان کی صداقت پر ایمان نہ لائے مسلمان نہیں ہو سکتا۔

وحدتِ نسلِ انسانی کا پُر محبّت نظریہ

قرآن کریم میں جہاں یاایھا الذین اٰمنوا کہہ کر تمام ایمان والوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ وہاں ابتدائی آیات میں فرمایا یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم لوگو! اس خدا کی عبادت کرو جس نے تم سب کو پیدا کیا اور تم سب کی ربوبیت کا ٹھیکہ لے لیا ہے والذین من قبلکم کی چیزیں ہیں وہ سب کی سب اس نے پیدا کیں۔ پھر ایک اور جگہ فرمایا انّا صببنا المآء صبًّا۔ ہم نے آسمان سے بارش نازل کی ثمّ شققنا الارض شقًّا پھر زمین کو پھاڑتے ہیں فانبتنا فیھا حبًّا وعنبا وقضبًا وزیتونًا ونخلا۔ پھر غلہ جات۔ ادویات کے لئے بوٹیاں جلانے کے لئے کوئلے اور پھل پھول وغیرہ اس زمین سے نکالے۔

انسان کی روحانی تربیّت کا سامان

یہ اس بارش کا ذکر ہے جو انسان کی جسمانی پرورش کے لئے اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے۔ یہ قرآن پاک بھی ایک بارش ہے اگر زمین و آسمان کو انسان کی جسمانی پرورش کے لئے اللہ تعالیٰ نے لگا رکھا ہے تو اس کی روحانی پرورش کا بھی اس نے سامان کیا ہے انسان بھی ایک حیوان ہے اس کو دوسرے حیوانات پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اسے دل و دماغ دیا ہے۔ اس لئے جہاں ساری کائنات کو اس کی جسمانی پرورش اور اس کی خدمت میں لگایا ہے اور بارش سے اس کے جسم کی پرورش کا سامان پیدا کیا ہے۔ وہاں اس روح کے لئے بھی قرآن پاک کی شکل میں آسمان سے بارش نازل کی ہے جو دنیا جہان کی روحانی تربیّت کرنے والی ہے۔

اہلِ کتاب میں نیک لوگوں کا ذکر

یہ ایک مجمل تمہید ہے اس بات کی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور آپ کا وجود تمام دنیا کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تفصیل کے ساتھ اس بات کو واضح کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ نے صرف مسلمانوں ہی کو خدا تعالیٰ کے نیک بندے قرار

نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ جہاں کہیں کوئی آسمانی آدمی آیا جس قوم میں آیا اُن میں نیک آدمی پیدا ہوئے ایک جگہ اہل کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :- لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ سب لوگ برابر نہیں ان میں سے کچھ لوگ حق پر ہیں۔ یتلون ایات اللہ اٰناء اللیل وہ راتوں کو اُٹھ کر خدا کا کلام پڑھتے ہیں وھم یسجدون اور سجدوں میں گر کر اللہ تعالےٰ کے آگے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر وہ اللہ تعالےٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر اپنی نیک تربیت کے ساتھ دوسروں کو بھی نیکیوں کی تلقین کرتے اور برائیوں سے منع کرتے ہیں۔ یسارعون فی الخیرات اور نیک کام مستعدی سے کرتے ہیں۔ واولئک ھم الصالحون۔ یہ صالح لوگ ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ نے دُوسری قوموں میں بھی صالح لوگوں کی موجودگی کا ذکر کیا۔ اس سے پہلے کسی نے ایسا خیال ظاہر نہیں کیا جو بھی نیک کام ہو وہ قابلِ قدر ہے اور یہیں تک نہیں بلکہ فرمایا وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ۔ جو چھوٹی موٹی نیکی بھی یہ لوگ کرینگے اس کی ناقدری ہرگز نہ کی جائے گی۔ یہ کس قدر دل خوش کن بات ہے کہ جس قدر نیک لوگ ہیں جو بھی نیکی کا کام کریں وہ قابل قدر ہیں اور فرمایا :- من قوم موسےٰ امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون۔ موسےٰ کی قوم میں ایک بھی ہے جو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور عدل سے کام لیتے ہیں۔

تمام انسانیت میں ہدایت یافتہ اور عادل لوگ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوموں پر کیا منحصر ہے وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون تمام کی تمام انسانیت جس کو ہم نے پیدا کیا ان میں ایسے لوگ ہیں جو صحیح ہدایت کرتے ہیں اور صحیح عدل کرتے ہیں۔ اور فرمایا انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدًی ونور ہم نے توریت نازل کی اس میں ہدایت اور نُور ہے اس طرح فرمایا واٰتینٰہ الانجیل فیہ ھدی ونور ہم نے اسے انجیل دی اس میں ہدایت اور نُور ہے۔ یہ ہے اسلام کا نظریہ دُوسری کتابوں اور دُوسرے مذاہب کے متعلق۔

عیسائی دُنیا کا بغض وعناد

اس کے بعد دو چار نازک باتیں بھی سنانا چاہتا ہوں حضرت عیسیٰؑ کا ارشاد ہے پادری صاحبان عموماً دوہراتے رہتے ہیں کہ GOD IS LOVE. خدا محبت ہے لیکن عیسائی دُنیا دُوسری اقوام کے متعلق جو رویہ اختیار کئے ہوئے ہے اس کو کون محبت کا رویہ کہہ سکتا ہے۔ اس کے خلاف دوسروں کے ساتھ نفرت اور بغض وعناد تمام عیسائی دنیا میں پایا جاتا ہے۔ کہیں رنگ کے اختلاف پر نفرت ہے کہیں نسلی فسادات ہیں۔ اور کہیں وطنی اختلافات پر دُشمنی پائی جاتی ہے۔

اسلامی حکومت میں غیر مُسلم رعایا کے حقوق

اس کے بالمقابل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے رویہ کو دیکھئیے حکومت کے تخت پر بیٹھتے ہی آپ کا امتحان ہو گیا۔ دُوسری قوموں کے لوگ جو اسلامی حکومت میں آباد تھے اُن کے متعلق اعلان کیا کہ انہیں مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے جائینگے۔ اور اُن کی جان ومال کی حفاظت کی ذمہ داری اِسلامی حکومت پر ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے جانشین کو غیر مسلم رعایا کے متعلق وصیت کی :- اوصیہ بذمۃ اللہ وذمۃ ...... رسولہ ان یوفی الیھم بعھدھم وان یقاتلوا من ورائھم ولا یکلفوا فوق طاقتھم میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اور رسولؐ کا جو عہد ان کے ساتھ ہے اسے پورا کیا جائے۔ ان کی جان ومال کی حفاظت کی جائے۔ دشمن اُن پر حملہ آور ہو تو ان کے ساتھ ہو کر دفاع کیا جائے۔ اور اُن کی طاقت سے بڑھ کر اُن سے کام نہ لیا جائے۔ اس عہد کو مسلمان حاکموں نے کس طرح پورا کیا؟ عمرو بن العاصؓ نے جب مصر کا ملک فتح کیا تو انہوں نے یہ اعلان کیا کہ تمام قبطیوں اور کنعانیوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر ہیں۔ اس اعلان کو سُن کر تمام ملک میں خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں کے دل باغ باغ ہو گئے۔ فی الحقیقت اِسلام میں کبھی کسی حاکم کو بھی دوسروں سے بڑھ کر حقوق نہیں دیئے گئے۔ ایک دن گورنر کے بیٹے نے راہ چلتے ایک قبطی کو مارا حضرت عمرؓ کو اس کی رپورٹ پہنچی۔ انہوں نے گورنر عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کو مدینے طلب کیا۔ ......

(انگریزوں کا پرسٹیج اور اسلامی حکومت کا انصاف)

ایسا کرنا پرسٹیج (PRESTIGE) کے خلاف ہے مگر اِسلام انصاف کے معاملہ میں پرسٹیج کو نظر انداز کرتا ہے۔ اور ان کو ان الفاظ میں ملامت کی متیٰ کم عبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احراراً کب سے تم نے ان لوگوں کو غلام بنا لیا ہے۔ جنہیں ان کی ماؤں نے آزاد پیدا کیا تھا۔ باپ کو ملامت کی اور گورنر کے بیٹے کو سزا دی۔ انگریز ایسا نہیں کرتا۔

جنگ کے زمانے میں جنرل ویول مصر میں ہٹلر کی فوجوں کے مقابلہ میں ناکام ہو گیا۔ تو اس کی جگہ جنرل منٹگمری کو بھیجا گیا لیکن ویول کو ملامت کرنے یا موقوف کرنے کے بجائے لارڈ ویول کو وائسرائے ہند بنا کر ہندوستان بھیج دیا گیا۔ انگریز کے نزدیک اپنے افسروں کو سزا دینا پرسٹیج (وقار) کے خلاف ہے لیکن اِسلام میں اس قسم کا جھوٹا پرسٹیج کوئی چیز نہیں۔ معلوم ہوا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم رحمۃ للعالمین محض نام کے نہیں بلکہ عملاً آپ نے رحمۃ للعالمین بن کر دکھایا۔

غیر مُسلموں کے مال ہڑپ کرنے سے منع کیا گیا

یمن میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو گورنر بنا کر بھیجا گیا تو انہیں تلقین کی کہ ایاکم والمعصیۃ فان بالمعصیۃ حل سخط اللہ۔ دیکھو خدا کی نافرمانی سے بچنا کیونکہ اس سے عذاب نازل ہوتا ہے۔ اتق دعوۃ المظلوم ظلم نہ کرنا مظلوم کی آہ سے بچنا فان لیس بینھا وبین اللہ حجاب مظلوم کی آہ سیدھی خدا تک پہنچتی ہے مسلمان حاکم کو غیر مسلم پر ظلم کرنے کی وجہ سے سزا دی جائے گی اور فرمایا لوگوں کے اموال نہیں کھانا ان کے الفاظ ہیں۔ ایاکم واکل اموالھم ......

سپین کی اسلامی حکومت کی برکات

لیکن ہمارا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سو سال پہلے حکم دیتا ہے کہ (NO ESPLAITATION) کوئی لوٹ کھسوٹ نہیں کرنا۔ مسلمان سپین میں گئے۔ تو وہاں علم وحکمت پھیلائی۔ یونیورسٹیاں بنائیں اعلیٰ درجہ کی عمارات تعمیر کرائیں اور وہاں کے لوگوں کے لئے رحمت ثابت ہوئے۔ ......

تمام مخلوق عیال اللہ ہے نسلی اور لونی امتیاز کوئی نہیں

مسلمان قوم کو ساری مخلوق کے لئے رحمت بنایا گیا ہے انہیں تلقین کی گئی ہے۔ الخلق عیال اللہ فان احبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ۔ تمام مخلوق خدا کا کُنبہ ہے اور خدا کو وہ لوگ سب سے زیادہ پسند ہیں جو اس کے عیال کو نفع پہنچاتے ہیں۔ اور فرمایا :- لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علیٰ اسود الا بتقوی اللہ۔ کسی عربی کو دُوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل نہیں۔ نہ کسی دوسرے ملک کے آدمیوں کو عربوں پر فضیلت حاصل ہے اور کسی کالے رنگ کے آدمی گورے پر، یا گورے کو کالے پر فضیلت حاصل ہے۔ ہاں جو خدا خوف ہو اور خُدا سے ڈر کر زندگی بسر کرے وہی سب سے افضل ہے۔ یہ جملہ آج سے چودہ سو سال پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ......

بقائے اسلحہ کا نظریہ اور مغربی طاقتوں کی تباہی خیز اقدامات

اونٹشے نے کہا کہ سب سے اچھی قوم وہ ہے جو سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ SERUANAL OF THE FAITHS صرف طاقتور قوم کو ہی زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اسی خیال کے تحت امریکہ اور روس مہلک ترین اسلحہ بنانے اور دُوسرے ممالک کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک کا نظریہ کہ مخلوق کو نفع پہنچانے والے کے لئے بقا ہے

اس کے مقابل قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ اما ما ینفع الناس

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

امن کی تلاش

ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین (آل عمران رکوع ۹)

" جو کوئی اِسلام (امن اور فرمانبرداری) کے سوا کسی اور راستہ پر گامزن ہوگا ۔ وہ ناقابلِ قبول ہوگا ۔ انجام کار ایسا شخص خسارہ میں رہنے والوں میں سے ہوگا ۔" (یہ مضمون ۱۹۷۳ء کا ہے قارئین موجودہ حالات کی روشنی میں اسے دوبارہ پڑھیں) ادارہ

مشرقِ وسطیٰ ہو یا برصغیر پاک و ہند ، افریقہ کا کوئی ملک ہو یا مغربی دنیا کا کوئی خطہ ، اس وقت ہر جگہ اضطراب و بےچینی کا دور دورہ ہے ہر قلب بے اطمینانی و عدم سکون کا شکار ہو رہا ہے ۔ اس میں تو کوئی ملزوم صفات ہیں کیونکہ امن کے بغیر ترقی ممکن نہیں اور ترقی کے نتیجہ میں امن و عافیت کا ہونا لازم آتا ہے ۔ مگر شرط یہ ہے کہ ان میں باہم تعاون برقرار رکھا جائے ۔ بقائے باہمی کے اصول کے مطابق نہ تو ترقی کی خواہش اور دوڑ ایسی تیز ہو کہ جس سے قلبی امن و سکون برباد ہو جائے ۔ نہ ہی سلامتی و عافیت کا مطلب یہ ہو کہ جس سے جمود بےحسی اور بےحرکتی پیدا ہو ۔ جب تک ان ہر دو انسانی صفات کو مناسب جگہ و مقام اور موزوں اہمیت دی جاتی ہے تب تک ان میں اعتدال و توازن قائم رہ کر ایک طرف امن و سلامتی اور دوسری طرف ترقی و خوشحالی نصیب ہوتی ہے ۔ لیکن جب توازن کا پلڑا ایک طرف یا دوسری طرف جھک جاتا ہے تو یہی توازن کے مفقود ہو جانے سے فساد و خرابی کا واقع ہو جانا ناگزیر ہو جاتا ہے ۔

انفرادی رنگ میں یہ حقیقت ایسی ہی صحیح و درست ہے جیسی قومی سطح یا بین الاقوامی میدان میں ۔ اگر کسی فرد میں ترقی کی خواہش حد سے زیادہ بڑھ جائے یا اس کی سعی و جہد میں ایسا اضافہ ہو جس کی اجازت گرد و پیش کے حالات نہ دیتے ہوں ۔ تو ظاہر ہے کہ یا تو وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے گا یا اس کا جسم کسی مرض کا شکار ہو جائے گا ۔ قومی پیمانہ پر بھی یہی اصول صادق آتا ہے ۔ اگر افراد اپنے ہمعصروں کے حقوق سے بےپرواہ ہو کر اگر ان کو بےمحابہ روندتے ہی چلے جائیں تو بالآخر قومی امن و سکون قائم نہ رہ سکے گا ۔ بین الاقوامی میدان میں بھی یہی کچھ پیش آتا ہے جب کوئی مقام اپنی ترقی و خوشحالی کا مطلب یہ سمجھتی ہے کہ اسے دوسری ہمسایہ اقوام کے منصفانہ حقوق سے بےنیاز ہو کر اس راستہ میں ایسی ترقی یا توسیع پسندی کی جارحانہ پالیسی اختیار کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ اس خطہ یا ملک سے امن و سلامتی مفقود ہو جاتی ہے اور اُن کے فقدان کے سبب خود توسیع پسند قوم یا ملک کی ترقی و خوشحالی بھی نہ صرف رک جاتی ہے بلکہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے ۔ گویا جس طرح ذہنی عدم توازن کا نتیجہ بالآخر فرد کی خودکشی کی صورت میں نکلتا ہے اسی طرح [illegible] تباہی و بربادی یقینی ہے کونسی دانشمندی و ترقی پذیری کا تقاضا ہے کہ خودکشی کے ایسے اقدامات پر اصرار کیا جائے ، مگر انصاف و حق پسندی کی مسلمہ انسانی اقدار کے اصولوں پر عمل پیرائی نہ کی جائے ۔ کیا یہ ازحد تعجب کی جگہ نہیں کہ چودہویں صدی کا انسان جو ذہنی نشو و نما میں ترقی کے باعث چاند پر پہنچ گیا ہو ۔ انسانی و اخلاقی اقدار کے معاملہ میں اس قدر جاہل و وحشی واقع ہوا ہے ۔ ایسے وسیع پیمانہ پر خونریزی و بربادی کے منصوبوں پر عامل ہے جن کے مہلک نتائج سے اس کی اپنی قوم و ملک بھی محفوظ نہیں ! ترقی و خوشحالی کے یہ کون سے نظارے ہیں ۔ جہاں متحارب فریقوں کے شہروں اور آبادیوں کو نیست و نابود اور تہس نہس کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی ۔ کیا یہی وہ کمال تہذیب و تمدن ہے جس پر فخر کیا جاتا ہے ۔ کیا اسی کو معراجِ ترقی و خوشحالی کے خوشنما الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے ۔

جب تک انسانی خوشحالی اور ترقی و برتری کے لئے مادیت پر قابض ہونے میں سبقت اختیار کرنے کا نظریہ اور کمزوروں کے منصفانہ حقوق کو پامال کرنے کی خودغرضانہ ہوس کے جذبات قوموں میں موجزن ہیں ۔ تب تک دنیا میں امن و سلامتی کی تلاش کرنا موہوم امید ہے ۔ یورپ میں دو عالمگیر جنگوں سے جو عظیم بربادی فاتح و مفتوح اقوام دونوں پر آئی اس سے مغربی اقوام کو شاید اتنا سبق تو حاصل ہو گیا ہے کہ یہ اقوام اب مغربی ملکوں میں باہم جنگ جوئی سے گریزاں ہیں ۔ اب ان اقوام نے اپنے تصادم و آویزش کے لئے ایشیا اور مشرق کو تختۂ مشق بنا لیا ہے ۔ لیکن آخر یہ کب تلک ۔ یاجوج اور ماجوج کا باہم براہ راست تصادم ہو کر ہی رہیگا یا پھر مشرق میں بھی یہ ایسے فساد و فتنۂ عظیم بپا کرنے سے باز آئیں گے ۔ خدا تعالےٰ کے زور آور حملوں سے بالآخر ان کی آنکھیں کھلیں گی ۔ مادیت کے نظریات کی بجائے انسانی و اخلاقی اقدار کے اسلامی نظریات کو تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہے گا ۔

اِسلام کے لفظی معنی بھی امن و سلامتی کے ہیں اور اس نے جو نظریۂ حیات دیا ہے وہ مقدم طور پر خدا کے قوانین کی فرمانبرداری اور انسانوں کی باہمی سلامتی و خیرخواہی پر قائم ہے ۔ جس نے ترقی و خوشحالی کو امن و سلامتی کی برقراری پر موقوف و منحصر کیا ہے ۔ مادیت اور اخلاق و روحانیت کی اس وقت درحقیقت ایک جنگ ہو رہی ہے دین اسلام نے ان کا باہمی متوازن و معتدل ایک امتزاج پیش کیا جیسا کہ [illegible] سورۃ فاتحہ کی بےنظیر دعا کی صورت میں دہرانے کا حکم دیا ہے ۔

صراطِ مستقیم دو انتہائی و متضاد راستوں کے مابین ایک درمیانی وسط کی راہ ہے ۔ جو ہر معاملہ میں ہر قسم کی افراط و تفریط کی متضاد راہوں سے پاک و مبرّا اور توازن و اعتدال کے پہلوؤں کو لئے ہوئے جملہ انسانی اقدار کو ان کی مناسب اہمیت و قدر کے پیشِ نظر ان کو صحیح مقام و درجہ دیتا ہے ۔ ترقی اور مسابقتِ مفاد کی دوڑ میں بھی اسلام کا نظریۂ حیات یہی ہے کہ امن و سلامتی ، عافیت و صلح کاری کی راہوں کو بہرحال مقدم رکھا جائے ۔ وگرنہ انہیں نظرانداز کر کے جو ترقی روا رکھی جائے گی انجام کار وہ ترقی معکوس اور ہلاکت و بربادی کا موجب ثابت ہوگی ۔

بقیہ حضرت نبی کریم رحمۃ للعالمین ہیں ۔ (آمدہ صفحہ ۶)

فیمکث فی الارض جو قوم بھی لوگوں کے لئے نفع رساں ہو وہ زمین میں قائم رہتی ہے ۔ اندازہ کیجیے ۔ نطشے تو کہے کہ صرف طاقتور ہی زندہ رہ سکتا ہے ! اور نبی کریم صلعم فرماتے ہیں ۔ تمہارے اندر برکات نازل ہو سکتی ہیں اگر تم خدا کی مخلوق کو نفع پہنچاؤ ۔

یورپ میں تبلیغ اسلام کا عظیم الشان کام

آپ لوگوں کے سامنے یہ کامیاب تجربہ ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے لوگ حضرت مرزا صاحب کے اثر سے مسلمان ہوئے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یورپ کے لارڈ بھی مسلمان ہو سکتے ہیں ۔ لارڈ ہیڈلے مسلمان ہونے کے بعد آپ کے یہاں بھی آئے اور جرمن کے بیرن بھی مسلمان ہوئے ۔ جو ہمارے ملک میں تشریف لائے ۔ حضرت مرزا صاحب سے پہلے کس کو یہ حوصلہ یا وہم بھی ہو سکتا تھا کہ انگریزوں کو مسلمان کیا جائے ۔ انہوں نے ایک کشف میں دیکھا کہ لندن میں ایک ممبر پر وعظ کر رہا ہوں اور سفید پرندے میرے ہاتھ میں آ رہے ہیں ۔ یہ کشف آج حقیقت بن چکا ہے ۔ (وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ انسان کو یہ سبق بار بار دیتا ہے کہ تم کو دنیا میں ایک خاص غرض کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات جن کا تمام مخلوق کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور انہیں صفات کی وجہ سے انسان اور دوسری مخلوق کی زندگی قائم ہے۔ اور ایک لحہ بھی ان صفات سے فائدہ اٹھائے بغیر دنیا میں کوئی چیز زندہ نہیں رہ سکتی جیسے ہوا۔ سورج۔ دن رات وغیرہ۔ انعامات الٰہیہ جن کو گننا بھی انسان کی طاقت سے باہر ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا تاکہ وہ بھی اپنے اندر مجازی طور پر خدا تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے ان کا مظاہرہ کرے۔ اور کوئی انسان اِن صفات کا مظہر نہیں بن سکتا جب تک وہ کامل و عمدہ نمونہ اپنے اندر نہ پیدا کرے۔ اِس موضوع کو ایک اور رنگ میں پہلے بھی تحریر کیا گیا ہے۔ کہ آج جو انتشار اور افتراق اور جنگ و جدل کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف گھروں کے اندر بھی اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے۔ بدقسمتی سے کوئی اپنے اندر جھانک کر نہیں دیکھتا۔ اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ دوسروں پر پتھر پھینک رہا ہے۔ اور کسی طرف سے یمین و برکت بڑھتی اور پھیلتی نظر نہیں آتی۔ اس کا ایک علاج تو پہلے تحریر کیا گیا ہے کہ انسان سب سے اوّل اپنی اصلاح کرے۔ نیکی کی طرف دوسروں سے بڑھ کر قدم آگے بڑھانے کی کوشش کرے۔ اور اپنے اہل خانہ۔ اور بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کرے۔ جس طرح غذا کے استعمال سے لباس کے پہننے سے) سونے و جاگنے، محنت و کاروبار سے کبھی نہیں اکتاتا نہ غافل ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے نمونہ اور اولاد کی تربیت پر ان سے بڑھ کر محنت کرے۔ اور ایک لحہ بھی اس پر سستی کا نہ آئے۔

قرآن مجید نے ایک نہایت پیاری دُعا ہمیں سکھائی ہے اور جس پر دوام اختیار کرنے کا بھی ارشاد فرمایا ہے۔

" رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی
انعمت علی و علی والدی
وان اعمل صالحاً ترضٰہ
واصلح لی فی ذریتی ط انی تبت الیک
و انی من المسلمین "

(احقاف، ۴۶: ۱۵)

میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو دی اور کہ میں نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لئے میری اولاد کی اصلاح کر میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

فرماتا ہے۔ رَبِّ۔ ب کے نیچے جو کسرہ یعنی زیر ہے یہ ی کے قائم مقام ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ اے میرے رب۔ پہلا سبق یہ دیا ہے کہ اس کلم کے کرنے اور کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ جس کی ایک بڑی صفت ربّ ہے اس سے مدد مانگو۔ ربّ کے معنے ہیں۔ ھو انشاء الشیٔ حالاً فحالاً الی حد التمام۔ ایک چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشوونما دیتے رہنا یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ تمام طاقتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے انسان غور کرے کہ میری پیدائش۔ بلکہ اس سے پہلے کی حالت۔ زندگی کے مختلف ادوار اور ان کے قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتیں ۔ اگر صرف لفظ رب میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے اس پر تدبر کرنے کا اگر انسان کو حقیقی احساس پیدا ہو جائے تو سارے بُت ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور اس کا سر خدا تعالیٰ کے حکم سے نہ انحراف کرے اور نہ اس پر کسی اور کا غلبہ ہو۔

دوسرا سبق یہ دیا۔ اوزعنی اس کے معنے یہ ہیں کہ جس طرح پیدائش سے پہلے سے میرا اللہ میری ربوبیت کر رہا ہے اور اس میں کبھی بھی التوا یا روک، پیدا نہیں ہوتی۔ اگر روک پیدا ہو تو انسان کا خاتمہ ہے۔ اِسی انسان کو یہ سبق دیا کہ جو ہدایت ہم نے تم کو دی ہے اس پر بھی ہمیشہ مداومت کرنا کبھی سستی نہ کرنا۔ اس کے حصول کے لئے لگاتار کوشش کرتے رہنا۔ اسی حالت کو صوفیاء اس فقرہ میں بیان کرتے ہیں۔

جو دم غافل سو دم کافر

یعنی اگر تم نے ایک سانس بھی غفلت کا لیا تو سمجھ لو کہ تم کافر ہو گئے ہو۔ بھلا غور تو کریں کہ انسان کتنے سانس لیتا ہے اگر چند لمحے سانس رک جائے۔ تو انسان کا کیا حشر ہو۔ اوزعنی۔ کا لفظ۔ دوام استقلال۔ قدم آگے بڑھانے اور ترقی کی خواہش کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔

تیسرا سبق۔ ان اشکر ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کیا کرو قدر دانی کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرو۔ کہ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے کتنے انعامات ہیں۔ اور اگر ہم ان کو گننا بھی چاہیں تو گن نہیں سکتے۔ شکر کا حق ادا کرنا تو بڑا مشکل کام ہے۔ اگر رجوع الی الشکر کی طرف آمادگی کے اظہار کی بھی توفیق مل جائے تو یہ بھی بہت بڑا کمال ہے۔ حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ دیکھ انسان کے بدن پر کتنے بال ہیں۔ سر سے لیکر پاؤں تک کوئی انسان ان کا شمار نہیں کر سکتا۔ فرمایا کرتے تھے۔ (الف) خدا تعالیٰ کے انعامات ان سے بھی بڑھ کر انسانوں پر ہیں۔ (ب) اور فرماتے تھے کہ میں طبیب ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان بالوں کے کیا فوائد و برکات ہیں اور انسان جو پانی کا ایک بلبلہ ہے کس طرح اتراتا ہے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اگر اس کا ان ہزارہا بالوں میں سے ایک بال اکھیڑ دیا جائے تو اس کی جگہ پر "انسان" دوسرا اس جیسا بال اُگا نہیں سکتا لیکن اے انسان تیری بیگانگی پر حیف اور افسوس ہے غرضیکہ شکر کا جذبہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدردانی۔ ممنونیت ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔ جو انسان کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ لیکن اکثر اس کی حقیقت سے غافل اور لاپرواہ ہیں۔ تو سوائے خسران کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ ⁂ ⁂ ⁂

چوتھا سبق۔ وعلیٰ والدیّ۔ والدین کے حقوق، اطاعت و فرمانبرداری کے بارے میں پہلے ایک مضمون کا ذکر کر چکا ہوں۔ اِس سبق کی جتنی آج ضرورت ہے غالباً اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی زمانہ جتنی ترقی کر رہا ہے علم کی روشنی جتنی پھیل رہی ہے مادی طور پر جتنا انسان خوشحال اور فارغ البال ہو رہا ہے۔ اتنا ہی آج اس فریضہ، حکم خداوندی سے انحراف اور معصیت کا شکار ہو رہا ہے۔ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کا ماننے والا اطاعت والدین نہیں کرتا تو اس کا معاملہ تو امر دیگر ہے۔ لیکن ایک مسلمان کس طرح ماں، باپ کی اطاعت سے منہ موڑ سکتا ہے۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس پر روشنی ڈالی ہے۔ کبھی فرماتا ہے کہ غور کرو کہ تمہاری پرورش کس طرح والدین کرتے ہیں۔ کتنی تکلیفیں اٹھاتے ہیں کبھی فرماتا ہے کہ ہمیشہ ان کی امر معروف میں اطاعت کرو۔ اور اگر بڑھاپے کی وجہ سے کوئی ایسی بات کہہ بھی دیں جو عام طور پر نہیں کہنی چاہیئے۔ لیکن والدین کا مقام ایسا ہے کہ تم اُف تک بھی نہ کہو۔ اونچی آواز سے نہ بولو۔ اِن پر کبھی سختی نہ کرو۔ اور ان سے ہمیشہ حسن سلوک کرو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ آپؐ والدین کی فرمانبرداری کی تعلیم خاص طور پر دیا کرتے تھے۔ آپؐ کی والدہ ماجدہ تو بچپن میں فوت ہو گئی تھیں آپؐ کی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کے ماموریت کے زمانہ میں بھی زندہ تھیں آپؐ سے جب وہ ملنے آتیں۔ تو فرمایا کرتے تھے۔

اَنتِ اُمّی بَعد اُمّی

کتنے شیریں اور پیارے الفاظ ہیں۔ کہ اب تم ہی میری والدہ ہو۔ کس طرح ان کی آمد پر لپک کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور ان کی عزت و تکریم کے لیے اپنی چادر اس کے بیٹھنے کے لئے بچھا دیا کرتے تھے اور اگر کسی نے سب سے بڑی نیکی کا سوال کیا تو یہی جواب دیا کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے۔ کہ اپنی والدہ اور والد سے حسن سلوک کرو۔

آج کل یہ بیماری مزمن صورت اختیار کر گئی ہے اور واقعی کئی والدین پریشان ہیں۔ آہیں بھرتے ہیں۔ لاچاری کا اظہار کرتے ہیں اسی ضمن میں ایک تاریخی واقعہ بھی اختصار سے درج کرتا ہوں شاید کسی کے دل میں یہ نیک بات اثر کر جائے۔

صحابی کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپؐ پر ایمان لانے کی توفیق نصیب ہوئی ہو۔ اور اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی ہو۔ اور

اسلامی ریاست کا تصوّر

نیو ورلڈ آرڈر کے آخری باب کا اُردو ترجمہ

حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ، اسلامی ریاست کے حاکم اعلیٰ کی آئینی حیثیت

..... حضرت نبی کریم صلعم کے سب سے پہلے جانشین حضرت ابوبکرؓ تھے جنہیں تمام جماعتوں کی متفقہ رائے سے خلیفہ منتخب کیا گیا تھا۔ اور اُن کے بعد تینوں خلفاء بھی اسی طریق سے منتخب کئے گئے تھے۔ نظام ریاست کی کیا ضرورت تھی اور ریاست کے حاکم اعلیٰ کی آئینی حیثیت کیا تھی؟ اس کی وضاحت حضرت ابوبکرؓ نے اپنے سب سے پہلے خطبہ میں فرما دی تھی۔

"تم لوگوں نے مجھے خلیفہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا جانشین اور ریاست کا حاکم اعلیٰ) منتخب کیا ہے لیکن میں تم پر کسی فوقیت کا مدعی نہیں ہوں۔ تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہوگا حتّٰی کہ میں دوسروں کے حقوق اس سے نہ لے لوں۔ اور ضعیف میرے نزدیک قوی تر ہے جب تک کہ میں اس کے کل حقوق حاصل نہ کرلوں۔ اگر میں صداقت پر ہوں تو تم میری مدد کرو لیکن اگر میں غلط راستہ اختیار کروں تو تم مجھے سیدھا کر دو۔ جب تک میں خدا اور خدا کے رسولؐ کا حکم نہ مانوں تو مجھے تم سے اطاعت کرانے کا کوئی حق نہیں"

عامۃ النّاس کی ذمہ داری

عامۃ الناس پر ریاست کی جانب سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کے قوانین و ضوابط کا احترام کریں۔ اور جب تک کہ خدا اور خدا کے رسول کی نافرمانی کا حکم نہ دے وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔ ریاست کے ایسے احکام جن میں خدا کی نافرمانی پائی جائے۔ قابل اطاعت نہیں۔ (بخاری ۵۷ - ۱۰۸)

ایک ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا ایک بہت قابلِ تعریف کام اور اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے (مشکوٰۃ - ۱۷) لیکن آئینی طور پر قائم شدہ حکومت کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کرنے کی اجازت نہیں یہاں تک کہ کھلا کھلا کفر نہ ہو جس کے متعلق خدا کی طرف سے تمہارے پاس کھلے دلائل ہوں (بخاری ۹۳ - ۲) ایسی انتہائی صورتوں میں خلیفہ کو معزول بھی کیا جا سکتا ہے۔

حاکم اعلیٰ یا خلیفہ کی حیثیت اور اُس کے فرائض

ریاست کا حاکم اعلیٰ ریاست کا ایک خادم تھا جسے دوسرے کارکنوں کی طرح بیت المال میں سے اس کے گزارہ کے لئے مقرر تنخواہ دی جاتی تھی۔ اسے کوئی خاص حقوق حاصل نہ تھے اور اس کی عدالتی ... [illegible] ... اسی طرح مقدمہ دائر کیا جا سکتا تھا جس طرح ملتِ اسلامیہ کے اور کسی فرد کے خلاف دائر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر انسان کو جو چار سلطنتوں کے فرمانروا تھے ایک قاضی کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت میں جوابدہی کے لئے حاضر ہونا پڑا۔

صوبائی گورنروں کے نام جو آپ نے احکام صادر فرمائے ان میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ:-

"وہ ایسا اہتمام کریں کہ فریادی جس وقت چاہیں اُن تک رسائی حاصل کر سکیں اور دربان نہ رکھیں جو لوگوں کو اُن تک پہنچنے سے نہ روکیں"۔

پھر آپ نے تمام عاملین کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ تعیش سے اجتناب کریں اور زاہدانہ زندگی بسر کریں۔ ریاست کا حاکم اعلیٰ حکومت اپنے وزراء کی مدد سے چلاتا تھا اور تمام اہم امور ریاست کا تصفیہ مجلس مشاورت سے ہوتا تھا۔ وہ لوگ جنہیں حکومت کے فرائض تفویض کئے جاتے تھے اور جن میں ریاست کا حاکم اعلیٰ بھی شامل تھا اُن کے لئے لازمی تھا کہ وہ عامۃ الناس کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں۔

"کوئی ایسا شخص جسے خدا لوگوں پر حکومت عطا کرے اور پھر وہ ان کی بہبود کا اہتمام نہیں کرتا اور ان کی بہتری کے لئے ان کے معاملات کا انتظام نہیں کرتا بہشت کی فرحت افزا خوشبو اس کے شامہ تک نہیں پہنچے گی"۔ (بخاری ۹۴ - ۸)

ان کو ہدایت تھی کہ وہ رعیت سے حلم اور نرمی سے پیش آئیں تاکہ انتظام حکومت سے وہ خوش و خرم رہیں۔ انہیں حکم تھا کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے تنفر پیدا ہو۔ (بخاری ۹۴ - ۶۲)

انہیں حکم تھا کہ وہ سادہ زندگی بسر کریں اور ان لوگوں سے کنارہ کش نہ ہوں جنہیں ان کی خدمت کی ضرورت ہے اور ہر شخص بآسانی اُن تک پہنچ سکے۔ (مشکوٰۃ ۱۷ - ۱)

وہ خدا والے ہوں (بخاری ۹۴ - ۱۶)

لوگوں پر ان کی مقدرت کے مطابق محصول لگایا جائے۔ جو لوگ اپنی روزی خود کمانے سے معذور ہوں اُن کو نان و نفقہ دیا جائے اور ان کی ضروریات پوری کی جائیں۔ اور ذمیوں اور غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ اسی طرح کیا جائے جس طرح مسلمانوں کے حقوق کا۔

(بخاری ۶۲ : ۸)

ریاست کا صرف یہی فرض نہ تھا کہ وہ ان خاندانوں کی خبر گیری کرے جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ بلکہ ان قرضہ جات کی ادائیگی بھی اس کے فرائض میں سے تھی جو ادا نہیں کئے جاتے تھے اور جو جائز ضروریات کے لئے لئے جاتے تھے۔

(بخاری ۴۳ - ۱۱)

اسلام محض مدافعانہ جنگ کی اجازت دیتا ہے اور صلح کا حامی ہے۔

جہاں تک دوسری ریاستوں سے تعلقات اور صلح و جنگ کا سوال ہے اسلامی سلطنت کا دستور العمل مدافعانہ جنگ اور فیاضانہ صلح ہے جنگ ایک ناگزیر چیز ہے جو انسانوں کو پیش آتی ہے لیکن اس کے متعلق اسلامی اصول بڑے واضح الفاظ میں قائم کر دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ جارحانہ اقدام کی اجازت نہیں صرف مدافعت کے رنگ میں جنگ کی اجازت ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ۃ (البقرہ آیت - ۱۹) اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو" پھر ایک دوسری جگہ فرمایا:۔

اذن للذین یقاتلون بانّھم ظلموا (سورۃ الحج آیت ۳۹) ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے"

ان آیات کی رُو سے ایک ذرہ بھی شک نہیں رہتا کہ اسلام جارحانہ جنگ کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ انسان اپنی مملکت کی حدود بڑھانے کے لئے دوسروں پر بلا وجہ یورش کرے اور نہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اپنا رعب و داب بٹھانے کی غرض سے جنگ کی جائے۔ جنگ کی اجازت محض اس صورت میں دی گئی ہے کہ دشمن حملہ کرنے میں پہل کرے۔ لیکن اس صورت میں بھی اگر دشمن صلح کے لئے ہاتھ بڑھائے تو صلح کرنی ضروری ہے۔ دشمنان اسلام نے اسلام کی بیخ کنی کے لئے مسلمانوں پر حملے کرنے میں پہل کی اس لئے ان کے خلاف مسلمانوں کو مدافعت کے رنگ میں تلوار اٹھانی پڑی۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردّوکم عن دینکم ان استطاعوا (سورۃ البقرہ آیت ۲۱۷) اور وہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں طاقت ہو تو تمہیں تمہارے دین سے لوٹا دیں۔ لیکن اگر ایسے دشمن بھی صلح کی خواہش ظاہر کریں تو اسلامی ریاست اس کو ردّ نہیں کر سکتی۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ (سورۃ الانفال آیت ۶۱) اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم جھک جاؤ۔ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔"

ممکن ہے کہ صلح کی تجویز منافقانہ ہو۔ ممکن ہے کہ اس غرض سے صلح کی جاتی ہو کہ دوسری جنگ کی تیاری کے لئے وقت مل جائے لیکن ان صورتوں میں بھی صلح کو ہی ترجیح دی گئی ہے۔ وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ ۃ (سورۃ الانفال آیت ۶۳) اور وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں تو یقیناً اللہ تمہارے لئے کافی ہے"۔ مسلمانوں کا خدا پر ایمان اس بات کا ضامن تھا کہ اگر دشمن بدعہدی کر کے دوسری بار حملہ کرے گا تو دوسری دفعہ بھی ہزیمت ہی اٹھائے گا۔ اور وہ پھر صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہوگا

اسلامی جنگیں سراسر رحمت تھیں:۔

ایسی جنگ توسراسر رحمت تھی۔ یہ اپنے آغاز میں بھی رحمت تھی کیونکہ یہ مدافعت کے لئے لڑی جاتی تھی۔ یعنے ایک ظالم کے پنجہ سے لوگوں کو رہائی دلائی جاتی تھی جو اُن کے استیصال کے درپے ہوتا تھا۔ اور یہ اپنے خاتمہ پر بھی رحمت تھی کیونکہ جب ظالم صُلح کی درخواست کرتا تھا تو صلح کر لی جاتی تھی جنگ کا اصل مقصد مظلوم کی حفاظت اور حمایت تھا نہ کہ دشمن کو نیست و نابود کرنا۔ یہ ان کے لئے رحمت تھی جو جنگ میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ مہذب جنگوں میں یہ لوگ لڑنے والوں سے بھی زیادہ ظلم و ستم کا شکار ہوتے تھے۔ اسلام میں جنگ میں شرکت نہ کرنے والوں کو قتل کرنے کی ممانعت تھی۔ (بخاری ۵۶ : ۱۴۷)

ظلم یا تشدد کرنے والوں کو بھی نیست و نابود کرنا اسلام کا مقصد نہ تھا کیونکہ نیست و نابود کرنا ہی انسدادِ ظلم کا واحد ذریعہ نہیں بعض اوقات ایک فیاضانہ صلح اس سے بڑھ کر اصلاح کی موجب ہوتی ہے کسی قوم کو نیست و نابود کرنے کی کوشش سے انتقام کی آگ زیادہ مشتعل ہوتی ہے۔ مگر فیاضانہ صلح سے قلوب کے اندر ایک قابل قدر تغیر واقع ہوتا ہے اور مفتوح کی ذہنیت ہی بدل جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام ایک ظالم کی طرف سے بھی صلح کی پیشکش کو ٹھکرانے کی اجازت نہیں دیتا۔

حضرت نبی کریم صلعم کا فیاضانہ سلوک اپنے دشمنوں سے:۔

اسی کریمانہ انداز اور فیاضانہ سلوک سے ہمارے نبی کریم صلعم اپنے دشمنوں سے پیش آیا کرتے تھے۔ اکیس سال کے طویل عرصہ تک آنحضرت صلعم اپنے دشمنوں کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے رہے۔ اور معاندین نے حضورؐ اور حضورؐ کے صحابہؓ پر ایسے ایسے مظالم روا رکھے کہ جن کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تو وہاں بھی دشمنوں نے امن کا سانس لینے نہ دیا۔ چنانچہ قریش مکہ نے مدینہ پر تین دفعہ جرار لشکر کے ساتھ حملہ کیا تاکہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کو جو اپنا وطن چھوڑ کر وہاں پناہ گزین ہے۔ اس کو تہ تیغ کر کے اس کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ ان خونخوار دشمنوں کے ساتھ حضرت نبی کریمؐ نے کیا سلوک کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب آپ مظفر و منصور مکہ میں داخل ہوئے اور یہ سب دشمنانِ اسلام آپؐ کے رحم و کرم پر تھے آپؐ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"لاتثریب علیکم الیوم۔" آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ یعنے میں تم سب کو معاف کرتا ہوں۔ اس عدیم النظیر کریمانہ سلوک نے اُن کے قلوب کی کایا پلٹ دی۔ اور وہی جو خون کے پیاسے تھے گہرے دوست بن گئے۔ اسی قسم کی صلح کی آج دنیا کو ضرورت ہے۔ لیکن اس قسم کی صلح کون کرسکتا ہے۔ یہ صلح وہی ریاست کرسکتی ہے جس کی اساس اسلام کے وسیع اصول پر قائم ہو ؎

قارئین کرام مطلع رہیں

کہ پیغام صلح کا محمد علیؒ نمبر ۱۵/ اکتوبر کے قریب ۲۴ صفحات پر مشتمل شائع ہوگا۔ اس خاص نمبر کی تیاری کے سلسلے میں ۸/ اکتوبر ۱۹۸۰ء کے پرچہ کا ناغہ ہوگا۔ احباب کرام نوٹ فرمالیں:۔

ـــــ ادارہ

اعتذار

مؤرخہ ۷ ستمبر ۱۹۸۰ء کے صفحہ ۲ پر اور صفحہ (۷) پر مضمون نگار احباب کے نام سہو کتابت سے لکھنا رہ گئے ہیں۔ صفحہ ۲ کالم ۲ کا مضمون جناب ارشد حسین صاحب لاہور سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ مرکزیہ کا ہے اور ۷ کا مضمون جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام کا ہے ہم اس غلطی پر دونوں احباب سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

"میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

حضرت اقدس کے اس مشن کی تکمیل افراد کو اکناف عالم میں اسلام پر صحیح مفید لٹریچر بھیجا گیا۔ انکے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

گھانا سے باباسیدو، سلامت ایم محمد۔ عماد وکلف ہاور بی۔ کے نعمتی رقم طراز ہیں۔ ہمارے مُسلم بھائی" ہم نے نہایت دلچسپی اور دلی مسرت کے ساتھ آپکی بھجوائی ہوئی کتاب" اسلام اینڈ مسلم پریئر" کو پڑھا۔ ہم نہایت خلوص کے ساتھ آپ کو مطلع کرتے ہیں کہ آپکے اس علمی اور دینی کام سے ہم بے حد متاثر ہوئے ہیں۔ ہم لوگ جن کو قرآن کریم عربی پڑھنے اور سمجھنے کے مواقع میسّر نہیں اس کتاب کے بدولت اب ہماری مشکل حل ہوگئی ہے مہربانی فرماکر پرئیر بک اور دیگر اسلامی لٹریچر بھیجکر ہمارے علم میں اضافہ فرمائیے۔ ہم بے حد شکرگزار ہونگے۔ والسلام۔

تمالا۔ این آر سے سلیمان محمد:۔ برادر مکرم! مجھے یہ خط لکھتے ہوئے بے حد مسرت ہو رہی ہے۔ مجھے اُمید ہے جس طرح میں خوش و خرم ہوں آپ بھی خیر و عافیت سے ہونگے۔ مجھے ایک دوست سے آپکا پتہ معلوم ہوا ہے۔ اور آپکے ادارہ سے بے حد دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ لہٰذا آپسے امداد کا متمنی ہوں۔ مہربانی فرماکر مجھے اسلام پر جتنا لٹریچر بھی ممکن ہو بھیج کر شکرگزار فرمائیں۔ اور میری خلوص بھری دعائیں قبول فرمائیں

ملینڈی مغربی افریقہ سے ابوبکری ایم شی:۔ مکرمی مجھے بے حد خوشی ہوگی اگر آپ اپنے ادارہ کی کچھ مطبوعات مجھے بھجوا سکیں۔ میں آپ کو قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری اس خواہش کو پورا کریں گے۔ میرا پتہ اُوپر درج ہے اور میں آپکے لٹریچر کا بے تابی سے منتظر ہوں۔ والسلام

تیما۔ گھانا سے عبدل عبدی:۔ مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مجھے آپکا خط ملا اور یہ معلوم ہو کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپنے کچھ کتب مجھے بھجوائی ہیں۔ آپنے میری درخواست تعمیل کر کے میری عزت افزائی فرمائی ہے۔ اس کے لئے آپکا بیحد شکرگزار ہوں۔ آپکا لٹریچر اسلام پر پختہ ایمان پیدا کرنے میں یقیناً میری مدد کرے گا اور ان سے میرے دینی علم میں اضافہ ہوگا۔ مطالعہ کرنے کے بعد پھر آپ کی خدمت میں لکھوں گا انشاء اللہ۔ والسلام۔

مناسٹیٹ نائیجیریا سے محمد اے۔ این کی۔ پیارے بھائی السلام علیکم! آپنے ستمبر ۷۹ء میں جو لٹریچر بھیجا تھا۔ اس کے لئے میں بے حد شکرگزار ہوں۔ اب آپ مجھے مندرجہ ذیل کتب بھجوا کر شکریہ کا موقع دیں۔ میں آپکے جواب کا منتظر ہوں۔ اُمید ہے میری درخواست قبول کی جائے گی مطلوبہ کتب یہ ہیں۔ انگریزی ترجمہ قرآن۔ ریلیجن آف اسلام۔ غلبہ قرآن۔ محمد دی پرافٹ۔ محمد ان ورلڈ سکرپچر انگریزی ترجمہ صحیح بخاری۔ یونگ تھاٹس آف پرافٹ محمد۔ میں ان کتب کے دیکھنے اور مطالعہ کے لئے بے چین ہوں۔ جلد بھجوائیے۔ اللہ تعالٰے آپ کو اس کا اجر دے گا۔ آپکے دور افتادہ مسلم بھائی۔ محمد مکی۔

اخبارِ احمدیہ:۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالٰی بخیریت ہیں۔ اور بفضل تعالٰی کمرے سے نکل کر چھت پر تھوڑی سی چہل قدمی فرما لیتے ہیں۔ احباب کرام اس قیمتی وجود کی صحت و سلامتی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب مدظلہ العالی کی لاہور واپسی کی خبر پچھلے شمارہ میں دی جا چکی ہے آپ کی صحت اللہ تعالٰے کے فضل سے اچھی ہے۔ احباب سلسلہ اور جماعت کے تہجد خواں بزرگ، صدق، ایمان، اخلاص اور وفا کے اس پیکر اور خصوصیات اسلام کے اس مظہر وجود کی درازیٔ عمر کے لئے دعائیں فرماتے رہیں۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ مؤرخہ یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء۔ جلد ۶۷، شمارہ ۴۰، جبریال ۸۳۸

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۴۳۷

مدیر اعزازی
... الرحمٰن

بجام کو وقت تو نزدیک رسید — پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہام حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف ...

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے ایک پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۲۷ ذیقعد / ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ بمطابق ۸/۱۵ اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ ۴۱/۴۲

مولانا کی نظیر گذشتہ پانچ سو سال میں نہیں ملتی

مولانا مرحوم کو خراج تحسین

سر فیروز خاں نون مرحوم

"اخبارات میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کی افسوسناک وفات کی خبر پڑھ کر مجھے بہت صدمہ ہوا۔ مہربانی فرما کر میری دلی ہمدردی قبول کیجیے۔ یہ ایک ایسا نقصان ہے جس میں نہ صرف میں بلکہ تمام دنیائے اسلام آپ سے پوری شرکت کریگی۔ حضرت مولانا کی تصانیف ہمیشہ زندہ رہیں گی اور میں نہیں جانتا کہ اور کون ہے جس نے حضرت ممدوح کی طرح اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اتنی بڑی خدمت سرانجام دی ہو۔ گذشتہ پانچ سو سال میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی۔"

"مرحوم نے اپنی طویل تصنیفی زندگی میں اپنے قلم کے ذریعے جو خدمات اسلام انجام دیں وہ اپنی جگہ بے مثل و بے مثال ہیں۔ انگریزی خوانوں بلکہ انگریزیت زدہ اردو خوانوں کے حق میں ان کا قلم ایک نعمت عظمیٰ تھا۔ خدا جانے کتنوں کے ایمان قائم کر دیئے اور یورپ و امریکہ وغیرہ کے بھٹکے ہوؤں کو اسلام کی راہ دکھلائی۔ اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ مرحوم نے خدمت دین ہی کو نذر کر رکھا تھا۔"

(صدق لکھنؤ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۴ء)

حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ
بانی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

جب تک فلک پہ مہرِ منور کو ہے قیام

روشن رہے گا دہر میں اس نامور کا نام

مقبول بارگاہِ خدائے جلیل تھا

اس کا وجود رحمتِ حق کی دلیل تھا

علم و عمل میں سارے جہاں میں یگانہ تھا

یکتائے روزگار تھا فخرِ زمانہ تھا

از بسکہ اس پہ لطفِ خدائے عظیم تھا

اس کو ازل سے دولتِ قرآں ہی عطا

قرآں کے عشق نے اسے ممتاز کر دیا

دونوں جہاں میں صاحبِ اعزاز کر دیا

اس کے قلم نے علم کا دریا بہا دیا

شاداب جس سے گلشنِ دینِ ہدیٰ ہوا

مدِ نظر تھی اس کو رضا کردگار کی

جانِ عزیز راہ میں اس کی نثار کی

اس کو [illegible]

اے [illegible] مقام [illegible]

شبِ تاریک ملت کو فروزاں کر دیا تو نے

خزاں دیدہ چمن کو گل بداماں کر دیا تو نے

ترے سوزِ دروں نے قلب کو نورِ یقیں بخشا

شعاعِ نورِ عرفاں سے چراغاں کر دیا تو نے

ترے زورِ قلم کا ہے زمانہ معترف اب تک

صریرِ خامہ سے باطل کو لرزاں کر دیا تو نے

ترے حق میں مسیحِ وقت نے جو جو دعائیں کیں

زہے حسنِ عمل سب کو نمایاں کر دیا تو نے

تمنائے امامِ وقت تھی تفسیر انگریزی

زمانے بھر میں رخشاں نورِ فرقاں کر دیا تو نے

صدائے وحدتِ آدم، نوائے خدمتِ انساں

جہاں میں اتحادِ اہلِ ایماں کر دیا تو نے

ترے پروانے [illegible] عہد میں قرآنِ حق، جن کو

شہیدِ جلوۂ تسلیم و رضواں کر دیا تو نے

تری [illegible]

تلاطم خیز بحرِ لطفِ رحماں کر دیا تو نے

از قلم مکرم نصیر احمد فاروقی ——— لاہور

زندۂ جاوید

ہاں دکھا دے اے تصوّر پھر وہ صبح و شام تُو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تُو

حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کی یاد بھلائے نہیں بھول سکتی۔ دوسرے لوگ بھول جاتے ہیں۔ حضرت مولانا کو کس طرح بھلا جائے؟ روز جب میں بیان القرآن یا انگریزی ترجمہ و تفسیر القرآن یا کتاب ریلیجن آف اسلام کو ہاتھ میں لیتا ہوں تو حضرت مولانا کی یاد دل کو گدگدانے لگتی ہے۔ قدم، قدم پر اُن کی کوئی بات یا کوئی یاد دل میں سے گذرتی یا دل میں اٹک کر رہ جاتی ہے۔ بعض وقت تو کئی، کئی منٹ میں اُس یاد میں محو ہو کر کھو یا جاتا ہوں۔

میں نے اپنی پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں بلا مبالغہ لاکھوں انسان دیکھے۔ کچھ کے عیب تو دُور سے ہی نظر آتے تھے۔ مگر قریب سے دیکھ کر یا جان کر تو اکثر سے دِل مایوس ہوا۔ اگر حضرت مولانا کو میں نے بہت قریب سے سال ہا سال نہ دیکھا ہوتا، یا چند اور بزرگوں کو، تو میرا اعتماد نسلِ انسانی پر سے ہمیشہ کے لئے اُٹھ جاتا۔ حضرت مولانا میرے لئے پہلے دن سے IDEAL (نمونہ) بنے اور آخر دم تک رہے۔ حضرت امام الزمان جیسے ہمہ صفت موصوف انسان نے تو حضرت مولانا کی "بعض خوبیاں قابلِ رشک" پائیں۔ میرے جیسے معمولی انسان کے لئے آپ کی تمام خوبیاں قابلِ رشک تھیں۔

مجدّدِ احمدیت:-

حضرت مولانا نے قرآن کریم، حدیث، اسلام، سیرت نبویؐ اور دیگر اہم اسلامی موضوعات پر جو بیش قیمت اور موجودہ زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے والا لٹریچر پیدا کیا ہے وہ کافی تھا کہ اُن کے نام اور خدمات کو تاریخِ دینِ اسلام میں سنہری حروف سے ثبت کر دیتا۔ مگر آپ کا ایک اور تاریخی کارنامہ ہے جو بذاتِ خود آپ کے نام اور خدمتِ اسلام کو ہمیشہ کے لئے روشن کر گیا۔ اور وہ تھا حضرت مجدّدِ اعظم کے صحیح عقائد، صحیح مسلک اور صحیح مشن کو بچا لینا جبکہ نبوت اور تکفیر المسلمین کے غلط عقائد جماعت کے اندر پیدا ہوئے اور اکثر لوگ اُن کی رو میں بہہ گئے۔ اگر حضرت مرزا صاحب مجدّدِ اسلام تھے تو حضرت مولانا مجدّدِ احمدیت تھے۔ احمدیت کی صحیح تعلیم اور صحیح کام کو حضرت مولانا نے بچا لیا۔

ذاتی خوبیاں:-

حضرت مولانا کی دینی خدمات کا سمجھ یا احساس تو مجھے بڑے ہو کر ہوا۔ مگر جو چیز بچپن میں ہی میرے دل کو کھا گئی وہ تھا آپ کا حُسنِ سیرت اور خوبصورت اخلاق۔ آپ کی کن، کن خوبیوں کو گنواؤں۔

دامانِ نگاہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ جمالِ تو ز داماں گلہ دارد

یہ مجھ سے خاص نہ تھا جو کبھی آ جائے یا جس کو دیکھ لیں تو حضرت مولانا کا چہرہ خوشی اور مسکراہٹ سے پھول کی طرح کھل جایا کرتا تھا۔ اور یہ کسی تکلّف یا بناوٹ سے نہ تھا۔ بلکہ یہ اُس جنّت کی وجہ سے تھا جو اُن کے دِل میں اِس دنیا میں ہی پیدا ہو چکی تھی۔ وہ لوگوں کی بُرائیوں کو نہ دیکھا کرتے تھے بلکہ اُس کی خوبیوں کو۔ کسی میں ایک بھی خوبی ہوتی تو اس کا ذکر فرماتے اور اُس کی بُرائیوں کا کبھی ذکر نہ کرتے۔ بلکہ میں نے بارہا دیکھا کہ لوگوں کی بُرائیوں کا بھی اگر کوئی اچھا پہلو نکل سکتا تو آپ اس کا ہی ذکر کرتے تھے۔ اور لوگوں کی بُرائیوں کو سُننا پسند نہیں فرماتے تھے۔ بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے جو کہ انتہائی نفس کُشی کو چاہتا ہے اور اس لئے بہت مشکل کام ہے۔ اس بارہ میں مجھے کئی واقعات معلوم ہیں۔ جو کہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوتے مگر چونکہ ان میں جماعت کے احباب کے نام آ جائیں گے اس لئے میں نہیں لکھتا صرف ایک مثال دیتا ہوں۔ ایک صاحب نے ایک بہت مکروہ فعل کیا اور اس کا جواز وہ قرآن اور حدیث سے نکالنا چاہتے تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا کی طرف رجوع کیا۔ اگرچہ حضرت ممدوح بہت وسیع القلب، روشن خیال، اور نرم دِل انسان تھے مگر جہاں اصول کا سوال اُٹھتا تو وہ قرآن اور حدیث سے بال برابر بھی قدم اِدھر یا اُدھر نہ ہونے دیتے تھے۔ آپ نے صاف فرما دیا کہ آپ نے جو کام کیا ہے اس کا کوئی جواز اسلام میں نہیں ہے۔ تو اس پر اُن صاحب نے پروپیگنڈہ کیا کہ مولانا عالم بے عمل ہیں۔ اِس بارہ میں حضرت مولانا نے میرے نام خط میں لکھا کہ "یہ اُن صاحب کی مہربانی ہے کہ وہ مجھے عالم تو سمجھتے ہیں وگرنہ من آنم کہ من دانم۔"

جماعت سے اُنس:-

احباب جماعت سے اس قدر اُنس اور لگاؤ تھا کہ کیا کسی باپ کو اپنی اولاد سے ہوگا۔ جو دعائیں اور گریہ و زاری انہوں نے اس جماعت کے لئے کیں وہ تو اللہ تعالےٰ کے سوا کون جان سکتا ہے۔ مرض الموت کے دَوران جماعت کے بعض احباب کی طرف سے ان کو سخت دُکھ پہنچا۔ اس پر میں نے ایک اور صاحب سے کہا کہ ہم ایسی ہی حرکتیں کرنے لگیں گے تو اللہ تعالےٰ کو ضرورت محسوس ہوگی کہ اپنے کام کے لئے کسی اور جماعت کو پیدا کرے۔ حضرت مولانا مرحوم پاس بسترِ مرگ پر آنکھیں بند کئے لیٹے تھے اور ہماری باتوں میں حصّہ نہ لے رہے تھے۔ مگر میری بات سُن کر آپ نے نہ صرف آنکھیں کھولیں بلکہ گردن اُٹھا کر فرمانے لگے "مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ اس جماعت کو کبھی ضائع نہ ہونے دے گا۔"

بسترِ مرگ سے جو التجا آپ نے جماعت کے نام لکھی اُس میں سے اقتباس درجِ ذیل ہے۔

"اِس حالت میں کہ مَیں بسترِ مرگ پر ایک مُشتِ استخواں کی طرح پڑا ہوں اور ابھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالےٰ مجھے اور کس قدر مہلت دے گا میں آپ لوگوں سے، **اپنی جماعت کے عزیزوں سے**، یہ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن کو دُنیا میں پہنچانے کے لئے اپنے دلوں میں دیوانگی اور تڑپ پیدا کرو۔ وہ دیوانگی اور تڑپ جو دنیا کو بھی نظر آ جائے ……… **میرے پیارو** یاد رکھو کہ دنیا کی زندگی جس کی کشش نے آپ کو خُدا کے اس نور سے غافل کر رکھا ہے محض ایک خواب ہے۔ یاد رکھو یہ خُدا کا وعدہ ہے جو پُورا ہو کر رہے گا میں نے چالیس دن بڑی شدّت کے گذارے ہیں۔ جو عمر بھر نہیں گذارے۔ جس دن چالیس روز ختم ہوئے تو تمام تکلیفیں خود بخود ہٹ گئیں۔ مگر اس تمام عرصہ میں مَیں یہ دُعا کرتا رہا ہوں کہ اے خُدا اگر تیرے علم میں میرا وقت آ چکا ہے تو میری جماعت کے اندر ایک زبردست قوت پیدا کر دے اور اپنے دین کے لئے کوئی جنون پیدا کر دے تاکہ میرے بعد تیرے اس کام کو نقصان نہ پہنچے۔"

اور جیسا کہ میں پہلے کئی بار عرض کر چکا ہوں جس وقت حضرت مولانا پر ایک ایسا وقت آیا کہ بالکل موت ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی تو حضرت مرحوم کو

کام کے آدمی :-

ہماری جماعت کے مشہور ملہم سید اسد اللہ شاہ صاحب (مرحوم) کو ایک الہام ہوا۔ جو سارا یہاں درج نہیں کرتا۔ اس میں منجملہ اور باتوں کے حضرت مولانا کو "چار لاکھ" دیئے جانے کا ذکر تھا۔ وہ چار لاکھ لیا ہوں گے ؟ میں نے اپنے خط میں حضرت مولانا کو لکھا کہ آپ کی جو سکیم ہے کہ قرآن کریم، حدیث، سیرت اور دیگر اسلامی موضوع پر لٹریچر کے کتابوں کے سیٹ دنیا کی لائبریریوں میں رکھوائے جائیں تو یہ اُس کے لئے چار لاکھ روپے جمع ہونے کی پیشگوئی ہے۔ جواب میں حضرت مولانا نے مجھے لکھا کہ "میری تو دعا ہے کہ خدمتِ دین کے لئے ہمیں چار لاکھ آدمی ملیں۔ روپیہ تو مل سکتا ہے۔ کام کے آدمی نہیں ملتے ۔" اسی تڑپ کو پورا کرنے کے لئے جب آپ قوم کو بار، بار تحریک کرتے تھے کہ قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کے کام کو نہ پس پشت ڈالو۔ تو ایک بار آپ نے قوم میں قرآن کے مطالعہ اور اُس پر غور و فکر پہ زور دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا :- "دوسرا کام قرآن کریم کو پہنچانا ہے جس میں تم میں سے ہر ایک چھوٹا ہو یا بڑا ہو شامل ہو سکتا ہے۔ کام جو چاہو کرو مگر زندگی کی غرض یہی ٹھہراؤ ۔" اسی بات کو حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے :- ؎

اے بے خبر بخدمتِ قرآں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

میں ساری عمر اپنے والدین کے زیرِ سایۂ عاطفت رہا۔ اس لئے جب میں اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے آئی۔ سی۔ ایس (ی۔ ی۔ ا) کے امتحان میں کامیاب ہوا اور میری پوسٹنگ (تعیناتی) بمبئی پریذیڈنسی میں ہوئی تو میں نے وطن سے قریباً ہزار میل دور ساری عمر گذرنے کو بہت محسوس کیا۔ میں نے حضرت مولانا کو خط میں لکھا کہ میرے لئے تو یہ کالے پانی کی جلا وطنی کے برابر ہے۔ تو حضرت ممدوح نے جواب میں لکھا "جسمانی قُرب یا فاصلہ کوئی بات نہیں۔ اگر دل ایک کام میں ہوں تو جسمانی بُعد کوئی چیز نہیں ۔" میں نے اس وقت تو اس جواہر ریزے کی قدر نہ جانی۔ مگر میں نے بعد میں ساری عمر کے تجربہ سے پایا کہ واقعی اگر دل ایک دھن میں ہوں تو جسمانی دوری کوئی چیز نہیں ہوتی۔ مگر اگر دلوں میں پھوٹ ہو تو چاہے جسم سے جسم جڑا ہو وہ قرب بُعد المشرقین کا حکم رکھتا ہے۔ حضرت امیر مرحوم یہ چاہتے تھے کہ ساری قوم کے دل ایک کام میں ہوں یعنی قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کے۔

قرآن کا مطالعہ :-

میں نے اُوپر ذکر کیا کہ حضرت مولانا جماعت کے مرد و زن بلکہ بچوں تک کو قرآن مجید روزانہ باقاعدہ سمجھ کر پڑھنے پر زور دیتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ اپنی مصروفیات میں سے قرآن کریم کو روز پڑھنے کے لئے وقت نکالو۔ وقت نہ ملنا بہانہ اور عذر ہے۔ انسان جس کام کو واقعی کرنا چاہے اُس کے لئے وقت ضرور نکالتا ہے۔ فرمایا کہ روزانہ ایک رکوع با ترجمہ پڑھو اور سارا دن اس کے موضوع پر جو تھوڑی بہت فرصت ملتی ہے اس میں غور کرتے رہا کرو۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی وجہ سے ایک رکوع نہ پڑھ سکو تو ایک آیت ہی پڑھ لو مگر پڑھو ضرور۔ بلکہ ایک دفعہ فرمایا کہ اگر بہت ہی جلدی میں ہو تو بھی قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر کم

اپنی بیوی کو بھی خود قرآن پاک پڑھاتے تھے۔ میں بمبئی میں کلکٹر لگا ہوا تھا۔ حضرت مولانا کا بڑا صاحبزادہ محمد احمد۔ بی۔ بی۔ اینڈ سی۔ آئی ریلوے میں ملازمت پر لگ کر میرے ہاں کچھ عرصہ رہا۔ تو مولانا نے مجھے لکھا :- "آپ محمد احمد کو قرآن کریم پڑھا کر مجھے مشکور کریں۔" میں نے جواب میں عرض کیا کہ میں تو خود قرآن مجید کو سیکھ رہا ہوں میں کہاں پڑھانے کے قابل ہوں ؟ تو حضرت مولانا کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ فرمایا "اگر آپ قرآن کو سیکھنا چاہتے ہیں تو دُوسروں کو پڑھانا شروع کریں ۔" مجھے یہ بظاہر تضاد اُس وقت تو سمجھ نہ آیا۔ بہت بعد میں جا کر سمجھ آیا کہ قرآن کریم میں وعدہ ہے کہ ثم انا علینا بیانہ یعنے اس قرآن کو بیان کرنا بھی ہمارا کام ہے۔ مطلب یہ کہ جو قرآن کا درس دوسروں کو دے گا اس کو قرآن سمجھانا ہمارا کام ہوگا۔ اللہ، اللہ کس شان کی یہ کتاب ہے !

نِکر میں نماز :-

اسی طرح اور کئی باتیں تھیں جو جب حضرت امیر مرحوم نے کہیں تو سمجھ نہ آئیں مگر بعد میں صحیح ثابت ہوئیں۔

مجھے ڈلہوزی پہاڑ پر کئی سال موسم گرما کی لمبی تعطیلات حضرت مولانا کے دولت خانہ پر گذارنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک دفعہ مغرب کی نماز کا وقت تھا۔ سیر سے واپسی پر حضرت مولانا کے ساتھ شیخ نورالٰہی صاحب ڈپٹی کمشنر لائل پور (حال فیصل آباد) بھی آ گئے۔ مغرب کی اذان مولانا کے گھر پر ہوئی۔ تو شیخ صاحب نے معذرت کی "مولانا میں نکر میں ہوں اس لئے نماز پڑھنے سے قاصر ہوں ۔" مولانا نے فرمایا "کوئی حرج نہیں۔ آپ نکر میں ہی نماز پڑھ لیں ۔" شیخ صاحب کے دل میں سخت تامل تھا۔ میری طرح شیخ صاحب نے بھی سنا ہوا تھا کہ گھٹنہ سے اوپر کپڑا ہو (یعنے گھٹنے سے اُوپر تک ٹانگ ننگی ہو) تو اس میں نماز جائز نہیں۔ مگر حضرت مولانا نے دوبارہ فرمایا "میں جو کہتا ہوں کہ کوئی حرج نہیں۔ آپ نماز پڑھ لیں ۔" چنانچہ شیخ صاحب جماعت میں شامل ہو گئے۔ مجھے اُن کا تو معلوم نہیں مگر میرے دل میں سخت تامل رہا کہ کیا یہ ارشاد صحیح تھا۔

اِس واقعہ کے کوئی ۳۰ یا ۴۰ سال بعد میں نے صحیح بخاری میں ایک حدیث دیکھی کہ مدینہ کی ہجرت کے مابعد مہاجرین میں اس قدر مالی تنگی تھی کہ پورا کپڑا پہن نہیں سکتے تھے۔ حدیث ایک مسلمان خاتون کی ہے کہ ہم عورتیں مسجد نبوی میں مردوں کے پیچھے صفت باندھ کر نماز ادا کیا کرتی تھیں تو سجدہ سے اٹھنے میں ہم ذرہ تاخیر کیا کرتی تھیں تاکہ مرد سجدہ سے پہلے اُٹھ جایا کریں۔ وجہ یہ تھی کہ غربت اور مالی تنگی کی وجہ سے مہاجرین کا تہہ بند اتنا چھوٹا ہوتا تھا کہ گھٹنے سے اُوپر ہوا کرتا تھا۔ اس لئے ہم سجدہ سے اُٹھنے میں احتیاط کیا کرتی تھیں کہ اُن کا ننگا پن نہ نظر پڑ جائے۔ اللہ۔ اللہ کیا متقی خواتین تھیں !

بہر حال ۳۰، ۴۰ سال بعد میرے دل کا وسوسہ دور ہو گیا کہ حضرت مولانا کا فتویٰ کہ نکر میں نماز جائز ہے صحیح تھا۔

اسی طرح ماہِ رمضان میں حضرت مولانا تہجد کی نماز میں ہر رات ایک سپارہ سے کچھ زیادہ پڑھ کر سارا قرآن ورتل القرآن ترتیلا کے مطابق ماہِ رمضان میں ختم کیا کرتے تھے۔ آپ کو قرآن کا بیشتر حصہ زبانی یاد تھا۔ جو حصہ یاد نہ

کر آپ پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور قرأت کے بعد ہٹ کر رکوع میں چلے جاتے تھے۔ اس کا جواز کبھی میری سمجھ میں نہیں آیا یہاں تک کہ ایک حدیث شریف میری نظر پڑی۔ کہ آخیر عمر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علالت کے باعث مسجد نبوی کی جماعت میں شریک نہ ہو سکتی تھیں۔ تو آپ اپنے غلام کو امام بنا کر اس کے پیچھے دیگر اہل خانہ کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرتی تھیں۔ غلام کو قرآن زبانی یاد نہ تھا تو انہوں نے اس کو اجازت دی تھی کہ قرآن سامنے رکھ کر پڑھ لیا کرے۔

پاکستان زندہ باد :-

۱۹۴۶ء میں میں کراچی میں تھا۔ انہی دنوں انگلستان سے حکومت برطانیہ کا کیبنٹ مشن برصغیر کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے آیا اور رات کراچی میں بسر کر کے اگلی صبح نئی دہلی کے لئے روانہ ہو گیا۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ حکومت برطانیہ کا فیصلہ ہے کہ برصغیر کی کسی صورت میں تقسیم کی اجازت نہ ہو گی۔ اور پاکستان بننے کا کوئی امکان نہیں۔ حضرت امیر مرحوم اُن دنوں ڈلہوزی میں تھے۔ میں نے انہیں خط لکھا اور حالات سے آگاہ کرتے ہوئے درخواست کی کہ آپ خاص توجہ سے دعا فرمائیں کہ مسلمانانِ برصغیر کا مستقبل ہندو اکثریت کے ماتحت نہایت تاریک تھا۔ حضرت مرحوم کا جواب آیا کہ میں تو ہمیشہ سے اس معاملہ میں دعا میں لگا ہوا تھا مگر آپ کا خط آنے پر میں نے کئی رات خاص درد و الحاح سے دعا کی تو مجھے آواز آئی " پاکستان زندہ باد "

میں خوش ہو کر حالات کا انتظار کرنے لگا۔ مگر بیچ میں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ مایوسی پیدا ہو گئی۔ اور جب مسلم لیگ کے تین چار وزراء اس مرکزی حکومت میں شامل ہو گئے جو کہ پنڈت نہرو کے ماتحت بنی تو بالکل مایوسی ہو گئی کہ اب پاکستان کہاں بنے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نے ایسا کیا کہ وہ سانجھے کی ہنڈیا چل نہ سکی اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان بن گیا اور ہر مرد و زن اور بچوں کی زبان پر وہ نعرہ تھا جو اس مردِ خدا نے کچھ عرصہ قبل آسمان سے سنا تھا۔ "پاکستان زندہ باد"

حضرت مرحوم کی عادت نہ تھی کہ اپنے رؤیاء صادقہ یا الہامات کا ذکر خود بخود کیا کریں۔ جس طرح میری درخواست دعا کے جواب میں انہوں نے اپنا وہ الہام لکھا جو اوپر درج ہے۔ اسی طرح اتفاقیہ طور پر کوئی رویاء یا الہام کا ذکر آ جائے تو اور بات تھی۔ میں رخصت پر لاہور آیا ہوا تھا۔ اور اپنے والد مرحوم کے پاس مسلم ٹاؤن میں ٹھہرا ہوا تھا کہ ایک صبح اچانک حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ خبر سنتے ہی میرے والد مرحوم افسوس کے لئے حضرت امیر کے ہاں گئے۔ تو واپسی پر انہوں نے سنایا کہ حضرت مولانا نے میرے والد سے ذکر کیا کہ اس رات نماز تہجد کے دوران انہیں آواز آئی "کندھوں پر اٹھا کر خدا کی طرف لے چلو" اُن دنوں حضرت مولانا کے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب بہت بیمار تھے تو حضرت مولانا نے سمجھا کہ یہ اُن کی وفات کی طرف اشارہ ہے۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی اچانک وفات اُسی صبح ہوئی تو پتہ لگا کہ دراصل اشارہ ان کی طرف تھا۔

زِندۂ جاوید :-

حضرت امیر مرحوم کی ذاتی خوبیاں اور نیکیاں اُن کو ہمیشہ ان لوگوں کے دلوں میں زندہ رکھیں گی جنہیں اُن کو دیکھنے اور ملنے کا یا میری طرح اُن کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ اِس بات کو ایک شاعر نے یوں باندھا ہے۔ ؎

تمہیں کہتا ہے مُردہ کون تم زندوں کے زندہ ہو
تمہاری خوبیاں زندہ تمہاری نیکیاں باقی

مگر وہ جو چیز حضرت مولانا مرحوم کو اپنوں اور غیروں میں زندۂ جاوید بنا گئی وہ اُن کا وہ بیش بہا لٹریچر ہے جو انہوں نے اُردو اور انگریزی میں قرآن کریم، حدیث، فقہ، مذہب اسلام، سیرت نبویؐ اور دیگر اہم مذہبی موضوعات پر لکھ کر چھوڑا ہے۔ ہماری جماعت جو اپنی ہستی کے لئے حضرت مولانا مرحوم کی مرہونِ منت ہے وہ اُن کے اس زندۂ جاوید اور لاجواب لٹریچر کی اب وارث ہے۔ میں آجکل جب کسی کتابوں کی دُکان پر جاتا ہوں اور معمولی اور لغو کتابوں کی قیمت سو روپے سے لے کر دو سو، تین سو تک دیکھتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ جو علم و حکمت اور معرفت کے سمندر اُن کوزوں میں بھرے ہیں جو حضرت مولانا نے ۵۰ سال کی دن رات (یہ بطور محاورہ نہیں بلکہ میں نے انہیں راتوں کو معمولی تیل کی لالٹین ایک ہاتھ میں لئے اور دوسرے ہاتھ سے ضخیم عربی لغتوں، تفسیروں، انسائیکلو پیڈیاز اور دوسری ضخیم کتابوں کے ورق اُلٹتے دیکھا ہے۔) کی محنت شاقہ سے اپنی بیش بہا کتابوں، مضامین اور خطبات کی شکل میں چھوڑے ہیں۔ انہیں ہم سستا کوڑیوں کے دام دیتے ہیں مگر کوئی لینے والا نہیں۔ میں غیروں سے شکایت نہیں کر سکتا جب کہ ہم خود نہ خرید سکنے کا عذر کر کے اپنے گھروں، بیوی، بچوں تک کے لئے نہیں رکھتے۔ یا رکھتے ہیں تو کھول کر پڑھ نہیں سکتے۔ کیا قیامت کے دن حضرت مرحوم ہم سے یہ گلہ تو نہیں کریں گے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد۔

وہ یہ گلہ کریں یا نہ کریں مگر قرآن کریم کو دُنیا میں پھیلانے کے بارہ میں ہماری کوتاہیوں کا ہمارے محسن اعظم ضرور گلہ کریں گے خواہ وہ حضرت امیر مرحوم ہوں یا حضرت امام الزماں۔ اور ہم مٰلک یوم الدّین کو کیا جواب دیں گے ؟ ٭

اخبار "سچ"

"مولانا محمد علی صاحب نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو مہتم بالشان خدمت سرانجام دی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا سُورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اِس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمتوں اور دہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔ کامریڈ والے مولانا محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے۔ اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔"

(اخبار سچ ۲۵ رجون ۱۹۴۲ء)
(مولانا عبدالماجد دریا آبادی)

خوب یاد رکھیں اگر آپ قرآن کی عزت دلوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ذریعہ ایک ہی ہے کہ اس کی تعلیم کو لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اگر آپ ایسا کریں تو کیا بعید ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دُہرائے ٭

(حضرت امیر مرحوم)

حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ کی نواسی عزیزہ سمیعہ سلمہا کے قلم سے

حضرت امیر مرحوم کی کمسن نواسی عزیزہ سمیعہ کا یہ مضمون ۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء کے پیغام صلح میں شائع ہوا تھا۔ سلسلہ احمدیہ کی نئی نسل اور کم عمر بچوں کو ان کے شاندار ماضی کی ایک جھلک دکھلانے کے لئے اسے دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ اس برگزیدہ اور باعظمت علمی خاندان کی نورِ نظر کے تاثرات ہیں جسکو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں خدمتِ اسلام و قرآن کے لئے چن لیا اور اس خاندان کے سربراہ حضرت امیر مرحوم نے اس صدی میں اسلام کی عظمت کو دنیا میں دوبارہ قائم کر دیا۔ تاریخ اس رجلِ عظیم کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی ــــــ (ادارہ)

میرے ابا جی ۔۔۔۔۔ وہ پُر شفقت اور پُر نور ہستی جن کا وجود ہمارے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھا محرم کی دسویں کو ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے میرے پیارے نانا جی جنہیں ہم سب ابّا جی کہہ کر پکارتے تھے۔ جنہیں کچھ مدت نظروں سے دور رکھنا ہمیں شاق گزرتا تھا۔ اب ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب ہم نے محرم کا چاند ابا جی کے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر دیکھا تو ہمیں اسوقت یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ محرم کی دسویں کو ۔۔۔۔۔ جس طرح تیرہ سو سال پہلے چند عظیم الشان ہستیوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا اسی طرح ۔۔۔ ہماری دولت لوٹ کر چل دے گا۔ اور اسلامی دنیا کو اپنے ایک ایسے مجاہد سے محروم کر جائے گا جو اسلام کے لئے زندہ رہا اور اسلام کے لئے ہی جس نے اپنی جان دے دی۔

یہ میرے لئے باعث خوش قسمتی ہے کہ مجھے ابا جی کے پاس ان کے سب نواسے نواسیوں سے زیادہ رہنے کا موقعہ ملا۔ جب اسوقت کا خیال آتا ہے تو اپنی زندگی پر رشک آنے لگتا ہے۔ جو ان کے زیر سایہ گزری تھی تصور میں میرے سامنے ان کا چہرہ آ جاتا ہے۔ نورانی پیشانی ۔۔۔۔۔ مسکراتے ہوئے لب ۔۔۔۔۔ جنہیں آج تک کسی پر ناراض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے ایک دفعہ کے جب وہ مجھ پر ناراض ہوئے تھے کیونکہ میں نے نوکر کی پگڑی پھاڑ دی تھی اور وہ ان کے پاس شکایت لے کر گیا تھا۔ ان دنوں میں بہت چھوٹی سی تھی۔ مگر وہ ناراض ہو گئے۔ جب میں ایک طرف رونا سا منہ بنا کر کھڑی ہو گئی تو انہوں نے پاس بلا کر پیار کر لیا۔

میری نگاہوں کے سامنے جو واقعات چکر لگا رہے ہیں ان میں سب سے زیادہ نمایاں ابّا جی کے کام کرتے ہوئے ہیں۔ اُف کس قدر کام کرتے تھے وہ ۔۔۔۔۔ صبح صبح اپنے دفتر میں چلے جاتے اور باقاعدہ دوپہر تک لگاتار کام کرتے رہتے۔ دوپہر کو ایک آدھ گھنٹہ آرام کرنے کے بعد پھر کام میں مشغول ہو جاتے اور رات گئے تک اکثر کام کرتے رہتے۔ بعض دفعہ تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ ضرور ابّا جی کے ہاتھوں میں کوئی مشین لگی ہوئی ہے۔ جو اتنا لکھ لیتے ہیں۔ ان دنوں ہم کیا جانیں کہ وہ کیا لکھتے ہیں۔ اور جب وہ لکھ رہے ہوتے اور ہم ان کے پاس جاتے ۔۔۔۔ ابّا جی جب بھی دیکھتے تو مسکرا پڑتے اور بڑی محبت سے پوچھتے "کیا کام ہے۔"

وہ تہجّد کے ہمیشہ پابند رہے۔ ہر روز رات کے دو بجے سے اُٹھ کر تہجّد پڑھتے ۔۔۔۔۔ اور پھر صبح کی نماز پڑھ کر سیر کرنے چلے جاتے۔ جتنی دیر میں ہم ناشتہ کرنے آتے وہ بھی اپنے کاموں سے فارغ ہو کر پہلے ہی پہنچ جاتے۔ ہمیں دیکھ کر اخبار ایک طرف رکھ دیتے اور مسکرا کر ہر ایک سے باتیں کرتے اکثر ہمارے سلام کرنے سے پہلے ہی خود سلام کر دیتے۔ پھل کاٹ کر دیتے ۔۔۔ خبریں سناتے۔ ان کے چہرے پر ایک شگفتگی ہوتی اور ان کی باتوں میں دلکشی ۔۔۔۔۔ ہر ایک ان سے بہت محبت کرتا اور یہی محسوس کرتا کہ وہ بھی اسے ہی سب سے زیادہ چاہتے ہیں ہم لوگوں کی سب سے بڑی خواہش ہوتی کہ ان کے پاس بیٹھیں اور اکثر اسی بات پر بچّوں میں لڑائی بھی ہو جاتی۔ ۔۔۔ اب جب میں ان کے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ ان جیسے انسان دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ ایسے انسان جو زندگی کے ہر زاویے کے روشن پہلو پر نظر رکھیں۔ وہ اس قدر خوش مزاج تھے ۔۔۔۔ مگر اتنے ہی سنجیدہ بھی۔

اور ابا جی نماز کے کس قدر پابند تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شام کو وہ دن بھر کام کر کے تھکے ماندے ذرا ہمارے پاس آ کر بیٹھتے تو اذان کی آواز آ جاتی اور وہ نماز پڑھنے چلے جاتے۔ ڈلہوزی میں تو گھر کا ایک حصہ ہی ان کاموں کے لئے وقف تھا۔ مگر لاہور میں گھر کے ساتھ جو چھوٹی سی مسجد تھی اسی میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھتے۔ ان کے نماز پڑھانے کا انداز کس قدر دلکش تھا۔ جب بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے جی چاہتا کہ تمام عمر یونہی خدا کے حضور میں سر جھکائے کھڑے رہیں اور کلام پاک کی یہ مترنم آواز ہمیشہ گونجتی رہے۔

ابا جی ہم سے کس قدر محبت کرتے تھے ہمارے پاس ذرا سی دیر کے لئے آ کر بیٹھتے تو ہمیں یہ محسوس ہوتا جیسے جنت زمین پر اتر آئی ہو ۔۔۔۔۔ ان کا ستھرا ہوا چہرہ بھی اس وقت چمک اٹھتا ۔۔۔۔ اور سب کی پریشانیاں دور ہو جاتیں۔ وہ ہر ایک سے بات کرتے ہونٹوں پر تمام وقت ایک مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ۔۔۔۔۔ وہ مسکراہٹ جو ہمارے لئے اندھیرے میں ایک کرن سے کم نہ تھی ۔۔۔ ان کی ایک مسکراہٹ سے ہماری تمام دنیا مسکرا اٹھتی۔

انہیں اپنے دوستوں سے کس قدر محبت تھی۔ ابھی ایک دو سال کی بات ہے کہ جماعت کے ایک بزرگ فوت ہو گئے۔ اُن دنوں ہم ان کے پاس لاہور ہی تھے۔ اگرچہ وہ اپنی حالت کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے مگر ان کے چہرے سے صاف معلوم ہو جاتا۔ ابّا جی کا چہرہ بالکل اتر جاتا۔ ۔۔۔۔۔ اور ان کی آنکھوں سے چمک بالکل غائب ہو جاتی۔ وہ ہمیشہ سب کا ذکر دوست ہو یا دشمن۔ بڑے ادب سے کرتے میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں۔ کہ میں نے ان کے منہ سے کسی کی برائی نہیں سنی۔ اگر انہیں کوئی تکلیف بھی دے تو خاموش ہو جاتے۔ ان میں صبر کی طاقت اتنی تھی کہ میں کہتی ہوں کہ اگر ہم میں اس کا ایک چوتھائی حصہ بھی پیدا ہو جائے تو بڑی بات ہے۔

ایک دفعہ مجدد اعظم کے اس حصے کو پڑھ کر جہاں حضرت مجدد صد چہاردہم نے ابا جی کو سخت بیمار کی حالت میں ہاتھ لگایا تو ابّا جی کا بخار فوراً رفع ہو گیا۔ میں نے ایک روز بڑے اشتیاق سے پوچھا "ابا جی کیا یہ سچ ہے؟" ابا جی ہنس پڑے "اگر تم اپنے نانا جی کی بات پر یقین نہیں کرتیں تو میری بات کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے"

انہیں اپنی جماعت سے کس قدر محبت تھی۔ جب بھی ذکر کرتے تو چہرے اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک آ جاتی اور جب کوئی اور ذکر کرتا تو اس انہماک سے سنتے گویا کوئی باپ اپنی اولاد کے بارے میں کوئی مشورہ سنتا ہو۔ پچھلے سال یعنی ۵۰ء میں گرمیاں کراچی نصیر ماموں جان (فاروقی صاحب) کے پاس آئے ۔۔۔ اور اس سال خوش قسمتی سے ہم بھی یہاں آ گئے اور یہاں بھی وہی خوشی محسوس ہونے لگی جو ہمیشہ ان کے قریب رہنے سے ہوتی تھی ہر شام ہم ان سے ملنے جاتے اور چھٹیوں کے دن تو صبح صبح ہی پہنچ جاتے وہ تو تمام دن کام کرتے رہتے مگر ہمارے لئے یہی بات بڑی خوشی کی ہوتی کہ ہم ان کے قریب تو ہیں۔ واقعی کئی بار تو میں سوچتی ہوں کہ آخر کس انسان کو اپنی اولاد سے اتنی محبت ملتی ہے جتنی ابا جی کو حاصل ہوئی ہے۔ خاندان کا ایک ایک بچہ انہیں چاہتا تھا اور ایک ایک بزرگ ان کی عزت کرتا۔

ایک روز سکول سے آتے ہی مجھے پتہ

لگا کہ ابّا جی بیمار ہو گئے ہیں۔ ہمارے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی۔ تمام وقت اپنے پروردگار کے سامنے التجائیں کرتے گزرتا۔۔۔۔ آخر خدا نے ہم گنہگاروں کی سن لی۔ ۔۔۔موت اور زندگی کے درمیان کئی دن کی کشمکش کے بعد آخر کار زندگی کی جیت ہوئی اور آہستہ آہستہ وہ صحت کی طرف آنے لگے۔ جب اُن کی حالت بہتر ہو گئی تو ہمیں بھی اُن کے کمرے میں جانے کی اجازت مل گئی خود پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ بلاناغہ روز نصیر ماموں جان اور محمد احمد ماموں جان سے سنا کرتے تھے۔ نماز بھی باقاعدہ پڑھتے رہے۔ اس وقت بھی جب زیادہ تکلیف ہوتی نماز نہ چھوڑتے۔ ڈاکٹر روزانہ رات نیند کے لئے ٹیکہ لگا کر جاتا مگر ان کی حسب معمول رات دو بجے آنکھ کھل جاتی اور تہجد پڑھنے لگتے۔ ڈاکٹر صاحب بھی عاجز آ گئے تھے۔ "یہ تو عمر بھر کی عادت ہے۔ اب کیسے چھوٹے گی:" وہ بڑی بے چارگی سے کہتے۔

جب اُن کی طبیعت ذرا اور سنبھلی تو پھر کام میں مشغول ہو گئے بستر پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں سامنے کاغذات رکھے ہیں۔ پاس مولوی عبدالوہاب صاحب بیٹھے لکھتے جا رہے ہیں۔ جہاں ڈاکٹر کے آنے کا وقت ہوا فوراً لیٹ گئے۔ اور اس کے جانے کے بعد وہی کام کام۔ لاکھ سب منع کرتے مگر وہ نہ مانتے۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی معلوم ہو گیا منع کیا مگر اپنی بات کا کوئی اثر نہ دیکھتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ انہی دنوں میں عید آئی۔ ابّا جی نے ڈاکٹر صاحب سے بہت کہہ سن کر اس بات کی اجازت لے لی تھی کہ ان کے قریب سے سب لوگ گزریں۔ اور وہ اپنی جماعت کے لوگوں کو دیکھیں۔ جب نماز کے بعد سب لوگ ان کے قریب سے گزرے تو ابّا جی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کپکپاتی ہوئی آواز سے لوگوں کے سلام کا جواب دے رہے تھے اور بعض لوگ بھی اشک بار تھے مگر آخر ایک دن خدا نے ہماری عید بھی بھیج دی۔ اس نے ہمارے ابّا جی کو پھر سے زندگی عطا فرمائی اور کچھ مدت کے لئے ہمیں ان کے قریب رہنے کا موقعہ دیا:

جب ابّا جی کی حالت سفر کے قابل ہو گئی تو وہ لاہور چلے گئے وہاں جا کر وہ پھر بیمار ہو گئے مگر خدا نے اس بار بھی ہماری دعائیں سن لیں اور انہیں شفا عطا فرمائی۔ ۱۹۵۱ء کی شروع جون کی ایک صبح کو ہم سب "بردین" (فاروقی صاحب کی کوٹھی) میں جمع تھے سب کی نگاہیں راستے پر تھیں۔ خوشی سے ہم بے حال ہو رہے تھے۔ اور اشتیاق سے اس کار کا انتظار کر رہے تھے جس نے ہمارے ابّا جی کو سٹیشن سے لانا تھا۔ کار آ کر رکی۔۔۔۔ ہم سب لپک کر باہر پہنچے۔ امّاں جی اور ابّا جی کار سے اُترے۔ ہم نے مسکراتے ہوئے استقبال کیا۔ ان کو ساتھ لے کر اندر آئے۔ خوشی سے ہمارے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔۔۔۔ ابّا جی کیا آ گئے ہمارے لئے دنیا آ گئی۔۔۔۔ مگر کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ یہ خوشی ہی ہمیں چند دن کے اندر کتنا بڑا غم دکھانے والی ہے۔ ابّا جی کی صحت کراچی آ کر اور بھی ترقی کر گئی۔ اب وہ ہر روز شام کو ہمارے ساتھ باغ میں بیٹھ کر باتیں کرتے۔ صبح صبح باغ میں چہل قدمی کرتے۔ مگر اس عرصے میں باقاعدہ کام کرتے رہے۔ "خدا نے شام کے حرف کو سمیٹ لیا کہ ترجمہ مکمل کرنے کی مہلت مانگی تھی۔ اور وہ بھی اب ختم ہو گیا ہے۔" جب بھی وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہمارا کلیجہ منہ کو آ جاتا۔ "آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ خدا کے فضل سے آخر پچھلی بیماریوں سے صحت یاب ہو گئے تھے۔ اب بھی۔۔۔" مگر وہ صرف مسکرا کر رہ جاتے۔۔۔ وہ ایک بہت بڑے راز سے واقف ہو چکے تھے۔ مگر ہم اس عزیز ہستی کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مگر انہیں اس بات کا یقین تھا کہ وہ اب اپنے مولا کے پاس جا رہے ہیں۔ اسی مولا کے پاس جس کے لئے انہوں نے دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا۔

انہی دنوں امّی کے پاؤں میں موچ آ گئی اور وہ ایک دو دن ان سے ملنے نہ جا سکیں۔ اگلی صبح کو جو دیکھتے ہیں تو ابّا جی خود چلے آ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔ مگر ان کی تکلیف کا بھی احساس تھا۔ امی نے کہا۔ ابّا جی آپ نے کیوں تکلیف کی۔ آپ کی اپنی طبیعت درست نہیں۔" وہ ہنس پڑے بات کاٹ کر بولے۔ "اب تم بیمار ہو میرا فرض تھا دیکھنے آتا:۔۔۔ پھر وہ زیادہ بیمار ہو گئے ۔۔۔۔ بیماری بڑھتی گئی اور ہمارے لئے دنیا کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ ہم دنیا کو بھول چکے تھے۔ ہماری دنیا جس انسان کے دم سے قائم تھی۔ جب وہ ہی ہم سے جدا ہونے والا ہو۔ تو باقی چیزوں کی کیا حقیقت! دن رات ایک ہی دعا دل سے نکلتی: "اللہ ابّا جی کو صحت دے دے۔ یا اللہ۔" ہم دعائیں کرتے رہے۔ فریاد کرتے رہے مگر خدا نے ہماری بات کئی بار مانی تھی۔ اب وہ اپنے پیارے بندے کو اپنے پاس بلوا لینا چاہتا تھا۔ یہاں اس کے لائق اس کی قدر نہ ہوئی تھی۔ اب وہ اس کی کمی اپنے یہاں پوری کرنا چاہتا تھا۔

۱۳ر اکتوبر کا دن تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے تھے کہ اچانک آنکھیں کھول دیں اور چونک کر سامنے دیکھنے لگے۔ اور پھر مسکرا دیئے۔ وہی مسکراہٹ جسے ہم دیکھنے کے لئے ترس گئے تھے۔ آج پھر اُن کے لبوں پر کھیلنے لگی۔ پھر انہوں نے ہاتھ سے یوں کیا جیسے کوئی قلم وغیرہ پکڑتا ہو۔ اور کچھ لکھا۔ لکھ کر کچھ دیر تک نہ جانے خلا میں کیا دیکھتے رہے۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔ امّاں جی اُن کے سرہانے کھڑی تھیں انہوں نے پوچھا تو کہنے لگے: "ایک کاغذ آیا تھا اسی پر دستخط کر رہا تھا۔" پھر قرآن کریم کی آیات اور استغفار پڑھتے رہے ساڑھے گیارہ بجے اچانک سو گئے۔ جس طرح ہمیشہ سوتے تھے۔ ہم کس طرح یقین کرتے کہ ہمارے ابّا جی ہم سے روٹھ کر جا چکے ہیں۔ وہ گھڑی جس کا اتنی مدت سے دھڑکا تھا آج آ گئی۔ ہماری دنیا اندھیر ہو گئی۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ [illegible]۔۔۔ جو کہ خدا کے پاس پہنچ چکے تھے [illegible] پاس جوان کا اس پاک فضا میں انتظار کر رہے تھے۔

اسی شام کو جب محرم کی دسویں کا سورج غروب ہو رہا تھا ۔۔۔۔ ہمارے ابّا جی بھی لاہور چلے گئے۔ کار اسی جگہ سے چلی جہاں چار مہینے پہلے آ کر رکی تھی۔ مگر تب ہم نے ابّا جی کا ہنستے مسکراتے استقبال کیا تھا اور آج ـــــ آج انہیں آنسوؤں اور آہوں کے درمیان خدا حافظ کہا۔ تب امّاں جی اور ابّا جی ایک ہی کار میں اکٹھے آئے تھے۔ مگر آج الگ الگ جا رہے تھے۔ آج کئی بدنصیبوں کا سرپرست جا چکا تھا۔ ہم رو رہے تھے۔ اپنے ابّا جی کے لئے۔ مگر وہ تو بہت خوش تھے۔ انہوں نے اپنے غم، فکر اور دکھوں سے نجات پائی تھی ـ پھر ہم کیوں رو رہے تھے؟ ہم اپنے لئے رو رہے تھے جن کا سب سے قیمتی ہیرا چھن گیا۔ جن سے ان کی عزیز ترین شے چھن گئی۔ مگر ہمیں خدا سے گلہ نہیں ۔۔۔۔ اسی نے دیا تھا اسی نے لے لیا۔ آپ کا جسم جدا ہو گیا تو کیا روح تو اب بھی ہماری رہبری کرے گی۔ اب خدا سے ہی درخواست ہے کہ ہمیں اسی راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ جس کا نمونہ ہمیں اس کا پیارا بندہ دکھا گیا ہے۔

آمین ٭ ٭ ٭ ٭

غلبۂ دین کی تڑپ

"یہی ایک چیز ہے جس سے تم غلبہ پیدا کر سکتے ہو۔۔۔ اٹھو اور روؤ اور خدا سے مدد مانگو کہ وہ جلد دین کے غلبہ اور کامیابی کے دن لائے جس دن جماعت کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر خدا کے آگے گریں اور یہ دعا کریں کہ اے خدا تو نے اس قرآن کو دنیا کی ربوبیت اور اسکی اصلاح اور امن قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اے خدا یہ دنیا گمراہ ہو رہی ہے اور امن سے دور جا رہی ہے۔ اے خدا تیرا وعدہ تھا کہ تو دین اسلام کو دنیا میں غالب کرے گا تو وہ وقت لا۔ اور اس قرآن کے ذریعے سے دنیا میں امن قائم کر۔ جس دن جماعت یہ دعا راتوں کو اٹھ اٹھ کر گریہ زاری سے کرے گی اُس دن کامیابی ہمارے قدموں میں ہو گی۔"

(حضرت امیر مرحومؒ)

مکرم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب ۔ لاہور

مجدد الدین

صالح نوجوان جنکی پیشانی میں نورِ الٰہی کی چمک دیکھی گئی

"ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہدآء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقاً ۔ ذٰلک الفضل من اللہ وکفیٰ باللہ علیماً ۔" (القرآن ، سورۃ النسآء آیت ۶۹)

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں تو ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ شمار ہونگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء ۔ صدیق ۔ شہداء اور صالحین ۔ اور نہایت اعلیٰ ہیں یہ لوگ دوستی میں اور یہ فضل اللہ کی جانب سے ہے اور کافی ہے اللہ بطور جاننے والے کے"۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے "منعم علیہم" کی تقسیم چار گروہوں میں کی ہے یعنی نبی ۔ صدیق ۔ شہید اور صالح ۔ اور قرآن پاک سے بھی صاف واضح ہے کہ جس طرح نبوت کسبی شئے نہیں اسی طرح باقی تین مدارج صدیقیت ، شہادت اور صالحیت بھی کسبی نہیں ۔ بلکہ وہبی ہیں ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

" ھو اعلم حیث یجعل رسالتہٗ " (سورۃ نمبر ۶ ۔ آیت ۱۲۵)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے امتحان میں کامیاب ہو گئے تو قرآن پاک اس واقعہ کو یوں ذکر کرتا ہے :-

واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہٗ بکلماتٍ فاتمھن ۔ قال انی جاعلک للناس اماماً قال ومن ذریتی ۔ قال لا ینال عھدی الظالمین ۔

(سورۃ البقرہ ۔ آیت ۱۲۴)

تو صاف واضح ہو گیا کہ یہ انعام وہبی ہے کسبی یا وراثتی ہرگز نہیں ۔ اور یہ قاعدہ ان باقی تین مقامات کے لئے بھی ہے ۔

اس وقت ہمارے زیر بحث لفظ "صالح" ہے ۔ لغت کی رو سے "صالح" وہ شخص کہلاتا ہے ۔ جو سلیم الفطرت ہو یعنی قلب سلیم رکھتا ہو ۔ اور سچائی اور نیکی اس کی فطرت میں موجود ہو اور وہ سچائی اور نیکی پر نہایت استقلال سے قائم رہے اور دنیا کا کوئی امتحان اور خطرہ اس کے اس ارادہ کو متزلزل نہ کر سکے ۔ آپ اس تعریف کو ذہن میں رکھ کر قرآن پاک کی ورق گردانی کریں تو آپ کو یہ مادہ (ص ۔ ل ح) مختلف شکلوں میں بے شمار مقامات پر ملے گا ۔ انبیاء کے اندر تو لازمی طور پر یہ خصوصیت موجود ہوتی ہے کیونکہ ہر نبی صالح ہوتا ہے ۔ مگر صالح کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں ۔ اسی طرح سے ہر عالم اور فاضل کے لئے بھی صالح ہونا ضروری نہیں صالح کے لئے خدائی امداد اور راہنمائی خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کے اقوال اور تحریرات میں وہ حقائق اور معارف ہوتے ہیں جن سے دوسرے علماء کی تحریریں خالی اور کھوکھلی ہوتی ہیں ۔

پس کسی شخص کو صالح قرار دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے ۔ اور یا ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ کے نور کے حامل ہوں ۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور کے ذریعہ سے یہ فیصلہ دیتے ہیں ۔ جیسا فرمایا گیا ہے

اتقوا من فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ ۔

اب غور کیجئے جب حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب مرحوم و مغفور نے دین خدا کی خدمت کی خاطر قادیان حضرت مجدد صد چہاردہم کے پاس قیام کیا تو حضرت مرزا صاحب نے بغور اُن کے تمام حالات کا اپنی نورانی فراست سے جائزہ لیا اور اپنی فراست مومنانہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ۔

"اور مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی کہ ایک اور نوجوان صالح خدا کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے ۔ جبّی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر ۔ میں اُن کے آثار بہت عمدہ پاتا ہوں ۔ وہ ایک مدت سے دنیاوی کاروبار کا حرج کر کے خدمت دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں ۔ اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن شریف سن رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ نوجوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تقویٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے ۔ اے خدا تو ایسا ہی کر ۔ آمین ثم آمین ! ۔"

(مجاہد کبیر صـ۴۲)

طوالت کے خوف سے میں دیگر ایسے حوالے نہیں نقل کروں گا ۔ کیونکہ ہمارے دوست و احباب یہ سب باتیں جانتے ہیں ۔ لیکن جب حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم نے اپنا قیام قادیان میں لمبا کر دیا اور ایک نہایت ہی معمولی معاوضہ پر حضرت صاحب کی مرضی کے مطابق کام شروع کر دیا تو حضور نے فرمایا :-

"چونکہ ہماری جماعت کو معلوم ہو گا کہ اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہ ہے کہ جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں اُن کو دور کر کے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسرِ صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے جو کوئی میری موجودگی میں اور میری زندگی میں میری منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد کرے گا میں اُمید کرتا ہوں وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہو گا ۔" (مجاہد کبیر صـ۴۷)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جماعت احمدیہ میں بھی بہت بڑے بڑے جلیل القدر علماء اور فضلاء گزرے ہیں لیکن اس زمانہ کے مجدد علیہ الرحمت نے سوائے حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمت کے جو ان دو شخصوں میں سے تھے جن کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مسیح نے آسمان سے اُترنا تھا یعنی اس عظیم کام میں بڑے ستون ثابت ہوں گے اور جن کے لئے حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے ۔

"چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے"

حضرت مولانا نورالدین اعظم مرحوم حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب مرحوم کے استاد اور مربی بھی تھے ۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے اسی قیام قادیان کے زمانہ کے متعلق حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں :-

"ہماری جماعت میں اوّل درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم ۔ اے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور میں اس مدت میں یعنی جب سے وہ میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر اُن کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے ۔ غریب طبع باحیا ۔ نیک اندرون ۔ پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے ۔"

(مجاہد کبیر صـ۴۱)

اس سلسلہ میں ایک اور علمی شہادت کا ذکر کرنا لازمی ہے ۔ چونکہ حضرت مولانا مولوی نورالدین مرحوم علیہ الرحمت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے مربی اور اُستاد بھی تھے ۔ انہوں نے بھی اپنی فراست مومنانہ کے نور سے یہ صاف پڑھ لیا کہ محمد علی مرحوم ایک خاص نور لے کر آئے ہیں ۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک بھری محفل میں فرمایا ۔

"میں نے محمد علی اور اُن کے والد کی پیشانیوں میں انوارِ الٰہی کی چمک دیکھی ہے ۔ اور اسی طرح ڈاکٹر بشارت احمد اور اُن کی اہلیہ کی پیشانیوں میں نور کی جھلک نظر آئی ۔" (صـ۸۵ مجاہد کبیر)

سو یہ اسی فراستِ مومنانہ کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا مولوی نورالدین علیہ الرحمت جو روحانی اور دنیاوی علوم کا ایک بحرِ ذخار تھے ۔ وہ بھی ہزار جان اس صالح نوجوان پر فریفتہ ہو گئے ۔ اور اپنا تمام روحانی قرآنی نور اپنے اس صالح بیٹے کو عطا کرنے کے لئے بے چین ہو گئے ۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے بستر مرگ پر بھی اپنے لائق شاگرد سے قرآن پاک کے وہ حقائق اور معارف سنے جو اس نے حضرت مولانا کے مختلف قرآنی درسوں سے اخذ کئے تھے ۔ چنانچہ جس وقت حضرت مولانا محمد علی مرحوم اپنے انگریزی کے نوٹ سنانے حاضر ہوتے تو شدید تکلیف کے باوجود حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمت کا چہرہ خوشی اور بشاشت سے چمکنے لگتا ۔ اور مولانا محمد علی صاحب کو بہت پیار سے اپنے پاس چارپائی پر بیٹھنے کا حکم دیتے اور بڑے غور و فکر سے ان کے انگریزی ترجمہ کے نوٹوں کو سنتے ۔ یہ سب کچھ ان کے عشق قرآن کا ہی نتیجہ تھا ۔ ایک مرتبہ سب کے سامنے درس کے بعد حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمت نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے منہ کیساتھ

لگالیا اور بوسہ دیا۔ یہ صرف اس لئے نہیں تھا کہ مولانا محمد علی صاحب مرحوم ایک جیّد عالم اور بڑے فاضل تھے بلکہ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کو جو تائید الٰہی حاصل تھی اور ان کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ وہ کام لے رہا تھا جو زمانہ کے مجدّد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے سپرد ہوا تھا یعنی اسلام کو اس کی اصلی حالت میں دنیا کے سامنے پیش کرنا اور قرآن پاک کو دنیا کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ایک بے نظیر اور آخری کتاب ہدایت ثابت کرنا۔

اسی انگریزی ترجمہ کے متعلق ایک مرتبہ حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمت نے سب کے سامنے فرمایا:۔

"ہمارا انگریزی ترجمہ اللہ کو مقبول ہو گیا۔ الہاماً بشارت آگئی ہے۔" یہ ترجمہ یورپ۔ امریکہ۔ چین۔ جاپان۔ آسٹریلیا میں انشاء اللہ مفید ہوگا۔" (مجاہد کبیر صفحہ ۹۶)

جسے اللہ تعالیٰ صالح کا درجہ دے اس کے اعمال بھی صالح ہوتے ہیں اور صالح اعمال کے نتائج بھی اعلیٰ اور ارفع ہونے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"والعمل الصالح یرفعہ" (القرآن سورۃ نمبر ۳۵۔ آیت ۱۰)

اور وعدہ ہے "وھو یتولّی الصالحین" (سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۹۶)

لیکن ایک صالح اور نیک شاگرد نے اس تمام کام کو حضرت مسیح موعود اور اپنے عظیم استاد اور بزرگ حضرت مولانا مولوی نورالدین علیہ الرحمت کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ کامیابی حضرت مجدّد صد چہاردہم کی دعاؤں اور کشوف کا نتیجہ تھی۔ جیسا کہ حضرت صاحب کا ایک روشن کشف ہے۔ "پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت یہ بتایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔"

اور خود حضرت امیر مرحوم لکھتے ہیں:۔ "کہ اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانہ کے سب سے بڑے مذہبی راہنما حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں میں نے سیر ہو کر علم کے اس چشمہ سے پانی پیا ہے جو اس مصلح عظیم۔ مہدی معہود و مجدد صد چہاردہم بانی سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے۔" گویا۔ "علم بھی حضرت مجدّد صد چہاردہم کا لیا ہے اور دعا بھی آپ ہی کی تھی۔ اس کو کشف میں یوں ظاہر کیا کہ "یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا اور علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔"

حضرت امیر مرحوم رحمۃ اللہ علیہ آخر میں فرماتے ہیں:۔

"بالآخر اس بات کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ قرآن کریم کی اس ناچیز خدمت میں میں نے سلف صالحین کی محنت سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمت قرآن کا شوق پیدا کیا۔ وہ اس صدی کے مجدّد وقت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں اور اس کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ استادی المکرم حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم ہیں۔ اگر کسی شخص کو میری اس ناچیز خدمت سے کچھ فائدہ پہنچے تو جہاں وہ میرے لئے دعا کرے۔ ان بزرگوں کے لئے بھی دعا کرے میں محض مٹی ہوں۔ اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی روح ہے۔" ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ۔ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ہم سب مل کر کیوں نہ ایسے صالح بندے کے لئے دعا کریں جس کی خدمات اسلامی رہتی دنیا تک باقی رہیں گی۔

اللّٰھم صلّ علیٰ سیّدنا محمدٍ وعلیٰ آلِ سیّدنا محمدٍ کما صلّیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آلِ ابراھیم انک حمیدٌ مجید۔ اللّٰھم بارک علیٰ سیّدنا محمّد وعلیٰ آلِ سیدنا محمدٍ کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آلِ ابراھیم انک حمیدٌ مجید۔

از جناب چوہدری شکر اللہ خان منصور

اہم ترین اور عدیم المثال کارنامہ

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت عالم دین اسلام اقصائے عالم میں جس قدر متعارف ہیں شاید ہی کوئی اور ہو۔ آپ نے دنیاوی لحاظ سے وقت کی اعلیٰ ترین تعلیم پائی۔ ایم۔ اے کے بعد قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اس زمانہ میں اس قدر تعلیم کے حامل مسلمانوں میں بہت کم افراد تھے۔ دنیاوی ترقی۔ عزت و جاہ کے دروازے آپ کے سامنے کھلے تھے۔ اور یہ محنت اور تعلیم اسی غرض سے تھی لیکن مشیت ایزدی میں کچھ اور ہی مرقوم تھا۔ یکایک ایک معجزہ رونما ہوا:۔

حضرت مجدد صد چہاردہم مرزا غلام احمد قادیانی کی مقناطیسی آواز کان پڑی۔ جو قادیان کھینچ کر لے گئی۔ وہاں جو گئے تو امام الوقت سے جدا نہ ہو سکے۔ دنیاوی تعلیم کے مرتبے۔ عزت و جاہ کی ایسی سب خواہشات یکسر فراموش کر دیں صرف دین الاسلام کے خادم بن کر رہ گئے۔ تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں اور بھی ہوں گی۔ نوجوانی کا عالم تھا۔ اس عالم سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک حمایت دین میں جہاد بالقرآن کے ذریعے تمام شب و روز گزار دیئے۔ آپ کی شخصیت ایک نہ تھکنے والی ہستی دکھائی دیتی ہے۔ اشاعت و تبلیغ اسلام میں قلمی جہاد بیش بہا اور بے مثال ہے۔ آپ کی تصنیفات بالخصوص تفسیر القرآن اور ریلیجن آف اسلام۔ اردو انگریزی دنیا میں قبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ موافق و مخالف سب معترف ہیں۔ بعض عرب ممالک آپکی یہ تصانیف آپ کا نام لکھے بغیر چھاپتے اور پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ آپ کا زمانہ وہ تھا جب مادی علوم اور فلسفۂ مغرب کی دنیا میں بے پناہ یلغار تھی جس نے ادیان عالم کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے اٹھ کر حفاظت اسلام میں اس یلغار کے بالمقابل ناقابل تسخیر بند باندھا۔ اور اپنے علم لدنی پر مبنی دلائل عقلیہ اور روحانیہ کے ذریعہ اس یلغار کا رخ اس کے مخرج کی طرف موڑ دیا۔ اور ایسا موڑا اسکے سب مبلغوں اور لاؤ لشکر کا یورپ تک پیچھا کیا۔ آپکے سرکاروں نے علمی عقلی اور روحانی فتح کے جھنڈے مادی علوم کے مرکزوں۔ عیسائیت کے گڑھ یورپ اور امریکہ میں گاڑ دیئے۔ دین اللہ اسلام کی حمایت و اشاعت کے اس جہاد میں حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کا حصہ سب سے عظیم اور نمایاں ہے۔ ایسی درخشاں مثالیں بھی تاریخ اسلام میں ملتی ہوں گی۔ آپ نے اپنے عظیم و کثیر قلمی جہاد میں تائید و تصدیق اصول ہائے اسلام اور تردید و تغلیط عقائد مذاہب غیر الاسلام کے لئے علمی و عقلی براہین کا جامع ذخیرہ سپرد قلم ہوا کہ جس نے غیر اسلامی دنیا کو مرعوب کر دیا۔ ایسی مثال بھی تاریخ اسلام میں شاذ مل سکے۔

عدیم المثال کارنامہ:۔ لیکن ایک اہم ترین اور عدیم المثال کارنامہ جو صرف آپ کی شخصیت و وجود سے سرانجام پایا اس کی مثال کوئی دوسری نہیں ہے۔ یعنی انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا قیام جو حضرت مجدّد صد چہاردہم کی صحیح جانشین ہے۔ اور ۱۹۱۴ء سے حضرت کے صحیح مقام اور عقائد کی تبلیغ اور حضرت صاحب کے اصل مشن اشاعت اسلام کا کام کر رہی ہے اور ان کا سارا کریڈٹ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو جاتا ہے۔ جنہوں نے انتہائی ناساعد حالات میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھ کر مجدد وقت کے اصل مشن تبلیغ و اشاعت اسلام کو پورا کیا۔ ورنہ دنیا میں حضرت مرزا صاحب کے اصل مشن اشاعت اسلام اور صحیح مقام کو دنیا میں جاننے والا کوئی بھی نہ تھا۔

پھوٹتے ہیں۔ اور پتہ دیتے ہیں۔ کہ بہار کا کاروان آرہا ہے۔ خدا کے مامور بھی بہار اندر بہار ہوتے ہیں۔ ان کے مبعوث ہوتے ہی مردہ تنوں میں نبض پھر سے چلنے لگتی ہے۔ امت محمدیہ کے مجدد اعظم کے ظہور سے قبل کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ فضا میں کہر تھا۔ اور آسمان نشان پر نشان دکھلا رہا تھا۔ روئے سکون پر ایسے حالات و واقعات رونما ہو رہے تھے جو موعود کے آنے کا اشارہ بنا رہے تھے۔ انہیں حالات و حوادث میں چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں محمد علی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اسلام کا بول بالا کرنے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے میری مراد مفسر قرآن مولانا محمد علی۔ مولانا محمد علی جوہر، قائد اعظم محمد علی جناح سے ہے۔ اس وقت مجھے مفسر قرآن مولانا محمد علیؓ کے کارناموں کا ذکر کرنا ہے۔

مولانا محمد علیؓ کے شجرہ نسب پر نظر ڈالیے۔ آپکے والد بزرگوار اور دادا بزرگوار کے ناموں میں دین اسلام کے استحکام اور فتح کی طرف اشارہ ہے۔ آپ کے دادا بزرگوار کا اسم گرامی حکم الدین اور والد بزرگوار کا اسم گرامی فتح الدین تھا۔ جس وقت ان بزرگوں کے والدین نے اپنے بچوں کے نام تجویز کیے ہوں گے انہیں ضرور ملاء اعلی سے القا ہوا ہو گا۔ کہ تمہاری نسلوں سے ایک ایسا خادم دین ظہور میں آئے گا۔ جو دین کی خاطر دنیا کو خیرباد کہہ دے گا۔ اور جس کا اٹھنا، بیٹھنا، جینا، مرنا۔ اور نماز، روزہ خدا اور اس کے دین کی نصرت کے لئے ہو گا۔

حضرت مولانا کے خاندانی حالات ہمیں بتاتے ہیں کہ آپ کے والد بزرگوار میں بھی رشد و ہدایت کا مادہ موجود تھا۔ "ازالہ اوہام" کا مطالعہ کرنے کے بعد حافظ فتح الدین صاحب اور ان کے صاحبزادگان مولانا عزیز بخش اور مولانا محمد علی اس امر پر متفق ہو گئے کہ جو کچھ حضرت مرزا صاحب نے اس کتاب میں لکھا ہے وہ درست ہے اور حضرت مرزا صاحب اپنے دعوی میں صادق ہیں۔ جب یہ دونوں بھائی۔ مولانا عزیز بخش اور مولانا محمد علی لاہور میں اعلی تعلیم حاصل کرنے آئے تو انہیں حضرت مرزا صاحب کی زیارت کا موقع ملا۔ یہ ۱۸۹۲ء کا واقعہ ہے جب حضرت امام الزمان اور مولوی عبدالحکیم کے مابین مناظرہ طے پایا تھا۔ یہ مباحثہ حضرت اقدس کی اس تحریر پر ختم ہو گیا کہ آپکا دعوی نبوت کا نہیں بلکہ آپنے نبی کا لفظ لغوی معنوں میں یعنی بمعنی محدث استعمال کیا ہے۔

اس مباحثہ میں شرکت کے بعد ان دونوں بھائیوں کے دلوں میں خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ داخل ہو گئے ہیں۔ اور یہ یگانگت اور محبت ایسی بڑھی کہ زندگی کی باقی منازل ان دونوں نے ایک ساتھ طے کیں۔ حضرت امام الوقت کی بیعت مولانا نے مارچ ۱۸۹۷ء میں کی اس پر تا وقت مرگ قائم رہے اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلی نمونہ دکھایا کہ اس کی نظیر خادمانہ حالتوں میں کبھی نہیں ملتی۔ جیسا کہ اس خادم کے بارے میں مخدوم نے فرمایا۔

" مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں دیکھا۔ آپ بھی صالح تھے۔ نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ "

گویا جس طرح مولانا زندگی میں حضرت مرزا صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گئے تھے حضرت کی تمنا تھی کہ آخری زندگی میں بھی آپ کا خادم آپکے پاس موجود رہے۔

یہ ذکر حضرت مولانا کی بیعت کرنے کا تھا۔ ذرا مولانا کی زبانی اس واقعہ کی کیفیت سنیئے۔

" خواجہ صاحب کے ساتھ ان تعلقات پر دو اڑھائی سال گذر جانے کے بعد انہوں نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ان کے ساتھ قادیان چلوں اور حضرت صاحب کی زیارت کروں چنانچہ مارچ ۱۸۹۷ء میں خواجہ صاحب کے ساتھ (کچھ اور بھی احباب ساتھ تھے) قادیان گیا قادیان کے دو چار دن کے قیام نے ہی ایک نیا عالم آنکھوں کے آگے کھول دیا گو آپکی تحریروں سے بھی وہ درد ظاہر ہوتا تھا جو اسلام کی ترقی کیلئے آپکے دل میں تھا مگر صحبت میں جو وہ کر دیکھا تو آپکے دن رات کا شغف سوائے اس کے کچھ ہے ہی نہیں نماز فجر ہوئی تو بیٹھ گئے اعلائے کلمۃ اللہ کا ذکر ہے تھوڑی دیر بعد سیر کو نکلتے ہیں تو سارے راستے میں یہی گفتگو ہے۔ واپس آتے ہیں کھانے پر احباب کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو یہی ذکر ہے۔ نماز مغرب کے بعد عشاء تک مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ اور طرح طرح کے پیرایوں میں کہ اسلام کی صداقت کے سامنے دنیا کا کوئی دین نہیں ٹھہر سکتا۔ یورپ میں دین اسلام کیوں کر پھیل سکتا ہے۔ ہندوستان میں آریہ سماج کے مقابلہ کی کیسی ضرورت ہے خدا سے تعلق کس طرح پیدا ہوتا ہے نمازوں میں لذت کس طرح آتی ہے قرآن کو اپنا ہادی بنانے کی کیسی ضرورت ہے۔ غرض ہر وقت یہی ایک شغل ہے جو دنیا کی مجالس میں کہیں نظر نہیں آتا۔ غالباً، پانچ دن میں نے وہاں قیام کیا۔ اور بالآخر خواجہ مرحوم کے ذریعہ اس پاک انسان کے ساتھ تعلق بیعت کی ضرورت خود ظاہر کی اور بیعت میں شامل ہوا۔ (پیغام صلح ۷۔ نومبر ۱۹۳۳ء)

بیعت کر لینے کے بعد مولانا مزید دو سال لاہور میں قیام پذیر رہے۔ آپ اورنٹیل کالج میں پروفیسر بھی تھے۔ اور وکالت کے امتحان کی بھی تیاری کر رہے تھے اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کریگی۔ کہ جوان موصوف خدا کی راہ میں ترقی کریگا۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالی کے فضل سے تقوی اور محبت دین میں ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین"

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت امام ہمام کی فراست بھی صحیح ثابت ہوئی اور آپ کی دعا بھی قبول ہوئی۔

وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد مولانا نے کالج کی ملازمت چھوڑ دی اور وکالت کرنے کا ارادہ کیا اس مقصد کے لئے آپ نے گورداسپور کو جو قادیان سے قریب تھا۔ اور جہاں حضرت مرزا صاحب کو اکثر مقدمات کے سلسلہ میں آنا پڑتا تھا اپنی پریکٹس کیلئے انتخاب کیا۔ تعطیلات تو آپ بلا توقف قادیان میں گزارا کرتے تھے۔ اب گورداسپور میں قیام پذیر ہو کر آپ کو حضرت کی صحبت میں زیادہ وقت گزارنے کا موقع مل گیا۔ وگرنہ لاہور سے آنے میں کافی وقت سفر کی نذر ہو جاتا تھا۔ پھر گورداسپور رہ کر آپ کو حضرت امام الزمان کے مقدمات کی پیروی کا موقع بھی میسر آسکتا تھا۔ بیعت کے بعد حضرت امام الوقت اپنی بعض تحریرات۔ اشتہار اور میموریل انگریزی میں ترجمہ کے لئے آپ کو بھیج دیا کرتے تھے۔ لاہور کی نسبت یہ خدمت گورداسپور میں زیادہ آسانی سے سرانجام پا سکتی تھی اور اس میں وقت کی بھی بچت تھی۔ وکالت کے علاوہ ان دنوں مولانا کا نام کمشنر کی تقرری کے لئے بھی صوبائی حکومت کے زیر غور تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یہ عہدہ کسی ہندوستانی کو مل جانا بڑی عزو شرف کا باعث ہوتا تھا۔ یہ حکومت اور دولت کمانے کا بھی ذریعہ تھا۔ گورداسپور میں کام شروع کرنے کیلئے مولانا گورداسپور میں رہائش۔ دفتر کے لئے فرنیچر۔ لائبریری اور منشی کا بندوبست کر لیا تو جی میں آئی کہ چلو پیرو مرشد کے پاس چلتے ہیں۔ ان کی زیارت بھی کریں گے مجلس بھی کریں گے اور دعا بھی کرائیں گے۔ مختصر قیام کی نیت سے قادیان پہنچے یہ مئی ۱۸۹۹ء کا واقعہ ہے آپ کے پہنچنے پر اخبار الحکم میں آپ کی آمد کی خبر یوں چھپی۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ چند ماہ تک قادیان میں مقیم رہیں گے ۱۳ مئی ۱۸۹۹ء کو وہ دارالامان پہنچے حسب معمول "مسیح ہندوستان میں" کا ترجمہ کر رہے ہیں"

حضرت اقدس کی محبت، شفقت اور توجہ نے مولانا کے دل سے وکیل بن کر روزی کمانے کا خیال دور کر دیا اور انہوں نے اپنے مرشد کے قدموں میں دین سیکھنے اور دینی خدمات بجا لانے، کو ہی فلاح دارین سمجھا حضرت

اقدس بھی چاہتے تھے کہ مولانا تصنیف، تالیف اور اشاعت اسلام کے جہاد میں مسیح الزماں کے پیدا کردہ علم الکلام سے امصار و دیارِ مغرب کو روشناس کرائیں۔ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۸ء تک مولانا نے حضرت مجدد صد چہاردہم کے مضامین کا انگریزی میں ترجمہ کیا انگریزی رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی ادارت سنبھالے رکھی اور فصیح و بلیغ انگریزی میں تعلیمات اسلام کی اشاعت کرتے رہے۔ اسی دوران آپ نے حکیم الامت رح سے قرآن سیکھا اور بعد میں آنے والے سالوں میں انگریزی ترجمہ تفسیر تالیف کی جو سب سے پہلی انگریزی تفسیر قرآن ہے جو کسی مسلمان کے قلم سے نکلی۔ آپ کی یہ کوشش بہت ہی مقبول ہوئی اور آج پون صدی گزرنے کے بعد بھی اس کی مقبولیت میں فرق نہیں آیا کمال تو یہ ہے کہ بعد میں آنے والے مفسرین قرآن نے مولانا کی دینی خدمات کو خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ حضرت مولانا کی خدمات دینیہ جلیلہ اور ان کے اثر و نفوذ کا ذکر اخبار کے دامن تنگ میں نہیں سما سکتا۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ بھی لکھا جائے گا۔ جب تک علم کا شہر آباد رہے گا مولانا کے نام کا سکہ چلتا ہی رہے گا۔ اس وقت مجھے مجدد صد چہاردہم کے اس عظیم شاگرد کی چند خصوصیات کا ذکر کرنا ہے جو میں نے آپ کے حالات زندگی میں پائی ہیں۔

(۱) ایمان محکم اور عمل پیہم! آپ نے حضرت امام الزمان کو شناخت کسی نشان سے نہیں کیا بلکہ آپ کے قلب صافی نے شہادت دی کہ ازالہ اوہام کا مصنف اپنے وعدے میں سچا ہے۔ اور اس کے کلام میں غیر معمولی قوت تسخیر پائی جاتی ہے پھر آپ نے عمر بھر خدمت دین میں اسی عزم۔ ولولہ اور لگن سے کام کیا ہے۔ جو اوائل زندگی میں آپ میں موجود تھے۔ لاہور ایک بہت بڑا شہر تھا جہاں زندگی کی آسائشیں دوسرے شہروں کی نسبت زیادہ میسر تھیں مگر حضرت مولانا نے لاہور کی متمدن زندگی پر قادیان کی سادہ زندگی کو مقدم رکھا۔ اس گاؤں میں مئی جون کی گرمی اور تپش سے بچنے کے کوئی سامان نہ تھے۔ مگر آپ کو اس کا خیال بھی نہ آیا آپ تو اس چشمہ رواں سے پیاس بجھانے آئے تھے۔ جو اس زمانے کے مامور نے خلقِ خدا کے لئے جاری کیا تھا مفتی محمد صادق مرحوم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب سخت گرمی پڑی تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک مضمون لکھا جس میں ذکر تھا کہ گرمی ایسی سخت ہے کہ اس کے سبب خدا کی مشین بھی بند ہو گئی ہے۔ مولوی صاحب کا اشارہ حضرت اقدس کی طرف تھا۔ کہ گویا شدت گرما سے حضرت اقدس کے کام کے معمول میں فرق آ گیا ہے۔ جب حضرت اقدس نے یہ سنا تو فرمایا ہم نے تو کام نہیں چھوڑا،، یہی معمول حضرت مولانا محمد علی رح کا تھا۔ وہ بھی گرمی کیسی شدید سے شدید کیوں نہ ہو پروگرام کے مطابق کام کرتے رہے۔ اور آپ کا یہ اصول اخیر زندگی تک قائم رہا یہی وجہ ہے کہ ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک مولانا نے پچاس سے زیادہ اردو اور انگریزی کتابیں اور اسی سے زیادہ رسالے اور ٹریکٹ لکھے۔

(۲) مولانا کی تحریر مدلل۔ عام فہم، سلیس اور دلوں میں اتر جانے والی ہوتی۔ الفاظ کی تکرار، مشکل عبارت یا بلا ضرورت طویل عبارت نہیں لکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں علم تھا کہ ان کے پاس وقت کم ہے اور کام زیادہ اس لئے وہ اتنے الفاظ ہی استعمال کرتے تھے جس سے مخاطب یا قاری ان کا مطلب سمجھ جائے۔ اگر وہ تفصیح اوقات اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے تو دوسروں کے لئے بھی یہی اصول استعمال کرتے تھے۔ آنچہ برخود پسندی بر دیگراں مپسند۔

(۳) آپ کے مدلل اور موثر انداز بیان کا حضرت اقدس کو بھی پوری طرح علم تھا۔ ایڈیٹر الحکم ۱۰۔ اگست ۱۹۰۲ء کے پرچے میں لکھتے ہیں۔

،، ۷۔ اگست کی صبح کو حضرت اقدس۔ ناقل) حسب معمول سیر کو نکلے۔ ایڈیٹر الحکم نے عرض کی کہ حضور امسال شکاگو کی طرز پر ایک مذہبی کانفرنس جاپان میں ہونے والی ہے جس میں مشرقی دنیا کے مذاہب کے سرکردہ ممبروں کا اجتماع ہوگا۔ اور اپنے اپنے مذہب کی خوبیوں اور تائید پر لیکچر دیئے جائیں گے۔ کیا اچھا ہو اگر حضور کی طرف سے اس تقریب پر کوئی مضمون لکھا جائے۔ اور اسلام کی خوبیاں اس جلسہ میں پیش کی جائیں۔ ہماری جماعت کی طرف سے کوئی صاحب جیسے مولوی محمد علی رح صاحب ہیں۔ چلے جائیں۔۔۔۔۔۔

اس پر (حضرت اقدس نے۔ ناقل) فرمایا۔ بے شک ہم تو ہر وقت تیار ہیں اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ کب ہوگی۔ اور اس کے قواعد کیا ہیں

(۴) حضرت اقدس کی وفات کے بعد ۱۹۱۲ء میں خواجہ کمال الدین مرحوم سلسلے کے پہلے مبلغ کی حیثیت سے انگلستان روانہ ہو گئے۔ اور ۴ ستمبر ۱۹۱۲ء کو آپ نے سرزمین انگلستان پر اپنا قدم رکھا۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد خواجہ صاحب نے محسوس کیا کہ یہاں وسیع پیمانے پر کام کرنے کا مواقع موجود ہیں۔ ان کی رپورٹوں کی بنا پر یہ طے پایا کہ مولانا محمد علی رح صاحب کو بھی تبلیغ اسلام کے لئے انگلستان بھیجا جائے جیسا کہ مولانا کے ایک خط بنام حضرت حکیم الامت میں ذکر آتا ہے۔ (خط مورخہ ۲۳۔ نومبر ۱۹۱۳ء)

(۵) حضرت مولانا محمد علی رح نے نو سال حضرت اقدس مجدد اعظم کی خدمت میں گذارے اس دوران آپ نے حکیم الامت سے قرآن کریم پڑھا اور حضرت اقدس سے علمِ دین سیکھا۔ ترجمہ قرآن کا آغاز حضرت اقدس کی وفات کے بعد کیا۔ آپ چاہتے تھے کہ حضرت اقدس نے جس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا ،، سو میری صلاح ہے کہ بجائے ان وعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اور اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے۔ اور مجھ میں ہی داخل ہے (ازالہ اوہام) وہ جلد از جلد پوری ہو۔ تاکہ حضرت اقدس کا مشن مکمل ہو جائے۔ اگر آپ سلسلہ کی تاریخ پر غور کریں تو اس کام کے لئے حضرت حکیم الامت کے بعد مولانا محمد علی رح صاحب کے سوا کوئی اور صحابی نہ تھا حضرت اقدس آپ کے حالات کو بغور دیکھتے رہے۔ اور اس کے نتیجہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوست میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ ہیں جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام دینے کے لئے یعنی بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا، اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع۔ باحیاء۔ نیک اندرون۔ پرہیزگار آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔،،

مفسر قرآن کے لئے پرہیزگار اور پاکباز ہونا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لایمسہ الا المطھرون اور یہ دونوں شرائط حضرت امام الوقت کی تحقیق کے مطابق مولانا میں پائے جاتے تھے۔

قادیان کی یہ خصوصیات زبان زد عام تھیں (۱) حضرت امام الوقت کا وجود اور صحبت (۲) حضرت حکیم الامت کا درس قرآن۔ (۳) حضرت مولانا عبدالکریم کی قرأت (۴) احمد نور کابلی کی آذان۔ اس کے علاوہ پانچویں خصوصیت وہ پاک ماحول تھا جو قرن اول کی یاد دلاتا تھا۔ اور آخرین منھم کے ہجوم سے دارالامان تھا۔ اسی ماحول نے خواجہ کمال الدین مولانا محمد علی۔ مولانا عبدالکریم۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ۔ مولانا سید محمد احسن امروہوی۔ مرزا یعقوب بیگ۔ مفتی محمد صادق۔ مولانا شیر علی جیسے علمائے ربانی پیدا کئے۔ جب حضرت حکیم الامت کی وفات کے بعد قادیان میں حالات نے پلٹا کھایا۔ اور حضرت امام الوقت اور حکیم الامت کے دن نہ رہے تو لاہور کے پاک ممبر لاہور چلے آئے۔ اور قرآن کریم جس کی اشاعت کے لئے اور تعلیم کے لئے اس زمانہ کا مامور آیا تھا۔ قادیان سے لاہور لے آئے۔ اور جس میدان میں حضرت مجدد دوران مسیح زمان نے اپنی وفات سے چند دن پہلے ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء کو سب سے پہلا جمعہ ادا کیا تھا۔ اس کو مرکز قرار دے کر اشاعتِ اسلام کی مہم کا آغاز کیا اس میدان کے کنارے میں وہ بلڈنگ ہے جہاں اس زمانہ کا مامور مولے حقیقی سے جا ملا۔ انہیں عمارات کو احمدیہ بلڈنگس کا نام دیا گیا۔ اور دنیا بھر میں یہیں سے ترجمہ و تفسیر قرآن اور تعلیمات اسلام کا لٹریچر ساٹھ ستر سال سے پھیل رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد علی کے رفقائے کار میں بھی خدمت دین اور اشاعت اسلام کی وہ تڑپ تھی جو حضرت اقدس اپنی جماعت میں پیدا کرنی چاہتے تھے۔ خواجہ کمال الدین کے خطبات عزبیہ موجودہ امیر قوم حضرت مولانا صدر الدین کی خدمات دینیہ ووکنگ اور برلن میں مشنوں کا قیام۔ جرمن ترجمۃ القرآن اور تفسیر۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ۔ مرزا یعقوب بیگ اور شیخ رحمت اللہ کا انفاق فی سبیل اللہ اور ایثار۔ ان اصحاب کا بلند اخلاقی کردار حضرت اقدس کی صداقت پر روشن دلیل ہیں۔ درخت ہمیشہ اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اب جس شجر طیبہ کے پھل یہ بزرگ ہوں اس کی اصل کے ثابت ہونے پر کون ہوش مند یقین نہیں کرتا۔

حضرت مولانا محمد علی رح کا تذکرہ نامکمل رہ جائے گا۔ اگر ان پاک نفوس کا ذکر نہ کیا جائے جنہیں حضرت مولانا کی صحبت کے فیض نے صیقل کیا۔ اور ان میں خدمت دین کے لئے ایک ولولہ اور جذبہ پیدا کیا ان ہستیوں میں مولانا مرتضےٰ خان۔ مولانا آفتاب الدین احمد۔ مولانا عبدالحق ودیارتھی۔ مولانا دوست محمد مرحومین۔ اور مولانا بشیر احمد منٹو ایم۔ اے مبلغ اسلام امریکہ اور نائیجریا۔ مرزا مسعود بیگ۔ ایم اے بی ٹی جنرل سیکرٹری انجمن ؛ ہیں۔

چودھویں صدی کے چاند کا سب سے درخشندہ ستارہ جو دنیاوی زندگی میں اوائل جوانی سے آخر دم تک دین کی خدمت میں لگا رہا مجاہد اسلام۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عامل و زندہ نمونہ۔ مسلمانوں کی حالت زار اور ہدایت کے لئے اپنے رب کے آگے چپکے چپکے رونے والا۔ اسلام کی گرانقدر خدمات سرانجام دینے والا۔ آپ جان گئے ہوں گے۔ یہ تھے مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ امیر جماعت احمدیہ لاہور اور اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی عطا میرے پیارے ابا جی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش کے وقت ہی دین کا عشق ان کے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ بچپن سے ہی قرآن پاک کی تلاوت ان کے کان میں پڑتی رہی۔ فرماتے تھے کہ جب انکے والد دنیوی تعلیم کے لئے ان کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر گاؤں سے دور ایک شہر کے سکول میں لے کر جایا کرتے تھے تو تمام راستہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے جاتے تھے۔ اور اس طرح یہ ننھا بچہ قرآن کے نور کے سانچے میں ڈھل گیا۔ عشق الٰہی کی جڑیں اس کی فطرت میں سرایت کر گئیں۔ بڑے ہو کر جونہی دنیا کے میدان میں قدم رکھا تو مستقبل بڑا شاندار تھا۔ لیکن منشاء الٰہی کچھ اور تھا۔ خدا نے انہیں زندہ جاوید بنانا تھا۔ ان کا نام ہمیشہ چمکتا رکھنا تھا جہاں جہاں قرآن کا نور جائے گا وہاں وہاں ان کا نام بھی چمکے گا۔ اور آنے والی نسلوں کی زبان پر رہے گا۔ قرآن پاک کی انگریزی و اردو تفاسیر ان کی معرکۃ الآراء بیش بہا دینی کتب و مضامین دنیا کے گذشتہ۔ موجودہ اور آئندہ تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور پھر اس پایہ کا لٹریچر انگریزی و اردو میں کسی اور نے پیدا نہیں کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ **اور یہ سب کچھ میں کیوں کر بھلا دوں۔**

یہ مجاہد دین دینی کتب کا صرف مصنف ہی نہ تھا بلکہ انکی تعلیم پر عمل پیرا بھی تھا۔ ان کی شفقت صرف اپنی بیوی اور بچوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ تمام خاندان اور جماعت کے افراد کے لئے بھی اسی طرح وا تھی۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کا وہ کون سا رنگ تھا جس میں اس عظیم ہستی نے خود کو رنگین نہ کیا ہو۔ صبغۃ اللہ کی جیتی جاگتی تصویر۔ آپ کی زندگی کے حالات کو پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ تقوٰی کے ہر زاویے سے اپنے مولا کی قائم کردہ کسوٹی پر پورا اترنے والا ہے۔ بلا کسی شک کے وہ دین و دنیا کو بخوبی اور بدرجہ اتم نبھاتے رہے۔ دین کی خاطر دنیا کو چھوڑ نہ دیا تھا اور اسی بات کی تلقین بھی کرتے تھے کہ دنیا میں رہ کر ہی انسان اپنے مولا کو پا سکتا ہے۔ اور طریق بھی بتا گئے اپنے اہل و عیال۔ خاندان۔ دوستوں اور جماعت اور نسل انسانی کی محبت و شفقت سے آپ کا دل لبریز تھا۔ خشک قسم کے دینی انسان نہ تھے۔ بلکہ اعلیٰ مزاج کے بھی مالک تھے۔ بچے اور نوجوان سبھی آپ کے شیدا تھے۔ آپ کی گفتگو نہایت دلچسپ ہوتی۔ کم گو تھے مگر یہ نہ محسوس ہوتا کہ ریزرو (RESERVED) قسم کے انسان ہیں۔ دن رات ان تھک محنت کے باوجود ان کے پاس سبھی کے لئے وقت ہوتا تھا۔ جماعت کے کسی بھی فرد کی تکلیف پر بے چین ہو جاتے تھے۔ بچوں اور نوجوانوں کی دینی قابلیت پر نہایت خوش ہوتے تھے۔ ایک دفعہ امام مسجد ووکنگ نے آپ کے بیٹے حامد فاروق کے بارے میں جو بغرض اعلیٰ تعلیم انگلستان گئے ہوئے تھے یہ تعریف لکھی کہ اس نے قرآن کی ایک آیت کی بہت اچھی تشریح کی۔ تو ان کا خط پڑھ کر آپ کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں گویا اس نے کوئی بہت بڑی اعزازی ڈگری حاصل کر لی ہے۔ عام مسلمانوں کی تعلیمی۔ معاشی حالت بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ دین میں پیچھے نہ رہیں کیونکہ دین ہی انسان کی زندگی کے مقصد کی تکمیل کرتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ **تو یہ میں کیوں کر بھلا دوں۔**

لیکن ٹھہریئے ابھی بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بس پردہ ایک اور ہستی تھی جو آپ کی زندگی کے مقاصد کی تکمیل میں ممد و معاون تھی۔ یہ تھیں آپ کی رفیقۂ حیات اور میری پیاری اماں جی۔ جو اسی ماہ میں اپنے رب سے جا ملیں اور ہمارے ابا جی کے پاس چلی گئیں۔ اماں جی نے گھر کی حالت جنت کی طرح بنائی ہوئی تھی ماں کے پاؤں تلے تو جنت ہوتی ہے لیکن ہمارے ابا جی نے اپنی شادی کی پینتیسویں سالگرہ کے موقع پر اماں جی کو قرآن شریف تحفہ میں دیا اور لکھا کہ میری رفیقۂ حیات میری تسکین قلب اور راحت کا موجب تھیں جن کی بدولت میں اطمینان قلب کے ساتھ ترجمہ و تفسیر قرآن پاک و دیگر اہم دینی کتب لکھ سکا۔

اور پھر صرف یہی نہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی دین اور دنیا کی خدمت کے لئے وہ ابا جی کے ساتھ قدم بقدم رواں دواں تھیں وہ کون سی تحریک ہوتی تھی جس میں وہ ابا جی کے شانہ بشانہ حصہ نہ لیتی ہوں۔ آیئے پہلے اپنی جماعت سے شروع کریں۔ چندے کی تحریک ہوتی تھی تو اماں جی بڑھنے میں پہل کرتیں۔ انہوں نے کی محبت دین سے جس کے لئے ابا جی زندہ تھے کوشاں تھے۔ اور ان کا تو یہ عزیز ترین مقصد تھا جس کے لئے اماں جی نے اپنی عزیز ترین شے دے دی۔ **تو میں یہ کیوں کر بھلا دوں۔**

پھر خواتین کی تنظیم تھی تاکہ وہ بھی تبلیغ اسلام جیسے اہم اور اعلیٰ و ارفع کام کے لئے منظم ہو جائیں۔ اپنے مردوں کی معاون بنیں۔ چنانچہ آپ نے عورتوں کی تنظیم بنائی۔ اور وہ خود اس کی جنرل سیکرٹری تھیں۔ کبھی اپنے گھر میں اور کبھی مسجد کی گیلری میں میٹنگیں ہوا کرتی تھیں۔ اماں جی کے خیالات نہایت سلجھے ہوئے تھے اور تقریر کا انداز نہایت مؤثر اور آواز نہایت دلکش۔ ایک بار گھر میں میٹنگ ہوئی۔ یہ مجھے خواب کی طرح یاد ہے۔ گھر میں چائے کے ساتھ کچھ نہ تھا تو اماں جی نے گاؤں سے آئی ہوئی شکر ایک پلیٹ میں لا کر رکھ دی۔ میری پیاری خالہ بیگم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے سب سے پہلے بسم اللہ کر کے چٹکی اٹھائی۔ اور پنجابی میں یہ کہتے ہوئے منہ میں ڈالی کہ آپ کے گھر کی یہ بھی برکت والی چیز ہے۔ یہ تھا ان کام کرنے والی خواتین کا جذبہ۔

پھر دستکاری کی تحریک چلی۔ یہ بھی مجھے یاد ہے کہ اس کے شروع ہونے کا مرکز بھی اماں جی اور ان کا گھر تھا۔ خواتین جمع تھیں اور یہ تحریک پیش ہوئی۔ سب نے خوشی خوشی نام لکھوائے اپنے اور اپنی بچیوں کے۔ اور یہ قرار پایا کہ ہر ہفتے میں ایک گھنٹہ صرف اس کام کے لئے وقف کیا جائے۔ اور اس عرصہ میں جو بھی چیز بن جائے۔ اس کی فروخت جلسہ سالانہ کے موقع پر کی جائے اور آمدنی اشاعت اسلام کے لئے دے دی جائے۔ یہ تحریک تب سے چلی آ رہی ہے اور اللہ کے فضل سے گزشتہ تین چار سال سے نہایت ترقی کر رہی ہے۔

لیکن دین کی یہ مجاہدہ صرف یہاں تک قانع نہ تھیں۔ انہیں اپنی جماعت کی آئندہ نسل کا بھی فکر دامنگیر تھا۔ کہ انہیں بھی دین کی خدمت کے لئے تیار کرنا ہے۔ چنانچہ ایک ینگ گرلز ایسوسی ایشن (نوجوان لڑکیوں کی جماعت) کی بنیاد ڈالی گئی سکول و کالج کی عمر کی لڑکیاں اس کی ممبر بنیں اور اماں جی کی زیر نگرانی ہم لڑکیاں اپنے جلسے کرتے اور تقریریں کرتے۔ اماں جی کا خیال تھا کہ اس طرح لڑکیاں تقریریں کرنے کی عادی ہو جائیں گی اور مجمعوں سے مخاطب ہوتے وقت ہچکچاہٹ نہ محسوس کریں گی تبلیغ

اسلام کا یہ ایک اہم ترین تقاضا ہے۔ کہ طرزِ تعلیم اچھا ہو۔ اور لڑکیاں تقریر کی خاطر دین کا مطالعہ بھی کریں گی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ بیگم شاہنواز ہماری ینگ گرلز ایسوسی ایشن کے جلسے میں شامل ہوئیں۔ اور مہمان خصوصی تھیں اپنی تقریر کے دوران میں انہوں نے کہا:۔

"MY DREAM HAS COME TRUE"

یعنی میرا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا ہے۔ ایک بار بیگم شاہنواز نے اماں جی سے درخواست کی کہ ترکی سے خالدہ ادیب خانم آئی ہوئی ہیں۔ ان کے اعزاز میں خواتین لاہور کی طرف سے ایک جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے اور اماں جی اس جلسے کے انتظام کے لئے ینگ گرلز ایسوسی ایشن کو بھیج دیں۔ چنانچہ ہم سب ممبر لڑکیاں کام کرنے کے لئے وہاں موجود تھیں۔ بیگم شاہنواز و دیگر منتظم خواتین نہایت خوش تھیں کہ اپنے کام کو ہم نے اچھی طرح نبھایا۔ تو خیال کیجئے کہ ہماری اماں جی کی خوشی کا کیا ٹھکانہ ہو گا۔

دین کی ترقی کی لگن اور تڑپ صرف جماعت کے دائرے تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی کوشش اس دائرے سے بھی تجاوز کر گئی اور جہاں اباجی کا دائرۂ ملاقات غیر از جماعت مردوں سے وسیع طور پر تھا وہاں اماں جی بھی غیر از جماعت خواتین کے ساتھ اپنی میل ملاقات رکھتیں اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہمارے جلسوں میں غیر از جماعت لاہور کی چوٹی کی خواتین جو تعلیم یافتہ اور معزز طبقوں سے تھیں شرکت کرتیں۔ تقریریں کرتیں اور چندہ بھی دے کر جاتیں۔

اماں جی کا وقت جہاں جماعت کی خواتین و لڑکیوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ ہوتا تھا۔ وہ وہاں غیر از جماعت کاموں میں بھی بھرپور حصہ لیتی تھیں۔ مسلم لیگ لاہور کی خواتین کی شاخ کی وہ عرصہ تک جنرل سیکرٹری رہیں اور تحریک پاکستان میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا۔ جماعت کی چند دیگر خواتین بھی ان کے شوق کو دیکھ کر ان کے ہمراہ چلی جاتیں۔

احمدیت کی مقبولیت کی وجہ اماں جی اور اباجی کے تعلقات تھے اور ان کی ذات کا نمونہ تھا جس کی وجہ سے غیر احمدی خواتین سے ملنے اور ان کے کاموں میں حصہ لینے پر فخر محسوس کرتی تھیں۔

مسلمانوں کی معاشی و تجارتی حالت بہتر بنانے کے سلسلے میں اباجی نے غالباً سنہ ۳۰ء یا اس سے بھی پہلے یہ تحریک کی کہ خرید و فروخت مسلمان دوکانداروں سے کی جائے۔ اسوقت بیشتر تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی اور وہ منجھے ہوئے ڈھنگ پر دوکانداری کر کے خریداروں کو اپنا مداح بنا لیتے تھے۔ اس تحریک پر اماں جی نے حتی الوسع مسلمان دوکانداروں سے چیزیں خریدنا شروع کر دیں۔ مسلمان تجارت میں بہت پیچھے تھے۔ اور بعض چیزیں سوائے ہندو دوکانداروں کے نہ لی جا سکتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے کپڑا وغیرہ جس قسم کا بھی مسلمان کی دوکان پر ملا خرید کر پہنا اور کبھی یہ خیال نہ کیا کہ ہندو کی دوکان کے اچھے قسم کے کپڑے کو ترجیح دیں۔

یہ سب لکھتے ہوئے میرا دل لرز رہا ہے کہ ہم نے بحیثیت جماعت کہاں تک اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو نبھایا ہے۔ قرآن پاک کو کہاں تک سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اسکی اشاعت کو کیا ترقی دی ہے اور ان نمونوں پر قائم رہنے کیلئے کیا کوشش کی ہے۔ یہ سوالات ہیں جو میرے دماغ میں ابھر رہے ہیں اباجی اور اماں جی ہمارے لئے ایک مثال قائم کر گئے۔ انکی ذات اور شخصیت ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے تو پھر انہیں کیوں کر بھلا دوں ......؟

لیکن ٹھہریئے وہ صرف میرے اباجی اور اماں جی تو نہ تھے بلکہ تمام جماعت انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز تھی۔ اور اولاد کی طرح ہی اسکی پرورش کی اور پروان چڑھایا۔ منزل کی نشاندہی بھی وہ کر گئے تاکہ ہم اور ہمارے بعد میں آنے والی نسلیں اس راستے پر گامزن رہیں۔ جماعت کی بہتری اور ترقی کی فکر انہیں ہردم دامنگیر تھی۔ اب ہمارا ہی فرض ہے کہ ہم انکے نقشِ قدم پر چلیں۔ جماعت کی ترقی اور انکے کام کی ہر ممکن کوشش کریں ان جیسی خالص دینی تڑپ اپنے دلوں میں پیدا کریں میں تو بہت گنہگار ہوں اور دوسروں کو نصیحت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ پھر سب سے پہلے تو مجھے ہی نصیحت کی ضرورت ہے لیکن اباجی کہا کرتے تھے کہ اگر تمہیں کوئی سبق یاد نہ ہوتا ہو تو اسے یا تو لکھ لیا کرو یا اونچی آواز میں دہرالیا کرو گویا تم دوسروں سے مخاطب ہو۔

بس میں نے بھی یہی کیا۔ وہ سبق لکھ دیا ہے جو ہمارے اباجی اور اماں جی ہمیں دے کر گئے تھے تاکہ یاد ہو جائے۔

قرآن کریم سے عشق و محبت کا اظہار آپ نے جن طریقوں سے کیا وہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ تلاوت قرآن کریم، ۲۔ درس قرآن کریم، ۳۔ تفسیر قرآن کریم، ۴۔ اشاعت قرآن کریم۔

تلاوت قرآن کریم — قرآن کریم کی تلاوت حضرت مولنا کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بچپن اور لڑکپن میں حضرت والد صاحب کی پُرسوز اور پُرترنم تلاوت قرآن کریم کانوں سے گذر کر دل کو روحانی سرور سے معمور کر دیتی تھی۔ سکول اور کالج کے زمانہ میں مساجد میں پانچوقتہ نمازوں میں تلاوت قرآن سنتے سناتے رہے۔ قادیان کی قرآنی فضاؤں میں مولنا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کی تلاوت قرآن کریم رس گھولتی رہی۔ حضرت امیر مرحوم باقاعدگی سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اور اس پر غور و فکر کیا کرتے تھے۔

آپ کی تلاوتِ قرآن کریم میں ترنم۔ سوز اور عجیب گریہ زاری کا رنگ غالب تھا۔ نہ صرف خود تلاوتِ قرآن کریم پر آپ کا عمل تھا بلکہ عزیز رشتہ داروں اور جماعت کو بھی اس کی تاکید کرتے اور بار بار اس طرف توجہ دلاتے۔ قیامِ کینیڈا کے دوران اپنے لڑکے حامد فاروق کو ولایت میں اعلیٰ تعلیم کے لئے روانہ کیا تو ایک بند لفافہ دیا اور تاکید کی کہ اسے ولائت جا کر پڑھنا۔ اس میں مرقوم تھا:۔

"نماز کی پابندی کرنا۔ روزانہ صبح اٹھ کر نماز ضرور پڑھنا اور دو چار آیاتِ قرآنیہ کی ضرور تلاوت کرنا۔ اس پر ایسی پختگی سے قائم ہونا کہ اور کوئی کام رہ جائے مگر یہ نہ رہے۔"

آپ نے اپنے خطبات، تقاریر اور مراسلات و مضامین میں بار بار تلاوت قرآن کریم کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

"میں احباب سے درخواست کروں گا کہ وہ قرآن کریم سے ایک دلی عشق اور محبت پیدا کریں، اور اسے بار بار پڑھیں، ہر مرد اور عورت قرآن کریم کا کچھ حصہ بلاناغہ روزانہ پڑھے۔ اور اس کے لئے بہترین وقت فجر کا ہے۔ پھر دوسروں سے قرآن شریف پڑھوا کر سننا بھی سنت ہے۔ جو لوگ قرآن کریم پڑھنا نہیں جانتے، ان کو قرآن کریم پڑھایا جائے اور قرآن کریم کا کوئی حصہ حفظ بھی کیا جائے۔" (ماخوذ)

حضرت مجدد صد چہاردہم کی نظر میں

مجھے حضرت مولانا محمد علیؒ کے متعلق خاص نمبر میں کچھ لکھنے کے لئے کہا گیا مگر میں حیران ہوں کہ میں اس مرد مجاہد کے متعلق کیا لکھ سکتا ہوں جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے مجاہدانہ اعمال کی ترجمانی کر رہا ہے۔ جس کی عمر کے پچاس سال خدمت اسلام اور کئی سال صحبت امام میں گذرے ہوں جو ایک بے نظیر مفسر قرآن اور کئی بلند پایہ کتب کا مصنف ہو۔ اور جو ایسے مقام پر کھڑا ہو جہاں کسی دنیا دار کا گذر نہیں۔

میں آپؒ کے متعلق حضرت مجدد صد چہاردہم کے چند کلمات طیبات ہی لکھنے پر اکتفا کروں گا جو حسب ذیل ہیں :۔

"آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں :"

پھر فرمایا :۔ رُشد و سعادت اُن کی فطرت میں ہے :" اول درجہ کے مخلص دوستوں میں ہے :"

حضرت مرزا صاحب نے جب آپ کو بعض دینی خدمات پر لگایا تو فرمایا :۔

"ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی ایم۔ اے ہیں۔ جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے ! اور بہت سا اپنا حرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام دینے کے لئے یعنی میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں۔۔۔ اور میں اس مدت میں یعنی جب سے وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رُو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری اور شرافت کے ہر پہلو میں بھی نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع۔ با حیا۔ نیک اندرون۔ پرہیزگار آدمی اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہیں۔"

(تبلیغ جلد ۸ صـ ۶۷)

ایک اور ارشاد ہم جنسوں کی پیروی کے لائق

اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا تعالیٰ کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں شامل ہوا ہے یعنی حبی فی اللہ مولوی محمد علی ایم اے پلیڈر، میں ان کے آثار عمدہ پاتا ہوں اور وہ ایک مدت سے اپنے دنیاوی کاروبار کا حرج کر کے خدمت دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں۔ اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن شریف سن رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین میں ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا۔ جو ہم جنسوں کی پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ آمین۔ ثم آمین۔

مجدد وقت کے اصل مقصد کو پورا کرنے والے :۔

حضرت مجدد وقت نے جب اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک زبردست قدم اٹھانے کا ارادہ کیا۔ تو ذیل کے اشتہار کے ذریعے اپنے پاکیزہ اور بلند و بالا عزائم کا اظہار کیا :۔

"یہ امر ہمیشہ میرے لئے موجب غم و پریشانی تھا کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دین اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی روح کو تسکین دینے والی باتیں جو میرے پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ وہ تسلی بخش براہین اور مؤثر تقریروں سے نکالا جائے۔ سو اوّل اس امر کے متعلق ہم نے یہ پسند کیا ہے کہ اس اخبار کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے پلیڈر، اور خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے پلیڈر مقرر ہوں۔ اور ان ہر دو صاحبان نے اس خدمت کو قبول کر لیا ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صـ ۲۱)

ایک کتاب لکھنے کی خواہش

پھر حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امام کی ایک بڑی زبردست خواہش کو ریلیجن آف اسلام کے ذریعہ پورا کرنے کی توفیق عطا ہوئی۔ اس خواہش کا ذکر حضرت مجدد وقت نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے :۔

"میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اس کا ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے کیا فرائض ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔

(منظور الٰہی صـ ۱۸۸)

<u>ایسے لوگ پیدا ہوں۔</u> :۔ مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے اجراء کے موقع پر ۳ نومبر ۱۹۰۵ء کو مدرسہ کے اغراض و مقاصد کے متعلق فرمایا :۔ "ہماری غرض مدرسہ کے اجراء سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے۔ مروجہ تعلیم کو اس لئے ساتھ ساتھ رکھا جائے کہ یہ علوم خادم دین ہوں ہماری غرض یہ نہیں کہ ایف۔ اے یا بی۔ اے پاس کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمت دین کے لئے زندگی بسر کریں۔ اور اس کے لئے مدرسہ ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ شاید دینی خدمت کے لئے کام آسکے۔ مشکل امر یہ ہے کہ جس کو ذرا بھی استعداد ہو جائے وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اب وہ اکیلے ہیں کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا قائم مقام نظر نہیں آتا۔

(الحکم ۳ نومبر ۱۹۰۵ء)

حضرت مولانا مرحوم ان قیمتی مضامین کے علاوہ جو اپنے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں تحریر فرمائے ایک بیش بہا دینی علوم کا خزانہ دنیا میں پیش کیا۔ وھو ھذا :۔

(۱) ۱۹۱۸ء میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ مع متن و تفسیر شائع ہوا :

(۲) ۱۹۲۰ء میں سیرت خیر البشر شائع ہوئی۔

(۳) ۱۹۲۴ء میں محمد دی پرافٹ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت انگریزی میں شائع ہوئی۔

(۴) ۱۹۲۵ء میں بیان القرآن اڑھائی ہزار صفحات پر مشتمل تفسیر قرآن شائع ہوئی۔

(۵) ۱۹۲۹ء میں قرآن کریم کی ایک انگریزی ایڈیشن بلا متن شائع کی گئی۔

(۶) ۱۹۳۲ء میں صحیح بخاری مع ترجمہ و شرح شائع ہوئی :

(۷) ۱۹۳۴ء میں انگریزی میں تاریخ خلافت راشدہ شائع ہوئی۔

(۸) ۱۹۳۶ء میں ریلیجن آف اسلام جس میں اسلام کے ہر پہلو پر مکمل مدلل بحث ہے انگریزی میں شائع ہوئی۔

(۹) ۱۹۴۰ء میں نیو ورلڈ آرڈر بیس ہزار کی تعداد میں طبع ہو کر مفت تقسیم ہوئی۔

(۱۰) ۱۹۴۵ء میں مینول آف حدیث شائع ہوئی جس میں مستند احادیث جو ایک انسان کی عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں مع ترجمہ و متن و حواشی درج ہیں۔

(۱۱) ۱۹۴۶ء میں کتاب لیونگ تھاٹس انگریزی میں شائع ہوئی۔

(۱۲) ۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۱ء میں قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ و تفسیر پر نظر ثانی کا کام تکمیل کو پہنچا ::

از قلم: محترمہ ناصرہ اعجاز الٰہی ملک صاحبہ۔ لاہور

اپنے اباجی کی یاد میں

آج جب میں قلم لے کر بیٹھی کہ اپنے اباّجی کی یاد میں کچھ لکھوں تو واقعات ایک ایک کر کے ایک متحرک فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ اُن کا پُرشفقت اور پُرنور چہرہ۔ اُن کی پاکیزہ زندگی۔ اُن کا تعلق باللہ و خشیت اللہ اور سب سے بڑھ کر اُن کی محبّت جو انہیں کلام الٰہی سے تھی۔

لیکن اسوقت میں سب سے زیادہ اپنے اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اُس نے مجھے ایسا مقدّس اور محبوب باپ عطا کیا جس کے ذریعہ میں نے اپنے ربّ کی عظمت اور حقیقت کو پہچانا۔ جس کے نفسِ قدسی نے میرے ایمان کو مضبوط کیا۔ اور جس کے نمونے نے مجھے ایک واضح اور روشن راہِ عمل دکھائی۔

اس وقت وہ شیریں لمحات ایک ایک کر کے میری آنکھوں کے سامنے سے گزرتے ہیں جو میں نے اُن کی آغوشِ محبّت میں گزارے ہیں وہ خوش نصیب ہوں جسے اس عظیم انسان نے، جسے ساری دُنیا اس کے بلند پایہ کام سے یاد کرتی ہے مجھے اپنی گود میں کھلایا۔ انگلی پکڑ کر سیر بھی کرائی۔ مجھے یاد ہے جب میں بہت چھوٹی سی تھی تو ڈلہوزی میں سیر پر جاتے ہوئے میں اُن کی انگلی پکڑ لیتی تھی اور بہت اُچھل اُچھل کر چلتی تھی۔ تو وہ مجھے پیار سے کہتے تھے کہ "یہ تو میری منگھیاں ہے" (منگھیاں پنجابی میں مینڈکی کو کہتے ہیں) مجھے اُن کی یہ بات سُن کر بہت ہی لطف آتا تھا۔ اس وقت مجھے اُن کی عظمت کا احساس نہ تھا۔ وہ میرے لئے صرف میرے پیارے اباّجی تھے۔ جو میری ہر بات کو بڑے غور سے اور ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ سُنتے تھے۔

پھر وہ وقت میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ جب میں بہت بیمار تھی۔ اور بخار کی حالت میں بیہوشی طاری تھی جس وقت بخار ذرا کم ہوا تو دیکھا کہ میرے اباّجی میرے سرہانے بیٹھے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہے ہیں۔ مجھے اُس وقت بہت شرمندگی ہوئی کہ سارا دن کام کرنے کے بعد بھی میری وجہ سے انہیں رات بھر جاگنا پڑا۔ جب انہیں تسلی ہو جاتی کہ اب بخار کم ہے تو اُٹھ کر چلے جاتے۔ خیال ہوتا کہ اب اباّجی جا کر سو جائیں گے۔ مگر ذرا سی دیر میں ایک نہایت درد سے بھری ہوئی ہلکی سی گونج ان کی نماز تہجّد کی کانوں میں پڑنی شروع ہو جاتی۔ یا اللہ وہ تو اب بھی جاگ رہے ہیں! یہ کون سی ہستی ہے جس سے وہ باتیں کر رہے ہیں؟ کوئی بہت ہی پیاری ہستی ہے۔ کہ باوجود دن بھر کام اور رات بھر تیمارداری کے وہ اس کے پاس گھنٹوں گزار رہے ہیں۔ اور پھر اپنے اللہ کی عظمت کا ایک عجیب سا تخیّل آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ اور یہ احساس ہوتا کہ میرے اباّجی کا سایہ میرے لئے اللہ کا سایہ ہے کہ جس کے تلے میں تمام مشکلات سے محفوظ ہوں۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا اور کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ میرے اباّجی کس عظیم الشان کام میں مصروف ہیں۔ اور اُن کے پاس اتنا وقت کہاں سے آجاتا ہے کہ باوجود اس قدر مصروفیت کے وہ ہمیں پڑھا بھی رہے ہیں۔ درسِ قرآن بھی دے رہے ہیں۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے کھیلوں میں دلچسپی بھی لے رہے ہیں۔ کبھی کبھی ہم سب بہن بھائی مل کر کوئی ڈرامہ کرتے تو بہت شوق سے اُسے دیکھتے انہوں نے کسی بات پر ہمیں ٹوکا نہیں۔ اگر کوئی چیز پسند نہ آتی تو یہی کہتے کہ اس کے بجائے یُوں کر دیا ہوتا تو زیادہ اچھا تھا۔ بس اس کے بعد کبھی ہمت نہ ہوتی کہ وہ غلط کام کریں۔ کبھی اُنہوں نے ڈانٹ کر کوئی کام کرنے کو نہ کہا۔ لیکن خود ایسا نمونہ دکھا کر دل چاہتا تھا کہ اُن کی پیروی کریں۔ کھانے کی میز پر بیٹھتے تو چھوٹے چھوٹے واقعات کے رنگ میں دینِ اسلام کی عظمت کا ذکر کرتے اور ایسے دلچسپ انداز میں بیان کرتے کہ کھانے کے وقت کا انتظار رہتا۔ کہ کب اباّجی دفتر کے کام سے فارغ ہو کر آئیں اور ہمارے ساتھ باتیں کریں۔

پھر وہ وقت یاد آتا ہے جب ہم اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ اُن کے پاس آکر ٹھہرا کرتے۔ وہ اُن کی معصوم شوخیوں سے بہت ہی خوش ہوتے۔ ایک دفعہ لاہور میں گرمیوں کے دن تھے میں اپنے دونوں بچوں کے ساتھ ان کے پاس چند دن گزارنے آئی تھی۔ شام کے وقت بعض دفعہ آئس کریم بنا کرتی تھی۔ ور سب مل کر کھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سب اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ آئس کریم بن کر تیار ہوئی تو اماں جی نے پیالوں میں ڈال کر تقسیم کی سب کھا چکے تو کچھ آئس کریم بچ گئی۔ اماں جی بار بار اباّجی سے اصرار کر رہی تھیں کہ آپ اور کھا لیں۔ مگر وہ مسلسل انکار کر رہے تھے۔ میرا چھوٹا بچہ نعمان الٰہی جو اسوقت تین یا چار سال کا تھا۔ بڑے غور سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ اباّجی کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہنے لگا۔ "امی! ان کا دماغ خراب ہے؟ (کہ آئس کریم دی جا رہی ہے اور وہ انکار کر رہے ہیں) کوئی اور ہوتا تو اس گستاخی پر ناراض ہوتا مگر میرے اباّجی بہت ہی ہنسے اور کہنے لگے کہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔ پھر انہوں نے آئس کریم پیالے میں نکال کر اپنے ہاتھوں سے اُسے کھلائی۔ اسی طرح سینکڑوں چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں۔ جنہیں قلم بند کرنے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن طوالت کے ڈر سے چھوڑ رہی ہوں۔

اور پھر وہ وقت یاد آرہا ہے کہ اُن کے آخری ایّام تھے۔ باوجود سخت بیمار ہونے کے وہ بستر پر جھکے ہوئے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے قرآن کریم کے پروف دیکھ رہے ہیں۔ فکر ہے تو صرف یہ کہ انجمن کا فلاں کام ہو جائے۔ اسلامی لٹریچر کے سیٹ جلد بھجوائے جائیں۔ امریکہ میں مشن قائم ہو جائے۔ بس ہر وقت یہی ایک دُھن تھی میں اپنے بچّوں کو لے کر ملنے جاتی تو انہیں پیار کرتے تھوڑی سی باتیں کرتے اور پھر اپنے کام میں لگ جاتے۔

اور پھر وہ وقت بھی آگیا جب میں نے اپنے اباّجی کو آخری مرتبہ دیکھا۔ وہ گرمی گزارنے کراچی جا رہے تھے۔ ہم سب انہیں اسٹیشن پر چھوڑنے گئے۔ جماعت کے اور بھی بہت سے احباب وہاں موجود تھے۔ اس لئے ہم پیچھے کھڑے ہو گئے۔ ریل کے ڈبے میں کرسی سامنے کر کے وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ چہرے پر ایک نور برس رہا تھا۔ اور اسی نور کا ایک ہالہ ان کے چہرے کے گرد محسوس ہوتا تھا اسوقت مجھے ان کی صحیح عظمت کا پورا احساس تھا مگر یہ معلوم نہ تھا کہ میں انہیں آخری مرتبہ دیکھ رہی ہوں۔ ہونٹوں پر اس وقت ایک ہی دعا تھی۔ کہ اباجی خیریت سے واپس آئیں اور ہم پھر ان سے ملیں مگر اللہ تعالےٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ اپنے محبوب بندے کو جلد اپنے پاس بلانا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ اسے ان انعامات سے نوازے جس کا اس نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اگرچہ جسمانی طور پر میرے اباّجی ہمارے درمیان نہیں لیکن دُنیا کے کسی بھی حصّے میں چلے جائیں یُوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ تو وہیں ہیں۔ ان کی قیمتی تصانیف نے انہیں زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں اپنی بیماری کے دَوران میں امریکہ کے شہر کولمبس میں UNIVERSITY HOSPITAL میں مقیم تھی۔ ہسپتال کے ساتھ ایک بہت بڑی جدید طرز کی لائبریری بھی ہے۔ ایک دن میرا بیٹا نعمان الٰہی مجھے وہ لائبریری دکھلانے لے گیا۔ جب ہم وہاں کے مذہبی حصہ میں گئے۔ تو وہاں اپنے اباّجی کا انگریزی ترجمۂ قرآن جو کہ پہلے ایڈیشن کا تھا موجود پایا۔ اس پر بے شمار لوگوں کے دستخط تھے۔ جنہوں نے اُسے لے کر پڑھا تھا۔ ہمیں کیا معلوم کہ ان میں سے کتنے لوگوں نے اس نور سے ہدایت حاصل کی ہوگی۔

اسی طرح میرے بھائی محمد احمد جو حال ہی میں واشنگٹن میں اپنے بیٹے شاہد احمد کے پاس گئے ہوئے تھے وہاں سے لکھتے ہیں کہ وہ جب وہاں کی لائبریری دیکھنے گئے تو وہاں کے مذہبی حصہ میں جہاں پُرانی کتابیں بھی رکھی جاتی ہیں وہاں اباّجی کی بہت سی تصانیف کے علاوہ حضرت مجدد زماں کا جاری کردہ رسالہ "دی ریویو آف ریلیجنز" کا ۱۹۰۲ء کا ایڈیشن بھی موجود پایا۔ اس کے اڈیٹر میرے اباّجی تھے۔ اور یہیں سے اُن کی شاندار زندگی کا آغاز بھی ہوا۔

آپ اسوقت کا خیال کریں جب ایک ملک سے دُوسرے ملک بحری جہازوں سے سفر کیا جاتا تھا

اور اس میں کئی کئی ماہ لگ جاتے تھے۔ امریکہ جیسا دُور افتادہ ملک اور وہاں اس رسالے کا پہلا ایڈیشن موجود۔ سبحان اللہ۔ مگر کیوں نہ ہو۔ یہ تو اللہ تعالےٰ کا اپنا کام تھا۔

اسی طرح میرے بیٹے نعمان الہٰی نے مجھے بتایا کہ امریکہ کے شہر کولمبس جہاں وہ آج کل مقیم ہے۔ وہاں پر ایک اسلامک سینٹر ISLAMIC CENTRE بھی ہے۔ اس سینٹر کا امام ایک بہت روشن خیال مصری باشندہ ہے۔ ہر اتوار وہاں سب مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ اور تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ ایک دن نعمان نے وہاں کے امام سے کہا کہ میں آپ سے احمدیت کے متعلق بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس پر کچھ گھبرا گیا۔ (آجکل احمدیت سے سب ہی ڈرتے ہیں) اور کہنے لگا کہ میرے گھر آکر بات کرنا۔ سو ایک دن نعمان اس کے گھر چلا گیا اور ابّا جی کی کتابوں کا سیٹ اور کتاب THE AHMADIYA MOVEMENT بھی ساتھ لے گیا۔ جب نعمان ہمارے اور ربوہ جماعت کے ساتھ اختلاف کا ذکر کر رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ کن وجوہات کی بنا پر ابّا جی قادیان چھوڑ کر آئے تو اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا:۔

"AND THEN MY GRANDFATHER LEFT QADIAN"

چونکہ گفتگو انگریزی میں تھی اس لئے میں یہ فقرے انگریزی میں لکھ رہی ہوں۔

GRANDFATHER کا نام سنتے ہی وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا:۔

"ARE YOU HIS GRANDSON"

جب نعمان نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے اسے گلے سے لگا لیا اور کہنے لگا:۔

"HE WAS A GREAT MAN — A VERY GREAT MAN"

اور پھر کہنے لگا کہ میں نے ان کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور آج میں فخر محسوس کر رہا ہوں کہ اس عظیم انسان کے GRANDSON سے مل رہا ہوں۔ پھر اس نے بڑے شوق سے وہ کتابوں کا سیٹ لیا اور ساتھ ہی یقین دہانی کرائی کہ میں یہاں کی لائبریری میں یہ سیٹ رکھوانے میں تمہاری مدد کروں گا۔

میرے جنّت کے مکین ابّا جی! کون کہہ سکتا ہے کہ آپ زندہ نہیں جہاں جائیں آپ کی تصانیف، اور آپ کی عظمت کے نشان نظر آتے ہیں۔ آپ نے دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا نمونہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ ہم نے بیعت کے وقت یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے۔ مگر ان کی زندہ تصویر اور حقیقت کو ہم نے آپ کی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ خداوند تعالےٰ نے ہمیں اپنے فضل سے دین اسلام میں پیدا کیا۔ مگر اسلام پر، حقیقت باری تعالےٰ پر، محمد رسول اللہ صلعم پر، اور احمدیت کی ضرورت پر ایمان اور یقین ہمارے دلوں میں کبھی پیدا نہ ہوتا اگر آپ کے ذریعہ ان تعلیمات کا زندہ نمونہ نہ دیکھ لیتے۔ اے میرے حیّ و قیّوم خُدا۔ تُو ہمارے دلوں میں دین کی وہی تڑپ پیدا کر دے۔ جو میرے ابّا جی کے دل میں تھی تاکہ قیامت کے دن ہم اپنے مقدس ابّا جی سے سرخرو ہو کر ملیں۔ آمین ؎

چیف ایڈیٹر پیغام صلح کے نام فیصل آباد سے ایک خط۔

ڈیئر سر!

السّلامُ علیکم!

اس سے پہلے کہ میں کچھ عرض کروں میں اپنا تعارف کروا دوں۔ میں عرصہ چھ ماہ سے پیغام صلح کا قاری ہوں۔ میں آپ کے جذبہ ایثار سے اس قدر متاثر ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک مذہب وہ قابلِ قبول ہے جو لوگوں کو مادہ پرست نہ بنائے۔ اور مظلوم کی بے لوث مدد کرنے کا درس دے۔ اور لوگوں کو بے حس نہ بنا دے۔ میں پچھلے چھ ماہ سے آپ کا پیغام صلح پڑھ رہا ہوں۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ جس مسلک کے لئے کام کر رہے ہیں وہ صحیح ہے ؎ ؎

(معلوم الاسم)

از محترمہ صفیہ جاوید معاون دستکاری

ــــ جلسہ سالانہ ــــ

خواتین کی خدمت میں

جلسہ سالانہ کی آمد آمد ہے۔ جو نہ صرف روحانی فیوض و برکات کا حامل ہے بلکہ خوشگوار اور بارونق ماحول میں باہمی میل جول کا موقعہ بھی فراہم کرتا ہے۔ خواتین نے ہمیشہ اس جلسہ کو کامیاب بنانے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی دیدہ زیب اور کارآمد دستکاری سے اس کی رونق کو دوبالا ہی نہیں بلکہ باہمی تعاون اور محنت سے اس ذریعے سے "اشاعتِ اسلام" کے لئے گرانقدر رقوم بھی فراہم کی ہیں۔ گزشتہ سالانہ جلسہ کے موقع پر دستکاری سے تقریباً بارہ ہزار روپے کی آمدنی ہوئی۔

اس سال کا جلسہ چودھویں صدی کا اختتامی اور پندرھویں صدی کا استقبالیہ جلسہ ہے۔ اس لئے یہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ بیرونی ممالک سے متعدد لوگ شرکت کی غرض سے آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے خواتین بھی اپنی دستکاری کی تیاری اس موقع کے شایانِ شان کریں۔

گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی ہر ایک شہر کی دستکاری کی نمائش کا انتظام وہاں کی مقامی رضاکاران کے سپرد ہوگا۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ جلسہ کے ایّام سے قبل تمام دستکاری کی فہرستیں تیار کر لی جائیں اور جلسہ سے کم از کم ایک دو روز قبل تشریف لا کر انتظامات میں مدد فرمائیں ــــ ؎

اس سلسلے میں معلومات یا رہنمائی حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل پتے پر خط و کتابت کریں۔ منتظمین دستکاری خواتین کے بھرپور تعاون کی متمنّی ہیں۔

خط و کتابت کے لئے پتہ

ناصرہ ملک انچارج دستکاری

صفیہ جاوید معاون

۴۵ ــ احمد پارک نیو گارڈن ٹاؤن

لاہور ۱۶

عبد الحمید صاحب ۔ سانگلاہل

حضرت مجدد صدی چہاردہم کی قوتِ قدسیہ اور محمد علیؒ

خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے جو عشقِ الٰہی سے سرشار ہو کر فنا فی اللہ کا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ خداوند کریم کے نور سے ایسے منور کئے جاتے ہیں کہ اُن کے حلقہ بگوش بھی چکا چوند ہو جاتے ہیں جس طرح یہ فنا فی اللہ لوگ بقدر ظرف بقدر استعداد قرب الٰہی اور نورِ الٰہی کے حصول میں درجہ بدرجہ ہوتے ہیں۔ جیسے :۔

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجٰت ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدوں کو بعض سے بعض کو افضل اور شرف بخشا اور درجات میں ارفع و اعلیٰ معیار مقرر کر رکھا ہے۔ اسی طرح ان قدسی وجودوں کے مصاحب اپنی استعدادوں اور صلاحیتوں کے مطابق ان برگزیدوں کے نور سے منور کئے جاتے ہیں اور درجہ بدرجہ مقام حاصل کر پاتے ہیں۔ اسی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہے کہ :۔

تیری صحبت میں بیٹھنے والے کتنے روشن ضمیر ہوتے ہیں

اس کائنات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے نور سے سب سے زیادہ نور حاصل کرنے والے فخرِ موجودات سرورِ کائنات سید ولد آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ نور علیٰ نور ہو گئے۔ حضرت امام الزمان فرماتے ہیں :۔ ؎

اس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے۔

اور یہ اک حقیقت ہے کہ اس نور کو بدرجۂ اتم چودھویں صدی کے مجدد نے اپنے اندر لیا۔ فرماتے ہیں

اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے۔

شمع کے اوپر یا بجلی کے بلب کے اوپر جس قسم کا شیشہ ہوگا اسی قسم کی روشنی باہر پھیلے گی بعض شیشے کم روشنی پھینکتے ہیں۔ بعض دور دور دودھیا روشنی سے منور کرنے والے عجیب و غریب شیشے ہوتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے مولیٰ کریم سے اور اپنے آقاؐ سے نور حاصل کیا۔ جب یہ شمع روشن ہوئی تو اس شمع سے اور شمعیں جلنے لگیں اور یہ نور دور دور تک دنیا کو منور کرنے لگا۔ میرے ناقص علم کے مطابق حضرت امام الزماں کے نور سے سب سے زیادہ نور حضرت مولانا محمد علیؒ نے حاصل کیا۔ میں جب کبھی آپ یعنی حضرت مولانا محمد علیؒ کی تحریروں کا مطالعہ کرتا ہوں تو دل یقین سے بھر جاتا ہے کہ واقعی قوتِ قدسیہ کوئی شئے ہے بلکہ عظیم قوت ہے۔ واقعی برگزیدگان الٰہی کے اندر مقناطیس بھرا ہوتا ہے۔ کہ وہ دوسروں کو اپنے رنگ میں رنگین کر لیتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب مجدد صد چہاردہم کے صحابیوں میں بے شک عظیم المرتبت بزرگ ہوئے۔ نور الدین اعظم۔ محمد احسن امروہی۔ عبد الکریم سیالکوٹی اور بہت سے بزرگ لیکن یہ بھی حقیقت اپنی جگہ موجود کہ یہ لوگ عظیم عالم دین۔ مفسر۔ محدث۔ فقہ۔ منطق۔ صرف و نحو۔ تاریخ اسلام وغیرہ کے مطالعہ سے لبریز اور بھرپور تھے۔ اور یہ اپنی جگہ حضرت مرزا صاحب کی ایک اور رنگ میں صداقت ہے۔ کہ یہ ذی الشان لوگ حضرت مجدد زماں کے پاس گاؤں آن بیٹھے اور خدا کے بھیجے ہوئے کی برتری پر مہر تصدیق ثبت کر دی لیکن یہ انگریزی دان۔ حساب دان اور قانون دان طبقہ کس طرح عشقِ الٰہی۔ عشقِ رسولؐ اور عشقِ قرآن سے سرشار ہو کر عالم دین۔ مبلغ اسلام۔ مفسر قرآن بن گیا۔ حدیث اور تاریخ پر عبور حاصل کر لیا۔ تقویٰ و طہارت کو شعار بنا لیا۔ اور پھر دشمنانِ اسلام کے خلاف مورچہ بند ہو گئے۔ دین کو دنیا پر مقدم کیا۔ اور "اسلام ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ اور وہ ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا" ثابت کر دیا۔

سب سے زیادہ جس شخص نے ان لوگوں میں سے نور حاصل کیا وہ حضرت مولانا محمد علیؒ تھے اور اتفاق دیکھیئے کہ جب ۱۹۱۴ء میں یہ فوجِ الٰہی منتشر ہوئی تو یہی وجود جرنیل اور امیرِ قافلہ بنا اور تازہ دم اپنے امام کے اسوۂ حسنہ پر فوج بنائی اور جس تلوار کے ذریعہ اس کا امام دشمن کے مورچے تباہ کر رہا تھا وہی قلم پکڑ لیا اور دشمن پر بعینہٖ اپنے امام کی طرز پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ حضرت مرزا صاحب کا جہاد جہاد بالقلم یعنی دوسرے الفاظ میں جہادِ اکبر و جاهدهم به جهاداً كبيرا تھا بعینہٖ اسی طرح جہاد شروع کیا۔ قلم چلتا رہا اور دشمنوں کی صفیں اُلٹتا رہا۔ یورپ میں تہلکہ مچ گیا۔ علم دان طبقہ انگشت بدنداں رہ گیا۔ غیروں نے اعتراف کیا۔ علم دان طبقہ نے اسلام پر تھا(؟) تسلیم کیا۔

اللہ اور رسولؐ کے نام پر جذبات بھڑکا لینا اور بندوں کا مجمع لگا لینا۔ جماعت بنا لینا اور تحریک چلا لینا اور بات ہے لیکن علمی اور عملی رنگ میں دلائل ساطع اور براہین قاطع سے علمی دنیا سے لوہا منوا لینا اور رنگ رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولوی محمد علیؒ ظلی طور پر۔ بروزی طور پر، مجازی طور پر حضرت مرزا صاحب بن گئے۔ یہ ہے صداقت مجدد صد چہاردہم۔ کہ ایک شخص کو اپنے رنگ میں رنگین کر لیا۔ اور وہ قلم جو قادیان سے نکلا اور دنیا میں غلغلہ بپا ہو گیا وہ لاہور میں بھی اپنی شان دکھلاتا رہا اور ان الباطل كان زهوقا کا نظارہ سامنے آ گیا۔

حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی معرفت کی بناء پر اپنی فراست کی بنا پر اس نوجوان کو اسلام کی راہ میں ترقی کرتے دیکھ لیا تھا۔ اور اتقوا فراسة المؤمن انه ينظر بنور الله ۔ یہ نور اللہ ہی قوتِ قدسیہ یا مقناطیسی کشش ہوتا ہے۔ حضرت مولوی محمد علیؒ کو عظمت، قرآن پاک کی وجہ سے ملی اور عجیب اتفاق ہے کہ اس عاشقِ قرآن کو تحفۃً بھی حضرت مرزا صاحب نے قوتِ قدسیہ کا مقناطیسی ٹکڑا یعنی اپنا قرآن شریف عطا کیا اور اس عاشقِ قرآن نے اس تحفہ سے خوب خوب فائدہ حاصل کیا۔ اور نہایت عمدگی سے اس تحفہ کو استعمال کیا۔ اسی پاک وجود کے بارے میں حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ اگر "آپ کو (مولوی محمد علی) کو طاعون ہو جائے تو میرا دعویٰ ہی باطل ہو گا۔"

۱۹۱۴ء میں صحیح عقائد اپنا کر اپنے آپ کو قربان گاہ پر چڑھا دینا آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ نہ شہرت کی پرواہ کی نہ عزت کی نہ جائیداد کی نہ اولاد کی قرآن بغل میں دبایا اور لاہور کو ہجرت کر آئے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے بجا طور پر اسے اس دور کا عظیم کارنامہ قرار دیا اور تاریخ میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ اماموں نے اپنے علم اور یقین کی بناء پر فتویٰ دیا۔ اسلام اور تقویٰ کی بناء پر قائم ہو گئے۔ نہ حاکم وقت کی عقوبت سے خوف زدہ ہوئے نہ ظاہری علماء سے مرعوب ہوئے۔ نہ عوام کے جم غفیر نے اُن کے قدم ڈگمگائے۔ اس صدی میں جن لوگوں سے یہ کارنامے ہوئے اُن میں حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بلند مقام حاصل ہے۔

اے کاش ہماری قوم اس بطلِ جلیل سلطان القلم کی تحریریں پڑھتی اور اُن سے استفادہ حاصل کرتی کہ یہ عشقِ الٰہی، عشقِ رسولؐ، عشقِ قرآن اور غلبۂ اسلام کی راہ تھی۔

والسلام علیٰ من اتبع الهدىٰ

از محترمہ طاہرہ فضل احمد

تمہیں مُردہ کہوں کیوں کر کہ تم زندوں میں زندہ ہو
تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خُوبیاں باقی

مرنے تو وہ لوگ ہیں جو اس دُنیا میں آتے ہیں۔ اس زندگی کو بھلا یا بُرا گزار کر آخرت کو سُدھار جاتے ہیں۔ ہر انسان میں اچھائیاں اور بُرائیاں ہوتی ہیں جو جیسی گزار گیا آگے جا کر حساب کتاب ہوگا پر کچھ لوگ اس دُنیا میں ایسے بھی آتے ہیں جو وفات کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ اور انہی درخشندہ ستاروں میں سے ایک بہت چمکدار ستارہ میرے ابّا جی مجھے نظر آ رہے ہیں۔ یقیناً وہ ایک معمولی انسان نہ تھے۔ جس رنگ میں دیکھئے اُن کی چمک نظر آتی ہے۔ کیا اپنے امام کے ہر حکم پر لبیک کہنے والے مُرید کس قدر قابل قدر امیر قوم ہمدرد دوست اور مشفق باپ۔ جس رُخ سے انہیں دیکھا تو حیرت ہوئی۔ کہ اللہ میاں نے ان کو کتنا خوبصورت تخلیق کیا تھا کہ اُن کے متعلق ماموریِ وقت مجدد صد چہار دہم نے بھی فرمایا۔

"جب سے وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں، اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک اندرون۔ پرہیزگار آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔"

کتنی کامیاب تھی اُن کی زندگی کہ ہر تعلق کو انہوں نے بخوبی نبھایا اور کس قدر برکت تھی اُن کے وقت میں کہ کسی کو کبھی شکایت نہ ہوئی کہ ان کی توجہ نہ ملی۔ آجکل مائیں اکثر شکایت کرتی ہیں کہ باپ بچّوں کو کافی توجہ نہیں دیتے۔ پر مجھے یاد ہے کہ ہمیں کبھی یہ محسوس نہ ہوا کہ ابّا جی ہم پر کم توجّہ دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اتنا عظیم الشان کام تالیف و تصنیف کا کرتے تھے۔ سکول کے لئے کوئی عرضی لکھوانی ہو تو ابّا جی سے لکھوائی۔ پنسل یا ربڑ چاہیئے تو ابّا جی سے وقت بے وقت مانگنا۔ سوال سمجھ نہ آیا تو اُن سے پوچھنا۔ بیمار ہو جائیں تو ابّا جی نے ٹمپریچر دیکھنا اور دوائی کا وقت ہوتا تو ابّا جی نے کام کرتے کرتے دفتر سے اُٹھ کر اوپر آ جانا کہ شائد ہم ضد کر رہے ہوں۔ اور امّاں جی کے قابو نہ آتے ہوں۔ ڈلہوزی میں جہاں ہمارا کافی بچپن کا زمانہ گزرا سب کو ساتھ لے کر سیر کو جانا جب ہم نے کہنا کہ پکنک کر جانا ہے تو کبھی انکار نہ کرنا بلکہ سارا انتظام کروانا۔ پھر جب وہاں پر نماز کا وقت آنا تو سب کو اکٹھا کر کے باجماعت نماز ادا کرنا۔ اب سوچتی ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح چھوٹی سے چھوٹی بات کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔ ڈلہوزی میں جولائی ۱۹۴۷ء کی بات ہے کہ میرے بچے طاہر نے ضد کرنی شروع کی کہ درخت پر سے سیب توڑ کر کھاؤں گا چونکہ ابھی کچّے تھے اس لئے کچّے ہونے کی وجہ سے میں منع کر دیتی تھی۔ ایک دن کیا دیکھتی ہوں کہ ابّا جی بازار سے کلّو کے پکے ہوئے سیب منگوا کر اپنی نگرانی میں کھڑے دھاگے سے درخت میں بندھوا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر ہنس کر فرمانے لگے کہ "طاہر کو بلاؤ۔" پھر اُسے خود گود میں اُٹھا کر اُونچا کیا کہ وہ پکا ہوا سیب توڑ کر کھا لے۔

اس طرح آپ کو ہر چھوٹے بڑے کی خواہشات اور ضروریات کا خیال اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود رہتا تھا۔ ڈلہوزی ہی کی بات ہے کہ ہمارے بزرگ محترم میاں غلام رسول صاحب مرحوم ہمارے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پہلے اُن کے لئے کھانا ٹرے میں لگوا کر بھجوانا پھر خود میز پر بیٹھنا اور امّاں جی کو خاص تاکید کرنی کہ اُن کے لئے یخنی وغیرہ ضرور بنوایا کریں۔ کوئی ملنے والا آ جائے تو اپنے ہاتھ سے لکھنا اور درخواست دُعا ہو تو دردِ دل سے دُعا کرنا۔ ایک بات ان کی جو بہت نمایاں تھی کہ وہ ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے نومبر میں میری شادی تھی۔ تو میرے بھائی محمد احمد نے جو اُن دِنوں احمد آباد میں تھے لکھا کہ چونکہ اب آ رہا ہوں اس لئے دسمبر میں دوبارہ چھٹی نہ ملے گی۔ اس کو فوراً آپ نے لکھا کہ اب مت آؤ چھٹی دسمبر میں لینا تاکہ سالانہ جلسہ میں شامل ہو سکو۔ دنیا میں کونسا ایسا باپ ہے جو یہ نہ چاہتا ہو کہ ایسے موقعہ پر بیٹا آ کر شادی کے کاموں میں ہاتھ بٹائے۔ پر اُن کو اس بات کی پرواہ نہ تھی۔ غرض واقعات تو بے شمار ہیں اور اُن کو دُہرانے اور یاد کرنے سے ایمان بھی تازہ ہوتا ہے۔ پر آج تقریباً تیس برس بعد بھی ہم اگر صرف ان کی چند یادوں کو تازہ کریں تو یہ تو کوئی خراجِ تحسین نہ ہوا ہم نے دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ بے بہا خزانہ جس میں اُن کے دل و دماغ کا نچوڑ تھا۔ اُسی "قلم" سے بکھرے ہوئے موتی جو امامِ وقت نے اُن کو دیا تھا۔ اس سے ہم نے خود کتنا فائدہ اُٹھایا اور اس کو آگے کتنا پہنچایا۔ وہ تو ایک راستہ جس پر اُن کو حضرت مجدد وقت کھڑا کر گئے تھے ہمیں دکھا گئے۔ یہ نقوش ہیں جن پر ہم نے گامزن رہنا ہے۔ تو آیئے اس مردِ مجاہد کی یاد میں آج پھر عہد کریں کہ ہم نے ان کی صفات کو اپنانا ہے۔ ان کے ارشادات کو بجا لانا ہے۔ اور اس خزانے کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا ہے۔ دنیا تو اس چیز کی پیاسی ہے۔ اور ہمارا کام تو بس یہی ہے ابّا جی کے اپنے الفاظ میں جو انہوں نے وفات سے کچھ پہلے میرے ماموں (میاں نصیر احمد فاروقی) کو قریب بلا کر کہے تھے کہ:۔

"ہمارا کام قرآن کو لوگوں تک پہنچانا ہے آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا۔"

سو یہ تو خدا تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس نے پتھروں کو موم کیا۔ اس عظیم الشان کلام کو دنیا میں پہنچانے میں اگر ہمارا بھی کچھ حصہ ہو جائے تو کتنی خوش نصیبی ہے ہماری۔ کم از کم میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ (میں تو اس قابل نہ تھی) یہ تو اللہ میاں نے ہمارے اُوپر خاص رحمت کی کہ ہمیں اس جماعت میں پیدا کیا۔ اور اس ارفع کام کے لئے چُن لیا۔ اب ہم پھر عہد کریں اور کوشش کریں کہ اپنے اندر وہ خصوصیات پیدا کریں جو ایک سچے احمدی کے شایانِ شان ہوں۔ اپنے وفات شدہ بزرگوں اور جو بزرگ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے سروں پر سلامت ہیں اُن کی توقعات پر پُورا اُترنے کی کوشش کریں۔ اگرچہ ہمارے راستے میں مشکلات ہیں پر کیا جو کام ہمارے چند بزرگوں نے ۱۹۱۴ء میں شروع کیا۔ وہ آسان تھا۔؟ اب تو وہ بے سروسامانی نہیں۔ اب تو ہمارے پاس بہت کچھ ہے بس ضرورت ہے تو یہی کہ ہم حتی الامکان اس رستے پر چلنے کی کوشش کریں جو کہ امام وقت کا "روحانی بیٹا" ہمیں دکھا گیا۔ پندرھویں صدی کا آغاز ہماری جماعت میں ایک نیا عزم اور ایک نئی رُوح پھونک دے۔ آج ہم میں مولانا محمد علی کا کمزور اور فانی جسم نہیں۔ پر ہمارے پاس ان کی عظیم الشان رُوح موجود ہے اُردو اور انگریزی کا ترجمہ و تفسیر قرآن۔ ریلیجن آف اسلام اور بے شمار قیمتی تصانیف ہیں۔ یہ تصانیف اب ہمیں اس درد کو جو دردان کے دل میں تھا، پانے کا موقعہ مہیا کرتی ہیں۔ اپنانے والا دل چاہئے اور دیکھنے والی آنکھ چاہیئے۔ وہ ستارہ آج بھی اتنا ہی چمکدار اُفق پر نظر آ رہا ہے!!!

مولانا محمّد علی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد علیؒ نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ، تجدید احمدیت اور اعلائے کلمۃ الحق کے ضمن میں جو خدمات سرانجام دیں۔ ان کا ایک زمانہ معترف ہے۔ اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ آپ کی تبلیغی رُوح دنیائے اِنسانیت کے کونے کونے میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔ اگر ہم نے مجددِ احمدیت اور سلطان القلم کے جانشین کے مشن و تعلیمات کو کما حقہٗ دنیا تک پہنچانے کے لئے کام جاری رکھا تو انسانی وحدت، اخوت اور غلبۂ اسلام حقیقت بن کر رہے گا، انشاء اللہ۔

حضرت امیر مولانا محمد علیؒ کے وصال پر اخبارات کے تبصرے

ہفت روزہ "صدق" (لکھنؤ)

(۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

"مترجم قرآن کی وفات"

خبر شائع ہوئی ہے کہ مولانا محمد علی ایم اے ایل ایل بی امیر جماعت احمدیہ لاہور، کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم نے اپنی طویل تصنیفی زندگی میں اپنے قلم کے ذریعہ جو خدمات اسلام کی سرانجام دیں وہ اپنی جگہ پر بے مثل و بے مثال ہیں۔ انگریزی خوانوں بلکہ انگریزی زدہ اردو خوانوں کے بھی حق میں ان کا قلم ایک نعمت عظمیٰ تھا۔ خدا جانے کتنوں کے ایمان انہوں نے قائم کر دیئے اور یورپ اور امریکہ وغیرہ کے کتنے بھٹکے ہوؤں کو انہوں نے اسلام کی راہ دکھا دی ان کا انگریزی ترجمہ القرآن ۱۹۱۷ء والا ایڈیشن کا چھپا ہوا مدتوں انگریزی کا بہترین ترجمہ قرآن رہا۔ اور اب بھی اس کا شمار اچھے ہی ترجموں میں کیا جائے گا۔ ان کی ایک اور ضخیم انگریزی کتاب "ریلیجن آف اسلام" بھی بڑی اہم تبلیغی قدر و قیمت رکھتی ہے "مینول آف حدیث" اور دوسری کتابیں اور رسالے بھی قابل قدر ہیں۔ اسی طرح اردو میں فضل الباری (شرح و ترجمہ صحیح بخاری) اور تفسیر بیان القرآن (تین جلدوں میں)، اور مقام حدیث اور سیرت خیر البشر اور رخلافت راشدہ سب بہ حیثیت مجموعی فاضلانہ کتابیں ہیں۔ اور یہ کہنا شاید مبالغہ سے خالی ہو کہ اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ مرحوم نے خدمت دین ہی کی نذر رکھا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں ایک بار مرحوم سے ذاتی نیاز حاصل ہوا تھا۔ انکسار، سکنت و خوش خلقی کے علاوہ چہرہ سے تہجد گزاری کی نورانیت بھی نمایاں تھی۔ عقائد کے اہم جزئیات میں غلطیاں اور لغزشیں معتزلہ امامیہ، قدریہ وغیرہ سب سے ہوئی ہیں لیکن اثبات توحید کا مرتبہ بہر حال سب سے بلند ہے۔ اللہ مرحوم کے بھی خدمات دین کو بھی حسن قبول عطا فرمائے۔

ہفت روزہ "علیگ" لاہور

(۲۱ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

"مولوی محمد علی"

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء بروز شنبہ مولوی محمد علی نے داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون علمی مجالس میں ان کی متنوع شخصیت ایک سرسبز و شاداب پہاڑ کی سی تھی جس سے علم و حکمت کے ہزاروں سوتے پھوٹے۔ اور تشنگان کو سیراب کیا۔ مولوی صاحب نے ابدیت کا سفر اختیار کیا۔ بیسکن کلام پاک کا ترجمہ اور ریلیجن آف اسلام ان کی وہ معرکۃ الآرا تصانیف ہیں جو انہیں رہتی دنیا تک زندہ رکھیں گی۔

وہ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے جس میں کچھ ایسی دلآویز جاذبیت تھی جو دوسروں کو اپنا لیتی تھی۔ ان کی ژرف نگہی اور ان کی باریک بینی انہیں واقعات کی تہ تک پہنچا دیتی تھی۔ علوم دینیہ میں انہیں جو شغف تھا وہ کم لوگوں میں دیکھا گیا ہے انہوں نے اپنی پوری زندگی مذہب و ملت کی خدمت میں بسر کی اور یہی ان کا شاندار کارنامہ رشک صد عالماں بود

ہفت روزہ "الامام" بہاولپور

(۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

جماعت احمدیہ کے قائد مولانا محمد علی وفات پا گئے

لاہور۔ ۱۵۔ اکتوبر۔ انجمن احمدیہ لاہور کے قائد مولانا محمد علی کو گذشتہ شب لاہور میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ میں مرحوم کے ایک ہزار سے زائد احباب اور عقیدتمندوں نے شرکت کی۔

مولانا محمد علی نے ۷۷۔ سال کی عمر میں پرسوں کراچی میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کیا۔ اور آپ کی نعش کو کل شام لاہور لایا گیا مولانا مرحوم کپورتھلہ میں پیدا ہوئے آپ نے تقریباً تمام عمر مذہبی تبلیغ میں صرف کی۔ اس مقصد کیلئے آپ نے تقریباً ساٹھ کتابیں تصنیف کیں۔ ان کتابوں میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شامل ہے۔

مولانا کی مذہبی خدمات گو ہمارے عقائد کے خلاف ہیں لیکن وہ ہمارے نزدیک قابل قدر ضرور ہیں۔

ہم ان کی جماعت اور پس ماندگان اور لواحقین سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔

روزنامہ "ڈان" کراچی (انگریزی سے ترجمہ)

(۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

"مولوی محمد علیؒ"

"مولوی محمد علی کا انتقال کراچی میں ہوا ہے۔ انہوں نے اس نصف صدی میں اسلامی افکار پر اتنا کام کیا ہے کہ شاید ہی کسی اور مرد نے کیا ہو گا۔ وہ علمی مسائل میں گھرے ہوئے محققانہ ذہن کے مالک صرف کتابیانی ہی نہ تھے بلکہ ایک ایسے مبلغ تھے جنہوں نے اس ماحول میں دعوت بلند کی۔ جب کہ اس برصغیر ہند و پاکستان پر اسلام مغربی مشنریوں اور ہندوؤں کی احیائی تحریکات کے بے پناہ حملوں کا ہدف بنا ہوا تھا ان جیسا علمی امتیازات کا مالک ہی یقیناً سرکاری ملازمت کے مضبوط جذبہ کو فتح کر سکتا تھا جو ان دنوں تعلیم کا مطمح نظر سمجھی جاتی تھی — اور انہوں نے تبلیغ کی زندگی اختیار کی وہ قرآن شریف کا انگریزی زبان میں ترجمہ تھا۔ اور اپنے اس ترجمہ اور تفسیر کے پہلے ایڈیشن ۱۹۱۷ء کے بعد وہ ایک لمبی عمر تک جیئے جس میں انہوں نے کئی اور تصانیف بھی کیں۔ ان میں سے محمدؐ دی پرافٹ، ریلیجن آف اسلام" بہت اچھی خیال کی جاتی ہیں۔ مقدم الذکر ایک سیرت ہے اور مؤخر الذکر معلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا۔ بہ حیثیت ایک مبلغ کے مولوی محمد علی صاحب نے یورپی طریق اشاعت کی تکنیک کا نہایت سرد مندانہ مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اور ان کی بلند پایہ کتب میں اس بات کی جھلک صاف نظر آتی ہے کہ وہ اپنے مخصوص قارئین کے ہر طبقہ سے الگ الگ کس طرح خطاب کرے ان کے اندر بے پناہ انرجی تھی جو وہ اپنے کام کے لئے بروئے کار لاتے تھے۔ اور جوں جوں سال گزرنے شروع ہوئے وہ اپنی جسمانی کمزوری کو اپنی قوت ارادی سے پورا کرتے رہے اور تقریباً کام کرتے ہوئے فوت ہو گئے۔ خاموش اور تنہائی پسند جیسے کہ وہ تھے وہ اور ان کی کتابیں اس بات کی ترجمان ہیں کہ ان کی تحریرات ان کی اپنی ذات سے بہت زیادہ مشہور تھیں۔ یہ وفات یقیناً ایک نقصان ہے اور اس کا ماتم ان کے وسیع حلقۂ رفقاء اور مداحوں کو سہنا پڑیگا۔ ہم اپنی دلی ہمدردیاں ان کے سوگوار خاندان کو پیش کرتے ہیں۔

مولانا مرحوم پکتھال کی نظر میں

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کیلئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔

میری رائے میں یہ کتاب ان کی سب سے اچھی تصنیف ہے، یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔"

محمد مارماڈیوک پکتھال

رسالہ اسلامک کلچر۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد۔ لاہور

بحیثیت مفسر قرآن مجید

قرآن مجید ایک ایسی پاکیزہ مکمل۔ اور اپنے مضامین کے اعتبار سے ایسی جامع اور مانع کتاب ہے کہ دوسری کوئی الہامی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ بسم اللہ کی ب سے لے کر والناس کے س تک اس کا حرف حرف۔ منزل من اللہ ہے اور یہ سارے کا سارا کلام اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی سے لے کر تمام امور جو ایک انسان کو دنیا میں پیش آ سکتے ہیں۔ خواہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد کے ساتھ۔ ان سب پر قرآن مجید ہمہ گیر روشنی ڈالتا ہے۔ اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتا۔ اور اس دنیا کے بعد عقبیٰ یعنی دار الآخرۃ کے بارے میں بھی ایسی مکمل روشنی ڈالتا ہے کہ دوسرا کوئی مذہب یا الہامی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی!

قرآن مجید ایک ایسے سمندر کی طرح ہے جس کا نہ کوئی کنارا ہے اور نہ جس کی گہرائی کا کوئی شخص یا دنیا اندازہ نہیں لگا سکتی اور نہ لگا سکے گی۔ اور جو قرآن مجید کی تعلیم ہے اس کا احاطہ کرنا بشر کی بساط سے اوپر ہے۔ کسی نے خوب کہا۔

؎ جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال۔ سارے علم تو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ لیکن انسان کے لئے اس کا احاطہ کرنا بہت ہی ناممکن ہے۔ قرآن مجید کا یہ بھی ایک اعجاز ہے۔ کہ اس کی حقیقت اور ماہیت کے پہنچنے کے لئے کسی کا عالم و فاضل ہونا ایک ثانوی امر ہے۔ اس حقیقت کو پانے کا اصل راز لا یمسہ الا المطہرون ہے قرآن مجید کے حقائق و معارف تک پہنچنے کیلئے انسان کا پاکباز اور متقی ہونا ضروری ہے۔ جتنا ایک انسان، اپنے قلب کو صاف و پاک کرے گا۔ خدا تعالیٰ کے احکام پر عمدہ رنگ میں چلے گا مخلوق سے منہ موڑ کر خالق کی رضا کو مقدم کریگا۔ اتنا ہی قرآنی معارف کا بحر خدا تعالیٰ اس پر کھولتا ہے۔

قرآن مجید کو یہ بھی ایک عظیم الشان اعزاز حاصل ہے کہ روز ازل سے ہی اس کے ماننے والے اور دوسرے مذاہب کے پیرو بھی اس کے تراجم و تفاسیر لکھتے رہے ہیں۔ آج بھی لکھ رہے ہیں۔ اور قیامت تک لکھتے جائیں گے۔ یہ ایک ایسا لازوال خزانہ ہے جس کو جتنا بھی خرچ کیا جائے گا یہ اتنا ہی بڑھے گا۔ اور اس پر کبھی زوال یا فنا نہیں آئے گی۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ قریباً پانچ صد سے زائد تفاسیر و تراجم اس وقت مطبوعہ دنیا میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور بہت ساری تفاسیر بہت ساری زبانوں میں غیر مطبوعہ بھی مختلف لائبریریوں اور افراد کے پاس موجود ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے قرآن مجید کی انگریزی، اردو کی تفسیر کی جو توفیق اور طاقت اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دی ہے اور جس رنگ میں قرآن مجید کے باریک نکات، حقائق و معارف اور نہایت ادق آیات و مسائل کو آپ نے حل کیا ہے۔ اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔

بڑے بڑے عالم گزرے ہیں۔ انہوں نے نہایت محنت اور اخلاص سے قرآن مجید کی تفاسیر لکھی ہیں جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ لیکن بدقسمتی ملاحظہ ہو۔ جس کتاب کا یہ دعویٰ ہو۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون یقیناً ہم نے ہی اس ذکر (قرآن مجید) کو اتارا ہے۔ اور یقیناً اور ضرور ہم اس کی حفاظت بھی کریں گے۔ اس کے بارے میں ناسخ و منسوخ کے طومار کھڑے کر دیئے جائیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب کسی آیت کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔ اس کو منسوخ کے زمرے میں داخل کر دیا۔ خدا کے فضل سے حضرت مولانا صاحب موصوف کی بھی تفسیر موجود ہے۔ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ کس سیدھے۔ صاف۔ مبنی بر حقائق دلائل دے کر ناسخ و منسوخ کی ذیل میں جو آیات شمار کی جاتی تھیں ان کو آپ نے خداداد ذہن سے حل کیا ہے۔ والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ بعض علماء جو بصیرت کی دولت سے مالا مال ہیں وہ اپنی نجی مجالس میں اس کا اقرار کرتے ہیں۔ آپ کی تفسیر کو شائع ہوئے نصف صدی سے زائد عرصہ گزر گیا ہے۔ آپ کے بعد بھی تفاسیر لکھی جا رہی ہیں۔ اور اگر کسی مفسر نے آپ سے اختلاف کیا ہے۔ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیدھے راستہ کو چھوڑ کر وہ ایک گہرے گڑھے میں گر گیا ہے۔

قارئین کی ضیافت طبع کے لئے قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر جو کہ سابق مفسرین حل نہ کر سکے۔ پیش کی جاتی ہے۔ حضرت مولانا صاحب نے نہایت عمدگی سے قرآن مجید) قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔ سارے مشکل مقامات کو اس کے ذریعہ سے حل فرمایا ہے۔ لغت، ادب اور قرآنی محکمات کی روشنی میں اس رنگ میں کھول دیا ہے کہ بے ساختہ آپ کیلئے ہر قاری کے دل سے دعا نکلتی ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک موقع پر فرمایا کہ۔ واذ قتلتم نفسًا فادّٰرءتم فیہا واللہ مخرج ما کنتم تکتمون ہ فقلنا اضربوہ ببعضہا کذالک یحیی اللہ الموتیٰ ہ ویریکم اٰیٰتہٖ لعلکم تعقلون۔

آپ کسی بھی تفسیر کو اٹھا کر دیکھ لیں ان آیات کی جو تفسیریں کی گئی ہیں ان کی نہ قرآنی الفاظ اجازت دیتے ہیں نہ ربط اس کا ساتھ دیتا ہے۔ نہ لغت ان کی معاونت کرتی ہے۔ صرف ایک خیال انہوں نے اسرائیلی روایات سے لے لیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک بھتیجے نے چچا کو قتل کر دیا تھا تاکہ اس کی بیٹی سے شادی کر کے اس کی جائیداد کا وارث بنے۔

حضرت مولوی صاحب! نے خوب فرمایا کہ اس قسم کا قتل تو قوموں میں ہر روز ہوتے ہیں۔ ان کو قرآن مجید میں بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور تمام قوم ایک معمولی انسان کے قتل پر ملزم نہیں ہو سکتی پھر گائے کو ذبح کرنا اس کے اعضاء کا مُردہ پر مارنا تاکہ وہ قاتل کا پتہ دے۔ عقل و نقل کے خلاف ہے۔ آپ نے نہایت عمدگی سے اس کو حل کیا اور فرمایا کہ یہ حضرت عیسےٰؑ کے خلاف یہودیوں کی سازش کا ذکر ہے کہ کس طرح انہوں نے آپؑ کو صلیب پر چڑھا دیا اور اپنی طرف سے ان کے قتل کرنے میں ذرہ بھر بھی کمی نہ کی۔ لیکن وہ اپنی ان بری تدبیروں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے تو اجمالاً اشارہ کیا ہے۔ مفصل حضرت مولانا صاحب کی تفسیر میں دیکھیں۔!

اسی طرح۔ وما کفر سلیمان ولکن الشیٰطین کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت۔

ہاروت و ماروت کو ایک طرف مفسرین فرشتے لکھتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے فرشتوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔ یفعلون ما یؤمرون۔ ان کو جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ وہ اس کو بجا لاتے ہیں۔ اور فرمایا۔ لا یعصون ما امرھم اللہ۔ ان کو جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے وہ اس میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف مفسرین یہ ان کا مقام بیان کرتے ہیں۔ ھاروت و ماروت انھما

ملکان یعذبان علیٰ خطیئھما مع الزھرۃ فھو کافر باللہ تعالیٰ۔

ہاروت اور ماروت دو فرشتے ہیں ان کی غلطی پر ان کو سزا دی جا رہی ہے۔ جو کہ زہرہ کنجنی کے ساتھ انہوں نے راز بتا کر غلطی کی اور اپنے مقام سے نیچے گر کر اسفل السافلین میں سے ہو گئے۔ اور ان کو بابل کے کنوئیں میں اوندھے منہ لٹکایا ہوا ہے۔ اور ساری دنیا کا دھواں ان کی ناکوں میں سے ابھی تک گذارا جا رہا ہے۔

آپ حیران ہوں گے۔ یہ تو سابق زمانے کے مفسرین خیال کیا کرتے تھے۔

ذھب کثیر من السلف الی انھما کان ملکین من السماء وانھما انزلا الی الارض (ابن کثیر)

اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ وہ دو فرشتے تھے جو آسمان سے زمین پر اترے تھے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لاتے ہیں۔ اور کوئی غلطی نہیں کرتے۔ اور زمانہ حال کے ایک بہت پڑھے لکھے مشہور مفسر جن کی اچھی شہرت ہے۔ وہ اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں

" لیکن بالفرض ایسا ہوا تو جب کسی خاص حکمت و مصلحت سے کسی فرشتہ کو انسانی پیکر اور جذبات بشری دے دیئے گئے تو اگر کسی وقت وہ ملکوتی الاصل انسان جذبات سے مغلوب بھی ہو جائے تو اس میں کوئی استحالہ نہ شرعی ہے نہ عقلی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا صاحب فرماتے ہیں۔

" ..... شریر اور مفسد لوگ حضرت سلیمان پر افترا کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور ان باتوں کے ذریعہ حق کو مٹانا چاہتے ہیں۔ بہت سی جھوٹی باتیں یہودی (حضرت سلیمان) کی طرف منسوب کرتے تھے جن میں سے کچھ حصہ مسلمانوں نے بھی لے کر سحر سلیمانی اور نقش سلیمانی بنا لئے ہیں۔ شیاطین سے مراد وہی لوگ ہیں۔ جو اس قسم کی باتیں حضرت سلیمان کی طرف منسوب کرتے تھے۔

السحر کی بحث کرتے ہوئے حضرت مولانا صاحب فرماتے ہیں

" پس شیطانوں کے لوگوں کو سحر سکھانے سے دھوکے کی باتیں اور تخیلات سکھانا مراد ہے جن کی اصلیت کچھ نہ تھی۔ یہ ہاروت اور ماروت کے قصے یہودیوں نے ایرانیوں سے لئے ہیں۔ یہ سب خرافات ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث ان سے پاک ہیں۔ ما انزل میں ما نافیہ ہے۔ اس کی نفی کی گئی ہے کہ دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر سحر اتارا گیا ہو۔ بلکہ آپ نے فرمایا ہے کہ یہاں ان خطرناک خفیہ منصوبوں کا ذکر ہے۔ جو اسلام کے خلاف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہودیوں نے بنائے تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے بشارت دی تھی کہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ اہل کتاب خفیہ منصوبے مومنوں کو نقصان پہنچانے کیلئے کرتے ہیں۔

انما النجوٰی من الشیطٰن لیحزن الذین اٰمنوا ولیس بضآرھم شیئاً الا باذن اللہ (المجادلہ)

خفیہ مشورے شیطانی کام ہیں جن کی غرض یہ ہے کہ وہ شیطان مومنوں کو غم میں ڈالے اور وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اسی طرح کوئی مفسر ایسا نہیں بچا الا ماشاء اللہ جس نے قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ تسلیم کی ہو۔ ذرا پہلے مانو اور غور کرو وہ کتاب جس میں ناسخ و منسوخ ہو۔ وہ کس طرح دعوٰی کر سکتی ہے۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ

باطل کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جس کی اب ضرورت نہیں ہے اب جب اگر نعوذ باللہ ایسے بھی احکام ہیں کہ جن کی اب ضرورت نہیں رہی۔ تو اوپر جو دعوٰی ہے۔ لا یاتیہ الباطل کے ساتھ کس طرح تطبیق دو گے۔ یعنی قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ بھی ہے۔ اور اس میں کوئی ایسے احکام بھی ہیں ہے۔ کہ جن کی ضرورت نہ ہو اس دور میں مفسرین میں سے ممتاز مفسر حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی نظر آتے ہیں جنہوں نے زبردست دلائل کے ساتھ ناسخ و منسوخ کے مسائل کو حل فرمایا ہے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین۔

تم پر جب تم میں سے کسی کے لئے موت آ موجود ہو عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر وہ بہت سا مال ماں باپ اور قریبیوں کے لئے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

سابق مفسرین کہتے ہیں یہ حکم وصیت، آیت میراث مندرجہ سورۂ نساء کے نزول سے جس میں حقداروں کے حصے معین کر کے بتا دیئے گئے ہیں یہ بہت قبل کا ہے اس لئے قدرۃً اس پر عمل درآمد نہیں ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا صاحب نے نہایت عمدگی کے ساتھ مفسرین کی غلطی واضح فرما کر فرمایا۔ للوالدین والاقربین کا تعلق ان ترک خیرا سے ہے یعنی جو شخص مال کثیر ماں باپ اور قریبیوں کے لئے چھوڑے وہ وصیت کرے۔ ماں باپ اور قریبیوں کے لئے وصیت کرنا مراد نہیں۔ وہ کچھ حصہ (جو مال کثیر چھوڑے) اس مال کا فی سبیل اللہ بھی وصیت کرے۔ اسی طرح والدین اگر کافر ہوں اور قریبی یا تعلق دار بھی بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو حصہ نہیں پہنچتا۔ ان کے لئے بھی وصیت ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ بہت سارے پیچیدہ، نازک مسائل ایسے تھے۔ جن کے بارے میں سابق مفسرین نے ایسا رنگ اختیار کیا تھا کہ ایک متلاشی حق اور حق جو حقیقی طور پر مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سہرا حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے۔ کہ آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر ایسے خدا داد ملکہ اور طاقت سے رقم فرمایا ہے۔ کہ جن سے سعید فطرت روحیں حقیقی طور پر سیراب ہو رہی ہیں۔

پس آج ضرورت ہے اس بات کی کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی انگریزی اور اردو تفسیر کو کثرت سے دنیا میں پھیلایا جاوے۔ آج کے دور میں یہ سب سے بڑی خدمت ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ قرآنی انوار کا ایک سمندر ہمارے پاس ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آپؒ کی یاد عملاً اس طرح منائیں کہ ہم سب اس سے خود، اہل و عیال عزیز و اقارب، زیر اثر۔ ملنے والوں ۔ حق کے متلاشیوں تک اس کو پہنچائیں آپ کا یہ فقرہ کتنا پیارا ہے۔

" ہمارا کام ہے قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا۔ آگے قرآن اپنا کام کرے گا۔

خدا خیر کرے۔ اور ہمیں اس ارشاد پر لبیک رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

حضرت مولانا محمد علیؒ کا آخری پیغام جو جلسہ سالانہ ۱۹۵۰ء میں آپ نے قوم کو دیا۔

" آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسلِ انسانی بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے! اور قریب ہے کہ یہ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائے۔ وہ نسخہ جس سے یہ نسلِ انسانی بچ سکتی ہے، وہی ہے، جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچایا۔ یہ خدا کا آخری کلام ہے۔ یہ قرآن ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، مگر ہم اس نسخۂ شفا کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اس کے پہنچانے کیلئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے۔ ..... اپنے سینوں کو ٹٹولو کیا تمہارے دلوں میں وہ امام زماں کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے؟ اگر ہے تو وہ حرکت تم میں کیوں نہیں جو امام زماں کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی۔ تمہارا قدم دلوانہ وار آگے کیوں نہیں بڑھتا؟ ..... کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ دنیا کی محبت تمہارے دلوں میں اثر کرتی جا رہی ہے۔ اور تم دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو فراموش کرتے جا رہے ہو۔ اور جہاد کی روح کی جگہ تمہارے اندر آرام طلبی کی روح سرایت کرتی جا رہی ہے؟ ..... خدا سے ڈرو اور اس کے مسکین بندے بن جاؤ۔"

محمد ارشد علوی

”داغ ہجرت“

حضرت مسیح وقت کا وہ الہام

جو حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں جماعت لاہور کے قیام سے پورا ہوا۔

حضرت اقدس کو الہام ہو چکا تھا ”داغ ہجرت“ اس لئے آپ کو بار بار یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ نہ معلوم کس وقت قادیان چھوڑنا پڑے اس لئے جماعت کو جب کبھی کبھی تکلیف میں دیکھتے تو خیال ہوتا کہ شاید یہی وہ موقعہ ہو جب قادیان سے ہجرت کرنی پڑے۔

حضرت اقدس کی زوجہ محترمہ کی طبیعت علیل رہتی تھی اس لئے انہوں نے بھی تبدیلی آب و ہوا کے لئے لاہور چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے استخارہ کیا تو ۲۶ راپریل ۱۹۰۸ء کی صبح کو ۴ بجے یہ مصرعہ الہام ہوا:۔ ع

”مباش ایمن از بازیٔ روزگار“

آپ کو اس الہام سے تشویش ہوئی کیونکہ اس میں خطرہ کی خبر تھی مگر ممانعت نہ تھی اور بیوی صاحبہ کو بھی لاہور جانے کی خواہش تھی اس لئے آپ ۲۷ راپریل کو قادیان سے لاہور روانہ ہو گئے۔ لاہور جا کر آپ کو دوسرا مصرعہ الہام ہوا:۔ ع

”مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار“

جس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ اپنے مامور کو اپنے ہاں جلد بلا رہا ہے۔ کسے علم تھا کہ آپ جو لاہور تشریف لئے جا رہے ہیں اب واپس قادیان تشریف نہیں لا سکیں گے۔ اور آپ کا الہام ”داغ ہجرت“ اس رنگ میں پورا ہونے کو ہے لیکن علم الٰہی میں تو یہ وقت روحانی طور پر آپ کی وفات کے چھ برس بعد پیش آنے والا تھا اور حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ فی الحقیقت یہی وہ وقت تھا جو الہام کے تقاضے پورے کر رہا تھا صاحب نظر اور صاحب بصیرت افراد آج بھی اس الہام کے مفہوم اور منشاء کو سامنے رکھ کر ان واقعات پر غور کریں جو ۱۹۱۴ء میں حضرت اقدس کی وفات کے چھ سال بعد معرض وجود میں آئے تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہی وقت الہام کے بے کم و کاست پورا ہونے کا وقت ہے۔ اس کی تفصیلات پیش ہیں ملاحظہ فرمائیں:۔

آپ کا یہ الہام حضرت مولانا محمد علیؒ کے ذریعہ پورا ہوا۔ جب آپ کی وفات کے چھ برس بعد آپ کا تبلیغ و خدمت اسلام کا مشن لاہور آ گیا جس طرح قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں دیکھی تھیں وہ حضرت عمرؓ (نبی اکرمؐ کے دوسرے جانشین) کے ہاتھوں میں آئیں اور یوں یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اسی طرح داغ ہجرت کا الہام حضرت مولانا محمد علی صاحب (مسیح وقت کے دوسرے جانشین) کے ذریعے پورا ہوا۔ جب وہ قادیان سے ہجرت کر کے لاہور چلے آئے۔ دراصل اس الہام کا مطلب یہی تھا کہ آپ کی یہ ہجرت روحانی طور پر ہو گی یعنی آپ کا تبلیغ و اشاعت اسلام کا مشن قادیان سے ہجرت کر جائے گا۔ جیسا کہ وقوع میں آیا۔ اور آپ کا تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام قادیان سے لاہور میں منتقل ہوا۔ لاہور احمدیہ بلڈنگس میں آپ کا وصال اور آپ کے جسد مبارک کی قادیان کو واپسی جنا

الٰہی سے اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ حضرت مجدد وقت کی روح کے رفع الی اللہ کا مقام لاہور احمدیہ بلڈنگس ہے اور جسم بے جان کا مقام قادیان ہے۔ گویا آپ کی روح لاہور کے حصہ میں آئی اور جسم جماعت قادیان کے، شاید اسی لئے فرمایا ہے کہ:۔

”لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں“

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں جماعت لاہور کا قیام اور اس کے ذریعے حضرت اقدس کے مشن کی تکمیل اظہر من الشمس ہے۔ انگریزی ترجمۃ القرآن اور حضرت اقدس کے علم کلام کو حضرت مولانا مرحوم نے سب سے پہلے انگریزی زبان میں منتقل کر کے اقوام عالم میں مامور من اللہ اور ان کے مشن سے روشناس کیا۔ اور پھر اس لٹریچر کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کروا کر دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔ اسلام پر اس قدر لٹریچر کا اعتراف دنیا کے مفکرین کو آج بھی ہے۔ حضرت اقدس کے کشف کہ وہ لندن میں سفید پرندے پکڑ رہے ہیں۔ اسی صحت مند لٹریچر کی بدولت پورا ہوا جو حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے پیدا کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ جماعت لاہور کا قیام بذریعہ حضرت مولانا صاحب عمل میں آنا عین منشاء خداوندی کے مطابق ہے اور حضرت امیر مرحوم ہی حضرت اقدس کے دوسرے جانشین قرار پائے ہیں جنہوں نے الہام ”داغ ہجرت“ اور امام وقت کے مشن کو تمام و کمال بدرجہ اتم پورا کیا۔

جماعت کے نام آخری پیغام

——— از حضرت امیر مرحوم

برادران محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کسی کی صحت یا میری بیماری یا جب وقت مقرر آ جائے موت کوئی غیر معمولی چیز نہیں۔ یہ خدا کا قانون ہے۔ جو دنیا میں جاری ہے۔ میں ۱۰ ستمبر کو بیمار ہوا۔ ۱۸ ستمبر کو معلوم ہوا کہ میں خطرناک طور پر بیمار ہو چکا ہوں اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق میں بستر پر لیٹ گیا۔ اور آج خدا کے فضل سے مجھے بیٹھنے کی اجازت ملی ہے۔ ان ایام میں چالیس دن ایسے گزرے کہ میں روز محسوس کرتا تھا کہ میرا وقت مقرر آ چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کچھ اور مہلت دی گئی ہے۔ وہ کب تک ہے اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے مگر ان اوقات میں جب میں موت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھتا تھا۔ ایک ہی خواہش دل میں تھی اور یہی دعا تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کا اور کام مجھ سے لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے مجھے مہلت عطا فرمائے اور سامان بھی عطا فرمائے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا قرآن کو دنیا میں پہنچانا وہ گو ہم کر رہے ہیں مگر ہمارا قدم بہت ہی سست ہے۔ میرے دل پر اس بات کا صدمہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ ابھی تک اس کام میں حصہ نہیں لے رہے۔ حالانکہ کوئی کام بھی دنیا میں نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے لئے ایک جماعت کے دلوں میں دیوانگی پیدا نہ ہو۔ اسلام کی تاریخ کو اٹھا کر پڑھ لیجئے۔ یہی دیوانگی تھی جس نے ایک سو سال سے بھی کم عرصے میں خدا کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ حالانکہ اس وقت کوئی سامان سہولت کے اسقدر موجود نہ تھے مگر آج ہمارے لئے اس قدر سامان سہولت کے موجود ہیں مگر ہمارے دلوں میں اس کام کے لئے دیوانگی اور تڑپ نہیں۔ جس کی اس کام کے لئے ضرورت ہے۔

میں آپ لوگوں سے اپنی جماعت کے عزیزوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اپنے دلوں میں دیوانگی اور تڑپ پیدا کر دو۔ وہ دیوانگی اور تڑپ جو دنیا کو بھی نظر آ جائے۔ نمازوں میں اپنی دعاؤں کے اندر خدا سے یہ مانگو کہ اے خدا ہمارے دل میں اپنے دین کو پھیلانے کے لئے اور اپنے قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وہ محبت پیدا کر دے جو تو اپنے نیک بندوں میں پیدا کرتا رہا ہے۔ اے خدا تو میری آنکھوں پر سے اس پردہ کو ہٹا دے اور اپنے نور کے اس جلوے سے میرے دل کو روشن کر دے کہ میں تیری دنیا کو اس نور سے روشن کر دوں۔ یہ دعا بھی کریں مگر اسکے ساتھ ہی جدوجہد میں بھی اپنا قدم آگے بڑھائیں۔

فوٹو ٹائیٹل پیج دِی ریلیجن آف اسلام مصنفہ حضرت امیر مرحوم شائع شدہ مصر

THE

RELIGION OF ISLĀM

A COMPREHENSIVE DISCUSSION

OF

THE SOURCES, PRINCIPLES

AND

PRACTICES OF ISLĀM

BY

MAULANĀ MUHAMMAD 'ALI, M. A., LL. B.

PRINTED IN U.A.R. BY NATIONAL PUBLICATION & PRINTING HOUSE

جماعت احمدیہ لاہور کے اسلامی علم الکلام کی مقبولیت

احباب کرام کیلئے یہ خبر باعث مسرت ہوگی کہ یو۔ اے۔ آر (مصر) کے ایک نامی شاہی ادارہ موسومہ نیشنل پبلیکیشن اینڈ پرنٹنگ ہاؤس نے حضرت امیر مولانا محمد علی کی معرکتہ الآرا کتاب دی ریلیجن آف اسلام کو اپنے زیر اہتمام شائع کیا ہے

اخبارِ احمدیہ

* حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ احباب جماعت اُن کی صحت و سلامتی کے لئے اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔

* ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب مدظلہ العالی حضرت امیر قوم سے ملاقات کے لئے ۱۱/۸ کو قبل دوپہر دارالسلام سے احمدیہ بلڈنگس تشریف لائے۔ امیر قوم نے اپنے کمرہ میں حسب عادت آپکا پرتپاک استقبال کیا اور اھلاً و سھلاً و مرحبا کہہ کر بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ ملاقات سے فراغت کے بعد حضرت امیر سے رخصت ہو کر حضرت ڈاکٹر صاحب نے دارالکتب کا معائنہ کیا اور دارالکتب کے عملہ کا احوال دریافت فرمایا۔ آپ تھوڑی دیر مرکزی دفتر میں بھی تشریف فرما رہے۔

* سربراہ جماعت کے نائب صدر جناب فیروز نصر اللہ صاحب حضرت ڈاکٹر صاحب کی ملاقات کے لئے ۱۰ اکتوبر کی صبح اچانک دارالسلام تشریف لے آئے۔ آپ سربراہ میں محکمہ ٹیلیفون کے اعلیٰ افسر ہیں اور اپنے کسی سرکاری کام کے سلسلہ میں باہر گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر کراچی ٹھہرے تو مرکز جماعت کی محبت انہیں لاہور کھینچ لائی۔ آپ پہلی دفعہ پاکستان آئے تھے مگر محترم پروفیسر مددعلی صاحب کے گھر کا پتہ اُن کے پاس تھا۔ کیونکہ ان کی بیگم کے دو سرا نام کے وقت سے موصوف کا مکمل پتہ موجود تھا۔ وہ لاہور رات کو ائرپورٹ پر اترے اور ماڈل ٹاؤن میں محترم پروفیسر مددعلی صاحب کی کوٹھی پر گئے۔ رات وہاں گزارنے کے بعد صبح دارالسلام آ گئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے سارا دن اُن کے ساتھ مصروف گزارا۔ پھر آپ رات دس بجے کی فلائیٹ پر کراچی واپس روانہ ہو گئے۔ ائرپورٹ پر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے انہیں رخصت کیا۔ سب سربراہ کے احباب کی مانند جناب فیروز نصر اللہ صاحب کو بھی اپنے مرکز جماعت اور مرکزی شخصیتوں سے گہری محبت اور والہانہ عقیدت ہے۔ یہی محبت اور عقیدت اپنا سفر روک کر انہیں لاہور لے آئی۔ ان کا یہ جذبہ نہایت قابل قدر، لائق تحسین اور دین اسلام سے دلی لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔

* حضرت ڈاکٹر صاحب کی صحت اچھی ہے۔ آپ دینی اور جماعتی کاموں میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ احباب کرام دُعا فرمائیں کہ مطلع احمدیت کا یہ روشن ستارہ دیر تک چمکتا اور اپنی نورانی کرنوں سے جماعت کو منور کرتا رہے۔ نیز ہمیں ان سے اکتسابِ نور کی توفیق میسر ہو۔

حضرت امیر مرحوم کی تمام احباب جماعت سے درخواست

"میں احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا کام بہت عظیم الشان کام ہے اسلام کو دنیا میں پہنچانا ہے۔ قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے دنیا کی ظلمتوں کو دور کرنا ہے۔ ہمارا یہ عظیم الشان کام ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے اموال کو اس کے حصول کے لئے خرچ کریں ------------ لیکن ایک اور چیز کی ضرورت ہے جس کے بغیر ہمارے اموال اور کوششیں بھی بارآور نہیں ہوسکتیں ------------ وہ ہے خدا کے آگے گرنا اور اس کے حضور دعائیں کرنا اور اس کے قرب کو حاصل کرنا ---- لوگوں کو یہ راہ مشکل نظر آتی ہے لیکن یاد رکھیئے دعا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان یقینی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ دعا کا بہترین وقت سارے قرآن کو پڑھ کر دیکھ لو۔ نبی کریم صلعم کے تمام حالات کو دیکھ لو، ایک ہی نظر آئے گا۔ وہ ہے پچھلی رات کا وقت ---- سورۂ مزمل کو پڑھ کر دیکھ لو کہ کس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاک جماعت راتوں کو اٹھ کر خدا کے ہاں سربسجود رہتے تھے ---- خدا تعالے فرماتا ہے کہ رات کا اٹھنا انسان کے دل میں ایک زبردست قوت پیدا کر دیتا ہے۔ رات کا اٹھنا اور خدا کے حضور قیام کرنا یہ زیادہ کام کرنے کا نسخہ ہے۔ ہم نے امام زماں حضرت مرزا صاحب کو دیکھا ہے۔ رات کا بیشتر حصہ تہجد کی نماز میں گذارتے تھے، ان کے کام کو بھی دیکھ لیجیئے کہ کس قدر عظیم الشان وہ کام ہے، عمر کے آخری لمحوں تک کتابوں پر کتابیں لکھتے چلے گئے ہیں، وہ صرف کتابیں لکھنے والے نہ تھے۔ بلکہ خدا سے تعلق پیدا کر کے اس سے روشنی حاصل کر کے لکھتے تھے ------------ بڑے بڑے اولیاء اور برگزیدہ لوگوں نے اس راہ کو آزمایا اور صحیح پایا اور ان کی زندگی میں دو چیزیں بین طور پر نظر آتی ہیں، ایک عبادت کی زیادتی اور دوسرے کام کی زیادتی ---- راتوں کو اٹھیئے اور دعائیں کیجیئے۔ قرآن کی خدمت کی توفیق کا مل جانا بہت بڑی نعمت ہے، خدا کے آگے گڑگڑائیے۔ تمہیں وہ روحانی طاقت نصیب ہو جس سے تم اس قرآن کے نور کو دوسروں تک پہنچا سکو۔ میں تمام احباب جماعت سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عظیم الشان نصب العین میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے، ---- **دعا** ---- جس قدر ہوسکے خدا کے حضور میں گریہ وزاری اور دعا پر زور دیں، یہاں تک کہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے دعا کا پہلو ان پر غالب ہو۔ جماعت کی نمازوں سے ایک بلند مقصد حاصل ہوتا ہے مگر تنہائی میں بھی کچھ حصہ نماز کا ضرور ادا کرو۔ گھر کے کسی کونے کے اندر جہاں سوائے خدا کے اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ اس نماز کی عادت ڈالو کہ جب تم خدا کے آگے سجدہ میں گرو اور پھر اپنے سر کو اٹھانا چاہو تو اٹھا نہ سکو۔"

خطبۂ جمعہ مؤرخہ ۳/۲/۵۰ (لائبریری دار السلام)

(بحوالہ مجاہد کبیر صـ ۳۱۷ و صـ ۳۱۸)

باہتمام ریاض حسین الجدید پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا

جلد ۶۷ — یوم چہارشنبہ ۱۲ ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۰ء — شمارہ ۴۳

حضرت مجدد صد چہاردہم کا عشقِ قرآنی

کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند

دردا کہ حسنِ صورتِ فرقاں عیاں نماند — آں خود عیاں، مگر اثرِ عارفاں نماند

افسوس قرآن پاک کا حسن لوگوں کی نظروں سے چھپ رہا۔ وہ خود تو ظاہر ہے مگر اب عارفوں کا اثر باقی نہیں رہا

بینم کہ ہر یکے بہ غمِ نفس مبتلاست — کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند

میں دیکھتا ہوں کہ ہر شخص اپنی جان کے غم میں مبتلا ہے۔ لیکن کسی کے دل میں قرآن کی اشاعت کا درد نہیں رہا

جانم کباب شد ز غمِ ایں کتاب پاک — چنداں بسوختم کہ خود امیدِ جاں نماند

اس پاک کتاب کے غم میں میری جان کباب ہو گئی۔ میں اسقدر جل گیا ہوں کہ مجھے اپنی جان کی بھی امید نہیں رہی

اے سیّد الورےٰ مددے وقتِ نصرت است — در بوستاں سرائے تو کس باغباں نماند

یا رسول اللہ! مدد کا وقت ہے، مدد کیجیے۔ آپ کے چمن میں اب کوئی باغباں نہیں رہا

صد بار رقصہا کنم از خرمی اگر — بینم کہ حسنِ دلکش فرقاں نہاں نماند

میں خوشی سے سو بار رقص کروں اگر میں یہ دیکھ لوں کہ قرآن کا دلکش حسن دنیا پر ظاہر ہو گیا ہے

یارب چہ بہرِ من غمِ فرقاں مقدر است — یا خود دریں زمانہ کسے راز داں نماند

اے خدا! کیا میری قسمت میں قرآن پاک کا غم ہی لکھا ہے۔ یا اس زمانے میں کوئی راز داں نہیں رہا

اے بے خبر بہ خدمتِ فرقاں کمر بہ بند — زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اے نادان! قرآن کی خدمت پر کمربستہ ہو جا۔ اس سے قبل کہ "فلاں مر گیا"، کی آواز دنیا میں سنائی دے

حضرت امیر مرحومؒ

ریاضِ دیں میں تر و تازگی کے متوالے ○ ہر اک سے پوچھ رہے ہیں کہاں ہیں رکھوالے
شعورِ دیں کے در و بام ڈھونڈنے والے ○ بھٹک رہے ہیں کہ رستے نہیں ہیں اُجیالے

عروسِ لالہ و گُل کو ولی نہیں مِلتا
تو کارواں کو محمد علیؒ نہیں مِلتا

وہ جس سے دیں کے چمن میں بہار آئی تھی ○ وفورِ شوق میں خورشید وار آئی تھی
کلی کلی کا جو آنچل سنوار آئی تھی ○ وہ منزلوں کے اُجالے نکھار آئی تھی

وہ بن کے پرچمِ اسلام جونہی لہرائی
چراغدانِ کلیسا کی لَو بھی تھرّائی

وہی نگارشِ زرّیں ہے دیں کا سرمایہ ○ اُسی کی کاوشِ پیہم سے ہم نے پھل کھایا
ہمارے علم و فراست، اُسی کا ہیں سایہ ○ یہ سارے وعظ و نصیحت ہیں اس کا "فرمایا"

اگرچہ دین کی تبلیغ ہر کہیں ہو گی،
جگہ جو چھوڑی ہے اُس نے وُہ پُر نہیں ہوگی؟

یہ اب جو پھر سے جماعت کی کچھ بندھی ہے اُمید ○ دیارِ شوق میں آیا ہُوا ہے دَورِ سعید،
وہ ایک مردِ خود آگاہ کہ ہے اُسی کا مُرید، ○ سُنا رہا ہے شب و روز نصرتوں کی نوید،

دبی دبی تھی جو مدّت سے اپنے سینوں میں
چھلک پڑی ہے بصد جوش آبگینوں میں

مسیحِ وقت کی یہ جانشیں جماعت ہے ○ علیؒ و خواجہؒ مرحوم کی امانت ہے،
نہ اب حسینؒ[1] ہے یعقوبؒ[2] ہے، نہ رحمتؒ[3] ہے ○ ترا وجودؒ[4] ہمارے لئے غنیمت ہے

ترے وجود سے دُنیا میں اِک اُجالا ہو
جہاں میں حضرتِ اقدس کا بول بالا ہو

(ابوارشد)

[1] :- حضرت ڈاکٹر محمد حسین شاہ مرحوم [2] :- حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم [3] :- شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم [4] :- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی

فانصرنا على القوم الكفرين ٥ (البقرۃ ۲ ۔ آیت ۲۸۶)

ترجمہ :"۔ اللہ کسی نفس پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی وسعت کے مطابق ۔ اُسی کے لئے ہے جو وہ اچھی کمائی کرے اور اُسی پر ہے جو وہ بُری کمائی کرے ۔ اے ہمارے رب ہم کو نہ پکڑ اگر ہم بھول گئے یا ہم سے خطا ہوئی ۔ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تُو نے ان پر ڈالا جو ہم سے پہلے ہوئے ۔ اے ہمارے رب اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں اور ہمیں معاف فرما ، اور ہماری حفاظت فرما اور ہم پر رحم فرما ۔ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے پس کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما ۔"

یہ سورۃ بقرہ کی آخری آیت ہے ۔ اور یہ اُس عظیم الشان چالیسویں رکوع کی بھی آخری آیت ہے جس رکوع کی نسبت حضور سرورِ کائنات صلعم نے فرمایا کہ مجھے دو چیزیں دی گئیں جو کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں ایک تو سورۃ فاتحہ اور دوسرے سورۃ بقرہ کا آخری رکوع وہ رکوع اِسی دُعا پر ختم ہوتا ہے جو میں نے ابھی پڑھی ہے ۔ یہ رکوع کیا ہے ایک علم و معرفت اور حکمت و ہدایت کا سمندر ہے ۔ اس کے وسیع مضمون کا ذکر کرنے کا یہ موقعہ نہیں ۔ ہاں میں کہنا بھول گیا کہ ایک روایت کے مطابق یہ رکوع رسول اللہ صلعم پر معراج کے دوران نازل ہوا ۔ اِس سے بھی اس رکوع کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

تو یہ رکوع اُسی دعا پر ختم ہوتا ہے جو میں نے ابھی پڑھی ہے ۔ یہ دعا بھی سورۃ فاتحہ کے بعد لاجواب دُعا ہے ۔ دعا کی اہمیت قرآن کریم نے اس قدر رکھی ہے کہ خود قرآن کریم ایک عظیم الشان اور بے مثل دعا سے شروع ہوتا ہے یعنی سورۃ فاتحہ سے جو تمام دُعاؤں کی جامع ہے ۔ اور بقول رسول اللہ صلعم تمام قرآن شریف کا خلاصہ ہے ۔ پھر قرآن شریف ختم بھی ہوتا ہے دو دعاؤں پر یعنے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ۔ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آتی ہے جو بذاتِ خود ایک دُعا ہے ۔ اسی طرح سورۃ بقرہ کے آخری عظیم الشان رکوع کو جس کی مثل کسی نبی کو نہیں دیا گیا بھی اس دُعا پر ختم کیا گیا ہے جو میں نے ابھی پڑھی ہے ۔

اکثر لوگ جب بے توجہی سے اور ختم کرنے کی گھبراہٹ میں دعاؤں کو پڑھتے ہیں اس میں اُن دعاؤں کے قبول ہونے کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے ۔ دعا تو بقول حضرت مسیح موعود دُعا کرنے والے پر ایک موت وارد ہونے کی سی حالت چاہتی ہے کہ وہ دنیا و ما فیہا سے کٹ کر اور اپنے نفس کو مٹا کر جناب الٰہی میں مجسم دعا بن کر کھڑا ہو ۔ دُعا کرنے والے کے گناہ اور جس کے لئے دُعا کی جائے اس کے گناہ دُعا کی قبولیت میں حارج ہو سکتے ہیں ۔ اس لئے اپنے لئے استغفار کرنا اور جس کے لئے دُعا کرنے لگا ہو اس کے لئے استغفار کرنا قبولیت کے دروازہ کے کھلنے میں مدد دیتا ہے میں دُعا کے آداب میں اسوقت زیادہ نہیں جانا چاہتا ۔ نماز یا صلوٰۃ جس کے معنی ہی دُعا ہیں اُس کے آداب اور الفاظ پر غور کریں تو وہ دُعا کی بہترین شکل ہے ۔

اِنسان کے بوجھ :۔ اللہ تعالےٰ اِنسان پر جو بوجھ ڈالتا ہے وہ تین قسم کے ہیں ۔ اوّل تو شریعت کے بوجھ ۔ جتنے احکام شریعت کے ہیں شریعت پر عمل کرنے والے کے لئے آسان ہیں ۔ ... حالات پیدا ہونے کے علاوہ ہر شخص کی وسعت نفس علیحدہ ، علیحدہ ہے ۔ جس طرح کسی دو انسانوں کی شکل ایک جیسی نہیں ۔ اور ہر انسان اپنے سر کے بالوں سے لے کر پیر کے تلووں تک دُوسروں سے مختلف ہے اسی طرح ہر انسان کی وسعت نفس ۔ یا بوجھ اُٹھانے کی طاقت علیحدہ ہے ۔ تو فرمایا کہ جہاں تک شریعت کے بوجھ کا تعلق ہے اللہ تعالےٰ ہر نفس سے اتنی ہی توقع رکھے گا جتنی کہ اس میں وسعت یا طاقت ہے ۔ تو جہاں تک انسان پہ فرض ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی پوری طاقت اور ہمت سے ان فرائض کو ادا کرے ۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جسمانی طور پر بوجھ اٹھانا مفید ہوتا ہے جو لوگ جسم کی طاقت بڑھانا چاہتے ہیں وہ بوجھ اٹھانے کی ورزش کرتے ہیں ۔ پہلے تھوڑا بوجھ اٹھاتے ہیں اور جُوں جُوں ان کی طاقت بڑھتی چلی جاتی ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھا کر اپنے جسم اور اپنی صحت کو مضبوط تر کرتے چلے جاتے ہیں ۔ اس میں ہمارے لئے سبق ہے کہ دینی امور میں کبھی ہمیں شریعت کے یا دوسرے بوجھ جو اللہ تعالےٰ ڈالتا ہے اٹھانے سے گھبرانا نہیں چاہیئے جتنا ہم اٹھائیں گے اُتنا ہی ہماری روحانی طاقت بڑھتی چلی جائے گی ۔ بلکہ بعض مفسرین نے لا يكلف الله نفسًا الا وسعها کے معنیٰ ہی کئے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کسی نفس پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس نفس کی وسعت بڑھانے کے لئے ۔ جتنا نفس کی وسعت بڑھے گی اتنا ہی اللہ تعالےٰ جو زمینوں اور آسمانوں میں نہیں سماتا وہ اس کے نفس کے اندر سماتا چلا جائے گا ۔ اسی لئے نہ تو شریعت کے احکام نہ ابتلاؤں اور آزمائشوں کے بوجھ نبیوں تک کے لئے کم کر دیئے جاتے رہے بلکہ جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے الانبیاء اشد البلاء یعنے نبیوں پر سب میں شدید ابتلا آتے ہیں ۔ اور حضور صلعم جو افضل الرسل تھے حضورؐ پر سب سے زیادہ آزمائشیں اور ابتلاء اور تکالیف آئیں ۔ آپ نے خود فرمایا کہ ما اوذی النبیّون کما اوذیت یعنے دوسرے نبیوں کو وہ ایذائیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں ۔ حضرت امام راغب نے لا يكلف الله نفسًا الا وسعها کے یہی معنی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جنت جس کے لئے قرآن فرماتا ہے کہ عرضها كعرض السمٰوٰت والارض یعنے اس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے وہ انسان کے قلب میں پیدا ہی ہوتی ہے جب کہ نفس کی وسعت ان بوجھوں سے بڑھا دی جائے جو اللہ تعالےٰ انسان پر ڈالتا ہے ۔

تقدیری مصائب :۔ دوسری قسم کے بوجھ جو اللہ تعالےٰ انسان پر ڈالتا ہے ۔ وہ تقدیری مصائب ہیں جن کے لئے اس دُعا کے الفاظ ہیں ربنا ولا تحمل علينا اصرًا كما حملته على الذين

من قبلنا۔ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلوں پر ڈالے انہی کے بارے میں دوسری جگہ فرمایا:۔

ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات۔ یعنی ہم تم پر ضرور بالضرور آزمائشیں لائیں گے خوف یا بھوک یا مالوں یا نفسوں یا پھلوں۔ یعنے انسان کی کوشش کے پھلوں کے ضائع ہو جانے کی شکل میں۔ یہاں لفظ ابتلاء لائے جسکے معنے ہیں وہ چیز جو انسان کی مخفی حالت کو ظاہر کر دے۔ ابتلاء آتے ہیں تو جہاں خدا کے نیک بندے اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق صبر اور رضا، ہمت و استقلال، وفاداری اور جوانمردی کے دکھاتے ہیں وہاں کچھ لوگوں کی مخفی ایمانی یا علمی کمزوریاں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ خوبیاں ظاہر ہونے میں نہ صرف دوسروں کے لئے اعلیٰ نمونہ قائم کرنے کا ثواب ملتا ہے بلکہ وہ انسان ان خوبیوں سے اسی طرح سج جاتا یا مزین ہو جاتا ہے جس طرح درخت پھل اور پھول سے۔ اور مرنے کے بعد وہ انہی پھلوں کی لذت اگلے جہان میں کھائے گا جو وہ اپنے ساتھ یہاں سے لے جائے گا۔ اور جس انسان کے ان ابتلاؤں میں عیب یا کمزوریاں ظاہر ہو جاتی ہیں وہ بھی اُن کے لئے بہتر ہو جاتا ہے کہ انہیں اپنے عیبوں اور کمزوریوں سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ اور انہیں موقعہ ملتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں۔

اس قسم کے بوجھوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مجدد زماں نے کیا خوب بات فرمائی کہ انسان شریعت کے بوجھوں کو اٹھانے میں جہاں اسے اختیار دیا گیا ہے۔ اپنے لئے تن آسانی پیدا کر لیتا ہے۔ ذرا سا بہانہ ملا تو شریعت کی رعایتوں کو توڑ مروڑ کر اپنے لئے تن آسانی پیدا کر لیتا ہے اور وہ بوجھ نہیں اٹھاتا جو اس کے نفس میں وسعت پیدا کرے تو پھر اللہ تعالےٰ تقدیر کے بوجھ اس پر ڈالتا ہے۔ جو اس انسان کی وسعت کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس لئے تقدیری مصائب اور ابتلاؤں سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے۔ میں نے خود کئی دفعہ مصیبتوں میں پکارا کہ ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا یعنے اے ہمارے رب مجھ پر یہ مصیبت نہ ڈال کہ میں اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا مگر اللہ تعالےٰ نے میری نہ سنی اور مجھے وہ مصیبت سہنی پڑی تو میں نے بعد میں پایا کہ واقعی میں اسے سہہ سکتا تھا میں نے یونہی گھبرا کر پکارا تھا کہ میں اسے نہیں اٹھا سکتا۔

تو تقدیری مصائب کا آنا اللہ تعالےٰ کی مصلحت سے ہوتا ہے۔ مگر انسان کی فطرت انہیں ناپسند کرتی ہے۔ تو فرمایا کہ جہاں تک تمہارا تعلق ہے بے شک ان سے خلاصی چاہو۔ یعنے ان کے نہ آنے یا کم آنے کی دعا کرو۔ یا آگئی ہیں تو اُن سے خلاصی یا نجات چاہو:۔

گناہوں پر پکڑ:۔ تیسری قسم کا بوجھ جو اللہ تعالےٰ انسان پر ڈالتا ہے وہ اس کے گناہوں کا خمیازہ ہوتا ہے جو اسی دنیا میں بعض وقت مل جاتا ہے نہیں تو مرنے کے بعد ضرور ملے گا۔ تو اس بوجھ کے بارے میں بھی اس دعا میں ذکر دو جگہ پر ہے۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا یعنے اے ہمارے رب ہمیں نہ پکڑ اگر ہم سے بھول کر تیری نافرمانی یا گناہ ہو گیا یا ہم نے خطا کی یعنے جانتے بوجھتے گناہ کیا۔ اسی کے معنی ہیں توبہ کرنا بشرطیکہ انسان دوبارہ وہ بھول نہ کرے۔ بدی کرنے یا نیکی نہ کرنے کے بارہ میں، یا ارادتاً وہ خطا نہ دہرائے۔ آگے جو دعا آتی ہے ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہٖ یعنے اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جسکو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ تو اس بوجھ کو میرا جیسا گنہگار انسان تو گناہوں کے خمیازہ کا بوجھ سمجھتا ہے کہ اے ہمارے رب اگر تو نے ہمیں ہمارے گناہوں اور خطاؤں پر پکڑا تو وہ اتنے ہیں کہ ان کی سزا اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ یاد رہے کہ اس آیت کے شروع میں جو اصول بیان فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا یعنے اللہ تعالےٰ کسی نفس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی وسعت یا طاقت کے مطابق۔ تو یہ اصول تو شریعت کے اور تقدیری مصائب کے بوجھوں پر صادق آتا ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ڈالے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ بوجھ جو ہم اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتے۔ وہ تو ہمارے گناہوں کی شامت اعمال ہی ہو سکتے ہیں۔

اسی لئے اگلی پکار یہ ہے کہ واعف عنا ہمیں معاف کر دے اور واغفر لنا ہماری حفاظت فرما کہ ہم ان گناہوں اور خطاؤں کو دوبارہ نہ کریں وارحمنا اور ہمارے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے ہم تیری جن نعمتوں سے محروم ہو گئے وہ اپنے رحم سے ہمیں عنایت فرما۔

آخری دعا ہے وانصرنا علی القوم الکٰفرین۔ ہماری نصرت فرما کافروں کی قوم کیخلاف سب کافروں سے بڑھ کر کافر تو شیطان ہے جس کے لئے قرآن نے فرمایا کہ کان من الکٰفرین شیطان کے ساتھی انسانوں میں بھی ہوتے ہیں چاہے وہ اپنی قوم میں ہوں یا دشمنوں اور مخالفوں میں۔ اس بات کو قرآن نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کے ڈالے ہوئے بوجھوں کے علاوہ انسان پر مصیبتیں اور دکھ آتے ہیں شیطان اور اس کے اولیاء یعنے ساتھیوں کے ہاتھوں یا زبانوں سے۔ تو اس محاورہ میں فرمایا انت مولٰنا تو ہی ہمارا کارساز ہے تیرے سوا کس سے مدد مانگیں تو ہی ہماری نصرت فرما:۔

الغرض یہ دعا جس کو میں نے نہایت اختصار سے بیان کیا ہے بہت ہی جامع ہے کاش ہم اسے اس درد سے کر سکیں جس کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین:۔:۔

اخبار احمدیہ

* حضرت امیر قوم ایدہ اللہ خیریت سے ہیں۔ آپ نے نماز عید مسجد میں ادا فرمائی۔ احباب سلسلہ ان کی صحت و زندگی کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

* حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی کی صحت خدا تعالےٰ کے فضل سے اچھی ہے اور آپ دینی و جماعتی کاموں میں شب و روز معروف ہیں۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں عید کی نماز آپ نے پڑھائی اور عید الضحیٰ کی قربانی کی حقیقت اور اسکی زبردست حیثیت پر ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوٰی کی تشریح و تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اضحی کے معنی ہی قربانیاں ہیں اور قرآن کریم میں حج کے دنوں میں قربانی کے حکم کے علاوہ اس کے بعد از سر نو قربانیوں کا حکم ہے۔ جس میں حج کا کوئی ذکر نہیں آتا۔ پھر اس جانور کی قربانی میں ایک اہم سبق یہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار رہے کیونکہ جانور جس طرح انسان کا محکوم ہے اسی طرح انسان بھی خدا تعالےٰ کا محکوم ہے۔ اور اس کی ملکیت ہے پس جانور کی قربانی سے اپنی جان کی قربانی کا سبق سیکھنے والے افراد ہی دین و دنیا میں کامیاب اور بامراد ہو سکتے ہیں۔ (مکمل خطبہ موصول ہونے پر شائع کیا جائے گا)

جماعت کے شب بیدار بزرگ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کی صحت و درازیٔ عمر کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں تا اللہ تعالےٰ اپنے اس سعید بندہ کو اپنی تائید سے نوازے۔ اور اس کے انفاس مسیحائی سے زیادہ سے زیادہ انسانوں کو فیضیاب ہونے کی توفیق بخشے:۔

خدا کے دین کا جو غمگسار ہوتا ہے + خدا کا اس پہ کرم بے شمار ہوتا ہے

خدا کی نصرت و تائید اسکو آتی ہے + خدا کے فضل سے با برگ و بار ہوتا ہے

خدا کے قرب کی دولت سے بہرہ ور ہو کر

عزیز خاطر پروردگار ہوتا ہے

(مرتضیٰ خاں حسن)

پروفیسر محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ لاہور

بیادِ حضرت امیر مرحوم

کسی با عمل مومن کے خاندان کا اہل کہلانے کے لئے جسمانی ناطہ کافی نہیں بلکہ عمل کا دخل۔ اکتساب سے ہی روحانی طور پر اہل کہلانے کا انسان حقدار ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالٰی حضرت نوحؑ کو نہ فرماتا کہ "نوح تیرا بیٹا۔ تیرا اہل نہیں" اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم بزرگوں کی یاد کو بھلا دیں۔ ایسا ہرگز نہیں بزرگوں کا ہر سال نہیں بلکہ ہر روز ذکر خیر ہو۔ فخر کرنے اور پھر خواب خرگوش کے لئے نہیں بلکہ انکے نقش قدم پہ چلنے کے عزم کو دہرانے کے لئے اور اسی مقصد کے تحت میں نے آج قلم اٹھایا ہے۔

میں مولانا محمد علیؒ کو دنیا کی ایک عظیم انقلاب آفریں شخصیت سمجھتی ہوں لیکن اس دور میں کسی دعوے کو منوانے کے لئے سائنس۔ حقائق۔ دلائل اور اعداد و شمار مانگتی ہے۔ مندرجہ بالا آیت مبارکہ آل عمران سے ہے۔ ارشاد ہے "ہمارے رب ہم نے پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا ہے" اس آیت میں پکارنے والے کی ذات گرامی آپ سے مخفی نہیں۔ یہ سرورِ کونینؐ کی للکار رہبانگِ دہل اس قوم کو تھی جو پستی کی انتھاہ گہرائیوں میں غرق۔ روحانی۔ اخلاقی۔ سماجی اور سیاسی برائیوں میں اپنی مثال آپ تھی۔ فرمانِ الٰہی کے مطابق حضورؐ نے انہیں اسلام کا حیات بخش ابدی۔ آخری۔ کامل پیغام پہنچانے کا بظاہر ان حالات میں ناممکن فرض اپنے ذمہ لیا۔ اپنے اور آپکے ساتھیوں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ فرمایا "ہم ایمان لائے" اور ساتھ ہی اللہ تعالٰی سے دعا کی "کمزوریوں سے حفاظت۔ برائیوں سے پناہ مانگی" اور آخر میں یہ کہ "ہم کو راستبازوں کے ساتھ وفات دے"۔ آپ ظاہر ہے پوچھیں گے کہ اس آیت سے مولانا محمد علی مرحوم کا کیا تعلق ہے۔ تو عرض کرتی ہوں۔

اسی سورۃ شریف میں اہلِ کتاب کو مخاطب کیا ہے۔ فرمایا کہ وہ کتمان کے مجرم ہیں۔ ان کو حکم تھا کہ حضورؐ کی بعثت سے متعلق پیشگوئیوں کا اعلان کریں لیکن انہوں نے دنیاوی منفعت کی خاطر کتاب اللہ کو پسِ پشت پھینک دیا۔ ظاہر ہے قرآن کریم کا مقصد الزام تراشی نہیں۔ تاریخ اپنے تئیں دہراتی ہے۔ فطرتِ انسانی اپنی کمزوری کے باعث باوجود علم کے دھوکہ کھاتی ہے۔ دنیاوی فوائد کی خاطر بدی سے رغبت اور سچائی سے نفرت کرتی ہے۔ واقعاتِ سالقہ دہرانے کا مقصد مسلمانوں کو انتباہ ہے۔ نصیحت ہے۔ سورۃ فاتحہ میں سب سے پہلی دعا بھی یہی سکھائی کہ "صراطِ مستقیم" اگر اس راستے پہ چلنے کی توفیق جو انعام یافتہ لوگوں کا ہے۔ تو بار بار اسی دعا کے تحت ظالمین کی نشاندہی کی اور کتاب اللہ کے کتمان کو مرض بتایا اور ساتھ ہی ہادیٔ برحق نے علاج بھی بتا دیا اور وہ یہ کہ اسلام کے حیات بخش پیغام کو کھول کر بیان کرنا۔ نہ صرف مسلمانوں تک اس پیغام "منادی" ندا کو محدود رکھنا بلکہ غیر مسلموں تک اسے پہنچانا ہر ماہر معالج بیماری کے علامات کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔ لہٰذا کتاب مبین کا اسی سورت کی اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے "لیڈر۔ سجادہ نشین۔ پیر اور علماء" کرتے کراتے کچھ نہیں۔ جھوٹی شہرت و تعریف کے خواہاں ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے"

آیئے! ان آیات مبین کی روشنی میں اس صدی پر نظر ڈالیں۔ کتمان کے مجرم۔ آیاتِ قرآنی کو توڑ مروڑ کر اپنے مقاصد پر چسپاں کرنے والے۔ تعلیماتِ قرآنی کو پسِ پشت ڈال لینے والے۔ کچھ نہ کرنے کے باوجود تعریف کے خواہاں۔ جھوٹی شیخی میں مبتلا سچائی سے نفرت اور بدی سے محبت کرنے والے آپکے دائیں بائیں۔ آگے پیچھے نظر آئیں گے۔ اب آپ بفضل تعالٰی آزاد ہیں اور ۴۲ اسلامی ریاستیں بفضل تعالٰی موجود ہیں لیکن غور فرمائیں سب دنیائی

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے۔

امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے۔

تو ایسے ہی وقتوں میں اللہ تعالٰی کے دین کی حمایت کے لئے سلسلۂ انبیاء ختم ہو جانے کے بعد خاتم الانبیاءؐ کا پیغام "منادی" ندا کو من و عن اپنی اصل صورت میں گمراہ اور بھٹکی ہوئی انسانیت کی رہبری کے لئے لے کر چلنے والے۔ مجدد دین۔ قطب۔ غوث۔ اولیاء۔ شہداء۔ صادقین۔ صالحین پیدا ہوتے ہیں۔ ان غلامانِ رسول۔ خادمانِ دین کی وساطت سے پُرآشوب دور میں منادیٔ برحق حضور خاتم الانبیاءؐ کا پیغام پہنچتا رہا ہے اور پہنچتا رہے گا تا ابد بلا تغیر و تبدل۔ اس صدی کے آغاز میں مسلمانانِ ہند کی حالت زار کا مندرجہ بالا نقشہ آپ نے دیکھا۔ ایسے وقت میں قادیان کے گاؤں سے ایک فلاسفر نہیں۔ پی۔ ایچ ڈی یا انگریزی یونیورسٹی کا طالب علم نہیں۔ بلکہ اسلام کی حقیقی تڑپ رکھنے والا اپنے آقا کی منادی لے کر اٹھا۔ اسلام کے گہرے مطالعہ کے بعد دشمنانِ دین کے اعتراض اور ان کا دندان شکن جواب کسی لائبریری سے نہیں۔ خود قرآن سے سنتِ رسولؐ کے اتباع میں۔ ہر مخالفِ اسلام کو للکارا پہلی تصنیف براہینِ احمدیہ میں ۳۰۰۰۰۰۰ ۲۵ اعتراضات کا جواب دیا اور پھر مجدد صدی چہار دہم تائیدِ ایزدی سے تقریر۔ مناظرہ۔ مباہلہ۔ کتب۔ بریکٹ پمفلٹ اور اشتہارات کے ذریعہ سے ہر سٹیج۔ قریہ اور شہر میں عیسائی مشنری اور ہندو پنڈتوں کو شکست فاش دینے لگے۔ آپ نے "کونوا مع الصادقین" پر عمل کرنے والے خادمانِ دین کی ایک مٹھی بھر جماعت تیار کی۔ اس عہد پر کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے قرآن مجید کی تعلیمات کو فروغ دیتے ہوئے ہر شہر میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا کیونکہ قرآن نے عبادت اور حصول علم کو دین کا ستون قرار دیا۔ اب آپکے تیار کئے ہوئے مبلغ حضورؐ کی منادی کو لے کر بڑھے اور اب یہ عالم تھا عیسائی مشنریوں کو خفیہ سرکلر برٹش چرچ سے موصول ہوئے کہ "احمدی مشنری کا مقابلہ مت کرو"

میں نے مرزا غلام احمد مجددِ صدی چہار دہم کے دل میں اسلام کو فاتح دیکھنے کی تڑپ کا ذکر کیا ہے۔ ایک اشتہار میں لکھتے ہیں "یہ امر میرے لئے موجب غم اور پریشانی ہے کہ وہ تمام سچائیاں۔ معارف اور دین کی حمایت میں پختہ دلائل جو مجھ پر ظاہر ہوئیں۔ اور ہو رہی ہیں۔ ان سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگ اور یورپ میں حق کے طلب گار طالبعلموں کو اس سے فائدہ نہیں پہنچ رہا۔" اور پھر اپنی کتاب ازالۂ اوہام میں لکھتے ہیں "میری صلاح ہے کہ بجائے دعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں۔ ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ میں چاہتا ہوں تفسیر قرآن کا ترجمہ انگریزی میں کرا کر ان کے پاس بھیجا جائے" اور پھر دعوٰی کیا کہ "یہ کام دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا۔ یا اس سے جو

از میاں محمد احمد صاحب

حضرت امیر مرحومؒ کے دل میں خدمت و اشاعت قرآن کی تڑپ

<u>درس قرآن اور قرآن کے مطالعہ پر زور</u> :۔ مولانا محمد علیؒ جماعتی طور پر درس قرآن اور انفرادی طور پر قرآن کے مطالعہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ خود تمام عمر قرآن پر ریسرچ اور اس کے مطالعہ میں گزاری اور آپ کے تمام خطبات اور مکتوبات کو پڑھ کر دیکھا جائے تو یہ ایک رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ یعنی جماعت کو قرآن کی طرف توجہ دلانے کا۔ درس قرآن ہمیشہ سے جماعت احمدیہ کا ایک امتیازی نشان رہا ہے۔ حضرت صاحب کے وقت قادیان میں یہ سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت مولانا نورالدین قرآن و حدیث کے کئی درس دن میں دیتے تھے۔ اور مولانا محمد علیؒ ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ جب قادیان چھوڑ کر آپ لاہور میں آئے تو سب سے پہلا کام جو آپ نے شروع کیا وہ قرآن کا درس دینا تھا۔ اور یہ درس اس شان کا ہوتا تھا کہ جماعت لاہور کے علاوہ غیر احمدی تعلیم یافتہ اور فہمیدہ طبقہ کے کئی لوگ اس میں شامل ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ مولانا ظفر علی خاں نے بھی اپنے اخبار میں اس کی تعریف چھاپی۔ یہ درس قرآن آپ سال بہ سال کئی رنگوں میں دیا کرتے تھے۔ ایک تو عام طریق یہ کہ ایک رکوع پڑھ کر اس کی تفسیر کر دیں اور کئی باہر کے احباب کو جمع کر کے چوتھائی پارہ روز درس دیتے کہ چار ماہ میں قرآن ختم ہو جائے۔ کبھی سکول کے اساتذہ اور مبلغین کے لئے علیحدہ درس دیتے کبھی تعلیم القرآن کلاس جاری کر کے چھ ماہ میں قرآن ختم کراتے اور کبھی اس طریقہ پر درس دیتے کہ مختلف مضامین کا انتخاب کر کے اس پر تمام آیات قرآنی جمع کر لیتے اور روز ایک مضمون پر درس دیتے۔ گرمیوں کے چند ماہ آپ ایبٹ آباد، شملہ یا ڈلہوزی گذارتے تو وہاں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا اور جماعت کے کئی احباب چھٹیاں لے کر وہاں جاتے تا کہ آپ کے درس سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ طریقہ ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اپنی نوکری سے ریٹائر ہو کر لاہور آ بیٹھے اور درس قرآن کے سلسلہ کو نہایت خوبصورتی سے اپنے مخصوص انداز میں انہوں نے آگے بڑھایا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ تڑپ آپ کے خطبات اور تحریرات میں بہت نمایاں ہے کہ کسی طرح جماعت کے ہر فرد کے دل میں قرآن کا عشق اور اس کی خدمت اور اشاعت کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ آپ اکثر فرماتے تھے کہ احمدیت کی عزت قائم رہے گی تو صرف خدمت و اشاعت قرآن سے۔ اور اس کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ ہر فرد کے دل میں خود قرآن کو باقاعدگی سے پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔ قرآن کو پڑھتے وقت ہمارے دلوں کی کیا حالت ہو فرمایا :۔

"قرآن کو بہت کثرت سے پڑھو۔ اپنے گھروں کے اندر کسی کونے میں ایک چھوٹی سی غار بنا لو جہاں بیٹھ کر دنیا و مافیہا سے الگ ہو جاؤ۔ اور جو وقت میسر آئے وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھو۔ اور پڑھتے وقت دعائیں مانگو۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ظاہر ہے۔ جہاں خدا کی رحمت کا ذکر ہو تو یہ دعا کرو کہ وہ اس ساری زمین پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔ اپنی جماعت کے لئے رحمت کی دعائیں مانگو کہ اس وقت قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا بوجھ اس کے سر پر ہے۔ انعام پانے والوں کا ذکر آئے تو وہ سب انعام اپنے لئے مانگو جو پہلے راستبازوں پر خدا نے کئے۔ اللہ تعالےٰ کی زبردست طاقت کا ذکر آئے کہ کس طرح وہ حق کو غالب کرتا چلا آتا ہے تو تمہارے دل سے یہ فریاد اٹھے کہ دنیا پر آج ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ تو اپنی اس زبردست طاقت کا نشان آج بھی دنیا کو دکھا۔ قرآن کی عظمت کا ذکر آئے کہ یہ قرآن شفا اور رحمت ہے۔ یہ قرآن مردوں کو زندہ کرے گا، مشکلات کے پہاڑوں کو اڑا دے گا۔ زمین کے کناروں تک پہنچ جائے گا۔ تو تمہارے دل سے یہ دعا اٹھے کہ اے خدا [illegible]

وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے اس قرآن کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں۔ بارش سے مردہ زمین کو زندہ کر دینے کا ذکر آئے تو تمہارے دل سے یہ دعا نکلے کہ اے خدا یہ زمین جو روحانی طور پر مردہ ہو چکی ہے تو اس کو روحانی طور پر زندہ کر دے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے خدا تیری یہ قوم جو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے اٹھی تھی اسے اپنے رسولؐ کی نافرمانی سے بچا اور اس کو قرآن کی حامل بنا۔ اللہ تعالےٰ کے ان وعدوں کا ذکر آئے کہ وہ حق کو غالب کرے گا اور قرآن کئی پیرایوں میں اس کے ذکر سے بھرا پڑا ہے تو تمہارے دل سے یہ تڑپ اٹھے کہ اے خدا تو اس زمانے میں بھی حق کو غالب فرما۔ یہ آواز بھی بے کسی میں تمہارے دل میں اٹھے کہ اے خدا یہ میری آرزو ہی نہیں یہ تیرا وعدہ ہے۔ تو اپنے وعدے کو پورا فرما۔ تو نے اپنے رسولؐ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا مگر دنیا کی بے شمار قومیں ابھی اس رحمت سے محروم ہیں۔ تو نے اس قرآن کو ذکراً للعالمین بنا کر بھیجا تھا مگر ابھی بے شمار قومیں ہیں جن تک یہ پیغام نہیں پہنچا۔ اے خدا تیری نصرت تو یقیناً آتی ہے اور آتی رہے گی مگر اس کو جذب کرنے والے دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر سست ہو گئے ہیں۔ تو اپنی جناب سے ان میں قوت پیدا کر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غرضیکہ قرآن کو پڑھو مگر اس طرح نہیں کہ اس کے لفظ تو تمہاری زبان پر ہوں مگر تمہارے دلوں میں نہ اتریں قرآن کا صحیح مقام انسانوں کی زبانیں نہیں انسانوں کے دل ہیں۔ قرآن کو پڑھو مگر اس کا مقام اس سے بھی بلند تر ہے۔ اس کو اپنے قلوب پر وارد کرو۔ یہ قلب نبویؐ پر اترا اور قلب ہی اس کا مقام ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالےٰ کے الفاظ ہیں مگر تم ان سے قوت اس وقت حاصل کر سکتے ہو جب یہ تمہارے قلب سے نکلیں۔

ایک جگہ فرمایا :۔

"خود اپنے طور پر قرآن پڑھو اور اس پر غور و فکر کرو۔ قرآن کا پڑھنا ہر ایک احمدی کی زندگی کا لازمی جزو ہو جانا چاہئے۔ اپنی اولاد کو قرآن پڑھاؤ معنی اور مفہوم کے ساتھ۔ زیادہ نہیں تھوڑا چند آیات ہی سہی لیکن اس کو اپنی زندگیوں کا جزو بنا لو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ میں سے کس کو خدا قرآن کریم کا ایسا مفہوم سمجھائے جو دنیا کے لئے مفید ہو۔ اپنے دلوں کے اندر وہ تڑپ پیدا کرو جو محمد صلعم کے ساتھ تمہاری نسبت پیدا کرے۔ لعلّك باخعٌ نفسك کی تڑپ ہے کہ تو اپنی جان کو ان کے پیچھے غم میں ہلاک کرے گا اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔ جو بھی اس تڑپ کو پیدا کرے گا وہ حضرت نبی کریم سے اپنی نسبت پیدا کرے گا اس کے اپنے اندر بھی انقلاب پیدا ہو گا۔ اور وہ دنیا کے اندر بھی انقلاب پیدا کرنے کا موجب بن جائے گا۔"

<u>تعمیر جماعت اور انتظامی امور</u>

مولانا محمد علیؒ کی شخصیت کی ایک خصوصیت افراد جماعت کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھنے اور ہر چھوٹے بڑے سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کرنے کی تھی۔ اور یہ صرف اسی رنگ میں نہ تھی کہ آپ کا دروازہ جماعت کے ہر فرد کے لئے کھلا رہتا تھا اور لوگ آپ سے آزادانہ ملتے اور اپنی شکایات اور تکالیف بیان کرتے اور آپ حتی الوسع ان کی امداد فرماتے۔

ایک اور صفت مولانا محمد علیؒ کی ایسی تھی جس کی نظیر تلاش کرنا مشکل ہو گا۔ اور وہ تھی آپ کی فطرتی تعمیر پسندی۔ آپ جہاں کہیں رہے وہاں کچھ نہ کچھ بنتا ہی رہا۔ قادیان میں جس قدر تعمیری کام ہوا اس کا ذکر آ چکا ہے۔ اس کے روح رواں آپ تھے۔ قادیان سے لاہور ہجرت کر کے آئے تو [illegible]

طرح قوم کی شیرازہ بندی اور استحکام کے لئے جدوجہد شروع کی۔ اس بے سروسامانی کے ساتھ جس نئی قومی تعمیر کی بنیاد ڈالی گئی وہ اس قدر جلد بڑھتی گئی اور خدمتِ اسلام کا اس قدر ٹھوس کام ہونے لگا کہ سمجھدار مسلمانوں کی نظریں اکثر معاملات میں احمدیہ بلڈنگس کی طرف اٹھتی ہیں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے قریباً تمام جلیل القدر لیڈروں سے مولانا کے تعلقات قائم ہوئے۔ علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، سر محمد شفیع، سر عبدالقادر، سر فضل حسین۔ سب اس زمانہ کے سرآوردہ رہنما سمجھے جاتے تھے اور سب مولانا سے عقیدت رکھتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح بھی مولانا کی اس جماعت کی خدمت کے معترف تھے۔ بیرونی ممالک کے مذہبی وفد اور سیاح اور غیر مسلم مستشرق جب ہندوستان آتے تو مولانا سے ملاقات کر لے ضرور آتے تھے۔

آپ کی یہ تعمیری صلاحیت مذہبی اور علمی حلقے تک محدود نہ تھے۔ بلکہ زندگی کے ہر پہلو پر حاوی تھی۔ انجمن نے پہلے دن سے ہی اتنے کام شروع کئے کہ ان کا مالی پہلو ہر وقت مخدوش رہتا تھا لیکن مولانا کی توجہ اس طرف بھی اتنی ہی ہوتی تھی جتنی علمی سرگرمیوں پر۔ ہر وقت کسی نہ کسی تحریک کے لئے جدوجہد کرتے رہتے تھے۔ جس سے قوم میں مالی جہاد کی روح زندہ رہتی تھی۔ خدا نے آپ کی آواز میں خاص تاثیر رکھی تھی۔ حالانکہ آپ کی تقریر آپ کی تحریر کی طرح سے سادہ اور ڈرامائی حرکات سے مبرا ہوتی تھی جن کا کہ وقتی اثر ہوتا ہے ایسے مؤخر الذکر قسم کے مقررین قوم کو ٹھوس تعمیری کاموں کے لئے تیار نہیں کر سکتے۔ اس کے برعکس آپ جب کسی تحریک کے لئے کھڑے ہوتے تو شاید ہی کوئی دل ہوتا ہوگا جو آپ کی سادہ مگر دل سے نکلی ہوئی پُردرد بات سے متاثر نہ ہوتا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے حاضرین کے قلوب میں تحریک کر رہے ہیں۔ اس چھوٹی سی جماعت نے مولانا محمد علیؒ کی قیادت میں مالی قربانیوں کی جو مثال قائم کی ہے اس کا اعتراف مخالفین نے بھی کیا ہے۔ مولانا کی ان تعمیری صلاحیتوں کی بدولت ہی انجمن کی بنیادیں باوجود مسلسل مشکلات کے استوار ہوئیں۔ آپ نے اوکاڑہ میں ایک بڑی جائیداد انجمن کے لئے حاصل کی۔ مسلم ٹاؤن کے ساتھ ایک بڑا رقبہ نہایت سستی قیمت پر انجمن کے لئے خریدا۔ تاکہ وہاں کی کھلی اور مناسب فضا میں ایک ایسا مرکز بنایا جائے جو اس تحریک کے شایانِ شان ہو۔ کراچی کے قریب ملیر میں کوڑیوں کے مول ایک وسیع رقبہ خریدا۔ سندھ میں سینکڑوں ایکڑ زمین حاصل کی۔ غرضیکہ مالی لحاظ سے بھی تعمیر قومی کا حق آپ نے ادا کیا۔

مجاہدات اور دعاؤں کی تلقین۔

آپ کی تعمیری کوششیں صرف ظاہری اسباب تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جو آپ کی زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت تھی وہ تھی خدا کے حضور گرنا اور اس سے مدد مانگنا اور قوت اور طاقت کی التجا اور اس رنگ میں آپ تمام جماعت کو رنگین دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے تمام خطبات اور تحریرات کو پڑھ جائیے۔ بار بار یہی تلقین نظر آتی ہے۔ خود اپنی زندگی کا یہ حال تھا کہ جوانی سے نماز تہجد کی ایسی عادت پڑی کہ سفر ہو یا بیماری۔ اس میں تا مرگ کوئی ناغہ نہ ہوا۔ اشاعتِ اسلام کے لئے جو لگن آپ کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ وہ آپ کو ہر وقت بے چین رکھتی تھی۔ اور گو دوسروں کے لئے آپ کی پُرسکون و پُراطمینان شخصیت اور اشاعتِ اسلام کے لئے آپ کا عزم و استقلال ایک پہاڑ کی طرح نمایاں تھا۔ لیکن آپ کے دل کی بے چینی آپ کو مجبور کرتی تھی کہ آدھی رات کے بعد آپ اٹھ کر خدا کے حضور گر جائیں۔ آخری عمر میں آ کر اس تہجد کی گریہ وزاری نے ایک عجیب رنگ اختیار کر لیا تھا۔ جس کے گواہ آپ کے عزیز اور بعض قریبی بزرگ ہیں۔ بیماری میں بھی تہجد کے وقت اٹھ بیٹھتے تھے۔ حتیٰ کہ دل کی بہت زیادہ تکلیف کے دنوں میں ڈاکٹروں کے خواب آور ٹیکے آپ کو تہجد کے وقت سُلا نہ سکتے تھے۔ اور بستر پر لیٹ کر ہی عبادت کرتے تھے۔

یہ گریہ وزاری اور دعائیں اور مجاہدے بعض موقعوں پر اور بھی شدت اختیار کر لیتے

[illegible]

ہو یا رمضان کا مہینہ ہو۔ یوں تو جماعت کو ہر وقت نماز اور خاص طور پر نماز تہجد کی تلقین فرماتے لیکن ایسے موقعوں پر دعا کے مجاہدوں کو جماعتی رنگ دینے کے لئے تمام احباب کو شامل ہونے کی دعوت دیتے اور بار بار اس کو دہراتے۔ اخبار پیغام صلح کے فائل اس بات کے گواہ ہیں۔ یا وہ لوگ جنہوں نے وہ زمانہ دیکھا ہے کہ ہر رمضان میں اور بعض دوسرے موقعوں پر آپ نے بڑے بڑے پُردرد اور پُراثر خطبات اور مکتوبات کے ذریعے جماعت کو ادھر بلایا ہے اور ایسی ایسی دعائیں کرنے کی تلقین کی ہے جن کو پڑھ کر آج بھی دل پگھل جاتے ہیں۔ ایک حامل قرآن جماعت کیلئے سب سے بڑھ کر ضرورت خدا کے آگے گرنے کی ہے اور اس کا احساس ہمیشہ آپ نے دلاتے رہے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلعم کے نمونہ کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:۔

"وہ کیا اضطراب تھا آنحضرت صلعم کے دل میں جو آپ کو یوں بے چین رکھتا تھا۔ وہ اضطراب دلوں میں پیدا کرو۔ اس لئے راتوں کو اُٹھو اور خدا کے آگے رو۔ اور دلی درد کے ساتھ اس سے مدد مانگو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے دلوں کے اندر وہ تڑپ ہونی چاہیئے۔ کہ تمہاری راتوں کی نیند جاتی رہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر اس وقت کہ دینِ اسلام تمہاری امداد چاہتا ہے۔ اس درد نے تمہیں بے چین نہیں کیا کہ تم اٹھو اور خدا کے آگے روؤ تو تم نے کچھ بھی نہیں پایا۔ یہی ایک چیز ہے جس سے تم غلبہ پیدا کر سکتے ہو۔ ۔ ۔ ۔ اٹھو اور روؤ اور خدا سے مدد مانگو کہ وہ جلد دین کی کامیابی کے دن لائے۔ جس دن یہ جماعت راتوں کو اٹھ کر گریہ وزاری کرے گی اس دن کامیابی ہمارے قدموں میں ہوگی۔"

کہیں فرماتے ہیں:۔

"بے شک تم مالی قربانی کر رہے ہو لیکن ایک چیز کی ابھی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ تمہارے دلوں کے اندر وہ درد پیدا ہو جائے جو محمد صلعم کے دل میں تھا۔ یہ وہ درد تھا جو آپ کو راتوں کے وقت سونے نہیں دیتا تھا۔ جس کی گواہی قرآن کریم میں موجود ہے۔ آپ رات کو اٹھ کر خدا کے حضور سربسجود ہوتے تھے۔ خدا کی طاقت کا جلوہ ایسے ہی دل سے ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آتی ہے۔ اپنے دلوں کو اس کا محل بناؤ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی شخص اس جماعت کو گرا نہیں سکتا جب تک ایسے لوگ جماعت میں موجود ہیں جن کے آنسو رات کو بہتے ہیں۔"

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

"دنیا کے سب بڑے بڑے کام انسان اپنی خداداد طاقتوں سے کر لیتا ہے۔ ہواؤں۔ پانیوں۔ بجلیوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ مگر انسانی قلوب کو بدلنا، یہ اپنی قوت سے نہیں کرنا۔ اس کے لئے ایک اور قوت کی ضرورت ہے۔ جو خدا کے آگے گرنے سے ملتی ہے۔ خدا کے حضور گر کر طاقت کا ملنا، یہ لفظ ہی نہیں ہیں سب سے بڑی سچائی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔ کہ جو شخص خدا کے آگے گرا دنیا اس کے سامنے گر جاتی ہے۔ بس جو جماعت دعوت الی اللہ کے کام میں لگی ہے اس کے لئے پہلی شرط ہے کہ خدا کے آگے گرے اور اس سرچشمہ سے قوت حاصل کرے۔"

بقیہ رپورٹ جلسہ بتقریب یوم محمد علیؒ (سلسلہ آمدہ صفحہ ۸)

حضرت مجدد وقت کے پرانے رفقاء کے تذکرہ کیوقت مرزا مسعود بیگ صاحب آبدیدہ ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کے حوالے سے بتایا کہ میں نے حضرت امیر مرحوم کو بہت قریب سے دیکھا ہے وہ ایک عظیم خادم قرآن تھے اور وہ صرف احمدیت کے نہیں بلکہ ساری امتِ مسلم قوم کے خیر خواہ تھے۔ ان کی ساری زندگی اسلام کی عملی تفسیر تھی۔ خدا ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بعد نماز مغرب عشاء ادا کرنے کے بعد کھانا احباب و خواتین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اور یوں یہ جلسہ بخیر و خوبی انجام کو پہنچا۔

ـــــ رپورٹ مولوی نصرت رسول خان ـــــ

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

رپورٹ جلسہ تقریب یوم محمد علیؒ منعقدہ مورخہ ۱۰/۸/۸۰ء

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی

جامع دار السلام - لاہور

جامع احمدیہ دار السلام میں ۱۰/۸ کو حضرت امیر مولانا محمد علیؒ کی یاد میں ایک جلسہ زیر صدارت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ بعدہ شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی کے عقیدت مندانہ جذبات جناب محمد الزماں صاحب نے پڑھ کر سنائے۔ اس کے بعد ایک ننھی بچی عزیزہ سلیمہ بنت اعزاز الٰہی ملک صاحب نے ننھے منھے الفاظ میں اپنا اظہار عقیدت پیش کیا۔ بعدہٗ مولانا مرزا محمد لطیف صاحب نے حضرت مجدد زماں کی کتب ازالہ اوہام وغیرہ اور قرآن پاک اور حدیث کی روشنی میں حضرت مولانا محمد علیؒ کی زندگی پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ حضرت امیر مرحوم کو حضرت مجدد وقت نے براہین احمدیہ کی تصنیف سے بھی پہلے اپنے کشف میں منصور دیکھا۔ ۱۸۸۶ء میں حضرت مجدد نے ایک کشف میں دیکھا کہ آپکو ایک تفسیر قرآن دی گئی اور بتایا کہ یہ علی کی تصنیف ہے اور وہ آپکو دیتا ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر جو حضرت مولانا محمد علیؒ نے تصنیف کی اسکو حضور مجدد مرزا صاحب کے نام سے معنون کیا اور بتایا کہ میری تمام خوشبو ان کی ہے۔ قرآن پاک کی یہ تفسیر لاجواب ہے۔ مقرر نے حضرت مرزا صاحب کے الہامات و کشوف سے حضرت مولانا محمد علیؒ مرحوم کی عظمت کا ثبوت دیا۔ اس طرح انہوں نے حضرت امیر مرحوم کو نہایت عمدہ طریقہ سے خراج عقیدت پیش کیا۔

ان کے بعد جناب ڈاکٹر اصغر حمید صاحب نے ایام حج کی مناسبت سے حضرت ابراہیمؑ اور انکے عظیم فرزند حضرت اسماعیلؑ کا ذکر کیا اور انکی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ ہاجرہؑ کا ذکر کیا وہ سب خدا کے فرمانبردار تھے اور انہوں نے خدا کے حکم پر ہر طرح کی قربانی دی اور اپنی جان تک سے بھی دریغ نہ کیا۔ اس بات میں یہ راز بتایا کہ حصول عظمت کے لئے قربانی ضروری ہے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ نے بھی اپنی زندگی کو خدمات دین کیلئے وقف فرمایا اور انکی پوری زندگی راہِ خدا میں قربانی کی عظیم مثال ہے۔ پھر جناب اعظم علوی صاحب نے اپنا منظوم کلام ہدیۂ عقیدت پیش کر کے سامعین سے داد وصول کی نظم کو بہت پسند کیا گیا۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور جناب مرزا مسعود بیگ صاحب نے محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کے حوالے سے حضرت مولانا محمد علیؒ کے احباب کا ذکر کیا۔ اور بتایا کہ آپ اپنے رفقاء سے بے حد محبت کرتے تھے جن میں حضرت خواجہ کمال الدین، حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، حضرت شیخ رحمت اللہ اور دوسرے احباب۔ مقرر موصوف نے بتایا کہ حضرت امیر مرحوم کو ہم سے جدا ہوئے ۲۹ سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ ان بزرگوں کی اسقدر باہمی الفت تھی کہ وہ ہر روز شام سے عشاء تک اجلاس کرتے تھے اور اسلام کی اشاعت و ترقی کی سکیمیں بناتے اور وہ اسقدر آپس میں محبت رکھتے تھے کہ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر انکو چین نہیں ملتا تھا۔ یہ ارکان انجمن جنہوں نے لاکھوں روپیہ اشاعت و خدمت اسلام کیلئے دیا۔ دفتر انجمن کیلئے اپنے گھروں کو پیش کیا۔ مسجد کیلئے جگہ دی غرضیکہ وہ سب عظیم اور مقدس ہستیاں تھیں جن کا یہ گروپ تھا۔ حضرت مجدد وقت نے ۱۹۰۶ء میں انجمن قائم کی جس کے ارکان تیرہ تھے ۱۹۱۴ء میں اختلاف کے بعد سات ارکان لاہور تشریف لائے جبکہ باقی چھ میں سے بھی تین بھائی صاحب اپنے عزیز حضرت مولانا کے احباب تھے۔ جو مخلص اور دین کی خدمت کیلئے ہر طرح کی قربانی کرنے والے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ملازمتیں تک چھوڑ دیں۔ یوں دین کے کام میں شب و روز لگے رہے اور دنیا کے سامنے حضرت مجدد صد چہاردہم کے صحیح اعتقادات پیش کرنے کا حق ادا کر دیا۔ خدا ان پر رحمتیں نازل کرے

وہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا

اعظم علوی

۱۔ کینیڈا سے احمد اسحاق صاحب لکھتے ہیں:۔

میرے پیارے مسلم بھائی السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ کا ۷ اگست کا محبت نامہ ملا۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ آجکل میں یہاں کے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اسلام کی صحیح تعلیم سے دلچسپی پیدا کرنے کیلئے کوشاں ہوں۔ میرے ایک مسلمان دوست نے جو حضرت مولانا محمد علیؒ کی نسبت نہایت اونچے خیالات رکھتا ہے اور ان کا بڑا احترام کرتا ہے اس نے پُرجوش لہجہ میں مجھے کہا ہے کہ حضرت مولاناؒ کا انگریزی ترجمۃ القرآن مع متن اور تفسیر اور انکی مایہ ناز تصنیف دی ریلیجن آف اسلام ضرور حاصل کرو، لہٰذا ملتمس ہوں کہ کینیڈین کرنسی میں مجھے ان ہر دو کتب کی قیمت سے اطلاع دیں۔ نیز مجھے امریکہ اور برطانیہ میں اپنی شاخوں کے پتے بھی بھجوائیں۔ جواب سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔

۲۔ کلکتہ (بھارت) سے رفیق احمد صاحب نے لکھا ہے:۔

مکرم و محترم جنرل سیکرٹری صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپکا ۱۰ ستمبر کا خط ملا۔ آپ نے میرے محترم علی احمد مرحوم کی وفات پر جس رنج و غم کا اظہار فرمایا اور جماعتوں میں جنازہ غائبانہ کی تحریک فرمائی اس کے لئے میں آپکا اور تمام جماعت کا شکرگزار ہوں۔ آپنے میرے والد کو یاد رکھا ہے احسان مند ہوں میرے ایک دوست جو دس سال سے کٹر بہائی ہو چکے تھے والد مرحوم اُن سے خوب بحث مباحثہ کرتے تھے۔ یہ پہلے غیر احمدی تھے پیغام صلح کے مطالعہ سے احمدی ہو گئے اور پھر ایک اور دوست کو جو در پردہ بہائی تھا اُسے بھی احمدی بنا لیا۔ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ میری صحت خراب رہتی ہے۔ آپ کی جماعت کی دُعاؤں کا بے حد محتاج ہوں۔ بزرگانِ سلسلہ مجھے اپنی نیم شبی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ والسلام

۳۔ کڈانا سٹیٹ (نائیجیریا) سے الہارون لکھتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے آپ کو یہ خط لکھنے کی توفیق دی۔ آپنے اپنے خط میں جن چار کتب کی ترسیل کا وعدہ فرمایا تھا الحمد للہ وہ مجھے بحفاظت مل گئی ہیں۔ (۱) اسلام اینڈ مسلم پریئر بک (۲) اسلام دی ریلیجن آف ہیومینٹی (۳) پرافٹ آف اسلام (۴) دی ہومن سول ایکٹ اینڈ لائف آفٹر دیتھ، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ مکرمی مزید درخواست گزار ہوں کہ مجھے مزید لٹریچر بھجوائیں جو سیدھے راستہ پر میری راہنمائی کرے آخر میں خالق مطلق سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ضلالت کے سمندر میں ڈوبنے سے بچائے اور سیدھے راستہ پر راہنمائی فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہی امداد کرتا ہے جو صراطِ مستقیم پر ہوں۔ جزاک اللہ خیرا۔

۴۔ نیڈی ابن آرار گھانا سے عبد الٰہی ایم گونڈا نے لکھا ہے:۔

مکرمی میں ایک پندرہ سال کا مسلمان لڑکا ہوں۔ جسے اسلام سے بے حد دلچسپی ہے میں قرآن مجید بآسانی پڑھ سکتا ہوں اب سکینڈ ایئر میں ہوں تھرڈ ایئر میں اسلامک سٹڈی میرے اختیاری مضامین میں شامل ہوگا۔ آپکے تعاون سے ہی میں اس قابل ہو سکوں گا کہ اس مضمون کی بطریقِ احسن تیاری کر سکوں۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ مجھے مولانا محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن مہیا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اس کے علاوہ بھی جو لٹریچر میری تیاری میں ممد و معاون ہو ضرور بھجوائیں۔ مجھے اُمید ہے آپ میری یہ آرزو پوری کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

۵۔ ہوٹیو مغربی افریقہ سے محمد حمید لکھتے ہیں:۔

پیارے برادرم۔ السلام علیکم۔ آپ کا متبرک کتب پر مشتمل پیکیٹ جو آپنے ۱۶ مئی کو بھیجا تھا مجھے ۱۱ جولائی کو جمعہ کے دن موصول ہو گیا۔ میں آپکے ہمدرد اور تبلیغی ادارہ کا بے حد شکرگزار ہوں جس نے میری روح اور دل کی تسکین کا سامان بھیجا۔ میں اپنی حقیر دعاؤں سے آپ کو یاد کرتا ہوں۔ آپ کا قیمتی تحفہ ...

ارشد علوی

آپ بھی اپنے ماضی کے دریچوں سے جھانک کر دیکھیں یقیناً آپ کو ایسے واقعات مل جائیں گے جو جماعت کی امتیازی خصوصیات کے مظہر ہونگے۔ اور انہیں لکھ بھیجئے تاکہ نئی نسل کو اپنے آداب اخلاق، رہن سہن اور چال چلن سنوارنے میں رہنمائی حاصل ہو (ارشد)

ہمیں آج جن مشکلات کا سامنا ہے وہ آج سے نوّے سال پہلے بھی اسی طرح ہی تھیں مگر ہمارے بزرگوں نے جس جانفشانی سے اس احمدیت کے پودے کو اپنے خون سے سینچا وہ جذبہ وہ ہمت وہ تڑپ وہ محبت قابلِ تحسین ہے۔ آج ہم اس دور کو ترس رہے ہیں جو ہم نے بچپن میں اپنے بزرگوں کے ساتھ گزارا ہے۔ آج آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم جاتے ہیں جب ہمارے بزرگ مہینے میں ایک دو دفعہ جلسوں میں ہمیں ساتھ لے جاتے تھے۔

ایک دفعہ دادا جان مرحوم (حکیم خلیفہ محمد اسلم علوی) نے بدوملہی میں جلسہ منعقد کیا۔ جگہ کافی لمبی چوڑی تھی۔ آجکل یہاں آڑھت وغیرہ ہوتی ہے سردیوں کے دن تھے۔ روشنی کا انتظام نہ تھا۔ اس لئے تیل کے گیس استعمال کئے گئے تھے اور بڑا عظیم الشان اجتماع تھا۔ اس اجتماع میں احمدی لوگوں کے علاوہ اور لوگ بھی شامل تھے۔ ہم لوگ بلیئر صاحب کے مکان کی چھت پر بیٹھ کر سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ سخت سردی کے باوجود لوگ کمبل اور چادریں کو اوڑھ کر بڑی خاموشی اور منظم طریقے سے جلسہ سن رہے تھے۔ عورتیں بچے مکانوں کی چھتوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ رات گئے تک جلسہ ہوتا رہا۔ ایک دن پتہ چلا کہ سیالکوٹ سے مبلغ تشریف لا رہے ہیں۔ دادا جان نے فرمایا۔ ارشد رات کو ماسٹر عبدالغنی صاحب (مرحوم) کی طرف چلنا ہے۔ سیالکوٹ سے مبلغ تشریف لائے ہیں اُن کی باتیں سُنیں گے۔ مغرب کے بعد ہم ماسٹر صاحب مرحوم کے گھر پہنچ گئے۔ پتہ چلا کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں ہم مسجد میں گئے۔ سب سے سلام دعا کے بعد بیٹھ گئے۔ ایک دوسرے کا حال احوال پوچھنے کے بعد حضرت مرزا صاحب کی باتیں بتانا شروع کر دیں۔ یہ رات بھی سخت سردی کی تھی۔ لوگ پرالی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دیا جل رہا تھا اور بڑے انہماک سے باتیں سُن رہے تھے۔ عجب روحانی ماحول تھا مسجد کی دیواروں سے کچی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اگربتی کا کام دے رہی تھی۔ تقریباً رات کے ۱۱ بجے فارغ ہوئے۔ اسی طرح ایک دن سیالکوٹ کے مبلغ ہمارے گھر بدوملہی تشریف لائے۔ عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ میں کھیل کود سے فارغ ہو کر گھر آیا تو تعارف کرایا گیا۔ کہ یہ مبلغ ہیں۔ اتنے میں دادا جان نے فرمایا کہ آؤ نماز پڑھ لیں۔ تو مبلغ صاحب نے فرمایا چلو جماعت کر لیتے ہیں۔ مگر اس کے لئے تین آدمی چاہئیں تو دادا جان نے مجھے حکم دیا کہ وضو کر کے آؤ تاکہ جماعت بن جائے۔ پھر ہم تینوں نے نماز پڑھی۔ دادا جان مرحوم ہر روز صبح سویرے با آواز بلند تلاوت فرماتے تھے۔ ان کی تلاوت کی آواز سے آنکھ کھل جاتی تھی بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا گویا خواب میں کسی مسجد میں بیٹھے ہیں۔ اور وہاں تلاوت ہو رہی ہے۔ مبلغ کے آنے کی جب کبھی خبر ملتی تو گھر میں پُر تکلف کھانے تیار ہوتے تھے۔

جلسہ سالانہ کے دن قریب آ رہے ہوتے تھے تو گھر میں عید کی طرح تیاریاں شروع ہو جاتیں۔ بستروں کا بند و بست ہو رہا ہے۔ میرے بچپن کا بیشتر حصہ بدوملہی (سیالکوٹ) میں جہاں مخلص احمدیوں کی بہت بڑی جماعت ہے۔ انجمن کا ایک ہائی سکول بھی تھا۔ جہاں نویں جماعت تک مجھے تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ سکول میں صبح کو حضرت مرزا صاحب کے کلام

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا ✤ نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

بڑے ترنّم سے پڑھایا جاتا۔ غرضیکہ ہمارے بزرگوں نے خواہ وہ ماسٹر ہوں یا تاجر، امیر ہوں۔ یا غریب، احمدیت کی ہر رنگ میں تبلیغ کی ہے۔ ہیڈ ماسٹر عبدالحفیظ بٹ صاحب اور جناب ماسٹر عبدالغنی صاحب جو احمدیت کے رنگ میں رنگین تھے اکثر لڑکوں کو جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے تیار کیا کرتے تھے۔ اُن دنوں وہ صبح کو روزانہ لڑکوں سے پوچھتے۔ ہاں بھئی لاہور کس نے دیکھا ہے اور کس نے نہیں دیکھا۔ اکثریت نہ دیکھنے والوں کی ہوتی تھی۔ تو بٹ صاحب فرماتے بھئی کہاوت ہے "جنہیں لاہور نہیں دیکھیا اوہ جمیاں ای نئیں" (جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا) اس طرح بڑا قہقہہ پڑتا اور کافی لڑکے جلسہ پر لاہور آنے کے لئے تیار ہو جاتے اور جب وہ لاہور آتے تو مفت کھانا مفت آرام دہ رہائش اور حُسنِ سلوک سے متاثر ہو کر جاتے اور اپنے والدین کو احمدیت کے متوالوں کی تقریروں کے متعلق بتاتے کہ کس طرح دین محمدؐ کو یہ انجمن پھیلا رہی ہے۔ اس طریقے سے اُن کے بزرگوں کو بھی احمدیت کو قریب سے دیکھنے کی خواہش ہوتی اور رابطہ پیدا کرنے میں کوئی تامل نہ کرتے۔

ایک احمدی اُستاد کے جذبے کو سراہتے ہوئے دل یہ کہہ اٹھتا ہے۔ کہ اس جماعت میں ایک نہیں تمام ممبر پاک ہیں جیسا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں۔ ان کے دل احمدیت سے معمور ہیں۔ احمدیت دل میں اُتر چکی ہے اور دنیا کے ہر کام میں احمدیت کی جھلک نظر آئے گی۔ جو دین اسلام کے اصولوں سے ہٹ کر نہیں ہوگی۔

ہر احمدی کے دل میں ایک مقصد کار فرما ہے۔ اور وہ ہے تبلیغ اسلام اور حضرت صاحب کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خدائی وعدہ ہے کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"۔ ہم نے بچپن میں تو یہ حالات دیکھے مگر آج ہم آئندہ آنے والی نسلوں کو کیا دکھائیں گے۔ ہم بزرگوں سے استدعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان طعنوں سے بچائیں جو غیر ملکی لوگ بزرگوں کو دیتے ہیں کہ لاہور میں تو بوڑھے ہی بوڑھے ہیں اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب (چیئرمین تبلیغ بلاد غیر) نے بھی فرمایا تھا کہ بیرونِ پاکستان لوگ پوچھتے ہیں کہ:۔ WHERE IS THE LEADERSHIP OF TOMORROW

اور چار آدمی جب بیٹھ کر احمدیت کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "یار یہ جماعت اب ختم ہو گئی ہے ان کے پاس زمین نہیں رہی تعلیمی ادارے نہیں رہے۔ ان کے پاس اب فنڈز نہیں رہے۔ غرضیکہ مایوسی کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقت سے بے خبر ہیں۔ کون کہتا ہے یہ جماعت ختم ہو گئی ہے۔ یہ تو خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ جماعت ہے۔ یہ جماعت تو تاقیامت رہے گی۔ اس جماعت کو تو خدا ہی ختم کر سکتا ہے اور وہ بھی دنیا کے ساتھ۔ آج کا دور مایوسی ہے۔ اس سے نہیں گھبرانا چاہیئے۔ حضرت مرزا صاحب تو بہت ہی کٹھن حالات سے گزرے ہیں انہوں نے اس وقت بھی مایوسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیا تو ہم کون ہوتے ہیں جو اس قسم کی باتیں کریں۔ ہمارے ساتھ احمدیت کی روحانیت سے بھرے ہوئے دلوں والے بزرگ ہیں جن کا شفقت سے بھرا ہوا ہاتھ ہمارے سروں پر ہے میاں فضل احمد صاحب کے ہاں ایک تقریب برائے رابطہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ تو انہوں نے خوب آؤ بھگت کی۔ اور ان کے چہرے سے عیاں ہو رہا تھا کہ وہ روحانی طور سے بہت زیادہ خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ جناب فاروقی صاحب کا بے تکلفی سے گلے لگانا بھی پیار و محبت میں اضافہ کا موجب بنتا ہے۔ جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب سے جب بھی ہاتھ ملایا تو ایک روحانی بجلی سی ہاتھ میں دوڑ جاتی ہے۔ جو دل کو سکون اور فرحت سے مالا مال کر دیتی ہے۔ جناب مرزا مسعود بیگ صاحب کا حسن اخلاق دل کو موہ لیتا ہے۔ جب اس قسم کے بزرگ اس جماعت میں ہوں تو کون کہتا ہے کہ احمدیت ختم ہو گئی۔ ہم ختم ہو جائیں گے مگر احمدیت کو تو تا قیامت رہنا ہے اور اس نے دین محمدی کو صحیح اسلامی خطوط پر دنیا کے کناروں تک پہنچانا ہے۔ ہماری جان ہمارے مال اس جماعت کے لئے وقف ہیں۔ بزرگوں سے استدعا ہے کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل اور کرم کی ہم پر بارش کرے۔ اور احمدیت یعنی اسلام کی تبلیغ کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ اور بزرگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

از:۔ چوہدری غفور احمد ملہی صاحب، فلیٹ ۱ احمدیہ بلڈنگس نشتر روڈ۔ لاہور

آہ! لختِ جگر اسحاق اختر ملہی

نے ماں کی آغوش میں آنکھ کھولی اور ماحول پر ایک نگاہِ غلط انداز ڈالی تو دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اور آ
مین جوانی میں اس نے جو آنکھیں موندیں تو کلیجہ مونہہ کو آگیا اور خوشیوں بھرے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔

ماں جس نے اسے اپنے خون سے سینچا دم بخود ہے اور میرا یہ حال ہے کہ اظہار غم کروں تو ماحول تہ و بالا ہونے کا خطرہ ہے۔ ؎

وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد ۔ عجب گومگو کا عالم ہے۔

جس ماں کا پہلا بچہ (دلپوٹھی کا) لائق ہونہار فرمانبردار نوجوان خاندان اور ماحول کا ہر لعزیز بچہ ہنستا کھیلتا دنیا سے منہ موڑ کر چلتا بنے اسے کیا کہہ کر بہلاؤں۔ کس واسطے سے اس کے دل کی ڈھارس بندھاؤں پچیس سال تک آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے والے چاند کی اچانک روپوشی کی کیا توجیہہ کروں سوائے اس کے کہ ؎

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جان فدا کر

اور انا للہ وانا الیہ راجعون۔ راضی ہیں ہم رضا پہ تیری کردگار آج

پیارے اسحاق اختر ملہی کو کیا ہوا۔ آپ یقیناً جاننا چاہتے ہونگے اور بے شمار خطوط میں اس کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ اس بارہ میں کچھ روشنی ڈال کر اپنے غم کو قدرے ہلکا بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اور بعض امور پر بزرگان سے روشنی بھی چاہتا ہوں۔

تعلیم کے میدان میں ہائی سکول تک اسحاق اختر نے ثابت کر دیا کہ وہ جوہر قابل ہے۔ کالج میں یہ جوہر اور کھلے اور پھر میری خواہش پر بی۔ اے پاس کرنے کے بعد لاء میں داخلہ لے لیا۔ اور یہ اس کا آخری سال تھا جس کا امتحان ۹ ستمبر سے شروع ہے۔ کالج میں اور یونیورسٹی میں اس کا شمار نہایت ملنسار ہمدرد اور ہونہار طالب علموں میں ہوتا تھا۔ ایل ایل بی کے فائنل امتحان کے لئے جب یہ کلاس تیاری کے لئے یونیورسٹی سے فارغ ہوئی تو ایک دن دوپہر کے قریب اپنی دادی جان کے گلے لگ گیا اور انہیں اپنے بازوؤں میں لے کر کہنے لگا "ماسی جی مجھ سے ایک وعدہ کرو (دادی جان کو ہر کوئی ماسی جی ہی کہتا تھا) میری فاتحہ پڑھوگی۔ جنازہ ادا کروگی۔ میری قبر پر دیا جلاؤگی۔" انہوں نے جواب دیا "تم نے میرا پڑھنا ہے کہ میں نے تمہارا۔ ایسی باتیں نہ کرو" وغیرہ۔ اس پر عزیز نے کہا کہ چچا جان منظور احمد کی عمر بھی پچیس سال سے ایک ماہ کم تھی میری عمر بھی اتنی ہے۔ اور اسی عمر میں جاؤں گا وغیرہ وغیرہ۔

اسی رات اچانک اسے اختلاج قلب کی تکلیف ہوتی ہے جو یرقان کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ سب کیا تھا؟

اس بیماری پر ایک ہفتہ میں کنٹرول ہوگیا۔ بظاہر صحت کے آثار نظر آنے لگے اور وہ تبدیل آب و ہوا کی غرض سے اپنے بھائی محمد اختر ملہی کے ہمراہ مری روانہ ہوگیا۔ مری جاکر یہ مرض پھر عود کر آیا۔ ڈاکٹر نے پہاڑ کی آب و ہوا اس کے لئے مضر قرار دی چنانچہ عزیز ... اور ... قریب اور بھائی جان قدوس لولز پک سے جلد بلالیں۔

ستم ظریفی دیکھئے کہ عزیز کو وہی وارڈ ملا جس میں اس کے چچا منظور احمد زیر علاج رہے تھے۔ اور مجھے اس کی وہ گفتگو یاد آئی جو اس نے بیماری سے چند گھنٹے قبل اپنی دادی جان سے کی تھی اور خوف محسوس ہونے لگا۔ علاج ہوتا رہا۔ کبھی افاقہ نظر آتا اور کبھی کوئی تکلیف بڑھی ہوئی معلوم ہوتی۔ اور بیماری میں الجھاؤ بھی پیدا ہوتا رہا۔ اور اس کی طرف سے ایسی باتیں بھی ہوتی رہیں جو اب یاد آتی ہیں تو دل ڈوب ڈوب جاتا ہے۔

ہسپتال میں داخلے کے چند یوم بعد عزیز کہنے لگا کراچی سے لے کر پنڈی تک سب عزیز اور دوست مجھے مل چکے ہیں میری فلائیٹ تیار ہے اور میرا انتظار کر رہے ہیں۔ عزیز نے اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکی یونیورسٹیوں میں درخواستیں بھیجی ہوئی تھیں وہاں سے بیماری کے دوران ہی فارم داخلہ اور پراسپکٹس آنے شروع ہو گئے تھے۔ کہنے لگا صحت ہونے پر اگر مجھے امتحان کے لئے ایک ماہ بھی مل گیا تو امتحان پاس کر لوں گا۔ انشاء اللہ۔ پندرہ دن ہسپتال میں رہنے کے بعد عزیز نے اصرار کیا کہ اب میں ٹھیک ہوں گھر لے چلو۔ ڈاکٹر نے بھی نسخہ تجویز کر کے دے دیا۔ عزیز کی ماں کا خیال تھا کہ ابھی ہسپتال سے گھر نہ لے جایا جائے۔ بہرحال پندرہ دن کے بعد عزیز کو گھر لے آئے۔ رات کو عزیز کو پھر تکلیف شروع ہوگئی چنانچہ اگلے دن پھر ہسپتال میں داخل لینا پڑا۔ اس دفعہ بیڈ نمبر ۶ اس وارڈ میں ہی ملا جو عزیز منظور احمد کو ملا تھا۔

۱۔ حالت کنٹرول میں آگئی ڈاکٹر نے گلوکوز لگا دیا۔ جب میں وہاں گیا تو عزیز مسکرا رہا تھا۔ اور گلوکوز کی بوتل پر اس کی نظریں تھیں کہنے لگا شرارتیں کر رہی ہے بھلا اس نے کیا لینا ہے۔ میں نے کہا کون ہے؟ کہنے لگا ڈائن اور پھر مسکرا دیا۔

۲۔ چھٹے دن جب نرس گلوکوز لگانے آئی تو عزیز نے کہا ابھی نہیں تمہیں نظر نہیں آرہا سامنے مریض کھڑے ہیں میں پہلے انہیں دوائی دے لوں۔ نرس ہنس دی اور دریافت کیا آپ کون ہیں کہنے لگا "ڈاکٹر"، اس نے پھر مسکرا کر پوچھا آپ کا نام جواب ملا "ڈاکٹر اسحاق اختر ملہی" چنانچہ وہ رک گئی اس کے بعد وہ پھر لگانے آئی تو کہنے لگا ابھی نہیں۔ بارات تیار ہو رہی ہے پہلے گروپ فوٹو ہوگا اس کے بعد۔ نیز کہا کہ ہم پیچھے والے آگے ہو جاتے ہیں اور آپ آگے والے پیچھے آجاویں۔ عزیز کی چھوٹی پھوپھی ملنے آئی تو گلے لگ کر رو پڑا کہ خدا کے واسطے مجھے اپنے گھر لے چلو اس نے روتے ہوئے اسے تسلی دی کہ جلد تندرست ہو جاؤ پھر میں ضرور لے کر جاؤں گی۔ وغیرہ۔ اس کے کچھ وقت بعد جبکہ ہم سب کھڑے تھے خود بخود کہنے لگا کہ اتنے میرے ہمدرد کھڑے ہیں۔ مجھے کوئی بھی یہاں سے نہیں لے جا رہا۔ سب نے تسلی دی کہ جلد ٹھیک ہو جاؤ گے فکر نہ کرو۔

عزیز قدوس اختر کو کہنے لگا بھائی جان آپ کا بازو ٹوٹ گیا ہے اس نے کہا نہیں دونوں ٹھیک ہیں۔ کہنے لگا نہیں "میں نے توڑا ہے"، چودھویں صدی کے آخری جمعۃ الوداع صبح کو اٹھ کر جوتا پہننے لگا اس کے ماموں وحید نے دریافت کیا

مکرم شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی

ذرہ ہوں آفتاب کی توصیف کیا لکھوں

عشق و قربانی کا شاہکار اور مجسمہ خلوص و ایثار حضرت مولانا محمد علی رح

(یہ مضمون خاص نمبر کیلئے لکھا گیا تھا مگر دیر سے موصول ہونے کے باعث محمد علیؒ نمبر میں نہ چھپ سکا۔ لہٰذا اسے زیر نظر شمارہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ادارہ "پیغام صلح" کی طرف سے مجھے "محمد علی نمبر" کے لئے کچھ تحریر کرنے کے لئے دعوت نامہ موصول ہوا ہے۔ لیکن میری علمی بساط ہی کیا ہے۔ کہ میں اس عظیم شخصیت کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کروں جس کے بارے میں، مامورِ وقت نے یہ فرمادیا ہے کہ:۔

"میں نے ان کو دینداری اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع باحیا۔ نیک اندرون پرہیزگار آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔"

یہی نہیں بلکہ اپنے دعوٰی الہام کی صداقت کی بنیاد بھی آپ کو ٹھہرایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگر محمد علیؒ کو طاعون ہو جائے تو ہمارا الہام باطل ہے۔ آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ پنجاب میں ان دنوں طاعون کا مرض زوروں پر تھا۔ اور اس کی وبائی صورت کی وجہ سے گھر کے گھر اور دیہات کے دیہات بُری طرح متاثر ہو رہے تھے۔ اور بعض تو بالکل خالی ہو چکے تھے۔ لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ الہام یہ اطلاع دی گئی کہ "انی احافظ کل من فی الدار" یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہے میں اس کو بچاؤں گا۔ اور اس کے بعد آپ نے اپنے گھر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہئیے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں میرے روحانی گھر کے اندر داخل ہیں۔"

حضرت امیر مرحوم تو نہ صرف آپ کے "خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے" تھے بلکہ آپ کے "روحانی گھر" میں بھی اپنی پوری پیروی کی وجہ سے داخل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اس قدر زور سے فرمایا تھا کہ اگر مولوی محمد علی کو طاعون ہو جائے تو ہمارا دعوٰی الہام باطل ہے۔ اور مجدد وقت نے جب آپ کی نبض پر دستِ شفا رکھا تو وہ شدت کا بخار جس سے چند ثانیے قبل جسم پھنک رہا تھا غائب ہو گیا۔ اور حضرت مولانا محمد علیؒ اٹھ بیٹھے۔ جن لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ایسے معجزہ نما واقعات گزرے وہ کس طرح حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد وقت کی صداقت سے انکار کر سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ اصلاح خلق کے لئے جب کسی کو کھڑا کرتا ہے۔ تو اسے تنہا نہیں چھوڑتا۔ وہ اپنے فرشتوں کے ذریعے اس زمانے کی سعید روحوں کو یہ تحریک کرتا ہے۔ کہ میرے اس مامور کی مدد کے لئے اس کے گرد جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس تحریک الٰہیہ کے تحت خود بخود کھنچی آتی ہیں اور مامورِ وقت کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے ایک فارسی شعر میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

ہر سعید روح میرے جھنڈے کے نیچے پناہ لے گی اور فتح نمایاں کا نعرہ میرے نام سے بلند ہوگا

حضرت مولانا محمد علیؒ مرحوم بھی انہی سعید روحوں میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے دنیاوی کاروبار کو لات مار دی اور مامورِ وقت کے قدموں میں جا بیٹھے۔ اور جالِ ہمنشیں نے آپ میں وہ روح پھونکی کہ گلستانِ احمدیت میں کھلنے والے اس پھول کی خوشبو سے ساری دنیا معطر ہو گئی۔

مامور نے فراست سے آپ کے اندر جھانک کر دیکھ لیا تھا کہ:۔

"جوانِ موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے"

اور خدا نے ایسا ہی کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت مولانا کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں بھی کی ہیں۔ جن میں کہیں آپ کو قلم دیا ہے۔ اور کہیں منصور کہا ہے۔ اسی قلم کے ذریعے آپ نے منصور ہونے کا حق ادا کر دیا قادیان میں حضرت مولانا نورالدینؒ کے زمانہ میں جب انگریزی ترجمۃ القرآن مکمل ہوا تو میر عابد علی شاہ (دیدو ملہی) کو یہ الہام ہوا کہ ترجمہ مقبول ہو گیا۔ اور تمام بزرگ جو اس وقت وہاں موجود تھے بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو گئے۔ یہ وہی میر عابد علی شاہ ہیں جنہوں نے جناب میاں محمود احمد صاحب مرحوم کے سر پر کلاہ خلافت سجایا لیکن جب بدوملہی واپس آئے تو بذریعہ الہام آپ کو بتایا گیا کہ مولانا محمد علیؒ حق پر ہیں۔

حضرت مولانا کی تحریر ہی نہیں آپ کی تقریر میں بھی ایک جادو ہوتا تھا۔ جو سامعین کو دم بخود اور مسحور کر دیتا تھا۔ میں ۱۹۱۶ء میں جلسہ سالانہ کے موقع پر لاہور گیا۔ آپ کی تقریر سننے کے بعد فوراً میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔ یہ سوچنے کا موقع ہی نہ ملا کہ اس کے بعد میرے ساتھ کیا ہوگا۔ جو کچھ ہوا اور مجھ پر اپنے عزیزوں اور دوسروں کی طرف سے جو گزری وہ ایک لمبی داستان ہے جس کے کچھ حصے میں وقتاً فوقتاً اپنے خطوط میں بیان کرتا رہا ہوں۔ انہیں دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ ۱۹۱۶ء کے بعد آج تک سوائے ایک دو جلسوں کے میں ہر جلسے میں شامل ہوتا رہا ہوں جب بھی آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے جلسہ گاہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی اور اس قدر خاموشی طاری ہوتی کہ سوئی گرنے کی آواز تک سنائی دیتی۔ سب کی نگاہیں آپ کے چہرہ پُرنور پر ہوتیں اور گوش برآواز ہوتے۔ آپ کی تقریر کی لذت کا ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔

حضرت مولانا صدرالدین موجودہ امیر جماعت احمدیہ لاہور برلن (جرمنی) میں مسجد تعمیر کرا رہے تھے۔ مسجد کے میناروں کی تعمیر نامکمل تھی۔ مولانا موصوف نے مرکز سے اس کے لئے امداد طلب کی۔ جلسہ سالانہ کا موقع تھا۔ حضرت امیر کھڑے ہوئے اور اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا۔ برلن میں خدا کا گھر بن رہا ہے۔ مسجد کی زیب و زینت اس کے خوبصورت میناروں سے ہوتی ہے۔ لیکن خدا کا یہ گھر ابھی تک اپنی اس زینت سے محروم ہے۔ (خواتین سے خاص طور پر مخاطب ہوتے ہوئے) فرمایا آپ اپنے زیور دیں تاکہ خدا کے گھر کو اس کا زیور پہنایا جا سکے۔ یہ سننا تھا کہ سب خواتین نے اپنا اپنا زیور اتار کر آپ کے قدموں میں پھینک دیا۔ آپ کی بیگم صاحبہ مرحومہ نے تو اپنا سارا زیور دے دیا۔ اور اسی طرح اور بہت سی خواتین نے کیا۔ مسجد کے مینار بن گئے اور آج وہ مسجد اسلامی فنِ تعمیر کا ایک نمونہ ہے۔ جسے دیکھنے کے لئے مختلف ممالک کے سیاح بھی آتے ہیں۔

جب اوکاڑہ کی زمین خریدی جا رہی تھی تو جلسہ سالانہ پر اس کے لئے بھی آپ نے اپنی تقریر میں اپیل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور میرے رشتہ دار اس کے لئے دس ہزار روپیہ دیتے ہیں۔ جماعت سے بھی میں اپیل کرتا ہوں کہ وہ بھی اس میں حصہ لے اور پھر ہر ایک آدمی کا نام لے کر فرمایا کہ فلاں اتنے روپے دے اور فلاں اتنے۔ چنانچہ پونے دو لاکھ کے قریب رقم جمع ہو گئی۔ اتفاق سے انہی ایام میں انجمن حمایت اسلام

جلسہ بھی اسلامیہ کالج کے میدان میں ہو رہا تھا۔ حاضرین کی تعداد ہزاروں تک تھی جب چندہ کے لئے اپیل ہوئی تو کل پچاس ہزار روپے جمع ہو سکے۔ یہ دیکھ کر کسی نے کہا کہ اس مٹھی بھر جماعت کو دیکھو اور دوسرے مسلمانوں کو کہ قربانی میں کس قدر آگے ہے لیکن یہ مانگنے والے کی آواز کی تاثیر اور مقصد کی عظمت میں فرق تھا جو لوگوں کو دل کھول کر دینے پر مجبور کر دیتا تھا۔ یہ تاثیر بغیر تقوی طہارت، پاکیزگیٔ نفس اور اخلاص کے پیدا نہیں ہو سکتی۔

ان کی تحریر میں تاثیر کا تو ایک زمانہ معترف ہے۔ ان کے انگریزی اور اردو ترجمۃ القرآن اور تفسیر کے پڑھنے سے بے شمار غیر مسلم اور مسلمان نور ہدایت سے بہرہ ور ہوئے مسلمان جو عیسائی اور دہریہ ہونے کیلئے تیار کھڑے تھے انہیں دوبارہ اسلام کی روشنی میں لانے کے لئے یہی کتابیں ممد و معاون ہوئیں۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی خود ایک بہت اعلےٰ پائے کے مصنف ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ ایک بار جب پاکستان تشریف لائے تو ریڈیو پر اعلان کیا کہ "میں دہریہ ہو چلا تھا لیکن مولانا محمد علیؒ کے ترجمۃ القرآن اور تفسیر کی بدولت دوبارہ مسلمان ہوا ہوں۔" اسی طرح امریکہ کے بلالی مسلمانوں کے موجودہ قائد ؤالس محمد جب پاکستان آئے تو انہوں نے بھی یہ اعتراف کیا کہ ہمیں اسلام کی روشنی حضرت مولانا محمد علیؒ کے انگریزی ترجمۃ القرآن اور تفسیر سے ہی ملی ہے۔ ان کی بے شمار اور بھی تصانیف ہیں جن کا غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو اسلام کی روح اور حقیقت سے متعارف کرا رہی ہیں۔ تقریباً ہر ملک میں ان کی مانگ ہے۔ اب تو دوسرے ملک ان کی کتابوں کا اپنی اپنی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کر رہے ہیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ مصنف کا نام تو لکھ دیتے ہیں لیکن "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور" کا نام حذف کر دیتے ہیں۔ ایک چوری اور دوسرا سینہ زوری۔

جماعت احمدیہ بدوملہی نے ایک نومسلم انگریز خاتون عطیہ کو آپ کی کتابوں کا ایک سیٹ بھیجا۔ انہوں نے لکھا کہ ان کتابوں کے پڑھنے سے مجھے بہت سکون اور اطمینان حاصل ہوا ہے۔

اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ حضرت مجدد وقت کے منشاء کے مطابق تالیف ہونے والی کتب کو دور دور تک پھیلانے کے لئے کمربستہ ہو جائیں تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو امن و سلامتی کی راہ دکھائی دے اور وہ آنے والی تباہی سے بچ جائے ::

بقیہ لخت جگر اسحاق اختر ملہی (بسلسلہ آمدہ صفحہ ۱۰)

کہاں چلے جواب ملا یہ دو سفید پوش آئے ہیں ان کے ہمراہ جا رہا ہوں۔ اسی دوران عزیز کی ماں کو خواب آیا کہ اسحاق بس پر سوار ہو گیا ہے اور مجھے روتا چھوڑ گیا ہے۔ جمعۃ الوداع کی نماز پڑھنے ہم ہال سے واپس آئے اس کا چھوٹا بھائی ظہور اور بڑا بھائی قدوس وہاں تھے۔ نماز جمعہ کے بعد گھر آیا تو اس کی ماں نے ذکر کیا کہ گزشتہ جمعہ میری مرضی کے خلاف آپ لے آئے تھے آج میرا دل کہتا ہے کہ اسے گھر لے آؤں میں نے کہا بڑی خوشی سے چلو چل کر لے آتے ہیں۔ اس نے کہا آپ سورہ نمل پڑھ لیں پھر چلتے ہیں۔ چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا نصف ختم ہونے کو تھی کہ عزیز ظہور ہسپتال سے ۲.۰۵ بجے عزیز کے ہمیشہ کے لئے چلے جانے کی المناک خبر لایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

عزیز کی میت بدوملہی لے جائی گئی۔ جہاں اُن کو آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ وہاں سے گیارہ دن بعد ہماری واپسی ہوئی۔ واپسی پر کی والدہ جان نے کہا کہ بیٹا وقت تو میرا تھا چلے تم گئے اچھا اب دس بارہ دن انتظار کرلو۔ چنانچہ یہاں کر ۲۱ کو وہ بھی اپنے پوتے سے جا ملیں۔ ثم انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دنیا کی زینت کے لحاظ سے اسحاق اختر دین اور دعاؤں کی پشت پناہی کے حساب سے اپنی والدہ سے محروم ہو گیا ہوں۔ اور یہ عین اسی طرح ہوا جس طرح آج سے تیرہ برس قبل بھائی منظور احمد فوت ہو گیا اور دس دن بعد والد صاحب قبلہ سے محروم

میری بقیہ یاد حضرت امیر مرحوم (بسلسلہ آمدہ صفحہ ۵)

میری شاخ میں سے اور مجھ میں داخل ہوگا۔"

چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ حضورؐ کی اتباع میں مجدد صد چہار دہم کی منادی اور پھر اسی منادی کو لے کر بلاد مغرب میں بالخصوص کیونکہ وہاں سچائی کے طلبگار اور علم کے پیاسے نسبتاً زیادہ ہیں۔ اور تمام دنیا میں عمدہ عمدہ پُر معارف تالیفات صداقت اسلام پر اور انگریزی ترجمہ قرآن بقول مرزا صاحب کون لے کر جائیگا" وہ جو میری شاخ سے اور مجھ میں داخل ہے"۔ جیسا میں نے شروع میں عرض کیا ہے جسمانی تعلق سے انسان کسی بزرگ کا "اہل" قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا مرزا صاحب کی خواہش اور حضور کی منادی کو پہنچانے والا شخص مولانا محمد علیؒ مرحوم کے سوائے کون ہو سکتا ہے۔ مولانا محمد علی مرحوم نے ۱۸۹۷ء میں بیعت کی اور ایل ایل بی کی تیاری کر رہے تھے۔ اورنٹیل کالج میں پروفیسر تھے۔ ہر ہفتہ لاہور سے چل کر بٹالہ۔ وہاں سے پیدل یا یکے پر قادیان۔ لگن کا یہ عالم کہ نہ صرف سفر کی ہر ہفتہ مشقت۔ یہاں پر درس و تدریس سے مستفید ہونے کے علاوہ مرزا صاحب کی تصانیف کا انگریزی ترجمہ شروع کر دیا۔ مجدد وقت نے اپنے جانشین کو پہچان لیا۔ ۱۹۰۰ء/۳-۲۲ کو بعد از نماز ظہر آپکو قادیان میں مستقل رہائش کو کہا۔ کو ذوامع الصادقین کے تحت مولانا مرحوم کو فیصلہ کرنے میں کوئی دیر نہیں لگی۔ $\frac{۳}{۱۹۰۰}$ ۲۳ کو جواب میں خط لکھتے ہیں۔

"آپکے قدموں میں ہوں۔ آپکا غلام ہوں۔ آپ ہی سے درخواست کرتا ہوں میرے لئے دعا کریں کہ اللہ اس وعدے پر تا دم زیست قائم رہنے کی توفیق دے۔" اور پھر زندگی کے بقایا سال اسی ہادیٔ برحق محمدؐ کی منادی میں صرف ہوئے۔ اردو اور انگریزی کے ترجمہ اور تفسیر قرآن کے علاوہ ساٹھ کتب۔ نوے کتابچے۔ لاتعداد پمفلٹ انگریزی اور اردو کے علاوہ دنیا کی اکثر زبانوں میں انکے تراجم دنیا کے کونے کونے میں پہنچے اور پہنچ رہے ہیں۔ اور یہ ابدی پیغام ابد تک پہنچتا رہے گا۔ سورۃ آل عمران کی دعا میں "ہلکو ابرار سنبال کے ساتھ وفات دے"۔ اسی دعا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مولانا مرحوم کا مجدد وقت سے دعا کرانا "اس وعدے پر تادم زیست قائم رہنے کی توفیق دے"۔ دعائے مجدد قبول ہوئی۔ آپ زندگی کے آخری لمحات میں ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود تفسیر قرآن کی پروف ریڈنگ کرتے رہے۔ قوت بازو اور قوت گویائی نے جواب دیا تو نصیر احمد فاروقی صاحب سے درخواست کی "مجھے قرآن سناؤ" اور قوم کے نام آخری پیغام یہ تھا "کہ قرآن کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا تمہارا کام ہے۔ آگے وہ اپنا کام خود کرے گا"۔ حضور صلعم کا یہ پیغام ہم نے اس کے غلام کی زبانی سنا۔ آئیے دعا کریں۔

ربّنا اننا سمعنا منادیًا ینادی للایمان۔ ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا۔ ربّنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنّا سیاٰتنا وتوفنا مع الابرار۔

م ہو گیا۔

میں ان جملہ دوستوں و عزیزوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ان صدمات میں ہمارے ساتھ ہمدردی کی ہے۔ چونکہ اسقدر خطوط آئے ہیں کہ انفرادی طور پر ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ لکھنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ للہٰذا بذریعہ اخبار ھذا ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ وہاں صاحب علم و حال بزرگوں سے اس تفصیل میں مذکور نکتہ ہائے پر روشنی ڈالنے کی درخواست ہے۔ جہاں ایک طرف یہ خیال آتا ہے کہ گھر لے آتے تو شاید عزیز بچ جاتا۔ ورنہ اس کی آخری خواہش تو پوری کی ہوتی جو نہ کر سکے۔ حسرت ہے۔ قلق ہے۔ دکھ ہے !

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۸۰ء، جلد ۶۷، شمارہ ۴۳، رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

پیغام صلح لاہور

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۴۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد :- ۶۷ | یوم چہار شنبہ ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ ہجری بمطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء عیسوی | شمارہ :- ۴۴

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

سعادتِ اُخروی کے اصولِ صحیحہ صرف قرآنِ کریم میں ہیں

صاحبو! انسان کی دانشمندی اور زیرکی سب اسی میں ہے کہ وہ ان اصولوں اور اعتقادوں کو جو بعد مرنے کے موجب سعادت ابدی یا شقاوت ابدی کا ٹھہریں گے اسی زندگی میں خوب معلوم کر کے حق پر قائم اور باطل سے گریزاں ہو۔ اور اپنے ان نازک عقائد کی بناء کہ جن کو مدار نجات کا جانتا ہے اور آخری خوشحالی کا باعث تصور کرتا ہے ثبوتِ کامل اور مستحکم پر رکھے اور ایسی باتوں پر جو بچپن میں کسی پالنے والی ماما نے سکھائی تھیں مغرور اور فریفتہ نہ رہے کیونکہ صرف ان اوہام اور خیالات پر بھروسہ کر کے بیٹھے رہنا جن کی حقیقت کی اپنے ہاتھ میں ایک بھی دلیل نہیں حقیقت میں اپنے نفس کو آپ دھوکا دینا ہے۔ ہر ایک عاقل جانتا اور سمجھتا ہے کہ ایسی کتابیں یا ایسے اصول کتابوں کے کہ جن کو مختلف قوموں نے خدا کی رضامندی اور اپنی رستگاری کا وسیلہ سمجھ رکھا ہے۔ اور جن سے اپنے سے ایک قوم دوسری قوم کو دوزخ کی طرف بھیج رہی ہے علاوہ شہادت الہٰیہ کے دلائل عقلیہ سے بھی ثابت کرنا اشد ضروری ہے کیونکہ اگرچہ شہادت الہامی بڑی معتبر خبر ہے اور کمال مراتب یقین کا اسی پر موقوف ہے لیکن اگر کوئی کتاب مدعی الہام کی کسی ایسے امر کی تعلیم کرے کہ جس کے امتناع پر کھلی کھلی دلائل عقلیہ قائم ہوتی ہیں تو وہ امر ہرگز درست نہیں ٹھہر سکتا بلکہ وہ کتاب ہی باطل یا محرف یا مبدل المعنیٰ کہلائے گی کہ جس میں کوئی ایسا خلافِ عقل امر لکھا گیا پس جبکہ تصفیہ ہر ایک امر کے جائز یا ممتنع ہونے کا عقل ہی کے حکم پر موقوف ہے اور ممکن اور محال کی شناخت کرنے کے لئے عقل ہی معیار ہے تو اس سے لازم آیا کہ حقیقت اصولِ نجات کی بھی عقل ہی سے ثابت کی جائے کیونکہ اگر اصول مذاہب مختلفہ کے دلائل عقلیہ سے ثابت نہ ہوں بلکہ ان کا باطل اور ممتنع اور محال ہونا ثابت ہو تو پھر ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ زید کے اصول سچے اور بکر کے جھوٹے ہیں یا ہندوؤں کی پستک غلط اور بنی اسرائیل کی کتابیں صحیح ہیں اور نیز اگر حق اور باطل میں عملاً کچھ فرق قائم نہ ہو تو پھر اس حالت میں کیونکر ایک طالب حق کا جھوٹ اور سچ میں تمیز کر کے جھوٹ کو چھوڑے اور سچ کو اختیار کرے۔ اور کیونکر ایسے اصولوں کے نہ ماننے سے کوئی شخص خداوند تعالیٰ کے حضور میں ملزم ٹھہرے۔ - - - - - - - - صاحبو! میں نے بہ یقین تمام معلوم کر لیا ہے اور جو شخص ان تمام باتوں پر غور کرے گا جن پر میں نے غور کی ہے وہ بھی یہ یقین تمام معلوم کر لے گا کہ وہ سب اصول کہ جن پر ایمان لانا ہر ایک طالب سعادت پر واجب ہے اور جن پر ہم سب کی نجات موقوف ہے اور جن سے ساری اُخروی خوشحالی انسان کی وابستہ ہے وہ صرف قرآن شریف میں محفوظ ہیں۔ (براہین احمدیہ)

شیخ غلام قادر صاحبؒ

تالیفِ قلوب جماعت بندی کا بہترین ذریعہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعدآء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخواناً ۚ (آل عمران ۲)

یعنی اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد کرو جب تم باہم دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

الا اخبر بمن یحرم علی النار ومن تحرم علیہ النار علیٰ کل قریب ھین سھل (الترمذی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تمہیں نہ بتلاؤں وہ شخص جو آگ پر حرام ہے اور جس پر آگ حرام ہے۔ وہ شخص وہ ہے جو لوگوں کے (دلوں کے) نزدیک ہوتا ہے۔ اور نرم مزاج ہے:

حضورؐ نے امدادِ باہمی کو بہت اہمیت دی ہے کیونکہ قومی شیرازہ بندی اس کے بغیر ہو نہیں سکتی۔ فرماتے ہیں:۔

الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام والصدقۃ والصلوٰۃ قالوا بلیٰ صلاح ذات البین فان فساد ذات البین ھی الحالقۃ۔ ابوداؤد والترمذی وزاد الترمذی لا اقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین

ترجمہ:۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتلاؤں جو درجے میں نماز۔ روزہ اور صدقہ سے بڑی ہے۔ سامعین نے کہا فرمائیے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنا (امداد باہمی) فساد باہمی مونڈ دیتا ہے نہ بالوں کو بلکہ دین ایمان کو۔

اگر آپس میں کسی کو دوسرے سے تکلیف پہنچی ہو تو تکلیف زدہ کو چاہیئے کہ تکلیف پہنچانے والے کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضؓ کے خادم کی جو افک عائشہؓ میں پیش پیش تھا وظیفہ بند کر دینے پر ایک اصول کے رنگ میں فرمایا ہے:

ولیعفوا ولیصفحوا ؕ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم ؕ واللہ غفور رحیم ٭ (النور ۳)

ترجمہ:۔ اور چاہیئے کہ معاف کرے اور درگذر کرے کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے۔ (تمہارا) اللہ تو حفاظت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔)

(مسطح ایک ایسے خطرناک جرم کا مرتکب ہوا تھا جس سے نہ صرف خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت عائشہ رضؓ کو سخت ندامت اور تکلیف پہنچی بلکہ خاندان ابوبکر رضؓ سخت بدنامی میں پڑ گیا۔ کوئی دنیا دار گر وہ ہوتا تو مسطح کا سر اڑا دیتا مگر میاں تو رحیم و کریم نہ تھا اور اس کا سراپا رحمت رسولؐ۔)

متکبر اور خود پسند آدمی نیکیوں سے محروم رہتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فرماتے ہیں:۔

بطراً۔

ترجمہ:۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (التفات) نہ کرے گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتا ہے۔ آخر میں حضرت مجدد صد چہاردہم کے چند کلمات طیبات کشتی نوح سے نقل کر کے میں جماعت کے ہر فرد کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنے نفس کو مخاطب سمجھے۔

اگر تمہارے کسی پہلو میں تکبر ہے یا ریا ہے یا خود پسندی ہے یا کسل ہے تو تم ایسی چیز نہیں ہو جو قبول کے لائق ہو ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لے کر اپنے تئیں دھوکا دو کہ جو کچھ ہم نے کرنا تھا کر لیا ہے کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے۔ اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو۔ اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ اور بدبخت وہ ہے جو ضد کرتا ہے۔ اور نہیں بخشتا سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں رہا۔ خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو کہ وہ قدوس اور غیور ہے۔ بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ متکبر اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ہر ایک جو اس کے نام کے لئے غیرت مند نہیں اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔"

مصائب اور مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو کیونکہ یہ صیقل اخلاق ہیں چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لا حلیم الا ذو عثرۃ ولا حکیم الا ذو تجربۃ (ترمذی)

یعنی بغیر سختی اٹھانے کے حلیم اور بغیر تجربہ کے (کوئی شخص) حکیم نہیں ہو سکتا عشق و محبت کی کٹھالی میں پڑ کر ہی انسان زر خالص بنتا ہے۔

چوں بدل آتشے زعشق افروخت
دلستاں ماند غیر او ہمہ سوخت

جب عشق و محبت الٰہی کی آگ دل میں شعلہ زن ہوتی ہے۔ تو سوائے اس یار کے تمام رزائل کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے:

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا

جو مر گئے انہیں کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

(مسیح موعود)

تجلّیٔ الٰہی

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی ——— بمقام جامع احمدیہ دارالسلام - لاہور

لوانزلنا هٰذا القرآن علٰى جبلٍ لّرايته خاشعًا متصدّعًا من خشية اللّٰه ؕ وتلك الامثال نضربها للناس لعلّهم يتفكرون ○ هو اللّٰه الذى لا اِلٰه الّا هو ۚ عٰلم الغيب والشهادة ۚ هو الرحمٰن الرحيم ○ هو اللّٰه الذى لا اِلٰه الّا هو ۚ الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر ؕ سبحٰن اللّٰه عمّا يشركون ○

ترجمہ :- اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ وہی تو اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ غیب کو اور ظاہر کو جاننے والا وہ بے انتہا رحم والا، بار بار رحم کرنے والا ہے۔ وہی تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ۔ قدوس۔ سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، غالب سب سے اوپر سب برائیوں کا مالک۔ اللہ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔
(سورۃ الحشر ۵۹۔ آیات ۲۱ تا ۲۳)

میں نے کچھ عرصہ ہوا دو خطبوں میں سورۃ الحشر ۵۹ کے تیسرے اور آخری رکوع کی آخری آیت ۲۴ اور پھر پہلی تین آیات ۱۸ تا ۲۰ پر کچھ عرض کیا تھا۔ عرصہ گزر جانے کی وجہ سے پچھلے دو خطبوں میں جو باتیں میں نے عرض کی تھیں انہیں مختصراً دوہرا دوں تاکہ آج کے خطبہ کا تسلسل قائم ہو جائے۔ سورۃ الحشر کے پہلے رکوع میں یہود کی بدعملیوں کا ذکر ہے۔ حالانکہ بظاہر ان کا زبانی ایمان خدا کی توحید پر تھا۔ اور توریت پڑھتا جس کی نہ صرف اخلاقی تعلیم Ten Commandments اور دوسرے احکام شرعی سخت تھے۔ بلکہ تعزیرات یعنی سزائیں تو بہت ہی سخت تھیں اور سورۃ الحشر کے دوسرے رکوع میں منافقوں کا ذکر ہے۔ اُن کا بھی زبانی ایمان تو وہی تھا جو دوسرے مسلمانوں کا تھا اور وہ نمازوں میں اور دوسرے ارکانِ اسلام ادا کرنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیتے تھے مگر ان کے دلوں میں منافقت کا مرض یا کمزوری تھی۔ مگر یہود اور منافقوں کا کیا حشر ہوا۔؟ یہود یا تو جلا وطن کر دیئے گئے یا مارے گئے۔ اور منافق بھی نام لے، لے کر مسجد سے نکالے جا کر ذلیل و رسوا ہوئے۔ الغرض دونوں کو اسی دنیا میں سزا دی گئی جو کہ آخرت کی سزا پر دلیل ہوتی ہے۔

تو ان دونوں قوموں کے انجام کی طرف توجہ دلا کر مسلمانوں کو سورۃ الحشر کے تیسرے رکوع کی پہلی آیت میں تو فرمایا گیا کہ اپنے اعمال کی فکر کرو کہ وہ یہود کی طرح بگڑ نہ جائیں اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اپنے نفس کی طرف سے غافل نہ ہونا جس طرح کہ منافق تھے انسان کے اعمال تو اس سے ظاہر ہوتے ہیں جنہیں وہ خود دیکھ سکتا ہے۔ اور دوسرے بھی انہیں دیکھتے ہیں۔ مزید برآں ان کا اثر نہ صرف انسان پر اپنے آپ پر پڑتا ہے بلکہ دوسرے بھی ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی اصلاح کی دوہری ضرورت ہوتی ہے مگر انسان کے اعمال کی اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے نفس کی اصلاح نہ ہو۔ اس لئے نفس کی اصلاح کا دوسری آیت میں ذکر فرمایا۔ مگر قرآن حکیم بھی عجیب کتاب ہے۔ ظاہر اعمال کی اصلاح تو انسان تعزیرات یعنی ملکی قوانین کی سزاؤں کے خوف سے یا لوگوں کی ناراضگی کے خوف سے بھی کر لیتا ہے مگر اپنے نفس کی اصلاح سے انسان غافل اور بے فکر رہتا ہے۔ اس لئے کہ انسان کے سینے کے اندر کیا ہے اس پر نہ تو دنیا کا کوئی قانون گرفت کرتا ہے یا کر سکتا ہے اور نہ دوسرے لوگوں کو اس کا پتہ لگنے پاتا ہے۔ اپنے نفس کی اصلاح تو انسان صرف تبھی کرتا ہے کہ اسے خدا پر زندہ ایمان ہو کیونکہ خدا ہی انسان کے نفس کے بھیدوں کو جانتا ہے جس نے اس نفس کو بنایا۔ اس لئے نفس کی اصلاح کا یوں ذکر فرمایا کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے نفسوں کی اصلاح کو بھول گئے۔ اس بھول جانے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا کہ "اللہ نے انہیں ان کے نفس بھلا دیئے"۔ کیونکہ انسان کے کسی عمل کا نتیجہ اس قانون کے ماتحت ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اس لئے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس کی مثال دی ہے کہ اگر انسان اپنی کوٹھری کی واحد کھڑکی بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے نتیجہ کو یوں فرمائے گا "پس اللہ نے اس کی کوٹھری کو اندھیرا کر دیا"۔ عمل کے نتیجہ کو اپنی طرف منسوب کرنے میں عمل کی سزا یا جزاء کو بتانا بھی مقصود ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہاں فرمایا کہ جو اللہ کو بھول گئے تو بطور پہلی سزا کے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے نفسوں کو بھلا دیتا ہے۔

ایک اور نتیجہ یا سزا کا ذکر فرمایا کہ اولٰئك هم الفٰسقون۔ یہ لوگ بدعہد ہو جاتے ہیں۔ یعنے یہ اس عہد فطرت کو یا انسانی فطرت میں جو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ اُسے توڑنے والے بن جاتے ہیں۔

اور یہ ایک اور درجہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی اصلاح سے غافل نہ ہو۔ کیونکہ نہ صرف نفسِ انسانی کا اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق ہے بلکہ اس نفس کا دل جسے قلب کہتے ہیں وہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی تجلّی ہوتی ہے۔ اس کا ذکر میں اس لئے کر رہا ہوں کہ اس کا آج کے سبق سے تعلق ہے۔ میں نے پچھلے خطبہ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔ صرف حضرت امام الزمان کے اس مصرعہ کو آپ کو یاد دلاؤں کہ ؎

از دلِ احمدؐ نمی بینم دگر عرشِ عظیم۔

یعنے رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک سے بڑھ کر میں کوئی عرش عظیم اللہ تعالیٰ کا نہیں دیکھتا۔ یہ وہی قلب مبارک ہے جس پر قرآن پاک کا نزول ہوا جس کا ذکر آج کے سبق کی پہلی آیت میں یوں فرمایا کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تو دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا ہو جاتا۔

میں نے پچھلے خطبہ میں حضرت موسٰیؑ کے واقعہ کو قرآن کریم سے سنایا تھا کہ جب اپنی قوم کے اصرار پر کہ ہم تو اللہ پر تبھی ایمان لائیں گے کہ ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ حضرت موسٰیؑ ان کے ستر آدمی لے کر کوہ طور کی جانب گئے۔ اور ان آدمیوں کو دامن کوہ میں چھوڑ کر خود پہاڑ کے اوپر

جاکر عبادت و ریاضت میں لگ گئے جس کے دوران موقعہ پاکر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی تو مجھے اپنے آپ کو دکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو مجھے اپنی جسمانی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا جس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ آنکھ تو انسان کے جسم کی نازک ترین چیز ہے یہ تو روشنی کے معمولی چمکار کو نہیں دیکھ سکتی کجا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو دیکھ سکے۔ اسی بات کو بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو سامنے کے پہاڑ کو دیکھ جس پر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور حضرت موسےٰ بے ہوش ہوکر گر گئے۔ اس واقعہ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ جو بات بنی اسرائیل نے کہی تھی اور جو آج سب دہریئے کہتے ہیں کہ خدا ہمیں ہماری جسمانی آنکھوں سے کیوں نظر نہیں آتا وہ کیوں ممکن نہیں۔

آج کل کے دہریئے جو مادہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے مادہ کو پہچان لیا۔ وہ سائنس کے اس حالیہ انکشاف سے واقف نہیں کہ مادہ کی اصلیت کو بھی اس کی صفات Properties سے ہی پہچانا جاسکتا ہے۔ تو مادہ جو مخلوق ہے اس کی یہ حالت ہے تو اللہ تعالیٰ جس نے اس مادہ کو پیدا کیا وہ بھلا کہاں جسمانی آنکھ سے پہچانا جاسکتا ہے؟ وہ بھی اس مادی دنیا میں صرف اپنی صفات سے پہچانا جاسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی جیسی تجلی قرآن کریم میں ہوئی ہے کسی اور کتاب میں نہیں ہوئی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۂ فاتحہ سے لیکر قل اعوذ برب الناس تک قدم قدم پر آیات میں سے اکثر کو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت پر یا صفات پر ختم کیا ہے جن کا ان آیات کے مضمون سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اور وہ آیات یوں بتلاتی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات دنیا میں کام کرتی نظر آتی ہیں۔

یہاں بھی اگلی تین آیات اللہ تعالیٰ کی صفات سے بھری ہوئی ہیں۔ ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو ج علم الغیب والشہادۃ ج ھو الرحمٰن الرحیم ۝ "وہی تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غیب کو اور ظاہر باتوں کو جاننے والا ہے وہ رحمٰن ہے رحیم ہے۔" یہاں نہ صرف خدا تعالیٰ کا نام "اللہ" بتایا بلکہ اس کی سب سے بڑی صفت الٰہ کا ذکر فرمایا اور اس کی توحید کی گواہی اسی لفظ الٰہ سے دی۔ الٰہ کے معنی عام طور پر معبود کے لئے جاتے ہیں یعنے وہ جس کی عاجزی سے فرمانبرداری کی جائے۔ فرمایا کہ اس تمام کائنات میں اسی کی عاجزی سے فرمانبرداری ہے اور اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم کہ آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی کی زبان سے وہ زبردست حقیقت بتائی کہ جس کا آج سائنس نے پتہ لگایا ہے کہ تمام کائنات ایک ہے اور ایک ہی قانون کی فرمانبرداری کر رہی ہے۔ آج سائنس کو بھی ماننا پڑا کہ اس کائنات کا خالق ہے اور وہ ایک ہے جس کے قانون کی تمام کائنات فرمانبرداری کر رہی ہے۔ خود انسان کا جسم بھی اس کے قانون کا فرمانبردار ہے۔ انسان کو اگر FREEDOM OF Will یعنے عمل میں خود اختیاری دی گئی ہے تو یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انسان میں اپنی صفات، اپنے اخلاق پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تمام کائنات بلا اختیار ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے یا اس کے خلیفہ انسان کے۔ تو اللہ تعالیٰ کامل اختیار رکھتے ہوئے بھی صرف نیک اور ٹھیک بات کرتا ہے اور وہی وہ انسان سے چاہتا ہے۔ انسان کو اختیار دینے میں نہ صرف انسان کی انتہائی عزت افزائی ہے کہ اس خدائی صفت میں وہ شریک ہے بلکہ نیکی، نیکی نہ ہوتی اگر مجبوری سے یعنے باندھ کر کرائی جاتی۔ مگر الٰہ کے معنی خالی معبود (جس کی فرمانبرداری کی جائے) نہیں بلکہ محبوب اور مطلوب یا مقصود کے ہیں۔ ان معنوں کو حضرت امام الزماں نے بار بار لکھا ہے۔ یعنے محبت سے جو فرمانبرداری ہو وہی بہترین فرمانبرداری ہے اور اللہ تعالیٰ محبوب دو طرح سے ہے۔ (۱) نہ صرف اس وجہ سے کہ وہ انسان کا محسن اعظم ہے اور احسانات انسان کے دل میں محبت پیدا کرتے ہیں۔ (۲) بلکہ اس لئے بھی کہ نہ صرف تمام حُسن اس میں ہیں بلکہ وہ بے عیب ہے۔ اور تمام خوبیوں کا مالک ہے اسی لئے وہی دل لگانے بلکہ دل دینے کے قابل ہے۔ میں نے کہا تھا کہ جو فرمانبرداری محبت سے ہو وہی بہترین ہوتی ہے۔ مثلاً بچے اگر اپنے محسن ماں باپ کی فرمانبرداری محبت سے کریں تو ہی ان کی تربیت سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جو بچے روتے دھوتے یا بغاوت دل میں رکھ کر ماں باپ کی فرمانبرداری کریں وہ ان کی تربیت سے بہت کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔

الٰہ کے تیسرے اور سب سے اہم معنی مطلوب یا مقصود کے ہیں۔ یعنے انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کو پانا ہے۔ تو اس اہم مقصد کو وہ کس طرح حاصل کرسکتا ہے؟ اس کا جواب فوراً دیا ھو الرحمٰن الرحیم۔ جس طرح تمام کائنات اس کی رحمانیت نے بنائی اور اس میں انسان کی کوششوں کا جو بھی پھل ملتا ہے۔ یا کامیابی ہوتی ہے اس کی رحیمیت سے ہوتی ہے اسی طرح سب سے اہم معاملہ میں یعنے کائنات کی پیدائش کا مقصد اگر انسان تھا تو انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ ہے تو اللہ تعالیٰ کو پانے کے لئے بھی اس نے اپنی رحمانیت سے ہی قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا الرحمٰن علم القرآن۔ اور جو اس قرآن پر ایمان لاکر اس پر عمل کریں گے ان کے لئے اس کی رحیمیت نے نہ صرف جنت اور ہمیشہ کی خوشی اور راحت کے سامان پیدا کئے ہیں۔ (جیسا کہ فرمایا وکان بالمؤمنین رحیما) بلکہ سب سے بڑی نعمت اور کامیابی خود اللہ تعالیٰ کو پانا ہے اور جو خوش قسمت قرآن پر مکمل عمل کر کے اس دنیا میں ہی خدا کو پا لیتے ہیں ان کے علاوہ دوسرے اہل جنت بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت اور قرب میں رہیں گے جیسا کہ قرآن کریم نے کئی جگہ فرمایا ہے۔

یہ تو تھا دین کا پہلو۔ اب دنیا پر آجایئے۔ تو یہاں بھی اگلی آیت میں فرمایا کہ ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ یعنے دنیاوی کامیابیاں اور دنیاوی جنت اور راحت بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے ملتی ہے۔ جیسے صحابہؓ کو ملی۔ ورنہ محض دنیاوی ترقی کر کے اگر انسان دنیا میں سکھی ہو سکتا تو آج اہل مغرب کو ہونا چاہیئے تھا۔ مگر آج وہ سب سے زیادہ دکھی ہے۔ اس لئے کہ ان کے دلوں کو اطمینان اور راحت میسر نہیں۔ پھر فرمایا کہ الملکُ یعنے اصل بادشاہ دنیا کا وہی ہے۔ انسانی حاکم اس کے محض خلیفہ ہیں۔ بادشاہ اور صدر اور وزیر اعظم تو آتے جاتے رہتے ہیں اور بعضے تو قتل ہوتے یا پھانسی چڑھتے اور بدنام اور رسوا ہوکر ذلت کی موت مرتے ہیں۔ تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ جس کو چاہے وہ ملک دے اور جس سے چاہے چھینے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ یہی اس کے الملک یعنے شہنشاہ ہونے کا بدیہی ثبوت ہے۔

پھر فرمایا القدوس۔ جہاں بادشاہت ملی یا طاقت حاصل ہوئی تو اکثر لوگ ہر قسم کی زیادتیوں، عیبوں اور گناہوں میں پڑ جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ القدوس ہے باوجود مکمل اختیار اور طاقت کے وہ قدوس ہے۔ یعنے اس کی صفات (یعنے فطرت یا خصلت میں) اور اس کے افعال (یعنے عمل) میں کوئی عیب یا نقص پیدا نہیں ہوتا۔

السلام وہ خود بھی سلامتی میں ہے اور اوروں کو اسی کے دامن میں سلامتی ہے۔ بادشاہ کا سب سے بڑا کام ہے اپنی رعایا کو سلامتی میں لینا۔ اگر ملک میں سلامتی نہ ہو۔ تو ہزار دولت اور ترقیات ہوں انسان ہر وقت خطرہ میں ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ المؤمن ہے۔ سلامتی باہر کے خطرات سے

سے ہوتی ہے اور امن دل کے اندر سے خوف و خطر کا دور ہو کر اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ دل کا اطمینان قلب بھی اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ اور اس کا طریق ہے انسان کا اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنا۔ اسی بات کو قرآن نے فرمایا ہے کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب "سن لو کہ اللہ کے یاد رکھنے سے ہی قلوب کو اطمینان ملتا ہے۔" اگر تمہیں اللہ تعالیٰ ہر وقت یاد رہے گا تو وہ بھی تم کو ہر وقت یاد رکھے گا جیسا کہ فرمایا اذکرونی اذکرکم۔

اگلی صفت فرمائی المهیمن یعنے نگہبان۔ اگر تم اللہ کے ہو جاؤ گے تو وہ بھی تمہارا ہو جائے گا۔ اور ہر وقت تمہاری نگہبانی کرے گا۔ یعنے تمہارے تمام مفادات اور ضروریات کو وہ پورا کرے گا۔ (جہاں تک وہ تمہارے لئے مفید جانے گا) نہ صرف اس لئے کہ قرآن تمہارے ساتھ ہے ھو معکم اینما کنتم "تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ بلکہ جیسا کہ اگلی صفت فرمائی العزیز یعنے وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ نگہبان تمہاری ضروریات اور مفادات کس طرح پورے کر سکتا ہے اگر وہ دوسروں پر غلبہ نہ رکھتا ہو۔ مگر اللہ واحد ذات ہے جو ہر چیز پر غالب ہے۔

آگے دو صفات کا ذکر ہے الجبار المتکبر۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ ہماری زبان میں اچھے معنوں میں نہیں آتے اس لئے خود ہمارے لوگ ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ حالانکہ اگلی آیت میں آتا ہے کہ لہ الاسماء الحسنیٰ یعنے اس کے نام تمام اچھے ہیں۔ تو اگر کسی لفظ یا لفظوں کے اچھے یا برے معنی دونوں ہو سکیں تو جب وہ اللہ تعالیٰ کے لئے آئیں گے تو ہمیشہ اچھے معنوں میں آئیں گے۔ عربی میں جابر العظام ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والے کو کہتے ہیں۔ اس لئے جابر ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والے کے معنی میں آتا ہے۔ الجبار یعنے مبالغہ کا صیغہ لا کر فرمایا کہ جو ٹوٹا کام کسی سے نہ جڑے اُسے وہ جوڑ دیتا ہے کہتے ہیں سب چیز جڑ جاتی ہے ٹوٹا ہوا دل نہیں جڑتا۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی جوڑ دیتا ہے ٹوٹے ہوئے انسان کو بھی وہ صحیح کر دیتا ہے۔ المتکبر کے معنی تمام بڑائیاں اپنے اندر اپنی ذات میں رکھنے والا۔ بڑائی ہر قسم کی اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے جس نے اس عظیم الشان کائنات کو بنایا۔ پھر اصل بڑائی جو عزت اور خوبیوں کی وجہ سے ہوتی ہے اسی کو حاصل ہے۔ دوسرا کوئی ہو اس کے آگے ہیچ ہے۔

آخیر میں فرمایا سبحان اللہ عما یشرکون۔ تو کون ہے جو اس کا شریک بنایا جا سکتا ہے کسی اور کا شریک ہونا بذاتِ خود جس کا وہ شریک ہو اس کے اندر کسی کمی، کسی نقص کسی کمزوری، کسی عیب کو ظاہر کرتا ہے جس کمی یا نقص کو وہ شریک دور کرتا ہے۔ تو فرمایا کہ وہ خدا ہی کیا جو ناقص ہو، عیب دار ہو، کمزور ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام عیبوں سے پاک ہے۔

اس سے اگلی آیت یعنے سورۃ الحشر کی آخری آیت کی تشریح میں پچھلے کسی خطبہ میں کر چکا ہوں۔ اس لئے یہ رکوع اب بفضلِ تعالیٰ ختم ہو گیا۔ جیسا کہ میں نے وعدہ کیا تھا اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم صرف اسی کو اپنی زندگی کا الٰہ بنائیں اور اپنی زندگی اور اپنے مقصد حیات میں کسی اور چیز کو اللہ کا شریک کر کے شرک کے مرتکب نہ ہوں آمین!! ❁

حدیث نبویؐ

"تم میں بہتر وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔"

اخبار احمدیہ

- حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت اچھی ہے۔ احباب سلسلہ ان کی صحت اور لمبی زندگی کے لئے دعا کرتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی خیریت سے ہیں اور خدمات دینیہ میں مشغول ہیں۔ احباب کرام دعا فرمائیں کہ ریاضِ احمدیت کا یہ گُلِ سرسبد دیر تک سلامت رہے اور اس کی خوشبو سے یہ چمن سدا مہکتا رہے ❁
- سرینام سے حضرت ممدوح کی خدمت میں مسٹر محمد عباس صبور علی نے لکھا ہے:۔

۵ راکتوبر ۱۹۸۰ء کے جلسہ عام میں اتفاق رائے سے ہماری انجمن کا نیا آئین تیار کر دیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی صاف طور پر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام ہے۔ اور ہمارے عقائد وہی ہیں جو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس انجمن کے مالی حالات بہت اچھے ہیں۔ اور اس کا ملک میں کافی اثر و رسوخ ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ خدمتِ اسلام کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں نے مرکز سے چند کتابیں منگوائی ہیں جن کا سرینامی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرنا چاہتا ہوں۔ جن کے جملہ طباعت و اشاعت کے اخراجات میں خود برداشت کروں گا۔ جب نئی تفسیر بیان القرآن چھپ جائے تو مجھے مطلع فرمائیں میں اپنی جماعت کے لئے اس کی چند کاپیاں خریدنا چاہتا ہوں۔

(دعاؤں کا طالب صبور علی)

آہ مرزا مظفر بیگ ساطع

احباب کرام کو اس خبر سے صدمہ ہو گا کہ سلسلہ احمدیہ کے نامور مبلغ اور مقبول ترین مناظرِ اسلام جناب مرزا مظفر بیگ ساطع ۲۴ راکتوبر ۱۹۸۰ء کو فیصل آباد میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی دینی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ ان کی وصیت کے مطابق جنازہ دارالسلام لاہور میں لایا گیا اور جامع احمدیہ دارالسلام میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ۹ بجے (بعد نماز عشا) تدفین عمل میں آئی۔ کافی تعداد میں احباب نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے اعزہ کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بیرونی احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

آہ! مظفر بیگ ساطع

۱۴۰۰ ھجری

اِک فاتح و غازی و مظفر کا ہے ماتم،

طوفان و تلاطم کا سمندر کا ہے ماتم،

خاطر میں نہ لایا جو کبھی تاجِ شہی کو،

اسلام کے اُس دِل قلندر کا ہے ماتم،

ـــــ ابوالارشد

جلسہ بیادگار حضرت مولینا محمد علیؒ

منعقدہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۰ء بمقام جامع احمدیہ دارالسلام لاہور

میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کی تقریر

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون۔۔۔ ولا یحزنک قولھم ان العزۃ للہ جمیعا ھو السمیع العلیم۔

(سورۃ یونس آیات ۶۲ تا ۶۵)

حضرت امیر مولانا محمد علی مرحومؒ کے مقام اور عظیم الشان کام کے متعلق آپ اس وقت ایمان افروز تقریریں سن چکے ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی کا شمار ان چند ہستیوں میں ہوتا ہے جو دنیا میں کبھی کبھی آتی ہیں۔ اور عظیم الشان کام کر کے اپنے پیچھے نہ مٹنے والے آثار چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم نے حضرت مسیح موعود و مجدد زماں مرزا غلام احمد صاحب کے قدموں میں بیٹھ کر علوم دین میں کمال حاصل کیا۔ اور حضرت باری تعالیٰ کے عطا کردہ قلم کے ذریعہ ان علوم قرآنی کا ایک بحر ذخار اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ جو ابدالآباد تک ان کے نام اور ان کے کام کو زندہ رکھے گا۔

آپ کی تحریرات کی مقبولیت اکناف عالم میں خود ان کی زندگی میں ہی ہو چکی تھی جس میں روز افزوں اضافہ بدستور ہو رہا ہے۔

میرا تعارف حضرت مولانا علیہ رحمۃ کے ساتھ پہلی بار اپنے زمانۂ طالب علمی میں قادیان میں ہوا تھا۔ ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کے تاریخی دن میں قادیان میں موجود تھا۔ اور اس دن کا ہونے والا واقعہ خود میرے مشاہدہ میں آیا۔ اس دن آپ کی عظیم شخصیت کا گہرا نقش ہزاروں دوسرے انسانوں کے ساتھ میرے دل پر بھی ثبت ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ ایک کم آمیز خاموش انسان کی صورت میں ہماری نظروں کے سامنے آیا کرتے تھے۔ اسوقت سے لے کر آپ کی وفات تک جو ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو واقع ہوئی۔ آپ کے ساتھ میرا تعلق بتدریج ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ انسان جو ایک جہان کا محسن ہے اپنے حسن و احسان کی بدولت میرے لئے محبوب ترین انسان بن گیا۔ میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ میں نے آپ کی شفقت سے وافر حصہ پایا۔ ان کی علمی اور روحانی فیوض کی فضاؤں میں سانس لینا زندگی کا ایک لازمی جزو محسوس ہونے لگا۔ اس انسان کے اوصاف اور عظیم کام کے متعلق ایک بلکہ کئی تقریروں میں بھی بیان کرنا ممکن نہیں۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

میں اپنی تقریر کو صرف اس ایک واقعہ تک محدود رکھوں گا جو میری نظر میں آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ وہ واقعہ آپ کی اس جرأت ایمانی اور عزم راسخ سے تعلق رکھتا ہے جس نے حضرت مسیح موعود کی صحیح اور حقیقی پوزیشن کو صفحات تاریخ پر ثبت کر دیا ہے۔

آپ ایک مجاہدانہ عزم کے ساتھ ایک باطل عقیدہ کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ اور ایک جرأت مندانہ اقدام سے احمدیت کی روح کو مٹنے سے بچا لیا۔ آپ اگر ایک غلو کے خلاف آواز نہ اٹھاتے تو حضرت مسیح موعود کا حقیقی دعویٰ آہستہ آہستہ ہمیشہ کے لئے پردۂ اخفا میں چلا جاتا۔ آپ کے اس اقدام کی اہمیت کو غیر از جماعت صاحب نظر انسانوں نے بھی محسوس کیا۔ مثال کے طور پر اس واقعہ کا ذکر مولانا ابوالکلام [illegible] الفاظ کا ہے :-

"ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان ہیں۔ گو وہ مرزا صاحب کے دعووں پر ایمان نہ لائیں۔ لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آخری جماعت کے رئیس مرزا بشیر الدین محمود صاحب ہیں۔ اس گروہ نے اب انہیں خلیفہ قرار دیا ہے مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے اس بارہ میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب جرأت اور دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے جہاں ۔۔۔۔ پہلے گروہ کے رؤسا ہیں۔ وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا"

(الہلال ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء)

اس واقعہ کو میں اس کے پس منظر میں مختصراً عرض کرتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد احمدیت کی مخالفت بتدریج کم ہو رہی تھی عوام الناس احمدیہ تحریک پر توجہ دینے لگ گئے تھے اور احمدی لٹریچر دلچسپی سے پڑھا جانے لگا۔ اور احمدی علماء کی تقاریر شوق سے سنی جانے لگیں۔ چنانچہ ایسے ہی حالات میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے جن کو ماموریت الٰہی کے الہام میں "حسن بیان" کا خطاب مل چکا تھا ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جھنگ کے شہر میں اپنی ایک تقریر میں انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ کوئی کلمہ گو کافر نہیں اور نہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے۔ اور یہی حضرت مرزا صاحب کا مذہب تھا۔ میاں بشیر الدین محمود صاحب نے اپنے رسالہ تشحیذ الاذہان میں خواجہ صاحب کے بیان کے رد میں ایک مضمون شائع کیا۔ کہ جو کوئی بھی حضرت صاحب کو نہیں مانتا وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ یہ بات اسی پر ختم نہ ہوئی بلکہ یہ اختلاف جماعت میں عام شہرت اختیار کرنے لگا۔ اسی زمانہ میں جناب میاں صاحب کے نانا میر ناصر نواب صاحب نے ملک کے طول و عرض کا دو دفعہ دورہ کیا جو اعلان کے مطابق قادیان میں دارالضعفاء کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے کئے گئے لیکن ساتھ ساتھ اس اختلاف کا چرچا بھی میر صاحب نے کیا جس کا میں عینی شاہد ہوں۔

میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ ایسا ہی ان ایام میں جناب میاں صاحب نے ایک نئی تنظیم انصار اللہ کے نام سے بنائی اور اس تنظیم کے افراد نے آپ کی خلافت کے حق میں بھاری کام کیا۔ جن احباب کو ان تفصیلات میں دلچسپی ہو تو وہ کتاب "مجاہد کبیر" کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب نے مقدور بھر کوشش کی کہ جماعت میں انتشار پیدا نہ ہو لیکن جو بات ہونی تھی وہ ہو کر رہی۔ آپ نے ایک ٹریکٹ بعنوان "ایک نہایت ضروری اعلان" صحیح حقائق سے جماعت کو آگاہ کرنے کے لئے لکھا مگر وہ حضرت مولانا نورالدین کی وفات کے دن پہنچا اور اس کا مقصد کما حقہ پورا نہ ہو سکا۔ اس ٹریکٹ میں جماعت کو پانچ باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۱) پہلی بات تو یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کے ہاتھ پر چالیس

آدمی بیعت کر لیں وہ خلیفہ بن گیا۔ بلکہ حضرت صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ نئے لوگوں کو سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے ایسے آدمی بیعت لینے کے مجاز ہوں گے جن کے نام پر چالیس آدمیوں کو اتفاق ہو۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صاحب کا کوئی حکم ایسا نہیں کہ احمدیوں کو دوبارہ کسی شخص کی بیعت کی ضرورت ہو۔

(۳) تیسری بات یہ کہ مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ ہی حضرت مسیح موعود کی صحیح جانشین ہے

(۴) چوتھی بات یہ کہ مسئلہ کفر و اسلام میں خدا سے ڈر کر منہ سے لفظ نکالو اور حضرت صاحب کے صحیح عقیدہ کو پہچانو انہوں نے اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والوں کو کبھی کافر نہیں ٹھہرایا۔

(۵) پانچویں بات یہ کہ حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ کی جانشین کے مسئلہ کو سوچ سمجھ کر قومی مشورہ سے طے کرو۔"

اس ٹریکٹ میں ان تمام باتوں کا اور انجمن کی صحیح پوزیشن کو نہایت صفائی اور تفصیل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ کی وفات ۱۳؍ مارچ ۱۹۱۴ء کو ہوئی تھی اور ۱۴؍ مارچ کو میری آنکھوں کے سامنے جو کچھ ہوا میں اس کے بارہ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ ہوا وہ افسوسناک تھا جس کے نتیجہ میں حضرت مولانا ممدوح قادیان سے جسے اپنا وطن ترک کر کے انہوں نے حضرت مسیح موعود کے ارشاد کے ماتحت اپنا نیا گھر بنایا تھا۔ ایک دوسری ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور اصولوں کی خاطر وہ اس قربانی پر تیار ہو گئے۔ اور نہایت بے سروسامانی کی حالت میں لاہور تشریف لے آئے۔ اور اپنے چند رفقاء کے ساتھ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی۔ تائید ایزدی آپ کے شامل حال تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خدمت اسلام اور اشاعت قرآن کا بڑا موقع نصیب کیا اور عظیم کامیابی عطا فرمائی۔ اور آپ کی مساعی کی بدولت حضرت صاحب کے الہام "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"، کی تعبیر حقیقت بن کر سامنے آگئی۔

اکثر کہا جاتا ہے کہ ربوہ اور لاہور کی جماعت کے عقائد میں کوئی فرق نہیں یہ اختلاف صرف اس وجہ سے ہوا کہ مولوی محمد علی لیڈر بننا چاہتے تھے۔ اس سے بڑا جھوٹ نہیں ہو سکتا تھا یہ تاریخ کو مسخ کرنا ہے۔ اہل ربوہ کے ساتھ ہمارا اختلاف اصولی اور بنیادی ہے تکفیر مسلمین اور حضرت صاحب کے دعویٰ نبوت پر دونوں جماعتوں کا اختلاف ہے۔ اس بحث میں ہزارہا صفحے لکھے جا چکے ہیں۔ ہم ان دونوں اصولی باتوں میں جماعت ربوہ کو غلطی پر یقین کرتے ہیں اور جب تک وہ ان غلط عقائد سے علانیہ رجوع نہ کریں ہمارا ان سے اتحاد ہرگز نہیں ہو سکتا ۱۹۵۳ء میں جناب میاں محمود احمد صاحب نے جو بیان منیر کمیٹی کے سامنے دیا تھا اس میں اپنے غلط عقائد سے رجوع کر لیا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ اور ان کی جماعت اس پر قائم نہ رہ سکی ورنہ دونوں جماعتوں کے اختلاف ختم ہو جانے کے امکانات پیدا ہو چکے تھے۔ جماعت ربوہ کے ان عقائد کی وجہ سے جو ابتلاء سلسلہ احمدیہ کو پیش آیا اس کا میں کیا ذکر کروں۔ اس ابتلاء میں دیگر عوارض بھی کارفرما تھے اور ہم بھی باوجود صحیح عقائد رکھنے کے اس کی زد سے محفوظ نہ رہ سکے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے دلوں میں یہ اطمینان تو ضرور موجود ہے کہ ہمارے صحیح اور سچے عقائد وہی ہیں جو حضرت مسیح موعود کے تھے - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - حضرت مولانا محمد علی وہ محسن اعظم ہے جس کی ہمت اور مومنانہ فراست نے حضرت صاحب کی صحیح پوزیشن اور دعاوی کو مٹنے سے بچا لیا۔ اور میرے نزدیک مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے وہ دن ہمیں شاید دور نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اتنا دور نہ ہوگا جس کے متعلق حضرت صاحب نے فرمایا۔ "اب تو تھوڑے رہ گئے دجال کہلانے کے دن۔" اور پھر فرمایا ؎

امروز قوم من نشناسد مقام من
روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

میں نے اپنی تقریر کی ابتداء چار آیات کی تلاوت سے کی تھی۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ اگلی دو آیات میں اولیاء اللہ کی نشاندہی اور اجر کا ذکر ہے میرا ایمان ہے کہ مولانا محمد علی اسی زمرہ اولیاء اللہ کے فرد تھے۔ چوتھی آیت میں تسلی کے الفاظ ہیں۔ فلا یحزنک قولھم ان العزۃ للہ جمیعا ھو السمیع العلیم۔ مولانا ممدوح کو ستایا بھی بہت گیا۔ جس کا مگر انہوں نے بڑے صبر سے مقابلہ کیا اور اپنے کام میں اسے حارج نہ ہونے دیا۔ وہ عزت جو اللہ تعالیٰ سے ملتی ہے اور جس کے آپ حقدار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اکناف عالم میں بحمد وافر نصیب کی اور آپ کے بدخواہوں اور ستانے والوں کو آسودگی نہ ملی۔ آنحضرت صلعم کی ایک حدیث قدسی ہے۔ من عاد ولیا لی فقد اٰذنتہ للحرب کا نظارہ کم از کم میں آپ کے حق میں بارہا بچشم خود دیکھ چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس پاک بندے کو جنت الفردوس میں پاکوں کی معیت میں بلند درجات نصیب کرے اور ہمیں توفیق بخشے کہ ہم اس کے کام کو ہمت اور خلوص کے ساتھ جاری رکھ سکیں۔ آج کے دن جب ہم آپ کی یاد میں یہ جلسہ کر رہے ہیں۔ یہی سب سے بڑا ہدیۂ عقیدت ہے جو ہم پیش کر سکتے ہیں۔

مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد

ایک نہایت پیاری دُعا

قسط دوئم

پچھلے دنوں متواتر کئی اقساط میں مختلف طریقوں سے یہ تحریر کیا جا رہا ہے کہ جو وقت گزر رہا ہے اور جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ ہر ذی شعور ان پر غور کرتا ہے۔ تو اس کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ جدھر نگاہ اٹھاؤ۔ ایسے سامان اور حالات نظر آتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر گلی پود کے بارے میں سخت فکر پیدا ہوتی ہے۔ انفرادی رنگ لیں یا اجتماعی اور قومی سطح پر سوچیں ایک پریشان کن صورت سامنے آتی ہے۔

ہم لوگ خدا کے فضل سے اس بات پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ احمدی مسلمان ہیں۔ قرآن مجید ہماری ہدایت کا منبع اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مقتدا ہیں۔ اور ہماری زندگیوں کا مقصد اور مشن اصلاح نفس اور اشاعت قرآن مجید و اسلام ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جتنا بڑا منصوبہ ہوتا ہے اسی کے مطابق سامان اور تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ ہم ہر رنگ میں چوکس رہ کر کام کریں۔ ایک زاویہ یہ ہے کہ ہم خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں اور ان اسباق کو ہمیشہ سامنے رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ہماری رہنمائی کے لئے بیان فرمائے ہیں۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلیٰ والدی وان اعمل صالحاً ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین (احقاف ۴۶)

میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو دی اور کہ میں نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لئے میری اولاد کی اصلاح کر، میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

اس دعا کی روشنی میں پانچ سبق پہلے تحریر کئے جا چکے ہیں۔

چھٹا سبق اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو یہ دیتا ہے۔

وان اعمل صالحاً ۔ یعنی یہ بھی توفیق دے کہ میں مناسب حال عمل کرتا رہوں۔ اسلامی تعلیم کی رو سے کوئی فعل اپنی ذات میں برا نہیں ہے اس کا استعمال اس کو اچھا یا برا بناتا ہے۔ اس میں ایک طرف یہ دیکھنا ہوتا کہ حکم دینے والا کیا حکم دیتا ہے۔ اس کی ادائیگی کے لئے کیا شرائط مقرر کرتا ہے۔ اور اس حکم کا ماله و ما علیہ کیا ہے جب تک ان پابندیوں کا خیال نہ رکھا جائے نیکی اور بدی میں تمیز نہیں ہوتی۔

ابھی پچھلے دنوں عید الضحیٰ کی تقریب گزری ہے اس موقع پر صاحب توفیق، رضاء الٰہی کے لیے سنت ابراہیمؑ کی پیروی اور تجدید کیلئے قربانیاں دیتے ہیں۔ حکم کیا ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام رویا کی بنا پر اپنے لخت جگر کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو گئے تھے کیونکہ ایک وقت تک سوختنی قربانی بھی دی جاتی تھی اللہ تعالیٰ نے ایک احسان عظیم مخلوق پر حضرت ابراہیمؑ کے توسط سے یہ فرمایا کہ اب انسانی قربانی کا حکم منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بدلے جانور کی قربانی دیا کرو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نیکی۔ تقویٰ تسلیم و رضا اور فرمانبرداری کے ساتھ خدا کے احکام کو بجا لانے کے لئے اس روح کے ساتھ قربانی کرنا۔ جو ابراہیمؑ نے اپنے نمونہ سے تمہارے لئے پیش کیا۔

اس قربانی کے ادا کرنے کے لئے کئی شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ یہ جانور عید الاضحیہ کے دوگانہ نماز ادا کرنے کے بعد کی جاتی ہے۔ اگر کوئی نماز سے پہلے ادا کر لے! تو اس بارے میں ایک واقعہ سنیں! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صحابی نے عید والے دن نماز دوگانہ سے پہلے اور فجر کی نماز کے بعد اپنا جانور ذبح کیا۔ اور ذبح کرتے وقت اس صحابی کی یہ نیت تھی (محبت و عشق کی وجہ سے) کہ آج میں سب صحابہ سے پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کروں گا۔ اب جب وہ گوشت لے کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے یہ جانور قربانی کی نیت سے ذبح کیا ہے۔ اس نے عرض کیا جی ہاں پھر فرمایا کہ عید کی نماز سے پہلے تم نے ذبح کیا ہے۔ اس نے عرض کی۔ جی حضرت! آپؐ نے فرمایا یہ گوشت تو ہے۔ جیسے اور دنوں میں ذبح کرتے ہو اور کھاتے ہو۔ اسی طرح کا یہ گوشت ہے۔ لیکن جو جانور قربانی کا ذبح عظیم۔ کی قربانی کے تتبع میں ذبح کیا جاتا ہے۔ وہ عید کی نماز کے بعد ذبح کیا جاتا ہے۔ فرمایا۔ اب یہ گوشت کھاؤ لیکن یہ قربانی نہیں ہو گی۔

آپ غور فرمائیں! دن بھی عید کا ہے جس دن قربانیاں دی جاتی ہیں۔ دینے والے کی نیت بھی قربانی کی ہے۔ لیکن ایک شرط کہ یہ جانور عید کی نماز کے بعد ذبح کئے جائیں۔ اس کو نظر انداز کرنے کی وجہ وہ قربانی نہیں ہوئی۔

وان اعمل صالحاً ۔ کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وقت جس مناسب حال نیکی یا عمل کا تقاضا کرتا ہے اس کو پوری شرائط کے ساتھ ادا کرو۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں۔

نیک عمل کی تعریف یہ ہے۔ کہ وہ عمل ضابطہ شریعت کے موافق ہو۔ اور ساتواں سبق یہ دیا کہ:- واصلح لی فی ذریتی

انسان اپنی طرف سے پوری کوشش کرے لیکن صرف تمام پر بھروسہ نہ کرے۔ ہر دم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔ ایک انسانی زندگی کے سنورنے اور بگڑنے میں بڑے اسباب کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ کشتی اللہ کے فضل سے کنارے لگتی ہے۔ انسان جتنی بھی کوشش کرے۔ ساتھ ہی ساتھ بلکہ ایک رنگ میں کوشش سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا اور اس کے فضل کا بھی طالب رہے کہ میری اس کوشش میں برکت ڈال اپنے رحم سے تکمیل تک پہنچنے کے دینی و دنیاوی اسباب میں برکت بھی ڈالے۔ خرابی تب پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان افراط و تفریط میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب بھی ایک طرف جھکاؤ ہو گا ایک حصہ کو نظر انداز کیا جائے گا اس وقت تک صحیح عمل صالح ادا نہیں ہو گا۔

اس دنیا میں انسان کو راستہ سے ہٹانے کے لئے کئی قسم کی باریک تاریں بھی کام کر رہی ہیں اور انسان کو نہایت حکمت و فراست سے کام لینا پڑتا ہے۔

ایک تاریخی واقعہ ہے۔ حضرت نور الدینؓ بڑے ہی ذہین متقی۔ صاحب فراست۔ صاحب حال بزرگ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک طالب علم پر اس زمانہ میں ہزارہا روپیہ خرچ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان نوجوان بھی علم کے میدان میں ترقی کریں۔ فرماتے تھے۔ وہ طالب علم سکول کی حدود سے نکل کر کالج پہنچ گیا میں خوش تھا کہ یہ مسلمان طالب علم دین و دنیا میں ترقی کرے گا۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ اچانک۔ اس طالب علم کا ایک کارڈ آ گیا۔ (جس پر میرے بڑے ظاہری احسانات تھے) کہ میں اسلام کو چھوڑ رہا ہوں۔ اب میں مسلمان نہیں۔ اور مجھے اسلام کے بارے میں دلائل بھی نہ لکھے جائیں حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے اس خط کو پڑھ کر سخت تکلیف ہوئی (یہاں پر وہ مقولہ صدفی صد صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اتقوا من فراسۃ المؤمن کہ مومن اپنی فراست میں سب لوگوں سے بڑھا ہوتا ہے۔ وہ موقع و محل کے مطابق قدم اٹھاتا ہے۔

فرماتے تھے۔ کہ میں نے اسے لکھا کہ میں تمہیں اسلام کی صداقت کے دلائل تو نہیں دیتا۔ لیکن میرا تم سے پرانا تعلق ہے۔ اس بنا پر یہ تحریر کرتا ہوں۔ کہ کالج میں جس لڑکے کے ساتھ تم بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہو۔ اس سے کچھ عرصہ کے لئے سیٹ تبدیل کر لو۔ اس پر اس طالب علم نے حضرت مولوی صاحب کو تحریر کیا کہ اچھا میں آپ کے کہنے پر سیٹ تبدیل کر رہا ہوں۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا رہا تھا۔ آخر تھوڑے عرصہ بعد اس کا خط آ گیا جس میں اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔ معافی مانگی اور لکھا کہ میں الحمد للہ مسلمان ہوں۔ میرے ساتھ والا لڑکا دہریہ تھا وہ آہستہ آہستہ میرے اندر دہریت کے جراثیم

(بقیہ صـــ کالم ۹ پر)

حیوانی و ادنیٰ جذباتِ نفس کی قربانی سے ہی اعلیٰ و عالمگیر حیاتِ طیبہ معرضِ وجود میں آتی ہے

جملہ ارکان و عباداتِ اسلام کی رُوح و حقیقت سمجھ کر اُن پر عمل پیرائی اور اتحاد بین المسلمین

پر قیامِ نشاۃِ ثانیہ اسلامیہ کی بُنیادیں استوار ہیں

خطبہ عید الضحیٰ ۱۰ر ذوالحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۰ر اکتوبر ۱۹۸۰ء فرمودہ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب در مسجد جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

تعوذ و تسمیہ: فلما بلغ معہ السعی قال یٰبنیّ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ قال یابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصّابرین۔۔۔۔ وفدینٰہ بذبحٍ عظیم ٥ وترکنا علیہ فی الاٰخرین ٥ سلٰمٌ علیٰ ابراھیم (الصّٰفّٰت ۱۰۲ تا ۱۰۹)

مسلمانوں کے لئے دو عید کے مواقع آتے ہیں ایک عید رمضان اور دوسرا عید قربان۔ ان دونوں مواقع عید سے پہلے نفس کی ریاضت لگا ہے۔ مثلاً عید الفطر سے قبل روزوں سے مجاہدہ نفس ہوتا ہے اور عید الضحیٰ سے قبل ایّام حج کی مشقّت ہے۔ یہ اس عظیم اصول کی تشریح کرتے ہیں۔ ان مع العسر یسراً ان مع العسر یسرا۔ دُکھ کے بعد ہی سُکھ نصیب ہوا کرتا ہے۔ ایّام حج واقعتاً کمال درجہ کی نفس کشی اور ریاضت ہے۔ گھر بار چھوڑنا۔ اہل و عیال سے دُوری اختیار کرنا ہے۔ عزیز و اقارب سے مہجور رہنا ہے۔ صعوباتِ سفر برداشت کرنا ہے۔ غرضیکہ جملہ علائق دنیوی منقطع کر کے محض رضائے خداوندی کے حصول کے لئے مصروف سعی ہوتا ہے۔ اور جب انسان خدا کے احکامات کے مطابق ایّام حج گزار لیتا ہے۔ تو عید کی مسرّت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

آیاتِ بالا میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس پر مناسکِ حج مقرر کئے گئے۔ رب العالمین فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو امتحان و آزمائش میں ڈالا۔ چنانچہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ یہ منشاء خداوندی پاکر بیٹے سے فرماتے ہیں۔ اے بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں تمہارا کیا خیال ہے۔ رمز شناس نبوت بیٹے نے فوراً کہا۔ ابا جان کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ مجھے انشاء اللہ آپ صابر پائیں گے۔ تو جب دونوں نے حکم مانا اور حضرت اسماعیل کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ابراہیمؑ کو پکارا اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا ہے۔ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں بے شک یہ ایک کھلا امتحان تھا۔ اور تم اس امتحان میں پورے اترے ہو۔ جانے غور ہے کہ جوان اور اکلوتے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اور نہ ہی فرزندِ ارجمند نے اطاعت سے منہ موڑا۔

پس اس لئے خدا تعالیٰ نے اس عظیم قربانی کو قبول کر لیا۔ اور فرمایا کہ اب بیٹے کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم نیتّوں کو دیکھتے ہیں اس لئے ہم اس کی بجائے جانور کی قربانی کا فدیہ مقرر کرتے ہیں اور آئندہ نسلوں میں قربانی کی روایت کو جاری کرتے ہیں اور اس کے ذکر خیر کو باقی رکھتے ہیں۔ اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ جانور کے ذبح کرنے اور خون بہانے کا کیا فائدہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب ارشاد فرمایا ہے:۔

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماء ھا ولٰکن ینالہ التقویٰ منکم

خدا کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ہی خون۔ خدا کو یہ چیز مطلوب ہے کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ جیسے روزوں کا مقصد و مدّعا بھی حصول تقویٰ بتلایا ہے۔ ایسے ہی اس گوشت و خون سے تمہارے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی غرض پنہاں ہے۔ کہ آیا تمہارے اندر خدا کی فرمانبرداری اور مخلوقِ خدا سے ہمدردی پیدا ہوئی ہے؟ جانور کی قربانی بطور تمثیل ہے دراصل جملہ خواہشاتِ نفس کو احکامِ خداوندی پر قربان کرنا مقصود ہے یعنی اپنی حیوانی خواہشات کو ذبح کر دینا ہی اصل مقصود ہے۔ آج قربانی ایک رسم رہ گئی ہے۔ اور اس کی حقیقی رُوح مفقود ہو گئی ہے۔ وجہ یہ کہ اس روحانی اصول کو جسمانیات تک محدود سمجھ لیا گیا ہے۔ اور ظاہر پرستی کو چھوڑ کر رُوح کی قربانی یا خلاف مرضی خدا خواہشات نفس کو ترک کرنے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف بیٹے کو ہی قربانی کے لئے پیش نہیں کیا بلکہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہؓ کو بھی حکم خداوندی سے اس بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ دیا تھا اور بیوی کے استفسار پر بتایا تھا کہ خدا کا حکم یہی ہے تو حضرت ہاجرہ نے بھی یہی کہا کہ اگر خدا کا یہ حکم ہے تو بسر و چشم ہمیں کوئی شکوہ نہیں۔ گویا پورے خاندان یعنی خاوند و بیوی و بیٹے نے اپنے جذبات کو خدا کے حکم پر ذبح کر دیا۔ اس پر خدا کی جانب سے اس قربانی کو شرف قبولیت بخشا گیا۔ اور اس مقام پر توحید کا مرکز قائم کیا گیا جہاں یہ واقعہ قربانی کا پیش آیا تھا۔ آج وہاں ۲۰ لاکھ فرزندانِ توحید انسانی مساوات کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ اللّٰھم لبیک۔ اے اللہ میں دِل و جان سے تیرے حضور حاضر ہوں۔ اور تیرے احکامات کے برخلاف اپنی تمام خواہشات کو قربان کرتا ہوں۔ آج مسلمانوں میں ظاہری ارکان کی ادائیگی کے ساتھ حقیقی رُوح کی طرف میلان بڑھ رہا ہے۔ یعنی ہمارے اندر خدا کی صفات جلوہ گر ہونی چاہئیں۔ اتحاد بین المسلمین کی طرف قدم اٹھ رہا ہے۔ اس بارے میں سب سے پہلے حضرت مجدد صد چہار دہم نے اس کی طرف توجہ دلائی تھی کہ تمہارے باہمی تفرقہ سے دشمن کو فائدہ پہنچے گا۔ اور امام وقت نے اتحاد بین المسلمین پر زور دیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے اور یہ بڑی پُرمغز بات ہے کہ ترقی کا راز باہمی اتحاد مسلمانان اور حقیقتِ اسلام پر کاربند ہونے میں ہے۔ خدا سے دُعا ہے۔ کہ وہ ہماری قوم کو ہدایت دے کہ وہ باہم متحد ہوں اور حضرت صاحب کا یہ الہام بتمام و کمال پورا ہو کہ۔ کہ بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

رپورٹ برادر اوکے شفقت رسول خاں

بقیہ "ایک نہایت پیاری دُعا" (لسلسلہ ماده صفحہ ۸)

داخل کر رہا تھا۔ اور میں اپنی غلطی سے اِسلام سے آہستہ آہستہ دور ہو رہا تھا۔ اب جگہ تبدیل کرنے سے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اس زمانہ سے آپنے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ باریک تاریں کس طرح کام کرتی ہیں۔ یہ تو آج سے پون صدی پہلے کا واقعہ ہے۔ اب تو یہ باریک تاریں ایک منظم غارت گر کی طرح انسان کے ایمان و عمل پر حملہ آور ہیں۔ اب سوچنا چاہیئے کہ ان سے بچاؤ کے لئے ہمیں کتنی محنت اور کوشش کرنی چاہیئے پس ہمارا فرض ہے کہ ایسے رنگ میں اولاد کی تربیت کریں۔ ایسا حول پیدا کریں۔ ایسی محنت کریں کہ وہ ہمارے حقیقی جانشین بنیں۔ ہمارے نقشِ قدم پر چلیں بلکہ قدم آگے بڑھائیں۔ دین دار متقی ہوں جماعت کا عملاً بوجھ اٹھانے والے ہوں۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہوں۔ ہمیں ایسے نوجوان نظر آئیں جو محمد علیؒ، کمال الدینؒ، بشارت احمدؒ اور ایسے پاک رُوحوں کے نقشِ پا پر چلنے والے ہوں۔ آمین!

(بقیہ آئندہ شمارے میں)

عارف ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

شکر کیا ہے؟

شکر کی اصل کے متعلق تو اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشاد ہے :۔ لئن شکرتم لأزیدنکم اگر تم شکر کرو گے تو میں انعامات میں اضافہ کرتا رہوں گا اور حدیث میں عطاء سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے جا کر عرض کیا کہ آپ نے آنحضرت صلعم کی جو تعجب انگیز بات دیکھی بیان کیجیئے۔ پس وہ آبدیدہ ہو گئیں اور فرمایا کہ آپ کی کوئی بھی بات عجب سے خالی نہ تھی۔ آپ ایک رات میرے پاس تشریف لائے۔ میرے بستر پر لیٹ گئے۔ تھوڑا عرصہ آرام کیا۔ پھر فرمایا اے ابوبکرؓ کی بیٹی مجھے اجازت دے کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کر لوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! مجھے آپ کا قرب محبوب ہے۔ پھر آپ پانی کے ایک مشکیزے کے پاس کھڑے ہو کر وضو کرنے لگے۔ آپ نے خوب اچھی طرح وضو کیا۔ پھر آپ کھڑے ہو کر نوافل ادا کرنے لگے۔ کہ رو پڑے اور آنسو سینہ پر جاری ہو گئے۔ پھر آپ نے رکوع کیا اور اس میں بھی روتے رہے۔ پھر سجدہ کیا اس میں بھی روتے رہے۔ پھر سر اٹھاتے وقت بھی روتے رہے پس آپ اسی طرح روتے ہوئے نماز پڑھتے رہے کہ بلال رضؓ نے فجر کی جماعت کے لئے اطلاع دی کہ وقت ہو گیا ہے۔

پھر عائشہ رضؓ فرمانے لگیں میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کس بات کا غم اس قدر رُلا رہا ہے۔ آپ کی اللہ تعالےٰ نے اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالےٰ کا شکر نہ کروں کیا میں اس کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ اور کیوں نہ ایسا کروں جبکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔ ان فی خلق السمٰوٰت والارض لاٰیٰت۔ کہ زمین و آسمان کی تخلیق میں اللہ تعالےٰ کی حکمت اور عبرت کے نشانات ہیں اور محققوں کے نزدیک شکر دراصل منعم کی نعمتوں کا عاجزی کے ساتھ اقرار کا نام ہے۔ اور اسی لحاظ سے اللہ تعالےٰ نے اپنے آپ کو الشکور سے موصوف کیا ہے۔ کہ وہ شکر ادا کرنے پر بندوں کو مزید دیتا ہے تو شکر کی جزا کا نام شکر رکھا گیا۔ جیسے ارشاد باری ہے جزاء سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا برائی کی سزا اس جیسی برائی ہے اور کہا گیا ہے کہ شکر درحقیقت محسن کی تعریف کو کہتے ہیں۔ جو اس کے احسان کے سلسلے میں کی جائے۔ اور اللہ تعالےٰ کا شکر بندہ کے لئے یہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ بندہ کی اپنے احسان کے ذکر پر تعریف کرتا ہے۔ پھر بندہ کا احسان اللہ تعالےٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ اور خدا تعالےٰ کا احسان بندہ پر انعام کرنا ہے۔ اور درحقیقت بندہ شکر کی زبان سے خدائی انعامات کا ذکر اور دل سے ان کا اقرار کرنا ہے۔

پھر شکر کی چند قسمیں ہیں۔ ایک زبانی شکر، وہ نعمتوں کا نیازمندی سے اقرار کرنے کا نام ہے۔ اور دوسرا بدن اور اعضاء کا شکر کہ وہ وفاداری اور خدمت مولا سے موصوف ہونے کا نام ہے۔ اور تیسرا دلی شکر کہ حرمت کی دائمی حفاظت کرتے ہوئے حضوری و شہود کے فرش پر کھڑا ہونے کا نام ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آنکھوں کا شکر اپنے دوست کے عیب چھپانے کا نام ہے۔ اور کانوں کا شکر یہ ہے کہ دوست کے جن عیبوں کو سُنے چھپا دے خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اور اس کی نعمتوں کی نافرمانی نہ کرے۔ اور کہا گیا ہے کہ شکر لوگوں کی شکر گذاری کا نام ہے۔ جن میں لوگوں کے اقوالِ حسنہ بھی شامل ہیں۔ اور عابدوں کا شکران کے افعال اور عبادت سے عبارت ہے۔ اور عارفوں کا شکران کا اللہ تعالےٰ کی عبادت میں اپنے جمیع حالات اور اعتقادات میں استقامت اختیار کرنا ہے۔ کہ سب بھلائی جو ان میں پائی جاتی ہے۔ اور جو اطاعت اور بندگی اور ذکر الٰہی کہ اُن سے ظاہر ہوتا ہے سب اللہ تعالےٰ کی توفیق، انعام اور مدد اور قوت سے ہے۔ اور ہر حال میں رضاء مولےٰ میں فنا ہو جانے اور عاجزی قصور اور جہالت کے انکسار سے اقراری ہوتے ہیں۔ اور ابوبکر وراق رح نے کہا ہے کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ محسن کے احسان کو دیکھ کر اس کی حرمت کی نگہداشت کی جائے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ شکر یہ ہے کہ شکر ادا کرنے سے عجز کی معرفت حاصل ہو جائے۔ اور یہ خیال کرے کہ میں شکر ادا کرنے سے عاجز ہوں۔ اور کہا گیا ہے کہ شکر پر شکر ادا کرنا شکر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور اپنے شکر کو توفیق الٰہی سے خیال کرے۔ اور توفیق بھی خدا کا انعام ہے جس پر شکر واجب ہے، اور یہ شکر پر شکر لامتناہی ہے۔ اور جنید رح نے کہا ہے کہ شکر یہ ہے کہ اپنے نفس کو اس کے لائق نہ سمجھے اور کہا گیا ہے کہ شاکر وہ ہے کہ موجود چیز پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو غیر موجود چیز پر شکر ادا کرے۔ اور کہا گیا ہے کہ شاکر وہ ہے کہ انعام پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو اس کی بندش پر شکر کرے۔ اور کہا جاتا ہے کہ شاکر وہ ہے جو عطیہ پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو تکلیف پر شکر کرے۔ کہا جاتا ہے کہ شاکر وہ ہے کہ خرچ کرتے وقت اور سخاوت کرتے وقت شکر کرے اور شکور وہ ہے کہ نعمت کی تاخیر کے وقت شکر کرے۔

اور شبلی رح نے کہا ہے کہ شکر منعم کے دیکھنے کا نام ہے نہ کہ نعمت کے، اور کہا گیا ہے کہ شکر حاصل شدہ نعمت کو مضبوط پکڑ کر غیر موجود نعمت کے فراہم کرنے کا نام ہے۔ اور ابوعثمان رح نے کہا ہے کہ عام لوگوں کا شکر کھانے پینے کی چیزوں پر ہوتا ہے اور خواص کا ان نعمتوں اور بخشش پر جو ان کے قلوب روحانی اور حقائق مخفیہ کے نزول سے ہوتی ہیں اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وقلیلٌ من عبادی الشکور کہ میرے شکور بندے کم ہیں۔ اور داؤد علیہ السلام نے فرمایا "خدایا میں تیرا شکر کیس طرح ادا کروں کیونکہ میرا شکر بھی تیری نعمتوں میں سے ایک ہے جس پر خدا تعالےٰ نے وحی کی۔ "اب تو میرا شکر گذار ہو گیا" اور کہا گیا ہے کہ جب نعمتوں کی مکافات عوض دینے کی طاقت نہ ہو تو پھر زبان سے بہت شکر گزاری کا نام شکر ہے اور کہا گیا ہے کہ جب ادریس عؑ مغفرت کی بشارت دیئے گئے اور زندگی کی خواہش کی۔ تو پوچھا گیا۔ یہ کیوں؟ کہا اس لئے کہ میں اس میں اور شکر ادا کروں۔ کیونکہ اس سے پہلے تو استغفار اور عبادت کرتا تھا اور کہا گیا ہے کہ ایک نبی کسی پتھر کے پاس سے گزرے۔ کیا دیکھا کہ پتھر تو چھوٹا ہے مگر اس سے بہت سا پانی پھوٹ رہا ہے۔ حیران ہوئے۔ خدا نے پتھر کو زبان دی۔ تو پوچھا کہ کیا بات ہے تو اس نے بتایا کہ جب سے آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے وقودھا الناس والحجارۃ الخ کہ دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے تب سے میں اس خوف کے مارے رو رہا ہوں تب انہوں نے حضرت باری سے پتھر کی نجات کے لئے دعا کی جس پر وحی ہوئی کہ ہم نے اسے دوزخ سے نجات دی۔ وہ پیغمبر دُعا سے فارغ ہو کر پتھر کی طرف لوٹے دیکھا کہ پہلے سے بھی زیادہ پانی اس سے بہہ رہا ہے۔ اس پر پوچھا کہ اب کیوں روتا ہے؟ تو تو دوزخ کی جلن سے نجات پا گیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اب بطور شکر خوشی سے روتا ہوں۔ اور ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ ان اللہ مع الصابرین۔ اللہ تعالےٰ اس کی راہ میں دُکھ اٹھانے والوں کے ہمراہ ہے ----- اور کہا گیا ہے کہ حمد اس چیز پر ہوتی ہے جو دُور کی جاتی ہے اور شکر اس پر جو دی جاتی ہے۔

(غنیۃ الطالبین)

محمد اعظم علوی

۱:- نیویارک امریکہ سے امام علیسی تحریر فرماتے ہیں :-

ہمیں اپنی مسجد کے لئے اسلام پر آپ کی شائع کردہ کتب کی اشد ضرورت ہے۔ مہربانی فرماکر اپنی پہلی فرصت میں فہرست کتب اور امریکن ڈالر میں اُن کی قیمتوں سے مطلع کریں تاکہ ہم مسجد کی لائبریری کے لئے آپ کو بڑا آرڈر دے سکیں۔ اس سلسلہ میں ہم آپ کی ہمدردی اور امداد کے خواستگار ہیں :

والسّلام

۲:- ڈیپارٹمنٹ آف ٹاؤن پلیننگ ابادان (نائیجیریا) سے عثمان علی لکھتے ہیں :-

السّلام علیکم ! ایک مسلمان طالب علم کی حیثیت سے مجھے اسلام سے اور اس کی صحیح تعلیم سے بے حد دلچسپی ہے، جو روح اور زندگی کی غذا ہے۔ لہٰذا میں بے حد شکر گزار ہوں گا اگر آپ مجھے انگریزی ترجمۃ القرآن مع عربی متن ایک جلد مفت بھجوا سکیں اس کے علاوہ اسلام پر اور مزید لٹریچر بھی بھجوائیں۔ میری عمر ۲۰ سال ہے اور میرا مکمل نام اور پتہ اوپر درج ہے۔ مہربانی فرماکر میری اس درخواست کو جسقدر جلد ممکن ہو شرفِ قبولیت بخشیں۔ والسّلام

۳:- کڈونا (نائیجیریا) سے مسٹر سید نے لکھا ہے

یہ خط میں آپ کو شکریہ کے طور پر لکھ رہا ہوں اُن چار کتب سے متعلق جو اسلام اور بانیٔ اسلام صلعم کے بارے میں آپ نے مئی ۱۹۸۰ء میں مجھے بھجوائی تھیں اور ۱۹ ستمبر کو مجھے بحفاظت مل گئی ہیں۔ آئندہ کے لئے درخواست کرتا ہوں کہ سلسلہ جاری رکھیں اور اسلام پر مزید لٹریچر مجھے ضرور بھجوائیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کا مددگار ہو۔ آمین

۴:- جوہنسبرگ ریپبلک آف جنوبی افریقہ سے عمر سلیمان صاحب لکھتے ہیں :-

جنابِ من ! میرے لئے یہ انتہائی مسرت کا موجب ہوگا اگر آپ مولانا محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن مع عربی متن چھٹا ایڈیشن بذریعہ ہوائی جہاز بھجوا دیں۔ میں اس کے جملہ اخراجات کا ڈرافٹ آپ کی خدمت میں فوراً بھجوا دوں گا۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مجھے قیمت سے مطلع کریں میں پہلے آپ کو رقم بھجوا دوں۔ میں آپ کا مکمل پتہ جاننے کے لئے گزشتہ سات سال سے پریشان تھا۔ آخرکار میری پریشانی دور ہوئی اور سات سال کے بعد مجھے آپ کا پتہ ملا ہے۔ اب جلد از جلد میری خواہش پوری کریں۔ شکریہ

۵:- کوارا سٹیٹ نائیجیریا سے عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، برادرم مکرم ـــــــ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے ۳ ستمبر ۱۹۸۰ء کے خط کے حوالے سے میں آپ کا پُرخلوص شکریہ ادا کرتا ہوں آپ اشاعتِ اسلام کے لئے جو حوصلہ افزا کوشش دُنیا میں خاص طور پر میرے ملک نائیجیریا میں کر رہے ہیں وہ قابلِ صد تحسین ہے۔ آپ نے اپنے خط میں اسلام پر جن قیمتی کتب کے رجسٹری بھیجنے کا ذکر فرمایا ہے میں ان کا منتظر ہوں اور انگریزی ترجمۃ القرآن جس کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ زیرِ طبع ہے۔ اس کے لئے درخواست گذار ہوں کہ جونہی وہ چھپ جائے تو مجھے ضرور یاد رکھیں۔ آپ کی مرسلہ کتب مل جانے پر میں آپ کو [illegible] اور اعلیٰ تعلیم سے

آگاہ کروں گا۔ والسّلام۔ آپ کا ایک مسلمان بھائی۔

۶:- نائیجیریا سے یونس عبد الکریم نے لکھا ہے :-

جنابِ عالی ! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لئے دُعا کرتا رہے اور بار بار دُعا کرے۔ اس لئے میں پھر دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو امن وسلامتی سے رکھے، آمین۔ میں نائیجیریا کا ایک مسلمان طالبعلم ہوں اور قرآن مجید کو ترس رہا ہوں کیونکہ میرے باپ غریب آدمی ہیں اور وہ مجھے خرید کر نہیں دے سکتے۔ لہٰذا آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایک کاپی بھجوا دیں کیونکہ اس وجہ سے عیسائی لڑکے مجھے طعنہ دیتے ہیں کہ اسے اپنے مذہب کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ مہربانی کرکے مجھے ایک جلد بھجوا کر عند اللہ ماجور ہوں۔ والسّلام

۷:- مسٹر اے لارنے، سواکوپملنڈ (۸۔ ۷۷۔ ۵) سے تحریر کرتے ہیں :-

برادرم مکرم ـــــــ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا مرسلہ لٹریچر مجھے ۱۴ ستمبر کو مل گیا اور میں نے اس روز آپ کو رسید گی لٹریچر سے اطلاع دے دی تھی۔ آپ کے لٹریچر کی مثال ایسی غذا کی ہے جو بہت ہی بھوکے بچے کے سامنے رکھی جائے تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں ہوتی۔ میرے بھائی میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں لیکن میرے پاس انگریزی ترجمہ قرآن سے ہی بچے گی۔ آپ نے لکھا ہے کہ زیرِ طبع ہے جب بھی چھپے مجھے ضرور یاد رکھیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو خوش رکھے۔ آمین :

۸:- گھانا سے صالح یوسف حسین نے لکھا ہے :-

مکرمی !

بصد احترام یہ خط آپ کی خدمت میں تحریر کر رہا ہوں۔ میرے حلقہ احباب میں آپ کی تبلیغی شہرت نے مجھے یہ خط لکھنے کی تحریک کی ہے۔ میں نے احمدیہ تحریک کے انگلش سکول میں داخلہ لیا ہوا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ مجھے مولینا محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن بھیج کر اسلام سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائیں۔ آخر میں میں آپ کا اور تمام جماعت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔ والسّلام

رپورٹ :- جناب بشیر احمد

بدوملہی میں حضرت مولانا محمد علیؒ کی یاد میں جلسہ

بدوملہی میں ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو بعد نماز جمعہ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کا دن منایا گیا۔ جس میں شیخ اللہ بخش صاحب نے ان کی زندگی مختصر بیان کی۔ فرمایا حضرت مولانا نے ۱۸۹۶ء میں بیعت کی اور اس کے بعد ایم اے کر کے وکالت کا امتحان دیا۔ اور پاس ہو گئے پھر گورداسپور میں اپنی وکالت شروع کرنے کا سامان مکمل کر لیا لیکن جب قادیان آئے تو حضرت مجدد صد چہاردہم کے فرمان کے مطابق وہیں رہ گئے۔ اور خدمت دین میں مصروف ہو گئے۔

ایک رسالہ انگریزی میں جاری کیا جس کے متعلق بعض لوگ کہتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب نے کوئی انگریز ملازم رکھا ہوا ہے کیونکہ انگریزی کے مضمون بہت ہی اچھے ہوتے تھے۔ مقرر نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا اب میں حضرت مرزا صاحب کی ان کی بابت پیشگوئیاں بیان کرنے سے پہلے رسول کریم صلعم کی پیشگوئی جو کنز العمال میں درج ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مہدی پیدا ہو گا تو اس کے بعد ایک قریشی النسل اس کا جانشین ہو گا اور اس کے بعد اہل بیعت میں سے اس کا جانشین ہو گا جس کی برائیاں نیکیوں سے زیادہ ہوں گی۔ اور جو آدمی اس کے برخلاف خروج کرے گا وہ آدمی حق پر ہو گا۔

حضرت مرزا صاحب نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے ایک رؤیا تو یہ ہے کہ :-

"میں اور محمد علی ایک گھوڑے پر سوار ہیں۔ گھوڑا سرپٹ دوڑا جا رہا ہے۔ خطرہ ہے کہ کہیں موڑ پر ٹکرا نہ جائے۔ پھر ہم ایک کھلے مقام پہنچ گئے"۔

اور کہیں آپ کو قلم دے رہے ہیں اور کہیں فرماتے ہیں "کہ ایک نوجوان ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے۔ میں نے اس کو ظاہری نظر سے بھی دیکھا۔ اور پوشیدہ نظر سے بھی دیکھا نہایت صالح اور نیک پایا"۔ اور کہیں اپنا نشان لکھتے ہیں کہ مولوی محمد علی صاحب کو شک گذرا کہ مجھے طاعون ہے بیمار ہو گئے۔ تو حضرت مسیح موعود آئے اور فرمایا کہ اگر مولوی محمد علی کو طاعون ہو جائے تو میرا سلسلہ اور میں جھوٹا۔ جب آپ نے مولوی محمد علی کا ہاتھ دیکھا تو بالکل تندرست پایا۔ میں ایک اور اولیاء اللہ میر عابد علی شاہ صاحب کی پیشگوئی بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔

جب آپ قادیان میں میاں بشیر الدین محمود صاحب کی بیعت کرنے کے بعد بدوملہی آئے تو آپ کو الہام ہوا کہ "مولوی محمد علی حق پر ہیں"۔ ہاں یہ وہی شاہ صاحب ہیں کہ جس وقت مولانا محمد علی نے انگریزی تفسیر ختم کی تو ان کو الہام ہوا کہ "خدا کی جناب میں مقبول ہو گئی"۔

اور تمام جماعت سجدہ میں پڑ گئی۔ بعض جو کام ازل سے لکھے ہوئے ہوں وہ ٹل نہیں سکتے۔ پھر ایک رؤیا میں آپ کو دکھلایا گیا کہ ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہے اور دوسرا آدمی آسمان کی طرف۔ میں نے کہا کہ مجھے ایک لاکھ آدمی کی ضرورت ہے۔ زمین والا تو چپ رہا آسمان والے نے کہا کہ پانچ ہزار دیا جائے گا۔

اب بہت سی باتیں جو ازل سے ہوں ان کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ حضرت مجدد صد چہاردہم ازالہ اوہام میں اپنا کشف لکھتے ہیں کہ :-

"میں چاہتا ہوں کہ میں انگریزی میں ایک تفسیر لکھوں میں سچ سچ بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے یا میری شاخ جو مجھ میں ہی داخل ہے"۔

سو اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ جماعت لاہور ہی نے شائع کی اور اتنی مقبول ہوئی ہے کہ صرف امریکہ ہی میں اس کی برکت سے آج بیس لاکھ بلالی مسلمان موجود ہیں۔

ہوا یوں کہ موجودہ بلالی امام کے والد ایک دفعہ قید ہو گئے تھے تو ایک مسلمان بھی ان کے ساتھ قید ہوا تھا۔ اس نے ان کو حضرت مولانا محمد علی صاحب کی انگریزی تفسیر دی جس سے وہ مسلمان ہو گیا اور پھر وہ ایلیجاہ محمد کے نام سے مشہور رہا۔ جب اس کا بیٹا اپنے بھائی کے ساتھ لاہور آیا تو اس نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائی اور کہا کہ ہم اس شخص کے ذریعہ سے مسلمان ہوئے ہیں۔

اور حضرت مرزا صاحب کی ایک اور خواہش تھی کہ میں دین اسلام پر ایک کتاب لکھوں۔ چنانچہ آپ نے انگریزی میں "دی ریلیجن آف اسلام" لکھی جو اتنی مقبول ہوئی کہ افریقہ نائجیریا وغیرہ میں سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اور مصر نے تو یہ کتاب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا نام اڑا کر مولوی محمد علی صاحب کا نام رہنے دیا ہے۔ اور اتنی کثیر تعداد میں چھاپ کر فروخت کر رہے ہیں۔ اور اس کا ترجمہ اور محمد دی پرافٹ کا ترجمہ عربی میں ہو رہا ہے۔ اور ریلیجن آف اسلام ہندوستان میں بھی شائع ہو کر فروخت ہو رہی ہے۔ غرض کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کریم کا آب حیات پکڑا ہوا ہے جسے پی کر جنوبی امریکہ۔ یو کے۔ ہالینڈ۔ مصر۔ ترکی۔ ایران۔ ہندوستان تائی وان۔ آسٹریلیا۔ فیجی۔ جاوا۔ سماٹرا وغیرہ کے نیک بخت لوگ سکون اور اطمینان قلب حاصل کر رہے ہیں۔ اس آب حیات سے بہت سے دہریے مسلمان ہو گئے۔ اور ان میں سے مولانا عبدالماجد دریا آبادی ہندوستان کے مشہور عالم ہیں۔ جنہوں نے پاکستان میں آکر اس بات کا برملا اظہار کیا کہ میں دہریہ ہو چکا تھا۔ مولانا محمد علی صاحب کی تفسیر قرآن سے دوبارہ مسلمان ہوا ہوں۔

ہاں جتنا کوئی پاک ہو گا اتنی اس کی تقریر اور تحریر پاک ہو گی اور لوگوں کے دلوں پر اثر کرے گی۔ اگر حضرت مولانا محمد علی صاحب کی شان دیکھنی ہو تو دنیا میں پھرو اور دیکھو کہ آپ کی تحریریں لوگوں کے دلوں پر کس طرح اثر کر رہی ہیں۔

اب میں صرف ان کی ایک تقریر کا حوالہ دے کر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ کہ جرمن مسجد بن رہی تھی تو آپ نے میناروں کے لئے تمام احمدی عورتوں سے اپیل کی کہ اپنا زیور میناروں کے لئے دے دیں۔[۴۴] تو آپ کی اہلیہ نے اپنا تمام زیور اس میں دے دیا۔ یہ آپ کی زندگی میں آپ کی قوت قدسیہ کا اثر تھا۔

اس کے بعد لوگوں کو چائے وغیرہ پلائی گئی۔ اور جلسہ بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا ۔

۴۴۔ تو سب سے پہلے آپ کی اہلیہ محترمہ نے۔ بعد ازاں جماعت کی دیگر مستورات نے بھی ان کی تقلید کی حالانکہ عورتیں زیور کو جان سے بھی عزیز رکھتی ہیں۔

مؤرخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء ۔ ہفت روزہ پیغام صلح لاہور
جلد ۶۷ ، شمارہ ۴۴ رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ، مقام اشاعت احمدیہ بلڈنگس لاہور

جلد: ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۲۶ ذوالحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ بمطابق ۵ نومبر سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ نمبر (۴۵)

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا

از حضرت مجدد صد چہاردہم

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمد سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلاوے
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

تھک گئے ہم تو انہیں باتوں کو کہتے کہتے
ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

اسلام کا تمغہ

سوال ۳ :۔ قرآن کریم میں انسان اور خدا کے ساتھ محبت کرنے کے بارے میں کون سی آیتیں ہیں۔ جن میں خاص محبت یا حُبّ کا فعل استعمال کیا گیا ہے :۔

الجواب ۴ :۔ واضح ہو کہ قرآن کریم کی تعلیم کا اصل مقصد یہی ہے کہ خدا جیسا کہ وحدہٗ لاشریک ہے ایسا ہی اپنی محبت کی رُو سے اس کو وحدہٗ لاشریک ٹھہراؤ۔ جیسا کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جو ہر وقت مسلمانوں کے وردِ زبان رہتا ہے اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ ولاہ سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں ایسا محبوب و معشوق جس کی پرستش کی جائے۔۔ یہ کلمہ صرف اور صرف قرآن نے سکھلایا۔ اور یہ کلمہ اسلام سے ایسا تعلق رکھتا ہے کہ گویا اسلام کا تمغہ ہے یہی کلمہ پانچ وقت مساجد کے منباروں میں بلند آواز سے کہا جاتا ہے۔۔۔۔ یہ اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ صبح ہوتے ہی اسلامی مؤذن بلند آواز سے کہتا ہے کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی ہمارا پیارا اور محبوب اور معبود بجز اللہ کے نہیں پھر دوپہر کے بعد یہی آواز اسلامی مساجد سے آتی ہے پھر عصر کو بھی یہی آواز، پھر مغرب کی بھی یہی آواز اور پھر عشاء کو بھی یہی آواز گونجتی ہوئی آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے کیا دُنیا میں کسی اور مذہب میں بھی یہ نظارہ دکھائی دیتا ہے ؟ —— پھر لب اس کے لفظ اسلام کا مفہوم بھی محبت پر ہی دلالت کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے آگے اپنا سر رکھ دینا اور صدق دل سے قربان ہونے کیلئے تیار ہو جانا یہی اسلام کا مفہوم ہے۔ یہ وہ عملی حالت ہے، جو محبت کے سرچشمہ سے نکلتی ہے اسلام کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے صرف قولی طور پر محبت کو محدود نہیں رکھا بلکہ عملی طور پر بھی محبت اور جانفشانی کا طریق سکھلایا ہے۔ دُنیا میں اور کون سا دین ہے، جس کے بانی نے اس کا نام اسلام رکھا ؟ اسلام نہایت پیارا لفظ ہے اور صدق اور اخلاص اور محبت کے معنے اس میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ پس مبارک وہ مذہب جس کا نام اسلام ہے، ایسا ہی خدا کی محبت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ والذین اٰمنوا اشد حبًّا للّٰہ۔ یعنی ایماندار وہ ہیں جو سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر ایک جگہ اور فرمایا۔ "یعنی خدا کو ایسا یاد کرو جیسا تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ بلکہ اس سے زیادہ اور سخت درجہ کی محبت کے ساتھ یاد کرو اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ "یعنی ان کو جو تیری پیروی کرنا چاہتے ہیں یہ کہہ دے کہ میری نماز، میری قربانی اور میرا مرنا میرا جینا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے"۔ یعنی جو میری پیروی کرنا چاہتا ہے وہ بھی اس قربانی کو ادا کرے۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا کہ "اگر تم اپنی جانوں اور اپنی دولتوں اور اپنے باغوں اور اپنی تجارتوں کو خدا اور اس کے رسول سے زیادہ پیاری چیزیں جانتے ہو تو الگ ہو جاؤ۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ فیصلہ کرے"، اور ایسا ہی ایک اور جگہ فرمایا :۔ "مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور انہیں کہتے ہیں کہ ہم محض خدا کی محبت اور اس کے منہ کے لئے تمہیں دیتے ہیں۔ ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے اور نہ شکر گذاری چاہتے ہیں"

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب)

حضرت ابراھیمؑ کی زندگی امتحان، ابتلاء اور آزمائش کی زندگی ہے

جس میں اللہ تعالےٰ کی کامل اطاعت اور اعلےٰ درجے کی وفاداری کے ساتھ ساتھ مخلوق الٰہی کے لئے بے پناہ شفقت اور دلداری نظر آتی ہے

جماعتی زندگی کو مفلح اور بابرکت بنانے کے لئے آج افراد کے نفس کی قربانی کی ضرورت ہے

ہمارے پاس سب سے بڑی دولت قرآن کریم ہے اس دولت کو دنیا جہان میں بانٹنے کیلئے عظیم الشان قربانی پیش کیجائے۔

خطبہ عیدالاضحیٰ مؤرخہ ۲۰ راکتوبر ۱۹۸۰ء بروز سوموار فرمودہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام۔ لاہور

بہ کنج خلوتِ پاکاں اگر گذر بکنی   عیاں شود کہ چہ لوئے دراں سرا باشد

وان من شیعتہ لابراھیم۔ اذ جآء ربہ بقلب سلیم ۔۔۔ رب ھب لی من الصالحین۔ فبشرنٰہ بغلٰم حلیم۔ ۔۔۔ وفدینٰہ بذبح عظیم۔ وترکنا علیہ فی الاخرین۔ سلٰم علیٰ ابراھیم۔ (الصّٰفّٰت : ۳۷ : ۸۴ : ۱۱۰)

سلسلہ انبیاءؑ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام:-

سورۃ شریفہ الصّٰفّٰت کے تیسرے رکوع کی چند آیات کریمہ میں نے آپکے سامنے تلاوت کی ہیں جن میں سیدنا حضرت ابراھیم علیہ السلام کے کچھ واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر کثرت سے آیا ہے اور اس ذکر میں ان سے اللہ تبارک وتعالےٰ کے پیار و محبت کی ایمان افروز جھلک نظر آتی ہے۔ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام اور عظمت ہے وہ اپنی جگہ پر ہے۔ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ آپ سید الاولین والاخرین ہیں اور آپ کا اسوۂ حسنہ بنی نوع انسان کے لئے قیامت تک کے لئے رشد و ہدایت کی روشن شمع ہے۔ تاہم حضرت ابراہیمؑ بھی تاریخ انبیاءؑ میں ایک ممیز مقام و مرتبہ کے مالک ہیں۔ قرآن کریم کے مضمون سے، حضرت نبی کریم صلعم کے بیان سے اور تاریخ کے حوالے سے عیاں ہے کہ آپؑ ایک خاص اہمیت وعظمت کے حامل ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت ابراھیمؑ کے متعلق جو کچھ ذکر ہوا ہے۔ اس میں چند باتیں بڑی نمایاں ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ چنانچہ جب ارشاد الٰہی ہوتا ہے اسلم قال اسلمت لرب العالمین۔ کہ تم فرمانبردار ہو جاؤ تو وہ گردن نہاد ہو گئے۔ اور کامل درجہ کی فرمانبرداری کا لاجواب اور سبق آموز نمونہ پیش کیا۔ ابراھیم الذی وفیّٰ۔ وہ ابراھیمؑ جس نے وفا کی۔ وفاداری کا عہد نبھایا اور ایسا نبھایا جیسا نبھانے کا حق تھا:۔

اطاعت کاملہ اور اعلےٰ درجے کی وفاداری:-

جہاں ایک طرف ہمیں حضرت ابراھیمؑ کے کردار میں کامل فرمانبرداری اور اعلےٰ درجے کی وفاداری نظر آتی ہے وہاں دوسری طرف اللہ تعالےٰ کی مخلوق کیساتھ آپؑ کی شفقت اور دلداری دکھائی دیتی ہے۔ آپکی زندگی کے وقفہ وقفہ میں اور جگہ جگہ بنی نوع انسان سے پیار و محبت اور غمخواری و ہمدردی کے جذبات ملتے ہیں اور اللہ کے حضور ان کے لئے رقت آمیز دل کے ساتھ دعا کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ کی سوز و گداز سے بھری ہوئی دعائیں اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں اور اپنے اندر ایک خاص رنگ رکھتی ہیں۔ آپنے نہ صرف کمزوروں اور ستم رسیدوں کے لئے درد دل کا اظہار کیا بلکہ ظالموں اور جابروں کے لئے بھی تڑپ رکھتے تھے اور ان کی اصلاح احوال کے لئے مضطر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ قرآن کریم میں آتا ہے یجادلنا فی قوم لوط کہ حضرت لوطؑ کی ظالم اور بدکردار قوم کے بارے اللہ تعالےٰ سے جھگڑنے لگے یعنی انہیں عذاب سے بچانے کے لئے بارگاہ الٰہی میں اپنی سفارش کی۔ قرآن کریم نے انہیں بڑا ہی بردبار قرار دیا ہے اور فرمایا ان ابراھیم لحلیم اوّاہ منیب ابراھیم بردبار، نرم دل، اللہ کیطرف رجوع کرنے والا تھا:۔

امتحان و آزمائش کی زندگی:-

سیدنا حضرت ابراھیمؑ کی زندگی امتحان۔ ابتلاء اور آزمائش کی زندگی ہے۔ آپ ان سب میں پورے اترے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور وفاداری کی مثال بن گئے اور ہر میدان میں آپ کی صفاتِ عالیہ ظاہر ہوئیں۔

آنحضرت صلعم کا ایک رؤیا مبارکہ:-

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی حیات بخش زندگی پر ایک خطبہ اور ایک مجلس میں زیادہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں قرآن کریم کی تلاوت کردہ آیات کی روشنی میں اور موقعہ کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے:۔ وجآء بقلب سلیم۔ کہ جو آپ کو قلب عطا کیا گیا اس میں تسلیم و رضا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ ایک سلیم الفطرت انسان تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے آپ کو ایک رؤیا میں دیکھا کہ دو فرشتے آپ کو ساتھ لے کر گئے ہیں اور کچھ مقامات کی سیر کرائی۔ ایک مقام پر ایک درخت دیکھا جس کے نیچے ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ حضور صلعم نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ جواب ملا کہ یہ اولاد الناس ہیں۔ حضرت نبی اکرمؐ نے پھر دریافت فرمایا کہ یہ بوڑھا کون ہے تو انہیں بتایا گیا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ ہیں اس رؤیا میں آپ کی فطرت سلیم کا گویا ایک نقشہ دکھایا گیا ہے۔ دوسرے جہان میں پاک و سلیم فطرت معصوم بچوں کو جو صغرسنی میں فوت ہوئے آپ کے گرد جمع کر دیا۔ ان کی روحانی تربیت و ترقی آپ کی ذات کو سپرد کر دی گئی۔ گویا جنت میں ایک اوپن یونیورسٹی ہے جس کے انچارج حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ مجھے یہ حدیث شریف جب پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان دنوں میرے دو بچے صغرسنی میں ہی فوت ہو گئے تھے ان دنوں یہ حدیث شریف پڑھ کر بڑا سرور حاصل ہوا۔ کہ وہ کیا مقام ہے اور کیسی وہ اچھی جگہ ہے جہاں یہ اوپن یونیورسٹی ہے جہاں سے جو چھوٹے بچے چلے جاتے ہیں۔ یہاں کے دھندوں بکھیڑوں سے بچ کر یہاں کی غلاظتوں اور آلائشوں سے بچ کر، ان کو وہاں جا کر حضرت ابراہیمؑ کی صحبت حاصل ہوتی ہے اور آپ کے زیر سایہ روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اس رؤیا سے ان ماں باپ کے غم جن کے بچے صغرسنی میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے یوں خوشی میں بدل جاتے ہیں ان کو اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ معصوم بچے وہاں حضرت ابراہیمؑ جیسے سلیم الفطرت انسان کی براہِ راست تربیت میں ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی شرک و بت پرستی کے خلاف جدوجہد:-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک بہت بڑا کام شرک و بت پرستی کے خلاف آپ کی ایمان افروز جدوجہد ہے۔ آپ نے بڑی حکمت و عظمت سے اور واضح دلائل اور براہین سے اپنی قوم کو ہر طریق سے سمجھانے کی کوشش کی اور اتمامِ حجت کی خاطر آپ نے ان کے بتوں کو توڑ بھی دیا۔ اور ان کا بودا پن ان پر ظاہر کیا اور عملاً دکھایا کہ وہ نہ تو کچھ سمجھ سکتے ہیں اور نہ کچھ دیکھ بول سکتے ہیں۔ اور نہ کچھ کھا پی سکتے اور نہ اپنی مدد و حفاظت کر سکتے اور نہ دوسروں کے کام آ سکتے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے عملاً ان پر ایک حجت قائم کر دی۔ کہ یہ جب اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے تو وہ کسی کو کیا فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظالمون۔ اگرچہ انہوں نے خود بھی محسوس کر لیا کہ وہ خود ہی ظالم ہیں مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ حق کی بات کو قبول نہیں کیا۔ باطل پر جمے رہے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے اور زندہ جلانے کا منصوبہ بنایا مگر اس قبیح منصوبے کو اللہ تعالیٰ نے ناکام بنا دیا اور آپ کو ان کے شر سے نجات دی۔ آپ اپنی قوم کی دلآزاری دیکھ کر وہاں سے ہجرت کر گئے اور ایک مبارک سرزمین کی طرف چلے گئے۔ جہاں آپ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ وہاں پر آپ نے اپنے دین کی تعلیم و تبلیغ اور شرک و باطل کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ اس وقت اس دور کی زندگی کے واقعات کو تفصیلاً بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم دو ایک اہم ترین واقعات، تلاوت کردہ آیات کے حوالے سے عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ اور ذبح عظیم:-

آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ رب ھب من الصالحین کہ میرے رب مجھے اولاد صالح عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ اور نہایت ہی بردبار بیٹے کی خوشخبری دی چنانچہ اس خوشخبری کے مصداق حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ لما بلغ معہ السعی اور جب وہ اس قابل ہوئے کہ وہ کام کاج میں اپنے بوڑھے باپ کا ہاتھ بٹا سکیں تو حضرت ابراہیمؑ نے ایک رؤیا دیکھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے گویا ہوئے۔ یٰبنیّ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ۔ یعنی اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بتا تیرا اپنا کیا خیال ہے۔ بوڑھے باپ کا یہ جان لیوا خواب نوجوان پیارے بیٹے کے لئے اور خود حضرت ابراہیمؑ کے لئے ایک بڑا بھاری امتحان ہے۔ مگر باپ بھی قلب سلیم کا مالک ہے اور بیٹے نے بھی فطرتِ حلیم پائی ہے۔ باپ تسلیم و رضا کا پیکر ہے تو بیٹا بھی باپ کے نقشِ قدم پر ہے۔ وہ اعلیٰ درجے کی سعید و حلیم فطرت کے ساتھ دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ کیونکہ آپ نے اطاعت و فرمانبرداری کی لاثانی حقیقت کے طور پر رہتی دنیا کے لئے نمونہ بننا تھا اور پھر آپ سے ایک ایسی نسل نے چلنا اور ایک ایسی قوم نے جنم لینا تھا جس کے لئے عالمِ انسانیت کی روحانی پیشوائی مقدر تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے عظیم باپ کے سوال کا وہی جواب دیا جو اس کے باپ کو توقع تھی۔ عرض کی ابابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصابرین۔ اے ابا جان! حکم الٰہی آپ کو جو ملا ہے اس پر عمل فرمائیے۔ انشاء اللہ مجھے آپ صابر و شاکر پائیں گے۔ چنانچہ باپ بیٹا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی منشا پر راضی ہو گئے۔ باپ نے بیٹے کو اوندھے منہ گرا دیا گویا کہ اپنے لختِ جگر کی گردن پر چھری رکھ دی۔ فلما اسلما و تلہ للجبین ونادینٰہ ان یا ابراھیم۔ قد صدقت الرؤیا۔ انا کذالک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلؤا المبین۔ اسی آن ارشاد باری ہوا اے ابراہیمؑ بس تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہے گویا تو نے بیٹا ذبح کر ہی دیا ہے۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ یہ ایک بڑا امتحان تھا یعنی ہم اسی طرح بڑے بڑے امتحانوں اور آزمائشوں سے گزار کر اپنے خاص بندوں کو بڑے اجر و ثواب کے لئے اور بڑے بڑے کاموں کے لئے چن لیتے ہیں۔

تاریخ کا یہ ایک حقیقی واقعہ ہے۔ اگر یہ بات یہیں تک رہ جاتی تو یہ صرف ایک قصہ کہانی ہی ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کی منشا اس سے بڑھ کر تھی۔ وفدینٰہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الاٰخرین وہ یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان قربانی کی بنیاد رکھ دی اور اسے ایک دوامی یادگار بنا دیا۔ اور توجہ دلائی کہ انسانی قربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قربانی جانوروں کو ذبح کر کے بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس میں بھی ایک بڑا سبق ہے۔

فلاح و کامیابی کے لئے قربانی کی ضرورت ہے:-

انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی۔ قربانی ایک مفلح زندگی کا زریں اصول ہے کوئی فرد اور قوم اور کوئی معاشرہ و ملک قربانی کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جس مقام کی ضرورت ہے۔ وہ قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ قوم کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ جماعت کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر دین کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ اور پھر دنیا کی کوئی بھی ترقی قربانی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ادنیٰ کو اعلیٰ و ارفع کے لئے قربان کیا جاتا ہے۔ الغرض ہر بڑے مقصد کے حصول کے لئے قربانی دینا پڑتی ہے۔ دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام سب سے بڑا کام ہے۔ اور بہت صبر آزما اور کٹھن کام ہے۔ اس کے لئے بھی قربانی دینا پڑتی ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کے حوالے سے قرآن کریم نے یہ عظیم الشان سبق ہمیں سکھایا ہے۔ یہ فلاح و ترقی کے لئے قربانی بڑی ضروری ہے۔ اور یہ کہ جب جماعت کو من حیث الجماعت قربانی کے لئے بلایا جائے تو وہ بہ رضا و رغبت اور بکمال اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ لبیک کہے۔ چنانچہ ان دونوں انسانوں کی

قربانی عجز و انکساری کا سبق دیتی ہے:-

ذبح عظیم کی یادگار کے طور پر آج کے دن سارے عالم اسلام میں بالخصوص اور باقی دنیا میں بالعموم لاکھوں جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ اور اس کے اندر ایک بڑی حکمت و حقیقت مظہر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم قربانی کرنا سیکھیں۔ رسمی قربانی کی خاطر وقتی طور پر ایک جانور خرید کر ذبح کر ڈالنا یا جانور کی کچھ عرصہ پرورش و نگہداشت کر کے آج کے دن چھری تلے رکھ دینا۔ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہر کوئی صاحب حیثیت آج کے دن ایسا کرتا ہے۔ بڑی بات یہ ہے اور جسے قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے۔

وبشر المخبتین الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم والصابرین علیٰ ما اصابھم،

کہ عاجزی اختیار کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے تو قربانی ہمیں سبق دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عاجزی بڑی پسند ہے۔ اور بہت ہی پسند ہے۔ عاجزی اختیار کرنے والے ہوتے کون ہیں؟ ان کی صفات کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل میں عاجزی اور انکساری

پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی عظمت کے آگے ان کے دل پگھلتے ہیں اور مشکلات و مصائب میں وہ لوگ صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا کہ ہم آج کے دن جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ روائتی اور رسمی طور پر ایک بے زبان جانور کی گردن پر بڑی آسانی سے چھری پھیر دیتے ہیں۔ ہمارا اس سے تعلق صرف اتنا ہے کہ ہم نے دام دے کر خریدا ہے۔ یا اس کی کچھ نگہداشت کی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ کیا ہم خود بھی اس بات کے لئے تیار ہیں کہ مالک حقیقی کی رضا اور خوشنودی کے لئے اگر ہماری گردن پر چھری رکھی جائے تو ہم پورے انشراح صدر کے ساتھ اور تمام تر سکون و اطمینان کے ساتھ اور کامل رضا و رغبت کے ساتھ تیار ہوں گے؟ یہ ایک بڑا پر حکمت سبق ہے۔ کہ جانور ذبح کرتے وقت انسان کے اندر عاجزی اور انکساری کی کیفیت پیدا ہو۔

اللہ جو ہمارا مالک ہی نہیں ہمارا خالق اور رب بھی ہے۔ یہ جان اسی کی عنایت کردہ ہے۔ جب چاہے وہ چھین سکتا ہے۔ اس سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔ تو اس قادر مقتدر ذات کے سامنے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بڑی خوشی اور عاجزی کے ساتھ گردن نہاد ہو جانا چاہیئے۔

تقویٰ قربانی کے لئے شرطِ اوّل ہے:

قربانی کی قبولیت بھی مشروط ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالےٰ ہے

انما یتقبل اللہ من المتقین۔ کہ اللہ تعالےٰ صرف اور صرف متقیوں سے ہی قربانی قبول کرتا ہے۔ جو کسی جذبے اور ارادے کے ساتھ اور جو کامل اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے اوامر و نواہی بجا لاتے ہیں۔ ورنہ قرآن کریم تو کہتا ہے کہ لن ینال اللہ لحومھا و لا دماءھا و لکن ینالہ التقویٰ منکم۔ کہ اللہ تعالےٰ کو جانوروں کی قربانی کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا بلکہ صرف اور صرف تقویٰ پہنچتا ہے۔ جو قربانی کرنے والے کے قلب و نظر سے صادر ہوتا ہے۔ تقویٰ قربانی کے لئے شرطِ اول ہے اور قربانی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اول و آخر ہے۔ اور جانوروں کا خون بہانا اور گوشت کو غربا و فقرا میں تقسیم کر دینا محض اضافی و ثانوی حیثیت ہے۔ اگر قربانی سے ہمارے اندر تقویٰ الٰہی پیدا نہیں ہوتا یعنی ہم خدا سے ڈر کر زندگی بسر نہیں کرتے اور اس کی رضا کی راہوں پر نہیں چلتے تو سمجھ لیں وہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔

جانور اور نفسِ انسانی کی قربانی:

قربانی کا ایک اور لازمی ۔ ایک بڑا ضروری سبق ہے جس کو یاد رکھنا چاہیئے۔ اور ایسا یاد رکھنا چاہیئے کہ تادم مرگ وہ ہمیں نہ بھولے۔ وہ یہ کہ انسان کے اپنے اندر بھی ایک جانور ہے ایک بہیمہ ہے۔ جسے نفس کہتے ہیں۔ بڑا خونخوار اور بڑا ظالم ثابت ہوا ہے۔ اس کی گردن پر چھری رکھنا اور قربان کرنا سب سے بڑی قربانی ہے۔ اس کی قربانی کی ہر وقت ضرورت ہے۔ انسان کا نفس اور اس کی خواہشات انسان کی انا اس کی EGO یہ بہت بڑے بت ہیں۔ جن کو سنت ابراہیمیؑ کے پیش نظر توڑنے کی اشد ضرورت ہے۔ جب تک انسان ان بتوں کو پاش پاش نہیں کرتا تو موحد نہیں کہلا سکتا۔ پتھر کے بتوں کو توڑنا اتنا مشکل نہیں۔ مشکل تو یہ ہے کہ انسانی نفس کو توڑا جائے۔ اس نفس کو جس کے اندر ہر قسم کی بدعتیں۔ برائیاں۔ بدخلقیاں اور بداعمالیاں جنم لیتی اور پرورش پاتی ہیں۔ اور اپنے زہر سے فرد و معاشرے کو مسموم کرتی ہیں۔ اس نفس میں حرص ہے۔ غصہ ہے۔ ظلم ہے۔ زیادتی ہے۔ تکبیر ہے۔ غرور ہے۔ دوسروں کو برداشت نہ کرنے کی بیماری ہے۔ دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھنے کی مرض ہے۔ یہ سب رذیلہ اوصاف ہیں جو نفس کی پیداوار ہیں۔ صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے نفس کی۔ ان کا خاتمہ ضروری ہے۔ جو کوئی ان کی قربانی نہیں کرتا وہ اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول نہیں ہو سکتا۔ جو دل آلائشوں اور غلاظتوں سے بھرا ہو اس دل میں خدا کا گذر نہیں ہو سکتا۔ ایسا فرد جو نفس کا بندہ ہو۔ وہ معزز و محترم نہیں ہو سکتا نہ خدا کے ہاں اس کی کوئی عزت ہے۔ اور نہ قوم و جماعت کے لئے وہ خیر و بھلائی کا موجب ہو سکتا ہے یہی ایک بہت بڑا سبق ہے جو آج کی قربانی سے ملتا ہے۔

دل و زبان کی یک رنگی کا ہونا ضروری ہے:

ہم نے ابھی ابھی نماز عید الاضحےٰ ادا کی اور مسنونہ تکبیریں کہیں۔ نماز سے پہلے بھی اور نماز کے اندر بھی یہ اللہ اکبر کی تکبیریں پڑھیں۔ یہ تکبیریں آج کے دن دنیا جہان کے کروڑوں انسان پڑھ رہے ہیں اور مزید تین دن یہ تکبیریں فضاؤں میں گونجتی رہیں گی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہمارا اللہ اکبر کا نعرہ صرف زبان سے کہا ہوا الفاظ ہی ہے یا یہ ہمارے دل کی آواز ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالےٰ کی کبریائی کا نعرہ لگانے کے ساتھ ساتھ اپنی انکساری و عاجزی کا احساس بھی ضروری ہے۔ وہ اعلےٰ ہے ہم ادنےٰ ہیں وہ اکبر ہے ہم احقر ہیں۔ کیا اللہ اکبر کہتے ہوئے ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تمام تر کبریائی کے سامنے اپنی کامل اطاعت کے ساتھ اپنا دل جھکا دیں۔ اور جھکاتے رہیں۔ کیا ہم کوشش کرتے ہیں کہ زبان سے اللہ اکبر کہتے وقت ہمارا دل بھی زبان کا ساتھ دے۔ اگر یہ کیفیت ہم پر وارد نہیں ہوتی اور دل ہمارا ساتھ نہیں دیتا تو آج کے دن کی تکبیریں بے معنی و بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ہم غور کریں کہ ہم میں کتنے انسان ہیں کہ اللہ اکبر کہتے وقت ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت کا نقش ثبت ہوتا ہو۔ اگر ہیں تو مبارک ہیں۔ ہم آپ اور مبارک ہے وہ قوم اور جماعت جس سے آپ کا تعلق ہے۔ اگر ایسا نہیں تو بڑے فکر کی بات ہے اور بڑے افسوس کی بات ہے۔ انسان کا تکبر اس کے کردار میں ظاہر ہوتا ہے اور پھر اس کا اثر معاشرہ، قوم اور جماعت پر پڑتا ہے۔ دنیا کا گندہ انسان مغرور انسان ہوتا ہے۔ اور دنیا کی ناپاک قوم متکبر ہوتی ہے۔ میں اپنی جماعت کے افراد سے کہتا ہوں کہ غرور و تکبر بڑی نفسی بیماریاں ہیں۔ ان کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیں۔ یہ اتحاد و اتفاق اور پیار و محبت کی برکتوں کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں۔

قرآنِ کریم جماعت احمدیہ کی بڑی دولت:

آج دی جانے والی قربانی کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے کہ قربانی کرو۔ گوشت کھاؤ۔ کھلاؤ۔ ان کو بھی جو نہیں مانگتے اور ان کو بھی جو مانگتے یعنی گداگر ہیں۔ یہ بھی شفقت کا ایک پہلو ہے شفقت کا یہ سبق ہم کو قرآن کریم سکھاتا ہے۔ صرف گوشت تقسیم کرنے کرانے کی بات نہیں بلکہ ہمارے پاس جو کچھ بھی کسب حلال ہو اس میں اپنے بھائی کو شریک کرنا بڑی بات ہے۔ ہمارے پاس گوشت کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اور بھی چیزیں ہیں۔ علم کی دولت ہے۔ قلم کی دولت ہے۔ اور روپیہ پیسہ کی دولت ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر جماعت کے پاس ایک بہت ہی بڑی دولت ہے یعنی قرآن کریم کی دولت اور سچے اور کھرے اسلام کی دولت۔ اس دولت کی دنیا کو اشد ضرورت ہے۔ یہ آب حیات ہے جس کے لئے دنیا تڑپ رہی ہے آپ ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو محض اپنے فضل و کرم سے اس دولت کا وارث ٹھہرا دیا ہے۔ اس دولت سے دنیا کو بھی حصہ دو۔ اور اس خزانہ میں دنیا کو بھی شریک کرو کہ یہ کام صرف آپ نے ہی کرنا ہے اور آپ کے لئے ہی مقدر ہے۔ اس دولت کو دنیا جہان میں پہنچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی کی ضرورت ہے۔ احبابِ جماعت ہر قسم کی قربانی کی تاریخ ساز مثال پیش کریں۔

حضرت امام زماں کا ارشادِ گرامی:

اس دور میں ایک شخص آیا۔ خدا نے اسے اپنا مقرب بنایا۔ اسے مجدد بنایا مامور ٹھہرایا اس شخص نے قرآن کریم کی دولت سے ہم کو بہرہ مند کیا۔ اور حکم دیا کہ اس کو۔ اس کی تعلیمات کو اس کی برکات کو اکنافِ عالم میں پھیلا دو۔ ہم نے کوشش ضرور کی ہے۔ اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہے اور بساط سے بڑھ کر بھی کوشش کی ہے۔ بڑے خلوص کے ساتھ اور بڑے ایثار و قربانی کے ساتھ کوشش کی ہے تاہم ہماری یہ کوشش سمندر میں قطرے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کوشش میں ہم نے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ دنیا کو بہت ضرورت ہے اس آب حیات کی۔ اور اس آب حیات سے دنیا کو بہرہ مند کرنا ہم پر فرض ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس کام کی توفیق بخشی ہے۔

احبابِ جماعت سے دردمندانہ گذارش:

تو آج کا دن بڑا مبارک دن ہے آج کے دن ہم اپنے نفسوں کو ذبح کرنے کا عزم کر لیں اور جملہ صفاتِ رذیلہ سے کنارہ کش ہو جائیں۔ خود پسندی چھوڑ دیں۔ تکبر (کہ میں بڑا دانا ہوں۔ میں بڑا صاحب علم ہوں۔ میں بڑا عقلمند ہوں) انانیت۔ غصہ۔ غیض و غضب۔ بغض و حسد لالچ طمع وغیرہ کو ذبح کر دیں۔ یہی ایک واحد ذریعہ ہے جس سے ہماری بریت ہو سکتی ہے۔ اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ جماعت مستحکم ہو مضبوط ہو ترقی کرے۔ دین کی خدمت میں مستعد ہو۔ تو آپ عہد کر لیں ان نیک ارادوں

کے ساتھ کہ ہم نے خیر و خوبی کے ساتھ کام کرنا ہے۔ جماعت کی بھلائی اور اس کے استحکام و ترقی کے لئے کام کرتا ہے۔ اور اس سب کام کے لئے اپنے اندر کے بہیمہ کو قربان کرنے کی اشد ضرورت ہے:۔

میں آپ سے اپیل اور گزارش کرتا ہوں اور میرا دل چاہتا ہے کہ یہ باتیں آپ اپنے ساتھ لے کر جائیں۔ ان کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دیں۔ اور اپنے عمل سے ان کا اظہار کریں۔ یہ میری دلی تڑپ ہے۔ میں اپنے آپ سے بھی کہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر بلکہ اس سے بڑھ کر اس پر عمل کر دوں۔ انسان بہت کمزور ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہوں۔ اور اس کے بعد میں اپنے عزیزوں، بھائیوں۔ بہنوں اور بچے بچیوں کو خصوصیت سے کہتا ہوں کہ میں نے یہاں جتنی باتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے کوئی بات اگر آپ کے دل پر لگی ہو تو اس کو یہیں چھوڑ کر نہ جائیں بلکہ اپنے ساتھ لے جائیں۔ اور اپنے دلوں میں انہیں یاد کرتے رہیں۔ اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ آپ یہ فیصلہ کر کے جائیں کہ ہم اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں گے۔ پاک تبدیلی پر رحمت تبدیلی۔ وہ تبدیلی جس سے افراد اور جماعت کی ترقی ہو۔ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی سنت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کریں۔ فرمایا:۔

واتبعوا ملة ابراهيم حنيفًا واتخذ الله ابراهيم خليلًا۔ آپ غور فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ نے کتنی محبت و شفقت کا سلوک کیا ہے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اور ان سے کتنی محبت سے خطاب فرمایا ہے۔ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا اور ان کے بارے فرمایا کہ وہ حنیف تھے۔ راست باز تھے۔ وہ انسان ہر کجی اور کھوٹ سے پاک تھا۔ لہٰذا چاہیئے کہ ہم بھی اس کے طریق کی اتباع کریں۔ ہم بھی اپنے آپ کو ہر کجی اور کھوٹ سے پاک کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت ابراہیمؑ کا شیوہ تسلیم و رضا تھا۔ ہم بھی یہ شیوہ اختیار کریں۔ اور تمام تر خلوص کے ساتھ اور تمام تر عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے آگے کامل طور پر جھک جانے کی کوشش کریں۔

حضرت امیر مرحوم کی پُر حکمت باتیں:۔

حضرت امیر مولٰنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ جو باتیں بیان فرماتے وہ بڑی پُر حکمت ہوتی تھیں۔ عیدالاضحٰے کے موقع پر انہوں نے فرمایا کہ تم آج کے دن ارادہ کر لو کہ تم کسی بُری عادت کو ذبح کر دو گے۔ اور کسی نیک بات کو اختیار کرو گے۔ ہر آدمی اپنی بُری عادت کو جانتا ہے۔ کسی بُری عادت کو ذبح کرنا اور کسی نیک عادت کو اختیار کرنا ہی صحیح شیوہ ہے۔ میں بھی آپ کو ان کے الفاظ میں آج کے دن یہ پیغام دیتا ہوں کہ اگر ہم یہاں سے کوئی بات لے کر اٹھیں جو کہ ہمارے اعمال پر اثر انداز ہو تو میری یہ عاجزانہ کوشش کچھ مفید اور کامیاب ہو سکتی ہے۔ اور آپ کا یہ وقت خدا کے لئے خرچ کرنا بھی سودمند ہو سکتا ہے۔ ایسا کرنا جماعت کے لئے بھی مفید ہو گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

ہماری جماعت کی اہم ضرورت:۔

ہماری جماعت کو آج جس چیز کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے وہ ہماری اپنی اصلاح ہے۔ اور وہ اصلاح صرف اور صرف اپنے اندر کے جانور کو ذبح کرنے اور اپنے نفس کو قربان کرنے سے ہی ممکن ہے۔ میرے بھائیو! اپنے اندر بڑھ چڑھ کر ایثار اور قربانی کی روح پیدا کرو۔ ہماری مشکلات بہت ہیں۔ ہماری مجبوریاں ان گنت ہیں۔ ہماری بے بسیوں کی بھی کوئی انتہا نہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور یہ میں اپنے دل کی پُر خلوص تڑپ کے ساتھ آپ کو کہنا چاہتا ہوں اگر ہم اپنی اصلاح کر لیں تو یہ مشکلات یہ مجبوریاں اور یہ بے بسیاں ہمارے لئے سدِ راہ نہیں ہو سکتیں۔ یہ سب دھوئیں کی طرح اُڑ جائیں گی۔ اگر ہم اپنی اصلاح خود کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو پھر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ ہماری اصلاح کرے۔ اصلاح کی تحریک ہماری طرف سے ہو اور اللہ تعالےٰ سے نصرت و تائید کی دعائیں کی جائیں۔ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے ہماری ہر قسم کی مشکلات کا خاتمہ یقینی ہے۔ میں آپ سے پھر اور بار بار استدعا کرتا ہوں اور بڑے زور کے ساتھ آپ سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری مفلح زندگی۔ ہمارا روشن مستقبل اور ہماری عزت و سلامتی اس دنیا اور آخرت میں صرف اپنی اصلاح پر منحصر ہے۔ ایک ہو جائیں۔ ایک ہو کر رہیں۔ اور ایک ہو کر کام کریں۔ مجھے الفاظ نہیں ملتے کہ میں اپنے دل کی تڑپ اور خلوص کو زبان دے سکوں۔ اور اپنی بات کو زیادہ مؤثر بنا سکوں۔ آپ کے دلوں کو جھنجھوڑ سکوں۔ دلوں پر اثر ڈالنا اور ان کو تحریک کرنا اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے کہ وہی ایک مقتدر ہستی ہے۔ جس کا دلوں پر راج ہے۔ میں اسی مقتدر ہستی سے فریاد کرتا ہوں کہ اے قادرِ مطلق اور علیم و عزیز خدا تو ہمارے دلوں کو مائل بہ اصلاح کر دے۔ اور ہم اس عزم کے ساتھ یہاں سے جائیں کہ ہم نے اپنی اصلاح کرنا ہے۔ اور جو رکاوٹ اور کمزوری ہمارے راستے میں حائل ہے اسے دور کرنا ہے۔ اور اپنے قول و فعل کی اصلاح کرنی ہے۔

میرا پیغام جماعت کے نام:۔

نکتہ چینی کرنا۔ عیب جوئی کرنا۔ طعن و اتہام سے کام لینا بہت آسان ہے۔ لیکن جس قدر آسان ہے۔ اسی قدر مضر و مہلک بھی۔ یہ افراد اور جماعت کی صلاحیتوں کو گھن کی طرح چاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ یہ تو ہی استعدادوں کو فنا کر ڈالتے ہیں۔ ان سے جماعت کا کام وقار متاثر ہوتا ہے۔ اپنی اصلاح کرو۔ جلد اصلاح کرو۔ اور بہت جلد اصلاح کرو۔ یہ میرے آج کے دن کا افراد اور جماعت کو پیغام ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہم سے وہ کام کرائے جن کاموں کے کرنے سے وہ راضی ہوتا ہے اور غضب اور ناراضگی کی راہ سے دُور رکھے۔ اب میں اپنی گذارشات ختم کرتا ہوں۔ اور آپ سب مرد و زن اور چھوٹے بڑوں کو عید مبارک کہتا ہوں۔ آئیں دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ہم سے راضی ہو۔ اور ہم اس کی سیدھی راہ پر چلتے رہیں۔

درخواستِ دعا:۔

میاں محمد احمد صاحب علاج کے لئے لندن میں مقیم ہیں۔ ان کی شفا کاملہ عاجلہ کے لئے دعا کریں۔ ڈاکٹروں کے مطابق ان کے مزید علاج کی ضرورت ہے۔ اور انہوں نے آپریشن کا مشورہ دیا ہے۔ میری آپ سب سے درخواست ہے کہ آپ درد دل کے ساتھ محمد احمد صاحب کی صحت یابی کے لئے دعا فرمائیں۔ ہم سب بھائی ہیں ہم میں چھوٹا بڑا کوئی نہیں۔ بڑا وہ ہے جو اللہ کے دین کی راہ پر چلتا ہے۔ اور چھوٹا وہ ہے جو اس راہ سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ ہماری جماعت کا ایک ایک فرد بڑا قیمتی ہے۔ کسی ایک کو تکلیف ہوتی ہے تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ میاں محمد احمد صاحب بھی ہماری جماعت کے بہت قیمتی انسان ہیں۔ آپ حضرت امیر مرحوم کے صاحبزادے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے انہیں اپنے والد مرحوم کی بہت سی خصلتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور ان کے علم کا وافر حصہ بخشا ہے۔ انہوں نے ملازمت سے خود ریٹائر ہو کر اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کر دی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس عزیز کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ علاوہ ازیں شیخ عبدالعزیز صاحب یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔ ان کے لئے اور جماعت کے سبھی افراد کی صحت و سلامتی کے لئے دعا کریں۔ اور میرے ساتھ ہو کر بآوازِ بلند دعا کریں کہ:۔

اللّٰهم انصر من نصر دين محمدٍ صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم۔ اللّٰهم اخذل من خذل دين محمدٍ صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم۔ اللّٰهم يا شافي المرضٰى اشف انت شافي لا شافي الا انت يا ارحم الرّاحمين۔ اللّٰهم صلّ على سيدنا ونبينا محمدٍ وعلٰى آل سيدنا ومولانا محمّد وبارك وسلم۔ ربّنا تقبل منّا انك انت السميع العليم۔ رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين۔ برحمتك يا ارحم الراحمين۔ آمین!

جناب کیپٹن عبدالواحد صاحب پشاور

حضرت مولینا محمد علی کی تفسیر بیان القرآن پر

سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کے اعتراضات کا جائزہ (۲)

سید ابوالحسن علی ندوی صاحب نے اپنی کتاب "قادیانیت مطالعہ و جائزہ" میں مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی تفسیر بیان القرآن کے بعض مقامات کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اس تنقید سے پہلے انہوں نے مندرجہ ذیل الفاظ میں تمہید قائم کی ہے "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے ذہن نے سرسید کے لٹریچر اور ان کی تفسیر قرآن کے اسلوب اور ان کے فکر کو پورے طور پر جذب کر لیا تھا مولوی نورالدین صاحب کی درسی تفسیر اور صحبت نے اس رجحان و ذوق کو مزید تقویت اور غذا پہنچائی۔ وہ اس طبقہ اور گروہ کے بہترین نمائندہ ہیں جس کو اسلام کے تعلق اور عصر جدید کے سامنے قرآن پیش کرنے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کی اشاعت کا شوق ہے لیکن اس کی ذہنی ساخت اور اس کی گزشتہ تعلیم و تربیت غیبی حقائق اور ماورائے عقل واقعات کو قبول کرنے سے بالکل قاصر ہے۔ اس نے سائنس اور علوم جدیدہ کی تحقیقات یا (صحیح تر الفاظ میں) مشہور نظریات و مسائل کو مسلمات و بدیہیات کے طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ اور ان کو کسی چیز کے (خواہ وہ مذہب کی تعلیمات اور صحف سماوی کے مضامین ہوں) ردّ و قبول کے لئے معیار و میزان سمجھ لیا ہے۔ اس کا ذہن اور اس کی ثقافت حقیقۃً عالم غیب اور معجزات و خوارق کو تسلیم کرنے سے اباء کرتی ہے لیکن وہ اپنے نسلی یا دینی لگاؤ کی وجہ سے قرآن مجید اور اسلام کے نصوص سے بھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس نے درمیان کی راہ یہ نکالی ہے کہ ان حقائق غیبی اور معجزات و مافوق الفطرۃ واقعات کی تشریح اس طرح کی جائے کہ جدید نظریات و معلومات سے وہ متصادم نہ ہوں اور ان کے تسلیم کرنے میں ذہن پر غیر ضروری بار نہ پڑے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل میں ہر طرح کا تکلّف اور ہر طرح کی موشگافی کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اور ہر کمزور سے کمزور چیز کا سہارا لینے سے بھی اس کو عذر نہیں۔ وہ اپنی ان تشریحات میں اصول تفسیر، زبان و ادب کے قواعد، عرف و استعمال، قدیم کلام کی سند و حجت، قرآن کے مخاطبین اولین اور اہل زبان کے فہم، متقدمین کی تفاسیر، غرض ہر اس چیز سے جو اس راہ میں حارج اور قرآن مجید اور فہم جدید کی تطبیق میں خلل انداز ہو دست بردار ہونے کے لئے تیار رہتا ہے۔ سرسید مرحوم کی تفسیر کا ضخیم دفتر اور مولوی محمد علی لاہوری کے تفسیری نوٹس اور حواشی اس طرز تفسیر کا بہترین نمونہ ہیں"

قارئین کرام جانتے ہوں گے کہ ندوی صاحب ایک جید عالم دین ہیں متعدد عربی و اردو دینی کتب کے مصنف ہیں۔ بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں لکھنو۔ دیوبند۔ دمشق۔ بیروت۔ مدینہ منورہ۔ مکہ معظمہ میں مختلف دینی مدارس و اداروں کے منتظم اور رکن ہیں۔ ان کی حیثیت اہم منزلت سے بجا طور پر یہ توقع ہونا چاہیئے کہ ان کے رشحات قلم ان کے مقام کے مظہر ہوں۔ اس مضمون میں ہم تفسیر بیان القرآن کے ایک مقام پر ندوی صاحب کی تنقید کا پہلے جائزہ لیں گے اور اس کے بعد مندرجہ بالا تمہید کو علمائے اسلام کی تحریروں اور حالات حاضرہ اور قرآن کریم کی روشنی میں پرکھیں گے۔

ندوی صاحب نے سورۃ البقرہ کی مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر پر تنقید کی ہے:-

واذ قتلتم نفسا فادّٰرٰ ءتم فیہا واللہ مخرج ماکنتم تکتمون ○ فقلنا اضربوہ ببعضہا کذلک یحیی اللہ الموتٰی ویریکم اٰیٰتہ لعلکم تعقلون۔ (سورۃ البقرہ ۷۲، ۷۳)

اور پھر جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر آپس میں اختلاف کیا اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے پس ہم نے کہا کہ اس کو اس کے بعض سے مارو۔ اسی طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنے نشان دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

(ترجمہ از بیان القرآن)

اس بارہ میں سید ندوی صاحب یوں رقمطراز ہیں:-

"اس کے مشہور معنی و تفسیر یہی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک قتل ہو گیا تھا۔ قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ مقتول کے ورثاء نے حضرت موسیٰؑ سے اس کے متعلق دریافت کرنے کی درخواست کی۔ اس سے پہلے ان کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا اور انہوں نے بعد از خرابی بسیار اس حکم کی تعمیل کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم الٰہی کی مصلحت اور اس کی تعمیل کا فائدہ بتلانے کے لئے حکم دیا کہ اسی گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم سے مس کر دو۔ وہ اپنے قاتل کا نام بتلا دے گا۔ بنی اسرائیل کو احکام کی عظمت اور ان کی تعمیل کی برکت و منفعت بتلانے کے لئے یہ طریقہ نہایت مناسب و موزوں تھا۔ اور ایک خالی الذہن آدمی آیات کے سیاق و سباق سے یہی معنی سمجھے گا لیکن چونکہ اس میں کئی مافوق الفطرت اور خوارق عادت واقعات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے مولوی محمد علی صاحب نے اس کی بالکل الگ تفسیر بیان کی ہے"

اس میں شک نہیں کہ بعض تفسیروں میں ندوی صاحب کی بیان کردہ تفسیر یا اس کے قریب قریب تشریح موجود ہے۔ لیکن نہ تو ندوی صاحب نے اور نہ ہی دیگر مفسرین نے اپنی تائید میں قرآن یا حدیث یا اقوال صحابہؓ کی کوئی سند پیش کی ہے۔ اس لئے اس مشہور تفسیر کے لئے سوائے اسرائیلیات کے اور کوئی بنیاد نہیں۔

ندوی صاحب نے اپنی مشہور تفسیر کے دو فائدے بیان کئے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو احکام کی عظمت اور ان کی تعمیل کی برکت و منفعت سمجھانے کے لئے یہ طریقہ نہایت موزوں تھا۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایک خالی الذہن شخص آیات کے سیاق و سباق سے یہی معنی سمجھے گا۔ ابن کثیر میں ہے کہ گائے ذبح کرنے کا واقعہ آیات زیر بحث کے ذکر کردہ واقعہ کے بعد کا ہے۔ اسی طرح تفسیر مظہری میں بھی ہے گویا اس واقعہ کے وقت گائے ذبح کرنے کے احکامات ہی موجود نہ تھے۔ نہ ان کی عظمت اور ان کی تعمیل کی برکت و منفعت کے سمجھانے کا سوال موجود تھا۔ دوسرے فائدہ کے متعلق عرض ہے کہ مولینا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۸۶ پر اس آیت کے نیچے نوٹ میں لکھا ہے کہ:-

"اس کے الفاظ میں کچھ ابہام معلوم ہوتا ہے"

گویا ایک خالی الذہن شخص اس نتیجہ پر آسانی نہیں پہنچ سکتا جو ندوی صاحب نے اخذ کیا ہے اس طرح دونوں فائدے حاصل نہ ہوئے۔

ان دو آیات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہو گا کہ ان میں کسی مشہور و معروف واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اگر ندوی صاحب کی رائے کے مطابق سابقہ واقعہ کا تسلسل ہے تو ان آیات کی ابتدا واذ کی بجائے صرف "و" سے شروع ہونا چاہئے تھی۔ دوسرے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک معمول اور سنت بیان کی ہے جیسے کہ الفاظ کذلک یحیی اللہ الموتٰی سے ظاہر ہے۔ اور پھر الفاظ ویریکم اٰیٰتہ میں فرمایا کہ وہ تمہیں نشان دکھاتا رہتا ہے۔ اور نشان بتانے کی غرض یہ بتائی تاکہ تم عقل سے کام لو۔ لیکن ندوی صاحب کی مشہور تفسیر پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ ایک انوکھا واقعہ ہے اور اس ایک واقعہ کے علاوہ کہیں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور نشان دکھاتا رہتا ہے۔ گویا ندوی صاحب کی تفسیر اور ان آیات میں کھلا کھلا تباین ہے۔ مزید برآں ندوی صاحب کے نزدیک عقل کے استعمال کی اس میں کوئی گنجائش نہیں اس طرح ندوی صاحب کی مشہور تفسیر نہ تو آیات کی تشریح کرتی ہے۔ اور نہ ہی لعلکم تعقلون کے تقاضے پورے کرتی ہے۔

[illegible] موسیٰ کو نو نشانیاں [illegible] بیان یا معجزات یا آیات کہ خدا نے عطا کیں۔ سورۂ اعراف میں اور سورۂ طٰہٰ میں ان نو نشانات کی تفصیل دی گئی ہے۔ آیات زیر بحث اور ندوی صاحب کا یہ مزعومہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے ان نو نشانات میں شامل نہیں کیا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے احکامات سمجھانے کے لئے کہیں بھی یہ طریقہ نہیں اختیار کیا جو ندوی صاحب نے بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں وراثت اور قصاص کے احکام موجود ہیں لیکن ان کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا کہ قاتل کو معلوم کرنے کے لئے گائے ذبح کرو اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم کے ساتھ مس کرو تو وہ زندہ ہو جائے گا۔ اور قاتل کا نام بتا دے گا۔ دنیا میں قتل کے روزمرہ واقعات ہوتے رہتے ہیں جس میں قاتل کا سراغ نہیں ملتا لیکن کہیں بھی قاتل کا پتہ معلوم کرنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ ویسے بھی ایک نادر واقعہ کو سمجھانے کے لئے ایک خارق عادت طریقہ استعمال کرنا کسی طرح بھی سمجھانے کا طریقہ نہیں کہلا سکتا۔

ندوی صاحب کی اس مشہور تفسیر میں یہ نہیں بتایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے مقتول کے ورثا کی درخواست کا ماخذ کیا ہے۔ اور ایک عام قاتل کے جرم کے لئے پوری قوم کو کیوں ملعون کیا گیا ہے۔ اور اگر تمام قوم اس قتل میں ملوث تھی تو پھر ایک قاتل کو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ سوالات اس مشہور تفسیر کے بارہ میں ذہن میں ابھرتے ہیں جن کے جوابات ضرور دیئے جانے چاہئیں۔ چونکہ ان سوالات کے جوابات نہ تھے تو یہ آسان طریقہ اختیار کیا گیا کہ یہ واقعہ ایک معجزہ ہے اور خوارق میں سے ہے اور اس بارہ میں عقل کے استعمال کی ضرورت نہیں اگرچہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد لعلکم تعقلون کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔

اپنی مشہور تفسیر کو پیش کرنے کے بعد ندوی صاحب نے حضرت مولانا محمد علی مرحوم کے بیان القرآن سے ان آیات کی تفسیر کا اقتباس یوں نقل کیا ہے۔

"قرائن صفائی سے بتاتے ہیں کہ ان الفاظ میں کسی نبی کے قتل کا ذکر ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسا نبی جس کے قتل میں اختلاف ہوا ہو اور کامیابی نہ ہوئی ہو وہ مسیح علیہ السلام ہیں گویا قوم یہود کی بے اعتدالیوں کا نقشہ کھینچا ہے کہ ایک طرف تو گائے تک کو ذبح کرنے میں اس قدر لیت و لعل کرتے ہیں اور دوسری طرف ایک عظیم الشان نبی کو قتل کرنے میں بھی دلیری ہے۔ بڑا سوال کہ فقلنا اضربوہ ببعضہا سے کیا مراد ہے۔ تو اضربوہ میں ضمیر نفس کی طرف جاتی ہے کیونکہ بعض دفعہ نفس کی ضمیر بلحاظ معنی مذکر آجاتی ہے۔ اور ببعضہا کی ضمیر فعل قتل کی طرف جاتی ہے یعنی بعض قتل سے اس کو مارو۔ گویا فعل قتل اس پر پورا وارد نہ ہونے دو۔ اور یہی سچ ہے کہ حضرت مسیح پر پورا فعل قتل وارد نہیں ہوا۔ صلیب پر آپ صرف تین گھنٹے رہے۔ اور اتنی دیر میں کوئی شخص صلیب کی موت مر نہیں سکتا آپ کے ساتھ جو چور صلیب دیئے گئے تھے ان کی ہڈیاں توڑ دی گئیں۔ آپ کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔ یہی اضربوہ ببعضہا اور کذلک یحیی اللہ الموتی کہہ کر بتا دیا کہ جس کو تم مردہ خیال کر بیٹھے تھے اُسے خدا نے یوں زندہ کیا۔" (یہ [illegible] اقتباس میں نشان ناقل نے دیئے ہیں)

اس اقتباس کے نیچے ندوی صاحب کی تنقید ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

"آیات کی یہ تفسیر اس ذہنیت کا بہترین نمونہ ہے۔ ایک معجزہ کے وقوع سے بچنے کے لئے کس طرح تکلف سے کام لیا گیا ہے اور کس طرح مؤنث کی ضمیر کو مذکر اور مذکر (فعل قتل) کی ضمیر کو مؤنث ثابت کیا گیا ہے۔ اور سیاق و سباق کے خلاف ان آیات کو حضرت مسیح سے متعلق کیا گیا ہے۔"

سیاق و سباق اور قواعد حرف و نحو کی [illegible] موجود تھی اور ان وجوہات کی بنا پر ندوی صاحب کی بیان کردہ مشہور تفسیر قابل قبول نہیں۔ اس کی وضاحت بھی موجود تھی۔ یہ بات بھی اس حذف شدہ حصے میں صاف کی گئی تھی کہ آیت زیر بحث کا تعلق کیوں حضرت موسیٰ سے نہیں۔

ان دو آیات کے نیچے بیان القرآن کے تفسیری نوٹ ۹۵ کا جو ابتدائی حصہ ندوی صاحب نے اپنے اقتباس سے حذف کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

"استثناء ۲۱: ۱ تا ۹ میں جو عام حکم ہے کہ جب مقتول کا پتہ نہ لگے تو ایک ایسی بچھیا کو جو جوئے تلے نہ آئی ہو اسے ذبح کیا جائے اور اس پر ہاتھ دھوئے جائیں۔ ممکن ہے کہ ان آیات میں اس کی طرف اشارہ ہو۔ مگر بظاہر جس طرح سارے واقعات جن کا ذکر پچھلے رکوعوں میں واذ کے ساتھ شروع ہوتا ہے الگ الگ واقعات ہیں۔ اسی طرح یہ بھی الگ واقعہ ہے۔ اس کا تعلق گائے کے ذبح کے واقعہ سے کچھ نہیں۔ بلکہ اس کے مقابلہ پر ایک اور واقعہ کا ذکر ہے۔ اور قرآن کریم میں اضداد کا ذکر بہت آتا ہے۔ اس لئے جب پہلے رکوع کو اس آیت پر ختم کیا کہ ایک گائے کے ذبح کرنے میں تم نے کس قدر لیت و لعل سے کام لیا تو اب یہ بتانا ہے کہ اس کے مقابل پر تم اس حالت پر تو آ گئے جب تم نے ایک عظیم الشان انسان کو قتل کیا۔

"مفسرین کہتے ہیں کہ ایک بھتیجے نے چچا کو قتل کر دیا تھا تاکہ اس کی بیٹی سے شادی کرے اور اس کی جائیداد کا وارث ہو مگر اس قسم کے قتل کے واقعات تو قوموں میں ہر روز ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا ہو تو قرآن کریم کو اس کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ قرائن سے شہادت ملتی ہے کہ ان الفاظ میں کسی نبی کے قتل کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اول تو جو دو جرم ان کے بیان کئے تھے ایک کفر آیات اللہ اور دوسرا قتل انبیاء۔ ان میں سے اول کی مثالیں کئی ایک بیان کر دیں مگر دوسرے کی مثال کوئی بیان نہ کی تھی۔ دوسرے نفسا میں تنکیر عظمت کے لئے ہے کہ کسی عظیم الشان انسان کا ذکر ہو سکتا ہے تیسرے تمام قوم ایک معمولی انسان کے قتل پر ملزم نہیں ہو سکتی۔ ہاں انبیاء کے قتل پر تمام قوم کو ملزم کیا جاتا ہے اگر بھتیجے نے چچا کو قتل کر دیا تھا تو قوم پر الزام بے معنی ہے لیکن اگر کوئی نبی قتل ہوا تو قوم پر الزام درست ہے کیونکہ خود قرآن کریم نے قوموں کو انبیاء کے قتل کے لئے ملزم کیا ہے۔ پس یہ قرائن بتاتے ہیں کہ کسی نبی کے قتل کا ذکر ہے اب اس کے متعلق چند اور باتیں قابل ذکر ہیں۔ اول یہ کہ اپنی طرف سے قتل کر دینے کے بعد پھر ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جیسے وادارأتم فیہا سے ظاہر ہے۔ دوسرے وہ قتل میں کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ فرمایا کہ جو کچھ تم چھپانا چاہتے تھے اللہ نے اسے ظاہر کرنا تھا۔ اب ایسا قتل یا قتل کی کوئی کوشش جس میں اختلاف ہوا ہو اور پھر وہ قتل بھی کسی نبی کا ہو۔ حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھانے کا واقعہ ہے۔ اور کوئی واقعہ اس قسم کا تاریخ بنی اسرائیل میں نہیں پایا جاتا۔

"دوسری جگہ صاف فرمایا۔ وقولہم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم یعنی وہ لوگ یہی کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا مگر فرمایا ماقتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم انہوں نے اسے قتل کیا نہ صلیب پر مارا بلکہ وہ ان کے لئے مشابہ بالمقتول کر دیا گیا اور پھر فرمایا۔ وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ جن لوگوں نے اس کے بارہ میں اختلاف کیا وہ اس کے بارہ میں شک میں ہیں۔"

تفسیر بیان القرآن کا یہ حذف کردہ حصہ ندوی صاحب کے اعتراضات کا جواب دیتا ہے اور ان آیات کے معانی اور تشریح میں کسی قسم کے شکوک و شبہات باقی نہیں رہنے دیتا۔ اگر ندوی صاحب کو اس تفسیر پر اعتراض تھا تو اپنی دلائل سے قرآن سے اور

حدیث سے ردّ کرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے کی بجائے اسے حذف کر دیا۔ ایک بین الاقوامی شہرت کے عالم کے یہ شایانِ شان نہیں۔

اوپر نقل کردہ اقتباس میں نشان ٭٭ کی جگہ تفسیر بیان القرآن کا حذف کردہ حصہ درج ہے: "حضرت مسیح کی طرف اشارہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد فرمایا ثم قست قلوبکم من بعد ذلک پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے اور قرآن شریف سے ہی ثابت ہے۔ فطال علیھم الامد فقست قلوبھم (الحدید ۵۷ - ۱۶) یعنی ایک لمبا زمانہ گزرنے کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے تھے۔ پس یہ کوئی ایسا فعل ہے جو حضرت موسیٰؑ سے لمبا زمانہ گذرنے کے بعد وقوع میں آیا۔

"قرآن کریم بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ ان واقعات کا جو یہاں ذکر ہے وہی ذکر سورۂ نساء میں بھی ہے۔ دیکھو آیت ۱۵۳: جہاں خدا کو دیکھنے کی درخواست ہے پھر بچھڑا بنانے کا ذکر ہے اور آیت ۱۵۴ جہاں میثاق کا ذکر ہے۔ اور شہر میں فرمانبرداری سے داخل ہونے کا حکم ہے۔ اور سبت کے معاملہ میں زیادتی سے روکا ہے اور آیت ۱۵۵ جہاں نقض میثاق اور قتل انبیاء کا ذکر ہے۔ سب کچھ اس کے مطابق ہے جو یہاں سورۂ بقرہ میں بیان ہوا۔ اس قدر فرق ہے یہاں تفصیل ہے سورۂ نساء میں ان واقعات کا ذکر اختصار سے ہے۔ اور پھر آیت ۱۵۷ میں حضرت مسیح کے قتل کی کوشش اور اس میں ناکامی اور اختلاف کا ذکر ہے۔ گویا جو کچھ یہاں سورۂ بقرہ میں اشارۃً بیان فرمایا ہے۔ اس کو سورۂ نساء میں کھول کر بیان کر دیا۔ یہ کمال قرآن پاک کا ہے کہ یہ دو سورتیں کئی سال کے فرق سے نازل ہوئیں لیکن ایک میں جو اختصار ہے اس کی دوسری میں تشریح کر دی ہے۔ اور جس کو پہلے تفصیل سے بیان کر دیا تھا اس کا دوسرے موقع پر اختصاراً ذکر کر دیا۔ یہ مقابلہ بھی اس بات کا مؤید ہے کہ یہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قتل کی کوشش کی طرف اشارہ ہے۔"

تفسیر کا یہ حصہ کہانیوں کی کتاب سے نہیں لیا گیا۔ اسرائیلیات سے نہیں لیا گیا بلکہ قرآن کریم کی آیات پر مبنی ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی اس سے بہتر مثال کیا ہو سکتی ہے۔ اور یہ اصول مفسرین میں بطور اصول اوّل مسلم ہے۔ یہاں پر تو علوم جدیدہ کے بدیہیات اور مسلمات کے حملہ کا کوئی خدشہ تھا اور نہ ہی اصول تفسیر کی خلاف ورزی تھی۔

ان اقتباس میں دیئے ہوئے نشان ٭٭ کے مقام پر ندوی صاحب نے فقرہ ذیل کو حذف کرنا مفید و مناسب سمجھا "چنانچہ ضمیر کا قتل کی طرف جانا جو مصدر فعل سے مفہوم ہے بحر المحیط میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔" اس حذف شدہ فقرہ میں مذکر و مونث کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال پر ندوی صاحب کے اعتراض کا مسکت جواب ہے۔ تفسیر بحر المحیط مفسرین میں قواعد صرف و نحو کے مباحث کے لئے ایک اونچا مقام رکھتی ہے۔ اور جب اس تفسیر کا تائیدی حوالہ پیش کیا گیا جو کہ ندوی صاحب کے اعتراض کو ختم کرتا تھا تو ندوی صاحب نے اپنے اقتباس سے اسے حذف کر دیا۔ قرآن کریم جیسی پاک و مقدس کتاب ملحوظ ہو اور اس کا سمجھنا زیر بحث ہو۔ اس وقت اس قسم کی تحریف اور مخالف مطلب مقامات کے حذف کرنے سے اگر خوفِ خدا سے لرزہ طاری نہ ہو تو یہ شقاوت قلبی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

اقتباس کے آخر میں حذف شدہ مقام اس طرح پر ہے:۔

"یا زندہ رکھا اور یہ جو فرمایا ہے یریکم اٰیٰتہ لعلکم تعقلون تو بتایا کہ مسیح جو تم کو مردہ معلوم ہوتا تھا جس طرح خدا نے اُسے زندہ کر دیا کیونکہ اللہ کے نام کو بلند کرنا اس کی زندگی کا مقصد تھا اسی طرح اگر تم بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا کام اختیار کرو تو گو تم ایک مردہ قوم ہو۔ اللہ تعالےٰ تمہیں زندگی عطا فرمائے گا۔" ندوی صاحب کو اپنے اعتراضات صحیح ثابت کرنے کے لئے صرف ایک ہی آیت کی تفسیر میں سے چار مقامات کو حذف کرنے کا سہارا لینا پڑا۔ اس سے اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے اعتراضات میں کہاں تک وزن ہے۔

ندوی صاحب نے ضمائر کے استعمال کے بارہ میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی تفسیر پر اعتراض کیا ہے۔ کہ وہ قواعد زبان کے خلاف ہے۔ مزید یہ کہ جو تفسیر مولانا مرحوم نے کی ہے انہوں نے سیاق و سباق کا خیال نہیں رکھا۔ اور ایک خالی الذہن شخص سیاق و سباق کو مدنظر رکھ کر ان کی مشہور تفسیر کے ساتھ اتفاق کرے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک قتل ہو گیا تھا۔ قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔" گویا ان کے نزدیک قاتل کے بارے میں اختلاف تھا یعنی الفاظ فادّٰرءتم فیھا (یعنی تم نے اس میں اختلاف کیا۔) میں ھا کی ضمیر کا مرجع قاتل تھا۔ ھا ضمیر مونث ہے اور قاتل لفظاً اور معناً دونوں مذکر ہے۔ گویا ندوی صاحب نے خود ہی مؤنث کی ضمیر مذکر کی طرف پھیری۔ پھر اعتراض کیا۔ اس سلسلہ میں چند مزید حوالہ جات پیش ہیں۔

۱۔ تفہیم القرآن جلد اول ص ۸۵-۸۶ آیات کے معنی یہ دیئے گئے ہیں: "اور تمہیں یاد ہے وہ واقعہ جب تم نے ایک شخص کی جان لی تھی پھر اس کے بارہ میں جھگڑے اور ایک دوسرے پر قتل کا الزام تھوپنے لگے اور اللہ تعالےٰ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے کھول کر رکھ دے گا۔ اس وقت ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو اس کے ایک حصہ سے ضرب لگاؤ۔ دیکھو اس طرح اللہ مُردوں کو زندگی بخشتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔"

اور ان آیات کے نیچے نوٹ ۸۵ میں لکھا ہے:۔ "لاش کو اس کے ایک حصہ سے ضرب لگاؤ اس کے الفاظ میں کچھ ابہام سا لگتا ہے۔" گویا نہ صرف مولانا مودودی نے ندوی صاحب جیسے قاتل اور مقتول کے بارہ میں اختلاف کیا ہے۔ بلکہ ساتھ ہی آیات کے معنی میں ابہام محسوس کیا ہے۔ اگر مودودی صاحب جیسے عالم شخص کو ابہام محسوس ہوا تو وہ کون سا خالی الذہن شخص ہوگا جو ندوی صاحب کے مشہور معنی کے ساتھ اتفاق کرے گا۔

۲۔ ترجمان القرآن (مولانا ابوالکلام آزاد) جلد اول ص ۲۶۹ میں آیات کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے "اور پھر غور کرو وہ واقعہ جب تم نے (یعنی تمہاری قوم نے) ایک جان ہلاک کر دی تھی اور اس کی نسبت آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے۔ ہم نے حکم دیا اس (شخص) پر جو (فی الحقیقت قاتل تھا) مقتول کے بعض (اجزائے جسم) سے ضرب لگاؤ۔"

قارئین مودودی صاحب اور آزاد صاحب کے تراجم میں اختلاف ملاحظہ فرمائیں۔ اس ترجمہ میں قاتل کے جسم پر مقتول کے اجزائے جسم سے ضرب لگانا مراد لیا گیا ہے لیکن مودودی صاحب کے ترجمہ میں مقتول کی لاش پر اس کے اپنے حصہ سے ضرب لگانے کا کہا گیا ہے۔ آزاد صاحب کے ترجمہ میں فاضربوہ میں ہ کی ضمیر قاتل کی طرف پھیری گئی۔ مودودی صاحب کے ترجمہ میں ہ کی ضمیر مقتول کی طرف پھیری گئی۔ آزاد صاحب کے ترجمہ میں ببعضھا میں ھا کی ضمیر مقتول کے اجزائے جسم کی طرف راجع کی گئی اور ھا کی ضمیر دونوں ترجموں میں مقتول کے اجزائے جسم کی طرف پھیری گئی۔ ندوی صاحب کی تفسیر میں فاضربوہ میں ہ کی ضمیر قاتل کی طرف اور ببعضھا میں ھا کی ضمیر گائے کے جسم کی طرف پھیری گئی۔ مقتول مذکر اور ھا کی ضمیر مؤنث ہے۔ مولانا آزاد کے ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل معلوم شخص تھا کیونکہ ان کے مطابق قاتل کے جسم پر مقتول کے اجزاء جسم سے ضرب لگائی۔

۳۔ تفسیر مظہری جلد اوّل ص ۱۴۰-۱۴۱۔ اردو ترجمہ ناشر سعید ایچ کمپنی میں پہلی آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔

"اور وہ وقت یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے۔ (یعنی اس قصے کو تم میں سے ایک دوسرے کے سر دھرتا تھا اور خود اپنے کو بری کرتا تھا) اور اللہ کو اس کا فاش کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے۔" تفسیری وضاحت میں ہے کہ:۔

"یہ اس قصہ کا شروع ہے۔ اور اس سے پہلے جو بیان ہوا وہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔"

دوسری آیت کا ترجمہ یوں ہے:۔

"تو ہم نے کہا کہ مارو اس مُردے کو (اور اضربوہ میں ہ ضمیر تباویل شخص نفس کی طرف راجع ہے) اس گائے کے ایک ٹکڑے سے۔ اس طرح اللہ تعالےٰ مُردے جلاتا اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے شاید تم سمجھ جاؤ۔" یہاں پر اضربوہ میں ہ کی ضمیر مذکر ہے اور اسے نفس جو کہ مؤنث ہے کی طرف راجع کی گئی ہے۔ اور ببعضھا میں ھا کی ضمیر گائے کے ٹکڑے کی طرف۔

اس مضمون کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

(ادارہ)

رپورٹ :- مولانا شفقت رسول خاں

آزادی حقوق انسانیہ کا عالمگیر منشور سب سے پہلے دین اسلام نے دیا

آج تبلیغ اسلام کی کامیابی اسلام کے عالمگیر اصولوں کو پیش کرنے سے ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب * جامع مسجد احمدیہ ۔ احمدیہ بلڈنگس ــــــ برانڈرتھ روڈ ــــــ لاہور

بلغ ما انزل الیک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ۔ وما علی الرسول الا البلاغ المبین

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البیّنٰت والھدٰی من بعد ما بیّنٰہ للناس فی الکتاب اولٰئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللعنون ۝

(البقرۃ : ۱۵۹)

ان آیات متلوّ سے تبلیغ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر تبلیغ لازم ہے اور اس فریضہ کو کما حقہٗ ادا کرنے کا حکم ہے۔ رسولوں پر ہی نہیں مومنین پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو انجام دیں اور غفلت اور اس فریضہ سے اعراض کرنے والے اور کتمان حق کرنے والے خدا کی لعنت کے نیچے ہیں۔ جیسا کہ آیت بالا سے واضح ہے جو لوگ امرِ حق کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے انسانوں کے لئے کتاب میں کھول کر بتا دیا ہے وہ خدا کے ہاں ملعون ہیں۔ ہدایت اور تبلیغِ حق سے غفلت خدا کی ناراضگی کا موجب ہے لیکن تبلیغ کے دائرہ عمل کو سمجھنا ضروری ہے۔ سطحی اور تنگ نظر لوگوں کی نظر میں تبلیغ حق کا مفہوم حق کو نہ صرف پہنچانا بلکہ اسے قبول کروانا ہے یعنی غیر مسلموں کو دین بجبر و اکراہ قبول کروانا فرض ہے اور انکو مجبور کرنا ہے کہ وہ ہمارے اعتقادات اور مسلمات کو خواہ بہ رضا و رغبت قبول کریں یا بہ اکراہ جبر۔ گویا یہ تبلیغ کا افراط کا راستہ ہے اس کے بالمقابل ایک روشن خیال طبقہ مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے کہ کسی دوسرے انسان کو اپنے اعتقادات اور مسلمات کو پہنچانے کی کیا ضرورت ہر شخص اور ہر مذہب کا پیرو اپنے دین پر قائم ہے کسی دوسرے کے اعتقادات سے ہمارا کیا تعلق ہے؟ چنانچہ ان کے نزدیک لکم دینکم ولی دین کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص جس دین پر ہے اس کو اس کی حالت پر رہنے دیا جائے اُسے اپنے خیالات اور دین سے آگاہ کرنے کی ضرورت نہیں یعنی ضروری نہیں ہے کہ منکرینِ اسلام کو اسلام سے آگاہ کیا جائے۔ یہ دوسرا تفریط کا راستہ ہے لیکن اسلام خیر الامور اوسطہا کا قائل ہے جو افراط و تفریط دونوں کے بین بین صراطِ مستقیم ہے۔ غیر مسلموں کو پیغام حق پہنچانے میں ایک غلط فہمی اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ محض تحریر و تقریر سے لوگوں تک اسلام کے پیغام کو پہنچایا جائے اور اپنے اصلاح نفس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ جو ظاہر ہے کہ نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب سے اول ہمیں خود اسلام کو اپنی عملی زندگی میں اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ لما تقولون ما لا تفعلون اگر ہم کہیں کچھ اور کریں کچھ تو یہ بات قطعاً مؤثر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا کسی مبلغ جماعت کو قول و فعل میں مطابقت ضروری ہے۔ ہمارے غیر از جماعت مسلمان احباب اکثر ہمیں کہتے ہیں کہ آپ لوگ مسلمانوں کو کیوں تبلیغ کرنا ضروری سمجھتے ہیں؟ کیونکہ جب آپ تمام کلمہ گوؤں کو مسلمان یقین کرتے ہیں تو پھر ان کو جماعتی دعوت کے کیا معنے ہیں؟ یہاں تبلیغ سے مراد ہماری اسلامی اصولوں کو عملی زندگی میں اختیار کرنا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ یہ زمانہ عالم گیریت کا دور ہے۔ ریڈیو ٹیلیویژن پر نشریات، اخبار و رسائل میں وسیع پیمانے پر خبروں کی اشاعت اور وہ اس قدر سرعت کے ساتھ کہ لمحہ بھر میں تمام دنیا میں ہر قسم کی خبر پھیل جاتی ہے۔ واذا الصحف نشرت کا نظارہ پیش کرتی ہے۔ جہاں کہیں دو ملکوں میں باہمی جھڑپیں ہوتی ہیں۔ تو جنگ کے عالمگیر ہونے کا ڈر ہونے لگتا ہے۔ اس لئے جنگ کو روکنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ موجودہ تہذیب کا اثر و نفوذ عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔ ان ہی وجوہ کی بناء پر حضرت مجدد صدی چہاردہم نے عالمگیر سطح پر تبلیغ اسلام کا نظریہ پیش کیا اور اس کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ جس عقیدہ کو صحیح سمجھے اُسے مانے اور اس کے مطابق زندگی گزارے۔ اسے کسی دوسرے مسلک کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ خدا نے ہر انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ آج بین الاقوامی کونسل (یو۔ این۔ او) کے قوانین میں یہ بھی اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ ہر فرد، ہر قوم اور ہر ملک کو آزادئ عقیدہ و دین کا حق حاصل ہے اس سے ایک صدی قبل یہ بات مسلمہ نہیں تھی لیکن سب سے قبل حضرت مجدد وقت نے بتایا کہ اسلام آزادی مذہب کا علمبردار ہے۔ اسلام کسی کو مجبور کر کے داخلِ دین کرنا جائز نہیں بلکہ اسلامی ریاست میں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ بلکہ نبی اکرم صلعم نے حبشہ سے آئے ہوئے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں گرجا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور دوسری طرف حضرت عمرؓ جب عیسائیوں کے طلب کرنے پر یروشلم تشریف لے گئے اور جمعہ کا وقت ہوا اور عیسائی پادریوں نے اپنے گرجا میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کی خواہش کی تو آپ نے ان کے گرجا میں نماز ادا کرنے سے اس لئے انکار کر دیا کہ بعد میں آنے والے مسلمان وہاں مسجد نہ تعمیر کر لیں۔

جب حضرت مرزا صاحب نے دعوٰی مجددیت کیا تو آپ نے یہ فرمایا کہ اسلام میں جبر نہیں ہے۔ لا اکراہ فی الدین مگر اس کے برعکس یہ خیال پیش ہوا کہ اسلام کا اولین مقصد اقتدار پر بہ جبر قبضہ کرنا ہے اس کا اصل الاصول ہے۔ مگر اب یہ حقیقت تسلیم کی جانے لگی ہے کہ اسلام آزادی مذہب و ملت کا علمبردار ہے۔ کیا اسی خیال کی بازگشت نہیں جو حضرت امام وقت نے پیش کیا؟

اب بین الاقوامی عدالت کا بھی یہی قانون ہے کہ آزادئ عقیدہ ہر شخص کا بنیادی حق ہے حضرت مرزا صاحب نے یہ تعلیم قرآن پاک کے مطالعہ اور سیرت نبویؐ سے اخذ کی تھی اور یہ حقیقت معلوم کی تھی کہ اسلام کا غلبہ اس کے صحیح اصولوں کو پھیلانے اور ان پر عمل کرنے سے ہے۔ فروعی و فقہی مسائل کتنے ضروری ہوں لیکن غلبہ اسلام کے لئے اس کے عظیم و عالمگیر اصولوں کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کی کیا ضرورت ہے۔ جناب صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق صاحب نے جو تقریر اقوام عالم کی اسمبلی میں کی وہ بڑی اہم ہے۔ جس میں انہوں نے اسلام کے اس عالمگیر اصول کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ کہ لا اکراہ فی الدین۔ آزادی عقیدہ ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اسلام مساوات کا مذہب ہے، اسلام حقائق اور علم و سائنس کا مذہب ہے جو اصولِ دین حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمائے ہیں ان سے انحراف کرنے سے اسلام کا غلبہ ناممکن ہے۔ کیونکہ آپ نے اسلام کے عالمگیر اصولوں کو اپنانے اور پھیلانے پر زور دیا ہے۔ حضور نبی اکرمؐ نے آخری حج کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

"تمہارے مال۔ تمہاری جانیں تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر ایسے قابلِ احترام ہے۔ جیسے یہ گھر یہ جگہ اور اس دن کی حرمت ہے۔"

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا حجۃ الوداع کا خطبہ ہے جس میں جملہ اصولوں کو شرح و بسط سے ارشاد فرمایا ہے۔ جس میں مذہب کی آزادی[۴۴]،

۴۴۔ انسان کا احترام بلا رنگ و نسل ۔ مذہب و ملت کی تعلیم دی، گویا یہ عالمگیر منشور آزادی انسان ہے جماعت احمدیہ نے ان ہی اصولوں [illegible]

اخبارِ احمدیہ

* حضرت امیرِ قوم مولینا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں، احباب جماعت آپ کی صحت دعافیت کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

* حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی، دینی و جماعتی کاموں میں بدستور دن رات مصروف ہیں۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں احباب کے اصرار پر پنج وقتہ نمازیں عموماً اور صبح و عشاء کی نماز کی خصوصاً آپ ہی امامت فرماتے ہیں۔ نمازِ فجر میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی پُرسوز قرأت دلوں کو خداتعالیٰ کے حضور کھینچ لیتی ہے۔ اور اِنّ قرآن الفجر کان مشہوداً کی عملی کیفیت قلوب کو محسوس ہونے لگتی ہے۔ جماعت کے صاحبِ دل احباب حضرت ڈاکٹر صاحب کی صحت دعافیت اور درازیٔ عمر کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

* **انتقالِ پُرملال:-**

مکرم و محترم میاں فضل کریم صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ فوت ہوگئی ہیں۔ ان کی وفات انگلستان میں ہوئی اور میّت براستہ راولپنڈی پشاور لے جائی گئی۔ مرحومہ پارسا طبع اور عبادت گزار خاتون تھیں۔

* پروفیسر عبدالستار صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔ یہ اطلاع ان کی ہمشیرہ محترمہ نے پشاور سے دی ہے۔ مرحوم بڑے مخلص اور ایک پکے احمدی تھے۔ نیک طبع اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ مرحومین کی نمازِ جنازہ غائبانہ جامع احمدیہ دارالسلام میں بعد نمازِ جمعہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب نے پڑھائی۔ بیرونی جماعتوں کے احباب سے مرحومین کے لئے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

جُملہ احباب جماعت سے درخواستِ دُعا

بالخصوص حضرت امیر ایدہ اللہ اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کی خدمت میں

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام بھدرواہ کشمیر (صوبہ جموں) لگ بھگ ۴۰ برس ہوئے مرکز لاہور سے وابستہ ہے تاہم بفضل خدا اپنا وجود باقی رکھنے میں کامیاب ہے۔ الحمدللہ۔

درخواست ہے کہ جماعت بھدرواہ کی سربلندی دینی و دنیاوی بھلائی و بہبود کی خاطر خاص دعائیں فرمائیں اور جلسہ سالانہ لاہور کے مبارک ایّام میں خاص طور پر اجتماعی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھیں۔ جماعت بھدرواہ سخت ترین مشکلات سے گزر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

(سیکرٹری جماعت بھدرواہ)

راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر گریہ وزاری کرو

خداتعالیٰ بڑا کریم ہے۔ اس کی کریمی کا بڑا گہرا سمندر ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور جس کو تلاش کرنے والا اور طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں رہا۔ اس لئے تم کو چاہیئے کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگو اور اس کے فضل کو طلب کرو۔۔۔۔۔۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر گر پڑتا ہے۔ تو الوہیت کا کرم جوش میں آتا ہے۔ اور ایسے شخص پر رحم کیا جاتا ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل)

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

اعظم علوی

۱۔ نیڈی گھانا سے محمد عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:-

جنابِ مکرم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:-

میں آپ کی طرف یہ عریضہ لکھنے میں بڑا فخر محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ بہت سے حق کے متلاشی طالبِ علم آپ کی خدمت میں خطوط لکھتے رہتے ہیں۔ اور آپ ان کو اسلامی کتب اور قرآن مجید بھجواتے ہیں۔ میں بھی آپ کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بھی آپ انگریزی ترجمۃ القرآن اور دینی کتب بھجوا کر شکریہ کا موقع دیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان کیا ہے آپ کتب بھیج کر مجھ پر بھی احسان کریں

والسلام

۲۔ الورین مغربی افریقہ سے مسٹر عبدالغنی صاحب فرماتے ہیں:-

پیارے مسلم بھائی۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ مرسلہ پارسل کتب کا بہت بہت شکریہ جو مجھے ۳ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ملا۔ جو درج ذیل چار کتب پر مشتمل تھا۔ (۱) اسلام دی ریلیجن آف ہیومنٹی (۲) پرافٹ آف اسلام (۳) ہولی پرافٹ آن انٹرنیشنل پیس اینڈ جسٹس (۴) اسلام اینڈ دی مسلم پریئر بک، اگرچہ ابھی میں نے ان کتب پر سرسری نظر ڈالی ہے اور مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ کتب میرے لئے بہت مفید ہونگی کیونکہ جتنا کچھ ابھی تک پڑھا ہے اور سمجھا ہے اس سے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ ان کتب میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک سچے مسلمان کو [illegible] ضرورت ہے۔ مجھے بیحد مسرت حاصل ہوئی ہے شکریہ قبول فرمائیے۔ اللہ جل شانہٗ ہم سب کی رہنمائی فرمائے اور اپنی حفاظت میں رکھے میرے بھائی مجھے انگریزی ترجمۃ القرآن بھیجنا نہ بھولیے جونہی وہ طبع ہو ضرور ایک جلد بھجوائیں۔ اللہ تعالیٰ امن و سلامتی کے مذہب اسلام کو جلد دنیا پر غالب فرمائے۔ آمین۔ اور ہم سب پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے

۳:- مغربی افریقہ سے ادریس صاحب تحریر کرتے ہیں:-

میرے پیارے بزرگوار، السّلام علیکم، مجھے دیر سے خط لکھنے پر معافی دیجیئے گا اللہ تعالیٰ بھی انہیں معاف کر دیتا ہے جو خلوص دل سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ میں بے حد شکر گزار ہوں ان پانچ کتب اسلامی کا جو آپنے مجھے بھجوائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ البتہ انگریزی ترجمۃ القرآن جو آپنے لکھا ہے کہ زیرِ طبع ہے اس کا چھپنے سے منتظر ہوں۔ بہرحال آپ کا شکریہ، والسّلام

۴۔ سری لنکا سے ڈاکٹر ایم۔ ایم قاسم صاحب رقمطراز ہیں:-

اخی مکرم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپکے مرسلہ انگریزی ترجمہ قرآن مع متن عربی و تفسیر از حضرت مولانا محمد علیؒ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے یہ تحفہ ۲ اکتوبر کو وصول ہوا تھا افسوس ہے کہ جلد آپ کو رسیدگی سے مطلع نہ کر سکا معذرت خواہ ہوں۔ آپنے اسلام اور قرآن کریم کی جو خدمت کی ہے وہ لازوال ہے۔ آپنے اسلام پر جو مزید کتب شائع کی ہیں مہربانی فرما کر وہ بھی بھجواتے رہیں اور آئندہ بھی جو کتاب شائع کریں ضرور بھیجیں۔ علاوہ ازیں مجھے حدیث (صحیح بخاری) کا انگریزی ترجمہ ضرور بھجوائیں اگر آپکے پاس نہ ہو تو بازار سے خرید کر بھجوائیں۔ حضرت مولانا مرحوم کے ترجمۃ القرآن سے مجھے اس قدر دینی علم ملا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ اگر آپ حدیث بھی بھجوائیں تو میرے علم میں اور بھی اضافہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ والسّلام،

خواجہ کمال الدین ؒ

مذہب اسلام زندگی کا وہ صحیح ترین نظریہ ہے

جسے عمل میں لانے سے انسان اپنے مقصد پیدائش کو پالیتا ہے

اس موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے اولاً مذہب اور اس کے مقصد پر چند الفاظ لکھنا چاہتا ہوں مذہب کی حقیقت و غایت کے نہ سمجھنے نے دنیائے مذہب میں مختلف مشکلات پیدا کر دی ہیں اسی سے طرح طرح کے غلط عقائد اور ان سے غلط اصول تمدن و تہذیب پیدا ہو گئے۔ قرآن نے جس مذہب کا نام اسلام رکھا ہے وہ ان قوانین الٰہیہ کی اطاعت ہے۔ جن سے انسان کے ودیعت شدہ اور مضمرہ قوٰی چمک کر بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں۔ از روئے تعلیم قرآنی محض سجدہ اور رکوع کرنا۔ چند فقروں کا زبان پر لانا۔ چند باتوں کو مان لینا مذہب نہیں۔ یہ باتیں اجزائے مذہب تو ہیں مگر عین مذہب نہیں۔ مذہب تو زندگی کا وہ صحیح نظریہ ہے کہ جس کو عمل میں لانے سے انسان وہ چیز بن جاتا ہے جس کے لئے وہ بنایا گیا۔

کائنات میں ایک چیز بھی تو ایسی نہیں جس میں گوناگوں استعدادیں مخفی نہ ہوں ان کے پنپنے کے لئے خاص خاص لاتبدیل قواعد مقرر ہیں۔ جن سے تمسک کر کے ہر ایک چیز اپنی مخفی استعدادوں کو ظہور میں لے آتی ہے۔ انہی لاتبدیل قوانین الٰہیہ پر چلنے کا نام اسلام ہے۔ کسی درخت کا تخم لے کر دیکھ لو۔ اگر کوزے میں دریا بند ہو سکتا ہے تو یہ وہی تخم ہے۔ ایک رتی بھر چیز اور اس میں ایک بڑا تنا اور درخت شاخیں۔ پتے۔ پھل۔ پھول۔ رنگ۔ ذائقہ اور نہ معلوم کیا کیا کچھ بھرا پڑا ہے۔ قدرت نے اس تخم کو درخت بنانے کے لئے چند قوانین وضع فرما دیئے ہیں۔ جس وقت ان کی اطاعت ہوئی۔ وہ تخم درخت ہو گیا۔ کائنات کی ہر ایک چیز کا یہی حال ہے۔ ان سب کا ایک ہی مذہب ہے یعنی اپنے متعلقہ قوانین پر چل کر اپنے کمال پر پہنچ جانا۔ اسی کا نام لفظاً اور معناً اسلام ہے۔ انسان کے اندر لا انتہا استعدادوں کا خزانہ ہے۔ اس کا جسم اس کے جذبات۔ ادراک۔ تعقل۔ ارادہ۔ تصور وغیرہ۔ پھر ان کے صحیح استعمال سے اس میں قوت صنعت و ایجاد۔ تصنیف و تالیف۔ مختلف علوم و فنون۔ پھر جذبات کا صحیح شکل میں عمدہ اخلاق میں آ جانا۔ اخلاق فاضلہ۔ روحانیات وغیرہ۔ غرض یہ سب کچھ انسان کے اندر ہیں۔ کسی سے کسی کا اور کسی میں کسی کا ظہور ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک چیز کے ظہور کا ایک ہی بہترین صحیح و لاتبدیل طریق ہوتا جس پر چلنے کا نام اسلام ہے خواہ وہ جسمانیات سے تعلق رکھے یا روحانیات سے ×

ایک جسم انسانی کی صحیح پرورش کے لئے ہمیں کائنات کی ہر ایک چیز سے تمسک کرنا پڑتا ہے۔ جن کے متعلق پھر الگ الگ قوانین ہیں۔ یہ جو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں وہ انہی قوانین کی خلاف ورزی سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا عالم جسمانیات کے قوانین کا دریافت کرنا اور ان پر چلنے کا نام بھی جہاں تک جسمانیات کا تعلق ہے اسلام ہی ہے۔ اس لئے سائنس کی مختلف شاخوں میں جس قدر تحقیق سے نئے علوم پیدا ہوتے رہتے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو وہ سب کے سب اسلام ہی کے علوم ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا خود قرآن مجید کہتا ہے:۔

ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض

ہر ایک چیز جو زمین اور آسمان میں ہے خدا کے مقرر کردہ قوانین کے آگے سر جھکاتی ہے۔ اس کی بقا اس کے خواص کا ظہور۔ ان قوانین کی پیروی پر منحصر ہے۔ انہی قوانین کی دریافت کا نام سائنس ہے۔ سائنس کیا ہے؟ دراصل اس ارادہ الٰہیہ کا علم حاصل کرنا ہے جو کائنات کی کسی چیز کے خلق۔ اس کے خواص اور ان خواص کے طریق ظہور کے متعلق ہو۔ اسی وجہ سے میں نے اسے بھی علوم اسلام کی ایک شاخ قرار دیا ہے ×

ہماری تحقیقات جسمانیات میں بھی جو تجربہ اور مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے غلطی سے خالی نہیں ہوتی۔ پھر جذبات۔ اخلاق اور روحانیات تو کل کی کل نظریات ہیں۔ ان میں تو قدم قدم پر غلطی کا احتمال ہے۔ اس لئے مصلحت ربی نے ان آخر الذکر علوم کو بذریعہ وحی انسان پر افشا کیا۔ لہٰذا ان افشا شدہ باتوں کی حقیقت کو پانا اور ان پر چلنا۔ مخصوص معنی میں مذہب اسلام کہلاتا ہے ان باتوں سے ظاہر ہو گیا ہو گا۔ کہ مقصد مذہب انسان کے تمام مخفی قوٰی کا ظہور اور ان کا کمال پر پہنچانا ہے۔ پھر جب ہر ایک چیز اپنے کمال پر پہنچنے کے لئے صد ہا قوانین کی پیروی کی محتاج ہے۔ تو انسان جو ایک قسم کا عالم صغیر ہے۔ اور کائنات کی کل قوتیں استعداداً اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ بغیر کسی قانون اور اطاعت قانون کے کس طرح اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے کسی بزرگ کے چند اخلاقی فقرے۔ چند دعائیں۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی چند لعنتیں یا چند معجزات مذہب کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح چند امور پر خواہ وہ صداقت ہی کیوں نہ ہوں ایمان لانا گو ان پر عمل پیرا ہونا کبھی نتیجہ کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اگر اس بات پر ایمان لانے سے کہ فلاں خزانہ میں اس قدر مال و زر ہے۔ کوئی شخص دولت مند نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اپنے تئیں اس کو صحیح طور پر استعمال نہ کرے۔ تو پھر کسی ایسی بات پر صرف ایمان رکھ لینے سے فطرت انسانی کے مخفی جوہر نشوونما نہیں پا سکتے۔

الغرض انسان کا صحیح مذہب وہی ہے جو کائنات کے ذرہ ذرہ کا ہے جس طرح کسی درخت کے تخم میں ہزارہا ان گنت جوہر مستمر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بے تعداد استعدادیں نطفہ انسانی میں پنہاں ہیں۔ اگر ایک تخم مقررہ قوانین اور راہوں پر چلنے ہی سے ایک باثمر درخت بن جاتا ہے۔ تو انسانی جوہر بھی صحیح قوانین الٰہیہ پر چلنے سے ہی بارور ہوتے ہیں۔

اگر یہ طریق غلط ہے اور صحیح طریق وہی ہے جو مسیحیت تجویز کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ صرف ایمان لانے سے ہی انسان نیکوکار ہو جاتا ہے۔ تو جناب مسیح کی تعلیم کو تو مذہب محبت کی تعلیم کہا جاتا ہے۔ پھر میں اس محبت کو عیسوی ممالک کے کس گوشہ میں تلاش کروں؟ جب تک پہلی تین صدیوں میں عیسائی مذہب، فقرا۔ غربا، خدام اور غلاموں کی جماعت تک محدود رہا عیسائیوں میں ایک حد تک شفقت محبت اور رواداری کے آثار رہے۔ لیکن یہ تو بضرورت ذلت یا مرتا کیا نہ کرتا کا مسئلہ کہا جا سکتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے:۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست

گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۸۰ء
جلد ۶۷، شمارہ ۴۵ ـــ رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۸۳۰

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — تیس روپے
بیرونی ممالک سے — دو پونڈ علاوہ محصولڈاک

جلد: ۶۷ — یوم چہارشنبہ ۴ محرم الحرام سنہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۸۰ء عیسوی — شمارہ: ۴۶

ارشادات حضرت مجدد صد چہار دہم

دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ!

کہ تمہاری زندگی کے دن دراز کئے جائیں

دنیا کے معاملات میں انسان کس قدر جانی ومالی دکھ اٹھاتا ہے اور قسم قسم کی ذلتوں میں اپنے تئیں ڈالتا ہے تاکہ دنیا کا کام ہو جائے پھر کس قدر افسوس ہے کہ ابدی حاکم کے سامنے دکھ اٹھانے سے گریز کرے اور اس کے مقرب ہو جانے اور ابدالآباد کی راحت پالینے کے لئے مصیبتوں اور ذلتوں سے پرہیز کرے۔ افسوس! نادان انسان پر یہ دنیا اور اس کی چند روزہ راحتوں اور خوشیوں کے حاصل کرنے کے لئے ہر دکھ اور مصیبت کو اٹھانے کے لئے تیار مگر خدا کے واسطے کسی دکھ کا اٹھانا اس کے لئے وبال جان! یہ وقت ہے کہ انسان عاقبت کی فکر کرے۔ موت کا کوئی وقت اس کو معلوم نہیں کہ کس وقت آجائے گی۔ ؎

مکن تکیہ بر عمر ناپائدار — مباش ایمن از بازیٔ روزگار

تقویٰ اختیار کرو۔ خدا پر ایمان پیدا کرو۔ وہ ایمان جو آخر اطمینان اور سکینت کا موجب بنتا ہے اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مومن کی زندگی بڑھا دیتا ہے کیونکہ وہ نفع رساں وجود ہوتا ہے پس دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ کہ تمہاری زندگی کے دن دراز کئے جائیں۔ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض (حدیث) میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے کسی چیز میں اتنا تردد نہیں ہوتا جس قدر مومن کی جان لینے میں۔ دیکھو مومن کی کس قدر عزت ہے! اور مومن کی خاطر اللہ تعالیٰ کو کس قدر منظور ہے۔ تم اپنے اندر وہ دل پیدا کرو کہ خدا تعالیٰ کو تمہاری جان لینے میں تردد ہو۔ پھر دوسری قوم اس کے بالمقابل وہ ہے جس کی نسبت کہتا ہے۔ قل ما یعباء بکم ربی ولو لا دعاء کم تمہاری پرواہ ہی کیا ہے۔ یہ قوم اللہ تعالیٰ کے غضب کے نیچے ہوتی ہے۔ اس سے بچو اور پناہ مانگو!

غرض مومن وہی ہوتا ہے جو صابر ہو جس میں صبر نہیں وہ پورا مومن نہیں۔ صبر ایسی چیز ہے کہ اس کا اجر بے حساب ہے۔ پس اگر نماز میں کبھی کوئی وسوسہ اور وہم پیدا ہو تو اس سے ہمت ہو بلکہ ہمت اور استقلال اور صبر کے ساتھ شیطان کا مقابلہ کرتے رہو۔ فتح و شکست ہر جگہ ہوتی ہے مگر آخری فتح مومن اور راستباز ہی کے لئے ہے۔ کیا یہ سچ نہیں والعاقبۃ عند ربك للمتقین۔ شیطان مومن کے سامنے مخنث ہو جاتا ہے۔ اور اگر مومن نہ ہو ذرا ذرا سے شبہات اور اوہام میں پھنس کر گھبرا جاتا ہو تو شیطان اس کو دبا لیتا ہے۔ پس مستقل طور پر بہادر بن کر شیطان کا مقابلہ کرو اور اس سے لڑو۔ جب تک کہ اس کو ہلاک نہ کر ڈالو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشاداتِ گرامی

تقوی اللہ اور اس کی برکات

اوصیك بتقوی اللہ فانہ اذاً لامرك کلہ

ترجمہ:۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈر کر اپنی زندگی بسر کرو اس سے تمہارے سب کام دینی ہوں یا دُنیوی، معاشرتی ہوں یا تمدّنی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ درست ہو جائیں گے۔"

تلاوتِ قرآن کریم کی برکات

علیك بتلاوۃ القرآن و ذکر اللہ عزّوجل فانہ ذکرٌ لك فی السماء ونورٌ لك فی الارض۔

ترجمہ:۔ "قرآن کریم کی تلاوت اور خدائے عزّوجل کے ذکر کرنے پر مداومت اختیار کرو۔ یہ تمہارے لئے آسمان میں ذکر یعنی بزرگی اور زمین میں ایک نور کا موجب ہوگا۔"

مصافحہ! باہم محبّت پیدا کرنے کا ذریعہ،

ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا

دو مُسلمان جب ایک دوسرے کو ملنے پر مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ ان کے جدا ہونے سے قبل اُن کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔

"تصافحوا یذھب الغل وتھادوا تحابوا و تذھب الشحناء"

باہم مصافحہ کرو اس سے وسوسہ دُور ہوگا۔

باہم ایک دُوسرے کو تحفے تحائف بھیجا کرو اس سے محبّت پیدا ہوگی اور دُشمنی دور ہوگی۔

دُنیا کمانے کے متعلق ھدایات

من طلب الدنیا حلالاً استعفافاً عن المسئلۃ وسعیاً علی اھلہٖ تعطفاً علی جارہٖ لقی اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ ووجھہ مثل القمر لیلۃ البدر

ترجمہ:۔ جو شخص حلال ذریعہ سے اور سوال سے بچنے اور گھر والوں کے گزارہ اور ہمسایہ کے ساتھ سلوک کرنے کے واسطے دنیا کی تلاش کرتا ہے وہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا ہوگا۔

ومن طلب الدنیا حلالاً مکاثراً مفاخراً مرائیاً لقی اللہ تعالیٰ وھو علیہ غضبان۔

ترجمہ:۔ اور وہ جو حلال ذرائع سے تو کماتا ہے لیکن بہت سامال جمع کرنے اور نیز لوگوں پر فخر کرنے اور دکھاوے کے لئے دنیا کی طلب کرتا ہے وہ خدا سے اس حالت میں ملے گا کہ خدا اس پر غضب ناک ہوگا۔

(ماخوذ)

چشمِ رحمت ذرا اِدھر کر دے

مری آہوں کو پُر اثر کر دے — قُرب سے اپنے مفتخر کر دے
قصّۂ طول مختصر کر دے — چشمِ رحمت ذرا اِدھر کر دے
شاخِ اُمّید بار ور کر دے

خالقِ ارض و خالقِ افلاک — ذات تیری ہے برتر از ادراک
ہو کرم گر ترا خُدائے پاک — مہرِ تاباں بنے وہ ذرّۂ خاک
مہر کی جس پر تو نظر کر دے

فضل سے تیرے کچھ بعید نہیں — لطف سے تیرے کچھ بعید نہیں
تیری شفقت سے کچھ بعید نہیں — تیری رحمت سے کچھ بعید نہیں
خاکساروں کو تاجور کر دے

تیری شوکت کے شان کے صدقے — تیری عظمت کی شان کے صدقے
تیری حکمت کی شان کے صدقے — تیری قدرت کی شان کے صدقے
ریزۂ سنگ کو گہر کر دے

عرض سُن لیجئے ذرا میری — اِک تمنّا ہے دلربا میری
بس یہی ہے اِک دُعا میری — تُجھ سے اِتنی ہے التجا میری
دَرد سے دِل کو بہرہ ور کر دے

غرقِ عصیاں ہوا ہوں سرتا سر — ہے تیرے رحم پر ہی میری نظر
ہوں نہ رسوا کہیں سرِ محشر — میرے جُرموں سے چشم پوشی کر
میرے عیبوں سے درگزر کر دے

چھا رہی ہے غم و الم کی گھٹا — تیرہ و تار ہو گئی دُنیا
اب نہ دیدار سے مجھے ترسا — رُخِ پُر نور سے نقاب اُٹھا
شبِ تاریک کی سحر کر دے

غم میں گزرے گی زندگی کب تک — اور رہے گی یہ بےبسی کب تک
آئے گا دورِ خرّمی کب تک — بندہ پرور یہ بےرُخی کب تک
چشمِ رحمت ذرا اِدھر کر دے

برقِ مضطر بنا دے جو مجھ کو — اپنی ہستی بھلا دے جو مجھ کو
کبریا سے مِلا دے جو مجھ کو — ساقیا وہ پلا دے جو مجھ کو
ماسوی اللہ سے بےخبر کر دے

—— عبدالصمد یوسف اکبرآبادی

از محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ — لندن

بہت غور و فکر اور تلاش کے باوجود مجھے اُردو میں انگریزی کی اس دو لفظی اصطلاح کا صحیح بدل نہ مل سکا۔ شارٹ کٹ کا مفہوم یہ ہے کہ جب ایک راستہ کسی موڑ پر گھوم کر اور خاصا چکر اور پھیر کھا کر جاتا ہے تو چلنے والے اصل راستہ چھوڑ کر اس کے خم کو سیدھا کاٹ کر نکل جاتے ہیں۔ غالباً اس خاکے سے اندازہ کرنے میں سہولت ہو گی:۔

درمیان کے نقطے واضح کر رہے ہیں کہ اس شارٹ کٹ نے کتنا فاصلہ اور سفر کم کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ شارٹ کٹ اصل راستے کی طرح ذراخ ہموار اور آسان نہیں ہوتا۔ ناہموار زمین کنکروں پتھروں اور جھاڑیوں پر سے گزرتا انسان کے قدموں کے نشانوں سے بنا ہوا یہ شارٹ کٹ دشوار گزار ضرور ہوتا ہے۔ مگر راہرو کی مقرر و مقصود نظر منزل کو یہی دشواریاں قریب بھی لے آتی ہیں۔

مجھے اس شارٹ کٹ کا خیال یوں آیا کہ مجھ سے بہت نزدیک اور بیٹے کی طرح عزیز ایک نوجوان بہت دل گرفتہ، اُداس اور پژمردہ نظر آ رہے تھے۔ ایک معززمہ کاری عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے بھی ان کی فرصت کا زیادہ وقت خدمتِ قرآن و سلسلہ میں صرف ہوتا تھا اور اب کہ سرکاری کام سے سبکدوشی ہو رہی تھی ان کا یہ ارادہ تھا کہ قرآن کی طباعت و اشاعت کے اہم کام کے لئے بقایا زندگی وقف کر دیں۔ لیکن اسی اثنا میں نصیبِ دشمناں اُن کو ایک پریشان کن تکلیف نے آ لیا اور اپنے مستقبل کے ارادوں اور فیصلوں کو فی الحال ملتوی کر کے بہانے ان کو اس دکھ کا شکار ہونا پڑا۔

خود اپنی زندگی میں ہو یا کسی دوسرے کی جب ایسی وہم و گمان سے دور الجھنیں اور آفتیں یوں یکایک آ پڑتی ہیں تو ایک بار تو انسان چکرا جاتا ہے کہ خدایا یہ کیا ہوا کہ بجائے مدد و نصرت کے الٹی شامت آ گئی خصوصاً جب نیک اور بھلے بندوں پر یہ امتحان آ جائیں تو زیادہ ہی عقل چکراتی ہے۔ بُرے اور بدعمل لوگوں کے متعلق تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کا تو یہی انجام اور حشر مقدر تھا مگر نیک اور مخلص بندگانِ خدا پر یہ تکلیفیں اور مشکلات کے پہاڑ کیوں آ پڑتے ہیں۔؟؟

اس سوال کے جواب میں میری سوچ بہت دور نکل گئی۔

تاریخِ اسلام میں ایک نیک و بزرگ خاتون حضرت رابعہ بصری کے نام اور اعلےٰ مقام سے کون واقف نہیں۔ اپنے وقت کے ولیوں اور قرآن و اسلام کے عالموں میں ان کا شمار تھا۔ ان کے حالاتِ زندگی میں درج ایک واقعہ یاد میں اُبھر آیا کہ اُن کے ہمسائے میں ایک مفلوک الحال غریب تنور میں روٹی لگانے والی عورت رہتی تھی۔ نہ صرف یہ کہ سردی گرمی سال کے بارہ مہینے اس کا کام ہر روز آگ کا بھاڑ پھونکنا اور اس میں جھونکا جانا تھا بلکہ اس کی ساری زندگی ہی سراپا درد و غم اور تپش سوز و الم سے بھرپور تھی۔ گھر کے والی وارث آل اولاد سب کو اپنے ہاتھوں دفنا کر اکیلی دکھ بھرتی۔ آخر ایک روز وہ بھی مر کر مکھی ہو گئی۔

حضرت رابعہ بصری کو ان کی وفات کے بعد ان کے ایک مخلص مرید نے ان کو خواب میں بہت اعلےٰ مرتبہ و مقام پر دیکھا۔ اور پوچھا کہ کچھ بتائیے وہاں کیسی گزری؟ حضرت رابعہ بصری نے فرمایا کہ "الحمدللہ میرے رب کے سب وعدے پورے ہوئے اور تم میرا مقام دیکھ رہے ہو۔" مرید نے عرض کی کہ وہ جو تنور والی عورت آپ کی ہمسائی تھی اس کا وہاں کیا حال ہے حضرت رابعہ بصری نے فرمایا کہ "اس کا مقام اتنا بلند ہے میری جگہ سے ثریا دستاروں کے ایک جھرمٹ) کی طرح چمکتا نظر آتا ہے۔"

تو خدا کو پانے کے لئے حضرت رابعہ بصری کی زندگی بھی عبادت و ریاضت کی سعی اور جدوجہد سے بھرپور تھی اور وہ سچا راستہ اُن کو کامیابی سے ہمکنار کر گیا لیکن زندگی کے ہموار اور صاف راستہ سے ہٹ کر دکھ اور مصائب کے شارٹ کٹ نے اس دکھیاری عورت کو بھی کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

مغرب کے ایک مشہور ادیب نے دنیا میں آئے دن ہونے والے بعض واقعات سے متاثر ہو کر ایک بھولی بھالی لڑکی کی داستان بیان کی ہے جو ایک ہوس پرست کے دھوکے میں آ کر مصیبت کے دلدل میں پھنس گئی۔ بدنامی کے خوف سے اپنے بچّے کے ساتھ وہ ماں باپ کی شفقت۔ گھر کی چھت اور گاؤں کی پناہ سے محروم باہر عام آبادی کی سڑکوں پر دھکے کھانے کو پھینک دی گئی۔ جہاں وہ بے یار و مددگار صرف اپنے دُکھ اور درد کا سرمایہ لئے مجبوراً ہوس کے درندوں کا شکار بنتی رہی اور خوفناک بیماریوں میں مبتلا ہو کر آخر ایک دن ختم ہو گئی۔ اب یہاں ادیب کا تصور کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ "جنت کے زینے کی آخری سیڑھی پر ایک سسکی سنائی دی اور لڑکی کی تھکی ماندی روح لڑکھڑاتی اوپر چڑھ آئی۔ پطرس (جنت کے داروغہ) نے کمر سے چابیوں کا گچھا نکالا اور آگے بڑھ کر جنت کا دروازہ کھول دیا۔ جیسے ہی روح کی نگاہ باغِ جنت پر پڑی جھجک کر پیچھے ہٹ گئی کہ "نہیں یہ تو جنت ہے۔ میں اور میرا بچّہ ہم دونوں گنہگار تھے وہ یہاں نہیں ہو سکتا۔ وہ کہاں ہے۔ میں وہیں جاؤں گی۔" روح پلٹ کر زینے کی طرف لپکی۔ پطرس نے آواز دی۔ واپس آ جا۔ نادان جس وقت تو دھوکے میں آ کر ماں بنی۔ تیرا معصوم بچہ مار دیا گیا اور تو دنیا کی نفرت و حقارت کا نشانہ بن کر اس کی ٹھوکروں میں جا پڑی تو تو جبھی سے رحمتِ خداوندی کے سائے میں آ گئی تھی۔" اپنا اپنا خیال ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ جب خدائی آبِ رحمت سکھ کے صاف ستھرے گلزار پر برستا ہے۔ وہاں گناہوں۔ دُکھوں اور مصیبتوں کے دہکتے انگاروں کو بھی ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

تاریخ اور تصور کے پردوں سے نکل کر ماضی قریب میں مجھے ایک بلند پایہ بزرگ اور عالم بے بدل کا خیال آ رہا ہے یعنی حضرت مولانا محمد یعقوب خاں صاحب جو عالمِ جوانی سے اپنی زندگی اور اپنا بیش بہا علم و عمل کا سرمایہ نذرِ اسلام کر چکے تھے۔ پھر بھی ان کا وقت کم ہی زندگی کے صاف و ہموار راستہ پر گزرا۔ یکے بعد دیگرے وہ دکھ اور مصائب کے شارٹ کٹ طے کرتے رہے خصوصاً آخری مرحلہ بہت کٹھن تھا کہ ایک طویل عرصہ تک چلنے پھرنے سے معذور بسترِ علالت پر رہے۔ ان کی وفات کے بعد ایک بہت نیک و صاحبِ کشف بزرگ نے عالمِ خواب میں دیکھا کہ جیسے مولانا محمد یعقوب خاں صاحب دربارِ خداوندی میں حاضر معذرت پیش کر رہے ہیں کہ "بارالہا! میں تو اس قدر عاجز و بیمار تھا کہ پوری طرح تیری عبادت بھی نہ کر سکا۔" جنابِ الٰہی سے ارشاد ہوا کہ میں نے تو تیری بیماری کو بھی عبادت میں لکھا ہے:۔

اور کبھی زمانۂ حال میں آ جیے:۔

ایک بلند مرتبہ بزرگ چونکہ ان کا بابرکت اور قیمتی سایہ بفضلِ خدا ہمارے سروں پر قائم ہے اور خدا کرے کہ مدّتوں قائم رہے۔ اس لئے میں یہاں اُن کا اسمِ گرامی لے کر تعارف کرانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ اُن کا وجود برس ہا برس سے نہ صرف خدمتِ اسلام و سلسلہ کے لئے وقف تھا بلکہ ایک مشہور و معروف حاذق ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے نسلِ انسانی کے لئے نافعِ عام و خاص تھا۔ دورِ پاکستان کی شمال مغربی سرحد کی ایک خوبصورت وادی میں نہ صرف ان کا دولت خانہ تھا بلکہ ساتھ ہی ایک اعلےٰ درجے کا کلینک اور اس سے بڑھ کر ایک مسجد اور ساتھ مہمان خانہ تھا۔ موسمِ گرما ہو یا سرما اس روحانی و جسمانی مسیحا کا فیض عام تھا۔ زندگی صراطِ مستقیم پر رواں دواں تھی۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسی طرح منزلِ مقصود آ جائے گی۔ لیکن چند برس ہوئے ملک میں اچانک سیاست کے ساتھ مذہبی تعصب و حسد کا بلا خیز طوفان اٹھا اور عوام کے غلط بھڑکائے ہوئے غیظ و غضب نے چند گھنٹوں میں اس امن و امان کے مرکز کو جلا کر رکھ دیا۔ نہ گھر رہا نہ بار۔ نہ شفا خانہ نہ مہمان خانہ۔ مسجد اللہ کا گھر کھڑا تو رہا۔ مگر نہ مؤذن رہا نہ نمازی۔ مکینوں کی بمشکل جان بچائی جا سکی۔

ہوگیا تھا۔ قرأت قرآن میں ہمیشہ کے خوش الحان تھے لیکن اب جو سوز و گداز اور اثر اس میں پیدا ہوا وہ کچھ اور ہی چیز تھی۔ جب دارالسلام کی مسجد میں پہنچی تو داخل ہوتے ہی قدم رک گئے۔ سبحان اللہ یہ قرأت کیا تھی ایک آسمانی نغمہ لحن داؤدی سے ادا ہو رہا تھا۔ فرشتوں کی حمد کی گونج اس میں شامل معلوم ہوتی تھی وہ گزری ہوئی برسوں کی جدوجہد برحق تھی لیکن اب مصیبت کی اندھیری ایک ہی رات میں صبر و شکر کی مشکل گھاٹی گزار کر راہی بہت بلند اور ارفع مقام پر پہنچ چکا تھا۔ وہ سر حد کی وادی بہت پیچھے رہ گئی تھی اب پوری قوم کی رہنمائی کے قابل اور ذمہ دار مہر کران کا فیض مغرب کی وادیوں اور دنیا کے دور دراز کونوں میں پہنچ رہا ہے۔ اپنا وجود اور ذاتی نفع و نقصان فراموش ہو چکے ہیں۔ ان کی دعائے نیم شبی اور آہ و دنا لے اب قوم کے لئے وقف ہیں۔ سو راہ زندگی کے بعض شارٹ کٹ نہ صرف اپنے لئے بلکہ ایک پوری قوم کے لئے حیات نو کا پیام بن جاتے ہیں اور بجائے مایوسی کے ازدیاد ایمان کا موجب بن جاتے ہیں۔

اب دل ڈھونڈتا ہے کہ ان مشکلات اور مصائب کے اندھیروں سے نکلنے کے لئے روشنی اور ان دکھوں کا مداوا کہاں سے۔ تو یہ روشنی اور تسلی ہمیں صرف کتاب اللہ سے ملتی ہے۔ اس کتاب میں دیے تو جگہ جگہ اس رحیم و کریم کے وعدے موجود ہیں۔ میں یہاں صرف دو دعاؤں پر اکتفا کرتی ہوں:۔

وایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الرحمین

ترجمہ:۔ اور ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔"

اسی طرح حضرت یونس نے مشکلات کے اندھیروں میں پکارا۔

لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظلمین ہ

ترجمہ:۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے۔ بے شک میں (اپنے اوپر) ظلم کرنے والوں میں ہوں۔ پھر کیا ہی پر امید وعدہ رب نے سب مومن بندوں کے لئے ہے کہ:۔

فاستجبنا لہ ونجینٰہ من الغم وکذٰلک ننجی المؤمنین ہ

ترجمہ:۔ سو ہم نے اس کی (دعا) قبول کی اور اسے غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں:

یہاں میری درخواست ہے کہ آپ سب بھی اس دعا میں شامل ہوں کہ وہ رب کریم حکیم مطلق ہمارے اس قیمتی وجود عزیز کو اپنی جناب سے شفائے عاجل اور صحت کامل عطا فرمائے۔ اور صحت اور زندگی کے ساتھ وہ اپنے نیک ارادوں اور اعلیٰ مقاصد میں کامیاب و بامراد ہوں۔

آمین یارب العالمین:

الفاظ میں مخالفت کی۔ اور اسلام کے اخلاقی و روحانی اصولوں کو اپنی عملی زندگی کے ذریعہ ان کے سامنے پیش کیا۔ واقعہ کربلا کے بعد ملوکیت نوازی کے دور میں فقرائے اسلام کا یہی کارنامہ تھا اور ان کی عملی زندگیاں کمالات فقر و تصوف کا آئینہ تھیں اور جب سیاسی زوال کے باعث ذہنی انتشار میں مبتلا ہونے لگے تب بھی اولیائے کرام و صوفیائے عظام آگے بڑھے اور انہیں اخلاقی پستیوں کے مہیب غار میں گر کر تباہ ہونے سے بچایا۔ یہ انہی بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بدترین سیاسی۔ معاشی طوفان بھی اسلام کے اساسی اصولوں کو تباہ نہیں کر سکے۔

ہندوستان میں صلحاء و مشائخ ہی نے اسلام کی معنوی شوکت و عظمت قائم کی۔ اس لئے ان کے ان حالات و تعلیمات کو ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کا اہم باب سمجھنا چاہیئے۔ انہی بزرگانِ دین کی بدولت امت کی شوکت و عظمت میں اضافہ ہوا۔ اور جن کی تعلیمات آج تک کسی نہ کسی حد تک تحریری شکل میں محفوظ چلی آتی ہیں۔

صوفیائے کرام اور فقرائے اسلام نے خدا کے بندوں کے ساتھ معاشرے اور ملت اسلامیہ کی خدمت کے علاوہ دینی لحاظ سے بھی عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں۔ انہوں نے طالبانِ حق کو اللہ سے ملنے کا سیدھا قطعی اور یقینی راستہ دکھایا۔ اور اپنی راہنمائی میں انہیں منزلِ مقصود تک پہنچایا۔ انہوں نے اسلام کی روح اور اس کی معنوی حیثیت و اہمیت انسان کے سامنے پیش کر کے انسانی روح کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا۔ ایسے علماء و فضلاء کے غیر ضروری قیل و قال اور خشک استدلال سے بچانے کی کوشش کی کیونکہ اس سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور خدا تک پہنچنے کی راہ نظر نہیں آتی انہوں نے اتباع رسولؐ پر خاصہ زور دیا۔ اور اپنی عملی زندگی سے اس کا بہترین نمونہ پیش کیا اسی میں فلاح انسانیت، کمال انسانیت اور رضائے الٰہی کے حصول کا راز مضمر ہے۔ مختصر یہ کہ انہوں نے اسلامی اصولوں کے ذریعہ اور اپنی سیرت و کردار کا بہترین عملی نمونہ پیش کر کے دینِ اسلام کی تبلیغ وسیع پیمانے پر کی اور اس سے دوررس نتائج پیدا ہوئے:

آج ماضی کے مقابلے میں اسلامی فقر و تصوف سے پھر یہی کام لینے کی ضرورت ہے۔ اخلاق و روحانیت سے نسل نو کی بے تعلقی کا ہر وقت ذکر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ محض ان پر تنقید کرنے سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ غیر جانبداری سے یہ جائزہ لیا جائے کہ نسل نو اور تعلیم یافتہ اشخاص روحانیت سے کیوں دور ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور صوفیانہ مسلک کی طرف کیوں راغب نہیں ہوتے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ جب تک معاشرے میں کوئی عملی ثقافتی اور روحانی اقتدار کا عالی نمونہ دستیاب نہ ہو اس وقت تک نسلِ نو کا اعتماد بحال نہیں ہو سکتا۔ صداقتوں کا ثبوت صرف عمل اور صرف عمل ہی سے بہم پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس کے بغیر مذہبی۔ اخلاقی سیاسی اور معاشی، معاشرتی اور تعلیمی اعتبار سے کسی مقصد یا نصب العین کا رخ متعین نہیں ہو سکتا۔ اس وقت اسلامی اخلاقی اور روحانی عظمتوں کا ثبوت عمل سے درکار ہے۔ علماء ظاہر علماء باطن، مبلغین، اساتذہ اور والدین ہی یہ فریضہ بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ معاشرہ کی اخلاقی بنیادیں اسی صورت میں استوار ہو سکتی ہیں کہ افراد کی اخلاقی و روحانی تربیت کا عملی اہتمام کیا جائے اور محض تقریروں پر انحصار نہ رکھا جائے۔ بقولِ اقبالؒ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

(بشکریہ نوائے وقت راولپنڈی)

اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے کے بعد
سب سے بہتر عمل انسانوں سے محبت کرنا ہے
(فرمان نبویؐ)

(ترجمہ حدیث نبویؐ)
"والدین کی طرف سے اولاد کے لئے بہترین تحفہ بہتر تعلیم و تربیت ہے"

مکرم میاں رحیم بخش صاحب کراچی

(یہ مضمون اس سلسلہ وار مضمون کی قسط ہے جس کی پہلی قسط پیغام صلح نمبر ۳۷، ۳۸ مؤرخہ ۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی جس کا عنوان تھا "حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی حضرت اقدس مجدد صد چہاردہم کی صداقت کا نشان ہے"۔ یہ مضمون اخبار پیغام صلح کے خاص محمد علی نمبر میں شائع ہوا تھا۔ جس کی تین اقساط شائع ہو چکی ہیں اور یہ چوتھی قسط ہے۔) (رحیم بخش)

ہر سال قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی برسی کی تقریب پر ایک گانا سنایا جاتا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے:- "ملّت کا پاسباں ہے محمد علی جناح"

بلاشبہ حضرت قائد اعظمؒ نے ملتِ اسلامیہ کے لئے قیامِ پاکستان سے پاسبانی کا حق ادا کیا۔ تاریخِ اسلام میں پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا ایک معجزنمائی کا رنگ رکھتا ہے۔ اور دنیائے اسلام کے لئے باعثِ استحکام اور تقویت کا موجب ہے۔ ان کی سالانہ تقریب پر ان کے اس نمایاں اور بے مثل کارنامہ کی یاد سے اسلامیانِ پاکستان کے دلوں میں ایسے ولولہ انگیز جذبات پیدا ہوتے ہیں جس سے پاکستان پائندہ و تابندہ رہے گا۔ اس ضمن میں ایک اور ایسی ولولہ انگیز شخصیت کی یاد میں جماعتِ احمدیہ لاہور بھی ماہِ اکتوبر میں ایک سالانہ تقریب مناتی ہے۔ یہ شخصیت قائد اعظم کی ہم نام ہے۔ اور کچھ عرصہ تک ان کی ہمعصر رہی ہے جس نے موجودہ دور میں دینِ اسلام اور قرآن مجید کی ایسی گرانقدر اور بے مثل خدمت سرانجام دی جس سے وہ لامحالہ دینِ اسلام کے پاسبان ٹھہرے۔ جسکو گو عہدِ حاضر کے مسلمانوں نے قطعاً فراموش کر دیا ہے لیکن جس کا اعتراف ایک غیر جانبدار مگر معروف و متقدر نو مسلم مغربی شخصیت نے ان الفاظ میں پیش کیا۔ مسٹر مارمیڈیوک پکتھال نے اپنی کتاب "MEANING OF THE GLORIOUS QURAN" کی تمہید میں لکھا ہے کہ موجودہ زمانہ میں "دینِ اسلام" کی خدمت کسی فردِ واحد نے اس قدر نہیں کی جتنی مولانا محمد علی مترجم قرآن بزبان انگریزی (اور قائد جماعتِ احمدیہ لاہور) نے کی ہے۔ اور جو تاریخ اسلام میں سنہری حروف سے لکھی جائے گی۔ اور جن کی بے نظیر اور معرکۃ الآرا خدمتِ قرآن کی بناء پر ان کو مجاہد اعظم کے لقب سے نوازے گی۔ یہی وہ مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ ہیں۔ جنکی قیادت میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا قیام ۱۹۱۴ء میں عمل میں آیا۔ اور اس وقت سے یہ انجمن ایک لگن سے خدمتِ قرآن تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کے کام میں منہمک اور مصروفِ کار ہے۔ جو حضرت مولانا مرحوم و مغفور نے اس کے سپرد کیا۔

حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات اپنے اندر حبِّ دین اور عشقِ قرآن کے لئے ایک رومانس ROMANCE کی کیفیت رکھتی ہے۔ ان کے حالاتِ زندگی از پیدائش تا ممات کتاب "مجاہدِ کبیر" میں درج ہیں۔ اور مکمل پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور اتنے پُرکشش ہیں کہ ان کے پڑھنے سے قاری کے دل میں خدمتِ دین اور علمِ قرآن کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں:

آپ کی پیدائش ایک متوسط طبقہ زمیندار گھرانے اور ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں ہوئی آپ ابتداء سے ہی بے حد ذہین واقع ہوئے تھے اور اس ذہانتِ طبع اور ذہنِ رسا کی بدولت آپ مروجہ سکول اور کالج کی تعلیم کے تمام مدارج نہایت امتیازی پوزیشن میں طے کرتے گئے۔ اور بالآخر پچیس برس کی عمر میں وہ تمام اعلےٰ دنیاوی تعلیم کے اعزازات یعنی ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی حاصل کر چکے تھے جن کی بناء پر آپ کے لئے دنیاوی ترقیات کے دروازے کھلے تھے۔ اور جبکہ ایک پچیس سالہ نوجوان کے لئے ایک پُرکشش اور پُرامید دنیاوی مستقبل کامیابی سامنے تھا۔ آپ کی تقدیر کو ایک مردِ مومن کی نگاہِ جاذب نے یک قلم بدل دیا۔ اور آپ دنیا کے تمام زریں توقعات کو چھوڑ کر اپنے محبوب مجدد کے دامن کو پکڑ کر درویشانہ زندگی اختیار کر لی۔ خود کو خدمتِ دین کے لئے بکلی وقف کر دیا۔ اور اپنے مرشد کے اس ارشاد کو کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" بدل و جان اور بسر و چشم عملاً پورا کر دیا۔ اور اپنی دنیاداری کی تمناؤں اور آرزوؤں کو قربان کر کے خدمتِ دینِ اسلام کا جوا اپنے گلے میں ڈال لیا۔ کسی نے کیا خوب کہا۔ دولتِ دنیا چہ ارزد پیشِ مردِ خدا۔

اس مضمون کا تعلق حضرت مولانا صاحب کی زندگی کے اس پہلو سے ہے کہ کس طرح حضرت مولانا، دنیاوی علوم کے بامِ عروج پر پہنچ کر پھر اپنے امام مجدد صد چہاردہم سے وابستہ ہو کر علومِ باطنی و علومِ لدنی میں تربیت حاصل کی اور ان میں ترقیات کے اعلےٰ مقام پر پہنچے۔ گذشتہ اقساط میں آپ کے اُن حالاتِ زندگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں اپنے قیامِ قادیان کے دوران اپنے محبوب و مرشد کے قدموں میں بیٹھ کر ان کی تعلیم و تربیت سے پورا استفادہ کیا اور خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار ہو کر وہ مقام حاصل کیا کہ اپنے مرشد کی نظر میں ان کے جانشین کی حیثیت حاصل کر لی۔ گذشتہ اقساط میں حضرت مولانا کی زندگی کے اُن حالات کا ذکر ہے جو حضرتِ اقدس کی وفات تک شامل ہیں یعنی ۱۹۰۸ء تک۔ موجودہ قسط میں آپ کی زندگی کے اس حصے کا ذکر ہے جو حضرت مولانا حکیم الامت نور الدین اعظم کی زیرِ تربیت رہا اور اپنے علمِ قرآن کے اکتساب سے ایک مفسرِ قرآن کا درجہ حاصل کیا۔ یہ زمانہ مئی ۱۹۰۸ء سے مارچ ۱۹۱۴ء تک ممتد ہے۔ اس دوران جماعتِ احمدیہ کی قیادت حضرت مولانا نور الدین علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔ اور ان چھ سالوں میں جماعت نے بڑھ چڑھ کر ترقی حاصل کی۔ اور بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی بنیاد رکھی۔ انجمن کا سالانہ بجٹ حیرت انگیز ترقی کر کے تیس ہزار روپیہ سالانہ سے بڑھ کر دو لاکھ روپیہ سالانہ پر جا پہنچا اور اس کامیابی میں مولانا محمد علی صاحب کا ایک بڑا حصہ تھا۔ کیونکہ اس عرصہ میں وہی صدر انجمن احمدیہ کے جنرل سکریٹری اور روحِ رواں تھے۔ پھر اسی زمانے میں ایک علمی ادارے کی نہایت شاندار عمارت بھی تعمیر کی گئی جو حضرت مولانا محمد علی صاحب کی زیرِ نگرانی اور ان کی تجویزوں کے ماتحت بنائی گئی۔ اور اسی زمانے میں حضرت مولانا نور الدین صاحب کی ہدایت و نگرانی کے ماتحت مولانا محمد علی صاحب نے اشاعتِ اسلام کی محکم بنیاد یں قرآن کریم کے انگریزی و اردو ترجمہ اور تفسیر کی صورت میں رکھیں۔ پھر اسی زمانے میں تحریکِ احمدیت عام مسلمانوں میں بھی مقبول ہونے لگی۔ بلکہ یہی وہ زمانہ تھا جس میں حضرت علامہ اقبال نے احمدیت کو بہت قریب سے مشاہدہ کیا۔ اور اس کے قائل ہو گئے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ وہ جماعتِ احمدیہ میں داخل ہو گئے اور اپنے بیٹے غالباً جاوید اقبال کو قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہاں سکول میں داخل کر دیا تھا۔ پھر اسی زمانہ کے دوران مولانا محمد علی صاحب کے ریویو آف ریلیجنز اور خواجہ کمال الدین صاحب کے لیکچروں نے اس جماعت کو ہندوستان بھر کے تعلیم یافتہ مسلم طبقہ میں ایک نمایاں حیثیت دی اور بعد میں خواجہ کمال الدین صاحب نے انگلستان پہنچ کر ۱۹۱۲ء میں ووکنگ مشن کی بنیاد رکھی۔

حضرت مسیح موعود کی زندگی میں قریباً دس برس کے عرصہ میں مولانا محمد علی صاحب نے جو تربیت حاصل کی اس کا ذکر گذشتہ اقساط میں ہو چکا ہے۔ حضرت اقدس نے کس طرح مولانا صاحب کی ان کے قیامِ قادیان میں شروع سے بنظرِ غائر اور قریب سے دیکھا اور مولانا صاحب کی اعلےٰ علمی اور باطنی استعدادوں کی بنا پر حضرت اقدس نے اپنی نظرِ عنایت اور شفقت سے مولانا صاحب کی تربیت فرمائی۔ اور کیا بلحاظ تقوےٰ اور کیا بلحاظ علمی قابلیت مولانا صاحب کو اس مقام پر پایا کہ جماعت میں کسی کو نصیب نہ ہوا۔ اور اسی وجہ سے حضرت اقدس نے مولانا صاحب کو اپنا جانشین قرار دیا۔ جو آپ کے بعد آپ کے مشن خدمتِ دین اور تفسیرِ قرآن کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ حضرت مولانا حکیم نور الدین کے چھ برس کے زمانہ میں مولانا صاحب کی تربیت کا سلسلہ خاص کر ترجمۃ القرآن کے متعلق جاری رہا۔ اور پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مولانا محمد علی صاحب نے حضرت مولانا نور الدین کی خاص توجہ اور شفقت کے تحت علم و تفہیمِ قرآن سے

سے بھرپور استفادہ کیا۔ اور مولانا نورالدین کی زندگی میں ترجمہ قرآن بزبان انگریزی قریباً اختتام کو پہنچا دیا۔ حضرت مولانا حکیم نورالدین کا مقام عالی مرتبت درعلوم ظاہری و باطنی کی جھلک اس سے عیاں ہے۔ جو ذیل میں مجاہد کبیر کے اقتباس درج ذیل سے ہے۔

"حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیرہ ضلع شاہ پور کے ایک معزز گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ اور اپنے علم وفضل وتقویٰ وطہارت کی وجہ سے ہر جگہ آپ کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک نہایت ہی قابل طبیب ہونے کے علاوہ ہر قسم کے دینی علوم کے آپ بے بدل اور فاضل اجل تھے۔ اور آپ کا ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ کہ کوئی مسئلہ ہو بیٹھے بیٹھے فرما دیتے تھے کہ فلاں عالم نے فلاں کتاب میں فلاں جگہ لکھا ہے۔ قرآن کریم سے تو عشق تھا۔ جوانی میں ہی دہلی لکھنؤ۔ رامپور اور بھوپال وغیرہ تحصیل علم کے لئے چلے گئے۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی حاضر ہوئے۔ اور وہاں کچھ عرصہ شاہ عبدالغنی کے حلقہ درس وارادت میں شامل ہو گئے۔ اور تکمیل علوم ظاہری وباطنی کے بعد واپس ہندوستان آئے تو ریاست جموں میں شاہی طبیب ہو گئے۔ معقول مشاہرہ ملتا تھا لیکن درس وتدریس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ آپ کے علم کا ایک دریا تھا۔ جو بہہ رہا تھا۔ آپکے حالاتِ زندگی زیادہ تفصیل کے ساتھ کتاب مرقاۃ الیقین فی حیٰوۃ نورالدین مصنفہ مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی میں پڑھے جا سکتے ہیں۔

یہ جیّد عالم زہد وتقویٰ میں یکتائے زمانہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی پہلی تصنیف براہین احمدیہ پڑھ کر حضرت اقدس کو ملنے کے شوق میں جموں سے قادیان آئے۔ اور حضرت اقدس کی ایک ہی روح پرور نظر سے گھائل ہو کر قادیان کے ہو کر رہ گئے۔ اور بمصداق قول علامہ اقبال:۔

"نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔"

حضرت اقدس کے قدموں میں بیٹھ کر آپکے عالم روحانیات کے کرشموں سے فیضیاب ہونے لگے اور خود عرفانِ الٰہی اور علم القرآن کے دریا بہانے لگے۔

یہ تھی وہ عظیم المرتبت شخصیت حضرت مولانا حکیم الامت نورالدین اعظم جن کا اس عاشقِ قرآن مولانا محمد علی کو شرف تلمذ حاصل ہوا۔ اور جس نے ان کے معرفت کے بحر زخار میں غوطہ زن ہو کر خم کا خم منہ سے لگا لیا۔ اور آپکے علم القرآن کے جام پر جام پینے لگے۔ سبحان اللہ! اس درس وتدریس قرآنِ مجید کے مابین ایسے مدرس عالی مقام اور ان کے شاگرد رشید کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے یہ سلسلہ تدریس برس ہا برس سرزمین قادیان میں جاری رہا۔ ایک طرف شفقت ومحبت پدرانہ دوسری طرف اشتیاق والہانہ وعقیدت کا سلسلہ موجزن رہا! ذیل کا اقتباس 'مجاہد کبیر' سے منقول ہے۔

"مولانا نورالدین صاحب قرآن وحدیث کے بہت بڑے مفسر اور عاشق قرآن تھے۔ چنانچہ جو ترجمہ انگریزی مولانا محمد علی صاحب کرتے وہ مولانا نورالدین صاحب کو سنایا کرتے تھے اور آپ مناسب ہدایات واصلاح کیا کرتے تھے۔ مولانا نورالدین صاحب کا عشق قرآن اور مولانا محمد علی صاحب کے ترجمے میں دلچسپی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ جب ۱۹۱۳ء کے سالانہ جلسہ کے بعد جنوری ۱۹۱۴ء میں آپ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی۔ اور کمزوری اس حد تک بڑھ گئی کہ بولنے سے بھی ضعف ہوتا تھا۔ اور طبی مشورہ کے ماتحت آپنے درس قرآن بند کر دیئے تھے۔ تب بھی اور سخت سے سخت بیماری کی حالت میں بھی مولانا محمد علی صاحب سے روزانہ ان کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ باقاعدہ سنتے تھے اور مناسب مشورے دیتے تھے۔"

"اب حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم کی ڈائری کے چند اوراق سنیئے۔"

۹ فروری ۱۹۱۴ء آج رات ہم چند احباب حضور کو کھانا کھلا رہے تھے۔ آپنے مجھے فرمایا کہ میں نے آپ سے بھی کچھ سیکھا ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نے تو حضور سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ فرمایا مجھے تو قرآن ہی آتا ہے۔ وہی میں سکھا سکتا ہوں۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ حضور کو لمبی عمر عطا فرمائے اور ہم حضور سے قرآن سیکھیں۔ فرمایا مولوی محمد علی صاحب سے پوچھو مجھے کتنا قرآن آتا ہے۔ مولوی صاحب بہت محنت کر کے صدہا صفحے لکھ کر لاتے ہیں۔ میں ان کو مختصر کر دیتا ہوں۔ بعض اوقات وہ کہتے ہیں۔ آپ کی رائے تمام تحقیقات سے بالاتر ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے مولوی صاحب نے بہت خوش کیا ہے۔ میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے۔ انہوں نے یاجوج ماجوج اور اصحاب کہف ذوالقرنین کی تحقیقات عجیب کی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا چھان مارے ہیں۔ کیا مسئلہ صاف کیا ہے۔ واہ! واہ! واہ!"

"قادیان۔ ۱۱ فروری ۱۹۱۴ء حضرت مولوی صاحب جب قرآن مجید کا ترجمہ سنانے کے لئے حاضر ہوئے تو ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "تو بیا کہ زندہ ایم""

"۱۵ فروری ۱۹۱۴ء مولوی شیر علی صاحب۔ نواب صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب۔ مرہم عیسیٰ صاحب اور بہت سے احباب تھے۔ فرمایا۔ کفو اسلام کا مسئلہ دقیق مسئلہ ہے جس کو بہت سے لوگوں نے نہیں سمجھا۔ میاں محمود احمد صاحب اور مولوی محمد علی صاحب حضرت کے پاس چارپائی پر بیٹھے تھے۔ آپنے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ "ہمارے میاں نے بھی اس کو نہیں سمجھا۔""

"۱۴ فروری ۱۹۱۴ء ۔ ۔ ۔ مولوی محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن روز سنتے ہیں۔ ہمت اور حوصلہ ان کا بہت عظیم الشان ہے۔ اور قرآن مجید کا عشق بے نظیر۔ فرماتے ہیں کہ قرآن ہی میری روح اور زندگی کا دار و مدار ہے۔"

"۱۸ فروری ۱۹۱۴ء آج حضرت کو ضعف تھا اور حالت کمزور تھی۔ مولوی محمد علی صاحب حسب معمول قرآن شریف کے نوٹ سنانے کے لئے حاضر ہوئے۔ قرآن کی بعض آیات پر آپنے ان کو کچھ ارشادات فرمائے۔ مگر کمزوری سے ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے۔ پھر مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تمہارا روز دیکھنا یہ بھی میری روح کی غذا ہے۔" پھر فرمایا۔ "مولوی صاحب تم مجھے بہت پیارے ہو۔ ایک کام کا ہتھیار ملا ہے۔ (یعنی مولوی محمد علی صاحب) علم ہی علم ہے۔ تمہارا فضل ہے۔" مولوی محمد علی صاحب نے جواب میں عرض کیا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ حضور کے خیالات کا ترجمہ کر سکوں۔" حضرت نے فرمایا۔ سب اس کا فضل ہے۔ جو ہوا فضل اور جو ہوگا فضل ہوگا۔" پھر فرمایا۔ یہ ترجمہ یورپ۔ امریکہ۔ افریقہ۔ چین۔ جاپان و آسٹریلیا میں انشاء اللہ مفید ہوگا۔"

"۲۱ فروری ۱۹۱۴ء حضرت صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کو درس قرآن کے لئے اندر بلایا۔ اسوقت والدہ عبدالحیٔ بھی موجود تھیں۔ درس قرآن کے بعد مولوی محمد علی صاحب کا ہاتھ حضرت نے پکڑا اور آہستہ آہستہ اپنے منہ کے پاس اس کو لے گئے! اور اس پر بوسہ دیا۔"

"۲۲ فروری ۱۹۱۴ء ۔ ۔ ۔" اور انہی دنوں میں ایک دن کا واقعہ ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کو آنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ مولانا نورالدین صاحب کی طبیعت بہت کمزور تھی لیکن اس حالتِ ضعف میں آپنے فرمایا۔ میرے پیارے بیٹے کو بلاؤ۔ میرے پیارے بیٹے کو بلاؤ۔ سننے والوں کو خیال ہوا کہ آپ اپنے صاحبزادہ عبدالحیٔ کو بلانا چاہتے ہیں مگر آپنے پھر فرمایا۔ میری روحانی غذا لاؤ۔ میری روحانی غذا لاؤ۔ اور جب مولانا محمد علی صاحب پہنچ گئے تو انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا۔"

"۴ مارچ کو حضرت صاحب نے فرمایا۔ ہمارا انگریزی ترجمہ اللہ کو مقبول ہو گیا ہے۔ الہاماً بشارت آگئی ہے"

غرضیکہ اس دوران یعنی حضرت مولانا نورالدین کی وفات تک جو ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو ختم ہوا مولانا محمد علی صاحب نے مولانا نورالدین صاحب کی تدریس سے ترجمہ قرآن بزبان انگریزی پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ اور ان کے علم قرآن سے پورا پورا استفادہ کیا۔ اسی دوران جماعت احمدیہ نے بھی بہت فروغ حاصل کیا! اور ہندوستان بھر میں اس کا بول بالا تھا۔ ہر طرف مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تقاریر اور مباحثات کا چرچا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ اور سنجیدہ لوگ احمدیت سے بہت متاثر تھے بلاشبہ احمدیت کے اس دور فروغ میں حضرت مولانا نورالدین کی شخصیت کا بہت کچھ حصہ تھا۔ آپ کی تبحر علمی۔ ایمانی قوت اور تقویٰ کا سکہ تمام اطراف میں بیٹھا ہوا تھا۔ جو جماعت کی توسیع کا باعث تھا۔ اسی زمانہ میں ہی علامہ اقبال بھی احمدیت سے اسقدر متاثر ہوئے کہ ایک موقعہ پر بے ساختہ فرمایا۔ "کہ قادیان میں ٹھیٹھ اسلامی کردار کا نمونہ مل سکتا ہے۔"

(بقیہ صفحہ ۹)

از مکرم : سعد اختر صاحب ایم-اے

عذابِ الٰہی کی نوعیت

جغرافیائی حالات کی روشنی میں

عذابِ الٰہی سے ڈرانے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خبر دینے کا کام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ یعنی آج آپ کو صرف عذابِ الٰہی کی نوعیت یعنی اس کی اقسام اور طرز و نوع کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

میں اسوقت صرف عذابِ الٰہی کا ایک خاص یعنی جغرافیائی پہلو سے تجزیہ کروں گا۔ اور آپ دوستوں پر واضح کروں گا کہ عذابِ الٰہی کہیں آسمان سے نازل نہیں ہوتا۔ قدرت کے تمام وہ عناصر جو عام طور پر ہماری خدمت میں مستغرق رہتے ہیں۔ وہی ہماری ہلاکت کا موجب بن جاتے ہیں۔ اب پہلی بات تو یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب کیوں نازل کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عذابِ الٰہی کونسی طرز اختیار کرتا ہے اور حسبِ موقع جغرافیائی حالات کے مطابق کس شکل میں نازل ہوتا ہے تیسری بات یہ ہے کہ اس کے کیا نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں؟

پہلی بات تو آپ صاحبان خوب سمجھتے ہیں کہ عذابِ الٰہی کا مقصد صرف اپنے بھولے بھٹکے اور سرکش بندوں کو راہِ راست پر لانے کا ہوتا ہے۔ مذہبی خیالات کے لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں اور ہمارا بھی ایمان ہے کہ جب کبھی فرد، قوم یا ملک پر عذاب نازل ہوتا ہے اس کی وجہ اس فرد، قوم یا اس ملک کے باشندوں کے بداعمال ہوتے ہیں۔ بداعمال ہمیشہ خدا کے غضب کو بھڑکاتے ہیں۔ میں اس وقت بداعمال کی لمبی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ انسان کی ضمیر اور خداوند تعالیٰ کا بنایا ہوا ضابطہ اس کے متعلق کافی روشنی ڈالتا ہے۔ ضمیر تو ہر عمل کرتے وقت بتا دیتی ہے کہ یہ عمل نیک ہے اور وہ بد۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں اعمال پرکھنے کا ایک آلہ رکھ دیا ہے۔ جو ہر وقت ٹھیک کام دیتا رہتا ہے۔

اب میں دوسری بات کیطرف متوجہ ہوتا ہوں جو کہ میرا اصل موضوع ہے یعنی عذابِ الٰہی کس شکل میں نازل ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کائنات میں ہر ایک چیز اپنے دائرہ عمل میں حرکت کرتی ہے۔ اور جو دوسری چیز اس کے راستہ میں حائل ہوتی ہے۔ اور اس کی راہ کاٹتی ہے تو نتیجہ ایک ہنگامہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ آندھیاں۔ بارش اور زلزلے کئی ایک طبعی وجوہ کی بناء پر آتے ہیں۔ ان میں انسان کے عمل کا ہرگز کوئی دخل نہیں۔ چاہے ہم نیک عمل ہی کیوں نہ بجالائیں تب بھی یہ جاری رہیں گے۔ اور ہمارے درپے آزار رہیں گے۔ ان اصحاب کے خیال کے مطابق ان سے بچنے کا حل صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ہمیں قدرت کے تمام طبعی قوانین کا پورا پورا علم حاصل کرلینا چاہیئے۔ اور پھر ہم ان عذابوں سے بچ سکتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہمیں . . . . . اس قسم کے علوم پر قدرت حاصل ہو جائے تب ہم آندھیوں۔ بارش اور زلزلوں کے متعلق پہلے سے علم حاصل کرلیں گے! اور ہم ان کا شکار نہ ہو سکیں گے۔ قدرت کے ان عناصر اور کئی دوسرے عناصر کی پوجا بھی اس لئے کی جاتی ہے۔ پوجا کرنے والوں کا ایک دوسرا گروہ ہے۔ ان کے خیال کے مطابق ہر ایک عنصر کا ایک علیحدہ دیوتا ہے جب یہ دیوتا انسان پر برانگیختہ ہوتا ہے تو اپنے عنصر کو غیض و غضب میں لاتا ہے۔ اور انسانوں کو تکلیف دیتا ہے اس تکلیف سے بچنے کے لئے اس گروہ نے ان دیوتاؤں کو راضی رکھنے کے لئے کئی ایک تہوار بنا رکھے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔

میرے خیال میں یہ سب جہالت کے کرشمے ہیں۔ اور خالص مذہب جس میں انسان کی فلاح اور بہبودی کے سامان ہیں۔ اس سے غفلت کے نتائج ہیں یہ توہمات اور جہالت کی باتیں صرف اس غفلت کا ہی نتیجہ ہیں۔ ورنہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس وسیع کائنات کا موجد خالق اور چلانے والی صرف ایک ہی ہستی ہے جس کو ہم اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

دوسرے گروہ کے لوگوں کے ساتھ تو میرا بالکل ہی اتفاق نہیں کیونکہ ان کا تمام سلسلہ اور کاروبار جہالت کے سرچشمہ سے نکلا ہے۔ ہاں البتہ پہلا گروہ کسی حد تک اس عذابِ الٰہی کے مسئلہ کو حل کرنے میں کامیاب ہے۔ اب جہاں تک صرف طبعی وجوہات کا تعلق ہے جن کی وجہ سے قدرت کے یہ عناصر سرگرم عمل ہوتے ہیں میرا ان کے ساتھ پورا پورا اتفاق ہے میرے خیال میں طبعی وجوہات کے علاوہ انسانی اعمال کا بھی اس میں ضرور دخل ہے۔ میں اس کی توجیہہ یوں کروں گا کہ طبعی وجوہات کی بناء پر یہ تمام عناصر روزمرہ کے عام قانون کے مطابق کام میں لگے رہتے ہیں۔ ہم بھی ان سے فوائد حاصل کرتے رہتے ہیں لیکن ہمارے بداعمال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے خداوند تعالیٰ کا غضب بھڑکتا ہے۔ اور چونکہ کائنات کا ایک ذرّہ بھی اس کے اذن کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اللہ اپنے غضب کا مظاہرہ اس طرح کرتا ہے کہ ان عناصر کے وجوہات کو اور زیادہ قوی بنا دیتا ہے۔ اور اب تک جو عناصر اپنی خیر کی خاصیتوں کا استعمال کرتے رہے اب ان کے شر کے خواص ظہور میں آتے ہیں اور ہماری سزا کا موجب ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کائنات کی ہر ایک چیز میں خیر اور شر دونوں کا پہلو ہے۔ اسی لئے تو ہمارے نبی کریمؐ نے ہمیں شر سے بچنے کے لئے دعا سکھائی ہے۔ اب میں اس کو ایک چھوٹی سی مثال سے آپکے سامنے پیش کرتا ہوں۔ —

یہی ہمارا ہمسایہ دریائے راوی طبعی قانون کے مطابق اور جب تک ہمارے نیک اعمال کا پلڑا بھاری رہتا ہے ہمارے لئے آبِ حیات کا کام دیتا ہے۔ یہی پانی پی کر ہم زندہ رہتے ہیں۔ اسی سے ہمارے جانوروں کی زندگی ہے جن سے ہم باربرداری کا کام لیتے ہیں۔ اور بعض ہمیں ہماری خوراک مثلاً دودھ۔ گھی مکھن اور گوشت مہیا کرتے ہیں۔ اس کے پانی پر ہماری فصلوں ترکاریوں اور باغات کا دارومدار ہے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس کی بدولت ہمارا وجود قائم و دائم ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو زندگی دوبھر ہو جائے۔ بلکہ ناممکن ہو جائے۔ اب قانونِ قدرت یہ ہے کہ جب تک ہم خداوند تعالیٰ کی ان تمام نعماء کے لئے شکر کرتے ہیں اور اس کے بنائے ہوئے قانون اور لائحہ عمل پر چلتے ہیں تب تک یہ دریا ہماری خدمت میں لگا رہتا ہے کیونکہ اس کو یہی حکم ہے کہ ہمارے لئے مسخر رہے۔ خدا کا شکر کرنا صرف لفظی نہیں بلکہ عملی شکریہ کرنا اصل مقصد ہے۔ اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے۔ جب تک تو حالات اس طرح رہتے ہیں ہم تمام آفتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن جب ہم لوگ ان نعماء کو خدا کی طرف سے نہیں سمجھتے اور بجائے شکریہ ادا کرنے کے ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ تو ناشکری کئی ایک رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس کا مابہ نتیجہ بداعمال ہی ہیں اور بداعمال مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کی تفصیل آپ خود جانتے ہیں۔ تو اب بداعمالیوں کا پلڑہ جھکنے لگتا ہے۔ جھکتے جھکتے زمین پر جا لگتا ہے۔ اور ہم پورے طور پر دابۃ الارض ہو جاتے ہیں تو یہی رحمت کا دریا اللہ تعالیٰ کے اذن سے حرکت میں آجاتا ہے بارشیں ہونے لگتی ہیں۔ حکامِ وقت اور لوگ اس کے بڑھتے ہوئے پانی کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ اس امنڈے ہوئے طوفان کی روک تھام کے لئے حکومتِ وقت اور لوگ ہمہ تن کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ باقی

عذاب رکے نہیں رکتا اور بھاری تباہی کا موجب ہو جاتا ہے۔ بستیوں کی بستیاں زمین میں دھنس جانا اس بات پر دال ہے کہ طبعی وجوہات کے علاوہ انسانی اعمال کا بھی ان کی حرکت میں دخل ہے۔

عذاب الٰہی حسب موقعہ جغرافیائی حالات کے مطابق مختلف اشکال اختیار کرتا ہے۔ اگر کسی قوم کی تباہی کا موجب زلزلہ ہوگا تو اس علاقہ کے اندر زلزلہ کے طبعی امکانات ضرور ہوں گے اور میرے خیال میں اس کے شدت سے آنے کا مطلب یا آبادی میں آنے کا مقصد صرف عذاب الٰہی ہوگا۔ ورنہ یہی زلزلہ ایک ویرانے میں بھی آسکتا ہے۔ زلزلوں کے فوائد بھی ہیں جن کا ذکر کرنا میں یہاں مناسب نہیں سمجھتا۔ ایک دوسری بات بھی میں واضح کر دینا چاہتا ہوں مثلاً اس قدر شدید زلزلہ کہ جس سے تباہی اور بربادی آجائے مصر میں نہیں آسکتا۔ حیدرآباد دکن اور جنوبی ہندوستان میں نہیں آسکتا۔ اگر وہ قدرت کا کوئی عنصر عذاب کا موجب ہو سکتا ہے تو مصر میں دریائے نیل یا صحرائے اعظم سے ریت کا طوفان۔ اگر دریائے نیل میں اس کے استوائی اور مون سون علاقوں میں سخت بارش ہو تو اس میں طوفان آجائے گا۔ اور گرد و نواح کے دیہات اور شہر تباہ ہو جائیں گے۔ یا اگر صحرائے اعظم سے سخت آندھی چلے جو کروڑ ہا من ریت لا کر مصر کے آبادی کے علاقوں کو دفن کر دے۔ اسی طرح جنوبی ہندوستان اور خاص طور پر سطح مرتفع دکن میں زلزلہ نہیں آسکتا اگر کوئی چیز یہاں عذاب کا باعث ہو سکتی ہے تو وہ موسلا دھار بارش ہے جو کہ موسمی ہواؤں کے ذریعہ سے موسم گرما میں آتی ہے۔ اب اس کے بعد آپ کو تاریخ سے استدلال کر کے دکھلاؤں گا اور اپنے موضوع کی وضاحت کروں گا۔

حضرت نوحؑ کی قوم پر عذاب :۔

قرآن کریم کی سورت الاعراف کے آٹھویں رکوع میں حضرت نوحؑ کا اپنی قوم کی طرف مبعوث ہونے کا ذکر ہے۔ بڑے لمبے عرصہ کی تبلیغ کے باوجود حضرت نوحؑ کی قوم اس پیغام کو جھٹلاتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم کی بداعمالیوں اور زیادتیوں کی وجہ سے بھڑک اٹھتا ہے۔ اور جھٹلانے والوں اور ایمان لے آنے والوں کے انجام کا ذکر اسی رکوع کی آخری آیت میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے :۔

فکذبوہ فانجینہ والذین معہ فی الفلک واغرقنا الذین کذبوا بآیٰتنا انھم کانوا قوماً عمین۔

ترجمہ :۔ پر انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ہم نے اس کو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں نجات دی اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا بلاشبہ وہ اندھی قوم تھی۔ اس کے بعد سورت ہود کے چوتھے رکوع میں حضرت نوحؑ کے مخالفین کی ہلاکت کا دراصل الفاظ ذکر کیا ہے۔

حتیٰ اذا جاء امرنا وفار التنور قلنا احمل فیھا من کل زوجین اثنین واھلک الا من سبق علیہ القول ومن اٰمن وما اٰمن معہ الا قلیل ٥

ترجمہ :۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا اور زمین پر پانی نے جوش مارا۔ ہم نے کہا اس میں ہر شئے کے نر و مادہ دو دو سوار کر لو اور اپنے اہل کو سوائے اس کے جس کے متعلق پہلے حکم ہو چکا اور ان کو بھی جو ایمان لائے۔ اور اس کے ساتھ تھوڑے ہی ایمان لائے تھے۔

اس کے بعد سورت القمر کے پہلے رکوع کذبت قبلھم قوم نوح فکذبوا عبدنا وقالوا مجنون وازدجر فدعا ربہ انی مغلوب فانتصر ۔ ففتحنا

الارض عیونا فالتقی الماء علیٰ امر قد قدر ۔ وحملنہ

ہمارے سامنے چلتی تھی۔ اس کے بدلہ جس کا انکار کیا گیا تھا اور یقیناً ہم نے اسے نشان کے طور پر چھوڑا تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔"

اب قرآن کریم کے ان حوالجات کے بعد میں اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ عام طور پر یہ خیال ہے کہ اس طوفان کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک تنور سے جہاں عام طور پر آگ جلتی ہے پانی پھوٹ نکلا تھا۔ لیکن سورۃ القمر کے پہلے رکوع میں اس خیال کا رد موجود ہے۔ جہاں صاف لکھا ہے کہ ہم نے بادل کے دروازے زور سے برستے ہوئے پانی سے کھول دیئے۔ اور زمین سے بھی پانی کے چشمے پھوٹ پڑے۔ یہ بعینہ اس قسم کا عذاب تھا جیسا کہ ہم نے پچھلے دنوں سنٹرل پنجاب کے اضلاع میں دیکھا ایک دوسرا غلط خیال بھی از روئے بائیبل چلا آتا ہے۔ کہ یہ طوفان کل روئے زمین پر آیا تھا حالانکہ قرآن شریف میں صاف طور پر آیا ہے کہ نوح کی قوم کے لئے آیا تھا۔ تواریخ کی کتب اور بائیبل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح ایشیائے کوچک یعنی موجودہ ترکی کے شرقی علاقوں اور فلسطین کے شمال میں آباد تھی۔ اب یہ علاقہ جغرافیائی حالات کے لحاظ سے ایسا واقع ہے کہ جہاں طوفان گرد و باد کے ذریعہ سے خاص طور پر سرما میں بارش ہوتی ہے اس کے علاوہ اس زمانہ میں جس کا ذکر ہے زمین کی تاریخ کی رو سے ایسا وقت تھا جب اس علاقے کے پہاڑ بن رہے تھے۔ اور چونکہ یہ A FOLDED قسم کے ہیں اس لئے زمین کی سطح پر سلوٹیں پڑنے کی وجہ سے FAULTS یعنی بڑے بڑے شگاف بھی پیدا ہوتے تھے ممکن ہے کہ اس قسم کے شگافوں سے زمین کے نیچے کا پانی چشموں کی صورت میں پھوٹ پڑا ہو اور ادھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور قوم نوح اس عذاب کی لپیٹ میں آگئی ہو۔ واقعات اس طرح شہادت دیتے ہیں۔ جب وہ بستیاں تباہ ہو گئیں اور وہاں کے باشندے غرق ہو گئے۔ تو بارش تھم گئی۔ اور زمین نے پانی کو جذب کر لیا۔ اور حضرت نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ آج یہ کشتی ترکی پہاڑ میں دریافت کی گئی ہے۔ اور اس زمانہ کے لئے خداوند تعالیٰ کے کہنے کے مطابق ایک زندہ نشان ہے۔

قوم عاد :۔

سورۃ الاعراف کے نویں رکوع میں حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ اس میں حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی قرار دیا ہے۔ اس قوم نے چار دیوتا قرار دے رکھے تھے۔ صاقیہ۔ حافظہ۔ رازقہ اور سالمہ۔ یعنی بارش کا دیوتا۔ دشمنوں سے بچانے والا دیوتا۔ رزق کا دیوتا اور صحت کا دیوتا۔ اسی رکوع کی آخری آیت میں آتا ہے۔

فانجینہ والذین معہ برحمۃ منا وقطعنا دابر الذین کذبوا بآیٰتنا وما کانوا مومنین۔

ترجمہ :۔ سو ہم نے اس کو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی طرف سے رحمت سے نجات دی اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور مومن نہ تھے۔ ویسے تو اس قوم کا ذکر سورت ہودؑ کی ۵۰۔ آیت سے ۱۰۷۔ آیت تک سورۃ ابراھیم کی نویں آیت میں۔ سورۃ الفرقان کی ۳۸ ویں آیت میں سورۃ الشعراء کی ۱۲۳ آیت سے ۱۴۰ تک۔ سورت العنکبوت کی ۳۸ ویں آیت میں۔ حٰم السجدہ کی ۱۳ سے ۱۶ آیت میں۔ سورۃ الاحقاف کی ۲۱ سے ۲۶ آیت تک سورۃ الذاریات کی ۴۱ تا ۴۴ آیت میں۔ سورت النجم کی ۵۰ آیت میں سورۃ القمر

کی ۱۰ سے ۱۳ آیت تک سورۃ الحاقہ کی چوتھی اور چھ سے آٹھ آیت اور سورۃ القمر کی ۲ تا ۸ آیت میں آیا ہے:۔

سورۃ حٰم السجدہ کی تیرہویں آیت میں آتا ہے۔

فقل انذرتکم صٰعقۃ مثل صٰعقۃ عادٍ و ثمود

ترجمہ:۔ تو کہدے میں تمہیں عاد اور ثمود کے عذاب جیسے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

اس کے آگے سولہویں آیت میں اس قوم پر عذاب کے متعلق آتا ہے:۔

فارسلنا علیھم ریحًا صرصرًا فی ایام نحساتٍ لنذیقھم عذاب الخزی فی الحیٰوۃ الدنیا

ترجمہ:۔ سو ہم نے منحوس دنوں میں تند ہوا چلائی تاکہ انہیں دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں۔

اس سے آگے چل کر سورۃ الاحقاف کی چوبیسویں اور پچیسویں آیات میں اس عذاب کا ذکر اس طرح چلتا ہے:۔

فلما راٰہ عارضًا مستقبل اودیتھم قالوا ھٰذا عارضٌ ممطرنا بل ھو ما استعجلتم بہٖ ریحٌ فیھا عذاب الیم ۃ تدمر کل شیءٍ بامر ربھا فاصبحوا لا یرٰی الا مسٰکنھم کذالک نجزی القوم المجرمین

ترجمہ:۔ پھر جب اسے ایک بادل کے رنگ میں دیکھا جو ان کی وادیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کہنے لگا یہ بادل ہم پر بارش لانے والا ہے۔ بلکہ یہ وہ ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے ہو۔ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کرتی ہے۔ سو وہ ایسے ہو گئے کہ سوائے ان کے مکانوں کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اسی طرح ہم مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں۔

پھر سورۃ الذاریات کی ۴۱-۴۲ آیات میں اس طرح آیا ہے:۔

وفی عادٍ اذ ارسلنا علیھم الریح العقیم ما تذر من شیءٍ اتت علیہ الا جعلتہ کالرمیم ہ

ترجمہ:۔ "اور قوم عاد میں نشان ہے۔ جب ہم نے ان پر تباہ کرنے والی ہوا بھیجی۔ وہ کسی چیز کو نہ چھوڑتی تھی مگر اُسے چورا کر دیتی تھی"

(باقی - باقی)

بقیہ "بیاد حضرت مولانا محمد علیؒ" (سلسلہ آمد)

مگر اسی دوران میں کچھ ایسے المناک واقعات بھی رونما ہوئے جن سے جماعت اندرونی خلفشار کا شکار ہو گئی۔ اور جو بعد میں ایک شدید طوفان کی صورت اختیار کر گئی جس کی مشابہت اللہ تعالیٰ نے طوفانِ نوحؑ سے مقدر کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت اقدس کو ایک جماعت بنانے کے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا۔ تو ان الہامی الفاظ پر مشتمل تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کو وحی ہوئے۔ واصنع الفلک باعیننا ووحینا۔ اس کی مماثلت کو پورا کرنے کے لئے حضرت اقدس کے قلم سے کتاب "کشتی نوح" تحریر میں آئی۔ گویہ کتاب کشتی نوح۔ حضرت اقدس نے اپنی جماعت کو ایک وقتی آفت اور بلاء طاعون سے محفوظ رکھنے کی غرض سے لکھی تھی۔ مگر مشیت ایزدی میں کچھ ایسے حضرات بھی تھے جن سے اس کشتی یعنی جماعت احمدیہ کو ایک طوفانِ عظیم سے واسطہ پڑنا تھا جس میں کسی نجات دہندہ نا بنے گی۔ اس طوفانِ عظیم کے آثار حضرت مولانا نورالدین کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ مگر اسکے مضرت کا مکمل انکشاف اور اس کے ہیبت ناک نتائج کا ظہور آپ کی زندگی کے بعد ہونے والا تھا۔ اس لرزاں خیز داستان کا بیان آئندہ قسط میں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

احبابِ جماعت!

شرائطِ بیعت

کو غور سے پڑھیں اور اپنا جائزہ لیں

اوّل:۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم:۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق اور فجور اور ظلم و خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم:۔ یہ کہ بلاناغہ پنج وقت نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنا دیگا۔

چہارم:۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے اور نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم:۔ یہ کہ ہر حال رنج و راحت اور عسر و یسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حال راضی بقضا ہوگا اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم:۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آئے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم:۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم:۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم:۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم:۔ یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا۔ اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

یہ شرائط ہیں جو بیعت کرنے والوں کے لئے ضروری ہیں۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۸۵۳)

محققین کا ایمان ہے کہ اسلامی تصوف انسانیت کا مذہب ہے۔ وہ ان اصولوں کا مجموعہ ہے جو انسانیت کو درجہ کمال عطا کرتے ہیں۔ ان اصولوں پر رہ کر ہی انسان خلیفۃ اللہ "اشرف المخلوقات" "انسان کامل" اور اللہ تعالے کا مقرب بن سکتا ہے۔ اس مشرب کی ابتدا خود شناسی اور انتہا خدا شناسی ہے۔ اگر انسان کو تنگ نظری۔ تنگدلی۔ موبائیت۔ وطنیت۔ قومیت۔ نسلیت۔ فرقہ پرستی اور خودغرضی جیسی خطرناک اور مہلک برائیوں سے کوئی مسلک باز رکھ سکتا ہے اور اللہ کی زمین کو باہمی جنگ و جدل فساد و خونریزی قومی اور بین الاقوامی بغض و عناد سے بچا سکتا ہے اور نوعِ انسان کو تحفظ کی ضمانت دے سکتا ہے تو وہ اسلام کے اخلاقی و روحانی اصول پر عمل درآمد ہے جس کا دوسرا نام اسلامی تصوف ہے۔ محض اسلام کے اخلاقی و روحانی اصول کا حفظ تلقین ان برائیوں سے نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ اقبال نے "تشکیل جدید الٰہیات" میں فکر و تصوّر کے مقابلے میں عمل کی اہمیت قرآن مجید کے حوالے سے بیان کی ہے۔ عمل کے بغیر عظیم سے عظیم تصورِ حیات بھی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

حضور سرورِ کائنات نے فرمایا تھا کہ عالم بے عمل سے پرہیز کرو۔ قرآن مجید بھی تصوّر کے مقابلے میں عمل پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اسلامی تصوّف کے اصول ابدی حقائق پر مبنی ہیں۔ اس لئے ہر زمانے میں اور ہر ملک میں قلب انسانی کی اصلاح کے لئے مفید ہیں۔ یہ اصول ابتدائے زمانہ تخلیق سے انسان کی راہنمائی کر رہے ہیں یہی اصول اسلام کے جزو لاینفک کی حیثیت سے مختلف ارتقائی مراحل سے گزر رہے ہیں یہاں تک انہوں نے مرشدِ اعظم۔ ہادی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے منسوب ہو کر درجہ کمال حاصل کیا حضور کی مرتبت کے بعد یہی اصول آپ کے جانشینانِ شریعت و طریقت کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔

اس طویل سفرِ ارتقا میں بعض اوقات انسانی ذہن کی گمراہیوں اور فکر کی کوتاہیوں اور عقل سرکش کی ہرزہ سرائیوں کے سخت حملے بھی ہوئے لیکن وحی الٰہی۔ انبیائے کرام، اولیائے عظام اور ان کے کشف و الہام نے ہمیشہ کھوٹے کو کھرے سے علیحدہ کر کے بتایا اور اس طرح انسان بالخصوص اہل دل کے انسان کو معراج کمال پر پہنچانے کی کوشش کی۔

آج بھی محسنین انسانیت کی برگزیدہ تعلیمات اپنی جگہ حق ہیں مگر خود مسلمان ان کی اصل روح سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ ان کی زندگی کا نصب العین سوائے مادی مفادات کے حصول کے کچھ نہیں۔ رضائے الٰہی کے حصول کی تمنا کوئی نہیں یہی وجہ ہے کہ انہیں ان اکابرین اور اولیاء اللہ کے انسانیت نواز اصولوں میں نہ اپنے لئے کوئی پیامِ حیات نظر آتا ہے۔ نہ ان کے لئے کوئی کشش باقی رہ گئی ہے۔ اس صورتِ حال کو بدلنے کے لئے تحریر و تقریر کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اسلامی تصوف کے وہ اصول جو ابدی حقائق پر مبنی ہیں ان پر خلوصِ نیت سے عمل کیا جائے۔ جب تک معاشرے میں کوئی عملی نمونہ موجود نہ ہو اس وقت تک فرد اور جماعت کے اذہان میں کوئی مثبت انقلاب نہیں آسکتا۔ مذہب سے بیزار افراد صوفیائے کرام اور اسلامی فقر و تصوّف کے بیش قیمت انسانیت نواز اور دائمی اقدار کے اسی صورت میں گرویدہ اور قائل ہو سکتے ہیں کہ اسلام کے اخلاقی و روحانی اصولوں کو عمل کے ذریعہ اُن کے سامنے لایا جائے۔ یہ دَور سائنس کا دَور ہے جس میں ہر چیز کو مشاہدہ اور تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ بے نتیجہ چیزوں کو قابلِ التفات نہیں سمجھا جاتا۔ علم دین کو سائینٹیفک یا حکیمانہ انداز میں پیش کئے جانے کا مطلب۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کے اصولوں کی نتیجہ خیزی کا یقین قول و عمل کی ہم آہنگی سے دیا جائے۔ آج کا انسان ہر نظام فکر کو عمل اور نتیجہ عمل کے حوالہ سے دیکھتا ہے صوفیائے کرام لوگوں کے قلب و نظر میں اس لئے سمائے ہوئے تھے کہ انہوں نے بے لوث خدمتِ خلق اللہ اور بے ریا عبادات الٰہی کے ذریعہ انسان کو خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھایا اور ہمیشہ دنیا میں رہنے کا صحیح نمونہ اُن افراد کے سامنے پیش کیا جو دنیا کی دلفریبیوں کے نشے میں خدا کو بھول جاتے ہیں۔ یہ صوفیائے کرام ہی تھے جنہوں نے ہمیشہ اپنی عملی زندگی سے آزادی و حریت کا بہترین معیار دنیا کے سامنے پیش کیا اور اپنے زریں اصولوں کو قربان کر کے غلط حالات یا اربابِ اقتدار کے ساتھ غلط مفاہمت کبھی نہیں کی۔ اسلامی تصوّف اور صوفیائے کرام نے انسان کو زندگی سے فرار کی کبھی تعلیم نہیں دی۔ موجودہ حالات میں عوام و خواص یہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں اکثر علماء اور صوفیا بے عملی کا شکار ہیں۔ ان کی اکثریت صرف چند روائتی تقاریب میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ جو موجودہ حالات اور حقائق زندگی کے پس منظر میں غیر مفید معلوم ہوتے ہیں۔ اگر نفسیاتی نقطہ سے دیکھا جائے تو عمل کے بغیر کوئی داعی مؤثر نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں کے دلوں سے اُن کا احترام جاتا رہا ہے۔ اور اُن کے مابین روز بروز وسیع ہوتی جاتی ہے۔ اس خلیج کا پاٹنا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے بھی عمل کی اہمیت عیاں ہے۔ بقول جناب عزیز حاصل پوری

تجھے تو ہے ہوسِ سروری عمل کے بغیر	نہ ملے گا کوئی غلامی میں کبھی عمل کے بغیر
عمل سے جوہرِ انسانیت نکھرتا ہے	کچھ آبرو نہیں انسان کی عمل کے بغیر
حقائق اور معارف کھلیں گے کیا اس پر	شرابِ علم جو کسی نے پی عمل کے بغیر

علامہ مائل کاظمی فرماتے ہیں۔

کرو نہ علم کا دعویٰ کبھی عمل کے بغیر	کہ معتبر نہیں عالم کوئی عمل کے بغیر

اولیاء عظام و صوفیائے کرام کی زندگی مسلمانوں کے لئے عملی نمونہ ہے۔ انہوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے مذہب۔ اخلاق۔ معاشرت اور سیاست کو کس طرح سنوارا۔ اس کا علم ہمیں صرف ان کے حالات و تعلیمات سے ہی ہو سکتا ہے۔

صوفیائے کرام انسان کے روحانی ارتقاء کے ماہر ہوتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی دوسری چیز کا دعویٰ نہیں کرتے اس کے علاوہ حتی الامکان وہ مخلوق خدا کی خدمت کرتے ہیں لیکن بعض اوقات ان سے غلط توقعات وابستہ کر کے الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ یہ سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔ عام طور پر یہ بھی ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ فقر و تصوف اسلام کا نہیں بلکہ ویدانت۔ فلاطونیت۔ اور بدھ مت سے ماخوذ ہیں گویا یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام ظاہر پرستی کا مذہب ہے اسے انسان کی روحانی معنوی ارتقاء سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور آنحضرت سے لے کر آج تک جتنے اولیاء اللہ اور اکابر صوفیا گزرے ہیں جن کا مسلک روحانیت خدانخواستہ غلط تھا لیکن کیا کوئی صحیح الدماغ، سلیم القلب، محقق مسلم ان امور کو صحیح تسلیم کر سکتا ہے؟

> **اسلامی تصوّف کے ابدی حقائق پر مبنی اصولوں پر خلوصِ نیت سے عمل کیا جائے۔**

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ امور دین اللہ سے تعلق رکھتے ہیں یہی مغز اسلام اور روحِ دین ہیں۔ اور انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا روم نے کہا تھا۔

من ز قرآں برگزیدم مغز را	استخواں پیشِ سگاں انداختم
جبہ و دستار و علم و قیل و قال	جملہ در آبِ رواں انداختم

(بقیہ صفحہ کالم ۲)

مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد

ایک نہایت پیاری دُعا

ــــ قسط سوئم ــــ

کو دی اور میں نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لئے میری اولاد کی اصلاح کر میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ۔

یہ دُعا اتنی جامع ہے کہ اگر سوچ سمجھ کر انسان اس کے مطابق عمل کرے تو تھوڑے دنوں میں ہی اس کے اندر تبدیلی واقع ہو سکتی ہے ۔ اور جو سبق اللہ تعالےٰ نے دیئے ہیں ان میں سے سات سبق پہلے تحریر کئے جا چکے ہیں اس دعا میں آٹھواں سبق مومنوں کو یہ دیا گیا ہے انی تبت الیک ۔ عربی زبان میں تاب کا صلہ جب الیٰ ہو تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ سچے دل ۔ پوری کوشش ۔ اخلاص اور توجہ سے کسی کی طرف رجوع کیا جائے اور ایسی کیفیت پیدا کی جائے کہ اس میں دوئی ۔ بناوٹ اور تصنع باقی نہ ہے ۔ اسی واسطے فرماتے ہیں ۔

التائب من الذنب کمن لا ذنب له ۔ اگر کسی انسان سے کوئی غلطی ہو جائے اور جب اس کو اپنی کمزوری غفلت ۔ لاپرواہی کا احساس ہو تو پھر اتنی کوشش کرے کہ اس کا نام و نشان مٹا دے ۔ اور ایک نیا انسان بن جائے ۔ اور اگر سابقہ کمزوری دوبارہ اس پر کسی رنگ میں حملہ آور ہو تو ایسا شخص اپنے ایمان ، اعتقاد اور اعمال میں اتنا پختہ ہو جائے کہ دہکتی آگ میں گرنا تو منظور کر سکتا ہے لیکن اس کمزوری کا مومن اعادہ نہیں ہونے دیتا ۔

آج ہم رات دن سوچتے ہیں ۔ جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اس کا ذکر و اذکار بھی کرتے ہیں ۔ ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ۔ خیر امت ہونے کا بھی فخر ہے لیکن پھل و رنہیں لگتا جو لگنا چاہئے ۔

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود اور رحماء بینھم اشداء علی الکفار والی کیفیت نظر نہیں آتی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قول و عمل میں پختگی ایثار و اخلاص اور عملی نمونہ میں کمزوری ہے ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں ۔ حضرت مجدد صد چہاردہم فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے ان کی اخلاقی علمی ۔ روحانی حالت کو ایک گوبر کے ڈھیر کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے ۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد چند دنوں میں انہوں نے اپنے اندر اتنا انقلاب پیدا کیا کہ وہ خالص سونا جس میں کسی طرح کی ملاوٹ اور کھوٹ نہ ہو ۔ اور خوب چمکتا ہو ۔ ویسے بن گئے ۔ ان کے سامنے بڑے بڑے امتحانات آئے جائداد ۔ عزیز و اقارب ۔ وطن کو چھوڑنا اور جذبات کی قربانی ۔ انہوں نے یہ سب قربانیاں بشاشت قلب سے ادا کیں ۔ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ایک صحابی جو پہلوان تھے ۔ بڑے تنومند تھے ۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی بھی دوسرے لوگوں جیسی ہی حالت تھی ۔ اللہ تعالےٰ نے فضل فرمایا ۔ وہ مسلمان ہوئے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ مکہ میں ایسے مسلمان موجود ہیں لا یستطیعون حیلۃً ولا یھتدون ۔ ان کے اندر بھی تمہاری طرح کا ایمان ہے لیکن ان کے بال و پر کٹے ہوئے ہیں ۔ مکہ والے ان کو نکلنے نہیں دیتے ۔ ان پر بڑا ظلم کرتے ہیں ۔ آپ ان کو مکہ سے مدینہ لایا کریں ۔ یہ صحابی خدمت بجا لاتے رہے ۔ ایک موقع پر ان کا ایک پرانا ساتھی ان کو ملا اور ان کو راستی سے ورغلانے کی کوشش کی لیکن آپ اپنے ایمان میں چٹان کی طرح مضبوط تھے ۔ آپ کا وہ ساتھی جب ورغلانے اور بے راہ کرنے میں ناکام ہو گیا تو اس نے شور مچا دیا کہ اے مکہ والو ! یہ ہے وہ آدمی جو تمہارے ماتحت لوگوں کو یہاں سے نکال کر مدینہ پہنچاتا ہے ۔ شور سن کر مکہ والے آپ کو پکڑنے کے لئے دوڑے ۔ آپ اپنے زمن کی میں روپوش ہو گئے ہے ۔ جب مکہ والے وہاں سے چلے گئے ۔ آپ غار سے نکل کر ان صحابہ کو لے کر مدینہ پہنچے ۔ ساری روداد سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ہمارے بھائی آپ بڑے بڑے اکھاڑے میں اترتے رہے ہیں ۔ اور دوسروں کو زیر بھی کرتے رہے ہیں لیکن آج جو اپنے جذبات کو اسلامی تعلیم کے تحت تم نے جو نمونہ دکھایا ہے ۔ اس پر اللہ تعالےٰ بھی خوش ہے ۔ اور تمہاری اس قربانی کو قبول فرماتا ہے ۔ اور اپنی رضا کی بشارت بھی دیتا ہے ۔

غرضیکہ انی تبت الیک ہم سے ایک مجاہدہ کا مطالبہ کرتا ہے ۔

" ایک فدیہ مانگتا ہے ؟ (وہ کیا) ہمارا اسی راہ میں مرنا (ظاہری مرنا تو ہر ایک کے لئے مقدر ہے ۔ روحانی احکامات پر چلنا ۔ دنیا کی محبت سے اپنے دل کو سرد کر دینا ۔) یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی ، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے ۔ " (فتح اسلام)

اے ہمارے پیارے خدا ! ہم سب کو انی تبت الیک کے ارشاد پر سچے دل سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما ۔ آمین ۔ ثم آمین

نواں سبق جو اللہ تعالےٰ نے اس دعا میں یہ دیا ہے کہ مومن سچے دل سے عمل پیرا ہو کر اقرار و عمل اور اعلان یہ کرتا ہے :۔ وانی من المسلمین ۔ انّ کا لفظ تاکید اور پختگی کے لئے ہوتا ہے ۔ کہ میں مسلمان ہوں ۔ یہ خدا کا بڑا انعام ہے کہ ہم مسلمان ہیں ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

ملۃ ابیکم ابراھیم ؕ ھو سمّٰکم المسلمین ۵ من قبل و فی ھذا لیکون الرسول شھیدًا علیکم و تکونوا شھداء علی الناس ج صلے

(الحج ۲۲ - ۷۸)

ترجمہ :۔ تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب ، اس نے تمہارا نام پہلے سے اور اس (قرآن) میں بھی مسلم رکھا ـــ تاکہ رسول تمہارا پیشرو ہو اور تم لوگوں کے پیش رو بنو ۔ "

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

انا دعوۃ ابی ابراھیم

یعنی میری بعثت حضرت ابو الانبیاء کی دعوت (پکار ۔ دعا ۔ تڑپ) کا نتیجہ ہے ۔ اور حضرت ابراہیم مسلمان کا کیا نمونہ دکھاتے ہیں ۔

اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین (البقرہ ۔ ۱۳۱)

جب اس کے رب نے اسے کہا فرمانبردار رہ ۔ کہا میں جہانوں کے رب کا فرمانبردار ہوں اور اپنے بیٹے (ذریت) کے لئے بھی خدا سے یہی دعا ۔ واجعلنا مسلمین لک

کو ہمیں اپنا فرمانبردار بنا۔

وانی من المسلمین کا تقاضا یہ ہے کہ انسان قلبی طور پر تسلیم و رضا کا مادہ اپنے اندر پیدا کرے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اسلم۔ تسلیم۔ جب تم سچے طور پر مسلمان بن جاؤ گے تو ہر طرح کی آفات سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ قرون اولیٰ میں درخت کے پتوں کی طرح بکھرے ہوئے بلکہ کمزور اور دنیا جہان کی نظروں سے گرے ہوئے انسان بنیان مرصوص بنے تو اس قرآن مجید۔ اسوۂ رسولؐ اور سچے اسلام کی برکت سے! آج کے مسلمان کا نقشہ ہم سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ شرم آتی ہے ایک وہ مسلمان تھے۔ جو امن، صلح، اخوت، رواداری، ایثار، اخلاق کے مجسمہ تھے اور آج سب سے زیادہ بدقسمتی سے بدامنی، عدم اخوت کے بادل اسلامی ممالک پر منڈلا رہے ہیں۔

حضرت نبی کریمؐ تو فرماتے ہیں :۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ

مکمل اور سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان ہر طرح سے امن اور حفاظت میں ہوں۔ آج جو نقشہ ہے وہ تو یہی نظر آتا ہے کہ لیسوا منی ولست منھم (حدیث) کہ نہ ایسے لوگوں سے میرا کوئی تعلق ہے۔ اور نہ ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق ہے۔

مسلمان کہلانا تو بڑا آسان ہے لیکن سچا مسلمان بننا وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین ان لوگوں پر بڑا مشکل ہے جن کے دل میں خوف الٰہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جو خوف الٰہی اپنے دل میں پیدا کر لیتے ہیں ان کے لئے کوئی بھی مشکل نہیں۔ جب انسان کے اندر تبدیلی ہوتی وہی لمحہ اس کے مسلمان حقیقی ہو جانے کا ہو جاتا ہے۔ لغت کی رو سے اسلم۔ سلم سے نکلا ہے۔ مالک کے سامنے ادب سے سب کچھ پیش کر دینا اور خلوص۔ صدق سے اپنی ذاتی قربانی کے لئے بھی تیار رہنا۔

آج کے دور میں تربیت اولاد۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت۔ صحیح معاشرہ۔ کارگاہ حیات میں ترقی۔ کامیابی۔ اطمینان۔ اس کی پہلی اینٹ یہ ہے کہ ہم سچے مسلمان بنیں۔ قول و فعل میں تضاد مٹ جائے۔ جو منہ سے کہیں اس کے مطابق عمل کرنے والے ہوں۔

بعض باریک اور بظاہر معمولی بات بھی انسان کو اوپر بھی لے جاتی ہے۔ اور نیچے بھی گرا دیتی ہے۔ اسی مضمون کو ایک عملی رنگ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں بیان فرماتے ہیں۔

لا تحاسدوا۔ اے مسلمانو! کبھی آپس میں حسد نہ کرو۔ ہاں رشک کی اجازت ہے۔ بلکہ فاستبقوا الخیرات کے تحت رشک کی اسلام تلقین کرتا ہے لیکن دوسرے بھائی کی کامیابی دیکھ کر نہیں جلنا۔ اسی واسطے فرمایا۔ ایاکم والحسد۔ ہمیشہ اپنے آپ کو حسد سے بچانا۔ کیونکہ جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اسی طرح حاسد ناکام و نامراد رہتا ہے۔ ولا تدابروا۔ اے مسلمانو! کبھی دوسرے بھائیوں کے ساتھ بدخلقی کے ساتھ پیش نہ آؤ بلکہ ہمیشہ خلق الوجہ۔ خندہ پیشانی سے اپنے بھائیوں سے ملا کرو۔ ولا تباغضوا۔ کبھی بھی دوسرے کا برا نہ سوچنا۔ اور نہ کسی کے نقصان یا تکلیف پر خوش ہونا۔ ولا تدابروا۔ ہمیشہ دوسروں کی ہمدردی کرنا۔ ان کے دکھ درد اور خوشی میں برابر کا شریک ہونا۔

اسی طرح فرمایا ولا یبیع بعضکم علی بیع بعض۔ اپنے نفع کی خاطر دوسروں کے سودے پر سودا نہ کرنا۔ وکونوا عباد اللّٰہ اخوانًا۔ تم سب ایک ماں کے بیٹوں کی طرح ہو جاؤ۔ المسلم اخو المسلم۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ لا یظلمہ۔ کبھی دوسرے کا حق نہ مارنا۔ ولا تحقرہ۔ کبھی دوسروں کو اپنے سے کمتر نہ سمجھنا۔ ولا یخذلہ کبھی دوسرے کو گرانے کی کوشش نہ کرنا۔ نہ اس کو کسی بھلائی سے محروم کرنا۔ اور اگر اس کو کسی معاملہ میں تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے اس میں بڑھ کر حصہ لینا۔

کل المسلم علی المسلم حرام، دمہ ومالہ وعرضہ۔ ہر مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی جان۔ مال۔ عزت اسی طرح حفاظت و احترام کے لائق ہے۔ جس طرح وہ اپنی کی حفاظت کرتا ہے۔ (مسلم)

یہ ہے مختصر نقشہ وانی من المسلمین کا۔ آج اگر مسلمان من حیث الامت اپنے اندر یہ گارنٹی دے دیں کہ عزت۔ مال، جان ہر ایک کی محفوظ ہے۔ تو دنیا کا آن واحد میں نقشہ بدل جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے من حیث الجماعت ہمیں اس پیاری دعا پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

اخبارِ احمدیہ

* حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ اپنے مکان کی اوپر کی منزل میں قیام فرما ہیں اور دھوپ کے وقت چھت پر چہل قدمی فرما لیتے ہیں۔ احباب جماعت حضرت امیر کی صحت و عافیت کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

* حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی مجلس مشاورت اور جلسہ معتمدین کے باعث ہفتہ رواں میں بہت مصروف رہے ہیں۔ آپ کی صحت اچھی ہے۔ دونوں اجلاس کی صدارت آپ ہی نے فرمائی۔ الحمد للہ کہ اشاعت اسلام کے مقصد جلیلہ کی خاطر اس پیرانہ سالی میں بھی ممدوح ایک عزم جواں کے ساتھ تگ و دو فرما رہے ہیں۔ احباب سلسلہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کرتے رہیں۔

* **وفات** :۔ راولپنڈی سے یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ مکرم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب آف راولپنڈی کے بڑے بھائی خواجہ محمد عنایت اللہ صاحب وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں بعد نماز جمعہ ان کی غائبانہ نماز جنازہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے پڑھائی۔ احباب سلسلہ سے مرحوم کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست ہے۔ ہمیں اس صدمہ میں محترم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب اور مرحوم کے دیگر اعزہ سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ مرحوم متقی۔ پرہیزگار اور تہجد گزار تھے۔ سلسلہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۸۰ء

رجسٹرڈ نمبر ایل: ۸۳۸ ——— جلد ۶۷ ، شمارہ ۴۶

باہتمام ریاض حسین الجدید پرنٹرز اردو بازار میں چھپا اور پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۰۳۰

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید ۔ وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۔ روپے
بیرونی ممالک سے ۔ پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۸۰ء عیسوی | شمارہ ۴۷

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

★ "اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے۔ اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہوگے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی۔ اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے۔" (الوصیۃ)

★ "اے حق کے طالبو! اور اسلام کے سچے محبو! آپ لوگوں پر واضح ہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمانی اور کیا عملی جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہو گیا ہے۔ اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف سے چل رہی ہے۔ وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں اس کی جگہ چند لفظوں نے لے لی ہے جن کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے۔ اور وہ امور جن کا نام اعمال صالحہ ہے۔ ان کا مصداق چند رسوم یا اسراف اور ریاکاری کے کام سمجھے گئے ہیں اور جو نیکی حقیقی ہے اس سے بکلی بے خبری ہے اس زمانہ کا فلسفہ اور طبعی بھی روحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے۔ اس کے جذبات اس کے جاننے والوں پر نہایت بد اثر کرنے والے اور ظلمت کی طرف کھینچنے والے ثابت ہوتے ہیں وہ زہریلے مواد کو حرکت دیتے اور سوئے ہوئے شیطان کو جگا دیتے ہیں۔ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بدعقیدگی پیدا کر لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ اصولوں اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادت کے طریقوں کو تحقیر اور استہزا کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کے وجود کی بھی کچھ وقعت اور عظمت نہیں۔"

★ "دنیا کمانے کے لئے مکر اور فریب حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ جو شخص سب سے زیادہ شریر ہو وہی سب سے زیادہ لائق سمجھا جاتا ہے طرح طرح کی ناراستی۔ بددیانتی۔ حرامکاری۔ دغا بازی۔ دروغگوئی اور نہایت درجہ کی رُوبہ بازی اور لالچ سے بھرے ہوئے منصوبے اور بدذاتی سے بھری ہوئی خصلتیں پھیلتی جاتی ہیں اور نہایت بے رحمی سے ملے ہوئے کینے اور جھگڑے ترقی پر ہیں اور جذبات بہیمیہ و سبعیہ کا ایک طوفان اُٹھا ہوا ہے۔ اور جس قدر لوگ ان علوم اور قوانین مروجہ میں چست و چالاک ہوتے جاتے ہیں۔ اسی قدر نیک گوہری اور نیک کرداری کی طبعی خصلتیں اور حیا اور شرم اور خدا ترسی اور دیانت کی فطرتی خاصیتیں اُن میں کم ہوتی جاتی ہیں۔"

★ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت نے اپنے رسول مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوت کے رو سے سچ مچ عضو واحد کی طرح ہو گئی تھی اور ان کے روزانہ برتاؤ زندگی اور ظاہر و باطن میں انوار نبوت ایسے رچ گئے تھے گویا وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عکسی تصویریں تھے سو یہ بھاری معجزہ اندرونی تبدیلی کا جس کے ذریعے سے محض بت پرستی کرنیوالے کامل خدا پرستی تک پہنچ گئے اور ہر دم دنیا میں غرق رہنے والے محبوب حقیقی سے ایسا تعلق پکڑ گئے کہ اس کی راہ میں پانی کی طرح اپنے خونوں کو بہا دیا یہ دراصل ایک صادق اور کامل نبی کی صحبت میں مخلصانہ قدم سے عمر بسر کرنے کا نتیجہ تھا۔" (فتح اسلام)

از جناب مرزا مسعود بیگ صاحب

آہ! مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع مرحوم

مرزا مظفر بیگ ساطع جو ہماری جماعت کے ایک نامور مبلّغ، شعلہ بیان مقرر، فاضل خطیب، فیاض طبع اور نہایت ہی ہمدرد اور بلند اخلاق انسان تھے ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء کی صبح کو اسّی سال کی عمر میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرزا صاحب کے آباؤ اجداد غیر منقسم ہندوستان کے صوبہ یوپی (حال اُتر پردیش) میں سیتاپور شہر کے رہنے والے تھے اور غالباً مرزا صاحب کے دادا وہاں سے نقل مکانی کر کے آئے اور راولپنڈی و ایبٹ آباد دونوں جگہ اُن کے خاندان کے لوگ آباد ہوئے۔ مرحوم مرزا مظفر بیگ صاحب نے کئی بار مجھ سے ذکر کیا تھا کہ ایبٹ آباد چھاؤنی سے آگے مانسہرہ روڈ پر جو جگہ جھنگی کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں کے بزرگوں کی جائیداد تھی اور ایبٹ آباد شہر میں بھی مرزا صاحب کے والد مرزا منوّر بیگ صاحب کی سکنی جائیداد تھی۔

جماعت میں شمولیت و جوشِ تبلیغ:۔ مرزا مظفر بیگ صاحب مرحوم کا اوائل جوانی کا زمانہ تھا جب انہوں نے مولانا عبدالحق صاحب مرحوم و مغفور کا ایک آریہ پنڈت سے اسلام اور ویدک دھرم کی صداقت پر مناظرہ سنا اور اسقدر متاثر ہوئے کہ خود بھی اسی طرح اسلام کا سپاہی بننے کا عزم کر لیا۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہو گئے۔ انجمن نے ان کی خواہش کے مطابق انہیں اشاعتِ اسلام کالج میں داخل کر لیا جہاں وہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی مرحوم سے سنسکرت زبان سیکھنے لگے اور آریہ سماج، عیسائیت اور دیگر مذاہب کے بارہ میں تقابلی علم اور حضرت مولانا صدرالدین صاحب، مولانا عبدالستار صاحب مرحوم، مولانا عصمت اللہ صاحب مرحوم اور دیگر اساتذہ سے علوم قرآن و حدیث، تاریخ اسلام اور سلسلہ احمدیہ کے مسائل پر تعلیم حاصل کرنے لگے۔ آپ ایک ذہین اور علم کا شوق رکھنے والے طالب علم تھے۔ اس لئے جلد ترقی کے زینے طے کرتے گئے۔ اور طالب علمی کے دوران ہی انہیں ضلع فیروزپور میں عملی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا۔ جہاں آپ نے اچھوتوں میں بڑا مفید کام کیا اور کئی سو نفوس آپ کے ذریعہ داخل اسلام ہوئے۔ یکم اکتوبر ۱۹۲۶ء کو مرزا مظفر بیگ صاحب مرحوم باقاعدہ زمرہ مبلّغین میں شامل ہوئے اور انجمن کے مستقل کارکن بن گئے۔ انجمن نے آپ کو ضلع مظفرگڑھ میں تبلیغ کے لئے بھیجا جہاں اللہ تعالے کے فضل سے ہزاروں افراد اچھوت اقوام کے آپ کے ذریعہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور علی پور میں ایک مضبوط احمدیہ جماعت بھی قائم ہو گئی۔ قاضی شیر محمد صاحب مرحوم علی پور کے ایک بااثر اور معتقد قاضی صاحب کے فرزند تھے جو مرزا صاحب کی تبلیغ سے احمدی ہوئے اور ان کے جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے ایک جامع مسجد اور بنا بنایا مرکز بھی جماعت کو حاصل ہو گیا۔ قاضی شیر محمد صاحب مرحوم بھی سالہا سال تک انجمن کے مبلّغ رہے اور مفید خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مرزا مظفر [illegible] صاحب مرحوم نے زندگی کے آخری لمحہ تک علی پور کے گاؤں کے لوگوں سے عہد دوستی نبھایا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

بطور مبلّغ فجی:۔ جزائر فجی میں مسلمانوں کی کافی آبادی تھی مگر وہ تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ تھے۔ اور ہندوستان کی طرح وہاں بھی ہندو آبادی زیادہ منظم اور خوشحال تھی اور مسلمان ان سے دبے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہاں کے بعض دردمند مسلمانوں نے لاہور کی انجمن حمایت اسلام سے درخواست کی کہ انہیں ایک ایسا استاد مہیا کیا جائے جو ان کے مدرسہ کو بہتر طور پر چلا سکے اور مشنری سپرٹ کا مالک ہو جس کی وجہ سے مسلمانوں کی دینی اور سماجی کمزوریاں بھی رفع ہو سکیں۔ انجمن حمایت اسلام لاہور نے یہ فرمائش احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو بھجوا دی کیونکہ وہ ایسا استاد مہیا نہیں کر سکتے تھے اور تبلیغی سپرٹ والی انجمن صرف ہماری انجمن ہی تھی۔ چنانچہ ہماری انجمن نے جناب [illegible] صاحب کو جو اس وقت [illegible] سکول میں استاد تھے اس اہم خدمت کے لئے منتخب کیا اور صاحب موصوف اپریل ۱۹۳۱ء میں فجی تشریف لے گئے۔ آپ نے بہت جلد فجی مسلم لیگ کو ایک فعال اور توانا جماعت بنا [illegible] اور ادارات کا مدرسہ بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ مولانا [illegible] صاحب چونکہ ایک ٹیچر کی حیثیت سے فجی گئے تھے اس لئے وہ حکومت کے قانون کے مطابق ایک مبلّغ کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتے تھے لیکن مسلمانانِ فجی نے ایک مبلّغ کی ضرورت کو بھی شدت سے محسوس کیا کیونکہ عیسائی پادری اور آریہ پنڈت انہیں بار بار للکارتے تھے اور کوئی مسلمان مولوی ان کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکتا تھا۔ مبلّغ کے لئے بھی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور سے درخواست کی گئی اور انجمن نے جناب مرزا مظفر بیگ ساطع کو اپریل ۱۹۳۳ء میں فجی بھیج دیا۔ جہاں آپ کے جانے سے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ آپ نے نہ صرف مذہبی مناظروں میں آریہ پنڈتوں کو شکست فاش دی بلکہ مسلمانوں پر مامور من اللہ سے تعلق کی برکات کو واضح کیا اور چودھویں صدی کے مجدد کے علم کلام سے انہیں وہ دلائل مہیا کئے جن کی بدولت وہ عیسائیوں اور آریوں کے بالمقابل سینہ سپر ہو گئے۔ فجی کے مسلمانوں نے امام زمانہ کے دامن سے وابستہ ہونے کی تاثیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور وہ شرح صدر سے جماعت احمدیہ میں داخل ہونے لگے اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے ۱۹۳۴ء میں ان کی تعداد پانچ صد تک پہنچ گئی۔ اور وہ ایک منظم اور فعال جماعت کے طور پر کام کرنے لگے۔ اور حکومت اور عوام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ مرزا صاحب نے فجی میں چار سال قیام کیا اور ایسی مضبوط بنیادوں پر ایک جماعت تیار کی جو خدا کے فضل سے دن بدن ترقی کرتی گئی۔ اور اس وقت جزائر فجی کے چھ مختلف مقامات پر اس کے مراکز موجود ہیں اور ہزاروں افراد دینی خدمات میں حصہ لے رہے ہیں۔

فجی سے واپسی اور دیگر خدمات:۔ مرزا مظفر بیگ صاحب مرحوم فروری ۱۹۳۷ء میں فجی سے واپس لاہور آئے اور پھر مختلف مقامات پر حسب ہدایات انجمن تبلیغی دورے کرتے رہے۔ ۳۹-۱۹۳۸ء میں اپنے احاطہ بمبئی اور احاطہ مدراس کا دورہ کیا جس کے بڑے مفید نتائج مرتب ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں آپ کو مستقل طور پر شہر لائلپور اور مضافات کے لئے مبلّغ مقرر کیا گیا۔ اور آپ نے اپنے لیکچروں، خطبات جمعہ، درس قرآن کریم اور میل ملاپ سے لائلپور میں جماعت کی تنظیم و استحکام کا بڑا مفید کام کیا۔ اور بالخصوص نوجوان طبقہ آپ سے بہت متاثر ہوا۔ غیر از جماعت احباب کو جماعت سے قریب تر کرنے اور جماعت احمدیہ لاہور کے کام کو آگے بڑھانے اور انجمن کے لٹریچر کو مغربی ممالک میں پہنچانے کی تحریک میں آپ نے خصوصیت سے حصہ لیا۔ تبلیغی فرائض کی سرانجام دہی کے ساتھ ہی ساتھ اپنے ہومیوپیتھی کی پریکٹس بھی شروع کر دی اور پھر سوکھے بچوں کے علاج کے لئے ایک ہسپتال کھول لیا اور انجمن سے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ ہمہ وقت اس ہسپتال میں کام کرنے لگے۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے کشائش اور فارغ خاطری عطا کی اور آپ نے اپنا مکان بھی خرید لیا۔ اور سہولت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ آپ نے انجمن کو لکھا کہ ان کے صاحبزادے بفضلہ جوان ہو گئے ہیں اور برسرِ روزگار بھی ہیں اس لئے وہ انجمن سے کوئی مشاہرہ یا وظیفہ وصول نہیں کریں گے اور آنریری طور پر انجمن کی خدمت کریں گے چنانچہ وہ کئی سال تک بلا معاوضہ کام کرتے رہے۔

اخلاق و عادات:۔ مرزا مظفر بیگ صاحب مرحوم و مغفور بڑے مخلص، باوفا، غیور، دین کے معاملہ میں بہت جوشیلے، بلند اخلاق اور عالی ظرف انسان تھے۔ وہ مالدار نہیں تھے مگر اس کے باوجود فیاض طبع تھے۔ اور غربا اور حاجت مندوں کی مدد سے بہت خوش ہوتے تھے۔ انہوں نے خیر احباب سے تحریک کر کے انہوں نے کئی مساکین او[illegible]گان کے مستقل وظائف مقرر کرائے تھے۔ اور ہر ماہ [illegible] میں آپ خود منی آرڈر کر کے ان لوگوں کو امداد بھجوایا کرتے تھے۔ اور پھر جب اللہ تعالےٰ نے انہیں کشائش عطا فرمائی تو خود بھی بہت سے غربا کو رقمیں بھیجا کرتے تھے۔ اور بالخصوص علی پور ضلع مظفرگڑھ کے لوگوں اور ایسے احمدیوں کی ضرور مدد کرتے جو ان کے قیام

(بقیہ صفحہ ۵ کالم ۲)

نماز اور دعا جماعتِ احمدیہ کی امتیازی علامت ہے

شب بیداری، خوفِ آخرت اور رحمتِ الٰہی کی امید کے سہارے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کریں،

تعلق باللہ سے عقلِ سلیم میسّر آتی ہے جو ضمیر کو روشن کرتی اور صحیح حقیقی راہ دکھاتی ہے :

خطبہ جمعہ مورخہ ، نومبر ۱۹۸۰ء فرمودہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام ——— لاہور

امّن ھو قانت اٰنآء الیل ساجداً و قائماً یحذر الآخرۃ و یرجوا رحمۃ ربہ۔ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ انما یتذکّر اولوا الالباب ۔۔۔ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہٗ۔ اولٰئک الذین ھدٰھم اللّٰہ و اولٰئک ھم اولوا الالباب ۔۔۔ (الزمر ۹۔۱۹)

میں نے آپ کے سامنے سورۃ شریفہ الزمر کی چند آیات تلاوت کی ہیں۔ قرآن کریم کے اس مضمون میں نہ صرف اس دنیا کی خوشی اور مراد مندی کا بیان ہے بلکہ اخروی زندگی کی فلاح کا بھی ذکر ہے۔ اور یہ کہ ان ہر دو زندگیوں کی خیر و خوبی اور سود مندی کس طرح ممکن ہے۔

اولوا الالباب کون ہیں :۔

میں نے جو آیات اس وقت تلاوت کی ہیں پہلی آیت کے آخری الفاظ انما یتذکّر اولوا الالباب ہیں اور آخری آیت کے آخری الفاظ بھی۔ اولٰئک الذین ھدٰھم اللّٰہ و اولٰئک ھم اولوا الالباب ہیں پہلی آیت میں فرمایا کہ بھلا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی صورت میں فرمانبرداری اور اطاعتِ الٰہی کا نمونہ دکھاتا ہے اور آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی طرف سے رحمت کی امید رکھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو ایسا نہیں کرتا اور جو جانتا سمجھتا نہیں ہے کیا علم والے لوگ اور جاہل لوگ برابر ہوسکتے ہیں نصیحت پذیر تو صرف اور صرف وہی لوگ ہوا کرتے ہیں جو عقلِ صحیح کے مالک ہوتے ہیں۔ اور آخری آیت میں ارشاد الٰہی ہے کہ جو لوگ سرکش اور فتنہ پرور لوگوں کے پیچھے لگنے سے بچتے ہیں بارگاہِ الٰہی میں جھکتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے بڑی خوشخبری ہے۔ لہٰذا میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو میری بات کو سنتے ہیں۔ اور پھر اس بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور وہی لوگ عقل مند ہیں۔

عقلِ صحیحہ کی تعریف

الباب جمع ہے لُب کی۔ لُب کہتے ہیں خالص اور صحیح عقل کو۔ اس عقلِ صحیحہ اور اس عقلِ صالحہ کو جو انسان کو اس کے مقاصدِ پیدائش کی طرف صحیح راستہ دکھاتی ہے جو اس کے نصب العین کی راہ سوجھاتی ہے۔ اور جو اس کی صحیح اور حقیقی منزل کیطرف رہنمائی کرتی ہے۔ جو کھوٹ سے پاک ہوتی ہے معلوم ہوا کہ اس قرآنی مقام پر جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے اعمال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اولوا الالباب قرار دیا ہے۔ یعنی عقلِ سلیم اور عقلِ صحیحہ رکھنے والے لوگ۔

عقلمندی اور عقل مند ہونے کا جہاں تک تعلق ہے تو دنیا میں ہر کہیں عقل مندی نظر آئے گی اور دُنیا کے بہت سے لوگ عقل مند ہیں۔ مذہبی دنیا میں بھی اور مادی دنیا میں بھی۔ وہ لوگ بھی عقل مند ہیں جو آسمان کی کھلی اور لامحدود فضاؤں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ چاند ستاروں پر کمندیں ڈالتے ہیں۔ زمین کے قلب کی اور سمندروں کے پاتال کی خبر رکھتے ہیں۔ یہ عقل تو مادی تعلیم تجربہ، مشاہدہ و جستجو اور تحقیق اور جرأت و حوصلہ کے نتیجہ میں اور اسباب مادی کو بروئے کار لاکر لوگوں کو آجاتی ہے لیکن قرآن کریم کے اس مقام پر جس عقل اور عقل مندی کا ذکر ہے وہ دوسری ہے اس کی تفہیم قرآنی منشاء کے مطابق ہمیں حاصل ہونا از بس ضروری ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ یہ عقل وہ عقلِ صحیحہ ہے جو زندگیوں کو سنوارنے والی ہے۔ اور مقصدِ حیات کو پورا کرنے والی ہے۔

عقلِ صحیحہ کے حصول کا طریق۔ تعلق باللہ

تو یہ لُب کہاں سے ملے۔ یہ عقلِ صحیحہ کس طرح ملے اور کس سے ملے۔ قرآن کریم نے اس باب میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اور وہ ذرائع ہمارے سامنے رکھے ہیں جن کو اختیار کرکے ہم عقلِ صحیحہ کے مالک ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلا اور بنیادی ذریعہ جو یہاں مذکور ہوا وہ ہے تعلق باللہ۔ یعنی انسان کا اپنے خالق و پروردگار کے ساتھ سیدھا سچا تعلق

اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے ذرائع :۔

اب یہ تعلق کیسے پیدا ہو۔ قرآن کریم کے اکثر مقامات اس کی تفصیل ہمارے سامنے رکھتے ہیں۔ تاہم زیرِ بیان آیات کریمہ میں سے پہلی آیت میں بھی اس کا ذکر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسے استوار کیا جائے۔ اور پھر اسے کیسے برقرار رکھا جائے۔ اس ضمن میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ :۔ امّن ھو قانتٌ اٰنآء الیل ساجداً و قائماً یحذر الاٰخرۃ و یرجوا رحمۃ ربہ۔ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ انما یتذکّر اولوا الالباب۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ میں پہلے ہی بیان کرچکا ہوں۔ تعلق باللہ کے حصول کے لئے جن تین امور کا ذکر ہے ان میں سے پہلا امر یہ ہے کہ انسان شب بیدار ہو۔ رات کی گھڑیوں میں سجدوں میں گرا رہتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور دست بستہ کھڑا ہوتا رہتا ہو۔ دوسرا امر یہ ہے کہ وہ انسان آخرت سے ڈرتا رہتا ہو۔ اپنے انجام پر اس کی نظر ہو۔ اس کے دل میں یہ خوف طاری رہتا ہو کہ آگے جاکر میرے ساتھ کیا ہوگا ؟ یاد رہے کہ یہ خوف اس خوف سے کہیں مختلف ہے جس سے انسان بزدل ہوجاتا ہے اور جس سے عقل و اعصاب متاثر ہوجاتے ہیں بلکہ اس شب بیدار اور زندہ دل لوگوں کے خوف میں تو اطمینان کا عنصر ہوتا ہے۔ اور تیسرا امر یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک صفت ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے۔ و یرجوا رحمۃ ربہ کہ وہ اس خوف کے اظہار و احساس میں اپنے رب کی رحمت کی امید رکھے ہوئے ہو تو یہ اس شخص کی تعریف ہے جو تعلق باللہ کے مقام پر کھڑا ہونا چاہتا ہو یا کھڑا ہو۔

لہٰذا وہ شخص جو اس راز سے آشنا ہے اور وہ شخص جو اس راز سے آشنا نہیں ہے وہ دونوں آپس میں برابر نہیں ہوسکتے۔ آخر وہ دونوں برابر بھی کیسے ہوسکتے ہیں ؟ ان میں سے ایک راز آشنا ہے۔ وہ اس راز کو پانے کی شرائط کو جانتا سمجھتا ہے۔ پھر راز حاصل کرنے کے راستہ پر گامزن ہے۔ جبکہ دوسرے شخص کو اس راز کیطرف توجہ ہی نہیں ہے۔ اس راز کو پانے کی کوشش ہی نہیں ہے۔ اس غفلت اور اس بے توجہی میں اس کو کیا خبر کہ رات کی تاریکی میں بارگاہِ الٰہی میں دست بستہ کھڑے ہونے والے اور سجدے میں پڑے پڑے سالک د

کیا حاصل ہو رہا ہے؟ وہ کس کیفیت سے ہمکنار ہو رہا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اگر کوئی راتوں کو اپنا نرم و گرم بستر چھوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور سربسجود ہو جاتا ہے۔ اس میں اس کو کیا راحت اور کیا سرور و سکون ملتا ہے۔ اس کوچے سے ناآشنا انسان پر یہ راز نہیں کھل سکتا۔ قرآن کریم کے اعجازوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تشریح و تفسیر کرتا ہے چنانچہ یہی مضمون قرآن کریم کے اس حصہ میں بھی مذکور ہے جہاں ارشادِ الٰہی ہے:۔

تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً ومما رزقنٰھم ینفقون۔ فلا تعلم نفسٌ ما اخفی لھم من قرۃ اعین۔ جزآء بما کانوا یعملون ۔ (۳۲: ۱۶)

کہ کچھ لوگ اپنے پہلوؤں کو اپنے بستروں سے الگ کر دیتے ہیں اور وہ دعائیں کرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔ ایک طرف تو ان کے دل خوفِ الٰہی سے کانپ رہے ہوتے ہیں اور دوسری طرف پُرامید بھی ہوتے ہیں کہ ہمارا خدا ضرور ہم پر رجوع بہ رحمت ہوگا۔

ان کی ان تلاوت آیات میں اگر یہ فرمایا فقل لیستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ علم والے لوگ اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔ تو اس مقام پر فرمایا فلا تعلم نفسٌ ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزآء بما کانوا یعملون کہ کسی نفس کو کیا خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی ٹھنڈک کے لئے ان کے اعمال کے بدلے کے طور پر کیا کیا سامان تیار کر رکھے ہیں۔ ٹھنڈک کے سامان صرف اُخروی زندگی میں ہی نہیں بلکہ یہاں اس دنیا میں بھی با خدا انسان کے لئے موجود ہیں۔ وہ صدق کیا ہے؟ اس کا کیف و سرور کیا ہے؟ اسے ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ رات کے وقت وہ لوگ اپنے گرم اور نرم بچھونے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کیفیت صاحب حال ہی جان سکتا ہے۔

بیم و رجا اور خوف و امید کی زندگی

ایک مقام پر اگر صاحبِ حال لوگوں کے لئے یہ فرمایا کہ یحذر الآخرۃ و یرجوا رحمۃ ربہ تو دوسری جگہ فرمایا یدعون ربھم خوفاً وطمعاً۔ مطلب یہ کہ مومن کی تمام تر زندگی بیم و رجا اور خوف و امید کے درمیان بسر ہوتی ہے مومن کا یہی مقام ہے جب وہ اس کوچے سے گزر رہا ہوتا ہے۔ تو اسے جہاں اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے خوف اور ڈر لگا رہتا ہے وہاں وہ پُرامید بھی رہتا ہے کہ وہ ذات ستار و غفار ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کے سامنے گرنا اسے پسند آ جائے اور وہ مجھ پر راضی ہو جائے۔ اور فرمایا:۔

ومما رزقنٰھم ینفقون۔ پھر وہ ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری راہ میں خرچ بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اسی خوف و امید نے ہی انسان کو حقیقی راحت بخشی ہے۔ اسی میں اس کی کامیابی ہے۔

خشیۃ اللہ کی تاکید:۔

قرآن کریم نے کثرت سے خشیۃ اللہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اس پر بڑا زور دیا ہے اور اس کی بڑی تاکید و تلقین کی ہے۔ فرمایا۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ۔ یعنی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہاں پر رضاء کا ذکر ہے یعنی خود راضی رہنا اور اپنے اللہ کو راضی رکھنا۔ انسان اللہ تعالیٰ سے اتنا راضی ہو کہ اسے ہر امر میں اس کی رحمت اور حکمت نظر آتی ہو۔ دکھ درد اور تکلیف کے لمحات میں بھی وہ سمجھے کہ وہ مجھ پر رحمت فرما رہا ہے۔ یہی اصل زندگی ہے یہی حقیقی زندگی ہے۔

چنانچہ دل کی ٹھنڈک اسی کو ہی حاصل ہو سکتی ہے جو اس سے ڈرتا ہے۔ ذالک لمن خشی ربہ۔ یہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ بے خوفی کی زندگی میں ہلاکت ہے۔ خوف الٰہی کی زندگی ہی صحیح اور کامیاب زندگی ہے۔

جماعت احمدیہ کا طغرائی امتیاز:۔

کامیاب زندگی حاصل کرنے کا طریقہ میں نے قرآن کریم کی روشنی میں آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کی زندگی کا ماحاصل نماز دعا اور خصوصاً نماز تہجد ہے۔ اگر ہم احمدی ہو کر بے نماز ہوں۔ احمدی ہو کر ہم میں بے حضوری ہو۔ احمدی ہو کر دل میں شوق پیدا نہ ہو کہ ہم تہجد کی نماز پڑھیں تو پھر ہمیں اپنے حال پر غور کرنا چاہیئے اسلام نے عبادات پر بڑا زور دیا ہے۔ عبادات ہماری جماعتی زندگی کا طغرائی امتیاز ہے۔ آئمہ دین اور بزرگان کرام نے نمازوں پر اور نماز تہجد پر بڑا زور دیا ہے۔ اور ان کی فضیلت بیان کی ہے۔ آج اگر ہم میں کچھ غفلت آ گئی ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے باخبر بزرگوں کی روایات کو زندہ کریں اور اس نسخہ کیمیا کا تجربہ کر کے دیکھیں۔ خدا سے دعا ہے کہ ہمیں ان تجرباتی لمحوں میں اس پُرسرور کیفیت سے آشنا کرے۔

آجکل راتیں بہت لمبی ہوتی جاتی ہیں۔ جو وقت سونے کا ہوتا ہے وہ ہم دوسرے اشغال میں گزار دیتے ہیں۔ اور جو بیداری اور حضوری کا وقت ہوتا ہے وہ ہم سو کر گزار دیتے ہیں۔ یہ غفلت ہے۔ جو ہم لوگوں کے لئے سزاوار نہیں اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ صبح کی نماز تک بھی لوگوں کی نیند پوری نہیں ہوتی اور نماز میں نہیں آتے تو ہمیں بہت دکھ ہوتا ہے۔

جماعت کا نصب العین

اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا فضل کیا ہے۔ ہم پر دوہری ذمہ داری ہے۔ ہمارا کام ہی رضاء الٰہی کا حصول ہے۔ ہم اس کے دین کی اشاعت اور اس کی طرف جانے والی راہ کو دکھانے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہی مقصد تھا اس جماعت کے بانی حضرت امام زماں مجدد صد چہاردہم کے سامنے۔ یہی نصب العین رہا ہے۔ ہمارے بزرگوں کے سامنے۔ اور یہی مقصد اب ہمارے سامنے بھی رہنا چاہیئے۔ اور پھر بھلا ہر اس مجبوری اور بے بسی کے دور میں ہمارے پاس اور ہے بھی کیا اور اگر ہے تو یہی اور صرف یہی ایک سرمایہ ہے اور یہ سب سرمایوں سے بڑھ کر سرمایہ ہے کہ ہم کلیتہً اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیں۔ اس کی جناب میں عجز و انکساری سے گریں اس کے دربار میں فریادی ہوں۔ رو رو کر اس کی نصرت طلب کریں۔ اس طرح اگر وہ ہمارا ہاتھ پکڑ لے تو ہمیں پھر کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر یہ انمول سرمایہ بدقسمتی سے ہم نے گنوا دیا تو پھر ہم کس کام کے۔ نہ دنیا ہمارا ساتھ دے گی نہ خدا ہمارا ہاتھ پکڑے گا۔ لہٰذا خدا کا دروازہ کھٹکھٹاؤ تا وہ تم پر کھولا جائے۔ اس کو پکارو تا وہ تمہاری بات سنے۔ اس سے مانگو تا وہ تمہیں دے۔

احباب سے گزارش

اسی لئے میں اپنے دوستوں بھائیوں اور عزیزوں سے عرض کرتا ہوں کہ پنجوقتہ نمازوں کی پابندی کریں اور سحر خیزی کی عادت ڈالیں۔ اپنے بزرگوں کی عبادات اور ان کے خضوع و خشوع کو تازہ کریں یہی ایک راستہ ہے خدا کو پانے اور اس کو خوش کرنے کا۔ صحت کے لئے زیادہ نیند کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ڈاکٹروں اور ماہرین حیاتیات کی تحقیقات کے مطابق انسان کی صحت کے برقراری کے لئے پانچ گھنٹے کی نیند کافی ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ چھ گھنٹے۔ سات گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ دیر سوتے رہنا درست نہیں:۔

اطاعت الٰہی کے ثمرات:۔

قرآن کریم نے ایک اور بھی تسلی دی ہے کہ تعلق باللہ کی زندگی گزارنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے اس دنیا میں بھی فائدہ ہے اور آخرت میں بھی فائدہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

قل یا عباد الذین اٰمنوا اتقوا ربکم۔ للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا حسنۃ وارض اللہ واسعۃ۔ انما یوفی الصّابرون اجرھم بغیر حساب

یعنی کہہ دے اے میرے مومن بندو۔ تم اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد اس دنیا میں احکامِ الٰہی کو پوری طرح ادا کرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں ان کے لئے اس دنیا میں ہی بھلائی ہے۔ وہ لوگ دنیا کی بھی کسی نیک و جائز چیز سے محروم نہیں کئے جاتے اور وہ کبھی بھی گھاٹے اور نقصان میں نہیں رہتے۔ اور اگر کوئی ایسی تکلیف ہو بھی جائے ایک ملک میں۔ ایک جگہ میں۔ ایک گھر میں۔ ایک بستی میں تو فرمایا کہ:۔ اس ملک جگہ بستی

از محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ ۔ (لندن)

اسلام کے یہ بیٹے

انگلینڈ میں اکتوبر کا مہینہ خزاں کی تیز و تند ہوائیں لے کر آتا ہے۔ گرمی کے لمبے دن اور لمبی رات تک شفق سے روشن شامیں تیزی سے اداس اور اندھیری راتوں میں بدلنے لگتی ہیں۔ سورج اگر نکلتا تو دن میں بھی منہ چھپائے جنوب مشرق کی طرف جھکتا چلا جاتا ہے۔ اور جو کبھی دو گھڑی کو ظاہر بھی ہو تو منطقہ شمالی کی یخ بستہ ہوائیں اس کی حرارت کو بے اثر کر دیتی ہیں۔

وسط اکتوبر کی ایک ایسی ہی سرد، تاریک اور گہری شام کو میں ٹیبل لیمپ کی روشنی میں بیٹھی تھی۔ اور میرے سامنے حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیان القرآن کی جلدیں کھلی رکھی تھیں۔ اور مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ لیمپ کی محدود روشنی کے علاوہ ایک اور نور بھرا اجالا ان مقدس کتابوں سے پھوٹ پھوٹ کر پھیل رہا ہے جس سے فضا کی تیرگی ماند ہوتی جا رہی ہے۔ اور میرے سامنے کلام پاک کی ضخیم جلدیں نہیں بلکہ ایک صاف اور شفاف آب مقطر لہریں لے رہا ہے۔ جس میں بے بہا و بے بدل جواہرات جگ مگ جگ مگ کر رہے ہیں۔ میرے خدا! یہ عربی کی مشکل زبان۔ یہ علم و حکمت سے پر تیس پارے۔ یہ کوزے میں دریا کی طرح بند سورتیں جن کا پڑھنا اور سمجھنا میرے جیسے عاجز و سادے بندوں کی عقل و خرد و ادراک سے باہر اور ان میں سے کسی ایک آیت کو نکالنا اور خاص کسی مضمون کی تلاش کو تو ایک عمر چاہیئے۔ مگر ان کا اتنا آسان اور دلنشیں ترجمہ۔ یہ ہزاروں الفاظ کو موتی کی طرح علیحدہ علیحدہ چن کر لغت سے نکالنا اور ان کے معنی اردو زبان میں بیان کرنے۔ یہ ہر مشکل کا حل ساتھ ساتھ کرتے جانا۔ یہ ہر مسئلہ کی تفصیل و حکمت بیانی۔ اور یہ سب کچھ آئینہ کی طرح سجا کر فہرست مضامین میں مہیا کرنا۔ یہ کوہ نور علم سے جوئے شیر نکال کر لانے والا تیرا عظیم الشان بندہ مولانا محمد علیؒ کیا بلند و ارفع و اعلیٰ دل و دماغ اور کیا فولادی ہمت اور حوصلہ لے کر آئے تھے :

الٰہی! اپنا علم۔ اپنا دل و دماغ، اپنی جوانی۔ اپنا بڑھاپا۔ اپنی تمام عمر عزیز نذر قرآن کر کے دالے پر تیری ہزاروں مغفرت اور رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

ہمیشہ کی طرح ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے کے بعد اچانک میری یاد میں ایک بھولا بسرا پنجابی نغمۂ جہاد کا مصرعہ ابھر آیا ہے :-

ایہہ پتر ہٹاں تے نئیں وکدے ۔ کیوں لبھدی پھریں بازار کڑے ۔

یعنی ایسے بیٹے دوکانوں میں نہیں بکتے اے لڑکی تو ان کو بازار میں کیوں ڈھونڈتی پھرتی ہے ؟

یہ سچ ہے کہ حضرت مولانا محمد علیؒ جیسے اسلام کے بیٹے تو دنیا کے بازاروں میں ڈھونڈ کر خریدے جا سکتے ہیں۔ نہ یہ لعل دنیا کی کانوں میں سے کاٹ کر نکالے جا سکتے ہیں۔ نہ یہ دُر بے بہا دریائے ہستی کو چھان کر مل سکتے ہیں۔ یہ تو صدیوں کے انتظار کے بعد مشیت ایزدی نسل انسانی میں سے ایک نفس کو چنتی ہے۔ اور اس کو یہ شرف عطا ہوتا ہے کہ وہ بندۂ خاص بنے۔ جس کو خود بارگاہ ربی سے یہ جوہر علم و عقل اور توفیق عمل ملتی ہے۔ کہ وہ اس طرح جہاد بالقلم کر سکے۔ تلوار سے لڑنے والے مجاہد تو ایک محدود وقت میں سرخرو ہو جاتے ہیں لیکن قلم سے کلام حق کو نہ صرف لکھ کر بلکہ دوسری زبانوں میں ترجمہ و تفسیر کر کے دنیا میں پھیلانا ساری عمر کا سودا ہے۔

خود اپنا ہوش سنبھالنے کے بعد سترہ برس تک تو مجھے بھی خوش قسمتی سے ان کو بہت نزدیک سے دیکھنے اور اکثر ان کے سائے میں رہنے کا موقع ملا۔ بس ایک ہی نقشہ نظر آتا ہے۔ ظاہر تو سادہ و پاکیزہ لباس میں ہلکے قد و قامت کے ایک بزرگ عینک لگائے سر جھکائے۔ دفتر میں میز کے سامنے خود اپنے ہاتھ میں قلم پکڑے لکھنے میں محو ہیں۔ چہرے سے ذہانت ٹپک رہی ہے۔ بشرے سے شفقت و مہربانی کے آثار ظاہر ہیں۔ دفتر احمدیہ بلڈنگس کا نیلا نیچا تاریک سا کمرہ ہوتا یا بعد میں مسلم ٹاؤن کی کوٹھی میں کونے کا مختصر مگر روشن دالان۔ موسم گرما میں ڈلہوزی کی خنک و پرسکون فضا میں شیشے کا برآمدہ نما کمرہ۔ ہمیشہ نہایت سادگی سے صرف دری کا فرش۔ ایک اپنی میز و کرسی۔ باقی چند میزیں اور الماریاں۔ لیکن کتابوں کی وہ بھرمار کہ ان کی اور چاروں طرف کی میزیں ان سے لدی رہتی تھیں اور کتابیں بھی ایسی لمبی چوڑی یہ موٹی کہ ہم لڑکیوں سے تو اٹھائے نہ اٹھتیں۔ قرآن پاک کے وہ وہ نسخے اور ترجمے زمانہ بھر کی ایسی ایسی لغات کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ خدا ہی جانے کس قدر محنت و تلاش اور کاوش و لگن سے یہ علمی خزانے حاصل کئے ہوں گے۔ باقی نہ کوئی نمائش نہ امارت نہ شان و شوکت نہ گلا علمائیں نہ سیکرٹری نہ اسسٹنٹ۔ نہ کلرک نہ چپڑاسی۔ ایک لے دے کر اللہ کا "جی" مولوی عبدالوہاب خاں صاحب تھے۔ اللہ بخشے سیدھے سادے بندے۔

مگر کاتب وہ منشی وہ۔ پانچ وقت کے موذن و مقتدی وہ۔ یہ درویشی اور کیسے کیسے علم و معرفت کے دریا اس قلم سے بہہ نکلے۔ وہ روشنی و نور عرفاں کی لہریں اس سرچشمہ تصنیف و تالیف سے ابھریں کہ آج مشرق و مغرب چھوڑ دنیا کے آخری کنارے تک ان سے سیراب و فیض یاب ہو رہے ہیں۔ گھریلو زندگی میں وہ سادگی و منکسر مزاجی۔ اور شائستگی کے ساتھ حسن مذاق کی جھلک کہ کبھی جو گمان ہو کہ اپنے وقت کے ایک عالم۔ قرآن کے ماہر مفکر و مفسر اور اللہ کے خاص الخاص خدمت اسلام کے لئے چنے ہوئے مجاہد ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ملے جلے بیٹھے اور خوش مزاجی سے بڑوں بچوں سب سے ہنس بول رہے ہیں۔ ہاں اذان کی آواز سنتے ہی خاموش ہو کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ گھر ہو یا محفل سیر ہو یا سفر۔ یہ سنت نبوی کی جھلک ضرور نظر آتی تھی۔ یا تی جب تک وہ ہمارے درمیان تھے نہ کبھی انہوں نے اپنی اہمیت جتائی۔ نہ ہمیں پورا پورا احساس ہو سکا کہ ان کی کیا حقیقت اور مقام ہے۔ زیادہ تر اس لئے بھی کہ نہ ان کے دفتر کے دروازے پر کوئی دربان تھا۔ نہ آنے جانے کی روک ٹوک۔ اور پھر وہ خود بھی اپنے ترجمہ و تفسیر کے دقیق و عمیق کام کو وقت مقررہ پر چھوڑ کر ہم بچوں کو قرآن شریف با معنی پڑھانے تشریف لے آتے تھے۔ اپنی بڑی صاحبزادی کو انگریزی کا سبق دینے کے لئے بھی فرصت نکال لیتے۔ تو میری بچپن کی ہمدم و ہم ساز ان کی جانباز بچی عطیہ بیگم مرحومہ کم عمری میں ایک اسوقت کے لاعلاج مرض میں مبتلا ہو کر تین سال بستر مرض پر رہیں تو یہ چاہنے والے شفیق باپ خود اس کے تیمار دار رہے۔ کیسا بھی اہم اور بڑا بھاری کام ہوتا۔ اس کی دوا و غذا کے وقت دفتر سے اٹھ کر اندر تشریف لے آتے تھے اور اپنے ہاتھ سے دوا وغیرہ دیکر چین آتا تھا۔

ضرورت و وقت پڑنے پر گھر کے کام کرنے سے عذر نہ تھا۔ باغبانی۔ پھول پھل سبزی ترکاری کی دیکھ بھال سے بھی دلچسپی تھی پہاڑ پر ہوتے تو گھر والوں کے ساتھ سیر و پکنک میں بھی شامل ہو جاتے تھے۔ غرض جیتے جی اسوقت تو پتہ نہ چلا لیکن جس طرح ایک روشنی دور بلندی پر جا کر ستارے کی طرح چمکتی نظر آتی ہے۔ اس طرح اب ان کی رخصت کے بعد یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ :-

خدایا! وہ کیسے ہمہ صفت موصوف۔ اعلیٰ مقام و شان اور بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ کتنا اہم۔ اور کس قدر مشکل و محنت طلب جہاد بالقرآن کا کام انہوں نے اپنے لئے انتخاب فرمایا اور پھر کس حسن و خوبی اور ہمت و حوصلہ سے اپنے جہاد کو پورا کر کے وہ کامیاب و سرفراز مجاہد و غازی بن کر اپنے مالک و خالق کے حضور میں عرش معلیٰ کے نہ جانے کس بلند و ارفع مقام پر آسودہ ہوں گے۔ ایسے ایسے اسلام کے بیٹوں اور غازیوں کے لئے ہی شاعر قوم علامہ اقبالؒ فرما گئے ہیں :-

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے ۔ جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی

ان بندگان خاص کے قلب صافی پر کون جانے کیسی کیسی صفات و انوار الٰہی کا پرتو پڑتا ہے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے بھی رشک ملائک ۔ بن جاتے ہیں۔

پروفیسر مخدوم سعد اختر صاحب

(قسط ۲)

عذابِ الٰہی کی نوعیت

جغرافیائی حالات کی روشنی میں

سورۃ القمر کی اٹھارویں سے اکیسویں آیت تک اس قوم کے عذاب کا ذکر آتا ہے:-

کذبت عاد فکیف کان عذابی ونذر ۰ انا ارسلنا علیھم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمر ۰ تنزع الناس کانھم اعجاز نخل منقعر ۰ فکیف کان عذابی ونذر ۔

ترجمہ:- عاد نے جھٹلایا۔ تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے اُن پر ایک تند ہوا ایک سخت نحوست والے دن چلائی۔ وہ لوگوں کو یوں اکھاڑ پھینکتی تھی گویا کہ وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ پھر عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔

پھر سورۃ الحاقہ کے پہلے رکوع میں اس قوم کے عذاب کو دُہرایا ہے:-

واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ ۰ سخرھا علیھم سبع لیال وثمنیۃ ایام حسوما فتری القوم فیھا صرعی کانھم اعجاز نخل خاویۃ ۰ فھل تری لھم من باقیۃ ۔

ترجمہ:- اور عاد حد سے نکلی ہوئی تیز ہوا سے ہلاک کر دیئے گئے اس نے ان پر سات دن اور سات رات اور آٹھ دن چلایا۔ ان کو مٹاتی ہوئی۔ سو تو لوگوں کو اس میں گرے ہوئے دیکھتا گویا کہ وہ کھوکھلی کھجوروں کے تنے ہیں۔ تو کیا اُن میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے۔

اب یہ قوم عمان سے حضر موت تک کے علاقہ میں بستی تھی۔ یہ علاقہ جزیرہ نما عرب کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ یہاں بحیرہ عرب سے ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ اور ان ہواؤں سے قدرے بارش بھی ہوتی ہے۔ جس پر اس علاقہ کے لوگوں کا دار و مدار ہے۔ اس وقت جب یہ قوم اپنے بد اعمال کی وجہ سے پکڑی گئی۔ تو یہی ہوا ان پر سات رات اور آٹھ دن اس قدر تندی سے چلی کہ اس قوم کو بالکل تباہ کر دیا یہاں تک کہ اُن کا نام لیوا تک نہ رہا۔

قوم ثمود:

اس قوم کا ذکر سورۃ الاعراف کے دسویں رکوع سے شروع ہوتا ہے ان کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح مبعوث ہوئے۔ یہ قوم جو آدم کے ایک دوسرے پوتے کے نام پر مشہور ہوئی قوم عاد سے قریبی تعلق رکھتی تھی۔ مگر دو سو سال بعد اس کا عروج ہوا۔ یہ قوم مدینہ منورہ کے شمال میں الحجر کے علاقہ میں آباد تھی۔ جو پہاڑی علاقہ ہے۔ پانی کی قلت کی وجہ سے بارش کا پانی اکٹھا کر کے گزارہ کرتے تھے اور چشموں کی بھی بہت قلت تھی۔ جب قوم عاد کے بعد حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ آئی تو یہ لوگ میدان میں محلات بناتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر کوٹھیاں بناتے تھے۔ اس قوم پر عذاب اس طرح آیا کہ حضرت صالح کی اونٹنی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک نشان قرار دے دیا اور قوم کو تنبیہہ کر دی گئی کہ اس کو نہ پکڑیں بلکہ کھلا چھوڑ دیں اور اس کو کوئی دُکھ نہ پہنچائیں ورنہ انہیں ایک دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ ان لوگوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ قوم کے سرداروں نے تکبر کیا اور اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح وہ عذاب لے آ جس سے تو ہم کو ڈراتا تھا اگر تو مرسلوں میں سے ہے۔ تو اس پر فرمایا:-

فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جثمین

ترجمہ:- تب ان کو زلزلے نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

اس کے بعد سورۃ ہود کے چھٹے رکوع میں اس قوم کا تفصیلی ذکر آیا ہے۔ اور لکھا ہے:-

فلما جاء امرنا نجینا صلحا والذین امنوا معہ برحمۃ منا ومن خزی یومئذ ان ربک ھو القوی العزیز ۰ واخذ الذین ظلموا الصیحۃ فاصبحوا فی دارھم جثمین ۰ کان لم یغنوا فیھا الا ان ثمود کفروا ربھم الا بعدا لثمود ۰

ترجمہ:- سو جب ہماری سزا آ گئی تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ بے شک تیرا رب طاقتور غالب ہے۔ اور جو ظالم تھے ان کو ایک ہولناک آواز نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سنو۔ ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سنو۔ ثمود کے لئے دوری ہے۔

اس کے بعد سورۃ حٰم السجدۃ میں اس قوم پر عذاب کا ذکر اس طرح آتا ہے:-

واما ثمود فھدینھم فاستحبوا العمی علی الھدی فاخذتھم صعقۃ العذاب الھون بما کانوا یکسبون ۰ ونجینا الذین امنوا وکانوا یتقون ۰

ترجمہ:- اور رہے ثمود۔ تو ہم نے انہیں رستہ دکھایا۔ پر انہوں نے اندھا رہنے کو ہدایت پر ترجیح دی سو ذلت کے عذاب کی ہولناک آواز نے انہیں آن لیا۔ اس کی وجہ سے جو وہ کماتے تھے۔ اور ہم نے انہیں نجات دی جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے تھے۔" اس کے بعد سورت الذاریات کی ۴۳ سے ۴۴ آیات تک ان کا ذکر ہے اور یہاں بھی عذاب کو ایک ہولناک آواز کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر سورۃ القمر میں اس طرح آیا ہے:-

انا ارسلنا علیھم صیحۃ واحدۃ فکانوا کھشیم المحتظر

ترجمہ:- ہم نے اُن پر ایک آواز بھیجی۔ سو وہ باڑ لگانے والے کے چورا ہوئے پتوں کی طرح ہو گئے۔ ان مقامات پر جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اس قوم کے عذاب کے متعلق آیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم پر عذاب نے ایک زلزلہ کی شکل اختیار کی۔ بار بار جو ایک ہولناک اور دردناک آواز کا ذکر آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ ایک پہاڑی علاقہ ہے اور اس وقت اس کے کسی حصہ میں ہل چل شروع ہو گئی ہو گی جس کی وجہ سے ایک ہولناک آواز نکلی ہو گی اور زلزلہ آیا ہو گا۔ اور اس طرح قوم کو تباہ کر دیا ہو گا ہر پہاڑی علاقہ میں زلزلہ کے آنے کے امکانات ہر وقت رہتے ہیں کیونکہ طبقاتی علم کی رُو سے یہ علاقے سطح زمین پر بہت ہی کمزور ہیں اور زمین اپنی سطح کے توازن کو قائم رکھنے کے لئے اوپر والے طبقات میں حرکت کرتی رہتی ہے جن کا واحد نتیجہ زلزلہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے۔ مگر علیحدہ قوم یعنی سدومیوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپ اس علاقے کے اصلی باشندے نہیں تھے بلکہ ان کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔

اس قوم پر عذاب کا نقشہ سورۃ الاعراف کے دسویں رکوع کی آخری دو آیات میں اس طرح آیا ہے:-

"فانجینٰه واهله الا امراته کانت من الغٰبرین ٥ وامطرنا علیهم مطرا ٥ فانظر کیف کان عاقبة المجرمین۔"

ترجمہ:۔ سو ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو نجات دی۔ سوائے اس کی عورت کے۔ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوئی اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا پس دیکھ مجرموں کا انجام کیا ہوا"

یہ بارش کیا تھی؟ اسی کا ذکر آگے دوسری جگہ سورۃ ہود کے ساتویں رکوع میں آتا ہے کہ اس قوم پر جو مصیبت آنے والی تھی وہ صبح کے وقت آئی۔ پھر لکھا ہے:۔

فلما جاء امرنا جعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیها حجارة من سجیل ٥ منضود ٥ مسومة عند ربك ط وما هی من الظلمین ببعید ٥

ترجمہ:۔ سو جب ہمارا حکم آگیا ہم نے اسے تہ و بالا کر دیا اور ہم نے اس پر سخت پتھر پے در پے برسائے تیرے رب کے ہاں نشان لگائے ہوئے اور وہ ظالموں سے دور نہیں۔

پھر سورۃ الحجر کے پانچویں رکوع کے آخر میں اس طرح لکھا ہے۔

لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمهون ٥ فاخذتهم الصیحة مشرقین ٥ فجعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیهم حجارة من سجیل ٥ ان فی ذالك لاٰیٰت للمتوسمین ٥ وانها لبسبیل مقیم ان فی ذالك لاٰیة للمؤمنین۔

ترجمہ:۔ تیری زندگی کی قسم وہ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے۔ سو ایک خطرناک آواز نے انہیں سورج نکلتے ہی آپکڑا۔ پس ہم نے اسے تہ و بالا کر دیا اور ہم نے ان پر سخت پتھر برسائے۔ یقیناً اس میں فراست والوں کے لئے نشان ہیں اور وہ شہر ایک دائمی رستے پر واقع ہے۔ یقیناً اس میں مومنوں کی طرف نشان ہے۔

یہ قوم بھی مدینہ سے شام کے راستے پر بستی تھی ہاں البتہ اس قوم کی بستیاں شمال میں واقع تھیں ان سے جنوب کی طرف حضرت شعیب کی قوم بستی تھی اور ان سے اور نیچے وادی الحجر ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے یہاں قوم ثمود کا مسکن تھا۔ یہاں کا علاقہ پہاڑی ہے اور طبقاتی علم کی رو سے یہ THE GREAT RIET VALLEY نشگافی وادی عظمیٰ کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ آتش فشاں پہاڑوں کا پھوٹنا ایک قدرتی امر اور اس عذاب کا نظارہ بتاتا ہے۔ کہ اسوقت ایک زبردست آتش فشاں پہاڑ پھوٹا اور اوپر کی پتھریلی زمین کو ریزہ ریزہ کر کے اپنی شدت کیوجہ سے ہوا میں اڑا دیا اور اسی پتھر کے ہوا میں اڑتے ہوئے ٹکڑے اس قدر اس قوم کی بستیوں پر گرے کہ یہ ان کے نیچے دب کر فنا ہو گئے۔ اور آج تک نشان ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ اور GEOLOGY کے طالبعلموں کے لئے کافی علم کا ذخیرہ یہاں سے معلوم کیا جا سکتا ہے

حضرت شعیب کی قوم:۔

یہ قوم جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں قوم لوط اور ثمود کی بستیوں کے درمیان مدینہ منورہ کے شمال میں شام کے راستہ پر بحیرہ قلزم کے کنارے آباد تھی اس علاقہ کو مدائن کہتے ہیں۔ سورۃ الاعراف کے گیارہویں رکوع میں حضرت شعیب کا ذکر آتا ہے۔ حضرت شعیب حضرت ابراہیم کی نسل میں سے پانچویں پشت میں ہیں اس لئے ان کا ذکر تاریخی طور پر حضرت لوط کے بعد آیا ہے۔ بائبل میں ہے کہ دیان حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام تھا جو ان کی تیسری بیوی قتورہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ اسی نام کا ایک شہر بحیرہ قلزم پر واقع ہے۔ جہاں دیان کی نسل آباد تھی۔ اس قوم کی تباہی کا ذکر سورۃ ہود کے آٹھویں رکوع کے آخر میں اس طرح آیا ہے:۔

ولما جاء امرنا نجینا شعیبا والذین اٰمنوا معه برحمة منا ج واخذت الذین ظلموا الصیحة فاصبحوا فی دیارهم جٰثمین ٥ لا کان لم یغنوا فیها الا بعدا لمدین کما بعدت ثمود۔

ترجمہ:۔ اور جب ہمارا حکم آگیا ہم نے شعیب کو اور انہیں جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے رحمت کے ساتھ نجات دی۔ اور انہیں جنہوں نے ظلم کیا سخت آواز نے آن پکڑا سو وہ اپنے گھروں میں پڑے ہی رہ گئے۔ گویا ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سو مدین کے لئے دوری ہو جیسے ثمود ہوئے۔

آگے چل کر سورۃ العنکبوت کے چوتھے رکوع کے وسط میں اس قوم پر عذاب کا ذکر اس طرح آیا ہے:۔

فکذبوه فاخذتهم الرجفة فاصبحوا فی دارهم جٰثمین

ترجمہ:۔ تو انہوں نے اسے جھٹلایا سو انہیں زلزلہ نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

پس ان دو حوالہ جات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوم ثمود کی طرح ان پر بھی زلزلہ آیا۔ اب چونکہ یہ علاقہ ویسا ہی ہے اس لئے اس کے متعلق میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

فرعونیوں کی تباہی:۔

فرعون اور اس کی فوج کی تباہی کا ذکر سورۃ طٰہٰ کے چوتھے رکوع میں اس طرح شروع ہوتا ہے:۔ ولقد اوحینا الی موسٰی ٥ ان اسر بعبادی فاضرب لهم طریقا فی البحر یبسا لا تخٰف درکا ولا تخشٰی ٥ فاتبعهم فرعون بجنوده فغشیهم من الیم ما غشیهم ٥ واضل فرعون قومه وما هدی۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا پھر انہیں سمندر میں خشک رستہ پر جلد لے جا۔ نہ تجھے پکڑا جانے کا خوف ہے اور نہ تو غرق ہونے سے ڈرے۔ تب فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ سو سمندر سے وہ چیز ان پر آگئی جس نے انہیں ڈھانپ لیا۔ اور فرعون نے انہیں اپنی قوم کو گمراہ کیا اور (منزل مقصود) کا راستہ نہ دکھایا۔

اس سے آگے چل کر سورۃ الشعراء کے چوتھے رکوع میں فرعونیوں کے غرق ہونے کا ذکر درج الفاظ آتا ہے:۔

ترجمہ:۔ سو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنے عصا سے سمندر کو مار پس وہ پھٹ گیا اور ہر ایک فرلیق بڑے تودہ کی طرح تھا۔ اور وہیں ہم دوسروں کو قریب لے آئے۔ اور ہم نے موسیٰ کو اور جو اس کے ساتھ تھے ان سب کو نجات دی۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔ یقیناً اس میں نشان ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں اور تیرا رب یقیناً وہی غالب رحم کرنے والا ہے۔

اب ان دو حوالہ جات سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ کو وحی ہوتی ہے کہ راتوں رات اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر سمندر کو ایک ایسی جگہ سے جلد از جلد پار کر جا جو ابھی خشک ہے اور انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان کے تمام ساتھی صحیح سلامت پار لگ گئے۔ لیکن جب تھوڑی دیر بعد فرعون کا لشکر ان کے تعاقب میں آیا تو وہ بھی بلا سوچے سمجھے اسی راستے پر چل پڑے۔ اور ان کو سمندر کے پانی نے آلیا اور غرق کر دیا۔

اب اسوقت کے تاریخی اور جغرافیائی حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر دشتِ سینا میں لائے ہیں۔ اب اگر یہ لوگ دریائے نیل کے مغرب سے روانہ ہوئے ہیں تو دریائے نیل بھی درمیان پڑتا ہے۔ اور بحیرہ قلزم کی ایک شمالی شاخ خلیج سویز بھی درمیان میں پڑتی ہے۔ اور اگر دریائے نیل کے مشرق سے روانہ ہوئے ہیں جو زیادہ اغلب ہے تو صرف خلیج سویز ہی درمیان میں پڑتی ہے۔ اس پر مؤرخوں اور مفسروں کا اختلاف ہے۔ میں دوسری بات کو صحیح تصور کرتا ہوں۔ اور کالطود العظیم کے الفاظ بھی میرے خیال کی معاونت کرتے ہیں۔ کیونکہ صرف سمندر کا ہی پانی اس طرح جوار بھاٹا کیوجہ سے پھٹ کر یہ شکل اختیار کر سکتا ہے۔ دریا میں پانی کے بہاؤ کیوجہ سے ایسا ہونا مشکل ہے۔ بہرحال میرے خیال میں فرعونی لشکر بحیرہ قلزم کی ایک شمالی شاخ یعنی خلیج سویز میں جوار بھاٹے کا شکار ہو گئے۔ اسی قسم کا واقعہ نپولین بونا پارٹ کو بھی پیش آیا۔ بحیرہ قلزم کے اسی مقام پر جب جوار بھاٹے کیوجہ سے سمندر پیچھے ہٹا ہوا تھا۔ غروب آفتاب کے قریب نپولین اپنے ساتھیوں سمیت داخل ہوا ادھر تاریکی

جناب کیپٹن عبدالواحد صاحب، پشاور

(قسط ۲) بسلسلہ پیغام صلح مؤرخہ ۵ نومبر ۱۹۸۰ء

سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کے اعتراضات کا جائزہ (۲)

تفسیرِ نعیمی مصنفہ مفتی احمد یار خان نعیمی جلد اوّل صفحہ ۴۳۶ و صفحہ ۴۳۷ میں یوں ترجمہ ہے۔

"اور جب تم نے ایک خون کیا تو ایک دوسرے پر اس کی تہمت لگانے لگے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے تو ہم نے فرمایا کہ اس مقتول کو اس گائے کا ٹکڑا مارو اللہ یونہی مُردے جلائے گا اور تمہیں نشانیاں دکھاتا ہے کہ تمہیں عقل ہو"

اور تفسیر میں لکھا ہے :-

" اضربوہ میں فاعل کی ضمیر ساری جماعت کی طرف اور ہ کی ضمیر نفس کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی تم سب اسی نفس کو مارو نفس مؤنث ہے اور معناً مذکر ہے اس لئے ضمیر مذکر لائی گئی"

روح المعانی مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء صفحہ ۲۹۳ - فادّارأتم فیہا میں ھا کی ضمیر جو مؤنث ہے نفس کی طرف پھیری گئی ہے اور اضربوہ میں ہ کی ضمیر جو کہ مذکر ہے وہ بھی نفس کی طرف اٹھائی گئی۔ وجہ یہ ہے کہ نفس لفظاً مؤنث ہے اور معناً مذکر ہے۔ اور لکھا ہے کہ جب لفظ مذکر ہو اور معنی مؤنث یا اس کے بالعکس ہو تو دونوں طرح ضمیر استعمال ہو سکتی ہے۔

اُوپر کی مثالوں سے ضمائر کے استعمال کے بارے میں ندوی صاحب کے اعتراض کی حقیقت واضح ہو گئی ہو گی۔ ساتھ ہی تراجم میں اختلافات سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی ہو گی کہ کسی خالی الذہن شخص کے لئے ندوی صاحب کی تفسیر تک پہنچنا نہایت ہی مشکل ہے۔ اور اگر آیات زیر بحث کو صحیح طور سے بلاشکوک و شبہات سمجھنا مقصود ہو تو ان کی تفسیر یقیناً کسی شخص کو بھی مطمئن نہ کر سکے گی۔ ندوی صاحب چونکہ عربی زبان کے عالم ہیں اور متعدد عربی کتب کے مصنف ہیں اس لئے یقیناً وہ ضمائر کے استعمال سے بخوبی واقف ہوں گے اور چونکہ قرآن کریم کی درس و تدریس میں وہ ایک لمبا عرصہ مصروف رہے ہیں اس لئے انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ ان آیات کے معانی اور تفسیر میں قطعیت موجود نہیں بلکہ اختلافات زیادہ ہیں۔ باوجود ان باتوں کے مولانا محمد علی مرحوم کی تفسیر کو نشانہ بنانا صریح زیادتی ہے۔

جہاں تک خوارق اور معجزات کے بارہ میں اعتراض کا تعلق ہے تو یہ سراسر بے بنیاد ہے مولانا محمد علی مرحوم معجزات کے قائل تھے اور انہوں نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر اس کا اظہار کیا ہے لفظ

اٰتینا موسٰی تسع اٰیٰتٍ بیّنٰتٍ فاسئل بنی اسرائیل (بنی اسرائیل ۱۰۱) کے

تحت تفسیری نوٹ میں لکھتے ہیں۔

"اگلی آیت میں صاف طور پر انہیں بصائر کہا ہے یعنی دلائل صداقت حضرت موسیٰ قرار دیا ہے اور دلائل صداقت تعلیم نہیں بلکہ معجزات ہو سکتے ہیں۔ اس لئے تسع آیات سے مراد وہی نشان ہیں جن کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے"

اور سورۂ اعراف آیت ۱۳۳ کے تحت لکھتے ہیں :-

"قرآن کریم نے جو آفات بیان کی ہیں وہ سات ہیں جن میں سے پانچ یہاں اور دو آیت ۱۳۰ میں یعنی قحط اور پھلوں کی کمی اور ان سات کے ساتھ عصا اور ید بیضا کے معجزات ملا کر کل نو نشان ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ذکر ہے" سورۂ بنی اسرائیل

آیت ۵۹ کے تحت نوٹ میں لکھا ہے :-

"اس آیت کے معنی میں بسا اوقات یہ غلطی کی جاتی ہے کہ اس میں معجزات یا خاص قسم کے معجزات چند خارق عادت امور ہیں جو اُن کے سامنے کے لوگوں نے بھی سب نے نہیں دیکھے مگر قرآن حکیم وہ معجزہ ہے جو نہ صرف آپ کی زندگی میں کل عرب نے دیکھا بلکہ آج تیرہ سو سال سے عرب و عجم ایشیا و یورپ سب دیکھتے چلے جاتے ہیں اور ہمیشہ تک ساری دنیا دیکھتی چلی جائے گی بس یہی ایک زندہ معجزہ ہے اور ضروری تھا کہ جس شخص پر نبوت و رسالت کو ختم کیا جاتا اسے ایسا ہی زندہ اور دائمی معجزہ دیا جاتا۔ پھر یہ صرف معجزہ نہیں بلکہ دلیل بھی ہے۔ ہر ایک معجزہ صرف اس قدر دکھاتا ہے کہ اس کے دکھانے والے کو اللہ تعالیٰ نے معمولی انسان سے بڑھ کر کوئی طاقت دی ہے مگر یہ ایسا معجزہ ہے کہ اس کا اعجاز ہی اس کی صداقت کی دلیل ہے اور ایسی سیدھی اور زبردست اور دلوں کو کھا جانے والی دلیل ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے آنحضرت صلعم کیلئے کسی اور معجزہ کی ضرورت نہ تھی گو اللہ تعالیٰ نے دوسری قسم کے بھی بہتیرے معجزات آپ کو عطا فرمائے"

یہ اقتباس ایک انصاف پسند شخص کو یہ باور کرانے کے لئے کافی ہیں کہ مولانا محمد علی مرحوم کا ذہن خوارق اور معجزات کو تسلیم کرنے سے اباء نہیں رکھتا بلکہ وہ معجزات پر ایمان رکھتے ہیں اور صرف ایک متعصب شخص ہی ان پر خوارق و معجزات کے انکار کا الزام لگا سکتا ہے البتہ وہ اسرائیلیات پر انحصار کی بجائے ان کی تصحیح کرتے ہیں۔ اور ہر ایک واقعہ کو خوارق میں داخل نہیں کرتے۔ جیسا کہ مقلدین کا طرز عمل رہتا ہے۔

ندوی صاحب کے بیان کردہ دو امور یعنی علوم جدیدہ کے بدیہیات کو مسلمات تسلیم کرنا اور متقدمین مفسرین سے اختلاف کرنا ذرا تفصیلی بحث کے متقاضی ہیں۔ اصول تفسیر کی خلاف ورزی کے اعتراض کے بارہ میں مختصراً عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا محمد علی مرحوم نے تفسیر القرآن بالقرآن کے اولیٰ اور مقدم اصول کا ہمیشہ لحاظ رکھا ہے اور اس اصول کی اس سختی سے پابندی کی ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے مفسر نے ایسی پابندی کی ہو۔ قرآن کریم کے مخاطبین اولین کی کوئی سند ندوی صاحب نے پیش نہیں کی اور زبان اور ادب کے قواعد کے بارہ میں ندوی صاحب کے الزام پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

یہ معلوم نہیں کہ ندوی صاحب علوم جدیدہ سے کیوں خائف ہیں۔ یہ تو ایک حقیقت ہے کہ عصر حاضر کے اذہان کی تربیت علوم جدیدہ کی روشنی میں ہوئی ہے۔ اور ان اذہان کو کسی طرح بھی آج سے ایک ہزار سال پیچھے نہیں لے جایا جا سکتا۔ اگر موجودہ زمانہ کے اذہان قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے آج سے ہزار سال پیشتر کے زمانہ میں جانے کے محتاج ہوں تو یہ جسمانی طور سے ناممکن ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم موجودہ زمانہ کے انسان کے لئے غیر موزوں ہے۔ (نعوذ باللہ) ان اذہان کو مطمئن کرنے کے لئے انہی کے ماحول اور زبان اور عقل اور درجہ ذہنی ترقی کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت کرنا ہو گی آجکل تو کوئی چھوٹا بچہ بھی بغیر دلائل کے کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے علوم جدیدہ کی بنیاد ڈالنے کے بعد ان سے دستبرداری کر کے انہیں مغربی دنیا کے حوالے کر دیا۔ ندوی صاحب کو اس بات کا اچھی

طرح احساس ہے اس وجہ سے انہوں نے اپنی ایک عربی کتاب میں جس کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور جس کا انگریزی نام ISLAM AND THE WORLD عربوں پر زور دیا ہے کہ وہ جلد از جلد علوم جدیدہ کو حاصل کریں۔ اگر علوم جدیدہ دین کے لئے باعث فتنہ ہیں تو پھر ندوی صاحب کو ان علوم کے حصول کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے لیکن برخلاف اس کے وہ علوم جدیدہ کے حصول کی تلقین کرتے ہیں۔

علوم جدیدہ میں اگر حقیقت نہ ہوتی تو وہ کسی طرح ترقی نہ کر سکتے بلکہ قوانین کائنات کے خلاف ہونے کی وجہ سے ٹکریں مار مار کر تکنہ روانگی سے آگے نہ بڑھتے لیکن ان کی محیر العقول ترقی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ قدرتِ الٰہی کے اصول کے مطابق چلنے کی وجہ سے روز افزوں ترقی پر ہیں اور ان کی منفعت نہ صرف مادی دنیا میں ہی اظہر من الشمس ہے بلکہ کلام الٰہی کی تصدیق میں ان کو مفید طریق سے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں انسانی پیدائش کے مختلف مدارج بیان کئے گئے ہیں۔ علوم جدیدہ نے قرآن کریم کے بیان کو صحیح ثابت کیا ہے۔ ہاں متقدمین مفسرین کی تفسیروں میں درج شدہ مدارج کی تفصیل سے انہیں اختلاف ہے۔ اس میں نہ تو متقدمین مفسرین کا کوئی قصور ہے اور نہ ہی علوم جدیدہ کے ماہروں کو کوئی فوقیت حاصل ہے۔

قرآن کریم نے بار بار انسان کی توجہ زمین۔ آسمان۔ بادل۔ ہواؤں۔ سمندر۔ دریا۔ پہاڑ۔ نباتات حیوانات کشتیاں۔ سورج۔ چاند۔ ستارے اور کائنات کے دوسرے کرشموں کی طرف مبذول کرائی ہے۔ اور بار بار مختلف پیرایوں میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے زمینوں اور آسمانوں اور جو ان کے درمیان ہے کام میں لگائے ہیں اور ان کو استفادہ کیلئے مسخر کیا ہے اور قرآن کریم میں اس نوعیت کی کم و بیش چھ سات سو آیتیں ہیں اور کئی مقامات پر الم تر سے ان آیات کو شروع کیا ہے۔ جیسے سورۃ لقمان۔ ۲۰ میں فرمایا:۔

الم تروا ان اللّٰہ سخر لکم مافی السمٰوٰت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہٗ ظاہرۃً وباطنۃً۔

کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ اور تم پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کو پورا کیا ہے۔ اور جیسے کہ سورۃ الحج میں فرمایا

" الم تر ان اللّٰہ سخر لکم مافی الارض والفلک تجری فی البحر بامرہٖ۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے اور کشتی کو جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے۔ تمہارے لئے کام میں لگایا ہے۔

اب اگر انسان کے پاس علم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا انسان سے یہ پوچھنا بے کار ہوگا کہ وہ ان چیزوں میں کیوں غور نہیں کرتا۔ ان ہی چیزوں میں غور کرنے سے علوم جدیدہ پیدا ہوئے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان چیزوں میں غور کرنے سے اس کے وجود اور ہستی اور توحید پر دلائل ملیں گے اس لئے اس قسم کی آیات کے ساتھ ہی یہ سوال بھی کئے ہیں کہ کیا خدا کے علاوہ کوئی اور خالق بھی ہے یا کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی شریک بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یقینی طور پر یہ منشا تھا کہ انسان نئے سے نئے علوم حاصل کرے اور اس طرح اس کی ہستی پر اس کے دل میں یقین پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

" سبحٰن الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون "

یعنی وہ ذات بے عیب ہے جس نے سب جوڑے پیدا کئے اس سے جو زمین اگاتی ہے اور ان کی اپنی جانوں سے اور اس سے جو وہ نہیں جانتے۔

سابق مفسرین کے پاس وہ ذرائع نہ تھے جس سے وہ اس آیت کی صحیح تفسیر بیان کر سکتے۔ لیکن علوم جدیدہ نے اس آیت کے مطالب کی صحت پر تجربہ اور مشاہدہ سے مہر تصدیق

[illegible]

کر دیا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ علم الانسان مالم یعلم اور فرمایا وعلم الاسمآء کلھا یعنی خواص اشیاء انسان کو سکھائیں اور قرآن کریم کے متعلق فرمایا:۔

کتٰب فصلت اٰیٰتہٗ قراٰناً عربیاً لقوم یعلمون

یہ کتاب ہے جس کی آیتیں کھول بیان کی گئی ہیں۔ قرآن عربی ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

اور فرمایا:۔

تلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العٰلمون

ہم لوگوں کے لئے یہ مثالیں بیان کرتے ہیں اور ان کو سوائے علم والوں کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔ اور عالموں کے متعلق فرمایا۔

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلمٰٓؤا

اللہ تعالیٰ کی صحیح خشیت علماء ہی کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جن کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ تو خود علوم جدیدہ کے حصول کی تلقین کرتا ہے اور جو اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں ان میں برکت ڈالتا ہے۔ ندوی صاحب کو علوم جدیدہ سے خوف کیوں ہو۔

قرآن کریم کو صرف مسلمانوں نے ہی نہیں پڑھا جو اس کے علوم کو علماء متقدمین کے علوم میں محدود کیا جائے۔ غیر مسلم سائنسدانوں نے بھی اس کا مطالعہ کرتا ہے۔ ان پر ندوی صاحب کی قیود دلو حاوی نہیں ہو سکتیں۔ ہاں اگر ایسی صورت پیدا ہو کہ ایک مادی سائنسدان جو کہ علوم روحانی سے بالکل بے بہرہ ہو وہ علوم جدیدہ کے مفروضات اور بدیہیات کو علوم روحانی پر اطلاق کرے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے ایک فلسفی ایک سائنسدان کا لبادہ اوڑھ لے یا ایک معمار ادبیات میں دخل انداز ہو۔ ایسے لوگوں کی مساعی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ مولانا محمد علی مرحوم تو ایک عظیم عالم دین تھے اور ان کی تفسیر ان کے علمی درجہ کے ثبوت میں کافی ہے۔ ان پر بلا ثبوت یہ الزام لگانا کہ انہوں نے علوم جدیدہ کے بدیہیات کو مسلمات تسلیم کر کے روحانی امور اور معجزات اور خوارق پر حاکم بنایا صریح زیادتی ہے۔

جہاں تک متقدمین کی تفاسیر سے اختلاف کا سوال ہے اس کے متعلق امام غزالی علیہ الرحمۃ نے خوب ہی فرمایا ہے:۔

" غرضیکہ ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے معنی سمجھنے میں بہت بڑی گنجائش ہے اور ظاہر تفسیر جو قرآن میں منقول ہے وہ اس کے مضامین معلوم کرنے کی انتہا نہیں کہ اس سے آگے نہ بڑھ سکیں۔۔۔۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابہ اور مفسرین نے آیتوں کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے اور مختلف قول فرمائے ہیں کہ وہ کسی طرح ایک دوسرے سے متفق نہیں ہو سکتے۔ اور ان سب کا آنحضرت صلعم سے سننا محال ہے۔ اور بالفرض آپ سے اگر کوئی قول سنا ہوا ہو تو باقی اقوال ترک ہوئے۔ اس سے قطعاً معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر ایک مفسر نے معنی وہ کئے ہیں جو اس کو استنباط سے سوجھے ہیں۔ یہاں تک کہ حروف مقطعات کے بارہ میں جو سورتوں کے شروع میں ہیں سات قول ہیں۔ مثلاً الم میں بعض کہتے ہیں کہ یہ حروف الرحمٰن کے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ الف سے مراد اللہ ہے اور ل سے لطیف اور م سے رحیم اور بعض اس کے سوا کہتے ہیں اور ان سب کو جمع کرنا ممکن نہیں تو سب مسموع کیسے ہو سکتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابن عباس کے حق میں دعا کی اور فرمایا۔

اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل

پس اگر قرآن کی تاویل بھی مسموع اور محفوظ ہے تو حضرت ابن عباس کو اس کے لئے خاص کرنے کے کیا معنی ہوں گے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

[illegible]

کے لئے استنباط ثابت کیا ہے اور ظاہر ہے کہ استنباط ظاہری چیز کے سوا ہے۔ اور جتنے آثار کہ ہم نے بیشتر قرآن کے سمجھنے میں نقل کئے ہیں وہ سب اس خیال کے خلاف ہیں

اپنی تفسیر ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۴ میں یوں رقم طراز ہیں:۔

"جب امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر لکھی اور پوری کوشش کی کہ قرآن کا سراپا اسی مصنوعی لباس وضلعت سے آراستہ ہو جائے۔ اگر امام رازی کی نظر اس حقیقت پر ہوتی تو ان کی پوری تفسیر نہیں تو دو تہائی حصہ یقیناً بے کار ہو جاتا۔"

بعض دیگر مفسرین کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"انبیاء کرام کا طریقہ استدلال یہ نہیں ہوتا کہ منطقی طریقہ پر نظری مقدمات ترتیب دیں۔ پھر ان کی بحث میں مخالف کو الجھانا شروع کردیں۔ وہ براہ راست تلقین واذعان کا فطری طریقہ اختیار کرتے ہیں اسے ہر دماغ وجدانی طور پر پالیتا ہے۔ ہر دل قدرتی طور پر قبول کرلیتا ہے لیکن ہمارے مفسروں کو فلسفہ ومنطق کے انہماک نے اس قابل ہی نہیں رکھا کہ کسی حقیقت کو اس کی سیدھی سادی شکل میں دیکھیں اور قبول کریں۔ انہوں نے انبیاء کرام کی بڑی فضیلت اس میں سمجھی کہ انہیں منطقی بنادیں۔ اور قرآن کی ساری عظمت اس میں نظر آئی کہ اس کی برکات ارسطو کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلے۔ اس سانچے میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے دلائل وبراہین کی ساری خوب روئی اور دلنشینی طرح طرح کے بناوٹوں میں گم ہوگئی۔ حقیقت تو گم ہو ہی چکی تھی لیکن وہ بات بھی نہ بنی۔ جو لوگ بنانی چاہتے تھے شکوک وایرادات کے بے شمار دروازے کھل گئے۔ ان کے کھولنے میں تو امام رازی کا ہاتھ بہت تیز نکلا لیکن بند کرنے میں تیزی نہ دکھا سکا۔ (ترجمان القرآن حصہ اوّل ص ۴۳)

مولانا آزاد کی مندرجہ بالا رائے کو اس لئے نقل کیا گیا کہ ندوی صاحب ترجمان القرآن کے ترجمہ سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ آزاد صاحب مرحوم نے جو اعتراضات پہلے مفسرین پر کئے ہیں وہ ان اعتراضات سے کہیں زیادہ سخت ہیں جو ندوی صاحب نے مولانا محمد علی مرحوم پر کئے ہیں۔ اور کوئی بھی مفسر خواہ وہ عصر جدید کا ہے۔ یا از منہ وسطیٰ کا ان اعتراضات سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ ابن کثیر نے اکثر جگہ پر سابق مفسرین پر اعتراضات کئے ہیں۔ اور ان کی روایات تک کو بھی قبول نہیں کیا۔ علامہ آلوسی نے پچھلی صدی میں اپنے سے پیشتر کے مفسرین سے کثیر مقامات پر اعتراض کیا ہے۔ اور علامہ طنطاوی مصری نے تو تفسیر لکھنے میں عصری ضروریات کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے علوم جدیدہ سے اسی حد تک استفادہ کیا ہے جس حد تک علامہ فخرالدین رازی نے فلسفہ اور منطق سے کیا تھا۔ جب متقدمین کی تفسیروں میں سخت اختلافات ہوں اور اکثر مقامات پر فقہی مسالک تفسیروں پر اثر انداز ہوں تو اس صورت میں کس کی تفسیر کی تقلید کی جائے۔ اعتراضات سے محفوظ نہ رہ سکے گی۔ مولانا محمد علی مرحوم نے جہاں کہیں سابقہ تفسیروں سے اختلاف کیا ہے وہاں پر انہوں نے دلائل دیئے ہیں۔ ان کی تفسیر میں ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے کسی پیشترہ مفسر پر معتزلہ یا قدریہ یا زیدیہ وغیرہ ہونے کا الزام نہیں لگایا۔ بلکہ جس کسی مفسر سے اختلاف کیا ہے پیشترہ مفسر کی نیت یا فہم پر اعتراض نہیں کیا۔ نہ ہی کسی کو ملحد یا گمراہ یا کافر کرکے پکارا۔ انہوں نے اقوال مفسرین کے بارہ میں بیان القرآن کی تمہید میں لکھا ہے:۔

"اقوال مفسرین کے متعلق اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ان بزرگوں کی محنت کی ان کے علم وفضل کی ان کے عشق قرآن کی میرے دل میں بے حد عظمت ہے اور ان کی خدمت قرآن کے سامنے میں اپنی اس ناچیز خدمت کو ہیچ سمجھتا ہوں لیکن حالات زمانہ کے اثر سے کوئی شخص خالی نہیں رہ سکتا۔ آج اس زمانہ میں نئے علوم نے قرآن کی

ہیں۔ بلکہ کچھ ایسے قصوں کو واقعات کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ جن کی کوئی بنیاد نہیں مثلاً غرانیق کا قصہ جس کو ابن اسحٰق۔ ابن سعد اور طبری نے اپنی تاریخوں میں بھی جگہ دی ہے۔ اور سوائے ابن سعد کے باقی دونوں سیرت نویسوں نے اس قصہ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ سورۃ الحج کی آیت ۵۲:۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى القى الشيطان في امنيته

کے تحت تفسیروں میں لکھا ہے کہ حضور صلعم سورۃ نجم پڑھ رہے تھے۔ جب آپ ان آیتوں پر پہنچے:۔

افرءيتم اللٰت والعزى ومناة الثالثة الاخرى

تو ان کے بعد آپ نے پڑھا:۔

تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى

یعنی یہ عالی مرتبہ دیویاں ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے اور جب آپ نے سجدہ کیا تو مشرکین مکہ نے بھی سجدہ کیا اور یہ بات مشہور ہوگئی کہ آنحضرت صلعم نے مشرکین کے ساتھ مفاہمت کرلی ہے۔ اور اس بات کی شہرت حبشہ میں مہاجرین تک بھی پہنچی تو وہاں سے ایک دو مہاجر مکہ حالات معلوم کرنے آئے۔ مکہ کے باہر ان کو ایک شخص ملا اس نے پوچھنے پر جواب دیا کہ یہ مفاہمت ہوگئی تھی لیکن رسول اللہ صلعم نے مشرکین مکہ کے بتوں کے خلاف دوبارہ اپنا رویہ سخت کرلیا ہے۔ اس سے وہ مفاہمت ختم ہوگئی۔ اس پر وہ مہاجر حبشہ دوبارہ واپس چلے گئے۔

مغربی مستشرقین نے اس قصہ کی بنیاد پر آنحضرت صلعم کے خلاف خوب کیچڑ اچھالا ہے! اسی طرح آنحضرت صلعم کا حضرت زینب رضؓ کے ساتھ نکاح کے قصہ کے بارہ میں نہایت ہی نازیبا طریقہ سے قصے گھڑے گئے ہیں اور مغربی مستشرقین نے اس قصہ کی بنیاد پر اسلام اور آنحضرت صلعم کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے۔ عبداللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت کی گئی ہے کہ وہ قرآن کی آخری دو سورتوں یعنی معوذتین کو مصحف کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت ابراھیم کو قرآن کریم میں صدیق نبی کرکے بیان کیا گیا ہے لیکن کچھ تفسیروں میں ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے صرف تین جھوٹ بولے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ ہاروت وماروت کا قصہ تو اس قسم کا ہے جس کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ اس لئے اس کے بیان کرنے سے اجتناب کرتا ہوں کیا ندوی صاحب یہ امید رکھتے ہیں کہ متقدمین کی تفسیروں کے اس قسم کی تفسیریں بھی قابل تقلید ہیں؟

سابقہ تفسیروں میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے۔ اور اگر ان اسرائیلیات کو ان تفاسیر سے نکالا جائے تو ان پر احسان ہوگا۔ اس طرح ان تفسیروں کا حجم نصف سے بھی کم رہ جائے گا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ اسرائیلی روایات کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ اس انتباہ کا کب خیال رکھا گیا۔ متاخرین نے اس سلسلہ میں بہت مفید کام کیا ہے۔ خود ندوی صاحب نے اپنی کتاب معرکۂ ایمان ومادیت میں ذوالقرنین کے بارہ میں سید قطب مصری کی تفسیر فی ظلال القرآن سے یہ اقتباس نقل کیا ہے۔

"لوگوں نے ذوالقرنین کے بارہ میں رسول اللہ صلعم سے سوال کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی جس میں ان کی سیرت پر کچھ واضح اشارات موجود ہیں۔ چونکہ قرآن مجید اس کا واحد سرچشمہ ہے۔ اس لئے بغیر علم وتحقیق کے اس میں توسیع کی کوشش ہمارے

اور ہم نے تیری طرف یہ ذکر (کتاب) نازل کی تاکہ ان لوگوں کی طرف جو کچھ نازل ہوا ہے تو کھول کر بیان کردے۔ اور تاکہ وہ خود بھی غور وفکر کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

پیغامِ صلح

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر و شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاکستان و ہندسے ... روپے
بیرونی ممالک سے ... پونڈ علاوہ محصول ڈاک

جلد ۶۷	یوم چہارشنبہ ۱۷ محرم الحرام سنہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۶ نومبر سنہ ۱۹۸۰ء عیسوی	شمارہ ۴۸

ارشاداتِ حضرت مجددِ صد چہاردہم

جنت اور دوزخ کی حقیقت

یہ کیسی صاف بات ہے کہ جس طرح بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے اسی طرح پر دوزخی زندگی بھی یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ دوزخ کے بارہ میں فرمایا ہے نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ یعنی دوزخ وہ آگ ہے جس کا منبع خدا تعالیٰ کا غضب ہے، اور وہ گناہ سے پیدا ہوتی ہے اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس آگ کی جڑ وہ ہموم و غموم اور حسرتیں ہیں جو انسان کو اس دنیا میں گھیرے رہتی ہیں کیونکہ تمام روحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں جس طرح تمام روحانی سروروں کا منبع بھی دل ہے اور دل ہی سے شروع بھی ہونی چاہئیں کیونکہ وہی ایمان یا بے ایمانی کا منبع ہے۔ اسی طرح ایمان یا بے ایمانی کا شگوفہ بھی پہلے دل ہی سے نکلتا ہے اور پھر تمام بدن اور اعضاء پر اسکا اثر ہو جاتا ہے اور آخر سارے جسم پر محیط ہو جاتا ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ انسان اپنا بہشت یا دوزخ اسی دنیا سے ساتھ لے جاتا ہے اور یہ بات بھی فراموش کرنی چاہیئے کہ بہشت اور دوزخ اس جسمانی دنیا کی طرح نہیں ہیں بلکہ ان ہر دو کا مبداء اور منبع روحانی امور ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ عالم معاد میں یہ روحانی امور جسمانی شکل پر متشکل ہو کر نظر آئیں گے۔ اس ضروری امر میں ساری قوموں نے دھوکا کھایا ہے اور اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کوئی لوگ تو خدا کے منکر ہی ہو گئے اور کئی تناسخ کے قائل ہو گئے۔ الغرض کسی نے اسکی حقیقت کو کچھ سمجھا اور کسی نے کچھ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں کوئی موقعہ دیا تو ہمارا ارادہ ہے کہ اس مضمون پر ذرا بسط سے بحث کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور توفیق پر موقوف ہے، ورنہ ہم تو ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے۔

(الحکم جلد ۵، ۴۲)

از شیخ غلام قادر صاحب

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ارشادات

مومن کا امتیازی نشان

ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا:۔

"اگر تیرے نیک اور نفع بخش کردار تیری خوشی اور راحت کا باعث ہوں اور بُرے کاموں میں تو رنج و غم محسوس کرے تو تُو (یقیناً) مومن ہے۔

غیر مسلموں کو تکلیف نہ دو۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"جس شخص نے (یا جس اسلامی سلطنت نے) غیر مسلموں کو اذیت دی، ان کے حقوق پامال کئے تو میں ایسے شخص یا حکومت کا دشمن ہوں۔ اور مجھے جو اپنا دشمن بنائے تو میں قیامت کے دن اسے سزا دلاؤں گا۔"

تنگدستوں کی مدد استجابت دُعا کا موجب ہے:۔

ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی دُعا قبول ہو اور وہ رنج و غم سے رہائی پائے تو اسے چاہیئے کہ کسی تنگدست کی مدد کرے۔"

کامل یقین سے کی ہوئی دُعا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا:۔

"اللہ تعالےٰ سے یقینِ کامل کے ساتھ دعا مانگو کہ ضرور (کسی نہ کسی رنگ میں) قبول ہو گی۔ (دعا کرنے سے رعایت اسباب بھی ضروری ہے۔ ایک کسان زمین میں مناسب محنت کے بعد بغیر بیج بونے کے اس سے فصل حاصل کرنے کی کیا اُمید رکھ سکتا ہے) تمہیں اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ یقیناً اللہ تبارک و تعالےٰ غافل دل سے نکلی ہوئی دُعا قبول نہیں فرماتا (غافل) دل وہ کاہل اور سست انسان ہے جو بغیر محنت اور مشقت کے مزدوری کی اُمید رکھتا ہے۔"

تا نہ سوزی ز سوز و غم نہ رہی
تا نہ میری ز موت ھم نہ رہی (حضرت مسعود سعد چہاردہم)

ترجمہ:۔ اگر چاہتا ہے کہ دنیا کی مشتعل کی ہوئی آگ تمہارے لئے گلزار بن جائے تو سوز عشق (محبت الٰہی) پیدا کر۔ حیات ابدی اس گندہ زندگی پر موت وارد کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جلسہ سالانہ

ان میں جلسہ سالانہ کا انعقاد ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلامی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ سال کے بعد وابستگانِ سلسلہ کا ایک جگہ جمع ہو کر تبلیغ و اشاعت اسلام کے عالمگیر پیغام کا جائزہ لینا اور اسکے لئے لائحہ عمل مرتب کر کے آئندہ سال اس پر عمل پیرا ہونے کے ذرائع سوچنا اس اجتماع کا اولین مقصد ہے۔ یہ جلسہ نیک و متقی نفوس کا ایک ایسا اجتماع ہے جو قلوب میں رقت و سوز اور جذب و وارفتگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور اجتماعی دعاؤں کے ذریعہ ہماری بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں علاوہ ازیں اسکے کئی معاشرتی فوائد بھی ہیں جو صرف سالانہ اجتماع سے ہی پورے ہو سکتے ہیں اسکیلئے جماعت کے تمام احباب و خواتین کی شمولیت اسمیں بیحد ضروری ہے۔ موجودہ دور میں جبکہ افراطِ زر کی وجہ سے ہر چیز مہنگی ہو گئی ہے اور عام طور پر ہر فرد کیلئے کچھ مشکلات پیدا ہو گئی ہیں اشاعت اسلام کے ذرائع بھی بہت سے اخراجات کے متقاضی ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ موجودہ مخصوص مہنگائی کے پیشِ نظر دل کھول کر جلسہ فنڈ میں چندہ دیں اور اپنی درخشندہ روایات کو برقرار رکھیں۔

مرزا مسعود بیگ
جنرل سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام
لاہور

رنگ میں بے نظیر انسان نکلا ہے مگر جب آپ نے خدا سے الہام پاکر "فتح اسلام" رسالہ تحریر کیا اور واضح کیا کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور میں ہی مثیل مسیح ہوں تو صرف اس بات کو اپنی روایات کے برخلاف پاکر وہی لوگ آپ پر کفر کے فتوے لگانے لگے۔ حالانکہ آپ نے پہلے ہی اس بات کا اظہار کر دیا تھا کہ اس بات کے اظہار پر لوگ مجھ پر کفر کے فتوے لگائیں گے لیکن آپ نے طوفانِ مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کھل کر اس بات کا اعلان کیا۔ کیونکہ مامور من اللہ حق پیش کرتے ہوئے کسی سے خائف نہیں ہوتے۔

عالمگیر اصول اسلام و قرآن پر عمل پیرائی اور اسی تعلیم کی اشاعت سے نشأۃ ثانیہ وابستہ ہو چکی ہے :-

اب اگر یہ دورِ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا دور ہے اور دجال اکبر بھی ظاہر ہو چکا ہے یعنی اقوام مغرب جو مسلمانوں کی دشمن ہیں۔ تو کیا ظہورِ مہدی کی بڑی علامت پوری نہیں ہو چکی ہے اقوام عالم کے اجلاس میں ہمارے عزت مآب صدر جناب ضیاء الحق صاحب نے جو تقریر فرمائی وہ عین عالمگیر اصول ہائے اسلام کی روشنی میں وضع کردہ تھی کیونکہ آپ نے فرمایا کہ میں اس جگہ اسلام کا پیام امن و سلامتی پیش کرنے آیا ہوں کیونکہ اسلام میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔ لا اکراہ فی الدین کی آیت شریفہ تلاوت فرمائی آپ نے۔ ۹۰ کروڑ مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے اس کا اظہار کیا۔

یہی سب کچھ آج تک اس جماعت کی طرف سے پیش کیا جاتا رہا ہے کہ اسلام میں کسی پر جبر نہیں نہ ہی اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا جا سکتا ہے۔ بلکہ اسلام کے خوبصورت اور پرکشش اصول ہی انسان کو اپنی جانب مائل کرتے ہیں پس اس جماعت نے نہ صرف احیاء اسلام کی خوشخبری دی بلکہ اس غلبہ کے لانے کے صحیح طریق کار کو بھی واضح کر دیا۔ مزید برآں اب غلبہ لاکر قوم کی راہنمائی کا حق ادا کیا۔ اگر اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ اسلام مقدر ہے تو آج یقیناً احمدیت کے پیش کردہ اصولِ اسلام ہی اس کے ضامن ہو سکتے ہیں۔

ہماری جماعت کو اپنے اندر زیادہ سے زیادہ ان اوصاف کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جو امام وقت نے ہمیں دیئے ہیں۔ اور قرآن پاک کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیئے۔ تاکہ لوگوں کے لئے اسلام کا بہتر نمونہ مل سکے ::

اخبارِ احمدیہ

* حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ ان کی صحت و عافیت کے لئے دعا کرتے رہیں۔

* حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی پچھلے ہفتہ ملتان تشریف لے گئے تھے۔ وہاں مسجد احمدیہ میں خطبہ جمعہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اور دیگر باتوں کے علاوہ سامعین پر زور دیا کہ وہ اپنی پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ نماز تہجد کو بھی اپنے اوپر لازم کر لیں۔ نیز کہا کہ کبھی احمدی نمازوں میں اپنے سوز و گداز سے پہچانے جاتے تھے۔ اس امتیازی علامت کو آپ سب پھر دوبارہ قائم کریں۔ خطبہ احباب نے وہاں ٹیپ کر لیا تھا۔ موصول ہونے پر شائع کر دیا گیا۔ احباب جماعت حضرت ڈاکٹر صاحب کی درازیٔ عمر کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

تین اموات :-

جناب محمد عباس صبو علی صاحب نے سرینام سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی خدمت میں یہ افسوسناک اطلاع بھیجی ہے کہ مکرم جمال رودجن صاحب پارامریبو (سرینام) میں وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے مخلص اور پکے احمدی اور جماعت سرینام کے لئے باعثِ تقویت تھے۔ اور جماعتی یتیم خانہ کے مہتمم تھے۔ فضلِ الٰہی سے آج ان کے بچے یتیم رہ گئے ہیں۔ مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیوہ۔ اور آٹھ بچے سوگوار چھوڑے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان یتیموں کا خود متکفل اور نگہبان ہو۔

(۲) آزاد کشمیر میں محترم خان عبدالعزیز خاں صاحب، اچانک وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کے غمزدہ فرزند ارجمند نے تحریر کیا ہے کہ میں نہایت دکھ اور رنج سے آپ کو اطلاع دے رہا ہوں کہ ۱۷ اکتوبر بروز جمعہ صبح قریباً ساڑھے گیارہ بجے وفات پا گئے۔ موصوف صبح پونے چار بجے بیدار ہوئے گھڑی دیکھی لیکن ابھی نماز فجر میں دیر تھی پھر بستر پر لیٹ گئے۔ اور پھر اہل خانہ کو اس وقت پتہ چلا جب وہ صبح نماز کے لئے نہ اٹھے اور بڑے آرام سے ابدی نیند سو گئے۔ بیمار بھی نہ تھے۔ بالکل باصحت تھے۔ صبح جب اہل خانہ نماز کیلئے بیدار ہوئے تو پتہ چلا کہ آپ اپنے مولا سے جا ملے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے ::

(۳) مکرم یعقوب احمد صاحب کلرک دارالکتب کے والد محترم جناب چوہدری اللہ دتہ صاحب کو موٹر سائیکل کے ایک حادثہ میں چند مہلک چوٹیں آئیں تھیں۔ آپ میو ہسپتال میں چند دن زیر علاج رہ کر وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم مومن پورہ میں رہتے تھے لہٰذا اپنے آبائی قبرستان میں ان کی تدفین ہوئی۔ ہمیں اس صدمہ میں جناب یعقوب احمد اور دیگر اعزہ سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے قرب سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جملہ جماعتوں سے مرحومین کے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے ::

چھیاسٹھویں جلسہ سالانہ کی تاریخوں کو یاد رکھیے

جو کہ

مؤرخہ ۲۵-۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء ہے

حضرت مجدّد صد چہاردہم کی سیرت و کردار

ہماری معاشرتی و تمدّنی زندگی کے لئے مُفید ہدایات

ذیل میں حضرت مجدد صد چہاردہم کی سیرت طیبہ اور آپ کے اخلاق و کردار کے چند پاکیزہ نمونے پیش کئے جاتے ہیں جو ہماری معاشرتی و تمدنی زندگی کے لئے بہترین ہدایات کا کام دے سکتے ہیں ــــ (ادارہ)

عورتوں سے حُسنِ معاشرت:۔

عورتوں کے ساتھ حُسنِ معاشرت کے بارے میں حضرت مجدّد صد چہاردہم نے فرمایا:۔

فحشاء کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہیئیں۔ ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جھگڑا کرے۔ ہم کو خدا نے مرد بنایا ہے۔ درحقیقت ہم پر اتمام نعمت ہے اور اس کا شکریہ یہ ہے کہ ہم عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔

ایک دفعہ ایک دوست کی شکایت ہوئی کہ وہ اپنی بیوی سے سختی سے پیش آتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے احباب کو ایسا نہ ہونا چاہیئے۔

اسی طرح ایک اور دوست کی بدمزاجی کی شکایت ہوئی تو آپ نے بہت دیر تک معاشرتِ نسواں پر گفتگو فرمائی اور اخیر پر فرمایا:۔

میرا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی پر آوازہ کسا تھا اور میں محسوس کرتا تھا کہ وہ بانگ بلند دل کے رنج سے ملی ہوئی ہے اور باایں ہمہ کوئی دل آزار اور درشت کلمہ منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا اور بڑے خشوع اور خضوع سے نفلیں پڑھیں اور کچھ صدقہ بھی دیا کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیت الٰہی کا نتیجہ ہے۔

مسوّدات کے گم شدگی

ایک دفعہ بچپن میں میاں محمود احمد صاحب نے کھیلتے کھیلتے کچھ مسودات جلا دیئے۔ اس پر آپ نے فرمایا:۔

"خوب ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔"

اسی طرح ایک دفعہ مولوی نور الدین صاحب رح سے ایک مضمون حضرت صاحب کا گم گیا جس کی تلاش میں انہیں بڑی تشویش ہوئی۔ جب آپ کو خبر ملی تو آپ نے آکر مولوی صاحب سے بڑا عذر کیا کہ کاغذ کے گم ہو جانے سے انہیں اتنی تشویش ہوئی۔ پھر فرمایا:۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس کی جستجو میں اس قدر دوڑا دوڑی اور تکالیف کیوں کیا گیا۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر ہمیں عطا فرمائے گا۔"

تکلیف میں بچوں سے نرمی

ایک دفعہ آپ کو سخت سردرد تھا۔ پاس بچوں اور عورتوں کا شور و غل بپا تھا۔ مولوی عبد الکریم صاحب نے عرض کی کہ جناب کو اس شور سے تکلیف تو نہیں ہوتی۔ حضور نے فرمایا:۔

"ہاں اگر چپ ہو جائیں تو آرام ملتا ہے۔"

مولوی صاحب نے عرض کی کہ پھر جناب کیوں حکم نہیں فرماتے۔ آپ نے فرمایا:۔

"آپ ان کو نرمی سے کہہ دیں۔ میں تو ان کو کہہ نہیں سکتا۔"

چور سے سلوک:۔

ایک خادمہ نے گھر سے چاول چرائے اور پکڑی گئی گھر کے سب لوگوں نے اسے ملامت شروع کر دی۔ اتفاقاً حضرت صاحب کا بھی اس طرف سے گذر ہوا۔ واقعہ سنائے جانے پر آپ نے فرمایا: "محتاج ہے۔ کچھ تھوڑے سے اسے دے دو اور فضیحت نہ کرو اور خدا تعالیٰ کی ستاری کا شیوہ اختیار کرو۔"

نیکی اور ثواب کا کام:۔

دیہاتی عورتیں ایک دن بچوں کیلئے دوائی وغیرہ لینے آئیں آپ ان کو دیکھنے اور دوائی دینے میں عرصہ تک مصروف رہے اس پر مولوی عبد الکریم صاحب نے عرض کی کہ حضرت یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے اور اس طرح آپ کا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: "یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے۔ یہ مسکین لوگ ہیں۔ یہاں کوئی ہسپتال نہیں میں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یونانی دوائیں منگوا کر رکھتا ہوں۔ جو وقت پر کام آجاتی ہیں۔ بڑا ثواب کا کام ہے۔ مومن کو ان کاموں میں سست اور بے پرواہ نہ ہونا چاہیئے۔"

بچوں کی تربیت:۔

ایک دفعہ ایک دوست نے اپنے بچے کو مارا۔ آپ اس سے بہت متاثر ہوئے اور انہیں بلا کر بڑی درد انگیز تقریر فرمائی اور فرمایا:۔

"میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے کہ ایک جوش والا آدمی جب اس بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اور کوئی شخص خوددار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو۔ تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقت مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے مگر مغلوب الغضب اور سبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے۔ کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوز دل سے دعا کرنے کو لازم کر لیں۔ اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے۔"

حضرت صاحب کی دعائیں:۔

فرمایا: میں التزاماً چند دعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں۔

اوّل:۔ اپنے نفس کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ خدا مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت و جلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ عین اولاد عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔ پھر اپنے بچوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خادم بنیں۔ پھر اپنے مخلص دوستوں کے نام بنام اور

بعثتِ مجدد دین پر مولانا ابو الکلام آزاد کی رائے

مجدد اپنے وقت کا عازم و فاتح ہوتا ہے

مولانا ابو الکلام آزاد پہلی صدی کے ایک مسلمہ عالم متبحر تھے۔ آپ نے اپنی مشہور تصنیف "تذکرہ" میں مجدد کی عظمت و شان اور ان کے کمالات عزیمت و دعوت پر ایک نہایت شاندار مضمون لکھا جس کے ضروری اقتباسات "مجدد اعظم" سے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں :۔ (ادارہ)

مرکزِ محبت و کعبۂ انجذاب :۔

"نظامِ شمسی کی طرح نظامِ انسانی کے بھی مرکز و محور ہیں۔ مگر تم کو ان کا حال نہیں معلوم۔ تم کو اجرام سماویہ کا مرکز معلوم کرنے میں جب ہزاروں برس لگ گئے تو نہیں معلوم کہ عالم انسانیت کے نظام و مراکز کے لئے کتنا زمانہ درکار ہوگا۔ تاہم یہ معلوم ہے کہ ہر عہد و دور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجود ستاروں کے مرکزِ شمسی کی طرح تمام انسانوں کا مرکزِ محبت اور کعبۂ انجذاب ہوتا ہے۔ اور جس طرح نظامِ شمسی کا ہر متحرک ستارہ صرف اسی لئے ہے کہ کعبۂ شمس کا طواف کرے۔ اسی طرح انسانوں کے گروہ اور آبادیوں کے ہجوم بھی صرف اسی لئے ہوتے ہیں کہ اس مرکزِ انسانیت اور کعبۂ ہدایت کا طواف کریں۔ زمین والوں پر ہی موقوف نہیں آسمانوں میں بھی صرف انہی کے ناموں کی پکار ہوتی ہے۔"

(تذکرہ صفحہ ۵۵ ـ ۵۶)

پھر مجدد کی شان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

مجدد و محدث کی شان

"ازانجملہ سب سے اعلیٰ و اشرف طبقہ ان اخص الخواص نفوس مزکی کا ہے جن کو قائد توفیق الٰہی و سائق فیضانِ ربانی عزائم امور کے لئے چن لیتا ہے۔ کہ ان ذالك لمن العزم الامور اور جن کا نورِ علم و عمل مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ اور جن کا قدم طریق منہاج نبوت پر واقع ہوتا ہے۔ انہی افراد خاص کو حدیث بخاری میں محدث (بالفتح) کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور یہی مورد و مصداق حدیث مجدد کے ہیں جو مختلف طرق سے مروی اور اس لئے بلحاظ صحت متن اس کی صحت میں کلام نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا وجود دنیا میں بحقیقت نظامِ حق و ہدایت کا مقوم و منظم ہے اور انبیائے کرام کی اصلی وراثت انہی میں منتقل ہوتی ہے۔ البتہ یہ مقام ازبس ارفع و اعلیٰ ہے اور ہر عہد و دور میں صرف چند نفوس عالیہ ہی ایسے ہوتے ہیں جن کا قدم ہمت امتحان گاہ مصائب و مہالک سے آگے بڑھ کر وہاں تک پہنچتا ہے۔ اور اپنے عہد کے سب سے بڑے عمل حق کو انجام دے دیتا ہے۔ اس کے لئے نہ تو مجرد علم و تدریس کتب کام آتی ہے۔ نہ رسوم و ہیئات زہد و انقطاع نہ مدارس و معابد دینی کے غلغلہ و ہنگامہ فضیلت کو اس میں دخل ہے۔ اور نہ صومعہ و خانقاہ کے گوشہ انزوا کو۔"

علماء و اصحابِ مشیخت عہدِ مجدد میں۔

"ان کے عہد میں علماء و اصحابِ مشیخت کی کمی نہیں ہوتی اور کچھ یہ بات بھی نہیں کہ مدرسے اجڑ جاتے ہوں اور خانقاہیں منہدم ہو جاتی ہوں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ کثرت و شہرت کے لحاظ سے ان کا زمانہ علماء و مشائخ امت کا سب سے بڑا مجمع و ماویٰ ہوتا ہے۔ اور آبادیوں کی آبادیاں اصحاب علم و پیشوائی سے بھری نظر آتی ہیں۔ تاہم مقام عزیمت و دعوت و قیام ہدایت کی ان میں سے کسی کو کبھی توفیق نہیں ملتی۔ کوئی دامن رخصت میں پناہ لیتا ہے کوئی گوشۂ انزوا و انقطاع میں صرف اپنی حفاظت و عافیت ڈھونڈھتا ہے۔ کوئی راہ میں فتنہ و فساد کا شور سن کر صرف اسی کو کافی سمجھ لیتا ہے کہ اپنا دروازہ بند کر لے۔ کسی پر اضعف الایمان کا درجہ تنزل و اسفل اس طرح طاری ہو جاتا ہے کہ زبان کو یکسر گنگ اور دستِ عمل کو یک قلم شل پاتا ہے اور کسی کو نفس خادع اور عاطر فاسد ضلالت حیل و نفاق میں مبتلا کر کے سرگرم دنیا پرستی و دین فروشی کر دیتا ہے غرضیکہ سب کے سب یا ناچار مقام رخصت پر ہوتے ہیں یا واماندۂ ضعف و بیچارگی اور یا مدہوش غفلت و ہوا پرستی ان میں سے ایک حصہ غالب تو علماء دنیا اور دعات فتن و منکرات کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے علماً و عملاً اور جو جماعت علماء حق کی باقی رہتی ہے۔ وہ بھی ضعف و رخصت سے قدم باہر نہیں نکالتی اور حق پرستی کی بڑی سے بڑی بات اور تقوٰے و طہارت نفس کی بڑی سے بڑی فضیلت یہ سمجھی جاتی ہے کہ اپنے قدم کو لغزش نہ ہو اور جبکہ ایک دنیا امواج ظلمت و فساد میں ڈوب رہی ہے تو ہم کنارہ سلامتی پر قدم جمائے باقی رہ جائیں گویا ایمان کا جو سب سے ادنیٰ اور پہلا درجہ عامۂ ناس اور صلحاء عمل کے لئے تھا وہی خواص امت و ہداۃ و مرشدین ملت کے لئے بلندی و عروج کا سب سے اونچا مقام ہو جاتا ہے۔ اور سب سے بڑا متقی انسان وہ سمجھا جاتا ہے جس کے قدم جہاد بالقلب کی بائیں بساط سے پیچھے نہ ہٹیں لیکن کوئی نہیں ہوتا جس کا عزم ایمانی توقف و سکون کی جگہ طالب اقدام و سبقت ہو۔ جو اپنے نفس کی نجات کی جگہ جماعت و امت بلکہ نوع و عرض کی نجات کا عشق رکھتا ہو۔ جس کا حوصلہ کار اور عزم راہ صرف اتنے ہی پر قانع نہ ہو جائے۔ کہ خود نہیں ڈوبا۔ کیونکہ یہ ضعف و بیچارگی کا سب سے آخری درجہ ہے فضیلت و کرامت اس میں کیا ہوئی ؟ بلکہ ہر جو دکا دِ دنیا اس کے لئے ماتم اور ہر قدم کی ٹھوکر اس کے لئے موت ہو جبکہ دنیا اس کو بڑی بڑائی سمجھ رہی ہو کہ خود کنارے پر بچ جائیں تو وہ تبلا دے کہ خود بچنا نہیں بلکہ ڈوبتے ہوؤں کو بچانے کے لئے سمندر میں کود پڑنا بڑائی ہے۔ اور جبکہ لوگ اپنے دروازوں کو بند کر رہے ہوں تاکہ ان کے فتنہ و فساد سے محفوظ ہو جائیں تو وہ اپنا دروازہ کھول دے کہ دکھا دے کہ بند کر کے چھپ بیٹھنے میں فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ کھول کر باہر نکلنے میں۔ اور اگر باہر امن نہیں ہے۔ تو اس کے یہ معنے ہیں کہ دروازہ کھولنے کا اصلی وقت یہی ہے۔ نہ کہ بند کرنے کا۔ مقام عزیمت و رخصت کا یہی وہ فرق ہے۔ جو ایک صاحب دل نے خانقاہ کے گوشۂ عزلت سے نکل کر شیخ شیراز کو تبلایا تھا

گفت آں گلیم خویش بدر مے برد ز موج

ویں سعی می کند کہ برآرد غریق را

مجدد وقت کا عزیمت دعوت کے لئے انشراح :۔

تو اسوقت ایسا وقت ہوتا ہے کہ سنتِ الٰہی اپنی عادت جاریہ کے مطابق قیام حق و دفع باطل کے لئے سرگرم انبعاث و ظہور ہوتی ہے۔ اور توفیق الٰہی اپنے کسی اصلح و اشمل بندے کے قلب کا عزیمت دعوت کے لئے انشراح کر دیتی ہے۔ اور اس کے قدم کو طریقِ منہاج نبوت پر ثابت و مستقیم فرما دیتی ہے۔ وہ اپنے عہد کے تمام اصحاب علم و فضیلت اور ارباب صوامع و مدارس کو تنگنائے رخصت و ضعف میں پیچھے چھوڑ کر منزلوں آگے نکل جاتا ہے۔ فضاء علو و رفعت اس کو اپنی طرف کھینچتی اور سماء کمال و کرامت، اپنی ساری بلندیوں کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے دوڑتا ہے۔ گویا آسمان اس کے لئے اترتا ہے اور زمین اس کو خود بخود اچھالنے لگتی ہے۔ اس کی ہمت رفعت طلب اور اس کا حوصلہ منتہا عدو متعارج کسی بلندی پر بھی نہیں رکتا۔ اور اونچی سے اونچی بلندی کو بھی حضیض تسفل و تنزل سمجھتا ہے۔ مقام عزیمت دعوت کی

جس بلندی تک بڑے بڑے کار فرمایان عہد کی نظریں بھی نہیں اٹھ سکتی تھیں اور ضعفاء زنان و بیچارگان رخصت کے وہم و گمان کو بھی اس تک بار نہ تھا اس کا شہباز ہمت اور سیمرغ عزم اس کی چوٹیوں پر بھی جا کر دم نہیں لیتا اور پیوستہ سرگرم بال افشانی اور مصروف بلند پروازی رہتا ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۹۳ - ۹۴ - ۹۵ - ۹۶)

خزائن فیضان و برکات کی کنجی مجدد کے ہاتھ میں

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :-

پس اپنے عہد کا مجدد محی الملت وہ شخص یا چند نفوس خاصہ ہوتے ہیں جو مجرد دعوت نہیں بلکہ عزائم امور دعوت کی راہ میں اٹھاتے ہیں۔ اور قیامت کا صور اس زور سے پھونکتے ہیں کہ یکایک فضاء ملت جنبش میں آجاتی ہے اور تمام اموات غفلت اپنی اپنی قبروں کے اندر چونک اٹھتے اور اٹھ کر دوڑنے لگتے ہیں گویا یخرجون من الاجداث کانھم جراد منتشر مھطعین الی الداع اور ذالک یوم الخروج کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام مخصوص ہے۔ جو ہر عہد میں صرف ایک یا چند افراد عالیہ ہی کے حصہ میں آتا ہے۔ اور گو کاروبار دعوت سے معاملات رکھنے والے بہت سے موجود ہوں مگر اس عہد کے فتح باب اور سلطانی و امر دعوت کی فضیلت ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ سب ناچار ہوتے ہیں کہ اس فاتح عہد اور عازم وقت ہی کے حلقہ اتباع و ذریات میں داخل ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ ان میں بعض افراد کسی خاص شاخ علم و عمل میں درجہ بلند رکھتے ہوں مگر اس معاملہ کے لئے وہ کچھ سود مند نہیں ہوتا اور فاتح دور کے آگے ان کو اطفال مکاتب کی طرح زانوئے ادب و استفادہ تہہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس عہد کے خزائن فیضان و برکات کی کنجی اسی کے قبضہ میں دے دی جاتی ہے۔ پس طالبین فیضان اس کے حلقہ ارادت سے الگ رہ کر کچھ نہیں پا سکتے۔ اگر کسی نے بطریق استراق سمع کوئی کلمہ حقیقت حاصل بھی کر لیا تو اول تو وہ ثمر برکات نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے۔ تو چونکہ عہد کی سلطانی فاتح و عازم دعوت ہی کو پہنچتی ہے اس لئے وہ بھی بالواسطہ اسی کے فیضان و بخشش میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ وقد احسن من قال

گر گفتہ زعشق گہے حرف آشنا

آنہم حکایتیست کہ از من شنیدہ

(تذکرہ صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹)

وقت کے فاتح مجدد

وقت کے فاتح مجدد کی عظمت و شان کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں :-

"بڑوں بڑوں کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا اور سر و سامان و اسباب کار فراہم نہیں لیکن وقت کا عازم و فاتح اٹھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اس کو ساتھ لوں گا اگر سر و سامان نہیں تو اپنے ہاتھوں سے تیار کر لوں گا۔ اگر زمین موافق نہیں تو آسمان کو اترنا چاہیئے۔ اگر آدمی نہیں ملتے تو فرشتوں کو اترنا چاہیئے۔ اگر انسانوں کی زبانیں گونگی ہو گئی ہیں تو پتھروں کو چیخنا چاہیئے اگر ساتھ چلنے والے نہیں تو کیا مضائقہ؟ درختوں کو دوڑنا چاہیئے۔ اگر دشمن بے شمار ہیں تو آسمان کی بجلیوں کی بھی کوئی گنتی نہیں اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں۔ تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہو گیا کہ راہ صاف نہیں کرتے۔ وہ زمانہ کا مخلوق نہیں ہوتا کہ زمانہ اس سے اپنی چاکری کرائے ۔۔۔۔ وہ دنیا پر اس لئے نظر نہیں ڈالتا کہ کیا کیا ہے۔ جس سے دامن بھر لوں وہ یہ دیکھنے کے لئے آتا ہے۔ کہ کیا کیا نہیں ہے جس کو پورا کر دوں۔ اسی کا مایہ ضمیر بخشش و نوال ہے طلب و سوال نہیں ۔۔۔ ستاروں سے تمام فضاء سمائی بھری پڑی ہے۔ لیکن وہ دار ستارے ہمیشہ طلوع نہیں ہوتے یہی حال اصحاب عزائم کا بھی ہے۔ وہ کائنات ہستی کا ایک بالکل الگ گوشہ ہے اور وہاں کے احکام و قوانین کو دنیا کے اعمال عادیہ پر قیاس کرنا غلطی ہے۔ ان کی توفیق الٰہی۔ ان کے وسائل غیر مختتم۔ ان کی ترقیاں لازوال اور ان کے تمام طریقے غیر مختتم ہوتے ہیں۔ اللہ کی حکمت و ربوبیت ان کو تمام خلق اللہ میں سے چن لیتی اور بحکم "واللہ یختص برحمتہ من یشاء" اپنی رحمتوں اور ربوبیتوں کے عجائب و خوارق ان کے لئے مخصوص کر دیتی ہے۔ پھر ان کے معاملات میں نہ تو کسی دوسرے کا ساجھا ہوتا ہے۔ نہ کسی مدعی کی وہاں تک رسائی۔" (تذکرہ صفحہ ۲۴۸ - ۲۴۹)

"مقام عزیمت و دعوت" اور "احیاء و تجدید ملت" کی نسبت جو کچھ بلا قصد زبان قلم پر آگیا تو اگرچہ اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہ تھا لیکن زیادہ تر یہ خیال باعث ہوا کہ شاید ان حالات و وقائع کا مطالعہ اصحاب اصلاح و استعداد کے لئے کچھ سود مند علم و عمل ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی کے قلب بصیرت و دیدہ اعتبار کو ان مجددین ملت اور مصلحین حق کے اتباع و تشبہ کی توفیق ملے تا مرد کار اور صاحب عزم وقت کی پکار پر لبیک کہے اور زمانہ کی طلب و جستجو کا سراغ بنے۔ آج اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور ڈھونڈھ ہے تو صرف اسی کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

تذکرہ صفحہ نمبر (۲۵۰)

بقیہ حضرت مجدد صد چہار دہم کی سیرت و کردار (آلدہ ص۵)

پھر ان سب کے لئے جو اس سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔"

بچوں سے کوادا نا شرک ہے :-

حرام ہے شیخی کی گدی پر بیٹھنا اور پیر بننا اس شخص کو جو ایک منٹ بھی اپنے متوسلین سے غافل رہے۔ ہدایت اور تربیت حقیقی خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گزار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں۔ اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ ہم تو اپنے بچوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد و آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں اور پھر پورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں۔ جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہوگا وقت پر سرسبز ہو جائے گا۔"

سادہ زندگی کی ہدایت :-

مہمانوں کی ضرورت کے لئے مکان بنوانے کی حاجت ہوئی تو آپ کی تاکید تھی کہ اینٹوں اور پتھروں پر روپیہ خرچ کرنا عبث ہے۔ اتنا ہی کام کرو جس سے چند روزہ زندگی بسر ہو جائے۔ نجار تیر بند یاں اور تختے رندہ سے صاف کر رہا تھا آپ نے اسے روک دیا۔ اور فرمایا یہ محض تکلف ہے۔ اور ناحق کی دیر لگانا ہے مختصر کام کرو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہمیں کسی مکان سے انس نہیں۔ ہم اپنے مکانوں کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک جانتے ہیں۔ اور بڑی آرزو ہے کہ ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میرا گھر ہو۔ اور ہر ایک گھر میں میری ایک کھڑکی ہو کہ ہر ایک سے ہر ایک وقت واسطہ و رابطہ رہے

وقت کو دینی کاموں میں لگاؤ :-

"تکلفات میں وقت ضائع کرنا آپ کو نا پسند تھا اس کے متعلق آپ نے فرمایا۔ میرا تو یہ حال ہے کہ پاخانہ پیشاب پر بھی مجھے افسوس آتا ہے کہ اتنا وقت ضائع جاتا ہے۔ یہ بھی کسی دینی کام میں لگ جائے۔ کوئی مشغولی اور تصرف جو دینی کاموں میں حارج ہو اور وقت کا کوئی حصہ لے مجھے سخت ناگوار ہے جب کوئی دینی ضروری کام آپڑے تو میں اپنے اوپر کھانا پینا اور سونا حرام کر لیتا ہوں۔ جب تک وہ کام نہ ہو جائے ہم دین کے لئے ہیں اور دین کی خاطر زندگی بسر کرتے ہیں۔ پس دین کی راہ میں ہمیں کوئی روک نہ ہونی چاہئے۔"

ماخوذ

"جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو"

رسالہ "الوصیت" سے حضرت مجدد صد چہار دہم کے چند ضروری ارشادات

"اور چاہیئے کہ جماعت کے بزرگ۔ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔"

"اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور نفسوں کے پاک کرنے سے روح القدس سے حصہ لو کہ بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں۔ اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ وہ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے۔ اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آ جاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے۔ جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر اپنی عزت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے لیکن اگر تم تلخی نہ اٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آ جاؤ گے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں / خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جس کو دل میں لگانا چاہیئے۔ وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتی ہے تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی جڑھ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے۔ اور اگر وہ باقی ہے تو سب کچھ باقی ہے۔ انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعوے کرتا ہے لیکن قدم صدق نہیں رکھتا۔ دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے۔ اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے۔ جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا۔ بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں۔ اور تم میں خدا نہیں ہو گا۔ بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہو گا لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہو گا۔ اور وہ گھر بابرکت ہو گا جس میں تم رہتے ہوں گے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہو گی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہو گا جہاں ایسا آدمی رہتا ہو گا۔

اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے۔ تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں۔ اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو۔ اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشا کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے۔ خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ۔ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو۔ تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔ کینہ وری سے پرہیز کرو۔ اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔

تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازے میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے موقعہ ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پاویں۔ یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی۔ اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے۔ تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعوائے بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا۔ اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچا دے گی اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی۔ اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی۔ وہ آخر فتح یاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں۔ کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔

اے سننے والو! سنو کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ پس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے۔ جو اب بھی زندہ ہے۔ جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ وہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں۔ اور نہ کبھی ہو گی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں۔ اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے۔ اور دور ہے باوجود قریب ہونے کے۔ وہ تمثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔ اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے۔ اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں۔ وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا مظہر ہے۔ تمام محامد حقہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا۔ اور مرجع ہے ہر ایک شئے کا

از مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

نماز کے آداب

قرآن مجید میں نماز کے لئے صلوٰۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ صلوٰۃ کے ایک معنی دُعا ہے۔ اور مادہ یعنی ROOT کے اعتبار سے اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک کارآمد لکڑی ٹیڑھی ہے۔ اس کو آگ پر گرم کر کے سیدھا کیا جائے۔ اور قرآن مجید نے صلوٰۃ کی فلاسفی اور برکت یہ بیان فرمائی ہے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ انسان نصیحت اور سبق و رہنمائی کا محتاج ہے۔ اور انسان کے اندر ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ بار بار ہوشیار کرنے اور خبردار کرنے کا محتاج ہے۔ اور اگر اس کو سنبھالا نہ جائے تو اس کے گرنے کے بڑے امکانات ہوتے ہیں۔ اسی واسطے صلوٰۃ کے لئے قرآن مجید نے حفاظت اور اقامت کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی مومن نماز کی حفاظت کرتے ہیں اور جس چیز کی حفاظت کیلئے وہ بڑی قیمتی اور قابلِ قدر ہوتی ہے اور اقامت کے لفظ میں یہ حکم دیا کہ اس دنیا میں ایسے اسباب و حالات بھی ہو جاتے ہیں کہ جب انسان اس کی حفاظت میں سستی کر کے اور اس کی عدم نگرانی کی وجہ سے بہت ساری خیر و برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔ صلوٰۃ یعنی نماز کے ایک معنی دعا پر اگر غور کیا جائے تو اس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ الصلوٰۃ مخ العبادۃ۔ نماز عبادت کا مغز ہے۔ جس طرح ایک ہڈی بغیر گودے کے پھینکنے کے قابل ہوتی ہے اسی طرح خدا کا قرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ایک انسان کے لئے اقامت الصلوٰۃ ہے۔ اسی واسطے حضرت نبی کریم فرماتے ہیں الصلوٰۃ مفتاح الجنۃ جنت کی کنجی نماز ہے۔ یہ ظاہری کنجی مراد نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جن اعمال سے انسان سیدھے راستہ پر چلتا ہے۔ گیوں سے دور رہتا ہے ظاہر و باطن ایک سا رکھتا ہے۔ قول سدید پر عمل پیرا رہتا ہے۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھتا ہے۔ اس کا سبق اسے نماز یعنی صلوٰۃ سے ملتا ہے۔ اور یہی ایک بڑی برکت اور خزانہ ہے اگر ملی رنگ میں دنیا میں نصیب ہو جائے۔ دوسری طرف لغت میں صلوٰۃ کے جو معنی وارد ہیں کہ ٹیڑھی لکڑی کو آگ پر سینک کر اس کے بل کس نکال دیئے جائیں۔ یہ سبق بھی نماز سے ملتا ہے۔ جب وہ ہاتھ باندھ کر الحمد للہ رب العالمین اور اھدنا الصراط المستقیم کا زبان سے اقرار کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے التجا کرتا ہے کہ اسے سیدھے رستہ پر چلنے کی توفیق دے۔ افراط و تفریط سے اسے بچا۔ اور ان لوگوں کے نقش قدم پر اسے چلنے کی توفیق دے۔ جو اس جیسے ہی تھے اور اسی دنیا میں انہوں نے زندگی بسر کی۔ ان کے جذبات۔ فرائض۔ عیال و اطفال ہماری طرح کے تھے۔ وہ ان حالات میں صالح زندگی بسر کر کے خدا تعالیٰ کے انعامات کے وارث بنے۔ اے خدا تو ہم کو بھی ایسا بننے کی توفیق دے۔ آمین

نماز کے آداب کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث میں کثرت سے احکام وارد ہوئے ہیں اور حضرت نبی کریم صلعم ان پر خود اور صحابہ کو پوری طرح عمل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ خذوا زینتکم عند کل مسجد۔ اے مومنو! جب تم نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جایا کرو تو اس وقت خاص طور پر اپنی زینت کا خیال رکھو۔ اور خذوا کے معنے ہیں کہ اس پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ اس کی حفاظت کرنا اور اس پر اچھی طرح عمل پیرا ہونا حضرت نبی کریم صلعم جو نمونہ پیش فرماتے تھے اور جس کی تلقین اپنے صحابہ کو فرمایا کرتے تھے۔ ان میں آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم نماز کے لئے آؤ تو نہ تو ایسی چیز کھا کے مسجد میں آؤ جس سے دوسروں کو تکلیف ہو اور نہ بدن پر ایسی چیز ہو جس سے دوسروں کو کسی قسم کی اذیت پہنچے۔ بلکہ علیکم بالوقار والسکینۃ۔ حضرت نبی کریم صلعم کے شمائل پر اس وقت تین زبردست کتابیں موجود ہیں۔

۱۔ شمائل از حضرت امام عیسےٰ ترمذی۔ ۲۔ ادب المفرد از حضرت اسماعیل امام بخاری

۳۔ حضرت امام ابن قیم کی زاد المعاد

جب آپ حضرت نبی کریم صلعم کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ دور اور آج کے مادی دور میں بڑا فرق واقع ہو گیا ہے۔ لیکن ان نامساعد حالات میں بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ صاف ستھرا لباس ہوتا تھا۔ اور آج جو ایک بیماری پیدا ہو گئی ہے کہ بعض لوگ فیشن یا بالوں کی ظاہری سجاوٹ کیوجہ سے اکثر نماز کی حالت میں ننگے سر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ نہایت معیوب بات ہے اضطراری یا مجبوری امر دیگر ہے ہمیں یہی حکم کہ خذوا زینتکم عند کل مسجدٍ کہ جب تم نماز پڑھنے آؤ تو جس طرح حضرت نبی کریم صلعم نماز کے ادا کرنے کے لئے ارادہ فرماتے تو سر پر کپڑا رکھا کرتے تھے۔ صحابہ کرام کی سیرت سے بھی یہی چیز ثابت ہے کہ وہ نماز کے لئے سر کو ڈھانپا کرتے تھے اور ہمارے لئے تو ایک واضح نمونہ بھی موجود ہے کہ ہمارے مجدد ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا بھی۔ آپ ہمیشہ نماز کے لئے جب تشریف لاتے تو سر پر پگڑی رکھا کرتے تھے۔

ہاں یہ بھی روایات میں آتا ہے کہ بعض اوقات سخت سردی میں گرم ٹوپی بھی گھر میں استعمال کر لیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب جب نماز کے لئے تشریف لاتے تو سر پر پگڑی ہوتی حضرت مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ کو اب بھی دیکھنے والے ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ حضرت مجدد صد چہاردہم۔ حضرت مولانا نور الدین۔ حضرت مولانا محمد علی اور دوسرے اکابرین سلسلہ کے فوٹو بھی موجود ہیں۔ آپ لوگ ہمیشہ نماز کے لئے جب تشریف لاتے تو سر پر پگڑی یا ٹوپی ضرور استعمال فرماتے تھے۔ اور یہ خذوا زینتکم عند کل مسجد کی پیروی میں ہوتا تھا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"جب تم مسجدوں میں نماز کے لئے آؤ تو سر پر کچھ لپیٹ کر یعنی پگڑی کی طرح کچھ باندھ لیا کرو۔" (کنز العمال عن جمیع الامۃ)

اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت نبی کریم صلعم فرماتے ہیں

"جب تم نماز کے لئے مسجد میں آؤ تو سر پر ایسے طور پر کپڑا رکھو کہ کوئی حصہ ننگا نہ رہے۔" (")

ظاہری طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی شرفاء کے گھروں میں جب بچے اپنے بڑوں سے ملنے جاتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے لباس کو دیکھتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں سے اس حالت میں ملیں کہ کوئی چیز ایسی نہ ہو جس سے ہمارے بزرگوں پر برا اثر پڑے۔ اور یہ بات قابلِ تعریف ہے۔

اسی طرح دنیا میں جب ایک ماتحت اپنے افسر کے سامنے جاتا ہے تو اس وقت بھی ظاہری طور پر ٹھیک ٹھاک ہو کر جاتا ہے اور یہ افسر ہماری طرح کے لوگ ہیں۔ ہمارے بزرگ بھی ہماری طرح کے انسان ہیں لیکن جب آپ مسجد میں خدا کے حضور جاتے ہیں وہ احکم الحاکمین ہے۔ اگر انسان اسوقت سوچے۔ فکر کرے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ ہم خود اور نئی نسل سوچنے کو اپنا وظیفہ مقرر کر لے۔ جب تک فکر و تدبر کی کیفیت پیدا نہیں ہو گی اسوقت تک تبدیلی پیدا نہیں ہو گی۔

آج جو ذہنی انتشار برپا ہے۔ اس کی ایک وجہ ایمان کی کمزوری اور فکر کا فقدان ہے اگر ان کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ میں عبد ہوں۔ میرا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ مالک ہے میں ملک ہوں۔ اور میری زندگی کا انحصار۔ قیام۔ بقا۔ سب کچھ اسی کے فضل سے ہے۔ اور میری ذات لاشئ محض ہے۔ میں ایک مٹی ہوں جو اللہ کے نفخ روح سے قائم ہے۔ اور میرا یہ وجود اسی کے فضل سے قائم ہے۔ میری کوشش۔ خواہش ارادہ کچھ بھی نہیں۔ وہ ایک طرف میرا مالک ہے۔ دوسری طرف رب بھی ہے۔

رب کا مفہوم یہ ہے کہ میں محض عدم تھا۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے ہی پیدا کیا اور پھر میری زندگی کو قائم رکھنے کے لئے اس نے ہزارہا نعمتیں پیدا فرمادی ہیں۔ جن میں میری محنت کوشش کا ذرا بھر بھی حصہ نہیں۔ میری کوشش کا ان چیزوں کے پیدا کرنے میں جن پر میری زندگی قائم ہے کچھ بھی حصہ نہیں۔ اور اگر یہ نعمتیں ایک لمحہ کے لئے بھی انسان سے روک لی جائیں تو اس پر فنا آجاوے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے فضل فرمایا ہے کہ میں ان سے فائدہ اٹھاتا ہوں۔ اور جسے پھر وہ تکمیل تک بھی پہنچاتا ہے۔

اگر اب احساس بیدار ہو جائے۔ فکر کی عادت پیدا ہو جائے۔ والدین خود اپنی اولادوں کے سامنے نمونہ پیش کریں۔ یہ نہ ہو کہ تم نماز پڑھو اور خود دوسروں کی محفل میں جانِ محفل بنے رہیں اگر یہ حالات من حیث القوم۔ تمام مسلمان اپنے اندر پیدا کرلیں اس وقت یہ کیفیت ہوگی۔ لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ ہر طرح سے یہ لوگ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کریں گے اللھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا کے وارث ہوں گے ؛

ہمارے مجدد کیا فرماتے ہیں ؟

"میں پھر تمہیں بتلاتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو تو نماز پر کاربند ہو جاؤ۔ اور ایسے کاربند ہو کہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ روح کے ارادے اور جذبے سب کے سب ہمہ تن نماز ہو جائیں۔" (الحکم جلد ۳ صٓ)

اور وہ کیفیت جو حضرت نبی کریم صلعم نے بیان فرمائی ہے المؤمن فی المسجد کا سمک فی الماء جس طرح مچھلی پانی میں اسی وقت تک زندہ رہے گی جب تک کہ وہ پانی میں رہتی ہے پانی سے نکالنے کے بعد اس کے بڑھنے اور زندہ رہنے کا سوال ہی نہیں رہتا۔ اسی طرح مسلمان روحانی طور پر اسی وقت تک زندہ رہیں گے جب ان کا مساجد سے حقیقی تعلق ہوگا۔ ظاہری تعلق نہیں بلکہ باطنی تعلق۔ آج کیا حالت ہے۔ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے۔

اولین فریضہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مسجد میں جب آئیں تو خذوا زینتکم عند کل مسجدٍ کی پیروی میں جس چیز میں ہمیں کمزوری نظر آتی ہے اس کو دور کریں۔ اور ان کمزوریوں میں سے ایک واضح کمزوری یہ ہے۔ کہ بعض نوجوان ماحول سے اثر لے کر ننگے سر عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ معیوب فعل ہے۔ یہ کمزوری ہے اس کو جہاں تک ہو سکے جلد از جلد چھوڑ دینا چاہیئے

تصحیح فرمالیں

اخبار پیغام صلح مجریہ ۱۲ نومبر ۱۹۸۰ء بر صفحہ ۵ سطر ۲۷ "اپنے بیٹے غالباً جاوید اقبال کو قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔" میں نام جاوید اقبال غلط چھپ گیا ہے۔ اصل میں علامہ اقبال کے بڑے صاحبزادے جن کا نام آفتاب احمد ہے ۱۹۱۳ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں آٹھویں جماعت میں داخل ہوئے تھے۔ ہم اس غلطی پر معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ :۔

- "طہارت نصف ایمان ہے۔"
- "اے اللہ! تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے پس میری سیرت کو بھی اچھا بنا۔"

جلسہ سالانہ کی اغراض

اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں

اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے اور ان کی معلومات وسیع ہوں اور خدا کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو پھر اس میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے ماسوا اس کے جلسہ کی ضرورت میں سے یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کیلئے تدابیر پیش کی جائیں کیونکہ اب ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام قبول کرنے کیلئے تیار ہو رہے ہیں۔ سو بھائیو! یقیناً سمجھو اس کے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی صادق کو بغیر جماعت کے نہیں چھوڑتا ان شاء اللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف لے آئے گی خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ ہرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت صعوبت ضائع نہیں جاتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے ؛

حضرت مجدد صد چہاردہم

اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء

از خواجہ کمال الدین

اعتدال خیر و برکت کا منبع ہے

فرمانبرداری کی جزا اور نافرمانی کی سزا ہی دو ایسی قوتیں ہیں جنکے سہارے سوئی کی ہر کل صحیح چل سکتی ہے

صحیفۂ قدرت کا باقاعدہ مطالعہ اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز فی نفسہٖ خراب نہیں۔ ہاں اس کا مخصوص استعمال مخصوص حالات کے ماتحت اس کو خراب بنا دیتا ہے۔ ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ جو ایک خاص انداز و پیمانہ میں رہ کر مفید اور قیمتی ثابت ہوتی ہے۔ مگر وہی چیز کسی اور تناسب و انداز میں آ کر ضرر رساں بن جاتی ہے۔ ایک ہی فعل ہوتا ہے۔ جو اپنے حالات کے لحاظ سے خیر و برکت کا منبع ہوتا ہے۔ مگر وہی فعل حالات کے تغیر سے خود فاعل اور اس کے دیگر ابنائے جنس کے لئے ہلاکت و تباہی کا موجب بن جاتا ہے۔ یہ وہ عالمگیر اصول ہے جس کا تسلط کارخانۂ قدرت کے ہر ذرّہ پر محیط ہے۔ مثال کے طور پر ہم افیون کو لیتے ہیں۔ بعض حالات میں افیون کا استعمال سخت درد اور عذاب میں مبتلا مریض کو اچھا کر دیتا ہے۔ لیکن ضرورت کے بغیر اعتدال سے بڑھ کر اسکو استعمال کرنا فرشتۂ اجل کو خود مدعو کرنا ہے۔ یہی اصول تمام چیزوں کے ارتقاء میں کام کرتا نظر آتا ہے۔ ایک ہی چیز کے مختلف پہلو اور شکلیں نتائج میں اختلاف پیدا کر دیتی ہیں۔ اور یہ اختلاف تناسب اور انداز کے تغیر سے پیدا ہوتا ہے۔ ہائیڈروجن کے دو اجزا جب آکسیجن کے ایک جزو سے ملتے ہیں تو پانی بن جاتا ہے۔ انہی دو چیزوں کی ترکیب جب کسی اور تناسب و انداز میں واقع ہوتی ہے۔ تو کوئی اور ٹھوس چیز بن جاتی ہے۔

یہ قانون صرف مادیات ہی میں موجود نہیں بلکہ اس کے زیر اثر اخلاقیات اور روحانیات بھی ہیں۔ القرآن دنیا میں پہلی کتاب ہے جس نے اس عالمگیر اصول کے اسرار پنہانی کو انسانوں پر آشکار کیا۔ اس نے بتایا کہ مادی اشیاء کی ترقی کی علّت غائی مادہ کی اجزائی ترکیب کے قدر و اندازہ میں مختلف ہونا ہے۔ اگر آپ نے علم موسیقی سیکھنا ہے تو آپ کو آواز کے مختلف اندازوں اور اصوات مختلفہ کی حقیقت پر غور کرنا ہوگا۔ اسی طرح انسان کی قوتِ تکلّم کا حال ہے۔ اور اسی قانون کے ماتحت انسان کے اچھے یا بُرے افعال ہیں۔ شریعت جو اصطلاح اسلام میں "احکام خداوندی" کے مترادف ہے ان اخلاقی قوانین کا مجموعہ ہے۔ جو انہیں اندازوں اور حدود بندیوں کی تشریح کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں شریعت کے احکام و فرائض کو حدود اللہ کہا گیا ہے۔

ایمانیات

اسلام کی تعلیم کی رُو سے وہ ہستی جو ان حدود اور اندازوں کو مقرر کرتی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ جو خالقِ اکبر ہونے کی حیثیت سے جانتا ہے۔ کہ ہر چیز کی خلقت کی علّت غائی کیا ہے۔ وہی معبود تمام قوانین کا حقیقی سرچشمہ ہو سکتا ہے۔ اور ان قوانین پر عمل درآمد سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے چند فرمانبرداروں کے توسط سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور انہیں فرمانبرداروں کی اصطلاح اسلامی میں ملائکہ کہتے ہیں۔ پس ہمارا فرشتوں پر ایمان ذاتِ باری پر ایمان لانے کا ایک نتیجہ ہے۔ اسی مسئلہ کو اگر علمی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر خداوند قدوس سرچشمۂ قوانین ہے تو ملائکہ ان قوانین کے کارندے ہیں۔ جن کی وساطت سے منشائے الٰہی انسانوں پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ ان پر مشیّت کا بذریعہ الہام ظاہر ہونا کسی خاص وقت یا قوم تک محدود نہیں ہوا۔ بلکہ ابتدائے آفرینش ہی سے اس کا ظہور ہونا شروع ہو گیا تھا اور وہ قوم یا شیرازہ جن میں الہامات الٰہی محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ کتاب اللہ کہلاتی ہیں۔ مسلمان خدائے بیچوں سے تعلقات عبودیت قائم کرنے کے بعد اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی اطاعت بھی اپنا فرض جانتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کے احکام اس کے اطاعت کیش بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نہایت ہی برگزیدہ انسانوں میں سے چنے جاتے ہیں۔ اور ان پر ملائکہ کا ورود ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ ان کے ذریعے سرچشمۂ الہام سے سیراب رہتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی ساتھ ہی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیاء اپنے الہاموں پر خود عمل پیرا ہو کر ان کی صداقت پر مہر لگا دیتے ہیں۔ ان کی زندگی گویا ان کی تعلیم کی تشریح ہوتی ہے۔ وہ اپنے الہاموں کو ایک کتاب کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مگر جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ الہام الٰہی ایک ایسی نعمت ہے جو کسی خاص قوم، گروہ یا زمانہ تک محدود نہیں بلکہ اس میں ایک ایسا رنگ عمومیت ہے کہ اس کے فیض سے کوئی قوم محروم نہیں رہی۔ جونہی انسانی ہاتھوں نے آئین سابقہ کو محرّف و مبدل کر دیا۔ ایک نئے نظامِ اخلاق کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ نیا نظام اخلاق سابقہ قوانین ہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ صرف زمانہ کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے چند ایک تبدیلیاں کر دی جاتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد ہم فرشتوں کو ماننے۔ الہامِ الٰہی کو ماننے اور لاتعداد انبیاء کو ماننے پر مجبور رہیں اور ہم ان رسولوں کو ماننے پر رائی بھر تفریق نہیں کرتے۔ گویا ہمارا ان چار اصولوں کو مان لینا حقیقت میں ان سرمدی صداقتوں کو مان لینا ہے۔ جو قوانینِ قدرت میں روپوش رہتی ہیں۔ مذکورہ بالا بیان کی تصدیق آیہ ذیل سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

"قولوا آمنا باللّٰہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربہم لا نفرق بین احد منہم ونحن لہ مسلمون ٥" ترجمہ: "اے مسلمانو! دنیا میں اس حقیقت کا اعلان کر دو کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور ان چیزوں پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف بذریعہ محمدؐ اتاری گئیں اور ان چیزوں پہ ایمان لائے ہیں جو ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحٰق اور یعقوب اور آل یعقوب کی طرف نازل ہوئیں۔ اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئیں۔ ان پر اور جو دیگر انبیاء کو عطا کی گئیں۔ ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان تمام انبیاء پر (اور ان کی الہامی کتابوں پر ایک پختہ اور یکساں) ایمان لاتے ہیں کہ (ذرّہ کو) تفریق نہیں کرتے (اور تفریق کریں بھی کیوں جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی یہ ہے کہ ان پر یکساں ایمان رکھیں۔ کیونکہ ہم تو صرف رضائے الٰہی کے جویا ہیں۔"

پس ان صداقتوں کی روشنی میں ہمارے افعال نیکی یا بدی کا رنگ اختیار کرتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہمارے تمام موجودہ مشاغل اور مساعی کو ان نتائج کے خیال سے تحریک پیدا ہوتی ہے۔ جو مستقبل میں رو پذیر ہوں گے۔ جو ہم نے دماغ میں تصور کر رکھے ہوتے ہیں۔ اگر ہمارا مطمح نظر مستقبل نہیں بلکہ زمانہ حاضرہ تک ہی ہماری نگاہ محدود ہے تو پھر کوئی طاقت نیکی کی طرف ہمیں مائل نہ کرے۔ اور بدی سے رکنا محال ہو جائے۔ نہیں نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ افعال کا خیر و شر صرف اُن کے نتائج ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ پس مستقبل حاضر پر حکمرانی کرتا ہے اگر میں کسی آئندہ زمانہ میں ایمان نہیں رکھتا تو جب تک میں اپنے افعال کے حسن و قبح کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھ سکتا ہوں۔ تب تک میرے لئے کوئی چیز نیکی کی محرک نہیں۔ اور نہ ہی مجھے بدی سے روکنے والی کوئی طاقت ہو سکتی ہے۔ مگر جونہی میرے دماغ میں یہ عقیدہ ذہن نشین ہو گیا کہ میرے تمام موجودہ افعال میرے مستقبل کو مؤثر بنانے والے

از:۔ مولانا مرتضیٰ خان صاحب

سچی حکمرانی

حضرت عمرؓ کے رحم و کرم اور رعیت پروری کا ایک سچا واقعہ

حضرت عمرؓ کا یہ دستور تھا کہ وہ رات کے وقت شہر کی گشت لگاتے تھے اور اپنی رعیت کا حال معلوم کرتے۔ ایک دفعہ گشت لگاتے ہوئے وہ ایک غریب بڑھیا کے مکان کے پاس سے گزرے اندر سے بچوں کے رونے کی آواز آئی۔ آپ فوراً ٹھہر گئے اور بڑھیا سے پوچھا کہ بچے کیوں رو رہے ہیں ان کو کیا تکلیف ہے؟ اللہ اللہ کس قدر ہمدردی آپ کے دل میں تھی۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ یہ بچے بھوک کے مارے رو رہے ہیں۔ میں ایک بڑھیا اور بیوہ ہوں۔ کچھ تھوڑا بہت محنت مزدوری سے کما کر اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتی ہوں بعض وقت فاقے بھی لگتے ہیں۔ آج بھی گھر میں کچھ نہیں اور بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ چولھے پر ہنڈیا میں پانی چڑھا رکھا ہے۔ اور اس کو چمچے سے ہلاتی جاتی ہوں تاکہ یہ بچے سمجھیں کہ کچھ پک رہا ہے۔ اور ان کو تسلی رہے کہ ابھی کھانا تیار ہوتا ہے پس ان کی تسلی کے لئے یہ خالی ہنڈیا چڑھا رکھی ہے۔ آخر رو رو کر سو جائیں گے۔ یہ کہہ کر بڑھیا کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ ادھر بڑھیا رو رہی تھی ادھر خلیفہ وقت زار و قطار رونے لگے۔ اسی حالت میں آپ بیت المال کی طرف بھاگے بھاگے آئے۔ آٹے کی بوری اور دوسری چیزیں اپنی پیٹھ پر اٹھائیں اور جلد جلد بڑھیا کے مکان کی طرف لپکے۔ آپ کا غلام آپ کے ہمراہ تھا۔ اس نے عرض کی امیرالمومنین! آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ سامان میں اٹھا لیتا ہوں آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قیامت کے دن تو میرا بوجھ اٹھائے گا؟" آپ کھانے پینے کا سارا سامان لے کر بڑھیا کے مکان پر پہنچے بڑھیا کے ساتھ مل کر خود کھانا تیار کیا۔ آگ جلاتے ہوئے چولھے کی راکھ آپ کی ریش مبارک اور منہ پر پڑتی تھی مگر آپ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ کھانا تیار ہوا بچوں کو کھلایا اور انہیں پیار اور محبت سے تھپک تھپک کر سلایا۔ کوئی شفیق باپ بھی ایسی محبت بچوں سے نہیں کرتا ہوگا۔ جو آپ نے کی۔ اس میں کیا شک ہے کہ خلیفۂ وقت اپنی رعیت پہ باپ کے برابر مہربان تھے۔ اگر رعیت کے ایک فرد کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو وہ بے چین ہو جاتے تھے۔

اسی طرح ایک رات مدینہ کے گرد و نواح میں گشت لگاتے ہوئے ایک الگ تھلگ مکان کے پاس سے آپ کا گذر ہوا اور کسی بچے کے رونے کی آواز کان میں پڑی۔ آپ ٹھہر گیا۔ دریافت فرمایا کہ بچہ کیوں رو رہا ہے۔ بچے کی ماں کو معلوم نہ تھا کہ دریافت کرنے والے خود حضرت عمرؓ خلیفہ وقت ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ خلیفۂ وقت کا حکم ہے کہ جب تک بچہ دودھ نہ چھوڑے اس وقت تک بیت المال سے وظیفہ نہیں مل سکتا۔ میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں اگرچہ ابھی دودھ چھڑانے کی مدت پوری نہیں ہوئی لیکن جب تک دودھ نہیں چھڑایا جائے گا وظیفہ نہیں ملے گا۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ الفاظ سنے تو آپ کو بہت رنج ہوا اور مسجد میں جا کر سربسجود ہو کر خدا کے حضور روئے کہ معلوم نہیں میرے اس حکم سے کتنے بچوں کی جانیں ضائع ہوئی ہوں گی۔ اس سے دوسرے دن ہی آپ نے حکم جاری کر دیا کہ بچے کو خواہ وہ دودھ پیتا ہو یا نہ پیتا ہو وظیفہ ملے گا۔

دیکھا آپ نے حضرت عمرؓ کے دل میں رعیت کے بچوں کا کس قدر خیال تھا۔ پھر کس قدر آپ کے دل میں خدا کا خوف تھا۔ جب آپ کو علم ہوا کہ آپ کے حکم کی وجہ سے مائیں بچوں کو قبل از وقت ہی دودھ چھوڑنے پر مجبور کرتی ہیں۔ آپ خدا کے حضور روئے اور اپنی غلطی کی معافی مانگی۔

اسی طرح گشت کرتے ہوئے ایک مرتبہ ایک مکان کے پاس سے گزرے تو آپ کے کان میں یہ آواز آئی:۔

"خدا برا کرے عمرؓ کا مجھے کبھی پوچھا تک نہیں کہ مرتی ہے یا زندہ"

جب آپ کے کانوں نے یہ لفظ سنے آپ فوراً اس کے پاس گئے اور فرمایا اے مادر مہربان! آپ کو کیا تکلیف ہے۔ بڑھیا نے کہا میں اس عمرؓ کو کوس رہی ہوں جب سے خلیفہ ہوا ہے مجھے ایک پائی بھی نہیں دی۔ غریب عورت ہوں کہاں سے کھاؤں۔" آپ نے فرمایا۔ مادر مہربان! آپ الگ تھلگ کونے میں پڑی ہیں۔ خلیفہ کو آپ کا کیا علم ہو سکتا ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ اگر ہم لوگوں کا اس کو علم نہیں ہو سکتا تو وہ خلیفہ کاہے کا بنا بیٹھا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا بے شک آپ کا کہنا بالکل بجا ہے۔ اسی وقت اس کی ضروریات پوری کیں اور اس سے معافی مانگی کہ اب اس قدر غفلت آپ کے بارے میں نہیں کی جائے گی۔ کسی نے پاس سے کہہ دیا کہ یہی خلیفہ وقت ہیں۔ بڑھیا یہ سن کر حیران ہو گئی اور معافی مانگنے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ قصور تو میرا ہے کہ میں نے آپ کی خبر نہیں لی۔ آپ کیوں معافی مانگتی ہیں۔

بقیہ اعتدال خیر و برکت کا منبع ہے۔ (آمدہ ص ۱۱)

ہیں تو آئندہ کا خطرہ اور امید دو ایسی طاقتیں ہیں جو میری تمام جد و جہد پر قابض رہیں گی۔ خواہ میری موجودہ تگ و دو زمانہ آئندہ کی ایک قلیل میعاد کو مؤثر کرے۔ یا میری تمام زندگی پر اس کا اثر پڑے میرے دماغ میں اس حقیقت کا کھل جانا ہی ایک ایسی طاقت ہے جو مجھے نیکی کی طرف مائل کرتی رہے گی۔ ہمارا دنیاوی تمدن قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر افراد اپنے افعال کے نیک و بد نتائج کے ذمہ دار نہ بنائے جائیں۔ قوانین کی فرمانبرداری کی جزا اور نافرمانی کی سزا ہی دو ایسی قوتیں ہیں جن کے سہارے ہماری سوسائٹی کی تمام کل چل رہی ہے۔ لہٰذا ایک مسلم کا یوم آخرت پر ایمان حقیقت میں مذکورہ بالا چار اصولوں کو قبول کر لینے کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ یعنے سرچشمۂ قوانین اللہ تعالیٰ کو ماننا۔ قانونی کارندے یعنی ملائکہ پر ایمان لانا۔ قانون کی اجتماعی شکل یعنی کتب اللہ پر ایمان لانا اور انبیاء پر ایمان لانا جو احکام شریعت لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

بقیہ مجدد صد چہاردہم کے چند ضروری ارشادات (آمدہ ص ۸)

اور مالک ہے ہر ایک ملک کا۔ اور متصف ہے ہر ایک کمال سے اور منزہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کریں اور اس کے آگے کوئی بات بھی ان ہونی نہیں اور تمام روح اور ان کی طاقتیں اور تمام ذرات اور ان کی طاقتیں اسی کی پیدائش ہیں۔ اس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی طاقتوں اور قدرتوں اور نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور اس کو اسی کے ذریعہ سے ہم پا سکتے ہیں۔

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے ۳ پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۶۷ | یوم چہارشنبہ ۲۲ محرم الحرام سنہ ۱۴۰۱ ھجری بمطابق ۳ دسمبر سنہ ۱۹۸۰ عیسوی | شمارہ ۴۹

ارشادات حضرت مجدد صد چہار دہم

توبۃ النصوح کی شرائط

توبہ دراصل حصولِ اخلاق کے لئے بڑی محرک اور مؤید چیز ہے اور انسان کو کامل بنا دیتی ہے یعنی جو شخص اپنے اخلاقِ سیئہ کی تبدیلی چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ سچے دل اور پکے ارادے کے ساتھ توبہ کرے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ توبہ کی تین شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱:۔ اصل بات یہ ہے کہ تصورات کا بڑا بھاری اثر پڑتا ہے کیونکہ حیطہ عمل میں آنے سے پیشتر ہر ایک فعل ایک تصوری صورت رکھتا ہے۔ پس توبہ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ خیالاتِ فاسدہ اور تصوراتِ بد کو چھوڑ دے ..... اور میں نے صوفیوں کے تذکرہ میں پڑھا ہے کہ انہوں نے تصور کو یہاں تک پہنچایا کہ انسان کو بنا رہا خنزیر کی صورت میں دیکھا۔ غرض یہ ہے کہ جیسا کوئی تصور کرتا ہے ویسا ہی رنگ چڑھ جاتا ہے۔ پس جو خیالاتِ بدلذات کا موجب سمجھے جاتے تھے ان کا قلع قمع کرے۔ یہ پہلی شرط ہے۔

دُوسری شرط:۔ ندم ہے یعنی پشیمانی اور ندامت ظاہر کرنا۔ ہر ایک انسان کا کانشنس (ضمیر) اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے کہ وہ اس کی ہر برائی پر متنبہ کرتا ہے۔ مگر بدبخت انسان اسکو معطل چھوڑ دیتا ہے۔ پس گناہ اور بدی کے ارتکاب پر پشیمانی ظاہر کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ لذات عارضی اور چند روزہ ہیں۔ پھر یہ بھی سوچے کہ ہر مرتبہ اس لذت اور حظ میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بڑھاپے میں آکر جبکہ قویٰ بے کار اور کمزور ہو جائیں گے۔ آخر ان لذات کو چھوڑنا ہوگا۔ پس جبکہ خود زندگی میں ہی یہ سب لذات چھوٹ جانے والی ہیں تو پھر ان کے ارتکاب سے کیا حاصل۔ بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ انسان جو توبہ کی طرف رجوع کرے اور جس میں اوّل اقلاع کا خیال پیدا ہو۔ یعنی خیالاتِ فاسدہ اور تصوراتِ بیہودہ کو قلع قمع کرے اور اپنے کئے پر پشیمان ہو۔ یہ دُوسری شرط ہے۔

تیسری شرط:۔ عزم ہے یعنی آئندہ کے لئے مصمم ارادہ کرلے کہ پھر ان برائیوں کی طرف رجوع نہیں کرے گا اور جب وہ مداومت کرے گا تو خدا تعالیٰ اُسے سچی توبہ کی توفیق عطا کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ سیئات اس سے قطعاً زائل ہو کر اخلاقِ حسنہ اور افعالِ حمیدہ اس کی جگہ لے لیں گے۔ اور یہ فتح ہے اخلاق کی۔ اس پر قوت اور طاقت بخشنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے کیونکہ تمام قوتوں اور طاقتوں کا مالک وہی ہے جیسے کہ فرمایا:۔

" ان القوۃ للہ جمیعا "

ساری قوتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اور انسان ضعیف البنیان تو کمزور ہستی ہے خلق الانسان ضعیفا۔ پس خدا تعالیٰ سے قوت پانے کے لئے مندرجہ بالا ہر سہ شرائط کو کامل کر کے انسان کسل اور سستی کو چھوڑ دے اور ہمہ تن مستعد ہو کر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگے۔ اللہ تعالیٰ تبدیلیٔ اخلاق کر دے گا۔

(اقتباس از تقریر جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

بقیہ

جلسہ سالانہ خواتین

۱۰-۳۵ تا ۱۱-۱۵ تقریر بیگم رضیہ مدد علی "

۱۱-۱۵ تا ۱۱-۳۰ خطبۂ صدارت

۱۱-۳۰ تا ۱۲-۰۰ اپیل چندہ و دُعا بیگم رضیہ مدد علی

وقفہ برائے نمائش دستکاری و نماز

دوسرا اجلاس :- زیر صدارت بیگم رشیدہ ظفر صاحبہ (سیالکوٹ)

۳-۰۰ تا ۳-۵ تلاوتِ قرآن مجید معہ ترجمہ بیگم چوہدری فضل حق لاہور

۳-۵ تا ۳-۱۰ نظم ننھی بچیاں

۳-۱۰ تا ۳-۲۰ تقریر محترمہ محمودہ زبیری پاراچنار

۳-۲۰ تا ۳-۲۵ رپورٹ خواتین احمدیہ سیالکوٹ بیگم خورشید راجہ

۳-۲۵ تا ۳-۳۰ " " کراچی بیگم اختر نذیر احمد

۳-۳۰ تا ۳-۳۵ نظم

۳-۳۵ تا ۴-۳۰ مجلس مذاکرہ بموضوع احمدیت کیا ہے؟ مدیحہ رسول و شاہدہ جنجوعہ

خطبۂ صدارت و تقسیم انعامات

جج خواتین :- بیگم عائشہ بیگ ۔ بیگم خورشید راجہ ۔ بیگم رضیہ فاروقی

سٹیج سیکرٹری :- پہلی نشست ـــــ بیگم رضیہ مدد علی

ـــ دوسری نشست ـــــ بیگم زبیدہ محمد احمد

جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء

تاریخہائے ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - اور ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء

۳ :- آپ کی جماعت نے دستکاری کی تحریک خواتین میں اگر ابھی تک نہیں کی تو بطور خاص خواتین کو توجہ دلائیں کہ ابھی سے دستکاری تیار کریں جن خواتین کی طرف سے دستکاری متوقع ہو۔ اس کے متعلق بھی اطلاع دیں ؛

۴ :- جلسہ فنڈ کی تحریک میں ہر فردِ جماعت کو شامل کرنے کی کوشش کریں اور مجھے اس کے نتیجہ سے مطلع کریں ؛

۵ :- اگر کوئی غیر از جماعت فرد شمولیتِ جلسہ کا خواہشمند ہو تو اس کی حوصلہ افزائی مقامی طور پر کریں ۔

۶ :- ٹرانسپورٹ کا انتظام احمدیہ بلڈنگس تا دار السلام کیا جا رہا ہے۔ جو دوست سیدھے دار السلام نہیں پہنچ سکتے وہ بجائے ہربانی احمدیہ بلڈنگس پہنچ جائیں ؛

اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

والسلام
فضل حق
افسر جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء

از محترمہ رضیہ فاروقی — (لندن)

ذکرِ ہالینڈ

بات تو یہ سال بھر سے زیادہ کی پرانی ہے۔ اس رپورٹ کے کاغذات میرے کاغذوں میں کہیں اوپر تلے ہو گئے۔ اب اتفاقاً یہ روئداد ہاتھ آئی تو ایسی دلچسپ معلوم ہوئی کہ نذرِ قارئین کئے بغیر دل نہ مانا۔ ویسے بھی یہ ادھار ہالینڈ والوں کا مجھ پر بار تھا جو خدا کا شکر ہے ادا ہو رہا ہے خواہ دیر سے ہی سہی :

اکثر ہالینڈ مشن اور وہاں کی احمدی جماعت کی تعریف سنی تھی اور کئی بار جب وہاں کے متعدد ممبروں سے ملنے کا موقعہ ملا تو یہ دل چاہتا تھا کہ ہالینڈ جا کر سب سے ملیں اور ان کے کام کو دیکھیں۔ اللہ نے اس آرزو کے پورا ہونے کا یوں موقعہ دیا کہ ہماری لندن کی احمدیہ ویمنز ایسوسی ایشن نے ایک وفد لے کر ہالینڈ جانے کی تجویز کی۔ اور اکیس جولائی ۷۹ء کو صبح نو بجے احمدیہ ہاؤس سے پنتالیس اصحاب و خواتین کی ایک ملی جلی پارٹی بذریعہ بس کوچ ہالینڈ کے لئے روانہ ہوئی۔ بس کی سیٹیں بہت آرام دہ تھیں اور اسکی خاص طور پر شیشے ہی شیشے سے بنی کھڑکیوں سے بہترین نظارہ تھا۔

لندن سے نکل کر انگلستان کے خوبصورت علاقوں کینٹ اور کنٹربری سے گزرتے ہوئے ہماری کوچ بارہ بجے ڈوور کی بندرگاہ پر آرکی۔ یہاں سے سٹیمر پر ہم بھی اور ہماری کوچ بھی انگلش چینل کو پار کرنے کے لئے سوار ہوئے۔ صبح سے مطلع ابر آلود تھا لیکن خوش قسمتی سے جہاز کی روانگی کے وقت جب سب مسافر کھلے ڈیک پر نکلے تو سنہری دھوپ میں سمندر کا رنگ نیلا نیلا ہو رہا تھا۔ اور ڈیک سے ڈوور کی مشہور سفید چٹانوں THE WHITE CLIFFS OF DOVER کا نظارہ قابلِ دید تھا۔ نیلے سمندر کو نیم ہالے کی صورت میں یہ سر بسر سفید چٹانیں گھیرے کھڑی تھیں اور دور سے سفید پانی کی آبشاروں کی طرح سمندر میں گرتی نظر آتی تھیں۔ میں نے کئی ساحل اور بندرگاہیں دیکھیں لیکن ڈوور کی یہ خوبصورتی سب پر فوقیت لے گئی ہے۔ انگلش چینل ہمیشہ طوفانی اور بے چین رہتی ہے۔ اور اسے پار کرنے والے مسافر نالاں ہی رہتے ہیں لیکن ہماری پارٹی نے جب نچلی منزل کے خوبصورت سیلون میں بیٹھ کر اپنے اپنے ناشتہ دان کھولے اور مل جل کر کھانے پینے اور باتوں میں مشغول ہوئے۔ تو وقت گزرتا پتہ نہ لگا۔ اور کوئی دو گھنٹہ میں ہمارا سٹیمر فرانس کی بندرگاہ ڈنکرک پر آ لگا۔ اس چھوٹی سی بندرگاہ کو دنیا کی دوسری جنگِ عظیم میں تاریخی شہرت حاصل ہو چکی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ میری نگاہوں میں کچھ سمائی نہیں۔ یہ نہ تو ڈوور کی طرح خوبصورت ہے اور نہ یہاں پہاڑی نشیب و فراز ہیں۔ بہرحال یہاں سے ہم لوگ دوبارہ اپنی کوچ میں جم جما کر سمندر کے ساتھ ساتھ فرانس کے ساحل پر چل نکلے۔ فرانس اور بلجیم دونوں ملکوں کے کنارے ملے ہوئے ہیں اور سارا علاقہ ہموار اور میدانی ہے جن میں حدِ نظر تک سرسبز کھیت ہی کھیت پھیلے ہوئے ہیں اور بے شمار موٹی تازی خوبصورت گائیں ان میں پھرتی اور چرتی نظر آتی ہیں۔ ویسے دودھ اور پنیر کے لئے شہرت تو ہالینڈ کی ہے لیکن فرانس اور ہالینڈ دونوں سے بڑھ کر بلجیم کی گائیں زیادہ ہی فربہ خوبصورت اور ترو تازہ ہیں۔

بلجیم کی سرحد پر کوچ روک لی گئی اور کسٹم کے افسران نے ہمارے پاسپورٹ اور ویزے معائنہ کئے۔ اب دن ڈھل رہا تھا اور بلجیم سے گزر کر ہالینڈ کی سرحد میں پہنچتے پہنچتے اندھیرے اور بارش نے آ لیا۔ ہالینڈ کے دارالخلافہ ہیگ میں آکر احمدیہ مشن کے مرکز کی تلاش میں بہت وقت ہو گیا۔ اور کوئی رات کے دس بجے ہم احمدیہ مرکز پر پہنچے۔ جسکے باہر روشنی میں احمدیہ مرکز کا سبز بورڈ اور سبز ہی جھنڈے لہرا رہے تھے۔ وہاں نہ صرف مسٹر سردار نور پریذیڈنٹ ہیگ مشن مع اپنے عملے کے موجود تھے بلکہ کوئی سو سوا سو کے قریب اصحاب و خواتین سرِ شام سے ہمارے منتظر تھے۔ اس مرکز اور اس کے مستعد و پُرجوش ممبرز کو اوّل تو دیکھ کر ہی دل خوش ہو گیا۔ باقی سفر کی ساری تکان ان کے محبت و اخلاص سے بھرپور خیر مقدم نے دور کر دی۔ اندر جا کر اور سب سے مل کر یہی معلوم ہوا کہ ایک خاندان کے بچھڑے بہن بھائی دوبارہ مل رہے ہیں۔ یہ سب لوگ سہ پہر سے وہاں ہمارے منتظر تھے۔ مگر نہ کوئی شکوہ نہ شکایت۔ نہ تھکاوٹ نہ اکتاہٹ۔ ہمیں سر آنکھوں پر جگہ دینے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر پیش پیش تھے۔ اسی وقت پُرتکلف کھانے سے ہماری تواضع کی گئی۔ ساتھ طرح طرح کے لطیف مشروب تھے۔ اس کے بعد پریذیڈنٹ مسٹر سردار نور نے اپنی مختصر تقریر میں ہمیں خوش آمدید کہا۔ جس کا شکریہ ہماری چیئرمین مسز جمیلہ خان نے ادا کیا۔

اب جو نظارہ میں نے دیکھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ پنتالیس آدمیوں کی بود و باش کے لئے خاصا ایک ہوٹل چاہیئے۔ مگر مسٹر سردار نور نام بنام اپنی جماعت کے ممبروں کو بلاتے رہے۔ اور دو چار بلکہ پانچ تک نامزد مہمانوں کو وہ میزبان اپنے ہمراہ لے کر خوشی خوشی چل پڑتے تھے۔ ذرا سی دیر میں دیکھتے دیکھتے پنتالیس افراد کے رہنے کا بندوبست ہو گیا۔ آجکل کی خود غرض و خود نفیس دنیا میں اخوتِ اسلامی کا یہ ثبوت کئی طرح قابلِ رشک تھا۔ ایک تو جُدا جُدا ہر ممبر کی قربانی و فیاضی اور مہمان نوازی کا جذبہ۔ دوسرے اپنے پریذیڈنٹ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی مثال لاجواب تھی

اِن مغربی ممالک میں وقت کی کمی۔ جگہ کی تنگی۔ اخراجات۔ زندگی کے حساب۔ اور پھر آجکل کی مہنگائی میں کوئی رات بھر کو ایک مہمان رکھنے کا روادار نہیں ہوتا۔ کجا کئی کئی مہمان۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ایک صاحب نے اپنے چار بچوں کو جو سکول کی تعطیلات منا رہے تھے۔ ایمسٹرڈیم اپنے بھائی کے ہاں بھیجدیا۔ اور وہ خود پانچ مہمانوں کو لے گئے۔ صبح جب ہماری پارٹی دوبارہ احمدیہ مرکز پر اکٹھی ہوئی تو ہر ممبر کی زبان پر اپنے اپنے میزبانوں کے اخلاق و محبت اور خاطر تواضع کی تعریف تھی۔ ہر کوئی اصرار کرے کہ ان کے میزبان اپنی نظیر آپ ہیں۔ مہمان چھوڑ اس جماعت کے ہمسائے تک اس صفت سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مسٹر سردار نور بتانے لگے کہ ایک بار وہ اسی طرح آنے والے وفد کے رہنے کا بندوبست کر رہے تھے۔ کہ ان کا بوڑھا ڈچ ہمسایہ آ کھڑا ہوا اور پوچھنے لگا کہ آپ آئے دن یہ لوہے بستر کیوں الٹ پلٹ کرتے رہتے ہیں۔ جب اس کو حقیقت معلوم ہوئی کہ یہ ایک مسلمان جماعت کا جوہر ہے کہ اپنے مسافر بھائیوں کے لئے آرام کا ٹھکانہ مہیا کرتے ہیں تو اس ہمسائے پر یہ اثر ہوا کہ جھٹ جا کر اپنا بستر اور کمبل تکیئے اٹھا لایا کہ یہ بھی شامل کر لو۔

ہمیں اب یوٹرِچ روانہ ہونا تھا۔ حالانکہ کام کا دن تھا مگر مسٹر سردار نور اور کئی ممبر صاحبان ہمارے ساتھ ہو گئے۔ یوٹرِچ پہنچے تو وہاں بھی روح پرور نظارہ تھا۔ اس خوبصورت شہر میں ہمارے مشہور و پُرجوش مبلّغ مولانا جگو صاحب معہ اپنی فیملی کے سکونت پذیر ہیں۔ وہ بنفسِ نفیس معہ پریذیڈنٹ مسٹر الیوب ایک بہت لائق اور پُرجوش احمدی نوجوان ہیں۔ انہوں نے ہمارا تعارف وہاں کی جماعت کے بہن بھائیوں سے کروایا۔ جو سب احمدیہ مرکز میں جمع تھے۔ سب سے ملنے ملانے کے بعد ہم لوگ معہ مولانا جگو اور مسٹر الیوب ایمسٹرڈیم کے لئے روانہ ہو گئے۔

ایمسٹرڈیم کی جماعت ابھی نئی تشکیل ہوئی ہے۔ مگر اس کے پریذیڈنٹ مسٹر نور دین موسیکر ٹری و ممبرز جماعت کے منتظر تھے۔ انہوں نے ہمارے لئے موٹر لانچ ریزرو کروائی ہوئی تھی۔ اس میں سمندر اور DYCKS کی سیر ہوئی۔ اس ملک ہالینڈ کی سطح سمندر سے نیچی ہے۔ اس لئے یہ پشتوں اور فولادی دیواروں کا ملک ہے۔ ان پشتوں کی مدد سے نہ صرف سمندر کو روکا ہوا ہے بلکہ جو زمین اس طرح حاصل ہوئی ہے اس

پر شہر آباد ہیں۔ پانی کی اس لہر بہر کو اہلِ ہالینڈ نے بہت ترکیب اور سلیقے سے سنبھالا ہے خوبصورت نہروں اور جھیلوں کے ذریعے پانی کو نکاس کا راستہ دیا جس سے بچاؤ کے علاوہ ان شہروں کی خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ یہاں سے سیدھے ہم اڑوڈیم روانہ ہوئے۔ دوپہر ہو گئی تھی۔ بجائے سیدھے احمدیہ مرکز میں جمع ہونے کے یہاں یہ پروگرام تھا کہ مختلف ممبرز کے گھر بانٹ کر جائیں اور اسطرح ان سے ملنے اور تبادلہ خیالات کرنے کا سب کو موقعہ مل جائے۔ جس گھر بھی گئے علاوہ پُر تکلف کھانے کے بڑے بڑے کڑھاؤ چولہوں پر چڑھتے تھے۔ طرح طرح کے پکوان بن رہے تھے۔ یہ اتفاق کی برکت ہے کہ گھر گھر سے یہ پُر تکلف کھانے تیار ہو کر مرکز میں پہنچا دیئے جاتے ہیں اور بغیر کسی خاص عملہ کے مقرر کرنے اور تردّد کے سو دو سو مہمانوں کی تواضع کا سامان ہو جاتا ہے۔ راٹرڈیم کے پریذیڈنٹ مسٹر عبدل سنتو جو ایک بہت قابل اور باعلم نوجوان ہیں مع اپنے سیکرٹری کے ہمیں ایمسٹرڈیم میں آ ملے تھے۔ انہوں نے اگلے دن ایک بہت بڑا جلسہ راٹرڈیم میں مقرر کیا ہوا تھا۔ اس لئے کھانے سے فارغ ہو کر ہم واپس یوٹرچ آ گئے۔ یہاں بھی شام ہوتے ہی احمدیہ مرکز میں تمام ہالینڈ کے شہروں سے احمدی بہن بھائی جمع ہو رہے تھے۔ رات کا کھانا یہیں ملا۔ اور پھر مسٹر الویب پریذیڈنٹ یوٹرچ کی زیر صدارت جلسہ شروع ہوا۔ مولانا جگو صاحب نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے ہوئے اچھا پُر جوش تقریریں سُر نیام اور ہالینڈ میں احمدیت کی ابتدا اور اس کی مشکلات پر روشنی ڈالی۔ ان کی اور مسٹر الویب کی تقریریں کیا تھیں۔ احمدیت سے ہر قیمت و قربانی پر محبت و وفا کی داستانیں تھیں ان کی تقریروں کے بعد میری ایک مختصر تقریر تھی کہ احمدیت کیا ہے؟ اور ہم "احمدی کیوں کہلاتے ہیں"۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ تقریر بہت دلچسپی سے سُنی اور سمجھی گئی۔ بعد ازاں مسٹر شاہد عزیز سیکرٹری جماعت یو۔کے۔ نے اپنی مدلّل و مفصل تقریر میں احمدیت کی تاریخ بیان کی اور باوجود مشکلات کے اسکی مقبولیت کا ذکر کیا۔ محترمہ والدہ صاحبہ سنتو صاحب نے اپنی پُر جوش اور محبت بھری نظمیں سنائیں اور اسی طرح مسز لال صاحبہ نے نعتیں سنا کر خراجِ تحسین حاصل کیا۔ خواتین کی طرف سے جلسہ کے شروع میں ہی محترمہ جمراتن صاحبہ دختر مولانا جگو نے انگریزی میں بہت محبت بھرا ایڈریس پیش کیا۔ رات ایک بجے یہ جلسہ بحسن و خوبی ختم ہوا۔ اور ہیگ کی طرح یہاں بھی اپنے اپنے میزبانوں کے ساتھ بہت آرام اور خاطر و خیال کی رات بسر ہوئی۔

اگلی صبح پُر تکلف و لذیذ ناشتہ کے بعد ہماری پارٹی مع چاروں پریذیڈنٹ اور مولانا جگو صاحب میڈوڈیم کے لئے روانہ ہوئی۔ یہ مقام اپنے ایک ننھے منے مکمل شہر کے نمونہ کے لئے مشہور ہے۔ ایک خوبصورت وادی میں تقریباً دو دو فیٹ اونچی عمارتیں۔ گرجا۔ ڈاک خانہ بنک سکول۔ ہسپتال۔ دکانیں۔ بازار۔ کالج اور ولاّ مع ننھے ننھے انسانوں اور کاروبارِ دنیا کی پوری تفصیل کے بنے ہوئے ہیں۔ پتلی پتلی سڑکیں۔ پیاری پیاری نہریں۔ چھوٹے چھوٹے پُل۔ پارک باغات سب اُسی مناسبت سے تعمیر کئے ہیں۔ چوطرفہ گھوم کر دیکھنے کے لئے پلیٹ فارم بنے ہیں۔ بہت دلچسپ کھلونا سی دنیا آباد ہے۔ موسم نے بھی ساتھ دیا۔ اور اس تفریح کے بعد ہم سیدھے راٹرڈیم پہنچے۔ یہاں کا جلسہ ایک طرح الوداعی اجتماع تھا مسٹر عبدل سنتو کے حُسن انتظام سے باوجود خاصہ بڑا مجمع ہونے کے ملاقاتیں۔ کھانا پینا سب وقت پر انجام پاکر کاروائی جلسہ شروع ہوئی۔ مسٹر عبدل سنتو نے بہت تفصیل سے ہالینڈ کی احمدی جماعتوں کے حالات و کام اور آئندہ پروگرام پر روشنی ڈالی۔ اسی طرح مسٹر الویب مولانا جگو صاحب اور دیگر معززین کی تقریریں پُر از معلومات اور یقین و اُمید سے پُر تھیں۔ سب کے اصرار پر پانچ منٹ کے لئے مجھے پلیٹ فارم پر آنا پڑا۔ مگر سوائے جماعت ہالینڈ کی خوبیوں کے اعتراف اور ان کی محبت و خاطر کے شکریہ کے میرے پاس اور کچھ کہنے کا وقت نہ تھا۔ بیگم صاحبہ عزیز احمد ہماری صدر احمدیہ ویمنز ایسوسی ایشن سے بھی درخواست کی گئی انہوں نے عورتوں کے حقوق اور دُوسری شادی پر بولنا پسند کیا۔ مسٹر شاہد عزیز کی تقریر بھی فاضلانہ تھی۔ اس کے بعد مسز جمیلہ خان نے شکریہ ادا کیا اور یہ جلسہ کافی رات گئے ختم ہوا۔ اُسی وقت ہماری پارٹی ہیگ کے لئے روانہ ہو گئی۔ جہاں مثلِ سابق شب بسر کر اگلی صبح صبح ہی ہم اپنے میزبانوں اور جماعت کے ممبرز کو احمدیہ مرکز میں الوداع کہہ کر واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ہالینڈ پیچھے رہتا جا رہا تھا۔ لیکن جماعت کے بوڑھوں بزرگوں نوجوانوں۔ ننھوں بچوں۔ لڑکوں لڑکیوں کے عقیدہ و ایمان اور عمل۔ جوش و جذبہ کی حیرت انگیز یاد نے دل و دماغ میں ہجوم کر رکھا تھا۔ ان کے اتفاق اور قربانی کے نمونوں پر رشک آ رہا تھا۔ ہالینڈ کی یاد اور اس کا ذکر ہمیشہ کے لئے دل خوش کن ہے۔ بس ؎

"ہالینڈ کا ذکر کم نہیں ہالینڈ کی دید سے"

بقیہ: ہمارا جلسہ سالانہ (آمدہ صفحہ نمبر ۸)

ریں۔ اور چھوٹے چھوٹے عذرات۔ اور مصروفیات ان کے راستے میں روک نہ بنیں۔ یہ دن سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس وہ اگلے سال بھی یہ دن دیکھنا نصیب ہوگا یا کہ نہیں۔

ایک طرف جلسہ سالانہ میں شمولیت کی وجہ سے انسان کے اندر یگانگت، **اخوت** پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسری پانچ جماعتوں کا باجماعت ادا کرنا **فجر کی نماز کے بعد قرآن** مجید کا درس۔ اور سارا دن قرآن مجید کے حقائق **ومعارف** اور دینی مسائل جو کہ **عملی طور پر** ہماری زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان پر مختلف عنوانوں پر مقررین کا عالمانہ خطاب۔ اس کے نتیجہ میں انسان کے اندر علم و معرفت میں ترقی ہوتی ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص دین حاصل کرنے کے لیے سفر اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی برکتوں کے دروازے اس پر کھولے جاتے ہیں۔ من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع (ترمذی)

جو شخص علم (دین) حاصل کرنے کیلئے سفر اختیار کرتا ہے ایسا شخص اسی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کے رستہ میں (جہاد۔ دین کی تبلیغ) کے لیے جاتا ہے۔ اور یہ حالت اس وقت تک رہتی ہے یہاں تک وہ اپنے گھر میں واپس آ جائے۔ اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کا رواۃ میں بڑا اونچا مقام ہے۔

پس اے ہمارے بزرگ بھائیو! یہ دن کتنے ہی مبارک آ رہے ہیں جب آپ جلسہ سالانہ پر تشریف لائیں گے۔ آپ کا یہ سفر فی سبیل اللہ شمار کیا جاوے گا۔ پس وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں جو فرمودہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی خاطر پاسداری میں یہ سفر اختیار کریں اور کوئی روک انکے رستہ میں روک نہ بنے۔

اسی طرح ایک حدیث میں (ان لوگوں کے بارے میں جو دین سیکھنے کے لیے آتے ہیں) فرماتے ہیں۔

"جو شخص علم کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ اللہ تعالیٰ اسکے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ **فرشتے علم کے ایسے طالب کے اس فعل سے خوش ہو کر اپنے** پَر اس کے آگے بچھا دیتے ہیں۔ اور عالم کے لیے زمین و آسمان میں رہنے والے خوش ہو کر اپنے پَر اس کے آگے بچھا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اس کے حق میں دعا کرتی ہیں"۔ (ترمذی کتاب العلم باب فی فضل الفقہ)

پس اے احمدی جماعت کے ساتھ وابستہ ہونے والو! یہ دن کتنے ہی مبارک ہیں۔ آپ کی اور یہی ایک مقصد ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی باتیں سنیں۔ اپنے علم میں ترقی حاصل کریں۔ اور وہ جہاد کبیر جن کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے۔ جو لوگ اس فریضہ کو سر انجام دیں گے انکو قابل رشک نمایاں کامیابی نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہو۔ اور اپنے فضل سے ہر بھائی بہن کو اس مبارک اجتماع میں شمولیت کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین

۲۔ تربیتِ اطفال کیلئے ایک بہتر نمونہ

حضرت صاحب بچوں پر بڑے مہربان تھے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہمارے حضرت، بچوں پر بڑی مہربانی اور شفقت فرمایا کرتے تھے بچے اکثر بے جا سوال کرتے ہیں ضد اور شرارت بھی کرتے ہیں اور نقصان بھی کرتے ہیں۔ ہمارے حضرت انکی سب باتوں پر صبر کرتے اور حوصلے سے کام لیتے ہوتے۔ ان کو بڑی محبت سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے۔

آپ بچوں کو مارنے کے مخالف تھے

آپ بچوں کو مارنے کے سخت مخالف تھے جب کبھی آپ کسی کے متعلق سنتے کہ اس نے بچے کو مارا ہے آپ سخت ناراض ہوتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے بچے کو بہت بری طرح مارا جب آپکو معلوم ہوا آپ نے اُس شخص کو بلایا اور فرمایا "میرے نزدیک بچوں کو مارنا شرک میں داخل ہے گویا مارنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح سے وہ اپنے بچے کو ہدایت کے رستہ پر لے آئیگا۔ آپنے بڑے پُر درد الفاظ میں نصیحت فرمائی اور فرمایا زود رنج جلدی غضبناک ہو جانے والا شخص اس قابل نہیں کہ اسے بچوں کی تربیت کے لیے مقرر کیا جائے۔ پھر فرمایا کہ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لیے درد دل سے دعا کرنے کو ایک ضروری علاج سمجھ لیں۔

سکول میں ہدایت

آپنے اسکولوں میں ہدایت بھیج دی تھی کہ جس استاد کو مارنے کی عادت ہو اور وہ اپنے اس فعل سے باز نہ آئے اُس کو ہرگز اسکول میں نہ رکھا جائے۔

تکلیف دہ باتوں پر صبر

بچوں کے ساتھ اس قدر نیک سلوک کرتے تھے کہ انکی تکلیف دہ باتوں پر بھی صبر فرماتے۔ جاڑے کا موسم تھا میاں محمود احمد اس وقت بچے تھے آپ کی واسکٹ میں انہوں نے اینٹ ڈال دی۔ آپ جب لیٹتے تو وہ اینٹ چبھتی۔ مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میری موجودگی میں حامد علی سے فرمانے لگے کہ حامد علی چند روز سے ہماری پسلی میں درد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز چبھتی ہے۔ وہ حیران ہوا اور آپ کے جسم مبارک پر ہاتھ پھیرنے لگا اور آخر اس کا ہاتھ اینٹ سے جا لگا۔ جھٹ جیب سے نکال لی اور عرض کیا کہ یہ اینٹ تھی جو چبھتی تھی۔ مسکرا کر فرمایا او ہو چند روز ہوئے محمود نے جیب میں ڈالی تھی اور کہا تھا اسے نکالنا نہیں میں اس سے کھیلوں گا"۔

بچوں کے معاملے میں حضرت کا حلم اور صبر

بچوں کے ساتھ صبر اور حلم کا ایک نظارہ مولوی عبدالکریم صاحب پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

حضرت کا حوصلہ اور حلم یہ ہے کہ میں نے سینکڑوں مرتبہ دیکھا ہے اپنے نازک اور ضروری کام پر بیٹھے جاتے ہیں ابھی پانچ ہی منٹ گزرے ہیں تو پھر موجود پھر وہی گرما گرمی اور شور اشوری کہ وہ ابا بوا کھول اور آپ اُٹھ کر اسی وقار اور سکون سے دروازہ کھول دیتے ہیں اور منہ سے ایک حرف تک نہیں نکالتے کہ تو کیوں آتا ہے اور کیا چاہتا ہے اور آخر تیرا مطلب کیا ہے کہ بار بار ستاتا اور کام میں حرج ڈالتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ گنا کوئی بیس دفعہ ایسا کیا اور ان ساری دفعات میں ایک دفعہ بھی حضرت کے منہ سے زجر اور توبیخ کا کلمہ نہیں نکلا"۔

ایک واقعہ

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میاں محمود احمد صاحب چار برس کے ہونگے۔ حضرت معمولاً اندر بیٹھے لکھ رہے تھے میاں صاحب دیا سلائی لے کر وہاں تشریف لائے اور آپکے ساتھ بچوں کا ایک غول تھا۔ پہلے کچھ عرصہ آپس میں کھیلتے رہے پھر جو کچھ دل میں آیا تو ان مسودات کو آگ لگا دی اور خود لگے خوش ہونے اور تالیاں بجانے اور حضرت لکھنے میں مصروف ہیں سر اٹھا کر دیکھتے ہی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے اتنے میں آگ بجھ گئی اور قیمتی مسودے راکھ کے ڈھیر ہو گئے .... حضرت سیاق عبارت ملانے کے لیے کسی گزشتہ کاغذ کو دیکھنے کی ضرورت ہوئی اس سے پوچھتے ہیں اس سے دریافت کرتے ہیں آخر ایک بچہ بول اٹھا کہ میاں نے کاغذ جلا دیئے۔ عورتیں اور لوگ حیران کہ اب کیا ہوگا مگر حضرت مسکرا فرماتے ہیں خوب ہوا اس میں اللہ تعالےٰ کی کوئی مصلحت ہوگی اب خدا چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون سمجھائے۔

بچوں کی کہانیاں سننا

بارہا میں نے دیکھا ہے کہ اپنے اور دوسرے بچے آپ کی چارپائی پر بیٹھے ہیں اور آپ کو مضطر کر کے پائنتی پر بٹھا دیا ہے اور اپنے بچپنے کی بولی میں مینڈک اور کوے اور چڑیا کی کہانیاں سنا رہے ہیں۔ اور گھنٹوں سنائے جا رہے ہیں۔ اور گھنٹوں سنائے جا رہے ہیں اور حضرت ہیں......... کہ بڑے مزے سے سُنے جا رہے ہیں گویا کوئی مثنوی مولانائے روم سنا رہا ہے حضرت بچوں کو مارنے اور ڈانٹنے کے سخت مخالف ہیں۔ بچے کیسے ہی منہ لبوریں شوخی کریں۔ سوال میں تنگ کریں اور بیجا سوال کریں اور ایک موہوم اور غیر موجود شے کیلئے حد سے زیادہ اصرار کریں آپ نہ تو کبھی مارتے ہیں نہ جھڑکتے ہیں اور نہ کوئی خفگی کا نشان ظاہر کرتے ہیں"

بیماری میں بچوں کی خبر گیری

پھر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں:۔ آپ بچوں کی خبر گیری اور پرورش اس طرح کرتے ہیں کہ ایک سرسری دیکھنے والا گمان کریگا کہ آپ سے زیادہ اولاد کی محبت کسی کو نہیں ہوگی۔ اور بیماری میں اس قدر توجہ کرتے ہیں اور تیمارداری اور علاج میں اس قدر محو ہوتے ہیں۔ کہ گویا اور کوئی فکر ہی نہیں، ایک بین دیکھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کیلئے ہے......... اور اس ضعیف مخلوق کی رعایت اور پرورش مدِ نظر ہے آپ کی پہلوٹھی بیٹی عصمت لدھیانہ میں ہیضہ سے بیمار ہوئی آپ اس کے علاج میں یوں دوا در مل کرتے کہ گویا اس کے بغیر زندگی محال ہے......... مگر جب وہ مر گئی تو آپ یوں الگ ہو گئے کہ گویا کوئی چیز تھی ہی نہیں اور جب سے کبھی تک ذکر تک نہیں کیا کہ کوئی لڑکی تک تھی یہ مصالحت اور مسالمت خدا کی قضا و قدر سے بجز منجانب اللہ لوگوں کے ممکن نہیں"۔

(۱لقہ ۷/۱۱/۲۰۰۲)

انفروا فی سبیل اللہ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم جناب نصیر احمد فاروقی مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۸۰ء بمقام جامع مسجد دارالسلام، لاہور

یایھا الذین اٰمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ط ارضیتم بالحیٰوۃ الدنیا من الاٰخرۃ ج فما متاع الحیٰوۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الا قلیل ۝ الا تنفروا یعذبکم عذابًا الیمًا ۵ ویستبدل قومًا غیرکم ولا تضروہ شیئًا ط واللہ علیٰ کل شیئٍ قدیر ۝ .... انفروا خفافًا وثقالًا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذٰلکم خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون ۝ (سورۃ التوبۃ۔ آیات ۳۸ تا ۴۱)

ترجمہ:۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارا کیا عذر ہے کہ جب تم کو کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ مگر دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلہ میں تو تھوڑا ہی ہے۔ اگر تم نہ نکلو تو وہ تم کو دردناک دکھ کا عذاب دیگا اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ...... تم ہلکے ہو یا بوجھل تو بھی نکل پڑو اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ پر جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہوتے۔

اصل فصاحت و بلاغت یہ نہیں کہ لچھے دار ہم قافیہ اور ہم آواز الفاظ کی بھرمار ہو مگر انکے اندر معنے تھوڑا یا برائے نام ہو بلکہ اصل فصاحت و بلاغت یہ ہے کہ سادے اور تھوڑے سے تھوڑے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی ہوں۔ قرآن کریم کا یہی کمال ہے بلکہ اس کتاب میں علم و حکمت و معرفت کے سمندر سمیٹے ہیں سادے اور کم سے کم الفاظ میں موجیں مارتے ہوتے ہیں بشرطیکہ انسان انکی گہرائیوں میں اترے۔ آج کی تین آیات میں جو وسیع مضامین ہیں ان کو نہایت اختصار سے بیان کرنے کی کوشش کرونگا وباللہ التوفیق۔

یایھا الذین اٰمنوا "اے لوگو جو ایمان لائے ہو" کے الفاظ سے ظاہر ہوا کہ یہاں خطاب عام ہے۔ کسی خاص وقت سے یا خاص گروہ سے یہ الفاظ مختص نہیں۔ گویا ہم بھی مخاطب ہیں۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ جب تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو جو وہ فرماتا ہے اسے نہ صرف غور سے سنو بلکہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنے وہ خالق جو تمہیں تخلیق کرکے علیحدہ نہیں ہو گیا بلکہ وہ تمہاری ربوبیت کرنا یعنے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کیطرف سے پہنچانا چاہتا ہے اور اسلئے اس نے تم کو وہ بات کہی ہے جو آگے آتی ہے سو اللہ کو اپنا خیرخواہ اور محسن سمجھ کر اسکی بات پر عمل کرو اور اپنی اصلاح کرو۔

مالکم "تمہارا کیا عذر ہوگا" یعنے اللہ تعالےٰ اس بات کے متعلق جو آگے آتی ہے تم سے مواخذہ کرے گا محاسبہ کریگا۔ اس وقت تم کیا عذر پیش کر سکو گے؟

اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض "جب تم سے کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین کیطرف جھک جاؤ۔ قیل کا فاعل کون ہے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ نکلو۔ رسول نے بھی متعدد بار فرمایا اور صحابہؓ نے تو کمال کر دیا۔ شروع شروع میں اتنی غربت تھی کہ بعض لوگوں کے پاس جوتیاں تک نہ تھیں۔ تو تپتی ریت کے بچاؤ کیلئے اور آبلوں سے بچنے کیلئے پاؤں پر چیتھڑے تک لپیٹ کر نکل پڑتے نہ سردی دیکھی نہ گرمی، نہ گھربار اور دھندے چھٹ جانے کی پرواہ کی، نہ پورے ہتھیار ہوتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر ساری قوم نکل پڑتی تھی۔ اگرچہ دشمن کے مقابلہ میں اپنی تعداد کتنی ہی قلیل ہو۔ غزوۂ تبوک میں جب گنتی کے چند لوگ بلا کسی معقول عذر کے رہ گئے تو واپسی پر رسول اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے انکا بائیکاٹ کیا اور جب تک انکی توبہ بلا اور گریہ زاری کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر انہیں معاف نہیں کیا تو اس وقت تک وہ بائیکاٹ جاری رہا۔

مگر قرآن حکیم کے احکام وقتی یا خاص لوگوں کے لیے نہیں ہوتے سوائے ایک دو جگہوں کے جہاں تاریخ کے ریکارڈ پر لانے کیلئے کوئی بات فرمائی اگرچہ اس سے بھی ایک مستقل نتیجہ نکلتا ہے۔ بہرحال وہاں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ خاص وقتی مصلحت تھی۔ یہاں ان جو آیات میں نے پڑھی ہیں مخاطب تمام وہ لوگ ہیں جو وقتًا فوقتًا مسلمان قوم کے فرد ہوں اور حکم جو مذکور ہے وہ بھی دائمی ہے۔

صحابہؓ پر تو وہ الزام عائد ہو ہی نہیں سکتا تھا جس کا یہاں ذکر ہے۔ یہاں ذکر تو ان لوگوں کا ہے مسلمانوں میں سے جنہیں جب بھی اللہ کے راستہ میں نکلنے کے لیے کہا جائے تو وہ بوجھل ہو کر زمین پر پھسکڑی مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بعد کے زمانوں میں کہنے والا کوئی خدا کا مامور یا روحانی پیشوا ہوگا۔

جلسۂ سالانہ

اس زمانہ کے موعود، مجدد اعظم، اور مہدیٔ معہود نے بھی اپنے ماننے والوں کو اللہ کے راستہ میں نکلنے کا ایک مستقل حکم دیا جو تمام مرد و زن، بوڑھوں نوجوانوں، نزدیک اور فاصلہ پر رہنے والوں کے لیے ہے وہ ہے ہمارا سالانہ اجتماع۔ اور آپ نے خاص طور پر فرمایا ہے کہ اس جلسہ کو دوسرے جلسوں کی طرح نہ سمجھو بلکہ یہ ایک خاص مصلحت الٰہی کے تحت اجتماع کا حکم ہے۔ جس میں ایک دوسرے کو ملنے، اللہ اور اسکے رسولؐ کی باتوں کو سننے، جماعت بنانے کے مقاصد پر ایک بار پھر نظر ڈالنے کیلئے کہ ہم نے انہیں کہاں تک پورا کیا اور آئندہ ہمیں کیا کرنا ہے، اور سب سے بڑھکر ساری جماعت کا مل کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں گر کر اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے لیے مغفرت چاہنے اور اسکی رحمتوں اور نصرتوں کے لیے گریہ وزاری کرنے کا بے نظیر موقعہ ہوتا ہے۔ جماعت کے عرض و نیاز میں برکت ہوتی ہے اور اسکی قبولیت کے زیادہ موقع ہوتے ہیں خصوصًا جبکہ وہ جماعت اس سردی میں سفر کی ذمت اٹھا کر، اخراجات برداشت کر کے اور بے آرام قیام کی تکلیفیں اٹھا کر اللہ کے راستے میں نکلی ہوئی ہو اور اسکے آگے ہاتھ باندھ کر اور پھر سر بسجود ہو کر اسے راضی کرنے کی کوشش میں ہو۔ ان لوگوں کے دین اور دنیا کی بہبودی کے لیے حضرت اقدس نے دردِ دل سے دعائیں بھی کیں جو آپ نے تحریر بھی کی ہیں۔ ان سے محروم رہنا بدنصیبی ہے۔ حضرت اقدس نے صرف ان لوگوں کو معذور سمجھا جو علالت یا کسی دوسری اشد مجبوری کی وجہ سے شامل نہ ہو سکتے ہوں۔ جو لوگ سفرِ خرچ ایکدم مہیا نہ کر سکتے ہوں انکو آپ نے مشورہ دیا کہ سال بھر کچھ نہ کچھ بچا کر اس سفر کو اختیار کریں۔

دین کو دنیا پر مقدم کرو

قرآن پاک کے اگلے الفاظ کس قدر ہمارے لیے حسرت بھرے ہیں۔ ارضیتم بالحیٰوۃ الدنیا من الاٰخرۃ ج فما متاع الحیٰوۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الا قلیل "کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلہ میں تو تھوڑا ہی ہے"۔ جو لوگ حیلے بہانے کرکے یا عذر معذرت کرکے جلسہ میں نہیں آتے انکے لیے تین وعید ہیں۔ اول تو وہ جو پہلے آچکا کہ اس دنیا میں تو تم جو چاہو عذر کرکے دوسروں کو دھوکہ دے لو یا اپنے نفس کو سمجھا لو، جب تم اللہ کے آگے حاضر ہوگے جو اصل حالات کا بلکہ تمہارے دلوں کے بھیدوں کا واقف ہے تو تمہارا کیا عذر ہوگا؟

دوسرا وعید۔ یہاں مذکور ہے کہ جو لوگ خدا کے راستہ میں نہیں نکلتے وہ دراصل دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں آخرت کے بدلے۔ دنیا کا ذرہ سا آرام یا بچت تو بے شک ہو جاتی ہے۔ مگر آخرت کی ہمیشہ کی لذتی زندگی اور تمہاری ذرہ سی کوشش اور قربانی سے وہاں کے کبھی نہ ختم ہونے والے انعام و اکرام کو تم کھو بیٹھتے ہو۔

میں جتنے جو عذر سنتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں؟ دفتر میں یا جو بھی نوکری کرتے ہیں وہاں چھٹی نہ

تھی۔ جب ہماری بزنس یا فیکٹری یا کھیتی باڑی کے ضروری کام سے ہم ۴، ۵ دن غیر حاضر رہ سکتے تھے۔ جہاں تک چھٹی کا سوال ہے اگر ہم اپنے دنیا کے کاموں یا آراموں شادی بیاہوں کیلئے چھٹی لے سکتے ہیں تو اللہ کے کام کے لیے بلکہ اپنی آخرت کے آرام و خوشی کے لیے کیوں چھٹی نہیں لے سکتے ؟ کوئی کہتا ہے کہ میری CASUAL LEAVE ختم ہو چکی تھی، کوئی کہتا ہے میں نے اپنی PRIVILEGE LEAVE کسی اور موقعہ کے لیے اٹھا رکھی تھی۔ دنیا کے کام کاج کے لیے تو چھٹی بھی نکل آتی ہے، بزنس اور فیکٹریوں کی نگہداشت کا بھی بندوبست ہو جاتا ہے، کھیتی باڑی بھی انتظار کر لیتی ہے، اللہ کے لیے ہم یہ یہ عذر پیش کرتے ہیں۔ کیا وہ ہماری طرح بے بس ہے کہ یہ عذر قبول کر لیگا ؟ خالی عذر قبول کرنے کا سوال نہیں۔ قرآن فرماتا ہے کہ نقصان تو تمہارا ہے کہ تم آخرت کے ابدی اور بیش بہا انعامات سے محروم ہو گئے۔

تیسرا وعید

تیسرا وعید اگلی آیت میں آتا ہے "الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ۵ ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا ۶ واللہ علی کل شیء قدیر ۵" "اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تم کو دردناک دکھ کا عذاب دیگا اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئیگا۔ اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ استغفر اللہ ! کیا زبردست وعید ہے۔ جس دردناک عذاب کا یہاں وعید ہے وہ آخرت میں تو جو ہوگا وہ بہت ہی المناک ہوگا مگر اس دنیا میں بھی آجاتا ہے۔ اور مؤخر الذکر بات اسلئے قرین قیاس ہے کہ آگے جن باتوں کا ذکر ہے وہ اسی دنیا کی ہیں یعنے یہ کہ (۱) تم کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کام کے لیے چنا تھا اور اپنے انعامات کیلئے خاص کیا تھا دھتکار کر وہ کسی اور قوم کو اس خاص مقام اعلیٰ کیلئے لے آئیگا (۲) تمہاری غفلت یا کوتاہی کی وجہ سے اللہ کے کاموں کو کوئی نقصان نہیں پہنچیگا کیونکہ وہ تو بہر حال ہو کر رہینگے اس لئے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جیسا کہ حضرت امام الزمان نے بھی لکھا ہے

بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

نجات اور فلاح کی راہ

قرآن حکیم بھی کیا لاجواب کتاب ہے ! دنیا اور آخرت کے دردناک عذاب سے ازراہ ترحم نجات کا اور انسانی فلاح کا راستہ بھی فوراً بتا دیا "انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ۵" "اللہ کے لیے نکل پڑو خواہ تم ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں سے اور جانوں کے ساتھ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہوتے"۔ یہ ہلکا اور بوجھل ہونا کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ خدا کے راستے میں نکلنے سے تعلق ہے کہ نکلنا تمہارے لیے آسان ہو یا مشکل تو بھی کوشش کر کے نکل پڑو۔ یہی معنی مفسرین نے کیئے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر کی تفسیر میں بیان القرآن سے نقل کرتا ہوں "خفافا یا ہلکا ہونے میں ہر وہ امر شامل ہے جسکی وجہ سے نکلنا سہل ہو جیسے قوتِ بدن، صحت جسمانی، جوانی کی عمر، فراخیٔ مال، شغل سے فراغت سواری کا ہونا۔ اور اسکے خلاف جو کچھ ہو وہ ثقال میں داخل ہے جیسے ضعف جسمانی، کمزوری، بیماری، بڑھاپا، تنگیٔ مال، صورت معاش کا نہ ہونا وغیرہ"

درد دل سے استدعا

میں جلسہ سالانہ سے (جو ۲۵ دسمبر ۸۰ء کو خواتین کیلئے ہے اور ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر کو مرد و زن سب کیلئے) بہت قبل یہ خطبہ پڑھ رہا ہوں تاکہ میرے محترم بھائی اور بہنیں وقت پر آنے کا فیصلہ کر لیں اور چھٹی اور فراغت حاصل کرنے کیلئے ابھی سے بندوبست فرمالیں اور انجمن کو بروقت اپنے آنے سے مطلع فرماسکیں۔ مرکزی جماعت لاہور سے میری خاص طور پر التجا ہے کہ ان میں سے کوئی مرد و زن یا بچہ غیر حاضر نہ ہو۔ دفتروں سے چھٹی کے لیے ابھی کہہ رکھیں۔ بزنس اور فیکٹریوں کیلئے متبادل انتظام ابھی سے کر لیں، اور جلسہ کے تمام دنوں میں بروقت حاضر ہو کر عند اللہ ماجور ہوں۔ لاہور والوں کے پاس تو کوئی عذر نہیں کہ وہ غیر حاضر رہیں۔ ہمارے بھائی اور بہنیں اور بچے دور دور سے سخت سردی میں سفر کی تکالیف اٹھا کر اور بیمار بھی ہر قسم کی تکلیف اور بے آرامی سہہ کر اور خرچ کر کے بڑی تعداد میں شامل ہوتے ہیں

اگر وہ دفتروں اور کام کاج سے چھٹی کر کے آ سکتے ہیں اور ہم نہیں آتے یا تساہل کرتے ہیں تو ہم عند اللہ دوہرے مواخذہ کے (نیچے) ہیں۔ ایک سال امریکہ کے پرلے مغربی سرے سے اور ویسٹ انڈیز سے لیکر یورپ اور دوسرے وسطی علاقوں سے ہوتے ہوئے مشرق بعید میں انڈونیشیا اور فجی کے دور دراز ممالک سے احباب اور خواتین آرہے ہیں۔ ہم اللہ کو کیا جواب دیں گے کہ پاکستان میں ہوتے ہوئے اور لاہور میں ہو کر ہم یہ تین چار دن اللہ کے لیے نہ نکال سکیں۔ اللہ جانتا ہے میں کس درد دل سے آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اس موقع کو ضائع نہ کریں۔ اگلے سال اللہ جانے ہم میں سے کون زندہ رہیگا۔

◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊◊

بقیہ :۔ مجدد صد چہاردہم کا سلوک بچوں سے ۔ آمدہ ص ۵

آپکی راستبازی اور بچوں کی تربیت کا اعلیٰ نمونہ

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کتاب مجدد اعظم میں تحریر فرماتے ہیں :۔

یہاں میں ہر ایک باپ کیلئے ایک نہایت سبق آموز واقعہ حضرت اقدس کا بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں صاحبزادہ مبارک احمد کئی روز سے بخار سے بیمار تھے۔ سبھی بچے پیارے ہوتے ہیں مگر مبارک احمد تو بہت ہی پیارا تھا اور بیماری میں ماں باپ کی شفقت بیمار بچے پر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ مبارک احمد ضد کر رہا تھا کہ میں نے ملائی کی برف کھانی ہے اور وہ بیماری میں دینی نہ تھی ملائی کی برف کی جگہ اسے سادہ برف دیتے تھے اور اسے بہلانے کیلئے کہتے تھے کہ اسے ملائی کی برف سمجھ کر کھالو مگر وہ مانتا نہ تھا۔ آخر حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی گئی کہ آپ مبارک احمد کو برف دیکر کہدیں کہ یہ ملائی کی برف ہے اسے آپکی بات پر بہت اعتبار ہوا کرتا ہے مان جائیگا حضرت صاحب مبارک احمد کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا مبارک احمد یہ لو برف ! تم اس وقت اسے ہی ملائی کی برف سمجھ لو۔ اس نے کہا نہیں میں نے ملائی کی برف ہی کھانی ہے آپنے فرمایا تم اسکو اس وقت ملائی کی برف سمجھ لو۔ غرضیکہ بچہ ضد کرتا رہا مگر آپ نے ایک دفعہ بھی پسند نہ کیا کہ بچہ کو دھوکا دیا جاوے۔ بیمار بچہ کو ضد کرتے وقت غلط بیانی کر کے بہلا لینے میں بڑے بڑے لوگ اجتناب نہیں کرتے مگر آپکی کمال درجہ کی راستبازی نے ایسا نازک موقعہ پر بھی جائز نہ سمجھا کہ آپ کے بچے کے سامنے غلط بیانی کریں یہ تربیت اطفال کا آپ نے بہترین نمونہ پیش کیا۔ بچے کے سامنے جھوٹ بولنا جھوٹے وعدے کرنا یا اسے دھوکہ دینا درحقیقت بچے کے اخلاق کو تباہ کرنا ہے اس طرح وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اپنا مطلب نکالنے کیلئے جھوٹ بولنا یا دھوکا دینا کچھ بری بات نہیں اور یہ اس کے اخلاق کے لیے سم قاتل ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ شفقت کے جوش میں اپنے بیٹے کو بہلانے کیلئے کہہ دیتا کہ بیٹا یہی ملائی کی برف ہے مگر آپ نے بیٹے کی شفقت پر خدا کی رضا کو مقدم کیا اور آپ کی راستی پسند طبیعت نے اتنی غلط بیانی کو گوارا نہ کیا جو ایک بچے کو بہلانے کیلئے عام طور پر ماں باپ کر لیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد
سب سے بہتر عمل انسانوں سے محبت کرنا ہے
(فرمان نبویؐ)

(ترجمہ حدیث نبویؐ)
"والدین کی طرف سے اولاد کے لئے بہترین تحفہ بہتر تعلیم و تربیت ہے"

مکرم مرزا محمد لطیف

ہمارا جلسہ سالانہ

دروازہ کھل سکتا ہے لیکن قلوب سخ نہیں ہو سکتے۔ آپ کے [illegible]

کام یہ ہے کہ میں اشاعت اسلام کروں مسلمانوں کے اندر جو روحانی کمزوریاں
پیدا ہو گئی ہیں ان کو دور کروں۔ ان کو جس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے
وہ مقصد انکو یاد دلاؤں۔ اور ایسی جماعت تیار کروں جو کہ دنیا سے محبت نہ کریں
بلکہ قال اللہ۔ قال الرسول پر عمل کرنے والی ہو۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو دنیا میں قائم کرے۔ اور قرآن مجید پر صدق دل سے عامل
ہو۔ اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والی ہو۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"یاد رکھو کہ یہ جماعت اس بات کے واسطے نہیں کہ
دولت اور دنیا داری میں ترقی کرے اور زندگی آرام سے
گزرے، ایسے شخص سے تو خدا بیزار ہے۔
چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کو دیکھو وہ زندگی
سے پیار نہ کرتے تھے۔ ہر وقت مرنے کے لیے تیار تھے۔
بیعت کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنی جان کو بیچ دینا۔ جب انسان
زندگی وقف کر چکا تو پھر دنیا کے ذکر کو درمیان میں کیوں
لاتا ہے"

(ملفوظات جلد ہشتم صـ۱۸۵)

اس ارشاد کو دوبارہ پڑھیں۔ آپ ایک ایسی جماعت بنانے کے لیے تشریف
لائے تھے جو دین کو دنیا پر ترجیح دینے والی ہو۔ اور بیعت کا مفہوم
ہی ہے کہ اطاعت کا جوا اس رنگ میں انسان اپنی گردن پر رکھے کہ اب اس کا
اپنا ارادہ تابع کے ماتحت ہوتا ہے۔ وہ جو کام اس کو کرنے کا کہا جاوے اسکو
شرح صدر سے بجا لاوے۔ اور اسمعوا و اطیعوا پر سچے دل سے کاربند
ہو۔ صحابہ الکرام کی یہی شان بیان کی گئی۔ کہ ارشاد الٰہی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے کسی حکم سے انھوں نے سر مو بھی انحراف نہیں کیا۔ ایک نیکی، خدمت
سے فارغ نہیں ہوتے دوسری کا حکم آ گیا۔ وہ اس لحہ تازہ دم ہو کر اس خدمت میں
مصروف ہو جاتے تھے۔ یہی وہ خدمت اور انکے اندر کا روحانی انقلاب تھا
کہ اللہ تعالیٰ نے انکو اس دنیا میں ہی رہتے ہوئے اپنی رضا مندی کا سرٹیفکیٹ
عطا فرمایا۔ یہ دروازہ بند نہیں ہو گیا آج بھی کھلا ہے۔ بس ضرورت ہے کہ ہم
اپنے اعمال کو ٹھنڈے دل سے اپنے دعویٰ کی روشنی میں جائزہ لیں
حضرت مجدد صد چہار دہم۔ اس جلسہ سالانہ کا مقصد کیا بیان

(شہادۃ القرآن)

اس جلسہ سالانہ کا ایک بڑا مقصد حضرت صاحب نے یہ بیان فرمایا ہے کہ
آپس میل ملاقات سے ہمارے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا ہو۔ دنیاوی
کاروبار کے غلبہ کی وجہ سے جو کہا حد تک زنگ لگ جاتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔
اور دوسرے صفات حسنہ کا اس کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور روحانی لحاظ
سے ایک نمونہ بن جاتے ہیں۔

میل ملاقات۔ تبادلہ خیالات اجتماعی عبادات میں شمولیت۔ اور روحانی مجالس
واقعی انسان کے اوپر گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ قرآن مجید سے بھی یہی اثر ثابت ہے۔
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اس نے اس زمانے
کے لوگوں کے اعمال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی رب ارنی کیف
تحی الموتیٰ۔ اے میرے اللہ۔ یہ روحانی مردے کس طرح زندہ ہونگے۔ یہ
تجھ کو بھول چکے ہیں غفلت کے پردوں میں یہ چھپ چکے ہیں۔ ان کے اندر دین
داخل ہونے اور ان پر ان کے عمل پیرا ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فخذ اربعۃ من الطیر۔ اول کام یہ کریں کہ پہلے
ان کی روحانی تربیت کریں اپنے نمونہ اور تعلیم سے انکی اصلاح کریں دوسرا
فصرھن الیک انکی یہ روحانی کیفیت پیدا کر دیں کہ ان پر دین کا رنگ
غالب آ جائے۔ وہ جہاں بھی ہوں۔ دنیدار ہوں۔ اور جب آپ انھیں بلائیں
تو شوق و محبت کی وجہ سے پرندوں کی طرح اڑتے ہوئے آئیں۔

جلسہ سالانہ کی ایک اہم غرض یہ ہے۔ کہ آپس سے ملنے سے یکرنگی و اتحاد پیدا ہو
موانست پیدا ہو۔ اور دوسرا علم میں ترقی ہو۔ مقصد کے ساتھ گہری وابستگی ہو۔
حضرت مولانا نور الدین رحمۃ اللہ کے کام سے کون نا واقف ہے۔ آپ کا روحانی
بھی بڑا بلند و اونچا ہے۔ آپ اپنے طالب علمی کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ
جب میں طالب علم تھا ایک مقام پر ایک بزرگ سے ملا کرتا تھا۔ ایک دفعہ
ملنے سے کچھ وقفہ ہو گیا۔ پھر جب ملنے گیا تو انہوں نے فرمایا۔ نور الدین کبھی قصا
کو دیکھا ہے۔ کہ جب وہ گوشت کاٹتا ہے تو تھوڑی دیر کے بعد چھری پر چھری
رگڑتا ہے۔ تاکہ چربی وغیرہ اتر جائے اور چھری اچھا طرح کام کرے۔
فرمایا۔ جلد جلد ملا کرو۔ دیر کرتے۔ تمہارے نہ ملنے کی وجہ سے کچھ ہم پر
زنگ چڑھ جاتا ہے اور کچھ تم پر۔ بس ضروری ہے کہ اس کے آنے
والے جلسہ میں ہمارے سب دوست۔ خورد کلاں ابھی سے تیاری

(بقیہ صـ۲ کالم ۲)

خدمتِ خلق کا جذبہ

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی میں سے ایک دو مثالیں

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی خدا کی مخلوق کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ آپ یتیموں کو کھانا کھلاتے۔ بیواؤں کی خبرگیری کرتے۔ مسافروں اور مہمانوں کی خدمت کرتے۔ عاجزوں اور مسکینوں سے ہمدردی کرتے۔ بیکسوں اور مظلوموں پر رحم فرماتے۔ غرضیکہ جتنے کام خدمت خلق کے ہو سکتے تھے سب کرتے۔ نبی ہونے کے بعد تو یہ جذبہ آپ کے دل میں اور بھی زیادہ ہو گیا۔ آپ خود بھی دوسروں کی خدمت پر کمربستہ رہتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تعلیم دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے صحابہ کے دل میں بھی خدمتِ خلق کا بڑا شوق تھا۔ اور ہر چھوٹا بڑا دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ جو ایک بہت بڑے آدمی تھے۔ اپنے ایک پڑوسی عورت کی بکری کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ ہو گئے تو اس عورت کو خیال پیدا ہوا کہ اب ابوبکرؓ بادشاہ ہو گیا ہے اب وہ میری بکری کب دوھنے لگا۔ اس کے علاوہ اب اس کو پہلے سے زیادہ کام کرنا ہوگا۔ اس کو میرے کام کے لئے کب فرصت ہوگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس بڑھیا کی یہ بات سن پائی۔ آپ نے ان مبارک فرمایا:۔

خدا کی قسم! اگرچہ اب مجھے پہلے سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور گھر کے کاموں کے لئے بہت کم فرصت ملتی ہے لیکن جو نیکی کا کام میں نے شروع کر رکھا ہے اُسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک زندہ ہوں تمہاری بکریوں کا دودھ دوھتا رہوں گا۔ چنانچہ آپ نے آخر وقت تک ایسا ہی کیا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ایک بڑھیا عورت کو جو شہر کے ایک دور دراز کونے میں رہتی تھی۔ ہر روز حلوا دیا کرتے تھے۔ وہ شوق سے حلوا کھاتی اور آپ کو دعائیں دیتی۔ ایک دن جب اس کو حلوا نہ پہنچا تو وہ بڑھیا اپنی ہمسائی عورتوں سے کہنے لگی کہ افسوس آج ابوبکرؓ فوت ہو گیا۔ ان عورتوں نے پوچھا ہم نے تو سنا نہیں تجھ کو کس طرح معلوم ہو گیا۔ وہ کہنے لگی کہ وہ ہمیشہ میرے لئے حلوا لایا کرتا تھا آج نہیں لایا معلوم ہوتا ہے کہ فوت ہو گیا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ نہ آتا۔ جب سے اس نے مجھے حلوا دینا شروع کیا ہے ایک دن ناغہ نہیں کیا۔ آج جو ناغہ ہوا اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ فوت ہو گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس بڑھیا کی بات سچ تھی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے دلوں میں خدا کی کس قدر محبت تھی کہ جو کام خدمت کا وہ شروع کر بیٹھتے اس میں کمی نہ آنے دیتے۔ بلکہ اس کو مستقل طور پر کرتے۔ غریبوں اور عاجزوں کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرنے میں انہیں کوئی عار نہ تھی۔ بادشاہی سے بڑھ کر اور کون سا منصب ہے لیکن یہ لوگ بادشاہ ہو کر بھی خدمتِ خلق کے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ ہمارے نبی کریم صلعم بھی پڑوسی عورتوں کا سودا بازار سے خود لا دیتے اور جب آپ کو کوئی غریب سے غریب آدمی کوئی کام بتاتا آپ اس کے کرنے میں ذرا نہ جھجکتے۔

ہمارے عقائد

ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب

۱۔ ہم اللہ تعالےٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔

۲۔ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور بالفاظ بانی سلسلہ:۔

"اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔" (نشان آسمانی صفحہ ۲۸)

"جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" (مجموعہ اشتہارات حصہ چہارم صفحہ ۳۳۳)

"میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب محمد مصطفےٰ صلعم پر ختم ہو گئی۔" (مجموعہ اشتہارات حصہ چہارم صفحہ ۳۳۳)

"ہم نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

۳:۔ ہم قرآن کریم کو اللہ تعالےٰ کی آخری اور کامل کتاب مانتے ہیں جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔

۴:۔ ہم بالفاظ بانی سلسلہ ایمان لاتے ہیں کہ "ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت اور جہنم حق ہے"

۵:۔ ہم کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز روزہ حج اور زکوٰۃ کو اسلام کے ان ارکان میں سے مانتے ہیں جن پر دین کی بنا رکھی گئی ہے۔

۶:۔ ہم تمام انبیاء اور تمام کتابوں پر جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ایمان لاتے ہیں

۷:۔ ہم تمام صحابہ کرام، تمام ائمہ دین کی عزت کرتے ہیں، خواہ وہ اہل سنت کے مسلّم بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے۔ اور کسی صحابی یا امام یا محدث یا مجدد کی تکفیر کو لعنت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۸:۔ ہم بالفاظ بانی سلسلہ ایمان لاتے ہیں کہ:۔

"جو شخص اس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنا ڈالے۔ وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔"

۹:۔ ہم حسب ارشاد بانی سلسلہ خدا تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہیں غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالحہ کا اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض سمجھتے ہیں۔ (ایام الصلح صفحہ ۸۶-۸۷)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا

چھیاسٹھواں (۶۶) جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء

۹.۳۰ تا ۹.۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولوی عبدالرحمٰن صاحب کھچی
۹.۴۰ تا ۹.۵۰	منظوم کلام	جناب عنایت الرحمٰن صاحب آف شیخ مہدی
۹.۵۰ تا ۱۰.۰۰	ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم	پروفیسر سعد اختر صاحب
۱۰.۰۰ تا ۱۰.۳۰	افتتاحی ارشادات	حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ
۱۰.۳۰ تا ۱۱.۱۰	امت محمدیہ اور وحی ولایت	مرزا محمد لطیف شاہد صاحب
۱۱.۱۰ تا ۱۱.۵۰	چودھویں صدی کا رجل عظیم	مرزا مسعود بیگ صاحب
۱۱.۵۰ تا ۱۲.۳۰	مذہب اور سائنس	ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

(وقفہ طعام و نماز جمعہ ۔ خطبہ جمعہ بوقت ۱.۳۰)

دوسرا اجلاس:۔ زیر صدارت:۔ جناب نور سردار صاحب جماعت ہالینڈ

۲.۳۰ تا ۲.۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولوی شفقت رسول صاحب
۲.۴۰ تا ۲.۵۰	ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم	پروفیسر اصغر حمید صاحب
۲.۵۰ تا ۳.۳۰	تقریر	مولانا عبدالرحیم جگہ صاحب
۳.۳۰ تا ۴.۰۰	مغرب سے طلوع آفتاب	مولانا محمد عبداللہ صاحب آف امریکہ
۴.۰۰ تا ۴.۴۰	تقریر:۔ ختم نبوت کا قرآنی مفہوم اور ملت کا سواد اعظم	چوہدری شکر اللہ خاں منصور

(۶½ تا ۷½ نماز مغرب و عشاء و عشائیہ)

تیسرا اجلاس:۔ زیر صدارت:۔ کیپٹن ڈاکٹر جمیل الرحمٰن صاحب

۷½ تا ۹½ بجے شب

مذاکرہ علمیہ

مؤرخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز ہفتہ ۔ پہلا اجلاس

زیر صدارت:۔ جناب رشید پیر خاں صاحب از سری نام

۹.۳۰ تا ۹.۴۰	تلاوت قرآن مجید	راجہ محمد بیدار صاحب کراچی
۹.۴۰ تا ۹.۵۰	منظوم کلام حضرت مجدد صد چہاردہم	جناب عبدالسلام مبارک و دیگران
۹.۵۰ تا ۱۰.۰۰	ملفوظات ″ ″ ″	جناب زاہد جنجوعہ صاحب
۱۰.۰۰ تا ۱۰.۳۰	تقریر	شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب
۱۰.۳۰ تا ۱۱.۱۰	قرآن و حدیث کی رو سے مسلمان کون ہے؟	حافظ [illegible]
۲.۴۰ تا ۲.۵۰	منظوم کلام	جناب فاروق احمد صاحب سفید ڈھیری
۲.۵۰ تا ۳.۳۰	جماعت احمدیہ اور تحریک پاکستان	راجہ محمد بیدار صاحب
۳.۳۰ تا ۴.۱۰	احمدیت اور اشاعت اسلام	جناب محمد انور صاحب
۴.۱۰ تا ۴.۵۰	مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل قرآن مجید کی روشنی میں۔	ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب

تیسرا اجلاس:۔ زیر صدارت: مندوب جماعت انگلستان

۷.۳۰ تا ۷.۴۰	تلاوت قرآن مجید	جناب محمد سلیم صاحب
۷.۴۰ تا ۹.۳۰	غیر ملکی مہمانان کرام خطاب فرمائیں گے!	

مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز اتوار

زیر صدارت:۔ جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب جماعت امریکہ

۹.۳۰ تا ۹.۴۰	تلاوت قرآن مجید	حافظ عبدالرؤف صاحب
۹.۴۰ تا ۹.۵۰	منظوم کلام	جناب محمد اعظم علوی صاحب
۹.۵۰ تا ۱۰.۲۰	الٰہی جماعتوں میں نوجوانوں کا کردار	کیپٹن جمیل الرحمٰن صاحب
۱۰.۲۰ تا ۱۰.۵۰	تعلق باللہ	شیخ نثار احمد صاحب
تا ۱۱.۳۰	اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے۔	کیپٹن عبدالواحد صاحب
۱۱.۳۰ تا ۱۲.۱۰	تحریک احمدیہ کی بین الاقوامی ضرورت	میاں بشیر احمد منٹو صاحب
۱۲.۱۰ تا ۱.۱۰	پندرھویں صدی کا خیر مقدم	جناب نصیر احمد فاروقی صاحب
۱.۱۰ تا ۱.۳۰	اختتامی خطاب	امیر قوم حضرت مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ

نوٹ:۔ ہر روز فجر کی نماز چھ بجے ہوا کرے گی۔ زاں بعد جلسہ کے تین دن جناب نصیر احمد فاروقی صاحب حسب سابق درس قرآن مجید دیا کریں گے۔

از مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب چیف ایڈیٹر پیغام صلح

اسلامی نظام

رجوع الی القرآن والسنّۃ

ہر مسلمان اس بات کا معترف ہے اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ کسی اسلامی نظام کی بناء قرآن اور سنتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر ہی ہونا لازم ہے۔ اگرچہ یہ امر صحیح ہے کہ مسلمانوں میں سے مغرب زدہ طبقہ نظام معیشت و معاشرت اور تمدن و تہذیب و ثقافت کو مغربی طرز پر دیکھنے کا آرزومند بن چکا ہے۔ بلکہ اس کے مطابق اپنی انفرادی زندگی کو ڈھال چکا ہے۔ لیکن یہ امر بہرحال اطمینان و تسلّی کا موجب ہے کہ تمام کے تمام مسلمان کم از کم اپنے اقوال و اقرار میں قرآن و سنّت کے نظام کو موجب نجات و سعادت سمجھتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ بعض بہی خواہ قوم مغربی تعلیم اور مغربی نظریۂ حیات کو ترقی کا دار و مدار یقین کر کے مسلمانوں میں ایسی تحریکیں رائج کر رہے تھے جن کا خلاصہ بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ مادی ترقی ہی انسانی معراج کی آخری منزل ہے جس پر قوم کے نظام کو کارفرما کرنے کی ضرورت ہے۔ مادیت اور دہریت کے ایسے ٹھیٹھ سائنسی دور میں وہ کون شخص ہو گذرا ہے جس نے مسلمان قوم کی توجہ کو قرآن و سنت کے معیاروں پر استوار کرنے کی ندا بلند کی ہو۔ واقعات پر غور کرو، انصافاً سوچو! کہ رجوع الی القرآن والسنّۃ کی نرالی ندا ایک صاحب ایمان و بصیرت شخص نے بلند کی جس کا نام نامی اور اسم گرامی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ اگرچہ غلط پروپیگنڈہ کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پنہاں ہو چکی ہے۔ تاہم واقعات کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ اس بات سے کیسے روگردانی کرنا ممکن ہے کہ جب بعض دوسرے مسلمانوں کے سچے بہی خواہ، قوم کی دوبارہ ترقی و عروج کی تجاویز پیش کر رہے تھے۔ کوئی مغربی تعلیم میں خاطر خواہ درک انہماک میں نجات سمجھ چکا تھا تو کوئی اور مسلم حکومتوں کے بین الاقوامی اتحاد میں اسے تلاش کر رہا تھا اور کوئی غیر اقوام کے تسلّط سے اپنے ملک و قوم کی آزادی میں اسے محصور کر چکا تھا لیکن اگر توجہ نہ تھی تو اس طرف نہ تھی کہ مسلمان اقوام و ممالک جب تک ربانی کلام پاک اور اپنے رسولؐ مقتداء کے مبارک نمونہ پر گامزن نہ ہوں گے۔ تب تک وہ کسی سچے نظام اسلامی کو قائم نہ کر سکیں گے۔ جاؤ اور ڈھونڈو!! کون سی تحریک انیسویں صدی میں اٹھی جس کا واحد مقصد قرآن و سنّت کی ترویج ہوا؟

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

— — — — — ایک جماعت کے صدر جناب چوہدری افضل حق صاحب کو بھی مجبوراً برملا یہ کہنا پڑا کہ :-

"مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا، ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا۔ تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا۔ جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔ بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔"

(فتنۂ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں صفحہ ۴۶)

اب دیکھو یہ کیسا اعترافِ حقیقت ہے جو ایک غیر از جماعت کے منہ سے نکلا!

سچی بات بھی تو یہی ہے کہ دینِ اسلام کی حقانیت و صداقت اور تمام ادیان و افکارِ حیات پر اس دین کی افضلیت و برتری کو اگر کسی شخص نے اس زمانہ میں سورج کی طرح روشن ثابت کر دکھایا تو وہ یہی مجدد زمان شخص ہے یہی وہ واحد انسان صادق ہے جس نے تقاضائے زمانہ کے عین مطابق دینِ اسلام کی صداقت کو دلائل و براہین اور قلم و علم کے ذریعہ کماحقہ منوا کر مسلمانوں کے قلوب میں اسلام پر سچا ایمان پیدا کر دکھلایا!! کب تک اور کہاں تک ان واقعات حقہ سے انکار کیا جائے گا!!!

جیسے ہم یہ کہہ رہے تھے نظام اسلام کو قرآن و سنت کے نہج پر استوار کرنا وہ اصول ہے جس کے قائل آج مسلمان ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اگرچہ اب تک ان کا یہ قول محض زبان کے کہنے تک محدود ہے۔ ان کے انفرادی و اجتماعی عمل میں کہیں یہ اصول کارفرما دکھلائی نہیں دیتا لیکن اس شخص کے کمال تعلق باللہ اور محب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہونے کا ایک عظیم ثبوت یہ بھی ہے کہ نہ صرف اس نے اس عظیم اصول کا علمی رنگ میں احیاء کیا بلکہ اپنی زندگی میں عملی طور پر ایک جماعت کے نظام و اعمال میں قرآن و سنّت کا احیاء کر دکھلایا جس کا برملا اعتراف علامہ اقبال کو اپنی مشہور تقریر علی گڑھ میں کرنا پڑا کہ اگر اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ نہیں دیکھنا ہو تو وہ نہیں اس فرقہ میں نظر آئے گا جو قادیان میں پیدا ہوا ہے۔ اگر یہ صحیح امر ہے کہ جماعت احمدیہ کا آخری نصب العین اشاعت تعلیم سے بڑھ کر اپنے انفرادی و اجتماعی نظام کار میں رجوع الی القرآن والسنّۃ کے سوا اور کچھ نہیں تو جائے غور ہے کہ ایسی جماعت کے بانی کے منجانب اللہ صادق اور رسول خدا کے سچے محب و متبع ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے۔

یہ امر باعث اطمینان ہے کہ مسلمانوں کو ان کا بنیادی اور بھولا ہوا سبق رجوع الی القرآن والسنّۃ یاد آ رہا ہے۔ مگر ان میں کتنے افراد یا لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ رجوع الی القرآن والسنّۃ کا سبق جس پر اسلام کے نظام کی بنیاد ہے۔ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کے صحیح تقاضے کیا ہیں؟

دینِ اسلام مجموعہ اصولہائے صداقت ہے سچائی اور حقائق پر اس کی بنیادیں قائم ہیں۔ اس لئے اس دین کی ترقی و عروج کا انحصار بھی صداقت و حقائق پر ہی قائم ہے باطل پر نہ اس کی بنا ہے نہ ہی بطلان کی پیروی سے اس کا نظام عروج پا سکتا ہے۔ پس سب سے مقدم امر یہ ہے کہ مسلم افراد کی زندگیوں میں آج کہاں تک یہ صداقتِ اسلام کارفرما ہے۔ جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس دین کے نام لیوا ہیں۔ جب ہم یہ ندا دیتے ہیں کہ ہماری نجات رجوع الی القرآن والسنّۃ میں مضمر ہے۔ تو پھر ہم اپنی انفرادی حیات میں کہاں تک اپنے قول و دعاوی میں صادق اور مخلص ہیں۔ اگر مسلمان قوموں کی انفرادی زندگیوں میں ان کے اقوال و دعاوی اور ان کے اعمال و کردار میں کوئی ادنیٰ مشابہت بھی موجود ہے۔ تو پھر ایسی بنیادی صداقت کی غیر موجودگی میں ہم اسلام کی صداقت و احیاء کا موجب کیسے بن سکتے ہیں۔ جب ہماری انفرادی جدوجہد حیات، اسلام کے صادق اصولوں کی سراسر نفی کرتی ہے۔ تو کیا ہم یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم اسلامی نظام کے قیام میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جب ہم خود اپنی روزمرہ کی زندگی میں اسلامی نظام یا رجوع الی القرآن والسنّۃ کے پابند نہیں بلکہ ہم ایسے اقدامات کو کوئی اہمیت و وقعت ہی نہیں دیتے تو قول و عمل کی ایسی صریح مخالفت کے ہوتے ہوئے ہم دینِ اسلام کی صداقت کا دعویٰ کیسے اور کیونکر کر سکتے ہیں۔ دین کی ابتداء محض زبان کے اقرار سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے

لئے دل میں یقین کا ہونا لازم ہے اور جب دل میں کسی امر کا یقین جاگزین ہو جائے تو اس کا لازماً اعمال و کردار میں ظاہر ہونا ضروری ہے لیکن اگر اعمال و کردار میں اقوال کی صداقت کا کوئی ادنیٰ سا اثر بھی نظر نہ آئے تو ایسے اقوال و دعاوی نہ تو صادق کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان پر عظیم نتائج مرتب ہونے کی توقع رکھنا کسی دانشمندی کا تقاضا ہے۔ سوچو! غور کرو! جب مسلمانوں کے اعمال و سیرت اور اغیار کے اعمال و سیرت میں کوئی فرق نہ ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ محض مسلمان کے اقوال و دعاوی کے باعث، کوئی اعلےٰ نتائج مرتب ہونے ممکن ہیں؟ کیا قرآن و سنّت کی تعلیم کا خاصہ یہی ہے کہ غیروں کے مقابل مسلمان کے محض ایمان کے اقرار اور بلند بانگ دعاوی منتج بہ فتح و غلبہ ہوا کرتے ہیں؟ دین کا سارا معاملہ قلب انسانی سے شروع ہو کر انسان کے ظاہری اعمال و افعال اور سیرت و کردار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ محض اقوال یا نیات سے ہر گز مرتب نہیں ہوتے بلکہ ان کی بنا اعمالِ صالحہ و انسانی کردار کی بدلی ہوئی اعلےٰ سیرت ہوا کرتی ہے۔ اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔ لوگوں کو تو تم نیکی و خیر کا درس دیتے ہو مگر اپنے نفسوں کے محاسبہ سے غافل و بے خبر پڑے ہو۔ کیا اس کتاب قرآن سے یہی سبق تم نے حاصل کیا ہے؟ افسوس تم عقل سے کیوں کام نہیں لیتے؟ اسی طرح فرمایا لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب، من یعمل سوء یجز بہ ولا یجد من دون اللہ ولیا ولا نصیرا۔ تمہاری نیات کیسی ہی نیک کیوں نہ ہوں ان سے کچھ بھی ثمرات حاصل نہ ہوں گے۔ نہ ہی اہل کتاب کی نیات سے؟ سارا معاملہ تو اعمال کی کسوٹی پر آ رہتا ہے۔ جب کبھی اور جس کسی کا عمل غلط یا بد ہو گا تو اسے ضرور اس کی سزا مل کر رہے گی۔ اور یہ ہمارا ابدی قانون اس قدر صحیح و سچا اور اٹل ہے کہ اس کے مقابل کسی قسم کی ولایت یا مدد قطعاً کام نہ آئے گی۔

اسی طرح بلا مبالغہ سینکڑوں آیات اور اسوہ حسنہ مبارکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات دیئے جا سکتے ہیں جن میں اس قانون محکم کی تشریح ہے کہ جو نتائج مرتب ہوں گے وہ اعمال کی بنا پر ہی ہوں گے کسی فرد یا قوم کے محض اقوال یا دعاوی و نیات ہرگز کام نہ آئیں گے۔ اسی لئے تو اسلام میں یہ مقولہ رائج ہو گیا کہ روزِ قیامت اعمال کا ترازو قائم کیا جائے گا۔ یا یہ کہ اعمال تولے جائیں گے۔ آخرت کے روز اعمال کا تولا جانا جہاں ایک صداقت ہے وہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اسی دنیا میں بھی یہی خدائی قانون رائج اور جاری و ساری ہے۔ البتہ روز آخرت اس کا نظارہ زیادہ روشن نظر آ جائے گا لیکن ہر آئندہ آنے والی گھڑی اس صداقت کی گواہ گھڑی ہے کہ جو اعمال گذشتہ وقت میں کسی نے کئے ہیں۔ اس کا نتیجہ موجودہ ثمرات کی صورت میں اسے مل رہا ہے۔ پس جبکہ اعمال و افعال یا کردار و سیرت کا محکم و ابدی قانون نہ صرف آخرت میں بلکہ اسی دنیا میں اور دنیاوی میدان میں بھی صحیح و سچ ثابت ہو رہا ہے تو پھر اسلامی نظام یا رجوع الی القرآن والسنۃ کے بارہ میں یہ اصول کیسے تبدیل ہو سکنا ممکن ہے یہ تو محض [illegible] خود تراشیدہ خیالات و خیالات و جذبات اور تبدیلی خیر کی طرف سے گریز کی راہیں ہیں جن کو ہم نے اپنایا ہوا ہے۔ اور جنہیں ہم ترک کرنا موت سے زیادہ دشوار سمجھتے ہیں۔ کیا یہی راہیں پہلے مخالفین حق نے اختیار نہ کی تھیں۔ جنہیں قرآن کریم نے ان الفاظ میں [illegible] فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ۔ ہم نے تو ایسی آیتیں اور بصیرت کی راہیں تبلائیں جن کا اعتراف خود انہیں بھی ہے مگر پھر بھی انہیں ان پر عمل پیرا ہونے پر انکار ہے دوسری جگہ اس انکار کی وجہ بھی تبلا دی جب یہ فرمایا بما لا تھوی انفسکم استکبرتم۔ یہ تمہارا اعمال کی جزا و سزا سے انکار اپنے نفسوں کی خواہشات کے باعث اور تمہارے کبر نفس کی وجہ سے ہے۔

اگر قرآن کریم نے ابدی صداقتیں بیان فرمائی ہیں۔ اگر سنت رسول صلعم انہی ابدی صداقتوں کی عملی تفسیر ہی ہے تو پھر مسلمان کو یقینی طور پر یہ امر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلامی نظام باہر سے بہ جبر نہیں ٹھونسا جا سکتا بلکہ وہ ایک ایسی کیفیت ہے جو دل میں حتمی یقین سے پیدا ہوتی اور پھر افراد کے اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جب تک مسلمان افراد کے قلوب میں ایسی تبدیلی پیدا ہو کر ان کے اعمال و سیرت قائل خداوندی اور امر ربی ہے۔ اور یہی کچھ انقلاب آنحضرت صلعم نے اپنی مکی زندگی میں صحابہ کرام کی زندگیوں میں پیدا کر کے دکھلایا تھا کہ پھر جس پر آنحضورؐ کی مدنی زندگی میں حکومت اسلامیہ کے قوانین کا نفاذ قائم ہوا تھا۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۳ دسمبر ۱۹۸۰ء۔ جلد ۶۷ شمارہ ۴۹

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

جلسہ سالانہ نمبر

پیغامِ صلح لاہور

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
سالانہ چندہ
پاکستان و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۶۷ | یوم چہار شنبہ ۹/۲ صفر المظفر سنہ ۱۴۰۱ ہجری بمطابق ۱۷/۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۸۰ء عیسوی | شمارہ ۵۰/۵۱

حضرت مجدد صد چہار دہم کا ارشادِ گرامی

اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں

”یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اور اس جلسہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ ۔ ۔“

جلسہ سالانہ میں شرکت کرنے والوں کیلئے حضرت امامؑ کی دعائیں

ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسے میں شرکت کے لئے سفر اختیار کریں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور اُن کو اجرِ عظیم بخشے اور اُن پر رحم کرے۔ اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کو ہر تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی ہر ایک مرادات کی راہیں ان پر کھول دے اور روزِ آخرت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ اٹھائے۔ جن پر اس کا فضل اور رحم ہے اور تا اختتامِ سفر ان کے بعد اُن کا خلیفہ ہو ۔

آمین۔ ثم آمین

بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی رحمۃ اللہ علیہ

جلسہ سالانہ کے

اغراض و مقاصد

از:- حضرت مجدد صدی چہاردہم

اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور انکی معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اُن کی معرفت ترقی پذیر ہو۔ پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہونگے۔ ماسوا اس کے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں اور اسلام کے تفرقہ مذاہب سے بہت لرزاں اور ہراساں ہیں چنانچہ انہی دنوں میں ایک انگریز کی میرے نام چٹھی آئی جس میں لکھا تھا کہ آپ تمام جانداروں پر رحم کرتے ہیں اور ہم بھی انسان ہیں اور مستحق رحم۔ کیونکہ دین اسلام قبول کر چکے ہیں اور اسلام کی سچی اور صحیح تعلیم سے اب تک بے خبر ہیں۔ سو بھائیو یقیناً سمجھو کہ یہ ہمارے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف کھینچ لائے گی۔ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اس کو بدل سکے۔ سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے۔ ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنےٰ ادنےٰ کاموں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے۔ اور اسکی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی۔ اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ اس مذہب میں نہ نیچریت کا نشان رہے گا اور نہ نیچر کی تفریط پسند اور اوہام پسند مخالفوں کا نہ خوارق کے انکار کرنے والے باقی رہیں گے اور نہ ان میں بے ہودہ اور بے اصل اور مخالف قرآن روائتوں کو ملانے والے اور خدا تعالیٰ اس امت وسطیٰ کے لئے بین بین کی راہ زمین پر قائم کر دے گا۔

ذکرِ الٰہی کے تین دن

حضرت امیر قوم مولانا محمد علیؒ کی ایک خواہش

جلسہ سالانہ ایک ایسا موقع ہے جو اگرچہ صرف تین دن کا اجتماع ہے لیکن اس میں ایک ایسا زبردست ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بہت سے بُرے اثرات کو دُور کرکے دلوں پر ایک ایسا نقش کر دیتا ہے جو بعد میں تھوڑی سی توجہ سے سارا سال قائم رہتا ہے۔

ہمارا سالانہ اجتماع عام اجتماعوں کی طرح نہیں بلکہ خدا کے فضل سے یہ تین دن ایک طرح پر صبح سے شام اور شام سے صبح تک ذکر الٰہی کے دن بن جاتے ہیں تقریروں کی غرض صرف قرآن کریم کی عظمت، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت، اسلام کی عظمت کا دلوں پر نقش کرنا ہے۔ نیز بتایا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان کام جو ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دلی تڑپ یعنی کلمۂ حق کا دنیا میں پہنچانا اس میں ہم نے اب تک کیا کچھ کیا ہے اور آئندہ کیا کچھ کرنا ہے۔

باہم دوستوں کی میل ملاقات ہو تو اس میں بھی یہی ذکر ہو۔ دن ہے تو مسجد میں سب اکٹھے ہو کر خدا کے سامنے گر رہے ہیں، رات ہے تو اپنی اپنی جگہ گریہ زاری کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کا بول بالا کرے۔ غرض سارے مجمع پر ذکر الٰہی کا ایک ایسا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے جو کسی دوسرے مجمع میں نظر نہیں آتا۔ اس پاکیزہ مجمع میں آپ کے بچے آئیں گے تو یقین رکھئے کہ وہ ایک نہایت نیک اثر لے کر جائیں گے اور مادہ پرستی اور دہریت کی اس زہریلی ہوا کیلئے جس کے اندر انہیں سال بھر رہنا پڑتا ہے یہ ایک نہایت مؤثر تریاق ہے۔

میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا جائے اور اُن کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل رکھا جائے جس سے وہ اپنے آپ کو خود اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اپنے عزیزوں اور اقرباء کے لئے، مخلوقِ خدا کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکیں۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ جلسہ سالانہ کے اس موقع پر

بارہ سال کے اوپر کے سب نوجوانوں کو شامل کیا جائے

آدابِ جلسہ

[illegible] اور جب قرآن پڑھا جائے تو [illegible] اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے [illegible] اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرو اور اُس سے مت پھر جاؤ درآنحالیکہ تم سنتے ہو۔ اور اُن لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا ہم سنتے ہیں اور وہ سُن نہیں رہے ہوتے۔ بے شک اللہ کے نزدیک سب جانداروں سے بدتر وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور اگر اللہ اُن میں بھلائی جانتا تو اُن کو سنوا دیتا۔ اور اگر اُن کو سنواتا تو وہ پھر جاتے درآنحالیکہ اعراض کرنیوالے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانو۔ جب وہ تم کو اس کے لئے بلاتا ہے جو تمہیں زندگی بخشتا ہے۔ اور جان لو کہ اللہ انسان اور اُس کے دِل کے درمیان حائل ہے اور یہ کہ تم اُس کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور اس فتنہ سے بچاؤ کرلو جو خاص کر اُن لوگوں کو نہ پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں سخت ہے۔"

قرآنِ حکیم بھی عجیب کتاب ہے کہ اس میں ہر اہم موقعہ و محل کے لئے ہدایت موجود ہے میں نے جو آیات اُوپر لکھی ہیں اُن میں دینی اجتماعوں کے لئے کچھ ہدایات ہیں۔ ہمارے ہاں اور دینی اجتماعوں کے علاوہ دو اہم اجتماع ایک تو ہفتہ وار نماز جمعہ ہوتی ہے جس میں خطبہ کی اتنی اہمیّت ہے کہ جو اس میں نہ شامل ہو سکے اس کی جمعہ کی نماز ادا نہیں ہوتی اور اس کی نماز، ظہر کی نماز سمجھی جاتی ہے۔ دُوسرا اہم اجتماع ہمارا جلسۂ سالانہ ہے جو عنقریب منعقد ہونے والا ہے۔ اس کی بھی اہمیّت اُن خطباتِ دینی تقاریر میں ہے جو اس میں دی جاتی ہیں۔ پھر مِل کر جو نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور دُعائیں کی جاتی ہیں وہ بھی بہت بڑی روحانی اہمیّت رکھتی ہیں۔

اِن نمازوں اور تقاریر میں قرآنِ پاک بکثرت پڑھا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے شفاءٌ لّما فی الصّدور (یونس ۔ ۵۷) یعنے سینہ کی بیماریوں کے لئے شفا فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں رُوحانی اور اخلاقی بیماریوں یا کمزوریوں کا ذکر ہے۔ ایک دُوسری جگہ فرمایا و ننزّل من القرآن ما ھو شفآءٌ ورحمۃٌ للمؤمنین ۔" اور ہم قرآن سے وہ کچھ اتارتے ہیں جو کہ مؤمنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔" (بنی اسرائیل ۔ ۸۲) تو قرآن شریف نہ صرف روحانی و اخلاقی بیماریوں کا علاج ہے بلکہ وہ "رحمۃ" یعنے روحانی و اخلاقی خوبیاں پیدا کرتا ہے اور روحانی و اخلاقی ترقیات کا باعث بنتا ہے۔ تو جب تک کہ انسان اس قرآن کو جب کہ وہ پڑھا جا رہا ہو توجہ سے سُنے گا نہیں تو وہ اس کے دل پر اثر کیسے کر سکتا ہے؟ یہ سچ ہے کہ قرآن کریم سے پُورا فائدہ تبھی اُٹھایا جا سکتا ہے جب کہ انسان اس کا مطالعہ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ خود کرے اور دُوسروں سے جو قرآن کا زیادہ علم رکھتے ہوں سیکھے مگر قرآنِ پاک چونکہ اللہ تعالےٰ کا اپنا کلام ہے اس لئے اس میں یہ بے نظیر خاصیّت ہے کہ اُس کا محض سُننا بھی انسان کے دل کو پاک کرتا ہے۔ یہ بات خود قرآن کریم نے فرمائی ہے کہ یتلو اعلیھم اٰیٰتہٖ ویزکیھم یعنے یہ رسول (صلعم) اپنی قوم پر" اللہ تعالےٰ کی آیات پڑھتا ہے اور اُن کو پاک کرتا ہے۔" یعلّمھم الکتٰب والحکمۃ یعنے" انہیں کتاب کا عِلم دیتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔" اس کے بعد فرمایا۔ تو قرآنِ پاک وہ عجیب کتاب ہے کہ اس کا محض توجہ سے سُننا بھی انسان کے دل کو پاک کرتا ہے۔ اور یہ تو ہر اس انسان کا تجربہ ہے جو قرآن کو غور سے سُنتا ہے۔ میں بہت سے واقعات ایسے جانتا ہوں کہ غیر مُسلم تک قرآن پاک کو سُن کر متاثر ہو گئے بلکہ آبدیدہ تک ہو گئے حالانکہ وہ عربی زبان نہ جانتے تھے مگر اس بارہ میں خود قرآن کریم کی شہادت موجود ہے کہ کفّارِ عرب باوجود اپنی شدید دشمنی اور مخالفت کے قرآن سننا نہ تو خود برداشت کر سکتے تھے اور نہ اپنے بیوی بچوّں کا اسے سننا پسند کرتے تھے بلکہ اپنے ساتھیوں تک کو روکتے تھے ان الفاظ میں لا تسمعوا لھٰذا القرآن والغوا فیہ لعلّکم تغلبون ۔" اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور ڈالو تو شاید تم غالب رہو" (حٰمٓ السجدۃ ۴۱ ۔ ۲۶) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ سننے والوں کے دلوں پر جا کر اثر کرتے ہیں۔ اور اسی حقیقت کو دُوسری جگہ عیسائی اقوام کی حق پرستی اور حق شناسی کی مخفی خوبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآنِ پاک نے یُوں بیان فرمایا ہے:۔

واذا سمعوا ما انزل الی الرّسول ترٰی اعینھم تفیض من الدّمع (المآئدۃ ۔ ۸۳) " اور جب اسے سنتے ہیں (یعنی سنیں گے) کہ جو رسُول کی طرف اتارا گیا تو تُو دیکھے گا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔"

پہلا ادب:۔

مگر قرآنِ پاک کے اس فوق البشر اعجاز کا خود یہ بھی اثر ہو سکتا ہے کہ ہم اس بابرکت کتاب کی آیات جب پڑھی جا رہی ہوں تو انہیں غور سے سُنیں اور خاموش رہیں نہ کہ قرأت کے دوران باتیں چیت جاری رکھیں۔ میں نے افسوس سے دیکھا ہے کہ خطبہ جمعہ میں جب قرآنی آیات پڑھی جا رہی ہوں تو لوگ باتیں یا تو بلند آواز سے یا کُھس پُھس کے رنگ میں کرتے رہتے ہیں۔ اور جلسہ سالانہ پر بھی میں نے دیکھا ہے کہ قرآن کی قرأت ہو رہی ہے تو یا تو جلسہ گاہ میں یا ذرہ ہٹ کر لوگ کھڑے باتیں کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ قرآنِ پاک کی آواز اُن کے کانوں میں آ رہی ہوتی ہے۔ یہ قرآن کریم کے اپنے حکم کے خلاف ہے۔ کہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہٗ وانصتوا لعلّکم ترحمون (الاعراف ۔ ۲۰۴) " جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" رحم کے معنی جیسا کہ میں بتا آیا ہوں روحانی فضل کے ہیں۔

میں تو حضرت امیر مرحوم کے نمونہ کو کبھی نہیں بھُول سکتا کیونکہ اس کا میرے دل پر

بہت اثر ہوا۔ جب کبھی قرآن پڑھا جا رہا ہو خواہ وہ ایک بچہ پڑھ رہا ہو تو وہ دونوں ہاتھ گودی میں رکھ کر دگویا کہ آپ ناف پر ہاتھ باندھے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہیں) آنکھیں نیچی کئے نہایت ادب اور احترام سے اُس شہنشاہ کے کلام کو سنتے تھے۔ کاش مجھ میں اور ناظرین کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ پر دہی ایمان پیدا ہو جائے۔

دوسرا ادب :۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرو۔ اور اس سے مت پھر جاؤ۔ درآنحالیکہ تم سنتے ہو۔" یہاں پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تم وہ خوش قسمت انسان ہو کہ تم مومنوں کے گھر میں پیدا ہوئے یا تمہیں ایمان لانے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو تو پھر انکی فرمانبرداری کرو۔ ایمان محض ایک زبانی اقرار ہے مگر وہ اللہ اور اُس کے رسول صلعم کی فرمانبرداری نہ پیدا کرے تو وہ بیکار ہے۔ تو رسول (صلعم) نے اس کام کو لو جہ کمال کیا مگر حضورؐ کی وفات کے بعد جو بھی حضورؐ کے کام کو جاری رکھے ہوتے ہے خواہ وہ ایک خطیب اور دینی مجلس کا لیکچرار ہو یا اُستاد یہ فرض ہے کہ وہ زبانی ایمان کو عملی فرمانبرداری میں بدلنے کے لئے لوگوں کو تلقین کرے۔ مگر اس کی تلقین کے مؤثر ہونے کے لئے پہلی یہ ضرورت ہے کہ اس کی بات کو سُنا جائے۔ تو جو اس خطبہ یا لیکچر سے اُٹھ کر چلا جائے وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلعم) کی تحقیر کرتا ہے بلکہ وہ اس دینی مجلس کے رُوحانی تاثرات سے محروم ہو جاتا ہے۔ میں نے جلسۂ سالانہ کے دَوران دیکھا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ذکر ہو رہا ہے مگر لوگ ذرہ ٹانگیں سیدھی کرنے کے بہانہ پر اُٹھ کر چلے جاتے ہیں اور یا تو باہر جاکر گپّوں میں اور ملنے ملانے میں لگ جاتے ہیں یا بک سٹال پر کھڑے ہو کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگتے ہیں۔ یا ٹی سٹال پر جاکر چائے پینے پلانے یا گپّوں میں لگ جاتے ہیں یا یوں ہی بیٹھے آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ اور یہ تازہ ہوا کھانے کی عادت اب اس قدر بڑھ گئی ہے کہ یہ بھی مطالبہ ہوا کہ جلسہ گاہ کے باہر لاؤڈ سپیکر لگا دیا جائے تاکہ ہم باہر کھڑے لیکچر بھی چاہیں تو سنیں یا کبھی گپّیں ماریں کبھی لیکچروں کا کچھ حصہ سُن لیں کبھی ملیں ملائیں۔ یہ وہ توجہ اور انہماک سے سننا اور جلسہ کی رونق بڑھانا نہیں یا اجتماع کے روحانی تاثرات سے مستفید ہونا نہیں جس کے لئے انہیں جلسہ میں شامل ہونے کے لئے بلایا گیا تھا یا وہ سفر کی تکلیف اور خرچ برداشت کر کے آئے تھے۔ کنوئیں پر آنا اور پیاسا جانا کس قدر محرومی ہے!

بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ کوئی خاص لیکچرار ،، تھا اس لئے ہم ٹانگیں سیدھی کرنے باہر چلے گئے تھے۔ اگر توجہ سے سنا جائے تو ہر لیکچر میں کم یا زیادہ عمدہ باتیں ہوتی ہیں اور اگر لیکچرار کوئی ایسا مضمون ادا کر رہا ہے جو آپ نے پہلے بھی سُنا ہے تو بھی علم کا دُہرایا جانا فائدہ سے خالی نہیں ہوتا۔ بہرحال ایک دینی محفل کی اپنی برکت اور روحانیت ہوتی ہے جس سے محروم ہونا انسان کا اپنا نقصان ہے لکھا ہے کہ ایک دفعہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کی کہ "ہم فلاں محفل میں سے گزرے تو اس میں تیرا ذکر ہو رہا تھا مگر اس میں فلاں شقی (بدبخت یا وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی اعانت سے دین اور دُنیا میں محروم ہو گیا) بھی موجود تھا۔" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا تشقی جلیسھم یعنے جو ایسی مجلس میں بیٹھا ہو وہ شقی نہیں ہوتا۔ شقی تو وہ ہے جو ایسی مجلس سے اُٹھ کر چلا جائے یا اُس میں آئے ہی نہیں۔

بہرحال یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ایک محفل میں سے اُٹھ کر چلا جانا اس محفل کو درہم برہم کرنا ہے۔ ہر شخص سوچتا ہے کہ اگر میں اُٹھ کر چلا گیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ باقی لوگ تو بیٹھے ہیں مگر وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس طرح اُٹھ کر چلا جانا دوسروں کو بھی تحریک کرتا ہے کہ وہ بھی ذرہ ٹانگیں سیدھی کر لیں۔ اب تو آرام دہ کرسیاں بیٹھنے کو ہوتی ہیں۔ ہمارے بزرگ تو اینٹوں کے فرش پر بیٹھا کرتے تھے اگرچہ اُس پر پرالی ہوتی تھی مگر پھر بھی فرش پر بیٹھنا کہاں اور آرام سے کرسی پر بیٹھنا کہاں؟ اور لیکچر کے دوران اُٹھنا لیکچرار کے اُوپر بھی اوس ڈال دیتا ہے کہ یہی قدر ہے میری دماغ سوزی اور محنت کی۔ باقی سامعین کی بھی توجہ ٹوٹ جاتی ہے کیسی اللہ اور اس کے رسولؐ کی محفل کو جمانہ رہنے دینا یا بے رونق کرنا کتنی بُری بات ہے۔ اس لئے سوائے اشد مجبوری کے جلسہ سے اُٹھ پڑنا اچھی بات نہیں ہوتی۔

تیسرا ادب :۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ "اور اُن لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا ہم سنتے ہیں اور وہ سُن نہیں رہے ہوتے۔" کیا عجیب کتاب ہے قرآن حکیم بھی! کسی تقریر یا خطبہ میں بیٹھے رہنا مگر توجہ سے نہ سننا اس کے فوائد سے محروم رہنا ہے میں نے دیکھا ہے کہ خطبہ میں یا لیکچر کے دوران کوئی آئے جائے تو لوگ اُسے دیکھنے لگ جاتے ہیں کوئی بچہ کھیل رہا ہو تو اُسے شوق سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ کوئی رسالہ یا کتاب پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ کم سے کم یہ تو اکثر ہوتا ہے کہ کان اور آنکھیں تو لیکچرار یا خطیب کی طرف ہوتی ہیں مگر خیالات کہیں اور بھٹک رہے ہوتے ہیں۔ یہ اس فرمانِ الٰہی کی حکم عدولی ہے کہ "اُن لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا ہم سُنتے ہیں مگر وہ سُن نہیں رہے ہوتے۔"

مجھے یاد آیا کہ میرے والد مرحوم نے مجھے سنایا کہ قادیان میں ایک دفعہ جمعہ کے دن سخت گرمی تھی۔ حضرت مجدد صد چہاردہم سامعین میں تشریف رکھتے تھے۔ خطبہ کوئی اور بزرگ دے رہے تھے۔ اُن دِنوں قادیان میں نہ بجلی تھی نہ اُس مسجد میں چھت کا کوئی اور پنکھا تھا تو ایک مُریدنے وفورِ شوق سے ہاتھ کا پنکھا لے کر حضرت اقدس کو جھلنا شروع کر دیا۔ تو آپ نے پنکھا اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور فرمایا :۔ "خطبہ کو توجہ سے سنو۔" یہ اُسی فرمانِ الٰہی کی تعمیل تھی کہ خطبہ یا وعظ کو پوری توجہ اور انہماک سے سُننا چاہیئے۔ اور نہ کوئی ایسی حرکت کرنی چاہیئے کہ اپنی یا دُوسروں کی توجہ خراب ہو اور نہ اپنے خیالات کو کہیں اور بھٹکنے دینا چاہیئے۔

چوتھا ادب :۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ"

"بے شک اللہ کے نزدیک سب جانداروں سے بدتر وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے" فرمایا کہ جانوروں کے کان میں بات پڑ رہی ہو یا کہی جائے تو وہ اُن کے کسی کام نہیں آتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل نہیں دی۔ اس لئے نہ تو وہ اُسے سمجھ سکتے ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ بات سمجھ نہ آئی ہو تو وہ پُوچھ سکیں کیونکہ وہ گونگے بھی ہوتے ہیں۔ مگر انسان کو نہ صرف عقل دی ہے کہ وہ بات کو سمجھ سکے بلکہ قوت گویائی دی ہے کہ پوچھ سکے۔ تو اگر انسان اس خداداد عقل کو استعمال نہ کرے اور یا جو بات سمجھ نہیں آئی ہو اُسے پوچھ نہ لے تو وہ جانوروں سے بدتر ہے۔ اسلام میں کس قدر زور ہے کہ اپنی عقل کو استعمال کرو اور جو بات خطبہ یا وعظ میں کہی جا رہی ہو اُس پر غور کرو نہ کہ یہ ہو کہ جس طرح جانور مثلاً گائے بھینس کے کان میں بات کہی جائے تو وہ اس پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ اُن کے ایک کان سے آواز داخل ہو کر دُوسرے کان سے نکل جاتی ہے۔ اور وہ کورے کے کورے رہتے ہیں۔ یہی حال تمہارا نہ ہو۔

پانچویں حکمت :۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا وَّھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ "اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو ان کو سنوا دیتا۔ اور اگر اُن کو سنواتا تو وہ پھر جاتے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں۔" یہ کن لوگوں کا ذکر ہے؟ دو قسم کے لوگوں کا۔ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسُولؐ کی بلائی ہوئی محفل میں آن کر اُن کی بات کو سُنتے ہی نہیں فرمایا کہ یہ لوگ خیر یا بھلائی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اگر اُن میں خیر یا بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایسے

جلسہ سالانہ

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا جلسہ سالانہ خالصتہً ایک دینی جلسہ اور روحانی اجتماع ہے۔ اس کا ایک بڑا مقصد

کسی نیز جہ سے نہ آنا کونوا مع الصادقین کی حکم عدولی ہے کیونکہ جیسا کہ میں ابھی عرض کر آیا ہوں۔ حق کے لئے جہاد ہی اصل صدق کی نشانی اور ثبوت ہے ؞

ہمارے ہی بھائی اور بہنیں اس سردی میں سفر کی تکالیف اٹھا کر اور خرچ کر کے اس جلسہ میں شامل ہونے انشاء اللہ آ رہے ہیں۔ یہاں کے قیام میں بھی انہیں گھر جیسا آرام اور سہولتیں مہیا نہ ہوں گی بلکہ بے آرامی اور تکلیف ہونا لازمی ہے۔ مگر وہ خوشی، خوشی یہ تکلیفیں اٹھا کر اور خرچ کر کے آ رہے ہیں۔ خود ہمارے ملک کے اندر بھی اس سردی کے موسم میں سفر کافی مشکل چیز ہے مگر جو لوگ دور دراز ممالک سے مثلاً مغرب میں امریکہ کے پرلے سرے کیلیفورنیا سے یا جنوبی امریکہ کے ملک سُرینام سے اور انگلستان اور ہالینڈ سے آ رہے ہیں اور مشرق سے انڈونیشیا اور فیجی جیسے دور دراز ملکوں سے آ رہے ہیں ان کی جہاد کی سپرٹ اور قربانیوں کو دیکھئے اور پھر غور فرمائیے کہ ہمارے پاس کیا عذر ہو گا نہ آنے کا۔ محاسبہ تو یہاں کسی نے نہیں کرنا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں کروں گا۔ اور اس ظاہر اور باطن کے رازوں کو جاننے والے کے محاسبہ سے ڈرنا ہر عقلمند کا کام ہے ؞

ہم اپنے دلوں کو جن عذروں سے سمجھا بجھا لیتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں کہ جی ہمارے دفتر میں چھٹی نہ تھی تو کیا ہم دوسرے کاموں کے لئے چھٹی نہیں لیتے ؟ ضرور لیتے ہیں بلکہ اگر CASUAL LEAVE کے دن ختم ہو چکے ہوں تو ہم PRIVILAGE LEAVE میں سے بلکہ رخصت بلا تنخواہ بھی لیتے ہیں۔ دنیا کے کاموں کے لئے۔ تو کیا دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد ہم نے اپنے مرشد سے نہیں کیا ؟ اس عہد کو توڑنے کے علاوہ کونوا مع الصادقین کی حکم عدولی کا کبھی محاسبہ اُن دو میں سے ہم کس کس سے بچ کر نکل سکیں گے۔ ؟ اسی طرح جو بھائی تجارت یا انڈسٹری یا زراعت پیشہ ہیں کیا وہ اپنے دنیاوی کاموں کے لئے اپنے کاموں سے رخصت نہیں لیتے ؟ کیا خدانخواستہ اگر کوئی بیماری ہمیں آن پکڑے یا دوسری مصیبت تو ہم کوئی نہ کوئی بندوبست نہیں کرتے کہ دفتر سے یا دکان سے یا کارخانہ سے یا کھیتی باڑی سے چھٹی کر کے اُس دنیاوی کام کے لئے سردی ہو یا گرمی اور جو بھی خرچ ہو یا تکلیف اٹھانی پڑے وہ برداشت کر کے سفر کریں ؟ تو اللہ کے کام کے لئے کیوں نہیں ؟ اس کو نا راض کر کے ہم دنیا کے دھندوں میں بھی مصیبتوں میں پڑ سکتے ہیں۔ ان کا کوئی اجر نہ ہو گا۔ مگر اللہ کے کام کے لئے نکلنے کا اجر خود قرآن شریف سے ہی سنیئے ؞

دلکش اجر

قرآن پاک کا طرزِ کلام بھی کیا دلکش ہوتا ہے! فرمایا کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کو " اللہ کی راہ میں کوئی پیاس کی تکلیف نہیں پہنچتی اور نہ تکان اور نہ بھوک اور نہ وہ کسی ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غصہ آتا ہے۔ اور نہ دشمن سے کوئی چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لئے اُن کا نیک عمل لکھا جاتا ہے، اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اور نہ وہ کوئی خرچ کرتے ہیں، تھوڑا یا بہت، اور نہ وہ کسی میدان سے گزرتے ہیں مگر وہ اُن کے لئے لکھ لیا جاتا ہے۔ تاکہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ کرتے تھے "

یہ الفاظ اس قدر عام فہم ہیں اور دلکش ہیں کہ مجھے اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ

گھر ہے۔ اس دنیا میں اگر کچھ ملے تو وہ آج نہیں تو کل ہاتھ سے کھو جاتا ہے جب انسان کو پیغام اجل آ جاتا ہے اور خدا جانے اگلے سال کے دوران ہم میں سے کس کو پیغام اجل آ جاتا ہے۔ اس لئے اس جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کے ثواب کو نہ کھوئیں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کے محاسبہ کو مول لیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہی دعا ہے کہ وہ میرے اور آپ کے دلوں کو کھول دے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کو راضی کرنے والوں میں سے بنیں۔ آمین

بہت سی برکات کا جاذب ہے ؞

یہ قومی اجتماع جس کی بنیاد حضرت امام وقت نے ڈالی تھی، بہت سی برکات کا جاذب ہے۔ مبارک ہے وہ مرد اور وہ خاتون جن کے جذبہ کو دیکھ کر دوسرے بھی سرشار نظر آنے لگیں اور کثرت سے جمع ہو کر خدا کے حضور نہایت تضرع سے دعائیں کریں تا کہ ان پر ربّ العزت کی درگاہ سے فضل اور کرم اتریں۔ جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور جماعت کے اجتماع پر انوار الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اس سے مستفید ہونے کے لئے اور ثواب عظیم حاصل کرنے کے لئے اخلاص اور سعی بلیغ درکار ہے۔ پروردگار عالم کے حضور دعا ہے کہ وہ حضرت مجدّد صد چہاردہم کی جماعت پر، ان کے معمر لوگوں اور جوانوں پر، ان کے لڑکے لڑکیوں پر اور سلسلہ کی خواتین پر عنایات اور اپنے انعامات نازل فرمائے۔ ان کے دلوں کو اخلاص سے معمور کر دے اور ان کے دلوں کو جذبۂ خدمت اسلام سے بھرپور کر دے ؞

تا کہ تکمیل تبلیغِ اسلام کا کام نصف النہار تک پہنچ جائے۔

از :۔ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب۔

جلسۂ سالانہ کی اغراض

قیام و اجتماع جماعت کی ضرورت اور

تزکیہ و طہارت نفوس

جماعتِ احمدیہ لاہور کے مخلص افراد ہر سال کم از کم ایک مرتبہ اپنے مرکز میں جمع ہوتے ہیں۔ اس جلسہ کی اغراض کیا ہیں، سب سے بڑی اور اعلیٰ ترین غرض اس اجتماع کی یہ ہے کہ احیاء و تجدید دین کے لئے جو جماعت قائم کی گئی ہے اسکے باہم اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ ہو۔ اتحاد ایک بڑی برکت و نعمت ہے اور من جملہ ان اوصاف حمیدہ سے ہے جن سے باہمی انسانوں کو مرلوط ہونے کی عام طور پر ضرورت ہے۔ مگر جو جماعت قائم ہی اس غرض کے لئے ہو کہ وہ نیکی کو قائم کرے تو اس کے لئے بغیر اتحاد و اتفاق اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ انفرادی طور پر نیکی قائم کرنے سے ہی ایک نیک معاشرہ وجود میں آتا ہے لیکن اگر نیک افراد منتشر و الگ الگ پڑے ہوں یا باہمی اتفاق و اتحاد کے رشتوں سے منسلک نہ ہوں تو خواہ ہر فرد نیکی و خوبی میں ولی اللہ کا مقام ہی کیوں نہ رکھتا ہو کبھی وہ اثر پیدا نہیں کر سکتا جو اس صورت میں ممکن ہے جب وہ سب اتحاد کی رسّی میں جکڑے ہوئے ہوں۔ اسی لئے تو ارشاد ہوا واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولا تفرقوا خدا تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہوئے یعنی نیکی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے سبھی تمہیں اس عظیم امر کی حاجت در پیش ہے کہ تم باہمی اتفاق و اتحاد کا زبردست مظاہرہ کرو۔ چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہ کا ارشاد ہے

” یہ سلسلہ بیعت بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقوٰی شعار لوگوں کی جماعت جمع کرنے کے لئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دُنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو۔ اور وہ بہ برکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں ۔ ۔ ۔ ۔ جبکہ وہ ایسی قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے سرانجام دینے کے لئے عاشق کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں تمام کوشش اس بات کے لئے کریں کہ اُن سے تمام برکات دُنیا میں پھیلیں۔ اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان کا پاک چشمہ ہر ایک دِل سے نکل کر ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے۔“

دین کا خلاصہ تو ان دو کلمات میں آجاتا ہے۔ العظمۃ لامر اللّٰہ والشفقۃ علی خلق اللّٰہ۔ مندرجہ بالا عبارت میں کس خوبصورتی و عمدگی سے اس حقیقت کو آشکارا کر کے پھر فرمایا کہ نیکیوں اور خوبیوں والے افراد ایک جگہ جمع ہوتے ہوں تو نیکی کا ایک دریا بہتا نظر آئے اور ہر ایک کے سامنے نیکی کا دریا ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دے۔

جس طرح کسی مقام پر ایک پھول اگر کھِلا ہوا ہو تو وہ کبھی ایسی کشش و جذب کا موجب نہیں بن سکتا جتنا یہ کہ ایک جگہ پر ہر قسم کے رنگا رنگ پھولوں کا اجتماع ایک باغ کی شکل میں دلربائی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک اکیلا انسان ورزش کے کرتب کر رہا ہو تو وہ باعثِ توجہ نہیں بنتا جتنا یہ نظارہ کہ چند ہزار لوگ ایک نظم و نسق کی صورت میں فوجی پریڈ میں مشغول ہوں۔ اسی طرح دوسری جگہ حضرت اقدس اپنی بعثت کی اصل غرض ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ایمان باللّٰہ و عمل صالحہ پر مبنی ایک اصلاح یافتہ جماعت:۔ ” میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مؤمن ہو۔ اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے، اسلام کو اپنا شعار بنائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقوٰی کے رستہ پر چلے۔ اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دُنیا ہدایت پائے۔ اور خدا کا منشاء پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین کے ذریعہ ہم نے دشمن پر غلبہ پا بھی لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں۔ کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔“

اسلام دلوں میں گھر کر رہا ہے مگر مسلمانوں کا نمونہ اشاعت اسلام کے لئے روک بن رہا ہے:

اسی طرح حضرت اقدس یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصول اسلام اس قدر سچے و راست ہیں کہ لوگ عام طور پر ان کو دلوں میں قبول کرتے جاتے ہیں مگر وہ اظہار اسلام نہیں کرتے کیونکہ مسلمانوں کا نمونہ روک بن رہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

” اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے، یورپ اور ایشیا کے لوگ اندر ہی اندر اس بات کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ دیگر تمام ادیان باطل ہیں مگر دنیا سب کو محبوب ہو رہی ہے۔ یہ ایک زہر ہے جو ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ میں ہلاک کر دیتی ہے۔ بڑا گناہ جو اس زمانہ میں پیدا ہوا ہے وہ حُبّ دنیا ہی ہے یہ ایک باریک زہریلا کیڑا ہے جو خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کے اندر دنی زنے بھی بخوبی جانتے ہیں اور اُن کے دل پہچانتے ہیں کہ کس فرقہ کے اصول عمدہ ہیں اور خدا تعالیٰ اس وقت کس طرح راضی ہو سکتا ہے مگر ان کی اندرونی حالتیں خراب ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ اے نبیؐ تو کہہ دے اگر تم اللہ تعالیٰ سے پیار کرتے ہو۔ تو آؤ میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی متابعت کر رہے ہیں؟ کیا ان کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سود لیتے تھے؟ یا مداہنہ کرتے تھے یا غفلت کرتے تھے یا دُنیا کو دین پر مقدم کرتے تھے یا نفاق کرتے تھے؟ یہ سب باتیں ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور ان کی حالتیں وہ نہیں رہیں۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے متبعین کی ہوا کرتی تھیں۔ چاہیئے کہ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم زندگی بسر کیا کرتے تھے اسی طرح زندگی بسر کریں۔ تب سچے مسلمان ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام ۴۴ یہ حالت تھی کہ نہ دُنیا ان سے پیار کرتی تھی اور نہ وہ دُنیا سے پیار کرتے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی متابعت میں ایک نئی زندگی حاصل کر لی تھی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کا قدم صحابہؓ کے قدموں پر ہے؟ ہرگز نہیں بس خدا تعالیٰ کا منشاء اس سلسلہ کے قیام سے یہ ہے کہ لوگ پھر اس راہ پر چلنے لگیں۔“

تنازعہ و جھگڑا کرنے کی بجائے نیک اعمال میں ترقی اختیار کرو۔

قرآن کریم نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ باہمی ایک دُوسرے سے جھگڑنے اور برسرِ پیکار ہونے

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲)

از :- محترمہ مسز رضیہ فاروقی صاحبہ ۔ لندن

جماعت ہالینڈ لندن میں

اس سال ماہ جولائی ہمیں پھر یہ خوشی نصیب ہوئی کہ اپنے ہالینڈ کے بہن بھائیوں سے دوبارہ ملیں روٹرڈیم کے پریذیڈنٹ مسٹر عبدل سنتو چالیس سے اوپر اصحاب و خواتین لے کر بذریعہ کوچ لندن پہنچے۔ اُن کے قیام کا انتظام لندن کے ایک ہوٹل میں تھا۔ جہاں ہماری چیئرمین مسز جمیلہ خان مع دیگر ممبران جماعت کے اُن کی منتظر تھیں لیکن اُن کی بس اتنی رات گئے پہنچی کہ ہوٹل کا ڈائننگ روم بند ہو چکا تھا۔ مسز ماریہ مجید علی جو ہماری ایک سرگرم ممبر ہیں انہوں نے اس وقت اسلامی مہمان نوازی کا قابلِ تقلید نمونہ دکھایا۔ اور اپنی چند دوست خواتین کی مدد سے نہ صرف کھانے بلکہ لذیذ و پُر تکلف کھانے اُن کی آن میں تیار کر کے پیش کر دیئے اُن کی اس محبت و خاطر سے نہ صرف مہمان بلکہ میزبان بھی ازحد متاثر ہوئے ۔

رات زیادہ ہو گئی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر مہمان آرام کرنے کمروں میں گئے۔ اگلی صبح ناشتہ کے بعد پروگرام مہمانوں کو لندن کی سیر کرانے کا تھا چنانچہ یو۔ کے جماعت کے سیکرٹری مسٹر شاہد عزیز اور ممبر کمیٹی ریحانہ علی اُن کو لے کر لندن دکھانے چلے گئے ۔

اسی روز سہ پہر کو ہماری صدر الیوسی ایشن محترمہ اختر عزیز احمد صاحبہ نے سلو SLOUGH میں اپنے اسکول کے خوبصورت اور وسیع ہال میں اجتماعی میٹنگ کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ یہ مقام لندن سے تقریباً پچیس تیس میل دُور ہیتھرو ائرپورٹ کے پاس واقع ہے۔ یو۔ کے جماعت اور وومنز الیوسی ایشن کے ممبرز ہم سب لوگ بذریعہ ٹرین بس۔ اور ذاتی موٹروں میں ساڑھے تین بجے ہی وہاں پہنچ گئے ۔ ساڑھے چار بجے کے قریب ہمارے مہمانوں کی کوچ بھی آ گئی۔ علاوہ ہمارے مہمانوں کے آج کے اجتماع میں دو تین اور خصوصی ہستیاں بھی تھیں۔ ایک تو عزیزی محمد احمد صاحب حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مع اپنی بیگم زبیدہ احمد کے اور ایک انگریز نوجوان مسٹر جونسنز تھے جو آج خاص طور پر قبولِ اسلام کے لئے تشریف لائے تھے۔ جب سب لوگ آرام سے کرسیوں پر بیٹھ گئے تو بحیثیت سیکرٹری وومنز الیوسی ایشن کے میں نے اپنی خیر مقدم کی مختصر تقریر میں اپنے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا :-

جماعتِ ہالینڈ کا خیر مقدم :-

میرے عزیز بھائیو اور پیاری بہنو ! السّلامُ علیکم ! سب سے پہلے تو میں آپ سب کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ خدا کرے کہ آپ کا یہ انگلینڈ کا دورہ ہر لحاظ سے آپ سب کے لئے خوشی اور تفریح کا باعث ہو اور ساتھ خیر و عافیت کے سرانجام ہو۔ آمین

آپ سب کے آنے کا معلوم کر کے مجھے یہ خیال آ رہا تھا کہ آپ لوگوں کے آنے سے ہمیں اتنی خوشی کیوں ہو رہی ہے۔ اور ہم لوگ آپس میں مل کر کیوں اس قدر راحت و مسرت محسوس کرتے ہیں۔ اس کی وجہ جو مجھے سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا آپ کا خدائی رشتہ ہے۔ یُوں تو دُنیا میں بہت رشتے ہیں۔ ماں۔ باپ۔ بہن بھائی۔ بیٹا۔ بیٹی۔ عزیز رشتہ دار، یہ سب رشتے اپنی اپنی جگہ پر بہت پیارے ہوتے ہیں۔ اور جتنا بھی وقت آپس میں مل کر گزرے اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سب انسانوں کی انسانوں سے رشتہ داری ہے۔ اِن سب سے بڑھ کر، ان سب سے اعلیٰ اور ان سب سے پیارا رشتہ وہ ہے جو انسان کا خُدا کے ساتھ ہوتا ہے ۔

خوش قسمتی سے اوّل تو ہم اللہ کے فضل حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت و ہدائیت اور اسلام کی برکت سے مسلمان پیدا ہوئے جیسا کہ خود قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ :-

"تم کو تباہی سے اللہ کے اس رشتہ نے بچایا اور اس واسطے کو مضبوطی سے پکڑو"

مگر چودہ سو سال کے بعد مسلمانوں کی غفلت اور لاپرواہی سے یہ واسطہ ہمارے اور اللہ کے درمیان کمزور ہو گیا تھا اور شاید ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ ہی جاتا۔ اگر چودھویں صدی کے مجدد، مردِ خدا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہمیں ہوشیار نہ کرتے اور ہمیں اکٹھے رہنے اور کام کرنے کے لئے اس خُدائی رشتہ کو احمدیت کا نام دے کر ہمارے درمیان قائم نہ کر جاتے۔ سو میرے عزیزو! یہ وہ رشتہ ہے۔ یہ وہ واسطہ ہے جو دُنیا کے ایک سرے سے دُوسرے سرے تک، مشرق سے مغرب تک، امیر سے غریب تک، کمزور سے طاقتور تک ہم سب کو باندھے ہوئے ہے ہماری یہ محبت۔ یہ خوشی، ایک دُوسرے سے ملنے کی تمنا۔ سب خُدا کے لئے ہے اس کے نام، اس کے دین اور اس کے قرآن کے لئے ہے۔ کتنا پیارا اور کتنا پاکیزہ ہے۔ یہ ہمارا رشتہ۔ میری دُعا ہے کہ یہ ہمارے آپ کے درمیان ہمیشہ قائم رہے اور دِن دونا رات چوگنا اتنا بڑھے کہ دُنیا کے کناروں تک تمام مخلوق اس میں بندھ جائے۔ آمین۔ ثم آمین ۔

اب بیگم اختر عزیز احمد صاحبہ نے نئے مہمانوں کا حاضرین سے تعارف کروایا اور مسٹر محمد احمد سے تقریر کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے قرآن کریم کی متعدد آیات تلاوت فرمائیں جو اس اہم مضمون سے تعلق رکھتی ہیں کہ "تم میں ایک گروہ ہونا چاہیئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور بُرائی سے روکے۔" بہت دِلنشیں اور فاضلانہ طریقے سے ثابت کیا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم کا منشاء اس احمدی جماعت کے بنانے سے اللہ کے اس حکم کو بجا لانا تھا اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم اس گروہ میں شامل ہیں۔ ان کے بعد ہالینڈ سے ایک صاحب نے اس کی تائید کی۔ بعد ازاں مسٹر زاہد عزیز کی پُر از معلومات تقریر کی آمد پر تھی۔ اب والدہ عبدل سنتو صاحبہ نے باوجود اپنی علالت کی کمزوری کے خود لکھی ہوئی پُرجوش اسلامی نظم سنائی۔ یہاں بیگم زبیدہ احمد صاحبہ نے بھی مختصر خطاب کیا۔ انہوں نے پہلے تو لندن اور ہالینڈ کی جماعتوں سے ملنے اور اُن کے اخلاص کی تعریف کی اور پھر سب کو دعوت دی کہ جب بھی موقعہ ملے بلکہ کوشش کر کے آپ سب مرکزی انجمن لاہور کے سالانہ جلسے پر تشریف لائیں۔ جہاں دِلی خوشی سے اُن کا خیر مقدم ہو گا۔

آخر میں مسٹر عبدل سنتو نے اپنی اور مہمانوں کی طرف سے شکریہ کے علاوہ اس طرح آپس میں ملنے کے فوائد بیان کئے۔ اب مسٹر جونسنز نے اُٹھ کر اپنی انگریزی تقریر میں بتایا کہ وہ عرصہ سے ایک سچے دینِ فطرت کی تلاش میں تھے۔ اور مختلف کتب کے مطالعہ کے بعد جب انہوں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن پڑھا تو ان کو انشراحِ صدر ہو گیا کہ اُن کی تلاش بارآور ہو گئی ہے اور دینِ اسلام میں ان کو اللہ کو پانے کا راستہ۔ امن۔ سکون مل سکتا ہے۔ تقریر کے بعد مسٹر محمد احمد نے ان کو پاس بٹھا کر اللہ کی توحید اور محمد رسول صلعم کی رسالت اور ارکانِ اسلام کو مختصر طور پر بیان کیا اور پھر کلمہ شہادت مع انگریزی ترجمہ پڑھا کر اسلام کی نعمت سے ہمکنار کر دیا۔ درود شریف اور دُعائے استقامت میں سب کی شمولیت کے بعد مسٹر جونسنز کا اسلامی نام سلیم احمد رکھا گیا۔ مسٹر سلیم احمد فی الواقع سلیم الطبع روشن خیال اور باعلم نوجوان ہیں اور انہوں نے بہت غور و فکر کے بعد یہ بھی سمجھ لیا کہ مسلمانوں میں ہماری احمدی جماعت کا وجود بطور مشنری اسلام بہت قیمتی اور قابلِ شمولیت ہے۔ الحمدللہ۔ اللہ تعالےٰ ان کو اس صراطِ مستقیم پر استقامت بخشے آمین :- میٹنگ ختم ہوتے ہی احمدیہ وومنز الیوسی ایشن کی طرف سے ایک پُر تکلف عشائیہ دیا گیا۔ سب نے مل کر شام کی نمازیں باجماعت ادا کیں اور یہ ہماری شام

کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْن

خطبہ جمعہ، فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۲۸ ر نومبر ۱۹۸۰ء بمقام جامع مسجد۔ دارالسلام، لاہور

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (سورۃ التوبہ ۹۔ آیات ۱۱۹ تا ۱۲۱)

ترجمہ:۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے اردگرد جو دیہاتی ہیں انہیں مناسب نہ تھا کہ اللہ کے رسول کے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنے نفسوں پر اتنے حریص ہوں کہ اس کے نفس کی پرواہ نہ ہو۔ یہ اس لئے کہ انہیں اللہ کی راہ میں کوئی پیاس کی تکلیف نہیں پہنچتی اور نہ تھکان اور بھوک اور نہ وہ کسی ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غضب آتا ہے اور نہ دشمن سے کوئی چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لئے اُن کا نیک عمل لکھا جاتا ہے اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا اور نہ وہ کوئی خرچ کرتے ہیں، تھوڑا ہو یا بہت، اور نہ وہ کسی میدان سے گزرتے ہیں مگر وہ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ کرتے تھے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو"۔ تقویٰ کا لفظ جب اکیلا آئے گا تو اس کے معنے ہوتے ہیں حفظ الشیء مما یؤذیہ و یضرہٗ یعنے ایک چیز کی حفاظت کرنا اس سے جو اس کو ایذاء دے اور نقصان پہنچائے۔ اور چونکہ گناہوں اور برائیوں سے بڑھ کر کوئی اذیت اور نقصان دہ چیزیں نہیں ہو سکتیں اس لئے تقویٰ کے معنی عام طور پر گناہوں سے اور برائیوں سے بچنا کئے جاتے ہیں اور تقوے کے دُوسرے معنی جعل النفس فی وقایۃٍ مما یخاف کے ہیں اور یہی معنے ہوتے ہیں تقوی اللّٰہ کے یعنے اللہ تعالیٰ کے محاسبہ اور سزا سے بڑھ کر کوئی چیز خوف کرنے اور بچنے کے لائق نہیں۔ اس لئے جب قرآن حکیم میں الفاظ تقوی اللّٰہ کے آئیں تو اُن کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اُن کے آگے جو حکم آتا ہے اس کا خاص محاسبہ یا مواخذہ ہوگا جس سے بچنا اور خوف کرنا ایک مؤمن کا کام ہے۔ اس لئے یہاں جو حکم آگے آتا ہے کونوا مع الصّٰدقین، یعنے صادقوں کا ساتھ دو اس کو پورا نہ کرنے پر خاص محاسبہ کا وعید ہے۔

صادق کون ہیں؟

صادق کے لفظی معنی تو سچ بولنے والا یا راستی پر جو انسان ہو اُس کے ہیں۔ وہ معنی لے کر کونوا مع الصّٰدقین کے پہلے معنی تو یہ ہوئے کہ اگر کوئی معاملہ یا قضیہ تمہارے آگے آئے تو اس میں جن کو راستی پر پاؤ اُن کا ساتھ دو۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ دوستی یا رشتہ داری کی بنا پر لوگ اپنے دوستوں یا رشتہ داروں کی طرف داری کرتے ہیں چاہے وہ حق پر ہوں یا نہ ہوں۔ سیاست میں اور بین الاقوامی تعلقات میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اپنی سیاسی پارٹی کے آدمی یا بات کی یا اپنے ملک کے آدمی یا بات کی طرف داری کی جاتی ہے چاہے وہ حق پر ہو یا نہ ہو۔ یہ تقوی اللّٰہ نہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم میں دُوسری جگہ حکم ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا قف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدۃ ۵۔ ۸) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے حقوق کی حفاظت کرنے والے، انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ عدل کرو کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ کرو۔ بے شک اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو"۔

مگر سیاق اور سباق کونوا مع الصّٰدقین کے معنی کچھ اور کرتے ہیں۔ اس آیت سے پہلے بھی جہاد کا ذکر ہے اور بعد میں بھی۔ معاً پہلے اُن تین آدمیوں کا ذکر ہے جو بلا کسی معقول عذر کے جنگ تبوک کی مہم میں رسول اللہ صلعم اور آپؐ کے ساتھیوں کے ساتھ نہ گئے تھے۔ اگرچہ اس سے پہلے وہ غزوات میں شریک ہوتے رہے تھے اور نمازوں اور دُوسری قومی معاملات میں وہ شامل ہوتے تھے مگر چونکہ اس جہاد میں وہ بلا کسی معقول وجہ کے شامل نہ ہوئے تھے اس لئے رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ نے ویسے پر اُن کا بائیکاٹ کیا۔ پچاس دن تک یہاں تک کہ ان کی توبہ و استغفار اور گریہ وزاری کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور انہیں معافی دی۔ اسی طرح اگلی آیات میں بھی اللہ کے راستہ میں نکلنے میں جو تکلیفیں اُٹھانی پڑتی ہیں اُن کا ذکر ہے اور فرمایا ہے کہ اُن کا کتنا بڑا اجر ہے، تو صادق کے معنی اللہ کے لئے اور حق کے لئے جدوجہد کرنے والے کے ہیں جیسا کہ دُوسری جگہ واضح فرمایا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ (الحجرات ۴۹۔ ۱۵) "مومن صرف وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور پھر شک و شبہ میں نہیں پڑتے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو صادق ہیں"۔

تو اللہ کی راہ میں جو جہاد کریں وہ صّٰدقین ہیں جن کا ساتھ دینے کا حکم کونوا مع الصّٰدقین میں ہے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو رسول اللہ صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ دن رات اس جہاد میں لگے ہوئے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نبی نہیں آنا۔ اس لئے حضورؐ کے خلفاء جن میں مجددین اور اُن کی جماعتیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں لگی ہوئی ہوں اُن کا ساتھ دینے کا حکم کونوا مع الصّٰدقین میں ہے۔ اسی لئے اس حکم سے پہلے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنے مسلمان مخاطب ہیں۔ جب خدا کی طرف سے کوئی مامور یا مجدد آئے اور وہ اور اس کی جماعت حق کو پھیلانے کے جہاد میں لگی ہوں تو اُن کا ساتھ دینے کا یہاں حکم ہے۔

جلسہ سالانہ

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا جلسہ سالانہ فالعشنہ ایک دینی جلسہ اور رُوحانی اجتماع ہے۔ اس کا ایک بڑا مقصد یہ سوچنا ہے کہ ہم نے اگلے سال میں بلکہ پندرھویں صدی میں کیا کام کرنے ہیں کہ اشاعت اسلام کا کام تیز تر ہو جائے۔ آپ کے پاس اللہ تعالےٰ کے فضل سے اور حضرت مجدد صد چہاردہم اور حضرت امیر مرحوم کی محنت اور ان تھک کوششوں کے نتیجہ میں اسلام پر وہ لٹریچر ہے جو کسی اور کے پاس نہیں۔ اس میں سرفہرست قرآن کریم ہے۔ اور اس لاجواب کتاب سے جہاد کرنے کا صریح حکم ہمیں وجاھدھم بہ جھاداً کبیرا میں دیا گیا ہے۔ تو اس جہاد کو ہم کس طرح بہتر طور پر کریں یہ ہمیں فیصلہ کرنا ہے۔ اس جہاد کے سلسلہ میں جب ہمیں بلایا جائے تو اس کی پرواہ نہ کرنا اور کسی نہ کسی عذر بہانہ سے یا محض سستی کی وجہ سے نہ آنا کونوا مع الصٰدقین کی حکم عدولی ہے کیونکہ جیسا کہ میں ابھی عرض کر آیا ہوں۔ حق کے لئے جہاد ہی اصل صدق کی نشانی اور ثبوت ہے ++

ہمارے ہی بھائی اور بہنیں اس سردی میں سفر کی تکالیف اٹھا کر اور خرچ کر کے اس جلسہ میں شامل ہونے انشاء اللہ آ رہے ہیں۔ یہاں کے قیام میں بھی انہیں گھر جیسا آرام اور سہولتیں مہیا نہ ہوں گی بلکہ بے آرامی اور تکلیف ہونا لازمی ہے مگر وہ خوشی، خوشی یہ تکلیفیں اٹھا کر اور خرچ کر کے آ رہے ہیں۔ خود ہمارے ملک کے اندر بھی اس سردی کے موسم میں سفر کافی مشکل چیز ہے مگر جو لوگ دور دراز ممالک سے مثلاً مغرب میں امریکہ کے پرلے سرے کیلیفورنیا سے یا جنوبی امریکہ کے ملک سُرینام سے اور انگلستان اور ہالینڈ سے آ رہے ہیں اور مشرق سے انڈونیشیا اور فیجی جیسے دور دراز ملکوں سے آ رہے ہیں ان کی جہاد کی سپرٹ اور قربانیوں کو دیکھیے اور پھر غور فرمائیے کہ ہمارے پاس کیا عذر ہو گا نہ آنے کا۔ محاسبہ تو یہاں کسی نے نہیں کرنا مگر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میں کروں گا۔ اور اس ظاہر اور باطن کے رازوں کو جاننے والے کے محاسبہ سے ڈرنا ہر عقلمند کا کام ہے ؛

ہم اپنے دلوں کو جن عذروں سے سمجھا بُجھا لیتے ہیں وہ کچھ یُوں ہیں کہ جی ہمارے دفتر میں چھٹی نہ تھی تو کیا ہم دوسرے کاموں کے لئے چھٹی نہیں لیتے ؟ ضرور لیتے ہیں بلکہ اگر CASUAL LEAVE کے دن ختم ہو چکے ہوں تو ہم PRIVILAGE LEAVE میں سے بلکہ رخصت بلا تنخواہ بھی لیتے ہیں۔ دُنیا کے کاموں کے لئے۔ تو کیا دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا عہد ہم نے اپنے مُرشد سے نہیں کیا ؟ اس عہد کو توڑنے کے علاوہ کونوا مع الصٰدقین کی حکم عدولی کا کبھی محاسبہ اُن دونوں سے ہم کس کس سے بچ کر نکل سکیں گے۔ ؟ اسی طرح جو بھائی تجارت یا انڈسٹری یا زراعت پیشہ ہیں کیا وہ اپنے دنیاوی کاموں کے لئے اپنے کاموں سے رخصت نہیں لیتے ؟ کیا خدانخواستہ اگر کوئی بیماری ہمیں آن پکڑے یا دوسری مصیبت تو ہم کوئی نہ کوئی بندوبست نہیں کرتے کہ دفتر سے یا دوکان سے یا کارخانہ سے یا کھیتی باڑی سے چھٹی کر کے اُس دُنیاوی کام کے لئے سردی ہو یا گرمی اور جو بھی خرچ ہو یا تکلیف اٹھانی پڑے وہ برداشت کر کے سفر کریں ؟ تو اللہ کے کام کے لئے کیوں نہیں ؟ اس کو ناراض کر کے ہم دُنیا کے دھندوں میں بھی مصیبتوں میں پڑ سکتے ہیں۔ ان کا کوئی اجر نہ ہو گا مگر اللہ کے کام کے لئے نکلنے کا اجر خود قرآن شریف سے ہی سُنیئے ؛ ؛

دِل کش اَجر

قرآن پاک کا طرزِ کلام بھی کیا دلکش ہوتا ہے! فرمایا کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کو "اللہ کی راہ میں کوئی پیاس کی تکلیف نہیں پہنچتی اور نہ تکان اور نہ بھوک اور نہ وہ کسی ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غضب آتا ہے۔ اور نہ دشمن سے کوئی چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لئے اُن کا نیک عمل لکھا جاتا ہے، اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اور نہ وہ کوئی خرچ کرتے ہیں، تھوڑا ہو یا بہت، اور نہ وہ کسی میدان سے گزرتے ہیں مگر وہ اُن کے لئے لکھ لیا جاتا ہے۔ تاکہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ کرتے تھے"

یہ الفاظ اس قدر عام فہم ہیں اور دلکش ہیں کہ مجھے اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی اللہ تعالےٰ کے الفاظ میں جو اثر ہے وہ میرے الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔ صرف دو باتیں عرض کر دوں کہ حضرت اقدس نے بھی جلسہ کے لئے آنے کی تحریک کرتے ہوئے لکھا کہ آنے والوں کا اجر اُس وقت سے شروع ہو گا جبکہ وہ گھر سے نکلیں اور اللہ تعالےٰ نے جو فرمایا ہے کہ "اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا" تو یہ اس لئے کہ بظاہر نیکی کا فوری اجر ظاہر میں نہیں ملتا اگرچہ نیکی کرنے سے جو روحانی خوشی ہوتی ہے وہ دل کی جنت کو پیدا کرنے والی چیز ہے۔ اور دل کی جنت کے بغیر باہر کے عیش و آرام بھی بیکار ہوتے ہیں۔ مگر باہر کے انعام اللہ تعالےٰ نے اس لئے آخرت پہ اٹھا رکھے ہیں کہ وہی ہمیشہ کا گھر ہے۔ اس دُنیا میں اگر کچھ ملے تو وہ آج نہیں تو کل ہاتھ سے کھو جاتا ہے۔ جب انسان کو پیغام اجل آجاتا ہے اور خدا جانے اگلے سال کے دَوران ہم میں سے کس کو پیغام اجل آجاتا ہے۔ اس لئے اس جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کے ثواب کو نہ کھوئیں۔ اور نہ اللہ تعالےٰ کے محاسبہ کو مول لیں۔ اللہ تعالےٰ سے ہی دُعا ہے کہ وہ میرے اور آپ کے دلوں کو کھول دے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کو راضی کرنے والوں میں سے بنیں۔ آمین

قومی اجتماع

بہت سی برکات کا جاذب ہے ؛ ؛

یہ قومی اجتماع جس کی بنیاد حضرت امام وقت نے ڈالی تھی، بہت سی برکات کا جاذب ہے۔ مبارک ہے وہ مَرد اور وہ خاتون جن کے جذبہ کو دیکھ کر دوسرے بھی سرشار نظر آنے لگیں اور کثرت سے جمع ہو کر خدا کے حضور نہایت تضرع سے دُعائیں کریں تاکہ اُن پر ربّ العزت کی درگاہ سے فضل اور کرم اُتریں۔ جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور جماعت کے اجتماع پر انوارِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اس سے مستفید ہونے کے لئے اور ثواب عظیم حاصل کرنے کے لئے اخلاص اور سعی بلیغ درکار ہے۔ پروردگار عالم کے حضور دُعا ہے کہ وہ حضرت مجدد صد چہاردہم کی جماعت پر، ان کے معمر لوگوں اور جوانوں پر، اُن کے لڑکے لڑکیوں پر اور سلسلہ کی خواتین پر عنایات اور اپنے انعامات نازل فرمائے۔ ان کے دلوں کو اخلاص سے معمور کر دے اور ان کے دلوں کو جذبۂ خدمتِ اسلام سے بھرپور کر دے ؛

تاکہ تکمیل تبلیغِ اسلام کا کام نصف النہار تک پہنچ جائے

از:۔ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب۔

جلسہ سالانہ کی اغراض

قیام و اجتماع جماعت کی ضرورت اور

تزکیہ و طہارت نفوس

جماعت احمدیہ لاہور کے مخلص افراد ہر سال کم از کم ایک مرتبہ اپنے مرکز میں جمع ہوتے ہیں۔ اس جلسہ کی اغراض کیا ہیں۔ سب سے بڑی اور اعلیٰ ترین غرض اس اجتماع کی یہ ہے کہ احیاء و تجدید دین کے لئے جو جماعت قائم کی گئی ہے اسکے باہم اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ ہو۔ اتحاد ایک بڑی برکت و نعمت ہے اور من جملہ ان اوصاف حمیدہ سے ہے جن سے باہمی انسانوں کو مرلوط ہونے کی عام طور پر ضرورت ہے۔ مگر جو جماعت قائم ہی اس غرض کے لئے ہو کہ وہ نیکی کو قائم کرے تو اس کے لئے بغیر اتحاد و اتفاق اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ انفرادی طور پر نیکی قائم کرنے سے ہی ایک نیک معاشرہ وجود میں آتا ہے لیکن اگر نیک افراد منتشر و الگ الگ پڑے ہوں یا باہمی اتفاق و اتحاد کے رشتوں سے منسلک نہ ہوں تو خواہ ہر فرد نیکی و خوبی میں ولی اللہ کا مقام ہی کیوں نہ رکھتا ہو کبھی وہ اثر پیدا نہیں کر سکتا جو اس صورت میں ممکن ہے جب وہ سب اتحاد کی رسّی میں جکڑے ہوئے ہوں۔ اسی لئے تو ارشاد ہوا واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا خداتعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہوئے یعنی نیکی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے سبھی تمہیں اس عظیم امر کی حاجت درپیش ہے کہ تم باہمی اتفاق و اتحاد کا زبردست مظاہرہ کرو۔ چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہ کا ارشاد ہے

"یہ سلسلہ بیعت بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت جمع کرنے کے لئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو۔ اور وہ بہ برکت کلمۂ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں۔۔۔۔ جبکہ وہ ایسی قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے سرانجام دینے کے لئے عاشق کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں تمام کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان سے تمام برکات دنیا میں پھیلیں۔ اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان کا پاک چشمہ ہر ایک دل سے نکل کر ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے۔"

دین کا خلاصہ تو ان دو کلمات میں آجاتا ہے۔ العظمۃ لامر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ۔ مذکرہ بالا عبارت میں کس خوبصورتی و عمدگی سے اس حقیقت کو آشکارا کر کے پھر یہ فرمایا کہ نیکیوں اور خوبیوں والے افراد ایک جگہ جمع ہونے ہوں تو نیکی کا ایک دریا بہتا نظر آئے اور ہر ایک کے سامنے نیکی کا دریا ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دے۔

جس طرح کسی مقام پر ایک پھول اگر کھلا ہوا ہو تو وہ کبھی ایسی کشش و جذب کا موجب نہیں بن سکتا جتنا یہ کہ ایک جگہ پر ہر قسم کے رنگا رنگ پھولوں کا اجتماع ایک باغ کی شکل میں دلربائی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک اکیلا انسان ورزش کے کرتب کر رہا ہو تو وہ باعث توجہ نہیں بنتا جتنا یہ نظارہ کہ چند ہزار لوگ ایک نظم و نسق کی صورت میں فوجی پریڈ میں مشغول ہوں؛ اسی طرح دوسری جگہ حضرت اقدس اپنی بعثت کی اصل غرض ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ایمان باللہ و عمل صالحہ پر مبنی ایک اصلاح یافتہ جماعت:۔ "میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو۔ اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے، اسلام کو اپنا شعار بنائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقویٰ کے رستہ پر چلے۔ اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پائے۔ اور خدا کا منشاء پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین کے ذریعہ ہم نے دشمن پر غلبہ پا بھی لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں۔ کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔"

اسلام دلوں میں گھر کر رہا ہے مگر مسلمانوں کا نمونہ اشاعت اسلام کے لئے روک بن رہا ہے:

اسی طرح حضرت اقدس یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصول اسلام اس قدر سچے و راست ہیں کہ لوگ عام طور پر ان کو دلوں میں قبول کرتے جا رہے ہیں مگر وہ اظہار اسلام نہیں کرتے کیونکہ مسلمانوں کا نمونہ روک بن رہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے، یورپ اور ایشیا کے لوگ اندر ہی اندر اس بات کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ دیگر تمام ادیان باطل ہیں مگر دنیا سب کو محبوب ہو رہی ہے۔ یہ ایک زہر ہے جو ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ میں ہلاک کر دیتی ہے۔ بڑا گناہ جو اس زمانہ میں پیدا ہوا ہے وہ حُبّ دنیا ہی ہے یہ ایک باریک زہریلا کیڑا ہے جو خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کے اندرونی فرقے بھی بخوبی جانتے ہیں اور ان کے دل پہچانتے ہیں کہ کس فرقہ کے اصول عمدہ ہیں اور خداتعالیٰ اس وقت کس طرح راضی ہو سکتا ہے مگر ان کی اندرونی حالتیں خراب ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اے نبیؐ تو کہدے اگر تم اللہ تعالیٰ سے پیار کرتے ہو۔ تو آؤ میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی متابعت کر رہے ہیں؟ کیا ان کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سود لیتے تھے؟ یا مداہنہ کرتے تھے یا غفلت کرتے تھے یا دنیا کو دین پر مقدم کرتے تھے یا نفاق کرتے تھے؟ یہ سب باتیں ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور ان کی حالتیں وہ نہیں رہیں۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے متبعین کی ہوا کرتی تھیں۔ چاہیئے کہ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم زندگی بسر کیا کرتے تھے اسی طرح زندگی بسر کریں۔ تب سچے مسلمان ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام [۴۲] یہ حالت تھی کہ نہ دنیا ان سے پیار کرتی تھی اور نہ وہ دنیا سے پیار کرتے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی متابعت میں ایک نئی زندگی حاصل کر لی تھی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کا قدم صحابہؓ کے قدموں پر ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس خداتعالیٰ کا منشاء اس سلسلہ کے قیام سے یہ ہے کہ لوگ پھر اس راہ پر چلنے لگیں۔"

تنازعہ و جھگڑا کرنے کی بجائے نیک اعمال میں ترقی اختیار کرو۔

قرآن کریم نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ باہمی ایک دوسرے سے جھگڑنے اور برسر پیکار ہونے

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲)

از :- ——— ابوالمنان طاھر

اللہ تعالٰے کا قرآن مجید میں بنی نوع انسان سے یہ وعدہ ہے کہ جب کبھی دنیا میں روحانی طور پر خشکی پیدا ہو جاتی ہے اکثر لوگ اپنے خالق سے منہ موڑ کر مخلوق پرستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں عملی طور پر اعمال صالحہ میں کمزوری آجاتی ہے اس روحانی کمزوری کو ختم کرنیکے لئے دین کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک عظیم الشان مامور آتا ہے۔ وہ اپنی قوت قدسیہ سے دین کو تازہ کرتا ہے۔ اور دین کو دوبارہ قائم کرتا ہے۔ اور ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو دین پر نثار ہوتے ہیں اور ایمان اور اعمال صالحہ ان کے ذریعہ سے دور دورہ ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ خدا کے فضل سے خوش قسمت ہیں۔ کہ ہمیں بھی ایک ایسے مامور کا زمانہ نصیب ہوا۔ اور اس خوش بختی پر ہم جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔ کہ ہم کو اس کے دامن کے ساتھ وابستہ ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایسے مامور جب خدا کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ سورج کی طرح چمکتے ہوئے ان کی صداقت کے نشانات ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کی پہلی تصنیف براہین احمدیہ ہے۔ اس میں آپ اپنے الہامات درج فرماتے ہیں۔ ان میں ایک الہام یہ ہے۔

ولا تیئسوا من روح اللہ الا ان روح اللہ قریب یاتیک
من کل فج عمیق ویاتون من کل فج عمیق۔ ینصرک
اللہ من عندہٖ ۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم)

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں! یقیناً اللہ تعالٰے کی رحمت قریب ہے۔ آپ کے پاس دور دور سے لوگ آئیں گے۔ دور دراز سے لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ اور تیری مدد اللہ تعالٰے اپنی طرف سے فرمائے گا۔

آئیے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک وہ وقت تھا کہ آپ کو قادیان کے سارے لوگ نہیں جانتے تھے۔ اور نہ قادیان کے سارے لوگ واقف تھے۔ قادیان اس زمانہ میں ایک ایسی بستی تھی کہ اس وقت وہاں تک پہنچنا بڑا مشکل اور تکلیف دہ امر تھا۔ ظاہری رنگ میں اس بستی میں کوئی کشش نہیں تھی۔ لیکن خدا تعالٰے کی طرف سے بشارت ملتی رہی کہ دور دور سے لوگ اس بستی میں آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لائیں گے۔ آج آپ دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیں۔ اور پھر دیکھیں۔ کہ کس طرح حضرت مرزا صاحب کا نام دنیا تک پہنچا اور کس طرح آپ کے ماننے والے آپ کے ذریعہ اسلام قبول کرنے والے کس طرح ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ اور وہ لٹریچر جو آپ اور آپ کے کامل متبعین کے ذریعہ سے شائع ہوا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ حضرت مرزا صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کا اصل مشن قرآن مجید کی اشاعت اور احیاء اسلام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحب کے بعد حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ کو یہ سعادت عطا فرمائی۔ کہ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر انگریزی۔ اردو۔ اور دین اسلام۔ اور دوسرے مسائل پر نہایت ہی

ملاقات۔ وعظ و نصیحت اور صحبت صالحین کی وجہ سے اس خلا کو پر کیا جائے۔ اس کے لیے آپ نے ابتدا ہی میں جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی۔ اور اس کی اغراض ان الفاظ میں بیان فرمائیں۔

جلسہ سالانہ کی ابتداء

جلسہ سالانہ کی ابتدا آپ نے ۱۸۹۱ء میں فرمائی۔ آپ نے شامل ہونے والوں کے لئے یہ دعا فرمائی۔

"اب جو ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو دینی مشورہ کے لئے جلسہ کیا گیا۔ اس جلسہ میں جس قدر احباب محض للہ تکلیف سفر اٹھا کر حاضر ہوئے۔ خدا اُن کو جزائے خیر بخشے۔ اور ان کے ہر ایک قدم کا ثواب ان کو عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ (نشان آسمانی)

اسلام میں نیکی و تقوای کے حصول کی پہلی اینٹ انسان کی نیت ہے۔ فرمایا کہ جب تم محض رضاء الٰہی کے حصول کے لئے جلسہ میں شرکت کرو گے تو آپ کو اللہ تعالٰے ہر ایک قدم پر ثواب عطا فرمائے گا۔ ہم غور کریں کہ اب جلسہ سالانہ کی آمد آمد ہے محض رضاء الٰہی کے حصول کے لئے نیت کر کے آپ سب گھروں سے تشریف لائیں۔ مولا کریم آپ پر اپنے افضال کی بارش نازل فرمائے گا۔ انشاء اللہ ؛

جلسہ سالانہ پر آنے کی تاکید۔

دوسرا جلسہ ۱۸۹۲ء میں ہوا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لائیں جو زاد راہ کی استطاعت رکھتے ہوں۔ ۔ ۔ اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ حرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالٰے مخلصوں کو ہر یک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی۔" (اشتہار، دسمبر ۱۸۹۲ء)

جلسہ سالانہ کی اغراض

"ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے اور اُن کی معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اُن کی معرفت ترقی پذیر ہو۔" (آسمانی فیصلہ)

کونوا مع الصٰدقین

قرآن مجید میں اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصٰدقین (توبہ) اے مومنو! اللہ کا تقوای اختیار کرو اور صادقوں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا کہ اگر خدا تعالٰے چاہے تو کسی برھان الیقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے۔ سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے۔ کہ خدا تعالٰے یہ (صحبت صالحین کی) توفیق بخشے۔" (آسمانی فیصلہ)

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو اللہ تعالٰے نے ابتدائی زمانہ میں بشارت دی تھی کہ دور دور سے

لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ تیری نصرت کی جاوے گی۔ حق آپ کے ذریعہ سے پھیلے گا۔ لوگوں کے دلوں میں تیری محبت پیدا کی جاوے گی۔ تاقیامت تیرا نام زندہ رہے گا۔ تیرے ماننے والوں کے نفوس و اموال میں برکت ڈالی جائے گی۔ اور فرمایا، "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"۔ پس آپ سب کوشش کریں۔ خود مع اہل خانہ اور بچوں۔ دوستوں۔ کمزوروں کو ساتھ لے کر تشریف لائیں۔ ایک طرف آپ ماموریت زمانہ کی دعاؤں کے مورد بنیں گے۔ آپ فرماتے ہیں:-

مامورِ زمانہ کی دُعائیں :

"ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے اور اُن پر رحم کرے۔ اور اُن کی مشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کر دیوے۔ اور اُن کے ہمّ و غم دُور فرما دے اور اُن کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہیں اُن پر کھول دیوے اور روزِ آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے۔ اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خُدا اے ذوالمجد والعطاء اور رحیم اور مشکل کشا۔ یہ تمام دُعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت و طاقت تجھ ہی کو ہے۔ آمین! ثم آمین۔ (اشتہار، دسمبر ۱۸۹۲ء)

اور دُوسری طرف آپ اس پیشگوئی کو پورے ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"۔ ایک زمانہ آپ کو یاد آئے گا کہ ایک انسان جو احد من الناس ہے بلکہ لوگ اس کو مُلّا جانتے بھی نہیں۔ خود فرماتے ہیں ؎

میں تھا غریب و بے کس و گمنام و بے ہنر

کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیان کدھر

خدا تعالیٰ سے خبر پا کر یہ اعلان کرتے ہیں کہ کس طرح میری دعوت زمین کے کناروں تک پہنچے گی۔ دُوسری طرف مخالفت کا طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ جو اپنے تھے وہ بھی بیگانے ہو جاتے ہیں۔ مخالفت کی آندھیاں چلنے لگیں۔ دُشمنوں نے پُورا زور لگایا مگر خدائی وعدہ ان روح اللّٰہ قریب۔ یاتیک من کل فج عمیق بھی پُوری شان سے پُورا ہو رہا ہے۔ انشاء اللّٰہ آپ جلسہ پر اندرونِ ملک کے علاوہ انڈونیشیا۔ جزائر فیجی۔ انگلستان۔ ہالینڈ۔ سرینام۔ امریکہ وغیرہ کے احباب سے مل کر کچھ خود اپنے اندر جلا پیدا کریں گے۔ کچھ ان کو فائدہ پہنچے گا۔ اور ایمان کی شمع پوری لَو سے جلنے لگے گی۔

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب

اس دُنیا میں دو چیزیں انسان کو راہِ راست پر چلنے کی مکمل ہدایت دیتی ہیں۔ ایک ایمان باللّٰہ۔ دُوسرا ایمان بالآخرت، اور عملی زندگی میں معرفتِ الٰہی کے تحت زندگی گزارنا۔ اس رُوح کو تازہ کرنے میں جلسہ سالانہ ایک بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:-

"اس جلسہ سے مدّعا اور اصل مطلب یہ تھا (اور ہے) کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لیں کہ اُن کے دل آخرت کی طرف بکلّی جھک جائیں۔ ان کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو۔ اور وہ زہد و تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبّت اور مواخات میں دُوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں۔ اور انکسار اور تواضع اور راستبازی ان میں پیدا ہو اور دینی مہمّات کے لئے سرگرمی اختیار کریں۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:-

" اس جلسہ میں ایسے حقائق و معارف سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دُعائیں اور خاص توجّہ ہو گی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف اُن کو کھینچے اور اپنے لئے اُن کو قبول کرے۔

اور پاک تبدیلی اُن میں بخشے"۔ دوبارہ آپ حضرت صاحب کے فرمودہ پر ایک ایک لفظ پر غور کریں۔ کہ یہ جلسہ کوئی معمولی نوعیت کا نہیں انشاء اللّٰہ بفضلہ دعوت روحانیت کا ایک سمندر بہے گا اور ہر فرد اپنی اپنی بساط اور ظرف کے مطابق اس سے سیراب ہو گا۔ اے میرے مولا ہم تیرے عاجز و ناتواں بندے ہیں اللّٰھم انا نستعینک اھدنا بفضلك الیٰ صراطك المستقیم اور پھر اس جلسہ میں ہمارے سابق بھائی اور اس سال میں جو ہمارے ساتھی بچھڑ گئے ہیں اُن کی مغفرت کے لئے بھی دُعائیں کی جائیں گی۔

دُعائے مغفرت :-

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ ایک غرض اس جلسہ کی یہ بھی فرماتے ہیں "جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اسکے لئے دُعائے مغفرت کی جائے گی۔"

(آسمانی فیصلہ)

پس آپ سے درخواست ہے، آپ ابھی سے پوری تیاری فرمالیں اور چھوٹے چھوٹے معمولی عذروں یا سستی یا کسی اور مصروفیت کو اس بحرِ روحانیت سے محروم نہ رکھیں۔ اللّٰہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔ اور ہم سب کو اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین ::

بقیہ:- جلسہ ہائے سالانہ کے اغراض (آمدہ صلا)

کی بجائے ایک دوسرے سے نیکی میں سبقت اختیار کرو۔ اس سے تمہارے اندر اتفاق و اتحاد پیدا ہو جائیگا فاستبقوا الخیرات اینما تکونوا یاتکم اللّٰہ جمیعا۔ ایک دُوسرے سے نیک کرداری میں بازی لے جانے کی کوشش کرو نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارے اندر اتحاد پیدا ہو جائیگا یہ نسخہ کیمیا کہ نیکی و نیک کرداری میں مسابقت اختیار کرنے سے تمام فتنے فساد ختم ہو کر باہمی محبت اور اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ جو نہ صرف کسی جماعت یا قوم کے باہمی تعلقات میں ہونا لازم ہے بلکہ قرآن کریم کے نزدیک غیر اقوام و غیر ادیان سے تعلقات لگانے میں بھی ایسا ہی یہ اکسیر اعظم کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

قل اتحاجوننا فی اللّٰہ وھو ربنا و ربکم ولنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجۃ بیننا وبینکم والیہ المصیر۔ (القرآن)

ان سے کہہ دو کہ کیا تم ہمارے برخلاف اس لئے ہو کہ ہم نے خدا تعالیٰ کی زندہ ہستی کو مان لیا ہے؟ حالانکہ وہی واحد ذات ربوبیت کی مالک ہے۔ ہمارے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی؛ بدلہ اور انجام کا کلیتہً دار و مدار تو اعمال پر ہے۔ قانون الٰہی اٹل یہی ہے کہ ہمارے کام ہمارے اعمال آئیں گے۔ اور تمہارے کام تمہارے اعمال۔ پس ہمارے تمہارے درمیان جھگڑے و تنازعے کی کوئی بات نہیں ہم سب نے اسی کی طرف جانا ہے یعنی نتائج اعمال بھگتنا ہے۔

اس آیت شریفہ میں بھی دین کی اصل حقیقت و روح کو بیان فرما دیا۔ یعنی یہ کہ رب تمام انسانوں کا واحد ہے۔ اور تمام کے لئے قانون ایک ہی جاری و ساری ہے۔ مومن ہو یا منکر، نتیجہ و بدلہ تو اعمال پر ہی مرتب ہونا ہے پس باہم تنازعہ کرنے، جھگڑے۔ دست و گریبان ہونے کی کوئی حاجت نہیں رہ جاتی! نیک کرداری و نیک عملی اور موءدّت نیکوں کو نشو و نما دینے میں ہمہ تن مشغول ہو جاؤ۔ یہی ربوبیت خداوندی کی غرض اور یہی جماعتوں کے جمع ہونے کی انتہائی غرض و غایت ہے!

اسی لئے قرآن کریم نے بھی آنحضرت ؐ کی راہ نمائی کی غرض و غایت تزکیہ نفوس قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیتہ و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم وہی ذات ہے جس نے جاہل قوم میں اس عظیم نبی کو مبعوث فرمایا جو ان پر تلاوت قرآن پاک کرتا ہے پھر کتاب حکمت کی تعلیم دیتا ہے ان تمام سے غرض یہ ہے کہ ان کے نفوس میں تزکیہ و طہارت پیدا ہو تلاوت کلام پاک اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد انتہائی غرض بعثت نبوی ؐ تزکیہ و طہارت نفس قرار پائی اور اسی آخری غرض کی تکمیل سے دنیا میں عالمگیر اشاعت اسلام و قرآن کا مقصد پورا ہوا۔

جب پردیس کو دیس بنانا پڑے تو قدم قدم پر انسان کو وطن کی یاد کے علاوہ شادی بیاہ عید تہوار، جلسے پارٹی۔ ملنے ملانے کے موقعوں پر اپنا چھوڑا ہوا ماحول یاد آتا ہے۔ دل وہی طور طریقے وہی رسمیں اور اپنے عزیز و آشنا کی معیت کو چاہتا ہے مگر ساتھ ہی خدا نے اُسے نئے ماحول سے مانوس ہو جانے کا جوہر بھی عطا فرمایا ہے۔ ایسا کہ اپنے نہ ہوں تو وہ غیروں کو ہی اپنا لیتا ہے۔ اِس طرح غریب الوطنی کی تلخیاں کم ہو جاتی ہیں اور مِل جل کر ہر تقریب دلچسپ بن جاتی ہے۔ ہماری عیدیں اس بات کی ایک عُمدہ مثال ہیں۔ مغرب اور خصوصاً لندن کی زندگی ایک بہت مصروف اور بھاگ دوڑ سے بھرپور صُبح و شام کی داستان ہے۔ سال بھر میں کم ہی ایسے موقعے آتے ہیں کہ کچھ گھرانے کی ایک جگہ جمع ہو کر اکٹھا وقت گزار سکیں لیکن رمضان شریف شروع ہوتے ہی ہماری جماعت کے گھروں میں چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔ ہر ہفتے کی شام کو باری باری مختلف گھروں میں افطار پارٹیاں ہوتی ہیں لیکن سب سے بڑا مجمع ہماری چیئرمین مِسز جمیلہ خاں کے گھر آخری عشرہ میں ہوتا ہے اس میں شمولیت کے لئے نہ صرف لندن اور اسکے نواح سے احباب و خواتین مع بچوں کے آتے ہیں بلکہ آنے والے دوسرے شہروں سے خاصے سفر کے بعد پہنچ جاتے ہیں۔ ان میں قابلِ ذکر ہماری نو مسلمہ بہن عطیہ لاکیئر ہیں جو ساؤتھ ہمپٹن سے بذریعہ بس کوچ ۵ گھنٹے کا سفر طے کر کے آتی ہیں اور اسی طرح مسٹر زاہد عزیز نوٹنگھم سے مع فیملی آجاتے ہیں اب کے اس اجتماع میں عزیزی محمد احمد اور اُن کی بیگم زبیدہ احمد کی شمولیت باعثِ کشش تھی۔ نیز ہمارے نومُسلم نوجوان مسٹر سلیم احمد جو رمضان شروع ہونے سے ہفتہ بھر پہلے مسٹر و مسز عزیز احمد کے داماد بنے تھے۔ اُن کی شادی خانہ آبادی بہت خوش اسلوبی سے انجام پائی تھی مگر افسوس ہے کہ میں اپنی علالت کی وجہ سے اس میں شمولیت سے محروم رہی۔ اِس پارٹی میں ان کو اپنی نئی دلہن عزیزہ سمینہ کے ساتھ دیکھ کر دِل بہت خوش ہوا۔ سب سے ملنے ملانے میں مغرب کا وقت ہو گیا اور ڈاکٹر پاشا کی خوش الحان اذان کے بعد روزہ افطار ہوا۔ مشرقی طریقے پر کھجوریں اور میوہ دیا گیا۔ ساتھ کوکا کولا اور آرنج سکواش پیش کیا گیا۔ بعدہٗ نمازِ مغرب مسٹر محمد احمد کی امامت میں باجماعت ادا ہوئی اور پھر ٹریڈیشنل طرز کے کھانے آگئے۔ ان میں مسالے دار چاول، مرغی، دال بھری نفیس چپاتیاں، آلو کی بھجیا۔ مرچوں کی چٹنی کے ہمراہ خاص طور پر پسند کی گئیں۔ کھانے سے فراغت ہوتے ہی نمازِ عشاء بھی باجماعت ہوئی۔ اور اس کے بعد مسٹر محمد احمد نے روزہ کی فلاسفی بتائی اور ساتھ ہی جماعتِ لندن سے ملنے پر اظہارِ مسرت کیا۔ ان کے بعد مسٹر سلیم احمد اور چند دیگر اصحاب نے بھی خطاب کیا۔ عموماً اِسی محفل میں احمدیہ وومنز ایسوسی ایشن کی ممبرز مِل کر عید منانے کا پروگرام بناتی ہیں۔ عید کے علاوہ جماعت یو۔ کے کی طرف سے کھانا مہیا کرنے کے مختلف سٹالز کھانے پینے کی اشیاء کے لگائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی کتابوں کا سٹال ہوتا ہے اور ایک ہینڈی کرافٹ سٹال مختلف گھریلو سامان و آرائش کی چیزوں کا ہوتا ہے۔ ان سب سٹالز کی آمدنی لندن میں زیرِ تجویز تعمیرِ مسجد کے فنڈ میں دیدی جاتی ہے۔

عید کے لئے ہال مخصوص کروانے اور کھانے کا انتظام ہماری قابل سرگرمِ عمل اور اَن تھک چیئرمین مِسز جمیلہ خاں سرانجام دیتی ہیں۔ ان کو اپنے لائق اور پُرجوش احمدی شوہر مسٹر فیاض خان کی دلی معاونت

درمیان میں کی جگہ پر کاغذی سفید چادریں بچھائی جا رہی تھیں۔

عید کا یہ مجمع اِس لئے اور بھی نظر نواز ہوتا ہے کہ آج کے دن ہر کوئی اپنے بہترین لباس اور سامانِ آرائش سے آراستہ ہو کر آتا ہے۔ پاکستانی ٹریڈیشنل۔ سرِ بہامی خواتین اپنے ملکی لباسوں میں آتی ہیں لڑکیاں اور چھوٹے بچے بچیاں رنگ برنگے کپڑے پہنے اوڑھے۔ بنے سنورے خوش خوش آتے بہت پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ ننھے ننھے شیرخوار بچوں کی ہلکی خوش نما پلنگڑیاں (CA RYCOTS) باپ اٹھائے آ رہے تھے اور مائیں بھیڑ بھاڑ سے بچا کر اپنا اپنا ٹھکانہ لگانے میں مصروف تھیں۔ ذرا بڑے بچے جو ایک دُوسرے کو پہچانتے ہیں مل کر کھلی جگہ میں دوڑیں لگا رہے تھے۔ ہر طرف سے آپس میں سلام دعا کرنے اور عید مبارک کی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں اپنے ہینڈی کرافٹ کے سٹال پر چادر بچھا کر سامان لگا رہی تھی کہ مسز عطیہ لاکیئر صبح تڑکے کی ساؤتھ ہمپٹن سے چلی ہوئی آ پہنچیں۔ ان کو شروع دِن سے اس سٹال اور میرے دلی انہماک سے چیزیں بنانے۔ جمع کرنے اور فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ رقم بنانے سے بہت لگاؤ ہے۔ اور وہ پچھلے دو سال سے سارا سال کروشیئے کی خوبصورت ڈائیلز بنا بنا کر اس سٹال کے لئے لاتی ہیں۔ جیسے ہی انہوں نے یہ خوبصورت چیزیں نکالیں ہمارے سٹال پر بہار آ گئی۔ اب گیارہ بج رہے تھے۔ نمازِ عید و خطبہ کے لئے مسٹر محمد احمد سے درخواست کی گئی تھی۔ انہوں نے صفیں درست ہونے پر ارکانِ نماز سمجھائے اور پھر بعد نماز اپنا جامع اور مناسبِ موقعہ خطبہ شروع کیا۔ انگریزی کا یہ خطبہ اسقدر مکمل اور ایمان و عمل کی تفسیر سے پُر تھا کہ تمام وقت سامعین ہمہ تن گوش سنتے رہے۔ ان کے بعد مسٹر سلیم احمد اور عطیہ لاکیئر نے بھی مختصر تقریریں کیں اور اسلام کے اصولوں کی سچائی و خوبی کا اعتراف کیا۔ مسز جمیلہ خان نے نو وارد مہمانوں کا سب سے تعارف کروایا اور اب عید ملنے کے ساتھ ہی انجمن کی بڑی میز سے کاغذی پلیٹوں اور پلاسٹک کے کانٹے چمچوں کے ساتھ پلاؤ کی تقسیم شروع ہو گئی ساتھ ساتھ دُوسرے سٹالز پر کباب۔ نان۔ مُرغ کے قورمہ۔ شیرخورمہ کی بکری شروع ہو گئی۔ بچے چاکلیٹ مٹھائیوں اور کوکا کولا پر ٹوٹ پڑے۔ بڑے کھانے سے فارغ ہو کر چائے کے سٹال پر جمع ہو گئے۔ آج کے مجمع میں نئی دلہن مسز سمینہ سلیم احمد کا سنہری کام کا سفید ریشمی مشرقی لباس مع بھاری کام کے دوپٹے اور زلور کے بہت خوش نما تھا۔ ان کو اور ان کے دُولہا مسٹر سلیم احمد کو عید کے ساتھ ساتھ شادی کی مبارکبادیں بھی مل رہی تھیں۔ مشرق و مغرب کا یہ اسلامی جوڑ بہت مبارک تھا اور دونوں دُولہا دُلہن خدا کے فضل سے خوش و خُرم نظر آ رہے تھے۔

شالز کی خرید و فروخت کے بعد ہم سب نے اپنی اپنی حاصل شدہ رقمیں مِسز جمیلہ خان کو پیش کر دیں انہوں نے مائیک پر جا کر پہلے تو فطرانہ اور عید فنڈ کی رقوم کا اعلان کیا پھر مسجد فنڈ کے لئے ہماری سعی کا اعلان ہوا۔ یہ رقم ایک سو ستر پونڈ تھی۔ مِسز جمیلہ خان نے حاضرین سے اپیل کی کہ وہ اسے دو سو تک پہنچا دیں۔ دیکھتے دیکھتے ایک ایک دو پونڈز سے بڑھ کر پانچ دس پونڈز تک اہلِ کرم سے ملنے لگے اور یہ رقم دو سو سے کہیں اُوپر نکل گئی اور خوشی کی تالیوں سے ہال گونج اُٹھا۔

تین بجے سہ پہر تک ہال ریزرو تھا۔ اب دو بج چکے تھے چل چلاؤ شروع ہو گیا۔ منتظمین نے جلدی جلدی ہال کی صفائی کر کے کرسیاں میزیں اپنے ٹھکانوں پر لگا دیں۔ سلام دُعا اور خدا حافظ کہتے اگلی عید الضحٰی پر آنے کے وعدے ہو رہے تھے۔ انشاء اللہ تعالےٰ! اپنے سٹال کا بچا بچایا سامان پیک کر

حضرت نبی کریمؐ کے

پاکیزہ اِرشادات

از :- شیخ غلام قادر

اہل اللہ ہر وقت فانی فی اللہ نہیں رہتے :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں کیا ہو جاتا ہے کہ جب تک حضورؐ کی خدمت میں رہتے ہیں ہمارے دِل گداز رہتے ہیں اور دُنیا سے بکلّی بے رغبت ہو جاتے ہیں اور آخرت گویا آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتی ہے لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور گھر والوں کی طرف رغبت کرتے ہیں تو ہماری حالت پلٹ جاتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر تم اسی حال پر رہتے جو کہ تمہارا حال میری صحبت میں ہوتا ہے تو فرشتے (اللہ کا سلام ہو اُن پر) تمہارے گھروں میں جا کر تمہاری ملاقات کرتے اور راستوں میں تم سے ہاتھ ملاتے (یعنی تم پھر انسان نہیں بلکہ فرشتے ہوتے) اگر تم سعی فی الارض کر کے ٹھوکریں نہ کھاتے تو پھر اللہ تعالےٰ تمہیں اٹھا لیتا اور دُوسری خلقت کرتا جو صحیح طور پر انسانیت کے لوازمات سے متصف ہوتے اور دُنیا کی تگ و دو میں کبھی جادۂ صواب پر چلتے اور کبھی ٹھوکر کھا کر اللہ تعالےٰ کی پناہ ڈھونڈتے اور اللہ تبارکؐ تعالےٰ انہیں پھر اپنے دامن عاطفت میں لے لیتا۔ (ترمذی)

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اس مضمون پر حضرت یعقوب کی زبانی اسطرح لکھا ہے۔

۱۔ یکے از پسیدزاں گم کردہ فرزند ٭ کہ اے روشن گوہر پیر خردمند
۲۔ زمصرش بوئے پیراہن شمیدی ٭ چرا در چاہ کنعانش ندیدی
۳۔ بگفت احوال ما برقِ جہاں است ٭ دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
۴۔ گہے بر طارم اعلےٰ نشینیم ٭ گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم
۵۔ اگر درویش برحالے بماندے ٭ سر دست از دو عالم برفشاندے

ترجمہ

(۱) کسی نے اس کھوئے ہوئے لڑکے والے سے پوچھا کہ اے (روشن گہر) عقلمند بزرگ (۲) مصر سے اس کی قمیص کی بُو تو نے پالی۔ اُسے کنعان کے کنوئیں میں کیوں نہ دیکھ لیا (۳) اس نے کہا ہمارا حال کوندنے والی بجلی کی طرح ہے ایک لحظہ چمکتی ہے اور دُوسرے لحظہ پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ (۴) کبھی ہم بالاخانہ پر بیٹھ کر نظارہ عالم کرتے ہیں کبھی ہمیں اپنے پاؤں کے پاس پڑی ہوئی چیز نظر نہیں آتی (۵) اگر صاحب حال درویش ایک ہی حال پر رہتا تو دونوں جہان سے بے پرواہ ہو جاتا ۔۔ ::

ارشاداتؑ

حضرت

مُجدّد صَدِ چہاردہم

تفسیرِ قرآن میں دخل

اِس بات کا ذکر آیا کہ آج کل لوگ بغیر سچے علم اور واقفیت کے تفسیریں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں اس پر فرمایا۔ تفسیر قرآن میں دخل دینا بہت نازک امر ہے مُبارک اور سچا دخل اس کا ہے جو خُدا کے رُوح القدس سے مدد لے کر دخل دے ورنہ علوم مروّجہ کی شیخی پر لکھنا دُنیا داروں کی چالاکیاں ہیں :

بیعت میں صِدق واخلاص

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ اگر آپ کو ہر طرح سے بزرگ مانا جائے اور آپ کے ساتھ صدق اور اخلاص ہو مگر آپ کی بیعت میں انسان شامل نہ ہووے تو اس میں کیا ہرج ہے۔ فرمایا:۔ بیعت کے معنے ہیں اپنے تئیں بیچ دینا اور یہ ایک کیفیت ہے جس کو قلب محسوس کرتا ہے جبکہ انسان اپنے صدق اور اخلاص میں ترقی کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اُس میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ بیعت کے لئے خود بخود مجبور ہو جاتا ہے اور جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو جائے تو انسان سمجھ لے کہ ابھی اُس کے صدق واخلاص میں کمی ہے :

نماز میں اپنی زبان میں دُعا

سوال ہوا کہ آیا نماز میں اپنی زبان میں دُعائیں مانگنا جائز ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ "سب زبانیں خُدا نے بنائی ہیں چاہیئے کہ اپنی زبان میں جس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے نماز کے اندر دُعا مانگے کیونکہ اس کا اثر دِل پر پڑتا ہے تاکہ عاجزی اور خشوع پیدا ہو کر کلام الہٰی کو ضرور عربی میں پڑھو اور اس کے معنی یاد رکھو اور دُعا بے شک اپنی زبان میں مانگو جو لوگ نماز کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں اور پیچھے لمبی دُعائیں کرتے ہیں وہ حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ دُعا کا وقت نماز ہے نماز میں بہت دُعائیں مانگو :

حاکم ظالم ہو تو ــــــــ !

فرمایا:۔ اگر حاکم ظالم ہو تو اس کو بُرا نہ کہتے پھرو بلکہ اپنی حالت میں اصلاح کرو۔ خُدا اس کو بدل دے گا یا اسی کو نیک کر دے گا جو تکلیف آتی ہے وہ اپنی ہی بداعمالیوں کے سبب آتی ہے۔ ورنہ مومن کے ساتھ خدا کا سایہ ہوتا ہے مومن کے لئے خدا تعالےٰ آپ سامان مہیّا کر دیتا ہے میری نصیحت یہی ہے کہ ہر طرح سے تم نیکی کا نمونہ بنو۔ خُدا کے حقوق بھی تلف نہ کرو اور بندوں کے حقوق بھی تلف نہ کرو :

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ :-

جماعت میں برکت ہوا کرتی ہے۔ جماعت میں ایک کی کمزوری دوسرے کی قوت کے ساتھ مِل کر کمزوری نہیں رہتی بلکہ قوت سے مبدّل ہو جاتی ہے۔ طاقتوروں کی معیت کمزور کی بھی حفاظت کا موجب ہو جاتی ہے۔ جب تک کوئی نہایت درجہ قوی روحانیت کا انسان نہ ہو اسکی تنہائی اس کی روحانیت کیلئے خطرہ سے خالی نہیں؛ اکیلے آدمی پر شیطانی وساوس اور غفلت و سستی کے حملے کارگر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو کر اور غفلت و سستی کے اثر سے مذہب سے بیگانہ اور روحانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ یا کم سے کم اس میں وہ مذہبی جوش باقی نہیں رہتا جو ایک اسلامی مجاہد کے قلب میں ہونا چاہیئے ؛

اِسی لئے اِسلام نے جماعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اگرچہ نماز بندہ کا اپنے ربّ کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے لیکن پانچ وقت میں بھی نماز کا ایک حصّہ باجماعت کر دیا تاکہ ربّ کے ساتھ تعلق جوڑنے میں بھی جماعت کی اجتماعی روحانیت سے ایک کمزور روحانیت کا اِنسان فائدہ اٹھا سکے اور اھدنا الصراط المستقیم" کی دُعا مانگتے وقت برگزیدگانِ الٰہی کی دعاؤں کے ساتھ ایک گنہگار کی دُعا بھی شرفِ قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کی مثال میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلعم کی طرح بہت فیاض اور سخی تھیں۔ آپؓ کا یہ دستور تھا کہ جو کچھ وظیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپؓ کو بھیجتے اور بعض دفعہ بڑی بڑی رقمیں بھی بھیجتے مگر آپؓ سب خدا کی راہ میں دے دیتیں اور خود فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتیں۔ آپؓ کے ایک بھتیجے تھے۔ اُنہوں نے ایک دفعہ شکایت کی کہ آپ سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیتی ہیں ہمارے لئے پیچھے ترکہ کیا چھوڑیں گی ؟ - اِس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت رنج ہوا۔ اور اپنے بھتیجے کی اس حُبّ دُنیا سے اس قدر بیزار ہوئیں کہ اُسے کہہ دیا کہ آیندہ میرے گھر میں نہ گھسنا ؛

وہ بھتیجے صاحب بعد میں بہت پچھتائے۔ اور معافی وغیرہ طلب کرنی چاہی لیکن چونکہ اس کا مکان میں داخلہ بھی بند تھا اس لئے کامیابی نہ ہوئی۔ جب اُس نے آنا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے منع کر دیا کہ میرے گھر میں نہ گھسو۔ اُس نے بعض صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے عرض کی اُنہوں نے ایک دِن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر جمع ہو کر درخواست کی کہ ہم سب کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ اُن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا وہ بھتیجا بھی تھا ؛

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اندر داخل ہوتے ہی بھتیجے نے معافی مانگی اور صحابہؓ نے سفارش کی نتیجہ یہ ہوا کہ معافی مل گئی۔ گویا جماعت کے ساتھ وہ رد کیا ہوا بھتیجا بھی باریابی پا گیا ؛

اللہ تعالےٰ کے حضور جو جماعت کھڑی ہوتی ہے اُس میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی، اِن نیکوں کی دُعا کے ساتھ بدوں کی بھی دُعا قبول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک اجتماع کی مشترکہ اور متفقہ دُعا ہوتی ہے۔ اِسی کو شیخ سعدی صاحبؒ نے اس طرح فرمایا ہے ؛ ؎

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم   بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس جماعت کے نیکوں کے ساتھ گنہگار بھی جنابِ الٰہی کے دربار میں شرفِ باریابی پا جاتے ہیں جس طرح خُدا کی رحمت کی بارش جب برستی ہے تو باغ میں جہاں پھولوں اور پودوں پر برستی ہے وہاں روڑیوں پر بھی برستی ہے۔ اسی طرح جنابِ الٰہی کی مغفرت اور رحمت کی بارش جب ایک جماعت پر ہونے لگتی ہے تو نیکوں اور بدوں پر بھی ہو جاتی ہے۔ پس جماعت کی نماز، جماعت کی دعا، جماعت کیساتھ مل کر کوئی خدمتِ دین کرنے میں جو فضلِ ربّی کی ہوا اِس جماعت پر چلتی ہے تو چھوٹے اور بڑے نیک اور بد سب پر کرم گستری ہوتی ہے ؛

جلسہ سالانہ میں شرکت

کیلئے تمام مخلصین و داخلین سلسلہ بیعت کے نام حضرت اقدس کا ارشاد

قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلص لوگ خداتعالیٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں، سو میرے خیال میں آج کے دن کے بعد جو ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء ہے، آئندہ ہماری زندگی میں دسمبر کی یہ تاریخ آجائے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے:

اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہِ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خداتعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے ـــــ:

اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہِ رب العزت جلشانہ کوشش کی جائے گی:

اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہیں جو انشاءاللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے:

خواتینِ سلسلہ!

اپنی روایات کو قائم رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں سالانہ جلسہ میں شریک ہو کر یہ ثابت کر دیں کہ وہ ایک زندہ اور فعال جماعت کی خواتین ہیں ـــــ::

(ادارہ)

خوش آمدید اے مہمانانِ جلسہ سالانہ!

گلشن میں بہار آئے گی:

آپ آئیں گے تو گلشن میں بہار آئے گی:
ایک رونق ہے جو بے حد و شمار آئے گی
آپ کے آنے سے ہر دل کو سکوں پہنچے گا
آپ جو آئیں گے اک موجِ قرار آئے گی
آپ لائیں گے جو تصویرِ اخوت کی یہاں
ولولے دیں کے وہ ہر دل میں نکھار آئے گی
استدعا ہے یہ بزرگوں سے کہ وہ آئیں ضرور،
ان کے آنے سے اخوت بکنار آئے گی
نوجوانوں کو یہ لازم ہے کہ وہ بڑھ کر آئیں۔
ان کی "ہمت" ہے جو ہر کام سنوار آئے گی
مل کے ہم روئیں گے جب دیں کی اشاعت کیلئے
حق سے نصرت کی جھلک قرب و جوار آئے گی
اپنا پیغام نہیں صحنِ چمن تک محدود
یہ صبا چاروں طرف جا کے پکار آئے گی
دیں کی عظمت کیلئے راہیں نئی سوچیں گے
دل کی دھڑکن ہمیں منزل پہ اتار آئے گی
کب بگولوں سے صداقت کے چمن اجڑے ہیں
گرد اٹھے گی جو ہمرنگ غبار آئے گی
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
وہ جو دیکھیں گے انہیں اپنے سے عار آئے گی۔
فضل احمد سے ہو مسعود جو یہ جشنِ طرب
تو مسیحا کی دعا بن کے بہار آئے گی

آپ میدانِ ریاضت میں دکھائیں جوہر
طبع جولاں بھی خیالوں پہ سوار آئے گی

ـــــ (الوارشد)

از :- جناب مولانا آفتاب الدین احمد

اس زمانہ میں تجزیہ کا رجحان اتنا بڑھ گیا ہے کہ ہر ایک امر میں اس کے سہارے کے بغیر ایک آدمی کو کوئی مسئلہ سمجھ نہیں آتا کسی نظامِ حیات کے متعلق اگر کسی کو کچھ کہنے کا خیال ہو تو اس کو بھی اسی طریق سے سمجھانا پڑتا ہے۔ آج اسلام کے بچاؤ اور توسیع کے لئے بھی اسی طریق کو استعمال کئے بغیر چارہ نہیں کم از کم انہیں کے حوالے سے ہمیں اپنی باتیں کرنی پڑتی ہیں چنانچہ ایک عزیز دوست نے دنیا کے موجودہ حالات کو سامنے رکھ کر مجھ سے فرمائش کی ہے کہ اس وقت دنیا کے معاشی نظام کے وقت جو دو عظیم الشان تصور معرضِ وجود میں آئے ہیں اور جن کے ٹکراؤ سے سارے بنی نوعِ انسان کا وجود خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ انہی کی اصطلاحات میں اسلامی معاشی نظام کے متعلق اپنا خیال پیش کروں۔ مجھے اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے ایک عرصہ گذر گیا ہے میری طرح اور بھی مسلم مفکرین اس بات پر دماغ سوزی کر رہے ہیں۔ انگریزی زبان میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اس کا بہت تھوڑا حصہ میرے مطالعہ میں آیا ہے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ بہت کم ایسی باتیں ہوں گی جو اس مسئلہ پر اسلام کی طرف سے کہی گئی ہوں اور میرے علم میں وہ نہ آئی ہوں۔ اس مضمون میں جدت طرازی کا کوئی دعوٰے مجھے نہیں ہے میں صرف اسلام کی پوزیشن کو بہت اختصار کے ساتھ موجودہ زمانے ہی کے اصطلاحات اور پس منظر میں عام لوگوں کے لئے پیش کرنے کا خواہشمند ہوں اور اس میں بھی میرے مخاطب خاص طور پر وہ طبقہ ہے جن کو باستقلال مسلمان کہا جا سکتا ہے جن کو قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے پر پختہ ایمان ہے۔ اور جن کے دلوں میں موجودہ زمانہ کی بحثوں نے کوئی شک تو نہیں پیدا کیا مگر ہاں کسی قدر الجھن ضرور پیدا کر دی ہے۔ آزاد خیال لوگوں کے لئے اس مضمون کے اندر کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جا سکا۔ تاہم اگر کوئی آزاد خیال بھائی اس بحث میں حصہ لینا چاہیں تو اُن کے خیالات اور اعتراضات کو ہم محبت اور حوصلہ کے ساتھ ہر وقت سننے کو تیار ہیں۔

اس زمانہ کی معاشی اصطلاحات

ابتداء ہی میں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ہر زمانہ اپنی اصطلاحیں رکھتا ہے۔ اور ان اصطلاحوں کے اپنے زمانے میں ایک خاص معنے ہوتے ہیں جن کو دوسرے زمانے تسلیم نہیں کرتے چنانچہ اس زمانہ میں سرمایہ۔ سرمایہ دار۔ سرمایہ داری نظام اور اسی طرح مزدور یہ سب اصطلاحیں ایک خاص معنی رکھتی ہیں۔ اس خاص معنی کے ساتھ ان تمام کی طرف اشارہ موجود ہوتا ہے۔ جو کہ ہمارے زمانے میں بنی نوع انسان کی زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً سرمایہ کے معنی صرف یہ ہی نہیں کہ ایک انسان کے پاس اس کی دولت میں سے اس کی اپنی ضروریات پوری ہونے کے بعد کچھ پیسے بچے رہیں جس کو کسی زمین کی کاشت میں یا کسی تجارت میں بطور راس المال کے استعمال کر سکے۔ بلکہ موجودہ صورت میں اس کے یہ معنے بن گئے ہیں کہ ایک انسان نے ایسے طریق سے مال کمایا ہو جو طریق اخلاقی لحاظ سے قابلِ اعتراض ہے یعنی یہ کہ وہ اس مال کے پیدا کرنے میں جن لوگوں نے صحیح معنے میں محنت مشقت کی ہے ان کو برائے نام کچھ اُجرت پیش کر کے اپنی چالاکی سے اور صرف چالاکی سے نفع کا بیشتر حصہ اپنے تصرف میں لے آیا ہو اور اس مال کو پھر اسی طرح اور کام میں لگا کر اپنے مال کو رفتہ رفتہ اس طرح بڑھاتا چلا جائے کہ زیادہ سے زیادہ انسان اس کی بے رحمی کا شکار ہوتے چلے جائیں اور معاشرے میں ایک بڑا طبقہ ایسے دولت مند انسانوں کے قبضہ میں غلام سے بدتر زندگی بسر کرنے لگے کیونکہ غلامی میں پھر بھی قوت لا یموت کی ضمانت ہوتی ہے جس کا کوئی وجود اس ملعون معاشرہ میں نہیں ہے۔ لفظ مزدور اسی بدقسمت نادار غلامی سے بدتر حالت کے لوگوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور سرمایہ داری نظام اس معاشرہ کو ظاہر کرنے کے لئے۔

اسلام میں سرمایہ کا مفہوم

ظاہر ہے کہ اسلام میں اس خاص مفہوم میں نہ سرمایہ ہے اور نہ سرمایہ دارانہ نظام اور نہ ہی اس خاص معنے کو رکھتے ہوئے مزدور کا کوئی تصور، اسلام میں طریقِ حصول دولت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور مقصد حصولِ دولت کو بھی۔ اور اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ قوم کی روزمرہ زندگی میں ان دو اصولوں کو قائم رکھنے کی طرف خاص دھیان دے کیونکہ ریاست اگر اپنے معاشرہ کے مخصوص نظام اور اصول کو نافذ نہیں کرتی تو وہ ریاست اس معاشرہ کی ریاست کہلانے کا حق نہیں رکھتی اور جب یہ دو اصول مسلمان کی اجتماعی زندگی میں بھی استوار ہو جائیں گے تو اس وقت سرمایہ اور سرمایہ داری کے مفہوم کے اندر جو غلاظتیں اور نجاستیں پیدا ہو چکی ہیں وہ اُڑ جائیں گی اور یہ الفاظ ایسے معنی اختیار کر لیں گے کہ اس کی بنیاد پر کوئی اشتراکیت کا رجحان پیدا کرنا بالکل ناممکن ہو جائے گا کیونکہ جہاں سرمایہ جمع کرنے میں کسی محنت کرنے والے کی کسی رنگ میں حق تلفی نہ ہو نہ کسی انسان یا کسی انسانی طبقہ کی بے رحمی کا شکار ہونے کا خدشہ ہو وہاں طبقاتی نفرت یا طبقاتی جنگ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جائے گی۔ وہ ایک اور ہی معاشرہ ہو گا جس کا مروجہ اصطلاح میں سرمایہ دارانہ اصطلاح کہنا بالبداہت غلط ہو گا۔ لہٰذا فراہمی سرمایہ اور استعمال سرمایہ کو بنفسہٖ قائم رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام مروجہ معنی میں سرمایہ داری نظام سے انکار کرتا ہے۔

اسلام اور تجارت

اس بات کے ثبوت میں کہ مذہبِ اسلام سرمایہ کو "فی ذاتہ" رد نہیں کرتا بلکہ اپنے معاشرے کا ایک جزو لاینفک قرار دیتا ہے۔ اس آیت کو پیش کرنا کافی ہے:۔

احلّ اللّٰہ البیع وحرّم الربٰوا

یعنی خدا تعالےٰ بیع یعنی خرید و فروخت یعنی کاروبار کو حلال قرار دیتا ہے اور ربٰوا یعنی سود کو حرام یہاں بڑی صراحت کے ساتھ تجارت کا اثبات ہے یعنی ایسی تجارت جس میں بغیر محنت اور بغیر خطرہ منافع نہ ملتا ہو جیسا کہ سود میں، بلکہ مشقت اور خطرات کے اندیشے گزر کر اور دوسرے کا حق تلف کئے بغیر اور قومی دولت کی صحیح تقسیم کی خدمت بجا لاتے ہوئے اپنے راس المال میں بڑھوتی حاصل کرتا ہو اور کبھی کبھی نقصان بھی اٹھاتا ہو۔ اس قسم کی تجارت کی اجازت صرف ضمنی طور پر نہیں دی گئی ہے بلکہ اس کو اسلامی معاشرہ کے اصل الاصول کے طور پر اسلام نے بار بار پیش کیا ہے چنانچہ سورۃ بقرہ میں لین دین کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے:۔

الّا ان تکون تجارۃ حاضرۃ

پھر سورۃ النساء میں فرماتا ہے:۔

الا ان تکون تجارۃ عن تراض

پھر سورۃ توبہ میں فرماتا ہے تجارۃ تخشون کسادھا ،

رُوحانیت اور تجارت

اسی سلسلہ میں رُوحانیت پر زور دیتے ہوئے قرآن کریم سورۃ نور میں مردِ مومن کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تجارت کو انسانی معاشرہ کا بنیادی اصول قرار دیتے ہوئے روحانی جدوجہد میں بھی قرآن کریم نے اس کی تمثیل پیش کی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ لبقرہ میں دُوسرے ہی رکوع میں ارشاد ہوتا ہے :- فما ربحت تجارتھم ، پھر سورۃ فاطر میں ترغیب دلائی ہے۔ یرجون تجارۃ لن تبور ، پھر سورۃ صف میں دعوت دی گئی ہے :- ھل ادلکم علیٰ تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم :-

نفع کی تحریص

اِن ساری باتوں سے یہ بالکل عیاں ہے کہ یہ تجارت کا رجحان یعنی کسی سودے کو کسی نفع کی خاطر کرنے کو قرآن کریم انسانی لامتناہی زندگی کے لئے بطور اصل الاصول قرار دیتا ہے۔ لہٰذا اسلامی معاشرہ ایسے نظام کو قطعاً قبول نہیں کر سکتا جس میں کہ اس اصول کو تسلیم نہ کیا گیا ہو۔ نفع کی تحریص حرارت کی زندگی کیلئے خواہ وہ مادی زندگی ہو خواہ اخلاقی خواہ روحانی ایک لابدی شئے ہے۔ جو بھی کام انسان کرنا چاہتا ہو اس میں اگر کسی رنگ کا فائدہ نظر نہ آئے خواہ وہ فائدہ منفی ہو یا مثبت اس کام کو وہ کر ہی نہیں سکتا معاشرہ کا ایسا تصور جہاں پر کہ سارے لوگ ملازمت ہی کرتے ہوں یعنی ایک پوری ملازموں کی قوم ہو۔ اسلامی نقطۂ خیال سے ناممکن ہے۔ قومی زندگی میں سرگرمی اور صحیح معنوں میں ترقی اور زندگی اس معاشرہ میں نظر آسکتی ہے جہاں کہ اس قوم کے بہتر حصّہ کو آزادی تجارت میسّر ہو اور اس آزادی کو وہ اسلامی اخلاقیات کی بندشوں کے اندر استعمال کریں۔

نادار طبقہ کی ذمّہ داری

باقی رہا ناداری کا سوال جس سے پر ولتاری کا طبقہ پیدا ہوتا ہے۔ ہم مسلمانوں کے لئے آج کل کی تصوراتی جنگ کے اندر اپنی بات پیش کرنے میں سب سے بڑی دِقّت یہ ہے کہ دُنیا کے دُوسرے لوگ جو اس بے معنی جنگ میں مبتلا ہیں۔ وہ ہمارے طریقِ کار کو اختیار کئے بغیر اپنے الجھاؤ کا سلجھاؤ ہم سے طلب کرتے ہیں مثلاً ہم اگر کہیں کہ سرکار کے ذمہ طبقاتی کشمکش میں اور اقتصادی مقابلوں میں جو ناانصافیاں سرزد ہوتی ہیں اُن میں انصاف سے فیصلہ دینا ہے۔ تو وہ بول اٹھیں گے کہ یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی طرح اگر ہم کہیں کہ اقتصادی جدوجہد اور مسابقت میں بعض وقت جو حادثات پیش آتے ہیں یعنی کوئی آدمی یا کوئی خاندان یا کوئی گروہ سوئے اتفاق سے جس کا ذمّہ دار نہ کوئی فرد ہو اور نہ کوئی طبقہ۔ بے سروسامان روٹی کا محتاج ہو جائے تو سرکار اُن کی کفیل ہے۔ اور جب تک اُن کے حالات کی درستی نہ ہو وہ سرکار کے مہمان تصوّر ہونے کے حقدار ہیں تو موجودہ سرمایہ دار دنیا اس بات کو اخلاقی طور پہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر ہم مسلمان کہیں کہ سرکار کا یہ بھی فرض ہے کہ مجموعی طور پر ساری قوم کی معاشی ضروریات اور معاشی تگ و دو کو بیک وقت سامنے رکھ کر ایک قومی پیمانہ پر اس کی رہبری کرے۔ بقدرِ ضرورت قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں ضروری اور غیر ضروری معاشی تگ و دو کی تعیین اور نقصان دہ جدوجہد کی روک تھام یہ بھی سرکار کے عام فرائض میں ہونا چاہیئے تو ہمیں غالباً کہا جائے گا کہ یہ اشتمالی نظام کے مؤید ہیں لہٰذا جمہوری نظام کے دشمن ؛

قانونی وِراثت

کا جو قانون اِسلام نافذ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی مگر ہمارے لئے بھی اس اعتراض کو سمجھنا آج تک ممکن نہیں ہو سکا کیونکہ اسلامی قانونِ وراثت کو مشینی زمانہ سے پہلے بھی مغربی اقوام نے کبھی تسلیم نہیں کیا اور محض اسی وجہ سے کاشت کاری کی زندگی میں بھی ایک بڑے پیمانے پر سلسلۂ غلامی عیسائی ممالک میں مروّج رہا ہے۔ مشین کی ایجاد کے بعد صرف اتنا ہی فرق پڑا ہے کہ جس نادار غلاموں کے طبقے کی ذمہ داری ریاست نے کبھی لی نہ تھی اب اہلِ دولت بھی اس ذمہ داری سے اپنے آپ کو سبکدوش سمجھنے لگے۔ یہ بیچارے نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اِسلام تو اوّلاً ریاست پر نادار طبقہ کی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ اور پھر قانونِ وراثت کے ذریعہ اہلِ دولت لوگوں کے دائرے کو ہر وقت وسیع کرتا رہتا ہے۔

اِسلامی اصولِ تقسیم

اِس اِسلامی تقسیم کے اصول کو موجودہ دَور کے کاروباری حلقہ میں نافذ کرنے میں کون سی دِقّت پیش آسکتی ہے۔ ہم اس کے سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ آخر بڑی بڑی کمپنیاں جو بڑی بڑی فیکٹریوں کے چلانے والی ہیں ان کو کئی وجوہات کی بناء پر کئی دفعہ نقصان اٹھا کر اپنے کاروبار کو سمیٹنا پڑتا ہے۔ اور نئی ضرورتوں کے ماتحت نئے مقامات پر نئے جوڑ توڑ کے ذریعہ نئی چیزوں کے لئے نئی فیکٹریاں قائم کرنی پڑتی ہیں۔ تو آخر اس میں کون سی مصیبت پیدا ہو گئی کہ ایک فیکٹری کے مالک نے مرنے کے بعد اس کے پانچ یا سات یا دس رشتہ دار اس کے مالک بن جائیں اور اس کے بعد اگر کوئی ان میں سے اپنے آپ کو اس کاروبار کو صحیح طریق سے چلانے کا اہل نہ سمجھ کر اپنا حصہ کسی کو بیچ دے اور اس طرح سے حاصل کردہ پیسہ کسی اور کاروبار میں لگا دے

حکومت کی ذِمّہ داری

رہا سوال مزدوروں کا تو حکومت کے ذمہ یہ پہلے ہی رکھا گیا ہے کہ بیکاری پیدا ہونے سے قبل ہی اس کا سدّباب کرنا ان کا فرض ہے اور اتفاق سے اگر روک تھام سے کام نہیں بنا تو بے کاری پیدا ہونے کے بعد جب تک کہ نادار لوگ جو حقیقت میں اِسلامی معاشرہ میں اس طرح کی ناداری کے شکار بہت کم ہونگے کیونکہ قانونِ وراثت کی بدولت اور بیت المال کی مدد سے اکثر لوگوں کا کوئی نہ کوئی اثاثہ ہوگا) سرکار سے اپنی زیست کا سامان طلب کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھیں گے اور سرکار بھی اس مطالبہ کو جائز سمجھے گی ؛ ۔
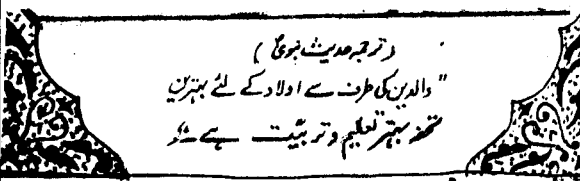
اجتماعی رُوحانیت بڑی مفید چیز ہے۔

ہمارا جلسہ سالانہ ایک امرِ جامع ہے

:- حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحبؒ :-

جماعت میں برکت ہوا کرتی ہے۔ جماعت میں ایک کی کمزوری دوسرے کی قوت کے ساتھ مل کر کمزوری نہیں رہتی بلکہ قوت سے مبدل ہو جاتی ہے۔ طاقتوروں کی معیت کمزور کی بھی حفاظت کا موجب ہو جاتی ہے۔ جب تک کوئی نہایت درجہ قوی روحانیت کا انسان نہ ہو اسکی تنہائی اس کی روحانیت کیلئے خطرہ سے خالی نہیں؛ اکیلے آدمی پر شیطانی وساوس اور غفلت و سستی کے حملے کارگر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو کر اور غفلت و سستی کے اثر سے مذہب سے بیگانہ اور روحانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ یا کم سے کم اس میں وہ مذہبی جوش باقی نہیں رہتا جو ایک اسلامی مجاہد کے قلب میں ہونا چاہیئے۔

اسی لئے اسلام نے جماعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اگرچہ نماز بندہ کا اپنے رب کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے لیکن پانچ وقت میں بھی نماز کا ایک حصہ باجماعت کر دیا تاکہ رب کے ساتھ تعلق جوڑنے میں بھی جماعت کی اجتماعی روحانیت سے ایک کمزور روحانیت کا انسان فائدہ اٹھا سکے اور "اھدنا الصراط المستقیم" کی دُعا مانگتے وقت برگزیدگانِ الٰہی کی دعاؤں کے ساتھ ایک گنہگار کی دُعا بھی شرفِ قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کی مثال میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آنحضرت صلعم کی طرح بہت فیاض اور سخی تھیں۔ آپؓ کا یہ دستور تھا کہ جو کچھ وظیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپؓ کو بھیجتے اور بعض دفعہ بڑی بڑی رقمیں بھی بھیجتے مگر آپؓ سب خُدا کی راہ میں دے دیتیں اور خود فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتیں۔ آپؓ کے ایک بھتیجے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ شکایت کی کہ آپ سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیتی ہیں ہمارے لئے پیچھے ترکہ کیا چھوڑیں گی؟ - اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت رنج ہوا۔ اور اپنے بھتیجے کی اس حبِّ دُنیا سے اس قدر بیزار ہوئیں کہ اُسے کہہ دیا کہ آئندہ میرے گھر میں نہ گھُسنا۔

وہ بھتیجے صاحب بعد میں بہت پچھتائے۔ اور معافی وغیرہ طلب کرنی چاہی لیکن چونکہ اس کا مکان میں داخلہ بھی بند تھا اس لئے کامیابی نہ ہوئی۔ جب اس نے آنا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے منع کر دیا کہ میرے گھر میں نہ گھسو۔ اس نے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی انہوں نے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر جمع ہو کر درخواست کی کہ ہم سب کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ اُن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا وہ بھتیجا بھی تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اندر داخل ہوتے ہی بھتیجے نے معافی مانگی اور صحابہؓ نے سفارش کی نتیجہ یہ ہوا کہ معافی مل گئی۔ گویا جماعت کے ساتھ وہ رد کیا ہوا بھتیجا بھی باریابی پا گیا۔

اللہ تعالےٰ کے حضور جو جماعت کھڑی ہوتی ہے اُس میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی، ان نیکوں کی دُعا کے ساتھ بدوں کی بھی دُعا قبول ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ایک اجتماع کی مشترکہ اور متفقہ دُعا ہوتی ہے۔ اسی کو شیخ سعدی صاحبؒ نے اس طرح فرمایا ہے:

شنیدم کہ در روز اُمید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس جماعت کے نیکوں کے ساتھ گنہگار بھی جناب الٰہی کے دربار میں شرف باریابی پا جاتے ہیں جس طرح خُدا کی رحمت کی بارش جب برستی ہے تو باغ میں جہاں پھولوں اور پودوں پر برستی ہے وہاں روڑیوں پر بھی برستی ہے۔ اسی طرح جناب الٰہی کی مغفرت اور رحمت کی بارش جب ایک جماعت پر ہونے لگتی ہے تو نیکوں اور بدوں پر بھی ہو جاتی ہے۔ پس جماعت کی نماز، جماعت کی دعا، جماعت کیساتھ مل کر کوئی خدمتِ دین کرنے میں جو فضلِ ربی کی ہوا اس جماعت پر چلتی ہے تو چھوٹے اور بڑے نیک اور بد سب پر کرم گستری ہوتی ہے۔

جلسہ سالانہ میں شرکت

کیلئے تمام مخلصین و داخلین سلسلہ بیعت کے نام حضرت اقدس کا ارشاد

قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے گئے جس میں تمام مخلص لوگ خداتعالیٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں، سو میرے خیال میں آج کے دن کے بعد جو ۳۰ر دسمبر ۱۸۹۱ء ہے، آئندہ ہماری زندگی میں دسمبر کی ۲۷ تاریخ آجائے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربّانی باتوں کو سننے کے لئے اور دُعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے ؛

اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دُعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہِ ارحم الراحمین کوشش کیجائے گی کہ خداتعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے ؛

اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دُعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہِ رب العزّت جلّشانہٗ کوشش کی جائے گی ؛

اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہیں جو انشاءاللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے ؛

خواتینِ سلسلہ!

اپنی روایات کو قائم رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں سالانہ جلسہ میں شریک ہو کر یہ ثابت کر دیں کہ وہ ایک زندہ اور فعال جماعت کی خواتین ہیں ؛ ؛ (ادارہ)

خوش آمدید اے مہمانانِ جلسہ سالانہ!

گلشن میں بہار آئے گی ؛

آپ آئیں گے تو گلشن میں بہار آئے گی ؛

ایک رونق ہے جو بے حد و شمار آئے گی
آپ کے آنے سے ہر دلِ کو سکوں پہنچے گا
آپ جو آئیں گے اک موجِ قرار آئے گی
آپ لائیں گے جو تصویرِ اخوت کی یہاں
ولولے دیں کے وہ ہر دل میں نکھار آئے گی
اِستدعا ہے یہ بزرگوں سے کہ وہ آئیں ضرور،
اُن کے آنے سے اخوت بکنار آئے گی
نوجوانوں کو یہ لازم ہے کہ وہ بڑھ کر آئیں۔
اُن کی "ہمّت" ہے جو ہر کام سنوار آئے گی
مل کے ہم روئیں گے جب دیں کی اشاعت کیلئے
حق سے نصرت کی جھلک قربِ جوار آئے گی
اپنا پیغام نہیں صحنِ چمن تک محدود
یہ صبا چاروں طرف جا کے پکار آئے گی
دیں کی عظمت کیلئے راہیں نئی سوچیں گے
دِل کی دھڑکن ہمیں منزل پہ اُتار آئے گی
کب بگولوں سے صداقت کے چمن اُجڑے ہیں
گرد اُٹھے گی جو ہمرنگ غبار آئے گی
"ہم نے اِسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
وہ جو دیکھیں گے اُنہیں اپنے سے عار آئے گی۔
فضل احمد سے ہو مسعود جو یہ جشنِ طرب
تو مسیحا کی دُعا بن کے بہار آئے گی

آپ میدانِ ریاضت میں دکھائیں جوہر
طبع جولاں بھی خیالوں پہ سوار آئے گی

—— (الوارشد)

قوم کی ترقی اور اتحاد

کی وہ تجویز ہے جس کی بنیاد

حضرت مجددِ صدِ چہاردہم

نے اپنے دعویٰ کے ساتھ رکھی اور آپ کی زندگی میں برابر

یہ جلسہ ہر سال ہوتا رہا۔

جلسہ پر

آنے والے تمام احباب

غور کریں

کہ خدا کے دین کو قوت پہنچانے کیلئے وہ کیا ساتھ لا رہے ہیں

ابھی تقریباً ایک ہفتہ باقی ہے۔ اس سے

فائدہ اٹھائیں۔

خدا کے

دین کی تائید کے لئے

حرکت کرنا * تکلیف اٹھانا * ذلت اٹھانا

زندگی * راحت * عزت

کا موجب ہے،

کیا آپ ایک کو اختیار کر کے دوسری کو حاصل کرینگے

حضرت مجدد صد چہاردہم کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تعلقاتِ جماعت کا استحکام ۲۔ معرفت الٰہی میں

ترقی

۳۔ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے

تدابیر کا عمل میں لانا۔

جلسہ پر

نہ آنے والے احباب

غور کریں کہ

جو عذر آپ دینی اجتماع میں آنے کے لئے کیا کرتے ہیں

کیا اُس عذر نے کبھی آپ کو اپنے ضروری دنیوی

کاموں سے بھی روکا ہے؟

بزرگانِ قوم سے

التماس ہے!

کہ وہ اپنی حاضری سے نوجوانانِ قوم کے حوصلے بڑھائیں

اور نوجوانوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے دینی جوش

کے مظاہرے سے بزرگان قوم کی زندگیوں میں

راحت پیدا کریں

(محمد علی)

جلسہ سالانہ خواتین

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

لاہور

پہلا اجلاس :- زیرِ صدارت محترمہ بیگم آمنہ تسیم صاحبہ (کیمالیہ)

وقت	پروگرام	نام	مقام
۹-۰۰ تا ۹-۰۵	تلاوت قرآن کریم	مس طاہرہ جنجوعہ	
۹-۰۵ تا ۹-۱۰	نعت	مس زاہدہ جنجوعہ	
۹-۱۰ تا ۹-۲۰	تقریر استقبالیہ :- بیگم ذکیہ شیخ صدر تنظیم خواتین احمدیہ، لاہور		
۹-۲۰ تا ۹-۴۵	تعارف معزز مہمان خواتین از بیرون پاکستان		
۹-۴۵ تا ۹-۵۰	نظم	بیگم فریدہ مبارک احمد۔	سیالکوٹ
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰	تقریر	محترمہ عطیہ رحمان	پشاور
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۱۰	〃	بیگم سلیمہ فاروقی	لاہور
۱۰-۱۰ تا ۱۰-۲۰	〃	〃 رضیہ فاروقی	لندن
۱۰-۲۰ تا ۱۰-۳۰	〃	〃 زبیدہ محمد احمد	لاہور
۱۰-۳۰ تا ۱۰-۳۵	نظم		
۱۰-۳۵ تا ۱۱-۱۵	تقریر	بیگم رضیہ مدد علی	〃
۱۱-۱۵ تا ۱۱-۳۰	خطبۂ صدارت		
۱۱-۳۰ تا ۱۲-۰۰	اپیل چندہ و دعا	بیگم رضیہ مدد علی	

وقفہ برائے نمائش دستکاری و نماز

دوسرا اجلاس :- زیرِ صدارت بیگم رشیدہ ظفر صاحبہ (سیالکوٹ)

وقت	پروگرام	نام	مقام
۳-۰۰ تا ۳-۰۵	تلاوت قرآن مجید مع ترجمہ	بیگم چوہدری فضل حق	لاہور
۳-۰۵ تا ۳-۱۰	نظم	ننھی بچیاں	
۳-۱۰ تا ۳-۲۰	تقریر	محترمہ محمودہ زبیری	پاراچنار
۳-۲۰ تا ۳-۲۵	رپورٹ خواتین احمدیہ سیالکوٹ	بیگم خورشید راجہ	
۳-۲۵ تا ۳-۳۰	〃 〃 کراچی	بیگم اختر نذیر احمد	
۳-۳۰ تا ۳-۳۵	نظم		
۳-۳۵ تا ۴-۳۰	مجلس مذاکرہ بموضوع احمدیت کیا ہے؟	مدبحہ رسول و شاہدہ جنجوعہ	
	خطبۂ صدارت و تقسیم انعامات		

جج خواتین :- بیگم عائشہ بیگ - بیگم خورشید راجہ - بیگم رضیہ فاروقی

سٹیج سیکرٹری : ـــ پہلی نشست ـــ بیگم رضیہ مدد علی

ـــ دوسری نشست ـــ بیگم زبیدہ محمد احمد

جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء

تاریخہائے ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - اور ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء

مکرم و محترم — السلام علیکم و رحمۃ اللہ علیہ و برکاتہ

۵ نومبر کو جلسہ سالانہ ۸۰ء کے سلسلہ میں ایک سرکلر لیٹر احباب جماعت کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا۔ جس میں استدعا کی گئی تھی کہ اس متبرک اجتماع میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شمولیت فرما کر اسے پُر رونق بنائیں اور مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوں۔ نیز موجودہ ہوشربا گرانی کو مدنظر رکھتے ہوئے جلسہ فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں۔ تاکہ منتظمین جلسہ کو اشیاء خورد و نوش کی بہم رسانی میں آسانی ہو۔

اُمید ہے آپ نے وہ چٹھی احباب جماعت کو جمعہ میں اجتماع میں ضرور سنائی ہوگی یہ سطور ان امور کی یاد دہانی اور اس غرض کے لئے تحریر کر رہا ہوں کہ :-

۱ :- آپ ان افراد (مرد و زن) کی تعداد سے مطلع فرمائیں جو جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے تیار ہیں :-

۲- ان افراد میں جو دوست اہل و عیال آ رہے ہیں اور الگ رہائشی سہولت چاہتے ہیں اُن کی درخواست معہ تعداد افراد بھی ارسال کریں۔ تاکہ ابھی سے مناسب الاٹمنٹ کا انتظام ہو سکے :

۳ :- آپ کی جماعت نے دستکاری کی تحریک خواتین میں اگر ابھی تک نہیں کی تو بطور خاص خواتین کو توجہ دلائیں کہ ابھی سے دستکاری تیار کریں جن خواتین کی طرف سے دستکاری متوقع ہو۔ اس کے متعلق بھی اطلاع دیں :

۴ :- جلسہ فنڈ کی تحریک میں ہر فرد جماعت کو شامل کرنے کی کوشش کریں اور مجھے اس کے نتیجہ سے مطلع کریں :

۵ :- اگر کوئی غیر از جماعت فرد شمولیت جلسہ کا خواہشمند ہو تو اس کی حوصلہ افزائی مقامی طور پر کریں۔

۶ :- ٹرانسپورٹ کا انتظام احمدیہ بلڈنگس تا دارالسلام کیا جا رہا ہے۔ جو دوست سیدھے دارالسلام نہیں پہنچ سکتے وہ بجائے مہربانی احمدیہ بلڈنگس پہنچ جائیں :

اللہ تعالےٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

والسلام

فضل حق

افسر جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا

چھیاسٹھواں (۶۶) جلسۂ سالانہ ۱۹۸۰ء

دارالسلام ۔ ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن ۔ لاہور

پروگرام جلسہ

مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز جمعۃ المبارک :۔ پہلا اجلاس

زیر صدارت :۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر احمد محمد صاحب جماعت انڈونیشیا

وقت	عنوان	مقرر
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولوی عبدالرحمٰن صاحب کھچی
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	منظوم کلام	جناب عنایت الرحمٰن صاحب آف شیخ مہدی
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰	ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم	پروفیسر سعد اختر صاحب
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۳۰	افتتاحی ارشادات	حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ
۱۰-۳۰ تا ۱۱-۱۰	امت محمدیہ اور وحی ولایت	مرزا محمد لطیف شاہد صاحب
۱۱-۱۰ تا ۱۱-۵۰	چودھویں صدی کا رجلِ عظیم	مرزا مسعود بیگ صاحب
۱۱-۵۰ تا ۱۲-۳۰	مذہب اور سائنس	ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

(وقفہ طعام و نماز جمعہ ۔ خطبہ جمعہ بوقت ۱-۳۰)

دوسرا اجلاس :۔ زیر صدارت :۔ جناب نور سردار صاحب جماعت ہالینڈ

وقت	عنوان	مقرر
۲-۳۰ تا ۲-۴۰	تلاوتِ قرآن مجید	مولوی شفقت رسول صاحب
۲-۴۰ تا ۲-۵۰	ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم	پروفیسر اصغر حمید صاحب
۲-۵۰ تا ۳-۳۰	تقریر	مولانا عبدالرحیم جگو صاحب
۳-۳۰ تا ۴-۰۰	مغرب سے طلوعِ آفتاب	مولانا محمد عبداللہ صاحب آف امریکہ
۴-۰۰ تا ۴-۳۰	تقریر :۔ ختم نبوت کا قرآنی مفہوم اور ملت کا سوادِ اعظم	چوہدری شکر اللہ خاں منصور

(۶ ½ تا ۷ ½ نماز مغرب و عشاء و عشائیہ)

تیسرا اجلاس :۔ زیر صدارت :۔ کیپٹن ڈاکٹر جمیل الرحمٰن صاحب

۷ ½ تا ۹ ½ بجے شب

تقاریر شبان الاحمدیہ

مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز ہفتہ ۔ پہلا اجلاس

زیر صدارت :۔ جناب رشید پیر خاں صاحب از سرینام

وقت	عنوان	مقرر
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	راجہ محمد بیدار صاحب کراچی
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	منظوم کلام حضرت مجدد صد چہاردہم	جناب عبدالسلام مبارک و دیگراں
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰	ملفوظات " " "	جناب زاہد جنجوعہ صاحب
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۳۰	تقریر	شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب
۱۰-۳۰ تا ۱۱-۱۰	قرآن و حدیث کی رو سے مسلمان کون ہے	حافظ شیر محمد صاحب فجی
۱۱-۱۰ تا ۱۱-۴۰	سالانہ رپورٹ	جناب جنرل سیکرٹری صاحب
۱۱-۴۰ تا ۱۲-۴۰	ہمارا ماضی، حال اور مستقبل	حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

(وقفہ طعام و نماز ظہر و عصر)

دوسرا اجلاس :۔ زیر صدارت :۔ جناب شوکت علی صاحب جماعت فیجی

وقت	عنوان	مقرر
۲-۳۰ تا ۲-۴۰	تلاوت قرآن مجید	جناب ملک غلام علی صاحب شیخ محمدی
۲-۴۰ تا ۲-۵۰	منظوم کلام	جناب فاروق احمد صاحب سفید ڈھیری
۲-۵۰ تا ۳-۳۰	اِغدلو	راجہ محمد بیدار صاحب
۳-۳۰ تا ۴-۱۰	احمدیت اور اشاعتِ اسلام	جناب محمد انور صاحب
۴-۱۰ تا ۴-۵۰	مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل قرآن کریم کی روشنی میں	ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب

تیسرا اجلاس :۔ زیر صدارت :۔ مندوب جماعت انگلستان

وقت	عنوان	مقرر
۷-۳۰ تا ۷-۴۰	تلاوتِ قرآن مجید	جناب محمد سلیم صاحب
۷-۴۰ تا ۹-۳۰	غیر ملکی مہمانانِ کرام خطاب فرمائیں گے!	

مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز اتوار

زیر صدارت :۔ جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب جماعت امریکہ

وقت	عنوان	مقرر
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآنِ مجید	حافظ عبدالرؤف صاحب
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	منظوم کلام	جناب محمد اعظم علوی صاحب
۹-۵۰ تا ۱۰-۲۰	الٰہی جماعتوں میں نوجوانوں کا کردار	کیپٹن جمیل الرحمٰن صاحب
۱۰-۲۰ تا ۱۰-۵۰	تعلق باللہ	شیخ نثار احمد صاحب
۱۰-۵۰ تا ۱۱-۳۰	اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے۔	کیپٹن عبدالواحد صاحب
۱۱-۳۰ تا ۱۲-۱۰	تحریک احمدیہ کی بین الاقوامی ضرورت	میاں بشیر احمد منٹو صاحب
۱۲-۱۰ تا ۱-۱۰	پندرھویں صدی کا خیر مقدم	جناب نصیر احمد فاروقی صاحب
۱-۱۰ تا ۱-۳۰	اختتامی خطاب	امیر قوم حضرت مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ

نوٹ :۔ ہر روز فجر کی نماز چھ بجے ہوا کرے گی۔ ازاں بعد جلسہ کے تین دن جناب نصیر احمد فاروقی صاحب حسبِ سابق درس قرآن مجید دیا کریں گے۔

از :- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی

احبابِ جماعت سے میری گذارش

جلسہ سالانہ کی برکات اور افادیت کے متعلق حضرت مجدد صد چہاردہم کے مبارک ارشادات اخبار میں خصوصاً ان ایام میں یاددہانی کے لئے شائع ہوتے اور ہمارے مطالعہ میں آتے ہیں۔ چنانچہ اس سال بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ میری دعا ہے کہ حضور کے ارشادات ہمارے قلوب میں اُتر جائیں ہمارے اندر جوش پیدا کریں اور ہمیں عمل کی توفیق نصیب ہو۔

ہمارے سالانہ جلسہ کے کئی افادی پہلو ہیں لیکن میرے نزدیک اس کی ایک بہت بڑی غرض یہ ہے کہ جماعت کے اندر علم روحانیت اور جذبات مروّت اخوّت پیدا کئے جائیں۔ بھاری تعداد میں افرادِ جماعت کا مِل کر عبادت کرنا اور اجتماعی دعاؤں میں سب کی شرکت تاثیرات سے ہرگز خالی نہیں رہ سکتی۔ کسی زمانہ میں جب ہمارے اندر حضرت صاحب کے قدموں میں بیٹھنے والے لوگوں کی بڑی تعداد موجود تھی تو جلسہ سالانہ کے اختتام پر میں کئی لوگوں کو اکثر یہ کہتے ہوئے سُنا کرتا تھا کہ ان تین چار دِنوں کے پاکیزہ اجتماع میں دِل کی کدورتیں دُھل گئی ہیں اور ایک سال کے لئے روح کو غذا اور نئی زندگی میسر آگئی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قریباً سب چہروں سے بشاشت اور تروتازگی کے آثار خود نمایاں طور پر نظر آتے تھے اور سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کی تازہ شہادت ملتی تھی۔ اِس میں شک نہیں کہ مرورِ زمانہ کے اثرات سے انکار نہیں ہوسکتا۔ تاہم اب بھی اللہ تعالے کے فضل سے یہ جماعت ایسی کیفیات سے ہرگز محروم نہیں ہوئی اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ بغیر معقول عذر کے جو جسمانی عارضہ یا دیگر غیر معمولی مجبوری ہی ہوسکتی ہے جلسہ سالانہ پر خود نہ آنا یا اپنی خواتین اور بچوں کو نہ لانا اپنے آپ کو اور انہیں ایک بہت بڑی نعمت سے محروم کرنا ہے اور یہ ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی کسی دُوسرے ذریعہ سے ہرگز ممکن نہیں ؛

ایک اور امر کا ذکر میں اس موقع پر کرنا مناسب خیال کرتا ہوں کہ میرا سال ہا سال کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ جلسہ میں جو تقاریر کی جاتی ہیں وہ اکثر علم و معرفت سے بھرپور ہوتی ہیں جو تربیت کا ایک بھاری ذریعہ ہیں۔ اس لئے حاضرینِ جلسہ کے لئے ہر ایک تقریر کا سُننا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت صاحب نے مقرر حضرات کو بھی موقع اور محل شناسی سے تقریر کرنے کی طرف ایک لطیف پیرائے میں توجہ دلائی ہے حضور فرماتے ہیں :-

"عام قاعدہ نبیوں کا یہی تھا کہ ایک محل شناس لیکچرار کی طرح ضرورتوں کے وقتوں میں مختلف مجالس اور محافل میں اُن کے حال کے مطابق رُوح سے قوت پاکر تقریریں کرتے تھے۔ مگر نہ اس زمانہ کے متکلموں کی طرح کہ جن کو اپنی تقریر سے فقط اپنا علمی سرمایہ دکھلانا منظور ہوتا ہے یا یہ غرض ہوتی ہے کہ اپنی جھوٹی منطق اور سوفسطائی صحبتوں سے کسی سادہ لوح کو اپنے پنجے میں لاویں اور پھر اپنے سے زیادہ جہنّم کے لائق کریں بلکہ انبیاء نہایت سادگی سے کلام کرتے اور جو اپنے دِل سے اُبلتا تھا وہ دُوسرے کے دلوں میں ڈالتے تھے۔ اُن کے کلمات قدسیہ عین محل اور حاجت کے وقت پر ہوتے تھے اور مخاطبین کو شغل یا افسانہ کی طرح کچھ نہ سناتے تھے بلکہ ان کو بیمار دیکھ کر اور طرح طرح کے آفاتِ رُوحانی میں مبتلا پاکر علاج کے طور پر اُن کو نصیحتیں کرتے تھے یا حجج قاطعہ سے اُن کے اوہام کو رفع کرتے تھے۔ سو یہی قاعدہ یہ عاجز ملحوظ رکھتا ہے ـــــــ ""

جیسا کہ ہماری جماعت کے نام "احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام" سے ظاہر ہے ہمارا کام خدمت و اشاعتِ اسلام ہے۔ میں جماعت کے نام اپنے اس مختصر پیغام کو اس دُعا پر ختم کرتا ہوں اور احبابِ جماعت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی یہ دُعا کثرت سے کریں ؛

اللّٰھم انصر من نصر دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم

اللھم اخذل من خذل دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم

الہیات

بندگانِ خدا کی صفات

۱:- جو کہ غیب پر ایمان لاتے ہیں (۲) جو نماز کو قائم کرتے ہیں ؛

۳:- جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۴:- جو کچھ تجھ پر اتارا گیا ہے (قرآن) اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر بھی جو تجھ سے قبل اتارا گیا۔ (صحائف آسمانی از مثل توریت۔ زبور۔ انجیل)

۵:- آخرت (قیامت) پر یقین رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی طرف سے راہ ہدایت پر ہیں اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں یا فلاح پانے والے ہیں۔ (پ ۱۔ س ۲۔ آیت ۱-۵)

۶:- اللہ تعالیٰ کے بندے وہ لوگ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں ؛

۷:- جب ان سے جاہل خطاب کرتے ہیں وہ سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔ (۸) جو لوگ رات اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں۔ (۹) وہ کہتے ہیں اے ہمارے ربّ ہم سے دوزخ کا عذاب دور رکھنا کیونکہ یہ تباہی ہے وہ جگہ عارضی قیام کے لئے بھی بُری ہے۔ اور دائمی قیام کیلئے بھی بُری ہے۔ (۱۰) اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگیں تو بے جا نہیں اڑاتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ ان دونوں حالتوں کے درمیان اعتدال کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ ساتھ (کسی) دُوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ وہ اسے قتل نہیں کرتے جس شخص کا قتل کرنا اللہ نے حرام فرمایا ہے مگر حق کے لئے۔

۱۱:- اور وہ زنا بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے وہ بڑے گناہ میں جا پڑا۔ قیامت کے دن اس کے لئے عذاب بڑھتا چلا جائے گا۔ اور وہ ذلیل ہو کر اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا۔ سوائے اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے سو اللہ ایسے لوگوں کی بدیاں نیکیوں میں تبدیل کر دے گا اور اللہ فی الحقیقت بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے اور جس نے توبہ کرلی اور نیک کام کئے تو بے شک وہ اللہ کی طرف آتا ہے۔ جو توبہ کی جگہ ہے ؛

۱۲:- اور وہ جھوٹے کاموں میں شامل نہیں ہوتے اور جب بے ہودہ مشغلوں کے پاس سے ان کا گذر ہو تو بزرگانہ سنجیدگی سے نکل جاتے ہیں۔

۱۳:- اور جب ان کو ان کے پروردگار کی آیتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے ؛

۱۴:- اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے رب .... ہماری ازواج اور اولاد کی طرف سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیش رو بنا (۲۵: ۶۳-۷۴)

۱۵:- اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو (اس ایمان میں) اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے

۱۶:- اور جو لوگ دیتے جو کچھ دیتے ہیں (باوجود دینے کے) ان کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ کے پاس جانے والے ہیں۔ یہ لوگ (البتہ) جلد جلد نیکیاں حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں ہم کسی کو ان کی طاقت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے اور ہمارے پاس ایک دفتر نامۂ اعمال کا محفوظ ہے جو ٹھیک ٹھیک حال بتا دے گا۔ اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔ (۲۳- ۵۷- ۶۲)

ارشادات

رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

* حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:۔
"مومنوں میں سے ایمان میں کامل ترین وہ ہیں جو خُلق میں سب سے اچھے ہوں اور تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے بہترین سلوک کرتے ہیں۔"

* حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔
"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظالم کے سپرد کرتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کرتا ہے اللہ اس کی حاجت کو پورا کرے گا اور جو مسلمان پر سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے بڑی مصیبت کو اس سے دور کر دے گا۔ اور جو مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے تو اللہ قیامت کے دن اس (کے عیب) پر پردہ ڈالے گا۔"

* حضرت نعمانؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے کہ:۔
"تو مومنوں کو آپس میں رحم اور محبّت اور مہربانی میں ایک جسم کی طرح دیکھے گا۔ جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو بیداری اور بخار سے سارے جسم کو چین نہیں پڑتا۔"

* حضرت ابوموسیٰؓ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ:۔ "مومن مومن کے لئے اس طرح (قوت کا موجب) ہوتا ہے جس طرح عمارت کہ اس کا ایک حصّہ دُوسرے حصّے کو مضبوط کرتا ہے اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا (یعنی جس طرح ایک ہاتھ کی انگلیاں دُوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل ہو کر مضبوطی کا کام دیتی ہے اور ایک کے خلا کو دُوسرا مضبوط کر دیتا ہے۔ اسی طرح مُومن ایک دُوسرے کے لئے قوت کا موجب ہوتے ہیں۔ دیوار بھی وہی مضبوط ہوتی ہے جس کی اینٹیں ایک دُوسرے کے اندر داخل ہو جائیں)۔"

* حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:۔
"آپس میں بغض اور حسد نہ رکھو اور ایک دُوسرے سے مقاطعت نہ کرو۔ اور اللہ کے بندے ہو کر بھائی بھائی بن جاؤ۔ اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے قطع تعلق کرے۔"

* حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ:۔
"جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دُوسرے کے مقابلہ پر آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہوں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قاتل تو (آگ کا مستحق) ہوا مگر مقتول کا کیوں یہ حال ہوگا۔ فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔"

* حضرت عائشہؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ:۔
"جبریلؑ برابر مجھ کو ہمسائے کے ساتھ نیک سلوک کی تاکید کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اسے وارث بنا دے گا۔"

حضرت اقدس کے دو احسانات

خطبہ جمعۃ المبارک فرمودہ محترم میاں نصیر احمد فاروقی، بمقام جامع مسجد، دار السلام ــــ لاہور

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ ؕ وَالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝ (البقرۃ ۲ - ۲۵۴ - ۲۵۵)

ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اُس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے۔ پہلے اس سے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کوئی سفارش۔ اور کافر ہی ظالم ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ زندہ اور دُوسروں کو زندگی بخشنے والا ہے، خود قائم اور دوسروں کو قیام بخشنے والا ہے۔ اُس پر نہ اُونگھ غالب آتی ہے نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کون ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے سوائے اس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ چاہے۔ اس کی حکومت (یا اس کا علم) آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ ان دونوں کی حفاظت اس پر بوجھ نہیں اور وہ بہت اعلےٰ ہے، عظمت والا ہے۔“

یہ سُورۃ البقرہ کے رکوع ۳۴ کی پہلی دو آیات ہیں۔ اس سے پہلے کے دو رکوعوں میں رسول اللہ صلعم سے پہلے رسولوں کو جو جنگیں کرنی پڑیں اُن کا ذکر ہے۔ اور پھر فرمایا تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ (آیت ۲۵۲) یعنے ”یہ اللہ کی باتیں ہیں جو ہم ضرورتِ حقہ کی وجہ سے تجھ پر پڑھتے ہیں اور تُو بھی تو رسولوں میں سے ہے۔“ وہ ضرورتِ حقہ یہ تھی کہ اگر ان رسولوں کو مجبوراً جنگیں کرنی پڑیں تو تُو بھی تو رسول ہے اور تجھ پر بھی جنگوں کی ضرورت آئے گی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ہے۔ ان کو جنگ تلوار سے تو نہ کرنی پڑی مگر ان کو ایک اور قسم کا جہاد کرنا پڑا اور وہ تھا دلائل سے۔ اس لئے فرمایا وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ”اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلے دلائل دیئے اور رُوح القدس سے اس کی تائید کی۔“ حضرت عیسیٰؑ کو دلائل کیساتھ جہاد کرنا پڑا اور رُوح القدس سے اُن کی تائید کرنے کا ذکر فرمایا۔ کہ ان کا جہاد روحانی تھا۔ اس لئے ان کی مدد روحانی بھی کی۔ تو حضرت عیسےٰ کا ذکر کرنے میں اشارہ ہے بلکہ پیشگوئی ہے کہ ان کا بروز یعنی مسیح موعود جب آئے گا تو اس کو کبھی تلوار سے جہاد نہیں کرنا پڑیگا بلکہ وہ دلائل سے ایک زبردست روحانی جہاد کرے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ

تو جہاد چاہے وہ تلوار سے ہو یا دلائل سے روحانی جنگ ہو اس کے لئے پیسہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اسکے مابعد (یعنے آج کے خطبہ کی پہلی آیت میں) فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے۔“ یعنے اگر تم اللہ تعالےٰ کے فضل سے مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہو یا اگر تم غیر مسلم تھے تو تمہیں توفیق دی ہے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ تعالےٰ پر (جبکہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں جب کہ یہ آیات نازل ہوئیں بدترین قسم کی بُت پرستی میں ساری دُنیا مبتلا تھی اور آج دہریت دُنیا میں عام ہے) تو اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو پھر جو وہ فرمائے اس پر عمل کرو۔ وہ کس طرح؟ فرمایا اَنْفِقُوْا ”اللہ کے رستہ میں خرچ کرو۔“ میں آپ سے اپنی ساری عمر کے تجربہ کی بنا پر قطعی بات کہتا ہوں کہ عام طور پر لوگوں کے لئے دُوسری عبادتیں اور احکام ماننے اتنے مشکل نہیں ہوتے جتنا کہ پیسہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

گر جاں طلبی مضائقہ نیست ۔ ور زر طلبی سخن درین است

یعنے تو اگر جان مانگے تو وہ حاضر ہے۔ مگر تُو جو پیسہ مانگتا ہے ہمیں اس پر اعتراض ہے۔ تو اسی لئے فرمایا کہ اپنے ایمان کو اپنے عمل سے سچ کر دکھاؤ۔ کہ پیسہ جو تم کو اس قدر عزیز ہے اُس میں سے خدا کے راستہ میں خرچ کرو۔ اوّل تو فرمایا کہ جو ہم نے تم کو دیا ہے وہ سارے کا سارا ہم تم سے نہیں مانگتے۔ اُس میں سے جیسی ضرورت ہو دلیا خرچ کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو ضرورت پڑنے پر سارا کا سارا گھر کا اثاثہ یا آدھا تک دے دیا۔ مگر عام طور پر فرمایا کہ جیسی ضرورت ہو دلیا دو۔ دُوسری بات یہ فرمائی کہ یہ عجیب بات ہے کہ جو پیسہ اللہ نے تم کو دیا ہے۔ اس میں سے وہ کچھ اپنی راہ میں خرچ کرنے کو کہے تو تمہارے دلوں میں انقباض پیدا ہو۔ فرض کریں کہ آپ کسی کو ہزار روپے دیتے ہیں اور پھر اس سے کہتے ہیں کہ اس میں سے سو روپے میرے فلاں کام کے لئے دے دینا اور وہ شخص نہ دے تو یہ کس قدر ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔ پھر جس کام کے لئے اللہ خرچ کرنے کو کہتا ہے وہ بہترین مصرف ہے جس پر وہ خرچ کیا جا سکے۔ یعنے حق کی حفاظت اور اشاعت کے لئے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالےٰ چاہتا تو اپنے رسولوں اور مجددوں کو خود مالا مال کر دیتا اور ان کو ہم جیسے گناہ گاروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑتا۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو اسی لئے کہ وہ ہم جیسے دنیا میں کھوئے ہوئے اور اپنے آخرت کے ہمیشہ کے گھر سے بے پرواہ اور غافل لوگوں کو بھی موقعہ دے کہ ہم بھی آخرت کے لئے کچھ سامان کر لیں۔ کیونکہ ہمارے ساتھ اس ہمیشہ کے گھر میں وہی پیسہ جائے گا جو ہم خدا کے راستہ میں خرچ کر لیں جس کا اس نے وعدہ کیا ہے۔ کہ میں دس گنا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اجر دوں گا۔ دنیا کا کون سا بزنس یا دھندا یا تجارت ہے جو ہزار فی صدی منافع دے؟ یہ جو فرمایا کہ ”ہم نے رزق دیا ہے“۔ اس کے بارہ میں کوئی شک نہ کرے۔ انسان تو دُنیا میں ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ قبر میں جا لیٹتا ہے۔ مال و دولت تو اس کے ہیں جس نے انہیں اُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۵۳۸

تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہام حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالمعوف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد ۶۷	یوم چہارشنبہ ۱۶/۲۳ صفر المظفر ہجری مطابق ۲۴/۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء عیسوی	شمارہ ۵۲/۵۳

الحمد للّٰہ ربّ العالمین

جلسہ سالانہ

کے بخیر و خوبی اختتام کے بعد جنوری کے پہلے شیوع میں ایک مختصر رپورٹ نذر قارئین کرام کی جاتی ہے۔ الحمد للہ کہ ہمارا چھیاسٹھواں جلسہ سالانہ ۲۵ تا ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء بفضلہ تعالیٰ غیر معمولی طور پر کامیاب ہوا۔ یہ جلسہ اس لحاظ سے بھی غیر معمولی تھا کہ یہ پندرھویں صدی ہجری کا پہلا اجتماع تھا اور مجدد صد چہار دہم کی جماعت کے لئے ضروری تھا کہ وہ گذشتہ صدی کی کارگزاری کا جائزہ لے کر آئندہ لائحہ عمل پر غور کرے۔ جلسہ کی اس اہمیت کے پیش نظر بلاد غیر کی جماعتوں کو خصوصیت سے چند ماہ قبل دعوت دی گئی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ ممکن تعداد میں شمولیت فرمادیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس دعوت نامہ کا خاطر خواہ اثر ہوا اور امریکہ، انگلستان، ہالینڈ، فیجی، سرینام، انڈونیشیا، اور بھارت سے پچاس مندوبین (بائیس خواتین اور اٹھائیس حضرات) تشریف لائے اور پاکستان سے ہمارے احباب و خواتین بھی گذشتہ سالوں سے زیادہ تعداد میں شریک جلسہ ہوئے +

جلسہ سالانہ میں تقاریر کا معیار بھی خوب تر تھا اور مقرر حضرات نے اس امر پر زور دیا کہ پندرھویں صدی بھی ہماری صدی ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہمارا پروگرام مذاہب عالم پر اسلام کے غلبہ اور مغرب سے طلوع آفتاب کی پیشگوئی کے پورا ہونے تک جاری رہے گا۔ اس کے لئے حاضرین جلسہ نے مالی قربانی کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا اور اپیل کے جواب میں 396،22،4 روپے کی رقم پیش کی جو سال گذشتہ کی میزان سے بیش از دو چند ہے (گذشتہ سال کی میزان 396،10،2 روپے تھی)۔ جلسہ سالانہ کی کامیابی میں ہماری محترم بہنوں کا حصہ بھی نمایاں اور گراں قدر ہے۔ گذشتہ سال ان کے چندہ اور دستکاری سے فراہم شدہ رقم کی میزان 971،59 روپے تھی۔ اور امسال یہ میزان 452،66 روپے ہوئی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

سب احباب و خواتین کو نیا سال مبارک ہو! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس نئے سال میں ہمارے جذبۂ خدمت اور قوت عمل میں مزید ترقی ہو اور ہمارا قدم آگے بڑھے۔ واللہ المستعان ——— والسلام

خاکسار (مرزا) مسعود بیگ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

اور دنیا کے تمام خزائن کو پیدا کیا۔ اگر کوئی امیر گھرانے میں پیدا ہوتا ہے تو یہ محض خدا کا فضل ہے اس کی اپنی کیا خوبی ہے، اگر کوئی خود مال و دولت کماتا ہے تو وہ بھی خدا کے فضل سے ہے ورنہ اگر خدا نے انسان کو وہ دماغ اور سمجھ اور جوہر نہ دئیے ہوتے جن کی بنا پر وہ کماتا ہے تو وہ کیا کر سکتا تھا۔ پھر قابل سے قابل لوگ غریب رہ جاتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں معمولی قابلیت کے لوگ دولت مند بن جاتے ہیں۔ یہ میں نے اکثر دیکھا ہے پھر جب خدا انسان کی دولت چھیننا چاہے تو کوئی قابلیت یا جوہر اس کے کام نہیں آتے۔ اس لئے جو کچھ بھی انسان کو ملتا ہے وہ قطعی طور پر اللہ تعالےٰ کا فضل ہوتا ہے۔

ایمان اور عمل

یہ جو ہدایت فرمائی کہ اپنے ایمان کو اپنے عمل سے ثابت کرو اس میں دو بڑی حکمتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ ایمان سے نیک عمل پیدا ہوتے ہیں جس کو اللہ تعالےٰ پر یا اعمال کے محاسبہ پر یا آخرت پر ایمان ہی نہیں اس کی زندگی محض اپنی حیوانی خواہشات کو پورا کرنے میں گذرتی ہے۔ اگر وہ محض اپنے بیوی بچوں کے لئے کچھ کرتا ہے تو وہ بھی حیوانی سطح ہی ہے۔ کیونکہ ہر ایک حیوان اپنی مادہ اور اپنے بچوں کی نگہداشت اور رزق کی فکر کرتا ہے۔ نیکی کا تصور ہی اللہ تعالےٰ کی صفات کا علم پانے پر ہوا جو حضرت آدم کے وقت سے وحی الٰہی نے دیا۔ اور یہ ایمان کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، میری بات کو سن رہا ہے، میرے دل کے رازوں کو جانتا ہے، میں نے مر کر اس کے آگے جوابدہی کرنی ہے اور میرے نیک عملوں سے میرے اگلی ہمیشہ کی زندگی جنت بن سکے گی اور بدعملوں کا انجام جہنم ہے۔ ان سب باتوں پر ایمان ہی انسان سے نیکیاں کراتا اور اُسے بدیوں سے بچاتا ہے دوسری عجیب حکمت یہ ہے کہ ایمان خود نیک عملوں سے پھلتا پھولتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد صد چہار دہم نے اور حضرت امیر مرحوم نے لکھا ہے ایمان کو جنت کے باغ سے تشبیہہ ہے اور نیک اعمال کو نہروں سے جو اس کے نیچے بہتی ہیں تو جس طرح نہریں باغوں کو سیراب کرتی ہیں نیک اعمال انسان کے ایمان کو تروتازہ کرتے اور بڑھاتے ہیں۔ اور جو ایمان لا کر نیک عمل نہیں کرتا اس کا ایمان بھی کمزور ہوتا، ہوتا بالآخر مردہ ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو ہر عمل پر اس کا ایمان بڑھتا اور مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

پھر فرمایا من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیھا ولا خلۃ ولا شفاعۃ " یعنے خدا کی راہ میں خرچ کرو پہلے اس سے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کوئی سفارش "۔ اس دنیا میں پکڑ آنے یا سزا کو آتا دیکھ کر لوگ پیسہ خرچ کر کے اپنی جان بچا لیتے ہیں۔ فرمایا کہ آخرت میں یہ نہ کر سکو گے۔ اول تو وہاں اس دنیا کی طرح بے ایمان افسر نہ ہوں گے جو پیسہ لے کر تمہیں چھوڑ دیں۔ دوئم اگر تم نے خدا کی راہ میں پیسہ خرچ کیا ہی نہیں تو آخرت میں تمہارے پاس پیسہ کہاں ہوگا کہ تم اسے خرچ کر کے اپنی جان بچا سکو۔ پھر اس دنیا میں حاکموں سے اپنی دوستی یا اپنے دوستوں یا رشتہ داروں کی دوستی کے اثر کو استعمال کر کے انسان اپنے آپ کو سزا سے بچا لیتا ہے۔ فرمایا کہ آخرت میں دوستیوں کے زور پر کوئی اپنے آپ کو نہ بچا سکے گا۔ پھر تم نے نیک عمل نہ کر کے نہ تو فرشتوں کو نہ نیک لوگوں کو اور نہ اللہ تعالےٰ کو اپنا دوست بنایا تو وہ اگلے جہان میں تمہارے کیا کام آئیں گے۔ رہا شفاعت یعنے سفارش سے اس دنیا میں چھوٹ جانا تو وہ بھی وہاں تمہارے لئے کون کرے گا۔ آج ہی کی آیات میں فرمایا کہ من الذی یشفع عندہ الا باذنہ "کون ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے سوائے اس کے (یعنے اللہ تعالےٰ کی) اجازت کے "۔ یہاں شفاعت کے موضوع پر مختصر روشنی ڈالنا ضروری ہے کیونکہ اکثر مسلمان شفاعت کے غلط مفہوم کے ماتحت بے فکری سے جو چاہتے ہیں کرتے رہتے ہیں "شفع" کے معنی جوڑنے کے ہیں۔ تو شفاعت تبھی ہو سکے گی جب کسی انسان نے اپنے ایمان اور عمل کو فروغ دیتے ہوئے مومنوں یا رسولوں یا فرشتوں سے جوڑ یا نسبت پیدا کی ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ بھی شفاعت کی اجازت تبھی دے گا جب وہ کسی انسان کو اس کی کوتاہیوں اور کمزوریوں اور نقائص کے باوجود قابل معافی سمجھے گا۔ تو جب وہ کسی ایسے انسان کے بارہ میں رسولوں یا مومنوں یا فرشتوں کے دلوں میں شفاعت کی تحریک دیکھے گا۔ اور خود اللہ تعالیٰ بھی اُس انسان کو قابل معافی سمجھے گا تو وہ رسول یا مومنوں یا فرشتوں کے دلوں میں سفارش کی تحریک کو دیکھتے ہوئے اور ان کی عزت افزائی کے لئے اس سے کہے گا کہ کیا تم اس انسان کے بارہ میں کوئی سفارش کرنا چاہتے ہو تو گویا انہیں اجازت ہوگی کہ وہ سفارش کر سکیں۔

کافر اور ظلم

پھر فرمایا والکفرون ھم الظلمون یعنے " اور کافر ہی ظالم ہیں "۔ اس میں فرمایا کہ کافر جن کے خلاف تم کو جہاد کے لئے کہا جاتا ہے اور خرچ بھی کرنے کو کہا گیا ہے وہ کتنے بڑے ظالم ہیں۔ کہ وہ حق کو اور حق کو ماننے والوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم خرچ نہ کرو گے تو تم کو اور دین کو ختم کر دیں گے۔ اس زمانہ میں یعنے رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں کافروں نے تلوار سے حق پرستوں کو مٹانا چاہا۔ اس زمانہ میں اعتراضات کے ذریعہ یہ حملہ کیا گیا جو اپنی انتہا کو انیسویں صدی عیسوی کے آخیر میں پہنچ گیا۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مجدد زماں بنا کر بھیجا اور آپ نے اور آپ کی جماعت نے تن من دھن، قربان کر کے ان حملوں کے خلاف دلائل سے روحانی جہاد کیا۔ اور اس کا ثبوت وہ لٹریچر ہے جو اس تاریخی جہاد کا تحریری ثبوت ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ عیسائیت جو سب میں آگے تھی اسلام پر اعتراض کرنے میں وہ آج اپنے گھرانے میں پانی میں نمک کی طرح گھل کر ختم ہو رہی ہے جس کی پیشگوئی رسول اللہ صلعم نے فرمائی تھی۔ اسی لٹریچر میں جو حضرت مرزا صاحب نے اور آپ کی جماعت نے پیدا کیا مکمل جواب اور علاج ہے۔ اس مادہ پرستی۔ دنیا پرستی اور دہریت کا جو آجکل دنیا میں پھیل رہی ہیں۔ اس لئے اس لٹریچر کو دنیا کے کونے، کونے میں پہنچانے کی آج سخت ضرورت ہے۔ بالخصوص دہریت کو صرف قرآن کریم دور کر سکتا ہے کیونکہ اسی میں جو خدا کا تصور پیش کیا گیا ہے وہ ہی اس سائنس اور علوم کی روشنی کے زمانہ میں اور معقولیت کے دور میں قابل قبول ہو سکتا ہے۔

والکافرون ھم الظلمون کی جو تفسیر حضرت امیر مرحوم نے بیان القرآن میں کی ہے وہ بھی سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خدا کی راہ میں مال نہ خرچ کرنا، جو ظلم ہے کیونکہ اس طرح خدا کا حق ادا نہیں ہوتا۔ یہ کافروں کا کام ہے۔ مؤمن کے لئے یہ شایان نہیں۔ یاد دلایا ہے کہ مومن کافروں سے مشابہت پیدا نہ کریں۔

کفر کے معنی ناشکری کے بھی ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ جو سب کچھ دیتا ہے اس کی ناشکری ہے کہ جو وہ دیتا ہے اس میں سے اس کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے۔ اور اپنی جان پر ظلم ہے کہ ہمیشہ کے گھر کے لئے آگے کچھ نہ بھیجا۔

دین کو دنیا پر مقدم کرو۔

اگلی آیت ہے ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو " وہی تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں "۔ یہاں لفظ اللہ جس کے معنی عام طور پر معبود کے کئے جاتے ہیں۔ یعنے جس کی فرمانبرداری کی جائے مگر دو اور معنی بھی اس لفظ کے اندر شامل ہیں یعنے محبوب اور مطلوب یا مقصود یعنے اس سے محبت کی جائے۔ اور اس کو طلب کرنا یا اس کی

طرف قصد کرنا انسان کی زندگی کا مقصد ہو۔ سو اللہ تعالےٰ کی تمام کائنات فرمانبرداری کرتی ہے اور اس کے قوانین کی ایسی پابند ہے کہ ایک بال برابر بھی ان سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتی جیسا کہ آج سائنس نے بھی پتہ لگایا ہے۔ اُن کو بھی اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اگر وہ اسی کی ربوبیت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے جیسے کہ کوئی بچہ اپنے ماں باپ کی تربیت یا ربوبیت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ جب تک کہ وہ ان کی فرمانبرداری نہ کرے پھر اللہ سے بڑھ کر کون محسن (خوبیوں) اور احسان (دوسروں کو اپنی خوبیوں سے فائدہ پہنچانے) میں بڑھ کر ہے۔ کہ اس سے محبت کی جائے خصوصاً اس لئے کہ انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر، اس میں اپنی رُوح پھونک کر، اور اس میں اپنے جیسے اوصاف اور خوبیاں پیدا کرنے کے لئے ربوبیت کرنے کی وجہ سے وہ انسان کا محسنِ اعظم ہے اور سب سے زیادہ محبت کے لائق ہے۔ اللہ کے تیسرے معنی مطلوب یا مقصود کے ہیں۔ اس سے بڑھ کر انسان پر کیا احسان عظیم ہو سکتا ہے۔ کہ اس مٹی کے کیڑے کو اللہ تعالےٰ کا قرب اور وصال میسّر ہو سکے۔ جو کہ ان لوگوں کو میسّر ہوتا ہے جو اللہ تعالےٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں یعنے اسکی صفات کو اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی سب سے بڑی صفتوں میں سے یہ ہے کہ وہ رزاق ہے یعنے تمام مخلوق کو رزق دیتا ہے جس کا ذریعہ جہاں تک انسان کا تعلق ہے پیسہ ہے۔ تو وہ انسان خدائی اخلاق کو کہاں حاصل کر سکتا ہے۔ جو کہ خدا کے بتلائے ہوئے کاموں کے لئے پیسہ نہ دے۔ ان کاموں میں سے اہم ترین کام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جس پر خرچ کرنے کی تاکید آج کی آیات میں ہے تو جو لوگ دولت کی محبت میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ وہ خدا کی محبت پر غالب آجاتی ہے اور دولت کے ایسے غلام (فرمانبردار) بن جاتے ہیں کہ دولت کی خاطر سیاہ و سفید کرنے سے نہیں چوکتے اور جن کی زندگی کا مقصد صرف دولت کمانا اور اسے جوڑ کر اس پر سانپ کی طرح حفاظت کے لئے بیٹھ جانا بن جاتا ہے۔ ان کا اِلٰہ پھر دولت ہو جاتی ہے نہ کہ اللہ تعالےٰ۔ اسی لئے فرمایا کہ دولت کو اپنا اِلٰہ مت بناؤ۔ دوسرے مذاہب نے دولت کی زبردست کشش کی وجہ سے جو لوگوں کو اندھا کر دیتی ہے نجات کی راہ یہ بتائی ہے کہ دولت مت کماؤ بلکہ راہب یا نُن یا سادھو یا بھکشو بن کر زندگی گزارو۔ مگر اگر سب انسان ایسا کرنے لگتے تو نہ تو کوئی انسانی ترقیات ہوتیں نہ نسلِ انسانی باقی رہتی کیونکہ تارک الدنیا لوگ شادی بیاہ بھی نہیں کر سکتے۔ اسلام نے اعتدال کا رستہ بتایا کہ دولت کماؤ مگر جائز طریقوں سے، حلال طریقوں سے، اور اسے دوسروں کے لئے اور اللہ کے کاموں کے لئے خرچ کر کے خدائی صفات اپنے اندر پیدا کرو۔ سو دولت کما کر بجائے اللہ تعالےٰ کو کھونے کے اسلام نے دولت کو صحیح مصارف پر خرچ کر کے اللہ تعالےٰ کو پانے کا طریقہ سکھایا۔

حضرت اقدس کے دو احسانات

حضرت مجدد وقت کے ہم پر بہت احسان ہیں مگر آپکے بڑے احسانات میں سے یہ دو ہیں۔ کہ جہاد جو اسلام کا بڑا بھاری رُکن ہے اور جس پر عمل نہ تھا اس کو قرآن کے ذریعہ سے جہادِ اکبر کی صورت میں ہماری جماعت کا اوّلین فرض بنا دیا۔ اور دُوسرے خدا کی راہ میں خرچ کرنا جو بہت کم رہ گیا تھا۔ خصوصاً جہاد کے لئے اس کو ہم پر فرض کیا۔ یہاں تک کہ آپنے فرمایا کہ خاص چندوں کے علاوہ چندہ ماہوار جو احمدی تین ماہ تک ادا نہ کرے اُسے جماعت میں سے خارج سمجھا جائے۔ جہاں ہماری جماعت میں اس بارہ میں بڑے اعلےٰ نمونے ہیں وہاں وہ لوگ بھی ہیں جو یا تو چندہ دیتے ہی نہیں۔ یا دیتے ہیں تو برائے نام مثلاً چار آنے ماہوار، روپیہ، دو روپیہ یا پانچ دس روپے ماہوار۔ کیا خدا کے دین کی یہی قیمت ہے ان کی نگاہوں میں؟ کیا یہ حقیر رقمیں دے کر وہ اس محاسبہ اور مواخذہ سے چھوٹ جائیں گے جس کا وعید قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بار بار آیا ہے؟

جن کے دل میں خدا کا اور یوم حساب کا ذرّہ بھر بھی خوف ہے میں ان کی خیرخواہی کے لئے عرض کرتا ہوں کہ اس یوم حساب کے بوجھل دن سے بچنے کے لئے صرف ایک یقینی طریق ہے اور وہ یہ کہ اپنی آمدنی کا دسواں حصہ ماہوار دیا کریں۔ کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها یعنے ایک نیکی لے کر اگلے جہان میں جائیگا تو اللہ تعالےٰ کے ہاں دس گنی جائیں گی۔ اس لئے جو شخص اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دیتا رہے گا اسکے نامۂ اعمال میں یہی لکھا جائے گا کہ اس نے اپنی پوری آمدنی اللہ کی راہ میں دے دی۔ تبھی اللہ تعالےٰ نے جو دیا ہے اس کے محاسبہ اور مواخذہ سے عزت سے بری ہو سکے گا۔

ہماری جماعت میں کئی لوگ ہیں جو دسویں حصہ آمدنی سے بھی زیادہ ماہوار دیتے ہیں۔ تو کیا وہ بھوکے مرتے ہیں؟ کیا ان کے بیوی بچے بھوکے رہتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ اس دنیا میں ان کو اتنا اجر دیتا ہے کہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ اور آخرت کا اجر تو بہت بڑھ چڑھ کر ہوگا۔ قرآن فرماتا ہے الشیطٰن یعدکم الفقر یعنے یہ تو شیطان ہے جو تمہیں خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے تو بہت بڑی قسم کھائی کہ جس ذات کی مٹھی میں محمد کی جان ہے اس کی قسم کہ خدا کی راہ میں خرچ کر کے کوئی شخص غریب نہیں ہوتا۔ اور اسلام اور احمدیت کی تاریخ اس کی صداقت کی گواہ ہے۔ بہرحال عاقبت کے محاسبہ سے بچنے کی یہی راہ ہے۔ اور یہ حضرت مرزا صاحب کا احسانِ عظیم ہے کہ یہ راہ آپنے ہمیں دکھلا دی۔ اب اس پر چلنا ہمارا کام ہے۔

ارشادات حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ:-

"توبہ گناہ کو کھا جاتی ہے۔"

* اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
* اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور عمل میں صادق رہو۔
* ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہو جنہوں نے اپنے دین کو لھو و لعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔
* اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو کبھی نہ گن سکو گے۔
* کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو عزت پاؤ گے۔
* ظاہر و باطن یکساں رکھو۔
* جھوٹی بات کہہ کر ہال بچنا بڑا گناہ ہے۔
* صلہ رحمی سے کام لو۔
* کسی پر مت ہنسو۔ ممکن ہے وہ تم سے بہتر ہو۔
* بدگمانی سے بچو کہ بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں۔
* نہ تجسّس کرو اور نہ ہی کسی کی غیبت، کیا کوئی تم میں سے اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اسکو تو تم ناگوار سمجھتے ہو۔
* فرمان رسول صلعم
* طہارت نصف ایمان ہے۔
* خیرات بلا کو ٹال دیتی ہے

تعلق باللہ

الا ان اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون

مکرم شیخ نثار احمد صاحب ـــ سیالکوٹ چھاؤنی

صاحب صدر و معزز خواتین و حضرات!

میرے مضمون کا عنوان ہے "تعلق باللہ" بظاہر تو یہ الفاظ سادہ اور عام فہم ہیں لیکن حقیقت میں ان کا مفہوم بہت گہرا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کے ساتھ تعلق رکھنے والا شخص اپنے تمام وجود کو اس کی راہ میں سونپ دیتا ہے اس کی اطاعت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہے۔ اسی کی فرمانبرداری اور رضامندی کے لئے ہی جیتا ہے اور نیک کام جو ہر ایک قوت سے متعلق ہیں ایسے ذوق اور شوق سے بجا لاتا ہے گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اسی صورت میں وہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون کے وعدہ الٰہی کا وارث ہوگا۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کا نتیجہ فلاح اور نجات ہے اور اس کی حقیقت تب متحقق ہو سکتی ہے جب اس کے تمام باطنی اور ظاہری قویٰ محض خدا تعالیٰ کی اطاعت میں کام کرتے ہوں اور جو امانتیں اس کو خدا کی طرف سے ملی ہیں اسی معطیٔ حقیقی کو واپس کی جائیں یہ ہے تعریف یا تعلق باللہ کی جو حضرت مجدد زمانہ نے فرمائی ہے اور یہ اسلام کی صحیح روح ہے جس کی نشاندہی یہ قرآنی آیت بھی کر رہی ہے:۔ بلیٰ من اسلم وجھہ

حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ:۔

"مدعی اسلام یہ ثابت کرے کہ اس کے ہاتھ پیر دل اور دماغ اس کی عقل اور فہم اس کا غضب اور اس کا رحم، حلم اور علم اس کی تمام روحانی اور جسمانی قوتیں اس کی عزت آرام اور سرور اور جو کچھ اس کا سر کے بالوں سے پیروں کے ناخنوں تک یہاں تک کہ اس کی نیات اور اس کے دل کے خطرات اور اس کے نفس کے جذبات سب خدا تعالیٰ کے ایسے تابع ہو گئے ہیں جیسے اس شخص کے اعضاء اس کے تابع ہو گئے ہیں غرضیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ صدق قدم اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ جو کچھ اس کا ہے اس کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہو گیا ہے۔"

؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا ۔

یہ ہے تعلق باللہ اور یہ دو قسم پر ہے ایک یہ کہ خدا تعالیٰ ہی مقصود و محبوب ٹھہرایا جائے اور اس کی عبادت، محبت، خوف و رجا میں کوئی دوسرا شریک نہ سمجھا جائے اور اس کی عبودیت کے احکام اور حدود۔ آسمانی قضاء و قدر کے امور بدل و جان قبول کئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ بنی نوع انسان کی خدمت ہمدردی اور سچی غمخواری اس کے اندر ہو اور تعلق باللہ کے تقاضے تب پورے ہونگے جب اس کی غافلانہ اور متکبرانہ زندگی پر سخت انقلاب آئے اور نفس امارہ کے تمام جذبات مٹ جائیں اور پھر اس کے بعد اس میں نئی اور پاک زندگی پیدا ہو۔ گویا وہ خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنے کے لئے ذلت قبول کرنے کے لئے تیار ہو اور اس کی وحدانیت کو زندہ کرنے کے لئے ہزاروں موتیں قبول کرے۔ اس کی فرمانبرداری میں ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو بخوشی کاٹ سکے اور اس کی عظمت گناہ سے ایسی نفرت دلائے گویا وہ آگ ہے یا ہلاک کرنے والی زہر ہے۔ یا بھسم کر دینے والی بجلی ہے جس سے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ بھاگنا چاہیئے غرض اس کی مرضی ماننے کے لئے اپنی مرضی چھوڑ دے ۔

جب اس کے اندر تعلق باللہ کی یہ کیفیت پیدا ہو جائے اور اس پر صبغۃ اللہ کا رنگ نمایاں ہو جائے تو اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃً اس برکت سے اس وصف کے انسان کے قویٰ کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ یہ آنکھیں خدا کی آنکھیں۔ یہ زبان خدا کی زبان اور یہ ہاتھ خدا تعالیٰ کے ہاتھ ہیں کیونکہ وہ تمام اعضاء اور قوتیں جب خدا کے ارادوں سے بندھ کر ان راہوں پر چلتے ہیں جو خدا کی مرضی اور ارادہ کے تابع نہیں تو ان کو اسی کا روپ کہا جائے گا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی مرضی سے موافقت تام پیدا کر لیتے ہیں اور یہی تعلق باللہ کی حقیقت ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر اس کے اعضا بھی محض نام کے ہیں اور قرآن کریم میں ان کی مثال یوں بیان کی گئی ہے ۔۔

" لھم قلوبٌ لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالا نعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون ۔"

یہ تو نہیں لیکن ان سے صحیح کام نہیں لیتے اور اگر چاہتے تو سن کر۔ دیکھ کر۔ سمجھ کر صحیح نتائج پر پہنچ جاتے اور یہی شرف انسانیت ہے اور جانوروں سے تشبیہ دی ہے بلکہ ان سے بھی گئے گذرے قرار دیا ہے۔ ان سے اس لئے کہ صلاحیت کے باوجود ان سے کام نہ لیا۔ خدا سے تعلق ہو تو اعضاء صحیح مقام پر کام کرتے ہیں اور ترقی کر کے بندہ فرمانبرداری کے بلند درجہ کو حاصل کر لیتا ہے۔ جسے اہل تصوف فنا کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ ایک قسم کی موت ہے اور جب اور ترقی کر کے اس میں احسان اور مروت کی صفات پورے طور پر ظہور پذیر ہوتی ہیں تو بقا کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور اسے حیات ثانی کہا جاتا ہے اور جب اس سے آگے منزلیں طے کر کے لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو یہ لقا ہے اور یہ عرفان یقینی اور توکل کا وہ بلند درجہ ہے جس کے نتائج اس کی نظر میں خیالی اور ظنی نہیں رہتے بلکہ ایسے قطعی اور مشہود ہوتے ہیں کہ گویا اس کو مل چکے ہیں اور ہر لمحہ اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے اور ہر ایک آئندہ کا خوف اس سے اٹھ جاتا ہے اور ہر ایک گزشتہ اور موجودہ غم بھی نہیں رہتا۔ یہ ہے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ اور حضرت امام زمان نے فرمایا ہے ۔۔

"ایسا شخص شدت اتصال کی وجہ سے خدائے عزوجل کے رنگ سے ظلی طور پر رنگین ہو جاتا ہے اور تمام حجاب اٹھ جاتے ہیں اور جیسا کہ وہ خود مبارک ہے ایسا ہی اس کے اقوال و افعال حرکات و سکنات، خوراک، پوشاک، مکان زمان اور اس کے جمیع لوازم میں برکت رکھ دی جاتی ہے تب ہر ایک چیز جو اس سے مس کرتی ہے۔ بغیر اس کے جو یہ دعا کرے برکت پاتی ہے۔ اس کے مکان میں برکت ہوتی ہے اس کے دروازوں کے آستانے برکت سے بھرے ہوتے ہیں۔ اس کے گھر کے دروازوں پر برکت برستی

ہے جو ہر دم اس کو مشاہدہ ہوتی ہے اور اس کو اس کی خوشبو آتی ہے۔ جب یہ سفر کرتے تو خدا تعالےٰ مع اپنی تمام برکتوں کے اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب یہ گھر میں آئے تو ایک دریا نور کا ساتھ لاتا ہے بغرض یہ عجیب انسان ہوتا ہے جس کی کنہ بجز خدا تعالےٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ تعلق باللہ کا یہ اثر ہے وہ ان حالتوں میں راسخ ہو جاتا ہے اور ظل ہوا اور ارادہ سے بکلی خالی ہو کر فنا ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کی طرف بکلی جھک جاتا ہے اور جس طرح دوسرے لوگ ہوا پرستی میں لذت اٹھاتے ہیں اس شخص کی تمام لذتیں یادِ الٰہی میں ہوتی ہیں۔ وہ خدا تعالےٰ کی طرف الٰہی کشش سے کھینچا جاتا ہے گویا وہ اس کے قلب پر اترا ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت کسی عمل اور کسی حکم الٰہی یا مشیت الٰہی کی نسبت محتاج نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نفس سے اکراہ یا جبر سے کام لے بلکہ اس کا نفس نفسِ مطمئنہ ہو جاتا ہے اور جو خدا تعالےٰ کا ارادہ وہ اسکا ارادہ اور جو اسکی مرضی وہ فرماتے ہیں یہی صراطِ مستقیم ہے اور یہ راہ نہایت باریک ہے۔ اور اس پر چلنے والے بہت تھوڑے ہیں اور اس سے تجاوز کرنا یا اِدھر اُدھر ہونا درحقیقت جہنم میں گرنا ہے۔ اور آخرت میں یہ تمثل کے طور پر نظر آ جائے گی اور جو لوگ دنیا میں صراطِ مستقیم پر چل نہیں سکے وہ آخرت میں بھی اس صراط پر نہ چل سکیں گے اور ہم روحانی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری صراط کے دائیں بائیں درحقیقت جہنم ہے۔"

اب سوال یہ ہے کہ تعلق باللہ کس طرح حاصل ہو اور اس کے حصول کیلئے کیا کیا وسائل نہیں وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کی مدد سے کوئی شے میسر آ جائے اور اس کے بغیر ناکامی ہو۔ سو اس کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ کی حاکمیت اور قدرتِ کاملہ اور حکومت تامہ اور علم اس کے وحدہٗ لاشریک اور حیّ و قیوم اور ازلی ابدی ہونے پر پورا پورا یقین ہو جائے اور اس کی عظمت اور کبریائی، نفسانی جذبات کو خیرہ کر دے۔ اللہ تعالےٰ کے حسن و احسان اور خوبیوں کو خیر محض سمجھے کہ وہ تمام کمالوں میں ازلی ابدی ہے۔ اس نے ہر ایک خوبصورت چیز پر اپنے حسن کا پرتو ڈالا ہے۔ اور پاک دل اس کی طرف کھنچے جاتے ہیں اور اس کے احسانات بے شمار ہیں۔ وان تعدو نعمۃ اللّٰہ لا تحصوھا اور اس کی بخشش کا یہ عالم ہے کہ وہ گناہ پر گناہ دیکھتا ہے اور احسان پر احسان کرتا ہے جب تک وہ ارادہ نہ کرے کوئی چیز ہمیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور بے شمار طریقوں سے جو ہماری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں یہ فضل اسی کی طرف سے ہے۔

ایک اور وسیلہ خوف ہے۔ دل میں خوف ہوگا تو غفلت میں نہیں پڑے گا۔ اور تعلق باللہ میں ترقی کرتا چلا جائے گا۔ محاسبہ کے ڈر سے منہیات سے بچے گا۔ امید و رحمت کے ساتھ خدا کے غضب کا بھی تصور کرے اگر صرف امید میں ہی لگا ہے تو وہ خوشیوں کے ایسے خواب دیکھے گا جو کبھی پورے نہیں ہونگے۔ خطرے سے صرف خسارہ اٹھانے والے ہی مطمئن ہوتے ہیں۔

ایک دائمی خوف یہ ہے کہ انسان ان زیادتیوں اور گناہوں کو یاد کرے جن کا وہ مرتکب ہو رہا ہے ان حقوق کا خیال کرے جن سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی کہ تدارک کر سکے۔ اب اگر حقوق اللہ کی فروگزاشت سے توبہ بھی کرے تو لوگوں کے حقوق اور اپنے مظالم سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کیا سبیل کر سکتا ہے۔ دعا کرے کہ اے اللہ میرے ذمے کتنے ہی حقوق ہیں جو مجھے یاد نہیں اور ایسے مظالم ہیں جو مجھے بھول چکے ہیں لیکن وہ سب تیری آنکھوں کے سامنے ہیں جن میں فروگزاشت نہیں ہوتی۔ مجھے تلافی کی توفیق دے جس سے تو راضی ہو جائے۔ ایک دائمی خوف یہ ہے کہ عاقبت کی سزا کی شدت کا تصور کرے کہ وہاں نہ کوئی فریاد سننے والا ہوگا اور نہ کوئی دادرس۔ خدا کی لامحدود طاقت کے مقابلہ میں اپنی کمزوری اور لاچاری کا تصور کرے اور سوچے کہ جب چاہے۔ جہاں چاہے جس طرح چاہے خدا اپنی گرفت میں لے سکتا ہے اور وہ آسمان، سمندر، پہاڑ غرض کائنات کے کسی گوشہ میں پناہ نہیں لے سکتا۔ ان بطش ربک لشدید واذ بطشتم بطشتم جبارین بنا رہی ہیں۔ خدا کی نعمتوں پر نظر کرے جن کے لئے نہ کچھ کہنے نہ سننے کی ضرورت پڑی بلکہ اس نے

پرورش اور تربیت کے تمام سر و سامان مہیا کر دیئے جو کہ اسے ہر ضرورت اور ہر حالت کے مطابق ملتے رہے اگرچہ حصولِ تعلق باللہ کے وسائل اور بھی ہیں جیسے نماز، روزہ اور تمام احکام الٰہی لیکن علم عظمت، وحدانیتِ ذات اور معرفت سب وسائل کے موقوف علیہ ہیں کیونکہ جو شخص غافل دل اور معرفت الٰہی سے بکلی بے نصیب ہے، وہ کب توفیق پا سکتا ہے کہ صوم و صلوٰۃ بجا لائے۔ یا دعا کرے یا صدقہ اور خیرات کر سکے اور معرفت بھی روحانیت سے ہے نہ کسی عمل سے نہ کسی دعا سے اور یہ معرفت اعمال صالح اور حسن ایمان سے زیادہ ہوتی جاتی ہے سو خدا کے ساتھ تعلق صرف زبانی اور لفظی نہ ہو بلکہ پورا متبع اپنے مولیٰ کا ہو اور اپنے دعویٰ کی سچائی عمل سے ظاہر کرے۔ صرف بدی کو ترک کرنا کمال نہیں بلکہ نیکی میں ترقی کرے اور دوسروں کو بھی اس میں شریک کرے۔ یہ تڑپ پیدا ہو۔

تعلق باللہ ایک بہت بڑی ضرورت ہے انسان کی اپنی خوشی کے لئے بھی اور پرامن اور خوشگوار معاشرہ کے لئے بھی۔ زندگی تو حیوانات، نباتات اور انسانوں میں مشترک ہے اور موت کے ساتھ زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن انسان اشرف المخلوقات ہے۔ نفسِ انسانی جدت کے ساتھ فنا نہیں ہو جاتا۔ نفسِ انسانی اس حقیقت کا نام ہے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے خود شناس ہے ومن عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ وہ نیکی اور بدی میں امتیاز کر سکتا ہے۔ یہ حقیقت جانوروں میں نہیں ان کی زندگی اضطراری ہے۔ عمل کرنے والوں کا اپنا وجود ہی نسخہ ہدایتوں کا ہو سکتا ہے اور وہ دوسروں کے لئے بھی باعث رحمت و برکت ہو سکتا ہے۔ عام اخلاق نیکی، صبر، عفو اور رحم جو پہلے صرف دل اور دماغ میں تھے عمل آ سکتے ہیں۔ سو تعلق باللہ ایک بہت بڑی ضرورت اور نعمت ہے۔ اور اب تو ماہرین نفسیات بھی اس کو ایک ضرورت مانتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ یہ انسان کی تکمیل کا باعث ہے اس سے غیر صحت مند خیالات اور رجحانات کو روکا جا سکتا ہے۔ غم اور فکر خود اعتمادی میں تبدیل ہو سکتا ہے نفرت محبت سے بدل سکتی ہے منفی سوچ مثبت سوچ بن سکتی ہے۔ ہم خطرات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ تعلق باللہ کوئی توہمات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک حقیقت بن کر سامنے آ چکا ہے ایک مغربی مفکر نے لکھا ہے کہ جب ہم دعا کرتے ہیں تو کیا یہ سمجھا جاتا ہے کہ:-

WE ARE TALKING TO NOTHINGNESS

کیا ہم ہوا میں "در خلاء" میں ہی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ مفکر کہتا ہے کہ اگر کسی نے اپنے مسائل میں اضافہ کرنا ہے تکلیفوں میں راحت حاصل کرنی ہے ظلموں سے نجات پانی ہے۔ تو وہ مذہب کو اپنا لے جس نے یہ سب کچھ سکھایا ہے۔ ورنہ تکلیفیں تو ایسی ہلاک کرنے والی ہیں اور اس قدر غمناک واقعات اور سانحے ہیں کہ ان کی یاد بھی زندگی پر ہماری گرفت کو کمزور کرنے والی ہیں صرف مذہب ہی ان کے اثرات کو دور کر سکتا ہے۔ یہ لوگ تو اب کہہ رہے ہیں مگر امام زماں نے آج سے تقریباً پون صدی پہلے فرمایا تھا کہ وہ ایمانی قوت سے انسان راہِ حق میں پیش آنے والی تکالیف پر غالب آ سکتا ہے۔ ہر ایک قدم جو صدق اور تلاش حق کے لئے اٹھایا جائے اس کے لئے بڑا ثواب اور اجر ملتا ہے مگر عالمِ ثواب مخفی عالم ہے جس کو دنیا دار کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ تعالےٰ باوجود آشکارا ہونے کے نہاں در نہاں ہے۔ اور اس لئے الغیب بھی اس کا نام ہے۔ اسی طرح ایمان بالغیب بھی ایک چیز ہے جو گو مخفی ہوتا ہے مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔"

مزید فرماتے ہیں:-

اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے۔ اگر خدا پر ایمان ہوتا پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں میں صدق اور حق کی تلاش اور پیاس نہیں پائی جاتی جو ایمان کا خاصہ ہے ایمان ایک قوت ہے جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اسی لئے یہ صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم کی زندگیوں میں نظر آتا ہے جب وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوئے تو کون سی بات تھی جو ان کو اُمید دلاتی تھی کہ اس طرح ایک بے بس اور ناتواں انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو ثواب ملے گا۔ ظاہری آنکھ تو اس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ اس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ جس کا نتیجہ صریح یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا اور وہ چکنا چور کر ڈالے گا مگر کوئی اور آنکھ تھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ کر دکھایا اور اس راہ میں مر جانا اُن کی نگاہ میں راحت اور سرور کا موجب ہوا۔ انہوں نے وہ کچھ دیکھا جو ان ظاہرین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہی دُور تھا۔ وہ ایمانی آنکھ تھی اور ایمانی قوت تھی جو ان تکلیفوں اور دُکھوں کو ہیچ دکھلاتی تھی۔ آخر وہ ایمان ہی غالب آیا اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا کہ جس پر ہنستے تھے اور جس کو ناتواں اور بے کس کہتے تھے اُس نے ایمان کے ذریعے کہاں تک پہنچا دیا وہ ثواب اور اجر پہلے مخفی تھا پھر ایسا آشکارا ہوا کہ اس کو دُنیا نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہ کی تھکی نہ ماندی ہوئی۔ بلکہ قوت ایمان کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم الشّان کام کر دکھلائے۔

تعلق باللہ ایسی چیز نہیں جس کے ثبوت کے لئے صرف گزشتہ کا حوالہ دیا جائے۔ اسلام مُردہ مذہب نہیں۔ اس کی برکات ہمیشہ اس کے ساتھ ہیں۔ دنیا کو برکات اور آسمانی نشانوں کی ہمیشہ ضرورت ہے تاکہ خُدا کی ہستی کے آثار ظاہر ہوں۔ خبریں زمانہ گذرنے کے ساتھ قصہ کے رنگ میں ہو جاتی ہیں اس لئے مشاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور نئی صدی جو آتی ہے گویا ایک نئی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے خدا ہر زمانہ کے لئے نشان دکھاتا ہے۔ خُدا اپنے مامور کے ذریعے نبی متبوع کے کمالات اس کے وجود کے توسط سے لوگوں کو دکھاتا ہے اور وہ تمام شبہات اور اعتراضات صاف کرتا ہے اور ثابت کر کے دکھاتا ہے کہ خُدا ہے وہ قادر ہے۔ بصیر اور سمیع اور علیم اور مدبّر بالارادہ ہے۔ دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ خود معرفت سے مالامال ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے زمانہ میں دُنیا کا ایمان عام طور پر دُوسرا رنگ پکڑتا ہے۔ اوائل میں وہ آزمایا جاتا ہے اور تکلیف میں ڈالا جاتا ہے۔ لوگ طرح طرح کے دُکھ اس کو دیتے ہیں۔ انواع و اقسام کے طریقوں سے اس کو ستاتے ہیں۔ اس کی ذلت ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن آخر وہ سب پر غالب آتا ہے اور جب خُدا تعالےٰ دیکھتا ہے کہ زمین اس کی صداقت پر گواہی نہیں دیتی تب آسمان والوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ گواہی دیں۔ اس کے لئے خوارق کے رنگ میں۔ دُعاؤں کی قبولیت اور حقائق و معارف کے رنگ میں ایک روشن گواہی آسمان سے اُترتی ہے۔ وہ گواہی بہروں گونگوں اور اندھوں تک پہنچتی ہے اور بہتیرے ہی جو اس وقت حق اور سچائی کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ مبارک وہ جو پہلے قبول کر لیتے ہیں کیونکہ اُن کو بوجہ نیک ظن اور قوت ایمان صدیقوں کی شان کا ایک حصہ ملتا ہے۔ اور یہ اس کا (خدا تعالیٰ) کا فضل ہے جس پر چاہے کرے۔

چودھویں صدی میں حضرت مجدّد صد چہار دہم تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا:۔

میں اب اتمام حجّت کے لئے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسی کے موافق خدا تعالےٰ نے اس زمانہ کو تاریک پا کر اور دُنیا کو غفلت میں گھرا اور شرک میں غرق دیکھ کر ایمان۔ صدق تقویٰ اور راستبازی کو زائل ہوتے مشاہدہ کر کے مجھے بھیجا ہے تا وہ دوبارہ دُنیا میں علمی عملی اور اخلاقی سچائی کو قائم کرے۔ سو اے حق کے طالبو! سوچ کر دیکھو کہ یہ وقت وہی وقت نہیں جس میں اسلام کے لئے آسمانی مدد کی ضرورت تھی۔ کیا ابھی تک تم پر یہ ثابت نہیں ہوا کہ چودہویں صدی میں کیا کیا صدمات اسلام پر پہنچ گئے اور کن کن آفات نے اسلام کو گھیرا ہوا ہے کس قدر لوگ اسلام سے نکل گئے کس قدر عیسائیوں میں جا ملے اور کس قدر دہریہ ہو گئے۔ کیا ضرور نہ تھا کہ خدا کی طرف سے اس صدی پر کوئی شخص بھیجا جاتا جو بیرونی حملوں کا مقابلہ کرتا۔ تم دانستہ الٰہی نعمت کو رد مت کرو۔“

مجدّد تعلق باللہ ہی قائم کرنے کے لئے آتے ہیں اور جیسا کہ حق تھا اس مجدد حضرت میرزا غلام احمد نے بھی خُدا کا چہرہ پوری آب و تاب سے دکھا دیا اور اس کا جلال ظاہر کیا اور بے شمار پیشگوئیوں اور بشارتوں سے ثابت کیا کہ خدا سمیع و بصیر اور علیم ہے اور اس کے وعدے سچے ہیں۔ حضرت صاحب کی زندگی میں تعلق باللہ اور خُدا کے وعدوں پر یقین کے بڑے کرشمے نظر آتے ہیں۔ زیادہ نہیں صرف ایک عبرت ناک نشانی پیش کرتا ہوں۔ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ اس زمانے میں مختلف مذاہب کے نمائندوں میں مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ آریوں سے بھی ہوئے اور جب شکست پر شکست کھائی تو اپنے اخبار کے ذریعہ تین آریوں نے لکھا کہ ہم اتنے عرصہ سے قادیان میں بستے ہیں ہم نے تو مرزا صاحب سے کوئی نشان نہیں دیکھا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ طاعون سے محفوظ رہیں گے اور جو اُن کی چار دیواری میں ہیں وہ بھی محفوظ رہیں گے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم تینوں بھی محفوظ رہیں گے۔ حضرت مرزا صاحب نے دُعا کے نتیجہ میں اشتہار دیا کہ یہ تینوں طاعون سے ہلاک ہوں گے۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ ان میں سے دو تو طاعون سے ہلاک ہو گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد تیسرے شخص پر بھی طاعون کا حملہ ہوا۔ وہ گھبرا گیا اور فکر مند ہوا اور کہا کہ مجھے حکیم نورالدّین کے پاس لے چلو۔ آپ مسلّم شہرہ آفاق طبیب تھے اُن کے پاس جب یہ مریض آیا تو حضرت صاحب سے بھی رجوع کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ پوری توجہ سے اس کا علاج کیا جائے۔ لیکن میں بتا دیتا ہوں کہ یہ بچے گا نہیں کیونکہ یہ الہٰی وعدہ ہے۔ چنانچہ پوری کوشش کے باوجود وہ جانبر نہ ہو سکا اور حضرت صاحب نے لکھا اگر کسی اور کو ہمت ہے تو میدان میں آئے اور اپنا انجام دیکھ لے۔

یہ ہے تعلق باللہ کا کرشمہ اور خُدا کے وعدوں پر یقین۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ مرتبہ بقا اور لقا پا کر انسان اس لائق ٹھہر جاتے ہیں کہ ان کی نہایت اصفیٰ محبت پر خدا تعالےٰ کی کامل محبت الہٰی برکات کے ساتھ نازل ہو اور جب وہ رُوح القدس نازل ہوتا ہے تو اس انسان کے وجود سے ایسا تعلق پکڑ لیتا ہے جیسے جان کا جسم سے ہوتا ہے۔ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

اس امام نے فرمایا ہے کہ اے لوگو جو صداقت سے مُنکر اور اس نکتہ معرفت سے انکاری ہو تو مجھ سے جلدی بیعت کرو اور اپنے ہی اندر قلب سے گواہی طلب کرو۔ اور آپ نے فرمایا:۔

”مجھے بہت سوز و گداز رہتا ہے کہ جماعت میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو۔ یاد رکھو کہ میں اصلاح خلق کے لئے آیا ہوں۔ جو میرے پاس آتا ہے وہ اپنی استعداد کے موافق ایک فیل کا وارث بنتا ہے لیکن میں صاف صاف کہتا ہوں کہ جو سرسری طور پر بیعت کر کے چلا جاتا ہے اور پھر اس کا پتہ نہیں کہاں ہے اور کیا کرتا ہے اس کے لئے کچھ بھی نہیں۔ وہ جیسا تہی دست آیا تھا تہی دست چلا گیا۔“

حضرت صاحب نے تعلق باللہ پر بڑا زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک پتہ نہیں کہ اس کا ایک خُدا ہے۔ جو ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خُدا ہے۔ ہماری اعلےٰ لذّات ہمارے خُدا میں نہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا ہے۔ اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی ہے۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے ملے۔ اے محرومو اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ یہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے اور خاص فضل سے نوازے کہ ہم امام زمانہ کی نصائح سے فیض یاب ہوں اور تعلق باللہ کی حقیقت کو اہمیت دیں۔

اشاعتِ دینِ اسلام کیلئے جماعت احمدیہ کی تشکیل و تنظیم

اوصافِ حمیدہ، محبّت، الفت، یگانگت اتحاد و اخوت کی ضرورت

"قنوطیت اور مایوسی کو کبھی اپنے نزدیک پھٹکنے نہ دو"

مجلس مشاورت منعقدہ ... (بروز جمعہ) جس میں تمام بیرونی جماعتوں کے نمائندے بھی شامل تھے کے فیصلہ کے مطابق مرکز کی جانب سے مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور جناب چوہدری فضل حق صاحب بیرون لاہور بعض جماعتوں میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے جماعت راولپنڈی کے ایک اجتماع سے جو خطاب فرمایا اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے (ادارہ)

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا۔

ترجمہ:۔ تم سب کے تمام خدا کی رسّی کو مضبوط پکڑے رکھو۔ ہرگز تفرقہ نہ کرو۔ بلکہ اس نعمت کا ہر دم ذکر کرتے رہو جو تم پر خدا نے کی۔ جب تم میں باہمی دشمنی تھی پس خدا نے تمہیں اس سے نجات دی۔ تم میں باہمی الفت پیدا کر دی پس تم خدا کی نعمت سے اخوت کے سلسلہ میں جکڑ دیئے گئے یاد رکھو تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے مگر تمہیں اس سے ہم نے نکال لیا۔

دین کا معاملہ ایک فقرہ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ جیسے حدیث میں ارشاد ہوا۔ الحظمۃ لا امر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ۔ خدا کے حکم یعنی اسکے قانون اور احکامات کی عظمت قائم کرنا اور اس کی مخلوق کے ساتھ شفقت سے پیش آنا۔ دین کا لُب لباب اسی فقرہ میں آ جاتا ہے اور یہی وہ دو بنیادی اصولِ مذہب ہیں جن کے قائم کرنے کے لئے مختلف انبیاء آتے رہے۔ خدائی احکام کی فرمانبرداری اور مخلوقِ خدا سے محبت و وفاداری۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان کی بجائے دنیا میں بغاوت و عداوت پیدا کر لی جاتی ہے۔ پھر زیادہ تعجب اس بات سے ہے کہ ایسی برعکس کارروائی ان اصحاب کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو خود علمبردارانِ مذہب و ملّت ہیں! اسی طرح دین انہی ہاتھوں برباد ہوتا ہے۔ جو اسے قائم کرنے کے مدعی ہوتے ہیں۔ یہ بڑا بھاری المیہ ہے جو وقوع پذیر ہوتا ہے۔ دین کا رشتہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے باہمی الفت و یگانگت کے عالی جذبات گھر کر جانے چاہئیں۔ کیونکہ یہی تو اس کی انتہائی و اصلی علت غائی ہے۔ مگر یہ نظارہ کس قدر المناک و عبرتناک ہے کہ اسی مذہبی رشتہ کو باعثِ فساد و تعصب اور تفرقہ و عناد بنا لیا جاتا ہے!! جو اصحاب، دین پر نکتہ چینی کرتے ہیں ان کی تنقید کا مرکزی نقطہ بھی یہی ہے کہ دنیا میں جس قدر نزاع و فساد اور تفرقہ و عناد بلکہ قتل و خونریزی واقع ہوئی ہے۔ وہ مذہب کے باعث ہوئی اور اس قدر کسی دیگر ذریعہ سے نہیں ہوئی۔

دینی رشتہ اگر محبت و الفت اور اتحاد و اتفاق کا باعث نہ بن سکے تو کم از کم اس کے نام اور ذریعہ سے نفرت و حقارت کے خبیث جذبات تو نہ پھیلنے چاہئیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں باہمی اختلافات پیدا ہوئے تھے جو سراسر غلط فہمیوں کے باعث ہوئے تھے لیکن اس پاک گروہ کے دل کینہ و عناد سے بکلی مبرا تھے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ و دیگر جلیل القدر صحابہ میں ایسی اختلاف رائے پیدا ہوئی کہ دونوں گروہوں میں جنگ تک نوبت جا پہنچی مگر پھر بھی دلوں میں کدورت و نفرت جاگزین نہ تھی۔ جنگ کے بعد ان میں پہلی سی یک جہتی و اتحاد قائم ہو گیا۔ اسی طرح تاریخ میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان خانہ جنگی دیکھ کر جب قیصر روم کو حملہ کا خیال پیدا ہوا تو یہ معلوم کر کے حضرت معاویہؓ نے اسے یہ پیغام بھجوایا تھا کہ اگر اس نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو معاویہ وہ پہلا شخص ہوگا جو حضرت علیؓ کے جھنڈے تلے قیصر روم کے خلاف نبرد آزما ہوگا۔

— — — — — — — — — —

(جماعت احمدیہ لاہور کی تین منفرد خصوصیات:۔

جماعتِ احمدیہ لاہور اپنے گذشتہ ستّر سالہ عقائد اور اعمال میں ایک منفرد و ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ جب سے جماعتِ احمدیہ میں ۱۹۱۴ء میں اختلاف پیدا ہوا تب سے ہی ختم نبوت پر یہ جماعت بے نظیر علم کلام پیدا کر چکی ہے۔ تکفیر کلمہ گویان کے برخلاف آواز بلند کرنے والی یہ واحد جماعت ہے کیونکہ مجھے تو کوئی اور دیگر جماعت معلوم نہیں جس نے بطور ماٹو (MOTTO) یہ اصول اختیار کر رکھا ہو کہ ہر کلمہ گو گروہ بلا تفریق اختلافِ فروعی دائرہ اسلام کا فرد ہے

— — — —

یہ وہ عظیم الشان بنیادی عقائد اسلام ہیں جن پر تکمیلِ دینِ اسلام اور وحدتِ مسلمانان کی بنا قائم ہے۔ کیا کوئی اور جماعت ایسی ہے؟ ابتداء سے ہی اس جماعت کے اخبارون۔ رسالوں اور کتب پر یہ عقائد جلی عنوانات سے شائع کئے جاتے رہے ہیں۔

پھر اپنے کاموں کے لحاظ سے بھی یہ جماعت ایک خاص منفرد و ممتاز مقام رکھتی ہے۔ کیونکہ فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے، جماعت احمدیہ لاہور کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ غیر ادیان میں اسلامی مشنوں کا قیام ہو اور غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا جائے تعلیم فرقانِ حمید کو تراجم و تفاسیر کے ذریعہ ایک عالم میں پھیلا کر اسے بقعۂ نور بنا دیا جائے۔

غور کیجئے کہ کیا ان تینوں امور میں آپ کی یہ جماعت منفرد و ممتاز نہیں؟ کیا اس میں ذرّہ بھر بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش موجود ہے۔ ؟ ایسے عظیم اصولہائے علم و عمل میں اتحاد کے بعد کیا ہم نہایت ادنیٰ اختلافوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے؟ بالفرض اگر وہ اختلافی امور ہمارے نزدیک اہم بھی ہوں تب بھی کیا ہمارے لئے بانیٔ سلسلہ کے یہ ارشادات کافی نہیں؟

"جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو میرے بعد سب مل کر کام کرو اور ایک دوسرے کی اصلاح چاہو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔"

یہاں یہ زرّیں اصول بیان فرمایا کہ اتحاد و اتفاق کو کسی صورت میں قربان نہ کیا جائے اور ایک دوسرے کی اصلاح کی کوشش کی جائے مگر نرمی و اخلاق سے۔ اگر اس سے بھی مقصد پورا نہ ہو تو پھر خدا کے حضور دعائیں کرو۔ مگر ہم خدا کی طرف جھکنے کی بجائے صرف اپنے نفس کے جوش سے جدوجہد کرتے ہیں۔

غلبہ اسلام کا یہ گُر کہ اشاعتِ دین حقہ ہو۔ ختم نبوت یا تکمیل دین پر محکم ایمان اور وحدت ملت کا اصول کہ ہر کلمہ گو ملّتِ اسلامیہ کا فرد ہے۔ یہ تین ایسے عظیم اصول ہیں کہ ان کے احیاء کے بغیر اسلامی نشاۃ ثانیہ کا دور قائم نہیں ہو سکتا اور یہی اصول بحمد اللہ ہماری جماعت کا طرۂ امتیاز ہیں پھر یہ جماعت کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ بعض طبائع قنوطیت کا شکار ہوتی ہیں۔ بعض دوسری جھگڑا اور فساد و فتنہ بپا کرنے میں اپنا مفاد سمجھتی ہیں لیکن نہ تو مایوسی کی حاجت ہے نہ فساد و فتنہ کی ضرورت۔ خدا تعالےٰ کا منشاء یہی مقدر ہے کہ اس جماعت کو نہ صرف قائم و دائم رکھے بلکہ اسے بڑھائے اور کامیابیوں سے ہمکنار

گوشش جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا بہت اونچے درجہ کی خدمت اور نیکی ہے وہ انبیاء علیہ السلام کی خاص وراثت اور نیابت ہے۔ پھر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی دولت کی بھی اس کے مقابلے میں کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ ایک اور حدیث شریف

جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ اولئک ھم المفلحون (سورۃ آل عمران)

اور چاہئے ... میں ہمیشہ ایک جماعت موجود رہے۔ جو لوگوں کو خیر یعنی اسلام

کی طرف دیتی ہے اور نیکی کا حکم کرتی رہے اور بدی سے روکتی اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانیوالے ہیں یہی جہاد دعوت الی الخیر جہاد بالقرآن ہے۔ جسے بحیثیت جماعت مسلمانوں کو ہر وقت کرتے رہنے کا حکم ہے جو کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں۔ اسی جہاد کی طرف حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے توجہ دلائی ...... مجدد اور اسکی جماعت کا وجود بھی اسی آیت کے نیچے آتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے۔ کہ اسی حکم کی ایک تعمیل ہے۔ بس یہی وہ جہاد ہر وقت فرض ہے اور اسی جہاد کی طرف حضرت اقدس نے توجہ کو منعطف کیا اور اس جہاد کو روبعمل لانے کیلئے ایک جماعت کی بنیاد ڈالی۔ اور اس جماعت سے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عہد لیکر اس دعوت الی الخیر کے کام پر گامزن کیا۔ جسکو جماعت احمدیہ کے نام سے موسوم کیا۔ ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے اس جماعت کے وجود سے اس قرآنی حکم کی تعمیل تھا۔

... جسکا ارشاد آیت کریمہ وَلْتَكُنْ .... میں صادر فرمایا گیا ہے۔

الغرض حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے جہاد کا حکم منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ فی زمانہ اس جہاد کو ملتوی قرار دیا۔ جو جہاد بالسیف یعنی لڑائی اور جنگ کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ اور جو چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے اور جو صرف اس وقت مسلمانوں پر فرض ہے جب ان پر بذریعہ جنگ اور تیر و تفنگ دشمنان دین کی طرف سے حملہ ہو۔ اور چونکہ یہ زمانہ دشمنان دین کی طرف سے بذریعہ دینی شکوک وساوس اور غلط فہمیاں پیدا کرنے سے ہے۔ دین اسلام کو دشمنوں کی اس یلغار الحاد، وساوس سے دفاع کی ضرورت تیر و تفنگ اور تلوار سے نہیں بلکہ یہ جنگ دلائل اور براہین سے سر کی جاسکتی ہے جسکے لیئے جہاد کی وہ دو صورتیں لازم آتی ہیں جو نمبر ایک اور تین میں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو ایمان محکم کی بنا پر اپنا تزکیہ نفس، اصلاح کردار اور تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں تن من دھن کی بازی لگانا۔ دراصل جہاد اکبر ہے یا بالفاظ قرآن جہاد کبیر ہے۔ جسکے بارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وجاھدھم بہٖ جھادًا کبیرا۔ (سورۃ فرقان آیت ۵۲)

مولانا موصوف صاحب مضمون زیر غور بھی اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دوسروں پر اسلام کی دعوت کا کام بھی اسی پر موقوف ہے کہ مسلمان امت میں اسلامی زندگی یعنی ایمان اور عمل صالح عام ہو۔ بہرحال اس لحاظ سے بھی یہی ضروری ہے کہ پہلے مسلمانوں ہی کی اصلاح وہدایت کی جائے اور ان میں دینی زندگی کو عام کرنے کیلئے پوری قوت سے جدوجہد کی جائے۔ قرآن مجید میں اس کام کو (یعنی دین کی خدمت و دعوت اور لوگوں کی اصلاح وہدایت کی کوشش کو جہاد کہا گیا ہے۔ بلکہ جہاد کبیر یعنی بڑا جہاد بتلایا گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تقریباً بارہ تیرہ برس مکہ معظمہ میں رہے۔ اس پوری مدت میں آپکا اور آپکے ساتھیوں کا جہاد یہی تھا کہ مخالفوں اور طرح طرح کی مصیبتوں کے باوجود خود دین پر مضبوطی سے جمے رہے اور دوسروں کی اصلاح وہدایت کی کوشش کرتے رہے۔ اور بندگان خدا کو خفیہ اور اعلانیہ دین کی دعوت دیتے رہے الغرض اللہ سے غافل اور راستہ سے بھٹکے ہوئے بندوں کو اللہ سے ملانے اور صحیح راستہ پر چلانے کی کوشش کرنا۔ اور اس راہ میں اپنا مال خرچ کرنا اور وقت اور اپنے آرام قربان کرنا۔ یہ سب اللہ کے نزدیک جہاد ہی میں شمار ہے۔ بلکہ اس وقت کا خاص جہاد یہی ہے۔

مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات کھلے طور پر واضح ہوجاتی ہے۔ کہ حضرت اقدس علیہ الرحمۃ بانی سلسلہ احمدیہ کا موقف درباۂ جہاد کس قدر صداقت پر مبنی ہے۔ آج سے قریباً ایک صدی قبل اس مامور من اللہ مجدد صدی چہاردہم نے اس صورت حالات سے آگاہ کیا۔ اور حالات حاضرہ میں فلاح دارین کا راستہ دکھایا۔ چنانچہ ایک طرف آپ نے دین اسلام کی نہ صرف صداقت اور حقانیت کو بذریعہ دلائل حقہ اور براہین قاطعہ سے ثابت کیا۔ بلکہ اسطرح اس دین قیم کی خوبیوں اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم سے دنیا کو روشناس کیا اور اسلام کے غبار آلودہ چہرہ کو ایسا روز روشن کی طرح منور کیا۔ نیز قرآن کریم کے دلربا معارف اور معانی سے متعارف کردیا۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں جو جلسہ مذاہب لاہور میں منعقد ہوا اسکی روداد پڑھنے سے اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ کے عظیم الشان لیکچر جو اسلام کی حمایت میں پیش کیا گیا۔ کے مطالعہ سے دین اسلام تمام دیگر ادیان پر فوقیت

اور فضیلت حاصل ہے۔

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ نے خود اپنی تحریر اور تقریر کو چار دانگ میں پہنچایا۔ اور مغرب میں سلطنت برطانیہ اور امریکہ تک اتمام حجت کیا۔ ملاحظہ ہو تحفہ قیصریہ اور ایک دشمن اسلام امریکی الیگزنڈر ڈوئی کا عبرتناک انجام۔ غرض تجدید و تبلیغ دین اسلام اور صداقت و واشاعت قرآن کا کام کیا حقہٗ اور اعزم صمیم سر انجام دیا۔ دوسری طرف آپ نے ایک جماعت کی تشکیل کی جسکی تنظیم بغرض اصلاح امت اور بمقصد تبلیغ دین و اشاعت قرآن باحسن طریق پر قائم کیا جماعت احمدیہ کے قیام کا مقصد ایکطرف اصلاح تا ایک صحتمند معاشرہ کو وجود میں لانا تھا۔ چنانچہ اس جماعت نے ایک مثالی کردار گوشش کیا اور تزکیہ نفس اور تقویٰ کے حصول کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کا امتیاز حاصل کیا اس جماعت کے معاشی نظام سے وہ تمام سماجی برائیاں یک قلم ختم ہوگئیں۔ یعنی صدق وسچائی۔ امانت ودیانت۔ عدل اور انصاف اور قرآنی تعلیم کے مطابق تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اس جماعت کا شعار بن گیا۔

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ نے اپنی دس شرائط بیعت کے ذریعہ اپنی جماعت میں ایک روح پھونکدی کہ اسکے افراد کی زندگیوں کا رخ یکدم بدل کر یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر قرآنی تعلیم کی تعمیل میں دنیا کو پیش کیا۔ غرض حضرت اقدس علیہ الرحمۃ بانی سلسلہ احمدیہ ایک مامور من اللہ کی حیثیت مسیحائے ملت بن کر آئے اور انہوں نے اپنی جماعت میں تمام اخلاقی وروحانی اقدار کی ترویج سے کو روبعمل لائے

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ نے دنیا کو اسلام کے منور اور دلکش چہرہ سے روشناس کیا۔ تبلیغ دین اور اشاعت قرآن کا ولولہ انگیز جذبہ اپنی جماعت میں پیدا کیا۔ کہ اسکے مبلغ اکناف عالم میں پھیل گئے یہی وہ جہاد اکبر تھا۔ جسکی تلقین حضرت اقدس علیہ الرحمۃ فرماتے رہے۔ جس پر آپ نے اپنی جماعت کو عمل پیرا کیا۔ اسی جہاد کا موجودہ زمانہ متقاضی تھا۔ جس کی اولین ضرورت تھی۔ آپنے جہاد بالسیف کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا بلکہ اسکو اس وقت کیلئے ملتوی کیا جب اسکی ضرورت ہو اور جب دشمنان بذریعہ جنگ وجدل حملہ آور ہوں۔ عہد حاضرہ میں دلائل حقہ اور براہین قاطعہ کی تلوار سے جنگ مقصود ہے اور اسی پر غلبہ اور کامیابی کا انحصار ہے۔

سورۃ الدھر میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو سخت تنبیہ کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ جو لوگ مصیبت میں گھرے ہوئے ہیں اور حق کا انکار کرتے ہیں۔ انکے ہی بارہ میں فرمایا۔ اِنَّ هٰؤُلَاءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا۔

ترجمہ: یہ لوگ جلد ملنے والے نفع (یعنی دنیوی اقتدار جاہ وحشمت دولت حکومت) سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (یعنی انجام کار) ایک بھاری دن کو چھوڑتے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا۔

ترجمہ: ہم نے انہیں پیدا کیا اور انکی ساخت کو مضبوط بنایا اور ہم جب ہم چاہیں گے تو انکی شکل بدل کر اور لے آئینگے ......

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔

ترجمہ: اور تم نہیں چاہ سکتے سوائے اسکے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو۔ اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (وہ اپنی حکمت کی بنا پر) جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔ مگر ظالموں کے لیے اسنے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس انذار سے ایک مومن مسلمان کا دل خشیۃ اللہ سے لرز اٹھیگا اور سوچیگا کہ وہ کہیں ایسے ظلم کا مرتکب تو نہیں۔ لیکن شقی القلب انسان اسکو نظر انداز کرلیگا۔ کیا مسلمانان عالم کے لیے یہ غور کا مقام نہیں۔ کہ جس بحران سے اسوقت عالم اسلام دوچار ہے۔ وہ اس عذاب الیم کی نشاندہی تو نہیں کرتا جسکا ذکر متذکرہ بالا آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ کیا مسلمانان عالم اس بدیہی اثبات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ بحیثیت قوم ان میں وہ تمام

برائیاں اور بداعمالیاں سرایت کرچکی ہیں۔ جو قوموں کی تباہی کا باعث ہوتی ہیں اور جب یہ بے راہ روی اور بدکرداری تمام حدود سے تجاوز کر جاتی ہے۔ تو اسکا انجام صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہونا مقدر ہوتا ہے۔ کیا اب بھی وہ محسوس نہیں کرتے کہ امتِ مسلمہ کو اسوقت روبہ صلاح ہونے کی ضرورت ہے کیوں نہیں اب یہ محسوس کیا جا رہا ہے جیسا کہ مضمون زیرِ بحث سے ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ کو تمام برائیوں سے پاک کرنا چاہیئے اور مسلمان قوم جہاد اکبر کے ذریعہ وہ تزکیہ نفس اور تقویٰ کا مقام حاصل کرے جو اسلام کا حقیقی مقصد ہے

کلام امام الزماں حضرتِ اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صدی چہار دہم بانی سلسلۂ احمدیہ اسلامیہ منقول از آئینہ کمالات اسلام مطبوعہ ۱۸۹۳ء

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے ۔ کوئی دیں دینِ محمد سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلائے ۔ یہ ثمر باغِ محمد سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا ۔ نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا ۔ کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے ۔ ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لیے کوئی نہ آیا ہرچند ۔ ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے
مصطفیٰ پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت ۔ اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مدام ۔ دل کو وہ جام لبالب ہی پلایا ہم نے
اس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں ۔ لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے
مورد قہر ہوئے آنکھ میں اغیار کی ہم ۔ جب سے عشق اسکا تہ دل میں بٹھایا ہم نے
زعم میں انکے مسیحائی کا دعویٰ میرا ۔ افترا ہے جسے از خود ہی بنایا ہم نے
کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں ۔ نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے
گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو ۔ رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے
تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمد ۔ تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے
تیری الفت سے ہے معمور مرا ہر ذرہ ۔ اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے
صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال ۔ سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے
نقشِ ہستی تیری الفت سے مٹایا ہم نے ۔ اپنا ہر ذرہ تیری رہ میں اڑایا ہم نے
تیرا میخانہ جو اک مرجعِ عالم دیکھا ۔ خم کا خم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے
شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے ۔ تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے
چھو کے دامن ترا ہر دام سے ملتی ہے نجات ۔ لاجرم در پہ تیرے سر کو جھکایا ہم نے
دلبرا مجھ کو قسم ہے تیری یکتائی کی ۔ آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے
بخدا دل سے مرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش ۔ جب سے دل میں یہ ترا نقش جمایا ہم نے
ہم ہوئے خیرِ امم تجھ سے ہی اے خیرِ رسل ۔ تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام ۔ مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے
قوم کے ظلم سے تنگ آ کے مرے پیارے آج ۔ شورِ محشر ترے کوچہ میں مچایا ہم نے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم سید المرسلین وخاتم النبیین وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین۔ ہم اس دعا پر اس مضمون کا اختتام کرتے ہیں۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ۔ انک انت الوھاب۔ آمین۔

بقیہ: اشاعت دینِ اسلام کے لئے جماعتِ احمدیہ کی تشکیل و تنظیم

(آمدہ صفحہ ۹)

کرے۔ یہ باتیں میں آپ کو خوش فہمی سے نہیں کہتا بلکہ یہ وہ علم غیب کے امور ہیں جن کا انکشاف بانیٔ سلسلہ کے قلبِ صافی پر ہوا۔ آپ کے الہاموں میں سے تین چار متعلقہ امور کا اسوقت ذکر کرتا ہوں۔ فرمایا:۔

"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں۔ ان کو اطلاع دی جائے نظیف مٹی کے ہیں۔"

"لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں۔"

تیسرے الہام میں ارشاد ہوا:۔

"میں تیرے خالص اور پاک محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے اموال و نفوس میں برکت ڈالوں گا۔" ان الہامات کی تفصیل تو لمبی بات ہوگی۔ مگر کیا ان میں واضح طور پر جماعت لاہور کا ذکر نہیں کیا ان سے ان کے عقائد اور کارناموں کی عمدگی و نظافت کا ذکر نہیں؟ کیا ان سے یہ صاف صاف مترشح نہیں ہوتا کہ باوجود وساوس کے جو مٹا دیئے جائیں گے ان کی قلت و کمی کو مبدل بہ کثرت انفاس و اموال کر دیا جائے گا؟ چنانچہ یہی وہ دور ہے جس کی ابتداء ہو رہی ہے۔ یہی وہ محبِ مسیح جماعت ہے جو قلیل ہے مگر جس کے نفوس و اموال میں اضافہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ آپ کو حتمی یقین ہونا چاہیئے کہ یہ غیب کی باتیں اسی جماعت کے بارہ میں الہاماً بتلائی گئی ہیں۔ آپ کے قلوب اس غیر متزلزل ایمان سے لبریز ہونے چاہئیں کہ یہی وہ وقت ہے جب ان کے پورا ہونے کا دور آچکا ہے۔ خدائی باتیں قطعاً ٹل نہیں سکتیں چاہے انسان کی ناقص عقل اور محدود علم اس کا احاطہ نہ کرسکے۔ پس پورے وحتمی یقین کے ساتھ ان خدائی وعدوں پر یقین رکھو۔ پھر اس ایمان کے ساتھ باہمی محبت والفت اور اخوت کے جذبات لطیفہ سے باہم اخوت کے سلسلہ میں منسلک ہو جاؤ۔ میں مرکز سے آپ کے لئے یہی خوشبو محبت والفت کی لایا ہوں اور میں نے یہاں کی جماعت کے قلوب میں اخلاص و محبت کے جذبات پائے ہیں۔ ایک دوسرے کی خوبیوں پر نظر رکھو۔ ان کی کمزوریوں کو نظرانداز کرو۔ یہی طریق کار نفسیاتی علم بھی ہمیں دیتا ہے اگر کامیابی چاہتے ہو تو ایک دوسرے کی خوبیوں کی مہک و خوشبو کو پھیلاؤ۔ ہر مجلس میں اپنے بھائیوں و ہم جماعتوں کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرو۔ خدا تمہارے ساتھ ہے۔

اطاعتِ امیر بہرحال ضروری ہے

حضرت ابنِ عباس سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو شخص امیر قوم میں ایسی چیز دیکھے جسے وہ پسند نہ کرے تو چاہیئے کہ وہ صبر کرے (اور معاملہ پر غور کرتا رہے شاید وہ خود غلطی پر ہو) پس جو شخص بھی جماعت سے ایک بالشت جدا ہو (اور جماعت میں انتشار پیدا کیا) وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"

دکھ برداشت کرکے جماعت کو انتشار سے بچانا چاہیئے

وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ سلمہ بن یزید الجعفی نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا نبی اللہ اس بات کے متعلق ہمیں ہدایات صادر فرمائیں کہ اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہوں جو ہم سے اپنا حق (اطاعت) مانگیں مگر ہمارے حق (حقوق العباد) کی رعایت نہ رکھیں حضور نے فرمایا: ان کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ (بغاوت سے باز آؤ کیونکہ جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اور کمزور ہو کر وہ تباہ ہو جائے گی۔) یقیناً وہ (امراء) اپنے کئے کی سزا پائیں گے اور تم اپنے اعمال (صبر و تحمل) کی جزا پاؤ گے (اللہ تعالےٰ خود ایسی صورت پیدا کر دے گا جس سے اصلاح حال ہوا اور قوم اتفاق و اتحاد کی مضبوط چٹان پکڑی ہو جائے گی۔)

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم

قومی تعمیر کے اصول

شیخ غلام قادر صاحب

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو سلطنت و حکومت بخشی تو ساتھ ہی ساتھ تمام متعلقہ فرائض سے انہیں روشناس فرمایا۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (حج)

ترجمہ:۔ وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں تمکن کر دیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے اور ہر کام انجام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

یہ فرائض جلیلہ اصولاً چار اقسام پر مشتمل ہیں۔ مذہب۔ اشاعت مذہب اخلاق اور سیاست، صحابہ کرام نے ان فرائض کی انجام دہی میں جس ایثار اور قربانی کا نمونہ دکھایا یا اس کی مثال کسی قوم کی تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔

فاروق اعظم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ صبح سویرے اٹھتے تو ان کا پہلا کام یہ ہوتا کہ نماز تہجد کے بعد سونیوالوں کو صبح کی نماز کے لیے جگاتے۔ اور آخری کام یہ تھا کہ عشار کی نماز کے بعد مسجد میں آتے اور سوائے ان لوگوں کے جو نماز میں مصروف ہوتے سب بیکار آدمیوں کو وہاں سے نکال دیتے (خلاصۃ الوفا)

رات کو اُٹھ کر مدینہ کا پہرہ دیتے چنانچہ ایک دن آپ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی معیت میں رات کو مدینہ کا دورہ کر رہے تھے تو ایک مکان (جو ربیعہ بن امیہ کا تھا) میں روشنی نظر آئی اور شور و شغب کی آوازیں سنائی دیں نزدیک پہنچنے پر معلوم ہوا کہ مکان کا دروازہ بند ہے آپ نے (حضرت عمرؓ نے) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس وقت شراب پی رہے ہیں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں (عبدالرحمٰن) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تجسس کی ممانعت فرمائی ہے لہٰذا دونوں واپس لوٹ گئے (سوۂ صحابہ بحوالہ اصابہ)

لنگر خانہ کی دیکھ بھال

مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ جاری تھا، فاروق اعظم اس ادارہ کا بنفس نفیس جائزہ لیتے رہتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے تھے۔ باہر سے ایک قاصد ایسے وقت مدینہ پہنچا جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عصا ہاتھ میں لیکر لوگوں کے کھانے کا اہتمام کر رہے تھے۔ عشار کے بعد مسجد میں ہر نو وارد شخص سے پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے یا نہیں اور بھوکوں کو لنگر خانہ میں لے جا کر کھانا کھلاتے۔

فوج کے ساز و سامان کا فکر

فوجوں کی روانگی کے متعلق ساز و سامان کی تیاری میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ نہاوند کے معرکہ کا زور آیا تو رات اسی اضطراب میں رکاوٹیں بدل بدل کر کاٹی (طبری) قادسیہ میں جب ایرانیوں سے مقابلہ ہوا تو صبح کے وقت سے لیکر دوپہر تک گزرنے والے شتر سوار سے معرکہ قادسیہ کے حالات دریافت فرماتے رہتے

رعایا کی خبر گیری یا قوم کا فکر

رعایا یا قوم کی خبرگیری کا خاص اہتمام تھا ہر علاقہ سے آنے والے اشخاص سے لوگوں کے مذہبی، تمدنی۔ معاشرتی۔ اقتصادی حالات دریافت فرماتے اور انکی ضروریات کی تکمیل کے لیے گورنروں کو ہدایات بھیجتے۔ خود بھی تمام ملک کے دورہ کا ارادہ فرمایا اور اس دورہ کا پروگرام اس طرح مرتب فرمایا۔ دو مہینہ شام میں۔ دو ماہ جزائر میں۔ دو ماہ مصر میں، دو ماہ بحرین دو ماہ کوفہ اور دو بصرہ میں قیام کیا جائے تاکہ قوم کے ان افراد کی ضروریات سے بلا واسطہ علم حاصل کیا جائے جن کی آواز عملاً آپ تک نہیں پہنچاتے لیکن صرف شام کا دورہ ہی کر سکتے۔

بیت المال کی نگرانی

صدقہ کے جانوروں کی حفاظت اور نگرانی خود فرماتے تھے چنانچہ ایک روز جب کہ لو چل رہی تھی اور زمین آتش کا انگارہ بن رہی تھی حضرت عثمان نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ دو اونٹوں کو ہانکے ہوئے لے جا رہے تھے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دو صدقہ کے اونٹ بھاگ گئے تھے انہیں پکڑ کر چراگاہ میں چھوڑنے جا رہے ہیں۔

ایک روز جبکہ سخت گرمی کا دن تھا سر پر چادر لپیٹ کر صدقہ کے اونٹوں کا حلیہ حضرت علیؓ سے قلمبند کروا رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ بھی موجود تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخاطب ہو کر فرمایا" حضرت شعیب کی لڑکی نے حضرت موسےٰ کی نسبت کہا تھا

ان خیر من استاجرت القوی الامین یعنی جس کو آپ نے نوکر رکھا ہے وہ قوی اور امین ہے لیکن وہ قوی امین یہ (عمرؓ) ہیں (اسد الغابہ)

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کو تیل مل رہے تھے ایک شخص نے کہا یہ کام کسی غلام کے سپرد کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھ سے بڑھکر کون غلام ہو سکتا ہے جو شخص مسلمانوں کا ولی ہے وہ مسلمانوں کا غلام ہے۔

مارکیٹ کی نگرانی

بازار کی نگرانی کا کام اگرچہ حضرت عبداللہ اور حضرت سائب بن زید کے سپرد تھا مگر خود بھی دورہ فرمایا کرتے تھے (کنز العمال)

ایک دن بازار سے گزرے دیکھا کہ حاتم بن بلتعہ منقہ بیچ رہے تھے وہ ایسے بھاؤ پر بیچ رہے تھے جو دوسروں کے نقصان کا باعث تھا) بولے یا تو بھاؤ بڑھا دو یا اسے اٹھا کر بازار سے لے جاؤ۔

وظائف کی تقسیم

بیت المال سے مسلمانوں کے جو وظائف مقرر تھے حضرت عمرؓ خود رجسٹر ہاتھ میں تھام کر لوگوں کے گھروں میں وظائف پہنچاتے تھے (فتوح البلدان) حضرت عثمان رضی اللہ نے بھی اس سنت کو قائم رکھا۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ وہ ممبر پر تھے اور موذن اقامت کہہ رہا تھا لیکن وہ (عثمان رضی اللہ) اس حالت میں بھی لوگوں کے حالات اور بازار کا نرخ پوچھ رہے تھے

خلفار کی دیانت

خلفار کی حفاظت میں سب سے ضروری چیز بیت المال تھا جبکہ دنیوی بادشاہ اپنی اغراض کے لیے سلطنت کا مال بیدریغ خرچ کرتے ہیں صحابہ کرام نے اس خزانہ کی اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کرتے ہیں صحابہ کرام نے اس خزانہ کی اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کی۔

مولانا مرتضیٰ خان حسن صاحب

ایفائے عہد یا وعدہ کا پورا کرنا

زمانہ نبوت سے پہلے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص عبد اللہ ابن ابی اسما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تجارت کا معاملہ طے کیا۔ اسی اثنا میں اسے کسی دوسری جگہ کا خیال آ گیا۔ اس نے آپ سے عرض کی کہ آپ یہیں انتظار کیجئے۔ میں ابھی ایک کام کر کے واپس آتا ہوں۔ اور پھر آپ سے معاملہ طے کرتا ہوں۔ یہ کہکر وہ شخص چلا گیا۔ لیکن اتفاقاً اپنا وعدہ بھول گیا اور تین دن کے بعد اس کو خیال آیا۔ کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وعدہ دے آیا تھا کہ میں ابھی واپس آتا ہوں۔

وہ اس جگہ پر آیا جہاں پہلے ملاقات ہوئی تھی دیکھا کہ حضور بدستور اس جگہ موجود ہیں اس کو دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا میں تین دن سے آپ کی راہ دیکھ رہا ہوں۔ وہ شخص بہت نادم ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے آپ کے ایفائے عہد کی تعریف کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ حضور نے کبھی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی چنانچہ قیصر روم نے ابوسفیان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوالات کئے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد (صلعم) نے عہد کی خلاف ورزی کی ہے؟

ابوسفیان نے نہایت صاف لفظوں میں اقرار کیا کہ حضور نے کبھی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی ہمیشہ اپنے قول و قرار کا پاس کیا ہے اور ہمیشہ ایفائے عہد کیا ہے

صلح حدیبیہ کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مکّہ کا باشندہ اسلام لاکر مدینہ آ جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پناہ ڈھونڈے تو آپ اس شخص کو فوراً مکّہ والوں کے پاس بھیج دیں گے۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد ایک نومسلم ابوجندل مکّہ والوں کی قید سے بھاگ کر مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پناہ کا خواستگار ہوا جب اس نے اپنی درد بھری کہانی سنائی اور کفار کے ظلم و ستم بیان کئے اور اپنے جسم کے زخم دکھائے تو مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور خود حضور بھی آبدیدہ ہو گئے لیکن چونکہ عہد کر چکے تھے کہ مکہ سے آنے والوں کو پناہ نہیں دیں گے اسلئے حضور نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا۔

"ابوجندل! صبر کرو۔ خدا تمہاری مشکلات دور فرمائے۔ تمہاری تکلیفوں کا ہم سب کو بہت احساس ہے۔ مگر مجبوری یہ ہے کہ ہم مکہ والوں سے عہد کر چکے ہیں کہ کسی آنے والے کو پناہ نہیں دیں گے عہد کی پابندی ضروری ہے"

ان الفاظ کے ساتھ حضورؐ نے باچشم تر ابوجندل کو واپس مکہ میں بھیج دیا۔ ابوجندل کی تکلیفات پر حضورؐ کو رحم تو بہت آیا مگر عہد کو توڑنا حضور کو کسی صورت میں منظور نہ تھا۔

کلام الامام

وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی ۔۔۔ دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے ۔۔۔ وہ طیب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے
حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے ۔۔۔ جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے
آنکھ اس کی دور بیں ہے دل یار سے قریں ہے ۔۔۔ ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیا یہی ہے
جو راز دیں تھے بھارے اس نے بتائے سارے ۔۔۔ دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے

مہمان نوازی اور ایثار

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے مہمان نواز تھے۔ خود بھوکے رہتے اپنا کھانا مہمانوں کو کھلا دیتے ہیں۔ آپ کے صحابہ کا بھی یہی طریق تھا۔

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں مہمان آیا اس وقت حضور کے گھر میں سوائے پینے کے کچھ نہ تھا۔ اس لیے حضور نے اپنے صحابہ سے فرمایا کون شخص میرے مہمان کو کھانا کھلائے گا؟ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں حضورؐ کے مہمان کو کھانا کھلاؤں گا۔ وہ مہمان کو گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے پوچھا کہ مہمان کے لیے کھانا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ محض بچوں کیلئے کھانا ہے۔ اس سے زیادہ تو نہیں ہے اور نہ گھر میں کوئی اور چیز ہے کہ تیار کر دوں۔ تھوڑی دیر سوچ کر وہ صحابی کہنے لگے "اچھا ایک ترکیب ہے، تم جو کچھ تیار ہے مہمان کو دے دو اور جب کھانا اسکے سامنے رکھا جائے تو تم روشنی بجھا دینا۔ میں یونہی منہ ہلاتا رہوں گا جس سے مہمان سمجھے گا گویا میں کھانا کھا رہا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اسطرح مہمان کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا گیا۔ اور وہ صحابی خود بھوکے رہے۔

مسلمانوں کو تعلیم دی گئی تھی کہ وہ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو مقدم رکھیں۔ چنانچہ وہ اکثر دوسروں کو کھانا کھلا دیتے تھے اور خود بھوکے رہتے۔ اپنے کپڑے دوسروں کو پہنا دیتے اور خود تکلیف سے گزارہ کر لیتے۔ دوسروں کے لیے اپنی جان پر تکلیف اٹھا لینا اس زمانے کے مسلمانوں کے لیئے ایک معمولی بات تھی قرآن مجید میں ایسے ہی مسلمانوں کے لیئے آتا ہے **ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة**

یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر دوسروں کو آرام اور راحت پہنچاتے ہیں اور دوسروں کی حاجت پوری کرتے ہیں۔ ایک لڑائی کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ تین مسلمان عکرمہ، سہیل اور حارث زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے ان کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا اور نزع کی حالت طاری تھی، تینوں کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ ایک مسلمان جلدی سے پانی کا پیالہ لایا۔ اور جلدی سے عکرمہ کے لبوں سے لگایا لیکن عکرمہ نے اپنے ساتھی سہیل کی طرف اشارہ کیا پہلے انکو پلاؤ جب سہیل کے سامنے پیالہ گیا تو انہوں نے حارث کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے انکو پلاؤ۔ لیکن جب حارث کی طرف پیالہ لایا گیا تو انہوں نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے انکو پلاؤ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیچارے تینوں ایک دوسرے کے لیے ایثار کرتے ہوئے خدا سے جا ملے۔

اس مثال میں ایثار کی حد ہو گئی۔ زخمی ہو کر زمین پر گرے ہوئے ہیں۔ زخموں سے خون جاری ہے شدت کی پیاس لگ رہی ہے۔ نزع کی حالت طاری ہے۔ پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہیں لیکن کس قدر ایثار ہے کہ خود نہیں پیتے اور دوسرے کی ضرورت کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح سے ایک دوسرے کے لیے اپنے نفس کی قربانی کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہوتے ہیں مردان خدا جو دوسروں کے لیے اپنی جان بھی دے دیتے ہیں۔

درحقیقت یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ اے خدا! تو ہم کو بھی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور ہمارے اندر وہ خوبیاں پیدا کر جو پہلے زمانہ کے مسلمانوں کے اندر تھیں: تاکہ ہم بھی دین و دنیا میں سرخرو ہوں۔

اعتذار:- جلسہ سالانہ کی مصروفیت اور کاتب صاحب پیغام صلح کی ناسازیٔ طبیعت کے باعث پرچہ تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ اس تاخیر کے لئے ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

تنظیم خواتین احمدیہ کا سالانہ جلسہ

منعقدہ مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز جمعرات

رپورٹ :۔ ——— مولوی شفقت رسول خان

تلخیص و تصحیح :۔ ——— نائب مدیر

جلسہ کی کارروائی پروگرام کے مطابق زیر صدارت محترمہ عطیہ صاحبہ نومسلمہ از ساؤتھمٹن شروع ہوئی۔ طاہرہ جنجوعہ صاحبہ نے تلاوت قرآن پاک کی۔

محترمہ بیگم زکیہ شیخ صاحبہ صدر تنظیم خواتین احمدیہ :۔ نے اپنی استقبالیہ تقریر میں انگلستان۔ ہالینڈ، سُرینام۔ امریکہ اور پاکستان سے آمدہ خواتین کا خیر مقدم کیا اور فرمایا۔ آپ کے آنے سے حضرت مجدّد صد چہاردہم کے ساتھ خدا تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو رہا ہے ۔ کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"۔ ہمیں خدا تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ مسلمان احمدی گھرانوں میں پیدا کیا جو ہمارے لئے باعثِ صد فخر ہے ۔ جلسہ میں جہاں مل بیٹھنے کا موقعہ ملتا ہے وہاں اجتماعی روحانی انعامات سے بھی حصہ ملتا ہے۔ محترمہ صدر صاحبہ نے خواہش ظاہر کی کہ تمام شہروں میں جہاں ہماری بہنیں رہتی ہیں وہاں تنظیم خواتین کی شاخیں قائم ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ دست کاری کے ذریعہ خواتین نے ایک معقول رقم تبلیغ و اشاعت اسلام کی مد میں دی ہے ۔ پندرھویں صدی ہجری ہمارے لئے خوش آئند ہے کہ آج یہاں دنیا کے کناروں سے ہمارے بھائی اور بہنیں آئی ہیں یہ خدا کا عظیم فضل ہے کہ آج سُرینام۔ ویسٹ انڈیز۔ ہالینڈ۔ لندن۔ جنوبی افریقہ۔ شمالی امریکہ۔ انڈونیشیا اور فیجی تک سے ہمارے بہن اور بھائی تشریف لائے ہیں جو خوشی و مسرّت کا باعث ہے :

محترمہ زکیہ عبداللہ صاحبہ آف امریکہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حدیث مجدّد حق ہے کیونکہ یہ زبانِ نبوّت ہے ۔ علماء کرام کا فرض ہے کہ حدیثِ مجدّد کو غلط ثابت کریں ورنہ حضرت مجدّد صد چہاردہم کی صداقت میں کیا شک ہے ۔ اس کے بعد باہر سے آمدہ خواتین کا تعارف کرایا گیا ۔

نسیم شیخ صاحبہ نے حضرت صاحبؒ کا کلام ترنم سے سنایا ؛

شاہدہ رفعت عزیز نے تقریر کرتے ہوئے گھریلو نظام پر بحث کی اور بتایا کہ یہ نظام مرد اور عورت کے وجود سے قائم ہے ۔ مرد اور عورت کے باہمی تعاون سے یہ جنت کا نمونہ بن جاتا ہے ۔ اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت وراثت کے مال کی سی تھی ۔ لیکن اسلام نے اس کو مرد کے برابر حقوق دیئے ہیں مرد اور عورت دونوں کو نیچی نگاہ رکھنے کا حکم ہے۔ عورت اپنے اموال کی مالک اور وارث ہوتی ہے ۔ خدا تعالیٰ نے عورت کو اسلام میں بڑا بلند مقام عطا فرمایا ہے ۔

محترمہ زمرّد رمضان صاحبہ مشنری کارکن ہالینڈ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ہالینڈ میں "تنظیم خواتین قائم ہے اور وہاں بچّوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے ۔ مادی وسائل اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے پاس موجود ہیں لیکن دینی لٹریچر کے بارے میں ہم اپنے مرکز کی مدد کے خواستگار ہیں تاکہ دینی لٹریچر لوگوں تک پہنچایا جائے ۔ اور یورپی پرندوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا جائے۔ انہوں نے اپیل کی کہ احمدی خواتین اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور حضرت مجدد کی باتوں پر عمل کریں ۔

سائرہ فاروقی صاحبہ نے جو تنظیم خواتین کی ایک فعال رکن ہیں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ انسانی فیصلوں کی کوئی حقیقت نہیں ۔ خدا کا فیصلہ ہی حقیقی فیصلہ ہوتا ہے ۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا۔ اس لئے ہمیں ان نعمتوں کو اعتدال سے خدا کے حکموں کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے ۔ حلال ذریعہ سے مال حاصل کریں اور حلال اور جائز مقام پر ایسے خرچ کریں فضول خرچی سے دُور رہیں ۔ چنانچہ اپنے اموال سے غریبوں ۔ یتیموں اور بیواؤں کی مدد کریں ۔ بچّوں کی جائز ضروریات پوری کریں ۔ لیکن لباس ۔ شادی بیاہ اور زیب و زینت پر بیجا خرچ نہ کریں۔ اپنے اندر سلیقہ شعاری پیدا کریں۔ خدا کی راہ میں دل کھول کر دیں کیونکہ خدا کی راہ میں جو خرچ ہوتا ہے وہ ضائع نہیں جاتا ۔ مجدّد وقت نے ہمارے ذمہ یہ لگایا ہے کہ ہم اپنے اموال کو اشاعت قرآن و اسلام کے لئے خرچ کریں اور تاکہ اسلام کی روشنی تمام دنیا میں پھیل جائے ۔ خدا خوش ہو جائے ۔

محترمہ رضیّہ فاروقی صاحبہ (لندن) نے اپنی تقریر میں خدا کی امانت اور قوم کی دولت کے عنوان سے ماں بچّے کے بارے میں ذمہ داریوں کا ذکر فرمایا۔ اور بتایا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جنّت ماں کے قدموں میں ہے ۔ ماں کی گود بچّے کے لئے پہلی تربیت گاہ ہے ۔ ایک ادیب کا قول ہے کہ جو ہاتھ بچے کے پنگھوڑے کو ہلاتا ہے وہی قوموں کی تقدیر بھی بدل دیتا ہے ۔ اپنے بچّوں کو ہر ایک چاہتا ہے لیکن بچوں کو قومی سطح پر محبت کی نظر سے دیکھنا ہی قوم کی تعمیر و ترقی کا باعث ہے ۔ موصوفہ نے "لندن میں بچّے کی اہمیّت" کو بیان کیا کہ وہاں بچے کی بہبود کے لئے ہر ادارہ خواہ وہ صحت سے متعلق ہے یا تعلیم سے یا پولیس سے تعلق رکھتا ہو وہ اپنی ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کرنے میں کوشاں رہتا ہے ۔ بچے کے پیدا ہونے سے لے کر سولہ سال کی عمر تک ہر بچّے کو تقریباً چار سو روپے (پاکستانی) ماہوار وظیفہ ملتا ہے ۔ تاکہ اس کی ضروریات پوری ہو سکیں ۔ یہ تو ان لوگوں کا طرز زندگی ہے جن کی روحانی آنکھ اندھی ہے ۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے بچّوں کی نگہداشت کا پورا پورا احساس کریں اور ان کی تعلیم و تربیت میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں ۔

محترمہ زاہدہ جنجوعہ نے حضرت مجدّد صد چہاردہم کا کلام ؎

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے ۔

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے ۔

ترنم سے پڑھ کر سنایا ؛

محترمہ آمنہ تمیم صاحبہ نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ اس زمانہ میں مادی ترقیات زوروں پر ہیں۔ پندرھویں صدی کا آغاز بے اطمینانی سے ہوا ہے ۔ دنیائے اسلام کو دینی اور دنیاوی مسائل نے گھیر رکھا ہے معاشی اور معاشرتی مسائل حیران کن ہیں۔ طاقت ور کمزور کو دبا رہا ہے مغربی طاقتیں اپنے ذرائع کو مذہبِ اسلام کے خلاف استعمال کر رہی ہیں ۔ اور خود مسلمان بھی اپنی طاقتوں کو ایک دوسرے کی بربادی پر ضائع کر رہے ہیں۔ غرضیکہ کفر و ضلالت ہلاکت و تباہی کے آثار نظر آ رہے ہیں ۔ اسلام نے جو ضابطہ حیات ہمیں دیا ہے اس پر عمل کر کے انسان ہر طرح کے نقصان سے بچ سکتا ہے ۔ اسلام نے جو نظام دیا ہے وہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے ۔ وہ روحانی نشو و نما پر زور دیتا ہے اور اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کردار کے انسان بنانا چاہتا ہے اور انسان ان امور پر عمل کر کے فرشتہ سیرت بن سکتا ہے ۔ نیز جہاں امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے ۔ جس کی طرف حضرت مجدّد صد چہاردہم نے ہمیں توجہ دلائی ہے ۔ یہ پندرھویں صدی احیائے اسلام کی صدی ہے ۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اسلام کے پاکیزہ اصولوں پر عمل کر کے دنیا کے لئے بہتر نمونہ دکھائیں ۔ آج اسلام کو عملی رنگ میں پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ عمل ہی باعث کشش ہوتا ہے ۔ اور اسی ذریعہ سے اسلام کی روشنی سے سارا عالم منوّر ہو سکتا ہے ۔

محترمہ ثریا فاروق صاحبہ نے سورہ الم تلاوت کر کے بتایا کہ میں خدا کی شکر گزار ہوں کہ اس نے صحت عطا فرمائی جب کہ معالج میری صحت سے مایوس تھے مگر میرے بہن اور بھائیوں نے میرے لئے درد دل سے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دے دی۔ اس لئے میں شکر گزار ہوں کہ ان کی اجتماعی دعاؤں کے طفیل مجھے صحت نصیب ہوئی۔ محترمہ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ وہ ہماری دعاؤں کو سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ زندگی بخشی ہے۔ دعا کریں کہ مجھے خدمتِ دین کا موقعہ ملے۔

محترمہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ نے "آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے" کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ صدی ہجری نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے شروع ہوئی اور یہ تاریخ کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ مہاجروں کا قرآن پاک نے بار بار ذکر کیا ہے۔ کہ ان ہجرت کرنے والوں کے لئے اجر عظیم ہے۔ اسی طرح چودہویں صدی ہجری کے آغاز میں ایک واقعہ ہوا جو ہماری روحانی زندگی کے لئے نمونہ ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد صد چہاردہم کو مبعوث کیا اور اس نے ہمارے ذمہ یہ کام لگایا کہ ہم اشاعت اسلام کریں ہماری جماعت گو مادی اعتبار سے کمزور ہے لیکن روحانی خزائن سے مالا مال ہے۔ خدا نے ہمیں اس لئے منتخب کیا ہے کہ ہم جہاد بالقرآن کریں اور خدا کی توحید اور دینِ اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں۔ یہ کام ہم اس صورت میں بہتر انجام دے سکتے ہیں جب ہماری صفوں میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اختلاف و انتشار کو محبت اور خلوص سے دور کریں۔

محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ نے "ضرورت مذہب" کے عنوان پر اپنی تقریر کو حضرت موسےٰ علیہ السلام کی دعا سے شروع کیا اور احمدیہ بلڈنگس میں جماعت کے بزرگوں کے دینی اجتماعات کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ اس دور میں احمدیہ بلڈنگس کی فضا نہایت شاندار تھی۔ وہ ایک دوسرے کی حالت سے آگاہ ہوتے تھے۔ اور ایک دوسرے کی تکلیف پر بے چین ہو جاتے تھے۔ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آج یہ سوال اٹھ رہا ہے کہ "مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے"۔ خدا نے ہر قوم اور ملک میں انبیاء بھیجے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زیادہ ہیں۔ وجہ یہ کہ انسان ظلوما جھولا اور سہو و نسیان کا پتلا ہے اس لئے وہ بھول جاتا ہے اور اپنے مقصد پیدائش تک سے غافل ہو جاتا ہے نفسیات کا اصول ہے کہ بار بار یاد دہانی کرائی جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں بار بار نبی بھیج کر رہنمائی کی لیکن اب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی اور آ سکتا ہے نہ شریعت اور نہ کتاب۔ اسی لئے ہماری جماعت کا عقیدہ ہے کہ "اب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا لیکن خدا کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ کا دروازہ کھلا ہے جیسے کہ سورۃ مومن آیت یلقی الروح علی من یشاء من عبادہٖ سے واضح ہے جیسے ام موسےٰ، ام مریم سے خدا نے بات کی حالانکہ وہ نبیہ نہیں تھیں۔ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجدد ہیں اور مجدد کا کام احیائے دین ہوتا ہے۔ اور دین کی حدود کی حفاظت ہے۔ اور یہی خدمت حضرت مرزا صاحب نے کی اور ہماری ذمہ داری بھی اسلام کی اشاعت قرار دی۔ اس کے بعد چندہ کی اپیل کی گئی۔

دوسرا اجلاس :- محترمہ بیگم رشیدہ ظفر صاحبہ کی صدارت میں بیگم چوہدری فضل حق کی تلاوت قرآن اور اس کے ترجمہ سے شروع ہوا۔

بیگم نصر اللہ صاحبہ نے "نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا" حضرت صاحب کا کلام ترنم سے سنایا۔

بیگم خورشید رالبو ما جد سیالکوٹ نے تنظیم خواتین سیالکوٹ کی سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے قرآن پاک اور احادیث کے حوالے تحصیل علم پر زور دیا۔ اور بچوں کی تعلیم و تربیت پر ماؤں کو اپیل کی اور توجہ دلائی۔ بتایا کہ خواتین نماز جمعہ کے لئے باقاعدہ آتی ہیں۔ یوم میلاد النبیؐ جوش و خروش سے مناتی ہیں اور ہر دینی تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔

بیگم اختر نذیر احمد صاحبہ نے کراچی تنظیم خواتین کی رپورٹ پیش کی جو خوش آئند ہے۔ اس نے بتایا غرباء میں رمضان المبارک میں کپڑے تقسیم کئے اور غرباء کی مالی امداد بھی کی گئی اور انجمن کو اشاعت اسلام کے لئے رقمیں بھیجی گئیں۔

زاہدہ جنجوعہ صاحبہ نے نظم پیش کی۔

"احمدیت کیا ہے" کے موضوع پر مجلس مذاکرہ ہوا جس میں بالترتیب ساجدہ رحمٰن، سمیرا اشرف خورشید حنا۔ ساجدہ احمد اور فہمیدہ ضیاء نے انعامات حاصل کئے ہیں یہ دونوں اجلاس بخیر و خوبی انجام پائے۔ جس نے خواتینِ احمدیہ کی دینی اور اسلامی جدوجہد کی عکاسی ہوتی تھی۔ خدا خواتین کے جذبہ حبّ اسلام کو بیش از بیش کرے۔ آمین!

اخبار احمدیہ

حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ آپ کی باصحت زندگی کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

– حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی جلسہ سالانہ کے ایام میں بہت مصروف رہے سخت سردی اور دن رات کی محنت سے آپ کی صحت بھی متاثر ہوئی۔ الحمدللہ کہ اب آپ بالکل تندرست ہیں۔ احباب جماعت اور سلسلہ کے تہجد خواں بزرگ، اشاعت اسلام کی راہ پر رواں دواں قافلۂ امام وقت کے اس قدسی نفس حدی خوان اور نشانِ صداقت مجدد صد چہاردہم کی درازی عمر کے لئے دعا فرماتے رہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہری و باطنی فیوض سے احباب سلسلہ کو زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین!

وفات :- محترمہ بیگم صاحبہ میاں فاروق احمد (راولپنڈی) کی والدہ محترمہ فوت ہو گئی ہیں مرحومہ بڑی پارسا اور نیک خاتون تھیں، مرحومہ کے شوہر ۱۹۲۴ء میں ہی وفات پا گئے تھے۔ مرحومہ نے اپنی بیوگی کا تقریباً پچاس برس کا عرصہ بڑے صبر، حوصلہ اور تحمل سے گزارا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے جنت میں درجات بلند فرمائے۔ احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

اعلانِ نکاح :-

مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء جلسہ سالانہ کے آخری دن حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے انیسہ طفیل بنت شیخ محمد طفیل صاحب کا نکاح ہمراہ طارق احمد ولد میجر محمد اسحاق صاحب مرحوم بعوض دس ہزار روپیہ حق مہر پڑھا۔ آپ نے حقوق زوجین پر پُر معارف خطبہ نکاح ارشاد فرمایا احباب کرام اس رشتہ کے جانبین کے لئے بابرکت ہونے کی دعا فرمائیں۔

ولادت اور عطیہ

وقار عبداللہ صاحب سیالکوٹ چھاؤنی کے ایک نہایت مخلص نوجوان ہیں۔ حال ہی میں خداوند تعالےٰ نے انہیں بیٹی عطا کی ہے۔ بطور شکرانہ انہوں نے ۱۰۰/- روپے عطیہ برائے اشاعت اسلام عطا فرمائے ہیں۔ جزاک اللہ۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ والدین اور بچی کو اپنے افضال سے نوازتا رہے۔ آمین!

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۴/۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء، جلد ۶۷ شمارہ ۵۲ و ۵۳، رجسٹرڈ ایل ۸۳۸